

طبع جدید

مِصْبَاحُ الْمُعَانِي

شرح اردو شرح مُلَّا جَامِي

مع اردو ترجمہ

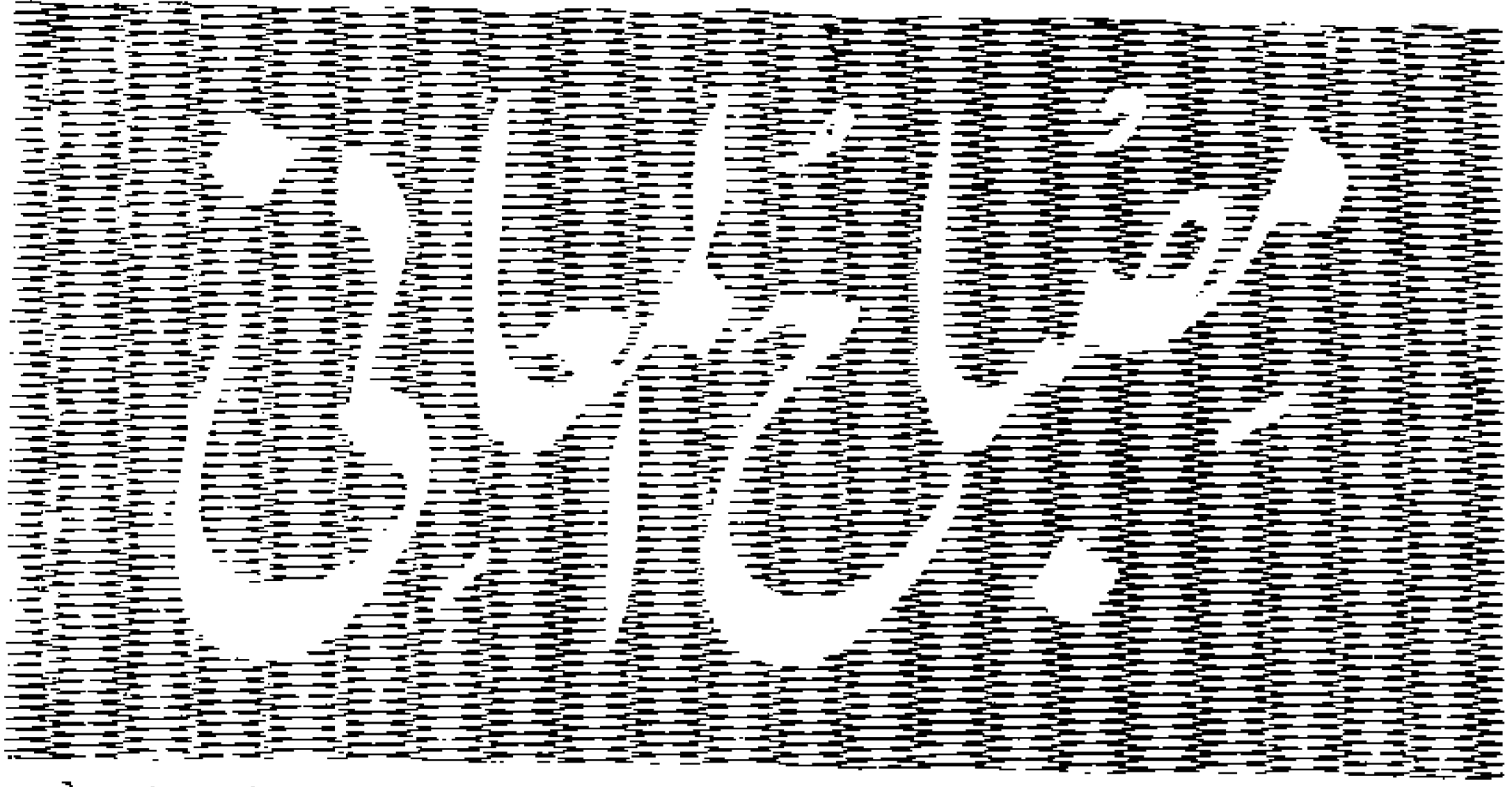
الشرح النامی

حصہ اول - دوم - سوم

مع بحث الفعل بتمامہ

مفتی اہل
آرام باغ - کراچی
مَدَنی کتب خانہ

طبع جدید



لِلإِسْتِثْنَاءِ مَوْلَانَا سَيِّدِ حَسَنٍ اسْتِثْنَاءِ النَّفْسِ بِرَحَارِ الْعِشْرِ مَرَّةٍ لِيَوْمِنَا

مع ترجمہ اردو شرح ملاح سامی

مع
بحث لفظ
بتمامہ

شرح النامی

حصہ
اول
دوم
سوم

مولانا مفتی محمد غلام سرور قادری استاد الحدیث والاؤب جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مدنی کتب خانہ آرام باغ - کراچی

جملہ حقوق محفوظ

مصباح المعانی مع الصرح النامی کی طباعت و اشاعت کے
دائمی حقوق قدیمی کتب خانہ کراچی نے فاروقی کتب خانہ
ملتان سے ایک قانونی معاہدہ کے تحت خرید لئے ہیں۔

قدیمی کتب خانہ۔ آرام باغ۔ کراچی

فهرست مضامین مصباح المعانی حصہ اول

[illegible]

فهرست مضامین مصباح المعانی حصہ دوم

۵۴	ترخیم منادی	۲۲	مندوب کی تعریف	۱۱۱۱ المنصوبات	مندوب کی تعریف
۵۵	ترخیم کے شرائط	۲۶	منادی بنی برضم	۱	مفعول مطلق کی تعریف
۶۵	مندوب پر حرف نداء کا دخول	۳۱	منادی مستقات کا اعراب	۲	مفعول مطلق کی تفسیر
۶۶	مندوب کا حکم منادی کا حکم ہے۔	۳۲	منادی کے توابع مفردہ کا اعراب	۵	مفعول مطلق کے نصب و میخوالے فعل کا حذف
۷۰	حرف نداء کا حذف	۳۹	مسئلہ مذکورہ میں نحو یوں کا اختلاف	۶	مفعول بہ کی تعریف
۷۳	منادی کا حذف	۴۱	منادی بنی برضم کے توابع کا اعراب	۱۷	مفعول بہ کی فعل سے تقدیم
۷۴	ما اضم عاملہ علی شرطیۃ التفسیر کی تعریف	۴۲	منادی معرفہ باللام کا مسئلہ	۱۹	مفعول بہ کے نصب و میخوالے فعل کا حذف
۷۶	ما اضم عاملہ علی شرطیۃ التفسیر کا اعراب	۴۸	منادی مکرر کا اعراب	۲۰	منادی کی بحث
۷۶	ما اضم عاملہ علی شرطیۃ کی نصب کہاں واجب ہے؟	۵۰	منادی مضاف پر یا نے مکمل کا اعراب		

۲۹۹	ضاربک میں مقوط تنوین کا سبب	۱۸۴	مشتنی کی مشتنی مد سے تقدیم	۹۷	موضع تہذیر
۲۹۴	موصوف کی صفت کی طرف اضافت کی بحث	۱۸۸	ماضی اور ماضی کی بحث	۱۰۲	مفعول فیہ
۲۹۸	دو محال اسموں میں اضافت کی تحقیق	۱۹۰	لیس اور لایکون کی تحقیق	۱۰۶	ظروف مبہمہ کا مسئلہ
۲۹۹	اسم کی یا ئے مشکلم کی طرف اضافت کا بیان	۱۹۲	اعراب مشتنی پر مقتضائے عامل	۱۱۰	مفعول لہ
۳۰۳	اسمائے سترہ کبرہ کی یا ئے مشکلم کی طرف اضافت	"	مشتنی منفرد	۱۱۲	مفعول لہ سے لام کا حذف
۳۰۵	ذکر کی ضمیر کی طرف اضافت جائز نہیں	۱۹۸	بدل کا موضع مشتنی پر حمل	۱۱۴	مفعول مد کی تعریف
۳۰۷	ایک اعتراض اور جامی صاحب کا جواب	۲۰۰	ماولائی تقدیر کی بحث	۱۱۸	مفعول مد میں دو وجہوں کی بحث
التوابع		۲۰۳	غیر کا اعراب	۱۲۲	حال
۲۸۷	فاعل اسمی کی جمع	۲۰۴	الاکا غیر کے منی پر محمول ہونا	۱۲۴	حال کی تعریف میں واقع فوائد قیود
۲۸۹	توابع کی تعریف پر اعتراض اور جواب	۲۰۹	سوی اور سوار کی بحث	۱۲۸	عامل حال کی بحث
۲۹۱	نعت کی تعریف پر اعتراض و جواب	۲۱۱	کان اور اس کے اخوات کی خبر	۱۲۹	عامل کی شرط
۲۹۲	نعت کا فائدہ	۲۱۳	کان کا حذف	۱۳۰	ذوالحال کا معرفہ ہونا
	نعت کی قسمیں بحال موصوف و بحال متعلق موصوف	۲۱۰	ان اور اس کے اخوات کا اسم	۱۳۲	اعتراضات اور جوابات
۲۹۵	ضمیر موصوف ہو سکتی ہے نہ وصف	۲۸۹	لائے نفی جنس کا منصوب	۱۳۴	ذوالحال کا مکروہ ہونا
۳۰۰	موصوف خاص ہو گیا یا مادی	۲۱۹	منصوب بدلے لائے نفی جنس کا جہنی ہونا	"	تقدیم حال
۳۰۱	ذولام کی وصف ذولام ہی ہوگا	۲۲۱	اسم لائے مرفوع ہونے کے مواضع اور لاکرار	۱۳۹	تقدیم حال میں نحو یوں کا اختلاف
۳۰۳	عطف کی تعریف اور فوائد قیود	۲۲۳	لا حول ولا قوۃ کے اعراب کی متعدد صورتیں	"	حال کا مشتق ہونا
۳۰۵	عطف اور اس صفت کی وجہیں ہیں پر عطف ماضی	۲۲۶	لا پر داخل ہونے والے ہمزہ استہمام کا معنی	۱۴۳	حال کا جملہ ہونا
۳۰۷	عطف کا حکم جبکہ مرفوع متصل پر عطف ڈالا جائے	"	لائے نفی جنس کی صفت کے اعراب و ہنای کی بحث	۱۴۵	حال کی قسمیں
۳۰۹	جب ضمیر مجرور پر عطف ڈالا جائے اعلیٰ و خیار لازم ہے	۲۲۸	لائے نفی جنس کی صفت کا وہی حکم ہے جو مذکر کے قریب	۱۴۷	ماضی حال واقع ہو تو قدر ضروری ہے
۳۱۲	معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہے	۲۳۲	لا ابائیہا کی ترکیب کے عدم جواز کی بحث	۱۴۸	حال کے عامل کا حذف ہونا
۳۱۵	دو عاملوں پر عطف کا حکم	۲۳۸	سیر و تحلیل اور مجہور نحو یوں کا اختلاف	۱۵۲	تمیز کی تعریف
۳۱۸	تاکید کی تعریف اور فوائد قیود	۲۴۰	ماولامشاہ بہ لیس کی خبر	۱۵۴	فوائد قیود
۳۲۰	تاکید کی دو قسمیں لفظی و معنوی	۲۴۱	ما کے عمل کے بطلان کی صورتیں	۱۵۶	تمیز کی قسمیں
"	تاکید لفظی و معنوی کی تعریف	المجسورات		۱۵۹	ناصب و تمیز
۳۲۱	تاکید معنوی کیلئے الفاظ محدود و معین ہیں	۲۴۳	مجرور کی تعریف	"	اسم کے تمام ہونے کی بحث
۳۲۲	اکنع واجع و ابیع کے معنی	۲۴۴	مضاف الیہ کی تعریف	۱۶۴	تمیز کی اضافت کی تحقیق
۳۲۳	الفاظ تاکید میں سے نفس و عین کا حکم	۲۴۹	اضافت کی قسمیں	۱۶۹	تمیز کا مشتق ہونا
"	کل واجع سے فدا جزا ہی کی تاکید نہ کی جائے گی	۲۵۰	اضافت میں حرف کی تقدیر	۱۷۱	تمیز کا جمع ہونا
۳۲۴	ضمیر مرفوع متصل کی نفس و عین سے تاکید کا حکم	۲۵۱	اضافت منی و فیوی و لامی	۱۷۳	تمیز کا حال ہونے کا احتمال رکھنا
۳۲۶	بدل کی تعریف اور فوائد قیود	۲۵۶	اضافت معنوی کا فائدہ	"	تمیز کی عامل پر تقدیم
۳۲۸	بدل کے چار اقسام اور ان کی تعریفات	۲۶۱	اضافت لفظی کی تعریف اور فوائد	۱۷۷	اس میں نحو یوں کا اختلاف
۳۲۲	عطف بیان کی تعریف اور فوائد قیود	۲۶۳	اضافت لفظی کے جواز و عدم جواز کی صورتیں	۱۷۹	مشتنی کی بحث
۳۲۷	عطف بیان اور بدل میں فرق	۲۶۵	نحو یوں کا اختلاف	۱۸۰	مشتنی کی قسمیں
		۲۶۸	اضافت لفظی میں مضاف کا معرفہ لام ہونا	۱۸۲	کلام موجب کی تعریف

فہرست مضامین مصباح المعانی حصہ سوم

۶۶	افعال قلوب کے خصائص	۲۵	آن شرطیہ شک کے معنی دیتا ہے۔	۱	فعل کی تعریف
۶۶	افعال قلوب کے عمل کا القاء (کالعدم قرار دینا)	۲۶	کلمات مجازہ کا تفصیلی بیان	۲	قرینہ فعل پر چند شبہات اور ان کا جواب
۶۶	افعال قلوب کا عمل لفظاً باقی نہ رہنا البتہ معنی	۲۶	لفظ مضارع کو ماضی بنا دیتا ہے۔	۳	مضارع فعل کی تعریف میں کیوں شامل ہے؟
۶۸	باقی رہنا۔	۳۶	لفظ اور لکھائیں فرق	۴	خواص الفعل
۷۳	افعال قلوب متعدی بیک مفعول	۳۷	کما کہ مزید خصوصیات	۵	جو لازم کا دخول۔ تاسنیت کا لحوق
۷۳	افعال قلوب کے متعدد معانی۔	۳۷	بحث الامر والامر ولا النہی	۶	فعل ماضی کی تعریف
۷۵	افعال ناقصہ	۳۸	کلمات مجازات	۷	ماضی کی تعریف پر چند شبہات اور ان کا جواب
۷۶	افعال ناقصہ کی تعریف	۳۸	اگر فعل ثانی معنی جزاء مضارع ہو تو دو صورتیں	۸	مضارع کے کثرت اور ایک شبہ کا جواب
۷۸	سترہ افعال ناقصہ اور ان کی تفصیل۔	۳۹	جائز ہیں۔	۹	ہمزہ واحد حکم کے لئے اور فون جمع مستکم کیلئے
۷۹	غیر مشہور افعال ناقصہ	۳۹	فآر جزائیہ کا لانا کب جائز، کب واجب، اور کب	۱۱	کیوں فصوص چارہ ہی قائب کیلئے کیوں؟
۸۰	افعال ناقصہ کا عمل	۳۹	منوع ہے؟	۱۲	حروف المضارع اور ان کے معنی
۸۱	”کان“ کے دیگر معنی اور احوال	۳۹	فآر جزائیہ اور اذا مفاعلیہ کا استعمال	۱۳	مضارع ہی عرب کہتا ہے۔ اس کے اعراب۔
۸۲	أَصْبَحَ، أَمْسَى اور أَضْحَى کے معانی	۳۹	فعل مضارع میں ان کب مقدر مانا جائے گا؟	۱۴	فون تاکید اور فون جمع تونث کے احوال سے
۸۵	أَضَى، عَادَ، غَدَا اور رَاح کے معانی	۳۹	پانچ قسم کے جملہ انشائیہ کے بعد ان کو مقدر	۱۵	مضارع کیوں جنی ہوتا ہے؟
۸۶	مَا تَأْتِيهِ دَائِي افعال ناقصہ	۳۹	ماننے کی وجہ	۱۶	مضارع کے اعراب
۸۷	مَا دَامَ کیوں فعل ناقص ہے؟	۳۹	الامر	۱۷	نواصب المضارع
۸۸	لَيْسَ کی بحث	۳۹	امر کی تعریف	۱۸	لَنْ تَابِيہ (میشکی) کے لئے نہیں آتا۔
۸۹	افعال ناقصہ کی خبر اسما پر مقدم ہو سکتی ہے یا نہیں؟	۳۹	امر حاضر معروف، مبنی علی السکون ہے یا معرب؟	۱۹	إِذَنْ اور کئی کثرت
۹۳	افعال مقاربہ	۳۹	امر حاضر معروف کے اول حرف کے حالات و	۲۰	حق کے بعد اُن مقدر ہو کر مضارع کو کب
۹۳	افعال مقاربہ کی تین فہرستوں کا بیان	۴۰	تغییرات۔	۲۱	نصب دے گا؟
۹۵	عَسَى کی بحث	۴۱	فعل مآلہ لُسُورَ فَاَعْلَهُ (فعل مجہول)	۲۲	لامر کی کب بعد مضارع منصوب ہوتا ہے؟
۹۸	كَادَ کی بحث	۴۱	فعل مجہول کی تعریف	۲۳	فآر کے بعد مضارع پر تقدیر اُن کی وجہ سے
۱۰۲	افعال تعجب	۴۲	فعل مجہول کے تغیرات کی تفصیل	۲۴	نصب بیشکی شرائط
۱۰۵	غیر ثنائی مجرور سے صیغہ تعجب بندنے کا طریقہ	۴۲	ماضی مجہول مثل العین میں اشام کی حقیقت	۲۵	تخصیص، تثنیٰ اور ترقی کا بیان
۱۰۵	افعال تعجب کا خاصہ	۴۲	بحث المتعدی	۲۶	وَاو اور اُو جس کے بعد اُن کو پوشیدہ مان کر
۱۰۶	صیغہ تعجب میں کسی قسم کا تغیر کرنا جائز نہیں	۴۲	فعل متعدی کی تعریف	۲۷	مضارع منصوب ہوتا ہے اس کی شرائط
۱۰۷	فعل تعجب کی ترکیب کوی پر کلام	۴۲	غیر متعدی (لازم) کی تعریف	۲۸	مذکور بالا مواقع میں ”اُن“ مصدر یہ کا ظاہر کرنا
۱۱۰	افعال مدح و ذم	۴۲	فعل متعدی کو لازم بنانے کے دو طریقے	۲۹	جائزہ یا نہیں؟
۱۱۱	فَعُو اور فَعُس کے خواص	۴۲	متعدی کے اقسام و احکام و احوال	۳۰	کن صورتوں میں اُن کا اظہار ضروری ہے۔
۱۱۲	فَعَمَلُہی کی ترکیب نحوی	۴۲	افعال القلوب	۳۱	جواز المضارع
۱۱۳	مخصوص بال مدح سے متعلق مسائل	۴۲	افعال قلوب کی تعریف	۳۲	کیفیتاً اور اِن کے مضارع کا مجرور ہونا شاذ
۱۱۵	بقیہ افعال مدح و ذم کا حال	۴۲	افعال قلوب مسند و مسند الیہ کو نصب دیتے ہیں	۳۳	ہے۔
۱۱۵	سَاءَ اور فَعُس کا ایک ہی حال ہے۔	۴۲	افعال قلوب کے مفعول کا حذف	۳۴	

سخن گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله المنعم علی نعمائه والصلوة والسلام علی هادی الطریقه وزعمائه — اما بعد
اللہ رب العزت کا انتہائی احسان ہے کہ اس نے قدیمی کتب خانہ کو طلباء اور علماء کی خدمت کا موقعہ
عنایت فرمایا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ خدمت ذر حقیقت علم دین کی خدمت ہے۔
قدیمی کتب خانہ عرصہ دراز سے اہل علم کی خدمت کرتا چلا آ رہا ہے اور اہل ذوق سے داد حاصل
کر رہا ہے۔

قدیمی کتب خانہ کی یہ نئی پیش کش جو مولانا مفتی محمد غلام سرور صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے، ایک فزید
پیش کش ہے۔ طلباء و اساتذہ کو کتاب ہذا کی مندرجہ ذیل خصوصیات کی طرف — ہم خاص طور پر توجہ دلاتے
ہیں۔ امید ہے کہ ان خاص خوبیوں کی بنا پر طلبہ اس نسخہ کو دوسرے تمام نسخوں کی نسبت بہتر پائیں گے۔
☆ متن اردو رسم الخط کی بجائے عربی رسم الخط میں لکھا گیا ہے جو کہ اس کتاب کے بارے میں پہلی گردش ہے۔ اس
سے قبل کتاب ہذا کے جملہ نسخے اردو رسم الخط میں طبع ہوئے رہے ہیں۔

☆ متن کے متعلق مقامات پر اعراب کی نشاندہی کی گئی ہے۔
☆ کتاب کے مختلف نسخے سامنے رکھ کر انتہائی عرق ریزی سے متن کی تصحیح کی گئی ہے۔
☆ کتاب کے ترجمہ کے بارے میں صرف لفظی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ جا بجا بین التورین مختصر عبارتوں
کا اضافہ کر کے افلاق و ابہام کو دور کرنے کی گردش کی گئی ہے۔
☆ انتہائی صرف کثیرے کتابت اور طباعت کا اعلیٰ ترین انتظام کرنے کی گردش کی گئی ہے تاکہ کتاب جیسے
منوی خوبیوں سے مزین ہے، صوری خوبیوں سے بھی محروم نہ رہے۔

ترجمہ و تصحیح کے بارے میں مفتی صاحب موصوف کے تعاون پر ان کا از حد ممنون ہوں کہ موصوف نے اپنی بے پناہ
مصرفیات کے باوجود اس کام کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت نکالنے کی سعی فرمائی۔ بحوالہ اللہ احسن الجنام
رہا یہ کہ ہم اپنی ان گردشوں میں کس حد تک کامیابی سے ہمارے ہوتے ہیں تو اس کا فیصلہ آپ لوگوں کے
ہاتھ میں ہے۔ کتاب کو مزید فوائد سے مزین کرنے کے لئے ہم آپ کے مشوروں کے منتظر رہیں گے۔



○ حقوق الطبع محفوظہ ○

حقوق طبع بحق قدیمی کتب خانہ محفوظ ہیں۔

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . حَامِداً وَمُصَلِّیاً وَمُسَلِّماً عَلٰی حَبِیْبِهِ الَّذِیْ هُوَ

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رُوِّفَ رَحِیْمٌ ؕ

علمِ نحو

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جن صفات کی بنا پر باقی مخلوق پر امتیاز و شرف بخشا ہے ان میں سرِ فہرست انسان کی قربتِ نطق ہے، جس کے ذریعے انسان مافی الضمیر کے اظہار و بیان کی قدرت و صلاحیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس خانہ مالک نے اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرمایا ہے۔ خلق الانسان علمہ البیان (القیۃ) کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے مافی الضمیر کے اظہار و بیان کی تعلیم دی اور مافی الضمیر کا اظہار و بیان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ کلام کے اجزاء و الفاظ کو ترکیب و ترتیب دینے اور ان کے صحیح طور پر تلفظ و سکھ کا علم و ادراک نہ ہو جس کا دار و مدار علم صرف و نحو پر ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے: الصرف أم العلوم والنحو ابوها۔ علمِ نحو کو خصوصیت سے یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے واضح آدابِ الامت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ الفاعل مرفوع والفعل منصوب والمضاف الیہ مجرور کہ فاعل مرفوع اور مفعول منصوب اور مضاف، الیہ مجرور ہوتا ہے۔ آپ ہی کی زبان و دہشاں سے نکلے ہوئے الفاظ، اصول رہنما ہیں۔ علمِ نحو دراصل ان اصولوں کا نام ہے جنہیں عمل میں لا کر عرب و عجمی ہونے کی حیثیت سے ام و فعل اور صرف کے اواخر کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ متکلم غلط تلفظ سے محفوظ رہتا ہے اور مہربانی ہونے کی حیثیت واحد سے کلمہ اور کلام علمِ نحو کا موضوع بحث ہے۔

کافیہ اور اس کے مصنف

علمِ نحو میں آج تک غنّی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ ان میں اختصار و جامعیت کے اعتبار سے کافیہ جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب گروہ زعمشری کی مفصل کا اختصار ہے تاہم مصنف علیہ الرحمۃ کی علمِ نحو میں مجتہدانہ بصیرت اور خدا داد صلاحیت نے اس کتاب کو مفصل سے قطعی مختلف و ایک مستقل تصنیف کی صورت عطا فرمائی ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے مؤلف جمال الدین بن حاجب ہیں جنہیں حضرت مولانا عارف جامی جیسی جلیل القدر شخصیت "العلامۃ المشہر فی المشارق والمغرب" جیسی صفات سے یاد فرما رہے ہیں۔ صاحب کافیہ ابن الحاجب کی کنیت سے مشہور ہیں کہ آپ کے والد ماجد اپنے زمانہ کے بادشاہ کے دربان تھے۔ ابن حاجب علیہ الرحمۃ نے اس کتاب سے علمِ نحو کی بڑی خدمت کی ہے؛ بلکہ ایک طرح کی جدت بخشی ہے۔ اس طرح اگر انہیں سائیں صبی کا مجدد کہا جائے تو بجا ہے۔ آپ نے ۶۱۴ھ میں وصال فرمایا۔

کافیہ چونکہ نہایت جامع اور مختصر کتاب تھی اس لئے اس کے بعض جہات کے سمجھنے میں طالب علموں کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ خود حضرت

شرح جامی اور اس کے مصنف

شارح علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے مولانا ضیاء الدین یوسف بھی اس کے شاگرد تھے۔ علاوہ انہیں چونکہ مولانا جمال الدین ابن حبیب علم نحو پر مجتہدانہ عبور رکھتے تھے۔ اسی مجتہدانہ بصیرت نے علم نحو کے بعض مسائل میں ابن صاحب کو مجہور سخاۃ سے منفرد بھی کر دیا۔ جیسے کہ صاحب مطالعہ پر یہ حقیقت واضح ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس طرح کی ایک ایسی شرح لکھی جائے جو نہ صرف کافیہ کے مشکلات کو حل کرے بلکہ اس بات کی بھی نشاندہی کرے کہ صاحب کافیہ کون کون سے نحوی مسائل میں مجہور سخاۃ سے منفرد ہو گئے۔ فاضل ہندی اور جناب رمنی کی شرح اگرچہ پہلے سے موجود تھیں، مگر ان سے کافیہ کی شرح کا حق ادا نہیں ہوا تھا بلکہ ہندی اور رمنی کے بعض مقامات محتاج تنقید ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے کافیہ کی شرح "فوائد ضیائیہ" کے نام سے لکھ کر نہ صرف کافیہ کی کما حقہ توضیح و تشریح اور اس کے مشکلات کا صحیح حل فرمایا بلکہ موقع بہ موقع فاضل ہندی اور شارح رمنی کے بعض خیالات پر تنقید فرما کر ان کی اصلاح بھی کرتے چلے ہیں۔ شرح جامی فلم نحو میں ایک عظیم الشان اور معیاری کتاب ہے۔ شرح جامی کے بارے میں علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ شرح جامی خواندہ باقی چہ ماندہ کہ جب شرح جامی پڑھ لی تب باقی کیا رہا۔

حضرت مصنف شیخ عبدالرحمن جاتی ہیں۔ آپ کا لقب عماد الدین اور عرف نور الدین اور تخلص جامی ہے مرنے ۷۳۔ شعبان ۱۲۸۱ھ غراسان کے ایک قصبہ جام میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد شیخ الاسلام احمد جامی کے محام (بیاد معرفت) کی طرف نسبت سے آپ کا تخلص جامی ہے اور قصبہ جام کی طرف نسبت کرنے سے بھی یعنی شیخ الاسلام کے جام علم معرفت سے فیض حاصل کرنے اور قصبہ جام کے رہنے والے چنانچہ آپ خود ان دونوں نسبتوں کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں۔

مولد جام در شہ قلم جرمہ جام شیخ الاسلامی است

لا جرم در جرمہ اشار بدو معنی تخلص جامی است

یعنی میری پیدائش قصبہ جام میں ہے اور میرا شہ قلم (علم) شیخ الاسلام کے پایے کا ایک گھونٹ ہے۔ بہر صورت اشار کی کتاب میں ان دو معنوں میں میرا تخلص جامی ہے۔

آپ امام اعظم امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے تلمیذ خاص جناب امام محمد علیہ الرحمۃ کی نسل سے ہیں اپنے صرف و نحو کی تحصیل اپنے والد ماجد شیخ الاسلام احمد جامی سے کی۔ پھر ہرات پہنچ کر علامہ حنیفہ علیہ الرحمۃ سے فقہ المعانی و مطول پڑھی پھر خواجہ غلام محمّدی کے درس میں حاضر ہوئے جو میر سید شریف جرجانی کے شاگرد رشید تھے۔ نیز علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ کے سلسلہ تلامذہ کے عظیم فاضل مولانا محمد جاجری سے بھی استفادہ کیا۔

علوم ظاہر سے فارغ ہو کر مخدوم العارفین مولانا سعد الدین کاشغری کے ہاتھ پر سلسلہ عالیہ نقشبندی میں بیعت ہوئے اور خواجہ عبید اللہ اعراسی سے بھی استفادہ فرمایا۔ اکیاشی برس کی عمر میں ۱۸ ماہ محرم ۱۲۹۸ھ کو ہرات میں محال فرمایا ومن دخل مکان آمنا سے آپ کا سن وفات نکلتا ہے۔

مولانا جامی جہاں متبحر عالم، محقق و مدقن بے نظیر تھے وہاں ایک باکمال عارف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو جو محبت تھی اس کا اندازہ آپ کے اسی نعتیہ کلام سے

بخوبی لگ سکتا ہے جو آپ نے بارگاہ نبوت علی صاحبہا الفخار والفتیۃ میں مذکور کیا جسے کلیات جامی میں دیکھا جاسکتا ہے

صورت حال

شرح جامی کے بارے میں اساتذہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ جہاں کافہ کی عمدہ اور بے نظیر شرح ہے وہاں حضرت جامی علیہ الرحمۃ کے کمال علمی کا بھی عظیم شاہکار ہے اگر حقیقت میں نگاہ سے دیکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آج کے طلبہ کی اکثریت شرح جامی کو سمجھنے کے قاصر ہے بلکہ اس وقت درس و تدریس میں زوارہ استاد بھی شرح کے مطالعہ کے بغیر اس کتاب کو سمجھنے سے معذور نظر آتے ہیں شرح جامی کی شرحوں میں تو بہت لکھی گئی ہیں مگر اسے صحیح طور پر حل کرنے اور شارح کی عبارات کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرنے کو کوئی ایک جامع کتاب نہیں ہے۔ شرح جامی کے مطالب کو پوری طرح سمجھنا مشکل ہے جب تک کہ متعدد شروح و حواشی زیر نظر نہ ہوں۔ آج کے ترقی اور غفلت کے دور میں جہاں نظام زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب آچکا ہے۔ وہاں شعبہ تعلیم و تدریس میں بھی روح فرسا تغیر آچکا ہے۔ پہلے اساتذہ و طلباء میں یہ جذبہ ہوتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت صرف کر کے پڑھا پڑھایا جائے، مگر آج یہ خیال دامن گیر رہتا ہے کہ جلدی سے جلدی فارغ ہوا جائے۔ اس غفلت بازی کا نتیجہ ہے کہ طلباء میں وہ قابلیت غالباً مفقود ہو چکی ہے جو پہلے طلبہ میں ہوتی تھی اور اساتذہ میں بھی درس و تدریس کا وہ جذبہ سرور پڑ گیا ہے جو پہلے اساتذہ میں کارفرما ہوتا تھا۔ اس کی کمی ایک وجوہات ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ طلبہ کی محبت پسندی اور قلت وقتی کے احساس نے ان پر کتابوں کا ناقابل برداشت بوجھ ڈال دیا ہے۔ ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا تھا کہ ”ایک خزانہ یک شوی دو خوابی دو شوی سہ خوابی“ یہ شوی کہ ایک سبق رکھو گے اور اس پر وقت صرف کر دے گے تو کچھ روزگار بنو گے اور دوستی پڑھو گے تو تمہارا نامی اور بھی ہوگا اور اگر تین سبق پڑھو گے تو کہیں کے نہیں رہو گے۔ اب تین تو کجا رہے چھ چھ اسباق بہ یک وقت پڑھائے جاتے ہیں۔ اتنے زیادہ اسباق کا استاد کیسے مطالعہ کر لے گا اور طالب علم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں اگر حرفوں کو سلام کرنے کا نام مطالعہ ہے تو وہ ضرور ہوتا ہوگا۔ اسی طرح اساتذہ کو فرصت نہیں کہ اتنے کثیر اسباق کو مختصر وقت میں کاغذ پر لکھیں۔ اس کا ناکتہ بعض علماء کو مجبور کیا کہ درسی کتابوں کو اردو زبان میں ڈھالا جائے تاکہ حالانکہ کلام لا یتروک کلام کے مطابق کتابوں سے کچھ تو طلبہ کے ہاتھ آئے گا۔ اسی جذبے سے بعض علماء نے شرح جامی کے اردو میں حواشی ارقام کئے۔ ان میں سے مصباح المعانی بھی ایک دیوبندی فاضل کی تصنیف طلبہ میں پسند کی جاتی ہے، مگر غیر ملکی مطبوع ہونے کی وجہ سے نایاب ہی ہو رہی تھی، جس سے طلبہ میں اضطراب پایا جاتا تھا۔

اس سلسلہ میں جناب عبدالمنعم صاحب فاروقی کی مساحی جلیلہ ذاتی خراج تحسین میں جنہوں نے علماء و طلبہ کے اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے مصباح المعانی کی طباعت کا پروگرام بنایا۔ نیز بعض علماء کرام و طلبہ کے اس مشورہ پر بھی ہمدردانہ خود کیا کہ مصباح المعانی کے ساتھ شرح جامی کا اردو ترجمہ بھی کرایا جائے۔

الصرح النامی

پنابچہ شرح جامی کے اردو ترجمہ کی عظیم اور بھاری ذمہ داری موصوف نے راقم سطور پر عاید فرمادی اور اس قدر مصروف ہوئے کہ راقم کو مجال انکار نہ رہی۔ اگرچہ تدریسی ضرورتاً اور بعض ذاتی معاملات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے تاہم موصوف کے اصرار کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا اسلئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی امداد و عون پر بھروسہ کرتے ہوئے راقم نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لیا۔ نیز اس بات کا بھی خیال رکھا کہ ترجمہ لفظی اور با محاورہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ مصباح المعانی کی حشیہ سوانحی سے بڑھکر نہیں ہے۔ اس سے کتاب کا مفہوم تو سمجھ میں آسکتا ہے مگر اس سے کتاب کی عبارت پوری طرح حل نہیں ہوتی۔ بحمد اللہ تعالیٰ کتاب کی عبارت کے حل کے لئے آپ راقم کے ترجمہ کو کافی اور دانی پائیں گے اور میرے خیال میں کسی کتاب کی عبارت کا حل ہونا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ مالا و ما علیہ تو خارجی باتیں ہیں جو شرح کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہیں مگر کتاب کا حل ایک علیحدہ چیز ہے جس کا تعلق لفظی اور با محاورہ ترجمہ کے ساتھ ہے۔

نہیں خیال رہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ بین القوسین اضافے اور تعلیقات سے شرح کے مغلفات و مشکلات کو حل کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ ترجمہ اور تعلیقات کو راقم الصرح النامی علی شرح النامی سے مورم کتاب ہے نیز دو قوسوں « — — » کے درمیان کی عبارت کافیہ کا ترجمہ ہے اور ایک ایک قوس (—) کے درمیان کی تعلیقات راقم کی طرف سے افادہ ہے جو ترجمہ کو مزید مفید بنانے کے لئے ایک ضروری اقدام ہے۔

ضروری گزارش

ان اہل علم حضرات سے جو اس سے استفادہ فرمائیں، درخواست ہے کہ راقم کے حق میں دعائے خیر فرمائیں نیز اگر کہیں سہو و خطا پائیں تو اصلاح فرمائیں اور راقم کو اس کی اطلاع کر دیں۔ شکریہ !
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب محرم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی او علم یتقے بہ کے مطابق اپنے اس بندہ محتاج کی خدمت علمی کا ثواب تا قیامت اس کے لئے جاری رکھے۔ آمین !
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ
و اولیاء امتہ و علماء ملتہ و بارک و سلم

حنانہ العلماء والطلبہ

مفتی محمد عرف، غلام بہر قادی

ہتم مدرسہ جامعہ تعلیمات صوفیہ

مسجد درس وال، اندرون دولت گیٹ، طمان شہر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لَوْلِيهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى نَبِيِّهِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان رحم والا ہے

۱۔ شایح جامی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کو حدیث شریف کی اقتدار کرتے ہوئے بسملہ سے شروع کیا اور پھر تحمید ذکر فرمائی اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بسملہ اللہ فہو ابتداء اور حدیث میں بجائے بسملہ اللہ بحد اللہ فہو انقطع واجزم او کما قال ! ہے دونوں حدیثیں ابتداء امر ذی شان کے لئے مروی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ابتداء بسملہ سے ہوگی تو تحمید سے نہیں ہو سکتی اور اگر حدیث سے ہوگی تو بسملہ سے نہیں ہو سکتی کیونکہ ابتداء کہتے ہیں کسی چیز کو سب سے اول واقع کرنا اس وجہ سے رفع تعارض کے لئے توجیہ کی گئی ہے کہ ابتدا بال بسم اللہ ابتداء حقیقی پر محمول ہے اور ابتدا بال تحمید ابتداء اضافی یا عرفی پر یا دونوں ابتداء عرفی پر محمول ہیں ابتداء حقیقی وہ کہ کسی چیز کو سب سے اول ذکر کرنا کہ اس سے پہلے کوئی چیز مذکور نہ ہو اور ابتدا اضافی وہ ہے کہ کسی شے کو کسی شے سے پہلے ذکر کرنا خواہ اس سے پہلے کوئی چیز ذکر کی گئی ہو یا نہ ذکر کی گئی ہو۔ ابتدا عرفی وہ ہے جو مقصود سے مقدم ہو اگرچہ غیر مقصود سے مؤخر ہو۔ تو یہاں پر بسملہ و تحمید دونوں مقصود سے مقدم ہیں یعنی شروع فی العلم سے۔ لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

۲۔ قولہ الحمد لولیہ الخ محمد کے معنی زبان سے کسی کے ایسے فعل حسن کو سراہنا جو اسکے اختیار سے صادر ہوا ہر تعظیم کے طور پر خواہ وہ فعل ایسا ہو کہ اس کا نفع غیر کو پہنچتا ہو۔ خواہ ایسا ہو کہ اس کا نفع غیر کو نہ پہنچتا ہو۔ ولی کے چند معنی ہیں لائق۔ محب متصرف صاحب قیام اور اس کے معنی لائق کے لئے جائیں تو مطلب

یہ ہوگا کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ثابت ہیں جو تعریفوں کے لائق ہے دوسرے معنی کی بنا پر یہ مطلب ہوگا کہ تمام تعریفیں محب حمد کے لئے ثابت ہیں۔ ظاہر ہے کہ سوائے خدائے برتر کے حمد کو دست رکھنے والا اور کوئی نہیں اس لئے کہ خدائے عزوجل ہی کی طرف ہر چیز میں رجوع کیا جاتا ہے لہذا محب حمد باری تعالیٰ ہی ہوا۔ دوسرے معنی کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ تمام امور کا متصرف ہے مثلاً حامد کے اندر استعداد حمد پیدا کرنا اور اسباب حمد کا مہیا کرنا صرف خدا کی ذات سے ہی ممکن ہے اسی طرح حمد کے اور جزا کا مرتب کرنا یا ملحق بہ صرف خدا کا ہی کام ہے۔ لہذا معنی یہ ہوں گے کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ثابت ہیں جو کہ ہر حمد کے امر کا متصرف ہے۔ چوتھے اور پانچویں معنی یہاں مراد نہیں۔ شایح نے اسلوب مشہور الحمد للہ سے اس لئے عدول کیا تاکہ سامع کو کل جدید لذیذ کا لطف ہو۔ بارعایت سبح کی بنا پر ایسا کیا اگرچہ سبح میں رعایت مؤخر کی ہوتی ہے مگر چونکہ سبح شایح کے ذہن میں تھا تو اس کو کالموجود فی الخارج سمجھ کر ایسا کیا۔ یا یہ وجہ ہے کہ اسم باری تعالیٰ کو ہیبت جلال کے باعث ذکر نہیں کیا یا یہ سبب ہے کہ مدعی پہلے سے متین تھا کہ حمد صرف باری تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اس لئے ایسا لفظ ذکر کر دیا جس سے اس طرف اشارہ ہو جائے یا اس لئے ذکر کیا کہ بیک وقت تمام معنی مراد لئے جاسکیں تاکہ سامع کو کئی معانی حاصل ہونے کے باعث تلافی حاصل ہو۔ الحمد فی الف لام خواہ جس کے لئے ہو یا آخری کے لئے ہر صورت میں حمد کا ہر فرد ولی الحمد کے لئے

مختص ہوگا چونکہ لام لولیہ میں اختصاص کے لئے ہے۔
۳۔ قولہ والصلوة علی نبیہ۔ صلوة اسم مصدر ہے یعنی التصلیۃ جس کے معنی شکر تمام اور رحمت کاملہ کے ہیں بخلاف اس صلوة کے کہ جس کے معنی نماز کے ہیں اس کا مصدر تضرع نہیں آتا بلکہ کہا جاتا ہے صلیت صلوة۔ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ صلوة کے معنی طلب رحمت کے ہیں لیکن یہاں پر صرف رحمت مجازی کی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ طلب سے منزہ ہے اور رحمت اگرچہ اس افاضہ خیر کو کہتے ہیں جو رقت قلب کی وجہ سے ہو لیکن یہاں پر مراد مختص افاضہ خیر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ رقت قلب سے منزہ ہے صلوة کا تعلق اگر باری تعالیٰ سے ہو تو اس کے معنی افاضہ خیر اور احسان کے ہوتے ہیں اور اگر ملائکہ سے ہو تو مراد اور نصرت اور امت کے ساتھ ہونا خواہ مراد ہوگا بعض کا قول یہ ہے کہ صلوة باری تعالیٰ سے مراد تعظیم و حرمت ہے اور ملائکہ سے ظہار کر امت اور امت سے طلب شفاعت، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صلوة باری تعالیٰ سے مراد رحمت کاملہ ہے اور ملائکہ سے استغفار اور مؤمنین سے طلب رحمت عاوند ل اور صلوة طہور سے تسبیح اعتراض ہوتا ہے کہ صلوة کے جبکہ دعا کے معنی ہیں اور دعا کے صلہ میں جب آتا ہے تو اس سے مقصود ضرر ہوتا ہے، یعنی بد دعا لہذا صلوة بھی یہاں بد دعا کے معنی میں ہوگا چونکہ دعا کا مراد ہے لہذا والصلوة علی نبیہ کہنا درست نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ مناسب تھا کہ والصلوة لنبیہ کہنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض جب ہوتا ہے جبکہ علی صلوة سے متعلق ہو اور صلوة کا صلہ واقع ہو اور یہاں علی محذوف سے متعلق ہے یعنی بصلوة نازلہ علی نبیہ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات مسلم نہیں کہ علی ہر جگہ ضرر کے لئے آتا ہے بلکہ اس وقت ضرر کے لئے ہوگا جبکہ ضرر کا قصد کیا جائے بلکہ اہل سنت کے نزدیک کبھی دعا کو علی کے ساتھ ذکر کر کے دعا خیر مراد لیا جاتا ہے علی کا شر اور

و علی آلہ

ہر طرح کی حمد مستحق حمد کے لئے ہے اور صلوٰۃ و سلام ہوں اس کے نبی اور اس کی آل اصحاب

نزدیک اہل بیت سے مراد حضرت فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ رضی اللہ عنہم ہی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان پر چادر ڈال کر فرمایا تھا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کے یہاں آل محمد سے مراد آپ کی ازواج مطہرات اور اولاد ہے، بعض نے کہا ہے کہ آل محمد سے مراد ہر مومن ہے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں یہی فرمایا تھا اگر یہاں آل محمد سے ہر مومن متنی مراد لیا جائے تو آل کے بعد اصحاب ذکر تخصیص بعد از تعظیم کے قبیل سے ہوگا معلوم ہونا چاہئے کہ اہل سنت کے نزدیک لفظ آل کی اہل آل ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ہر شے کی تصغیر شے کو اہل کی طرف لٹا دیتی ہے اور آل کی تصغیر اہل آتی ہے ہار کو خلافت قیاس ہمزہ سے بدل کر پھر بقاعدہ آمن سے ہمزہ کو الف سے بدل کر آل کر لیا گیا اہل کو ذہن کہتے ہیں کہ اس کی اہل تول ہے بقاعدہ واو متحرک بالفتح مفتوح واو کو الف سے بدل لیا گیا اب یہ بات کہ آل اور اہل میں کیا فرق ہے سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ آل کا اطلاق اشراف پر ہوتا ہے خواہ شرافت دنیوی ہو یا اخروی شرافت دنیوی جیسے آل فرعون کہ فرعون کو دنیوی جاہ و شمت حاصل تھی اور شرافت اخروی جیسے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کو دونوں اعتبار سے شرافت حاصل ہے اور اہل کا اطلاق عام ہے خواہ اشراف ہوں یا اذال اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے نبی اور آل کے درمیان علی ثلے ذریعہ فصل پیدا کر دیا حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ من فصل بینی دین الی علی فقد خانی تو مصنف رحمہ اللہ غلطاً خواہستہ اس وعید کے

وسلم ہی صلوٰۃ کے مستحق ہیں خواہ آپ کا نام لے کر صلوٰۃ بھیجی جائے یا بلا نام لئے نبیہ اضافت عبد کے لئے ہے اور مدعی متعین ہے یا یہ سبب ہے کہ مطلق نبی بول کر فرد کامل مراد لیا اس لئے کہ حضور انور ہی کامل فی النبوت ہیں اور آپ پر نبوت کا اختتام ہو چکا ہے یا یہ وجہ ہے کہ تولیہ کا جمع ہو جائے یا یہ باعث ہے کہ مصنف نے تشریح کا اتباع فرمایا تاں تعلق ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی الخ اس لئے نبی کو ذکر فرمایا نبیہ کی ضمیر بطریق استخدام حمد کی طرف راجع ہے۔ صفت استخدام وہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی صریح لفظ سے مراد لئے جائیں اور دوسرے معنی اس لفظ کی طرف رجوع ضمیر سے تو یہاں پر لفظ حمد سے اول صریح معنی لئے گئے یعنی تبار در غیب کی ضمیر لوٹنے سے دوسرے معنی یعنی محمود اور اگر اس کا مرجع دلی کو بنا میں تو اگرچہ انتشار ضائر لازم آتا ہے مگر چونکہ انتشار ضائر دو کلاموں میں واقع ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں البتہ اگر ایک کلام کے اندر ہو تو قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔

۱۰ قولہ و علی آلہ الخ آل باعتبار لفظ کے مفرد ہے اور باعتبار معنی جمع۔ آل کا اطلاق تین معنی پر آتا ہے اول مشکر اور اتباع جیسے آل فرعون دوم نفس کے معنی پر جیسے آل موسیٰ و آل ہارون و آل نوح، سوم اہل بیت پر خاص کر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آل محدود ہے جس پر حد قد حرام ہے اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا خمس مقرب ہے اور وہ صرف نبی ہاشم میں امام صاحب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اور روافض کے

ضرر کے لئے ہونا خاص کر معتزلہ کے نزدیک ہے باری تعالیٰ کا قول ہے ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوٰۃ علیہ وسلموا تسلیما حکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام تو بھیجی تو جس وقت یہ کہا جائے اللہم صل علی محمد تو خدا نے قدوس کے حکم کی تعمیل نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کاملہ کے ہیں اور یہ ہمارے بس کی بات نہیں اس لئے ہم خدا سے ہی التجا کرتے ہیں کہ ہم اس سے قاصر ہیں لہذا آپ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دیجئے اس لئے کہ ہمارے ہاں ہزاروں عیوب اور نقائص ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک ہیں لہذا ایسی ہستی پر درود بھیجنا بھی اسی ذات کا کام ہے جو تمام معاصی سے منزہ ہو اور اس کے لئے باری تعالیٰ سے بڑھ کر احد کوئی نہیں سکتا ہے لہذا اللہم صل علی محمد کہتے ہیں اس میں حکم کا خلافت نہیں بلکہ یہ انتہائی ادب و احترام پر دل ہے۔ نبی یا تو نبوت سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی اور رفعت کے ہیں اس لئے کہ نبی بھی تمام پر بلند اور رفعت والا ہونا ہے یا بنابر سے جس کے معنی خبر دینا ہے۔ اس لئے کہ نبی مخلوق کو احکام شرع سے باخبر کرتا ہے شرع میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف احکام شرع کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہو عام ازہی کہ نبی شریعت لے کر آئے یا اپنے سے پہلے پیغمبر کی شریعت کی تائید کرے اور رسول اس کو کہتے ہیں جو نبی شریعت لے کر آئے۔ رسول کا اطلاق ملائکہ پر بھی آتا ہے اس لئے رسول عام ہے اور نبی خاص جو کہ صرف بشر کے لئے ہے۔ مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی تصریح یا تو اس وجہ سے نہیں فرمائی کہ آپ کی جلالت شان کے اور پر تنبیہ کرنا مقصود ہے یا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

واصحاب المتأدین بادابہ

امابعد فہذہ فوائد وافیہ بحل مشکلات الکافیۃ

پر جو آپ کے اخلاق کو اپنانے والے تھے امابعد پس یہ فوائد ہیں جو کتاب کافیکے

مصدق ہوئے نیز اگر حدیث کر دیتے تو عبارت مختصر بھی ہو جاتی تو اس کا جواب اولیٰ ہے کہ اگر علی کے ساتھ فصل نہ کرتے تو عبارت کا وزن درست نہ رہتا اور فقرہ ثانیہ باعتبار فقرہ اولیٰ کے مختصر ہو جاتا تا ثانیہ کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ حدیث شریف میں علی سے مراد صرف جابر نہیں جو کہ اہل تشیع کا مذہب ہے بلکہ علی کے معنی رفعت اور بلندی کے ہیں مطلب یہ کہ جس نے میرے اور آل کے درمیان کسی شخص میں علو اور منزلت کو ثابت کیا تو اس نے مجھ پر ظلم کیا یہ جواب اس پر مبنی ہے کہ ہم ملتے ہیں کہ حدیث سے درجہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ اہل رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا اور پتان باندھا ہے ثالثاً بطریق تسلیم یہ جواب ہے کہ علی سے مراد حضرت علیؓ نہ کہ محمدؐ و جبرہؓ مطلب یہ ہو گا کہ جس شخص نے میرے اور میری آل کے درمیان علی سے فصل پیدا کیا (یعنی یہ کہا کہ حضرت علیؓ آپ کی آل سے ہیں) تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۵۷ قولہ واصحاب اصحاب یا تو صاحب کی جمع ہے جیسے اطہار جمع ہے طہار کی یا صاحب بکون الحار کی جیسے انہار جمع ہے حار کی یا صاحب بکون الحار کی جیسے نمک جمع اشار آتی ہے یا کہ اصحاب صحیب ببدن خیل کی جمع ہے جیسے خیرات شریف کی اور انصار بغیر کی جمع ہے بعض اہل لغت نے اعتراض کیا ہے کہ فاعل کی جمع ببدن افعال نہیں آتی تو یہ قول قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ ظاہر کی جمع ہونا صحیح ہے صحابی اس کو کہتے ہیں جسے بحالت

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو خواہ صحبت نصیب ہو یا نہ ہو اور اسلام کے اوپر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو لہذا جو شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو کر مر جائے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان نہ لایا ہو بلکہ آپ کے وصال کے بعد اسلام قبول کیا تو اس کو صحابی نہیں کہیں گے اگرچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔

۵۸ قولہ المتأدین باداب الخ ادب کے معنی نیک خصلت اختیار کرنا اور بعض کے نزدیک ہر شے کی حد کی حفاظت کرنا یعنی کوئی شے حد سے تجاوز نہ کر جائے ادب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد علم و خلق علم وغیرہم ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابی تو ہر حال میں مستحق صلوة ہیں صفت ادب کے ساتھ موصوف ہوں یا نہ ہوں تو پھر صحابہ کا یہ وصف بیان کرنا کیا معنی رکھتا ہے تو جواب یہ ہے کہ مصنف نے اس لفظ کو ذکر کر کے صنعت براحت استہلال کی طرف اشارہ کیا ہے براحت استہلال اس کو کہتے ہیں کہ غلطیوں میں ایسے الفاظ کو ذکر کرنا جس سے مقصود کی طرف اشارہ ہو جائے اور علم خود علم ادب کی ایک نوع ہے اسی وجہ سے لفظ ادب سے علم خود کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے چونکہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب پر ادب کرنے والے ہیں اس لئے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ فرض واحد کا قیام دو مختلف محلول پر لازم آتا ہے یا احراز میں نقل لازم آتی ہے حالانکہ یہ باطل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قولہ باداب سے مراد اصل آداب ہے نہ کہ حسن آداب لہذا ادب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

۵۹ قولہ اما بعد اس کی اصل مہاجن من شئی فی الدنیا بعد البطلۃ الحمد لہ ہے فعل شرط کو حذف کر دیا گیا مہاجن باقی رہا تو ہمار کو ہمزہ سے بدل کر کے مارا ہوا پھر قلب مکانی کر کے ام مارا ہوا پھر مہم کا مہم میں ادغام کر دیا گیا اما ہو گیا پھر شرط و جزا کے مابین بعد مبنی علی الضم کو داخل کیا گیا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ بعد مضاف الیہ جب محذوف منوی ہوتا ہے تو بعد مبنی علی الضم ہوتا ہے اور بعد کا مضاف الیہ البطلۃ والحمد لہ یہاں پر حذف کر دیا گیا اس لئے بعد مبنی علی الضم ہو گیا۔

۶۰ قولہ فہذہ یہ اما بعد کی جزا ہے اعتراض پر آتا ہے کہ ہذہ مشار الیہ محسوس مبصر کے لئے آتا ہے اور یہاں اس کا مشار الیہ یا نقوش ہیں یا الفاظ مخصوصہ یا جو معانی مخصوصہ پر دلالت کرتے ہیں یا وہ معانی ہیں جو الفاظ مخصوصہ سے بیان کئے جاتے ہیں یا دو کا مجموعہ ہے یعنی نقوش و الفاظ یا نقوش و معانی یا الفاظ و معانی یا کل کے کل ہیں یعنی نقوش و معانی و الفاظ اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو محسوس مشاہد ہو جو اب یہ دیا جاتا ہے کہ اس محقول کو ہمزہ محسوس قرار دے کر پھر مشار الیہ بنایا تاکہ مشار الیہ کے کمال ظہور کی طرف اشارہ ہو جائے ۱۲ منہ

۶۱ قولہ فوائد وافیہ فوائد فائدۃ کی جمع ہے اور موصوف ہے وافیہ اسم فاعل اس کی صفت ہے جس کے معنی کثیرۃ نامۃ کے ہیں یعنی یہ فوائد کثیر ہیں اور تام ہیں مطلب یہ کہ پورے پورے ہیں۔

۶۲ قولہ بحل مشکلات الکافیہ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شائع صرف مشکلات کافیکہ کو حل کر گیا اور جو مقامات مشکل نہ ہوں گے ان کے حل کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص مشکل

لِلْعَلَامَةِ الْمَشْتَهَرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ الشَّيْخِ ابْنِ الْحَاجِبِ
تَعَمَّدَ اللَّهُ بِغُفْرَانِهِ ۖ وَأَسْكَنَهُ بِجَوْحَةِ جَنَانِهِ ۖ نَظْمَهَا فِي
سُلْكِ التَّقْرِيرِ ۖ وَسَمَطِ التَّحْوِيلِ ۖ لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ ضِيَاءِ الدِّينِ يَوْسُفَ
حَفِظَهُ اللَّهُ بِجَانِهِ عَنِ مَوْجِبَاتِ التَّلَافُفِ وَالتَّاسُفِ وَتَمَيُّزِهَا

مشکلات کو حل کرنے کے لئے کافی ہیں (یہ کتاب) ایک بہت بڑے عالم مشارق و مغارب میں
مشہور شیخ ابن حاجب کی (تصنیف) ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت میں ڈھانپے اور ان
کو اپنی جنت کے وسط میں جگہ دے۔ ان فوائد کو میں نے تقریر کے دہانگے اور تحریر کی لڑی
میں اپنے بیٹے عزیز ضیاء الدین یوسف کے لئے پرویا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے رنج و غم کے
اسباب سے محفوظ رکھے (آمین) اور ان فوائد کا نام میں نے "الفوائد للضیاء" رکھا

ہے جو ساٹھ سال سے تجاوز کر جائے۔ اور
شیخ کے معنی خواجہ و مقتدا کے بھی آتے ہیں
لہذا یہ اعتراض کرنا بیکار ہے کہ ابن حاجب
اکھارہ سال کی عمر میں قتل کر دیے گئے تھے اور
اور یہ زمانہ شباب کہلاتا ہے تو شیخ کبنا صبیح
نہیں اس لئے کہ شیخ کے معنی اس جگہ مقتدا
اور پیشوا کے ہیں اور اس کے لئے ضروری نہیں
کہ وہ مہم رہے۔

۱۵ قولہ تعمدہ اللہ بغفرانہ۔ تعمد عند
(میان) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہے میان
میں لینا جو تلوار میان میں داخل کر دی جاتی
ہے وہ چھپ جاتی ہے اس لئے تعمد کے
معنی چھپانے کے کرتے ہیں۔ غفران کا تعلق
باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور تعمد عام
ہے خواہ ستر عیوب محض خدا کے فضل سے ہو
یا عسائت عباد کے باعث لہذا اب یہ اعتراض
رفع ہو گیا کہ سبب اور مسبب کے درمیان
اتحاد لازم آتا ہے اس لئے کہ تعمد سبب ہے
اور غفران مسبب۔

۱۶ واسکنتہ بجوہ جنانہ۔ کہ اسے اللہ
تعالیٰ خیال جنت کو سکائی اس کے لئے اسکن
کئے سے ماخوذ ہے نہ کہ سکون سے بجوہ جنتی

کو حل کرنا ہے تو اس کے ساتھ غیر مشکل کا حل
بھی ہو جاتا ہے اگرچہ اصل مقصد حل مشکلات
موت ہے جو کسی کتاب کی شرح پر کسی شارح کو
برخیہ کرنا ہے مگر بتنا غیر مشکل مقامات بھی
حل کئے جاتے ہیں اور ان کو علیحدہ بیان نہیں
کیا جاتا تا کہ غیر مشکل کو بھی حل کیا جائے گا۔
ایک جواب یہ ہے کہ اشکال کے معنی اشتباہ
کے ہیں اور اشتباہ ہر چیز میں ہو سکتا ہے لہذا
اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

۱۷ قولہ للعلامۃ المشتہر فی المشارق
والمغارب۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب
ایک ایک ہیں تو شارح نے مشارق و مغارب
کہیں کہا تو جواب یہ ہے کہ جمعیت باعتبار مطلع
کے ہے اس لئے کہ تم روزانہ دیکھتے ہو کہ سورج
روزانہ اپنے نقطہ سے جس جگہ پہلے طلوع ہوا تھا
ہوتا جاتا ہے اور موسم شتا میں جس جگہ سے طلوع
ہوتا ہے موسم صیف میں دوسری جگہ سے اسی
وجہ سے سردی اور گرمی کا ظہور ہوتا ہے لہذا
اس اعتبار سے کہ موسم شتا کا مطلع اور موسم
صیف کا اور مشرقین و مغربین کبنا صبیح ہے اور
اس اعتبار سے کہ روزانہ طلوع آفتاب ایک
ہی جگہ سے ہیں ہوتا ہے اس لئے مشارق
و مغارب کہنا درست ہے یا یہ جواب ہے
کہ مشارق و مغارب سے تمام عالم سے
کنایہ ہے اس لئے جو شخص دور جگہوں میں
مشہور ہو گا قریب میں بدرجہ اولیٰ مشہور
ہو گا۔

۱۸ قولہ الشیخ ابن الحاجب الشیخ
میں تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں اگر مرفوع
ہے تو مبتداء محذوف ہو کی خبر ہے اور اگر
منصوب ہے تو افعیٰ کا مفعول ہے اور اگر
مجرور ہے تو علامہ سے بدل ہے مصنف
کافیہ کا نام عثمان ہے مگر چونکہ کنیت کے
ساتھ مشہور ہیں اس لئے ابن حاجب کہا
شیخ کا اطلاق باعتبار عمر کے اس شخص پر آتا

خیال اور وسط جنان کسر الجیم جنت کو کہتے ہیں۔
۱۵ قولہ نظمتها فی سلک التقریر وسمط
التحریر۔ نظم کے معنی دہانگے میں موتی پر دینے
کے آتے ہیں مگر یہاں تالیف کے لئے استعارہ
کیا گیا ہے۔ سلک دہانگے کو کہتے ہیں جس میں
موتی پر دئے جاویں اور سمط اس دہانگے کو جس
میں موتی پر دئے گئے ہوں اس سے اس
بات کی طرف ہے کہ مصنف کا کلام مثل موتی
کے ہے صفائی اور جلا میں سلک اور سمط کی
اضافت تحریر و تقریر کی جانب از قبیل اضافۃ
المشہور الی المشہور ہے۔

۱۹ قولہ للولد العزیز ضیاء الدین
یوسف حفظہ اللہ سبب عن موجبات التلاف
والتاسف۔ مصنف کے ولد کا لقب ضیاء
الدین ہے اور یوسف نام ہے یوسف کے
اندر مثل الشیخ تینوں اعراب جاری ہو سکتے
ہیں یوسف علیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منفرد
ہے سبحانہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے
تلاف اور تاسف میں فرق یہ ہے کہ تلاف وہ
ہے کہ کسی فعل کے ارتکاب پر پشیمانی کیا جائے
اور تاسف وہ ہے کہ کسی ضروری کام کے
نہ ہونے پر پشیمانی کیا جائے نیز

بِالْفَوَائِدِ الضَّيَائِيَّةِ لِأَنَّهُ لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّالِيفِ كَالْعَلَّةِ
الْغَائِيَّةِ نَفْعُهُ اللَّهُ تَعَالَى بِهَا وَسَائِرُ الْمُبْتَدِئِينَ مِنْ أَصْحَابِ
التَّحْقِيلِ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ وَهُوَ حَسْبِي وَلَعْمَ الْوَكِيلُ
إِعْلَامُ الشَّيْخِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يُصَدِّ رِسَالَتَهُ هَذِهِ
بِحَمْدِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ بِأَنْ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا هَضْمًا لِنَفْسِهِ بِتَجْمِيلِ
كِتَابِهِ هَذَا مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ كِتَابُهُ لَيْسَ كَكُتُبِ السَّلَفِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ
تَعَالَى حَقٌّ يُصَدِّقُ بِهِ عَلَى سَنَنِهَا وَلَا يُلْزِمُ مِنْ ذَلِكَ عَدَمُ
الْإِبْتِدَاءِ بِهِ مطلقًا حَتَّى يَكُونَ بِتَرْكِهِ أَقْطَعُ لِحُجُوزِ اتِّبَانِهِ

کیونکہ ضیاء الدین یوسف اس کتاب کی جمع و تالیف کے لئے علت غائیہ کی طرح ہے۔
خدا تعالیٰ اسے اور سب علم حاصل کرنے والے مبتدیوں کو ان فوائد کے ذریعے نفع بخشے
اور مجھے الشری سے توفیق ہے اور وہی مجھے کافی اور بہتر کار ساز ہے۔ معلوم ہونا چاہئے
کہ شیخ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالے کا فیہ کو حمد خدا سبحانہ و تعالیٰ سے
اس طرح شروع نہیں کیا کہ حمد کو رسالے کا ایک حصہ بناتے اس کی وجہ ان کی کسر نفسی ہے
یہ خیال کر کے کہ بلاشبہ ان کی یہ کتاب اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے کتب سلف
رحمہم اللہ کی طرح نہیں ہے حتیٰ کہ ان کے طور و طریقے پر اس کتاب کو حمد خدا سبحانہ سے
شروع کیا جائے۔ اور (میں کہتا ہوں کہ) حمد کو کتاب کا حصہ نہ بنانے سے ہمہ وجہ سے
عدم ابتداء یا حمد لازم نہیں آتی۔ حتیٰ کہ اس صورت میں اس کے ترک سے کتاب بے برکت

بھی کہا گیا ہے کہ دونوں مترادف ہیں جن کے
معنی حزن و ملال کے ہیں اور مترادف الفاظ کا
خطبہ میں لانا جائز نہیں۔

کُلُّ قَوْلٍ وَصِيَّتًا بِالْفَوَائِدِ الضَّيَائِيَّةِ
لَا لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّالِيفِ كَالْعَلَّةِ الْغَائِيَّةِ ضَيَّارِ
الدِّينِ كَلَقِبَ كِي مَنَابِتِ كَلِّهِ عَمَلِ اس
کتاب کا نام فوائد ضیائیہ رکھا۔ علت کی چار
قسمیں ہیں فاعلی، مادی، صوری، غائی، مثلاً
بخار ایک تپائی بنا تا ہے تو بخار علت فاعلی ہوگا
لکڑی علت مادی۔ اور تپائی کا بن جانا علت
صوری۔ اور تپائی پر کتاب رکھنا علت غائی ہوگی
اس کتاب کے لکھنے کا مقصد زیادہ تر یہی ہے کہ
ضیاء الدین یوسف کو فائدہ پہنچے بالخصوص اور

عامہ ناظرین کو بالعموم لہذا یوسف ہی مثل علت
غائی ہو علت غائی اس کو کہتے ہیں جو مقدم فی
الذہن ہو اور مؤخر فی الخارج اور مقدم فی الخارج
والذہن مغایر اس لئے کہ علت الغائیہ کہا عین علت
الغائیہ نہیں کہا یا اس لئے کہ علت الغائیہ کہا کہ خود
یوسف اس کتاب کی تالیف کی علت نہیں بلکہ
اس کا علم ہے۔

قَوْلُهُ اعْلَمُ أَنَّ الشَّيْخَ الْخَوَّابَ شَارَحَ
اللَّهُ مَلَّ مَقْصِدَ كِي طَرَفَ رَجْعٍ كَرْتِے ہوں اور اعلم
سے دفع دخل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں سوال
ہوتا تھا کہ مصنف نے اپنی اس کتاب کو تجمید کے
ساتھ کیوں نہیں شروع کیا حالانکہ سلف کا طریقہ چلا
آ رہا ہے کہ جب دین کی کوئی کتاب لکھتے ہیں تو

بعد تسمیہ کے تجمید سے شروع کرتے ہیں لہذا
مصنف کو ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے شاہ
جواب یہ دیتے ہیں کہ مصنف نے فرد تنی کی بنا پر
الحمد لہذا اپنی کتاب کی تجمید نہیں کی یعنی مصنف نے
یہ خیال کر لیا میری یہ کتاب سلف کی کتابوں کے
برابر نہیں اور جبکہ میری یہ کتاب ان کی کتابوں کے
برابر نہیں تو میں بھی ان کے برابر نہیں لہذا مجھ کو اس
کے طریقت پر نہ چلنا چاہئے۔ ورنہ برابری کا دعویٰ
کرنا لازم آئیگا۔ اس خیال کی بنا پر مصنف نے ان
کا جو یہ طریقہ تھا کہ وہ کتاب کے شروع میں حمد
لکھتے تھے، مصنف نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور
حمد اللہ کو کتاب کے شروع میں تحریر نہیں کیا۔ لیکن
اس پر اعتراض ہوتا ہے مصنف کا یہ خیال کر کے
فرد تنی کی بنا پر حمد کو کتاب کے شروع میں نہ لکھنا
درست نہیں ہے کیونکہ میرا یہ فعل اگرچہ وہ فرد تنی
کی بنا پر کیا جا رہا ہو کرنا جس سے حدیث شریف
کی مخالفت ہوتی ہو درست نہیں حالانکہ حمد اللہ
سے ابتداء کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے کہ کل امر
ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فہو اقطع شامح رحمہ اللہ
ولا یلزم سے اسی اعتراض کا جواب دیتے ہیں جس کا
حاصل یہ ہے کہ مصنف ایسا کرنے سے معنی لغت
حدیث لازم نہیں آتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں
لم یبدأ جو ہے اس سے مطلق ابتداء مراد ہے چاہے
وہ لفظ کے اعتبار سے ہو چاہے کتابت اور تحریر کے
اعتبار سے ہو ہو سکتا ہے کہ مصنف نے مطلقاً ترک
حمد اللہ کیا ہو کہ مخالفت حدیث کی بنا پر مستحق
وعید ہو بلکہ مصنف نے حمد کو کتاب کا جز نہیں بنایا
اور نہ بانی تجمید سے ابتداء فرمادی ہو یہ تو یہی حکم
ہوگا کہ کسی کے متعلق بدگمانی نہ کریں اور فرمایا گیا ہے
یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض
الظن اثم ط بلکہ ظنوا بالمومنین خیراً پر عمل کریں جبکہ
حدیث سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ حمد بخیراً
کتاب کا جز ہو نا چاہئے، حدیث اس سے
ساکت ہے لہذا تسمیم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم
مصنف کو ترک حمد کی تہمت سے بچائیں گے

بالحمد من غیر این يجعله جزءاً من کتابه ویداً بتعریف
الکلمۃ والکلام لانه یبحث فی هذا الكتاب عن احوالهما
فمتی لم یعرفا کیف یبحث عن احوالهما و قدیم الکلمۃ علی
الکلام لکون افرادها جزء من افراد الکلام و مفهومها جزء
من مفهومه فقال الکلمۃ قیل هی والکلام مشتقان
من الکلم بتسکین اللام وهو الجرح لتاثر معانیہما فی

ہذا کا اس لئے اضافہ فرمایا کہ ابن حاجب کی دیگر
تصانیف شافیہ وغیرہ اس سے خارج ہو جائیں اس
لئے کہ ان کتابوں کو مصنف نے تجمید کے ساتھ شروع
فرمایا ہے۔ اعتراض پڑتا تھا کہ مصنف کا یہ خیال
کرنا کہ یہ کتاب کتب سلف کی مانند نہیں ہے
صحیح نہیں اس لئے کہ سلف نے بھی یہی مسائل بیان
کئے ہیں اور ابن حاجب نے بھی لہذا جواباً شائع
نے یہ عبارت زیادہ فرمائی ان کتاب ہذا میں بحث
از کتاب اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

۱۹ قولہ بدر بتعریف الکلمۃ والکلام لانه
یبحث الخ شروع فی العلم کے لئے تین چیزوں کا جاننا
ضروری ہے، تعریف اس لئے کہ اگر تعریف کا
علم نہ ہوگا تو مجہول کی طلب لازم آئیگی۔ غرض
اس لئے کہ اگر غرض وغایت معلوم نہ ہوگی تو سعی حصول
بیکار و عبث ہوگی۔ موضوع اگر موضوع سے واقفیت
نہ ہوگی تو اس فن میں اور دوسرے فنوں میں امتیاز کرنا
مشکل ہوگا۔ اس لئے کہ علوم باعتبار موضوعات ہی
ممتاز ہوتے ہیں۔ علم نحو کی تعریف یہ ہے کہ نحو ایسے
اصول کے جاننے کو کہتے ہیں جن سے کلمہ کے داخلہ کے
احوال بحیثیت اعراب ثلثہ اور بنار۔ اور بعض کے
ساتھ مرکب ہونے کے پہچانے جائیں علم نحو کی غرض
یہ ہے کہ ذہن کو کلام عرب میں خطا لفظی سے بچایا
جائے۔ موضوع علم نحو کلمہ اور کلام ہیں مصنف
نے کلمہ اور کلام کی تعریف کے ساتھ اپنی کتاب
کو شروع کئے ایک فعل لایعنی کا لڑتے کا کیا اس
لئے کہ نحو کا مقصود بالذات کلمہ اور کلام کے
احوال سے بحث کرنا ہوتا ہے لہذا اسکے جواب
میں شائع فرماتے ہیں کہ مصنف نے اپنی کافہ کو
کلمہ اور کلام کی تعریف کے ساتھ اس وجہ سے شروع
کیا کہ اس کتاب میں ان دونوں کے احوال سے
بحث کی جائے گی۔ پس جب تک ان دونوں
کی تعریف معلوم نہیں ہوگی تب تک ان دونوں
کے احوال سے کس طرح بحث کی جاسکتی ہے۔

۲۰ قولہ و قدیم الکلمۃ الخ اعتراض پڑتا
ہے کہ جبکہ کلمہ اور کلام دونوں موضوع علم نحو میں تو

ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مصنف حمد کو کتاب کا جز بنائے (نکھے) بغیر (زبانی طور پر بجا) لائے
ہوں اور مصنف نے (اپنی کتاب کافہ کو) کلمہ اور کلام کی تعریف سے شروع کیا۔ کیونکہ
وہ اس کتاب میں ان دونوں کے احوال سے بحث کریں گے۔ پس جب تک ان دونوں
کی تعریف نہ کی جائے اس وقت تک ان کے احوال سے کیسے بحث کی جاسکتی ہے؟
اور (رہا یہ سوال) مصنف نے کلمہ کو کلام سے مقدم کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے افراد
کلام کے افراد کا جز ہوتے ہیں اور (اسی طرح) کلموں کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز ہوتا
ہے۔ تو مصنف نے کہا (الکلمۃ) کہتے ہیں کہ کلمہ اور کلام "کلمہ" بکون لام سے
ماخوذ ہیں اور کلم (کا معنی) زخم کرنا ہے اس لئے کہ کلمہ اور کلام کے معانی زخم کی طرح دلوں

۲۱ قولہ فقال الکلمۃ الخ جب یہ بات
ثابت ہوگئی کہ کلمہ کو کلام پر مقدم کرنا چاہئے تو
مصنف نے فرمایا کہ الکلمۃ شائع فرماتے ہیں کہ
بعض لوگوں کا قول ہے کہ کلمہ اور کلام کام بکون
لام سے مشتق ہیں جس کے معنی زخم کے آتے ہیں
اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مشتق اور مشتق منہ میں
مناسبت کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں پر
کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا لفظ ہے جو معنی مفرد
پر دلالت کرے اور کلام کے یہ معنی ہیں کہ جو دو کلموں
کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلم کے معنی زخم
کے ہیں تو مشتق اور مشتق منہ میں کچھ بجا مناسبت
نہیں پائی جاتی تو اسکا جواب شائع دیتے ہیں۔

۲۲ قولہ لتاثر معانیہما فی الجرح
یعنی اگرچہ ان میں دلالت مطابقی و تفسیق کے
اعتبار سے مناسبت نہیں پائی جاتی مگر دلالت التزامی
کے لحاظ سے ضرور مناسبت موجود ہے یعنی جیسے کہ
زخم کا اثر نفوس میں ہوتا ہے اسی طرح کلمہ اور کلام

کلمہ کو کلام پر مقدم کیوں کیا حالانکہ کلام کو مقدم کرنا
چاہئے تھا اس لئے کہ کلام عربی میں عمدہ مانا جاتا ہے
کیونکہ اس سے مخاطب کو فائدہ تام ملتا ہے اور
کلام سے نہیں ملتا۔ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے
کہ ہر حال تقدیم کسی ایک کی کرنی ضروری تھی اگر
کلام کو مقدم کرتے تب بھی یہی اعتراض ہو سکتا
تھا لہذا مصنف نے کلمہ کو اس خیال سے کہ یہ
مفرد ہوتا ہے اور کلام مرکب کلمہ کو مقدم کر دیا جیسا
کہ عدد ایک مقدم ہے دو پر اس لئے کہ دو مرکب
ہے دو ایک سے۔ دوسرا جواب یہ ہے جو شائع
نے دیا ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کلمہ
کے افراد کا جزہ افراد کا جزہ ہوتے ہیں اور کلمہ کا
مفہوم کلام کے مفہوم کا جزہ ہوتا ہے اور جزہ طبعاً
کل پر مقدم ہوتا ہے۔ لہذا کلمہ کو وضع کلام پر
مقدم کر دیا تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جائے اس
لئے کہ متفقین کے نزدیک وضع کا طبع کے مخالف
ہونا ہی خطا میں داخل ہے۔

النفوس كالبحر وقد عبر بعض الشعراء عن بعض تأثيراتها
بالبحر حيث قال شعراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان
والكلم بكسر اللام جنس لا جمع كتمر وتمرّة بدليل قوله تعالى
إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَقِيلَ جَمْعٌ حَيْثُ لَا يَقَعُ إِلَّا عَلَى
الثَلَاثِ فَصَاعِدًا وَالْكَلمُ الطَّيِّبُ مُؤَوَّلٌ بِبَعْضِ الْكَلِمِ وَاللَامُ فِيهَا

میں اثر کرتے ہیں اور ایک شاعر نے کلمہ اور کلام کی بعض تاثیرات کو زخم سے تعبیر کیا ہے۔
جہاں اس نے کہا ہے

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

دنیزوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں اور زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا اور کلمہ کسر لام
سے تمر اور تمرّة کی طرح جنس ہے جمع نہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "إِلَيْهِ يَصْعَدُ
الْكَلِمُ الطَّيِّبُ" بعض الکلم الطیب سے مؤول ہے اور الکلمۃ میں لام جنس اور واحدت

جمع پر کلم کا اطلاق صحیح ہو سکتا اس لئے کہ
موصوف و صفت میں مطابقت ضروری ہے
اور یہاں مطابقت نہیں لہذا کلم کو جمع قرار دینا
باطل ہوا تو شامح جواب دیتے ہیں کہ اس آیت
میں الکلم الطیب سے مراد بعض الکلم الطیب
ہے اس تاویل سے الطیب کلم کی صفت نہیں
ہوا بلکہ بعض کی صفت ہوا۔ دوسرا جواب یہ
ہے کہ کلم کی صفت کو مذکر اس وجہ سے لائے کہ
جو جمع ایسی ہو کہ اس کے اور مفرد کے درمیان
تار سے فرق ہوتا ہو اس کی صفت میں تذکیر
تانیث برابر ہے پس اس آیت سے جنسیت
کلم پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

۵۲۱ قولہ واللام فیہا للجنس۔ اس کے
سمجھنے کے لئے ضروری ہے ہوتا ہے کہ الف لام
کی پوری بحث یہاں ذکر کر دی جائے تاکہ مزید
بصیرت کا موجب ہو۔ الف لام کی دو قسمیں
ہیں اسمی و مرئی۔ اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور
اسم مفعول پر داخل ہو کر الذی کے معنی دیتا ہے
لہذا اسکلمۃ میں الف لام اسمی تو ہے نہیں اس لئے
کہ اس کے مدخول کے لئے اسم فاعل یا اسم
مفعول ہونا ضروری ہے اور اسکلمۃ نہ اسم فاعل
ہے نہ اسم مفعول پس معلوم ہوا کہ اس میں الف
لام مرئی ہے۔ لام مرئی کی دو قسمیں ہیں، زائدہ
غیر زائدہ۔ زائدہ اس لئے مراد نہیں ہو سکتا کہ
مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے اور غیر زائدہ چار
قسم پر ہے جنسی استغراقی۔ عہد خارجی، عہد ذہنی
دلیل حصر یہ ہے کہ مدخول لام سے ماہیت مراد
ہوگی یا افراد۔ اگر ماہیت مراد ہوگی تو یہ جنسی ہے
جیسے الرجل خیر من المرأة یعنی ماہیت رجل ماہیت
امراة سے بہتر ہے یہ معنی نہیں کہ افراد رجل افراد امرأۃ
سے بہتر ہیں اور اگر مدخول لام سے افراد مراد ہوں
تو دو حال سے خالی نہیں تمام افراد مراد ہوں گے
یا بعض۔ اول کو لام استغراقی کہتے ہیں جیسے قولہ
تعالى ان الانسان لفسق خسر الا الذين آمنوا

تینوں جزو لام۔ کلم۔ ت۔ کی تحقیق کرنا چاہتے
ہیں چنانچہ کہتے ہیں کلم بحسب لام بغیر تار کے جنس
اور مع التار کو مفرد جنس کہتے ہیں جیسے تمر۔ بغیر
تار کے جنس ہے اور تمرّة مع التار فرد جنس اس
لئے کہ قاعدہ ہے کہ جس لفظ کے مفرد اور جمع
میں امتیاز تار کے باعث ہوتا ہے وہ جنس کہلاتا
ہے جمع نہیں ہوتا تا کہ جنس اپنے دعویٰ کے
اثبات میں باری تعالیٰ کے اس قول کو پیش کرتے
ہیں کہ الیہ یصعد الکلم الطیب یعنی اگر یہ جمع ہوتا تو
اس کی صفت طیب نہ آتی بلکہ طیبۃ تار کے ساتھ
آتی یہ مذہب سخات بصرین کا ہے سخات کو فہم
کہتے ہیں کہ کلم جمع ہے جنس نہیں ہے اس لئے کہ
کلم کا اطلاق تین یا تین سے زائد پر آتا ہے
اگر یہ جنس ہوتا تو اس کا اطلاق ایک پر بھی
درست ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۵۲۶ قولہ والکلم الطیب مؤول الخ
سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تم کلم کو جمع کہتے ہو تو
باری تعالیٰ کے قول الیہ یصعد الکلم الطیب
میں الطیب صفت مذکر اور مفرد کیوں واقع ہو
رہی ہے بلکہ اس کی صفت الطیبہ لائی جاتی تاکہ

کا اور بھی نفوس میں ہوتا ہے اور سامع اس سے
ضرور متاثر ہوتا ہے تو اثر کے اعتبار سے مشتق
مشتق منہ می مناسب موجود ہے۔

۵۲۳ قولہ وقد عبر بعض الشعراء الخ
شامح نے دعویٰ کیا تھا کہ کلمہ اور کلام کلم بکون
اللام سے مشتق ہیں ان کے معانی کے نفوس میں اثر
کرنے کی وجہ سے تو اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش
کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دکر م وجہ
کا یہ شعر ہے میں میں کلمہ اور کلام کی تاثیر کو زخم
کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے فرماتے ہیں۔

۵۲۴ قولہ جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان۔ جس کا ترجمہ بعینہ
مرد زبان میں مولانا محمد اسماعیل صاحب میرٹھی نے
نظم کیا ہے۔ چھری کا تیر تلوار کا تو گھاؤ بھرا
نگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا
ان دونوں شعروں سے سخات ظاہر ہوتا ہے کہ
بعض کلمات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جودل میں
سود ڈال دیتے ہیں اور قیامت تک ان کلمات
کا اثر نال نہ ہو کر دل کا زخم مندمل نہیں ہوتا۔
۵۲۵ قولہ رباں سے شامح اسکلمۃ کے

للجنس والتاء للوحدة ولا منافاة بينهما يجوز ان تصاف بالجنس بالوحدة والواحد بالجنسية يقال هذا الجنس واحد وذلك الواحد جنس ويمكن حملها على العهد الخارجي بارادة الكلمة المذكورة على السنة النخاعة لفظ اللفظ في اللغة الرقي يقال اكلت التمرة ولفظت النواة اي رميتها ثم نقل

کے لئے ہے اور جنس و وحدت کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ جنس کا وحدت سے اور واحد کا جنسیت سے متصف ہونا جائز ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ہذا الجنس واحد اور ذلک الواحد جنس اور (الكلمة کے) لام کو عہد خارجی پر (بھی) محمول کیا جاسکتا ہے اور اس سے (خاص کر) وہ کلمہ مراد ہو جس کا نحو یوں کی زبانوں پر تذکرہ ہوتا ہے (وہ لفظ ہے) لفظ کے معنی لغت میں پھینکنے کے ہیں چنانچہ کہتے ہیں اكلت التمرة ولفظت النواة یعنی میں نے گٹھلی پھینک دی۔ پھر لفظ کو (یا تو) ابتداء ہی سے یا جس طرح کہ خلق بمعنی مخلوق ہے (اسی طرح) اس کو محفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد نحو یوں کی اصطلاح میں

یہ ہوں گے کہ جنس کلمہ اور اس کی ماہیت نحو یوں کے نزدیک یہ ہے لفظ وضع معنی مفرد۔
۲۹ قولہ ویکن حملها على العهد الخارجي اور ممکن ہے کہ الف لام کو عہد خارجی پر محمول کریں اور اس صورت میں ضروری ہے کہ معبود کا ذکر خارج میں ہو چکا ہو اور یہاں ایسا نہیں تو ہم کہیں گے کہ کلمہ سے وہ کلمہ مراد ہے جو نحو یوں کی زبان پر جاری و ساری رہتا ہے اور اس کے انفراد غیر متناہی نہیں کہ تعریف الانفراد جائز ہو بلکہ اس کا انحصار تین اقسام۔ اسم فعل بحرف میں ہے پس الف لام کو عہد خارجی کے لئے لینے میں کوئی اشکال نہیں۔

۳۰ قولہ لفظ اللفظ في اللغة الرقي الخ لفظ کے لغوی معنی پھینکنے کے ہیں خواہ پھینکنا منہ سے ہو یا غیر منہ سے پھر منہ خواہ لفظ کا ہو یا غیر لفظ کا ہو منہ سے پھینکنے کی مثال بغیر لفظ کے شایع نے ذکر فرمائی یعنی اكلت التمرة ولفظت النواة۔ یعنی ان عرب منہ سے معبر لفظ کے پھینکنے کی مثال یہ کہ زید قائم و جاری

۲۸ قولہ والتاء للوحدة الخ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اکلمہ میں جب الف لام کو جنس کے لئے لیا تو یہ جنسیت کثرت اور عموم کو چاہتی ہے اور وحدت اس کے منافی ہے اس لئے کہ یہ کثرت ہو سکتا ہے کہ اکلمہ میں جنسیت بھی ہو اور وحدت بھی دونوں میں منافات ہے اگر لام جنسیت کے لئے ہوگا تو وحدت کے لئے نہ ہوگی۔ تو اس کا جواب دینے کے لئے شایع نے اس عبارت کا اضافہ فرمایا جواب کی تفصیل یہ ہے کہ وحدت کی چار قسمیں ہیں۔ جنسی۔ نوعی۔ صنفی، فروی۔ ان چاروں میں سے صرف وحدت فروی عموم اور کثرت کے منافی ہوتی ہے اور وہ یہاں مراد نہیں پس لام کو جنسی اور تا کو وحدت کے لئے لینے میں کوئی منافات نہیں اسی وجہ سے احد ہما کا التصان بالآخر جائز ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ہذا الجنس واحد۔ وذلك الواحد جنس۔ پس جب اکلمہ میں تا کو وحدت کے لئے لیں گے تو کلمہ نحو یہ کی تخصیص صحیح ہو جائے گی۔ اور کلمہ لغویہ اور کلمہ شہادت وغیرہ سے احتراز ہو جائیگا پس معنی

برالانسان میں الف لام استغراقی ہے اس لئے کہ اگر اس کو استغراق کے لئے لیا جائے گا تو استثنائے صحیح نہ ہوگا نہ متصل نہ منقطع اس لئے کہ استثنائے متصل میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں دخول یقینی ہوتا ہے اور استثنائے منقطع میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے خروج یقینی اور یہ دخول و خروج جہی ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ منہ میں دخول لام سے تمام افراد مراد ہوں پس لام حالہ آیت مذکورہ میں بقریۃ استثنائے لام استغراق کے لئے ہوگا اور اگر دخول لام سے بعض افراد مراد ہوں تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے یا نہیں اگر متعین ہیں تو الف لام عہد خارجی ہے جیسے قولہ تعالیٰ فنعطى فرعون الرسول میں کہ الرسول سے مراد وہ رسول ہے جس کا ذکر آیت ماسبق، یعنی انا ارسلنا الی فرعون رسولا میں ہے۔ اور اگر افراد متعین نہیں تو الف لام عہد ذہنی کہلاتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ واتخات ان یا کلا الذنب یہاں ذنب سے خارج میں کوئی فرد متعین مراد نہیں معبود ذہنی چونکہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے اسکے ساتھ نکرہ کا سامعاً ملکہ کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ شایع فرماتے ہیں اکلمہ میں الف لام جنس کے لئے ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں پس یہ لام اگر جلسی نہ ہوگا تو اس وقت اس کے دخول سے افراد مراد ہوں گے لہذا ماہیت کی تعریف نہ ہوگی افراد کی ہو جائے گی اور یہ ناجائز ہے۔ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعریف سے معرف کا استحضار ہوتا ہے اور اس کے افراد غیر متناہی ہونے میں زمانہ متناہی میں ان کا استحضار نہیں ہو سکتا بخلاف ماہیت کے کہ وہ متناہی ہے زمانہ متناہی میں اس کا استحضار ہو سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں لہذا الف لام کا جنس کے لئے ہونا ثابت ہو گیا۔

فی عرف النحاة ابتداءً وبعد جعله بمعنى الملفوظ كالخلق
بمعنى المخلوق الى ما يتلفظ به الانسان حقيقةً او حكمًا
مهلًا كان او موضوعًا مقررًا كان او مركبًا واللفظ الحقيقي
كزيد وضرب والحكمى كالمنوى فى زيد ضرب واضرب اذ
ليس من مقولة الحرف والصوت اصلاً ولم يوضع له لفظ و
انما عبروا عنه باستعارة لفظ المنفصل له من نحو هو وانت
واجروا عليه احكام اللفظ فكان لفظاً حكماً لا حقيقةً والمخدوف

”ما يتلفظ به الانسان“ کی طرف منتقل کیا گیا (یعنی نحو یوں کی اصطلاح میں لفظ اس کا نام ضمیر جس کا انسان تلفظ کرے) خواہ تلفظ حقیقی ہو یا حکمی، مہمل ہو یا بامعنی، مفرد کا ہو یا مرکب کا۔ لفظ حقیقی کی مثال زید اور ضرب اور حکمی کی مثال زید ضرب اور اضرب میں معنوی (ضمیر مستتر) ہے کیونکہ معنوی (ضمیر مستتر) مقولہ حرف و صوت سے اصلاً نہیں اور نہ ہی اس کے لئے کسی لفظ کو وضع کیا گیا اور نحو یوں نے یہی کیا کہ هو اور انت جیسی منفصل ضمیروں کو معنوی کے مانگ لیا اور (اس طرح) اس کی (لفظی) تعبیر کی اور اس پر لفظ کے احکام جاری کرنے (یعنی مستدالیہ وغیرہ ہوتا) پس منوی حکماً لفظ قرار پایا نہ کہ حقیقت میں۔ اور

بکبر وغیرہ جو بھی لفظ مذ سے بولا جائے وہی اس قسم کی مثال بن سکتا ہے۔ بغیر منہ کے پھینکنے کی مثال جیسے لفظت الرحم الدقیق یعنی چکی نے آٹا پھینکا۔ ای رہی تھا سے اس اعتراض کو دفع کر دیا کہ لفظ بمعنی رمی من الغم نکلا ہے و نہیہ اس طرح ہوا کہ رمی عام ہے جیسا اور پر مذ کو رہا۔

۱۳۱ قولہ ثم نقل فی عرف النحاة الخ اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ اس کلمہ مبتداء ہے اور لفظ خبر۔ اور خبر کا مبتداء پر حمل ہوا کرتا ہے اور یہاں پر حمل صحیح نہیں اس لئے کہ وصف حمل ذات پر ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ وصف قبیلہ۔ اعراض سے ہے اور ذات از قبیل جو امر اور اعراض جو امر کے درمیان اتحاد نہیں ہوتا لہذا کل باطل ہوا۔ تو شارح جواب دیتے ہیں یہاں پر لفظ

کے معنی لغوی مراد نہیں بلکہ معنی اصطلاحی مراد ہیں لفظ کے معنی اصطلاحی یہ ہیں ما يتلفظ به الانسان الخ یعنی معنی اصطلاحی اور معنی لغوی میں مناسبت ہوا کرتی ہے اس لئے اس کو شارح قولہ ابتداء الخ سے بیان کرتا ہے جس کا حامل یہ ہے کہ نجات نے لفظ کو یا تو تلفوظ کی طرف اس معنی اصطلاحی کو نقل کرنے سے پہلے نقل کیا ہے یا تلفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد نقل کیا ہے۔ اگر اول صورت ہے تو سبب کا اطلاق مسبب پر ہے اور ثانی میں صورت عام کا اطلاق خاص پر ہے دانش اعلم۔

۱۳۲ قولہ حقيقةً او حكماً الخ یہی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ لفظ کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں چونکہ ہر ضمیر مستتر جو کہ لفظ ہے ما يتلفظ به الانسان صادق نہیں آتا حالانکہ اس پر باوجود کچھ احکام لفظ جاری ہوتے ہیں ہماری مراد ما يتلفظ به

عام تلفظ مراد ہے خواہ حقیقہً یا حکماً اور ضمیر مستتر اگرچہ لفظ حقیقی نہ ہی مگر حکمی لفظ ضرور ہے اسی وجہ سے اس پر لفظ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

۱۳۳ قولہ مهلاً كان او موضوعاً الخ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تعریف سے مہلات بھی خارج ہو گئے اس لئے لفظ سے متبادر بھی ہوتا ہے کہ لفظ موضوع مراد ہے ایسے ہی مرکبات بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ لفظ سے متبادر لفظ مفرد ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ما يتلفظ به الانسان عام ہے مہمل ہو یا موضوع مرکب ہو یا مفرد لفظ حقیقی کی مثال جیسے زید ضرب اور حکمی مثال ضارب مستتر ہیں زید ضرب۔ اور اضرب میں۔ ضرب میں جو ضمیر مستتر اور اضرب میں جو ضمیر پوشیدہ تو

لفظ ہیں اس لئے کہ یہ مقولہ حرف اور صوت سے نہیں ہیں یعنی ان کا تلفظ نہیں کیا جاسکتا پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں کہ منوی مقولہ صوت و حرف سے نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ تمام نحوی کہتے ہیں کہ زید ضرب میں ہوا اور اضرب میں انت حرف پوشیدہ اور ہوا و انت پر صوت و حرف دونوں صادق ہیں تو اس کا جواب شارح نے قول و لم يوضع له لفظ سے دیا ہے جواب کا حامل یہ ہے کہ لفظ ہوا و انت خود پوشیدہ نہیں بلکہ جو چیز پوشیدہ ہے خود اس کیلئے کوئی حقیقت میں لفظ نہیں ہے اس لئے ان دونوں لفظ اجرام احکام لفظ کے مستعار لے لیا ہے۔

۱۳۴ قولہ وانما عبروا الخ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر منوی کے لئے لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے تو منوی کو لفظ ہوا و انت کے ساتھ کیوں تعبیر کرتے ہیں تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ منوی کو لفظ ہوا و انت کے ساتھ بطریق استعارہ تعبیر کرتے ہیں بطریق وضع تعبیر نہیں کرتے۔ یعنی منوی کے لئے لفظ

منفصل کا استعارہ کر لیا گیا ہے۔
۳۵ قولہ واجر و اعلیٰ الخ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ منوی لفظ ہو یا انت سے تعبیر کی کیا ضرورت ہے جواب یہ ہے کہ چونکہ اس پر احکام جاری کئے جاتے ہیں اور اجراء احکام کے لئے وجود کو دیکھنا ضروری ہوتا اس وجہ سے اجراء احکام کے لئے لفظ منوی کے واسطے لفظ حقیقی کو مستعار لیکر بتایا تاکہ اجراء احکام میں مبتدی کو سہولت ہو۔

۳۶ قولہ والمحدوف لفظ الخ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ لفظ کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی اس لئے کہ اس سے محدوف خارج ہو گیا اس لئے کہ محدوف مفعول انسان نہیں ہوتا تو جواب دیا کہ محدوف لفظ ہے حقیقہً اس لئے کہ یہ بعض اوقات مفعول انسان ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ شائع اس سے اس سوال کا جواب دیتے ہوں کہ جس طرح منوی لفظ حکمی متلفظ نہیں ہے اس طرح محدوف میں لفظ حکمی متلفظ نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہوا محدوف لفظ حقیقی ہے چونکہ اس کا انسان بعض اوقات میں واقعہً تلفظ کرتا ہے کم از کم بیان حذف کے وقت میں بخلاف منوی کہ اس کا کسی وقت میں تلفظ نہیں ہوتا ہے۔

۳۷ قولہ وکلمات اللہ الخ اس سے دفع دخل مقدر مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ انسان کی قید لگنے سے کلمات باری تعالیٰ جیسے الفاظ قرآن اور کلمات ملائکہ جیسے قول جبریل ان فی الجنۃ لہذا من ان علی د حسین حسن۔ اور کلمات جن جیسے کہ قبر حرب بکان قبر پس قرب قبر حرب خارج ہو جاتے ہیں لہذا تعریف جامع نہیں تو جواب یہ ہے کہ کلمات اللہ وغیرہ لفظ کی تعریف میں داخل ہیں اس لئے انسان بعض اوقات ان کا تلفظ کرتا ہے۔
 یا انسان بالقوة ان کلمات کا تلفظ کر سکتا ہے۔

لفظ حقیقہً لانه قد يتلفظ به الانسان في بعض الاحيان و کلمات اللہ تعالیٰ داخلۃً فیہ اذ ہی مما يتلفظ به الانسان علی ہذا القیاس کلمات الملائکۃ والجن والذوال الاربع وہی الخطوط والعقود والنصب والاشارات غیر داخلۃ فیہ فلا حاجۃ الی قید یخرجہا وانما قال لفظ ولم یقل لفظۃً لانه لم یقصد الوحده والمطابقۃ غیر لازمة لعدم الاشتقاق

محدوف البتہ حقیقت میں لفظ ہے کیونکہ انسان بعض اوقات اس کا تلفظ کرتا ہے اور کلمات الہیہ (بھی) لفظ حقیقی (کی تعریف) میں داخل ہیں کیونکہ یہ اس قبیل سے ہیں جس کا انسان تلفظ کرتا ہے اور اسی قیاس پر کلمات ملائکہ اور کلمات جن ہیں (کہ وہ بھی لفظ حقیقی ہیں) اور ذوال اربع یعنی خطوط، عقود، نصب اور اشارات تعریف لفظ میں داخل نہیں ہیں لہذا کسی ایسی قید کی ضرورت نہیں جو انہیں (تعریف لفظ سے) خارج کر دے اور (یہ سوال کہ) مصنف نے "لفظ" کہا "لفظۃ" نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے وحدت کا قصد نہیں فرمایا اور یہاں پر مبتدا و خبر میں مطابقت کا سوال بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہاں) مطابقت لازم نہ تھی کیونکہ اشتقاق (کی شرط) معدوم ہے۔ ساتھ (یہ

۳۸ قولہ والذوال الاربع الخ اس سے بھی دفع دخل مقدر کی طرف اشارہ ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف کو کلمہ کی تعریف میں ایک لفظ ایسا لانا نہ کرنا چاہئے تھا جس سے ذوال اربع خارج ہو جاتے تو جواب دیا کہ کسی شے کے اخراج کے لئے ضروری ہے کہ اس شے کا دخول بھی ہو اور یہاں دخول ہی متحقق نہیں تو اخراج کے کیا معنی لہذا کسی قید کے زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
۳۹ قولہ وانما قال لفظ الخ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصنف نے صاحب مفصل کی طرح کلمہ کی تعریف میں لفظ کیوں نہیں کہا لفظ کیوں کہا حالانکہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے تو اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ صاحب مفصل نے تعریف کلمہ میں وحدت کا قصد کیا ہے اس وجہ سے لفظ تا کے ساتھ کہا تاکہ وحدت پر تفسیر ہو جائے اور مصنف نے وحدت کا قصد نہیں کیا پس لفظ کہا تو ثمرۃ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ صاحب کسی کا نام ہو تو صاحب کافیہ کے نزدیک کلمہ ہے اور صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ نہیں ہوگا۔
۴۰ قولہ والمطابقۃ غیر لازمة الخ پھر اعتراض پر دیتا ہے کہ مصنف کو لفظۃ ہی کہنا چاہئے تھا تاکہ مبتدا و خبر میں مطابقت ہو جاتی تو جواب یہ ہے کہ مبتدا و خبر کی مطابقت کے وجہ سے کلمہ چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے، مبتدا و خبر کا کم ظاہر ہونا، خبر کا ایسی صفت نہ ہونا جس میں تذکیر و تانیث برابر ہو، خبر کے اندر ایسی ضمیر کا ہونا جو مبتدا کی طرف راجع ہو، خبر کا شقی ہونا۔ اور یہاں ایک بھی شرط موجود نہیں لہذا مطابقت ضروری نہیں ہوتی اس پر اعتراض ہوا اگرچہ فقدان شرط کے وقت مطابقت ضروری نہیں تھی مگر نہایت ضروری ہے لہذا لفظۃ ہی کہنا چاہئے تھا شائع اس کے جواب کی طرف اپنے قول مع کون اللفظ سے اشارہ کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مطابقت

مع كون اللفظ اختصار وضع الشيء
بشيء بحيث متى اطلق او احق الشيء الاول ففهم منه الشيء
الثاني قيل يخرج عنه وضع الحرف حيث لا يفهم منه معناه
متى اطلق بل اذا اطلق مع ضم ضميمه واجب بان المراد
متى اطلق اطلاقا صحيحا واطلاق الحرف بلا ضم ضميمه غير
صحيح ولا يبعد ان يقال المراد باطلاق الالفاظ ان يستعملها
اهل اللسان في محاوراتهم وبيان مقاصد هم فلا حاجة الى

عام لیکن اس قسم کا کلام عرب میں کہیں وجود نہیں
بلکہ یہ صرف احتمال عقلی کے درجہ میں ہے اس
لئے کہ موضوع جب خاص ہوگا تو جزئی ہوگا اور
موضوع عام ہوگا تو کلی ہوگا اور جزئی کلی کے
ملاحظہ کے لئے آئے نہیں بنا کرتا لہذا یہ قسم باقی
نہیں جاتی۔ اور اگر موضوع عمومیت کے ساتھ
ملفوظ ہے اور موضوع خصوصیت کے ساتھ
تو یہ وضع عام اور موضوع خاص ہے جیسے
اسرار اشارات اور مضمرات کی وضع عند المتأخرین
۱۲۲ قولہ قبل يخرج عنه الخ اس عبارت

ہے ایک سوال اور اس کا جواب دینا ہے
سوال یہ ہے کہ وضع کی تعریف جامع نہیں
اس لئے کہ اس حروف کی وضع خارج ہو جاتی
ہے اس لئے کہ حروف کے معنی بغیر ضم ضمیمہ
کے سمجھ میں نہیں آتے تو شایع نے یہ جواب
دیا کہ اطلاق سے مراد اطلاق صحیح ہے اسلئے
کہ المطلق اذا يطلق يراو به الفرد والكامل اور
اطلاق کا فرد کامل اطلاق صحیح ہے اور حرف
کا اطلاق بغیر ضم ضمیمہ کے صحیح نہیں ہوتا ہے
لہذا حروف کی وضع اس تعریف سے
خارج نہیں ہوتی اور جواب یہ ہے جس کی طرف
شایع نے ولا یبعد سے اشارہ کیا ہے۔ یعنی
اطلاق سے یہ مراد ہے کہ اہل لسان الفاظ
کو اپنے محاورات میں بیان مقاصد کے لئے
استعمال کریں۔ اور اہل عرب حروف کو بلا ضم
ضمیمہ استعمال ہی نہیں کرتے لہذا اب کوئی
اعتراض ہی نہیں رہا اور ایک قید زائد کے
اعتبار کرنے کی بھی حاجت نہیں رہی یعنی
اطلاق کو صحیح کے ساتھ مقید کر کے ضرورت
باقی نہیں رہی یہ جواب سابق جواب سے
بہتر ہے اور شایع نے جو ولا یبعد کہا ہے
جس سے ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے
تو یہ کسری پر محمول ہے۔

بھی ہے کہ لفظ (لفظہ کی نسبت) زیادہ مختصر ہے (جو وضع کیا گیا ہو) وضع ایک شے کو
کسی دوسری شے کے ساتھ اس طرح خاص کرتا ہے کہ جب شے اول کا اطلاق ہو یا وہ
محسوس ہو تو اس سے دوسری شے سمجھی جائے (بعض حضرات کی طرف سے اعتراض میں)
کہا گیا ہے کہ اس تعریف سے حرف کی وضع خارج ہو جاتی ہے کیونکہ جب حرف کا اطلاق
ہوتا ہے تو اس سے اس کے معنی نہیں سمجھے جاتے۔ بلکہ اس وقت (سمجھے جاتے ہیں) جب
اسے کسی دوسرے کلمہ سے ملا کر اس کا اطلاق کیا جائے (لہذا تعریف وضع جامع نہ رہی)
اور اس کا جواب (بعض کی طرف سے) یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ جب اس کا
صحیح اطلاق کیا جائے اور حرف کا اطلاق دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر سمجھ نہیں (لہذا
تعریف جامع رہی) اور (میں کہتا ہوں کہ جواب میں) یہ کہنا کچھ بعید نہ ہوگا کہ اطلاق الفاظ
سے مراد یہ ہے کہ اہل لسان ان الفاظ کو اپنے محاورات اور مقاصد کے بیان میں استعمال
کریں (اور ظاہر ہے کہ محاورات میں حروف کا استعمال دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر ہوتا
ہی نہیں) لہذا (توجیہ ثانی کی رو سے) کسی مزید قید کے اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

اگر موضوع اور موضوع لا کمالی خاصیت کے
ساتھ کیا جاتا ہے تو وضع بھی خاص ہے اور موضوع
بھی خاص ہے جیسے لفظ رید کی وضع ذات مشخص
کے لئے اور اگر موضوع اور موضوع لا عمومیت
کے ساتھ ملحوظ ہیں تو وضع بھی عام ہے اور
موضوع لا بھی عام جیسے شتقات کی وضع مثلاً
جب شتق فاعل کے وزن پر ہوگا تو ملن قام بہ
الفعل کے لئے موضوع ہوگا۔ اور اگر موضوع
خصوصیت کے ساتھ ملحوظ ہے اور موضوع لا
عموم کے ساتھ تو یہ وضع خاص ہے اور موضوع لا

مناسب نہیں چونکہ اختصار جو مقصود اصلی ہے
بلا ضرورت اس کا خلاف کرنا لازم آتا ہے
۱۲۳ قولہ وضع وضع کے معنی لغت
میں نہادن ہیں بلکہ اصطلاح مخات میں ایک شے
کو شے کے مقابلہ میں اس طرح خاص کرنے
کو کہتے ہیں کہ جب شے اول کا اطلاق کیا جائے یا
شے اول محسوس کی جائے تو اس سے شے ثانی
سمجھ میں آجائے وضع کی چار قسمیں ہیں وضع خاص
موضوع لا خاص۔ وضع عام موضوع لا عام وضع
خاص موضوع لا عام۔ وضع عام موضوع لا خاص

اعتبار قید زائد ملحقہ ————— المعنی ما یقصد بشیٰ فهو
اما مفعول اسم مکان بمعنی المقصد او مصدر مہمی بمعنی المفعول
او مخفف معنی اسم مفعول کمرئی ولما کان المعنی ما خوذ فی
الوضع ف ذکر المعنی بعدہ مبنی علی تجریدہ عنہ فخرجہ المہمل

[[ایسے معنے کے لئے]] معنی اسے کہتے ہیں جو کسی شے سے مقصد ہوتا ہے پھر معنی (بروزن) مفعول
اسم مکان جلئے قصد کے معنی میں ہے یا مصدر مہمی ہے مفعول کے معنے میں یا مفعول مکرر معنی
کی طرح اسم مفعول کا مخفف ہے اور (واضح ہو کہ) معنی جبکہ وضع (کی تعریف) میں داخل
ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر کرنا اس بنا پر ہے کہ وضع سے معنی کی تجرید ہوئی ہے (یعنی معنی
کو وضع سے الگ کر کے اس کا علیحدہ ذکر کر دیا گیا ہے) پھر وضع کی قید سے الفاظ مہملہ اور وہ
الفاظ جو تقاضائے طبع سے دلالت کرتے ہیں خارج ہو گئے کیونکہ وضع اور تخصیص کو ان سے

مفعول کا مخفف ہے مثل مری کے اس کی اصل معنوی
تھی بقاعدہ سمود او کو یار سے بدل دیا گیا اور نہایت
یار کی وجہ سے غم کو کسر سے بدل لیا پھر خلافت
قیاس ایک یار کو عزت کے کسر فون کو فتح سے
بدل لیا پھر یار کو الف سے اور الف کو اقار ساکنین کے
باعث گرادیا معنی ہو گیا اول کی دو تاویلوں پر اعتراض
ہو سکتا ہے کہ ثنودل اور تاویل کے درمیان کسی قسم کا
علاقہ ہونا ضروری ہے لہذا یہاں کیا علاقہ ہے تو اس کا
جواب یہ ہے کہ درمیان ظرف اور مفعول کے تو یہ
علاقہ مجاز ہے کہ یہ دونوں فعل کے متعلقات ہیں سے
ہیں اور مصدر مہمی داعم مفعول کے درمیان علاقہ
مجاز کلیت و جزئیت کا ہے۔

قوله ولما کان المعنی الخ یہ ایک

سوال مصدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ معنی کا ذکر
کرنا وضع کے بعد بے فائدہ ہے اس لئے کہ وضع کے
اندر خود معنی آگئے تھے یعنی شے ثانی سے معنی ہی مراد
ہیں تو جواب دیا کہ معنی کا ذکر کرنا اس جگہ تجرید پر مبنی
ہے معنی وضع کو معنی سے خالی کر کے اس کے بعد
معنی کو مستقلاً ذکر کر دیا پھر اعتراض پیدا ہوتا ہے
کہ تجرید خلافت اصل ہے پس تجرید کے ارتکاب میں
کیا نکتہ ہے معنی کا ذکر وضع کے اندر آجانا کالی تھا
جلہ بھی مختصر ہو جاتا تا بعد تجرید کی بھی حاجت نہیں تھی

کے لئے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ موضع قصد
لفظ ہے اور اگر مصدر مراد ہے تو متن کے معنے
یہ ہوں گے کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے
قصد کرنے کے لئے معنی مصدری کے اندر نسبت
ہوتی ہے تو یہاں پر مقاصد اور مقصود کے اندر
نسبت ہے اور معنی سے صرف ایک طرف
مراد ہوتی ہے یعنی مقصود اور اگر ثالث مراد ہیں
تو صیغہ ساعدت نہیں کرتا اس لئے کہ اسم مفعول
ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے اور
معنی اس کے وزن پر نہیں لہذا شایع نے اول
کے دو اعتراضوں کے دفعیہ کے لئے معنی المفعول
سے اشارہ کیا اور جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اسم مکان
یا مصدر مہمی مفعول کے معنے میں ہیں اس لئے کہ
جب ظروف اور مصادر کا استعمال اپنے اصل
معنے میں مستعمل ہوتا ہے تو تاویل کی حاجت لاحق ہوتی
ہے لہذا یہاں پر مفعول کے معنی میں سے کر تاویل کی
گئی ہے جیسے مشرب غذب اور مرکب فاؤ یہاں پر
مشرب اور مرکب دونوں کو مفعول کے معنے میں لیا گیا
ہے یعنی مشرب غذب و مرکب فاؤ تہ مجہول ہو
گا کہ پی ہوئی شے شیریں ہے اور سواری تیز رفتار ہے
انشکال ثالث کا جواب شایع نے مخفف معنی کہہ کر دیا
یعنی اگر معنی سے مراد اسم مفعول ہے تو وہ معنی اسم

قوله المعنی ما یقصد
بشی الخ معنی کے معنے لغت میں قصد کرنا
اور اصطلاح میں ما یقصد بشی کے ہی معنی ہو
کسی شے سے قصد کئے جائیں شایع نے
شے کہہ کر تعمیم کو مد نظر رکھا ہے تاکہ لفظ اور
غیر لفظ کو شامل ہو جائے مثلاً دوال اربعہ کہ
الفاظ نہیں ہیں مگر ان سے معنی سمجھ میں
آتے ہیں۔ اب اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ معنی
کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے
وہ معنی خارج ہو گئے جو قصد نہیں کئے گئے
جیسا کہ مضمرات اور اسماء اشارات میں کلان
کی وضع تو مفہوم کلی کے لئے ہوئی ہے مگر
استعمال جزئیات میں ہوتے ہیں تو ان سے
مفہوم کلی کا قصد نہیں کیا جاتا تو جواب یہ ہے
کہ اس میں ایک قید کا اضافہ کیا جائے گا یعنی
امکان کا لہذا مضمرات اور اسماء اشارات کا
استعمال اگرچہ جزئیات کے لئے ہوتا ہے مگر
کلیات کا امکان ہے لہذا اعتراض رفع ہو گیا
شایع نے اصطلاحی معنی کو لغوی معنی پر اسلئے
مقدم کیا کہ لغوی معنی میں تفصیل اور تطویل ہے
پس لغوی معنی بمنزلہ مرکب کے ہوئے اور اصطلاحی
بمنزلہ مفرد کے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے لہذا
اصطلاحی معنی کو مقدم کر دیا۔ لغوی معنی کے بیان
کرنے کی حاجت نہیں تھی اس لئے کہ علوم میں ان کا
قصد نہیں کیا جاتا مگر چونکہ اس میں اختلاف
تھا لہذا اس اختلاف کو بیان کرنے کیلئے شایع
نے لغوی معنی کا ذکر کر دیا۔

قوله فهو ما مفعول اسم مکان بمعنی

القصد الخ یہاں سے شایع لغوی معنی کو بیان
کرتے ہوئے ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں
سوال یہ ہے کہ لفظ معنی میں حال سے خالی ہیں یا
صیغہ اسم ظرف ہو گا یا مصدر بھی اسم مفعول اور
تینوں باطل ہیں اس لئے کہ معنی سے مراد اگر
صیغہ اسم ظرف ہے تو متن کے معنی یہ ہوں گے کہ
کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے مکان قصد

والا لفاظ الدالة بالطبع اذ لم يتعلق بها وضع وتخصيص اصلاً
وبقيت حروف الهجاء الموضوعه لغرض التركيب لا بائناً
المعنى وخرجت بقوله معنى اذ وضعها لغرض التركيب لا بائناً
المعنى فان قلت قد وضع بعض الالفاظ بائناً بعض آخر فكيف
يصدق عليه انه وضع لمعنى قلنا المعنى ما يتعلق به القصد وهو

اصلاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور حروف ہجا کہ جن کی وضع غرض ترکیب (الفاظ) کے لئے ہے
معنی کے مقابلے میں نہیں (وضع کی تعریف میں) باقی رہ گئے اور مصنف کے قول "معنى" سے
نکل گئے کیونکہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لئے ہے معنی کے مقابلے میں نہیں۔ پھر اگر آپ
سوال کریں کہ کچھ الفاظ دوسرے الفاظ کے مقابلے میں وضع کئے گئے ہیں تو ان پر "وضع لمعنى"
کیونکر صادق آئے گا؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ معنی اس کو کہتے ہیں جس سے قصد متعلق ہو اور

دلالة لفظ دیر کے پیچھے سے سنا گیا ہو وجود
لافظ پر۔ دلالت غیر لفظیہ بھی دو حال سے خالی نہیں
وضع کو دخل ہے یا نہیں اگر دخل ہے تو وضعیہ ہے
جیسے دلالت خط کی لفظ پر اور اگر وضع کو دخل نہیں
ہے تو عقلیہ ہے جیسے دھوپ کی دلالت آگ پر۔ ان
تمام دلائلوں میں سے دلالت لفظیہ وضعیہ کا اعتبار کیا
جاتا ہے پھر دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین قسمیں ہیں لفظ
کی دلالت تمام معنی موضوع لہ پر ہوگی یا جزر معنی
موضوع لہ پر یا خارج لازم معنی موضوع لہ پر پس اگر
تمام معنی موضوع لہ پر ہوگی تو دلالت مطابقیہ ہے
جیسے انسان کی دلالت حیوان ناطق پر اور اگر لفظ
کی دلالت جزر معنی موضوع لہ ہے تو دلالت تضمنی
ہے جیسے انسان کی دلالت صرف حیوان ناطق پر
ناطق پر اور اگر خارج لازم معنی موضوع لہ پر ہے تو
دلالت التزامیہ ہے جیسے انسان کی دلالت قابل علم
یا صنعت کتابت پر وضع کی قید سے ابھی تک وہ
حروف ہجا خارج نہیں ہوئے جو ترکیب کی غرض سے
وضع کئے گئے ہیں ذکر وہ حروف ہجا جو بمقابلہ معنی کے
وضع کئے گئے ہیں، معنی کی قید سے یہ حروف بھی خارج
ہو گئے اس لئے کہ ان کی وضع ترکیب کی غرض کے لئے
ہے معنی کے لئے نہیں۔ اس مقام پر شایع سے عبارت

جواب یہ ہے کہ لفظ وضع لمعنى مفرد کلمہ کی تعریف ہے
اور تعریف میں قیود کی تصریح ضروری ہوتی ہے لہذا
اس نکتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے شایع نے معنی کو علیحدہ
ذکر کیا۔

لکھ قولہ مخرج بالمہلات الخ شایع
اس عبارت سے فوائد قیود کی طرف اشارہ کرتے
ہیں وضع کی قید سے مہلات جیسے سبق وغیرہ اور وہ
الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں خارج ہو گئے اس
لئے کہ ان میں تخصیص ہے اور نہ وضع مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ ان جگہ دلالت کے معنی اور اس کے اقسام
کو بھی ذکر کر دیا جائے دلالت کے معنی یہ ہیں کہ ایک
شے کے علم سے دوسری شے کا علم ہو جائے مثلاً دل
کو دال اور شے ثانی کو دال دل کہتے ہیں پس دال اگر
لفظ ہے تو دلالت لفظیہ ہے اور اگر غیر لفظ ہے تو
دلالت غیر لفظیہ پھر دلالت لفظیہ دو حال سے خالی
نہیں وضع پر موقوف ہوگی یا نہیں اگر ہے تو دلالت
لفظیہ وضعیہ اور اگر نہیں تو دلالت لفظیہ غیر وضعیہ
پھر غیر وضعیہ دو حال سے خالی نہیں اگر مقتضائے
طبیعت کے اعتبار سے ہے تو طبیعیہ ہے جیسے لفظ
آخ کی دلالت درد سینہ پر اور اگر مقتضائے طبیعت
کے اعتبار سے نہیں ہے تو دلالت عقلیہ ہے جیسے

میں کچھ پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے جو خواہ مخواہ تشویش میں
ڈالتی ہے لہذا اس پیچیدگی کا سبب کرنا ضروری ہے۔
پیچیدگی یہ ہے کہ شایع کا قول الموضوعه لغرض التركيب
لا بائناً المعنى اس کے قول ولقيت حروف الهجاء کی دلیل
سے اور شایع کا قول اذ وضعها لغرض التركيب لا بائناً
المعنى دلیل ہے اس کے قول وخرجت بقوله معنى کے لئے کہ بقا اور خروج کے اندر اتحاد لازم آتا ہے اور
یہ باطل ہے اس لئے کہ بقا اور خروج کے درمیان منافق
ہونی ضروری ہے اسی طرح شایع کے قول لا بائناً
المعنى کو دلیل بقا کا جز بنانا صحیح نہیں اس لئے کہ بقا
قول شایع الموضوعه لغرض التركيب سے ثابت
ہو جاتی ہے پس اس عبارت کے بعد لا بائناً المعنى
کو ذکر کرنا صحیح نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قول شایع
الموضوعه لغرض التركيب شایع کے قول وخرجت الخ
کی دلیل ہے دلیل کو مدعی پر مقدم کر دیا جب کہ اکثر
جگہ شایع نے ایسا کیا ہے اور قول شایع اذ وضعها
لغرض التركيب دلیل کی تفسیر ہے تفسیر کی حاجت اس
لئے پیش آئی کہ دلیل غیر موضع میں واقع ہو گئی تھی اس
لئے کہ دلیل مدعی کے بعد ہوتی ہے اور یہاں مدعی
سے پہلے ہی مذکور ہو گئی اس لئے تفسیر کی ضرورت
واقع ہوئی۔ واضح ہو کہ جب حروف کو ان کے اسماء
کے ساتھ شمار کیا جائیگا مثلاً جب الباء والجم الفاظ
وغیرہ کہیں گے تو ان کو حروف ہجا کہیں گے۔ اور
جب وہ کسی کلمہ کا جز ہوں تو ان کو حروف مبنی
کہتے ہیں جیسے ضرب زید میں ض رب زی د۔ اور
جب ان کے کوئی معنی ہوں تو ان کو حروف معانی
کہتے ہیں جیسے مرت بزد میں بار۔

لکھ قولہ فان قلت الخ اعتراض پر ہے
کہ کلمہ کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ بعض الفاظ
ایسے ہیں جو بعض دوسرے الفاظ کے مقابلے میں وضع
کئے گئے ہیں پس یہ بات کیسے صادق آئے گی کہ الفاظ
معنی کے لئے وضع کئے گئے ہیں مثلاً لفظ اسم وضع
کیا گیا ہے زید۔ عمرو۔ بکر وغیرہ کے لئے۔ لفظ فعل
وضع کیا گیا ہے۔ ضرب یضرب اضرب کیلئے لفظ حرف

اعم من ان يكون لفظا او غيره فان قلت قد وضع بعض الكلمات المفردة بازاء الالفاظ المركبة كلفظ الجملة والخبر فكيف يكون موضوعا لمفرد قلنا هذه الالفاظ وان كانت بالقياس الى معانيها مركبة لكنها بالقياس الى الفاظها الموضوعية بازائها مفردة وقد اوجب عن الاشكالين بانه ليس ههنا لفظ وضع بازاء لفظ اخر مفردا كان او مركبا بل بازاء مفهوم كلي افراد الالفاظ كلفظ الاسم والفعل والحرف والخبر والجملة وغيرها ولا يخفى عليك

وهو (ما يتعلق به القصد) عام ہے لفظ ہو یا کوئی دوسری چیز پھر اگر آپ سوال کریں کہ بعض کلمات مفردہ الفاظ مرکبہ کے مقابلے میں وضع کئے گئے ہیں جیسے لفظ جملہ اور خبر کہ زید قائم و قام زید کے مقابلے میں وضع کئے گئے تو کیوں کر (کہا جاسکتا ہے کہ) یہ مفرد کے لئے وضع ہوئے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ الفاظ مرکبہ (زید قائم و قام زید) اگرچہ اپنے معنوں کے اعتبار سے مرکب ہیں لیکن اپنے ان الفاظ کے اعتبار سے کہ جو ان کے مقابلے میں موضوع ہیں یہ مفرد ہیں اور (بعض اہل علم کی طرف سے) دونوں سوالوں کا دیہ ایک ہی) جواب دیا گیا ہے کہ یہاں کوئی لفظ کسی دوسرے لفظ خواہ مفرد ہو یا مرکب کے مقابلے میں وضع کیا ہی نہیں گیا بلکہ لفظ ایک مفہوم کلی کے مقابلے میں وضع کیا گیا ہے جس کے افراد الفاظ ہیں جیسے لفظ اسم و فعل و حرف و خبر و جملہ (کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے جس کے افراد الفاظ ہیں) اور تم سے

مفرد ہی نہ مرکب یا یہ مفہومات اگرچہ بحسب الفاظ مرکب ہیں لیکن یہ حقیقت میں ان الفاظ کے معنی نہیں ہیں اس لئے کہ ان کے معنی فی الحقیقت امر اجلی کے ہیں جن کی تفصیل ان الفاظ کے ساتھ کی جاتی ہے یعنی مفہوم ایک امر منوی ہے اس لئے کہ مفہوم اس کو کہتے ہیں جو عقل میں حاصل ہو اور ان الفاظ مرکبہ کو مفہوم کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا ہے پس اپنی الفاظ کو از قبیل تسمیۃ المعبر باسم المعبر مفہوم کہنے لگے۔

قولہ ولا یخفى عليك الخ اس عبارت سے شائع ہے اور یہ کہ جواب کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حکم نہیں پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ ضمائر ہر بیانات مخصوصہ کے مقابلے میں وضع کی گئی ہیں مفہوم کلی کے لئے اعلیٰ وضع

ہے کہ اس اعتراض کو مقدم کیا جائے اس لئے مقدم کر دیا۔

قولہ وقد اوجب عن الاشكالين الخ یہ دو جواب بطریق التسلیم تھے اور یہ جواب پہل یعنی سبیل الانکار ہے مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ کسی لفظ کی وضع دوسرے لفظ مفرد یا مرکب کے مقابلے میں ہوئی ہے۔ بلکہ جن لفظوں سے تم اعتراض کرتے ہو اس کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہوئی ہے کہ جس کے افراد الفاظ ہیں جیسے لفظ اسم کہ اس کی وضع مفہوم کلی یعنی اول علی معنی فی نفس غیر مقررین باحد لازمۃ الثلثۃ کے لئے ہوئی ہے ایسے ہی فعل اور حرف کی وضع اور ایسے ہی خبر اور جملہ کی وضع مائیل الصدق والکذب کے لئے ہوئی ہے اور یہ مفہومات نہ

وضع کیا گیا ہے من الی، حتی وغیرہ کے لئے تو اس کا جواب شائع نے قلنا سے دیا ہے فرماتے ہیں کہ معنی وہ ہیں کہ ان کے ساتھ قصد متعلق ہو اور قصد عام ہے خواہ لفظ ہو یا غیر لفظ لہذا اب یہ بھی تعریف کلمہ میں داخل ہو گئے۔ اگرچہ اس اعتراض کے جواب کی حاجت نہیں اس لئے کہ معنی کی جو تعریف شائع نے مایقصد بشی کے ساتھ کی ہے اس میں کلمہ عام ہے جو لفظ اور معنی دونوں کو شامل ہے مگر شائع نے عموم نام سے اغماض برتتے ہوئے اس اعتراض کو تسلیم کر لیا وجہ اغماض یہ ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات بھی ہوئی ہے کہ زیادہ تر معنی کا استعمال لفظ ہی کے مقابلے میں ہوتا ہے پس کلمہ عام سے لوگوں نے صرف ماسوائے الفاظ یعنی معنی ہی مراد لئے اس بنا پر یہ اعتراض پیدا ہو گیا اور اس کا جواب دینا پڑا۔ شائع نے معنی کی دوسری تعریف کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دونوں تعریفیں مترادف ہیں۔

قولہ فان قلت قد وضع الخ یہ اعتراض بھی تعریف کلمہ کی جامعیت پر وارد ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ بعض کلمات مفردہ الفاظ مرکبہ کے مقابلے میں وضع کئے گئے ہیں جیسے لفظ جملہ اور خبر۔ پس ان کی وضع مفرد کے لئے کیسے ہوگی، لہذا کلمہ کی تعریف جامع نہیں رہی تو اس کا جواب شائع نے یہ دیا اگرچہ یہ الفاظ خود اپنے معنی کے اعتبار سے مرکب ہیں مگر نسبت ان الفاظ کے جو ان کے مقابلے میں وضع کئے گئے ہیں مفرد ہیں اسلئے کہ ہر لفظ جملہ جز معنی پر دلالت نہیں کرتا پس زیادہ قائم جس پر جملہ اور خبر صادق آتے ہیں باعتبار معنی کے مرکب ہیں اور باعتبار جملہ کے مفرد لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا لیکن شائع پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ یہ اعتراض اور جواب قید افراد کے بعد بیان کرنا چاہئے تھا چوں کہ قید افراد کی بنا پر اعتراض پڑتا ہے لہذا شائع نے اس کو کیوں ذکر کر دیا تو جواب یہ ہے کہ جواب ثانی دونوں اعتراضوں کا مشترک جواب جملہ اعتبار یہاں اس کو مستلزم

ان هذا الحكم منقوصٌ بامثال الضائر الراجعة الى الفاظ مخصوصة مفردة او مركبة فان الوضع فيها وان كان عاما لكن الموضوع له خاص فليس هناك مفهوم كلي هو الموضوع له في الحقيقة مفترکٌ وهو اما مجرورٌ على انه صفة لمعنى ومعناه ج مالا يدل جزء لفظه على جزئه وفيه انه يؤهم ان اللفظ موضوع للمعنى المتصف بالافراد والتركيب قبل الوضع وليس الامر كذلك فان اتصاف المعنى بالافراد والتركيب انما هو بعد الوضع فينبغي ان يرتكب فيه تجوز كما يرتكب في مثل من قتل قتيلا فله سلبه ومرفوع على انه صفة للفظ ومعناه ج مالا يدل جزءه على جزء معناه ولا بد ج من بيان ثلثة في ايراد احد الوصفين

یہ بات محتمل نہیں رہنی چاہئے کہ یہ جواب ضمیروں کے امثال سے جو کہ الفاظ مخصوصہ مفردہ یا مرکبہ کی طرف راجع ہوتے ہیں ٹوٹ کر رہ جاتا ہے کیونکہ ضائر کی وضع اگرچہ عام ہے لیکن ان کا موضوع نہ (جس میں ان کا استعمال ہوتا ہے) خاص ہے لہذا یہاں مفہوم کلی حقیقت میں موضوع نہ نہیں ہے (جو مفرد ہوا اور مفرد) یا تو مجرور ہے اس بنا پر کہ معنی کی صفت ہے اور اس وقت معنی مفرد کا معنی ہوگا جس کے لفظ کا جز اس کے جز پر دلالت نہ کرے اور اس صورت میں اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ لفظ ایسے معنی کے لئے موضوع ہے جو وضع سے قبل افراد و ترکیب سے متصف ہے حالانکہ یہ بات اس طرح نہیں ہے کیونکہ معنی کا افراد و ترکیب سے متصف ہونا وضع کے بعد ہے تو اس وہم کے رفع کرنے کے لئے مناسب ہے کہ اسے مجاز پر محمول کرنے کا ارتکاب کیا جائے جس طرح کہ من قتل قتيلا فله سلبه (حدیث) کے مثل میں (غیر مقتول کو مایوؤول کے اعتبار سے قتل فرما کر) مجاز کا ارتکاب کیا جاتا ہے یا مفرد مرفوع اس بنا پر کہ یہ لفظ کی صفت ہے اور اس وقت لفظ مفرد کا معنا ہوگا جس کا جز اس کے معنی کے جز پر دلالت نہ کرے اور لفظ کی دو صفتوں (وضع اور مفرد) میں سے ایک کے

نہیں ہے۔ یعنی ضمیری ہمیشہ مخصوص چیزوں کے مقابلہ میں وضع ہوتی ہیں خواہ الفاظ مفرد ہوں یا مرکب اس لئے کہ اگرچہ ان میں وضع عام ہوتی ہے مگر موضوع نہ تو خاص ہی ہوتا ہے پس اس جگہ کوئی مفہوم کلی حقیقت میں موضوع نہیں ہوتا لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ مفہوم کلی کے مقابلہ میں الفاظ موضوع ہوتے ہیں اس کا

شراح کا جواب ثانی چونکہ مذہب متقدمین پر مبنی ہے اور یہ اعتراض جو متاخرین مذہب پر وارد ہوتا ہے لہذا اس کے جواب دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

۵۱ قول مفرد الخ مفرد کے اندر تنویر احتمال ہیں رفع نصب جرح قریب کا احتمال جو کہ ہے اس لئے شراح اس کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں وہو اما مجرور الخ یعنی مفرد مجرور اس بنا پر ہوگا کہ معنی کی صفت قرار دیا جائے معنی چونکہ لام جارہ کی وجہ سے مجرور ہے اور موصوف ہے تو جواراب موصوف کا ہوتا ہے وہی صفت کا ہوا کرتا ہے لہذا مفرد بھی مجرور ہوگا اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو معنی مفرد کے لئے مفرد معنی کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ مفرد معنی وہ معنی ہے جس کے لفظ کا جز معنی کے جز پر دلالت نہ کرے

۵۲ قول و نذر یوم الخ مفرد کو مجرور ماننے کی صورت میں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے جس کو شراح اس عبارت سے بیان کر کے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ معنی قبل الوضع ترکیب اور افراد کے ساتھ متصف ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ معنی کا اتصاف افراد و ترکیب کے ساتھ وضع کے بعد ہوتا ہے۔ جواب یہ دیا کہ مصنف کے مایکون کے اعتبار سے مجازاً موصوف کر دیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مجازاً غیر مقتول کو مایکون کے اعتبار سے قتل (مقتول) کہا گیا ہے من قتل قتيلا فله سلبه مجاز یعنی جس شخص نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس قاتل کے لئے اس مقتول کا سامان ہے یہاں بھی مقتول کو قتل از قتل قتل مجازاً کہا گیا ہے ورنہ معنی صحیح نہیں ہوتے اسی طرح مفرد میں یہی تجوز اختیار کیا جائیگا اگرچہ یہ اعتراض ہے مگر حقیقت میں نہیں پڑتا بلکہ چونکہ جواب بھی ظاہر ہے اس لئے اس اعتراض کو وہم کہا۔

۵۳ قول و نذر الخ دوسرا احتمال

جملة فعلية والآخر مفردا او كان النكتة فيه التنبيه على تقدم
الوضع على افراد حيث آتى به بصيغة الماضي بخلاف الافراد
اما نصبه وان لم يساعد رسم الخط فعلى انه حال من المستكن
فى وضع او من المعنى فانه مفعول به بواسطة اللام ووجه
صحته ان الوضع وان كان مقدما على الافراد بحسب الذات
لكنه مقارن له بحسب الزمان وهذا القدر كافى لصحة الجملة

ہے کہ مفرد کو مفعول پڑھا جائے اس صورت میں
یہ لفظ کی صفت ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ کلمہ
ایسا لفظ مفرد ہے جو وضع کیا گیا ہو معنی کیلئے
تعریف لفظ مفرد یہ ہے کہ جز لفظ جز معنی
پر دلالت نہ کرے ولا بدج سے شایع ایک سوال
کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے
کہ مصنف لفظ کی پہلی صفت کو جملہ بفعل ماضی
لائے ہیں اور ثانی صفت کو مفرد دونوں کو ایک
طرز پر نہیں لائے اس میں کیا نکتہ ہے تو اس
کا جواب وگاٹ سے یہ دیتے ہیں کہ مصنف کو
اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وضع افراد
پر مقدم ہوتی ہے یعنی وضع پہلے اور معنی کا مفرد
اور مرکب ہونا بعد کو ہوتا ہے اور یہ اشارہ ہو
سکتا ہے اس طرح پر کہ پہلی صفت کو صیغہ ماضی
کے ساتھ لایا جائے دوسری صفت کو مفرد کے
کے ساتھ لایا جائے یعنی اس کو صیغہ ماضی کے
ساتھ بیان نہیں کیا۔

قولہ واما نصب الخ فیما احتال
نصب کا ہے اگرچہ رسم الخط احتمال نصب کی
موافقت نہیں کرتی اس لئے کہ نصب کی صورت
میں مفرد الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ
متاخرین کے نزدیک ہے اور تقدیم کے نزدیک
اس کی رسم بالالف ہی ہے اس لئے اس صورت
پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا ہے اگر مفرد کو منصوب
پڑ جائے تو وضع کی ضمیر مستکن سے حال ہو
گا حال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ فاعل یا مفعول
سے ہو اور یہاں نہ فاعل ہے نہ مفعول بلکہ مفعول
مالم لیم فاعل ہے لہذا اس کو ضمیر ہو سے حال
قرار دینا صحیح نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ
مفعول مالم لیم فاعل صاحب مفصل کے
نزدیک حقیقتاً فاعل ہوتا ہے اور جمہور کے
نزدیک حکماً اور حال کے لئے یہ ضروری نہیں کہ
ذوالحال فاعل حقیقی ہی ہو بلکہ عام ہے کہ فاعل
حقیقی ہو یا حکمی پھر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ
حال کو ذوالحال کے پاس ہونا ضروری ہے اور

جملہ فعلیہ اور دوسری کے مفرد لانے میں نکتے کا بیان کرنا اس وقت ضروری ہے اور گویا کہ
اس میں نکتہ (مصنف کی طرف سے قاری کو) اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ وضع افراد سے مقدم
ہے کیونکہ وضع کو افراد کے برعکس صیغہ ماضی سے لایا گیا ہے (جو وضع کے تقدم وجود پر دلالت
کرتا ہے) اور ہا مفرد کا منصوب ہونا اگرچہ رسم الخط اس کی موافقت نہیں کرتی (کہ اس
کے بعد متون بصورت الف نہیں لکھی ہوئی) تو وہ اس بنا پر ہے کہ یہ وضع کی ضمیر مستتر
(فاعل حکمی) سے حال ہے یا معنی سے حال ہے کیونکہ معنی لام جارہ کے واسطے سے مفعول ہے
(اس صورت میں مفعول بہ سے حال ہوگا) اور مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال ہونا اس وجہ سے
صحیح ہے کہ وضع اگرچہ ذات کے اعتبار سے افراد سے مقدم ہے لیکن زمانے کے اعتبار سے اس
سے مقارن ہے اور یہ قدر (یعنی ذوالحال و حال میں معیت زمانہ) صحت حالیت کے لئے کافی

یہاں پر ذوالحال اور حال کے درمیان معنی کا
فصل واقع ہو جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے
کہ اتصال اس وقت ضروری ہوتا ہے جبکہ
التباس کا خوف ہو اور یہاں پر التباس نہیں لفظ
کی صفت کی صفت ہوتے ہیں اور ثانیاً معنی
کی لہذا کوئی اعتراض نہیں رہا یا معنی سے حال
ہے اس صورت میں پھر اعتراض پڑتا ہے کہ
ذوالحال کے لئے فاعل یا مفعول ہونا ضروری
ہے اور معنی نہ فاعل ہے نہ مفعول تو اس کا جواب
دینے کے لئے شایع نے فرمایا ہے فاعل مفعول الخ
یعنی معنی بواسطہ حرف جار یعنی لام کے مفعول بہ
ہے لہذا اس سے حال قرار دینے میں کوئی حرج
نہیں ہے۔

قولہ ووجه صحت الخ مفرد کو ضمیر
وضع معنی حال قرار دینے میں ایک اعتراض پیدا
ہوتا ہے جس کا جواب شایع اس عبارت سے
دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ حال کے صحیح ہونے
کی شرط یہ ہے کہ حال اور فاعل ذوالحال کا زمانہ
ایک ہو اور اس جگہ زمانہ متحد نہیں ہے اسلئے
کہ وضع افراد اور ترکیب پر مقدم ہے۔ لہذا
مفرد کو حال بنا نا درست نہیں نیز رسم خط بھی اس
کی تائید نہیں کرتی جواب یہ ہے کہ اگرچہ وضع
افراد پر بحسب الذات مقدم ہے۔ لیکن بحسب
الزمان وضع افراد سے مقارن ہے اس لئے کہ
تقدم و تاخر ذاتی اور مقارنت زمانی میں کوئی
مناقات نہیں اس لئے کہ مقارنت زمانی وہ ہے
کہ مقدم و مؤخر دونوں ایک زمانہ میں پائے جائیں
اور تقدم و تاخر ذاتی وہ ہے کہ مؤخر مقدم کا معنی
ہو اور مقدم مؤخر کے لئے علت تامہ ہو کہ یہاں
پہلے افراد وضع کا محتاج ہے اور وضع افراد کی

وَقَيْدَ الْاِفْرَادِ لِاَخْرَاجِ الْمَرْكِبَاتِ مطلقاً سواء كانت كلامية
او غير كلامية فيخرج به عن حد الكلمة مثل الرجل وقائمة و
بصري و امثالها مما يدل جزء اللفظ منه على جزء المعنى لكنه
يعد لشدة الامتزاج واحدة واعرب باعراب واحد وبقي
مثل عبد الله علما داخل فيه مع انه معرب باعرابين ولا يخفى
علم الفطن العارف بالعرض من علم النخوة لو كان الامر بالعكس

ہے اور افراد کی قید ہمہ قسم کے مرکبات کو (تعریف کلمہ سے) خارج کرنے کے لئے ہے۔ خواہ
مرکبات کلامیہ ہوں (جیسے زید قائم وقام زید) یا غیر کلامیہ (جیسے غلام زید ورجل عالم) پھر
افراد کی قید سے الرجل اور قائمة اور بصري اور ان جیسے (مرکبات) کہ جن کے لفظ کی جز
ان کے معنی کی جز پر دلالت کرتے ہیں لیکن شدت امتزاج کی وجہ سے ایک کلمہ شمار ہوتے ہیں۔
اور انہیں ایک اعراب دیا جاتا ہے (بھی) کلمہ کی تعریف سے نکل جاتے ہیں اور عبد الشریح
(کلمات کا) بہ حالت علم کلمہ کی تعریف میں داخل (ہونا) باقی رہ جاتا ہے باوجود اس کے کہ اسے
دو اعراب دیے جاتے ہیں اور علم نحو کی غرض سے باخبر ہوشیار انسان سے یہ بات پوشیدہ نہیں
رہ سکتی کہ اگر یہ امر برعکس ہوتا تو زیادہ مناسب تھا اور صاحب مفصل نے کلمہ کی تعریف میں

مصنف نے لفظ کو قیودات سے مقید کر کے
تمام کو خارج کر دیا۔

۵۵۷ قولہ یخرج بالام اس سے ایک
سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کہ
کلمہ کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے
کہ کلمہ کی تعریف سے الرجل اور قائمة اور بصري
اور ان کے مثل خارج ہو گئے چنانکہ جنہ لفظ جز سے
پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ الرجل میں الف لام
تعریف پر اور رجل سے پر دلالت کرتا ہے اور
قائمة میں قائم من لا یتقام اور قائم من لا یتقام
کرتی ہے اسی طرح بصري ایک شہر اور بصر
نسبت پر دلالت ہوتی ہے خروج کی وجہ سے
کہ ان کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرکب
ہیں حالانکہ واقع میں یہ مفرد ہیں اس لئے انہیں ایک
اعراب ہے اور اعراب کا واحد ہونا لفظ کے احد
نے پر اور اعراب کا تعدد لفظ کے تعدد پر

علت تامہ ہے لیکن دونوں کا زمانہ ایک ہے
جیسے حرکت پیدا اور حرکت قلم کہ دونوں کا زمانہ
ایک ہے اور حرکت قلم حرکت قلم کی محتاج ہے
اس لئے کہ ہاتھ کی حرکت کے بغیر قلم کی حرکت نہیں
ہو سکتی اسی طرح وضع اور افراد کا دونوں کا زمانہ
ایک ہے اور وضع افراد پر مقدم بھی جہذا اب
کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اس وقت قائل
ذوالحال اور رجل کا زمانہ ایک ہو گیا اور وضع کا
افراد پر مقدم بھی باقی رہا اور حال کی صحت کے
لئے مقدر کافی ہے۔

۵۵۸ قولہ وقید الافراد الخ یہاں سے
افراد کی قید کا فائدہ بتانا چاہتے ہیں۔ افراد کی
قید سے مرکبات کلامیہ اور غیر کلامیہ سب خارج
ہو گئے کلمہ کی تعریف میں لفظ جو کلمہ ایک نہیں تھا
جس میں تمام مہلات اور موضوعات والفاظ والہ
بالطبع اور مرکبات وغیرہ سب داخل تھے، لہذا

دلالت کرتا ہے تو شارح نے جواب دیا کہ ان کے
نکل جانے میں کچھ عجز نہیں اس لئے کہ یہ حقیقت
میں مرکب ہی میں مگر شدت امتزاج و تعلق کے
باعث یہ ایک لفظ شمار ہونے لگے اور اعراب
بھی ایک ہی دیا جانے لگا۔

۵۵۸ قولہ وبقي مثل الخ اعتراض اور
ہونا ہے کہ کلمہ کی تعریف دخول غیر سے مانع
نہیں اس لئے کہ اس میں عبد اللہ اور اسکے مثل
جب ر علم ہوں داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ
بدامتہ مرکب ہیں اور ان پر اعراب بھی دو ہی جاری
ہوتے ہیں تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ انکا
داخل ہو جانا مضر نہیں ہے اس لئے کہ یہ حالت
علمیت میں ایک کلمہ ہے اور اس کا دو اعرابوں کے
ساتھ معرب ہونا اس لئے ہے کہ اعلام کے اندر حال
سابق کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی باعتبار وضع سابق
کے ترکیب کا لحاظ کیا گیا ہے۔

۵۵۹ ولا یخفى الخ یہاں سے شارح دونوں
سابق اعتراضوں کے وقوع کی حقیقت بیان کرنا
چاہتے ہیں کہ آیا مصنف کی عبارت سے یہ دونوں
اعتراض ایسے واقع ہوئے ہیں کہ سابق جوابوں سے
وہ رفع ہو گئے یا نہیں تو شارح اس کے متعلق کہتے ہیں
کہ مصنف پر سے یہ اعتراض اگرچہ سابق جواب سے
رفع ہو جائیں لیکن مصنف کا المراد اور قائمہ وغیرہ کو
تعریف کلمہ سے خارج الخ عبد اللہ کو فل کرنا حیثیت
اور اصلیت اور غرض نحو کے خلا لڑنا ہے بلکہ
مصنف کو الرجل اور قائمہ کو تعریف کلمہ میں داخل کرنا
چاہئے اور عبد اللہ کو خارج جیسا کہ نحو کی غرض بتاتی
ہے کہ نحو بالذات الفاظ سے بحث کرتے ہیں معنی
سے اس کی بحث بالطبع اس پر ایک اعراب جاری
ہو اس کو مستلزم ہے اس کو ایک کلمہ اعتبار کیا جائے
اگرچہ معنی کے اعتبار سے مرکب ہے اور عبد اللہ کو دو
کلمہ چونکہ اس پر دو اعراب جاری ہوتے ہیں اگرچہ
وضع ثانی کے اعتبار سے اس کا جزد معنی کے جزد
پر وال نہیں ہے۔

لکان النسب وما أوردَ صاحبُ المفصل في تعريفِ الكلمة حيث قال هي اللفظة الدالة على معنى مفردٍ بالوضع مثل عبد الله لما علما خرج عنه فانه لا يقال له لفظة واحدة وبقي مثل الرجل وقائمة وبصري ما يعد كشدة الامتزاج لفظة واحدة داخلًا فيه فاخرج به بقيد الافراد ولولم يخرج به بتركه لكان النسب كما عرفت واعلم ان الوضع يستلزم الدلالة لان الدلالة كون الشيء بحيث يفهم منه شيء آخر فمقتضى تحقق الوضع تحققت الدلالة فبعد ذكر الوضع كاحاجة الى ذكر الدلالة كما وقع في هذا الكتاب لكن الدلالة لا تستلزم الوضع لا مكان ان تكون بالعقل كدلالة لفظ دين المسموع من وراء الجدار على وجود اللفظ وان تكون بالطبع كدلالة احاح على وجع الصدر فبعد ذكر الدلالة لابد من ذكر الوضع كما في

۱۵ قولہ وما اورد صاحب المفصل في تعريفِ الكلمة حيث قال هي اللفظة الدالة على معنى مفردٍ بالوضع مثل عبد الله لما علما خرج عنه فانه لا يقال له لفظة واحدة وبقي مثل الرجل وقائمة وبصري ما يعد كشدة الامتزاج لفظة واحدة داخلًا فيه فاخرج به بقيد الافراد ولولم يخرج به بتركه لكان النسب كما عرفت واعلم ان الوضع يستلزم الدلالة لان الدلالة كون الشيء بحيث يفهم منه شيء آخر فمقتضى تحقق الوضع تحققت الدلالة فبعد ذكر الوضع كاحاجة الى ذكر الدلالة كما وقع في هذا الكتاب لكن الدلالة لا تستلزم الوضع لا مكان ان تكون بالعقل كدلالة لفظ دين المسموع من وراء الجدار على وجود اللفظ وان تكون بالطبع كدلالة احاح على وجع الصدر فبعد ذكر الدلالة لابد من ذكر الوضع كما في

هو اللفظة بتلئے وحدت) وار دیا جہاں کہ انہوں نے (کلمہ کی تعریف میں) کہا ہے اللفظة الدالة على معنى مفرد بالوضع "تو اس (تعریف) سے عبد اللہ جیسا (مربک لفظ) بہ حالت علم خارج ہو گیا کیونکہ اسے ایک لفظ نہیں کہا جاتا اور الرجل اور قائمة اور بصری جیسے الفاظ کا جو شدت امتزاج کی وجہ سے ایک لفظ شمار ہوتے ہیں کلمہ کی تعریف میں داخل ہونا باقی رہ گیا پھر افراد کی قید سے اسے نکال دیا اور اگر وہ اس قید کو ترک کر کے اسے (تعریف کرے) نہ نکالتے تو زیادہ مناسب تھا اس کی وجہ وہی ہے جو آپ نے معلوم کر لی (کہ نحوی کی عرض جانب لفظ کا لحاظ ہے نہ کہ معنی کا) اور معلوم ہونا چاہئے کہ وضع دلالت کو لازم ہے کیونکہ دلالت ایک شے کا اس طرح ہونا ہے کہ اس سے دوسری شے سمجھی جائے تو جب وضع کا تحقق ہو گا دلالت بھی متحقق و موجود ہو جائیگی لہذا وضع کے ذکر کے بعد دلالت کے ذکر کی حاجت نہیں جیسا کہ اس کتاب (کافیہ) میں واقع ہوا لیکن (دلالت کے لانے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ) دلالت وضع کو لازم نہیں کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ دلالت عقل کے ذریعے ہو جیسا کہ لفظ دین کی جو دیوار کے پیچھے سنا جائے وجود لفظ پر (عقل سے) دلالت ہے اور ممکن ہے کہ دلالت بالطبع ہو جیسا کہ آخ کی درد سینہ پر دلالت (بالطبع) ہے لہذا دلالت کے

۱۵ قولہ واعلم ان الوضع الخ اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دلالت دو حال سے خالی نہیں کلمہ کی تعریف میں مراد ہوگی یا نہیں اگر مراد ہوگی تو وضع کا کافیہ کی عبارت نامحسوس ہے اس لئے کہ اس میں دلالت کا ذکر نہیں ہے اور اگر مراد نہیں تو صاحب مفصل کا دلالت کو ذکر کرنا بیکار ہے تو اس کا جواب شائع یہ دیتے ہیں کہ وضع دلالت کے لئے لازم ہے اس لئے دلالت کی تعریف یہ ہے کہ شے اول کے سمجھنے سے شے ثانی سمجھ میں آجائے پس جب وضع پائی جائے گی دلالت بھی متحقق ہوگی پس وضع کو ذکر کرنے کے بعد دلالت کے ذکر کی حاجت نہیں جیسا کہ صاحب کافیہ نے کیا ہے لیکن دلالت وضع کے لئے ضروری نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ دلالت وضع کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ عقل کے اعتبار سے ہو جیسے لفظ دین کی دلالت جو کہ دیوار کے پیچھے سے سنا گیا ہو وجود لفظ پر اس میں وضع کا کہیں ذکر نہیں بلکہ صرف

عقل سے وجود لفظ سمجھ میں آتا ہے یا دلالت بالطبع ہو جیسے دلالت آخ کی درد سینہ پر پس صاحب مفصل کے لئے ضروری ہو کہ دلالت کے بعد وضع کو ضرور ذکر کرے۔ اس تفصیل کے بعد یہ اندازہ لگایا

المفصل وهي اي الكلمة اسم وفعل وحرف
اي منقسمة الى هذه الاقسام الثلاثة ومنصورة فيها لانها
اي الكلمة لما كانت موضوعا لمعنى والوضع يستلزم الدلالة

ذکر کے بعد وضع کا ذکر ضروری ہے جیسا کہ مفصل میں ہے (اور وہ) یعنی کلمہ (اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے) یعنی کلمہ ان تین قسموں کی طرف تقسیم ہوتا اور انہی تینوں قسموں میں منقسم ہے (کیونکہ کلمہ) یعنی کلمہ جبکہ معنی کے لئے موضوع تھا اور وضع دلالت کو لازم ہوتی ہے تو

جا سکتا ہے کہ صاحب کافیہ کی عبارت صاحب مفصل سے ہزار درجہ بہتر اور جامع ہے۔

۵۶۳ قولہ وہی ای الکلمۃ الخ کلمہ کی تعریف

اور فوائد قیود بیان کرنے کے بعد مصنف کلمہ کی تقسیم کرتے ہیں ہی کا مرجع اگر کلمہ لیا جائے تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلمہ بقرینہ دخول لام خود اسم ہے اور یہی تین اقسام اسم وفعل وحرف کی طرف منقسم ہے لہذا انقسام شے الی نفسانی وغیرہ لازم آتا جو کہ ناجائز ہے۔ اور اگر ہی کا مرجع مفہوم کلمہ قرار دیں تو طابع اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں اس لئے کہ مرجع مؤنث سادہ مفہوم مذکر۔ تو اس کے جواب میں شائع فرماتے ہیں کہ ہی کا مرجع لفظ کلمہ ہے اور تقسیم باعتبار مفہوم کلمہ ہو گی، اور دوسرا جواب علی سبیل الامکان یہ ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مفہوم مذکر ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مفہوم لفظ کے تابع ہوتا ہے اگر لفظ مذکر ہے تو مفہوم بھی مذکر اور اگر لفظ مؤنث ہے تو مفہوم بھی مؤنث ہوتا ہے لہذا اس کا مرجع مفہوم ہو سکتا ہے اور طابع و مرجع میں مطابقت بھی ہوگی چونکہ کلمہ مؤنث ہے اس لئے اس کا مفہوم بھی مؤنث ہوا اور مرجع بھی مؤنث صحیح یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب اسرار اشارہ اور اشارہ مبتدا ہوں تو تذکرہ تانیث میں خبر کی رعایت ہوتی ہے ذکر مرجع اور اشارہ الیہ کی پس خبر کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر کو مذکر لاتا چاہئے تھا ای ہوا اسم وفعل وحرف تو اس کا جواب شائع نے منقسمہ مقدمان کر دیا یعنی یا مبتدا کی خبر محذوف ہے ای ہی ای الکلمۃ منقسمہ لے لے ہذا الاقسام الثلاثة لہذا اب ضمیر خبر کی رعایت ہو

گئی نہ کہ مرجع کی بھریا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ محذوف ماننے کے لئے کسی قرینہ کا ہونا ضروری ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اولاً مصنف نے کلمہ کی تعریف کی ہے اور اس کے بعد تقسیم کا درجہ ہے لہذا معلوم ہوا کہ یہ جملہ تقسیم کلمہ میں ہے اور لفظ منقسمہ خبر محذوف ہے الی ہذا الاقسام الثلاثة کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تقسیم کی دو قسمیں ہیں ایک تقسیم اعلیٰ الی الجزئیات جیسے حیوان کی تقسیم۔ انسان و فرس۔ و غنم کی طرف دوم تقسیم اعلیٰ الی الاجزاء جیسے سگنہیں کہ یہ شہد۔ سرکہ۔ اور پانی کے مجموعہ کا نام ہے اس میں ولد عاقلہ معطوف اور معطوفہ علیہ کے وجود کے وجہ ہونے کے لئے آتا ہے سگنہیں فقط سرکہ یا شہد یا پانی کو نہیں کہہ سکتے بلکہ مجموعہ کو کہیں گے اور تقسیم اول میں ہر جز ہر قسم کا اطلاق ہو سکتا ہے کہہ سکتے ہیں کہ انسان حیوان ہے۔ فرس حیوان ہے۔ غنم حیوان ہے لہذا یہاں پہلی قسم مراد ہے یعنی کلمہ کا اطلاق ہر ایک اسم وفعل وحرف پر علحدہ علحدہ ہوتا ہے یعنی احد بالاسم و ثانیہا فعل۔ و ثانیہا حرف اور واحد عطف مطلق جمع کے لئے نہیں ہے کہ عطف حکم پر مقدم ہو جائے بلکہ حکم عطف پر مقدم ہے اور یہ معنی ہیں کہ کلمہ اسم ہے کلمہ فعل ہے کلمہ حرف ہے پس جبکہ ہر خبر خود علیحدہ علیحدہ حکم ہے تو اب کوئی اعتراض نہیں، پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصنف کی دلیل حرجیہ کہ لانا ہے شروع ہوتی ہے بغیر دعویٰ کے ہے دعویٰ تاویل میں مذکور نہیں اور دلیل بلا دعویٰ نہیں ہوا کرتی ہے لہذا مصنف کی دلیل بلا

اظہار دعویٰ ٹھہری۔ تو اس کا جواب شائع نے د منقسمہ مقدمان کمال کر دیا یعنی مصنف کے کلام میں دعویٰ مقدم ہے جس کی یہ دلیل ہے۔

۵۶۳ قولہ لانا ای الکلمۃ الخ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصنف نے تقسیم کلمہ کی اس طرح کی ہے ہی اسم وفعل وحرف۔ اور دلیل حصر میں حرف کو مقدم کیا اس کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ تقسیم میں اسم کو فعل وحرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ اسم کلام عرب میں عمدہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ محکوم بہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور فعل کو حرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ یہ کلام عرب میں کلام کا ایک جز ہوتا ہے یعنی مسند ہوتا ہے۔ اور حرف میں دونوں میں سے کسی ایک کی بھی صلاحیت نہیں اس لئے اس کو سب سے مؤخر کیا اور دلیل حصر میں حرف کو اس وجہ سے مقدم کر دیا کہ حرف بسیط ہوتے ہیں اور بسیط مرکب پر مقدم ہوتا ہے اصل میں تقدم کی وجہ یہ ہے کہ اگر حرف کو مقدم نہ کریں تو دلیل میں تکرار لازم آتا ہے جو اختصار منظور کے خلاف ہے شائع الی الکلمہ سے تو اس طے اشارہ کیا کہ لانا میں ہا کا مرجع کلمہ ہے اور الوضع مستلزم الخ سے ایک سوال کا جواب دینا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ مصنف نے دلیل حصر میں دلالت کا ذکر کیا ہے اور کلمہ کی تعریف میں دلالت کا کہیں ذکر نہیں اس وجہ سے دلیل اور دعویٰ کے درمیان مخالفت لازم آتی ہے۔ تو اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ کلمہ معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور وضع دلالت کو مستلزم ہے (جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا) پس کلمہ کی تعریف میں دلالت حکماً مذکور ہوئی لہذا دعویٰ اور دلیل کے درمیان مخالفت نہیں ہے بلکہ دونوں میں مطابقت ہے۔

۵۶۴ قولہ اما من صفتها الخ یہ ایک سوال مقدم کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ ان ہر حرف مشبہ بفعل مبتدا اور خبر پر دخل ہوتا ہے اول کو اسم ان اور ثانی کو خبر ان کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مبتدا

امّا من صفتها ان تدلّ علی معنی کائن فی نفسها
ای فی نفس الكلمة والمراد بكون المعنی فی نفسها ان تدلّ علیہ
بنفسها من غیر حاجة الی انضمام كلمة أخرى الیها لاستقلالہ
بالمفہومیۃ اق من صفتها ان لا تدلّ علی معنی فی نفسها
بل علی معنی یحتاج فی الدلالة علیہ الی انضمام كلمة أخرى الیها
لعدم استقلالہ بالمفہومیۃ ویسجد تحقیق ذلك فی بیان حدیث اسم
ان شاء الله تعالی سبحانہ القسم الثانی وهو لا یدلّ علی معنی فی

کی خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے لہذا ان کی خبر بھی اسم
ان پر محمول ہوگی مگر یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے
کہ ان کا اسم ضمیر متصل ہے اور ان تدلّ خبر ہے جو کہ
مصدر کی تاویل میں ہے اور مصدر وصف ہوتا ہے
اور وصف کا مل ذات پر نہیں ہوا کرتا۔ جواب یہ
ہے کہ ان تدلّ ان کی خبر نہیں ہے بلکہ ان کی خبر من
صفتها محذوف ہے اور ان تدلّ جو کہ تاویل مفرد
ہو کر مصدر ہو گیا یعنی دلالت تو یا تو وہ ظرف کا
فاعل ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر من صفتها
مقدم ہے اور یہ پورا جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر محل
رفع میں ان کی خبر ہے پس اس وقت مصدر کا مل
ذات پر لازم نہیں آتا کائن کو اس لئے مقدر
نکالا کہ فی نفسها اس کے متعلق ہے اور کائن اپنے
متعلق سے مل کر معنی کی صفت ہے۔ اسے فی
نفس الكلمة کہہ کر بتا دیا کہ فی نفسها میں ہا ضمیر
کا مرجع کلمہ ہے۔ پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ
معنی کے نفس کلمہ میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ
معنی کلمہ کے لئے مدلول علیہ ہے اور یہی معنی بعینہ
قول مصنف ان تدلّ کے بھی ہیں لہذا مصنف کی
عبارت میں تکرار لازم آتا ہے جس کا جواب شراح
نے والمراد کہہ کر دیا۔ یعنی معنی کے نفس کلمہ میں
ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول علیہ ہے
کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کی حاجت نہیں کیونکہ
کلمہ کے معنی مستقل بالمفہوم ہیں یعنی اس کے معنی بغیر
کسی ضمیمہ کے سمجھ میں آجاتے ہیں اور ان تدلّ کا مفہوم
یہ ہے کہ معنی مدلول علیہ مطلق کلمہ کا ہے عام انہی کہ
مستقل بالمفہومیت ہو یا نہ ہو پس مصنف کی عبارت
میں تکرار لازم نہیں آتی۔

۵۶۵ قولہ راو من صفتها ان لا تدلّ الخ

من صفتها کی تقریر یا سبق میں مذکور ہو چکی۔ ان لا
تدلّ سے ایک سوال مقدم کا جواب ہے۔ سوال یہ
ہے کہ ان لا تدلّ میں جیسا کہ مطلق دلالت کی نفی ہوتی
ہے وضع کی بھی ہو جاتی اس لئے کہ وضع خاص ہے
اور دلالت عام اس لئے دلالت بغیر وضع کے بھی
پائی جاتی ہے جیسے دوال اربعہ خطوط عقوق و اشات

کلمہ کی تین قسموں میں منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (یا) اس کی صفت سے (یہ ہوگا کہ وہ
ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کے نفس میں ہے) یعنی نفس کلمہ میں ہے اور معنی کے
نفس کلمہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس معنی پر بذات خود دلالت کرے بغیر اس کے
کہ اسے کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی حاجت ہو کیونکہ وہ معنی مستقل بالمفہوم ہے (اس
لئے اس کلمہ کو کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی ضرورت نہیں) (یا) اس کی صفت سے یہ
ہوگا کہ اس معنی جو اس کی ذات میں ہے دلالت ((نہیں)) کرے گا بلکہ اس معنی پر دلالت
کرے گا) کہ اس پر دلالت کرنے میں وہ دوسرے کلمہ سے ملنے کا محتاج ہوگا کیونکہ وہ معنی
مستقل بالمفہوم نہیں اور اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ سبحانہ اسم کی تعریف کے بیان
میں عنقریب آجائے گی قسم (ثانی) جو اپنے (مستقل بالمفہوم) معنی پر دلالت نہیں کرتا

۵۶۶ قولہ القسم الثانی الخ ان تدلّ الخ
انقسم نکال کر بتانا مقصود ہے کہ الثانی کلمہ کی صفت
نہیں ہے کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ کلمہ مؤنث ہے اور
الثانی مذکر۔ لہذا موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے
بلکہ ان فی القسم کی صفت ہے جس کا مصداق لا تدلّ
ہے اور القسم مذکر ہے لہذا موصوف صفت میں
مطابقت ہو گئی وہو لا یدلّ سے شراح کو یہ بتانا
مقصود ہے کہ ثانی سے مراد یہ ہے کہ جو کلمہ معنی مستقل
پر دلالت نہ کرے وہ حرف ہے جیسے من اور فی
اس لئے کہ یہ دونوں اپنے معنی یعنی ابتداء اور انتہا
پر دلالت کرنے کے لئے دوسرے کلمہ کے محتاج
ہیں مثلاً من کے لئے کلمہ آخری۔ بصر ہو اور فی
کے لئے کو فی جیسے صرت من البصرة الی انکوۃ میں

نفس میں دلالت پائی جاتی ہے مگر وضع نہیں۔ اور
قاعدہ ہے کہ جب عام کی نفی ہوتی ہے تو خاص کی بھی
نفی ہو جاتی ہے پس جب مطلق دلالت کی نفی ہوگی
تو وضع کی بھی ہو جائے گی اور جب وضع کی نفی ہو
گی تو کلمہ کی بھی ہو جائے گی اور جب کلمہ کی بھی نفی ہو
گئی تو مصنف کا الثانی الحرف کا حکم لگانا باطل ہے
جواب ہے کہ مطلق دلالت کی نفی مقصود نہیں ہے
بلکہ مقید دلالت یعنی فی نفسها کی نفی ہے اور وہ
دلالت جو فی نفسها نہیں ہے بلکہ ضمیمہ کی طرف
محتاج ہے وہ یہاں پر مراد ہے تو جب مطلق دلالت
کی نفی نہیں ہوتی تو وضع کی بھی نہیں ہوتی اور جب
وضع کی بھی نہیں ہوتی تو کلمہ کی بھی نہ ہوگی القسم
الثانی پر الحرف کا حکم صحیح ہو جائیگا۔

نفسها الحرف كمن والى فانها يحتاجان في الدلالة على معنيهما
اعنى الابتداء والانتهاء الى كلمة اخرى كالصورة والكوفة في قولك
سرت من الصورة الى الكوفة وانما سمي هذا القسم حرفا لان الحرف
في اللغة الطرف وهو في طرف اي جانب مقابل للاسم والفعل
حيث يقعان عدة في الكلام وهو لا يقع عدة فيه كما ستعرف
والقسم الاول وهو ما يدل على معنى في نفسها امّا من صفتها
ان يقرن ذلك المعنى المدلول عليه بنفسها في الفهم
عنها باخذ الازمنة الثلاثة اعنى الماضى والحال

«حرف» جیسے تمہارے قول سرت من الصورة الى الكوفة میں من اور الى ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے دونوں معنوں یعنی ابتدا اور انتہاء پر دلالت کرنے میں بصرہ اور کوفہ جیسے دو کمر کے محتاج ہیں۔ اور اس قسم کا نام حرف اس لئے رکھا گیا کہ حرف لغت میں طرف اور جانب کو کہتے ہیں اور حرف (اصطلاحی بھی) ایسی جانب میں (واقع) ہے جو اسم و فعل کے مقابل ہے کیونکہ اسم و فعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور حرف کلام میں عمدہ واقع نہیں ہوتا جیسا کہ غریب آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ «اور» قسم «اول» جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے نفس میں (مستقل بالمفہوم) ہے «یا» اس کی صفت سے یہ ہوگا کہ وہ معنی جو نفس کلمہ میں مدلول علیہ ہے اس کلمہ سے سمجھے جانے میں «تین زمانوں» یعنی ماضی

کہ من بصرہ کا محتاج ہوا اور الى کو نہ کار نہ مینے صحیح نہیں ہوں گے۔

۵۶۷ قولہ وانما سمي الحرف سے حرف کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں یعنی ما يدل على معنى في غير ما يسمي بصلوتي ہوتا ہے یعنی بار من لام وغیرہ کو حرف اس لئے کہتے ہیں کہ حرف کے معنی لغت میں طرف کے ہیں اور حرف طرف یعنی اسم و فعل کی جانب مقابل میں واقع ہوتا ہے یعنی اسم و فعل کلام میں عمدہ ہوتے ہیں اور حرف عمدہ نہیں ہوتا جیسا کہ غریب معلوم ہو جائیگا پس یا قرآن واقع نہیں ہو سکتا کہ حرف کلام کے درمیان بھی واقع ہوتا ہے جیسے اريد ان تحسن الى۔ اور نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اسم و فعل مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں

اور حرف غیر مستقل اور مستقل و غیر مستقل کا کب کب قابل اس لئے کہ طرف سے مراد مقابل ہے اور مقابل سے مراد کلام میں عمدہ واقع نہ ہوں ۵۶۸ قولہ ذلك المعنى الخ یہ ایک سوال کا مقدر جواب ہے سوال یہ ہے کہ ان یقرن میں جو ضمیر ہے وہ یا تو لفظ کی طرف راجع ہے یا معنی کی طرف اگر لفظ کی طرف راجع ہے تو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اقرآن معنی کی صفت ہے نہ کلمہ کی جو کہ لفظ سے مراد ہے اور اگر معنی کی طرف راجع ہے تو اضارب الزکر لازم آتا ہے اس لئے کہ معنی کا ماقبل میں کہیں ذکر نہیں۔ تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ ضمیر ستر معنی کی طرف راجع ہے اور معنی اگر ماقبل حقیقہ میں مذکور نہیں

میں مگر اس حقیقت سے ضرور مذکور میں کہ معنی کلمہ کا مدلول ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے قول اعدوا ہو اقرب للشقوى میں ہو کا مرجع عدل ہے جو کہ اعدوا کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور صراحۃً مذکور نہیں پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصاد کے معنی بھی وجود میں ازمنة الثلاثة کے ساتھ مقرر ہیں پس ان کو بھی افعال کہنا چاہئے حالانکہ یہ افعال نہیں ہیں لہذا فعل کی تعریف مانع نہیں رہی جیسا کہ ضرب کما اس کا وقوع کسی نہ کسی زمانہ میں ضرور ہوگا تو شارح نے اس کا جواب دیا کہ ہماری مراد زمانہ کے ساتھ اقرآن سے فہم کے اندر اقرآن مراد ہے اور مہم در میں اقرآن زمانہ اگرچہ ہوتا ہے مگر وجود اور وقوع میں ہوتا ہے فہم میں نہیں ہوتا یعنی اس کے معنی کے ساتھ زمانہ سمجھ میں نہیں آتا ہے پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فعل کی تعریف مانع نہیں اس لئے کہ اس میں ضارب اسم فاعل داخل ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کے معنی زید ضارب اس میں احد الازمنة الثلاثة کے ساتھ مقرر ہو جائیگا لہذا یہ فعل نہیں ہے بلکہ اسم ہے تو اس کا جواب شارح نے عبا کہہ کر دیا یعنی زمانہ اسی لفظ سے سمجھ میں آئے اور زید ضارب اس میں زمانہ ضارب سے سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اس کی وجہ سے جو کہ ضارب سے خارج ہے۔ سمجھ میں آتا ہے اور یہ اس سے بحث نہیں لہذا تعریف دخول غیر سے مانع ہو گئی۔

۵۶۹ قولہ ما عني الماضى الخ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صبور اور غریق (جن کے معنی صبح و شام کی شراب کے ہیں) یہ احد الازمنة الثلاثة پر دلالت کرتے ہیں حالانکہ یہ فعل نہیں ہیں بلکہ اسم ہیں تو اس کا جواب شارح نے معنی سے دیا کہ تین زمانوں سے مراد مخصوص زمانے ہیں یعنی ماضی حال مستقبل۔ نہ کہ مطلق زمانے۔ پھر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ لفظ ماضی اور حال اور مستقبل کے معنی بھی

تینوں مخصوص زمانوں میں سے ایک کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں تو ان کو بھی افعال میں شمار کرنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس کا جواب شارح حین نفیم سے یہ دیتے ہیں کہ اقتران سے مراد یہ ہے کہ فعل جب اپنے معنی حدی پر دلالت کرے تو ساتھ ساتھ احد الازمۃ الثلثہ بھی سمجھ میں آجائے اور ماضی و حال و مستقبل کے معنی عین زمانہ کے ہیں نہ کہ معنی حدی جو احد الازمۃ الثلثہ کے ساتھ مقترن ہوں۔

۱۷۰ قولہ الاسم الخ کلمہ اگر معنی مستقل غیر مقترن باحد الازمۃ الثلثہ پر دلالت کرے تو وہ اسم ہے۔ پھر اسم کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسم یا تو سوم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی بلندی کے ہیں اور اسم اپنے اخون یعنی فعل و حرف پر بلند ہوتا ہے اس لئے کہ یہ سند الیہ ہے اور سند دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف سند اور حرف نہ سند نہ سند الیہ یعنی نوع اسم سے کلام اکیلا بغیر فعل و حرف کے ملائے مرکب ہوتا ہے اور فعل و حرف سے تنہا کلام مرکب نہیں ہوتا۔ تا وقتیکہ دوسرا کلمہ نہ ملا یا جائے سوم سے واؤ کو حذف کر دیا گیا اور سیم کا سکون اس کی طرف منتقل کر دیا اور شروع میں ہمزہ وصل بڑھا دیا گیا اسم ہو گیا۔ یہ مذہب نخاعہ بصرین کا ہے یا دم سے ماخوذ ہے جس کے معنی علامت کے ہیں اسلئے کہ یہ اپنے کسی پر علامت ہوتا ہے مگر چونکہ ضعیف ہے اسی وجہ سے شارح نے قبل سے اس کی طرف اشارہ کیا اور وجہ ضعف یہ ہے کہ فعل بھی اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے نیز اسم کی صرف صغیر کرنے سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ناقص ہے مثال نہیں ہے کہ اس کی اصل اسم ہو بلکہ اسم ہے جس پر کسی تسمیہ دلالت کرتا ہے، اگر مثال ہوتا تو صرف صغیر اس طرح ہوتی دم سیم و سٹا۔ یہ مذہب کو فین کا ہے۔ دم سے واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض ہمزہ وصل کا اضافہ کر دیا اسم ہو گیا۔

والاستقبال ای حین یفہم ذلك المعنى عنها يفهم احد الازمنة الثلاثة ايضا مقارناله اق من صفتها ان لا يقترن ذلك المعنى في الفهم عنها مع احد الازمنة الثلاثة القسم الثاني وهو ما يدل على معنى في نفسها غير مقترن باحد الازمنة الثلاثة الاسم وهو ما خوذ من السمو هو العلو لا استعلاؤه على أخويه حيث يتركب منه وحدة الكلام دون أخويه وقيل من الوسم وهو العلامة لانه علامة على مسماه والقسم الأول وهو ما يدل على معنى في نفسها مقترن باحد الازمنة الثلاثة الفعل سمي به لتضمنها

اور حال اور استقبال (اسے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہوگا) یعنی جب وہ معنی کلمہ سے بھا جائے تو تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی اس معنی کے ساتھ مقارن ہو کر بھا جائے (یا) اس کی صفت سے یہ ہوگا کہ وہ معنی مستقل بالمفہوم اس کلمہ سے بھے جلتے ہیں تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملا ہوا (نہیں) ہوگا۔ قسم (ثانی) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے جو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہو (اسم ہے) اور اسم (بصریوں کے نزدیک) یمو (سین کی کسر یا ضمہ کے ساتھ) سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی بلندی کے ہیں اس (قسم ثانی کو اسم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے دونوں بھائیوں (فعل و حرف) سے بلند ہوتا ہے کیونکہ تنہا اسم سے کلام مرکب ہوتا ہے اس کے دونوں بھائیوں سے نہیں ہوتا اور (کو فیوں کی طرف سے) کہا گیا ہے کہ (اسم) دم سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی علامت کے ہیں اس (صورت میں قسم ثانی کو اسم کہنے) کی وجہ یہ ہے کہ اسم اپنے سہمی پر علامت ہوتا ہے (اور) قسم (اول) جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے جو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ ملا ہوا ہے (فعل ہے) اس

جہاں فعل سے مواد تقنی حدیث کے ہیں یعنی فعل کو فعل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لغوی مصدری یعنی کرون کو شامل ہے۔ اس لئے کہ فعل اصطلاحی نسبت فاعل اور نسبت زمانی اور معنی مصدری یعنی حدیث سے عبارت ہے تو فعل اصطلاحی ان تینوں سے مرکب ہوا اور لغت میں فعل صرف مصدر یعنی معنی حدیث ہی کو کہتے ہیں اس اعتبار سے فعل کو تسمیہ اکل باسم الجہر کے قبیل سے موسوم کیا گیا یعنی حقیقت

۱۷۰ قولہ الفعل ہی بالخ اس عبارت سے شارح کو فعل کی وجہ تسمیہ بیان کرنی ہے یعنی مادل علی معنی فی نفسها ان یقترن باحد الازمۃ الثلثہ منہ مفہوم جس پر صادق ہوتا ہے یعنی ضرب کرم یضرب ضرب وغیرہ کو کیوں فعل کہا جاتا ہے تو شارح جواب کہتے ہیں کہ فعل اصطلاحی فعل اخوفا یعنی مصدر کو متضمن ہے تو تسمیہ المتضمن باسم المتضمن کے قبیل سے (اس کا نام فعل بلکہ دیا جی

الفعل لغوی وهو المصدر وقد علمت ان
ای بوجه حصر الکلمۃ فی الاقسام الثلاثة حکم کل واحد
منها ای من تلك الاقسام وذلك لانه قد علم به ای بوجه
الحصر ان الحرف کلمۃ لا تدل علی معنی فی نفسها بل تحتاج الی
انضمام کلمۃ اخرى والفعل کلمۃ تدل علی معنی فی نفسها لکنه
مقتضى باحد الازمنة الثلاثة والاسم کلمۃ تدل علی معنی فی

(قسم اول) کو (اصطلاح میں) یہ نام اس لئے دیا گیا کہ یہ فعل لغوی کو متضمن ہے اور فعل لغوی مصدر ہے واداس سے یعنی کلمہ کے تینوں قسموں میں (مختصر ہونے کی) وجہ حصر سے لائیں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی یعنی ان اقسام ثلاثہ میں سے (ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی) اور یہ اس لئے کہ وجہ حصر سے معلوم ہو گیا کہ حرف وہ کلمہ ہے ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کی ذات میں ہے (یعنی اس کا معنی مستقل بالمفہوم نہیں ہوتا) بلکہ وہ دوسرے کلمہ کے ساتھ ملنے کا محتاج ہوتا ہے اور فعل اس کلمہ کو کہتے ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات

میں فعل مصدر ہی کو کہتے ہیں مگر وہ اصطلاحی فعل ایک جز ہے جس میں جز کے نام کے ساتھ کل کو موسوم کر دیا گیا۔

لکھ قولہ وقد علمت انک الخ طابین کی طابع تین قسم کی ہوتی ہیں ذی توسط غبی تینوں طابع کا لحاظ کرتے ہوئے مصنف نے پہلے دلیل حصر میں ہر ایک اسم فعل و حرف کی تعریف بیان کر دی کہ حرف وہ کلمہ ہے کہ جو معنی مستقل بالمفہومیت پر دلالت نہ کرے بلکہ اپنے معنی کے لئے دوسرے کلمہ کا محتاج ہو اور فعل وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور تینوں زبانوں میں ایک زمانے کے ساتھ مقترن ہوا اور اسم وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت تو کرے مگر لازماً زمانہ الثلاثہ کے ساتھ مقترن نہ ہو۔ پس کل ان تینوں اقسام یعنی اسم فعل و حرف میں مشترک ہے۔ اور حرف اپنے اخوین اسم و فعل سے غیر مستقل فی الدلالت ہونے کی وجہ سے متاخر ہے اور فعل حرف سے مستقل ہونے کی وجہ سے اول اسم سے مقترن باللازمۃ الثلاثہ کی وجہ سے متاخر ہے اور اسم حرف سے مستقل ہونے کے باعث اور فعل سے

غیر مقترن ہونے کے باعث متاخر ہے۔ پس ہر ایک کی اقسام ثلاثہ میں سے جامع مانع تعریف اس دلیل حصر سے جان لی گئی۔ تو اس سے جو طلبہ ذہین و ذکی ہیں وہ ہر ایک کی تعریف کو دلیل حصر سے سمجھ لیں گے اور جو طلبہ متوسط الطبع ہیں ان کے لئے وقد علم الخ سے تنبیہ کر دی وہ اس تنبیہ کے باعث دلیل حصر پر خود کمر کرے ہر ایک کی تعریف سے واقف ہو جائیں گے اور جو طلبہ غبی الطبع ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے ہر ایک کی تعریف طیبہ و طیبہ بیان کر دی فلشہدوا المصنف! اس تقریر سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ جب اسم و فعل و حرف کلمہ میں مشترک ہوئے تو امتیازی کی کیا صورت ہوئی۔ نیز مصنف نے ہر ایک کی تعریف پھر جدا جدا کیوں بیان کی اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے وقد علم کیوں کہا وقد علم کیوں نہیں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ جزئیات اور سیاق کا ادراک کیا جاتا ہے اور علم سے کلیات و مرکبات کا ادراک مراد ہوتا ہے اس وجہ سے معرفت اللہ کہتے ہیں علمت اللہ نہیں کہتے اور اللہ علم کہا جاتا ہے اللہ اعرف

نہیں کہا جاتا۔ اور یہ اقسام ثلاثہ کلی ہیں اس وجہ سے لفظ معرفت نہیں لائے بلکہ علم لائے پھر ہر فقرہ میں لارو ہوتا ہے کہ ذلک اشارۃ بعیدہ کے لئے آتا ہے اور اس کا اشارہ دلیل حصر ہے جو کہ قریب ہے تو حرف اشارہ قریب کے لئے لانا چاہئے تھا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ عمدت لطافت و متانت کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں امتیاز کو پہنچی ہوئی ہے اس لئے اس کا یہ بعد بوجہ شرافت کے بمنزلہ بعد متانت قرار دے کر اس کی طرف ذلک سے اشارہ کر دیا اور بجائے ہذا کے ذلک کو استعمال کیا۔ پھر یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ ذلک اشارہ بعیدہ محسوس و مہر کے لئے وضع کیا گیا ہے بعیدہ کا تو جواب ہو گیا مگر محسوس کا کیا جواب ہے اس لئے کہ دلیل حصر جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے محسوسات میں سے نہیں ہے بلکہ معقولیات میں سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محسوس کی دو قسمیں ہیں حقیقی۔ ادعائی۔ حقیقی وہ ہے کہ جو مددک با محسوس ہوا و ادعائی وہ ہے کہ وہ اگرچہ مددک با محسوس تو نہیں مگر کثرت و منوع اور ظہور کو جو سے اس مرتبہ میں ہے کہ اس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ محسوس ہے پس دلیل حصر بھی اسی قسم کی ہے کہ اگرچہ وہ محسوس نہیں مگر محسوس کی مثل ضرور ہے لہذا دلیل حصر کے محسوس ادعائی ہونے کے باعث اس کی طرف اشارہ درست ہو گیا۔ شایع نے ذلک کی تفسیر پھر جملہ کلمہ کے ساتھ کر کے یہ بات بتادی کہ ذلک کا اشارہ دلیل حصر ہے جو کہ واحد ہے اور لانا سے مفہوم ہوتی ہے پس اب یہ اعتراض رفع ہو گیا کہ ذلک واحد ہے اور اس کا اشارہ دلیل لانا جملہ ہے لہذا اشارہ اور اشارہ میں مطابقت نہیں رہی۔

لکھ قولہ لا قد علم الخ شایع نے یہاں ہر اولاً قد علم کہا اور پھر اس کی تفسیر پھر حصر کے ساتھ کی تو اس سے یہ تنبیہ کرنا مفقود ہے کہ ادلی ہے کہ اسم اشارہ کے بجائے ضمیر ذکر کی جائے لیکن اسم اشارہ کو ضمیر کے مرتبہ میں ایک کلمہ یعنی کمال اکثاف دلیل اور ظہور دلیل کی وجہ سے کر لیا گیا۔ جیسا کہ مابقی میں مذکور ہے۔

۴۵ قولہ ولس المراد الخیر ایک سوال مقدمہ کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کو حد کے بجائے تعریف کہنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ حد اس کو کہتے ہیں جو محدود کی ذاتیات پر مشتمل ہو اور دلیل حصر سے تعریف کا جامع مانع ہونا اور دلالت عدم دلالت اقتران اور عدم اقتران سمجھیں آتے ہیں اور یہ کل کے کل عوارض کلمہ ہیں نہ کہ ذاتیات کلمہ سے تو اس کا جواب شائع نے اوپر کی عبارت سے یہ دیا کہ حد سے مراد اس جگہ تعریف جامع مانع ہے یعنی اہل نحو کے نزدیک اسی کو تعریف کہتے ہیں۔ اور حد منطقی جو تعریف شے بذاتیات کو کہتے ہیں یہاں مراد نہیں ہے۔

۴۶ قولہ کلام الخ کلمہ کی تعریف و تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد مصنف کلام کی بحث شروع کرتے ہیں چاہئے یہ تھا کہ چونکہ کلام بھی مثل کلمہ کے نحو کا موضوع ہے اس لئے اس کو دو عاطفہ کے ساتھ بیان کرتے مگر چونکہ یہ احتمال تھا کہ کہیں دو عاطفہ سے لوگ یہ سمجھ لیں کہ کلمہ اصل ہے اور کلام اس کے تابع۔ اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ کے تابع ہوتا ہے ایک جواب یہ بھی ہے کہ مصنف ہر مسئلہ کو باب درباب اور فصل درفصل کی مانند بیان کرتے ہیں اور کلام ایک بحث مستقل ہے اس لئے اس کا خیال کر کے ہونے واو عاطفہ کو ترک کر دیا جاتا چاہئے کہ کلام کے معنی حقیقت میں تلفظ کے ہی لغوی اعتبار سے کلام کا اطلاق عام ہے جو کلمہ کو بھی شامل ہے اس لئے کہ باعتبار لغت زید کو بھی کلام کہیں گے اور زید قائم کو بھی مفر کلام ہوگا، مرکب بھی مہمل بھی کلام ہوگا اعتراض وارد ہوتا تھا کہ مصنف نے کلام کی جو تعریف کی ہے وہ کلام اللہ تعالیٰ اور علم کلام برصادق نہیں آتی، اس لئے کلام اللہ مابین جن جن کو کہتے ہیں اور علم کلام بھی ایک فن کا نام ہے ان میں اسناد کا تحقق نہیں ہے تو اس کا جواب شائع نے وافی اصطلاح النحاة کہہ کر یہ دیا کہ اس مقام پر ہم اس کلام کی تعریف کرتے ہیں جو نحو یوں کی اصطلاح میں بولا جاتا ہے لہذا اگر اس کی یہ تعریف کلام اللہ اور علما کلام صادق نہ آئے تو اس میں کچھ حرج نہیں اصطلاح نحائیں کلام کو

نفسہا غیر مقترن باحد الا زمانۃ الثلاثة فالکلمۃ مشترکۃ بین الاقسام الثلاثة والحرف ممتاز عن اخویہ بعدم الاستقلال فی الدلالة والفعل ممتاز عن الحرف بالاستقلال وعن الاسم بالاقتران والاسم ممتاز عن الحرف بالاستقلال وعن الفعل بعدم الاقتران فعلم لكل واحد منها معرف جامع لا فرادۃ مانع عن دخول غیرہا فیہ ولس المراد بالحد ہنا الا المعرف الجامع والمانع ولسہ در المصنف حیث اشار الی حد ودہلف ضمن دلیل الحصر ثم کتبہ علیہا بقولہ وقد علم بذلک ثم صرح بها فیما بعد بناء علی تفاوت مراتب الطبائع الکلام فی اللغة ما یتکلم بہ قلیلا کان او کثیرا و فی اصطلاح النحاة ما

میں ہے جو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے ملا ہوا ہوتا ہے اور اسم وہ کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے جو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے ملا ہوا نہیں ہوتا پس کلمہ اقسام ثلاثہ (اسم، فعل، حرف) کے درمیان مشترک ہوا اور حرف (اپنے معنی پر) دلالت کرنے میں مستقل نہ ہونے سے (اسم و فعل سے) الگ ہو گیا اور فعل (اپنے معنی پر دلالت کرنے میں) مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے اور (تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے) ملنے کی وجہ سے اسم سے الگ ہو گیا اور اسم (اپنے معنی پر دلالت کرنے میں) مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے اور (تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے) ملنے کی وجہ سے فعل سے الگ ہو گیا۔ تو ان اقسام ثلاثہ سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی جو اس کے افراد کو جامع اور اس میں غیر کے داخل ہونے کو مانع ہے۔ اور یہاں پر حد سے مراد جامع و مانع تعریف ہی ہے اور مصنف کو خدا نیک جزا دے کہ انہوں نے دلیل حصر کے ضمن میں اقسام ثلاثہ کی تعریفات کی طرف اشارہ کیا پھر اپنے قول وقد علم بذلک سے ان تعریفات پر تنبیہ فرمادی پھر بعد میں (آگے چل کر) طلبہ کی طبیعتوں کے مختلف المراتب ہونے کی بنا پر تعریفات کی صراحت کر دی (اور کلام وہ ہے) کلام لغت میں اس کو کہتے ہیں جس سے کلمہ کیا جائے خواہ تھوڑا ہو (جیسے زید) یا زیادہ (جیسے ضرب زید) اور نحو یوں کی اصطلاح میں

کہتے ہیں کہ جو لفظ دو کلموں کو اسناد سے ملتا ہے متضمن ہو اسناد ایک کلمہ کو دوسرے کی طرف اس طرح نسبت کرنے کو کہتے ہیں کہ مخاطب کو پہلا پورا فائدہ ہو تفہیم کی شرح لفظ تضمن سے اس وجہ سے کرتے ہیں کہ کلمہ ما کے اندر چار احتمال ہیں یا تو ما مراد لفظ ہے یا شے یا کلمہ یا کلام۔ اور ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اگر اول ہے تو کلام کی تعریف نعم پر بھی صادق آئے گی جو کہ انکام زید کے جواب میں

تَضَمَّنَ اے لفظ تَضَمَّنَ کَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً اَوْ حَكْمًا
ای یکن کل واحدٍ مِنْهُمَا فِي ضَمْنِهِ فَاَلْمُتَضَمِّنُ اسْمُ فَاعِلٍ هُوَ
الْمَجْمُوعُ وَالْمُتَضَمَّنُ اسْمُ مَفْعُولٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ فَلَا يَلِيزُ
اِتِّحَادُهُمَا بِالْاِسْنَاءِ اِی تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ اسْنَادِ
اِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ اِلَى الْاُخْرَى وَالْاِسْنَادُ نِسْبَةُ اِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ

(کلام اے کہتے ہیں) ((جو متضمن ہو)) یعنی جو لفظ (دو کلموں کو) متضمن ہو حقیقتہ یا حکماً یعنی
دونوں کلموں میں سے ہر ایک اس کے ضمن میں ہو تو متضمن بضم فاعل (دونوں کلموں کا)
مجموعہ ہوا اور متضمن بضم اسم مفعول دونوں کلموں میں سے ہر ایک (انگ انگ) ہوا۔ لہذا
(متضمن و متضمن) دونوں میں اتحاد (کا اعتراض) لازم نہیں آتا (اسناد سے) یعنی ایسا متضمن
جو دو کلموں میں سے ایک کلمے کی دوسرے کی طرف اسناد کے سبب سے حاصل ہوا اسناد

اس لئے کہ یہ اگرچہ حقیقت میں کلمہ نہیں ہے مگر حکماً
کلمہ ہے۔

۴۷ قول ساری یکن کل واحدہ الخ یہ بھی

ایک سوال مقدمہ کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کلام
کی تعریف میں متضمن اسم فاعل اور متضمن اسم مفعول
متحد ہیں اس لئے کہ کلام وہ ہے جو دو کلموں کو شامل
ہو اور وہ دونوں کے میں کلام میں جیسا کہ دونوں
کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمتین کے سوا اور کوئی
شے نہیں مثلاً زید قائم کہ دو کلموں کو بالاسناد
متضمن ہے اور جن دو کلموں کو متضمن ہے وہ یہی
دو کلمے زید اور قائم ہیں پس اس وقت متضمن اسم
فاعل اور متضمن اسم مفعول دونوں ایک ہو گئے حالانکہ
دونوں جدا جدا ہیں جواب یہ ہوا کہ متضمن اسم فاعل
دو کلمے ہئیت اجتماعیہ کے ساتھ ہیں اور متضمن اسم
مفعول بغیر ہئیت اجتماعیہ انفرادی دو کلمے ہیں لہذا اب
دونوں میں اتحاد لازم نہیں آتا بلکہ ہئیت اجتماعیہ اور
غیر ہئیت اجتماعیہ کا صریح فرق ہو گیا ایک جواب
یہ بھی ہے کہ متضمن اسم فاعل تو بالاسناد دو کلمے
میں اور متضمن اسم مفعول بلا اسناد لہذا اب بھی
دونوں میں فرق ہو گیا۔

۴۸ قولہ بالاسناد ای تَضَمُّنًا حَاصِلًا الخ

واقع ہوا اس لئے کہ نعم لفظ ہے اور کلمتین کو متضمن ہے
حالانکہ کلام نہیں ہے اور اگر اس سے مراد شے ہے
تو کلام کی تعریف اس کا غرض بھی صادق آئیگی جس
پر زید قائم لکھا ہوا ہوا اس لئے کہ وہ شے ہے جو
دو کلموں کو شامل ہے حالانکہ کلام نہیں ہے۔ اگر
کلمہ مراد لیا جائے تو جز کا عمل کل پر لازم آتا ہے
اور کلمہ کلمتین کو متضمن ہونا لازم آجائے گا حالانکہ
ایسا نہیں اور کلام مراد ہوا تو محدود کو حد میں لینا لازم
آئیگا تو شائع نے یہ جواب دیا کہ اسے مراد لفظ ہے
اور متضمن سے کل اجزاء کا متضمن مراد ہے اور نعم کا جو
اعتراض وارد ہوتا تھا تو نعم کلمتین کے ساتھ مؤول ہے
اس لئے کہ نعم بمعنی للذکر کلمتین کو شامل ہے۔

۴۹ قولہ حقیقتہ اَوْ حَكْمًا الخ یہ ایک سوال
مقدمہ کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ کلام کی تعریف
جامع ہیں اس لئے اس سے زید ابو قائم اور زید
قائم ابو اور زید قائم ابو خارج ہو گئے اس لئے کہ ہر
ایک کلمات اربعہ کو شامل ہے نہ کلمتین کو۔ تو جواب
یہ ہے کہ کلمتین سے مراد عام ہے خواہ حقیقی ہوں یا
حکمی اور یہ مذکورہ جملے متبادل کلمتین و مفرد مؤول
ہیں۔ نیز اس اعتراض کا بھی دفع یہ ہو گیا کہ کلام کی تعریف
جس کا عمل اور زید معتوب زید پر صادق نہیں آتی۔
اس لئے کہ ان دونوں مثالوں میں اسناد الیہ پہل ہے

یہ بھی سوال مقدمہ کا جواب ہے کہ بالاسناد جار مجرور ہے
اور جار مجرور جب کلام میں واقع ہوتے ہیں تو ان کے
لئے اعراب محلی واقع ہوتا ہے تو اس جگہ کیا اعراب
ہے جواب یہ دیا کہ بالاسناد مفعول مطلق ہے۔ مگر
اس کے لئے شرط ہے کہ معنی فعل کو مشتمل ہو اور معنی ضمن
کے متضمن پر مشتمل ہیں کہ بالاسناد پر لہذا شائع کو تَضَمُّنًا
مقدور مانا پڑا کہ تَضَمُّنًا موصوف ہے اور بالاسناد اس
کی صفت واقع ہو گا مگر پھر یہ اعتراض پڑا کہ جار مجرور
کی وصفت باعتبار متعلق کے ہوتی ہے اور بالاسناد
کا متعلق یا تو فعل مذکور متضمن سے یا مصدر مجزوف یعنی
تَضَمَّنَ پس اگر اول ہو تو صفت کا موصوف پر مقدم
ہونا لازم آتا ہے اور اگر ثانی ہو تو صفت موصوف
کے درمیان اتحاد لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ
ہوا کہ بالاسناد کا متعلق حاصل ہے اور بار بالاسناد میں
سببیت کے لئے ہے اب ترکیب اس طرح ہو گی کہ
بالاسناد حاصل کے متعلق ہو گا اور حاصل تَضَمُّنًا کی صفت
موصوف صفت سے مل کر مفعول مطلق ہو گا تَضَمَّنَ کا۔
پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسناد تعریف میں داخل
ہونے کی وجہ سے کلام کا جنس ہے یعنی کلام وہ لفظ ہے
جو کہ کلمتین کو اسناد کے ساتھ متضمن ہو۔ اور اسناد
لفظ نہیں ہے اس لئے کہ وہ امر معنوی ہے اور جو چیز
لفظ اور غیر لفظ سے مرکب ہو وہ غیر لفظ ہوتا ہے جیسا
کہ مستقل اور غیر مستقل کا مجموعہ غیر مستقل ہوتا ہے پس
شائع کا ماکہ شرح لفظ کے ساتھ کرنا درست
نہیں جواب دینے کے لئے شائع نے سبب الخ
کا اضافہ فرمایا جواب کا حاصل یہ ہوا کہ تعریف کلام
میں اسناد بطریق سببیت ہے اور سبب کے لئے
یہ ضروری نہیں کہ وہ سبب میں داخل ہو یا اس کا جوہر
لہذا اعتراض رفع ہو گیا احدى کلمتین کا اضافہ اس
وجہ سے فرمایا کہ بالاسناد میں الف لام منضاف الیہ
کے عوض میں ہے۔

۴۹ قولہ والاسناد الخ یہاں سے اسناد
کی تعریف بیان فرماتے ہیں اسناد کی تعریف یہ ہے کہ
ایک کلمہ حقیقی یا حکمی کی نسبت دوسرے کلمے کی طرف
حقیقی یا حکمی اس طرح کرنا کہ مخاطب کو فائدہ نامہ حال

ہو مثلاً زید قائم اس میں زید کی نسبت قائم کی طرف اس طرح ہندی ہے کہ مخاطب کو ایسا انتظار نہیں رہا جیسا کہ سند الیہ بولنے کے بعد سند کا رہتا ہے یا سند بولنے کے بعد سند الیہ کا رہتا ہے۔

۵۸ قولہ فقولا الخ یہاں سے قولہ توبہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں مہلات ومفردات ومركبات کلامیہ وغیرہ کلامیہ سب داخل ہیں، اور تضمن کلمتین کہنے سے مہلات ومفردات خارج ہو گئے اور مرکبات کلامیہ باقی رہے خواہ وہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زید وضربت ہند وزید قائم خواہ وہ انشائیہ جیسے اضرب ولا تضرب۔ اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلام خبری کا مرکب ہونا تو مسلم ہے مگر کلام انشائی کا مرکب ہونا تسلیم نہیں اس لئے کہ اضرب ولا تضرب میں دو کلمے نہیں معلوم ہوتے اسکا جواب دینے کے لئے شامح نے یہ عبارت مزید فرمائی فان کل واحد الخ یعنی اگر چاہے اضرب ولا تضرب بظاہر دو کلمے معلوم نہیں ہوتے مگر ان میں سے ہر ایک دو کلموں کو اس طرح متضمن ہے کہ ایک ان میں سے ملفوظ ہے اور دوسرا کلمہ منوی اور ان دونوں کے درمیان اسناد بھی موجود ہے کہ مخاطب کو فائدہ نامہ حاصل ہو جاتا ہے وحیث كانت الکلمات الخ سے شامح یہ بتانا چاہتے ہیں چونکہ کلمتین عام ہیں خواہ حقیقی ہوں یا حکمی لہذا تعریف میں مثل زید ابوبہ قائم او قام ابوبہ او قائم ابوبہ داخل ہو گئے اس لئے کہ خبر میں اگر حیران میں سے ہر ایک کے کب ہے لیکن وہ حکم میں مفرد کلمہ کے ہی یعنی قائم الاب کے نیز اس تعریف میں مثل جئ جئ و دیز مقلوب زید کے داخل ہو گئے کہ جن کا سند الیہ مہمل ہے کلمہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ بھی نہ لفظ کے حکم میں ہے لہذا کلام کی تعریف جامع ہے۔

۵۹ قولہ اہم ان کلام الخ اس عبارت سے شامح صاحب مفصل اور ابن حاجب کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے ایک سوال مقدّم کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے ضربت زید

حقیقۃً او حکماً الى الاخری بحيث تقید المخاطب فائدة تامة فقولہ ما يتناول المہلات والمفردات والمركبات الكلامية وغير الكلامية وبقيت تضمن كلمتين خرجت المہلات والمفردات وبقيت الاسناد خرجت المركبات بغیر الكلامية مثل غلام زید ورجل فاضل وبقيت المركبات الكلامية سواء كانت خبرية مثل ضرب زید وضربت ہند وزید قائم او انشائية مثل اضرب ولا تضرب فان کل واحد منهما تضمن كلمتين احدهما ملفوظة والاخری منویة وبینہما اسناد یقید المخاطب فائدة تامة وحيث كانت الکلمات اعم من ان تكونا کلمتين حقیقۃً او حکماً دخل فی التعریف مثل زید ابوبہ قائم او قام ابوبہ فان الاخبار فیہا مع انها مرکبات لكنها فی حکم الکلمة المفردة اعني قائم الاب ودخل فیہ ايضا مثل جئ جئ و دیز مقلوب زید مع ان السند الیہ فیہا مہمل لیس بکلمة فانه فی حکم هذا اللفظ اعلم ان کلام المصنف رحمہ اللہ ظاہر فی ان نحو ضربت زید

ایک کلمے کی دوسرے کلمے کی طرف حقیقۃً یا حکماً اس طرح نسبت کرنا ہے جو مخاطب کو پورا فائدہ دے۔ تو مصنف کا تعریف کلام میں لفظ "ما" کہنا مہلات ومفردات اور مرکبات کلامیہ وغیرہ کلامیہ سب کو شامل ہے اور تضمن کلمتین کی قید سے مہلات ومفردات خارج ہو جاتے ہیں اور اسناد کی قید سے غلام زید اور رجل فاضل جیسے مرکبات غیر کلامیہ خارج ہو گئے اور مرکبات کلامیہ باقی رہ گئے خواہ وہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زید اور ضربت ہند اور زید قائم یا انشائیہ ہوں جیسے اضرب اور لا تضرب کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو کلموں کو تضمن ہے ان میں سے ایک ملفوظ (حقیقۃً) ہے اور دوسرے معنوی (حکماً) ہے اور ان دونوں کلموں کے درمیان ایک اسناد ہے جو مخاطب کو پورا فائدہ دیتی ہے اور جبکہ دونوں کلمے اس سے عام ہوئے کہ حقیقۃً ہوں یا حکماً ہوں تو تعریف میں زید ابوبہ قائم یا قام ابوبہ یا قائم ابوبہ جیسے جملے داخل ہو گئے اس لئے کہ ان جملوں میں اخبار باوجودیکہ مرکبات ہیں لیکن کلمہ مفردہ یعنی "قائم الاب" کے حکم میں ہیں نیز تعریف کلام میں جئ جئ مہمل اور "دیز مقلوب زید" جیسے جملے بھی داخل ہو گئے باوجودیکہ دونوں میں سند الیہ مہمل ہے کہ نہیں ہے (داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ (سند الیہ) هذا اللفظ کے حکم میں ہے۔

قائماً بمجموعہ کلام بخلاف کلام صاحب المفصل حیث قال
 الکلام هو المركب من كلمتين اسندت احدهما الى الاخرى
 فانه صريح في ان الکلام هو ضرب من المتعلقات خارجة عنه
 ثم اعلم ان صاحب المفصل وصاحب اللباب ذهب الى ترادف
 الکلام والجمله وكلام المصنف ايضا ينظر الى ذلك فانه قد اكتفى
 في تعريف الکلام بذكر الاسناد مطلقا ولم يقيد به بكونه مقصودا
 لذاته ومن جعله اخص من الجملة قيده به فيجوز ان يصدق الجملة
 على الجمل الخبرية الواقعة اخبارا او اوصافا بخلاف الکلام وفي
 بعض الحواشي ان المراد بالاسناد هو الاسناد المقصود لذاته
 وحينئذ يكون الکلام عند المصنف ايضا اخص من الجملة
 ولا يتأتى اي لا يحصل ذلك اي الکلام الا في ضمن
 اسمين احدهما مسند والاخر مسند اليه او في ضمن
 اسم مسند اليه وفعل مسند وفي بعض النسخ

قائماً خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ کلمتیں کوڑ تو حقیقتہ
 متضمن ہے اور نہ حکماً بلکہ جار کلمات پائے جاتے ہیں
 اس کا جواب شامح نے یہ دیا کہ مصنف نے کلام
 کی تعریف کو یا تضمن کلمتیں کہہ کر نقط کی تید کے ساتھ
 مقید نہیں کیا اگر دو کلمے ہوں گے تو کلام ہے اور
 اگر اس سے زائد ہوں تو کلام نہیں لہذا مصنف
 کے نزدیک ضربت زیداً قائماً کا مجموعہ کلام ہے
 صاحب مفصل کی تعریف کے اعتبار سے اس کے
 مجموعہ کو کلام نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ صاحب مفصل
 نے کلام کی تعریف یہ کی ہے کہ دو ہی کلموں سے
 مرکب ہوا اور ایک کا اسناد دوسرے کی جانب
 ہو رہی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلام
 صرف ضربت ہے جاوہر متعلقات اس سے خارج
 ہیں۔ اس لئے کہ صاحب مفصل نے اکلام ہو کہا ہے
 جس سے مبتدأ کا خبر خبری سمجھ میں آتا ہے۔ لہذا
 جب مبتدأ کا خبر خبری ہو گیا تو کلام صرف دو
 کلموں کے مجموعہ کا نام ہوا بقیہ اس سے خارج ہو
 گئے۔ پس ضربت کلام ہوا اس لئے کہ اس میں سند
 اور سند الیہ پائے جاتے ہیں۔

۵۸۲ قولہ ثم اعلم ان خبریہاں سے خارج کلام
 اور جملہ بن نسبت کے اندر جو اختلاف ہے اس
 کی رضاحت کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ صاحب
 مفصل اور صاحب لباب کے نزدیک کلام اور
 جملہ مترادف ہیں صاحب مفصل کی تعریف تو ان
 پر مذکور ہو چکی صاحب لباب یہ بیان فرماتے
 ہیں ثم انه قد تجبى بها التالیف ما علی وجه الاسناد
 وبتزکیب الکلمتین او ما یجری مجرا بحیث یفید
 السامع ویسمی کلانا وجملہ انتہی مصنف کا کلام بھی
 انہیں کی تائید کرتا ہے اس لئے کہ مصنف نے
 کلام کی تعریف میں مطلقاً اسناد کے ذکر پر اکتفا
 کیا ہے اور اسناد کو مقصود لذاتہ ہونے کے ساتھ
 مقید نہیں کیا لہذا مصنف کے نزدیک بھی کلام
 اور جملہ دونوں مترادف ہوں گے۔ اور صاحب
 تنہیل نے کلام کو جملہ سے خاص قرار دیا ہے اس
 لئے کہ صاحب تنہیل نے کلام کی یہ تعریف کی کہ

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس بات میں ظاہر ہے کہ "ضربت زید اقا ئما"
 اپنے مجموعہ (متعلقات) کے ساتھ کلام ہے صاحب مفصل کے کلام کے برعکس کیونکہ انہوں نے
 کلام کی تعریف میں یوں کہا "الکلام هو المركب من كلمتين اسندت احدهما الى الاخرى"
 کلام وہی ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو ان میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اسناد ہو لہذا
 یہ تعریف اس بات میں صریح ہے کہ کلام "ضربت" ہی ہے اور متعلقات (زید اقا ئما) کلام
 سے خارج ہیں۔ پھر معلوم ہوتا چلتے کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب کلام اور جملہ کے مترادف
 کی طرف گئے ہیں اور مصنف کا کلام بھی اسی طرف نظر کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف میں
 مطلقاً اسناد کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اور اسے مقصود لذاتہ ہونے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ اور
 جس نے کلام کو جملہ سے اخص قرار دیا اس نے اسناد کو مقصود لذاتہ ہونے کے ساتھ مقید کیا
 ہے تو اس وقت جملہ کا صدق ان جملوں خبریوں پر بھی ہو گا جو کسی کی خبر یا صفت واقع ہوں
 کلام کے برعکس (کہ ایسے جملوں کو کلام نہیں کہا جائیگا) اور بعض حواشی میں ہے کہ اسناد
 سے اسناد مقصود لذاتہ ہی مراد ہے اور اس وقت مصنف کے نزدیک بھی کلام جملہ سے
 خاص ہوگی (اور وہ حاصل نہ ہوگا) یعنی کلام (حاصل نہ ہوگا) (مگر دو اسموں) کے ضمن (میں)
 ان دو میں سے ایک مسند اور دوسرا مسند الیہ ہو (یا ایک اسم) مسند الیہ (اور ایک فعل)

او فی فعل واسم فان التركيب الثنائي العقلي بين الاقسام الثلاثة يرتقي الى ستة اقسام ثلاثة منها من جنس واحد اسم واسم فعل وفعل حرف وحرف وثلاثة منها من جنسین اسم وفعل اسم وحرف فعل وحرف ومن البين ان الكلام لا يحصل بدون الاسناد

مسند کے ضمن «میں» اور (کافیہ بعض نسخوں میں «ادنی فعل واسم» فعل کی اسم سے تقدیم کے ساتھ) ہے (کلام کے ان دو صورتوں میں انحصار کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب ثنائی عقلی جو اقسام ثلاثہ (اسم وفعل وحرف) کے درمیان ہے جو اقسام تک ترقی کرتی ہے میں تو ان میں سے ایک ہی جنس سے ہیں اسم واسم اور فعل وفعل اور حرف وحرف اور میں ان میں سے دو جنسوں سے ہیں اسم وفعل اور اسم وحرف اور فعل وحرف اور ظاہر ہے کہ کلام اسناد کے

بعض النسخ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں فی فعل واسم ہے مگر یہ مروج ہے اس لئے کہ اسم کو فعل کے اوپر شرف حاصل ہے، اس لئے اسم ہی فعل پر مقدم ہونا چاہئے، لہذا اکثر نسخوں میں ایسا ہی ہے اور جن میں فعل مقدم ہے اس میں واقعہ کا اعتبار کیا ہے کہ اسم فاعل واقع ہوگا جو کہ مؤخر ہوتا ہے اور فعل مقدم اس وجہ سے فعل کو مقدم کر دیا اور اس سے اشارہ جملہ فعلیہ کی طرف ہو گیا۔

قوله فان التركيب الثنائي

اس سے ایک اعتراض کو جو مقام پر ہوتا تھا منع کرنے میں تحریر اعتراض یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے کلمہ کی تقسیم میں تو صحر کو ذکر نہیں کیا اور کلام کی تقسیم میں صحر ذکر کر دیا اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب شایع نے یہ دیا کہ چونکہ کلام دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے اور کلمہ کی تین قسمیں ہیں لہذا باعتبار عقل جب کلمہ کی تینوں قسموں کو دوسرے ضرب دیں گے تو چھ صورتیں برآمد ہوں گی تین صورتیں ایک جنس کی ہوں گی۔ اسم واسم فعل وفعل و حرف وحرف اور تین صورتیں دو جنس کی ہوں گی۔

اسم وفعل و اسم وحرف و فعل وحرف اور یہ بات ظاہر ہے کہ کلام بغیر اسناد کے حاصل نہیں ہو سکتا اور اسناد

میں اسم وفعل نفس کلام میں لہذا اس کا جواب دینے کے لئے شایع نے لفظ ضمن بڑھایا جس سے معلوم ہوا کہ طرفیتہ شے لنفس نہیں ہے بلکہ ظرفیتہ جہزی کی کلی کے لئے اور اس میں سے پہلے مضاف الیہ یعنی ضمن مقدم ہے، ایک جواب یہ بھی ہے کہ ظرفیتہ الخاص الی العام لی جائے اور ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے اب مطلب یہ ہوگا وہ کلام جو کہ عام ہے نہیں حاصل ہوتا ہے مگر اس خاص کے ضمن میں یعنی دو اسم یا ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں اور اگر فی کو سمجھنے میں لیا جائے تو دوسرے سے اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا۔ اس میں کہنے پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ زید و عمرو و دو اسم میں حالانکہ کلام نہیں ہے تو اس کا جواب شایع نے دیا کہ ایک اسم مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ اور زید و عمرو و مسند ہیں مسند الیہ لہذا یہ کلام نہیں ہو سکتا اسم کے بعد مسند الیہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ جب کلام اسم اور فعل سے مرکب ہوگا تو اسم صرف مسند الیہ واقع ہو سکتا ہے اس لئے کہ فعل صرف مسند ہوتا ہے نہ کہ مسند الیہ اور کلام کی ترکیب کے لئے مسند اور مسند الیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے لہذا اسم مسند الیہ ہوگا اور فعل مسند۔ ونے

کہ کلام ما ضمن من اکلم اسنادا مفید مقصودا لذلک اتی اسناد کو مقصود لذاتہ کے ساتھ مقید کر دیا پس اس وقت جملہ ان جملوں خبریوں پر بھی صادق آئیگا جو کسی کی خبر واقع ہوں یا صفت بخلاف کلام کے کہ وہ ان جملوں خبریوں پر صادق نہیں آتا اس لئے اسناد ان جملوں میں مقصود لذاتہ کے لئے وسیلہ ہوتا ہے۔ ونی بعض الکواشی سے جتنا ناچاہتے ہیں کہ شایع ہندی نے یہ فرمایا ہے کہ اسناد سے مراد اسناد مقصود لذاتہ ہے پس اس وقت میں مصنف کے نزدیک بھی کلام جملہ سے خاص ہوگا۔

قوله ولا یأتی الا اعتراض وارد

ہوتا ہے کہ لایاتان ذوی العقول کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اور یہاں ذوی العقول کوئی بھی نہیں کلام نہ اسناد لہذا مصنف کا ولایتیاتی کہنا صحیح نہیں شایع نے دلائل سے تعبیر کر کے جواب دیا کہ لایاتان جب ذوی العقول کی جانب منسوب ہوتا ہے تو اس سے بیشی بالاتر مراد ہوتی ہے اور جب غیر ذوی العقول کی جانب تو حصول مراد ہوتا اور یہاں غیر ذوی العقول کی طرف منسوب ہے لہذا اس کے معنی یہاں بھیل کے ہیں نیز لایاتان کے لئے حصول لازم ہے اس لئے ملزم بول کر لازم مراد لے لیا۔ اے الکلام شایع اے الکلام کہہ کر اس کو اشارہ کرتے ہیں کہ ذلک اشارہ الیہ کلام ہے لفظ تضمن اور اسناد نہیں ہے، دو وجہ سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ ولایتیاتی سے کلام کی تعظیم ہے اس لئے وہ بھی اشارہ الیہ بن سکتا ہے دوسرے ذلک اشارہ بعیدہ کے لئے آیا کرتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کا اشارہ الیہ کلام ہی سے ہو کہ بعید ہے تضمن اور اسناد اس وجہ سے اشارہ الیہ نہیں بن سکتے کہ تو اس عبارت میں ان کی تقسیم ہے اور نہ یہ بعید ہیں بلکہ قریب واقع ہیں۔ فی کے بعد ضمن اس لئے بڑھایا تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو کہ جب ذلک اشارہ کلام کی طرف ہے تو اس سے مصنف کے اس قول فی اسمین اور اسم وفعل سے ظرفیتہ شے بنفسہ لازم آگئی اس لئے کہ

والاسناد لا بد له من مسند ومسند اليه وهما لا يتحققان الا في
اسمين او اسم وفعل واما الاقسام الاربعة الباقية ففي الحرف و
الحرف كلاهما مفقودان وفي الفعل والفعل وفي الفعل والحرف
المسند اليه مفقود وفي الاسم والحرف احدهما مفقود فان
الاسم ان كان مستندا فالمسند اليه مفقود وان كان مسندا اليه
فالمسند مفقود ونحو يازيد بتقدير اذ عوا زيدا فلم يكن من تركيب
الحرف والاسم بل من تركيب الفعل والاسم الذي هو المنوي في
ادعوا وهو انا الاسم مساندك اي كلمة دللت على معنى
كائن في نفسه اي في نفس مادل يعني الكلمة فتذكر الضمير بناء

بغير حاصل نہیں ہوتی اور ادا کے لئے مسند و مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے یہ دونوں دو اسموں
یا ایک اسم فعل میں ہی ممکن ہوتے ہیں۔ اور باقی اقسام اربعہ کا معاملہ، تو حرف و حرف
میں (مسند و مسند الیہ) دونوں مفقود ہیں اور فعل و فعل اور فعل و حرف میں مسند الیہ مفقود
ہے اور اسم و حرف میں ان دونوں سے ایک (ہر صورت) مفقود ہے کیونکہ اسم اگر مسند (ہونے
کی صلاحیت میں) ہوا تو مسند الیہ مفقود ہوگا اور اگر مسند الیہ (ہونے کی صلاحیت میں) ہوا
تو مسند مفقود ہوگا اور یازید جیسا (کلام) "ادعوا زیدا" کی تقدیر کے ساتھ ہے لہذا یہ
حرف و اسم کی ترکیب سے نہ ہوا۔ بلکہ فعل اور اس اسم کی ترکیب سے ہوا۔ جو "ادعو" میں
مستتر ہے اور وہ (ضمیر حکم) "انا" ہے "اسم وہ ہے جو دلالت کرے" یعنی وہ کلمہ ہے جو دلالت
کرتا ہے اس معنی پر جو اس کی ذات میں ہو یعنی اس کی ذات میں جو دلالت کرے یعنی کلمہ کی
ذات میں (تو ضمیر (نفس) کی تذکر لفظ (ما) موصول کی بنا پر ہے مصنف (علیہ الرحمۃ) نے

مفقود ہے۔ اور اسم و حرف میں احدهما مفقود ہے اس
لئے کہ اگر اسم مسند ہوگا تو مسند الیہ نہ ہوگا۔ اور اگر اسم مسند
ہوگا تو مسند نہیں ہوگا۔

۵۸۵ قولہ ونحو یازید الخ۔ یہ ایک

اعتراض مقدّر کا جواب ہے اعتراض یہ ہے
کہ تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں کہ کلام کی ترکیب اسم
و حرف سے نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یازید میں
یا حرف خدا ہے اور زید اسم ہے اور مجبور کلام
ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا حرف خدا قائم
مقام ادعوا کے ہے لہذا تقدیر عبارت ہے

کے لئے مسند و مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان
دونوں کا تحقق سوائے دو اسموں یا ایک اسم اور ایک
فعل کے نہیں ہو سکتا تو چونکہ ممکن تھا کہ ان دونوں میں
تھی۔ لیکن سب محبت میں کلام کا تحقق ممکن تھا بلکہ
موتان میں سے دو محبتوں میں تو اس بنا پر ضرور دیا
تھا کہ جب وہ کلام کا تصور نہ ہے۔ بلکہ ان اقسام
کلمہ کے ہیں خطہ نقطہ میں مثال میں اندر نہیں ہو جویں
بغلا کر حرکت میں صورت نہیں ہوتی بلکہ چار نہیں تو
محدودیت میں تو مسند و مسند الیہ مطلقاً ہی مفقود ہیں
اور مطلقاً فعل و محبت میں اگر یہ مسند ہے مگر مسند الیہ

ہوتی کہ ادعوا زید ایسے ترکیب اسم و حرف
سے نہیں ہوتی بلکہ ترکیب فعل و اسم سے ہوتی
جو کہ ادعوا میں پوشیدہ ہے یعنی ضمیر حکم انا اسم ہے
اور ادعوا فعل لہذا اس کا کلام ہونا صحیح ہو گیا۔

۵۸۶ قولہ الاسم مادل الخ مصنف

کلمہ اور کلام کی تعریف اور دونوں اقسام سے
فارغ ہونے کے بعد کلمہ کی اقسام کی تعریف
علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ اسم کو فعل و حرف
پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ اسم کلام عرب میں عمدہ
ہوتا ہے اور فعل و حرف پر استقلال میں بڑھا ہوا
ہوتا ہے نیز اجمال میں تقسیم کلمہ کے اندر اسم مقدم
تھا اس وجہ تفصیل میں بھی مقدم کر دیا مادل کی شواہد
کلمہ دلت کے ساتھ شامح نے اس وجہ سے کی ہے
کہ ایک سوال مقدّر کا جواب دینا ہے۔ سوال یہ
ہے کہ کلمہ ماچار حال سے خالی نہیں کیونکہ ما سے
مراد شے ہے تو اسم کی تعریف دو ال اربعہ
خطوط مفقودہ اشارات۔ نصب پر بھی صادق
آئے گی اور صحیح نہیں اور اگر ما سے لفظ مراد ہو
تو اسم کی تعریف مرکب پر بھی صادق آئے گی لہذا
مرکب اسم نہیں ہوا کرتا اور اگر کلمہ مراد لیا جائے تو
راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں رہتی
اس لئے کہ کلمہ مؤنث ہے اور دل میں جو ضمیر مستتر ہے
نیز ضمیر مجرور فی نفسہ میں مذکر ہے۔ اور اسم مراد
تو اقد محدود فی الحمد لازم آتا ہے۔ اور یہ کل کے
کل باطل ہیں شامح نے جواب دیا کہ ما سے مراد
کلمہ ہے اور ضمیر کا مذکر لانا باعتبار لفظ موصول
کے ہے یعنی نقطہ ما مذکر ہے اس وجہ سے ضمیر بھی
مذکر لائی گئی فی نفسہ کی شرح مادل سے اس وجہ
سے کی ہے کہ ضمیر کا مرجع مادل ہے پھر مادل کے
بعد اس کلمہ اس وجہ سے مذکر کر دیا تاکہ معلوم ہو
جائے کہ ضمیر کا مذکر لانا محض عقلی رعایت ہے جو ضمیر
مستتر ہے وہ کلمہ کی طرف راجع ہے۔

۵۸۷ قولہ قال المصنف الخ یہاں سے شائع یہ بتاتے ہیں کہ مصنف کا نیت نے مفصل کی ایک شرح ایضاً نامی تحریر فرمائی ہے اس میں مصنف نے فی نفسہ کی ضمیر کو معنی کی طرف راجع کیا ہے لیکن اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے جس کا جواب اسی شرح میں خود مصنف نے دیا ہے تقریر اعتراض پر اگر فی نفسہ کی ضمیر معنی کی طرف ٹوٹائی جائے گی اس سے ظنیہ سے لفظ لازم آتی ہے یعنی اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معنی کے نفس میں ہوں۔ اور معنی کا نفس معنی میں ہونا باطل ہے اس کا جواب مصنف نے باعتبارہ فی نفسہ کہہ کر دیا کہ فی کے معنی اعتبار کے ہیں اب یہ معنی ہونے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معتبر فی نفسہ ہوں۔ پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حرف کے معنی بھی معتبر فی نفسہ ہوتے ہیں لہذا اسم و حرف کے معنی کے درمیان کچھ فرق نہیں ہوا اس کا جواب مصنف نے وبال نظر الیہ کہہ کر دیا کہ وہ معنی منظور الیہ فی نفسہ ہوں یعنی ان معنی کا بذات خود لحاظ کیا جائے امر خارج کا دخل نہ ہوا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسم کے معنی منظور الیہ فی نفسہ ہوتے ہیں کسی امر خارج کو اس میں دخل نہیں ہوتا اس کے بعد ایک مثال کے ذریعہ سے اپنے اس قول کی فی اعتبار اور لحاظ کے معنی میں آتی ہے تائید کرتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فی اعتبار اور لحاظ کے معنی میں شائع و ضائع ہے مثلاً کوئی شخص مکان خریدنا چاہے اور کسی سے مشورہ طلب کرے تو مشیر یہ کہتا ہے کہ دار فی نفسہ قیمت اتنی ہے یعنی مکان اس حیثیت سے کہ اس کی دیوار اور چھت وغیرہ اس حالت میں ہیں لہذا اس کی قیمت اتنی مناسب ہے۔ تو اسے ایسے مواقع پر دار کی حالت کو دیکھا جاتا ہے جو کہ جس پر فی نفسہ صادق آتا ہے یہاں پر فی نفسہ کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ تا کہ دار میں کچھ دار موجود ہے بلکہ ہوتا ہے کہ دار کی موجودہ حالت ایسی ہے اور کسی امر خارج کا لحاظ نہیں کیا جاتا یعنی یہ

علی لفظ الموصول قال المصنف فی الايضاح شرح المفصل الضمیر فی مادل علی معنی فی نفسہ یرجع الی معنی ای مادل علی معنی باعتبارہ فی نفسہ وبال نظر الیہ فی نفسہ لا باعتبار امر خارج عنہ کقولک الدار فی نفسہا حکمہا کذا لے لا باعتبار امر خارج عنہا ولذلک قیل الحرف مادل علی معنی فی غیرہ ای حاصل فی غیرہ ای باعتبار متعلقہ لا باعتبارہ فی نفسہ انتہی کلامہ ومحصلہ ما ذکرہ بعض

(اپنی مشہور کتاب) الايضاح شرح المفصل (للمعشری) میں کہا ہے کہ "مادل علی معنی فی نفسہ" کی ضمیر معنی کی طرف راجع ہے یعنی (اسم وہ کلمہ ہے) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو فی نفسہ معتبر اور فی نفسہ منظور الیہ (و ملحوظ) ہو کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ تمہارا مقولہ ہے الدار فی نفسہا حکمہا کذا (مکان کی قیمت اس کی ذات کے اعتبار سے یہ ہے) کسی امر خارج کے اعتبار سے (یہ قیمت) نہیں اور اس لئے کہا گیا ہے کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں حاصل ہے یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے (حاصل) ہے نفس حرف کے اعتبار سے (حاصل) نہیں مصنف کا کلام ختم ہوا۔ اور اس کا نتیجہ

نہیں دیکھا جاتا کہ یہ کس محلہ میں واقع ہے یا اس کے جوار میں ہے لہذا یہاں پر فی کے معنی اعتبار کے ہی ہو سکتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ اعتبار کا لحاظ کلام عرب میں شائع و ضائع ہے۔ اسی وجہ سے کہ کلمہ فی بجائے الاعتبار ہے کہا گیا ہے کہ حرف وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو غیر میں حاصل ہوں۔ یعنی باعتبار متعلق کے معنی حاصل ہوں نہ باعتبار اپنے نفس کے۔

۵۸۸ قولہ ومحصلہ الخ یہاں ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اسم کی تعریف میں یہ کہنا کہ فی نفسہ الدار فی نفسہا حکمہا کذا کے قیل سے ہے درست نہیں اس لئے کہ فی نفسہ کے مقابل میں فی غیر آتا ہے اور فی نفسہ جو مثال مذکور میں واقع ہے اس کے مقابل میں لانی نفسہ آتا ہے لہذا فی نفسہ کو الدار فی نفسہا حکمہا کذا پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے لہذا دی ساقی اعتراض پر لوٹ آیا اور فی کو اعتبار کے معنی میں لینا دعویٰ باطل ہے اس کا جواب د

المحققین حیث قال کما ان فی الخارج موجودا قائما بذاته وموجودا قائما بغیره كذلك فی الذهن معقول هو مدرک قصد المحووظا فی ذاته یصلح ان یحکم علیه وبه ومعقول هو مدرک تبعاً وآلة لملاحظة غیره فلا یصلح لشیء منها فالابتداء مثلاً اذا لاحظ العقل قصداً وبالذات کان معنی مستقلاً بالمفهومیة ملحوظاً فی ذاته ولزمه تعقل متعلقاً اجمالاً وتبعاً من غیر حاجة الی ذکره وهو هذا الاعتبار مدلول لفظاً لابتداء فقط فلا حاجة فی

وہی ہے جسے بعض محققین نے ذکر کیا جہاں کہ اسے کہا کہ جس طرح کہ خارج میں (موجود کی دو قسمیں ہیں) ایک موجود قائم بذاتہ ہے (جیسا کہ جوہر ہے) اور ایک موجود قائم بالغیر ہے (جیسا کہ عرض ہے) اسی طرح ذہن میں (موجود کی دو قسمیں ہیں) ایک وہ معقول ہے جو قصد معلوم اور فی ذاتہ ملحوظ ہوتا ہے اور محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دوسرا وہ معقول ہے جو قصد انہیں بلکہ تابع ہو کر معلوم ہوتا ہے اور غیر کے لحاظ کے لئے اگر بنتا ہے تو وہ محکوم علیہ اور محکوم بہ دونوں میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مثلاً ابتداء (کوئے لیجئے کہ اس) کا جب عقل قصد اور بالذات لحاظ کرے۔ تو (اس کا) معنی مستقل بالمفهومیۃ اور ملحوظ فی ذاتہ ہوگا اور اس معنی کو اس کے متعلق ذکر جس کی طرف ابتداء کی اضافت ہوگی مثلاً ابتداء الکتاب وابتداء القراءة کا تعقل اجمالی طور پر

تعقل اجمالاً وتبعاً ہوگا اور متعلق کے ذکر کی حیث نہیں ہوگی اور یہ معنی اس اعتبار سے لفظ ابتداء کے معنی ہوں گے اور ابتداء کا لفظ اس معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ مثلاً سیر و بصر کے ملانے کا محتاج نہیں ہے خواتم عرب کے اس قول کا کہ اسم اور فعل کے ایسے معنی ہیں جو کائن فی نفس الکلمہ میں یہی مطلب ہے۔ اور جب عقل اس لفظ ابتداء کا اس طرح لحاظ کرے کہ یہ درمیان سیر و بصر کے مثلاً ایک حالت ہے اور اس کو سیر و بصر کے معلوم کرنے کے لئے آئے بنایا جائے تو یہ معنی غیر مستقل بالمفهومیۃ ہوں گے اور محکوم علیہ یا محکوم بہ بننے کی صلاحیت ان میں نہیں ہوگی اور جب تک ان کے متعلق بخصوصیت سے ذکر نہ کیا جائے گا ان کا کچھنا ممکن نہیں اس لئے کہ ان کا متعلق طہفت لیر

بغیر اس کو کہتے ہیں کہ موجود قیام مکان میں شے آخر کا محتاج ہو جیسے الوان رنگ وغیرہ کہ یہ بغیر کسی کے قائم نہیں ہو سکتے۔ موجود ذہنی قائم بذاتہ وہ ہے کہ موجود کا ادراک قصد کیا جائے یعنی مستقل فی الفہم ہو۔ جیسے معنی اسم اور موجود ذہنی قائم بغیر وہ ہے کہ میں کا ادراک تبعاً ہو یعنی غیر مستقل فی الفہم ہو جیسے معنی حرف میں معنی اسم کے موجود خارجی قائم بذاتہ کے مشابہ ہیں اور حرف کے معنی موجود خارجی قائم بغیر کے ہیں ابتداء مثلاً بحرف کے معنی ہیں جب عقل معنی ابتداء کا قصد وبالذات لحاظ کرے تو حرف کے معنی مستقل بالمفهومیۃ ہوں گے محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت اس میں پائی جائے گی اور یہ معنی ملحوظ فی ذاتہ ہوں گے اور اس کے متعلق کا

بالذات ہوگا جب وہی موجود نہ ہوگا تو ان کے معنی کیسے سمجھیں آسکتے ہیں اور نہ اس معنی پر یہ ابتداء کا لفظ دلالت کر سکے گا تا دقتیکہ اس کے ساتھ ایک دوسرے کلمہ کو نہ ملایا جائے کہ جو اس کے متعلق پر دلالت کرے بعض المحققین سے مراد میر سید شریف ہیں کہ انہوں نے شرح مصباح کے حاشیہ میں اس کو نقل کیا ہے یہ حصول میر سید شریف کا نہیں ہے بلکہ کسی اور شخص کا ہے جس کو موصوف نے نقل کر دیا اسی وجہ سے شارح نے ماذکرہ کہا ہے ماقالہ نہیں کہا شارح نے ہمدرد قصداً کے بغیر ملحوظا فی ذاتہ کا اضافہ اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ قصد کے معنی کی تعیین کر دی جائے قصد کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ کسی شے قصد شے آخر کے حصول کے لئے کیا جائے جیسے دھوکا قصد نماز کے لئے کیا جاتا ہے۔ قسم ثانی یہ ہے کہ شے کا قصد حصول نفس کے لئے کیا جائے جیسے نماز کا قصد۔ پس شارح نے ملحوظا فی ذاتہ کہہ کر دوسرے معنی کی تعیین کر دی کہ اس جگہ قصد کے معنی یہ ہیں جو حصول نفس کے لئے ہوں۔ مدرک تبعاً کے بعد والہ لملاحظہ غیرہ کہنے کا بھی یہی منشا ہے کہ ایک معنی تو یہ ہیں کہ بالکل قصد نہ کیا جائے اور ایک معنی یہ ہیں کہ شے آخر کے حصول کے لئے قصد کیا جائے پس یہاں بھی آئے ملاحظہ غیرہ کہ کر ثانی معنی کی تعیین کر دی اسکے بعد شارح مابقی تحریر کا ایک مثال اجمالاً کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ معنی ابتداء جب کہ اس کا لحاظ قصداً وبالذات کیا جائے تو یہ معنی مستقل بالمفهومیۃ ہوں گے اور محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت ہوگی اور یہ معنی اس اعتبار سے لفظ ابتداء کے ہوں گے اور لفظ ابتداء میں ملحق پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ مثلاً سیر و بصر کا محتاج نہ ہوگا۔ اور جب معنی ابتداء کا لحاظ اس طرح نہ کیا گیا ہو جگہ مثلاً سیر و بصر کے حالات معلوم کرنے کے لئے معنی ابتداء کو آئے بنایا جائے تو حرف کے معنی اس وقت غیر مستقل ہوں گے اور تا دقتیکہ کوئی دوسرا لفظ متعلق ذکر نہ کیا جائے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آسکتے پس معلوم ہو گیا کہ شارح نے جو اسم کے معنی کو مستقل کہا ہے اور حرف کے معنی کو غیر مستقل تو وہ اسی لحاظ سے ہے۔

۵۸۹ قول والہما لہما الخ شایع یہاں سے
 فالابتداء مثلاً الخ جو شرح جامی میں اور پر مذکور ہو چکی ہے
 اس کا حاصل بیان کرنا چاہتے ہیں حاصل کلام یہ ہوا کہ
 لفظ ابتداء ایک معنی کلی یعنی مطلق شروع کرنے کیلئے
 وضع کیا گیا ہے اور لفظ من خاص جزئیات کے لئے
 اس طرح پر وضع کیا گیا ہے کہ یہ جزئیات مخصوص اپنے
 متعلقات کے احوال میں اور احوال کے پہچان کے
 لئے آد میں مثلاً من کی وضع کتاب کے شروع کرنے
 کے لئے کھانے کے شروع پینے کے شروع چلنے کے
 شروع وغیرہ وغیرہ ہر ہر جزئی کے شروع کے لئے ہے
 اور وہ کلی معنی یعنی مطلق شروع کرنا ممکن ہے کہ عقل
 ان کا قصد اعتقل کرے اور بالذات لحاظ کرے تو
 یہ معنی مستقل بالمفہومیۃ ہوں گے اور ان میں محکوم علیہ
 و محکوم بہ بننے کی صلاحیت ہوگی مگر جزئیات
 مخصوصہ مستقل بالمفہومیۃ نہیں ہوں گی اور وہ محکوم علیہ
 و محکوم بہ بننے کی ان میں صلاحیت ہوگی اس لئے کہ محکوم
 علیہ اور محکوم بہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مینے قصداً
 ملحوظ ہوں اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان نسبت
 کا لحاظ مقصود بالذات ہوتا ہے پس جب ان میں
 نسبت ضروری ہوتی تو ہر ایک ان دونوں میں قصداً
 وبالذات ملحوظ ہوگا اور چونکہ جزئیات کا لحاظ
 قصداً وبالذات ہوا نہیں کرتا اس لئے ان میں محکوم علیہ
 و محکوم بہ بننے کی بھی صلاحیت نہ ہوگی۔ اور دونوں
 کے درمیان نسبت کا لحاظ ہوگا بلکہ ان جزئیات کا
 قتل جب تک ان متعلقات کو نہ ذکر کر دیا جائے
 نہیں ہو سکتا پس جب ان کے متعلقات کو ذکر کیا
 جائیگا تو یہ جزئیات متعلقات کے احوال کے لحاظ
 کے لئے آد میں لگی اور نحو یوں کے اس قول کا کہ صرف
 ذکر ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے
 غیر میں ہوں یہی مطلب ہے کہ یہ جزئیات جو حوت کے
 معنی میں ہیں اور ہیں کہ تاؤ حیک ان کے متعلقات
 کو ذکر نہ کر دیا جائے ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے
 حصول و حال کے درمیان فرق یہ ہے کہ محکوم علیہ
 کہتے ہیں کہ کلام سے تکلف سمجھا جائے اور محال یہ
 ہے کہ کلام سے بلا تکلف سمجھ میں آجائے۔

الدلالة عليه الى ضم كلمة اخرى اليه لتدل على متعلقه وهذا
 هو المراد بقولهم ان للاسم والفعل معنى كائناً في نفس الكلمة الدالة
 عليه واذا لاحظت العقل من حيث هو حالة بين السير والبصرة
 مثلاً وجعله آلة لتعرف حالهما كان معنى غير مستقل بالمفہومیۃ
 ولا يمكن ان يتعقل الا بذكر متعلقه بخصوصه ولا ان يدل عليه
 الا بضم كلمة اخرى دالة على متعلقه والحاصل ان لفظ الابتداء
 موضوع لمعنى كلي ولفظة من موضوعة لكل واحد من جزئياته
 المخصوصة المتعلقة من حيث انها حالات لمتعلقات او آلات
 لتعرف احوالها وذلك المعنى الكلي يمكن ان يتعقل قصداً و
 يلاحظ في ذاته فيستقل بالمفہومیۃ ويصلح ان يكون محکوماً عليه
 وبه واما تلك الجزئيات فلا تستقل بالمفہومیۃ ولا تصلح ان تكون

اور بالبع غیر اس کے کہ اس (مطلق) کے ذکر کی حاجت ہو لازم ہے اور وہ معنی مستقل بالمفہومیۃ
 اس اعتبار سے (کہ عقل اس کا قصد او بالذات لحاظ کرے) صرف لفظ ابتداء کا مدلول ہے
 تو اس وقت (لفظ ابتداء کو) اس معنی پر دلالت کرنے میں (سیر و بصرہ جیسے) کسی دوسرے کلمہ
 کے ساتھ ملانے کی ضرورت نہیں کہ اپنے متعلق (سیر و بصرہ) پر دلالت کرے اور نحو یوں کے
 قول کہ اکم اور قتل کے ایسے معنی ہیں جو نفس کلمہ میں ہیں جن پر کلمہ دلالت کرتا ہے سے یہی
 (مقول اول) مراد ہے اور جب عقل اس (لفظ ابتداء کے مفہوم) کا اس حیثیت سے لحاظ
 کرے کہ یہ مثلاً سیر و بصرہ کے درمیان کی ایک حالت ہے اور اسے (سیر و بصرہ) دونوں کے
 حال کو معلوم کرنے کا آکر بتائے تو (اس اعتبار سے مفہوم ابتداء) ایک معنی غیر مستقل بالمفہومیۃ
 ہوگا اور جب تک اس کے متعلق کا خصوص کے ذکر نہ کیا جائے اس کا تعقل ممکن نہ ہوگا اور نہ
 ہی اس (مفہوم) پر دلالت کیا جاسکتی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہ ملا جائے
 جو اس (مفہوم) کے متعلق پر دلالت کرے (اور لفظ ابتداء اور لفظ من کے درمیان جو فرق ہے
 اس کا) حاصل یہ ہے کہ لفظ ابتداء معنی کلی (مستقل بالمفہوم یعنی مطلق شروع) کے لئے موضوع
 ہے اور لفظ من اس (معنی کلی) کی جزئیات مخصوصہ متعلقہ میں سے ہر ایک (جزئی) کے لئے موضوع
 ہے اس حیثیت سے کہ یہ (جزئیات) اپنے متعلقات کے حالات اور ان کے احوال کی معرفت کے
 لئے آگت ہیں اور اس معنی کلی کا بالقصد تعقل ہو سکتا اور بالذات لحاظ کیا جاسکتا ہے لہذا وہ
 مستقل بالمفہومیۃ ہے اور محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن وہ جزئیات

مُحْكَمًا عَلَيْهَا وَبِهَا أَذْلًا بَدَلًا فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَكُونَ مَحْظُوظًا قَصْدًا
لِيُمْكِنَ أَنْ يُعْتَبَرَ النَّسَبُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ بَلْ تِلْكَ الْجَزْئِيَّاتُ لَا تَتَّعَقِلُ
الْإِبْذَكَرَ مُتَعَلِّقَاتِهَا لَتَكُونَ آلَاتٍ لِمُلاحِظَةِ أَحْوَالِهَا وَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ
بِقَوْلِهِمْ أَنَّ الْحَرْفَ كَلِمَةٌ تُدَلُّ عَلَى مَعْنَى فِي غَيْرِهَا وَإِذَا عُرِفَتْ هَذَا
عِلْمَتُ أَنَّ الْمُرَادَ بِكَيْفُونَةِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهِ اسْتِقْلَالُهُ بِالْمَقْهُومِيَّةِ
وَبِكَيْفُونَةِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ دَلَالَتُهَا عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى
ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهَا لِاسْتِقْلَالِهَا بِالْمَقْهُومِيَّةِ فَمَرْجِعُ كَيْفُونَةِ الْمَعْنَى
فِي نَفْسِهِ وَكَيْفُونَتِهِ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ إِلَى أَمْرٍ وَاحِدٍ وَهُوَ
اسْتِقْلَالُهُ بِالْمَقْهُومِيَّةِ فِي هَذَا الْكِتَابِ الضَّمِيرُ الْمَجْرُوسُ الَّذِي فِي
نَفْسِهِ يَحْتَمِلُ أَنْ يَرْجَعَ إِلَى مَا الْوَصُولَةُ الَّتِي هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَلِمَةِ

مستقل بالمفہومیت نہیں اور نہ ہی محکوم علیہا دیباہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں کیونکہ ان دونوں
محکوم علیہ وہ ہیں سے ہر ایک میں یہ بات ضروری ہے کہ بالقصد ملحوظ ہوتا کہ اس کے اور
اس کے غیر کے درمیان نسبت کا اعتبار کیا جائے بلکہ ان جزئیات کا تعقل ان کے متعلقات
کے بغیر نہیں کیا جاسکتا تاکہ وہ متعلقات کے احوال کے ملاحظہ کے لئے آلات ہوں اور نحووں
کے قول کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے غیر میں ہے۔ سے یہی
مراد ہے اور جب تم نے اس تحقیق کو جان لیا تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ معنی کے فی نفسہ ہونے سے
اس کا مستقل بالمفہوم ہونا مراد ہے اور معنی کے نفس کلمہ میں ہونے سے کلمہ کا معنی پر اس کے مستقل
بالمفہوم ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے کلمہ کے ملنے بغیر دلالت کرنا مراد ہے تو معنی کے فی
نفسہ اور فی نفس کلمہ الدالۃ علیہ کا رجوع ایک ہی چیز کی طرف ہے اور وہ معنی کا مستقل بالمفہوم
ہوتا ہے۔ پس اس کتاب کا فیہ امی ضمیر مجرور جو فی نفسہ میں ہے اس بات کی محتمل ہے کہ اس
"ما" موصول کی طرف راجع ہو جو کلمہ سے عبارت ہے اور یہی ظاہر ہے تاکہ یہ اس کے مطابق ہو

معنی قرار دیا جا رہا ہے تو دونوں میں مطابقت
ہمیں رہتی اس کا جواب شائع نے دیا کہ جب تم
نے یہ پہچان لیا کہ بعض مفہومات ملحوظ فی ذاتہ اور
حقیقت الیہ بالذات ہوتے ہیں اور ان کے سمجھنے
کے لئے کلموں سے دوسرے کلمہ ملانے کی حاجت
نہیں رہتی اور وہ مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں اور یہی معنی
اسکی ہی اور بعض مفہومات ایسے ہیں کہ ان کلموں کے
ساتھ ان کا کہنا دوسرے کلمہ کے لئے پر موقوف

۵۹ قولہ واذا عرفت بذاتہ ہر ایک
سوال خدا کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ فی نفسہ کی
ضمیر مجرور میں دعا حال میں اس کا مرجع کلمہ ہے یا
معنی اگر اس کا مرجع کلمہ ہے تو معنی درست ہے یا
اگر ملے ہے تو درست نہیں اس لئے کہ اس سے
اجمال و تفصیل کے درمیان مخالفت لازم آتی ہے
اس لئے کہ اجمال یعنی دلیل صریح مجرور کا مرجع کلمہ
قرار دیا گیا ہے تفصیل ہے اس میں اس کا مرجع

ہے اور وہ امر آخر کا ملاحظہ کے لئے آ رہنے کے
اعتبار سے ملحوظ ہوتے ہیں اور ملتفت الیہ بالذات
نہیں ہوتے مگر امر آخر کے طفیل سے اور یہ معنی غیر مستقل
بالمفہومیت ہوتے ہیں اور ان کو معنی حرنی کہتے ہیں۔ تو
جانتا چاہئے کہ معنی کے اپنے نفس میں ہونے سے مراد
ہے کہ معنی مستقل بالمفہوم ہیں اور معنی کے نفس کلمہ میں
ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کی دلالت معنی پر
دوسرے کلمہ کے ملنے بغیر ہوتی ہے معنی کے مستقل
بالمفہومیت ہونے کی وجہ سے پس ضمیر کا مرجع خواہ کلمہ
قرار دیا جائے۔ خواہ معنی مالک یہی ہوتا ہے۔ یعنی
اس سے امر واحد یعنی استقلال بالمفہومیت مراد ہے

۵۹ قولہ فی ہذا کتاب الضمیر المجروس الذي في
جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا تھا۔ اس کا جواب
شائع اس عبارت سے دیر ہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے
کہ جب ضمیر مجرور کو کلمہ بالمعنی کی طرف ڈالنے کا مالک
ہے یعنی استقلال بالمفہومیت تو مصنف نے ایضاً شرح
مفصل میں فی نفسہ کا مرجع معنی کیوں قرار دیا ہے۔ اور
کافیہ میں اسم کی تعریف میں ماموسہ لاکر مرجع کو عام کیوں
قرار دے دیا کہ اس کا مرجع خواہ معنی کو بنایا جائے خواہ
ما جو کلمہ سے مراد ہے۔ جواب یہ ہے کہ مصنف نے
تعریف صریحی اور تعریف ضمنی میں مطابقت کا لحاظ کیا
ہے۔ تعریف ضمنی یعنی دلیل صریح میں ضمیر مجرور کا مرجع فی
نفسہ کہنے کی وجہ سے کلمہ متعین ہو جاتا ہے۔ اور تعریف
صریح یعنی اس جگہ فی نفسہ کہا ہے۔ تاکہ اس کا مرجع
ماموسہ قرار دے کر کلمہ مراد لیا جائے۔ تاکہ دونوں
میں مطابقت ہو جائے۔ ماموسہ لاکر اس کا مرجع معنی کو بنایا
جائے۔ تو یہ بھی صحیح ہے اسی وجہ سے مصنف فی نفسہ
میں ضمیر مذکور لائے ہیں تاکہ دونوں معنی صحیح ہو جائیں
اور مفصل میں ضمیر مجرور کا مرجع معنی کو اس لئے قرار دیا ہے
کہ اس میں دلیل صریح بیان نہیں کی گئی ہے اور معنی صریح
بھی ہے یہاں پر مصنف نے ایضاً میں اس کا مرجع
معنی ہی کو قرار دیا جو کہ ایضاً میں تعریف صریحی اور
تعریف ضمنی میں مطابقت کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔

۹۲ قولہ و باسبق من التحقیق الخ

وارد ہوتا ہے کہ تعریف باسم جامع نہیں ہے اور حرف کی تعریف مانع نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ اسم لکھ جن کے لئے اضافت لازم ہے۔ یعنی ان کا استعمال بلا اضافت نہیں ہوتا وہ اسم کی تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں اور حرف کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں مثلاً ذو فوق تحت قدم خلف وغیرہ اپنے معنی پر دلالت کرنے کیلئے مضاف الیہ کے محتاج ہیں لہذا یہ حرف کی تعریف میں داخل اور اسم کی تعریف سے خارج ہیں حالانکہ یہ اسم ہیں اس اعتراض کا جواب شارح نے اس عبارت سے یہ دیا کہ ماسبق میں استعمال اور عدم استعمال کی بحث سے ظاہر ہو گیا کہ اسم کی تعریف جامع ہے اور حرف کی مانع اور اسم لازمۃ الاضافة کو لیکر تعریف اسم کی جامعیت اور تعریف حرف کی مانعیت پر اعتراض کرنا درست نہیں اس لئے کہ ان کے معنی مفہومات کلیہ مستقل بالمفہومیت ملحوظ فی حد ذاتہ ہیں اور ان کے متعلقات اجمالاً و تبعاً بلا ذکر کئے سمجھ میں آ جاتے ہیں پھر اس جواب پر ایک اعتراض وارد ہوا جس کی تقریر یہ ہے کہ جب ان کے معنی مفہومات کلیہ ہیں تو ان کو متعلقات مخصوصہ کے ساتھ کیوں استعمال کیا جاتا ہے انکا استعمال عام بلا اضافت کیوں نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب وکن سے شارح نے یہ دیا کہ یہ اعتراض درست ہے مگر عرب کی عادت ہی اس طرح جاری ہے کہ ان کو مخصوص متعلق کی طرف مضاف کر کے مفہومات کلیہ میں استعمال کرتے ہیں اس لئے کہ ان اسما کی وضع کا مقصد یہ ہے کہ یہ متعلقات مخصوصہ کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوں یہ مقصد نہیں کہ ان کے معنی کلیہ ان کے مخصوص متعلقات کے ذکر کے محتاج ہیں پس یہ اسما اپنے معنی مستقل پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ غیر مستقل پر لہذا یہ اسم کی تعریف میں داخل ہوں گے کہ تعریف حرف میں۔

۹۳ قولہ ولما کان الفعل الخ ایک سوال مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ معنی کے

و هذا هو الظاهر ليكون على طبق ما سبق في وجه المحصر من كينونة المعنى في نفس الكلمة ويحتمل ان يرجع الى المعنى ولذا ذكر الضمير تنبيها على صحة ارادة كلا المعنيين ولكن عبارة الفصل ظاهرة في المعنى الاخير وهو ارجاع الضمير الى المعنى لعدم مسبقية بما يدل على اعتبار كينونة المعنى في نفس الكلمة ولهذا اجزا لمصنف رحمه الله هناك برجوع الى المعنى وبما سبق من التحقيق ظهر انه لا يخل حذ الاسم جمعا واحدا الحرف منعابا لاسماء اللازمة الاضافة مثل ذو فوق وتحت وقدام وخلف الى غير ذلك لان معانيها مفهومات كلية مستقلة بالمفهومية ملحوظة في حد ذاتها لزمها تعقل متعلقا اجمالا وتبعاً من غير حاجة الى نكرها لكن لما جرت العادة باستعمالها في مفهوماتها مضافة الى متعلقات مخصوصة لانها الغرض من وضعها لزم ذكرها لفهم

جو وجہ محصر میں گذرا یعنی معنی کا نفس کلمہ میں ہونا اور اس بات کی بھی محتمل ہے کہ معنی کی طرف رجوع ہو اور اسی وجہ سے دونوں معنوں کے ارادہ کی محنت پر تنبیہ کرنے کے لئے (حضرت مصنف "نفس" کی) ضمیر کو مذکر لائے ہیں لیکن (زمخشری کی کتاب) مفصل کی عبارت (الاسم ما دل على معنى في نفسه دلالة مجردة عن الاقتران) معنی اخیر میں ظاہر ہے اور وہ ضمیر کا معنی کی طرف لوٹنا ہے کیونکہ عبارت مفصل سے پہلے (وجہ محصر کلمہ ایسی) کوئی ایسی چیز نہیں گذری جو معنی کے نفس کلمہ میں مقبر ہونے پر دلالت کرے اور اسی لئے مصنف کافیہ نے یہاں (ایضاح شرح مفصل میں) ضمیر کے معنی کی طرف لوٹنے کو یقینی قرار دیا اور گذشتہ تحقیق سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسم کی تعریف کے جامع اور حرف کی تعریف میں مانع ہونے میں ذو فوق وتحت وقدام وخلف وغیرہ ایسے لازم الاضافة اسما (جو اپنے معنوں پر دلالت کرنے میں مضاف الیہ کے محتاج ہوتے ہیں) کی وجہ سے کوئی خلل نہیں آتا کیونکہ ان اسماء کے معانی مفہومات کلیہ مستقل بالمفہوم اور ملحوظ بالذات ہیں کہ ان اسماء کے متعلقات کا تعقل اجمالی طور پر اور بالفتح بغیر اس کے کہ ان کے ذکر کی ضرورت ہو ان اسماء کو لازم ہے لیکن جب ان اسماء کو ان کے متعلقات مخصوصہ کی طرف مضاف کر کے انہیں ان کے مفہومات میں استعمال کرنے کی عادت عرب جاری ہو گئی کیونکہ ان اسماء کی وضع سے غرض ہی (متعلقات مخصوصہ کی طرف ان کی) اضافت ہے تو ان مفہومات کو سمجھنے کے لئے متعلقات مخصوصہ کا ذکر لازم ہو گیا نہ کہ اصل معنی کو سمجھنے کے لئے پس

هذه الخصوصيات لا لاجل فهم اصل المعنى فهي دالة على معانيها
معتبرة في حد نفسها لا في غيرها فهي داخلية في حد الاسم لا
في الحرف ولما كان الفعل دالا على معنى في نفسه باعتبار معناه
التضمني اعني الحدث وكان ذلك المعنى مقترنا مع احد الازمنة
الثلاثة في الفهم عن لفظ الفعل اخرج بقوله غير مقترن
يا حذر الازمنة الثلاثة اي غير مقترن مع احد
الازمنة الثلاثة في الفهم عن لفظه الدال عليه فهو صفة بعد

اسمائے لازم الاضافة اپنے معنوں پر دال اور فی حد ذاتہا معتبر ہوئے نہ کہ (حرف کی طرح ایسے
معنوں پر دال ہوئے) جو ان کے غیر میں (حاصل) ہیں پس یہ اسما د اسم کی تعریف میں داخل ہوئے
نہ کہ حرف (کی تعریف) میں۔ اور جبکہ فعل اپنے معنی تضمنی یعنی حدث کے اعتبار سے ایسے معنی پر
دلات کرتا تھا جو اس کی ذات میں ہے اور وہ معنی لفظ فعل سے سمجھے جانے میں تین زمانوں میں
سے کسی ایک زمانے سے ملا ہوا تھا تو فعل کو مصنف نے اپنے قول (غیر مقترن) کو کہ تین زمانوں
میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہے سے نکال دیا۔ یعنی وہ معنی اپنے اس لفظ سے جو
اس پر دلالت کرتا ہے سمجھے جانے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو
تو صفت کا قول (غیر مقترن) الازمنہ کے لئے (پہلی) صفت (فی نفسہ کے) بعد (دوسری) صفت

بلا مرجح اس لئے لازم نہیں آتی ہے کہ فعل کے معنے
اقتراں کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اور نسبت
اور زمان ہر دو اقتراں بالزمان کی صلاحیت نہیں
رکھتے ہیں لہذا ان دونوں کی تعمی ہو گئی اور معنے
مصدری یعنی حدث چونکہ کائن فی نفسہ بھی
ہوتے ہیں اور احد الازمنہ اثنیۃ کے ساتھ مقترن ہونے
کی صلاحیت بھی رکھتا ہے لہذا اس کی تعیین ہو گئی
اور فعل کے یہ معنے مراد لے کر اسم کی تعریف میں غیر
مقترن باحد الازمنہ اثنیۃ کا اضافہ کر کے فعل کو خارج
کر دیا۔ فی الفہم عن لفظ الفعل کے اضافہ کی وجہ کلمہ
کی دلیل صریح فی الفہم عنہا کے ضمن میں مذکور ہو چکی
یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۹۹۲ قول ای غیر مقترن مع الخ اس سے
مشار بتا چاہتے ہیں کہ باحد الازمنہ اثنیۃ میں بالیغ
مع ہے۔ اس لئے کہ باجوب اقتراں کے صلہ میں واقع
ہوتی ہے تو بیغ مع ہوتی ہے نہ بیغ سببیت
وغیرہ۔

۹۹۵ قول فهو صفة الخ ایک نسخہ میں وہ
صفة الخ بالاولیٰ ہے اور کسی ظاہر بھی ہے اور اگر فاعل
جیسا کہ اس نسخہ میں ہے تو معنے بیان کے لئے ہوگی
اگر غیر مقترن الخ کو محذور پر واجبائے تو معنے کی صفت
ثانیہ ہوگا اول صفت اس کی فی نفسہ ہے اور اگر غیر
منصوب پر واجبائے تو معنے سے حال واقع ہوگا
اور اگر مفعول ہو تو مبتدا محذوف ہوگی خبر ہوگا۔ مگر
شراح نے خبر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ حالت کی
بنیاد اس کو منصوب پر ہیں گے تو تکلف کرنا پڑے گا
یعنی معنے کو مفعول پر بنانا۔ اور دلالت کو حال
الاقتراں کے ساتھ مقید کرنا پڑے گا۔ اور دفع کی صورت
میں حذف کا ارتکاب لازم آتا ہے لہذا ان دونوں
صورتوں کو مترک کر دیا۔ پس پہلی صفت سے تو اسم
کی تعریف سے حدوث خارج ہو گئے اس لئے کہ معنی
غیر مستقل پر دلالت کرتے ہیں اور ثانی صفت سے
فعل خارج ہو گیا اس لئے کہ فعل احد الازمنہ اثنیۃ
کے ساتھ مقترن ہوتا ہے۔

اسم کی یہ تعریف فعل کو شامل رہے گی چونکہ فعل بھی
معنے مستقل پر دلالت کرتا ہے اگرچہ وہ دلالت
معنی تضمنی کے اعتبار سے ہوتی ہے معنی فی نفسہ
اور ہا یہ اعتراض کہ مطلق کا وجود مقید کے ضمن میں
ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ مطلق کا ارادہ بلا مقید
کے کیا جاسکتا ہے لہذا ہا کلام ہادہ مطلق میں
ہے نہ کہ وجود مطلق میں۔ پھر اعتراض وارد ہوتا ہے
کہ معنی تضمنی میں حال سے خالی نہیں یا نسبت میں
یا زمان یا معنی مصدری یعنی حدث۔ اگر نسبت
مراد لی جائے تو وہ کائن فی نفسہ نہیں ہوتی اور
اگر زمان مراد ہو تو اس صورت میں زمانہ کا اقتراں
زمانہ کے ساتھ لازم آتا ہے اور تیسری صورت میں
ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اس کا جواب شراح
نے اعنی الحدث سے یہ دیا کہ یہاں پہلے شخص
سے مراد معنی مصدری فعل کے مراد میں اور ترجیح

نفس کلمہ میں ہونے سے مراد یا تو معنے مطابق
ہونے یا تضمنی یا التزامی یا مطلق معنے۔ اور ہر ایک
صحیح نہیں اس لئے کہ اولاد مادہ ہے تو فعل اسم کی
تعریف سے فی نفسہ قید سے خارج ہو جاتا ہے
کیونکہ فعل کے معنے مطابق مستقل نہیں ہوتے ہیں
لہذا اصل کو خارج کرنے کے واسطے غیر مقترن باحد
الازمنہ اثنیۃ قید کا اضافہ کرنا عبث ہے۔ اور
اگر ثانی مراد ہے تو اس سے اس کا ربط خارج ہو
جاتے ہیں جیسے نقطہ اور مصادر وغیرہ۔ اس لئے
کہ ان میں سے معنی تضمنی نہیں پائے جاتے اور اگر
ثانی مراد ہوں تو معنے التزامی تعریفات میں متروک
ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ ہم سے بعید ہوتے ہیں اور
مگر مطلق معنے مراد لے جائیں تو اس پر بھی اعتراض
وارد ہوتا ہے جو مقید پر ہوتا ہے اس لئے کہ مطلق
کا وجود مقید کے ضمن میں ہوتا ہے شراح نے اس کا
جواب دیکر مسائل کے مطلق معنے مراد میں لہذا

قوله والمراد بعدم۔ یہ عبارت

ایک سوال مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اسم کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے اسماء افعال خارج ہو گئے کیونکہ ان کے معانی مقترن مع احدا لازمتہ الثلثہ ہوتے ہیں اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ عدم اقتران سے مراد یہ ہے کہ باعتبار وضع اول کے غیر مقترن ہو اور اس میں شک نہیں کہ ان کی وضع اول بعدم الاقتران ہی ہے بعد کو استعمال کی وجہ سے اقتران ان کو عارض ہو گیا اس لئے کہ اسماء افعال یا تو

مصادر اصلیه سے منقول ہیں خواہ نقل ہر حرف ہو جیسے رُوْنِدْ کہ اس کا استعمال مصدر میں بھی ہوتا ہے یا نقل غیر صریح ہو یعنی مصدر میں استعمال نہ ہوتا ہو جیسے ہیہات کہ اس کا استعمال اگرچہ مصدر میں نہیں ہوتا مگر یہ قَوَاۃ کے وزن پر ہے جو کہ توفی کا مصدر ہے۔ قَوَاۃ کے معنی مرغی کا بیضہ دینے کے وقت بولنے کے ہیں۔ یا ان مصادر سے منقول ہیں کہ جن کی اصل صوت محض تھی یعنی سوائے آواز کے اور کوئی معنی نہیں تھے جیسے کہ اس کو پہلے معنی مصدری یعنی سکوت کی طرف نقل کیا گیا پھر اس سے معنی اُسکٹ کی طرف منقول کر لیا گیا یا طرف سے منقول ہیں یا جار مجرور سے جیسے لَمَّا مَكَ زَيْدًا وَعَلَيْكَ زَيْدًا لَمَّا مَكَ زَيْدًا کو معنی ظن سے معنی فعل یعنی قسم کی طرف نقل کیا گیا یا جار مجرور سے معنی ان سے معنی از م کی طرف اور ان میں سے یعنی مصادر طرف جار مجرور وغیرہ میں ایک بھی وضع اول کے اعتبار سے معنی فعل پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ لہذا سب کے سب اسم کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسم کی تعریف میں دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ افعال مناسبتہ جن الزمان یعنی جن سے زمانہ سلب کر لیا گیا ہے مثلاً علی کا دخول ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ غیر مقترن باحد لازمتہ الثلثہ ہوتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار وضع اول کے چونکہ ان میں زیادہ پایا جاتا ہے لہذا اسم کی تعریف سے خارج ہو گئے۔ پھر یہ اعتراض وارد ہوا کہ اسم کی تعریف میں مصادر دخل

صفة للمعنى فالصفة الاولى خرج الحرف عن حد الاسم بالثانية الفعل والمراد بعدم الاقتران ان يكون بحسب الوضع الاول قدخل فيه اسماء الافعال لان جميعها اما منقولة عن المصادر الاصلية سواء كان النقل فيها صريحاً نحو رُوْنِدْ فانه قد يستعمل مصدرًا ايضاً او غير صريح نحو هيّات فانه وان لم يستعمل مصدرًا انه على وزن قَوَاۃ مصدر قَوَّى او عن المصادر التي كانت في الاصل اصواتاً نحو صَوَّ او عن الظرف او الجار والمجرور نحو اَمَامَكَ زَيْدًا او عَلَيْكَ زَيْدًا افليس لشي منها الدلالة على احدا لازمتة الثلثة بحسب الوضع الاول

ہے پس پہلی صفت سے حرف اسم کی تعریف سے نکل گیا اور دوسری سے فعل اور (معنی کے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ سے) ملا ہوا نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وضع اول کے اعتبار سے (ملا ہوا نہ) ہو تو اسم کی تعریف میں اسمائے افعال داخل ہو گئے کیونکہ سب اسمائے افعال (کا حال یہ ہے) کہ یا تو (ان میں کچھ) مصادر اصلیه سے منقول ہیں خواہ ان میں نقل صریح طور پر ہو جیسا کہ رُوْنِدْ ہے کہ یہ کسی مصدر ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے یا (نقل) صریح کے طور پر نہ ہو جیسا کہ ہیّات ہے کہ یہ اگرچہ مصدر ہو کر استعمال نہیں ہوتا مگر یہ قَوَاۃ (مرغی کا بیضہ دیتے وقت بولنا) کے وزن پر ہے قَوَّى (بر وزن فَعَّلَ ماضی) کا مصدر ہے یا (کچھ اسمائے افعال) ان مصادر سے (منقول ہیں جو دراصل آواز محض تھے) پھر انہیں مصدر کی طرف نقل کیا گیا اس کے بعد اس مصدر سے مشتق فعل کا اسم بنا دیا گیا جیسا کہ مَمَّہ ہے (جسے پہلے سکوت مصدر کی طرف پھر اس سے مشتق اُسکٹ فعل امر کے معنی کی طرف منتقل کیا گیا) یا (ان میں سے کچھ اسمائے افعال) طرف یا جار و مجرور سے (منقول) ہیں جیسا کہ اَمَامَكَ زَيْدًا (یعنی اخذ زَيْدًا یا تَقَدَّمَ عَلَى زَيْدٍ) اور عَلَيْكَ زَيْدًا (یعنی الزَمَ زَيْدًا) ہے پس ان مصادر و ظرف اور

ہے اس لئے کہ مصادر احدا لازمتہ الثلثہ کے ساتھ مقترن نہیں ہوتے بلکہ اس میں دو زمانے پائے جاتے ہیں اول اسم کی تعریف سے کسی ایک زمانہ کی نفی کی گئی ہے کہ دو زمانوں کی۔ اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ مصادر بھی اسم کی تعریف سے خارج ہے اس لئے کہ مصادر میں تین مذہب ہیں اول یہ کہ مصادر کے حقیقی معنی حال کے ہیں۔ اور ہماری معنی مستقبل کے اور ثانی یہ کہ حقیقی معنی مستقبل کے ہیں اور مجازی حال کے ان دونوں مذہبوں کی بنا پر تو یہ اعتراض ہی واقع نہیں ہو سکتا

تیسرا مذہب یہ ہے کہ مصادر معنی حال و مستقبل میں مشترک ہے اس صورت میں اگرچہ مصادر میں دونوں زمانے پائے جاتے ہیں مگر چونکہ لفظ احد عام ہے خواہ زمانہ ایک ہی ہو مستقبل طور پر یا دور کے ضمن میں پایا جائے لہذا جب یہ دو زمانوں پر دلالت کر لیا تو اس کے ضمن میں ایک مذہب بھی متفق ہو گا لہذا یہ بھی اسم کی تعریف سے خارج ہو گیا شائع نے مذہب اول و ثانی کو اس وجہ سے ذکر نہیں فرمایا کہ اس پر یہ اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا خلاف ثالث مذہب کے کہ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

خرج عنه الافعال المنسلخة عن الزمان نحو عني وكاد لا قتران
معانيها به بحسب اصل الوضع وخرج عنه المضارع ايضا فانه على
تقدير اشتراكه بين الحال والاستقبال يدل على زمانين معينين من
الازمنة الثلاثة فيدل على واحد معين ايضا في ضمنها اذ لا يقدح
في الدلالة على احد معين الدلالة على ما سواه نعم يقدح في
ارادة المعين ارادة ما سواه واین الدلالة من الارادة ولما فرغ
من بيان حد الاسم اراد ان يذكر بعض خواصه ليفيد زيادة معرفة
به فقال ومن خواصه منها بصيغة جمع الكثرة على كثرتها وبمن

مراد ہوں اور مقصود ہوں لفظ سے جیسے لفظ معین
کہ یہ تمام معنی پر دلالت کرتا ہے خواہ اس سے کسی
ایک متعین معنی کا ارادہ کیا جائے تب بھی تمام معنی
پر دلالت کرے گا اور مراد صرف ایک ہی معنی لے سکتے
ہیں۔

۹۸ قولہ ولما فرغ الخ یہ بھی سوال
مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ نحو کی غرض
کلمہ اور کلام کے احوال بیان کرنا ہے اور ان کی
تعریفات اس لئے بیان کرنی ضروری ہیں کہ مقصود
کے لئے موقوف علیہ ہیں لیکن خواص کو بیان
کرنا مقصود بالذات ہے اور نہ مقصود کے لئے
موقوف علیہ ہے لہذا اس کا بیان کرنا اشتغال بالآ
یعنی کے مترادف ہے۔ اس کا جواب شائع نے
یہ دیا کہ اسم کے دو وجود ہیں۔ وجود ذاتی اور وجود
خارجی اول کی معرفت تو تعریف سے حاصل ہو گئی
اور ثانی کی معرفت خواص کے ذریعہ سے ہوتی ہے
لہذا ان کا بیان کرنا ضروری ہوا مزید وضاحت
کے لئے اس لئے کہ کسی شے کی زیادہ وضاحت کرنا
زیادتی بصیرت فی الشے کے لئے مفید ہوتا ہے
لہذا اسم کے بعض خواص کو مصنف نے ذکر کر دیا۔

۹۹ قولہ ومن خواص الخ اعتراض وارد
ہوتا ہے کہ مصنف اسم کے صرف پانچ خاصہ بیان
کئے ہیں اور ان کے بیان کرنے کے لئے جمع
کثرت کا صیغہ استعمال کیا ہے جو کسی طرح بھی
مناسب نہیں ہے نیز مصنف نے کافیہ کو
انتہائی اختصار کے ساتھ تحریر فرمایا ہے لہذا
یہاں بھی اختصار کو مد نظر رکھ کر خواص کہتے نہ کہ
اس میں من کا اضافہ کر کے طویل دیتے۔ اس کا جواب
شائع مہربا ہے یہ ہے کہ جمع کثرت کا
صیغہ اس وجہ سے استعمال کیا ہے کہ اسم کے
بہت سے خاصے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اسم
کے خاصوں کی تعداد تسنیں تک پہنچ گئی ہے صیغہ
جمع کثرت لانے سے اس کی طرف اشارہ ہو گیا
واضح ہے کہ جمع کثرت کا اطلاق اس اور اس کے
مابعد اعداد پر ہوتا ہے اور جمع قلت کا تین سے

بارد مجرور میں کسی کی وضع اول کے اعتبار سے تین زمانوں میں سے کسی ایک پر بھی دلالت
نہیں ہے اور اسم کی تعریف سے وہ افعال (مقاربہ) خارج ہو گئے جو زمانہ سے خالی ہو گئے
(جن سے زمانہ سلب کر لیا گیا) جیسا کہ غنی اور کاد ہے کیونکہ ان افعال کے معانی وضع اول
کے اعتبار سے زمانے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور فعل مضارع بھی اس سے خارج ہو گیا کیونکہ
وہ حال و استقبال کے درمیان مشترک ہونے کی تقدیر پر تین زمانوں میں سے دو معین
زمانوں پر دلالت کرتا ہے تو ان دو زمانوں کے ضمن میں ایک معین زمانے پر بھی وہ دلالت
کرتا ہے کیونکہ ایک معین زمانے پر دلالت کرنے میں اس کے ماسوا پر دلالت کرنا مانع نہیں
ہوتا البتہ ایک معنی معین کے ارادہ کرنے میں اس کے ماسوا کا ارادہ کرنا مانع ہے اور دلالت
وارادہ میں فرق بتن ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ جب اسم کی تعریف سے فارغ ہوئے تو ارادہ
کیا کہ اسم کے کچھ خواص کا ذکر کریں تاکہ اسم کی مزید معرفت کا فائدہ پہنچائیں تو فرمایا لا اور اس کے
خواص میں سے جمع کثرت کے صیغہ سے (اسم کے) خواص کی کثرت پر اور من تبصیر سے اس

زمانوں پر دلالت کرے تو اس کے ساتھ ایک
معین زمانہ پر بھی دلالت ہو جائے تو یہ درست
ہے ہاں صرح اس وقت ہے کہ ایک معین زمانہ
کا ارادہ ہوا اس کے ساتھ اس کے ماسوا کا بھی ارادہ
کر لیا جائے اس اسم کا عموم مشترک باطل ہے اور
یہاں پر ایک معین زمانے پر دلالت مقصود ہے
ماسوا پر نہیں پس مضارع کے عموم کی یہی صورت
جائز ہے۔ واین الدلالة من اللادة سے یہ بتانا
چاہتے ہیں کہ دلالت اور لادہ میں فرق ہے اس لئے
کہ دلالت لفظ سے معنی سمجھنے کو کہتے ہیں خواہ وہ
معنی مراد ہوں یا نہ ہوں اور لادہ وہ ہے کہ معنی

۹۹ قولہ اذ لا یقرب الخ اس عبارت
سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے سوال
یہ ہے کہ جب مضارع کی دلالت دو معین زمانوں
پر ثابت ہوئی تو اس سے لفظ مشترک کا عموم
ثابت ہوا جو کہ ناجائز ہے شائع نے اس کا یہ جواب
دیا کہ عموم مشترک لادہ میں ناجائز ہے دلالت میں
ناجائز نہیں اور یہاں پر عموم دلالت میں ہے
اور یہ صحیح ہے اس لئے کہ کسی متعین زمانہ پر دلالت
کرنے میں کہ اس کے ماسوا سے زیادہ پر بھی دلالت
ہو جائے نہیں کچھ نہیں یعنی مضارع دو معین

یہ کہ تو تک اعداد پہ ہوتا ہے من کی زیادتی اس وجہ سے فرمائی ہے کہ من تبعضیہ ہے اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہاں جو خواص بیان کئے گئے ہیں وہ بعض ہیں من کے تبعضیہ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ من جمع پر داخل ہو رہا ہے اگر من مفرد پر داخل ہوتا تو من کے معنی ابتداء کے ہوتے خواص خاصہ کی جمع ہے اور خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ جو کسی شے میں پایا جائے اور اس شے کے غیر میں نہ پایا جائے مصنف نے صیغہ تائید اس لئے استعمال کیا کہ خاصہ حالت شے کا نام ہے اب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شارح نے خاصہ کی تعریف مایخص بہ ولا یوجد فی غیرہ کے ساتھ کی ہے تو مایخص بہ کہنے سے یہ سمجھ میں آ جاتا ہے کہ غیر میں نہیں پایا جائیگا لہذا شارح کا ولا یوجد فی غیرہ کہنا عبث ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مایخص کو یوجد کے معنی میں لیں گے ولا یوجد کو پھر اس لئے ذکر کر دیا کہ مایخص کے ضمن میں لا یوجد سمجھ میں آتا ہے لہذا ولا یوجد کہہ کر اس کی تصریح کر دی، پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خاصہ مایخص بہ کو کہتے ہیں۔ تو جو چیز مایخص بہ ہوگی وہ خاصہ ہوگی اور جو شے خاصہ ہوگی وہ مایخص بہ ہوگی لہذا توقف اللہ علی نفسہ لازم آیا جو مستلزم ہے دور کو اور دور باطل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خاصہ جس کی تعریف کی گئی وہ اصطلاحی مراد ہے اور مایخص بہ جس کی تعریف کی گئی ہے لغوی ہے لہذا اب دور لازم نہیں آتا۔ ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ تعریف حقیقی نہیں ہے کہ اس سے ایک صورت غیر حاصل حصول کا قصد کیا جائے بلکہ یہ لفظی تعریف ہے کہ جس سے مدلول لفظ کی تفسیر کا قصد کیا گیا ہے۔ اور دور دور ہے وہ مضمرات اول سے ہے نہ کہ ثانی سے۔ پانچ خاصے جو مصنف نے بیان کئے ہیں ان کی وجہ ضبط یہ ہے کہ اسم کا خاصہ لفظی ہوگا یا معنوی اگر لفظی ہے تو اس کا مکمل در و داول اسم ہے

التبعضیۃ علی ان ما ذکرہ بعض منها وہی جمع خاصۃ وخاصۃ الشئ مایخص بہ ولا یوجد فی غیرہ وہی اما شاملۃ لجمع افراد ماہیۃ لکلا بالقوۃ للانسان او غیر شاملۃ کالکتاب بالفعل لہ فمن خواص الاسم دخول الایلامی لام التعریف ولو قال دخول حرف التعریف لکان

بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جن خواص کو انہوں نے (آگے چل کر) ذکر کیا وہ کل خواص میں سے کچھ ہیں اور خواص خاصہ کی جمع (کثرت) ہے اور کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس شے کے ساتھ مخصوص ہے اور اس شے کے علاوہ کسی دوسری شے میں نہ پایا جائے اور خاصہ (دو قسم ہے) یا تو اس شے کے تمام افراد کو شامل ہوگا جس کا وہ خاصہ ہے (اسے خاصہ شاملہ کہتے ہیں) جیسے انسان کے لئے کتاب بالقوۃ (کا خاصہ) ہے یا (تمام افراد کو) شامل نہیں ہوگا (بلکہ بعض کو شامل ہوگا اور بعض کو نہیں اسے خاصہ غیر شاملہ کہتے ہیں) جیسے انسان کے لئے کتاب بالفعل (کا خاصہ) ہے اسم کے خواص میں سے (ایک) لا دخول لام ہے (یعنی لام تعریف۔ اور اگر مصنف دخول

افراد میں نہ پایا جائے۔ بلکہ بعض افراد میں پایا جائے جیسے کتاب بالفعل کہ انسان کا خاصہ ہے۔ مگر تمام افراد میں نہیں پایا جاتا۔

۱۱۱ قولہ ای لام التعریف الخ مصنف کے دخول اللام کہنے پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دخول لام صرف اسم ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ بلکہ فعل میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً لام امر و لام تاکید جیسے لیضربا و لیضرب لہذا لام کو اسم کا خاصہ قرار دینا درست نہیں۔ شارح نے اس کے جواب میں ای لام التعریف کا اضافہ فرمایا یعنی لام سے مراد لام تعریف ہے نہ کہ مطلق لام کہ لام امر و لام تاکید کو مشتمل ہو اللام میں جو الف لام ہے وہ یا تو عوض میں مضاف الیہ کے ہے تو مضاف الیہ التعریف ہوگا۔ یا عہد خارجی کے لئے اس صورت میں بھی لام تعریف ہی مراد ہوگا۔

۱۱۲ قولہ ولو قال دخول الخ یہاں سے ایک اشکال ذکر کر کے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں اشکال یہ ہے کہ اگر حرف تعریف کو ذکر کر دیا جاتا تو مناسب تھا حرف لام تعریف کی تخصیص نہ کرتے اس لئے کہ لام کے بجائے میم کا استعمال

یا آخر اسم اگر اول اسم ہے تو لام تعریف ہے اور اگر مکمل در و داول اسم ہے تو نفس حرکت ہے یا حرکت کے تابع ہے اگر نفس حرکت ہے تو حصر ہے اور اگر تابع ہے تو تنوین سے اور معنوی و دعال سے خالی نہیں مرکب تالم کے ضمن میں ہوگا یا غیر تمام کے اگر اول ہے تو اسناد ہے اور ثانی ہے تو اضافہ۔

۱۱۳ قولہ وہی اما شاملۃ الخ عبارت ایک سوال متعدد کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ دخول لام اسم کے خاصوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اسم کے بہت سے ایسے افراد ہیں کہ جن پر لام کا دخل ہونا منع ہے جیسے اسماء اشارات اسماء موصوفات مضمرات و اعلام وغیرہ۔ لہذا دخول لام کو اسم کا خاصہ کہنا غلط ہے اس کا جواب شارح اس عبارت سے یہ دیر ہے ہیں۔ کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں شاملہ۔ غیر شاملہ خاصہ شاملہ وہ ہے جو شے کے تمام افراد مایخص بہا میں پایا جائے۔ جیسے کتاب بالقوۃ کہ انسان کا خاصہ ہے۔ اور اس کے تمام افراد میں پایا جاتا ہے اور غیر شاملہ وہ ہے کہ مایخص بہا کے تمام

شاملاً للمیم فی مثل قوله علیہ السلام لیس من امیر امصیام فی امسقر
لکنہ لم یتعرض لہ لعدم شہرتہ وفي اختیارة اللام اشارۃ الی ان
المختار عند ما ذهب الیہ سببہ من ان اداة التعریف ہی اللام و
وحد ہا زیدت علیہا ہمزۃ الوصل لتعذر الابتداء بالساکن واما
الخلیل فقد ذهب الی انها ال کھل والمبرد الی انها الہمزۃ المفتوحۃ
وحد ہا زیدت اللام للفرق بینا و بین ہمزۃ الاستفہام واما اختص
دخول حرف التعریف بالاسم لانہ لتعین معنی مستقل بالمفہومیۃ
یدل علیہ اللفظ مطابقاً والحرف لا یدل علی المعنی المستقل والفعل

لام کے بجائے) دخول حرف تعریف کہتے تو ان کا قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کیش
من امیر امصیام فی امسقر جیسے ارشاد کو بھی شامل ہوتا (یعنی سفر میں روزے نیکی
سے نہیں ہیں) لیکن مصنف میم کی عدم شہرت کی وجہ سے اس کے درپے نہیں ہوا اور (ہمزہ
کی بجائے) لام کے اختیار کرنے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک وہی مختار
ہے جس کی طرف سیبویہ گئے یعنی حرف تعریف تنہا لام ہے ابتداء بالساکن کے تعذر کی وجہ
سے ہمزہ وصل کو اس پر زائد کیا گیا اور خلیل اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حرف تعریف ال
ہے حُل کی طرح اور مبرد اس بات کی طرف کہ حرف تعریف تنہا ہمزہ مفتوحہ ہے اور ہمزہ
تعریف و ہمزہ استفہام کے درمیان فرق کرنے کے لئے لام زیادہ کی گئی اور حرف تعریف کا دخول
اسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ حرف تعریف اس معنی مستقل بالمفہومیت کی تعین کے
لئے موضوع ہے جس پر لفظ دلالت مطابقیہ کرے (اور معنی پر اسم ہی دلالت مطابقیہ کرتا ہے)
اور حرف معنی مستقل پر دلالت ہی نہیں کرتا اور فعل اس پر تعیناً دلالت کرتا ہے مطابقیہ نہیں

ہے پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ کلام یصح
میں نہیں آتا تو آنحضرت علیہ السلام نے اس کا
استعمال کیوں کیا جواب یہ ہے کہ سوال سے مطابق
کرنے کے لئے جواب ایسا دیا گیا قبیلہ حمیر کے ایک
شخص نے آپ سے سوال کیا جبکہ آپ جہاد کیلئے
تشریف لے گئے تھے۔ اور ماہ رمضان شروع ہو گیا
تھا۔ سوال یہ تھا کہ لمن امیر امصیام فی امسقر تو آنحضرت
نے بھی جواب میں وہی لغت اختیار فرمایا اور لیس من
امیر امصیام فی امسقر جواب دیا۔

سئلہ قولہ وفي اختیارة اللام الخ اس عبارت

بھی حرف تعریف میں ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت علی
السلام کا فرمان ہے لیس من امیر امصیام فی امسقر
شاملاً نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر یہ میم کا مستقل
تعریف کے لئے ہوتا ہے مگر اس کی شہرت نہیں ہے
وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ ایک جواب یہ ہے کہ میم تعریف
کے لئے آتا ہی نہیں ہے۔ اور اس جگہ مثل مذکور میں
میم لام تعریف سے بدل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ
اس کی اصل لیس من امیر امصیام فی امسقر جہاد کی لڑائی
کے باعث میم سے بدل گیا اور یہ لغت قبیلہ حمیر کا
ہے یا یہ جواب ہے کہ میم کلام صحیح میں آتا ہی نہیں

سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں
سوال یہ ہے کہ جس طرح دخول اللام کہنے سے
مقصود حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح دخول الف
ولام التعریف کہنے سے بھی حاصل ہوتا ہے تو مصنف
نے دخول اللام کو کیوں ترجیح دی جواب یہ دیا کہ
اس جگہ نحو یوں کے تین مذہب ہیں مذہب سیبویہ
مذہب خلیل۔ مذہب مبرد۔ سیبویہ کا مذہب تو
یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے۔ ابتداء
بالساکن کے دشوار ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصل
کا اضافہ کر دیا گیا۔ خلیل کا مذہب یہ ہے کہ
حرف تعریف ال ہے حُل کے وزن پر اور مبرد
کا یہ ہے کہ تعریف صرف ہمزہ ہے اور لام کا اس
وجہ سے اضافہ کر دیا گیا کہ ہمزہ تعریف اور ہمزہ
استفہام میں فرق ہو جائے ان تین مذہب میں سے
مصنف کا مختار مذہب سیبویہ ہے اس وجہ سے
مصنف نے دخول اللام کہا اور دخول الف یا
ال نہیں کہا۔

سئلہ قولہ واما اختص الخ یہاں سے یہ
بتانا چاہتے ہیں کہ لام تعریف اسم کا خاصہ کیوں ہے
فعل و حرف کا کیوں نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ
لام تعریف اس معنی مستقل بالمفہومیت کی تعین
کے لئے آتا ہے جس پر کہ لفظ مطابقہ دلالت
کرے اور ایسے معنی صرف اسم کے ہیں اور
کسی کے نہیں چونکہ حرف تو قطعاً معنی مستقل
پر دلالت ہی نہیں کرتا اور فعل اگرچہ معنی مستقل
پر دلالت کرتا ہے مگر یہ دلالت بالضم ہے
لہذا دخول حرف لام اسم کا خاصہ ٹھہرا۔

سئلہ قولہ وندہ الخاصۃ الخ اس
ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے سوال
یہ ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ دخول لام اسم کا
خاصہ ہے اس لئے کہ ہم بہت سے اسماء ایست
دیکھتے ہیں کہ ان پر لام داخل نہیں ہوتا جیسے
اسماء اشارات اور موصولات وغیرہ جواب
یہ ہے کہ خاصہ کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اگر
کسی اسم پر داخل نہ ہو تو وہ اسم ہی نہ ہے بلکہ

مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف اسم پر داخل ہو سکتا ہے غیر اسم پر نہیں پس خاصہ کی دو قسمیں ہوتی شاملہ غیر شاملہ۔ لہذا ضمائر اسماء اشارات موصولات کہ جن پر لام تعریف کا دخول ممتنع ہے وہ اسم ہی رہیں گے اسی طرح تمام خواص کو تیس کرنا چاہئے۔ دخول لام تعریف ان پر اس وجہ سے منع ہے کہ اسماء اشارات وغیرہ خود ہی معرفہ ہوتے ہیں اور لام تعریف مدخول کو معرفہ بنانے کے آتا ہے لہذا جب یہ خود ہی معرفہ ہیں تو ان پر دخول لام تعریف کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

۱۰۶ قولہ ومنہا دخول الجراخ

عبارت سے شارح کا مقصد یہ ہے کہ واخر کا عطف دخول اللام پر ہے یعنی خبر بھی اسم کا خاصہ ہے اس لئے کہ وہ حرف جر کا اثر ہے مجرور پر لفظاً ہو جیسے مرآت بزمید یا تقدیراً جیسے غلام زید میں اور حرف جر کا داخل ہونا خواہ حرف جر لفظی ہو یا تقدیری اسم کا خاصہ ہے پس ضروری ہے کہ اس کا اثر بھی اسم کے ساتھ مختص ہو ورنہ اثر کا موثر کے بغیر پایا جانا لازم آئے گا اور یہ بدیہی البطلان ہے اور حرف جر لفظی یا تقدیری کا داخل ہونا اسم کے ساتھ خاص اس لئے ہے کہ حرف جر کی وضع ہوئی ہے اس غرض کے لئے کہ وہ معنی فعل کو اسم کی طرف پہنچائے لہذا مناسب یہ ہے کہ اسم پر داخل ہو اور معنی فعل کو اسم کی طرف پہنچائے اس لئے کہ حرف جر مجرور کے ساتھ تعلق معنی فعل پر دلالت کرتا ہے لہذا جب معنی فعل کا تعلق مجرور کے ساتھ ٹھہرے تو معنی فعل کا اسم کی طرف پہنچنا ہو گیا پس حرف جر اسم ہی پر داخل ہو گا اور اگر فعل پر داخل ہو تو انضام فعل الی النفس لازم آئے گا۔

۱۰۷ قولہ واما الاضافة اللفظية

یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہئے۔ یہ سوال یہ ہے کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں اس لئے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ مطلق جراسم کے خواص میں سے اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ جو جر

یدل علیہ تفصیلاً مطابقتاً وھذه الخاصة لیست شاملة لجميع افراد الاسم فان حرف التعریف لا یدخل الضائر واسماء الاشارة و غیرھا كالموصولات وكذلك سائر الخواص الخمس المذكورة ھهنا و منها دخول الجبر انما يختص دخول الجبر بالاسم لانه اشر حرف الجبر فی الجرور بہ لفظاً و فی الجرور بہ تقدیراً كما فی الاضافة المعنویة و دخول حرف الجبر لفظاً او تقدیراً يختص بالاسم لانه موضوع لا فضاء معنی الفعل الی الاسم فینبغی ان یدخل الاسم لیفصی معنی الفعل الیہ واما الاضافة اللفظیة فہی فرع للمعنویة فینبغی ان یخالف الاصل بان یختص بما یخالف ما یختص بہ الاصل اعنی الفعل

اور یہ خاصہ اسم کے تمام افراد کو شامل نہیں کیونکہ حرف تعریف ضمیروں و اسمائے اشارہ وغیرہ جیسا کہ موصولات ہیں پر داخل نہیں ہوتا کہ وہ پہلے سے معرفہ ہیں اور باقی پانچ خواص جو یہاں مذکور ہیں بھی اسی طرح (اسم کے تمام افراد کو شامل نہیں) ہیں (اور ان خواص میں سے) دخول (جر ہے) دخول جراسم کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ جر (اسم) مجرور بہ میں لفظی طور پر یا (اسم) مجرور بہ میں تقدیری طور پر جیسا کہ اضافت معنویہ میں ہے حرف جر کا اثر ہے۔ اور دخول حرف جر لفظاً یا تقدیراً اسم کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ حرف جر فعل کے معنی کو اسم تک پہنچانے کے لئے موضوع ہے تو مناسب ہے کہ اسم پر داخل ہوتا کہ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچائے اور یہی اضافت لفظیہ کی بات تو وہ اضافت معنویہ کی فرع ہے پس مناسب ہے کہ فرع اصل کے مخالف ہو (اور مخالفیت اس طرح ہے) کہ فرع مخصوص ہو اس سے یعنی فعل سے جو اس کا (یعنی اسم کا) مخالف ہے کہ جس کے ساتھ اصل (یعنی اضافت معنویہ)

حرف جر لفظی یا تقدیری کا اثر ہے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو حرف جر کا اثر کا نہ ہو وہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے بلکہ اضافت الیہ بالاضافۃ اللفظیہ کا جو حرف جر کا اثر نہیں ہے جیسے حسن الوجه میں۔ تو اس کا مختص بالاسم ہونا اس دلیل سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے لئے دوسری دلیل کی حاجت ہے پس دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہوتی اس کا جواب شارح نے یہ کیا کہ یہ اعتراض بجا ہے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اضافت لفظیہ کے جر کو اسم کے ساتھ مختص کرنے کے لئے ہم نے اس دلیل سے کام نہیں لیا بلکہ اس کیلئے

دوسری دلیل ہے وہ یہ کہ اضافت لفظیہ اضافت معنویہ کی فرع ہے پس اگر اضافت لفظیہ غیر اسم کے ساتھ مختص ہو تو یہ نامناسب ہے اس لئے کہ جب اصل اسم کے ساتھ مختص ہے تو فرع بھی ہونی چاہئے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ اس پر یہ زیادتی کر دی جائے کہ اضافت لفظیہ عام ہو فعل و اسم دونوں میں پائی جائے اور اضافت معنویہ صرف اسم میں پائی جائے اس سے زیادتی علی الاصل لازم آتی ہے پس معلوم ہوا کہ جراسم لفظیہ اور اضافت معنویہ دونوں میں اسم کے خواص میں سے ہے۔ اضافت کی مزید تفصیل مجرورات کے بیان میں ملاحظہ فرمائیے۔

اَوْ يَزِيدُ عَلَيْهِ بِانْ يَعْتَمِدَ الْاسْمَ وَالْفِعْلَ وَ مِنْهَا دُخُولُ التَّنْوِينِ
بِاقْسَامِهِ الْاَتُونِ التَّرْنِيمِ وَيَجِيءُ فِي آخِرِ الْكِتَابِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى
تَعْرِيفًا وَبَيَانًا اَقْسَامُهُ عَلَى وَجْهِ يَظْهَرُ جِهَةٌ اَخْتِصَاصُ مَا عَدَلَ
تَنْوِينِ التَّرْنِيمِ بِهِ وَجِهَةٌ اَعْدَمُ اَخْتِصَاصُ تَنْوِينِ التَّرْنِيمِ بِهِ وَ مِنْهَا
الْاِسْتِنَادُ اِلَيْهِ هُوَ بِالرَّفْعِ عَطْفٌ عَلَى الدُّخُولِ لَا عَلَى مَدْخُولِهِ
لَا اِنْ اَلْتَبَادَرَا مِنَ الدُّخُولِ الذِّكْرُ فِي الْاَوَّلِ اَوِ الْحَقُّ بِالْاٰخِرِ وَ
كُلَاهُمَا مُتَّفِيَانِ فِي الْاِسْنَادِ وَ كَذَا فِي الْاِضَافَةِ وَالْمُرَادُ بِهِ كَوْنُ الشَّيْءِ
مُسْنَدًا اِلَيْهِ وَ اِنَّمَا اَخْتَصَّ هَذَا الْمَعْنَى بِالْاِسْمِ لِاَنَّ الْفِعْلَ قَدْ وُضِعَ
لَا اِنْ يَكُونُ اَبَدًا مُسْنَدًا اِفْقَطْ فَلَوْ جَعَلَ مُسْنَدًا اِلَيْهِ يَلْزَمُ خِلَافُ

ہوتا ہے کہ سابق پر قیاس کرنے ہوئے الاسناد کا
عطف اللام پر ہے اور اللام مجرور ہے دخول کا دخول
ہونے کی وجہ سے لہذا الاسناد کو بھی مجرور پر چلا جائے
دخول کا دخول ہونے کی وجہ سے ورنہ معطوف و
معطوف علیہ کے درمیان فصل لازم آئے گا پس اس
صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ومن خواص دخول
الاسناد اور یہ معنی فاسد ہیں اس لئے کہ دخول سے
مراد ذکر شدہ فی الاول ہے یا حقوق فی الآخر اور اسناد
سے مراد کسی شے کا مسند الیہ ہونا ہے اور یہ نہ تو اول
میں ذکر کے قابل ہے اور نہ آخر میں لاحق ہونے کے
لہذا اس کو دخول کا دخول بنانا درست نہیں شراح
نے جواب دیا کہ الاسناد مرفوع ہے اور اس کا عطف
دخول پر ہے نہ کہ مدخول دخول پر اور معطوف و
معطوف علیہ کے درمیان فصل بالاجنبی ممتنع ہے
اور مضان الیہ جو دخول کے مدخول میں وہ اجنبی نہیں
بلکہ ممتعات مضان سے ہیں۔ لہذا اب کوئی اعتراض
نہیں رہا و کذا فی الاضافة کہنے سے شراح کا مقصد
یہ ہے کہ اضافت سے مراد بھی چونکہ شے کا مضان ہونا یا مضان
الیہ ہونا یہ بھی دخول کا دخول نہیں بنایا جاسکتا بلکہ
مرفوع پڑھا جائیگا۔

۱۰۸ قولہ ومنہا دخول التَّنْوِينِ الخ اس
عبارت میں بھی منہا دخول پڑھانے کی وجہ گذر چکی
اسم کے خواص میں سے تنوین بھی ہے۔ تنوین کی پانچ
قسمیں ہیں۔ تکیہ عوض۔ مقابلہ ترنم۔ تنوین
تکلیف۔ تنوین تکیہ جیسے عبد۔ تنوین عوض
جیسے حیدر۔ تنوین مقابلہ جیسے مسلمات۔ تنوین ترنم
جیسے اصابا۔ ان میں سے اول کی چار قسمیں اسم کے ساتھ
خاص ہیں اور تنوین ترنم اسم کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ فعل
و حرف پر بھی آسکتی ہے تنوین کی تعریف لغت میں تو
یہ ہے کہ کسی شے کو لون بنادیا۔ اور اصطلاح میں یہ ہے

کہ وہ ساکن نوون جو آخر کلمہ کی حرکت کے تابع وغیر
تاکید کے لئے آئے کتاب کے آخر میں بحث تنوین
میں شراح اس کو مفصلاً بیان کریں گے کہ اول کی چار
اقسام اسم کے ساتھ کیوں خاص ہیں اور تنوین ترنم
کیوں متعلق نہیں۔ مصنف نے مطلق تنوین کو اسم کا
خاص قرار دیا ہے حالانکہ تنوین ترنم فعل میں بھی پائی جاتی
ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے لاکھوں مکمل حکم کا
محاذ کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔

۱۰۹ قولہ ومنہا الاسناد الیہ الخ منہا کے

اضافہ کی وجہ مذکور ہو چکی یہاں پر ایک اعتراض وارد

وضعه فرمنا (إِضَافَةُ أَى كَوْنُ الشَّيْءِ مُضَافًا بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ لَا بِذِكْرِهِ لَفْظًا وَوَجْهٌ اخْتِصَاصُهَا بِالْأَسْمِ اخْتِصَاصٌ لَوْ أَمَّا مِنْ التَّعْرِيفِ وَالتَّخْصِصِ وَالتَّخْفِيفِ بِهِ وَأَمَّا فَرْقُ الْإِضَافَةِ بِكَوْنِ الشَّيْءِ مُضَافًا لِأَنْ الْفِعْلَ أَوْ الْجُمْلَةَ قَدْ يَقَعُ مُضَافًا إِلَيْهِ كَمَا فِي يَوْمٍ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صَدَقْتُمْ وَقَدْ يَقَالُ هَذَا بِتَاوِيلِ الْمَصْدَرِ أَيْ يَوْمٍ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ فَالْإِضَافَةُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ مُطْلَقًا يَخْتَصُّ بِالْأَسْمِ وَأَمَّا قِيدْنَاهُ بِقَوْلِنَا بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ لِأَنَّ الْيَنْفَعُ بِقَوْلِنَا هَرَّتْ بَزِيدٍ فَانْ هَرَّتْ مُضَافٌ إِلَى زَيْدٍ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا وَهُوَ أَيْ الْأَسْمِ

خاص ہے کہ فعل اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ ہمیشہ مسند بنا کرے فقط پس اگر اسے مسند الیہ بنایا جائے تو اس کی وضع کی خلاف ورزی لازم آئے گی ((اور)) ان خواص سے «اضافت» یعنی کسی شے کا حرف جر کی تقدیر سے مضاف ہونا حرف جر کے لفظی طور پر ذکر سے نہیں اور اضافت کے اسم کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ اضافت کے لوازمات یعنی تعریف و تخصیص اور تخفیف کا اسم کے ساتھ خاص ہونا ہے اور ہم نے اضافت کی تفسیر (یہاں پر) کسی شے کے مضاف ہونے سے اس لئے کی ہے کہ فعل یا جملہ بھی کبھی مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں جیسا کہ (اللہ تعالیٰ کے قول) يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صَدَقْتُمْ میں (واقع) ہے اور کبھی کہا جاتا ہے (کہ مضاف و مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے اور قول باری تعالیٰ کا جواب دیتے ہیں) کہ یہ مصدر کی تاویل سے ہے یعنی يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ پس (اس صورت میں) اضافت بہ تقدیر حرف جر (خواہ اضافت سے مضاف مراد ہو یا مضاف الیہ) مطلقاً اسم کے ساتھ خاص ہوگا اور ہم نے کون الشیء مضافاً کو بہ تقدیر حرف جر کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے تاکہ وہ ہمارے قول "مورث بزید" سے نہ ٹوٹ جائے کیونکہ "مورث (فعل) زید کی طرف حرف جر لفظی کے واسطے سے مضاف ہے" اور وہ "یعنی اسم دو قسم ہے" ایک معرب ہے

یعنی معرفہ ہونا۔ تخصیص کا پایا جانا اور تخفیف کا ہونا بحذف التنوین وغیرہ اسم کے ساتھ مختص ہیں۔ اور اختصاں لازم اختصاص ملزوم کو مستلزم ہوتا ہے اور ملزوم کا تحقق بدول لازم کے ہو نہیں سکتا لہذا اختصاں بھی اسم کا خاصہ ٹھہرا۔

اللہ قولہ دہوای لاسم الخ یہاں سے مصنف نے اسم کی تعریف اور اس کے خواص بیان کرنے کے بعد اسم کی تقسیم کو شروع فرماتے ہوئے

صدم میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یففع تاویل مصدر جو کریم کا مضاف الیہ ہے اور یففع سے پہلے ان مقدم ہے اسی کو شایع نے

اللہ قولہ وندقیال الخ سے بیان کیا ہے یا یہ جواب ہے کہ نخاة کا یہ قاعدہ ہے کہ طرف کی اضافت جب کلمہ کی طرف ہوتی ہے تو واقع میں مضمون جملہ کی طرف ہوتی اور یففع کا مضمون جملہ نفع نکلتا ہے لہذا اس کی طرف اضافت ہو گئی اور اضافت کے اسم کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اضافت کے لوازم

اللہ قولہ وندقیال الخ منہد کے اضافہ کی وجہ گذر چکی اضافت کی شرح شایع ان الفاظ کے ساتھ کر رہے ہیں اسی کون الشیء مضافاً الخ یعنی شے کے تقدیر حرف جر مضاف ہونے کو اضافت کہتے ہیں اس عبارت سے دو سوالوں کا جواب شایع نے دے دیا۔ ایک سوال کی تشریح تو خود شایع نے واندقیال الخ اضافت الخ کہہ کر فرمائی ہے یعنی جیسا کہ اضافت اسم کا خاصہ ہے جو کہ مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسبت غیر تامہ کا نام ہے تو مضاف و مضاف الیہ بھی اسم کا خاصہ ہونے چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ مضاف الیہ کبھی کبھی فعل و جملہ بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس مثال میں کہ یوم یففع الصادقین مصدر تم یہاں پر یوم مضاف ہے اور یففع جو کہ فعل ہے وہ مضاف الیہ واقع ہو رہا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اضافت ذات میں سے ہے اور خواص قبیلہ اعتراض سے لہذا محل صحیح نہ ہوگا ان دونوں اعتراضوں کا جواب شایع نے اسی کون الشیء الخ سے یہ دیا کہ اضافت سے مراد شے کا مضاف ہونا ہے لہذا مضاف الیہ خارج ہو گیا اور یوم یففع الصادقین والا اعتراض منع ہو گیا اور مضاف سے مراد شے کا مضاف ہونا ہے لہذا اب عرض کا محل عرض پر ہو گیا پھر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ شے کا مضاف ہونا اسم کے خواص میں سے ہے اس لئے کہ خاصہ کی تعریف سابق میں یہ مذکور ہو چکی ہے کہ خاصہ اس کو کہتے ہیں جو اس شے میں پایا جائے غیر میں نہ پایا جائے، اور اسم دیکھتے ہیں کہ شے کا مضاف ہونا جس طرح اسم میں پایا جاتا ہے اسی طرح فعل میں بھی جیسے مرث بزید میں مرث زید کی طرف بواسطہ حرف جر مضاف سے اس کا جواب شایع نے تقدیر حرف جر سے یہ دیا کہ شے کا مضاف ہونا تقدیر حرف جر ہو حرف جر لفظاً مذکور نہ ہو لہذا مرث بزید والی مثال سے اب اعتراض واقع نہ ہوگا۔ پس اضافت تقدیر حرف جر اسم کے خواص میں سے ہے اس لئے کہ جر اسم کا خاصہ ہے بعض نخاة یہ کہتے ہیں کہ مضاف و مضاف الیہ دونوں اسم کے خواص میں سے ہیں اور یوم یففع الصادقین

قَسَمَانِ مُعَرَّبٌ وَمَبْنِيٌّ لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو أَمَانٌ يَكُونُ مُرَكَّبًا مَعَ غَيْرِهِ
أَوَّلًا وَالْأَوَّلُ أَمَانٌ يُشَبِّهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ أَوَّلًا وَهَذَا أَعْنَى لِلْمُرَكَّبِ
الَّذِي لَمْ يَشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ هُوَ الْمَعْرَبُ وَمَا عَدَاهُ أَعْنَى غَيْرَ
الْمُرَكَّبِ وَالْمُرَكَّبُ الَّذِي يُشَبِّهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ مَبْنِيٌّ قَالَهُ الْمُعَرَّبُ
الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الْأَسْمِ الْمُرَكَّبِ أَيْ الْأَسْمِ الَّذِي مُرَكَّبٌ

اور ایک مبنی ہے (کیونکہ اسم (دو حال سے) خالی نہیں یا تو غیر کے ساتھ مرکب ہو گیا یا نہیں اور
اول (جو غیر کے ساتھ مرکب ہو گا) یا تو مبنی الاصل کے مشابہ ہو گیا یا نہیں اور یہ یعنی جو مرکب
مبنی الاصل کے مشابہ نہیں یہی معرب ہے اور اس کے ماسوا یعنی جو (سرے سے) مرکب
ہی نہیں اور جو مرکب (تو ہے لیکن) مبنی الاصل کے مشابہ ہے مبنی ہیں (پس معرب) جو اسم
کا ایک قسم ہے (وہ مرکب ہے) یعنی وہ اسم ہے جو غیر کے ساتھ ایسی ترکیب سے مرکب

کا صیغہ ہے اس وقت معرب کو معرب اس لئے کہینگے
کہ اس پر پے در پے انیوالے معانی کے اظہار سے
ازالہ فساد ہو گیا اور بعض معنی کا بعض کے ساتھ
القباس نہیں ہوتا مبنی بنائے سے ماخوذ ہے بمعنی قرار
وعدم تغیر مبنی کو مبنی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں
اختلاف عوامل کے سبب سے کوئی تغیر نہیں ہوتا
معرب کو مبنی پر اس وجہ سے مقدم کر دیا کہ معرب
کے مباحث زیادہ ہیں مثلاً مرفوعات منصوبات
مجردات وغیرہ نیز معرب کی دلالت معانی حضور
پر واضح ہوتی ہے بخلاف مبنی کے یہ بھی وجہ تقدیم
ہو سکتی ہے نیز اسم معرب ہونے کے باعث
حقیقت اسم پر باقی رہتا ہے فعل وحرف کے مشابہ
نہیں ہوتا اور مبنی فعل وحرف کے مشابہ ہوتا ہے
پس اس لحاظ سے بھی معرب کو مبنی پر مقدم کرنا
لائق ہے شامح نے اے اسم قسمان کہہ کر دعویٰ کیا
تھا کہ اسم کی دو قسمیں ہیں اور دعویٰ کے لئے دلیل
درکار ہوتی ہے لہذا شامح اپنے دعویٰ کے اثبات
میں لانا لایکھو سے دلیل حصر بیان فرماتے ہیں اسم در
حال سے خالی نہیں غیر کے ساتھ مرکب ہو گیا یا نہیں
اگر مرکب ہو گا تو مبنی اہل کے ساتھ مشابہ ہو گا یا
نہیں اگر مبنی اہل کے ساتھ مشابہ نہ ہو تو معرب ہے

وہو معرب و مبنی الخ فرمایا۔ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے
اور قول مصنف معرب و مبنی ہر ایک خبر ہے اور خبر
مبتدا پر محمول ہوتی ہے اور خبر اس جگہ خاص سے
اور کلمہ ہو مبتدا ہے اور مبتدا عام ہے لہذا خاص حمل عام
پر ہو ایسی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ عمل کا مطلب یہ ہے
کہ مبتدا کے تمام افراد پر خبر صادق آجائے اور اسم کے
تمام افراد نہ تو معرب ہیں نہ مبنی بلکہ بعض معرب ہیں
اور بعض مبنی نیز ایک اعتراض یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ
کلمہ کا جس طرح مصنف نے دلیل حصر بیان فرمائی ہے
اسی طرح یہاں بھی حصر کے ساتھ معرب و مبنی کو کیوں
نہ بیان کیا اس لئے کہ اسم کے اقسام صرف معرب
و مبنی ہی ہیں ان دونوں اعتراضوں کا جواب شامح
نے قسمان لکھ کر یہ دیا کہ ہو مبتدا کی خبر معرب و مبنی
نہیں ہے بلکہ اس کی خبر مخدوف قسمان ہے اور معرب
و مبنی مبتدا مخدوف کی خبر ہیں یعنی احاد بہا معرب و
مبنی ہا مبنی۔ اب خبر کا حمل بھی مبتدا پر صحیح ہو گیا اور
قسمان کہنے سے اسم کا معرب و مبنی کے درمیان حصر
بھی سمجھ میں آ گیا لہذا دونوں اعتراض رفع ہو گئے معرب
یا تو اعراب بمعنی اظہار سے اسم ظرف کا صیغہ ہے
پس معرب کو معرب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اظہار
معانی کا حمل یا اعراب بمعنی ازالہ فساد سے اسم مفعول

اور اس کے ماسوا یعنی غیر مرکب یا وہ مرکب جو مبنی اہل
کے ساتھ مشابہ ہو مبنی ہے۔

۱۵۰ قولہ فالمررب الذی الخ یہاں سے
مصنف معرب کی تعریف بیان فرماتے ہیں فالمررب
کے بعد شامح کا الذی ہو قسم من الاسم کو مقدم نکالنے
کی وجہ ایک اعتراض کا جواب دینا ہے اعتراض یہ
ہے کہ معرب مبنی اسم کے اقسام سے ہیں اور قسم سے
مقسم سے انحصار ہوتی ہے مطلقا اور معرب مبنی اسم
سے بعض تو ہیں مگر مطلقا نہیں بلکہ من وجہ اس لئے کہ
بہت سی جگہ اسم اور معرب ساتھ ساتھ لکھے جاتے
ہیں جیسے زید قائم میں زید کہ معرب بھی ہے اور
اسم بھی یا محض اسم پایا جاتا ہے مگر معرب نہیں ہوتا
جیسے ہذا۔ یا معرب پایا جاتا ہے مگر اسم نہیں ہوتا
جیسے مضارع ایسے ہی اسم اور مبنی ساتھ ساتھ

پائے جاتے ہیں جیسے ہذا یا اسم پایا جاتا ہے مگر
مبنی نہیں ہوتا جیسے زید قائم میں زید یا مبنی پایا جا
تا ہے مگر اسم نہیں ہوتا جیسے فعل ماضی وغیرہ تو معرب
اور مبنی عام ہو گئے کہ اسم کے غیر میں بھی پائے جاتے
ہیں اور یہ درست نہیں بلکہ قسم کا انحصار مطلق ہونا
ضروری ہے۔ تو اس کا جواب شامح نے یہ دیا کہ
المررب میں الف لام عہد کے لئے ہے اور اس سے
اشارہ اسم معرب کی طرف ہے نہ کہ مطلق معرب
کی طرف اور اسم معرب مطلق معرب سے خاص ہے
لہذا قسم تقسیم یعنی اسم سے انحصار ہو گئی۔ اور مضارع
کہ جو اسم نہیں ہے اور معرب ہے اور فعل ماضی وغیرہ
کہ جو مبنی ہیں مگر اسم نہیں ہیں وہ اس سے خارج ہو
گئے۔ مبنی کا ذکر یہاں پر متبعا آ گیا اور نہ اس جگہ
بحث صرف معرب ہی سے ہے۔

۱۵۱ قولہ المررب ای الاسم الخ المررب کے
بعد الاسم کو مقدم نکالنے کی وجہ بھی ایک سوال
مقدم کا جواب ہے۔ سوال یہ کہ اسم معرب کی تعریف خول
غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں فعل ماضی ضرب
جو کہ ضرب زید میں ہے داخل ہو گیا اس لئے کہ معرب
کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو مرکب ہو اور مبنی اہل
سے مشابہ ہو تو ضرب زید میں ضرب بھی مرکب ہے

مع غیرہ ترکیباً یتحقق معہ عاملہ فی دخل فیہ زید وقائم ہوگا
فی قولک زید قائم وقائم ہوگا بخلاف مالیس بمربک اصلان
الاسماء المعدودة نحو الف باتا زید وعمر و بکرا بخلاف ما هو
مربک مع غیرہ لکن لا ترکیباً یتحقق معہ عاملہ کغلام فی غلام
زید فان جمیع ذلك من قبیل المبنیات عند المصنف الذی لم
یشبه ای لمیناسب مناسبتہ مؤثرۃ فی منع الاعراب مکی

ہو کہ اس کے ساتھ اس کا عامل موجود (خواہ عامل لفظی ہو یا معنوی) تو اس تعریف میں زید
اور قائم اور طولا جو تہا رہے قول زید قائم اور قائم طولا میں ہیں داخل ہو جاتے ہیں اس
کے برعکس ہیں جو سرے سے مرکب نہیں ہیں یعنی اسماء معدودہ جیسا کہ الف باتا زید عمر و بکر
اور (اسی طرح) اس کے برعکس ہیں جو غیر کے ساتھ مرکب ہیں لیکن ایسی ترکیب سے (مرکب)
نہیں کہ اس کا عامل اس کے ساتھ موجود ہو جیسا کہ غلام زید ہے کہ یہ سب کے سب مصنف کے
نزدیک مبنیات کے قبیل سے ہیں (جو مشابہ نہ ہو) یعنی ایسی مناسبت نہ رکھتا ہو جو منع
اعراب میں مؤثر ہو (یعنی الاصل کے) یعنی اس مبنی کے مشابہ نہ ہو جو بناء میں اصل ہے

اسم کے ساتھ ثابت ہو یعنی ثبوت عامل کے ساتھ
اسم مل رہا ہو اسی جواب کی طرف شائع نے
اپنے قول
اللہ قول ترکیباً یتحقق معہ عامل الخ
شارہ کیا ہے پس معرب کی تعریف میں زید وقائم
اور ہو لا جو کہ زید قائم وقائم ہو لا میں داخل ہو
گئے بخلاف ان اسماء معدودہ کے جو بالکل ہی مرکب
نہیں ہیں جیسے الف باتا زید عمر و بکر اور بخلاف ان
اسماء کے جو غیر کے ساتھ مرکب ہیں لیکن ان کی ترکیب
میں عامل کا تحقق نہ ہو جیسے غلام۔ غلام زید میں کہ
یہ سب کے سب مصنف کے نزدیک مبنیات
سے ہیں۔

اللہ قول الذی لم یثبہ الخ مصنف
نے معرب کی تعریف یہ کی ہے کہ معرب وہ اسم مرکب
ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو۔ اس تعریف پر
ایک مشہور اعتراض وارد ہوتا ہے، اعتراض یہ ہے
کہ مصنف نے تعریف معرب میں الذی لم یثبہ
مبنی الاصل فرمایا ہے اور مشابہت اشتراک فی

کلمتین کہا ہے۔ اور جب اس کا صلہ مع آئیگا تو معنی
اول مراد ہوں گے نیز یہ بھی قرینہ ہے کہ معرب اسم کی
قسم ہے اور اسم مفرد ہے پس اس سے بھی معلوم ہو گیا
کہ مرکب سے مراد مضمومین کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ مرکب
مع غیر ہے اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ غلام زید میں
غلام اسم مرکب مع زید ہے لہذا یہ معرب ہوا حالانکہ
مصنف کے نزدیک مبنی ہے معرب نہیں جواب دیا
جاتا ہے کہ غیر سے مراد عامل ہے یعنی اسم معرب اسم ہے
جو عامل کے ساتھ ملایا گیا ہو اور چونکہ یہ عامل کے
ساتھ نہیں ملایا گیا اس لئے مبنی ہے اس پر پھر لوٹ
کر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ معرب کی تعریف جامع
نہیں ہے اس لئے کہ اس سے مبتدأ اور خبر زید قائم
جو کہ زید قائم میں خارج ہو جاتے ہیں اس لئے کہ تم نے
ترکیب سے مراد وہ ترکیب لی ہے جو عامل کے ساتھ
ہو اور مبتدأ و خبر عامل کے ساتھ مرکب نہیں ہوتے
ان کا عامل معنوی ہوتا ہے اور لفظ کی ترکیب معنی
کے ساتھ محال ہے اس کا جواب شائع نے یہ دیا
کہ ہماری مراد ترکیب مع العامل سے یہ ہے کہ عامل

اور مبنی اصل کے ساتھ مشابہ بھی نہیں ہے بلکہ عین
مبنی اصل ہے تو اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ مرکب
سے مراد اسم مرکب ہے یعنی مرکب صفت ہے اور اس
کا موصوف یعنی اسم محذوف ہے لہذا فعل خود بخود
خارج ہو گیا اور معرب کی تعریف دخول غیر سے
مانع ہو گئی، الذی الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ
جب الف لام اسم فاعل یا اسم مفعول پید ائل ہوتا
ہے تو الف لام بمعنی الذی ہوتا ہے اور اسم مفعول
فعل مجہول کے معنی میں ہو جاتا ہے اور اس سے اس
اعتراض کے دفع کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے کہ
مبتدأ اور خبر جب معرف ہوں تو ضمیر فصل کا لانا ضروری
ہے تو یہاں پر المعرب مبتدأ ہے اور اسم مرکب خبر میں یہاں
ضمیر فصل کا لانا ضروری تھا تاکہ خبر کا التباس صفت
کے ساتھ نہ ہو پس جب اسم مرکب میں الف لام
بمعنی الذی ہے یا اور مرکب بمعنی مرکب تو اب تعریف
کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا لہذا التباس بھی نہ ہو گا۔ پھر
اعتراض وارد ہوتا تھا کہ مرکب کو اسم کی صفت بنانا
صحیح نہیں ہے (جیسا کہ شائع نے اسم کی صفت
قرار دیا ہے) اس لئے کہ معرب اسم کے اقسام میں
سے ہے اور اسم کلمہ کے اقسام میں سے اور مفہوم کلمہ
میں افراد کا لحاظ کیا جاتا ہے اور افراد و ترکیب میں
منافاۃ ہے لہذا مرکب کو اسم کی صفت بنانا صحیح نہ
ہوگا اور اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ مرکب کے
دو معنی ہیں ایک مرکب بمعنی مضموم مع غیر اور ایک
مرکب بمعنی مجموعی المضمومین۔ تو یہاں مرکب سے
معنی اول مراد ہیں اور منافاة بمعنی الثانی کے اعتبار
سے ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔ پھر اس
جواب پر اعتراض پڑا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
مرکب دو معنی کے درمیان مشترک ہے تو تعریف
میں اخذ مشترک لازم آیا جو کہ ناجائز ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ اخذ مشترک فی التعریف اس وقت ناجائز
ہے جبکہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو اور یہاں پر قرینہ موجود
ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مرکب کو مبنی کے ساتھ متعلق
کریں گے تو اس سے معنی ثانی سمجھ میں آئے گا جیسا
کہ صاحب مفصل نے کلام کی تعریف میں ہوا مرکب مبنی

اکیف کو کہتے ہیں لہذا جو اسم مبنی اہل کے ساتھ صرف کیت میں شریک ہو اور کیت میں شریک نہ ہو وہ معرب ہو گا حالانکہ وہ مبنی ہے مثلاً کاف خطاب حونی کے ساتھ صرف کیت میں شریک ہے لہذا وہ معرب ہو گا۔ نیز این زید میں این اسم مرکب مع غیر ہے اور ترکیب بھی ایسی ہے کہ عامل کا تحقق ہے اس لئے کہ زید مبتدا ہے اور این خبر اور مبنی اہل کے مشابہ بھی نہیں اس کے باوجود یہ معرب نہیں مبنی ہے۔ اس کا جواب شارح نے ایلم بنیاسبت یہ دیا کہ عدم مشابہت سے مراد نفی خاص عدم مناسبت ہے نفی عام اور این زید میں این اگرچہ مبنی اہل کے مشابہ نہیں ہے مگر وہ ہمزہ استفہام کے مناسب ہے کیونکہ این بھی استفہام کے لئے ہے۔ اور مناسبت مشابہت سے عام ہوتی ہے لہذا وہ اشتراک فی اکیف و انکم دونوں کو شامل ہو گی یہاں پر خاص کی نفی سے عام کی نفی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ بلکہ امر کہ مناسبت مشابہت سے کیوں عام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مناسبت کہتے ہیں دو چیزوں کا آپس میں کسی امر میں شریک ہونا اور اس کی چل نہیں ہیں۔ جو نسبت مماثلت مشابہت۔ مشاکلتہ مگر دو شے ایک جنس میں مشترک ہوں تو مماثلت ہے جیسے زید و بقرہ حیوانیت میں شریک ہیں۔ اور اگر دو شے ایک نوع میں مشترک ہوں تو مماثلت ہے جیسے زید و آدم انسانیت میں مشترک ہیں۔ اور شعیین کا اشتراک وصف لازم میں ہو تو مشابہت ہے جیسے شیر اور مرد ببادر کہ دونوں ایک وصف لازم یعنی شجاعت میں شریک ہیں اور اگر صورت و شکل کے اعتبار سے دو چیزوں کا اشتراک ہو تو مشاکلت ہے جیسے شیر کی تصویر دیدار پر کشیدہ ہو تو اصل شیر کے ساتھ صورت میں شریک ہو گی۔ پس معلوم ہوا کہ مناسبت ان چاروں اقسام کو شامل ہونے کے باعث عام ہے۔ اور مشابہت خاص اور جب عدم مشابہت سے عدم مناسبت مراد لی گئی۔ اب اعتراض مذکور وارد نہیں ہوتا ہے البتہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا

ہے کہ عدم مشابہت سے عدم مناسبت مراد لینے میں مجاز کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ اور تعریفات میں مجاز کا ارتکاب کرنا فعل شفع کا ارتکاب کرنا ہے لہذا یہ صحیح نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مجاز کا ارتکاب کرنا اس وقت شفع ہے جبکہ کوئی قرینہ نہ ہو اور یہاں پر قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ مصنف نے مبنی کی تعریف میں فرمایا ہے المبنی ما نسب مبنی الاصل یعنی مبنی وہ ہے کہ جو کہ مبنی اصل کے مناسب ہو اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب دو چیزوں کا تقابل ہو تو ایک شے میں اگر قید یا بجائی ذکر کی جائے گی تو شے مقابل میں اس کا عدم مذکور ہو گا۔ پس یہاں پر معرب اور مبنی متقابل ہیں لہذا جب تعریف مبنی میں مناسبت مذکور ہے تو تعریف معرب میں عدم مناسبت ملحوظ ہو گی۔ لیکن اس پر کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے مبنی کے تقابل کا لحاظ کرتے ہوئے تعریف معرب میں لم یناسب کیوں نہیں کہا۔ اور ادیر کے اعتراض کا جواب بھی دے دیا فلشذوذ الشذوذ رحمۃ اللہ اب شارح کے اس جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ معرب کی تعریف جامع نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے غیر منصرف نکل جاتا ہے مثلاً احمد کے دو اسباب کے پائے جانے میں ماضی کے مشابہ ہے لہذا ماضی سے مشابہت کی وجہ سے یہ معرب سے خارج ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے یا دوسری صورت سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب مناسبت مشابہت سے عام ہے تو یہ لازم آئے گا کہ معرب کا کوئی فرد نہ پایا جائے اس لئے کہ کوئی اسم ایسا نہیں جو کسی حیثیت سے مبنی اہل کے مناسب نہ ہو کم از کم ایک اسم کو دوسرے اسم کے ساتھ کلمہ ہونے اور موضوع ہونے اور لفظ ہونے ہی میں مناسبت و اشتراک ہے پس اگر اسم معرب کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کو مبنی اہل کے ساتھ مناسبت نہ ہو تو اس وقت معرب کا وجود نہ ہو گا اور تمام اسم مبنی میں منحصر ہو جائیں گے اس کا جواب شارح نے مناسبت مؤثرۃ الخ سے یہ دیا کہ مناسبت سے وہ مناسبت مراد ہے

جو منع اعراب میں مؤثر ہو۔ اور یہ مناسبت منع اعراب میں مؤثر نہیں ہے اس لئے کہ احمد جیسا کہ ماضی کے مشابہ ہے ایسے ہی مضارع کے بھی مشابہ ہے پس مضارع سے مشابہ ہونے کا اقتضار یہ ہے کہ احمد معرب ہو اور ماضی سے مشابہت کا تقاضا یہ ہے کہ مبنی ہو پس ہم نے اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ اسماء میں اہل اعراب ہے اس کو معرب قرار دیا۔ اور جو مناسبت منع صرف میں مؤثر ہوتی ہے اس کی متعدد صورتیں ہیں جیسا کہ شارح نے مبنیات میں بیان کیا ہے۔ (۱) مبنی اہل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این کہ یہ ہمزہ استفہام (کہ جو مبنی الاصل ہے) کے معنی کو متضمن ہے (۲) اپنے معنی کے تمام ہونے میں غیر کا محتاج ہو جیسے اسماء موصولہ اسماء اشارۃ کہ یہ مبنی اہل یعنی حرف کے ساتھ اس وجہ سے مشابہ ہیں کہ جب تک صلا یا اشارۃ الیہ ذکر نہیں کیا جائے گا ان کے معنی سمجھنے مشکل ہیں۔ (۳) مبنی اہل کے موقع میں واقع ہو جیسے نزال یعنی اترل کہ یہ مبنی اہل یعنی امر کے موقع میں واقع ہے (۴) اس اسم کے مشکل ہو جو مبنی اہل کے موقع میں واقع ہوتا ہے جیسے نجا یعنی انجا کہ یہ نزال کے مشکل ہے جو مبنی اہل کے موقع میں واقع ہو کر یعنی نزل ہوتا ہے (۵) اس اسم کی جگہ میں ہو جس کی مبنی اہل کے ساتھ مشابہت ہو جیسے منادی مضموم مثلاً یا زید کہ یہ اس کاف خطاب کے موقع میں واقع ہے جو کاف حرف کے مشابہ ہے۔ ادعویٰ کے مثل ہیں (۶) مبنی اہل کی طرف مضائقہ ہو جیسے یومئذ کہ یہ مبنی اہل یعنی اذکان کذا کی طرف مضائقہ ہے لہذا لم یناسب سے وہ مناسبت کی نفی کی گئی ہے جو مناسبت کہ ان چھ صورتوں سے نہیں فقط اس قسم کی مناسبت منع اعراب میں مؤثر ہوتی ہیں اور مطلق مناسبت مؤثر نہیں ہوتی لہذا معرب کی تعریف میں غیر منصرف اہل ہو گیا۔ اور معرب کی تعریف جامع ہو گئی۔

۱۱۸ قولہ ای المبنی الذی ہوا لاصل فی البناء فالإضافة بیانیۃ

ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ معرب کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے اسم فاعل نکل جاتا ہے اس لئے کہ اسم فاعل مبنی اصل یعنی مضارع کے مشابہ ہے اور مشابہت اس بنا پر ہے کہ جتنے حروف مضارع کے ہیں اتنے ہی اسم فاعل کے ہند اسم فاعل کو مضارع سے مشابہت کے باعث مبنی کہنا چاہئے حالانکہ یہ معرب ہے۔ جواب یہ دیا کہ مبنی اصل سے وہ مراد ہے جو بنائیں اصل ہو نہ کہ وہ جس کی بنا اصل ہو اور مضارع جو مبنی اصل ہے تو بالمعنی اثنانی ہے یعنی مضارع بنائیں اصل نہیں ہے اس لئے کہ تمام افعال میں اصل بنا ہی ہے اور مشابہت بالاسم کے سبب سے اعراب عارض ہو جاتا ہے

لہذا اگر ہم مبنی اصل سے بنا میں اصل ہونا مراد نہیں لیں گے بلکہ مراد لیں گے کہ جس کی اصل بنا ہو تو مبنی اصل کا انحصار فعل ماضی امر حاضر اور جملہ حروف میں نہیں ہے گا کیونکہ تمام افعال میں اصل بنا ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مضارع معرب میں داخل ہے اور معرب کی تعریف جامع ہے۔ پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جبکہ مبنی اصل سے یہ مراد لیا کہ جو بنائیں اصل ہو تو اس صورت میں مضارع مضارع الیہ کے درمیان مغایرت حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ مبنی اسم مفعول ہے یہ یا تو مفعول مالم سیم فاعلہ کی طرف مضارع ہے یا ظرف کی طرف پس اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جو من حیث الاصل مبنی ہو یا مبنی فی الاصل ہو لہذا اس سے بنائیں اصل ہونا مراد لینا درست نہیں۔ اور مضارع پھر معرب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب شارح نے خلاصۃً بیان کیا کہ یہ دیا کہ یہ اعتراض جب ہو سکتا ہے جب کہ إضافة یعنی لام ہو اور یہاں پر إضافة یعنی من بیان یہ ہے لہذا اب کوئی نقص باقی نہیں رہا۔ اس لئے کہ إضافة بیانہ میں مضارع مضارع الیہ میں مغایرت نہیں ہوتی ہے پھر یہ نہ کہا جائے کہ إضافة بیانہ کے لئے شرط یہ

الاصِل ای المبنی الذی ہوا لاصل فی البناء فالإضافة بیانیۃ
وہو الماضی والامر بغير اللام والحرف وبهذا القيد خرج مثل
هؤلاء فی مثل قام هؤلاء لكونه مشابها لمبنى الاصل كما سيبحث
في بابہ ان شاء الله تعالى اعلم ان صاحب الكشاف جعل الاسماء
المعدودة العارية عن المشابهة المذكورة معربة وليس

پس (مبنی کی اصل کی طرف) اضافت بیانہ ہے اور مبنی الاصل (تین چیزیں ہیں) ماضی اور امر بے لام اور حرف ہے (خواہ عاظم ہو یا غیر عاظم) اور اس (لم یثبہ مبنی الاصل کی) قید سے قام هؤلاء جیسے جملے میں هؤلاء جیسا اسم مبنی الاصل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے (معرب کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ جیسا کہ عنقریب اپنے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ آجائے گا معلوم ہونا چاہئے کہ صاحب کشاف نے اسماء معدودہ کو جو مشابہت مذکورہ سے خالی ہیں معرب

۱۱۹ قولہ اعلم ان صاحب الكشاف

الخ (فائدہ) جانا چاہئے کہ شارح رحمہ اللہ اعلم کو تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے سبب سے ذکر کرتے ہیں۔ یا تو کسی سوال کا جواب دینا مقصود ہوتا ہے تو اعلم کے بعد جواب کو ذکر فرماتے ہیں یا کوئی سوال کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے بعد سوال کو ذکر فرماتے ہیں۔ یا تمام کی تحقیق مد نظر ہوتی ہے۔ تو یہاں پر اعلم سے ایک سوال مقدر کا جواب دیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ صاحب کشاف علامہ زحشری مصنف مفصل نے ترکیب کو معرب کی تعریف میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ معرب کی یہ تعریف کی ہے المعرب مالم یثبہ مبنی الاصل۔ تو مصنف نے صاحب مفصل کا خلاف کیوں کیا۔ اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ صاحب مفصل کے نزدیک اسامہ معدودہ یعنی الف۔ با تا د غیر معرب ہیں۔ اس لئے تعریف معرب میں ترکیب کی قید نہیں لگائی تاکہ یہ بھی معرب میں داخل ہو جائیں اور مصنف کا فیہ کے نزدیک چونکہ اسامہ معدودہ مبنی ہیں اس لئے تعریف معرب میں قید ترکیب کا إضافة کر کے ان کو معرب سے خارج کر دیا۔ پھر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ کہ صاحب مفصل کا اسامہ معدودہ کو معرب

ہے کہ مضارع و مضارع الیہ کے درمیان عموم و خصوص من وجه ہو اور یہ یہاں پر موجود نہیں بلکہ مبنی عام ہے مطلقاً اصل فی البناء سے۔ اس لئے کہ یہاں پر عموم و خصوص من وجه موجود ہے۔ وہ اس طرح پر کہ مبنی عام ہے۔ اصل بھی ہوتا ہے اور غیر اصل بھی اور ایسے ہی اصل مبنی بھی ہوتی ہے اور معرب بھی مبنی کا مضارع الیہ صرف اصل ہے نہ کہ اصل فی البناء اگر اصل فی البناء مضارع الیہ ہو تب یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے اور صرف اصل جب مضارع الیہ ہو تب ان دونوں میں عموم و خصوص من وجه کی نسبت ہو گی لہذا إضافة بیانہ صحیح ہو گئی۔

۱۱۹ قولہ ہوا لاصل فی البناء

اصل کو بیان فرما رہے ہیں۔ یعنی مبنی اصل فعل ماضی امر حاضر اور حروف میں پس جہاں تینوں سے مشابہ ہو گا وہ مبنی ہو گا اور جہاں سے مشابہ نہ ہو گا وہ معرب ہو گا۔

۱۲۰ قولہ وبهذا القيد الخ شارح یہ

بتا رہے ہیں کہ متن کا فیہ میں لم یثبہ مبنی الاصل کی قید احترازی ہے لہذا اس کی وجہ سے قام هؤلاء ہو لا د معرب کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ اس لئے کہ یہ مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسا کہ اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ مبنیات کی بحث میں آئے گی۔

النزاع فی العرب الذی هو اسم مفعول من قولك اغربت فان ذلك لا یحصل الا باجاء الاعراب علی آخر الكلمة بعد التركيب بل فی العرب اصلاً حافاً اعتبر العلامة مجرد الصلاحية لا استحقاق الاعراب بعد التركيب وهو الظاهر من كلام الامام عبد القاهر واعتبر المص مع الصلاحية حصول الاستحقاق بالفعل ولهذا اخذ التركيب فی تعریفه، واما وجود الاعراب بالفعل فی کون الاسم معرباً فلم یعتبره احداً ولذلك یقال لم تعرب الكلمة و هی معربة وانما عدل المص عما هو المشهور عند الجمهور من ان العرب ما اختلف آخره باختلاف العوامل لان الغرض

قرار دیا ہے اور اس معرب لغوی میں اختلاف نہیں ہے جو تمہارے قول "اعربت" سے اسم مفعول ہے کیونکہ یہ (معرب لغوی) ترکیب کے بعد آخر کلمہ پر اعراب جاری کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے بلکہ (نزاع) معرب اصطلاحی میں ہے پس علامہ زرخشری نے ترکیب کے بعد استحقاق اعراب کے لئے محض صلاحیت کا اعتبار کیا (اس صورت میں زید ترکیب سے قبل زرخشری کے نزدیک معرب ہوگا ابن حاجب کے نزدیک نہیں) امام عبد القاهر جو جانی کے کلام سے یہی ظاہر ہے (جو زرخشری کے مطابق ہے) اور مصنف کا فیہ نے صلاحیت کے ہمراہ حصول استحقاق اعراب بالفعل کا اعتبار کیا ہے (اور استحقاق اعراب بالفعل ترکیب کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اسی وجہ سے مصنف نے معرب کی تعریف میں ترکیب کو لیا ہے اور وہ اسم کے معرب ہونے میں اعراب کا بالفعل موجود ہونا تو اس کا کسی نے اعتبار نہیں کیا اور اسی وجہ سے (جب کوئی جائز زید سکون وال سے کہتا ہے تو اس وقت) کہا جاتا ہے کلمہ کو اعراب نہیں دیا حالانکہ وہ معرب ہے اور مصنف کا فیہ نے معرب کی اس تعریف سے جو مجہور کے نزدیک مشہور ہے کہ معرب اس کو کہتے ہیں کہ عوامل کے مختلف ہونے سے جس کا آخر مختلف ہو جائے اس لئے انحراف کیا ہے کہ علم نحو کی تدوین سے غرض یہ

قرار دیا میں نہیں ہے اس لئے کہ معرب اسم مفعول کا صیغہ ہے اعراب سے جس کے معنی ہیں اعراب دیا گیا اور اسامہ محدوده اس قبل سے ہیں کہ ان کو اعراب دیا جائے۔ لہذا اس کا جواب خارج و بیس النزاع سے یہ دے ہے ہیں کہ نزاع اس معرب میں نہیں ہے جو کہ اسم مفعول ہے جس کے معنی اعراب دیا گیا۔ کے بھی معنی لغوی معرب میں مجبلاً نہیں

اس لئے کہ یہ معرب لغوی جب ہی حاصل ہوگا جبکہ اس کو مرکب کر کے ترکیب کے بعد کلمہ کے آخر پر اعراب جاری کیا جائے۔ پس معلوم ہوا کہ صاحب مفضل نے اسامہ محدوده کو معرب لغوی قرار نہیں دیا بلکہ معرب اصطلاحی قرار دیا ہے۔ اور یہی محل نزاع ہے پس علامہ زرخشری نے تو ترکیب کے بعد محض استحقاق اعراب کی صلاحیت کا اعتبار کیا ہے

یعنی اسامہ محدوده پر ترکیب کے بعد اعراب آسکتا ہے۔ امام عبد القاهر کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور صاحب مفضل کے مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ اور صاحب کا فیہ نے صلاحیت اعراب کے ساتھ ساتھ حصول استحقاق بالفعل کا اعتبار کیا ہے۔ اور چونکہ بالفعل استحقاق حاصل ہوتا ہے ترکیب میں واقع ہونے کے بعد اس وجہ سے مصنف نے اپنی تعریف میں قید ترکیب کا اضافہ فرما دیا واما وجود الاعراب سے اس سوال کا جواب دے ہے ہیں کہ جب استحقاق پایا جائے گا۔ تو اعراب بھی بالفعل پایا جانا ضروری ہے۔ یا نہیں جواب یہ دیا کہ وجود اعراب بالفعل کا اسم کے معرب ہونے میں کسی نے اعتبار نہیں کیا۔ اسی وجہ سے محاورہ نما میں کہا جاتا ہے کہ کلمہ کو کیوں نہیں دیا حالانکہ وہ معرب ہے مثلاً کوئی شخص جاری زید سکون ہے تو یہ کہا جائیگا کہ کلمہ زید کو اعراب نہیں دیا گیا اور استحقاق کا وجود ہے مگر اعراب بالفعل کا وجود نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وجود اعراب بالفعل کا اعتبار نہیں بلکہ محض استحقاق اعراب معرب ہونے کے لئے کافی ہے۔

۲۲ قولہ واما عدل المص عبارت سے شامح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ مجہور نخاع نے معرب کی تعریف یہ کی ہے کہ جس کا اختلاف عوامل کے باعث مختلف ہو۔ اور مصنف نے یہ تعریف ختمائی ہے کہ معرب وہ اسم مرکب ہے جو مبنی اصل سے مشابہ نہ ہو لہذا مصنف کی تعریف مشہور سے عدول کرنے کی کیا وجہ ہے جواب یہ دیا کہ علم نحو کی جمع و تدوین سے غرض یہ ہے کہ جس شخص نے لغت عرب کا متبع اور جستجو نہیں کی ہے اور نہ اہل عرب سنکر لغت عرب کے احکام کو پہچانتا تو وہ بول چال کے وقت کلمہ کو ترکیب دینے میں اواخر کلمہ کے حالات کو پہچان سے جس طرح ایک شخص لغت عرب کا متبع کرنے کے بعد علم نحو سے مستغنی ہو جاتا ہے اسی طرح اہل

من تدوین علم النحوان یعرف به احوال او آخر الکلمة فی التکیب
من لم یتبع لغة العرب ولم یعرف احکامها بالتماع منهم فان
العارف باحکامها کذلک مستغنی عن النحوی ولا فائدة لما
معتد ابها فی معرفة اصطلاحاتهم فالمقصود من معرفتنا
المعرب مثلاً ان یعرف انه مما یختلف آخره فی کلامهم لیجعل
آخره مختلفاً فیما بقی کلامهم فمعرفة المتقدمة علی معرفة
انه مما یختلف آخره فلو کان معرفته المتقدمة حاصلة بمعرفة
هذه الاختلاف وتعرفها به وجب ان یعرف اولاً بانہ مما
یختلف آخره ليعرف انه مما یختلف آخره فیلزم تقدم الشئ
علی نفسه فینبغی ان یعرف اولاً بغير ما عرّفه به الجهم ویجمل

عرب سے سنکر بھی اس کے احکام جان لینے
والا علم نحو سے مستغنی ہو جاتا ہے اور اس شخص
کو اہل عرب کی اصطلاحات کے جاننے میں کوئی
معتد بہا فائدہ نہیں ہوتا اب کوئی شخص یہ نہ
کہ عارف بالاحکام اگرچہ علم نحو سے ان احکام کے
حق میں مستغنی ہو جاتا ہے مگر کلیات کے حق میں
وہ مستغنی نہیں ہوتا بلکہ وہ تدوین علم نحو کا محتاج
ہوتا ہے اس لئے کہ علم بالکلیات معتد بہا نہیں
ہے اس لئے کہ کلیات سے مقصود علم جزئیات
ہے اور وہ سماع سے حاصل ہو جاتا ہے کلیات
کے علم کی ضرورت نہیں باقی رہتی پس معرفت
معرب سے مقصود یہ ہے کہ مثلاً یہ بات جانی
جائے کہ کلام عرب میں کلمہ کا آخر کس سبب سے
مختلف ہوتا ہے تاکہ اس کے آخر کو مختلف
کر کے کلام عرب کے مطابق کر دیا جائے یعنی
جس طرح کلام عرب میں کلمہ کا آخر مختلف ہوتا
ہے اسی طرح نحو کی بھی کلام میں کلمہ کے آخر کو
اختلاف عوامل کے سبب سے مختلف کر دے
پس معرب کا پہچانا اس پر مقدم ہوگا اس کا
آخر کس سبب سے مختلف ہوتا ہے یعنی اختلاف
آخر کے پہچانے سے معرب کا پہچانا مقدم ہے
پس اگر معرب کا پہچانا اور اس کی تعریف اس
اختلاف آخر کے پہچانے سے حاصل ہو جائے
تو واجب ہوگا کہ اولاً معرب کی تعریف اس طرح
کی جائے کہ معرب وہ اسم ہے جس کا آخر مختلف
ہو تاکہ اس سے یہ پہچانا جائے کہ معرب وہ اسم
ہے جس کے آخر میں اختلاف ہوتا ہو تو مقدم
ہونے کے سبب لازم آیا کہ جب یہ کہا جائے کہ جاری
رید میں ریکا آخر اختلاف عوامل کے سبب سے
مختلف ہے کیونکہ یہ وہ اسم ہے جس کا آخر اختلاف
عوامل کے سبب سے مختلف ہوتا ہے تو مقدم ہونے
کے سبب لازم آتا ہے جس کو وہ بھی کہتے ہیں اور یہ
باطل ہے اور وہ چیز باطل کو مستلزم ہوتی ہے وہ
خود باطل ہوتی لہذا جہود سخاۃ کی تعریف جو کہ

ہے کہ علم نحو سے ترکیب میں (واقع ہونے والے) کلمہ کے آخر کے حالات اس شخص کو معلوم
ہو جائیں جس نے لغت عرب کی تادیب جستجو نہیں کی اور نہ ہی اہل عرب سے لغت عرب کے
احکام سن کر معلوم کئے کیونکہ جو اس طرح (تبع و سماع) سے لغت عرب کے احکام کو جانتا
ہے وہ علم نحو سے بے نیاز ہے اور نحویوں کی اصطلاحات کے معلوم کرنے میں اسے کوئی
مغول فائدہ نہ ہوگا تو معرب کی تعریف سے مثال کے طور پر مقصود یہ ہے کہ (اول الذکر شخص
کو یہ) معلوم ہونا چاہئے کہ (کلام عرب میں) معرب اس قبیل سے ہے جس کا آخر (اختلاف عوامل
سے) مختلف ہو جاتا ہے تاکہ وہ (اختلاف عوامل کے وقت) اس کے آخر کو مختلف کرے پس
(اس کا کلام) کلام عرب سے مطابق ہو جائے لہذا معرب کی (ذات کی) معرفت اس بات کی
معرفت سے مقدم ہے کہ معرب اس قبیل سے ہے جس کا آخر (اختلاف عوامل سے) مختلف ہو
جاتا ہے کہ یہ معرب کا وصف ہے اور معرفت ذات معرفت وصف سے مقدم ہے پس اگر
معرب کی معرفت مقدمہ (معرفت ذات) اس اختلاف (وصف کی معرفت سے اور اس کی اس
تعریف (اختلاف سے حاصل ہو تو ضروری ہوگا کہ پہلے معرب کی اس طرح تعریف کی جائے
کہ معرب اس قبیل سے ہے کہ جس کا آخر مختلف ہو جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ معرب اس قبیل
سے ہے جس کا آخر مختلف ہو جاتا ہے تو (اس سے) تقدم الشئ علی نفسه لازم آتا ہے تو سبب
ہے کہ پہلے معرب کی تعریف اس تعریف کے علاوہ کی جائے جو مجبور نے کی ہے اور جو تعریف

دور کو مستلزم ہے باطل ہوگی پس ضروری ہوا
مصنف اولاً معرب کی اسی تعریف کہے کہ
اعتراض واقع نہ ہو لہذا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے
مصنف نے معرب کی تعریف مرکب الذی لم
یشتبہ علی الاصل کے ساتھ فرمائی۔ اور پھر مجبور نے
نے جو تعریف کی ہے اس کو مجملہ احکام سے قرار
دیدے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے کیا ہے مفسر
اعلم بالصواب۔

ما عرفوا به من جملة احكامه كما فعله المصنف رحمه الله
ای من جملة احكام العرب واثاره المترتبة عليه من حيث
هو معرب ان يختلف الحرف الذي هو آخر

جہور نے کی ہے اسے معرب کے من جملہ احکام میں سے (ایک حکم) قرار دیا جائے جس طرح
طرح کہ مصنف نے کیا اور اس کا حکم «یعنی معرب کے من جملہ احکام اور اس کے ان آثار
میں سے جو معرب کی حیثیت سے معرب پر مترتب ہوتے ہیں» (یہ ہے کہ اس کا آخر مختلف
ہوتا ہے) یعنی وہ حرف جو معرب کے آخر میں ہے ذاتی طور پر مختلف ہو جائے اس طرح

بعض احکام میں اس حکم کو خصوصیت کے ساتھ
اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معرب کی تعریف
مشہور سے جہور کے خلاف وجہ عدول معلوم
ہو جائے کما لا یخفی بغير ایشکال ضمایہ پیدا
ہوتا ہے کہ مثلاً ضربت زیداً میں زید معرب ہے
مگر اس میں معرب کا یہ حکم نہیں پایا جاتا اس لئے
کہ یہاں سرے سے عوامل مختلف بالفعل ہی داخل
نہیں ہو جائیں گے اس کا آخر اختلاف عوامل کے سبب
سے مختلف ہوا بلکہ اس جگہ حدوث اعراب ہے
حالانکہ شے کا حکم شے کا خاصہ ہوتا ہے تو معرب
کا حکم معرب کا خاصہ ہوا لہذا معرب کا حکم جو کہ
معرب کا خاصہ ہے یعنی اختلاف آخر کلمہ وہ یہاں
ہیں پایا جاتا ہے لہذا لازم آیا کہ معرب بلا حکم
پایا جاتا ہے جواب یہ ہے جس طرح خاصہ کی دو
قسمیں ہیں شاملہ اور غیر شاملہ اسی طرح حکم معرب
کی بھی دو قسمیں ہیں شاملہ اور غیر شاملہ پس حکم جو اوپر
مذکور ہوا حکم غیر شاملہ میں سے ہے لہذا اگر تمام افراد
معرب میں نہ پایا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ پھر
ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حکم کے بہت سے
مستثنیٰ ہیں مثلاً (۱) اثر مترتب علی الشی (۲) باری
تعالیٰ کا خطاب انعال مکلفین کے متعلق بحیثیت
انتظار و تخمیر (۳) شے کا وقوع و عدم وقوع
(۴) اسناد شے الی ہائے بطریق ایجاب و
سلب جیسا کہ زید قائم و زید لیس بقاء میں تو
ان معنی میں سے کون سے معنی مراد ہیں خطاب

اللہ قولہ وکلمی من جملة الخ معرب
کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر اختلاف عوامل کے
سبب سے مختلف ہو۔ اس پر ایک اعتراض وارد
ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ حکم کی اضافت معرب
کی جانب استغراق کے لئے ہے اس لئے کہ قاعدہ
ہے کہ جب اسم ظاہر کی اضافت ضمیر کی جانب
ہوتی ہے تو یہ بغیر استغراق ہوا کرتی ہے اس
صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ معرب کے تمام احکام
اختلاف عوامل کے باعث آخر کلمہ کے مختلف
ہونے میں منحصر ہیں حالانکہ معرب کے احکام اختلاف
آخر کلمہ کے علاوہ اور بہت سے ہیں مثلاً جب
زید کو فاعل کے ساتھ تہذا مرکب کیا جائے تو
معرب تو ہوگا مگر نہ تو اس کا آخر مختلف ہوگا اور
نہ مال بلکہ حدوث اعراب ہوگا۔ اس کا جواب
شراح نے دیا کہ یہاں پر من تعینہ مقدسہ ہے اور
من تعینہ چونکہ مفرد پر داخل نہیں ہوا کرتا لہذا
تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ای من جملة احکام
المعرب مطلب یہ ہے کہ اس جگہ حکم کی اضافت
معرب کی طرف استغراق کے لئے نہیں ہے بلکہ
عہد کے لئے ہے اور معبود بہا بعض احکام ہیں
یعنی معرب کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ کلمہ
کا آخر اختلاف عوامل کے سبب سے مختلف ہو
شراح اگر جواب میں صرف من احکام المعرب کہہ
دیتے تو بھی جواب صحیح تھا مگر لفظ جملہ اس وجہ سے
زیادہ فرمایا کہ عبارت صحیح ہو جائے پھر معرب کے

باری تعالیٰ تو مراد ہونے لگتا اس لئے کہ یہاں کل
شرعیہ سے بحث نہیں شے کا وقوع و عدم وقوع
بھی یہاں زیر بحث نہیں۔ اب یہ دو معنی
اثر مترتب علی الشے اور اسناد شے الی شے
آخر تو اسناد شے الی شے تو یہاں مراد نہیں
اس لئے کہ اسناد مرکب کلامی میں پایا جاتا ہے اور
معرب مفرد کے اقسام سے ہے۔ اب باقی رہے
ایک معنی سوان کی شراح واثارہ المترتبة
علیہ کہہ کر تعین فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ معرب
کے لغوی معنی یعنی اثر مترتب علی الشے اس جگہ
مراد ہیں اصطلاحی و دیگر معانی سے یہاں بحث
نہیں۔ یعنی معرب کا حکم وہ اثر ہے جو اس پر
مترتب ہوتا ہے پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ
مصنف کا یہ کہنا کہ «معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا
آخر اختلاف عوامل کے سبب سے مختلف ہو»
صحیح نہیں اس لئے کہ فاعل معرب ہے مگر اس کا حکم
رفع ہے ایسے ہی مفعول معرب ہے مگر اس کا حکم
نصب ہے علیٰ ہذا القیاس غیر منصرف بھی معرب
ہے مگر اس کا حکم منع کسر و تنوین ہے ان تینوں
میں سے ایک کا بھی حکم یہ نہیں ہے کہ اس کا آخر اختلاف
عوامل کے باعث مختلف ہو۔ اس کے جواب
میں شراح نے من حیث المعرب کا اضافہ فرمایا
مطلب یہ ہوا کہ معرب کا حکم اس حیثیت سے
کہ وہ معرب ہے، یہ ہے کہ اس کا آخر مختلف ہو
یعنی یہ حکم بحیثیت معرب ہونے کے بیان کیا جا
رہا ہے کسی دوسری حیثیت مثلاً فاعل مفعول
منصرف اور غیر منصرف ہونے کے اعتبار سے
نہیں بیان کیا جا رہا ہے۔

اللہ قولہ ان يختلف آخره الخ یہاں
پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ تمہارا یہ کہنا
صحیح نہیں کہ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر اختلاف
عوامل کے سبب سے مختلف ہو اس لئے کہ ہم
دیکھتے ہیں کہ جاری مسلمون رایت مسلمین ممررت
بمسلمین میں نون آخریہ اور یہ اختلاف عوامل کے
سبب سے مختلف نہیں بلکہ ایک ہی اعراب یعنی

المعرب ذاتا بان يتبدل صفة بصفة أخرى حقيقة أو حكما إذا كان اعرابه بالحركة باختلاف العوامل أي بسبب اختلاف

کہ ایک حرف دوسرے حرف کی جگہ بدل جائے جبکہ معرب کا اعراب بالحرف ہو حقیقتہً جیسے ابوہ وایاہ) یا حکماً جبکہ معرب کا اعراب بالحرف ہو حقیقتہً (بدل جائے جیسے جاء ابوہ ورايت اياه) یا حکماً (بدل جائے جیسے جمع مذکر سالم و تشبیہ بہ حالت نصب وجر) یا وصفی طور پر جبکہ معرب کا اعراب بالحركة ہو اس طرح کہ ایک صفت دوسری صفت سے بدل جائے حقیقتہً (جیسے جاء زید ورايت زيدا) یا حکماً (جیسے رايت احمد سے مررت باحمدا) عوامل کے اختلاف

دیا ہے سوال یہ ہے کہ معرب کا حکم معرب کے لئے خاص نہیں ہے اس لئے کہ اگر سائل یہ سوال کرے کہ اجازت زید اور عجیب یہ جواب دے کہ متوہد سائل کے لئے کہ اریبت زید اور عجیب کے متوہد سائل کے لئے امررت زید اور عجیب کہے مئی یعنی زید کون ہے تو اس صورت میں متوہد سائل پر اختلاف عوامل کے سبب سے تینوں اعراب رفع نصب جر سے ہیں۔ پس یہاں پر کلمہ من جو کہ مبنی ہے اس پر اختلاف عوامل کے سبب سے مختلف اعراب آئے ہیں لہذا یہ حکم معرب کے لئے خاص نہیں رہا اس کا جواب شایع الداعی علیہ سے یہ ہے کہ اختلاف عوامل سے مراد وہ اختلاف ہے جو کہ بالذات عامل کے داخل ہونے سے حاصل ہوا در اس جگہ عامل من کے اوپر داخل نہیں ہے بلکہ مستفہم عنہ یعنی زید پر داخل ہے لہذا کلمہ من کی صورت معرب سے خارج ہو گئی۔ تاہم معرب کا حکم خاص ہو گیا معرب کے لئے یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا تھا جس کو شایع نے بھی ذکر فرمایا ہے اس کے جواب میں فی الحال کا اضافہ شایع نے فرمایا۔ سوال کی تشریح یہ ہے کہ ان زیداً مضروباً وانی ضربت زیداً دانی ضارب زیداً میں اختلاف عوامل موجود ہے یعنی ایک عامل حرف ہے ایک کا فعل اور ایک کا اسم مگر تینوں کا اعراب ایک ہے اعراب مختلف نہیں ہوا۔ جو کہ معرب ہونے کی وجہ سے ہونا چاہئے تھا۔ جواب کا مائل یہ ہے کہ عوامل کے اختلاف سے

باعث نصب ہے اور مررت بمسلمین میں باجاء داخل ہونے کے سبب سے جر لہذا اب کوئی اشکال نہیں رہا۔ پھر اختلاف کی دوسری قسم اختلاف وصفی یعنی حرف آخر کی ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے تو اس پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ غیر منصرف معرب بالحركة ہے مگر حالت نصبی وجر میں دونوں کا اعراب بانفۃ ہوتا ہے حالانکہ اختلاف عوامل کے سبب سے حالت نصبی میں فتح اور حالت جری میں کسر آنا چاہئے اس کا جواب بھی شایع نے حقیقتہً و حکماً سے یہ دیا کہ یہ اختلاف وصفی بھی عام ہے حقیقی ہو یا حکمی غیر منصرف میں اگر حالت نصبی وجر میں اختلاف حقیقی نہیں ہے مگر اختلاف حکمی موجود ہے اس لئے کہ اس میں عامل جارہ کے داخل ہونے بعد جو فتح آتا ہے وہ حکماً علامت جری ہے اس لئے کہ غیر منصرف پر کسر کا دخول متنوع ہے۔

۱۲۵ قولہ باختلاف العوامل ای بسبب الخ اس جگہ ای بسبب کے ساتھ شروع کرنے سے شایع کا مقصد یہ بتانا ہے کہ باختلاف میں باسببیت کے لئے ہے عوامل یا تو جمع ہے عاملہ کی یا عامل کی مگر عامل کو اس جگہ اسم بنایا جائیگا کہ غریبوں کے سو عامل ہیں۔ اور اگر عامل کو اپنی وصفیتہ پر برقرار رکھا جائے تو اس کی جمع عوامل نہیں آتی لہذا یہ صحیح نہیں ہے۔ الداعی علیہ سے شایع نے ایک سوال مقدمہ کا جواب

فتحہ آرہا ہے لہذا معرب کا حکم منقوض ہو گیا۔ اس کا جواب دینے کے لئے شایع نے ای الاحرف الذی الخ کا اضافہ فرمایا۔ جواب کا مائل یہ ہوا کہ آخر سے مراد معرب کا حرف آخر ہے اور نون اس جگہ ایک مستقل کلمہ ہے اور کلمہ کا آخر نہیں ہے لہذا جاری مسلمون اور رايت مسلمین میں معرب کا حرف آخر واو اور یا ہے جو کہ حالت رفع میں اور نصب وجر میں مختلف ہے لہذا معرب کا حکم صحیح ہو گیا۔ اب ایک اعتراض اس جواب پر یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر تم آخر سے مراد حرف آخر لیتے ہو تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جاری زید درایت زید اور مررت بنید میں حرف آخر زید کی دال ہے مگر یہ اختلاف عوامل کے باوجود نہیں بدلی حالانکہ اس کو مختلف ہونا چاہئے تھا اس کا جواب شایع ذاتا بان يتبدل الخ سے یہ ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف ذات کے اعتبار سے ہے یعنی حرف کی ذات ہی بدل جائے اور ایک اختلاف وصف کے اعتبار سے ہے یعنی حرف آخر کی حرکت بدل جائے سو مذکورہ ماقبل مثالوں میں جاری مسلمون وغیرہ میں اعراب بالحرف ہے لہذا اس جگہ حرف بدلے گا۔ اور جاری زید وغیرہ میں اعراب بالحركة ہے لہذا یہاں پر حرکت مختلف ہوگی نہ کہ ذات حرف۔ ان دونوں صورتوں میں شایع اختلاف حرف آخر کو حقیقتہً اور حکماً کے ساتھ ذکر فرمایا ہے یہی اس کی وجہ دونوں صورتوں پر ایک ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔ صورت ذاتی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تو مسلم ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف ذاتی کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے۔ مگر رایت مسلمین و مررت بمسلمین میں کیا کہو گے کہ یہاں اختلاف عوامل ہے مگر اعراب وہی ایک ہے یعنی یار کے ساتھ یہاں اختلاف حرف آخر نہیں پایا گیا۔ اس کا جواب حقیقتہً و حکماً سے یہ ہے کہ اگرچہ اس میں اعراب حقیقتہً تبدیلی نہیں مگر اعراب حکماً مزد بدل گیا ہے اس لئے کہ رایت مسلمین میں حرف آخر کا اعراب مفعول ہونے کے

العوامل الداخلة عليه في العمل بان يعمل بعض منها خلاف ما يعمل البعض الآخر وانما خصصنا اختلافها بكونه في العمل لئلا ينتقض بمثل قولنا ان زيدا مضروباً واني ضربت زيدا واني ضارب زيدا فان العاقل في زيدا في هذا الصور مختلف بالاسمية والفعلية والحرفية مع ان آخر المعرب لم يختلف باختلاف لفظاً او تقديرية نصب على التمييز اي يختلف لفظاً او تقديرية او على المصدرية اي يختلف اختلاف لفظاً او تقديرية الاختلاف لفظاً كما في قولك جاءني زيد ورأيت زيدا ومررت بزيد وتقدير كما في قولك جاءني فتى ورأيت فتى ومررت بفتى فان اصله فتى وقتياً وفتى انقلب الياء الفافصارا لاعراب تقديرية والاختلاف اللفظي والتقديرية اعم من ان يكون حقيقة او حكماً كما اشرنا اليه لئلا ينتقض بمثل قولنا رأيت احمد ومررت

بـ"لعمري" اسم معرب پر داخل ہو نیوالے عوامل کے اس طرح اختلاف فی العمل کے باعث کہ ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف عمل کرے اور ہم نے عوامل کے اختلاف کو عمل میں ہونے کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ (یہ حکم اختلاف) ہمارے قول "ان زيدا مضروباً" اور "اني ضارب زيدا" اور "اني ضارب زيدا" میں عامل اسمیت اور فعلیت اور حرفیت کے اعتبار سے مختلف ہے اس کے باوجود معرب کا آخر عامل کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوا لفظاً یا تقدیراً تیز کی بنا پر نصب ہے یعنی معرب کے آخر کا لفظ یا آخر کی تقدیر مختلف ہو یا مصدریت کی بنا پر نصب ہے یعنی معرب کا آخر لفظ کے اختلاف سے یا تقدیر کے اختلاف سے مختلف ہو جائے اور لفظی طور پر اختلاف جیسا کہ ہمارے قول "جاءني زيد" اور "رأيت زيدا" اور "مررت بزيد" میں ہے اور تقدیری طور پر جیسا کہ ہمارے قول "جاءني فتى" اور "رأيت فتى" اور "مررت بفتى" میں ہے اس لئے کہ اس کی اصل فتى وقتياً وفتى ہے اس کی یا الف سے بدل گئی تو اعراب تقدیری ہو گیا اور اختلاف لفظی اس سے عام ہے کہ حقیقت ہو یا حکم جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے (ذاتاً و صفة کہہ کر) اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاکہ (یہ اختلاف) ہمارے قول "رأيت احمد" اور "مررت باحمد" (غیر منصرف) اور ہمارے قول

یعنی اگر ایک عامل مثلاً نصب کا عمل کرے تو دوسرا عامل رفع یا جر کا عمل کرے و قس علی ہذا اور یہاں

ملاوینے کہ عمل میں اس طرح مختلف ہوں کہ ایک عامل جو عمل کرے دوسرا اس کے خلاف عمل کرے

پر تمام عوامل صرف نصب کا عمل کرے ہیں لہذا یہ اختلاف عوامل میں اسمیہ و فعلیت و حرفیت کے اندر ہے عمل میں نہیں ہیں اس قسم کا عوامل میں اختلاف یہاں پر مراد نہیں ہے اس لئے اعتراض ساقط ہے۔

۱۲۶ قولہ لفظاً او تقدیراً نصب علی التمييز کہہ کر شارح نے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ لفظاً او تقدیراً دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ تمييز ہوں گے یا مصدر یہ کی بنا پر ان کا نصب ہو گا اور یہ دونوں صحیح نہیں اس لئے کہ اگر یہ تمييز ہے تو مختلف کی نسبت سے ہے جو فاعل کی طرف سے اور نسبت سے ہر تمييز آتی ہے وہ یا تو فاعل ہوتی ہے یا مفعول۔ اور یہاں پر مختلف کا فاعل آخر کا لفظ ہے نہ کہ لفظاً او تقدیراً اور اگر یہ مفعول مطلق ہے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ فعل کے معنی مفعول مطلق کو اس طرح شامل ہوتے ہیں جیسے احتمال کل کا جز کے لئے اور مختلف کے معنی اختلاف پر مشتمل ہیں نہ کہ لفظاً او تقدیراً پر شارح نے یہ جواب دیا کہ یہ دونوں صورتیں صحیح ہیں اگر اس کا نصب تیز کی بنا پر ہے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ای مختلف لفظاً آخرہ او مختلف تقدیراً آخرہ اس صورت میں لفظاً او تقدیراً دونوں مخطوف معطوف علیہ ہوں مختلف کا فاعل بن گئے۔ اور اگر مفعول مطلق ہے تو مضان محذوف ہے یعنی مختلف اختلاف لفظاً او تقدیراً مضان کو حذف کر کے اس کا اعراب مضان الیہ کوئے دیا اس نصب کو اصطلاح میں نصب نزوع النفاض کہتے ہیں۔ اختلاف لفظی کی صورت ہے جیسے جارنی زید و نسبت زید و مررت بزيد اور تقدیری کی مثال یہ ہے جیسے جارنی فتى و نسبت فتى و مررت بفتى اس لئے کہ اس کی اصل فتى وقتياً وفتى یا کو الف سے بدل دیا گیا پس اعراب تقدیری ہو گیا یہاں اختلاف لفظی و تقدیری عام ہے جیسا کہ ان مختلف آخرہ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۱۲۷ قولہ فان قلت لا یحقق الخ اس

عبارت سے جو شامح نے اعتراض کی تقریر کی ہے اور اس کا جواب یہ ہے اس کو ہم و محمل کے ذیل میں بیان کر چکے وہاں رجوع کیا جائے البتہ شامح نے اس کا جواب دوسری نوعیت سے دیا ہے لہذا اس جواب کو ذکر کیا جاتا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جن میں سے ایک حکم حدوث اعراب بدخول العامل بھی ہے اور ایک حکم اختلاف آخر باختلاف العوائل ہے پس اگر ایک حکم دوسرے میں داخل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جو اس جگہ ذکر نہیں کئے گئے پس یہ حکم حدوث اعراب بھی اسی قبیل سے ہے جو ذکر نہیں کیا گیا اپنے قول غایۃ الامر سے اس جواب کی طرف شامح نے اشارہ کر دیا جو ہم نے حکم کی دو قسمیں شاملہ اور غیر شاملہ کر کے دیا ہے واللہ اعلم۔

۱۲۸ قولہ الاعراب ما ى حركة او حرف ىن

مصنف رحمہ اللہ معرب کی تعریف اور اس کے حکم سے فارغ ہونے کے بعد اعراب کی تعریف شروع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اعراب وہ حروف یا حرکات ہیں کہ جن کے سبب سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے شامح نے مکی شرح حرکتہ اور حرک کے ساتھ کر کے دعا اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اعتراض اول تو یہ ہے کہ مبتدا اور خبر جب معرفہ ہوتی ہیں تو ان کے درمیان ضمیر فصل کا لانا نا ضروری ہے لہذا یہاں چونکہ دونوں معرفہ ہیں اس لئے عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی کہ الاعراب ہونا الخ۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اعراب کی تعریف مانع نہیں ہے اس لئے کہ اس میں عامل اور مفعول مقتضی للاعراب داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ان سے بھی معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے ان دونوں کا جواب یہ دیا کہ ماسے مراد حرکت یا حرف سے حرکتہ اور حرف دونوں نکرہ ہیں لہذا اب ضمیر فصل کی حاجت نہیں رہی اور عامل مفعول مقتضی للاعراب چونکہ از قبیل حروف یا حرکات نہیں ہیں لہذا وہ خارج ہو گئے پھر حدوث سے مراد حروف مابقی ہیں

یا حمد و قولہ ارایت مسلمین و مورت بمسلمین مثنی او مجموعاً فان قد اختلف العوائل فیہ ولا اختلاف فی آخر احمد حقیقۃ بل حکماً فان فتحة احمد بعد الناصب علامۃ النصب وبعد الجار علامۃ الجر و کذا الحال فی التثنیۃ والجمع فآخر المعرب فی ہذا الصور ىختلف باختلاف العوائل حکماً لا حقیقۃ فان قلت لا یتحقق الاختلاف لا فی آخر المعرب ولا فی العوائل اذا رکت بعض الاسماء المعدودۃ الغیر المشابہۃ لمبنی الاصل مع عاملۃ ابتداء ان لا یرتبط علیہ اختلاف الاعراب بل ہناک حدوث الاعراب بدخول العامل قلت ہذا حکم آخر من احکام المعرب الاختلاف حکم آخر فلو لم یدخل احد الحکمین فی الآخر لفساد فیہ فان للمعرب احکاماً کثیرۃ لم تذکر ہنا ہذا حکم ایضاً من ہذا القبیل فایۃ الامر ان ہذا حکم لا ىكون من خواص الشاملۃ الاعراب ما ى حركة او حرف ىن اختلف

رأیت مسلمین اور مورت بمسلمین بہ حالت تشنیہ و جمع کے مثل سے نہ ٹوٹ جائے کیونکہ اس میں عوائل مختلف ہیں اور احمد کے آخر میں حقیقۃ کوئی اختلاف نہیں بلکہ حکماً ہے اس لئے کہ ناصب کے بعد احمد کی فتحة علامت نصب ہے اور جار کے بعد علامت جر اور تشنیہ و جمع (مذکر سالم) میں (صورت) حال اس طرح ہے پس ان سبب ہوتوں میں معرب کا آخر عوائل کے اختلاف سے حکماً مختلف ہے نہ کہ حقیقۃ پھر اگر تم اعتراض کرو کہ (اس صورت میں) اختلاف موجود نہیں ہے نہ آخر معرب میں اور نہ ہی عوائل میں جبکہ بعض اسماء معدودہ جو مبتنی الاصل کے مشابہ نہیں اپنے عامل کے ہمراہ استداء مرکب ہوں جیسے جاء زید کہہ کر خاموش ہو جائیں اور زید پر دوسرا مخالف عامل نہ لائیں) کیونکہ اس معرب پر اعراب کا اختلاف مترتب نہیں ہوتا بلکہ یہاں بدخول عامل کی وجہ سے حدوث (و ظہور) اعراب ہے میں کہتا ہوں کہ یہ (حدوث اعراب) احکام معرب میں سے حکم دیگر ہے اور اختلاف حکم دیگر پس اگر دو (متغایر) حکموں میں سے ایک دوسرے میں داخل نہ ہو تو اس میں کوئی فساد (کی بات) نہیں پھر معرب کے اور بہت سے احکام ہیں جو یہاں مذکور نہیں تو یہ (حدوث اعراب) کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے (یعنی ان احکام سے کہ جو یہاں مذکور نہیں) حاصل جواب یہ ہے کہ یہ (اختلاف عوائل سے اختلاف اعراب کا) حکم معرب کے خواص شاملہ میں سے نہیں ہوگا لہذا اعراب وہ حرکات یا حروف وہے کہ اس کا آخر

آخرۃ ای آخر العرب من حیث هو معرب ذاتا ووصفاً
بہ ای بتلك الحركة والحرف وحین یراء کما الموصولة الحرف
والحرف لا یرد التقضی بالعامل والمعنی المقتضی ولو ألفت علی
عمومها خرجا بالسبب المفہومة من قولہ بہ فان المتبادر
من السبب هو السبب القریب والعامل والمعنی المقتضی من
الاسباب البعیدة ویقید الحیثیة خرج حركة نحو غلامی لانه
معرب علی اختیار المعص لکن اختلاف هذه الحركة علی آخر

مختلف ہیں یعنی آخر معرب (مختلف ہو) معرب ہونے کی حیثیت سے ذاتی طور پر یا معنی
طور پر جیسا کہ چھ گزرا اس کی وجہ سے یعنی اس حرکت یا اس حرف کی وجہ سے اور جب
ماتے موصولہ سے حرکت یا حرف مراد لیا جائے تو عامل اور معنی مقتضی (فاعلیت و مفعولیت) سے
اضافہ ہے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ حرکت و حرف کی تخصیص انہیں خارج کر دے گی
اور اگر ماتے موصولہ کو اس کے عموم پر باقی رکھا جائے تو دونوں اس نسبت سے خارج ہو جائیں گے
جو مصنف کے قول "بہ" سے بھی جاتی ہے کیونکہ سبب سے مراد قریب ہی ہے اور عامل
اور معنی مقتضی تو اسباب بعیدہ سے ہیں (کہ جن سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے) اور حیثیت
کی قید "غلامی" سے لفظ کہ جہاں تک حکم کی طرف مضاف ہو کی حرکت خارج ہو گئی۔
کیونکہ یہ مصنف کا فیکل پسند پر معرب ہے لیکن معرب کے آخر پر حرکت کا اختلاف اس

۱۲۹ قولہ اختلاف آخر الخ شام نے
ای آخر العرب کہہ کر آخر کی ہارنیر کا مرجع بیان کر دیا
اور من حیث ہو معرب سے ایک سوال مقدر کا جواب
دینا ہے وہ یہ ہے کہ جاری غلامی میں غلامی مختلف
ہے اس لئے کہ اس کی اصل غلام تھی اس کے باوجود
کسو کو اعراب سے شمار نہیں کیا جاتا جواب یہ ہے
کہ اختلاف سے مراد یہ ہے کہ اختلاف بمحیث معرب
ہونے کے ہوا اور غلامی کے آخر میں جو حرکت مختلف
ہے وہ یا تکلم کی وجہ سے ہے یا تکلم چونکہ کسر کو
مقتضی ہے اس کسر کو اعراب نہیں کہیں گے بلکہ اس کا
اعراب تقدیری ہو گا ذاتا و وصفہ کی وجہ مذکور ہو چکی
بتک الحركة والحرف سے شام نے ہم میں جو ماہ
ضمیر ہے اس کا مرجع بیان کر دیا۔ وین یراء الخ سے
شام کلمہ ما کی شرح حرکت اور حرف سے کرنے کیوجہ

نہ کہ صرف معانی و درنا حرا من پیدا ہوتا ہے کہ ان
زیلاً قائم میں مال ان موت ہے لہذا یہ پھر اعراب
میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے
کہ جاری مسلمان حدایت مسلمان میں الف اور یا معنی
ہر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ اول سے دلالت علی
الف علیہ کچھ میں آتی ہے اور ثانی سے دلالت علی
المفعولیت۔ لہذا الف اور یا جو کہ حرف میں ان
سے مقتضی اعراب منہوم ہو ہے میں پس اصل اعتراض
کہ معنی مقتضی اعراب اعراب کی تعریف میں داخل
ہو ہے میں لوٹ آتا ہے لہذا اصل اعتراض کا جواب
ہم یہ دیں گے کہ حرف سے مراد حرف ہے جو معرب
کا جز ہوا مسلمان مسلمان میں الف اور یا جو کہ معرب
کا جز نہیں ہے لہذا یہ اعراب کی تعریف سے خارج
ہو گئے۔

بیان فرمایا ہے میں جو اوپر بالتفصیل مذکور ہو چکا ہے
مختصراً یہ کہ جس وقت ما موصولہ سے حرکت یا حرف مراد
ہو گا تو عامل اور معنی کو لے کر نقض وارد نہیں کیا جا
سکتا اور اگر کلمہ ما کو عموم پر رکھا جائے۔ اور اس سے
حرکت یا حرف مراد لیا جائے تب بھی عامل اور معنی
مقتضی الاعراب اس وجہ سے خارج ہو جاتے ہیں کہ
ہم میں ہا سبب کے لئے ہے اور سبب سے جو متباد
ہوتا ہے وہ سبب قریب ہوتا ہے اور سبب قریب
حرکت یا حرف میں اور عامل اور معنی مقتضی الاعراب
چونکہ اسباب بعیدہ سے ہیں لہذا وہ خود بخود خارج
ہو گئے۔ من حیث ہو معرب کے اضافہ کی وجہ اوپر
مذکور ہو چکی جس کو شام بھی بقید الحیثیت سے
بیان فرمایا ہے میں یہذا القدر الخ سے شام ایک
سوال کا جواب دے رہے ہیں وہ یہ کہ تعریف سے
مقصود جامعیت اور مانعیت ہوتی ہے۔ اور
یہ مقصود اتنا کہنے سے حاصل ہو جاتا ہے کہ الاعراب
ما مختلف آخر ہے۔ لہذا لیدل علی الخ کے اضافہ
کی کیا وجہ ہے۔ شام نے جواب دیا کہ اگرچہ
اتنا کہنے سے اعراب کی تعریف جامع مانع ہو جاتی
ہے۔ مگر مصنف نے یہ ارادہ کیا کہ وضع اعراب
کے اختلاف کے فائدہ پر تنبیہ کر دی جائے یعنی
اس عبارت کو اس لئے بڑھایا ہے کہ اس سے
یہ معلوم ہو جائے کہ اعراب کی وضع اس لئے ہے
کہ اس سے اعراب کا اختلاف معلوم ہو سکے۔ اور
یہ تعریف کا جز نہیں ہے۔ اس لئے کہ مصنف نے
خود اپنی شرح امالی جو کہ کافیہ کی ہے۔ اس میں
تحریر یہ فرماتے ہیں کہ یہ عبارت تعریف اعراب
کے تمام سے نہیں ہے یعنی اس عبارت کو اعراب کی
تعریف کی جامعیت اور مانعیت میں کچھ دخل نہیں
بعض نے مصنف کے اس جملہ سے یہ سمجھ لیا کہ لیدل
کا کچھ بھی تعریف سے تعلق نہیں بلکہ الگ چیز ہے اور
اس لام اختلاف کے متعلق نہیں ہے بلکہ ایک خارج
امر جو ماقبل مضمون سمجھ میں آتا ہے اس کے متعلق ہے
اور وہ وضع الاعراب ہے گویا کہ یہ جملہ متالف ہے
جو ماقبل کے اس سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے

کہ وضع اعراب سے کیا فائدہ ہے تو جواب میں کہا جائے گا کہ لیدل علی المعانی المعتورة علیہ۔ تو اس صورت میں لیدل کا وضع سے متعلق ہوگا۔ جو کہ سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ بہترین اس لئے کہ یہ فہم سے بعید تر ہے۔ لہذا بہترین جواب یہی ہے جو شارح دے رہے ہیں کہ تمام حد سے بھی نہیں ہے۔ اور حد سے خارج بھی نہیں اور وہ لیدل کلام وضع کے متعلق ہے جو کہ سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں لام مختلف آخرہ کے متعلق ہے۔ اب عبارت اس طرح ہوگی کہ الاعراب بالاختلاف آخرہ بہ لیدل الاختلاف او مابہ الاختلاف علی المعانی الخ اور یہ بات ہمیں تسلیم نہیں کہ تعریف میں جو قیود بیان کی جاتی ہیں وہ سب تعریف کو جامع مانع بنانے کے لئے ہوتی ہیں بلکہ مجمعة ومنعیۃ کے افادہ کے علاوہ بھی بہت سے دیگر فوائد کیلئے قیود کا اضافہ کیا جاتا ہے سو یہاں اس قید کا اضافہ اختلاف وضع اعراب کے فائدہ کو بیان کرنے کے لئے ہے جیسا کہ مصنف نے خود امالی الکافیہ میں ذکر کیا ہے۔ لیدل الاختلاف او مابہ الاختلاف سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اعراب میں دو مذہب ہیں بعض کا مذہب یہ ہے کہ اعراب نفس اختلاف کو کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اعراب مابہ الاختلاف کا نام ہے یعنی جس کے سبب سے اختلاف ہوتا ہے یعنی حروف و حرکات مصنف کا مذہب یہ ہے کہ اعراب مابہ الاختلاف کو کہتے ہیں شارح نے الاختلاف کو مابہ الاختلاف پر مستند کیا ہے حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ جب کہ مصنف کا مذہب مابہ الاختلاف ہے تو اس کو مقدم کر نیکی وجہ تقدیم یہ ہے کہ مابہ الاختلاف سے مصنف کے نزدیک اعراب مراد ہے۔ اور اس میں اختلاف موجود ہے تو بعض اختلاف مابہ الاختلاف کا جز ہوا اور جز کل پر مقدم ہوا کرتا ہے لہذا شارح نے الاختلاف کو مقدم کر دیا۔ المعانی کا شرح یعنی الفاعلیۃ والمفعولیۃ کے

المعرب لیس من حیث انه معرب بل من حیث انه ما قبل یا ع التثکیر وبهذا القدر تحد اعراب جمعا ومنعا لکن المصرا د ان یتبہ علی فائدة اختلاف وضع الاعراب فتم الیہ قوله لیدل علی المعانی المعتورة علیہ کانه اراد هذا المعنی حیث قال لیس هذا من تمام الحد لا انه خارج عن الحد واللام فی لیدل متعلق بامر خارج عن الحد یعنی وضع الاعراب المفہوم من فحوی الکلام فانه بعید عن الفہم غایۃ البعد فاللام فیہ متعلق بقوله اختلف آخرہ یعنی اختلف آخرہ لیدل الاختلاف او مابہ الاختلاف علی المعانی یعنی الفاعلیۃ والمفعولیۃ والاضافۃ المعتورة علی صیغۃ اسم الفاعل علیہ اے علی المعرب متعلق

میشیت سے نہیں کہ وہ معرب ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ یا ئے متکلم کا ما قبل ہے اور اس قدر سے معرب کی تعریف جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے پوری ہو گئی۔ لیکن مصنف نے اس بات کا ارادہ کیا کہ وضع اعراب کے اختلاف کے فائدے پر انتباہ فرماتے جائیں اس لئے مصنف نے تعریف معرب کے ساتھ اپنے قول لیدل علی المعانی المعتورة علیہ کو ملا لیا تو گویا مصنف نے اسی معنی (انتباہ) کا ارادہ کیا ہے جہاں کہ انہوں نے (اس کتاب کی شرح امالی میں) فرمایا ہے کہ یہ (لیدل الخ) تمام تعریف سے (یعنی تعریف کا جز) نہیں ہے یہ (مراد) نہیں کہ یہ تعریف معرب سے (کلیتہ) خارج (اور غیر متعلق) ہے اور (یہ کہ) "لیدل" کلام کسی امر خارج یعنی وضع اعراب سے متعلق ہے جو سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ سمجھ سے انتہائی بعید ہے پس (حق یہ ہے کہ) لیدل کلام مصنف کے قول "اختلف آخرہ" سے متعلق ہے یعنی معرب کا آخر مختلف ہو (تاکہ) اختلاف یا مابہ اختلاف (لا ان معنوں) یعنی فاعلیت و مفعولیۃ و اضافت ((پر دلالت کرے جو معرب پر مستور ہوتے ہیں)) متور اسم فاعل کے صیغہ (کے وزن) پر ہے اور "علیہ" مستور سے ورود اور استیلاء کے معنی کی تضمین

دو اعتراض وارد ہوتے ہیں، اول اعتراض یہ ہے کہ مستور کا صلہ علی نہیں ہے بلکہ لے ہے، اور جب یہ بصیغہ اسم فاعل ہوگا تو معتدی بنفسہ ہوگا اسلئے کہ یہ بمعنی الاخذ ہوگا لہذا اس کا صلہ علی کے ساتھ لانا بیکار ہے پس ضروری ہے کہ ان دنوں اعتراضوں سے بچنے کے لئے اس کو بصیغہ اسم مفعول پڑھیں اس صورت میں یہ ماخوذ کے معنی میں ہو کر لازم ہوگا

یہ بتانا مقصود ہے کہ الف لام اس پر عہد خارجی ہے۔ معانی سے مخصوص معانی مراد ہیں اور وہ کسی اسم کا فاعل ہونا مفعول ہونا مضاف الیہ ہوتا ہے۔
۳۱۵ قولہ المعتورة علی صیغۃ اسم الفاعل الخ المعتورة بصیغۃ اسم فاعل ہے اس میں شکی نے فاعل ہندی پر رد کیا ہے فاعل ہندی کہتے ہیں کہ اگر اس کو بصیغہ اسم فاعل پڑھا جائے تو

معتورۃ علی تضمین مثل معنی اور وداوالا استیلا و یقال اعتوروا
الشئ وتعاوروا اذا تداولوا ای اخذ جماعة واحدة بعد
واحدة علی سبیل المناوبة والبديلة لا علی سبیل الاجتماع فاذا
تداولت المعانی المقتضية لاعراب المعرب متعاقبة متناوبة
غير مجمعة لتضادها فينبغي ان تكون علاماتها ايضا كذلك فوقم
بسيها اختلاف في آخر المعرب فوضع اصل الاعراب للدلالة علی

کی بنا پر متعلق ہے (معاورہ میں) کہا جاتا ہے "اعتوروا الشئ وتعاوروا" جبکہ ایک
جماعت کسی چیز کو یکے بعد دیگرے 'نوبت بہ نوبت اور بدلیت کے طور پر لے نہ کہ اجتماعی
طور پر پس جبکہ وہ معانی جو مقتضی اعراب میں معرب پر یکے بعد دیگرے باری باری وارد
ہوتے ہیں باہمی تضاد کی وجہ سے مجتمع ہو کر نہیں وارد ہوتے تو مناسب ہوا کہ ان (معانی)
کے علامات (رفع نصب و جر) بھی اسی طرح (یکے بعد دیگرے باری باری آئیوں) ہوں
پس ان (معانی مختلف کی وجہ سے معرب کے آخر میں اختلاف واقع ہوا پس اصل اعراب
(بالحرکت) کو ان معنوں پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا گیا اور اعراب کو (خواہ اصل ہو

اور اس کا صلہ علی بھی درست ہوگا اس پر دیکھتے
ہوئے شارح نے علی صیغہ اکم الفاعل زیادہ کیا
اور ان دونوں اعتراضوں کا جواب شارح اس
عبارت سے دے رہے ہیں کہ علی تضمین مثل الخ
جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف نے اس جگہ
صنعت تضمین کو اختیار کیا ہے پس المعتورۃ معنی
ورود استیلا کو تضمین ہے اور ورود استیلا
کا صلہ علی آتا ہے لہذا اس کا صلہ بھی علی لایا گیا
صنعت تضمین یہ ہے کہ کسی فعل یا شبہ فعل میں
کسی دوسرے فعل یا شبہ فعل کے اس فعل یا شبہ
فعل کے ساتھ اس کا تعلق ہو سکتا ہو تو وہاں
محل کے مناسب کسی مصدر سے ایسا مشتق کیا
طرح پر لیتا کہ دونوں میں کسی ایک کو دوسرے
کی ضمیر فاعل سے حال بتایا جائے تاکہ اس لفظ کا
تعلق جو لفظ کے فعل وغیرہ کا عبارت میں ہے اس
کے بعد مذکور ہے درست ہو جائے پس یہاں
دارۃ کو ورود مصدر سے کہ مناسب محل ہے
انہذا کر کے علی کو اس کے متعلق کیا اس کے بعد

واردۃ کو معتورہ سے حال کیا تاکہ تبادل مذکور
علی کا تعلق معتورہ سے صحیح ہو جائے۔ اعتورۃ کے
معنی میں کسی شے کو دست بدست لینا یعنی جب
کسی شے کو ایک جماعت دوسری جماعت کے
بعد نوبت بنوبت اور علی سبیل البدایۃ لے تو
اس وقت ال عرب اعتوروا الشئ وتعاوروا بولتے
ہیں علی سبیل الاجتماع لینے کو تعاوروا اور اعتوروا
الشئ نہیں بولتے ہیں علی سبیل البدلیۃ کی قید لگانے
سے ایک اعتراض کا دفع ہو گیا اعتراض یہ تھا کہ
ایک ہی اعراب متعدد معنی پر دلالت کر سکتا ہے
لہذا اعراب کا متعدد ہونا درست نہیں۔ وجہ
دفع یہ ہے کہ وہ معانی جو اسم پر وارد ہوں گے
وہ علی سبیل البدلیۃ ہوں گے نہ کہ علی سبیل الاجتماع
اس لئے کہ وہ معانی آپس میں متضاد ہیں یعنی فاعلیۃ
کی حالت میں مفعولیت کے اور مفعولیت کی
حالت میں فاعلیۃ کے علی ہذا اضافت کی حالت
میں فاعلیۃ یا مفعولیت کے معنی نہ ہوں گے
پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ معانی مقتضی

الاعراب معرب پر یکے بعد دیگرے سبیل نیابت
وبدلیت وارد ہوں گے نہ کہ علی سبیل الاجتماع
کیونکہ وہ آپس میں متضاد ہیں پس ضروری ہے کہ
ان معانی کے علامات بھی اسی طرح یکے بعد
دیگرے علی سبیل البدلیۃ معرب پر وارد ہوں
یعنی اعراب ثلاثہ رفع۔ نصب۔ جر جب معرب کے
آخر پر وارد ہوں تو علی سبیل البدلیۃ یکے بعد دیگرے
وارد ہوں گے تاکہ تضاد کا اجتماع نہ ہو اسی وجہ
سے اعراب کو بھی متعدد کر دیا پس ان معانی کے
مختلف ہونے سے اعراب بھی مختلف ہوگا۔
۱۳۱ قولہ فوضع اصل الاعراب الخ
یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب سوال یہ ہے
کہ جس کے سبب اختلاف واقع ہوتا ہے وہ معانی
معتورہ پر دلالت کرتا ہے اگرچہ اس کے سبب سے
اختلاف واقع ہی نہ ہوا ہو مثلاً جارنی ریدۃ میں
ریدہ کا رفع فاعلیۃ پر دلالت کرتا ہے حالانکہ
ریدہ میں اختلاف فی الاعراب نہیں پایا گیا۔ عدم
مبوقیت اعراب کی وجہ سے اور اختلاف سبق
اعراب کو چاہتا ہے لہذا یہ مثال تعریف اعراب
سے خارج ہوگئی پس یہ کہنا صحیح نہیں ہوا کہ لیدل
الاختلاف علی المعانی المعتورۃ علیہ۔ اسکا جواب
شارح نے یہ دیا کہ اعراب کے لئے دو وضعیں ہیں
ایک وضع تو ان معانی پر دلالت کرنے کے لئے
نفس اعراب کی ہے اور ثانی وضع اعراب کی
اس طریقت سے ہے کہ اس اعراب کی وجہ سے
معرب کا آخر مختلف ہو ان معانی کے اختلاف
کی وجہ سے پس متن میں جو وضع مراد لی گئی ہے
وہ وضع ثانی ہے اور مثال مذکور میں وضع اول
موجود ہے جو کہ اعراب کی اصل وضع ہے لہذا
مثال تعریف اعراب میں اصل وضع کے اعتبار
سے داخل ہے۔

۱۳۲ قولہ وانما جعل الاعراب الخ
یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے
سوال یہ ہے کہ اسم میں محل اعراب تین ہیں اول وسط
آخر اور مصنف نے کل اعراب اسم کے آخر کو ٹھہرایا
ہے جو کہ ترجیح بلا مرجح ہے اس کی کیا وجہ ہے
شاید نے یہ جواب دیا کہ معرب کے آخر کو محل اعراب
بنائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اسم اپنے مسمیٰ پر
دلالت کرتا ہے جو کہ اسم کا موصوف ہے اور
اعراب مسمیٰ کی صفت کو بتاتا ہے یعنی اس مسمیٰ
کا فاعل یا مفعول یا مضاف الیہ ہونا جو کہ اسم
کے اوصاف ہیں اعراب سے معلوم ہوتے ہیں
اور اس میں شک نہیں کہ صفت موصوف سے منحرف
ہوتی ہے پس مناسب یہ ہے کہ اعراب بھی جو کہ
اسم کے مسمیٰ کی صفت کو بتاتا ہے اپنے موصوف
یعنی اسم معرب سے متاخر ہو۔ پس محل اعراب
اسم کا آخر ہوا اور اس میں ترجیح بلا مرجح نہیں۔

۱۳۳ قولہ وهو ماخوذ الخ یہاں سے
شاید اعراب کی لغوی تحقیق کر کے اعراب کے
اصطلاحی معنی کی مناسبت لغوی معنی سے
بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اعراب فعل عرب
اعرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی اوضحوں ہیں
یعنی اعراب کے معنی ایضاح کے ہیں اور اعراب
اصطلاحی کو اعراب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ معانی
مقتضیہ کو واضح کر دیتا ہے یعنی اسم کے فاعل یا
مفعول یا مضاف الیہ ہونے کو بتاتا ہے یا اعراب
عربت معدتہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی
فساد کے آتے ہیں۔ یعنی فاسد ہو گیا معدہ اس
کا۔ یہ عرب کے محاورہ میں بولا جاتا ہے ثلاثی مجرد کو
باب افعال میں لے گئے اور ہمزہ کو سلب کے
لئے لیا تو اعراب کے معنی ازالہ فساد کے ہو
گئے تو اس معنی کے اعتبار سے اعراب اعراب
اس لئے کہنے لگے کہ اس کی وجہ سے بعض معانی
کا بعض معانی کے ساتھ ملتیں ہونے کا فساد
زائل ہو جاتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعراب
کے لغت میں دو معنی ہیں اور دونوں معنی

تلك المعانی وانما جعل الاعراب في آخر الاسم المعرب لان نفس
الاسم يدل على المسمى والاعراب على صفته ولا شك ان الصفة
متاخرة عن الموصوف فالانساب ان يكون الدال عليها ايضا متاخرا
عن الدال عليه وهو ماخوذ من اعربہ اذا اوضحه فان الاعراب
يوضح المعانی المقتضية او من عربت معدته اذا فسدت على
ان يكون الهمزة للسلب فيكون معناه ازالة الفساد وهي به
لانه يزيل فساد التباس بعض المعانی ببعض واخراجه الى

یعنی بالحرکت یا فرع یعنی بالحرک) اس طرح وضع کیا گیا کہ اس سے ان معانی کے اختلاف کی
وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو اور اعراب کو اسم معرب کے آخر میں اس لئے کیا گیا۔ کہ
نفس اسم معرب ذات مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے اور اعراب مسمیٰ کی صفت (فاعلیت و مفعولیت
واضافت) پر اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صفت اپنے موصوف سے پیچھے ہوتی ہے تو
زیادہ مناسب ہے کہ صفت پر دلالت کرنے والا (اعراب) موصوف پر دلالت کرنے
والے سے متاخر ہو (تاکہ دال مدلول کے موافق ہو) اور اعراب "اعربہ" (کے محاورے) سے
ماخوذ ہے (یہ اس وقت کہا جاتا ہے) جبکہ ایک چیز کو کوئی واضح کرے کیونکہ اعراب
معانی مقتضیہ (فاعلیت و مفعولیت و اضافت) کو واضح کرتا ہے یا (اعراب عربت
(از علم) معدتہ" (کے محاورے) سے ماخوذ ہے (یہ اس وقت کہا جاتا ہے) جبکہ معدہ
فاسد ہو جائے اس بنا پر کہ ہمزہ سلب کے لئے ہو (کہ باب افعال کی ایک خاصیت ہے)
تو اعراب کے معنی ازالہ فساد کے ہوں گے اور اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اعراب معانی
کے ایک دوسرے کے ساتھ التباس کے فساد کو زائل کرتا ہے اور اس کے انواع کا یعنی

کے ساتھ اصطلاحی معنی مناسبت رکھتا

۱۳۴ قولہ والنواع ای انواع
الخ۔ یہاں سے مصنف رحمہ اللہ اعراب اسم کی
اقسام کو بیان فرماتے ہیں۔ اعراب اسم کی تین
قسمیں ہیں۔ رفع نصب جر رفع فاعلیت کی علامت
ہے۔ اور نصب مفعولیت کی اور جر اضافت کی شلیح
نے والنواع کی شرح ای انواع اعراب الاسم کے
ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے
سوال یہ ہے کہ انواع اعراب کا حصرتین میں بال
ہے اس لئے کہ اعراب کی ایک قسم رابع یعنی بزم

بھی موجود ہے۔ جواب یہ دیا کہ اسم کا اعراب
ہونے کے لحاظ سے اعراب کی تین ہی قسمیں
ہیں اور بزم جو اعراب کی قسم رابع ہے وہ فعل
کے ساتھ مختص ہے۔ اس سے یہاں بحث نہیں
پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انواع مبتدا ہے۔
اور رفع و نصب و جر ہر ایک مبتدا کی خبر ہے۔
خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے۔ اور یہاں محل جمع نہیں ہوتا
کیونکہ مبتدا جمع ہے اور خبر مفرد اور مفرد کا محل جمع
کے اوپر درست نہیں ہے نیز مبتدا باعتبار رابعتی
جمعیت کے مؤنث ہے۔ اور خبر مذکر اس وجہ سے
بھی مذکر کا محل مؤنث پر صحیح نہیں۔ نیز جب کہ انواع

انواع اعراب الاسم ثلاثة رفع ونصب وجبر هذه الامة
الثلاثة محقة بالحركات والحروف الاعرابية ولا تطلق على الحركات
البنائية اصلا بخلاف الضمة والفتحة والكسرة فانها مستعملة في
الحركات البنائية غالباً وفي الحركات الاعرابية على قلة فالرفع حركة
كان اوحرفاً علم الفاعلية اي علامة كون الشيء فاعلاً حقيقة
او حكماً ليشمل الملحقات بالفاعل ايضاً كالمبتدأ والخبر وغيرهما
والنصب حركة كان حرفاً علم المفعولية اي علامة كون الشيء
مفعولاً حقيقة او حكماً ليشمل الملحقات به والجبر حركة كان

اسم کے اعراب کے انواع تین ہیں (اور وہ) «رفع و نصب و جبر ہیں» یہ تینوں نام حرکات
و حروف اعراب کے ساتھ خاص ہیں اور حرکات بنائے پران کا اطلاق قطعاً نہیں ہوتا۔
ضمہ و فتحہ و کسرہ کے برعکس کہ یہ (تینوں) غالباً حرکات بنائے میں استعمال ہوتے ہیں اور
حرکات اعراب میں قلیل «پس رفع» حرکت ہو یا حرف «فاعلیت کی علامت ہے» یعنی
شیء کے فاعل ہونے کی علامت ہے (خواہ شیء کا فاعل ہونا) حقیقت ہو یا حکماً تاکہ (مصنف کا
قول علم الفاعلیت) ان مرفوعات کو بھی شامل ہو جائے جو فاعل کے ساتھ ملحق ہیں جیسا کہ
مبتدأ اور خبر وغیرہ ہیں «اور نصب» حرکت ہو یا حرف «مفعولیت کی علامت ہے» یعنی
شیء کے مفعول ہونے کی علامت ہے (خواہ شیء کا مفعول ہونا) حقیقت ہو یا حکماً تاکہ (مصنف

رفع نصب جبر کے ساتھ کیوں کی ہے۔ ضمہ
فتحہ کسرہ کے ساتھ کیوں نہیں کی۔ اس کا جواب
شارح اس عبارت سے دے رہے ہیں کہ ہذہ
الاسماء الثلاثة مختصة بالرفع یعنی یہ تینوں رفع۔ نصب
جبر حرکات اور حروف اعراب کے ساتھ مختص ہیں
یعنی یہ اسامی خاص حرکات اور حروف اعراب میں
مستعمل ہوتے ہیں۔ اور ان کا اطلاق حرکات بنائے
یعنی ضمہ فتحہ کسرہ پر بالکل نہیں ہوتا۔ بخلاف ضمہ
فتحہ و کسرہ کے کہ یہ اکثر حرکات بنائے میں مستعمل
ہوتے ہیں۔ اور حرکات اعراب میں ان کا استعمال بت
کم ہے۔ اس وجہ سے رفع۔ نصب۔ جبر کا اور
ضمہ فتحہ کسرہ نہیں کہا۔ یہاں سے رفع نصب جبر اور
ضمہ فتحہ کسرہ میں فرق بھی معلوم ہو گیا۔ کہ رفع

اعراب اسم تین ہی ہیں تو مصنف نے حصر کے ساتھ
کیوں نہیں بیان کیا ان تینوں اعتراضوں کا جواب شارح
نے ثلاثہ کہہ کر یہ دیا کہ رفع۔ نصب۔ جبر مفرد افراد
مبتدأ کی خبر نہیں ہیں بلکہ من حیث المجموع یعنی تین
جملے کے اعتبار سے خبر ہیں پس اب خبر بھی جمع
ہو گئی۔ اور مبتدأ بھی ہذا محل صحیح ہو گیا نیز مبتدأ
مؤنث تھی تو خبر بھی مؤنث ہو گئی نیز انواع اعراب
اسم کا حصر بھی ثلاثہ کہنے سے تین اتساہ میں ہو گیا
(فائدہ) اگر اعراب اسم عدد پر دلالت کرنے والا
ہوگا۔ تو وہ رفع ہے۔ اور اگر فعل پر دلالت کرے
تو وہ سال سے خالی نہیں بفضلہ پر بالذات دلالت
کرے گا یا بواسطہ حرف جبر پس اگر بالذات دلالت
کرے تو نصب ہے ورنہ جبر اب یہ اعتراض وارد
ہوتا ہے کہ مصنف نے حرکات اعراب کی تعبیر

نصب۔ جبر کا اطلاق حرکات اعراب پر ہی ہوتا ہے
اور ضمہ فتحہ کسرہ کا حرکات بنائے پر اور حرکات
اعراب پر بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ کم۔

فقہ قولہ فالرفع حركة كان الرفع
مراد عام ہے حرکت ہو یا حرف۔ اعراب رفع بالحرکت
کی مثال پیسے جاد فی زید اور اعراب بالحرکت جمع
اور تنبیہ میں آتا ہے۔ جمع میں بالواد اور تنبیہ میں
بالافت ای علامتہ کون الشے سے شارح درمولوں
کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال اول یہ ہے کہ شے
کا علم شے کے لئے خاص ہوتا ہے غیر میں نہیں پایا
جاتا اور علم شے کے اوپر معمول ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ
حل صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ الفاعل
رفع اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ یہاں علم سے مراد
علامتہ ہے۔ اور رفع فاعلیتہ کا علم نہیں ہے جس
کے لئے نام کے ہیں۔ اور کسی شے کا علامتہ ہونا
شے کے اوپر معمول نہیں ہو کرتا۔ پس یہ اعتراض اس جگہ
وارد ہی نہیں ہوتا۔ و در اعتراض یہ ہے کہ مصنف کافیہ
میں ایجاز و اختصار سے کام لے رہے ہیں تو اس تقاضے
یہ تھا کہ مصنف فالرفع علم الفاعل کہتے بغیر یا کہ اس
کا جواب یہ ہے کہ رفع شے کے فاعل ہونے کیلئے
علامتہ ہے۔ ذات فاعل کے لئے نہیں بلکہ وصف
کیلئے پس معلوم ہوا کہ فاعلیتہ میں یا مصدری ہے۔ جس
کے لئے کون الشے فاعل کے ہیں۔ پھر یہ اعتراض پیدا
ہوتا ہے کہ رفع جیسا کہ فاعل میں ہوتا ہے۔ اسی طرح
مبتدأ و خبر میں بھی ہوتا ہے ہذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے
کہ رفع فاعلیتہ کی علامت ہے۔ اس کا جواب شارح
نے حقیقتہً او حکماً سے یہ دیا کہ فاعل عام ہے خواہ
حقیقتہً ہو جیسے جاد فی زید میں حقیقتہً فاعل ہے
اور خواہ فاعل حکماً ہو جیسے مبتدأ و خبر ہا میں پس مبتدأ
حکماً فاعل ہے اس لئے کہ جس طرح فاعل فعل کے لئے
مسند الیہ واقع ہوتا ہے اسی طرح مبتدأ بھی خبر کے
لئے مسند الیہ ہوتی ہے۔ اور خبر بھی حکماً فاعل ہے
اس لئے کہ فاعل جس طرح کلام کا جزو خبر واقع ہوتا
ہے۔ اسی طرح جزو بھی کلام کا جزو خبر واقع ہوتی
ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور مرفوعات۔

۱۲۶ قولہ والنصب الخ نصب خواہ حرکت ہو یا حرک مغلولیت کی علامت ہے یہاں بھی وہی اعتراضات و جوابات ہیں جو ارد پر مذکور ہوئے تھے اور حکما کہنے سے یہاں بھی مغلولیت میں تعین مقصود ہے مغول حقیقی تو ظاہر ہے اور مغول غمی جیسے حال و تمیز وغیرہ ہیں اس لئے کہ مغول جس طرح کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح حال اور تمیز وغیرہ بھی کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتے ہیں۔

۱۲۷ قولہ والجرجرج الخ اور جرجرج خواہ حرکت ہو یا حرک اضافت کی علامت ہے یہاں بھی شارح نے علامت کون الیہ سے سوال مذکور کا جواب دیا ہے علم الاضافت کہنے سے وہم ہوتا تھا کہ معنی نے اسلوب بیان کیوں بدل دیا۔ جس طرح علم الغالیۃ والمغلولیۃ بالیا کہا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی یاد کا اضافہ کرنا چاہئے تھا۔ شارح اس وہم کا دفعیہ و اذاکانت الاضافۃ الخ سے یہ کر رہے ہیں کہ فاعل اور مغول مصدر نہیں تھے لہذا ان کو مصدر بنانے کے لئے یاد کا اضافہ کرنا پڑا اور چونکہ اضافت خود مصدر ہے لہذا اس میں یاد کے اضافہ کی حاجت نہیں۔

۱۲۸ قولہ وانما اختص الخ یہاں سے شارح ایک سوال متقد کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ رفع کو فاعل کی اور نصب کو مغول کی اور اضافت کو جر کی علامت کیوں ٹھہرایا گیا۔ اس طرح کیوں نہیں کہا گیا کہ رفع کو مغول یا اضافت اور نصب کو اضافت یا فاعل کی اور جر کو فاعل یا مغول کی علامت ٹھہراتے اس کی کیا وجہ ہے شارح نے اس عبارت سے یہ جواب دیا کہ رفع کو فاعل کے ساتھ اس وجہ سے خاص کیا گیا ہے کہ رفع ثقیل ہوتا ہے اور فاعل قلیل ہے اس لئے کہ وہ ایک ہے باعتبار نوع کے نہ باعتبار افراد کے اس لئے کہ فاعل کے افراد بہت سے ہیں مثلاً مبتدا و خبر وغیرہ پس ثقیل قلیل کو جسے دیا گیا اور نصب کو مغول کی علامت اس لئے ٹھہرایا گیا ہے کہ نصب

اور حرفاً علم الاضافۃ ای علامۃ مکنون الشئ مضافاً الیہ و اذا كانت الاضافۃ بنفسها مصدر الخ تختصر الی الحاق الیاء بالمصدر الیہا کما فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ وانما اختص الرفع بالفاعل و النصب بالمفعول والجرجرج بالمضاف الیہ لان الرفع ثقیل والفاعل قلیل لانه واحد فاعطى الثقیل القلیل والنصب خفیف والمفاعیل کثیرۃ لانہا خمسۃ فاعطى الخفیف الکثیر ولما لم یبق للمضاف الیہ علامۃ غیر الجرجرج جعل علامۃ له العامل لفظیاً کان ومعنیاً

کا قول علم المفعولیۃ ان معصوبات کو شامل ہو جائے جو مغول کیساتھ ملتی ہیں اور جر حرکت ہو یا فاعل اضافت کی علامت ہے یعنی شئی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے اور چونکہ لفظ "اضافت" خود مصدر تھا اس لئے اس کے ساتھ یا مصدریت کا الحاق (میں یا کا اضافہ کیا ہے) اور رفع کو فاعل کے ساتھ اور نصب کو مغول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل کیونکہ فاعل (نوع کے اعتبار سے) ایک ہے۔ (اور قلیل خفیف ہوتا ہے) پس ثقیل قلیل (خفیف) کو دیا گیا (تاکہ معاملہ معتدل ہو جائے) اور نصب خفیف ہے اور مغول بہت ہیں کیونکہ وہ پانچ ہیں (اور کثیر ثقیل ہوتا ہے) تو خفیف کثیر کو دیا گیا (تاکہ اعتدال قائم ہو) اور جبکہ مضاف الیہ کے لئے جر کے سوا کوئی علامت باقی نہ تھی تو جر کو مضاف الیہ کی علامت کر دیا گیا (اور عامل) لفظی ہو یا معنوی (وہ ہے

کہنے سے یہ متبادر ہوتا تھا کہ عامل سے مراد عامل لفظی ہے تو اس شبہ کے پیش نظر فاعل کی تعریف مانع نہیں رہی اس لئے کہ عامل کی تعریف میں معنی ابتداء داخل ہو جاتے ہیں مثلاً ریح قائم میں ابتداء کے باعث معنی متعقبات اعراب موجود ہیں یعنی رفع ملا کہ یہاں عامل لفظی نہیں ہے شارح نے اس کا جواب دینے کے لئے لفظا کان اور معنویاً کلاضافہ فرمایا جو کلا عامل یہ ہوا کہ عامل ہے خواہ لفظی ہو یا معنوی۔ پس ابتداء اگرچہ عامل لفظی نہیں ہے مگر فاعل معنوی ہے اور یہ تعریف میں داخل ہے خارج نہیں یقوم کی شرح یحصل کے ساتھ کر کے شارح نے دو سوالوں کا جواب دیا ہے ایک سوال تو یہ ہے فاعل کی تعریف مانع نہیں ہے اس لئے کہ یہ عرب پر صادق آتی ہے مثلاً جارئی زید میں زید کے ساتھ معنی متعقبات

خفیف ہوتا ہے اور مغول بہت سے ہیں اس لئے کہ وہ پانچ ہیں پس خفیف کثیر کو جسے دیا گیا اور اب جبکہ مضاف الیہ کے لئے سوائے جر کے کوئی علامت باقی نہ رہی تو جر کو مضاف الیہ کی علامت قرار دے دیا گیا۔

۱۲۹ قولہ العال لفظیاً الخ اعراب کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد مصنف عامل کی تعریف بیان کرتے ہیں اعراب کو عامل پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ اعراب عرب کے اختلافات آخر کے لئے سبب قریب ہے اور عامل سبب بعید پس اب سبب بعید کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عامل وہ ہے جس کے سبب سے ایسے معنی حاصل ہوں جو متعقبات اعراب ہوں اور وہ معنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت کے ہیں العال

ما به يتقوم ای محصل المعنى المقضى ای معنى من
المعاني المعنوية على العرب المقضية للاعراب ففی جائزید
جلد عامل اذ به حصل معنى الفاعلية فی زید فجعل الرفع علامة
لها و فی رأیت زیداً رأیت عامل اذ به حصل معنى للمفعولية فی
زیداً فجعل النصب علامة لها و فی مرت زید الباء عامل اذ به
حصل معنى الاضافة فی زید فجعل الجر علامة لها فالمراد المنصرف
ای الاسم المفرد الذی لم یکن مثنی ولا جموعاً ولا غیر منصرف
کزیی ورجل وکذا الجمع المکسر المنصرف ای الذی لم یکن

کہ جس سے اعراب کا تقاضا کرنے والا معنی حاصل ہوا یعنی انہوں کی اصطلاح میں
عامل وہ ہے کہ جس سے) عرب پر یکے بعد دیگرے وارد ہونے والے ان معنوں میں سے
ہم اعراب کے مقتضی ہیں ایک معنی حاصل ہو پس "جاء زید" میں جاء عامل ہے۔ کیونکہ
زید میں فاعلیت کا معنی اسی سے حاصل ہوا ہے لہذا رفع کو فاعلیت کی علامت
بنایا گیا اور "رأیت زیداً" میں "رأیت" کا عامل ہے کیونکہ "زیداً" میں مفعولیت
کا معنی اسی سے حاصل ہوا ہے لہذا نصب کو مفعولیت کی علامت بنادیا گیا اور "مرت زید" میں
"مرت" عامل ہے کیونکہ زید میں اضافت کے معنی اسی سے حاصل ہوئے ہیں لہذا جر کو اضافت کی علامت بنادیا گیا
"پس مفرد منصرف" یعنی اسم مفرد جو تشبیہ اور جمع نہ ہو اور نہ غیر منصرف ہو جیسے زید اور
رجل اور اسی طرح "جمع مکسر منصرف" وہ جمع کہ جس میں واحد کی بنا سالم نہ ہو اور نہ ہی

اعراب قائم ہیں یعنی معنی فاعلیت حالانکہ زید عامل
نہیں ہے، مدلول اعتراض یہ ہے کہ تقوم قیام سے
مشتق ہے اور قیام اجسام کی صفت ہے یعنی ذری
الارض کی اس لئے کہ قیام نمود کی ضد ہے تو قیام
کا اسناد اعراب یعنی معانی کی طرف کیسے درست
ہوگا جواب یہ ہوا کہ تقوم کے معنی اس جگہ کھیل کے
ہیں نہ کہ قیام کے اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ محاورہ
عرب میں تقوم کی نسبت جب اعراب کی جانب
کی جاتی ہے تو محمول مراد ہوتا ہے اور جب
ذی مدح کی جانب اس کی نسبت ہوتی ہے تو ضد تقوم
یعنی قیام تصور ہوتا ہے پس تقوم کے معنی جب
یہاں محمول کے ہوئے تو اب اس میں کوئی شک نہیں
ہے کہ معنی مقتضی اعراب عامل سے حاصل ہوتے ہیں پس

جاء زید میں جاء عامل ہے اس لئے کہ اس سے زید
میں فاعلیت کے معنی حاصل ہوتے ہیں۔ پس رفع کو
فاعلیت کی علامت قرار دے دیا گیا اور رأیت زیداً
میں رأیت عامل ہے اس لئے کہ اس سے معنی مفعولیت
زید میں حاصل ہوتے ہیں پس نصب کو مفعولیت کی
علامت قرار دے دیا گیا اور مرت زیداً بار عامل ہے
اس لئے کہ اس سے زید میں معنی اضافت حاصل ہوتے
ہیں پس جر کو اضافت کی علامت قرار دے دیا گیا۔

۱۲۰ قولہ فالمراد المنصرف الخ اعراب
کی تعریف و تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد مصنف
اعراب اقسام اسم کی تفصیل بیان کرتے ہیں اعراب
کبھی بالحرکت ہوتا ہے اور کبھی بالحرکت ہیں اولاً مصنف
نے اس اعراب کا مکمل بیان کیا جہاں ہر اعراب بالحرکت

آتا ہے اور فرمایا کہ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کا
اعراب رفع کی حالت میں مندرجہ نصب کی حالت میں فتح
اور جر کی حالت میں کسر ہے۔ شامح نے فالمراد المنصرف
کے بعد ای الاسم نذر کیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ المفرد
صفت ہے اور اس کا موصوف الاسم ہے (فائدہ)
مفرد پار چیزوں کے مقابلہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱)
مکسر (۲) تشبیہ و جمع (۳) مضاف (۴) جملہ شروع
تشریف کلمہ میں جو مفرد مذکور ہوا ہے وہ بمقابلہ مرکب تھا۔
اور یہاں بمقابلہ تشبیہ و جمع ہے اور بمقابلہ مضاف لئے
نفسی جنس میں اور بمقابلہ جملہ تیز کی بحث میں آئیگا انشا اللہ
تعالیٰ۔ لم یکن مثنی ولا جمعا کہ کر شامح نے مفرد کے معنی
کی تعیین کر دی یعنی تشبیہ و جمع نہ ہو اور نہ غیر منصرف ہو
اس سے یہ معلوم ہوا کہ منصرف کی قید احترازی ہے کہ
اس سے غیر منصرف کو خارج کر دیا۔ مفرد منصرف کی
مثال جیسے زید اور رجل وغیرہما اور اسی طرح جمع
مکسر منصرف ہے یعنی اس کا اعراب بھی وہی ہے جو مفرد
منصرف کا ہے۔ اب یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا
ہے وہ یہ کہ مکسر کو جمع کی صفت قرار دینا صحیح نہیں
ہے اس لئے کہ جب کسی شے کو مشتق سے موصوف کہتے
ہیں تو مشتق مذکور اس شے کے ساتھ ضرور قائم ہوتا ہے
پس مکسر کسر سے مشتق ہے اور کسر کا تعلق مفرد کے
ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہ مفرد کو کسر کر کے جمع بناتے
ہیں اور یہاں کسر کا تعلق جمع سے ہو رہا ہے۔ تو
مطلب یہ ہوگا کہ اسی جمع جو ٹوٹی ہوئی ہو تو جو جمع
ٹوٹی ہوئی ہوگی وہ جمع نہ ہوگی بلکہ مفرد ہو جائے گی
لہذا مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف دونوں ایک
ہو گئے۔ ان میں کوئی فرق باقی نہیں رہا اسکا جواب
دینے کے لئے شامح نے ای الذی لم یکن الخ کا حاشیہ
فرمایا عامل ہوا کہ یہاں جمع مکسر سے مراد جمع مکسر لغوی
نہیں بلکہ جمع مکسر اصطلاحی ہے یعنی وہ جمع کہ جس میں
واحد کی بنا سالم نہ رہی ہو جیسے رجال وطلبة کہ اس
کی اصل رجل اور طالب ہے تو اصل یعنی واحد کو نوٹ
کر رجل میں الف کی زیادتی کی گئی ہے اور طالب
سے الف کو حذف کیا گیا ہے۔ اس میں بھی منصرف
کی قید احترازی ہے اور غیر منصرف خارج ہو جاتا ہے

الک قولہ فالاعراب فی ہذا الخ اس عبارت سے شائع ایک سوال مفرد کا جواب ہے ہے میں سوال یہ ہے کہ اس اعراب کو ان دونوں قسموں کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ ہے جواب یہ ہے کہ اس اعراب کو ان دونوں قسموں کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اعراب میں اہل یہ ہے کہ بالحرکت ہوا اس لئے کہ حرکات خفیف ہوتی ہیں اور اعراب ان دونوں اسموں میں بالحرکت ہے ثانی وجہ یہ ہے کہ جب اعراب بالحرکت ہوں تو اصل یہ ہے کہ احوال ثلث یعنی رفع نصب جبر میں تینوں حرکتوں یعنی منہ کسرہ کے ساتھ ہوا اور ان دونوں قسموں میں اعراب حرکات ثلثہ کے ساتھ ہے احوال ثلثہ میں ہیں ان وجہوں سے اس اعراب کو ان کے ساتھ خاص کیا گیا۔ اور چونکہ یہ دونوں قسمیں بھی اہل میں اس طرح ہے کہ مفرد اہل ہے اور ثنیہ و جمع اس کی فرخ اور منصرف اہل ہے باعتبار غیر منصرف کے اور جمع کسر منصرف اہل ہے باعتبار جمع کسر غیر منصرف کے لہذا اہل کو اہل ہی اعراب دیا گیا۔

الک قولہ فالاعراب فیہا الخ اس سے شائع کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جار مجرور بالفتح کا متعلق محذوف ہے یعنی اعراب پس بصریوں کے نزدیک عبران اور کو فیوں کے نزدیک عبران اس کا متعلق ہے رفعا کی شرح حالہ رفع کے ساتھ کرنے کی وجہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے رفعا کا نصب یا تو ظرفیہ کی بنا پر ہوگا یا حالیہ یا مصدریہ کی بنا پر۔ اور ہر ایک صحیح نہیں ہے۔ اول تو اس لئے کہ ظرف اس کو کہتے ہیں کہ جس میں فعل واقع ہو اور اعراب رفع نصب جبر کسی میں بھی واقع نہیں ہوتا۔ نیز ظرف زمان ہوتا یا مکان اور یہ تینوں زبان میں نہ مکان۔ اور ثانی اس لئے کہ حال ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور اس جگہ عمل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ خبر عبران یا عبران سے حال ہے اور اس کا مرجع مفرد منصرف اور جمع کسر منصرف ہے اور یہ دونوں نصب جبر نہیں ہوتے پس وصف محض کا حمل ذات پر لازم آیا اور یہ صحیح نہیں یا اور ثالث اس لئے کہ مفعول

بناء الواحد فیہ سالما وکم یکن غیر منصرف کرجال وطلبۃ فالاعراب فی ہذین القسمین من الاسم علی الاصل من وجہین احدہما ان الاصل فی الاعراب ان یكون بالحركة والاعراب فیہما بالحركة وثانیہما انہ اذا کان الاعراب بالحركة فالاصل ان یكون بالحرکات الثلاث فی الاحوال الثلاث والاعراب فیہما بالحرکات الثلاث فی الاحوال الثلاث فالاعراب فیہما بالضمۃ رفعا انی حالۃ الرفع والفتحة نصبا ای حالۃ النصب وکسرة جرای حالۃ الجبر فنصب قولہ رفعا ونصبا وجرا علی الظرفیۃ بتقدیر مضاف وتحمّل النصب علی الحالیۃ او المصدریۃ فالقسم الاول

وہ جمع غیر منصرف ہو جیسے رجال ہے اور جیسے طلبہ ہے پس اعراب اسم کے ان دونوں قسموں میں اصل کی بنا پر دو وجہوں سے ہے ان میں سے ایک (وجہ) یہ ہے کہ اعراب میں اصل یہ ہے کہ بالحرکت ہوا اور ان دونوں میں اعراب بالحرکت ہے اور دوسری (وجہ) یہ ہے کہ جب اعراب بالحرکت ہو تو اصل یہ ہے کہ اعراب (رفع و نصب و جبر کی تینوں حالتوں میں حرکات ثلثہ) منہ و فتح و کسرہ کے ساتھ ہو جیکہ اسم کے ان دونوں (قسموں) کی تینوں حالتوں (رفع و نصب و جبر) میں حرکات ثلثہ کے ساتھ ہے پس اعراب ان دونوں میں «منہ کے ساتھ ہے رفع میں» یعنی حالت رفع میں «اور فتح سے ہے نصب میں» یعنی حالت نصب میں «اور کسرہ سے ہے جبر میں» یعنی حالت جبر میں پس مصنف کے قول رفعا و نصبا و جرای کی نصب تقدیر مضاف کے ساتھ ظرفیت کی بنا پر ہے اور حال ہونے اور مصدر (مفعول مطلق) ہونے کی بنا پر بھی نصب کا احتمال رکھتا ہے (حال اس طرح کہ حال

مطلق کے لئے شرط یہ ہے کہ فعل کے معنی اس طرح مشتمل ہوں جس طرح کل کا اشتمال جز پر ہوتا ہے۔ اور عبران کے معنی اعراب پر مشتمل ہیں نہ کہ رفع نصب جبر پر جواب یہ ہے کہ رفعا کا نصب ظرفیہ کی بنا پر ہے تقدیر مضاف یعنی رفعا سے پہلے مضاف مقدم ہے یعنی حالت اب تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ای عبران بالضمۃ حالۃ الرفع فنصب قولہ سے شائع نے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز یہی احتمال ہے کہ اس کا نصب حالیہ یا مصدریہ کی بنا پر ہوگا عایدہ کی بنا پر ہوگا تو رفعا کو مصدر کے معنی میں لیں گے یعنی مصدر کو مفعول کے معنی میں لے کر اسکو حال

بنائیں گے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی ای عبران بالفتحة حال کو بنام فوہم۔ اب دونوں کا حمل صحیح ہو گیا۔ اور اگر مصدریہ کی بنا پر ہو رفع سے پہلے اعراب کو مقدم مانیں گے پس تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ای عبران بالفتحة اعراب رفع اسی پر نصب و جبر قیاس کرنا چاہئے۔ مفرد منصرف کی مثال جیسے جاری رجل درایت رجلا و مررت برجل کلن مثلاً میں رجل مفرد منصرف معرب ہے اور جمع کسر منصرف کی مثال جیسے جاری طلبۃ و رأیت طلبۃ و مررت بطلبۃ کمان ثلثوں میں طلبۃ کا لفظ جمع کسر منصرف معرب ہے۔

مِثْلُ جَاءَ نِي رَجُلٍ وَرَأَيْتُ رَجُلًا وَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ وَالْقِسْمُ الثَّانِي مِثْلُ
جَاءَ نِي طَلَبَةٍ وَرَأَيْتُ طَلَبَةً وَمَرَرْتُ بِطَلَبَةٍ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ
السَّالِمِ وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالْتَاءِ وَاحْتِرَازًا بِهِ عَنِ الْمَكْسُوفَانِهِ
قَدْ عَلِمَ بِالضَّمَةِ رَفْعًا وَالْكَسْرِ نَصَبًا وَجَرَأَانًا النَّصْبَ فِيهِ
تَابِعٌ لِلْجَرِّ أَجْرًا لِلْفَرْعِ عَلَى وَتَأْيِيدًا لِأَصْلِ الَّذِي هُوَ جَمْعُ الْمَذْكُورِ
السَّالِمِ فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَرِّ كَمَا سَبَقَ ذِكْرُهُ مِثْلُ جَاءَتْنِي
مُسْلِمَاتٌ وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ غَيْرِ الْمُنْصَرَفِ
بِالضَّمَةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةَ نَصَبًا وَجَرَأَانًا فَالْجَوْرُ فِيهِ تَابِعٌ لِلنَّصْبِ لِمَا
سَنَذَكُرُهُ نَحْوُ جَاءَ نِي أَحْمَدٌ وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ أَخَوَيْ
وَأَبُوكَ وَحَمُوكَ بِكَسْرِ الْكَافِ لِأَنَّ الْحَمَّ قَرِيبُ الْمَرَاةِ مِنْ جَانِبِ

کو مرفوعاً الخ اور مفعول مطلق اس طرح کہ رُفِعَ رَفْعًا الخ پس قسم اول (مفرد منصرف) کی مثال جَاءَ نِي رَجُلٍ وَرَأَيْتُ رَجُلًا وَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ اور قسم ثانی (جمع مکسر) کی مثال جَاءَ نِي طَلَبَةٍ وَرَأَيْتُ طَلَبَةً وَمَرَرْتُ بِطَلَبَةٍ «جمع مؤنث سالم» اور جمع مؤنث سالم وہ ہے جو الف اور تاء کے ساتھ ہو اور مصنف نے اس سے مکسر سے احتراز کیا ہے کہ اس کا حال معلوم ہے «ضمہ کے ساتھ» رفع میں «اور کسرہ کے ساتھ» نصب جبر میں پس جمع مؤنث سالم میں جبر فرع (جمع مؤنث سالم) کے اس کی اصل جو کہ جمع مذکر سالم ہے کے طریقے پر جاری کرنے کی وجہ سے نصب کے تابع ہے کیونکہ جمع مذکر سالم میں نصب جبر کے تابع ہے جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا جیسے جَاءَتْنِي مُسْلِمَاتٌ اور رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ «غیر منصرف ضمہ کے ساتھ» رفع میں «اور فتح کے ساتھ» نصب اور جبر میں پس اس میں جبر نصب کے تابع ہے اس کی وجہ ہم عنقریب ذکر کریں گے جیسے جَاءَ نِي أَحْمَدُ اور رَأَيْتُ أَحْمَدَ اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ «اخوک اور ابوک اور حموک» کاف کی کسرہ سے کیونکہ حم جانب زوج سے عورت کے قریبی رشتہ دار کو کہتے

قوله جمع المؤنث السالم الخ
المؤنث مضاف الیه ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور
السالم جمع کی صفت ہے اس لئے مرفوع ہے یہاں
پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ جمع مؤنث
سالم سے مراد یا تو جمع مؤنث سالم حقیقی ہے کہ
جس کا مفرد بالتاء ہو یا مجازی کہ جس کا مفرد بغیر
التاء ہو یا دونوں پس اگر اول ہے تو اس سے وہ
جمع خارج ہوجائے گی جس کا مفرد بغیر التاء ہو جیسے
مرفوعات ومنصوبات ومجرورات کہ ان کا مفرد بغیر
التاء ہے اور ثانی مراد ہے تو مرفوعات وغیرہ جموعات
داخل ہوجائیں گی اور مسلمات وغیرہ جن کا مفرد مع
التاء ہے خارج ہوجائیں گی اور اگر دونوں میں تو
حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئیگا اس کا جواب
شراح نے دیا کیونکہ الخ سے یہ دیا کہ جمع مؤنث

سالم سے وہ جمع مراد ہے جو الف اور تاء کے ساتھ ہو عام ازیں کے اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث۔ اور سالم کی قید احترازی ہے کہ اس سے جمع مکسر خارج ہوگئی اور مکسر کا اعراب معلوم ہو چکا جمع مؤنث سالم کا اعراب نع کی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب جبر کی حالت میں کسرہ کے ساتھ اس لئے کہ اس میں نصب جبر کے تابع ہے تاکہ فرع اصل کے طریقے پر جاری ہو جائے اس لئے کہ جمع مذکر سالم جو اصل ہے اس میں نصب جبر کے تابع ہے تو جمع مؤنث سالم جو اس کی فرع ہے وہ اس کے مطابق ہو جائے جیسا کہ اس کا ذکر عنقریب اپنے مقام پر آئیگا۔ جمع مؤنث سالم کی مثال جیسے جاتی مسلمات و ریت مسلمات و مررت بسلامت کہ اس میں حالت رفعی میں اعراب بالضم ہے اور نصبی و تری میں بالکسر۔

قوله غیر المنصرف الخ غیر منصرف کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ ہے اور حالت نصب و جبر میں فتح کے ساتھ پس اس میں جبر نصب کے تابع ہے جیسا کہ عنقریب غیر منصرف کی بحث میں آئیگا انشاء اللہ غیر منصرف کی مثال جیسے جاتی احمد و ریت احمد و مررت باحمد اب یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ما قبل میں مذکور ہوا ہے کہ غیر منصرف منصرف کی فرع ہے تو اس کو اعراب فرعی یعنی اعراب بالحرکت دینا چاہئے تھا اعراب بالحرکت کیوں دیا گیا جواب یہ ہے کہ یہ اعراب جو تین حالتوں میں دو حرکتوں کے ساتھ ہوتا ہے اس اعراب کی فرع ہے جو تین حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ ہوتا ہے لہذا غیر منصرف کو اصل اعراب نہیں دیا گیا بلکہ وہ اعراب دیا گیا ہے جو کہ فرع ہے اور اعراب بالحرکت اس لئے نہیں دیا گیا کہ غیر منصرف کا آخر حرف علت نہ ہونے کے باعث اعراب بالحرکت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اعراب بالحرکت کے لئے یہ ضروری ہے کہ محراب کا آخر اس کی صلاحیت رکھے۔

قوله اخوک و ابوک الخ یہاں سے مصنف اسماستہ مجرور یعنی ابوک و اخوک و حموک و

جنوک و نوک و ذومال کا اعراب بیان کرتے ہیں۔
 جنوک بحسب اسکان ہے اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے
 کہ کسرہ کان فتح کات کے خلاف کیوں ہے بلکہ
 انوک و ابوک کی طرح کان کا فتح ہونا چاہیے تھا۔
 اس لئے کہ ہم عورت کے قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں
 جو زوج کی جانب سے ہو یعنی زوج کے چھوٹے بھائی
 کو ہم کہتے ہیں پس اس اعتبار سے اس لفظ کی اضافہ
 سوا کے عورت کے اور کسی کی جانب نہیں ہو سکتی تو
 دابن اشئ المنکر الخ سے شایع ہن کی سننے کی نفوی
 تحقیق بیان کرتے ہیں کہ اس شے منکر کو کہا جاتا ہے
 کہ جس کا ذکر کرنا قبیح ہو مثلاً عورت غلیظہ یعنی شرمگاہ
 اور صفات ذمیرہ و انعال قبیحہ اور یہ چاروں ناقص
 وادی ہیں۔ ناقص وادی اس کو کہتے ہیں کہ کلمہ کے
 آخر یعنی لام کلمہ میں حرف علت واد ہو۔ اور نوک
 اجوت وادی ہے۔ اجوت اس کو کہتے ہیں کہ عین
 کلمہ حرف علت ہو اگر حرف علت واد ہو تو وادی
 ہے یا ہو تو بانی۔ تو یہاں حرف علت واد ہے
 کہ اس کی اہل نوہ تھی پس یہ اجوت وادی ہوا
 اور ذومال لغیف مقرون ہے لغیف اس کو کہتے
 ہیں جس میں دو حرف علت ہوں پھر اگر دونوں
 حرف علت پاس پاس ہوں جیسے طوی۔ تو یہ
 لغیف مقرون ہے اور اگر حرف علت علیہ علیہ
 ہوں تو لغیف مقرون ہے، ذوقی اہل ذوق تھی دو
 واد کے ساتھ ایک واد کو تخفیف کی وجہ سے حذف
 کر دیا گیا وانا اضعیف ذوالخ سے شایع ایک
 سوال کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں سوال کی
 تشریح یہ ہے کہ ذوقی اضافت اسکے اخوات
 کی طرح اسم معتر یعنی کان کی طرف کیوں نہیں ہوتی
 اسم ظاہر کی طرف کیوں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ
 یہ لفظ عربی اس واسطے وضع کیا کہ اس کے ذریعہ
 سے اسم جنس کو دوسرے اسم کی صفت بنائی جا
 سکے چونکہ ذوق صفت کے لئے ضروری ہوتا ہے
 کہ وہ موصوف کے ساتھ قائم ہو کہ جاری رہے
 مال بلکہ یہ کہیں گے کہ جاری رہے ذومال اور اسم
 جنس قائم نہیں ہو سکتی اس لئے ذوق سے اس کو

رُوحًا فَلَا يُصَافُ إِلَّا إِلَيْهَا وَهَنُوكَ وَالْهَنْ الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ الَّذِي
 يَسْتَهْجَنُ ذِكْرَهُ كَالْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ وَالصَّفَاتِ الذَّمِيمَةِ وَالْأَفْعَالِ
 الْقَبِيحَةِ وَهَذِهِ الْأَسْمَاءُ الْأَرْبَعَةُ مُنْقَوَّصَاتٌ وَأَوِيَّةٌ وَفُوكَ
 وَهُوَ أَجُوفٌ وَأَوِيٌّ لَامَةٌ هَاءٌ إِذَا أَصْلُهُ فُؤَةٌ وَذُومَالٌ وَهُوَ
 لَغِيفٌ مَقْرُونٌ بِالْوَاوَيْنِ إِذَا أَصْلُهُ وُؤٌ وَانْمَا أَضِيفَ ذُؤًا إِلَى
 الْأِسْمِ الظَّاهِرِ ذُؤَنَ الْكَافِ لِأَنَّهُ لَا يُصَافُ إِلَّا إِلَى أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ
 فَاعْرَابُ هَذِهِ الْأَسْمَاءِ السَّتَةِ بِالْوَاوِ رَفْعًا وَالْأَلِفِ نَصْبًا
 وَالْيَاءِ جَرًّا وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ حَالٌ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً إِنْ

ہیں تو اس کی اضافت عورت کی طرف ہی ہوگی ((وہنوک)) اور مھن اس مکروہ
 چیز کو کہتے ہیں کہ جس کا نام لینا قبیح سمجھا جاتا ہے جیسے عورت غلیظہ (شرمگاہ) اور بری
 عادتیں اور برے کام یہ چاروں نام (انخ و اب و خم و هن) ناقص وادی ہیں (کہ دراصل
 انخ و اب و خم و هنو تھے) اور نوک ((یہ اجوف وادی ہے اس کا لام ہا ہے۔
 کیونکہ اس کی اصل فؤہ)) اور ذومال)) اور یہ لغیف مقرون ذوق وادی کی وجہ سے کیونکہ
 اس کی اصل ذوق ہے اور ذوق (باقی اسماء کے برعکس) کان کی بجائے اسم ظاہر کی طرف
 اس لئے مضاف کیا گیا کہ ذوا اسماء اجناس (اسماء ظاہرہ جو کسی جنس کے لئے موضوع ہیں
 جیسے مال اور علم وغیرہ) کی طرف ہی مضاف ہو سکتا، تو ان اسماء سے کا اعراب ((واوکیا تھا))
 رفع میں ((اور الف کے ساتھ)) نصب میں ((اور ی کے ساتھ)) جر میں لیکن مطلقاً نہیں۔ بلکہ

ساتھ ہونے کے ساتھ ساتھ اعراب بیان کیا
 گیا ہے تو بالالف والیا مان کا اعراب ہونا محال
 ہے اس لئے کہ واد اس وقت میں مثل جن کے ہوگا
 اور جب اعراب بالالف والیا ہوگا تو واد کو
 حذف کرنا پڑے گا اور یہ ظاہر کلام کے خلاف
 ہے اور لغویت یہ ہے کہ جب انوک وغیرہ بالواو
 موجود ہیں تو بالواو اعراب بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ
 صرف بالالف والیا رکھنا چاہیے تھا اس کا جواب
 شایع کے یہ دیا کہ ان اسماء سے کا اعراب من
 حیث ہی یعنی خصوصیت اعراب سے قطع نظر
 کرنے کے ساتھ بالواو اور فعلاً الخ ہے اس لئے کہ
 بسا اوقات شے معین پر حکم کیا جاتا ہے اور
 اس سے حکم علی النوع مراد ہوتا ہے مثلاً ہم

صفت واقع کرنے کے لئے وسیلہ بکڑا جاتا ہے
 جیسے مثلاً جانی رجل ذومال رجل مال بولنا غلط
 ہے اور جب کی ذوقی وضع سے یہ غرض ہے تو
 فقط اضافت اسم جنس کی طرف ہوگی اور ضمیر
 کی طرف نہیں ہوگی۔
مسئلہ قولہ فاعراب ہذا الخ اس عبارت
 سے شایع ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے
 ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مصنف کا انوک و ابوک الخ
 بالواو والالف والیا الخ کہنا درست نہیں اس
 لئے کہ یہ استحالہ اور لغویت سے خالی نہیں ہے
 استحالہ تو یہ ہے کہ یہاں پرا انوک و ابوک وغیرہما
 کا اعراب بیان کیا گیا ہے اور انوک و ابوک
 وغیرہما مع واد کے ہیں پس وجہ ان کا واد کے

مَصْفَرَاتُهَا مُعْرَبَةٌ بِالْحَرَكَاتِ نَحْوُ جَاءَ نِي أَخِيكَ وَمَرَزْتُ
بِأَخِيكَ وَمَوْحِدَةٌ إِذِ الْمُثَنَّى وَالْجَمْعُ مِنْهَا مُعْرَبٌ بِأَعْرَابِ
الْمُثَنَّى وَالْجَمْعِ وَإِنَّمَا الْمُرْصِخُ بِهَذَيْنِ الْقَيْدَيْنِ اكْتِفَاءً
بِالْأَمْثَلَةِ مُضَافَةً لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ مُكَبَّرَةً وَمَوْحِدَةً وَلَمْ تَكُنْ
مُضَافَةً أَصْلًا قَاعَرَابُهَا بِالْحَرَكَاتِ نَحْوُ جَاءَ نِي أَخِي وَرَأَيْتُ أَخَا
وَمَرَزْتُ بِأَخٍ فَيَكْتَفِي أَنْ تَكُونَ مُضَافَةً وَلَكِنْ إِلَى غَيْرِ بَاءِ الْمُتَكَلِّمِ
لِأَنَّهُ إِذَا كَانَتْ مُضَافَةً إِلَى بَاءِ الْمُتَكَلِّمِ فَحَالُهَا كَسَائِرِ الْأَسْمَاءِ
الْمُضَافَةِ إِلَيْهَا وَلَمْ يَكْتَفِ فِي هَذَا الشَّرْطِ بِالْمِثَالِ لِئَلَّا يُتَوَهَّمُ

مکبرہ ہونے کی حالت میں کیونکہ ان کے مصنفات حرکات کے ساتھ معرب ہیں (حروف سے نہیں) جیسے جَاءَ نِي أَخِيكَ (اس کی اصل أَخِيوُ مَكْتَبِي) وَرَأَيْتُ أَخِيكَ وهرت بِأَخِيكَ اور موحده ہونے کی حالت میں کیونکہ ان کا تشنیہ و جمع، تشنیہ اور جمع کے اعراب کے ساتھ معرب ہوتے ہیں اور مصنف نے مثالوں پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے ان دونوں (مکبرہ و موحده کی) قیدوں کی تصریح نہیں کی (مضاف ہونے کی حالت میں) کیونکہ یہ اسماء مستحکمہ اور موحده ہوں اور مضاف بالکل نہ ہوں تو ان کا اعراب (حروف سے نہیں) حرکات کے ساتھ ہوگا جیسے جَاءَ نِي أَخِي اور رَأَيْتُ أَخَا اور وهرت بِأَخٍ لہذا مناسب ہے کہ اسماء مستحکمہ مضاف ہوں لیکن لایائے متکلم کی طرف نہیں) کیونکہ یہ جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں گے تو ان کا ان تمام اسماء کی طرح ہوگا جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوتے ہیں (باب غلامی کی مانند) اور مصنف نے اس شرط میں مثال پر اکتفاء نہ کیا (بلکہ شرط کی صراحت کر دی) تاکہ ان اسماء کے کاف کی طرف مضاف ہونے کی شرط کا وہم نہ

کبھی یہ کہتے ہیں یہ مضاحک بالطبع ہے اور زید سے مراد مطلق انسان لے لیتے ہیں کہ انسان بالطبع ضاحک ہے۔ لیکن لا مطلقاً سے شائع یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان اسماء مستحکمہ میں عمومیت نہیں ہے بلکہ خاص ہیں جبکہ یہ مکبرہ ہوں مصغره ہوں اس لئے کہ اگر یہ مصغره ہوں گے تو ان کا اعراب بالحرکت ہوگا۔ بالحرکت نہیں جیسے جَاءَ نِي أَخِيكَ وَرَأَيْتُ أَخِيكَ وهرت بِأَخٍ اور موحده ہوں پس اگر یہ تشنیہ یا جمع ہوں گے تو ان کو تشنیہ و جمع والا اعراب یا جائیگا اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر ان دونوں قیدوں کا اعتبار ہے تو مصنف نے ان کو کیوں نہیں ذکر کیا اس کا جواب انما لم یصرح الخ سے شائع یہ دیتے ہیں کہ مصنف نے ان دونوں قیدوں کی تصریح متن میں محض مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے نہیں کی سمجھنے والے مثال سے ہی مکبرہ اور موحده کی تعیین کر سکتے ہیں۔ تیسری قید ہے کہ یہ اسماء مضاف ہوں اس لئے کہ جبکہ یہ اسماء مکبرہ بھی ہوں اور موحده بھی مگر مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جَاءَ نِي

أَخِي وَرَأَيْتُ أَخَا وهرت بِأَخٍ پس مضاف ہونا ان کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ قید یہ ہے کہ یہ غیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں اس لئے کہ اگر یہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں گے تو ان کا اعراب بھی وہی ہوگا جو دیگر اسماء مضافہ الی یائے متکلم کا ہوتا ہے اب یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مصنف نے جس طرح مکبرہ اور موحده ہونے کے لئے مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے ان کو صراحتاً ذکر نہیں کیا اسی طرح یہاں بھی چاہئے تھا کہ محض مثالوں پر اکتفاء کرتے اس کا جواب شائع ولم یکتف فی هذا الشرط الخ سے یہ ہے کہ اس صورت میں مثال پر اس لئے اکتفاء نہیں کیا گیا کہ کہیں یہ وہم نہ ہو جائے کہ ان اسماء کی اضافت کاف ضمیر خطاب کی طرف ضروری ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے پس اضافت الی غیر یائے متکلم کی تید لگانے کی ضرورت پیش آئی۔ اب یہاں پر نفس مطلب سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مصنف کا یہ اضافت الی غیر یائے متکلم کو بالواد والالف والیار پر مقدم کیا ہے اور شائع نے مضافہ الخ کو بالواد الخ مؤخر کر دیا اس کی کیا وجہ ہے اس سے شائع پر غیر کی کتابت میں تبدیلی کا الزام آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مضافہ ظرف سے حال ہے (یعنی بالواد والالف والیار ہے) اور ظرف عامل معنوی کے قبیل سے ہے اور حال کی تقدیم عامل معنوی پر جائز نہیں ہوتی پس اس بنا پر مضافہ کو مؤخر کرنا ضروری ہے اور عبارت میں تقدیم و تاخیر کا جو الزام عائد ہوتا ہے وہ مصنف کو دینا مناسب نہیں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کاتب کی غلطی سے ایسا ہو گیا ورنہ اصل عبارت ایسے ہی ہے کہ مضافہ الخ مؤخر ہے۔

کلمہ قولہ واما جعل الخ یہاں شرح
ایک سوال کر کے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال
یہ ہے کہ سابق میں مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف
کا اعراب بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ مفرد منصرف
باعتبار تشنیہ و جمع وغیر منصرف کے اور جمع مکسر
منصرف باعتبار جمع سالم اور غیر منصرف کے اصل
ہے اور اعراب میں اعراب بالحرکتہ اصل ہے لہذا
اصل کو اصل اعراب دیا گیا نہ یہاں پر اسمائے
مکسر مفرد ہیں تشنیہ و جمع نہیں ہیں اور مفرد اصل ہوتا
ہے لہذا انکو بھی اعراب اصل یعنی بالحرکتہ ہی دینا چاہیے
حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کا جواب شائع یہ ہے
یہ ہے کہ مفرد اور تشنیہ و جمع کے درمیان اتحاد
ذاتی ہے اس لئے کہ تشنیہ و جمع مفرد ہی سے بنا
جاتے ہیں پس اگر مفرد کو اعراب بالحرکتہ اور تشنیہ
و جمع کو اعراب بالحرکتہ دیں تو اس صورت میں
مفرد اور تشنیہ و جمع کے درمیان از روئے اعراب
کے منافرت تامہ در درشت پیدا ہو جائیگی۔ پس
اس بات کا خیال کرتے ہوئے بعض آحاد کو بھی اعراب
بالحرکتہ دے دیا گیا تاکہ منافرت فی الجملة جاتی
نہے اور درمیان مفرد اور تشنیہ و جمع کے الفت
پیدا ہو جائے دوسرا جواب یہ ہے کہ اعراب بالحرکتہ
اگرچہ اصل ہے مگر اعراب بالحرکتہ اس سے نوی
ہے اس لئے کہ وہ حرف علت سے ہوتا ہے اور
ایک حرف علت گو یا دو حرکتوں کے قائم مقام
ہے پس اگر اصل کو اعراب بالحرکتہ دیں اور ہر فرع
کو اعراب بالحرکتہ تو فرع کی زیادتی اصل پر لازم
آئے گی اور یہ خلاف اصول ہے لہذا مناسب یہ ہے
کہ بعض اصل کو بھی اعراب بالحرکتہ دیں تاکہ تباہت
فی الجملة جاتی ہے۔ پھر اعتراض واقع ہوا کہ جب
بعض آحاد کو اعراب بالحرکتہ دینا تھا تو اس کے
لئے چھ اسموں کو ہی کیوں خاص کیا اس کا جواب
شائع واما اختیار الخ سے یہ ہے کہ تشنیہ
اور جمع میں اعراب بالحرکتہ آتا ہے اور ہر ایک کی
حالت اعراب تین تین میں پس ہر حالت کے مقابلہ میں
ایک اسم مفرد کو دیا گیا تشنیہ و جمع کے ساتھ مفرد

اِشْتَرَا طًا اِضَافَةً بِكُونِهَا اِلَى الْكَافِ وَاِنَّمَا جَعَلَ اَعْرَابَ هَذِهِ
الْاَسْمَاءِ بِالْحُرُوفِ لِأَنَّهُمْ لَمَّا جَعَلُوا اَعْرَابَ الْمُثَنَّى وَجَمَعَ الْمَذْكَرِ
السَّالِمِ بِالْحُرُوفِ ارَادُوا أَنْ يَجْعَلُوا اَعْرَابَ بَعْضِ الْآحَادِ اَيْضًا
كَذَلِكَ لِئَلَّا يَكُونَ بَيْنَهُمَا دَوْنُ الْآحَادِ وَخُشَّةٌ وَمَنَافِرَةٌ تَامَةٌ وَاِنَّمَا
اِخْتَارُوا اَسْمَاءَ سِتَّةٍ لِأَنَّ اَعْرَابَ كُلِّ مِنَ الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ
ثَلَاثَةٌ فَجَعَلُوا فِي مَقَابِلَةِ كُلِّ اَعْرَابٍ اِسْمًا وَاِنَّمَا اِخْتَارُوا هَذِهِ اَلْاَسْمَاءَ
السَّتَّةَ لِمِثَابَتِهَا الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ فِي كَوْنِ مَعَانِيهَا مُنْبِئَةً عَنْ
تَعَدُّ دَوْلِ جُودِ حُرُوفٍ صَالِحَةٍ لِّلْاَعْرَابِ فِي اَوَاخِرِهَا حِينَ اَلْاَعْرَابِ

کیا جائے اور ان اسماء کا اعراب حروف کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ نحو یوں یا عرب نے
جب تشنیہ اور جمع مذکر سالم کا اعراب حروف سے کیا تو ان کا ارادہ ہوا کہ کچھ آحاد کا
اعراب بھی اسی طرح (حروف کے ساتھ) کر دیں تاکہ تشنیہ و جمع اور (ان کے) آحاد کے
درمیان اجنبیت اور نفرت تامہ نہ ہو اور انہوں نے چھ اسماء کو اس لئے اختیار کیا کہ
تشنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کے تین اعراب ہیں (تو دو تین چھ ہوئے) اور انہوں نے
خاص کر ان چھ اسماء کو اس لئے اختیار کیا یہ تشنیہ اور جمع کے ساتھ اس بات میں مشابہ
ہیں کہ ان کے معانی تعدد کا پتہ دیتے (اور تعدد کو مستلزم) ہیں (کہ ان دوسرے ان

اس کا حرف آخر اعراب بالحرکتہ کی صلاحیت بھی
رکھے ہیں جب کسی اسم کا حرف آخر اعراب بالحرکتہ
کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کو چھوڑ دیا جائیگا
بخلاف سائر الاسماء الخ سے شائع اس اعتراض کا
جواب دینا چاہتے ہیں کہ یہ اور دم یہ دونوں اسم
ایسے ہیں کہ ان کے مفہوم میں بھی تعدد ہے اور آخر
میں حرف علت بھی ہے جس کے سبب وہ اعراب
بالحرکتہ کی صلاحیت رکھتے ہیں پھر بھی انکو نظر انداز
کر دیا گیا جواب یہ دیا کہ گوان دونوں اسموں کے
آخر میں حرف علت ہے مگر وہ محذوف ہو کر نسبتاً
منفیا کے درجہ میں ہو گیا اور اہل عرب سے بوقت
اعراب ان کا اعادہ نہیں سنا گیا لہذا اس کا اعتبار
نہیں کیا جائیگا بلکہ دونوں کا حکم ان اسماء کی مانند ہو
گا کہ جن کے آخر میں حرف علت نہیں۔

کی مناسبت باقی ہے پھر اعتراض ہوتا ہے کہ انہی چھ
اسموں کی خصوصیت کیوں ہے دوسرے چھ اسموں
کو یہ اعراب کیوں نہیں دیا گیا اس کا شائع یہ جواب
دیتے ہیں کہ دوسرے اسماء کی بہ نسبت ان چھ مفردوں
کو تشنیہ اور جمع کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے
اس لئے کہ تشنیہ و جمع کے مفہوم میں جس طرح پرکہ
تعدد ہے ان چھ مفردوں کے مفہوم میں بھی تعدد
ہے مثلاً اب من لا الابن کو کہتے ہیں پس اس
مناسبت سے ان ہی چھ اسموں کو خاص کیا گیا
پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان اسموں کے
علاوہ اور بھی بعض اسماء ایسے ہیں کہ جن کے معنی میں
تعدد پایا جاتا ہے مثلاً زوج من لا الزوجہ کو کہتے
ہیں تو ان کے ترک کرنے کی کیا وجہ ہے اس کا جواب
شائع دلو جود حرف الخ سے یہ ہے کہ تشنیہ و جمع کے
تعدد فی المعنی کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ

سماوات بخلاف سائر الاسماء المحذوفة الا محجاز كيد ودم فان لم يجمع
فيها من العرب اعادة الحروف المحذوفة عند الالحاب المشني
وما يلحق به وهو كلا وكذا اكلتا ولهم يذكرون لكونه فرع كلاً
مضافاً الى حال كون كلا واكلتا مضافاً الى مضمر وانما قيل
بذلك لان كلا باعتبار لفظه مفرد وباعتبار معناه مثني فلفظه
يقضي الاعراب بالحركات ومعناه يقضي الاعراب بالحروف

اور اب ابن کو مستلزم ہے وقس علی هذا الباقية) اور اس لئے (ان چھ کو اعراب
بالحروف کے لئے خاص کیا گیا) کہ ان کے آخر میں ایک ایسا حرف موجود ہے جو بہ وقت
اعراب سماعی طور پر اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے باقی محذوفۃ الا و آخر اسماء کے
برعکس جیسا کہ یہاں درم ہے کہ بہ وقت اعراب ان میں حروف محذوفہ کا لوٹ آنا عرب
سے مسموع نہیں ہے «تثنية» اور ملحق بہ تثنية «اور» وہ «کلا» ہے اور اسی طرح
کلا (مونث ہے) اور مصنف نے کلا کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ کلا (مذکر) کی
فرع ہے «بہ حالت مضافاً» یعنی اس حالت میں کہ کلا اور کلتا «مضمر کی طرف» اور مصنف
نے اضافت کی قید اس لئے لگائی کہ کلا اپنے لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار
سے تثنیہ ہے تو اس کا لفظ اعراب بالحركات کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا معنی اعراب بالحروف

۱۲۸ قولہ المثني وما يلحق به الخ یہاں سے
مصنف تثنیہ کے اعراب کو بیان کرتے ہیں المثني وکلا
کے سے یہ اعتراض واقع ہوتا تھا کہ مثني کہنے کے
بعد کلا کہنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ کلا بھی تثنیہ
ہے تو اس کا جواب دینے کے لئے شارح نے دلائل
پر کا اضافہ کر کے فرمادیا کہ کلا تثنیہ نہیں ہے بلکہ تثنیہ
کے ملحقات سے ہے اس لئے کہ تثنیہ کے لئے یہ
ضروری ہے کہ اس کا مفرد بھی ہو اور کلا کا کوئی مفرد
نہیں اور ایسے ہی کلا بھی تثنیہ کے ملحقات سے ہے
فرق صرف اتنا ہے کہ کلا مذکر ہے اور کلتا مؤنث مگر
اعتراض پڑتا ہے کہ اگر کلتا بھی تثنیہ کے ملحقات سے
ہے تو مصنف نے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا اس کا
جواب شارح نے یہ دیا کہ کلتا کلا کی فرع ہے اس
وجہ سے مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

۱۲۹ قولہ مضافاً الى حال كون كلا الخ
مضافاً کی تفسیر ای حال كون كلا الخ سے کہ شارح

ایک سوال مفرد کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ
جب معطوف معطوف علیہ کے بعد حال واقع ہوا
کرتا ہے تو دونوں سے ہوتا ہے پس مضافاً جس
طرح کلا وکلتا کے لئے قید ہے اسی طرح المثني کے
لئے بھی ہے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی
کہ اعراب المثني بالالف والياء مقید بقید الاضافه
الى مضمر یعنی مثني کا اعراب اس وقت ہے کہ وہ مضمر
کی طرف مضاف ہو اور جب مضمر کی طرف مضاف
نہ ہوگا تو اس کا اعراب الف اور یاء کے ساتھ نہیں
ہوگا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے شارح نے یہ جواب
دیا کہ مضافاً کلا وکلتا سے حال ہے یعنی جب کلا
وکتا مضاف ہوں ضمیر کی طرف تو ان کا اعراب
بالالف والياء ہے اور یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جب
معطوف معطوف علیہ کے بعد حال واقع ہوتا ہے
تو وہ دونوں سے ہوتا ہے۔ مانا قید بذلک الخ سے
شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کلا وکلتا کو اضافت الی

مضمر کی قید سے مقید کرنے کی کیا وجہ ہے وجہ یہ
ہے کہ کلا وکلتا اپنے لفظ کے اعتبار سے مفرد ہیں۔
معنی کے اعتبار سے تثنیہ پس لفظ کا تقاضا تو یہ
ہے کہ ان کو اعراب بالحركات دیا جائے اور معنی کا
تقاضا یہ ہے کہ اعراب بالحرف آنا چاہیے۔ پس
دونوں حالتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر یہ اسم منہر
کی طرف مضاف ہوگا جو کہ اہل ہے تو اس کو بالحركات
دیا جائیگا جو کہ اعراب بالحرف سے اہل سے ملنے کی
حركات حقیقی نہیں ہوں گی بلکہ تقدیری ہوں گی اس
لئے کہ اس کے آخر میں الف ہے جو کہ اجتماع ساکنین
کی وجہ سے گر جائیگا جیسے جار فی کلا الرجلین دریت
کلا الرجلین مرت بجلا الرجلین اور جب یہ اسم
مضمر کی طرف مضاف ہوگا جو کہ فرع ہے تو اس
میں جانب معنی کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اعراب
بالفرع یعنی اعراب بالحروف دیا جائیگا۔ جیسے
جار فی کلا ہما دریت کلیہما دریت بکلیہما پس
اس وجہ سے ان کے اعراب بالحرف کو مضمر کی طرف
مضاف ہونے کے ساتھ خاص کیا ہے (فائدہ)
شارح علیہ الرحمۃ حركات تقدیر یہ کو ثابت کرنے کے
لئے لان آخره الف تسقط بالتقار الساکنین سے
دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ الف
کا اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر جانا حرکت
تقدیر یہ پر دلالت نہیں کرتا بلکہ الف کا یہ قرار دینا
حركات تقدیر یہ پر دلالت ہوتا ہے۔ پس یہ عبارت
شارح سے خالی نہیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ
شارح نے تسقط الخ سے ایک سوال کا جواب دیا ہے
وہ سوال یہ ہے کہ جبکہ اس کے آخر میں الف ہے جو کہ
حركات تقدیر یہ پر دلالت کرتا ہے تو اسکے حذف
ہونے کی وجہ کیا ہے تو جواب یہ ہوگا کہ اجتماع
ساکنین کی وجہ سے الف حذف ہو گیا نیز اس سے
اس اعتراض کا بھی دفع ہو جائیگا کہ کلا رجلین کیوں
نہیں کہا جاتا کہ الف برقرار ہے اس کے حذف
کی حاجت نہ ہو وجہ دفع یہ ہوگی کہ کلا ہمیشہ معرف
باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے لہذا کلا رجلین کہنا
درست نہ ہوگا۔

فَرُوْعِي فِيهِ كَلَّا اِلْعَتْبَارِيْنَ فَاِذَا اُضْيِفَ اِلَى الْمُظْهَرِ الَّذِي هُوَ
الْاَصْلُ رُوْعِيْ جَانِبُ لَفْظِهِ الَّذِي هُوَ الْاَصْلُ وَاَعْرَبَ بِالْحُرُوكَاتِ
الَّتِي هِيَ الْاَصْلُ لَكِنْ تَكُوْنُ حُرُوكَاتُهُ تَقْدِيْرِيَّةً لِاَنَّ اٰخِرَةَ الْفَتْحِ
تَسْقُطُ بِالتَّقَاةِ السَّاكِنِيْنَ نَحْوُ جَاءَنِيْ كَلَّا الرَّجُلَيْنِ وَرَأَيْتُ كَلَّا الرَّجُلَيْنِ
وَمَرَرْتُ بِكَلَّا الرَّجُلَيْنِ وَاِذَا اُضْيِفَ اِلَى الْمُضْمَرِ الَّذِي هُوَ الْفَرْعُ رُوْعِيْ
جَانِبُ مَعْنَاهُ الَّذِي هُوَ الْفَرْعُ وَاَعْرَبَ بِالْحُرُوفِ الَّتِي هِيَ الْفَرْعُ نَحْوُ
جَاءَنِيْ كَلَّا هُمَا وَرَأَيْتُ كَلَّيْهُمَا وَمَرَرْتُ بِكَلَّيْهِمَا فَلِذَلِكَ قِيْدُ كُوْنِ
اَعْرَابِيْهِ بِالْحُرُوفِ يَكُوْنُهُ مَضَافًا اِلَى مُضْمَرٍ وَاِشْتَانٍ وَكَذَلِكَ اِشْتَانٍ
وَمُثْنَتَانِ فَاِنْ هَذِهِ الْاَلْفَاظُ وَاِنْ كَانَتْ مَفْرُوْدَةً لَكِنْ صُوْرَتُهَا
صُوْرَةُ التَّثْنِيَةِ وَمَعْنَاهَا مَعْنَى التَّثْنِيَةِ فَالْحَقُّقُ بِهَا بِالْاَلْفِ
رَفْعًا وَاِلْيَاءٍ الْمَفْتُوحَ مَا قَبْلَهَا نَصْبًا وَجَرَا كَمَا يَسْبِغُ جَمْعُ الْمَذْكُورِ
السَّالِمِ وَالْمُرَادُ بِهِ مَا سُمِّيَ بِهِ اَصْطِلَاحًا وَهُوَ الْجَمْعُ بِالْوَاوِ وَالْوُنُونِ

کا مقتضی ہے لہذا اس میں دونوں اعتباروں کی رعایت کی گئی ہے پس جب کہ اسے اسم
ظاہر جو ضمیر کی نسبت) اصل ہے کی طرف مضاف کیا جائے گا تو اس میں اس کے لفظ
کہ (معنی کی نسبت) اصل ہے کی جانب کی رعایت کی جائے گی اور اسے اعراب بالحركات
جو (اعراب بالحروف کی نسبت) اصل ہے دیا جائے گا لیکن اس کی حرکات تقدیری
ہونگی کیونکہ اس کے آخر میں الف ہے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے (ملفوظ) سے ساقط
ہو جاتا ہے جیسے جاءنی کلا الرجلین اور رأیت کلا الرجلین اور مررت بکلا الرجلین
اور جب اسے اسم ضمیر کی طرف جو (اسم ظاہر کی) فرع ہے مضاف کیا جائے گا تو اس کے
معنی کی رعایت کی جائے گی جو (لفظ کی) فرع ہے اور اسے اعراب بالحروف دیا جائے گا
جو (اعراب بالحركات کی) فرع ہے جیسے جاءنی کلاهما اور رأیت کلّیہما اور مررت بکلّیہما
پس اسی وجہ سے مصنف نے اس کے اعراب بالحروف ہونے کو

ضمیر کی طرف مضاف ہونے سے مقید کیا ہے ((اور اشتان)) اور اسی طرح اشتان اور
نشتان (کے احکام) ہیں کہ یہ الفاظ اگرچہ مفردہ ہیں لیکن ان کی صورت تثنیہ کی صورت
ہے اور ان کا معنی تثنیہ کا معنی ہے اس لئے ان کو تثنیہ کے ساتھ لاحق کیا گیا الف کے ساتھ
رفع کی حالت میں ((اور یاد کے ساتھ ہوں گے)) کہ یا کا ماقبل مفتوح ہو گا نصب اور جر کی
حالت میں جیسا کہ عنقریب (اس کا بیان) آئے گا ((جمع مذکر سالم)) اور اس سے مراد وہ جمع
ہے جو اس نام سے اصطلاحی طور پر موسوم ہے (نہ کہ لغت) اور یہ وہ جمع ہے جو واو اور وون

۱۵۰ قولہ وَاِشْتَانٍ وَكَذَلِكَ اِشْتَانٍ الخ
یہاں بھی سابق والا اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مثنی
کے بعد اشتان کو ذکر کرنا عبث ہے اس لئے کہ یہ
تثنیہ ہے۔ شراح نے جواب دیا یہ الفاظ حقیقہ مفرد
ہیں تثنیہ نہیں اس لئے کہ تثنیہ کے لئے ضروری ہے
کہ اس کا مفرد بھی ہو اور اس کا مفرد ہے نہیں اور
اگر اس کا مفرد نکالا بھی جائے تب بھی اس کے معنی
دو ہی ہوں گے اس لئے کہ جب اس مفرد کا تثنیہ
کریں گے تو اس کا اطلاق چار پر آنا چاہئے حالانکہ
یہ صریح غلط ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے انکو تثنیہ
کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے نیز ان کی صورت
بھی تثنیہ جیسی ہے پس اس وجہ سے انکو بھی ملحقات
تثنیہ سے شمار کر لیا گیا۔ مصنف نے اشتان و
نشتان کو اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ یہ مؤنث ہیں
اور مؤنث فرع ہوتی ہے پس جب اصل کو ذکر کر
دیا جائیگا تو فرع خود بخود سمجھ میں آجائے گی جیسا
کہ مابقی میں گذرے۔

۱۵۱ قولہ جمع المذکر السالم الخ یہاں
سے مصنف رحمہ اللہ جمع مذکر سالم اور اس کے
ملحقات کا اعراب بیان کرتے ہیں اس پر ایک اعتراض
دارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مصنف کے کلام سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ جمع مذکر سالم وہ ہے کہ جس کا مفرد مذکر
ہو اور اس کے آخر میں واو وون یا یار وونون ملحق
کئے گئے ہوں تو یہ قاعدہ دو وجہوں سے صحیح نہیں
اولاً یہ کہ سنن اولاد ضمن میں یا وونون اور داو وونون آتے
ہیں مگر ان کا مفرد مذکر نہیں ہے بلکہ مؤنث ہے
لہذا ان کو جمع مؤنث کا اعراب دینا چاہئے ثانیاً
یہ کہ مرفوعات و منصوبات و مجرورات جمع مذکر سالم
ہیں اس کے باوجود یہ الفاظ داو اور یار کے ساتھ معرب
نہیں ہیں شراح نے اس کا جواب دینے کے لئے اولاد
ہا ماسی الخ کا اضافہ فرمایا جواب کا حاصل یہ ہے کہ
جمع مذکر سالم سے مراد لغوی جمع مذکر نہیں کہ جس کا
مفرد مذکر ہو بلکہ جمع مذکر سالم اصطلاحی مراد ہے
عام ازی کہ اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث اولاد کے

فیدخل فیہ نحو سنین وارضین مالہ یکن واحدہ مذکور الکن یجمع
بالواو والنون و ما الحقی بہ وهو الجمع ذوالا عن لفظہ وعشرون
واخواتہا ای نظائرہا السبع وھی ثلاثون الی تسعین ولس عشرون
جمع عشرة ولا ثلاثون جمع ثلثة والا لکتم اطلاق عشرین علی ثلاثین
لانہ ثلثة مقادیر العشرة واطلاق ثلاثین علی التسعة لانہا ثلثة مقادیر
الثلثة وعلی ہذا القیاس البواتی وایضاً ہذہ الالفاظ تبدل علی معانی
معنیہ ولا تعین فی الجموع بالواو رفعا والیاء المکسورہ ما قبلہا

کے ساتھ ہوتی ہے لہذا سین اور ارضین جیسی جموع کہ جن کا واحد مذکر نہ تھا لیکن ان کی جمع
واو اور نون کے ساتھ آتی ہے بھی اس میں داخل ہو جائیں گے «اور» جو ملحق بہ جمع ہے اور وہ
الواو کا ذوقی جمع من غیر لفظ لا اور عشرون اور اس کے اخوات ہیں یعنی ان کے نظائر سبع اور
ثلاثون سے تسعین تک ہیں اور عشرون عشرہ کی جمع نہیں ہے اور نہ ہی ثلاثون ثلاثہ کی جمع ہے
ور نہ عشرین کا اطلاق ثلاثین پر صحیح ہو گا کیونکہ ثلاثین دس کاتین گنا ہے اور ثلاثین اگر ثلاثہ کی
جمع ہو تو ثلاثین کا تسعہ پر بھی اطلاق صحیح ہو گا کیونکہ ثلاثین ثلاثہ کاتین گنا ہے اور اسی قیاس
پر (اربون سے تسعون تک) باقی ہیں اور نیزہ الفاظ (مقود) معانی معینہ پر دلالت کرتے ہیں
اور جموں میں (معانی کی) کوئی تعین نہیں ہوتی «واو کے ساتھ» رفع میں «لا اور یاء کے ساتھ» کہ

ضروری ہے نیز ملحق بہ کے ذکر سے لاحق کا ذکر
لازم نہیں آتا پس اس کو علیحدہ بیان کرنا پڑا
او کے متعلق شارح بیان فرماتے ہیں کہ یہ ذوقی
جمع ہے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر
یہ ذوقی جمع ہے تو اس کو جمع میں کیوں نہیں شمار
کیا جاتا ملحقات میں کیوں داخل کیا جاتا ہے
اس کا جواب شارح لا عن لفظہ سے یہ ہے کہ
ہی کہ یہ جمع تو ہے مگر جمع عن لفظ نہیں ہے بلکہ غیر
لفظہ کی جمع ہے یعنی الواو کا کوئی اپنا مفرد نہیں جو
اس مادے سے مشتق ہو بلکہ ذوا یک و سوا مفرد
تھا اس کی جمع ملحقات القیاس الواو کی گئی
جیسے امرأة کی جمع غلات اہل نسوہ آتی ہے کیونکہ

آخر میں واو دون یا بار دون ہونے چاہئیں پس اس
میں سین اور ارضین داخل ہو گئے کہ یہ جمع بالواو والنون
او بالیاء والنون ہے اگرچہ ان کا مفرد مذکر نہیں ہوتا
ہے اور منوعات وغیرہ خارج ہو گئے اگرچہ انکا مفرد
مذکر ہے کیونکہ یہ جمع واو اور دون کے ساتھ نہیں ہیں
والا الحق بہ دہواؤ کہنے سے شارح کا مقصد دفع
دغل مقدم ہے اعتراض یہ ہے کہ جمع مذکر سالم کہنے
کے بعد لاواو اس کے اخوات کو ذکر کرنا عبث ہے
اس لئے کہ یہ بھی جمع مذکر سالم کے افراد میں شمار جتے
ہیں اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ یہ جمع مذکر
سالم حقیقی نہیں بلکہ اس کے ملحقات سے ہیں اس
لئے کہ ان کی صورت تو جمع جیسی ہے مگر ان کا
مفرد نہیں آتا اور حقیقی جمع کے لئے مفرد کا ہونا

یہ اس اعتبار سے منع ہے اس لئے اسکو عشرون
واخواتہا پر مقدم کر دیا کہ عشرون واخواتہا کسی کی
بھی جمع نہیں ہیں۔ واخواتہا کی شرح ای نظائر بہ
کے ساتھ کرنے سے شارح کا منشاء یہ ہے کہ اخوات
سے مراد اس کے نظائر ہیں اس لئے کہ اخوات کا
اطلاق ہمیشہ ذی روح پر ہوتا ہے اور عشرون
واخواتہا ذی روح نہیں ہیں بلکہ از قبل الفاظ ہیں۔
پس یہاں استعارہ مصرعہ کے طور پر اخوات سے
مراد نظائر ہیں گئے استعارہ مصرعہ اس کو کہتے ہیں
کہ مشبہہ کو ذکر کر کے شبہ کا ارادہ کیا جائے اور یہاں
الیاء ہی ہے اس لئے کہ اخوات کو نظائر سے شبہ
دی گئی ہے پس مشبہہ اخوات ہے اور مشبہہ نظائر
اس کے نظائر ثلاثین سے لے کر سبعین تک ہیں
اور عشرون عشرہ کی اور ثلاثون ثلثہ کی جمع نہیں ہے
اس لئے کہ جمع اقل افراد میں ہیں پس اگر عشرون
عشرہ کی جمع ہو تو ضروری ہے کہ اس کا اطلاق
تین مقدار عشر سے کم پر نہ کیا جائے اور تین عشر
ثلاثون ہوتے ہیں پس عشرون کا اطلاق ثلاثون پر
کیا جائیگا اور یہ بدیہی البطلان ہے اسی طرح
ثلاثون اگر ثلثہ کی جمع ہو تو ثلاثون کا اطلاق تسعہ
پر آئے گا اس لئے کہ ثلاثون اس وقت میں تین
مقدار ثلثہ پر اطلاق کیا جائیگا علی ہذا القیاس
باقی نظائر میں پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عشرون
اور اس کے نظائر جمع نہیں ہیں نیزہ الفاظ معانی
معینہ پر دلالت کرتے ہیں اور جمع کے لفظ معانی
میں تعین نہیں ہوا کرتی اس اعتبار سے بھی انکو
جمع نہیں کہا جاسکتا پس یہ تمام الفاظ جمع مذکر
سالم کے ملحقات ثابت ہوئے جمع مذکر سالم
کا اعراب حالت رفع میں واو کے ساتھ اور یاء
ساکن ما قبل مکسور کے ساتھ حالت نصبی وجر
میں ہے۔

نصبا وجرًا واما جعل اعراب المتن مع ملحقاته والجمع مع ملحقاته
بالحروف لانها فرعان للواحد وفي آخرهما حرف يصلح للاعراب
وهو علامة التثنية والجمع فناسب ان يجعل ذلك الحرف اعرابهما
ليكون اعرابهما فرعًا لا اعرابه كما انهما فرعان له لان الاعراب بالحرف
فرع للاعراب بالحركات ولما جعل اعرابهما بالحروف وكان حرف
الاعراب ثلثًا واعرابهما ستة ثلثة للمثنى وثلثة للمجموع فلو

جس کا ماقبل مکسور ہوگا بہ حالت نصب وجر۔ اور تثنیہ کا اعراب اس کے ملحقات سمیت اور
جمع کا اعراب اس کے ملحقات سمیت حروف کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ تثنیہ و جمع، واحد کی
فرع ہیں جبکہ ان دونوں کے آخر میں ایسا حرف موجود ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے اور
وہ حرف تثنیہ و جمع کی علامت ہے (تثنیہ میں الف و یا اور جمع میں واو اور یا ہے) پس مناسب
ہے کہ اس حرف کو تثنیہ و جمع کا اعراب بنایا جائے تاکہ ان دونوں کا اعراب (بالحروف)
واحد کے اعراب (بالحركات) کی فرع ہو جیسا کہ تثنیہ و جمع واحد کی فرع ہیں کیونکہ اعراب بالحروف
اعراب بالحركات کی فرع ہے اور جبکہ تثنیہ و جمع کا اعراب حروف کے ساتھ کر دیا گیا اور اعراب
کے حروف تین ہیں (یا، واو، الف) جبکہ تثنیہ و جمع کے اعراب چھ ہیں (ا کہ دونوں میں سے
ہر ایک کا رفع و نصب و جر ہے) تین تثنیہ کے اور تین جمع کے ہیں پس اگر ان دونوں میں سے

رفع قرار دی اس لئے کہ وہ فعل تثنیہ کے لئے ضمیر
مفرد بھی اہل ہے اور اعراب بالحرکت بھی تو اصل
اہل کو دے دیا گیا اس کے بعد اعراب کل تین بچے
اور حالت میں چھ تین تثنیہ کی اور تین جمع کی پس ایسی
تقسیم کی ضرورت ہے کہ یہ تین اعراب تثنیہ اور
جمع کی سب حالتوں پر مساوی طور پر تقسیم ہو جائیں
پس اول تثنیہ اور جمع کی حالت رفعی کو دیا گیا اس لئے
کہ وہ تمام حالتوں میں علامہ ہے پس ہم نے الف کو تثنیہ
کی اور واو کو جمع کی حالت رفعی کے لئے خاص کر
دیا اس لئے کہ تثنیہ میں الف اور جمع میں واو داخلیت
کی علامت ہے اگر البانہ کیا جاتا اور تثنیہ کو بھی
اعراب بالواو دیا جاتا تو تثنیہ اور جمع دونوں میں
القباس پیدا ہو جاتا اور اگر تثنیہ کو اعراب بالواو
کے ساتھ خاص کر دیا جاتا تو جمع بلا اعراب باقی
رہ جاتی اور اگر جمع کو خاص کر دیا جاتا تو تثنیہ
بلا اعراب باقی رہ جاتا پس تثنیہ میں الف علامت

ہم نے مفرد کو اعراب بالحرکت دے دیا اس لئے کہ
مفرد بھی اہل ہے اور اعراب بالحرکت بھی تو اصل
اہل کو دے دیا گیا اس کے بعد اعراب کل تین بچے
اور حالت میں چھ تین تثنیہ کی اور تین جمع کی پس ایسی
تقسیم کی ضرورت ہے کہ یہ تین اعراب تثنیہ اور
جمع کی سب حالتوں پر مساوی طور پر تقسیم ہو جائیں
پس اول تثنیہ اور جمع کی حالت رفعی کو دیا گیا اس لئے
کہ وہ تمام حالتوں میں علامہ ہے پس ہم نے الف کو تثنیہ
کی اور واو کو جمع کی حالت رفعی کے لئے خاص کر
دیا اس لئے کہ تثنیہ میں الف اور جمع میں واو داخلیت
کی علامت ہے اگر البانہ کیا جاتا اور تثنیہ کو بھی
اعراب بالواو دیا جاتا تو تثنیہ اور جمع دونوں میں
القباس پیدا ہو جاتا اور اگر تثنیہ کو اعراب بالواو
کے ساتھ خاص کر دیا جاتا تو جمع بلا اعراب باقی
رہ جاتی اور اگر جمع کو خاص کر دیا جاتا تو تثنیہ
بلا اعراب باقی رہ جاتا پس تثنیہ میں الف علامت

۱۵۲ قولہ واما جعل اعراب الخ یہاں
سے شائع ایک سوال کر کے اس کا جواب دینا
چاہتے ہیں۔ تقدیر سوال کی یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع
کو اعراب بالحرکت کیوں دیا گیا بلکہ اہل اعراب
جو بالحرکت ہے وہ دینا چاہئے تھا جواب یہ ہے
کہ اعراب کی فرع اعراب بالحرکت ہے اور تثنیہ
جمع واحد کی فرع ہیں پس فرع کو فرع کا اعراب دیا گیا
تاکہ مناسبت پیدا ہو جائے دوسرا جواب یہ ہے
کہ ان کے آخر میں ایسا حرف ہے جو اعراب کی
صلاحیت رکھتا ہے یعنی تثنیہ و جمع کی علامت
اعراب کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پس مناسب
سمجھا گیا کہ اس حرف کو ان دونوں کا اعراب
قرار دے دیا جائے تاکہ ان دونوں کا اعراب اعراب
مفرد کی فرع ہو جائے جیسا کہ تثنیہ و جمع مفرد کی
فرع ہیں اس تقریر سے یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ
جمع مونث سالم بھی تو فرد کی فرع ہے اس کو اعراب
فرعی یعنی اعراب بالحرکت کیوں نہیں دیا گیا وجہ دفع
یہ ہے کہ جمع مونث سالم میں حرف آخر اعراب
بالحرکت کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے اعراب
بالحرکت دیا گیا

۱۵۳ قولہ واما جعل اعراب الخ اس عبارت
سے شائع ایک سوال مقدمہ کا جواب یا ہے سوال
یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع کا اعراب خلاف اصل ہے
اس لئے کہ تثنیہ کا اعراب رفعی الف کے ساتھ ہے
حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ واو کے ساتھ ہو
اور حالت نصبی کا اعراب یاء کے ساتھ ہے اور
قیاس چاہتا ہے کہ الف کے ساتھ ہو اسی طرح
جمع میں اعراب رفعی تو علی الاصل ہے مگر اعراب
نصبی یاء کے ساتھ ہے الف کے ساتھ ہونا
چاہئے تھا شائع اس کا یہ جواب دے رہے ہیں
کہ اعراب کل چھ تین بالحرکت اور تین بالحرکت اور
مستحقین اعراب نوہ تین مفرد کی حالت میں
اور تین تین تثنیہ و جمع کی اور ہر حالت کے لئے
ایک اعراب کا ہونا ضروری ہے پس یہی ان چھ
اعرابوں کو نو حالتوں پر تقسیم کرنا ہے تو سب سے پہلے

جعل اعراب كل واحد منهما بتلك الحروف الثلاثة لوقع الالتباس
ولو خص المثني بها بقى المجموع بلا اعراب ولو خص المجموع بها بقى
المثني بلا اعراب فوزعت عليهما بان جعلوا الالف علامة الرفع في
المثني لانه الضمير المرفوع للتثنية في الفعل نحو يضربان وضربا و
الواو علامة الرفع في المجموع لانه الضمير المرفوع للجمع في الفعل نحو
يضربون وضربوا وجعلوا اعرابهما بالياء حال الجر على الاصل و
فرقا بينهما بان فتحوا ما قبل الياء في التثنية تحفة الفتح وكسرة
التثنية وكسرة في الجمع ثقل الكسرة وقلة المجموع وحملوا النصب
على الجوا على الرفع لمناسبة النصب بالجر لوقوع كل منهما فضلة
في الكلام ولما فرغ من تقسيم الاعراب الى الحركة والحرف وبيان
مواضعهما المختلفة شرع في بيان مواضع الاعراب اللفظي والتقديري

کیا رنج کے تابع کیوں نہ کر دیا تو اسکا جواب
شامح و حملوا النصب الخ سے یہ دے ہے ہیں
کہ نصب کو جر کے ساتھ مناسبت ہے اسلئے
کہ نصب جر دونوں کلام میں فضلہ واقع ہوتے
ہیں پس اس مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے
نصب کو جر کے تابع کر دیا اور رفع چونکہ کلام
میں عمدہ واقع ہوتا ہے اس لئے اس کے تابع
نہیں کیا

قوله ولما فرغ من تقسيم الخ
عبارت سے شامح نے ایک دم ہم کا ازالہ کرتے
ہوئے آئندہ عبارت التقدير فيما تعذر الخ کے
لئے تمہید باندھی وہم یہ ہوتا تھا کہ التقدير فيما
تعذر الخ بھی نفس اعراب کے مواقع کو بیان
کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ماسبق میں نفس
اعراب بیان کیا گیا ہے کہ کس کو کیا کیا اعراب
ملے گا۔ پس لما فرغ کہہ کر اس دم کا ازالہ کر دیا
کہ جب مصنف اعراب کی تقسیم حرکت اور
حرف کی طرف اور ان دونوں اعرابوں کے
مواضع مختلفہ کے بیان سے فارغ ہوا تو
اعراب لفظی اور تقدیری (کہ جن کی طرف ماسبق
میں لفظاً و تقدیراً کہہ کر اشارہ کیا تھا) کے
مواقع کو بیان کرنا شروع کیا بیان سے یہ
اعتراف بھی دفع ہو گیا کہ مصنف کو چاہئے تھا
کہ اولاً اعراب کو لفظی اور تقدیری کی طرف منقسم
کرنا پھر ان کے مواضع بیان کرنا دوسرے دفع یہ ہے
کہ مصنف نے سابق میں اشارہ کر دیا تھا اسلئے
دوبارہ اس کے ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں
رہی پھر یہ اعتراف ہوتا ہے کہ اعراب لفظی اصل
ہے اور تقدیری فرع تو مصنف نے فرع کو اصل
پر کیوں مقدم کیا اس کا جواب شامح نے یہ
دیا کہ اعراب تقدیری چونکہ قلیل اور سهل الضبط
ہے اس لئے اولاً اس کی طرف اشارہ کر دیا
بعد ازاں یہ کہہ دیا کہ اعراب لفظی اسکے علاوہ
میں ہے اگر لفظی کو مقدم کیا جاتا تو عبارت بہت
طویل ہو جاتی حالانکہ کافیہ مختصر کتاب سے

ہر ایک اعراب انہی تین حروف کے ساتھ کر دیا جائے تو (تثنية و جمع میں) التباس (اشتباہ)
واقع ہو جائے گا اور اگر تثنية کو ان حروف کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے تو جمع بلا اعراب رہ
جاتی ہے اور اگر جمع کو ان حروف کے ساتھ خاص کیا جائے تو تثنية بلا اعراب باقی رہ جائے
(حالانکہ یہ دونوں صورتیں درست نہ تھیں لہذا ان حروف کو تثنية اور جمع پر اس طرح تقسیم
کر دیا گیا کہ الف کو تثنية میں علامت رفع ٹھیرایا گیا کیونکہ الف فعل میں تثنية کیلئے ضمیر
مرفوع ہے جیسے یضربان اور ضربا اور واو کو جمع میں علامت رفع قرار دیا گیا کیونکہ فعل میں
واو جمع کے لئے ضمیر مرفوع ہے جیسے یضربون اور ضربوا اور نونوں نے تثنية و جمع کا دونوں
کام اعراب حالت جر میں اصل کی بنا پر یکے ساتھ کیا کہ یا کسرہ سے پیدا ہوئی ہے لہذا جریا کی
اصل ٹھیری) اور تثنية و جمع میں اس طرح فرق رکھا گیا کہ نونوں نے تثنية میں غفت فتح اور
کثرت تثنية کی وجہ سے یاء کے ماقبل کو فتح ہے دی (تاکہ حالت اعتدال پر رہے) اور انہوں نے جمع
میں ثقل کسرہ اور قلت جمع کی وجہ سے یاء کے ماقبل کو کسرہ دیدی اور نونوں نے (تثنية و جمع کی)
نصب کو (ان کی) جر پر محمول کیا رفع پر نہیں اس لئے کہ نصب کو یاء کے ساتھ (ایک طبع کی)
مناسبت ہے کیونکہ نصب اور جر میں سے ہر ایک کلام میں فضلہ (اور لقیہ) واقع ہوتے
ہیں (جبکہ رفع عمدہ واقع ہوتا ہے) اور جبکہ مصنف حرکت و حرف کی طرف اعراب کی تقسیم
سے اور ان دونوں کی مواضع مختلفہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو لفظی اور تقدیری اعراب

بعد نون تثنية کو مکسور اور نون جمع کو مفتوح کیا تاکہ ثقل کا ایک دم سے خفیف ہونا اور خفیف کا ایک دم سے ثقیل ہونا لازم نہ آئے پھر یہاں پر یہ
اعتراف بھی ہوتا تھا کہ نصب کو جب کے کیوں تابع

۱۵۵۵ قولہ ای تقدیر الاعراب الخ
یہاں سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب
دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ تقدیر کہنے سے خبر
عن المبحث لازم آتا ہے اس لئے ہمارا کلام
اعراب میں ہو رہا ہے نہ کہ تقدیر مطلق میں شارح
نے جواب دیا کہ ہمارا کلام بھی تقدیر مطلق میں نہیں
بلکہ اعراب تقدیری میں ہی ہے اور تقدیر میں
الف لام عوض میں مضاف الیہ کے ہے پس
تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ تقدیر ای تقدیر الاعراب
نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الف لام عید کے لئے ہو
تب بھی مراد تقدیر اعراب ہی ہوگی یعنی اعراب
معہود ہوگا۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے مصنف کو
چاہئے تھا کہ تقدیری کہتے تاکہ اس سے قبل
موصوف محذوف نکالا جاتا یعنی الاعراب
التقدیری کیونکہ اس وقت مصنف کے قول
واللفظی سے بل بھی ہو جاتا تھا کہنے سے یہ اعتراض ہوتا
ہے کہ ماعوم کے لئے ہے اور ماضی و امر حاضر و
حرف میں بھی اعراب متعذر ہوتا ہے تو چاہئے
کہ ان میں بھی اعراب مقدر مانا جائے حالانکہ
یہاں اعراب مقدر نہیں ہے اس کا جواب دیتے
ہوئے شارح فی الاسم کے ساتھ ماضی و امر
سے ہیں مطلب یہ ہوا کہ ماعوم کے لئے نہیں بلکہ
اس سے مراد اسم ہے یعنی اسم میں اعراب متعذر
ہو تو وہاں اعراب تقدیری مانا جائے گا اور
اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جاری ہذا میں ہذا اسم
ہے اور اعراب بھی متعذر ہے مگر اس کے باوجود
اس میں اعراب متعذر نہیں مانا گیا تو اس کا شارح
المعرب کے اضافہ سے یہ دے رہے ہیں کہ اسم
معرب ہونا چاہئے اور ہذا مبنیات سے ہے
لہذا یہ خود بخود خارج ہو گیا۔ تعذر الاعراب
فیہ سے بھی شارح ایک سوال کا جواب دے
رہے ہیں سوال یہ ہے کہ تقدیر کی ضمیر فاعل و مال سے
خالی نہیں۔ اعراب کی طرف راجع ہوگی یا اسم
کی اگر اعراب کی طرف راجع ہے تو موصول بلا عائد
جائے گا یعنی تقدیر جو کہ صلیہ ہے اس میں کوئی ضمیر موصول

الذین اُشیر الی تقسیمہ الیہما فیما سبق ولما کان التقديری اقل اشار
الیہ اولاً ثم بین ان اللفظی ما عداہ فقال التقدير ای تقدیر
الاعراب فیما ای فی الاسم المعرب الذی تعذر الاعراب فیہ
ای امتنع ظهورہ فی لفظہ وذلك اذا لم یکن الحرف الذی هو محل
الاعراب قابلاً للحركة الاعرابیة كما فی الاسم المعرب بالحركة
الذی فی آخرہ الف مقصورة سواء كانت موجودة فی اللفظ كالعصا

کہ گذشتہ کلام میں اعراب کے ان دو قسموں کی طرف تقسیم ہونے کی طرف (خود مصنف) کی جانب سے اشارہ کیا گیا تھا کہ مواضع کے بیان میں شروع ہوتے ہیں اور جبکہ تقدیری اعراب لفظی اعراب کی نسبت کم تھا مصنف نے اس کی طرف پہلے اشارہ کیا پھر بیان کیا کہ "اللفظی ما عداہ" پس مصنف کہتے ہیں "تقدیر" یعنی اعراب کی تقدیر (اسمیں ہے کہ) یعنی اس اسم معرب میں ہے کہ اس میں اعراب "متعذر ہو" یعنی اس (معرب) کے لفظ میں اعراب کا ظہور ناممکن ہو اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ حرف کہ محل اعراب ہوتا ہے حرکت اعراب سے قابل نہ ہو جیسا کہ اس اسم معرب بالحركة میں (متعذر) ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہے خواہ الف مقصورہ لفظ میں موجود ہو جیسے "العصا" لام تعریف کے ساتھ

سوال کی تقریر یہ ہے کہ جب عصا اور غلامی میں اعراب
ممتنع ہے تو ان کو مبنیات سے کیوں شمار نہیں کیا جاتا
معرب میں کیوں داخل کیا جاتا ہے۔ شارح نے یہ
جواب دیا کہ امتناع اعراب سے مطلب ہے کہ
اعراب کا لفظ میں ظاہر ہونا ممتنع ہے مقدر ہونا ممتنع
نہیں اور یہ امتناع اس وقت ہوگا جبکہ وہ حرف جو
محل اعراب ہے حرکت اعراب لفظ کے قابل نہ ہو جیسا
کہ اس اسم میں جو حرکت کے ساتھ معرب ہوا اس کے
آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ وہ الف مقصورہ لفظ میں موجود
ہو جیسے العصا صرف باللام کی صورت میں۔ یا التقلع
ساکنین کی وجہ سے الف مقصورہ لفظ میں موجود نہ ہو
بلکہ محذوف ہو گیا ہو جیسے عصا تنوین کے ساتھ اسلئے
کہ الف مقصورہ دونوں صورتوں میں حرکت کو قبول
کرنے کے قابل نہیں ہے اور ایسے ہی اس اسم میں جو
معرب بالحركة ہو اور بار متکلم کی طرف مضاف ہو
امتناع ظہور اعراب ہوگا جیسے غلامی اس لئے کہ بار
کی نسبت کی وجہ سے بار متکلم کے قابل کو مال کے

یعنی ماضی و امر کی طرف راجع نہیں ہوگی اور اگر اسم کی جانب
راجع کی جاتی تو فساد معنی لازم آتا ہے اس لئے کہ
یہاں اعراب کا تعذر مقصور ہے نہ کہ اسم کا متعذر ہونا
اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ تقدیر کی ضمیر اعراب
کی طرف راجع ہے اور موصول کا عائد اس میں محذوف
ہے یعنی فیہ پس تقدیر عبارت کی اس طرح ہوگئی کہ تقدیر
الاعراب فیہ پس اب موصول بلا عائد نہیں رہا پھر ایک
اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ تقدیر کے معنی تکلیف
اور مشقت سے حاصل ہونے کے ہیں اس کے باوجود
عصا اور غلامی میں اعراب بالکل حاصل نہیں ہوتا نیز
تقدیر کے بعد استعقل کا ذکر کیا ہے اسلئے کہ دونوں
کے معنی ایک ہیں پس عبارت میں شواہد از کتاب ہوا
جو صریح طور پر قابل اعتراض ہے شارح ان کا جواب
دیتے ہوئے تقدیر کی شرح ای امتنع سے کہ رہے ہیں
مطلب یہ ہے کہ تقدیر مجھا ممتنع ہے یعنی اعراب ممتنع
ہو پس اب دونوں اعتراض رفع ہو گئے۔ ظہور فی لفظ
سے بھی شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں

بلام التعریف او محذوفۃ بالتقاء الساکتین کصاً بالتونین فان
فان الالف المقصورة فی صورتین غیر قابلۃ للحركة و کما فی
الاسم العربی بالحركة المضاف الی یاء المتکلم نحو غلامی فان
لا اشتغل ما قبل یاء المتکلم بالحركة للمناسبة قبل دخول العامل
امتنع ان یدخل علیہ حركة اخرى بعد دخوله موافقة لها و
مخالفة فما ذهب الیه بعض من ان اعراب مثل هذا الاسم فی
حالة الجر لفظی غیر مرضی مطلقاً ای فی الاحوال الثلاث یعنی

التقاء ساکتین کی وجہ سے محذوف ہو جائے عَصاً تنوین کے ساتھ کہ دونوں طور توں میں
الف مقصورة حرکت کے قابل نہیں ہے (اور) جیسا کہ (لفظی اعراب) اس اسم معرب بالحركة
میں (اعتذر ہے) جو یائے حکم کی طرف مضاف ہو جیسے (غلامی) کیونکہ جب یائے متکلم کا ما قبل
ما قبل کے دخول سے پیشتر مناسبت یا کی وجہ سے کسرہ کے ساتھ مشغول ہو گیا تو (اب)
دخول عامل کے بعد غلامی پر کسی دوسری حرکت کا داخل ہونا ممکن نہ رہا خواہ دوسری حرکت
اس کسرہ کے (جو مناسبت یا کی وجہ سے پہلے سے آپچی ہے) موافق ہو (جبکہ عامل جارہ ہو
جیسے مررت غلامی) یا مخالف ہو (جبکہ عامل رافع یا ناصب ہو جیسے جار غلامی و رأیت
غلامی) پس وہ (قول) کہ جس کی طرف بعض محققین گئے ہیں یعنی کہ اس (غلامی) جیسے اسم

داخل ہونے سے پہلے ہی جب کسرہ دے دیا گیا تو اب
اس پر اس دوسری حرکت کا داخل ہونا متنع ہو گیا جو کہ
مال کے داخل ہونے کے بعد پیدا ہوگی خواہ وہ حرکت
مکمل کی موافق ہو یا نہ ہو و نہ اثر دادر پر مؤثرین کا تولد
فہم آتا ہے اور یہ متنع ہے (فانکذا) شارح کے
پیش نظر مندرجہ ذیل نکات تھے جن کے باعث اس
جہات کے اضافہ کی ضرورت پیش آئی (۱) ایک
سوال کا جواب دینا تھا سوال یہ تھا کہ تعدد کو ذکر کرنے
کے بعد لا اشتغل کو ذکر کرنا بیکار ہے اس لئے کہ استماع
ظہور اعراب میں طرح اشتغال میں پایا جاتا ہے تعدد
مکمل ہی موجود ہے۔ اس کا جواب شارح نے وذلک
بما یدلک ان حدیثوں کے امتناع ظہور اعراب
میں فرق ہے تعدد کی صورت میں جو حرف محل اعراب
ہوتا ہے وہ حرکت کے قابل نہیں ہوتا جیسا کہ درمضلاً
گذا اور فعل کی صورت میں حرکت کے قابل ہوتا ہے
جیسا کہ منقریب آئیگا۔ (۲) کہ فی الاسم العربی الخ

کہنے سے شارح کے دو مقصد ہیں اول یہ کہ کصا کا
بغضے مثل ہو کر مضاف ہے اور عَصاً مضاف الیه تو
مضاف الیه کلام سے خارج ہو گیا اور اس کا حال
نہیں معلوم ہوا اس لئے کہ یہاں اس وقت اضافہ لامیہ
ہو گیا اور اس میں مضاف مقصود ہوتا ہے مضاف الیه
مقصود نہیں ہوتا تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ
یہاں اضافہ بغضے لامی ہے مگر اس سے مراد ہر وہ
اسم ہے جو معرب بالحركة ہو پس اب عَصاً کا حال بھی
معلوم ہو جائیگا۔ ثانی مقصد یہ ہے کہ کسی سوال کا
جواب نہیں بلکہ متن کو ہی اس عبارت کے اضافہ سے
سمجھانا ہے اس لئے کہ کصا میں کاذا۔ اس امر پر
دلالت کرتا ہے کہ تعدد عَصا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ
عَصا جیسے اور دیگر اسماء میں بھی تعدد پایا جائے گا
(۳) وکان فی الاسم العربی الخ سے بھی وہی منشا ہے
جو علام میں گندا مختصر یہ کہ غلامی کا عطف عَصا کے
اوپر ہے جو کہ کات بغضے مثل کے تحت میں ہے۔

فما ذهب الیه شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض
تخویوں کا جو یہ مسلک ہے کہ غلامی اور اس کی مثل
جو اسماء میں ان کا اعراب حالت جری میں لفظی ہے یعنی
جو کسرہ کے بار کے ما قبل پر آتا ہے وہ اعراب لفظی
ہے اور اس حالت میں اعراب تقدیری نہیں یہ غیر
پسندیدہ ہے اور غیر پسندیدہ ہونے کی وجہ یہی ہے
کہ بار کے ما قبل جو کسرہ آیا ہے وہ مناسبت یا
کے باعث آیا ہے اور دخول عامل کے سبب سے
اس پر دوسری حرکت کا داخل ہونا متنع ہے خواہ
وہ حرکت پہلی حرکت کے موافق ہو یا مخالف۔

۱۵۱ قول مطلقاً الخ مطلقاً کی شرح
شارح نے ای فی الاحوال الثلاث کے ساتھ کر کے
ایک سوال تقدیر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے مطلقاً
مصدریہ کی بنا پر منصوب ہے یا بنا پر ظرفیہ اگر
مصدریہ کی بنا پر منصوب ہے تو مفعول مطلق کے
لئے ضروری ہے کہ معنی فعل کو مشتعل ہوں اور یہاں
کوئی فعل ایسا نہیں ہے کہ جس کا یہ مفعول ٹھہرا جائے
اور ظرفیہ کی بنا پر اگر منصوب ہے تو یہ بھی صحیح
نہیں اس لئے کہ ظرف کے لئے زمان یا مکان ہونا
شرط ہے اور مطلقاً زمان ہے نہ مکان تو شارح
نے یہ جواب دیا کہ یہ بنا پر ظرفیہ کے ہی منصوب ہے
اور اس کی تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی کہ مطلقاً
ای فی الاحوال الثلاث پس مطلقاً فی الاحوال الثلاث
کے (جو کہ ظرف ہے) قائم مقام ہو کر منصوب ہوگا
یعنی کون الا اعراب سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں
کہ مطلقاً کا تعلق صرف غلامی یا صرف عَصا سے
نہیں ہے بلکہ دونوں سے ہے اب شارح کی عبارت
کا مطلب یہ ہوا کہ اسم معرب کی ان دونوں صورتوں
میں اعراب کا تقدیری ہونا تمام حالتوں میں ہے
یعنی خواہ حالت رفعی ہو یا نصبی یا جری اعراب
ہر حالت میں تقدیری ہوگا کسی ایک حالت کے
ساتھ اعراب مختص نہیں ہے جیسا کہ بعض نحاة کا
خیال اور پند کو رہ چکا ہے کہ غلامی میں حالت
رفع و نصبی میں تو اعراب تقدیری ہے اور حالت
جری میں لفظی اس کی وجہ یہ بھی اور نہ کہ یہ

۱۵۷ قولہ ادا استثقل عطفت علی

تغذیر الخ ادا استثقل کا عطفت تغذیر پر ہے اور چونکہ تغذیر سے قبل التقذیر فیما مذکور ہے اور التقذیر میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اسلئے تغذیر عبارت یہ ہونی چاہی کہ التقذیر اسے تغذیر الاعراب نواد استثقل کا عطفت تغذیر پر کرنے کے لئے ہم وہی مذکورہ عبارت یہاں بھی نکالیں گے اس واسطے شارح نے ای تغذیر الاعراب فیما تغذیر وفی الاسم الذی استثقل ظہور الاعراب فی لفظہ کا اضافہ فرمایا اس تمام عبارت میں جو سوال و جواب ہیں وہ مابقی میں مذکور ہو چکے ہیں۔ مابقی میں جو یہ ایک اعتراض ہوا تھا کہ تغذیر کے بعد ادا استثقل کا ذکر کرنا بیکار ہے اور اس کے جواب میں کہا گیا تھا کہ امتناع ظہور اعراب میں فرق ہے تغذیر کی صورت میں تو یہ ہے کہ جو حرف محل اعراب ہے وہ حرکت کے قابل نہیں ہوا اور استثقل میں حرف محل اعراب حرکت کے قابل ہوتا ہے اسی کو شارح و ذلک الخ سے بیان فرما رہے ہیں فرماتے ہیں کہ استثقال اس وقت ہوگا جبکہ حرف محل اعراب حرکت اعراب کے قابل ہو لیکن اس کا لفظ میں ظاہر ہونا زبان پر ثقیل ہو جیسا کہ اس اسم میں کہ اس کے آخر میں یار ہو اور یار کا قبل مکسور ہو خواہ وہ یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگی ہو جیسے قاضی کہ اس کی اصل قاضی تھی یہ اس وقت ہے جبکہ قاضی منون ہو اس لئے کہ اسی صورت میں اس کو حذف کیا جاسکتا ہے پس یہاں پر یار کو ساکن کیا گیا قاضین ہو گیا بعد از یار کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا یا حذف نہ ہوئی ہو جیسا کہ القاضی میں یہاں القاضی پر الف لام داخل ہونے کی وجہ سے تنوین حذف ہو گئی اس لئے اب اجتماع ساکنین کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہاں بھی کافی الاسم سے شارح نے سابق کا طرح یہ بتایا ہے کہ قاضی میں کاف بیعتہ مثل الخ۔ قاضی اور القاضی کا اعراب تغذیری رفع اور جر کی صورت میں ہوگا۔ اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں ضمہ اور کسرہ یا پر ثقیل ہوگا۔ بجلات

کون الاعراب تقدیر یا فی ہذین النوعین من الاسم المعرب انما هو فی جمیع الاحوال غیر مختص ببعضہا واستثقل عطفت علی تغذیر ای تقدیر الاعراب فیما تغذیرا وفی الاسم الذی استثقل ظہور الاعراب فی لفظہ وذلک اذا کان محل الاعراب قابلاً للحرکۃ الاعرابیۃ ولکن یکون ظہورہ فی اللفظ ثقیلاً علی اللسان کما فی الاسم الذی فی آخرہ یاء مکسورہ ما قبلہا سواء کانت محذوفۃ بالتقاء الساکنین کقاض او غیر محذوفۃ کالقاضی رفعاً وجرّاً ای فی حالتی الرفع والجرّ کما فی حالۃ النصب لا استثقال الضمۃ والکسر علی

کما اعراب حالت جر میں لفظی ہے ناپسند ہے «مطلقاً» یعنی تینوں حالتوں میں یعنی اسم معرب کے ان دونوں قسموں میں اعراب کا تقدیری ہونا تمام احوال ہی میں ہے کسی ایک حال سے خاص نہیں «یا ثقیل» «تغذیر» پر عطفت ہے یعنی اعراب کی تقدیر اس (اسم معرب) میں ہے کہ (اس میں اعراب کا ظہور) ناممکن ہو یا اس اسم (معرب) میں (اعراب کی تقدیر) ہے کہ جس کے لفظ میں اعراب کا ظہور ثقیل ہو اور یہ (ثقل اعراب) اس وقت ہے جبکہ محل اعراب حرکت اعراب کے قابل تو ہو لیکن اس کے لفظ میں اعراب کا ظہور زبان پر بیماری ہو جیسا کہ اس اسم میں (ثقیل) ہے کہ جس کے آخر میں یا ہو جس کا ماقبل مکسور ہو خواہ وہ یا التقاء ساکنین سے محذوف ہو «جیسے قاضی» یا محذوف نہ ہو جیسے (القاضی) «رفع اور جر میں» یعنی رفع اور جر کی دو حالتوں میں (اعراب کی تقدیر ہے) حالت نصب میں نہیں کہ نصب لفظی ہوگی جیسا کہ قرآن میں ہے اَجِیْبُوْا اِذْ اَعٰی اللّٰہُ رَفْعَ اور جر کی تقدیر یا ہر ضمہ اور کسرہ کے ثقل کی وجہ سے ہے فتح یا پر ثقیل نہیں «اور جیسا کہ مسلمی ہے» مصنف کے قول «کقاض»

ہو اور یہاں دونوں میں سے ایک بھی نہیں مصدر کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ فعل اس پر مشتمل ہو اور یہاں فعل معرفت مصدر مانا جائیگا جو کہ اعراباً کو مشتمل ہے نہ کہ رفعاً وجرّاً کو۔ جواب یہ دیا کہ رفعاً وجرّاً بتقدیر مضاف بنا برظرفیت منصوب ہے اور مضاف حالتی ہے تو اب تقدیر عبارت یہ ہوگی رفعاً وجرّاً ای فی حالتی الرفع والجرّ لانی حالۃ النصب سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رفعاً وجرّاً کی قید احترازی ہے نصب اس سے خارج ہو گیا۔

فتح کے کہ وہ یا پر ثقیل نہیں اس وجہ سے حالت نصبی میں ان کا اعراب لفظی بالفتح ہوگا۔ جیسے رَفِیْتُ القاضی و رَفِیْتُ قاضیاً اور حالت رفعی و جرّی کی مثال یہ ہے جیسے جار فی قاضی جار فی القاضی مررت بقاضی مررت بالقاضی۔ رفعاً وجرّاً کی شرح ای فی حالتی الرفع والجرّ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ رفعاً وجرّاً کس بنا پر منصوب ہے آیا بنا پر ظرفیت کے یا بنا پر مصدر اگر بنا پر ظرفیت ہے تو ظرف کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ زبان یا مکان

الیاء دون الفتحة ونحو مسلمی عطف علی قوله كقاص یعنی تقدیر
الاعراب بالاستقلال قد يكون في الاعراب بالحركة وقد يكون في
الاعراب بالحرف نحو مسلمی بخلاف تقدیر الاعراب للتعذر فانه مختص
بالاعراب بالحركة رفعاً یعنی تقدیر الاعراب فی نحو مسلمی انما هو
فی حالة الرفع فقط دون النصب والجرح نحو جاء فی مسلمی فان اصله
مسلموی یسقوط النون بالاضافة فاجتمع الواو والياء والسابق منهما
ساکن فالنقل للواو یاءً وادغمت الیاء فی الیاء وکسر ما قبل الیاء قلم
بق علامة الرفع التي هي الواو فی اللفظ فصار الاعراب فی حالة الرفع

پر عطف ہے یعنی اعراب کی تقدیر جو نقل کی وجہ سے ہوتی ہے وہ کبھی تو اعراب بالحرکت میں ہوتی
ہے اور کبھی اعراب بالحرف میں جیسے مسلمی اس تقدیر اعراب کے برعکس جو تعذر کی وجہ سے
ہوتی ہے کیونکہ وہ اعراب بالحرکت سے مختص ہے (لا رفع میں) یعنی مسلمی جیسے کلمہ میں اعراب کی
تقدیر رفع کی حالت میں ہے نصب اور جرح کی حالت میں نہیں جیسے جاء فی مسلمی کہ اس
کی اصل مسلموی ہے اضافت کی وجہ سے اس کا نون ساقط ہے پھر واو اور یاء جمع ہو گئے واو
ان دونوں سے سابق ساکن ہے تو واو یاء سے بدل گئی اور یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا اور اس کے
ما قبل کو کسرہ دیدیا گیا (کہ یا اپنا ما قبل مکسور چاہتی ہے) پس لفظ میں علامت رفع کہ واو
بقی باقی نہ رہی لہذا حالت رفع میں اعراب تقدیری ہو گیا۔ نصب اور جرح کی دونوں کی

الاعراب سے شائع دو سوالوں کا جواب ہے
یہ ہے ایک سوال تو یہ ہے کہ مصنف اپنی عبارت
میں ایجاز و اختصار سے کام لے رہے ہیں لہذا
اس کا تقاضہ تھا کہ یہاں بھی اختصار سے کام لیتے
ہوئے صرف مسلمی کہہ دیتے تاکہ اس کا عطف قاضی
پر ہو جاتا اور عہدت مختصر ہو جاتی لفظ نحو کے ذکر
کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے
کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مصنف نے تعذر اعراب کی
دو مثالیں ایک نوع کی ذکر فرمائیں یعنی دونوں
معرب بالحرکت ہیں اور استئصال اعراب کی بھی
دو مثالیں ذکر کی ہیں مگر دونوں مختلف نوع
سے متعلق ہیں ایک معرب بالحرکت ہے اور دوسری
معرب بالحرف، سوال اول کا جواب یہ ہے کہ

۱۵۸ قولہ ونحو مسلمی الخ اس سے مراد
ہر وہ جمع مذکر سالم ہے جو کہ یا شکلم کی طرف مضان
ہو اس میں پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ اس کا عطف
قاضی پر ہے اور قاضی مدخول کا نہ ہونی کی وجہ سے
مجرور ہے اور معطوف و معطوف علیہ کا حکم ایک
ہو کر نا ہے اس لئے نحو مسلمی بھی قاضی پر عطف
ہونے کی وجہ سے کاف کا مدخول ہوا تو عبارت
ہوئی نحو مسلمی تو اب نحو کا ذکر کرنا عبث ہوا۔
اس کا جواب دینے کے لئے شائع فرماتے ہیں کہ نحو
مسلمی کا عطف قاضی پر نہیں کقاضی پر ہے پس
اس صورت میں یہ کاف کا مدخول نہیں ہو گا کہ
لفظ نحو کا ذکر کرنا عبث ٹھہرا جائے یعنی تقدیر

کہ لفظ نحو کو ذکر کر کے مسلمی کا عطف قاضی پر نہ
کرتے ہوئے مصنف اس امر پر تنبیہ کر رہے ہیں
کہ مسلمی اعراب تقدیری کی دوسری نوع ہے
یعنی لفظ قاضی میں جو اعراب مقدر ہے وہ انہ
قبیل حرکت ہے اور مسلمی میں از قبیل حرف اور ثانی
اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تقدیر اعراب تعذر
صرف ایک نوع کے ساتھ مختص ہے اس لئے
اس کی دو مثالیں ایک نوع کی ذکر کر دیں۔ تاکہ
اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ تعذر کی صورت میں
اعراب تقدیری صرف بالحرکت ہو سکتا ہے بالحرف
نہیں کہ اور تقدیر اعراب استئصال چونکہ ایک قسم
کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے اس کی دو مثالیں
ایک نوع اول یعنی اعراب بالحرکت اور ایک نوع
ثانی یعنی اعراب بالحرف کی ذکر کر دیں۔

۱۵۹ قولہ رفعاً یعنی تقدیر الاعراب الخ
یہاں بھی شائع نے یعنی تقدیر الاعراب الخ کہہ کر
اسی سوال کا جواب دیا ہے جو اوپر مذکور ہوا جس میں
رفعاً کو ظرفیہ کی بنا پر منصوب قرار دیا ہے مسلمی
میں صرف حالت رفع میں اعراب مقدر ہو نصب
وجہ کی حالت میں تقدیری نہیں ہوتا یہاں بھی رفعاً
کی تید احترازی ہے جو کہ نصباً وجہاً کو خارج کرنے
کے لئے ہے اعراب تقدیری کی مثال جیسے جار فی
مسلمی اس کی اصل مسلموی تھی، اضافہ کی وجہ سے نون
ساقط ہو گیا۔ واو اور یاء جمع ہو گئے جن میں سے
پہلا ساکن اور دوسرا متحرک ہے اس لئے واو
کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام کر دیا یاء کے
ما قبل کو مکسور کر دیا مسلمی ہو گیا پس یہاں علامت
رفع جو واو تھی وہ باقی نہیں رہی اس لئے حالت رفع
میں اس جگہ اعراب تقدیری ہو گیا بخلاف حالت
نصب اور جرح کے کہ اس کی اصل مسلمی ہی تھی اضافہ
کے باعث نون ساقط ہو گیا پھر دو یاء جمع ہو گئیں
جس میں اول ساکن اور دوسری متحرک ہے لہذا یاء
کا یاء میں ادغام کر دیا مسلمی ہو گیا۔ اور ان دونوں
حالتوں میں یاء اپنی حقیقت پر ہے تبدیل نہیں ہوتی لہذا
ان دونوں صورتوں میں اعراب تقدیری نہیں ہو گا

تقدیر یا بخلاف حالتی النصب والجرفان الادغام یُخْرِجُ الياء عن حقیقتها فان الياء المدغمۃ ایضاً یاء وقد یكون الاعراب بالحروف تقدیراً فی الاحوال الثلاث فی مثل جاءنی ابوالقوم ورایت ابا القوم ومرت بابی القوم فانه لما سقط حروف الاعراب عن اللفظ بالتقاء الساکنین لم یبق الاعراب لفظاً بل صار تقدیراً واللفظی ای الاعراب المتلفظ به فیما عداہ یعنی فیما عدا ما ذکر مما تعدت

حالتوں کے برعکس (کہ یہ دونوں لفظی ہوں گی) کیونکہ ادغام یا ئے (مدغمہ) کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرے گا (کہ حرف مدغم لفظوں میں ثابت مانا جاتا ہے) اس لئے یائے مدغم بھی یا ہی ہے (جیسا کہ یائے غیر مدغم یا ہوتی ہے) اور کبھی اعراب بالحروف جاءنی ابوالقوم اور رأیت ابا القوم اور مرت بابی القوم کے مثل میں تینوں (رفع و نصب و جر) میں تقدیری ہوتا ہے کیونکہ جب التقاء ساکنین کی وجہ سے اعراب کے حروف (واو الف و یا) لفظاً تلفظ سے (نہ کہ کتابت سے) ساقط ہو گئے تو اعراب لفظاً باقی نہ رہا بلکہ تقدیری ہو گیا (اور لفظی) یعنی وہ اعراب جس کے ساتھ تلفظ ہوتا ہے (اس کے ماسواہ میں ہے) یعنی لفظی اعراب اسم معرب

۱۶۰ قولہ وقد یكون الاعراب الخ

یہاں سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ اعراب تقدیری بالحرث جس طرح فقط حالت رفع میں سکمی میں آتا ہے نہیں طرح بسا اوقات اسم اعراب بالحرث تینوں حالتوں میں آتا ہے جارنی ابوالقوم و رأیت ابا القوم و مرت بابی القوم لہذا مصنف کو چاہئے کہ یہ بھی ایک قسم قرار دے کہ ایک مثال اور زیادہ کرے اس طرح کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے اسم میں ہر سر حالت میں اعراب تقدیری ہوتا ہے حالانکہ مصنف نے ایسا نہیں کیا ہے۔ بلکہ انھوں نے اعراب بالحرث میں اعراب تقدیری صرف حالت رفعی میں ثابت کیا ہے اس کا جواب شارح نے قد تغلیل کے لئے لاکر دے ہے ہیں کہ ایسا ہونا شاذ و نادر ہے اس لئے کہ اگر البودا و ابوالی کی اضافۃ القوم کی طرف نہ ہوتی تو ان میں اعراب تقدیری پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ تو ان کا اعراب تقدیری صرف عارض کی وجہ سے ہے۔ اور عارض کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اصل کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو مصنف نے اسم معرب بتقدیر اعراب بالحروف کی قسم میں داخل نہیں کیا۔ اور کثرت کا لحاظ کر کے اعراب بالحروف کی تقدیر کے لئے ایک ہی حالت رفعی کو بیان کر دیا۔

۱۶۱ قولہ واللفظی ای الاعراب الخ

ای اعراب ماتعذر استغنی کے ماسواہ سب اعراب اعراب لفظی میں شمار ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اعراب تقدیری اقل ہے اور لفظی اکثر اس لئے خلاصہ اہل تقدیری کو مقدم کر دیا تاکہ اس کے ماسواہ کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ یہ لفظی ہے کثیر کا احاطہ کرنا مشکل ہے پس قلیل کو مقدم کرنا بہتر ہوا۔ اگرچہ اس سے تقدیم فرخ علی الاصل لازم آئی۔ شارح نے اللفظی کے بعد ای الاعراب کے ساتھ اس وجہ سے شرح کی ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جو اسم یا نسبت

اجزاء ہوتا ہے اس لئے کہ وہ فاعلیۃ فاعل اور مفعولیۃ مفعول اور شے کے صفات الیہ ہونے پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں۔ جس طرح کہ اعراب لفظی حقیقی فاعلیۃ فاعل وغیرہ پر دلالت کرتا ہے جیسے جاءنی زید میں زید پر جس طرح اعراب لفظی حقیقی کے داخل ہونے سے فاعلیۃ پر دلالت کی ہے اسی طرح جاءنی موسیٰ کے ضمہ تقدیری نے بھی فاعلیۃ کے اور پر دلالت کی ہے و قس علی ہذا جواب یہ ہے کہ لفظ اطلاقاً حقیقی اور حکمی پر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ اسم مفعول کے ساتھ مؤول نہ ہو اور یہاں اسم مفعول کے ساتھ مؤول ہے۔ یعنی لفظ بمعنی متعلق ہے۔ اس لئے اس سے صرف لفظ حقیقی مراد ہو سکتا ہے۔ لفظ حکمی نہیں اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اہل عرب اس کا

سے متصل ہو وہ ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے تو اس کے لئے موصوف کی ضرورت تھی اس وجہ سے ای الاعراب کہہ کر اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ اب تقدیر عبارت یہ ہونی اللفظی ای الاعراب اللفظی اور تقدیر میں چونکہ یا نہیں تھی اس لئے وہاں موصوف نہیں بلکہ مضاف الیہ مقدر نکالا اور المتلفظ بہ کہہ کر شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ اعراب لفظی کی تخصیص ماعدانہ کور میں صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اعراب لفظی جس طرح ماعدانہ میں ہوتا ہے اسی طرح مذکور میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ لفظ عام سے خواہ حقیقی ہو یا حکمی رادر ضمہ و فتح و کسر جو کہ مذکور میں فرض کئے گئے ہیں وہ حکماً لفظ میں اس لئے کہ ان پر لفظ حقیقی کے احکام کا

فيه الاعراب أو استثقل ولما ذكر في تفصيل المعرب المنصرف وغير
المنصرف وكان غير المنصرف أقل من المنصرف وبمعرفته يُعرف
المنصرف على قياس الاعراب التقديرية واللفظية عرّف غير
المنصرف والتّفى بتعريفه فقال

مذکور کہ جس میں اعراب متعذریا لھیل ہے کے غیر میں ہے اور جبکہ مصنف نے معرب کی تفصیل میں منصرف اور غیر منصرف کا ذکر کیا تھا اور غیر منصرف، منصرف سے کم تھا اور اعراب لفظی اور تقدیری کے قیاس پر غیر منصرف کی تعریف سے منصرف کی تعریف ہو جاتی ہے تو مصنف نے غیر منصرف کی تعریف کی اور اس کی تعریف پر التماکیا پس فرمایا

استعمال بکثرت اسم مفعول کے معنی میں نیکر کرتے ہیں۔ پس لب عبارت اس طرح ہوگی کہ المثلثی عراب

بلکہ ان دونوں شقوں کو مذکور سے مؤول کے اس
کی طرف ضمیر واحد غائب راجع کی گئی ہے۔ اور
مذکور چونکہ واحد ہے۔ اس لئے راجع اور مرجع
میں مطابقت ہو گئی۔ یعنی سوائے اس مقام کے
جو مذکور ہوا یعنی جس میں اعراب متعذر یا ثقیل ہے۔
سب جگہ اعراب لفظی ہو گا۔

۱۶۲ **قولہ** ولا ذکر فی تفصیل الجہاں سے شارح علیہ السلام حتمیاً بیان غیر منصرف کے لئے تمسید باندھنے کے ساتھ ساتھ ایک سوال مقدر کا بھی جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ اسما میں اصل انصرف ہے اس لئے مصنف کو لازم تھا کہ منصرف کی تعریف پر اکتفا کرتے ہوئے غیر منصرف کو ترک کر دیتے تاکہ تعریف الایضاً باضداد ہا کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے ہم منصرف کے علاوہ کو غیر منصرف سمجھ لیتے شارح اس کا یہ جواب دے رہے ہیں کہ جبکہ مصنف نے معرب کی تفصیل میں منصرف اور غیر منصرف کو ذکر کیا اور غیر منصرف منصرف سے اقل ہے اور غیر منصرف کے جان لینے سے اس پر تقدیری اور لفظی کے ڈھنگ پر منصرف کی تعریف خود ہی معلوم ہو جائے گی اس لئے اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں نیز غیر منصرف کے مفہوم میں منع صرف کے اسباب میں سے دو سببوں کا یا ایک سبب کا جو قائم مقام دو سبب کے ہو پایا جانا ضروری ہے اور منصرف میں کوئی سبب نہیں پایا جاتا لہذا غیر منصرف امر وجودی ہوا اور منصرف امر عدمی اس بنا پر مصنف نے غیر منصرف کی اقلیت کا لحاظ کرتے ہوئے منصرف کی تعریف کو ترک کر دیا اور غیر منصرف کی تعریف شرع کی اور اسی کی تعریف پر اکتفا کرتے ہوئے غیر المنصرف فرمایا۔

غیر المنصرف

ما ای اسم معرب فیہ علتان توثران باجماعہما واجتماع

غیر منصرف

«وہ» یعنی اسم معرب «کہ جس میں دو علتیں ہوں» جو اپنے (نفس) اجتماع اور اپنے شرائط کو جامع ہونے کی وجہ سے اس اسم معرب میں وہ اثر کریں جس کا عنقریب ذکر آئے گا «وہ»

باوجود یہ منصرف ہے غیر منصرف نہیں۔ شائع نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ دونوں علتیں موثر ہیں مگر ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان دونوں علتوں کی شرائط بھی مجتمع ہوں تب غیر منصرف ہوگا اور یہاں ان دونوں علتوں کی شرائط کا فقدان ہے اس لئے کہ عجمہ کے لئے ضروری ہے کہ حرکت اوسط ہو یا زیادتی علی التلث ہو اور یہاں ایک بھی نہیں لہذا یہ مذہب مختار اور صحیح کی بنا منصرف ہی ہے گا۔ اثر توثران کا مفعول مطلق ہے اور اس سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ حرکت اوسط یا زیادتی علی التلث عجمہ کی شرط ہے اس لئے کہ مشروط کا وجود بغیر شرط کے پایا جاتا محال ہے اور یہاں مشروط یعنی عجمہ نوح میں بغیر شرط کے موجود ہے یعنی ذوق نوح کا وسط متحرک ہے اور نہ لفظ نوح تین حروف سے زائد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عجمہ کے لئے یہ دونوں شرط نہیں ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ شے بلا شرط کے پائی جاتی ہے شائع نے جواب دیا کہ ان شرائط سے مراد شرائط تاثیر میں یعنی لفظ میں موثر ہونے کے لئے ان شرائط کا اعتبار ہے لفظ کے وجود کے لئے یہ شرائط نہیں ہیں۔

ہو گئے اور غیر منصرف کی تعریف جامع ہو گئی نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شائع توثران باجماعہما کہہ کر اس سوال کا جواب دیا ہو کہ جملی اور مصالح جب کسی شخص کے علم قرار دیئے جائیں تو ان میں دو علتیں موجود ہوں گی اول علمیت اور ثانی تانیت اور مصالح میں علمیت اور جمع منتفی المجموع تو چاہئے کہ ان دونوں کو فیہ علتان کے ذیل میں شمار کریں حالانکہ یہ علت واحدہ تقوم مقامہما کے ذیل میں شمار ہوتے ہیں جواب یہ ہے کہ دو علتیں موثر اگر ہوں گی تو فیہ علتان کے ذیل میں وہ اسم معرب داخل ہوگا ورنہ علت واحدہ تقوم مقامہما میں اس کی جگہ ہے اور جملی مصالح میں دو علتیں تو ہیں مگر موثر نہیں اس لئے کہ علمیت الف تانیت اور صغیہ منتفی المجموع میں موثر نہیں ہوا کرتی لہذا یہ غیر منصرف کی قسم ثانی میں ہی داخل رہیں گے اول میں نہیں واجتماع شرائطہما سے بھی ایک دخل مقدر کا دفعیہ مقصود ہے۔ دخل مقدر کی تقریر یہ ہے کہ غیر منصرف کی تعریف مانع نہیں اس لئے کہ یہ نوح پر صادق آتی ہے۔ جو کہ اسم معرب ہے اور اس میں دو علتیں بھی علمیت اور جمع موجود ہیں اور دونوں مجتمع ہو کر موثر بھی ہیں اسکے

لہ قولہ غیر المنصرف بالجمع غیر منصرف وہ اسم معرب ہے کہ جس میں نوا سباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جائیں یا ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے پایا جائے۔ اب یہاں پہلے ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ ما سے مراد لفظ ہے یا اسم اگر لفظ ہے تو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ ضربت میں دو علتیں موجود ہیں تانیت اور وزن فعل لہذا اس کو بھی غیر منصرف کہنا چاہئے حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں ہے معنی ہے شائع جواب دیتے ہیں کہ ما سے مراد اسم ہے لہذا فعل اس سے خارج ہو گیا۔ پھر اعتراض وارد ہوا کہ حضار میں دو سبب پائے جاتے ہیں علمیت اور تانیت اس کے باوجود یہ غیر منصرف نہیں معنی ہے لہذا ما سے اسم مراد لینے سے اس کو بھی غیر منصرف کہا جائے۔ شائع نے اس کے جواب میں معرب کا اضافہ فرمایا۔ حاصل یہ ہوا کہ حضار اسم معرب نہیں اسم معنی ہے اور غیر منصرف اسم معرب کی قسم سے ہے لہذا اس میں حضار داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ توثران باجماعہما سے بھی شائع نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ غیر منصرف کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس میں قائمہ اور اس کے امثال داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اس میں تانیت اور وصفیت نوا سباب منع صرف میں دو سبب موجود ہیں اس کے باوجود یہ غیر منصرف نہیں منصرف ہے۔ شائع نے جواب دیا کہ دو علتوں سے وہ علتیں مراد ہیں جو کسی اسم میں جمع ہو کر اس میں اثر انداز ہوں۔ اور قائمہ میں ایک علت موثرہ یعنی وصفیت تو ہے مگر دوسری علت تانیت یہ قائمہ میں موثر نہیں اس لئے کہ تانیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم ہو اور قائمہ علم ہے نہیں اس لئے کہ علمیت وصفیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی لہذا قائمہ وغیرہ غیر منصرف کی تعریف سے خارج

شرائطها فيه الترابي ذكره من على تسع او علة واحدة
منها اي من تلك التسع تقوم هذه العلة الواحدة مقامها
اي مقام هاتين العلتين بان تؤثر وحدها تأثيرهما وهي احدى
التسع مجموع ما في هذين البيتين من الامور التسعة لا كل واحد
حتى يقال لا يصح الحكم على العلى التسع بكل واحد من هذه الامور
وذلك للمجموع شعري : على ووصف وتانيث ومعرفة
ونجدة ثم جمع ثم تركيب - والعدول في عطف هاتين

ظنوں میں سے یا ایک علت و ہواں میں سے یعنی ان نو میں سے وہ کہ کمری ہو یا ایک
علت و ان دو کی جگہ یعنی ان دو علتوں کی جگہ اس طرح کمری ہو کہ تنہا ان دو کا اثر کرے
اور وہ یعنی وہ نو علتیں اس کا مجموعہ ہیں جو ان دو شعروں میں سے یعنی نو امور کا نہ کہ ہر
ایک علت نو علتیں ہیں یہاں تک کہ (اعراض کے طور پر) کہا جائے کہ ان نو امور میں
سے ہر ایک کا ان نو ظنوں پر حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور وہ مجموعہ ہے
شعری (عدل اور وصف اور تانیث و معرفہ اور نجدة پھر جمع پھر ترکیب ہے)
اور صنف کا جمع اور ترکیب کی دو علتوں کے عطف میں دلو سے ثم کی طرف عدول کرنا محض
حالت فتن شر کے لئے ہے

ہے کہ تقوم میں جو ضمیر فاعل ہے اس کا مرجع ہذا
الحد الواحد ہے۔ مقام ہاتین العلتین سے بھی
مقام ہا میں ہا ضمیر کے مرجع کی تعیین مقصود ہے
اور بان تو ثر وحدہ ہا تاثیر ہا سے شائع نے
ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے
کہ ایک طے کا قیام و علتوں کے مقام پر صحیح نہیں
اس لئے کہ قیام اجسام میں مقصور ہوتا ہے اور
علل از قبیل احرار میں ذکر از قبیل اجسام شائع
نے جواب دیا کہ تقوم مقام ہا سے مراد یہ ہے کہ
وہ علت واحد مان دو علتوں جیسا اثر کرے
اور اثر از قبیل اعرار میں ہے لہذا اعلل اور اثر میں
مطابقت ہو گئی۔

قوله و ہا ای اعلل التسع الخ
کا مرجع اعلل تسع ہے۔ مجموعہ مانی ہذین البیتین
سے شائع نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے

قوله من علی تسع الخ تسع سے قبل
فعل علی نکال کر اور یہ بتا کر کہ تسع صنف ہے اور
اس کا موصوفہ اعلل مضاف ہے شیخ رضی اللہ عنہ
کو رد کرنا مقصود ہے شیخ رضی اللہ عنہ نے یہاں ہے کہ
جاءت بمنزلة الموصوف من علی بل یزید للصفات
الیہ ہے اور تقدیر عبارت من تسع اعلل ہے وہ
روئے ہے کہ اگر عبارت علی عطف للصفات
الیہ ہے تو صنف کا قائل ہو جائے اس کے مطابق
نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں ترکیب اضافی ہوگی
نہیں سکتی اس لئے کہ اعلل اور اثین کی تہیز نہیں
آیا کرتی بلکہ ترکیب توصیفی ہے یعنی موصوف
مضاف ہے لہذا شیخ رضی اللہ عنہ کا قائل اس دلیل
کے ہوتے ہوئے قائل قبول نہیں۔ ای من تلك
التسع سے شائع کا مقصد نہا کی ہا ضمیر کا مرجع
بتا کر کہ تقوم ہذا العلة الواحدة سے یہ مقصود

سوال یہ ہے کہ علل تسع پر کل واحد واحد حکم لگانا
صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں واحد کا
عمل مستند و پر لازم آئیگا اور یہ بدیہی البطلان ہے
یعنی اس سے یہ لازم آئے گا کہ ان نو علتوں میں
سے ہر ایک علت نو علت ہے اور یہ یقینی غلط
ہے۔ شائع نے جواب دیا کہ یہ جیسے ہو سکتا ہے
جیسے حکم کو عطف پر مقدم مانا جائے اور یہاں ایسا
نہیں ہے بلکہ عطف حکم پر مقدم ہے پس اس صورت
میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ علتیں مانی ہذین البیتین
کا مجموعہ میں ذکر کل واحد علیہ۔ یعنی جب دونوں
شعروں معطوف و معطوف علیہ سے مل جائیں گے اس
وقت اس مجموعہ کا علل تسع پر حکم لگایا جائیگا معطوف
و معطوف علیہ کے ملنے سے قبل ان کا حکم نہیں کیا
جائیگا۔ من الامور التسعة سے اس دویم کا ازالہ کر
دیا کہ جتین میں واد اور ثم اور تقریب کا ذکر ہے
لہذا یہ بھی اسباب منع صرف میں سے ہوں گے
اس لئے کہ مجموعہ مانی بیتین کا حکم لگایا ہے اور یہ
بھی مجموعہ میں داخل ہیں۔ ازالہ دویم اس طریقہ پر
ہوا کہ مجموعہ مانی ہذین البیتین سے امور تسعہ کا
مجموعہ مراد ہے مجموعہ یجمعنا الجماعہ ہے اور یہ خبر
ہے ہی کی لہذا مبتداء و خبر دونوں مؤنث ہو کر
مطابق ہو گئے۔

قوله وذلك المجموع شعرا الخ
تسعہ کا مجموعہ یہود شعری عدل و وصف و تانیث
و معرفہ۔ و عجمہ ثم جمع ثم ترکیب و انون نائذہ
من قبلہ الف و فتن قبل و ہذا القول تقریب یہ
دونوں شعروں سویدانہ کی ہیں ان سے پہلا
شعر ہے۔ موانع صرف تسع کلاما اجتماعت
ثقتان منہا فاما صرف تصویب۔ شائع نے اس
شعر کو اس وجہ سے نظر انداز کر دیا کہ اس میں غیر
منصرف کی صرف قسم اول کو ذکر کیا گیا ہے یعنی
موانع صرف میں سے دو سبب جن نام میں جمع ہو
جائیں تو وہ اکم غیر منصرف ہو جائیگا اور قسم ثانی
یعنی ایک سبب قائم مقام حکم کیوں کے ہواں

العلتین من الواو الی ثم لجرد المحافظة علی الوزن والنون زائدہ
من قبلہا الف ووزن فعل وهذا القول تقریب
فقوله زائدہ منصوب علی انه حال اذ المعنی وتمنع النون الصرف
حال کو نہا زائدہ وقوله ألف فاعل الظرف اعنی من قبلہا او مبتدا
خبرہ الظرف المتقدم ولا یخفی انه لا یقرم من هذا التوجیه زیادہ

((اور نون زائدہ جس سے پہلے ہوا الف اور وزن فعل اور یہ قول تقریب ہے))

پھر مصنف کا قول "زائدہ" حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ معنی یہ ہے "اور نون صرف
کو منع کرتا ہے اس حال میں کہ وہ زائد ہو" اور مصنف کا قول "ألف" ظرف یعنی "ما قبلہا" کا
فاعل ہے۔ یا مبتدا مؤخر ہے جس کی خبر ظرف تقدم ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس
(ترکیبی) توجیہ سے الف کا زائد ہونا نہیں سمجھا جاتا یا وجودیکہ یہ بھی زائد ہے اور اس

اعتبار سے فاعل ہی ہے اس لئے کہ اس کے معنی
وتمنع النون الصرف حال کو نہا زائدہ کے ہیں
اور مصنف کا قول الف ظرف یعنی من قبلہا کا
فاعل ہے یا الف مبتدا ہے اور اس کی خبر تقدم
من قبلہا ہے تو اس صورت میں یہ جملہ امیہ
ہو کر سابق ذوالحال سے محل حال میں واقع ہو گا اور
چونکہ اس صورت میں دو حال ایک ذوالحال سے
واقع ہوئے ہیں لہذا ان کو احوال مترادف کہا جائیگا
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جملہ امیہ زائدہ کی ضمیر مستتر
سے حال واقع ہو اس صورت میں ان کو احوال
متداخرہ سے تعبیر کریں گے اور یہ معنی ہوں گے
وتمنع النون الصرف حال کو نہا زائدہ و حال کو نہا
الف قبلہا ثابۃ مگر یہ دونوں ترکیبیں ناقض
ہیں اور اعتراض سے خالی نہیں ہیں کو شاس ولا یخفی
الیہ الخ سے بیان فرمایا ہے۔

۱۷ قولہ ولا یخفی انہ الخ یہاں سے

شراح اور پر کی توجیہ یہ کہ الف ظرف کا فاعل ہے
یا مبتدا مؤخر ہے ایک اعتراض کر رہے ہیں اعتراض
یہ ہے کہ اس توجیہ سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ الف
بھی زائد ہو گا حالانکہ الف بھی زائد ہوتا ہے مگر اس
سے صرف نون کی زیادتی سمجھ میں آتی ہے اور الف

تو فاعل سے ہو یا مفعول سے اور النون اس ترکیب
میں نہ تو فاعل ہے نہ مفعول بلکہ مبتدا ہے شراح
نے جواب دیا کہ زائدہ صفتہ واقع ہونے کی بنا پر
مرفوع تو ہو نہیں سکتا (جبکہ فاعل ہندی نے
اس کو صفتہ اول قرار دیا ہے اور من قبلہا الف کو
صفتہ ثانیہ) اس لئے کہ موصوف صفتہ کے درمیان
تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری ہے اور اس کا
یہاں فقدان ہے اگرچہ تاویلات کے اسکو
صفتہ بنایا جاسکتا ہے مثلاً کہا جائے کہ النون ہیں
الف لام زائدہ ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے
اخرات یعنی عدل و وصف وغیرہ سب منکر ہیں
پس یہ لازم نہیں آتا کہ موصوف معرف باللام
کی صفتہ نکرہ لالی گئی ہے یا النون میں الف لام
عہد ذہنی کے لئے ہے اور معرف بلام العہد
الذہنی کا صفتہ نکرہ لانا صحیح ہے جیسا کہ رضی نے
اس کی تصریح کی ہے نیز النون کو کلمہ کی تاویل
کر کے مونث بنالیں گے تاکہ توصیف مذکر
بالمونث کا اعتراض لازم نہ آئے مگر یہ تمام صورتیں
متکلف سے خالی نہیں البتہ بنا برحالیۃ کے النون
سے اس کو منصوب پرآہ سکتے ہیں اس لئے کہ
النون اگرچہ حقیقی فاعل نہیں ہے مگر معنی کے

کو اس شعر میں ذکر نہیں کیا اور مصنف کو دونوں
قسمیں بیان کرنی مقصود ہیں اس لئے اول شعر کو
عزت کر دیا۔ اگرچہ ابو سعید کی جانب سے یہ جواب
دیا جاسکتا ہے کہ موانع صرف دو قسم پر ہیں حقیقی
اور حکمی پس قسم اول میں دونوں حقیقی پائے جاتے
ہیں اور قسم ثانی میں حکمی مگر موانع دونوں صورتوں
میں دو ہی ہیں فرق صرف حقیقی اور حکمی کا ہے لہذا
بیت اول میں موانع صرف میں سے جو دو کا ہونا
لازم کیا گیا ہے وہ عام ہے خواہ حقیقی یا حکمی کو
آپ اس پر یاس کر سکتے ہیں والعدول فی عطف
الخ سے شراح دو سوالوں کا جواب دے رہے ہیں
سوال اول یہ ہے کہ ثم تراخی کے لئے آتا ہے لہذا
معلوم ہوا کہ جمع عجمہ کے علت بن جانے کے بعد
عمت بنتا ہے اسی طرح ترکیب کی علت جمع
کی علت کے بعد ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ
شاعر نے پہلے تو واو کو ذکر کیا اور اس کے بعد ثم
کو اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ صرف واو مذکور ہونا
چاہئے تھا تاکہ عبارت مختصر رہتی۔ اور واوی
عطف میں اہل ہے اس لئے اہل بھی لحاظ ہو جاتا
شراح نے جواب دیا کہ واو سے ثم کی جانب عدول
کرنے کی وجہ صرف محافظت وزن ہے نہ تو یہاں
ثم تراخی کے لئے ہے اور نہ ثم کو واو پر ترجیح دیکر
خلات اہل کا ارتکاب کیا ہے۔

۱۸ قولہ فقوله زائدہ الخ یہاں سے

شراح ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں سوال
یہ ہے کہ زائدہ دو حال سے خالی نہیں یا بنا برالنون
سے صفت ہونے کے مرفوع ہو گا یا بنا برحالیۃ
منصوب۔ اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں
اس لئے کہ اگر صفتہ ٹھہرایا جائے تو النون موصوف
معرف باللام بنا بر زائدہ اس کی صفت نکرہ
حالانکہ شرط یہ ہے کہ موصوف و صفت دونوں
ایک جیسے ہوں اگر موصوف معرف باللام ہو گا
تو صفت بھی حرف باللام ہونی چاہئے اور اگر موصوف
نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہونی چاہئے۔ اور اگر حال
قرار دیا جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یا

الالف مع انهما ايضا زائدةٌ ولهذا يعبر عنهما بالالف والنون الزائدتين
ولو جعل الف فاعلاً لقوله زائدةٌ والظرف متعلقاً بالزيادة وأريد
بزيادة الف قبل النون اشتراكهما في وصف الزيادة وتقدم الف
عليها في هذا الوصف فهم زيادتهما جميعاً وهذا كما اذا قلت جاء زيد
راكباً من قبله اخوة فانه يدل على اشتراكهما في وصف الركوب و
تقدم اخيه عليه في هذا الوصف وقوله وهذا القول تقريبٌ يعني
ان ذكر العلة بصورة النظم تقريبٌ لها الى الحفظ لان حفظ النظم سهل
وانقول بان كل واحد من الامور التسعة علةٌ قولٌ تقريبيٌ لا تحقيقيٌ

الف کے نون کی طرح زائد ہونے کی وجہ سے ان دونوں (الف و نون) کو "الف و نون
زائد تین" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر "الف" کو مصنف کے قول "زائدة" کا فاعل اور
ظرف "ما قبلها" (ظرف لغو) کو "زیادة" سے متعلق کیا جائے اور الف کے نون سے پہلے
زائد ہونے سے دونوں کا وصف زیادت میں مشترک ہونا اور الف کا اس وصف (زیادت)
میں نون سے مقدم ہونا مراد لیا جائے تو دونوں کا اکٹھے زیادہ ہونا سمجھا جاتا ہے اور یہ (توجہ) ہم
اس کے مشابہ ہے جب تم کہو "اذا جاء زيد راکباً من قبله اخوة" پس بلا شک یہ زید
اور اس کے بھائی کے وصف رکوب میں مشترک ہونے اور اس وصف میں زید کے بھائی
کے زید سے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہے اور مصنف کے قول "وهذا القول تقريبٌ" سے
مصنف یہ مراد لیتے ہیں کہ علتوں کا نظم کی صورت میں ذکر کرنا انہیں حفظ کے قریب کرنا ہے
کیونکہ نظم کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہے یا یہ مراد ہے کہ امور تسعة میں سے ہر ایک کو
علت کہنا قول تقریبی ہے تحقیقی نہیں کیونکہ درحقیقت (غیر منصرف کی) علت ان میں سے دو

کا اس سے پہلے ثابت ہونا مالا لک الف و نون ہر
دو زائد ہیں اسی وجہ سے ان کو الف و نون زائد تان
سے تعبیر کرتے ہیں و جعل الخ سے شارح اس اعتراض
کا یہ جواب دے رہے ہیں کہ اگر الف کو زائدۃ کا فاعل
قرار دیا جائے اور ظرف یعنی من قبلہا زائدۃ کے
متعلق ہو اور الف کے نون سے پہلے زیادہ ہونے
سے وصف زیادة میں ان دونوں کے اشتراک
کا ارادہ کیا جائے اور اس وصف میں نون پر الف
کا مقدم ہونا مراد لیا جائے تو اس صورت میں الف
و نون دونوں کا زیادہ ہونا سمجھ میں آجائیگا یعنی

میں شریک ہیں لیکن آنے میں زید کا بھائی مقدم
ہے غرض کہ محاورہ عرب کے موافق اس ترکیب
پر الف و نون دونوں کا وصف زیادة میں شریک
ہونا اور الف کا نون سے قبل زائد ہونا سمجھ میں آ
جاتا ہے۔ نیز یہ بھی جواب ہے کہ زیادتی نون کی
اس وجہ سے تصریح کر دی گئی ہے کہ الف کا زیادہ
ہونا تو کسی کو معلوم ہے اس لئے کہ وہ حروف
علت سے ہے اور اس میں اصلۃً بہت ہی قلیل
ہوتی ہے اور نون کا زائد ہونا کسی کو معلوم نہیں
لہذا نون کی زیادتی کو بیان کر کے الف کی زیادتی
کو مخاطب کی عقل پر اعتماد کرتے ہوئے ترک
کر دیا گیا۔

۱۰ قولہ وقوله هذا القول الخ هذا القول
مبتدأ اور تقرب خبر اور تقرب کے معنی لغت
میں قریب کرنا ہے۔ شارح کا مقصد اس عبارت
سے دہا القول تقرب کے معنی بیان کرنا ہے
اس کی تین توجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ ہے کہ
نظم کا حفظ کرنا طبائع کو مرغوب ہونے کے
باعث آسان ہوتا ہے لہذا ان علت تسعة کو بصورة
نظم ذکر کرنا مقرب الی الحفظ ہے تو اس صورت
میں تقرب بمعنی اسم فاعل ہوگا۔ ثانی توجہ یہ
ہے کہ امور تسعة میں ہر ایک کو علت قرار دینا
قول تقریبی ہے نہ کہ تحقیقی۔ اس لئے کہ اسم کو
غیر منصرف بنانے کے لئے حقیقت میں ان میں سے
دو چیزیں دو علتیں ہوتی ہیں نہ کہ ایک پس اس صورت
میں تقرب بمعنی مجازی ہوگا (فان لکنا)
قول تحقیقی اس کو کہتے ہیں جو نفس الامر میں ثابت
ہو اور قول تقریبی وہ ہے جو نفس الامر کے
قریب ہو غیر سبکی توجہ یہ ہے کہ اسم کو غیر منصرف
بنانے کے لئے صرف علت قرار دینا اقرب
الی الصواب ہے اس لئے کہ اس کے عدد میں اختلاف
ہے بعض کہتے ہیں کہ نو ہیں اور بعض کا قول ہے
کہ دو ہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ گیارہ ہیں۔
پس اگر دو علتیں مانی جائیں تو یہ تقریب سے
اور اگر گیارہ قرار دی جائیں تو افراط اور یہ دونوں

واحمد مثال وزن الفعل وحكمه ای حکم غیر المنصرف و
الاثرتا ترتب علیہ من حیث اشتمالہ علی علتین او واحدۃ منها
تقوم مقامہما ان لا کسرة فیہ ولا تنوین وذلك لان لكل علة
فرعية فاذا وقع فی الاسم عتان حصل فیہ فرعتان فیثبة الفعل
من حیث ان له فرعتین بالنسبة الی الاسم احدا ہما افتقارہ
الی الفاعل و اخر لہما اشتقاقہ من المصدر فنع منه اعراب
المختص بالاسم وهو الجوز والتونین الذی هو علامة التمكن والما

سے اس پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ «اسمیں» کسرہ نہیں اور نہ تنوین «اور» اس
لئے ہے کہ ہر علت کے لئے فرع ہوتا ہے (کہ ہر علت کسی نہ کسی چیز کی فرع ہوتی ہے) پس
جب اسم میں دو علتیں واقع ہوں گی تو اس اسم میں دو فرعتیں (دو فرع) حاصل ہوں گی
تو وہ فعل کے اس حیثیت سے مشابہ ہوگا کہ فعل کے لئے اسم کی نسبت دو فرعتیں (دو فرع)
ہیں ان دونوں سے ایک فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہوتا ہے اور دوسری (فرعت) اس
کا مصدر سے مشتق ہوتا ہے لہذا اس اسم سے کہ جس میں دو فرعتیں ہوں گی اور وہ اس طرح
فعل کے مشابہ ہوگا وہ اعراب ممنوع ہو گیا جو اسم (غیر مشابہ بالفعل) کے ساتھ مخصوص
ہے اور وہ (اعراب مخصوص) جو اور وہ تنوین ہے جو ممکن کی علامت ہے اور جو سمنے

۱۵ قولہ ذکر ای حکم تم حکم کی شریعت
حکم غیر المنصرف سے کہ کے شاعر نے بتلایا کہ حکم
کی غیر منصرف کا طرف راجع ہے اب یہ ایک
موضوع طرد ہوتا ہے وہ یہ کہ غیر منصرف کی جانب
حکم کی مخالفت درست نہیں ہے کہ حکم مستلزم
المرکز والاعتدال و سلباً کو کہتے ہیں اور یہ مرکب
میں پایا جاتا ہے اور غیر منصرف منفرک کے اسم کے
ہے تو اس موضوع کا جواب دینے کے لئے شارح
نے جو اثر المرتب علیہ کا اضافہ فرمایا جواب کا حاصل
یہ ہر حکم کے معنی مخالفت میں ممکن کے ایک
معنی اثر المرتب علیہ کے بھی ہیں لہذا یہاں یہ معنی
مستلزم نہیں بلکہ اشکال نہیں طرد ہوتا ہے اور
ایک اعتراض طرد ہوتا ہے یہ کہ حکم کی مخالفت
غیر منصرف کی جانب درست نہیں اس لئے
کہ حکم اثر المرتب علیہ کے معنی ہیں اور یہاں پر

منع کسرہ تنوین دو علتوں یا ایک علت و جواہر
دو علتوں کی ہوا یہ ترتیب ہے نہ کہ غیر منصرف پر شراح
نے اس کا جواب میں حیث اشتمالہ علی انہ سے یہ دیا
کہ حکم کی مخالفت غیر منصرف کی طرف مجازاً ہے اور
ملا بہت کم درجہ سے اضافہ کر دی گئی اور ملا بہت
یہ ہے کہ یہ حکم اگرچہ دو علتوں کا شرعاً ثابت غیر
منصرف میں ہوتا ہے۔

۱۶ قولہ من لا کسرة فیہ ولا تنوین انہ اس
عبادت میں غیر کا عقد بڑھا کر ایک سطر کا عقد کا جواب
دینا مقصود ہے سطر یہ ہے کہ من لا کسرة فیہ نام فنی
جس کے لئے ہے تو کسرہ اس کا نام ہوگا اور غیر
کا کوئی پتہ نہیں اس کا جواب شاعر نے یہ دیا کہ
اس کی خبر معلوم ہے یعنی غیر پس اب تعیر جات
یہ جوئی ان لا کسرة فیہ ولا تنوین بجز اعتراض وارد
ہوتا ہے کہ حکم مبتدا ہی اور اس کے بعد کا جملہ خبریہ

یہ قاعدہ ہے کہ جب خبر جملہ ہوتی ہے تو اس میں
ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہو
اور یہاں ضمیر تو موجود ہے مگر مبتدا کی طرف راجع نہیں
بلکہ غیر منصرف کی طرف راجع ہے اس کا جواب یہ
ہے کہ یہاں پر یہ جملہ بتاویل مفرد ہے اور تقدیر
عبادت اس طرح پر ہے ای ممکنہ عدم الکسرة و
التنوین پس اب کوئی اشکال نہیں رہا غیر منصرف
کا حکم یہ ہے کہ نہ اس میں کسرہ ہو نہ تنوین۔ مذکور
انہ سے شارح اس کی دلیل بیان فرما رہے ہیں نیز
ما سبق میں شارح بیان کر کے آئے تھے کہ چونکہ
غیر منصرف کو فعل کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس
لئے اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے اور مشابہت
کی وجہ کو آئندہ بیان کیا جائے گا۔ تو یہاں پر اپنے
اس وعدہ کو الیاف کر رہے ہیں۔ غیر منصرف پر کسرہ اور
تنوین نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر علت کے لئے
ایک فرعت ہوتی ہے پس جب کسی اسم میں دو
علتیں ہوں گی۔ تو اس میں دو فرعتیں حاصل ہوں
گی پس اس تقدیر پر اسم غیر منصرف فعل سے مشابہ
ہو اس لئے کہ فعل میں بہ نسبت اسم کے دو فرعتیں
ہوتی ہیں ایک تو فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہونا
اور دوسرے فعل کا مصدر سے مشتق ہونا کی وجہ
سے جو اعراب اسم کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی جو
اور تنوین وہ فعل پر نہیں آسکتا پس اسی طرح غیر
منصرف پر بھی مذکورہ بالا مشابہت کی بنا پر کسرہ
اور تنوین نہیں آسکتے۔

۱۷ قولہ والتونین الذی ہوا انہ اس عبارت
سے شاعر نے ایک سوالیہ مقدم کا جواب دیا ہے۔
سوال یہ ہے کہ حکم لگاتار صحیح نہیں ہے کہ غیر منصرف
پر تنوین نہیں آسکتی اس لئے کہ مسلمات کو کسی کا نام رکھ دیا
جائے تو اس میں تائید اور علت دو ہیوں کے ہوگی
وجہ سے اس کو غیر منصرف کہیں گے اور غیر منصرف ہونے
کی حالت میں ہی اس پر تنوین برقرار رہے گی۔ شارح
نے جواب دیا کہ تنوین سے تنوین ممکن مراد ہے۔ اور
مسلمات میں جو تنوین ہے وہ تنوین متقابلہ ہے نہ کہ
تنوین ممکن اس لئے کہ تنوین نون جمع مذکر سالم کے

قلنا لكل علة فرعية لان العدل فرع المعدول عنه والوصف فرع الموصوف والتانيث فرع التذكير لانك تقول قائم ثمر قائمة والتعريف فرع التذكير لانك تقول رجل ثمر الرجل والعجمة في كلام العرب فرع العربية اذا الاصل في كل كلام ان لا يخالطها آخو والجمع فرع الواحد والتركيب فرع الافراد والالف والنون الزائدتين فرع ما زيدتا عليه ووزن الفعل فرع وزن الاسم لان الاصل في كل نوع ان لا يكون فيه الوزن المختص بنوع آخر فاذا وجد فيه هذا الوزن كان فرعاً لوزنه الاصلی ويجوز ان

مقابلہ میں واقع ہوتی ہے۔ اور ممکن اس کو کہتے ہیں جو کلمہ کے اصلی حالت پر برقرار رہنے پر دلالت کرے تاکہ اس پر تمام اعراب کا اجرا ہو سکے۔ مفصل بحث انشاء اللہ تعالیٰ بحث حرف میں آئیگی

۱۲ قولہ وانما لكل الخ یہاں سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر علت کے لئے ایک فرعیہ کیوں ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر علت کے لئے ایک فرعیہ اس وجہ سے کہا کہ عدل معدول عنہ کی فرع ہے۔ اس لئے کہ معدول عنہ اصل ہے یعنی کسی اسم کا اپنی حالت پر برقرار رہنا اصل ہوتا ہے اور جب وہ اپنی حالت پر برقرار نہ رہے تو یہ فرع ہے۔ پس عدل میں چونکہ معدول عنہ سے عدل کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے عدل معدول عنہ کی فرع ہوا اور وصف موصوف کی فرع ہے۔ اس لئے کہ وصف بغیر موصوف کے نہیں پایا جاتا۔ اور تانیث تنکیر کی فرع ہے خلقہ اور مرتبہ اور تلفظ کے اعتبار سے اول کی دو صورتیں تو ظاہر ہیں۔ ثالث کو شارح بیان کر رہے ہیں۔ یعنی قائم پہلے بولا جاتا ہے اور قائمۃ بعد میں۔ اور تعریف تنکیر کی فرع ہے معنی اور تلفظ کے اعتبار سے معنی کے اعتبار سے اس وجہ سے ہے کہ تصور اجالی تصور تفصیلی پر مقدم ہوتا ہے پس پہلے کسی عام کا تصور کرینگے۔ بعد ازاں اس کے ضمن میں خاص کا وجود ہوگا تلفظ کے اعتبار سے یہ ہے کہ پہلے رجل کہا جاتا ہے۔ اور پھر ارجل۔ اور عجمہ کلام عرب میں عربیہ کی فرع ہے اس لئے کہ ہر کلام میں اصل ہے کہ اسمیں دوسری زبان مختلطہ ہو اور جمع واحد کی فرع ہے کہ پہلے واحد پایا جائیگا بعد میں جمع کا ہونا معلوم ہوگا اور ترکیب افراد کی فرع ہے اس لئے کہ پہلے مفرد معلوم ہوتا ہے بعد ازاں مرکب ذہن میں آتا ہے اور الف ونون۔ زائدتان اس کی فرع ہے جس پر یہ زیادہ کئے گئے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے۔ اور وزن فعل وزن اسم کی فرع ہے اس لئے کہ ہر نوع میں اصل یہ ہے کہ اس میں ایسا وزن نہ ہو جو کسی دوسری نوع کے ساتھ مختص ہو پس جب کسی نوع میں دوسری نوع کا وزن پایا جائیگا تو یہ دوسری نوع کا وزن

کہا کہ ہر علت کے لئے ایک فرعیہ ہے اس لئے (کہا ہے) کہ عدل (اسم) معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی فرع ہے اور تانیث تنکیر کی فرع ہے کیونکہ تم کہتے ہو قائم پھر کہتے ہو قائمۃ اور تعریف تنکیر کی فرع ہے کیونکہ تم کہتے ہو رجل پھر الرجل اور عجمہ کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے کیونکہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس سے کوئی دوسری زبان مخلوط نہ ہو (اور عربیت جب کلام عجم میں ہوگی تو وہ اس کے لئے فرع ہوگی) اور جمع واحد کی فرع ہے اور ترکیب افراد کی فرع ہے اور الف ونون زائدتان اس کی فرع ہیں جس پر انہیں زائد کیا گیا (مثلاً عثمان عثم کی اور سکران سکر کی فرع ہے) اور وزن فعل وزن اسم کی فرع ہے کیونکہ ہر نوع میں اصل یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا وزن نہ ہو جو کسی دوسری نوع سے مخصوص ہو

پس جب کسی نوع (یعنی اسم) میں یہ وزن (جو نوع فعل کے ساتھ مخصوص ہے) پایا جائیگا تو یہ (وزن جو نوع اسم میں پایا گیا ہے) اس (اسم) کے وزن اصلی کی فرع ہوگا (اور جائز ہے)

نوع اول کے لئے (جو اصل ہے) فرع ہوگا۔

۱۳ قولہ وبجوزای لا یتنوع الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں کہ مصنف کا یہ کہنا کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا مناسب کے لئے جائز ہے مسلم ہے مگر یہ تسلیم نہیں کہ ضرورت کے لئے بھی جائز ہی ہے اس لئے کہ ضرورت شعری کے لئے تو غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ یہاں جواز سے مراد عدم امتناع ہے اس لئے جواز کی دو قسمیں ہیں ایک بمعنی امکان خاص یعنی طرفین سے سلب ضرورت

ہو اور دوسرے بمعنی امکان عام یعنی حکم کی جانب مخالف سے سلب ضرورت ہو پس یہاں پر ثانی مراد ہے اس لئے کہ جب کسی شے کے اثبات کا حکم کیا جائیگا تو اس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس کی جانب مقابل سے اس شے کا حکم منسوب ہے یعنی عدم اثبات ہے۔ اور اس جگہ اثبات کا حکم کیا گیا ہے یعنی صرف کے پائے جانے کا پس اس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ ضرورت جانب مقابل یعنی غیر منصرف سے منسوب ہو پس جانب اثبات عام باقی رہی خواہ ضروری ہو یا غیر ضروری پس ضروری میں منصرف پڑھنا واجب ہے اور

لا یمتنع سوا وکان ضروریًا او غیر ضروری صرفہ ای جعلہ فی حکم المنصرف بادخال الکسرة والتنوين فيه لا جعلہ منصرفاً حقیقۃً فان غیر المنصرف عند المصنف ما فیہ علتان او واحدة تقوم مقامہما و بادخال الکسرة والتنوين لا یلزم خلوا لاسم عنہما و قیل المراد بالصرف معناه اللغوی لا الاصطلاحی والضمیر فی صرفہ راجع الی حکم للضرورة ای لضرورة وزن الشعر او

یعنی ممتنع نہیں خواہ ضروری ہو یا غیر ضروری (اس کا صرف) یعنی غیر منصرف میں کسرہ اور تنوین داخل کر کے اسے منصرف کے حکم میں کرنا (جائز ہے) نہ کہ حقیقۃً منصرف کرنا کیونکہ مصنف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں ہوں یا ایک ہو جو ان دو کے قائم مقام ہوتی ہے اور کسرہ اور تنوین کے داخل کرنے سے اسم غیر منصرف کا ان دو علتوں سے خالی ہونا لازماً نہیں آتا (لہذا غیر منصرف حکماً منصرف ہوا نہ کہ حقیقۃً) اور کہا گیا ہے کہ (صرفہ میں) صرف سے اس کا لغوی معنی (منع کرنا) مراد ہے نہ کہ اصطلاحی (معنی) اور صرفہ "میں ضمیر غیر منصرف

کے قولہ مراد ای جملہ الخ یہاں سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے جس کی تشریح خود بھی جواب کے بعد فان سے کر رہے ہیں سوال یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں پائی جائیں یا ایک علت قائم مقام دو علتوں کے ہو پس اگرچہ جو ضرورت کسرہ اور تنوین پر ہے جاسکتے ہیں مگر اس ضرورت کی بنا پر یہ دونوں علتیں تو زائل نہیں ہوتیں لہذا غیر منصرف منصرف بھی نہیں ہوتا پس یہ کہنا کہ عند الضرورت غیر منصرف کو منصرف کر لیا جاتا ہے درست نہیں شایع نے جواب دیا کہ غیر منصرف کو منصرف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین کے داخل کرنے کی وجہ سے منصرف کے حکم میں کر دیا جاتا ہے مراد نہیں کہ اس کو حقیقۃً منصرف کر لیا جاتا ہے۔ قیل المراد الخ سے شایع اسی سوال کے دوسرے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور لفظ قیل سے اس جواب کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے جواب یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف کے لغوی معنی مراد لے جائیں ذکر اصطلاحی اور صرف

کے معنی پھیر دینے کے ہیں، اور صرفہ کی ضمیر حکم کی طرف راجع کی جائے پس یہ معنی ہوں گے کہ غیر منصرف کے حکم کا پھیر دینا ضرورت شعری سے پائنا سب کی وجہ سے جائز ہے یعنی غیر منصرف کو اس کے حکم سے پھیر کر اس پر کسرہ اور تنوین کا داخل کرنا جائز ہے

قوله للضرورة ای لضرورة الخ یہاں سے مصنف ان وجوہات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ایک تو غیر منصرف کو منصرف ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے ضرورت سے کیا مراد تو شایع بتاتے ہیں کہ ضرورت سے ہماری مراد ضرورت وزن شعر اور ضرورت رعایۃ قافیہ ہے بلکہ امر کہ ان ضرورتوں کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پر حنا کیوں واجب ہے اس لئے کہ جب اسم غیر منصرف شعری واقع ہوگا تو بہت سے مواقع ایسے آئیں گے کہ اس کو غیر منصرف پر ڈھنے سے یا تو وزن میں انکسار لازم آئے گا جس سے شعر وزن ہی سے خارج ہو جائیگا یا زحمت واقع ہو جائیگا کہ شعر کو سلامت سے نکال دے انکسار اور زحمت کا فرق

بھی یہاں سے معلوم ہو گیا ہوگا مزید توضیح کے لئے شایع دلیل میں اشعار پیش کر رہے ہیں انکسار کی مثال جیسے حضرت فاطمہؓ کا یہ شعر ہے صُبْتُ عَلَیْ مَصَابٍ لَوْنُهَا صُبْتُ عَلَی الْاِیامِ صَرْنُ لِبَالِیَا اس میں موضع استشہاد مصائب ہے جو کہ جمع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف تھا مگر اس پر تنوین نہ داخل کرتے تو اس شعر کا وزن سلامت نہ رہتا اس لئے کہ اس شعر کا وزن متفاعل متفاعل چھ مرتبہ ہے پس اگر مصائب کو غیر منصرف ہی پر ڈھتے تو اس کا وزن متفاعل ہیے مصرعہ میں سلامت نہ رہتا بلکہ متفاعل ہو جاتا جس کے باعث یہ شعر وزن سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ شعر حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر غم و اندوہ کی حالت میں کہا تھا۔ اس کا پہلا شعر ہے ما ذاعلم من شتم تہ بنہ احمد ان لا لایثم مدی الزمان غوالیا ترجمہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدس کی خاک پاک کو سونگھا ہے اس شخص پر لازم و واجب ہے کہ وہ عمر بھر غالبہ کو نہ سونگھے۔ غالبہ ایک خوشبو کا نام ہے جو مشک و عود و عنبر و تیل وغیرہ ملا کر بنائی جاتی ہے غوالی غالبہ کی جمع ہے۔ دوسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھ پر ایسی مصیبتیں ڈالی گئی ہیں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر ڈالی جاتیں تو وہ راتوں سے بدل جاتے یعنی دن رات ہو جاتے مصیبتوں کی تاریکی کی وجہ سے زحمت کی مثال جیسے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ شعر ہے جو آپ نے ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رحمہ اللہ کی شان میں فرمایا تھا اعد ذکر نعمان لئان ذکرہ ہوا المسک ما کسرتہ بنفوس یہاں پر محل استشہاد لفظ نعمان ہے اگر اس کو غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مفتوح پر ڈھا جائیگا تو اگرچہ اس کا وزن تو سالم رہتا مگر اس میں زحمت واقع ہو جاتا جس کے باعث اس میں سلامت نہ رہتی جیسا کہ ذوق سلیم رکھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے (امام ابو حنیفہ) نعمان رحمہ اللہ کے ذکر کو بار بار دہراؤ اس لئے کہ ان کا ذکر مشک کی مانند ہے کہ جوں جوں مشک کو الٹ پلٹ کرتے ہیں وہ محکم

۱۱۰ قولہ فان قلت لا احتراز لہذا یہاں سے
شائع زعمات کے متعلق ایک اعتراض کر کے اسکا جواب
دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ زعمات کی وجہ سے
جو نہ شعر اپنے وزن سے خارج نہیں ہوتا تو اس سے
بچنا بھی ضروری نہیں لہذا مصنف کا قول للضرورة زعمان
پر صادق نہیں آتا۔ جواب یہ ہے کہ زعمات کی دو قسمیں
ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان سے بچنا ممکن ہے اور بعض ایسے
کہ ان سے احتراز کرنا ممکن نہیں پس یہاں زعمات کی پہلی
قسم ہے کہ اس سے احتراز کرنا ممکن ہے لہذا اشعار کے
نزدیک ایسے زعمات سے بچنا ضروری ہے پس نعمان
میں نون کو تینوں محسوس کے ساتھ پڑھا جاوے تو زعمان
سے نجات مل جائے گی۔ اور شعر سلامت پر برقرار رہے گا
اور رعایت قافیہ کی وجہ سے جو ضرورت واقع ہوتی ہے
اس کی مثال حضرت علیؓ کے مکرّم الشّعر کے ان دو شعروں
کے چوتھے مصرعے میں ہے۔ سلام علیٰ خیر الامام وسید
حبیب اللہ العالمین۔ بشیر نذیر ہاشمی کرم۔ علوت
رؤف من مدنی باحد۔ یہاں عمل استشاد لفظ ہاشمی ہے
اور کو غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اگر مفتوح پڑھا
جاتا تو اگرچہ وزن شعر میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا مگر
قافیہ میں ضرور اختلال واقع ہو جاتا اس لئے کہ حرف
دو یعنی آخری حرف ان تمام ابیات میں مل سکوتا
۱۱۱ قولہ ولقد سبب یوحنا الخ اس
عبارت سے شائع کا اشارہ جتنا ہے کہ القناس
کا عطف للضرورة ہے جو کہ یوحنا کا مفعول لڑ ہے
ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کہ
للقناس سبب یوحنا کا مفعول لڑ ہے اور مفعول لڑ علت
ہوتا ہے اور علت معلول پر مقدم ہوتی ہے اور یہاں
تناسب جو کہ صورت کے لئے علت ہے صورت پر
مقدم نہیں ہے بلکہ مؤخر ہے اس کا جواب شائع
نے پھیل سے یہ دیکھ مفعول لڑ کی دو قسمیں ہیں ایک
کہ کسی شے کو حاصل کرنے کے لئے فعل کیا جائے جیسے
حریت نادیا کہ یہاں نادب کے حصول کے لئے فعل
رہتی ضرب کیا گیا ہے۔ عدم یکہ کسی شے کو محذوف ہونے
کے باعث فعل کیا جائے جیسے قدوت عن محارب
جہاں کہ یہاں نامزدی کے موجود ہونے کی وجہ سے فعل

رعاية القافیة فاذا وقع غير المنصرف في الشعر فكثيرا ما يقع من
منع صرف انكسار يُخرجُه عن الوزن او انحراف يُخرجه عن
السلاسة اما الاول فقولہ - شعر

صَبَّتْ عَلَى مَصَائِبِ لَوَائِهَا ۚ صَبَّتْ عَلَى لَيَامِ صَوْنِ لَيَالِيَا
وَأَمَّا الثَّانِي فقولہ - شعر

أَعِدْ ذِكْرَ نَعْمَانٍ لَنَا أَنْ ذَكَرَهُ ۚ هُوَ لَسْتُ مَا كَرِهْتُ أَنْ يَتَضَوَّعَ
فَانَهُ لَوْ فَتَحَ نُونُ نَعْمَانٍ مِنْ غَيْرِ تَنْوِينٍ لِيَسْتَقِيمَ الْوِزْنُ وَلَكِنْ يَقَعُ
فِيهِ زَحَافٌ يُخْرِجُهُ عَنِ السَّلَاسَةِ كَمَا يَحْكُمُ بِهِ سَلَامَةُ الطَّبَعِ فَإِنْ
قَالَ قُلْتُ الْاِحْتِرَازُ عَنِ الزَّحَافِ لَيْسَ بِضَرُورِي فَكَيْفَ يَسْتَحِلُّ قَوْلَهُ
لِلضَّرُورَةِ قُلْنَا الْاِحْتِرَازُ عَنْ بَعْضِ الزَّحَافَاتِ إِذَا امْطَنَّ الْاِحْتِرَازُ
عَنْهُ ضَرُورِي عِنْدَ الشُّعْرَاءِ وَأَمَّا الضَّرُورَةُ الْوَاقِعَةُ لِرِعَايَةِ الْقَافِيَةِ
فَكَمَا فِي قَوْلِهِ شَعْرُ سَلَامٍ عَلَى خَيْرِ الْأَنْامِ وَسَيِّدِ جَيْبِ اللَّهِ الْعَالَمِينَ مَحْمُودٍ

کے حکم کی طرف راجع ہے ضرورت کے لئے یعنی وزن شعر یا رعایت قافیہ شعر کی ضرورت
کے لئے پس جب غیر منصرف شعر

میں واقع ہوتا ہے تو یہاں اوقات اس کے غیر منصرف پڑھنے سے نقصان واقع ہوتا ہے جو شعر
کو وزن سے خارج کر دیتا ہے یا تغیر (واقع ہوتا ہے) جو شعر کو سلامت سے نکال دیتا ہے لہذا
کی مثال شاعر کا قول ہے صَبَّتْ عَلَى مَصَائِبِ لَوَائِهَا صَبَّتْ عَلَى لَيَامِ صَوْنِ لَيَالِيَا
مجھ پر مصیبتیں نازل ہوئیں اگر وہ دونوں پر نازل ہوتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔ اس میں
مصائب پر غیر منصرف ہونے کے باوجود تینوں داخل ہے ورنہ وزن ٹوٹ جاتا دوسرے
کی مثال شاعر کا قول ہے أَعِدْ ذِكْرَ نَعْمَانٍ لَنَا أَنْ ذَكَرَهُ هُوَ لَسْتُ مَا كَرِهْتُ أَنْ يَتَضَوَّعَ
نعمان جو حنیفہ کا ذکر خیر بار بار کرو کہ ان کا ذکر خیر مشک ہے جب تک اس کا اعادہ کرو گے پھیتی
رہے گی۔ اس میں نعمان پر غیر منصرف ہونے کے باوجود تینوں ہے ورنہ سلامت ختم ہو جاتی
پس اگر نعمان کے نون کو تینوں کے بغیر فتح دی جاتی تو وزن درست رہتا لیکن اس میں تغیر واقع
ہوتا جو شعر کو سلامت سے نکال دیتا جیسا کہ سلامت طبع اس کا فیصلہ دیتی ہے پھر اگر تم
اعتراض کرو کہ زحاف سے احتراز تو ضرور نہیں ہے پھر اسے مصنف کا قول للضرورة
کیسے شامل ہوگا؟ ہم کہتے ہیں کہ بعض رعایات سے جب احتراز ممکن ہو تو شعراء کے نزدیک
اس سے احتراز ضروری ہے اور یہی وہ ضرورت جو رعایت قافیہ کے لئے واقع ہوتی ہے
تو وہ جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے شَعْرُ سَلَامٍ عَلَى خَيْرِ الْأَنْامِ وَسَيِّدِ جَيْبِ اللَّهِ الْعَالَمِينَ مَحْمُودٍ

بشیر نذیر ہاشمی مکرم عطفوف زوف من یسعی باحمد فانه
لو قال باحمد بالفتح لا یخل بالوزن ولكنه یخل بالقافیۃ فان حرف
الردی فی سائر الابیات الدال المکسورۃ وللتناسب ای و
یحوز صرف غیر المنصرف لیحصل التناصب بینہ و بین المنصرف
لان رعایۃ التناصب بین الکلمات اقرؤہم عندہم وان لم
یصل الی حد الضرورۃ مثل سلاسل و اعن الا لاجت صرف
سلاسل لتناصب المنصرف الذی یشیء اعنی اغلا لا فقولہ سلاسل
واغلا لا مثال لمجموع غیر المنصرف الذی صرف والمنصرف الذی
صرف غیر المنصرف لتناصبہ وما یقوم مقامہما ای العلة الواحد

بشیر نذیر ہاشمی مکرم عطفوف زوف من یسعی باحمد پس اگر شاعر "باحمد" فتح
کے ساتھ کہتا تو وزن میں کوئی غلط نہ آتا لیکن قافیہ میں خل آتا کیونکہ حرف "وی" (آخر تمام شعر)
میں وال مکسورہ ہے یا تناسب کے لئے یعنی غیر منصرف کو منصرف پر جتنا جائز ہے تاکہ
غیر منصرف اور منصرف کے درمیان مناسبت ہو جائے اس لئے کہ اہل عرب کے نزدیک کلموں
کے درمیان مناسبت ایک اہم چیز ہے اگرچہ رعایت تناسب حد ضرورت تک نہ پہنچی ہو جیسے
سلاسل و اغلا لا کیونکہ سلاسل کو اس منصرف کی مناسبت کی وجہ سے منصرف کیا گیا ہے
جو اس کے ساتھ متصل ہے یعنی اغلا لا تو اللہ تعالیٰ کا قول "سلاسل و اغلا لا" اس غیر منصرف کہ
جسے منصرف کیا گیا اور اس منصرف کہ جس کی مناسبت سے غیر منصرف کو منصرف کیا گیا کے مجموعے
کی مثال ہے اور جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے یعنی وہ ایک علت جو عمل تسعہ میں سے دو کے

تعدد کیا گیا ہے پس یہاں پر مفعول کی اول صورت ہے
یعنی فعل کا باعث حصول شے ہے جس قدر عبارت
یہ ہوگی وہ مجوز صرف لیحصل التناصب یہ مقصود نہیں
ہے کہ صرف کے موجود ہونے کی وجہ سے فعل تناسب
کیا گیا ہے بلکہ پہلے تناسب پایا جائیگا بعد ازاں
غیر منصرف کو منصرف کریں گے لہذا اب معلوم لا تقدم
علت پر لازم نہیں آتا تناسب مطلب یہ ہوا کہ غیر منصرف
کو اس وجہ سے بھی منصرف پر جتنا جائز ہے کہ غیر منصرف
اور منصرف کے درمیان تناسب حاصل ہو جائے کہ
لئے کہ تناسب کی رعایت کلمات کے درمیان
اہل عرب کے نزدیک اہم کم کا وجہ رہتی ہے۔
اگرچہ یہ وجہ ضروریہ نہیں کہ پہنچی یعنی یہ وجہ تناسب

اگرچہ اس درجہ کی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے احداث
ضرورت مانا جائے اور اس کو ضروری قرار دیا جائے
مگر اہل عرب کے نزدیک چونکہ اہم کم کے مرتبہ میں ہے
اس لئے اس کا بھی اعتبار کر لیا گیا تناسب کی مثال
جیسے سلاسل و اغلا لا اس میں عمل استشباہ و سلاسل ہے
جو کہ جمع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف تھا مگر چونکہ
اغلا لا جو اس سے متصل ہے منصرف ہے لہذا اغلا لا
مناسبت کی وجہ سے سلاسل کو بھی سلاسل تنوین
کے ساتھ کر کے غیر منصرف کر دیا۔ (فاصلہ)
داعیہ ہے کہ سلاسل کو غیر منصرف کر دینا صرف علم لفظ
تک محدود ہے قیادت میں غیر منصرف ہی پر چاہا جاتا
ہے۔ پس قول بلدی تعالیٰ سلاسل و اغلا لا اس غیر منصرف

کے جو کہ منصرف کیا گیا ہے۔ اور اس منصرف کے کہ
جس کی مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف کو کیا گیا ہے
مجموعہ کی مثال ہے، لہذا اب یہ نہ کہا جائے کہ صرف
سلاسل کا ذکر کرنا کافی تھا اغلا لا کے ذکر کی حاجت
نہیں تھی۔

۱۸ قول وما یقوم مقامہما الخ یہاں
سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم منصرف کو
غیر منصرف بنانے کے لئے جو ایک سبب قائم مقام
دو سببوں کے ہوتا ہے وہ سبب کون سے ہیں۔
اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں جن کا جواب شارح
علتان مکرر بیان الخ سے دے رہے ہیں۔ ای العلة
الواحدة الخ سے شرح کر چکا مقصود ما یقوم مقامہما کے
کلمہ ما اور ہما کا مرجع بتانا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ ایک علت جو قائم مقام دو علتوں کے ہوتی
ہے وہ سوائے جمع ادالفت تانیث کے نہیں
لہذا مصنف کو ادوات حصر ذکر کرنے ضروری تھے،
اور یہاں ادوات حصر ذکر نہیں کئے گئے، دوسرا
اعتراض یہ ہے کہ ما یقوم مقامہما مبتدأ ہے اور
الجمع والافتالتانیث اس کی خبر اور خبر کا محل مبتدأ
پر ہوتا ہے اور یہاں پر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ
اس سے خاص کا محل عام پر لازم آتا ہے اسلئے
ما یقوم مقامہما عام ہے اور الجمع والافتالتانیث
خاص اور چونکہ مجموعہ معطوف معطوف علیہ سے مل کر
خبر واقع ہو رہا ہے اس لئے عبارت کا مطلب
ہوگا کہ وہ علت جو کہ دو سبب کا کام دیکر وہ جمع
اور تانیث کے دونوں کا مجموعہ ہے حالانکہ ای نہیں
ہے بلکہ جمع والافتالتانیث میں سے ہے ہر ایک علیہ
علیہ قائم مقام دو سببوں کے ہیں شارح نے جواب
دیا کہ الجمع والافتالتانیث خبر نہیں ہیں بلکہ ما یقوم مقامہما
کی خبر مزدوف ہے یعنی علتان مکرر بیان اس سے حصر
بھی سمجھ میں آگیا اور خاص کا محل بھی عام پر نہیں رہا بلکہ
عام کا محل عام پر ہو گیا۔ جواب کی تشریح یہ ہے الجمع
والافتالتانیث میں عطف ربط پر مقدم نہیں ہے
لہذا حکم دونوں کو ملا کر نہیں لگائیں گے کہ یہ اعتراض
واقع ہو بلکہ علیہ علیہ ہر ایک کا حکم لگایا جا رہا

التي تقوم مقام العلتين من العلل التسع علتان مكررتان قامت
كل واحدة منهما مقام العلتين لتكرارهما احدهما الجمع
البالغ الى صيغة مفتي المجموع فانه قد تكرر فيه الجمعية حقيقة
كالكالب واساور وانا عيم او حكما كالمجموع الموافقة لها في عدد
الحروف والحركات والسكنات كما جدد ومصابيح وثانيتها التانيث
لكن لا مطلقا بل بعض اقسامه وهو الف التانيث المقصورة
والمدودة أي كل واحدة منهما كجلى او حمراء ولا نهالا زمان
للكلمة وضعا لا تفارقانها اصلا فلا يبق في جلى ولا في حمراء

قائم مقام ہوتی ہے دو مکررہ علتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک تکرار کی وجہ سے دو علتوں کے
قائم مقام ہوتی ہے ان میں ایک (جمع ہے) جو صیغہ مفتی المجموع کو پہنچتی ہے کہ اس میں جمعیت
حقیقہ مکرر ہے جیسے اکالب اور اساور وانا عیم یا حکما جیسے وہ مجموع جو جمع حقیقی سے تعداد
حروف وحرکات اورسکناات میں موافق ہو جیسے مساجد اور مصابیح (اور) ان دونوں میں
دوسری علت تانیث ہے لیکن مطلقا نہیں بلکہ مؤنث کے بعض اقسام اور وہ (تانیث کے
دو الف ہیں) مقصورہ اور مدودہ یعنی ان دونوں الفوں میں سے ہر ایک (مستقل سبب ہے)
جیسے جلی اور حمراء کیونکہ دونوں الف کلمہ (تانیث) کو وضع کے طور پر لازم ہیں کہ اس سے
قطعا جدا نہیں ہوتے لہذا جلی میں جلی نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی حمراء میں حمراء پس دونوں کے

مقام دو سببوں کے ہوتا ہے۔ اب شارح
کچیلے وحرار سے ہر ایک مثال دے رہے ہیں۔
جلی الف مقصورہ کی مثال ہے اور حرار الف
مدودہ کی۔ لہذا لازم زمان سے اس کی وجہ
بیان کرتے ہیں کہ الف تانیث قائم مقام
سببوں کے کیوں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ الف
مقصورہ اور الف مدودہ دونوں کلمہ کیلئے
وضع کے اعتبار سے لازم ہیں اس سے جدا
نہیں ہو سکتے پس جلی میں جلی اور حرار میں حرار
نہیں کہہ سکتے لہذا ان کا کلمہ کو لازم ہونا مشترک
تانیث آخر کے ہو گیا پس تانیث مکرر ہو گئی اور
مکرر ہونے سے دو فرعتیں پائی گئیں لہذا یہ
فعل کے مشابہ ہو گئی پس اسکو غیر منصرف
کر دیا گیا۔

دونوں سببوں میں جو ہر ایک دو سببوں کے قائم
مقام ہوتا ہے ایک جمع ہے اور دوسری تانیث
اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ قائم بھی مؤنث ہے
لہذا اس کو بھی غیر منصرف کہنا چاہئے حالانکہ غیر منصرف
ہے تو شارح نے لکن لا مطلقا سے یہ جواب دیا کہ
مطلق تانیث مراد نہیں ہے بلکہ اس کے بعض
اقسام اور مدودہ تانیث کے دو الف ہیں۔ ایک
مقصورہ دوسرے مدودہ اب یہاں پر ایک
اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مصنف کی
عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ الف مقصورہ
اور الف مدودہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک قائم مقام
دو سببوں کے ہوتا ہے تو شارح نے ای کل واحد
منہما سے یہ جواب دیا کہ مصنف کا مقصد یہ ہے
کہ ان دونوں میں سے ہر ایک الگ الگ قائم

ہے۔ لہذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ علتان
کے ساتھ مکررتان کی قید اس وجہ سے لگائی کہ یہ اعتراض
رفع ہو جائے کہ یہی تسلیم نہیں ہے کہ ایک سبب
قائم مقام دو سببوں کے ہوگا اس لئے کہ پہلے یہ
بیان ہو چکا ہے کہ اسم غیر منصرف اس وجہ سے ہوتا
ہے کہ وہ دو فرعتوں کے موجود ہونے کے باعث
فعل کا مشابہ ہو جاتا ہے اور جمع والفا التانیث
میں دو فرعتیں نہیں ہیں بلکہ ہر ایک میں ایک ایک ہے
وجہ دفع یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے دو دو فرعتیں
ثابت ہیں اس لئے کہ بعض مجموع تو حقیقہ ایسی ہیں
کہ وہ مکرر ہوتی ہیں جیسے اکالب وغیرہ اور بعض مجموع
ایسی ہیں کہ وہ حقیقہ تو مکرر نہیں ہے مگر چونکہ وہ اس
جمع کے وزن پر ہوتی ہیں جو حقیقہ مکرر ہے لہذا
اس کو بھی حکما مکرر کہا جائیگا۔ لہذا یہ مکرر ہونا ہی دو
فرعتوں کے پائے جانے پر دال ہے۔

۱۹ قولہ احدہما الجمع البالغ الخ ان

دو سببوں میں سے جو ہر ایک سبب قائم مقام دو
سببوں کے ہوتا ہے ایک جمع ہے اس پر یہ اعتراض
واقع ہوتا ہے کہ مسنون اور رجال بھی تو جمع ہیں لہذا
ان کو بھی غیر منصرف کہنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے
شارح نے البائع کی قید لگا کر بتا دیا کہ جمع سے مطلق
جمع مراد نہیں ہے بلکہ وہ جمع مراد ہے جو صیغہ مفتی
المجموع کو پہنچ جائے اس لئے کہ جمع مفتی المجموع میں
کبھی تو جمعیت حقیقہ مکرر ہوتی ہے جیسے اکالب و
اساور وانا عیم۔ کہ اکالب اکلب کی جمع ہے اور
اکلب کلب کی۔ اسی طرح اساور اسورة کی جمع ہے اور
اسورة سوار کی۔ اور انا عیم انعام کی جمع ہے اور
وہ نعم کی۔ لہذا ان کا مکرر ہونا قائم مقام دو علتوں
کے ہے۔ اور کبھی جمعیت حقیقہ تو مکرر نہیں ہوتی مگر
چونکہ جمع مفتی المجموع کے وزن پر ہوتی ہے اسلئے
اس کو بھی حکما کہا جائیگا جیسے مساجد کہ یہ اکالب
واساور کے وزن پر ہے اور مصابیح کہ یہ انا عیم
کے وزن پر ہے۔

۲۰ قولہ والفا التانیث الخ یہ جملہ

اور کے جملہ احدہما الجمع پر معطوف ہے یعنی ان

حرف فاعل لزومها للکلمة بمنزلة تانیث آخر فصار التانیث مکرراً
بجلاف التاء فانها لیست لازمة للکلمة بحسب اصل الوضع فانها وصفت
فارقة بین المذکر والمؤنث فلو عرّف اللزوم لعارض کالعلمیة مثلاً
لم یقوتوا اللزوم الوضعی فالعدل مصدر مبنی للمفعول ای کون

کلمہ کو لازم ہونے کو دوسری تانیث کی جگہ پر قرار دیا جاتا ہے تو تانیث مکرر ہو گئی تا تانیث
کے برعکس کہ وہ اصل وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم نہیں ہے کیونکہ اسے مذکر اور مؤنث
کے درمیان فرق کرنے والی بنایا گیا ہے پھر اگر مثلاً علمیت جیسے کسی عارض کی وجہ سے لزوم عارض ہوگا
تو وہ لزوم وضعی کی قوت میں نہیں ہو سکتا (پس عدل) عدل مصدر مبنی للمفعول ہے

قائم ہے کہ فاعل سے صادر ہو کر اس پر واقع
ہوتا ہے مثلاً ضرب جب مبنی لفاعل ہوگا تو اس کے
معنے کون اثنے ضارباً اور حسب مبنی للمفعول ہوگا تو
اس کے معنے کون اثنے مقرباً کے ہوں گے اسی طرح
جب عدل مصدر مبنی للمفعول ہوگا تو اس کے معنے
کون الاسم معدولاً کے ہوں گے اور وہ اسم کی صفت
ہوگا نہ کہ متکلم کی۔ اب یہاں پر چند اعتراضات واقع
ہوتے ہیں جن کے جواب شارح نے ای کون الاسم
معدولاً سے دئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ عدل
مبتدا ہے اور خبر وہ اس کی خبر اور خبر کا حمل چونکہ
مبتدا پر ہوا کرتا ہے لہذا یہاں بھی خبر کا مبتدا پر حمل
ہوگا اور یہ صحیح نہیں اس لئے کہ عدل بمعنی المعدول
ذات مع الوصف ہے اور خروج وصف لہذا وصف کا
حمل ذات مع الوصف پر لازم آیا اور یہ درست نہیں
ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کو سبب منع صفت
میں شمار کرنا صحیح نہیں رہا اس لئے کہ اس سبب منع
صرف اوصاف میں سے ہیں اور یہ ذات میں سے
تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عدل متعدی ہے اور خروج لازمی
پس اس بنا پر متعدی کی تفسیر لازمی کے ساتھ کرنا لازم
آئیگا اور یہ درست نہیں ان تینوں اعتراضوں کا جواب
شارح نے یہ دیا کہ عدل بمعنی المعدول سے مراد کون
الاسم معدولاً ہے اور کون اوصاف میں سے ہے نیز
لازمی ہے لہذا وصف کا حمل وصف پر بھی ہو گیا اور
اسم کے اوصاف میں ہونے کی وجہ سے اس کو سبب
منع صفت میں سے شمار کرنا بھی درست ہو گیا نیز خروج
لازمی تھا اور کون بھی لازمی ہے لہذا لازمی کا حمل لازمی
پر ہو گیا نیز وجہ کی تفسیر ہی خروج الاسم سے کہہ کے
شارح نے بتا دیا کہ ہاں ضمیر کا مرجع اسم ہے نہ کہ عدل
ورنہ اخذ معدول فی الحد لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور
اسم کو مرجع قرار دینے میں احتیاط قبل الذکر اسلئے لازم
نہیں آتا کہ یہ مقام ہی بحث اسم کا ہے اب اس پر یہ
اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کون الاسم معدولاً حاصل
مصدر ہے اور خروج الاسم مصدر پس مصدر کا حمل
حاصل مصدر پر لازم آیا اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ دونوں
میں مطابقت نہیں رہتی۔ اس کا جواب شارح نے

صرف میں شمار کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ منع
صرف صفات اسم میں سے ہے اور عدل مصدر ہے
بمعنی الاخراج جو کہ متکلم کی صفت ہے نیز عدل
کی تفسیر خروج کے ساتھ کرنا صحیح نہیں اس لئے
کہ عدل مصدر بمعنی الاخراج ہے جو کہ متکلم کی
صفت ہے اور خروج صفات اسم سے ہے اور
ان دونوں صفتوں میں ہر ایک کا موصوف
دوسرے سے متباین ہے لہذا ان دونوں
متباینوں میں سے ایک متبائن کی صفت کا
حمل دوسرے متبائن کی صفت پر لازم آیا اور
یہ درست نہیں ہے تو اس کا جواب شارح نے
یہ دیا کہ عدل مصدر مبنی للمفعول ہے پس عدل
بمعنی المعدول ہو کر اسم کی صفت ہو جائے گا
متکلم کی صفت نہیں رہے گا۔ متکلم کی صفت
جب ہوتا جب مصدر مبنی لفاعل ہوتا۔
تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ مصدر متعدی
دو حال سے خالی نہیں مبنی لفاعل ہوگا یا مبنی
للمفعول اس لئے کہ مصدر معنی حدثی کو کہتے
ہیں اور معنی حدثی جب تک فاعل یا مفعول
کی طرف منسوب ہوں اس وقت تک متصور
نہیں ہو سکتا جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدث ایک
امراضی انتزاعی ہے جو اس اعتبار سے کہ فاعل
سے حادث ہوتا ہے فاعل کے ساتھ قائم
ہے اور مفعول کے ساتھ اس حیثیت سے

۱۲۱ قولہ بخلاف التاریخ یہاں سے
شارح اہل اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ
قائمۃ کی تابسا اوقات حالت علمیہ میں کلمہ
کو لازم ہو جاتی ہے لہذا اس پر قیاس کئے ہوئے
اس قائمۃ کو جو علم غیر منصرف کہنا چاہئے اور
اس کے ایک سبب کو قائم مقام دو سببوں کے
قرار دینا چاہئے شارح نے جواب دیا کہ یہ اصل
وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم نہیں ہے اسلئے
کہ اس کی اہل وضع مذکور مؤنث کے درمیان
فرق کرنے کے لئے ہوئی ہے پس اگر اس کو کسی
عارض کی وجہ سے لزوم عارضی ہوگا جو کہ وضعی لزوم
کے ہم پل نہیں ہو سکتا لزوم وضعی سے کمزوری
ہے گا لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

۱۲۲ قولہ فالعدل مصدر الخ مصنف
رحمہ اللہ نے جب اہل تنوع کو غیر منصرف کی تعریف
کے بعد محلاً ذکر کیا تو اب اس کی تفصیل بیان کرنے
کا ارادہ کیا اس لئے العدل پر فار تفصیل ہے آئے
جس سے اسبق کی تفصیل کی طرف اشارہ ہوا اور یہ
معلوم ہو گیا کہ اس میں سے ہر ایک کی الگ
الگ تفسیر کریں گے لیکن یہ تفسیر مفہوم کی ہے نہ
کہ تفسیر شکل کی کہ یا اعتراض واقع نہ ہو کہ تفسیر تو
مثل عمرو و غیرہ کہنے سے ہو چکی تھی۔ اب یہاں
پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عدل کی سبب منع

الاسم معدولا خروجه ای خروج الاسم ای کونه مخرجا عن صیغته الاصلیه ای عن صورته التي تعین الاصل والقاعدة ان يكون ذلك الاسم عليها ولا يخفى ان صیغة المصدر ليست مشتقة المشتقات فباضافة الصیغة الى ضمیر الاسم خرجت المشتقات كلها وان المتبادر من خروجه عن صیغة الاصلیه ان تكون المادة باقية والتغیر انما وقع فی الصورة فقط فلا ینتقص بما حذف عنه بعض

یعنی اسم کا معدول ہونا (اس کا نکلنا ہے) یعنی اسم کا نکلنا ہونا ہے۔ (اپنے اصلی صیغے سے) یعنی اپنی اس صورت سے (معدول ہو) کہ اصل اور قاعدہ اس بات کا تقاضا کرتا ہو کہ وہ اسم اسی (صورت) پر ہو اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ صیغہ مصدر صیغہ مشتقات نہیں ہے پس صیغے کے اسم کی ضمیر کی طرف اضافت کرنے سے تمام مشتقات (عدل کی تعریف) خارج ہو گئے اور اس میں شک نہیں کہ "خروجه عن صیغته الاصلیه" سے متبادر (مترادف) یہ ہے کہ (اسم معدول عنہ کا) مادہ (حروف اصلیہ اسم معدول میں) باقی ہو اور (اسم معدول میں) تغیر صرف صورت میں واقع ہوا ہو لہذا (عدل کی تعریف) اس کلمے سے نہ ٹوٹے گی جس سے

یہ نہیں کہا جاتا کہ لفظ معدول لفظ معدول عنہ سے متمیز ہے بخلاف مشتقات کے کہ مشتق کو مصدر سے متمیز کہا جاتا ہے۔

قولہ وان المتبادر الخ اس جملہ کا حلف ان صیغہ المصدر پر ہے جو کہ دلائل میں کافی ہے اور یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب سوال یہ ہے کہ عدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اسلئے کہ اس میں اسما معدولۃ الاعجازیہ سے یہ دوہم داخل ہو گئے اس لئے کہ یہ دونوں اپنے صیغوں سے یعنی یدی ویدی سے نیک ہیں اس کے باوجود ان دونوں میں عدل کا تحقق نہیں شراح نے جواب دیا کہ اسم کے صیغہ اصلیہ سے خارج ہونے سے متبادری ہے کہ باقی مادہ ہو اور تغیر صرف صورت میں آئے وجہ تبادریہ ہے کہ ماتن نے صرف اسم کے صیغہ اصلیہ سے خارج ہونے سے تعریف کیا ہے اور مادہ سے سکوت پس معلوم ہوا مادہ باقی رہے گا یعنی وہ حروف اصلیہ باقی رہیں گے جو حرف ر.ع.ل کے مقابل ہوں گے اس سے بحث نہیں کہ وہ مادہ حذف ہوں یا نہ ہوں۔

اس کو بیان کر رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں ہے اسلئے کہ اس میں مشتقات داخل ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ بھی صیغہ اصلیہ یعنی مصدر سے نکلتے ہیں مثلاً ضاربٌ ومضروبٌ کہ دونوں ضرب مصدر سے نکلے ہیں اس کے باوجود مصدر کو معدول اور ضاربٌ ومضروبٌ وغیرہ کو عدل کہہ کر غیر منحرف نہیں کہا جاتا ہے حالانکہ اس میں دو سبب عدل اور صیغہ موجود ہیں شراح نے جواب دیا کہ مصدر کا صیغہ مشتقات کا صیغہ نہیں ہے اسلئے کہ عدل میں تو معدول اور معدول عنہ کے معنی ایک رہتے ہیں اگرچہ لفظ میں تغیر ہو جاتا ہے اور یہاں مصدر کے معنی اور ہیں اور ضاربٌ ومضروبٌ کے اور نیز اگر مصدر اور مشتقات کا صیغہ ایک ہوتا تو خروج مصدر کی اضافت ضمیر اسم کی طرف نہ ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ مصدر کا صیغہ اور ہے اور مشتقات کا اور میں فعل کے مشتقات عدل کی تعریف سے خارج ہیں کیونکہ صیغہ کی اضافت اسم کی طرف منظور مانی گئی ہے۔ نیز ایک جواب یہ ہے کہ مشتق اور معدول میں فرق عربی ہے اس لئے کہ عرب میں

یہ دیا کہ یہاں بھی خروج اسم سے مراد کون اسم ہے لہذا اصل معدول کا اصل معدول پر ہو گیا اور یہ جائز ہے۔ عدل کی تعریف مصنف نے وہی ہے کہ اسم اپنے صیغہ اہلی سے نکل جائے۔ اور یہ اعتراض سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اسم صورت اور مادہ کے مجموعہ کا نام ہے اور صیغہ بھی اہل صورت کے نزدیک مجموعہ کو کہتے ہیں لہذا اس سے خروج کل کا کل سے لازم آیا اور یہ باطل ہے اس کا جواب شراح نے یہ دیا کہ صیغہ سے مراد وہ صیغہ ہے جو کہ نحو یوں کے نزدیک ہوتا ہے یعنی صورت پس عدل کی تعریف یہ ہوتی کہ عدل اس اسم کو کہتے ہیں کہ جو اپنی اہلی صورت سے نکل جائے جو قاعدہ کے ماتحت اس کی اہلی صورت تھی اور دوسری صورت میں نکل ہو جائے۔ پھر اس پر اعتراض ہوا کہ اس صورت میں کل کا جز سے نکلنا لازم آتا ہے اس لئے کہ اسم کل ہے جو مادہ اور صورت کو شامل ہے اور صیغہ صرف صورت کے معنی میں ہو کہ جز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی اسم سے پہلے مضاف یعنی مادہ محذوف ہے پس تقدیر عبارت اس طرح ہوگی خروج مادة الاسم عن صورته الاصلیه پس کل کا خروج جز سے لازم نہیں آیا۔ مصنف رحمہ اللہ نے صرف عدل کی تعریف کی ہے اور بقیہ کی صرف شرائط بیان کر دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر اسباب منع صرف کی تعریفات کسی نہ کسی طرح سے ہر شخص کو معلوم ہیں بخلاف عدل کے کہ اس کا کوئی معین مقام نہیں تھا کہ اس کا بیان ہو گیا ہو اس وجہ سے اس کی تعریفات کر دی اور اس کو تمام اسباب منع صرف پر مقدم اس وجہ سے کیا کہ یہ غیر مشروط ہے بخلاف دیگر اسباب منع صرف کے کہ ان میں شرائط کا لزوم ہے۔ نیز یہ بھی وجہ ہے کہ شعر میں سب سے پہلے عدل ہی کا ذکر ہے اس لئے کہ لف و نشر عرب کا لحاظ کرتے ہوئے پہلے عدل ہی کو بیان کیا بعد ازاں اسی ترتیب سے دیگر اسباب منع صرف کو۔

قولہ ولا يخفى ان الخ اب یہاں سے عدل کی تعریف پر جو اعتراض واقع ہوتا ہے شراح

الحروف كالاسماء المحذوفة الاعجاز مثل يدي ودم فان المادة ليست باقية فيها وان خرج عن صيغته الاصلية يستلزم دخوله في صيغة اخرى اي مغايرة للاولى ولا يبعد ان يعتبر مغايرتها لها في كونها غير داخلية تحت اصل وقاعدة كما كانت الاولى داخلية تحتها فخرجت عنه المتغيرات القياسية واما المتغيرات الشاذة فلا تسلم انها مخرجة عن الصيغ الاصلية فان الظاهر ان مثل اقوس وانيب من المجموع الشاذة ليست مخرجة عما هو القياس فيها اذ اقياسا وانيبا بابل انما جمع القوس والانب ابتداء على قوس وانيب عتهما وقال بعض الشارحين

بعض حروف حذف كئى كئى مجيها كئى اور دم كئى مانند جو اسماء محذوفه الاواخر هي كئى كئى كئى مادہ باقی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسم کا اپنے اصلی صیغے سے نکلنا اس کے کسی دوسرے صیغے یعنی جو پہلے کا غیر ہو میں دخول کو مستلزم ہے اور یہ بعید نہیں کہ دوسرے صیغے کی پہلے صیغے سے مغایرت کا اس بات میں اعتبار ہوگا کہ صیغہ ثانیہ معدولہ کسی اصل اور قاعدے کے تحت نہ ہو جیسا کہ صیغہ اولی معدولہ عنہا قاعدے کے تحت داخل تھا لہذا (اس توجہ کی بنا پر) مغیرات قیاسیہ (کہ جن میں قیاس وقاعدے کی رو سے تغیر آیا ہے) تعریف عدل سے خارج ہو گئے اور ہا مغیرات شاذہ کا معاملہ تو ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ اپنے اصلی صیغوں سے نکالے گئے ہیں۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اقوس اور انیب کی مانند جو مجموع شاذہ میں سے ہیں ان مجموع یعنی اقواس و انیاب میں سے نکالی ہوئی نہیں ہیں کہ جن میں قیاس ہے بلکہ قوس اور ناب کو ابتدا ہی سے خلاف قیاس اقوس اور انیب (افعل کے وزن) پر جمع بنایا گیا بغیر اس کے کہ اولاً ان کی جمع کا اقواس اور انیاب (افعال کے وزن) پر اعتبار کیا جائے اور (اس کے بعد) اقوس و انیب کو اقواس و انیاب سے نکالا جائے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ بعض مترفین نے شئی کی تعریف ایسے معرف (بصیغہ اسم فاعل)

۱۵ قولہ وان خرج عن اصله اس کا عطف بھی جملہ ماہن پر ہے اور یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں مغیرات قیاسیہ جیسے مقول و مبیع و داع وغیرہ داخل ہو گئے کہ عدل پر اسم ہے اور صیغہ اہلیہ سے خارج ہوئے ہیں اور مادہ بھی برقرار ہے اس لئے کہ صیغہ اہلیہ کا مقول و مبیع و داعی ہے اس کے باوجود ان کو عدل میں

شمار نہیں کیا جاتا اور نہ حالت علمیت میں بھی یہ غیر منحرف ہوتے ہیں شارح نے جواب دیا کہ اسم کے صیغہ اہلیہ وید سے خارج ہونے کے ساتھ ساتھ یہ لازم ہے کہ وہ دوسرے صیغے میں داخل ہو جائے جو اول کے مغائر ہو اور صیغہ ثانیہ کسی اصل اور قاعدے کے تحت میں داخل نہ ہو جس طرح کہ پہلا صیغہ قاعدہ میں داخل تھا اور اس جگہ دونوں صیغے قاعدہ کے ماتحت ہیں۔ صیغہ اہلیہ اس لئے کہ وہ لسانی مجر سے

اسم مفعول مفعول کے وزن پر ہے اور ثانیہ اس لئے کہ وہ قاعدہ صرفیہ کے ماتحت ہے یعنی ضمہ و اور پر ثقیل تھا اس لئے اس کو نقل کر کے ماقبل کو دیا گیا اور ایک واو کو حذف کر دیا مقول ہو گیا اسی طرح مبیع کہ ضمہ یا پر ثقیل ہونے کی وجہ سے ماقبل کو مے نیا اور واو کو حذف کر کے یار کی مناسبت کی وجہ سے یار کو کسرت دیا گیا مبیع ہو گیا علیٰ ہذا القیاس دایع اہل میں داعی تھا یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ حذف ہو گیا پھر اجتماع ساکنین ہو جانے سے یار کو حذف کر دیا گیا دایع ہو گیا لہذا مغیرات قیاسیہ عدل کی تعریف سے خارج ہو گئے۔

۱۶ قولہ واما المغیرات الشاذہ الخ اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں اس لئے کہ اس میں مغیرات شاذہ جیسے اقوس و انیب داخل ہو گئے اس لئے کہ یہ دونوں اسم صیغہ اہلیہ سے نکلے ہیں اور مادہ بھی باقی ہے اور صیغہ ثانیہ بھی اول کے مغائر ہے اور عدل قاعدہ کے تحت میں بھی داخل ہے اور ثانی غیر داخل۔ اس لئے کہ حروف میں اہل قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ فعل کے وزن پر ہو تو اس کی جمع افعال کے وزن پر لائی جاتی ہے نہ کہ افعال کے وزن پر اور اس کی اس کی جمع فعل کے وزن پر چلائی اہل بایں صورت لائی گئی ہے کہ اولاً اقوس اور انیب کی جمع اقواس و انیاب لائی گئی پھر اس سے خروج کر کے اقوس و انیب جمع آئے اس کے باوجود اس کو عدل کوئی نہیں کہتا شارح نے جواب دیا کہ یہ بھی تسلیم نہیں ہے کہ مغیرات شاذہ صیغہ اہلیہ سے نکلے ہیں اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ اقوس و انیب کی مثل جو مجموع میں وہ شاذہ ہیں اور یہ صیغہ اہلیہ یعنی اقواس و انیاب سے نہیں نکلے بلکہ یا ابتدا ہی قوس اور ناب کی جمع اقوس و انیب افعال کے وزن پر خلاف قیاس ہیں بغیر اس کے کہ اولاً اس کی جمع اقواس و انیاب اعتباراً کی جائے اور پھر اقوس و انیب کو ان سے مخرج مانا جائے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو مجموع شاذہ نہ کہا جاتا۔

۱۷ قولہ وقال بعض الشارحین الخ اس

یہ کہا ہے کہ عدل کا اعتبار کرنا غیر منصرف ہونے پر
مقدم ہے یعنی پہلے عدل کو ثابت کیا جائے گا بعد
انہیں اس پر غیر منصرف ہو نیک حکم لگائیں گے یعنی
عدل بنا بر اہل کے کبھی تحقیقی ہوگا اور کبھی تقدیری
پس ثلث و مثلث واحد و جمع میں عدل تحقیقی ہے
اور عمر و ذفر میں عدل تقدیری اور نحو یوں نے ہم کو
عدل کی خبر دی ہے جو کہ پہلے سے متفق نہ تھے کوئی
چیز نہیں ہے جو نحو یوں نے ایجاد کی ہو شائع اس پر
نوکر تے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم کو اس امر کا قطعی علم
ماہل ہے کہ اہل عرب جب ثلث و مثلث واحد
جمع غیر منصرف بولتے ہیں اور ان میں سوائے وصفیہ
یا علیت کے اور کوئی دوسرا سبب ظاہری نہیں
دیکھا کہ جس کی وجہ سے ان پر غیر منصرف ہونے کا
حکم لگایا جاسکے تو ہم اصولی طور پر دوسرے سبب
کے محتاج ہوئے تاکہ دو سببوں کے باعث یہ
ثابت کیا جاسکے کہ یہ تمام غیر منصرف ہیں اور یہ بات
بھی واضح ہے کہ سوائے عدل کے اور کوئی سبب

فاعتبروه فیہا لانہم تنبہوا للعدل فیما عدلکم من ہذا الامثلة
فجعلوا غیر منصرف للعدل وسبب آخر ولكن لا بد فی اعتبار العدل
من امرین احدهما وجود اصل للاسم المعدول وثانیہما اعتبار
اخراجہ عن ذلک الاصل اذ لا یتحقق الفرعیۃ بدون اعتبار ذلک
لاخراج ففی بعض تلك الامثلة یوجد دلیل غیر منصرف علی وجود
الاصل المعدول عنہ فوجودہ محقق بلا شک و فی بعضہا دلیل
غیر منصرف فیفرض لہ اصل لیتحقق العدل باخراجہ عن ذلک
الاصل فانقسام العدل الی التحقیقی والتقدیری انما ہو باعتبار کون
ذلک الاصل محققا ومقدرا واما اعتبار اخراج المعدول عن ذلک

کوئی دوسرا ظاہری سبب (مگر) نہ پایا۔ تو انہیں ایک دوسرے سبب کے اعتبار کرنے کی
حاجت ہوئی اور اس اعتبار کے لئے عدل کے سوا کوئی دوسرا سبب صلاحیت نہیں رکھتا
تھا تو انہوں نے ان اسماء (خمس) میں عدل کا اعتبار کر لیا یوں نہیں کہ نحوی حضرات ان
مثالوں میں سے عمر کے ماسوا میں عدل (کے وجود) پر متنبہ ہوئے تو اسے عدل اور سبب
دیگر کی وجہ سے غیر منصرف کر دیا لیکن عدل کے اعتبار کرنے میں دو چیزوں کا ہونا ضروری
ہے ایک تو اسم معدول کے لئے اصل (معدول عنہ) کا وجود دوسرا اسم معدول کے اس اصل
سے اخراج کا اعتبار کیونکہ اس اخراج کے اعتبار کے بغیر فرعیۃ محقق نہیں ہو سکتی پھر ان
مثالوں میں سے بعض تو منع صرف کے علاوہ اصل معدول عنہ کے وجود کی دلیل پائی جاتی ہے
پس اس کا وجود بلا شک محقق (یعنی بر حقیقت) ہوا اور ان میں سے بعض میں منع صرف کے علاوہ
کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کے لئے ایک اصل کو فرض کیا جائے گا تاکہ معدول کے اس اصل
سے اخراج کی وجہ سے عدل محقق ہو سکے پس عدل کا تحقیقی اور تقدیری طرف منقسم ہونا اصل

فرض کیا گیا ہے۔

۱۹ قولہ ولكن لا بد فی اعتبار الخ

ایک سوال مقدار کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جبکہ
ان تمام کلیات میں عدل فرضی اور اعتباری ہے تو عدل
کی تقسیم تحقیقی اور تقدیری کی طرف جائز نہیں۔
اس لئے کہ اس سے تقسیم شے الی نفسہ والی غیر لازم
آتی ہے جو کہ ناجائز ہے اس کا جواب شارح دیکھیں
لابد سے یہ ہے کہ عدل کا اعتبار کرنے میں
دو امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے ایک تو یہ ہے

نخاۃ نے عدل کی یہی خبر دی ہے جو کہ پہلے سے عمر
کے علاوہ مذکورہ مثالوں میں موجود تھا پس اس بناء
نحویوں نے ان امثلہ کو عدل اور دوسرے سبب کے
باعث غیر منصرف قرار دے دیا بلکہ یہ کلمات پہلے
سے اہل عرب کے نزدیک غیر منصرف تھے۔ مگر
ظاہر ایک ہی سبب ان میں تحقیق تھا اس لئے دوسرا
سبب ان میں عدل فرض کیا گیا فیما عدل سئل
کہا کہ بالاتفاق فاضل ہندی کے نزدیک بھی عمر میں
عدل سابق علی منع الصوف نہیں ہے بلکہ اس میں عدل

کہ اسم معدول کی اصل پائی جائے اور دوسرے یہ کہ
اس اصل سے اس معدول کے اخراج کا اعتبار
کیا جائے اس لئے اخراج کا اعتبار کے بغیر فرعیۃ
کا تحقق نہیں ہو سکتا اور جب فرعیۃ کا تحقق نہ ہوگا
تو اسم معدول دو سببوں کا تحقق بھی ثابت نہیں ہو
سکتا پس اسم معدول کا غیر منصرف ہونا ناممکن ہو
جائے گا اس لئے اعتبار کی اشد ضرورت ہے
پس ان میں سے بعض مثالوں میں غیر منصرف ہونے
کے علاوہ معدول عنہ کے اصل کے وجود پر دلیل
پائی جاتی ہے مثلاً ثلث وثلث کہ ان کی اصل معدول
عنہ ثلثہ ثلثہ ہے پس ان میں اصل کا وجود بلا شک
محقق ہے۔ اور بعض میں غیر منصرف ہونیکے علاوہ
اور کوئی دلیل نہیں پائی جاتی پس اس کے لئے ایک
اصل فرض کیا جائے گا تاکہ اس اصل سے اس اسم
معدول کو نکالنے کے ساتھ عدل کا تحقق ثابت
ہو جائے پس عدل کی تقسیم تحقیقی اور تقدیری
کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ اصل تحقیقی یا تقدیری
ہے۔ اگر اصل محقق ہوگی تو عدل تحقیقی ہوگا۔ اور اگر
اصل مقدری ہے تو عدل تقدیری جواب کا حاصل
یہ ہوگا کہ عدل کی تقسیم باعتبار معدول عنہ کے ہے
یعنی اگر معدول عنہ تحقیقی ہے تو عدل بھی تحقیقی
ہوگا اور اگر معدول عنہ تقدیری ہے تو عدل بھی
تقدیری ہوگا۔ لیکن اسم معدول کے اس اصل
سے اخراج کے اعتبار کرنے پر عدل کو تحقق کرنے
کے لئے ہمارے پاس غیر منصرف ہونے کے علاوہ
کوئی دلیل نہیں ہے یعنی اخراج معدول کا جو
اعتبار کیا گیا ہے وہ اصل یعنی معدول عنہ سے
خارج ہوگا۔ تو اس کے اوپر ہمارے پاس کوئی دلیل
نہیں صرف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان اسماء کو اہل عرب
چونکہ غیر منصرف ہوتے ہیں۔ اور بظاہر ان میں سبب
ایک ہی پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہم دوسرا سبب
عدل فرض کریں گے۔ تاکہ انکو غیر منصرف کہنا
صحیح ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل کا اعتبار
بعد میں ہوگا۔ اور ان اسماء کا غیر منصرف ہونا پہلے
ہے۔ اور عدل بہر حال خواہ تحقیقی ہو یا تقدیری

الاصل ليتحقق العدل فلا دليل عليه الا منع الصرف فعل هذا قولنا
تحقيقاً معناه خروجاً كما نشأ عن اصل محقق يدل عليه دليل غير
منع الصرف كثلث ومثلث والدليل على اصلهما ان في معناهما
تكرار دون لفظهما والاصل انه اذا كان المعنى مكرراً يكون اللفظ ايضاً

کے محقق یا مصدر ہونے کے اعتبار ہی سے ہے اور یہ معدول کے اس اصل سے اخراج کا اعتبار
تاکہ عدل محقق ہو تو اس پر منع صرف کے سوا کوئی دلیل نہیں پس اسی (انقسام عدل) کی بنا پر
معنف کا قول ہے (لا تحقیقی طور پر) اس کے معنی ہیں (اسم کا) اصل محقق سے خارج ہونا جس
پر منع صرف کے علاوہ کوئی دلیل دلالت کرتی ہو (جیسے ثلث اور مثلث) اور ان کی اصل پر
دلیل یہ ہے کہ ان کے معنی میں تکرار ہے لفظ میں نہیں اور (الفاظ میں) اصل یہ ہے کہ جب معنی

ہو تو اس کی صفت مذکر لائی جائیگی تو اس سے معلوم
ہوگا کہ ثلث و مثلث۔ ثلثہ ثلثہ سے معدول نہیں ہیں
بلکہ ثلث ثلث بغیر التار سے معدول ہیں۔ جواب یہ
کہ ثلثیہ کے معنی میں جس طرح تکرار پایا جاتا ہے اسی
طرح لفظ میں بھی تکرار موجود ہے اس لئے کہ ثلثیہ میں
لفظ لفظ کے قائم مقام ہے اور ایسے ہی جمع میں واحد
پس ایک صیغہ مفرد اور دوسرے علامت تثنیہ یا جمع
بہم مل کر قائم مقام دو لفظوں کے ہو گئے۔ ثلثی آخر میں
کا جواب یہ ہے کہ النساء امراۃ کی اسم جمع ہے حقیقتہً
امراۃ کی کوئی جمع نہیں ہے اسلئے النساء کو اس اعتبار سے
جمع مذکر کہیں گے پس مذکر کی صفت عدد مؤنث
لائی گئی جس سے معلوم ہوگا کہ ثلث و مثلث ثلثہ ثلثہ
سے ہی معدول ہیں اسی طریقہ سے عاد مؤنث اور شایع
و مثنی رباع و مربع تک بلا خلاف ہے یعنی بالاتفاق
ان کے معنی میں تکرار پایا جاتا ہے اور یہ معدول
ہیں۔ اور ان الفاظ کے علاوہ محاسن و خمس سے
بے کر و شاد و معشر تک اختلاف ہے اسلئے کہ اہل
عرب یہ کلمات سنے نہیں گئے مجرد اور کو فین
یہ کہتے ہیں کہ ان کا آتا بھی درست ہے اور شایع
بھی و الصواب مجہول ہے یہی بتا ہے کہ ان کا آنا
بھی بہتر ہے۔ اگرچہ اہل عرب نے ان کا سماع مفقود
ہے بلکہ وہ یا نسبت کے ساتھ ان کا استعمال
کرتے ہیں جیسے التماسی و التماسی وغیرہ۔

ہوگا کہ تحقیق بذات خود خروجی کی صفت نہیں ہے بلکہ اپنے
موصوف یعنی عن اصل کی صفت بن کر جو کہ کاسن کا
متعلق ہے اور کاسن خروجی کی صفت محذوف ہے اور صفت
کا متعلق اپنا متعلق ہوتا ہے لہذا عن اصل خروجی کا متعلق
ہوا متعلق موصوف کے اعتبار سے صفت ہے۔

۳۱ قولہ کثلث و مثلث الخ یہ عدل محقق
کی مثال ہے ثلث و مثلث اہل محقق سے نکلے ہیں اس
لئے کہ ان کو عدل تحقیقی کی مثال کہا جاتا ہے ان دونوں
کے غیر منحرف ہونے کے علاوہ اہل محقق سے نکلنے
کی دلیل یہ ہے کہ ان کے معنی میں تکرار ہے ذکر لفظوں
میں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی لفظ کے معنی میں تکرار
ہوتا ہے تو اس کے لفظ میں بھی تکرار مقصور ہوتا ہے
جیسا کہ جبارنی القوم ثلثہ ثلثہ میں (یعنی آئی میرے
پائوں میں تین تین ہو کر) تکرار معنی کی تکرار لفظ پر دال ہے
پس اس مثال سے یہ جانا گیا کہ ان دونوں کی اصل
لفظ مکرر ہے یعنی ثلثہ ثلثہ۔ اس پر یہ اعتراض وارد
ہوتا ہے کہ ثلثیہ اور جمع کے معنی میں تکرار پایا جاتا
ہے مگر لفظ میں تکرار نہیں لہذا یہ قاعدہ غلط ہوا نیز ہمیں یہ
بھی تسلیم نہیں کہ ثلث و مثلث ثلثہ ثلثہ سے معدول
ہیں اس وجہ سے کہ ثلث مؤنث کی صفت واقع ہوتا
ہے جیسا کہ آیہ فانکوا مطاب لکم من النساء مثنی و
ثلث و رباع کہ یہاں ثلث النساء کی صفت واقع
ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب عدد کا موصوف مؤنث

۳۲ قولہ فعلی بذات الخ جب بات ثابت
ہوگئی کہ عدل بالذات منقسم نہیں ہے۔ بلکہ اپنی
اصل کے اعتبار سے منقسم ہے تو اسی پر معنف
کا قول تحقیقاً متفرع ہے۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ
عدل تحقیقی اس کو کہتے ہیں کہ جس کی اصل پر غیر
منصف ہونے کے علاوہ کوئی اور دلیل دلالت
کرتے ہیں لفظ تحقیقاً خروجی کا باعتبار متعلق ہونا
کے مجازاً مفعول مطلق ہے باعتبار متعلق موصوف
کا یہ مطلب ہے کہ خروجی فی نفسہ محقق نہیں ہے بلکہ
اپنے متعلق اصل کے اعتبار سے اور وہ محقق
ہوتی ہے اس وجہ سے تحقیقاً کو محقق کے معنی
میں کہ کراصل کی صفت تبادی رہا تحقیقاً کو محقق
کے معنی ہیں کہوں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ صفت
موصوف کے قائم مقام ہوتی ہے۔ یہاں پر یہ صحیح
نہیں۔ اس لئے کہ اصل ذات ہے۔ اور تحقیقاً
مصدر وصف اور وصف کا قیام ذات کے ساتھ
نہیں ہوا کہ بالذات تحقیقاً کو بتا دینا اسم مفعول محقق
کے معنی میں ہے لیکن جو کہ ذات مع الوصف
ہے پس ذات مع الوصف کا قیام ذات کیساتھ
صحیح ہوگا مجازاً کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے
کہ حقیقتہً یہ مفعول مطلق نہیں بتا اس لئے کہ مفعول
مطلق کے لئے شرط یہ ہے کہ معنی فعل اس مصدر
پر مشتمل ہوں اور یہاں ایسا کوئی فعل نہیں ہے جو
معنی مصدری پر مشتمل ہو بلکہ دونوں مصدر ہیں۔
یعنی خروج بھی اور تحقیقاً بھی اس لئے تاویل کی
گئی کہ خروج ان تخریج کے معنی میں ہے۔ پس
تقدیر عبارت یہ ہوئی فالعدل ان تخریج خروجی
تحقیقاً پس اس صورت میں تحقیقاً خروجی کی صفت
ہو کر مفعول مطلق ہوگی۔ مگر اس پر یہ اعتراض پڑا کہ
اس صورت میں فاضل ہندی کا مذہب ثابت
ہوتا ہے کہ عدل بذات خود منقسم ہے۔ اس لئے
کہ تحقیقاً جب خروج کی صفت ہو تو خروج
تحقیقی ہے، اور نہ تقدیری۔ شایع نے اہل اعتراض
کا جواب دیتے ہوئے تحقیقاً کے آگے معناه خروجی
کاسن عن اصل محقق الخ کا اضافہ فرمایا جواب کا خلاصہ یہ

مکرر اکما فی جاء فی القوم ثلاثة ثلاثة فعلم ان اصلهما لفظ مکرر وهو
ثلاثة ثلاثة وكذا الحال فی أحاد وموحد وثناء ومثنی الى رباع
رباع بلا خلاف وفيما وراءها الى عشار ومعشر خلاف والصواب
فيها والسبب فی منع صرف ثلث ومثلث وأخواتهما العدل والوصف
لان الوصفية العرضية التي كانت فی ثلثة ثلثة صارت اصلية فی ثلث
ومثلث لا اعتبارا فيها وضعاله وأخر جمع أخرى مؤنث آخر
آخر اسم التفضيل لان معناه فی الاصل أشد تأخرًا ثم نقل الے
معنی غیر وقياس اسم التفضيل ان يستعمل باللام والاضافة او
كلمة من وحيث لم يستعمل بواحد منها علم انه معدول من أحدها

مکرر ہو تو لفظ بھی مکرر ہو گا جیسا کہ (مثال) جاء فی القوم ثلاثة ثلاثة میں ہے تو پتہ
چلا کہ ان کی اصل لفظ مکرر ہے اور وہ ثلاثة ثلاثة ہے اور احاد اور موحد اور ثناء اور مثنی
وباع اور رباع تک میں بلا خلاف یہی حال ہے اور ان کے ماسوا میں عشار اور معشر تک میں
اختلاف ہے اور حق لان سب کا (غیر منصرف) آنا ہے اور ثلاث ومثلث اور ان کے اخوات
(امثال) کے غیر منصرف ہونے میں سبب عدل اور وصف لازم ہے کیونکہ جو وصفیت مرصیہ
ثلاثة ثلاثة میں تھی وہ وصفیت کے اس معنی میں کہ جس کے لئے ثلاث اور مثلث کو وضع کیا گیا
معتبر ہونے کی وجہ سے ثلاث اور مثلث میں اصلہ (لازم) ہو گئی ((اور آخر)) آخری کی جمع
ہے جو آخر کی مؤنث ہے اور آخر اسم تفضیل ہے کیونکہ اس کا معنی دراصل اشد تاخرا ہے
پھر اسے (غوی معنی سے) غیر کے معنی کی طرف نقل کیا گیا اور اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ لام
یا اضافت یا کلمہ من کے ساتھ استعمال کیا جائے اور جہاں ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ
مستعمل نہ ہو تو معلوم ہو گا کہ وہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے تو بعض نے کہا کہ وہ اس سے

وصفیت آگئی ہے جیسے جار فی القوم ثلاثة میں
وآئی میرے پاس تو تین تین ہو کر یعنی تین تین کے
عدد سے متصف ہو کر) شائع اس کا جواب لان
الوصفیت الخ سے یہ ہے ہے یہاں پر مقصود
ثلث ومثلث کے غیر منصرف ہونے کو بیان کرنا
ہے نہ کہ ثلاثة ثلاثة کو وصفیت مرصیہ جو ثلاثة ثلاثة میں
پائی جاتی ہے وہ ثلاث ومثلث میں اصلی ہوگی
اس لئے کہ ثلاث ومثلث کے معنی موضوع لا ذلت
متصف بالثلاثة میں نہ کہ محض عدد۔ اور چونکہ موضوع لا
وصفیت کے ساتھ متصف میں اور وصفیت اصلیہ

ثلاثة قولہ والسبب فی منع الخ یہاں
سے شائع ثلاث ومثلث کے غیر منصرف ہونے
جانے کی وجہ بیان کرتے ہیں ثلاث ومثلث اور
ان کے اخوات احاد و موحد وغیرہ میں ایک سبب عدل
فرم کیا گیا ہے اور دوسرا سبب وصفیت ہے
اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ وصفیت عارضی
ہے نہ اصل اس لئے کہ ثلاثة ثلاثة کی وضع عدد کیلئے
ہوتی ہے جو کہ ایک مرتبہ معین پر دلالت کرتا ہے
یعنی فوق ثلاثین اور تحت الاربع پس ان میں وصفیت
نہیں پائی جاتی بلکہ استعمال کی وجہ سے ان میں

کی تشریف یہ کہ جو وصف موضوع لا میں موجود ہو
جیسے الضارب الاحمر میں پس اگر جب ثلاثة ثلاثة میں
وصفیت عارضیہ ہے جو کہ معدول عنہ ہے مگر چونکہ
عدل بمنزلہ وضع ثانی کے ہے اس لئے معدول
یعنی ثلاث ومثلث میں یہ وصفیت اصلیہ ہو گئی
لا اعتبار بانہا وضعالہ ہا کا مرجع وصفیت اصلیہ
ہے اس سے مراد موضوع لا ہے اور لا کی ضمیر اس کی
طرف راجع ہے اور وضعالہ میں ضمیر تنبیہ مستکن
ثلث ومثلث کی طرف لوٹتی ہے۔

ثلاثة قولہ واخر جمع أخرى الخ یہ بھی
عدل تحقیقی کی مثال ہے کہ جس میں غیر منصرف ہونے
کے علاوہ اس کے معدول ہونے پر دلیل موجود
ہے کہ آخر آخری کی جمع ہے جو کہ آخر کا مؤنث ہے
اور آخر اسم تفضیل ہے اس لئے کہ اس کے معنی اشد
تاخرا (یعنی بہت نہ زیادہ دوہونے والا) کے
میں پھر غیر کے معنی کی طرف اس کو منتقل کر لیا گیا
اس سے شائع نے اس سوال کا جواب دے دیا کہ
آخر کا اسم تفضیل ہونا ہمیں مسلم نہیں اس لئے کہ
اسم تفضیل موصوف کی زیادت پر دلالت کرتا ہے
یعنی اسم تفضیل میں زیادت کے معنی پائے جاتے
ہیں

ثلاثة قولہ وقياس اسم التفضيل الخ
اس عبارت سے شائع آخر کے معدول ہونے کو
ثابت کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ اسم تفضیل کے
استعمال کے تین طریقے ہیں۔ الف لام کے
ساتھ مستعمل ہو گا جیسے الآخر یا اضافت کے
ساتھ جیسے آخر یا اس کا استعمال کلمہ من کے
ساتھ کیا جائیگا جیسے آخر من فلان۔ اور اس
جگہ یعنی آخر میں اسکا استعمال تینوں میں سے
کسی ایک کے ساتھ بھی نہیں ہوا اس لئے ہمیں
یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ کسی ایک سے معدول
ہے پس بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اسم تفضیل
مستعمل باللام یعنی الآخر سے معدول ہے اور
اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آخر ہمیشہ
موصوف کے مطابق ہوتا ہے یعنی اگر موصوف

مفرد ہوگا تو آخر بھی مفرد ہوگا اور اگر موصوف
تثنیہ یا جمع ہو تو آخر بھی تثنیہ یا جمع ہوگا جیسے
رجل آخر۔ درجہ ان آخران ورجال آخرون۔
اس طرح تذکر و تائیت میں بھی موصوف کے مطابق
ہوگا۔ مگر اس پر ایک اعتراض پیدا ہے کہ اگر آخر
مستعمل باللام سے معدول ہوتا تو آخر کو معرفہ
پر ضنا ضروری ہے اس لئے کہ معدول ہمہ
معرفہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ بمعنی
دونوں طرح معدول ہے یعنی لفظاً تو معدول ہوتا
مذکور ہو چکا کہ الآخر سے معدول ہے اور معنی
اس ط ہے کہ تعریف سے تنکیر کی طرف اسکو
معدول کیا گیا ہے معنی اس طرح معدول نہیں
کہ معنی اہل مومن علامہ میں بغیر جو جائے ورنہ یہ ناجائز ہے
اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ آخر میں یعنی اسم تفضیل
مستعمل بکلمہ من سے معدول ہے۔ اور اس کی تائید
اس امر سے ہوتی ہے کہ معدول اور معدول عنہ تعریف
و تنکیر میں مطابق ہیں۔ مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ
آخر کا استعمال موصوف کے ساتھ مطابق ہو کر ہوتا ہے۔
یعنی اگر موصوف مفرد یا تثنیہ یا مذکر مؤنث ہے تو آخری
مفرد یا تثنیہ یا مذکر مؤنث ہوگا اور مستعمل بکلمہ من کی صورت
میں موصوف اور آخر میں مطابقت نہیں ہو کر تکی پس یہ کہنا
جائز ہوتا نسوۃ آخر۔ اس لئے کہ جب اسم تفضیل کلمہ من
کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے تو یہ نسبت اسم تفضیل کو مفرد لانا
ضروری ہے۔ خواہ موصوف مفرد ہو یا تثنیہ و جمع پس نسوۃ
آخر میں موصوف جمع مؤنث ہے اور آخر واحد مذکر مگر
یہ کہنا ناجائز نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ قول اول ہی صحیح
۲۵ قولہ وانما لہ مذہب الخ یہاں سے شراح
اس سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ آخر کو مستعمل بالاضافہ
کے کیوں نہیں معدول مانا جاتا جواب یہ دیا کہ جب اسم
تفضیل کا استعمال اضافت کے ساتھ ہوتا ہے تو
مضاف الیہ یا تو مذکور ہوتا ہے یا مقدر اور یہاں
مضاف الیہ مذکور ہے نہ مقدر نہ مذکور ہونا تو ظاہر ہے
مقدر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقدیر مضاف کیلئے
تین امروں میں سے ایک امر کا ہونا ضروری ہے مضاف
الیہ کے عوض میں یا تو تینوں آگئی ہے جیسے یوم مذکور

فقال بعضهم انه معدول عما فيه اللام ای عن الآخر وقال بعضهم
هو معدول عما ذكر معه من ای عن آخر من وانما المذهب الی
تقدير الاضافة لانها ترجب التثنية والبناء او اضافة اخرى مثلها
نحو حينئذ وقبل ویا تیم تیم عدی ولیس فی آخر شیء من ذلك فتعین
ان یکون معدولاً عن احد الآخرین وجمع جمع جمعاء مؤنث

معدول ہے جس میں لام ہے یعنی "الآخر" سے اور بعض نے کہا کہ وہ اس سے معدول ہے جس کے
ساتھ من مذکور ہے یعنی "آخر من" سے اور اضافت کی تقدیر کو اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ
اضافت تینوں (بہ عوض حذف مضاف الیہ) یا بناء (مضاف کے مبنی ہونے پر وجہ تھمن مبنی لفظاً)
یا اس جیسے دوسری اضافت کو واجب کرتی ہے جیسے حینئذ اور قبل اور یا تیم تیم عدی اور آخر میں
ان میں سے کوئی چیز نہیں تو یہ بات متین ہو گئی کہ آخر "الآخر" یا آخر من میں سے کسی ایک سے معدول
ہوگا اور جمع (جمعا کی جمع ہے جو جمع کی مؤنث ہے اور اسی طرح کتب اور جمع اور جمع ہے اور فعلاء

حینئذ کہ ان کی اہل یوم اذکان کذا اور حین اذکان کذا
ہے یہاں پر کان کذا محذوف کر کے ذال پر تینوں
مکسورہ داخل کر دی گئی یا مضاف حذف مضاف الیہ
کے باعث مبنی ہو جیسے قبل اور بعد کہ یہ حذف مضاف
الیہ کے سبب سے مبنی علی الغنم ہیں تیسری صورت
یہ ہے کہ تکرار اضافت ہو جیسے یا تیم تیم عدی اور
یہاں تینوں امروں میں سے ایک بھی نہیں پایا جاتا
لہذا معلوم ہوا کہ اسکا معدول عنہ اسم تفضیل مستعمل
بالاضافہ نہیں بن سکتا پس یا ممتحن ہو گیا کہ یہ اسم
تفضیل مستعمل باللام یا بکلمہ من سے معدول ہے۔

۲۶ قولہ وجمع جمع جمعاء الخ یہ مثال

بھی عدل تحقیقی کی ہے اس میں بھی غیر منصرف ہونے
کے علاوہ اس کے معدول ہونے پر دلیل موجود
ہے وہ یہ کہ جمع جمعاء کی جمع ہے جو کہ الجمع کا مؤنث
ہے اور اسی طرح کتب و جمع و جمع بھی کتبار و تجار
و بصعاء کی جموع ہیں جو کہ کتب و جمع و بصع کے
مؤنث ہیں۔ قیاس فعلاء الخ سے شراح وزن فعلاء
کی جمع کے قاعدہ کو بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ
قاعدہ یہ ہے کہ فعلاء جو کہ افعال کا مؤنث ہے جس وقت
اس میں معنی وصفی کا لفظ لایا جاتا ہے تو اس کی جمع

قول کے وزن پر آتی ہے جیسے جمعاء کی جمع جمعاء اور اگر
اس میں معنی وصفی ملحوظ نہ ہوں بلکہ یہ اسم ہو تو اسکی
جمع فعلاء یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے
صحراء کی جمع صحاری یا صحراوات پس جمع کی اہل یا
تو جمع ہے یا جماعی یا جماعات پس جب ہم کسی
ایک سے اس کے مخرج ہونے کو معتبر مانیں گے
تو عدل کا تحقق ہو جائیگا۔ پس اس میں ایک سبب
عدل تحقیقی ہوگا اور دوسرا سبب وصفیہ اصلہ۔
اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جمع تاکید
معنوی کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے اور تاکید
و وصفیت کے درمیان منافات ہوتی ہے پس
یہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لہذا یہ کہنا کہ جمع میں
ایک سبب عدل تحقیقی ہے اور دوسرا سبب
وصفیت صحیح نہیں شراح وان صارت الخ یہ جواب
دے رہے ہیں کہ جمع اہل میں وصف ہی ہے مگر چونکہ
اس کا قالب استعمال باب تاکید میں ہونے لگا اس
وجہ سے اس میں اسمیت آگئی پس چونکہ اس کی اہل جمع
وصفیت کے لئے ہی ہے لہذا یہ اسمیت کا غلبہ وصف
کو غیر منصرف کا سبب بننے سے نہیں نکال سکتا اور
یہ وصفیت عدل کی وجہ سے ہی غیر منصرف ہے

اجمع وكذلك كُتِبَ وَتَبِعَ وَبَصَعَ وَقِيَاسُ فَعْلَاءَ مُؤْنِثِ أَفْعَلِ انْكَانَتْ
صِفَةً أَنْ تَجْمَعَ عَلَى فَعْلٍ كَصَحْرَاءٍ عَلَى حُمْرٍ وَأَنْ كَانَتْ أَسْمَانُ تَجْمَعُ عَلَى فَعَالٍ
أَوْ فَعْلَوَاتٍ كَصَحْرَاءٍ عَلَى صَحَارٍ أَوْ صَحْرَاوَاتٍ فَاصْلُهَا مَا جُمِعَ أَوْ جَامِعٍ
لَوْ جَمَعَاوَاتٌ فَإِذَا اخْتَبَرَا خِرَاجُهَا عَنْ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَحَقَّقَ الْعَدْلُ فَاحِدُ
السَّبَبِينَ فِيهَا الْعَدْلُ التَّحْقِيقِيُّ وَالْآخِرُ الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ وَأَنْ صَاسَرَتْ
بِالغَلْبَةِ فِي بَابِ التَّكْيِيدِ انْمَاوِي أَجْمَعَ وَأَخَوَاتِهِ أَحَدُ السَّبَبِينَ وَنَمَانُ
الْفِعْلِ وَالْآخِرُ الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ وَعَلَى مَا ذَكَرْنَا لَا يَرَادُ الْجَمْعُ الشَّاذُّ
كَأَنْثِيٍّ وَأَقْوَسٍ فَإِنَّهُ لَمْ يُخْتَبَرْ خِرَاجُهَا عَمَّا هُوَ الْقِيَاسُ فِيهَا كَالْأَنْثِيَّاتِ

کا قیاس جو کہ فعل کی مؤنث ہے اگر (فعلاء) صفت ہو تو یہ ہے کہ اس کی جمع نہ فعل پر آئے گی جیسے صحراء کی جمع (آتئی ہے) اور اگر (فعلاء) اسم ہو تو یہ ہے کہ اس کی جمع فعالی (جمع مکسر) اور فعلاوات (جمع سالم) پر آئے گی جیسے صحراء (کی جمع) صحاری اور صحراوات پر (آتئی ہے) پس جمع کی اصل یا تو جمع ہے یا جماعی یا جمعاعات پس جب جمع کے ان تین میں سے کسی ایک سے اخراج کا اعتبار کیا جائے تو عدل متحقق ہو گیا پس ان میں دو سببوں میں سے ایک عدل حقیقی ہے اور دوسرا صفت اصلیہ ہے اگرچہ جمع (جو دراصل صفت تھی) باب تاکید میں غلبہ (استعمال) کی وجہ سے اسم ہو گئی اور اجمع اور اس کے لاشال میں دو سببوں میں سے ایک سبب تو وزن فعل ہے اور دوسرا صفت اصلیہ ہے اور اس پر جو ہم نے (معنی خردوجہ عن میخته الاصلیة کی تشریح میں) ذکر کیا انیب اور اقوس ایسے جموع شاذہ کا اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ ان دونوں کے ان جموع سے اخراج کا اعتبار نہیں کیا گیا جن میں قیاس ہے جیسے انیب اور اقوس اور

۵۳۸ قولہ وطلی ما ذکرنا الخ اس عبارت

سے بھی شائع ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ (جو پہلے بھی مذکور ہو چکا ہے) کہ اخرد جمع میں غیر منصرف ہونے کے علاوہ ان کی اصل پر دلیل موجود ہے اس لئے ان میں عدل تحقیقی فرض کیا گیا ہے پس ایسے ہی اقوس اور انیب میں بھی انکی اصل پر دلیل موجود ہے لہذا ان کا حال بھی آخر وغیرہ جیسا حال ہونا چاہئے یعنی ان میں بھی عدل فرض کر کے ان کو غیر منصرف قرار دیا جائے ان کی اصل پر دلیل یہ ہے کہ اجوف جب فعل کے وزن پر آتا ہے تو اس کی جمع افعال کے وزن پر لائی جاتی ہے لہذا

۵۳۷ قولہ وذل جمع وخواہ الخ یہاں سے

شائع ایک سوال مقدم کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جب جمع کے مؤنث میں احد السببین عدل ہے تو اجمع میں بھی عدل ہو گا لہذا اس میں عدل اور وزن فعل دونوں جمع ہو گئے اور ان کا جمع ہونا مکمل ہے اس لئے کہ دونوں متضاد ہیں جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ معلوم ہو جائیگا شائع جواب دینے میں کہ اجمع اور ان کے اخوات میں احد السببین عدل نہیں ہے بلکہ وزن فعل ہے اور دوسرا سبب وصفیہ اصلیہ اس وجہ سے اجمع کو غیر منصرف قرار دیتے ہیں۔

توس اور نایب کی جمع بھی افعال کے وزن پر آئی یعنی اقوس و نایب ان کی جمع لائی گئی پھر ان دونوں جموع سے اقوس و انیب کی طرف عدل کر لیا گیا لہذا اس کی کیا دہرہ ہے کہ اخرد جمع میں تو عدل تحقیقی فرض کر لیا گیا ہے اور اقوس و انیب میں عدل فرض نہیں کیا گیا۔ شائع جواب دیتے ہیں کہ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ عدل کا اعتبار کرنے میں دو اموروں کا لحاظ ضروری ہے ایک تو اسم معدول کے لئے اصل کا پایا جانا دوسرے اس اصل سے معدول کے اخراج کا اعتبار کرنا پس اس بنا پر جموع شاذہ اقوس و انیب عدل کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہوتے اس لئے کہ ان میں ان کی اصل سے اخراج کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا اور اگر ان میں ان کی اصل اقوس و نایب سے اخراج کا اعتبار کیا جاتا اور ان کی جمع اقوس و انیب تسلیم کر لی جاتی تو پھر ان میں شذوذ ہی باقی نہیں رہتا اور ان کو جموع شاذہ سے موسوم نہ کیا جاتا۔ پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایسا تو ہو سکتا ہے کہ اسم معدول عنہ کے قاعدہ کے خلاف ہو ان کو معدول کرنے کی وجہ سے ان کی جمعیت میں شذوذ آگیا ہو اور یہ شذوذ اس بنا پر نہ ہو کہ یہ اپنے صیغہ اصلیہ سے خلاف نکلا ہے تو اس کا جواب شائع ولاقاعدہ لاسم الخ سے یہ ہے کہ اس اسم معدول کے لئے جو اپنے صیغہ اصلیہ سے نکلا ہو کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے کہ جس کی مخالفت سے اس میں شذوذ آئے پس جب ایسا نہیں ہے تو ان میں شذوذ کا حکم کیوں لگایا جاتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے صیغہ اصلیہ سے قیاس کے مطابق نکلے ہوتے تو ان پر شذوذ کا حکم نہ لگایا جاتا لہذا ان کو جموع شاذہ اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کی جمع خلاف قیاس لائی گئی ہے۔ اور اس تقریب سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ عدل اور شاذہ کے درمیان کیا فرق ہے۔ پھر یہ کہ شاذہ ہے جو خلاف قیاس ہو اور عدل اس کو کہتے ہیں جو قیاس کے مطابق ہو۔

۱۳۹ قوله او تقدیر ای خروجاً الخ اس عبارت کے اضافہ کی وجہ تحقیقاً کے ذیل میں گذر چکی ہے مختصراً یہ ہے کہ مصنف کا قول تقدیراً بھی اسی پر متفرع ہے کہ عدل بالذات منقسم نہیں ہے بلکہ اصل کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہوئی ہے اور معنی یہ ہیں کہ عدل وہ عدل ہے جس کا خروج اسی اہل سے ہو جو کہ مفروض ہو کہ اس کے مقدار اور فرض کئے جانے کا سبب صرف غیر منصف ہونہ کہ غیر اس کی اہل کے وجود پر غیر منصف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل موجود نہ ہو یعنی اگر اس اسم معدول کی اہل مفروضہ ہے تو یہ عدل تقدیراً ہے یہاں بھی تقدیراً خروج کا مجازاً مفعول مطلق اور اس میں بھی وہی تاویل کی جائے گی جو تحقیقاً ہو چکی یعنی فالعدل ان بخروج خود جہاں کا اہل منصف (خائن کا) جاتا چاہئے کہ صفت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ جو شے صفت بن رہا ہے وہ بذات خود موصوف کی صفت ہے دوسرے یہ کہ بذات خود تو صفت نہیں ہے بلکہ اپنے متعلق کے اعتبار سے صفت ہے پس یہاں پر تحقیقاً اور تقدیراً دوسری قسم سے ہے جو کہ اپنے متعلق یعنی اہل کے لحاظ سے خروجاً کی صفت بن رہی ہے انتہی۔ شایع نے مقدمہ کے بعد مفروض کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ مقدمہ کے معنی محذوف کے بھی آتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں بلکہ یہاں مقدمہ کے معنی مفروض مراد ہیں۔

۱۴۰ قوله كمر و كذا لک زفر الخ یہ تقدیر کی مثال ہے۔ عمر اور زفر اہل عرب کے نزدیک غیر منصرف مستعمل ہوتے ہیں مگر انہیں سولے علمیت کے ہیں کوئی دوسرا سبب ظاہر نہیں نظر آتا لہذا ان میں عدل فرض کیا گیا۔ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مابقی میں یہ کہا جا چکا ہے کہ اعتبار عدل میں دو امور کا ہونا ضروری ہے الخ اور یہاں پر ایسا نہیں ہے اس لئے کہ وجود اہل پر کوئی دلیل ہی موجود نہیں لہذا مفروض اہل سے خارج

والاقواس كيف ولو اعتبر جميعهما ولا على انياب واقواس فلا شذوذ في هذه الجمعية ولا قاعدة للاسم المخرج ليلزم من مخالفتها الشذوذ فمن اين يحكم فيهما بالشذوذ ومن هذا تبين الفرق بين الشاذ والمعدول او تقدیراً ای خروجاً کائناً عن اصل مقدم مفروض یكون الداعی الی تقدیرہ وفرضہ منع الصرف لا غیر کعمر وكذلك زفر فانهما لما وجدوا غیر متصرفین ولم یوجد فیہما سبب ظاہر الا العلمیة اعتبر فیہما العدل ولما توقف اعتبار العدل علی وجود الاصل ولم یکن فیہما دلیل علی وجودہ غیر منع الصرف قدّر فیہما ان اصلہما عامر وزافر عدل لا عنہما الی عمر وزفر ومثل باب قطا

کیسے (اعتبار کیا جاسکتا ہے) حالانکہ اگر ان دونوں کی جمع کا پہلے انیاب اور اقواس پر اعتبار کیا جائے تو اس (ناب و قوس کی انیاب و اقواس پر) جمعیت میں کوئی شذوذ نہیں کہ ان میں تو قیاس ہے) اور اسم مخرج میں (اخراج کا) کوئی قاعدہ ہی نہیں ہے تاکہ (جموع شاذہ میں) اسی قاعدے کی مخالفت سے شذوذ لازم آتا ہو نہ کہ ان کے اقواس و انیاب اصلی صیغوں کی بجائے براہ راست قوس و ناب سے مخرج ہونے سے) پس (جب کوئی قاعدہ نہیں ہے تو انہیں شذوذ کا حکم کہاں سے لگایا جاتا ہے؟) (مفسر یہاں سے کہ وہ اقواس و انیاب ایسے اپنے اصلی صیغوں کی بجائے قوس و ناب سے براہ راست خلاف قیاس بنائے گئے ہیں) اور اس (تقریر) سے شاذ اور معدول کے درمیان فرق واضح ہو گیا (کہ معدول مخرج من الاصل بالقیاس ہے اور شاذ مخرج من الاصل بخلاف القیاس ہے) (یا تقدیری طور پر) یعنی (اسم کا) ایسی اصل سے خارج ہونا جو مقدار اور مفروض ہو کہ اس کی تقدیر و فرض کا داعی (سبب) غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ ہو

ہوئے جاتے ہیں شایع اس کا جواب یہ دے رہے ہیں کہ جبکہ عدل کا اعتبار کرنا وجود اہل پر موقوف ہے اور ان دونوں میں سولے غیر منصرف ہونے کے وجود اہل پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہذا ان دونوں میں فرض کیا گیا کہ ان کی اہل عامر اور زفر ہے کہ ان دونوں سے عمر اور زفر معدول ہوئے۔

۱۴۱ قوله ومثل باب قطا الخ جگہ واو کے بعد لفظ مثل بڑھانے سے شایع کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں کمر کے ساتھ مشاکلت کا لحاظ کیا گیا ہے یعنی لفظ عمر جس میں عدل تقدیری ہے مجبوراً کات

ہے یعنی لفظ عمر جس میں عدل تقدیری ہے مجبوراً کات

لمعدولة عن قاطمة واراد بيا بها كل ما هو على فعال علماء المونثة
من غير ذوات الراد في لغة بنی تميم فانهم اعتبروا العدل في هذا
الباب حلاله على ذوات الراد في الاعلام المونثة مثل حصار و طمار
فانهما مبتنيان وليس فيهما الاسبان العلمية والتابث والسببان
لا يوجبان البناء فاعتبرا فيهما العدل لتحصيل سبب البناء فلما اعتبروا
فيهما العدل لتحصيل سبب البناء اعتبروا فيما عداها مما جعلوه معروفا

» جیسے عمر « اور اسی طرح زفر ہے کیونکہ جب یہ دونوں غیر منصرف پائے گئے اور ملکیت کے
موا انیس کوئی سبب ظاہر نہ پایا گیا تو ان میں عدل کا اعتبار کیا گیا اور جبکہ عدل کا اعتبار
اصل کے وجود پر موقوف تھا اور ان میں وجود اصل پر غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل نہ تھی
تو ان میں فرض کر لیا گیا کہ ان کی اصل عام اور زافر ہے ان دونوں کو عام اور زافر سے علم اور زفر کی
طرف معدول کیا گیا اور « اور باب نظام » کی مانند جو قاطمة سے معدول ہے اور مصنف نے
» باب « سے ہر وہ لفظ مراد لیا ہے جو فعال کے وزن پر اعیان (اشخاص) مونثہ غیر ذوات راد
دعویٰ کے آخر میں راد نہیں کا علم ہو « بنی تميم » کی لغت « میں » کیونکہ بنی تميم یا نخویوں نے
باب نظام میں اسے اعلام مونثہ (فعال) ذوات راد پر محمول کرنے کی وجہ سے عدل کا اعتبار
کیا جیسا کہ حصار (نام ستارہ) اور طمار (بلند جگہ) ہے کہ دونوں (حصار و طمار) مبنی (علی الکسر) ہیں
اور ان میں دو سبب ملکیت اور تانیث کے سوا کچھ نہیں اور دو سبب (اس چیز کی) بناؤ کا موجب
نہیں ہوتے (جس میں ان میں سے ایک پایا جائے یا دونوں پائے جائیں کیونکہ یہ ان اسباب سے ہیں
ہی نہیں جو بنا کا مقتضی ہیں کیونکہ اس باب میں بنا کی موجب اس فعال سے عدل اور وزن
میں مشابہت ہے جو امر کے معنی میں ہو جیسے نزال اور تراک) لہذا نخویوں یا بنی تميم نے سبب
کی تحصیل کے لئے ان دونوں میں عدل کا اعتبار کیا پھر جب بنی تميم یا نخویوں نے سبب بنا کی تحصیل

لفظ نظام سے بھی مطلب حاصل ہو سکتا تھا لفظ
باب بڑھانے کا منشا کیلئے فرماتے ہیں کہ باب نظام
کے سے مصنف کا منشا یہ ہے کہ اس سے ہر وہ
ذات مراد ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور اعیان
مونثہ کا علم ہو اور ذوات الراد نہ ہو غیر ذوات الراد
(فائدہ) فعال کی چار قسمیں ہیں ایک فعال بجنے
نزال جیسے نزال یہ مبنی ہے دوسرے بجنے مصدر
موزن جیسے الفجار بجنے الفجر تیسرے وہ فعال جو
مونثہ کی صفت ہے جیسے فساق بجنے فاسق
حدیث بدکار اور یہ دونوں یعنی الفجار و فساق

نزال بجنے نزال کے ساتھ عدل اور وزن میں
مشابہت ہے لہذا مبنی میں جو تھے وہ افعال جو اعیان
مونثہ کا علم عام ازیں کہ ذوات الراد ہو یا غیر ذوات
الراد ہیں جب یہ ذوات الراد ہو یعنی اس کے آخر میں
راء پہلے ہو جیسے حصار (نام ستارہ کا) اور طمار
(بلند جگہ) تو یہ اہل مجاز اور انشائی تميم کے نزدیک
مبنی ہے اور ان میں عدل تقدیری ہے اس لئے
کہ اس فعال کی فعال بجنے امر کے ساتھ صرف وزن
میں ہی مشابہت نہیں بلکہ ان میں دو سبب تانیث
اور ملکیت پائے جاتے ہیں مگر ان کو بنی کسے

کے لئے کافی نہیں ہیں لہذا مبنی کا دوسرا سبب
پیدا کرنے کے لئے عدل کا اعتبار کیا گیا تاکہ اس
کی نزال بجنے نزال کے ساتھ عدل اور وزن میں
پوری مشابہت ہو جائے انتہی لفظ نظام اور
اس کے ہوزن اسما جبکہ وہ اعیان مونثہ کے علم
ہوں اور غیر ذوات الراد ہوں تو لغت بنی تميم
میں معدول ہیں اور بنی تميم نے اس بات میں عمل
کا اعتبار اس لئے کیا ہے کہ ان کو ان ذوات الراد
پر محمول کر دیا جائے جو اعیان مونثہ کے علم ہیں
جیسے حصار و طمار اس لئے کہ یہ دونوں مبنی ہیں
اور ان میں دو سببوں کے علاوہ اور کوئی سبب
نہیں جس سے ان کو مبنی قرار دے سکیں لہذا ان
میں بنی تميم نے عدل کا اعتبار کیا تاکہ سبب بنا
حاصل ہو جائے اس لئے کہ مبنی کی ایک صورت
یہ بھی ہے کہ کوئی اسم مبنی اصل کے موقع میں واقع
ہو جیسے نزال کہ یہ نزال کے (جو مبنی اصل ہے)
موقع میں واقع ہے یعنی نزال نزال سے معدول
ہے اور نزال میں عدل ہے پس جب بنی تميم نے
ان دونوں یعنی حصار اور طمار میں عدل کا اعتبار
کیا تاکہ سبب بنا حاصل ہو جائے تو انہوں نے
ان دونوں کے علاوہ میں بھی عدل تقدیری کا
اعتبار کیا کہ جن کو یہ غیر معر جیسے منصرف قرار دیتے ہیں
تاکہ اس معرب غیر منصرف کا اپنے نظائر پر حمل ہو جا
حالانکہ عدل تقدیری کے فرض کرنے کی یہاں کوئی
مردود نہ تھی اس لئے کہ اسم معرب غیر منصرف
میں تو پہلے ہی دو سبب یعنی ملکیت اور تانیث
متحقق ہیں پس اس میں عدل کا اعتبار کرنا صرف ان
کے نظائر پر حمل کرنے کے لئے ہے نہ کہ سبب
منع صرف کے حصول کے لئے۔ اس سے اس
اعتراض کا جواب ہو گیا کہ غیر ذوات الراد مثلاً
نظام میں جبکہ منع صرف کے دو سبب پائے
جاتے ہیں تانیث اور ملکیت تو عدل کو اس کے
سبب منع صرف بننے میں کوئی دخل نہیں لہذا
اس میں عدل کا اعتبار کرنا نفی ہے۔

لکھ قولہ ولہذا یقال الخ اس عبارت سے شارح کا مقصد مصنف کے قول فاعتبار العدل بیہ پراعتراض کرنا مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ جب باب قطام میں عدل تقدیری سبب منع صرف کے لئے فرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ محل علی موزونہ کی وجہ سے فرض کیا گیا ہے تو لہذا باب قطام کو یہاں ذکر کرنا غیر مناسب ہے اس لئے کہ یہاں اس عدل سے بحث ہے جو کہ سبب منع صرف کی تحصیل کے لئے مفروض ہو پس ذکر باب قطام اپنے محل میں نہیں ہے شارح نے اس کا جواب نہیں دیا آخر جواب میں کہتا ہے کہ باب قطام کو بحث عدل میں ذکر کر کے مصنف کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عدل تقدیری کی دو صورتیں ہیں کبھی سبب منع صرف کے حصول کے لئے ہوتا ہے اور کبھی اپنے نظائر پر عمل کرنے کے لئے۔ پس عمر و زفر میں عدل تقدیری سبب منع صرف کے حصول کے لئے تھا اور باب قطام میں نظائر یعنی نزال بمعنی نزل پر عمل کرنے کے لئے تاکہ باب قطام کو نزال سے وزن اور عدل میں مشابہت ہو کر مبنی قرار دے دیا جائے۔

لکھ قولہ واما قال فی تسمی الخ مصنف نے باب قطام فی تسمیہ کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باب قطام میں بنی تسمیہ کے علاوہ کبھی کسی اور کا مذہب ہے اس کو شارح اس عبارت سے بیان کر رہے ہیں کہ مصنف نے فی تسمیہ اس لئے کہا ہے کہ حجاز میں باب قطام کو مبنی قرار دیتے ہیں یعنی اہل حجاز کے نزدیک فعال خواہ ذوات الارادہوں یا غیر ذوات الارادہ صورت میں مبنی قرار دیتے ہیں اور اس میں عدل تقدیری کو حصول سبب بنا کے لئے مفروض مانتے ہیں پس یہ ہماری بحث سے خارج ہے اور بنی تسمیہ کے نزدیک فعال اگر ذوات الارادہ تو مبنی ہے جیسے حضار و ظار اور اگر غیر ذوات الارادہ ہے تو غیر منصرف معرب ہے بنی تسمیہ اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ راء میں چونکہ صفت تکریر ہے اس لئے ذوات الارادہ نقیل ہوتے ہیں پس اگر ہم ان کو معرب غیر منصرف کہیں تو حرکات مختلفہ کے ساتھ معرب ہو کر ان کی لغالت عدسے حجاز کر جائیگی لہذا ذوات الارادہ کو مبنی کیا گیا اور ان میں عدل تقدیری کا اعتبار کیا

غیر منصرف ایضاً حملاً لہ علی نظائرہ مع عدم الاحتیاج الیہ لتحقق السببین لمنع الصرف العلمیۃ والتانیث فاعتبار العدل فیہ انما ہو للحمل علی نظائرہ لا لتحصیل سبب منع الصرف ولہذا یقال ذکر باب قطام ہہنا لیس فی محلہ لان الکلام فیما قدر فیما العدل لتحصیل سبب منع الصرف واما قال فی تسمی لان الحجازیین یثبوتہ فلا یكون مما نحن فیہ والمواد من بنی تسمیہ اکثر

کے لئے حضار اور ظار میں عدل کا اعتبار کیا تو ان دو کے ماسوا اس (فعال) میں کہ اس کو بھی اہل نے معرب غیر منصرف قرار دیا عدل (تقدیری) کا اعتبار کیا تاکہ اس معرب غیر منصرف کا اس کے نظائر (وامثال ذوات راء) پر حمل ہو جائے اس کے باوجود کہ منع صرف کے دو سبب علمیت اور تانیث کے تحقق کی وجہ سے عدل کے اعتبار کرنے کی حاجت نہ تھی پس باب قطام میں عدل کا اعتبار کرتا ہے اس کے نظائر (وامثال) پر محمول کرنے کی وجہ سے منع صرف کے سبب کی تحصیل کے لئے نہیں اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر (مصنف کا) باب قطام کا ذکر کرنا اس کے محل میں نہیں ہے کیونکہ اس کا محل اسماء افعال کے باب میں ہے) اس لئے کہ بحث اس اسم معرب میں ہے کہ جس میں (ایک سبب علمیت پائی جاتی ہو اور) منع صرف کے (دوسرے) سبب کی تحصیل کے لئے عدل مقدر مانا جائے (اس اسم میں بحث نہیں کہ اس میں اس کے نظائر پر محمول کرنے کی وجہ سے عدل مقدر مانا جائے) اور مصنف کا فیہ فی تسمیہ اس لئے کہا کہ اہل حجاز فعال کو مبنی مانتے ہیں پس اس صورت میں یہ اس قبیل سے نہ ہوگا جس میں ہم بحث

تاکہ مبنی کے ساتھ ان کی مشابہت عدل اور وزن کے اعتبار سے پوری ہو جائے نیز ذوات الارادہ کے مبنی کرنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ جب حروف مستعلیہ یعنی اخ ص ض ط ظ ق ظ میں سے کوئی حرف الف سے پہلے واقع ہوتا ہے تو اس میں مالہ ناجائز ہوتا ہے مگر جب راء مکسورہ الف کے بعد متصلاً واقع ہو تو اس میں مالہ جائز ہے پس ذوات الارادہ کو مبنی کیا گیا تاکہ الف کے مابعد ہمیشہ مکسورہ متحقق ہو کر مالہ صحیح ہو جائے بخلاف غیر ذوات الارادہ کے کہ چونکہ اس میں بنا کی یہ علتیں یعنی ثقالت وغیرہ نہیں پائی جاتیں اس وجہ سے بنی تسمیہ اس کو معرب غیر منصرف کہتے ہیں۔

لکھ قولہ والمواد من بنی تسمیہ الخ اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں

سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بنی تسمیہ غیر ذوات الارادہ کو صرف معرب غیر منصرف استعمال کرتے ہیں اس لئے کہ بعض بنی تسمیہ ذوات الارادہ کو بھی غیر منصرف استعمال کرتے ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ بنی تسمیہ اکثر بنی تسمیہ مراد ہے۔ نہ کہ کل اس لئے کہ ان میں سے بعض اشخاص جو شذوہ طفیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں ذوات الارادہ کو مبنی قرار نہیں دیتے بلکہ ان کو غیر منصرف استعمال کرتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے نزدیک ذوات الارادہ غیر منصرف ہیں اور ذوات الارادہ میں عدل کا اعتبار صرف سبب بنا کے حصول کے لئے کیا جاتا تھا لہذا اس شذوہ طفیلہ کے قول کے مطابق اب اعتبار عدل کی کمال ضرورت نہیں رہی نہ حصول سبب بنا کے لئے اور نہ ظار پر عمل کرنے کے لئے۔ دانش عالم۔

فان الاقلین منهم لم يجعلوا ذوات الرأ مبنية بل جعلوها غير منصرفة
فلا حاجة الى اعتبار العدل فيها التحصيل سبب البناء وحمل ما عداها عليها
الوصف وهو كون الاسم والا على ذات مبهمة مأخوذة مع بعض
صفاتھا سواء كانت هذه الدلالة بحسب الوضع مثل احمر فانه
موضوع لذات ما اخذت مع بعض صفاتها التي هي الحمرة او بحسب
الاستعمال مثل اربع في مرت بنسوة اربع فانه موضوع لمرتبة معينة
من مراتب العدد فلا وصفية فيه بحسب الوضع بل قد تعرضه الوصفية
كما في المثال المذكور فانه لما جرى فيه على النسوة التي هي من قبيل
العدودات لا الاعداد علم ان معناه مرت بنسوة موصوفة بالاربعية
وهذا معنی وصفی تعرض له فی الاستعمال لا اصلي بحسب الوضع و

کر رہے ہیں (کیونکہ ہماری بحث غیر منحرف میں ہے مبنی میں نہیں) اور مبنی تیسیم سے اکثر مبنی تیسیم
مراد ہیں کیونکہ مبنی تیسیم میں اقل (بہت تھوڑے ایسے بھی ہیں جو) ذوات راہ کو مبنی قرار نہیں
دیتے بلکہ وہ باب قظام کو (خواہ وہ ذوات راہ ہو یا غیر ذوات راہ) غیر منحرف ٹھہرتے ہیں لہذا
اس میں سبب بنا کی تحصیل کے لئے ذوات راہ میں عدل کے اعتبار کرنے اور اس کے ماسوا
(غیر ذوات راہ) کو ذوات راہ پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ باب قظام ان کے نزدیک
ہے ہی عرب) لا وصف) اور وصف اسم ایک ایسی ذات مبہمہ پر دال ہونے کا نام ہے جو اپنے
بعض صفات کے ہمراہ متعبر ہے خواہ یہ دلائل وضع کے اعتبار سے ہو مثلاً "احمر" ایک ایسی
ذات کے لئے موضوع ہے جو اپنی بعض صفات جو کہ حمرت (سرخی) ہے کے ساتھ متعبر ہے یا
استعمال کے اعتبار سے ہو مثلاً "مرت بنسوة اربع" میں لفظ اربع ہے کہ یہ مراتب عددی
سے ایک مرتبہ معینہ کے لئے موضوع ہے اس میں وضع کے اعتبار سے کوئی وصفیت نہیں ہے۔
جو اسے کہیں (استعمال کے اعتبار سے) وصفیت عارض ہو جاتی ہے جیسا کہ مثال مذکور میں ہے
کیونکہ جب اربع کو مثال مذکور میں "نسوة" پر جاری کیا گیا جو کہ معدودات کے قبیل سے ہیں
امداد کے قبیل سے نہیں تو معلوم ہوا کہ اس کے معنی ہیں "مرت بنسوة موصوفة بالاربعية"
کہ میں ان عورتوں سے گذرا جو اربعیت سے موصوف ہیں (یہ وصفی معنی ہے جو اربع کو استعمال
میں عارض ہوئے ہیں وضع کے اعتبار سے اصلی نہیں اور منحرف کے سبب ہونے میں جو متعبر

قوله الوصف هو كون الخ وصف الاسم
کہتے ہیں جو ایسی ذات مبہمہ پر دلائل کرنے والا ہوتا
ہے جس میں بعض صفات کا احاطہ ہو مابقیہ کے دلائل

شمار کرنا درست نہیں اس لئے کہ وصف اصطلاح نجات
میں ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ذات مبہمہ پر دلائل کرنے
اور اس میں بعض صفات ملحوظ ہوں پس یہ ذات ہوا
اور اسباب منع صرف اعراض ہیں اور وصف کا حمل
ذات پر صحیح نہیں ہوا کرتا لہذا وصف کو اسباب منع
صرف سے شمار کرنا صحیح نہ ہوا شارح نے کون اسم
الخ سے یہ جواب دیا کہ وصف سے مراد ہوا اسم دال
على ذات الخ نہیں ہے بلکہ وصف کی تعریف کون
الاسم والا الخ ہے اور کون مصدر ہے جو کہ وصف ہے
اور وصف عارض ہوتا ہے لہذا عارض کا عارض پر حمل صحیح
ہو کہ وصف کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا
صحیح ہوگا

قوله سواء كانت هذه الدلائل الخ یہ
بھی ایک سوال متقد کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ دلائل
سے متبادر یہ ہے کہ دلائل بحسب اصل الوضع ہوں
المطلق اذا اطلق یہ ابرہ الفرد الکامل پس وصف کی تعریف
جامع نہیں رہی اس لئے کہ مرت بنسوة اربع میں جو
اربع ہے اس پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ اس میں
وصفیت بحسب الاستعمال آئی ہے نہ کہ باعتبار اصل
وضع شارح نے جواب دیا کہ دلائل عام ہے
خواہ بحسب اصل الوضع ہو جیسے احمر کہ یہ اس ذات
کے لئے موضوع ہے جس میں بعض صفات ماخوذ
ہیں مادہ حمرة یعنی سرخی ہے۔ یا باعتبار استعمال
کے ہو جیسے اربع مرت بنسوة اربع میں اس لئے
کہ اربع مراتب اعداد میں سے ایک مرتبہ معینہ
کے لئے وضع کیا گیا ہے یعنی چار کے لئے پس اس
میں بحسب الوضع وصفیت نہیں ہے بلکہ اس کو
وصفیت عارض ہو گئی ہے جیسا کہ مثال مذکور مرت
بنسوة اربع میں اس لئے کہ اس لفظ اربع کی نسبت نسوة
کی طرف کی گئی جو کہ معدودات میں سے ہے نہ کہ اعداد
میں سے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ مثال مذکور کے معنی
یہ ہیں کہ مرت بنسوة موصوفہ بالاربعية یعنی گذرا میں
ایسی عورتوں کے ساتھ جو کہ اربعیت کے ساتھ موصوف
ہیں، یعنی چار تھیں۔ اور یہ معنی وضعی ہیں جو کہ اربع
کو عارض ہو گئے ہیں۔ بحسب الوضع اصلی معنی

کے قولہ والمعتبر فی سببہ الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب تعریف وصف میں دلالت کے اندر تقسیم ہے خواہ دلالت بحسب الوضع ہو یا بحسب الاستعمال تو مصنف کا یہ کہنا کہ شرطہ ان یكون فی الاصل لغو ہے اس لئے کہ دلالت عام ہے اور یہاں مصنف بحسب اصل الوضع کی تحفیں کرتے ہیں شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ دلالت عام ہے مگر سببیت منع صرف میں جو وصف معتبر ہوگا وہ وصف اصلی ہوگا اپنی اصالت کی وجہ سے اپنی عرضیہ کی وجہ سے وصف عرضی معتبر نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے مصنف نے شرطہ کہا ہے۔

قولہ شرطہ ای شرط الوصف الخ شارح کا منشا ای شرط الوصف کہنے سے شرطہ کی ضمیر کا مرجع بتانا ہے اور فی سببیت منع الضرف کہنے سے دفع دخل مقدر مقصود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جبکہ وصفیہ اصلیہ وصف میں شرطہ ہے تو وصف کو اصلی اور عرضی کی طرف منقسم کرنا بیکار ہے جواب یہ دیا کہ وصف کو اصلی اور عرضی میں منقسم کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ تقسیم بیکار ہے بلکہ وصف کی دو قسمیں ہیں مگر منع صرف کا سبب بننے کے لئے جس وصفیت کی ہمیں ضرورت ہے وہ اصلیہ ان یكون کی خبر ہے ان یكون میں ضمیر مستتر اس کا اسم ہے پھر یہ جملہ بتاویل مصدر مفرد ہو کہ شرطہ کی خبر ہے۔

قولہ الذی ہو الوضع الخ اس عبارت سے دو اعتراضوں کا دفع مقصود ہے اعتراض اول یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب معرفہ کو دوسری مرتبہ معرفہ ہی لوٹایا جائے تو ثانی میں اول ہوتا ہے اور قول مصنف خروجه عن صیغۃ الاصلیہ میں اصل سے مراد قاعدہ ہے پس اس جگہ بھی اصل سے مراد قاعدہ ہوگا اور جب اس جگہ بھی اصل سے مراد قاعدہ ہوگا تو میرے کا فاسد ہونا ظاہر ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اصل کو جب وصف کے مقابلہ میں ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے موصوف مراد ہوتا ہے پس شرطہ ان یكون فی الاصل کے معنی شرطہ ان یكون

المعتبر فی سببیت منع الضرف ہو الوصف الاصلی لاصالتہ لا العرضی لعارضیتہ قلذک قال للمصنف ر ح شرطہ ای شرط الوصف فی سببیت منع الضرف ان یكون وصفًا فی الاصل الذی ہو الوضع ان یكون وضعہ علی الوصفیۃ لان تعرضہ الوصفیۃ بعد الوضع فی الاستعمال سواء یبقی علی الوصفیۃ الاصلیۃ او زالت عنه فلا تنصرہ بان تخرجہ

ہے وہ وصف اصلی ہے اس کی اصالت کی وجہ سے کہ احکام و قواعد میں وصف اصلی مؤثر ہوتی ہے نہ کہ وصف عرضی اس کے عرضی ہونے کی وجہ سے (مؤثر نہیں ہوتی) پس اسی وجہ سے مصنف نے کہا «اس کی شرط» یعنی وصف کے سبب منع صرف ہونے میں شرط «یہ ہے کہ وہ» وصف «اصل» وضع «میں» وصف «ہو» اس طرح کہ وصیت پر اس کی وضع ہوئی ہوگی نہیں کہ اسے وضع کے بعد استعمال میں وضع عارض ہوئی ہو (بہر صورت سبب منع صرف میں وصف اصلی کا اعتبار ہے) خواہ وہ اپنی وصفیت اصلیہ پر باقی ہو یا وصفیت اصلیہ اس سے زائل ہو چکی ہو لہذا اسے نقصان نہ دیگا اس طرح کہ اسے سبب منع صرف ہونے سے خارج کر دے

فی الموصوف کے ہوں گے اور یہ معنی وصف عارضی میں بھی پائے جاتے ہیں حالانکہ وصف عارضی منع صرف کے لئے سبب نہیں بنتا ہے۔ شارح جواب دیتے ہیں کہ الاصل میں الف لام عہد کے لئے ہے جس سے ماہو الاصل فی الوضع کی طرف اشارہ ہے اور اصل بمعنی قاعدہ یہاں مراد نہیں ہے کہ یہ اعتراض واقع ہو رہا ہو اعتراض اول تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ اکثر مجزیہ میں کلیہ نہیں اور اصل سے وضع اس وجہ سے مراد لگتی ہے کہ اصل کے معنی ملتی علیہی کے آتے ہیں یعنی جس پر کسی شے کی بنیاد ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وضع کے اور یہ بھی دلالات ثلثہ یعنی مطابق تعینی۔ التزامی۔ کی بنیاد ہوتی ہے لہذا اصل سے وضع مراد لے لینے سے کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ پھر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ جب اصل سے مراد وضع ہے تو اس سے وضع کی طرفیت لازم آتی اس لئے کہ فی الاصل ان یكون کے بعد وصف کے اضافہ کی وجہ سے کہ فی الاصل طرف مستقر ہے اور وصف کے متعلق ہو کہ طرف ہے تو وضع بھی طرف ہوا اور یہ درست نہیں اس لئے

کہ طرف یا زمان ہوتا ہے یا مکان اور وضع نہ زمان ہے نہ مکان تو شارح نے اس کا جواب ان یكون وضع الخ سے یہ دیا کہ فی الاصل میں فی بقیہ عند ہے ای شرطہ ان یكون عند الوضع یعنی وصف میں شرطہ یہ ہے اسکی وصفیت وضع کے وقت ہو یا شرطہ کر اس کی وضع وصفیت کی بنا پر ہو یا نہ ہو اسکو وضع کے بعد استعمال میں وصفیت عارض ہو پھر اس میں تقسیم ہے کہ وہ وصفیت اصلیہ عند الوضع بجا رہاتی ہے یا زائل ہو جائے زائل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ وصفیت اصلیہ بالکل زائل نہ ہو بلکہ من وجہ زائل ہو ورنہ یہ اعتراض واقع ہوگا کہ جب وصفیت اصلیہ زائل ہو جاتی ہے تو یہ زوال وصفیت کے لئے معتبر ہوتا ہے مثلاً خاتم میں وصف سخاوت پایا جاتا ہے تو جب یہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو خاتم سے وصف سخاوت زائل ہو جائے گا اور اس وصفیت کا اعتبار بھی نہیں رہے گا واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ فلا تنصرہ بان الخ یہ جملہ شرط مذکورہ پر متفرع ہے اور معنی یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو چکا کہ سبب منع صرف بننے کے لئے وصف

عن سببية منع الصرف الغلبة اى غلبة الاسمية على الوصفية و
معنى الغلبة اختصاصه ببعض افراد بحيث لا يحتاج في الدلالة عليه
الى قرينة كما ان اسود كان موضوعا لكل ما فيه سواد ثم كثر استعماله
في لحيه السوداء بحيث لا يحتاج في الفهم عنه الى قرينة فلذلك
للمذكور من اشتراط اتصال الوصفية وعدم مضرة الغلبة صرف
لعدم اتصال الوصفية اربع . في قولهم مرتت بنسوة اربع

«غلبہ» یعنی اسمیت کا وصفیت پر غلبہ (وصفیت کو مغرور ہوگا) اور غلبہ کے معنی یہ ہیں کہ اسم اپنے
بعض افراد سے اس طرح مختص ہو جائے کہ وہ اس (بعض افراد) پر دلالت کرنے میں کسی قرینے
کا محتاج نہ ہو جیسا کہ اسود ہر اس چیز کے لئے موضوع تھا جس میں سیاہی ہو پھر اس کا
استعمال کالے سانپ میں اس طرح بکثرت ہو گیا کہ کالا سانپ لفظ اسود سے سمجھ جانے میں
کسی قرینے کا محتاج نہیں (پس اسی وجہ سے) جس کا ذکر اوپر گذرا یعنی وصفیت کا اصل یہ ہونا
اور غلبہ (اسمیت) کا مغرور ہونا «مغرف پڑھا گیا ہے» وصفیت اصل یہ کے نہ ہونے کی وجہ سے

نہیں کر دیتا لہذا ایسا غلبہ مضر ہوگا جو کہ وصفیت
کو سبب منع صرف بننے سے روک دے اور یہاں
ایسا ہے جس میں لہذا کوئی اعتراض نہیں۔ الغلبۃ کی
شرح ای غلبۃ الاسمیۃ الخ سے کر کے شائع نے اس
امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الغلبۃ میں الف لام عوض
میں مضان الیہ کے ہے یعنی غلبۃ مضان ہے اور
الاسمیۃ مضان الیہ مضان مضان الیہ سے مل کر
مبتدا ہوتے اور علی الوصفیۃ جار مجرور ظرف مستقر
مرفوع مضاف خبر سے مل کر فاعل ہوا فلا تضرہ کا۔

۱۵۵ قولہ ومعنی الغلبۃ الخ یہاں سے
شائع کا مقصد ایک ہم کا ازالہ کرنا ہے وہم یہ ہے
کہ تہا یا یہ کہنا کہ وہ غلبۃ اسمیت مضر نہیں ہے جو کہ
وصف کو سبب منع صرف بننے سے نہ روکے صحیح
نہیں ہے اس لئے کہ اگر لفظ اسود رجل یعنی کانام
رکھا جائے تو چاہئے کہ لفظ اسود وصفیت اصل یہ
اور وزن فعل کے اعتبار سے غیر منصرف ہو حالانکہ
ایسا نہیں ہے بلکہ لفظ اسود علیت اور وزن فعل
کے اعتبار سے غیر منصرف ہے۔ جواب یہ ہے کہ
غلبہ اسمیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اسم جو مضر

اصلی کا اعتبار ہے تو اب اگر اسمیت کا غلبہ ہو
جائے تو وصف کے سبب منع صرف بننے میں
کوئی ضرر نہ ہوگا۔ اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا
ہے جس کا جواب شائع نے بان تخریج الخ سے
دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ تہا یا یہ قول نہیں مسلم نہیں کہ
غلبہ اسمیت ضرر نہیں پہنچا سکتا بلکہ غلبۃ اسمیت مضر
ہوتا ہے جیسا کہ کوئی نام صفت علم بنا دیا جائے تو
اس وقت اس نام صفت میں غلبہ اسمیت ہو جائیگا
اور اس غلبہ اسمیت سے وصفیت زائل ہو جائے گی
اور یہ ابہام سے تعین کی طرف منتقل ہو جائیگا اور
یہ حرر فی المفہوم ہے جب تک کوئی شے وصف
ہوتی ہے تو اس میں ابہام رہتا ہے اور جب وصفیت
میں غلبہ اسمیت ہو گیا تو تعین آجاتی ہے جو کہ
مفہوم کے اعتبار سے مضر ہے جواب یہ ہے کہ تہا یا
مراد غلبہ اسمیت سے یہ ہے کہ اس کے غلبہ کرنے
سے وصفیت بالکل زائل نہ ہو اور صورت مذکور
میں وصفیت بالکل زائل ہو جاتی ہے لہذا اگر یہ
یہ غلبہ اسمیت مطلقا وصفیت کے لئے مضر ہے
مگر وصفیت کو سبب منع صرف بننے سے غای

پر دل ہے اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص
ہو جائے کہ ان بعض افراد پر اس کی دلالت میں قرینہ
کے محتاج نہ ہوں جیسے اسود کی اصل وضع میں ہر
سیاہ چیز کو کہتے ہیں اور کثرت سے اسکا استعمال
سیاہ سانپ میں ہوتا ہے اور یہ استعمال اس طرح پر
کثیر ہو گیا ہے کہ لفظ اسود کہنے سے سانپ کی طرف
فورا ذہن منتقل ہو جاتا ہے کسی قرینہ کی حاجت نہیں
رہتی یعنی غلبہ سے مراد یہ ہے کہ اسم اپنے بعض افراد
کے ساتھ خاص ہو پس اسود کے افراد اسود ہی ہو
سکتے ہیں۔ اور رجل ابھن چونکہ اسود کے افراد میں سے
ہے نہیں اس لئے یہاں وصف کا کوئی اعتبار نہیں
بلکہ علیت اور وزن فعل کا اعتبار ہے اس جگہ شائع
نے بحیث لا یتحتاج فی الدلالة علیہ کی قید لگا کر اس
اعتراض کا بھی دفع کر دیا کہ اگر کسی رجل اسود کا نام
اسود رکھ دیا جائے تو چاہئے کہ اس جگہ لفظ اسود
وصفیت اصل یہ اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہو
اس لئے کہ اس وقت میں رجل اسود افراد اسود میں
سے ہوگا جیسا کہ تم کہہ چکے ہو کہ غلبہ کے معنی اسم کے
اپنے بعض افراد کے ساتھ مختص ہونے کے ہیں اور
یہاں اسود اپنے بعض افراد یعنی رجل اسود کے
ساتھ مختص ہے جواب یہ ہوا کہ یہاں اگر یہ لفظ
اسود اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص تو ہے مگر
صرف لفظ اسود سے رجل اسود کی طرف دلالت
نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ کوئی قرینہ دلالت نہ کرے
اس لئے کہ لفظ اسود کا استعمال سیاہ سانپ کے
معنی میں ہوتا ہے۔

۱۵۶ قولہ فلذلك المذكور الخ یہاں
شائع المذكور الخ سے ایک سوال کا جواب دے
ہیں سوال یہ ہے کہ ماقبل میں مذکور تو دو امر ہیں
وصف اصلی کا شرط ہونا اور غلبہ اسمیت کا مضر
نہ ہونا اور ذلک اسم اشارہ مفرد کے لئے لائے یہ
صحیح نہیں بلکہ اسم اشارہ تشبیہ لانا ضروری تھا تاکہ
اشارہ اور مشار الیہ کے درمیان مطابقت ہو جاتی
جواب یہ دیا دو امر جو ذکر کئے گئے ہیں وہ بتاویل
مذکور ہیں اور لفظ مذکور واحد مذکر ہے لہذا اشارہ

اور مشار الیہ کے درمیان مطابقت ہوگئی پس انہیں دونوں امر مذکورین کی وجہ مرتبہ بنسوة اربع میں اربع منصرف ہے اس لئے کہ اس میں وصفیہ اصلیت نہیں ہے جو کہ شرط تھی بلکہ اس میں بنسوة کی وجہ سے وصفیہ آگئی ہے اس لئے کہ اربع اصل کے اعتبار سے ایک مرتبہ معین کے لئے موضوع ہے یعنی جو تین کے اور پانچ کے نیچے ہو اور شراح نے قولہم کا اس وجہ سے اضافہ کر دیا مرتبہ بنسوة اربع جملہ ہے اور لفظ فی اسم پر داخل ہوا کرتا ہے جملہ پر نہیں لہذا قولہم کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ فی کا دخول قولہم سے مرتبہ نہیں ہے و امتنع کے بعد من الصرف کا اس لئے اضافہ کیا ہے کہ امتناع کا فاعل اسود و ارقم ہیں اور یہ دونوں امتناع کی طرف منسوب ہیں حالانکہ ان دونوں کی نسبت امتناع کی طرف صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں متنع نہیں ہیں بلکہ موجود اور مستعمل ہیں اور متنع نہ موجود ہوا کرتا ہے نہ مستعمل جواب یہ ہوا کہ امتناع وجود اور استعمال سے نہیں ہے بلکہ حرف سے امتناع ہے یعنی یہ دونوں غیر منصرف ہیں غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں جو کہ صانیوں کے نام ہو گئے ہیں غلبہ اکثریت جو کہ مضر نہیں ہے اگر یعنی موجود ہے مگر چونکہ ان کی اصل وضع میں وصفیت کے معنی پائے جاتے ہیں اگرچہ انکا استعمال سانپ کے معنی میں کثیر ہوگا اس لئے یہ دونوں وصفیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوں گے اسود سیاہ سانپ کو کہتے ہیں اور ارقم چیت کبرے سانپ کو یعنی جس میں سفید سیاہ داغ ہوں اور ارقم ہر سیاہ چیز کو کہتے تھے مگر اب اسکا استعمال زنجیر کے معنی میں ہونے لگا اس لئے کہ زنجیر میں بھی سیاہی ہوتی

۵۵۳ قولہ فان ہذا الخ یہاں سے

شراح ان کے غیر منصرف ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ اسماء اگرچہ غلبہ اسمیت کی وجہ سے وصفیت سے خارج ہو گئے ہیں مگر باعتبار اصل وضع کے وصف ہی میں شمار ہوتے ہیں ان کا استعمال ان کے معانی اصلیت میں بالکل ترک نہیں ہوا پس ان اسماء میں بعض صرف صفت اصلیہ اور وزن فعل میں اور جب

وامتنع من الصوف لعدم مضرۃ الغلبة اسود و ارقم
 حیث صار اسمین للحمۃ الاول للحمۃ السوداء والثانی للحمۃ التي
 فیہا اسود و بیاض و ادم حیث صار اسما للفتید من الحدید
 لما فیہ من الدھمۃ اعنی السواد فان ہذا الاسماء وان خرجت عن
 الوصفیۃ لغلبة الاسمیۃ لکنہا بحسب اصل الوضع اوصاف لہ فیکثر
 استعمالہا فی معانیہا الاصلیۃ ایضا بالکلیۃ فالمانع من الصرف فی
 ہذا الاسماء الصفتۃ الاصلیۃ و وزن الفعل و اما عند استعمالہا فی
 معانیہا الاصلیۃ فلا اشکال فی منع صرفہا لوزن الفعل والوصف فی
 الاصل والحال وضعف منع افعی اسما للحمۃ علی زعم وصفیۃ

«اربع» اہل عرب کے اس قول میں «مَوْرَتْ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ اور نہیں ہے» منصرف غلبہ اسمیت کے مضر ہونے کی وجہ سے «اسود اور ارقم» کیونکہ یہ دونوں نام بن گئے ہیں۔ «سانپ کے لئے» پہلا کالے سانپ کے لئے اور دوسرا اس سانپ کے لئے جس میں سیاہی اور صفیدی ہے «اور ادم» کیونکہ یہ نام ہو گیا ہے «قید کے لئے» تو ہے سے کیونکہ دھمت بمعنی سیاہی ہے پس یہ اسماء اگرچہ غلبہ اسمیت کی وجہ سے وصفیت سے خارج ہو گئے ہیں لیکن اصل وضع کے اعتبار سے اوصاف ہیں ان کا استعمال ان کے معانی اصلیت میں بھی کلی طور پر نہیں ترک ہوا پس ان اسماء میں منصرف ہونے سے مانع صفت اصلیہ اور وزن فعل ہے اور پھر مَوْرَتْ ان اسماء کے ان کے معانی اصلیت میں استعمال کے وقت اصل (وضع) اور حال (استعمال) وزن فعل اور وصف کی وجہ سے ان کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اشکال نہیں «اور ضعیف ہے افعی کا غیر منصرف ہونا» (کیونکہ یہ) اسم ہو گیا ہے «سانپ کے لئے» اس کی وصفیت کے

کافیہ کی یہ عبارت ایک سوال مفرد کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو چکا کہ وصف اصل کا اعتبار ہے اور غلبہ اسمیت مضر نہیں تو افعی ربطا سانپ (اور ابدل (شکرہ) اور اخیل (پرندہ منقوص) کہ سبز رنگ معہ قلیل سرخی کے ہوتا ہے اور سباع طیور میں سے شمار ہوتا ہے عربی میں اس کو شقراق بھی کہتے ہیں) اس کو بھی غیر منصرف کہنا چاہئے اس لئے کہ ان اسماء میں اصل وضع کے اعتبار سے معنی وصفیت پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں غلبہ اسمیت ہو گیا ہے۔ اور جو دان کے کہ منصرف پڑا

ان کا استعمال اپنے معانی اصلیت میں ہو تو اس وقت ان کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے اس لئے کہ ان میں وزن فعل اور وصف فی الاصل اور فی الحال موجود ہوگا شراح نے لم یجوز الخ کا اس وجہ سے اضافہ کیا ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض نہ کر دے کہ وصف اصل منع صرف کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے کہ وصف جب کسی شخص کا علم ہو جاتا ہے تو یہ منع صرف کے لئے سبب نہیں بنا کہ تا جیہا کہ عام جب کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو اس سے معنی وصفی مفقود ہو جاتا ہے۔

۵۵۴ قولہ وضعف منع افعی الخ مصنف

لَتَوْهَرِ اشْتِقَاقَهُ مِنَ الْفِعْوَةِ الَّتِي هِيَ الْجَبْثُ وَكَذَلِكَ مَنَعَ اجْدَلُ
لِلصِّغَرِ عَلَى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ لَتَوْهَمِ اشْتِقَاقِهِ مِنَ الْجَدَلِ بِمَعْنَى الْقُوَّةِ
وَإِخِيلَ لِلطَّائِرِ أَيْ لَطَائِرُ ذِي خَيْلَانَ عَلَى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ لَتَوْهَمِ
اشْتِقَاقِهِ مِنَ الْحَالِ وَوَجْهٌ ضَعِيفٌ مَنَعَ الصَّرْفِ فِي هَذِهِ الْأَسْمَاءِ عَدْلُ
الْجَزْمِ بِكَوْنِهَا أَوْصَافًا أَصْلِيَّةً فَإِنَّهَا لَمْ يَقْصِدْ بِهَا الْمَعَالِي الْوَصْفِيَّةَ مُطْلَقًا
لَا فِي الْأَصْلِ وَلَا فِي الْحَالِ مَعَ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَسْمَاءِ الصَّرْفُ التَّأْنِيثُ
الْلَفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ لَا بِالْأَلِفِ فَإِنَّهُ لَا شَرْطَ لَهُ شَرْكَهُ فِي سَبَبِيَّةِ

گمان کی بنا پر اس کے قوت ہے جو کہ جَبْث ہے مشتق ہونے کے تو ہم کیوجہ سے اس کی مصفت
کے گمان کی بنا پر (اس کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے) کیونکہ اس کا قوت "جبر" کا معنی جَبْث
ہے مشتق ہونا متوہم ہے غیر منصرف ہونا (اور) اسی طرح "اجدل" کا غیر منصرف پڑھنا
جو "شکرہ" کا نام ہے اس کی وصفیت کی بنا پر کیونکہ اس کا جدل معنی قوت سے مشتق ہونا متوہم
ہے اور "اخیل" ایک پرندہ کیلئے) یعنی نقطوں والے پرندے کا نام ہے اس کی وصفیت کے گمان
پر (اس کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے) کیونکہ اس کا خال سے مشتق ہونا متوہم ہے اور ان اسماء
میں منع صرف ضعیف ہونے کی وجہ ان کے اوصاف اصل ہوتے کا عدم یقین ہے کیونکہ ان
اسماء سے ان کے وصفی معنوں کا مطلقا قصد نہیں کیا گیا نہ اصل (وضع) میں اور نہ علل استعمال
میں باوجودیکہ (مزید برآں کہ) اسم میں باصل منصرف ہونا ہے (تانیث) لفظی جو (تاکے ساتھ) اصل

جاتا ہے مصنف نے جواب دیا کہ اس کا غیر منصرف
پر جا جانا ضعیف ہے اور وجہ اس کی وجہ
ضعف منع الصرف الخ سے بیان کریں گے اور
افعی کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ افعی
کے متعلق گمان یہ ہے کہ یہ وصف ہے اس لئے کہ
اہل عرب کو یہ وہم ہے کہ افعی قوت سے مشتق ہے
جس کے معنی جَبْث کے ہیں اور ایسے ہی اجدل
کی وصفیت کا گمان اس وجہ سے ہے کہ اجدل کا
جدل سے مشتق ہونے کا وہم ہے جس کے معنی قوت
کے ہیں مگر یہ القیاس اخیل کو اس وجہ سے
غیر منصرف کہتے ہیں کہ اس کی وصفیت کا گمان یہ
وجہ سے ہے کہ اس کے متعلق خال بننے سے
مشتق ہونے کا گمان ہے مصنف چونکہ اقتضا
کے سبب اس لئے وجہ ضعف کو بیان نہیں کیا

مصنف کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیا شارح اس کو
بیان کرتے ہیں کہ ان کے ضعیف ہونے کی وجہ
یہ ہے کہ ان اسماء میں وصف اصل کا یقین نہیں ہے
بلکہ محض گمان ہی گمان ہے اور یقین اس وجہ سے
نہیں کہ ان کا استعمال کبھی بھی معانی وصفیتہ کیلئے
نہیں ہوتا نہ اصل کے اعتبار سے اور نہ فی الحال اب
اس پر ایک اعتراض وارد ہوا کہ جبکہ ان کا وصف
فی الاصل ہونا قطعی ہے عاودہ غیر وصف فی الاصل
ہونا یقینی بلکہ بین بین ہے بعض اس کو وصف فی
الاصل قرار دیتے ہیں اور بعض اس سے انکار کرتے ہیں
تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کو غیر منصرف پر ترجیح دے
کہ منصرف قرار دیا گیا حالانکہ قیاس کا مقتضایہ تھا
کہ ان کو غیر منصرف ہی کہا جاتا شارح نے مع ان
الاصل الخ سے یہ جواب دیا کہ اس وقت ہم اصل کی

طرف رجوع کریں گے اور اصل تمام اسماء میں ان طرف
ہے نہ کہ معنی صرف ہیں اس وجہ سے ان کے ان طرف
کو ترجیح دی گئی۔

۵۵۵ قولہ التانیث اللفظی الخ اسباب
منع صرف میں سے تیسرا سبب تانیث ہے شارح
نے التانیث کے بعد لفظی کا اضافہ کر کے ایک کمال
کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کا التانیث
باتر والمعنوی کذلک کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے
کہ جس طرح تانیث لفظی ہوتا رہتی ہے اسی طرح
تانیث معنوی بھی ہوتا رہتی ہے اس لئے کہ
تانیث معنوی میں تا مقدر مانی جاتی ہے اور
مقرر کا لفظ ہوتا ہے پس اس تقدیر پر تانیث
معنوی کا مقابلہ تانیث بالتاء سے ہو رہا ہے
اور یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں
مقابل اور مقابل دونوں ایک ہو جاتے ہیں
حالانکہ مقابلہ کے لئے ایک دوسرے کی ضد ہونا
ضروری ہے شارح نے لفظی کہہ کر اس سوال
کا جواب دے دیا کہ اس جگہ التانیث بالتاء
سے مراد تانیث لفظ ہے پس مقابلہ درست
ہو گیا اور لا محالہ کا اس وجہ سے اضافہ کیا کہ بالتاء
جاء مجرور ظرف مستقر الحاصل کے متعلق ہے بالف

اس وجہ سے کہا ہے کہ جوتا تانیث الف مردودہ
یا مقصورہ سے حاصل ہوا اس کے سبب منع صرف
بننے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے اس لئے کہ
الف تانیث کو لازم ہوگا صرف تانیث بالتاء
کے لئے علمیت شرط ہے شرط کے بعد فی
سببیت منع الصرف کہہ کر ایک سوال کا جواب
دیا ہے سوال یہ ہے کہ ضاربتہ تانیث بالتاء
ہے مگر اس میں علمیت موجود نہیں ہے جواب
یہ دیا کہ ہمیں مطلقا تانیث بالتاء سے بحث
نہیں ہے بلکہ اس تانیث بالتاء کیلئے علمیت
شرط ہے جو منع صرف کا سبب بنے اور ضاربتہ
کی تانیث منع صرف کا سبب نہیں ہے لہذا یہ
بحث سے خارج ہے۔

۵۵۵ قولہ ای علمیتہ الاسم المؤنث الخ

یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ علمیتہ میں یا مصدر یہ ہے جو کہ لفظ کون سے مؤنث ہے تو تقدیر عبارت شرط کو نہ علماء ہوتی اور کون کی ضمیر تانیث کی طرف راجع ہے اور وہ کون کا اسم ہے اور علماء کون کی خبر اور خبر اپنے اسم پر محمول ہوتی ہے پس علماء کا محل التانیث پر ہوا اور التانیث وصف لئے اس لئے کہ مصدر ہے اور علماء ذات لہذا ذات کا محل وصف پر لازم آیا اور یہ درست نہیں جواب یہ ہے کہ علمیتہ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور عبارت اس طرح ہے ای علمیتہ مافیہ التانیث اور مافیہ التانیث اسم ہے جو کہ ذات ہے پس ذات کا محل ذات پر منتج ہو گیا یا یہ جواب ہے کہ التانیث مصدر مبنی للمفعول بمعنی المؤنث ہے اور اسم مفعول ذات ہے لہذا ذات کا محل ذات پر منتج ہو گیا اور لفظ اسم کی زیادتی اس وجہ سے کی گئی کہ المؤنث صفت ہے جو کہ موصوف کو چاہتی ہے پس لفظ اسم موصوف ہوا اور المؤنث صفت پھر اس جواب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب تانیث بمعنی المؤنث ہے تو اس کو اسباب منع صرف میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مؤنث اوصاف میں سے ہے، جواب یہ ہے کہ اس جگہ عبارت صنعت استخدام پر محمول ہے اور صنعت استخدام اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں پس جب اس کے تلفظ کو اعتبار کیا جائے تو اس سے یہ معنی مراد ہوں اور جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو معنی مراد لئے جائیں پس یہاں بھی التانیث سے اول معنی مراد ہیں اور جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی گئی تو اس لئے کہ معنی یعنی مؤنث لئے گئے۔ تانیث بالتار کے لئے علمیت اس وجہ سے شرط ہے تاکہ تانیث کلمہ کو لازم ہو جائے اس لئے کہ علام تصرف سے محفوظ ہوا کہنے میں ان میں بقدر امکان تغیر نہیں ہوا کہ تانیث یہ بھی وجہ ہے کہ تانیث بالتار کو علمیت کی وجہ سے وضع ثانی کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے

منع الصرف العلمیۃ ای علمیتہ الاسم المؤنث لیصیر التانیث لازماً لان الاعلام محفوظۃ عن التصرف بقدر الامکان ولان العلمیۃ وضع ثانی وکل حرف وضعۃ الکلمۃ علیہ لا ینفک عن الکلمۃ و التانیث المعنوی کذلک ای کالتانیث اللفظی بالتاء فی اشتراط العلمیۃ فیہ الا ان بینہما فرقاً فانہما فی التانیث اللفظی بالتاء شرط لوجوب منع

(ہوتی ہے) الف سے نہیں کیونکہ تانیث بالالف کے (غیر منصرف ہونے کے) لئے کوئی شرط نہیں (اس کی شرط) غیر منصرف کے سبب ہونے میں (علم ہونا ہے) یعنی اسم مؤنث کا علم ہونا (شرط) ہے تاکہ تانیث لازم ہو جائے کیونکہ اعلام بقدر امکان تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں اور اس لئے کہ علمیت وضع ثانی ہے (مثلاً عائشہ اولاد عائشہ یعیش عائشہ وعائشہ بطور جنس لغوی معنی کی رو سے وضع ہوا پھر وضع ثانی میں علم ہو گیا تو وضع ثانی میں تالام کلمہ کی طرح لازم ہو گئی اور جس حرف پر کلمہ کی وضع (علمی ثانی) ہو جائے کلمہ اس سے (بقدر امکان) جدا نہیں ہوتا (اور) تانیث معنوی اسی طرح ہے) یعنی علمیت کے شرط ہونے میں تانیث معنوی تانیث لفظی بہ تلو کی طرح ہے مگر ان دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ علمیت تانیث لفظی بتا میں وجوب منع صرف

اور یہ قاعدہ ہے کہ جس حرف پر کلمہ وضع کیا گیا ہو وہ حرف کلمہ سے جدا نہیں ہوا کہ تانیث تانیث لفظی بالتار میں جب علمیت آئی تو اس کے باعث مثلاً فاطمہ کو وضع ثانی کی حیثیت حاصل ہو گئی یعنی گویا کہ اس کی اصل وضع فاطمہ تار کے ساتھ ہے اور تار اس کو لازم ہے پس یہ تار کلمہ سے جدا نہیں کی جائیگی ورنہ وضع ثانی یا مل ہو جائیگی۔ شارح نے بقدر الامکان کی قیاس وجہ سے لگائی ہے کہ یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ تنہا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ اعلام تصوف سے محفوظ ہوا کرتے ہیں اس لئے کہ منادی مخم میں اعلام ہونے کے باوجود حرف آخر حذف ہو جاتا ہے جیسے یا منصور کے بجائے یا منصور کہا جاتا ہے نیز وزن شعر کے لئے بھی حذف کرنا جائز ہوتا ہے لہذا یہ قید لگا کر شارح نے جواب دے دیا کہ بقدر امکان اعلام میں تصرف نہیں ہوا کہ تار اگرچہ ضرورہ ہو جاتا ہے۔

۵۵۶ قولہ والتانیث المعنوی الخ المعنوی سے پہلے التانیث کو ذکر کر کے شارح نے یہ بتایا ہے کہ المعنوی صفت ہے اور اس کا موصوف التانیث

مخدوف ہے اور مخدوف پر دلالت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ واو کا عطف التانیث اللفظی پر ہو رہا ہے کذلک سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تانیث معنوی میں بھی علمیت شرط ہے اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تانیث معنوی کو تانیث لفظی کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ تانیث لفظی میں علامت تانیث تالفظ ہوتی ہے اور تانیث معنوی میں علامت تانیث تاو مقدرہ لہذا درمیان شبہ اور مشابہہ کے مناسبت نہ ہوئی حالانکہ اس مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔ شارح اس کا جواب ایا کالتانیث اللفظی الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ تانیث لفظی کے ساتھ تانیث معنوی کو تشبیہ صرف علمیت کے شرط ہونے میں ہے تاکہ لفظ تاو مقدرہ ہونے میں تشبیہ نہیں ہے یعنی تانیث معنوی علمیت کے شرط ہونے میں مثل تانیث لفظی کے ہے۔

۵۵۸ قولہ الا ان بینہما الخ یہاں سے شارح ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ

الصرف في المعنوي شرط بجواز ولا بد في وجوبه من شرط آخر
كما اشار اليه بقوله وشرط تختم تاثيره اي شرط وجوب تاثير
التانيث للمعنوي في منع الصرف احد الامور الثلاثة الزيادة على
الثلاثة اي زيادة حروف الكلمة على ثلاثة مثل زنب او تحسر
الحرف الاوسط من حروفها الثلاثة مثل سقر او العجمة مثل
ماه وجور وانما اشترط في وجوب تاثير التانيث للمعنوي احد الامور
الثلاثة ليخرج الكلمة بثقل الامور الثلاثة عن الخفة التي من شأنها ان

کے لئے شرط ہے اور معنوی میں جواز منع صرف کی شرط ہے اور (تانیث معنوی میں) وجوب منع
صرف (کے سلسلے) میں شرط دیگر ضروری ہے جیسا کہ اس کی طرف مصنف نے اپنے اس قول
سے اشارہ کیا ہے اور اس کے تختم تاثير کی شرط معنی منع صرف میں تانیث معنوی کی تاثير کے
وجوب کی شرط تین امور میں سے ایک ضروری ہے (تین سے زیادہ ہونا) یعنی کلمے کے حروف کا
تین سے زیادہ ہونا جیسے زنب لا یا در میان کے حرف کا متحرک ہونا ان تین حروف
میں سے جیسے سقر لا یا عجمہ ہونا جیسے ماہ اور جور اور تانیث معنوی کے وجوب تاثير میں
ان تین امور میں سے ایک کا ہونا اس لئے شرط کیا گیا ہے کہ (غیر منصرف ہونا والا) کلمہ احد الامور
للتثنية کے ثقل کی وجہ سے اس خفت سے نکل جائے جس کا حال یہ ہے کہ احد السببين (جو اپنے

ہے مطلب یہ ہے کہ تانیث لفظی معنوی دونوں میں علمیت شرط ہے
تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کیا بلکہ اس
طرح کر دینا کافی تھا۔ التانیث مطلقاً شرط العلمیت
جواب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں باعتبار اشتراط علمیت
کے متحد ہیں مگر میں فرق ہے اس وجہ سے علیحدہ
علیحدہ بیان کیا فرق یہ ہے کہ تانیث لفظی باتوں میں
تو علمیت وجوب منع صرف کے لئے شرط ہے اور
تانیث معنوی میں جواز کے لئے یعنی تانیث لفظی میں
جب تک علمیت نہ ہو منع صرف کا سبب نہیں بن
سکتا اور تانیث معنوی میں مگر علمیت نہ ہو تو اس علمیت
کا ہونا سبب منع صرف کیلئے ضروری نہیں ہے بلکہ
جائز ہے اور ہو سکتا ہے کہ تانیث معنوی منع صرف
کا سبب بنے اور اس میں علمیت نہ ہو اس حالت جب
تانیث معنوی میں احد امور مذکورہ موجود ہوگا تو علمیت
اس کے لئے سبب منع صرف بننے کے واسطے ضروری

۵۹ قولہ ای شرط وجوب التختیم کی تفسیر
وجوب کے ساتھ کر کے شارع کو یہ بتانا مقصود ہے کہ
تختیم اس جگہ بمعنی تجزئ نہیں یعنی لاجوب ہے نیز باب
تعلیل اس جگہ ثلاثی خبر کے معنی میں ہے یعنی تختیم یعنی
التم ہے جس کے معنی وجوب کے ہیں اور یہ ثلاثی خبر
ہے۔ قول مصنف تاثيره میں ضمیر مجرور قانیت
معنوی کی طرف راجع ہے اس لئے شارع نے لفظ تاثير

کے بعد التانیث للمعنوي کا اضافہ فرمایا اور احد امور الثلاثة
کا اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ الزیادة علی التثنية اپنے معنوں
سے ملکر شرط تختیم التانیث کی خبر نہیں ہے کہ اس کے معنی
فاسد ہو جائیں اس لئے کہ اگر یہ جملہ خبر قرار دیا جائے تو
معنی یہ ہوں گے کہ تانیث معنوی کی تاثير کے وجوب
کیلئے زیادت علی التثنية متحرک اوسط اور غیر متحرک شرطیں حالانکہ
تینوں ایک وقت شرط نہیں بلکہ ان میں سے ایک شرط ہے
اس لئے شارع نے بتا دیا کہ تینوں کا مجموعہ مراد نہیں ہے
بلکہ تین میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے مطلب یہ
ہو کہ کلمہ کو غیر منصرف بنانے میں تانیث معنوی کی تاثير
کی وجوب کیلئے تین امور میں سے ایک کا ہونا ضروری
ہے (۱) جس کلمہ میں سبب منع صرف کے لئے تانیث
معنوی اثر انداز ہو اس کا تین حروف سے زیادہ ہونا
ضروری ہے جیسے زنب کہ اس میں چار حروف ہیں
شارح نے الزیادة علی التثنية کی شرح ای زیادة حروف
سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ الزیادة میں
الغلو معنات الیہ کے عوض میں ہے اور معنات الیہ
حروف ہیں نہ کہ حرکات تاکہ یہ اختراص واقع نہ ہو کہ زنب
میں تین حرکات سے زیادہ موجود نہیں ہیں لہذا اس کو
غیر منصرف کہنا درست نہیں حالانکہ زنب غیر منصرف
ہے مگر کلمہ زائد علی التثنية نہ ہو تو متحرک الاوسط ہونا
ضروری ہے جیسے سقر کہ یہ تین حرفی ہے مگر اس کا
درمیانی حرف متحرک ہے اس جگہ شارع نے متحرک
الاوسط کے درمیان الحرف کا اضافہ کہو کے ایک
سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ الاوسط
صفت ہے اور صفت کیلئے کسی موصوف کا ہونا ضروری
ہے اور وہ یہاں موجود نہیں جواب یہ دیا کہ اس موصوف
مفرد ہے یعنی الحرف لہذا صفت اپنے موصوف کے
ساتھ موجود ہے (۲) اگر ان دونوں میں سے کوئی شرط نہ
پائی جائے تو کلمہ کا ہونا ضروری ہے عربی نہ ہو جیسے
ماہ و جور کہ یہ دونوں کلمے عربی ہیں اور مذکورہ
دونوں شرطوں میں سے ان میں کوئی نہیں پائی جاتی نہ
زیادت علی التثنية اور نہ متحرک حرف الاوسط۔

۶۰ قولہ وانما اشترط التانیث اس عبارت سے
شارح تانیث معنوی کی تاثير کے وجوب کیلئے احد الامور

تعارض ثقل أحد السببين فتزاحم تأثيره وثقل الأولين ظاهر وكذا
الجملة لأن لسان العجم ثقیل علی العرب فہند يجوز صرفہ نظر الی
انتفاء شرط تحتم تأثير التانیث المعنوی اعنی أحد الامور الثلاثة و
يجوز عدم صرفہ نظر الی وجود السببين فیہ وزینب وسقر
علما لطیقة من طبقات النار وماہ وجور علمین لبلد تین

ثقل کی وجہ سے حذف تین وجہ سے اسم کی تخفیف کا تقاضا کرتے ہیں) کے ثقل سے معارض
ہو کر تانیث معنوی کی تاثیر میں مانع ہوتی ہے اور اولین (زیادت علی الاشکالہ اور تحرک اللام وسط)
کا ثقل تو ظاہر ہے اور اسی طرح عجم ہے کیونکہ لسان عجم ثقیل ہے پس ہند کا منصرف پڑھنا
جائز ہے) تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط یعنی احوال امور الاشکالہ کے انتقال کی طرف نظر
کرتے ہوئے (اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے) اور اس میں دو سببوں کے وجود کی طرف نظر کرتے
ہوئے اس کا غیر منصرف پڑھنا (بھی) جائز ہے اور زینب اور سقر دوزخ کے طبقات میں سے
ایک طبقے کا نام ہونے کی حالت میں (اور ماہ اور جور کا) دو شہروں کے نام ہونے کی حالت

الثقل کے ضروری ہونے کی دلیل اور وجہ بیان کر رہے
ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب میں
احوال امور الاشکالہ کی شرط اس وجہ سے نکالی گئی ہے کہ
کلمہ احد الامور الثلاثة کے ثقیل ہونے کی وجہ سے اس سخت
سے نکل جائے جو احد السببين کے ثقیل کا معارض ہو کر
تانیث معنوی کی تاثیر میں مزاحم ہو مطلب یہ ہوا کہ کلمہ
حیب ثلاثی ساکن الاوسط عربی ہوگا تو انتہائی خفت کی
حالت میں ہوگا اور غایہ خفت ثقل احد السببين کو معارض
ہوتی ہے اس لئے کہ خفت اور ثقالت میں منافات ہے
پس جب کلمہ میں ثقالت نہیں ہے گی اور انتہائی خفیف
ہوگا تو یہ خفت تانیث معنوی کی تاثیر کی معارض ہو
گی جس کی وجہ سے تانیث معنوی اپنا اثر نہیں کر سکتی
لہذا ایک علت کلمہ میں باقی رہ جائے گی اور ایک علت
کی وجہ سے کلمہ غیر منصرف ہوا نہیں کرتا پس ضروری ہوا کہ
تانیث معنوی کی تاثیر کو احد الامور الثلاثة کے ساتھ مشروط
کر دیا جائے تاکہ کلمہ خفت سے نکل کر ثقالت میں آکر تانیث
معنوی میں اثر انداز ہو پس اب کلمہ دو سبب تانیث معنوی
اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو چکا تانیث معنوی میں
جب ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط پائی جائے گی تو
کلمہ میں ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی جس کے باعث
اس کو غیر منصرف بنا دیا جائیگا مثلاً جب کلمہ میں حرف
سے نکلے ہوگا تو چوتھا حرف قائم مقام تانیث لفظی کے
ہوگا۔ اور تاثیر و جوابی پائی جائے گی۔ اور جب کلمہ تحرک
الاوسط ہوگا۔ تو اس کی یہ حرکت اوسط قائم مقام چوتھے
حرف کے ہوگی اور وہ قائم مقام تانیث کے ہوگا
پس اس اعتبار سے تانیث معنوی میں ایک خاص قسم کی قوت
پیدا ہو جائے گی جس سے وہ از روئے وجوب
کے منع صرف میں موثر ہوگی اسی طرح کلمہ جب عجمی
ہوگا تو تانیث بطور وجوب اس لئے موثر ہوگی کہ
عموماً اہل لسان پردہ سری قوم کی زبان ثقیل ہوتی ہے
اور اصل ثقل کی وجہ سے اس میں سبب منع صرف بننے
کی قوت پیدا ہوئیگی۔

الثقل قولہ وثقل الاولین الخ اولین یعنی زیادتی
علی الثالثہ و تحرک الحرف الاوسط کا ثقل ہونا تو ظاہر ہے
کہ زیادتی علی الثالثہ نسبتاً ثقل کے اور حرکت متبادل سکون

ہے کہ زینب میں علمیت اور تانیث معنوی مع شرط
ختم تاثیر یعنی زیادتی علی الثالثہ کے دو سبب موجود ہیں
اور سقر میں بھی علمیت اور تانیث معنوی مع شرط ختم تاثیر
یعنی تحرک الاوسط کے موجود ہے اور ماہ وجور میں علمیت
اور تانیث معنوی مع شرط ختم تاثیر یعنی عجم کے دو
سبب موجود ہیں لہذا ان سب کو منصرف پڑھنا
ممتنع ہے۔ شائع نے ممتنع کے بعد مرصفا کا اضافہ
کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ
زینب وسقر وماہ وجور ترکیب میں مبتدا واقع ہو
یہ ہیں جس کی ممتنع خبر ہے اور یہ درست نہیں اسلئے
کہ یہ الفاظ مؤنث ہیں اور خبر مذکر نہ مبتدا مقدر ہے
اور خبر مفرد نیز ان پر امتناع کا حکم درست نہیں اسلئے
کہ یہ الفاظ معدوم نہیں موجود ہیں لہذا مبتدا و خبر کے
درمیان تذکیر و تانیث و افراد و جمعیت میں مطابقت
نہیں رہی ہو کہ مبتدا و خبر کے درمیان لازمی شے ہے
شائع نے جواب دیا کہ مبتدا و خبر کے درمیان مطابقت
اس وقت ضروری ہے جبکہ خبر مشتقی ہو اور اس میں
ضمیر ہو جو کہ مبتدا کی طرف راجع ہو اور اس جگہ خبر
میں ضمیر مستتر مرصفا کی طرف راجع ہے نہ کہ مبتدا کی

کے ثقیل ہوتی ہے اور عجم کی ثقالت کی وجہ یہ ہے کہ اہل
عجم کی زبان اہل عرب کی زبان پر ثقیل ہوتی ہے۔
۹۲ قولہ فہند يجوز صرفہ الخ یہ جملہ شرائط
مذکورہ بالا پر متضرع ہے پس ہند کو منصرف پڑھنا جائز
ہے اس لئے کہ اس میں تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب
کی شرط کا فقدان ہے یعنی احد الامور الثلاثة میں سے ایک
بھی موجود نہیں اور اس کو غیر منصرف بھی پڑھا سکتے ہیں
اس لئے کہ اس میں دو سبب تانیث اور علمیت موجود ہیں
شائع نے وجہ عدم صرفہ الخ کا اضافہ کر کے اس امر کی
جانب اشارہ کر دیا کہ جواز اس جگہ بمعنی امکان عام ہے
جس کا عدم وجود برابر ہوتا ہے پس ہند میں بھی صرفت
اور منع صرفت برابر ہیں خواہ کسی طرح ادا کر لیا جائے
اور زینب وسقر وماہ وجور کو منصرف پڑھنا ممتنع ہے
خیر منصرف پڑھنا ضروری ہے زینب کے مؤنث
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عورت کا نام ہے اور
سقر اس بنا پر مؤنث ہے کہ طبقات نامی سے ایک
طبقہ یعنی درجہ کا علم ہے اور ماہ وجور دونوں دو شہروں
کے نام ہیں اس لئے انہیں تانیث معنوی اثر انداز
ہے ان سب کو غیر منصرف پڑھنا اس وجہ سے ضروری

ممتنع صرفہا ما زینب فللعلیۃ والتانیث المعنوی مع شرط
تحتم تاثیرہ وهو الزیادۃ علی الثلثہ واما سقر فللعلیۃ والتانیث
المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وهو تحریک الاوسط واما ماہ وجوہ
فللعلیۃ والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وهو العجمۃ فان
سمی بہ ای باللونث المعنوی مذکر فشرطہ فی سببیۃ منع
الصرف الزیادۃ علی الثلثۃ لان الحرف الرابع فی حکم تاء
التانیث قائم مقامہا تقدم وهو مونث معنوی سماعی باعتبار
معناہ الجنسی اذا سمی بہ رجل منصرف لان التانیث الاصلی

میں «منصرف پڑھنا ممتنع ہے» رہا زینب (کے منصرف ہونے کا امتناع) تو وہ (علم ہونے اور تانیث
معنوی کی وجہ سے جو کہ اپنے وجوب تاثیر کی شرط کے ہمراہ ہے اور وہ زیادت علی الثلثہ ہے اور
رہا سقر تو وہ علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو کہ اپنے وجوب تاثیر کی شرط کے ہمراہ ہے
اور حرف اوسط کا متحرک ہونا ہے اور رہا ماہ اور جوہر تو وہ علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے
جو کہ اپنے وجوب تاثیر کی شرط کے ہمراہ ہے اور وہ عجمہ ہے لا پھر اگر اس سے نام رکھا جائے یعنی
مونث معنوی سے «مذکر کا تو اس کی شرط» امتناع صرف کے سبب ہونے میں «تین حرفوں سے
زائد ہونا ہے» کیونکہ جو تھا حرف جوائے تانیث کے حکم میں ہے اس کے قائم مقام ہے «لہذا
قدم» اور قدم اپنے جنسی معنی کے (اگر دشمنی ہونے کے) اعتبار سے مونث معنوی سماعی ہے
جبکہ اس سے کسی مرد کا نام رکھا جائے تو وہ منصرف ہوگا کیونکہ تانیث اصلی مذکر کے لئے علم ہونے

معانی شرط وجوب تاثیر یعنی زیادت علی الثلثہ
کے پائی جاتی ہے۔ اور سقر علمیت اور تانیث معنوی
معانی شرط وجوب تاثیر یعنی تحریک الاوسط کے
پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اس لئے ماہ وجوہ
توان میں علمیت اور تانیث معنوی معانی شرط وجوب
تاثیر یعنی عجمہ کے موجود ہیں اس وجہ سے یہ غیر منصرف
ہیں۔

قولہ فان ستمی یہاں سے مصنف
اس تانیث معنوی کا حکم بیان کرتے ہیں جو کسی مذکر
کا نام رکھ دیا جائے پس کہتے ہیں کہ اگر مونث معنوی
کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے منع
صرف میں موثر ہونے کیلئے زیادت علی الثلثہ شرط ہے
نان سمی یہاں نام رکھنے کی تفصیل کیلئے ہے من حیث

طرف لہذا مطابقت تو اس وجہ سے ضروری نہیں
اور جبکہ ممتنع کا فاعل صرفہا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا
صرف ممتنع وجود ممتنع نہیں لہذا یہ اعتراض بھی درست
نہیں ہوا نیز مطابقت کے متعلق ایک جواب یہ
بھی دیا جاسکتا ہے کہ ممتنع اسم فاعل ہے اور صرفہا
اس کا فاعل لہذا اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ
فعلیہ ہوا اور جملہ مونث ہے اور مبتدا بھی بتاویل
جماعت مونث ہے لہذا مبتدا و خبر کے درمیان
تذکر و تانیث وغیرہ میں مطابقت ہوگی۔

قولہ ما زینب الخ یہاں سے
شذیذ ان اسرار کے غیر منصرف ہونے کی وجہ بیان
کرتے ہیں کہتے ہیں کہ زینب تو اس وجہ سے غیر
منصرف ہے کہ اس میں علمیت اور تانیث معنوی

العلم محل پہلے بیان کر دیا گیا تھا کہ ہذا اذالم یسمی بہ مذکر
یعنی یہ اس وقت ہے جبکہ اس تانیث معنوی کے
ساتھ کسی مذکر کا نام نہ رکھا جائے فان ستمی یہاں
کیا گیا تھا کہ تانیث بالتمام مطلقا کسی مذکر کا علم ہو یا
مونث کا بہر حال غیر منصرف کا سبب ہے مگر تانیث
معنوی عدم انصراف کا سبب اس وقت ہی جبکہ وہ
مونث کا علم ہو لیکن جب وہ کسی مذکر کا علم ہو تو علمیت
کی وجہ سے تانیث زائل ہو جائے گی پس یہ نہیں
معلوم ہو سکے گا کہ یہاں کلمہ منصرف ہے یا غیر منصرف
اس لئے ہم نے غور کر کے یہ شرط لگائی کہ اگر کلمہ زائد
علی الثلثہ ہوگا تو علمیت اور تانیث معنوی حکمی کے
سبب سے غیر منصرف قرار دیا جائیگا اس لئے کہ جو تھا
حرف تاء تانیث کے قائم مقام ہو کر اس کے حکم
میں ہو جائیگا اس لئے کہ تاء تانیث کی جگہ کلام
عرب میں ما فوق الثلثہ ہی ہوتی ہے یگر اس زیادتی
علی الثلثہ کے ساتھ ساتھ اور بھی چند شرطیں ہیں جو
شراح اور مصنف نے بیان نہیں کیا ایک شرط تو یہ
ہے کہ اصل کے اعتبار سے وہ مونث مذکر نہ ہو پس اگر
مونث کہ مذکر سے منقول ہوگی وہ جب مذکر سے
موسوم کی جائیگی منصرف ہی پڑھیں گے مثلاً لفظ
رباب کہ یہ عورت کا نام ہے مگر نام سے پہلے یہ لفظ
مذکر تھا سحاب کے معنے میں پس جب اس کے ساتھ
کسی مرد کا نام رکھا جائیگا تو اس میں باوجود علی الثلثہ
ہونے کے تانیث معنوی حکمی نہیں پائی جائے گی
دوسری شرط یہ ہے کہ تانیث اس کی غیر ضروری تاویل
کی طرف محتاج نہ ہو جیسے رجل اس لئے کہ تانیث
اس کی صرف اس کے جماعت کے معنے میں ہونے
کے سبب سے ہے اور اس کو جماعت کے معنے میں
لینا تاویل غیر ضروری ہے اس لئے کہ اس کو جمع کے معنے
میں بھی لینا جائز ہے جیسا کہ رجال تحقیقہ رجل کی جمع
بھی ہے پس رجال میں تانیث معنوی کا حکم نہیں کیا
جائیگا اب اگر کوئی شخص سوال کرے کہ تحریک الاوسط
اور عجمہ کا اس جگہ اعتبار کیوں نہیں تو جواب یہ ہے کہ تحریک
اوسط اور عجمہ کا ہونا اس جگہ کافی نہیں اس لئے کہ مونث
معنوی کے ساتھ جب کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائیگا

تو تانیث بالعلمیہ زائل ہو جائیگی اور اس وقت اس کے منع صرف میں مؤثر ہونے کے لئے کسی قوی شرط کی ضرورت ہوگی اور وہ زیادتی علی التثانیہ سے اس لئے کہ یہاں جو تھانوی قائم مقام تانیث کے ہو جائیگا بخلاف تحرک اوسط کے کہ اس کا قائم مقام تانیث کے ہونا مخفی اور بعید ہے اس لئے کہ تحرک اوسط قائم مقام ہوتے تھے حرف کا ہے اور جو تھانوی قائم مقام تانیث کا ہے پس اس اعتبار سے حرکت اوسط نائب کی نائب ہوگی اور رائے صاحب کے نزدیک اس کا اعتبار کرنا بعید اور غیر مناسب ہے علی ہذا القیاس عجمہ محض اعتباری چیز ہے اس کی تاثیر لفظ میں ظاہر نہ ہوگی لہذا اس جگہ ان دونوں شرطوں کا اعتبار نہ ہوگا اور شرائط تاثیر میں صرف ایک شرط یعنی زیادتی علی التثانیہ معتبر ہوگی واللہ اعلم۔

۵۶۵ قولہ قدّم وهو مؤنث الیہاں سے شارح اوپر کے مسئلہ پر تفریع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہوگی کہ جو تھانوی حکم تانیث میں ہو کر قائم مقام تانیث کے ہو سکتا ہے۔ تو لفظ قدّم اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سمائی ہے یعنی لفظ قدّم کا استعمال اپنے اصلی معنی پائ کی تبدیلی میں کیا جاتا ہے تو اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر نیز اس کی صفت مؤنث لائی جاتی ہے پس جب یہ کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو منصرف ہوگا ایسے کہ تانیث اصلی تو علمیت مذکر کی وجہ سے زائل ہوگی اور اس نے اپنے زوال کے ساتھ کوئی قائم مقام چھوڑا نہیں جس کے باعث ہم اس میں تانیث معنوی کا اعتبار کرتے قائم مقام اس کا صرف حرف رابع ہو سکتا تھا۔ اور وہ یہاں نہیں ہے باقی یہی علمیت تو یہ منع صرف میں تنہا مؤثر ہو نہیں سکتی دو بہوں کا ہونا ضروری ہے لہذا قدّم کا منصرف پڑھا جانا یقینی ہوگا۔

۵۶۶ وعقرب وهو مؤنث الیہاں عقرب کا عطف قدّم کے اوپر ہے اور یہ بھی براسلہ عطف اوپر کے مسئلہ پر منتفوع ہے عقرب درجی اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سمائی ہے یعنی اس میں

زال بالعلمیۃ للمذکر من غیر ان یقوم شیء مقامہ والعلمیۃ وحدها لا یمتنع الصرف وعقرب وهو مؤنث معنوی سمائی باعتبار معناه الجنسی اذا سمی بہ رجلٌ یمتنع صرفہا لانہ وان زال التانیث بعلمیتہ للمذکر فالحرف الرابع قائم مقامہ بدلیل انہ اذا صغر قدّم ظهر التاء المقدورۃ کما تقتضیہ قاعدۃ التصغیر فیقال قدیمۃ بخلاف عقرب فانہ اذا صغر یقال عقیرب من غیر اظهار التاء لان الحرف الرابع قائم مقامہ فعقرب اذا سمی بہ رجلٌ یمتنع

کی وجہ سے زائل ہوگی بغیر اس کے کہ (زیادت علی التثانیہ ایسی) کوئی چیز تانیث کے قائم مقام ہو اور تنہا علمیت منصرف ہونے کو نہیں روک سکتی (اور عقرب کا) اور عقرب اپنے جنسی معنی (ایک جانور جس کے دم میں زہر ہوتی ہے کا نام ہونیکے) اعتبار سے مؤنث سمائی ہے جبکہ اس سے کسی مرد کا نام رکھا جائے منصرف پڑھنا (جائز نہیں ہے) کیونکہ اگرچہ اس کے مذکر کے نام علم ہونے سے تانیث زائل ہوگی ہے تاہم حرف چہارم اس کے قائم مقام ہے دلیل یہ ہے کہ جب قدّم کی تصغیر کی جاتی ہے تو تائے مقدورہ ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح کہ قاعدہ تصغیر اس کا تقاضا کرتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے قدیمۃ عقرب کے برعکس کہ جب اس کی تصغیر کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے عقیرب اظہار تاء کے بغیر کیونکہ عقرب کا حرف چہارم تائے قائم مقام ہے لہذا تالوٹ کر نہیں آتی) تو جب کسی مرد کا عقرب سے نام رکھا جائے گا تو اسے علمیت اور تانیث حکمی کہہ

کرنا ہوتی ہے تو اس کو منصرف کہتے ہیں پس جب لفظ قدّم کی تصغیر کی گئی تو حسب قاعدہ تصغیر اس میں تانیث ظاہر ہوگی پس قدّم کی تصغیر قدیمۃ ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ لفظ قدّم مؤنث معنوی سمائی ہے اور لفظ قدّم ہی کوئی حرف رابع قائم مقام تانیث کا بعد از علمیت نہیں ہے، بخلاف عقرب کے کہ جب اس کو منصرف کیا جائیگا تو عقیرب کہا جائیگا بلا اظہار تاء جس سے معلوم ہوا کہ حرف رابع قائم مقام تائے ہے پس عقرب جب کسی مرد کا نام رکھا جائے تو اس کا غیر منصرف پڑھنا ضروری ہے اس لئے کہ اس میں سبب علمیت اور تانیث حکمی یعنی حرف رابع قائم مقام تانیث موجود ہے۔

تانیث اس اعتبار سے ہے کہ کچھ ہوزیرین الموزیات ہے پس جب کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کا منصرف پڑھا جانا ناجائز اور غیر منصرف پڑھنا صحیح ہے (ممتنع کے بعد صرف مذکر کرنے کی وجوہات یہاں بھی دی ہیں جو ماقبل میں گذر چکیں) وجہ اس کی یہ ہے کہ اگرچہ تانیث معنوی علمیت مذکر کی وجہ سے زائل ہو چکی ہے مگر حرف رابع قائم مقام تانیث تو موجود ہے اس پر اعتراض وارد ہوا جس کی تقریر یہ ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ علمیت کے وقت عقرب میں صرف رابع قائم مقام تانیث کے ہے اور زائد علی التثانیہ ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عقرب میں قبل علمیت بھی حرف رابع موجود ہے اس کا جواب شارح نے بدلیل از الخ سے یہ دیا کہ عام قاعدہ ہے کہ جب ہی لفظ کی تانیث واصل معلوم

صَوْفُهُ لِلْعِلْمِ وَالْثَابِتِ الْحَكْمِيِّ الْمَحْرُفَةِ أَيْ التَّعْرِيفِ لِأَنَّ سَبَبَ
مَنْعِ الصَّوْفِ هُوَ وَصْفُ التَّعْرِيفِ لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ شَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ
تَأْثِيرِهَا فِي مَنْعِ الصَّوْفِ أَنْ تَكُونَ عِلْمِيَّةً أَيْ كَوْنُ هَذَا النُّوعِ مِنْ
جِنْسِ التَّعْرِيفِ عَلَى أَنْ يَكُونَ أَلِيَاءَ مَصْدَرِيَّةً أَوْ مَنْسُوبَةً إِلَى الْعِلْمِ
بِأَنَّ تَكُونَ حَاصِلَةً فِي ضَمْنِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ أَلِيَاءَ لِلنَّسَبَةِ وَأَنَّمَا جُعِلَتْ

سے منع ہر صاحب اثر نہیں ہوگا صرف (یعنی تعریف کیونکہ منع صرف کا سبب وصف تعریف
ہے ذات معرفہ میں اس کی شرط (یعنی منع صرف میں اس کی تاثیر کی شرط) یہ ہے کہ علمی ہو یعنی
اس نوع (معرفہ) کا جنس تعریف (علم) سے ہونا اس بنا پر کہ علمیت میں) یا مصدر یہ ہو یا علم
کی طرف منسوب ہو اس طرح کہ معرفہ علم کے ضمن میں حاصل ہو اس بنا پر کہ (علمیت میں) یا
قیسی اور قیسی کی طرح نسبت کے لئے ہو اور معرفہ کو علمیت کے ساتھ اس لئے شرط کیا گیا ہے

ہے یا یہ کہ جس اعتراض کا جواب شامح نے تعریف
دیا ہے اس اعتراض کی تشریح اس عبارت سے
کی ہے۔

۵۶۸ قول شرطیہا ای شرط تاثیرہ الخ
شرط تاثیر الخ کے الفاظ سے شامح کا منشاء یہ بتانا
ہے کہ علمیت وجود معرفہ کے لئے شرط نہیں ہے
بلکہ معرفہ بغیر علمیت کے بھی پایا جاتا ہے جیسے
الرجل معرفہ ہے مگر اس میں علمیت نہیں اگر علمیت
وجود معرفہ کے لئے شرط ہوتی تو مشروط کا بغیر
شرط کے پایا جانا بقاعدہ اذافات الشرط فئات
المشروط محال تھا اور الرجل میں مشروط بغیر شرط کے
موجود ہے لہذا معلوم ہوا کہ علمیت وجود معرفہ کے
لئے شرط نہیں بلکہ علمیت منع صرف میں معرفہ کی
تأثیر کے لئے شرط ہے وہو المقصوداں بلکہ مصنف
کی عبارت پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔
جن کی تقریر یہ ہے کہ (۱) قول مصنف المعرفة
مبتدا ہے اور شرطیہا مبتدا ثانی جو کہ ضمیر کی طرف
مضات ہے اور قول مصنف ان نحو بسبب ان
مصدر یہ بتا دلی مصدر یعنی کون ہے اور کون کی تفسیر
مستتر مؤنث کون کی مضات الیہ ہوگی۔ اور جب
قول مصنف علمیت باعتبار یاد مصدر یہ کے کوئی

۵۶۹ قول المعرفة ای التعریف الخ
مصنف رحمہ اللہ نے اسباب غیر معرفت جس
ترتیب سے شمار کرائے تھے اسی ترتیب سے
ہر ایک کو تفصیل طریقیں فرمائی ہیں اسباب
منع معرفت میں سے جو تھا سبب معرفہ ہے اس
پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ معرفہ کا اسباب
منع معرفت سے شمار کرنا درست نہیں اس لئے کہ
سبب منع معرفت معرفہ وصف تعریف نہ کہ
ذات معرفہ اس لئے کہ معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جس
میں تعریف ہو جیسا کہ محذوہ اسم ہے جس میں تکثیر جو
شامح نے اس کا جواب للمعرفة کی شرح ای التعلیل
سے کہہ کے یہ دیکھ سبب منع معرفت معرفہ تعریف
ہی ہے یہاں محذوہ سے مراد مصدر تعریف ہے یعنی
عمل کو ذکر کیا حال کا اطلاق کیا اللہ یہ اکثر شائع
ذات ہے لہذا قابل اعتراض نہیں نیز ایک وجہ
یہ بھی ہے کہ مصنف نے معرفت شعری کی وجہ سے
تاکلاً من علم معرفہ کا ذکر کیا جو کہ محال ہے پس
مصنف نے یہ خیال کہتے ہوئے کہ تفصیل بھی
طے لایا حال ہی للمعرفة کا تعریف نہیں کیا۔ لکن
منہا معرفت الخ سے شامح نے اسی امر کا اظہار کیا
ہے کہ معرفہ کی نوع تعریف سے کرنے کی وجہ کیا

علمائے ساتھ مؤول ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوئی
المعرفة شرطیہا کوئی نہ کوئی نہ علمائے تعریف میں تکرار کون
لازم آگئی اور یہ باطل ہے (۲) لفظ کون افعال
ناقصہ میں سے ہونے کے باعث اسم خبر کو چاہتا
ہے پس ضمیر ہا اس کا اسم اور علم خبر ہے اور خبر اسم پر
محول ہوا کرتی ہے لہذا وصف کا محل ذات پر لازم
آیا اس لئے کہ علم ذات ہے اس کے ساتھ صفت
تعریف قائم ہے اور ہضمیر معرفہ کی طرف باعتبار
تعریف راجع ہونے کے سبب سے وصف ہے۔
لہذا یہ بھی ناجائز ہوا شامح نے اس کا جواب اس
کون ہذا النوع الخ سے یہ دیا کہ علمیت کی یاد مصدر کی
ہے مگر علمیت سے مراد اس نوع کا جنس تعریف
ہونا ہے یعنی یہاں تعریف بالعلمیت مقصود ہے
جس کی تفصیل یہ ہے کہ تعریف کی سات قسمیں ہیں
مضمرات۔ موصولات۔ اسما اشارات۔ تعریف
باللام۔ تعریف بالافاضة۔ تعریف ببناء۔ تعریف
بالاعلام۔ تو یہاں پر معرفہ کی ان سات قسموں میں
سے صرف ایک قسم تعریف بالاعلام مراد ہے
اس میں لفظ تعریف بمنزلہ جنس کے ہے جس کے تحت
میں مختلف انواع ہیں پس مصنف نے ان کو علمیت
کہہ کر جنس تعریف سے ایک نوع تعریف بالعلمیت
مراد لے لی لہذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔
اشکال اول تو اس طرح رفع ہو گیا کہ اس تو جیہ
کی بناء پر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی شرطیہا کوئی نہ
تعریفاً علمیت پس تکرار باقی نہیں رہا اور ثانی اس طرح
منفع ہو گیا کہ کون کی خبر علمائے نہیں بلکہ تعریفاً ہے
اور تعریفاً وصف ہے لہذا وصف کا محل وصف پر
درست ہو گیا۔

۵۶۹ قول ما منسوبة الى العلم الخ
عبارت سے شامح دوسرے پیرایہ میں مذکور
سوال کا جواب دے رہے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ
یا علمیت کی یا منسوب الی العلم ہے ہاں طو کہ معرفہ
علم کے ضمن میں حاصل ہو پس اس عبارت پر یا نسبت کے
لئے ہوگی مطلب یہ ہوا کہ معرفہ کے لئے وہی تعریف
مقصود ہے جو منسوب الی العلم ہو اس کا بغیر مقصود

مشروطة بالعلمية لان تعريف المضمرات والمبهمات لا يوجد الا
في المبنيات ومنع الصرف من احكام المعربات والتعريف باللام
والاضافة يجعل غير المنصرف متصرفا كما سيبي فلا يتصور كونه
سببا لمنع الصرف فلم يبق الا التعريف العلمي واما جعل المعرفة
سببا والعلمية شرطها ولم يجعل العلمية سببا كما جعل البعض لان
فرعية التعريف للتكثير اظهر من فرعية العلمية له العجمة و
هي كون اللفظ مما وضعه غير العرب ولتاثيرها في منع الصرف

کہ مضمرات اور مبهمات کی تعریف مبنیات ہی میں پائی جاتی ہے اور منع صرف معربات کے
احکام سے ہے اور تعریف بہ لام یا بہ اضافت غیر متصرف کو متصرف کر دیتی ہے جیسا کہ اس کا
ذکر عنقریب آئے گا لہذا تعریف بہ لام یا بہ اضافت کا منع کا سبب ہونا متصور نہیں ہے تو
(جملہ معارف میں سے) تعریف علمی ہی باقی رہ گئی اور مصنف نے معرفہ کو (منع صرف کا) سبب
اور علمیت کو معرفہ کے لئے شرط قرار دیا اور علمیت کو (تہا) سبب نہ ٹھیرایا جس طرح کہ
بعض نے کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تعریف کا تنکیر کی فرع ہونا علمیت کے تنکیر کی فرع ہونے
کی نسبت زیادہ ظاہر ہے (عجمہ) اور عجمہ لفظ کا اس قبیل سے ہونا جسے غیر عرب نے وضع کیا ہو
اور منع صرف میں عجمہ کی تاثیر کے لئے

شرط علمیت اس میں مفقود ہے لہذا اس دم کا ازالہ
اس طور سے کر دیا کہ علمیت ذات عجمہ کے لئے شرط
نہیں ہے بلکہ تاثیر منع صرف کے لئے شرط ہے لہذا
لفظ لہام کا متصرف پڑنا علمیت ہونیکے باعث
مضر نہیں۔ اور سلطان کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ مصنف
نے اوقات صحر کو ذکر نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ العجمہ مبتدا ہے اور اس کی خبر شرط لہا ان تھون علمیتہ فی
العجمہ معطوف علیہ اپنے معطوف تحرک اللاد سلا والاولی
علی المثالہ سے مل کر خبر ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
ان دونوں کا مجموعہ عجمہ کی شرط ہے حالانکہ ایسا نہیں
بلکہ عجمہ کی علمیت علیحدہ شرط ہے اور تحرک اللاد سلا یا زیادہ
الثلثہ علیحدہ دوسری شرط ہے شارح نے اس امر کو واضح
کرنے کے لئے کہ اس جگہ ربط پر عطف مقدم ہے جو
کہ صحر کا فائدہ دیتا ہے لفظ سلطان کا اضافہ فوادیلو
عطف کی دوسری قسم یعنی عطف پر ربط مقدم ہو یہاں
مراد نہیں جس سے کہ اشکال واقع ہو پس سلطان العجمہ کی خبر
واقع ہوگا لہذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

اللف والنشر عجمہ کو بیان فرماتے ہیں اس پر ایک
اعتراض وارد ہوتا تھا جس کا دفعیہ شارح نے دی کون
اللفظ الخ سے کر دیا اعتراض یہ ہے کہ عجمہ کو اسباب منع
صرف میں سے شمار کرنا درست نہیں اس لئے کہ اسباب
منع صرف از قبیل اوصاف ہیں اور عجمہ لغت عجمی کے
معنے کے لئے اسم موضوع کا نام ہے جو کہ ذات ہے
اور اسم ذات وصف کے لئے سبب نہیں بنا کر تا تقریر
دفع کی ہے کہ یہاں عجمہ سے وہ لفظ مراد ہے جس
کو غیر عرب یعنی ال عجم نے کسی معنے کے لئے وضع کیا ہو
نیز چونکہ شارح نے دی کون لفظ الخ کہا ہے اور لفظ کون
وصف ہے پس اس تقدیر پر عجمہ کی وصفیت بھی ظاہر
ہوگئی لہذا اب اس کا اسباب منع صرف میں سے شمار
کرنا درست ہو گیا اس جگہ شارح نے دلتاثير الخ کا
افادہ اس وجہ سے کیا ہے کہ مصنف کی عبارت سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ علمیت ذات عجمہ کے لئے شرط ہے حالانکہ
ایسا نہیں ہے اس لئے کہ مثلاً لہام از قبیل عجمہ ہے مگر

نہیں۔ اب سرے سے یہ اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا
کہ عبارت میں تکرار لازم آتا ہے اس لئے کہ علمیتہ میں
یا مصدری نہیں بلکہ باریستی ہے اب آگے شارح
علیہ الرحمۃ دانا جعلت الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ
معرفہ کے لئے تعریف علمی کیوں خاص ہے اس کا غیر مراد
کیوں نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعریف مضمرات و مولات
واسما اشارات مبنیات میں پائی جاتی ہے اور یہاں
ضرورت تعریف منع صرف کیلئے ہے اور منع صرف
احکام معربات سے ہے لہذا یہ تو مراد ہو نہیں سکتی
اب رہی تعریف باللام والاضافۃ تو یہ اس وجہ سے
مقصود نہیں کہ اس کے باعث غیر متصرف متصرف
ہو جاتا ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل معلوم
ہوگی پس یہ منع صرف کا سبب متصور نہیں ہو سکتی
اور تعریف بالنداس وجہ سے غیر مقصود ہے کہ یہ
بھی تعریف باللام میں داخل ہے اس لئے کہ باریخی کی اصل
یا ایہا الرجل ہے پس جو حکم تعریف باللام کا ہے وہی
اس کا ہے پس اب سولے تعریف علمی کے اور کوئی قسم
باقی نہیں رہی لہذا اسی کو غیر متصرف کا سبب معرفہ کے
لئے بطور شرط قرار دیا گیا۔

نکۃ قولہ دانا جعل للعرفۃ الخ یہاں سے
شارح نے ایک سوال تقدیر کا دفعیہ فرمایا ہے سوال
یہ ہے کہ جب اقسام معرفہ میں سے صرف علمیت ہی
منع صرف کا سبب ہے تو مصنف کو اس قدر طول دینے
کی کیا ضرورت تھی علمیت ہی کو منع صرف کا سبب قرار
دیتے جیسا کہ صاحب مفصل نے کیا ہے نیز جب کہ یہ
کتاب اس سے ماخوذ بھی ہے جواب یہ ہے کہ یہ پہلے
مذکور ہو چکا ہے کہ ہر سبب اسباب منع صرف میں
سے دوسری شے کی فرع ہے یعنی سمیت کا اور مدار
فرعیت پر ہے اور علمیت کی بہ نسبت معرفہ کا نکرہ
کی فرع ہونا اظہار واضح ہے یعنی علمیت کا نکرہ
کی فرع ہونا واضح نہیں ہے بلکہ نکرہ کی فرع معرفہ ہے
لہذا معرفہ کو منع صرف کا سبب اور علمیت کو اس کی
شرط قرار دیا گیا واللہ اعلم۔

نکۃ قولہ العجمۃ دی کون اللفظ الخ بیان
معرفہ سے فارغ ہونے کے بعد مصنف علی ترتیب

شرطان شرطها الاول ان تكون علمية اي منسوبة الى العلم في اللغة العجمية بان تكون متحققة في ضمن العلم في العجم حقيقة كايبراهيم او حكما بان ينقله العرب من لغة العجم الى العلمية من غير تصرف فيه قبل النقل كقانون فانه كان في العجم اسم جنس ثم سمي به احدا رواة القراء بجودة قراءته قبل ان يتصرف فيه العرب فكانه كان علما في العجمية وانما جعلت شرطان لا يتصرف فيها العرب مثل تصرفاتهم في كلامهم فتضعف فيه العجمة فلا تصلح سببا لمنع الصرف فعل هذا الوسمي بمثل كجام لا يمنع صرفه لعدم

دو شرطیں ہیں ((اس کی شرط اول)) (یہ ہے کہ علمی ہو)

یعنی علم کی طرف منسوب ہو لغت ((عجمی میں)) اس طرح کہ عجمی علم میں علم کے ضمن میں حقیقتہً متحقق ہو یا حکما اس طرح کہ اہل عرب نقل کرنے سے قبل اس میں کسی طرح کا تصرف کے بغیر اسے لغت عجم سے علمیت کی طرف منتقل کر دیں جیسا کہ قانون ہے کہ یہ عجم (کی لغت روم) میں (یعنی جیدا) اسم جنس تھا پھر اس سے قبل کہ اہل عرب اسمیں کچھ تصرف کریں جو دت (و عہد گئی) قراءت کی وجہ سے اس سے ایک قادی کا نام رکھا گیا پس گویا کہ یہ عجمیہ (لغت) میں (ہی) علم تھا اور علمیت کو اس نے شرط کیا گیا تاکہ اہل عرب اپنی کلام میں تصرفات کرنے کی طرح اس میں تصرف نہ کریں کہ (اس تصرف سے) اس (اسم) میں عجمہ ضعیف ہو جائے گا تو وہ منع صرف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھیگا پس اس (عجمہ میں علمیت کے شرط ہونے کی) بنا پر اگر کسی مرد کا لجام جیسے (عجمہ) سے نام رکھ دیا جائے تو اس کا مصرف پڑھنا منع نہ ہوگا (غیر مصرف نہ ہوگا) کہ عجمی

فی ظرفہ کے لئے ہے پس جب یہ کسی کلمہ پر داخل ہوتا ہے تو اس کو قبل کے لئے ظرف بنا دیتا ہے علیٰ ہذا القیاس فی العجمیہ پر داخل ہو کر اپنے مدخول العجمیہ کو ماقبل یعنی علمیت کے لئے ظرف بنا دیا اور یہ درست نہیں کہ اس نے علمیت کے عجمہ میں ہونے کے کوئی معنی نہیں پس یہاں نہ ظرف زمان پایا جاتا ہے نہ مکان اور نہ ظرف اعتباری یعنی ظرفیہ صفات مانند زیدی فی العلم کے لہذا ظرفیہ درست نہیں ہوئی اور اگر بالفرض ظرفیہ مان بھی لی جائے تو ظرفیہ اسے نفس لازم آتی ہے اور یہ ناجائز ہے شام نے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بتقدیر الموصوف ہے یعنی اللغۃ موصوف ہے اس لئے کہ عجمہ صفت ہے پس اللغۃ اس کا موصوف کرنے کے

۱۔ قولہ شرط الاول العجمیہ کی شرطوں میں سے پہلے شرط یہ ہے کہ عجمہ علمی ہو یہاں بھی دبی اعتراض پیدا ہوتا تھا کہ عبارت میں محلا لازم آتا ہے جواب میں شام نے مقام مذکورہ ماقبل سے جواب دیا ثانی نقل فرما دیا یعنی علمیت کی بار نسبتی ہے اور اس سے مراد وہ عجمہ ہے جو منسوب الیہا علم ہو جواب اول شام نے اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ یہاں اس کا موقع نہیں اس لئے کہ معرفہ میں تعریف بالعلمیہ معرفہ کی ایک نوع تھی اس لئے ہذا النوع کے ساتھ تاویل کرنی گئی تھی مگر اس جگہ علمیت عجمہ کی نوع نہیں ہے اس لئے یہاں یہ تاویل نہیں چلی سکتی صرف فی کے بعد اللغۃ کے اضافہ کی وجہ ایک سوال تھا کہ دفعہ ہے سوال یہ ہے کہ

بعد ظرفیہ درست ہو گئی مگر اس پر پھر ایک اعتراض وارد ہوتا تھا کہ لغت کی صفت عجمہ لانا درست نہیں اس لئے کہ صفت شے محمول علیہ شے ہوتی ہے پس لغت کی صفت یعنی عجمہ محمول علیہ اللغۃ ہوگا اور یہ صحیح نہیں اس لئے کہ کہیں یہ نہیں کہا جاتا کہ اللغۃ عجمہ اس لئے شام نے جواب دیا بار نسبتی عجمہ میں مقدر نکال کر العجمیہ کر دیا اب اس کا محل صحیح ہو گیا اس لئے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللغۃ عجمیہ بان تكون الخ سے شام نے عجمہ کی لغت عجمی میں علمیت ہونے کی صورت بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ عجمہ لغت عجمی میں علم کے ضمن میں متحقق ہو عجمہ حقیقتہً جیسے ابراہیم کہ عجمیوں کے نزدیک علم ہے خواہ حکما یا اس طور کہ اہل عرب نے لغت عجمہ سے علمیت کی طرف نقل سے پہلے کسی قسم کا تصرف کے بغیر نقل کر لیا ہو جیسے قانون کہ لغت عجم میں کسی کا علم نہیں تھا بلکہ اسم جنس تھا ہر جدید شے کو قانون کہتے تھے اور اب عرب میں جو دت و عہد کی قراءت کے سبب سے رواۃ قرار سب سے ایک کا نام رکھ دیا گیا قبل اس کے کہ اہل عرب اس میں کسی قسم کا تصرف کرتے بعد عرب نے اس کو عجم سے نقل کر لیا پس یہ ایسا ہو گیا گویا کہ لغت عجمہ میں علم تھا۔ اہل علم نے علم نہیں بتایا۔

۲۔ قولہ وانما جعلت شرطان الخ یہاں سے شام نے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عجمہ میں علمیت کی شرط کیوں لگائی گئی ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں بات ظاہر ہے کہ جو لفظ عربی نہ ہو اس کا ادا کرنا اہل عرب پر دشوار ہوتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ اہل عرب اس کا ازالہ نقل کے لئے اس میں کوئی تصرف کریں اور عجمہ کا سبب منع صرف ہونا صرف اپنے نقل کی وجہ سے ہے لہذا اس سے جب بعد التصرف نقل جاتا ہے گا تو اچکا عجمہ ہونا ضعیف ہو جائیگا اور وہ سبب منع صرف بننے کے لائق نہ رہے گا لہذا اس میں یہ شرط کی گئی ہے کہ لغت عجمہ میں کسی کا علم ہو اس لئے کہ اعلام بقدر الامکان تغیر سے محفوظ رہتے ہیں پس اسی بنا پر اگر لجام اور اس کے مثل ان الفاظ میں کہ جن میں تغیر و تبدل کیا گیا ہو اسمیت کا لحاظ کیا جائے تو اس کا غیر مصرف پڑھنا

اجتہاد فی الجملة وشرطها الثاني أحد الأمرين تحرك الحرف
الوسط أو الزيادة على الثلاثه أي على ثلاثة أحرف لثلاث يعارض
الحقة أحد السببين فتوح منصرف هذا تفريع بالنظر إلى الشرط
الثاني فانصرف لوح انما هو لا انتفاء الشرط الثاني وهذا اختيار
المصنف لان الجملة سبب ضعيف لانه امر معنوي فلا يجوز اعتبارها

(زبان) میں وہ علم نہ تھا (اور) اس کی شرط ثانی دو چیزوں میں سے ایک ہے حرف و اوسط کا
متحرک ہونا یا تین سے زیادہ ہونا یعنی تین حروف سے زیادہ ہونا تاکہ تحت احد السببين سے مراد
نہو (ورنہ اس کی تاثیر سے مانع ہوگی) (پس نوح منصرف) یہ شرط ثانی کے لحاظ سے تفريع ہے
تو نوح کا منصرف ہونا شرط ثانی (تین حروف سے زائد ہونے) کے انتفاء کی وجہ سے ہی ہے اور
یہ معنی کا اختیار (پسندیدہ مسلک) ہے کیونکہ عجم سبب ضعیف ہے اس لئے کہ وہ امر
معنوی ہے لہذا (حرف) اوسط کی سکون کے ہمراہ عجم کا کوئی اعتبار نہیں

کیا ہے کہ سابق میں دو شرطیں گذر چکی ہیں اس لئے
شہد ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے شرط اول پر تفريع ہو
پس شائع نے اس کا اضافہ کر کے یقین مراد
کردی اور فانصرف الخ کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ یہ
تفريع شرط ثانی کے وجود پر نہیں بلکہ شرط ثانی
کے انتفاء پر ہے تاکہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ
شرط ثانی تو نوح میں موجود نہیں پس یہ کس طرح
شرط ثانی پر متفرع ہو سکتا ہے۔

۱۷۷ قولہ و هذا اختيار الخ یہاں سے
شائع نوح کے انفراد و عدم انفراد کے متعلق
اختلاف بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نوح کا منصرف
ہونا معنی کا مذہب یہی ہے اور مختار ہے اس
لئے کہ عجم ایک سبب ضعیف ہے کیونکہ وہ ایک
امر معنوی ہے (اس کے واسطے طاعت عقلی
قاہری کوئی نہیں ہے) پس عجم کا سکون اوسط کے
ساتھ سببیت کے لئے اعتبار کرنا درست نہیں
اور صاحب فصل طائر عشری کے نزدیک نوح
ہند کے مانند ہے جس طرح ان کے نزدیک اسکو
منصرف پڑھنا جائز ہے اسی طرح غیر منصرف
بھی پس صاحب فصل کا ایسا کرنا ال پر مبنی ہے
کہ انھوں نے عجم کو تائید معنوی پر قیاس کیا

نہیں بلکہ ثلثہ حرف ہے لہذا یعارض الخ جو شائع یہ
بتانا چاہتے ہیں کہ شرط ثانی سے عجم کو مشروط کرنے
کی کیا وجہ ہے کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اگر عجم کو حرف اول
شرط کے ساتھ مشروط کرتے ہیں تو کلمہ میں خفت پیدا
ہو جائیگی مثلاً اگر تحرک الاوسط کی شرط حذف
کر دیں تو ثلاثی ساکن الاوسط باقی رہ جائیگا اور اس
میں خفت ہے اور اسباب منع صوت میں سے ایک
سبب ثقات ہے پس یہ ثقات سے ملکر ضعیف
ہو جائے گی اور عجم کا شرط جاتا رہے گا۔ اس لئے کہ
عجم ایک اعتباری شے ہے لفظ میں اس کا کوئی
اثر ظاہر نہیں ہو سکتا بلکہ عجم سے یہ شرط ثانی ضروری
مانی گئی تاکہ خفت کا ثقل سے معارضہ نہ ہو
سکے۔ اور اسم غیر منصرف ہو جائے۔

۱۷۸ قولہ فتوح منصرف الا یہاں

یہ معنی علیہ ارجحہ شرط ثانی کے اعتبار سے
تفريع پیش کر رہے ہیں کہتے ہیں پس لفظ نوح
منصرف ہے اس لئے کہ اس میں شرط ثانی کا انتفاء
ہے اور شرط ثانی کے انتفاء کے باعث لفظ فتح
میں خفت پیدا ہو گئی لہذا یہ غیر منصرف بننے کے
قابل نہیں رہا اس جگہ شائع نے ہذا تفريع
بالنظر الی الشرط الثاني کا اضافہ اس وجہ سے

صحیح نہیں بلکہ یہ وقت طعنت میں بھی منصرف ہی ہے
اس لئے کہ یہ لغت عجم میں علم نہیں ہے اور عجم میں شرط یہ
تھی کہ وہ لغت عجمی میں حقیقہ یا حکماً علم ہو اور یہاں
حقیقہ علم ہے نہ حکماً اس لئے کہ بحام اہل بی بکام تھا
گ کو ج سے بدل گیا تب عربیت کی طرف نقل ہوا
اور یہ نقل سے پہلے عجم علم نہیں تھا اور نہ نقل کے بعد اس
لئے کہ عرب نے اس کو علم نہیں بنایا یہاں پر فعلی ہذا الشرط
اول یعنی علمیت پر متفرع ہے چونکہ مصنف نے شرط
ثانی پر تفريع کی اور شرط اول کو چھوڑ دیا اس لئے
شائع نے شرط اول پر تفريع بیان کی۔

۱۷۹ قولہ و شرطها الثاني الخ اس جگہ
شائع ہا شرطها الثاني کا اضافہ کر کے یہ بتلادیا کہ اس کا
عطفت شرط اول پر ہے اور احد الامرین سے اس کا
سوال کا جواب دیا ہے جس کا جواب سابق میں شرطان
کے اضافہ سے دیا تھا مختصراً یہ کہ مصنف نے اداة
حصر کو ذکر نہیں کیا نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ جملہ تحرک
الاوسط او الزیادۃ علی الثلاثہ معطوف الیہ و معطوف
ملک مجرورہ شرط ثانی ہے اور اس جگہ عطفت پر ربط
مقدم ہے جواب کا خلاصہ یہ ہو کہ جملہ مقدمہ و شرطها
الثانی کی خبر تحرک الاوسط الخ نہیں ہے بلکہ اس کی خبر
احد الامرین مخدوف ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ عطفت
پر ربط مقدم نہیں بلکہ ربط پر عطفت مقدم ہے۔
وہاں مطلوب اوسط سے پہلے الحرف کے اضافہ کی
وجہ یہ ہے کہ الاوسط صفت ہے جو کہ موصوف کو یکتا
ہے اور صفت کی عبارت کو موصوف مذکور نہیں جس سے
عبارت میں نقص معلوم ہوتا ہے شائع نے لفظ بڑھا
کر بتا دیا کہ اس کا موصوف مخدوف ہے اور عبارت میں
کوئی نقص نہیں۔

۱۸۰ قولہ ای ثلثہ حرف الخ اس عبارت

کے اضافہ کی وجہ ایک وہم کا زائل کرنا ہے وہم یہ ہوتا
تھا کہ زیادتی علی الثلاثہ سے مراد ثلث حرکات ہیں صرف
نہیں پس اس بنا پر لفظ مشترک زیادتی حرکات علی الثلاثہ
نہ ہونے کے باعث منصرف پڑھا جانا چاہئے حالانکہ
یہ غیر منصرف ہے ثلثہ حرف سے اس دہم کا ازالہ اس
طرح ہو گیا کہ زیادتی علی الثلاثہ سے مراد ثلث حرکات

مع سکون الاوسط وأما التانیث فان له علامة مقبلة تظهر في بعض التصرفات فله نوع قوة فجاز ان يعتبر مع سکون الاوسط ان لا يعتبر فان قلت قد اعتبرت الجمة في ماه وجور مع سکون الاوسط فيما سبق فله لم تعتبر ههنا قلنا اعتبارها فيما سبق انما هو لتقوية سببین آخرین لئلا یقاوم سکون الاوسط احدهما فلا یلزم من اعتبارها التقوية سبب آخر اعتبار سببها بالاستقلال وشرط هو اسم حصین بدیاس بکی وابتوا هیثم منتزع صرفهما لوجود الشرط الثاني فیهما فان فی شتر تحرك الاوسط وفي ابراهیم الزیادة على (که اسم ساکن للاوسط)

نہایت ضعیف ہو تبے تو اس میں سبب اضعف کیسے مؤثر ہو) اور زما تانیث معنوی (کا سوال) تو اس کے لئے ایک طرح کی قوت ہے لہذا سکون (حرف) اوسط کے ہمراہ اس کا اعتبار کرنا اور نہ کرنا (دونوں طرح) جائز ہے پھر اگر تم کہو (اوسط اضعف کر دو) کہ ماضی میں ماہ اور جور کے اندر سکون (حرف) اوسط کے باوجود عجمہ کا اعتبار کیا گیا ہے تو یہاں (نوع میں) میں عجمہ کا اعتبار کیونکر نہیں کیا گیا ہم کہتے (جواب دیتے) ہیں کہ ماضی میں (ماہ اور جور کے اندر) عجمہ کا اعتبار کرنا دوسرے دو سببوں (تانیث وعلیت) کی تقویت کی وجہ سے ہے تاکہ سکون (حرف) اوسط احد السببین کے معارض و مقابل نہ ہو لہذا سبب آخر کی تقویت کی وجہ سے عجمہ کے اعتبار کرنے سے مستقل طور پر عجمہ کی بسیت کا اعتبار کرنا لازم نہیں آتا ولور فشر ہا اور وہ دربار بکر میں ایک گلمہ کا نام ہے ولور ابراہیم کا) منصرف بڑھنا لامتنع ہے کیونکہ ان دونوں میں شرط ثانی موجود ہے اس لئے کہ شتر میں حرف اوسط کا تحرك (حرکت والا ہونا) ہے اور ابراہیم میں زیادت

یہ علامہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ نسبت عجمہ کے تانیث معنوی قوی ہے (جیسا کہ فقیر نے آگاہ ہے) لہذا نوع منصرف ہی ہوگا۔

۵۸ قولہ واما التانیث الخ اس عبارت سے شامع ایک سوال مقدمہ کا جواب دے رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ عجمہ و تانیث معنوی دونوں امر معنوی ہونے میں برابر ہیں اور تانیث معنوی میں تصرف و عدم تصرف دونوں کو جائز قرار دیا گیا ہے یہ کیا وجہ ہے کہ سکون اوسط کے

ساتھ تانیث معنوی کسی تو معتبر ہوتی ہے اور کسی نہیں اور عجمہ سکون اوسط کے ساتھ کبھی معتبر نہیں ہوتا حالانکہ عجمہ میں بھی جواز امرین کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے شامع نے جواب دیا کہ تانیث معنوی اگر عجمہ امر معنوی ہے مگر اس کے لئے ایک علامت مقرر ہے جو بعض حالتوں میں ظاہر ہو جاتی ہے (مثلاً جب کسی کلمہ کی تفسیر کرتے ہیں تو اس تصرف سے علامت تانیث ظاہر ہو جاتی ہے جیسے ہند کہ اس کی تفسیر ہنیدہ آتی ہے) پس اس کو ایک

قسم کی قوت حاصل ہے اس لئے جائز ہے کہ اس کا اعتبار سکون اوسط کے ساتھ کیا جائے یا نہ کیا جائے دونوں امر برابر ہیں اور عجمہ میں ایسا ہے نہیں لہذا اس میں صرف ایک ہی امر کا اعتبار ہوگا۔

۵۹ قولہ فان قلت الخ ما قبل میں ہذا اختیار المصنف سے یہ بتایا گیا ہے کہ نوع کے متعلق مصنف کا فیہ کا مذہب مختار یہی ہے کہ یہ منصرف ہے اس پر کوئی شخص اعتراض کرتا ہے جس کو شامع فان قلت سے بیان کر رہے ہیں معترض کہتا ہے کہ ماہ و جور میں (جسکا بیان پہلے گذر چکا ہے) سکون اوسط کے باوجود عجمہ کا اعتبار کیا گیا ہے پس نوع میں عجمہ کے عدم اعتبار کی کیا وجہ ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ماضی میں عجمہ کا جواب اعتبار کیا گیا ہے وہ منع صرف کے دو اور سببوں کی تقویت کے لئے کیا گیا ہے تاکہ ان دو سببوں میں سے سکون اوسط لفظ احد ہما کے معارض و مقابل نہ ہو مطلب یہ ہے کہ ماہ و جور میں عجمہ کا اعتبار اس وجہ سے ہوا ہے کہ تانیث معنوی اس کے سبب سے منع صرف بن سکے پس عجمہ کا اعتبار سے ان دونوں میں تانیث معنوی کو تقویت حاصل ہو گئی اور دوسرا سبب ان میں علیت ہے لہذا یہ دونوں تانیث معنوی اور علیت کے باعث غیر منصرف ہیں نہ کہ عجمہ بالذات ان میں مؤثر ہو کر سبب منع صرف بنائے پس دوسرے سبب کی تقویت کے لئے عجمہ کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالاستقلال اس کی بسیت کا بھی اعتبار ہو۔

۶۰ قولہ و شتر وہ الخ یہ عبارت سے شامع ایک سوال مقدمہ کا جواب دے رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ عجمہ و تانیث معنوی دونوں امر معنوی ہونے میں برابر ہیں اور تانیث معنوی میں تصرف و عدم تصرف دونوں کو جائز قرار دیا گیا ہے یہ کیا وجہ ہے کہ سکون اوسط کے

ابراہیم منتفع الصرف میں یعنی ان کا منصرف پر لھا جائے گا نہ صرف
 نہیں اس جگہ منتفع کے بعد صرفہا کے اضافہ کی وجہ سے ہے
 جو اسبق میں گذر چکی ہے مختصراً یہ کہ یہ کہنا درست نہیں
 کہ یہ منتفع میں اس لئے کہ دونوں موجود ہیں نیز یہ کہ درمیان
 راجع اور مرجع کے مطابقت نہیں ہے جواب کا حاصل یہ
 ہے کہ منتفع سے مراد ان کا منصرف نہ ہونا ہے عدم مراد
 نہیں یعنی منتفع کا فاعل صرفہا ہے اور صرفہا میں ضمیر تشبیہ
 موجود ہے جو کہ دونوں کی طرف راجع ہے لہذا راجع اور
 مرجع کے درمیان مطابقت ہو گئی ان دونوں کے غیر
 منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرط ثانی ان میں آئی باقی
 ہے کسٹرمیں تحرک اوسط اور ابراہیم میں زیادتی علی التلکۃ۔

۵۸۱ قولہ دامناخص التفریح الخ یہاں سے
 شایع ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں جس کی تقریر
 یہ ہے کہ مصنف نے شرط ثانی پر تو تفریح کی مگر شرط
 اول کو بلا تفریح چھوڑ دیا حالانکہ یہاں بھی تفریح کہتے
 ہوئے فلجام منصرف کہنا چاہئے تھا جواب دیا کہ شرط ثانی
 کے ساتھ تفریح کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ مصنف
 کے نزدیک نوح کے مثل میں منصرف وغیر منصرف
 پڑھنے کے اعتبار سے جو امر حق ہے اس پر تنبیہ
 ہو جائے پس مصنف نے فزوح منصرف کہہ کر ظاہر کر
 دیا کہ حق یہ ہے کہ نوح منصرف ہے اور اسی وجہ سے
 اس کے انصراف کو مقدم کیا ہے حالانکہ قاعدہ کی رو سے
 انتقار شرط ثانی پر متفرع ہونے کے سبب سے اس
 کو بعد میں ذکر کرنا چاہئے تھا اور اولیٰ یہ تھا کہ پہلے
 تفریح وجودی کو ذکر کرتے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے
 (کہ وجوداً مشرف ہوتا ہے۔

۵۸۲ قولہ واعلم ان اسماء الخ اس جگہ شائع
لفظ اہم سے اس امر کی تحقیق بیان کر رہے ہیں کہ اسماء
حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام منصرف میں یا غیر
منصرف کہتے ہیں کہ سوائے چھ اسماء کے سب کے سب
غیر منصرف ہیں، ان چھ اسماء کو کسی شاعر نے فارسی میں
نظم کیا ہے جو درج ذیل ہے۔ مگر یہی خواہی کہ دانی اکم
ہر پیمبرے ثر تا کدام ست اسے برادر زرد و بخوی منصرف
صالح و محمود و محمد با شعیب و نورج و لوط و یونس منصرف
وان دو گزاتی ہمہ لای منصرف۔ ۱۔ محمد۔ صالح۔ شعیب۔

الثالثة وأما خصّ التقرير بالشرط الثاني لأن غرضه التنبيه على ما هو
الحق عنده من انصراف نحو نوح ولهذا أقدم انصرافه مع انه متفرع
على انتفاء الشرط الثاني والاولى تقديم ما هو متفرع على وجوده كما
لا يخفى وأعلم ان اسماء الانبياء عليهم السلام ممتنعة عن الصرف
الاستة محمد وصالح وشعيب وهود لكونها عربية ونوح ولو
لحقتهما وقيل ان هود اكنوح لان سيبويه قرنه معه ويؤيده ما
يقال من ان العرب من ولد اسمعيل ومن كان قبل ذلك فليس

اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ مصنف کی غرض اس پر تنبیہ کرنا ہے جو اس کے نزدیک ہے یعنی نوح کا منصرف ہونا اور اسی وجہ سے اس کے منصرف ہونے کو مصنف نے مقدم کیا باوجودیکہ نوح کا انصراف شرط ثانی کے انتفاء پر متفرع ہے حالانکہ اولی اس چیز کی تقدیم تھی جو وجود شرط بر متفرع ہے (کہ وجود عدم سے اشرف ہے) جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور معلوم ہونا چاہئے کہ چھ نبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا سب کے اسماء گرامی غیر منصرف ہیں (وہ چھ یہ ہیں) محمد و صالح اور شعیب اور ہود کیونکہ یہ اسماء عربی ہیں (اور عزیر شعیب کے وزن پر اور شعیب نوح کی طرح ساکن الاوسط ہونے کی وجہ سے شعیب اور نوح ہی کے حکم میں آگئے ہذا چھ کا ہر درست رہا) اور نوح اور لوط (عجہ ہونے کے باوجود) اپنی خفت (ساکن الاوسط ہونے کی) وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ ہود نوح کی طرح (منصرف) ہے کیونکہ سبویہ نے ہود کو نوح کے ساتھ ملایا ہے اور وہ اس کی تائید کرتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اولاد سے ہیں اور جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے ہیں وہ عربی نہیں ہیں اور تاریخ میں

ہود کے انصرفت کی وجہ تو یہ ہے کہ اسما عربی ہیں
ثقل کا ان میں وجود نہیں، اور نوح و لوط اس وجہ سے
منصرفت ہیں کہ دونوں خلیفہ ہیں اگرچہ یہ عجبی ہیں۔ اور
علیہ السلام بھی موجود ہے، مگر چونکہ ان کی سختی اور
سببین کے ثقل کو معارض ہے اس لئے عجیب کا
ان میں اعتبار نہیں کیا گیا۔ دلیل سے شایع فقط
ہود کے اندر اختلاف کو بیان کرتے ہیں کہ لفظ ہود
عربی ہے یا عجبی تو کہتے ہیں کہ نماۃ کا لفظ نوح میں
اختلاف ہے کہ یہ عجبی ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ
سیبویہ نے جہاں اسما را بنیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے
ہاں ہود کا نوح کے ساتھ ذکر ہے کہا ہے محمد
سالم رشید نوح و ہود و لوط دیکھئے اس میں ہود

نوح کے متقل نوح کے بعد مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہود بھی مسمیٰ ہے اس لئے کہ ہود اگر عربی ہوتا تو اس کو نوح پر مقدم کرتے اور شعیب سے متقل اور اس کی تائید عرب کے اس قول سے ہوتی ہے کہ عرب اولاد اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں اور حوٰن سے پہلے تھے وہ عربی نہیں تھے اور ہود حضرت اسمعیل سے پہلے گذر چکے ہیں جیسا کہ تاریخ بھی اس پر شاہد ہے پس ہود مثل نوح کے جو کہ مسمیٰ ہی ہے اب اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ان چھ کے علاوہ کبھی دیگر اسماء ہیں جو صرف ہیں مثلاً عزیر و شعیب علیہما السلام پس ان چھ میں حصر باطل ہو گیا اس لئے کہ ہم یہ کہیں گے کہ حصر ان چھ میں اس حیثیت سے نہیں ہے کہ

بعربی وهو قبل اسمعيل فيما يذكر فكان كنوح الختم وهو سبب
قائم مقام السببين شرط قیامہ مقام السببين صيغة
منتقى المجموع وهي الصيغة التي كان اولها مفتوحا وثالثها الفاء
بعد االف حرفان او ثلاثة اوسطها ساكن وهي الصيغة التي لا تجمع
التكسير مرة اخرى ولهذا اسميت صيغة منتهى المجموع لانها
جمعت في بعض الصور مرتين تكسيرا فانتهى تكسيرها التغير للصيغة
قائما جمع السلامة فانه لا يغير الصيغة فيجوز ان تجمع جمع السلامة
كما تجمع ايامن جمع ايمن على يامين وصواحب جمع صاحبة على
صاحبات وانما اشترطت لتكون صيغته مصونة عن قبول التغير

جو ذکر کیا جاتا ہے (اس کے مطابق) ہود اسمعيل سے پہلے ہی لہذا ہود نوح کی طرح (جو کہ
منصرف ہوئے) نہ کہ عربی ہونے کی وجہ سے (جمع) اور وہ ایسا سبب ہے جو دو سببوں کے
قائم مقام ہے (اس کی شرط) یعنی اس کے دو سببوں کے قائم مقام ہونے کی شرط (منتہی المجموع
کا صیغہ ہے) اور منتہی المجموع کا صیغہ وہ ہوتا ہے جس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو
اور الف کے بعد دو حرف ہوں یا تین ہوں جن کے درمیان کا حرف ساکن ہو اور یہ وہ صیغہ ہے
جو دوسری بار جمع تکسیر نہیں ہو سکتا اور اسی وجہ سے اس صیغے کا نام صیغہ منتہی المجموع رکھا گیا
ہے کیونکہ یہ صیغہ بعض صورتوں میں دوبارہ تکسیر کے طور پر جمع بنایا گیا ہے پس اس کی تکسیر جو صیغے
کے لئے غیر ہے ختم ہو گئی اور یہی جمع سلامت کی بات) تو وہ صیغے کو نہیں بدلتی پس جائز
ہو کہ جمع منتہی المجموع کا صیغہ جمع سلامت کے طور پر جمع بنایا جائے جس طرح کہ ايامن جمع
ایمن یا مین پر اور صواحب جمع صاحبہ صواجات پر جمع لایا جاسکتا ہے اور صیغہ منتہی المجموع
کی شرط اس لئے کی گئی ہے کہ صیغہ جمع قبول تغیر سے محفوظ ہو کر مؤثر ہو سکے (لا بد کے بغیر)

ان چھ کے علاوہ دیگر اسامی منصرف نہیں ہیں بلکہ محض اس
جہت سے ہے کہ ان کے وزن پر جو اسمائیں گے
وہ سب منصرف ہیں اور اس میں شک کہ عربی تغیر کے
وزن پر ہے نسبت نوح کے وزن پر یعنی شیت
مثل نوح کے ساکن الاوسط ہے۔

۵۸۳ قولہ الجمع دو سبب الہم کو بھی
منصرف لغو نہ مرتب کے طریقہ پر بیان کر رہے ہیں
شائع دو سبب الہم سے بتا رہے ہیں کہ اس سے قبل جو
اباب گئے وہ تنہا مدام انصرف کے لئے علت

نہیں بن سکتے اور یہ ایک سبب ایسا ہے جو قائم مقام
دو سببوں کے ہو کر تنہا مدام انصرف کا باعث بن سکتا
ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جمع صیغہ منتہی
المجموع پر ہونی چاہئے اگر جمع صیغہ منتہی المجموع پر
نہیں ہوگی تو غیر منصرف نہیں پڑھا جاسکتا مثلاً
رجال اور مسلمون صیغہ منتہی المجموع پر نہیں ہیں اسلئے
منصرف ہیں اب یہاں یہ اعتراض پیدا ہوا کہ اس کی
دلیل کیا ہے کہ رجال اور مسلمون صیغہ منتہی المجموع پر
نہیں ہیں حالانکہ ان کی جمع اس کے علاوہ اور نہیں

آتی تو شائع ہوا یا کہتے ہیں کہ صیغہ منتہی المجموع
وہ ہوتا ہے جس کا حرف اول مفتوح اور ثالث
الف ہو نیز اس کے بعد دو حرف ہوں جن میں کا پہلا
حرف مکسور ہو یا الف کے بعد تین حرف ہوں جن میں
کا پہلا حرف مکسور اور ثانی یعنی متوسط مجزوم ہو جیسے
مساجد و مصایح اس جگہ شائع نے وہی الصیغہ انتی
کہہ کر اس امر کی جانب بھی اشارہ کر دیا کہ صیغہ سے مراد
وزن عروضی ہے یعنی مساجدات فی الحركات والسکات
وزن صرفی مراد نہیں کہ زائد کے مقابلہ میں زائد اور اصلی
کے مقابلہ میں اصلی کا اعتبار کیا جائے پس اس صورت
میں ضارب اور جوافر اسادر انا عیم اس میں داخل
ہو گئے اس لئے کہ یہ صیغہ وزن عروضی کے اعتبار سے
مساجد و مصایح کے وزن پر ہیں اور ان میں وزن عروضی
نہیں اس لئے کہ جس طرح مساجد مقابل کے وزن پر ہے
کہ عیم کے مقابلہ میں عیم ان میں سے ایک بھی حرف عیم سے
شرع نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ حرکت کے مقابلہ میں
حرکت اور سکون کے مقابلہ میں سکون ہے نیز اس سے
یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب الف کے بعد دو حرف پہلا
مکسور یا تین حرف اول مکسور و ثانی ساکن ہوں گے
تو صغاری و کمالات جو اگرچہ جمع منتہی المجموع لغت کے
اعتبار سے ہیں کہ ان کی بھی پھر کوئی جمع نہیں آتی ہے
جمع منتہی المجموع اصطلاحی سے خارج ہو گئے اس
لئے کہ صغاری میں الف کے بعد والا حرف مفتوح ہے
مکسور نہیں اور کمالات میں بھی الف کے بعد والا حرف
مفتوح ہے اور صغاری جو غیر منصرف ہے تو اس کی وجہ
یہ ہے کہ اس میں الف تانیث موجود ہے جمعیت کی وجہ سے
یہ غیر منصرف نہیں۔

۵۸۴ قولہ وہی الصیغہ انتی لا تجمع الخ و
الصیغہ انتی الخ سے شائع نے بتایا تھا کہ جمع منتہی المجموع
کا وزن عروضی کیا ہوگا اور یہاں سے جمع منتہی المجموع
کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ جمع منتہی المجموع
اس جمع کو کہتے ہیں جو جمع تکسیر کے ساتھ دوبارہ جمع
دلانی جاسکے اسی وجہ سے اس کو صیغہ منتہی المجموع
کہتے ہیں اس لئے کہ یہ صیغہ بعض صورتوں میں تکسیر کے
ساتھ دو مرتبہ جمع لایا جاتا ہے پس وہ تکسیر جو کہ صیغہ

کو متغیر کرنے والی تھی اس حد پر اگر منتہی ہو جاتی ہے اور آئندہ اس کی کوئی جمع نہیں لائی جاتی پس اس وجہ سے اس میں ایک قسم کا استحکام ہو کر دو سبب کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اب یہ تکرار جمع تکسیر بعض صورتوں میں تو حقیقہ ہوتا ہے جیسے اکالب و اساور و اناعیم اور بعض صورتوں میں ممکن صرف تکرار پر عمل کر لیا جاتا ہے جیسے مساجد و مصانع کہ ان کی جمع صرف ایک ہی مرتبہ جمع تکسیر کے ساتھ لائی گئی ہے۔ جمع تکسیر معلوم ہی ہے کہ اس کو کہتے ہیں اس میں مفرد کا وزن سلاست نہ رہے۔

۵۸۵ قول ناما جمع سلامتہ الخ یہاں سے

شائع یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ جمع سالم میں صیغہ کا وزن متغیر نہیں ہوتا اس لئے جائز ہے کہ یہ جمع سلامت کے ساتھ بھر جمع ہو جیسا کہ ایمن الیمین کی جمع کی جمع ایمنین آتی ہے اور مواجب حاجبہ کی جمع کی جمع مواجبات آتی ہے اور معصفت نے جمع کے سبب منع صرف بننے کے لئے صیغہ منتہی المجموع ہونا اس لئے شرط کیا ہے کہ صیغہ جمع تغیر سے محفوظ ہو کر سببیت کا اثر کر کے کام آئے۔

۵۸۶ قول بغیر نام منقلبہ الخ صیغہ منتہی

المجموع کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بغیر نام کے ہو یعنی اس کے آخری ہار نہ ہو اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فوارہ ہو کر غیر منصرف ہے و جو ہار کے سبب سے منصرف اند فرار جہ تکرار منصرف ہے عدم ہار کے باعث غیر منصرف ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہار کے دینے کے لئے شائع نے منقلبہ الخ کا اضافہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ ہار نہ ہونی چاہئے ہوتا تا تانیث سے وقف کے سبب سے بدل کر ہار ہو جائے پس اس صورت میں ہار کا اطلاق حقیقت پر مبنی ہے پس فوارہ والا اعتراض دفع ہو گیا کہ اس لئے فوارہ میں ہار منقلبہ عن تار التانیث نہیں ہے بلکہ ہار اہل ہے لہذا اس ہار سے باعتبار ما یؤول کے تار تانیث ہے یعنی جب اس پر وقف کیا جائے گا تو وہ تار اس وقف کی حالت میں ہار ہو جائے گی لہذا جب ہار سے براہ تار مجاہد ہے تو اس تقدیر پر ہار ہلا احسن

فتوثر یغسیر ہلہ منقلبہ عن تار التانیث حالة الوقف والمواد بها تار التانیث باعتبار ما یؤول الیہ حالة الوقف فلا یرد نحو فوارہ جمع فارہة ولتما اشتراط کوئی بغیر ہار لانا لو کانت مع ہار کانت علی زنة المفردات کفرازنة فانہا علی زنة کراہیة وطواعیة بمعنی الکراہة والطاعة فیدخل فی قوۃ جمعیۃ فتور ولا حاجة الی الخرج نحو مدائی فانہ مفرد محض لیس جمعا کافی الحال ولا فی المال و

جو کہ حالت وقف میں تار تانیث سے منقلب ہو کر ہار ہو جاتی ہے (جسے تارے مربوط یا تارے کہلاتا ہے) جب اس پر وقف کریں ہار ہو جاتی ہے ورنہ تار رہتی ہے) یا ہار سے ما یؤول کے اعتبار سے حالت وقف میں تارے تانیث مراد ہے (غرضیکہ اس کے ساتھ حالت وقف میں ہار حالت وصل میں تانیث پس فوارہ جیسے کلمہ سے جو فارحہ کی جمع ہے اور اراضی وارد نہ ہوگا کہ اس کی ہار تار سے بدل کر نہیں بنی بلکہ ہارے اصلی ہے) اور صیغہ جمع منتہی المجموع کے بغیر ہار بننے کی شرط اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اگر ہار کے ساتھ ہوگا تو مفردات کے وزن پر ہوگا جیسے فوارہ ہے کہ یہ کراہیہ اور طواعیہ بمعنی کراہت وطاعت کے وزن پر ہے پس اس کی جمعیت کی قوت میں ضعف اور نقص واقع ہو جاتا ہے (لہذا وہ دو سببوں کے قائم مقام ہونے کی قوت میں نہ ہوگی) اور مدائی ایسے کلمے کے اخراج کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ مدائی مفرد محض ہے

اس وجہ سے شرط کیا گیا ہے کہ اگر یہ جمع مع ہار ہوتی تو مفردات کے وزن پر ہو جاتی جیسے فوارہ کہ یہ کراہیہ اور طواعیہ کے وزن پر ہے جو کہ مفرد کی ادراک ہوتی طاعت کے معنی میں ہیں پس اس وجہ سے قوۃ جمعیۃ میں فتور واقع ہو جائیگا اور دو سببوں کے قائم مقام بننے کی صلاحیت نہیں ہے گی لہذا یہ جمع منصرف کا سبب نہیں بن سکتی۔

۵۸۷ قول ولا حاجۃ الخ یہاں سے عبارت

ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ معصفت نے جمع میں بغیر ہار کی قید کا اضافہ کیا ہے حالانکہ اس کے لئے ایک قید کلاخانہ کی ضرورت تھی یعنی معصفت کہتے کہ بغیر ہار وید النفس تاکہ ملائی کوئے کرۃ احراض نہ کیا جائے تاکہ صیغہ منتہی المجموع کے وزن پر جمع بغیر ہار کے ہے مگر منصرف ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کے انصاف کا سبب یا رہتی ہے شائع جواب دے ہیں کہ ملائی کے

واقع نہ ہوگا اس لئے فوارہ میں وہ ہار نہیں ہے ہوتا تھی اور فوارہ میں وہ تار موجود ہے لہذا وہ منصرف ہی ہے گا اور اس کے غیر منصرف بننے کے لئے کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، انہیں دونوں توجہوں کو بیان کر کے شائع نے فلا یرد نحو فوارہ الخ کہا ہے (یعنی جب یہ دو جواب دئے گئے تو اب فوارہ والا اعتراض وارد نہ ہوگا) اس لئے کہ فوارہ فلاحت کی جمع ہے فارہ کی جمع نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ اہل ہی ہار ہے اور دلیل یہ ہے کہ غالب جب معصفت واقع ہوتا ہے تو اس کی جمع فوارہ کے وزن پر نہیں آتی اور فوارہ کے معنی حلق کے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ معصفت ہے پس فارہ کی جمع نہیں فوارہ والا احتمال معین ہو گیا۔

۵۸۸ قول ناما اشتراط الخ یہاں سے

شائع جمع سببیت کے لئے بغیر ہار ہونے کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ اس میں بغیر ہار ہوتا

انما الجمع مدائن وهو لفظ آخر مختلف فرزانة فانها جمع فوزین
او فرزان بکسر الفاء فعلم ما سبق ان صيغة منتهی الجموع علی قسمین
احد هلمایکون بغيرها، وثانیها ما یکون بقاء فاما ما کان بغيرها
فتتبع صرفه لوجود شرط تاثیرها کما سجد مثال لما بعد الف
حرفان ومصابیح مثال لما بعد الفی ثلثة احرف اوسط هلساکن
واما قزانة وامثالها ما هی علی صیغة منتهی الجموع مع الهاء

نہ فی الحال جمع ہے اور نہ ہی مال کے اعتبار سے اور (مدینہ کی) جمع مدائن (بغیر باء کے) ہے
اور یہ لفظ آخر ہے فرزانہ کے برعکس کیونکہ فرزانہ فرزین یا فرزان (بہ کسرہ فاعلی عالم
ذی فنون) کی جمع ہے پس ما سبق سے معلوم ہوا کہ منتهی الجموع کا صیغہ دو قسم ہے ایک بے
جواب کے بغیر ہے اس کا منصرف ہونا جائز ہے کیونکہ اس کی تاثیر کی شرط (اس کا منتهی الجموع کا
صیغہ ہو کر بغیر باء منقلب عن الاء ہوتا) موجود ہے (جیسے مساجد) یہ اس کی مثال ہے جس
کے الف کے بعد دو حرف ہوتے ہیں ((اور مصابیح)) اس کی مثال ہے جس کے الف کے بعد
تین حرف ہوتے ہیں جن کے درمیان کا حرف ساکن ہو تاکہ ((اور در فرزانہ)) اور اس کے
امثال اس قبیل سے کہ جو منتهی الجموع کے صیغہ پر ہاء کے ہمراہ ہوتے ہیں (تو یہ منصرف

اخراج کے لئے کسی تید کے اضافہ کی ضرورت
ہی نہیں اس لئے کہ یہ تو مفرد محض ہے نہ تو فی الحال
جمع ہے اور نہ مال کے اعتبار سے خود مدائن سے
مراد ہر وہ اسم ہے جو جمع ہو پھر علم ہو بعد ازاں
اس سے یا نسبتی کا الحاق کر دیا جائے اسلئے
یا نسبتی جب جمع پر اہل ہوتی ہے تو علمیت
کے بعد ہوتی ہے اب اس پر یہ اعتراض اورد
ہوتا ہے کہ مدائن اہل کے اعتبار سے جمع ہے
اگرچہ بعد میں یہ ایک شہر کا علم ہو گیا ہے مگر
جمع اہل تو معتبر ہوتی ہے جیسا کہ شامح نے
آئندہ صفا میں جمعیت اہلیہ کا اعتبار کیا ہے
پس شامح کا یہ کہنا درست نہیں کہ مدائن مفرد
محض ہے نہ فی الحال جمع ہے نہ مال کے اعتبار
سے نیز اگر مدائن مدائن میں مفرد ہے تو مناسب
ہے کہ مدائن بغیر الیاء کو بھی مفرد کہیں، حالانکہ
شامح نے اس کو جمع قرار دیا ہے جواب یہ ہے
کہ مدائن جمع ہے اور جب اس میں علمیت آئی تو

اعتبار جمعیت نہیں کیا اس لئے کہ جمعیت اہلیہ معتبر
ہوتی ہے مگر جب اس کے ساتھ یا نسبتی لاحق
ہوتی تو معنی جمعیت دو وجہوں سے ضعیف ہو
گئے ایک تو یہ کہ اس میں علمیت آگئی اور جمعیت
کے معطی کا اعتبار نہیں رہا دوسرے یہ کہ اس
میں یا نسبتی لاحق ہو گئی پس ان دو وجہوں نے
قوت اختیار کر کے اعتبار جمعیت کو ساقط کر دیا
پس جب اعتبار جمعیت ساقط ہو گیا تو یہ کہنا درست
ہو گیا کہ مال کے اعتبار سے بھی یہ جمع نہیں ہے فی
الحال تو کیا کہنا بلکہ جمع مدائن بغیر باء کے ہے جو
کہ مدینہ یعنی شہر کی جمع ہے اور یہ دوسرا لفظ
یہاں اس سے بحث نہیں یہ غیر منصرف ہی ہے
بحث تو صرف اس مدائن سے ہے جو مدائن
میں ہے

قولہ بخلاف فرزانہ الخ اس
جوابت سے بھی ایک سوال مقدر کا دفعیہ مقصود
ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ فرزانہ میں فرزان بغیر

تار کے مثل مدائن کے ہے جمعیت کے اعتبار سے
اور جب فرزان میں تار اور مدائن میں یا نسبتی
لاحق کر دی گئی تو یہ دونوں جمع نہیں ہے لہذا
تخصیص کرنا تاکہ فرزانہ کو متن میں لا کر غیر منصرف
سے خارج کیا اور مدائن سے تعریف نہیں کیا ترجیح
بلامرغ ہے شامح نے جواب دیا کہ بخلاف فرزانہ
الخ یعنی فرزانہ تار کے الحاق کے بعد بھی جمع ہی
میں مستعمل ہوتا ہے اسلئے کہ یہ فرزین یا فرزان
بکسر الفاء کی جمع ہے پس اس شبہ کو دور کرنے
کے لئے کہ لوگ اس کو جمع ہونے کی وجہ سے غیر
منصرف پڑھنے لگیں متن میں بغیر تار کا اضافہ
کر کے اس کو خارج کر دیا اور مدائن جو نہ بکسار
نسبتی کے ساتھ جمع میں مستعمل ہی نہیں ہوتا اس
لئے اس کے خارج کرنے کی ضرورت ہی پیش
نہیں آئی

قولہ ما فعلم ما سبق الخ یہاں سے
دفع دل مقدر مقصود ہے تقریر یہ ہے کہ قول
مصنف دانا فرزانہ میں آتا دو حال سے خالی
نہیں استیثات کے لئے ہوگا یا تفصیل کے لئے
اور یہاں درست نہیں اول تو اسلئے کہ استیثات
کے لئے شروع کتاب میں آتا ہے اور ما بعد میں
آچکا ہے اور ثانی اس لئے درست نہیں کہ
تفصیل کے لئے ماقبل میں اجمال ضروری ہے
اور ماقبل میں اجمال اس کا ذکر نہیں ہوا نہ ذہنا
نہ خارجاً شامح نے جواب دیا کہ ماقبل میں مجمل بغیر
بار کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے پس کلاماً اس جگہ تفصیل
کے لئے ہے یعنی جملہ ما سبق بغیر بار سے یہ بات
معلوم ہو گئی کہ جمع منتهی الجموع دو قسم ہے ایک
بغیر بار کے دوسرا بار کے ساتھ پس وہ صیغہ منتهی
الجموع جو بغیر بار کے ہو اس کو منصرف پڑھنا
ممتنع ہے غیر منصرف ہے اسلئے کہ اس میں صیغہ
منتهی الجموع کی شرط تاثیر موجود ہے جیسے مساجد
یہ صیغہ کی مثال ہے جس میں الف کے بعد دو حرف
ہیں اور مصابیح اس صیغہ کی جس میں الف کے بعد
تین حرف ہیں اور ثین حرفوں میں سے متوسط

ساکن ہے، اس جگہ قول شایع ناامکان بغیر ہمارے اس سوال کا بھی جواب دے دیا کہ اما تفصیلیہ تعدد کو چاہتا ہے اس لئے کہ تعدد بھی اس عبارت سے معلوم ہو گیا۔

۵۹۱ قولہ واما فرازۃ الخ اور بہر حال فرازۃ اور اس کے امثال مثل صبا قلہ وغیرہ کے جو کہ صیغہ منتهی المجموع مع الہار کے قبل سے ہوں منصرف ہیں اس لئے کہ شرط تاثیر جمعیت ان میں فوت ہے موجود نہیں اور شرط یہی ہے کہ صیغہ منتهی المجموع بالہار کے ہو کما مرآ نفاء۔ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فرازۃ مبتدا مؤنث ہے اور منصرف خبر مذکر پس مبتدا و خبر کے درمیان مطابقت نہیں رہی اس لئے یہ قاعدہ ہے کہ جب خبر مشتق ہو تو دونوں کے درمیان مطابقت ضروری ہے جواب یہ ہے کہ منصرف اس مبتدا کی خبر نہیں بلکہ مبتدا محذوف نحو فرازۃ کی خبر ہے جیسا کہ شایع نے بھی و امثالہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور نحو فرازۃ مضاف مضاف الیہ سے ل کر مبتدا مذکر ہے پس منصرف اس کی خبر صحیح ہے نیز یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ فرازۃ بتاویل لفظ ہو کر مبتدا مذکر سے اور خبر بھی مذکر پس دونوں میں مطابقت ہو گئی۔

۵۹۲ قولہ وحقنا جبر علما للضبع الخ مصنف رحمہ اللہ جب یہ بتا چکے کہ صیغہ منتهی المجموع دو قسم پر ہے مع الہار ہوگا یا بغیر الہار اگر اول ہوگا تو منصرف ہے اور صورت ثانیہ میں غیر منصرف اور فرازۃ کی تعیین کر چکے کہ یہ مع الہار ہونے کے باعث منصرف ہے تو اب حقنا جبر کو بیان کرنا چاہتے ہیں اس کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حقنا جبر جمع نہ ہونے کے باوجود غیر منصرف ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ پس مصنف نے کہا کہ حقنا جبر اس حالت میں جبکہ یہ کفتر یعنی بھوکا نام ہو غیر منصرف ہے، شایع اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایک سوال مقدرا کا جواب ہے تقدیر سوال یہ ہے کہ حقنا جبر کفتر

فمنصرف لقوات شرط تاثیر الجمعۃ وهو کونہا بلا ہار وحقنا جبر علما للضبع ہذا جواب سوال مقدیر تقدیرہ ان حقنا جبر علم جنس للضبع یطلق علی الواحد والکثر کما ان اسامۃ علم جنس للاسد فلا جمعۃ فیہ وصیغۃ منتهی المجموع لیست من اسباب منع الصرف بل ہی شرط للجمعۃ فیذبحی ان یکون منصرفا لکنہ غیر منصرف و تقریر الجواب ان حقنا جبر حال کونہ علما للضبع غیر منصرف کا للجمعۃ الحالیۃ بل للجمعۃ الاصلیۃ لآئۃ منقول عن الجمع فان کان فی الاصل جمع حقنا بمعنی عظیم البطن سمي به الضبع

ہے) کیونکہ (اس میں) تاثیر جمعیت کی شرط فوت ہے اور تاثیر جمعیت کی شرط بلا ہار ہونا ہے (اور حقنا جبر گوہ کا علم ہونے کی حالت میں) یہ سوال مقدرا کا جواب ہے تقدیر سوال یہ ہے کہ حقنا جبر جنس ضبع کا علم ہے جس کا واحد اور کثیر پر اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ اسامہ شیر کی جنس کا علم ہے پس اس میں جمعیت نہیں ہے اور صیغہ منتهی المجموع اسباب منع صرف سے نہیں بلکہ یہ جمعیت کے لئے شرط ہے (اور شرط تنہا مؤثر نہیں ہوتی جب تک کہ سبب کے ساتھ ہو) تو مناسب ہے کہ حقنا جبر منصرف ہو لیکن یہ غیر منصرف ہے اور تقریر جواب یہ ہے کہ حقنا جبر گوہ کا علم ہونے کی حالت میں (غیر منصرف) جمعیت عالیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ جمعیت اصلیہ کی وجہ سے (کیونکہ یہ جمع سے منقول ہے) کیونکہ یہ اصل میں حقنا بمعنی عظیم البطن کی جمع ہے گوہ

مناسب ہے کہ حقنا جبر منصرف ہو حالانکہ یہ غیر منصرف ہے اس کا جواب شایع تقریر الجواب سے دے ہے یہی کہ حقنا جبر وقت جمع کا علم ہو غیر منصرف ہے حال کوہ علما سے شایع نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ علاقوں میں حقنا جبر سے ملتا ہے جس کی تقدیر حقنا جبر حال کوہ علما للضبع ہے اس پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں کہ حال ہمیشہ فاعل یا مفعول سے ہوتا ہے اور حقنا جبر مبتدا ہے لہذا عالیت درست نہیں اس لئے کہ ابن مالک کے نزدیک مبتدا سے بھی حال قرار دینا جائز ہے پس عالیت درست ہو گئی پھر اس کا غیر منصرف ہونا جمعیت عالیہ کی بنا پر نہیں یعنی الحال اس کا جمع ہونا ضروری نہیں بلکہ جمعیت اصلیہ کا ہی ہے اس عبارت سے اس سوال کا جواب ہو گیا کہ قول مصنف رحمہ اللہ لازماً منقول عن الجمع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو صیغہ جمع سے منقول ہو گا وہ بھی غیر منصرف

کے لئے علم جنس ہے واحد اور کثیر پر حقنا جبر کا اطلاق کیا جاتا ہے (یعنی ایک دو تین کی کوئی تخصیص نہیں) جیسا کہ اسامہ شیر کے لئے علم جنس ہے اور جب ایسا ہے کہ اس کا اطلاق واحد وثنیہ وجمع پر یکساں ہے تو اس میں جمعیت نہیں ہے اب اس پر اعتراض ہوا کہ اگرچہ اس میں جمعیت نہیں مگر صیغہ منتهی المجموع تو موجود ہے لہذا اس وجہ سے یہ غیر منصرف ہے تو اس کا جواب و صیغہ منتهی المجموع الخ سے یہ دیا کہ صیغہ منتهی المجموع اسباب منع صرف سے نہیں ہے بلکہ یہ تو جمعیت کے لئے صرف شرط ہے کہ جمع اس صیغہ کے وزن پر ہو پس اس تقدیر پر کہ اس کا اطلاق واحد وثنیہ وجمع پر یکساں ہے اور اس میں جمعیت نہیں اور صیغہ منتهی المجموع اسباب منع صرف نہیں ہے تو

مبالغةً في عظمِ بطنها كان كل فرد متهاجماً من هذا الجنس
فالمعتبر في منع صرفه هو الجمعية الأصلية ^{۹۳}فان قلت لاجابة في
منع صرفه فان فيه العلمية والتأنيث لان الضبع هي انثى الضبعان
قلنا علميته غير موثقة والا لكان بعد التذكير منصرفاً والتأنيث غير
مسلم لانه علم الجنس الضبع مذكراً كان او مؤنثاً وانما اكتفى المصنف
في التنبيه على اعتبار الجمعية الأصلية بهذا القول ولم يقل بالجمع شرطه
ان يكون في الاصل كما قال في الوصف لئلا يتوهم ان الجمعية كالوصف

کے بڑے پیٹ ہونے میں (اظهار) مبالغہ کی وجہ سے اس سے گوہ کا نام رکھا گیا گو یا کہ حضاجر
میں اس کا ہر فرد اس جنس سے ایک جماعت ہے لہذا اس کے غیر منصرف ہونے میں معتبر اس
کی جمعیت اصلیت ہے پھر اگر تم (اعتراض کے طور پر) کہو کہ جمعیت اصلیت کے اعتبار کرنے
کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں علمیت اور تانیث ہے کیونکہ ضبع ضبعان (بروزن
غلان) کی مؤنث ہے ہم کہتے ہیں کہ اس کی علمیت مؤثر نہیں ہے (کیونکہ یہ علم جنس ہے) ورنہ یہ تنکیر
کے بعد منصرف ہوگا (حالانکہ ایسا نہیں ہے) اور تانیث مسلم نہیں ہے کیونکہ جنس ضبع
خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو کا علم ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے قبلیہ میں جمعیت اصلیت کے اعتبار کرنے
پر اسی قول (لانہ منقول عن الجمع) کے ساتھ اکتفا کیا ہے اور بالجمع شرطہ ان یحکون
فی الاصل نہ کہا جس طرح کہ وصف میں کہا تھا تاکہ اس بات کا دہم نہ ہو کہ جمعیت وصف کی طرح

ہوگا حالانکہ یہ درست نہیں تو اس کا جواب بالجمعیت الخ
ہے یہ ہو گیا کہ اس کا غیر منصرف ہونا جمعیت عالیہ کی وجہ سے
جنس بلکہ جمعیت عالیہ کی وجہ سے ہے اور جمعیت اصلیت کی
وجہ سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ جنس سے منقول ہے
اور منقول مسند الیہ کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ
حضاجر اصل میں حضاجر بر وزن قاطر کی جمع ہے جس کے
مخفے بڑے پیٹ والے کے ہیں اور کفار بھی بڑے
شکم والا ہوتا ہے پس کفار کا بڑا پیٹ ہونے کی وجہ سے
مبالغہ نام رکھ دیا گیا گو یا کہ ہر فرد اس کا بڑے پیٹ
والوں کی ایک جماعت ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ منصرف
میں جمعیت عالیہ کی معتبر ہے اور حضاجر میں جمعیت اصلیت
موجود ہے اگرچہ فی الحال علمیت کے باعث اس میں
جمعیت نہیں رہی اس لئے علمیت اور جمعیت میں منافات
ہے اور اجتماع ضدین فی حکم واحد مکمل ہے) لہذا

اس کو غیر منصرف کر دیا گیا (فی ائدلا) اہم کی تین قسمیں
ہیں۔ اہم جنس۔ علم جنس۔ علم۔ اہم جنس تو وہ ہے جس کو
واضع نے افراد سے قطع نظر کر کے مفہوم کلی کیلئے وضع
کئے محض نفس ماہیت کا تصور کیا ہو جیسے لفظ اسد
کہ اس کو واضح نے ماہیت حیوان مفترس کے لئے
وضع کی ہے افراد کا اس میں کوئی لحاظ نہیں اور علم جنس
وہ ہے جس کو واضح نے وضع کرتے وقت ماہیت کا
خصوصیات ذہنیہ کے ساتھ تصور کیا ہو جیسے حضاجر
کہ اس کی وضع ضبع کے لئے خصوصیات ذہنیہ یعنی عظیم
البطن کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے اور علم اس کو کہتے
ہیں جس کو وضع کرتے وقت واضح نے ماہیت کا
خصوصیات شخصیہ کے ساتھ تصور کیا ہو جیسے زید کے
یہاں پر وضع کرتے وقت ماہیت انسان کے ساتھ
شخصیات خارجہ جیسے دست و پا، ملک وغیرہ کا بھی تصور

کیا گیا ہے۔ اسی۔

۹۳ قول۔ فان قلت الخ اب اس جگہ
سے شارح ایک اعتراض کر کے اس کا جواب بیان
کر رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ منع صرف میں اعتبار
جمعیتہ اصلیت کی کوئی حاجت نہیں اس لئے کہ اس میں
علمیت اور تانیث موجود ہے اس لئے کہ ضبع ضبعان
کا مؤنث ہے ضبعان کے معنی کفار زر کے ہیں اور
ضبع کے کفار زیادہ پس حضاجر میں جمعیتہ اصلیت کو ثابت
کر کے غیر منصرف قرار دیتے ہیں تکلف اور طویل ہے
قلنا سے جواب یہ ہے کہ اس میں کہ حضاجر میں علمیت
مؤثر نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس سے علمیت علیحدہ
کر کے اس کو لکھ کر بنادیں تو اس کا منصرف ہونا ضروری
ہے اس لئے کہ اس میں صرف صرف ایک سبب تانیث
باقی رہ جائیگا حالانکہ بعد التکثیر بھی یہ غیر منصرف ہی ہے
جس سے معلوم ہوا کہ علمیت اس میں مؤثر نہیں ہی
تانیث تو وہ غیر مسلم ہے اس لئے کہ وہ جنس
ضبع کا علم ہے ضبع خواہ مذکر خواہ مؤنث پس
اس بنا پر قول مصنف علما کے معنی یہ ہیں کہ
حضاجر علم ہے ایک جنس کا کہ جو ضبع یعنی کفار
مادہ کو بھی شامل ہے یہ بات نہیں کہ حضاجر محض
کفار زیادہ یعنی ضبع کی جنس کا علم ہو اور کفار
نہ پر اس کا اطلاق نہ کیا جائے۔

۹۴ قول۔ وانما اكتفى الخ اس عبارت
سے بھی ایک سوال اور اس کا دفعیہ مقصود ہے
شارح کہتے ہیں کہ مصنف نے اعتبار جمعیتہ اصلیت
پر تنبیہ کرنے میں صرف لائنہ منقول عن الجمع
پر اکتفا کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ شرطہ ان یحکون
فی الاصل یعنی جمع کے لئے شرط یہ ہے کہ جمع
اصل کے اعتبار سے ہو جیسا کہ وصف میں کہا تھا
کہ شرطہ ان یحکون ای الوصف فی الاصل تاکہ معلوم
ہو کہ جمع کی دو قسمیں ہیں اصل اور عارضی لکن ایہ
سے اس کا جواب شارح یہ ہے کہ اس میں کہ مصنف
نے ایسا اس وجہ سے نہیں کیا کہ کہیں یہ دہم نہ ہو
جائے کہ جس طرح وصف بھی اہلی ہوتا ہے کبھی
عارضی اسی طرح جمع بھی اہلی اور عارضی ہوتی ہے

حالانکہ جمع کبھی عارضی نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ جمعیت میں عروض مقصور نہیں ہوتا ہے قطعاً پس اس وجہ سے بچنے کے لئے اصالت کو شرط قرار نہیں دیا گیا دائرہ علم۔

۹۵ قولہ مرادیل الخیر قول مصنف

بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح شامخ خود ان الفاظ سے کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ جمع کے قاعدہ پر حنا جو کا جو اعتراض وارد ہوتا ہے اس سے تو تم نے یہ کہہ کر نجات حاصل کر لی کہ جمع عام ہے خواہ فی الحال ہو یا فی الاصل لیکن مرادیل میں کیا کہو گے اس لئے کہ یہ اسم جنس ہے واحد اور کثیر پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے مگر اس میں جمعیت نہ فی الحال ہے نہ فی الاصل لہذا یہ لفظ غیر صالحہ و اصلیت کے نہ پائے جاتے کے سبب سے منصرف ہونا چاہئے حالانکہ یہ منصرف ہے اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ مرادیل کے انصراف و عدم انصراف میں اختلاف ہے پس جب یہ منصرف پڑھا جائیگا تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہاں البتہ اگر کسی کو غیر منصرف پڑھیں جیسا کہ اکثر مواقع استعمال میں اس کو غیر منصرف ہی پڑھتے ہیں تو قاعدہ جمع پر ادب والا اعتراض جو ذکر کرتا ہے پس اعتراض سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے دو فریق ہو گئے ایک فریق کہتا ہے کہ مرادیل اسم اعجمی ہے نہ تو فی الحال جمع ہے نہ فی الاصل اور اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ہوزن مجموع کلام عرب میں آتی ہے مثلاً انا عیم و مصابیح تو اس کو ان مجموع پر غیر منصرف ہونے میں محمول کر لیا ہے اس لئے کہ مرادیل وزن کے اعتبار سے جمع کے حکم میں ہے پس اگر ہم جمع حقیقی کے قبیل سے نہیں لے لیکن جمع محکی کے قبیل سے ضرور ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوا کہ اس صورت میں اسباب کا صر علی تسعہ میں درست نہیں رہا بلکہ دس اسباب ہو گئے تو تودہ جو دو شعر میں ذکر کئے گئے ہیں اور ایک ہم ہوزن پر محمول کرنا اتنا اس کا جواب

قد تكون اصلية معتبرة وقد تكون عارضة غير معتبرة وليس الامر كذلك اذ لا يتصور العروض في الجمعية ^{فله} وسر ادیل جواب عن سوال مقدر تقدیر کہ ان يقال قد تفصّيت عن الاشكال الواسد على قاعدة الجمع بمضاجر يجعل الجمع اعم من ان يكون في الحال او في الاصل فما تقول في سر ادیل فانه اسم جنس يطلق على الواحد و الكثير والجمعية فيه لا في الحال ولا في الاصل فاجاب بانه قد اختلف في صرفه ومنعه فهو اذا لم يصرف و قد اختلف في موارد الاستعمال فيرد به الاشكال على قاعدة الجمع كما قلت فقد قيل في التفضي عنه انه اسم اعجمي ليس يجمع لا في الحال ولا في الاصل محمل في منع الصرف على موازينه ای علی مایوازنه من المجموع

ہے کبھی اصلی معتبر ہوتی اور کبھی عارضی غیر معتبر ہوتی ہے حالانکہ یہ بات اس طرح نہیں ہے کیونکہ جمعیت میں عروض نہیں ہے «اور سر ادیل» یہ سوال مقدر کا جواب ہے تقدیر سوال یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ نے جمع کو فی الحال اور فی الاصل سے عام کر کے اس اعتراض سے رہائی حاصل کر لی ہے جو جمع کے قاعدہ پر حنا جو سے وارد ہوتا تھا تو آپ سر ادیل کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیونکہ مرادیل اسم جنس ہے جس کا واحد اور کثیر پر اطلاق ہو سکتا ہے اور اس میں جمعیت نہیں ہے نہ فی الحال اور نہ فی الاصل پس مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ مرادیل کے صرف اور اس کے صرف سے منع یعنی اس کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف کیا جاتا ہے پس سر ادیل «جبکہ غیر منصرف پڑھا جائے اور یہی اکثر ہے» مواضع استعمال میں پس اس «غیر منصرف پڑھنے سے قاعدہ جمع پر اشکال (مذکور) وارد ہوتا ہے جس طرح کہ اسے سائل تو نے کہا کہ نہ یہ فی الاصل جمع ہے اور نہ فی الحال «تو کہا گیا ہے» اس سوال سے خلاصی پانے میں کہ «مرادیل» اسم اعجمی ہے «جمع نہیں ہے نہ فی الحال اور نہ فی الاصل» محمول کیا گیا ہے اس کے ہم وزن پر یعنی اس پر جو مجموع عربیہ میں سے اس کے ہم وزن ہیں جیسے

سیبویہ اور اس کے تابع کا ہے ان کے نزدیک مرادیل اسم اعجمی ہے مفرد منصرف ہے مگر غیر منصرف کے مشابہ ہونے کے سبب اس کو بھی ان پر حمل کر کے غیر منصرف قرار دے دیا گیا۔ قول مصنف اعجمی سے قبل اسم کے اضافی وجہ یہ ہے کہ اعجمی صفت ہے موصوف کو چاہتا ہے اس کو ظاہر کرنے کے ہے شامخ نے اسم کا اضافہ کر دیا کہ اس کا موصوف اسم مذكوف ہے۔

دینے کے لئے شامخ قبلا ہذا الجواب الخ کا اضافہ فرمایا ہے یہی کہتے ہیں کہ پس اس جواب کی بنا پر جمعیت حقیقی و محکی پر ہے زیادہ سبب آخری اسباب التسعة یعنی حل علی الموازن پر اسکی بنا نہیں ہے کہ اسباب تسعہ پر مزید ایک سبب کی زیادتی لازم آگے سبب منع صرف کا صر تسعہ میں باطل ہو جائے (فائدہ) قول مصنف وہو الاکثر سے مراد مذہب اکثر بھی ہو سکتا ہے لہذا اس صورت میں اس کے عدم انصراف کا مذہب

العربية كانا علم مصابيح فانه في حكمها من حيث الوزن فهو
وان لم يكن من قبيل الجمع حقيقة لكنه من قبيل حكمها بالجمعية
على هذا التقدير اعم من ان تكون حقيقة او حكما فبناء هذا الجواب
على تعميم الجمعية لا على زيادة سبب آخر على الاسباب التسعة وهو
الحمل على الموازن وقيل هو اسم عربي ليس بجمع تحقيقا لانه اسم
جنس يطلق على الواحد والكثير لكنه جمع سذالة تقديرها

ومن قاعدتهم ان هذا الوزن بدون الجمعية لم يمنع الصرف قد حفظا
لهذه القاعدة انه جمع سر والة فانه سمي كل قطعة من السراويل
سر والة ثم جمعت سر والة على سراويل فاذ اضرده اى سراويل
لعدم تحقق جمعيتها تحقيقا والاصل في الاسماء الصرف فلا اشكال
بالنقص به على قاعدة الجمع ليجتاج الى التقصص عنه وهو جواد

انعم اور مصابيح تو سراويل وزن کے اعتبار سے مجموع عربیہ کے مکمل ہیں ہے پس یہ اگرچہ حقیقتہ
جمع کے قبیل سے نہیں ہے لیکن مکنا مع کے قبیل سے ہے پس اس (جواب کی) تقدیر پر جمعیت کا
سے عام ہے کہ حقیقتہ ہوا حکما پس اس جواب کی بنا جمعیت کی تعمیم پر ہے اسباب تشعہ پر کسی اور
سبب کے اضافے پر نہیں ہے اور وہ (سبب زائد فی وہم المسترض) حمل علی الموازن ہے اور
کہا گیا ہے کہ «یہ اسم عربی ہے» تحقیق کے طور پر جمع نہیں کیونکہ یہ اسم جنس ہے تقدیرا اور فرضا
کیونکہ جب یہ غیر منصرف پایا گیا اور یہ بات نحو لوں کے قاعدے سے ہے کہ یہ وزن جمعیت کے
سوا منصرف پڑھنے کو مانع نہیں تو اس قاعدے کی حفاظت کرنے کے لئے فرض کر لیا گیا کہ یہ سر والہ
کی جمع ہے گویا سراویل کے ہر ٹکڑے کا نام سر والہ رکھ دیا گیا پھر سر والہ کو سراویل پر جمع بنایا گیا۔
اور جب اسے منصرف پڑھا جائے یعنی سراویل (کو) اس کی جمعیت کے تحقیقی طور پر متحقق نہ
ہونے کی وجہ سے (جب منصرف پڑھا جائے) حالانکہ اصل اسماء (عربیہ) میں منصرف ہوتا ہے
«تو کوئی اشکال نہیں» قاعدہ جمع پر سراویل کی وجہ سے نقص کا (کوئی اشکال نہیں رہتا) تاکہ
اس سے خلاصی کی حاجت پڑے لا اذ جواہر کی مانند یعنی ہر جمع مقصود فواعل کے وزن پر یائی

۹۶ قولہ وقل ہوا اسم عربی الخ اس جگہ
سے مصنف دوسرے فرق کے قول کو بیان کر رہے
ہیں دوسرا فرق کہتا ہے جس کے مثال سر وئی کہ سراویل
اسما بھی نہیں عربی ہے اور جب یہ عربی ہے تو اعتراض

ہیں ہم اس کو اس کے موازن پر حمل نہیں کریں گے کہ مذکورہ
بالا اعتراض راجع ہو بلکہ ہم اس میں جمعیت ثابت کریں گے
جیسا کہ آتا ہے شائع نے اس جمع تحقیقا کا اضافہ اس
وجہ سے کیا ہے کہ مصنف نے یہ تو بیان کر دیا کہ سراویل
سر وئی کی جمع تقدیرا ہے اور یہ بیان کیا نہیں کہ تحقیقا
کہیں نہیں تو اس کا جواب شائع یہ دیتے ہیں کہ سراویل
تحقیقا تو اس وجہ سے جمع نہیں ہے کہ یہ اسم جنس ہے
واحد و تثنیہ و جمع ہر ایک پر اس کا اطلاق آتا ہے اور
جو لفظ اس قدر عام ہوتا ہے کہ وہ واحد پر صادق آجائے گا
تو اس میں جمع تحقیقی نہیں ہوتی ہے پس اس کو غیر منصرف
ثابت کرنے کے لئے ہم یہی کہیں گے کہ یہ سر وئی کی
جمع ہے تقدیرا اور فرضا اس لئے کہ سراویل کلام غریبہ
میں غیر منصرف پایا گیا ہے اور عرب کا قاعدہ ہے کہ یہ وزن
بغیر جمعیت کے پائے جانے کے اسم کو غیر منصرف نہیں
کرتا ہے تو اس قاعدہ کی حفاظت کرنے کے لئے
فرض کیا گیا کہ سراویل سر وئی کی جمع ہے پس گویا کہ پاجامہ
کے ہر ٹکڑے کا نام سر وئی رکھ دیا گیا پھر سر وئی کی سراویل
کے وزن پر جمع لے آئی گئی تو شائع فکارتہ کی نحو
سے معلوم ہوتا ہے کہ سر وئی بھی لفظ مفرد جنس سے
پاجامہ کے ایک ٹکڑے کے معنی میں اس کو فرضا کیا
گیا ہے قاموس سے بھی اسی طرح مفہوم ہوتا ہے۔
البتہ صاحب تاج نے یہ لکھا ہے کہ سر وئی لغت عرب
میں پاجامہ کے ٹکڑے کا نام ہے۔

۹۷ قولہ واذ صرت الخ بیان مصنف
یہ بتا رہے ہیں کہ جب سراویل کو عدم تحقق جمعیت حقیقی کی
بنا پر منصرف پڑھیں بنا براس قاعدہ کے کہ اسماء میں
اہل انصراف ہے تو اب اس پر کوئی اشکال نہیں وارد
ہوتا کہ قاعدہ تعمیم جمع اہل دعالی مقصود ہو جاتا ہے
اس لئے اس سے خلاصی کی حاجت پیش آئے۔

۹۸ قولہ و نحو جواہر الخ مصنف نے
اور یہ بیان کیا تھا کہ سراویل کے انصراف عدم انصراف
میں اختلاف ہے تو مصنف اسی اختلاف کو مد نظر
رکھتے ہوئے لفظ جواہر کے اختلاف کو بیان کرتے
ہیں و نحو جواہر الخ اس پر ایک اعتراض واقع ہوتا تھا کہ

قائض کے ساتھ جس کو تشبیہ دی گئی ہے و نحو جوار
 ہے جوار نہیں اس لئے کہ مصنف الیہ ہمیشہ حکم سے
 خارج ہوتا ہے پس جوار بھی حکم سے خارج ہوگا لہذا
 جوار کا حال کیسے معلوم ہوگا؟ تو شایع نے جواب
 دیا کہ نحو جوار سے مراد ہر وہ جمع منقوص ہے جو
 فاعل کے وزن پر ہو عام ازی کہ وہ یا تو ہوا وادوا
 جیسے جوار کی کہ یہ جاریہ کی جمع اور مائی کی مثال ہے
 اور دعاوی داعیۃ کی جمع اور داوی کی مثال ہے پس
 اس میں جوار بھی داخل ہو گیا اور اس کا حکم یہ ہے کہ
 رفع وجر کی حالت میں قائض کے مثل ہے یعنی جو حکم
 قائض کا ہے باعتبار صورت کے یا کو حذف کرنے
 اور اس پر تنوین داخل کرنے میں وہی حکم جوار کا ہے
 شایع نے ای رنعا وجر کے بعد ای فی حالتی الرفع
 والجرح کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ رنعا وجر
 دونوں ظرفیتہ کی بنا پر منصوب نزاع الخاضع ہیں
 یعنی حرف جارنی کو حذف کر کے اس پر دلالت کرنے
 کے لئے رنعا وجر کو منصوب کر دیا اور قائض کے
 بعد ای حکم قائض الخ کا اس وجہ سے اضافہ کیا ہے
 کہ معترض کہیں یہ اعتراض نہ کرے کہ نحو جوار پیش قائل
 کے نہیں ہے اس لئے کہ جوار جمع ہے اور قائض مفرد
 اور جمع کو مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا باطل ہے تو
 اضافہ عبارت سے یہ اعتراض مندرج ہو گیا کہ یہ
 تشبیہ حکم میں ہے تشبیہ فی النفس نہیں لیکن پھر اس
 پر اعتراض ہوتا تھا کہ تشبیہ فی الکلم بھی اس جگہ باطل
 ہے اس لئے کہ نحو جوار علی سبیل الاطلاق منصرف
 ہے اور قائض بالاتفاق منصرف لہذا تشبیہ کامل
 نہیں رہی تو اس کا جواب شایع نے بحسب العصور
 سے یہ دیا کہ تشبیہ صرف صورت کے اعتبار سے
 ہے منصرف کے اعتبار نہیں مگر پھر اس پر اعتراض مائع
 ہوا کہ یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ نحو جوار اصلی کے
 اعتبار سے فاعل کے وزن پر ہے اور قائض باعتبار
 اصل فاعل کے وزن پر لہذا تشبیہ بحسب العصور
 بھی مکمل نہیں رہی تو اس کا جواب شایع نے فی حذف
 الیاء الخ سے یہ دیا کہ تشبیہ بحسب الصورة فی حذف
 الیاء ہے باعتبار اصل نہیں یعنی جس طرح قائض کی بار

ای کل جمع منقوض علی فواعل یا ئیا کان او وایا کالجوار سرائی وللدخاعی
 رَفَعًا دَجْرًا ای فی حالتی الرفع والجرح کَقَاضٍ ای فی حکمہ حکم
 قاضٍ بحسب الصورة فی حذف الیاء عنہ وادخال التنوین علیہ تقول
 جاءتنی جوارٍ ومررت بجوارٍ کما تقول جاءنی قاضٍ ومررت بقاضٍ
 واما فی حالة النصب فالیاء متحركة مفتوحة نحو رأیت جوارِی فلا إشکال
 فی حالة النصب لان الاسم غیر منصوب للجمعية مع صیغة منتهی
 الجموع بخلاف حالتی الرفع والجرح فانه قد اختلف فیہ فذهب بعضهم
 الی ان الاسم منصوب والتنوین فیہ تنوین الصرف لان الاعلال للعلق

ہوا وادوی جیسے کہ جوار سی اور دعاوی ہے ((رفع اور جریں)) یعنی رفع اور جری کی دونوں حالتوں میں
 ((قائض کی مانند ہے)) یعنی باعتبار صورت اس سے یا کو حذف کرنے اور اس پر تنوین کے داخل
 کرنے میں اس کا حکم (یعینہ) قاض کا حکم ہے نہیں کہنا ہوگا جاءتنی جوارٍ اور مررت
 بجوارٍ جس طرح کہ تم کہتے ہو جاءنی قاضٍ اور مررت بقاضٍ اور بہر حال نصب کی حالت
 میں یا متحرکہ مفتوحہ ہوگی جیسے رأیت جوارِی پس حالت نصب میں کوئی اشکال نہیں ہے
 کیونکہ اسم غیر منصوب ہے جمعیت کی وجہ سے منتهی الجموع کے صیغہ کے ہمراہ رفع اور جری کی
 دو حالتوں کے برعکس کیونکہ اس میں اختلاف ہے پس (زجاج نحوی) اور اس کے پیروکار ایسا
 بعض حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اسم (فواعل) منصرف ہے اور اس میں جو تنوین
 ہے وہ تنوین صرف ہے (تنوین عوض نہیں ہے) کیونکہ اعلال جو ذات کلمہ سے قلعی رکھا ہے

کی بنا پر غیر منصرف ہوگا اور یہ بالاتفاق تمام نحاة
 کے نزدیک ہے بخلاف حالت رفع وجر کے کہ اس
 میں نحاة نے اختلاف کیا ہے یعنی اس کو منصرف غیر
 منصرف پڑھنا مختلف فیہ ہے۔

۹۹ قولہ فذهب بعضهم الخ جب یہ
 بات معلوم ہو گئی کہ جوار کی رفعی وجر کی حالت میں
 اختلاف ہے تو اس کے اندر میں مذاہب ہیں (۱)
 صرف مطلقاً قبل الاعلال بعد الاعلال اور یہ مذہب
 رجحان کا ہے (۲) صرف قبل الاعلال وعدم صرف
 بعد الاعلال اور یہ مذہب مبرور سیبویہ وخیل کا ہے
 (۳) عدم صرف مطلقاً قبل الاعلال مویا بعد الاعلال
 اور اس مذہب پر کسائی اور عمر و بصری وغیرہ عامل
 ہیں اب اس کی تفصیل معلوم کرنی چاہئے شایع فذہب

کو حذف کر کے اس پر تنوین داخل کی جاتی ہے اسی
 طرح جوار کی بار کو بھی حذف کر کے اس پر تنوین
 داخل کی جاتی ہے مثلاً جاءتنی جوارٍ مررت بجوارٍ
 کہا جاتا ہے جیسا کہ جارنی قاضٍ ومررت بقاضٍ
 کہا جاتا ہے۔

۹۹ قولہ واما فی حالة النصب الخ
 رفع اور جری کی حالت کو تو مصنف بیان کر چکے باقی
 رہی حالت نصب تو اس کو کیوں بیان نہیں کیا تو
 اس کا جواب شایع واما فی حالة النصب سے ہے
 ہیں کہتے ہیں کہ حالت نصب میں یا متحرکہ بھرنے
 مفتوحہ ہوگی جیسے رأیت جوارِی پس حالت نصب
 میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ اس صورت میں
 جوار سی جمعیت و مجرد بشرط یعنی صیغہ منتهی الجموع

یجوز اللمة مقدم علی منع الصرف الذی هو من احوال اللمة بعد
تمامها فاصل وجوار فی قولك جاء تنی جوار جوارئ بالضم والتنوین
بناء علی ان الاصل فی الاسم الصرف فبنی الاعلال علی ما هو الاصل ثم
اسقطت الضمة للثقل والياء لا لتقاء الساکنین فصار جوارئ علی
وزن سلام وکلام فلم یبق علی صیغة منتی المجموع فهو بعد
الاعلال ایضاً منصرف والتنوین فیہ للصرف کما کان قبل الاعلال
کذلک وذهب بعضهم الی انه یعد الاعلال غیر منصرف لان فیہ
الجمعیة مع صیغة منتی المجموع لان المحذوف بمنزلة المقدس و

منع صرف سے مقدم ہے جو کلمہ کے تمام ہونے بعد اس کے اوصاف سے ہے پس تمہارے قول
جاء تنی جوارئ میں "جوارئ" کی اصل جوارئ "ضم و تنوین کے ساتھ ہے اس بناء پر کہ اسم (معرّب)
میں اصل منصرف ہوتا ہے پس اعلال کی بنا اس پر رکھی گئی ہے جو (علم صرف میں) اصل (اور قاعدہ)
ہے پھر ضم ثقل کی وجہ سے اور یا لتقاء الساکنین کی وجہ سے ساقط کر دیئے گئے تو "جوارئ" سلام
اور کلام کے وزن پر ہو گیا تو وہ منتی المجموع کے صیغہ پر باقی نہ رہا پس وہ اعلال کے بعد بھی (اعلال پہلے کی
طرح) منصرف ہے اور اس میں تنوین صرف کے لئے ہے جس طرح کہ اعلال سے پیش تر (صرف
کے لئے) تھی اور (میسورہ و خلیل ایسے) بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ وہ جوارئ ایسا کلمہ اعلال
کے بعد غیر منصرف ہیں (جس طرح کہ اعلال سے پیش تر غیر منصرف تھا) کیونکہ اس میں جمعیت ہے
صیغہ منتی المجموع کے ساتھ کیونکہ محذوف (جو کہ نسبتاً نسیان ہو چکا صرف لفظ محذوف کیا گیا ہو) مقدّم

بعضہم النحر سے پہلے مذہب کو بیان فرمایا ہے کہ
ہی کہ پس بعض نحاۃ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اسم
یعنی جوارئ منصرف ہے اور اس میں تنوین صرف یعنی اسم
کے منصرف ہونے کی ہے اس تنوین کو تنوین تمکین
بھی کہتے ہیں اور اس اسم کے منصرف ہونے کی دلیل یہ ہے
کہ جوارئ ذات کلمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے وہ
منع صرف پر مقدم مانا جاتا ہے اور یہ منع صرف احوال
کلمہ سے ہے جو کلمہ کے تمام ہونے کے بعد عارض
ہوتا ہے پس تعلیل کا تعلق تو ذات کلمہ سے ہوا
اور انصرف و عدم انصرف کا صفات کلمہ سے اور یہ
ظاہر ہے کہ صفات پر ذات مقدم ہوتی ہے۔ لہذا
مناسب یہ ہے کہ متعلق ذات بھی متعلق صفات
پر مقدم ہو پس جب تعلیل انصرف و عدم انصرف

پر مقدم ہوتی تو اب جوارئ کی اصل بنا رہی نہ سبب
قول قائل جاء تنی جوارئ میں جوارئ تنوین اور ضمہ کے
ساتھ ہوگی اب اس پر ایک اعتراض واقع ہو کہ انصرف
و عدم انصرف احوال یعنی صفات کلمہ سے ہیں لہذا
اعلال کی بنا انصرف پر کیسے درست ہو سکتی ہے
جبکہ اعلال ذات کلمہ کے متعلق ہونے کی وجہ سے
اصل ہے۔ تو اس کا جواب شارح بناء علی ان
الاصل الخ سے دے رہے ہیں کہ اس پر بنا کی وجہ یہ ہے
کہ اسم میں اصل انصرف ہے اور جب اصل انصرف
ہے تو انصرف کا متعلق اصل کی وجہ سے ذات کلمہ
کے ساتھ ہوا اور یہی مطلوب ہے پس اصل کی بنا اصل
یعنی انصرف پر کر دی گئی۔ پھر ضمہ کو ثقل کی وجہ سے
ساقط کر دیا گیا جوارئ ہو گیا اس لئے کہ تنوین

نور ساکن کا حکم رکھتی ہے اور اس اعلال کے
بعد اجتماع ساکنین پیدا ہو گیا تو بار کو حذف کر
دیا گیا تو جوارئ ہو گیا سلام و کلام کے وزن پر اور
یہ مفردات ہیں پس جوارئ صیغہ منتی المجموع پر باقی
نہیں رہا پس جوارئ جس طرح تعلیل سے قبل منصرف
تھا اسی طرح تعلیل کے بعد بھی منصرف ہو گا اور
اس میں تنوین تمکین یعنی اسم منصرف کرنے کے لئے
ہوگی جب کہ اعلال پہلے تھی تمکین کے لئے تھی۔
(فائدہ) اعلال کے اصل اور عدم انصرف
کے فرع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اعلال کا
سبب امر ظاہر یعنی ثقل فی الکلمہ ہوتا ہے پس
اعلال اتوی ہو گا اور منع صرف کا سبب امر معنوی
ہوتا ہے پس منع صرف ضعیف ہو گا واللہ اعلم۔
انہ قول روضہ مذہب بعضہم النحر یہاں سے
شارح جوارئ کا دوسرا مذہب جو کہ جمہور کا ہے
اس کو بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ بعض نحاۃ اس
طرح گئے ہیں کہ جوارئ اعلال کے قبل منصرف ہے
اور بعد الاعلال غیر منصرف اور غیر منصرف ہونے کی
وجہ یہ ہے کہ اس میں جمعیت صیغہ منتی المجموع کے
ساتھ موجود ہے اس لئے جوارئ میں سے جو کچھ حذف
کیا گیا ہے وہ بمنزلہ مقدّر کے ہے اور مقدّر کا لفظ
ہوتا ہے پس گویا کہ محذوف لفظ موجود ہے اور صیغہ
جمع منتی المجموع فوت نہیں ہوا لہذا اس کو غیر منصرف
کا حکم دے دیا گیا اور محذوف بمنزلہ المقدّر کی دلیل
یہ بیان کرتے ہیں کہ بار کے ادراخلاف عوائل کے
سبب سے اعراب کا اجراء نہیں ہوتا ہے حالانکہ
کلمہ کا آخر اختلاف عوائل کے باعث مختلف ہوتا
ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کا محل اعراب کوئی دیگر
ہی لفظ سے اور وہ یا محذوف ہے نہ کہ بار لہذا
ثابت ہو گیا کہ محذوف بمنزلہ المقدّر ہوتا ہے۔
(فائدہ) جاننا چاہئے کہ محذوف کی دو قسمیں
ہیں ایک یہ کہ محذوف لفظ اور نہایت دونوں سے
ساقط ہو کر نسبتاً نسیان ہو جائے جیسے بدردوم
دوم یہ کہ اعلال کے وقت تو لفظ اور نہایت سے ساقط
ہو جائے مگر جب اعلال زائل ہو جائے تو باقی اصل

پر لوٹ آئے جیسے قاض و داہ کی ان کی اصل
بوقت اعلال تنویناً منبیا ہو جاتی ہے لیکن جب
اعلال زائل ہو جاتا ہے جیسے جارا القاضی تو یہ اپنی
اصل پر لوٹ آتے ہیں پس محذوف کی قسم ثانی تقدیر
کی مانند ہوتی ہے (فائدہ) محذوف اور
مقدر میں فرق یہ ہے کہ محذوف لفظ اور نیت
دونوں سے ساقط ہو جاتا ہے اور مقدر صرف لفظ
سے ساقط ہوتا ہے نیت میں برقرار رہتا ہے۔ آتی
اب اس جگہ ایک اعتراض واقع ہوتا ہے جس کی تقریر
یہ ہے کہ اگر ہم اس کو غیر منسرف مانتے ہو تو یہ صحیح
نہیں اس لئے کہ غیر منسرف پر کسر اور تنوین کا دخول
نہیں ہوا کرتا اور اس پر خلاف قاعدہ تنوین داخل
ہے تو اس کا جواب شراح و لیکن التنوین فیہ الخ
سے یہ دے سکتے ہیں کہ اس میں تنوین صرفی نہیں ہے
بلکہ تنوین عوض ہے اور اس کا داخل ہونا غیر منسرف
پر جائز ہے اس لئے کہ جب کلمہ سے تنوین ممکن کو
ساقط کر کے یا رکھتے کیا گیا تو اس بارے میں
میں یا حرکت کے عوض میں یہ تنوین لائی گئی اس جگہ
شراح نے عوض عن الیاء المحذوفۃ اور عن حرکتہا سے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں بھی دو مذہب
ہیں کہ یہ تنوین یا محذوفہ کے عوض میں لائی گئی ہے
یا حرکت کے بدلہ میں تو عوض عن الیاء کا تو مذہب
سیبویہ در خلیل کلمہ اور عوض عن الحركات کا مسلک
مبرد کا لیکن سیبویہ در خلیل کے مذہب پر اعتراض
وارد ہوتا ہے کہ حذف یا تو تنوین کے باعث ہی
ہوا ہے لہذا یا رکے عوض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
پس یہ مذہب غلط ہے اور مناسب یہی ہے کہ
مذہب مبرد صحیح اور درست ہے۔

۳۱ قولہ و علیٰ ہذا الخ اور اسی پر اس

لفظ جواب کو کو حالت جبر میں بھی بلا کسی تفادیت کے
قیاس کرنا چاہئے اب اس جگہ بادی النظر میں شراح
پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ شراح کو و علیٰ
ہذا القیاس الخ اس وقت کہنا چاہئے تھا جبکہ قبل
ازہی حالت جبر کو بیان کرتے تو اس کا جواب یہ
ہے کہ جبکہ شراح نے مذہب بعض اول کے بیان

لہذا لا یجری الاعراب علی الراء والتنوین فیہ تنوین العوض فانہ لما
أسقط تنوین الصرف عوض عن الیاء المحذوفۃ اور عن حرکتہا ہذا
التنوین و علیٰ ہذا القیاس حالۃ الجبر لا تفاوت تنوین لغۃ بعض العرب
اثبات الیاء فی حالۃ الجبر کما فی حالۃ النصب لقول مبرر بجواری کما
تقول مرأیت جواری و بناء ہذا اللغۃ علی تقدیم منع الصرف علی

کے بمنزلے ہے اور اسی وجہ سے (کہ محذوف حرف انراب کے لئے تقدیر ثابت ہوتا ہے) اس میں راہ پر
اعراب جاری نہیں ہوتا اور اس میں تنوین، تنوین عوض ہے جو غیر منسرف پر داخل ہوا کرتی ہے نہ
کہ تنوین صرف) پس جبکہ تنوین صرف ساقط کر دی گئی تو یا محذوفہ کے عوض (بقول سیبویہ و خلیل)
یا حرکت کے لئے محذوفہ کے عوض (بقول مبرد) یہ تنوین لائی گئی اور حالت جبر کا بلا فرق (واقعیاً)
اسی پر قیاس ہے اور بعض عرب کی لغت میں (جسے امام کسائی و ابو زید و عیسیٰ بن عمرو نے اختیار
کیا) حالت جبر میں یا کا اثبات ہے جس طرح کہ حالت نصب میں تم کہو گے مررت جواری (یا
کی فتح سے تنوین کے بغیر) جس طرح کہ تم کہتے ہو مرأیت جواری اور اس لغت کی بنا منع صرف کی

مذہب کی بنا پر حالت جبر میں یا مفتوح ہوگی راہ
لئے کہ غیر منسرف کا جبر نصب کے تابع ہوتا ہے)
اور فتحہ خفیف ہوتا ہے تو اس میں اعلال بوجہ خفت
کے واقع نہیں ہوگا جبر کی حالت رفع تو کہتے ہیں کہ
جواب کی اصل جواری بالسنہ ہے بغیر تنوین کے ضمہ کو
ثقالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور اسکے عوض
میں تنوین لائی گئی تو اجتماع ساکنین پیدا ہو گیا پس
یا رکھتے انصار ساکنین کے باعث ساقط کر دیا تو
جواب ہو گیا اب اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس لغت کی بنا
پر صرف ایک حالت یعنی حالت رفع میں اعلال ہے
بخلاف لغت مشہورہ کے کہ اس میں اعلال دو حالتوں
یعنی رفع و جبر کی دونوں صورتوں میں ہے جیسا کہ
معلوم ہو چکا (فائدہ) ان تینوں مذہبوں کا
لب باب یہ ہے کہ مذہب اول و دوم تو اس امر پر
متفق ہیں کہ اعلال صرف و عدم صرف پر مقدم ہے
البتہ انصار و عدم انصار میں بحث ہے مذہب
اول تو کہتا ہے کہ ہر صورت اعلال ہو یا نہ ہو جواب منسرف
ہے اور مذہب ثانی یہ کہتا ہے کہ جواب قبل اعلال
تو منسرف ہے البتہ بعد اعلال غیر منسرف اور

میں حالت رفع کی صورت کو بیان کر دیا ہے تو اس
سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ یہ مذہب بعض ثانی بھی
مادہ مذکورہ یعنی حالت رفعی میں مثل اول کے ہے جبکہ
اس جگہ اس کے بیان سے سکوت کیا گیا ہے پس
شراح نے اسی امر کو مد نظر رکھتے ہوئے و علیٰ ہذا
القیاس الخ کہہ دیا۔

۳۲ قولہ و فی لغۃ بعض العرب الخ اس

جگہ سے شراح تیسرے مذہب کو بیان کر رہے ہیں
جو کہ کسائی و ابو عمر و بصری وغیرہ کا مسلک ہے
کہتے ہیں کہ بعض عرب کی لغت میں حالت جبر نہیں ہے
یا رکھتے ثبوت ہے جس طرح کہ حالت نصب میں
یا ثابت رہتی ہے اس لغت کی بنا پر مررت جواری
کہا جاتا ہے جس طرح کہ رأیت جواری کہتے ہیں اور
بنا اس لغت کی تقدیم منع صرف ہے اعلال پر یعنی
اس مذہب پر عمل کرنے والے منع صرف کو مقدم جانتے
ہیں اور کہتے ہیں اگرچہ منع صرف احوال کلمہ سے ہے
اور کلمہ کے تمام ہونے کے بعد اس کو عارض ہوتا ہے
لیکن اس جگہ صرف عدم صرف مقصود ہے نہ کہ اعلال
پس صرف و عدم صرف اعلال پر مقدم ہوگا پس اس

الاعلال فانه حينئذ تكون الياء مفتوحة في حالة الجر والفتحة
خفيفة فما وقع فيه اعلال وامافي حالة الرفع فاصل جوار جوارى
بالضمة للثقل وعوض عن التنوين فسقطت الياء لا لتقاء الساكنين
فصار جوارى وعلى هذه اللغة كالأعلال الا في حالة واحدة بخلاف
اللغة المشهورة فان فيه الاعلال في حالتين كما عرفت التركيب
وهو حيدرة كلمتين او اكثر كلمة واحدة من غير حرفية جزء فلا يرد
النجم وبصري علمين شرطه العلية ليا من من الزوال فيحصل له
قوة فيوثر بها في منع الصرف وان لا يكون باضافة لان الاضافة

اور دونوں حالت علمیتہ میں ایک کبھی میں مگر چونکہ ان
دو کموں میں سے ایک کلمہ یعنی الف لام حرف ہے
اور دوسرا اسم پس یہ ترکیب میں داخل ہو کر غیر منصرف
نہیں ہوگا ورنہ ہذا القیاس بصری میں یا نسبتی حرف
ہے اس لئے یہ بھی خارج از بحث ہے ان کے اخراج
کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرف جب کلمہ
سے شدید الاتصال ہوگا تو اس کی ترکیب کا اثر لفظ
میں ظاہر نہیں ہوگا یہاں تک کہ جب اس پر اعراب
جاری کریں گے تو مجموعہ کے بجائے جزر واحد پر
اعراب آئیگا اس لئے یہ اس ترکیب سے خارج ہے
جو اسباب منع صرف میں موثر سمجھی گئی ہے۔

۱۰۵ قول شرطہ العلمیۃ الخ ترکیب کے
تحقق اور سبب منع صرف بننے کے لئے شرط یہ ہے
کہ وہ کسی کا علم ہو اس لئے کہ ترکیب اس وقت محل
ہوتی ہے جبکہ اجزاء ترکیب میں سے ایک دوسرے
کے ساتھ احتیاج و ارتباط ہو اور ہر خبر میں اہل یہ ہے
کہ وہ مستقلاً بغیر ارتباط و احتیاج کے پایا جائے اسلئے
کہ راضع نے ہر لفظ کی وضع علیاً لا فرد کی ہے پس جب
ہر جز میں اہل یہ ہے کہ وہ بالاستقلال بغیر احتیاج کے
پایا جائے تو اجزاء کا یہ باہمی ارتباط احتیاج بصورت
ترکیب یقیناً کسی عارض کی وجہ سے ہوگا اور ترکیب
عارضی ہوگی اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر عارضی چیز زوال
پذیر ہوتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ بعد زوال عارض
ترکیب بھی زائل ہو جائے اسلئے علمیت کو شرط قرار
دیا گیا تاکہ ترکیب احتمال زوال سے مامون و محفوظ
ہو کہ اس قدر قوت حاصل کرے کہ اس قوت کی وجہ
سے منع صرف میں اس کا اثر پیدا ہو جائے اس لئے
اعلام بقدر الامکان تغیر سے محفوظ رہتے ہیں۔

۱۰۶ قول وان لا یکن باضافة الخ
ترکیب کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ترکیب اضافة
کے ساتھ نہ ہو جیسے غلام زید میں اس لئے ترکیب
اضافی اسم مضاف کو منصرف یا حکم منصرف میں کر
دیتی ہے پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ترکیب مضاف
الیه میں منصرف کی ضد یعنی غیر منصرف کرنے کا اثر
کرے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مضاف میں توصف کا

اعلال پر تقدیم ہے تو اس وقت حالت جر میں یا مفتوحہ ہوگی (کیونکہ غیر منصرف کی جرح سے
ہوتی ہے) اور فتح خفیف سے پس حالت جر میں اعلال واقع ہی نہ ہو اور بہر حال حالت منع میں
(تفصیل یہ ہے کہ) جوار کی اصل جوارى (منہ بلا تنوین) کے ساتھ ہے ثقل کی وجہ سے ضمہ کو حذف
کر دیا گیا اور اس کے عوض تنوین لائی گئی پھر یا لتقاء ساکنین کی وجہ سے گر گئی تو جوار (کسرہ
و تنوین کے ساتھ) ہو گیا اور اس سخت کی بنا پر (جس میں منع صرف اعلال پر مقدم ہے) اعلال
(جوار کے مثل میں) صرف ایک ہی حالت میں ہے (اور وہ حالت رسمی ہے) لغت مشہورہ کے برعکس
(جس میں اعلال منع صرف پر مقدم ہے) کیونکہ اس میں اعلال دو حالتوں میں ہے (حالت رفع و
حالت جر میں) جس طرح کہ تم نے (تفصیل سے) معلوم کر لیا (ترکیب) اور وہ دو یا زیادہ کموں
کا ایک ہونا ہے بغیر اس کے کہ اس میں کوئی جز حرف ہو پس "النجم" اور "بصری" اس حالت
میں کہ علم ہوں کا اعتراض وارد نہ ہوگا (کہ النجم کی جز اول اور بصری کی جز ثانی حرف ہے) (اس کی
شرط علمیت ہے) تاکہ ترکیب زوال (دخل) سے محفوظ ہو جائے پس اس کے لئے قوت حاصل
ہو جائے گی تو وہ اس سے منع صرف میں موثر ہوگی (اور یہ کہ اضافة کے ساتھ نہ ہو) کیونکہ

مذہب ثالث کا قول یہ ہے کہ انصرف عدم انصراف
اعلال پر مقدم ہیں چونکہ مذہب ایک اور کہتا ہے
کہ قبل الاعلال غیر منصرف ہو اور بعد اعلال منصرف
مگر اس طرہ کوئی نہیں گیا و الاثر علم (فائدہ)
اس پر ہی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جوار کے
انصراف و عدم انصراف میں چونکہ اختلاف کثیر تھا
اس لئے مصنف نے اختلاف کو ذکر نہیں کیا مگر
طریقہ استعمال کے بیان کرنے پر اکتفا کیا و الاثر
اعلم۔
۱۰۷ قول ترکیب و ہر صیرورة الخ
اس کو بھی مصنف نے بطریق لف و نشر مرتب بیان
کیا ہے پس ساتواں سبب اسباب منع صرف
میں سے ترکیب ہے اور چونکہ ترکیب کے بہت سے
معنی ہیں اس لئے تعین مراد و رفع ابہام کے لئے
شائع فرماتے ہیں کہ ہر صیرورة الخ یعنی ترکیب دو
کلموں یا اس سے زائد کو اس طور پر ایک ہونے کو
کہتے ہیں کہ حرفیہ جز لازم نہ آئے یعنی کلموں سے ایک
کلمہ حرف نہ ہو بلکہ دونوں کلمے اسم ہوں پس اس
تقدیر پر النجم اور بصری والا اعتراض واقع نہ ہوگا جبکہ
یہ دونوں علم ہیں اس لئے کہ النجم میں اگرچہ دو کلمے ہو

عمل کرے اور مضاف الیہ عدم صرف کا جو کہ صرف کی صفت ہے چونکہ اجتماع ضدین محال ہے صرف و عدم صرف دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے اور غیر شرطیہ ہے کہ ترکیب اسنادی بھی نہ ہونی چاہئے اس لئے کہ جو اعلام اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں وہ ان قبیل مبنیات ہوتے ہیں جیسے تاباط شرأ اس میں ترکیب اسنادی موجود ہے کہ تاباط فعل ہے اور شرأ مفعول بہ اور ضمیر مفعول میں مستتر ہے جس کے معنی ہیں فعل میں لے لیا اس نے شر کو مگر جب یہ کسی شخص کا نام رکھ دیا گیا تو اس میں بنا پیدا ہو گئی کیونکہ ترکیب اسنادی میں قبل العلویہ جو حالت پائی جاتی ہے وہی حالت بعد العلویہ (بھی) باقی رہتی ہے اس لئے اس قبل العلویہ والی حالت کے ساتھ اس کو علم قرار دے دینا ایک قصہ غریبہ پر دلالت کرنے کے لئے ہے پس اگر اس جملہ علم کو تغیر کا راستہ دکھایا جائے یعنی اس میں تغیر کرنے لگیں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ دلالت فوت ہو جائے اور جب دلالت فوت ہو گئی تو اس سے جو قصہ غریبہ مقصود تھا وہ بھی جاتا رہا پس اس قصہ غریبہ پر دلالت کرنے کے لئے اس کا مبنی ہونا ضروری ہے اور جب یہ ان قبیل مبنیات ہو گا تو اس میں منع صرف کا قصود نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ منع صرف معرب کے احکام سے ہے مبنیات پر منع صرف کے احکام کا اجراء ناجائز ہے مبنیہ کہ ہے کہ تاباط شرأ ایک شخص کا نام اس واقعہ کی وجہ سے ہوا ہے کہ یہ شخص قبل میں لکھ دیوں کا گٹھالے کر مکان پر پہنچا بیوی نے اس گٹھے کو کھولا تو اس میں سے سانپ نکلا تب اس عورت نے تاباط شرأ کہا پس جب اس قصہ کی شہرت عام ہوئی تو لوگوں نے اس شخص کو تاباط شرأ کہنا شروع کر دیا اعداب یہ ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو شر یہ ہو۔

قوله فان قلت الخ اس جگہ سے شایع علیہ الرحمۃ مصنف رحمہ اللہ پر ایک اعتراض وارد کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ مصنف پر یہ ضروری تھا کہ وہ اس طرح کہتے ہیں وان لا یكون البجز الثاني من المركب صوتا ولا متضمنا بحرف العطف یعنی جس طرح مصنف نے ترکیب اضافی اور اسنادی کی نفی کی ہے اسی طرح اس

تخرج المضاف الى الصرف اولى حكمه فكيف تؤثر في المضاف اليه ما يضادها اعني منع الصرف ولا اسناد لان الاعلام المشتملة على الاسناد من قبيل المبنیات نحو تاباط شرأ فانها باقية في حالة العلوية على ما كانت عليها قبل العلوية فان التسمية بها انما هي لدلالة على غریبة فلو تطرق اليها التغير لم یکن ان تفوت تلك الدلالة واذا كانت من قبيل المبنیات فكيف يتصور فيها منع الصرف الذي هو من احكام المعربات فان قلت كان على المصنف ان يقول وان لا يكون البجز الثاني من المركب صوتا ولا متضمنا بحرف العطف ليخرج مثل سيبويه ونفطويه

اضافت مضاف کو (جو اضافت سے پیشتر غیر منصرف تھا) صرف (منصرف ہونے) یا صرف کے حکم کی طرف نکالتی ہے (جیسے کہ اخراج الی الصرف یا الی حکم الصرف میں اختلاف کا بیان گذرا) (تو اضافت اسم میں جو منصرف کی طرف مضاف ہے ایسا اثر کیسے کر سکتی ہے جو اس (اسم مضاف) کے متضاد ہو یعنی منع صرف کا اثر کہ مضاف اضافت سے منصرف ہو جائے تو ترکیب اضافی اس میں اس کے متضاد منع صرف کا اثر کیسے کر سکتی ہے) (اور نہ اسناد ہو) کیونکہ اعلام جو کہ اسناد پر مشتمل ہیں مبنیات کے قبیل سے ہیں جیسے "تاباط شرأ" پس اعلام (مذکورہ) حالت علیت میں اسی حالت پر باقی ہیں جس پر علیت سے قبل تھے کیونکہ ان (اعلام) سے (کسی کا) نام رکھنا ان (اعلام) کے عجیب و غریب قصے پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہے پس اگر ان (اعلام) کی طرف تغیر کو راستہ مل جائے تو اس دلالت کے فوت ہو جانے کا امکان ہے اور جب اعلام مذکورہ مبنیات کے قبیل سے ہونے تو ان میں منع صرف کیسے مقصور ہو سکتا ہے جو کہ معربات کے احکام سے پھر اگر تم (اعتراض کی طور پر) کہو کہ مصنف پر لازم تھا کہ یوں کہتے "اور مرکب کی جز ثانی صوت نہ ہو اور نہ ہی حرف عطف کی متضمن ہو" تاکہ سببویہ اور نفطویہ کی مانند (کہ جن میں جز ثانی صوت ہے) اور غمسة عشر اور ستمہ عشر (کہ جو حرف عطف کو متضمن ہیں) کی مانند حالت علم (ترکیب منع صرف کی تقریباً)

کی بھی نفی کرتے کہ اس مرکب کا جز ثانی صوت نہ ہو اور نہ حرف عطف کو متضمن تاکہ اس قید سے سببویہ نفطویہ وغمسة عشر وستمہ عشر جبکہ علم ہونے کی حالت اس لئے کہ یہ سبب مرکب میں مگر غیر منصرف نہیں بلکہ مبنی ہیں۔ سببویہ کی اہل سبب اور ستمہ سبب خوارزم شہر میں ایک ندی کا نام ہے اور وہ یہ کہ اضافہ اس میں صرف بفرض صوت کیا گیا ہے اسی طرح نفطویہ کی اہل نفط اور وہ

بے نغط ایک مشہور تیل کا نام ہے اس میں بھی ادیہ کا اضافہ بفرض صوت ہوا ہے لہذا یہ دو مرکب صوتی ہیں اور عشر وستمہ وستمہ عشر کی اہل غمسة عشر وستمہ عشر تھیں اور عطف کو ان میں سے حذف کر کے دونوں جزوں کو مبنی کر دیا گیا غمسة عشر اور ستمہ عشر ہو گیا لہذا یہ دونوں مرکب متضمن بحرف عطف ہیں۔

ومثل خمسة عشر وستة عشر علي قلنا كانه اكتفى في ذلك بما ذكره
فيما بعد انهما من قبيل المبنيات واما الاعلام المشتملة على الاسناد فلم
يدكر بناءها اصلا فلذلك احتاج الى اخراجها مثل بعلبك فانه علم
لبلدة مكيبة من بعل هو اسم صنم وبيك وهو اسم صاحب هذه البلدة
جعل اسم واحد من غير ان يقصد بينهما نسبة اضافية او اسنادية
او غيرها الا لف والثون المعدودتان من اسباب منع الصرف
تسميان مزیدتین لانهما من الحروف الزوائد وتسميان مضارعیتین

خارج ہوجاتے (کہ یہ سب مرکب ہیں مگر غیر منفرد نہیں ہیں) ہم (جواب میں) کہتے ہیں کہ گویا
مصنف نے دونوں قیدوں کے ذکر نہ کرنے میں اس پر اکتفاء کیا ہے جو انہوں نے بعد میں (آگے
چل کر مرکبات مردیہ کے بارے میں صراحت اور مرکبات صوتیہ کے بارے میں کنایہ) ذکر کر دیا
ہے کہ یہ دونوں ترکیبیں مبنیات کے قبیل سے ہیں اور رہے وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں تو
مصنف نے ان کے مبنی ہونے کا بالکل کوئی ذکر نہیں کیا (نہ صراحت اور نہ کنایہ) پس اس وجہ سے ان
کے اخراج کی مصنف کو حاجت ہوئی (تو انہوں نے کہا "وان کا یکن باسناد) لا جیسے بعلبك" یہ
ایک شہر کا علم ہے بعل سے جو ایک بت کا نام ہے اور بک سے جو اس شہر والے (بادشاہ) کا نام
ہے مرکب ہے (بعل اور بک) دونوں کو ایک نام کر دیا گیا بغیر اس کے کہ ان دونوں کے درمیان
نسبت اضافی یا اسنادیہ یا ان دو کے علاوہ کسی اور (مانع) کا قصد کیا گیا ہو (الف اور نون)
جو اسباب منع صرف سے شمار ہوتے ہیں ان کا نام مزیدتین رکھا جاتا ہے کیونکہ دونوں حروف
زوائد سے ہیں اور دونوں کا نام مضارعیتین (یعنی مشابہتین) بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ دونوں

۱۸ قولہ قلنا كانه الخ یہاں بھی شراح
اور دلائل سوال کا جواب دے رہے ہیں کہتے ہیں
کہ مصنف نے ذکر یا بعد پر اکتفاء کرتے ہوئے
ان کو یہاں سے کوئی قید لگا کر نہیں نکالا اس
لئے کہ مبنیات کی بحث میں مصنف نے بتا دیا
کہ یہ مبنی ہیں خمسہ عشر وغیرہ کو تو صریحاً ذکر کیا
ہے اور سیبویہ کا ذکر اگرچہ صراحت نہیں ہوا ہے مگر
اشارہ دکنایہ موجود ہے وہ اعلام جو اسناد پر
مشتمل ہیں تو مصنف نے ان کی بناء کا مبنیات
میں قطعاً ذکر نہیں کیا اس وجہ سے ان کے اخراج
کی حاجت واقع ہوئی لہذا ان کو قید استرازی
لگا کر خارج کر دیا۔ اس جگہ شراح نے کاہ لفظ

شک کا ان اس وجہ سے کہا ہے کہ مبنیات میں
مصنف نے صرف مرکب متضمن بحرف عطف
بالفعل کو ذکر کیا ہے اور خمسہ عشر وغیرہ کا ذکر
صراحتاً نہیں کیا اس لئے کہ یہ بالفعل متضمن
بحرف عطف نہیں بلکہ بحسب الاصل ہیں۔ اور
شراح نے اس کی شرح میں حقیقت اور حکما کی
قید لگا کر ان کو بھی داخل کر دیا ہے اسلئے شراح
نے اس جگہ لفظ شک کا استعمال کیا۔

۱۹ قولہ مثل بعلبك الخ یہ اس
ترکیب مع العلمیت کی مثال ہے جو غیر منفرد
ہے بعلبك ایک شہر کا نام ہے اور یہ بعل اسم صنم اور ایک
اسم بک شہر سے مرکب ہے ملک شام میں یہ شہر واقع

ہے ان دونوں کو ملا کر بغیر کسی نسبت اضافی یا اسنادی
وغیر ہما کے قصد کے ایک اسم کر کے شہر کا نام رکھ دیا
گیا اور اس میں نسبت کا لحاظ نہ تراصل کے اعتبار سے
کیا گیا اور ذی الحال نسبت ملحوظ ہے پس اس سے علم
علماً خارج ہو گیا اس لئے کہ اس میں باعتبار اصل نسبت
کا قصد کیا گیا ہے واضح علم۔

۲۰ قولہ الالف والنون الخ اکھڑاں
سبب منع صرف کا الف نون ناندتان ہے یہ بھی
بطریق لف و نشر مرتب ہے۔ شراح نے الالف
والنون کی صفت المعدودتان لاکر ایک سوال مقدم
کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ الف و نون کو
اسباب منع صرف میں سے شمار کرنا درست نہیں
اس لئے کہ اسباب از قبیل اوصاف ہیں اور الف و
نون از قبیل ذوات اور ذوات کا محل وصف پر
درست نہیں ہوتا نیز لفظ حسان میں بھی الف و نون
موجود ہے جو کہ ایک صحابی کا علم ہے مگر اسکے باوجود
یہ منفرد ہے تو شراح نے جواب دیا کہ الالف و
النون میں الف لام عہدی ہے اور اس سے الف
ونون مراد ہے جو اسباب منع صرف میں سے شمار کیا
جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا تذکرہ پہلے ہی شعر کے
ضمن میں ہو چکا ہے یعنی دونوں ناند ہوں گے اور
زیادتی وصف ہے اور اسباب منع صرف بھی وصف
لہذا محل درست ہو گیا اس وجہ سے ہم اس میں بوجہ
الف لام عہدی کے مزیدتان کا لفظ اور ناند کرینگے
پھر اس زیادتی کے باعث حسان والا اعتراض بھی
دفع ہو گیا اس لئے کہ حسان میں الف و نون ناند
نہیں بلکہ مہلی ہے اسلئے کہ حسان جن سے مشتق ہے
اور ان کے مزیدتین نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ
دونوں حروف زوائد سے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں
کلمہ کے تین حروف مہلیہ پر ناند ہیں جیسے سکران
کہ اس کے حروف مہلی ہیں۔ ک۔ ر۔ ہ۔ اور انکا
نام مضارعیتین بھی رکھا جاتا ہے اس لئے کہ یہ دونوں
تانیث کے دونوں افول محدودہ و مقصورہ کے
ان دونوں پر دخول تار تانیث کے منع کرنے میں
مشابہ ہیں یعنی جس طرح الف مقصورہ اور الف

ممدودہ پر تارتانیت کا داخل ہونا منع ہے اس کی طرح ان دونوں الف و نون پر بھی تارتانیت داخل نہیں ہو سکتی۔ اس جگہ قول شراح علیہما کے مرجع میں تین احتمال ہیں اول یہ کہ اس کا مرجع الفی التالیف یعنی مقصورہ ممدودہ دونوں الف ہوں دوم یہ کہ الف و نون زائد تان ہوں۔ سوم یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ یعنی الف و نون زائد تان مشبہ اور الفی التانیت مشبہ بہ دونوں اس کا مرجع ہوں بہر صورت مراد اس سے الف و نون اور الفی تانیت ہی اجتماعاً ہیں۔

القول للنجاة خلاف الخ میاں شراح

علیہ الرحمۃ یہ بیان کر رہے ہیں کہ الف و نون زائد تان کی منع صرف کے لئے سببیت کا باعث کیلئے کہتے ہیں کہ اس میں نجاة کا اختلاف ہے کہ ان دونوں کی سببیت منع صرف کے لئے یا تو ان دونوں کا زائد ہونا اس پر زیادتی کی گئی ہے اس کا فرع ہونا ہے یا ان کی سببیت کا باعث الفی التانیت مقصورہ و ممدودہ کے ساتھ مشابہت ہے حاصل یہ نکلا الف و نون زائد تان چونکہ مزید علیہ کے فرع ہیں اس لئے یہ دونوں اسم کو صرف سے روک دیتے ہیں یا یہ کہ یہ دونوں عدم دخول تارتانیت میں تانیت دونوں الفون مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں پس اس مشابہت کے باعث ان میں فرعبیت حکم کی پائی گئی اس لئے یہ منع صرف کا سبب بن گئے قول اول اہل کو فر کا ہے اور ثانی بصر میں کا لیکن شراح کہتے ہیں کہ ان دونوں قولوں میں راجع قول ثانی ہے اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ اول پر تار داخل ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں سبب منع صرف الف و نون کی زیادتی ہے اور یہ دخول تار کو رد کرتی نہیں جیسے ندانہ کہ یہ نہ صرف ہے حالانکہ اس میں الف و نون بھی زائد تان ہیں اور مصنف کی عبارت شرط انقضا، فعلانہ کو چاہتی ہے لہذا قول اول مرجوح ہوا اور قول ثانی چونکہ تار کو قبول نہیں کرتا اس لئے کہ مشابہت الفی التانیت کے ساتھ تار ہی کے عدم قبول میں ہے لہذا قول

ایضاً المضارعتہما إلّا لفی التانیت فی منع دخول تاء التانیت علیہما وللنجاة خلاف فی ان سببیتہما المنع الصرف اما لکونہما مزیدتین و فرعبیتہما للمزید علیہ و اما المشابہتہما إلّا لفی التانیت والراجح هو القول الثانی ثم انہما ان کانتا فی اسم یعنی بہ ما یقابل الصفة فان الاسم المقابل للفعل والحرف اما ان لا یدل علی ذاتہما لوظہر معہما صفة من الصفات کرجل و فرس او یدل کاحمر و ضارب و مضروب فالاول لیس اسم والثانی صفة فالمراد بالاسم المذکور ہنہنا هو ہذا المعنی لا الاسم

ان پر دونوں تائے تانیت (مترک کے داخل ہونے کی ممانعت میں تانیت کے دو الفاظ ممدودہ و مقصورہ کے مشابہ ہیں کہ تانیت کے دو الف ممدودہ و مقصورہ پر تائے تانیت کا دخول منع ہے اسی طرح تائے تانیت اس اسم پر داخل نہیں ہوتی جس پر الف و نون مزید تان داخل ہوں اور الف و نون مزید تان کے منع صرف کے لئے سبب ہونے میں نحو یوں کا اختلاف ہے یا تو وہ مزید تان ہونے اور مزید علیہ کی فرع ہونے کی وجہ سے منع صرف کا سبب ہیں یہ کو فیوں کا مذکور ہے اور یا اس لئے (سبب منع صرف ہیں) کہ دونوں تانیت کے دو الفون کے مشابہ ہیں (یہ نیزین کا مذکور ہے) اور راجع قول ثانی ہی ہے پھر دونوں «اگر اسم ہیں ہوں» اسم سے مصنف کی مراد وہ اسم ہے جو صفت کے مقابل ہے نہ وہ اسم جو فعل و حرف کے مقابل ہے (کیونکہ اسم جو فعل و حرف کے مقابل ہے یا تو یہ ہو گا کہ وہ کسی ایسی ذات پر دلالت نہیں کرے گا جس کے ساتھ صفات ہیں کسی صفت کا لحاظ کیا گیا ہو جیسے رجل اور فرس ہے یا دلالت کرے گا جیسے آخر اور ضارب اور مضروب پس پہلے کا نام اسم اور دوسرے کا صفت رکھا جاتا ہے تو اسم مذکور یہاں پر یہی

ثانی راجع ہوا۔

القول ثم انہما ان کانتا الخ یہاں

سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ الف و نون زائد تان دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں اسم میں پائے جائیں گے یا صفت میں اگر اسم میں ہیں تو اسکے لئے علمتہ شرط ہے جبکہ عنقریب آ رہا ہے اس جگہ شراح یعنی یہ ما یقابل الخ سے ایک ال مقدمہ کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں ذکر صفت مستدرک اور عبث ہے اس لئے کہ اسم اور صفت دونوں ایک ہی چیز ہیں اور مصنف نے کہا ہے ان کانتا فی اسم الخ اور صفت پس تقدیر عبارت اس طرح ہوئی ان کانتا فی

اسم فلذا دان کانتا فی اسم فلذا البذا عبارت میں تکرار لازم آیا اور یہ باطل ہے تو شراح جواب میں کہتے ہیں کہ مصنف کی مراد اسم سے وہ اسم ہے جو صفت کے مقابل ہے نہ کہ وہ اسم جو فعل و حرف کے مقابل ہو اس لئے کہ جو اسم فعل و حرف کے مقابل ہوتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی دلالت کسی ایسی ذات کے لئے نہ ہوگی جس کے ساتھ صفات میں سے کسی صفت کا لحاظ کیا گیا ہو گا جیسے رجل و فرس کہ یہ دونوں ذات ہیں اور کوئی صفت ایضاً اسود وغیرہ ان میں ملحوظ نہیں یا اس کی دلالت ذات پر ہوگی اس کے ساتھ کسی صفت کا لحاظ ہے جیسے آخر و ضارب

التامیل للاسم والصفة فشرطه ای شرط الالف والنون فی منعهما من الصرف وافراده الضمیر باعتبار انهما سبب واحد وشرط ذلك اکا سم فی امتناعه من الصرف العکسۃ تحقیقا للزوم زیادتهما وایمتنع دخول التاء فیتحقق شبههما بالفی التانیث یعمران اذ کانتا فی صفة فانتفاء فعلانۃ

معنی مراد ہے تاکہ وہ اسم جو اسم اور صفت دونوں کو شامل ہے (پس اس کی شرط) یعنی صرف سے منع کرنے میں الف و نون کی شرط اور (شرط میں) ضمیر (کا) کا مفرد لازماً دو وجہ سے ہو سکتا ہے و جہ اولیٰ یہ کہ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ (الف و نون) دونوں (دل کر) ایک سبب ہیں (پاد ضمیر اس اسم کی طرف ڈٹائی جائے جس میں الف و نون زائد تین ہیں یہ ایسی معنی کہ اس اسم کے صرف سے تمتع (غیر صرف) ہونے میں اس اسم کی شرط علمیت ہے) الف و نون کی زیادتی کے لزوم کو محقق و مقرر کرنے کے لئے (جیکہ ضمیر الف و نون کی طرف راجع ہو) اس بات کو محقق و مقرر کرنے کے لئے (کہ الف و نون پر تاء تانیث) کا دخول تمتع ہو جائے تو الف و نون کی تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ مشابہت متحقق و مؤکد ہو (جیکہ ضمیر اسم کی طرف راجع ہو) جیسے عمران یا الف

و مضروب کہ یہ ذات پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ صفت حمزت و ضرب ہی پچھلا دلالت کرتے ہیں پس یہ ثانی قسم تو اسم صفت ہے جو بات اعتراض ہے اور قسم اول محض اسم ہے اور یہی اس جگہ مراد ہے پس اسم اور صفت دونوں میں تقابل پیدا ہو گیا لہذا ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرتا درست ہو گیا۔

۱۳ قولہ فشرطه ای شرط الخ یہاں سے مصنف الف و نون زائد تان کے لئے شرط بیان کرتے ہیں جیکہ وہ اسم میں ہوں اس جگہ ایک اعتراض پیدا ہوا ہے کہ شرط میں ۱۰ کا مرجع یا تو اسم ہے یا الف و نون زائد تان اور دونوں درست نہیں اس لئے کہ اگر اول ہے تو جہلان و فرسان میں اسمیت کے ساتھ الف و نون زائد تان موجود ہیں مگر دونوں میں سے ایک بھی علم نہیں اور ثانی صورت میں مرجع اور ضمیر کے درمیان مطابقت نہیں رہی اس لئے کہ ضمیر و اسم ہے اور مرجع متغیہ تو شایع نے جواب دیا کہ ۱۰ ضمیر الف و نون کی طرف راجع ہے یعنی شرط الف و نون کی سبب منع صفت میں علمیت ہے اور ضمیر و اسم و مرجع سے لائی گئی

ہے کہ یہ دونوں مل کر سبب واحد ہیں۔ پس اس صورت میں دونوں الف و نون سبب کی تادیل میں ہو کر مفرد ہوں گے۔ اور اس کا مرجع اسم بھی ہو سکتا ہے لیکن اس صورت میں علمیت اس اسم میں امتناع عن الصرف کے لئے شرط ہے ذات اسم کے لئے شرط نہیں لہذا جہلان و فرسان والا اعتراض رفع ہو گیا مگر یہ جواب کچھ قابل تحسین نہیں اس لئے کہ اب تک تمام اسباب منع صفت میں شرط کی ضمیر سبب ہی کی طرف راجع کی گئی ہے اور یہاں اس کے خلاف ہے۔ اور علمیت کی شرط اس میں یا تو اس لئے ہے کہ ان کی زیادتی کا لزوم متحقق ہو اور یہ بنا بر مذہب اول کے ہے اور یا اس لئے کہ دخول تاء تانیث تمتع ہو کر الفی التانیث کے ساتھ مشابہت کا تحقق ہو جائے اس لئے کہ علام بقدر امکان تغیر سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ بنا بر مذہب ثانی کے ہے جیسے عمران یہاں الف و نون زائد تان کی مثال ہے جو اسم میں پائے جاتے ہیں اور دوسرا سبب اس میں علمیت ہے والشرط علم بالصواب

۱۴ قولہ اذ کانتا الخ پہلے بیان ہو چکا

جہاں سے کہ الف و نون زائد تان دو حال سے خالی نہیں اسم میں ہوں گے یا صفت میں اسم کا بیان تو ہو چکا اب دوسری شق یہ ہے کہ اگر الف و نون زائد تان صفت میں ہوں گے تو ان کے لئے انتفاء فعلانۃ شرط ہے اس جگہ شارح فی اذ کانتا فی کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ او صفت میں کلمہ او عطف کے لئے ہے اور یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں دو مختلف عالموں کے دو معمولوں پر عطف لازم آتا ہے اور یہ اس وقت جائز ہو سکتا ہے جبکہ مجرور کو مقدم کیا جائے اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ صفت کا عطف معمول یعنی خبر کا ثانی یعنی فی اسم پر ہے اور فانتفاء فعلانۃ کا معمول ان شرطیہ یعنی فشرطہ پر لہذا کانتا اور ان شرطیہ دونوں علیحدہ علیحدہ عامل ہوئے اور ان دونوں کے معمولوں میں فی اسم اور فشرطہ پر عطف کیا جا رہا ہے بلکہ مجرور مقدم ہے نہیں جس سے یہ عطف درست ہوتا بلکہ منصوب مقدم ہے یعنی فی اسم اس لئے کہ فی اسم جار و مجرور سے مل کر ظرف مستقر منصوب محلا خبر ہے کانتا کی لہذا صفت مجرور کا عطف فی اسم منصوب پر درست نہیں تو شارح نے اس کا جواب دیا کہ صفت اس کانتا معمول نہیں جو ان کانتا فی اسم میں ہے بلکہ کانتا مخذول کا معمول ہے اور تقدیر عبارت او کانتا فی صفت ہے اور انتفاء فعلانۃ مبتدأ مخذول یعنی شرط کی خبر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے فشرط انتفاء فعلانۃ پھر یہ پورا مجموعہ قول مصنف ان کانتا فی اسم فشرطہ العلمیۃ پر محطوت ہے پس ہمارا عطف جملہ پر ہو گیا اور اعتراض بالا مندرج ہو گیا اس لئے کہ اب عاملین مختلفین کے معمولوں پر عطف ہی نہیں رہا بلکہ عطف جملہ علی الجملہ ہے اور دونوں جملہ پر ان شرطیہ داخل ہے پس جملہ ثانیہ کی تقدیر عبارت ان کان الف والنون فی صفت فشرطہ انتفاء فعلانۃ ہو گئی اور ایک جملہ شرطیہ کا عطف دوسرے جملہ شرطیہ پر ہو گیا اور یہ درست ہے یا سوال مقدر کی نوعیت دوسری ہے جو یہ ہے کہ جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ جزاء جملہ کا ایک جز یعنی مضاعف و مضاعف الیہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جملہ دو جزوں

شرط کے اظہار کی وجہ سے معلوم ہو چکی کہ صفت کا
کاشانی اسم پر ہے اور کاشانی اس جگہ مقدر سے
اور کاشانی کا مرجع باعتبار وجود حریفین کے الف و نون
کی طرف ہے پس اس تقدیر عبارت سے ایک دوسری
شرط ان کا ان الخ معلوم ہو گئی جس کی وجہ سے عطف
جملہ علی الجملہ ہو گیا اب اس جگہ بھرا ایک اعتراض آتا
ہو کہ عربی ان دونوں میں انتفاع فعلانہ ہے اسلئے
کہ عربی بھی صیغہ صفت ہے اور ندیان بھی اسلئے
کہ دونوں عربیہ و ندیانہ کے مذکر ہیں اور انتفاع
فعلانہ اس وجہ سے ہے کہ فعلانہ دو حال سے خالی
نہیں بضم الفار ہو گا یا بفتح الفار اگر بفتح الفار ہے
تو عربی بضم الفار ہے اس لئے عربی غیر منصرف
ہونا چاہئے اس لئے کہ نفی فتح فار کی ہے اور اگر
بضم الفار ہے تو ندیان کو غیر منصرف کہنا چاہئے
اس لئے کہ ندیان بفتح الفار ہے اور نفی ضم فار کی
ہے حالانکہ یہ دونوں صیغہ صفت ہوتے ہوئے
منصرف ہیں غیر منصرف نہیں اس وجہ سے شراح نے
اس اعتراض کے دفعیہ کے لئے یعنی امتناع الخ
کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ انتفاع فعلانہ
سے مراد فعلانہ بضم الفار بفتح الفار نہیں ہے۔
بلکہ صیغہ صفت پر دخول تا تانیث کا امتناع
مقصود ہے تاکہ اس امتناع کے سبب تانیث
کے الفتن مقصورہ و محدودہ کے مشابہت علی حالہا
باقی ہے، یعنی جس طرح تانیث کے الف محدودہ
یا مقصورہ پر دخول تا متنع ہے اسی طرح اس
پر بھی دخول تا ممنوع ہے اس سے بحث نہیں
کہ یہ لفظ مفتوح الفار ہو یا مضموم یا مکسور
پس اس وجہ سے عربی ان دونوں باوجود صفت
ہونے کے منصرف ہیں اس لئے کہ ان دونوں کا
مؤنث عربیہ و ندیانہ بالتا رہے اور نفی ہے
تا تانیث کی لہذا یہ خارج ہو گئے۔
سے مرکب ہوتا ہے تو بشرط کے اضافہ سے یہ جمل
دیا کہ انتفاع فعلانہ مبتدأ محذوف بشرطہ کی خبر
ہے کہ مبتدأ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر ہو گا ان
الف و النون فی صفة شرط کی جگہ ہے اور ان کا

ای ان کان الف والنون فی صفة فشرط انتفاء فعلانہ یعنی انتفاع دخول
تلا التانیث علیہ یسقی مشابہتہما لعلی التانیث علی حالہا ولذا انصرف عربان
مع انہ صفة لان مؤنثہ عربیہ و ندیانہ و قیل شرطہ وجود فعلی
لانہ متی کان مؤنثہ فعلی لا یكون فعلانہ فیبقى مشابہتہما کالی
التانیث علی حالہا ومن ثم ای ومن اجل المخالفة فی الشرط اختلف
فی رخص فی انہ منصرف او غیر منصرف فانہ لیس له مؤنث کالرجلی

ونون «صفت میں ہوں گے تو فعلانہ» کا نہ ہونا ہے «یعنی اگر الف و نون صفت میں ہوں تو اسکی
شرط فعلانہ» کا نہ ہونا ہے یعنی اس پر تا تانیث کا دخول ممتنع ہو تا کہ الف و نون کی تا کے دونوں الفو
سے مشابہت اپنے حال پر باقی رہے اور اسی وجہ سے عربی صفت ہونے کے باوجود منصرف ہے۔
کیونکہ اس کی مؤنث عربیہ ہے «اور کہا گیا ہے کہ» اس کی شرط «فعلی کا پایا جانا ہے» کیونکہ جب
اس کی مؤنث فعلی ہوگی تو فعلانہ نہ ہوگی (کہ ایک اسم کی دو مؤنثیں نہیں ہوتیں) پس الف و نون
کی تا تانیث سے مشابہت اپنے حال پر باقی رہے «اور اسی وجہ سے» یعنی شرط میں مخالفت
کی وجہ سے «(رخص میں اختلاف کیا گیا ہے) اس بات میں کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف کیونکہ اس

کا اضافہ اس وجہ سے کیا ہے کہ اس کا عطف
اور پولے شرط پر ہے اور قول کا مقولہ جملہ ہوا
کرتا ہے لہذا بشرط مبتدأ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ
ہو کر مقولہ ہو گا۔

اللہ قولہ من ثم ای ومن اجل المخ
اور پولے اختلاف کو بیان کرنے کے بعد شراح
دونوں قولوں کی بنا پر ایک تفریع پیش کر رہے
ہیں کہتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ الف و
نون ناندگان کے صفت میں ہونے کی شرط میں
اختلاف ہے قولوں کی بنا پر لفظ رخص میں اختلاف
ہو کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف پس اس جگہ فی انہ
منصرف الخ کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ لفظ رخص کے
خداے برتری کی صفت ہونے میں کوئی اختلاف
نہیں لہذا یہ وہم نہ کیا جائے بلکہ اختلاف انصاف
و عدم انصاف میں ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے
کہ لفظ رخص کا کوئی مؤنث نہیں نہ فعلی کے وزن
پر نہ علی اور نہ فعلانہ کے وزن پر نہ اسمیہ اس لئے
رخص خالصاً الشرعاً لے کی صفت ہے سوائے

اللہ قولہ وقیل شرطہ الخ یہاں سے
مصنف یہ بیان فرما رہے ہیں کہ وجہ الف و نون فی
صفة کی شرط کے بارے میں سخا کا اختلاف ہے
ایک مذہب تو ادھر گذر چکا اور دوسرا مذہب
یہ ہے کہ اس کے لئے انتفاعی فلانہ شرط نہیں
بلکہ وجود فعلی شرط ہے یعنی بعض لوگ یہ کہتے ہیں
کہ الف و نون ناندگان صفت میں ہو کر منع صرف
کا اس وقت سبب بنیں گے جبکہ اس کا مؤنث
فعلی کے وزن پر آئے گا اس لئے کہ جب اس کا
مؤنث فعلی کے وزن پر آئے گا تو فعلانہ کی خود بخود
نفی ہو جائے گی پس ان دونوں کی تانیث کے
الف مقصورہ و محدودہ کے ساتھ علی حالہ مشابہت
باقی ہے گی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت
اس فریق کا بھی مقصد یہی ہے کہ اس کا مؤنث فعلانہ
کے وزن پر آئے صرف اتنی بات ناند ہے کہ
اس فریق نے وجود فعلی کہہ کر انتفاع فعلانہ کی تاکید
کر دی اور وجود فعلی شرط لہذا اس فریق کے
نزدیک بھی نہیں اور شراح نے وقیل کے بعد بشرط

وَلَا رَحْمَانَةً كَلِمَةٌ صِفَةٌ خَاصَّةٌ لِلَّهِ تَعَالَى لَا يَطْلُقُ عَلَى غَيْرِهِ تَعَالَى لَا عَلَى
مَذْكُورٍ وَلَا عَلَى مُؤَنَّثٍ فَعَلِيٌّ مَذْهَبٌ مِنْ شَرْطِ انْتِقَاءِ فَعْلَانَةٍ فَهُوَ غَيْرُ
مَنْصُوفٍ وَعَلَى مَذْهَبٍ مِنْ شَرْطِ وُجُودٍ فَعَلِيٌّ فَهُوَ مَنْصُوفٌ وَنَّ سَكْرَانٌ
فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِي مَنَعِ صَرْفِهِ لَوْجُودِ الشَّرْطِ عَلَى الْمَذْهَبَيْنِ فَإِنْ مُؤَنَّثٌ
سَكْرَانٌ لَا سَكْرَانَةٌ وَدُونَ نَكْرَانٍ فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِي صَرْفِهِ لَا تَتَفَاعَلُ
الشَّرْطُ عَلَى الْمَذْهَبَيْنِ لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ نَدْمَانَةٌ لَا نَدْمَى هَذَا إِذَا
كَانَ نَدْمَانٌ بِمَعْنَى النَّدِيمِ وَأَمَّا إِذَا كَانَ بِمَعْنَى النَّادِمِ فَهُوَ غَيْرُ
مَنْصُوفٍ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ نَدْمَى لَا نَدْمَانَةٌ وَزَنْ الْفِعْلِ

اس جگہ ندمان سے پہلے اور ذرا عطف کے بعد لفظ دون کا اس وجہ سے اضافہ کر دیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ندمان کا عطف سکراں پر ہے اور دون کے تحت میں ہے یعنی جس طرح نہ سکراں میں اختلاف ہے اسی طرح ندمان میں بھی کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ اس کا مؤنث ندمانہ آتا ہے نہ کہ ندمی لہذا نہ تو وجود فعلی پایا گیا اور نہ استفادہ فعلانہ پس یہ منصوف ہے مگر یہ اس وقت منصوف ہے جب کہ ندمان صاحب کے معنی میں ہو اور لیکن اس وقت جبکہ ندمان بمعنی نادم یعنی پشیمان ہو تو یہ بالاتفاق غیر منصوف ہے اس لئے کہ اس وقت اس کی جمع ندمی آتی ہے نہ کہ ندمانہ پس دونوں مذہبوں کی بنا پر اس میں شرط پائی گئی وجود فعلی بھی استفادہ فعلانہ بھی جائز اعلیٰ۔

کی کوئی مؤنث ہی نہیں ہے نہ ندمی اور نہ ندمانہ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کے غیر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مذکورہ نہ مؤنث پر تو اس شخص کے مذہب کی بنا پر جس نے فعلانہ کے انتقاء کی شرط لگائی ہے یہ غیر منصوف ہے (کہ اس کے مذہب کے مطابق شرط پائی جاتی ہے) اور اس شخص کے مذہب کی بنا پر کہ جس نے وجود فعلی کی شرط لگائی ہے یہ منصوف ہے (کہ اس کی شرط پائی نہیں جاتی) اس کی مؤنث سکرانی ہے نہ کہ سکرانہ (اور نہ ندمان میں) کہ دونوں مذہبوں کی بنا پر شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اس کے غیر منصوف ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ اس کی مؤنث ندمانہ ہے نہ کہ ندمی اور ندمان کا بالاتفاق منصوف ہونا اس وقت ہے جب کہ ندمان ندیم (ساتھی) کے معنی میں ہو اور بہر حال جب نادم (پشیمان) کے معنی میں ہو تو یہ بالاتفاق غیر منصوف ہے کیونکہ ندمان بمعنی نادم کی مؤنث ندمی ہے نہ کہ ندمانہ (اور وزن فعل) اور وزن

۱۱۸ قولہ وزن الفعل وبراہم اسباب منع صرف میں سے یہ نوال سبب ہے اس کو بھی مصنف نے بطریق لفظ وشررت بیان کیا ہے وزن فعل کی تعریف شراح و مہکون الا سم سے الخ کر کے دو مقدمہ سوالوں کا جواب دے رہے ہیں پہلے سوال کی تقریر یہ ہے کہ وزن فعل کو اسباب منع صرف سے شمار کرنا درست نہیں اس لئے کہ اسباب منع صرف صفات سے ہیں اور وزن فعل عبارت اسم سے ہے جو کہ ذات ہے پس وصف کا مکمل ذات پر درست نہیں ہوا اور دوسرے سوال کی یہ تقریر ہے کہ وزن کی اضافہ فعل کی طرف لامیہ ہے جو کہ اختصا ص کا فائدہ دیتے ہیں لہذا مصنف کو شرط ان یختص الخ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ اس سے تخصیص خود بخود حاصل ہو جاتی ہے تو شراح نے دونوں سوالوں کا جواب دہو کون الا سم الخ سے یہ دیا کہ وزن فعل سے اسم کا ایسے وزن یعنی صیغہ پر ہونا مراد ہے کہ جو صیغہ اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہو پس اس سے اعتراض اول کا ازالہ تو اس طرح ہو گیا کہ جس طرح اسباب منع صرف اوصاف سے ہیں اسی طرح وزن فعل بھی کون الا سم کی تاویل میں ہو کر اوصاف سے ہے اس لئے کہ کون اوصاف سے ہوتا ہے پس وصف کامل وصف پر درست ہو گیا اور ثانی اعتراض کا دفع اس طرح ہو گیا کہ جب اسم کا ایسے وزن

باری تعالیٰ کے اس کا اطلاق کسی فرد پر جام زری کہ مذکور ہو یا مؤنث درست نہیں پس جس شخص نے انتقاء فعلانہ کی شرط کی ہے اس کے نزدیک تو یہ غیر منصوف ہے اس لئے کہ اس میں انتقاء فعلانہ ہے اور وجود فعلی لائے مذہب کی بنا پر یہ منصوف ہے اس لئے کہ صیغہ فعلی کا اس میں وجود ہی نہیں پھر واضح ہے کہ اس کے استعمال میں تانیث نہیں ہے اصل اعتبار سے بہر صورت تانیث کا ہونا ضروری ہے لہذا فعل کے وزن پر جو یا فعلانہ کے لہذا قول شراح صفت خاصہ بشر تعالیٰ میں وضع کی گئی ہے اور استعمال مراد ہے۔
۱۱۹ قولہ وزن سکراں الخ یہ جملہ رحمن ہے حال واقع ہوا ہے اور دون متجاوزا کے

پر ہونا مراد ہے کہ جو اوزان فعل کے اوزان سے شمار کیا جاتا ہو تو معلوم ہوا کہ وزن کی اضافت فعل کی طرف محض نسبت کے لئے ہے نہ کہ تخصیص کے واسطے بلکہ اس صورت میں جبکہ زید کے دو بیٹے ہوں عمر و ادھر بچہ اور اب کی اضافت عمر و کی جانب کر کے کہا جائے کہ زید ابو عمر و تو زید جس طرح عمر و کا باپ ہے اسی طرح بچہ بھی ہے ایک کے ساتھ خصوصیت نہیں پس معلوم ہوا کہ زید ابو عمر و کہنے سے قائل کا منشا محض اظہار نسبت ہے تخصیص نہیں لہذا یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اضافت لامبہ اختصاص کا فائدہ نہیں دیتی ہے بلکہ محض نسبت کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے پس جبکہ اضافت محض نسبت کے لئے ہوئی اور تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں دیا تو مصنف کو شرط کہنے کی ضرورت پیش آئی اسی بنا پر شراح نے و ہذا القدر لا یحیی النسخ کا اضافہ فرمایا یعنی اتنا کہ دینا سببیت منع صرف کے لئے کافی نہیں ہے کہ وزن فعل اسم کے ایسے وزن پر ہونے کو کہتے ہیں کہ جو وزن اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہو بلکہ سببیت کے لئے واحد الامرین کا ہونا شرط ہے شراح نے اس جگہ شرط کے بعد فیہا اضافت کر کے ایک دم کا ازالہ کر دیا کہ یہ دم نہ کیا جائے کہ وزن فعل کا اختصاص اسم کے ساتھ شرط نہیں ہے اس لئے کہ فعل کا وزن مثلا وزن ضرب اسم میں موجود ہے جیسے عجر و شجر تو اس کا ازالہ شراح نے یہ کہا کہ اسم میں وزن فعل کی شرط ذات اسم کے لئے نہیں ہے بلکہ منع صرف کی سببیت کے لئے ہے اس سے ہمیں بحث نہیں کہ اسم میں یہ وزن پہلے سے موجود ہو یا نہ ہو واحد الامرین سے بھی شراح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ مصنف نے وزن فعل کی شرائط میں دو چیزیں شمار کرائی ہیں (۱) اختصاص وزن فعل بالفعل (۲) او یکون فی اولہ زیادۃ الخ تو مصنف کو چاہئے تھا کہ ادوات حصر کا ذکر کرتے تاکہ یہ معلوم ہو جاتا کہ مصنف کا منشا دو چیزوں کو بیان کرنا ہے اور نہ وہم نہ ہو سکتا دونوں چیزیں مل کر ایک شرط بنتی ہے

... و هو کون الاسم علی وزن یعد من اوزان الفعل و ہذا القدر لا یکنی فی سببیت منع الصرف بل شرط فیہا حد الامرین اما ان یختص فی اللغة العربیة یہ ای بالفعل بمعنی انہ لا یوجد فی الاسم العربی اکا منقولاً من الفعل کشر علی صیغۃ الماضی المعلوم من التسمیر فانہ نقل من ہذہ الصیغۃ وجعل علما للقرین و کذلک

فعل اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے جو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہے اور اس قدر منع صرف کی سببیت کی تاثیر میں کافی نہیں ہے بلکہ «اس کی شرط» سببیت میں دو چیزوں میں ایک کا ہونا ہے یا تو یہ ہے کہ وزن خاص ہو (اس کے ساتھ) یعنی فعل کے ساتھ (مخصوص ہو) یا اس معنی کہ وہ وزن اسم عربی میں فعل ہی منقول ہو کر پایا جاتا ہو (جیسے شمر کا تشدید عین کے ساتھ) ماضی معلوم کے صیغہ پر تسمیر سے ماخوذ ہے (دامن سمیٹنا) کہ یہ اس صیغہ (فعلیہ) سے نقل کیا گیا اور (تجلیج

کی یہ ہے کہ اس وقت یہ وزن اسم میں خلاف عادت پائے جانے کی وجہ سے نقل ہو گا پس فعل کے ساتھ مختص ہونا چاہئے تاکہ اس کی ثقات مختص فعل ہونے کے ساتھ اس درجہ پہنچ جائے کہ منع صرف میں مؤثر ہو سکے اب اس جگہ ایک اعتراض واقع ہوا کہ اختصاص کے تو یہ معنی ہیں کہ سوائے مختص ہر کسی اور میں نہ پایا جائے پس وہ وزن جب فعل کے ساتھ خاص ہو تو اسم میں نہ پایا جانا چاہئے پھر یہ شرط کہ اسم میں پایا جائے اور فعل کے ساتھ کیسے درست ہو گی تو شراح نے اس کا جواب مجھے ازا لایہ جدار الخ سے یہ دیا کہ خاص کی تعریف اپنی جگہ پر بالکل درست ہے اور وہ یہاں پر صادق بھی ہے اور اعتراض کا دفعیہ اس طرح ہے کہ اس جگہ اختصاص سے مراد اختصاص بحسب اصل اوضح ہے یعنی وضع کے اعتبار سے فعل کے ساتھ مختص ہوا کہ کے ساتھ ہو اور جب اسم میں پایا جائے تو فعل سے منقول ہو کر پایا جائے۔

۱۱۹ قولہ کشر علی الخ یہ اختصاص وزن بالفعل کی مثال ہے جیسے شمر بصیغۃ ماضی مودت تسمیر باب تفعیل سے جس کے معنی میں دامن سمیٹنا یہ وزن فعل کے ساتھ مختص ہے فعل سے اس کو اسم کی طرف منتقل کیا گیا ہے اور تیز رفتار گھوڑے کا نام رکھ دیا گیا اور درجہ نسبت احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جب

بَدْرُ لَمَاءٍ وَعَثْرُ لَمَوْضِعٍ وَخَصَمٌ لِرَجُلٍ أَفْعَالٌ تُنْقَلُ إِلَى الْأَسْمِيَةِ وَأَمَّا
فَوَيْقَمٌ أَسْمَاءُ لِبَيْعٍ مَعْرُوفٍ وَهُوَ الْعَنْدَمُ وَشَلَمٌ عَلَمٌ لِمَوْضِعٍ بِالشَّامِ فَهُوَ
مِنَ الْأَسْمَاءِ الْعَجْمِيَةِ لِلنَّقُولَةِ إِلَى الْعَرَبِيَّةِ فَلَا يُقَدِّحُ فِي ذَلِكَ الْاِخْتِصَاصُ
وَمِثْلُ ضَرْبٍ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ إِذَا جَعَلَ عَلَمًا لِشَخْصٍ فَإِنَّهُ أَيْضًا
غَيْرُ مَنْصُوفٍ لِلْعَلِيَّةِ وَوزنِ الْفَعْلِ وَأَنَّمَا قِيدَ النَّبَاءِ لِلْمَفْعُولِ فَإِنَّهُ عَلَى
الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ غَيْرُ مُخْتَصٍ بِالْفَعْلِ وَلَمَّا يَنْهَبُ إِلَى مَنْعِ صَرْفِ الْأَكْثَرِ مِنَ الْفَعْلِ
أَوْ يَكُونُ غَيْرُ مُخْتَصٍ وَلَكِنْ يَكُونُ فِي أَزْلِهِ أَيْ فِي أَوَّلِ وَزْنِ الْفَعْلِ

بھڑ کر کھانے کے ہیں بعد میں خضم ایک شخص بنی خیم میں
سے عبوس بن عمرو کو کہنے لگے کہ یہ شخص ایک دم منہ
میں بہت سا کھانا بھر لیتا تھا یہ تمام کے تمام افعال
ہیں جو فعلیت سے اسمیت کی طرف سے نقل کئے
گئے ہیں۔

قولہ اما نحو یقیم الخ یہاں سے شارح
ایک سوال مقدمہ کا جواب دے کر قبل میں ان مختص کے بعد
فی اللغة العربیہ کے اضافہ کی وجہ بیان فرما رہے ہیں
اعتراض یہ ہے کہ تمہارا یہ ہنا کہ وزن فعل ابتداءً فعل
میں پایا جاتا ہے اور پھر اس سے اسمیت کی طرف
نقل کر لیا جاتا ہے ہم تسلیم نہیں اس لئے کہ یقیم اور شلم
میں ابتداءً وزن فعل آیا ہے اس لئے کہ یہ افعال نہیں
ہیں اسماء ہیں۔ تو شارح فرماتے ہیں کہ یقیم اور شلم کی
مانند جو بھی اوزان ہوں یعنی جن میں فعلیت نہ پائی جائے
تو یہ سب کے سب اسماء عجمیہ سے عربیہ کی طرف نقل
کئے گئے ہیں اور ہماری بحث لغت عربیہ فی الاصل سے
ہے لغت عجمیہ سے کوئی سروکار نہیں لہذا اختصا
وزن فعل بالفعل پر کوئی نقص وارد نہیں ہوتا۔
(فائدہ) یقیم ایک مشہور معروف رنگ عندم
یعنی سرخ رنگ کو کہتے ہیں جس کو دم الاخوان
بھی کہا جاتا ہے اور شلم ملک شام میں ایک جگہ کا نام
ہے جس کو بیت المقدس بھی کہتے ہیں انتہی دہا نحو یقیم
اسما میں اسما اور شلم علما میں علما دونوں بزرگ بزرگ
اور شلم سے مال ہیں۔

قولہ و مثل ضرب الخ یہاں پر لفظ
مثل کے اضافہ کرنے سے شارح کا منشا یہ بتانا ہے
کہ ضرب کا عطف شمر ہے جو کہ کات مشلیہ کا
مدخل ہے شارح نے شمر میں علی صیغۃ الماضي المعلوم
کہا تھا سواب اسی تقابل کو مد نظر رکھتے ہوئے اس جگہ
علی البناء للمفعول کہتے ہیں شمر معروف کو ضرب مجہول
پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ معلوم اشرف ہوتا ہے
مجہول سے ضرب اختصاص وزن بفعل کی دوسری مثال
ہے شارح کہتے ہیں کہ ضرب مجہول جب کسی شخص کا نام
رکھ دیا جائے تو یہ بھی علمیت اور وزن فعل کے باعث
غیر منصرف ہے و انما قیدنا الخ سے شارح تفسیر

کے تیز رفتار گھوڑے کا نام بنا دیا گیا اور اسی طرح بَدْرُ اسراف کیا) پانی کے لئے (مکہ مکرمہ کے
ایک کثیر الماء کنویں کا نام قرار پایا) اور عثر (غزش کھائی) ایک جگہ (بلند ٹیلے) کے لئے اور خضم
(بھٹ بھر کر کھانا) ایک مرد کے لئے جو بہت کھاتا تھا (نام بنے یہ سب) افعال ہیں جو اسمیت کی
طرف نقل کئے گئے اور بہر حال (درایہ سوال کہ بعض اسماء ابتداءً فعل کے وزن پر آئے ہیں تو اس
وزن کا فعل سے اختصاص کہاں رہا جیسے) یقیم ایک معروف رنگ (جسے دم الاخون کہتے ہیں) اور
وہ سرخ ہوتا ہے کے لئے نام اور شلم شام میں ایک جگہ کے لئے علم ہونے کی حالت میں تو (جواب
یہ ہے) کہ یہ اسماء عجمیہ میں سے ہیں جو عربیت کی طرف نقل کئے گئے اور ہماری بات اسم عربی میں
ہے نہ کہ عجمی میں؛ لہذا ان اسماء کے غیر منصرف ہونے میں اختصاص بالفعل پر قدح (اعتراض)
نہیں کیا جاسکتا (اور) مثل (ضرب کے) مبنی للمفعول کی بنا پر (بہ صیغۃ مجہول) جبکہ اسے کسی شخص کا
علم بنایا جائے تو یہ بھی علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اور ہم نے مبنی للمفعول
کی قید اس لئے لگائی ہے کیونکہ یہ مبنی للفاعل (بہ صیغۃ معروف) فعل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے
(اس لئے کہ یہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے قرآن و حجر وغیرہما) اور مبنی للفاعل کے غیر منصرف ہونے
کی طرف (یونس و عیسیٰ بن مریم و ایسے قبیل) بعض نحوی ہی گئے ہیں (یہاں ہو) غیر مخصوص بہ فعل
لیکن یہاں اس کے اول میں (یعنی وزن فعل کے اول میں یا اس کے اول میں جو فعل کے

کوئی شخص تیز رفتار کی کا اظہار کرتا ہے تو وہاں سمیت
لیتا ہے لہذا اس مناسبت سے تیز رفتاری کے باعث
تیز رفتار گھوڑے کو شمر کئے لگے اندر یہ حجاج بن یوسف
کے گھوڑے کا نام تھا پس مکر علمیت اور وزن فعل
کی وجہ سے غیر منصرف ہے اسی طرح بَدْرُ تیز باب
تفصیل سے ہے جس کے معنی اسراف و فضول و غریبی
کے ہیں فعل ہے محو اس سے نقل کر کے اس کو اسم بنا کر
پانی کا نام رکھ دیا اور مناسبت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ
پانی ایک ایسی چیز ہے جس کا استعمال عام ہے ہر شخص

بالمجہول کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ ہم نے اس کو مقید بالمجہول اس وجہ سے کیا ہے کہ اگر ضرب بصیغہ معلوم ہو تو یہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے کہ اس امر بھی جو شجر وغیرہ اس وزن پر پائے جاتے ہیں اسی بنا پر سوائے بعض نحوویں یونس اور عیسیٰ بن عمر نخوی کے کوئی شخص بھی اس کے عدم انصراف کا قائل نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ اولاً تو صیغہ معلوم فعل کے ساتھ خاص نہیں ثانیاً یہ کہ کوئی شخص سوائے بعض کے اس کے عدم انصراف کا قائل نہیں ہوا لہذا ان دونوں کی بنا پر ہم نے اولاً مجہول کے ساتھ ضرب کو مقید کیا ہے۔

۱۴۲ قولہ ادیکون غیر مختص النحر وزن

فعل کے اسم میں پائے جانے کی دوسری شرط ہے اس جگہ شارح نے ادیکون کے بعد غیر مختص کا تذکرہ کر کے یہ بتایا ہے کہ کلمہ اور اس جگہ انفصال حقیقی کے لئے ہے یعنی جب پہلی شرط نہ پائی جائے تو دوسری شرط کا پایا جانا لازمی ہے نہ تو دونوں شرطیں ایک جگہ جمع ہو سکیں اور نہ کسی ایک شرط سے کلمہ خالی ہو مگر شارح کا اس جگہ غیر مختص کا اضافہ کرنا کچھ درست نہیں اس لئے کہ دونوں شرطوں کا ایک جگہ جمع ہونا جائز ہے جیسا کہ یزید دیشکری جیکہ یہ دونوں علم ہوں دونوں شرطوں کا اجتماع ہو رہا ہے وزن فعل بھی ہے جو فعل کے ساتھ خاص ہے اور زیادتی حرف بھی ہے جو فعل میں حروف اتین میں سے کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ بہر حال کہتے ہیں کہ دوسری شرط یہ ہے کہ وزن فعل فعل کے ساتھ مختص نہ ہو لیکن وزن فعل کے اول میں مثل اس زیادتی کے ہو جو فعل کے اول میں ہوتی ہے یعنی حروف اتین میں سے کوئی نہ کوئی حرف اس کے اول میں پایا جائے اور یہ کہ تانائیس کا داخل ہونا اس پر متنع ہو اور اس شرط ثانی کی وجہ یہ ہے کہ وزن کی حروف اتین کے دخول کے باعث فعل کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جائے گی اور عدم دخول تیار کی وجہ سے اسمیت کا غلبہ نہ ہوگا۔ اب اس کی نصیر ملاحظہ فرمائیے شارح نے فی اولہ کی شرح

ای فی اول وزن الفعل النحر سے کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اولہ کی ہر کار مرجع باعتبار مجاز وزن فعل بھی ہو سکتا ہے اور باعتبار حقیقتہ وہ اسم بھی جو فعل کے وزن پر آیا ہو اول کو مجازاً اس لئے کہا کہ حقیقتہ جو زیادتی ہو گی وہ تو اسی اسم پر ہوگی جو فعل کے وزن پر ہوگا وزن فعل پر تو زیادتی نہیں ہوگی ورنہ اگر وزن فعل پر زیادتی کی جائے گی تو زیادۃ اللزوم لازم آئے گی اس لئے کہ وزن فعل تو اسی وقت ہوگا جبکہ اس پر حروف اتین میں سے کسی حرفت کی زیادتی ہو اور پھر غیر منصرف کرنے کے لئے اس پر زیادتی کی جائے گی تو زیادتی میں زیادتی لازم آئے گی اور یہی زیادۃ اللزوم نفسہ ہے لہذا معلوم ہوا کہ زیادتی اس اسم پر کی جائے گی جو فعل کے وزن پر لایا جائے پس شارح نے اول مرجع ظاہر لفظ کتاب کی بنا پر ذکر کیا اور ثانی باعتبار واقع کے اور زیادۃ کی شرح ای زیادۃ حرف النحر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ عبارت بخلاف المضاف الیہ ہے یا بخلاف الموصوف اس لئے کہ پہلی صورت میں زیادۃ مصدر ہے فاعل کو چاہتا ہے پس حرف اس کا فاعل اور مضاف الیہ ہے۔ ثانی صورت میں زیادتی کہ بمعنی الزائد ہے جو کہ صفت ہے جس کیلئے موصوف کا ہونا ضروری ہے پس شارح نے اور حرف زائد کہہ کر اس کے موصوف کو ذکر کر دیا پس اول صورت میں مصدر اپنے حقیقی معنی پر رہا اور ثانی صورت میں بمعنی الفاعل یعنی الزائد شارح نے اس عبارت میں صفت لف نشر مرتب سے کام لیا ہے یعنی پہلے فی اولہ کی مرجع میں وزن فعل کو ذکر کیا اور پھر کان علیہ وزن الفعل کو اسی طرح یہاں اسی ترتیب پر پہلے وزن فعل کے اقتضار کو ملحوظ رکھا یعنی جب وزن فعل بنایا جائیگا تو اس پر حروف اتین میں سے ایک حرف کی زیادتی کریں گے اور پھر ماکان علیہ وزن الفعل کے مقتضی کو پورا کیا یعنی جس اسم کو فعل کے وزن پر لائیں گے اس اسم کے اول میں حروف اتین میں سے ایک حرف ایسا ہوگا جو نلذ ہوگا مال دونوں کا بہر صورت ایک ہی نکلتا ہے کہ خواہ وزن فعل ہو یا اسم علیہ وزن الفعل ہو ہر حال حروف

اتین میں سے ایک حرف ضرور نلذ اس کے اول میں لگے گا اور فعل کا تذکرہ مجازاً ہے جس سے مراد اسم علیہ وزن الفعل ہے لہذا سابق میں جو مفصلاً اسکے متعلق بیان ہو چکا ہے وہ ملحوظ خاطر رہنا چاہئے تاکہ اس پر کوئی یہ اشکال نہ کر بیٹھے کہ وزن فعل حقیقتہ سے تو یہاں بحث ہی نہیں ہے بلکہ بحث اسم علی وزن الفعل سے ہے لہذا یہاں یہ وزن فعل کہاں سے آگیا فانہم (فانلذ) زیادۃ کی زیادۃ حرف النحر کی ترکیب قابل غور ہے لہذا اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیے زیادۃ میں باعتبار فی اول وزن الفعل کے تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور اس کا مضاف الیہ حرف محذوف ہے جس کو شارح نے ظاہر کیا ہے اور باعتبار اول ماکان علیہ وزن الفعل کے زیادۃ معنی میں نلذ کے ہو کر صفت ہے اور اس موصوف یعنی حرف محذوف ہے جگہ اس پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ حرف زائد مجرور کیوں ہے حرف ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ ترکیب میں یکون کا اسم واقع ہو رہا ہے تو اس کا جواب جہاں تک میرے ذہن ناقص میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ حرف زائد مجرور یعنی پہلے حرف کی وجہ سے مجرور ہوا ہے یا پھر دوسری وجہ یہ کہ جاسکتی ہے کہ دونوں جگہ عبارت بخلاف المضاف ہے پہلی جگہ اول وزن فعل کے اعتبار سے اور دوسری جگہ اول ماکان علیہ وزن الفعل کے لحاظ سے اور مطلب یہ ہے کہ اسم علی وزن الفعل کے اول میں ایک ایسے حرف کی زیادتی ہونی چاہئے جو حروف اتین زائد میں سے ہو اس لئے کہ حروف اتین بھی زائد ہی ہوتے ہیں مگر یہ وجہ شارح کے مدعا کے خلاف ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس کے کہنے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور یہ مطلب صرف زیادۃ حرف کہنے سے پیدا ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

اول ماكان على وزن الفعل زيادة أي زيادة حروف او حرف زائد
من حروف التثنية كزيادة حروف او حرف زائد في اول
الفعل غير قابل اي حال كون وزن الفعل او ما كان على وزنه غير
قابل للتاء لانه يخرج الوزن بهذه التاء باختصاصها بالاسم عن
اوزان الفعل ولو قال غير قابل للتاء قياسا وباعتبار الذي امتنع من
الحروف لاجله لم يرز عليه اربع اذا سمي به فان لحوق التاء به للتذكير
فلا يكون قياسا ولا اسود فان مجي التاء في اسودة للحية الانثى ليس

وزن پر ہو (زیادتی) یعنی کسی حرف کی زیادتی ہو یا حروف اتین میں سے کوئی حرف زائد ہو۔
(اس کی زیادتی کی طرح) یعنی حرف کی زیادتی کی مانند یا اول فعل میں کوئی حرف زائد ہو (قبول
کرنے والا) ہر یعنی وزن فعل یا وہ جو فعل کے وزن پر آئے قبول کرنے والا ہو (تاء کا) کیونکہ وزن
اس تاء کے اسم کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے اوزان فعل سے نکل جائے گا اور اگر مصنف
اپنے کلام مذکور غیر قابل تاء کو دو قیدوں سے مقید کرتے اور کہتے کہ "غیر قابل للتاء قیاسا و
باعتبار الذي امتنع من الحروف لاجله" (یعنی وہ وزن فعل بطور قیاس اور اس اعتبار سے
کہ جس کی وجہ سے وہ صرف سے متنع یعنی غیر منصرف ہوا تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو) تو مصنف
پر اربع (کا اعتراض) وارد نہ ہوتا جبکہ اس سے کسی کا نام رکھا جائے کیونکہ اربع کے ساتھ (مثلاً
اربعہ رجال میں) تاکا لاحق ہونا تذکیر کی وجہ سے ہے (جو خلاف قیاس ہے کیونکہ قیاس یہ ہے
کہ تاء کا لحوق ہمیشہ کے لئے ہو اور یہاں تذکیر کے لئے ہے) لہذا یہ قیاس نہ ہوا (اس لئے اربع
بہ حالت علمیت غیر منصرف ہی رہے گا) اور نہ (مصنف پر) اسود کا (اعتراض ہوتا) کیونکہ اسود
مؤنث سانپ کے (نام) میں تاء کا آنا اس وصف اصلی کے اعتبار سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے

قبول کرنے والا نہ ہو یعنی اس پر دخول تاء متنع
ہو اس جگہ شامع نے غیر قابل کی تفسیر ای حال کوئم
سے کر کے یہ بتایا ہے کہ غیر قابل حال ہے اور اس کا
خود الحال فی اولہ کی تفسیر ہے جو وزن فعل یا اول ما كان
عل وزن الفعل کی طرف راجع ہے اور لانه يخرج الح
سے اس متنع دخول تاء کی وجہ بتا ہے یہی کہتے ہیں
اگر دخول تاء متنع نہ ہو تو اس تاء کے سبب سے
وزن اوزان فعل سے خارج ہو جائیگا اس لئے کہ
دخول تاء متحرک اسم کے ساتھ خاص ہے پس جب
وزن فعل پر تاء داخل ہو جائے گی جو کہ اسم کے
خوارج میں سے ہے تو وزن فعل، وزن فعل نہیں ہے

قولہ کہ زیادۃ ای مثل الخ کہ زیادۃ
کی شروع ای مثل زیادۃ الخ سے کر کے شامع نے اس
امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زیادۃ میں کات بھی ہے
جو کہ بمعنی مثل ہوتا ہے پس کات بمعنی مثل جو کہ
زیادۃ کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے
اول میں مثل اس زیادتی کے ہو جو فعل کے اول میں ملتی
ہے یعنی جس طرح فعل کے اول میں حرف اتین میں سے
کوئی حرف پایا جاتا ہے اسی طرح اس وزن فعل یا
اسم علی وزن الفعل کے اول میں بھی کوئی حرف نلذ
حدوث اتین میں سے پایا جائے مگر اس کے ساتھ
شرط ہے کہ وہ وزن فعل یا اسم علی وزن الفعل تار

گا جو کہ عدم انصراف کا سبب ہے پس جب نہ نخل
ہی فوت ہو گیا تو عدم انصراف بھی خود بخود ختم ہو
گیا اس لئے کہ قاعدہ ہے اذافات الشرط فانت
المشروط لہذا اس سے بحث کرنا ہی بیکار ہو گیا۔
قولہ ولو قال غیر قابل الخ اس جگہ
سے شارح مصنف کا فیہ رد و اعتراض وارد کر کے
یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مصنف ایسا کہتا تو مندرجہ
ذیل دو اعتراض وارد نہ ہوتے۔ اعتراض اول تو
یہ ہے کہ اربع جب کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو یہ
تاء کو قبول کر لیتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اربعہ
رجال لہذا چاہئے کہ یہ منصرف ہو حالانکہ اس کے
باوجود یہ وزن فعل اور علمیت کے باعث غیر منصرف
ہے لہذا اگر مصنف غیر قابل للتاء قیاسا کہتے تو
یہ اعتراض واقع نہ ہوتا اس لئے کہ عدم دخول تاء سے
مراد تاء قیاسی ہے یعنی قیاس کا مقتضایہ ہے کہ تاء
مؤنث کے لئے آتی ہے مذکر کے لئے نہیں اور اربعہ
میں چونکہ تاء غیر قیاسی ہے لہذا اعتراض ہی پیدا نہیں
ہوگا اور اعتراض ثانی کی تقریر یہ ہے کہ للتاء القیاس
کہنا بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تاء اور اضافہ کرنا
چاہئے وبالاعتبار الذي امتنع من الصرف لاجله اس لئے کہ
اگر اس کا اضافہ نہ کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے
کہ اسود تاء قیاسیہ کو قبول کر لیتا ہے اس لئے
کہ مؤنث سانپ کو اسود کہا جاتا ہے اور نفی
صرف تاء قیاسیہ کی گئی ہے کہ تاء قیاسیہ کو
قبول کرنے والا نہ ہو ورنہ منصرف ہو جائے گا
لہذا اسود کو منصرف کہنا چاہئے حالانکہ یہ بھی غیر
منصرف ہے تو اس کا جواب اس اضافہ سے ہے
جاتا کہ تاء قیاسیہ سے مراد وہ تاء ہے جو اسم کو
اس اعتبار سے لاحق ہو کہ اس اعتبار سے اس کا
صرف متنع ہے اور اسودہ میں جو تاء ہے وہ
مادہ سانپ کے لئے باعتبار وصف اصلی کے
نہیں ہے کہ جس سے اسم کا منصرف ہونا لازم
آئے بلکہ باعتبار غلبہ اسمیت عارضہ کے ہے
(فائدہ کا) شارح کے اس اعتراض کا جواب
یہ دیا جاسکتا ہے کہ مصنف نے اگر چہ ان قیود

کا متن میں اضافہ نہیں کیا مگر مراد مصنف کی یہی ہے جو شراح نے اضافہ کر کے بیان فرمائی ہے اس لئے کہ یہ دونوں قیدیں متعارف ہیں اور متعارف کو ذکر کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کی جانب صرف اشارہ کر دینا کافی ہوتا ہے اور مصنف نے اس کی طرف اشارہ کر دیا وہ یہ کہ للتاریخ الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور خارج میں یہ چیز پہلے سے متعین ہے کہ ان المراد لعدم دخول التاریخ التالفیسیہ وبالاعتبار الذی امتنع من الصرف لاجلہ لهذا شراح کا یہ اعتراض کرنا کچھ زیادہ دقیق ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم بالصواب۔

۱۲۵ قولہ ومن ثم ای ومن اجل الخ اس جگہ سے مصنف علیہ الرحمۃ وجود شرط عدم شرط دونوں پر تفریع پیش کر رہے ہیں اور شراح اس کی تخریج ای ومن اجل الخ سے اس وجہ سے کر رہے ہیں کہ پہلی تفریع وجود شرط پر مبنی ہے اور شرط یہی ہے جو بیان کی گئی یعنی عدم قبول التالفیسیہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ پہلی تفریع وجود شرط کے لحاظ سے ہے شراح نے ای ومن اجل الخ شرط عدم قبول التالفیسیہ کا اضافہ فرما کر کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے احمر ممتنع عن الصرف ہے اس لئے کہ اس میں زیادہ مذکورہ یعنی ایک حرف حروف التین میں سے اول میں موجود ہے اور ساتھ کے ساتھ تار کو بھی قبول کرنے والا نہیں ہے اس جگہ شراح نے امتنع احمر کے بعد عن الصرف کا اضافہ کر کے ایک وہم کا ازالہ کر دیا جو بہت ہی مشہور ہے اور ماسبق میں بھی گذر چکا ہے وہم یہ تھا کہ احمر نو موجود ہے ممتنع نہیں لہذا یہ کہنا کیسے درست ہوگا اور ازالہ اس طرح ہو گیا کہ وجود کا امتناع مقصور نہیں بلکہ صرف کا امتناع ملحوظ ہے اور وانصرف یعمل انعدام شرط پر مشتمل ہے مصنف کہتے ہیں کہ یعمل منصرف ہے اس لئے کہ یعمل اگرچہ وزن فعل بھی ہے اور اس کے اول میں حروف التین میں سے ایک حرف بھی ہے مگر چونکہ یہ تار تانیث کو قبول

باعتبار الوصف الاصلی الذی لاجلہ یمتنع من الصرف بل باعتبار غلبۃ الاسمیۃ العارضیۃ ومن شذ ای ومن اجل اشتراط عدم قبول التاء امکنہ احمر عن الصرف لوجود الزیادۃ المذكورۃ مع عدم قبول التاء وانصرف یعمل لقبولہ التاء لجمعی یعملۃ للناقۃ القویۃ علی العمل والیسر وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ ای کل اسم غیر منصرف تکتون فیہ علمیۃ مؤثرۃ فی منع الصرف بالسببیۃ المحضۃ او مع الشرطیۃ بسبب آخر واحتراز بذلک عما تجتمع مع الفی التانیث او صیغۃ منتهی الجموع فان کل واحد متہما کاف فی منع الصرف لاناثر فیہ للعلمیۃ اذا شذ

(اسود ایسا اسم) غیر منصرف ہو (کہ وصف اصلی کے اعتبار سے اسود کی مؤنث سودا ہے نہ کہ اسود) بلکہ اس میں تاء کا حقوق وصفیت اسلیہ پر) اسمیت عارضیہ کے غلبہ کے اعتبار سے ہے اور اس وجہ سے (یعنی عدم قبول تاء کی شرط نکلنے کی وجہ سے) (ممتنع ہوا احمر) منصرف ہونے سے (یعنی غیر منصرف ہو گیا) کیونکہ زیادت مذکور مع عدم قبول تاء پائی جاتی ہے (اور نخل منصرف ہوا) کیونکہ یہ تاء کو قبول کرتا ہے اس لئے کہ لفظ اس او ثنی کے لئے آتے ہو کام اور چلنے پر قوت رکھتی ہو اور وہ کہ اس میں علمیت مؤثرہ ہو (یعنی ہر وہ غیر منصرف اسم کہ جس کے منع صرف میں علمیت مؤثرہ ہو سبب محض ہونے کی وجہ سے) (جیسے عدل اور وزن فعل میں) یا دوسرے سبب کے لئے شرط ہونے کی وجہ سے اور مصنف نے مؤثرہ کی قید سے اس علمیت سے احتراز کیا ہے جو تانیث کے دو الفوں (مملودہ و مقصورہ) یا صیغہ جمع منتهی الجموع کے ساتھ جمع ہو کیونکہ بلاشبہ ان دونوں (تانیث کے الفوں اور جمع منتهی الجموع) میں سے ہر ایک منع صرف میں کافی ہے اس میں علمیت کی کوئی تاثر نہیں (جب اسے نکرہ کیا جائے) اس طرح کہ اس علم کی

کر لیتا ہے اس لئے یعملۃ اس او ثنی کو کہا جاتا ہے جو کام کرنے اور چلنے میں قوی ہو اہل عرب بولتے ہیں ناقۃ یعملۃ لہذا شرط کے فوت ہوجانے کے باعث بقاعدہ اوقات الشرط ناسا الشرط اس کا ممتنع عن الصرف ہونا بھی فوت ہو گیا اور یہ علی اصلہ منصرف ہے۔

۱۲۶ قولہ وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ التیناں سے شراح علیہ الرحمۃ نجات کے ایک قاعدہ کلیہ کو بیان کر رہے ہیں اور چونکہ قاعدے اکثر قضیہ کلیہ ہوتے ہیں نیز لفظ ماعوم و خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہذا قضیہ کلیہ اور تعین مراد کے لئے لفظ کل کے

ساتھ لفظ ماعوم شرع فرمائی کہتے ہیں کہ ہر وہ اسم غیر منصرف جس میں علمیت مؤثرہ ہے جب اس کو نکرہ کیا جائے تو وہ منصرف ہو جائیگا۔ اس لئے کہ علمیت کے منع صرف میں مؤثر ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) کہ جسکی تودہ سبب اور شرط بن کر مؤثر ہوتی ہے اور کہ جسکی سبب محض بن کر جس جس جگہ سبب اور شرط بن کر مؤثر ہوتی ہے جیسا کہ ترکیب اور تانیث بالثاء تانیث مضموی و ثمرہ میں تو اگر وہاں علمیت کو زائل کر دیا جائے تو اسم بغیر سبب کے باقی رہ جائے گا اس لئے کہ اس میں ایک سبب تو علم تھا وہ زائل ہو گیا اور وہ سرا سبب وہ تھا جس میں علمیت شرط تھی پس جب

بأن يؤول العلم بواحد من الجماعة المسماة به نحو هذا زيد ورايت
زيداً آخر فانه اريد به المسمى بزيد او يجعل عبارة عن الوصف
المشتمل صاحب به نحو قولهم لكل فرعون موسى اي لكل مبطل مُحَقِّقٌ

نام دانی جماعت میں سے کسی ایک (غیر معین فرد) سے اس کی تاویل کی جائے جیسے ہذا زید لاک
میں زید نکرہ ہے کہ خبر واقع ہے اور خبر کی اصل نکرہ ہوتا ہے اور رأیت زیداً آخر یہاں بھی زید
نکرہ ہے کہ آخر سے موصوف ہے اس سے ایک ایسا شخص مراد ہے جو لفظ زید سے مسمی ہے (خواہ
کے باشد نیز یہاں نکرہ تاویل مراد ہے نہ حقیقت کہ تاویل سے نکرہ مجازی ہی ہوتا ہے نہ کہ
حقیقی) یا اس طرح (نکرہ بنایا جائے) کہ اس علم کو ایسی وصف سے عبارت قرار دیا جائے کہ وصف
والا اس وصف سے مشہور ہو یعنی علم سے اس کے وصفی معنی مراد لے جائیں جیسے اہل حق کا
قول ہے کہ لکل فرعون موسیٰ یعنی ہر باطل پرست کے (مقابلے) کے لئے ایک حق پرست ہوتا

عرب لکل فرعون موسیٰ سے مکمل مبطل محقق مراد لیا
جاتا ہے یعنی فرعون کا وصف مشہور مبطل ہے اور
موسیٰ کا وصف مشہور محقق پس یہاں فرعون سے
مراد مبطل اور موسیٰ سے محقق ہے تو اب یہاں یہ اسما
اگرچہ علم تھے لیکن جب ان سے اوصاف مشہور
مراد لئے گئے تو اب یہ علم نہیں رہے بلکہ نکرہ ہوئے
یعنی فرعون سے وہ شخص معین مراد نہیں بلکہ اس سے
ہر سرکش مراد ہے اور اسی طرح موسیٰ سے بھی وہ منجبر
معین مراد نہیں بلکہ اس لفظ سے ہر ہادی حق پر
چلنے والا مراد ہے یہ تو ہوا مصنف کی عبارت
اور شرح کا خلاصہ اب شارح نے جن وجوہات
کی بنا پر عبارات کا اضافہ کیا ہے وہ ملاحظہ
فرمائیں (۱) لفظ کل کا اضافہ ایک سوال مقدر کا
جواب ہے سوال یہ ہے کہ مافیہ علمیت مؤثرہ تفسیر
مہملہ ہے جو کہ مناطہ کے نزدیک جزئیہ کی قوت
میں ہوتا ہے پس اس بنا پر تقدیر عبارت یہ ہوگی
بعض الاسم غیر منصرف اذا نکر صرف یعنی بعض اسم
غیر منصرف جب نکرہ کر دیئے جائیں تو منصرف ہو
جاتے ہیں اور یہ غلط ہے وجہ غلطی ظاہر ہے بیان
کی حاجت نہیں تو شارح نے جواب دیا کہ ما سے
مراد کل اہم ہے نہ کہ بعض اہم یعنی مناطہ نے جو
کہا ہے کہ مہملہ قوت میں جزئیہ کے ہوتا ہے تو یہ
محاورات کے اعتبار سے ہے لیکن جب مہملہ

شرط یعنی علمیت گئی تو مشروط بھی جاتا رہا۔
اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب شرط فوت ہو جاتی
ہے تو مشروط بھی ختم ہو جاتا ہے اور جس جگہ علمیت
سبب محض بن کر مؤثر ہوتی ہے جیسا کہ عدل اور
عدل میں مکان میں سے کسی ایک کے ساتھ سبب
ہو کر مؤثر ہوتی ہے شرط ہو کر مؤثر نہیں ہوتی اور
نہ عدل و وزن فعل علمیت کے ساتھ ایک جگہ پائے
جاتے ہیں اس لئے کہ عدل اور وزن فعل دونوں
آپس میں متضاد ہیں دونوں کا اجتماع نہیں ہو
سکتا پس جب اس صورت میں اسم غیر منصرف سے
علمیت کو زائل کیا جائیگا تو صرف ایک سبب
باقی رہ جائیگا عدل یا وزن فعل اور ایک سبب سے
اسم غیر منصرف نہیں ہو اگر تا لہذا منصرف ہو جائیگا
پھر یہ بھی جائنا ضروری ہے کہ کسی علم کو نکرہ کر نیکی
کیا صورت سے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ
کہ ایک ہی نام کی جماعت میں کا ایک فرد غیر معین
مراد لیں مثلاً کہیں ہذا زید و رأیت زیداً آخر کہ
ان مثالوں میں اول زید تو معرفہ ہے اور ثانی مثال
والا زید نکرہ ہے اور آخر سے اس کی نکارت کی
طرت اشارہ ہو رہا ہے یعنی رأیت زیداً میں زید
مسمی بزيد مراد ہے یعنی بہت سے آدمیوں میں سے
لا علی التعمین ایک فرد مراد ہے اور دوسری صورت
یہ ہے کہ علم سے مراد وصف مشتمل جس سے قول

علوم میں ذکر کیا جائے تو یہ کلیہ کے حکم میں ہوتا ہے
اس لئے قواعد علوم ان قبیل کلیات ہوتے ہیں لہذا
کل کے ساتھ شرح کرنا درست ہو گیا (۲) اس پر
یہ اعتراض وارد ہوا کہ جب ما سے مراد کل اہم ہے
تو جار مجرور ذیہ کا تعلق اس کے ساتھ درست نہیں
اس لئے کہ متعلق یا تو فعل ہوتا ہے یا مشبہ فعل
اور کل اہم دونوں میں سے ایک بھی نہیں تو اس کا
جواب دینے کے لئے شارح نے تگون کا اضافہ
فرمایا اب فیہ کا تعلق تگون فعل کے ساتھ درست
ہو گیا (۳) پھر کوئی یہ دہم کرے کہ تاثیر سے مراد
خات اہم میں تاثیر ہے یعنی قول مصنف مافیہ
علمیت مؤثرہ سے مراد یہ ہے کہ علمیت ذات اہم
میں مؤثرہ ہو حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ اہم کا وجود
بغیر علمیت کے بھی ہوتا ہے تو اس دہم کے زائل
کے لئے شارح نے فی منع الصرف کا اضافہ فرمایا
یعنی تاثیر سے مراد تاثیر فی منع الصرف ہے (۴)
پھر اعتراض واقع ہوا کہ تاثیر سے مراد تاثیر کامل
ہے یعنی سببیت مع لحاظ الشرطیہ تو جب یہ مفقود
ہو جائے گی تو اسم بلا سبب باقی رہ جائیگا تو
صحیح ہے مگر اس کے ساتھ یہ کہنا کیسے درست ہے
کہ اسم سبب واحد پر بھی باقی رہ جائیگا تو اس کے
جواب شارح نے بالسیبۃ المحضۃ او مع الشرطیۃ
الخ سے دے دیا کہ تاثیر کی دو صورتیں ہیں کما مرانفا
بالتفصیل اور واحترز بذلک الخ سے شارح یہ بتانا
پاتے ہیں کہ اسباب تسو میں سے علمیت سات سببوں
میں تو کسی نہ کسی طرح مؤثر ہے خواہ سبب محض بن کر
یا سبب مع الشرط بن کر لیکن دو سبب ایسے ہیں
کہ ان میں علمیت مؤثر نہیں ہوتی قطعاً اول تانیث
کے دونوں الف محدودہ مقصورہ دوم صیغہ منتهی
الجموع اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک منع صرف
کے لئے کافی ہے علمیت کا ان میں کوئی اثر نہیں نہ
بالسیبۃ اور نہ بالسیبۃ مع الشرطیۃ اور اذ انکر
کے بعد بان یؤول کے اضافہ سے ایک سوال مقدر
کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ نکرہ اس کو کہتے ہیں
جو غیر معین کے لئے وضع کیا گیا ہو پس جب کوئی

صَرَفَ لِمَا تَبَيَّنَ اِي ظَهْرَ حِينَ بَيَّنَّ اسْبَابَ مَنَعِ الصَّرْفِ وَشَرَاطِطَهَا
فِي مَاسَبِقٍ مِّنْ اَنهَا اِي الْعِلْمِيَّةِ لَا لِتَجَامِعُ مُؤَثَّرَةً اِلَّا مَا اِي السَّبَبِ
الَّذِي هِيَ اِي الْعِلْمِيَّةِ شَرْطٌ فِيهِ ذَلِكَ فِي التَّانِيثِ بَالِئًا لَفْظًا اَوْ
مَعْنَى وَالْجُمْلَةُ وَالْتَرَكِيْبُ وَالْاَلْفِ وَالنُّونُ الْمَزِيْدَتَيْنِ فَاِنْ كُلُّ وَاحِدٍ
مِّنْ هَذِهِ الْاَسْبَابِ اَرْبَعَةٌ مُّشْرُوْطَةٌ بِالْعِلْمِيَّةِ اِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ
الْفِعْلِ اسْتِثْنَاءً مِّمَّا بَقِيَ مِنَ الْاِسْتِثْنَاءِ الْاَوَّلِ اِي لَا تَجَامِعُ غَيْرَ

اسم معین کے لئے وضع ہو گیا تو وہ غیر معین کیلئے
کس طرح موضوع ہو گا تو اس کا جواب شارح نے
یہ دیا کہ اس کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ اس جماعت
میں جو ایک ہی کے ساتھ موسوم ہے کسی فرد واحد
کے ساتھ علم کی تادیل کی جائے جیسے ہذا زید الخ
یا علم کو اس وصف کے ساتھ تعبیر کیا جائے کہ صاحب
علم اس وصف کے ساتھ مشہور ہوا الخ تفصیل ماقبل
میں گذر چکی ۱۲۷

۱۲۷ قولہ لما تبين اي ظهر الخ یہاں سے
مصنف علیہ الرحمۃ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم غیر منفرد
کا جس میں علمیت مؤثر ہو تکرار کے بعد منفرد کا ہونا
کیوں ہے کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ ماقبل مذکور
ہو چکا ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر اسی اسم غیر منفرد
میں پائی جائے گی جس میں علمیت شرط ہے مگر عدل اور
وزن فعل یہ دو سبب ایسے ہیں کہ ان میں علمیت بغیر
شرطیہ کے مؤثر ہے بہر حال علمیت کا دوسرے سبب
کے ساتھ مؤثر ہو کر پائے جانیکا بیان ماقبل میں اسباب
منع صرف کے موقع پر ہو چکا ہے لیکن چونکہ وہ واضح
نہ تھا۔ اس لئے مصنف رحمۃ اللہ نے یہاں بعراحت
ذکر فرمادیا اس جگہ شارح نے بین کی شرح ظہر کے
ساتھ اس لئے کی ہے کہ بین باب لفعل سے ہے۔
اور باب فعل مبالغہ کے لئے آتا ہے اور مبالغہ اس
جگہ مقصود نہیں لہذا اظہر کہنا مناسب ہے اور جن بین
الخ کے اضافہ کی وجہ ایک سوال مقدم کا جواب دینا ہے
سوال یہ ہے کہ مصنف کے قول میں ماسبق میں ہیں یہ
کہیں بھی معلوم نہیں ہوا کہ علمیت سوائے ان اسباب کے
جنہیں یہ مؤثر ہوتی ہے یا مؤثر مع الشرطیہ ہوتی ہے۔
اور کسی جگہ مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی لہذا مصنف کا اس
جگہ لما تبين الخ کہنا کیسے درست ہوا۔ تو شارح نے
جواب دیا کہ مصنف نے جب اسباب منع صرف
اور ان کے شرائط شمار کرائے تو وہاں التزاماً یہ
معلوم ہو گیا تھا کہ بعض وہ اسباب بھی ہیں جن میں
علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی اس لئے کہ جب
مصنف نے وہاں بقوم مقامہا الخ کہا تو معلوم ہو گیا
کہ جب دو سبب ایسے ہیں کہ وہ دونوں تنہا علیحدہ

۱۲۸ سے تو اسے منفرد پڑھا جائے گا اس دلیل سے جو کہ روشن ہوئی (یعنی ظاہر و واضح) ہو
گیا جبکہ مصنف نے ماسبق میں منع صرف کے اسباب اور ان کے شرائط بیان کئے (یعنی
وہ) (یعنی علمیت) (نہیں جمع ہوتی مؤثر ہو کر مگر اس کے ساتھ) (یعنی اس سبب کے ساتھ) (مؤثر
ہو کر جمع ہوتی ہے) کہ (وہ) (یعنی علمیت) (اس سبب میں شرط ہو) اور علمیت کا شرط ہونا تانیث
بالتاء میں ہے خواہ تاقطی ہو یا محتوی اور مجرہ اور ترکیب اور الف و نون مزید ہیں کہ ان اسباب
اربعہ میں سے ہر ایک علمیت سے مشروط ہے ((سوائے عدل اور وزن فعل کے)) یہ اس استثناء
ہے جو باقی رہا استثناء اول سے یعنی علمیت اس سبب کے سوا کہ جس میں علمیت شرط ہے کسی دوسرے

زائد ان اس لئے کہ ان چاروں اسباب میں سے ہر ایک
علمیت کے ساتھ مشروط ہے جب کہ اپنے موقع پر
گذر چکا ہے الا ما ہی میں استثناء قول مصنف لا تَجَامِعُ
مُؤَثَّرَةً سے ہے پھر مصنف نے دوسرا استثناء
الا عدل و وزن الفعل سے کیا ہے جس کی تفصیل ابھی
آتی ہے تو یہ عبارت تابع استثناء کو مشتمل ہے جو کا
منظار اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اظہار مافی الضمیر
ہے جو کہ قاعدا سکلامی پر وال ہوتا ہے اور یا مفسر حسن
ہے لہذا قول مصنف بھی استثناء سے خالی نہیں۔
۱۲۹ قولہ استثناء مما بقى الخ یہ عبارت
ایک سوال مقدم کا جواب ہے لا الا عدل و وزن الفعل
پر وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کی
عبارت میں مستثنیٰ تو متعدد ہیں اور مستثنیٰ مزمن
ایک اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک مستثنیٰ منہ سے
متعدد استثناء ہوتے ہیں تو استثناء کے درمیان
حرف عطف لانا ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ جب
متعدد استثناء مستثنیٰ منہ واحد سے بغیر عطف کے
لائے جاتے ہیں تو وہاں بدل الفاظ ہوتا ہے جس

علیحدہ دو سببوں کے قائم مقام ہو سکتے ہیں تو یہ بھی
معلوم ہو گیا کہ ان میں علمیت مؤثر نہیں اور وصف
کے بیان میں جب فلا تضرہ الخبتہ کہا تو اس سے
یہ بھی معلوم ہو گیا کہ علمیت وصف کے ساتھ بھی
مجمع نہیں ہو سکتی مگر چونکہ ان مقامات میں اس کا
بیان کچھ مجمل سا ہے اس لئے مصنف نے یہاں
صراحتہ بیان فرمادیا فلا تضرہ الخبتہ و المصنف رحمۃ اللہ
۱۲۸ قولہ من انہا ای العلمیۃ الخ یہاں تبیین
کا بیان ہے من انہا میں من بانیہ ہے اور انہا میں
چونکہ باضمیر کا مرجع علمیت ہے اس لئے ای العلمیۃ
سے شارح نے اس کو ظاہر کر دیا الا ما کے بعد ای
السبب الذی کہہ کر اس امر پر تنبیہ کر دی کہ ما سے مراد
اس جگہ سبب ہے ہی کے بعد ای العلمیۃ سے بھی
اظہار مرجع مقصود ہے۔ شرط فیہ میں باضمیر مجرور
کا مرجع لفظ ما ہو کر سبب مراد ہے لہذا اس کے
مطابق شارح نے ان اسباب کو شمار کر دیا جن میں
علمیت شرط ہو کر مؤثر ہوتی ہے اور وہ اسباب
یہ ہیں تانیث بالتاء لفظاً ومعنی۔ مجرہ ترکیب الف نون

ماهی شرط فیہ الا العدل و وزن الفعل فان فعلیۃ تجامعها مؤثرۃ
کما فی عمر و احمد و لیست شرطاً فیها کما فی ثلث و احمر و هما لے العدل
و وزن الفعل متصفاً ذات لان الاسماء المعدولة بالاستقرار علی
اوزان مخصوصۃ لیس شیئ منها من اوزان الفعل المعتبرۃ فی منع الصرف
فلا یكون معاً ای لا یوجد معها شیء من الاموال الثوبین مجموع
هذین السببین و بین احدھما فقط الا احدثھا فقط لا مجموعھا

سبب کے ساتھ جمع نہیں ہوتی مگر عدل اور وزن فعل کہ علمیت ان دونوں کے ساتھ مؤثر ہو کر
جمع ہوتی ہے جیسا کہ عمر اور احمد میں حالانکہ ان دونوں میں علمیت شرط نہیں ہے جیسا کہ (عدل
جمع نہیں ہوا) ثلث اور احمر میں (اور وہ دونوں) یعنی عدل اور وزن فعل (ایک دوسرے
کی ضد ہیں) کیونکہ اسما معدولہ بہ استقرار (و تیس) اوزان مخصوصہ (ستہ مثلاً افعال جیسے
ثلاث و مفعل جیسے مثلث و فعال جیسے قطام وغیرہ) پر (مختصر) ہیں کہ ان میں سے کوئی فعل
ان اوزان سے ہے ہی نہیں جو منع صرف میں معتبر ہیں (بسی نہ ہوگا علمیت کے ساتھ) یعنی
علمیت کے ساتھ اس امر سے جو ان دو سببوں (عدل و وزن فعل) کے اور دو سببوں میں سے
صرف ایک (عدل) کے درمیان دائر ہے کوئی چیز نہیں پائی جائے گی (مگر ان دو میں سے ایک)

اور وزن فعل بعیر شرط علمیت کے بھی پائے جاتے
ہیں جیسے ثلث و احمر میں پس معلوم ہوا کہ پہلا استثناء
موجبہ کلیہ سے ہے اور دوسرا مستثنیٰ سالبہ کلیہ سے
جو اسی موجبہ کلیہ سے مفہوم ہوتا ہے اس کو شارح کی
عبارت میں یوں سمجھ لیجئے کہ الا العدل و وزن الفعل
استثنا راول کے مابقی سے استثناء ہے اس لئے
کہ میں اسباب تو ایسے ہیں کہ ان میں علمیت مؤثر نہیں
ہوتی و صف تانیث بالالف الممدودہ و المقصورہ
صیغہ منتہی المجموع اور چار اسباب ایسے ہیں کہ ان میں
علمیت شرط ہے جو کہ الاما ہی استثناء راول سے سمجھ میں
آگئے لہذا دو اسباب عدل اور وزن فعل باقی رہ گئے
اور جبکہ استثناء راول لا تجامع مؤثرۃ سے ہے تو ما
بقی کے لئے یہ مطلب خود بخود حاصل ہو گیا کہ بعض
اسباب ایسے بھی ہیں کہ علمیت ان میں شرط اور مؤثر
ہو کر جمع نہیں ہوتی تو اس کے لئے ہم نے ایک
قضیہ سالبہ کلیہ بنایا لا تجامع غیر ما ہی شرط فیہ اور
پھر اس سے ہم نے الا العدل و وزن الفعل کا استثناء
کر دیا اب مطلب صاف ہے کہ علمیت موائے

کے یہ معنی ہیں کہ مبدل منہ بطور غلط کے واقع ہوتا
ہے اور نیز مبدل منہ حکم میں سکوت عنہ کے واقع ہونا
ہے اور مقصود کلام سے بدل ہوتا ہے پس اس وقت
کلام مصنف کے یہ معنی ہیں کہ علمیت مؤثر ہو کر فقط
عدل اور وزن فعل میں پائی جاتی ہے کسی اور سبب
میں نہیں پائی جاتی مادہ علاوہ خلاف مقصود ہونے کے
خلاف واقعہ بھی ہے پس ثابت ہو گیا کہ مصنف کا
یہ کلام خلل سے خالی نہیں تو اس کا جواب شارح نے
یہ دیا کہ یہاں امر واحد سے متعدد استثناء نہیں ہو سکتا
ہر ایک استثناء کا مستثنیٰ منہ علیحدہ علیحدہ ہے اس لئے
کہ استثناء راول سے ایک موجبہ کلیہ سمجھا جاتا ہے یعنی
ہر وہ اہم غیر منصرف کہ جس میں علمیت شرط ہے علمیت
اس میں مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے اور اس موجبہ کلیہ
کے ساتھ ایک سالبہ کلیہ بھی مفہوم ہوتا ہے یعنی جس
میں علمیت شرط نہیں اس میں مؤثر ہو کر نہیں پائی
جاتی مگر عدل اور وزن فعل کہ ان دونوں میں علمیت
بدون شرطیت کے مؤثر ہے جیسا کہ عمر اور احمد میں
اور علمیت ان دونوں میں شرط نہیں اس لئے کہ عدل

اس سبب کے کہ جس میں یہ شرط ہے جمع نہیں ہو
گی مگر عدل اور وزن فعل میں کہ علمیت ان دونوں
میں مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے اور ان دونوں میں علمیت
شرط نہیں والشر العلم۔

نقل قول و ہما ای العدل الخ اس عبارت
سے مصنف رحمہ اللہ ایک سوال مقدر کا جواب
دے رہے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ یہ جار ہے ہے کہ
کوئی اسم علمیت اور عدل و وزن فعل کے پائے جانے
کی وجہ سے غیر منصرف ہوا اور علمیت اگر تہ تکیر سے
زائل ہو جائے لیکن دو سبب عدل اور وزن فعل تو
موجود رہیں گے اور غیر منصرف ہونے کے لئے دو ہی
اسباب کافی ہوتے ہیں لہذا او مانہ علمیت مؤثرۃ والا
قاعدہ قاعدہ کلیہ نہیں رہا تو اس کا جواب مصنف
نے یہ دے دیا کہ عدل اور وزن فعل میں تضاد ہے
دونوں کا اجتماع نہیں اس لئے کہ اسما معدولہ
نفس الامر کے اعتبار سے اوزان مخصوصہ پر ہیں اور
ان میں سے کوئی وزن ایسا نہیں جو فعل کے اوزان
معتبرہ فی منع صرف میں سے ہو اس لئے کہ فعل کے
اوزان قیاسی ہیں اور عدل کے غیر قیاسی مطلب
ہوا کہ عدل اور وزن فعل کے درمیان جو ضدیت ہے
وہ مفہوم کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ وصفیہ اور
علیت کے درمیان بحسب المفہوم تضاد ہے بلکہ تضاد
اس لحاظ سے ہے کہ کلام عرب میں کوئی ایسا کلمہ نہیں
پایا جاتا کہ جس میں بالاستقرار وزن فعل کی کسی ایک بھی
قسم کے ساتھ عدل کا اعتبار کیا گیا ہو اگرچہ غلطاً ان
دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں اس
لئے نجات نے جب ان الفاظ کا تتبع کیا کہ جنہیں عدل
کا اعتبار ہے تو اس کے اوزان کو صرف تہ میں منحصر پایا
جس کو کسی شاعر نے اس بہت میں جمع کیا ہے لہذا ان
عدل و اتو تانی شش شمر مفعول ثلث لہذا مثلث علم فعل
است مثل اس فعل است چونکہ مثل فعل وان لتمام
فعل مکرر اور شارح نے اپنی عبارت میں فی منع صرف کا
امانہ دفع دخل کی وجہ سے کیا ہے تقریر دخل یہ ہے کہ
عدل کے بعض اوزان ایسے بھی ہیں جو فعل کے اوزان میں
سے بھی ہیں مثلاً فعل لہذا ان دونوں میں تضاد نہ رہا تو

فَإِذَا شُكِرَ غَيْرُ الْمَنْصُوفِ الَّذِي أَحَدُ اسْبَابِهِ الْعِلْمِيَّةُ بِسَبَبٍ

فقط نہ کہ دونوں کا مجموعہ (پس جبکہ نکرہ کیا جائے) اس غیر منصرف کو کہ جس کے اسباب میں سے ایک علمیت ہے (تو وہ بغیر سبب کے باقی رہ جائے گا) یعنی اس غیر منصرف میں کوئی سبب

کہ مطلق سبب مراد لیا جائے اور نہ شے کا مفہوم خاص یعنی احد ہا عدل یا وزن فعل اور نہ شے سے مراد عدل اور وزن فعل دونوں کا مجموعہ بلکہ وہ ایک ایسا مفہوم ہے جو کہ درمیان مجموعہ عدل وزن فعل اور درمیان احد ہما کے درود ہے یعنی جو مفہوم کہ احتمال عقل اور نفس لامری کے درمیان تردید سے حاصل ہوتا ہے وہ مستثنیٰ منہ ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو مجرد عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ علمیت مجموعہ عدل اور وزن فعل کے ساتھ جمع ہو جائے لیکن نفس لامری دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ پائی جائے گی یا تو فقط عدل کے ساتھ یا فقط وزن فعل کے ساتھ غرض کہ دو احتمال ہیں عقلی اور نفس لامری پس جو مفہوم کہ ان دونوں احتمالوں کے درمیان تردید سے حاصل ہو گا وہ مستثنیٰ منہ ہو گا اور اس وقت فلا یكون معہا الا احد ہما کے معنی یہ ہوں گے ای لا یوجد معہا ای مع العلمیۃ مجموعہ العدل وزن الفعل او احد ہما الا احد ہما پس اس مفہوم مردود کو تحت نفی داخل کر کے مستثنیٰ منہ کیا گیا اور سن ثانی کا بذریعہ استثنائے اثبات کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ استثنائے عن نفسہ نہیں بلکہ خاص کا عام سے استثناء ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں واللہ اعلم۔ اس جگہ شارح نے الا احد ہما کے بعد فقط لا مجموعہا اس وجہ سے کہا ہے کہ جب یہ امر مستحق ہو گیا کہ عدل اور وزن فعل کے درمیان تضاد ہے تو اس تضاد کی وجہ سے علمیت کے ساتھ یا تو فقط وزن فعل ہی پایا جائیگا یا فقط عدل ان کا مجموعہ علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اب اس اور پر والے جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ شارح کا یہ کہنا کہ شے سے مراد مفہوم مردود ہے غلط ہے اس لئے کہ اس صورت میں وہی اور پر والا اعتراض پھر عود کر آتا ہے کیونکہ استثنائے کل من اکل والا اعتراض

اس کا جواب شارح نے فی منع الصرف سے یہ دیا کہ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ یہ اوزان فعل سے ہے لیکن وزن فعل کے ان اوزان میں سے نہیں ہے جو منع صرف میں معتبر ہیں اس لئے کہ یہ وزن ایسا ہے جو فعل ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اسماء میں بھی پایا جاتا ہے جیسے شجر حجر وغیرہ لہذا اس کا فعل کے وزن پر ہونا عدل کے لئے نقصان رسا ثابت نہیں ہوتا۔

۱۳۱ قولہ فلا یكون معہا الخ یہاں سے مصنف رحمہ اللہ اس تضاد کا ثمرہ بیان فرماتے ہیں شارح رحمہ اللہ نے لایکون کی تفسیر لایوجد کے ساتھ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یكون اس جگہ نامرہ ہے ناقصہ نہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان دونوں میں تضاد ہے تو اب علمیت کا ان دونوں کے ساتھ اجتماع نہیں ہو گا بلکہ دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ پائی جائیگی اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ قول مصنف الا احد ہما استثناء مفرغ ہے کہ جس کا مستثنیٰ منہ ہمیشہ مخذوف ہوتا ہے اور وہ اس جگہ لفظ شے ہے پھر وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد شے کا مفہوم عام ہو گا جو کہ اس آیت کو شامل ہے یا مفہوم خاص مراد ہو گا جو کہ صرف عدل اور وزن فعل پر صادق آتا ہے پس اگر شے سے مفہوم عام یعنی سبب مطلق مراد ہو یعنی لایوجد سے سبب مطلق کی نفی ہو تو اس وقت خلاف مقصود لازم آئے گا اور کلام کے یہ معنی ہوں گے کہ علمیت اسباب تسعة میں سے کسی سبب کے ساتھ سوائے عدل اور وزن فعل کے جمع نہیں ہو گی اور یہ بدیہی البطلان ہے اور جب شے سے مفہوم خاص یعنی احد من العدل و وزن الفعل مراد لیں تو چونکہ یہ عن مستثنیٰ ہے اس لئے کہ الا احد ہما سے بھی یہ مراد ہے لہذا اس تقدیر پر استثنائے شے من نفسہ لازم آتا ہے نیز کل کا استثناء کل سے لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شے سے مراد عدل اور وزن فعل دونوں کا مجموعہ لیں مگر اس صورت میں افراد اور ثنائیہ کے درمیان مطابقت نہیں رہتی تو شارح اس کا جواب شے من الامر الدائر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہاں مستثنیٰ منہ تو شے کا مفہوم عام ہے

ای لم یبق فیہ سببٌ من حیث ہو سببٌ فیما ہی شرطٌ من الاسباب
الاربعة المذكورة لانه قد انتفی احد السببين الذی هو العلمیة
بذاتها والسبب الآخر المشروط بالعلمیة من حیث وصف سببیته
فلا یبقی فیہ سببٌ من حیث ہو سببٌ او علی سببٍ واحدٍ
فیما ہی لیست بشرط فیہ من العدل ووزن الفعل هذا وقد قیل علی
قوله وهما متضادان ان اصبحت بکسرتین علما للمفاضة من اوزان
الفعل مع وجود العدل فیہ فانه امر من صممت یصممت وقیاسه ان
یحیی بضمیتین فلما جاء بکسرتین علما انه معدول عنه والجواب ان

اس حیثیت (واعتبار) سے باقی نہیں رہے گا کہ وہ اس مقام میں اسباب اربعہ مذکورہ میں سے
ایک سبب ہے کہ جس میں علمیت شرط ہے کیونکہ دو سببوں میں سے ایک سبب جو کہ بذاتہ
علمیت ہے (تکیر کی وجہ سے) اور سبب دیگر جو کہ علمیت کے ساتھ مشروط تھا اپنی وصف
بسیت کے اعتبار سے (وہ پہلا اور یہ دوسرا دونوں) زائل ہو گئے پس اس (اسم غیر منصرف) کہ
جس کے اسباب میں سے ایک سبب علمیت تھی) میں سبب ہونے کے اعتبار سے کوئی سبب
باقی نہ رہا (یا ایک سبب پر) اس مقام میں کہ جس میں علمیت شرط نہیں یعنی عدل اور وزن
فعل (میں) اسے لود اور خوب یاد رکھو اور مصنف کے قول "وهما متضادان" پر اعتراض
کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اصبحت بکسرتین (ہمزہ و میم کے زیر سے) بہ حالت علم برائے جنکلا و زان
فعل سے ہے باوجودیکہ اس میں عدل ہے کیونکہ صمت صمت سے امر ہے اور اس کا قیاس
یہ ہے کہ صمتین کے ساتھ (نہر منصرف سے) ہو پس جب اصبحت کسرتین سے آگیا تو معلوم ہوا

ترکیب۔ الف نون زائدتان اس لئے کہ جب
اصدا سببین یعنی علمیت زائل ہو گئی تو دوسرا سبب
جو اس علمیت کے ساتھ مشروط تھا تو وصف
بسیت کے اعتبار سے بھی وہ زائل ہو گیا پس
اب اس میں کوئی سبب من حیث ہو سبب
باقی نہیں رہا اس جگہ شراح کی قید من حیث
ہو سبب سے ایک اعتراض کا دفع یہ ہو گیا اعتراض
یہ تھا کہ تانیث میں علمیت شرط ہے پس جب
علمیت اس سے زائل ہو جائے تو تانیث علی
حالہ باقی رہتی ہے تو جواب اس طرح ہو گیا کہ
زوال سے سبب کی وصفیت کا زوال من حیث
ہو سبب مراد ہے نہ کہ سبب کی ذات اور یہ

اضافہ کیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نکرہ کا نائب
فاعل کون ہے تو اس سے یہ بتا دیا کہ نکرہ کا
نائب فاعل وہ غیر منصرف ہے کہ اسباب
میں سے ایک سبب علمیت ہو تو کہتے ہیں کہ
وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت شرط اور
سبب بن کر مؤثر ہو جب کو نکرہ کیا جائیگا
تو اس صورت میں وہ بلا سبب باقی رہ جائیگا
یعنی تکیر کے وقت اس غیر منصرف میں کوئی
سبب جو من حیث ہو سبب ہو اس مقام میں
جہاں یہ علمیت شرط ہو نہیں پایا جائیگا اور
اودہ مقام جہاں علمیت شرط ہوتی ہے وہی
اسباب اربعہ مذکورہ یعنی تانیث بالترجمہ

ظاہر ہے کہ اگرچہ سبب کی ذات یعنی تانیث
تانیث میں موجود ہے مگر اس تانیث سے
وصفیت سبب زائل ہو گئی اور اب یہ اس
قابل نہیں رہی کہ کوئی اور سبب اس کے ساتھ
لاحق کر کے اس کو غیر منصرف بنا دیا جائے۔
۱۳۳ قولہ اد علی سبب واحد لہ یعنی
جس جگہ علمیت شرط بن کر مؤثر نہیں ہوگی بلکہ محض
سبب بن کر مؤثر ہوگی اس کو جب نکرہ کر کے
علمیت کو زائل کیا جائیگا تو اسم ایک سبب پر
باقی رہے گا اور جس جگہ علمیت سبب بن کر مؤثر ہوگی
ہے وہ صرف دو اسباب عدل اور وزن فعل میں ہیں
علمیت کے زوال کے بعد عدل یا وزن فعل باقی
رہ جائیگا اور یہ منع صرف کے لئے کافی نہیں لہذا
اسم منصرف ہو جائیگا لہذا اسے خذ ذرا والہ علم
۱۳۴ قولہ وقد قیل الہم اس جگہ سے شراح
قول مصنف وهما متضادان پر ایک اعتراض کر کے
اس کا جواب دے رہے ہیں تقریر اعتراض یہ ہے
کہ مصنف کا وہاں متضادان کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ
جائز ہے کہ وزن فعل اور عدل کا ایک جگہ اجتماع ہو
جائے مثلاً اصبحت میں کہ یہ اعراب کے وزن پر ایک
جنکلا کا نام ہے اور اصبحت اوزان فعل سے ہے اور
ساتھ ہی ساتھ اس میں عدل بھی موجود ہے اس لئے
کہ اصبحت صمت صمت سے صیغہ امر ہے اور چونکہ
یہ باب نصر سے ہے اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ
یہ بضمیتین یعنی انصر کے وزن پر اصبحت ہو اور یہ
ایسا نہیں ہے پس جبکہ یہ اصبحت بکسرتین مشہور ہے
تو معلوم ہوا کہ یہ اصبحت بضمیتین سے معدول ہے
لہذا عدل اور وزن فعل کا باوجود متضاد ہونے کے اجتماع
ہو گیا پس اس اجتماع کی وجہ سے اس کو غیر منصرف کہنا
چاہئے تو اس کا جواب شراح وال جواب الہم سے یہ ہے
سے ہیں کہ یہ امر غیر عطف ہے یہی ضروری نہیں کہ یہ باب
نصر صمت صمت سے ہو بلکہ یہ جائز ہے کہ یہ باب
نصر صمت صمت سے ہے اگرچہ یہ مشہور نہیں
اور جب یہ اس باب سے ہوگا تو اس کا امر لاحق
اصبحت بکسرتین ہوگا اور جب یہ بکسرتین ہوا تو

اس کا خروج کسی دوسرے صیغہ سے متحقق نہیں ہوا لہذا اس میں عدل کا بھی تحقق نہیں ہوا پس معلوم ہو گیا کہ جن اوزان میں عدل تحقیقی یا تقدیری ثابت ہے وہ کبھی وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

۱۳۵ قولہ والیضا قد عرفت الخ یہاں

سے شارح سوال ماقبل کا دوسرا جواب دے رہے ہیں یا یہ ایک سوال مفرد کا جواب ہے جو ضمناً پیدا ہو گیا تھا سوال یہ ہے کہ اصمت میں تو تم نے کہہ دیا کہ یہ بکسر تین بھی ہے اگرچہ یہ مشہور نہیں مگر آخر میں کیا کہو گے کہ اس میں عدل اور وزن فعل دونوں کا اجتماع ہو رہا ہے عدل کا تو اس وجہ سے کہ یہ آخری آخر میں سے معدول ہے اور وزن فعل تو ظاہری ہے کہ یہ فعل کے وزن پر سے تو شارح نے اس کا جواب یہ دیا کہ ماقبل میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ محض اصل محقق کا وجود اعتبار عدل تحقیقی میں کافی نہیں جب تک کہ منع صرف اعتبار عدل کو متقاضی نہ ہو اور جب تک کہ صیغہ کا اس اصل محقق سے نکلنے کا معتبر اعتبار نہ کرے لہذا اگر آخر غیر منصرف ہے تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ اس میں عدل اور وزن فعل کا اجتماع ہے بلکہ اس وجہ سے غیر منصرف ہے کہ اس میں وزن فعل اور صیغہ اعلیٰ موجود ہے اور یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ عدل کا اعتبار اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ کوئی اور سبب علم انفراد کا باعث ہی نہ مل سکے اور کلمہ غیر منصرف ہو اور یہاں وزن فعل اور وصف اعلیٰ دو سبب موجود ہیں لہذا عدل کی ضرورت نہیں یہاں تک تو یہ سوال مفرد کا جواب ہو گیا اور اگر پہلے ہی سوال کا دوسرا جواب ہے تو وہ بھی صاف ہے اور یہی عبارت پر غور کیجئے اور پھر شارح کی عبارت وہ ہونا لا یقتضیہ کو اس کے ساتھ ملائیے مطلب صاف ظاہر ہے یعنی اصمت میں پہلے ہی دو سبب عدل کے علاوہ موجود ہیں یعنی علمیت اور تانیث لہذا اس میں عدل کے اعتبار کی ضرورت ہی پیش

هذا امر غیر محقق لجزا و ورود اصمت بکسر تین وان لم یشتہر فلا وزان
التي تحقق فیہا العدل تحقیقا کان او تقدیرا لم تجامع وزن الفعل و
ایضا قد عرفت فیما تقدم ان مجرد وجود اصل محقق لا یکنی فی اعتبار
العدل التحقیقی بدون اقتضاء منع الصرف ایما واعتبار خروج الصیغہ
عن ذلك الاصل وھنا لا یقتضیہ لوجود السببین فی اصمت و سرائر
العدل وھما العلمیۃ والتانیث ثم انہ اشار الی استثناء مثل احرعلا
اذ انکر عن هذه القاعدة علی قول سیبویہ بقول وخالف سیبویہ
الاخفش المشہور ہوا بالحسن تلمیذ سیبویہ ولما کان قول التلمیذ

کہ ضمتین (نصر ینصر) سے معدول ہے اور جواب یہ ہے کہ یہ امر تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اصمت کا کسر تین کے ساتھ (ضرب ینضرب) وارد ہونا جائز ہے اگرچہ مشہور نہیں ہے لہذا وہ اوزان کہ جن میں عدل ثابت ہے تحقیقا ہو یا تقدیرا وہ وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوئے اور نیز تم نے ماقدم (عدل کی گزشتہ بحث) میں معلوم کر لیا ہے کہ منع صرف کے عدل کا تقاضا کئے بغیر اور اس اصل سے (جو کہ تحقیقا یا تقدیرا موجود ہے) منع کے خرد کا اعتبار کئے بغیر عدل تحقیقی کے اعتبار میں اصل محقق کا وجود کافی نہیں اور یہاں (اصمت بکسر تین علم جنگل) عدل کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اصمت میں عدل کے بغیر دو سبب موجود ہیں (جو اس کے منع صرف کو متقاضی ہیں) اور وہ دو سبب علمیت اور تانیث (مضوی) ہیں پھر مصنف نے احرع کے مثل کے یہ حالت علم جبکہ نکرہ کیا جائے بقول سیبویہ اس قاعدہ سے استثناء کی طرف اپنے قول سے اشارہ کیا لا اور سیبویہ نے اخفش کی مخالفت کی ہے اخفش مشہور جواب بالحسن ہے سیبویہ کا شاگرد ہے اور

نہیں آتی اور یہ جواب اس وقت ہے جب کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ اصمت بکسر تین خلاف تیاں آیا ہے اور اگرچہ یہ تسلیم نہ کریں تو پھر کوئی اعتراض ہی باقی نہیں رہتا بلکہ یہ اس وقت قاعدہ کے مطابق انضرب کے وزن پر ہے اور عدل کا اس میں تحقق ہی نہیں کما لا یخفی دانشا علم بالصواب۔

۱۳۶ قولہ ثم انہ الخ اس جگہ سے شارح

علیہ رحمۃ مصنف رحمہ اللہ کے قول وخالف سیبویہ الخ کی تفسیر باندھ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قول مصنف کا منشا کیا ہے تو کہنے میں مصنف نے یہ سب کچھ بیان کر کے بعد میں اپنے قول وخالف سیبویہ الاخفش سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مثل احرعلا کو جب

نکرہ کر دیا جائے تو وہ سیبویہ کے قول کے مطابق اس قاعدہ مذکورہ ماقبل سے مستثنیٰ ہے اور مثل احرعلا سے ہر وہ اسم غیر منصرف مراد ہے کہ جس میں علمیت سے پیشتر معنی وضعی ظاہر یعنی ہوں مثال کے طور پر احرع کو ہی لے لیجئے قبل العلمیت اس کے معنی وضعی سرخ رنگ کے ہیں لہذا جب اس کو علم بنا دیا گیا تو وہ صفت زائل ہو گئی اس لئے کہ وہ صفت اور علمیت میں تضاد ہے

۱۳۷ قولہ المشہور الخ یہ اخفش کی صفت واقع

ہونے کی دوسرے منصوب ہے اور اخفش اس وجہ سے منصوب ہے کہ وہ خالف کا مفعول ہے ہے اخفش نام کے تین شخص گذرے ہیں (۱) اخفش استاد سیبویہ اس کی

اظهر مع موافقته لما ذكره من القاعدة جعله اصلاً واستدل بالخالفات
الى الاستاذ وان كان غير مستحسن تنبيهاً على ذلك في انصرف مثل
اخر علماء اذا شُكِرَ والمراد بمثل احمر ما كان معنى الوصفية
فيه قبل العلمية ظاهراً غير خفي فيدخل فيه سكران وامثالهما
يخرج عنه افعال التاكيد نحو اجمع فانه منصرف عند التنكير بالاتفاق
لضعف معنى الوصفية فيه قبل العلمية لكونه بمعنى كل وكذلك
افعل التفضيل المجرد عن من التفضيلية فانه بعد التنكير منصرف
بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه حتى صار افعال اسماء وان كان معه

جبکہ شاگرد کا قول (سیبویہ کے قول سے) اظہر تھا (کیونکہ اسم عرب کی اصل صرف ہے)
اس کے باوجود کہ اخفش کا قول اس قاعدہ کے موافق ہے جسے مصنف نے ذکر کیا کہ جس میں علیت
مؤثرہ موجب نہ کرے کیا جائے تو منصرف ہوگا تو مصنف نے قول اخفش کو اصل ٹھہرایا اور مخالفت کی
نسبت استاذ کی طرف کر دی کہ مخالف کا فاعل سیبویہ کو بنایا اگر شاگرد کے قول کو اصل ٹھہرا
کر مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کرنا مستحسن نہیں ہے (انہوں نے ایسا کیا تنبیہ کرنے کیلئے)
شاگرد کے قول نے اظہر ہونے پر لا محضہ کے مثل کے بہ حالت علم جبکہ نہ کرے کیا جائے منصرف
ہونے میں (تنبیہ کرنے کے لئے) اور احمر کے مثل سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں وصفیت
کے معنی علیت سے پہلے ظاہر ہوں پوشیدہ نہ ہوں (خواہ اب وصفیت کے معنی اس سے
زائل ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں) پس (سیبویہ اور اخفش کے) اس اختلاف (یا مثل احمر) میں
سکران اور اس کے (عطشان اور ریان) ایسے امثال (کہ جن میں وصفیت کے معنی ظاہر ہیں)
داخل ہو گئے اور اس سے تاکید کا افعال خارج ہو گیا جیسے اجمع (واکنع والبصع) کہ یہ تنکیر کے
وقت بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس میں علیت سے قبل وصفیت کے معنی (جمیت) کا ضعف
ہے اس لئے کہ اجمع کل کے معنی میں ہے (لہذا یہ اسم کا حکم لے لگا اور وہ منصرف ہونا ہے) اور اسی
طرح تفضیل کا افعال جو من تفضیلیہ سے خالی ہے (نکل گیا) کہ یہ تنکیر کے بعد بہ اتفاق (سیبویہ و اخفش)
منصرف ہے کیونکہ اس میں (علیت سے قبل) وصفیت کے معنی کا ضعف ہے (کہ جب من سے
خالی ہوا تو افعال اسمی کہ جس میں کوئی وصفیت نہیں ہے ملتبس ہو گیا) یہاں تک کہ افعال اسم

جواب شارح نے فرمایا کہ ان قول التلمیذ الخ سے یہ دے
رہے ہیں کہ جبکہ اخفش کا قول جمہور نحاة کے مذہب کے
موافق ہوئے کے ساتھ زیادہ ظاہر اور قوی بھی تھا تو مصنف
نے استادی اور شاگردی کے درجہ کو بالائے طاق رکھ کر
قول اخفش کو اصل بنایا اور مخالفت کی نسبت استاذ یعنی
سیبویہ کی طرف کر دی اگرچہ یہ اسناد مخالفت غیر مستحسن
اور قبیح ہے نیز محاورہ عرب کے خلاف ہے مگر چونکہ
اس میں ایک نکتہ مضمر تھا اس لئے مصنف نے اس
نکتہ پر تنبیہ کرنے کی غرض سے ایسا کیا اور وجہ موافقت یہ
ہے جو شارح نے لفظ ذکرہ من القاعدة کہہ کر ظاہر کی ہے
یعنی جمہور نحاة کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی
وصف کو علم بنادیں اور اس علمیت کی وجہ سے اس کی
وصفیت زائل ہو جائے اور پھر اس علم کو نہ کر دیں تو وہ
اسم منکر منصرف ہو جائے گا اور اخفش کا قول اس مذہب
کے موافق ہے لہذا یہ قوی ہے۔

۱۳۸ قولہ فی انصرف الخ اس جگہ شارح نے
فی کے بعد انصرف کا اضافہ اس وجہ سے کر دیا کہ کوئی
مقترض یہ اعتراض نہ کرے بیٹھے کہ مثل احمر علماء کے وجود میں
تو کوئی اختلاف نہیں لہذا یہ تمام جھگڑا ہی ختم ہو جاتا
ہے تو اس اضافہ سے اس طرح ازالہ ہو گیا کہ مثل احمر
علماء کے وجود یا عدم سے بحث نہیں ہے بلکہ اس کے
انصرف وعدم انصرف سے بحث ہے اور المراد الخ
سے شارح نے مثل احمر کے تعین مراد کے ساتھ ساتھ
ایک سوال مقدر کا بھی جواب دیا ہے سوال یہ ہے
کہ متبادر مثل احمر سے یہ ہے کہ جو اسم احمر افعال کے
وزن پر ہو لہذا اس بنا پر سکران اور رندان خارج
ہو جائیں گے اس لئے کہ یہ دونوں احمر کے وزن
پر نہیں ہیں اور اس میں اجمع وغیرہ داخل ہو جائیں گے
جو کہ اسم تفضیل یا افعال التکید ہوں جبکہ انکا استعمال
من تفضیلہ کے ساتھ نہ کیا جائے حالانکہ واقعہ یہ ہے
کہ سکران اور رندان میں بھی احمر کی طرح اختلاف ہے
اور اجمع وغیرہ جب من تفضیلیہ کے ساتھ مستعمل
نہ ہوں تو ان کے منصرف ہونے میں کسی کو بھی اعتراض
نہیں لہذا شارح نے جواباً بتا دیا کہ مثل احمر سے
مراد وہ نہیں جو تم نے لی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے

ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ مخالفت کی نسبت ادنیٰ
کی طرف کی جائے اعلیٰ کی طرف نہ کریں پس مصنف نے
اس جگہ مخالفت کی نسبت اعلیٰ کی طرف کر کے محاورہ
عرب کے خلاف کیا اس لئے کہ سیبویہ اخفش کا استاد ہے
اور نسبت مخالفت سیبویہ کی جانب کی گئی ہے تو اس کا

کنیت ابوالمطلب ہے (۲) تلمیذ سیبویہ ابو الحسن سعید بن
سعدہ (۳) ابو الحسن علی بن سلیمان ان کا ہم عصر مگر مشہور
زیادہ اخفش تلمیذ سیبویہ ہی ہے اس لئے شارح نے
الشہود الخ کا اضافہ کیا اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا
ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مخالف مخالفت سے مشتق

کہ معنی وصفیت کسی اسم میں قبل العلمیت ظاہر غیر خفی ہوں لہذا اس میں ندان اور سکران بھی داخل ہو گئے اور الجمع وغیرہ خارج اسلئے کہ الجمع وغیرہ عند التکبیر بالاتفاق منصرف ہیں اس لئے کہ اس میں معنی وصفیت قبل العلمیت ضعیف ہیں بوجہ اس بات کے کہ الجمع کل کے معنی میں آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے اشتریت العبد جمع ای کلمہ پس اگر جمع فعل استکیر کو وصفیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف بنائیں تب تو کوئی اختلاف نہیں لیکن اگر اس کو علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیں گے تو بعد التکبیر بالاتفاق منصرف ہو جائیگا اس لئے کہ اس میں وصفیت ضعیف ہے اور وہ بعد التکبیر سے سیبویہ کے نزدیک بھی عود نہیں کرے گی جیسے ہی فعل التفضیل جو کہ من تفضیلیہ سے خالی ہو بعد التکبیر بالاتفاق منصرف ہو جائیگا اسلئے بغیر استعمال من کے اس میں وصفیت پائے ہی نہیں جاتے لہذا اس میں بھی معنی وصفیت ضعیف ہوئے یہاں تک کہ یہ بمنزلہ ایک اسم کے ہو گیا اور وصفیت اس میں قطعاً نہیں رہی اور اگر اس کے ساتھ من تفضیلیہ مستعمل ہو تو یہ بلا خلاف غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس میں معنی وصفیت ظاہر ہوں گے من تفضیلیہ کے سبب سے۔

۱۳۹ قولہ اعتباراً الخ سیبویہ نے اخفش کی مخالفت مثل احمد علم میں جبکہ اس کو نکرونا دیا جائے اس وجہ سے کہ ہے کہ سیبویہ نے تنکیر کے بعد وصفیت اصلیه کا اعتبار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ احمد کی وصفیت قوی لہذا یہ زوال علمیت کے بعد لوٹ آئے گی لہذا حموز وزن فعل اور وصفیت کی وجہ سے تنکیر کے بعد بھی غیر منصرف ہی رہے گا تو اس نام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مثل احمد میں فعل نزاع یہ چیز ہے کہ وصفیت اصلیه تنکیر کے بعد لوٹ آتی ہے یا نہیں چہرہ غامض مع اخفش کے تو اس امر کے قائل ہیں کہ وصفیت اصلیه عود نہیں کرتی لیکن سیبویہ کہتے ہیں کہ وصفیت اصلیه لوٹ آتی ہے اور اس کا اعتبار ہوتا ہے اب جاننا چاہیے کہ شارح نے اعتباراً للصفة الاصلية کی شرح ای

من فلا ينصرف بلا خلاف لظهوره عنى الوصفية فيه بسبب من التفضيلية اعتباراً للصفة الاصلية لانه ما خالف سيبويه الا خفش لاجل اعتبار الوصفية الاصلية بعد التثنية فانه لما زالت العلمية بالتثنية لم يبق فيه مانع من اعتبار الوصفية فاعتبرها وجعله غير منصرف للصفة الاصلية وسبب آخر كون الفعل والالف والنون المزيدتين فان قلت كما انه لا مانع من اعتبار الوصفية الاصلية كما باعث على اعتبارها ايضا فلما اعتبرها وذهب

ہو گیا (اور وصفیت کے معنی زائل ہو گئے) اور اگر اس کے ہمراہ من ہو تو وہ بلا خلاف منصرف نہ ہو گا کیونکہ من تفضیلیہ کے سبب سے وصفیت کے معنی کا ظہور ہے (اعتبار کرنے کی وجہ سے وصفیت اصلیه کا) یعنی سیبویہ نے اخفش کی مخالفت وصفیت اصلیه کے اعتبار کرنے کی وجہ سے ہی کی ہے (تنکیر کے) بل کہ جب تنکیر سے علمیت زائل ہو گئی تو اس میں وصفیت (اصلیه) کا اعتبار کرنے سے کوئی مانع بھی نہ رہا تو سیبویہ نے وصفیت اصلیه کا اعتبار کیا اور مثل کو اہم

لازم آئے گا حالانکہ قول سیبویہ اصل نہیں بلکہ چہرہ غامض کا قول اصل ہے اور اسی کا مؤید قول اخفش لہذا من کے برعکس ماننے پر خلاف قاعدہ لازم آئے گا اور دوسرے جواب یہ ہے کہ اعتباراً لظرفیت یا مصدریت کی بنا پر منصرف ہونا بہت بعید ہے اس لئے کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے اور اس کے بعد کوئی شے منصرف بیان کی جائے تو وہ شے منسوب حکم سابق کی علت بنتی ہو کر رہتا ہے اور اعتباراً الخ میں صاف ظاہر ہے کہ مخالفت کی علت اعتباراً لوصفیت اصلیه ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ سیبویہ ہی خالف کا فاعل ہو سکتا ہے اخفش نہیں شارح فرماتے ہیں فانه لازالت العلمية الخ یعنی جب تنکیر کی وجہ سے علمیت زائل ہو جائیگی تو اس میں سیبویہ کے نزدیک اعتبار وصفیت سے کوئی مانع باقی نہیں رہے گا لہذا سیبویہ نے اس کا اعتبار کر لیا اور اسم کو غیر منصرف قرار دے دیا منصفه اصلیه وزن فعل کی وجہ سے احمد کو اور وصف اصل والعت ذلول زائدتان کی وجہ سے سکران کو۔

شکلہ قولہ فان قلت الخ یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ سیبویہ پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دیا اور اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں الخ رضی عنہ کہ

الی ما هو خلاف الأصل اعنی منع الصوف قبل الباعث علی اعتبارها
امتناع اسود وارقم مع زوال الوصفية عنها حیث ان وفیه بحث ان
الوصفية لم تزل عنها بالکلیة بل بقی فیها شائبة من الوصفية لان
الاسود اسم للحمية السوداء والارقم اسم للحمية التي فیها اسود وبیاض
وفیهما شمة من الوصفية فلا یلزم من اعتبار الوصفية فیهما اعتبارها
فی احمر بعد التکیر لانها قد زالت بالکلیة واما الاخفش فذهب
الی انه منصرف فان الوصفية قد زالت بالعلمية والعلمية بالتکیر و
الزائل لا یعتبر من غیر ضرورة فلم یبق فیہ الاسباب واحدا هو وزن

صفت اصلیه اور سبب دیگر جیسے وزن فعل (احمر کے مثل میں) اور الف و لون زائد میں (سکر
کے مثل میں) کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیا پھر اگر تم کہو کہ جس طرح وصفیت اصلیکے اعتبار
کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے اسی طرح اس کے اعتبار کرنے پر کوئی باعث بھی تو نہیں ہے
پھر سیبویہ نے اس کا اعتبار کیوں کیا؟ اور اس (اسے) کی طرف چلے جو خلاف اصل ہے یعنی غیر منصرف
ہونا کہ بار بار ہوا کہ اسمائے معربہ میں اصل صرف ہے نہ کہ منع صرف (جواب دیا گیا ہے کہ
صفت اصلیکے اعتبار کرنے پر باعث اسود وارقم کا امتناع (غیر منصرف ہونا) ہے باوجودیکہ
ان دونوں سے اس وقت (جبکہ یہ سانپ کے نام ہیں) وصفیت زائل ہے اور اس جواب
میں بحث (و نظر ہے) کیونکہ وصفیت ان دونوں سے کلی طور پر زائل نہیں ہوتی (کلی طور پر
اس وقت زائل ہوتی جبکہ اسود سرخ سانپ کا اور ارقم سیاہ سانپ کا نام بن جاتا) بلکہ ان
دونوں میں وصفیت کی بوباتی ہے کیونکہ اسود کلے سانپ کا اور ارقم اس سانپ کا نام ہے
جس میں سیاہی اور سفیدی ہے اور ان دونوں (اسود اور ارقم) میں وصفیت کی بود موجود
ہے لہذا اسود اور ارقم میں وصفیت کے اعتبار کرنے سے احمر میں تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار
کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ (احمر کی) وصفیت (علمیت سے) کلی طور پر اس سے زائل ہو گئی اور
بہر حال اخفش پس اس بات کی طرف گئے ہیں کہ احمر تنکیر کے بعد منصرف ہے کیونکہ وصفیت علمیت
کی وجہ سے زائل ہو گئی اور علمیت تنکیر کی وجہ سے (زائل ہو گئی) اور زائل کا بلا ضرورت اعتبار
نہیں کیا جاتا (اور یہاں اس کے اعتبار کی ضرورت نہیں کہ اسم معرب میں اصل صرف ہے)

طرح وصفیت اصلیکے اعتبار کرنے کے لئے سیبویہ
کو کوئی مانع نظر نہیں آتا تو اس کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں
آتی کہ وصفیت اصلیکے اعتبار سے کیا جائے لہذا سیبویہ
نے اس کا کیوں اعتبار کیا؟ اور خلاف اصل یعنی عدم
انصراف کی طرف کیوں گیا؟ اس لئے کہ کلام میں انصراف

اصل ہے نہ کہ عدم صرف لہذا قول سیبویہ کچھ قابل اعتنا
نہیں تو اس کے جواب میں شارح قیل سے یہ اشارہ
کرتے ہیں کہ یہ جواب اگرچہ خفیف ہے مگر ہو سکتا
ہے کہ شاید سیبویہ نے اسی وجہ سے ایسا کیا ہو جواب
جواب یہ ہے کہ اس کے اعتبار کرنے کا باعث اسود

اور ارقم کا زوال وصفیت کے بعد بھی غیر منصرف ہوتا
ہے اس لئے کہ ان دونوں سے غلبہ اسمیت کی وجہ
سے وصفیت زائل ہو گئی مگر اس کے باوجود وہ ان
دونوں میں معتبر ہے لہذا سیبویہ نے احمر کو بھی اسود وار
ارقم کی مانند خیال کر کے ان پر قیاس کر لیا۔

اس کے قولہ وفیه بحث ان چونکہ شارح
نے ادھر والے سوال کا جواب قبل سے دیا تھا جس سے
اس جواب کے ضعف کی جانب اشارہ تھا۔ تو اب
شارح اس جواب کے ضعف کو فیہ بحث سے ظاہر
کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس میں بحث ہے کہ آیا
احمر کو اسود اور ارقم پر قیاس کرنا صحیح ہے یا نہیں تو
ہم دیکھتے ہیں کہ اسود اور ارقم سے باوجود غلبہ اسمیت
کے وصفیت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی بلکہ ان دونوں
میں وصفیت کی آمیزش باقی ہے اس لئے کہ اسود سیاہ
سانپ کو کہتے ہیں سرخ سانپ کو نہیں کہہ سکتے اور
ارقم اس سانپ کو کہتے ہیں جس میں سیاہی اور سفیدی
دونوں موجود ہیں جس کو اردوزبان میں چت کہتے ہیں
میں تو معلوم ہوا کہ ابھی تک ان دونوں میں وصفیت
کا شائبہ موجود ہے اس لئے کہ یہ دونوں ان رنگوں
کے سانپوں کے علاوہ کسی اور رنگ کے سانپوں
پر کہیں نہیں بولے جاتے اور احمر کی وصفیت علمیت
کے باعث بالکلیہ زائل ہو چکی تھی اس میں وصفیت کا
کسی قسم کا بھی شائبہ موجود نہیں تھا لہذا معلوم ہوا کہ
احمر کو اسود اور ارقم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے
اور یہ درست نہیں جس کو شارح بایں الفاظ ادا فرما
رہے ہیں کہ پس نہیں لازم آتا ان دونوں میں وصفیت
کے اعتبار کرنے سے وصفیت کا احمر میں بھی اعتبار
کرنا بعد تنکیر کے اس لئے کہ وصفیت زائل ہو گئی ہے
احمر سے بالکلیہ پس معلوم ہوا کہ سیبویہ کا جواب
درست نہیں اور اعتراض ابھی جگہ بیٹھے غالبہ باقی رہا۔

اس کے قولہ داملا اخفش انم اور اخفش یہ
فرماتے ہیں کہ احمر تنکیر کے بعد منصرف ہے اس لئے
کہ وصفیت تو علمیت کی وجہ سے زائل ہو گئی اور
علمیت تنکیر کی وجہ سے اور زائل شدہ شے کا غیر
ضرورت کے اعتبار نہیں کیا جاتا لہذا جب اس کا

اعتبار نہیں ہوگا تو اب احمر میں وزن فعل اور سکران وغیرہ میں الف و نون زائد تان صرف ایک ایک حسب باقی رہ گیا اور کلمہ کو غیر منصرف بنانے کیلئے ضرورت ہے دو صیغوں کی ابتدا یا اپنی اصل پر باقی رہتے ہوئے منصرف ہو گیا اس کو شارح فرماتے ہیں کہ یہ قول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ معلوم من کل الوجه مؤثر نہیں ہو کرتا۔ نیز قاعدہ یہ ہے کہ ساقط عود نہیں کیا کرتا ہے۔

مسئلہ قولہ ولما اعتبر الخ یہاں سے شرح یہ بیان فرماتے ہیں کہ آئندہ قول مصنف دلائل مزید باب حاتم الخ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو اخفش کی طرف سے سیبویہ پر وارد ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سیبویہ نے احمر میں وصف اصلی کا تنکیر کے بعد بھی اعتبار کیا اگرچہ وہ وصفیت زائل ہو گئی تھی تو سیبویہ کو یہ لازم تھا کہ وہ اس وصفیت کا حالت علمیت میں بھی اعتبار کرتے لہذا حاتم کو غیر منصرف کہنا چاہئے تھا کیونکہ اس میں وصف اصلی اور علمیت موجود ہے اس لئے کہ حاتم حتم سے ماخوذ ہے جس کے معنی استوار کرنے اور حکم کرنے اور کام کو کسی پر واجب کرنے کے ہیں (کمائی المنتخب) تو اس حال کا جواب مصنف نے دلائل مزید الخ سے یہ دیا کہ تنکیر کے بعد وصف اصلی کے اعتبار کرنا صحیح ہے یہ لازم نہیں آتا کہ سیبویہ باب حاتم میں بھی وصف اصلی کا اعتبار کرے اس لئے کہ اگر ایسا کرے گا تو حکم واحد میں ضدین یعنی علمیت اور وصفیت کا اعتبار کرنا لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ یہ صورت اجتماع ضدین کی ہے اور اجتماع ضدین محال ہے قول مصنف دلائل مزید الخ کی مع قول شارح ترکیب یہ ہے کہ لایلی مزید میں کی ضمیر مفعول ہے جس کا مرجع سیبویہ ہے جس کو شارح نے ظاہر کیا ہے اور من اعتبار میں من کا متعلق لایلی مزید فعل ہے اور اعتبار کی ہضمیر مجرور مضاف الیہ اور اعتبار فاعل معنی ہے اور الوصفیۃ الاصلیۃ اس کا مفعول اور باب حاتم مضاف و مضاف الیہ لکھ لایلی مزید کا فاعل ہے باقی ترکیب ظاہر ہے۔

الفعل والالف والنون وهذا القول اظهر ولما اعتبر سيبويه الوصف الاصلی بعد التنکیر وان كان زائلا لزمه ان يعتبره في حال العلمیۃ ایضا فيمتنع نحو حاتم من الصرف للوصف الاصلی والعلمیۃ فاجاب عنه المصنف بقوله وَلَا يَلْزَمُهُ اى سيبويه من اعتبار الوصفیۃ الاصلیۃ بعد التنکیر في مثل احمر علما باب حاتم ای کل علم کان في الاصل وصفامع بقاء العلمیۃ بان اعتبر فيه ایضا الوصفیۃ الاصلیۃ وحکم بمنع صرفه للعلمیۃ والوصفیۃ الاصلیۃ لما يکرم

لہذا احمر میں ایک ہی سبب باقی رہ گیا اور وہ وزن فعل ہے (احمر میں) اور الف و نون ہے (سکران میں) اور (اخفش کا) یہ قول (سیبویہ کے قول سے) اظہر ہے اور جبکہ سیبویہ نے (مثل احمر میں) وصف اصلی کا تنکیر کے بعد اعتبار کیا اگرچہ وصف اصلی زائل ہو گئی تو سیبویہ کو لازم آتا ہے کہ وہ علمیت کی حالت میں بھی وصف اصلی کا اعتبار کرے پس (اس طرح) وصف اصلی اور علمیت کی وجہ سے حاتم ایسا کلمہ صرف سے ممتنع (غیر منصرف) ہو جائے گا پس مصنف نے سیبویہ کی طرف سے اپنے قول سے جواب دیا کہ (اور اسے لازم نہیں آتا) یعنی سیبویہ کو مثل احمر میں بہ حالت علم تنکیر کے بعد وصف اصلی کے اعتبار کرنے سے (حاتم کا باب) یعنی ہر وہ علم جو دراصل وصف تھا (اس طرح کہ اسم فاعل تھا جیسے حاتم یا اسم مفعول جیسے محمد یا صفت مشبہ جیسے حسین و کریم وغیرہ پھر اسے علم بنا دیا گیا تو سیبویہ کو بقاء علمیت کے باوجود اس طرح (لازم نہیں آتا) کہ اس میں بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرے اور علمیت اور وصفیت اصلیہ کی وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے

ساتھ علمیت باقی نہیں رہتی البتہ وہ کلمات اس میں داخل ہو سکتے ہیں جو وصف بھی ہوں اور علمیت بھی ان میں موجود ہو مثلاً ضارب۔ ناصر۔ عالم وغیرہ جب کسی کے نام رکھ دئے جائیں وزن کی کوئی تکلیف نہیں اور حاتم کا حکم بھی اس سے سمجھ می آگیا اس لئے کہ باب حاتم سے جو مراد لی گئی ہے اس میں یہ بھی داخل ہے۔

مسئلہ قولہ بان اعتبر الخ اس کا تعلق دلائل مزید باب حاتم سے ہے یعنی باب مثل احمر سے یہ لازم نہیں آتا کہ باب حاتم میں بھی سیبویہ وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرے اور اس کا اعتبار کر کے باب حاتم پر بھی علمیت اور وصفیت اصلیہ کی وجہ سے عدم انصراف کا حکم لگا دے اس لئے کہ اگر سیبویہ ایسا کرتا تو باب حاتم میں اس کے منع صرف کی تعداد پر حکم صادر ہوتا

مسئلہ قولہ ای کل علم الخ شارح نے باب حاتم کی شرح ای کل علم الخ کے ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باب حاتم سے مراد وہ کلمہ ہے جو حاتم کے وزن پر ہو تو اس بنا پر اس سے احمر وغیرہ خارج ہو گئے اس لئے کہ یہ حاتم کے وزن پر نہیں۔ نیز یہ کہ حاتم کا حال اس سے معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ باب حاتم میں حاتم مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ حکم سے خارج ہوتا ہے تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ باب حاتم سے مراد وہ نہیں جو حکم سے کہ مخالف میں مبتلا ہو گئے بلکہ اس سے مراد وہ علم ہے کہ جو اصل میں وصف ہو مگر ساتھ ہی ساتھ علمیت بھی اس میں باقی ہو لہذا اوپر والا سوال مندرج ہو گیا کہ احمر تو اس سے خارج ہے اس لئے کہ اس میں وصفیت کے

... فی باب حاتم علی تقدیر منعہ من الصرف من إغْتِبَارِ
الْمُتَضَادِّینِ یعنی الوصفیۃ والعلمیۃ فان العلم للخصوص و
الوصف للعموم فی حکم واحد وهو منع صرف لفظ واحد
بخلاف ما اذا اُغْتِبِرَتِ الوصفیۃ الاصلیۃ مع سبب آخر كما فی اسود
وارقم فان قلت التضاد انما هو بین الوصفیۃ المحققۃ والعلمیۃ
لا بین الوصفیۃ الاصلیۃ الزائلۃ والعلمیۃ فلو اُغْتِبِرَتِ الوصفیۃ
الاصلیۃ والعلمیۃ فی منع صرف مثل حاتم لایلزم اجتماع المتضادین
قلنا تقدیر واحد الضدین بعد زواله مع ضد آخر فی حکم واحد وان
لم یکن من قبیل اجتماع المتضادین لکنه شبهة به فاعتبارهما معاً

کا حکم صادر کرے «کیونکہ لازم آتا ہے» باب حاتم میں اس کے منع صرف ہونے کی تقدیر پر
اعتبار کرنا دو متضاد چیزوں کا (یعنی وصفیت اور علمیت) کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے (کیونکہ علم
(شخصی) مخصوص کے لئے ہے «ایک حکم میں» اور حکم لفظ واحد کا منع صرف ہے اس کے برعکس
جبکہ وصفیت اصلیت کا کسی اور سبب کے ساتھ اعتبار کیا جائے جیسے اسود اور ارقم میں سبب
دیگر وزن فعل ہے) پھر اگر تم کہو کہ تضاد تو صرف وصفیت موجودہ اور علمیت کے درمیان ہے نہ
کہ وصفیت اصلیت جو زائل ہو گئی اور علمیت کے درمیان (کیونکہ زائل ثابت کی ضد نہیں) لہذا
اگر حاتم کے مثل کے منع صرف (غیر منصرف ہونے) میں وصفیت اصلیت (زائل شدہ) اور علمیت کا
اعتبار کیا جائے تو دو متضاد چیزوں کا اجتماع لازم نہیں آئے گا (کیونکہ وصف اصلیت ہے اور علم
حالی جمع نہیں ہوتے پس محال اجتماع ضدین ہے نہ کہ اعتبار ضدین) ہم جواب دیتے ہیں کہ دو
ضدوں میں سے ایک کا اس کے زوال کے بعد ایک حکم میں دوسری ضد کے ہمراہ اعتبار کرنا اگرچہ
اجتماع متضادین کے قبیل سے نہیں (کہ ایک ضد اعتباری اور دوسری وجودی ہو تو اسے اجتماع
ضدین نہیں کہتے) لیکن اجتماع ضدین کے مشابہ ہے اس لئے ان دونوں کو اکٹھے اعتبار کرنا

میں اعتبار کیا جائے تو اجتماع متضادین لازم نہیں
آتا تو قلنا ہے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ زوال احد
میں جائز ہے ممنوع نہیں اس لئے کہ تم نے ثلث اور
مثلث میں وصفیت کا اعتبار کیا اور عمر میں علمیت
کا یہ دونوں اگرچہ جدا جدا ہیں مگر حکم ان دونوں کا
ایک ہے یعنی یہ دونوں معدول ہونے کی وجہ سے
غیر منصرف ہیں اور غیر منصرف حکم کو کہتے ہیں اس اجتماع
متضادین فی حکم واحد پایا گیا لہذا مصنف کا قول
غلط ثابت ہوا تو اس کا جواب شارح نے دیا منع
صرف لفظ واحد سے یہ دیا کہ حکم واحد سے مراد
لفظ واحد کا غیر منصرف ہونا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ
ثلث اور عمر میں وصفیت اور علمیت ایک لفظ میں
جمع نہیں ہیں لہذا یہ اعتراض مندرج ہو گیا حاصل یہ
ہوا کہ اعتبار متضادین حکم واحد میں مع اتحاد اللفظ
ممنوع ہے اور عمر و ثلث وغیرہ میں چونکہ حکم واحد لفظ
واحد میں نہیں دیا بلکہ دو یا دو سے زائد لفظوں میں
ہے تو اس میں کوئی منافیۃ نہیں بخلاف اس
صورت کے جبکہ وصفیت اصلیت کا کسی دوسرے
سبب کے ساتھ اعتبار کیا جائے جیسا کہ اسود اور ارقم
میں کہ وصفیت اصلیت وزن فعل کے ساتھ اعتبار کی
گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں علمیت بھی پائی
جاتی ہے تو اس قسم کا اجتماع ضدین جائز ہے
اس لئے کہ اس صورت میں غلبہ اسمیت اس میں
مضر نہیں کیونکہ یہ وصفیت اور وزن فعل کے
باعث غیر منصرف ہیں۔

قال فان قلت الخ یہاں سے
شارح علیہ الرحمۃ مصنف پر ایک اعتراض کر کے
اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ کہ مصنف
نے جو یہ کہا ہے کہ سیبویہ باب حاتم میں وصف
اصلی کو علمیت کے ساتھ معتبر اس پر نہیں
کرتے کہ اس سے اجتماع متضادین لازم آتا
ہے درست نہیں اس لئے کہ تضاد تو وصفیت
محققہ اور علمیت کے درمیان ہے نہ کہ وصفیت
اصلیت نامکملہ اور علمیت کے درمیان پس اگر وصفیت
اصلیت اور علمیت کا مثل حاتم کے عدم انصراف

اس لئے کہ یہاں بحث انصراف عدم انصراف سے ہی
ہو رہی ہے اور اس لئے کہ اعتبار متضادین ہو بھی سکتا
ہے جیسا کہ اعتدال مزاج میں اجتماع متضادین ہے
اس لئے معتدل اسی کو کہتے ہیں جس میں حرارت بردہ
وغیرہ برابر موجود ہوں۔

قال قولہ وهو منع صرف الخ یہ عبارت
ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ
وصفیت اور علمیت دونوں کا اعتبار کرنا حکم واحد

اعتبار کرنا لازم آتا ہے یعنی وصفیت اور علمیت
کا اس لئے کہ علم شخص معین کے لئے ہوتا ہے جو کہ خاص
ہے اور وصف عموم کے لئے اور خاص و عام میں تضاد
ہے جو شے خاص ہے وہ عام نہیں ہو سکتی اور جو عام ہے
وہ خاص نہیں ہو سکتی اور اس جگہ فی باب حاتم کے بعد
شارح نے منع تقدیر منع من الصرف کہہ کر یہ بتا دیا
کہ اعتبار متضادین کا لزوم مطلقاً مراد نہیں بلکہ لزوم
الحدوت مراد ہے جبکہ اس کو غیر منصرف بنا یا جائے

غیر مستحسن و جمیع البَابِ ای باب غیر المنصرف باللام ای بدخول
لام التعریف علیہ اَوْ بِالْإِضَافَةِ ای اِضَافَتِهِ اِلٰی غَیْرِهِ یَنْتَجِیْ اِی یَصِیْرُ

(اگرچہ مستحسن نہیں تاہم) مستحسن (اچھا) بھی نہیں (اور تمام باب) یعنی باب غیر منصرف باللام کی
وجہ سے) اس پر لام تعریف کے دخول کی وجہ سے (یا اِضَافَتِ کی وجہ سے) یعنی غیر منصرف کی غیر
کی طرف اِضَافَتِ کی وجہ سے «مجرور ہوگا» یعنی مجرور ہو جائے گا «کسرہ کے ساتھ» یعنی کسرہ

شراح نے جواب دیا کہ اِضَافَت سے مراد یہ ہے
کہ کلمہ غیر منصرف کی اِضَافَت کسی دوسرے کلمہ کی
جانب ہو یعنی اسم غیر منصرف مضاف الیہ نہ ہو اور
مثال مذکورہ میں احمد جو کہ غیر منصرف ہے مضاف الیہ
واقع ہو رہا ہے لہذا یہ ہمارے قاعدہ سے علیحدہ
ہے۔ اور خبر کی تفسیر ای یصیر مجرور رائے کر کے اس
اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اخبار باب افعال سے
ہے جو کہ میر درۃ کے معنی میں بھی آتا ہے لہذا اس جگہ
بھی معنی مراد میں اس لئے کہ اس عبارت سے مقصود
یہ ہے کہ باب غیر منصرف دخول لام تعریف اور اِضَافَہ
کی وجہ سے منع کسرہ سے دخول کسرہ کی طرف منتقل
ہو جاتا ہے اور اس سے یہ مقصود نہیں کہ غیر منصرف منع
کسرہ کے وقت دخول لام یا اِضَافَتِ کی وجہ سے کسرہ
ہو جاتا ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو اس صورت میں
اجتماع متضادین لازم آتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس
سے مقصود انتقال ہے منع کسرہ سے دخول کسرہ کی
طرف یا اعتراض کی تقریر یا اس طور کی جائے کہ خبر منع
منع ہوتا ہے لہذا بار کے ساتھ اس کا تعدیہ درست
نہیں تو جواب یہ ہوا کہ خبر یصیر مجرور آگے معنی میں ہے
اور یصیر لانی ہے متعلی نہیں لہذا اس کا تعدیہ بار
کے ساتھ درست ہے اور بالکسر کی شرح ای بصورۃ
الکسر الخ کیساتھ کرنے سے بھی شارح کا مقصد ایک
اعتراض کا دفع ہے اعتراض یہ ہے کہ الکسرۃ تار کے
ساتھ القاب بناؤ اعراب کے اندر مشترک ہے اور
کسر بغیر تار کے صرف معنی کیساتھ مختص اور ہماری تمام
گفتگو حرکت اعراب میں ہو رہی ہے نہ کہ بناؤ میں اور
جو القاب معرفت سے ہے لہذا سمجھ میں نہیں آتا کہ خبر
بالکسر کی صورت کیا ہوگی؟ معرب لہذا معنی کا اجتماع تو

دخول پس بار سببیت بھی وصف ہے اور دخول بھی
وصف ہے اور لہذا دخول لام کسر کا باعث ہو
گا لام نہیں اسی طرح بار دخول پر داخل ہے اللام
پر نہیں لہذا دخول حرف علی الحرف کے عدم جواز
کا اعتراض بھی مندرج ہو گیا پھر اس پر ایک اعتراض
دارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ یہ بقاعدہ
مذکورہ المال لا احمد کی مثال سے منقوض ہے۔
اس لئے کہ اس میں احمد کا فقط لام مدخول ہے
مگر باوجود اس کے مجرور نہیں بلکہ مفتوح ہے
تو شارح نے بدخول کے بعد لام التعریف کا اِضَافَہ
کر کے اس سوال کا بھی جواب دے دیا تفسیر
جواب یہ ہے کہ لام سے مراد اس جگہ لام تعریف
ہے لام جارہ نہیں اور مثال مذکور میں لام جارہ ہے
لہذا قاعدہ مذکورہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے
پھر اعتراض وارد ہوا کہ اصل پر لام تعریف داخل
ہے مگر اس کے باوجود غیر منصرف کا منصرف جواز
نہیں ہوا بلکہ یہ منصرف ہی ہے جیسا کہ تھا تو اس کا
جواب شارح نے علیہ کے اِضَافَہ سے دیا کہ لام
تعریف غیر منصرف پر داخل ہونا چاہئے نہ کہ غیر پر
اور اصل ظاہر ہے کہ غیر منصرف نہیں لہذا اعتراض
دفع ہو گیا۔

۱۵۷ قولہ ای اِضَافَتِ اِلٰی غَیْرِہِ

عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال
یہ ہے کہ اِضَافَتِ کا قاعدہ مذکورہ غلام احمد
کی مثال سے ناقض ہو جاتا ہے اس لئے کہ
غلام کی اِضَافَتِ احمد کی طرف ہو رہی ہے
اور احمد اس کا مضاف الیہ ہے مگر اسکے باوجود
احمد پر کسر داخل نہیں ہوا بلکہ احمد مفتوح ہے تو

ضدین کے بعد ضد آخر کے ساتھ احد الضدین کو حکم
واحد میں مقدر ماننا اگرچہ از قبیل اجتماع متضادین
نہیں ہے لیکن اجتماع متضادین سے مشابہہ تو
ہے لہذا ان دونوں کا اعتبار کرنا امر غیر مستحسن ہے
خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ اگرچہ محدث مذکورہ بالا میں
اجتماع ضدین تو لازم نہیں آتا مگر اس کے ساتھ
مشابہت تو پائی جاتی ہے لہذا ان دونوں کا اعتبار
نہیں کیا جائے گا لہذا علم اقول اس جگہ شارح
کا یہ اعتراض درست نہیں اس لئے کہ مصنف نے
اعتبار متضادین کہا ہے اجتماع متضادین نہیں کہا
اور شارح نے جو اعتراض کیا ہے وہ اجتماع
متضادین پر کیا ہے فتاویٰ ۱۲۔

۱۵۸ قولہ و جمیع البَابِ الخ و جمیع
البَابِ کی شرح ای باب غیر المنصرف کہہ کر اس
وہم کا ازالہ کر دیا کہ شاید باب مراد مانیہ علمیۃ
مؤثرۃ والا باب ہو جائے کہ ایسا نہیں تو اس
اِضَافَہ سے معلوم ہو گیا کہ جمیع البَابِ سے اس جگہ
باب غیر منصرف ہے اور البَابِ میں الف لام
مضاف الیہ کے عوض میں ہے تو تقدیر عبارت
یہ ہوئی و جمیع البَابِ ای جمیع باب غیر المنصرف
اب جانا چاہئے کہ مصنف کا منشا اس سے
کیا ہے تو مصنف کا منشا اس سے اسم غیر منصرف
کی اس صورت کو بتانا ہے کہ اگر اس پر الف
لام تعریف داخل ہو جائے یا اس کی اِضَافَتِ
ہو جائے کسی غیر کی طرف تو اس صورت میں
غیر منصرف پر کسر داخل ہو جاتا ہے قول مصنف
باللام خبر کے متعلق ہے اور اس کی شرح شارح نے
ای بدخول لام التعریف سے کر کے ایک سوال
مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ با سببیت
کے لئے ہے اور اسباب از قبیل اوصاف ہوتے
ہیں اور لام ذوات میں سے ہے پس لام کسرہ کا
سبب کیسے ہوگا نیز یہ کہ حرف کا حرف پر
داخل ہونا جائز نہیں اور اس جگہ بار جو کہ حرف
ہے لام حرف پر داخل ہے تو بدخول الخ سے جواب
اس طرح پر ہو گیا کہ بار کا دخول محذوف ہے یعنی

مجردا بالکسر ای بصورة الکسر لفظا او تقدیرا وانما لم یکتف بقوله
فیقولان الا نجر قد یكون بالقصر ولا بان یقول ینکسر لان الکسر
یطلق علی الحركات البنائية ایضا وللنحاة خلاف فی ان هذا الاسم فی
هذه الحالة منصرف او غیر منصرف فمنهم من ذهب الی انه منصرف

کی صورت میں (مجرد ہو جائے گا) لفظاً (جیسے مرت بالاحمر) یا تقدیراً (جیسے مرت بمرکم) اور مصنف
نے اپنے قول پر کثافت کیا (اور بالکسر کا اضافہ کر دیا) کیونکہ مجرد ہونا کبھی فتح کے ساتھ ہوتا
ہے (جیسے مرت بمراد کبھی کسر کے ساتھ جیسے مرت بمرکم اور یہاں صورت ثانیہ مراد تھی نہ کہ
اولی اس لئے بالکسر کا اضافہ کرنا پڑا) اور نہ اس طرح کہنے پر (اکتفا کیا) کہ "مر ینکسر" اس لئے کسر کا
اطلاق حرکات بنائیہ پر بھی ہوتا ہے (جس طرح کہ حرکات اعرابیہ پر ہوتا ہے تو غیر منصرف پر
دخول لام یا اضافت کی حالت میں اس کے مبنی ہونے کا وہم نکتا و لیس کذلک کہ دخول لام
واضافت اسباب بناء سے نہیں ہیں۔ لہذا صرف "ینکسر" پر اکتفا کی بجائے یخبر بالکسر کہنا
پڑا۔ اور نحوین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ اسم (غیر منصرف) دخول لام یا اضافت کی اس
حالت میں منصرف ہے یا غیر منصرف؟ تو بعض نحوی اس بات کی طرف گئے کہ یہ منصرف ہے مطلقاً

اجتماع مذہب ہے جس میں جو اور کسر بھی یہ محال ہے اگر
مصنف بالکسر کہتے تو بات درست ہو جاتی تو شائع
نے جواب دیا کہ کسر سے مراد صحت کسر ہے کسر حقیقی
نہیں یہ عام ہے خواہ صحت کسر لفظاً ہو جیسے
فی المساجد میں جو دخول لام تعریف فی جابرہ کی وجہ
سے لفظ مجرد بالکسر ہے یا تقدیراً جیسے مرت
بالجلی و بملکم کہ اس میں کسر اگرچہ لفظاً نہیں مگر سننے
موجود ہے لہذا اب یہ بھی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مرت
بالجلی و بملکم میں باوجود دخول لام تعریف و اضافت
کسر موجود نہیں۔

۱۵۰ قولہ وانما یکتف النح اب یہاں سے
شاید قدس سوا مصنف کا یہ پر جو چند اعتراضات
واقع ہوتے تھے ان کا رد فیض لہ ہے جس میں اعتراض
یہ ہے کہ مصنف نے صورت یخبر پر اکتفا کیوں نہیں کیا
یخبر بالکسر کیوں کہا حالانکہ یخبر کہنے میں اختصار تھا یہاں
کہ خود مصنف اختصار پسند واقع ہوئے ہیں تو اس کا جواب
شاید یہ ہے ان لا یجوز انما سے یہ دیکھ کر یخبر محض اس لئے
نہیں کہا کہ یخبر بالفتح بھی ہوتا ہے جیسا کہ مرت
بالجلی لہذا اگر بالکسر کہتے تو یہ معلوم نہ ہوتا کہ مرت

جوری میں دخول لام تعریف اور اضافت کے بعد
اس پر کسر داخل ہوتا ہے بلکہ صرف یہ سمجھ لیا جاتا
کہ غیر منصرف اضافت اور دخول لام تعریف کے
بعد مجرد بالفتح بھی ہو سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں
دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اچھا اگر ایسا ہی تھا تو
مصنف ینکسر کہہ دیتے جس میں اختصار تھا یخبر بالکسر
کہہ کر کیوں طوالت اختیار کی؟ تو اس کا جواب
شاید لان الکسر الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ بھی
درست نہیں اس لئے کہ کسر کا اطلاق حرکات
بنائیہ پر بھی آتا ہے تو اس سے خواہ مخواہ یہ سمجھ لیا
جاتا کہ غیر منصرف اضافت اور دخول لام تعریف کے
بعد مبنی علی الکسر ہو جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں
تیسرا اعتراض یہ واقع ہوتا ہے کہ مصنف کی عبارت
فقط طریق استعمال کو بیان کرتی ہے اور اس سے
یہ معلوم نہیں ہوتا کہ غیر منصرف اضافت اور دخول
لام تعریف کے بعد غیر منصرف ہی رہتا ہے یا منصرف
ہو جاتا ہے حالانکہ یہاں قابل ذکر یہ امر ہے
تو شائع نے اس کا جواب وللنحاة الخ سے یہ دیا
کہ چونکہ اس صورت میں نحاة کا اختلاف ہے کہ

یہ اسم اس حالت میں منصرف ہو جاتا ہے یا غیر
منصرف ہی رہتا ہے لہذا مصنف نے طریق
استعمال کے بیان پر بھی اکتفا کر لیا اور شائع اس
اختلاف کو بیان فرما کر اس کی وجہ بیان فرماتے
ہیں کہتے ہیں کہ بعض نحاة تو اس طرف گئے ہیں کہ
یہ منصرف ہے مطلقاً اس لئے کہ منصرف اس کو
کہتے ہیں کہ جس پر کسر اور تنوین داخل ہو سکے اور
اس پر دخول کسر اور تنوین ہے مگر تنوین ظاہر
اس وجہ سے نہیں کہ لام تعریف اور اضافت مانع
تنوین ہے مطلقاً شائع نے اس وجہ سے کہا کہ اضافت
اور دخول لام تعریف کے بعد خواہ اسم میں دو علتیں
باقی رہی ہوں یا نہ بہر صورت منصرف ہے اس لئے
کہ عدم الفرات تو صرف مشابہہ فعل کی وجہ سے
تھا اور یہ مشابہت دخول لام اور اضافت کی وجہ
سے جاتی رہی لہذا اس مشابہت کی وجہ سے جو کسر
اور تنوین غیر منصرف پر داخل نہیں ہوتے تھے وہ
داخل ہونے لگیں گے چونکہ پس جب اس میں دخول
اسم کے خواص کے دخول یہ مشابہت ضعیف ہو
گئی اور جانب اسمیت غالب اور قوی لہذا اسم
اپنی اصل پر لوٹ آئیگا جو کہ حرف ہے پس اس پر
کسر داخل ہو جائیگا نہ کہ تنوین اس لئے کہ تنوین لام
تعریف اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی
اس لئے کہ لام علامت تعریف ہے اور تنوین علامت
تکثیر اور اضافت اتصال پر دلالت کرتی ہے اور
تنوین انفصال پر لہذا ان دونوں کا اجتماع محال
ہے۔

۱۵۱ قولہ فمنہم من الخ اور بعض ان نحاة
میں سے اس بات کے قائل ہیں کہ کلمہ ہر صورت غیر
منصرف ہی ہے گا خواہ دخول لام تعریف اور اضافت
کے بعد اس میں دو اسباب باقی رہے ہوں یا نہ
پھر اس پر یہ اعتراض واقع ہوا کہ اچھا اگر ایسا ہے
تو اس پر تنوین کی طرح کسر بھی نہ داخل ہونا چاہئے
تو اس کا جواب والممنوع الخ سے شائع یہ دے رہے
ہیں کہ اصل میں تو غیر منصرف پر دخول تنوین منع ہے
اس لئے کہ تنوین علامت ممکن ہے اور کسر تو صرف

تبعیہ تنوین کی وجہ سے ساقط ہو گیا اس لئے کہ تنوین اور کسر دونوں باہم متقابل ہیں مثلاً ظلام زید میں کسر اور تنوین دونوں ساتھ ساتھ ہیں اگر اس غیر منصرف پر کہ جس پر لام تعریف اور اضافت نہیں ہے کسر داخل ہوتا تو یہ وہم پیدا ہو جاتا کہ دخول تنوین بھی جائز ہے متعاقب ہونے کی وجہ سے اور دخول لام تعریف اور اضافت کے بعد چونکہ یہ وہم ممکن نہ تھا لہذا غیر منصرف میں دخول لام اور اضافت کے ساتھ کسر لوٹ آیا اسی کو شایع اپنے ان الفاظ میں بیان فرما ہے میں دھیت الخ یعنی اس حالت میں جب اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہو گئی تو یہ مشابہت ضعیف حروف سقوط تنوین میں اثر انداز ہو گی اس کے تابع کے ساقط ہونے میں جو کسر ہے اس کا اثر نہیں ہو گا پس کسر اپنے محل کی طرف لوٹ آئے گا اور تنوین امتناع عن الصرف کی وجہ سے ساقط ہو جائیگی حال یہ ہوا کہ اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ دخول لام اور اضافت کے بعد بھی موجود ہے جس کی وجہ سے یہ اسم غیر منصرف ہے اگرچہ مشابہت ضعیف ہی ہے مگر اس ضعیف کے باوجود اتنا فوائد ضروری ہو گا کہ اسم پر تنوین داخل نہ ہو سکے جو کہ علامت ممکن ہے اگرچہ کسر اس پر داخل ہو جائے اور یہ چنداں مضرت نہیں لہذا عدم دخول تنوین باعث اسم غیر منصرف ہے گا۔

۱۵۲ قول و منهم من ذهب الخ تیسرے بعض سخاۃ کا مذہب ہے جو کہ دونوں کے بین میں ہے یہ بعض سخاۃ اس امر کے قائل ہیں کہ اگر لام تعریف اور اضافت کے ساتھ غیر منصرف کے دونوں اسباب باقی ہوں تو کلمہ غیر منصرف ہے اور اگر دونوں اسباب ایک ساتھ زائل ہو جائیں یا ان میں سے ایک زائل ہو تو منصرف ہو جائیگا اس کی تفصیل شایع و بیان ذلک الخ سے یہ کہ ہے میں کہ اس کا بیان یعنی صورت حال یہ ہے کہ علمیت لام اور اضافت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے پس اگر علمیت دوسرے سبب کے لئے شرط ہے تو دونوں سبب ایک دم زائل ہو جائیں گے اس لئے کہ قاعدہ ہے اذا فات الشرط فانت الشرط پس جب علمیت ہی فوت ہو گئی جو کہ شرط تھی تو شرط یعنی سبب آخر بھی فوت ہو گیا اور اس میں ایک بھی سبب باقی نہیں

مطلقاً ان عدم انصافہ انما کان لمشاہتہ الفعل فلما ضعت ہذا المشابہة بدخول ما هو من خواص الاسم اعنی اللام والاضافة قویۃ تجهة الاسمية فرجع الی اصلہ الذی هو الصرف فدخلہ الکسر دون التنوین لانہ لا یجتمع مع اللام والاضافة ومنہم من ذهب الی انہ غیر منصرف مطلقاً والممنوع من غیر المنصرف بالاضافة هو التنوین وسقوط الکسر انما هو بتبعیۃ التنوین وحيث ضعفت مشاہتہ للفعل لم تؤثر الا فی سقوط التنوین دون تابعہ الذی هو الکسر فقام الکسر الی حالہ وسقط التنوین لا متناعہ من الصرف ومنہم من ذهب

(خواہ اس حالت کے بعد دونوں علتیں اس میں باقی ہوں یا زائل ہو گئی ہوں یا ایک زائل اور ایک باقی ہو) کیونکہ اس کلام انصراف (غیر منصرف ہونا) فعل کے اس کی مشابہت ہی کی وجہ سے تھا پس جبکہ اس چیز کے دخول سے جو کہ اسم کے خواص سے ہے یعنی لام یا اضافت یہ مشابہت ضعیف ہو گئی تو تہمت اسمیت قوی ہو گئی پس اسم غیر منصرف اپنی اصل کی طرف لوٹ آیا اور وہ منصرف ہونا ہے لہذا اس پر کسر داخل ہو گئی تنوین نہیں کیونکہ تنوین لام اور اضافت کیساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور ان نحو یوں میں سے کچھ اسبات کی طرف گئے کہ وہ اسم غیر منصرف ہے مطلقاً (احوال ثلاثہ مذکورہ بالا میں) اور (فریق اول کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ) جو چیز غیر منصرف ہے بالاصالة ممنوع ہے وہ صرف تنوین ہے کہ تنوین فعل پر نہ حقیقتہ داخل ہوتی ہے اور نہ حکماً لیکن کسر حکماً داخل ہوتی ہے جیسے لم یکن الذین کفرا وادخل الحق اور تضرین تو مقصود لذاتہ فعل پر تنوین کے دخول کی ممانعت ہے) اور (غیر منصرف سے) کسر کا سقوط تنوین کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے کہ دونوں اسم کے ساتھ حقیقتہ خاص ہونے میں مشترک ہیں) اور جہاں غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑی تو مشابہت (غیر منصرف سے) سقوط تنوین ہی میں اثر کر سکتی ہے کہ اس کی ممانعت مقصود بالذات تھی) تنوین کے تابع میں نہیں اور وہ تابع کسر ہے (کیونکہ ایک شے موجب کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کی تاثیر مقصود لذاتہ میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے) لہذا کسر اپنے حال کی طرف لوٹ آتی ہے اور اس حالت میں تنوین کا ساقط رہنا اسم کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ہے اور نحو یوں سے کچھ اس بات کی طرف گئے

رہا جیسا کہ ابراہیم میں ہے کہ اس میں نہ مذ علی الکنہ ہونا اس وقت ہے جبکہ علم ہو پس جب اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو علمیت زائل ہو جائیگی اس لئے کہ ان دونوں میں منافات ہے پس جب علمیت زائل ہو گئی تو شرط زیادتی علی الکنہ بھی ختم ہو گئی اب اس کا ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ جب علم اہل میں مصدر

یا صفتہ ہوتا ہے تو اس پر الف لام داخل ہو جاتا ہے اور علمیت بھی باقی رہتی ہے جیسا کہ الفضل اور الحسن میں لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ ان دونوں میں منافات ہے جواب یہ ہے کہ دخول لام سے ہماری مراد بعد العلمیت ہے یعنی علمیت کے بعد اگر الف لام داخل ہو جائے تو علمیت زائل ہو جاتی ہے اور تم نے جو کہا

إِلَى أَنْ الْعَلَتَيْنِ إِنْ كَانَتَا بَاقِيَتَيْنِ مَعَ اللَّامِ وَالْإِضَافَةِ كَانِ الْاسْمُ غَيْرَ
مَنْصُوفٍ وَإِنْ زَالَتَا مَعًا وَزَالَتْ أَحَدُهُمَا كَانَ مَنْصُوفًا وَبَيَانُ ذَلِكَ
أَنَّ الْعَلِيَّةَ تَزُولُ بِاللَّامِ وَالْإِضَافَةِ فَإِنْ كَانَتْ الْعَلِيَّةُ شَرْطًا لِلْسَّبَبِ
الْآخَرِ زَالَتَا مَعًا كَمَا فِي إِبْرَاهِيمَ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ شَرْطًا كَمَا فِي أَحْمَدَ سَرَّالِثِ
أَحَدُهُمَا وَإِنْ لَمْ تَكُنْ هُنَاكَ عَلِيَّةٌ كَمَا فِي أَحْمَرَ بَقِيَّتِ الْعَلَانِ عَلَى حَالِهِمَا
وَهَذَا الْقَوْلُ أَنْسَبُ بِمَا عَرَفَ بِهِ الْمَصْنُوعُ غَيْرَ الْمَنْصُوفِ

ہیں کہ لام یا اضافت کے باوجود اگر (منصرف کی) دو علیتیں باقی رہیں (یا ایک علت جو
دو کی جگہ ہے) تو اسم غیر منصرف ہوگا اور اگر دونوں معاذائل ہو جائیں یا ایک زائل ہو جائے تو منصرف
ہوگا اور مذہب ثالث کا بیان یہ ہے کہ علیت لام اور اضافت سے زائل ہو جاتی ہے (اور نہ تعریف المعاز
لازم پڑے گی) پھر اگر علیت سبب دیگر کے لئے شرط تھی تو دونوں علیتیں معاذائل ہو گئیں (لہذا
اسم منصرف ہو گیا) جیسے ابراہیم (اور طلحہ وزینب وعلبیک و عمران) میں اور اگر شرط نہ ہو
جیسے احمد (و شمر و زفر و عمر) میں تو ان دو علیتوں میں سے ایک زائل ہو گئی (اور ایک باقی رہی اس
صورت میں بھی اسم منصرف ہو گیا) اور اگر وہاں (اسم غیر منصرف میں) علیت نہ ہو جیسے احمد (و
ثالث و جمع) میں تو دونوں علیتیں اپنی حالت پر باقی رہتی ہیں (لہذا اس صورت میں اسم غیر منصرف
رہے گا) اور یہ قول (ثالث پہلے دو قولوں کی نسبت) اس کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے
جس سے مصنف نے غیر منصرف کی تعریف کی ہے (معلوم ہو کہ یہ بحث بے سود ہے۔ لہذا
نے و جمع الباب بخیر بالکسر کہہ کر اس سے پہلو ہتی فرمایا ہے۔ مترجم فقیر محمد غلام فرقاوری ضو

یہ تین مذاہب آپ کے سامنے ہیں جن میں حساب
کافیہ کرنا ہے کہ کون سا مذہب حق اور مناسب
ہے تو شارح فرماتے ہیں کہ تیسرا مذہب زیادہ
مناسب ہے اس لئے کہ یہ مذہب مصنف کی
اس تعریف کے مطابق ہے جو شروع میں کی ہے
یعنی غیر المنصرف مافیہ علان الہ والہ اعلم بالصواب
۱۵۹ قولہ المصنف المرفوعات الخ اص
تک جو کہ مصنف نے بیان کیا ہے آئندہ پر بصیرت
کے لئے بطور مقدمہ کے قایا بغرض تہدیت تو اس سے
خاصہ بھرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ متعاضد
شروع فرماتے ہیں یا یہ کہہ جائے کہ ماضی میں اسم
معرب کی تصحیف المرفوعات و عدم انحراف کے اعتبار سے
تھی تو اس سے فراغت کے بعد اس اسم معرب کی
تقسیم آخری اعتباراً تمام اعراب کے بیان فرما رہے

ہے اس میں دخول لام وقت علیت ہے نہ کہ بعد
علیت یاد دہرا محاب یہ ہے کہ الف لام سے مراد
ہمارا الف لام تعریف ہے اور افضل یا الحسن پر جو
الف لام داخل ہے وہ تعریف کے لئے نہیں بلکہ
اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہ اہل
میں صفت ہے والشر الہم۔ اور اگر اسم کے غیر منصرف بننے
کے لئے علیت شرط نہ ہو الف لام تعریف کے
دخول کے بعد ایک علت زائل ہو جائیگی یعنی علیت
جیسا کہ احمد میں کہ اس میں حذف فعل علیت کے ساتھ
شروط نہیں بلکہ بلا علیت بھی پایا جاتا ہے یعنی
ہو سکتا ہے کہ حذف فعل علیت کے ساتھ کسی اسم
سبب کیساتھ ملکر بھی باعث عدم انحراف ہو جائے
جیسا کہ احمد میں اور اگر اس جگہ علیت موجود نہ ہو جیسا
کہ احمد میں تو دونوں علیتیں ملے جائیں باقی رہیں گے اب

ہیں المرفوعات کے مرفوع ہونے کی وجہ یا تو ابتدائیت
ہے تاخیریت اور تقدیر عبارت یہ ہے المرفوعات
بذہ یا بذہ المرفوعات اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مبتدا
ہو اور اس کی خبر جملہ آئندہ یعنی ہوا مشتعل الخ ہو نیز یہ
ہو سکتا ہے یہ لفظ ساکن پڑ جائے اس لئے کہ یہ محل
فعل میں واقع ہوا ہے اور فصل میں اعراب کا کوئی محل
نہیں ہوتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو منصوب نہیں
بنا بر مفعولیت اور تقدیر عبارت یہ ہوخذ المرفوعات یا
ببحث المرفوعات یا اشرع المرفوعات اب رہا یہ بات
کہ اس کو منصوبات وغیرہ پر متقدم کیوں کیا تو اس کی وجہ
یہ ہے کہ مرفوعات اصل میں اور منصوبات و مجرورات
فرع ادماصل عمدہ ہوتی ہے اور فرع فضلہ ہذا عمدہ کو
فضلہ پر ادماصل کو فرع پر مقدم کیا پھر یہ سوال ہوتا ہے
المرفوعات جمع کیوں لائے مرفوع کیوں نہیں کہا حالانکہ
مبتدا اسی امر کا مقتضی ہے اسلئے کہ مصنف نے
ہوا مشتعل اس کی تعریف میں ضمیر مفرد لٹائی ہے تو اس
کا جواب یہ ہے کہ اگر مرفوع کہتے تو اس سے یہ غلط
نہی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید مرفوع صرف ایک ہی
ہے حالانکہ مرفوعات بہت سے ہیں اور تعریف چونکہ
سب کی جمع کے لحاظ سے ایک ہی فرد ہے لہذا ضمیر
مفرد جمع کی طرف راجع کر دی اب اس جگہ ایک مسئلہ
پیدا ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ المرفوعات یا تو مرفوع
کی جمع ہے یا مرفوعہ کی اور یہ دونوں درست نہیں اولی
تو اس لئے کہ جمع ٹوٹتے سالم کا مفرد ٹوٹتے ہی ہوتا ہے
اور مرفوع مذکور ہے لہذا معلوم ہوا کہ مرفوع کی جمع نہیں
رہی مرفوعہ کی جمع تو یہ اس لئے درست نہیں کہ
مرفوعات منصوبات۔ مجرورات یہ سب اسماء کی
صفات ہیں اسماء اسم کی جمع ہے جو واحد مذکر ہے اور
انصاف الجمع یا جمع انصاف الفرد بالفرد کو مستلزم
ہے کہ قائل اس کو چاہتا ہے کہ المرفوعات کا واحد اسم
کے واحد کی صفت ہو اب اگر المرفوعات المرفوعہ کی
جمع ہو تو لازم آئے گا موصوف صفت کے در بیان
مطابقت نہیں ہو چکا اسم مذکر ہے شارح نے اس
کا جواب دینے کے لئے جمع المرفوع الخ کا اضافہ
کیا تقریر جواب یہ ہے کہ مرفوعات مرفوع کی جمع ہے

المرفوعات

جمع المرفوع لا المرفوعة لان موصوفة الاسم وهو مذكر لا يعقل
ويجمع هذا الجمع مطردا صفة المذكر الذي لا يعقل كالصافات
لذا كوس من الخيل وجمال سحلات ای صفت وکالایام الخالیات
هو ای المرفوع الدال علیه المرفوعات لان التعریف انما یكون

لمرفوع کی جمع ہے المرفوعة کی نہیں کیونکہ مرفوع کا موصوف اسم ہے اور اسم مذكر لا یعقل ہے اور
اس مذكر کی صفت جو کہ لا یعقل ہے ہمیشہ اسی (الف اور تا) پر لائی جاتی ہے جیسے صافات
صافن کی جمع مذكر گھوڑوں کے لئے (جو چار پاؤں میں سے تین پاؤں پر مکمل دباؤ ڈال کر
اور چوتھے پاؤں کے ایک کنارے پر کھڑے ہوتے ہیں) اور جمال سحلات (جمال مجمل کی
جمع مذكر اونٹ اور سحلات سحلت کی جمع) یعنی موٹے اونٹ اور جیسے ایام خالیات (خالی کی
جمع بمعنی گذشتہ) (وہ) یعنی مرفوع کہ جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے کہ مفرد جمع میں داخل

خود بخود سمجھ میں آگیا جو کہ کلی ہے لہذا تعریف افراد کی
ماہیت کی ہوتی حال یہ ہوا کہ المرفوعات جمع کی دلالت
جنس پر ہے افراد پر نہیں اور شارح نے لان التعریف
الخ کا اضافہ کر کے ایک اور سوال کا جواب دے دیا
جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے ہر کے بجائے ہی
کہہ دیا ہوتا تاکہ اس کی ضمیر المرفوعات کی طرف راجع
کی جاسکتی یا ہو ضمیر کا ہی مرجع بتاویل مذكر للمرفوعات
کو قرار دے دیا جاتا یا اعتبار خبر کے مذكر ہونے کے
اس کو بلا تاویل اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو اس کا
شارح نے یہ جواب دیا کہ اگر ہم مذكرہ بالا تو جہتہ
کرتے تو تعریف للأفراد لازم آتی حالانکہ تعریف
ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں لہذا مذكرہ بالا تو جہتہ
کرنی پڑی اضافہ کی تقریر دوسرے الفاظ میں اس
طرح کریں گے کہ شارح نے المرفوع الخ سے تقدیر
مبتدا کی طرف اشارہ کیا ہے مرجع کا بیان اس
سے مقصود نہیں یعنی المرفوع مبتدا ہے اور موصوف
اورما شتمل الخ اس کی خبر ہے مگر اس تقدیر کے لئے
قرینہ کی ضرورت ہے تو قرینہ یہ ہے کہ اس المرفوع
دلالت کرتا ہے پھر اعتراض ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ شارح
نے مبتدا کو مقدم مانا اور المرفوعات ہی کو مبتدا قرار نہیں

آتا ہے نیز مرفوعات مؤنث ہے اور ضمیر ہو مذكر
اس طرح ان میں مطابقت نہیں ایسے ہی مرفوعات
معرف بالفتح جمع ہے اور ہوا اشتمل الخ معرفت
بالکسر مفرد اور جمع میں افراد ملحوظ ہوتے ہیں یعنی جمع
بالمطابقت افراد پر دلالت کرتی ہے تو اس بنا پر یہ
تعریف ماہیت اور جنس کی نہ ہوگی بلکہ صرف افراد کی
ہوگی اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ معاملہ بالکل اس
کے برعکس ہے کہ مذكر افراد کثیر اور غیر متما ہیں ہوتے
ہیں ان کا احاطہ دشوار ہوتا ہے اس لئے نفس ماہیت
اور جنس کی تعریف کی جاتی ہے اور اگر اس کا مرجع
المرفوع ٹھہرائیں تو اضماعار قبل الذکر لازم آتا ہے اور
یہ بھی ناجائز ہے تو شارح نے اپنی عبارت سے ان
اعتراضوں کا جواب دے دیا کہ ہو ضمیر کا مرجع المرفوعات
نہیں بلکہ المرفوع ہے کہ جس پر المرفوعات دلالت کرتا
ہے یعنی المرفوعات کے ضمن میں المرفوع بھی سمجھا جاتا
ہے جیسے چار کے ضمن میں دو بھی موجود ہے پس اب
ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت بھی ہوگئی۔ اور
اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آیا نیز المرفوعات میں الف
لام بمعنی ہے جو کہ جمعیت کے معنے کو باطل کر دیتا ہے
لہذا جب اس سے معنی جمعیت باطل ہو گئے تو المرفوع

مرفوعہ کی نہیں اس لئے کہ اس کا موصوف اسم ہے جو
کہ مذكر لا یعقل ہے اور مذكر لا یعقل کی صفت جمع بطور
قاعدہ کلیہ کہ الف اور تا کے ساتھ آتی ہے جیسے خیل
صافات کہ جمال سحلات ای صفت یعنی جمال سحلات
کہا جاتا ہے جس کے معنے فرہیز گاروں کے ہیں اور
جیسے ایام الخالیات میں الخالیات مذكر کی جمع ہے
یعنی خالی کی جس کے معنے گذرنے کے ہیں ایام الخالیات
یعنی گذرنے والے دن یہ سب الفاظ مذكر لا یعقل
کی صفت ہیں اسی لئے یہ سب الف اور تا کے ساتھ جمع
ہوئے ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ مذكر لا یعقل کی صفت میں
جمع کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کی جمع جمع مؤنث سالم کے
وزن پر ہوگی۔ اس جگہ شارح نے لان موصوف الاسم الخ
کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دے دیا جس کی تشریح
یہ ہے المرفوعات جمع الف اور تا کے ساتھ صرف
جمع مؤنث کے لئے خاص ہے لہذا مرفوعہ کی ہی جمع ہو
سکتی ہے تو جواب یہی ہوا کہ اس کا موصوف الخ مذكر
ہے اس لئے کہ بحث اسم سے ہو رہی ہے اور لفظ اسم
مذكر لا یعقل کی جمع مذكرہ بالا طریق پر آتی ہے
اس لئے کہ یہ نقصان عقل کے باعث مؤنث
کے مشابہ ہے اب اس جگہ قول شارح وجمع
الخ کی ترکیب ملاحظہ فرمائیے یہ جمع کا نائب فاعل
صفة المذكر الخ ہے اور ہذا الجمع مفعول مطلق اور
مطرد مفعول مطلق سے حال ہے باقی رہی یہ بات
کہ جب جمع کا نائب فاعل صفة الخ ہے تو فاعل کی رعایت
کرتے ہوئے جمع علامتہ تانیث کے ساتھ کہنا
چاہئے تھا تاکہ فعل اور فاعل میں تذکیر و تانیث
کا اعتبار ہے مطابقت ہو جائے تو اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ مطابقت اس وقت ضروری ہوتی ہے
جب کہ فعل اور فاعل کے درمیان فیصل نہ موجود ہو
اور یہاں فیصل موجود ہے واذا علم۔

۱۵۴ قولہ ہوا المرفوع الدال الخ اس جگہ
شارح کی عبارت ای المرفوع الخ ایک سوال مقدم
کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اس جگہ ہو ضمیر کا
مرجع کیا ہے اگر مرفوعات ہے تو مرجع اور ضمیر میں
مطابقت نہیں ضمیر مرفوع کا جمع کی طرف مائل لازم

لِلْمَاهِيَةِ لَا لِأَفْرَادٍ مَّا اشْتَمَلَ عَلَى عِلْمِ الْفَاعِلِيَّةِ
أَيُّ عِلْمَةٍ كَوْنِ الْأَسْمِ فَاعِلًا وَهِيَ الْفِعْلَةُ وَالْوَاوُ وَالْكَافُ وَالْمُرَادُ
بِاشْتِمَالِ الْأَسْمِ عَلَيْهَا أَنْ يَكُونَ مَوْصُوفًا بِهَا لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا أَوْ مَحَلًّا وَلَا شَكَّ

ہوتا ہے) کیونکہ تعریف ماہیت کے لئے ہی ہوتی ہے نہ کہ افراد کے لئے (وہ ہے جو مشتمل ہو) یعنی وہ اسم ہے جو مشتمل ہو (فاعلیت کی علامت پر) یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت پر اور فاعلیت کی علامت ضمہ اور واو اور الف ہے اور اسم کے علامت فاعلیت پر مشتمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسم اس علامت سے موصوف ہو لفظاً (جیسے جاءنی زید) یا تقدیراً (جیسے

جے یا تو اس کا جواب اس طرح دے دیا کہ تعریف ماہیت کی کی جاتی ہے افراد کی نہیں اگر المرفوعات ہی کو مبتداء قرار دیتے تو تعریف للأفراد لازم آتی اس لئے کہ جمع میں افراد ملحوظ ہوتے ہیں۔

۱۵۵ قولہ ای اسم اشتمل الخ یہ اضافہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مآ سے مراد عام ہے لہذا یہ تعریف مائع نہیں رہی اسلئے کہ یہ تعریف جارئی زید کی دال پر بھی صادق آتی ہے اس لئے کہ یہ دال بھی علم فاعلیت پر مشتمل ہے حالانکہ دال مرفوع نہیں ہے بلکہ مرفوع زید ہے جارئی زید میں نیز مضارع بھی علم فاعلیت پر مشتمل ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی مرفوع نہیں ہوتا ایسے ہی مبتداء خبر جب معرفہ ہوں تو ضمیر فصل کا لانا ضروری ہے اور اس جگہ نو مبتداء ہے جو کہ ضمیر ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے اور مابھی موصول ہونے کے سبب سے معرفہ مگر ان دونوں کے درمیان ضمیر فصل نہیں لہذا یہ کہنا چاہئے تھا شہو مآ شتمل الخ تو اس کا جواب شامع نے یہ دیا کہ کلمہ مآ اس جگہ موصول نہیں موصوفہ ہے مگر اس کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ترجیح بلا مرجع لازم آتی ہے تو اس پر یہ قرینہ شاید ہے کہ کلمہ مآ اس جگہ موضع خبر میں واقع ہوا ہے اور خبر میں اصل تنکیر ہے تعریف نہیں پھر چونکہ اس جگہ ذکر اسم کا ہر رہا ہے لہذا مآ سے مراد اسم ہو گا تو اب مذکور بالا مآ خبر میں مرفوع ہو گئے اس لئے کہ جب تا کی تفسیر اسم کے ساتھ کی گئی تو اس سے حرفت یعنی زید کی دال وغیرہ اور فعل یعنی فعل مضارع وغیرہ خارج ہو گئے اور

جب اس سے مراد ذکرہ لیا تو اب ضمیر فصل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر اسم کے بعد اشتمل کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اسم موصوف ہے جس کے لئے صفت کا ہونا ضروری ہے پس اس کی صفت اشتمل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ہے اب تعریف یہ ہوتی کہ مرفوع اس اسم کو کہتے ہیں جو فاعلیت پر مشتمل ہو اور فاعل ہونے کی علامتیں ضمہ و الف ہے جیسے جارئی زید داخوہ و الف جلال اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ کے قول علی علم الفاعلیت پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ انھوں نے علی علم الفاعلیت کہا اور علی علم الرفع نہ کہا حالانکہ اختصا کا منشا یہ تھا کہ علی علم الرفع کہتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت کی تعریف و فصل ای کا خفا ضرور کرنے کے لئے ہوتی ہے پس اگر مرفوع کی تعریف میں الفاعلیت کی بجائے علی علم الرفع کہتے تو مرفوع کا خفاء بدستور باقی رہتا اور ذکر لازم آجاتا اس لئے کہ رفع کا سمجھنا مرفوع پر موقوف ہے اور تعریف مرفوع میں لفظ رفع آنے سے مرفوع کا سمجھنا رفع پر موقوف ہو گا اور یہی دور ہے اور اسی کو تعریف شے لفظ بھی کہتے ہیں جو کہ باطل ہے اور جو مستلزم باطل کو ہو وہ بھی باطل لہذا علی علم الرفع کہنا باطل ہوا پس اس اشکال سے بچنے کے لئے مصنف رحمہ اللہ نے علی علم الفاعلیت کہا تاکہ مرفوع کا خفاء بھی جاتا ہے اور تعریف شے لفظ بھی لازم نہ آئے واللہ اعلم۔

۱۵۶ قولہ ای علامۃ الخ یہ عبارت

بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ علم کے تین معنی آتے ہیں (۱) جو کسی شے معین کئے لئے موضوع ہو (۲) معنی جبل یعنی پہاڑ (۳) معنی علامتہ تو اس جگہ کون سے معنی مراد ہیں تو شارح نے بتایا کہ چونکہ اول اور دوم معنی اس جگہ بن نہیں سکتے لہذا تیسرے معنی یعنی علامت مراد ہیں اول تو اس لئے نہیں بن سکتے کہ جب تا کی تفسیر اسم کے ساتھ کی گئی تو اس سے اشتمال شے علی نفسہ لازم آیا اس لئے کہ اسم وہ ہے جو فاعلیت کے علم کو مشتمل ہو اور علم خود اسم کے اقسام سے ہے لہذا یہ معنی تو غلط ہوئے، رہے دوسرے معنی کہ جبل یعنی پہاڑ کا اس جگہ کیا ذکر اب تیسرے معنی باقی رہ گئے فہو المراد کبیرہ اعتراض وارد ہوا کہ اصل ایجاد اور اختصار ہے لہذا مصنف کو علی علم الفاعلیت کی بجائے علی علم الفاعل کہنا چاہئے تھا تو اس کا جواب شامع کون لاسم فاعلاً سے یہ دیا کہ الفاعلیت میں یا مصدر یہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مرفوع فاعل ہونے کی علامت کا نام ہے فاعل کی ذات کا نہیں پس اگر الفاعل کہتے تو اس سے فاعل کی ذات سمجھی جاتی اس لئے کہ فاعل ذات شخص سے عبارت ہوتا ہے (فائدہ) یا نسبت اور یا مصدر یہ کی پہچان کا قاعدہ یہ ہے کہ جو یا لفظ منسوب سے تعبیر کی جاسکتی ہو اور ملحوظ یا کی جانب مضاف ہو سکے اسکو یا نسبتی کہتے ہیں جیسے لیسیری ای منسوب الی البصرۃ اس میں یا نسبتی ہے اس لئے کہ یا لفظ منسوب سے تعبیر کی جارہی ہے اور لفظ حرف جار بصرہ کی طرف مضاف ہے اور یا مصدر یہ وہ یا ہے کہ جس کو لفظ کون کے ساتھ بتقدیر لاسم تعبیر کر سکیں اور ملحوظ یا اس کون کی خبر واقع ہو جیسے اس جگہ الفاعلیت میں کہ اسکو کون لاسم فاعلاً کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے اور ملحوظ یا یعنی فاعلاً ترکیب میں کون کی خبر واقع ہو

رہا ہے انتہی۔

۱۵۷ قولہ والمراد الخیر عبارت ہی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مرفوع کا فاعل ہونے کی علامت پر اعراب بالحرکت میں مشتمل ہونا تو مسلم ہے اس لئے کہ اشتمال سے متبادر کل کا اشتمال خبر پر ہوتا ہے جیسے ابوک کہ یہ کل ہے اور واداس کا جزم یہ کل پر مشتمل ہے لہذا اس اعتبار سے مرفوع کی تعریف مرفوع باعراب بالحرکت پر تو صادق آرہی ہے مگر مرفوع باعراب بالحرکت پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ حرکت مرفوع کا جز نہیں ہوا کرتی اور ابھی کہا گیا ہے کہ اشتمال سے مراد اشتمال کل علی الجز ہوتا ہے تو شارح نے جواب دیا کہ یہاں اشتمال سے مراد اشتمال موصوف علی الصفت ہے یعنی موصوف اپنی صفت پر مشتمل ہو اشتمال کل علی الجز مراد نہیں اور یہ معلوم ہے کہ اسم فاعلیہ کے لئے موصوف ہوتا ہے اور فاعلیت اس کی صفت مگر اس پر یہ اعتراض واقع ہوا کہ اگر اشتمال اسم سے مراد یہ ہے کہ اسم علامت فاعلیہ کے ساتھ متصف ہو تو یہ اعراب بالحرکت میں درست ہے اس لئے کہ مرفوع حرکت کے ساتھ متصف ہوتا ہے مگر اعراب بالحرکت میں یہ کسی طرح بھی درست نہیں اس لئے کہ کل جز کے ساتھ متصف نہیں ہوا کرتا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اعراب بالحرکت اشتمال کل علی الجز کے طریقہ پر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعراب بالحرکت اعراب بالحرکت پر محمول ہے اس لئے کہ اعراب بالحرکت اہل ہوتا ہے اور اعراب بالحرکت اس کی فرع ہیں اہل کے تابع ہو کہ موجب اعتراض نہیں ہے گی۔ یاد دہرے الفاظ میں اصل اعتراض کی تقریر یہ کی جاسکتی ہے کہ اشتمال کے چار معنی آتے ہیں۔ اشتمال کل علی الجز۔ اشتمال موصوف علی الصفت۔ اشتمال ظن علی المنطوق۔ اشتمال ذی الحال ہیں اس جگہ کون سے معنی مراد ہیں تو

أَنَّ الْأَسْمَ مَوْصُوفٌ بِالرَّفْعِ الْمَحَلِّ إِذَا مَعْنَى الرَّفْعِ الْمَحَلِّ أَنَّهُ فِي مَحَلِّ لَوْ كَانَ ثُمَّ مَعْرُوبٌ لَكَانَ مَرْفُوعًا لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا كَيْفَ يُخْتَصُّ الرَّفْعُ بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّ وَهُوَ يَحِثُّ مَثَلًا عَنْ أَحْوَالِ الْفَاعِلِ إِذَا كَانَ مَصْفًى مُتَصِلًا

جاء فی موسیٰ) یا محلا (جیسے جاء فی هذا) اور کوئی شک نہیں کہ اسم رفع محلی کے ساتھ موصوف ہے کیونکہ رفع محلی کا معنی یہ ہے کہ اسم ایک ایسے محل میں ہے کہ اگر اس جگہ اسم معرب ہوتا تو وہ لفظ یا تقدیر مرفوع ہوتا پس رفع، رفع محلی کے غیر کے ساتھ کیونکر خاص ہو سکتا ہے جبکہ مصنف مثلاً فاعل کے احوال سے احوال سے بحث کرتا ہے جبکہ فاعل مضمتر متصل ہو (اور مضمتر مطلقاً مبنی

میں کوئی شک نہیں کہ اسم رفع محلی سے بھی موصوف ہوتا ہے اس لئے کہ رفع محلی کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسم ایسے محل میں واقع ہو کہ اگر اس جگہ معرب ہو تو وہ لفظ یا تقدیر مرفوع ہو جائے جیسا کہ جانی ہو لاد میں اگر ہو لاد کے بجائے زید رکھ دیں تو زید لفظاً مرفوع ہو جائیگا پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رفع ماسوا رفع محلی کے ساتھ مختص ہو حالانکہ مصنف مثلاً اس فاعل کے احوال سے بھی بحث کرتا ہے جو کہ متصل ہو اور یہ ظاہر ہے کہ ضمیر متصل بھی ہو لاد کی طرح مبنی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا رفع رفع محلی کے علاوہ اور کسی صورت سے نہیں ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا لہذا یہ اعتراض کیسے درست ہو سکتا ہے کہ قام ہو لاد میں ہو لاد فاعل ہے مگر یہ علامت رفع تو شکی نہیں نہ لفظاً اور نہ تقدیراً۔ جانتا چاہئے کہ یہ عبارت او محلاً ولا شک ان الاسم الخ سے دراصل بعض شارحین پر رد ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس جگہ مرفوع مطلق کی تعریف نہیں ہے بلکہ مرفوع متعین یعنی لفظی اور تقدیری کی تعریف ہے اور اس بنا پر اگر رفع محلی تعریف میں داخل نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رفع علی ہمیشہ مبنیات میں ہوگا اور مرفوعات اقسام معرب سے ہی لہذا رفع محلی کو اس سے خارج ہونا چاہئے تو وجہ اور اس کی جو شارح نے بیان فرمائی ہے وہ اوپر گندہ کی حقارت ہے کہ فاعل اور اس کے اخوات میں طرح اسامہ معرب سے ہوتے ہیں اس طرح مبنیات

شارح نے تعین مراد کے لئے اشتمال موصوف علی الصفت کے معنی بیان کر کے پھر موصوف سے مراد عین موصوف نہیں بلکہ کالموصوف ہے اس لئے کہ حرکات اور حروف اعرابہ اوصاف نہیں ہوا کرتے بلکہ ان سے مشابہ ہوتے ہیں اس لئے کہ اگر حروف اعرابہ اور حرکات اوصاف ہونے لگیں تو اعتراض واقع ہوگا کہ اسم مستقل ہوتا ہے اور یہ موصوف ہے اور حروف و حرکات غیر مستقل اور یہ صفت اور صفت کامل موصوف پر ہوا کرتا ہے لہذا اس جگہ غیر مستقل کا کل مستقل پر لازم آیا اور یہ ناجائز ہے تو جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ اوصاف نہیں ہوا کرتے بلکہ کلا اوصاف ہوتے ہیں یعنی جس طرح صفت موصوف کے بعد ہوتی ہے اسی طرح علامت فاعلیہ یعنی حرف اعرابہ اور حرکات اسم کے بعد ہوتے ہیں۔

۱۵۸ قولہ لفظاً أو تقدیراً الخ اس سے بھی سوال مقدر کا دفعیہ مقصود ہے تقریر سوال یہ ہے کہ جاد فی نئے میں نئے فاعل ہے مگر اس کے باوجود یہ علامت فاعلیہ پر مشتمل نہیں تو شارح نے جواب دیا کہ فاعلیہ کی علامت عام ہے خواہ لفظاً ہو جیسے جاد فی نئے میں اور خواہ تقدیراً جیسے جاد فی نئے میں اور خواہ محلاً ہو جیسے قام ہو لاد محلی رفع میں واقع ہے پس اگر چاہیں پر اعراب لفظی یا تقدیری نہیں مگر اعراب محلی تو موجود ہے لہذا اب یہ اعتراض درست نہیں کہ قام ہو لاد میں ہو لاد پر اعراب لفظی ہے نہ تقدیری کیونکہ ہو لاد مبنی ہے انتہا اب شارح اپنے قول بلا شک سے رفع محلی کا اثبات فرما رہے ہیں لہذا اس

کما یسبی فیہ من المرفوع او مما اشتمل علی علم الفاعلیۃ
الفاعل وانما قدّمہ لانہ اصل المرفوعات عند الجمهور
لانہ جزء الجملة الفعلیۃ الّتی فی اصل الجمل ولان عاملہ اقوی
من عامل المبتدأ وقیل اصل المرفوعات المبتدأ لانہ باق علی ما
هو الاصل فی المسند الیہ وهو التقدّم بخلاف الفاعل ولانہ یحکم
علیہ بكل حکم جامد او مشتق فکان اقوی بخلاف الفاعل فانہ

ہی ہوتا ہے اور مثنیٰ کا اعراب اس کے محل میں ہی ہوتا ہے (جیسا کہ اس کا بیان (درجہ) تقدیم
و تاخیر کی بحث میں) آجائے گا (پس اس میں سے) یعنی مرفوع میں سے یا اس میں سے جوکہ غایت
کی علامت پر مشتمل ہو (فاعل ہے) مصنف نے فاعل کو (باقی مرفوعات سے) اس لئے مقدم کیا
کہ جمہور کے نزدیک فاعل تمام مرفوعات کی اصل ہے کیونکہ فاعل جملہ فعلیہ کی جز ہے (اور اس
کے قائم مقام کے بغیر اس کا حذف جائز نہیں ہوتا) جو کہ تمام جملوں کی اصل ہے اور اس لئے کہ فاعل
کا عامل مبتدأ کے عامل سے زیادہ قوی ہے (کہ وہ لفظی ہوتا ہے اور مبتدأ کا معنوی) اور کہا گیا ہے کہ
تمام مرفوعات کی اصل مبتدأ ہے کیونکہ وہ اس چیز پر غالباً باقی ہے جو چیز مسند الیہ میں اصل
ہوتی ہے اور وہ تقدم ہے فاعل کے برعکس اور اس لئے کہ مبتدأ پر ہر طرح کے حکم کے ساتھ حکم (عائد)
کیا جاتا ہے جامد کے ساتھ یا مشتق کے ساتھ لہذا مبتدأ قوی ٹھہری فاعل کے برعکس کہ اس پر مشتق

ہے کہ المرفوع معروف ہے اور معروف کی طرف ضمیر کا
لوٹنا ناہمتر ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ تعریف کی
طرف لوٹائی جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کا مرجع
ماشتمل ہے یہ بھی اپنی تائید میں دودھیں پیش
کرتے ہیں ایک تو مرجع قریب ہے دوسرے مرجع
مرجع موجود ہے پس اگر اس کا المرفوع کو قرار دیں
تو یہ مرجع مرجع نہیں بلکہ المرفوعات کے ضمن میں پایا
جاتا ہے لہذا اشارہ نے ان دونوں کی توجہوں کا
محاذ کرتے ہوئے دونوں مرجع بیان کہ وہ خواہ
کسی کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو مصنف علیہ الرحمۃ
فرماتے ہیں کہ اس میں سے ایک قسم فاعل ہے اب
سوال یہ پیدا ہوا کہ فاعل کو دیگر مرفوعات پر کیوں مقدم
کیا تو اس کی وجہ شارح و ناقد و ناقد سے یہ بیان
فرما رہے ہیں کہ مصنف نے اس کو اس وجہ سے
دیگر مرفوعات پر مقدم کیا کہ فاعل جمہور کے نزدیک
تمام مرفوعات کی اصل ہے اس لئے کہ فاعل

سے بھی ہوتے ہیں لہذا تعریف مرفوع اس طرح پر ہوتی
چاہئے کہ معرب اور معنی دونوں پر صادق آجائے اور یہ
اس لئے کہ مرفوع کو معرب کی قسم نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس
کو قسم کے لئے قید بنایا گیا ہے یعنی اصل اتساؤ فاعل
اور اس کے اخوات ہیں اور مرفوع اس کے لئے
قید قید کی قسم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس قسم
سے اعم ہو یعنی اس قسم پر بھی صادق آئے اور اس کے
غیر پر بھی مرفوع معرب پر بھی صادق آئیگا اور معنی
پر بھی دلالت علم۔

۱۵۹ قولہ فہی من المرفوع اعم اس جگہ
فسنہ کی شرح ای من المرفوع سے کرنے کی وجہ یہ ہے
کہ من کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے بعض کہتے
ہیں کہ اس کا مرجع المرفوع ہے اور اس کی وجہ یہ بیان
کرتے ہیں کہ تاکہ دونوں ضمیروں کے مرجع میں اتحاد
ہو جائے یعنی جس طرح ہو ضمیر کا مرجع المرفوع ہے
اسی طرح اس کا مرجع بھی وہی ہے اور دوسری وجہ یہ

بیشتر جملہ فعلیہ کا جز ہوتا ہے اسی واسطے فاعل
کا حذف کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کا قائم
مقام کوئی نہ ہو اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے
اس لئے کہ جملہ سے مقصود مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہوتا
ہے اور وہ فائدہ بہ نسبت جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ
میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جملہ فعلیہ
چند فائدہ مثلاً زمانہ وغیرہ پر بھی دلالت کرتا ہے
اور اس کی تقدیم کی یہ بھی وجہ ہے کہ فاعل کا عامل اقوی
ہوتا ہے عامل مبتدأ سے اس لئے کہ فاعل کا عامل
لفظی ہوتا ہے اور مبتدأ کا معنوی اور یہ ظاہر ہے
کہ لفظی معنوی سے اقوی ہوتا ہے اس لئے کہ فاعل
کا عامل مفعولات خمسہ میں بھی عمل کرتا ہے اور اس کے
لمحات میں بھی مثلاً کہا جاتا ہے کہ ضرب زید ضرباً بالام
الامیر فی دارہ تادیباً والخشبۃ عمر اقاماً بخلاف
معنوی کے کہ اس میں یہ تمام امور مفقود ہیں۔

۱۶۰ قولہ فی الخ یہاں سے شارح اس
محل کے متعلق دو کراہتیں بیان فرماتے ہیں مگر سہ
ہی ساتھ قیل سے اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا
کہ یہ مذہب ضعیف ہے۔ اس کے قائل علامہ جلال
زمخشری صاحب کشاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ مرفوعات
کی اصل مبتدأ ہے اس لئے کہ مبتدأ مسند الیہ کی اصل
پر باقی رہتا ہے اور اصل مسند الیہ میں تقدم ہے بخلاف
فاعل کے کہ اس کا مرتبہ مؤخر ہے اس لئے کہ یہ ہمیشہ
فعل کا معمول ہو کر فعل کے بعد ہوتا ہے اور کبھی فعل
پر عند البصر یہ مقدم نہیں ہوتا ہے بخلاف مبتدأ کے
کہ اس میں اصل تقدیم ہی ہے اگرچہ یہ بعض وجوہ کی بنا
پر مؤخر ہو جائے تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ مسند
الیہ میں اگرچہ اصل تقدیم ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ اس
وقت ہے جب کہ کوئی مانع تقدیم سے منع نہ کرے
اور فاعل جو کہ مسند الیہ ہوتا ہے اس کی بھی اصل اگرچہ
تقدیم ہی ہے مگر اس تقدیم کے لئے مانع موجود ہے
اور وہ مانع القیاس بالمبتدأ ہے یعنی جس طرح مبتدأ
مقدم ہوتی ہے اگر اسی طرح فاعل کو بھی فعل پر بنا
اصل مقدم کرنے لگیں تو مبتدأ کے ساتھ القیاس
لازم آئے گا پس اس القیاس کے لزوم کی وجہ سے

لَا يَحْكُمُ عَلَيْهِ إِلَّا بِالْمَشْتَقِ وَهُوَ أَيْ الْفَاعِلُ مَا أَيْ اسْمٌ حَقِيقَةٌ أَوْ حَكْمًا
لِيَدْخُلَ فِيهِ مِثْلُ قَوْلِهِمْ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا أَسْنَدًا إِلَيْهِ الْفِعْلُ
بِالْإِصَالَةِ لَا بِالتَّبْعِيَّةِ لِيُخْرَجَ عَنِ الْحُدُوتِ الْوَاعِلِ الْفَاعِلِ وَكَذَا الْمُرَادُ فِي
جَمِيعِ حُدُودِ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ غَيْرِ الْتَابِعِ بِقَرِينَةٍ
ذَكَرَ الْتَوَابِعَ بَعْدَهَا أَوْ شَبَّهَهُ أَيْ مَا يَشَبَّهُهُ فِي الْعَمَلِ وَاتَّهَمَ ذَلِكَ

کے سوا کسی چیز کے ساتھ حکم (مائل نہیں کیا جاتا) اور وہ «یعنی فاعل» (وہ ہے) یعنی وہ اسم
ہے حقیقۃً یا حکماً (اسم حقیقی و حکمی کی تعین اس لئے کی ہے) تاکہ اسم میں نحو یوں کا قول «أَعْجَبَنِي»
أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا داخل ہو جائے (کہ ان مصدر یہ کا مدخول فعل مصدر کی تاویل میں ہو کہ
اسم کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے) جس کی طرف فعل کی اسناد کی جائے: «بِالْإِصَالَةِ» تَبْعِيَّةً
تاکہ فاعل کی تعریف سے فاعل کے توابع خارج ہو جائیں اور اسی طرح مراد ہے مرفوعات و
منصوبات اور مجرورات کی تمام تعریفوں میں..... تابع مراد نہیں ہے ان انواع ثلاثہ
کے بعد توابع کے ذکر کرنے کے قرینے کی وجہ سے (یہ معلوم ہوا ہے) «یا اس کے مشابہ کی» یعنی
اس کی جو فعل کے ساتھ عمل میں مشابہت رکھتا ہو اور مصنف نے یہ (جو شبہ) کہا تاکہ فاعل

جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ زید قائم ابوہ
میں ابوہ فاعل ہے مگر اس کے باوجود اس کی
طرف شبہ فعل کی نسبت نہیں کی گئی بلکہ مشبہ بالفعل
کی اسناد فاعل کی طرف کی گئی ہے جو کہ قائم
ہے اور عدم نسبت مشبہ فعل کی وجہ یہ ہے کہ شبہ
تو مشبہ اور شبہ بہ کے درمیان ایک نسبت کا
نام ہے پس مثال اور مثل کے درمیان مطابقت
نہیں رہی تو اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ شبہ
فعل سے مراد بالمشبہ بالفعل ہے جس کی توجیہ یہ ہے
کہ شبہ اس جگہ المشابہ ہے صیغہ اسم فاعل کے ساتھ
اور یہ صفت ہے تو اس کے لئے ایک موصوف
کی ضرورت ہے تو شائع نے موصوفہ کا اضافہ
فرمایا پھر یہ اعتراض ہوا کہ موصوفہ مکرر ہے
یعنی ثنائی اور المشابہ معرفہ اس لئے کہ اسیر الف
لام داخل ہے جو کہ عوض میں مضاف الیہ کے ہے
اور مضاف الیہ اس کا الفعل ہوتا تو موصوف
وصفت کے درمیان مطابقت نہیں رہی تو
شائع نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے اسم
فاعل کو مضاف سے تعبیر کر دیا اس لئے کہ مضاف

فاعل بنا دیکھا پس تقدیر عبارت یہ ہو گی «أَعْجَبَنِي»
ضربک زید پھر اسناد کے لئے اسناد بالاصالة
ضروری ہے نہ کہ بالقبیۃ تاکہ تعریف سے توابع
فاعل خارج ہو جائیں اس لئے کہ جاری زید و عمرو
میں عمرو کی طرف فعل کی اسناد ہے مگر یہ فاعل نہیں
بلکہ معطوف ہے لہذا اسی اعتراض کے بچنے کیلئے
بالاصالة کی تید کا اضافہ ضروری ہے اسی طرح
مرفوعات و منصوبات و مجرورات کی تمام تعریفات
میں مراد غیر تابع ہیں مگر اس کے لئے کسی قرینہ
کی ضرورت ہوتی ہے تو قرینہ یہ ہے کہ ان کے
بعد توابع کا مستقلاً علیحدہ ذکر ہے لہذا
توابع ان سے خارج ہیں واللہ اعلم

۱۶۲ قولہ «أَشْبَهَهُ» الخ اس جگہ کلہ
ادمزج کے لئے ہے نہ کہ تشبیک کے لئے
پس مصنف نے اس سے اس امر کی جانب اشارہ
کیا کہ فاعل کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کی طرف
فعل کی اسناد کی جائے اور دوسرے یہ کہ شبہ
فعل کی اسناد فاعل کی طرف ہو پھر شائع کی
شرح اسی مایثبہ فی العمل ایک سوال مقدراً

فاعل کو مقدم نہیں کیا جاتا اور زعمشہ کی دوسری
وجہ یہ ہے کہ مبتدا پر ہر ایک کے ساتھ حکم لگایا جاسکتا
ہے یعنی مبتدا کی خبر جامدا و مشتق دونوں ہو سکتی ہے
لہذا مبتدا اقوی ہوگا بخلاف فاعل کے کہ اس کا
محکم بہ صریح مشتق ہی بن سکتا ہے جامد نہیں تو اس کا
جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ حکم میں اصل حکم بالمشترق
ہے حکم بالجامد نہیں بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ حکم
بالجامد لا یجاء بہ کے درجہ میں ہے دوسرا جواب یہ ہے
کہ عموم قوۃ کا فائدہ نہیں دیا کرتا پس مبتدا کا محکوم
ہے چونکہ عام ہے مشتق اور جامد دونوں کو شامل ہے
لہذا یہ ضعیف ہوگا اور فاعل کا محکوم بہ قوی اس لئے
کہ یہ خاص ہے اور صریح مشتق کو مشتمل ہے۔

۱۶۱ قولہ «وَهُوَ أَيْ الْفَاعِلُ» الخ اب
مصنف علیہ الرحمۃ تعریف فاعل شروع فرماتے ہیں
کہتے ہیں کہ فاعل اس اسم کو کہتے ہیں جس کی طرف فعل
کی اسناد کی جائے یا شبہ فعل کی درانما یکہ فعل
یا شبہ فعل کو اس اسم پر مقدم بھی کیا جائے اس طریقہ
پر کہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو عام
ازی کہ وہ فعل اس سے صادر ہو جیسے قتل زید عمر یا
نہ صادر ہو جیسے مات زید۔ اب اس کی شرح ملاحظہ
فرمائیے شائع نے مائے شرح اسم کے ساتھ اس سے
کی کہ مائے مراد ما موصوفہ ہے نہ کہ موصولہ تاکہ یہ
اعتراض واقع نہ ہو کہ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ
واقع ہوں تو ضمیر فصل کا لانا ضروری ہے ورنہ اس
طرح ہو گیا کہ ما اس جگہ موصولہ نہیں کہ معرفہ ہو بلکہ
موصوفہ مکرر ہے اور اصل خبر میں نکارت ہے لہذا
اسم مکرر کے ساتھ اس کی شرح کی پھر خاص کر اسم
اس وجہ کہ کہا کہ یہاں بکت ہی اسم کی ہو رہی ہے،
جیسا کہ تفصیل سبق میں گذر چکی پھر حقیقۃً کے اضافہ
کی وجہ تو ظاہر ہے رہا حکماً کا اضافہ تو اس کی وجہ
یہ ہے کہ کہیں کوئی شخص یا اعتراض نہ کرے مطلقاً «أَعْجَبَنِي»
ضربت زید ایں ان ضربت فاعل ہے مگر یہ اسم
نہیں تو جواب یہ ہو گیا کہ اگر جب یہ حقیقۃً اسم نہیں
مگر حکماً ضرور اسم ہے اس لئے کہ اس پر ان مصدر یہ
داخل ہے میں فیصل کو تاویل مصدر کے اس کا

ليقتاول فاعل اسم الفاعل والصفة المشبهة والمصدر واسم الفعل و
افعل التفصيل والظرف وقدم اي الفعل او شبهه عليه اي على
ذلك الاسم واحترز به نحو زيد في ضرب لانه مما استدل اليه الفعل
لان الاسناد الى ضمير شي اسناد اليه في الحقيقة لكنه مؤخر عنه
والمراد تقديمه عليه وجوباً ليخرج عنه المبتدأ المقدم عليه خبره

کی تعریف اسم فاعل وصفت مشبہ ومصدر واسم فعل وافعل التفصیل اور ظرف (ان سب) کے فاعل کو شامل ہو جائے (جیسے زید قائم ابوہ اور زید حسن وجہہ اور الجبئی ضرب زید عمروا اور زید زید اور زید ضرب اخوہ من بکر اور زید فی کہ کتاب) (اور مقدم کیا جائے) یعنی فعل یا شبہ فعل (اس پر) یعنی اس اسم پر اور مصنف نے "وقدم علیہ" (کی قید) سے زید مرتب کی مثال میں موجود زید جیسے (اسم مبتدأ) سے احتراز کیا کیونکہ یہ اس قبیل سے ہے جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی ہے کیونکہ کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد درحقیقت اسی چیز کی طرف اسناد ہے لیکن اس اسم سے مؤخر ہے اور فعل یا شبہ فعل کی اس اسم پر تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے تاکہ اس تعریف سے وہ مبتدأ خارج ہو جائے جس کی خبر اس سے مقدم

فعل اپنے فاعل سے مقدم خبر پر ہوگا اور جملہ خبر پر خبر کہ صفت واقع ہو سکتا ہے پھر اس پر ایک اعتراض وارد ہوگا کہ شبہ سے مراد یا شبہ ہے تو یہ مشابہتیں مال سے خالی نہیں یا تو حدت پر دلالت کرنے میں مشابہت ہوگی یا حرکات و سکنات و عدد و حروف میں یا اشتقاق میں پس اگر اول ہے تو تعریف مذکورہ بالا جامع نہیں اس لئے کہ فی الواقع زید پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں زید فاعل ہے مگر اس کی جانب سے فعل اسناد ہے شبہ فعل کی اس لئے کہ ظرف فعل کی مانند حدت پر دلالت نہیں کرتا اور اس اسناد کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ حدت کا وجود ہو اور ثانی مشابہت مراد ہے تو یہ بیہات دیکھ میں نہیں یہ تعریف صادق نہیں آتی حالانکہ اس جگہ بھی زید فاعل ہے مگر اس کے باوجود شبہ فعل کی اسناد اس کی طرف نہیں کی گئی اس لئے کہ اسم فعل حرکات و سکنات و عدد و حروف میں فعل کے مشابہ نہیں ہوتے لہذا یہ بھی غلط ہوئی اب وہی تیسری مشابہت تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ الجبئی ضرب زید عمروا میں زید پر یہ تعریف صادق

۱۶۳ قولہ وندم ای فعل الخیر جملہ خبر پر

ترکیب میں بتقدیر قد حال واقع ہو رہا ہے فعل یا شبہ فعل سے اور تقدیر قد کی اس وجہ سے ضرورت پیش آتی کہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی جب حال واقع ہوتا ہے تو اس پر دخول قد ضروری ہے اور وہ اس جگہ مذکور نہیں تو لامحالہ مقدرا ماضی پڑا پھر یہ جملہ اگرچہ باعتبار ترکیب حال ہے مگر باعتبار وقوع بطور شرط قرار دی ہے فعل یا شبہ فعل کے لئے یعنی ان دونوں کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ اسم فاعل پر مقدم ہوں پس اس بنا پر اس سے زید ضرب کا زید خود بخود خارج ہو گیا اس لئے کہ یہ زید بھی اس مثال میں فعل کا مسند الیہ ہے اس لئے کہ کسی شے کی ضمیر کی طرف اسناد کرنا درحقیقت اس شے کی طرف اسناد کرنا ہوتا ہے اور اس جگہ ضرب میں ضمیر مستتر ہے جو زید کی طرف راجع ہے پس حقیقت اسناد زید ہی کی جانب ہوئی لیکن اس جگہ فعل اپنے فاعل سے مؤخر ہے پس اس قدم کی قید سے زید ضرب کا زید تعریف فاعلیت سے خارج ہو گیا اس لئے کہ فعل فاعل سے مقدم ہوتا ہے اور یہ یہاں مؤخر ہے اس لئے یہاں زید ترکیب میں مبتدأ اور ضرب خبر جملہ خبر پر ہو کر اسکی خبر ہو پھر اس پر ایک اعتراض واقع ہوا کہ فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں رہی اس لئے کہ اس میں کریم من بکر مک کی مثال کا مبتدأ داخل ہو گیا کیونکہ وہ بھی مما استدل الیہ الفعل سے ہے اور فعل پر مقدم بھی ہے اس لئے کہ اس مثال میں کریم شبہ فعل ہے اور من کی طرف اس کا اسناد ہے نیز کریم من سے مقدم بھی ہے مگر اسکے باوجود من کو کوئی بھی فاعل نہیں کہتا بلکہ من مبتدأ ہے اس لئے کہ ترکیب یہ ہے من اسم موصول بکریم فعل مضارع مضارع معروف ضمیر ہوا اس میں مستتر جو راجع ہے من کی طرف وہ اس کا فاعل ک مفعول ہے فعل اپنے فاعل و مفعول پر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر ہو کر صلہ ہوا موصول کا موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدأ اور کریم اس کی خبر مقدم تو مضارع اسکا جواب والمراد تقدیر الخیر سے ہے اس لئے کہ تقدیم فعل یا شبہ فعل سے مراد تقدیم وجوبی ہے۔ لان المطلق

خو کریم من یکرماک فان قلت قد یجب تقدیمہ اذا کان المبتدأ أنکره و
الخبر ظرفاً نحو فی الدار رجل قلت المراد وجوب تقدیم نوعه ولیس
نوع الخبر مما یجب تقدیمہ بخلاف نوع ما اسند الی الفاعل علی جملة

اذا اطلق یزاد بالفرد کامل اور اس مثال میں جو
خبر مبتدا پر مقدم ہوئی ہے وہ وجوباً مقدم نہیں
لہذا اس سے یہ مثال خارج ہو گئی اسی کو شارح
فرماتے ہیں تاکہ نکل جائے تعریف فاعل سے وہ
مبتدا کہ جس کی خبر اس پر مقدم ہو جیسے کریم من
یکرمک واللہ اعلم۔

۱۶۴ قولہ فان قلت الخ یہاں سے کوئی
معترض شارح کے اوپر دالے جواب پر اعتراض کرتا ہے
اور کہتا ہے کہ جس وقت مبتدا نکرہ ہو اور خبر ظرف تو
اس خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے لہذا تعریف
فاعل دخول غیر سے مانع نہیں رہی اس لئے کہ یہ
مبتدا اس میں داخل ہو گیا کیونکہ ابھی بنایا گیا ہے کہ ظرف
بھی فعل کے مشابہ سے پس ظرف مشبہ فعل ہو گا اور
رجل اس کا فاعل تو اس کا جواب قلت الخ سے شارح
نے یہ دیا کہ تقدیم وجوبی سے مراد تقدیم وجوبی نوعی
ہے اور نوع خبر کا مقدم کرنا واجب نہیں بلکہ خبر
کا کوئی فرد نوع میں مقدم ہو جاتا ہے بخلاف نوع
ما اسند الی الفاعل کے کہ اس کی نوع کا ہی مقدم کرنا
واجب ہے مزید وضاحت کے ساتھ اسکو یوں
سمجھئے کہ خبر ایک نوع ہے جس کے بہت افراد ہیں
پس اصل خبر میں تو یہی ہے کہ وہ مبتدا سے مؤخر ہو
مگر کسی سبب سے خبر کا مقدم کرنا واجب ہو جاتا ہے
جیسا کہ مثال مذکورہ میں ہوا تو اس تقدیم سے یہ لازم
نہیں آیا کہ خبر بحیثیت نوع کے مقدم ہو گئی یعنی اس
کے تمام افراد مقدم ہو گئے بلکہ صرف ایک فرد مقدم
ہوا اور یہی تقدیم فردی ہے اسی طرح فاعل ایک نوع
ہے جس کے بہت سے افراد ہیں اور اس میں اصل
یہ ہے کہ فاعل نوع کی حیثیت سے فعل پر مقدم نہیں
ہوتا لہذا تقدیم سے مراد اس جگہ تقدیم وجوبی نوعی
ہوگی۔

۱۶۵ قول علی جہتہ قیامہ الخ جہتہ کے معنی
اس جگہ طرز طریقہ اور شکل کے میں شارح نے اس کی
تفسیری اسناداً وافتاء الخ سے کہہ کر ایک سوال مقدر کا
جواب دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ جار مجرور جب کلام
عرب میں واقع ہوتے ہیں تو ان کے لئے اعراب محل کا

ہوتی ہے (بہ تقدیم جوازی) پس اگر تم کہو کہ کبھی خبر کی تقدیم واجب ہوتی ہے جبکہ
مبتداء نکرہ ہو اور خبر ظرف (تاکہ نکرہ کی تھفیس ہو جائے اور وہ مبتدا بن سکے) جیسے فی الدار
رجل میں جواب دیتا ہوں کہ وجوب تقدیم سے مراد فعل یا شبہ فعل کی نوع وجوب تقدیم
ہے (اس کے فرد کا نہیں) اور خبر کا نوع اس قبیل سے نہیں کہ جس کی تقدیم واجب
ہو بلکہ مثال مذکور کی طرح کبھی بعض عوارض سے اس کے بعض افراد کی تقدیم واجب ہو
جاتی ہے) ما اسند الی الفاعل کی نوع کے برعکس (کہ یہاں اس کے نوع کی تقدیم واجب

ہونا ضروری ہے پس اس جگہ علی جہتہ قیامہ پہ کا اعراب
محل کیا ہے؟ کیونکہ علی جہتہ الخ میں علی جار ہے جہتہ
قیامہ بہ مجرور نیز دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی جہتہ
قیامہ بہ نہما کے نزدیک اسند کا مفعول مطلق ہے
مگر اس پر مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں آتی اس
لئے کہ مفعول مطلق کے لئے معنی فعل کا اس پر مشتمل
ہونا ضروری ہے اور یہاں علی جہتہ الخ معنی فعل پر
مشتمل نہیں تو اس کا جواب شارح نے اسناداً وافتاء
سے یہ دیا کہ اس جگہ اسناداً وافتاء محدود ہے لہذا
اس سے معلوم ہوا کہ علی جہتہ قیامہ بہ بتقدیر اسناد
مفعول مطلق ہے اور محل نصب میں واقع ہے پس
علی جہتہ الخ اپنے متعلق کے موصوف کے اعتبار سے
مفعول مطلق ہے یعنی علی کا متعلق واقعاً ہے جو کہ صفت
واقع ہو رہا ہے اسناداً کی پس اسناداً موصوف
ہے اور اس کی وجہ سے یہ معنی فعل یعنی اسناد کو مشتمل
ہے وہی یہ بات کہ واقعاً کا اضافہ کو ہم سے کیا گیا؟
جبکہ جار مجرور کا تعلق اسناد کے ساتھ ہو سکتا تھا تو
اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ علی اسناد کا صلد واقع نہیں
ہو کرتا بلکہ اس کا صلد بادیائی آتا ہے پس اسند ہوا
اسند یہ کیا جاتا ہے نیز علی جہتہ الخ ترکیب میں صفت
واقع ہو رہا ہے اسناداً کا لہذا یہ قاعدہ ہے کہ جار مجرور
کبھی کسی شے کی صفت واقع نہیں ہو سکتے جب تک
کہ کسی متعلق کا اعتبار نہ کیا جائے اور اگر ان کو اسناداً

کے متعلق کیا جائے تو پھر اسناد کی صفت کس
طرح بن سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب واقعاً سے یہ
دیا کہ اس کا متعلق واقعاً ہے اور واقعاً صفت
اسناداً کی اور اسناداً مفعول مطلق ہے اسناد
باقی ترکیب بدستور اب اس جگہ ایک بات صاف
کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ صاحب عبد الغفور نے
کہا ہے کہ باسناداً واقعاً سے اس امر کی طرف
اشارہ ہے کہ جار مجرور اسند کے متعلق ہے حالانکہ
یہ بات خلاف معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ صاف
ظاہر ہے کہ شارح نے جار مجرور کو واقعاً کے متعلق
کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جار مجرور واقعاً
کے متعلق ہے اور واقعاً اسناداً کی صفت اور اسناد
کا مفعول مطلق اور یہ قاعدہ ہے کہ لازم کا لازم اپنا لازم
ہوتا ہے تو اسناداً وافتاء جو نکرہ اسند کے لوازمات ہیں
اور علی الخ جار مجرور اسناداً وافتاء کے لازم سے تو مذکورہ
قاعدے کے مطابق علی الخ جار مجرور اسند کے متعلق
ہوئے واللہ اعلم پھر طریقہ کے ساتھ جہتہ کی تفسیر اس
وجہ سے کی کہ جہتہ کا اطلاق جہات سے کسی
ایک جہتہ پر آتا ہے اور اس جگہ جہتہ سے یہ مراد
ہے نہیں تو شارح نے طریقہ کے ساتھ اس کی تفسیر
کردی اور قیام الفاعل او شبہ سے اس امر کی طرف اشارہ
ہے کہ قیامہ کہ ضمیر کو مرجع فعل یا شبہ فعل ہے۔ پس
اب یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامہ کی ضمیر مفعول

قیامہ ای اسنادا واقعا علی طریقۃ قیام الفعل او شبهہ بہ ای
بالفاعل فطریق قیامہ بہ ان یکون علی صیغۃ للعلوم او علی ما فی
حکمہا کاسم الفاعل والصفة المشبهة واحترز بهذا القید عن مفعول
مالہ یسم فاعلہ کزید فی ضرب زید علی صیغۃ المجهول والاحتیاج
الی هذا القید انما هو علی مذهب من لم یجعله داخلا فی الفاعل
کالمصنف واما علی مذهب من جعله داخلا فیہ کصاحب المفضل
فلا حاجة الی هذا القید بل یمکن ان لا یقید بہ مثل زید فی قامر
زید فہذا امثال لما اسند الیہ الفعل و مثل ابوہ فی زید قابہ ابوہ

ہے جس طرح کہ فرد کی (اس کے قیام کے طور پر) یعنی ایسی اسناد جو کہ فعل یا شبہ فعل کے
قیام کے طور پر واقع ہو (اس کے ساتھ) یعنی فاعل کے ساتھ پس فعل یا شبہ فعل کے فاعل
کے ساتھ قیام کا طریقہ یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل صیغہ معلوم پر یا اس کے حکم میں ہو جیسے کم
فاعل اور صفت مشبہ ہے اور مصنف نے علی جہت قیامہ بہ کی قید سے مفعول مالہ یسم
فاعلہ سے احتراز کیا ہے جیسے ضرب زید صیغہ مجهول پر کی مثال میں زید ہے اور اس قید
کی حاجت اس شخص کے مذہب پر ہی ہے جو مفعول مالہ یسم فاعلہ کو فاعل میں داخل نہیں
کرتا مصنف کی طرح لیکن اس شخص کے مذہب پر جو مفعول مالہ یسم فاعلہ کو فاعل میں
داخل کرتا ہے صاحب الفصل کی طرح تو اس قید کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ضروری ہے
کہ فاعل کی تعریف کو اس سے مقید نہ کیا جائے (جیسے) زید ہے (قام زید) میں پس اس
کی مثال ہے جس کی طرف (مراحت کے ساتھ) فعل کی اسناد کی گئی ہے (اور) جیسے ابوہ ہے (زید

اور مرجع اس کا امر ان ہے یعنی فعل و شبہ فعل اس
لئے کہ اس کا مرجع ہے فعل اور شبہ فعل دونوں
ملکہ نہیں بلکہ فعل یا شبہ فعل ہے یعنی احد الامرین
۱۶۶ قولہ طریقۃ قیامہ بہ عبارت ایک ہوال
مقدمہ کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ فاعل کی
تعریف جامع نہیں اس لئے کہ قیام سے متبادر
یہ ہے کہ قیام علی وجہ الصدور ہو اور یہ درست
نہیں اس لئے کہ بات زید اور طال عمرو میں فعل
اپنے فاعل کے ساتھ قائم ہے مگر فعل اس فاعل سے
صادق نہیں ہو اس کے باوجود یہ دونوں فاعل ہیں تو اس
کا جواب شارح نے یہ بیان کیا قیام فعل یا شبہ فعل کا طریقہ
فاعل کے ساتھ یہ ہے کہ فعل صیغہ معروف پر ہو یعنی
طریقۃ قیام کی علامت یہ ہے کہ فعل صیغہ معلوم پر

پر ہو پھر اس سے یہ اعتراض بھی دفع ہو گیا کہ طریقۃ قیام
فعل اور فاعل کے درمیان نسبت کا نام اور فعل کا
صیغہ معلوم پر ہو فاعل کی صفت ہے تو نسبت
کہاں رہی ایسے ہی قیام کی اضافت فعل کی طرف درست
نہیں اس لئے کہ قیام اتوار کو کہتے ہیں اور یہ ذی روح
میں پایا جاتا ہے اور فعل ذی روح ہے نہیں تو جواب
صاف ظاہر ہے کہ طریقۃ قیام سے مطلب یہ ہے
کہ فعل علی صیغہ المعروف ہو لہذا معلوم ہوا کہ قیام کے
معنے اس جگہ استواء کے نہیں کہ اعتراض لازم آئے
اور نسبت والا اعتراض اس طرح دفع کہ طریقۃ قیام
مراد علامت ہے یعنی طریقۃ قیام کی علامت پھر
اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا تھا کہ تعریف فاعل
یہ ہے کہ فعل علی صیغہ معلوم ہو اور یہ درست نہیں

اس لئے کہ قائم صیغہ فعل نہیں اگرچہ اس میں معلومیت
پائی جاتی ہے اس کے باوجود قائم کے بعد جو اسم مذکر
آتا ہے وہ اس کا فاعل ہوتا ہے تو اس کا جواب
شارح نے او علی مافی حکما الخ ہے یہ دیا کہ فعل سے مراد
یہی نہیں کہ وہ صیغہ معلوم پر ہو بلکہ وہ بھی اس میں
جو اس کے حکم میں ہو جیسے اسم اور فاعل صفت مشبہ
لہذا یہ بھی تعریف فاعل داخل میں اور احتراز بہذا القید
الخ سے شارح یہ بار ہے میں کہ اس جگہ مصنف کا قول
علی جہت قیامہ بہ قید احترازی ہے پس اس قید سے مفعول
مالہ یسم فاعلہ خارج ہو گیا یعنی زید ضرب زید کا جو کہ
بصیغہ مجهول ہے۔

۱۶۷ قولہ والاحتیاج الخ اس عبارت
سے بھی شارح کا منشا ایک سوال مقدر کا جواب
دینا ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ ضرب زید میں
زید حقیقۃً فاعل ہے اس لئے کہ فعل کی اسناد کی طرف
ہو رہی ہے اور فاعل کی تعریف اس پر صادق آتی
ہے لہذا مصنف کو یہ چاہئے تھا کہ وہ تعریف فاعل
میں علی جہت قیامہ بہ کی قید کو ذکر کرتے بلکہ مصنف
پھر اس کا ترک واجب تھا کیونکہ صاحب فصل علامہ
زحشری نے بھی اس کو ترک کیا ہے اور کانیہ
مفصل ہی سے ماخوذ ہے پس جب اصل میں یہ قید
متروک ہے تو نقل میں بھی متروک ہونی چاہئے تھی
تو اس کا جواب شارح نے والاحتیاج الخ سے
یہ دیا کہ اس بارے میں دو مذہب ہیں ایک صاحب
مفصل کا کہ انہوں نے مفعول مالہ یسم فاعلہ کو
فاعل ہی شمار کیا جو اور دوسرا مذہب صاحب کانیہ
کا کہ وہ اس کو تعریف فاعل سے خارج شمار کرتے
ہیں لہذا اس قید کی احتیاج اس مذہب کی بنا پر ہے
جو اس کو فاعل میں داخل نہیں کرتے جیسے مصنف
لیکن ان کے مذہب کی بنا پر جو اس کو فاعل میں داخل
کرتے ہیں جیسے صاحب مفصل اور شیخ عبد القاصر
جرجانی وغیرہا میں اس قید کی حاجت نہیں تھی بلکہ
ان کے لئے واجب تھا کہ وہ اس قید کے ساتھ فاعل
کو مقید نہ کرتے جیسا کہ مراعت صاحب مفصل نے
نہیں کیا واللہ اعلم۔

۱۶۸ قول مثل زید الخیر فعل اور شبہ فعل کی علیحدہ علیحدہ مثال ہے پہلی مثال قائم زید اسناد فعل کی ہے جو کہ اسم کی طرف ہو رہی ہے اور دوسری مثال اسناد شبہ فعل کی ہے اور اس میں بھی اسناد شبہ فعل ہی کی جانب ہے اب اس مسئلہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے مثل کے بعد زید فی کا اور زید قائم ابوہ سے پہلے مثل ابوہ فی کا اضافہ کیوں کیا؟ تو اس سے شارح کا منشا ایک اعتراض کا دفعیہ ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے فاعل کی تعریف کر کے زید اور زید قائم ابوہ اس کی مثال دی ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قائم زید پورا جملہ اور زید قائم ابوہ پورا جملہ فاعل کی مثال ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ پہلی مثال میں زید اور دوسری میں ابوہ فاعل ہے لہذا مصنف کا یہ کہنا غلط ہوا تو اس کا جواب شارح نے اپنے اضافہ سے یہ دیا کہ تم نے غلط سمجھا بلکہ پہلی مثال میں تو زید فاعل ہے اور دوسری میں ابوہ جو کہ فاعل کی تعین ہر دونوں جملوں میں طالب پر پہل ہے اس لئے معنی ذہن سامع پر کفار کر کے مصنف نے تصریح معنی کی رہا مثل کا اضافہ ثانی مثال میں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ثانی مثال اول مثال پر معطوف ہے اور اول مثل کے ماتحت ہے تو ثانی مثال بھی مثل کے ماتحت ہوگی۔

۱۶۹ قول والاصل فی الفاعل الخیر یہاں سے مصنف نے فاعل کے لئے ایک اصل بیان فرما دی ہے اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا تھا جس کا جواب شارح نے فی الفاعل سے دے دیا اعتراض یہ ہے کہ اصل مبتدأ ہے جو کہ عام ہے اس لئے کہ یہ اصل فی الفاعل اصل فی المبتدأ اصل فی الجرح غیر ہم ہر ایک کو شامل ہے اور اس کے بعد والہ جملہ اس کی خبر ہے اور یہ فاعل ہے لہذا اس خبر کا کل مبتدأ بہر دست نہیں اس لئے کہ خاص کامل عام پر لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے جواب یہ ہے کہ اصل میں الف لام حمد کے لئے ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اصل فی الفاعل مراد ہے اس لئے کہ یہاں مذکورہ فاعل کا ہو رہا ہے ذکر غیر کا لہذا شارح نے فی الفاعل کا اضافہ

۱۶۹ قول الاصل فی الفاعل ای ماینبغی ان یکون الفاعل علیہ ان لم یمنع مانع ان یصلی الفعل المسند الیہ ای یکون بعدہ من غیر ان یتقدم علیہ شیء آخر من معمولاتہ کانہ

قائم ابوہ میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہے (اور اصل) فاعل میں یعنی وہ چیز کہ جس پر فاعل کا ہونا مناسب ہے اگر کوئی مانع منع نہ کرے (یہ ہے کہ فاعل متصل ہو فعل سے) جس کی فاعل کی طرف اسناد کی جاتی ہے یعنی فاعل فعل کے بعد ہو اس کے بغیر کہ فعل کے معمولات میں سے کوئی اور چیز فاعل سے مقدم ہو کیونکہ فعل کے فاعل کی طرف

۱۷۰ قولہ المسند الیہ الخیر اس سے شارح علیہ الرحمۃ دفع دخل مقدور فرماتا ہے کہ تقریر غلط ہے کہ مصنف نے فعل کا تذکرہ کر دیا مگر شبہ فعل کا نام بھی نہیں لیا حالانکہ اس طرح فاعل فعل سے متصل واقع ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل سے بھی متصل ہوتا ہے نیز قول مصنف ان یصلی الفعل احوال فعل سے ہے۔ ذکر احوال فاعل سے لہذا مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ اس کو احوال فعل میں ذکر کرتے ذکر احوال فاعل میں تو اس کا جواب شارح نے اسناد الیہ سے یہ دیا کہ فعل سے مراد مسند الی الفعل ہے یعنی مصنف نے خاص کو ذکر کر کے عام کا ارادہ کیا ہے پس اب یہ احوال فاعل سے ہو گیا اور چونکہ شبہ فعل بھی مسند الی افعال ہوتا ہے لہذا اس جملہ کے اضافہ سے شبہ فعل بھی اس میں آگیا اور پرانے دونوں اعتراضات ماقط ہو گئے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایلا کے مد معنی آتے ہیں اتصال بالقبل اور اتصال بالبعد پس اس جگہ کن سے معنی مواد میں تو شارح نے ای کیوں بعدہ الخ سے یہ جواب دیا کہ اس جگہ ایلا سے اتصال بالبعد مراد ہے یعنی فاعل فعل کے بعد متصلاً واقع ہو بغیر اس بات کے کہ فاعل پر کوئی شے آخر مقدم کی جائے پھر اس پر یہ اعتراض واقع ہوا کہ بناوہیں بغیر ذکر کہنا درست نہیں اس لئے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فاعل کا فاعل اسناد بیان کیا گیا ہے کہ فاعل کے ادھر کوئی شے آخر مقدم نہ ہو اور یہاں فاعل کا مقدم ہے تو اس کا جواب شارح نے من معمولاتہ سے کر دیا پھر اس پر اعتراض ہوا کہ اصل کے بہت سے معنی آتے ہیں۔ یعنی قاعدہ کلیہ۔ دلیل اور ماینبغی وغیرہ تو اس جگہ کون سے معنی مراد ہیں تو اس کا جواب شارح نے ماینبغی ان یکون الخ سے یہ دیا کہ اصل کے معنی اس جگہ اولویت کے ہیں یعنی فاعل کے لئے جو چیز اولیٰ اور مناسب ہو اور قاعدہ کلیہ کے اس لئے نہیں ہیں کہ یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ ضربک زید کی ترکیب جائز نہیں اس لئے کہ اس میں زید اپنے فعل سے دور واقع ہوا ہے اور درمیان میں ضمیر مفعول فاعل ہے اور بتایا گیا ہے کہ فاعل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ فعل سے متصل واقع ہو اور دلیل کے اس جگہ کوئی معنی بنتے ہی نہیں لہذا ایک ہی شے متعین ہو گئی یعنی ماینبغی الخ پھر اس پر اعتراض واقع ہوا کہ مذکورہ بالا اعتراض ابھی تک بدستور واقع ہے اس لئے ماینبغی کی صورت میں بھی تو ضربک زید کی ترکیب درست نہیں کیونکہ اس میں ماینبغی کا بھی خلاف ہو رہا ہے تو اس کا جواب شارح نے ان لم یمنع مانع سے یہ دیا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی مانع پیش نہ آئے اور اس جگہ مانع درپیش ہے مطلب یہ ہوا کہ فاعل کا اقتضار تو یہی ہے کہ وہ فعل کے قریب واقع ہو مگر کبھی کبھی اقتضار زائل ہو جاتا ہے کسی ایسے عارض کی وجہ سے جو فاعل کے بعد فعل سے دہر باجہا ہوتا ہو جیسے ضمیر مفعول کا فعل سے متصل ہونا مثال مذکور میں پس اگر اس سے ضمیر مفعول کو علیحدہ کر کے فاعل کے بعد ذکر کریں تو یہ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔

کالجزء من الفعل لشدة احتياج الفعل اليه ويدل على ذلك اسكان اللام في خبريت لانه لدفع توالي اربع حركات فيما هو بمنزلة كلمة واحدة فليذلك الاصل الذي يقتضي تقدم الفاعل على سائر معمولات الفعل جاز ضرب غلامه زيد لتقدم مرجع الضمير وهو زيد مرتبة فلا يلزم الاضمار قبل الذكر مطلقا بل لفظا فقط و ذلك جائز و امتنع ضرب غلامه زيد التاخر مرجع الضمير وهو زيد لفظا ورتبة فيلزم الاضمار قبل الذكر لفظا ورتبة و ذلك

سخت محتاج ہونے کی وجہ سے فاعل فعل کی جز کی مانند ہے فاعل کے فعل کی جز کی مانند ہونے پر مرتبت میں لام کا ساکن کرنا دلالت کرتا ہے کیونکہ اسکان لام اس نقطہ میں چار حرکتوں کے تسلسل کو دور کرنے کے لئے ہے جو کہ ایک کلمہ کے بنزلبہ ہے (پس اسی اصل کی وجہ سے) جو کہ فعل کے تمام معمولات سے فاعل کے مقدم ہونیکا تقاضا کرتی ہے (جائزہ ضرب غلامہ زيد) مرجع ضمیر کے جو کہ زيد ہے مرتبہ میں تقدم کی وجہ سے (یہ مثال جائزہ ہے) لہذا اضمار قبل الذکر مطلقا ہر صورت میں لازم نہیں آتا بلکہ صرف لفظی طور پر (لازم آتا ہے) اور وہ جائز ہے (اور ناجائزہ ضرب غلامہ زيد) مرجع ضمیر کے جو کہ زيد ہے فاعل میں اور مرتبہ میں مؤخر ہونے کی وجہ سے لہذا فاعل میں اور مرتبہ میں (مطلقا دونوں طرح) اضمار قبل الذکر لازم آتا

بغير فاعل کے فائدہ تادم نہیں دیتا لہذا فاعل کا بجز من الفعل ہوا۔ اب رہی دلالت تو شائع بیان فرماتے ہیں کہ اس فاعل کا بجز ہونے پر اسکان لام (مثلاً ضربت میں) دلالت کرتا ہے یعنی جب فعل کے ساتھ ضمیر فاعل مرفوع متصل لاحق ہو تو لام کلمہ ساکن ہو جاتا ہے جیسا کہ ضربت میں بار یعنی لام کلمہ ساکن ہے پس اگر فاعل کا بجز نہ ہوتا تو لام کلمہ کے سکون کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ سکون لام چار حرکتوں کے پہلے آئے کو دور کرنے کے لئے ہے جبکہ یہ کلمہ بمنزلة کلمہ واحد ہو گیا یعنی ایک کلمہ میں توالی اربع حركات ناجائزہ میں اسی طرح فاعل کے کا بجز ہونے کی وجہ سے بھی جبکہ یہ بمنزلة کلمہ واحد ہو گیا توالی اربع حركات ناجائزہ ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اسکان توالی اربع حركات کی وجہ سے آتا ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو رابعی میں اسکان

سے یہ دیا کہ من غیر ان تقدم الخ سے مراد یہ ہے کہ وہ نے آخر فعل کے معمولات میں سے نہ ہو مثلاً اسم مفعول وغیرہ کہ یہ فعل کے معمولات سے نہیں لہذا ان کا تقدم صحیح نہیں البتہ جو شیار فعل کے معمولات میں سے نہیں ہیں وہ فاعل پر مقدم ہو سکتی ہیں مثلاً نون تاکید مثلاً مذکورہ میں کہ یہ معمولات فعل سے نہیں ہے لہذا اس کا تقدم کرنا جائز ہے اب رہی بات کہ اتصال فعل کی فاعل کے ساتھ دلیل کیلئے تو اس کو شائع لائے کا بجز رابعی سے پہلے فرمایا ہے کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ فاعل فعل کے ایک جزء کی مانند ہوتا ہے اس وجہ سے کہ فعل فاعل کی طرف شدت احتیاج رکھتا ہے (اسی وجہ سے اگر صوف فعل بولا جائے اور فاعل کا ذکر نہ کیا جائے تو فعل کے کوئی معنی ہی سمجھ میں نہیں آئے تا وقتیکہ اس کے ساتھ فاعل کو نہ ملا دیا جائے یعنی جس طرح کل بغير جزء کے فائدہ تادم نہیں دیتا اسی طرح فعل بھی

واجب نہ ہوتا جیسا کہ ورجبت میں کہ اس میں توالی اربع حركات موجود ہیں اس لئے کہ عین کلمہ اس میں پہلے ہی سے ساکن ہے مگر اس کے باوجود اس میں جیم کلمہ وجوباً ساکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثلاثی پر محمول ہے اس لئے کہ ثلاثی اصل ہے اور رباعی فرع پس ثلاثی پر قیاس کرتے ہوئے رباعی کو بھی ساکن کر دیا۔

الحال قولہ فلذلك الاصل الخ اس جگہ شائع اور پکی اہل پر دو تصریحیں پیش فرمائی ہیں اول تصریح وجود اس پر ہے اور ثانی انعام اس پر کہتے ہیں کہ پس اسی اہل کی وجہ سے (تقدم فاعل تمام معمولات فعل پر) ضربت غلامہ زيد کہنا جائز ہے اس لئے کہ اس میں زيد فاعل ہے اور وہ اگرچہ غلامہ سے لفظاً مؤخر ہے مگر رتبہ فاعل ہونے کی حیثیت سے اس پر مقدم ہے لہذا اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آتا ہے (دیکھ مطلقاً یعنی لفظاً ورتبہ اور اضمار قبل الذکر لفظاً اگرچہ رتبہ جائزہ ہے اور ناجائزہ وہ اضمار قبل الذکر ہے جو کہ لفظاً ورتبہ دونوں اعتبار سے لازم آئے اور ضرب غلامہ زيد کہنا جائز نہیں اس لئے کہ زيد مفعول ہے جو کہ ضمیر غلامہ کا مرجع ہے اور لفظاً ورتبہ ہر حیثیت سے غلامہ سے مؤخر ہے پس اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے اب جاتا چاہئے کہ شائع نے فلذلك کے بعد الاصل الخ کا اضافہ اس وجہ سے کیا ہے کہ ذلک اسم اشارہ ہے اس کا اشارہ الیہ بتانا ہے کہ کیا ہے پس اس کا اشارہ الیہ بتا دیا رابعی سائر معمولات الفعل کا اضافہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن جنی اور اخفش اس بات کے قائل ہیں کہ مفعول بہ کو فاعل پر مقدم کیا جاسکتا ہے مگر یہ مجہود کے خلاف ہے مجہود کا مذہب یہ ہے کہ فاعل کو تمام معمولات فعل پر مقدم کرنا ضروری ہے بنا بر اصل کے عام ازیں کہ فعل کا معمول مفعول بہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور لہذا شائع نے مذکورہ اضافہ سے ابن جنی اور اخفش کے قول کو خارج کر دیا۔

۱۷۱ قولہ خلافاً لا تخفش وابن جنیّ ومستندہما فی ذلک قول الثعلبی
یہ ہے کہ لا تخفش جار مجرور ظرف مستقر ثابتاً کے
متعلق ہو کر صفت ہے خلافاً کی اور خلافاً موصوف
اپنی صفت سے مل کر مفعول مطلق ہے مخالف فعل
محذوف کا باقی ترکیب بدستور۔ تخفش کے متعلق
گندھ چکا ہے کہ یہ کون ہیں اب ابن جنیّ جن کا
بیٹا مشہور ہے کہ یہ ایک جگہ سے پڑے ہوئے
پائے گئے تھے کوئی ان کا حادث نہ تھا لہذا
ان کو ابن جنیٰ کہنے لگے نام ان کا معلوم ہو سکا
اور یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ اب شامی
فرماتے ہیں کہ اسی مثال میں اضمار قبل الذکر کے بارے
میں تخفش اور ابن جنی کا خلاف ہے یہ اپنے نزدیک
اس میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا اس لئے کہ یہ
اس بات کے قائل ہیں کہ ضمیر مفعول بہ کا اتصال
فاعل کے ساتھ مع تقدیم فاعل جائز ہے کیونکہ
جس طرح فعل کا اقتضاد فاعل کیساتھ شدید ہے
اسی طرح مفعول بہ کا بھی فعل شدید طور پر متعلق
ہے کہ فعل متعدی جس طرح فاعل کو چاہتا ہے
اسی طرح مفعول بہ بھی چاہتا ہے لہذا ان دونوں
کا اتصال ضروری ہو اس جس طرح فاعل کا رتبہ
مقدم ہے اسی طرح مفعول کا رتبہ بھی مقدم ہے
لہذا اس مثال یعنی ضرب غلامہ زیداً میں اضمار قبل
الذکر لازم نہیں آتا اور دوسری دلیل ان کی یہ ہے
جس کو شامی مستندہما فی ذلک الخ سے بیان
فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی دلیل اس بات
میں شاعر کا یہ شعر ہے جزئی ربی عینی عذی بن
حاتم جزاء الکلاب العاویات وقد فعل۔ جس کا
ترجمہ یہ ہے کہ عذی بن حاتم کو اس کا رب میری
جانب سے بھونکنے والے کتوں جیسی سزا دے۔
لہذا جس طرح بھونکنے والے کتوں کو لوگ زد و
جھوب کرتے ہیں اسی طرح خدا میل دلہ لیتے ہوئے
اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے ہو لہذا لیکر ایک
دب نے ایسا کر بھی دیا اس جملہ سے اس امر کی
طرف اشارہ ہے کہ اس کی دعا گویا کہ مقبول بھی
ہوگی یعنی اس کی دعا بہت سریع اثر ہے یا یہ

غیر جائز خلافاً لا تخفش وابن جنیّ ومستندہما فی ذلک قول الثعلبی
شعر جزئی ربی عینی عذی بن حاتم جزاء الکلاب العاویات وقد فعل
واجب عنہ بان هذا لضرورة الشعر والمواد علم جوازہ فی سعة
الکلام وبانہ لا نسلم ان الضمیر یرجع الی العذی بل الی المصدر الذی
یدل علیہ الفعل لے جزئی ربی الجزاء واذا انتفى الاعراب

ہے اور وہ جائز نہیں ہے تخفش اور (امام ابو الفتح عثمان) ابن جنی کے برخلاف (کہ ان دونوں
کے نزدیک یہ جائز ہے) اور اس جواز میں ان دونوں کی دلیل شاعر کا قول ہے (ترجمہ) عذی
بن حاتم کا رب اسے میری طرف سے بھونکنے والے کتوں کی سی سزا دے اور اس نے کر دیا۔
(سزا دیدی) اور ان کی دلیل کا جواب؟ یا جاتا ہے کہ یہ ضرورت شعر کی وجہ سے ہے اور مراد عدم
جواز اضمار قبل الذکر ہے وسعت کلام میں اور (دوسرا جواب) یہ (ہے) کہ ہم اس بات کو تسلیم
نہیں کرتے کہ ضمیر عذی کی طرف لوٹتی ہے بلکہ اس مصدر کی طرف (راجع ہے) کہ جس پر فعل
(جزئی) دلالت کرتا ہے یعنی جزئی رب الجزاء (اور جب متعلق ہو اعراب) جو فاعل کی قابلیت

سے ایسا کیا گیا ہے اور ضرورت شعر کی منشاء
نہیں ہوا کرتا کہ کلام منشور میں بھی اس کو جائز قرار
دے دیا جائے لہذا اس سے مراد وسعت کلام میں
عدم جواز ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس بات
کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ربی کی ضمیر عذی کی طرف راجع
ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اس مصدر کی طرف راجع ہے
جس پر فعل دلالت کرتا ہے پس تقدیر عبارت ای
جزئی رب الجزاء ہوئی اور رب الجزاء باری تعالیٰ
ہے اور یہ ایسے ہی جیسے کہ اعدی لہذا ہو اعدی للفقوی
قول باری میں اعدی لہذا میں عدل مقدم ہے جس کی طرف
ضمیر ہو راجع ہے اسی طرح جزئی میں جزاء مصدر
مقدم ہے جس کی طرف ضمیر ربی جائز ہے مگر یہ جواب
حرف ایک تاویل کی حیثیت سے زیادہ وقعت
نہیں رکھتا اس لئے کہ اس میں کلام کو غیر ظاہر پر محمول
کرنا ہے اور جواب اول ظاہر اور مطابق واقعہ ہے
لہذا وہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۲ قولہ ما اذا انتفى الاعراب الخ
مصنف تعریف فاعل اور اس کی اصل اور اس پر
تصریح کے بیان سے فاسخ ہو کر یہ بتانا چاہتے ہیں

جملہ اس نے تفاداً کہا ہے اب شعر کی ترکیب یہ ہے
کہ جزئی فعل ماضی معلوم رب مضارع ضمیر مضارع
الیہ جوارح ہے عذی کی ضمیر اور یہی محل اشتہار
ہے عذی جار مجرور متعلق ہے جزئی کے عذی بن حاتم
ترکیب مشہور مفعول بہ ہے جزئی کا اور مرجع ہے
رب کی ضمیر کا جزاء الکلاب العاویات بترکیب
مشہور مفعول مطلق ہے جزئی کا وقد فعل یہ جملہ خبر
ہے اور حال ہے رب سے باقی ظاہر ہے العاویات
یہ عوارض ضمیر العین سے ہے جس کے معنی میں کہتے
کی آواز کے یعنی کتے کے بھونکنے کو کہتے ہیں اور
غرض اس مثال سے یہ بتانا ہے کہ اس شعر میں ربی
کی ضمیر عذی بن حاتم کی طرف راجع ہے اور یہ ترکیب
میں جزئی کا مفعول بہ ہے اور مفعول بہ کا رتبہ
مؤخر ہوتا ہے پس چونکہ یہ باعتبار لفظ اور رتبہ کے
مؤخر ہوا لہذا ربی کی ضمیر میں اضمار قبل الذکر لفظاً
و رتبہ لازم آیا لہذا یہ ترکیب ناجائز ہوتی تو شاہد
اپنے قول میں کیوں ذکر کرتا؟ لہذا اس سے معلوم
ہوا کہ یہ جائز ہے تو شامی اس کا جواب واجب
ہے یہ ہے کہ اس میں ضرورت شعر کی وجہ

الدال علی فاعلیۃ الفاعل ومفعولیۃ المفعول بالوضع فیہما لفظ
ای فی الفاعل للمتقدم ذکرہ صریحاً و فی ضمن الامثلة والمفعول المتقدم
ذکرہ فی ضمن الامثلة والقریۃ ای الاموال دال علیہا بالوضع اذ
لا یعہد ان یطلق علی ما و یختص بانہ شیء انہ قریۃ علیہ فلا یرد علیہ
ان ذکر الاعراب مستغنی عنہ اذ القریۃ شاملۃ لہ وہی اما لفظیۃ

اور مفعول کی مفعولیت پر وضع کے اعتبار سے دلالت کرتا (لفظی طور پر دونوں میں) یعنی فاعل میں
کہ جس کا ذکر پہلے صراحت سے (معنف کے قول فمنہ الفاعل میں) اور مثالوں کے ضمن میں
گذرا اور مفعول میں کہ جس کا ذکر مثالوں کے ضمن میں گذرا (اور قریۃ) یعنی وہ چیز جو فاعل
اور مفعول پر بلا وضع دلالت کرے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس پر جو ایک چیز کے مقابلے میں
وضع کی گئی ہے اس بات کا اطلاق کیا جائے کہ وہ اس پر قریۃ ہے لہذا ذکر قریۃ پر یہ اعتراض
وارد نہ ہوگا کہ اعراب کے ذکر کی حاجت نہیں کہ قریۃ اعراب کو شامل ہے (حالانکہ شامل نہیں)

کہ کن صورتوں میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب
ہے اور کن صورتوں میں مؤخر؟ تو پہلے ان صورتوں
کو بیان کرے ہیں جن میں تقدیم فاعل علی المفعول
واجب ہے کہتے ہیں کہ جب اعراب لفظی فاعل و
مفعول دونوں میں منتفی ہو جائے اور فاعلیۃ فاعل
ومفعولیۃ مفعول کا قریۃ بھی یا فاعل ضمیر متصل ہو
یا فاعل کا مفعول الاکے بعد واقع ہو یا معنی الاکے
بعد تو ان صورتوں میں تقدیم فاعل مفعول پر واجب
ہے اس جگہ شارح نے واذا انتفی الاعراب کے بعد
الدال علی الخ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا
جواب دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ قریۃ کے
ذکر کے بعد اعراب کا ذکر کرنا بیکار ہے اس لئے کہ
اعراب بھی قریۃ ہی ہوتا ہے اس لئے کہ قریۃ عام
ہے اور اعراب خاص کیونکہ قریۃ بغیر اعراب کے
بھی پایا جاتا ہے اور چونکہ قاعدہ ہے کہ انتفاع عام
انتفاع خاص کو مستلزم ہوتا ہے لہذا انتفاع قریۃ
سے انتفاع اعراب بھی سمجھا جائیگا پس دونوں کے
ذکر کی حاجت نہ تھی بلکہ صرف ذکر قریۃ کافی تھا تو
اس کا جواب شارح نے الدال الخ سے یہ دیا کہ قریۃ
کو اعراب عام کہنا درست نہیں اس لئے کہ دونوں

میں نسبت تباین کی ہے کیونکہ اعراب اس کو کہتے
ہیں جو تعین مقصود پر بالوضع دلالت کرے
اور قریۃ وہ ہے جو تعین مقصود پر بلا وضع دال ہو
پس جب اعراب اور قریۃ کے درمیان نسبت تباین
کی ہوئی تو اب اشکال وارد نہ ہوگا کہ یہ بات کہ
تعین مقصود کیا ہے تو وہ یہ ہے کہ دونوں فاعلیۃ
فاعل ومفعولیۃ مفعول پر دلالت کریں مگر ایک
بالوضع اور ایک بلا وضع اور لفظاً ترکیب میں
تمیز واقع ہے اعراب سے پس تقدیر عبارت یہ
ہوگی واذا انتفی لفظ الاعراب لا تقدیر یعنی جب
لفظی اعراب منتفی ہو جائے نہ تقدیری۔

۱۷۱ قولہ فیہما ای فی الفاعل الخ یہاں
پر شارح نے فیہما کی شرح ای فی الفاعل الخ سے
کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے
کہ فاعل کا تو ذکر ماقبل میں ہوا ہے مگر مفعول کا کہیں
نہیں ہوا اور فیہما کی ضمیر ثانیۃ فاعل ومفعول دونوں
کی جانب راجع ہے لہذا ضمیر کو مفعول کی طرف
راجع کرنے میں اضممار قبل الذکر لازم آیا اور یہ ناجائز
ہے تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ فاعل کا تو
ذکر مقدم ہو چکا ہے صراحت بھی اشکال کے ضمن میں

بھی لہذا اس سے نہ بحث نہیں اور مفعول کا ذکر
اگرچہ صراحتاً تو مقدم نہیں ہوا البتہ مثالوں کے
ضمن میں اس کا ذکر ضرور ہو چکا ہے مثلاً ضرب غلام
زید میں لہذا اضممار قبل الذکر لازم نہیں آتا کیونکہ مرجع
کے لئے ذکر کنائی اور ضمنی بھی کافی ہے۔

۱۷۱ قولہ والقریۃ اس کی بھی شرح
ای الاموال دال الخ کر کے شارح نے مذکورہ بالا سوال
کا جواب دیا ہے اور قریۃ کی تعریف بتائی ہے
کہتے ہیں کہ قریۃ اس امر کو کہتے ہیں جو ہیبت فاعلیۃ
ومفعولیۃ پر بلا وضع دلالت کرے اس لئے کہ اس
سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو شے کسی سے آخر کے
مقابلہ میں موضوع ہو اس کا اطلاق اس بات پر
کیا جائے کہ وہ شے شے آخر کے اور قریۃ سے
یعنی عموماً ہر جگہ یہ قاعدہ ہو کہ جو چیز کسی شے کے
مقابلہ میں موضوع ہو وہ قریۃ ہی ایسا نہیں ہے
پس قریۃ اور ہوا اور اعراب اور اب ذرا شارح کی
عبارت پر غور فرمایئے اذ لا یعہد ان یطلق الخ
میں ان یطلق لا یعہد کا مفعول مالم لیس فاعلہ ہے
اور علی بالخ میں مالم موصولہ ہے جس سے مراد شے
ہے اور وضع کی ضمیر ای ماکہ طرف راجع ہے اور
بازار شے میں شے سے مراد اس شے کی مغایرہ
ہے جو موصولہ سے مراد ہے یعنی شے آخرانہ کی
ضمیر ماکہ طرف راجع ہے اور علیہ کی شے آخر کی
طرف اور ان قریۃ الخ جملہ ہو کر ان یطلق کا نائب
فاعل ہے پس اس عبارت کا ترجمہ اس طرح ہوگا
اس لئے کہ نہیں لازم آتا یہ کہ اطلاق کیا جائے اور
اس شے کے جو وضع کی گئی ہو مقابلہ شے آخر کے
اسباب کا کہ وہ شے موضوع قریۃ ہے اس
شے آخر پر اور جب ایسا ہے کہ قریۃ بالوضع
دلالت نہیں کرتا تو اب مذکورہ ماقبل اعتراض
واقع نہیں ہوگا اسی اعتراض کو شارح نے بھی
نقل فرمایا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ پس اس پر یہ اعتراض
وارد نہ ہوگا کہ ذکر اعراب مستغنی عن الذکر ہے یعنی
اعراب کو ذکر کیا جاتا اس لئے کہ قریۃ اعراب کو
شامل ہوتا ہے پھر قریۃ کی دو قسمیں ہیں لفظیۃ اور

مخوضیبت موسی جلی او معنویۃ نحو اکل الکثیری یحیی اَوْ کَانَ
الفاعل مضمرًا متصلًا بالفعل بارزاً ضربیبت زید او مستکن
کزیب ضرب غلامہ بشرط ان یکون للمفعول متاخراً عن الفعل لئلا
یتقص بمثل زیداً ضربیبت اَوْ قَم مَفْعُولُہُ ای مفعولُ الفاعل
بَعْدَ اِلَّا بشرط توسطها بینہما فی صورتی التقدیم والتاخیر نحو

اور قرینہ یا تو لفظی ہوگا جیسے ضربت موسی جلی زک ضربت میں تائے تانیث جلی کے فاعل ہونے کا
قرینہ لفظی ہے (یا معنوی ہوگا جیسے اکل الکثیری یحیی (یا ہودہ) فاعل ضمیر متصل ساتھ فعل
کے بارز ہو جیسے ضربت زید (میں) ت ضمیر بارز فعل کے ساتھ متصل ہے (یا مستتر ہو جیسے
زید ضرب غلامہ (میں ضرب کے اندر ہو ضمیر متصل مستتر ہے) اس شرط سے کہ مفعول بہ فعل سے
مؤخر ہو تاکہ مصنف کی بات زیداً ضربت کے مثل سے ٹوٹ نہ جائے (یا واقع ہو اس کا مفعول
فاعل کا مفعول (الا کے بعد) اس شرط کے ساتھ کہ الا تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں

فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے فعل کی طرف مضاف
یعنی منسوب ہوتا ہے اور بشرط توسطها الخ کا اضافہ
اس جگہ بھی دفع دخل مقدم کے لئے ہے تو تقدیر
دخل یہ ہے کہ ما ضرب الاعمر زید میں مفعول الا کے
بعد واقع ہے مگر اس جگہ تقدیم فعل واجب نہیں
تو اس کا جواب شائع نے یہ دیا کہ مفعول فاعل
کے الا کے بعد واقع ہونے کے ساتھ ساتھ شرط
یہ ہے کہ الا فاعل اور مفعول کے درمیان تقدیم و
تاخیر کی دونوں صورتوں میں واقع ہو یعنی وجوب
تقدیم فاعل اور متناع تاخیر فاعل کی صورتوں میں
پس ما ضرب زید الاعمر میں تو فاعل کی تقدیم واجب
ہے اور تاخیر محتسب لہذا یہ تو ہماری بحث میں داخل ہے
اب رہا ضرب الاعمر زید بشرط تو یہ بھی بحث سے خارج
ہے اس لئے کہ اس میں وجوب تقدیم فاعل اور
متناع تاخیر فاعل دونوں صورتیں مفقود ہیں۔

ہے اس لئے کہ اس میں فعل کے اتصال کے بعد بھی
ضمیر کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔

۱۷۱ قولہ بشرط الخ یہ عبارت بھی سوال
مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ زیداً ضربت میں
فاعل ضمیر فاعل متصل ہے مگر اس کی تقدیم مفعول پر
واجب نہیں اس لئے اس میں مفعول بہ فعل اور فاعل
دونوں سے مقدم ہے تو شائع نے جواب دیا کہ ضمیر
متصل کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفعول یہ فعل سے
متاخر ہو تاکہ زیداً ضربت والی مثال سے نقص
دار نہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں مفعول بہ فعل سے
متاخر نہیں بلکہ مقدم ہے۔

۱۷۲ قولہ اور وقع مفعول الخ یہ تقدیم

فاعل علی المفعول کی تیسری صورت ہے اس جگہ ای
مفعول الفاعل کے ساتھ شرح کر کے شائع نے
بتایا ہے کہ قول مصنف مفعولہ میں ضمیر فاعل کی
طرف راجع ہے اب اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے
کہ مفعول کی اضافت فاعل کی طرف جائز نہیں اس
لئے کہ مفعول تو فعل کے لئے ہوتا ہے فاعل کے
لئے جس میں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھی یہ اعتراض
تسلیم ہے مگر اس جگہ اضافت لفظی ثابت کیوں
ہے اس لئے کہ ہر ایک فاعل اور مفعول میں سے

معنویہ لفظیہ جیسے ضربت موسی جلی اس میں تاء
تانیث فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی
ہے لہذا معلوم ہوا کہ جلی اس کا فاعل ہے اس لئے
کہ جلی مؤنث ہے اور معنویہ کی مثال یہ ہے جیسے
اکل الکثیری یحیی کہ اس میں کمانے والا اندرون سے
فعل کے بھی متعین ہے اس لئے کہ ترجمہ اس کا
یہ ہے کھا یا گھری نے مرد کو پس جس جگہ ان دونوں
قسم کے قرینوں میں سے کوئی قرینہ نہ پایا جائیگا
تو فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے
ضرب موسی عیسی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فاعل مقدم
ہے ورنہ التباس لازم آتا ہے اور یہ محاورہ
عرب میں شائع ہے۔

۱۷۳ قولہ اذ کان الفاعل الخ یہ دوسرا

مقام ہے جہاں تقدیر فاعل واجب ہے شائع
نے کان کے بعد الفاعل کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ کان کا
اسم فاعل ہے اور بالفعل کا اضافہ اس وجہ سے
کیا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ متصلاً اتصال سے ہے
اور یہ متصل یہ کو چاہتا ہے لہذا متصل یہ بالفعل ہے
یعنی فاعل ضمیر ہوا اور متصل ہوا فعل سے اب رہا بارزاً
اور مستکن کا اضافہ تو ایک سوال مقدم کا جواب ہے
تقریر سوال یہ ہے کہ اتصال کے معنی مضموم یعنی ملنے
کے ہیں اور ضم تلفوظ میں تو مقصور ہوتا ہے مگر
مستکن میں نہیں لہذا اس سے معلوم ہوا کہ ضمیر سے
مراد ضمیر بارز ہے ضمیر مستکن نہیں تو شائع نے جواب
دیا کہ متصل سے مراد ضمیر متصل لی التلفظ ہے یعنی تلفظ
میں غیر کی طرف محتاج ہو پھر خواہ تلفظ حقیقی ہو یا
محکی لہذا ضمیر مستکن بھی اس میں داخل ہوگی ضمیر بارز
کی مثال جیسے ضربت زید کہ اس میں متصل یعنی ت
غیر مستقل ہے اس لئے کہ جب تک اس کو فعل کے
ساتھ نہ ملایا جائے اس کا تلفظ بھی نہیں کیا جاتا پس
یہ تو ہے تلفظ حقیقی اور ضمیر مستکن کی مثال جیسے زید
ضرب غلامہ اس میں ضرب کے اندر ضمیر پرمشید ہے
جو زید کی طرف راجع ہے اور یہ ضمیر بھی ظاہر ہے کہ
غیر مستقل ہے اس لئے کہ جب تک ضرب نہیں کیا جائے
کتاب تک یہ بھی نہیں کہی جائے گی یہاں یہ تلفظ محکی

ماضرب زید الا عمر اذ بعد متکاملاً نحو اما ضرب زید عمراً
وَجِبَتْ تَقْدِيمُ اِیْ تَقْدِیْمِ الْفَاعِلِ عَلَی الْمَفْعُولِ فِی جَمِیعِ هَذِهِ
الصُّوَرِ اَمَّا فِی صُورَةِ اِسْتِفْهَالِ اَعْرَابٍ فِیْهِمَا وَالْقَرِیْنَةُ فَلِلْمُخْتَلَفِ عَنْ
الْاِتِّبَاسِ وَاَمَّا فِی صُورَةِ كَوْنِ الْفَاعِلِ ضَمِيراً مُتَّصِلاً فَلَمَّا فَاتَا الْاِتِّصَالَ
الْاِتِّصَالَ وَاَمَّا فِی صُورَةِ وَقُوعِ الْمَفْعُولِ بَعْدَ الْاِلَکْنِ بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا
بَيْنَهُمَا فِی صُورَتِیْ التَّقْدِیْمِ وَالتَّخْلِیْرِ فَلَمَّا يَنْقَلِبُ الْحَصْرُ مَطْلُوبَ قَانِ
الْمَفْهُومِ مِنْ قَوْلِهِ مَاضِرِبْ زَیْدًا لَعَمْرًا اِلْخَصَارُ ضَارِبِیَّةَ زَیْدٍ فِی عَمْرٍ

فاعل اور مفعول کے درمیان دریا ال کے معنی کے بعد (الا کا معنی اس کے ماقبل کا اس کے مابعد میں مختصر ہوتا ہے) جیسے انا ضرب زید عمراً (تو اس کی تقدیم واجب ہے) یعنی ان تمام صورتوں میں فاعل کی مفعول پر تقدیم ضروری ہے رہا فاعل اور مفعول میں اعراب اور قرینہ کے انتفاء کی صورت میں (فاعل کا مقدم ہونا) تو (فاعل و مفعول میں) التباس سے بچنے کے لئے (ضروری) ہے اور ہا فاعل کے ضمیر متصل ہونے کی صورت میں (مقدم ہونا) تو اتصال کے انفصال سے منافی ہونے کی وجہ سے (ضروری) ہے اور ہا مفعول کے بالا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں (فاعل کا مقدم ہونا) لیکن اس شرط کے ساتھ کہ الا تقدیم و تاخیر کی دو صورتوں میں فاعل و مفعول کے درمیان ہو تو اس لئے (ضروری) ہے کہ حصر مطلوب منقلب نہ ہو جائے کیونکہ فاعل کے قول ماضرب زید الا عمر و اسے مفہوم زید کی ضاربیت کا انحصار ہے عمر میں باوجود اس بات

۱۷۹ قول اور بعد معناه الخ یہ چوتھا حصہ ہے جس میں تقدیم فاعل کی مفعول پر واجب ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب مفعول فاعل سے پہلے آئے بعد واقع ہوگا تو فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہوگی جیسے انا ضرب زید عمراً کہ اس میں انا والا کے معنی میں ہے اس لئے کہ جس طرح الا حصر کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح انا بھی۔

۱۸۰ قول قولہ وجب تقدیم الخ یہ جملہ شرائط مذکورہ بالا کی جہاں ہے اس کی شرح شارح اسی تقدیم الفاعل الخ سے اس وجہ سے کی ہے کہ تقدیم میں ضمیر کا مرجع فاعل ہے اور ہر بیان مقدم کے لئے ضروری ہے کہ اس کا بھی بیان ہوگی پر یہ مقدم ہو پس فاعل مقدم ہے اور مفعول مقدم علیہ بھر یہ اشکال پیدا ہوتا تھا کہ شاید وجب تقدیم کا تعلق صرف معنایا کے

ساتھ ہے اس لئے کہ حرف شرط اور جزا کے درمیان لفظ بعد سے فصل واقع ہو گیا لہذا یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جزا راخیر یعنی معنایا کے ساتھ متصل ہے مگر ایسا ہے نہیں بلکہ سب کے ساتھ اسکا اتصال ہے پس اس اشکال کے ازالہ کے لئے شارح نے فی جمیع ہذہ الصور کہا یعنی وجب تقدیم کا تعلق چاروں مذکورہ ماقبل صورتوں کے ساتھ ہے یا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ شارح نے فی جمیع ہذہ الصور سے اپنا مدعی بیان کیا ہے اور اسکا اثبات امانی صورتہ استغفار الاعراب الخ سے کر رہے ہیں اور یہی قرین قیاس بھی ہے اب رہا اور الا اعتراض تو وہ قابل اعتبار نہیں نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شارح نے دونوں باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا اضافہ فرما دیا پس یہ اس مشہور مثل کے مطابق ہو گیا کہ ایک تیر سے دو شمار یعنی اعتراض مذکورہ بھی نفع ہو

کیا اور آئندہ عبارت کے لئے مدعی بھی فلسفہ در الشارح قدس سرہ العزیز و طاب اللہ ثراہ و جل الجنتہ مثواہ آمین۔

۱۸۱ قول الہی صورتہ الخ یہاں سے شارح اپنے مدعی کا اثبات فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ انتفاء اعراب اور قرینہ کی صورت میں تو تقدیم فاعل اس وجہ سے واجب ہے کہ التباس سے احتراز ہو جائے یعنی اگر ان دونوں کے انتفاء کی صورت میں فاعل کو مفعول پر مقدم نہ کیا جائیگا یہ تو بہتہ نہیں چلے گا کہ اس میں فاعل کون ہے اور مفعول کون پس دونوں آپس میں ملتبس ہو جائیگی جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ کہ اس میں اعراب و قرینہ دونوں مفقود ہیں لہذا اگر اس میں تقدیم فاعل واجب نہ ہو تو یہ بہتہ نہیں چلیگا کہ فاعل موسیٰ ہے یا عیسیٰ؟ اور فاعل کے ضمیر متصل ہونے کی صورت میں تقدیم اس وجہ سے واجب ہے کہ اتصال اور انفصال کے درمیان منافات ہے لہذا اگر اس میں تقدیم واجب نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ فاعل کا مؤخر کرنا بھی جائز ہے اور جب مؤخر کرنا جائز ہو تو جس وقت مؤخر کرنے کے متصل کا متصل ہونا لازم آئیگا اور یہ خلاف مقصود اور ناجائز ہے اور مفعول کے بالا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں بشرطیکہ الا فاعل اور مفعول کے درمیان تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں توسط ہو تقدیم فاعل اس لئے ضروری ہے کہ حصر مطلوب منقلب نہ ہو جائے اس لئے کہ ماضرب زید الا عمر سے مقصود ضاربیت زید کا مفہوم بیت عمر و میں انحصار ہے عامہ یہ معنی ہیں کہ زید نے بجز عمر و کے کسی کو نہیں مارا مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ عمر و کسی دوسرے شخص کا بھی مضروب ہو اور ماضرب عمر الا زید سے مقصود یہ ہے کہ مہویت عمر و کا انحصار زید میں ہے یعنی عمر و کو سوائے زید کے کسی اور نے نہیں مارا اور اس کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زید عمر و کے علاوہ کسی اور شخص کا بھی ضارب ہو پس اگر ایسی صورت میں فاعل کو مفعول پر مقدم نہ کریں تو حصر مطلوب منقلب ہو جائے گا یعنی شکام کا مقصود تو یہ ہے کہ ضاربیت زید کا انحصار مفہوم بیت عمر و میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ عمر و کسی شخص آخر کا بھی ہو

مع جواز ان یكون عمر مضر وبالشخص آخر والمفهوم من قوله ما ضرب عمر الا زید انحصار مضر وبیه عمر و فی زید مع جواز ان یكون زید ضارب الشخص آخر فلو انقلب احدهما بالآخر لا انقلب الحصر المطلوب وانما قلنا بشرط توسطها بينهما فی صورتی التقديم والتأخیر لانه لو قدّم المفعول علی الفاعل مع الا فیقال ما ضرب الا عمر زید فالظاهر ان معناه انحصار ضاریة زید فی عمر اذ الحصر انما هو فی مائلی الا فلا ینقلب الحصر المطلوب فلا یجب تقدیم الفاعل لکن لم یستحس به بعضهم لانه من قبیل قصر الصفة قبل تمامها وانما قلنا الظاهر ان معناه کذا الاحتمال ان یكون معناه ما ضرب احدا

کے جواز کے کہ عمر کسی دوسرے شخص کا مضر ہو اور قائل کے قول ما ضرب عمر والا زید سے مفہوم عمر کی مضر بیت کا انحصار ہے زید میں باوجود اس بات کے جواز کے زید کسی دوسرے شخص کا ضارب ہو پس ان دو میں سے ایک اگر دوسرے سے منقلب ہو جائے تو حصر مطلوب منقلب (برعکس) ہو جائے گا اور ہم نے تقدیم اور تاخیر کی دونوں صورتوں میں الا کے فاعل و مفعول کے درمیان ہونے کی شرط کے ساتھ اس لئے کہا کہ اگر الا کے ہمراہ مفعول کو فاعل سے مقدم کیا جائے پس کہا جائے ما ضرب اکا عمر یا زید تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی زید کی ضاربیت کا انحصار ہے عمر میں کیونکہ حصر اسی میں ہوتا ہے جو الا سے متصل ہو لہذا حصر مطلوب منقلب (برعکس) نہ ہو گا اس لئے فاعل کی تقدیم ضروری نہ رہی لیکن (صاحب المفتاح ایسے) بعض (حضرات) نے اسے مستحسن قرار نہیں دیا کیونکہ یہ قصر صفت قبل از تمام صفت کے قبل سے ہے اور ہم نے "الظاہر ان معناه کذا" اس بات کے احتمال کی وجہ سے کہا کہ اس کا معنی

ہو اور ما ضرب عمر الا زید کہنے سے ثابت ہو جائیگا کہ مضر و بیت عمر و کا انحصار ضاربیت زید میں ہے اور ممکن ہے کہ زید نے کسی اور کو بھی مارا ہو اور یہ خلاف مقصود ہے پس تقدیم فاعل مفعول پر واجب ہوئی تاکہ حصر مطلوب فوت نہ ہو جائے۔

۱۸۲ لے قوله وانما قلنا بشرط التمهید شرح نے اور قع مفعولہ بعد الا کے بعد بشرط توسطها الخ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح ہو چکی پس اب یہاں اس قید کے اضافہ کی وجہ اور دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس قید کا اضافہ اس وجہ سے کیا کہ اگر مفعول کو فاعل پر مع الا کے مقدم کر دیں اور ما ضرب الا عمر یا زید کہیں تو اس تقدیر پر ظاہر یہ ہے کہ اس کے معنی ضاربیت زید کے انحصار کے ہی مضر و بیت عمر و میں اس لئے کہ حصر اس میں ہوتا ہے جو کلمہ الا کے متصل ہو اور الا کے متصل عمر ہے لہذا اس میں حصر ہو گا پس حصر مطلوب فوت نہیں ہو گا اس لئے کہ جو معنی ما ضرب زید الا عمر کے ہیں وہی معنی ما ضرب الا عمر یا زید کے ہیں پس تقدیم فاعل مفعول پر واجب نہیں ہو گی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت صفت کا قصر اس کے تمام ہونے سے پہلے لازم آئیگا۔ اور یہ اگرچہ بعض کے نزدیک مستحسن نہیں مگر نہایت بھی نہیں لہذا اس کا جواب شارح نے بشرط الخ کے ساتھ دے دیا اور قصر صفت قبل تمام اس وجہ سے لازم آیا کہ صفت اس وقت تمام ہوتی ہے جبکہ مسند الفاعل کے متصل ذکر کیا جائے اور یہاں مسند الفاعل متصل مذکور نہیں بلکہ سب سے آخر میں مذکور ہے۔ پس صفت مضر اس وقت تمام ہوتی جبکہ اس کا مسند الفاعل یعنی زید ذکر کر دیا جاتا اور کہا جاتا ما ضرب زید الا عمر یعنی نہیں مارا زید نے مگر عمر کو تو اس میں نہیں مارا زید نے اس جملہ پر صفت مضر تمام ہوتی ہے یعنی اتنا کہنے سے صفت کا قصر اپنے موصوف پر (یعنی اس ضرب پر جو زید کی طرف مسند ہونہ کہ مطلق ضرب) تمام ہو گیا لہذا تقدیم فاعل ضروری ہے تاکہ یہ صفت مکمل ہو جائے۔ لیکن جب اس کو مقدم نہیں کریں گے اور کہیں گے ما ضرب الا عمر یا زید تو اس میں صفت

کر دیا کہ ہیں اس جیسی مثال سے سروکار نہیں اگر اس میں تقدیم فاعل واجب نہیں تو نہ ہی اس لئے کہ ہمارا منشا تو صرف یہ ہے کہ یہاں وجہ تقدیم فاعل اس شرط یہ ہے کہ صورت تقدیم فاعل و مفعول میں الا وسط میں ہے اور یہاں الا وسط میں ہے نہیں۔

۱۸۳ لے قوله وانما قلنا الظاہر الخ اور شارح نے فالظاہر ان معناه الخ کہا تو اب شارح اسکی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے الظاہر کیوں کہا اور اس بیان توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ الظاہر جب معرفت باللام ذکر کیا جائے تو یہ احتمال آخر کا فائدہ دیتا ہے اور جب اسے منکر ذکر کریں تو اس میں کوئی احتمال نہیں ہوتا۔

ضاربیت زید تمام نہیں ہوتی بلکہ مطلق ضرب سمجھ میں آتی ہے اور یہ خلاف مقصود ہے پس قصر صفت قبل تمام لازم آیا اور اس کو اخفش و عبد القادر و سکاکی وغیرہ جائز تو قرار دیتے ہیں مگر مستحسن نہیں سمجھتے اور جمہور کثافت اس کو جائز بھی قرار نہیں دیتے اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ مستثنیٰ بالا کا بعد ماقبل مستثنیٰ کا معمول ہو پس مثال مذکور یعنی ما ضرب الا عمر یا زید میں زید یا بعد ہے اور مستثنیٰ بالا عمر و لہذا جمہور کے نزدیک زید ضرب کا معمول نہیں سکتا پس شارح نے اپنے کلام کو مذہب یعنی اخفش وغیرہ پر معمول کرتے ہوئے اس شرط کو ذکر کر کے یہ ظاہر

الاعمر ازيد فيفيد انحصار صفة كل واحد منهما في الآخر وهو ايضا
خلاف المقصود واما وجوب تقديمه عليه في صورة وقوع المفعول
بعد حنى الا لان الحصر ههنا في الجزء الاخير فلو آخر الفاعل لا نقرب
المعنى قطعاً ولا اذا اتصل به اى بالفاعل ضمير مفعول نحو ضرب
زيد اغلامه او وقع اى الفاعل بعد الا المتوسطة بينهما في صوتي
التقديم والتاخير نحو ما ضرب عمراً الا زيد وفائدة هذا القيد مثل
ما عرفت آنفاً او وقع الفاعل بعد ممتناً اى معنى الا نحو انما
ضرب عمراً زيداً او اتصل به مفعول بان يكون المفعول ضميراً
متصلاً بالفعل وهو اى الفاعل غير ضمير متصل به نحو ضربك
زيد وجب تاخير اى تاخير الفاعل عن المفعول في جميع هذه الصور

یہ ہو ماضی ہاذا احداً الا عمر ازيد کسی نے کسی کو نہیں مارا مگر زید نے عمر کو پس
یہ معنی جو غیر ظاہر ہے فاعل اور مفعول میں سے ہر ایک کی صفت کے دوسرے میں انحصار کا فائدہ
دے گا اور وہ بھی خلاف مقصود ہے اور ہا مفعول کے الا کے معنی (انما) کے بعد واقع ہوئی ہو
میں اس سے فاعل کی تقدیم کا ضروری ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر حصر جزو اخیر میں ہے
لہذا اگر فاعل کو (مقدم کرنے کی بجائے) مؤخر کر دیا جائے تو معنی یقیناً برعکس ہو جائے گا اور
جب متصل ہو اس کے ساتھ یعنی فاعل کے ساتھ (مفعول کی ضمیر) جیسے ضرب زید اغلامہ (یا
واقع ہو) یعنی فاعل (الا کے بعد) جو تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں فاعل و مفعول کے
درمیان ہوتا ہے جیسے ماضی عمر الا زید اور اس (توسط الا) کی قید کا فائدہ اس کی
مانند ہے جو تم نے ابھی (سابقہ صورت میں جبکہ مفعول الا یا معنی الا کے بعد واقع ہو تو مفعول
سے فاعل کی تقدیم واجب ہے) معلوم کر لیا (یا) واقع ہو فاعل کے بعد (اس کے معنی کے)
یعنی الا کے معنی کے (بعد) جیسے انما ضرب عمر ازيد (یا فاعل کا مفعول اس کے ساتھ متصل ہو)
اس طرح کہ مفعول ضمیر متصل فعل کے ساتھ ہو (اور وہ) یعنی فاعل ضمیر (متصل نہ ہو) فعل کے
ساتھ جیسے ضربک زید (تو واجب ہے اس کی تاخیر یعنی مفعول سے فاعل کی تاخیر ان تمام احوال)

یہی چونکہ شائع نے معرفت بلام الظاہر کو ذکر کیا تھا
اس لئے احتمال آخر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں
کہ ہم نے الظاہر ان معنایں کذا اس وجہ سے کہا کہ یہ احتمال
بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی ماضی ضرب احداً والا
عمر ازيد کے ہوں پس اس تقدیر پر فاعل و مفعول ہر
ایک کا انحصار ایک دوسرے میں پایا جائیگا اور یہ بھی
خلاف مقصود ہے اس لئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ
حصر احداً لہما نہیں ہے ہوا اور اس جگہ جانیں سے حصر
مستفاد ہوتا ہے پس اس وقت معنی یہ ہونے لگے
کہ زید نے صرف عمر کو مارا ہے اور عمر کسی دوسرے
شخص کا ماضی نہیں ہے اور یہی حصر من الجانین
ہے اور اس پر دلیل ضرب احداً ہے معنی کسی کو

صی نے نہیں مارا مگر عمر کو زید نے مارا مگر یہ تو جہ
بعض نجات کے نزدیک ہے در نہ اکثر تو یہی کہتے ہیں
کہ اوامد احد سے دو چیزوں کا استثناء بغیر عطف کے
درست نہیں اور یہاں تو جہید مذکورہ میں حرف
عطف ہے نہیں لہذا سرے سے یہ مثال ہی غلط ہے
۱۸۷ قولہ واما وجوب النحر اب رہی یہ بات
کہ مفعول اگر معنی الا کے بعد واقع ہو تو تقدیم فاعل
کیوں واجب ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ
جزا غیر میں حصر ہے پس اگر مفعول کو مقدم کر دیا جائے
اور فاعل کو مؤخر تو معنی قطعاً منقلب ہو جائیں گے
اور خلاف مقصود لازم آئیگا اس لئے کہ معنی الا یعنی
انما میں چونکہ مقصود علیہ مؤخر ہوتا ہے اس لئے فاعل
اور مفعول میں سے جو بھی مؤخر ہوگا وہ بمنزلہ اس ام
کے ہوگا جو الا کے بعد واقع ہے یعنی مقصود علیہ ہوگا
اور مقصود علیہ کی تقدیم اس کے غیر کے ساتھ ہوگی ورنہ
انتباس واقع ہوگا جیسا کہ انما ضرب زید عمر میں اگر
انما ضرب عمر ازيد کہیں تو انتباس ہوتا ہے اس لئے
کہ انما ضرب زید عمر کے تو معنی یہ ہیں کہ زید نے
صرف عمر کو مارا ہے اور جب کہا جائیگا انما ضرب
عمر ازيد تو معنی یہ ہونے لگے کہ عمر کو صرف زید نے
مارا ہے پس حصر مطلوب منقلب ہو گیا پس اگر اس
جگہ تقدیم فاعل پر تاخیر کو جائز قرار دے دیں تو
فاعل و مفعول دونوں کا حصر آپس میں متکسر ہو جائیگا
اور یہ پتہ نہیں چلے گا کہ مقصود علیہ کون ہے لہذا یہ
ناجائز ہے برخلاف نفی اور استثناء کے کہ اس کو فاعل
مفعول میں سے جو بھی یاد کے بعد واقع ہوگا وہ مقصود
علیہ ہوگا خواہ مقدم ہو یا مؤخر

۱۸۵ قولہ واذا اتصل بالنحر وجوب
تقديم فاعل کے مواضع کو شمار کرانے کے بعد
مصنف مواضع وجوب تاخیر کو بیان فرما رہے
ہیں کہتے ہیں کہ جب فاعل کے ساتھ ضمیر مفعول
ملحق ہے جیسے ضرب زید اغلامہ کہ اس میں غلام
فاعل ہے اور اس کے ساتھ ضمیر مفعول ملحق ہے یا
فاعل الا کے بعد واقع ہو بشرطیکہ الا فاعل و مفعول
کے درمیان تقدیم و تاخیر مفعول کی دونوں صورتوں

امّا فی صورتۃ اتصال ضمیر المفعول بہ لثلاثین مّا الاحتمار قبل الذکر
لفظاً ورتبۃً واما فی صورتۃ وقوعہ بعد الا او معناہا لثلاثین قلب المحو
المطلوب واما فی صورتۃ کون المفعول ضمیراً متصلاً والفاعل غیر متصل
لمناجاة الاتصال الانفصال بتوسط الفاعل الغیر المتصل بینه و بین
الفعل بخلاف ما اذا کان الفاعل ایضاً ضمیراً متصلاً فانہ حیث ینحی
تقدیم الفاعل نحو ضربتک وقد یحذف الفعل الرفع للفاعل لقیام

صورتوں میں (ضروری ہے) رہا مفعول کی ضمیر کے فاعل کے ساتھ متصل ہونے کی صورت میں
(مفعول سے فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا) تاکہ لفظاً اور رتبۃً انحراف قبل الذکر لازم نہ آئے اور
فاعل کے الایا اس کے معنی کے بعد واقع ہونے کی صورت میں (فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا) تاکہ
محور مطلوب برعکس نہ ہو جائے اور رہا مفعول کے ضمیر متصل اور فاعل کے غیر متصل ہونے کی صورت
میں (فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا) تو اتصال کے انفصال سے متانی ہونے کی وجہ سے فاعل غیر
متصل کے فعل اور مفعول کے درمیان ہونے کی وجہ سے (شرح جامی کے ایک نسخے میں ہے
لمناجاة الاتصال توسط الفاعل بینه و بین الفعل یعنی اس لئے کہ مفعول کا فعل کے ساتھ
الاتصال فاعل غیر متصل کے مفعول اور فعل کے درمیان آنے کے منافی ہے) اس کے برعکس جبکہ
فاعل بھی ضمیر متصل (بہ فعل) ہو پس اس وقت فاعل کی تقدیم ضروری ہوگی جیسے ضربتک
(اور کبھی فعل حذف کیا جاتا ہے) جو فاعل کے لئے رافع ہوتا ہے ((قیام قرینہ کے وقت)) جو (قرینہ

میں متوسط ہو جیسے ما ضرب عمر الا زید کے اس میں عمر
کا کہ وجوب مقدم ہے اور اس کا تاخیر محتسب ہے پس
تقدیم و تاخیر مفعول کی دونوں صورتیں اس میں
پائی گئیں (اور اس قید کا فائدہ بھی وہی ہے جو ابھی
بیان تقدیم فاعل میں گذرا) یا فاعل معنی الای کے بعد
واقع ہو جیسے انما ضرب عمر زید یا فاعل کا مفعول
فعل کے ساتھ متصل ہو یا یہ طور کہ مفعول ضمیر
ہو جو کہ فعل سے علی ہوئی ہے اور فاعل اس ضمیر کا
غیر ہو جو کہ فعل منفصل ہے جیسے ضربک زید تو ان
صورتوں میں تاخیر فاعل اور تقدیم مفعول واجب ہے
نوائذ قیود اس جگہ بھی وہی ہے جو وجوب تقدیم فاعل
کے بیان میں گذرے اور شارح نے الای کے بعد
المتوسط الخ کیوں کہا اور بشرط توسط الای آخرہ
کیوں نہیں کہا کہ سبقت میں کہا تھا تو اس کی وجہ
تقتضی عبارت ہے اب رہی یہ بات کہ مصنف
نے وجوب تاخیر کیوں کہا ہے وجوب تقدیم
المفعول کیوں نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں
بیان تو فاعل ہی کا ہو رہا ہے خواہ تاخیر فاعل ہو یا
تقدیم فاعل اس وجہ سے وجوب تاخیر کہنا ضروری
ہوا پھر فی جمیع ہذہ الصور کا اضافہ یہاں بھی وجوب
سابق ہے اور امانی صورتۃ الاتصال الخ سے شارح
ان چاروں سے ہر ایک جگہ پر تاخیر فاعل کی وجہ
مثل سابق بیان فرماتا ہے اس لئے کہ یہی کہتا ہے کہ ضمیر مفعول
سے فاعل کے ساتھ متصل ہونے کی صورت میں تو تاخیر
فاعل اس وجہ سے واجب ہوتی کہ اگر ایسا نہ کرتے تو انحراف
قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم آتا اس لئے کہ اس صورت میں
ضرب زیداً غلاماً کے بجائے ضرب غلاماً زیداً
کہا جاتا ہے مزج یعنی زید مؤخر ہو جاتا اور ضمیر مقدم اور
بہی انحراف قبل الذکر ہے اور لا یا معنی الای کے بعد تاخیر
فاعل اس وجہ لازم ہے کہ اگر ایسا کر دیا جاتا تو
محور مطلوب فوت ہو جاتا یعنی فاعل کا منشا ما ضرب عمر
الای کہنے سے یہ ہے کہ محرو بیت عمر کا منشا بیت
زید پر تفسیر ہے پس اگر الای کو فاعل و مفعول کے وسط
میں رکھتے ہوئے فاعل کو مفعول پر مقدم کریں اور ما ضرب
زیداً الا عمر کہیں تو اس وقت منار بیت زید کا محرو بیت

عمر پر تفسیر ہو جائے گا اور یہ خلاف مقصود ہے ایسے
ہی معنی الای صورت میں بھی اگر فاعل کو مفعول پر مقدم
کر دیں تو محو مطلوب منقلب ہو جائیگا اور یہی خلاف
مقصود ہے جیسا کہ اوپر گذرا اور جب مفعول ضمیر متصل
ہو اور فاعل غیر متصل تو اس وقت تاخیر فاعل اس لئے
ضروری ہے کہ اتصال اور انفصال میں منافاة ہے پس
تاخیر مفعول اور تقدیم فاعل سے ضمیر متصل کا منفصل
ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں یعنی بجائے ضربک
زید کے ضرب زیدک کہنا لازم آئے گا اور یہ جائز
ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ فاعل بھی ضمیر متصل
ہو تو اس وقت تقدیم فاعل واجب ہے۔ جیسے
ضربتک و انتد اعلم۔

عمر و پر تفسیر ہو جائے گا اور یہ خلاف مقصود ہے ایسے
ہی معنی الای صورت میں بھی اگر فاعل کو مفعول پر مقدم
کر دیں تو محو مطلوب منقلب ہو جائیگا اور یہی خلاف
مقصود ہے جیسا کہ اوپر گذرا اور جب مفعول ضمیر متصل
ہو اور فاعل غیر متصل تو اس وقت تاخیر فاعل اس لئے
ضروری ہے کہ اتصال اور انفصال میں منافاة ہے پس
تاخیر مفعول اور تقدیم فاعل سے ضمیر متصل کا منفصل
ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں یعنی بجائے ضربک
زید کے ضرب زیدک کہنا لازم آئے گا اور یہ جائز
ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ فاعل بھی ضمیر متصل
ہو تو اس وقت تقدیم فاعل واجب ہے۔ جیسے
ضربتک و انتد اعلم۔

قولہ ذند یذف الخ موضع تقدیم
اور تاخیر سے فارغ ہونے کے بعد مصنف رحمۃ اللہ
فرماتے ہیں کہ کبھی فعل کو جو فاعل کو رافع دینے والا

قَرْنَةً دَالَةً عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا فِي مِثْلِ
زَيْدًا يَمَّا كَانَ جَوَابَ السُّؤَالِ مُحَقِّقٌ لِمَنْ قَالَ مَنْ قَامَ سَالِمًا مِمَّنْ
يَقُومُ بِهِ الْقِيَامُ فَيَجُوزُ أَنْ تَقُولَ زَيْدٌ بِحَذْفِ قَامِ أَيْ قَامَ زَيْدٌ وَيُجَوِّزُ
أَنْ تَقُولَ قَامَ زَيْدٌ بِذِكْرِهِ وَأَنْ تَقْدِرَ الْفِعْلُ دُونَ الْخَبَرِ لِأَنَّ تَقْدِيرَ الْخَبَرِ
يُوجِبُ حَذْفَ الْجُمْلَةِ وَتَقْدِيرَ الْفِعْلِ حَذْفَ أَحَدِ جُزْأَيْهَا وَالتَّقْلِيلُ فِي

فعل محذوف کی تعین پر دلالت کرتا ہوا جوازاً یعنی (حذف کیا جاتا ہے) حذف جائز (کے
ساتھ) زید کے مثل میں یعنی اس مثل میں جو سوال محقق کا جواب ہو اس شخص کے لئے جو کہ
من قَام کون کھڑا ہوا سوال کرنے والا ہوا اس شخص کے بارے میں جس کے ساتھ قیام قائم
ہے پس جائز ہے کہ تم (اس کے جواب میں) قَام کو حذف کر کے کہو "زید" یعنی قَام زید (زید
کھڑا ہوا) اور تمہیں قَام کا ذکر کر کے "قَام زید" کہنا جائز ہے اور (قَام) فعل کو مقدم کیا گیا نہ کہ
خبر (زید قَام) کو اس لئے کہ خبر (زید قَام) کی تقدیر جمع کے حذف کو واجب کرتی ہے اور فعل
(قَام) کی تقدیر مجملے کے دو جزوں کی ایک جز کے حذف کو (واجب کرتی ہے) اور حذف میں تھیل

۱۸۷ قولہ اِی حَذْفًا جَائِزًا الخ اس
صورت سے بھی سوال مقدم کا دفعیہ مقصود ہے
جس کی تشریح یہ ہے کہ قول مصنف جَوَازًا یَحْذِفُ
کا مفعول مطلق ہے حالانکہ اس کے لئے شرط ہے
کہ معنی فعل مفعول مطلق پر اس طرح مشتمل
ہوں جس طرح کل کا احتمال جو پر ہوتا ہے اور
یہاں فعل کے معنی حذف پر مشتمل نہیں بلکہ جواز
پر مشتمل ہیں تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ
جَوَازًا ہے تو یحذف کا مفعول مطلق ہے مگر
اپنے موصوف کے اعتبار سے یعنی اس کا موصوف
حذف اس جگہ محذوف ہے پس یہ اس کی صفت ہو
کر فعل کا مفعول مطلق ہو گیا پھر اس پر یہ اعتراض
واقع ہوا کہ جَوَازًا کا محل حذف پر جائز نہیں پہلے
کہ حذف اگرچہ مصدر ہے مگر موضع میں موضوع
کے واقع ہونا چاہیے اور قاعدہ ہے کہ جب
مصدر موضوع کی جگہ میں واقع ہوتا ہے تو اس سے
ذات مراد لی جاتی ہے پس موصوف حذفاً تو ذات
ہوا اور اس کی صفت جَوَازًا وصف اور صفت کا
محل موصوف پر کیا جاتا ہے لہذا اس جگہ وصف
کا محل ذات پر لازم آیا اور یہ ناجائز ہے تو اس کا

مشبر مل بھی صفت کیا جاتا ہے لہذا اس کی کیا وجہ ہے
کہ مصنف نے حذف فعل کو ترجیح دیا اور حذف
خبر فعل پر سکوت اختیار کیا تو اس کا جواب شارح
نے بلاغی لفظ کا محل کے اضافہ سے یہ دیا کہ حذف
فعل مگر خبر مفعول فعل سے ہے لیکن چونکہ یہ فاعل کو
رفع دیتا ہے اس وجہ سے یہ بھی تعلقات فاعل
سے ہوا لہذا مشتمل ہوا یعنی لازم نہیں آیا اور چونکہ
اخراج کیا ہے اس لئے اس میں خبر فعل بھی داخل ہوگا
اس لئے کہ خبر فعل بھی فاعل کو رفع دیتا ہے۔ اور
قیام قرینہ میں لام تھیل کے لئے نہیں بلکہ وقت
کے لئے ہے ورنہ خلاف لازم آتا ہے کہ جب
قیام قرینہ کو علت بنایا گیا تو علت مطلقاً ہی علت
جائز نہیں ہوتا اور یہاں جائز معلوم ہوتا ہے اس لئے
کہ اس جگہ لفظ جواز مذکور ہے حالانکہ دریں صورت
حذف مجبواً ہوتا ہے نہ کہ جواز اور نہ بھر علت قرار
دیئے جانے کے کوئی عطف ہی باقی نہیں رہتا اس
لئے کہ اصل علت میں یہ ہے کہ وہ بطریق وجوب
ہوتا ہے۔ پھر لفظ علی تعین محذوف سے شارح
نے یہ ظہر کر دیا کہ اس جگہ قرینہ دالہ علی تعین الی
مراد نہیں بلکہ قرینہ تعین محذوف مراد ہے۔

جواب شارح نے جائز اسے دیا کہ جَوَازًا مبنی
لفاعل بمعنی جائز ہے اور جائزاً اسم چارواک
ذات ہوتا ہے لہذا ذات کا محل ذات پر درست
ہو گیا۔ اور فی مثل زید سے مراد ہر وہ اسم ہے جس
میں حذف فعل کا قرینہ سوال محقق ہو یعنی حذف
فعل سوال محقق کے جواب میں کیا گیا ہو پھر محقق
کی قید اس میں اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ یہ معلوم
ہو جائے کہ سوال کی دو قسمیں ہیں محقق اور مقدم
اور یہاں دو مثالیں ذکر کی گئی ہیں تو تعدد امثال
بلا وجہ نہیں بلکہ تحقیق اور تقدیر کو ظاہر کرنے کے
لئے ہے صرف پہلی مثال پر اکتفا کر لینا کافی
نہیں تھا۔

۱۸۸ قولہ سَالِمًا الخ اس کے اضافہ
سے ایک ہم کا اضافہ مقصود ہے وہم یہ ہوتا ہے
کہ قَام جبکہ زید کا مترادف ہو یعنی قَام بھی زید کا
علم ہو تو اگر اس وقت من قَام کے جواب میں
زید کہا جائے تو اس میں فعل نہیں پایا جاتا جس طرح
الغضنفر کے جواب میں اسد کہا جائے تو اسد
کسی فعل محذوف کا فاعل نہیں ہوگا پس مصنف
کا من قال من قَام مطلقاً کہنا صحیح نہیں تو اس کا
جواب شارح نے اس قول کو مقید کر کے یہ دے
دیا کہ اس جگہ من قَام سے مراد غیر علم ہے یعنی قَام
زید کے مترادف نہ ہو بلکہ مغائر ہو اور مسائل
اس شخص کے متعلق سوال کرنے والا ہو جس سے
قیام کا صدور ہوا ہو پس قَام مراد علم مترادف
نہیں بلکہ وہ قَام مراد ہے تو قیام سے مشتق ہے
پس وہ جائز ہے کہ چاہے تو قَام کو حذف کر کے
صرف زید کہہ دیا جائے اور یا قَام کو بھی زید کے
ساتھ ذکر کر دیا جائے۔

۱۸۹ قولہ وَأَنْ تَقْدِرَ الْفِعْلَ الخ یہاں سے
شارح ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ
ہے کہ زید سے پہلے فعل ہی کو کیوں محذوف مانا
گیا زید کے بعد خبر کو کیوں نہ محذوف مان لیا گیا
تو جوابا کہتے ہیں کہ تقدیر خبر سے حذف جملہ لازم
آتا ہے اس لئے کہ عبارت اس طرح ہوگی زید

قام پس تمام فعل ہوگا اور اس میں ضمیر مستتر اس کا فاعل اور فعل و فاعل سے مل کر جملہ ہوگا۔ اور تقدیر فعل سے صرف جملہ کے ایک جز کا حذف لازم آتا ہے اور اس میں تقیل حذف ہے اور تقیل حذف اولیٰ ہے تکثیر حذف سے لہذا فعل کو مقدر مانا گیا اور تقدیر خبر سے اجتناب کیا گیا۔ نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جملہ سوالیہ بھی حقیقت میں جملہ فعلیہ ہے جیسا کہ علامہ سید شریف جرجانی نے کہا ہے کہ من قام قوت میں اقام زید اور بکرم وغیرہما کے ہے پس کلمہ من کو جو کہ اجمالاً افراد پر دلالت کرتا ہے موضوع کیا اور معنی استفہام کو مطمئن ہونے کی وجہ سے اس کو صدر کلام میں لائے اس لئے کہ استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے پس یہ جملہ صوریہ اسمیہ اور معنی فعلیہ ہے لہذا اس کے جواب میں جملہ فعلیہ لانا مناسب ہے تاکہ مطابقت معنوی ہر جگہ پر ہو جائے واللہ اعلم۔

۱۹۰ قولہ وکذا یحذف الخ اس عبارت کے اضافہ کی غرض یہ بتلانا ہے کہ قول مصنف و لیک الخ معطوف ہے اور اس کا عطف زید پر ہے جو کہ فی ثل کا معمول ہے اور یہ مثال اس سوال کی ہے جو محقق نہ ہو مقدر ہو یعنی یہ شعر ایک سوال مقدر کے جواب میں واقع ہوا ہے اور مصنف کا منشا اس شعر کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جس طرح بوقت قرینہ سوال محقق حذف فعل جائز ہے اسی طرح بقرینہ سوال مقدر بھی فعل کو حذف کرنا جائز ہے یہ شعر یزید بن ہشام کے مرثیہ میں کہا گیا ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا قائل کون ہے پس صاحب مطول نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس کا قائل فرار بن ہشام ہے اور علامہ مدنی یہ کہتے ہیں کہ حارث بن ہشام اس شعر کا مصنف ہے اور منہل کے مصنف نے یہ کہا ہے کہ یہ شعرا فرار بن ہشام کا ہے غرضیکہ خواہ کسی کا شعر ہو مگر یہ امر مسلم ہے کہ اس کا قائل یزید بن ہشام کا کوئی قرینی ہی رشتہ دار ہے

الحذف اولیٰ وکذا یحذف الفعل جو انرا فیما کان جوابا السؤال مقدر نحو قول الشاعر فریثیہ یزید بن ہشام و لیک الخ البناء المفعول یزید مرفوع علی انه مفعول مالم لیس فاعله ضارع ای عاجز ذلیل و هو فاعل الفعل المحذوف ای یبکیہ ضارع بقرینہ السؤال المقدور و هو من یبکیہ و اما علی روایۃ لیک یزید علی البناء الفاعل ونصب یزید فلیس مما نحن فیہ لخصوصاً متعلق بضارع ای یبکیہ من یذل

اولیٰ ہے اور اسی طرح فعل جوازی طور پر اس مثال میں حذف کیا جاتا ہے جو سوال مقدر کا جواب ہو جیسے یزید بن ہشام کے مرثیہ میں شاعر (فرار بن ہشام) کا قول ہے «لیک» مبنی بر مفعول «یزید» مفعول مالم لیس فاعله ہونے کی بنا پر مرفوع ہے «ضارع» یعنی عاجز ذلیل اور سوال مقدر کے قرینہ کی وجہ سے فعل محذوف کا فاعل ہے یعنی یبکیہ ضارع اور سوال مقدر «من یبکیہ» ہے اور لیکن ایک روایت کی بنا پر لیک یزید مبنی للفاعل (یہ صیغہ معلوم) اور یزید کی نصب کے ساتھ تو وہ اس قبیل سے نہیں ہے جس میں ہم بحث کر رہے ہیں «لخصوصاً» ضارع سے متعلق ہے یعنی یزید کو ہر وہ شخص روئے جو دشمنوں کے انتقام لینے سے عاجز اور ذلیل

ضارع کے معنی جو نہ کہ مشابہت کے بھی آتے ہیں اور ذلت و عاجزی کے بھی اس لئے تعین معنی کی غرض سے شاعر نے ای عاجز ذلیل کا اضافہ فرما دیا۔

۱۹۱ قولہ لخصوصاً الخ اس پر شبہ وارد ہو سکتا ہے کہ لخصوصاً کلام جارہ سب کی مقدمہ کے متعلق ہے اور یہ یزید کے مرثیہ کے مناسب نہیں اس لئے کہ بکار یزید کے لئے ہے نہ کہ خصوصاً کے لئے تو اس شبہ کے ازالہ کے لئے شاعر نے متعلق بضارع کا اضافہ فرما کر کہہ دیا کہ اس کا متعلق ضارع ہے یہی نہیں اور مطلب یہ کہ یزید کو وہ شخص روئے جو دشمنوں کے مقابلہ سے ذلیل اور عاجز ہو چکا ہو اس لئے کہ یزید عاجز و ذلیل و لیلوں کا پشت پناہ اور ان کا مددگار تھا پس جب یہ فوت ہو گیا تو ان کی پشت پناہی کسے والا کوئی باقی نہیں رہا یہ سب بے یار و مددگار رہ گئے اس لئے ان کو اپنی شرمناک قیمت پر آنسو بہانے چاہئیں اب اس جگہ ایک اعتراض

پس مثال مذکورہ و لیک یزید ضارع لخصوصاً میں ضارع سے پہلے فعل محذوف ہے اور اس پر قرینہ سوال مقدر ہے اس لئے کہ جب لیک یزید کہا یعنی چاہئے کہ روایا جائے یزید تو سوال پیدا ہوا من یبکیہ کہ اس کو کون روئے؟ تو جواب دیا گیا ضارع یعنی یبکیہ ضارع اس کو عاجز روئے پس یہاں قرینہ سوال مقدر ہے اور ضارع سے پہلے فعل محذوف ہے اب جاننا چاہئے کہ شاعر نے اضافات کس وجہ سے کئے تو لیک کے علی البناء المفعول اس وجہ سے کہا کہ یہ شعر عملی استشہاد اس وقت بن سکتا ہے جب کہ لیک کو مجہول پڑھیں یا یزید کو مفعول مالم لیس فاعله قرار دیں اور ضارع کو فعل محذوف کا فاعل بنائیں ای یبکیہ ضارع بقرینہ سوال مقدر یعنی من یبکیہ اور اگر اس کو معروف پڑھیں تو ضارع لیک کا فاعل ہوگا اور یزید مفعول ہونے کی بنا پر منصوب تو اس صعدت میں جو کہ یہ فعل مقدر کا فاعل نہیں ہوگا لہذا یہ ہماری بحث سے خارج ہے اور

ويعجز عن مقاومة الخصم ولا نه كان ظهيرا للعجزة والاذلاء وآخر البيت وَخَتِيبٌ تَمَاتِطُ الطَّائِفُ وَالْمَخْتَبِطُ السَّائِلُ مِنْ غَيْرِ وَسِيلَةٍ وَالاِطَاحَةُ الْاَهْلَاكُ وَالطَّوَاخُ جَمْعُ مُطِيعَةٍ عَلَى غَيْرِ الْقِيَاسِ كَلَوَاقِحِ جَمْعِ مَلَقَةٍ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِمَخْتَبِطٍ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ يُعْنَى وَيَبْكِيهِ اَيْضًا مِنْ سِيَالٍ

ہے کیونکہ یزید عاجز اور کمزور لوگوں کا مددگار تھا اور بیت کا آخر ہے ۱۱ و مختبیط ما تبطط الطوائف اور مختبیط سائل بے وسیلہ ہے اور اطاحت ہلاک کرنا ہے اور طواخ (بمعنی مطیحات) مطیحة کی جمع ہے غیر قیاس پر (کہ قیاس یہ ہے کہ مطیحة کی جمع مطیحات ہو) جیسے لواقح ملقحة کی جمع ہے (اظہر ہے کہ ملقح کی جمع ہے کیونکہ ملقح اونٹ کو کہتے ہیں نہ کہ اونٹنی کو) اور مما (میں حرف من) مختبیط سے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی یزید کو وہ شخص بھی رہے جو بے وسیلہ سوال

بتقدیر موصوف یعنی شخص ضارع متعلق ہے پس اسم فاعل کا اعتماد موصوف پر موجود ہے اسی کی طرف شارح کے قول من یدل سے بھی اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں (جو شخص کہ ذلیل ہو) ثالثا کہ جار مجرور ظروف سے ہیں اور ظروف کے راجحہ من لفعل ہی کافی ہوتی ہے لہذا اعتماد کی حاجت نہیں۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ ضارع من یدل و یعجز کے معنی میں ہے تو عجز کا صمد لام نہیں واقع ہوا کرتا لہذا قولہ لخصومة کا تعلق ضارع کے ساتھ درست نہیں تو اس کا جواب عن مقاومة الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس جگہ لام بمعنی عن ہے فلا حرج فیہ۔

۱۹۳ قولہ و مختبیط الخ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے شارح اس کے معنی بیان فرمایا ہے ہیں کہتے ہیں کہ مختبیط کے معنی سائل بلا وسیلہ کے ہیں اور اطاحت کے معنی ہلاک یعنی ہلاک کر دینے کے ہیں اور طواخ مطیحة کی جمع ہے مگر خلاف قیاس جبکہ لواقح ملقحة کی جمع آتی ہے (لواقح ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو موسم بہار میں چلتی ہیں) اور خلاف قیاس اس واسطے کہا کہ اسکی جمع مطیحات آتی چاہئے تھی اس لئے کہ مفعول اسم فاعل سے صیغہ واحد مؤنث کی جمع مفعولات کے وزن پر آتی ہے جیسے مکرمتہ کی جمع مکرات اور فاعل کے وزن پر قاعدہ کے مطابق صرف فاعل مذکر کی جمع آتی ہے جیسے طالب کی جمع طوالب اور قول مصنف مما میں جار مجرور مختبیط کے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے اس لئے کہ اگر مصدریہ نہ ہو اور موصولہ ہو تو صمد میں عائد کا لانا ضروری ہے جو موصول کی طرف راجع ہو اور اس جگہ مائد موجود نہیں پس ما مصدریہ تطیع پر داخل ہو کر اس کو مصدر یعنی اطاحت کے معنی میں کر دیا اسی واسطے شارح نے والا طاحت الاہلاک کہا ہے یعنی ویکبہ الخ اس سے شارح اس مصرع کے معنی بتا رہے ہیں یعنی یزید کے لئے

نکالا گیا تو اسناد مکرر ہوگی اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت عدم تکرار کے اسناد کا تکرار اذکر اور اقوی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فعل کو مجہول پڑھنے میں فاعل کے جاننے کا شوق پیدا ہوگا اور شوق کے بعد اس کی معرفت نعمت غیر مترقبہ کی مثل ہوگی تیسرے اس میں یہ فائدہ ہے کہ فعل مجہول میں یزید مفعول الم بسم فاعل ہوگا اور وہ کلام میں عمدہ ہے اس لئے کہ سند الیہ ہے بخلاف معروف پڑھنے کے کہ اس میں یزید مفعول ہوتا ہے اور وہ فضلہ ہے پس وہ تقدیر کہ جس میں کلام کا مقصود عمدہ واقع ہوتا ہے راجح ہوگی اور یقیناً فعل کو مجہول پڑھنا معروف پڑھنے سے مانج ہوگا۔

۱۹۴ قولہ ای یکبہ الخ اسکے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ جار مجرور کا متعلق ان دونوں کا عامل ہوا کرتا ہے اور اس جگہ ان کا متعلق اسم فاعل یعنی ضارع کو بنا یا گیا ہے اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اسم فاعل کا اعتماد کسی شے پر ہو اور یہاں کوئی اعتماد موجود نہیں تو اس کا جواب شارح نے من یدل الخ سے یہ دیا کہ اولاً اسم فاعل اس جگہ من یدل و یعجز کے معنی میں ہے اور یہ فعل ہے اور فعل کے لئے اعتماد و شرط نہیں ثانیا یہ کہ ضارع

وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے صحیح مثال کے لئے جانب مروج کو تو اختیار کر لیا اور طرف راجح کو ترک کر دیا حالانکہ جانب راجح زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ ہر فعل میں معروف اہل ہے اور مجہول اس کی فرع نیز اختیار مروج میں تکلفات بھی بہت کرنے پڑتے ہیں علاوہ ازیں مطلب دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جانب مانج کو اختیار کیا جاتا تو یہ مثال درست نہیں تھی اس لئے کہ اس تقدیر پر موقع استشہاد ہی ختم ہو جاتا ہے یہی بات کہ اس میں تکلفات کرنے پڑتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکلفات بیفائدہ نہیں اور جب تکلفات بے فائدہ نہیں تو یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہ صورت مروج ہے بلکہ ہم کہتے ہیں یہ صورت مانج ہے اس لئے کہ فعل کے مجہول پڑھنے میں بہت سے فائزے ہیں جو کہ معروف پڑھنے کا صورت میں نہیں ہیں یکنا ہو تو یہ ہے کہ اس میں تقریر سنا دھاس لئے کہ یہاں حقیقت میں فعل مجہول کہنے سے ضارع کا طرف ہے گویا باعتبار ظاہر کے باکی کی طرف ہے پس یکبہ فعل مجہول کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی باکی ہے پھر جب اس کو حذف کر کے مفعول کو اس کا قائم متا کر لیا گیا اور ضارع سے پیدے کی فعل حذف

پر وہ شخص بھی روئے جو بغیر وسیلہ کے اس وجہ سے سوال کرتا ہو کہ مہلکات یعنی حوادث زمانہ نے اس کے مال کو اور تحصیل مال کے ذرائع کو ہلاک کر دیا ہو اس لئے کہ زید یا ثلین بغیر وسیلہ کو بھی مال عطا کرتا تھا اور ان کے ذرائع مال اختیار کرتا تھا اس جگہ شامح کے مالہ و ما تو سل الخ کہنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہو گیا کہ تطیح کا مفعول محذوف ہے۔

۱۹۲ قولہ وقد يحذف الفعل الخ اسجگہ قول مصنف وجوباً کا عطف جوازاً پر ہے لہذا شامح نے اپنی قیودات کا اس جگہ بھی اضافہ فرمایا جن کا جواز کے ذیل میں کیا گیا تھا اور مطلب یہ کہ بھی قریبہ والہ علی تعین المحذوف کی موجودگی کی بنا پر فاعل کے عامل رافع کو وجوباً محذوف کر دیا جاتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ وان احد من المشركين استجارك اور اس کے مثل میں اب یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے فی مثل کہنے سے قول باری وان احد الخ خارج ہو گیا اس لئے کہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ قول باری تعالیٰ وان احد الخ کا مثل مراد ہے یہ قول مراد نہیں تو شامح نے اس اعتراض کا ازالہ کرنے کے لئے ای فی کل موضع الخ کا اضافہ فرمایا یعنی مثل سے مراد ہر وہ جگہ ہے کہ جہاں فعل کو حذف کر کے اس کی تفسیر بعد میں کی گئی ہو تاکہ محذوف فعل سے جواب ابہام پیدا ہوا تھا وہ رفع ہو جائے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قول باری اس سے خارج ہو جائے اب رہا یہ سوال کہ یہ محذوف فعل واجباً و ضروری کیوں ہوا تو اس کا جواب فائدہ لو ذکر الخ سے شامح نے یہ دیا ہے کہ اگر مفسر کو ذکر دیا جاتا تو مفسر کے ذکر کی کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ مفسر کے ذکر کے بعد مفسر کا ذکر حشو اور زائد بن کر رہ جاتا وہ خلاف انصاحت و البیان۔

۱۹۵ قولہ بخلاف الخ اس عبارت سے

ایک سوال مقدر کا دفعیہ مقصود ہے سوال یہ ہے کہ

بغیر وسیلہ وقد يحذف الفعل الخ رافع للفاعل لقرينة دالة على تعيينه وجوباً ای حذفاً واجباً فی مثل قولہ تعالیٰ وان احد من المشركين استجارك ای فی کل موضع محذوف الفعل ثم قی رفع الابهام الناشی من الحذف فانه لو ذکر للمفسر لم یبق المفسر مفسراً بل صار حشواً بخلاف المفسر الذي فيه ابهام بدون حذف فانه يجوز جمع بينه وبين مفسره كقولك جاء في رجل ای زید فقدير الآية وان استجارك

کرتا تھا مہلکات کے اس کے مال اور اس چیز کو ہلاک کرنے کی وجہ سے کہ جس کو وہ تحصیل مال کا ذریعہ بناتا تھا کیونکہ سائلین کو کسی وسیلہ کے بغیر دیا کرتا تھا اور کسی فاعل کے لئے رفع دینے والے فعل کو قریبہ کے وقت جو فعل کی تعین پر دلالت کرتا ہو محذوف کیا جاتا ہے لا وجوباً طور پر یعنی حذف واجب (کے ساتھ حذف کیا جاتا ہے) قول باری تعالیٰ کے (مثل میں) وان احد من المشركين استجارك یعنی ہر اس جگہ میں (فعل کا حذف واجب ہے) کہ فعل کو حذف کیا جائے پھر محذوف سے پیدا ہونے والے ابہام کو رفع کرنے کے لئے اس کی تفسیر کر دی جائے پس اگر مفسر (اسم مفعول) کا ذکر کر دیا جائے تو مفسر (اسم فاعل) مفسر نہیں رہے گا بلکہ بے سود زیادتی ہوگی اس مفسر (اسم مفعول) کے برعکس کہ جس میں حذف کے سوا (لغوی یا اصطلاحی معنی کی بنا پر) کوئی اور ابہام ہے کہ اس کے اور اس کے مفسر (اسم فاعل) کے درمیان جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ تمہارا قول ہے جاء فی رجل ای زید (یہ ابہام فی المفرد ہے جملہ کی مثال ہے قطع رزقہ اے مات یا اے سفر) پس تقدیر آیت وان استجارك احد من

تمہارے کہنا کہ اگر مفسر کو ذکر کر دیا جاتا الخ صحیح نہیں اس لئے کہ جاری رجل ای زید میں مفسر اور مفسر دونوں مذکور ہیں اور مفسر اس میں حشو بھی نہیں تو شامح نے بخلاف الخ سے یہ جواب دیا کہ یہ مثال ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے کہ ہم (ابہام) کے لئے ناشی من الحذف کی قید لگائی تھی اور یہ ابہام ناشی من الحذف نہیں بلکہ ناشی من ذکر ہے اس کو شامح کے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ رفع ابہام ناشی من الحذف کے لئے فعل کی تفسیر ضروری ہے بخلاف اس مفسر کے کہ جس میں بغیر حذف کے ابہام پایا جائے تو اسی صورت میں مفسر اور مفسر دونوں کو جمع کرنا جائز ہے جیسے جاء فی رجل ای زید میں رجل مفسر ہے اور زید مفسر اس میں رجل چونکہ ذکر تھا اس لئے ابہام پیدا ہوا

کہ کوئی سا رجل آیا تو اس کی تفسیر زید کے ساتھ کر دی گئی یعنی زید آیا۔ پس یہ ابہام ذکر و عمل سے پیدا ہوا تھا نہ کہ محذوف فعل سے۔

۱۹۶ قولہ فقد راي الخ اب جگہ یہ معلوم ہو چکا کہ مذکورہ بلا صحت میں محذوف فعل واجب ہے تو شامح فرماتے ہیں کہ قول باری وان احد من المشركين استجارك کی تقدیر عبارت ان استجارك احد من المشركين استجارك ہوگی پس اس مثال میں احد فعل محذوف وجوباً کا فاعل ہے اور وہ فعل محذوف استجارك اول ہے جس کی تفسیر استجارك ثانی کے ساتھ کی گئی اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ محذوف وجوبی کے لئے وہ چیزوں کا ہونا ضروری ہے قریبہ اور تا تم مقام قودہ اس جگہ کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان شرطیہ اسم مرفوع احد پر

أحد من المشاركين استشارك فاحذف فيها فاعل فعل محذوف وجوابه هو
استشارك الأول المفتر باستشارك الثاني وإنما وجب حذفه لأن
مفترؤه قام مقامه مغني عنه ولا يجوز أن يكون أحد مرفوعاً بالابتداء
لأنه تنوع دخول حرف الشرط على الاسم بل لا بد له من الفعل وقد
يُحذف أي الفعل والفاعل معاً دون الفاعل وحده في مثل
نعم جواباً لمن قال أقام زيد أي نعم قام زيد فحذفت الجملة
الفعلية وذكر نعم في مقامها وهذا الحذف جائز بقريته السؤال لا واجب

المشوكين استجارك ہوگی تو اس میں "احد" فعل محذوف واجب الحذف کا فاعل ہے اور وہ فعل محذوف استجارك اول ہے کہ جس کی استجارك ثانی سے تفسیر کی گئی ہے اور استجارك اول کا مذف اس لئے واجب ہے کہ اس کا مفسر اس کے قائم مقام اور اس سے بے نیاز کرتا ہے اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ "احد" مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو کیونکہ اسم پر حرف شرط کا دخول ناجائز ہے (کہ حرف شرط اس بات کا معنی ہے کہ اس کا دخول حدوث و تجدد پر ہال ہو اور یہ چیز اسم میں مقننہ ہے کہ وہ ذات پر ہال ہے) بلکہ حرف شرط کے لئے فعل کا ہونا ضروری ہے اور کبھی دونوں حذف کئے جاتے ہیں (یعنی فعل اور فاعل) (لکھنا) کہ تنہا فاعل (کہ فاعل عمدہ ہے نیز وہ نسبت فاعلیہ کا حامل ہے جس کے بغیر فعل ناقص قائم قرار پاتا ہے) (نعمہ کے مثل میں) بواب کی حالت میں (اس شخص کے لئے کہ جس نے کہا اقام زید) (یعنی نعمہ قائم زید پس جملہ فعلیہ حذف کر دیا گیا اور جملہ کی جگہ نعمہ کا ذکر کر دیا گیا اور یہ حذف

دائل ہے حالانکہ صرف شرط فعل پر داخل ہوتا ہے
اور وہ یہاں موجود نہیں تو یہ چیلک اس کا فعل محذوف
ہے رہا قائم مقام تو مختصر اس کا قائم مقام پہلے
سے موجود ہے یعنی استجارک لہذا یہ قاعدہ ہے کہ
جب کسی چیز کا قائم مقام موجود ہو اور وہ اہل کے
ذکر سے مستثنی ہو یعنی اس کے ذکر کی ضرورت نہیں
تو اہل کو حذف کر دینا واجب ہے پس یہاں چونکہ
استجارک قائم مقام موجود ہے اور اس کے سوتے
ہونے فعل کا محذوف کے ذکر کی بھی حاجت نہیں
لہذا فعل طوع لا یدرود جو با حذف کر دیا۔

۱۹۷ قولہ دلائل بخیر الخراب سوال پہلا
ہوا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ امد فعل محذوف کا
فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع نہ ہو بلکہ ابتداء
کے باعث اس پر رفع کیا ہو یعنی امد مبتدأ

ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا تھا اس کا جواب شایع
نے دلا بجز الخ سے یہ دیا کہ اعد کا ابتدا کی وجہ
سے مرفوع ہونا جائز نہیں اس لئے کہ صرف شرط
کا اسم پر داخل ہونا ناجائز ہے بلکہ حرف شرط کے
لئے ضروری ہے کہ فعل پر داخل ہو پس ان اعد
ظہر میں اگر اعد کو ابتدا کی وجہ سے مرفوع قرار دیں
تو مذکورہ بالا استنحاح لازم آتا ہے۔ اب اگر کوئی
کہے کہ ان کو شرطیہ دلیں بلکہ نافیہ یا مخفہ من انتقاد
قرار دیں سلطان کا اسم پر داخل ہونا جائز ہے تو ب
بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعد کی ابتدا کی وجہ سے
مرفوع ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ان نافیہ کے لئے
استثنا ضروری ہے جیسے ان زید الا قائم اور
یہاں استثنا موجود نہیں لہذا یہ احتمال تو غلط
مطابق رد و رد و احتمال تو اس کے لئے لازم

تاکید کا خبر میں لانا ضروری ہے اور وہ بھی یہاں
موجود نہیں لہذا یہ بھی باطل ہوا پھر اس کے علاوہ
ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ فاجروں میں فاجر جزا یہ ہے
جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ان شرطیہ ہے نہ کہ
نافیہ یا محققہ من المشقکہ کا زعم۔

۱۹۸ قولہ وقد کید فان الخ اور بھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فعل اور فاعل دونوں کو معاً حذف کر دیتے ہیں نہ کہ صرف فاعل کو جیسے نعم کے مثل میں جبکہ یہ اقام زید کہنے والے کے جواب میں واقع ہو یعنی کوئی شخص اقام زید کہے (کیا زید کھڑا ہے) اور تم اس کے جواب میں فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر کے نعم کہو تو یہ جائز ہے اس لئے کہ نعم اس میں نعم اقام زید کے معنی میں ہوگا پس اس میں سے جملہ فعلیہ کو حذف کر کے نعم کو اس کے قائم مقام میں ذکر کر دیا گیا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شایع نے دونوں فاعل و وعدہ کی قید کا اضافہ کیوں کیا؟ تو ایک سوال کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جبکہ فعل کو تنہا اور فعل و فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کرنا جائز ہے تو تنہا حذف فاعل بھی جائز ہوگا! شایع نے کہا کہ تنہا حذف فاعل جائز نہیں اس لئے کہ نسبتہ الی الفاعل فعل کا جز ہوتی ہے یعنی فاعل کے بغیر فعل ناقص ہوتا ہے پس اگر فاعل کو حذف کر دیں تو فعل ناقص رہ جائے گا اور نسبتہ فاعلی ختم ہو جائیگی اور حذف فاعل کے لئے کوئی قرینہ بھی نہیں ہوتا اس لئے تنہا فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں نیز فاعل فعل کا جز ہوتا ہے پس اگر اس کو حذف کر دیں تو حذف جز لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں پھر اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر ایسا ہے تو فعل بھی تو کلمہ کا جز ہوتا ہے لہذا تنہا اس کا بھی حذف جائز نہیں جواب یہ کہ فعل جز تو ہے مگر عمدہ نہیں بخلاف فاعل کے کہ یہ عمدہ ہے اور غیر عمدہ کا حذف جائز ہے جیسا کہ کلمہ سے حرف علت کو حذف کرنا جائز ہے دانشور اعظم۔

۱۹۹۹ء قولہ دینا الکذف الخمریہ عبارت
ایک سوال مقدّم کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے

لعدم قیام مایودی موداۃ فی مقامہ کالمفسر فیلنم فی الکلام استدراك
وانما قدرت الجملة الفعلية لا الاسمية بان يقال ای نعم زید قام
لیکون الجواب مطابقا للسؤال فی کونه جملة فعلية واذا تنازع
الفعلان بل العاملان اذ التنازع یجری فی غیر الفعل ایضا نحو زید
معطو مکرم عمر او بکر کریم وشریف ابوه واقصر علی الفعل لاصالته

سوال کے قرینہ کی وجہ سے جائز ہے واجب نہیں کیونکہ قام زید کی جگہ میں کسی ایسی چیز کا قیام
نہیں جو مفسر کی مانند اس کے مفہوم کو ادا کر سکے یہاں تک کہ کلام (جواب) میں لا نعم کے ذکر کے
ساتھ محذوف کے ذکر سے بے سود زیادتی لازم آئے اور جملہ فعلیہ ہی مقدر مانا گیا نہ کہ
اسمیتہ کہ اس طرح سے کہا جاتا ای نعم زید قام تاکہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں سوال کے مطابق
ہو لا اور جب تنازع کریں دو فعل (بکہ دو عامل کیونکہ تنازع غیر فعل میں بھی چلتا ہے) مثلاً
اسم فاعل میں) جیسے زید نخط و مکرم عمر و ابوبکر کریم و شریف ابوه اور مصنف نے فعل انکاف

الخراب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تنازع جس طریقہ
سے فعلین میں پایا جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی
پایا جاتا ہے اسم فاعل میں جیسے زید معطو و مکرم
عمر۔ کہ اس میں معطو اور مکرم عمر کے لئے متنازع
ہیں اور صنف مشبہ میں جیسے بکر کریم و شریف ابوه
کے اس میں کریم اور شریف جو کہ صنف مشبہ میں ابوه
کے لئے متنازع ہیں اور اسم مفعول میں جیسے زید
منصور و مغفور ابوه کہ اس میں بھی منصور و مغفور
دونوں اسم مفعول ابوه کے لئے متنازع ہیں علی
ہذا القیاس لہذا انفعالن کی تفصیل درست نہیں
شراح نے بل العاملان سے جواب دیا کہ فعلان سے
مراد عاملان ہے پس یہ عام ہے خواہ متنازعان
فعل ہوں یا مشبہ فعل ہر ایک کو شامل ہے اب
رہی یہ وجہ کہ مصنف نے فعلان پر کیوں اختصار
کیا عاملان کیوں نہیں کہا جبکہ اس سے مراد عاملان
ہیں تو اس کا جواب شراح واقصر علی الفعل الخ
سے یہ ہے کہ فعل مل میں اصل ہوتا ہے
اور قوی اور اسم فاعل فرعی ہے اور ضعیف لہذا
فعل کو ذکر کر کے اسم کو اس کے تابع کر دیا۔

اظہار ہو کر متردد کے جواب کی صلاحیت کا یہ جملہ
پورا پورا عامل بن جاتا تو اس کا جواب شراح نے
یہ دیا کہ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ جواب سوال
کے مطابق ہو جائے کیونکہ سوال جملہ فعلیہ سے ہے
پس جواب بھی جملہ فعلیہ سے ہونا چاہئے اور دوسری
وجہ یہ ہے کہ تقدیر جملہ فعلیہ میں تخیل حذف ہے
جملہ اسمیتہ سے چمپا کہ ابھی گزرا اور تیسرا سبب
یہ ہے کہ اس جگہ حذف فعل و فاعل دونوں کا بیان
ہو رہا ہے نہ کہ حذف مبتداء مع الخبر کا۔ پس ان تمام
امور کے پیش نظر جملہ فعلیہ کو مقدم مانا گیا واللہ اعلم۔
قوله واذنا تنازع الخ مصنف

رحمہ اللہ نے تنازع فعلان بحث مرفوعات میں ذکر
کیا ہے حالانکہ تنازع جس طرح مرفوعات میں ہوتا
ہے اسی طرح منصوبات و مجرولات میں بھی جاری
ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تنازع فی المرفوعات
کثرت سے ہوتا ہے اس لئے کہ مرفوع عام سے
فعل متعدی و لازم دونوں میں پایا جاتا ہے بخلاف
منصوب کے کہ یہ صرف فعل متعدی میں پایا جاتا ہے
اور مجرور صرف فعل لازم کے ساتھ خاص ہے
اس وجہ سے مناسب یہی تھا کہ اس کو بحث مرفوعات
میں لایا جائے پس مصنف نے فرمایا واذنا تنازع

کہ اس جگہ یہ حذف بھی سابق کی طرح واجب ہونا
چاہئے اس لئے کہ فعل اور فاعل دونوں کو حذف
کر کے اس کے قائم مقام نعم کو رکھ دیا گیا ہے تو
شراح نے جواب دیا کہ یہ حذف بقرینہ سوال جائز
ہے واجب نہیں ہے یعنی جس جگہ قرینہ سوال محقق یا
مقدم ہو اس جگہ حذف کرنا جائز ہوتا ہے واجب
نہیں ہوتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نعم حرف ہے
اور حرف غیر مستقل ہوتا ہے اور فعل فاعل دونوں
مل کر جملہ ہوتے ہیں اور جملہ مستقل ہوتا ہے اور یہ
معلوم ہے کہ غیر مستقل مستقل کے قائم مقام نہیں ہوتا
کہ تا پس حرف نعم جملہ قام زید کا قائم مقام ہو کر
اس کا مفہوم کا مقادیر نہیں کر سکتا کہ پھر جملہ کے ذکر
کی حاجت نہ ہے جیسا کہ مفسر مفسر کے قائم مقام ہوتا
ہے کہ ذکر مفسر کے بعد ذکر مفسر کی حاجت نہیں
رہتی بلکہ اگر مفسر کے ساتھ مفسر کو ذکر کر دیں تو
کلام میں استدراک اور حشو لازم آجاتا ہے مطلب
یہ ہوا کہ نعم معنی جملہ کو مقام جملہ میں ادا اور ظاہر تو
کر دیتا ہے مگر کا حق ظاہر نہیں کرتا کہ اس کے ذکر
کے بعد جملہ کے ذکر کی ضرورت باقی نہ ہے بلکہ
نعم کے بعد جملہ کا بھی اگر ذکر کر دیا جائے تو کلام میں
کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی مثلاً اگر اقام زید کے
جواب میں نعم کے ساتھ ساتھ قام زید بھی کہا جائے
یعنی نعم قام زید تو یہ بھی جائز ہے ادا اگر صرف نعم
کہہ دیا جائے تو بھی جائز پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ
حذف جائز ہے واجب نہیں اور اگر واجب ہوتا
تو نعم کے ساتھ قام زید کہنا جائز نہ ہوتا جس طرح
کہ ذکر مفسر کی صورت میں حذف مفسر واجب ہے
اور ذکر مفسر مع المفسر سے کلام میں حشو لازم آتا ہے
اسی طرح نعم کے بعد قام زید اور حشو اور استدراک
لازم آتا اور یہاں ایسا ہے نہیں کہ استدراک لازم
آئے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ حذف جائز ہے واجب
نہیں اب رہی یہ بات کہ ترکیب مذکورہ میں جملہ
فعلیہ کی تقدیر کی کیا وجہ ہے! اس کے بجائے جملہ
اسمیتہ کو کیوں مقدر نہیں مانا گیا کہ نعم قام زید کے
بجائے نعم زید قام کہا جاتا تاکہ اس سے تاکید کا

فی فعل وانما قال الفعلان مع ان التنازع قد يقع فی اکثر من فعلین
انحصاراً علی اقل مراتب التنازع وهو الاثنان ظاهراً ای اسماً ظاهراً
واقفاً بتعديهما ای بعد الفعلین اذ المتقدم علیهما والمتوسط بینهما معمول
للفعل الاول اذ هو یستحقه قبل الثاني فلا یكون فی مجال التنازع فی
معنی تنازعهما فیہ انهما بحسب المعنی یتوجهان الیہ ولتصح ان یكون
هو مع وقوعه فی ذلک الموضع معوفاً لكل واحد منهما علی البدل فیمیز
لا یتصور تنازعهما فی الضمیر المتصل لان المتصل الواقع بعدهما یكون

کیا (اور اسم قائل کا ذکر کیا) اس لئے کہ فعل عمل میں اصل ہے اور مصنف نے فعلان (بضمیۃ
تثنیۃ) کہا اس کے باوجود کہ تنازع کبھی دو فعلوں سے اکثر میں واقع ہوتا ہے مراتب تنازع
کے اقل پر اکتفا کرنے کی وجہ سے (فعلان کہا) اور اقل دو (فعل) ہیں (ظاہر میں) یعنی اسم
ظاہر میں جو واقع ہو (ان دو کے بعد) یعنی دو فعلوں کے بعد (واقع ہو) کیونکہ جو اسم دونوں
فعلوں سے مقدم ہو گا یا ان دو کے درمیان ہو گا وہ تو فعل اول کا معمول ہو گا کیونکہ ثانی
سے پیشتر وہی اس کا مستحق ہے لہذا اس میں مجال تنازع نہ رہی اور دو فعلوں کا اس اسم ظاہر
تنازع کرنے کا معنی یہ ہے کہ دونوں فعل اپنے معنی کے اعتبار سے اس اسم ظاہر کی طرف
متوجہ ہیں اور بات صحیح ہو کہ وہ اسم اپنے اس جگہ میں (جو دونوں فعل کے بعد ہے) واقع ہونے
کے باوجود بدل کے طور پر دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کے لئے معمول بن سکے پس (جب کہ
تنازع کا یہ معنی ہو) اس وقت دونوں کا تنازع ضمیر متصل میں تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ ضمیر

۱۲۰ قولہ وانما قال الخ یہاں سے شائع
یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے صرف فعلین ہی
پر کیوں اقتضار کیا حالانکہ دو فعلوں سے ناگزیر
بھی تنازع پایا جاتا ہے جیسے ضربت واکرمیت
واکرمیت زیداً کہ اس میں تین فعل ایک معمول کیلئے
متنازع ہیں تو شائع کہتے ہیں کہ اقل مراتب تنازع
جو کہ صرف فعلان ہی ہیں اس لئے اس پر اقتضار
کر لیا گیا اسلئے اکثر کی چیز کہ کوئی حد متعین نہیں لہذا
اس سے سکوت اختیار کیا گیا۔

۱۲۱ قولہ ظاہراً الخ اس جگہ اسم کے اضافہ
کہ وجہ یہ ہے کہ ظاہر کے دو معنی آتے ہیں ظاہر
مقابل خفی اور ظاہر مقابل محرم پس تعین معنی کے
لئے اس کا اضافہ کر دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ

اس سے اسم ظاہر مقابل محرم مراد ہے اور یہ معنی
اصطلاحی ہیں معنی لغوی سے یہاں کوئی بحث نہیں
اس کے علاوہ ظاہر صفت ہے موصوف کو چاہئے
لہذا اس کا کہ اس کا موصوف ظاہر کر دیا پھر اس کے
بعد واقعہ کو اس لئے ذکر کیا کہ بعد ہا طرف ہے
اور یہ اس وقت تک صفت نہیں بن سکتا جب تک
کہ اس کا کوئی متعلق نہ ہو پس یہ واقعہ کا طرف ہو
کہ ظاہر کی صفت ہے نہ کہ بلا اظہار واقعہ اور
بعد الفعلین کی قید مصنف نے اس وجہ سے لگائی
کہ اگر اسم ظاہر فعلین پر مقدم ہو یا ان دونوں کے
درمیان واقع ہو تو اس صورت میں اسم ظاہر فعل
اول کا معمول ہو گا اس لئے کہ فعل اول اس کا زیادہ
مستحق ہے (فعل ثانی سے پہلے) لہذا فعل ثانی میں
مجال تنازع ہی باقی نہیں رہے گی چہ جائیکہ وہ

تنازع کرے مثلاً کہا جائے زیداً ضربت واکرمیت
تو اس میں زیداً فعل اول ضربت کا مفعول ہے اس
لئے کہ یہ مقدم ہے اور الفضل للمتقدم قاعدہ مسلمہ
ہے اور جیسے کہا جائے ضربت زیداً واکرمیت تو
اس میں بھی زیداً فعل اول کا معمول ہے اس لئے کہ
فعل اول وجود ثانی سے پہلے اس کا مستحق ہو چکا
ہے۔

۱۲۲ قولہ ومعنی تنازعہا الخ یہ عبارت
ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تنازع
ذی ربح میں منظور ہوتا ہے اور اخال ذی ربح
نہیں ہیں لہذا ان میں محقق تنازع کی کیا صورت
ہوگی؟ شائع نے کہا کہ تنازع کے معنی حق صحت
کے نہیں کہ مذکورہ اعتراض لازم آئے بلکہ اس کے
معنی متوجہ ہونے کے ہیں یعنی تنازع فعلان فی اکرم
ظاہر کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں فعل باعتبار
معنی کے اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اس طرح ہر
ایک فعل اس میں عمل کا متقاضی ہو۔

۱۲۳ قولہ و یصح ان یكون الخ اس کا عطف
یتوجہ ان پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان دونوں
متنازع فعلوں کی جانب توجہ کے ساتھ ساتھ
یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسم ظاہر فعلین کے بعد
واقع ہو کہ ہر ایک فعل کا علی سبیل البدلیۃ معمول
بن سکتا ہو اور علی سبیل البدلیۃ اس وجہ سے کہا
کہ ایک اسم ایک وقت میں ایک ہی عامل کا معمول
بن سکتا ہے متعدد عاملوں کا معمول بنانا اسم
واحد کو وقت واحد میں درست نہیں در نہ تو وارد
عقین محققین علی معلول واحد لازم آسکتا اور یہ باطل
ہے بہر حال اس پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ
تنازع میں دو افراد کا پایا جانا ضروری ہے ایک
امر تو جانب عامل سے ہوا اور دوسرا معمول کی طرف
سے جانب عامل سے تو یہ ہے کہ عامل عمل کرنے
کے لئے اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہو اور معمول کی
جانب سے یہ ہے کہ اسم ظاہر کا ہر ایک فعل کے لئے
علی سبیل البدلیۃ معمول بننا صحیح ہو۔

۱۲۴ قولہ فیمیز لا یتصور الخ اس میں جب

یہ ثابت ہو گیا کہ تنازع کے لئے ان دونوں میں
ہونا ضروری ہے تو تنازع فعلان ضمیر متصل میں
مقصود نہیں ہو سکتا (خواہ وہ ضمیر فعل اول سے
متصل ہو یا فعل ثانی سے) اس لئے کہ ضمیر متصل جو
ان دونوں فعلوں کے بعد واقع ہوگی وہ فعل
ثانی سے متصل ہوگی نہ کہ اول سے اور جب یہ ثانی
سے متصل ہوگی تو جائز نہیں کہ وہ ضمیر متصل بالفعل
اولیٰ فعل کا معمول بنے ورنہ اس کو فعل اول
کا معمول بنانے کے لئے فعل ثانی سے منقطع کرنا
پڑیگا تو اس صورت میں انفصال لازم آئے گا
اس لئے کہ فصل کو انفصال مقتضی ہوتا ہے کمالا کفی
اسی طرح جب ضمیر فعل اول سے متصل ہو تو وہ فعل
اول ہی کا معمول بن سکتی ہے فعل ثانی کا نہیں لہذا
ان دونوں صورتوں میں تنازع متحقق نہیں ہو
سکتا۔ ۱۲۔

۱۳۔ قولہ واما الضمیر المنفصل الخراب

یہ صورت کہ ضمیر منفصل میں آیا تنازع متحقق
ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس کے متعلق شایع یہ فرماتے
ہیں کہ ضمیر منفصل جو فعلان کے بعد واقع ہو (بشرطیکہ
وہ الا کے بعد ہو) جیسے ماضرب واکرم الا انا تو اس
میں تنازع تو ہے مگر یہاں اس تنازع کا قطع
یعنی منع اس طریقہ سے ممکن نہیں جس کو نحوات نے
تنازع کے قطع کے لئے تجویز کیا ہے اور یہ طریقہ
قطع عند مبصرین تو یہ ہے کہ اول فعل میں ظاہر ضمیر
مانا جائے اور نحوات کو نہ کے نزدیک یہ ہے کہ ثانی
میں ضمیر فاعل ہو گا سبھی اور یہاں ضمیر فاعل الا
کے ساتھ ممکن نہیں اس لئے کہ لا احرف ہے اس کا
ضمیر صحیح نہیں یعنی جس طرح ضمیر پوشیدہ ہوتا ہے
اسی طرح الاستتر نہیں مانا جا سکتا اسی طرح بغیر
الا کے بھی ضمیر کا ضمیر درست نہیں اس لئے کہ
معنی فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ اس صورت میں فاعل
سے فعل کی نفی ہو جاتی ہے اس لئے کہ معنی یہ ہونے
نہیں مارا اور نہیں اکرام کیا میں نے اور مقصود ضرب
و اکرم الا سے یہ تھا کہ فعل کا اثبات فاعل کیلئے
کیا جائے یعنی نہیں مارا اور نہیں اکرام کیا مگر میں

متصلاً بالفعل الثانی لا يجوز ان يكون معمولاً للفعل الاول كما لا يخفى
واما الضمير المنفصل الواقع بعدها نحو ماضرب واکرم الا انا فقیہ
تنازع لکن لا يمكن قطعه بما هو طریق القطع عندهم وهو ضمير الفاعل
في الاول عند البصريين وفي الثاني عند الكوفيين لانه لا يمكن ان ينفصل
مع الا لانه حرف لا يصح اضمارة ولا بد منه لفساد المعنى لانه يفيد
نفي الفعل عن الفاعل والمقصود اثباته له وقراد المص بالتنازع ههنا
ما يكون طريق قطعه اضمارة الفاعل فلهذا خصته بالاسم الظاهر

متصل جو کہ دونوں فعلوں کے بعد واقع ہوگی وہ فعل ثانی کے ساتھ متصل ہوگی اور فعل ثانی
کے متصل ہونے کے باوجود وہ جائز نہیں کہ فعل اول کے لئے معمول ہو جیسا کہ پوشیدہ نہیں
اور یہی ضمیر متصل جو دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب واکرم الا انا تو اس میں
تنازع ہے لیکن اس تنازع کو اس طریق سے قطع کرنا ممکن نہیں جو نحو یوں کے نزدیک ہے
اور وہ بعربیوں کے نزدیک فعل اول میں ضمیر کرنا اور کوفیوں کے نزدیک فعل ثانی میں ممکن
اس لئے (نہیں) کہ ضمیر متصل کالا کے ساتھ اضمار ممکن نہیں کیونکہ لا احرف ہے جیسا کہ انکار
صحیح نہیں (کیونکہ اضمار صرف اسم کا خاصہ ہے) اور نہ ہی الا کے بغیر اضمار ہو سکتا ہے (فساد
معنی کی وجہ سے) کیونکہ الا کے بغیر اضمار فاعل سے فعل کی نفی کا قائلہ دے گا حالانکہ مقصود
فعل کا فاعل کے لئے اثبات ہے اور تنازع سے مصنف کی مراد یہاں (باب تنازع فاعلین
میں) وہ تنازع ہے کہ جس کے قطع کا طریق فاعل کی ضمیر کر کے اس لئے مصنف نے تنازع

تو اس کا جواب شایع نے یہ دیا کہ تنازع سے
مصنف کی مراد اس جگہ یہ ہے کہ طریق قطع بانما
فاعل ہو اسی وجہ سے مصنف نے اس تنازع
میں اسم ظاہر کو فاعل کیا ہے اور ضمیر کو فاعل کر
دیا یعنی تنازع سے مراد یہ ہے کہ تنازع فاعل میں
ہو یا جس طرح کہ فعل اول کے لئے ضمیر فاعل مرجع
سے پے لائی جائے اور تنازع فی المفعول مراد نہیں
لہذا ذکر و اعتراض صحیح نہیں اب رہا تنازع فی
المفعول تو یہ تنازع فی الفاعل کے تابع ہے۔

۱۴۔ قولہ واما تنازع الخراب
شایع یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تنازع ضمیر متصل
میں واقع ہو کر آیا اس کے لئے کوئی طریق قطع ہے
یا نہیں اور آیا اس طریق قطع میں کچھ اختلاف بھی
ہے یا نہیں؟ تو کہتے ہیں کہ اختلاف ہے بعض نے

نے سب دونوں مثالوں کا فرق ظاہر ہے پہلی صورت
میں عدم ضرب اور عدم اکرام کی مستحکم سے نفی ہو کر آیا
ہے جو کہ غلات مقصود ہے اور ثانی صورت میں
عدم ضرب عدم اکرام کا مستحکم کے لئے اثبات ہے
وہو المقصود اس میں تنازع ہونا نہ ہونا برابر
ہے اس واسطے بعض لوگ اس بات کے قائل
ہیں کہ یہ مثال باب تنازع سے نہیں ہے بلکہ اہم
۱۵۔ قولہ واما المصنف الخراب
ایک سوال قدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے
کہ منفصل جب مفعول واقع ہو تو اس صورت
میں قطع تنازع بالحدوث کیا جا سکتا ہے اسلئے
کہ حذف مفعول بالاتفاق جائز ہے لہذا یہ کہنا
منفصل میں قطع تنازع نہیں ہو سکتا درست نہیں

وَأَمَّا التَّنَازُعُ الْوَاقِعُ فِي الضَّمِيرِ الْمُتَفَصِّلِ فَعَلَى مَذْهَبِ الْكَسَاوِيِّ يُقْطَعُ
بِالْحَذْفِ وَأَمَّا عَلَى مَذْهَبِ الْفَرَّاءِ فَيُعْلَلُ بِمَعَاوِمٍ عَلَى مَذْهَبِ غَيْرِهَا
فَلَا يُمْكِنُ قَطْعُهُ لِأَنَّ طَرِيقَ الْقَطْعِ عِنْدَهُمُ الْإِخْتَارُ وَهُوَ مُتَنَعٌ كَمَا
عُرِفَتْ فَقَدْ يَكُونُ أَيْ تَنَازُعُ الْفَعْلَيْنِ فِي الْفَاعِلِيَّةِ بَانَ يَقْتَضِي
كُلُّ مَنَّهُمَا أَنْ يَكُونَ الْأِسْمُ الظَّاهِرُ فَاعِلًا لَهُ فَيَكُونَانِ مُتَّفَقَيْنِ فِي اقْتِضَاءِ
الْفَاعِلِيَّةِ مِثْلُ حَرَبِيٍّ وَأَكْرَمِيٍّ زَيْنِدٌ وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا فِي
الْمَفْعُولِيَّةِ بَانَ يَقْتَضِي كُلُّ مَنَّهُمَا أَنْ يَكُونَ الْأِسْمُ الظَّاهِرُ مَفْعُولًا لَهُ

کو (ظاہر کی قید سے) اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور رد و تازع جو ضمیر متصل میں واقع ہوتا ہے تو کسائی کے مذہب کی بنا پر حذف سے قطع کیا جائے گا اور افراد کے مذہب کی بنا پر دونوں فعل اکٹھے عمل کریں گے (اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک فعل اس میں عمل کرے گا کہ وہ شریک رافضی کا قول کرتے ہیں) اور کسائی و فراء کے غیر کے مذہب کی بنا پر تو اس تنازع کا قطع کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک قطع کا طریقہ اختیار ہے فقط اور وہ متنع ہے جیسے کہ نہیں معلوم ہو چکا (پس کسی ہوتا ہے) یعنی دو فعلوں کا تنازع (فاعلیت میں) اس طرح کہ دونوں میں سے ہر ایک فعل اس بات کا اقتضا کرے کہ اسم ظاہر اس کا فاعل ہو پس دونوں فعل فاعلیت کا اقتضا کرنے میں متفق ہوں (جیسے ضربی و اکرمی زید اور کسی ہوتا ہے) دونوں کا تنازع (مفعولیت میں) اس طرح کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک

کہتے ہیں کہ اس میں قطع ممکن ہی نہیں اس لئے کہ طریق قطع ان کے نزدیک اختیار ہے اور اختار منفصل خواہ مودا ہو یا خلاف الایہ جائز نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور بعض اس امر کے قائل ہیں کہ اس میں قطع ممکن ہے اس میں بھی اختلاف ہے کہ طریق قطع کی کیا صورت ہے تو مذہب کسائی پر قطع بالحدف کیا جائیگا یعنی ہم رفع تنازع کے لئے بجائے ما ضرب کر لیں گے اس مذہب کے ساتھ کہ لانا کیس گئے اس لئے کہ کسائی کے نزدیک حذف تو جائز ہے مگر اختیار جائز نہیں اور فراء کہتے ہیں کہ دونوں کو ایک ساتھ عمل دیا جائیگا اور یہ اگرچہ جائز نہیں اس لئے کہ عمل دوم محدود مفعول کا متوار و پرتالذم آگے ہے مگر بقیہ مفعول اس کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔

مسئلہ قولہ وقد یکن الخ یہاں سے مصنف رد و تازع خطین کے متعلق لکھتے ہیں میں فرماتے

فعل اسم ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہیں پس دونوں فعل اقتضا فاعلیت میں متفق ہوں گی جیسے ضربت و اکرمیت زید اس میں ہر ایک فعل زید کو اپنا مفعول بنانے کا خواہشمند ہے ان دونوں جگہوں میں فیکو ثل متفقین الخ کے امانہ کی وجہ یہ ہے کہ قتل مصنف مختلفین کا مقابل درست ہو جائے۔

مسئلہ قولہ وقد یکن الخ یہاں سے مصنف اوپر کی عبارت سے صورت متقابلہ بیان فرماتے ہیں شارح نے وقد یکن الخ کا اضافہ اس وجہ سے کر دیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا عطف تذکرہ پہلے سے کہتے ہیں کہ تنازع کسی فاعلیت اور مفعولیت میں بھی متفق ہوتا ہے شارح کہتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت قویہ ہے کہ ہر ایک فعل فاعلیت اسم ظاہر اور مفعولیت اسم ظاہر آخر کو چاہے یعنی دونوں فعلوں کے بعد دو اسم ظاہر مذکور ہوں جن میں سے ایک فاعل ہو اور دوسرا مفعول پس دونوں فعل دونوں اسموں کے ایک وقت اپنا فاعل اور مفعول بنانے کے متعلق ہوں پس اس صورت میں دونوں فعل اس اقتضا میں متفق ہوں گے جیسے ضرب و اکرمی زید اگر اس مثال میں ہر ایک فعل زید کو اپنا فاعل یا دوسرا مفعول بنانے کا متعلق ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ یہ مذکورہ قسم بھی متنازع سے متعلق ہے مگر اس کو مصنف نے ذکر نہیں کیا اور تنازع کی کل تین قسمیں بیان کیں ملاحظہ اس کو شامل کر کے چار ہوجاتی ہیں تو اس کا جواب شارح یہ دیتے ہیں کہ یہ تنازع اس کی قسمیں ثالث نہیں بلکہ اول کی دو قسمیں ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو فعلوں میں سے ایک فعل فاعلیت اسم ظاہر کو متعلق ہو اور دوسرا فعل مفعولیت اسم ظاہر کو جیسے ضربی و اکرمی زید اس میں فعل اول زید کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے اور فعل ثانی زید کو اپنا مفعول اور اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں دونوں فعل اقتضا میں مختلف ہیں اور یہی قسم ثالث ہے جو کہ اول کی دو قسموں کے مقابل ہے پس مصنف کا قول مختلفین

میں کہتے ہیں کہ تنازع خطین کسی فاعلیت میں ہوتا ہے یعنی ہر ایک فعل اس امر کا خواہشمند ہو کہ اسم ظاہر اس کا فاعل ہے پس دونوں فعل اقتضا فاعلیت میں متفق ہوں گے پھر فاعل سے مراد عام ہے خواہ حقیقہ ہو یا ظاہر مفعول مالم یتم علائجی اس میں دو فعل ہوا جیسا کہ وجہ سے کہ مصنف نے فاعلیت کہا اور فاعل نہیں کہا اس جگہ قتل مصنف قد یکن الخ تنازع الخ شرط محکمہ کے جواز ہے اور قتل مصنف مختلفین جو آگے آیا ہے وہاں تنازع الخطین میں خطین سے حال ہے لکن مختلفین مختلفین فی الاقتضا تفصیل آگے آئی اب تنازع فی فاعلیت کی مثال ملاحظہ فرمائیں جیسے ضربی و اکرمی زید اس مثال میں ضرب کر دے زید کو اپنا فاعل بنانے کے خواہشمند ہیں لہذا تنازع فی فاعلیت متفق ہوا کہیں تنازع مفعولیت میں متفق ہوتا ہے پس مصنف کے

خصوصیت کے ساتھ اسی صورت کو خاص کرنے کے لئے بیکار اور تحصیل حاصل نہیں لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مختلفین کو ذکر کرنا فاعلیت اور مفعولیت کہنے کے بعد بیکار ہے کیونکہ اختلاف قول مصنف فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ سے معلوم ہو گیا تھا (فائدہ) میں جانا چاہئے کہ تنازع فعلین کی کل پانچ صورتیں محقق ہوتی ہیں جن میں سے تیسری صورت... کوئی مستقل صورت نہیں بلکہ وہ اول کی دو صورتوں کو ملا کر بنی ہے۔ اسی واسطے مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا پھر باقی رہیں چار صورتیں تو چونکہ صورت رابعہ کو منعکس کر دینے سے صورت خامسہ نکل آتی ہے اسلئے اس کو بھی مستقلاً بیان نہیں کیا بلکہ اس کی طرف صرف اشارہ کر دیا کہ دونوں فعل اقتضائیں مختلف ہوں پس اس سے پانچویں قسم بھی نکل آتی ہے مزید سہولت کیلئے پانچوں صورتوں کا نقشہ درج ذیل ہے:

(تنازع فعلین کی صورتیں)

۱	دو فعل فاعل کو چاہیں جیسے ضربت
۲	دو فعل مفعول کو چاہیں جیسے ضربت
۳	ہر ایک فعل اسم ظاہر اور فاعل اور اسم ظاہر
۴	اول فاعل کو چاہے اور دوسرا مفعول کو
۵	اول مفعول کو چاہے اور دوسرا فاعل کو

ان میں سے تیسری صورت وہ ہے جس کو شائع نے امداد ان یقینی الخ سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طرہ قسم ثالث نہیں ہے بلکہ پہلی ہی دو صورتوں کو ملا کر

فیکونان متفقین فی اقتضاء المفعولیۃ مثل ضربت واکرمت زیداً... وقد یكون تنازعهما فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ وذلك یكون علی وجهین احدهما ان یقتضی کل منهما فاعلیۃ اسم ظاہر ومفعولیۃ اسم ظاہر آخر فیکونان متفقین فی ذلك الاقتضاء مثل ضربت واکرمت زیداً... اولیہا ان یشترک فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ اسم ظاہر واکرمت زیداً... ثانیہا ان یقتضی احد الفعلین فاعلیۃ اسم ظاہر واکرمت زیداً... ثالثہا ان یشترک فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ اسم ظاہر واکرمت زیداً... رابعہا ان یشترک فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ اسم ظاہر واکرمت زیداً... خامسہا ان یشترک فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ اسم ظاہر واکرمت زیداً...

اس بات کا متقاضی ہو کہ اسم ظاہر اس کا مفعول ہو پس دونوں مفعولیت کا تقاضا کرنے میں متفق ہوں (جیسے ضربت واکرمت زیداً اور) کسی دونوں کا تنازع و فاعلیت اور مفعولیت میں (اور یہ دو وجہوں پر) (مثلاً) ہے ایک تو یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کا تقاضا کرے اور دوسرے اسم ظاہر کی مفعولیت کا (تقاضا کرے) پس دونوں فعل اس (ایک اسم ظاہر کی فاعلیت اور دوسرے اسم ظاہر کی مفعولیت کے) اقتضاء میں متفق ہوں جیسے ضرب واکرمت زیداً اور یلاحد الوجہین) کوئی تیسری قسم نہیں ہے بلکہ یہ پہلی دو قسموں کا (کیا) جمع ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دو فعلوں میں سے ایک تو اسم ظاہر کی فاعلیت کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل بعینہ اسی اسم ظاہر کی مفعولیت کا اور اس صورت میں دونوں فعلوں کے اقتضاء کے اختلاف میں کوئی شبہ نہیں اور یہ وہی قسم ثالث ہے جو پہلی دو قسموں کے مقابل ہے پس مصنف کا قول "مختلفین" ارادہ کر رہا ہے اس صورت کی تخصیص کے لئے یعنی کسی دو فعلوں کا تنازع فاعلیت اور مفعولیت میں واقع ہوتا ہے جبکہ دونوں فعل اقتضاء میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ قسم ثالث اس وقت ہی تصور ہو سکتی ہے جبکہ اسم ظاہر جو کہ تنازع فیہ ہے

نے یہ بتایا ہے کہ تو مختلفین ترکیب میں حال واقع ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے قد یكون تنازع الفعلین واقعاً فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ حال کون الفعلین مختلفین فی الاقتضاء یعنی کسی تنازع فعلیہ صورت میں بھی لا محالہ دو صورتیں نکلتی ہیں کما مر آنفاً قولہ یعنی الخ اس عبارت سے شائع

三

کَلِمَہ قولہ فان اعلت الہم پس اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے جیسا کہ بحرین کا مذہب ہے تو فعل اول میں فاعل کو ضمیر سابقہ یا ایک بغیر ایک فعل اول فاعل کو مقتضی ہو گا اس سے ضمیر قبل الذکر لازم آتا ہے تو اس کے متعلق شارح یہ کہتے ہیں کہ ضمیر قبل الذکر اس صورت میں جائز ہے جبکہ عمدہ میں بشرط تفسیر ضمایعہ واقع ہو مطلب یہ ہے کہ ضمیر جب عمل واقع ہو تو وہ دوسری جگہ میں ظاہر ہو سکتی ہے پس جب دوسری جگہ میں ظاہر ہو سکتی ہے تو گویا وہ ضمیر تفسیر کے بعد مذکور ہوئی اپنی حمد کی وجہ سے اور ضمیر قبل الذکر لازم نہیں آیا بخلاف فعل کے کہ ضعیف ہوتی ہے اور اپنے فعل کی وجہ سے دوسرے عمل میں ظاہر نہیں ہو سکتی اس لئے اس میں ضمیر قبل الذکر جائز نہیں اب یہ بات کہ عمدہ ہونے کا کیا ثبوت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ فعلیہ میں فاعل عمدہ ہوتا ہے اس لئے کہ یہ جملہ کا جز ہوتا ہے اور جملہ اس کے بغیر تمام نہیں اور فعل ہیئتہ اس کا محتاج رہتا ہے پس اس سے بڑھ کر اس کی حمد کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے بخلاف مفعول کے کہ اس کے بغیر بھی جملہ تمام ہو جاتا ہے اور اس کی کچھ زیادہ ضرورت واقع نہیں ہوتی لہذا یہ فعل ہو اس لئے فاعل کو ضمیر سابقہ قبل الذکر جائز ہو اور مفعول ضمیر سابقہ یا یہاں سول پیدا ہوتا ہے کہ ضمیر قبل الذکر ہی کا کیوں ارتکاب کیا گیا ہے؟ رفع تنانہ کے طریقے اس کے طوطہ دہ اور میں یعنی حذف ذکر ان دونوں میں کسی ایک کو کیوں نہیں اختیار کیا گیا۔ تو اس کا جواب شارح و لازم ملاحظہ سے یہ ہے کہ اگر رفع تنانہ بلذکر کریں تو تکرار لازم آتا ہے اور تکرار کلام فصاحت کے خلاف ہے مثلاً ضمیر ذی الکرسی زید میں اگر رفع تنانہ بلذکر کرتے ہوئے ضمیر زید و الکرسی زید کہیں تو یہ غلط فصاحت اور غیر مستحسن ہے لہذا رفع تنانہ بلحذف تو اس کو اس وجہ سے اختیار نہیں کیا کہ اس سے حذف فاعل للذکر آتا ہے لہذا فاعل کا جب تک کوئی قائم تمام موجود ہو اس وقت تک اس کا حذف جائز نہیں ہو گا تاہذا اس

الاختصار قبل الذکر فان اعلت الفعل الثانی كما هو مذهب البحرین ویدابہ کا تعلق مذهب المختار اکثر استعمالاً اختصرت الفاعل فی الفعل الأول اذا اقتضى الفاعل لجواز الاختصار قبل الذکر فی الجملة بشرط التفسير ولزوم التكرار بالذكر وامتناع الحذف على وفق الاصول الظاهر الواقع بعد الفعلين ای علی موافقتہ افراداً وثنیۃً وجمعاً تذکیراً وثنائتاً لاند مرجع الضمیر والضمیر یجب ان یکون موافقاً للمرجع اور ضمیر قبل الذکر سے پیچھے کی وجہ سے پس اگر تم عمل دوم فعل ثانی کو جیسا کہ بحرین کا مذہب ہے اور مصنف نے بحرین کے مذہب کے بیان سے آواز کیا ہے کیونکہ یہی مذہب مختار اور استعمال کی رو سے اکثر ہے تو فاعل کی ضمیر کروا فعل اول میں جیکہ فعل اول فاعل کا تقاضا کرے کیونکہ عمدہ میں بہ شرط تفسیر ضمیر قبل الذکر جائز ہے اور اس لئے کہ جب فعل اول میں اسم ظاہر کو ظاہر کیا جائے تو اس کے ذکر سے تکرار لازم آتا ہے اور کسی کو فاعل کے قائم مقام کے بغیر اس کا حذف بھی ناجائز ہے (ضمیر کی جائے گی اس) اسم ظاہر کی موافقت پر ہو گا وہ فعلوں کے بعد واقع ہے یعنی اس کی موافقت پر (ضمیر لانی جائے گی) مفرد وثنیۃ وجمع و تذکیر و تانیث ہونے کی رو سے کیونکہ اسم ظاہر ضمیر کا مرجع ہے اور ضروری ہے کہ ضمیر ان امور و اشیا

پر اعتراض وارد ہو اگر مذہب مختار سے یا تو مختار بحرین مراد ہے یا مختار کو فین گردون اعتراض سے خالی نہیں اس لئے کہ صورت اطل میں تو مصادرة علی المطلوب لازم آتی ہے اس لئے کہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بحرین کا پسند و اعمال فعل ثانی ہے دوبارہ اس کا ذکر کیا ہے اور ثانی صورت میں کذب لازم آتا ہے اس لئے کہ یہ کو فین کا پسند یہ نہیں تو اس کا جواب ہے کہ اس سے مراد مختار متاخرین بعروہ ہے نہ کہ مطلق تمام بعروہ لہذا اب کوئی اشکال اور نہیں ہوتا ۱۲

۱۱۹ قولہ علی الہم مصنف نے اس قید کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ جب فعل ثانی کو عمل مہضی صورت میں رفع تنانہ کر کے فعل اول میں ضمیر فاعل لانی کے بعد ضمیر اسم ظاہر کے موافق ہوگی یعنی فعل ثانی کے بعد فعل اول کے مطابق فعل اول میں ضمیر لانی جائے

سے بھی جتناب کیا گیا پس اب ضمیر قبل الذکر اختیار کرنے کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

۱۲۰ قولہ ویدابہ الہم اس عبارت سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے مذہب بحرین کو کیوں مقدم کیا تو کہتے ہیں کہ چونکہ مذہب مختار اور کثیر استعمال ہے اس لئے اس کو مقدم کر لیا پھر اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شارح کو یہ قیل فیختار و البحرین کے بعد ذکر کرنا چاہئے تھا بلکہ اس جگہ کو نکال کر اس کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں اس لئے کہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے غلط اعلت الہم کو بطریق لغت و نشر مرتب بیان کیا ہے نیز میں طرح اجمال میں بحرین مقدم تھے اسی طرح تفصیل میں بحرین کو مقدم کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول کا مبنی فختار پر نہیں ہے بلکہ اس کا مبنی حدیث و خبروں کی بناء پر قیل مصنف فان اعلت ہے لہذا اس کے ذکر پر کوئی اعتراض فضول ہے مجبوراً

فی هذه الامور دون الحذف لانه لا يجوز حذف الفاعل الا اذا شئ شي مسدده خلافا قال الكسائي فانه لا يضمن الفاعل بل يحدفه نحو زاحن الاضمار قبل الذكر ويظهر اثر الخلاف في نحو ضرباني واكرموني الزيدان عند البصريين وضربني واكرموني الزيدان عند الكسائي وجاز اي افعال الفعل الثاني مع اقتضاء الفعل الاول الفاعل خلافا للمعراء فانه لا يجوز افعال الفعل الثاني عند اقتضاء الاول الفاعل لانه يلزم على تقدير اعماله اما الاختصار قبل الذكر كما هو مذهب الجمهور

میں مرجع کے موافق ہو (نہ حذف) کیونکہ فاعل کا حذف جائز نہیں مگر جس وقت کوئی چیز اس کے قائم مقام کی جائے (اس وقت اس کا حذف جائز ہے) امام کسائی کے برخلاف (کہ وہ فاعل کی ضمیر نہیں کرتے بلکہ وہ اضمار قبل ذکر سے بچنے کے لئے فاعل کو حذف کرتے ہیں اور اس (بصريوں اور امام کسائی کے درمیان) اختلاف کا اثر ضربانی واكرموني الزيدان کی مثال میں ظاہر ہوتا ہے (یہ صورت) بصریوں کے نزدیک ہے اور ضربنی واكرموني الزيدان امام کسائی کے نزدیک (اور جائز ہے) فعل ثانی کو عمل دینا فعل اول کے فاعل کا تقاضا کرنے کے باوجود امام (فرد کے برخلاف) کہ وہ فعل اول کے فاعل کا تقاضا کرنے کے وقت فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں ٹھہرتے کیونکہ اسے عمل دینے کی تقدیر پر یا تو اضمار قبل ذکر لازم آتا ہے جیسا کہ یہ مجہور کا مذہب ہے یا فاعل کا حذف کرنا لازم آتا ہے جیسا کہ یہ امام کسائی کا مذہب

گی ہیں اگر اسم ظاہر مفرد ہوگا تو ضمیر بھی مفرد ہوگی اور اسم ظاہر تشنیہ یا جمع مذکر یا مؤنث ہوگا تو ضمیر فاعل بھی تشنیہ یا جمع مذکر یا مؤنث مضمون لائی جائے گی اس لئے کہ وہ اسم ظاہر ضمیر فاعل کا مرجع ہوگا اور ضمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرجع کے مطابق ہو تمام احوال مذکورہ میں مثلاً اسم ظاہر مفرد مذکر ہو تو ضربنی واكرموني الزيدان کے اور تشنیہ مذکر ہونے کی صورت میں ضربانی واكرموني الزيدان کہا جائیگا اور بصورت جمع مذکر ضربونی واكرموني الزيدون

۲۱۸ قولہ دون الحذف الخ یہ ضافات الخ ضرورت کا ظرف یعنی مفعول فیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ فاعل کو مضمون مانا جائیگا اور حذف نہیں کیا جائیگا اس لئے کہ بغیر کسی قائم مقام کے

حذف فاعل جائز نہیں پھر حذف سے مراد وہ ہے جو کہ نسبتاً منسیا ہو جائے لہذا یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں کہ بعض مواقع میں فاعل کو حذف کرنا جائز ہے بغیر کسی قائم مقام کے مثلاً ما قام دیا قعد الا انما میں ما قام کے بعد الا انما کو حذف کر دیا گیا ہے اور کوئی فاعل کا قائم مقام بھی نہیں ہے سو چونکہ یہ حذف بچنے تقدیر سے ہے نہ کہ بعضی النسیان اس لئے اس قسم کا حذف جائز ہے اور حذف نسائی بغیر کسی قائم مقام کے جائز نہیں پھر کوئی شخص بلوی النظر میں یہ اعتراض کرنے کے لئے کہ جب اضمار فاعل کو یہیں کی جاتی تو مفہوم متاثر ہوتا ہے حذف کی خود ہی فنی ہو گئی پھر اس کو کیوں بیان کیا یہ نیز اگر اس کو بیان کیا ہی تھا تو حذف کے ساتھ ذکر کی بھی فنی کہتا ہے یہ کہتے ہیں دون الحذف

والذکر مگر مصنف نے یہاں نہیں کیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ دون الحذف سے خلافاً نسائی کو مرتبہ کرنا اس واسطے خصوصیت سے اس کو ذکر کیا گیا واللہ اعلم

۲۱۸ قولہ خلافاً لنسائی الخ یہ بیان کیا گیا تھا کہ بصریوں سے صرف نوحۃ البصرین ہی مراد نہیں بلکہ موافقین نوحۃ البصرہ بھی اس میں داخل ہیں اور کسائی چونکہ بصریوں کے موافقین میں سے ہیں اس لئے ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے مگر طریق عمل میں اختلاف ہے اسی کو مصنف نے خلافاً لنسائی سے بیان کیا ہے شایع کہتے ہیں کہ کسائی اس میں اس وجہ سے مخالفت ہیں کہ ان کے نزدیک اضمار قبل ذکر جائز نہیں بلکہ کسائی اضمار قبل ذکر سے بچنے کیلئے حذف فاعل کو اولیٰ کہتے ہیں لہذا اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلیگا کہ عام نوحۃ البصرہ تو ضربانی واكرموني الزيدان باضمار فاعل کہیں گے اور کسائی ضربنی واكرموني الزيدان بحذف فاعل اسلئے کہ بصریوں کے نزدیک فعل اول میں اسم ظاہر کے مطابق ضمیر فاعل لائی جائیگی اور کسائی کے نزدیک فاعل کو حذف کر دیا جائیگا اسلئے کہ وہ اضمار قبل ذکر کرنا جائز نہیں کہتے اب رہا یہ اعتراض کہ اس سے حذف عمدہ لازم آتا ہے تو اس کا جواب کسائی کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ فاعل چونکہ کلام میں عمدہ اور اہم ہوتا ہے اسلئے حبیب اس کو حذف کیا جائیگا تو اس کی طرف ذہن سبقت کریگا لہذا وہ حذف ہو چکی حالت میں بھی مثل مذکور کے ہوگا پس حذف فاعل جائز ہے مگر یہ واضح رہے کہ حذف کے معنی اس جگہ مقدمہ کے ہونے حذف نسائی مراد نہیں ہوگا واللہ اعلم

۲۱۹ قولہ وجاز خلافاً الخ یہ جملہ مصنف نے بطور معترضہ کے بیان کیا ہے اور اس سے منشا قولی فرد کو بیان کرنا ہے مصنف کہتے ہیں کہ اگر فعل اول فاعل کو مقتضی ہو تو فعل ثانی کو عمل دینا اور فعل اول میں ضمیر لانا جائز ہے اگرچہ اضمار قبل ذکر لازم آتا ہے اس میں کسائی نے اختلاف

کیا اور بجائے اضمار قبل الذکر کے حذف فاعل کو جائز کیا اب افراد ان دونوں کے مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ حذف فاعل جائز ہے اور نہ اضمار قبل الذکر بلکہ فعل اول کو عمل دیگر اسم ظاہر کو اس کا فاعل بنایا جائے اور فعل ثانی میں ضمیر لائی جائے لہذا اب نہ اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور نہ حذف فاعل اب یہاں پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خلافاً للفرار کا تعلق مذہب جمہور اور مذہب کسائی دونوں سے ہے مگر شارح کے کلام سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافاً للفرار کا مستند صرف مذہب جمہور سے ہے اس لئے کہ شارح نے مطلقاً بیان کیا اور قاعدہ ہے کہ لا ینطلق اذا اطلق بآداب الفرد السکالی لہذا مذہب جمہور نہایت بصیرت و فرد کامل میں وہ مراد ہوں گے اور مذہب کسائی سے خلاف اس عبارت سے نہیں سمجھا جاے گا پس شارح کو اپنے قول اے اعمال الفعل الثانی الخ کے ساتھ اس قول کا بھی اضافہ کر لینا چاہئے تھا و جازای اضمار الفاعل فی الفعل الاول عند الجمہور وحذف عنہ عند الکسائی خلافاً للفرار پس اب معنی صاف اور سمجھ جائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح کا منشا تو یہی ہے جو محترض نے بیان کیا ہے مگر چونکہ یہاں قرینہ موجود ہے اس لئے اس کو مفصل ذکر نہیں کیا اور قرینہ یہ ہے کہ قول مصنف خلافاً للفرار خلافاً للکسائی کے بعد ذکر کیا گیا ہے ورنہ اہل عبارت تو اس طرح ہونی چاہئے تھی فیمتار البہرین اعمال الثانی والکوفیون الاول لان الفرار یوجب اعمال الفعل الاول واللہ اعلم اس کے بعد شارح کہتے ہیں فان اقضی الثانی الخ یعنی فعل اول کو عمل دینے کے بعد اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو تو فعل ثانی میں ضمیر فاعل لائی جائیگی اور اگر مفعول کا خواہشمند ہو تو مفعول کو حذف کر دیا جائیگا یا اس میں بھی مفعول کو ضمیر کر دیا جائیگا پس مذہب فرار پر تنازع فعلان کی مثال فعل اول کو عمل دینے کے بعد ضربی واکرمانی الزیدان ہوگی اس میں الزیدان کو فعل اول کا فاعل بنایا گیا ہے اور

او حذف الفاعل کما هو مذہب الکسائی بل یجب عندہ اعمال الفعل الاول فان اقضی الثانی الفاعل اخرتہ وان اقضی المفعول حذفته او اخرتہ تقول ضربی واکرمانی الزیدان ولا یلزم حیث لا یحذف ورویل روى عنه تشریک الرافعین او اضمارہ بعد الظاہر کما فی صورۃ تاخیر الناصب تقول ضربی واکرمانی زید ہو و ضربی واکرمانی زید اھو وروایۃ المتن غیر مشہورۃ عنہ وحذف المفعول

ہے بلکہ فرار کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا ضروری ہے پھر اگر فعل ثانی فاعل کا تقاضا کرے تو فاعل (فعل ثانی میں) ضمیر کرے گیے اور اگر مفعول کا تقاضا کرے تو مفعول کو حذف کریں گے یا اس کی ضمیر کریں گے تم کہو گے ضربی واکرمانی الزیدان اور اس وقت کوئی ممنوع کام لازم نہیں آتا (نہ اضمار قبل الذکر نہ حذف فاعل) اور کہا گیا ہے کہ امام فرار سے تشریک رافعین (دونوں فعلوں کا بعد کے اسم ظاہر میں معاشریک کرنا) یا (فعل اول کے فاعل کو) اسم ظاہر (جو کہ فعل ثانی کا معمول ہے) کے بعد ضمیر مفصل لا نامروی ہے جس طرح کہ ناصب کی تاخیر کی صورت میں (یہ) یعنی جس طرح کہ فعل ثانی کے مفعول کا تقاضا کرنے کی صورت میں فعل اول میں فاعل کی ضمیر کی جاتی ہے) تم کہو گے ضربی واکرمانی زید ہو اور ضربی واکرمانی زید اھو اور حق (کافیہ) کی روایت فرار سے مشہور نہیں ہے (لا اور مفعول کو حذف کر دے گیے)!

فعل ثانی میں اسم ظاہر تشبیہ سے موافقت کیلئے ضمیر ناعل تشبیہ لائی گئی ہے پس کسی قسم کا نقصان لازم نہیں آتا نہ حذف فاعل اور نہ اضمار قبل الذکر واللہ اعلم۔
۲۲۰ قولہ وقیل ردی الخ یہاں سے شارح فرار کے نزدیک نفع تنازع کا ایک اور طریقہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فرار سے تشریک رافعین کی روایت بھی مروی ہے یعنی اگر دونوں فعل اسم ظاہر کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہوں تو اس اسم ظاہر میں ان دونوں فعلوں کو تشریک کر دیا جائے یعنی اسم ظاہر علی سبیل الاشتراک دونوں کا فاعل ہو تشریک ہم ظاہر دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو یا پھر دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فاعل فعل اول کو اسم ظاہر کے بعد بطور ضمیر مفصل کے لایا جائے اور اسم ظاہر کو فعل ثانی کا معمول بنا دیا جائے جیسا کہ تاخیر ناصب کی صورت میں یعنی فعل اول فاعل کا مقتضی ہو اور فعل

ثانی مفعول کا جیسے ضربی واکرمانی زید اھو اس میں فرار کے نزدیک نفع تنازع اس طرح کیا جائیگا کہ ضربی واکرمانی زید ہو یعنی اسم ظاہر کو اکرمانی کا مفعول بنایا جائیگا اور ضمیر مرفوع مفصل لا کر ضربی کا فاعل پس اضمار فاعل کی دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ دونوں فعل فاعل کے مقتضی ہوں تو ان میں تشریک رافعین کے علاوہ ضمیر مرفوع مفصل بھی لائی جاسکتی ہے اور ضربی واکرمانی زید میں نفع تنازع کے لئے ضربی واکرمانی زید ہو کہہ سکتے ہیں اور ضربی واکرمانی زید میں ضربی واکرمانی زید اھو کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔
۲۲۱ قولہ ودایۃ الخ یہاں سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے جو متن میں خلافاً للفرار کہا ہے یہ اس سے مشہور دایۃ نہیں بلکہ مشہور دایۃ یہی ہے کہ تشریک رافعین ہو یا اضمار فاعل فعل اول بعد الاسم الظاہر اب اگر کوئی کہے کہ شارح

تَحْزَنُ عَنِ التَّكَرُّارِ لَوْ ذَكَرَ عَنْ الْأَضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْفَضْلَةِ لَوْ أَضْمَرَ أَنْ
اسْتَقْنَى عَنْهُ وَلَا آيَ وَأَنْ لَمْ يَسْتَقْنِ عَنْهُ أَظْهَرَتْ أَيْ الْمَفْعُولُ
مِنْ حَسْبِي مُنْطَلَقًا وَحَسْبَتْ زَيْدًا مُنْطَلَقًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ حَذْفُ
أَحَدِ مَفْعُولِي بَابِ حَسْبَتْ وَلَا يَجُوزُ اضْمَارُهُ لِمَا يَلْزِمُ الْأَضْمَارُ
قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْفَضْلَةِ لِأَنَّ أَغْمَلْتُ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ كَمَا هُوَ

تکرار سے بچنے کے لئے (اگر مفعول کا ذکر کیا جائے تو تکرار لازم آئے گا) اور فضلہ میں اضمار قبل
الذکر سے بچنے کے لئے اگر مفعول کی ضمیر کی جائے بشرطیکہ مفعول کے بغیر کام چل سکے (دوسری
یعنی اگر اس کے بغیر کام نہ چل سکے) تو تم اسے ظاہر کرو گے (یعنی مفعول کو) (فعل اول میں) جیسے
حسبني منطلقاً وحسبت زيدا منطلقاً (دونوں فعلوں نے دوسرے منطلق میں تنازع کیا
فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول کے لئے مفعول ثانی کو ظاہر کیا گیا اور مفعول ثانی منطلق اول ہے
اور اسے حذف نہ کیا گیا) کیونکہ باب حسبت کے دو مفعولوں (میں سے کسی) ایک کو بھی حذف کرنا
جائز نہیں (کہ حذف سے موصوف کی صفت کے بغیر موصوف کے بغیر معرفت لازم آتی
ہے جو صحیح نہیں ہے) اور مفعول ثانی کا اضمار بھی جائز نہیں تاکہ فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم نہ
آئے (اور اگر تم عمل دو) فعل (اول کو) جیسا کہ کو فیوں کا (مذہب) مختار ہے تو فاعل کی ضمیر

﴿قوله وحذفت الخ﴾ اس جملہ کا عطف
احتمال فاعل پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ فعل ثانی کو
عمل دینے کی صورت میں جبکہ فعل اول مفعول کو مقتضی
ہو تو اس کو حذف کر دیں گے بشرطیکہ اس کے ذکر
کرنے کی حاجت نہ ہو اس کی طرف سے استثناء
ہو اور یہ حذف اس لئے جائز ہے کہ مفعول فضلہ
ہوتا ہے اور فضلہ کے حذف میں کوئی حرج نہیں
اس میں کسی بھی سخاۃ بعبرہ کے موافق ہیں پس اگر
حذف مفعول نہ کریں گے تو ذکر مفعول ہوگا اور جب
ذکر مفعول ہوگا تو تکرار اسم ظاہر لازم آئے گا اس لئے
کہ پہلا اسم ظاہر تو فعل ثانی کا فاعل ہو جائے گا تو
لا محالہ فعل اول کا مفعول بنانے کے لئے ایک
اور اسم ظاہر لایا جائے پس یہی تکرار ہے جو کہ غیر مستحسن
ہے اور اگر فعل اول میں ضمیر مفعول لائیں تو اضمار قبل
الذکر فی الفضلہ لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے اگرچہ
اس کی تفسیر اسم ظاہر کر رہے ہیں لہذا ان دونوں سے
بچنے کے لئے حذف مفعول کا طریقہ اختیار کیا
جائے گا اسی کو شایع نے تحزنا عن التکرار الخ سے

کی عبارت میں تو تکرار لازم آتا ہے اس لئے کہ
شایع نے خلافاً للفقہاء کی شرح یہ کہ اس کے نزدیک
فعل اول کو عمل دینا واجب ہے اور فعل ثانی میں ضمیر
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرار کا مذہب مختار
ہے اور اب کہتے ہیں کہ یہ روایت فرار سے مشہور نہیں
جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مذہب غیر مختار ہے پس کلام
شایع میں تعارض واقع ہو گیا جو لب یہ ہے کہ جملہ
روایات المتن الخ قول شایع نہیں بلکہ قول قائل قبل
ہے یعنی قبل کا قائل یہ کہتا ہے کہ قرار کے فہمہ دیکھ
تشریک لا فہمہ ہے یا اضمار اور متن کی روایت
قرار سے مشہور نہیں یا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ
قول شایع کا ہی ہے مگر متن کی مناسبت سے
مناسب متن مذہب بیان کر دیا اگرچہ غیر مشہور
ہے۔ یا پھر تفسیر احوال یہ ہے کہ مصنف نے
غیر مشہور کو مشہور کرنے کے لئے اس کو متن میں ذکر کر
دیا تاکہ اس کی شہرت ہو جائے۔ واللہ اعلم
بالصواب ۱۲۔

بیان کیا ہے واللہ اعلم ۱۲۔
﴿قوله والای الخ﴾ اس جملہ جو
الای ان لم یستغن عنہ کا مخفف ہے لہذا شایع نے
اس کا اضافہ فرمادیا مطلب یہ ہے کہ اگر ذکر مفعول
سے استغفار حاصل نہ ہو یعنی اس کے ذکر کرنے کی
حاجت باقی رہے جیسا کہ افعال قلوب کا مفعول
تو اس وقت اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے جیسے
حسبني منطلقاً وحسبت زيدا منطلقاً اس لئے کہ باب
حسبت کے کسی ایک مفعول کو بھی حذف کرنا جائز
نہیں کیونکہ باب حسبت کا ایک مفعول بمنزلہ جزر
کلمہ کے ہوتا ہے اس لئے کہ باب حسبت متعدی
بدو مفعول ہوتا ہے پس اگر کسی مفعول کو حذف
کریں گے تو جزر کلمہ کا حذف لازم آئے گا اور یہ ناجائز
ہے مثلاً حسبني وحسبت زيدا منطلقاً کہ یہاں حسبني
اور حسبت اولاً زید میں تنازع کرتے ہیں فعل اول اسکو
اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے اور فعل ثانی اس کو مفعول
پس مذہب بصری کے موافق فعل ثانی کو عمل دیا
گیا اور فعل اول میں ضمیر فاعل لائی گئی اس لئے کہ فاعل
عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر
جائز ہے پھر ثانیاً یہ دونوں فعل منطلقاً میں تنازع کرتے
ہیں کہ ہر ایک اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔
پس یہاں بھی مذہب بصری کے مطابق فعل ثانی
کو عمل دیا گیا اور فعل اول کے مفعول کو ظاہر کیا گیا
چنانچہ کہا حسبني وحسبت زيدا منطلقاً اس لئے کہ
اگر فعل اول کے مفعول کو حذف کریں تو ایک یہ
اختصار لازم آتا ہے اور یہ افعال قلوب میں جائز
نہیں کما مرانفاً اور اگر ضمیر لائیں تو فضلہ میں اضمار
قبل الذکر لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے پس لا محالہ
فعل اول کے مفعول کو ذکر کریں گے اور یہ جب ہو
گا واللہ اعلم۔

﴿قوله وان اعملت الخ﴾ اور اگر فعل اول
کو عمل دیں جیسا کہ کو فہمہ کا مذہب ہے تو فعل ثانی میں ضمیر
فاعل لائی جانی ضروری ہے بشرطیکہ فعل ثانی فاعل کا مقتضی
ہو جیسے ضربنی واکرمنی زید میں زید کو جب ضربنی کا فاعل
بتایا جائے اور اکرمنی میں ضمیر فاعل لائی جائے جو زید کی

اور یہ جائز نہیں اور ضمیر لڑتے ہیں تو دو حال سے خالی نہیں
مفرد کی ضمیر لائیں گے یا شنیہ کی مفرد کی ضمیر لڑنے میں
حسبت کے دونوں مفردوں میں موافقت نہیں رہتی
کیونکہ اس وقت کہا جائیگا حسبتی و حسبتہا یا صاحبہا
منطلقاً اور موافقت مفردی ہے اس لئے کہ حسبت کا
مفعول اول تو شنیہ ہوگا اور مفعول ثانی مفرد کی موافقت

حسبى وحسبتهما منطلقين الزيدان منطلقا حيث اُغْلِحَ حسبى
فَجَعَلَ الزيدان فاعلاً له ومنطلقاً مفعولاً وأَضْمَرَ المفعول الأول في
حسبتهما وأُظْهِرَ المفعول الثانى وهو منطلقين لمانع وهو انه لو اضم
مفعولاً خالف المفعول الأول ولو اضم مثنى خالف المرجع وهو قوله
منطلقاً ولا يخفى انه لا يتصور التنازع في هذه الصورة الا اذا انحلت
المفعول الثانى اسماً والاعلى اقصاف ذات ما بالانطلاق من غير ملاحظة
تشنية وافراة والا فلا ظاهر انه لا تنازع بين الفعلين في المفعول الثانى
لان الاول يقتضى مفعولاً مفرداً والثانى مفعولاً مثنى فلا يتوحدان

منطلقين الزيدان منطلقاً (مفعول ثانى فعل ثانى کے لئے ہے اور الزيدان فعل اول کا
فاعل ہے اور منطلقاً فعل اول کا مفعول ثانى ہے جس میں دونوں فعلوں نے تنازع کیا) کہ
حسبى کو عمل دیا گیا تو زيدان کو حسبى کا فاعل اور منطلقاً کو مفعول (ثانى بنا یا گیا) اور
حسبتهما میں مفعول اول کی ضمير (غائب برائے تشنية) کی گئی (کہ اس کا مرجع زيدان رتبہ
کے لحاظ سے مقدم ہے لہذا اس میں اضمار قبل الذکر جائز ہے) اور مانع کی وجہ سے مفعول
ثانى کو جو کہ منطلقين ہے ظاہر کیا گیا اور مانع یہ ہے کہ اگر (حسبتهما میں مفعول ثانى منطلقين کی
جگہ) ضمير مفرد لائی جاتی (اور حسبتهما ایاہ کہا جاتا) تو وہ مفعول اول (جو کہ حسبتهما میں تشنية کی
ضمير غائب ہے اس کے) مخالف ہوئی اور اگر تشنية کی ضمير لائی جاتی (اور حسبتهما ایاہ کہا
جاتا) تو وہ مرجع کے مخالف ہوتا اور مرجع منطلقاً ہے اور پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں
(منطلقاً میں دو فعلوں کا) تنازع متصور نہیں ہوتا مگر اس وقت (متصور ہوگا) جب کہ تم
مفعول ثانى (منطلقاً) کو اس کے تشنية و مفرد ہونے کے اعتبار کے بغیر ایک ایسا اسم اعتبار
کر دو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہو جو انطلاق (کی صفت) سے متصف ہے ورنہ جب
کہ مفعول ثانى کے تشنية و افراد کا اعتبار کیا جائے تو ظاہر ہے کہ دونوں میں مفعول کے
بارے میں کوئی تنازع نہیں کیونکہ فعل اول (حسبى) مفعول مفرد اور فعل ثانى (حسبتهما)
مفعول مثنى کا تقاضا کرتا ہے پس دونوں فعل امر واحد کی طرف متوجہ نہ ہوئے (جب کہ

سمجھ میں آتا ہے کہ علت زیداً عالماً کا ترجمہ ہم
اس طرح کریں گے کہ جان لیا میں نے ایسے زید
کو جو عالم ہے پس دونوں کا موصوف صفت ہونا
بھی ثابت ہو گیا اور اگر ہم ضمير تشنية لائے ہیں تو مرجع
اور مرجع کے درمیان مطابقت فوت ہو جاتی ہے
اس لئے کہ ضمير مفعول کا مرجع ہوگا منطلقاً اور منطلقاً
مفرد ہے پس اس طرح کہا جائیگا حسبى وحسبتهما
ایا ہما الزيدان منطلقاً اس میں ایا ہما تشنية ہے جو کہ
حسبت کا مفعول ثانى ہے اور اس کا مرجع منطلقاً
مفرد ہے پس راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت
نہیں رہی لہذا ان موانع کے پیش نظر فعل ثانى کے
مفعول ثانى کا ذکر کیا جائے گا اور کہا جائے گا حسبى
اور حسبتهما منطلقين الزيدان منطلقاً اب اس صورت
میں الزيدان حسبى کا فاعل ہوگا اور منطلقاً اس کا مفعول
اور حسبت کا مفعول اول ضمير ہما ہوگی اور مفعول ثانى
منطلقين وهو المقصود واذا علم

۵۲۲ قولہ ولا يخفى الخرباں سے شارح

ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں جس کی تقریر یہ
ہے کہ مثالی مذکور میں تنازع ممکن نہیں اس لئے کہ
تنداع کی شرط یہ ہے کہ دونوں فعل عمل کرنے کے
لئے کسی امر واحد کی طرف متوجہ ہوں اور ہر ایک کا عمل
اس میں علی سبیل البدلیۃ جائز ہو اور یہاں ایسا نہیں اس
لئے کہ ہر فعل کا عمل منطلقاً میں علی سبیل البدلیۃ جائز
نہیں فعل اول مفعول مفرد کو مقتضی ہے اور فعل ثانى
مفعول مثنى کو پس دونوں امر واحد کی طرف متوجہ نہ ہوئے
تو جواب یہ ہے کہ منطلقاً سے مراد لفظ منطلقاً نہیں
بلکہ اس سے مراد وہ اسم ہے جو کہ وصف انطلاق کے
ساتھ متصف ہو عام اس سے کہ وہ اسم تشنیہ ہو مفرد
اسی کو شارح اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کرتے ہیں

یہ بات مخفی نہیں کہ اس صورت میں تنازع متصور نہیں
ہوتا مگر جبکہ مفعول ثانى کو ایسا اسم لحاظ کریں جو کہ ذات
متصف بالانطلاق پر دلالت کرے بغیر اس بات کے
کہ تشنیہ و افراد کا لحاظ کیا جائے اس لئے کہ اگر ایسا ذکر
کئے تو ظاہر ہے کہ مفعول ثانى میں ان دونوں فعلوں
کے درمیان تنازع نہیں ہے اس لئے کہ اول ہما ہوتا

اس طرح سمجھ میں آتے ہیں کہ علت زیداً عالماً کے
معنی ہم کریں گے جان لیا میں نے کہ زید عالم ہے
پس ہے ربطاً بین مبتدا و خبر کے لئے ہے گویا
کہ ترکیب یہ ہوئی زید مبتدا عالم خبر مبتدا اپنی خبر
سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ کل نصب میں ہو کر مفعول بہ
ہو علت کا الم اور موصوف صفت ہونا اس طرح

فوت ہو گئی اور یہ موافقت اس لئے ضروری ہے کہ
باب حسبت کے دونوں مفعول حقیقت میں مبتدا و خبر
ہوتے ہیں یا موصوف صفت ہیں جس طرح افراد و تشنیہ
وغیرہ ہونے میں مبتدا و خبر اور موصوف صفت کے لئے
مطابقت ضروری ہے اسی طرح ان دونوں مفعولوں
میں بھی مطابقت ضروری ہے اور یہ مبتدا و خبر وغیرہ

الی امر واحد فلا تنازع ولما استدل الکوفیون علی اولویۃ اعمال
الفعل الاول بقول امری القیس شعر
ولو انما سعی لادتی معیشۃ کفانی ولم اطلب قلیل من المال

جست قالوا قد توجه الفعلان اعنی کفانی ولم اطلب الی اسم واحد
هو قلیل من المال فاقتضی الاول رفعه بالفاعلیۃ والثانی نصبه
بالمفعولیۃ وافرؤ القیس الذی هو افعی شعراء العرب اعمل الاول

شارح کے بیان کے مطابق ہے اور دوسری تقریر
دلیل کو نہیں کی یہ ہے کہ امر القیس نے جو کہ عرب فصیح
الشعراء ہے اس نے فعل اول کو اسکے باوجود عمل دیا
ہے کہ بالاتفاق ایک شے غیر مختار کا ارتکاب
کیا یعنی حذت مفعول کا اس لئے کہ حذت مفعول
بالاتفاق غیر مختار ہے اور کو فیہ کے نزدیک
تو حذت مفعول جائز ہی نہیں ہے کما مر بس جبکہ
امر القیس نے اعمال فعل اول کے ساتھ ایک امر شیع
یعنی حذت مفعول کا ہی ارتکاب کیا تو کوئی تو اس میں
رازد پوشیدہ ہے ہی اور وہ راز یہ ہی کہ امر القیس کے
نزدیک اعمال فعل اولی ہے لہذا کو فیہ کا مسلک بہتر
ہو البصرین کے مذہب سے مگر پھر اس پر یہ اعتراض
واقع ہوا کہ جب کہ شاعر فصیح العرب ہے تو اس نے
غیر مختار کا ارتکاب کیوں کیا یہ تو فصاحت کے
خلات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارتکاب غیر
مختار اس وقت خلاف فصاحت ہے جبکہ سعیت
کلام میں قطع ہوا اور یہاں جو ارتکاب غیر مختار ہے
وہ سعیت کلام میں نہیں بلکہ شعر میں ہے اور اشعار

فعل اول اولی نہ ہوتا تو امر القیس ہرگز اس کو
اختیار نہ کرتا اب یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا
ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اگر شاعر نے اعمال فعل
اول کو اختیار کر لیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا
کہ اعمال اول ثانی میں اولی ہو اس لئے کہ اگر دونوں
کا اعمال متساوی ہو تو یہ جائز ہے کہ اعمال اول
کو اختیار کیا جائے اس لئے کہ اس صورت میں
یہ اختیار حاصل ہوگا کہ جس اعمال کو جی چاہے اسی
کو اختیار کر لیا جائے پس امر القیس نے بھی اپنی
مرضی سے اول کو اختیار کر لیا تو اس سے یہ لازم
نہیں آیا کہ چونکہ شاعر نے اس کو اختیار کیا ہے
تو ہی اولی ہے تو شایع نے اس کا جواب اذلا
قائل الخ سے یہ دیا کہ متساوی اعمالین کا کوئی بھی
قائل نہیں ہے لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ امر القیس
نے تساوی اعمالین پر عمل کرتے ہوئے فعل اول کو
اپنے اختیار سے مل دیا پس یہ کسی کے لئے حجت نہیں
بن سکتا پس کو فیہ کا مسلک اس دلیل سے ثابت
ہو گیا کہ اعمال فعل اول اولی ہے ثانی سے یہ تقریر

ہے مفعول مفرد کو اور ثانی مفعول مثنی کو پس یہ دونوں
امر واحد کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے جو کہ تنازع کی ایک
ضروری شرط ہے پس تنازع بھی متحقق نہیں ہوگا اس سبب
شایع نے ناظر ہرگز لا تنازع الخ کا اضافہ اس واسطے
فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس میں تنازع بھی متحقق ہو جائے
یعنی ظاہری اعتبار سے تو نظر آتا ہے کہ اس میں
تنازع نہیں کما مر مگر ایسا ہو سکتا ہے کہ اس میں غیر
ظاہر پر تنازع مان لیا جائے اس لئے کہ اسم سے وہ
اسم مراد ہے جو فقط ذات پر دلالت کرنے والا ہو
اور افراد و تشبیہ وغیرہ چونکہ ذات پر دلالت نہیں کرتے
بلکہ یہ سب عبارض میں سے ہیں اس لئے ان کا تنازع
میں کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور جب ان کا کوئی اعتبار
نہیں ہو تو مذکورہ مثال میں تنازع متحقق ہو گیا اسلئے
کہ اگرچہ فعل اول مفعول مفرد کو چاہتا ہے اور فعل ثانی
مفعول مثنی کو مگر یہ دونوں مفعول قطع نظر افراد اور
تشبیہ سے ہیں تو امر واحد ہی یعنی انطلاق اور جب
یہ امر واحد ہوئے تو علی سبیل البدلیۃ ہر ایک فعل کا
عمل بھی جائز ہوا اور جب عمل جائز ہوا تو شرط تنازع
پائی گئی لہذا تنازع متحقق ہو گیا مگر یہ غیر ظاہر ہے
واللہ اعلم

۲۷ قولہ ولما استدل الخ مصنف حواشی

دونوں مذہبوں کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد
بقول امر القیس سے اہل کوفہ کی جانب سے بصرین
پر وارد شدہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں تو
شایع اسی سوال کی تفسیر اور تقریر اپنے ان الفاظ سے
بیان فرما رہے ہیں کہ جب کو فیہ نے فعل اول
کے اعمال کے اولی ہونے پر امر القیس کے اس
شعر سے استدلال کیا شعر ولو انما سعی لادتی معیشۃ
کفانی ولم اطلب قلیل من المال اور کہا کہ اس میں دو
فعل کفانی اور لم اطلب اسم واحد کی طرف متوجہ ہو
رہے ہیں یعنی قلیل من المال کی جانب اور صورت تنازع
اس میں یہ ہے کہ فعل اولی تو بنا بر فاعلیۃ رفع کا مقتضی
ہے اور فعل ثانی بنا بر مفعولیۃ نصب کا خواہشمند
اور امر القیس (جو کہ تمام شعراء عرب میں فصیح و بلیغ
ہے) اس نے فعل اول کو عمل دیا ہے پس اگر اعمال

اولیٰ لکما اختاراً اذ لا قائل متساوی الاعمالین فاجاب المص عن طرف
 البصرین وقال وَقَوْلُ امْرِئِ الْقَیْسِ ۚ کَفَانِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ
 قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ ۚ لَیْسَ مِنْهُ اِیْ مِنْ بَابِ التَّنَازُعِ لِفَسَادِ
 الْمَعْنَى عَلٰی تَقْدِیْرِ تَوْجِهٍ کُلِّ مِنْ کَفَانِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ اِلٰی قَلِیْلٍ مِنْ
 الْمَالِ لَا مُتْلَازِمَهُ عَدَمُ السَّعٰی لَا دَنٰی مَعِیْشَةٍ وَانْقَاءُ کَفَایَةِ قَلِیْلٍ مِنْ
 الْمَالِ وَثَبُوتُ طَلْبِهِ الْمُنَافِی لَکُلِّ مِنْهَا وَذٰلِکَ لِانْ لَوْ تَجَعَّلُ بِدُخُولِهَا
 الْمَثْبُتَ شَرْطًا کَانَ اَوْ جِزَاءً اَوْ مَعْطُوفًا عَلٰی اَحَدِهَا مُنْقِیًا وَالْمُنْقِی مِنْ
 ذٰلِکَ مُثَبَّتًا فَعَلٰی هٰذَا یَنْبَغِیْ اِنْ یُکُونُ مَفْعُولٌ لَمْ اَطْلُبْ مَحْذُوفًا ی
 لَمْ اَطْلُبْ الْعِزَّ وَالْمَجْدَ کَمَا یَدُلُّ عَلَیْهِ الْبَیْتُ الْمَتَاخِرُ اَعْنٰی قَوْلَهُ شَعْرٌ
 وَلَکِنَّمَا اَسْعٰی لِمَجْدٍ مُّوَقَّلٍ وَقَدْ یُذَرِّکُ الْمَجْدُ الْمَوْقَلَّ امْثَالِی
 وَحِیْثُ یُسْتَقِیْمُ الْمَعْنٰی یَعْنٰی اَنَا لَا اَسْعٰی لَا دَنٰی مَعِیْشَةٍ وَلَا یُکْفِیْنِیْ قَلِیْلٌ

عمل دیا ہے پس اگر فعل اول کو عمل دینا اولی نہ ہوتا تو وہ اسے اختیار نہ کرتا کہ فیصح
 انسان افصح و اقویٰ کو ہی اختیار کیا کرتا ہے) کیونکہ تساوی اعمالین (دونوں فعلوں کے
 اعمال کے برابر ہونے) کا کوئی قائل نہیں تو مصنف نے بصریوں کی طرف سے جواب
 دیا اور کہا ((اور امرئ القیس کا قول "کفانی ولم اطلب قلیل من المال اس سے نہیں))
 یعنی باب تنازع (فعلین) سے نہیں (فساد معنی کی وجہ سے) کفانی اور لم اطلب میں سے
 ہر ایک کے "قلیل من المال" کی طرف توجہ کرنے کی تقدیر پر (معنی فاسد ہو جاتا ہے) کیونکہ
 یہ (دونوں فعلوں کی قلیل من المال کی طرف) توجہ کمتر معیشت کے لئے عدم سعی اور قلیل
 مال کافی نہ ہونے اور شاعر کے (قلیل مال کی) طلب جو کہ (عدم سعی اور قلیل مال کے کافی
 نہ ہونے) دونوں میں سے ہر ایک کے منافی (برعکس) ہے کو مستلزم ہے اور یہ (استلزام)
 اس سے ہے) کہ (حرف) لو اپنے دخول کی وجہ سے مثبت کو (خواہ وہ) شرط ہو یا جزا یا
 ان میں سے کسی ایک پر معطوف ہو منفی کر دیتا ہے اور اس (شرط یا جزا یا ان میں
 سے کسی ایک پر معطوف) میں سے منفی کو مثبت کرتا ہے پس اس تقدیر کی بنا پر
 ذکر امرئ القیس کا یہ قول فساد معنی کی وجہ سے باب تنازع سے نہیں ہے) مناسب
 ہے کہ لم اطلب کا مفعول محذوف ہو یعنی لَمْ اَطْلُبْ الْعِزَّ وَالْمَجْدَ جِیسا کہ اس (حذفیت
 فاعول) پر بعد والا بیت دلالت کرتا ہے یعنی شاعر کا قول ہے (ترجمہ) اور لیکن
 میں پاؤں بزرگی کے لئے کوشاں ہوں اور کسی میرے جیسے لوگ پاؤں بزرگی پالیتے ہیں
 اور اس وقت معنی درست ہوتا ہے یعنی میں کمتر معیشت کے لئے کوشش نہیں کرتا

میں اس قسم کے استحکامات جائز ہیں واللہ اعلم۔
 ۲۸ قولہ فاجاب المص شارح کہتے ہیں کہ پس
 مذکورہ بالا اعتراض کا جواب مصنف نے بصریوں کی جانب
 سے دیا اور کہا کہ قول امر القیس کفانی ولم اطلب قلیل
 من المال باب تنازع سے نہیں اس لئے کہ اگر اس
 کو باب تنازع فعلان سے کہیں اور قلیل من المال
 میں کفانی اور لم اطلب کا تنازع مانیں تو شعر کے
 معنی فاسد ہو جائیں گے پس کو فیوں کا استدلال اس
 مصرع سے صحیح نہیں اور تفصیل اس مقام کی یہ ہے
 کہ اس شعر کے مصرع اول میں حرف لو ہے اور وہ
 شرط اور جزا پر داخل ہوتا ہے اور اس کا خاصہ ہے
 کہ شرط و جزا میں سے جو مثبت ہوتا ہے اسکو
 منفی اور منفی کو مثبت کے حکم میں کر دیتا ہے۔
 علیٰ ہذا القیاس شرط و جزا پر جو معطوف ہوتا ہے
 اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے پس اس
 سعی جملہ فعلیہ شرطیہ اور کفانی اس کی جزا ہے اور
 دونوں مثبت ہیں ای لو مثبت سعی لا دنی معیشتہ
 کفانی قلیل من المال یعنی اگر میں ادنیٰ معیشتہ کی
 کوشش کرتا تو قلیل مال مجھے کافی ہوتا پس اس جگہ
 بقاعدہ مذکورہ دونوں فعل منفی ہو جائیں گے اور
 معنی ہوں گے کہ میں نہ تو ادنیٰ معیشتہ کی کوشش
 کرتا ہوں اور نہ قلیل مال مجھے کافی ہے پھر چونکہ
 لم اطلب کا کفانی پر عطف ہے لہذا یہ بھی لو کا جواب
 ہو گا اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ای لو مثبت
 سعی لا دنی معیشتہ لم اطلب ہی ادنیٰ معیشتہ کی سعی منفی
 اور لم اطلب مثبت ہو گا اس لئے کہ لم اطلب منفی ہے
 اور لو کے تحت میں داخل ہو کر اس کی نفی ہوگی اور قاعدہ
 ہے نفی منفی ثبوت لہذا لم اطلب مثبت ہو گا پس
 اب اگر یہ کہیں کہ لم اطلب اور کفانی قلیل من المال
 کو اپنا معمول بنانے میں نزاع کرتے ہیں تو مذکورہ
 بالا قاعدہ کے مطابق مثبت منفی اور منفی مثبت ہو
 کر یہ معنی ہوں گے کہ میں ادنیٰ معیشتہ کی کوشش
 نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا
 ہوں قلیل مال کو اور یہ صریح تناقض ہے پس معلوم
 ہوا کہ امر القیس کا مذکورہ قول باب تنازع

من المال ولكن اطلب الجدا الاثيل الثابت واسعى له مفعول
مَالَهُ يَسْمَ فاعله، ای مفعول فعل او شبه فعل لم یکن
فاعله وانما يفصله عن الفاعل ولم يقل ومنه كما فصل المبتداء
حيث قال ومنها المبتدأ الشدة اتصاله بالفاعل حتى سماه بعض النحاة

اور نہ ہی مجھے تھوڑا مال کفایت کرتا ہے اور لیکن میں پائیدار اور ثابت رہنے والے
بزرگی کا طلبگار اور اس کے لئے کوشاں ہوں (مفعول مالم لیسیم فاعله) یعنی ایسے
فعل یا شبہ کا مفعول کہ جس کا فاعل مذکور نہ ہو اور مصنف نے مفعول مالم لیسیم فاعله
کو فاعل سے جدا نہیں کیا اور "ومنہ" مفعول مالم لیسیم فاعله (یعنی مرفوع میں مفعول مالم
لیسیم فاعله ہے) نہیں کہا جس طرح کہ مبتداء کو جدا کیا ہے جہاں کہہا ہے "ومنہا
المبتداء" مفعول مالم لیسیم فاعله کے فاعل کے شدت اتصال کی وجہ سے (جدا نہیں
کیا) یہاں تک کہ (زمنخشی جیسے) بعض نحویوں نے مفعول مالم لیسیم فاعله کا نام فاعل

فعلان سے نہیں بلکہ اطلب کا مفعول محذوف ہے
ای العز والجد اور ان تقریب یہ دوسرا شعر ہے
ولكننا سعى لجدنا وثل : وقد يدرك المجد الموتل امثالی
اور اس وقت شعر کے معنی ظاہر ہیں کہ میں اپنی معیشتہ
کے لئے کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی
ہے لیکن میں ثابت دائمی بزرگی کا طالب ہوں اور
اسی کے لئے کوشش کرتا ہوں کیونکہ میرے ساتھیوں
نے کوشش کر کے دائمی بزرگی حاصل کر لی ہے پس
میری بھی خواہش ہے اب آپ اس تفصیل کو
شائع کی عبارت سے ملائیجئے ترجمہ تحریر کرتا ہوں
قول امر القیس کفانی ولم اطلب قلیل من المال باب
تنازع سے نہیں اس لئے کہ اگر کفانی اور لم اطلب
دونوں فعلوں کو قلیل من المال کی طرف متوجہ فرض
کرتے ہیں تو اس صورت میں شعر کے معنی فاسد ہو
جاتے ہیں (واضح ہے کہ لفساد المعنی کا ترجمہ میں نے
آخر میں کیا ہے تاکہ عبارت سلیس اور با محاورہ ہو جائے)
اس لئے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ معمولی معاش کے
لئے عدم سعی ہو (یعنی میں معمولی معیشتہ کے لئے کوشش
نہیں کرتا) اور قلیل مال کی کفایت کے انتہا کا لازم
ثابت ہوتا ہے (یعنی مجھ کو قلیل مال کافی نہیں ہے)
اور اپنی معیشتہ کی طلب کا ثبوت جو کہ ان دونوں
میں سے ہر ایک کے منافی ہے لازم آتا ہے (اور یہ
معنی فاسد ہیں) اور یہ استلزام اس طرح پر لازم
آتا ہے کہ کلمہ لو اپنے مدخول مثبت کو منفی کر دیتا ہے
خواہ وہ مدخول شرط ہو یا جزا یا ان دونوں پر معطوف
اور منفی کو ان میں سے (یعنی شرط و جزاء معطوف
میں سے) مثبت کر دیتا ہے پس عدم تنازع کی بنا
پر مناسب یہ ہے کہ اطلب کا مفعول محذوف
ہو یعنی لم اطلب العز والجد جیسا کہ اس پر اسکا آخری
شعر دلالت کرتا ہے یعنی ولکننا سعى لجدنا والحمد للہ
بالصواب ۱۲ الحمد الاثیل عظیم المرتبہ بزرگی اثبات
جو صرف مجھ تک محدود نہ ہو بلکہ میری اولاد تک
بالقہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۲۹ قول مفعول مالم لیسیم مصنف

رحمہ اللہ نے فاعل حقیقی اور اس کے احکام بیان فرمائے

اب ان سے فارغ ہونے کے بعد فاعل علمی کا بیان
شروع کرتے ہیں پس کہتے ہیں مفعول مالم لیسیم فاعله
اس کے آگے شائع نے ای مفعول فعل الخ کا اضافہ
کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے
کہ کلمہ ماسے مراد فعل ہے اس لئے کہ فعل اصل ہوتا
ہے پس اس بنا پر شبہ فعل کا مفعول مالم لیسیم فاعله
اس سے خارج ہو گیا جیسے مضروب زید کہ اس میں
مضروب شبہ فعل ہے اور زید اس کا مفعول مالم لیسیم فاعله
تو شائع نے اس کا جواب یہ دیا کہ کلمہ ماسے مراد
عام ہے خواہ فعل ہو یا شبہ فعل پس مضروب زید کا
مفعول مالم لیسیم فاعله بھی اس میں داخل ہو گیا اب
پھر اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مالم لیسیم فاعله
کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاعل کا وجود نہیں اور
اس کی تعریف کل مفعول محذوف فاعله سے اس کا
وجود ثابت ہوتا ہے پس عبارت مصنف میں تناقض
پیدا ہو گیا۔ شائع نے اس کا جواب لم یذکر فاعله سے
یہ دیا کہ لم لیسیم اس جگہ لم یذکر کے معنی میں ہے (یعنی
مفعول اس فعل یا شبہ فعل کا جس کا فاعل مذکور نہ ہو)
پس تناقض رفع ہو گیا مگر مصنف کے لئے اس اعتراض
سے بچنے کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ مفعول

مالم لیسیم فاعله کے بجائے مفعول فاعل لم لیسیم فاعله
کہتے ہیں پس فاعل کہنے سے فعل اور شبہ فعل دونوں مراد
ہو جاتے اور اختصار بھی علی حالہ باقی رہتا جو کہ
مصنف کی کتاب کی خصوصیت ہے واللہ اعلم ۱۲
۵۲۳ قولہ اس عبارت سے شائع ایک
سوال کی تقریر اور اس کا جواب دے رہے ہیں تقریر
سوال یہ ہے کہ جس طریقہ سے مصنف نے مبتداء وغیرہ
کو علیحدہ شمار کرایا ہے اور کہا ہے ومنہ ای من المرفوع
المبتداء وغیرہ کی طرح یہاں مفعول مالم لیسیم فاعله کو علیحدہ
کیوں نہیں بیان کیا اور نہ مفعول مالم لیسیم فاعله کیوں
نہیں کہا؟ جواب یہ دیا کہ چونکہ مفعول مالم لیسیم فاعله کا
علاقہ فاعل سے شدت اتصال کا ہے یہاں تک کہ
بعض نحاة نے (مثلاً زمنخشی) اس کو فاعل ہی کے
نام سے موسوم کر دیا ہے اس لئے اس کو علیحدہ
بیان نہیں کیا اور فاعل کے ساتھی اس کو میان کر
دیا کہ من وجہ فاعل سے علیحدہ بھی شمار ہو سکے اور
من وجہ بقول زمنخشی فاعل ہی میں داخل رہے
واللہ اعلم ۱۲۔

فَاعِلًا كُلُّ مَفْعُولٍ حَذَفَ فَا عَلَهُ اَي فاعِلٌ ذَلِكَ المَفْعُولُ و
انما اَضِيفَ اَي المَفْعُولُ لِمَلابِسة كونه فاعلاً لفعل متعلق به و اَقِيلُو
هُوَ اَي المَفْعُولُ مَقَامُهُ اَي مقام الفاعل في اسناد الفعل

رکھا ہے ((ہر وہ مفعول ہے کہ جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو)) یعنی اس مفعول کا فاعل
(حذف کیا گیا ہو تو وہ مفعول مالم یسم فاعلاً کہلاتا ہے) اور مصنف نے فاعل کی نسبت
(فعل کی طرف کرنے کی بجائے) مفعول کی طرف اس علاقے سے کی ہے کہ وہ ایسے فعل
کا فاعل ہے جو مفعول سے تعلق رکھتا ہے (تو گویا فاعل فعل کے واسطے سے مفعول کا
فاعل ہوا) ((اور اسے قائم کیا گیا ہو)) یعنی مفعول کو ((اس کے مقام پر)) یعنی فاعل کے

۵۲۳ قول کل مفعول الخ اس جگہ ایک اعتراض

وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ لفظ کل لانا اس جگہ
مناسب نہیں اس لئے کہ تعریف حقیقہ مابیتہ کی ہوا
کرتی ہے افراد کی نہیں اور کل کل ظاہر ہے کہ افراد
کے لئے آتا ہے پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ مفعول
مالم یسم فاعلاً اس مفعول کا ہر ہر فرد ہے جس کا فاعل
حذف کر دیا گیا ہو حالانکہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ
بغیر لفظ کل کے بھی تعریف کر سکتے ہیں یعنی نفس مابیتہ
کی اگر تعریف کر دی جائے کہ مفعول مالم یسم فاعلاً
اس مفعول کو کہتے ہیں جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو
تو درست ہو جاتی ہے اور مفعول کے ہر ہر فرد کا اعلیٰ
کرنا لازم نہیں آتا جو کہ تعریفات میں منکر ہے جواب
یہ ہے کہ مصنف کی مراد اس سے مدخول کل کی
تعریف ہے یعنی مفعول کی اور تعریف مفعول نفس
مابیتہ کی تعریف ہے لہذا اب اعتراض مذکورہ
منذوع ہو گیا اب رہی یہ بات کہ پھر بھی مصنف
نے ایسا کیا ہی کیوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ
تعریف کا مدخول غیر سے مانع ہو جائے یہ تصریح ہو
جائے لفظ کل کا ذکر کر دیا اور لفظ کل سے مانعیت پر
تصریح اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ لفظ کل جب
معرف بالکسر یعنی تعریف پر داخل ہوتا ہے تو اس سے
مانعیت تعریف مقصود ہوتی ہے اور اگر امر عام یعنی لفظ
کل جانب معرف بالفتح میں ذکر کیا جائے تو جامعیت
تعریف مقصود ہوتی ہے پس جب ہم کہیں کل انسان

حیوان ناطق تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ معرفت
بالفتح یعنی انسان کا ہر ہر فرد خواہ زید ہو یا عمرو یا بکر
وغیرہ ذلک معرفت بالکسر یعنی حیوان ناطق کا ہر فرد
ہو گا پس انسان کی تعریف اپنے افراد کو جامع ہو گئی
یعنی انسان کے جتنے بھی افراد ہیں وہ سب حیوان
ناطق ہیں اب اس کا عکس لیجئے کہ ہم لفظ کل کو معرفت
بالکسر یعنی تعریف پر داخل کریں اور کہیں الانسان
کل حیوان ناطق یعنی انسان ہر حیوان ناطق ہے تو
اس کے معنی یہ ہوں گے کہ معرفت بالکسر یعنی حیوان
ناطق کا ہر ہر فرد معرفت بالفتح یعنی انسان کا فرد ہے
پس تعریف مدخول غیر سے مانع ہو گئی یعنی حیوان ناطق
کے علاوہ کوئی فرد انسان کا فرد نہیں ہو سکتا اس لئے
کہ اگر تعریف غیر پر صادق آجائے تو یہ کہنا صحیح نہیں
کہ معرفت کا ہر ہر فرد معرفت کا فرد ہے پس جب لفظ
کل معرفت بالکسر یعنی تعریف مفعول مالم یسم فاعلاً پر
داخل ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس مفعول کا فاعل
حذف کر دیا جائے اس کا ہر ہر فرد مفعول مالم یسم فاعلاً
کا فرد ہے یعنی وہ مفعول مالم یسم فاعلاً ہے اور ہر وہ
مفعول کہ جس کا فاعل حذف نہ کیا جائے وہ مفعول
مالم یسم فاعلاً نہیں ہو سکتا پس تعریف مفعول مالم یسم
فاعلاً لفظ کل کے مدخول کے باعث مدخول غیر سے
مانعیت پر تصریح ہو گئی ۱۲

۵۲۴ قولہ اَي فاعل الخ اس کا اضافہ
شراح نے اس واسطے کر دیا کہ فاعلاً کی ضمیر کا مرجع

متعین ہو جائے اس لئے کہ اس کے مرجع میں دو احتمال
ہیں اس کا مرجع یا تو فعل ہو گا یا وہ مفعول جس کا فاعل
حذف کر دیا گیا ہو پس اگر اول یعنی فعل اس کا مرجع
ہے تو یہ درست نہیں اس لئے کہ اضمار قبل الذکر
لازم آتا ہے اب رہا دوسرا احتمال تو یہ متعین ہو گیا
مگر اس پر اعتراض وارد ہوا کہ فاعل کی اضافت مفعول
کی طرف درست نہیں اس لئے کہ فاعل فعل کا ہوا کرتا
ہے نہ کہ مفعول کا تو شراح نے اس کا جواب دینا
اضیف الخ سے یہ ہے دیا کہ فاعل کی اضافت
مفعول کی طرف ایک ادنی ملا بست کی وجہ سے
ہے اور وہ ادنی ملا بست یہ ہے کہ وہ فاعل اس
فعل کا فاعل ہوتا ہے جو مفعول کے ساتھ متعلق
ہے یعنی چونکہ فعل کا مفعول کے ساتھ وقوع کا
تعلق ہوتا ہے اور فاعل کا اس فعل سے صدور کا
تعلق پس اسی تعلق کی ملا بست کی بنا پر فاعل کی
مفعول کی طرف اضافت کی ہے لہذا اب ہم مفعول
مالم یسم فاعلاً کی تعریف یہ کریں گے کہ مفعول مالم یسم
فاعلاً ہر وہ مفعول ہے کہ جس کے فاعل کو حذف
کر کے مفعول کو فاعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہو اب
اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ مفعول کا فاعل کے قائم
مقام ہونا درست نہیں اس لئے کہ فعل فاعل سے جدا
ہوتا ہے اور مفعول پرفاع ہوتا ہے پس ان دونوں
میں تناقض ہوا اور شے متناقض کبھی کسی کے قائم مقام
نہیں ہو سکتی تو شراح نے فی اسناد الفعل اور شبہ
الیہ سے یہ جواب دیا کہ مفعول کا فاعل قائم مقام ہونا
فعل پیشہ فعل کے اسناد میں مقصود ہے صدور اور
وقوع میں یہ قائم مقامی مقصود نہیں پھر اس جگہ
ایک اعتراض اور وارد ہوتا ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید
ضمیر منفصل کے ساتھ اس وقت لائی جاتی ہے جبکہ
کسی شے کا ضمیر متصل پر عطف کرنا مقصود ہوتا ہے
لیکن یہاں باوجود بکہ اَیَم کی ضمیر متستر پر کسی کا عطف
نہیں مگر پھر بھی اس کی تاکید ضمیر منفصل لائی گئی ہے
جواب یہ ہے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے نہ
لائی جاتی تو قہا حتمی پیدا ہو جاتیں ایک یہ کہ اس وقت
یہ ہم ہوتا کہ مقام اَیَم کا مفعول مالم یسم فاعلاً ہے۔

اوشبهه اليه و شرطه ای شرط مفعول مالم لیسیم فاعله فی حذف
 فاعله واقامتہ مقام الفاعل اذا كان عامله فعلا آن تغیر صیغۃ
 الفعل الی فعل ای الی الماضی المجهول اذ یفعل الی الی
 المضارع المجهول فیتناول مثل اُفعل واستفعل ویفعل و
 یستفعل وغیرہا من الافعال المجهولة المزید فیہا ولا یقع
 موقع الفاعل المفعول الثانی من مفعولی باب علمت لامہ
 مسند الی المفعول الاول استاذًا تامًا فلو استدل الفعل الیہ ولا یكون

مقام پر فعل یا شبہ فعل کی مفعول کی طرف نسبت کرتے ہیں ((اور اس کی شرط)) یعنی
 مفعول مالم لیسیم فاعله کے فاعل کو حذف کرنے اور اسے فاعل کے مقام پر رکھنے میں
 جبکہ اس کا عامل فعل ہو شرط ((یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فعل کی طرف بدل دیا جائے)) یعنی
 ماضی مجہول کی طرف ((یا یفعل کی طرف)) یعنی مضارع مجہول کی طرف (بدل دیا جائے) لہذا
 فعل اور یفعل میں سے ہر ایک افتعل اور استفعل اور یفعل اور یستفعل وغیرہا
 افعال مجہولہ مزید فیہا کی مثل کو شامل ہوگا ((اور واقع نہ ہوگا)) فاعل کے موقع پر
 ((مفعول ثانی باب علمت)) کے دو مفعولوں ((میں سے)) کیونکہ مفعول ثانی (باب علمت
 کے) مفعول اول کی طرف نسبت تمام سے منسوب ہے (کہ باب علمت کے دو مفعول

ثلاثی مزید فیہا اور اس کے علاوہ افعال مجہولہ مزید فیہا
 کو شامل ہو جائیگی خواہ وہ رباعی مجرد ہوں یا رباعی مزید
 فیہ وغیرہ۔ واللہ اعلم

۲۲۲ قولہ ولا یقع الخ یہاں سے شارح
 ان محافل کا ذکر کرتے ہیں جو فاعل کے قائم مقام نہیں
 ہو سکتے کہتے ہیں کہ باب علمت کے دو مفعولوں میں سے
 مفعول ثانی فاعل کی جگہ میں واقع نہیں ہو سکتا اور باب
 علمت سے ہر وہ فعل مراد ہے جو دو دونوں کی طوٹ متدی
 ہو اور پہلا مفعول مسند الیہ ہو اور ثانی مسند الیہ علمت
 نیتاً تاکلاً اس میں مفعول ثانی تاکلاً مسند بہ اور نیتاً
 مسند الیہ اس نے کہ ان دونوں کے درمیان نسبت نامرعی
 نسبت رابطی پائی جاتی ہے یعنی جان میں نے کہ نیتاً
 کلاً ہے اور نیتاً کلاً ہے (یہی ترجمہ نیتاً تاکلاً ہے)
 خبر میں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ مفعول اول مسند الیہ
 ہے اور ثانی مسند الیہ مفعول کے وجہ سے کہ مفعول
 اول کی طرف نسبت قائم مسند ہے پس اگر مفعول ثانی

مفعول مالم لیسیم فاعله میں اس وقت ہے جبکہ اس کا
 عامل فعل ہو اور جس وقت اس کا عامل شبہ فعل ہوگا
 جیسے زید معزوب غلام تو اس وقت یہ شرط نہ
 ہوگی اس جگہ شارح نے فعل کے بعد ای الی الماضی
 المجهول اور یفعل کے بعد ای الی المضارع المجهول
 کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدم کا جواب دیا ہے
 سوال یہ ہے کہ مفعول مالم لیسیم فاعله کی شرط اپنے
 افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ فعل ثلاثی مزید فیہا
 رباعی کو مشتمل نہیں بندایا اس سے خارج ہو جاتے ہیں پس
 اس ضابطہ سے جواب یہ ہوگا کہ فعل سے مراد عام ہے
 ماضی مجہول ہے خواہ ثلاثی مزید فیہ ہو یا رباعی یا محض
 ثلاثی اسی طرح یفعل بھی عام ہے ثلاثی مزید فیہ اور رباعی
 سب کو شامل ہے اسی کی طوٹ شارح نے قیثا و
 سے اشارہ کیا ہے یعنی یہاں متن کے اضافہ سے
 تعریف شرطیہ مثل اُفعل اور استفعل ماضی
 مجہول ثلاثی مزید فیہا ماضی و استفعل مضارع مجہول

دوسرے یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اتیم کی ضمیر فاعل کی طرف
 راجع ہے اس لئے کہ وہ قریب ہے اور فاعل وہ ہے کہ
 قریب کو چھوڑ کر بعید کو اختیار نہیں کیا کرتے مگر چونکہ
 دونوں صورتوں میں کلام کے معنی غلط ہیں اس لئے خلاف
 قیاس اس کی تاکید ضمیر متصل سے کر دی گئی تاکہ اس کا
 مرجع بھی خلاف قیاس بعید یعنی مفعول ہو جائے اور
 کلام بے معنی نہ رہے پس شارح نے اسی مرجع کے لفظ
 کے لئے واتیم کے بعد ای المفعول کا اضافہ فرمایا واللہ اعلم
 ۲۲۳ قولہ ای شرط مفعول الخ شارح نے

شرطہ کی تفسیر ای شرط مفعول مالم لیسیم فاعله سے کر کے
 اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شرطہ میں ہ ضمیر کا
 مرجع مفعول مالم لیسیم فاعله ہے پھر اس پر یہ اعتراض
 واقع ہوا کہ ذات مفعول مالم لیسیم فاعله میں تغیر شرط
 نہیں ہے اس لئے کہ مفعول مالم لیسیم فاعله بغیر تغیر کے
 موجود ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا تو شارح
 نے اعتراض کے دفعیہ کے لئے فی حذف فاعله الخ کا
 اضافہ فرمایا مطلب یہ ہوا کہ تغیر کی شرط ذات مفعول
 مالم لیسیم فاعله میں نہیں ہے بلکہ مفعول مالم لیسیم فاعله کی
 یہ شرط حذف فاعل مفعول اول و قامت مفعول مقام
 فاعل میں ہے لہذا اب کوئی اعتراض واقع نہیں ہوگا
 پھر اس جگہ ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر
 یہ ہے کہ شرط کو مطلقاً بیان کرنا درست نہیں اس لئے
 کہ شبہ فعل میں صیغہ فعل، فعل یا یفعل کی طرف متغیر
 نہیں ہوتا اور مصنف نے کہا ہے کہ اس کی شرط یہ ہے
 کہ صیغہ فعل فعل یا یفعل کی طرف متغیر ہو پس یہ کہنا
 صحیح نہیں تو شارح نے اس اعتراض کا مصنف کی
 جانب سے جواب دینے کے لئے اذا کان الخ کا اضافہ
 فرمایا پس جواب یہ ہو گیا کہ یہ شرط اس وقت ہے
 جبکہ مفعول مالم لیسیم فاعله کا عامل فعل ہو اور جب
 اس کا عامل فعل نہ ہو تو یہ شرط نہیں پس اب مصنف
 کی عبارت کا جواب بخوبی واضح ہو گیا کہ مالم لیسیم فاعله
 کی شرط فاعل کو حذف کرنے اور مفعول کو اس کے
 قائم مقام کرنے میں یہ ہے کہ فعل کا صیغہ ماضی میں
 فعل یعنی ماضی مجہول کی طرف اور مضارع میں یفعل
 یعنی مضارع مجہول کی طرف متغیر نہ ہو اور یہ شرط

اسنادہ الاما لزم كونه مسنداً ومسنداً اليه معاً مع كون كل من
الاسنادين تاماً بخلاف اعجبني ضرب زيد عمراً لان احد الاسنادين
وهو اسناد المصدر غير تام ^{۲۲۵} وَلَا الْمَفْعُولُ الثَّالِثُ مِنْ مَفَاعِيلِ
بَابِ اعْلَمْتُ اذ حكمه حكم المفعول الثاني من باب علمت في كونه
مسنداً وَالْمَفْعُولُ لَهُ بِلَا لَامٍ لَان النصب فيه مُشْعَرٌ بِالْعِلَّةِ فَلَوْ

در اصل مبتدا و خبر ہیں اور مبتدا و خبر میں اسناد تام ہوتی ہے پس اگر فعل کی مفعول ثانی کی طرف اسناد
کی جائے جبکہ اس کی اسناد تام ہی ہوگی تو مفعول ثانی کا اکٹھے مسند و مسند الیہ ہونا لازم
آئے گا دونوں اسنادوں میں سے (مفعول ثانی کی اول کی طرف اور فعل کی مفعول ثانی
کی طرف) ہر ایک کے اسناد تام ہونے کے باوجود (یہ زوم تمہارے قول) اعجبني ضرب
زيد کے برخلاف (ہے) کیونکہ ان دونوں اسنادوں میں سے ایک اسناد اور وہ مصدر کی
اسناد ہے تام نہیں ہے ((اور نہ تیسرا)) مفعول ((باب علمت)) کے مفاعیل ((میں سے))
کیونکہ اس کے مفعول ثالث کا حکم اس کے (مفعول کی طرف) مسند ہونے میں باب علمت
کے مفعول ثانی کا حکم ہے ((اور مفعول لہ)) لام کے بغیر (جیسے ضربتہ تادیباً) کیونکہ مفعول
لہ میں نصب (اس فعل کے) علت ہونے کی خبر دیتی ہے (جو اس مفعول لہ میں عامل
ہے) پس اگر فعل کی مفعول لہ کی طرف اسناد کی جائے تو نصب (رفع آنے کی وجہ

کی طرف فعل مسند ہو جائے یعنی اس کی طرف فعل کا
اسناد کیا جائے تو یک وقت مفعول ثانی کا مسند اور
مسند الیہ ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ فعل چاہتا ہے
مسند الیہ کو تو یہ مسند الیہ ہوا اور مفعول اول چونکہ مسند الیہ
الثنائی تھا تو اس کو ضرورت ہوئی مسند کی پس مفعول
ثانی مسند الیہ اور مسند دونوں ہوا اور یہ محال ہے اور
جو محال کو مستلزم ہوتا ہے وہ باطل ہوتا ہے لہذا مفعول
ثانی کا فاعل کے نام مقام ہونا بھی باطل ہوا اسی کو
شراح کہتے ہیں فلو اسناد الیہ یعنی پس اگر فعل کی
اسناد مفعول ثانی کی طرف کی جائے اور یہ اسناد ہونوگی
مگر نام تو لازم آئے گا مفعول ثانی کا مسند و مسند الیہ ہونا
مقابلہ وجود یکہ ہر ایک دونوں اسنادوں میں سے نام
ہے امتناع میں کہتا ہوں کہ یہ مسلک متقدمین نہایت
کاہل اور متاخرین نہایت اس کی اجازت دیتے ہیں
اس لئے کہ دونوں کے مسند و مسند الیہ ہونے میں
اعتبار کا فرق ہے یعنی مسند تو اسی اعتبار سے کہ زید
اس کا مسند ہے اور مسند الیہ اس اعتبار سے کہ فعل

تو نام ہے مگر ضرب کا نید کے لئے مسند ہونا چاہتا
اس لئے کہ ضرب مصدر ہے اور قاعدہ ہے کہ مصدر
کا اسناد ہمیشہ غیر تام ہوتا ہے لہذا ہمارا اوپر دلائل قول
کرا ہے اسم مسند اور مسند الیہ یک وقت نہیں ہو سکتا
اپنی جگہ پر صحیح اور درست رہا۔ اقول اعجبني ضرب
زيد عمر اؤلاً اعتراض اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ
شراح کی بیان کردہ توجہ کو پیش نظر رکھا جائے اور
متقدمین کے مسلک پر عمل کیا جائے لیکن اب متاخرین
کا مسلک اختیار کیا جائے تو پھر کسی قسم کا اعتراض واقع
نہیں ہوتا و التفتیل مامراً فاعلاً والنداعلم
۲۲۵ قولہ دلائل مفعول الخ شراح نے لاکھے
المفعول کا ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے
کہ اس کا مفعول اوپر کے متن المفعول بالثنائی پر ہے جو کہ
لا یقع کا فاعل ہے پس یہاں بھی بواسطہ مفعول
الثنائی لا یقع کا فاعل ہوگا مصنف کا منشا اس سے
ظاہر کرنا ہے کہ جس طرح باب علمت کا مفعول ثانی
موقع میں فاعل کے واقع نہیں ہو سکتا اسی طرح
باب علمت کا مفعول ثالث بھی فاعل کی جگہ میں
نہیں واقع ہو سکتا اس لئے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے
جو باب علمت کے مفعول ثانی کا حکم ہے مسند ہونے
کے بارے میں اس لئے کہا جاتا ہے کہ علمت پر جب
ہمسرو داخل کرتے ہیں تو تعدیر کے باعث مفعول اول
کی زیادتی کی جاتی ہے اور سابقہ مفاعیل جواب
علمت میں اول اور دوسرے درجہ پر رہتے وہ
ثانی اور ثالث درجہ پر آجاتے ہیں اس لئے مفعول
ثالث کا وہی حکم ہوگا جو باب علمت کے مفعول
ثانی کا اب رہی یہ بات کہ باب علمت کا مفعول ثانی
موقع میں فاعل کے واقع ہو سکتا ہے یا نہیں؟
تو اگرچہ اس کا واقع ہونا درست ہے لیکن استعمال
میں فاعل کی جگہ میں واقع نہیں ہوا لہذا یہ کوئی قابل
بحث امر نہیں بلکہ باب علمت سے مراد ہر وہ فعل
ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو جیسے اطلعت
زيداً عمراً فاعلاً والنداعلم بالحوار کا ۲۲۵ قولہ مفعول
لہ الخ اس کا مفعول بھی المفعول بالثنائی پر ہے اور
مطلب یہ ہے کہ اسی طرح مفعول بغیر لام والا بھی فاعل

کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نصب اسمیں اس کے علیت ہونے پر دال ہے پس اگر مفعول کو بجائے فاعل کی کر کے رفع دینگے یعنی مفعول لہ کو فعل کا مستدلیہ بنا کر اس کو رفع دینگے تو نصب اور یہ دلالت بر علیت فوت ہو جائیگی نیز مفعول لہ علت اور عرض فعل پر دلالت کرتا ہے اور علت و عرض ہر فعل کیلئے ضروری نہیں اس لئے کہ فعل کبھی اختیاری ہوتا ہے اور کبھی اضطراری پس اختیاری کیلئے تو علت اور عرض کا ہونا ضروری ہے لیکن اضطراری کے لئے علت اور عرض کا ہونا ضروری نہیں بخلاف فاعل لگے وہ ہر فعل کیلئے ضروری ہے پس اگر مفعول کو بجائے فاعل کے کرینگے تو اس صورت میں غیر ضروری کا ضروری کیلئے خلیفہ اور نائب بنانا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں واللہ اعلم۔

۲۳۷ قولہ بخلات ما لم یضربا سے شراح بلا لام کے اضافہ کی وجہ بیان فرمادے ہیں کہتے ہیں کہ بلا لام کے ساتھ مفعول لہ کو اس لئے مقید کیا گیا کہ اگر مفعول بلا لام ہو تو اس کو نائب فاعل بنانا جائز ہے جیسے ضرب للنادیب اس میں للنادیب جار مجرور سے مل کر مفعول لہ ہے اور یہ فاعل کے قائم مقام ہے پس اس اعتراض سے احتراز کرنے لئے مفعول لہ کو بلا لام کی قید کے ساتھ مقید کر دیا اور فرق بے لام اور مع اللام میں یہ ہے کہ اول تو علیت پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ نصب اسم پر دال ہے پس جب اس کو نائب فاعل بنائیں گے تو اس کا نصب اور علت ہونا فوت ہو جائے گا لیکن مع اللام کا علیت پر دال ہونا علی حالہ باقی رہے گا وہو المطلوب واللہ اعلم ۱۲۔

۲۳۸ قولہ والمفعول مؤخر اس عبارت کا مطلب شارح اپنی عبارت میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ مفعول لہ اور مفعول مؤخر میں سے ہر ایک کا حکم ایسے ہی ہے جیسا کہ گذرا یعنی ان دونوں کا حکم بھی فاعل کے قائم مقام ہونے میں باب علت اور باب علت کے مفعول ثانی اور ثالث کی طرح ہے پس مفعول لہ کا حکم ایسا کہیں ہے؟ تو

استند الیہ لقات النصیب والاستغفار بخلاف ما اذا كان مع اللام نحو ضرب للنادیب والمفعول لہ کذا ای کل من المفعول لہ والمفعول معہ کذا ای کا مفعول الثانی والثالث من باب علت و اعلمت فی انہما لا یقعان موقع الفاعل اما المفعول لہ فلما عرفت واما المفعول معہ فلانہ لا یجوز اقامتہ مقام الفاعل مع الواو التي اصلها العطف وھی دلیل الانفصال والفاعل کا خبر من الفعل ولا

ست اور اس کا فعل کے علت ہونے کی خبر دینا فوت ہو جائیگا کہ نصب اشار کا سبب تھی جب سبب نہ رہا تو سبب بھی نہ رہا (اور یہ) اس کے برعکس ہے جب کہ مفعول لہ لام کے ساتھ ہو جیسے ضرب للنادیب (کہ یہ فاعل کے قائم مقام ہے) (اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہے) یعنی مفعول لہ اور مفعول معہ میں سے ہر ایک اسی طرح یعنی یہ دونوں فاعل کی جگہ واقع نہ ہونے میں باب علت اور اعلمت کے دوسرے اور تیسرے مفعول کی مانند ہیں بہر حال مفعول لہ تو اس وجہ سے (نائب فاعل نہیں ہو سکتا) جو تم نے معلوم کیا (کہ نصب علیت کی خبر دیتی ہے) اور رہا مفعول معہ تو اس لئے (نائب فاعل نہیں ہو سکتا) کہ اس کا فاعل کی جگہ پر واو کے ہمراہ کہ جس کی اصل عطف ہے رکھنا جائز نہیں اور واو انفصال کی دلیل ہے (کہ اس کا مابعد ماقبل سے الگ ہوتا ہے) اور فاعل فعل کی خبر کی مانند ہوتا ہے اور واو کے بغیر بھی (مفعول معہ کو فاعل کی

یہ معلوم ہو چکا باقی رہا مفعول معہ تو اس کو فاعل کے قائم مقام بنانا اس لئے جائز نہیں کہ مفعول معہ مع الواو ہو گا یا بدون واو کے پس اگر مع الواو ہے تو یہ درست نہیں اس لئے کہ واو میں اصل عطف ہے یعنی واو قاعدہ کے لحاظ سے عطف کے لئے آتا ہے اور واو کا عطف کے لئے آنا انفصال کی دلیل ہے اور قائم مقام فاعل کی طرح جزو فعل کی مانند ہوتا ہے اور جزو فعل چاہتا ہے اتصال کو اور انفصال اس کے منافی ہے لہذا اس کو فاعل کے قائم مقام نہیں کیا جاسکتا اب رہا مفعول معہ بدون واو کے تو اس کو بھی نائب فاعل بنانا جائز نہیں اس لئے کہ اس وقت اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہو گا لہذا یہ بھی درست نہیں اس جگہ شارح نے والمفعول کذا فی شرح ای کل من المفعول لہ الخ سے کہ کے اس امر کی طرف اشارہ

کیا ہے کہ کذا لک صرف مفعول معہ کی خبر نہیں بلکہ مفعول لہ اور مفعول معہ دونوں کی علی سبیل البدلیۃ خبر ہے اس لئے کہ ما تن نے والمفعول لہ کہنے کے بعد اس کا کوئی حکم بیان نہیں کیا تھا کہ فوراً ہی اس پر والمفعول معہ عطف لے آئے تو اس سے معلوم ہوا کہ کذا لک دونوں ہی کی خبر ہے ذکر ایک کی پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصنف نے ترک اختصار کرتے ہوئے اپنے روایت کے خلاف کذا لک کہا ہے حالانکہ اگر مصنف ان دونوں کا عطف المفعول الثانی پر کر دیتے تو ترک اختصار کا الزام عائد نہ ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کذا لک کہا ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ یہ نسبت مفعول لہ اور مفعول معہ کے باب علت اور اعلمت کے مفعول ثانی اور مفعول ثالث کا

بدون الواو فانه لم يعرف حينئذ كونه مفعولاً معه واذا اوجده
المفعول به في الكلام مع غيره من المفاعيل التي يجوز وقوعها
موقع الفاعل تسمى له المفعول به لانه اي لوقوع موقع الفاعل
لشدة شبهه بالفاعل في توقف تعقل الفعل عليهما فان الضرب مثلاً
كما انه لا يمكن تعقله بلا ضارب كذلك لا يمكن تعقله بلا مضروب
بخلاف سائر المفاعيل فانه ليست بهذه الصفة تقول ضرب
زيد باقامة المفعول به مقام الفاعل يوم الجمعة ظرف زمان

جگہ نہیں (رکھا جاسکتا) کیونکہ اس وقت اس کا مفعول مدہ ہونا معلوم نہ ہوگا (اور جب
مفعول بہ پایا جائے) کلام میں ان دوسرے مفعولوں کے ہمراہ (پایا جائے) کہ جن کا فعل
کی جگہ وقوع جائز ہے (تو وہی متعین ہوگا) یعنی مفعول بہ ((اس کے لئے)) یعنی فاعل کی
جگہ واقع ہونے کے کیونکہ فعل کے تعقل کے دونوں (فاعل و مفعول بہ) پر موقوف ہونے
میں مفعول بہ فاعل کے ساتھ شدید مشابہت رکھتا ہے اس لئے کہ مثلاً ضرب کا تعقل
ضارب کے بغیر ممکن نہیں ہے اسی طرح اس کا تعقل مضروب کے بغیر بھی ناممکن ہے
(کہ حال بغیر محل کے تصور نہیں ہو سکتا) باقی مفعولوں کے برعکس کیونکہ وہ اس صفت
کے ساتھ (متصف) نہیں (مثلاً ظرف زمان و مکان پر فعل کا وجود تو موقوف ہے مگر
ان کے بغیر فعل کا تصور ہو سکتا ہے) (تم کہتے ہو "ضرب زید") مفعول بہ کو فاعل کے مقام

ثالث باب علمت کی علت کے مغایر ہے
اس لئے اس امر پر تشبیہ کرنے کے لئے ماٹن نے
جملہ کا عطف جملہ پر کیا واللہ اعلم - ۱۲ -
۵۲۳۹ قولہ واذا وجد الخ اب یہاں سے
مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر چند مفاعیل جن کا
نائب فاعل بنایا جانا درست ہو ایک جگہ جمع
ہو جائیں تو ان میں سے کون سے مفعول کو نائب
فاعل بنایا جائیگا یا اگر یہ مفعول بہ کا دیگر مفاعیل
کی عدم موجودگی میں نائب فاعل کے لئے تعین
ہے مگر جب مفعول بہ دیگر مفاعیل کے ساتھ
واقع ہو تو کون سے مفعول کا تعین کرنا ضروری
ہوگا تو کہتے ہیں کہ جب مفعول بہ دیگر ان مفاعیل
کے ساتھ کہ جن کا فاعل کے موقع میں واقع ہونا
جائز ہو کلام میں پایا جائے تو نیابت فاعل کے لئے
مفعول بہ معین ہو جائیگا اور دیگر مفاعیل علی حالہ

قائم مقام فاعل نہ ہونا اتم اور اکل ہے اس لئے کہ
یہ مفاعیل مسند اور مسند الیہ کے مرتبہ میں ہیں۔ اور
مسند الیہ و مسند کلام میں عمدہ ہوتے ہیں بخلاف
مفعول لہ اور مفعول مدہ کے کہ یہ فضلہ کے درجہ
سے آگے نہیں بڑھے اس اعتراض اور جواب
کی تقریر باسی طور کر سکتے ہیں کہ سوال یہ ہے
کہ مصنف نے لایقع الخ جملہ کا عطف المفعول
لہ الخ جملہ پر کیوں کیا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟ کہ الثالث
کے عطف علی المفعول الثاني کی طرح المفعول
لہ اور المفعول مدہ کا عطف بھی المفعول الثاني
پر کر دیتے تاکہ یہ تمام معطوفات لایقع کے فاعل
قرار دئے جاتے۔ جواب یہ ہے کہ مفعول لہ اور
مفعول مدہ کے نائب فاعل نہ واقع ہونے کی
علت مفعول ثانی باب علمت اور مفعول

باتی رہیں گے تعین کا فاعل چونکہ مفعول بہ ہے اس
لئے شائع نے اپنی شرح میں اس کو ظاہر کر دیا
اور لوقوعہ موقع الفاعل سے یہ بتایا ہے کہ لہ
میں نہ ضمیر سے مفعول کا فاعل کے موقع میں ہونا
مراد ہے پھر باشدة شبه الخ کا اضافہ تو یہ تعین
لہ کی دلیل ہے۔ یعنی مفعول بہ کی نیابت فاعل
کے لئے متعین ہونے کی کیا دلیل ہے؟ تو شائع
کہتے ہیں کہ مفعول بہ فاعل اور مفعول پر تعقل
فعل کے موقوف ہونے میں فاعل کے ساتھ
سخت مشابہت رکھتا ہے یعنی جس طرح فعل
کا سمجھنا فاعل پر موقوف ہوتا ہے اور فعل بغیر
فاعل کے سمجھ میں نہیں آتا اسی طرح فعل بغیر
مفعول بہ کے بھی سمجھ میں نہیں آتا (جیسا کہ جب
تک محل کا تصور نہ کیا جائے حال متصور نہیں ہوتا)
پس اسی طرح مثلاً ضرب ہے کہ جیسا کہ اس کا تعقل
بغیر ضارب کے ممکن نہیں ایسے ہی بغیر مضروب کے
بھی اس کا سمجھنا ناممکن ہے یعنی جب تک ہم
ضرب زید کے ساتھ کمر کا اضافہ نہ کریں گے
اس وقت تک فعل کے معنی تمام نہیں ہوں گے
اس لئے کہ ضرب متعدی ہے اور متعدی کے لئے
اس کا ہونا ضروری ہے جس پر فعل واقع ہو اور وہ
مفعول بہ ہی ہو سکتا ہے پس اس مشابہت
کے باعث اس کو فاعل کے قائم مقام کر دیا
جائیگا نہ دیگر مفاعیل کے چونکہ وہ سب اس صفت
کے ساتھ متصف نہیں یعنی فعل کا تعقل مفاعیل
کے عدم ذکر سے بھی ہوتا ہے مثلاً ظرف زمان مکان
کہ ان پر فعل کا وجود تو موقوف ہے اور فعل کا فہم
ان پر موقوف نہیں پس فعل کا ان دونوں یعنی ظرف
زمان و مکان کا محتاج ہونا ایسا نہیں جیسا کہ
فعل کی مفعول بہ کی طرف احتیاج ہے واللہ اعلم
۵۲۴۰ قولہ تقول الخ اب مصنف رحمہ
اللہ نے مفعول بالمہیم فاعلہ کی ایسی مثال
پیش کی ہے جس میں مفعول بہ سمیت تمام مفاعیل
ایسے ہی فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ مگر
نائب فاعل بنایا گیا ہے صرف مفعول بہ کو بوجہ

امام الامر طرف مکان ضرباً شديداً مفعول مطلق
لنوع باعتبار الصفة وفائدة وصف الضرب بالشدة التنبیه علی
ان المصدر لا يقوم مقام الفاعل بلا قيد مختص اذ الفائدة فیها
لدلالة الفعل علیہ فی دارة جار مجرور شبه بالمفاعیل اقیم
مقام الفاعل مثلها فتعین زید وان لم یکن لم یکن وان لم
یوجد فی الکلام المفعول به قال جمیع ای جمیع ماسوی المفعول
به سواء فی جواز وقوعها موقع الفاعل والمفعول الاول من

پر رکھ کر «یوم الجمعة» یہ طرف زمان ہے «امام الامر» یہ طرف مکان ہے «ضرباً
شديداً» یہ مفعول مطلق ہے نوع کے لئے (اور اس کی نوعیت) صفت کے اعتبار سے
(ہے) اور صفت شدید اسے ذات کے اعتبار سے نہیں ورنہ ضربہ ضاد کی کسر سے ہوتا
جیسے جلست جلستہ بہ کسرہ جیم) اور ضرب کا شدت کے ساتھ موصوف کرتا اس
بات پر تنبیہ کرتا ہے کہ مصدر (مطلق) قید مختص کے بغیر فاعل کی جگہ کھڑا نہیں ہو سکتا
کیونکہ مصدر مطلق جو تاکید کے لئے ہوتا ہے (اس کے مقام پر کھڑا کرنے) میں کوئی فائدہ
نہیں کیونکہ اس پر فعل ولالت کرتا ہے «فی دارة» جار مجرور (کلام میں) فضلہ ہونے کی
(وجہ سے) مفعولوں کے مشابہ ہے مفعولوں کی مانند اس کو فاعل کی جگہ کھڑا کیا جاتا ہے۔
«لین زید» متعین ہو گیا اور اگر نہ ہو) یعنی اور اگر کلام میں مفعول بہ نہ پایا جائے «تو
سب» یعنی مفعول بہ کے سوا سب مفعول «برابر ہیں» ان کے فاعل کی جگہ واقع ہونے

تقریر یہ ہے کہ مفعول مطلق کی مثال ضرباً پر تمام ہر بات
ہے اس کے ساتھ شديداً کے اضافہ کا باعث کیا
ہے؟ جواب یہ دیا کہ ضرب کو شدہ کے ساتھ متعین
کرنے کا فائدہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مصدر
اس وقت تک فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جب
تک کہ اس میں کسی قید مختص کا اضافہ نہ کر دیا جائے اس
لئے کہ مصدر سے کوئی متعین قائم نہیں ہوتا کیونکہ
اس پر فعل ولالت کرتا ہے اور فاعل عمدہ ہونے
کی وجہ سے فائدہ کا محل ہوتا ہے لہذا جو شخص فائدہ
کا محل نہ ہو وہ فاعل کے قائم مقام کیسے ہو سکتی ہے
اور جب اس کے ساتھ ایک وصف لاحق ہو گیا
تو اب اس سے فائدہ حاصل ہو گا یعنی وہ وصف
مذکورہ سابق میں اس طرح کہا جائیگا ضرب زید
یوم الجمعة امام الامر ضرباً شديداً فی دارة اس میں
زید مفعول بہ تھا اس کو فاعل کے قائم مقام کیا
گیا اور یوم الجمعة طرف زمان ہے اور امام الامر
طرف مکان اور ضرباً شديداً مفعول مطلق ہے،
ضرباً کا ضرب کی نوعیت بیان کرنے کے لئے
ہے نہ کہ تاکید اور عدد بیان کے لئے یعنی اسکی
تین قسموں میں قسم نوعی مراد ہے پھر اعتراض ہوا
کہ مفعول مطلق نوعی کے لئے فاعل کا کسور ہونا
اور آخر میں تارکا ہونا ضروری ہے جیسے جلسۃ او

یہاں ایسا نہیں ہے تو باعتبار الصفت سے
جواب یہ ہو گیا کہ نوعی کی دو قسمیں ہیں باعتبار
صبغہ ہو گا یا باعتبار صفت پس صبغہ کے اعتبار
سے تو یہاں ہے نہیں لہذا معلوم ہوا کہ صفت
کے اعتبار سے ہے اور وہ صفت شديداً ہے
یعنی باعتبار صفت شدت کے لہذا اس کے لئے
فعل کا وزن ضروری نہیں فی دارة وہ مجرور ہے جو
کہ فضلہ ہونے میں مفاعیل کے مشابہ ہو کر ان کی طرح
فاعل کے موقع میں واقع ہو سکتا ہے پس اس میں
اپنی مشابہت فعل کی وجہ سے زید نیابت فاعل
کے لئے متعین ہو گیا واللہ اعلم۔

قول وفائدة الم اس عبارت سے
شارع کو ایک سوال متقد کا جواب دینا ہے جس کی

فعل میں ملحوظ ہو گا پس یہ اپنے وصف کے ساتھ
فاعل کے قائم مقام ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔

۵۲۲۲ قولہ وان لم یکن الخ یہاں سے

اس شق کا بیان ہے جس میں دیگر مفاعیل کے ساتھ
مفعول بہ نہیں پایا جاتا تا آن کہ کہتے ہیں کہ اگر کلام میں
مفعول بہ نہ ہو تو مفعول بہ کے ماسوی تمام مفاعیل
فاعل کے قائم مقام ہونے کے میں برابر ہے
یعنی ہر ایک مفعول کو اس وقت نائب فاعل بنانا جائز
ہے اس جگہ شارح نے وان لم یکن کی شرح دی
وان لم یوجد کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے
کہ لم یکن تامر ہے ناقصہ نہیں نیز لم یکن میں ضمیر
مستتر ہے جو مفعول بہ کی طرف راجع ہے اور وہی
اس کا فاعل ہے پھر نا جمیع کے بعد ای جمیع ماسوی
الم کا اضافہ اس امر پر دل ہے کہ جب لم یکن کا فاعل

مفعول بہ مقرر ہو گیا تو لم یکن سے اس کی نفی ہو گئی اور
اس کے ماسوی تمام مفاعیل نیابت فاعل کیلئے
باقی رہ جائیں گے پھر یہ جمیع ماسوا کا مذہب جمہور
نحاة کا ہے اور بعض نحاة نے جار مجرور کو ترجیح
دی ہے اور بعض نے ظرفین یعنی طرف زمین مکان
کو اور بعض کے نزدیک مفعول مطلق ترجیح ہے مگر
صحیح یہ ہے کہ اس کو تکلم کی صوابدید اور اس کے
کلام کے اقتضایہ پر چھوڑ دیا جائے پس اقتضا کلام
جس مفعول کو نائب فاعل بنانا چاہے اس کو مفعول
مالم یسم فاعل قرار دے لیا جائے واللہ اعلم۔

۵۲۲۳ قولہ مفعول الخ اور اب اعطیت
کا مفعول اول یعنی ہر اس فعل کا مفعول اول جو مفعول
کی طرف متقدی ہو اور دوسرا مفعول اول کا غیر
کو قائم مقام فاعل بنانا مفعول ثانی سے اولی ہے

باب اعطیت ای الفعل المتعدی الى مفعولين ثانیہما غیر کاؤل
اولی بان یقام مقام الفاعل من المفعول الثانی لان فیہ معنی
الفاعلیہ بالنسبۃ الی الثانی لانہ عا ط ای آخذنحو اعطی زید درہما
مع جواز اعطی درہم زید اود ذلک عند الامن من اللبس واما عند
عدمہ فیجب اقامۃ المفعول الاول نحو اعطی زید عمرا ومنہا
المبتدأ والخبر فی بعض النسخ ومنہ یعنی من جملۃ المرفوعات
او من جملۃ المرفوع المبتدأ والخبر جمعهما فی فصل واحد للتلازم

کے جواز میں (سب برابر ہیں) «اور» مفعول «اول اعطیت کے باب سے» یعنی فعل
متعدی بدو مفعول کہ جن کا دوسرا پہلے کا غیر ہو کہ دوسرے مفعول کا اول پر محل صحیح
نہوتا ہو «(اولی ہے)» کہ اسے فاعل کی جگہ کھڑا کیا جائے «(دوسرے)» مفعول «(سے)» کیونکہ
مفعول اول میں دوسرے مفعول کی نسبت فاعلیت کا معنی ہے اس لئے کہ مفعول اول
فاطی یعنی پکڑنے والا ہے جیسے اعطی زید درہما۔ اعطی درہم زید کے جواز
کے باوجود اور یہ (اولویت) التباس (اشتباہ) سے امن کے وقت ہے لیکن عدم امن
کے وقت مفعول اول کا فاعل کی جگہ کھڑا کرنا ضروری ہے جیسے اعطی زید عمرا (اگر امن
میں ہر ایک آخذ اور ہر ایک ماخوذ ہو سکتا ہے) «(اور ان میں سے مبتدأ اور خبر ہے)» بعض نسخوں
میں «ومنہ» ہے یعنی مرفوعات کے جملے میں کہ منہا کی صورت میں) یا مرفوع کے جملے سے «منہ»
کی صورت میں) مبتدأ اور خبر ہے مصنف نے (مبتدأ اور خبر) دونوں کو ایک ہی فصل میں

اس لئے کہ مفعول اول میں بہ نسبت مفعول ثانی کے
معنی فاعلیۃ بدرجۃ اتم موجود میں اسنے کہ مفعول
اول لینے والا ہوتا ہے اور مفعول ثانی لیا گیا پس
اعطیت زید درہما میں اولی ہے کہ ہم اعطی
زید درہما کہیں تاکہ زید جو اعطیت کا مفعول
اول ہے نائب فاعل بن جائے اگرچہ اعطی درہم
زید کا کہنا جائز ہے اس جگہ شایع نے باب
اعطیت کی شرح ای الفعل النہ سے کر کے اس
پر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ باب اعطیت سے
مراد ہر وہ فعل ہے جو دو مفعولوں کو اثر متعدی
ہو اور قول شایع عا ط عطا سے مراد ہے جس
کے معنی آخذ کرنا یعنی لینا آتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

کے شایع کا منشا ایک سوال اور اس کا جواب

دینا ہے سوال تو یہ ہے کہ یہ قاعدہ اعطی زید عمرا
سے منقوض ہے اس لئے کہ اس مثال میں یہ کہ فاعل
کے قائم مقام کرنا متعین ہے عمرا کو اسکا نائب
بنانا جائز نہیں ورنہ دونوں کا با یک دیگر التباس
ہونا لازم آئیگا جواب یہ دیا کہ یہ اس صورت میں
ہے جبکہ التباس سے امن ہو لیکن جب التباس
سے امن مفقود ہو تو مفعول اول کو فاعل کے
قائم مقام بنانا واجب ہے جیسے اعطی زید عمرا
میں کہ اس میں اگر عمرا کو نائب فاعل بنائیں تو زید
کے معنی التباس لازم آئیگا اس لئے کہ ہمارا منشا
تھا اس مثال سے یہ کہنا ہے کہ زید کو عمرو عطا کیا گیا
اور جب اس کا عکس کر دیں گے تو مطلب یہ ہوگا
کہ عمرو کو زید عطا کیا گیا اور یہ خلاف مقصود ہے
واللہ اعلم ۱۳۔

کے قول و منہا الخ جس وقت مصنف
کو احوال فاعل حقیقی اور محکی سے فراغت ہو گئی
تو اب مرفوعات کی دوسری قسم مبتدأ اور خبر کو بیان
فرماتے ہیں پس کہتے ہیں و منہا الخ یعنی ان تمام مرفوعات
میں سے مبتدأ اور خبر لیں اور کافیہ کے بعض نسخوں
میں و منہا الخ ہے پس اس صورت کا ضمیر کا
مرجع المرفوع ہوگا کیونکہ المرفوع مذکور سے اور
منہ میں ضمیر بھی مذکور پس راجع اور مرجع کے درمیان
مطابقت ہو گئی مگر یہ تذکرہ مرجع بقدر مضامین
یعنی المرفوع مضامین الیہ ہے اور اس کا مضامین
جملہ ہے اس لئے کہ اگر مضامین مقدر نہ ہائیں المرفوع
لفظ مفرد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع صرف
ایک ہے حالانکہ مرفوع بہت سے ہیں پس لفظ جملہ
سے ظاہر ہو گیا کہ مرفوع ایک نہیں متعدد ہیں اور
ان متعدد میں سے ایک قسم مبتدأ اور خبر بھی ہے پھر
مناسب یہ ہے کہ ومنہ المبتدأ والخبر والا نسخہ صحیح
ہو اس لئے کہ مصنف نے اس سے پہلے بھی ومنہ
الفاعل کہا ہے ضمیر مذکور کے ساتھ اب اس جگہ ایک
اعتراض واقع ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہر ایک
مبتدأ اور خبر میں سے بذات خود مستقل ہے یعنی دونوں
مستقل طور پر مرفوعات کی علیحدہ دو قسمیں ہیں اسلئے
ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا چاہئے تھا شایع نے
جمعہما الخ سے یہ جواب دیا کہ مصنف نے ایک فعل
میں ان کو اس وجہ سے جمع کر دیا کہ دونوں دونوں
کے درمیان تلازم بنا برہل کے واقع ہے یعنی
مبتدأ مسند الیہ ہوتی ہے اور خبر مسند اور ایک کے
ذکر کرنے سے دوسرے کا ذکر کرنا ضروری ہو جاتا
ہے کیونکہ مبتدأ بغیر خبر اور خبر بغیر مبتدأ کے نہیں واقع
ہوتی ہے اور ثانیاً یہ کہ ان دونوں میں اس حیثیت
سے بھی اشتراک ہے کہ دونوں عامل معنوی کے
مفعول ہیں یعنی ابتداء کے اور عامل معنوی کا سبب
یہ ہے کہ دونوں عوامل لفظیہ سے خالی ہیں پس لامحالہ
فاعل معنوی یعنی ابتداء میں متحقق ہوگی واللہ اعلم ۱۲

۵۲۲۶ قولہ فالمتنذر الخیر پس مبتدا وہ
اسم ہے جو عامل لفظی (قیاسی اور سمائی) دونوں سے
نہائی ہو اور مستند الیہ ہو جیسے زید قائم میں زید مبتدا
ہے جو کہ عوامل لفظیہ سے خالی اور مستند الیہ ہے اس
جگہ شامح نے لفظاً او تقدیراً کا اضافہ کر کے ایک
سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ مبتدا کی تعریف
زید قائم پر صادق آتی ہے، مگر ان تصویروں خیر کم
میں ان تصویروں اس سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ
اس پر تعریف مبتدا یعنی اسم ہونا صادق نہیں آتا اس
لئے کہ ان تصویروں فعل ہے اور مبتدا اسم ہو کر تلبہ
حالانکہ ان تصویروں میں بھی بالاتفاق مبتدا واقع ہے
اور خیر کم اس کی خبر لہذا تعریف مبتدا اپنے افراد کو جامع
نہیں رہی جواب یہ ہے کہ اسم ہونا عام ہے خواہ اسم
لفظاً ہو جیسے زید قائم میں زید اور خواہ تقدیراً
جیسے معترضہ مثل میں پس ان تصویروں اگرچہ فعل ہے
مگر یہ ان ناصبہ مصدریہ کے باعث بتادیل مصدر یعنی
صویم خبر یلکم ہو کہ مبتدا ہے پس تعریف مبتدا اپنے
افراد کو جامع ہو گئی اس کو شارح کہتے ہیں کہ مبتدا اسم
لفظی یا تقدیری ہے تاکہ قول ہادی تعالیٰ وان تصوموا
خیر کم یا اس جیسی دیگر مانند کو شامل ہو جائے پس قول
شارح میں نحو سے مراد سہرہ مثل ہے کہ جس میں
فعل کو تادیل سے مفرد کر کے مبتدا بنایا گیا ہو
۵۲۲۷ قولہ ای الذی الخ اس سے شارح
نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المجرود میں بقاعدہ
مشہورہال بمعنی الذی ہے اور مجرود کی شرح لم یجد
سے کہ کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔
سوال یہ ہے کہ مجرود خبریہ سے ماخوذ ہے اور اس
کے معنی خالی کرنے کے ہیں اور کسی چیز کا کسی چیز
سے خالی کرنا اس امر کو نقضی ہے کہ جس سے خالی کیا
جائے وہ اس میں پہلے سے موجود ہو پس معلوم ہوا کہ
مبتدا میں عامل لفظی تھا جس سے اس کو خالی کیا گیا ہے
حالانکہ یہ خلاف واقع ہے اس لئے کہ جمل وقت سے
وہ مبتدا ہوا ہے اس وقت سے اس پر کوئی عامل لفظی
نہیں آیا تو شامح نے جواب دیا کہ المجرود عن العوالم
اللفظیہ سے مراد یہ ہے کہ اس میں قطعاً عامل لفظی نہ پایا

الواقع بینہما علی ما هو الاصل فیہما واشترکہما فی العامل المعنوی
فما لمبتداً هو الاصل لفظاً او تقدیراً لیتناول نحو ان تصوموا
خیر کم المجرود عن العوالم اللفظیۃ ای الذی لم یوجد فیہ
عامل لفظی اصلاً واحترز بہ عن الاسم الذی فیہ عامل لفظی کا معنی
ان دکان وکانہ اراد بالعامل اللفظی ما یكون مؤثراً فی المعنی لئلا ینخرج

(ایک تو) اس لازم کی وجہ سے جمع کیا ہے جو کہ دونوں کے درمیان واقع ہے اس چیز پر
(واقع ہے) جو (مبتدا اور خبر) دونوں میں اصل ہے (یعنی مبتدا اور خبر کا مستند الیہ اور خبر کا
مستند ہونا) اور (دوسرے) مبتدا اور خبر کے عامل معنوی میں مشترک ہونے کی وجہ سے (پس)
مبتدا وہ اسم ہے) خواہ لفظی طور پر (اسم ہو) یا تقدیری طور پر تاکہ تعریف ان تصویروں
خیر کم کی مانند کو شامل ہو جائے کہ ان تصویروں بتادیل صیامکم اسم ہے) (جو کہ خالی
کیا گیا ہو عوامل لفظیہ سے) یعنی وہ کہ جس میں عامل لفظی بالکل نہ پایا جائے اور مصنف نے
اس قید سے اس اسم سے احتراز کیا جس میں عامل لفظی ہو جیسے ان دکان کے دو اسم
اور گویا کہ مصنف نے عامل لفظی سے وہ عامل مراد لیا ہے جو معنی میں مؤثر ہو تاکہ مبتدا
کی تعریف سے بحسب درہم کی مانند (مبتدا) کہ جس پر عامل لفظی داخل ہے مگر معنی

کوئی فتور واقع نہیں ہو گا بلکہ فتور اس صورت میں ہو گا جبکہ
کم از کم تین عامل لفظی اس پر داخل ہوں اور اگر یہ کہیں
کہ عوامل سے مراد ما فوق الواحد ہے اور جمع کا اشتہار
اس معنی میں بکثرت ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی
اصل اعتراض رفع نہیں ہو گا اس لئے کہ اس سے
یہ معلوم ہو گا کہ مبتدا پر اگر ایک عامل لفظی داخل ہو
تو کوئی حرج نہیں ہو گا پس ان زیداً قائم میں زیداً
ہر ایک عامل لفظی یعنی ان داخل ہے لہذا اس کو
مبتدا کہنا چاہئے حالانکہ کوئی بھی اس کو مبتدا نہیں
کہتا جواب یہ ہے کہ جمع پر جس وقت الف لام
داخل ہو جاتا ہے تو اس سے معنی جمعیت باطل ہو
جاتے ہیں اور اس سے استغراق مراد ہو کر لفظ جمع تمام
افراد کو شامل ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں پر بھی جمع پر
لام تعریف داخل ہونے سے یہی معنی مراد ہیں کہ
مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو یعنی
اس پر ایک بھی عامل لفظی داخل نہ ہو پس معلوم ہوا کہ
عوامل لفظیہ کا ایک فرد بھی مبتدا میں نہیں پایا جائیگا

کیا جواب رہی یہ بات کہ مصنف نے عدم وجود کو
المجرود سے تعبیر ہی کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ
ہے کہ مصنف نے اس کو تجربیہ سے تعبیر کر کے اس
امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کبھی امکان وجود اور
احتمال وجود کو بجائے وجود کہہ کر تے ہیں جیسا کہ کہتے
ہیں ضیق نرم اپیر بینی کنوی کے منہ کو تنگ کر پس
اس جگہ ناممکن ہے کہ پہلے سے کنوی کا منہ کشادہ ہو
اور اس کو تنگ کیا جائے بلکہ معنی یہ ہے کہ جس کنوی کے
بناتے وقت اس کے منہ کے کشادہ ہونیکا احتمال ہے
اس کو ابتدا ہی سے تنگ کر دیا جائے پس یہاں چونکہ
وجود عامل لفظی کا احتمال ہو سکتا تھا اس لئے اس
ما احتمال کو دور کرنے کے لئے لم یوجد کے بجائے المجرود
عن الخ لایا گیا یعنی امکان وجود عامل لفظی کو فرض کر
کے اس سے مبتدا کی تجربیہ کہ دی پھر اس پر ایک
اعتراض اور رد ہوا کہ عوامل عامل کی جمع ہے اور
اقل افراد جمع کے تین ہیں پس معلوم ہوا کہ اگر ایک یا دو
عامل لفظی مبتدا میں ہوں گے تو اس کے مبتدا ہونے میں

عنه مثل يجبك درهم مسنداً اليه واحترز به عن الخبر وثاني
قَمِي المبتدأ الخارج عن هذا القسم فانها لا يكونان الا مسندين
او الصفة سواء كانت مشتقة كضارب ومضروب وحسن
او جارية مجراها كقرشي الواقعة بعد حرف النفي

كما وكلا والفاء لا استفهام ونحوه كهل وما من وعن سيبويه
جواز الابتداء بها من غير استفهام ونفي مع قبح والا خفش يراى
ذلك حساً وعليه قول الشاعر ع فخير نحن عند الناس منك فخير

میں مؤثر نہیں) خارج نہ ہو جائے (امسند الیہ ہو) اور مصنف نے اس قید سے خبر اور
ابتداء کی دو قسموں میں سے قسم ثانی جو کہ (مبتداء کے) اس قسم سے خارج ہے سے احتراز
کیا ہے کیونکہ خبر اور ابتداء کا قسم ثانی (جس کی تعریف عنقریب آرہی ہے) مسند ہی ہیں ((یا
صفت ہو) خواہ (وہ صیغہ صفت) مشتق ہو جیسے ضارب اور مضروب اور حسن یا مشتق
کے قائم مقام ہو جیسے قریشی (یہ اسم منسوب ہے جو صفت کے قائم مقام ہوتا ہے)
((جو واقع ہو بعد حرف نفی کے)) جیسے ما اور لا ((یا الف استفہام کے)) اور اس جیسے (کسی
اور کلمہ استفہام کے) (بعد واقع ہو) جیسے صل اور ما اور من اور سبویہ سے صیغہ صفت
کے ساتھ بغیر استفہام و نفی کے ابتداء کا جواز (منقول) ہے قباحہ کے باوجود اور اخفش
اسے (قباحہ کے ساتھ نہیں بلکہ) اچھا جانتے ہیں اور اخفش کی رائے پر شاعر کا قول
ہے ۛ فخير نحن عند الناس منك درهم لوگو! تم نے نزدیک تم سے بہتر ہیں) تو غیر مبتدأ

لہذا ان زیراً قائم ولا اعتراض اس سے رفع ہو گیا
اور اس سے ہر وہ اسم خارج ہو گیا کہ جس میں عامل
لفظی موجود ہو جیسے ان اور کان کے اسما واداء
اعلم بصواب۔

ۛ قولہ وکان الدائم یہ عبارت ایک
سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ
مبتدأ کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے
جبکہ درہم خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر
چارہ عامل لفظی داخل ہے حالانکہ یہ بالاتفاق
مبتدأ ہے تو شارح نے جواب دیا کہ عامل لفظی سے
مراومہ ہے کہ وہ عامل معنی میں مؤثر ہو جس جب
کوئی عامل معنی میں مؤثر نہ ہو گا تو اس کے مبتدأ
بنائے جانے میں کوئی حرج نہیں پس جبکہ درہم
مبتدأ میں داخل ہو گیا اس لئے کہ اس میں بار بار مذکور

ہے اس کے کوئی معنی نہیں اور یہ تاثیر فی المعنی
اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ ان نفوس مواخیرکم بظاہر
مبتدأ نہیں تھا کیونکہ یہ فعل ہے مگر چونکہ اس میں عامل
معنوی معنی مؤثر ہے یعنی یہ ان مصدر یہ کی وجہ سے
بتاویل مصدر ہوا پھر عامل معنوی یعنی ابتداء کی وجہ سے
مبتدأ بنا اور اس کا مبتدأ ہونا قید تقدیر سے معلوم
ہوا پس اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس طرح عامل لفظی
لفظ میں مؤثر ہوتا ہے اسی طرح اس کا معنی مؤثر
ہونا بھی ضروری ہے واللہ اعلم۔

ۛ قولہ واحترز الخ اس سے شارح نے
یہ بتایا ہے کہ مبتدأ کی تعریف میں مسند الیہ کی قید قید
احترازی ہے اور اس سے خبر اور مبتدأ کی قسم ثانی سے
احتراز ہے کیونکہ یہ مبتدأ کی ہی قسم سے خارج ہیں اس

لئے کہ یہ دونوں یعنی خبر اور مبتدأ کی دوسری قسم سوائے
مسند کے اور کچھ نہیں ہوتے لہذا ان پر مبتدأ کی اس تعریف
کا اطلاق نہیں ہو گا اب رہی مبتدأ کی قسم ثالث تو اس
کی تعریف او الصفة الخ سے آگے آتی ہے واللہ اعلم
ۛ قولہ او الصفة الخ یہاں سے مبتدأ کی قسم

ثانی کا بیان ہے اس کا عطف اور پر کی عبارت نا مبتدأ
بوالاسم میں الاسم پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ مبتدأ کی
قسم ثانی یہ ہے کہ صیغہ صفت حرف نفی جیسے ما ولا
ہمزہ استفہام یا اس کے مثل کے بعد واقع ہو
درا تھما لیکہ یہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والی
ہو یعنی مبتدأ کی اس قسم کے لئے شرط یہ ہے کہ
صیغہ صفت ہو کر اسم ظاہر کو یا اس اسم کو جبکہ اسم ظاہر
کے حکم میں ہے رفع کرے اب اگر کوئی کہے کہ مبتدأ
کی قسم ثانی کی یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس
سے قریشی خارج ہو جاتا ہے اس مثال میں قریشی
انت کیونکہ صیغہ صفت نہیں ہے حالانکہ قریشی بالاتفاق
مبتدأ ہے شارح اس کا جواب سوا کانت الخ سے یہ
دیا کہ صفت عام ہے خواہ حقیقہ ہو یعنی مشتق ہو
یعنی مشتق ہو جیسے ضارب مضروب اور حسن یا حسی
قائم مقام صفت حقیقی ہو جیسے قریشی پس تعریف
مبتدأ جامع ہو گئی اور قریشی اس میں داخل ہو گیا
اس لئے کہ قریشی اگرچہ صفت حقیقی مشتق نہیں ہے
لیکن حکم کے کیر نک اس کے آخر میں یا نسبتی ہے
اور منسوب مشتق کے حکم میں ہوتا ہے۔

ۛ قولہ ونحوہ کہل الخ یعنی حرف استفہام
سے مراد عام ہے خواہ ہمزہ ہو جیسے قائم زید یا بل
وما من ومنی واین وکیف وغیرہم واللہ اعلم۔
ۛ قولہ وعن سبویہ الخ اس عبارت
کو اظہار واقعہ سمجھ لیجئے یا اعتراض اول اس کا جواب
اظہار واقعہ تو بایں طور ہے کہ سبویہ نے بغیر استفہام
اور نفی کے ابتداء بالصفة کو مع الفتح جائز قرار
دیا ہے یعنی صفت بغیر حرف نفی اور استفہام کے
بھی مبتدأ بن سکتی ہے مگر مع القباحہ امتداد
اعتراض و جواب اس طرح پر ہے کہ معترض نے
کہا کہ سبویہ صفت کی ابتداء سے کو جائز قرار دیا

ہے تو شام نے مع فتح سے جواب کی طرف یہ اشارہ کر دیا کہ جائز تو قرار دیا ہے مگر مع انقباض اور جس چیز میں خود بخود کے نزدیک قباحت ہو اس کو بے اعتراض کیے کیا جاسکتا ہے؟ علیٰ ہذا القیاس قول شام والا خفش ہے اس کو بھی اظہار واقعہ پر محمول کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ خفش اس کو یعنی صفت کی ابتدائیت کو بغیر حرف نفی اور استفہام کے اچھا سمجھتے ہیں اور قول شام فی غیر نحن عندنا اس منکم سے استدلال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خبر اس اسم تفضیل صیغہ صفت ہونے کے باوجود مبتدا ہے اور نحن اس کا فاعل ذخیر اہل ہیں اخیر تھا فعل کے وزن پس اس میں تخفیف کر کے اس کو خبر کر لیا گیا جیسا کہ الیش ای

شے کا مخفف ہے حالانکہ اس کا اعتماد نہ صرف استفہام پر ہے اور نہ حرف نفی پر لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ صفت کے صیغہ کا حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہونا ضروری ہے اس کو آپ اعتراض بھی کہہ سکتے ہیں کہ حرف نفی یا استفہام کے بعد صیغہ صفت کا واقع ہونا ضروری نہیں کما مر آنفا جواب یہ ہے کہ یہ شعر کلام فصیحی سے نہیں ہے کہ اس کو قابل استدلال قرار دیا جائے اور اگر کلام فصیحی سے تسلیم بھی کر لیا جائے تو کہا جائے گا کہ ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے اور ضرورت شعری کے باعث اگر کسی ناجائز امر کو جائز کر لیا جائے تو اس کو مطلقاً جائز کر لینا لازم نہیں آتا مصرعہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے پس بہتر ہیں ہم لوگوں کے نزدیک تم سے واللہ اعلم ۱۲۔

۲۵۳ قولہ ولو جعل الخیر عبادت ایک سوال کا جواب ہے جو خفش کے قول پر بیانی ذلک حسنا پر وارد ہوا ہے سوال یہ ہے کہ خفش کا اس شعر سے استدلال کرنا درست نہیں اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ نحن مبتدا پر مؤخر مسند الیہ ہے اور خبر اس کی خبر مقدم اور یہ معلوم ہی ہے کہ صیغہ صفت کو خبر بنایا جاسکتا ہے۔ شام نے خفش کی جانب سے اس اعتراض کا یہ جواب دیا

مبتدا ونحن فاعله ولو جعل خیر خبراً عن نحن لفصل بین اسم التفضیل ومعمولہ الذی ہو من باجنبی وهو غیر جائز لضعف عملہ بخلاف ما لو کان فاعلاً لكونہ كالجزء رافعة لظاهر وما یجری مجراہ وهو الضمیر المنفصل لئلا یخرج نحو قوله تعالى اراغب انت عن الہدیٰ یا ابراہیم واحترز بہ عن نحو اقامان الزیدان لان اقامان سرافع

ہے اور نحن اس کا فاعل ہے اور اگر خبر کو نحن کی خبر مقدم قرار دیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول جو کہ "من" ہے کے درمیان (نحن) اجنبی سے فاصلہ کھڑا کر دیا جائے گا اور وہ جائز نہیں ہے کیونکہ اسم تفضیل کا عمل ضعیف ہے اس کے برعکس کہ اگر نحن کو خبر کا فاعل قرار دیا جائے (تو اجنبی سے فاصلہ لازم نہیں آتا) کیونکہ فاعل جز کی مانند ہوتا ہے (رافع ظاہر کے لئے) اور اس کے لئے جو اسم ظاہر کے قائم مقام ہو اور اسم ظاہر کے قائم مقام ضمیر منفصل ہے (اور ضمیر منفصل کو اسم ظاہر کے ساتھ اس لئے شامل کیا گیا ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ کے قول اراغب انت عن الہدیٰ یا ابراہیم کی مانند (مبتدا کے قسم ثانی سے خارج نہ ہو جائے اور مصنف نے رافعة لظاہر کی قید سے اقامان الزیدان کی مانند سے (جو کہ اسم

صفت اگرچہ ہمزة استفہام کے بعد واقع ہے مگر لا عیب صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا بلکہ یہاں سرے سے اسم ظاہر ہے ہی نہیں ضمیر منفصل ہے پس اس راعب جو کہ واقعہ مبتدا ہے اس پر یہ تعریف صادق نہیں آتی شام نے او ما یجری مجراہ سے جواب دیا ظاہر سے مراد صرف اسم ظاہری نہیں ہے بلکہ وہ بھی اس میں داخل ہے جو اسم ظاہر کے قائم مقام ہو اور یہ ظاہر ہے کہ ضمیر منفصل اسم ظاہر کے قائم مقام ہوتی ہے اس لئے کہ جس طرح اسم ظاہر کا حکم کلام میں لفظاً قصد کرتا ہے اسی طرح ضمیر منفصل بھی کلام میں حکم قصد کرتا ہے پس اس بنا پر ضمیر منفصل اسم ظاہر کے مثل ہوگی لہذا مذکورہ بالا آیت میں اراغب صیغہ صفت مبتدا کی قسم ثانی میں داخل ہو گیا اور مبتدا کی تعریف جامع ہو گئی۔

۲۵۵ قولہ واحترز بہ الخ اس عبارت سے شام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قول ماتن رافعة بظاہر تعریف مبتدا میں بطور قید استرازی کے ہے لہذا اس سے اقامان الزیدان خارج ہو گیا اس لئے کہ

کہ اگر خبر کو نحن کی خبر مقدم قرار دیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول یعنی من جبارہ کے درمیان فصل بالا اجنبی یعنی فصل بالابتداء لازم آجائے گا اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کا عمل ضعیف ہوتا ہے یعنی اسم تفضیل عامل ضعیف ہے (لیکن جبکہ عامل قوی ہو تو فصل بالا اجنبی بھی جائز ہے) بخلاف اس صورت کے جبکہ نحن کا خبر کا فاعل قرار دیا جائے تو فصل بالا اجنبی لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ فاعل جز کی مانند ہوتا ہے کیونکہ فعل بغیر فاعل کے جملہ نہیں بن سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ جو کسی شے کی خبر ہو اس کو اس شے کے بعد ذکر کرنے سے فصل لازم نہیں آتا واللہ اعلم ۱۲۔

۲۵۲ قولہ رافعة الخ یہ جملہ الواقعة میں ضمیر متکثر سے حال ہے اور اس کے بعد ما یجری مجراہ کا اضافہ ایک سوال مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے اراغب انت عن الہدیٰ یا ابراہیم کا مبتدا خارج ہو جاتا ہے کیونکہ راعب صیغہ

لصمد عاقل الی الزیدان ولو کان رافعاً لهذا الظاهر لم یجز تثنیۃ
مثال زید قائم مثال للقدم الاول من للبتدا و ما قائم
ن الزیدان مثال للصفة الواقعة بعد حرف النقی واقائم الزیدان
مثال للصفة الواقعة بعد حرف الاستفہام قان طابقت الصفة
الواقعة بعد حرف النقی والاستفہام اسماً مفرداً مذکوراً بعد ہا نحو
ما قائم زیداً واقام زید واحترز بہ عما اذا طابقت مثنی نحو اقائم
الزیدان او مجموعاً نحو اقائمون الزیدون فانہا حینئذ خبر لیس الا
جازا لامران کون الصفة مبتدأ و ما بعد ہا فاعل ہا یسد مسد
الخبر و کون ما بعد ہا مبتدأ و الصفة خبراً مقدماً علیہ فہمنا ثالث
صوراً حدیثاً اقائم الزیدان ویتعین حینئذ ان یکون الزیدان
مبتدأ و اقائمان خبراً مقدماً علیہ و ثانیتهما اقائم الزیدان یتعین حینئذ

ظاہر کو رفع نہیں دیتے) احتراز کیا کیونکہ اقائمان ضمیر کیلئے رافع ہے جو الزیدان کی طرف
راجع ہے اور اگر یہ اس اسم ظاہر (الزیدان) کے لئے رافع ہوتا تو اقائمان کا تشنیہ جائز نہ ہوتا
» جیسے زید قائم « یہ مبتداء کے قسم اول کی مثال ہے » ما قائم الزیدان « یہ (مبتداء کی
قسم ثانی سے) اس صفت کی مثال ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہے » اور اقائم الزیدان «
اس صفت کی مثال ہے جو حرف استفہام کے بعد واقع ہے » پس اگر مطابق ہو « صفت جو
کہ حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع ہو (اس) اسم « مفرد کے » جو کہ صفت کے بعد ہے
جیسے ما قائم زید اور اقام زید اور مصنف نے اس اسم مفرد کی قید سے اس (صورت) سے
احتراز کیا جبکہ صفت تشنیہ کے مطابق ہو جیسے اقائمان الزیدان یا جمع کے مطابق ہو جیسے
اقائمون الزیدون کہ یہ صفت جز کے سوا کچھ نہیں « (تو دونوں باتیں جائز ہیں) « صفت کا
مبتداء ہونا اور صفت کے مابعد کا صفت کا فاعل ہونا جو خبر کے قائم مقام ہوگا اور (دوسرا
صورت) صفت کے مابعد کا مبتداء ہونا اور صفت کا خبر ہونا جو مبتداء سے مقدم ہے پس
یہاں تین صورتیں ہیں ان میں سے ایک اقائمان الزیدان ہے اور اس وقت یہ بات متعین

اقائمان الزیدان کے لئے رافع نہیں ہے بلکہ اس کا
مرفوع ضمیر ہوتا ہے جو کہ اقائمان میں مستتر ہے الزیدان
کی طرف راجع ہے پھر خبر ہے الزیدان مبتداء ہے
اگرچہ یہ مؤخر ہے مگر ترتیب مقدم ہے اس لئے کہ مبتداء
میں آہل ہے کہ وہ مقدم ہو پس اس پر یہ اعتراض بھی
طالع نہیں ہوگا کہ اقائمان میں ضمیر مستتر ماننے سے انما

دی تو قانمان کا تشنیہ لانا غلط اور ناجائز ہے ۔
(فائدہ ۵) جانتا چاہئے کہ مبتداء کی قسم ثانی
خبر کی طالب نہیں ہوتی بلکہ اس میں وہ اسم ظاہر جو
اس کے بعد واقع ہوتا ہے اس کا فاعل بمنزلہ خبر
کے ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۵۶ قولہ مثل الخ جیسے زید قائم یہ
مبتداء کی قسم اول کی مثال ہے اور ما قائم الزیدان
یہ مبتداء کی اس قسم ثانی کی مثال ہے جس میں صفت
حرف نفی کے بعد واقع ہے اور اقائم الزیدان اس
قسم ثانی کی مثال ہے جس میں صفت حرف استفہام
کے بعد واقع ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۵۷ قولہ فان طابقت الخ یعنی جو
صفت حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع ہو اگر
وہ اس ظاہر مفرد کے مطابق ہو جو کہ صیغہ صفت کے
بعد نہ ہو یعنی صیغہ صفت اور اسم ظاہر دونوں
مفرد ہوں تو اس صورت میں دو امر جائز ہیں ایک
یہ کہ صیغہ صفت کو مبتداء بنایا جائے اور اس کا
مابعد یعنی اسم ظاہر اس کا فاعل قائم مقام خبر دوسرے
یہ کہ مابعد یعنی اسم ظاہر کو مبتداء اور صفت کو اس کی
خبر مقدم بنایا جائے پس اس وقت صفت میں
ایک ضمیر ہوگی جو اسم ظاہر کی طرف راجع ہوگی پھر
جانتا چاہئے کہ طابقت مطابقت باب مفاعلت
سے مشتق ہے اور اس باب کا خاصہ مشارکت ہے
لہذا مطابقت جانبین سے ہوگی پس اس جگہ مطابقت
اور مخالفت کے اعتبار سے تین صورتیں نکلتی ہیں ایک
یہ کہ مطابقت تشنیہ میں ہو جیسے اقائمان الزیدان کہ
اس میں صیغہ صفت بھی تشنیہ ہے اور اسم ظاہر بھی
تشنیہ تو اس کا تو حکم پہلے معلوم ہو چکا کہ الزیدان مبتداء
ہوگا اور قانمان اس کی خبر مقدم ۔ دوم یہ کہ صیغہ
صفت مفرد ہو و اسم ظاہر بھی تشنیہ جیسے اقائم الزیدان
تو اس کا حکم یہ ہے کہ الزیدان قائم کا فاعل ہو کہ قائم
مقام خبر ہوگا قیسری صورت یہ ہے کہ صیغہ صفت
اور اسم ظاہر دونوں افراد میں مطابق ہوں جیسے
اقائم زید تو اس میں دونوں امر جائز ہیں کہ چاہے
صفت کو مبتداء بنا کر مابعد کو اس کا فاعل قائم مقام

ان يكون الزيدان فاعلا للصفة قائما مقام الخبر وثالثها قائم زيد و
يجوز فيه الا هو ان كما عرفت والخبر هو مجرد اي هو الاسم المجرد
عن العوامل اللفظية لان الكلام في اسم المرفوعات الاسم فلا يصح
على يضرب في يضرب زيد انه مجرد المسند به المغاير للصفة المذكورة
لانه ليس باسم المسند به ^{۲۵۹} ما يوقع به الاسناد واحترز به عن
القسم الاول من المبتدأ لانه مسند اليه لا مسند به المغاير
للصفة المذكورة في تعريف المبتدأ واحترز به عن القسم الثاني من

هو جاتی ہے کہ الزیدان صفت کے لئے فاعل (اور) خبر کے قائم مقام ہو اور میسری صورت
اقائم زید ہے اور اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں جیسے کہ تمہیں معلوم ہوا (اور خبر وہ ہے
جو خالی ہو) یعنی وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے (اسم کی قید) اس لئے (لگائی گئی
ہے) کہ کلام اسم کے مرفوعات میں ہے لہذا ایضاً زید میں ایضاً (فعل) پر یہ بات
صادق نہ آئے گی کہ ایضاً عوامل لفظیہ سے خالی مسند بہ اور صفت مذکورہ کے مغاير ہے
کیونکہ ایضاً اسم نہیں ہے (مسند بہ ہو) یعنی جس کے ساتھ اسناد واقع کیا جائے اور
مصنف نے المسند بہ کی قید سے مبتداء کے قسم اول سے احتراز کیا کیونکہ وہ مسند اليہ
سے مسند بہ نہیں (جو اس صفت کے مغاير ہو جس کا ذکر گذرا) مبتداء کی تعریف میں
(گذرا) اور مصنف نے المغاير للصفة المذكورة کی قید سے مبتداء کے قسم ثانی سے احتراز

خبر بنا لیا جائے یا ما بعد کو مبتداء مؤخر اور صیغہ صفت
کو خبر مقدم قرار دے لیا جائے اسی تیسری قسم کو
مصنف نے اپنی متن میں بیان کیا ہے اب رہی
یہ بات کہ مصنف نے مفرد کی قید کیوں لگائی تو
اس کا جواب شراح نے واحترز بہ الخ سے یہ دیا ہے
کہ یہ قید احترازی ہے تاکہ اس سے وہ مطابقت
خارج ہو جائے تو تنبیہ اور جمع میں جو جیسے اقامان
الزیدان اور اقامون الزیدون اس لئے کہ ان دونوں
صورتوں میں دونوں امر جائز نہیں بلکہ صرف ایک
امر متعین ہے یعنی یہ کہ صیغہ صفت ان دونوں
مثالوں میں سوائے خبر کے اور کچھ نہیں ہوگا اس جگہ
شراح کی عبارت خبر ليس الا میں الا بمعنی غیر ہے
اور مطلب یہ ہے کہ صفت اس وقت میں خبر ہوگی
نہ کہ غیر اور اس سے اقامان الزیدان میں اقامان
کے خبر ہونے کے متعلق تاکید ہے یا یہ کہا جاسکتا
ہے کہ الا کا مستثنیٰ محذوف ہے اور تقدیر عبارت
یہ ہے ليس تلك الصفة الا خبرا والله اعلم ۱۲۔

۲۵۸ قولہ والجز الخ اور خبر وہ اسم ہے
جو عوامل لفظیہ سے مجرد اور مسند بہ نیز اس صفت
سے مغاير ہو جو کہ حرف نفی اور حرف استفہام
کے بعد واقع ہو کہ اس اسم ظاہر کو جو اس کے بعد
واقع ہے رفع دیتی ہے شراح نے اس کی تفسیر
ای ہوا الاسم المجرد الخ سے کر کے ایک سوال کا جواب
دیا ہے جس کو شراح نے خود بھی ذکر کیا ہے۔ تقریر
سوال یہ ہے کہ خبر کی تعریف دخول غیر سے مانع
نہیں اس لئے کہ یہ تعریف ایضاً زید میں ایضاً
پر بھی صادق آتی ہے اس لئے کہ ایضاً بھی عوامل
لفظیہ سے مجرد ہے اور مسند بھی ہے اور صفت
مذکورہ کے مغاير بھی تو شراح نے جواب دیا کہ الخبر
ہو المجرد سے مراد ہوا الاسم المجرد الخ ہے یعنی خبر اس
اسم کو کہتے ہیں جو عوامل لفظیہ سے مجرد ہو پھر رہا
یہ سوال کہ اسم کی قید کا اضافہ کس قرینہ کی بنا پر کیا
گیا؟ تو اس کا جواب شراح نے لان الكلام الخ سے
یہ دیا کہ کلام مرفوعات اسم میں سورہا ہے نہ کہ مرفوعات
فعل وغیرہ میں پس خبر کی تعریف ایضاً زید میں

ایضاً پر صادق نہیں آئی اور یہ کہنا درست نہ ہوگا
کہ وہ مجرد ہے اور مسند بہ ہے نیز صفت مذکورہ کے
مغاير ہے اس لئے کہ ایضاً اسم نہیں ہے اللہ اعلم ۱۲
۲۵۹ قولہ ای ما یوقع الخ یہ عبارت
بھی ایک سوال مفرد کا جواب ہے جس کی تقریر ہے کہ
المسند اسناد سے ماخوذ ہے اور اسناد متعدی بنفسہ
ہوتا ہے لہذا المسند کے بعد حرف جریم کے لانے
کی کوئی ضرورت نہیں تھی نیز المسند بمعنی اسند علی
صیغۃ المجهول ہے پس اس میں ضمیر مستتر موجود ہے جو
کہ مجرد کی طرف راجع ہے اور اسند کا نائب فاعل ہے
لہذا قول مصنف بہ لغو و بیکار ہوا شراح نے جواب
دیا کہ جار مجرور کا ذکر مصنف نے اس واسطے کر دیا
کہ لفظ مسند معنی وقوع کو متضمن ہے اور وقوع

لازم ہے اور لازم کے لئے تعدی کی ضرورت پیش
آتی ہے لہذا تقدیر عبارت یہ ہوئی المسند ای ما
یوقع بہ الاسناد پھر المسند بہ کی قید قید احترازی
ہے اور اس سے مبتداء کی قسم اول کو خارج کرنا مد نظر ہے
پس اس قید کے اضافہ سے مبتداء کی قسم اول خارج ہو
گئی اس لئے کہ مبتداء کی قسم اول مسند اليہ ہوتی ہے نہ کہ
مسند بہ اور خبر صرف مسند بہ ہوتی ہے نہ کہ مسند اليہ
پھر مصنف کی دوسری قید المغاير للصفة المذكورة
سے مبتداء کی قسم ثانی سے بھی احتراز ہو گیا کیونکہ خبر
صفت مذکورہ فی البداء سے مغاير ہوگی یعنی یا تو سرے
سے صفت نہ ہوگی، اگر ہوگی تو حرف نفی یا حرف
استفہام کے بعد نہ ہوگی یا اگر ان کے بعد واقع ہوگی
تو اسم ظاہر کو رفع دینے والی نہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

للمبتدأ أولئك ان تقول المراد المسند به الى المبتدأ او تجعل الباء في به بمعنى الى والضمير المجرور راجعاً الى المبتدأ وعلى التقديرين يخرج به القسم الثاني من المبتدأ ويكون قوله المغاير للصفة المذكورة تأكيداً وأعلم ان العامل في المبتدأ والخبر هو الابتداء اي تجريد الاسم عن العوامل اللفظية ليسند الى شئ او يسند اليه شئ فمحتى الابتداء عامل في المبتدأ والخبر رافع لها عند البصريين أما عند غيرهم فقال بعضهم الابتداء عامل في المبتدأ والمبتدأ في الخبر وقال الآخرون

کیا اور تم کہہ سکتے ہو کہ (متن میں) مسند بہ سے مراد مسند، یہ جانب مبتداء ہے یا نہیں؟ میں باء کو الی کے معنی میں کیا جائے اور ضمیر مجرور (ہ)، مبتداء کی طرف راجع کی جائے اور دونوں تعدیروں (جاء مجرور کے حذف کرنے اور با کو الی کے معنی میں کرنے کی بنا) پر مصنف کے قول المسند بہ کی قید سے مبتداء قسم ثانی خارج ہو جاتا ہے اور مصنف کا قول "المغاير للصفة المذكورة" تاکید قرار پاتا ہے اور معلوم ہو کہ مبتداء اور خبر میں عامل ابتداء ہی ہے یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی کیا جاتا تاکہ کسی چیز کی طرف اس کی اسناد کی جائے (جیسے مبتداء کے قسم ثانی میں) یا اس کی طرف کسی چیز کی اسناد کی جائے پس بصریوں کے نزدیک ابتداء کا معنی مبتداء اور خبر میں عامل ہے (اور ان دونوں کے لئے رافع ہے اور بہر حال بصریوں کے علاوہ دوسرے نحویوں کے نزدیک تو بعض نے کہا کہ مبتداء میں ابتداء عامل ہے اور خبر میں مبتداء (عامل ہے) اور (شیخ رضی وغیرہ ایسے) دوسرے نحویوں نے کہا کہ مبتداء

جبکہ مبتداء اور خبر دونوں عوامل لفظیہ سے خالی ہونگے تو پھر ان دونوں میں عامل کون ہے جس کے باعث یہ دونوں مرفوع ہوتے ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مبتداء اور خبر میں عامل ابتداء ہے پھر سوال پیدا ہوا کہ اگر ابتداء عامل ہے تو وہ صرف مبتداء میں ہوگی نہ کہ خبر میں بھی شارح نے ای تجرید الاسم الخ سے جواب دیا کہ ابتداء سے مراد اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا ہے پس جب یہ دونوں عوامل لفظیہ سے خالی ہونگے تو ان دونوں سے ابتداء درست ہوگی یہی وجہ ہے کہ خبر کبھی مقدم بھی ہو جاتی ہے پھر اعتراض ہوا کہ تجرید لیسما معدودہ میں بھی ہے مثلاً زید عمر بکر وغیرہ لہذا انکو بھی مبتداء اور خبر کہنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں تو شارح نے لیسند الخ سے یہ جواب دیا کہ تجرید سے وہ تجرید مراد ہے جس سے کسی شے کی طرف اسناد کیا جائے یا کسی شے کا اس کی طرف اسناد ہو پس اول خبر ہے اور ثانی مبتداء پس ابتداء کے معنی مبتداء اور خبر میں عامل ہو کل ان دونوں کو رفع کرتے ہیں اور یہ مذہب بصری کا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۲۶۲ قولہ واما عند الخ اس جگہ سے شارح بصری کے علاوہ دوسرے سخا کا مذہب نقل فرماتے ہیں کہتے ہیں سخا بصرہ کے علاوہ میں مذہب میں ایک زحشری اور ان کے متبعین کا ہے اور دوسرے مذہب سے کسانی فرار اور شیخ رضی وغیرہ تعلق رکھتے ہیں پس بعض نے تو ان میں سے یہ کہا ہے کہ ابتداء مبتداء میں عامل ہے اور مبتداء خبر میں اس لئے مبتداء مسند الیہ ہے اور مسند سے قوی ہے اس لئے کہ مبتداء کو خبر پر مقدم کیا جاتا ہے اور مبتداء خبر میں اس وجہ سے عامل ہے کہ مبتداء مسند الیہ اور جملہ اسمیہ کارکن اعظم ہوتی ہے پس اس صورت میں مبتداء کا عامل تو مضوی ہوگا یعنی ابتداء خبر کا عامل معنوی نہیں ہوگا اس لئے کہ مبتداء عامل لفظی ہے اور یہ مذہب زحشری وغیرہ کا ہے اور بعض اس امر کی طرف گئے ہیں کہ ہر ایک مبتداء اور خبر دونوں میں سے ایک دوسرے میں عامل ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مؤخر الذکر دو مذہب صحیح ہیں یا نہیں تو شارح یہ کہتے ہیں کہ ان

یہ بھی جواب دے سکتے ہیں کہ یہ میں حرف جار یعنی بالیعنے الی ہے اور ضمیر مجرور مبتداء کی طرف راجع ہے پس اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی والخبر ہوا مجرور المسند الی المبتداء پس اب بھی المسند کے ساتھ یہ جاء مجرور کا ذکر بے فائدہ نہیں رہا بہر حال ان دونوں صورتوں پر مبتداء کی قسم ثانی تعریف خبر سے خارج ہو کہ تعریف خبر مانع عن دخول غیر ہو جاتی ہے اب یہ سوال کہ پھر المغاير للصفة المذكورة کی قید سے کیا فائدہ؟ تو اس کا جواب شارح نے یہ دے دیا کہ اس قول کو تاکید کے لئے مصنف نے ذکر کر دیا واللہ اعلم ۱۲۔

۵۲۶۳ قولہ واما الخ یہاں سے شارح ایک سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ

۵۲۶۰ قولہ ولک ان تقول الخ یہاں سے شارح اور پہلے سوال کا جواب دوسری نوعیت سے دینا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ المسند بہ کی تفسیر میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد المسند بہ الی المسند بحذف جاء مجرور ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ مبتداء اور خبر کلام کے فردی رکن ہوتے ہیں پس جب ایک کو ذکر کر دیا جائے تو دوسرے کا ذکر نا لازمی ہو جاتا ہے پس جب مسند بہ کا ذکر خبر کی تعریف میں کیا گیا تو اس سے خود بخود سمجھ میں آگیا کہ اس سے مسند بہ الی المبتداء مراد ہے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ خبر وہ اسم مجرور ہے جس کے ساتھ مبتداء کی طرف اسناد کیا گیا ہو پس اب المسند کے ساتھ یہ جاء مجرور کا ذکر بے فائدہ ہو گیا۔ یا اس اعتراض کا

ان کل واحد من المبتدأ والخبر عامل في الآخر وعلى هذا لا يكونان
مجردین عن العوامل اللفظية وأصل المبتدأ ای ما ينبغي ان يكون
المبتدأ عليه اذا لم يمنع مانع التقدير على الخبر لفظاً لان المبتدأ ذات
والخبر حال من احوالها والذات مقدمة على احوالها ومن ثمر ای
ومن اجل ان الاصل في المبتدأ التقديم لفظاً جاز قولهم في داره

اور خبر میں سے ہر ایک ایک دوسرے میں عامل ہے اور اس بنا پر مبتداء اور خبر عوامل لفظیہ
سے خالی نہیں ہوں گے («اور مبتداء کی اصل») یعنی وہ چیز کہ مبتداء کا اس پر ہونا مناسب
ہے جبکہ کوئی مانع منع نہ کرے («تقديم ہے») خبر پر لفظاً کیونکہ مبتداء ذات ہے اور خبر اس
کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے احوال سے مقدم ہے («اور اسی وجہ سے») یعنی اس وجہ سے کہ مبتداء میں اصل تقديم ہے لفظی رد سے («جاز») اہل عرب کا کہنا «فی

نہ کہ وہ خود خود قائم ہوتا کہ یہ احراض واقع نہ
ہو سکے کہ مبتداء بھی غیر ذات بھی ہوتا ہے جیسے
اعلم حسن کہ اس میں العلم مبتداء ہے اور ظاہر ہے کہ
یہ صفت ہے نہ کہ ذات پھر اگر کوئی کہے کہ تقديم
ذات کی دلیل صفات پر فاعل میں بھی جاری ہوتی ہے
میں مناسب یہ ہے کہ فاعل ہی اپنے فعل پر مقدم ہو
جواب یہ ہے کہ اس جگہ عدم تقديم ایک مانع کے
سبب سے ہے وہ یہ ہے کہ فعل عامل ہے اور مرتبہ
عامل کا یہ ہے کہ وہ اپنے معمول پر مقدم ہو پھر تقديم
مبتداء کی دلیل میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مبتداء محکوم علیہ
ہے اور خبر محکوم ہے اور محکوم علیہ کا درجہ یہ ہے کہ
وہ محکوم پر مقدم ہو اس لئے کہ ثبوت شے اپنے
نوع ہے ثبوت مثبت لہٰذا پس مثبت لا پیشتر ہونا
چاہئے ہوا المبتداء والشرط علیہ ۱۲

۱۲ قولہ ومن ثم لم الخیر ہاں سے مصنف
رحمہ اللہ مبتداء میں تقديم کی اہل پر ایک تفریع پیش
فرماتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے یعنی اس سبب
کہ مبتداء میں اہل تقديم ہے لفظاً فی ذات زید
کہنا جائز ہے باوجود اس بات کے کہ فی دارہ
کی ضمیر مجرد زید کی طرف مابعد ہے ہر کہ لفظاً مؤخر
ہے اور یہ جائز اس واسطے ہے کہ اگر مابعد سے
اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آتا ہے مگر وجہ لازم

نہیں پھر سوال پیدا ہوا کہ اچھا یہ بھی تسلیم ہے مگر
فی الدار محل میں کیا کہہ گئے؟ کہ تقديم خبر علی المبتداء
واجب ہے اور تاخیر خبر جائز نہیں (جیسا کہ اس کی
وجہ عنقریب آئے گی) پس آپ کی مناسبت بھی
ختم ہو گئی تو شامح اذالم يمنع مانع سے اس اعتراض
کا بھی جواب ہے دیا کہ یہ مناسبت اس وقت ضروری
ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور یہاں تقديم
مبتداء کے لئے مانع موجود ہے اس لئے کہ فی الدار
محل میں فی الدار مبتداء بننے کی صلاحیت رکھتا ہے
جیسا کہ عنقریب آئیگا پھر شامح نے لفظاً کی قید کا
اس وجہ سے اضافہ کر دیا کہ مناسبت تقديم لفظی
میں ہے اور اگر تقديم لفظی نہ ہو رہتی ہو تو تقديم رتبی
خبر پر واجب ہے اس لئے کہ مبتداء اکثر ذات یعنی
اسم ہوتا ہے جیسا کہ ابھی گذرا اور خبر مبتداء کے احوال
میں سے ایک حال ہے مثلاً زید قائم کہ اس میں زید
مبتداء ذات ہے اور قائم اس کی خبر مبتداء کے دیگر
احوال تصور و قیام و نثار و غیرہ میں سے ایک
حال ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ذات اپنے احوال
پر مقدم ہوتی ہے یعنی پہلے ذات کا تصور ہوتا ہے
اور پھر اس کے احوال کا لہذا مبتداء کی تقديم لفظاً
خبر پر مناسب ہے پھر ذات سے مراد یہ ہے کہ
اس کی نسبت خبر دی جائے اور کچھ کہا جائے

دونوں صورتوں میں مبتداء اور خبر عوامل لفظیہ سے
خالی نہیں ہوں گے اور جب ایسا ہوگا تو مبتداء اور
خبر کی جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ باطل ہو جاتی
ہے حالانکہ وہ تعریف بالکل صحیح و درست ہے
پس ہم یہ کہیں گے کہ یہ آخر کے دونوں مذہب
غلط ہیں اول تو اس لئے کہ مبتداء اکثر اسم جامع ہوا
کرتا ہے اور اسم جامع عمل نہیں کیا کرتا لہذا مبتداء
خبر میں رفع کا عمل کیسے کرے گی؟ یہ تو ہے مبتداء
کی قسم اول کی صورت میں لیکن جب مبتداء کی قسم
ثانی پائی جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ مبتداء اگرچہ اس
صورت میں خبر میں عامل ہے بحسب الظاہ لیکن عند
التحقیق خبر میں مبتداء کا عمل نہیں بلکہ خبر کا عامل بھی ابتداء
ہے اسلئے کہ مثلاً قول قائم اقام الزیدان ہمارے اس
قول کی تاویل میں ہے ای شخص الموصوف بالقیام ہو
الزیدان پس اس تاویل کی بنا پر قسم اول سے ہر کہ مذہب
اول کو باطل کر دیتی ہے پس اس میں بھی مبتداء اسم
جامع ہوگا پس وہ رفع کا عمل نہیں کرے گا اب رہا
دوسرے مذہب کا بطلان تو وہ ظاہر ہے اسلئے
کہ اس سے حد صرح لازم آتا ہے اور دور مصرح
بالاتفاق باطل ہے اس لئے کہ اس سے یہ لازم آتا
ہے کہ ایک شے دوسری شے کی عامل بھی ہو اور اسی
دوسری شے کی معمول بھی اور یہ ناجائز ہے فافہم
والشرط علیہ بالصواب ۱۲

۱۲ قولہ ومن ثم لم الخیر اور مبتداء میں اہل تقديم
ہے شامح نے اس کی شرح ای ما ينبغي سے کر کے
ایک سوال کا جواب دیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اہل
کے معنی قاعدہ کے آتے ہیں اور قاعدہ کی مخالفت
جائز نہیں لہذا قائم زید کہنا ناجائز ہونا چاہئے
شامح نے جواب دیا کہ اہل سے مراد اس جگہ قاعدہ
نہیں ہے بلکہ اہل کے معنی مناسب کے ہیں پس
اب عبارت یہ ہوگی ای ما ينبغي ان یکون المبتداء
علیہ یعنی مبتداء میں مناسب یہ ہے کہ وہ مقدم ہو
خبر پر اور اگر کہیں اس کے خلاف پایا جائے جیسے
معتزہ مثال میں تو یہ صریح غیر مناسب ہوگا نہ کہ
ناجائز اور غیر مناسب ہونا کوئی قابل اعتراض امر

زید مع کون الضمیر عائذ الی زید المتأخر لفظاً تقدّمه رتبة
لاصاله التقديم وأمتنع قولهم صاحبها فی الدار لعود الضمیر الی
الدار وهو فی حیز الخبر الذی اصله التأخیر وفیلزم عود الضمیر الی المتأخر
لفظاً ورتبة وهو غیر جائز وقد یكون المبتدأ نكرة وان كان
الأصل فیہ ان یكون معرفة لأن للمعرفة معنی معیناً والمعرفة الکثیر

دارہ زید باوجودیکہ ضمیر زید کی طرف مائد ہے جو کہ لفظ میں متاخر ہے کیونکہ (مبتداء کی)
تقریم کے اصل ہونے کی وجہ سے زید رتبہ میں مقدم ہے (اور ناجائز ہے) اہل عرب کا
قول (صاحبہا فی الدار) ضمیر کے دار کی طرف لوٹنے کی وجہ سے (ناجائز ہے کیونکہ) دار
اس خبر کے حیز (تحت) میں ہے جس کی اصل تاخیر ہے لہذا ضمیر کا متاخر کی طرف لوٹنا لازم
آتا ہے لفظاً اور رتبہ اور وہ ناجائز ہے (اور مبتداء کبھی نکرہ ہوتی ہے) اگرچہ اس میں اصل
یہ ہے کہ معرفہ ہو کیونکہ معرفہ کے لئے معنی معین ہے اور مطلوب و مقصود جو کہ کلام عرب میں

نہیں آتا اس لئے کہ بیان ہو چکا ہے کہ مبتداء
میں اہل تقدیم ہے پس اہل کے لحاظ سے مبتداء مقدم
ہو اگرچہ لفظاً متاخر ہے لہذا زید کوئی دارہ کی
ضمیر کا مرجع بنانے میں کوئی حرج نہیں صرف
اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آتا ہے اور یہ جائز ہے
اور ناجائز وہ اضمار قبل الذکر ہے جو لفظاً رتبہ
دونوں طریقوں پر ہٹا رہی ہے بات کہ شائع
نے جائز کے بعد توہم کا اضافہ کر کے کس امر کی
طرف اشارہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ
یہ ایک سوال مقدر کا جواب سوال یہ ہے کہ جائز
فعل ہے اور فی دارہ زید اس کا فاعل مگر اس کا
فاعل ہونا درست نہیں اس لئے کہ فاعل مفرد ہوا
کرتا ہے اس لئے کہ فاعل اہم کی اقسام سے ہے
اور اہم مفرد ہوتا ہے اور اس جگہ فی دارہ زید ہے
مفرد نہیں تو اس کی فاعلیت کس طرح درست
ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ میں آپ کی بات تسلیم
ہے مگر اس کے ساتھ ہم یہ کہتے ہیں کہ اہم عام ہے
خواہ صراحتہ ہو خواہ تادیلاً پس اس جگہ اگرچہ اہم
صراحتہ موجود نہیں مگر تادیلاً ضرور موجود ہے
یعنی یہ جملہ قول کی تادیل میں ہے اور قول مغربہ
پس تقدیر عبارت دی ہوئی ہو شائع نے بیان

فرمانی والٹر اعلم ۱۲۔
۲۶۵ قولہ ما منع النہ یہ بھی بواسطہ
عطفت اہل مبتداء پر ہی متفرع مگر فرق یہ ہے کہ
پہلی تفریح اشباقی ہے اور یہ امتناعی اس میں
بھی توہم کا اضافہ مذکورہ بالا سوال کا جواب
ہے کہتے ہیں کہ صاحبہا فی الدار کہنا ناجائز ہے
اس لئے کہ اس میں صاحبہا کی ضمیر الدار کی طرف
راجع ہوگی اور الدار اس خبر کے تحت میں ہے کہ
جس میں تاخیر اصل ہے پس ضمیر کا متاخر کی طرف
اعادہ لازم آئے گا اور یہی اضمار قبل الذکر لفظاً
ورتبہ ہے جو کہ ناجائز ہے لہذا اس سے اجتناب
کرنے کے لئے اس قسم کی ترکیب ناجائز ہے
پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شائع کے
امتناع کے بعد توہم کے اضافہ سے یہ سمجھ میں آتا
ہے کہ صاحبہا فی الدار مشہور اور مستعمل ہے لہذا
اس پر امتناع کا حکم کیسے درست ہوگا؟ جواب
یہ ہے کہ امتناع اس جگہ بمعنی صفت ہے نہ
بمعنی اطلاق مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف
غیر فصیح ہے اس لئے کہ بعض نے اضمار قبل الذکر
لفظاً ورتبہ کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ تنازع
فعلان کے باب میں گذر گیا ان مؤرخین کے نزدیک

تو یہ قول مستعمل ہے مگر اس کا استعمال قصار
کے درمیان نہیں یا یہ جواب ہے کہ اس ترکیب
کا استعمال باعتبار اس کے اجزا صاحبہا فی الدار
کے ہے یعنی یہ اجزاء ایسے ہیں کہ ان کا استعمال
درست ہے پھر ان دونوں تقریروں پر ایک اعتراض
یہ واقع ہوتا ہے کہ شائع نے مبتداء میں تو تقدیم
لفظی کو اہل کہا ہے اور اس پر تعریفات تقدیم رتبہ
کے اعتبار سے پیش فرما رہے ہیں تو اس کی کیا وجہ
ہے جواب یہ ہے کہ شائع کی عبارت بحذف
مسطوط ہے یعنی لفظاً ورتبہ پس یہ تعریفات
مسطوط پر ہیں اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے
جس کی تقریر یہ ہے کہ خبر یعنی فی الدار صاحبہا کی
ضمیر مضاف الیہ کا مرجع ہے لہذا خبر رتبہ مبتداء
کی ضمیر مضاف الیہ پر مقدم ہونی پس یہ خبر رتبہ ضمیر
پر بھی مقدم ہوگی پس اس صورت میں اضمار قبل
الذکر رتبہ لازم نہیں آئیگا بلکہ صرف لفظاً لازم آئے گا
اور یہ جائز ہے تو شائع نے وہی تیز الحکم کے اضافہ
سے جواب دیا کہ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے
اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کسی
شے کا رتبہ نہیں ہوتا پس جب مضاف رتبہ مقدم
ہوگا تو مضاف الیہ بھی لامحالہ مقدم ہوگا اس لئے کہ
مضاف الیہ کے بغیر مضاف کے معنی تمام نہیں ہوتے
پس اگر ان دونوں کے درمیان کوئی مرتبہ فرض کریں
گے تو مضاف و مضاف الیہ میں فصل لازم آئیگا
اور یہ ناجائز ہے لہذا صاحب اور ہار کے درمیان
خبر کو رتبہ مقدم نہیں مانا جائیگا بلکہ خبر متاخر ہوگی
اس لئے کہ خبر میں اہل یہ ہے کہ مبتداء سے متاخر ہو

واللہ اعلم۔
۲۶۶ قولہ وقد یكون المبتدأ نكرة النہ اور
کبھی مبتداء نکرہ ہوتی ہے بشرطیکہ وجہ تخصیص میں
سے کسی امر کے ذریعہ تخصیص کی جائے تاکہ نکرہ تخصیص
کے بعد معرفہ کے نزدیک ہو جائے اور اس کا مبتداء
ہونا صحیح ہو اس جگہ مصنف نے مضارع پر قد بآ
تقلیل لاکر اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ مبتداء میں
اہل تعریف ہے اس لئے کہ جب کوئی شے معلوم نہ

اذا بالتخصيص يقل اشتراكها فتقرب من المعرفة مثل قوله تعالى و
لعبد مؤمن خير من مشرك فان العبد متناول للمؤمن والكافر
وحيث وصف بالمؤمن تخصص بالصفة فجعل مبتدأ وخبر
خبراً ومثل قولك ارجل في الدار ام امرأة فان التحكم
بهذا الكلام يعلم ان احدهما في الدار فيسأل المخاطب عن تعيينه فكله

وجہ سے نکرہ کا اشتراک کم ہو جاتا ہے لہذا وہ معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے (جیسے) اللہ
تعالیٰ کا قول ہے «ولعبد مؤمن خير من مشرك» کہ عبد مؤمن اور کافر دونوں
کو شامل ہے اور جہاں کہ مؤمن سے اسے موصوف کیا گیا تو صفت کی وجہ سے خصوصیت
پا گیا اس لئے مبتدأ بنایا گیا اور خبر اس کی خبر ہے «اور» تمہارے قول «ارجل في الدار
ام امرأة» کی مانند پس ان کلموں کے ساتھ نظم کرنے والا جانتا ہے کہ مرد و عورت میں
سے ایک دار میں (موجود) ہے تو وہ مخاطب سے اس ایک کے تعین کا سوال کرتا ہے۔

کہ مرد یا عورت میں سے کوئی نہ کوئی یقیناً گھر میں
موجود ہے پس وہ مخاطب سے ان دونوں میں
سے کسی ایک کی تعین کے متعلق سوال کرتا ہے
پس گویا کہ اس نے کہا کہ امین معلوم یعنی مرد و عورت
کے گھر میں ہونے سے اس گھر میں کونسا امر ہے؟
یعنی مرد ہے یا عورت؟ پس اس مثال میں رجل
اور امرأة دونوں نکرہ ہیں پس ہر ایک ان دونوں
میں سے اس صفت یعنی علم بامدہا سے خاص
ہو گیا پس رجل کو مبتدأ بنا دیا گیا اور فی الدار کو
اس کی خبر اور امرأة رجل پر معطوف ہونے کے
باعث مبتدأ بنا دیا گیا اب اس جگہ ایک اعتراض
وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ارجل فی الدار
ام امرأة میں تو تم نے امدہا کے فلم کو متعین کر
دیا مگر صرف ارجل فی الدار میں کیا کہو گے کہ اس
میں امرأة کا تذکرہ نہیں جس سے یہ سمجھا جاسکے
کہ امدہا یقیناً متکلم کے نزدیک متعین ہے بلکہ
اس سے تو صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ متکلم کو مرد کے
ہی گھر میں موجود ہونے میں شک ہے جو جائید
عورت کا خیال اس کے دل میں آئے لہذا رجل کو
مبتدأ بنانا صحیح نہیں اس لئے کہ رجل نکرہ مخصوص
اور بیان کیا جا چکا ہے کہ مبتدأ کے لئے نکرہ میں

ہیں جو نکرہ تنبیس کی خصوصیت کے باعث
معرفہ سے قریب ہو گئے رشارح نے مثل کے
بعد قولہ تعالیٰ کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب
دیا ہے سوال یہ ہے کہ مثل کی اضافت ولعبد
مؤمن الخ کی طرف درست نہیں اس لئے کہ معنا
الہیہ اسماء میں سے ہوتا ہے اور ولعبد مؤمن الخ اسماء
میں سے نہیں بلکہ جملہ ہے۔ جواب دیا کہ اس کا معنا
الہیہ جملہ نہیں بلکہ مقدر ہے یعنی قولہ تعالیٰ پس مذکور
مثال یعنی ولعبد مؤمن خیر من مشرك میں لفظ عبد
عام نکرہ ہے جو کہ مؤمن اور مشرك دونوں کو شامل
ہے لیکن جب اسکی صفت لفظ مؤمن کے ساتھ
لائی گئی تو اس صفت کی وجہ سے خصوصیت
پیدا ہو گئی پس اس کو مبتدأ بنا دیا گیا اور خیر من مشرك کو خبر
واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱ قولہ ومثل قولك الخ یہ دوسری
مثال ہے شارح نے داو عطفہ کے بعد مثل
قولك کا اضافہ کر کے یہ بتایا کہ اس کا عطف مثل
کے اور ہے اور قولك مثل کا معنا الہیہ ہے نہ کہ
یہ مثال ارجل الخ مصنف کہتے ہیں کہ یہ بھی نکرہ
مبتدأ کی مثال ہے یعنی ارجل فی الدار ام امرأة
اس لئے کہ اس کلام کا متکلم سببات کو جانتا ہے

ہو تو اس پر حکم لگانا درست نہیں اسی واسطے شارح
نے وان كان الاصل في الخ کا اضافہ کیا ہے یعنی اگر
مبتدأ میں ارجل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو اس لئے کہ معرفہ
کے معین معنی ہوتے ہیں اور مطلوب و مقصود لفظ الخ
کلام عرب میں سوائے اس کے نہیں کہ امور معینہ مطلوب
پر حکم لگانا ہے اس لئے کہ حکم محکوم علیہ کو متعین ہے
اور محکوم علیہ جب معلوم نہ ہو تو اس پر حکم لگانا درست
نہیں اسی واسطے مبتدأ کیلئے یہ لازم ہے کہ وہ لزوم
اکثری کے طور پر معرفہ واقع ہوتا کہ محکوم علیہ معلوم
و معین ہو جائے اور معین پر حکم لگا دیا جائے بخلاف
خبر کے کہ اس کا معلوم اور معین ہونا ضروری نہیں کیونکہ
افادہ حکم نکرہ سے حاصل ہو جاتا ہے اسی بنا پر خبر میں
تکثیر اصل ہونی پھر اس کے بعد ایک دہم واقع ہوتا تھا
کہ قول مصنف اذا تخصصت تیدا اتفاق ہے لہذا اس
قید کے باعث نکرہ محضہ سے استرازا نہیں ہو سکتا
اور کہہ سکتے ہیں کہ نکرہ محضہ بھی مبتدأ ہو سکتا ہے
حالانکہ ایسا نہیں تو شارح نے ولکن لا یقع نکرہ علی
الاطلاق بل کا اضافہ کر کے اس دہم کا الزام بایں طور
کر دیا کہ مبتدأ کا نکرہ واقع ہونا علی الاطلاق نہیں ہے
کہ نکرہ محضہ ہی اس میں داخل ہو جائے بلکہ مبتدأ کی
تکثیر اس صورت میں ہے جبکہ وہ نکرہ وجود تنبیس
میں سے کسی وجہ سے خاص کر لیا جائے اس لئے
کہ تنبیس کی وجہ سے نکرہ کا اشتراک اور احتمال کم
ہو جاتا ہے یا بالکل ہی مرتفع ہو جاتا ہے پس یہ
معرفہ سے قریب ہو جاتا ہے شارح نے وقد
یکون المبتدأ نکرہ سے اسی امر کی طرف اشارہ کیا
ہے کہ مبتدأ میں ارجل تعریف ہے لہذا بعض شارح
کافیہ کا یہ کہنا کہ ترتیب کلام اس طرح ہونی چاہئے
مخفی کہ اصالة تقدیم کے بعد وجوب تقدیم و تاخیر
کو بیان کیا جاتا پھر اس کے بعد تکثیر مبتدأ کو ذکر
کیا جاتا درست نہیں اس لئے کہ اگر ترتیب کلام
معتراض کے قول کے مطابق ہوتی تو یہ نکتہ حاصل
نہیں ہو سکتا تھا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲ قولہ ومثل قولك الخ الخ ابیہا
سے مصنف ان مبتدأؤں کی مثال پیش کر رہے

الوقوع في الكلام انما هو الحكم على الامور المعينة ولكنه لا يقع نكوة على الاطلاق بل اذا تَخَصَّصَتْ تلك النكوة بوجه مآ من وجوه التخصيص قال اي من الامرين المعلوم كون احد هما في الدار كائناً فيها فكل واحد منهما تخصص بهذه الصفة فجعل رجل مبتدأ وفي الدار خبره ومثل قولك ما احدث خير منك فان النكوة فيها وقعت في حيز النفي فافادت عموم الافراد وشمولها فتعينت وتخصصت فانه لا تعد في جميع الافراد بل هو امر واحد وكذا كل نكوة في الاثبات قصد بها العموم

پس گویا متکلم نے کہا کہ ان دو چیزوں (مرد و عورت) میں سے کد جن میں سے کسی ایک کا دار میں ہونا معلوم ہے دار میں کونسا ہے؟ پس مرد و عورت میں سے ہر ایک نے اس صفت کی وجہ سے خصوصیت پالی لہذا رجل مبتداء بنایا گیا اور فی الدار کو اس کی خبر (اور) تمہارے قول «ما احدث خیر منک» کی مانند کہ اس صورت میں نکرہ نفی کے تحت واقع ہوا تو اس نے افراد کے عموم و شمول کا قائلہ دیا پس نکرہ متعین ہو گیا اور خصوصیت پالی یعنی نفی نے نکرہ منفیہ کے تمام افراد کا احاطہ کر لیا اور نکرہ کا کوئی بھی فرد ایسا باقی نہ رہا جو منفی نہ ہو گویا تمام افراد منفیہ متفی ہونے میں امر واحد قرار پائے لہذا امر واحد ہونے کی وجہ سے نکرہ مبتداء واقع ہو گیا چنانچہ شارح فرماتے ہیں (کیونکہ نکرہ کے) تمام افراد میں کوئی تعدد نہیں بلکہ وہ تمام افراد امر واحد ہے (کیونکہ عام میں عام ہونے کی حیثیت سے کوئی تعدد نہیں لہذا متفیوں ہو گا ما فرد من الافراد خیر منک یا ما جمیع الافراد خیر منک بل انت خیر من کل فرد من جمیعہم) اور اسی طرح ہر وہ نکرہ (مبتداء واقع ہو سکتا ہے) کثیر الوقوع ہے وہ صرف امور معینہ پر حکم لگانا ہے لیکن مبتداء علی الاطلاق نکرہ واقع نہیں ہوتا بلکہ «جب خصوصیت پا جائے» وہ نکرہ «کسی بھی وجہ سے» وجوہ تخصیص کی

تخصیص ضروری ہے جواب یہ ہے کہ اس جگہ عبارت متکلم نے مختصر کر کے بیان کیا ہے اصل عبارت اولی فی الدار امراۃ ہی ہے اور یہ قائلہ معلوم ہے کہ جو حکم مطول کا ہوتا ہے وہ مختصر کا بھی ہوتا ہے پس جب مطول کا مبتداء ہونا درست ہے تو مختصر کا بھی مبتداء ہونا درست ہو گا ایسے ہی مثلاً کہا جائے کوکب انقض الساعۃ (مستاء وہی ٹوٹا ہے) تو اس میں کوکب کی صفت عظیم مضاف ہے پس تقدیر عبارت یہ ہو گی کوکب عظیم انقض الساعۃ یعنی کوکب نکرہ موصوف اور عظیم صفت

۱۱۹ قولہ مثل قولک الخیر مبتداء نکرہ

مختصر کی تیسری صورت ہے مگر یہ مثال بھی قسیم کے مذہب کی بنا پر ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک ما

لاشتبہتین لم یس عمل نہیں کرتے ہیں پس یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ مثال غلط ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا ما احدث خیراً منک خیراً کے نصب کے ساتھ تاکہ اس کو کلمہ مافی خبر قرار دیا جاتا۔ اس مثال سے مصنف کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ احدث اس جگہ نکرہ ہے اور نفی کے تحت میں واقع ہے اور قاعدہ ہے کہ جب نکرہ نفی کے تحت میں واقع ہوتا ہے تو وہ عموم افراد اور ان کے شمول کا قائلہ دیتا ہے پس اس نکرہ میں تعین اور تخصیص پیدا ہو گئی اس لئے کہ مجموعہ افراد میں تعدد نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ امر واحد ہوتا ہے مثلاً اس کا عدد ہے کہ یہ مجموعہ امر واحد مانا جاتا ہے یعنی لفظ دس باعتبار لفظ کے تو امر واحد ہے مگر باعتبار مصداق کے متعدد لہذا من حیث المجموع اس میں تخصیص پیدا ہو جائے گی واللہ اعلم ۱۲

۱۲۰ قولہ وکذا کل نکرہ الخیر عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ تقریر سوال یہ ہے کہ یہ قاعدہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول نکرہ خیر من جرادة سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں نکرہ کلام مثبت میں واقع ہوا ہے اور اس کے باوجود یہ نکرہ یہاں ترکیب میں مبتداء واقع ہے شارح نے جواب دیا کہ نکرہ سے مراد مطلق نکرہ نہیں بلکہ وہ نکرہ مراد ہے جس سے مقصود عموم اور شمول افراد ہو خواہ کلام منفی میں واقع ہو خواہ مثبت میں پس یہاں اگرچہ کلام منفی میں نہیں ہے لیکن عموم اور شمول کے لئے ہے لہذا اس مثال سے قاعدہ مذکورہ منقوض نہیں ہوتا اس مثال کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اہل محض کے پاس بہت سی ٹڈیاں پہنچی اور یہ لوگ حالت احرام میں تھے تو انہوں نے کعب احبار سے اس کے متعلق سوال کیا کہ اگر کسی ٹڈی کو مار دیا جائے تو اس کے عوض میں کیا جنایت لازم آئے گی تو کعب احبار نے ہر ٹڈی کے عوض میں ایک درہم کا فتویٰ دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اہل محض اس صورت میں تو تمہارے بہت سے درہم جنایت میں خرچ ہو جائیں گے لہذا ہر ٹڈی کے عوض میں ایک کھجور

کا مدد کر دینا بہتر ہے یعنی اگر درہم کے بجائے
گجور کا مدد کر دیا جائیگا تو جائز ہے واللہ اعلم۔
۱۷۱ قولہ مثل قولہم النہر یہ مستند اگر
مختصہ کا جو تھا مقام اور چوتھی مثال ہے پس
اس مثال میں شریکہ مبتدایہ ہے اور اس کی تخصیص کا
وہ طریقہ ہے جو فاعل میں ہوتا ہے اس واسطے کہ
یہ فاعل کے مشابہ ہے اور مشابہہ فاعل کی وجہ
یہ ہے کہ شریکہ ذائب ما اصر ذائب الاثر
کی جگہ میں مستعمل ہوتا ہے یعنی جو معنی کا اصر ذائب
الاثر سے حاصل ہوتے ہیں وہی معنی شریکہ
ذائب سے بھی سمجھے جاتے ہیں اور ما اصر ذائب
الاثر میں شریکہ فاعل سے بدل ہے اور بدل فاعل
حکم سے ہے پس یہ وجہ ہے کہ شریکہ ذائب میں
شریکہ فاعل کے مشابہہ ہے اب اس پر یہ اعتراض
واقع ہوتا ہے کہ شریکہ ذائب کے معنی ما اصر
ذائب الاثر کے کیونکر ہو سکتے ہیں؟ جب کہ
ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ما اصر ذائب الاثر میں اور
الا کے ساتھ صریح بخلات شریکہ ذائب کے
کہ اس میں صریح نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس
ترکیب میں بھی صریح موجود ہے اس لئے کہ شریکہ
اصر ذائب اس میں اصر شریکہ ذائب تھا ابہر کی
ضمیر مستتر سے شریکہ بدل ہے اور بدل فاعل بھی
ہے اور اس کا درجہ بدل سے متوخر ہے پس جب
اس کو مقدم کیا تو صریح مستفاد ہو گیا اسی لئے کہ
تقدم باعث التاخیر صریح کا فائدہ دیتی ہے اور جب
اس ترکیب نے صریح کا فائدہ دیا تو شریکہ ذائب
کے معنی ما اصر ذائب الاثر کے ہو گئے اب یہی
یہ بات کہ تخصیص فاعل کا وہ طریقہ کیا ہے جس
کے سبب سے شریکہ میں مشابہہ فاعل کے باعث
تخصیص پیدا ہو گئی تو اس کو شایع و ما تخصیص
بالفاعل سے اس طرح بیان فرمایا ہے جس کہ وہ
چیز جس سے فاعل کی خصوصیت فاعل کے ذکر
کرنے سے ہمیشہ حاصل ہوتی ہے وہ فاعل کا
محکوم علیہ صحیح ہوتا ہے اس لعل کے لئے جس
کی اسناد فاعل کی طرف کی گئی ہے اس لئے

فہو نمرۃ خیر من جرادة و مثل قولہم شریکاً ذائباً
یتخصص بہ الفاعل لشیء بہ اذ یستعمل فی موضع ما اصر ذائب الاثر
وما یتخصص بہ الفاعل قبل ذکرہ ہو صیغۃ کو ذائب محکوم علیہ بما اسند
الیہ فانک اذا قلت قام علم منہ ان ما ینکر بعدہ اصر یصح ان یتکلم علیہ
بالقیام فاذا قلت رجل فہو فی قوۃ رجل موصوف بصیغۃ المحکم علیہ
بالقیام واعلم ان المہر للکلب بالنباح المتعاد قد یکون خیراً کما اذا کان
محبی حبیب مثلاً وقد یکون شراً کما اذا کان محبی عدو والمہر لہ نباح
غیر معتاد یتشام بہ فیکون شراً الا خیراً فعلی الاول یصح القصر بالنبۃ

جوابات میں واقع ہو اور اس نکرہ سے مقصود معلوم ہو جیسے نمرۃ خیر من جرادة
(اور) اہل عرب کے قول لا شراہر ذائب کی مانند کیونکہ شریکے فاعل کے مشابہہ
ہونے کی وجہ سے اس معنی سے خصوصیت پائی جاتی ہے جس سے فاعل خصوصیت پاتا ہے
کیونکہ یہ قول ما اصر ذائب الاثر (صر) کی جگہ میں استعمال ہوتا ہے اور وہ معنی کہ
جس سے فاعل اپنے مذکور ہونے سے پیشتر خصوصیت پاتا ہے وہ اس کا محکوم علیہ ہوتا ہے
اس چیز (فعل) کے ساتھ جس کی اس (فاعل) کی طرف اسناد کی گئی پس جب تم کہو گے
قام تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ جس کا اس کے بعد ذکر کیا جائے گا وہ ایک ایسی
چیز ہوگی کہ اس پر قیام کے ساتھ حکم کیا جانا صحیح ہوگا پھر جب تم کہو گے رجل تو وہ ایسے
رجل کی قوت میں ہو گیا جو اس پر قیام کے ساتھ حکم لگانے کی صحت کے ساتھ موصوف ہے
(یعنی وہ اس بات سے موصوف ہے کہ اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے) اور معلوم ہو چکا ہے
کہ کئے کو عادی بھونک سے بھونکنے والی چیز کسی توخیر ہوتی ہے جیسا کہ مثلاً کسی دوست
کا آنا ہو اور کسی بصر ہوتا ہے جیسا کہ دشمن کے آنے کے وقت اور کتے کو بھونکنے والی
غیر عادی بھونک ہو تو اس سے بد فالی لی جاتی ہے پس وہ شر ہوگا خیر نہیں پس اول

کہ جب تو نے قام کہا تو اس سے یہ بات معلوم
ہو گئی کہ جو اس کے بعد ذکر کیا جائیگا وہ ایسا
ہوگا جس پر قیام کے ساتھ حکم لگانا درست ہوگا
یعنی فعل کے بعد جو چیز ذکر ہوگی وہ فاعل
ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس فاعل کا
ہم فاعل کے ذکر سے پیشتر ہی حاصل ہو جاتا ہے
پس جب رجل کہا گیا تو معلوم ہوا کہ رجل فاعل
ہے اور اس میں فاعل ہونے کی صلاحیت ہے
یعنی رجل اس رجل کی قوت میں ہے جو اس امر
کے ساتھ موصوف ہو کر اس پر قیام کا حکم لگانا
صحیح ہو یعنی اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح
اسی طرح شریکہ ذائب میں شریکے تخصیص کی جگہ
۱۷۲ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۳ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۴ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۵ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۶ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۷ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۸ قولہم النہر یہ مستند
۱۷۹ قولہم النہر یہ مستند
۱۸۰ قولہم النہر یہ مستند

الی الخیر فمضاه شر لا خیر اھو ذاناب و علی الثانی لا یصح فیقد وصف
حتی یصح القصر فیکون المعنی شر عظیم لا حقیر اھو ذاناب و هذا مثل
یضرب لرجل قوی ادرکہ العجز فی حادثہ و مثل قولک فی الدار رجل
لخصصہ بتقدیم الخبر لا تعاد اقل فی الدار علما ان ما یدکر بعد
موصوف بصفة استقرار فی الدار فهو فی قوة التخصص بالصفة و مثل
قولک سلام علیک لتخصصہ بالنسبة الی المتکلم اذ اضلہ سلمت سلاما
تخذف الفعل و عدل الی الزفع لقصد الدوام والاستمرار فکانہ قال

(نباہ مستاد) کی بنا پر تو خیر کی نسبت صریح ہو گا لہذا معنی ہو گا شر لا خیر اھو
ذاناب اور دوسری صورت (نباہ غیر مستاد) کی بنا پر صریح نہ ہو گا لہذا اس صورت
میں وصف مقدر کی جائے گی تاکہ صریح ہو جائے لہذا معنی ہو گا شر عظیم لا حقیر
اھو ذاناب اور یہ ایک مثل (کہاوت) ہے جو ایسے قوی مرد کے لئے بیان کی جاتی ہے
جسے کسی حادثے (معیبت) میں عجز (شکست) نے آیا ہو (اور) تمہارے قول (نے)
الدار رجل کی مانند کیونکہ رجل نے خبر کی تقدیم کی وجہ سے خصوصیت پائی ہے اس لئے
کہ جب کہا جائے "فی الدار" تو (اس سے) معلوم ہو جائے گا کہ اس کے بعد جو مذکور ہو گا
وہ دار کے اندر اپنے استقرار کی صحت کے ساتھ موصوف ہے لہذا یہ صفت کے ساتھ خصوصیت
پانے کی قوت میں ہے (اور) تمہارے قول (سلام علیک) کی مانند کیونکہ سلام نے مکمل
کی طرف نسبت کی وجہ سے خصوصیت پائی ہے اس لئے کہ سلام علیک کی اصل سلمت
سلاما ہے پھر فعل (سلمت) کو حذف کیا گیا اور دوام و استمرار کی عرض (کے حصول) کیلئے

کئے کا ہو چکا کسی محلو ہوتا ہے اور کسی غیر مستاد
اگر مستاد ہو تو اس کی بدھت میں کسی غیر ہوتا ہے اور
کسی غیر مستاد پر اگر نباہ معنی کے کا ہو تو مستاد
ہو تو کسی نباہ غیر ہو گا جیسے کہ جب کسی صاحب خانہ
کے دست کدہ پر رکھ کر کہے "خلا اہ" کہی ہو گا
جیسے کہ صاحب خانہ کا دشمن لے کر نباہ غیر مستاد
ہو تو اس سے بظاہر لگ جاتی ہے جیسے کہ رات کے
وقت غول کے چوہے میں یہ نباہ شرعی شرعی
نکدہ غیر مستاد کے تو نسبت خیر کے صریح
ہو جائے گا کہ یہ ہوں گے شر لا خیر ہذا نباہ
یعنی شرعی ہے نہ کہ خیر میں نے کہے کہ ہو چکا لیکن
بائرمثال کے قصود مست نہیں کیونکہ اس وقت اس
کا ہو چکا معنی شرعی ہوتا ہے نہ کہ خیر کی طرف

۲۱۵ قولہ فیقد الزیباں سے شائد اس
انراں کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں ایک
صفت مقدر ہوگی تاکہ صریح ہو جائے کہ یہ ہوں گے
کہ شر عظیم لا حقیر شر ذاناب یعنی شر عظیم نے بھی کہے
کی ہو چکا کہ شر عظیم نے جس میں اپنے وصف
کا اعتبار سے تخصیص پیدا ہوگی اور اس کا نسبت
بنادہ مست ہوگا نہ کہ کہتے ہیں کہ شرعی نہیں تعلیم

کے لئے ہے ای شر عظیم ہیں اس وقت تکفلت
بعیدہ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور عقل سلیم
ان کو شوارہ جائیگی واللہ اعلم

۲۱۶ قولہ دہذا مثل الخ اس عبارت
سے شارح اس مثل کا محل استعمال بیان فرماتے ہیں
کہ کسی طاقت ور مرد کو کسی حادثہ میں عجز و ناتوانی
لاحق ہو جائے یعنی وہ حادثہ اس کو ناتوانی میں مبتلا
کر دے پس ذلالت سے تو مرد قوی کی طرف اشارہ ہے
اور شرعی سے ناتوانی اور ضعف کی طرف واللہ اعلم

۲۱۷ قولہ مثل قولک الخ یہ مبتدا کہ
تخصص کی پانچویں مثال اور پانچواں موقع ہے اس
میں تقدیم خبر کی وجہ رجل نکرہ میں تخصیص ہے اس
لئے کہ جب فی الدار کہا گیا تو معلوم ہوا کہ فی الدار کے
بعد ذکر کیا جائیگا وہ صفت استقرار کے ساتھ تصدق
ہو گا پس جب اس کے بعد رجل کہا گیا تو گویا کہ رجل
کے ساتھ اتنی بات اور کہی گئی کہ رجل موصوف ہوتے
الحکم علی فی الدار یعنی رجل اس ہمارے ساتھ موصوف
ہے کہ جس پر گھڑی ہونے کا حکم لگانا صحیح ہے پس
تقدیم خبر بمنزلہ تخصیص بالصفة کے ہے اور اس اعتبار
سے اس کا مبتدا ہونا صحیح ہے اور تخصیص ہمیں اس
طرح پیدا ہوگی کہ اس سے وہ رجل خارج ہو گیا کہ
جو فی الدار کے حکم کے ساتھ متصف نہیں واللہ اعلم

۲۱۸ قولہ مثل قولک الخ یہ مبتدا کہ
تخصص کا چھٹا مقام اور چھٹی مثال ہے یہاں سلام
نکرہ ہے اور اس میں اس حیثیت سے تخصیص ہے
کہ اس کی نسبت حکم کی جانب ہوتی ہے اس لئے
کہ یہ اصل میں سلمت سلاما علیک عقاقل کو منف
کر کے سلاما کو قصد دوام و استمرار کے دفع کی
طرف معدول کیا اس لئے کہ یہ جملہ مائیدہ ہے اور
اس کے بعد دوام ہی سزاوار ہے پس معلوم ہوا کہ
یہ باعتبار اصل کے قوت میں سلامی یعنی سلام
میں قبیحیت کے ہے اور حکم کی طرف منسوب
ہوئی وجہ سے اس میں تخصیص سے اس جگہ خارج
نے سلامی کی تفسیر سلام میں قبیحیت کے ساتھ

کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سلامی میں سلام تقدیر اضافت کے سبب سے معرّفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ مخصصہ ہے جیسا کہ سلمت سلاماً علیک میں سلام نکرہ تھا ہذا مشہور فیما بین النحاة اس قول سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عام طور پر نحرّاء کے نزدیک نکرہ کو مبتدأ بنانے کے لئے تخصیص کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہی جمہور نحرّاء میں مشہور ہے باقی رہا یہ امر کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی مذہب ہے تو اس کو شارح آئندہ بیان کرتے ہیں واللہ اعلم

۵۲۷ قولہ وقال الخ یہاں سے شارح دوسرے لوگوں کا مذہب بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ نکرہ کے ساتھ خبر رہنے کی صحت کا رد مدار فائدہ پر ہے نہ کہ ان چیزوں پر جو ان نحرّاء نے ماضی میں بیان کی ہیں یعنی اس قسم کی تخصیصات کہ ان کی توجیہات میں خواہ نحرّاء تکلفات دیکھو وہ اس کی طرف احتیاج پیش آتی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اگر نکرہ مخصصہ سے فائدہ حاصل ہوگا تو حق یہ ہے کہ وہ بھی مبتدأ واقع ہو جائیگا پس اس بنا پر جائز ہے کہ بلا تاویل کو کب نقض الساعۃ کہاجا اس لئے کہ اس سے فائدہ حاصل ہو جاتا ہے یعنی مخاطب کو پہلے سے ستارہ ٹوٹنے کا علم نہیں تھا حکم کے کہنے سے اس کا علم ہو گیا اور یہ جائز نہیں کہ جمل قائم کہا جائے اس لئے کہ اس سے مخاطب کو فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مخاطب کو خیام رجل کا علم پہلے سے حاصل ہے لہذا یہی قول اقرب الی الصواب ہے اس لئے کہ یہ تکلفات سے خالی ہے ولفظ اعلم بالصواب

۵۲۸ قولہ ولما کان الخ یہاں سے شارح مصنف کے قول داخراً قد یکن جملہ کے لئے تہید بیان فرما رہے ہیں کہ جیسے وہ خبر کہ ماضی میں جس کی تعریف کی گئی تھی افراد کے ساتھ مختص تھی اس لئے کہ وہ خبر اسم کی قسم سے تھی اور اسم مفرد کلمہ ہوتا ہے پس جملہ اس میں داخل نہیں تھا تو مصنف نے ارادہ کیا کہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ مبتدأ کی

سلامی اے سلام من قبلی علیک هذا هو المشہور فیما بین النحاة وقال بعض المحققین منهم مدار صحیح الاخبار عن النکرۃ علی الفائدة لا علی ما ذکر وہ من التخصیصات التي یحتاج فی توجیہاتہا الی هذا التکلفات الرکیکۃ الواہیۃ فعلى هذا یجوز ان یقال کوکب انقض الساعۃ لحصول الفائدة ولا یجوز ان یقال رجل قائم لعدمه وهذا القول اقرب الی الصواب ولما کان الخبر المعروف فیما سبق مختصاً بالمفرد لکونه قسماً من الاسم فلم یکن الجملة داخلة فیہ اراد ان یثیر الی ان خبر المبتدأ قد یقع جملة ایضاً فقال والخبر قد یكون جملة اسمیۃ مثل زید أبوه قائم فعلیۃ مثل زید قائم أبوه ولم یذکر الظرفیۃ

رفع کی طرف عدول کیا گیا تو گویا کہ مکمل نے کہا سلامی (میرا سلام) یعنی سلام من قبلی علیک (میری طرف سے تم پر سلام ہو) نحو یوں کے درمیان (کسی نکرہ کو مبتدأ کرنے کی صورت میں تخصیص کو ضروری قرار دینا) یہی مشہور ہے اور (ابن الدریان وغیرہ ایسے) محققین نحو یوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ نکرہ سے خبر دینے (یعنی نکرہ کو مبتدأ بنانے) کی صحت کا مدار فائدہ پر ہے نہ کہ ان تخصیصات پر جن کا نحو یوں نے ذکر کیا کہ جن کی توجیہات میں ان کمزور تکلفات کی حاجت پڑتی ہے لہذا اس قول کی بنا پر حصول فائدہ کی وجہ کو کب انقض الساعۃ (ستارہ ابھی ٹوٹا ہے بغیر کسی تاویل کے) کہنا جائز ہے اور عدم فائدہ کی وجہ سے رجل قائم کہنا جائز نہیں ہے اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے اور جبکہ وہ خبر کہ جس کی گذشتہ عبارت میں تعریف کی گئی اسم کا ایک قسم ہونے کی وجہ سے مفرد کے ساتھ مخصوص تھی (اور اسم کلمہ مفردہ ہے) پس (خبر جو کہ) جملہ (ہوتی ہے) اس تعریف میں داخل نہ تھی تو مصنف نے ارادہ کیا کہ اس بات کی طرف اشارہ کریں کہ قبضاء کی خبر کبھی جملہ ہی واقع ہوتی ہے تو کہا «اور خبر کبھی جملہ» اسمیۃ «ہوتی ہے جیسے زید ابوه قائم» اور فعلیۃ (ہوتی ہے) جیسے «زید قائم ابوه» اور مصنف نے (جملہ ظرفیۃ

خبر کبھی جملہ ہی ہوتی ہے تو فریاد الخ خبر قد یکن جملہ پھر چونکہ جملہ کی دو قسمیں ہیں اسمیۃ اور خبریۃ اور اسی لئے مصنف نے دو قول کی مثالیں بھی ذکر کی ہیں اس لئے شارح نے جملہ کے بعد اسمیۃ اور فعلیۃ کا اضافہ کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ پہلی مثال جملہ اسمیۃ کی ہے اور ثانی جملہ فعلیۃ کی کہتے ہیں کہ خبر کبھی جملہ اسمیۃ ہی ہوتی ہے جیسے زید ابوه قائم کہ اس میں ابوه قائم جملہ اسمیۃ ہے علاوہ ذی کی خبر ہے اور

کبھی جملہ فعلیۃ ہوتی ہے جیسے زید قائم ابوه کہ اس میں قائم فعل اور ابوه اس کا فاعل ہے پس فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیۃ خبریۃ ہو کر خبر ہے زید مبتدأ کی پھر اس پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے جملہ ظرفیۃ کی مثال جیسے زید قائم ابوه کو ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی خبر واقع ہوتا ہے فی الدار کو ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی خبر واقع ہوتا ہے تو شارح نے ولم یذکر الظرفیۃ سے اس کو ال کا یہ

لأنها راجعة الى الفعلية وأذا كان الخبر جملة والجملة مستقلة بنفسها لا تقتضي الارتباط بغيرها فلا بد في الجملة الواقعة خبرا عن المبتدأ من عائد يربطها به وذلك العائد إما ضمير كما في المثالين المذكورين أو غيره كاللام في نعم الرجل زيد أو وضع المظهر موضع المضمرة في نحو الحاجة ما الحاجة لو كون الخبر تفسيرا للمبتدأ نحو قل هو الله أحد وقد تحذف العائد إذا كان ضميرا لقيام قرينة نحو ألبر الكركستين

کا ذکر نہیں کیا کیونکہ جملہ ظرفیہ جملہ فعلیہ کی طرف راجع ہے اور جب خبر جملہ ہو اور جملہ بذاتہا مستقل ہے جو اپنے غیر سے مربوط ہونے کا تقاضا نہیں کرتا (تو ضروری ہے) جملہ میں جو مبتداء سے خبر واقع ہو (لوٹنے والی چیز کا ہونا) جو جملہ کو (جو کہ خبر واقع ہو) مبتداء کے ساتھ مربوط کرے اور وہ لوٹنے والی چیز یا تو ضمیر ہوگی جیسے دو مذکورہ مثالوں میں ہے یا ضمیر کے علاوہ کوئی اور چیز ہو جیسے لام (عہد خارجی کا) ہے نعم الرجل زید میں یا اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا جائے جیسے الحاجة ما الحاجة میں (کہ اس کی اصل الحاجة ماھی تھی) یا خبر کا مبتداء کی تفسیر ہوتا جیسے قل هو الله أحد اور الله أحد پورا جملہ خبر اور ہوئے جو مراد ہے وہی لفظ الله سے ہے لہذا لفظ الله صو کی تفسیر ہو گیا) اور کسی حذف کیا جاتا ہے) عائد جیکہ عائد ضمیر ہو قیام قرینہ کے وقت (حذف کیا جاتا ہے)

کہتے ہیں کہ جبکہ خبر جملہ واقع ہو اور جملہ کلام تام ہونے کے سبب سے مستقلة بنفسها ہو کر اپنے غیر کے ساتھ ارتباط کا مقتضی نہیں ہوتا یعنی اپنے غیر کے ساتھ ارتباط کا محتاج نہیں ہوتا تو اس میں ایک عائد ضروری ہے مبتداء کی طرف راجع ہوتا کہ اس عائد کی وجہ سے جملہ خبر یہ اور مبتداء میں ربط پیدا ہوگا پس اگر عائد نہ ہوگا تو خبر کا مبتداء کے ساتھ ارتباط نہ ہوگا پھر وہ عائد کبھی ضمیر ہوتا ہے جیسا کہ مثالیں مذکورہ میں گذرنا یا پھر ضمیر ہوتا ہے پھر اسکی تین صورتیں ہیں لام ہوگا جیسے نعم الرجل زید میں اس تقدیر پر کہ مخصوص بالمدح زید کو مبتداء بنایا جائے اور نعم ارجل کو ضمیر مقدم پس الرجل میں الف لام زید کی طرف عائد ہوگا یا اسم ظاہر کو مضمرة کی جگہ میں رکھا جائیگا جیسے الحاجة ما الحاجة میں کہ اس کی اصل الحاجة ماھی تھی پس ہی ضمیر کی جگہ میں اسم ظاہر یعنی الحاجة رکھا گیا پس الحاجة مبتداء

جواب دیا کہ ظرفیہ کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ فعلیت کی طرف راجع ہوتا ہے یعنی جملہ فعلیہ کا قائم مقام ہوتا ہے اس لئے کہ ظرف ہمیشہ مقدر بفعل ہوتا ہے یعنی اس کا متعلق ہمیشہ فعل ہوتا ہے پس جب اس کا متعلق فعل ہو تو یہ بھی جملہ فعلیہ ہی ہوا اور شرطیہ کو اس واسطے ذکر نہیں کیا کہ یہ جزا کے تابع ہوتا ہے اور جزا جملہ اسمیہ بھی ہوتی ہے اور فعلیہ بھی واذا علم ۱۷ قولہ واذا کان انہما اس عبارت سے شایع کا غشایا تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ فلا بد من عائد ایک دھڑی ہے لہذا اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے یا یہ بتانا ہے کہ فلا بد من عائد پر فا جزا اسے داخل ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے اس امر کی کہ اس سے پہلے شرط مذکور ہو پس شایع نے ان دونوں باتوں کا جواب دے دیا۔ اب اس کو خواہ کسی پر محمول کر لیا جائے بہر صورت مصنف کا قول فلا بد من عائد صحیح ہو جائیگا پس شایع

بتا دیا استغناء میسر ہو یہ کے نزدیک مبتداء ثانی اور میسر یہ کے غیر کے نزدیک خبر مقدم اور الحاجة ثانی مبتداء مؤخر پس بہر حال ما الحاجة جملہ خبریہ ہو کر خبر ہے الحاجة مبتداء اول کی تو اس میں الحاجة ثانی الحاجة اول مبتداء کی طرف راجع ہے پھر یہی بات کہ اسم ظاہر کو موضع مضمرة میں کیوں رکھا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ سامع کے ذہن میں جم جائیگا اس لئے کہ لفظ کا اعادہ ضمیر سے بے پرواہ کر دیتا ہے پس وہ لفظ ضمیر کے قائم مقام ہو کر تکرار کے قاعدہ کے بموجب سامع کے لئے فائدہ کا باعث ہوگا نیز یہ بھی بات ہے کہ مقام تعلیم میں مطلقا اسم مظهر کو مضمرة کے موقع میں رکھ سکتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ قیامت کے متعلق کلام سے استغناء کرنا اور اس کی کیفیت کو ذکر نہ کر کے سامع کے ذہن کو اس طرف متوجہ کرنا اس کے عظیم ہونے پر دلالت کرتا ہے لہذا اس تعلیم کے باعث اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ میں رکھا گیا۔ یا پھر تفسیری صورت اعادہ کی یہ ہے کہ خبر مبتداء کی تفسیر واقع ہو جیسے قل هو الله أحد میں ہو مبتداء ہے اور الله أحد پورا جملہ اس مبتداء کی خبر اور جو مراد ضمیر ہو مبتداء سے ہے وہی لفظ الله سے ہے پس ہو مبتداء کی تفسیر الله کے ساتھ لا کر الله کو ہو کی جانب عائد کیا گیا والله اعلم ۱۲

۱۷ قولہ وقد تحذف الخ یعنی جبکہ عائد ضمیر ہو تو اس کو بوقت قیام قرینہ حذف کر دیتے ہیں جیسے البر الکبر البستین اور ائمن منون بدہم کی اصل البر الکبر منہ بستین اور ائمن منون منہ بدہم تھی پس ان میں سے منہ کو قیام قرینہ کے باعث حذف کر دیا اور وہ قرینہ یہ ہے کہ گندم اور گھی کا فروخت کرنے والا انہی دونوں کا زرع بیان کرتا ہے نہ کہ شے دیگر کا گندم کہہتے ہیں اور گرا ایک پیانہ کا نام ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ایک کہ بارہ وسق کا ہوتا ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا اور ایک صاع چار مد کا اور ایک

ورهما والسمن منون بدرهما ای الکرمتہ ومنوان منہ بقرینۃ ان بائع
البر والسمن لا یسعر غیرہما وما وقع ظرف ای الخبر الذی وقع
ظرف زمان او مکان او جازا و مجرورا فالاکثر من النخاة وهم

جیسے البر الکرستین درہما اور السمن منوان بدرہم یعنی الکرمتہ اور منوان
منہ (منہ محذوف کر دیا گیا ہے) اس قرینے سے کہ بر اور سمن (دگندم اور گھی) کے بیچے والا
ان دو کے علاوہ کسی اور چیز کا بھاد نہیں بتائیگا اور جو ظرف واقع ہو یعنی وہ خبر جو کہ
ظرف زمان واقع یا مکان یا جاز و مجرور (تو اکثر) نخویوں سے اور بصرین میں اس بات

تابع ہیں پس بصرین کا مذہب تو علی الاطلاق
سمحہ میں آجاتا اور اس کے خلاف یعنی کوفین کا
عبادت میں ذکر کر دیا جاتا جواب یہ ہے کہ
مصنف نے ایسا کرتے ہوئے فالاکثر اس وجہ
سے کہا کہ مصنف نے بصرین کا مذہب اس واسطے
اختیار کیا ہے کہ اس میں اکثریت ہے پس مذہب
بصرین تو علی الاطلاق سمحہ میں آگیا اور مذہب
نخاة کوفی کے مخالف ہونے کے سبب سے
لہذا اس کے اظہار کی ضرورت باقی نہیں رہی بلکہ
ربا یہ امر کہ شایع نے اذ سے پہلے علی کا اضافہ
کس وجہ سے فرمایا تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب
ہے سوال یہ ہے کہ فالاکثر مبتدا ہے اور انہ خبر
اور خبر کا کل مبتدا پر جوا کرتا ہے مگر یہاں کل صحیح
نہیں اس لئے کہ ان اپنے مدخول کو بتا دلی مفرد کہ
دیتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی فالاکثر تقدیر
الخبر جملہ اور مطلب یہ ہوگا پس اکثر خبر کی تقدیر
جملہ ہوتی ہے اور یہ معنی ظاہر الفساد ہی اس لئے
کہ بیان تو کرتا ہے اکثر کے مذہب کو اور ثابت
ہو رہا ہے خبر کے جملہ ہونے کی اکثریت پس یہ
خلاف ما نحن فیہ ہے یا اعتراض کی تقریر باقی ملو
ہے کہ فالاکثر مبتدا ہے اور انہ مقدرہ جملہ اسکی
خبر اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مبتدا کی خبر جملہ ہوتی ہے
تو خبر میں ایک ٹکڑا ہونا ضروری ہے جو مبتدا
کی طرف راہ میں ہو اور یہاں کوئی فائدہ نہیں تو
اس کا جواب شایع نے علی سے یہ دیا کہ انہ مقدرہ
جملہ خبر میں ہے بلکہ یہ جملہ حالت ہر کی میں واقع

کر زید خلفک اس سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے
کہ خلفک ظرف حقیقی ہے مجازی نہیں حالانکہ یہ بھی
جملہ کے ساتھ مؤول ہے اور اگر دونوں مراد لئے
جائیں تو حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا اور
یہ باطل ہے تو شایع نے اس کا جواب ظرف زمان
انہ سے یہ دیا کہ ظرف سے مراد دونوں ہیں یعنی حقیقی
اور مجازی اور جمع میں الحقیقۃ والمجاز کا یہ جواب
کہ یہ لازم نہیں آتا اس لئے کہ ہم اس سے عموم مجاز
مراد لیتے ہیں یا مذہب جائز ہے اور عموم مجاز یہ ہے
کہ ظرف سے مراد ہر وہ ظرف ہے جو متعلق کی محتاج
ہو اور دونوں قسم کی ظرفوں کا متعلق کی طرف محتاج
ہونا اظہر من الشمس ہے یا دو سوال جواب یہ ہے کہ
مصنف کا فیہ مالکی المذہب اور اطلاق کے نزدیک
حقیقۃ اور مجاز کو جمع کرنا جائز ہے پس اس تفسیر
کی بنا پر اب مصنف کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جو
خبر کے ظرف واقع ہو عام ازیں کہ حقیقی ہو یعنی زمان
یا مکان یا مجازی یعنی جاز و مجرور پس اکثر نخوی اسکو
جملہ کے ساتھ مؤول کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
۵۲۸ قولہ فالاکثر من النخاة الخ من النخاة
کا اضافہ کر کے شایع نے یہ بتا دیا کہ الا اکثر علی
لام جہد کے لئے ہے اور اس سے مراد نخاة ہی اور
وہم البصرین سے شایع نے ان نخاة کی تخصیص کی
جواب اس جگہ مصنف پر ایک اعتراض دیا ہوتا
ہے کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی عبارت کو اس
طرح ذکر کرتے تو واقع ظرفا فہو مقدرہ خلفک کو نہیں
اس لئے کہ مصنف بصرین بصرین کے مذہب کے

مذہب سیر یا اس سے قدیم کم کا ہمارے یہاں
راج اس وقت ایک میر ۸۰ تولہ کا ہے اور اس میر
کے حساب سے ایک صاع تین تیر چھٹاٹک
کا ہوتا ہے تو اس کو ساٹھ سے ضرب دینے سے
ساٹھ صاع کا وزن پانچ من سترہ سیراٹھ چھٹاٹک
ہو پھر اس کو بارہ سے ضرب دیا گیا تو بیسٹھ من کتا
سیر کل وزن ایک کڑ کا ہوا سمن گھی کو کہتے ہیں اور
منون من کا تشبیہ ہے جس کا اردو ترجمہ ایک سیر
ہے پس اس مثال کا ترجمہ دو سیر گھی ایک درہم کا
ہے ہوا اور یہی مثال بصرین کے بصرین کا ترجمہ صاع
ہے یعنی ایک درہم ساٹھ درہم کے ہیں واللہ
اعلم بالصواب

۵۲۹ قولہ وما وقع ظرفا ثم اس عبارت
سے مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ
خبر دو قسم کی ہوتی ہے جملہ اور مفرد پس تفصیلا علیہ
علیہ قرآن دونوں قسموں کا بیان ہو چکا مگر ایک
قسم ایسی بھی ہے کہ جس میں افراد اور ترکیب کے
دونوں احتمال ہیں پس اب یہاں سے اس کو بیان
کرتے ہیں کہ جس میں خبر ظرف واقع ہو تو اکثر
نخوی اس کو جملہ کے ساتھ مقدر کرتے ہیں اس لئے
کہ ظرف کے واسطے کوئی عامل ہونا ضروری ہے
جس کے وہ متعلق ہو اب شارع نے واقع ظرفا
کا شرح ای الخ الذی الخ سے کہ اس امر کی طرف
اشارہ کیا ہے کہ اسے مراد خبر ہے اور ماہر مولف
بسم اللہ نہ مگر مولف مراد ہیں تو اکثر خبر کا
داخل ہونا صحیح نہیں ہوگا پھر اسے مراد نہ ہو بلکہ
نخوی بھی نہیں لے سکتے اس لئے کہ اس صحت میں یہ
چند نہیں چلے گا کہ اللہ سے کیا مراد ہے پس شارع نے
الخ الذی سے بتلایا کہ اس سے مولف جملہ بھٹ کر رہا
ہے یعنی خبر بصرین مصنف ہے پھر یہ اعتراض واقع
ہوتا ہے کہ ظرف مدخل سے ظاہر ہیں ظرف حقیقی
مراد ہو گیا مجازی یا دونوں اور یہ سب باطل ہیں
اول تو اس لئے کہ جاز و مجرور اس سے خارج ہو جاتے
ہیں کیونکہ یہ ظرف حقیقی نہیں حالانکہ یہ بھی جملہ کے
ساتھ مؤول ہوتے ہیں اور ثانی اس لئے باطل ہے

البصويون على أنه لا الخبر الواقع ظرفاً مقدماً مؤولاً بجسلة
بتقدير الفعل فيه لأنه إذا قدر فيه الفعل يصير جملة بخلاف ما إذا قدر
فيه اسم الفاعل كما هو مذهب الأقل وهو الكوفيون فإنه يصير جيتذ
مفرداً ووجه الأكثر أن الظرف لا بد له من متعلق عامل فيه والاصل

پر ہیں کہ وہ «یعنی خبر جو کہ ظرف واقع ہے» (مقدر ہوتی ہے) یعنی مؤول ہوتی ہے۔
وہ جملہ کے ساتھ اس میں فعل کی تقدیر کے ساتھ مؤول ہوتی ہے یعنی وہاں فعل مقدر
ہوگا، کیونکہ جب اس میں فعل مقدر ہوگا تو وہ خبر جملہ ہو جاتی ہے اس کے برعکس کہ جب
اس میں اسم فاعل مقدر کیا جائے جیسا کہ اقل کا مذہب ہے اور وہ کوئی ہیں تو وہ اس
وقت مفرد ہو جاتی ہے اور اکثر (یعنی بصریوں) کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کے لئے متعلق (یعنی

مذکورہ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ خبر جملہ ہو کر مذکور
ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ مقدّر کے معنی اس جگہ
وہ نہیں ہیں جو مذکور کی ضد ہیں بلکہ اس کے معنی
خلاف ظاہر یعنی مؤول کے ہیں اور مصنف نے
خاص کو ذکر کر کے عام مراد لیا ہے پس اس تقدیر
پر سب وجہوں کا ازالہ ہو گیا اس لئے کہ مؤول
کا صلب آتا ہے اور جب اس کے معنی خلاف
ظاہر کے ہو گئے تو مقدّر کے تو خبر جملہ کے مذکور
ہونے میں بھی کوئی مشک و شبہ نہیں رہا پھر اس
پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ ظرف تو مفرد ہوتا
ہے پس اس کو جملہ کی طرح کہہ سکتے ہیں؟ تو اس کا
جواب شائع بتقدیر فعل الخ سے یہ ہے کہ اس کا
ظرف کے لئے ایک فعل مقدر مانا جائیگا پس اس
تقدیر فعل کے سبب سے ظرف جملہ ہو جائیگا مفرد
نہیں ہے گا پھر سوال پیدا ہوا کہ اس صورت میں بھی
ظرف جملہ نہیں ہوگا بلکہ جملہ اس ظرف میں مقدر ہوگا
اس لئے کہ فعل ہمیشہ فاعل کے ساتھ مل کر جملہ
ہوتا ہے لہذا خبر جملہ کو نفس ظرف قرار نہیں دیا
جاسکتا بلکہ ظرف علیحدہ مستقل شے ہوگا اور جملہ
فعلیہ علیحدہ۔ جواب یہ ہے کہ شائع کے قول
بتقدیر فعل فیہ یہاں بہدیت کے لئے ہے یعنی
ظرف پر جملہ کا اطلاق تقدیر فعل کے سبب سے
ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ سبب سے سے خارج ہوتا

ہے اور اس کا جار علی معذرت ہے لہذا ظرف مستقر
کا نزول مشبہ فعل مقدر کے معنی ہے پس تقدیر
جہالت یہ ہوگی فالاکثر کانتون علی انہ انہ اب
اس صورت میں صحت ظاہر ہے کہ خبر کا محل اپنی
مبتدا پر درست ہے اس لئے کہ اس کی خبر انہ
نہیں ہے بلکہ تقدیر جاریہ ہے اور عائد بھی اس میں
موجود ہے اس لئے کہ کانتون کی ضمیر بتک مذکر گاتے
فالاکثر کے اور کسی ظرف واضح نہیں ہو سکتی (فانک)
مفرد کی نہیں کہیں بلکہ صرف کانتون کو ہی مقدر مانا
جائے بلکہ اس کے ہم مطلب جو معنی ہو سکتے ہیں وہ
بھی مقدر مانے جاسکتے ہیں مثلاً متفقون وغیرہ
۲۸۳ قولہ مقدر ای مؤول الخ مقدر کی
تفسیر مؤول کے ساتھ کر کے شائع نے ایک سلال
مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تقدیر یہ جملہ جار
موجود مقدر کے متعلق ہے اور مقدر کا صلب با نہیں
لایا جاتا بلکہ اس کا صلب آتا ہے نیز جو ظرف یعنی
جار مجرور وغیرہ واقع ہوگا وہ مذکور ہوگا نہ کہ مقدر
لہذا مقدر جملہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ اس سے
خبر کا مقدر ہونا ثابت ہوتا ہے نیز اس سے یہ
بھی لازم آتا ہے کہ جملہ ظرف نہ ہوگا نہ کہ مذکور
لئے کہ جن کی عبارت کا صحت مطلب یہ ہے کہ
اکثر بصریوں کا مذہب یہ ہے کہ وہ خبر کو جملہ کے ساتھ
مقدر مانتے ہیں یعنی خبر جملہ ہو کر مقدر ہوگی نہ کہ

ہے پس فعل کے مقدر ہونے میں کوئی حرج نہیں پھر
جانتا جائے کہ یہ فعل مقدر اکثر اوقات افعال عامہ
میں سے ہوگا جو اس مصرعہ میں مذکور ہیں مگر کون است
وجود است وثبوت است وحصولہ اور کبھی ایسا
بھی ہوتا ہے کہ فعل مقدر افعال خاصہ میں سے ہو جو
کہ ان چاروں کے غیر ہیں بشرطیکہ ذہن اس فعل
خاص کی طرف سبقت کرے لیکن اس تقدیر فعل
کے علاوہ واضح مذہب یہ ہے کہ فعل کو مقدر ہی
نہ مانا جائے کہ عموم و خصوص کا سوال پیدا ہو بلکہ
صرف قرینہ پر اکتفا کیا جائے یعنی قرینہ شہرت
اس فعل کی تقدیر کے لئے کافی ہے اظہار فعل کی
ضرورت نہیں نیز جبکہ فعل کا قائم مقام یعنی ظرف
بھی موجود ہے اس صورت میں تو یہ کسی طرح بھی
متناسب نہیں کہ فعل کے مقدر ٹکٹے کی حاجت پیش
آئے آدم بر سر مطلب۔ ظرف کے لئے تقدیر فعل
کی ضرورت بصریوں کے نزدیک ہے اور ان کی
دلیل یہ ہے کہ جب ظرف میں فعل مقدر مانا جائیگا
تو وہ جملہ ہو جائیگا بخلاف اس صورت کے جب کہ اس
میں اسم فاعل مقدر مانا جائے جیسا کہ وہ اقل خفاہ
یعنی کوفین کا مذہب ہے تو اس وقت وہ جملہ نہیں ہو
گا بلکہ مفرد ہو جائیگا اور یہ مانحن فیہ سے خارج
ہے اس لئے کہ یہاں بحث خبر کے جملہ ہونے سے
ہے نہ کہ افراد سے اور خبر کے مفرد ہو جانے کی وجہ
یہ ہے کہ اسم فاعل اصل وضع کے اعتبار سے فاعل
کا مقتضی نہیں ہوتا بلکہ عارض کے سبب اس
میں اقتضاد فاعلیت آتا ہے اور وہ عارض شائع
فعل ہے پھر چونکہ اسم فاعل میں اقتضاد فاعلیت
عارضی ہوتا ہے اس لئے اسم فاعل مستند الیہ بھی ہوتا
ہے اور مستند الیہ کیونکہ عارضی کا اعتبار نہیں کیا جاتا
ہے بخلاف فعل کے کہ وہ اپنے فاعل کو بحسب اصل
وضع مقتضی ہوتا ہے ایسا ہی واسطے فعل صرف مستند
بھی ہو سکتا ہے مستند الیہ نہیں ہو سکتا وادعا علم۔

۲۸۳ قولہ وجہ اکثر الخ یہاں سے شائع
قرینوں کی توضیحات بیان کر رہے ہیں اس عبارت کو
جملہ فعلی بھی بنا سکتے اور جملہ اسمی بھی فعلی تو با

فی العمل هو الفعل فاذا وجب التقدير فالأصل لاولی ووجه الاقل انه خبر والأصل فی الخبر الافراد ثم ان الأصل فی البداء التقدير وجاز تاخيره لكنه قد یجب لعارض كما اشار الیہ بقوله واذا كان المبتدأ مشتملاً علی ماله صدر الكلام ای علی معنی وجب له صدر الكلام

اسم مفعول ہونا ضروری ہے جو اس طرف میں عمل کرے اور عمل میں اصل فعل ہی ہے پس جبکہ تقدیر ضروری ہو تو اصل اولی ہے اور اقل (یعنی کو فیوں) کی دلیل یہ ہے کہ وہ خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے پھر مبتداء میں اصل تقدیم ہے اور اس کی تاخیر بھی جائز ہے لیکن کبھی تاخیر کسی عارض کی وجہ سے ضروری بھی ہو جاتی ہے جس طرح مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے (اور جب مبتداء اس چیز پر مشتمل ہو جس کے لئے صدر کلام ہے) یعنی ایسے معنی پر (مشتمل ہوا) کہ جس کے لئے کلام کی ابتدا (میں)

طور ہو سکتا ہے کہ لفظ وجہ کو بصیغہ ماضی معلوم ہو چکا جائے اور اکثر کو اس کا فاعل قرار دیا جائے اور ان النظرف الخ کو مفعول ہوا اور اسمیہ کی یہ صورت ہے کہ وجہ کو مضاف اور اکثر کو مضاف الیہ قرار دے کر مبتداء بنایا جائے اور ان نظرف لابد الخ کو اس کی خبر پس پہلی صورت کے مطابق ان نظرف الخ محل نصب میں بنا پر مفعولیت کے ہوگا اور ثانی صورت میں بنا پر خبریت مبتداء محل نصب میں ۱۱ اکثر یعنی نخاۃ بصرہ تقدیر فعل کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ ظرف کیلئے ایک متعلق بالفتح کا ہونا ضروری ہے جو کہ ظرف میں عامل ہوتا کہ جار مجرور کو اس فعل کے متعلق کیا جاسکے اور عمل میں اصل فعل ہے اس لئے کہ یہ بالوضع فاعل تو مقتضی ہوتا ہے پس جب تقدیر واجب ہوئی تو اصل یعنی فعل اولی ہے لہذا بصرہ میں کے نزدیک فعل مقدّر کیا جائیگا واللہ اعلم ۱۲

۲۸۵ قولہ درجہ لاقول الخ یہ اقل کی توجیہ

کا بیان ہے اس عبارت میں بھی مذکورہ سابق دونوں احتمال جملہ تعدیل اور اسمیہ کے ہیں۔ اقل نخاۃ یعنی کو فیوں یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ ظرف خبر ہے اور خبر میں اصل افراد ہے لہذا اس کا متعلق بھی ایسا نکالا جائیگا جو مفرد ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اسم فاعل مفرد ہے اس لئے کہ اس میں طلب فاعل عارضی شے ہے اور عارض کا المعلوم ہو کر تا ہے اس لئے اسم فاعل متعلق مقدر مانا جائیگا تاکہ ظرف کو اس کے متعلق کر کے خبر کو بنا پر اصل مفرد رکھا جاسکے پس نخاۃ بصرہ کے مذہب کے مطابق تو زید فی الدار کی تقدیر زید استقرار فی الدار بتقدیر فعل ہوگی اور نخاۃ کوفہ کے نزدیک زید مستقر فی الدار بتقدیر اسم فاعل ہا ہی یہ بات کہ خبر میں افراد اصل کیوں ہے؟ تو اس کی چند وجوہات ہیں اولیہ کہ خبر جب مفرد ہوگی تو مبتداء کی طرف عائد کی محتاج نہیں ہوگی بخلاف اس کے کہ جب خبر جملہ ہو تو عائد کی احتیاج واقع ہوگی اور یہ بات ظاہر ہے کہ غیر محتاج اصل ہوا کرتا ہے بہ نسبت محتاج کے پس خبر جب بصورت افراد غیر محتاج ہوگی تو اس میں افراد اصل ہوگا اس لئے کہ اسی افراد کے سبب سے اس میں

غیر محتاجیت آئی ہے ثانیاً یہ کہ خبر مفعول کی قسم ہے اور مفعول کی اسم کی اور اسم مفعول سے ہے پس لازم کا لازم اپنا لازم کے اصول سے خبر بھی مفرد ہوگی ثالثاً یہ کہ خبر کے مفرد ہونے کی صورت میں توافق رکھیں پایا جائیگا اس لئے کہ مبتداء ہمیشہ مفرد ہوتی ہے۔ پس جب خبر بھی مفرد ہوگی تو مبتداء خبر دونوں میں موافقت پیدا ہو جائے گی لہذا یہ کہ افراد خبر کی صورت میں مبتداء خبر دونوں میں ربط بعد واقع ہو جاتا ہے۔ بخلاف خبر کے جملہ ہونے کے کہ جب تک خبر کو جملہ نہ بنایا جائیگا مبتداء خبر دونوں میں ربط پیدا نہیں ہوگا۔ خاصاً یہ کہ خبر بیتہ میں زمانہ اور تقوی حکم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ دونوں چیزیں صرف فعل میں منحصر ہیں اسم میں نہیں اور فعل جملہ ہوتا ہے پس جب فعل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا تو اسم فاعل لایا جائے گا جو کہ بنا پر اصل کے مفرد ہے پس خبر مفرد ہوگی واللہ اعلم بالصواب ۱۲۔

۲۸۶ قولہ ثم ان الاصل الخ یہ عبارت یا تو

قول مامن کی تہید ہے یا ایک سوال مقصد کا جواب تہید ہونا تو ظاہر ہے بیان کی احتیاج نہیں البتہ تقریر سوال یہ ہے کہ مصنف نے المبتداء الخ کہنے کے بعد تقدیم مبتداء ہی کو بیان کیا تھا پھر صراحتاً بھی الاصل فی البداء التقدير سے اس کو بیان کیا تھا تو اب دوبارہ

تقدیم مبتداء کو اس جگہ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ تقدیم مبتداء کی دو صورتیں ہیں (۱) مبتداء باعتبار اصل کے خبر پر مقدم ہو کر مؤخر بھی ہو سکے (۲) مبتداء کی تقدیم خبر پر واجب ہو اور مؤخر ہو سکے سو پہلی صورت کا تو بیان اب تک ہوا تھا۔ لیکن دوسری صورت نہیں بیان کی گئی تھی اس لئے مصنف نے واذا كان المبتدأ الخ سے اس کو بیان کر دیا اسی کو شائع کہتے ہیں کہ کچھ تحقیق مبتداء میں اصل تقدیم علی الخبر ہے اور تاخیر مبتداء عن الخبر بھی جائز ہے لیکن کبھی کسی عارض کے سبب سے تقدیم مبتداء واجب ہو جاتی ہے اور تاخیر جائز نہیں رہتی جیسا کہ مصنف نے اپنے قول واذا كان المبتدأ مشتملاً الخ سے اس طرف اشارہ کیا ہے مصنف کہتے ہیں کہ جب مبتداء ایسے معنی کو مشتمل ہو جو صدارت کلام کو مقتضی ہیں جیسے من ابوک تو تقدیم مبتداء واجب ہے۔ مواضع تقدیم مبتداء علی الخبر وہاں ہیں جن میں سے پہلا موضع ہے جو اور پھر مذکور ہوا شائع نے علی ماله صدر الكلام کی تفسیر ای علی معنی وجب له صدر الكلام کا جواب دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ کلام سے متبادر ہوتا ہے کہ اگر کوئی لفظ صدر کلام کو مقتضی ہو تو اس وقت مبتداء کی تقدیم ضرور واجب ہے اور مصنف نے مثال دی ہے معنی صدر کلام کے اقتدار کی ذکر لفظ کی تو مثال اور مثال کے درمیان

کالا استفہام فان جب حینذ تقدیمہ حفظ الصداتہ مثل من ابوک
فان من مبتدا مشتل علی مالہ صدر الکلام وهو الاستفہام فان معنا

ان ضروری ہے جیسے استفہام ہے تو اس وقت اس کی صدارت کی حفاظت کے لئے اس
کا مقدم رکھنا ضروری ہے (جیسے من ابوک) پس من مبتدا ہے جو ایسے معنی پر مشتل
ہے جس کے لئے کلام میں آنا ضروری ہے اور وہ معنی استفہام ہے کہ اس کا معنی اھذا

۲۸۷ قولہ کالا استفہام الخ من چیزوں میں
صدارت کلام ضروری ہے ان میں سے ایک استفہام
بھی ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے ذکر کی
وجہ یہ ہے کہ مصنف نے استفہام کی مثال دی ہے
پس شارح نے کالا استفہام کہہ کر مثال کو مشل کے
مطابق کر دیا اس کے بعد شارح فرماتے ہیں کہ اس وقت
مبتدا کی تقدیم اس وجہ سے واجب ہے کہ استفہام
کی صدارت محفوظ ہو جائے اگر مبتدا کو مقدم کرنا
واجب نہ ہوگا تو پھر صدارت استفہام خطرہ میں پڑ
جائے گی اب رہی یہ بات کہ استفہام وغیرہ میں صدارت
کیوں ضروری ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ استفہام
وغیرہ تغیر معنی جملہ پر دلالت کرتے ہیں پس ضروری
ہے کہ اس قسم کی اشیاء شروع کلام میں آئیں تاکہ امر
اول میں تغیر سمجھ میں آجائے نیز اگر اس کو اول کلام میں
دلایا جائیگا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ یہ ماقبل
کی تغیر کے لئے ہی یا مابعد کی پس ذہن کو تشویش
ہوگی اس لئے اس تشویش سے بچنے کے لئے صدارت
کلام ضروری ہے اور یہ تغیر اس طرح سمجھ میں آتی ہے
مثلاً من ابوک کہ اس کے معنی ابذا ابوک ام ذاک
کے ہیں پس اس میں حرف استفہام امر اول یعنی ابذا
ابوک پر داخل ہوا اور اس کے بعد ام ذاک لایا گیا
تو دوسرے جملہ کے لاتے ہی پہلے جملہ کے معنی متغیر
ہو گئے یعنی ابذا ابوک کے معنی یہ ہوئے یہ تو تیرا
باپ ہے نہیں کیا وہ تیرا باپ ہے؟ پس اگر مسئلہ
استفہام کو امر اول پر داخل نہ کیا جاتا تو یہ پستہ
نہیں حل سکتا تھا کہ جملہ اول کے معنی متغیر جہتے
ہیں یا ثانی کے یا دوسری تو جیسہ یہ ہے کہ عجیب
موتما مکمل کے کلام تام ہونے سے پہلے پانچ جملہ

مطابقت نہیں رہی اس لئے کہ مثال تو کلمہ من کی ہے
کہ جو اس حفظ پر مشتل نہیں جس کے لئے صدارت کلام
ضروری ہو یعنی استفہام کا ہمزہ وغیرہ اور مثل یعنی
جس کی مثال دی گئی ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے
کہ مثال میں ایسا لفظ آنا چاہئے جو صدارت کلام کو
مقتضی ہو اور اس قیاد کی وجہ یہ ہے کہ نحوی الفاظ
سے بحث کیا کرتے ہیں۔ معنی سے نہیں تو شارح نے
غلط معنی سے توجہ جواب دیا کہ ماموصوفہ ہے اور اس
سے مراد معنی میں۔ مثلاً معنی استفہام سے لفظ استفہام
مراد نہیں اس لئے کہ نحوی کے صرف الفاظ سے ہی بحث
نہیں کرتا بلکہ اکثر معانی سے بھی بحث کرتا ہے جیسا کہ
لفظ عبد اللہ باعتبار معنی کے کلمہ میں داخل ہے کامر
فی صدر الکتاب پس اب مثل اور مثال میں مطابقت
پیدا ہو گئی اب رہی یہ وجہ کہ لفظ وجب کا اضافہ
شارح نے نہیں کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف
نے آگے چل کر وجب تقدیر کیا ہے اور وجوب تقدیر
مبتدا فرج ہے تقدیر معنی صدارت کی اس لئے کہ
تقدیر اس وقت واجب ہوگی جبکہ مبتدا میں معنی
صدارت پائے جائیں پس جب تک اصل میں وجوب
نہیں پایا جائیگا فرج میں کیسے وجوب آسکتا ہے؟
لہذا شارح نے وجب کا اضافہ کر کے وجب تقدیر
کا قرب درست کر دیا پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ
اذا جار مجرور ظرف مستقر ہے اور ظرف مستقر کے لئے
ضروری ہے کہ اس کا کوئی متعلق مفرد نہ نکالا جائے
پس وجب اس کا متعلق ہے اور صدر الکلام اس کا
وجب کا قائل اور اس مفرد کے لئے قرینہ
دیگر ترتیب وجب تقدیر ہے جو ابھی بیان ہوا
واللہ اعلم

شروع کر دیتا ہے پس اگر مکمل استفہام وغیرہ کو
بعد میں لایا جائیگا تو مخاطب کو یہ دہم ہوگا کہ کلام خبری
ہے لہذا وہ جواب بھی کلام خبری ہی کے مطابق دینگا
اس لئے ابھی تک اسکے کانوں میں استفہام نہیں پڑا
پھر جب مکمل کلام تام ہو جائیگا تو اس کو معلوم ہوگا
کہ کلام استفہامی ہے تو وہ جواب مطابق خبر سے
گریز کرتے ہوئے اسکو غلط سمجھ کر جواب استفہام
کے مطابق دینگا پس اس کی مثال ایسی ہی ہوگی
جیسے کوئی شخص راستہ میں چلے اور اسکو اپنی
غلطی معلوم ہو تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا
راستہ اختیار کرے گا اور اسکو بہت سی تعب معلوم
ہوگا پس ایسے ہی استفہام وغیرہ میں اگر اول میں
ہی حرف استفہام وغیرہ نہ لائے جائیں گے تو
مخاطب کو خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہونا پڑیگا
اور جس کلام سے مخاطب کو غلط فہمی ہو اس کو
کبھی صحیح نہیں اور فصیح نہیں کیا جائیگا (فائدہ)
جاننا چاہیے کہ جو معنی صدارت کلام مقتضی ہوتے
ہیں چھ ہیں۔ شرط قسم تعجب استفہام۔ نفی
و دخول لام مبتدا علی المتبدا جیسے ازید منطلق اور بعض
کے نزدیک ضمیر شان بھی اس میں داخل ہے جیسے
ہو زید منطلق اور بعض کے قول کے مطابق متنی
اور ترجی بھی اسی میں سے ہیں واللہ اعلم۔

۲۸۸ قولہ مثل من ابوک الخ یہ حرف استفہام
کی مثال ہے جو صدارت کلام کو مقتضی ہے پس
اس میں من مبتدا اس معنی پر مشتل ہے جو صدارت
کلام کے مقتضی ہیں یعنی استفہام پر اس لئے کہ
اس کے معنی ابذا ابوک ام ذاک کے ہیں اور ابوک
من کی خبر ہے مگر یہ سیبویہ کے مذہب کی بنا پر
ہے اس جگہ شارح نے فان من مبتدا الخ
سے مشل کے ساتھ مثال کی تطبیق کی طرف
اشارہ کیا ہے اور ان معنایں ابذا الخ سے ایک
سوال مقدمہ کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ
کلمہ من نکرہ ہے اور ابوک معرفہ اس لئے کہ اب
کا کاف خطاب کی طرف اضافت ہونے سے
اس میں تعریف آگئی پس اس بنا پر تنکیر مبتدا

اور تعریف خبر لازم آگئی اور یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں تنکیر مبتدا جائز نہیں شارح نے جواب دیا کہ سن اگرچہ ظاہراً نکرہ ہے مگر معنی کے اعتبار سے معرفہ ہی ہے اس لئے کہ سن معنی میں ہذا ابوک اکذاک کے ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہذا اور ذاک دونوں معرفہ ہیں اور ہذا مذہب سیبویہ سے یا تو شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مذہب سیبویہ کا ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے یہ بھی اوپر دالے کمال کا بیان مذکور جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جب نکرہ معنی استفہام کو متضمن ہو تو سیبویہ سے منقول ہے کہ اس کو مبتدا بنانا جائز ہے لہذا مذکورہ بالا سوال عبث ہے اس لئے کہ مصنف نے سیبویہ کا مذہب اختیار کرتے ہوئے مثال کو ذکر کیا ہے اور بشرط استفہام نکرہ کو مبتدا بنانے میں نکتہ یہ ہے کہ یہ نکرہ مالا معرفہ ہے اس لئے کہ من ہما سے قول ازیدام عمروام خالد وغیرہ کی قوت میں ہے کیونکہ من سے ان تمام اسماء کی طرف اشارہ ہوتا ہے مگر چونکہ صراحتاً ان اسماء کا احاطہ کرنا بہت مشکل بلکہ محال ہے اس لئے کہ اسماء غیر متناہی ہیں اس لئے ان اسماء کے بجائے لفظ من ذکر کر دیا تاکہ ان تمام اسماء کی جانب اشارہ ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام اسماء علم ہونے کی وجہ سے معرفہ ہیں والٹر اعلم بالصواب ۱۲۔

۵۲۸۹ قولہ وذهب بعض النحاة الخ اس سے شارح سیبویہ کے علاوہ دوسرے نحاة کا مذہب بیان فرماتا ہے یہی جو کہ جمہور نحاة کا متفق علیہ ہے مگر چونکہ یہ مذہب ضعیف ہے اس لئے شارح نے اس کو بمنزلہ بعض قرار دیتے ہوئے وذهب بعض النحاة کہا کہتے ہیں کہ بعض نحاة اس طرف گئے ہیں کہ من چونکہ نکرہ ہے اس لئے یہ مبتدا تو واقع ہو نہیں سکتا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابوک مبتدا ہے اضافت کے سبب سے معرفہ ہونے کے باعث اور من اس کی خبر اور خبر کو معرفہ کی نکرہ لا سکتے ہیں اب یہی بات کہ اگر من خبر ہے تو اس کی مبتدا پر کیوں مقدم کیا گیا تو اس کا جواب شارح نے واجب تقدیم الخ سے یہ دیا کہ جب خبر معنی استفہام کو متضمن ہو تو

هذا ابوک ام ذاک وابوک خبرکہ وهذا مذہب سیبویہ وذهب بعض النحاة الى ان ابوک مبتدا لكونه معرفة ومن خبرکہ الواجب تقديمه على المبتدا لقضته معنى الاستفهام اذ كانا لى المبتدا والخبر معرفتين متساويتين في التعريف او غير متساويتين ولا قرينة على كون ابوک ام ذاک اور ابوک اس کی خبر ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں ابوک معرفہ ہونے کی وجہ سے مبتدا ہے اور من اس کی خبر ہے کہ جس کی مبتدا پر تقدیم ضروری ہے کیونکہ وہ معنی استفہام کو متضمن ہے (دیا ہوں دونوں) یعنی مبتدا اور خبر (معرفہ) تعریف میں برابر ہوں یا برابر نہ ہوں اور ان میں

اس کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے لہذا من ابوک مبتدا پر مقدم وجوباً کیا گیا والٹر اعلم ۱۲۔ ۵۲۹۰ قولہ ابوک ان الخ یہ وجوب تقدیم مبتدا کا دوسرا موضع ہے شارح نے ای المبتدا والخبر سے کان کی ضمیر تنبیہ کا مرجع بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں عام ازیں کہ تعریف میں متساوی ہوں یا غیر متساوی اور اس بات پر قرینہ موجود ہو کہ ان میں سے احداً مبتدا ہے اور آخری خبر تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے تاکہ الہیں میں القیاس پیدا نہ ہو جیسے زمین المنطلق کہ اس میں دونوں معرفہ ہیں اور کوئی قرینہ بھی موجود نہیں اب جاتا چاہئے کہ شارح نے معرفتین کے بعد متساویتین فی التعریف الخ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدم کا جواب دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ مصنف کو صرف ادکانا متساویتین کہہ دینا کافی تھا اس لئے کہ اس سے صاف طور پر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لفظ مساواة تعریف اور تنکیر دونوں کو شامل ہے پس اس میں معرفہ بھی داخل ہو جاتا اور نکرہ بھی لہذا معرفتین کا ذکر نہ باعث ہے تو شارح نے جواب دیا کہ معرفتین کے لئے مساواة ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں بسا اوقات عدم مساواة بھی پائی جاتی ہے پس اگر معرفتین کو ذکر نہ کیا جاتا اور صرف متساویتین پر اکتفا کر لیا جاتا تو مساواة فی النکرہ تو مراد لینا صحیح تھا مگر مساواة فی المعرفة کسی حال میں بھی درست نہیں تھی اس لئے کہ معرفہ کی وجہ قسین

ہیں اور ہر ایک قسم ایک دوسری سے اعرف ہے مثلاً اعرف المعارف مقدمات میں پھر اعلام و علی ہذا القیاس دوسری اتسام ہیں اس سے معلوم ہوا کہ معرفہ میں تساوی کا ہونا ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ مبتدا اعرف للمعارف ہو اور خبر اس سے کم درجہ کی پس تساوی مفقود ہو گئی اس لئے اس کو ظاہر کرنے کے لئے کہ معرفہ میں تساوی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس میں عدم تساوی بھی پائی جاتی ہے مصنف نے معرفتین کہا اور شارح نے اپنی شرح سے اس کی تائید اور تشریح کر دی اب یہی ہر ایک کی مثال تو تساوی فی المعرفة کی مثال تو اللہ ربنا ہے کہ اس میں اللہ علم مبتدا ہونے کے باعث معرفہ ہے اور ربنا میں اخافت کی وجہ سے تعریف آتی ہے اور مذہب مبرد کے مطابق تعریف مضان جزکہ تعریف مضان الیہ سے انقص ہوتی ہے اس لئے رب کی اضافت ضمیر کی طرف ہونے کے باعث اس میں جداول درجہ کی تعریف آگئی تھی وہ مبرد کے نزدیک انقص ہونے کے سبب سے تعریف باطل کے برابر ہو گئی اور اللہ مبتدا جزکہ علم تھا اور ربنا اس کی خبر بھی علم کے برابر ہو گئی لہذا دونوں میں مساوات فی التعریف پائی گئی مگر چونکہ اس میں تاویل سے کام لینا پڑا ہے اس کو مساوات فی اللفظ میں کہہ سکتے بلکہ مساوات فی المعنی ہے اور یہ بھی صرف مبرد کے نزدیک مدہ جمہور نحاة اسی بات کے قائل ہیں کہ اس مثال میں مساوات فی التعریف نہیں بلکہ مبتدا کم درجہ

احدهما مبتدأ والآخر خبراً فحوزید المنطلق أو كاتا متساوین
فی اصل التخصیص لانی قدره حق لوقیل غلام رجل صالح خیر منك

یہ کسی ایک کے مبتدأ اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو جیسے زید المنطلق
دیا ہوں دونوں «برابر» اصل تخصیص میں نہ کہ مقدار تخصیص یہاں تک کہ اگر کہا جائے

کا معرذہ اور خبر ضمیر کی طرف امانت کے باعث
اور امانت ہی تعریف خبر زیادہ ہے بہ نسبت
تعریف مبتدأ کے دانشا علم ۱۲۔

۱۲۹ قولہ ولا قرینۃ الخ اس عبارت کا
اضافہ کر کے شائع نے ایک سوال مقدر کا جواب
دیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ صفت کا اور پر کا قول
معرقتین ابو حنیفہ ابو یوسف سے منقول ہے اسلئے
کہ یہ دونوں کیفیت ہونے کے باعث معرذہ میں اور
معرذہ میں بھی مساوات ہے مگر اس کے باوجود اس
میں تقدیم مبتدأ واجب نہیں بلکہ اس میں مبتدأ مؤخر ہے
اور خبر مقدم اس لئے کہ ابو یوسف کو ابو حنیفہ سے
تشبیہ دی گئی ہے پس ابو یوسف مشبہ ہوئے اور
ابو حنیفہ مشبہ اور وہ مشبہ محذوف ہے یعنی ذکاوت
اور چونکہ مشبہ بہ فاضل ہوتا ہے مشبہ سے اس لئے
یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ ابو حنیفہ مبتدأ ہوگا اور ابو یوسف
خبر کیونکہ اس سے مشبہ بہ کا مفضول اور مشبہ کا
افضل ہونا لازم آتا ہے اور شاگرد کا استاد سے
سمت لے جانا لہذا یہ نہیں ہو گیا کہ ابو یوسف
مبتدأ ہے اور ابو حنیفہ خبر شائع نے جواب یا کہ تقدیم
مبتدأ اس وقت واجب ہے جبکہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو
اور چونکہ مذکورہ مثال میں قرینہ موجود ہے یعنی یہ کہ
ابو حنیفہ استاد ہیں اور ابو یوسف شاگرد اسلئے
اس میں تقدیم مبتدأ واجب نہیں دانشا علم ۱۲۔

۱۳۰ قولہ فحوزید المنطلق الخ یہ عدم قرینہ
کے باعث تقدیم مبتدأ کی مثال ہے کہ اس میں زید
بھی معرذہ ہے اور المنطلق بھی الف لام داخل ہونے
کے سبب سے اول اس میں کسی ایک کے مبتدأ ہونے
پر کوئی قرینہ بھی موجود نہیں اس لئے مبتدأ کو مقدم
کیا گیا اور خبر کو مؤخر تاکہ القیاس فیما بین مبتدأ و خبر
لازم نہ آئے اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے

جس کی تشریح یہ ہے کہ زید المنطلق کو عدم قرینہ
کی مثال بنانا درست نہیں اس لئے کہ اس میں اس
بات پر قرینہ موجود ہے کہ زید مبتدأ ہے اور المنطلق
اس کی خبر اور وہ قرینہ یہ ہے کہ زید جزئی حقیقی ہے اور
جزئی حقیقی اپنے غیر پر محمول نہیں ہوا کرتی بلکہ اس پر
خبر کا حمل ہوا کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مبتدأ بھی اپنے
غیر پر محمول نہیں ہوتا بلکہ خبر کا حمل مبتدأ پر ہوا کرتا ہے
اس لئے زید مبتدأ ہوگا اور المنطلق خبر لہذا اس قرینہ
کے باعث تقدیم مبتدأ واجب نہیں نیز دوسری وجہ
یہ ہے کہ جب کلام میں ذات اور وصف کا اجتماع
ہوتا ہے تو ذات کو مبتدأ بنایا جاتا ہے اور وصف
کو خبر اور یہ معلوم ہے کہ زید ذات ہے اور المنطلق وصف
لہذا اس قرینہ کے باعث بھی تقدیم مبتدأ اس مثال میں
واجب نہیں جواب یہ ہے کہ یہی دونوں وجوہ تسلیم نہیں
اول تو اس لئے کہ نحوی منطقوں کی عدم محمولیۃ جزئی
حقیقی کے قائل نہیں اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے
کہ جزئی حقیقی اپنے غیر پر اس وقت محمول نہیں ہوا کرتی
جبکہ اس کو من حیث ہونہ مراد لیا جائے لیکن جب
اس سے مستے بنید کا اطلاق کیا جائے تو اس کا حمل خبر پر
کرنا درست ہوتا ہے اور وہ ثانی اس لئے مسلم
ہیں کہ جب زید سے مراد مستے بنید لیا گیا تو صیغہ
مستے صفات سے ہو گیا اور یہی تسلیم نہیں کہ المنطلق
وصف ہے اس لئے کہ الف لام جب اسم فاعل پر اصل
ہوتا ہے تو وہ موصولہ بمعنی الذی ہوتا ہے اور موصول
اپنے صلہ سے مل کر ذات میں سے ہوتا ہے پس اس میں
یہ احتمال پیدا ہو گیا کہ زید سے مستے بنید مراد ہے کہ
صفت ہو جانے کے باعث اس کو خبر بنایا جائے
اور المنطلق کو ذات ہو جانے کے سبب سے مبتدأ
لہذا اس جواب سے معلوم ہو گیا کہ دونوں قرینے بجا

ہیں پس تقدیم مبتدأ مثال مذکور میں واجب ہو گئی
والشرا علم ۱۲
۱۳۱ قولہ او کاتا متساوین الخ یہ وجوب
تقدیم مبتدأ کا قیاس موضع ہے چونکہ معرفتین کا بیان
ما سبق میں ہو چکا ہے اس لئے اب نہ کہ ہی باقی رہ گیا
اور نہ کہ چونکہ اس وقت تک مبتدأ نہیں بن سکتا جب
تک کہ اس میں وجوہ مذکورہ سابقہ میں سے کسی سبب سے
تخصیص نہ پیدا ہو جائے لہذا تسادی فی التخصیص مراد
ہوتی پھر تسادی فی التخصیص کی دو صورتیں ہیں اصل
کے اعتبار سے تخصیص ہوگی یا مقدار کے اعتبار سے
اور تخصیص فی المقدار چونکہ مراد نہیں اس لئے شائع
نے فی اصل التخصیص لانی قدرہ کا اضافہ کر کے امر
مذکور کو واضح اور ظاہر کر دیا اب رہی یہ بات کہ
مساوات فی قدرہ تخصیص مراد کیوں نہیں تو اس کا
جواب یہ ہے کہ اگر یہ بھی مراد ہوتی تو غلام رجل صالح
خیر منك والی مثال درست نہ ہوتی اس لئے کہ
اس میں اصل تخصیص میں تو مساوات ہے مگر قدر
تخصیص میں مساوات نہیں کیونکہ تخصیص احد ہما
نائبہ ہے آخر پر اس لئے کہ غلام معتقد رجل کی طرف
امانت کے سبب سے خاص ہو گیا اور رجل صالح
کی صفت ہونے کے سبب سے نیز یہ بھی احتمال
ہے کہ صالح کو مؤخر پر لایا جائے اور غلام کی صفت
قرار دیا جائے پس ان دونوں وجوہوں سے غلام میں
دو گونہ تخصیص پیدا ہو گئی بخلاف خبر کے کہ اس میں
تخصیص تو پیدا ہو گئی مگر مبتدأ کے مرتبہ کی نہیں اس
لئے کہ تخصیص مبتدأ تو مرتبتین ہے یعنی اضافت
اور صفت کے اعتبار سے ہے اور تخصیص خبر صرف
ایک مرتبہ یعنی صفت کے اعتبار سے کیونکہ
منك خبر کی صفت ہے نیز خبر میں اس تخصیص
کے ہوتے ہوئے بھی ابہام موجود ہے اس لئے
کہ خبر منك غلام اور غیر غلام دونوں کو شامل ہے
بخلاف مبتدأ کے کہ وہ اس غلام سے خاص ہو گیا
جو کہ غلام رجل صالح کے غیر ہے پس اگر مساوات
فی قدرہ تخصیص مراد لی جاتی تو مثال میں یہ مساوات
مفقود ہے لہذا اس مثال کو ذکر کرنا درست نہ

ہوتا حالانکہ یہ مثال بالکل صحیح ہے اور اس میں بھی تقدیم مبتدا واجب ہے پس مساوات فی اسل التخصیص مراد ہوگی اور وہ چونکہ اس مثال میں موجود اس لئے مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہو گیا اب رہا یہ امر کہ شایح نے مصنف کی مثال پر کنیوں نہیں لکھا کیا علیحدہ مثال بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شایح کی ذکر کردہ مثال میں تفصیص زیادہ ہے جیسا کہ بیان ہوا اور مصنف کی مذکورہ مثال میں تفصیص اس سے کم جیسا کہ ابھی آئیگا اس وجہ سے شایح نے اپنی مثال علیحدہ بیان کی واللہ اعلم ۱۲

۵۲۹۲ قولہ مثل فضل منی الخ یہ تساوی فی مہل تفصیص کی مثال ہے اس میں فضل منی زیادہ تھا ہے نسبت افضل منک کے اس لئے کہ ضمیر مستکمل صرف ہوتی ہے ضمیر مخاطب سے پس مثال مذکورہ میں اگر یہ افضل منی کی تفصیص افضل منک سے ناسخ ہے مگر اسل تفصیص میں تو دونوں برابر ہیں اس لئے کہ فضل منی میں بھی تفصیص ہے اور افضل منک میں بھی لہذا افضل منی کو اگر مبتدا قرار دیا جائے تو اس کا مقدم کرنا واجب ہو گیا تاکہ التباس نہ ہو اور اشتباہ نہ ہو جائے پس اس جگہ شایح رفعا للاشتباہ کا اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں معرفتیں اور متساوتین کی صورتوں میں تقدیم مبتدا رفع اشتباہ کی غرض سے ہے پس رفعا للاشتباہ فعل مقدر کا مفعول لہ سے جس کی تقدیر یہ ہے یکب تقدیم المبتدا فی الصور تین رفعا للاشتباہ فی المعنی واللہ اعلم ۱۲

۵۲۹۵ قولہ اوکان الخبر الخ یہ چوتھا

مقام ہے کہ جس میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے کہتے ہیں کہ جب خبر مبتدا کے لئے فعل ہو یعنی خبر ایسا فعل ہو جو مبتدا سے وجود میں آیا ہو جیسے زید قائم اس میں فعل قیام زید مبتدا کے لئے ہے نہ کہ غیر کے لئے اس میں بھی تقدیم مبتدا واجب ہے اس کی وجہ شایح آئندہ بیان کرتے ہیں اور احتراز عما الخ سے شایح نے یہ بتایا ہے کہ لای قبلا احترازی ہے اور اس سے وہ خبر خارج ہے

۵۲۹۴ وجب تقدیمہ ایضا مثل افضل منی افضل منک رفعا للاشتباہ اوکان الخبر فعلا لہ ای للمبتدا احترازا عما لایکون فعلا لہ کما فی قولک زید قام ابوہ فاتہ لایجب فیہ تقدیم المبتدا لجواز قام ابوہ زید لعدم الالتباس مثل زید قائم وجب تقدیمہ ای تقدیم المبتدا علی الخبر فی هذه الصور اما فی الصور الاول فلما ذکرنا واما فی الصورة الاخیرة فلما یلتبس المبتدا بالفاعل اذا کان الفعل مفعولا

غلام رجل صالحه خیر لکنک تو بھی مبتدا کی تقدیم واجب ہوگی (باوجودیکہ یہاں خبر مبتدا سے انقص ہے) «جیسے افضل منی افضل منک» اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے «یا خبر اس کے لئے فعل ہو» یعنی مبتدا کے لئے یہ اس سے احتراز ہے جو خبر مبتدا کے لئے فعل نہ ہو جیسے تمہارے قول زید قام ابوہ میں ہے کیونکہ اس میں مبتدا کی تقدیم واجب نہیں ہے کہ قام ابوہ زید جائز ہے (کہ اعتبار قبل الذکر لفظا لازم آتا ہے اور وہ جائز ہے) اس لئے کہ التباس نہیں ہے (یعنی مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس لازم نہیں آتا کہ قام کا فاعل ابوہ ہے) «جیسے زید قام واجب ہے اس کی تقدیم» یعنی ان سب صورتوں میں خبر پر مبتدا کی تقدیم واجب ہے بہر حال پہلی (تین) صورتوں میں تو اس وجہ سے (تقدیم ضروری ہے) جس کا ہم نے ذکر کر دیا (یعنی صورت اولیٰ میں وجوب صدر اور باقی دو میں رفع التباس کی وجہ سے) اور بہر حال صورت اخیر میں (وجوب تقدیم مبتدا) تو اس لئے کہ مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس نہ ہو جبکہ فعل مفرد ہو جیسے زید قام کہ جب

جو مبتدا کے لئے فعل نہ ہو بلکہ مبتدا کے غیر کے لئے ہو جیسے زید قام ابوہ کہ اس میں زید مبتدا ہے اور قام ابوہ اس کی خبر مگر یہ فعل قیام زید مبتدا کے لئے نہیں بلکہ زید کے باپ کے لئے ہے اور درجہ حتران یہ ہے کہ اس میں تقدیم مبتدا واجب نہیں اس لئے کہ قام ابوہ زید بھی کہنا جائز ہے کیونکہ کسی قسم کا التباس لازم نہیں آتا اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قام ابوہ زید کہنے سے تو التباس لازم آتا ہے لہذا اس میں بھی تقدیم مبتدا واجب ہونی چاہئے اور وجہ التباس یہ ہے کہ زید قام ابوہ میں تو قیام کا اسناد زید کے باپ کی طرف ہو رہا ہے اور قام ابوہ زید کے لئے یہ ہوں گے کہ اس کا باپ زید کا کھرا ہوا پس اولیٰ صورت میں تو زید کے باپ کا قیام بیان کرنا مقصود تھا اور اس صورت میں ضرور

زید ہی کا قیام بیان کیا جا رہا ہے جو کہ باپ ہے اس لئے کہ زید ابوہ سے بدل ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہو تو اعتبار قبل الذکر لفظا و تبتہ لازم آتا ہے کیونکہ ابوہ میں ضمیر کا مرجع مرے سے مذکور ہی نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۵۲۹۶ قولہ وجب تقدیم الخ یہ چوتھ شرط مذکورہ بالا کی خبر ہے یعنی مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تقدیم مبتدا خبر پر واجب ہے اول کی میں ہوتی کی وجہ تو بیان ہماری رہی صورت چہارم اخیر تو اس کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ اگر تقدیم مبتدا واجب نہ ہو تو مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس لازم آئیگا جبکہ فعل مفرد ہو جیسے زید قام کے بجائے اگر قام زید کہیں گے تو زید جو کہ مبتدا ہے فاعل کے ساتھ ملتبس ہو گیا اس لئے کہ قام فاعل کو ملتا ہے

مثل زید قام فانه اذا قيل قام زيد التباس المبتدأ بالفاعل او بالبدل عن
الفاعل اذا كان مثنى او مجموعاً فانه اذا قيل في مثل الزيد ان قاما والزید
قاموا قاما الزیدان وقاموا الزیدون یحمل ان یکون الزیدان والزیدون
بدلاً عن الفاعل فالتباس المبتدأ به او بالفاعل علی هذا التقدير ایضاً
علی قول من یجوز کون الالف والواو حرفاً والاعلی تثنية الفاعل وجمع
کالتاء فی ضربت هند واذا تضمن الخبر المفرد ای الذی لیس بجملة
صورة سواء کان بحسب الحقیقة جملة او غیر جملة ماله صدر الکلام

قام زید کہا جائے گا تو مبتداء کا فاعل کے ساتھ التباس ہوگا یا فاعل سے بدل کے ساتھ جبکہ
فعل تثنیہ یا جمع ہو پس جبکہ الزیدان قاما اور الزیدون قاموا کے مثل میں قاما الزیدان
اور قاموا الزیدون کہا جائے تو اس بات کا احتمال ہوگا الزیدان اور الزیدون فاعل
سے بدل (الکل من الکل) ہو پس مبتداء کا بدل عن الفاعل کے ساتھ التباس ہوگا۔
یا اس تقدیر پر بھی فاعل کے ساتھ مبتداء کا التباس ہوگا اس شخص کے قول کی بنا پر جو
الف (تثنیہ) اور واو (جمع) کو ضمیر فاعل قرار نہیں دیتا بلکہ صرف فاعل کے تثنیہ و جمع پر
دلائل کرنے والا حرف تجویز کرتا ہے جیسا کہ ضربت ہند میں تاء ہے اور جب متضمن ہو خبر
مفرد یعنی جو کہ صورت کے اعتبار سے جملہ نہیں خواہ حقیقت کے اعتبار سے جملہ ہو یا جملہ

امر یہ دلالت کرنے کے لئے کہ ان کا فاعل تثنیہ
اور جمع لایا جائیگا جیسا کہ ضربت ہند میں تاء
ساکنہ مؤنثہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا
فاعل مؤنث ہوگا پس اس قول کے مطابق قاما
الزیدان اور قاموا الزیدون کہنے سے الزیدان
اور الزیدون دونوں بجائے بدل عن الفاعل
ہونے کے قاما اور قاموا کے فاعل ہونے میں
طبیعی ہوں گے حالانکہ یہ دونوں مبتداء ہیں (فائدہ)
اس مذہب کی بنا پر فعل کا مفرد اور تثنیہ و جمع
ہونا برابر ہے لہذا پہلی مثال قام زید اور قاما
الزیدان اور قاموا الزیدون میں کوئی فرق نہیں ہو
گا یعنی جو صورت التباس قام زید میں پیدا ہو
گی وہی ان دونوں مثالوں میں بھی پیدا ہوگی مگر
یہ مذہب ضعیف ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۹۴ قولہ واذا تضمن الخبر المفرد

تقدیم مبتداء کے مواضع بات سے فارغ ہونے

تو زید اس کا فاعل بنے گا حالانکہ قام کا فاعل زید
نہیں بلکہ ضمیر مفرد مستتر ہے جو زید کی طرف راجع
ہے یا اگر فعل تثنیہ یا جمع ہو تو بدل عن الفاعل سے
التباس لازم آئیگا جیسے الزیدان قاما اور الزیدون
قاموا کے بجائے اگر قاما الزیدان اور قاموا الزیدون
کہا جائیگا تو احتمال پیدا ہوگا الزیدان اور الزیدون
دونوں اس ضمیر فاعل مستتر تثنیہ اور جمع سے بدل
ہیں جس کی طرف صیغہ تثنیہ و جمع قاما و قاموا سے
اشارہ ہو رہی ہے حالانکہ الزیدان الزیدون دونوں
مبتداء ہیں اور قاما اور قاموا کا فاعل ضمیر تثنیہ و جمع
ہے یہ مذکورہ بالا صورت میں التباس مبتداء بالبدل
عن الفاعل لازم آئیگا لہذا اس سے بچنے کے لئے
مبتداء کو مقدم کرنا واجب ہوگا یا اسی تثنیہ و جمع کی
صورت میں فاعل سے ہی التباس مبتداء لازم آئیگا
مگر یہ اس شخص کے قول کے مطابق ہے جو اس بات
کو جائز قرار دیتا ہے کہ الف تثنیہ اور واو جمع اس

کے بعد اب مصنف رحمہ اللہ وجوب تقدیم خبر
کے مواضع بات بیان فرماتے ہیں وجوب تقدیم
خبر کے مواضع بات بھی چار ہیں منجملہ ان کے ایک
یہ ہے کہ جب خبر مفرد کسی ایسی شے پر مشتمل ہو
کر جس کے لئے صدارت کلام واجب ہے تو خبر
کا مقدم کرنا واجب ہے جیسے ان زید اب اس
جگہ ایک اعتراض دافع ہوتا ہے کہ مثال مثل کے
مطابق نہیں ہے اس لئے مثل میں تو کہا گیا ہے
کہ خبر مفرد ہونی چاہئے اور مثال دی گئی ہے خبر جملہ
کی اس لئے کہ لفظ ان جو کہ خبر ہے وہ بقاعدہ مذکورہ
واما دقع ظرفاً فالاکثر علی انہ یقدر بجملة۔ جملہ کی
تاویل میں ہوگا اس لئے کہ ان ظرف ہے تو شائع ہے
اس کا جواب ای الذی لیس بجملة الخ سے یہ دیا کہ المفرد
میں بقاعدہ مشہورہ الف لام بمعنی الذی ہے اور
لفظ مفرد بمعنی ماضی پھر چونکہ افراد کے بہت سے
معنی آتے ہیں مثلاً ضد مرکب ضد مضاف ضد جملہ
وغیرہ اس لئے ان معانی میں سے ایک معنی کی تعیین
کرنے کے لئے شرح میں لفظ مفرد بمعنی ماضی ذکر
نہیں کیا بلکہ اس لفظ کے جو معنی ہوتے تھے ان کو
ذکر کر دیا یعنی لیس بجملة کہہ دیا پس اس سے معلوم
ہو گیا کہ مفرد کے معنی اس جگہ جملہ کی ضد کے ہیں
پھر صورت کے اضافہ سے مذکورہ سوال اس طرح
مندفع کر دیا کہ ان اگرچہ تاویل کر کے جملہ بن جاتا
ہے مگر صورت کے لحاظ سے مفرد ہی ہے جملہ
نہیں پس خبر کے لئے مفرد صورت ہونا چاہئے خواہ
وہ تاویل جملہ ہو پھر سوا کان بحسب الحقیقة الخ کا
اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ تاویل
میں دو مذہب ہیں ایک بصرین کا اور ایک
کوفیین کا بصرین ظرف کو جملہ کے ساتھ مؤول
کر کے فعل کے متعلق کرتے ہیں۔ پس اس طرح
ظرف حقیقہ جملہ ہو جاتا ہے اور کوفیین ظرف کو
اسم فاعل کے متعلق کرتے ہیں اس لئے ظرف
حقیقہ مفرد رہتا ہے جملہ نہیں ہوتا پس بحسب
الحقیقہ جملہ سے بصریہ کے مذہب کی طرف اشارہ
ہو گیا اور غیر جملہ سے کوفیہ کے مذہب کی طرف
علی الترتیب اللف والنشر واللہ اعلم ۱۳۔

۲۹۸ قولہ ای معنی وجب لا الخ اس عبارت کی تشریح بعینہ وہی ہے جو دا کا ان المبتدا مشتمل علی مالہ صدر الکلام کی شرح کے ذیل میں گذر چکی علیٰ ہذا القیاس کا لا استفہام کے اضافہ کی وجہ سے اس کے بعد مفصلاً ذکر کی جا چکی ہے رجوع کیا جائے واللہ اعلم ۱۲۔

۲۹۹ قولہ مثل این زید الخ یہ خبر مفرد کے ان معنی پر مشتمل ہونے کی مثال ہے جن کے لئے صدارت کلام ضروری ہے پس این زید میں زید مبتدا ہے اور این اس کی خبر جو کہ معنی استفہام کو متضمن ہے نیز این ظرف مکان ہے پس اگر اس میں فعل مفرد نکالا جائیگا جیسا کہ بصرین کا مذہب ہے تو خبر حقیقہً تو جملہ ہوگی اور صورتہً مفرد اور اسم فاعل مخاۃ کو ذہن کے مذہب کے مطابق مقدم کیا جائے تو خبر صورتہً اور حقیقہً دونوں طرح مفرد ہی ہوگی بہر حال دونوں تقدیروں پر خبر صورتہً جملہ نہیں ہو سکتی بلکہ مفرد ہی ہے کی لہذا مثال اور مثل دونوں میں مطابقت علی حالہ باقی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۰۰ قولہ واحترز بہ الخ اس جگہ سے شایع مصنف کی قید المفرد کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ الجز المفرد میں المفرد کی قید احترازی ہی لہذا اس سے وہ خبر خارج ہو جائے گی کہ جو مفرد نہ ہو جملہ ہو جیسے زید این ابوہ اس لئے کہ اس جگہ تقدیم خبر کی مبتدا پر واجب نہیں اور وجہ یہ ہے کہ جو معنی صدارت کلام کو متضمن ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اس جملہ کے شروع میں لائے جائیں کہ جس میں وہ ہیں پس زید این ابوہ میں چونکہ وہ معنی جملہ مدخول فیہائے اول میں ہیں لہذا انکا مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہ ہوا بخلاف این زید کے کہ یہاں مبتدا کے بعد کوئی ایسا جملہ نہ تھا کہ اس کے واسطے میں این کو لایا جاتا لہذا اس جگہ مبتدا پر اس کا مقدم کرنا واجب ہو گیا تاکہ اس جملہ میں اس کے لئے صدارت پائی جائے مختصراً یہ کہ این کا مدخول ابوہ ہے زید نہیں اور ابوہ کے شروع میں این داخل ہے لہذا جو معنی صدارت کلام کو متضمن ہیں یعنی این کا استفہام کے لئے ہوتا وہ معنی اب

۲۹۸ ای معنی وجب لا الخ صدر الکلام کا لا استفہام مثل این زید فزید مبتداً و این اسم متضمن للاستفہام خبرکہ و هو ظرف فان قیدہ فعل کان الخبر جملہ حقیقہً مفرداً صورتہً وان قد ر باسم الفاعل کان الخبر مفرداً صورتہً وحقیقہً و علی التقديرین لیس بجملہ صورتہً واحترز بہ عن نحو زید این ابوہ اذ لا یبطل بتأخیر صدارۃ مالہ صدر الکلام لتصدرة فی جملة أو کان الخبر بتقدیمہ مَصَحَّحاً اِی للمبتداً من حیث انه مبتداً فبتقدیمہ یصير وقوعه مبتداً مثل فی الدار

نہ مو «اس کو کہ جس کے لئے صدر کلام ہے» یعنی اس معنی کو متضمن ہو کہ جس کے لئے صدر کلام واجب ہے استفہام کی مانند «جیسے این زید» پس زید مبتدا ہے اور این اسم ہے استفہام کو متضمن اس کی خبر ہے اور این ظرف ہے (کیونکہ اس کے لئے متعلق کا ہونا ضروری ہے جو اس میں عمل کرے) پس این ظرف کو فعل کے ساتھ مقدم کیا جائے تو خبر حقیقت کی رو سے جملہ اور صورت کے اعتبار سے مفرد ہوگی اور اگر اسے اسم فاعل کے ساتھ مقدم کیا جائے تو خبر صورت حقیقت (دونوں) کے اعتبار سے مفرد ہوگی اور خبر دونوں تقدیروں پر صورت کی رو سے جملہ نہیں اور مصنف نے مفرد کی قید سے زید این ابوہ کی مانند سے احتراز کیا کیونکہ اس خبر کی تاخیر سے اس کی صدارت کہ جس کے لئے صدر کلام ہے باطل نہیں ہوتی کیونکہ وہ (دوسرے) جملہ کے شروع میں (ہی) ہے «یا ہو» خبر اپنی تقدیم کی وجہ سے «صحیح اس کے لئے» یعنی مبتدا کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ مبتدا ہے تو خبر کی تقدیم سے مبتداء واقع ہونا صحیح ہو جائے گا «جیسے فی الدار رجل» کہ فی الدار اس

اس وجہ سے وہ معنی بھی جملہ کے شروع میں ہی ہیں۔ (یعنی ابوہ کے) لہذا اب یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ایک ایسی ہی مثال ہے کہ جس میں وہ معنی موجود ہیں جن کے لئے صدارت ضروری ہے مگر صدارت موجود نہیں (خاندک) جانتا جائے کہ اذ لا یبطل بتأخیرہ میں ضمیر کا مرجع خبر ہے یعنی این ابوہ (جو کہ زید سے مؤخر ہے) اور صدارۃ مالہ صدر الکلام لا یبطل کا فاعل ہے اور لتصدرة فی جملۃ میں دونوں مجرور ضمیروں کا مرجع مالہ صدر الکلام ہے (یعنی وہ معنی کہ جن کے لئے صدارت کلام واجب ہے) واللہ اعلم ۱۲۔

۳۰۰ قولہ ما کان الخبر الخ یہ وجوب تقدیم خبر کا دوسرا موقع ہے یعنی جب خبر مقدم ہو کہ مبتدا

بھی صدر الکلام میں ہی ہیں وسط کلام میں نہیں آسکتے کہ معنی مقفی صدر الکلام کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ چند جملوں میں سے کسی ایک کے شروع میں آئیں مگر شرط یہ ہے کہ جس جملہ کے شروع میں وہ آئیں اس جملہ کا کوئی رکن ان معنی مقفی صدارت پر مقدم نہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ زید این ابوہ میں دو جملہ ہیں پس این دوسرے جملہ پر داخل ہوا اور جس پر یہ داخل ہوا اس کا کوئی رکن این پر مقدم نہیں لہذا صدارت کلام باقی گئی اسی کو شایع کہتے ہیں کہ اس قید سے زید این ابوہ کے مثل سے احتراز ہو گیا اس لئے کہ این کے زید سے مؤخر ہو جانے کے سبب سے ان معنی کی صدارت باطل نہیں ہوتی جن کے لئے صدارت کلام ضروری ہے

رجل فان في الدار خبر مختص بالمبتدأ بتقديمه كما عرفت فلو
اخر بقى المبتدأ نكرة غير مخصوصة ^{بـ} في كان لمتعلقه بكسر
اللام لان كان المتعلق الخبر التابع له بتبعيته يمتنع معها تقديمه على

خبر ہے جس کی تقدیم سے مبتدأ نے خصوصیت پالی جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا پس اگر خبر کو مؤخر
کیا جائے تو مبتدأ نکرہ غیر مخصوصہ رہ جائے گی «یا» ہو «اس کے متعلق کیلئے» لام کی کسرہ
کے ساتھ یعنی خبر (کی جزو) کے متعلق کے لئے جو کہ خبر کے لئے ایسی تبعیت کے ساتھ تابع ہو

اس کے لئے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے! بلکہ
رجل ہر اس شخص کو کہیں گے جس میں علامات ذکر
موجود ہوں گی اور انالہ اس طرح کر دیا کہ رجل
سے مراد ذات رجل نہیں بلکہ اس حیثیت سے
ہو کہ یہ مبتدأ واقع ہو والٹر علم ۱۲

۱۳ قول ادکان لمتعلقہ الخیرہ تیسرا
موقع ہے کہ جہاں خبر کی تقدیم مبتدأ پر واجب ہے
یعنی اگر مبتدأ میں کوئی ضمیر ہو جو کہ متعلق خبر کی طرف
نوشی ہو تو اس جگہ بھی خبر کی تقدیم مبتدأ پر واجب
ہوگی اس لئے کہ اگر خبر کو مقدم نہ کریں گے تو اضافہ
قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں
شائع نے اس جگہ کلمہ اد کے بعد لفظ کان کا اضافہ
کر کے ایک سوال مقدم کا جواب دیا ہے سوال یہ
ہے کہ قول مصنف او لمتعلقہ دو حال سے خالی نہیں
یا تو اس کا عطف اسم کان پر ہوگا یا خبر کان پر مگر
دونوں درست نہیں اول تو اس لئے کہ جار مجرور
اسم کان نہیں بن سکتا ہے اس لئے کہ یہ فاعل ہی
اور فاعل صرف خبر بن سکتا ہے اور ثانی اس لئے
صحیح نہیں ہے کہ جملہ کا عطف مفرد پر لازم آتا ہے
کیونکہ او لمتعلقہ ضمیر الخ جملہ ہوگا اور مصنف جو کہ کان
کی خبر ہے مفرد جواب یہ ہے کہ اس جگہ کان محذوف
ہے پس اعتراض کی دونوں صورتیں رفع ہو گئیں اس
لئے کہ اب کان کا عطف کان پر یعنی جملہ کا عطف
جملہ پر ہو گیا پھر اعتراض واقع ہوا کہ قول مصنف
لمتعلقہ بفتح اللام الثانی ہے اور مطلب یہ ہے
کہ خبر کے متعلق بالفتح کے لئے مبتدأ میں ضمیر موجود
متعلق خبر کی طرف راجع ہوا و متعلق خبر مبتدأ ہوتا ہے

کی تصحیح کرنے والی ہو تو اس وقت خبر کا مبتدأ پر
مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے فی الدار رجل کہ اس میں
فی الدار خبر ہے کہ مبتدأ ہی اس کی تقدیم کی وجہ سے
تخصیص پیدا ہو گئی جیسا کہ قد يكون المبتدأ نكرة اذا
تخصصت الخ کے ذیل میں گذر چکا پس اگر خبر کو مؤخر ہی
رکھا جاتا تو مبتدأ نکرہ مخصوصہ رہ جاتا رہ جاتا
لہذا رجل کا مبتدأ بنا درست نہ ہوتا اب جانا چاہئے
کہ شائع نے ادکان کے بعد الخبر کا اضافہ کر کے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کان میں ضمیر مستتر
ہے جو کہ اس کا اسم ہے اور خبر کی طرف راجع ہے
اور بتقدیم کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدم کا
جواب دیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف
کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذات خبر
مبتدأ کے لئے صحیح ہوگی پس اس سے یہ لازم آتا
ہے کہ رجل فی الدار میں رجل کا مبتدأ بنا درست
ہوگا۔ اس لئے کہ ذات خبر کا تو وجود ہی مبتدأ
کی صحت کے لئے ہے جواب یہ ہے کہ ذات
خبر معصوم للمبتدأ نہیں ہے بلکہ تقدیم خبر معصوم للمبتدأ
ہے لہذا رجل فی الدار کہنا صحیح نہیں ہوگا یا یہ کہ
سکتے ہیں کہ بتقدیم کی قید احترام کے لئے ہے
اور اس سے اس خبر کو غاصح کرنا مقصود ہے جو
مؤخر ہو کر معصوم للمبتدأ ہوتی ہے جیسے زید قام
کہ اس میں قام خبر ہے اور یہ اگر مؤخر نہ ہوتا تو
زید کا مبتدأ بنا صحیح نہ ہوتا اس لئے کہ یہ اس
صورت میں قام کا فاعل ہو جاتا پھر من حیث ان
مبتدأ کے اضافہ سے اس وجہ کا انالہ کر دیا کہ رجل
اولاد آدم میں سے مذکر کو کہتے ہیں لہذا فی الدار

تو مطلب یہ ہوگا کہ مبتدأ کے لئے مبتدأ میں ضمیر ہو
جو مبتدأ کی طرف راجع ہو تو اس سے فساد معنی لازم
آئیگا شائع نے بکسر اللام سے یہ جواب دیا کہ لمتعلقہ
میں لام ثانی مکرر ہے پس اس سے معلوم ہو گیا کہ
متعلق خبر خبر کا جزو ہوگا جس کی طرف مبتدأ کی ضمیر
راجع ہوگی پھر اس پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ یہ
دعویٰ تقدیم خبر کا قاعدہ علی الشرع عبیدہ متوکل مثال
سے منقول ہے اس لئے کہ اس میں عبیدہ مبتدأ
ہے اور یہ اس ضمیر کو مشتمل ہے جو متعلق خبر یعنی علی
الشرع کے لفظ الشرع کی طرف راجع ہے اس لئے کہ
علی الشرع متوکل کے متعلق ہے جو کہ عبیدہ کی خبر ہے مگر
یہاں خبر کی تقدیم مبتدأ پر واجب نہیں بلکہ خبر مبتدأ
سے مؤخر ہی ہے تو شائع نے اس کا جواب ای
کان لمتعلق الخیر الخ سے یہ دیا کہ متعلق سے مراد یہ ہے
کہ وہ خبر کے اس حیثیت سے تابع ہو کہ اس تابع
کی تقدیم خبر پر ممتنع ہو یعنی تابع خبر کا جزو یا مضاف
الیہ واقع ہو پس اگر علی التمرۃ میں التمرۃ کو علی پر مقدم
کریں گے تو ایک تو مجرور کا جار پر مقدم ہونا لازم
آئیگا اور دوسرے چونکہ التمرۃ بمنزلة جیسے ہے پس
تقدیم لازم آئے گی اور یہ دونوں امر جائز ہیں لہذا اب
اعتراض مذکور وارو نہ ہوگا اس لئے کہ مثال مذکور
میں متعلق خبر خبر کا جزو یا مضاف الیہ واقع نہیں کہ
اس جزو یا مضاف الیہ کی تقدیم خبر پر ممتنع ہو بلکہ
علی الشرع کا جار مجرور متوکل کے متعلق ہے اور اس
جار مجرور کا تقدم متعلق پر جائز ہے ممتنع نہیں
اسی کو شائع اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرما
ہے میں کہ او لمتعلقہ بکسر اللام کا مطلب یہ ہے
کہ مبتدأ وہ ضمیر ایے متعلق خبر کے لئے ہو جو خبر
کا ایسی تبعیت کے ساتھ تابع ہو کہ اس تبعیت
کے ساتھ اس تابع کی تقدیم خبر پر ممتنع ہو پس
علی الشرع عبیدہ متوکل جیسی مثال سے کوئی اعتراض
وارد نہیں ہوگا مگر بہترین جواب یہ ہے کہ متعلق
خبر سے وہ تابع مراد ہے کہ اس کی تبعیت کے
ہوتے ہوئے اگر مبتدأ کو خبر پر مقدم کریں تو
اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم آجائے جیسا

الخبر فلا يرد نحو على الله عبده متوكل ضمير كائن في جانب
المبتدا راجع إلى ذلك المتعلق اذ لو أخر لزم الاضمار قبل الذكر
لفظاً ومعنى مثل على التمرة مثلاً زبداً فقوله مثلاً
مثل التمرة مبتداً وفيه لتعلق الخبر وهو التمرة لان الخبر هو قوله
على التمرة والتمرّة متعلق به مثل تعلق الجزء بالكل أو كان الخبر

کہ اس تبعیت کے ہمراہ اس تابع کی تقدیم خبر پر ناجائز ہو لہذا علی اللہ عبده متوکل کی
مانند (جملے) کا اعتراض وارد نہ ہوگا (کیونکہ اس میں عبده کی ضمیر مجرور کی طرف راجع
ہے جو کہ نہ خبر ہے اور نہ ہی خبر کا جزء بلکہ خبر تو متوکل ہے لہذا اس میں خبر کی تقدیم واجب
نہوگی) (ضمیر کا) جو کہ ہو (مبتدا) کی جانب (میں) جو اس متعلق کی طرف راجع ہو۔
کیونکہ اگر خبر کو مؤخر کیا جائے تو لفظاً اور معنی اضمار قبل ذکر لازم آئے گا (علی التمرّة
مثلاً زبداً) پس قائل کا قول مثلاً ہی مثل التمرّة مبتدا ہے اور اس میں خبر
کے متعلق جو کہ ترہ ہے کیلئے ضمیر ہے کیونکہ خبر تو قائل کا قول علی التمرّة ہے اور ترہ اس

کو خبر پر مقدم کر نہیں سکتے کیونکہ مجرور کا جار پر مقدم
ہونا لازم آئیگا مگر اس میں تقدیم خبر مبتدا واجب
ہوگئی ورنہ اضمار قبل ذکر لفظاً ورتبہ لازم آئیگا
اور یہ ناجائز ہے ترہ مجرور کو کہتے ہیں اور زبده
مسکے کو جو کہ دودھ جاکر مدھانی سے ملو کر نکالا
جاتا ہے پس اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ مجرور پر ہی مجرور
کے برابر مسکے ہے اس مثال کی ترکیب یہ ہے کہ
علی التمرّة جار مجرور سے مل کر ظرف مستقر مفعول مطلقاً
خبر مقدم ہے اور مثلاً میز زبداً ضمیر مجرور سے
مل کر مبتدا مؤخر باقی بدستور واللہ اعلم ۱۲

۱۳ قولہ اوکان الخبر الخ یہ وجوب
تقدیم خبر کا جو تھا موضع ہے یعنی اگر خبر ان مفتوحہ
سے واقع ہو اور یہ اس وقت ہوگا کہ ان اپنے
اسم و خبر سے مل کر تبادل مفرد ہو کر مبتدا ہو اور
اس سے کوئی چیز خبر واقع ہو تو اس صورت میں بھی خبر
کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے عندي انک
قائم میں عندي خبر اور ان مفتوحہ اپنے اسم و خبر سے
مل کر تبادل مفرد ہو کر مبتدا واقع ہے لہذا اس وقت
خبر کا مقدم کرنا واجب ہوگا کیونکہ اگر خبر کو مقدم نہ
کریں گے تو اس میں قباحت پیدا ہو جائیگی اسلئے

موصوف کی صفت پھر موصوف اپنی صفت
سے مل کر اسم ہوگا کان کا کما مراب رہا یہ امر
کہ شارح نے لفظ جانب کا اضافہ کیوں کیا؟
تو اس سے ایک سوال مفرد کا جواب دیا ہے
سوال یہ ہے کہ مثال مثل کے مطابق نہیں اس
لئے کہ مثل میں تو کہا گیا ہے کہ ضمیر مبتدا میں ہوگی
یعنی مبتدا کا جزء ہوگی اور مثال میں ضمیر مبتدا کا
جز نہیں بلکہ مبتدا کا مضاف الیہ ہے جواب
یہ ہے کہ فی المبتدا سے مراد فی جانب المبتدا
ہے یعنی ضمیر مبتدا کی جانب میں ہو یہ ضروری نہیں
کہ مبتدا کا جزء ہی ہو بلکہ مضاف الیہ بھی ہو سکتی
ہے پس مثال مثل کے مطابق ہوگی واللہ اعلم ۱۲
۱۴ قولہ مثل علی التمرّة الخ یہ جواب

تقدیم خبر کے ضمیر سے موضع کی مثال ہے پس اس
میں قول مصنف مثلاً یعنی مثل التمرّة مبتدا ہے
اور اس میں ضمیر ہے جو کہ متعلق خبر کی طرف راجع ہے
یعنی ترہ کی طرف اس لئے کہ خبر قول مصنف علی
التمرّة ہے اور التمرّة اس خبر کا متعلق ہے اور یہ تعلق
اس کا ایسا ہے جیسا جز اکمل کے ساتھ ہوتا ہے
پس متعلق خبر سے مراد جزء خبر ہے اور اس خبر کے جزء

کہ علی التمرّة میں ہے بخلاف علی اللہ عبده کے
کہ یہاں عبده کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور
اہل عرب کے نزدیک اللہ کی طرف بدون اس
کے ذکر کے ضمیر راجع ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہ
معبود ہے پس اضمار قبل ذکر لازم نہ آئے گا
اس جگہ شارح کی عبارت ای کان متعلق الخبر الخ
ذرا پیچیدہ واقع ہوئی ہے اس لئے اس کی
ترکیب حوالہ قلم کی جاتی ہے ملاحظہ ہو کان فعل
ناقصہ کا اسم تو ضمیر کائن فی جانب المبتدا ہے
اس سے تو بحث نہیں رہی باقی عبارت تو اس
کی ترکیب یہ ہے کہ لام جار متعلق مضاف
الخبر مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے
مل کر موصوف التابع بحسب العین مشبہ فعل اسم
فاعل لام جارہ ضمیر مجرور راجع ہے خبر کی طرف
مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا التابع مشبہ
فعل کے ب جار تبعیہ موصوف یمتنع فعل مضارع
معروف مع مضاف ہا ضمیر مجرور راجع ہے تبعیہ
کی طرف مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ
سے مل کر ظرف ہوا یمتنع کا تقدیم مضاف ہا ضمیر
مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر
فاعل ہوا یمتنع کا علی جار الخ مجرور جار مجرور سے
مل کر متعلق ہوا یمتنع کے یمتنع فعل اپنے فاعل اور
ظرف و متعلق سے جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت موصوف
اپنی صفت سے مل کر مجرور جار اپنے مجرور سے
مل کر متعلق ثانی ہوا التابع مشبہ فعل کا مشبہ
فعل اپنے دونوں متعلقوں سے مل کر صفت
موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور جار اپنے
مجرور سے مل کر ظرف مستقر منصوب محلاً خبر
کان مقدم کا اپنے اسم مؤخر اور خبر مقدم سے
مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر تفسیر باقی بدستور
واللہ اعلم ۱۲

۱۵ قولہ ضمیر کائن الخ اس جگہ کائن
کا اضافہ کر کے شارح نے یہ بتایا ہے کہ فی المبتدا
جار مجرور متعلق کے اعتبار سے ضمیر کی صفت ہے
یعنی جار مجرور کائن کے متعلق ہوگا اور کائن ضمیر

خبراً عن ان المفتوحة الواقعة مع اسمها وخبرها المؤول بالمفرد مبتدأ اذ في تاخير خوف ليس ان المفتوحة بالمكسورة في التلظ لا مكان للذهول عن الفتحة لخفاؤها وفي الكتابة مثل عندى انك قائم وجب تقديم الخبر على المبتدأ في جميع هذه لما ذكرنا وقد يتعدد الخبر من غير تعدد الخبر عنه فيكون

کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ جز کا کل سے تعلق ہوتا ہے ((یا ہو)) خبر ((خبر ان سے)) ان مفتوحہ جو کہ اپنے اسم و خبر کے ساتھ مؤول بہ مفرد ہو کر مبتداء واقع ہے کیونکہ خبر کی تاخیر میں ان مفتوحہ کے ان مکسورہ سے تلفظ میں التباس و اشتباہ کا اندیشہ ہے (ان مفتوحہ کے ان مکسورہ کے ساتھ ملتبس ہونے کا اندیشہ) اس لئے (ہے) کہ فتح کے خفاء کی وجہ سے ممکن ہے کہ فتح سے ذہول یا کتابت سے غفلت ہو جائے (کہ فتح بہ وقت ادا سامع کو محسوس نہ ہو یا کتابت کے قانون کے ابتداء میں ان مکسورہ لکھا جاتا ہے کی وجہ سے ان مفتوحہ کی جگہ مکسورہ لکھا جائے) (جیسے عندی انک قائم اس کی تقدیم ضروری ہے) یعنی خبر کی تقدیم مبتداء پر ان تمام صورتوں میں ان وجوہ سے (ضروری) جو ہم نے ذکر کئے (اول) کبھی خبر متعدد ہوتی ہے (مخبر عنہ) مبتداء کے تعدد کے بغیر پس دو خبریں ہو سکتی ہیں۔ اور

کہ بر تقدیر ان مفتوحہ تو کلام کے معنی عام ہوتے ہیں یعنی میں جانتا ہوں کہ تو قائم ہے عام اس سے کہ تیرا قیام میرے نزدیک ہے یا دوسری جگہ کیونکہ اس صورت میں عندی کے معنی العلم کے ہوں گے بخلاف ان مکسورہ اور تقدیم مبتداء کے کہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تو میرے نزدیک قائم ہے پس اس صورت میں کلام کے معنی خاص ہو گئے اور یہی امر مفسد ہے کہ ایک عام معنی کو خاص کر دیا گیا واللہ اعلم ۱۲

۳۰۶ قولہ وجب تقدیر الخبر الخ یہ شرط مذکورہ بالا اذا تضمن الخبر الخ کی جزا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان تمام مذکورہ بالا صورتوں میں خبر کی تقدیم مبتداء واجب ہے بسبب ان وجوہات کے جو ذکر کی گئیں، شارح نے اس کی شرح فی جمیع ہذہ الصور سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ مبتدئ اس دم میں نہ پڑ جائے کہ وجب تقدیر خبر الخ امر اخیر سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اس کا تعلق تمام مذکورہ بالا امور سے ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲

۳۰۷ قولہ وقد يتعدد الخبر الخ مواضع

کہ جب مبتداء کو مقدم کریں گے تو ان مفتوحہ کا ان مکسورہ کے ساتھ ملتبس ہو جائیگا خوف پیدا ہوگا اس لئے کہ ابتداء کلام میں ان مکسورہ واقع ہوتا ہے نیز اس میں ذہول یعنی غفلت کا بھی امکان ہے، اس لئے کہ یہ اس صورت میں بغیر کلفت کے ادا ہو جائیگا کیونکہ فتح خفیف ہوتا ہے پس اس کے سریع فی الاداء ہونے کے سبب سے مخاطب کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ فتح ادا کیا گیا ہے یا کسر پھر کتابت کا قاعدہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ان وسط کلام میں لکھا جاتا ہے اور ان ابتدا میں پس جب عندی خبر مقدم نہیں ہوگی تو از روئے قواعد کتابت ان مکسورہ ہی لکھا جائیگا پھر چونکہ یہ التباس امر مفسد کو مستلزم ہے لہذا اس سے بچنے کے لئے خبر کو مقدم کریں گے تاکہ ان کو مفتوحہ پڑ جائے اور وہ امر مفسد ہے کہ اس صورت میں لفظ عندی جملہ بناؤں پر مفرد کی خبر نہیں ہوگا بلکہ یا تو ان کی خبر تانی ہوگا یا ظرف نیز سننے بھی فاسد ہو جائیں گے اس لئے

دو جب تقدیم خبر سے فاسخ ہونے کے بعد مصنف اب تعدد خبر کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ خبر کبھی متعدد بھی ہوتی ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ مبتداء بھی تو متعدد ہوتا ہے لہذا اس کے تعدد کو کیوں نہیں بیان کیا؟ تو شارح نے من غیر تعدد الخبر عنہ الخ سے یہ جواب دیا کہ اس جگہ احد ہما کے تعدد کو بغیر آخر کے بیان کرنا مقصود ہے یعنی صرف ایک معنی کے تعدد کو بیان کیا جا رہا ہے اور تعدد مبتداء بغیر تعدد خبر کے درست نہیں ہوتا اس لئے اس سے بحث نہیں اور تعدد خبر مع تعدد مبتداء امر ظاہر یہی ہے لہذا اس کے بھی بیان کی حاجت نہیں اب رہی صرف یہ صورت کہ تعدد خبر کو بیان کیا جائے سو وہ متن میں مذکور ہے اور شارح نے من غیر تعدد المبتداء کے بجائے من غیر تعدد الخبر عنہ اس واسطے کہا کہ لفظ خبر کی رعایت ہو جائے اور لفظ مبتداء چونکہ عام بھی بہت ہے اس لئے تفنن عبارت بھی شارح کے پیش نظر ہے پس جب خبر متعدد ہوگی دو بھی ہو سکتی ہیں اور دوسرے زائد بھی اس میں کوئی تحدید نہیں پھر اس پر یہ شبہ واقع ہوا کہ تعدد خبر شاید بغیر عاطف کے ہی ہوتی ہے اس لئے کہ مصنف نے صرف اسی کی مثال کو بیان کیا ہے تو شارح نے وذلك التعدد الخ سے اس کا ازالہ اس طرح کر دیا کہ تعدد صرف مذکورہ متن مثال میں منحصر نہیں بلکہ بواسطہ عطف بھی ہوتا ہے اور یہ عام بات ہے اس لئے مصنف نے ذہن ناظر پر اعتبار کرتے ہوئے صرف ایک ہی کو بیان کر دیا شارح کہتے ہیں کہ یہ تعدد یا تو لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہوگا اور یا صرف باعتبار لفظ کے پس اگر اول ہے تو اس کا استعمال دو طریقوں پر کیا جاتا ہے عطف کے ساتھ جیسے زید عالم عاقل اور بغیر عطف کے جیسے زید عالم عاقل اور اگر تعدد صرف لفظ کے اعتبار سے ہو تو اس کی مثال ہذا علو عا مضی ہے (یعنی یہ کھٹ میٹھا ہے) علو شیریں کو کہتے ہیں اور عا مضی ترش کو جس کا اردو ترجمہ کھٹ میٹھا کیا جاتا ہے پس یہ دونوں

الفاظ حقیقۃً خبر واحد ہی ہیں اس لئے کہ اس سے مقصود کیفیت متوسطہ بین الحلاوة والحوضۃ کو بیان کرنا ہے نہ کہ ہر ایک کا فرداً فرداً پس اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں ترک عطف ضروری ہے اور یہی مجموعہ نجات کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس میں معنی تعدد نہیں اور بعض نجات اس چیز کو دیکھتے ہوئے کہ اس میں لفظاً تعدد ہے جواز عطف کے قائل ہو گئے ہیں مگر یہ مذہب قابل اعتنا نہیں اب اگر کوئی کہے کہ شراح نے تعدد لفظ کو تو بیان کر دیا اور تعدد معنی سے گریز کیا اس کی کیا وجہ ہے تو وجہ یہ ہے کہ تعدد معنی کی مثال خارج میں کوئی موجود نہیں ہے اس لئے اس کو بیان کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی واللہ اعلم ۱۲

۳۰۸ قولہ ولا یبعد ان یقال الخ یہاں سے شراح اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ مصنف نے تعدد خبر کی صرف ایک مثال کو کیوں بیان کیا؟ تعدد خبر بواسطہ عطف کو بیان نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کو اس واسطے خاص کیا کہ مصنف کی مراد تعدد خبر سے وہ تعدد ہے جو بغیر عطف کے ہو اس لئے کہ تعدد بالعطف میں تو کسی قسم کا خفاء ہی نہیں ہے نہ خبر میں اور نہ مبتدا میں اور نہ ان دونوں کے غیر میں کیونکہ واسطہ موجود ہے اس لئے معلوم ہو جائیگا کہ خبر متعدد ہے بخلاف تعدد بغیر عطف کے کہ اس میں خفاء ہے کیونکہ وہ جانب مبتدا میں جائز نہیں ہے مبتدا بغیر عطف کے متعدد نہیں ہو سکتی پس اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ جانب خبر میں بھی تعدد بغیر عطف کے درست نہیں ہو گا حالانکہ ایسا نہیں ہے لہذا اس کے ازالہ کے لئے مصنف نے متعدد خبر بغیر عطف کی مثال بیان کر کے اس پر تنبیہ کر دی یہ جواب تو ہوا بطریق تسلیم کہ ہم تعدد غیر بالعطف کو تسلیم کرتے ہیں لیکن بطریق انکار یہ جواب ہے کہ متعدد بالعطف سرے سے خبر ہی نہیں ہوتا بلکہ توابع خبر سے ہوتا ہے لہذا یہ صورت تعدد خبر سے ہی خارج ہے اور بیان ہو

اشین فصاعداً وذلك التعدد اما بحسب اللفظ والمعنى جميعاً ويستعمل ذلك على وجهين بالعطف مثل زيد عالم وعاقل وبغير العطف مثل زيد عالم عاقل واما بحسب اللفظ فقط نحو هذا حلوا حاضاً فانهما في الحقيقة خبر واحد اى في هذه الصورة ترك العطف اولی ونظر بعض النحاة الى صورة التعدد وجوز العطف ولا یبعد ان یقال مراد المصنف بالخبر ما یكون بغير عاطف لان التعدد بالعطف لا خفاء به كما في الخبر وكما في المبتداً وكما في غیرهما وايضاً المتعدد بالعطف ليس بخبر بل هو من توابعه ولهذا اورد في المثال الخبر المتعدد بغير عاطف ولو جعل التعدد اعم فالاقصا ر عليه لذلك وقد

زیادہ بھی اور یہ تعدد یا تو لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہو گا اور اس کا دو طرح استعمال ہو گا عطف سے جیسے "زيد عالم وعاقل" اور عطف کے بغیر "جیسے زید عالم عاقل" اور لفظ کے اعتبار سے (تعدد ہو گا) فقط جیسے هذا حلوا حاضاً کہ حلوا اور حاضاً درحقیقت خبر واحد ہے یعنی مزر (میم کے پیش اور زاء سمجھ کی شد سے کٹا میٹھا) ہے اور اس صورت میں ترک عطف بہتر ہے اور بعض نحویوں نے تعدد کی صورت کو دیکھا اور عطف کو جائز رکھا اور بعید نہیں کہ کہا جائے کہ تعدد خبر سے مصنف کی خبر وہ (تعدد خبر) ہے جو عطف کے بغیر ہو کیونکہ عطف سے تعدد میں کوئی خفاء نہیں نہ خبر کے تعدد میں اور نہ ہی مبتدا (کے تعدد) میں اور نہ خبر و مبتدا کے غیر کے تعدد میں اور نیز متعدد بالعطف خبر ہی نہیں ہے بلکہ خبر کے توابع سے ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے مثال میں خبر متعدد بلا عطف کو وارد کیا ہے اور اگر تعدد کو (عطف و بغیر عطف سے) عام کیا جائے تو (مصنف کا مثال کے وارد کرنے میں) خبر متعدد بلا عطف پر اکتفا کرنا اسی وجہ سے ہے کہ خبر کے تعدد بالعطف

رہا ہے خبر کا لہذا اس کے بیان کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس واسطے مصنف مثال میں تعدد خبر بغیر عطف کو لائے ہیں اب اگر کوئی کہے کہ شراح کی عبارت میں تدافع ہے اس لئے ماضی میں تو اپنے قول و یستعمل ذلك علی وجهین سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ خبر ہے اور اس جگہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر نہیں جواب یہ ہے کہ شراح کی عبارت میں تدافع نہیں اس لئے کہ اول جگہ میں تو باعتبار اظہار کے بیان کیا اور اس جگہ اظہار واقع ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں اور اگر تعدد کو عام کر دیا جائے

۳۰۹ قولہ وقد تضمن المبتدا والخ جب مصنف رحمہ اللہ ان احکام کے بیان سے فارغ ہو گئے جو مبتدا اور خبر کے ساتھ علیحدہ علیحدہ مختص ہیں تو اب ان احکام کا بیان کرتے ہیں جو

یتضمن المبتدأ معنى الشرط وهو سببية الاول للثاني والحكم به فلا يرد عليه نحو وما بكم من نعمة فمن الله في شبه المبتدأ الشرط في سببته للخبر كسببية الشرط للجزاء فيصح دخول الفاء في الخبر وليصح عدم دخوله فيه نظر الى مجرد تضمن المبتدأ معنى الشرط وأما إذا قصد الدلالة على ذلك المعنى في اللفظ فيجب

في كونه خفاء نہیں) (اور مبتداء کسی شرط کے معنی کو متضمن ہوتی ہے) اور شرط کا معنی ہے اول کا ثانی کے وجود یا ثانی کے حکم کے لئے سبب ہو لہذا مصنف کے قول وقد يتضمن المبتدأ معنى الشرط وما بكم من نعمة فمن الله کی مانند کا اعتراض وارد نہ ہو گا لکہ وجود نعمۃ عند العباد اس کا سبب ہے کہ نعمت پر من جانب الشر ہونے کا حکم لگایا جائے تو مبتداء (شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے) خبر کے لئے سبب ہونے میں شرط کے مشابہ ہوئی جس طرح کہ شرط جزاء کے لئے سبب ہے پس خبر میں فاء کا داخل ہونا صحیح ہے اور خبر میں فاء کا داخل نہ ہونا بھی صحیح ہے مبتداء کے شرط کے معنی کو محض متضمن ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے اور بہر حال جبکہ لفظ میں اس معنی (سببیت)

نہیں آتا کہ ثانی خبری ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ خبر کے علاوہ ہو تو شائع نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگرچہ ایسا ہو سکتا ہے جو اعتراض میں مذکور ہے مگر یہاں یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سببیت مبتداء خبر کے لئے ہو پس مبتداء خبر کے لئے اپنی سببیت میں شرط کے مشابہ ہو جائے گی جیسا کہ شرط جزاء کے لئے سبب ہوتی ہے پس خبر میں فاء کا داخل ہونا صحیح ہو جائے گا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱۱ قولہ و صحیح عدم دخول الفاء اس سے شائع نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف فیصح دخول الفاء فی الخبر یعنی امکان خاص ہے یعنی طرفین سے سلب ضرورت کہ نہ جانب اول ضروری ہو اور نہ جانب آخر ضروری ہو پس دخول فاء ضروری ہے اور نہ عدم دخول فاء دونوں جانب غیر ضروری ہونے میں برابر ہیں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تضمن معنی شرط میں دعامر ہیں معنی شرط پر دلالت کا قصد کیا جائیگا یا نہیں اگر کیا جائیگا تو خبر پر فاء کا داخل ہونا واجب ہے اور اگر قصد نہ کیا جائیگا تو دخول فاء منع ہے اور مصنف کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دخول فاء صرف جائز ہے اور عدم دخول بھی صحیح ہے نیز مصنف نے جو کچھ کہا ہے وہ جمہور نحاة کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ جمہور مذکورہ معترضہ صورت کے قائل ہیں تو شائع نے اس کا جواب دینے کے لئے نظر الی مجرد الخ کا اضافہ فرمایا حال اس کا یہ ہے کہ مصنف نے جو صورت ذکر کی ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ محض تضمن مبتداء معنی شرط پر نظر کی جائے اور قصد دلالت و عدم قصد سے کوئی بحث نہ ہو اور جمہور نحاة جس طرف گئے ہیں وہ صورت قصد معنی شرط پر محمول ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱۲ قولہ وأما إذا قصد الدلالة على ذلك المعنى في اللفظ فيجب

افاضہ سے یہ جواب دیا کہ یہی ضروری نہیں کہ شے اول وجود ثانی کے لئے سبب ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اول حکم یا ثانی کا سبب ہو پس مذکورہ مثال میں اگرچہ اول وجود ثانی کے لئے سبب نہیں لیکن حکم یا ثانی کے لئے ضرور سبب ہے یعنی نعمۃ لم یبق بالعباد ہونا اس امر کے لئے سبب ہے کہ اس پر حکم کیا جائے کہ یہ اثر کی جانب سے ہے لہذا اب اعتراض مذکور واقع نہیں ہو گا حامل اس کا یہ ہوا کہ شرط کے دو معنی آتے ہیں اول وجود ثانی کے لئے سبب ہو یا حکم یا ثانی کے لئے۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱۳ قولہ فی شبه المبتدأ الخ اس عبارت سے شائع ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ محض مبتداء کا معنی شرط کو متضمن ہونا اس بات کا مقتضی نہیں کہ تفریع مذکورہ فی المتن فیصح دخول الفاء فی الخبر کو ذکر کیا جائے اس لئے کہ جائز ہے کہ مبتداء معنی شرط کو باعتبار سببیت شے آخر کے متضمن ہو مگر وہ شے آخر خبر نہ ہو غیر خبر ہو اس لئے کہ سببیت الاول للثانی میں الثانی سے یہ لازم

دونوں میں مشترک ہیں کہتے ہیں کسی مبتداء معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے تو خبر پر فاء کا داخل ہونا صحیح ہو جاتا ہے اور معنی شرط سے مراد یہ ہے کہ اول ثانی کے لئے سبب ہو یعنی جب تک اول نہ پایا جائے ثانی وجود میں نہ آئے اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ معنی شرط کے مذکورہ معنی درست نہیں اس لئے کہ وما بكم من نعمة فمن الله میں اول ثانی کے لئے سبب نہیں ہے حالانکہ خبر پر فاء داخل ہے جس کی ترکیب یہ ہے کہ کلمۃ ما مبتداء ہے اور من نعمۃ ما کلابان اور بکم یعنی المصلقة اور من الله خبر کہ اس پر فاء داخل ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی والنعمۃ المصلقة بکم فمن الله لیس اس میں سببیت اس وجہ سے مفقود ہے کہ وجود شے اول یعنی الصاق نعمۃ بالعباد وجود شے ثانی یعنی حصول من الله کے لئے سبب نہیں اس لئے کہ وجود نعمۃ بہر حال خالص تعاقب کی جانب سے ہوتا ہے عام ازیں کہ وہ ملحق بالعباد ہو یا نہ ہو پھر اس کے باوجود اس مبتداء کی خبر پر فاء داخل ہے تو شائع نے او حکم بہ کے

اب اس کو شائع بیان فرمایا ہے میں کہتے ہیں کہ جب لفظ مبتدا میں معنی شرط پر دلالت کا قصد کیا جائیگا تو خبر پر فار کا داخل ہونا واجب ہوگا لیکن جب لفظ مبتدا میں معنی شرط پر دلالت کا قصد نہیں کیا جائیگا تو فار کا داخل ہونا واجب نہیں ہوگا بلکہ عدم دخول فار واجب ہوگا (فانک) جاتا چاہئے کہ اس جگہ تین صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں دخول فار و عدم دخول دونوں غیر ضروری ہوں۔ دخول فار واجب ہو۔ عدم دخول واجب ہو تو اس کو اس طرح ضبط کیا جاسکتا ہے کہ مبتدا کے معنی شرط کو متضمن ہونے کے تین اعتبار ہیں ایک یہ کہ اس کی دلالت معنی سببیت پر مقصود ہو اور یہ مرتبہ بشرط شے کا ہے اور اس وقت فار کا دخول خبر پر واجب ہے دوسرے یہ کہ دلالت معنی سببیت پر مقصود نہ ہو اور مرتبہ بشرط لاشے کا ہے کہ اس میں شرط عدم دلالت کی ملحوظ ہے اور اس وقت عدم دخول فار واجب ہے تیسرے یہ کہ مبتدا مجرد معنی شرط کو متضمن نہ ہو نہ دلالت معنی سببیت پر مقصود ہو اور نہ عدم دلالت پس یہ مرتبہ لا بشرط شے کا ہے اور اس مرتبہ میں فار کا دخول اور عدم دخول دونوں برابر ہیں واللہ اعلم بالصواب

۳۱۳ قولہ وذلک المبتدا الخ یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مبتدا جب معنی شرط کو متضمن ہوگا تو وہ کون کون سے مواقع ہیں کہتے ہیں کہ وہ مبتدا جو معنی شرط کو متضمن ہے یا تو وہ اسم موصول ہوگا جس کا صلہ فعل یا ظرف ہوگا یعنی اس کے صلہ کو جملہ فعلیہ یا ظرفیہ کو جملہ فعلیہ کی تاویل میں کر لیا جائیگا بالاتفاق شائع نے اس جگہ ذلک کے بعد المبتدا المتضمن معنی الشرط کا اضافہ کر کے ذلک کے مشار الیک کو بیان کیا ہے اور لفظ اما کے اضافہ سے ایک سوال کا جواب دیا ہے کہ جب معطوف حرف اتا کے ساتھ آتا ہے تو معطوف علیہ پر اتانا واجب ہوتا ہے جیسے بذالعدد ما زورج واما فرد کہ اس میں فرد معطوف پر اتانا داخل ہے تو فرد معطوف علیہ پر دخول اتانا واجب ہے اور جب معطوف

دخول الفاء فیہ واما اذا المقصد فلم یجب دخوله فیہ بل یجب علیہ وذلک المبتدا المتضمن معنی الشرط اما الاسو الموصول بفعل او ظرف ای الذی جعلت صلته جملة فعلیة او ظرفیة مؤولة بجملة فعلیة ههنا بالاتفاق واما اشترط ان تكون صلته فعلا او ظرفا مؤولا بالفعل یتأكد مشابهة الشرط لان الشرط لا

پر (مبتدا کی) دلالت کا قصد کیا جائے تو خبر میں فار کا داخل ہونا ضروری ہے اور لیکن جبکہ دلالت کا قصد نہ کیا جائے تو خبر میں فار کا داخل ہونا ضروری نہیں بلکہ نہ داخل ہونا ضروری ہے (اور وہ) مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہوتی ہے یا تو (اسم ہوگا جو فعل یا ظرف کے ساتھ موصول ہوگا) یعنی ایسا اسم موصول ہوگا کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہوگا کہ جو یہاں بہ اتفاق بصر میں و کو فیین جملہ فعلیہ کے ساتھ مؤول ہوگا اور اسم موصول کے صلہ کے فعل یا ظرف مؤول ہوئے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مبتدا

کے نزدیک صحیح نہیں تو اس کا جواب شائع نے ہنہا بالاتفاق سے یہ دیا کہ اس جگہ بصر میں اور کو فیین دونوں کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ ظرف کو جملہ فعلیہ کی تاویل میں کر لیا جائے واللہ اعلم

۳۱۴ قولہ واما اشترط الخ یہاں سے شائع

یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم موصول کیلئے صلہ بفعل یا ظرف مؤول بفعل کی شرط کیوں کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ شرط اس واسطے کی گئی کہ مبتدا کی مشابہت شرط کے ساتھ بدرجہ اتم واکد ہو جائے اس لئے کہ شرط ہمیشہ فعل ہی ہوتی ہے پس جب مبتدا شرط کے مشابہ ہو جائے گا تو اس پر دخول فار درست ہو جائیگا اب اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلام مصنف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مبتدا معنی شرط کو متضمن ہو اور اس پر فار کا داخل ہونا صحیح ہو وہ اسی مذکورہ قسم میں منحصر ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اور بڑے ہیں کہ جہاں خبر پر فار داخل ہوتی ہے مثلاً وہ اسما کہ جن میں معنی شرط پائے جاتے ہیں اور مبتدا واقعہ جیسے انما یزید فلفظ اور من کان فی ہمدان اعمی فہو فی الاخرق اعمی وغیرہ جواب یہ ہے کہ مصنف نے اس موقع کو بیان کیا ہے جہاں دخول فار عدم دخول دونوں برابر ہیں اور ہم میں چیز کو سے کہ اعتراض کر رہے ہو وہاں

پر کھڑا اور داخل ہو تو معطوف علیہ پر اتانا داخل کرنا مستحسن ہوتا ہے تو مصنف نے معطوف پر اد داخل کیا ہے لہذا معطوف علیہ پر بھی اتانا داخل کرتے تاکہ امر مستحسن کا ترک جو کہ غیر مناسب ہے لازم نہ آتا جواب یہ ہے کہ ----- معطوف پر کھڑا اور داخل ہونے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ معطوف علیہ پر کھڑا (تالفظا ہی ذکر کیا جائے بلکہ تقدیر اعمی ہو سکتا ہے پس مصنف نے اگرچہ لفظا ذکر نہیں کیا مگر تقدیر ضرور ہے۔ اور ای الذی جعلت صلته الخ سے یہ بتایا ہے کہ الموصول میں الفلام بقاعدہ مشہورہ بمعنی الذی ہے وذلک قولہ سے مراد معنی لغوی یعنی متصل نہیں بلکہ معنی اصطلاحی ہیں یعنی جس کا صلہ آئے نیز اس سے ایک سوال کا بھی جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے اور فعل بغیر فاعل اور ظرف بغیر متعلق کے مفرد ہوتے ہیں لہذا یہ کس طرح اسم موصول کا صلہ بن سکتے ہیں؟ شائع نے جواب دیا کہ فعل سے تو مراد یہ ہے کہ وہ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو جائے اور ظرفیہ سے یہ مراد ہے کہ وہ فعل کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ کی تاویل میں ہو جائے پھر یہ اعتراض ہو کہ ظرف کو تاویل جملہ فعلیہ نماۃ بعبرہ کہ مذہب کے مطابق تو کرنا درست نہیں لیکن نماۃ بعبرہ

يكون الافعال في حكم الاسم الموصول المذكور الاسم الموصوف بها
او النكرة الموصوف بها اے باحد ہما وفي حکمها الاسم المضاف
اليها مثل الذي ياتيني هذا مثال للاسم الموصول بفعل او الذي
في الدار هذا مثال للاسم الموصول بظرف فله درهم اما مثال الاسم
الموصوف بالاسم الموصول المذكور فقوله تعالى قل ان الموت الذي تفرون
منه فانه ملائكتكم و مثل كل رجل ياتيني هذا مثال للاسم الموصوف

ہے اور اس کی خبر پر فار داخل ہو رہی ہے مگر
اس کی صفت فعل یا ظرف میں سے ایک بھی
واقع نہیں ہو رہی بلکہ غلام نکرہ اس نکرہ موصوفہ
کی طرف مضاف ہے جس کی صفت فعل یا ظرف
لائی گئی ہے لہذا یہ اس سے خارج ہو گیا۔ جواب یہ ہو گیا
کہ اسی نکرہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو نکرہ کی طرف
مضاف ہو اور یہاں ظاہر ہے کہ غلام کی اضافت نکرہ
موصوفہ کی طرف ہے وائد اعلم۔

۳۱۷ قولہ مثل الذي ياتيني الخ جیسے لائی

یا تینی غلام درہم یہ اس اسم موصول کی مثال ہے جس کا
صلہ فعل لایا گیا ہے اور الذي فی الدار غلام درہم اس
اسم موصول کی جس کا صلہ ظرف واقع ہو رہا ہے اس جگہ
قول ماتن ادنی الدار میں کھڑا دو چونکہ خبر کے لئے ہے
اس لئے یہاں بھی الذي محذوف نکالا جائے گا پس
شارح نے اؤ کے بعد الذي کا اضافہ فرما دیا پھر چونکہ
شارح نے وفی حکم الاسم الموصول الخ لکھ کر ایک سوال
کے جواب میں دوسری شق ظاہر کی تھی تو اس کی مثال
دیتے ہوئے واما مثال الاسم الموصوف الخ کا اضافہ فرمایا
کہتے ہیں لیکن اس اسم موصوف کی مثال جس کی صفت اسم
موصول مذکور کے ساتھ لائی گئی ہو تو وہ قول باری تعالیٰ
قل ان الموت الذي تفرون منه فانه ملائکتکم ہے تفصیل
گذر چکی وائد اعلم۔

۳۱۸ قولہ مثل كل رجل الخ اس جگہ داد کے

بعد مثل کا اضافہ کر کے شارح نے یہ بتایا ہے کہ اس کا
عطف مثل الذي یا تینی الخ پر ہے اور جیسے کل رجل
یا تینی فی الدار فله درهم یہ اس اسم نکرہ موصوفہ کی
مثال ہے جس کی مثال فعل لائی گئی ہے اور کل رجل
فی الدار فله درهم اس اسم نکرہ موصوفہ کی جس کی صفت
ظرف واقع ہو رہی ہے پھر چونکہ اس میں بھی شارح
نے ایک دوسری شق سوال کا جواب دیتے ہوئے
نکالی تھی لہذا اس کی بھی مثال بیان کرتے ہوئے
شارح نے واما مثال الاسم المضاف الخ کا اضافہ فرما
دیا کہتے ہیں لیکن مثال اس اسم کی جو نکرہ موصوفہ باحد ہما
کی طرف مضاف ہو تو وہ تیرا قول کل غلام رجل یا تینی
ادنی الدار فله درهم ہے اس کی بھی تفصیل گذر چکی

کی شرط کے ساتھ مشابہت ہو جائے کیونکہ شرط فعل ہی ہوتی ہے اور اسم موصول
مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اسم موصول مذکور کے ساتھ موصوف ہو (یا نکرہ ہو جو ان
دونوں کے ساتھ موصوف ہو) یعنی ان دونوں سے کسی ایک کے ساتھ (موصوف ہو) اور
اسی نکرہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس نکرہ کی طرف مضاف ہو (جیسے الذي ياتيني)
یہ اس اسم کی مثال ہے جو موصول ہو فعل کے ساتھ (یا) الذي لا فی الدار) یہ اس اسم
کی مثال ہے جو موصول ہو ظرف کے ساتھ (فله درهم) لیکن اس اسم کی مثال جو کہ
اسم موصول مذکور کے ساتھ موصول ہو تو ائد تعالیٰ کا قول قل ان الموت الذي تفرون
منه فانه ملائکتکم ہے (اور جیسے کہ) كل رجل ياتيني) یہ اس اسم (نکرہ) کی مثال
ہے جو کہ موصوف ہو فعل کے ساتھ (یا) كل رجل (فی الدار) یہ اس اسم (نکرہ) کی مثال

۳۱۶ قولہ او النكرة الخ یہ مبتدا متضمن

معنی شرط کا دوسرا موقع ہے۔ یعنی دوسری صورت
مبتدا متضمن معنی شرط کی یہ ہے کہ وہ ایسا نکرہ
ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ یا ظرف مذکورہ ہو
اور اس نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ ہر اسم ہے کہ
جس کی اضافت نکرہ موصوفہ مذکورہ کی طرف
ہو اس جگہ شارح نے اے باحد ہما سے شرح کر کے
یہ ظاہر کیا ہے کہ مصنف کی عبارت بہا بحدت
المضاف ہے یعنی احد مضاف محذوف ہے اس
لئے کہ نکرہ کا دخول فا کے لئے دونوں کے ساتھ
موصوف ہونا شرط نہیں ہے بلکہ احدهما کے ساتھ
شرط ہے اور وفی حکمها الاسم المضاف اليها
سے وفی حکم الاسم الموصول الخ کی طرح اس سوال
کا جواب دے دیا کہ یہ قاعدہ کل غلام رجل یا تینی
ادنی الدار فله درهم سے منقوض ہے اس لئے
کہ اس میں نقطہ غلام نکرہ مبتدا معنی شرط کو متضمن

دخل نادر واجب ہے۔

۳۱۵ قولہ وفی حکم الاسم الخ یہ عبارت

ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے
کہ مذکورہ بالا قاعدہ قول باری تعالیٰ قل ان الموت
الذي تفرون منه فانه ملائکتکم سے منقوض ہے
اس لئے کہ الموت اسم مبتدا ہے اور الذي اسم
موصول اور تفرون صلہ اور جار مجرور منہ اس کے
متعلق اور فانه ملائکتکم اس کی خبر پس اس جگہ
خبر پر فار داخل ہے باوجودیکہ اسم مبتدا کا صلہ
فعل نہیں ہے بلکہ اسم مبتدا موصوف ہے اور الذي
تفرون منہ اس کی صفت شارح نے جواب دیا کہ
جو اسم اسم موصول کے ساتھ موصوف ہو وہ بھی
اسی اسم موصول مذکور کے حکم میں ہے جس کی مثال مذکورہ
میں اگرچہ اسم مبتدا اسم موصول نہیں مگر اس کی
صفت تو اسم موصول ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ
لہذا اب اعتراض کی گنجائش نہیں رہی وائد اعلم

۱۹ قولہ ولیت وعل الخ یعنی لیت وعل جو کہ حروف مشبہ بفعل میں سے ہیں جب ایسے مبتدا پر داخل ہوں جو کہ معنی شرط کو متضمن ہو اور اس کی خبر پر دخول فلا صحیح ہو تو خبر پر دخول فاعل سے مانع ہوں گے اس لئے کہ خبر پر دخول فاعل کی صحت کا مدار اس شرط پر تھا کہ مبتدا اور خبر شرط و جزا کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور لیت وعل اس مشابہہ کو زائل کر دیتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں کلام کو خبریت سے نکال کر انشاء کی طرف لے جاتے ہیں اس لئے کہ لیت انشاء تسمی کے لئے آتا ہے اور لعل انشاء ترجمہ کے لئے اور شرط و جزا از قبیل اخبار ہیں نہ کہ از قبیل انشاء لہذا اس انشائیت کے باعث ان میں سے مشابہہ بالشرط و جزا زائل ہو جائے گی پس یہ دخول فار سے مانع ہو جائیں گے اور یہ منع باتفاق سخاۃ ہے پس لیت یا لعل الذی یا تینی اونی الدار فله ودرہم نہیں کہا جائیگا (بدخول الفانی الخبر) اب جاتا چاہئے کہ مصنف کے قول ولیت وعل مانعان سے اس سوال کا جواب ہو گیا کہ یہ قاعدہ کہ مبتدا جب معنی شرط کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر دخول فاعل صحیح ہوتا ہے اس مثال سے منقوض کہ لیت وعل الذی یا تینی فی الدار لہ ودرہم اس لئے کہ اس میں مبتدا معنی شرط کو متضمن ہے مگر اس کی خبر پر دخول فاعل صحیح نہیں بلکہ عدم دخول فاعل واجب ہے جواب کی تفصیل گذر چکی اور من الحروف المشبہہ بالفعل سے اس سوال کا جواب دے دیا کہ لیت وعل حروف ہیں اور اس جگہ یہ دونوں مبتدا واقع ہوئے ہیں اور مانعان خبر اور مبتدا اقسام اسم سے ہے لہذا انکا مبتدا بنانا صحیح نہیں جواب یہ ہے کہ یہ دونوں اس لیت وعل کا اسم ہیں جو کہ ترکیب میں حروف مشبہ بفعل واقع ہوتے ہیں پس ان کو مبتدا بنانا صحیح ہے پھر اگر کوئی کہے کہ جب یہ دونوں لیت وعل حروف مشبہ بفعل کے نام ہیں اور یہاں حروف مشبہ بفعل مراد نہیں اور اسکی وجہ سے ان کو مبتدا بنانا

بفعل اور کل رجل فی الدار ہذا مثال للاسم الموصوف بظرف فله درہم وکلامتان الاسم المضاف الی الذکر الموصوفہ باحدھا فقولک کل غلام رجل یا تینی اونی الدار فله درہم وکیت وعل من الحروف المشبہہ بالفعل اذا دخل علی المبتدا الذی یصح دخول الفاء علی خبرہ مانعان عن دخوله علیہ لان صحۃ دخوله علیہ انما کانت لمشابہة المبتدا والخبر للشرط والجزاء ولیت وعل تزیلان لتک المشابہة لانہما تخرجان الکلام من الخبریۃ الی الانشائیۃ والشرط والجزاء من قبیل الاخبار وذلک المنع انما ہو بالاتفاق من النجاة فلا یقال لیت اونی

ہے جو کہ موصوف ہو ظرف کے ساتھ «فله درہم» لیکن اس اسم کی مثال جو کہ نکرہ موصوفہ بہ فعل یا موصوفہ بہ ظرف مضاف ہو تو تمہارے قول کل غلام رجل یا تینی یا فی الدار فله درہم کی مانند ہے «اور لیت اور لعل» حروف مشبہہ فعل میں سے ہیں جس میں مبتدا پر داخل ہوں کہ جس کی خبر پر فاعل داخل ہونا صحیح ہے تو «مانع ہوتے ہیں» خبر پر فاعل کے دخول سے کیونکہ خبر پر دخول فاعل کی صحت مبتدا و خبر کے شرط و جزا سے مشابہ ہونے کی وجہ سے تھی اور لیت اور لعل تو اس مشابہت کو زائل کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکالتے ہیں اور شرط و جزا اخبار کے قبیل سے ہیں اور یہ منع کرنا نحو یوں کے «اتفاق کے ساتھ» ہی ہے لہذا انہیں کہا جائے گا لیت یا لعل الذی

صحیح ہے تو ان کو مرفوع کرنا واجب ہے پس ان کو مفتوح کہیں رکھا گیا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس لیت وعل سے جو کہ حروف مشبہہ بفعل میں سے ہیں محکی ہیں اور لیت وعل حرف مشبہہ بفعل فار محکی عنہ اور محکی عنہ معنی بالفتح ہے اس لئے کہ یہ دونوں حروف میں لہذا ان دونوں کو بھی محکی عنہ کا لحاظ کرتے ہوئے وہی اعراب بالفتح دے دیا گیا یا من الحروف المشبہہ بالفعل سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بھی طیر حرف مشبہہ بالفعل بھی ہوتے ہیں اس لئے کہ فعل سے کبھی جار ہوتا ہے جیسے قول مشاعرہ لعل ابی المفعول منک قریب کہ اس میں لعل نے ابی کو مجرور کر دیا اور لیت بھی نامیہ ہوتا ہے جیسے لیت زیداً قائماً جزین کے نصب کے ساتھ پس قید مذکورہ سے یہ دونوں خارج ہو گئے اور اذا دخل علی المبتدا الخ سے اس سوال کا جواب

دے دیا کہ کلام مبتدا میں ہو رہا ہے نہ کہ لیت وعل میں لہذا آخر وجہ عن البحت لازم آتا ہے جواب کے ظاہر ہو گیا کہ یہ بھی مبتدا کی ہی بحث ہے اس لئے کہ یہاں ان سے بحث اس حیثیت سے ہے کہ یہ دونوں مبتدا اور خبر پر داخل ہوں والہذا علم ۱۲ قولہ والشرط والجزاء الخ اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ شرط و جزا از قبیل اخبار ہیں اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شرط پر حرف استفہام داخل ہو کر خبر کو بفتح انشاء کر دیتا ہے اور شرطیہ فوت نہیں ہوتی جیسے ہاں ان کانت الشمس طالعة فالنہار موجود میں شرط پر ہاں استفہام داخل ہے جو کہ انشاء کے لئے آتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس بہت سے مقالات میں جزا اور واقع ہوتی ہے جیسے ان زنی زیداً فاضربہ یا و فان کنتم جنبا فاطہروا اور اذا کنتم الی المصلوۃ

لعل الذی یاتنی اونی الدار فله درهم فان قيل باب کان و باب علمت
ایضا مانعان بالاتفاق فما وجه تخصیص لیت و لعل قیل تخصیصها ببيان
الاتفاق انما هو من بین الحروف المشبهة لا مطلقا و وجه ذلك التخصیص
الاهتمام ببيان الاختلاف الواقع فیها و الحق بعضهم قیل هو سیدوب

یاتنی یا فی الدار فله درهم پھر اگر سوال کیا جائے کہ باب کان اور باب علمت (یعنی
افعال ناقصہ و افعال قلوب) بھی بہ اتفاق مانع ہیں تو لیت اور لعل کی تخصیص کی کیا وجہ
ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ بیان اتفاق کے ساتھ لیت اور لعل کی تخصیص حروف مشبہ فعل
ہی کے درمیان ہے مطلقا (عام) نہیں کہ کان اور علمت کا تذکرہ بھی ہوتا اور اس
تخصیص کی وجہ اس اختلاف کے بیان کا قصہ ہے جو لیت اور لعل میں واقع ہے اور بعض

فأعشوا، جواب یہ ہے کہ یہ مثال استفہام والی
درست نہیں اس لئے کہ استفہام بھی صدارت
کلام کو چاہتا ہے اور بشرط بھی پس لامحالہ دونوں
میں سے ایک کی صدارت فوت ہوگی اور یہ ناجائز
ہے اور جزاء کے متعلق یہ ہے کہ بحث مقدم اور
تالی سے علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ شرط و جزاء کے مجموعہ
سے ہے اور مجموعہ ظاہر ہے کہ جملہ خبریہ ہے انشائیہ
نہیں اگرچہ بعض اہواز اس کے خبریہ نہیں ہیں پھر
اس پر متر من واقع ہوا کہ مجموعہ قضیہ تو منطقیوں کے
نزدیک مراد ہے نحوی تو صرف جزاء پر حکم لگاتے
ہیں اور شرط کو اس کے لئے قید بناتے ہیں پس
ضروری ہے کہ خبریہ جزا میں پائی جائے تو اس کا
جواب یہ ہے کہ جزاء کو ہم جملہ خبریہ کے ساتھ متحمل
کر لیں گے اور ان ذی زید فاضلہ میں ہم تاویل کر
کے ان ذی زید نقول فی حقہ ضربہ کہیں گے (فائدہ)
لیت و لعل مانعان کے متعلق بعض نجات یہ کہتے ہیں
کہ فار خبر پر اس وقت داخل ہوتی ہے جبکہ مبتدا
معنی شرط کو متضمن ہو اور شرط کے لئے لازم ہے
صلوات پس جب لیت و لعل شرط پر داخل ہوں
گے تو صلوات فوت ہو جائے گی اور جب صلوات
فوت ہو جائے گی تو شرط بھی باطل ہو جائے گی۔
اس لئے کہ انشاء لازم انتفاء ملزوم کو متضمن ہوتا ہے
اور بعض یہ کہتے ہیں کہ چونکہ شرط اپنے وجود کے باعث

طبیعیہ وجود جزاء پر دلالت کرتی ہے اور لیت و لعل
سے قطعیت ختم ہو جاتی ہے اس لئے کہ لیت تمنی
کے لئے آتا ہے اور لعل ترجیحی اور ان دونوں میں
قطعیت ہے نہیں بلکہ ظنیت ہے اس لئے انکے
دخول کے باعث خبر پر دخول فار ممتنع ہوگا و اللہ
اعلم ۱۲

۵۳۲ قولہ فان قیل الخ اس عبارت سے
شارح ایک سوال کر کے اس کا جواب دینا چاہتے
ہیں سوال یہ ہے کہ جیسا کہ لیت و لعل خبر پر دخول
فار سے بالاتفاق مانع ہیں اسی طرح افعال ناقصہ
اور افعال قلوب بھی بالاتفاق دخول فار سے مانع
ہیں پس لیت و لعل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جواب
یہ ہے کہ مقصود مصنف کا باب مختلف فیہ کو بیان
کرنا ہے نہ کہ مطلق مانع بالاتفاق کو پس باب حروف
مشبہ بفعل میں چونکہ بعض حروف مانع بالاتفاق ہیں
اور بعض مانع بالاتفاق نہیں جیسے ان اور ان کہ بعض
کے نزدیک مانع ہیں اور بعض کے نزدیک نہیں
لہذا یہاں تشریح کی گئی کہ کون سے حروف مانع
ہیں اور کون سے نہیں؟ بخلاف افعال ناقصہ اور
افعال قلوب کے کہ یہ دونوں کو دخول فار سے
مانع ہی مگر باب مختلف فیہ سے نہیں اسی کو شارح
کہتے ہیں کہ ان دونوں کی تخصیص اس امر کے بیان کے
لئے ہے کہ یہ دونوں حروف مشبہ بفعل میں بالاتفاق

مانع ہیں اور یہ بات نہیں کہ مطلقا مانعات کو بیان
کیا جائے اور پھر ایک وجہ یہ ہے کہ حروف مشبہ
بفعل میں جو اختلاف واقع ہے اس بیان اختلافات
کا اہتمام تخصیص کا باعث ہے واللہ اعلم ۱۲
۵۳۲ قولہ والحق بعضهم الخ قول مصنف
میں الحق باب افعال سے صیغہ ماضی کے ساتھ ہے
اور مطلب یہ ہے کہ بعض نحووں نے ان مکسورہ کو
بھی لیت و لعل کے ساتھ لاحق کر دیا ہے یعنی جس طرح
لیت و لعل مبتدا متضمن معنی شرط پر داخل ہو کر
اس کی خبر پر دخول فار ممتنع کر دیتے ہیں ایسے ہی ان
مکسورہ بھی خبر پر دخول فار سے مانع ہوتا ہے۔
شارح نے بعضہم کی شرح قیل ہو سیدوب سے کر کے
بعض نجات کی تشریح کی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس
طرف بھی لفظ قیل سے اشارہ کر دیا ہے کہ یہ مذہب
ضعیف ہے وجہ ضعف آئندہ آتی ہے۔ اور قولہ
فی المنع الخ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لیت
و لعل کے ساتھ ان مکسورہ کا لاحق کسی اور شے میں
نہیں بلکہ دخول فار کو خبر پر منع کرنے میں ہے۔ اب
آگے والاصح انہا لا تمنع الخ سے مذہب مذکورہ کے
ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اصح یہ ہے
کہ ان مکسورہ خبر پر دخول فار سے مانع نہیں اسلئے
کہ ہم نے سبب منع یہ بتایا تھا کہ کلام خبریہ سے اگر
انشائیہ کی طرف مصدوت ہو جائے تو مبتدا اور
خبر کی مشابہت شرط و جزاء کے ساتھ ختم ہو جائے گی
اور ان مکسورہ کلام کو خبریہ سے انشائیہ کی طرف
خارج نہیں کرتا لہذا یہ خبر پر دخول فار سے مانع
نہیں ہوگا اور ملحق کی یہ دلیل کہ شرط و جزاء تردید پر
دلالت کرتی ہے اور ان تحقیق پر پس جب ان
ایسے مبتدا پر داخل ہوگا جو کہ متضمن معنی شرط ہے
تو اس کی مشابہت شرط و جزاء کے ساتھ زائل ہو
جائے گی کوئی قابل اعتناء نہیں اس لئے کہ ان
اگرچہ تحقیق کے لئے ہے مگر وہ کلام کو خبریہ سے
انشائیہ کی طرف نہیں نکالتا اور ہمارے قول کی
تائید (قول بادی تعالیٰ ان الذین کفروا و ماتوا وہم
کفار فلن یقبل) (الآیہ) سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اس

میں ان مبتدا متضمن معنی شرط پر داخل ہے اور اس کی خبر پر فا کا دخول منع نہیں بلکہ فا داخل ہے اور قرآن شریف سے بڑھ کر فصیح و بلیغ اور کوئی کلام ہو نہیں سکتا اس لئے معلوم ہوا کہ ان کے دخول کے بعد خبر پر فا داخل نہ کرنا فصاحت کے بھی خلاف ہے آیت شریفہ کے معنی یہ ہیں ”بیشک جو لوگ کافر ہو گئے اور ان کی موت حالت کفر پر ہی واقع ہو تو کسی سے (بھی) زمین کے برابر بھی سونا قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ یہ کفار اس کو نہ یہ میں پیش کریں اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے قول باری تعالیٰ کو تاہیلاً تو پیش کیا مگر اپنے قول کی دلیل نہیں بتایا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس قول میں اس قسم کا احتمال ہے کہ دخول فا خبر پر نہ ہو بلکہ متفرعات خبر پر ہو یعنی خبر تو محدود ہو اور جس پر فا داخل ہو وہ خبر پر دلالت کرنے والی ہو پس اس وقت میں فا تعلیل کے لئے ہوگی لہذا آیت مذکورہ میں کہا جائے گا کہ الذین مبتدا کی خبر قلن یقبل نہیں ہے بلکہ اس کی خبر وہ ہے جس پر قلن یقبل دلالت کرتا ہے یعنی ہم خزی فی الآخرة ولہم عذاب عظیم اور اس خبر پر فا داخل ہے نہیں اور دلیل کے بطلان کے لئے صرف احتمال ہی کافی ہوتا ہے اس لئے اس کو صرف تاہیلاً پیش کیا مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات ہم جنت تجری من تحتہا الانہار میں ہم الذین مبتدا متضمن معنی شرط کی خبر ہے اور اس پر فا داخل نہیں لہذا سیبویہ کا قول درست ہے تو اس کا جواب میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ ان مکسورہ کے دخول کے بعد مبتدا متضمن معنی شرط کی خبر پر دخول فا میں قصیم ہے یعنی غالباً اوقات داخل بھی کر لی جاتی ہے اور بسا اوقات نہیں بھی پس قول سیبویہ کا اس طرح ہو گیا کہ وہ افتناع دخول فا کے قائل ہیں اور امتناع ہے نہیں بلکہ جواز الامریں ہے لہذا قول سیبویہ ضعیف ہے وائذا علم

۳۲۳ قولہ فان قبل الیہ من جگہ سے شارح ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جیسا کہ ان مکسورہ بعض کے نزدیک خبر پر دخول

ان المكسورة بهما ای بلیت ولعل فی المنع عن دخول الفاء علی الخبر والا صح انہا لا تمنع عنہ لانہا لا تخرج الکلام عن الخبریۃ الی الانشائیۃ یؤیدہ قولہ تعالیٰ ان الذین کفروا و اماتوا و ہم کفار قلن یقبل من بعدہم فان قبل قد الحق بعضهم ان المفتوحة ولكن بلیت ولعل فما وجہ تخصیص ان المكسورة بالاحاق قبل بعضهم الذی الحق ان بہما هو سیبویہ فاعتد بقولہ و ذکرہ ولم یعتد بقول من سواہ قلم یدکرہ مع ان کلام القولین لا یساعدہما القرآن و کلام الفصحاء فما یدل علی عدم

نے لائق کیا ہے) کہا گیا ہے کہ یہ سیبویہ ہیں (ان) مکسورہ کو (ان دونوں کے ساتھ) یعنی بلیت اور لعل کے ساتھ فا کے خبر پر داخل ہونے سے منع کرنے میں (ان مکسورہ کو بھی بعض نے شامل کیا ہے) اور صحیح تر یہ ہے کہ ان مکسورہ خبر پر فا کے دخول سے مانع نہیں کیونکہ ان مکسورہ کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نہیں نکالتا اللہ تعالیٰ کا قول ان الذین کفروا و اماتوا و ہم کفار قلن یقبل من احدهم اس کی تائید کرتا ہے پھر اگر کہا جائے کہ (مالکی) بعض نخلوں نے ان مفتوحہ اور لکن کو بھی بلیت اور لعل کے ساتھ لائق کیا ہے تو الحاق کے (بیان کے) ساتھ ان مکسورہ کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ جن بعض نے ان مکسورہ کو بلیت اور لعل کے ساتھ لائق کیا وہ سیبویہ ہیں تو مصنف نے اس کے قول کو نفی دی اور اس کا ذکر کر دیا (کہ وہ امام عصر ہیں) اور ان کے سوا دوسروں کے قول کو وقعت نہیں دی تو اس کا ذکر بھی نہیں کیا باوجودیکہ قرآن کریم اور فصیح لوگوں کا کلام دونوں قولوں سے وقعت

فا سے مانع ہے ایسے ہی ان بافتح اور لکن بھی دخول فا فی الخبر سے مانع ہیں پس کیا وجہ ہے کہ الحاق کے ساتھ ان مکسورہ ہی کی تخصیص کی گئی اور ان دونوں کو چھوڑ دیا گیا جواب یہ ہے کہ جن بعض نے ان بالکسر کو بلیت و لعل سے لائق کیا ہے ان سے مراد سیبویہ ہیں اور سیبویہ چونکہ مستند نماۃ میں سے ہیں اس لئے کہ وہ کما بصرہ کے امام تھے پس ان کے قول کو تو قابل اعتبار سمجھا اور ذکر کر دیا لیکن دوسرے بعض کا قول اس قابل نہیں تھا کہ اس پر توجہ دی جائے اس لئے اس کو درجہ اعتبار نہ سمجھتے ہوئے ذکر بھی نہیں کیا باوجودیکہ دونوں قول قرآن مجید اور کلام فصیح کی موافقت نہیں کرتے پھر بھی چونکہ سیبویہ امام ہیں اس لئے ان کا لحاظ رکھا گیا اب کوئی یہ سوال نہ کرے کہ سیبویہ کا قول قابل اعتبار سمجھا گیا ہے تو

معمول بہا بھی ہوگا، اس لئے کہ جواب یہ ہے کہ یہ قول قرآن کریم کے موافق نہیں لہذا معمول بہا بھی نہیں والشرع علم ۱۲۔ ۳۲۴ قولہ فایدل علی الخ یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ ان اور ان و لکن کی مثال اس باب سے پیش فرماتے ہیں کہ ان کے دخول کے بعد مبتدا متضمن معنی شرط کی خبر پر دخول فا مانع نہیں۔ کہتے ہیں کہ پس وہ قول جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان بالکسر خبر پر دخول فا سے مانع نہیں وہ تو سابق میں بیان ہو چکا (یعنی ان الذین کفروا و اماتوا و ہم کفار قلن یقبل الا یہ) اور قول ان مفتوحہ اور لکن کے دخول فا سے عدم منع پر دلالت کرتا ہے وہ (ان فی مفتوحہ کی مثال تو) قول باری تعالیٰ و اماتوا و ہم کفار قلن یقبل الا یہ فان بشرحہ ہے کہ

منع ان المكسورة عن دخول الفاء على الخبر ما سبق وما يدل على عدم منع
ان المفتوحة ولكن عن دخول الفاء قوله تعالى واعلموا انما غنمتم من
شيء فان لله خمسة وقول الشاعر شعر فوالله ما فارقكم قاليا لكم
ولكن ما يقضي فسوف يكون وقد يحذف المبتدأ لقيام قرينة
لفظية او عقلية جوازاً اي حذفاً جائزاً لا واجباً وقد يجب حذفه اذا

نہیں کرتا پس جو دلیل ان مکسورہ کے خبر پر دخول سے مانع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
وہ ہے جو گزری اور جو چیز ان مفتوحہ اور لکن کے خبر پر دخول فاسے مانع نہ ہونے پر دلالت
کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قول واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسة اور
شاعر کا قول فوالله ما فارقكم قاليا لكم ولكن ما يقضي فسوف يكون ہے (یعنی
قسم بخدا میں تم سے بغض رکھتے ہوئے تم سے جدا نہیں ہوا لیکن جو عند اللہ ٹھیرا وہ ہو کر رہیگا)
لا اور کبھی مبتداء کو حذف کیا جاتا ہے قیام قرینہ کے وقت «قرینہ لفظیہ ہو یا عقلیہ» جوازاً
یعنی حذف جائز کے ساتھ نہ کہ واجب کے ساتھ اور کبھی مبتداء کا حذف واجب ہوتا ہے جبکہ صفت

دیکر دشمنی اختیار کرتا ہے تب شاعر نے مذکورہ
بالا شعر سے جواب دیکر ان لوگوں کی تسلی کی کہ میں نے
اختلاط میں کسی دشمنی یا بخشش کے باعث نہیں
کی بلکہ خدا کو یہی منظور تھا کہ میں اختلاط کم کروں سورہ
ہو کر رہا اور میرے دل میں اب کسی سے اب ملاقات
کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا پس یہ امر خداوندی ہے اس
شعر میں قالیا قتلے یا قتلے مصدر سے ہے جو باب
ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنی دشمنی اور دشمن
رکھنے کے ہیں پس قالیا فارقت کی منبر سے محل سے
اور تقدیر عبارت یہ ہے فوالله ما فارقتم حال کوئی
قالیا لکم واللہ اعلم ۱۲۔

۳۲۵ قولہ وقد يحذف المبتدأ الجواب
مصنف طبر الحزمہ مبتداء معنی شرط کے بیان سے
فارغ ہونے کے بعد حذف مبتداء کو بیان کرتے ہیں
کہتے ہیں کہ کبھی مبتداء کو وقت قائم ہونے قرینہ کے
جوازاً حذف کر دیتے ہیں یعنی مبتداء کا حذف کرنا
جائز ہے پھر شراح نے لفظیہ اور عقلیہ سے اس
امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ تبادر لفظ سے قرینہ
لفظیہ ہی مراد نہ لے لیا جائے بلکہ اس میں تعمیم ہے
اور لفظیہ و عقلیہ دونوں کو شامل ہے پھر شراح نے

اس میں کلمہ ما مبتداء متضمن معنی شرط پر ان مفتوحہ
داخل ہے اور اس کی خبر فان لله خمسة ہے اور
خبر پر فار داخل ہے اور لکن کی مثال شاعر کا یہ شعر
سے ہے فوالله ما فارقتم قاليا لكم ولكن
ما يقضي فسوف يكون، کہ اس میں بھی ما مبتداء متضمن
معنی شرط پر لکن داخل ہے اور اس مبتداء کی خبر پر
دخول فار متنع نہیں بلکہ صوف پر داخل ہے اب ان
دونوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے آیت کا ترجمہ تو یہ ہے
اور تم اس بات کو جان لو کہ جو کچھ تم کو (دشمنوں سے
جنگ کے بعد) مال غنیمت ملے تو اللہ کے لئے
اس مال کا پانچواں حصہ جس کو نکال کر رسول اور
اس کے اہل و عیال درشت دار اور یتامی و مساکین
وغیرہ میں صرف کر دو اور شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا
کی قسم میں تم سے تمہارے ساتھ دشمنی کر کے جدا نہیں
ہوا لیکن جو کچھ خدا کا فیصلہ ہوتا ہے (ازل میں) وہ
لا محالہ واقع ہو کر رہتا ہے اس کا ناتوا ہے کہ شرا
نے اپنے بعض احباب کے ساتھ اختلاط یعنی میل جول
اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیا تھا تو اس کے دوستوں نے
شکایت کی کہ تو نے ہمارے ساتھ اختلاط کم کیا لہذا
اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو دوستی پر دشمنی کو ترجیح

جوازاً کی شرح ای خدا جائزاً ہے کر کے ایک
سوال مقدمہ کا جواب دیا ہے جس کی تشریح کئی جگہ
ما سبق میں گذری ہے مگر اختصاراً درج ذیل ہے اول
یہ ہے کہ جوازاً ترکیب میں یحذف کا مفعول مطلق
واقع ہے اور مفعول مطلق کے لئے ضروری ہے کہ
معنی فعل ال پر مشتمل ہوں اور یہاں فعل کے معنی
اس پر مشتمل نہیں جواب یہ ہے کہ اپنے موصوف
محذوف کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے اور وہ
موصوف محذوف حذفاً ہے پس معنی فعل اس پر
مشتمل ہو گئے پھر جوازاً کو بچنے جائزاً اس واسطے
کرنا پڑا کہ یہ حذف کی صفت ہے اور صفت اپنے
موصوف پر محمول ہوا کرتی ہے اور یہاں محل صحیح
نہیں اس لئے کہ محذوف جواز نہیں ہے پس جائزاً بچنے
سے محل صحیح ہو گیا یعنی حذف جائز ہے اور لا واجباً
کا اضافہ اس وجہ سے کیا ہے کہ حذف واجب حذفہ کی
تہدید اور توطئہ ہو جائے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے
جواز سے مراد بچنے امکان خاص ہے یعنی جائز نہیں
سلب ضرورت کہ نہ حذف ضروری ہے اور نہ ذکر
واللہ اعلم ۱۲۔

۳۲۶ قولہ وقد يحذف حذفه الخیر عبارت
یا تو ایک سوال مقدمہ کا جواب یا اس سے مصنف
پر اعتراض کرنا مقصود ہے اگر مصنف پر اعتراض
ہو تو اس کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح مبتداء کو حذف
کرنا جائز ہے اسی طرح واجب بھی ہے پس مصنف
نے صورت جواز کو تو ذکر کر دیا اور وجوب سے
چشم پوشی کی تو اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے
کہ چونکہ وجوب کی صورت نعت میں پیدا ہوتی
ہے جبکہ نعت کو منعوت سے قطع کیا جائے۔ پس
اس کا تعلق نعت سے ہوا نہ کہ مبتداء سے پس یہ
بحث مبتداء سے خارج ہے مگر مصنف نے اس کو
موضع نعت میں بھی ذکر نہیں کیا تو پھر کہا جائے گا
کہ شراح مصنف کی طرف سے جواب لے رہے ہیں
جس کا محال یہ ہے کہ چونکہ یہ صورت بہت ہی
قلیل الوقوع ہے اس لئے مصنف نے قابل تحریر
نہیں سمجھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شراح لفظ قد کے

ساتھ اپنی عبارت کو لائے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ
قد حیب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تغلیل کے معنی
دیتا ہے پھر یہ کہ مصنف کی کتاب بہت ہی مختصر ہے
اور بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ مصنف نے انکو ذکر
نہیں کیا ہے سو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں پھر
یہ کہ اس میں اختلاف بھی ہے کیونکہ بعض کہتے ہیں کہ
اس کا حذف قطعاً جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ کلام
میں رکن اہل ہے پس ان کے نزدیک قولہ الحمد
لشراہل الحمد حذف خبر پر محمول ہے اور اس کی تقدیر
بجائے ہواہل الحمد کے اہل الحمد مانتے ہیں پس یہ باب
حذف خبر سے ہو جائیگا لہذا ان وجوہ کے باعث
مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ شایع کہتے ہیں کہ
کبھی مبتدا کو حذف کرنا واجب ہو جاتا ہے جبکہ
نعت کو منعوت سے قطع کر کے مرفوع پر چلیں
جیسے الحمد لشراہل الحمد میں کہ اہل الحمد الشراہل نعت
مگر اس کو انشراح سے قطع کر لیا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے
کہ جب نعت کو منعوت سے جدا کیا جائے تو نعت
کو مرفوع پر چلتے ہیں پس اہل الحمد کو بھی مرفوع پر چلیں
گے اور اگر اس کو قطع نہ کیا جاتا تو لفظ الشراہل کے مجرور
ہونے کے سبب سے اس کو مجرور پر چلتے پس الحمد
لشراہل الحمد کی تقدیر الحمد لشراہل الحمد ہوگی اب
رہا یہ امر کہ اس صورت میں حذف مبتدا واجب کیوں
ہے؟ تو اس کو شایع ماننا بوجہ حذف سے بیان
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس صورت میں حذف مبتدا
اس وجہ سے واجب ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ
اہل میں صفت تھی پس زیادتی مدح یا ذم یا ترحم
وغیرہ کے قصد سے اس کو اپنے موصوف سے منقطع کر
لیا گیا اس لئے کہ جب اس کو اپنے موصوف سے منقطع
کر کے موصوف کے اعراب کے خلاف مرفوع پر چلیں
گے تو سامع ہلک لخت متنبہ ہوگا کہ صفت کو مرفوع
پر چلنے میں ضرور کوئی راز ہے اور وہ زیادہ توجہ سے
متکلم کی بات سننے کا اور یہ اس لئے کہ اس صورت
میں مدح یا ذم وغیرہ میں شدۃ اہتمام معلوم ہوگا
پس مثال مدح تو گذر چکی اور صورت ذم یہ ہے
جیسے خوف بالشر من اہل عدو اللہ کہ اس میں عدو اللہ

قَطَعَ النَّعْتَ بِالرَّفْعِ نَحْوَ الْحَمْدِ لِلَّهِ أَهْلُ الْحَمْدِ أَيْ هُوَ أَهْلُ الْحَمْدِ وَانَّمَا وَجِبَ
حَذْفُهُ لِیُعْلَمَ أَنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ صِفَتَهُ فَتُطْعَمُ بِقَصْدِ الْمَدْحِ أَوِ الذَّمِّ أَوْ
غَيْرِ ذَلِكَ فَلَوْ ظَهَرَ الْمَبْتَدَأُ كَمَا يَتَبَيَّنُ ذَلِكَ وَیُجِبُ حَذْفُهُ أَيْضًا عِنْدَ مَنْ
قَالَ فِي نَعْمِ الرَّجُلِ لَیْسَ أَنَّ تَقْدِيرَهُ هُوَ زَيْدٌ كَقَوْلِ الْمُسْتَحْتَلِ أَيْ الْمَبْتَدَأِ

کو رفع دے کر (موصوف سے) الگ کر لیا جائے جیسے الحمد لله اهل الحمد اہل کے رفع
سے (یعنی ہواہل الحمد اور مبتداء کا حذف اس لئے واجب ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ خبر
در اصل صفت تھی پھر مدح یا ذم اس کے علاوہ (ترحم ایسی) کسی اور غرض کے لئے (موصوف
سے) الگ کر لی گئی پس اگر مبتدا کو ظاہر کیا جائے تو وہ غرض ظاہر ہوگی اور نیز مبتداء کا
حذف کرنا اس شخص کے نزدیک واجب ہے جو نعم الرجل زید کے بارے میں کہتا
کہتا ہے کہ اس کی تقدیر (عبارت نعم الرجل) ہو زید ہے (مستحل کے قول کی طرح)

مرفوع پر چھا گیا ہے بنا بر خبر یہ مبتدا محذوف
اور یہ دراصل اہل مجرور کی صفت ہے اور ترحم
کی مثال جیسے مررت بعدک المسکین کہ اس میں
المسکین مبتدا محذوف کی خبر ہونے کے سبب سے
مرفوع ہے اور دراصل لفظ بعد مجرور کی صفت ہے
پس اگر مبتدا کو ظاہر کر دیا جاتا تو یہ قاعدہ حاصل
نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ یہ اس صورت میں
جملہ مستقل ہو جاتا اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ اہل میں
صفت ہے اور مقصود زیادتی مدح یا ذم یا ترحم بھی
نوت ہو جاتا لہذا مبتدا کو حذف کرنا واجب اور
ضروری ثابت ہوا مگر یہ اس صورت میں ہے جبکہ
صفت کو مرفوع کر کے قطع کریں ورنہ صفت مقطوعہ
عن الموصوف خبر نہیں بن سکتی بلکہ حالت نصب میں
اعنی کا مفعول واقع ہوگی اور مجرور کی صورت میں
صفت علی حالہ باقی رہے گی اس سے کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۳۲۸ قولہ کقول المستحل الخ اس جگہ
ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ
مصنف کی عبارت سامحہ سے خالی نہیں اسلئے
کہ مصنف کی عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ
قول مستحل مبتدا محذوف جوازاً ہے اور حقیقت
یہ ہے کہ مبتدا محذوف قول مستحل نہیں بلکہ ہذا
مبتدا محذوف ہے اور قول مستحل الہلال والشر اس
کی خبر پس مثال مثل کے مطابق نہیں رہی کیونکہ مثل
میں حذف مبتدا جوازاً کو بیان کیا گیا ہے اور مثال
حذف مبتدا کی نہیں بلکہ حذف خبر کی ہے اس لئے
کہ قول مستحل الہلال والشر بقول مصنف مبتدا ہے
اور مبتدا خبر کو چاہتا ہے لہذا خبر محذوف باقی
جائیگی تو شایع نے اس کا جواب دینے کے لئے

المحذوف جواز امثل المبتدأ المحذوف في مقول المستعمل المبصر للهلال
الرافع صوته عند ابصاره الهلال والله أي هذا الهلال والله بالقرينة
الحالية وليس من باب حذف الخبر بتقدير الهلال لهذا الان مقصود المستعمل
تعيين شيء بالإشارة والحكم عليه بالهلائية ليتوجه اليه الناظرون و
يزوده كما يراه وأنما أتى بالقسم جوازا على عادة المستعملين غالباً ولئلا يتوهم
نصب الهلال عند الوقف وقد يحذف الخبر جوازا أي حذفاً

یعنی مبتدا محذوف بہ حذف جوازی اس مبتداء کے مثل ہے جو مستعمل (یعنی) چاند کے دیکھنے
والے اور اسے دیکھنے کے وقت آواز بلند کرنے والے کے مقولہ میں محذوف ہے (اور وہ مقولہ
یہ ہے) (ہلال واللہ) یعنی ہذا الهلال واللہ (لیکن مبتداء) قرینہ حالیہ کی وجہ سے
(حذف جوازی کے ساتھ حذف کی گئی ہے) اور یہ (قول مستعمل الهلال واللہ) الهلال
ہذا کی تقریر کے ساتھ خبر کے حذف کے باب سے نہیں ہے کیونکہ مستعمل کا مقصود اشارہ
کے ساتھ ایک شئی (محسوس) کی تعیین ہے اور اس شے پر ہلال ہونے کا حکم کرنا ہے تاکہ
دیکھنے والے اس شے کی طرف متوجہ ہوں اور اسے جیسا کہ وہ دیکھ رہا ہے وہ بھی دیکھیں
اور مصنف (مثال میں) قسم کو مستعملین کی غالب عادت پر لائے اور اس لئے تاکہ وقف
کے وقت ہلال کی نصب کا وہم نہ کیا جائے (اور) کبھی حذف کی جاتی ہے خبر جوازی

پایا جائیگا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۲۹ قول ای ہذا الهلال واللہ الخ
اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الهلال اللہ
خبر مبتدا لفظ ہذا محذوف کی ہے اور تقدیر عبارت
ہذا الهلال واللہ ہے پس اس جگہ مبتداء کو بقرینہ
عقلیہ حال مستعمل حذف کر دیا گیا اب اگر کوئی
کہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں مبتدا محذوف
ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس جگہ خبر محذوف
ہو اور اصل میں الهلال ہذا ہو تو بقول شالوح
دلیس من باب حذف الخبر الخ جواب یہ ہے کہ یہ
بتقدیر الهلال ہذا باب حذف خبر سے نہیں آسکتے
کہ مستعمل کا مقصود ایک شے کو اشارہ کے ساتھ
متعین کر کے اس پر ہلائیہ کا حکم کرنا ہے تاکہ چاند
کے نظارہ کی کوشش کرنے والے اس طرف متوجہ
ہوں اور جس طرح کہ اس شخص نے چاند دیکھ لیا
سے وہ بھی دیکھ لیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی حذف

ای المبتدأ المحذوف جوازا الخ کا اضافہ فرمایا
حاصل یہ ہے کہ کقول مستعمل میں کات بمعنی مثل
بتقدیر المضاف الیہ اور مضاف الیہ لفظ مبتداء
اور قول بمعنی مقول ہے بتقدیر حرف جر یعنی فی
پھر یہ مجموعہ ایک مبتدا محذوف کی خبر اور وہ مبتدا
محذوف لفظ المبتدأ المحذوف جوازا ہے پس
تقدیر عبارت یہ ہوگی کقول مستعمل ای المبتدأ
المحذوف جوازا مثل المبتدأ المحذوف فی قول
المستعمل پھر المستعمل کی صفت المبصر للهلال لاکر
شارح نے المستعمل کے معنی کی تخصیص کر دی
اس لئے کہ استعمال کے دو معنی آتے ہیں نیا جانے
دیکھ کر آواز بلند کرنا اور بچہ کا بوقت ولادت
آواز نکالنا پس اس سے معنی اول متعین ہو گئے
اور الرفع صوته عند البصار دوسری صفت
کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الهلال
واللہ محض مذہبی سے بغیر رفع صوت کے نہیں

مبتدا کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں نہ کہ محذوف
خبر کی اس لئے کہ حذف خبر کی صورت میں یہ معنی
ہوتے ہیں کہ ہلال کا وجود پیشتر سے ثابت ہے
لیکن یہ امر متعین نہیں کہ یہ ہلال ہے یا وہ پس
مستعمل نے اپنے قول الهلال ہذا سے اس کو متعین
کر دیا اور یہ معنی خلاف متصور ہیں پس خبر کو محذوف
نکریں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۳۰ قول وانا اتی بالقسم الخ عبارت
ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ
ہے کہ مثال صرف الهلال پر ختم ہو جاتی ہے لہذا
لفظ واللہ کو بلا ضرورت کیوں نہ لایا گیا؟ جواب
یہ ہے کہ مستعملین کی اکثر عادت یہ ہے کہ وہ جب
چاند دیکھتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو یقین دلانے
کے لئے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بخدا چاند یہ ہے
پس مصنف نے مستعملین کی عادت کی رعایت
کرتے ہوئے لفظ واللہ کا اضافہ فرمایا اور یہ
بھی جواب ہو سکتا ہے کہ لفظ واللہ کا لانا ضروری
ہے کیونکہ اگر قسم مذکور نہ ہو تو اس صورت میں یہ
وہم پیدا ہوگا کہ لفظ الهلال بنا بر وقت منصوب
ہے کیونکہ کلمہ واحد میں وقف اصل ہے پس جب
اس میں وقف ہوگا تو یہ وہم ضرور پیدا ہوگا کہ یہ
اصل میں رأیت الهلال تھا بوجہ قلت وقت فعل
کو حذف کر دیا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مبتدا
محذوف کی خبر ہے پس لفظ واللہ کے اضافہ سے
یہ احتمال دور ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۳۳۱ قول وقد یحذف الخبر الخ یہاں سے
مصنف حذف خبر کو بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کبھی
خبر کو (بھی) جوازا حذف کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ
کوئی قرینہ موجود ہو نیز اس خبر کے قائم مقام کوئی
شے نہ ہو جیسے خرجت فاذا أصبح۔ اس جگہ شارح
نے قد یحذف کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ
اس کا عطف قد یحذف المبتدأ پر ہے اور ای حذف
جائزاً کے اضافہ کی وجہ گذر چکی اور من غیر قائم
شے کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خبر کے قائم
مقام کوئی شے ہو جائیگی تو اس صورت میں حذف

جائز القیام قرینۃ من غیر اقامة شیء مقامہ مثل الخبر المحذوف
جائز فی قولک خرجت فاذا السبع فان تقدیرہ علی الذہب الصحیح
کما نص علیہ صاحب الباب خرجت فاذا السبع واقف علی ان یکون اذا
خلف زمان الخبر المحذوف من غیر ساد مسدۃ ای ففی وقت خروجی السبع
واقف و قد یحذف الخبر لقیام قرینۃ وجوباً ای حذفاً واجباً فیما التزم
ای فی ترکیب التزم فی موضعہ ای موضع الخبر غیرہ اے غیر الخبر
وذلك فی اربعة ابواب علی ما ذکرہ المصنف اولها المبتدأ الذی بعد لولا

طور پر «یعنی حذف جوازی کے ساتھ قیام قرینہ کے وقت خبر کی جگہ کسی چیز کے قائم کے
بغیر» مثال «خبر محذوف بہ حذف جوازی کی تہائے قول (خرجت فاذا السبع) ہے کیونکہ
مذہب صحیح کی بنا پر جیسا کہ اس پر صاحب باب نے نص کی ہے اس کی تقدیر خروجت
فاذا السبع واقف ہے اس بنا پر اذا ظرف زمان ہے اس خبر کے لئے جو حذف کی گئی اس
کے بغیر کہ اس کی جگہ کسی کو قائم یعنی ففی وقت خروجی السبع واقف (اور) کبھی خبر قیام
قرینہ کے وقت حذف کی جاتی ہے «دوجوباً» یعنی حذف واجب کے ساتھ «اس میں کہ لازم کیا
جائے» یعنی اس ترکیب میں کہ لازم کیا جائے «اس کی جگہ میں» یعنی خبر کی جگہ میں «اس کے
غیر کو» یعنی خبر کے غیر کو (خبر کی جگہ لازم کیا جائے) اور یہ (خبر کا حذف کرنا وجوباً اس ترکیب
کہ خبر کی جگہ خبر کے غیر کو لازم کیا جائے) چار ابواب میں ہے اس بنا پر کہ اس کو مصنف
نے ذکر کیا ان میں پہلا باب وہ مبتدأ ہے جو لولا کے بعد ہو (جیسے لولا زید لکان کذا)»

وقد یحذف الخبر فی الخبر اور یہ معنی فاسد ہی تو
شائع نے ای فی ترکیب التزم سے جواب
دیا کہ کلمہ ما سے مراد خبر نہیں ہے ترکیب ہے پس
اب فساد معنی لازم نہ آئے گا پھر اس پر اعتراض
فارہ ہوتا ہے کہ جملہ جب صفت واقع ہوتا اس
میں ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہے جو کہ موصوف
کی طرف راجع ہو پس لفظ ترکیب قول شائع
میں موصوف ہے اور التزم جملہ اس کی صفت
مگر التزم میں کوئی ضمیر ہے نہیں جو لفظ ترکیب
کی طرف راجع ہو۔ جواب یہ ہے کہ عائد عام
ہے اس بات سے کہ لفظاً ہوا تقدیراً پس اس
جگہ اگرچہ عائد لفظاً مذکور نہیں مگر مقدر ہے اور
تقدیر عبارت یہ ہے ای فی ترکیب التزم فیہ
فی موضع الخبر الخ والشرع علم ۱۲

خبر واجب ہوگا جیسا کہ عنقریب آئے گا اور مثل
کے بعد الخبر المحذوف جوازاً فی قولک کذا ضانہ
کا فائدہ بھی وہی ہے جو کقول المستہیل کی شرح میں
گذر چکا واللہ اعلم ۱۲

۳۳۲ قول خرجت فاذا السبع الخ
یہ حذف خبر کی مثال ہے اس لئے کہ اس کی تقدیر
مذہب صحیح کی بنا پر جیسا کہ صاحب باب نے
تصریح کی ہے خرجت فاذا السبع واقف ہے
بنا براس بات کے کہ اذا خبر محذوف کے لئے
ظرف زمان ہے اور خبر کا کوئی قائم مقام بھی
نہیں پس تقدیر عبارت یہ ہوگی ای ففی وقت
خروجی السبع واقف اس جگہ شائع نے علی الذہب
الصیح ہے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس
مثال میں اس بائے میں اختلاف ہے کہ اذا ظرف
زمان ہے یا مکان پس بعض نحاۃ اذا کو ظرف
مکان بناتے ہیں پس اس وقت میں اذا خود اس
بات کی خبر ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی خرجت
ففی مکانی السبع ای السبع حاصل فی مکانی لیکن
یہ اس وقت میں ممانع فیہ سے نہیں ہوگا کیونکہ
ہماری بحث حذف خبر جوازا کے بائے میں ہے
اور یہاں خبر مذکور ہے لہذا اس سے بحث نہیں
نیز یہ صحیح بھی نہیں اس لئے کہ اس صورت میں
بعض اشک میں تکرار مکان لازم آتا ہے جیسے
خرجت فاذا السبع واقف بالباب کہ اس
میں اذا بھی مکان کے لئے ہے اور الباب سے
بھی مکانیت ثابت ہے لہذا ہذا نظر ہر اللہ
اعلم ۱۲

۳۳۳ قولہ وقد یحذف الخبر الخ اور
کبھی خبر قیام قرینہ کے وقت حذف کر دی
جاتی ہے اور یہ اس ترکیب میں ہوگا جہاں غیر
خبر کا خبر میں التزم کیا گیا ہو یعنی کسی دوسری شے
کے ذکر کو موضع خبر میں لازم کر لیا گیا ہو اب
اس جگہ ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ فیما التزم
میں کلمہ ما سے متبادر خبر ہے اس لئے کہ خبر کی
بحث ہو رہی ہے لہذا تقدیر عبارت یہ ہوگی

مثل لولا زید زکّان کذا ای لولا زید موجود لان لولا امتناع
الشیء لوجود غیره فیدل علی الوجود وقد التزم فی موضع الخبر جواب
لولا فیجب حذفه لقیام قرینة والتزام قائم مقامه هذا اذا کان الخبر
عاما واما اذا کان خاصا فلا یجب حذفه کما فی قوله شعر
ولولا الشعر بالعلماء یزری لکنّ الیوم اشعر من لبید
هذا علی مذهب البصریین وقال الکسائی الاسم الواقع بعد ما فاعل

یعنی لولا زید موجود کیونکہ لولا برائے امتناع تھی (ثانی اور وہ جواب لولا ہے) اس کے غیر
دشمنی اول اور وہ مبتدا ہے جو کہ لولا کے بعد واقع ہے) کی وجہ سے ہے (جیسے حدیث قدسی
میں ہے لولا انّ ما خلقت الدنیا وما خلقت الافلاک وما خلقت آدم یہاں لفظ
موجود حذف ہے) پس (کلمہ لولا وضع کے اعتبار سے) وجود پر دلالت کرتا ہے اور (غالبا) لولا
کے جواب (لکان کذا) کو خبر کی جگہ میں لازم کیا جاتا ہے اس لئے قیام قرینہ (اور وہ لولا ہے)
اور خبر کے قائم مقام کے التزام کے وقت خبر کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ یہ (خبر کا حذف
واجب ہونا) اس وقت ہے جبکہ خبر (وجود و حصول وغیرہ افعال عامہ میں سے) عام ہو اور
بہر حال جبکہ خبر (افعال عامہ میں سے نہ ہو بلکہ) خاص ہو تو اس کا حذف کرنا واجب نہیں
جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے شعر ولولا الشعر بالعلماء یزری لکنّ الیوم اشعر من لبید
(توجہ) اور اگر شعر گوئی علماء متقین کو عینا کہ نہ کرتی تو میں آج لبید شاعر سے بڑھ کر
شاعر ہوتا) اور یہ (لولا کے بعد مبتدا کا محذوف الخبر ہونا) بصریوں کے مذہب کی بنیاد
ہے اور کسائی نے کہا کہ لولا کے بعد واقع ہونے والا اسم فعل مقدر کا فاعل ہے یعنی لولا

وجود غیر کے یعنی لولا اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ
بسبب وجود اول کے امتناع ثانی پر دلالت کرے
پس لولا وجود پر دلالت کر گیا یعنی پہلے زید کا وجود
موجود ہو گا تب لکان کذا وجود میں آئیگا پھر چونکہ
بہلئے لولا زید موجود الخ کہنے کے لولا زید لکان
کذا کہا جاتا ہے خبر کی جگہ میں جواب لولا کا التزام
ہے تو اس سے خبر کا قائم مقام معلوم ہو گیا۔ پس
جب قرینہ اور قائم مقام دونوں اس جگہ پائے
گئے تو خبر کا حذف واجب ہو گیا ورنہ اصل اور
خلف کا اجتماع لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے
واللہ اعلم ۱۲۔

۳۳۵ قولہ ہذا اذا کان الخبر عبارت بھی

ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو مصنف کی مثال سے

مصنف کی کتاب کی خصوصیت ہے پس ان چار
جگہوں میں سے اول مقام وہ مبتدا ہے جو لولا کے
بعد واقع ہو جیسے لولا زید لکان کذا۔ اس جگہ شاعر
نے اولہا المبتدا والخ کا اضافہ کے مصنف کی
مذکورہ مثال سے حاصل شدہ قاعدہ کلیہ کی طرف
اشارہ کر دیا کہ جو مبتدا لولا کے بعد واقع ہوگی
اس کی خبر کا حذف کرنا واجب ہو گا پس لولا زید
لکان کذا کی تقدیر عبارت لولا زید موجود لکان
کذا ہوگی اب یہ بات کہ اس حذف وجوبی پر
قرینہ کیا ہے اور اس خبر کا قائم مقام کون ہے تو
شاعر لان لولا سے قرینہ کی طرف اشارہ کر رہے
ہیں وقد التزم فی موضع الخبر سے قائم مقام کی طرف
نکتہ ہے کہ لولا امتناع الشیء کے لئے آتا ہے بسبب

حاصل شدہ قاعدہ کلیہ پر وارد ہوتا ہے سوال یہ ہے
کہ لولا کے بعد واقع شدہ مبتدا کی خبر کا وجوباً حذف
ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ
کے دو شعروں میں خبر محذوف نہیں بلکہ مذکور ہے
شعر۔
ولولا خشية الرحمن عبيدي
جعلت الناس كلهم عبيدي
ولولا الشعر بالعلماء يبري
لكنّ اليوم اشعر من لبید

کہ ان میں عبیدی اور یرری خشیتہ اور الشعر کی خبر
میں علانہ خشیتہ اور الشعر دونوں مبتدا لولا کے بعد
واقع ہو رہی ہیں پس اگر حذف خبر واجب ہوتا تو امام
شافعی صاحب رحمہ اللہ ایسی نفس قطعی نہ کرتے کیونکہ
وہ اہل لسان ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حذف خبر لازمی
وجوب اس وقت ہے جبکہ خبر افعال عامہ یعنی کون
حصول۔ ثبوت۔ وجود میں سے ہو کیونکہ لولا
وجود پر دلالت کرتا ہے اور وجود افعال عامہ میں
سے ہے اور یہ ظاہر ہے کہ لولا زید لکان کذا میں
خبر افعال عامہ میں سے ہے یعنی موجود تو حذف
خبر واجب ہوا لیکن جب خبر افعال خاصہ میں سے
ہو تو حذف واجب نہ ہو گا بلکہ اگر خاص پر کوئی
قرینہ پایا جائے گا تو حذف جائز ہو گا ورنہ نہیں
پس چونکہ مذکورہ دونوں شعروں میں خبر افعال عامہ
میں سے ہے اس لئے خبر کو حذف کرنا بھی واجب
نہیں ہوا نہ جہان دونوں شعروں کا یہ ہے اور اگر
میرے نزدیک یعنی مجھ کو اللہ کا خوف نہ ہوتا تو
میں تمام لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتا، اور اگر شعر علما
کے ساتھ حبیب لگانے والا نہ ہوتا تو میں آج کے
دن لبید مشہور شاعر سے بڑھ کر شاعر ہوتا لبید
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشہور شاعر
گدرا ہے اور یہ جو کچھ اوپر مذکور ہوا ہے۔ بصریین
کے مذہب کے مطابق ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۳۶ قولہ وقال الکسائی الخ یہاں سے

بصریہ کے مقابلہ میں کوفیہ کے مذہب کو ذکر کرتے
ہیں مگر چونکہ کوفیہ میں بھی مختلف رائے ہیں اس لئے
ہر ایک کو وقال الخ سے بیان کیا کرتے ہیں وکسائی

فعل مقدرای لولا و جذاً زیداً وقال القراء هي الرافعة للاسم الذي بعد
وثانيها كل مبتدأ كان مصدراً صورة أو بتأويله منسوباً إلى الفاعل أو

جداً زید اور فرامنے کہا لولا تو اس اسم کے لئے رافع ہے جو اس کے بعد ہے اور البواب
اربع میں سے دوسرا باب ہر وہ مبتدأ ہے جو صورت کے اعتبار سے یا تاویل سے مصدر

قائماً کو قاعدہ کلیہ میں داخل کرنا مقصود ہے کیونکہ یہ
بھی اسی قبیل سے ہے مگر حقیقتہً مصدر نہیں بلکہ فعل ہے
ان مصدر یہ داخل ہونے کے باعث بتاویل مصدر
ہے رہا یہ امر کہ مابعد میں حال کس قسم کا لایا جاسکتا ہے
آیا مفرد ہو یا جملہ۔ پھر اگر جملہ ہو تو اسمیہ ہو یا فعلیہ تو
اس کا جواب یہ ہے کہ حال میں تقسیم ہے مگر اس میں قدیم
اختلاف ہے حال مفرد میں تو سب متفق ہیں البتہ
حال اگر جملہ فعلیہ ہو تو فرار اس کو منع کرتے ہیں بقیہ
نخاۃ کے نزدیک یہ جائز ہے جیسے علمی بزرید کان ذال
مال کہ اس میں کان ذال مال جملہ فعلیہ حال واقع ہو رہا ہے
اور خبر اس جگہ سے محذوف جس کی تقدیر عبارت یہ ہے
علمی بزرید حاصل اذ کان ذال مال مگر اس پر یہ اعتراض
وارد ہوتا ہے کہ اسی صورت میں تکرار کان لازم آتا
ہے لہذا یہ کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ کان ذال مال علمی کی خبر
ہے اور یہ وجہ محذوف خبر کے قبیل سے نہیں لہذا فرار کا
مذہب درست ہے جواب یہ ہے کہ اگر کان ذال مال کو
علمی کی خبر قرار دیں تو اس میں دو نقصان ہیں کان کی
ضمیر علم کی طرف راجع ہوگئی یا زید کی جانب اگر علم
کی جانب راجع ہو تو علم کا ذال المال ہونا لازم آتا
ہے جو صریحاً باطل ہے اور اگر زید کو اس کا مرجع
قرار دیں تو مبتدأ کا بغیر علت کے باقی رہنا لازم آتا
ہے کیونکہ جب مبتدأ کی خبر جملہ ہوتی ہے تو خبر میں
ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو مبتدأ کی طرف
راجع ہو پس اس سے معلوم ہوا کہ جمہور نخاۃ کا مسلک
صحیح ہے اور فرار غلطی پر ہیں اور حال جملہ اسمیہ بھی آسکتا
ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جملہ کے ساتھ واو
حالیہ ضرور لایا جائے مگر کسی کے نزدیک او کا لانا
بھی ضروری نہیں بعد ذکر واو ہی حال کو جملہ اسمیہ
لا سکتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

ضربی زیداً قائماً مثال کے ذکر سے پیشتر ثانیہا
کل مبتدأ الخ سے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ
کیا ہے نیز اس اعتراض کا دفعیہ بھی اس سے مقصود
ہے کہ مصنف کا مقصود تو بیان سے کلیہ ہے اور
مثال سے اشارہ ہو رہا ہے جزئیہ کی طرف پس کل
مبتدأ سے اس کا کلیہ ہونا معلوم ہو گیا۔ پس جس
طرح یہ قاعدہ ضربی زیداً قائماً پر صادق آسکتا ہے
اسی طرح دوسری امثلہ بھی اسی پر قیاس کی جاسکتی
ہیں ا کلیہ یہ ہے کہ جب مبتدأ صریح مصدر یا تاویل
مصدر ہو اور فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اس
کی اضافہ ہو اور اس کے بعد فاعل یا مفعول یا دونوں
سے حال مذکور ہو تو اس جگہ سے خبر کا محذوف کرنا واجب
ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر
یہ ہے کہ اضافہ فاعل یا مفعول فرد واحد کی جانب تو
ہو سکتی ہے مگر شے واحد کی اضافہ شئیین کی جانب
جائز نہیں لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ فاعل و مفعول دونوں
کی طرف مضاف ہو جواب یہ ہے کہ اضافہ اس جگہ
بمعنی تعلق ہے یعنی جس طرح مضاف کا تعلق مضاف
الیہ سے ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی مبتدأ مصدر کا
تعلق فاعل و مفعول سے مراد ہے اور ظاہر ہے کہ
اس میں کچھ اشکال نہیں جیسے مثال مذکور کہ اس میں ضرب
مبتدأ مصدر فاعل یعنی بار متکلم کی طرف مضاف ہے
اور ضرب کا تعلق زیداً مفعول سے بھی ہے کیونکہ
ضرب کا وقوع زید پر ہی ہو رہا ہے۔ اب رہی یہ
بات کہ مصدر صورت سے کیا مراد ہے اور او بتاویل
سے کیا! تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصدر صورت سے
مراد تو ظاہر ہے کہ مصدر حقیقتہً ہو یعنی جس طرح باعتبار
معنی کے مصدر ہو اسی طرح لفظ بھی اس کے مصدر
ہونے پر دال ہو اور او بتاویل سے ان ضربت زیداً

نے کہا ہے کہ جو اسم لولا کے بعد واقع ہو گا وہ فعل
مقدر کا فاعل ہو گا پس لولا زید لکان کذا کی تقدیر
عبارت لولا وجداً زیداً لکان کذا ہوگی پس اس صورت
میں یہ مثال محذوف خبر وجداً سے نہیں ہوگی اور کسی
کے ایسا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک لولا
لو شرطیہ اور لا نافیہ سے مرکب ہے اور لو شرطیہ کے
بعد چونکہ فعل آتا ہے لہذا لفظ لولا نافیہ پر داخل
ہونے کے باوجود اپنے اقتضار پر باقی رہے گا پس
لولا کے بعد فعل مقدر مانا جائیگا اور چونکہ بھر یہ
لولا کو مرکب نہیں مانتے اس لئے ان کے نزدیک لا شرط
کے لئے نہیں ہوگا اور لولا کے بعد محذوف خبر واجب
ہوگا افعال عامہ میں کما مراد چونکہ یہی مذہب صحیح
ہے اس واسطے مصنف نے اس کو اختیار کیا ہے
اور کسی کا مذہب ضعیف ہے اس واسطے اسکو
اختیار نہیں کیا اور وجہ ضعف یہ ہے کہ اگر فعل کو محذوف
کیا جاتا ہے تو اس وقت میں جبکہ اس کی تفسیر ذکر
کی گئی ہو کہ وَاِنْ اَحَدُ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ
بیان میں گنہگار اور یہاں اس کی تفسیر مذکور نہیں۔ یا
اس وقت محذوف فعل واجب ہے جبکہ قسم کے
جواب میں واقع ہو اور یہاں یہ بھی نہیں نیز ماضی پر
لا نہیں داخل ہو کر نا اور اگر داخل ہوتا ہے تو تکرار
لا ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ بھی نہیں لہذا یہ
مذہب ضعیف ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۳۷ قولہ وقال الفرار الخ فرار بھی کونین
میں سے ہیں کہتے ہیں کہ فرار نے یہ کہا ہے کہ جو اسم لولا
کے بعد واقع ہو گا وہ نہ تو مبتدأ ہوگا اور نہ فعل محذوف
کا فاعل بلکہ وہ اسم لولا کے کل کے مفعول ہوگا پس لولا اس
اسم کو رفع دیگا کیونکہ ان کے نزدیک لولا اسم افعال
میں سے ہے یعنی اوحد مذہب بھی ضعیف ہے
اس لئے کہ اس صورت میں کلام کی ترکیب اسم اور
حرف سے لازم آتی ہے اور یہ باطل ہے واللہ اعلم
بالصواب ۱۲۔

۳۳۸ قولہ وثانیہا کل مبتدأ الخ وجوب
محذوف خبر کے موافق میں سے یہ دوسرا موقع ہے کہ
جہاں پر خبر کو محذوف کرنا واجب ہے شائع نے

المفعول اوکلیہا وبعده حال اوکان اسم تفضیل مضافا الی ذلک المصد
وذلك مثل ذهابی راجلا وضرب زید قائما اذا کان زید مفعولا به و

ہو جو کہ فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی طرف منسوب ہو اور اس کے بعد حال ہو یا اسم
تفضیل ہو جو اس مصدر جو کہ اسم فاعل یا اسم مفعول یا دونوں کی طرف مضاف ہے کی
طرف مضاف ہو اور وہ ذہابی راجلا یہ اس مصدر کی مثال ہے جو فاعل کی طرف منسوب
ہو اور ضرب زید قائما (اس مصدر کی مثال ہے جو مفعول بہ کی طرف منسوب ہو)

۳۳۹ قول اوکان اسم تفضیل الخ اس

مگر شارح نے لفظ کان کے اضافہ سے اس امر کی
طرف اشارہ کیا ہے کہ اسم تفضیل کا عطف نہ تو
حال پر ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہو وبعده حال
اور اسم تفضیل اور الفاعل پر کہ عبارت اس طرح
پڑھی جائے (منسوب الی الفاعل اور اسم التفضیل)
بلکہ اس کا عطف کان مصدر الخ پر ہے مطلب یہ
ہے کہ اسی طرح اسم تفضیل جب کہ اس کی اضافہ مصدر
حقیقی یا تادیلی کی جانب ہوگی تو اسم تفضیل چونکہ اس
وقت مضاف الیہ سے تعلق کی بنا پر مصدر حقیقی یا تادیلی
کے حکم میں ہوگا تو اس اسم تفضیل مبتداء کی خبر کا ہی حذف
واجب ہوگا شارح کان اسم تفضیل کو تولد کان مصدر
کے مقابل محض انا غیر مناسب ہے کیونکہ اس سے بجائے
ایک قاعدہ کلیہ کے دو کلیہ اخذ کرنے پڑیں گے ایک
مصدر کے لئے اور دوسرا اسم تفضیل کے لئے تو جبکہ
مذکورہ بالا میں کلیہ بھی ایک رہتا ہے اور مصدر و
اسم تفضیل بھی دونوں داخل ہو جاتے ہیں اسی حرکت
پہلی ایک پتہ دو کالج دانشاظم ۱۱۔

۳۴۰ قول وذلک مثل الخ یہاں سے

شارح مبتداء مصدر اور اسم تفضیل دونوں کی مثالیں
بیان فرماتے ہیں مگر جس طرح مصنف نے صرف ایک
مثال پر اکتفا کیا اسی طرح شارح بھی چار پنج مثالوں
پر اکتفا فرمایا ہے یہی حالانکہ مزید مثالوں کی بیان کی
ضرورت ہے جانتا چاہئے کہ کل اقسام بارہ ہوتے
ہیں اس لئے کہ مبتداء کا مصدر مضاف حال سے خالی
نہیں مصدر حقیقی ہوگا یا حکمی اگر حقیقی ہے تو منسوب
الی الفاعل ہوگا یا الی المفعول۔ یا الی الفاعل والمفعول

علیہا۔ اسی طرح مصدر حکمی بھی تینوں میں سے کسی ایک
کی طرف منسوب ہوگا تو یہ چھ قسمیں ہو گئیں اسی طرح
اسم تفضیل جب مصدر حقیقی یا تادیلی کی طرف مضاف
ہوگا تو اس میں بھی یہ تین قسمیں پیدا ہوں
گی پس دونوں ملا کر بارہ ہو گئیں اب مندرجہ ذیل
نقشہ سے تمام اقسام کو موعداً مثلاً سمجھ لینا چاہئے
مبتداء مصدر حقیقی ہو۔ (۱) منسوب الی الفاعل
جیسے ذہابی راجلا ۱ منسوب الی المفعول جیسے
ضرب زید قائما ۲ منسوب الی الفاعل والمفعول
جیسے ضربی زید قائما ۳ منسوب الی الفاعل جیسے
ان ضربت قائما ۴ منسوب الی المفعول جیسے
ان ضربت زید قائما ۵ منسوب الی الفاعل والمفعول
معا جیسے ان ضربت زید قائما ۶ اسم تفضیل مصدر
حقیقی کی طرف مضاف ہو کہ مبتداء واقع ہو اور مصدر
حقیقی منسوب الی المذکورین ہو ۷ منسوب الی
الفاعل جیسے اکثر شرابی قائما ۸ منسوب الی المفعول
جیسے اکثر ضرب زید قائما ۹ منسوب الی الفاعل
والمفعول معا جیسے اکثر شرابی السوین ملتوتا ۱۰ اسم
تفضیل مصدر تادیلی کی طرف مضاف ہو کہ مبتداء
واقع ہو اور مصدر تادیلی منسوب الی احد المذکورین
ہو ۱۱ منسوب الی الفاعل جیسے الخطب یا یوں لاہر
قائما ۱۲ منسوب الی المفعول جیسے اکثر ان ضربت زید
قائما ۱۳ منسوب الی الفاعل والمفعول معا جیسے
اکثر ان ضربت زید قائما ۱۴ اب ہر ایک مثال کی
توضیح و تشریح ملاحظہ فرمائیے۔ نقشہ یہ
۱۵ ذہابی راجلا میں ذہاب مصدر یا شکل فاعل کی طرف
مضاف ہے اور بعد اس کے راجلا فاعل یعنی ضمیر

منکلم سے حال واقع ہے پس یہاں ذہاب خبر حذف
کر دی گئی جس کی تقدیر عبارت یہ ہے ذہابی حال
اذا کنت راجلا اس جگہ کنت میں کان تارہ ہے یعنی
ثبت و حاصل پس حاصل خبر کو مثال مذکور میں حذف
کر دیا گیا اس لئے کہ اذا کنت میں اذا ظرف ہے اور
حاصل کے متعلق ہی اول متعلق ظرف کو حذف کیا گیا
اس لئے کہ ظرف کی دلالت اپنے متعلق پر کافی دوانی
ہے متعلق کے ذکر کی ضرورت نہیں اس کے بعد ظرف
کو بھی حذف کر دیا گیا اس لئے کہ حال یعنی راجلا اس
ظرف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حال اور ظرف زمان
میں ایک خاص قسم کی مشابہت ہے جیسا کہ جاری
زید را کھا کے معنی جاری زید فی زمان کو بہ کے ہیں
پس حال تو قائم مقام ظرف کے ہے اور ظرف قائم
مقام خبر کے اس میں سے حلقہ وسط یعنی ظرف کو گزارد
تو نتیجہ یہ نکلا کہ حال قائم مقام خبر کے ہے پس جب اس
جگہ حذف خبر کا قرینہ اور قائم مقام دونوں پائے جاتے
ہیں تو یہاں خبر کا حذف واجب ہو گیا (۲) ضرب
زید قائما یہ منسوب الی المفعول کی مثال ہے جبکہ زید
کو ضرب کا مفعول بہ قرار دی کیونکہ زید میں دونوں
احتمال ہیں زید ضرب کا فاعل بھی بن سکتا ہے اور مفعول
بھی اگرچہ دونوں صورتوں میں تقدیر عبارت ایک
ہی ہے یعنی ضرب زید حاصل اذا کان قائما لیکن ترجمہ
دونوں صورتوں میں مختلف ہوگا فاعل کی صورت
میں اس کا ترجمہ یہ ہے زید کا مارنا (کسی کو) زید کے
قیام کی حالت میں ثابت ہے یعنی زید نے کسی کو کھڑے
ہو کر مارا مفعول کا اس جگہ کوئی ذکر نہیں اسی لئے
خطوط وحدانی (۳) میں میں نے اس کو ظاہر کیا ہے
اور زید کو اگر مفعول قرار دیں تو ترجمہ ہوگا زید کو مارنا
(کسی کا) زید کے قیام کی حالت میں ثابت ہے اس
صورت میں فاعل کا کوئی ذکر نہیں ہوگا حسب مذکور
یہاں بھی خطوط وحدانی میں فاعل کو ظاہر کر دیا ہے
اسی ثانی صورت کی طرف شارح نے اذا کان زید
مفعولاً بہ سے اشارہ کیا ہے۔ نکلتا۔ اگر شارح
اسی ایک مثال پر اکتفا کرتے تو ذہابی راجلا کہنے کی
کوئی ضرورت نہ رہتی اور اختصار بھی باقی رہتا کیونکہ

یہ مثال منسوب الی الفاعل اور الی المفعول دونوں کے لئے بن سکتی ہے کما مر۔ (۳) ضربی زیداً قائماً مبتدا مصدر منسوب الی الفاعل والمفعول دونوں کی مثال ہے اس میں ضرب مصدر یا متکلم فاعل کی طرف مضاف ہے اور ضرب کا تعلق زید کے ساتھ قائم ہے جو کہ مفعول واقع ہو رہا ہے اس کی اصل ضربی زیداً حاصل اذاکان قائماً تھی۔ یہ تفصیل مذکورہ حاصل اذاکان حذف کر دیا گیا مگر اس کی یہ اصل اس وقت ہے جبکہ قائماً کو بار متکلم یعنی فاعل سے حال قرار دیں اور ترجمہ یہ کریں کہ میرا زید کو بارنا اپنے قیام کی حالت میں ثابت تھا لیکن جب اس کا ترجمہ یہ کریں گے کہ میرا زید کو بارنا اس کے قیام کی حالت میں ثابت تھا اور قائماً کو مفعول یعنی زید سے حال قرار دیں گے تو اس کی اصل ضربی زیداً حاصل اذاکانت قائماً ہوگی۔ اس جگہ شارح نے اذاکانت کا اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیام کو فاعل اور مفعول دونوں کی طرف مضاف کر کے قائماً کی بجائے قائمین بھی کہہ سکتے ہیں (۴) یہ مبتدا مصدر تاویل منسوب الی الفاعل کی مثال ہے (۵) ضربت قائماً اس میں ضربت فاعل ہے اور اس کے اوپر ان مصدر یہ اخل ہونے کے باعث تاویل مصدر ہے اور ظاہر ہے کہ جب فعل ضرب کو فاعل سے علیحدہ کر کے تاویل مصدر کریں گے تو ضربی قائماً کے معنی حاصل ہوں گے کیونکہ تاویل علامت متکلم یا متکلم سے تبدیل ہو جائے گی اور اس کی توجیہ ظاہر ہے یعنی ضربی اذاکانت قائماً تفصیل حسب سابق (۵) اَنْ ضرب زیداً قائماً۔ یہ مبتدا مصدر تاویل منسوب الی المفعول کی مثال ہے اس میں ضربت فعل مجہول اَنْ مصدر یہ کے دخول کے باعث تاویل مصدر ہی اور زید کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مفعول المسمی فاعلاً ہے جو کہ مفعول کی ہے ایک قسم ہے اس کو جب مصدر کی تاویل میں کریں گے تو اس کی اصل ہی ظاہر ہوگی جو (۲) میں گذر چکی یعنی ضرب نوید حاصل اذاکان قائماً اسی شرط کے تحت

مثال ضربی زیداً قائماً اذاکانت وان ضربت زیداً قائماً واكثر شرابي السويق ملتوتاً واخطب ما يكون الامير قائماً فذهب البصريون الى ان تقديره ضربی زیداً حاصل اذاکان قائماً فذهب حاصل کما تخریج

جبکہ زید مفعول ہو (اور ضربی زیداً قائماً) یا قائمین (یہ اس مصدر کی مثال ہے جو فاعل کی طرف منسوب ہو اور قائماً فاعل سے یا مفعول سے حال ہے اور قائمین دونوں سے) اور ان ضربت زیداً قائماً (یہ تاویل مصدر کی مثال ہے) اور اکثر شرابی السويق ملتوتاً (یہ اس اسم تفصیل کی مثال ہے جو مصدر کی طرف مضاف ہے) اور اخطب ما يكون الامير قائماً (یہ اس اسم تفصیل کی مثال ہے جو مصدر تاویل کی طرف مضاف ہو) کی مانند ہے پس بصری نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس کی تقدیر (ذابی اور) ضربی زیداً حاصل اذاکانت یا اذاکان قائماً ہے تو حاصل کو حذف کر دیا گیا

کہ زید کو مفعول بہ قرار دیا جائے باقی حسب سابق (۶) ان ضربت زیداً قائماً۔ اس مثال کو شارح نے ذکر کیا ہے یہ مبتدا مصدر تاویل منسوب الی الفاعل والمفعول معاً کی مثال ہے اس میں جب ان ضربت کو اَنْ مصدر یہ کے باعث تاویل مصدر کریں گے تو اس کی اصل تفصیل سابق ضربی زیداً حاصل اذاکان قائماً حاصل ہوگی و التفصیل کما مر (۷) اکثر شرابی قائماً یہ اسم تفصیل مضاف الی المصدر حقیقی منسوب الی الفاعل کی مثال ہے اس جگہ اکثر اسم تفصیل مصدر حقیقی یعنی ضرب کی طرف مضاف ہو کر بار متکلم یعنی فاعل کی طرف مضاف ہو کر مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ وجوباً پس اس کی اصل اکثر شرابی حاصل اذاکانت قائماً ہوئی تفصیل حسب سابق (۸) اکثر ضرب زیداً قائماً یہ اسم تفصیل مضاف الی المصدر حقیقی منسوب الی المفعول کی مثال ہے اس میں بھی حسب سابق اذاکان زید مفعولاً بہ کا اضافہ کر کے مثال نمبر ۲ میں بیان کردہ شق ثانی یعنی صورت مفعول بہ کو اختیار کرنا ہوگا پس تقدیر عبارت یہ ہوگی اکثر ضرب زیداً حاصل اذاکان قائماً تفصیل بدستور (۹) اکثر شرابی السويق ملتوتاً۔ اس مثال کو بھی شارح نے ذکر کیا ہے اور یہ اسم تفصیل مضاف الی المصدر حقیقی منسوب الی الفاعل والمفعول معاً کی مثال ہے اس میں ضرب مصدر یا متکلم یعنی فاعل اور السويق

مفعول بہ کی طرف مضاف ہے اور ان کے بعد ملتوتاً حال واقع ہے دلت کے معنی بھگونے کے آتے ہیں اور السويق سستو کو کہتے ہیں جو چاول یا جو کو بھون کر آٹے کی طرح بناتے ہیں) پس اس کی تقدیر عبارت اکثر شرابی السويق حاصل ہے اذاکان ملتوتاً ہوگی تفصیل بدستور مذکور (۱۰) اخطب ما يكون الامير قائماً یہ اسم تفصیل کی وہ مثال ہے جبکہ اسم تفصیل مصدر تاویل کی طرف مضاف ہو اور مصدر تاویل فاعل کی طرف منسوب ہو اس میں ما مصدر یہ ہے جس کے باعث یکن تاویل مصدر ہو جائیگا اور الامير اس مصدر کا فاعل ہے یہ اخطب کون الامير حاصل اذاکان قائماً تفصیل گذر چکی۔ (۱۱) اکثر ان ضربت زیداً قائماً اس میں ضرب فعل مجہول کا زید مفعول المسمی فاعلاً ہے اور ضرب ان مصدر یہ کے باعث تاویل مصدر ہو کر اکثر ضرب زیداً قائماً کے معنی میں ہوگا اور تقدیر عبارت اکثر ضرب زیداً حاصل اذاکان قائماً ہوگی مگر اس میں بھی اسی قید مذکور یعنی اذاکان زید مفعولاً بہ کا اضافہ کرنا پڑیگا تفصیل گذر چکی (۱۲) کو بھی ما سبق پر قیاس کرنا چاہئے والٹر اعلم ۱۲۔

۱۳ قولہ فذهب البصريون الخ اس

عبارت کی توجیہ مثال ۷ کے ضمن میں بخوبی کی جا چکی ہے لہذا یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے

متعلقات الظروف نحو زيد عندك فبقی اذا كان قائماً محذوف اذا مع شرطاً العامل في الحال واقیم الحال مقام الطرف لان في الحال معنی الطرفية فالحال قائم مقام الطرف القائم مقام الخبر فيكون الحال قائماً مقام الخبر قال الرضی هذا ما قيل فيه وفيه تكلفات كثيرة والذي يظهر لي ان تقدیراً نحو ضربی زيداً يلا بسه قائماً اذا اردت الحال عن المفعول وضربى زيداً يلا سبني قائماً اذا كانت عن الفاعل اولى ثم نقول محذوف المفعول الذي هو ذوالحال فبقی ضربى زيداً يلا بس قائماً ويجوز حذف ذی الحال مع قیام القرينة كما تقول الذي ضربت قائماً

بجاءت الظروف کے متعلقات کو حذف کیا جاتا ہے (مگر فرق یہ ہے کہ ظروف کے متعلقات کا حذف جوازی ہوتا ہے اور یہاں حال کے خبر کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے خبر کا حذف وجوبی ہے) جیسے زيد عندك تو اذا كان قائماً باقی رہ گیا پھر اذا کو اس کی شرط (کان) کے ہمراہ جو (شرط) کہ حال میں عامل ہے حذف کر دیا گیا اور ظرف (اذا) کی جگہ حال (قائم مقام) کو کھڑا کیا گیا۔ کیونکہ حال میں ظرفیت کا معنی ہے پس حال اس ظرف کے قائم مقام ہوا جو کہ خبر کے قائم مقام ہے پس حال خبر کے قائم مقام ہو گا اور رضی نے کہا کہ یہ تقدیر بصری یعنی زيد حاصل اذا کان قائماً) اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اس تقدیر میں بہت سے تکلفات ان دو جو میرے لئے ظاہر ہو رہے ہیں وہ یہ کہ اس کی تقدیر ضربی زيداً يلا بس قائماً کی مانند جبکہ حال کا ارادہ کرو مفعول بہ ہے اور ضربی زيداً يلا بس قائماً جبکہ حال فاعل سے ہوا ولی ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ اس مفعول کو جو کہ ذوالحال ہے حذف کر دیا گیا (دونوں مثالوں میں مثال اول میں ضمیر غائب کو اور مثال ثانی میں ضمیر مشکلم کو کیونکہ مفعول بہ کلام میں فضلہ ہونے کی وجہ سے جائز الحذف ہوتا ہے) پس ضربی زيداً يلا بس قائماً باقی رہ گیا اور قیام قرینہ کے ہمراہ ذوالحال کا حذف جائز ہے جیسا کہ تم کہتے ہو الذي ضربت

ظرف ہے اس کے لئے متعلق کا ہونا ضروری ہے جو کہ حاصل ہے پس اس میں سے حاصل کو حذف کر دیا گیا اس لئے کہ ظرف اپنے متعلق پر دلالت کرتا ہے پھر یہ کہ ظرف کے متعلق تو حذف کرنا جائز ہی ہے مگر یہاں واجب ہے کیونکہ حاصل خبر کا قائم مقام قائماً موجود ہے) پس اذا کان قائماً باقی رہا پھر اذا کو بھی اپنی شرط یعنی کان کے ساتھ جو کہ حال میں عامل ہے حذف کر دیا گیا اور حال کو ظرف کے قائم مقام کر دیا گیا اس لئے کہ حال میں ظرفیت کے معنی ملتے جاتے ہیں کیونکہ حال اور ظرف میں ایک خاص قسم کی مشابہت ہے جیسا کہ گذرا مثال

اس مسئلہ میں وجوب حذف خبر کی حد تک توسیع کا اتفاق ہے مگر اس مرحلہ پر اگر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کہ خبر کو مقدار ماننے کی کیا صورت ہے اور تقدیر عبارت کیا ہوگی؟ پس اس میں پانچ مذاہب ہوئے ہیں جن میں سے پہلا مذہب بصری کا ہے اس کے مطابق تمام تفصیل اور ذکر کی جا چکی ہیں مختصراً یہ کہ بصری اس طرف گئے ہیں کہ ضربی زيداً يلا بس قائماً کی اصل ضربی زيداً يلا بس قائماً تھا پس حاصل کو جو با حذف کر دیا گیا جبکہ متعلقات ظروف حذف کر دیئے جاتے ہیں جیسے زيد عندك میں عند

(۱) میں) پس حال تو قائم مقام ظرف کے ہوا اور ظرف قائم مقام خبر کے نتیجہ یہ نکلا کہ حال قائم مقام ہے خبر کے ۱۲ دانشرا علم ۱۲۔

۳۳۲ قولہ وفيه تكلفات كثيرة الخ رضی فرماتے ہیں کہ بصری کی توجہ میں بہت سے تکلفات کا ارتکاب لازم آتا ہے مثلاً (۱) اذا ظرفیہ کو اس کے جملہ سمیت حذف کرنا جو کہ سوائے اس مقام کے دوسری جگہ ثابت نہیں جبکہ جملہ کو مبتدا کی خبر کے قائم مقام بنایا گیا ہو (۲) بظاہر اس جگہ کان ناقص ہے مگر اس سے کان تامہ کی طرف عدول کیا گیا ہے جو کہ سراسر تکلف ہے (۳) حال کو ظرف کے قائم مقام کرنے کی اس جگہ کے سوا اور کہیں تفسیر نہیں ملتی اس لئے یہ اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں پس یہ دو سراسر مذہب ہے رضی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ضربی زيداً يلا بس قائماً کی اصل ضربی زيداً يلا بس قائماً ہے جبکہ قائماً کو مفعول بہ یعنی زيداً يلا بس سے حال قرار دیا جائے اور حجب اس کو فاعل سے حال قرار دیں تو اس کی اصل ضربی زيداً يلا بس قائماً اولی ہے پھر اس کی توجہ میں ہم کہیں گے کہ اس میں سے اولاً ضمیر مفعول یعنی کو حذف کیا گیا جو کہ قائماً کا ذوالحال ہے پس ضربی زيداً يلا بس قائماً باقی رہ گیا پھر یلا بس کو بھی حذف کر دیا گیا جو کہ مبتدا کی خبر ہے اور حال میں عامل ہے کیونکہ ذوالحال با فاعل ہوتا ہے یا مفعول پس اس اعتبار سے یلا بس ذوالحال میں عامل ہوا پھر حال کو خبر یعنی عامل کے قائم مقام کر دیا گیا اس لئے کہ ایسا بجزرت ہے جیسا کہ راشد امجد یا کہا جاتا ہے عامل اور ذوالحال دونوں کے حذف کے ساتھ کیونکہ اس کی اصل سرانست راشد امجد یا سر فعل عامل ہے اور است فعل کا فاعل اور راشد امجد یا حال کا ذوالحال ہے پس اس جگہ سے دونوں کو حذف کر دیا گیا اور حال کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا پس اس بنا پر تمام تکلفات بعید سے راحت حاصل ہو جائیگی اور مزید حذف بھی لازم نہیں آئیگا دانشرا علم ۱۲۔

۳۳۲ قولہ ويجوز الخ اس عبارت

سے شائع یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آیا ذوالحال کا حذف جائز بھی ہے یا نہیں؟ تو کہتے ہیں کہ جب حذف ذوالحال پر قرینہ موجود ہو تو اس کو حذف کرنا جائز ہے جیسا کہ الذی ضربت قائماً زید میں ذوالحال کو قیام قرینہ کے باعث حذف کر دیا گیا ہے اور وہ قرینہ ہے الذی یعنی میں نے جس شخص کو اس کے قیام کی حالت میں مارا وہ زید ہے پس اس کی اصل الذی ضربت قائماً زید ہوئی واللہ اعلم ۱۲ (فائدہ) رضی کی توجہ میں اگر قائماً کو ضمیر فاعل سے حال قرار دیں گے تو بلا سنی قائماً سے ضمیر فاعل یعنی یار متکلم کو حذف کیا جائیگا اور پھر فعل کو کما مرآئفا واللہ اعلم ۱۲۔

قوله وقال الكوفيون الخ یہ تیسرا مذہب کوفیہ کا ہے ان کے نزدیک اس کی تقدیر ضربی زیداً قائماً حاصل ہے قائماً کو متعلقاً مبتدا میں سے قرار دینے کے ساتھ یعنی ان کے نزدیک قائماً کا تعلق کسی محذوف کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ سابقہ مذاہب میں گذرا بلکہ قائماً مصدر سے حال واقع ہے اور مصدر مبتدا واقع ہو رہا ہے پس اس کی خبر حال کے بعد وجوباً محذوف ہے پھر چونکہ حال کو متعلقات مبتدا میں سے قرار دیا گیا ہے اس لئے ضربی زیداً قائماً حاصل کے معنی ضربی زیداً فی وقت القیام حاصل کے ہونگے مگر یہ توجہ اعتراض سے خالی نہیں اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں اولاً یہ کہ حذف خبر بلا قائم مقام کے لازم آتا ہے ثانیاً یہ کہ مبتدا تفصیل یعنی تقید حال کے ساتھ لازم آتی ہے تشریح اول کی یہ ہے کہ اس توجہ کی بنا پر حال متعلقات مبتدا اور اس کے منتمات سے ہو جائیگا یعنی بلا ذکر حال کے مبتدا سے مطلب واضح نہ ہوگا اور جو چیز مبتدا کے منتمات سے ہوتی ہے وہ خبر کے قائم مقام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی پس وجوب حذف خبر بلا قائم مقام لازم آیا اور یہ ناجائز ہے اور ثانی کی تشریح یہ ہے کہ اہل عرب کے استعمال

زیداً ہے ضربتہ ثم حذف یلا یس الذی هو خبر المبتدا والعامل فی الحال وقام الحال مقامہ کما تقول راشداً مہدیاً فعلے ہذا یكون مستر حین من تلك التکلفات البعیدة وقال الکوفیون تقدیر ضربی زیداً قائماً حاصل لجعل قائماً من متعلقات المبتدا ولینضم حذف الخبر من غیر سند شیء مسدّد وتقید المبتدا المقصود عمومہ بدلیل الاستعمال وذهب الاخفش^{۱۳} الى ان الخبر الذی سدت الحال محله مصدر

قائم زید یعنی ضربتہ پھر یلا یس کو جو کہ مبتدا کی خبر ہے اور حال میں عامل ہے حذف کیا گیا اور حال یلا یس کے قائم مقام ہو گیا جیسا کہ تم کہتے ہو راشداً مہدیاً یعنی سر راشداً مہدیاً پس اس بنا پر بصری حضرات ان تکلفات بعیدہ سے راحت پائیگے اور کوفی حضرات کہتے ہیں اس کی تقدیر ضربی زیداً قائماً حاصل ہے قائماً کو مبتدا کے متعلقات سے کر کے اور کوفیوں کو بغیر قائم مقام کے خبر کا وجوباً حذف ہے (لازم آتا ہے کہ حال خبر محذوف سے مقدم ہے اور مقدم متاخر کی جگہ کھڑا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا) اور اس مبتدا کا کہ دلیل استعمال سے اس کا عموم مقصود ہے تقید کرنا لازم آتا ہے (کہ اس تقدیر میں حال اپنے عامل یعنی مبتدا کے لئے قید ہے جبکہ یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں) اور امام اخفش اس بات کی طرف گئے ہیں کہ وہ خبر کہ حال جس کے قائم مقام ہے وہ مصدر ہے جو صاحب حال کی طرف متعلق

کے مطابق قاعدہ یہ ہے کہ اسم جنس معرفہ جب استعمال کیا جائے اور اس کی تفصیل کا بعض کے لئے کوئی قرینہ نہ پایا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ استفراق جنس یعنی عموم مقید ہو پھر دلالت کرتا ہے تاکہ ترجیح بلا مرجع لازم نہ آئے اور ہر ایک پر یکساں طور پر صادق آجائے پس جب اس جگہ اسم جنس یعنی ضرب مصدر کو جو کہ اضافت کے باعث معرفہ ہے) حالت قیام کے ساتھ مقید کر دیا تو عموم فوت ہو گیا حالانکہ سب کے نزدیک بلا تفتان اس کے معنی ما ضرب یا ما ضرب زیداً قائماً کے ہیں اور یہ معنی اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ جنس کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے اور حال کو خبر کے متعلق قرار دیا جائے جیسا کہ بصری کا مذہب ہے اور کوفیہ والی توجہ کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہتا اس لئے کہ ان کی تقدیر پر مبتدا حال میں عامل ہو گی اور حال عامل کے لئے قید ہوگا پس جنس ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسم جنس معرفہ جب استعمال کیا جائے اور اس کی تفصیل کا بعض کے لئے کوئی قرینہ نہ پایا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ استفراق جنس یعنی عموم مقید ہو پھر دلالت کرتا ہے تاکہ ترجیح بلا مرجع لازم نہ آئے اور ہر ایک پر یکساں طور پر صادق آجائے پس جب اس جگہ اسم جنس یعنی ضرب مصدر کو جو کہ اضافت کے باعث معرفہ ہے) حالت قیام کے ساتھ مقید کر دیا تو عموم فوت ہو گیا حالانکہ سب کے نزدیک بلا تفتان اس کے معنی ما ضرب یا ما ضرب زیداً قائماً کے ہیں اور یہ معنی اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ جنس کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے اور حال کو خبر کے متعلق قرار دیا جائے جیسا کہ بصری کا مذہب ہے اور کوفیہ والی توجہ کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہتا اس لئے کہ ان کی تقدیر پر مبتدا حال میں عامل ہو گی اور حال عامل کے لئے قید ہوگا پس جنس ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسم جنس معرفہ جب استعمال کیا جائے اور اس کی تفصیل کا بعض کے لئے کوئی قرینہ نہ پایا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ استفراق جنس یعنی عموم مقید ہو پھر دلالت کرتا ہے تاکہ ترجیح بلا مرجع لازم نہ آئے اور ہر ایک پر یکساں طور پر صادق آجائے پس جب اس جگہ اسم جنس یعنی ضرب مصدر کو جو کہ اضافت کے باعث معرفہ ہے) حالت قیام کے ساتھ مقید کر دیا تو عموم فوت ہو گیا حالانکہ سب کے نزدیک بلا تفتان اس کے معنی ما ضرب یا ما ضرب زیداً قائماً کے ہیں اور یہ معنی اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ جنس کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے اور حال کو خبر کے متعلق قرار دیا جائے جیسا کہ بصری کا مذہب ہے اور کوفیہ والی توجہ کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہتا اس لئے کہ ان کی تقدیر پر مبتدا حال میں عامل ہو گی اور حال عامل کے لئے قید ہوگا پس جنس ان کے نزدیک

مضاف الی صاحب الحال ای ضربی زیداً ضربہ قائماً و ذهب بعضهم الی ان هذا المبتدأ الخبر له لکونه بمعنى الفعل اذ المعنی ما اضر ب زیداً الا قائماً و ثانياً لثما کل مبتدأ اشتمل خبره علی معنی المقارنته و عطف علی شئی بالواو والقی بمعنی مع و ذلك مثل کل رجل و ضیعتہ ای کل رجل مقرون مع ضیعتہ فهذا الخبر واجب حذفه لان الواو يدل علی الخبر الذی هو مقرون و اقيم المعطوف فی موضعه و رابعها کل مبتدأ یكون مقسماً به و خبره القسم و ذلك مثل کسرتک لا فعلن

ہے یعنی ضربی زیداً ضربہ قائماً اور بعض اس کی طرف گئے ہیں کہ اس مبتدأ کی کوئی خبر نہیں ہے کیونکہ یہ فعل کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا معنی ما اضر ب زیداً الا قائماً ہے اور تیسرا باب ہر وہ مبتدأ ہے کہ جسکی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو اور اس مبتدأ پر اس واو کے ساتھ عطف ڈالا جائے جو مع کے معنی میں ہے (اور) وہ (کل رجل و ضیعتہ) کی مانند ہے یعنی کل رجل مقرون مع ضیعتہ پس اس خبر کا حذف واجب ہے کیونکہ واو خبر پر دلالت کرتی ہے جو کہ مقرون ہے (کیونکہ واو مع کے معنی میں ہے لہذا واو حذف خبر کے لئے قرینہ ہے) اور معطوف (یعنی ضیعتہ) کو خبر کی جگہ قائم کیا گیا اور ان میں سے چوتھا باب ہر وہ مبتدأ ہے جو مقسم بہ ہو یعنی ان الفاظ سے جو قسم کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے بمن اللہ اور لعمرک اور اس کی خبر (لفظ) قسم ہو (اور) وہ (لعمرك لا فعلن کذا)

اس کی کوئی خبر ہی نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ما اضر ب زیداً الا قائماً یا اضر ب زیداً قائماً کے ہیں مگر یہ بھی اشکال سے نہیں اس لئے کہ ما اضر ب زیداً الا قائماً تو صحیح ہے کہ اس سے حصر مستفاد ہو رہا ہے لیکن ما اضر ب زیداً قائماً سے یہ حصر معلوم نہیں ہوتا اس لئے اس میں بھی من وجہ نقص ہے (نوٹ) مبتدأ کا بھٹنے الفعل ہونا مبتدأ کی قسم ثانی کے بیان میں مفصلاً گذر چکا فلترجع الیہ واللہ اعلم ۱۲

۱۱ قولہ و ثانياً لثما کل الخبر واجب حذفه و وجوب حذف خبر میں سے یہ تیسرا موقع ہے اور اس سے بھی ایک کلید کی طرف اشارہ ہے اسی سے شامح و ثانیہ کل مبتدأ الخ کہہ رہے ہیں تفصیل مقام کی یہ ہے کہ جب مبتدأ کی خبر معنی مقارنت پر مشتمل ہو اور مبتدأ پر بذریعہ واو بھٹنے مع کے کسی اسم کا عطف

منفاد ہے (ذوالحال خواہ فاعل ہو یا مفعول) پس اس بنا پر اس کی تقدیر عبارت ضربی زیداً ضربہ قائماً ہوگی اس جگہ سے ضربی جو کہ قائماً میں عامل ہے حذف کر دیا گیا انفس توجیبہ کی طرف اس لئے گئے ہیں کہ اس میں تقبیل حذف ہے مگر یہ بھی اعتراض سے خالی نہیں اسلئے کہ اس صورت میں حذف مصدر لازم آتا ہے اور اس کے معمول کا باقی رہنا اور یہ ممکن ہے کہ معمول کو باقی رکھا جائے اور عامل کو حذف کر دیا جائے کیونکہ عامل معمول دونوں خبر مل کر کل بنتے ہیں پس اگر حذف کیا جائے تو کل کو کیا جائے ورنہ کسی کو بھی حذف نہ کیا جائے لہذا یہ مذہب بھی درست نہیں واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ و ذهب بعضهم الخ یہ بالجوہر مذہب ہے جس کے قائل ابن دستویہ اور ابن پاشا ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ مبتدأ بھٹنے الفعل ہے اس لئے

کیا گیا ہو تو اس مبتدأ کی خبر کا حذف کرنا واجب ہے جیسے کل رجل و ضیعتہ کہ اس جگہ مبتدأ کی خبر مقرون ہے اور معنی مقارنت کو مشتمل ہے اور اس مبتدأ پر واو بھٹنے مع کے ذریعہ ایک اسم یعنی ضیعتہ کا عطف بھی ہے پس مثال مذکور میں واو بھٹنے مع اس خبر مقرون پر دلالت کرتا ہے اور معطوف بجائے خبر کے ہے لہذا خبر کا حذف واجب ہو گیا ورنہ اجتماع بدلین لازم آگیا کہ خبر بھی موجود ہو اور اس کا قائم مقام بھی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب اس جگہ ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ ضیعتہ کا عطف مبتدأ پر ہے اور معطوف توابع میں سے ہوتا ہے تو ضیعتہ بھی مبتدأ کے توابع میں سے ہو لہذا یہ خبر کے قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ کے تو قائم مقام ہو سکتا ہے کہ دوسرے اسم کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ضیعتہ بظاہر مبتدأ پر معطوف ہے لیکن درحقیقت اس کا عطف مقرون کی ضمیر مستتر پر ہے جو کہ مقرون کا نائب فاعل ہے اور مبتدأ کی طرف راجع ہے پس یہ اس کا عطف حقیقہ ضمیر خبر پر ہے تو اس کا خبر کے قائم مقام ہونا درست ہو گیا مگر اس پر پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جبکہ ضیعتہ کا عطف ضمیر مستتر مقرون پر تسلیم کیا گیا ہے تو چونکہ وہ ضمیر متصل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ضمیر متصل پر عطف لاتے ہیں تو بغیر فاصلہ اور تاکید مفصل کے نہیں لاتے کیونکہ یہ جائز نہیں اور یہاں عطف بلا فصل کے موجود ہے لہذا یہ عطف کیونکہ درست ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ ضمیر متصل پر کسی اسم کا عطف ضمیر مفصل سے تاکید لائے بغیر اس وقت ناجائز ہوتا ہے جبکہ باعتبار مال کے یہ عطف کسی دوسری چیز کی طرف راجع نہ ہو اور جس وقت یہ عطف باعتبار مال کے کسی دوسری چیز کی طرف راجع ہو تو درجیا کہ یہاں مبتدأ کی طرف راجع ہے اور باعتبار صورت کے مبتدأ پر عطف ہے (جائز ہوگا پھر ضیعتہ کے لغت میں مختلف معنی آتے ہیں

مثلاً عقار زمین محل متاع وغیرہ اور یہاں اس کی صفت سے کنایہ ہے یعنی صنعت و حرفت اور جملہ کے یہ معنی ہیں کہ ہر آدمی اپنے پیشہ کے ساتھ ہے والٹر اعظم ۱۲

۵۳۲۸ قولہ درابعا الخ یہ وجوب خبر کے مواضع میں سے چوتھا موقع ہے اس سے بھی ایک کلیہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اس لئے شایع کہتے ہیں کہ چوتھا مقام یہ ہے کہ مبتدا قسم اور اس کی خبر لفظ قسم ہو تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے جیسے لعمر لافعلن کذا کہ اس کی اصل لعمر قسمی لافعلن کذا ہے اس میں لفظ قسمی مبتدا کی خبر واقع ہو رہا ہے اس کو حذف کر دیا گیا اس لئے کہ لام قسم پر دلالت کرتا ہے اور جواب قسم اس کا قائم مقام ہے تو اس صورت میں حذف خبر واجب ہوگا ورنہ اصل اور قائم مقام دونوں کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔ لعمر کو نفاذ کا معطوف علیہ بنا کر شایع نے یہ بتایا ہے کہ عمر بالفتح اور بقا کے ایک ہی معنی ہیں اب اگر کوئی کہے کہ قول قسمی کا اصل لعمر پر درست نہیں اس لئے کہ دونوں میں مغائر ہے کیونکہ عمر بالفتح قسم نہیں اور قسم عمر بالفتح نہیں اور عمل کے لئے ضروری ہے کہ اتحاد فی الخصاص اور مغائرۃ فی الذہن ہو یعنی ظاہر کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوں لیکن باطن کے اعتبار سے متحد ہوں اور یہاں دونوں اعتبار سے مغائرۃ ہے شایع نے اس کا جواب ای ما اقسام ہے یہ دیا کہ قسمی اس جگہ ما اقسام ہے کے معنی میں ہے اور اس میں ما موصولہ یا موصوفہ ہے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے لعمر ما اقسام ہے لافعلن کذا یعنی تیری زندگی ایسی ہے کہ میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسا ضرور یا ضرور کہوں گا اب اس جگہ مغائرۃ فی الخصاص اور اتحاد فی الذہن پیدا ہو گیا لہذا اصل صحیح ہو گیا پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر بالفتح اور عمر بالغن مترادف ہیں یا مغائر اگر مترادف ہیں تو بالفتح کی کیوں تعبیر کی گئی بالغن کیوں نہیں کہا جاسکتا شایع جواب دے رہے ہیں کہ عمر اور عمر بمعنی واحد مترادف ہیں لیکن لام کے

کذا لعمرک وبقاؤک قسمی اے ما اقسام بہ فلا شک ان لعمرک یدل علی القسم المحذوف وجواب القسم قائم مقامہ فیجب حذفہ والعمر والعمر بمعنی واحد ولا يستعمل مع اللام الا المفتوح لان القسم موضع التخفيف لكثرة استعماله خبرات واخواتها ای من المرفوعات خبران واخواتها ای اشباہها من الحروف الخمس الباقية

کی مانند ہے یعنی لعمرک وبقاؤک قسمی یعنی (لعمرک وبقاؤک) ما اقسام بہ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ لعمرک قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے (کہ قسم بہ قسم کے بغیر نہیں ہوتا) اور قسم کا جواب (یعنی لافعلن کذا) خبر کے قائم مقام ہے لہذا خبر کا حذف واجب ہے اور العمر (بفتح عین) اور العمر (بضم عین) ایک معنی میں ہے اور لام کے ہمراہ عین سوچ ہی استعمال ہوتا ہے کیونکہ قسم اپنے کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کی جگہ ہے (اور فتحہ تخفیف ہے) لا خبران اور اس کے اخوات کی لا ان اور اس کے اخوات یعنی اس کے اثال

میں نہا کا اضافہ کیوں نہیں کر دیا؟ تاکہ بصر میں کے مذہب کو ترجیح ہو جاتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شایع نے دونوں مذاہب کی رعایت کی ہے اگرچہ مذہب بصری اس ہے اور وجہ صحت یہ ہے کہ یہ حرف وزن معنی اور عمل میں فعل متعدی کے مشابہہ ہیں یا کی لئے ان کو حروف تشبہ بالفعل کہتے ہیں وزن میں مشابہت تو یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی ہوتا ہے اسی طرح ان میں سے بھی بعض ثلاثی اور بعض رباعی ہیں اور مشابہت فی المعنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک فعل کے معنی میں ہے چنانچہ ان اور ان حقیقت کے معنی میں ہے اور کان شہیت کے معنی میں اور لیت معنی میں تخفیف کے اور فعل معنی میں ترجمیت کے ہیں و علی هذا القیاس اور عمل میں مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل متعدی کے لئے دو اسم لازم ہیں ایک فاعل دوسرا مفعول اسی طرح ان کے لئے بھی دو اسم ضروری ہیں ایک اسم دوسرا خبر پھر چونکہ یہ حروف فعل متعدی کی فرع ہیں اسی لئے مناسب ہے کہ یہ عمل میں بھی عمل فعل متعدی کی فرع ہوں پس ان کے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیا گیا فعل متعدی کے خلاف کہ اس میں فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا جاتا ہے والٹر اعظم ۱۲

ساتھ صرف بالفتح ہی استعمال کیا جاتا ہے اس سے کہ قسم موضع تخفیف ہے کثرت استعمال کے باعث اور تخفیف چاہتی ہے فتح کو اس لئے اس جگہ ضمیر کا استعمال صحیح نہیں والٹر اعظم ۱۲

۵۳۲۹ قولہ خبران الخ اس جگہ شایع نے ای من المرفوعات کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ خبران الخ مبتدا محذوف الخبر ہے یعنی اس کی خبر نہا ای من المرفوعات محذوف ہے پھر اخوات کی تشریح اشباہہا کے ساتھ اس لئے کہ وہی کہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے جیسے کہ اخوات کا تعلق ذوی العقول کے ساتھ ہوتا ہے یہاں کونا ذوی العقول آگیا؟ تشریح سے معلوم ہوا کہ اخوات سے مراد مشابہت ہے جیسا کہ ایک اخت کی دوسری اخت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہتے ہیں کہ خبران اور اس کے اخوات یعنی نظائر حروف خمسہ باقیہ ان کان لیت لکن فعل مرفوعات سے ہیں اب یہاں یہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حروف جب کسی اسم پر داخل ہوں گے تو وہ اسم بنا برابرتہ کے مرفوع ہوگا یا ان حروف کے باعث اس میں اختلاف ہے بصر میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حروف بالاستقلال عمل کرتے ہیں اور کو فین اس امر کے فاعل ہیں کہ یہ مبتدا اور خبر کی ایک قسم ہیں پھر یہی بات کہ مصنف نے عبارت

وہی اَنْ وَكَانَ وَلَكِنْ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ وَهُوَ مَرْفُوعٌ بِهَذِهِ الْحُرُوفِ لَا
بِالابتداءِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ لِأَنَّهَا شَابَهَتْ الْفِعْلَ الْمُتَعَدِي كَمَا
يَجِي عَمَلْتُ رَفَعًا وَنَصَبًا مِثْلَهُ هُوَ أَيْ خَبْرَانِ وَلِخَوَاتِمِ الْمُسْنَدِ إِلَى
شَيْءٍ آخِرٍ بَعْدَ دُخُولِ أَحَدِ هَذِهِ الْحُرُوفِ عَلَيْهِمَا فَقَوْلُهُ الْمُسْنَدُ
تَامِلٌ لَخَبْرٍ كَانَ وَخَبْرٍ الْمُبْتَدَأِ وَخَبْرٍ لَا اتَّقَى لِنَفْيِ الْجِنْسِ وَغَيْرِهَا وَبِقَوْلِهِ
بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ عَلَيْهِمَا وَرَوَّحُهَا عَلَيْهِمَا لَا بَرَاءَتِ اثْرٍ فِيهِمَا لَفْظًا
أَوْ مَعْنَى فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيفُ بِمِثْلِ يَقُومُ فِي قَوْلِنَا أَنْ زَيْدًا يَقُومُ أَبُوهُ
فَإِنْ يَقُومُ هَهُنَا مِنْ حَيْثُ اسْتَدَاهُ إِلَى أَبُوهِ لَيْسَ بِمَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ أَنْ
بِهَذَا الْمَعْنَى بَلْ إِنَّمَا يَدْخُلُ عَلَى جُمْلَةٍ يَقُومُ أَبُوهُ فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى أَنْ يَجَابَ

حروفِ خمسہ باقیہ میں سے اور وہ اَنْ وَكَانَ وَلَكِنْ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ ہیں کی خبر اور وہ خبر
صحیح ترین مذہب کی بنا پر ان حروف کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے ابتداء کی وجہ سے نہیں
کیونکہ یہ حروف جب فعل متعدی کے مشابہ ہوئے جیسا کہ (حروف کی بحث میں) آئے گا
تو رفع و نصب میں ان کی مانند عمل کرتے ہیں «وہ» یعنی ان اور اس کے اخوات کی تفسیر
«مسند ہے» دوسری چیز کی طرف «بعد داخل ہونے» ایک حرف کے «ان حروف میں سے»
ان دونوں (مسند اور شئی آخر) پر پس مصنف کا قول المسند (جنس کے بمنزلے ہے) کان کی خبر
اور مبتداء کی خبر اور لائے نفی جنس وغیرہ کی خبر کو شامل ہے اور مصنف کے قول بعد
دخول هذه الحروف سے سب چیزیں اس تعریف سے خارج ہو گئیں اور مسند
اور شئی آخر پر ان حروف کے دخول سے مراد ان حروف کا ان دونوں میں لفظاً یا معنی
اثر پیدا کرنے کے لئے ان دونوں پر وارد ہونا ہے لہذا خبر کی تعریف ہمارے قول ان
زیداً يقوم ابوه میں يقوم کے مثل (یعنی ایسے فعل سے جو اسم ظاہر کی طرف مسند
ہو اور وہ اسم ظاہر مضاف ہو ایک ضمیر کی طرف اور وہ ضمیر ان کے اسم کی طرف واجب
ہو سے منقوض نہ ہوگی کیونکہ یہاں (مثال مذکور میں) يقوم (اپنے قائل کے بغیر) اس
وجہ سے کہ اس کی اسناد ابوہ کی طرف ہے اس خبر کے قسم سے نہیں کہ جس پر ان
اس (مسند و مسند الیہ میں لفظاً یا معنی اثر پیدا کرنے کے) معنی میں داخل ہو بلکہ ان يقوم
ابوہ کے جملہ فعلیہ پر ہی داخل ہوا ہے (یعنی ان کا اثر لفظ زید اور جملہ يقوم ابوہ میں
ہی پیدا ہو گا تنہا يقوم میں نہیں کہ اس سے تعریف منقوض ہو کہ تعریف يقوم پر صادق
ہی ہے کہ یہ مسند ہے ان کے دخول کے بعد مگر اس پر معرف صادق نہیں آتا کہ اسے

۵۳۵۰ قولہ ہوا خبر ان الخ یہاں سے
مصنف ان حروف کی خبر کی تعریف کرتے ہیں
کہتے ہیں کہ کلام میں ان حروف میں سے کسی ایک کے
داخل ہونے کے بعد شے آخر کی طرف جو مسند ہو

خبر ہے اس تعریف میں قولہ المسند جس سے جو خبر
کان خبر مبتداء خبر لا اتق لِنَفْيِ الْجِنْسِ وغیرہ سب کو
شامل ہے پس جب مصنف نے بعد دخول ہذہ
الحروف کی قید کا اضافہ بطور فصل کے کر دیا تو یہ
سب کی سب خبریں خارج ہو گئیں اب سوال یہ
پیدا ہوتا ہے کہ ان زیداً يقوم ابوہ میں يقوم ان کے
داخل ہونے کے بعد مسند ہے لہذا خبر کی تعریف
اس پر صادق آتی ہے حالانکہ یہ خبر نہیں بلکہ اس کا
مجموعہ یعنی يقوم ابوہ خبر ہے اس کا جواب شراح
والمراد بدخول ہذہ الحروف الخ سے یہ ہے کہ اس کے
کہ آپ نے دخول سے اس کے لفظی معنی مراد لئے
اس بنا پر اعتراض کرنا پڑا یہ صحیح نہیں بلکہ اس کے معنی
یہ ہیں کہ اس کا اثر لفظاً یا معنی اس مسند تک پہنچ
جائے پس اگر یہ حروف اسم اور خبر پر داخل ہو
اپنا اثر لفظاً معنی ظاہر کریں تو یہ کافی ہے مثلاً اثر
لفظی تو یہ ہے کہ مسند حرف مشبہ بالفعل کے
دخول کے بعد مرفوع ہو جائے لفظاً یا تفت زیر یا
محلاً اور مسند الیہ منصوب ودار معنوی یہ ہے کہ مسند
کا مدلول مسند الیہ کے لئے علی وجہ تحقیق ہو پس خبر
کی مذکورہ تعریف منتقض نہیں ہوگی اس لئے کہ يقوم
اس جگہ بحیثیت اس کے کہ اسناد ابوہ کی طرف ہو
رہا ہے کہ وہ صرف يقوم میں اپنا اثر دکھائے بلکہ
ان جملہ يقوم ابوہ پر داخل ہے اس لئے کہ يقوم ابوہ
کی طرف مسند ہے نہ کہ اسم ان کی طرف واللہ اعلم
۵۳۵۱ قولہ فلا یحتاج الخ اس عبارت
سے شراح فاضل ہندی پر رد کرنے کے ساتھ اپنی
اس عبارت کے اضافہ کی وجہ بیان فرماتے ہیں
کہ المسند کے بعد الی شے آخر کا اضافہ کس لئے
کیا؟ کہتے ہیں کہ اوپر والے اعتراض کا جو جواب
ہم نے دیا ہے اس کے ہوتے ہوئے مزید کسی
توجیہ کی ضرورت نہیں جیسا کہ فاضل ہندی کہتے
ہیں کہ مسند سے مراد اس حروف کے اسماء کی
طرف مسند ہونا ہے یعنی جب ان حروف میں
سے کوئی حرف داخل ہوگا تو خبر کے ان حروف
کے اسماء کی طرف مسند ہونے کو خبر سے تعبیر کریں گے
تو اس سے یہ نقض لازم آیا کہ اگر مصنف کا منشا یہی

ہے تو قول مصنف بعد دخول ہذہ الحروف بیکار ہو جاتا ہے اس لئے کہ جب ہم نے خبر کی یہ تعریف کی کہ خبر وہ مسند ہے جو ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہو تو لامحالہ یہ سناد ان حروف میں سے کسی ایک کے دخول کے بعد ہوگا پس مسند الی اسماء ہذہ الحروف کی قید سے خبر کا خبر مبتدا وغیرہ سب ناسخ ہو جاتی ہیں لہذا ان کے اخراج کے لئے بعد دخول ہذہ الحروف کی قید لگانا عبث ہے پس معلوم ہوا کہ فاضل ہندی غلط سمجھے پھر اس توجیہ کے ہوتے ہوئے دوسرا جواب اگر یہ دیا جائے کہ مسند سے مراد اسم مسند ہے تو یہ بھی مناسب نہیں اس لئے کہ اس صورت میں جملہ کی تاویل اسم کے ساتھ کرنا پڑے گی جہاں کہیں بھی ان حروف کی خبر جملہ واقع ہو مثلاً ان زیداً یقوم وغیرہ لہذا سید مسند کی یہ توجیہ بھی شائع کی بیان کردہ توجیہ کے ہم پہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں عوارض و تکلّف کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور شائع کی توجیہ مسند الی سے آخر میں تمام چیزیں آجاتی ہیں یعنی عوارض سے آخر اس کا اسم ہو جیسا کہ فاضل ہندی نے کہا ہے یا اس کا فاعل جیسا کہ یقوم ابوہ کی صورت میں موجود ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵۲ قول مثل قائم الخ یہ مصنف نے

مثال بیان فرمائی ہے کہ ان زیداً قائم میں قائم ان حروف میں سے ایک یعنی ان کے دخول کے بعد مسند ہے یہاں یہ نہ کہا جائے کہ قائم تو ان کے دخول سے پہلے بھی مسند ہے لہذا بعد دخول ہذہ الحروف کہنا بیکار ہے کیونکہ قائم اگرچہ پہلے سے مسند ہے مگر اس کی یہ مسندیت ان حروف کے دخول کے وقت زائل اور منسوخ ہو جاتی ہے اور اب جو سناد ہے وہ انہی حروف کی بدولت ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵۳ قول وماء الخ امر یجئے حکم ہے نہ

کہ اس کے علاوہ مطلب یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حکم بھی مبتدا کی خبر کے حکم جیسا ہے یعنی جس طرح مبتدا کی خبر اپنے اقسام کے اعتبار سے مفرد جملہ نکرہ اور معرفہ ہوتی ہے اسی طرح ان حروف کی خبر بھی مفرد جملہ وغیرہ ہوتی ہے ایسے ہی جس طرح

عنه بان المراد بالمسند المسند الی اسماء ہذہ الحروف ویلزم منه استدلالہ بعد دخول ہذہ الحروف ولا الی ان یجاب بان المراد بالمسند الاسم المسند فیحتاج الی تاویل الجملة بالاسم حیث یکون خبرها جملةً مثل ان زیداً یقوم مثل قائم فی ان زیداً قائم فانہ المسند بعد دخول ہذہ الحروف وأمره کأمر خبر المبتدأ ای حکم حکم خبر المبتدأ فی اقسامہ من کونه مفرداً وجملةً ونکرہً ومعرفہً وفی احکامہ من کونه واحداً ومتعدداً ومثبتاً ومحدوفاً فی شرائطہ من انه اذا کان جملةً فلا بد

ان کی خبر نہیں کہا جاتا لہذا اس جواب کے دینے کی حاجت نہ ہوگی کہ مسند سے مراد ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہے اور یقوم مثال مذکور میں ان کے اسم کی طرف مسند نہیں بلکہ اس کے متعلق کی طرف مسند ہے جو کہ ابوہ ہے لہذا تعریف خبر کیونکر مقصود ہوگی؟ اور اس جواب سے (کہ جس کے دینے کی حاجت نہیں) مصنف کے قول بعد دخول ہذہ الحروف کا بیکار ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اس توجیہ سے کہ مسند سے مراد ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہے کان اور مبتدأ اور لائے نفی جنس وغیرہ کی خبریں نکل جائیں گی اور نہ ہی اس جواب کے دینے کی حاجت ہوگی کہ مسند سے مراد اسم مسند ہے (یعنی مسند کا موصوف اسم مقدر سمجھا جائے اور مثال مذکور میں یقوم اسم نہیں بلکہ وہ فعل مسند ہے) حتی کہ جملہ کی اسم کے ساتھ تاویل کی حاجت ہو جہاں کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر ان زیداً یقوم کی مانند جملہ واقع ہو (جیسے) قائم ہے (ان زیداً قائم) میں کہ یہ ان حروف کے دخول کے بعد مسند ہے (اور اس کا امر مبتدأ کی خبر کے امر کی مانند ہے) یعنی ان (اور اس کے اخوات) کی خبر کا حکم مبتدأ کی خبر کے حکم کی مانند ہے مبتدأ کی خبر کے تمام اقسام میں یعنی اس کا مفرد ہونا اور جملہ ہونا اور نکرہ ہونا اور معرفہ ہونا اور اس کے احکام میں اس کا واحد ہونا اور متعدد ہونا مثبت ہونا اور محذوف ہونا ہے اور اس کے

احکام کے اعتبار سے خبر مبتدا واحد متعدد مثبت محذوف ہوتی ہے ان حروف کی خبر بھی ہوتی ہے علی ہذا القیاس شرائط خبر مبتدا کے اعتبار سے بھی ان حروف کی خبر بھی حکم رکھتی ہے مثلاً جب مبتدا کی خبر جملہ ہو تو اس میں غائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی طرح ان کی خبر میں بھی جملہ ہونے کی صورت میں غائد ضروری ہے نیز جب تک کوئی قرینہ قائم نہ ہو خبر مبتدا کی طرح ان میں بھی غائد کو حذف نہیں کیا جاتا اب رہی یہ بات کہ شائع نے اقسام میں مفرد جملہ وغیرہ کو شمار کیا ہے اور احکام میں واحد و متعدد وغیرہ کو تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ دونوں اقسام ہی میں جواب یہ ہے کہ شائع نے ایک معمولی فرق کے باعث ان کو دو جگہ کر دیا وہ فرق یہ ہے کہ اقسام میں تضاد کو ملحوظ رکھا ہے اور احکام میں توافق کو مثلاً اگر خبر مفرد ہوگی تو جملہ نہیں ہو سکتی۔ نکرہ ہوگی تو معرفہ نہیں ہو سکتی و بالعکس پس ان کو اقسام میں شمار کیا اور واحد و متعدد کا ایک دوسرے کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے مثلاً جب فاعل کو مرکب

من عائد ولا يحذف الا اذا علم والمراد ان امره كامرہ بعد ان يصح
كونه خبراً لوجود شرائطه وانتفاء موانعه ولا يلزم من ذلك ان
كل ما يصح ان يكون خبراً للمبتدأ يصح ان يقع خبراً للباب ان حتى
يؤد انه يجوز ان يقال اين زيد ومن ابوك ولا يجوز ان يقال ان
اين زيد او ان من اباك الا في تقدیمہ ای ليس امره كامر خبر
المبتدأ في تقدیمہ فانه لا يجوز تقدیمہ على الاسم وقد جاز تقدیم
الخبر على المبتدأ وذلك لان هذه الحروف فرع على الفعل في
العمل فاريد ان يكون عملها فرعياً ايضاً والعمل الفرعي للفعل
ان يتقدم المنصوب على المرفوع والاصل ان يتقدم المرفوع على
المنصوبات فلما عملت العمل الفرعي لم يتصرف في معموليها بتقديم

شرائط ہے کہ جب وہ جملہ ہو تو عائد (ضمیر) کا ہونا ضروری ہے اور عالم کو حذف نہ
کیا جائے گا مگر اس وقت جب کہ وہ معلوم ہو یعنی قیام قرینہ کے وقت جیسا کہ البور
الکریستین دہا کہ اس میں متہ عائد محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کی خبر کا حکم
مبتداء کی خبر کے حکم کی طرح ہے بعد اس کے کہ اس کے شرائط کے وجود اور موانع کے
انتفاء کی وجہ سے مبتداء کی خبر کا (باب ان کی خبر ہونا صحیح ہو اور اس (امرہ) کا امر
خبر المبتدأ کی تشبیہ سے لازم نہیں آتا کہ جس کا مبتداء کی خبر ہونا صحیح ہو اس باب ان
کی خبر واقع ہونا بھی صحیح ہو یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ این زید اور من ابوک
کہنا جائز ہے اور ان این زید اور ان من اباک کہنا ناجائز نہیں ہے (لہذا امرہ
کا امر خبر المبتدأ کہنا کیسے درست ہوا؟) لا مگر اس کی تقدیم میں یعنی ان کی خبر کا
حکم (ان کے اسم پر) اس کے مقدم ہونے میں مبتداء کی خبر کے حکم کی طرح نہیں ہے کیونکہ
ان کی خبر کی اس کے اسم پر تقدیم جائز نہیں ہے حالانکہ خبر کی مبتداء پر تقدیم (غالبا) جائز
ہے اور یہ (یعنی ان کے اسم کا اس کی خبر سے مقدم ہونے کا وجوب) اس لئے ہے کہ یہ
حروف (مشبہ بہ فعل) عمل میں فعل کی فرع ہیں پس ارادہ کیا گیا کہ ان کا عمل بھی (فعل
کے عمل کے لئے) فرعی ہو اور فعل کے لئے عمل فرعی یہ ہے کہ منصوب مرفوع سے مقدم
ہو سکتا ہے (جیسے ضرب عمر و زید) اور (فعل کے لئے) عمل اصلی یہ ہے مرفوع منصوبات سے
مقدم ہو (کہ اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل ہو کہ فاعل فعل کے لئے جزی کی مانند ہے)
پس جب ان حروف کو عمل فرعی دیا گیا تو ان حروف کے فعل کے درجہ سے ناقص ہونے

کیا جائیگا تو متعدد کا وجود ہو جائیگا نہیں ہو سکتا جائے ہذا دانش عالم ۱۲
کہ متعدد ہو جائے اور اس کے ضمن میں واحد نہ پایا قول والمراد ان اس عبارت سے

شایع ایک دہم کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ
امرہ کا مرخبر المبتدأ کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ
جو مبتدأ کی خبر بن سکتا ہو اس میں ان وغیرہ کی خبر بننے
کی بھی صلاحیت ہو ایسا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے
کہ حسب کوئی شے ان وغیرہ کی خبر واقع ہو تو اس کا حکم
مبتدأ کی خبر کے حکم جیسا ہے اس اعتبار سے کہ شرائط
کا وجود ہو اور موانع کا انتفاء ہو پس اس سے یہ لازم
نہیں آتا کہ جس سے کہ مبتدأ کی خبر بن درست ہو
وہ حروف مشبہ بہ الفعل کی بھی خبر بن سکے اگر ایسا
ہو جائے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ این زید
ومن ابوک تو کہہ سکتے ہیں لیکن ان این زید اور
ان من اباک نہیں کہہ سکتے حالانکہ کہنا چاہئے کیونکہ
ان اسم وغیرہ داخل ہوا ہے اور اس کی خبر کا حکم
وہ ہے جو مبتدأ کی خبر کا ہے یعنی اگر وہ مفرد ہو تو
اس کی خبر بھی مفرد ہو وہ اگر جمع ہو تو اس کی خبر
بھی جمع مگر یہاں اس کے باوجود اس ترکیب کو
ناجائز قرار دیا جا رہا ہے سواس کی وجہ یہ ہے کہ
اس کے لئے وجود شرائط اور نقد ان موانع ضروری
ہے اور مانع موجود ہے اسلئے کہ ان چاہتا ہے
تحقیق کو اور ان ومن چاہتے ہیں استفہام کو
اور استفہام میں تحقیق کا وجود نہیں ہوتا نیز استفہام
کے لئے صدارت کلام بھی ضروری ہے اور وہ ان
کے دخول کے بعد ختم ہو جاتی ہے اس لئے ان
موانع کے پیش نظر ان این زید اور ان من اباک
کہنا جائز نہیں واللہ اعلم ۱۲

۳۵۵ قولہ الا في تقدیمہ الخ اس عبارت سے
مصنف اور پر کے مسئلہ سے استثناء کر رہے ہیں
کہتے ہیں کہ ویسے تو تمام امور میں ان حروف کی خبر
مبتدأ کی خبر کا حکم رکھتی ہے مگر ایک امر میں اختلاف
ہے یعنی باب تقدیم خبر میں اس کا حال مبتدأ کی خبر
جیسا نہیں ہے مبتدأ کی خبر تو مبتدأ پر مقدم ہو سکتی
ہے یہ نہیں ہو سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حروف عمل
کے اعتبار سے فعل کی فرع ہیں پس جب یہ فعل کی
فرع ہوئے تو ان کا عمل بھی فرعی ہونا چاہئے اور فعل
کا عمل فرعی تو یہ ہے کہ منصوب کو مرفوع پر مقدم

کر دیا جائے اور اہلی یہ کہ مفعول کو منصوب پر
مقدم کیا جائے پس جب ان حروف کو فعل کا عمل
فرعی دیا گیا یعنی منصوب کو مفعول پر مقدم کیا گیا تو
ان حروف کے دونوں معمولوں اسم اور خبر میں بھی
ثانی کو اول پر مقدم کر کے کسی قسم کا تصرف نہیں
کیا جائیگا جیسا کہ فعل متعدی کے دونوں معمولوں
فاعل و مفعول میں تقدیم و تاخیر کے ساتھ تصرف
کر سکتے ہیں نیز اس عدم تصرف کی وجہ یہ بھی ہے
کہ یہ حروف صل میں ضعیف ہیں اور وجہ فعل سے
کم تر ہیں کیونکہ یہ فرع ہی تو ہیں اصل تو ہیں نہیں اسلئے
فرعیت پر ہی بلا تصرف تقدیم و تاخیر بہ قرار رکھے
جائیں گے کیونکہ اگر ترتیب بدل گئی اور ان وغیرہ
کی خبر ان کے اسم پر مقدم ہو گئی تو وہ اپنے ضعف
عمل کی وجہ سے عمل نہ کریں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵۶۔ قولہ الا ان یکن الخ یہ عبارت

استثناء اول سے استثناء ہے اسی وجہ سے شراح
کہہ رہے ہیں ای میں امرہ کا خبر مبتدأ فی تقدیمہ الا
اذا کان ظرفاً یعنی اور بیان کیا گیا تھا کہ تقدیم خبر
کے باب میں ان حروف کی خبر کا حکم مبتدأ کی خبر کے
حکم جیسا نہیں ہے اور تقدیم خبر علی الاسم جائز نہیں
ہے تو یہاں اس سے استثناء کرتے ہوئے کہتے
ہیں کہ ایک صورت میں اس باب میں بھی ان حروف
کی خبر مبتدأ کی خبر جیسا حکم رکھتی ہے یعنی جبکہ ان
وغیرہ کی خبر ظرف ہو تو اس وقت خبر کی تقدیم ان کے
اسم پر جائز ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں اس کا
حکم ہوا نہ تقدیم میں مبتدأ کی خبر جیسا ہو جائیگا بشرطیکہ
ان حروف کا اسم معرفہ ہو جیسے ان الینا یا بہم کہ اس
جگہ خبر جو کہ جار مجرور ظرف مستقر ہے ان کے اسم ایابہم
پر (جو کہ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے) مقدم ہے
اور جب ان حروف کا اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم
اسم پر واجب ہے جیسے ان من البیان سحر وان من الشعر حکمۃ
کہ ان دونوں مثالوں میں خبر ظرف ہے
اور یعنی سحر و حکمۃ دونوں جگہ نکرہ ہیں ان معمولوں میں
تقدیم خبر واجب ہے۔ یہی بات کہ ان دونوں
صورتوں میں جواز اور وجوب کی کیا دلیل ہے تو اس کا

ثانیہما علی الاول کما یتصرف فی معمولی الفعل لنقصانہا عن درجۃ
الفعل الا ان یتکون الخبر ظرفاً ای لیس امرہ کا خبر مبتدأ
فی تقدیمہ الا اذا کان ظرفاً فان حکمہ اذا حکمہ فی جواز التقديم
اذا کان الاسم معرفۃ نحو قوله تعالى ان الینا یا بہم وفی وجوبہ
اذا کان الاسم نکرۃ نحو ان من البیان سحر وان من الشعر حکمۃ
وذلك لتوسعہم فی الظروف ما لا یتوسع فی غیرہا خبر لا التی
الکائنۃ لتنفی الجنس ای لتفی صفتہ اذا لرجل قائم مثلاً لتفی القیام
عن الرجل لا لتفی الرجل نقیہ ہوا المستند ای شی آخر ہذا شامل

کی وجہ سے ان کے ہر دو معمولوں میں سے دوسرے کو پہلے پر مقدم کرنے کا تصرف (روا)
نہیں کیا گیا جس طرح کہ فعل کے دو معمولوں میں (دوسرے کو پہلے پر مقدم کرنے کے)
تصرف کو (روا) کیا جاتا ہے (مگر یہ کہ ہو) خبر (لا ظرف) یعنی ان کی خبر کا حکم تقدیم (کے)
مسلے میں مبتدأ کی خبر کے حکم کی طرح نہیں مگر اس وقت کہ ان کی خبر ظرف ہو کہ اس
وقت ان کی خبر کا حکم (ان کے اسم پر) جواز تقدیم میں مبتدأ کی خبر کے حکم کی طرح ہے
جبکہ (خبر ظرف اور) اسم معرفہ ہوا اللہ تعالیٰ کے قول ان الینا یا بہم کی مانند اور
مبتدأ کی خبر کی مثال جیسے فی الدار زید ہے) اور ان کی خبر کے اسم پر (وجوب تقدیم
میں رہی اس کا حکم مبتدأ کی خبر کے حکم کی طرح ہے) جبکہ (ان کا) اسم نکرہ ہو جیسے ان
من البیان سحر وان من الشعر حکمۃ (مبتدأ کی خبر کے وجوب تقدیم کی مثال
فی الدار رجل ہے) اور یہ (جواز تقدیم یا وجوب تقدیم) نحو لوں کے ظروف میں اس
چیز کی گنجائش رکھنے کی وجہ سے ہے کہ جس کی غیر ظروف میں گنجائش نہیں رکھی جاتی (اخبار
اس لا کی جو نفی جنس کے لئے ہوتا ہے) یعنی صفت جنس کی نفی کے لئے کیونکہ مثلاً لا رجل
قائم رجل سے قیام کی نفی کے لئے ہے ذات رجل کی نفی کے لئے نہیں (وہ مستند ہے) شی
آخر کی طرف (خواہ مستند الیہ لئے نفی جنس کا اسم ہو یا نہ) یہ لفظ مستند جنس کے بمنزلہ

بیان خبر مبتدأ کی بحث میں گذر گیا ہاں البتہ اتنا
جان لینا چاہئے کہ ظرف میں نسبت غیر ظرف کے
بہت کافی وسعت اختیار کی گئی ہے اس لئے اس
صورت میں تقدیم و تاخیر موافق قاعدہ جار و دو آہے
ہے واللہ اعلم ۱۲۔
۳۵۷۔ قولہ خبر لا التی الخ منجملہ مفعولات
کے لئے نفی جنس کی خبر بھی ہے شراح نے اس
دکانۃ کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ نفی الجنس
کا متعلق مقدر ہے مجرور نفی الجنس کی تفسیر نفی صفت
کے ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے
سوال یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ وہ جنس کی نفی کے لئے
اتا ہے حالانکہ نفی کے لئے آتا ہے مثال رجل قائم
سے جنس کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ صفتہ جنس کی نفی ہو
رہی ہے پس مثال اور مثال میں مطابقت نہیں رہی
شراح نے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بخلاف
مضاف ہے لفظ صفتہ مضاف محذوف ہے

الخبر المبتدأ وخبر إنَّ وكأنَّ وغيرها بَعْدُ خَوَلَهَا اِی بعد دخول
لا تخرج به سائر الاخبار والمراد بدخولها ما عرفت فی خبر إنَّ فلا یرد
فحو یضرب فی لارجل یضرب ابوه نحو لا غلام رجُل ظریفٌ وانما
قدل عن المثال المشهور وهو قولهم لارجل فی الدار لاحتمال حذف
الخبر وجعل فی الدار صفة بخلاف ما ذكره لان غلام رجل معرب
منصوب لا يجوز ارتفاع صفة علی ما هو الظاهر فیها ای فی الدار
خبر بعد خبر لا ظریفٌ ظریفٌ ولا حالٌ لان الظرافة لا یتقید
بالظرف ونحوه وانما اتی به لئلا یلزم الکذب بنفی ظرافة کل
غلام رجل ولیکون مثالا لنوعی خبرها الظرف وغیره ویحذف
خبرها هذه حذفاً کثیراً اذا کان الخبر عامّاً کالموجود والحاصل

ہے، مبتدأ کی خبر ان کی خبر اور کان وغیرہ کی خبر کو شامل ہے (اس کے دخول کے بعد) یعنی لاکے دخول کے بعد پس اس (قید) سے سب خبریں نکل گئیں اور لاکے دخول سے مراد وہی جوان کی خبر میں تھیں معلوم ہوا لہذا لارجل یضرب ابوه میں یضرب کی مانند کا اعتراض وارد نہ ہوگا (جیسے کا غلام رجل ظریف) اور مصنف نے مثال مشہور اور وہ (مثال مشہور) نحو یوں کا قول کا رجُل فی الدار سے خبر کے حذف اور فی الدار کے (لا کے اسم کی) صفت بنائے جانے کے احتمال کی وجہ سے عدول کیا (یعنی احتمال تھا کہ کوئی فی الدار کو رجل کی صفت قرار دے کر لاکے خبر کو محذوف نہ سمجھ لے جس سے لاکے خبر کے مرفوع ہونے پر نفی نہ ہوتی اس احتمال سے کہ لاکے خبر ہی نہ ہو جیسا کہ بنو تمیم کا مذہب ہے) اس کے برعکس کہ جسے مصنف نے ذکر کیا کیونکہ غلام رجل معرب منصوب ہے جس کی صفت کا اس بنا پر جو کہ ظاہر ہے مرفوع ہونا جائز نہیں (اگرچہ خلاف ظاہر غلام رجل کی صفت کو موصوف کے محل پر حمل کرتے ہوئے مرفوع چڑھا جاسکتا ہے) (فیہا) یعنی فی الدار یہ خبر بعد خبر ہے ظریف کی ظرف نہیں اور نہ ہی (ظریف کی ضمیر سے) حال ہے کیونکہ ظرافت ظرف اور اس جیسی چیز سے تعید نہیں ہو سکتی اور مصنف فیہا کو مثال میں اسلئے لائے تاکہ ہر شخص کے غلام کی ظرافت کی نفی سے جھوٹ لازم نہ آئے اور اس لئے کہ یہ لاکے خبر کے دونوں قسموں ظرف اور غیر ظرف کے لئے مثال ہو جائے اور اس لاکے خبر (بہت حذف کی جاتی

اس سے ظاہر ہو گیا کہ جنس کی نفی مقصود نہیں صفت جنس کی نفی درکار ہے اسی کو شائع کہتے ہیں کہ لارجل قائم غلام سے قیام کی نفی کر رہا ہے نہ کہ بذات خود مرد کی دانشرا علم ۱۲۔
اس لار کے داخل ہونے کے شے آخر کی طرف جو مسند ہوتا ہے وہ لار نفی جنس کی خبر ہے یہ تعریف بھی صورت مشبہ بالفعل کی تعریف کی طرح خبر مبتدأ اور خبر ان کا و غیرہ پر صادق آتی ہے پس بعد دخولہا کی قید سے یہ تمام خارج ہو گئے کیونکہ

بعد دخول لاکے صرف لار نفی جنس کی ہی خبر رہ جاتی ہے اس جگہ بھی دخول سے مراد ہی ہے جو خبر ان و اخوانا کے سلسلہ میں گذر لہذا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں پر لارجل یضرب ابوه کی مثال میں یضرب کو لے کر اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا بھی وہی جواب ہے جو ان زیداً یقوم ابوه کا ہے اور المسند کے بعد الی شے آخر کے اضافہ کی وجہ بھی وہی ہے جو خبر ان و اخوانہا میں اس کے اضافہ کی ہے اور لار نفی جنس کی خبر کے مرفوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان وغیرہ کی طرح تاکید کے لئے آتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ان اثبات کی تاکید کرتا ہے اور لار نفی جنس نفی کی پس مطلق تاکید میں دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے تو اس کا حکم بھی یکساں ہوگا حملاً للنظیر علی النظیر والشر

اعلم ۱۲۔ قولہ نحو لا غلام الخ یہ لار نفی جنس کی مثال ہے اس میں ظریف خبر اول اور فیہا خبر ثانی ہے نہ کہ ظریف کا ظرف اور حال اس لئے کہ ظرافت ظرفیہ اور حالیہ کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے مثال مشہور یعنی لارجل فی الدار سے کیوں عدول کیا ہے ذکر بجائے ایک خبر والی مثال کے و خبر والی مثال لایا تو اس کا جواب شائع و ناماعدل الخ سے یہ ہے کہ اس میں اگر مصنف لارجل فی الدار مثال پیش کرتا تو اس میں یہ احتمال پیدا ہو سکتا تھا کہ کہیں لاکے خبر محذوف نہ ہو اور فی الدار ظرف مستقر رجل کی صفت نہ واقع ہو رہا ہو تو خواہ مخواہ ایک قسم کی الجھن میں مبتلا ہونا پڑتا اور مقصود فوت ہو جاتا بخلاف مذکورہ مثال کے کہ اس میں یہ احتمال نہیں اس لئے کہ غلام رجل معرب منصوب ہے اور منصوب کی صفت مرفوع نہیں آ سکتی کیونکہ موصوف و صفة میں مطابقت ضروری ہے۔ معرب کس لئے کہا کہ غلام کی اضافت رجل نکرہ کی طرف ہے دانشرا علم ۱۲۔

قولہ وانما اتی بالخبر اس عبارت

لِدَلَالَةِ النِّفْيِ عَلَيْهِ فَوَكَّالَهُ الْإِلَهَ أَيْ لَا إِلَهَ مَوْجُودٌ إِلَّا اللَّهُ
وَبَنُو تَمِيمٍ لَا يُشَبِّهُونَهُ أَيْ لَا يَظْهَرُونَ الْخَيْرَ فِي الْفُضْلَانِ
الْحَذَفُ عَنْهُمْ وَاجِبٌ أَوِ الْمَوَادِّ انَّهُمْ لَا يُثَبِّتُونَهُ أَصْلًا لَا لَفْظًا
لَا تَقْدِيرًا فَيَقُولُونَ مَعْنَى قَوْلِهِمْ لَا أَهْلٌ وَلَا مَالٌ انْتَفَى الْأَهْلُ وَ
الْمَالُ فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى تَقْدِيرِ خَيْرٍ وَعَلَى التَّقْدِيرِ يَنْجَلُونَ مَا يَرَى خَيْرًا
فِي مِثْلِ لَارَجُلٍ قَائِمٌ عَلَى الصِّفَةِ دُونَ الْخَيْرِ اسْمُهُ مَا وَلَا

المشبهتين بكنيس في معنى النفي والدخول على المبتدأ والخبر
(ہے) جبکہ خبر موجود اور حاصل کی مانند (فعل) عام ہو اس لئے کہ اس پر نفی دلالت کرتی ہے
کیونکہ نفی متنی پر دلالت کیا کرتی ہے جیسے لا الہ الا اللہ یعنی لا الہ موجود الا اللہ
(اور بنو تميم اس کو ثابت نہیں کرتے یعنی لفظ میں خبر کو ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک
حذف واجب ہے یا مراد یہ ہے کہ لا کی خبر کو بالکل ثابت ہی نہیں مانتے نہ لفظاً اور نہ
تقدیراً پس وہ کہتے ہیں کہ عرب کے قول کا اہل و لامال کے معنی انتفی الہل و المال
کے ہیں لہذا خبر کی تقدیر کی حاجت نہیں اور دونوں تقدیروں (خبر کے واجب الحذف
ہونے اور سرے سے خبر کے نہ ہونے) کی بنا پر بنو تميم اس کو جو کہ لارجل قائم کے مثل
میں (مجازیوں کی نظر میں) خبر دیکھا جاتا ہے صفت پر محمول کرتے ہیں خبر پر نہیں (اس
ما وکلا کا اسم جو کہ لیس کے ساتھ مشابہ ہیں) نفی کے معنی اور مبتدأ و خبر پر داخل ہونے میں

کے ادعو کے قائم مقام ہونے کے باوجود نصب
نہیں آتا اسی طرح یہاں بھی لا کے انتہی کے قائم مقام
ہونے کے باوجود درج نہیں آئے گا واندالم
۳۶۳ قولہ اسم ما ولا الخ بمنزلة زوما

کے ما ولا مشبہتان بلیں کا اسم بھی ہے شامح نے
فی معنی النفی الخ کے اضافہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ درج
شبه محذوف ہے یعنی یہ دونوں ما ولا لیس کے
ساتھ معنی نفی اور مبتدأ اور خبر پر داخل ہونے
میں مشابہ ہیں اسی وجہ سے یہ دونوں لیس جیسا
عمل کرتے ہیں یعنی جس طرح لیس نفی کے معنی دیتا
ہے اسی طرح یہ بھی نفی پر دلالت کرتے ہیں یا در
جس طرح لیس مبتدأ و خبر پر داخل ہوتا ہے اسی
طرح یہ بھی مبتدأ اور خبر پر داخل ہوتے ہیں پس جب
مشابہت بدوہ اتم باقی گئی تو لامحالہ یہ عمل بھی مشابہ
ہے یعنی لیس جیسا کہ لیس کے معنی اسم کو رفع اور خبر کو
نصب واندالم

رائے چلی گئی مگر لارجل قائم وغیرہ دیگر مثالوں میں یہ
لوگ کیا کہیں گے۔ جہاں کہ خبر مذکور ہوتی ہے ؟
تو شارح دلی تقدیرین سے اس کا جواب دیتے ہوئے
کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ خبر کو صفت کے اد پر محمول کریں
گے اور یہ عمل باعتبار عمل اعراب کے ہو گا کیونکہ یہ عمل
اگرچہ دخول لا کی وجہ سے منصوب ہے مگر باعتبار
عمل کے مرفوع ہی ہے ابتدائیت کی بنا پر پس قائم
بھی باعتبار عمل کے اس کی صفت بن جائیگا مگر بنو تميم
کا یہ قول درست نہیں اس لئے کہ جب لا بعتے اسم
فعل ہو گیا تو اس کے بعد مرفوع آنا چاہئے نہ منصوب
نیز یہ کہ اسم فعل اس صیغہ جیسا نہیں آتا ہے پس یہ
مصنف کے نزدیک ضعیف ہے مگر بنو تميم کی
جانب سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس جگہ لا انتہی
کے قائم مقام ہے جس طرح یا اندالم کے قائم
مقام ہوتی ہے پس جس طرح سنادی مرفوع پر یاد

سے شامح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مثال مذکور میں
نیہا کے اضافہ کی کیا وجہ ہے ؟ اس کے بغیر کام
چل سکتا ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ اس کے بغیر اگرچہ
کام چل سکتا ہے مگر کذب لازم آتا ہے اس لئے
کہ نکرہ سیاق نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے پس
معنی یہ ہوں گے کسی مرد کا غلام بھی ظریف نہیں
ہے حالانکہ ایسا نہیں بہت سے لوگوں کے
غلام ظریف ہوتے ہیں پس جب نیہا کا اضافہ
کر دیا تو معلوم ہوا کہ گھر میں نہیں یا ہر ہوگا۔ نیز
دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف کو یہ بتانا مقصود
ہے کہ اس کی خبر ظرف اور غیر ظرف دونوں آسکتی
ہے واندالم

۳۶۱ قولہ ویحذف کثیر الخ اور لا نفی
جنس کی خبر اکثر حذف کر دی جاتی ہے جبکہ خبر
افعال عامہ سے تعلق رکھتی ہو جیسے الموجد المصل
وغیرہ اور وجہ حذف یہ ہے کہ نفی اس کے اوپر
دلالت کرتی ہے جیسے لا الہ الا اللہ کہ اصل میں
لا الہ موجود الا اللہ تھا یہاں سے اس کی خبر حذف
کر دی گئی اب اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ
لارجل افضل منك میں خبر حذف نہیں کی گئی مذکور ہے
اس لئے کہ ہم کہیں گے کہ یہ لا نفی جنس کا نہیں ہے
بلکہ یہ لا مشبہ بلیں ہے اسی اعتراض سے بچنے
کے لئے شامح نے ویحذف کے بعد مفعول مالم
یسم فاعلہ کی تعبیر کے ساتھ ہذا سے لا نفی جنس
کی بھی تعبیر کر دی واندالم

۳۶۲ قولہ وبنو تميم الخ اس جملہ کے دو
مطلب ہیں ان دونوں کو شارح بیان فرماتے ہیں
کہتے ہیں کہ بنو تميم خبر کو مفعولوں میں ظاہر نہیں کرتے اس
لئے کہ ان کے نزدیک حذف خبر واجب ہے یا یہ
مراد ہے کہ یہ خبر کو سرے سے تجویز ہی نہیں کرتے نہ
لفظاً اور نہ تقدیراً پس قول عرب لاہل و لامال کی ترجمہ
یہ لوگ انتفی الہل و المال کے ساتھ کرتے ہیں یعنی
یہ لا کو اسما و افعال میں شمار کرتے ہیں پس اس صورت
میں تقدیر خبر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی البتہ اب
یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ لاہل و لامال میں تو انکی

ولهذا تعملان عملہ ہولسندالیہ ہذا شامل للمبتدأ ولكل منه
الیہ بعد دخولہا خرج بہ غیر اسم ماولا وبما عرفت من معنی
الدخول لا یرد مثل ابوہ فی مازید ابوہ قائم مثل مازید قائما
ولا رجل افضل منك وانما اتی بالنكرة بعد لان لا تعمل
الافی النكرة والمعرفة ہذا لغة اهل الحجاز واما بنو قیم فلا یثبتون
لہما العمل ویقولون الاسم والخبر بعد دخولہما ہر فوعان بالا ابتداء
کما کان قبل دخولہما وعلی لغة اهل الحجاز ورد القرآن نحو ما ہذا
بشرا وهو ای عمل لیس فی لا دون ما شاذ قليل لنقصان مشاہدہ
لا لیس لان لیس لنفی الحال ولا لیس كذلك فانه لنفی مطلقا

(مشابہ ہیں) اور اسی وجہ سے لیس کا عمل کرتے ہیں «وہ مستدالیہ ہے» یہ (جنس کے بمنزلہ
ہے) مبتداء اور ہر مستدالیہ کو شامل ہے «ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد» اس (قید)
سے ماد کا کے اسم کا غیر خارج ہو گیا اور اس وجہ سے کہ جو تم نے دخول کے معنی سے معلوم
کے مازید ابوہ قائم میں ابوہ کے مثل کا اعتراض وارد نہ ہوگا «جیسے مازید قائما
ولا رجل افضل منك» اور مصنف لاکے بعد نکرہ لائے اس لئے کہ لاکرہ میں ہی
عمل کرتا ہے ماکے برعکس کہ ماکرہ اور معرفہ (دونوں) میں عمل کرتا ہے یہ (عمل ماولا)
لغت اہل حجاز ہے اور ہر حال بنو قیم ماولا کے لئے عمل ثابت نہیں مانتے اور کہتے ہیں
کہ اسم اور خبر ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہیں جیسا کہ
ان کے دخول سے پہلے تھے اور اہل حجاز ہی کی لغت پر قرآن وارد ہوا ہے جیسے ما ہذا
بشرا «اور وہ» لیس کا عمل «لا میں» «ما میں» «شاذ ہے» قلیل ہے کیونکہ لاکے لیس کے
ساتھ مشابہت ناقص ہے کیونکہ لیس حال کی نفی کے لئے ہے اور لا اس طرح نہیں ہے

۳۷۳ قولہ ہولسندالیہ الخ جو ماد لاکرہ
لیس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان کا اسم وہ مستد
الیہ ہے جو ان کے دخول کے بعد واقع ہوا اس
تعریف میں بھی المستدالیہ کہنے سے مبتداء اور ہر
مستدالیہ خواہ اسم کان ہو یا کجاء اور داخل ہو گئے
تھے جب مصنف نے بعد دخولہا کی قید کا اضافہ
کر دیا تو اسم ماولا کے علاوہ تمام مستدالیہ
خارج ہو گئے کیونکہ یہاں وہ مستدالیہ مقصود
ہے جس پر ماولا داخل ہو دوسرا مقصود نہیں اور
بھرنے کے دخول کے معنی خبر ان و انما تھا کہ
فمن میں خبری وضاحت کے ساتھ بتا دیے

جا چکے ہیں اور اس سے اعتراض کا دفعہ کر دیا گیا
ہے اس لئے یہاں بھی دخول کے وہی معنی نظر
رکھے جائیں لہذا مازید ابوہ قائم سے ابوہ کو
کہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ابوہ پر بھی یہ تعریف صادق
آ رہی ہے اس لئے کہ ابوہ مستدالیہ بن رہا ہے
قائم کا اور دخول ماکے بعد ہے مگر اس کو اسم
نہیں کہا جاتا ظہیر جمع الی ما مر فی بحث خبر ان
واخواتہا والشرع علم ۱۲۔

۳۷۵ قولہ مثل مازید الخ مثال کے
بارے میں جو امر قابل ذکر ہے اس کو شامح و انما
اتی سے خود ہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ

مصنف نے پہلی مثال تو معرفہ کی ذکر کی اور
دوسری جس پر لا داخل ہو رہا ہے نکرہ کی اس کی کیا وجہ
ہے؟ سو دوسری مثال کے نکرہ لانے کی وجہ تو
یہ ہے کہ لاکرہ میں ہی عمل کرتا ہے معرفہ میں نہیں
اس لئے لاکے بعد رجل نکرہ ہی ذکر کیا گیا بخلاف
ما کے کہ وہ معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتا ہے
اس لئے اس کی مثال معرفہ (زید) کے ساتھ لاکرہ
اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ مستدالیہ میں
اصل معرفہ سے اور نکرہ فرع اس لئے اصل کو ذکر
کر دیا فرع خود ہی سمجھ میں آجائے گی لہذا یہ
سمجھ لیا جائے کہ ماصرف معرفہ میں ہی عمل کرتا ہے
مگر لغت اہل حجاز میں ہے بنو قیم یہاں بھی معنی
ہیں وہ ان دونوں کے لئے سرے سے عمل کو ہی
ثابت نہیں کرتے اس سے منکرہ ہی اور کہتے ہیں
کہ اسم و خبر ان کے دخول کے بغیر بھی ابتدائیت
ہی کے باعث مرفوع ہوتے ہیں جیسا کہ دخول
ماولا سے پہلے ابتدائیت کے سبب سے مرفوع
تھے اس لئے کہ اگرچہ مشابہت کے یہ بھی قابل
ہیں مگر ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ مشبہ
کے لئے مشبہ کا عمل بھی اختیار کیا جائے اس
لئے کہ لیس فعل غیر متصرف ہے کیونکہ اس کا مجہول
و مضارع وغیرہ نہیں آتا پس یہ خود ضعیف ہوا
اور جب ماولا اس کے مشابہ قرار دیئے گئے
تو وہ اس سے بھی ضعیف ہوئے لہذا اس کا عمل
کچھ نہیں ہوگا مگر یہ سبک درست نہیں قرآن
مجید سے اس کے خلاف پر دلالت ہو رہی ہے
اور لغت اہل حجاز کی تاہد جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے
ماہذ البشر کہ اس میں کلہ ماکے لیس کے ساتھ مشابہ
ہونے کی وجہ سے بشر منصوب ہے اب
رہی یہ بات کہ لا کے ساتھ نکرہ ہی کیوں خاص
ہے اور ما میں قیم کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ
ہے کہ لا دراصل نفی جنس کے لئے آتا ہے اور یہ
معلوم ہی ہے کہ نفی جنس صرف نکرہ میں ہوتی ہے
معرفہ میں اس کا دخل ہی نہیں در نہ جنسیت ہی نہیں
رہتی لہذا اصل کا لحاظ کرتے ہوئے لاکرہ کے
ساتھ تحقق کر دیا گیا اور ماکرہ اصل میں نفی جنس

بجلاف ما فانه ايضا لنفى المحال فيقتصر عمل لا على مورد السماع نحو قوله
 شعر من صد عن نيرانها فان ابن قيس لا يبرح
 اي لا يبرح لي ولا يجوز ان تكون لنفى الجنس لانها اذا كانت لنفى الجنس لا يجوز
 فيما بعد ما الوقع مالم يتكرر ولا تكرار في البيت اعلم ان المراد بالسند المسند
 اليه في هذه التعريفات ما يكون مسندا او مسندا اليه بالاصالة ولا بالتبعية
 بقريضة ذكر التوابع فيما بعد فلا ينتقص بالتوابع ولما فرغ من المرفوعات شرع
 في المنصوبات وقد تمها على الجوررات لكثرةها والخفة التصيب فقال

بل هو مطلقا نفي كس لئ (بل استقبال كلفى كس لئ) ما كس برعس كس لئ
 نفي كس لئ (ليس كلفى كس لئ) كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ
 وجه كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ
 كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ كس لئ

شعر من صد عن نيرانها فان ابن قيس لا يبرح
 (تو جمد) اور جو شخص آتش (حرب) سے اعراض کرے (کر جلتے) پس میں قیس کا بیٹا ہوں میرے لئے
 کوئی زوال نہیں ہے) یعنی لا يبرح لي اور یہ بائبر نہیں کہ شعر ذامیں لای نفی جنس کے لئے ہو کیونکہ
 جب یہ نفی جنس کے لئے ہوگا تو اس کے مابعد میں اس وقت تک رفع جائز نہیں ہوگا جب تک کہ
 لا مکرر نہ آئے اور شعر میں (لا کا) تکرار نہیں ہے اور معلوم ہوتا چاہئے کہ ان تعریفات میں مسند
 سے مراد وہ مسند و مسند الیہ میں جو بالاصالة ہوں تاکہ بالتبعية مابعد میں توابع کے ذکر کے قرینے کی وجہ
 سے لہذا (مسند و مسند الیہ کی) تعریف توابع سے نہ ٹوٹے گی اور جب مصنف علیہ الرحمۃ مرفوعات کے فارغ
 ہوئے تو منصوبات میں شروع ہوتے ہیں اور منصوبات کو مجرورات پر انکی کثرت اور نصب کی خفت کی وجہ سے مقدم کیا
 تو فرمایا بحمد اللہ و توفیقہ تمت ترجمۃ المرفوعات - وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا و
 مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین - حررہ محمد غلام سرور قادری رضوی

رفع جائز نہیں جیسا کہ لا کا تکرار نہ ہوا نہ بیت میں تکرار
 کا فقہان ہے پس نفی جنس کیلئے نہیں ہو سکتا اب ہی بات
 کہ لا نفی جنس کیلئے تکرار کس صورت میں ضروری ہے تو اس
 کا جواب ہے کہ جب کلمہ لا کے بعد معرف ہو یا اس کے اور لکے
 درمیان فاصلہ ہو تو تکرار لا ضروری ہوتا ہے نیز رفع
 بھی اور یہاں نہ معرف کا وجود ہے نہ فاصلہ کا اور لا مدخول
 لا مرفوع ہے لہذا معلوم ہوا کہ براح لا کا کم ہے اور اسکی خبر
 محذوف ہے اور یہ لیس کے مشابہہ لا نفی جنس نہیں اور اس پر
 میں جو کہ مدنی نے کہا ہے کہ لا نفی جنس کا بعد کو رفع بھی جائز
 ہے مع ترک انکار تو یہ بات خود مدنی کے نزدیک شاذ
 ہے لہذا قابل قبول نہیں - والله اعلم

کے لئے ہی نہیں اس لئے اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ
 خواہ مخواہ نفی جنس کی رعایت ٹھونسے ہوئے اس کو بھی تکرار
 کے ساتھ خاص کر دیا جائے بلکہ اس میں تقسیم ہے اور اگر کسر
 استعمال اس کا معرفہ میں ہوتا ہے والله اعلم ۱۲
 ۳۶۶ قولہ دہوای الخ یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں
 کہ لیس کے ساتھ مشابہہ ما ولاد دونوں میں برابر برابر ہے
 یا کچھ فرق بھی ہے کہتے ہیں کہ لیس کا عمل لایں شاذ ہے
 میں نہیں اس لئے کہ لا کی لیس کے ساتھ مشابہہ بدرجہ اتم
 نہیں کیونکہ لیس نفی حال کے لئے آتا ہے اور لا ایسا نہیں بلکہ
 وہ مطلق نفی پر دلالت کرتا ہے خواہ وہ نفی زمانہ ماضی
 سے متعلق ہو یا حال سے یا استقبال سے بخلاف ما کے
 کہ وہ چونکہ نفی حال کے لئے ہی آتا ہے اس لئے اس
 کی مشابہہ لیس کے ساتھ بدرجہ اتم واکمل ہے پس اس
 فرق کے باعث عمل لا کا اختصار صرف مورد سماع تک
 ہی ہے گا اپنی جانب سے اگر کوئی مثال وضع کی جائیگی تو
 اس میں ما کا استعمال ہوگا لا کا نہیں لائی مثال جو کہ
 مورد سماع پر مقتصر ہے مثلاً قول شاعر

من صد عن نيرانها فان ابن قيس لا يبرح
 اس میں براح لا اتم ہے اور اس کی خبر لی محذوف ہے
 ای لا يبرح لي - ترجمہ اس شعر کا یہ ہے سدا بن مالک
 شعراء حماسہ میں سے مشہور شاعر ہے وہ اپنے نفس کی
 شجاعت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو شخص آتش جنگ
 سے اعراض کرے وہ گریز کرنا چاہے وہ کر جائے میں قیس کا بیٹا
 ہوں میرے لئے زوال نہیں یعنی جنگ میں جس قدر شہادت
 دوچار ہونا پڑے میں بزدلوں کی طرح اپنی پشت نہیں
 دکھا سکتا اور میرے اس عزم و ارادہ کے سہموتے ہوتے
 مجھ کو زوال نہیں ہو سکتا - صد و اعراض کو کہتے ہیں اور نیز
 تاریک جمع ہے اور اس کی ضمیر حرب کی طرف راجع ہے اور
 براح کے معنی زوال کے آتے ہیں والله اعلم ۱۳

۳۶۷ قولہ ولا يجوز ان اس عبارت سے شامح ایک سوال
 مقدم کا جواب دے رہے ہیں تقریر سوال کی یہ ہے تقریر سوال
 کی یہ ہے کہ براح میں لا کو نفی جنس کے لئے کیوں نہ لیا
 جائے؟ اور خواہ مخواہ یہ تکلف کیوں کیا جائے؟ کہ لیس کا
 عمل لا شاذ ہے صرف سماع پر منحصر ہے جواب یہ ہے کہ
 اس جگہ لا کو نفی جنس کے لئے لیا جائے تو اس کے مابعد کو

کو ما کا اتم قرار دیا جائے حالانکہ ایسا نہیں پس چونکہ اخوک زیر مسند الیہ کے توابع میں سے ہے اس لئے اس سے کوئی بحث نہیں زیر عمل استہاد ہے والله اعلم - تمت الخ

المنصوبات

هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عِلْمِ الْمَفْعُولِيَّةِ قَدْ تَبَيَّنَ شَرْحُهُ بِمَا ذَكَرْنَا فِي الْمَرْفُوعَاتِ
وَالْمُرَادُ بِعِلْمِ الْمَفْعُولِيَّةِ عِلَامَةُ لَوْنِ الْأَسْمِ مَفْعُولًا حَقِيقَةً أَوْ حَكْمًا وَ
هِيَ أَرْبَعُ الْفَتْحَةِ وَالْكَسْرِ وَالْأَلْفِ وَالْيَاءِ فَخَوَارِيتُ زَيْدًا وَمَسْلَمَاتُ وَ
أَيَاكَ وَمُسْلِمِينَ وَمُسْلِمِينَ فَمِنْهُ أَيَّ مِنَ الْمَنْصُوبِ أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى

المنصوبات (منصوب کی جمع ہے اور منصوب) (وہ ہے جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو) اس
کی شرح اس (بیان) سے روشن ہو چکی جو مرفوعات میں مذکور ہوا اور مفعولیت کی علامت سے
مراد اسم کے مفعول ہونے کی علامت ہے حقیقت کی رو سے (مفعول) ہو (جیسے مفاعیل خمسہ
ہیں) یا حکم کی رو سے (جیسے ملحقات سبعہ مفعول) اور علامتیں چار ہیں فتح اور کسرہ اور الف اور
یا جیسے رأیت زیداً اور (رأیت) مسلمات اور (رأیت) ایک اور (رأیت) مسلمین (تثنیہ) اور
(رأیت) مسلمین (جمع) (پس اس میں سے) یعنی منصوب میں سے یا اس میں سے جو مفعولیت کی علامت

۱۔ قولہ المنصوبات الخرج

مصنف علیہ الرحمۃ کو مرفوعات سے فراغت حاصل
ہو گئی تو منصوبات کو شروع کر دیا یا رہا یہ امر کہ مرفوعات
کی وجہ تقدیم کو شائع نے بیان نہیں کیا اور منصوبات
کی بنا پر تقدیم کا ذکر کر دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو چونکہ
مرفوعات کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اس لئے اس
کے تو بیان کی حاجت ہی نہیں البتہ منصوبات
اور مجرورات کا قصہ باقی رہ گیا کہ ان میں سے کون
مقدم ہونا چاہئے تو چونکہ منصوبات بکثرت میں یعنی
بارہ ہیں اور مجرورات صرف دو نیز منصوبات اکثر
فاعل کے ساتھ آتے رہتے ہیں اور فاعل کا عمدہ ہونا
ظاہر ہے پس اس صاحبیت فاعل کے باعث ان
کو بھی مقدم کرنا چاہئے نیز یہ کہ نصب میں خفت
ہوتی ہے اس لئے بھی انہیں کی تقدیم اولے ہے
مجرورات پر لہذا مصنف منصوبات کو شروع کرتے
ہیں پس کہتے ہیں المنصوبات اس قول کے متعلق
ما سبق یعنی المرفوعات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ
کس کی جمع ہے المرفوع کی ہے یا المرفوعہ کی منصوباً

کی تعریف کرتے ہوئے مصنف کہتے ہیں کہ منصوب
وہ اسم ہے جو اسم کے مفعول ہونے کی علامت پر
مشتمل ہو عام ازیں کہ مفعول حقیقہ ہو یا حکماً اس کی
بحث بھی مفصلاً مرفوعات کی تعریف کے ضمن میں
گذر چکی کہ ہو کا مرجع المرفوع ہے جو المرفوعات کے
ضمن میں متحقق ہوتا ہے۔ نیز اشتغال علی علم المفعولیۃ
سے مراد اسم کا علامت مفعولیت کے ساتھ موصوف
ہونا ہے وغیرہ وغیرہ سب اسی جگہ ملاحظہ کی جائیں
اور اس کی وجہ بھی وہیں بیان ہو چکی ہے کہ ما اشتغال
علی علم المفعولیۃ کی شرح علامتہ کون الام مفعولاً سے
کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ مختصراً یہ کہ علم یعنی
علامت ہے نہ کہ علم یعنی اسم کہ اس کو لے کر اعتراض
کر دیا جائے کہ علم اس کو کہتے ہیں کہ جو کسی شے کیلئے
بعینہ وضع کیا جائے ابھی واحد وضع کے ساتھ جو اپنے
غیر کو متناول نہ ہو اور علم مفعولیۃ ایسا ہے نہیں اس لئے
کہ وہ حال و تمیز وغیرہ بہت سی اشیاء کو شامل ہے
ما اعتراض کی تقریر باسی طور کی جائے کہ منصوبات
کی تعریف افراد منصوبات میں سے ایک فرد صادق

نہیں آتی اس لئے کہ زید مثلاً رأیت زیداً میں افراد
منصوبات سے ہے مگر اس کے باوجود یہ علم مفعولیت
کو شامل نہیں اس لئے کہ اس جگہ کوئی دوسرا اسم ہے ہی
نہیں کہ زید اس پر مشتمل ہو جلتے کیونکہ ما اشتغال میں ما سے
بھی مراد اسم ہوگا اور علم سے بھی مراد اسم اور اگر یہ کہا
جائے کہ زید خود اپنے نفس پر مشتمل ہے تو اشتغال
الشیء علی نفسه لازم آئیگا اور یہ باطل ہے پس ان تمام
اعتراضات کا جواب بالتفصیل وہیں ملاحظہ فرمایا
جائے حقیقہ کہنے سے تعریف میں تمام مفاعیل داخل
ہو گئے اور حکماً کے افادہ سے تمام ملحقات بالمفاعیل
حال تمیز وغیرہ علامت مفعول چار میں فتح، کسرہ، الف
یا جیسے رأیت زیداً۔ رأیت مسلمات، رأیت
ایاک۔ رأیت مسلمین۔ رأیت مسلمین الف نشر مرتب
کے طور پر۔ دلیل حصر یہ ہے کہ عراب بالحرکت ہو گا یا
بالحرک اگر اول ہے تو بالفتح ہو گا یا بالکسر اور ثانی ہے
تو بالالف ہو گا یا بالیا۔ مثالیں گندہ علیک تفصیل دیکھنی
ہو تو اسم ممکن کی سولہ اقسام پر غور کیا جائے۔ اب اس
جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اسماء ایسے ہیں
جن کو علامت مفعولیت کے باوجود منصوبات کا
حکم نہیں دیا جاتا پس تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوتی
کیونکہ اس میں مرتب مسلمات کا مسلمات داخل ہو گیا
اس لئے کہ کسرہ علامت مفعول سے ہے اور یہاں کسر
موجود ہے مگر اس کو کوئی بھی مفعول سے تعبیر نہیں کرتا
صرف مجرور کہتے ہیں جواب یہ ہے کہ تعریف میں قید
حیثیت کا اعتبار کیا جائیگا یعنی منصوب وہ ہے
کہ جس میں علامت مفعولیت اس حیثیت سے
پائی جائے کہ وہ مفعولیت کی علامت ہے اور ظاہر
ہے کہ مرتب مسلمات میں کسرہ اس حیثیت سے نہیں پایا
جاء کہ یہ مفعولیت کی علامت ہے لہذا مسلمات
تعریف مذکور سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۲۔ قولہ فمن الخرج

ایک مفعول مطلق ہے اس جگہ شائع نے منہ کی تفسیر
ای من المنصوب او ما اشتغال الخ سے کر کے ضمیر مجرور
کے مرجع کو ظاہر کیا ہے یعنی ضمیر مجرور کا مرجع یا
تو المنصوب ہے یا ما اشتغال الخ اول اس لئے مرجع

علم المفعولية المفعول المطلق یعنی بہ لفظ اطلاق المفعول علیہ
من غیر تقييدہ بالباء او فی ارمع او اللام بخلاف المفاعیل الاربعہ الباقیہ
فانہ لا یصح اطلاق صیغہ المفعول علیہا الا بعد تقييدہا بواحدۃ منها ففعل
المفعول بہ او فیہ او معہ اولہ وھو ای المفعول المطلق اسم ما فَعَلَ
فَاعِلٌ فِعْلٌ والمراد بفعل الفاعل ای اہ قیامہ بہ بحیث یصح اسنادہ الیہ
لان یكون مؤثراً فیہ موجداً ای اہ فلا یرد علیہ مثل مات موتاً وجہ

پر مشتمل ہو ((مفعول مطلق ہے)) اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اس پر مفعول کا اطلاق یا رہے (یا فی) یا مع (مع) یا لام (لہ) کے ساتھ اسے مقید کئے بغیر صحیح ہے باقی چار مفعولوں کے برعکس کہ ان پر مفعول کا اطلاق انہیں قیود میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید کرنے کے بعد ہی صحیح ہوگا لہذا کہا جائے گا۔ مفعول یہ یا (مفعول) فیہ یا (مفعول) معہ یا (مفعول) لہ ((اور وہ)) یعنی مفعول مطلق ((اس کا نام ہے جیسے کیا ہو ایسے فعل کے فاعل نے)) اور فاعل کے فعل کو کرنے سے مراد فعل کا فاعل کے ساتھ اس طرح سے قائم ہونا ہے کہ فعل کی اسناد فاعل کی طرف صحیح (خواہ اس میں فاعل مؤثر ہو یا اس کا موجد ہو یا نہ ہو صرف فعل کی اسناد اس کی طرف صحیح ہونا چاہئے) ہونے یہ کہ فاعل اس (فعل) کو وجود میں لانے والا ہو لہذا اس (تحریف) پر مات (زید) موتاً وجہ (از باب شرف) جسامت

کو اگر وجودی کہا جائے تو اس کا سرحد باری تعالیٰ ہے اور علمی کہا جائے تو مؤثر کی محتاج نہیں ایسے ہی جسم ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہے نہ کہ اختیار اور تاثیر جسم سے پس تعریف مذکور جامع نہ ہوئی ان تمام اثرات کا جواب شارح والمراد بفعل الفاعل الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ فاعل فعل کے اس کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ یعنی مفعول مطلق فاعل فعل کے ساتھ اس طرح قائم ہو کہ فعل کی نسبت یعنی اسناد فاعل کی طرف درست ہو سکے عام ازیں کہ نسبت ایجابیہ ہو یا سلبیہ نسبت ایجابیہ جیسے ضرب زید ضرباً اور نسبت سلبیہ جیسے ما ضربت ضرباً لہذا پہلا اعتراض مذکور ہو گیا کیونکہ نسبت میں تعمیم ہے منفی اور مثبت دونوں تعریف میں داخل ہیں اور فعل مجہول کے مفعول مطلق کے بارے میں یہ ہے کہ جب مفعول مطلق مالم یسم فاعل کے قائم مقام ہو گیا تو اس نے فاعل کا ہی حکم لے لیا پس فعل کا اسناد فاعل کی طرف درست ہو گیا اور جب

بن سکتا ہے کہ وہ مقصود بالذات ہے کیونکہ اسے بحث ہو رہی ہے اور ثانی کو اس لئے مرجع قرار دے سکتے ہیں کہ یہ اگرچہ مقصود بالذات تو کہیں لیکن اس کے قریب ضرور ہے کیونکہ منصوب کی تعریف ہی یہ ہے مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس پر بلا کسی مقید کے صیغہ مفعول کا اطلاق درست ہے یعنی اس کو باور پائی یا مع یا لام کے ساتھ مقید کئے بغیر مفعول کہہ سکتے ہیں بخلاف دیگر مفاعیل باقیہ مفعول بہ فیہ معذلک کہ کہ ان پر اس وقت تک صیغہ مفعول کا اطلاق ہی نہیں کر سکتے جب تک کہ بہ فیہ معذلک میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید نہ کر لیا جائے اسی بنا پر مفعول بہ مفعول فیہ مفعول معہ مفعول لہ کہا جاتا ہے یہی وجہ دیگر مفاعیل پر اس کی تقدیم کی بھی ہے کہ اس میں مذکورہ تقييدات میں سے کوئی بھی قید نہیں پائی جاتی واللہ اعلم

سلفہ قولہ وبراہم مفعول مطلق اس کو کہتے ہیں جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ اس فعل مذکور کے ہم معنی ہو دو سرے لفظوں میں اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ مفعول مطلق وہ اسم ہے جو فعل مذکور کے ساتھ معنی مصدری میں شریک ہو اور دونوں کا فاعل ایک ہو عام ازیں کہ فعل مذکور لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ یہ بعض مفاعیل مطلق پر صادق نہیں آتی اور وہ اس تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ مفعول مطلق ہیں مثلاً یہ تعریف فعل منفی کے مفعول مطلق پر صادق نہیں آتی جیسے لم یضرب ضرباً اس لئے کہ فعل مذکور کے فاعل نے اس کو نہیں کیا اور تعریف میں کرنا شرط ہے نیز فعل مجہول کے فعل مطلق پر بھی یہ تعریف صادق نہیں آتی جیسے ضربت ضرباً اس لئے کہ یہاں بھی فعل مذکور کے فاعل سے اس کا مصدر نہیں ہوا بلکہ فعل مذکور کے مفعول سے اس کا تحقق ہے اور جیسے مات موتاً وجہ جسامت پر بھی مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ان کو بھی فعل مذکور کے فاعل نے نہیں کیا اس لئے کہ موت فعل مذکور کے فاعل کا اثر نہیں بلکہ موت

تَسَامَةً وَتَشْرُفَ شَرَفًا وَانْمَازِيْدَ لَفْظُ الْاِسْمِ لِاَنَّ مَا فَعَلَهُ الْفَاعِلُ هُوَ الْمَعْنَى
وَالْمَفْعُولُ الْمَطْلُوقُ مِنْ اَقْسَامِ اللَّفْظِ وَيَدْخُلُ فِيهِ الْمَصَادِرُ كُلُّهَا مَذْكُورٌ
لِصِفَةِ الْفِعْلِ وَهُوَ اَعْمُ مِنْ اَنْ يَكُونَ مَذْكُورًا حَقِيقَةً كَمَا اِذَا كَانَ مَذْكُورًا
بَعِيْدَهُ نَحْوُ ضَرْبَةٍ ضَرْبًا وَحَكْمًا كَمَا اِذَا كَانَ مَقْدَّرًا نَحْوُ فَضْرَبِ الرِّقَابِ
وَالْمَافِيهِ مَعْنَى الْفِعْلِ نَحْوُ ضَارِبٌ ضَرْبًا وَخَرَجَ بِهِ الْمَصَادِرُ الَّتِي لَمْ يَذْكُرْ
عَلَيْهَا الْحَقِيقَةَ وَالْحَكْمًا نَحْوُ الضَّرْبِ وَاقْعَ عَلَى زَيْدٍ بِمَعْنَاهُ صِفَةُ ثَانِيَةٍ

بروزن کرامتہ اور شرف شرفاً (بروزن طلباً) کے مثل کا اعتراض نہ پڑیگا کہ ان جیسے کی اس
شخص کی طرف اسناد صحیح ہے جس کے ساتھ یہ قائم نہیں بغیر اس کے کہ فاعل کا ان افعال میں کوئی اثر ہو
وہ ان کا موجد ہو مثلاً موت زید کے ساتھ قائم ہے اگرچہ زید اس میں مؤثر نہیں اور (تعریف میں)
لفظ اسم اس لئے زائد کیا گیا کہ جسے فاعل نے کیا وہ معنی ہے (جو فاعل کے ساتھ قائم ہے اور وہ ضرب
ضرباً اور مات موتاً میں ضرب اور موت ہے) اور مفعول مطلق لفظ کے اتسام سے ہے اور (مصنف
نے تعریف میں جو اسم مافعلہ فاعل فعل کہا جنس کے بمنزلے ہے اس لئے) اس میں تمام مصادر داخل
ہو جاتے ہیں (جو مذکور ہیں) یہ فعل کی صفت ہے اور فعل اس سے عام ہے کہ حقیقت میں مذکور ہو
جیسا کہ وہ بعینہ مذکور ہو جیسے ضربتہ ضرباً یا حکمی طور پر مذکور ہو جیسا کہ (عبارت میں) مقدر ہو
جیسے فضرب الرقاب (یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہاں تقدیر عبارت اس طرح فاضربوا ضرب
رقاباً یا رقاب الکفار) یا اسم ہو جس میں فعل کا معنی ہو جیسے ضارب ضرباً اور اس (مذکور کی)
تقدیر سے وہ تمام مصادر (مفعول مطلق کی تعریف میں آنے سے) نکل گئے جن کے فعل نہ حقیقت میں مذکور
ہوں اور حکم میں جیسے الضرب واقع علی زید (میں الضرب مصدر ہے) (مصدر کے معنی کے ساتھ ہو) یہ

ہے اسناد وہ البتہ میں بھی ضمیر اول کا مرجع فعل
ہے اور ضمیر ثانی کا فاعل پس عبارت اس طرح
ہو سکتی ہے والمراد بفعل الفاعل فعلاً قیام فعل
الفاعل بحیث یصح اسناد لفعل الی الفاعل ان
یکون الفاعل مؤثراً فی الفعل موجداً فعلاً جس کا
مطلب یہ ہے کہ فعل مذکور کے فاعل کے اس
فعل کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ فعل کا (یعنی
مفعول مطلق) کا قیام فاعل کے ساتھ اس
حیثیت سے ہو کہ فعل (یعنی مفعول مطلق) کا
اسناد فاعل کی طرف صحیح ہو جائے نہ یہ کہ فاعل
فعل میں مؤثر اور فعل کا موجد ہو جیسے مثلاً مات
زید مؤثراً کہ اس میں فعل (یعنی مفعول مطلق مؤثراً)

مراد ہی نہیں اس لئے ان کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔
(فائدہ) عبارت میں قدرے گنجشک ہے۔
اس لئے اس کے ضمایم کے مرجع وغیرہ سمجھ لینے
چاہئیں اسم مافعلہ فاعل فعل میں ما سے مراد شے ہے
اور شے سے مراد مفعول مطلق کیونکہ اسی کی تعریف
کی جا رہی ہے یعنی مفعول مطلق اس شے کا نام ہے
اور پھر اس سے فعل بھی مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ
جس چیز کو فاعل فعل نے کیا ہوگا وہ فعل ہی ہوگا
پس فعل میں ہضمیر کا مرجع ما ہے اور المراد بفعل
الفاعل ایہ قیام مذہب الخ میں ایہ کی ضمیر مرجع نے
کلمہ ما یعنی فعل کی طرف قیام کی ضمیر کا مرجع بھی
یہی ہے البتہ یہ کی ضمیر مجرور فاعل کی طرف توستی

فاعل کے ساتھ اس طرح قائم ہے کہ فعل موت
کا اسناد فاعل (زید) کی طرف صحیح ہو رہا ہے
یعنی مرنے والا زید ہے اور زید اس فعل میں مؤثر
نہیں بلکہ باری تعالیٰ ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ وانما زید الخ اس عبارت
سے شائع ایک سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں
میں تقریر سوال کی یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف
میں لفظ اسم کی زیادتی کی کیا وجہ ہے جبکہ اس کے
بغیر بھی مطلب اختصار کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے
جواب یہ ہے کہ لفظ اسم اس وجہ سے زائد کیا
کہ اس کے اضافہ کے بغیر خلاف مقصود لازم
آتا ہے کیونکہ اس وقت تعریف مذکور سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ مفعول مطلق ان معنی کو کہتے ہیں
جن کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے حالانکہ ایسا
نہیں کیونکہ مفعول مطلق اتسام لفظ سے ہے از قسم معنی
نہیں اس لئے کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں
معنی سے نہیں پھر چونکہ تعریف مذکور اسم مافعلہ
فاعل فعل سے کی گئی ہے اس لئے اس میں تمام معانی
داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ہر مصدر اپنے فاعل
کا فعل ہے پس جب مصنف نے فعل کی صفت
مذکور کی تقدیر کا اضافہ کر دیا تو اس سے وہ تمام معانی
خارج ہو گئے کہ جن کا فعل مذکور نہیں پھر اس مذکور
میں تقسیم ہے یعنی مذکور خواہ حقیقتہ ہو یا حکماً پس
جس مصدر کا فعل نہ حقیقتہ مذکور ہو اور نہ حکماً وہ
اس سے خارج ہے جیسے الضرب واقع علی
زید کہ اس میں الضرب مصدر تو ہے مگر اس کا فعل
مذکور نہیں نہ حقیقتہ اور نہ حکماً مذکور حقیقتہ کی مثال
یعنی جبکہ فعل بعینہ مذکور ہو جیسے ضربتہ ضرباً کہ
مصدر مصدر کا فعل ضربت بعینہ مذکور ہے اور
حکماً کی مثال یہ ہے یعنی جبکہ مصدر کا فعل مقدر ہو
جیسے فضرب الرقاب ای فاضربوا ضرب الرقاب کہ
اس جبکہ ضرب مصدر کا فعل اگرچہ لفظاً مذکور نہیں مگر
حکماً تقدیراً ضرور مذکور ہے یعنی اضرؤا پھر اس مذکور
میں میں لحاظ سے بھی تقسیم ہے کہ اگر مصدر کا فعل
حقیقتہ یا حکماً مذکور ہو تو کم از کم ایک ایسا اسم ہی

مذکور ہو نا چاہیے کہ جس میں فعل کے معنی پائے جائیں یعنی شائبہ فعل ہو جیسے ضارب ضربا ولید علم۔

۵۵ قولہ بمعناہ الخ فعل کی پہلی صفت

مذکور متقی بیاس کی دوسری صفت ہے یعنی مفعول مطلق اس اسم کو کہتے ہیں جس کو اس فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ فعل مذکور اس اسم کے ہم معنی ہو یعنی فعل اور اسم دونوں کا فاعل ایک ہو ولیس المراد سے شارح لفظ بمعناہ کے معنی بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ قولہ بمعناہ سے یہ مراد نہ لیا جائے کہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو گا یعنی فعل اس اسم کے معنی کے مطابق ہو گا جیسے ضربتہ تادیبا میں تادیبا کے معنی بعینہ ضرب کے ہیں کیونکہ ضرب اور تادیب کا زمانہ دونوں متحد ہیں پس ضربا نہیں کہا تادیبا کہہ دیا ایک ہی بات ہے۔ لہذا تادیبا کو بھی مفعول مطلق کہا جائے کیونکہ فعل اور معنی اسم دونوں ایک ہی اس لئے کہ معنی اسم معنی فعل کے جز ہوتے ہیں کیونکہ اسم معنی حدیثی کا نام ہے اور فعل حدث اور زمان کے مجموعہ کو کہتے ہیں پس اسم یعنی معنی حدیثی معنی فعل یعنی حدث اور زمان کا جز ہو گیا کیونکہ متعدد کے ضمن میں واحد موجود ہوا کرتا ہے لہذا تعریف ماقن دخول غیر سے مانع نہیں رہتی شامح نے بل المراد سے اس کی مانعیت کا جواب یہ دیا کہ تم نے معناہ سے جو معنی مراد لئے ہیں وہ غلط ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ معنی فعل معنی اسم یہاں طرح مشتعل ہوں جیسے کل کا اشتعال جز پر ہوتا ہے کیونکہ کل میں جز بھی پایا جاتا ہے پس وہ کل اپنے بعض اجزاء کے اعتبار سے جز پر مشتعل ہو گا لہذا اس سے ضربتہ تادیبا مثال کا تادیبا خارج ہو گیا اس لئے کہ یہ اگرچہ اس قبل سے ہے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے لیکن یہ اس قبل سے نہیں کہ معنی فعل اس پر مشتعل ہوں یعنی معنی اسم پر اشتعال معنی فعل کا اس جگہ قصد نہیں کیا گیا کیونکہ تادیب اس جگہ ضرب کے معنی کا جز نہیں کہ وہ اس پر مشتعل ہو جائے بلکہ تادیب ضرب کی علت واقع

للفعل ولیس المراد بہ أَنَّ الفعلَ کائنٌ بمعنی ذلک الاسم فان معنی الاسم جزء معناه بل المراد ان معنی الفعل مشتملٌ علیہ اشتقال کل علی الجز

فخرج بہ مثل تادیبا فی قولک ضربتہ تادیبا فانہ وان کان مما فعلہ فاعلُ فعل مذکور لکنہ لیس مما یشتمل علیہ معنی الفعل وکذلک خرج بہ مثل کراہتی فی نحو کراہت کراہتی فان للکراہۃ اعتبارین احدهما فعل کی دوسری صفت ہے (کہ وہ مصدر کے معنی میں ہو) اور اس (بمعناہ کی قید) سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فعل اس اسم کے معنی کے ساتھ (مطابق) ہو کیونکہ اسم کا معنی تو فعل کے معنی کا جز ہے (کہ فعل کا معنی حدث اور زمان ہے جبکہ اسم کا معنی صرف حدث ہے پس فعل کا معنی متعدد ہوا اور اسم کا واحد اور ظاہر ہے کہ واحد متعدد کا جز ہوتا ہے لہذا اسم کا معنی فعل کے معنی کا جز ہوا) بلکہ مراد یہ ہے کہ فعل کا معنی اسم کے معنی پر مشتمل ہو جیسے کل جز پر مشتمل ہوتا ہے اس (بمعناہ کی قید) سے تادیبا کی مانند (مصادر) خارج ہو گئے جو تمہارے قول ضربتہ تادیبا میں ہے کہ تادیبا یعنی مفعول نہ اگرچہ اس قبل سے ہے جسے فعل مذکور کے فاعل نے کیا لیکن اس قبل سے نہیں کہ جس پر فعل کا معنی مشتمل ہو اور اسی طرح اس (بمعناہ کی قید) سے کراہت (از باب علم) کراہتی میں کراہتی کی مانند (وہ مصدر جو فعل مذکور کے فاعل کی طرف مضاف ہو مفعول مطلق کی تعریف سے) نکل گیا پس (اس مثال میں) کراہت

بے اور جب علت واقع ہے تو مفعول نہ ہو گا مفعول مطلق نہیں ہو گا واللہ اعلم۔

۵۶ قولہ وکذلک الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ یہاں کراہتی پر مادیق آتی ہے جو کہ بہت کراہتی میں واقع ہے حالانکہ کراہتی مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں مگر اس کے باوجود یہ اس قبل سے ہے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے معناہ کی توجیہ کرنے پر تادیبا مفعول نہ خارج ہو گیا اسی طرح یہ کراہتی بھی تعریف سے خارج ہے کیونکہ کراہتہ کے لئے دو اعتبار ہیں ایک تو اس کا اس طرح ہونا کہ یہ فاعل فعل مذکور کے ساتھ قائم ہے اور اس سے وہ فعل مشتق ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف لگائی ہے پس فعل مشتق ہو گا اور کراہتہ مشتق منہ پس معنی یہ ہو جائیگا کہ کراہتہ کراہتہ یعنی مکروہ سمجھا میں نے مکروہ سمجھا پس اس اعتبار سے بلا شک معنی

فعل معنی اسم کو مشتعل میں اور یہ تعریف مفعول مطلق میں داخل ہے اور دوسرا اعتبار اس میں اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل کراہتہ واقع ہے پس اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ بہت کراہتی یعنی مکروہ سمجھا میں نے اپنے مکروہ سمجھنے کو تو بلا شبہ یہ اس وقت مفعول بہ ہو گا نہ کہ مفعول مطلق پس جب کراہتی کو فعل کے بعد اعتبار اول کے مطابق ذکر کیا جیسا کہ قول قائل کرست کراہتہ کی صورت میں تو یہ مفعول مطلق ہو گا اور جب اس کو اعتبار ثانی کے لحاظ سے ذکر کیا جائیگا جیسا کہ قول قائل کرست کراہتی میں ہے تو وہ مفعول بہ ہو گا نہ کہ مفعول مطلق اس لئے کہ اس صورت میں یہ فعل اس اعتبار سے اس مصدر یعنی اسم پر مشتعل نہیں ہو گا بلکہ وہ فعل اس اسم پر واقع ہو گا جیسا کہ فعل متعدی مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے وہ تعریف سے خارج ہو گیا اور تعریف محدودہ پر منطبق ہو گئی یعنی اپنے افراد کو جامع ہو گئی اور دخول غیر سے مانع واللہ اعلم

کوئہا بیث قامت بفاعل الفعل المذكور واشتق منها فعل استدل الیہ
ولا شک ان معنی الفعل مشتمل علیہا جینین وثانیہما کوئہا بیث وقع
علیہا فعل الکراہۃ فاذا ذکر بعد الفعل بالاعتبار الاول کما فی قولک
کرہت کراہۃ فہو مفعول مطلق واذا ذکر بعدہ بالاعتبار الثانی کما
فی قولک کرہت کراہتی فہو مفعول بہ لا مفعول مطلق اذ لیس ذلک
الفعل مشتملاً علیہ بحد الاعتبار بل هو واقع علیہ وقوع الفعل علی
المفعول بہ فخرج بہذا الاعتبار عن الحد وانطبق الحد علی المحدود
جامعا مانعا وقد یكون المفعول المطلق للتاکید ان لم یکن
فی مفہومہ زیادۃ علی ما یفہم من الفعل والنوع ان دل علی بعض
انواعہ والعدد ان دل علی عددہ نحو جَلَسْتُ جُلُوسًا لِّلنَّاسِ
وَجَلَسْتُ بِکسر الجیم للنوع وَجَلَسْتُ بفتحہا للعدد قالوا قول ای
الذی للتاکید لا یشتق ولا یجتمِع لانه دال علی الماہیۃ المعرۃ عن الدلالۃ

کے لئے دو اعتبار ہیں ایک تو کراہت کا اس طرح ہونا ہے کہ وہ فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہوئی
اور اس سے فعل مشتق کیا گیا جو فاعل کی طرف منسوب کیا گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت
فعل کا معنی کراہت پر مشتمل ہے اور دوسرا کراہت اس طرح ہونا ہے کہ اس پر کراہت کا فعل واقع ہوا
پس جب اعتبار اول سے فعل کے بعد کراہت کا ذکر کیا جائے جیسا کہ تمہارے کرہت کراہت میں ہے تو
کراہت مفعول مطلق ہے اور جب کراہت کا فعل کے بعد دوسرے اعتبار سے ذکر کیا جائے جیسا کہ تمہارے
قول کرہت کراہتی میں ہے تو وہ مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں ہے کیونکہ اس اعتبار سے وہ فعل
اس پر مشتمل نہیں بلکہ اس پر واقع ہے جیسا کہ فعل مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے کرہت
کراہتی مفعول کی تعریف سے خارج ہوا اور تعریف اپنے معرّف پر جامع اور مانع ہو کر منطبق ہوگئی
(اور کبھی ہوتا ہے) مفعول مطلق (تاکید کے لئے) اگر اس کے مفہوم میں اس (مفہوم) پر کوئی
زیادتی نہ ہو جو (مفہوم) فعل سے سمجھا جا رہا ہے (بلکہ دونوں مفہوم متحد ہوں کہ مؤید کے لئے ضروری
ہے کہ وہ مؤید کا معین ہو) اور نوع کے لئے اگر وہ (مفعول مطلق) فعل کے (مفہوم اور اس کے) بعض
انواع (واقسام) پر دلالت کرے (اور عدد کے لئے) اگر (مفعول مطلق) فعل کے (مفہوم اور اس کے)
عدد پر دلالت کرے (جیسے جلست جلوسا) تاکید کے لئے (اور جلست) جیم کی کسر سے نوع کے لئے
(اور جلست) جیم کی فتح سے عدد کے لئے (پس اول) یعنی جو کہ تاکید کے لئے ہے (لا تشنیہ نہیں کیا جاتا اور
جمع بتایا جاتا ہے) کیونکہ وہ ایسی ماحیت پر دلالت کرتا ہے جو کہ تعدد پر دلالت کرنے سے ماری ہے اور

کے قولہ وقد یكون الخ اب مصنف
رحمۃ اللہ مفعول مطلق کی تعریف سے فارغ ہونے
کے بعد اس کی تقسیم کو شروع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ
مفعول مطلق کبھی تاکید فعل کے لئے آتا ہے یعنی
جو معنی کر فعل سے مستفاد ہوتے ہیں ان سے زائد
پر دلالت نہ کرے بلکہ مفعول مطلق صرف معنی
مستفاد عن الفعل بتائے تو یہ تاکید کے لئے ہوتا
ہے جیسے ضربت ضربا اور اگر بعض انواع فعل پر
دلالت کرے تو نوع کے لئے ہے اور اگر عدد بتلاک
تعدد کے لئے یعنی جو کچھ فعل سے مستفاد ہوتا ہے
اس کو بتلانے کے ساتھ ساتھ نوع یا عدد پر
بھی دلالت کرے اور اگر صرف نوع یا عدد تو بتائے
لیکن جو فعل کا مفہوم ہے اس پر دلالت نہ کرے
تو یہ تعریف مفعول مطلق سے خارج ہو جائیگا تاکید
کی مثال جیسے جلست جلوسا اس میں مفہوم مستفاد
عن الفعل پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو رہی لہذا یہ
تاکید کے لئے ہے اور جلست جلست بکسر الجیم پر
مفہوم مستفاد کے ساتھ ساتھ نوع کو بھی بیان
کر رہا ہے یعنی بیٹھا میں ایک قسم کا بیٹھنا مشلا
جلست جلست القاری لہذا یہ نوع کے لئے ہوگا
اور جلست جلست بفتح الجیم عدد پر دلالت کر رہا ہے
اپنے مفہوم مستفاد کے ساتھ لہذا یہ بیان عدد کے
لئے ہے اس لئے کہ جلست ایک مرتبہ بیٹھنے کو
کہتے ہیں (فائدہ) فعل کا وزن بیان عدد
کے لئے آتا ہے اور فعل کا بیان نوع کے لئے
ذکر فی فن الصرف والاشتغال ۱۲

کے قولہ فالاول الخ یعنی جو مفعول
مطلق تاکید کے لئے ہوتا ہے تشنیہ اور جمع نہیں لایا
جاتا بلکہ ایک ہی حالت یعنی افراد پر رہتا ہے اس
کی وجہ یہ ہے کہ تاکید ایسی ماہیۃ پر دلالت کرتی
ہے جو دلالت علی التعدد وغیرہ سے خالی ہو ورنہ
اگر اس کو تشنیہ و جمع لایا جائے تو اس کے مفہوم
میں فعل کے مفہوم پر زیادتی لازم آتی ہے اور
پھر اس سے تاکید کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا لہذا
تاکید کی صورت میں مفعول مطلق کا افراد پر باقی

رہنا ضروری ہے بخلاف تثنیہ اور جمع کے کہ دونوں مامیت مقیدہ بالتعدد و دلالت کرتے ہیں اور دونوں کو تعدد مستلزم ہے پس جلست جلوسین یا جلست جلوسات نہیں کہا جاسکتا مگر جبکہ اس کے ساتھ نوع یا عدد کا قصد کیا جائے تو تثنیہ و جمع لایا جاسکتا ہے پس جب نوع واحد یا عدد واحد کا ارادہ کیا جائیگا تو مفعول مطلق مفرد لایا جائیگا اور جب نوعین یا انواع عدد یا اعداد مقصود ہوں گے تو مفعول مطلق بھی تثنیہ یا جمع لایا جائیگا کیونکہ مفرد تثنیہ یا جمع پر دلالت نہیں کر سکتا اسی کو مصنف بخلاف اخیر سے بیان کر رہے ہیں یعنی بخلاف تاکید دونوں نظیروں کے یعنی نوع و عدد کے کہ یہ تثنیہ و جمع لائے لائے جاسکتے ہیں جیسے جلست جلستین و جلستین جلستات و جلستات بکسر الجیم لنوع و بفتحها للعدد (فائدہ) مفعول مطلق کے ان تینوں قسموں میں منحصر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مفعول مطلق و حال سے خالی نہیں اس کے مفہوم میں مفہوم پرزادتی ہوگی یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو تاکید کے لئے ہے اور اگر زیادتی ہوگی تو پھر و حال سے خالی نہیں اس سے انواع کا قصد کیا جائیگا یا اعداد کا اگر انواع مقصود ہوں تو نوع کے لئے درجہ بصورت اعداد عدد کے لئے والٹر اعلم ۱۲

۱۹ قولہ تدیکون انہ کبھی مفعول مطلق بغیر لفظ کہی آتا ہے یعنی اپنے فعل کے لفظ کے مخایر کہ فعل کے الفاظ کچھ اور ہیں اور مفعول مطلق کے کچھ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں یا یہ مخایریت بافتہ زیادہ کے ہوگی جیسے تعدد جلوسات کہ دونوں کا مادہ مختلف ہے یا باعتبار باب کے جیسے انبتہ اللہ نباتا کہ اس میں انبت باب افعال سے ہے اور نباتا باب نصر سے یا باب اور مادہ دونوں کے اعتبار سے جیسے فاعل فی نفسہ خفیہ ہونے کے اس میں اوجس اور خفیہ کا مادہ بھی مختلف ہے اور باب مخایر بھی کہ فعل کا افعال ہے اور مفعول مطلق کا جمع ایجاب کے معنی ہیں دل میں خوف ڈالنا مگر ان تمام مخایروں کے باوجود

على التعدد والتثنية والجمع يستلزمان التعدد فلا يقال جلست جلوسین او جلوسات الا اذا قصد به النوع او العدد بخلاف اخویه اللذین هما النوع والعدد نحو جلست جلستین وجلست بکسر الجیم او فتحها و قد یکنون المفعول المطلق یغیر لفظہ ای معایر اللفظ فعلہ اما بحسب المادة نحو قعدت جلوساً واما بحسب الباب نحو انبتت اللہ نباتاً و سیبویہ یقدر له عاملاً من بابہ ای قعدت وجلست جلوساً و انبتت اللہ قنبت نباتاً و قد یحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق

تثنیہ و جمع تعدد کو مستلزم ہیں لہذا جلست جلوسین اور جلوسات نہیں کہا جاسکتا مگر اس وقت (کہا جاتا ہے) جبکہ اس (مفعول مطلق) سے نوع یا عدد کا قصد کیا جائے (کہ اب وہ مامیت پر نہیں نوع یا عدد یعنی تثنیہ یا جمع ہونے پر دلالت کرے گا) (اس کے دو بھائیوں کے برعکس) جو کہ وہ دونوں (ان میں سے ایک) نوع اور (دوسرا) عدد کے لئے ہیں جیسے جلست جلستین (تثنیہ یعنی دو نشستہ) یا جلست (مختلف) جلست بکسر الجیم کی کسر یا اس کی فتح کے ساتھ (جمع یعنی نشستہ) متعدد (اور کبھی ہوتا ہے) مفعول مطلق (اس کے لفظ کے غیر سے) یعنی اپنے فعل کے لحاظ سے مخایر (و مختلف) ہو مادہ کے اعتبار سے (مختلف ہو) جیسے قعدت جلوساً اور یا باب کے اعتبار سے جیسے انبتہ اللہ نباتاً اور سیبویہ اس (مفعول مطلق) کے لئے عامل کو اس کے باب سے مقدار کہتے ہیں یعنی قعدت وجلست جلوساً و انبتہ اللہ قنبت نباتاً (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل) مفعول مطلق کو نصب دینے والا قیام

یہ ضروری ہے کہ مفعول مطلق معنی کے اعتبار سے کبھی اپنے فعل کے مخایر نہیں ہوگا ورنہ اس کا مفعول مطلق ہونا صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ ضربت تادیباً کے ضمن میں گذرا والٹر اعلم ۱۲۔
۲۰ قولہ و سیبویہ انہ سیبویہ کہتے ہیں کہ جس طرح مفعول مطلق اور اس کے فعل میں باعتبار معنی کے اتحاد ضروری ہے اسی طرح باعتبار الفاظ کے موافقت لابدی ہے اور وہ قعدت جلوساً وغیرہ مثلاً میں اسی باب کا عامل مقدار مانتے ہیں یعنی قعدت جلوساً میں قعدت وجلست جلوساً اور انبتہ اللہ نباتاً میں انبتہ اللہ قنبت نباتاً کے قائل ہیں بخلاف مازنی مرید وغیرہ کے کہ یہ فعل ظاہری کی وجہ سے مفعول مطلق کو منصوب قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تقدیر کی اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جبکہ اس کے بغیر عجزہ ہی نہ ہو اور یہاں قعدت اور انبت کے ہوتے ہوئے تقدیر عبارت کی کوئی حاجت نہیں (فائدہ) قعدت جلوساً والی مثال اس وقت درست ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کے معنی محض بیٹھنے کے لئے جائیں لیکن جبکہ تعدد کے معنی بیٹھنے کی حالت سے بیٹھنے کے اور جلوس کے معنی حالت قیام سے بیٹھنے کے لئے جائیں تو اس صورت میں جلوساً کو قعدت کا مفعول مطلق بنانا درست نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے مخایریت پیدا ہوگی اور یہ مفہوم مفعول مطلق کے خلاف ہے والٹر اعلم ۱۲
۲۱ قولہ و تدیکون انہ کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو جب کوئی قرینہ اس کے مدت پر قائم ہو جائے تو حذف کر دیتے ہیں مگر

لِقِيَامِ قَرْيَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ مِنْ سَفَرِهِ خَيْرٌ
مَقْدَمٍ لِمَنْ قَدِمَتْ قَدْرًا خَيْرٌ مَقْدَمٍ فَخِيرٌ اسْمُ تَفْضِيلٍ وَمَصْدَرِيَّةٌ بِاعْتِبَارِ
الْمَوْصُوفِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ لِأَنَّ اسْمَ التَّفْضِيلِ لَهُ حُكْمُ مَا ضِيفَ إِلَيْهِ وَجَوَابًا
إِذَا حُذِفَ وَاجِبًا سَمَاعًا أَيْ سَمَاعِيًّا مَوْقُوفًا عَلَى السَّمَاعِ لَا قَاعِدَةً لَهُ يَعْرِفُ
بِهَا مِثْلَ سَقِيًّا أَيْ سَقَاكَ اللَّهُ سَقِيًّا وَرَعِيًّا أَيْ رَعَاكَ اللَّهُ رَعِيًّا وَ
خَيْبَةً أَيْ خَابَ خَيْبَةً مِنْ خَابَ الرَّجُلُ خَيْبَةً إِذَا الْمَنْعِلُ مَا طَلَبَ وَ
جَذَعًا أَيْ جَدَعَ جَذَعًا وَاجِدَعَ قَطَعَ الْأَنْفَ وَالْأَذْنَ وَالشَّفَةَ وَالْيَدَ وَ
جَعْدًا لِمَحْمَدٍ حَمْدًا وَشُكْرًا أَيْ شُكْرًا شُكْرًا وَعَجَبًا أَيْ

قرین کے وقت جواز ایسے تمہارا قول ہے اس شخص کے لئے جو آئے) اپنے سفر سے «خیر مقدم» یعنی
قدمت قدم و ماخیر مقدم تو «خیر» اسم تفضیل (اخیر سے مخفف) ہے اور اس کا مصدر مفعول مطلق ہونا
(اپنے) موصوف کے اعتبار سے ہے کہ صفت موصوف کا عین ہے جبکہ اس کے ساتھ قائم ہو یا
مضاف الیہ کے اعتبار سے کیونکہ اسم تفضیل کے لئے اسی کا حکم ہے جس کی طرف (اسم تفضیل) مضاف
ہو (کیونکہ مضاف الیہ اس کے لئے متمم ہے) (اور وجوباً) یعنی حذف واجب «سماعی» یعنی سماعی
سماع پر موقوف جس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں جس سے اسے معلوم کیا جائے «جیسے سقیاب» یعنی سقا
اللہ سقیاب (اور رعیا) یعنی رعاک اللہ رعیا (اور خیبۃ) یعنی خاب خیبۃ (یہ) خاب الرجل خیبۃ سے ماخوذ
(ہے) اس وقت کہا جاتا ہے) جبکہ کوئی شخص اپنے مطلوب کو نہ پائے «(اور جدعا)» یعنی جدع جدعا اور
جدع (کا معنی) ناک اور کان اور ہونٹ اور ہاتھ کا کاٹنا ہے «(اور حمدا)» یعنی حمدت حمدا «(اور شکرا)»
یعنی شکر شکر «(اور عجبا)» یعنی عجت عجبا (از باب ضرب) پس حال یہ ہے کہ کلام عرب میں ان افعال
کا استعمال کہ جو ان مصادر میں عمل کرتے ہیں نہیں پایا اور وجوب الحذف سماع کا یہی معنی ہے اس
پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اہل عرب نے حمدت اللہ اور شکرۃ اللہ اور عجت عجبا کہا ہے تو بعض نے

حذف ہائے واجب نہیں جیسے کوئی شخص سفر
سے واپس آئے تو اس کو دعا دیتے ہوئے کہتے
ہیں خیر مقدم یعنی قدمت قدم و ماخیر مقدم کے بجائے
صرف خیر مقدم پر اکتفا کر لیتے ہیں کیونکہ یہاں مسافر
کا آنا ہی اس کے حذف پر بطلان دلالت کر رہا
ہے لہذا اول قدمت کو جو کہ مفعول مطلق کا نائب
ہے بقرینہ حال مخاطب حذف کیا گیا اور پھر قدم و
کو بھی حذف کر کے اس کی صفت کو قائم مقام کر دیا
گیا اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیر اسم

تفضیل ہے اہل میں اخیر متا کثرت استعمال کے
باعث الف کو خلاف قیاس حذف کر دیا گیا پس
جب خیر اسم تفضیل ہے تو اس کو مفعول مطلق بنانا
کیسے درست ہو سکتا ہے اس کا جواب شایع لغوی
اسم تفضیل الخ سے یہ ہے کہ خیر اسم تفضیل ہے
یہ درست ہے مگر اس کی مصدریت کی دو صورتیں
ہیں باعتبار موصوف کے ہوگی یا باعتبار مضاف الیہ
کے یعنی اگر موصوف محذوف قدم و یا صفت مانع جحفہ
کا اس میں محاذ کیا جاتا ہے تو چونکہ قدم و ما مصدر ہے

لہذا اس کا اثر صفت میں بھی جاری و ساری ہوگا کیونکہ
صفت موصوف بمنزلہ شے واحد کے ہوتے ہیں اور
اسی طرح سماع سماعی کے معنی میں ہو کر مفعول مطلق
ہے محذوف کی صفت ثانیہ ہو کر اس توجہ کی ضرورت
اس وجہ سے پڑی کہ اگر وجوباً اور سماعاً کو اپنی حالت
پر برقرار رکھا جاتا تو صفت کا عمل موصوف پر درست
نہ ہوتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوتے کہ کبھی فعل
حذف کر دیا جاتا تو ایسا حذف ہو کہ وجوب اور
سماع ہے حالانکہ وجوب اور سماع حذف نہیں
ہوتے پس اس توجہ سے معلوم ہو گیا کہ حذف
ایسا ہوگا جو واجب اور سماعی ہو مفعول مطلق کے
اگر اس میں مقدم مصدر سماعی کی طرف اضافت کا اعتبار
کرتے ہیں تو جو حکم مضاف الیہ کا ہوگا وہی اسم تفضیل کا
بھی ہوگا کیونکہ اسم تفضیل جب کسی شے کی طرف مضاف
کر دیا جاتا ہے تو وہ بعض مضاف الیہ اور اس کے افراد میں
سے ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مقدم مصدر ہے
پس خیر بھی مصدر کے حکم میں ہو گیا اور حاصل یہ ہوا کہ
اسم تفضیل جب کسی چیز کی صفت یا چیز کی طرف مضاف
ہو تو اس کے موصوف اور اس کے مضاف الیہ کی
ہیروئی کرتے ہیں یعنی اس کے معنی موصوف اور
معنی مضاف الیہ کی طرف منقلب ہو جاتے ہیں
پس خبر کا مفعول مطلق بنا درست ہو گیا واللہ اعلم

۱۲ قولہ وجوباً الخ اس کا عطف جوازاً
پر ہے اور واجباً کے معنی میں ہو کر مفعول مطلق ہے
یعنی حذف کی صفت ہے ای یحذف حذفاً واجباً
وجوباً حذف کرنے کی دو صورتیں ہیں حذف کے لئے
کوئی قاعدہ مقرر ہوگا یا نہیں اگر کوئی قاعدہ مقرر
نہیں ہے تو سماعی ہے ورنہ قیاسی حذف سماعی کا
یہ مطلب ہوتا ہے کہ عرب سے چند مخصوص مسئلہ میں
حذف سنایا گیا ہے عام طور سے ان جیسی مسئلہ میں
حذف نہیں سنایا گیا اس لئے ان سے کوئی ضابطہ حذف
نہیں بنا یا گیا تاکہ ہر شکم اپنے کلام میں جو اس مثال
کے مانند ہو حذف کر کے بولے جیسے سقیاب سقا
اللہ سقیاب کی جگہ محذوف فعل بولتے ہیں یعنی سیراب
کرے تجھ کو اللہ تعالیٰ سیراب کرنا یعنی تجھ کو اللہ

عجبت عجبا فانه لم يوجد في كلامهم استعمال الافعال العاملة في هذه المصادر وهذا معني وجوب الحذف سماعا قيل عليه قد قالوا حدث الله محمدا وشكرته شكرا وعجبت عجبا فاجاب بعضهم بان ذلك ليس من كلام القصاص وبعضهم بان وجوب الحذف انما هو في ما استعمل باللام نحو محمدا له وشكراله وعجباله وقد يحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق حذفاً واجباً وقياساً اي حذفاً قياسياً يعلم له ضابط كل يحذف معه الفعل

جواب دیا ہے کہ یہ (حوال کا استعمال) کلام فصحاء سے نہیں ہے اور بعض نے یہ (جواب دیا ہے) کہ (حوال کا) وجوب حذف اسی (مفعول مطلق) میں ہے جو لام کے ساتھ استعمال ہو جیسے حمدا اور شکرالہ اور عجبالہ (اور) کبھی مفعول مطلق کے نصب دینے والے فعل کو واجباً حذف کیا جاتا ہے (قیاساً) یعنی حذف قیاسی کے طور پر اس کا ایک قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے جس کے ہمراہ فعل کو لازم حذف

مطلقاً یہ اشلہ بیان کی ہیں لہذا یہ جواب درست نہیں یعنی استعمال باللام کا ورنہ لازم آئے گا کہ مصنف نے غلط بیان کیا واللہ اعلم ۱۲

۱۵ قولہ وقد يحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق بنے گا کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ قیاساً کا عطف سماعاً پر ہے اور سماعاً حذفاً موصوف محذوف کی صفت ثانیہ ہے پس قیاساً بھی عطف کی بنا پر حذفاً موصوف کی صفت ثانیہ بن کر محذوف کا مفعول مطلق بنے گا اور الناصب للمفعول المطلق کا اضافہ شاذ ہے پس بھی کیا ہے اور یہاں بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مفعول مطلق کی بحث ہو رہی ہے نہ کہ حذف فعل کی لہذا اشتغال باللام یعنی لازم آتا ہے تو اس اضافہ سے یہ شبہ دور ہو گیا کیونکہ اگرچہ یہاں حذف فعل کا ذکر ہے مگر چونکہ اس حذف فعل کا تعلق ناصب ہونے کی حیثیت سے مفعول مطلق کے ساتھ ہے اس لئے اس کو ذکر کرنا ضروری ہوا اور ای حذفاً ثانیاً ان کے اضافہ سے یہ امر واضح کر دیا کہ دونوں صورتیں سماعی اور قیاسی کی ایک دوسرے کے مقابل ہیں یعنی سماعی کی صورت میں کوئی دلیل وجوب حذف پر سوائے عدم وجہ ان استعمال کے پائی نہیں جاتی اور قیاسی کی صورت میں دلیل موجود ہونی ضروری ہے

تعالیٰ اجمیٰ جزائے اور عاک انشراحاً کی جگہ صرف رعناً کہتے ہیں یعنی انشراحاً تیری حفاظت کرے حفاظت کرنا اور خراب زید خبیثہ کی جگہ صرف خبیثہ کہا جاتا ہے خبیثہ ماخوذ ہے خاب الرجل خبیثہ سے جس کے معنی ہیں ناامید ہونا یعنی یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کوئی شخص اپنے مطلوب کو پانے میں ناکام ہے جہذا بدو عاتہ کلمہ ہے جہذا لغت میں ناک کان لب اور ہاتھ کے کاٹنے کو کہتے ہیں یہ کلمہ جہذا انشراحاً کی بجائے اس وقت ہوتے ہیں جب کسی سے ناراضگی ہو اور اس کی بددعا دینی مقصود ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ترجمہ کو انشراحاً نے ذیل در سوا کرے بہت زیادہ۔ حمداً حمداً حمداً کی جگہ پر بولا جاتا ہے اور شکر شکر شکر شکر کی جگہ پر اور عجبالہ عجبالہ عجبالہ کے موقع پر ان مفاد میں مطلق کو ہر شکم محذوف فعل بدل سکتا ہے لیکن ضرب ضرباً کو اس پر قیاس کر کے صرف ضرباً نہیں بدل سکتا کیونکہ عرب سے یہ مسموع نہیں ہے۔

۱۳ قولہ فانه لم يوجد في كلامهم استعمال الافعال العاملة في هذه المصادر اس اشلہ میں وجوب حذف فعل کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ان میں وجوب حذف فعل کی دلیل یہ ہے کہ کلام عرب میں ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ مقارنہ وغیرہ کے ساتھ نہیں دیکھا گیا پس ان افعال کے استعمال کا عدم وجہ ان ہی ان کے وجوب حذف کی دلیل ہے یہی معنی ہیں وجوب حذف سماعی کے ورنہ اگر اہل عرب سے ان کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ سن لیا جاتا تو پھر یہ حذف واجب نہ رہتا اور اگر اس کو واجب ہی قرار دیا جاتا تو اس کے لئے محض سماع کافی نہیں تھا بلکہ علیحدہ دلیل بیان کرنا ضروری ہو جاتا جیسا کہ قیاس کی صورت میں دلیل بیان کی گئی ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۴ قولہ قيل عليه الخ اس سے شامع اور پر کے بیان کردہ مسئلہ پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا درست نہیں کہ ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ کلام عرب میں پایا نہیں جاتا حالانکہ حدیث انشراحاً

لَوْعَانِي مَوَاضِعَ مُتَعَدَّةٍ مِنْهَا أَيْ مِنْ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ مَوْضِعٌ مَا
وَقَعَ أَيْ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ وَقَعَ مُشَبَّهًا أَرِيدَ اثْبَاتَهُ لَا نَفْيَهُ فَإِنَّهُ لَوَارِدٌ نَفْيِهِ
فَمَا زِيدَ سِوَا سِيرًا لِأَجِبَ حَذْفَهُ بَعْدَ نَفْيٍ دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ لَا يَكُونُ
الْمَفْعُولُ الْمَطْلُوقُ خَبْرًا عَنْهُ أَوْ بَعْدَ مَعْنَى نَفْيٍ دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ لَا
يَكُونُ الْمَفْعُولُ الْمَطْلُوقُ خَبْرًا عَنْهُ أَيْ عَنْ ذَلِكَ الْاسْمِ وَالْمَقَالُ عَلَى
اسْمٍ لِأَنَّهُ لَوْ دَخَلَ عَلَى فِعْلِ مَحْوٍ مَاسِرَتِ الْأَسِيرِ أَوْ أَمْسَرَتِ سِيرًا لَا يَكُونُ
مِنْهُ وَأَمَّا وَصَفَ الْاسْمَ بَانَ يَكُونُ لَا الْمَفْعُولُ الْمَطْلُوقُ خَبْرًا عَنْهُ لِأَنَّهُ لَوْ

کیا جاتا ہے «مواضع» متعددہ «میں ان میں سے» یعنی ان مواضع میں سے ایک «وہ» موضع (مقام)
«ہے کہ واقع ہوں» یعنی مفعول مطلق «مثبت» واقع ہو (یعنی) اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو نہ کہ
نفی کا کیونکہ اگر اس کی نفی کا ارادہ کیا گیا ہو جیسے مازید سیر سیرا تو اس کا حذف واجب نہ ہوگا «نفی
کے بعد» جویسے اسم پر داخل ہوئی ہو کہ مفعول مطلق اس (اسم) کی خبر نہ ہو سکتا ہو (جبکہ اس اسم
کو مبتداء اور مفعول مطلق کو اس کی خبر بنایا جائے تو یہ اس کی خبر بن سکے) «یا» بعد «معنی» نفی
کے جویسے اسم پر داخل ہو کہ نہ ہو سکے «وہ» یعنی مفعول مطلق «اس کی خبر» یعنی اس اسم کی اور مصنف
نے جو کہا کہ وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ نفی یا معنی نفی فعل پر داخل
ہو جیسے ماسرت الاسیر اور انا مسرت سیرا (میں اس طرف مابراے نفی اور انا جو نفی کے معنی دیتا ہے
فعل پر داخل ہوں) تو یہ (مثال) اس (ذریعہ بحث) کا عدہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق کے ناصب کو جواز یا
وجوب حذف کیا جاتا ہے) سے نہ ہوتی اور مصنف نے اس اسم کی (جو کہ نفی یا معنی نفی کے بعد واقع ہو)
اس طرح وصف بیان کی کہ مفعول مطلق اس کی خبر بن سکے کیونکہ اگر مفعول مطلق اس کی خبر بن سکے

یعنی اس کے لئے ایک ضابطہ کی وضع کیا جائے
گاہ جو اس کی جزئیات پر ظنی ہوگا اور پھر اس ضابطہ
کی وجہ سے فعل کو حذف کیا جائیگا پس اس کے
لئے بہت سے مواضع ہیں شارع کی شرح متعدده
سے اسی کثرت پر اشارہ ہو رہا ہے مگر مصنف
نے صرف مشہور مواضع پر اکتفا کیا و اللہ اعلم
لَا اقولہ نہی الخ او پر کہا جائیگا ہے
کہ مصنف نے تمام مواضع بیان نہیں کئے بلکہ صرف
بعض مشہور اکتفا کیا ہے اس لئے من تبیینہ کے
ساتھ نہی کہا یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں
مفعول مطلق کے فعل ناصب کا حذف کرنا واجب
ہے تاکہ وہ جگہ سے کہ جہاں مفعول مطلق نفی یا

معنی نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور وہ نفی یا معنی
نفی ایسے اسم پر داخل ہوں کہ اس سے یہ مفعول مطلق
خبر بن سکتا ہو اس جگہ شارع نے ماونع سے
پسے موضع مضاف متقدر نکال کر اس امر کی طرف
اشارہ کیا ہے کہ اگر یہ مضاف متقدر نہ ہوگا تو مفعول
مطلق کا بعض مواضع پر عمل لازم آئے گا اور یہ ناجائز
ہے پس جب موضع کا اضافہ ہو گیا تو بعض مواضع کا
بعض پر عمل درست ہو گیا اور مثبت کی قید اس لئے
لگائی گئی ہے کہ اگر مفعول مطلق مثبت نہ ہو معنی ہو تو
ارادہ نفی کے وقت ناصب مفعول مطلق کا حذف واجب
نہ ہوگا جیسے مازید سیر سیرا میں اس لئے کہ اس صورت

میں وہ مفعول مفعول ہو جاتا ہے جس کے متقدر نفعیل ناصب
کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ نفی چاہتی ہے منفی
کو اور سیر میں منفی ہونے کی صلاحیت موجود ہے
اس لئے کہ حرف نفی یعنی ما اس میں عامل ہو رہا ہے
کیونکہ سیر یا مشبہ بلیس کی خبر ہے اور پھر نفی کا
مفعول بننے کے کے بعد مطلق کو سیر نصب بھی
دے رہا ہے اس لئے وہ نفی مفعول مطلق میں بھی
سرايت کرے گی پس حصر قوت ہو گیا لہذا متقدر عامل
نصب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ رہی یہ بات کہ نفی
اور معنی نفی کے دخول کو اسم پر کسی لئے مشروط
کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نفی یا معنی نفی
اسم پر داخل نہ ہوں فعل پر داخل ہوں گے تو فعل کا حذف
واجب نہ ہوگا جیسے ماسرت الاسیر اور انا مسرت اس
لئے کہ اس صورت میں فعل مذکور ہی محذوف نہیں اور
جب فعل مذکور ہے تو یہ حذف فعل کے قبل سے نہیں
لہذا یہ مانع فیہ سے خارج ہے پھر سوال پیدا ہوتا
ہے کہ اسم کو اس وصف کے ساتھ متصف کرنے
کی کیا ضرورت ہے کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ
ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ماسری الاسیر
شدید کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اگر مفعول مطلق اس
اسم سے خبر واقع ہو سکے تو یہ بنا پر مفعول مطلق ہونیکے
منصوب نہیں ہوگا بلکہ خبریتہ کی بنا پر مرفوع ہو جائیگا
کیونکہ اس جگہ خبر بننے کا قرینہ زیادہ ہوگا اس لئے
کہ سیر کی صفت شدید لائی گئی ہے ورنہ اگر صرف
ماسری الاسیر ملکہا جاتا تو سیر میں خبریت کا احتمال ہی نہیں
پیدا ہو سکتا تھا اور سیر کو مرفوع بھی نہ پڑھا جاتا لہذا
یہ مفعول مطلق ہو جاتا اور یہ خبریت کا ذکر اس وجہ سے
کرنا پڑا کہ جب کسی کلمہ کا اعراب مثلاً نصب متعین
ہوتا ہے تو اس اعراب کے خلاف بھی دوسرا اعراب
اس پر پڑھ لیتے ہیں جیسا کہ اسی صورت میں کیونکہ
کبھی مفعول بھی مرفوع ہو جاتا ہے اپنے اعراب نصب
متعین ہونے کے باوجود پس ماسری الاسیر شدید
میں دونوں احتمال تھے مگر احتمال خبریت راجح تھا اس
لئے اس کو مفعول مطلق سے خارج کرنا پڑا
واللہ اعلم۔

واقع ہے مگر اس اسم سابق سے خبر کے موضع میں نہیں آسکتے کہ اسم سابق الارض سے اور یہ کت کا مفعول مالم بسم فائدہ ہے مبتدا نہیں کہ خبر کا متعلق دار افتناء خبر کے باوجود وہ خبر نہ بن سکے ہیں یہاں جب وجوب حذف کی شرط نہیں پائی گئی تو فعل کو لا محالہ ذکر کرنا پڑا لہذا اذافات الشرط فالتشروط باقی رہا مگر ان دونوں موضوعوں میں فعل ناصب کے حذف کا باعث کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موضع اول میں مصدر سے اور موضع ثانی میں تکرار سے مراد دوام و استمرار ہے اور فعل حدوث و تجدد پر دلالت کرتا ہے پس اگر فعل کو محذوف نہ مابین کے تو دوام و استمرار فوت ہو جائیگا اور یہ خلاف مقصود ہے اب رہا یہ سوال کہ مصنف نے دو ضابطوں کو ایک ہی فصل میں کیوں منسلک کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایسے اسم کے کہ قولہ اذ واقع الخ یہ مواقع حذف فعل ناصب وجوباً ہیں سے دوسرا موقع ہے کہتے ہیں کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو تو اس صورت میں بھی فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہو گا اب ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض مواقع میں مفعول مطلق مکرر ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اس کے فعل ناصب کو حذف نہیں کیا جاتا جیسے قولہ تعالیٰ اذ اذکنت الارض و کادکھا کہ اس میں کادکھا مفعول مطلق مکرر ہے مگر ساتھ ہی ساتھ فعل ناصب کت بھی موجود ہے اس کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب شارح نے ای فی موضع الخبر الخ سے یہ دیا کہ تکرار مفعول مطلق کی صورت میں اس کے فعل ناصب کو حذف کرنے کی شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق اسم کے بعد موضع خبر میں تو واقع ہو مگر وہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر بننے کی صلاحیت نہ رکھے اور ایت مذکورہ میں اگرچہ مفعول مطلق کے بعد مکرر بعد واقع ہونے میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ بن سکے لہذا دونوں کو ایک جگہ بیان کر دیا نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بنا وحذف فعل دونوں میں ایک ہی ہے یعنی فائدہ دوام و استمرار اس لئے بھی دونوں کو ایک ہی باب میں

کان خبراً عنه نحو ما سیری الاسیر شدید لکان مرفوعاً علی الخبرین اذ وقع المفعول المطلق مکرراً ای فی موضع الخبر عن اسم لا یصح وقوعه خبراً عنه فلا یرد نحو ذکنت الارض و کادکھا و انما جمع بین الضابطین لا شتر اکھما فی الوقوع بعد اسم لا یكون خبراً عنه نحو أنت لا سیراً ای تسیر سیراً و ما أنت لا سیراً البرید ای تسیر البرید ہذا ان مثالان لِمَا وقع مثبتاً بعد نفی و انما اور مثالین تنبیہ

یعنی ما سیری الاسیر شدید کہ یہاں سیر شدید کا سیری پر حمل صحیح ہے تو مفعول مطلق خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہو گا پھر مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب نہ ہو گا (یا واقع ہو) مفعول مطلق (مکرر) یعنی ایسے اسم کی خبر کی جگہ میں (مکرر واقع) ہو کہ اس مفعول مطلق کا اس اسم کی خبر واقع ہونا صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہاں وہ اسم خبر کا طالب ہو) لہذا ذکنت الارض و کادکھا کی مانند کا اعتراض واقع نہ ہوگا کیونکہ یہاں مفعول مطلق ایسے اسم کی خبر کی جگہ واقع نہیں ہوا جو کہ خبر کا تقاضا کرتا ہو مگر یہ کہ وہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ ہو سکے بلکہ یہاں مفعول مطلق اپنے محل میں واقع ہوا ہے اور مصنف نے دونوں ضابطوں کو جمع کیا (اور دونہما واقع کہہ کر دونوں کو الگ الگ بیان نہ کیا) اس لئے کہ دونوں ضابطے اس بات میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق ایک ایسے اسم کے بعد واقع ہو کہ وہ اسم جز کا طلبگار ہو مگر وہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ ہو سکے (جیسے ما انت الاسیر) یعنی تسیر سیرا (اور ما انت الاسیر البرید) یعنی تسیر البرید البرید یعنی تسیر البرید یہ دونوں مثالیں اس مفعول مطلق کی ہیں جو نفی کے بعد مثبت واقع ہوا ہے جبکہ ایک مثال سے بھی مقصود حاصل ہوتا ہے

ذکر کرد یا داند علم۔

۱۸ قولہ نحو ما انت الخ ما انت الاسیر ای تسیر سیراً اور ما انت الاسیر البرید ای تسیر سیر البرید دونوں مثالیں ضابطہ اولیٰ کی ہیں یعنی جبکہ مثبت مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو پس مثال مذکورہ میں سیر مفعول مطلق مثبت بعد نفی کے واقع ہے اور وہ نفی ایک ایسے اسم یعنی انت پر داخل ہے کہ سیر مفعول مطلق اس سے خبر نہیں بن سکتا اس لئے کہ سیر مصدر ہے اور انت ذات اور مصدر کا محل ذات پر ہوا نہیں کرتا پس یہاں پر قصد دوام و استمرار کے باعث دونوں مثالوں کے تسیر فعل ناصب کو جو باحذف کر دیا گیا اسی کو شارح نے ای تسیر سیرا سے ظاہر کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کے دو مثالیں ذکر کرنے سے فائدہ کیا

ہے جبکہ ایک مثال سے بھی مقصود حاصل ہوتا ہے اس کا جواب شارح دانا اور مثالیں الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو اسم یعنی مفعول مطلق موقع خبر میں واقع ہو وہ ضابطہ اولیٰ میں نکرہ اور مکرر کی طرف منقسم ہو جاتا ہے یعنی کبھی مفعول مطلق نکرہ ہو تب سے جیسا کہ مثال اول میں اور کبھی معرفہ جیسا کہ مثال ثانی میں یا اس امر پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ مثال اول میں ذات مبتدا یعنی مخاطب کے فعل کو بیان کیا گیا ہے اور سیر مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور مثال ثانی میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے جس کے ساتھ فعل مبتدا مشبہہ کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی مبتدا کو بمنزلہ مشبہہ کے قرار دے کر اس کے لئے مشبہہ کو ثابت کر دیا گیا ہے کیونکہ مخاطب کے لئے سیر کا تذکرہ کیا

على أن الاسم الواقع موقع الخبر ينقسم الى النكرة والمعرفة اولى ما هو
فعل للمبتدأ اولى ما يشبه به فعله اولى مفرد ومضاف ^{علم} واما ^{علم} أنت
سيراى تسير سيرا مثال لما وقع بعد معنى النفي ^{علم} وزيد سيرا
سيراى يسير سيرا مثال لما وقع مكررا ^{علم} ومثماى اى من المواضع التى
يجب حذف الفعل الناصب للمفعول المطلق فيها ما وقع اى موضع
مفعول مطلق وقع تفصيلا لاثر مضمون جملة متقدمة والمراد
بمضمون الجملة مصدرها المضاف الى الفاعل او المفعول وباشرة غرضه

مصنف نے دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہی وارد کی ہیں کہ خبر کی جگہ واقع ہو نیوالا اسم
نکرہ اور معرف کی طرف منقسم ہوتا ہے (جیسا کہ اول اور دوسری مثال میں) یا اس بات کی طرف (منقسم
ہوتا ہے) کہ مفعول مطلق مبتداء کا فعل ہے اور اس کی طرف کہ مفعول مطلق مبتداء کے فعل کے مشابہ ہے
(جیسا مثال اول میں مفعول مطلق مبتداء کا فعل ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے اور دوسری مثال میں
مفعول مطلق مبتداء کے فعل کے مشابہ ہے کہ مبتداء کے فعل کو مفعول مطلق سے تشبیہ دی گئی ہے) یا
(مصنف نے دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے وارد کی ہیں کہ خبر کی جگہ واقع ہو نیوالا اسم)
مفرد (خبر مضاف) اور مضاف کی طرف (منقسم ہوتا ہے) ((اذا انما انت سيرا)) یعنی تسیر سیرا یہ
اس کی مثال ہے جو مکرر واقع ہو (اور ان مواضع میں سے) یعنی ان مواضع میں سے کہ جن میں مفعول مطلق کو
نصب دینے والے فعل کا حذف واجب ہے (اور وہ ہے کہ واقع ہو) یعنی وہ جگہ ہے کہ مفعول مطلق واقع
ہو (تفصیل جملہ متقدم کے مضمون کے اثر کے لئے) اور مضمون جملہ سے مراد جملہ کا مصدر ہے جو فاعل
یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور مضمون کے اثر سے (مراد) اس مضمون کی غرض ہے جو اس مضمون

پس پہلی دو مثالیں شق اول سے متعلق تھیں اور
یہ مثال شق ثانی سے متعلق ہے یعنی اس میں مفعول
مطلق مثبت معنی نفي کے بعد واقع ہو رہا ہے
کہونکہ انما حرف نہیں ہے بلکہ ما اور لا کے معنی
میں ہے اس کی تقدیر عبارت انما انت تسیر
سیرا ہے اس میں سے فعل ناصب کو دو جو با حذف
کر دیا گیا واللہ اعلم۔

قوله وزيد الخ یہ اس مفعول مطلق
کی مثال ہے جو مکرر واقع ہو رہا ہے اور ضابطہ
ثانیہ سے متعلق ہے اس میں مفعول مطلق زید
اسم کے بعد موقع خبر میں واقع ہے لیکن خبر

گیا ہے مگر مطلق سیر کا نہیں بلکہ قاصد کی سیر کا
پس اس صورت میں سیرا برید مفعول مطلق نوع
کے لئے ہو گا یا اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود
ہے کہ اس ضابطہ اولیٰ میں مفعول مطلق کو مفرد یعنی
بلاضافت اور بلاضافت دونوں طریقوں سے
لا سکتے ہیں پس مثال اول میں بلاضافت ہے
اور مثال ثانی میں بلاضافت واللہ اعلم ۱۲
قوله وانما انت الخ ضابطہ اولیٰ
میں مفعول مطلق کے متعلق دو شقیں ہو گئی تھیں
ایک یہ کہ مفعول مطلق مثبت بعد نفي کے واقع
ہو اور دوسری یہ کہ معنی نفي کے بعد واقع ہو

بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ وصف کا
حل ذات پر لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے پس
اس کی تقدیر عبارت زید یسیر سیرا ہے واللہ
اعلم ۱۲۔

قوله ومنها الخ یہ تیسرا موضع ہے
کہتے ہیں اور بعض ان مواضع میں سے کہ مفعول
مطلق کے لئے فعل ناصب کا حذف کرنا ان
مواضع میں قیاسا واجب ہے وہ موضع ہے
کہ جس میں مفعول مطلق مضمون جملہ متقدم کی
غرض اور فائدہ کے بیان کے لئے ہو اور مضمون
جملہ سے مصدر مراد ہے جو جملہ سے سمجھیں آئے
ہوئے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو
یعنی اگر فائدہ کا مدار فاعل پر ہے تو اضافت
فاعل کی طرف اور مفعول پر اگر مدار فائدہ ہو تو
مفعول کی طرف اور مضمون جملہ کے اثر سے
اس کی غرض مطلوب اور غایت مراد ہے اور
تفصیل اثر سے اثر کی انواع محتملہ کا بیان پس
جب سب شرط پائی جاویں گی تو اس جگہ
ناصب مفعول مطلق کا حذف کرنا واجب ہو
گا اس لئے کہ اگر اس جگہ اس کو تفصیل کے
موقع پر ذکر کریں گے تو چونکہ وہ اجمال میں
مذکور ہے لہذا اس کا ذکر لغو اور باطل ہو جائیگا
دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ جبکہ ہم کو
بصورت اجمال ہماری غرض جو اس سے وابستہ
ہے حاصل ہو جاتی ہے تو تفصیل میں پر نا تطویل
لا طائل اور اشتغال بالالاعنی ہے لہذا ایسے مواقع
پر شرط مذکورہ بالا کے ساتھ مفعول مطلق کے
فعل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے۔
فائدہ ۱۵۔ جملہ فعلیہ میں مضمون جملہ معلوم
کرنے کی صورت تو مذکورہ بالا ہے لیکن اگر
جملہ اسمیہ کا مضمون جملہ معلوم کرنا ہو تو اسکی
صورت یہ ہے کہ خبر کے مصدر کو مبتداء کی طرف
مضاف کر دو مضمون جملہ حاصل ہو جائیگا جیسے
زید قائم میں قائم خبر ہے اس کے مصدر قیام
کو زید کی طرف (جو کہ مبتداء واقع ہو رہا ہے)

مضاف کر دو قیام زید حاصل ہو جائے گا یہی
مضمون جملہ ہے واللہ اعلم ۱۲
۲۲ قولہ مثل قولہ تعالیٰ الخ اب
مصنف قاعدہ مذکورہ کی مثال بیان فرماتے
ہیں کہتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ فشد والوثاق
فاما مثلاً بعداً واما فداءً یہ ایک جملہ ہے اور
اس کا مضمون شد واثاق ہے اور غرض شد
واثاق سے یا احسان ہے یعنی مشرکین پر احسان
کرنا یا فداء یعنی فدیہ کے کر چھوڑ دینا اور تفصیل
یہ ہے کہ اس جگہ اثر کی یعنی غرض کی انواع ممکنہ
دو نکلتی ہیں ایک من اور دوسری فداء پس جب
یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ متقدمہ یعنی فشد والوثاق
اپنے مضمون یعنی شد واثاق پر دلالت کر رہا ہے
اور اس سے اس کی غایت یعنی مفعول مطلق کی
طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے تو فعل کو محذوف
کیا جائیگا پھر جب مفعول مطلق کو محذوف کا قائم
مقام بنایا گیا تو فعل کا حذف واجب ہو جائیگا
کیونکہ اصل اور نائب کا ایک جگہ جمع ہونا لغو
وہل ہے پس اللہ تعالیٰ شانہ نے اس غرض
مطلوب کی تفصیل فاما مثلاً بعداً واما فداءً سے
کر دی یعنی مثلاً اور فداءً کو فعل محذوف کے
قائم مقام کر دیا پس تقدیر عبارت یہ ہوگی
فشد والوثاق فاما تمنون مثلاً بعد شد والوثاق
واما تقدون فداءً یعنی جس وقت تم کفار
کو گرفتار کرو تو ان کو بیڑیوں میں مضبوط باندھ
لو (مشکیں کس نو) حتیٰ کہ ان کے فرار ہونے کی
کوئی صورت باقی نہ رہے پھر اس کے بعد تم کو
اختیار ہے کہ یا تو ان پر احسان کر کے انکو چھوڑ
دو یا ان سے فدیہ لینے کے بعد رہائی دو۔ اس
مثال میں چونکہ مدار فائدہ مفعول پر ہے اس لئے
مضمون فعل یعنی شد مصدر کو مفعول یعنی واثاق کی
طرف مضاف کر کے مضمون جملہ حاصل کیا گیا ہے
اور شراح نے بعد کے بعد شد والوثاق کا اضافہ
کر کے اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ بعد کا مضاف
الیہ چونکہ محذوف منوی ہے اس لئے بعد مندرجہ

المطلوب منه وبتفصیل الاثر بیان انواع المحتملة مثل قولہ تعالیٰ
فشد والوثاق فاما مثلاً بعداً ای بعد شد الوثاق واما فداءً
فقولہ فشد والوثاق جملہ مضمونہا شد الوثاق والغرض المطلوب من شد
الوثاق اما المن والقداء ففضل اللہ سبحانہ ہذا الغرض المطلوب بقولہ
فاما مثلاً بعداً واما فداءً ای اما تمنون مثلاً بعد الشد واما تقدون فداءً
منہما ای من تلك المواضع ما وقع ای موضع مفعول مطلق وقع للتشبیہ

سے مطلوب ہو اور مضمون کے اثر کی تفصیل سے (مراد) اس (اثر) کے انواع محتملہ کا بیان ہے اور جیسا
کہ اللہ تعالیٰ کا قول «فشد والوثاق فاما مثلاً بعداً» یعنی شد الوثاق کے بعد «واما فداءً ہے» پس قول
باری تعالیٰ فشد والوثاق ایک جملہ ہے جس کا مضمون شد الوثاق ہے اور شد الوثاق سے غرض مطلوب
یا احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول «فاما مثلاً بعداً واما فداءً» کے ذریعے اس
غرض مطلوب کی تفصیل فرمادی یعنی کفار کو بیڑیاں باندھنے کے بعد یا تو ان پر احسان کر کے انہیں بلا
معاوضہ چھوڑ دو اور یا معاوضہ لیکر (اور ان میں سے) یعنی ان مواضع میں سے «وہ ہے کہ واقع ہو»

۲۳ قولہ ومنہا الخ یہ چوتھا موضع ہے
یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق
کے فعل ناصب کا حذف کرنا قیاساً واجب
ہے وہ موضع ہے کہ جہاں مفعول مطلق کے ساتھ
کسی امر آخر کو تشبیہ دینا مقصود ہو در انحالیکہ
وہ مفعول مطلق کسی ایسے فعل پر دلالت کرے
کہ جو افعال جواسح سے ہو یعنی آلات بدنی کا متنازع
ہو افعال قلب سے نہ ہونیز وہ مفعول مطلق ایسے جملہ
کے بعد واقع ہو جو اس کے ہم معنی اسم اور صاحب
اسم پر مشتمل ہو اب فوائد قیود ملاحظہ فرمائیے تشبیہ
کی قید سے لزیم صوت صوت حسن جیسی مثال خارج
ہوگئی اس لئے کہ اس جگہ تشبیہ نہیں ہے پس صوت
حسن کو صوت اہل کا بدل قرار دیں گے اور اگر اس
کو مفعول مطلق قرار بھی دیتے ہیں تو چونکہ یہ تشبیہ
کے لئے نہیں ہے اس لئے اس میں فعل ناصب
کو ذکر کرنا پڑیگا حذف جائز نہیں ہوگا اور علامہ
یعنی افعال جواسح کی قید کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے
لزیم نہ ہونے والا اصلحاً خارج ہو گیا اس لئے کہ زید

اور یا منصوب بنزع الخافض اور مشتملہ علی اسم بمعناہ
کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مراد زید فاذا
ضرب صوت حمار خارج ہو گیا کیونکہ اس میں صوت
حمار ای جملہ کے بعد واقع نہیں ہے جو اس کے ہم
معنی اسم پر مشتمل ہے بلکہ ضرب اور شے ہے اور
صوت اور شے ہی و صاحبہ کی قید تو اس سے
مراد ہا بلکہ فاذا ب صوت صوت حمار کو خارج
کرنا مقصود ہے کیونکہ اگرچہ اس میں صوت حمار
ایسے جملہ کے بعد واقع ہے جو اس کے ہم معنی اسم
یعنی صوت پر مشتمل ہے مگر صاحب اسم پر مشتمل
نہیں کیونکہ اگرچہ یہ موجود ہے مگر اس کا مرجع جملہ
ہے اور ظاہر ہے کہ ابلد صاحب اسم نہیں ہو سکتا
لہذا یہ بھی اس موضع سے خارج ہو گیا پس
افعال جواسح سے نہیں افعال تلوک سے ہے پس
اس کو بھی بنا بر بدلیہ کے مرفوع پڑھا جائے گا
اور بعد جملہ کی قید سے صوت زید صوت جملہ کو
خارج کرنا مقصود ہے اس لئے کہ صوت حمار جملہ
کے بعد نہیں مرفوع کے بعد ہے اس سے مل کر جملہ
بنتا ہے پس یہ یا تو نہا خبریت کے مرفوع ہوگا

ای لان یثبته به امر آخر واحترز به عن نحو لزید صوت صوت حسن لانه لم یقع للتشبيه علاجاً ای حال کونه والا علی فعل من افعال الجوارح واحترز به عن نحو لزید زهد هذا الصلح لان الزهد ليس من افعال الجوارح بعد جملة واحترز به عن نحو صوت زید صوت حمار مشتملة تلك الجملة علی اسم کائن بمعناه اے بمعنی المفعول المطلق واحترز به عن نحو مررت بزید فاذا له ضرب صوت حمار علی صاحب ذلك الاسم ای الذي قام به معناه واحترز به عن نحو مررت بالبلد فاذا به صوت صوت حمار نحو مررت به فاذا له صوت صوت حمار ای یصوت صوت حمار من صلات الشئ صوتاً بمعنی صوت تصویفاً ف صوت حمار مصدر وقع للتشبيه علاجاً بعد جملة هی قوله له صوت وهی مشتملة علی اسم بمعنی المفعول المطلق

یعنی وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق واقع ہو (تثبیت کے لئے) یعنی (مفعول مطلق) اس لئے (واقع ہو) کہ اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو تشبیہی جملے اور مصنف نے اس (للتشبيه) سے لزید صوت صوت حسن کیونکہ صوت حسن تشبیه کے لئے واقع نہیں ہوا (علاج ہو کر) یعنی اس حالت میں ہو کہ افعال جوارح (ظاہری اعضاء) میں سے کسی فعل پر دلالت کرنے والا ہو اس قید (علاجاً) سے مصنف نے لزید زهد زید الصلح کی مانند سے احتراز کیا ہے کیونکہ زهد افعال جوارح میں سے نہیں (ایک جملہ کے بعد) اس قید سے مصنف نے صوت زید صوت حمار کی مانند سے احتراز کیا ہے (کیونکہ اس میں صوت حمار جملہ کے بعد واقع نہیں ہوا) (جو مشتمل ہو) وہ جملہ (ایک اسم پر) کہ ہو وہ اسم (اس کے معنی کے ساتھ) یعنی مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور مصنف نے اس قید سے مررت بزید فاذا له ضرب صوت حمار کی مانند سے احتراز کیا ہے (کیونکہ یہاں پر جملہ اس اسم پر مشتمل نہیں جو مفعول مطلق کا ہم معنی ہو) (اس کے صاحب پر) یعنی (وہ جملہ مشتمل ہو) اس اسم والے (کے ذکر) پر کہ جس کے ساتھ اس اسم کا معنی قائم ہو اور مصنف نے اس قید سے مررت بالبلد فاذا به صوت صوت حمار کی مانند سے احتراز کیا ہے (کیونکہ یہاں پر جملہ مقدمہ اسم والے پر مشتمل نہیں ہے) (جیسے مررت به فاذا له صوت صوت حمار) یعنی بصوت صوت حمار به صلات الشئ صوتاً سے ماخوذ ہے بمعنی صوت تصویفاً (آواز بلند کرنا) پس صوت حمار مصدر ہے جو ایک جملہ کے بعد جملہ اس کا قول له صوت

پس اس وقت صلات الشئ صوتاً بمعنی صوت الشئ تصویفاً کے ہوگا یعنی آواز بلند کرنا اور کبھی صوت بغیر مصدر کے بھی آتا ہے مطلق آواز کے معنی میں پس صوت اس معنی کے اعتبار سے مفعول مطلق نہیں بن سکتا کیونکہ مصدر نہیں ہے پس اس سے مثال دینا درست نہیں رہتا اس لئے شراح نے کہا کہ صلات الشئ صوتاً بمعنی میں صوت تصویفاً کے ہے یعنی صوت سے مصدر مراد ہی اسم نہیں پس صوت حمار مصدر مفعول مطلق تشبیه کے لئے ہے کہ زید کی سو ہو حمار کی آواز سے تشبیہی گئی ہے اور افعال جوارح سے ہے کیونکہ آواز عضو ظاہری یعنی منہ سے صادر ہوتی ہے اور جملہ یعنی له صوت کے بعد واقع ہے اور یہ جملہ ایک ایسے اسم پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے یعنی (صوت) اور صاحب کو بھی مشتمل ہے کہ وہ قول مصنف لہ میں ضمیر مجرور ہے اور یہ ضمیر صاحب اسم اس معنی سے ہے کہ اس کا مرجع زید ہے پس جو حکم مرجع کا ہوگا وہی راجع کا بھی ہوگا لہذا اس مصدر کے قبل بصوت کو وجوباً حذف کر دیا گیا اس لئے کہ اس کے معنی جملہ ماضی سے مستفاد ہوتے ہیں اور اس کا بیان یہ ہے کہ لا نسبت الی فاعل ما پر اور صوت مصدر معنی حدیثی پر اور فاذا اقتران زمان پر دلالت کرتا ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی فعل کے لئے ضرورت ہوتی ہے پس یہ اس کے قائم مقام ہوں گے پھر اگر لفظ لا نہ بھی ہو تب بھی زمانہ سباق کلام سے معلوم ہو جاتا پس جب یہاں فعل کا قائم مقام موجود ہے اور فعل کے معنی جملہ متقدمہ سے حاصل ہو جاتے ہیں تو اب فعل کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں رہی لہذا وجوباً حذف کر دیا گیا وانظر علم

صوت جملہ کو بنا بر حایت نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بنا بر بدلیۃ رفع بھی صاحب اسم کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ معنی قائم ہوں جیسے مثلاً صوت قائم ہوتی ہے زید کے ساتھ باعتبار مرجع کے ضمیر کی محنت میں اور باعتبار حقیقتہ لفظ زید کے ذکر کی صورت میں داخل علم۔

مثلاً قولہ نحو مررت الخ اس مثال میں صوت حمار مل استشہاد ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای بصوت صوت حمار یہ ماخوذ ہے صلات الشئ صوتاً سے اس جگہ صوتاً مصدر بمعنی تصویف ہے

۵۲۵ قولہ وخواخز یہ مذکورہ بالا ضابطہ

کی دوسری مثال ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہوتی ہے۔ یہاں دو کے ذکر سے کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف نے پہلی مثال مصدر تاویل کی دی ہے کیونکہ صوت حقیقۃً مصدر نہیں بلکہ تصویف کے معنی میں ہو کر مصدر ہے اور دوسری مثال میں مصدر حقیقی یعنی صراخ موجود ہے (جس کے معنی ہیں چیخنا) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مثال اول میں مصدر نکرہ یعنی عام کی طرف مضاف ہے اور ثانی میں معرفہ یعنی الشکل کی جانب۔ نیز اول کا مضاف غیر ذوی العقول سے ہے اور ثانی ذوی العقول سے کیونکہ شکی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ مر گیا ہو پس اس مثال میں (یعنی مریت بہ فاذا صراخ صراخ الشکل میں) صراخ شکی مفعول مطلق ہے اور اس سے پہلے بصراخ فعل ناقص محذوف ہے اسی بصراخ صراخ الشکل واشر اعلم ۱۲

۵۲۶ قولہ ونبھا الخ یہ پانچواں موضع

ہے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناقص کو حذف کرنا واجب ہے کہتے ہیں کہ بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناقص کا حذف قیاساً واجب ہے یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون یعنی خلاصہ اور لب لباب واقع ہو کہ اس میں سوائے مفعول مطلق کے معنی کے دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو سکے پس لا محتمل لہا میں ضمیر جملہ کی طرف راجع ہے اور غیرہ کی مفعول مطلق کی طرف جیسے ل علی الف دریم اعترافاً اس میں اعترافاً مصدر مفعول مطلق مضمون جملہ واقع ہے ہو کہ ل علی الف دریم کا مضمون ہے کیونکہ اس سے بھی اعتراف ہی ثابت ہو رہا ہے خواہ اعترافاً کا ذکر ہو یا نہ ہو پس یہ ایسا جملہ ہو کہ اس میں مفعول مطلق کے معنی کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں اس لئے کہ متکلم کا مقصود اس جملہ سے ایک ہزار دریم کا اقرار و اعتراف کرنا ہے

وہو صوتٌ ومشتملةٌ على صاحب ذلك الاسم وهو الضمير المجرور في قوله له ونحو مورت به فاذا له صراخ صراخ الشکل ای یصرخ صراخ وہی امرأة مات ولداها ومنها ای من تلك المواضع ما وقع اے موضع مفعول مطلق وقع مضمون جملة لا محتمل لصا ای لهذه الجملة غیرہ ای غیر المفعول المطلق نحو لہ علی الف دریم اعترافاً اعترافاً فاعترافاً مصدر ما وقع مضمون جملة وہی لہ علی الف دریم لان مضمونہ الاعتراف لا محتمل لہ سواہ ویسمیٰ ہذا النوع من المفعول المطلق تاکیداً لنفسہ

ہے افعال جوارح میں سے ایک فعل پر دلالت کرتے ہوئے تشبیہ کے لئے واقع ہوا ہے ایک اسم پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے اور وہ (اسم) صوت ہے اور وہ جملہ اس اسم والے (کے ذکر) پر بھی مشتمل ہے اور وہ (اسم والا) ضمیر مجرور ہے اس کے قول لہ میں (کیونکہ ضمیر زید کی طرف راجع ہے پس یہاں تمام شرطیں پائی گئیں تو جملہ کی اس پر دلالت کاملہ کی وجہ سے فعل کا حذف واجب ہو گیا) (اور) جیسا کہ مررت بہ فاذا لہ (صراخ صراخ الشکل) یعنی یصرخ صراخ الشکل (صراخ صادق کے پیش کے ساتھ بروزن سوال از باب علم اور شکی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ فوت ہو جائے شکی از باب علم کم پانا حدیث میں ہے ٹکٹک امک اور کہا جاتا ہے امرأة ٹکٹک وٹکٹک اور مصنف نے دو مثالیں اس لئے دیں کہ معلوم ہو جائے کہ مفعول مطلق کبھی تو اسم غیر ذوی العقول کی طرف ہوتا ہے جیسے مثال اول میں اور کبھی ذوی العقول کی طرف جیسے مثال ثانی میں یا یہ کہ مفعول مطلق کبھی نکرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے مثال میں اور کبھی معرفہ کی طرف جیسے مثال ثانی) (اور ان میں سے) یعنی ان مواضع میں سے (وہ ہے کہ واقع ہو) یعنی مفعول مطلق کی وہ موضع ہے کہ (مفعول مطلق) واقع ہو (جملہ کا مضمون کہ نہ محتمل ہو اس کے لئے) یعنی اس جملے کے لئے (اس کے سوا کوئی) (یعنی مفعول مطلق کے سوا کوئی) (جیسے ل علی الف دریم اعترافاً) یعنی اعترافاً اعترافاً پس اعترافاً مصدر ہے جملے کا مضمون واقع ہوا ہے اور جملہ لہ علی الف دریم ہے کیونکہ اس کے قول کا مضمون اعتراف ہے اور اس کے قول کا محتمل اعتراف کے سوا اور کوئی نہیں (اور نام رکھا جاتا ہے) اس قسم کا مفعول مطلق میں سے (تاکید لنفسہ) یعنی برائے نفس مفعول مطلق کیونکہ مفعول اپنے نفس اور ذات ہی کی تاکید کرتا ہے کسی ایسی چیز کی نہیں جو مفعول مطلق کی ذات و نفس کے علاوہ کچھ اور ہو بالا اعتبار (وبالقرض) پس تقدیر عبارت یہ ہوئی لہ علی الف دریم اعترافاً واشر اعلم ۱۲

۵۲۷ قولہ ویسی ہذا النوع المفعول مطلق کی اس قسم کو تاکید بنفسہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ جملہ متقدم جبکہ اس کو مستلزم ہوتا ہے تو یہ جملہ بمنزلہ نفس مفعول مطلق کے ہر جاتا ہے پھر

ذکر اس کے کچھ اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاضی کی عدالت میں لے بیٹھ ل علی الف دریم کہے تو قاضی اس اعتراف کے باعث اس پر ایک ہزار دریم واجب قرار دے دیگا پس یہاں پر فعل کو حذف کرنا واجب ہو گیا کیونکہ جملہ ل علی الخ اعترفت فعل محذوف کا قائم مقام ہو جاتا ہے

ی نفس المفعول المطلق لانه انما يؤكد نفسه وذاته لا امرًا يغيره ولو بالاحتياط
فمنها ما وقع مضمون جملة كما في هذه الجملة تحتل غيره
المفعول المطلق نحو زيد قائم حقًا أي حق حقًا من حق محققًا إذ ثبت
يجب فحقًا مصدر وقع مضمون جملة وهي قوله زيد قائم ولها محتمل غيره
فمنها محتمل الصدق والكذب والحق والباطل ويسمى هذا النوع من المفعول
مطلق تأكيدًا لغيره لانه من حيث هو منصوص عليه بلفظ المصدر يؤكد
نفسه من حيث هو محتمل الجملة فالموكد اسم مفعول من حيث اعتبار وصف

نفسی (گویا اعتراف نموده بینه اسم مفعول حکما مفعول ہے جس کی اعترافاً مؤکدہ بیضہ اسم فاعل مفعول
بقیہ تاکید کرتا ہے یا یوں سمجھئے کہ اعترافاً تاکید یعنی مؤکدہ بیضہ اسم فاعل کو جملے کا حکمی مضمون
یا جائے جس طرح کہ جملے میں اعتراف حکمی طور پر سمجھا جاتا ہے تاکہ اول صورت میں مفعولاً مفعول
اور دوسری صورت میں مضمون مضمون کی تاکید کیے) اور ان مواضع میں سے ایک وہ موضع ہے
مفعول مطلق ایک جملے کا مضمون واقع ہو کہ اس کے لئے) یعنی اس جملے کیلئے مفعول مطلق کے
وہ کسی دوسری چیز کا بھی احتمال ہو کیونکہ جملہ صدق و کذب اور حق و باطل سب کا احتمال رکھتا ہے
وہ نام رکھا جاتا ہے اس نوع کا مفعول مطلق میں سے (تاکید لغيره) کیونکہ مفعول مطلق اس
ثبیت سے کہ لفظ مصدر (یعنی حقا) کے ساتھ منصوص علیہ ہے (ای المصدر يدل علیہ بالصرح) اپنے
کی تاکید کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ جملہ کا محتمل ہے (یعنی جملہ اس کا احتمال رکھتا ہے) پس
مؤکدہ بیضہ اسم مفعول (یعنی جس کا کہ جملہ زید قائم احتمال رکھتا ہے) اس حیثیت سے کہ اس میں وصف

جیسے زید قائم حقا ای اچھا حقا یہ ماخوذ ہے حق
یعنی سے جو کہ مثبت اور واجب کے معنی میں ہے
پس حقا مصدر ہے اور جملہ کا مضمون و ما حصل
واقع ہے کیونکہ جوابات زید قائم سے حاصل
ہوتی یعنی قیام زید کا ثابت اور مستحق ہونا اسی پر
حقا بھی دلالت کر رہا ہے لیکن اس میں دوسرا بھی
احتمال ہے اس لئے کہ یہ صدق و کذب حق و باطل
کا احتمال بھی رکھتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ قیام
زید حق نہ ہو بلکہ باطل یعنی جھوٹ ہو اور حقا نے
اگر اس کی تخصیص کی ہے لہذا یہ مفعول مطلق اپنے
غیر کی تاکید کے لئے ہو گا واللہ اعلم ۱۲

قوله ویسمی هذا النوع من المفعول
مطلق کی اس نوع کو تاکید لغيره کہتے ہیں اب اس

ب اس کا مفعول مطلق صراحتاً لایا جاتا ہے تو
اپنے نفس یعنی جملہ تنہا کی تاکید میں جاتا ہے
پس مفعول مطلق سے کسی امر مخیر کی اگرچہ وہ
مخیر ہی کی کیوں نہ ہو تاکید ہوتی نہیں اس لئے
کو تاکید نفس ہی کہیں گے ہاں اگر کسی امر مخیر کی
مخیر کی تو اس کا ذکر بھی آتا ہے واللہ اعلم
قوله ونبھا ما وقع یہ چھٹا موضع
اور یہ پانچویں موضع کہ برعکس ہے کہ اس
مفعول مطلق تاکید لغيره پر دلالت کرتا ہے اور اس
تاکید نفس پر دلالت کرتا ہے کہ بعض ان مواضع
سے کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل ناصب کا قیام
واجب ہے ایک موضع یہ ہے کہ مفعول
اس جملہ کا خلاصہ اور مضمون ہو کہ جس میں مفعول
کی کے ساتھ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو

جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ
ہے کہ تاکید نفس شے کی ہوتی ہے نہ کہ غیر شے
کی کیونکہ تاکید کا مطلب یہ ہے کہ شے واحد
کا دوسرے تلفظ کیا جائے پس اس کو تاکید لغيره کہنا
کیونکہ درست ہو گا اس کا جواب شامح لاند
من حیث منصوص الخ سے یہ ہے کہ اس
غیرت سے مراد یہاں پر مخیرت اعتباری ہے
مخیرت ذاتی نہیں ذات کے اعتبار سے دونوں
متحد ہیں اس لئے کہ مضمون جملہ اس حیثیت سے
کہ وہ لفظ مصدر سے منصوص علیہ ہے یعنی مصدر
اس پر صراحتاً دلالت کر رہا ہے اس چیز کے مخیر
ہے کہ جملہ میں اس چیز کا احتمال موجود ہے یعنی
ایک اعتبار تو یہ ہے کہ مصدر سے مضمون جملہ
پر دلالت ہو رہی ہے اور ایک اعتبار یہ کہ مصدر
سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے کہ مضمون جملہ
میں غیر کا بھی احتمال ہے پس مؤکدہ اسم مفعول
(یعنی مضمون جملہ) اس میں وصف احتمال کے اعتبار
کی حیثیت سے مؤکدہ (اسم فاعل) یعنی مصدر
حقا کے اس حیثیت سے مخیر ہے کہ اس پر مصدر
صرحتاً دلالت کر رہا ہے اور یہ مخیرت اعتباری
ہے ذاتی نہیں ذاتی تو اس لئے نہیں کہ دونوں حق
ہیں اور اعتباری اس لئے ہے کہ اس میں مؤکدہ یعنی
جس پر مصدر صراحتاً دلالت کر رہا ہے یعنی ہے
اور مؤکدہ کہ جس میں احتمال غیر موجود ہے محتمل پس
جب یہ معلوم ہوا کہ دونوں میں تغایر اعتباری ہے
تو اس تغایر کی وجہ سے اس کو تاکید لغيره کہتے
ہیں ورنہ حقیقتہ میں یہ تاکید نفس ہی سے دوسرے
لفظوں میں اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ مؤکدہ یعنی مضمون
جملہ اور مؤکدہ منہ یعنی منصوص علیہ یا مصدر کے
درمیان اتحاد ذاتی اور مخیرت اعتباری ہے
کیونکہ جملہ زید قائم سے جو حق سمجھا جاتا ہے وہ
محتمل غیر یقینی ہے اس لئے کہ جملہ غیر یہ حق و باطل
صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور
جو حق کو قول مصنف حقا سے واضح ہو رہا ہے
وہ یقینی ہے کیونکہ لفظ حق حق پر ہی دلالت کرتا

ہے باطل پر نہیں پس اول یعنی حق محتمل مؤکد اور مضمون
جملہ ہے اور ثانی یعنی حق متیقن مؤکد منہ اور
منصوص علیہ بالمصدر ہے اور دونوں کے درمیان
اتحاد ذاتی اور مغایرت اعتباری ہے کما مر
آلفا والشرائع ۱۲

۳۰ قولہ ویمثل الخ اس عبارت سے

اور والے اعتراض کا دوسرا جواب ہے ان
دونوں جوابوں کی دلیل ہر اس طرح کرنی چاہئے
کہ قول مصنف لغیرہ کے لام میں دو احتمال ہیں
لام یا تو تعلیلیہ ہوگا یا اصلہ کے لئے اگر صلہ کیلئے
ہو تو اس صورت میں مذکورہ اعتراض واقع ہو
گا کیونکہ اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے کہ
وہ غیر کی تاکید کرتا ہے پس مذکورہ بالا جواب
دیا جائیگا اور اگر لام تعلیل کے لئے لیں تو اس
کے معنی تاکید لاجل اندفاع الغیر کے ہوں گے
یعنی یہ تاکید ہے تو اپنے ہی نفس کے لئے ہے تا
کہ غیر مندرج ہو جائے پس یہ تاکید نفس ہے
لاجل نفس تاکید لغیرہ نہیں پس نوع اول اور نوع
ثانی میں فرق یہ ہوا کہ وہ تاکید تو نفس ہے مطلقاً
اور تاکید نفس لاجل نفس ہے اسی کو وہی مذا
اضافہ کا اضافہ کرنا چاہیگا یعنی مفعول مطلق بصورت
تشنیہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو پس
اب مذکورہ بالا اعتراض واقع نہ ہوگا اس لئے
کہ کہ تین اگرچہ بصورت تشنیہ بھی ہے اور تکریر
تکثیر کا فائدہ بھی ہے رہا ہے مگر فاعل یا مفعول
کی طرف مضاف نہیں لہذا یہ اس ضابطہ سے خارج
ہے اور اس میں فعل ناصب کا حذف واجب
یہی الخ سے بیان کر رہے ہیں کہ اس
بنارہ مناسب یہ ہے کہ تاکید نفس سے مراد
یہ لیا جائے کہ یہ تاکید لاجل نفس ہے تاکہ تاکید
میں تکریر اور تکریر پیدا ہو جائے اور نوع اول
کا نوع ثانی سے تقابل عمدہ ہو جائے تکریر اور
تکریر اس لئے پیدا ہوگا کہ ایک تو خود تاکید
اپنے نفس کے لئے اور دوسرے اپنے نفس کی
وجہ سے ہوگی و بموجب حذف فعل کی وجہ

الاحتمال فیہ یغائر المؤکد اسم فاعل من حیث انہ منصوب علیہ بالمصدر
ویمثل ان یكون المراد انہ تاکید لاجل غیرہ لیسندفع وعلی هذا ینبغی ان یكون
المراد بالتاکید لنفسه انہ تاکید لاجل نفسه لیتکسر ویتقرر حتی یحسن التقابل
وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُشْتَرَاً عَلَى صِغَةِ التَّشْنِیَةِ وَانْ لَمْ یَكُنْ لِلتَّشْنِیَةِ بَلْ لِلتَّكْوِیْنِ
وَالتَّكْثِیرِ وَلَا یَدْفِی تَقْوِیْمَ هَذِهِ الْقَاعِدَةِ مِنْ قِیْدِ الْإِضَافَةِ أَوْ مِثْلِ مُضَافٍ إِلَى
الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ لِثَلَاثٍ مِثْلَ قَوْلِهِ تَعَالَى ثُمَّ أَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ إِلَى رَجْعِ

احتمال کا اعتبار ہے مؤکد (بہ صیغہ) اسم فاعل کے متاخر ہے اس حیثیت سے کہ وہ (مؤکد بہ صیغہ) اسم
فاعل (مصدر یعنی حقیقت) کے ساتھ منصوص علیہ ہے (کہ مصدر اس پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے
بہذا یہ اعتراض مندرج ہوا کہ تاکید تو مؤکد کا معنی ہوتی ہے پھر اسے تاکید لغیرہ کہنا کیونکر صحیح ہو اظہار
یہ کہ یہ ہے تو تاکید لذاتہ مگر اعتباری طور پر چونکہ مغایرت ہے اس لئے اسے تاکید لغیرہ کہا گیا) اور اس
بات کا بھی احتمال ہے کہ (مصنف کے قول تاکید لغیرہ) مراد یہ ہو کہ یہ (عبارت بحذف مضاف) تاکید
لاجل لغیرہ ہو (یعنی لغیرہ کا لام تاکید کے لئے صلہ ہو بلکہ علت ہو اور لاجل غیرہ کا معنی یہ ہوگا) تاکہ غیر
مندرج ہو جائے (اور جو مقصود ہے وہ مقرر ہو جائے) اور اس توجیہ کی بنا پر مناسب ہے کہ تاکید نفس
سے مراد تاکید لاجل نفس ہو (یعنی اس میں بھی مضاف محذوف ہو اور معنی یہ ہوگا) تاکہ وہ (مفعول
مطلق) مکرر اور مقرر ہو تاکہ (اس توجیہ سے تاکید کے دونوں قسموں میں) تقابل خوب ہو جائے (اور
ان مواضع میں سے وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق مثنیٰ واقع ہوا یعنی تشنیہ کے معنی پر واقع ہو) اگرچہ
تشنیہ کے لئے نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کیلئے (کیونکہ تشنیہ جمع کی نسبت کثیر الاستعمال ہے) اور اس قاعدہ
کی تکمیل میں اضافت کی قید ضروری ہے یعنی (ان مواضع میں سے ایک وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق
تشنیہ واقع ہو جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو) اضافت کی قید اس لئے ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ
کے قول ثم ارجع البصر کر تین کے مثل سے اعتراض وارد نہ ہو (کہ آیت میں مفعول مطلق صیغہ تشنیہ پر

مفعول مطلق تشنیہ کی صورت میں ہوگا تو اس
کے ناصب کا حذف کرنا واجب ہوگا مگر
بعض جگہ اس کے خلاف بھی پایا جاتا ہے کہ
مفعول مطلق بصورت تشنیہ ہے مگر حذف
فعل واجب نہیں جیسے قولہ تعالیٰ ثم ارجع البصر
کر تین یقلب میں کہ کر تین مفعول مطلق صورت
تشنیہ پر ہے مگر اس کا فعل ناصب محذوف
نہیں بلکہ مذکور ہے یعنی ارجع اس کا جواب
شامح ولابد فی تقویم الخ سے یہ ہے کہ
اس قاعدہ کو مکمل کرنے کے لئے ہم کو قید

گذر ہی چکی کہ جملہ متقدمہ فعل کے قائم مقام
ہو جاتا ہے الخ والشرائع ۱۲
۳۱ قولہ ومنہا ما وقع الخ یہ ساتواں
موضع ہے یعنی بعض ان مواضع میں سے کہ جہاں
مفعول مطلق کے فعل ناصب کو قیاً شامذوف
کرنا واجب ہے ایک یہ بھی ہے کہ مفعول مطلق
تشنیہ کی صورت پر واقع ہو اگرچہ درحقیقت
تشنیہ کے لئے نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کے لئے
واقع ہو اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا
ہے کہ اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب

مکرراً کثیراً و فی جعل المثال من تسمیة التعریف لا فائدة هذا القید تکلف
مثلاً تَبَّكَ أصله التَّبَّ البایں ای اقیم لحد مثک و امثال اموت ولا
ابرح عن مکانی اقامة کثیرة متتالية فحذف الفعل و اقیم للمصدر مقامه
ورڈ الی الثلاثی بحذف زوائد ثم حذف حرف الجر من المفعول و اضیف
المصدر الیه و يجوز ان یکون من لب بالمكان بمعنى التَّب فلا یکون محذوف
الزوائد و علی هذا القیاس سَعَدَ یُکَ ای اُسَعِدُکَ اسعاداً بعد اسعادٍ بمعنی
اُعینک الا ان اُسَعِدُ یُعَدُّ بنفسه بخلاف التَّب فانه یُعَدُّ باللام المفعول

واقع ہوا ہے جو تکریر و تکیہ کے لئے ہے حالانکہ اس کا فعل ناصب حذف نہیں کیا گیا نہ جواز اور نہ وجوباً
بکہ لفظ مذکور اور (بیک و سعدیک کی) مثال کو اس (اضافت کی) قید کے افادے کے لئے (اس قاعدہ
کی) تعریف کی تکمیل (کے حصے) سے بنانا تکلف ہے (جیسے بیک و سعدیک) اس کی اصل التَّب تک
الباہین سے معنی میں تہدی خدمت اور تمہارے حکم کی بجا آوری کے لئے (حاضر) کھڑا ہوں اور میں
اپنی جگہ سے الگ نہیں ہوں گا یہ بیک کے معنی ہیں) اور میں بہت دیر تک (کہ جسکی کوئی انتہاء نہیں)
لگا تار کھڑا ہوں گا یہ سعدیک کے معنی ہیں) پھر اس کا فعل (اپنے فاعل کے ساتھ) حذف کیا گیا اور
مصدر (الباہین) کو (تک) سے مقدم کر کے اس (فعل) کی جگہ کھڑا کیا گیا اور اس (مصدر) کو (باب
افعال ثلاثی مزید فیہ سے) ثلاثی مجرور کی طرف اس کے زوائد کے حذف کے بعد پھیرا گیا (زوائد سے دو
حرف زائد مراد ہیں یعنی باب افعال کا ہمزہ اور الف) اس کے بعد مفعول بہ (تک کے کاف) سے حرف
جر (یعنی لام) کو حذف کر کے مصدر کو اس (مفعول بہ) کی طرف مضاف کر دیا گیا (تو بیک ہو گیا)
اور جائز ہے کہ بیک لب بالمكان سے ماخوذ بمعنی التَّب (یعنی اقام بالمكان) لہذا بیک (اس
صورت میں) محذوف الزوائد ہوا (اور) اسکی قیاس پر «سعدیک ہے» یعنی اسعدک اسعاداً بعد
اسعاداً (یعنی تیری مدد کرتا ہوں) کے معنی میں مگر یہ کہ اسعد متعدی بنفسہ ہے (اس لئے
یہاں حرف جر کو ملے کے طور پر ساتھ نہیں لگایا) التَّب کے برعکس کہ وہ لام کے ساتھ اور لب کے

دھوکا اس جگہ شایع نے آئیے کریم کے بعد ای
رجعاً مکرراً کثیراً کا اضافہ کر کے کریم کے معنی
بھی بتائے ہیں اور یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ کریم
کے مفعول مطلق بننے کی صورت میں عبارت اس طرح
ہوگی یعنی ارجع البصر رجعاً کثیراً تاکہ مفعول مطلق
اور فعل ناصب کے درمیان باعتبار الفاظ کے تہا
ہو جائے واللہ اعلم۔

قولہ و فی جعل الخ اس عبارت سے
شارح فاضل ہندی پروردگارنا چاہتے ہیں انہوں نے

اختصاص مذکور کا یہ جواب دیا تھا کہ مصنف نے ضابطہ
کی تمسیم کے لئے قید کا اضافہ اس وجہ سے نہیں کیا
کہ مثال پر اکتفا کر لیا اور مثال تہذیب ضابطہ کے بطور
پس شارح نے روکی کہ مثال کو تہذیب تعریف سے قرار
دینا تاکہ اس قید کا فائدہ تکلف سے خالی نہیں اس
لئے کہ مثال قاعدہ کے تمام ہونے کے بعد اس کی
وضاحت کے لئے ہوتی ہے نہ کہ وہ تعریف و
ضابطہ کا تہذیب بنے مگر میری رائے یہ ہے کہ مصنف
نے دو مثالیں ایک ہی ضابطہ کی ذکر کی ہیں اور

دونوں میں قید اضافت ملحوظ ہے بلا اضافت ایک
بھی مثال ذکر نہیں کی لہذا اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ
مصنف کے ذہن میں قید اضافت موجود تھی اور وہ
اس کو اختصار کے باعث ذکر نہ کر سکے واللہ اعلم۔
قولہ مثل بیک الخ یہ ضابطہ مذکور
کی مثال ہے یہ اصل میں اُرب تک الباہین تھا یعنی میں
تیری خدمت اور امتثال امر کیلئے کھڑا ہوتا ہوں بار
بار کثرت سے سے پے پے کھڑا ہونا اور میں اپنی جگہ سے
نہیں ٹھٹھنا یعنی برابر خدمت کے لئے آمادہ اور ایستادہ
رہتا ہوں پس فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے
قائم مقام کر دیا گیا تک الباہین باقی رہ گیا پھر مصدر سے
زوائد یعنی ہمزہ مکسورہ اور الف کو حذف کر کے ثلاثی
مجرور میں سے گئے پھر تک سے لام صفت جر کو حذف
کیا تک سے ک باقی رہ گیا پھر مصدر کو اس کاف
ضمیر مفعول کی طرف مضاف کر دیا بیک ہو گیا
واللہ اعلم۔

قولہ و يجوز الخ یہ بیک کی دہری
توجیہ ہے اس کے مطابق اس کی اصل التَّب تک
بہین ہوگی اور بہین اس صورت میں لب بالمكان سے
ماخوذ ہے اور لب چونکہ بار کے ذریعہ متعدی
ہوتا ہے اس لئے التَّب کے معنی میں ہوگا پس
اس صورت میں بیک محذوف الزوائد نہیں ہوگا
کیونکہ زوائد ہمزہ مکسورہ اور الف تھے وہی
اس کی اصل میں موجود نہیں باقی تعلیلات وہی
ہوں گی جو اوپر مذکور ہوئیں واللہ اعلم ۱۲
قولہ و علی هذا القیاس الخ

مذکورہ بالا مثال کی توجیہ پر اس کو بھی قیاس کر
لینا چاہئے یعنی سعدیک اصل میں اسعدک
اسعادین ای اسعاداً بعد اسعاد تھا اور اسعد
ہے معنی میں اُعینک کے یعنی تیری مدد اور تائید
کرتا ہوں میں بار بار کثرت سے مدد کرنا یکے بعد
دیگر سے پس اس میں بھی بیک کی طرح تصرفات
کئے گئے ہیں مگر دونوں میں فرق اس قدر ہے
کہ اسعاد متعدی بنفسہ ہے اور الباہین متعدی
بواسطہ لام اسی واسطے مصنف نے دو مثالیں

ذکر کی میں تاکہ اس فرق پر تہذیب ہو جائے۔ درندہ
توضیح کے لئے صرف ایک مثال بھی کافی ہے
واللہ اعلم۔

۳۶ قولہ المفعول بہ الخ مادفع کی شرح
ای ہوا اسم مادفع سے کر کے شائع نے اس امر
کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ماسے مراد اسم ہے
پس مفعول بہ وہ اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل
واقع ہو اور مصنف نے لفظ اسم کا ذکر یہاں اس
وجہ سے نہیں کیا کہ تعریف مفعول مطلق میں اس
کے ذکر پر اکتفا کر لیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے
کہ یہ تعریف ضمیر منصوب پر صادق نہیں آتی جیسے
نجد ایاک کیونکہ اس میں ایاک اگرچہ فعل کا
مفعول بہ ہے مگر فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں
کیونکہ فعل عبادت اللہ تعالیٰ پر واقع نہیں ہوتا
بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے شائع اسکا جواب
والمراد الخ سے یہ ہے کہ ماسے مراد اسم ہے
الفاعل سے مراد یہ ہے کہ فعل کا تعلق مفعول بہ
کے ساتھ ہو بلا واسطہ حرف جر کے اور نجد
ایاک میں ظاہر ہے کہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے
ساتھ موجود ہے اور بلا واسطہ حرف جر کی قید
سے مراد بزد کا زید خارج ہو گیا کیونکہ اس
پر بھی مفعول بہ کی تعریف صادق آتی تھی اس
لئے کہ فعل مرود بلا واسطہ حرف جر بزد پر واقع ہے
پس جب بلا واسطہ حرف جر کہا تو یہ خود بخود
نکل گیا کیونکہ اس میں حرف جمع کا واسطہ موجود ہے
پس ضربت زید میں تو لوگ کہتے ہیں کہ ضربت زید
پر واقع ہے لیکن مراد بزد میں یہ نہیں کہتے کہ مرود
زید پر واقع ہے کیونکہ حرف جر کا واسطہ درمیان میں
آگیا پس اس واسطہ کے باعث یہ کہتے ہیں کہ مرود
زید کے ساتھ متلبس اور ملحق ہے پس جب ہم
نے مفعول بہ کی تعریف مادفع علیہ الخ کے ساتھ کی
تو اس سے مفاعیل ثلثہ باقیہ یعنی مفعول مؤنہ لا
فیہ خارج ہو گئے اس لئے کہ ان میں سے کسی میں بھی
نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ یہ کہا جاتا
ہے کہ فعل اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ

بہرہ ہو ما وقع ای ہوا اسم مادفع علیہ فعل الفاعل ولعنید کو الاسم انتقل
بما سبق فی المفعول المطلق المراد بوقوع فعل الفاعل علیہ تعلقہ بہ بلا واسطہ
حرف الجر فانہ یقولون فی ضربت زید ان الضرب واقع علی زید لا یقولون
فی مررت زید ان المرور واقع علیہ بل متلبس بہ فخرج بہ المفاعیل الثلثہ
الباقیۃ فانہ لا یقال فی واحد منها ان الفعل وقع علیہ بل فیہ اولہ اومعہ
والمفعول المطلق بما یفرقہ من معایرتہ لفعل الفاعل فان للمفعول المطلق
عن فعلہ والمراد بفعل الفاعل فعل لغتہ اسنادہ الی ما ہو فاعل حقیقۃ او

ساتھ متعدی ہوتا ہے مفعول بہ وہ ہے کہ واقع ہو (یعنی مفعول بہ) وہ اسم ہے کہ واقع ہو اس
پر فاعل کا فعل اور مصنف نے مفعول بہ کی تعریف میں لفظ اسم کو اس پر اکتفا کرنے کی وجہ
سے جو کہ مفعول مطلق (کی تعریف) میں گذرا ذکر نہیں کیا (چنانچہ کہا گیا تھا ہوا اسم مادفع الخ) مفعول
بہ پر فاعل کے فعل کے واقع ہونے سے مراد فعل کا مفعول بہ کے ساتھ حرف جر کے واسطہ کے بغیر
متعلق ہونا ہے کہ اہل لغت "ضربت زید" میں کہتے ہیں کہ ضرب (بلا واسطہ حرف) زید پر واقع ہے
(توزید مفعول بہ ہوا) اور مررت بزد میں نہیں کہتے کہ مرود زید پر واقع ہے بلکہ اس کے ساتھ متعلق
(اور ملحق) ہے پس اس (واقع کی) قید سے باقی تینوں مفعول (مفعول فیہ و مفعول لہ و مفعول معہ)
خارج ہو گئے اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ کہا
جاتا ہے کہ فعل اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ (واقع ہوا ہے) اور مفعول مطلق (مفعول
بہ کی تعریف سے مفعول بہ کی اس منائرت کی وجہ سے (خارج ہو گیا) جو فاعل کے فعل کے لئے سمجھی
جاتی ہے (کہ مفعول بہ فعل کا غیر ہوتا ہے مفعول مطلق کے برعکس) کہ مفعول مطلق اپنے فعل کا عین
ہوتا ہے اور (یہاں) فاعل کے فعل سے وہ فعل مراد ہے کہ اس کی اسناد کا ہر اس کی طرف اعتبار

غیر فعل پس مفعول مطلق اس سے خارج ہو جائیگا۔ اور
تعریف مفعول بہ باج مانع ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔
۳۷ قولہ والمراد الخ اس عبارت
سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے مولیٰ
یہ ہے کہ تعریف مذکور مانع نہیں کیونکہ ضربت زید
میں زید پر صادق آتی ہے اس لئے کہ فعل فاعل زید
پر واقع ہے حالانکہ اس کو مفعول بہ نہیں کہا جاتا
مفعول مالم لیس فاعلہ کہتے ہیں شائع نے جواب
دیا کہ فعل فاعل سے مراد یہ ہے کہ فعل کا اسناد فاعل
کی طرف معتبر ہو مالم ازہی کہ فاعل حقیقہ ہو یا سکا پس
اس سے ضربت زید کا زید خارج ہو گیا اس لئے کہ

۳۸ قولہ والمفعول المطلق الخ اس کا
مقطع المفاعیل الثلثہ پر ہے اور مطلوب یہ ہے
کہ مادفع علیہ فعل الفاعل سے مفعول مطلق بھی خارج
ہو جائیگا اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں
مغایرت ہے کیونکہ مادفع علیہ فعل الفاعل سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ فعل فاعل اور مادفع علیہ الفعل یعنی
مطلق میں مغایرت ہونی چاہئے اس لئے کہ ایک
شے اپنے نفس پر واقع نہیں ہو سکتی اور مفعول
مطلق میں مفعول اور فعل فاعل کے درمیان اتنا فاصلہ
ہے یعنی مفعول مطلق میں فعل ہوتا ہے مادفع مفعول بہ

حکماً فخرج یہ مثل زید فی ضرب زید علی صیغۃ المجهول فانہ لم یعتبر
اسنادہ الی فاعلہ ولا یشکل بمثل اُعطی زید درہما فانہ یصدق علی درہما
انہ وقع علیہ فعل الفاعل المحکم باعتبار اسناد الفعل الیہ فان مفعول ما
لم یم فاعلہ فی حکم الفاعل وبما ذکرنا ظہر فائدۃ ذکر الفاعل فلا یرد انہ لو
قال ما وقع علیہ الفعل لکان اختصار نحو ضربت زیداً فان زیداً اقد
وقع علیہ بلا واسطۃ حرف البحر فعل باعتبار اسنادہ الی الفاعل الذی ہو
ضمیر المتکلم وقد یشقّ المفعول بہ علی الفعل العامل فیہ لقوۃ الفعل

کیا جائے جو حقیقت میں (اس فعل کا) فاعل ہو (جیسے ضربت زیداً میں ت کی طرف فعل کی اسناد
ہے اور وہ اس کا فاعل حقیقی ہے) یا حکم کی رو سے (اس کا فاعل ہو) پس اس (فعل الفاعل کی
قید اور جو اس سے مراد ہے) سے ضرب زید صیغۃ مجهول کی بنا پر کے مثل میں زید خارج ہو گیا کہ
ضرب کی اسناد کا اس کے فاعل کی طرف اعتبار نہیں کیا گیا (انہ حقیقت کی رو سے اور نہ حکم کی
رو سے کیونکہ زید دراصل حقیقی اور حکمی طور پر مفعول ہے اور جب اس کی طرف فعل کی اسناد ہوگی
تو وہ مفعول بہ ہونے سے خارج ہو جائے گا اور فاعل کے حکم میں ہوگا اور اعلیٰ زید درہم کے مثل
(باب اعطیت کے مفعول ثانی) سے (مفعول بہ کی تعریف پر) اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ درہم پر
صادق آتا ہے کہ اس پر فاعل حکمی کا کہ جس کی طرف فعل کی اسناد معتبر ہے فعل واقع ہوا ہے کہ
یہ (اعتراض نہ ہوگا) کہ (باب اعطیت اور اعطیت کا) مفعول مالم یم فاعلہ فاعل کے حکم میں
ہے (کیونکہ وہ معنی کی رو سے فاعل ہے کہ وہ درہم کا آخذ ہے) اور اس سے جو کہ ہم نے (فاعل کے
ذکر کا قاعدہ ظاہر ہو گیا لہذا اعتراض نہ ہوگا کہ اگر مصنف (مفعول بہ کی تعریف میں) ما وقع علیہ
افعل کہتے تو زیادہ مختصر تھا وجیسے ضربت زیداً تو بلاشبہ زید پر بلا واسطۃ حرف جرایا فعل واقع
ہوا ہے کہ جس کی اس فاعل کی طرف جو کہ متکلم کی ضمیر ہے اسناد کا اعتبار کیا گیا ہے (اور کسی مقدم ہوتا
ہے) مفعول بہ و فاعل پر جو کہ اس میں عمل کرنے والا ہوتا ہے فعل کے عمل میں قوت کی وجہ سے مفعول

اسناد حقیقی یہ ہے جسے ضربت میں ضرب
فعل کا اسناد تا متکلم فاعل کی طرف اور اسناد
حکمی یہ ہے جسے اعلیٰ زید درہم کہ اس میں زید
مفعول مالم یم فاعلہ کے قائم مقام ہو کر فاعل
حکمی ہے اور وہ ہمارے فاعل حکمی کا فعل عطا واقع
ہو رہا ہے اور فعل کا اسناد فاعل حکمی کی طرف
معتبر بھی ہے اسلئے کہ باب اعطیت اور
اعطیت کا مفعول مالم یم فاعلہ فاعل کے حکم میں
ہوتا ہے کیونکہ اس باب مفعول مالم یم فاعلہ در

اس میں فاعل کی طرف فعل کے اسناد کا اعتبار ہی
نہیں کیا گیا نہ حقیقت اور نہ حکم کیونکہ مثال مذکور میں
زید دراصل مفعول بہ ہے حقیقت بھی یا حکم بھی پس
بیکہ فعل کا اسناد زید کی طرف کر دے گی تو زید مفعول
بہ ہونے سے خارج ہو گیا اور فاعل کے حکم میں
ہو گیا اور جب یہ فاعل کے حکم میں ہو گیا تو مفعول بہ
نہیں رہا حالانکہ دراصل یہ ہی ہے پس یہاں چونکہ
اسناد فعل الی الفاعل مفقود ہے لہذا اس کو مفعول بہ
بھی نہیں کہہ سکتے اور یہ اس سے خارج ہے پس

اصل فاعل ہوتا ہے اس سے کہ وہ آخذ یعنی
لینے والا ہوتا ہے پس اعلیٰ زید درہم کا زجر
یا زید نے درہم کو ہوگا والشد علم ۱۲

۱۲ قولہ وبما ذکرنا الخ یہ ایک سوال
مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عبارت میں
اصل ایجاز و اختصار ہے پس اگر مصنف ما
وقع علیہ الفعل بغیر ذکر فاعل کے کہتے تو مطلب
بھی حاصل ہو جاتا اور اختصار بھی۔ جواب یہ
ہے کہ اگر فاعل کا ذکر نہ کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا
کہ فعل سے مراد مطلق فعل ہے حالانکہ ایسا نہیں
بلکہ وہ فعل مراد ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف
معتبر ہو اور پھر فاعل میں تقسیم ہو یعنی فاعل حقیقی
ہو یا حکمی پس شایع کے ذکر فاعل کا
فائدہ ظاہر ہو گیا لہذا اب کوئی اعتراض باقی
نہیں رہا والشد علم ۱۲۔

۱۳ قولہ نحو ضربت زیداً الخ یہ مفعول
بہ کی مثال ہے اس لئے کہ زید پر بلا واسطۃ حرف
جر کے وہ فعل واقع ہے کہ جس کا اسناد فاعل
یعنی ضمیر متکلم کی طرف معتبر ہے اس عبارت زیداً
ان کا اسم ہے اور علیہ کی ضمیر مجرور کی طرف
راجع ہے اور وقع کا فاعل فعل ناعتی ہے پھر فعل
میں تقسیم ہے عام ازیں کہ مثبت ہو جیسے مثال
مذکور میں یا منفی جیسے لم اضرب زیداً والشد علم ۱۲
۱۴ قولہ وقد یقدم الخ مفعول بہ بھی
اپنے فعل عامل پر مقدم بھی ہوتا ہے کیونکہ فعل عامل
عمل میں قوی ہوتا ہے پس وہ خواہ مقدم ہو یا مؤخر
بہر صورت مفعول بہ میں عمل کرے گا اس جگہ قید
عامل کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ فعل صرف فعل
میں ہی محدود نہ رہے بلکہ مطلق عامل ہونے کے
نحو سے شبہ فعل کو بھی مشتمل ہو جائے نیز یہ
فعل متعلقات اسم سے ہے فاعل نائب مجھے
کی جہت سے متعلقات فعل سے نہیں اس لئے
عامل کا اضافہ کر دیا اب اس کی دو صورتیں ہیں
یعنی یہ کہ فعل نائب پر مفعول بہ کا تقدم جائز
بھی ہے اور واجب بھی جواز کی صورت تو یہ ہے

فی العمل فیعمل فیہ متقدماً و متاخراً اما جوازاً مثل اللہ اعبد و وجہ الجیب
المتنی و اما وجوباً فیما تضمن معنی الاستفہام او الشرط نحو من رایت و من
تکرم یکرمک هذا اذا لم یکن مانعاً من التقدیم کو وقوع فی حیز ان نحو من البر
ان تکف لسانک و قد یحذف الفعل العامل فی المفعول به لقیام

قرینۃ مقالیۃ او حالۃ جوازاً کقولک زیداً لمن قال من
اضرب ای اضرب زیداً فحذف الفعل للقرینۃ المقالیۃ الی السوال و
نحو مکۃ للمتوجہ الیہا سے ترید مکۃ فحذف الفعل للقرینۃ الحالۃ و وجوباً فی

کی تقدیم جائز ہے پس فعل مفعول بہ میں (ہر صورت) عمل کرے گا (مفعول بہ) مقدم ہو یا تاخر (اس
سے کوئی فرق نہیں پڑتا) یا جوازی طور پر (مفعول بہ) مقدم ہو گا تاکہ فعل اس مفعول بہ کے مخصوص
اور اس میں مختصر ہو بہ مطابق تقدیم ماحقہ التاخیر مفید المحصر و التخصیص جیسے اللہ اعبد اور
(یا اہتمام کو مفید ہو جیسے) وجہ الجیب المتنی اور یا (مفعول بہ اپنے فعل سے) وجوبی طور پر مقدم ہو گا
(اور یہ) اس مفعول بہ میں (ہو گا) جو کہ معنی استفہام یا (معنی) شرط کو متضمن ہو جیسے من رایت او
من تکرم یکرمک بہ (مفعول بہ کی فعل پر تقدیم خواہ جوازی ہو خواہ وجوبی) اس وقت ہے جب کہ
(مفعول کی فعل پر) تقدیم سے کوئی مانع (در پیش) نہ ہو (اور اگر کوئی مانع پیش آجائے تو اس وقت
مفعول کی تقدیم جائز نہ ہوگی) جیسا کہ مفعول بیان (مصدر یہ) کے تحت واقع ہو جیسے من البر
ان تکف لسانک (میاں مفعول بہ کی تقدیم جائز نہیں کہ ان تکف بتاویل مصدر ہے جو کہ عامل ضعیف
ہے اس لئے اس کا معمول لسانک اس سے مقدم نہیں ہو سکتا) (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل)
جو کہ مفعول بہ میں عمل کرتا ہے (قیام قرینہ کے وقت) خواہ مقالیہ (یہ قرینہ) یا حالۃ (جوازی طور پر
جیسے زیداً اس شخص کے لئے جس نے کہا من اضرب) یعنی اضرب زیداً تو فعل (اضرب) کو قرینہ
مقالیہ جو کہ سوال ہے کی وجہ سے اور اسی طرح (تہا را قول) مکہ (ہے) اس شخص کے لئے جو مکہ مکرمہ
کو جار ہا ہے یعنی ترید مکہ (جو کہ دراصل اترید مکہ ہے ہمزہ استفہام محذوف ہے) پس فعل (ترید)
کو قرینہ حالۃ (جو کہ تیاری کرتا ہے) کی وجہ سے حذف کیا گیا (اور وجوبی طور پر چار مواضع میں) مصنف

کہ میں کس کو باروں گا تو مجیب جواب ہی صرف
زیداً کہہ سکتا ہے یعنی زید کو اضرب زیداً کہنے
کی ضرورت نہیں کیونکہ اس پر قرینہ مقالیہ یعنی
سوال دلالت کر رہا ہے اور جی چاہے تو اضرب
زیداً بھی کہہ سکتے ہیں دونوں جائز ہیں اور جو شخص
مکہ کی جانب متوجہ ہو یعنی حج بیت اللہ کے قصد
سے جار رہا ہو تو اس کا خیال کرتے ہوئے صرف
مکہ بھی کہہ سکتے ہیں اترید فعل کے حذف کے ساتھ

۱۲ قولہ وقد یحذف النہ کبھی مفعول
بہ کے فعل عامل کو حذف بھی کر دیتے ہیں بشرطیکہ
کوئی قرینہ موجود نہ ہو خواہ وہ قرینہ مقالیہ ہو
یعنی قول سے معلوم ہو رہا ہو یا حالۃ اس حذف
کی دو صورتیں ہیں جائز اور واجب جائز کی
مثال جیسے زیداً جبکہ یہ اس شخص کے جواب میں
واقع ہو جو من اضرب کہے یعنی سائل سوال کرے

جبکہ اس سے تخصیص مفعول بہ مقصود ہو جیسے اللہ
اعبد یعنی اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں پس تقدیم
مفعول بہ عبارت کی اللہ کے ساتھ تخصیص
ہو گئی بخلاف اعبد اللہ کے کہ اس میں عبادت
غیر اللہ کا بھی امکان ہے اور دوسری مثال
جیسے وجہ الجیب المتنی یعنی میں محبوب ہی کے
دیدار کا خواہشمند ہوں کسی اور کا نہیں اس میں
تمیز کے ساتھ وجہ الجیب کی تخصیص ہو گئی
اور وجوب کی صورت یہ ہے کہ مفعول بہ معنی
استفہام یا معنی شرط کو متضمن ہو پس چونکہ استفہام
اور شرط صدارت کلام کے مقتضی ہیں اس لئے
تقدیم مفعول بہ فعل بہ واجب ہوگی جیسے من
رایت (مثال استفہام) یعنی کس کو دیکھا تو نے
اس میں من مفعول بہ اپنے فعل لایت پر مقدم
ہے و من تکرم یکرمک یہ شرط کی مثال ہے یعنی
جس شخص کا تو اکرام کرے گا وہ تیرا اکرام کریگا
اس میں بھی من مفعول بہ تکرم فعل پر مقدم ہے وجوباً
مگر یہ تقدیم مفعول بہ کی دونوں صورتیں اس
وقت ہیں جبکہ تقدیم سے کوئی مانع پیش نہ آئے
مثلاً مفعول بہ اگر ان مصدر یہ کے تحت میں واقع
ہو جائے تو مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا ممتنع ہو
جائیگا اس لئے کہ ان مصدر یہ کے فعل مضارع
پر دخول کے باعث فعل مضارع مصدر کی تاویل
میں ہو جائیگا پس فعل مضارع کی جانب فعلیہ
ضعیف ہو جائیگی پس یہ اپنے ماقبل میں عمل
نہیں کریگا جیسے من البر ان تکف لسانک اس
میں لسانک مفعول بہ ہے مگر چونکہ فعل مضارع
پر ان مصدر یہ داخل ہے اس لئے اس کی تقدیم
ممتنع ہے ترجمہ تیرا زبان کو روک لینا (یعنی
کم کوئی اختیار کرنا، بھلائی سے ہے) (فائدہ)
مشارع کے قول ہذا اذا لم یکن النہ سے اس امر کی
طرف اشارہ ہے کہ تقدیم مفعول بہ کی تین
صورتیں ہیں جائز، واجب، ممتنع کما مر واللہ
اعلم ۱۲

کرتے ہیں جب کوئی شخص سفر کر کے بطور مہمان کے وارد ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۲۵ قولہ والموضع اثنان الوان موضع اربعہ میں سے کہ جہاں فعل ناصب مفعول بہ کو حذف کرنا واجب ہے دوسرا موضع منادی ہے اور منادی یہی ہے کہ اسم کو کہتے ہیں جس کے متوجہ ہونے کو اس حرف کے ذریعہ طلب کیا جائے جو اوپر کے قائم مقام ہوتا ہے عام ازیں کہ وہ لفظ مذکور مہیا تقدیراً ای تو جہہ الخ سے شارح اقبال کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ اقبال کا مطلب یہ ہے کہ شے کی توجہ یعنی جس کو پکارا جائے اس کی توجہ جہہ یا قلب کے ذریعہ تہباری طرف ہو جائے پس اقبال یعنی توجہ کرنے کی دو قسمیں ہیں ایک وجہی دوسری قلبی۔ پھر اس حیثیت سے دو قسمیں اندر نکلتی ہیں کہ منادی میں متوجہ ہونے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں ہے اگر صلاحیت ہوگی تو اس کو توجہ حقیقی کہیں گے عام ازیں کہ وہ بالوجہ ہو یا بالقلب اور اگر صلاحیت نہ ہو تو یہ توجہ عکسی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے پشت کئے کھڑا ہو اور ہم آواز دیکھ اس کے چہرہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں تو یہ توجہ حقیقی وجہی ہوگی اور اگر کوئی شخص ہماری طرف رخ کئے ہوئے کھڑا ہو اور ہم اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں تو یہ توجہ حقیقی قلبی ہوگی پس چونکہ شخص منادی میں متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے دونوں صورتیں یازید مثلاً میں جمع ہو سکتی ہیں یعنی توجہ جہہ کے ذریعہ بھی اور دل کے ذریعہ بھی یہی توجہ حقیقی ہے اور توجہ عکسی یہ ہے کہ جس چیز میں متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں اس کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں کہ جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے پھر اس پر حرف نداء کو داخل کریں جیسے یا سماء یا جبال یا ارض پس ان اسماء کو پہلے بمنزلہ اس چیز کے فرض کیا گیا کہ جن میں صلاحیت نداء موجود ہے پھر ان پر حرف نداء داخل کر دیا گیا اور ان کی نداء کا قصد کیا گیا پس یہ بھی نداء حقیقی کے حکم میں ہو گئے کیونکہ

اهلای مکانا ما هو لا معجوز الا خراباً واهلاً لا اجانب ووطیت سهل من البلاد احزنا والموضع الثاني من تلك المواضع الاربعه المتأدیه وهو المَطْلُوبُ اِقْبَالُهُ اى توجُّهُه اليك بوجهه او بقلبه كما اذا ناديت مُقْبِلًا عليك بوجهه حقيقة مثل يا زيدا وحقاً مثل يا سماء ويا جبال ويا ارض فانها نزلت اولاً منزلة من له صلاحية النداء ثم ادخل عليها حرف النداء وقصد نداءً هاهنا فى حكم من يطلب اقباله بخلاف المندوب لانها

توحید ہے (اور اہل و سہل) یعنی اہمیت اہل (اور اہل یا تو مصدر ہے از اہل یا بل سمع کی طرح اور مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہوگا جس طرح کہ شارح فرماتے) یعنی مکان ماحول (یعنی مقولہ میں آئے ہو جو خراب نہیں بلکہ آباد و شاد ہے یا اہل اسم ہے قریب کے معنی میں جیسا کہ شارح نے اس کی طرف اشارہ فرمایا) یا اہل (یعنی قریبیوں میں آئے ہو جو اجنبی نہیں اور تم نے سخت جگہ پر نہیں نرم جگہ پر قدم رکھا ہے (اور دوسری) جگہ ان مواضع اربعہ میں سے (منادی ہے اور منادی وہ ہے جس کا اقبال مطلوب ہو) یعنی اس کے دل یا رخ کی تہباری طرف توجہ (مطلوب ہو) جیسا کہ تم ایسے شخص کو نداء کہو جو اپنے منہ سے تہباری طرف متوجہ ہے (تو اسے نداء کی جائے تو وہ اب دل سے تہباری طرف متوجہ ہوگا پھر یہ اقبال خواہ حقیقی طور پر ہو جیسے یازید (کہ تمہیں زید کو اس کے منہ یا منہ کے بعد دل سے اپنی طرف متوجہ کرنا ہو) یا حکمی طور پر جیسا کہ (قول باری تعالیٰ ہے) یا سماء ویا جبال ویا ارض (کہ جن میں منہ یا دل سے متوجہ ہوئیگی صلاحیت نہ ہو ان کا اقبال حکمی ہے نہ کہ حقیقی) کہ پہلے تو ان اسماء کو ان کے بمنزلہ کیا گیا کہ جن میں نداء کی صلاحیت ہے (اور وہ ذی روح و ذی عقل ہیں) پھر ان پر حرف نداء داخل کیا گیا اور ان کی نداء کا قصد کیا گیا لہذا یہ اسماء ان (ذی روح و ذی عقل و بصیرت) چیزوں کے حکم میں ہیں کہ جن کا اقبال (یعنی منہ اور دل سے تہباری طرف) متوجہ ہونا مطلوب ہو مندوب کے برعکس (یعنی مندوب منادی کے خلاف ہے) کیونکہ مندوب

ان کو حقیقتہً اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود نہیں اللہ اعلم لکن قولہ بخلاف المندوب الخ یہ عبارت ایک سوال مفید کا جواب ہے سوال کی تقریب یہ ہے کہ مندوب کو بھی منادی حکمی کہنا چاہئے اس لئے اس کا بھی اقبال مطلوب ہوتا ہے اور اس پر بھی قائم مقام اور حرف نداء داخل ہوتا ہے پس اولاً مندوب کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں جس میں صلاحیت نداء ہو پھر اس پر حرف نداء داخل کر دیں اور اس کو منادی حکمی کہنا اولیٰ والسنہ بھی ہے اس لئے کہ مندوب قبل الموت

منادی حقیقی تھا اس کا جواب شارح بخلاف المندوب سے یہ ہے کہ مندوب اس کو کہتے ہیں جس پر اظہار تنفیع اندر گریہ کیا جائے پس اس پر حرف نداء محض تنفیع کے لئے داخل کیا گیا ہے بمنزلہ منادی کے قرار دینے کے لئے نہیں اور منادی کی نداء مقصود ہوتی ہے پس شرط اقبال ہی فوت ہوگئی واذافات الشرطیات الشرطیہ کے بموجب مندوب تعریف منادی سے خارج ہو گیا پھر چونکہ یہ منادی سے خارج ہو کر ایک مستقل باب ہے اسی واسطے مصنف

المتفجع عليه أدخل عليه حرف النداء ليجرد التفجع لا لتنزيله منزلة
المنادى وقصد ندائه فخرج بهذا القيد عن تعريف المنادى ولهذا أفرد
المصنف أحكامه بالذکر فيما بعد وفيه تحکیم فان المندوب ايضا كما قال
بعضهم منادى المطلوب اقباله حکما على وجه التفجع فاذا قلت يا معجده
فكانت ثناويه وتقول له تعال فاننا مشتاق اليك فالاولى احواله تحت
المنادى كما فعله صاحب المفصل وقيل الظاهر من كلام سيبويه ايضا انه
دخل في المنادى بحرف نايب مَنَابْ اَدْعُوْ من الحروف الخمسة وهي
يا وايا وهيا واى والهمزة واحترز به عن نحو يُقْبَلُ زَيْدٌ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيرًا

متفجع عليه ہے اس کی بحث عن قرب آئے گی اس پر حرف ندا محض تفجع کے لئے داخل کیا
گیسا ہے اس لئے نہیں کہ اسے منادی کے بمنزلے کیا گیا اور اس کی ندا کا قصد کیا گیا لہذا مندوب
اس قید سے (کہ هو المطلوب اقبال حقیقۃ او حکما) منادی کی تعریف سے خارج ہو گیا اور اسی
وجہ سے مصنف نے مندوب کے احکام کا ذکر مابعد میں علیحدہ کیا ہے اور اس و مندوب کے منادی
کی تعریف سے خارج کرنے میں بلا وجہ کا فیصلہ ہے (جو لائق نظر ثانی ہے) کیونکہ مندوب
بھی جیسا کہ بعض (جزوی ایسے محققین) نے فرمایا ہے (وہ بھی) منادی ہے جس کا اقبال حکما
تفجع کے طور پر مطلوب ہے پس جب تم نے یا معجده (ان کے مندوب ہونے کی حالت میں)
کہا تو گویا تم انہیں ندا کر رہے اور ان سے عرض کر رہے ہو کہ تشریف لائیے میں آپ کا شائق
ہوں پس اولی (اور انسب) مندوب کو منادی کے تحت داخل کرنا ہے جیسا کہ اسے صاحب
مفصل (علامہ زنجشیری) نے کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ سبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہے کہ مندوب
منادی میں داخل ہے (ایسے حرف کے ساتھ جو ادعو کے قائم مقام ہے) پانچ حروف میں سے
اور وہ پانچ حروف یا اور ایا اور ہیا اور ای اور ہمزہ ہے اور مصنف نے اپنے قول بحرف
نائب مَنَابْ اَدْعُوْ کی قید سے "یقبل زید" امر غائب از اقبال اور زید اس کا فاعل ہے اور
اس کا اقبال منیادل سے مطلوب ہے مگر ایسے حرف کے ذریعے نہیں جو کہ ادعو کے قائم مقام

نے اس کے احکام کو آگے چل کر مستقلاً علیحدہ صورت
میں بیان کیا ہے ندب کہتے ہیں نالہ و شیون و نوم
کرنے کو اور تفجع کے معنی آتے ہیں درد مند
اور غمگین ہونا واللہ اعلم۔
۴۸۹ قولہ ونیہ حکم الخ اس عبارت سے
شارح مصنف پر ایک اعتراض کر رہے ہیں جس کی
تقریر یہ ہے کہ مصنف کا المطلوب اقبال کی قید رکھ کر

مندوب کو تعریف منادی سے خارج کرنا حکم الخ
دعویٰ بلا دلیل ہے مصنف نے سہاوار من جبال وغیرہ
کو تو تعریف منادی میں داخل کر دیا اور اس کو خارج
حالانکہ مندوب بھی منادی حکمی ہے جیسا کہ بعض نے
کہا ہے کہ اس سے بھی حکماً بنا کر تفجع اور اقبال سے
منادی کے اقبال مطلوب ہوتا ہے پس مثلاً جب
یا معجده کہا جائے تو گویا کہ تم مجھ کو بلا رہے ہو اور

اس سے کہہ رہے ہو کہ مجھے پاس آہم تیرے مشتاق
ہیں پس اولی یہی ہے کہ اس کو منادی کے تحت میں
داخل کر لیا جائے جیسا کہ صاحب مفصل نے کیا ہے
اور بقول رضی کے سبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر
ہوتا ہے کہ مندوب منادی میں ہی داخل ہے علیحدہ
قسم نہیں مگر شارح کا یہ اعتراض کرنا درست نہیں اس
لئے کہ نادب کا مقصود اقبال مندوب نہیں ہوتا بلکہ
مندوب کے سبب سے سامعین کے سامنے اظہار
منہج و غم مقصود ہوتا ہے نیز اقبال مندوب مقصود ہو
بھی نہیں سکتا نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً تو ظاہر ہے
کہ حکماً تو وہ اس طرح کہ حکماً کہنے سے مجاز لازم آتا ہے
اور باب مندوب کثیر الاوزان کثیر الوجود ہے اور
واسع ہے اہل عرب کی زبان پر بکثرت جاری و ساری
رہتا ہے پس اس کو مجاز قرار دینا ممکن نہیں بخلات یا
سہا ویا جبال وغیرہ کے کہ وہ اس قدر کثیر الوجود نہیں
لہذا وہ مجاز قرار دئے جاسکتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۴۸۸ قولہ بحرف الخ یہ ہمارے مورد المطلوب

کے متعلق ہے اور مجرد ادعو کے قائم مقام
ہوتے ہیں وہ پانچ ہیں۔ یا۔ ایا۔ ہیا۔ ای۔ ہمزہ
مفتوحہ۔ ان کو مجرد ندا سے تعبیر کرتے ہیں اور
یہ قید احترازی ہے پس جس جگہ حرف ندا نہیں آیا
جائیگا وہ منادی سے خارج ہے جیسے یقبل زید
(جائے کہ زید متوجہ ہے) پس اس میں چونکہ حرف ندا
موجود نہیں بلکہ زید کا اقبال لام امر سے مطلوب ہے
اور وہ ادعو کا قائم مقام نہیں لہذا یہ اس بحث سے
خارج ہے نیز اس میں چونکہ حرف کی قید ہے اسلئے
منادی کی تعریف سے ادعو بنیاد بھی خارج ہو جاتا
ہے اس لئے کہ اس میں زید کا اقبال فعل کے ذریعے سے
مطلوب ہو رہا ہے حرف کے ذریعے نہیں واللہ

اعلم۔

۴۸۹ قولہ لفظاً او تقدیراً الخ اس کی شرح

تفصیل مطلب الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال
مقدم کا جواب دیا ہے تقریر سوال یہ ہے کہ فعل
مصنف لفظاً او تقدیراً یا تو المطلب کا مفعول
مطلق ہوگا یا لفظ نائب کا یا اقبال کی خبر سے حال

تفصیل للطلب اے طلبا لفظاً بان تكون آلة الطلب لفظية نحو يا زيد او
تقدير يا بان تكون آلتہ مقدرة نحو يوسف اعرض عن هذا واللتی
اے نیابة لفظية بان يكون التائب ملفوظاً او تقديرية بان يكون التائب
مقدراً كما فی المثالین المذكورین والننادی والننادی الملفوظ مثل يا زيد
والمقدر مثل الا يا اسجد والے الا يا قوم اسجدوا وانصاب النادی عند
سبويه على انه مفعول به وناسبه الفعل المقدار واصل يا زيدا دعوزيداً
فحذف الفعل حذفاً لازماً لكثر استعماله ولدلالة حرف النداء عليه وافادته

مولہذا اس کی مانند سے احتراز کیا ہے «لفظاً یا تقدیراً» یہ طلب کی تفصیل ہے یعنی طلب
لفظی ہو اس طرح کہ آلت طلب (حرف ندا) لفظی طور پر ہو جیسے یا زید یا (طلب) تقدیری ہو
اس طرح کہ آلت طلب (حرف ندا) مقدر ہو جیسے (قرآن مجید میں ہے) یوسف اعرض عن ہذا
یعنی یا یوسف اعرض عن ہذا یا (مصنف کا قول لفظاً او تقدیراً) نیابت کی تفصیل ہے یعنی
نیابت لفظی ہو اس طرح کہ نائب (وہ حرف جو کہ ادعو کے قائم مقام ہو) ملفوظ ہو یا (نیابت)
تقدیری ہو اس طرح کہ نائب (حرف ندا قائم مقام ادعو) مقدم ہو جیسا کہ دو مذکورہ مثالوں
میں ہے یا (مصنف کا قول لفظاً او تقدیراً) منادی کی تفصیل ہے اور منادی ملفوظ جیسے یا زید
اور مقدر جیسے الا یا اسجد یعنی الا یا قوم اسجدوا اور منادی کا (لفظاً یا تقدیراً یا محلاً) منصوب
ہونا سیبویہ کے نزدیک اس بنا پر ہے کہ وہ فعل محذوف واجب الحذف کا مفعول بہ ہے
اور اس کا نائب فعل مقدر ہے اور یا زید کی اصل ادعو زید ہے فعل (نائب منادی) کو اس
کلام کے کثرت استعمال اور حرف نداء کے فعل محذوف پر دلالت کرنے اور حرف نداء کے فعل کے

کی صورت یہ ہے کہ لفظاً او تقدیراً کو بجنہ ملفوظاً
اور مقدر اس کے قرار دیں پس اس صورت میں تقدیر
عبارت یہ ہوگی ہوا المطلوب اقبالہ محل کون المنادی
ملفوظاً او مقدر ایس حال کامل ذوالحال پر درست
ہو جائیگا منادی ملفوظ کی مثال جیسے یا زید کہ
اس میں زید لفظاً موجود ہے اور منادی مقدر کی
مثال جیسے الا یا اسجد وای الا یا قوم اسجدوا کہ اس
میں قوم منادی ملفوظ نہیں مقدر ہے علی ہذا القیاس
اگر اس کو حرف سے حال قرار دیں تب بھی ملفوظ
اور مقدر کے معنی میں کرنا ہوگا۔ اور تقدیر عبارت
یہ ہوگی بحرف نائب مناسب ادعو حال کون الحرف ملفوظاً
اور مقدر ایس بادل۔ ثانی اور رابع صورت کا تو حال یہ

واقع ہو گا یا حرف سے اور کل کے کل غلط میں مطلوب
کا تو اس واسطے مفعول مطلق نہیں ہو سکتا کہ یہ
طلب پر مشتمل ہے ذکر لفظاً او تقدیراً اور نائب
کا اس واسطے مفعول مطلق نہیں ہو سکتا کہ نائب
کے معنی بھی نیابت کو مشتمل ہیں لفظاً او تقدیراً
کو نہیں اور اقبالہ کی ضمیر سے حال قرار دینا اسلئے
درست نہیں کہ یہ ضمیر راجع ہے منادی کی طرف اور
حال میں اہل وضابطہ یہ ہے کہ وہ ذوالحال پر محمول
ہوا کرتا ہے اور اس جگہ محل صحیح نہیں اس لئے کہ وہ
لفظاً او تقدیراً نہیں بلکہ ملفوظ یا مقدر ہے اسی
طرح حرف سے بھی حال قرار دینا صحیح نہیں شارح
نے جواب دیا کہ یہ تمام صورتیں صحیح و درست ہیں
اور اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ اگر انکو المطلوب
کا مفعول مطلق قرار دیں تو یہ باعتبار موصوف
محذوف کے ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی المطلوب
اقبالہ بحرف نائب مناسب ادعو طلباً لفظیاً او
تقدیراً۔ طلب لفظی کا مطلب یہ ہوگا کہ آلت طلب
یعنی جس کے ذریعہ آواز دی جائے وہ لفظی ہے
جیسے یا زید کہ اس میں حرف ندا لفظاً موجود ہے
اور طلب تقدیری کا حاصل یہ ہے کہ آلت طلب
لفظوں میں نہ ہو مقدر ہو جیسے قول باری تعالیٰ
یوسف اعرض عن ہذا۔ ای یا یوسف اعرض عن
ہذا اور اگر لفظاً و تقدیراً کو نائب کا مفعول مطلق
قرار دیں یعنی ان کو نیابت کی تفصیل قرار دیا جائے
تو اس وقت بجائے طلب مصدر موصوف محذوف
کے نیابت مصدر موصوف محذوف نکالا جائیگا
اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بحرف نائب مناسب
ادعو نیابة لفظية او تقدیرية پس نیابة
لفظية کا مطلب یہ ہے کہ ادعو کا نائب یعنی قائم
مقام لفظاً موجود ہو جیسے یا زید میں اور تقدیرية
کا یہ مطلب ہے کہ ادعو کا نائب مقدر یعنی محذوف
ہو جیسے یوسف اعرض عن ہذا میں دونوں کی شکل
ایک ہی اور اگر اس کو منادی کی تفصیل قرار دیں
یعنی اقبالہ کی ضمیر جو منادی کی طرف راجع ہے
اس سے اس کو حال قرار دیں تو محل درست ہوئے

قائدتہ وعند المبرد بحرف النداء لست لا مسد الفعل وقال ابو علي في بعض كلامه
ان يا واخواتها اسماء الافعال فعلى هذين المذهبين لا يكون من هذا الباب
اي مما انتصب المفعول به بعامل واجب الحذف وعلى المذاهب كلها مثل
يا زيد جملة وليس المنادى احد جزای الجملة فعند سيبويه جزاء الجملة اي
الفعل والفاعل مقدران وعند المبرد حرف النداء قائم مقام احد جزای الجملة
اي الفعل والفاعل مقدرا وعند ابی علي احد جزایها اسم الفعل والاخوه

قائده دینے کی وجہ سے حذف کیا گیا کہ فعل ادعویٰ یا رید یا اعنی بلانے کا قائمہ دیتا ہے اور حرف
مداد بھی بلانے پر دلالت کرتا ہے اور امام مبرد کے نزدیک (منادی کا منصوب ہونا) حرف نداء کی
وجہ سے ہے کیونکہ حرف نداء فعل کے قائم مقام ہے (کہ جب فعل کو حذف کر کے حرف کو اس کی
جگہ رکھا گیا اور فعل کو مثل دینے سے روک دیا گیا تو عمل دینا حرف کے ورثے میں آجائے گا لہذا
یہی حرف ہی منادی کو نصب دیتا ہے) اور ابو علی (فارسی) نے اپنے بعض کلام میں کہا کہ ناؤ
اس کے افعال (حروف نداء) اسماء افعال ہیں (منادی کو بنا بر مفعولیت نصب دیتے ہیں جس
طرح کہ اسماء افعال متعدی اپنے مفعول بہ کو نصب دیتے ہیں) پس دونوں مذہبوں کی بناء پر
منادی اس باب سے نہ ہوگا یعنی اس قبیل سے کہ مفعول بہ واجب الحذف عامل کی وجہ سے
منصوب ہو (نہ ہوگا) اور کل سیبویہ و مبرد و ابو علی کے تینوں مذہبوں کی بنا پر یا زید کے مثل
جملہ اور منادی جملے کی دو جزوں (مسند و منسوب) میں سے کچھ نہیں ہیں (تفصیل یہ ہے کہ)
سیبویہ کے نزدیک جملہ کے دو جزو یعنی فعل اور فاعل مقدم ہیں اور مبرد کے نزدیک حرف نداء جملہ
کے دو جزوں میں سے ایک یعنی فعل (ادعویٰ) کے قائم مقام ہے اور (حرف) فاعل مقدم ہے اور ابو
علی فارسی کے نزدیک جملے کے دو جزوں میں سے ایک (یعنی یا) اسم فعل ہے اور دوسری جزو

ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول بہ اور اس کا نصب
فعل مقدم ہے جس کو وجوباً حذف کر دیا گیا۔ پس
یا زید کی اصل ادعویٰ زیداً ہے فعل کو کثرت مستل
کے باعث وجوباً حذف کر دیا گیا نیز حرف نداء
بھی اس حذف فعل پر دلالت کرتا ہے اور حرف
نداء اس فعل محذوف کا قائمہ بھی دیتا ہے۔ اس
لئے اس کو بھی حذف کرنا ضروری ہو کہ چونکہ قائم
تمام موجود ہے لیکن مبرد و سبویہ سے قدرے
اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حرف نداء جو کچھ
فعل کا قائم ہے اس لئے منادی منصوب ہو جائے
وہ نہیں کہ حرف نداء اس پر دلالت کرتا ہے اس

لئے فعل محذوف ہے بلکہ سرے سے یہاں اس
کے فعل کا وجود ہی نہیں واللہ اعلم۔
۱۵۱ قولہ وقال ابو علی الخ یہاں سے
شراح ایک تفسیر مذہب ابو علی فارسی کا بیان فرما
یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ابو علی فارسی نے اپنے بعض
کلام میں کہا ہے کہ یا اور اس کے اخوات یعنی تمام
حروف نداء اسماء افعال ہیں یعنی جس طرح بعض
اسماء افعال جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں وہ
اسم کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں اسی طرح
حروف نداء بھی اسماء افعال ہونے کے باعث
منادی کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں

پس ان دونوں یعنی مبرد و ابو علی کے مذہبوں کی
بنا پر یہ اس باب سے خارج ہو جائیں گے کہ یہ
عامل واجب الحذف کے باعث مفعول بہ ہونے
کی بنا پر منصوب ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کے
نزدیک حذف فعل ماننے کی ضرورت نہیں رہتی
اور یہاں مطلب حذف فعل سے ہے اقوال مبرد
کی بات تو قرین قیاس اور قابل قبول ہو سکتی ہے
لیکن قول ابو علی درست نہیں اس لئے کہ اسماء
افعال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دو حروف سے
کم نہ ہو اور حروف ندائی ہمزہ مفتوحہ صرف ایک
حرف ہے نیز اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ
ہو جاتا ہے پس یہاں بھی بغیر منادی کے حرف
نداء کو جملہ قرار دیا جائے حالانکہ ایسا نہیں چلے گا
القیاس۔ اسم فعل کا انحصار دو قسموں میں ہے یعنی
ماضی اور بعنی امر حاضر معروف اور بیان دونوں
میں سے کسی میں بھی داخل نہیں کیونکہ یہ یعنی فعل
مضارع معروف ہے واللہ اعلم۔

۱۵۲ قولہ وعلى المذاهب الخ بہر حال

منادی کے منصوب ہونے کی خواہ کوئی توجیہ کی
جائے مگر یہ بات مسلم ہے کہ سب کے نزدیک
مثل یا زید جملہ ہے اور منادی کسی کے نزدیک بھی
جملہ کا جز نہیں نہ یہ مسند ہے نہ مسند الیہ پس اس
کے جملہ ہونے کی توجیہ ہر شخص کے نزدیک مختلف
ہے سیبویہ تو کہتے ہیں کہ جملہ کے دونوں جزو یعنی
فعل اور فاعل دونوں مقدم ہیں یعنی ادعویٰ بنی ضمیر
متکلم مستتر سمیت پس ان کے نزدیک نہ حرف
نداء جملہ کا جز ہے اور نہ منادی اور مبرد کہتے ہیں
کہ حرف نداء جملہ کے دو جزوں میں سے ایک یعنی
فعل کا قائم مقام ہے اور فاعل مقدم ہے مگر یہ
صحیح نہیں اس لئے کہ اس سے تنہا حذف فاعل
لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے اور ابو علی کا مسلک
یہ ہے کہ اس کا ایک جز تو اسم فعل ہے اور دوسرا
جز اس میں ضمیر مستتر عامل ہوا کہ منادی کسی کے
نزدیک بھی جملہ کا جز نہیں نہ سیبویہ کے نزدیک نہ
مبرد کے نہ ابو علی کے لیکن ان مذاہب میں مذہب

مختار عند المصنف چونکہ مذہب سبب یہ ہے اس لئے اس کو اس باب میں ذکر کیا یعنی جہاں فعل واجب مفعول بہ کو جو ہذا حذف کرنا واجب ہے بطلان ہی نہیں واللہ اعلم۔

۳۵ قولہ وبنی الخ یعنی بصیغۃ المجهول

ہے اور اس کا نائب فاعل المتناہی محذوف ہے اسی کی طرف شامح نے ای المتناہی سے اشارہ کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شامح نے متناہی کے معنی علی الرفع کو مجرور و مفتوح سمجھنے کے بیان پر کیوں مقدم کیا حالانکہ چاہئے یہ تھا نصب کے بیان کو مقدم کرتے کیونکہ متناہی میں نصب ہی اہل ہے اس لئے کہ متناہی منصوبات سے ہے اس کا جواب شامح نے نقل کیا الخ سے یہ دیا کہ ان کے بیان کی تقدیم کا باعث یہ ہے کہ تحقق و استعمال کے اعتبار سے بہ نسبت نصب کے یہ بہت کم پائے جاتے ہیں یعنی متناہی علی الرفع وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بیان نصب میں اختصار مطلوب ہے یعنی نصب کے مواقع بہت ہیں اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو طوالت ہو جاتی ہے اس لئے نصب کے منارات کو بیان کر کے کہہ دیا ہے کہ ان کے علاوہ سب جگہ متناہی کو نصب ہوتا ہے پس کہتے ہیں کہ متناہی کو علامت رفع پر مبنی بھی کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ متناہی مفرد معرّفہ ہو اس جگہ مصنف نے علی ما یرفع بہ کہا اور یعنی علی انھم نہیں کہا تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رفع کی دونوں صورتوں کو شامل ہو جائے یعنی خواہ مرفوع بالحرکہ ہو یا بالحرکۃ اسی طرف شامح نے ای علی انھم الخ سے رہنمائی فرمائی ہے یعنی متناہی معنی علی الرفع خواہ ضمہ پر مبنی ہو جیسے یا لہید یا الف پر جیسے یا زیلان یا واد پر جیسے یا زیدون پھر اتنی پر رفع بہا الخ کا اضافہ کر کے شامح نے ایک سوال متقدّم کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ بیضاوی رفع دونوں کی ضمیر متناہی کی طبع راجح ہے پس عبارت یہ ہوگی وبنی المتناہی علی ما یرفع

مستتر فیہ ویبے ای المتناہی قدّم بیان البناء والخفض والفتح علی النصب لعلہا بالنسبة الی النصب ولطلب الاختصار فی بیان النصب بقولہ وبنی ما سواہما علی ما یرفع بہ ای علی الضمۃ والالف والواو والی یرفع بہا المتناہی فی غیر صورۃ النداء والفعل مسند الی ابحار والمجرور راعنی بہو لا ضمیر فیہ وارجاع الضمیر الی الاسم غیر ملائم لیسوق الکلام ان کان

اس میں مستتر ہے (یعنی ضمیر فاعل) «اور مبنی کیا جائیگا» یعنی متناہی کو اور مصنف نے بناء اور جر اور فتح کے بیان کو نصب پر ان (تینوں) کی نصب کی بہ نسبت قلیل ہونے اور نصب کے بیان میں اپنے قول کو نصب ما سواہما سے طلب اختصار کی وجہ سے مقدم کیا بناء وجر اور فتح کو نصب سے اس لئے مقدم کیا کہ تینوں میں ہر ایک کا ایک ایک محل ہے مگر نصب کے محل تین ہیں متناہی مضاف و مشابہ مضاف و نکرہ غیر معین اور اس لئے کہ مصنف کو نصب کے بیان کو مختصر کرنا مطلوب تھا کہ نصب کے ما سوا کا کہ نصب کی نسبت قلیل محل ہیں پہلے ذکر ہوا اور نصب کے متعدد محل ہے کو مصنف کو نصب ما سوا کا کہ کر مختصراً بیان کر دیں جس طرح کہ اعراب نقلی کو «واللفظی فیما عداہ» کو بیان کیا، لا اس پر کہ اس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے (یعنی متناہی کی ضمیر پر اعراب بالحرکہ میں) یا الف (پر) یا واد پر ثنیہ و جمع مذکر سالم میں جبکہ اعراب بالحرک ہو مبنی کیا جاتا ہے) کہ جن کے ساتھ متناہی کو ندا کی صورت کے علاوہ (قبل ازنداء اطلاق متناہی از قبیل من قتل قتیل) رفع دیا جاتا ہے (اور فعل یرفع یا تو ضمیر کی طرف مسند ہے کہ اس میں مستتر اور متناہی کی طرف راجع ہے یا یہ فعل جار اور مجرور یعنی بہ کی طرف مسند ہے اور اس صورت میں) اس میں ضمیر نہ ہوگی اور (رفع کی) ضمیر کا (متناہی کی بجائے مطلق) اسم کی طرف لوٹنا ساقی کلام کے مناسب نہیں (کہ بحث متناہی میں ہے مطلق اسم میں

المتناہی بہ پس اس وقت مصنف کے کلام میں تناقض پیدا ہو گیا کیونکہ بناء اور اعراب کا اسم واحد میں اجتماع لازم آیا اس لئے کہ مبنی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ متناہی کا مبنی ہونا صریح ہے اور رفع اعراب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ رفع معرب کے القاب میں سے ہے۔ پس متناہی کیلئے بناء بھی ثابت ہوئی اور اعراب بھی اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے شامح نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تناقض نہیں اس لئے بناء کا تعلق صورت ندا کے ساتھ ہے یعنی جب متناہی پر حرف ندا داخل ہو جائے تب تو وہ مبنی ہو جائے گا اور رفع کا تعلق غیر صورت النداء سے ہے

۳۵ قولہ والفضل الخ یہ مذکورہ قرآنی

کا دوسرا جواب ہے جس کا حامل یہ ہے کہ اگر رفع میں ضمیر نہ مانی جائے اور بہ جار مجرور کی نائب فاعل قرار دے لیا تو اس وقت بھی اعتراض مندرج ہو جائیگا اس لئے کہ اس وقت تقدیر عبارت یہ ہوگی وبنی المتناہی علی ما بہ الرفع یعنی متناہی

ای المنادی مُفْرَدًا ای لا یکرن مضافاً ولا شبه مضاف و هو کل اسم لا یتیم معناه الا بالانضمام امر آخر الیه مَعْرِفَةٌ قبل النداء و بعدہ و التماثلی المفرد للمعرفة لوقوعه موقع الکاف الاسمیه التماثله لفظاً کاف معنی ملکاف الخطاب الحرفیه و کونه مثلها افراداً و تعریفاً و ذلك لان یا زید بمنزله ادعوا و هذه الکاف ککاف ذلك لفظاً و معنی و انما قلنا ذلك لان الاسم کالبنی الا لتماثله الحرف و الفعل و لا یبنی لتماثله

نہیں) اگر ہو یعنی منادی (مفرد) یعنی مضاف نہ ہو (جیسے یا عبد اللہ) اور مثلاً مضاف نہ ہو (جیسے یا من خیر امن زید) اور وہ (مثلاً مضاف) ہر اسم ہے کہ جس کا معنی پورا نہ ہو مگر اس کی طرف (من زید کے خیر کی طرف ملانے کی طرح) کسی چیز کو ملانے سے ((معرفہ)) نداء سے پہلے (معرفہ ہو جیسے یا زید) یا (نداء کے بعد جیسے یا رجل) اور مفرد معرفہ کو (ادعوا کے) کاف اسمیہ جو کہ (ذکر اور ایک کے) کاف خطاب حرفیہ سے لفظاً و معنی مشابہ کی جگہ واقع ہونے اور اسی کی مثل مفرد اور معرفہ ہونے کی وجہ سے ہی مبنی کیا گیا اور یہ (مثلاً بہت و خلقت) اس لئے ہے کہ یا زید ادعوا کے بمنزلے ہے اور یہ (ادعوا کا) کاف لفظاً اور معنی ہذا کے کاف کی مثل ہے اور یہ (جی) ہم نے کہا کہ منادی ادعوا کے کاف کے واسطے سے کاف خطاب حرفیہ کے مشابہ ہے اور ادعوا کے ساتھ مشابہت پر ہم نے اکتفاء نہ کیا، اسلئے کہ اسم حرف یا فعل کی مشابہت ہی کی وجہ سے مبنی کیا جاتا ہے اور اسم مبنی کی مشابہت کیوجہ

وغیرہ جس یہاں مفرد سے مراد مضاف اور شبه مضاف کا مقابل ہے تشبیہ و جمع کا مقابل نہیں تاکہ یا زید ان یا زید و ان بھی اس میں داخل ہو جائیں اب یہ بات کہ شبه مضاف کس کو کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہو کل اسم الجوعے شائع نے ہے جسے دیا کہ شبه مضاف ہر اس اسم کو کہہ سکتے ہیں کہ جس کے معنی بغیر امر آخر کے ہوتے تمام نہ ہو سکیں جیسے یا طالعا جبلاً میں طالعا کے معنی بغیر جبلاً کے ذکر کے تمام نہیں ہوتے پس طالعا شبه مضاف ہے اور معرفہ سے مراد عام ہے خواہ قبل ندا کے معرفہ یعنی متعین ہو جیسے یا زید یا ندا سے تعین پیدا ہو جائے جیسے یا رجل کہ اس میں بدل نہ ہو مگر خاص ہو گیا ہر شخص اس سے مراد نہیں ہو سکتا و انما علم

۵۵۶ قولہ و انما بنی المفرد الخ یہاں سے شائع منادی مفرد معرفہ کے معنی ہونے کی وجہ سے

علامت دینا پر مبنی ہو گا۔ اب رہا یہاں کہ ایسی کیوں نہ کیا جائے کہ برفع کی ضمیر کا اسم کی طرف راجع نہ کیا جائے تو کوئی بھی اعتراض لازم نہیں آئے گا اس کا جواب دار جاع الضمیر الخ سے شائع نے یہ دیا کہ اگر یہ یہ جواب چل سکتا ہے مگر ضمیر کو اسم کا طرف راجع کرنا ظہیر مناسب ہے اس لئے کہ سبق کلام اس کے خلف ہے یعنی بیان کلام کا تقاضا یہ ہے کہ منادی کی پہچان ضمیر راجع ہو کیونکہ منادی کا بیان ہو رہا ہے مطلق اسم کا طرف راجع نہ ہو مگر یہ کلام کا بیان منادی کے ضمن میں آیا جائے و انما علم ۵۵۵ قولہ ان کاف مفرداً الخ و علامت معنی علامت کے لئے بطور شرط کے ہے یعنی منادی مفرد معرفہ ہر شخص نے ایلا یکرن مضافاً و هو اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفرد کے معنی متعین آتے ہیں معنی مقابل تخلیہ و جمع و مضاف و شبه مضاف

بیان فرمایا ہے میں کہتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ کے معنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کاف اسمیہ کے موقع میں واقع ہوتا ہے جو کہ لفظاً و معنی کاف خطاب حرفیہ دہے جو مثلاً ذلک میں ہے کیونکہ اس میں اسم اشارہ حرف ذابہ اور ل اسم اشارہ اور کاف کے درمیان فصل کے لئے ہے اور ذلک کے کاف کو خطاب یہ اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ اصل میں خطاب کے لئے ہی ہوتا ہے اسم اشارہ بطریقاً داخل ہے اسم اشارہ کا جز نہیں بجز اس کو حرفیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اس کی جگہ پر واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ ذلک میں اس کی حیثیت حرف سے زیادہ نہیں رہی اور پھر یہ اس میں خطاب کے لئے استعمال بھی نہیں ہوتا صرف اصل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو خطاب یہ کہہ دیتے ہیں دوسری وجہ اس مناسبت کی یہ بھی ہے کہ منادی مفرد معرفہ افراد اور تعریف کے اعتبار سے کاف اسمیہ سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جس طرح کاف اسمیہ سوائے مفرد اور معرفہ ہونے کے مضاف اور نکرہ نہیں ہو سکتا اسی طرح منادی مفرد معرفہ بھی مضاف اور نکرہ نہیں ہو سکتا بیان اس کا یہ ہے کہ یا زید بمنزلہ ادعوا کے ہے اور ادعوا میں کاف اسمیہ ہے کیونکہ یہ اسم ظاہر کے موقع میں واقع ہو رہا ہے پھر یہ کاف اسمیہ کاف ذلک کے مشابہ ہے لفظاً بھی اور معنی بھی۔ لفظاً تو ظاہر ہے کہ دونوں جگہ کاف کی صورت ایک ہی ہے نیز دونوں مفرد ہیں اور معنی مشابہت یہ ہے کہ دونوں تعریف کے لئے بھی ہیں اور خطاب کے لئے بھی پس بوجہ مناسبت مبنی اصل کے منادی مفرد معرفہ مبنی ہو گا و انما علم ۱۲

۵۵۷ قولہ و انما قلنا الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ عبارت میں اصل اختصار ہے پس اتنی طویل طویل عبارت کی کیا ضرورت تھی اس قدر کہہ دینا کافی تھا و انما بنی لوقوعه موقع الکاف الاسمیه۔ اور التماثله لفظاً اور معنی کہنے سے کیا فائدہ ہوا؟ جواب یہ دیا کہ ہم نے یہ طویل اس لئے اختیار کیا کہ اسم مبنی نہیں

الاسم المبنى نحو يا زيد ويا رجل مثالان لما هو مبنى على الضمة
أو لهما معرفة قبل النداء وثانيهما معرفة بعد النداء ويا زيدان
مثال المبنى على الالف ويا زيدون مثال المبنى على الواو ويختص
أي يتجر المنادى بلام الاستغاثَة أي بلام تدخله وقت الاستغاثَة
وهي لام التخصيص أدخلت على المستغاث دلالة على أنه مخصوص من بين
امثاله بالنداء نحو يا زيد وإنما فتحت لئلا يلتبس بالمستغاث له إذا
حذف المستغاث نحو يا مظلوم أي يا قوم فإنه لو لم تفتح لام المستغاث

سے مبنی نہیں کیا جاتا کہ حرف اور فعل ہی مبنی الاصل میں (اچھے یا زید اور یا رجل) یہ دونوں ای
منادی کی مثالیں ہیں جو مبنی علم الضم ہوتا ہے ان دونوں میں سے پہلا منادی قبل از نداء معرفہ
ہے اور دوسرا بعد از نداء معرفہ ہے (اور یا زیدان) مبنی بر الف کی مثال ہے (اور یا زیدون)
مبنی بر واو کی مثال ہے (اور زیدو دیا جاتا ہے) یعنی منادی مجرور ہو جاتا ہے (استغاثہ کے لام
سے) یعنی اس لام سے جو استغاثہ کے وقت منادی پر داخل ہوتا ہے اور یہ (لام استغاثہ) لام
تخصیص ہے جو مستغاث پر اس بات کی دلالت کرنے کے لئے داخل کی جاتی ہے کہ مستغاث
اپنے امثال (واشبہاء) کے درمیان سے دعاء کے ساتھ مخصوص ہے (اچھے یا زید) اور
لام استغاثہ کو اس لئے فتح دی گئی کہ مستغاث کا مستغاث لہ کے ساتھ التباس (اختلاط) نہ
ہو جائے جبکہ مستغاث کو حذف کیا جائے جیسے یا المظلوم یعنی یا قوم (المظلوم) پس صورت
حال یہ ہے کہ اگر لام مستغاث کو فتح نہ دی جاتی

مستغاث پر اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ اس امر
پر دلالت کرے کہ یہ اپنی مثال میں دعا کے ساتھ
مخصوص ہے یعنی اس کو مدد کے لئے طلب کیا جا
رہا ہے دوسرے کو نہیں جیسے یا زید کہ اس میں
زید عمرو بکرو وغیرہ امثال سے زید کی مستغاث کے
لئے تخصیص ہو گئی۔ اب رہا یہ سوال کہ جب کہ
یہ درحقیقت حمد و ثناء جبر ہی ہے تو خود محسوس کیوں
نہیں ہوتا مفتوح کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب
شامخ و انما فتحت لئلا يلتبس الخ سے یہ ہے
ہی کہ اگر اس کو مفتوح نہ کیا جائے محسوس ہی رکھا
جائے تو اس کا التباس مستغاث لہ کے لام مکسور
سے ہو جائے گا جبکہ مستغاث کو حذف کر کے
صرف مستغاث کو باقی رکھا جائے جیسے یا المظلوم

منادی مفرد معرذ کو علامت رفع پر ہی مبنی قرار
دیا جائے والله اعلم

۵۵۸ قولہ مثل یا زید الخ یہ دونوں مثالیں
اس منادی کی ہیں جو کہ ضمہ پر مبنی ہے ان میں سے
اول یعنی زید تو قبل النداء ہی معرفہ ہے اور ثانی بل
النداء تو نکرہ تھا لیکن بعد از نداء معرفہ ہو گیا اور
یا زیدان مبنی علی الالف کی مثال ہے اور یا زیدون
مبنی علی الواو کی والله اعلم ۱۲

۵۵۹ قولہ ويختص الخ منادی پر جب
لام استغاثہ داخل ہوگا تو منادی مجرور ہوگا کیونکہ
لام استغاثہ حقیقہ میں یہ وہی لام جر ہے جو اسم
کے خواص میں سے ہے اور اسم پر داخل ہوتا ہے
پھر اس کو لام استغاثہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ
استغاثہ کے معنی فریاد طلب کرنے کے ہیں پس یہ

ہوا کرتا تھا و تفتیکہ یہ حرف یا فعل کے مشابہ نہ ہو
کہونکہ حرف اد فعل ہی بنا میں اہل میں پس اگر صرف
تو قو نہ موقع الکات الاسمیہ پر اکتفا کیا جاتا تو
منادی مفرد کا کاف کی جگہ پر واقع ہونا اس کے
مبنی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تھا پس جب یہ کہہ دیا
گیا کہ کاف اسمیہ کاف خطاب حرفیہ سے مشابہ ہے
اور کاف حرفیہ مبنی اہل ہے تو اس کا کاف اسمیہ کے
موقع میں واقع ہونا اس کے مبنی ہونے کے لئے
دلیل بن گیا اس لئے کہ کاف حرفیہ مبنی اہل کے ساتھ
کاف اسمیہ کے مشابہ ہونے کے باعث تو کاف
اسمیہ میں بنا آئی اور کاف اسمیہ کے باعث منادی
مفرد معرذ میں پس لازم کا لازم اپنا لازم سمجھتے ہوئے
ہوئے مفرد معرذ کو مبنی قرار دے دیا گیا۔ اب سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر منادی مفرد معرذ کو مبنی کرنا تھا
تو سکون پر مبنی قرار دیتے اس لئے کہ بنا میں سکون
اصل ہے علامت رفع پر مبنی کرنے کا کیا باعث ہے
جواب یہ ہے کہ منادی مفرد معرذ یعنی اہل سے مشابہت
کی بنا پر مبنی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا اور
سکون اس مبنی کی علامت ہے جو کہ اہل ہے۔ پس
اس کی بنا پر اہل کے مطابق سکون پر نہیں ہوگی اس
لئے کہ یہ حرف ہے اور فرع میں کچھ تو اہل سے علیدہ
ہونا ہی پڑتا ہے ورنہ دونوں میں اتحاد لازم آتا ہے
اور فرع فرع نہیں رہتا اور فتح پر اس وجہ سے بنا
نہیں ہو سکتی کہ اس حالت میں اس کا التباس اس
منادی کے ساتھ لازم آئے گا جو بار متکلم کی طرف
مضاف ہے اور بار متکلم کو الف سے بدل کر
ما قبل کو فتح دے کہ الف کو گرا دیا گیا ہے جیسے
بعض لغات کی بنا پر یا غلام کہ اس کی اہل یا غلامی
مثنوی کو الف سے بدل کر میم کو فتح دیا اور پھر
الف کو گرا دیا یا غلام ہو گیا اور جر یعنی کسرہ پر اس
وجہ سے مبنی نہیں کہہ سکتے کہ اس صورت میں اس
منادی کے ساتھ القباس لازم آتا ہے جو بار
متکلم کی طرف مضاف ہے اور بار کو حذف کر کے
کسرہ کو باقی رکھا گیا ہے جیسے یا غلام یا قوم یا رب
وغیرہ پس اب بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ

لَمْ يُعْلَمَ أَنَّ الْمَظْلُومَ فِي هَذَا الْمَثَالِ مُسْتَغَاثٌ أَوْ مُسْتَغَاثٌ لَهُ وَلَمْ يَكُنْ
الْأَمْرُ أَنَّ لِلْمَنَادِي الْمُسْتَغَاثِ وَاقِعَ مَوْقِعَ كَافِ الضَّمِيرِ الَّتِي تَقَعُ لَامُ الْجُزْمِ مَعَهَا
فَحَوْلُكَ بِخِلَافِ الْمُسْتَغَاثِ لَهُ لِعَدَمِ وَقُوعِهِ مَوْقِعَ الضَّمِيرِ فَإِنْ عَطَفْتَ
عَلَى الْمُسْتَغَاثِ بِغَيْرِ يَأْخُو يَالْزَيْدِ وَلَعَمْرُؤُا كَسَرْتَ لَامَ الْمَعْطُوفِ لِأَنَّ
الْفَرْقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْتَغَاثِ لَهُ حَاصِلٌ بِعَطْفِهِ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ وَإِنْ
عَطَفْتَ مَعَ يَأْخُو يَالْزَيْدِ مِنْ فَتْحِ لَامِ الْمَعْطُوفِ أَيْضًا خَوِيَا الزَيْدِ وَيَالْعَمْرُؤُا
وَأَمَّا أُعْرِبَ الْمَنَادِي بَعْدَ دُخُولِ لَامِ الِاسْتِغَاثَةِ لِأَنَّ عِلَّةَ بِنَائِهِ كَانَتْ
مُشَابِهَتُهُ لِلْحَرْفِ وَاللَّامُ الْجَارَةُ مِنْ خَوَاصِّ الْأَسْمِ فَبَدَّخُولُهَا ضَعْفَتْ
مُشَابِهَتُهُ لِلْحَرْفِ فَأُعْرِبَ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيهِ قِيلَ قَدْ يُخَفِّضُ الْمَنَادِي

تو معلوم نہ ہوتا کہ مظلوم اس مثال میں مستغاث
ہے یا مستغاث نہ اور یہ بات برعکس نہ کی گئی کہ لام مستغاث مکسور اور لام مستغاث نہ مفتوح
ہوتی، اس لئے کہ منادی مستغاث اس کاف ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے جو کہ جس کے ساتھ
لام جر مفتوح ہوتا ہے جیسے لگ، مستغاث نہ کے برخلاف کہ وہ کاف ضمیر کی جگہ واقع نہیں ہوتا
پس جب تم یا (حرف نداء) کے بغیر مستغاث پر عطف ڈالو جیسے یا زید ولعمرو تو لام معطوف کو
کسرہ دو کیونکہ معطوف کے مستغاث پر عطف ڈالنے کی وجہ سے مستغاث اور مستغاث نہ
کے درمیان فرق حاصل ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا جب معطوف علیہ
مستغاث ہے تو معطوف بھی مستغاث ہوگا اور اگر یا (حرف نداء) کے ہمراہ عطف ڈالو تو معطوف
کی لام کاف فتح بھی ضروری ہے (کہ ہر ایک گو یا مستقل منادی ہے) جیسے یا زید ویا عمرو اور منادی
کو لام استغاثہ کے دخول کے بعد علت بنائیں مفرد معرفہ ہونے کے باوجود) معرب کیا گیا
اس لئے کہ اس کے مبنی ہونے کی علت حرف سے اس کی مشابہت تھی اور لام جارہ اسم کے
خواص میں سے ہے پس لام جارہ کے دخول سے منادی کی حرف سے مشابہت ضعیف
ہو گئی لہذا اسے اس پر معرب کیا گیا جو اس (اسم) میں اصل ہے (اور وہ اعراب ہے تو
وہ لام جارہ سے لفظ یا تقدیر مجدد ہوگا) (مصنف کے قول و تخفیف بلام الاستغاثہ پر) (اعتراف

پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا
ہے جیسے لگ لہذا یہ لام بھی مفتوح ہوگا بخلاف
مستغاث نہ کے کہ وہ ضمیر کی جگہ واقع نہیں لہذا
اس پر داخل ہونے والا لام بھی مفتوح نہ ہوگا پس
ثابت ہوا کہ لام مستغاث مفتوح اور لام مستغاث
نہ مکسور ہوتا ہے اس کا برعکس نہیں ہو سکتا پس اگر
کوئی صورت ایسی ہے کہ اس سے مستغاث اور
مستغاث نہ میں امتیاز ہو سکے تو لام مستغاث
کو بنا بر اصل کے مکسور بھی کر سکتے ہیں مثلاً
مستغاث پر اگر بغیر اعادہ یا کے عطف کیا جائے
تو لام کو مکسور نہ کر سکتے ہیں کیونکہ معطوف معطوف
علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور یہی وجہ بہت کافی ہے
کہ مستغاث اس کے باعث مستغاث نہ سے
متماز ہو جاتا ہے جیسے یا زید ولعمرو لام عمر کے
کسرہ کے ساتھ لیکن اگر یہی عطف اعادہ یا کی صورت
میں کہا جائے گا تو پھر لام معطوف کو مکسور نہیں
پڑھ سکتے کیونکہ اس صورت میں پھر وہی التباس کا
اشکال سامنے آ جائیگا یعنی یا زید تک تو بات
درست ہوگی اور پھر جب معطوف یعنی یا عمر بھی
یا کا اعادہ ہوگا تو اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید
یہ لام مستغاث نہ کے لئے ہے کیونکہ یہ اس صورت
میں ایسا ہو جائیگا تو یا کہ عطف ہوا ہی نہیں بلکہ
منادی مستغاث ہے مستغاث نہ فتح لام ضروری
ہوا والله اعلم۔

۱۱۱ قولہ وَاِنَّمَا أُعْرِبَ الْخَرَبُ يَهَا مِنْ
شَارِحِ مَنَادِي كَيْدِ حُجْرٍ هُوْنِ كِي وَجِبَ بِيَانِ فَرَا
يَسْ هِي كَيْتِ هِي كَيْ مَنَادِي مَفْرُودَ مَعْرِفَةٍ عَلَامَتِ لِيَفْعَ
بِزَيْدِي قَرَارِ دِيَا كِيَا تَحَا لِيَكُنْ جِبَ اسْ سِ پَرَامِ
مُسْتَغَاثِ دَاخِلِ هُوْتَا هِي تُوَا اس كَيْ مَعْرِبِ هُوْنِ
كَ كِيَا سَبَبِ هِي حَالَا نَكْ يَ مَفْرُودَ كِي هِي وَرَ مَعْرِفَةٍ
بِي شَارِحِ نِي كِيَا كَرَامِ اسْتِغَاثَةِ كَيْ دُخُولِ كَيْ
بَعْدَ مَنَادِي كُوَا عَرَابِ دِيْنِي مَعْرِبِ كَرْنِي كِي
وَجِبَ يَ هِي كَرَامِ كِي بِنَا حَرْفِ سِي مَشَابِهَةِ كَيْ
بَاعْثِ تَحَا كِيُونَكْ حَرْفِ مَبْنِي اَمَلِ مِي دَاخِلِ هِي
اَوْرَامِ جَارِہِ اسْمِ كَيْ خَوَاصِّ مِي سِي هِي اَسْمِ

سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اس کا برعکس
کیوں نہیں کیا گیا یعنی لام مستغاث کو مکسور اور لام
مستغاث نہ کو مفتوح کر دیتے تو اس صورت میں
بھی کوئی التباس لازم نہیں آتا تھا اس کا جواب
یہ دیا کہ برعکس اس لئے نہیں کیا گیا کہ منادی مستغاث
کاف ضمیر کے موقع میں واقع ہے اور کاف ضمیر

کہ اہل میں یا تقوم للمظلوم تھا پس اگر لام مستغاث
کو مفتوح نہ کیا جاتا تو اس بات کا پتہ نہ چلتا کہ
اس مثال میں مظلوم مستغاث ہے یا مستغاث نہ
علامہ کہ یہ امر یقینی ہے کہ مظلوم مستغاث نہ ہے
مستغاث نہیں والله اعلم۔
۱۱۱ قولہ ولم يعكس الامر الخ یہ ایک

بلا في التعجب والتهديد ايضا فلام التعجب نحو يا للماء واللدوا هي
 ولام التهديد نحو يا الزيد لا قتلناك فلام المفعول ذكرها وكيف
 يصدق قوله فيما بعد ويُنصب ما سواها كلياً واجيب بان كلام
 هاتين اللامين لأم الاستغاثة كان المهذاهم فاعل يستغث
 بالمهدد اسم مفعول ليخضر فينتقم منه ويترجى من المخصومة
 وكان المتعجب يستغث بالمتعجب منه ليخضر فيقضي منه العجب وتخلو
 منه واجيب عن لام التعجب بوجه آخر ذكره للمصنف في الايضاح
 وهو ان المنادى في قولهم يا للماء واللدوا هي ليس بالماء ولا الدوا هي

دخول کی وجہ سے حرف کے ساتھ مثلاً بہت ضعیف
 ہو گئی اور ضعیف خلاف اصل میں مؤثر نہیں ہو کرتا
 پس اس کو بنا بر اصل کے کہ اسم میں اصل اعراب
 ہے معرب کر کے مجرور کر دیا گیا تفصیل مقام کی
 یہ ہے کہ اس وقت منادی پر دو عامل مجتمع ہیں
 ایک یا دوسرے لام اور دونوں میں لام عامل بنفسہا
 اور منادی کے قریب ہے یا میں دونوں باتوں
 میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ عامل بنفسہا
 نہیں بلکہ باعتبار فعل کے عامل ہے اور بہ نسبت
 لام کے منادی سے بعید ہے پس جب لام بہ نسبت
 یار کے عامل قوی اور قریب ہے تو اس کو عمل دیا جاتا
 گا لہذا منادی مجرور ہو گا وائترامہم۔

۱۱۲ قولہ قبل قد اخذتہا من شارب
 مصنف پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب ہے
 ہے اعتراض یہ ہے کہ منادی بھی لام تعجب ولام
 تہدید کے باعث بھی مجرور ہوتا ہے پس مصنف
 نے اس کو کیوں بیان نہیں کیا ترک کی کیا وجہ ہے؟
 نیز اس کے عدم ذکر کے باعث مصنف کا آئندہ
 قول و نصب ما سواہما کس طرح صادق آئے گا
 اس لئے کہ ما سواہما منادی ولام تعجب ولام تہدید
 بھی داخل ہیں اور ان کے دخول کے باعث منادی
 مجرور ہوتا ہے مخدوب نہیں ہوتا ولام تعجب کی مثال
 جیسے کوئی شخص کسی جگہ پانی دیکھ کر کہہ جاتا اس کا
 استغاثہ بھی نہ ہو تعجب سے کہے یا للماء اسی طرح غلا
 توقع اجائز کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس پر
 اظہار تعجب کرتے ہوئے کہے یا للہ یا اللہ یا اللہ
 جس سے دایمہ کی جس کے معنی میں بڑی اور سخت
 مصیبت پس ان دونوں جگہوں میں الماء اور اللہ کی
 منادی ولام تعجب کے باعث مجرور ہوتے ہیں
 اور لام تہدید یعنی مجرور توجہ ڈانٹ ڈپٹ کی
 مثال جیسے یا زید لا قتلناک کہ اس میں زید کو قتل
 کی دھمکی دی گئی ہے اور یہ منادی ہے جو لام تہدید
 کے باعث مجرور ہے واجب سے اس کا جواب ہے
 یعنی جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں لام بھی لام
 استغاثہ میں ہی شمار ہوتے ہیں کہہ کر مہذوہ بصیغہ

کیا گیا ہے کہ بھی منادی تعجب اور تہدید کے دو لاموں سے بھی مجرور ہوتا ہے جیسے (پانی کو ایسی جگہ
 دیکھ کر کہہ جاتا اس کا پہنچنا خلاف توقع تھا کہتے ہیں) یا للماء (مناہ تعان فلک عجیب
 الشان لا یعرفک کل واحد) اور یا اللہ وای (داعیہ کی جمع یعنی مصیبت عظمیٰ) اور لام تہدید
 سے جیسے یا زید لا قتلناک یا للماء سو وقت کہا جاتا ہے کہ جب خلاف توقع پانی کثیر ہو اور
 اسے عبور کرنا ہو اور یا اللہ وای نزول مصیبت عظمیٰ کے وقت کہا جاتا ہے) تو مصنف
 ان دونوں لاموں کو کیونکر چھوڑ دیا اور مصنف کا بعد میں کلی طور پر و نصب ما سواہما کہہ
 کیونکر صادق ہو گا؟ اور (اس اعتراض کا) اس طرح جواب دیا گیا ہے کہ ان دونوں لاموں
 میں سے ہر ایک لام لام استغاثہ ہے گویا کہ مہذوہ بصیغہ) اسم فاعل (دھمکانے والا مہذوہ
 بصیغہ) اسم مفعول (جسے دھمکی دی گئی) سے استغاثہ کرتا ہے تاکہ وہ حاضر ہو تو وہ اس سے انتقام
 لے اور اس کی خصوصیت کے رنج سے راحت پائے اور گویا کہ تعجب کرنے والا تعجب منہ
 (جس پر تعجب کیا گیا) سے استغاثہ کرتا ہے تاکہ وہ حاضر ہو تو وہ اپنے (نفس) سے تعجب کو پورا
 لے (اور داخل کرے) اور تعجب سے رہائی پائے (لہذا لام تہدید اور لام تعجب بھی لام استغاثہ
 تھیری اس طرح مصنف کا کلام جامع قرار پایا) اور لام تعجب (اور اسی طرح لام تہدید
 سلسلے میں ہونیوالے اعتراض) سے ایک اور طریقے سے جواب دیا گیا ہے جسے مصنف نے
 اپنی مشہور کتاب الايضاح (شرح مفصل) میں دیا وہ یہ کہ ان کے قول یا للماء ویا للہ

اسم فاعل یعنی دھمکی دینے والا مہذوہ بصیغہ اسم مفعول
 یعنی زید سے فریاد طلب کر رہا ہے تاکہ وہ حاضر ہو
 جائے پھر اس سے انتقام لے کہ دشمن سے دشمن
 و دشمن کی کوفت و تکلیف سے ہمیشہ کے لئے
 نجات و راحت حاصل کر لے پس دھمکی دینے والا
 زید کو ہوشیار کر رہا ہے کہ اپنے نفس کو قتل کے
 لئے تیار کر لے تاکہ میں اپنے دل کی آتش بخشنے
 کیلئے فرود کر سکوں اور ہوشیاری کی وجہ یہ ہے
 بلکہ اور دیکھیں غافل پر حملہ نہیں کیا کرتا غافل
 حذر کرنا بزدلی کا کام ہے پس اس کو اپنے
 بدلہ و قتل سے آگاہ کر دیا اسی طرح تعجب
 والا بھی گویا کہ تعجب بزدلی سے تعجب میں ڈالتا ہے

وانما المراد يا قوم او يا هو لا اعجبوا للماء وللدواهي ولا يخفى عليك
ان القول يحذف المنادى على تقدير كسر اللام ظاهر واما على تقدير
فتحها فمشكل لانفاء ما يقتضي فتحها حينئذ كما هو الظاهر مما سبق
ويفتح اي يبنى المنادى على الفتح لا الحاق ايتها اي الف الاستغاثه بانحو

میں الماء اور الدواہی منادی ہی نہیں ہے اور مراد یا قوم یا یا ہولاء اعجبوا للماء و
للدواہی ہے (اعجبوا بر وزن اعلوا یعنی تعجبوا گو یا اس کلام میں منادی محذوف ہے) اور
تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ (یا للماء اور یا للدواہی میں لام کی کسرہ کی تقدیر حذف منادی کی بابت
تو ظاہر ہے کہ درست ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ حرف نداء کے ساتھ والے
اصم پر لام کا کسرہ منادی کے محذوف ہونے کی دلیل کہ منادی مستغاث کلام تو مفتوح
ہی ہوتا ہے اور جب اس کلام مکسور ہے تو معلوم ہوا کہ یہ منادی مستغاث نہیں ہے،
اور بہر حال لام کے فتح کی تقدیر پر منادی کے محذوف ہونے کی بات تو مشکل ہے اس لئے
کہ جو چیز لام کے فتح کی مقتضی تھی (یعنی منادی کا اس کاف کے قائم مقام ہونا کہ جس کیساتھ
لام مفتوح ہوتا ہے وہ اس (منادی کے محذوف ہونے کے) وقت مستغنی (اور مفقود) ہے
جیسا کہ مابقی سے ظاہر ہے اور مفتوح ہو گا یعنی منادی مبنی بفتح ہو گا اس کے الف
کے الحاق کے وقت یعنی منادی کے آخر میں الف استغاثہ کے الحاق کے وقت (منادی

کے اور مستغاث یعنی قوم یا ہولاء محذوف ہو جائے
گا پس اس صورت میں تو کوئی اعتراض نہیں لیکن
اگر لام تعجب کو مفتوح پڑھیں گے تو تامل
اعتراض امر یہ ہے کہ منادی تو اس وقت محذوف
ہو گا جس اس کو مفتوح پڑھنا کیسے جائز ہو سکتا
ہے کیونکہ یہ مستغاث نہ ہو گا اور لام مستغاث نہ
ہمیشہ مکسور ہوتا ہے نیز لام مستغاث کو مفتوح
قرار دے جانے کا جو سبب تھا وہ بھی اب ختم ہو
جاتا ہے یعنی مستغاث کا التباس مستغاث نہ
کے ساتھ کیونکہ اب کوئی التباس ہی نہیں رہتا
اس لئے کہ مستغاث تو محذوف ہو گیا اس پر
تو لام کی ضرورت نہیں رہی صرف مستغاث نہ
رہ گیا سو اس کلام مکسور ہو جائیگا لام مفتوح
کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی پھر اس صورت
میں یہ خبر بھی نہیں رہتی کہ منادی کاف کے قائم
مقام ہے یعنی جس طرح کاف کا ماقبل لام مفتوح
ہوتا ہے اسی طرح منادی بھی اس کے موقع میں
واقع ہونے کے باعث لام مفتوح ہو اور یہ
اس وجہ سے کہ منادی تو محذوف ہی ہو گیا اب
لام ہی کی کیا ضرورت رہی جو اس قائم مقامی کا
بھی لحاظ کیا جائے اس کا جواب شارح نے کچھ نہیں
دیا مگر جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ منادی
محذوف ہے مگر چونکہ یہ موقع میں منادی کے
واقع ہے لہذا لام مفتوح ہو سکتا ہے جیسا کہ
اصل منادی میں ہوتا ہے واللہ اعلم۔

۱۵۵ قولہ و يفتح النحر منادى کے
مبنی علی الفتح ہونے کی صورت ہے یعنی جب
منادی کے آخر میں الف استغاثہ لاحق کیا جائیگا
تو منادی مبنی علی الفتح ہو گا اس لئے کہ الف اپنے
ما قبل کو فتح چاہتا ہے اور اس وقت یعنی آخر میں
الف استغاثہ کے الحاق کے بعد اس پر لام مستغاث
داخل نہیں ہو گا اس لئے کہ لام اپنے مدخول کو مجرور
بنانے کا مقتضی ہوتا ہے اور الف اپنے ماقبل
کی فتح چاہتا ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات
ہے یعنی فتح اور کسر ایک حرف پر ایک وقت میں

یعنی متعجب یہ کہنا چاہتا ہے کہ یا قوم اعجبوا للماء
وللدواہی یا ہولاء اعجبوا للماء والدواہی یعنی اسے
قوم یا اسے لوگو اپنے نفس کو تعجب میں ڈالو پانی اور
مصیبت عظیمہ سے یعنی جہاں پانی کا دم دگمان
بھی نہ تھا وہاں پانی نکل آیا۔ اسی طرح خلافت امید
مصیبت سامنے آگئی پس معلوم ہوا کہ یہ منادی کی
اس قسم میں داخل ہے جس میں منادی کو محذوف کر
سکتے ہیں جیسے الایا اسجدوا میں پس اس صورت میں
و یخضع بلام الاستغاثہ سے خارج ہو جائے گا۔
کیونکہ اب لام کا تعلق منادی سے نہیں رہا واللہ
اعلم ۱۲۔

۱۵۶ قولہ ولا يخفى عليك الخرباں سے
شارح جواب ثانی پر اعتراض کر رہے ہیں تقریر
اعتراض یہ ہے کہ اس جگہ لام تعجب میں کسرہ اور
فتح دونوں جائز ہیں پس اگر اس میں لام کو مکسور
پڑھتے ہیں تو الماء اور الدواہی مستغاث نہ ہو جائیگا

تھے فریاد طلب کر رہے تاکہ وہ شے متعجب نہ
حقیقہ اس کے سامنے آجائے اور وہ اس سے
اپنے تعجب کو ظاہر کر کے اس سے خلاصی حاصل کر
ے کیونکہ جس چیز پر تعجب ہوتا ہے اور وہ سامنے
آتی ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلیں صو کا
تو میں کھادی میں اس چیز کو یہاں کیسے دیکھ رہا
ہوں پھر جب اس کا شک یقین سے تبدیل ہو
جاتا ہے تو وہ دل سے تعجب کو نکال کر اس سے
خلاصی حاصل کر لیتا ہے واللہ اعلم۔

۱۵۷ قولہ واجيب عن لام الخرباں سے
لام تعجب سے متعلق اعتراض کا شارح دوسرا جواب
دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لام تعجب کی بابت دوسرے
طریقہ پر ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے جس کو مصنف
نے بھی ایضاً شرح مفصل میں ذکر کیا ہے کہ قول
قائل يا للماء ويا للدواہی میں منادی للماء وللداہی
جس میں بکہ ان سے مراد یا تو قوم ہے اور یا ہولاء

جمع نہیں ہو سکتے پس لام مستغاث اور الف مستغاث کو ایک جگہ جمع کرنا کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہوگی واللہ اعلم۔

۵۶۶ قولہ مثل یا زید اے الخ یہ منادی منی علی الفتح کی مثال ہے اور اس میں ہا کا اضافہ وقف کے لئے ہے اور یہ کلام عرب میں اکثر شائع و نافع ہے واللہ اعلم۔

۵۶۷ قولہ وینصب الخ منادی مفرد معرذہ اور منادی مستغاث مع اللام او الالف کے علاوہ جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں سب میں مفعولیت کی بنا پر منادی منصوب ہوتا ہے اور معرب کیونکہ مصنف کا منصوب کہنا اعراب پر صاف طور سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ نصب اعراب کی ہی حالت میں آتا ہے بخلاف الفتح کے کہ وہ صرف فتح کے ساتھ خاص ہے اور جب فتح کے ساتھ خاص ہوئے تو اعراب کے دوسرے احتمالات ختم ہوئے لہذا مبنی ہوگا پھر منادی کے منصوب ہونے میں تقسیم ہے خواہ لفظاً ہو جیسے یا عبد اللہ یا تقدیراً جیسے یا فنی القوم کہ اس میں فنی پر اعراب تقدیری ہے اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قول یا یوم یفیع الصدقین صدقہم پر صادق نہیں آتا جبکہ یوم یفیع الصدقین کسی شخص کا نام رکھ دیا کیونکہ اس صورت میں یوم منادی ہوگا اور ماسوا ہما میں بھی داخل اس لئے کہ یہ مضاف ہے لیکن یہ معرب نہیں مبنی علی الفتح ہے اس کا جواب شامح نے ان کا ان معرذہ سے یہ دیا کہ یہ موقع اور اسی کے

ماثل سب حرف ندا کے دخول سے پہلے مبنی ہیں لہذا یہ حرف ندا کے دخول کے بعد بھی مبنی رہیں گے اور ان کا اعراب محلی ہوگا یعنی نصب کے محل میں ہوں گے اگرچہ فتح پر مبنی ہیں پس نصب لفظی اور تقدیری کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حرف ندا کے دخول سے پہلے معرب ہوں تو ان پر نصب لفظی یا تقدیری آسکے گا ورنہ اعراب محلی ہوگا اقول اس بنا پر شامح کو لفظاً او تقدیراً کے ساتھ ہر ما کا جی اضافہ کرنا جائز ہے غنا تا کہ اعراب

لاقتضاء الالف فتح ما قبلها ولا لام فيه حیث ان اللام یقتضی الجرح والالف الفتح فبین اثرهما تناف فلا یحسن الجمع بینہما نحو یا زید اے بالحق الہادی للوقف وینصب ما سواہما ای وینصب بالمفعولیت ما سوی المنادی المفرد المعرذہ والمنادی المستغاث مع اللام او الالف لفظاً و تقدیراً ان کان معرباً قبل دخول حرف النداء لان علۃ النصب وہی المفعولیت متحققہ فیہ وما غیرہ مغیر عن حالہ وما سوی المفرد المعرذہ اماماً لا یكون مفرداً بان یكون مضافاً او شبه مضاف واماماً لا یكون

مبنی پر فتح ہوگا کیونکہ الف اپنے ما قبل کی فتح کا تقاضا کرتا ہے (اور اس میں لام نہ ہوگی) اس وقت کیونکہ لام جر کا تقاضا کرتا ہے اور الف فتح کا پس دونوں کے اثر (جر اور فتح) کے درمیان تضاد ہے لہذا دونوں کو جمع کرنا اچھا نہ ہوگا (جیسے یا زید اے) منادی کے ساتھ وقف کیلئے ہا کے الحاق کے ساتھ (اور منصوب ہوگا ان دو کا ماسوا) یعنی منادی مفرد معرذہ اور منادی مستغاث مع اللام یا مع الالف کے سوا منادی مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا (یعنی منادی اس نصب پر باقی رہے گا جس پر وہ منادی ہونے سے پیشتر تھا خواہ اس کی نصب لفظی طور پر ہو جیسے یا عبد اللہ یا تقدیری طور پر جیسے یا ابا العباس) اگر منادی حرف ندا کے دخول سے قبل معرب ہو (اور اگر قبل دخول حرف ندا مبنی ہو تو بعد از دخول حرف ندا اسی سابقہ حالت پر مبنی رہے گا اس کے برعکس کہ اگر معرب ہے مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا) کیونکہ (منادی کی) نصب کی علت (مطلقاً) جو کہ منادی کا مفعول ہے ہوتا ہے منادی (جو کہ نہ تو مفرد معرذہ ہے اور نہ ہی مستغاث بالالف واللام) ہے) میں موجود ہے اور کسی بدلہ لفظی نے اسے اس کے حال (نصب) سے نہیں بدلا (جیسا کہ منادی مفرد معرذہ کو مشابہت نے اور مستغاث کو لام جارہ یا الف نے اس کے حال سے بدل دیا ہے) اور مفرد معرذہ کے علاوہ (منادی کی چار قسمیں ہیں اور تفصیل یہ ہے) ہر حال جو (منادی) مفرد نہ ہو اس طرح کہ

تبدیل بھی نہیں کیا جس کے باعث ماسوا ہما پر نصب نہ آسکے جیسا کہ منادی مفرد معرذہ کی صورت میں مخیر نے منادی کو حال نصب سے کاف سے مشابہت کے باعث بنا علی الرفع کی ظرف تبدیل کر دیا تھا پس ان دونوں موجودات کے باعث ماسوا ہما میں منادی منصوب ہوگا واللہ اعلم۔

۵۶۸ قولہ وما سوی الخ یہاں سے شامح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مصنف نے ماسوا ہما کی متعلق

محلی بھی نصب ماسوا ہما میں داخل ہو جاتا مگر شاید شامح نے لفظ نصب کی رعایت کی ہے کیونکہ اس سے دو ہی صورتیں معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ نصب اعراب پر دلالت کرتا ہے اور اعراب محلی بنا پر لہذا اس کو ذہن قساری پر چھوڑ دیا اور ماسوا ہما کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علت نصب یعنی مفعولیت اس میں متحقق ہے نیز ان دونوں کے ماسوا کو کسی مغیر نے منادی کے منصوب ہونے کی حالت سے

مفرداً ولكن لا يكون معرفة واماماً لا يكون مفرداً ولا معرفة والقسم
الاول وهو ما لا يكون مفرداً الكونه مضافاً نحوياً عَبْدَ اللَّهِ والقسم الثاني
وهو ما لا يكون مفرداً الكونه شبه مضاف مثل رَايَا طَالِمًا جَبَلًا والقسم
الثالث وهو ما يكون مفرداً ولكن لا يكون معرفة مثل رَايَا رَجُلًا
مَقُولًا لِنَظَرٍ مُعَيَّنٍ اى لرجل غير معين وهذا توقيت لنصب رجلا
لا تقيد له لانه منصوباً لا يحتمل للمعين والقسم الرابع وهو ما لا يكون
مفرداً ولا معرفة مثل يا حنا وجهه طريقاً ولم يورث المصنف لهذا القسم
مثالاً اذ حيث انقضاء كل من القيدین بمثال سهل تصور انتفاها

لضاف ہو یا مثلاً مضاف ہو اور یا مفرد ہو لیکن معرفہ نہ ہو اور یا نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ
پس قسم اول جو کہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو جیسے (یا طالعاً جبلاً) اور قسم سوم
جو کہ مفرد ہو لیکن معرفہ نہ ہو (بلکہ عدم قصد تعین کی وجہ سے نکرہ ہو) جیسے (یا رجلاً) ہو گا
جاتا ہے (لا غیر معین کے لئے) یعنی غیر معین مرد کے لئے اور یہ لے یعنی مصنف کا قیاس غیر
معین (یا رجلاً) کی نصب کے لئے توقیت (وقت مقرر کر لے) اس کے لئے تقید نہیں ہے
کہ ظرف یعنی غیر معین حال قرار پائے اور حال اپنے عامل کے لئے قید ہوتی ہے (کیونکہ
وہ (منادی مفرد نکرہ) منصوب ہونے کی حالت میں معین کا احتمال نہیں رکھتا حتیٰ کہ کفر
ہوتے ہوئے تقید کا محتاج ہو) اور قسم چہارم جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ جیسے "یا حنا وجهہ
ظریفاً" وجہ حنا کا فاعل اور مرفوع ہے کہ حنا صفت مشبہ ہے اور عامل ہے موصوف مقدم
کہ جس پر وجہ کی ضمیر وال ہے پر حنا کا اعتماد ہے تقدیرہ یا شخصاً حنا وجہ اور ظریفاً بھی
فی الحقیقہ شخص کی ہی صفت ہے مگر یہ ظاہر حنا کی ہے) اور مصنف نے اس قسم (رابع)
کی مثال اس لئے وارد نہیں کی کہ جہاں (افراد و تعریف کی) دونوں قیدوں میں سے کل
کا مثال میں سے متنی ہونا واضح ہو گیا (یعنی جب مفرد کی قید کا یا عبد اللہ کی مثال سے اور معرفہ
کی قید کا یا رجلاً کی مثال سے متنی ہونا معلوم ہو گیا) تو (ایک ہی مثال سے) ان دونوں

معنی مابعد کے ملائے بغیر تام نہ ہوں جیسا کہ
مضاف کے معنی بغیر مضاف الیہ کے ملائے
تام نہیں ہوتے پس یہاں بھی طالعاً کے معنی جبلاً
کے انضمام کے بغیر غیر تام رہتے ہیں اس لئے
یہ شبہ مضاف ہے اور قسم ثالث یعنی منادی مفرد
نکرہ کی مثال جیسے یا رجلاً اخذ بیدی پس رجلاً
مثال مذکور میں اس وقت منصوب ہو گا جبکہ اس
کے کسی غیر معین شخص کو آواز دی جائے گی مثلاً
کوئی نابینا اس جملہ کا اعادہ کرے تو چونکہ نابینا
کے نزدیک سب غیر معین ہیں اس لئے رجلاً
منادی نکرہ ہو کر منصوب ہو گا ورنہ اگر غیر
معین نہ ہو تو اس کا بیان منادی مفرد معرفہ کا
بیان ہو گا قال اللہ اعلم۔

۵۴۹ قولہ وهذا توقیت الخ اس
سے ایک سوال مقدم کا جواب ہے یہ میں سوال
یہ ہے کہ رجلاً کو بغیر معین کی قید کے ساتھ متذکرہ ناجائز
نہیں اس لئے کہ اس صورت میں رجل کے منصوب ہونے
کی دو حالتیں ظاہر ہوں گی ایک یہ کہ غیر معین پر محمول
ہو دوسرے یہ کہ معین پر محمول ہو اور یہ معنی باطل ہیں
کیونکہ رجل کے منصوب ہونے کی ہرگز ہرگز دو
حالتیں نہیں بلکہ صرف ایک حالت ہے کہ غیر معین
کے لئے درجہ اگر معین کے لئے ہو گا تو رجل منصوب
نہیں ہو گا مگر علی مرتفع ہو گا پس رجلاً منصوب ہونے
کی حالت میں تعریف اور تعین کا احتمال نہیں رکھتا
شارع نے جواب دیا کہ بغیر معین کا اضافہ رجل
کے نصب کی توقیت کے لئے تقید کے لئے
نہیں کیونکہ یہ حالت نصب میں کا احتمال نہیں رکھتا
پس توقیت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ رجل
اس وقت منصوب ہو گا جبکہ غیر معین کے لئے
بولا جائے گا اور جب غیر معین کے لئے نہیں

بولیں گے تو وہ منی علی المرتفع ہو گا کی مراد اللہ اعلم
۵۴۹ قولہ والقسم الرابع الخ یہی قسم
رابع یعنی منادی نہ مفرد ہو نہ معرفہ تو اس کی مثال
یہ ہے جیسے یا حنا وجهہ ظریفاً اس میں حنا
موصوف صفت مشبہ ہے اسم فاعل کے معنی ہیں

امثلہ کیوں پیش کی ہیں کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ
ہے کہ تعدد امثلہ تعدد مثل کے باعث ہے اور
تعدد مثل کی دلیل یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ کے
ماسویٰ میں چار صورتیں ہیں اول یہ کہ معرفہ ہو گا
مگر مفرد نہیں ہو گا تو یہ دو حال سے خالی نہیں
مضاف ہو گا یا مشبہ مضاف اور اگر مفرد ہو گا

اور جب اس کا فاعل اور ظرف اس کی صفت پس یہ نہ مفرد ہے اس لئے کہ شبہ مضاف ہے اور نہ معرفہ اس لئے کہ نکرہ ہے یہی وجہ ہے کہ ظرفاً تنوین کے ساتھ اس کی صفت لائی گئی کیونکہ اس سے غیر معین پر دلالت ہوگی۔ اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے قسم رابع کی مثال کو کس لئے ذکر نہیں کیا جبکہ اول کی تین قسموں کی اسلئے بیان کر دیں شایع نے اس کا جواب دیا کہ مصنف الخ سے یہ دیکھ کر مصنف اس قسم کی مثال اس وجہ سے نہیں لائے کہ جس وقت دونوں قیدوں کا انتفاع مثال سے واضح ہو گیا یعنی جب یا عبد اللہ اور یا رجل کی مثال پیش کی گئی تو یا عبد اللہ کہنے سے منادی کا مفرد ہونا منتفی ہو گیا یعنی قید افراد کا نہ پایا جاتا واضح ہو گیا اس لئے کہ یا عبد اللہ مضاف ہے مفرد نہیں اور یا رجل کہنے سے منادی کی تعریف ختم ہو گئی اس لئے کہ یا رجل نکرہ ہے معرفہ نہیں پس قید تعریف کا انتفاع بھی واضح ہو گیا پس جب مثال سے دونوں قیدیں فرداً فرداً منتفی ہو گئیں تو اب باسانی ہر شخص دونوں قیدوں کے یک لخت انتفاع کا بھی تصور کر سکتا ہے یعنی ایک ایسی مثال سوچ سکتا ہے کہ جس میں منادی نہ مفرد ہونہ معرفہ پس اس خیال سے علیحدہ طور پر اس کی مثال کے ذکر کی حاجت نہیں رہتی لہذا مصنف نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا تاکہ پڑھنے والا خود اپنے دماغ سے اس کی مثال سوچ لے والٹر اعلم۔

۷۷۲ قولہ مع ان المثال الخ اس عبارت

سے اسی سوال کا دوسرا جواب دے رہے ہیں یعنی مثال ثانی یا طالعاً جبلاً بھی اس چوتھی مثال کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ مثال رابع اسی سے ملتی جلتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ مثال ثانی شبہ مضاف اور معرفہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ جبلاً نے طالعاً کی تخصیص کر دی ہے اور مثال رابع میں شبہ مضاف کے ساتھ تعریف کی تکمیل کی ضرورت پیش آتی ہے پس جب یا حسننا وجہ ظریفاً کہہ کر تکمیل کے ساتھ

معاً فلا حاجة الى ايراد مثال له على انفرادہ مع ان المثال الثاني يحتمله فيمكن ان يراد بقوله يا طالعاً جبلاً هذه العبارة اعم من ان يراد بها معين او غير معين فامثلة الاقسام باسرها من كورة وهذه الامثلة كلها مثال لما سوى المستغاث ايضاً فلا حاجة الى ايراد مثال له على حدة وتوابم المنادى المنبني على ما يرفع به المفردة حقيقة او حكماً انما قيد المنادى بكونه مبني لان توابم المنادى المعرب تابعة للفظ فقط

(قیدوں) کے لئے انتفاع کا تصور آسان ہو جائے گا لہذا قسم رابع کے لئے علیحدہ مثال وارد کرنے کی حاجت نہیں۔ اس کے باوجود مثال ثانی (جو کہ مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو) اس (قسم رابع کی مثال) کی محتمل ہے تو ممکن ہے کہ مصنف کے قول یا طالعاً جبلاً سے یہی عبارت مراد لی جائے عام ازیں کہ اس سے (واحد) معین مراد لیا جائے (تو یہ قسم ثانی کی مثال ہوگی) یا غیر معین (کہ مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے مفرد نہ ہو تو یہ قسم رابع کی مثال قرار پائے گی) پس اقسام اربعہ کی تمام مثالیں نہ کور ہوئیں اور نہ کل مثالیں منادی مستغاث کے ماسوا کی مثال بھی ہیں (جس طرح کہ یہ مثالیں منادی مفرد معرفہ کے ماسوا کے لئے ہیں) لہذا ماسوائے مستغاث کی علیحدہ مثال لانے کی ضرورت نہیں ہے (اور منادی مبنی کے توابم) اس پر کہ منادی کو اس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے (مفردہ) (رفع کے ساتھ توابم کی صفت ہے) حقیقت کی رو سے (مفرد ہو کہ نہ مضاف ہو اور نہ مشابہ مضاف) یا حکم کی رو سے (مفرد ہو کہ اضافت لفظیہ کے ساتھ مضاف ہو کہ مضاف اضافت لفظیہ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے) ہم نے منادی کو مبنی کے ساتھ اس لئے قید کیا کہ منادی معرب

حسن کی صفت لائے تو تعریف زائل ہو گئی اس لئے کہ اگر حسننا وجہ سے معرفہ مراد ہوتا تو اس کی صفت ظریفاً نکرہ نہ لائی جاتی کیونکہ موصوف و صفت میں تعریف و تنکیر کے اعتبار سے بھی مطابقت لازمی ہے بلکہ بصورت تعریف یا حسننا وجہ الظرفیت کہا جاتا ہے جواب تو وہ ہے جو میں نے مع ان المثال الثاني یحتمل سے سمجھا ہے مگر شایع کا مقصود نہیں بلکہ شایع کا مقصود یہ تیسرا جواب ہے جو فیکن ان يراد الخ سے واضح ہو رہا ہے یعنی جبکہ مثال ثانی مثال رابع کا بھی احتمال رکھتی ہے تو ممکن ہے کہ یا طالعاً جبلاً سے لفظ یا طالعاً جبلاً ہی مصنف نے مراد لیا ہو اور پھر اس میں تعمیم کا

محاذ کیا ہو یعنی اگر اس سے پہلے پڑھنے والا مخصوص شخص مراد ہے تو قسم ثانی کی مثال ہو جائے گی اور اگر مخصوص مراد نہ ہو بلکہ پہلے پڑھنے والا کوئی شخص لایعنی المتعین مراد ہو تو قسم رابع کی مثال حاصل ہو جائے گی پس اس صورت میں کل کی کل امثلة کتاب میں مذکور ہوں گی اور کسی کو کسی سے حاصل نہیں کیا جائیگا واللہ اعلم ۱۲

۷۷۳ قولہ و هذه الامثلة الخ یہ عبارت

ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح ماسوائے مفرد معرفہ کی اسلئے بیان کی گئی ہیں اسی طرح ماسوائے مستغاث کی بھی امثلة ذکر کی جائیں مصنف نے ان کو کیوں ترک کر دیا

وقیدنا البنی بكونه علی ما یرفع به لان توابع المستغاث بالالف لا یجوز فیها الرفع نحو یازیدا وعمرًا الا وعمر ولا ان المتبوع مبنی علی الفتح وقید التوابع بكونها مفردة لا نهالوله تكن مفردة لاحقیقة ولا حکما کانت مضافة بالاضافة المعنویة وحینئذ لا یجوز فیها الا النصب وانما جعلنا المفردة اعم من ان تكون مفردة حقیقة بان لا تكون مضافة معنویة ولا لفظیة ولا شبه مضاف او حکما بان تكون مضافة لفظیة او مشبه بالمضاف فانها لما انتفت فیها الاضافة المعنویة کانتافی حکم المفردة

کے توابع منادی معرب کے لفظ کے ہی تابع ہوتے ہیں فقط (کہ معرب کی صرف ایک حالت لفظی ہوتی ہے اور وہ یہاں نصب ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری اور مبنی کی دو حالتیں ہوتی ہیں حالت لفظی جو کہ ضم ہے اور حالت محلی جو کہ نصب ہے اس لئے اس کے تابع میں بھی دو حالتیں جاری ہوتی ہیں) اور ہم نے مبنی کو علی یرفع بہ ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں ہے جیسے یازیداً وعمرًا کو عمرو نہیں (کہا جائیگا) کیوں کہ متبوع مبنی علی الفتح ہے (کہ منادی مستغاث بالالف کے اگرچہ دو حال میں لفظی حال فتح اور علی نصب مگر یہ دونوں برابر ہیں لہذا تابع میں نصب واجب ہوگی جس طرح کہ منادی معرب کے تابع میں) اور توابع مفرد ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ اگر توابع مفرد نہ ہوں حقیقتاً اور نہ حکماً تو اضافت معنویہ کے ساتھ مضاف ہوں گے تو ان میں نصب کے سوا کوئی چیز جائز نہیں (جیسے یازیداً الملک کیونکہ جب منادی مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے تو اس کے توابع مضاف بہ اضافت معنویہ بطریق اولیٰ منصوب ہوں گے) اور ہم نے مفرد کو اس سے عام کیسے کہ حقیقت میں مفرد ہو اس طرح کہ نہ مضاف معنوی ہوں اور نہ لفظی اور نہ مشابہ مضاف ہوں یا حکم کی رو سے مفرد ہو کہ مضاف لفظی ہوں یا مشابہ مضاف ہوں کہ ان دونوں (مضاف بہ اضافت لفظی و مشابہ مضاف) میں جب اضافت معنویہ منتفی ہوگئی تو دونوں مفرد کے حکم

خاص نے جواب دیا کہ یعنی یہی مثالیں ماسوائے مستغاث کی بھی اٹھیں کیونکہ ان میں سے ایک میں بھی مستغاث کا وجود نہیں پس ماسوائے مستغاث کے لئے علیحدہ مثالیں بیان کرنے کی حاجت نہیں واللہ اعلم

۷۷ قولہ و توابع المنادی الخ پہلے اس کی ترکیب کو بخورید کہ لینا یا بیٹے پھر فرائد خود پر روشنی ڈالی جائیگی ترکیب توابع مضاف المنادی موصوف البنی مضاف موصوف منفعہ سے مل کر مضاف

۷۸ ایہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر موصوف المنفعہ صفت موصوف منفعہ سے مل کر مبتداء اور خبر اس کی آگے آرہی ہے یعنی ترفع علی لفظ نصب علی محلہ شارع نے البنی کے بعد علی یرفع بہ کاغذا کر کے یہ واضح کر دیا کہ مبنی سے مراد مبنی علی الفتح ہے۔ یعنی یہاں اس منادی کے توابع کا بیان ہے جو رفع پر مبنی ہوتا ہے اور مفرد سے مراد عام ہے خواہ مفرد حقیقتہ ہو یا حکماً اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ منادی کو اس جگہ قید نہ کرنے کے ساتھ کیوں مقید

کیا۔ اس کا جواب شارع نے دینا قید المنادی سے یہ دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم معرب کے توابع کا نہیں اس لئے کہ منادی معرب کے توابع صرف لفظ کے تابع ہوتے ہیں محل کے نہیں بخلاف منادی مبنی کے توابع کے کہ چونکہ منادی مبنی میں دو صورتیں ہیں ایک مبنی علی الضم ہونا دوسرے محل کے اعتبار سے منصوب قرار دیا جانا بنا بر مفعولیت پس اس کے توابع میں بھی دونوں صورتیں ہوں گی کہ مبنی علی الضم بھی ہوگا اور محلاً منصوب بھی اور معرب کا تابع صرف منصوب ہی آسکتا ہے لفظاً یا تقدیراً لفظ منادی کے تابع ہو کر پھر مبنی کو علی ما یرفع بہ کے ساتھ مقید کرنے کی یہ وجہ ہے کہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں مثلاً یازیداً وعمرًا کو یازید وعمر نہیں پرہے سکتے عمرو کے رفع کے ساتھ اس لئے کہ متبوع یعنی زید مبنی علی الفتح ہے تو لامحالہ تابع بھی مبنی علی الفتح ہوگا اور اس سے ہم کو بحث نہیں پھر توابع قید مفرد کے ساتھ اس وجہ سے مقید ہے کہ اگر تابع مفرد نہ ہو تو حقیقتاً اور نہ حکماً تو لامحالہ مضاف باضافت معنویہ ہوگا اور اس وقت میں سوائے نصب کے اور کوئی اعراب جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ منادی جب مضاف ہوتا ہے تو اس کا نصب واجب ہوتا ہے اسی طرح توابع میں بھی نصب واجب ہوگا اور رفع ممتنع جیسے یازیداً الملک اللہ اعلم

۷۹ قولہ وانما جعلنا الخ یہاں سے

مفرد میں تعمیم کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے مفرد میں تعمیم حقیقی اور حکمی کی اس وجہ سے کر دی کہ یہ حکم مضاف باضافة لفظی اور مشابہ مضاف کو بھی شامل ہو جائے اس لئے کہ یہ دونوں بھی رفع اور نصب کے جائز ہونے میں توابع مفرد کی مانند ہیں اب رہی یہ بات کہ مفرد حقیقی اور مفرد حکمی کی کیا صورت ہے تو اس کو شارع بان لا تكون مضاف معنویۃ الخ سے بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ مفرد حقیقی کی تو صورت یہ ہے کہ تابع نہ تو مضاف

لتدخل فيها المضافة بالاضافة اللفظية والمشبهة بالضاف لا نهما
كالتوابع المفردة في جواز الرفع والنصب نحو يا زيد الحسن الوجه الحسن
الوجه ويا زيد الحسن وجهه والحسن وجهه ولما لم يحرك الحكم الآتي في
التوابع كلها بل في بعضها ولم يحرك فيما هو جار فيه مطلقا بل لا بد في
بعضها من قيد فصل التوابع الجارية هذا الحكم فيها وصرح بالقيد

باضافة معنوية هو اورد مضاف باضافت لفظية
اورد مشبه مضاف كيونك ان كان في سے ایک بھی
پایا جائے گا تو افراد حقیقی باقی نہیں رہے گا بجز ترکیب
آجائے گی اور مفرد محکی کی صورت یہ ہے کہ تابع
مضاف باضافت لفظیہ ہو یا مشابہ مضاف اسلئے
کہ جب ان دونوں میں اضافت معنوی منتفی ہو جائے
گی تو دونوں مفرد کے حکم میں ہو جائیں گے اس لئے
کہ مفرد محکی اسی کو کہتے ہیں جو مضاف باضافت
لفظیہ یا مشبہ مضاف ہو مضاف باضافت معنویہ
نہ ہو پس مفرد محکی کہنے سے اضافت معنویہ کی
خود بخود نفی ہو جائے گی پس مفرد ہونے میں
اضافت لفظی اور مشبہ مضاف بھی داخل ہو جائے
گے کما انفا پس اگر مفرد کو صرف حقیقی پر محمول کیا
جائے تب تو مضاف باضافت لفظیہ اور مشبہ
مضاف خارج ہو جائیں گے اور جب اس سے
مفرد محکی مراد ہوگا تو یہ دونوں داخل ہو جائیں گے
اور اضافت معنویہ خارج ہو جائے گی اور اس
تقسیم سے مقصود یہ ہے کہ مضاف لفظی اور
مشبہ مضاف بھی اس میں داخل ہو جائیں اضافت
لفظیہ اور معنویہ کا مکمل بیان مجردات میں آئے
گا انشاء اللہ والٹر اعلم ۱۲

۱۱ قولہ نحو یا زید الخ یہاں سے شروع

اضافت لفظیہ اور مشابہ مضاف کی امثلہ
بیان فرمائی ہیں کہتے ہیں یا زید الحسن الوجه
اس مثال میں زید منادی مفرد معرفہ ہے اور
الحسن الوجه اس کا تابع اور یہ مضاف ہے
اضافت لفظیہ کے ساتھ اضافت لفظیہ اس کو
کہتے ہیں کہ مضاف صفت ہو اور مضاف الیہ
خود مضاف کا معمول ہو جیسے اس مثال میں
کہ الحسن صفت مشبہ ہے اور الوجه اس کا
معمول یعنی فاعل ہے پس اس مثال میں الحسن
کو لفظ زید پر معطوف قرار دیتے ہوئے مرفوع
بھی پرادھ سکتے ہیں اور محل زید پر عطف کہتے
ہوئے الحسن الوجه منصوب بھی کہہ سکتے ہیں محل
اعراب کے اعتبار سے مفعول یہ ہے اور یا زید

میں ہو گئے تو مفرد میں ہم نے تمیم اس لئے کی ہے تاکہ توابع میں وہ (توابع) جو کہ مضاف بہ
اضافات لفظیہ اور مشابہ مضاف ہیں داخل ہوں کیونکہ مضاف بہ اضافت لفظیہ و مشابہ
مضاف) دونوں رفع اور نصب کے جواز میں توابع مفردہ کی طرح ہیں (رفع لفظ پر اور
نصب محل پر محمول کر کے) جیسے یا زید الحسن الوجه (زید منادی برضہم کہ منادی مفرد معرفہ ہے اور
الحسن الوجه میں اضافت لفظیہ ہے محل پر محمول کر کے تو الحسن کو مرفوع پر نہیں اور (یا زید)
الحسن الوجه (یہاں الحسن کو منادی کے محل پر کہ نصب ہے محمول کرتے ہوئے منصوب پر نہیں)
اور یا زید الحسن وجهہ (وجهہ مرفوع ہے کہ الحسن کا فاعل ہے اور الحسن مرفوع ہے کہ منادی
کے لفظ پر محمول ہے) اور (یا زید) الحسن وجهہ (محل پر محمول کر کے نصب کے ساتھ) اور جبکہ
حکم آئندہ یعنی رفع علی لفظ و نصب علی محل تمام توابع میں نہیں بلکہ بعض (یعنی نعت و بعض
عطف اور عطف بیان اور تاکید) میں جاری تھا اور ہر طرح کے بدل و بعض عطف اور بعض
تاکید میں جاری نہیں تھا اور جن میں جاری تھا ان میں بھی مطلقا جاری نہیں تھا بلکہ ان کے بعض
میں (اور وہ عطف ہے) قید (کا ہونا) ضروری ہے تو مصنف نے ان توابع کی تفصیل کر دی کہ
جن میں یہ حکم جاری ہوئے (اور یہ حکم توابع ثلاثہ صفت و عطف بیان اور تاکید میں مطلقا جاری

بھی پرادھ سکتے ہیں اور مضاف کا اعتبار کرتے
ہوئے فاعل کو مضاف الیہ ہونے کی حیثیت
سے مجرد بھی علی هذا القیاس اگر مضاف الیہ
مفعول ہوگا تو اس کو بدجہ مذکورہ منصوب بھی
پرادھ سکتے ہیں اور مجرد بھی پس چونکہ اس میں مضاف
الیہ اپنے مضاف سے منفصل یعنی علیحدہ ہو کر
مضاف مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لئے
مفرد کی طرح رفع و نصب دونوں جائز ہوں
گے رفع باعتبار لفظ پر عطف ہونے کے اور
نصب بنا بر محل اعراب پر معطوف قرار دینے
جانے کے والٹر اعلم ۱۲

۱۱ قولہ ولما لم يحرك الحكم عبارت
ایک سوال مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ

الحسن وجهہ مشابہ مضاف کی مثال ہے اس میں
وجهہ الحسن کا فاعل ہے پس الحسن اگرچہ اس کی
جانب مضاف نہیں مگر مشبہ مضاف مفرد ہے
کیونکہ وجهہ کے ذکر کے بغیر الحسن کہنا کوئی فائدہ
نہیں دیتا پس اس میں تابع یعنی الحسن وجهہ میں
رفع اور نصب کی بنوجہ بالا دونوں صورتیں ہو
سکتی ہیں اب رہی یہ بات کہ ان دونوں میں جواز
رفع و نصب کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے
کہ اضافت لفظیہ اور مشبہ مضاف بقدر الفصال
ہوتے ہیں یعنی چونکہ اس میں خود اپنے معمول کی
کی طرف اضافت ہوتی ہے اس لئے اگر اضافت
فاعل کی طرف ہوتی ہے تو مضاف الیہ کو فاعل ہونے
کی حیثیت سے اپنے مضاف سے جدا کر کے مرفوع

فیماءو محتاج الیه فقال من التأكيد ای المعنوی لان التأكيد اللفظی
حکمہ فی الاغلب حکم الاول اعراباً و بناءً نحو یازید زید و قد یعجز
اعرابہ دفعا و نصبا و کان المختار عند المصنف ذلک و لذلک لم یقید
التأكيد بالمعنوی و الصفة مطلقا و عطف البیان کذلک و
المعطوف بحرف المتعین دخول یا علیه یعنی المرفع باللام بخلاف

ہے اور اس میں قید (المتعین دخول یا علیہ) کی مراد کر دی جس میں کہ قید کی حاجت تھی۔ تو فرمایا
"تاکید ہے" یعنی تاکید معنوی سے (معنوی کی قید کی وجہ یہ ہے کہ) تاکید لفظی کا حکم اغلب مذاہب
میں اعراب و بناء کی رو سے اول کا حکم ہے جیسے یازید زید اور کبھی جائز سمجھا جاتا ہے (بجواز از
تجوز) تاکید لفظی کا اعراب رفع کی رو سے کہ لفظ پر محمول ہو جیسے یازید یا زید پہلا زید ثانی یعنی
برضہم اور دوسرا مرفوع اور نصب کی رو سے (محل پر محمول کر کے جیسے یازید زید) اور گویا کہ مصنف
کے نزدیک یہی (جواز رفع و نصب) مختار ہے اسی وجہ سے انہوں نے تاکید کو معنوی کی قید سے
مقید نہیں کیا (اور صفت) مطلقا (خواہ مشتق ہو یا نہ خواہ بحال موصوف ہو یا نہ) (اور عطف بیان
اسی طرح) یعنی صفت کی طرح خواہ مشتق ہو یا نہ (اور معطوف ایسے حرف سے کہ اس پر یا کا دخول
ممنوع ہو یعنی صرف لام ہر کہ مطلق معطوف کہ حکم آئندہ معطوف میں مطلقا جاری نہیں ہوتا مقیدا
جاری ہوتا ہے اور مصنف نے والمعطوف المرفع باللام کی بجائے المتعین دخول الام اس لئے کہا تاکہ
مانع کے مستقل ہونے کی طرف اشارہ ہو اور مانع اس پر دخول یا کا امتناع ہے اور اس لئے تاکہ اس
سے یا محمد اور یا اللہ خارج ہو جائے کہ اسمیں رفع متعین ہے) بدل اور ایسے معطوف کے برخلاف

محل ہر وہ چوتھو تمام توابع میں جاری نہیں ہوتا
بلکہ بعض میں جاری ہوتا ہے اور بعض میں نہیں
اس لئے ان بعض کی تفصیل و تعیین کے لئے
کہ جن میں حکم آتی جاری ہوتا ہے من التأكيد الخ
سے ذکر کر دیا اور جن بعض میں یہ حکم جاری ہوتا
ہے تو مطلقا جاری نہیں ہوتا بلکہ بعض میں اضافہ
قید کی ضرورت رہتی ہے تو مصنف نے ان
توابع کو بیان کر دیا جن میں ترفع علی لفظ الخ
کا حکم جاری ہوتا ہے اور بدل کو ذکر نہیں کیا۔
کیونکہ اس میں یہ حکم مذکور جاری نہیں ہوتا (اس
کا بیان مستقلا علیحدہ آرہا ہے) اور جن بعض
میں قید کی احتیاج تھی ان میں قید کا اضافہ کرنا
درہ اگر مطلقا ذکر کیا جاتا تو جس میں یہ قید مذکور
نہیں ہے اس کا حکم علیحدہ ہے پس وہ بھی اسی

مصنف کو من التأكيد والصفة الخ کے ذکر کی حاجت
نہیں تھی جبکہ توابع کو مفرد کے ساتھ مقید کر دیا
تھا کیونکہ توابع کو قید افراد کے ساتھ مقید کرنے
سے خود بخود تاکید وغیرہ سمجھ میں آجاتے ہیں پس
خواہ مخواہ عبارت کو طول دیا گیا حالانکہ اصل
ایجاز و اختصار ہے پھر اگر ان کو افراد ذکر کیا
بھی تھا تو بدل بھی تو توابع میں سے ہے اس کو
کہیں نہیں ذکر کیا اور پھر بعض کو بعض قیودات
کے ساتھ مقید کرنے کی کیا وجہ ہے؟ مثلاً
معطوف کو قید بحرف المتعین دخول یا علیہ کے
ساتھ مقید کیا ہے اور بعض کو مقید نہیں کیا ان سب
کا باعث کیا ہے اس کا جواب شائع دلائل مجر
سے یہ ہے کہ جو حکم عنقریب توابع کا
بیان کیا جائے گا یعنی ترفع علی لفظ و نصب

میں داخل ہوتا اور مطلب غلط ہو جاتا و انش
اعلم ۱۲۔

۸۔ قولہ فقال من التأكيد التوسیع
مصنف کے ذہن میں مذکورہ بالا شے موجود تھی
تو انہوں نے اس کو مد نظر رکھ کر بعض توابع کی
تفصیل کرتے ہوئے من التأكيد فرمایا شائع
کہتے ہیں کہ تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے اس
لئے کہ تاکید لفظی کا حکم اکثر استعمال میں دی ہے
جو مذکور یعنی اول کا ہے اعراب اور بناء کے اعتبار
سے یعنی اگر اول معرب ہوگا تو تاکید بھی معرب
ہوگی اور اگر اول مبنی ہوگا تو تاکید کا بھی مبنی ہونا نصیبی ہے
کیونکہ دونوں کے الفاظ اور معنی ایک ہی ہوتے
ہیں۔ جیسے یازید زید یعنی چونکہ اس میں اول مبنی علی
انضم ہے۔ اس لئے ثانی بھی مبنی علی انضم ہوگا کیونکہ
جب ثانی میں اول ہے تو حرف ثانی میں تسلیم کیا
جائے گا۔ پس اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ یازید یا زید اور
بعض اس میں اعراب کی بھی تجویز کرتے ہیں۔ رفع و نصب
کے اعتبار سے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ الفاظ میں
اصل اعراب ہے اور بناء عامضی ہوتی ہے۔ لہذا
وہ تاکید میں سرایت نہیں کریگی پس تاکید لفظی معرب
ہوگی۔ مبنی نہیں پھر اس میں دونوں صورتیں ہیں۔ اگر
لفظ کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ تو تاکید مرفوع لائی جائیگی
جیسے یازید زید اور اگر محل اعراب کا اعتبار کرتے ہیں
تو یازید زید کہیں گے کیونکہ زید اول اپنے محل
کے اعتبار سے مفعول ہے اور مفعول بہ منصوب
ہے۔ پس تاکید کو بنا بر مفعولیت منصوب لائے۔
مصنف کا مذہب مختار بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسی
لئے مصنف نے تاکید کو معنوی کے ساتھ اپنی عبارت
میں مقید نہیں کیا لیکن شارح نے تاکید کو لفظی کے
ساتھ مقید کر کے مذہب جمہور کا اتباع کیا ہے۔
مصنف کے مذہب کو نظر انداز کر دیا و اظہار

۹۔ قولہ والصفة مطلقا و دسراتابع
صفة مطلقہ ہے یعنی عام ان میں کہ وہ مدح کیلئے
ہو یا ذم کے لئے عام ہو یا خاص موصوف ہو یا غیر
موصوف اور تیسرا تابع عطف بیان ہے یہ بھی

البدل والمعطوف الغير المتنع دخول يا عليه فان حكما غير حكما كما سيحى
 ترفع حملا على لفظه الظاهر والمقدر لان بناء المنادى عوضا فيشبه
 المعوب فيجوز ان يكون تابعة تابعا للفظه وتنصب حملا على محله
 لان حق تابع المنادى المبني ان يكون تابعا لمحله وهو هنا منصوب المحل
 بالفعولية مثل يا ايم جمعون واجمعين في التاكيد يا زيدا العاقل
 والعاقل في الصفة واقتصر على مثالها لانها اكثر واشهر ويا غلام بشر و
 بشر في اعطف البيان ويا زيدا والحارث والحارث في المعطوف بحرف المتنع

صفت کی طرح مطلقا ہے اور اس میں بھی وہی نہیں
 ہے یعنی مشتق ہو یا غیر مشتق وغیرہ اور چونکہ تابع
 ایسا معطوف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل
 ہونا متنع ہے یعنی معرف باللام پر حرف ندا کا
 داخل ہونا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں
 دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم آتا ہے ایک
 حرف ندا کا ہونا دوسرے معرف باللام
 ہونا اور ان دونوں کا اجتماع ناجائز ہے
 بخلاف بدل اور اس معطوف کے کہ جس
 پر دخول یا متنع نہیں تو چونکہ ان دونوں
 کا حکم ان چاروں کے حکم کے مغایر ہے اس
 لئے ان کا بیان علیحدہ آئے گا واللہ اعلم
 ۵۸۰ قولہ ترفع حملا الخ حملا
 کے اضافہ سے شایع نے ظاہر کیا ہے کہ جہاں
 بحرور اپنے متعلق کے اعتبار سے ترفع کا
 مفعول ہے پس ان توابع کا حکم یہ ہے
 کہ لفظ منادی پر ان کو حمل کرتے ہوئے ترفع
 پر ہونا جائز ہے عام ازیں کہ اس منادی
 پر اعراب ظاہر ہو یا مقدر یعنی منادی کا
 اعراب خواہ لفظوں میں موجود ہو جیسے یا زید
 یا نہ ہو تقدیری ہو جیسے یا فتنے بہر صورت
 لفظ منادی پر حمل کرتے ہوئے تابع کو مرفوع
 پر لے جائیں گے اس لئے کہ ان کا مقبوع یعنی
 منادی لفظاً مرفوع ہے اور بنا منادی
 عارضی ہے پس وہ معرب کے ساتھ مشابہ
 ہو جائے گا پس جائز ہو گا کہ منادی مفرد
 معرفہ کا تابع لفظ کے تابع ہو بنا علی ضم
 کے تابع نہ ہو پس یا زید عاقل میں عاقل
 کو لفظ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پر لے جائیں
 گے اور یہ بھی جائز ہے کہ توابع مذکورہ کو
 منادی مبنی کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب
 پر لے جائیں اس لئے کہ منادی مبنی کے تابع کا
 حق یہ ہے کہ وہ محل مقبوع کا تابع ہو اور وہ
 محل مقبوع اس جگہ چونکہ مفعولیت کی بنا پر
 منصوب المحل ہے لہذا اس کے توابع بھی

کہ جس پر یا داخل ہونا متنع نہیں ہے کہ ان دونوں کا حکم دوسرے توابع کے حکم کے علاوہ (یعنی
 مختلف و متغایر) ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا (رفع دیا جائیگا توابع کو) محمول کر کے ہو
 «منادی کے لفظ پر» ظاہر (منادی) پر جبکہ منادی لفظاً مبنی بر ضم ہو جیسے یا زید العاقل
 یا مقدر پر جبکہ منادی تقدیری طور پر مبنی علی الغنم ہو جیسے یا فتنی العاقل کیونکہ منادی کا مبنی ہونا
 عارضی (غیر اصلی) ہے لہذا منادی (من حیث مرد من اعراب الاسم) معرب کے مشابہ ہوا (کہ جیسا طرح
 حامل کی وجہ سے اسم کو اعراب عارضی ہوتا ہے اسی طرح منادی مفرد معرفہ کو بھی بنا عارضی مبنی
 ہے) تو جائز ہے کہ منادی مفرد معرفہ کا تابع لفظ میں اس کا تابع ہو (پس وہ مرفوع ہوگا) لا اور
 توابع کو نصب دیکھائے گی» محمول کرتے ہوئے «منادی کے محل پر» کیونکہ منادی مبنی کے تابع
 کا حق یہ ہے کہ منادی کے محل کا تابع ہو اور وہ یہاں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب المحل
 ہے «جیسے» یا تیم جمعون اور اجمعین تاکید میں اور «یا زید العاقل» اور العاقل صفت میں اور
 مصنف نے صفت کی مثال پر اکتفا کیا کیونکہ صفت اکثر واشہر ہے اور یا غلام بشر و بشر (غلام
 مبنی بر ضم اور بشر اول مرفوع اور ثانی منصوب) عطف بیان میں اور یا زید والحارث والحارث

منصوب ہوں گے واللہ اعلم ۱۲۔
 ۵۸۱ قولہ مثل یا تیم الخ جیسے تاکید
 کی مثال میں یا تیم اجمعون اور اجمعین دونوں
 کہہ سکتے ہیں اجمعون بنا بر حمل علی اللفظ ہو
 گا اور اجمعین منصوب بالیا بنا بر مفعولیت
 محل بر حمل کے اعتبار سے اور یا زید العاقل
 والعاقل صفت میں کہہ سکتے ہیں یعنی بوجہ
 مذکورہ العاقل میں رفع و نصب دونوں جائز
 ہیں اب رہی یہ بات کہ مصنف نے صرف
 صفت کی مثال پر ہی کیوں اکتفا کیا دیگر
 توابع کی اس شدہ کیوں نہیں ذکر کی تو اس

کی وجہ شایع و اقتصر الخ سے یہ بتا ہے
 ہیں کہ اس پر اس لئے اقتصار کیا کہ وہ اکثر
 اور مشہور ہے اور عطف بیان کی مثال میں
 یا غلام بشر و بشر کہہ سکتے ہیں اور اس
 معطوف کی مثال میں کہ جس پر یا زید کا داخل ہونا
 متنع ہے یا زید الحارث والحارث کہیں گے
 وجہ اور مذکور ہو چکی۔ اب اس جگہ ایک
 سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ والمعطوف
 بحرف نا المتنع دخول یا علیہ سے مراد معرف
 باللام ہے تو اس قدر طول اختیار کرنے کی
 کیا ضرورت تھی صرف والمعطوف المعرف

مَعُولُ يَأْمِلُهُ وَالْخَلِيلُ بْنُ أَحْمَدَ وَهُوَ اسْتَاذُ سَبُوءِيَّةٍ فِي الْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ
الْمَتْنَعِ دَخُولُ يَأْمِلُهُ يَخْتَارُ الرَّفْعَ مَعَ تَجْوِيزَةِ النِّصْبِ لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ بِحَرْفِ
فِي الْحَقِيقَةِ مَنَادِيٌّ مُسْتَقِلٌّ فَيَتَّبَعِي أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ جَارِيَةٍ عَلَيْهِ عَلَى
تَقْدِيرِ مَبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ لَهُ وَهِيَ الضَّمَّةُ أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَهَا وَلَكِنْ
لَمَّا لَمْ يَبَاشَرِ حَرْفُ النِّدَاءِ جُعِلَتْ تِلْكَ الْحَالَةُ أَعْرَابًا فَصَارَتْ رَفْعًا
وَأَبُو عَمْرٍو بْنُ الْعَلَاءِ النُّحْوِيُّ الْقَارِئُ الْمَقْدَمُ عَلَى الْخَلِيلِ الْخُتَّارِ فِيهِ
النِّصْبُ مَعَ تَجْوِيزَةِ الْوَفْعِ فَإِنَّهُ لَمَّا مَتَّعَ فِيهِ تَقْدِيرَ حَرْفِ النِّدَاءِ بِوَسْطَةِ

معطوف بہ حرف میں کہ اس حرف پر یا کا دخول ممنوع ہے (اور خلیل) بن احمد اور وہ سیبویہ کے
استاد ہیں (معطوف میں) ایسے حرف کے ذریعے کہ اس پر یا کا داخل ہونا ممنوع ہو (رفع کو
پسند کرتے ہیں) نصب کو جائز قرار دینے کے باوجود کیونکہ معطوف بہ حرف در حقیقت منادی
مستقل ہے تو مناسب ہے کہ منادی مبنی پر جس کا عطف ڈالا جائے وہ (معطوف ایسی حالت
پر ہو جو اس پر حرف نداء کے داخل ہونے کی حالت کی تقدیر پر جاری ہوتی ہے اور وہ حالت
ضم ہے یا جو ضم کے قائم مقام ہو (جیسے تثنیہ میں الف اور جمع میں واو) اور لیکن جبکہ معطوف
پر حرف نداء داخل نہیں ہوا (کہ لام ال مانع ہے) تو اس حالت (یعنی بناء بر ضم وغیرہ) کو
اعراب بنا دیا گیا (کہ اسم اعراب میں اصل ہے اور اس میں کوئی مانع بھی نہیں) پس وہ (حالت)
رفع بن گئی (لہذا معطوف مذکور مرفوع ہو گیا خواہ بالضم خواہ بالالف و تثنیہ خواہ بالواو و در جمع مبنی
نے کہا کہ رفع اولی ہے تاکہ معنی کی رو سے توابع کے مستقل منادی ہونے پر تثنیہ ہو جائے) (اور
ابو عمرو) بن علاء نحوی قاری جو کہ (زمانہ میں) خلیل سے مقدم ہے اس (معطوف مذکور) میں
نصب کو اختیار کرتے ہیں رفع کی تجویز کے ساتھ کہ جب معطوف مذکور میں لام کے واسطہ

باللام کہہ دیا جاتا۔ جواب یہ ہے کہ اگر ایسا
کہا جاتا تو اسم توابع منادی کے بعض وہ
اقسام بھی داخل ہو جاتے کہ جن کا اخراج
مقصود ہے مثلاً یا محمد والشر کہ یہاں اگرچہ
الشر معرف باللام ہے مگر اس پر دخول یا
ممتنع نہیں بلکہ یا الشر کہتے ہیں پس اگر
طوالت نہ اختیار کی جاتی تو یہ حکم پر معطوف
معرف باللام کو شامل ہو جاتا حالانکہ مثال
مذکور میں الشر پر رفع متعین ہے نصیب اس
میں جائز ہی نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۲ قولہ والخلیل ابن الخریان

کیا جا چکا ہے کہ وہ معطوف بحرف جس پر یا
کا داخل ہونا ممتنع ہے جب منادی کا تابع
ہوگا تو اس میں جمہور کے نزدیک رفع نصب
دونوں جائز ہوں گے یہی مذہب خلیل
ابن احمد استاذ سیبویہ اور ابو عمرو بصری
کا بھی ہے لیکن ان دونوں میں قدرے
اختلاف ہے اس لئے مصنف اس کو
بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ خلیل ابن احمد
استاذ سیبویہ ایسے معطوف بحرف میں
کہ جس پر یا کا داخل ہونا ممتنع ہے رفع
کو مختار یعنی اولی قرار دیتے ہیں اور نصب

کو بھی جائز رکھتے ہیں مگر جانب مرجوح
میں ترجیح رفع کو ہی دیتے ہیں اس لئے کہ
معطوف در حقیقت منادی مستقل ہوتا
ہے اس لئے کہ حرف عطف حرف ندا کے
قائم مقام ہوتا ہے پس مناسب یہ ہے
کہ اس کو اسی حالت پر رکھا جائے جو حرف
ندا کے دخول کے بعد منادی مستقل کی ہے
یعنی ضمہ اور اس کے قائم مقام الف اور واو
یعنی جس طرح منادی مستقل اس پر یا کے

بعد ضمہ۔ الف۔ واو داخل ہوتا ہے
اسی طرح تابع پر بھی ضمہ الف داد آنے
چاہئیں مگر چونکہ تابع پر حرف ندا نہیں
داخل ہو سکتا اس لئے کہ معرفت باللام ہونا
دخول یا کو مانع ہے لہذا اس میں پوری
رعایت منادی مستقل کی نہ کر سکیں گے
بلکہ اس میں منادی مستقل کی حالت مبنی علی
الضم کو اعراب سے بدل دیں گے پس تابع
مرفوع ہو جائیگا پس رفع مختار ہوگا تاکہ تا
حد امکان کچھ نہ کچھ رعایت منادی مستقل
کی ہو سکے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۱ قولہ والیومرد الخ ابو عمرو ابن
العلاء بصری نحوی قاری جو کہ خلیل سے پہلے
ہو چکے ہیں اس میں نصب کو مختار کہتے ہیں
اور رفع کے بھی جواز کے قائل ہیں مگر وہی جانب
مرجوح میں جانب راجح نصب ہی۔ ابو عمرو اختیار
نصب کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب معطوف بحرف
پر دخول الف لام کے باعث حرف ندا کا
داخل ہونا ممتنع ہے تاکہ دو آکر تعریف کا
اجتماع لازم نہ آئے تو تابع کی حیثیت
منادی مستقل کی نہیں رہتی بلکہ منادی کے
مقابل کی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر اس کی
حیثیت منادی مستقل کی ہوتی تو اس پر
دخول یا ممتنع نہ ہوتا پس اس میں فقط تابع
ہونے کی حیثیت ہوگی اور صرف تبعیہ کا
حکم دیا جائے گا اور چونکہ مبنی کا تابع اپنے

متبوع کے محل کا تابع ہوتا ہے اور محل اس کے متبوع کا نصب ہے بنا پر مفعولیت کے لہذا نصب مختار ہوگا اور رفع غیر پسندیدہ جواز کے درجہ میں والٹر اعلم ۱۲۔

۸۸۴ قولہ و ابوالعباس الخیریاں سے تیسرا شخص دونوں کے اقوال کے بارے میں بطور ثالث کے اپنا فیصلہ دیتا ہے ابوالعباس مبرد کی کنیت ہے یہ کہتے ہیں کہ اگر معطوف مذکور الحسن کی مانند ہو یعنی اسم الحسن کی مانند کہ اس سے لام کا حذف جائز ہو تو تحلیل کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی ای ابوالعباس اختیار رفع میں خلیل کی مثل ہیں کیونکہ اس معطوف بحرف میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ منادی مستقل بن سکے جبکہ اس سے لام تعریف کو علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ لام تعریف دخول یا سے مانع تھا پس جب وہ معطوف سے دور ہو سکتا ہے تو اب اس کا حکم منادی مستقل کا لا محالہ ہوگا اور اس میں منادی مستقل کی رعایت کی جائے گی پس رفع مختار ہوگا اور اگر معطوف مذکور اسم الحسن کی طرح نہ ہو یعنی اس سے لام تعریف کو جدا کرنا جائز نہ ہو تو چونکہ یہ لام کلمہ کے جنس کی مانند ہوتا ہے جیسے النجم اور الصق فہم کہ ان دونوں میں لام کلمہ کا جزر ہو گیا ہے جبکہ کسی شخص کے علم ہوں لہذا ابو عمرو کا قول مختار ہوگا کیونکہ اس وقت اسکی حیثیت منادی مستقل کی نہیں ہو سکتی پس صرف تابع ہونے کا حکم دے کر نصب کو مختار قرار دیا جائے گا اور رفع بھی جائز ہوگا ابسی کو مصنف کہتے ہیں والا نکابی عمرو یعنی اس صورت میں ابوالعباس اختیار نصب میں ابو عمرو بصری کے مثل ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کو منادی مستقل بنانا متنع ہے۔

بواسطة اللام لا یكون منادی مستقلاً فله حكم التبعیة وتابع المبنى تابع محل
وحملہ النصب و ابوالعباس المبردان كان المعطوف المذكور كالنجم
ای کاسم الحسن فی جواز نزاع اللام عنه و كالتخیل ای قابوالعباس مثل
التخیل فی اختیار رفعه لامکان جعله منادی مستقلاً بنزع اللام عنه و الا
ای وان لو یکن المعطوف المذكور کاسم الحسن فی جواز نزاع اللام عنه مثل
النجم والصق فکافی عمرو ای قابوالعباس مثل ابی عمر فی اختیار النصب
لامتناع جعله منادی مستقلاً والمضافه عطف علی المفردة ای و

کیونکہ سے حرف نداء کی تقدیر جائز نہ ہوئی تو اس (معطوف) کیلئے تبعیت کا حکم ہوا اور مبنی کا تابع اس (منادی) کے محل کے تابع ہے اور منادی کا محل نصب ہے (اور ابوالعباس) متبوع (اگر ہو) معطوف مذکور (الحسن کی طرح) یعنی اسم الحسن کی طرح ہو کہ دراصل علم تمام معنی متعریف کہ اس میں تھا کی تاکید کے لئے اسے معرفہ باللام کر دیا گیا اسی لئے لام تعریف کو اس سے الگ کرنا جائز ہے (اس اسم سے لام کے الگ کرنے کے جواز میں) (امام مبرد) (لا پس خلیل کی مانند ہیں) یعنی پس ابوالعباس اس اسم کے رفع کے اختیار کرنے میں خلیل کی مانند ہیں (کہ ان کے نزدیک رفع تھا ہے) کیونکہ اس اسم سے لام دور کر کے اسے مستقل منادی کیا جاسکتا ہے (اور نہ) یعنی اگر معطوف مذکور اس سے لام کے دور کرنے میں اسم الحسن کی مانند نہ ہو (اس سے لام کو دور کرنا جائز نہ ہو بلکہ لام بعض حروف کلمہ کی طرح ہو اور یہ اسم میں) النجم (اور البیت اور الکتاب اور ایام اسبوع الاحد اور الاثنین اور الاثنا عشر اور الاربعاء اور الخميس اور الشریا کے مثل اور صفت میں) الصق کی طرح (کہ یہ اسم شہر کا نام ہو گیا کہ جسے صاعقہ پہنچا لہذا اس کلام لازم ہو گیا) (لا پس ابو عمرو کی طرح ہے) یعنی پس اس (معطوف مذکور) کے منادی مستقل نہ بنائے جاسکتے کی وجہ سے (کہ اس سے لام کو الگ نہیں کیا جاسکتا) نصب کے پسند کرنے میں ابوالعباس ابو عمرو کی طرح ہے (اور

الصق میں والٹر اعلم ۱۲۔

۸۸۵ قولہ والمضافه الخ اس کا عطف المفردة پر ہے جو کہ توابع کی صفت ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے و توابع المنادی المبنی علی ما رفع به المضافه بالمضافه التحقیقہ مفروہی تقسیم کی گئی تھی کہ مفرد حقیقی ہو یا حکمی ہو پس حکمی میں اضافت لفظیہ اور شبہ مضاف داخل ہو گئے تھے اور ان کا حکم وہی تھا جو مفرد حقیقی کا ہے یعنی جواز رفع و نصب پس اب مفرد حقیقی اور حکمی سے فاسخ ہو کر مصنف

(فائدہ) علم جب لام کے ساتھ وضع نہ کیا گیا ہو تو اس پر دخول لام جائز ہوگا بشرطیکہ علم اپنی اصل کے اعتبار سے صفت یا مصدر ہو جیسے الحسن (صفت مشبہ) اور الفضل (مصدر) پس جب اس پر دخول لام جائز ہو تو لام کا اس سے حذف کرنا بھی جائز ہوگا لیکن جب لام کے ساتھ علم وضع کیا گیا ہو تو اس سے لام کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں لام بمنزلہ جزر کلمہ کے ہو جاتا ہے جیسے النجم اور

توابع المنادی المبني على ما يرفع به المضافة بالاضافة الحقيقية تنصب
لانه اذا وقعت منادى تنصب فنعنيها اذا وقعت توابع اولى لان حرف النداء
لا يباشرها مثل ياتيم كلم في التاكيد ويازيد ذالمال في الصفة ويارجل ابا
عبد الله في عطف البيان ولا يجي المعطوف بحرف الامتنع دخول عليه مضافا
لان اللام يمتنع دخولها على المضاف بالاضافة الحقيقية والبذل و
المعطوف غير ما ذكر اي غير المعطوف الذي ذكر من قبل وهو الامتنع
دخول يا عليه فغير المعطوف الذي لا يمتنع دخول يا عليه حكمه اي حكم
كل واحد منها حكم المنادى المستقل الذي يابشره حرف النداء وذلك

مضاف) یہ مفردہ بر عطف ہے یعنی منادی مبنی اس پر کہ اس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے کے توابع
جو کہ اضافت حقیقیہ (مثنوی) کے ساتھ مضاف ہوں (کہ اضافت نقلی والوں میں تو دو صورتیں
جائز ہیں رفع و نصب کما مر) لا منصوب ہوں گے کیونکہ جب وہ منادی واقع ہوتے ہیں تو منصوب
ہوتے ہیں پس جبکہ توابع واقع ہوں تو ان کی نصب (بہ طریق) اولی ہے (یعنی واجب ہے یہاں اولیت
بہ طریق وجوب مراد ہے) کیونکہ ان پر حرف نداء داخل نہیں ہو سکتا جیسے یاتیم کلیم تاکید میں اور یازید
ذالمال صفت میں اور یارجل ابا عبد اللہ اور یازید عبد اللہ عطف بیان میں اور معطوف الی
حرف سے کہ اس پر یا کا دخول ممنوع ہے (یعنی معرفہ باللام) مضاف ہو کر نہیں آتا کیونکہ مضاف
بہ اضافت حقیقیہ (مثنوی) پر لام کا دخول ممنوع ہے لا اور بدل اور معطوف اس معطوف کے
علاوہ جو کہ مذکور ہوا یعنی اس معطوف کے علاوہ جس کا پہلے ذکر کیا گیا اور وہ (کہ جس کا پہلے ذکر ہوا)
وہی معطوف ہے کہ اس پر دخول یا ممنوع ہے (یعنی معرفہ باللام) تو اس کے علاوہ وہ معطوف ہے
کہ جس پر دخول یا ممنوع نہیں ہے (یعنی وہ معطوف جو کہ لام تعریف کے بغیر ہو) اس کا حکم یعنی
ان دونوں میں سے ہر ایک کا حکم منادی مستقل کا حکم ہے کہ جس پر حرف نداء داخل ہے اور یہ

اس کی ضد یعنی مضاف باضافہ معنویہ حقیقیہ
کا ذکر کرتے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ مبنی علی
اربع کے توابع اگر مضاف باضافہ حقیقیہ
ہوں تو ان کو نصب یا جائے گا اس لئے کہ
توابع مضاف اگر منادی واقع ہوں تو چونکہ
منادى ہے قید افراد داخل ہو جاتی ہے اس
لئے بنا علی الرفع کلیم حکم بھی مر نفع ہو جائیگا
اور منادی بر بنار مفعولیت منصوب ہوگا
پس جب اندر یہ صورت خود منادی کے

لئے نصب کا حکم ہو جاتا ہے تو توابع کیلئے
بدوہ اولی ہوگا اس لئے کہ اس وقت اس پر
حرف نداء داخل نہیں اور جب حرف نداء داخل
نہ ہو تو یہ اپنی اصل پر ہے گا اور اصل منادی
میں نصب ہے فعل محذوف کا مفعول یہ
ہونے کی وجہ سے لہذا توابع کو نصب یا
جائیگا جیسے یاتیم کلیم تاکید کی مثال میں اور
یازید ذالمال مثال صفت میں اور یارجل
ابا عبد اللہ عطف بیان میں لیکن ایسا معطوف

بحرف کہ جس پر دخول یا ممنوع ہو یعنی معطوف
معرفہ باللام تو یہ مضاف ہو کر مستقل نہیں ہوتا اس
لئے کہ لام کا دخول مضاف باضافہ حقیقیہ ممنوع ہوتا
ہے اس لئے کہ اضافہ حقیقیہ کے لئے تحریر عن
اللام التعریف شرط ہے بخلاف اضافہ لفظیہ کے
کہ اس پر لام تعریف داخل ہو سکتا ہے اس لئے
کہ اضافہ لفظیہ انفصال کے حکم میں ہوتی ہے کما
مراد اللہ اعلم۔

۵۱۶ قولہ والبدل الخ ترکیب البدل مطو

علیہ واو حرف عطف المعطوف بوصف یا مبدل منہ
غیر ما ذکر صفت یا بدل بوصف اپنی صفت یا مبدل
منہ اپنے بدل سے مل کر معطوف معطوف علیہ اپنے
معطوف سے مل کر مبتداء اول حکم مبتداء ثانی حکم
المستقل مطلقا مبتداء ثانی کا خبر مبتداء ثانی اپنی خبر
سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی مبتداء اول
کی مبتداء اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ
ہوا مطلب یہ ہے کہ بدل اور وہ معطوف جو
مذکورہ معطوف کا غیر ہے یعنی ابھی اس معطوف بحر
کا ذکر کیا گیا تھا جس پر دخول یا ممنوع ہے تو اس
کا غیر وہ معطوف ہوگا کہ جس پر دخول یا جائز ہے
ممنوع نہیں ہے ان دونوں کا حکم اس منادی مستقل
کا ہے کہ جس پر حرف نداء داخل ہو اس معنی
بعینہ جو حکم منادی کا ہوگا وہی بدل اور اس
معطوف کا بھی ہوگا اس لئے کہ بدل کی صورت میں
بدل مقصود بالذکر ہو کر تا ہے رہا مبدل منہ خود وہ
صرف توطیہ اور تمہید کے لئے لایا جاتا ہے تاکہ
اس تمہید کے بعد بدل کو ذکر کر سکیں پس منادی
حقیقیہ میں بدل ہے مبدل منہ نہیں پس بدل منادی
مستقل کا مثل ہو جائے گا۔ ایسے ہی وہ معطوف محض
یعنی جوام تعریف سے خالی ہو اور دخول یا اس
پر ممنوع نہ ہو تو یہ بھی حقیقت میں منادی مستقل ہے
اس لئے کہ معطوف گویا کہ معطوف ہوتا ہی نہیں
اس لئے کہ حرف عطف حرف نداء کے قائم مقام
ہو جاتا ہے اور معطوف پر حرف نداء کے داخل
ہونے سے کوئی مانع بھی نہیں ہے پس حرف

نہ اس میں مقدر ہوگا۔ پس یہ منادی مستقل کی مثل ہو جائے گا۔ اور جب منادی مستقل کی مثل ہو جائیگا۔ تو جو حکم منادی کا ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا واللہ اعلم۔

۵۸۷ قولہ مکذہم انہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر دو چیزیں بیان کی گئی ہیں بدل اور معطوف اور جب ان دونوں کا حکم بیان کیا جائے گا تو حکم میں صرف ضمیر واحد لائے حالانکہ مکمل کیا جائے تھا تاکہ مرجع اور ضمیر میں مطابقت ہو جاتی شارح نے ہی حکم کل واحد منہما سے جواب دیا کہ ضمیر مفرد اس وجہ سے لائی گئی ہے۔ کہ صفت دونوں کو کل واحد واحد کے مرتبہ میں لیا۔ نیز بتا دیا کہ مذکور بھی ضمیر مفرد لانا صحیح ہے اس لئے کہ لفظ مذکور واحد ہے تنہی نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۸ قولہ مطلقاً الخ شارح نے ای حال کو نہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلقاً حکم کی ضمیر مضاف الیہ سے حال واقع ہے اور مضاف الیہ سے حال بنانا اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا جائے اور یہاں ایسا ہو سکتا ہے اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں وہ مطلقاً کالمنادی المستقل بہر حال بدل اور اس معطوف کا حکم جو کہ غیر معرف باللام ہے منادی مستقل کا ہے اور یہ ہر حال میں ہے کسی مخصوص حالت کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ وہ دونوں مفرد ہوں یا دونوں مضاف ہوں یا شہ مضاف یا نکرہ واللہ اعلم ۱۲۔

۵۸۹ قولہ فالبدل الخ پس بدل کی مثالیں حسب ذیل ہیں جیسے یازید عمرو یہ بدل مفرد یعنی غیر مضاف کی مثال ہے یازید اخا عمرو یہ بدل مضاف کی مثال ہے اس میں بدل بنابر مفعولیت منصوب ہے یازید طالعاً جبلاً یہ بدل شہ مضاف کی مثال ہے اس میں

لان البدل هو المقصود بالذکر والاول كالتوطية لذكره والمعطوف للنصوص منادی مستقل فی الحقیقۃ ولا مانع من دخول حرف النداء مقدراً فیہ مطلقاً ای حال کون کل واحد منہما مطلقاً فی ہذا الحکم غیر مقید بحال من الاحوال ای سواء كانا مفردین او مضافین او مضافین للمضاف او نکرین فالبدل مثل یازید عمرو و یازید اخا عمرو و یازید طالعاً و یازید جبلاً صالحاً والمعطوف مثل یازید عمرو و یازید و اخا عمرو و یازید و طالعاً و یازید و جبلاً صالحاً والعلم ان المنادی المبیح علی الضم اما کوئہ

یعنی یہ جو بدل اور معطوف مجرد عن اللام کا حکم منادی مستقل کا حکم ہے اس لئے کہ بدل ہی کلام سے مقصود بالذکر ہے اور اول (یعنی بدل منہ) تو بدل کے ذکر کے لئے تمہید کی مانند ہے اور معطوف مخصوص (یعنی معطوف مجرد عن اللام) در حقیقت منادی مستقل ہے (گویا منادی معطوف ہی نہیں کہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہے کہ ہمارا قول یازید و عمرو و یازید یا عمرو کے بمنزلے ہے) اور (صورت حال یہ ہے کہ) اس پر حرف نداء کے دخول سے کوئی مانع نہیں تو (معطوف علیہ کے قرینہ کی وجہ سے) اس میں حرف ندا مقدر ہوگا (لہذا وہ منادی مستقل ہوگا) (مطلقاً) یعنی دونوں (بدل اور معطوف مجرد عن اللام) میں سے ہر ایک کے اس حکم (منادی مستقل کی مانند ہونے میں) مطلق ہونے کی حالت میں احوال (اربع افراد و اضافت و مشابہ مضاف و نکرہ) میں سے کسی حال کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ دونوں مفرد ہوں یا مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ ہوں پس بدل جیسے یازید عمرو (بدل الکل ہے) اور یازید اخا عمرو (بدل الکل مضاف) اور یازید طالعاً و یازید جبلاً (بدل الکل مشابہ مضاف) اور یازید و جبلاً صالحاً (یہ نکرہ کی مثال ہے جو معرفہ سے بدل کل ہے اور ایسی صورت میں نکرہ کی صفت لانا ضروری ہے لہذا صالحاً ساتھ لایا گیا) اور معطوف (کی مثالیں یہ ہیں) یازید و عمرو (دونوں مبنی بر ضم) اور یازید و اخا عمرو و یازید و طالعاً و یازید و جبلاً صالحاً (یہاں نکرہ کی صفت محض مشاکلت کی وجہ سے لائی گئی اگرچہ حاجت نہ تھی کہ عطف میں وہ شرط نہیں جو بدل میں شرط ہے) (اور علم) یعنی علم منادی مبنی بر ضم ہر حال منادی تو اس لئے کہ کلام منادی میں

بھی بدل منصوب ہے یازید و جبلاً صالحاً یہ بدل نکرہ کی مثال ہے اس میں بھی بدل بر بنا مفعولیت منصوب ہے علی ہذا القیاس معطوف کی مثالیں جیسے یازید و عمرو و دونوں مبنی علی الضم ہیں اس لئے کہ دونوں مفرد ہیں یازید و اخا عمرو و معطوف علیہ مبنی علی الضم ہے اور معطوف بر بنا مفعولیت منصوب یہ مضاف کی مثال ہے یازید و طالعاً جبلاً جبکہ معطوف مشبہ

مضاف ہے بر بنا مفعولیت منصوب ہے یازید و جبلاً صالحاً معطوف نکرہ ہے اور یہ بھی منصوب ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۹۰ قولہ والعلم انہ یہ قاعدہ ضابطہ سابق سے بطور استثناء کے ہے کیونکہ ما قبل میں کہا گیا ہے کہ جب منادی مفرد معرف ہوگا تو ہر حالت میں مبنی علی الضم ہوگا پس اب اس سے استثناء کے بطور کہتے ہیں کہ جو علم منادی

امنادی فلان الکلام فیہ واما کونه مبتدأ علی الضم فلما یظہر من اختیار فتحہ
للنبي عن جواز ضمہ فان جواز الضمة لا یكون الا فی المبني علی الضم
الموصوف بائن مجرد عن التاء او ملحوق بها اعنی ابنة بلا تغلل واسطة
بین الابن وموصوفہ کما هو المتبادر الی الفہم فیخرج عنہ مثل یزید الخریف
ابن عمر ومضاف ای حال کون ذلک الابن مضافا الی علم الآخر فکل
علم یكون کذلک یجوز فیہ الضم کما عرفت من قاعدة بناء المفرد علی ما

ہے اور اس کا مبنی بر ضم ہونا اس وجہ سے ہے جو کہ مصنف کے (قول یختار فتحہ) فتحہ کو اختیار
کرنے سے جو منادی کے ضمہ کے جواز کا پتہ دیتا ہے سے سمجھی جا رہی ہے کہ ضمہ کا جواز مبنی بر ضم
میں ہی ہو سکتا ہے و موصوف ابن کے ساتھ تاء سے خالی ہو یا ملحوق بالتاء یعنی ابنتہ ہو، ابن اور اس
کے موصوف کے درمیان کسی واسطہ (فاصلہ) کے حامل ہوئے بغیر جیسا کہ یہ متبادر الی الفہم ہے کہ
صفت اور موصوف جب معنی میں متحد ہوں تو ان کے درمیان فاصلہ منع ہے) تو اس حکم سے یزید
الظریف ابن عمر (ابن پر نصب ہے کہ یہ تابع مضاف ہے لہذا منصوب ہی ہوگا) (بہ حالت مضاف)
یعنی اس ابن کے مضاف ہونے کی حالت میں «دوسرے علم کی طرف» تو جو علم اس طرح ہو کہ مثلاً
علم ہوائی یا ابنتہ کے ساتھ موصوف ہوا بن یا ابنتہ اور اس اسم کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو
بلکہ متصل ہوں اور ابن یا ابنتہ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو) تو اس میں ضمہ جائز ہے جیسا
کہ تم نے مفرد کے اس چیز پر کہ جس کے ساتھ اسے رفع دیا جاتا ہے مبنی ہونے کے قاعدے سے

جس سے ایک شق کو اختیار کیا جائیگا نیز اسلئے
کہ منادی ہوتا ہے بحیثیت علم نہ مضاف ہوگا نہ
شبه مضاف نہ نکرہ کہ صرف فتحہ ہی متعین ہو اور
مستغاث باللام کو فتحہ نہیں دیا جاتا اور مستغاث
بالالف میں فتحہ مختار نہیں ہوتا واجب ہوتا ہے
پس اختیار فتحہ سے جواز ضم ہی متعین ہوگا کہ
غیر پس جب جواز ضم ثابت ہو گیا تو بنا بھی ثابت
ہوگئی اس لئے کہ جواز ضمہ اکثر مبنی میں ہی ہوتا
ہے غیر میں نہیں پس اعلم کہ منادی مبنی علی الضم
کی قید کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہوگا واللہ اعلم

۹۹ قولہ مجرد عن التاء الخ ابن میثم
ہے خواہ یہ تاء سے خالی ہو یعنی لفظ ابن ہو یا تاء
بھی اس کے ساتھ ملحوق ہو یعنی ابنتہ ہو بہر حال
ہیئتہ ابن میں تغیر آنا چاہئے یعنی بنت نہ ہو

مبنی علی الضم (یعنی منادی مفرد مفرد علم ہو)
لفظ ابن یا ابنتہ کے ساتھ صفت لایا گیا ہو
اور وہ لفظ ابن یا ابنتہ دوسرے علم کی طرف
مضاف ہو تو اس صورت میں علم اول کا فتحہ
مختار ہے اگرچہ رفع بھی جائز ہے اب اگر
کوئی کہے کہ اعلم کے ساتھ منادی مبنی علی الضم
کی قید کا شائع نے کس لئے اضافہ کیا تو اس کا
جواب خود شائع انما کہ منادی الخ سے یہ
جسے ہے میں کہ اس کا منادی ہونا ہمیں اس
لئے معلوم ہے کہ کلام ہی منادی میں ہو رہا ہے
نہ کہ غیر میں اور مبنی علی الضم ہونا فتحہ کو مختار
قرار دئے جانے سے مفہوم ہو رہا ہے جو کہ
ضمہ کے جائز ہونے کی بھی خبر دے رہا ہے اس
لئے کہ اختیار میں دو شقوں کا ہونا ضروری ہے

اور ابن اور اس کے موصوف کے درمیان کوئی
واسطہ بھی نہ آنا چاہئے جیسا کہ متبادر الی الفہم
بھی یہی ہے اس لئے کہ موصوف صفت معنی
ایک دوسرے سے مربوط و متحد رہتے ہیں
پس ان کے درمیان فاصلہ متعین ہوگا اور
اگر فاصلہ آجائے گا تو یہ حکم نہیں رہے گا۔ یعنی
اختیار فتحہ اور جواز ضمہ کا لہذا اس قید سے
یزید الظریف ابن عمر واضح ہو گیا اس لئے
کہ علم منادی یعنی زید اور اس کی صفت کے
درمیان الظریف حامل آگیا پس اس میں زید کو
لازمًا مرفوع پڑھیں گے فتحہ کا مختار ہونا تو
درکنہ فتحہ جائز بھی نہیں ہوگا اور الظریف
میں رفع و نصب دونوں جائز ہیں کیونکہ اگر
الظریف زید کی صفت کو لفظ پر محمول کرتے
ہیں تو مرفوع پڑھیں گے اور محل پر محل کرتے
ہیں تو منصوب پڑھیں گے اور ابن عمر کو صرف
منصوب ہی پڑھیں گے اس لئے کہ یہ تابع مضاف
میں سے ہے اور توابع مضاف منصوب رہتے
ہیں کما مر واللہ اعلم ۱۲۔

۹۹ قولہ مضافا الخ یہ چونکہ ابن سے
حال واقع ہو رہا ہے اس لئے شائع نے اس
کی تفسیر ای حال کون ذلک الابن سے کر دی
پس ہر وہ علم جس کی صفت ابن کے ساتھ لائی
گئی ہے اور ابن علم آخر کی طرف مضاف ہو
تو اس میں بر بنار مذکور ضمہ جائز ہے لیکن فتحہ
مختار ہے اس لئے کہ اس قسم کا منادی کلام
عرب میں کثیر الوقوع ہے کہ جس میں یہ تمام مذکورہ
صفات پائی جاتی ہیں اور کثرت کے مناسب
تخفیف ہے اور تخفیف کے مناسب فتحہ اس
لئے کہ وہ اخف الحركات ہے پس اس میں ضمہ کو
منادی کی حرکت اصلیت یعنی فتحہ کے ساتھ مفعولاً
ہونے کی وجہ سے مخفف کر دیا کیونکہ منادی
میں اہل فتحہ ہی ہے ضمہ محض بنار عارض کی وجہ سے
نہا اور یہ عارض کثرت استعمال کی وجہ سے
غافل ہو گیا لہذا اس کی حرکت اصلیت یعنی فتحہ

لوٹ آئی مثلاً یا زید ابن عمرو کہ اس میں فتح مختار اور ضمہ جائز ہے لیکن ابن عمرو میں صرف فتح ہی جائز ہے فتح نہیں اس لئے کہ یہ تابع مضاف ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۹۳ قولہ واذا نودی الخ یہاں سے مصنف معرفت بالللام کو منادی بنا نیکاطریقہ بیان کرتے ہیں کہ جب معرفت بالللام کو منادی بنانے کا ارادہ کیا جائے مثلاً الرجل کا تو ہمارے تنبیہ کے ساتھ ائی کو ندا اور منادی معرفت بالللام کے درمیان میں لاکر یا ایہا الرجل کہیں گے تاکہ بغیر فاصلہ کے دو آئے تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے یا ہذا کو درمیان میں لاکر یا ہذا الرجل کہیں گے یا دونوں امروں کو یک جا جمع کر کے یا ایہذا الرجل کہیں گے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امی اور ہمارے تنبیہ اور ہذا کے ہی وسط میں لانے سے کیا فائدہ ہے ان کے علاوہ اور کوئی لفظ کیوں وسط میں نہیں لایا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ اتنی ابہام کے لئے ہے اور ہمارے تنبیہ کے لئے نہیں ابہام سے تو منادی کو شوق پیدا ہوگا تعین کا اور ہمارے دلالت کرے گا تنبیہ پر تو شخص منادی جلد متوجہ ہوگا نیز ہمارے تنبیہ کے اضافہ کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ندا خود ایک تنبیہ ہے اور ای ندا سے یہ فائدہ ہے کہ اس میں ابہام زیادہ ہے اور ندا میں کم پس اس سے جلد ہی منادی کی تعین ہوگی اور تکرار سہم کی وجہ سے منادی میں زیادتی شوق پیدا ہوگی اور یہی ندا سے مقصود ہے کہ منادی منادی کی طرف فوراً متوجہ ہو اس جگہ قول شامح ای اذا ارادہ سے اس امر کی طرف ہے کہ مصنف نے اذا نودی الخ کہہ کر سبب کو سبب کی جگہ میں استعمال کیا ہے اس لئے کہ ارادہ سبب ہے اور ندا سبب اور ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے کہ فعل کو ذکر کر کے ارادہ فعل مراد لیتے ہیں جیسے یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الى

یرفع بہ لکن یُخْتَارُ فَتَحُّ لکثرة وقوع المنادی الجامع لہذا الصفا والکثرة مناسبة للتخفيف فتحقوۃ بالفتحة التي هي حركة الاصلية لکونه مفعولاً به واذا نودی المعرف بالللام ای اذا ارید نداۃ قیل مثلاً یا ایہما الرجل بتوسط ای مع ہاء التنبیہ بین حرف النداء والمنادی المعروف بالللام محرزاً عن اجتماع التی التعریف بلافاصلہ و یا ہذا الرجل بتوسط ہذا و یا ایہما الرجل بتوسط الامرین معاً و

جان لیا لیکن اس کی فتح مختار ہے ان صفات (اربعہ مذکورہ) کے جامع منادی کے کثرت وقوع کی وجہ سے (فتح مختار ہے) اور کثرت تخفیف کے لئے مناسب ہے کہ جب کسی شے کا استعمال کثیر ہو تو وہ تخفیف الفاظ کی متقاضی ہوتی ہے لہذا انہوں نے اس (منادی مذکور) کی (ضمہ کو تبدیل کر کے) فتح سے تخفیف کر دی جو کہ منادی کے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حرکت صلیہ ہے اور جب معرفہ بالللام کو ندا کی جائے یعنی جب اس کی ندا کا ارادہ کیا جائے (کہا جائے گا) مثال کے طور پر (یا ایہا الرجل) امی کا ہئے تنبیہ کے ہمراہ حرف ندا اور منادی معرفہ بالللام کے درمیان واسطہ لاکر تعریف کے دو آؤں کے بلافاصلہ اجتماع سے اجتناب کرنے کی وجہ سے (ایہا کا واسطہ ضروری ہے) (اور یا ہذا الرجل) ہذا کے توسط کے ساتھ (اور یا ایہذا الرجل) دونوں چیزوں (ای اور ہذا) کے اگلے توسط کے ساتھ (ایہا اور ہذا) میں فرق یہ ہے کہ ایہا ہرگز

الصلوة سے اذا اردتہ الصلوۃ ہے اور قبل کے بعد مثلاً کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب معرفت بالللام کی ندا کا ارادہ کریں گے تو یا ایہا الرجل وغیرہ کہیں گے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ مثلاً جب الکرام کی ندا کرتے ہیں تو یا ہؤلاء الکرام کہتے ہیں نہ کہ یا ایہا الرجل پس جزا اپنی شرط پر مرتب نہیں رہی اس لئے کہ اس کلام میں اذا نودی المعروف بالللام مشروط ہے اور قبل الخ جزا او قاعدہ یہ ہے کہ جزا اپنی شرط پر مرتب ہوتی ہے مگر جزا ایسی ہے کہ اپنی شرط پر مرتب نہیں اس لئے کہ شرط عام ہے اور جزا خاص اور عام کو خاص لازم نہیں یعنی اذا نودی سے مطلق معرفت بالللام کو منادی بنا

کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے تو یہ عام ہوا اور طریقہ میں خصوصیت برقی گئی یعنی صرف الرجل معرفت بالللام کا طریقہ بتلایا اور اس معرفت بالللام کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ جو اصل کے غیر ہیں جیسے یا ہؤلاء الکرام یا ہذا المرأة یا ہذان العالمان وغیرہ پس یہ اس بیان سے خارج ہوئے جاتے ہیں کیونکہ یہ الرجل کے غیر ہیں شامح نے مثلاً سے جواب دیا کہ قول مصنف یا ایہا الرجل وغیرہ تفہیل پر محمول ہے یعنی بطور مثال کے یہ مشہور امثلہ پیش کی جاسکتی ہیں دوسری امثلہ کو اس سے خارج کرنا مقصود نہیں پس جزا بھی عام رہی اور شرط بھی عام اور عام کا ترتب عام پر درست ہو گیا واللہ اعلم ۹۴ قولہ والتزموا یعنی الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے

الْتَرَمُّوْا يَعْزِبُ الْعَرَبُ رَفْعَ الرَّجُلِ مَثَلًا وَلَنْ كَانَ مَقْدُودًا وَحَقًّا جَوَازُ الْوَجْهِينِ الرَّفْعُ
النَّصْبُ كَمَا هُوَ لَا تَنَادَى الرَّجُلُ مَثَلًا هُوَ الْمَقْصُودُ بِالنَّدَاءِ فَالْتَرَمُّ
رَفْعُهُ لَتَكُونَ حَرْكًا لِعَرَابِيَّةٍ مُوَافِقَةً لِلْحَرْكَةِ الْبَنَائِيَّةِ الَّتِي هِيَ عَلَامَةُ
الْمُنَادَى فَتَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالنَّدَاءِ وَهَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَشْنَى عَنْ قَاعِدَةِ
جَوَازِ الْوَجْهِينِ فِي صِفَةِ الْمُنَادَى وَلِهَذَا الْمُرِيدُ كَرِهْنَاكَ مَا يُخْرِجُ صِفَةَ الْأَسْمِ
الْمُبِينِ عَنْ تِلْكَ الْقَاعِدَةِ رَوَّاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْجَوِّ عَطْفٌ عَلَى الرَّجُلِ أَيْ وَالْتَرَمُّوْا

مقصود بالنداء نہیں تو وسط محض کے لئے ہے جبکہ ہذا میں دونوں یعنی مقصود بالنداء اور توسط کے
لئے ہونے کا احتمال ہے اس لئے ایہا کو مقدم کیا گیا اور التزام کر لیا یعنی عرب نے الرجل
کے رفع کا مثلاً اگرچہ الرجل اسم جنس اور ای یا هذا منادی مقصوم کی صفت (واقع) ہے اور
(ایسی) صفت کا حق جواز وجہین ہے یعنی جواز رفع و نصب جیسا کہ (یا زید العاقل میں) گذرا
و کیونکہ وہ الرجل مثلاً «ی مقصود بالنداء ہے لہذا اس کے رفع کا التزام کیا گیا تاکہ اس بات پر
تبہہ ہو کہ یہ مقصود بالنداء ہے بلکہ منادی مستقل ہے اور منادی مستقل کا مایہ رفع پر مبنی ہوتا
ہے اس لئے اسے رفع دیا گیا تاکہ اس کی حرکت اعرابیہ (جو کہ رفع ہے) حرکت بنائیہ (ضمہ) کے
لئے جو کہ منادی کی علامت ہے کے لئے موافق ہو لیس وہ (یعنی حرکت اعرابیہ موافقہ برلئے حرکت
بنائیہ) اس بات پر دلالت کرے کہ یہی مقصود بالنداء ہے اور یہ (قول مصنف والترموا رفع الرجل) صفت
منادی میں جواز وجہین (رفع حملاً علی اللفظ و نصب حملاً علی المعنی) کے قاعدے سے مستثنیٰ ہے بمنزلہ
ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے وہاں صفت مفرد میں جواز وجہین کے بیان میں کسی ایسے لفظ
کا ذکر نہیں کیا جو اسم مجہول منادی یعنی ای اور هذا کی صفت (الرجل) کو اس قاعدے سے خارج
کر دیتا لہذا اس کے توابع کا (توابع کی وجہ کے ساتھ الرجل پر عطف ہے یعنی رجل کی توابع خواہ

کہ جب منادی میں مفرد معرفہ کی صفت معرف
باللام ہوا و منادی موصوف ایہا یا یا ایہذا
وغیر ہوتو اس صفت میں دونوں وجہین یعنی
منع و نصب کیوں جائز نہیں جیسا کہ یا زید
الظریف میں الظریف زید کی صفت ہے اور
اس میں رفع و نصب دونوں جائز ہیں ایسے
ہی یہاں بھی مثلاً یا ایہا الرجل میں الرجل جو کہ
ایہا منادی کی صفت واقع ہوا ہے رفع
و نصب دونوں جائز ہونے چاہئیں اس کا
جواب مصنف نے یہ دیا کہ اہل عرب نے الرجل
میں مثلاً رفع کو لازم ہوا جب قرار دیا ہے

اگرچہ الرجل صفت ہی کیوں نہ ہوا و صفت
کا حق جواز وجہین یعنی رفع و نصب ہے کما
اور اس التزام کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً یا ایہا الرجل
میں الرجل مقصود بالنداء ہے پس اس کے رفع
کو لازم قرار دے دیا تاکہ اس کی حرکت اعرابیہ
یعنی رفع حرکت بنائیہ یعنی ضمہ کے (جو کہ
منادی مفرد معرفہ کی علامت ہے) کے مطابق
ہو کہ اس بات پر دلالت کرے کہ مقصود بالنداء
الرجل ہی ہے اس کا موصوف ایہا یا ایہذا وغیرہ
مقصود بالنداء نہیں بخلاف یا زید الظریف کے
کہ اس میں مقصود بالنداء موصوف ہے صفت

نہیں لہذا الظریف میں دونوں وجہین جائز ہیں
پس (یا ایہا الرجل) میں مثلاً موصوف یعنی ایہا
یا ایہذا وغیرہ صرف اس لئے لایا گیا ہے کہ مناد
معرف باللام پر دخول یا جواز ہو جائے
واللہ اعلم ۱۲۔

۹۵ قولہ و ہذا بمنزلہ المستثنی الخ یہ
عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال
یہ ہے کہ مصنف کے اس قول اور قول سابقہ
توابع المنادی المبني المفردة الخ میں تناقض ہے
اس لئے کہ اس سے تو صرف ایک وجہ معلوم ہو رہی
ہے یعنی رفع اور توابع المنادی الخ جیسے جواز
رفع و نصب دونوں پس لامحالہ دونوں میں سے
ایک قول غلط ہے جواب یہ ہے کہ صفت منادی
میں جواز وجہین کا جو قاعدہ کفایہ اس سے
بمنزلہ مستثنیٰ کے ہے اسی واسطے مصنف نے
اس جگہ یعنی جواز وجہین کے ضمن میں ایسی کوئی
بات ذکر نہیں کی جو اس قاعدہ سے اسم مجہول کی
صفت کو خارج کرے اس لئے کہ اس جگہ اگر اس
کے اخراج کے لئے کوئی قید باس طور زائد نہ
دی جاتی کہ لفظ اور محل پر صفت منادی کا حمل
اس وقت جائز ہے جبکہ منادی مجہول نہ ہو تو اس
وقت اس جگہ یہ قول بمنزلہ استثناء کے صحیح
نہیں ہو سکتا لہذا بقینا عبارت مصنف
میں تناقض پایا جاتا واللہ اعلم ۱۲۔

۹۶ قولہ و توابع بالبحر الخ یہ عرب کے
ساتھ الرجل پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت
یہ ہے ای والترموا رفع توابع الرجل یعنی جس طرح
الرجل میں صرف سخا نے رفع لازم قرار دیا ہے
اسی طرح اس کے توابع میں بھی سخا نے رفع کو
ہی لازم کیا ہے عام ازیں کہ توابع مفرد ہوں
یا مضاعف جیسے یا ایہا الرجل الظریف و یا ایہا
الرجل ذوالمال کہ ان مثالوں میں الظریف اور
ذوالمال کو صرف رفع ہی پر محدود کر سکتے ہیں نصب
نہیں پس الظریف اور ذوالمال نہیں کہہ سکتے اس
لئے کہ یہ منادی معرب کے توابع ہیں اور جواز

و جہن منادی معرب کے توابع میں نہیں بلکہ منادی مبنی کے توابع میں ہے لہذا اس میں صرف رفع ہی جائز ہوگا پس اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جبکہ یا ایہا الرجل میں مقصود بالنداء الرجل ہے تو یہ منادی مبنی علی الغنم کی مثل ہو جائے گا پس اس کے توابع مفردہ میں رفع و نصب دونوں جائز ہونے چاہئیں و الجواب ما مر آنفاً یعنی لاناہا توابع منادی معرب والشرع اعلم ۱۲

۹۷ قولہ وقالوا الخ اس عبارت سے مصنف ایک سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ ماسبق میں کہا گیا تھا کہ جب معرف باللام کی نداء کا ارادہ کیا جائے تو نداء اور منادی کے درمیان فاصلہ لانا ضروری ہے تاکہ دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یا اللہ میں حرف نداء معرف باللام پر بلا فاصلہ داخل ہو رہا ہے اور دو آلہ تعریف یک جا جمع ہو رہے ہیں اور اس کے باوجود نداء منادی واقع ہو رہا ہے مصنف نے جواب دیا کہ اگرچہ بظاہر اس میں آلہ تعریف کا اجتماع نظر آ رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں اجتماع نہیں اس لئے کہ لام ہمزة محذوفہ کے عوض میں ہے اور بمنزلہ کلمہ کے جز کے ہے اسی کو شایع اس طرح بیان فرمایا ہے ہیں کہ نداء نے حرف نداء کے اجتماع کو لام کے ساتھ جائز قرار دینے کی بنا پر یا اللہ کہا ہے یعنی یہ ایک جدید قاعدہ ہے جس میں حرف نداء لام کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں یہ دو امور جمع ہوں گے وہاں حرف نداء معرف باللام داخل ہو سکتا ہے ایک ان میں سے یہ ہے کہ لام محذوفہ کے عوض میں ہو اسی نہ ہو اور دوسرا امر یہ ہے کہ وہ کلمہ کو اس طرح لازم ہو جائے کہ کسی حال میں اس سے جدا نہ ہو سکے پس یہ قاعدہ جدا اور مذکورہ ماسبق قاعدہ جدا لہذا اب کوئی اعتراض واقع نہیں والشرع اعلم۔

رفع توابع الرجل مضافۃ او مفردۃ نحو یا ایہا الرجل الظریف و یا ایہا الرجل ذوالمال لا شہاً توابع منادی معرب و جواز الوجہین انما یكون فی توابع المنادی المبنی وقالوا بناءً علی قاعدة تجویز اجتماع حرف النداء مع اللام وہی اجتماع امرین احدهما کون اللام عوضاً عن محذوف وثانیہا الزم للکلمۃ یا اللہ لان اصلہ الآلہ فحذفت الهمزة وعوضت اللام عنها ولزمت الکلمۃ فلا یقال فی سعة الکلام لاۃ ولما لم یجتمع هذان الامران

مضاف ہوں یا مفردہ ہوں کے رفع کا عرب یا نحو یوں نے التزام کر لیا جیسے یا ایہا الرجل الظریف (تابع مفرد کی مثال) اور یا ایہا الرجل ذوالمال (تابع مضاف کی مثال) (کیونکہ یہ توابع ہیں) «منادی معرب کے» اور جواز وجہین تو منادی مبنی کے ہی توابع میں ہے اور کہا عرب نے «حرف نداء کے لام (تعریف) کے ساتھ جمع ہونے کو جائز قرار دینے کے قاعدے کی بنا پر اور (قاعدہ لفظ واحد میں) دو چیزوں کا جمع ہونا ہے (جب وہ دو چیزیں مجتمع ہوں گی تو کسی واسطہ کے لئے بطریق معرفہ باللام کی نداء جائز ہے) ان دو میں سے ایک تو لام کا (حرف) محذوف سے عوض ہوتا ہے اور ان دو میں سے دوسرا لام کا اس کلمہ کے لئے لازم ہوتا ہے (یعنی جس کلمہ پر لام داخل ہوئی ہے علیت کی وجہ سے) اے لازم ہو جائے اور وہاں سے جدا نہ کی جائے و یا اللہ کیونکہ اس کی اصل الآلہ ہے پس ہمزة (اصلیہ جواز میں ہے) کو حذف کر دیا گیا اور لام (یعنی ال) جو تعریف کے لئے تھا کو اس ہمزة سے عوض کیا گیا اور لام علیت کی وجہ سے کلمہ کو لازم ہو گئی لہذا وسعت کلام میں (بلا ضرورت شعر) لاء نہیں کہا جاسکتا (کیونکہ عوض کا عوض کے ہمراہ حذف کرنا جائز نہیں البتہ ضرورت شعر میں حذف کیا جاسکتا ہے جیسے یسعی لاجل الکبار کاف کے ضم سے بمعنی کبیر جیسے طوال اور طول) اور جبکہ یہ دونوں باتیں (تولیع اور لزوم) کسی دوسری جگہ میں جمع نہ تھیں (بلکہ صرف اور صرف

۹۸ قولہ لان اصل الخ یہاں اس امر پر دلیل پیش کر رہے ہیں کہ اللہ میں لام عوض میں کس طرح ہے؟ اور کلمہ کو کیسے لازم ہے؟ کہتے ہیں اللہ کی اصل الآلہ ہے پس ہمزة کو جو کہ نا کلمہ کی جگہ میں واقع ہے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں لام کو رکھ دیا گیا پس اگرچہ اس میں لام اس تعلیل سے قبل تعریف کے لئے تھا لیکن چونکہ بعد التعلیل اس کو عوض کے لئے قرار دے دیا گیا ہے لہذا اس کی تعریف زائل ہو گئی پھر چونکہ یہ مع اللام کے ضم بنا دیا گیا ذات باری تعالیٰ کا اس لئے یہ کلمہ کے لئے بمنزلہ جز کے ہو گیا لہذا اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا

تخلات دوسرے اسماء کے کہ چونکہ وہ بمنزلہ جز کلمہ کے نہیں ہوتے اس لئے وہ بدستور تعریف کے لئے ہوتے ہیں اور ان پر حرف نداء نہیں آ سکتا پس یہ قاعدہ قاعدہ اولیٰ سے بمنزلہ اشتناء کے ہے پس جب لام اس کے لئے لازم ہو گیا تو اسی وجہ سے وسعت کلام میں لاء نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے عوض کا عوض سمیت حذف کرنا لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے واللہ اعلم

۹۹ قولہ ولما لم یجتمع الخ یہ ایک سوال مقدّر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اسم اللہ تو خاص ہی ہے عام نہیں پھر اس کے بعد خاص کہنے کا کیا فائدہ؟ شارح نے جواب دیا کہ خاصیت سے اشارہ

فی موضع آخر اُختَصَّ هذا الاسم بذلك الجواز ولهذا قال خاصة واما
مثل النجم والصق وان كانت اللام لازمة فيه لكن ليست عوضا عن محذوف
واما الناس وان كانت اللام فيه عوضا عن الهمزة لان اصله الا ناس لكن
ليست لازمة للكلمة لانه يقال ناس في سعة الكلام فلا يجوز ان يقال يا
النجم ويا الناس ولعدم جريان هذه القاعدة في التي في قوله شعر
من اجلك يا التي تمت قلبي وانت بخيلة بالوصل عني لان لامها
ليست عوضا عن محذوف وان كانت لازمة للكلمة حكما وعليه بالتذوق
وفي الغلامان في قولهم ع فيا الغلامان اللذان فراء لا تنفعا الامرین کلھما

لفظ الله من جمع تیس (تو حرف نداء کے لام تعریف کے ساتھ اجتماع کے) جواز کو اس اسم (الله) کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا (اس عبارت میں باموردہ مقصور پر داخل ہے) اور اسی (اختصاص کی) وجہ سے مصنف نے کہا (خاص کر) اور النجم اور الصق (اور البیت وغیرھا) کے مثل (کہ جن میں لام عوض کے لئے نہیں) اگرچہ اس میں لام لازمہ نہیں لیکن (کسی حرف) محذوف ہے عوض (بھی) نہیں اور بالاناس کا سوال) اگرچہ اس میں لام ہمزہ سے عوض ہے کیونکہ اس کی اصل للاناس ہے (اس میں اسی طرح ہوا جس طرح لفظ الله میں ہوا) لیکن لام اس کلمہ (الناس) کے لئے لازمہ نہیں ہے کیونکہ فراغی کلام میں کہا جاتا ہے "ناس" لہذا یا النجم اور یا الناس کہنا جائز نہیں اور اس قاعدہ کے اس التی میں جاری نہ ہونے کی وجہ سے جو کہ شاعر کے قول میں ہے شعر من اجلک یا التی الخ (اے وہ معشوقہ کہ جس نے میرے دل کو نرم کر دیا میں تیری وجہ سے) (ہلاک ہوا جا رہا ہوں) حالانکہ تو مجھ سے ملنے میں بخیلہ (واقع ہوئی) ہے (التي میں قاعدہ مذکورہ جاری نہیں کیونکہ اس کی لام حرف) محذوف سے عوض نہیں ہے اگرچہ کلمہ کے لئے لازم ہے کہ وسعت کلام میں تی نہیں کہا جائے گا) نحو یوں نے اس (قول شاعر) پر خذوذ (شاذ و نادر ہونے) کا حکم لگایا کہ جو خلاف قیاس ہو وہ شاذ ہوا کرتا ہے اور شعراء کے قول ع فيا الغلامان اللذان فراء میں

قاعدہ کلیہ کی طرف ہے یعنی جو قاعدہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس میں تعویض اور لزوم مجتمع ہوں تو یہ دونوں امر کسی اور اسم میں نہیں پائے جاتے لہذا اس جواز دخول نداء علی اللام کے ساتھ اللہ ہی خاص ہے اسم اللہ کی خصوصیت اور عمومیت سے بحث نہیں پس مصنف نے یا اللہ کے بعد خامتہ کہہ دیا اب رہا یہ اعتراض کہ النجم اور الصق میں بھی تو لام تکرار ہمزہ ہمزہ کلمہ کے ہے لہذا اس پر حرف نداء کیوں نہیں

ہے لہذا اس میں اس قاعدہ کا اجراء ہونا چاہیے پھر بھی اسم اللہ کے ساتھ اس قاعدہ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی اس کا جواب شارح نے دامالاناس الخ سے یہ دیا کہ اگرچہ اس میں لام ہمزہ محذوفہ کے عوض میں ہے کیونکہ اس کی اصل الاناس یعنی لیکن یہ لام کلمہ کو مستلزم نہیں کہ اس سے علیحدہ نہ ہو سکے اس لئے کہ حذف لام کے ساتھ ناس بھی کہا جاتا ہے۔ بخلاف اللہ کے کہ اس میں حذف لام کے ساتھ لاہ نہیں کہہ سکتے پس اس میں دوسرے نہیں پائے گئے بلکہ صرف ایک امر یعنی تعویض موجود ہے لزوم نہیں لہذا یہ بھی اس قاعدہ جواز سے خارج ہے پس اسم اللہ کا اس قاعدہ کے ساتھ خاص ہونا معلوم و متحقق ہو گیا پس یہ جائز نہیں ہو گا کہ یا النجم یا الصق یا الناس کہہ سکیں۔ بلکہ اسی قاعدہ میں داخل ہوں گے جس میں نداء اور نداء کے درمیان فاصلہ لانا ضروری ہے واللہ اعلم

مثلاً قولہ ولعدم الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ النجم اور الناس میں لعدم اجتماع امرین کہہ کر تم نے اس کو قاعدہ جواز سے خارج کر دیا لیکن شاعر کے اس قول سے من اجلک یا التي تمت قلبي وانت بخيلة بالوصل عني میں کیا کہو گے کہ اس میں التي میں اجتماع امرین بھی نہیں اور پھر اس پر حرف نداء داخل ہو رہا ہے اور بغیر فاصلہ کے شعر کا ترجمہ یہ ہے تیری محبت کے سبب سے اے وہ محبوبہ کہ تو نے میرے دل کو پاٹ لیا اور دلیل کر دیا ہے۔ ہر قسم کی مصیبت برداشت کر رہا ہوں۔ لیکن تو ہے کہ مجھ سے ملاقات کرنے میں بھی بخل کا اظہار کرتی ہے اس میں من اجلک جار مجرور ظرف مستقر فعل محذوف المحل کے متعلق ہے اور تیمم بتقدیم التاء کے معنی ذلیل اور پائال کرنے کے لئے ہیں شارح نے اس کا جواب ولعدم الخ سے یہ دیا کہ چونکہ یہ قاعدہ مذکورہ شعر کے التی میں جاری نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کلام محذوف کے عوض میں نہیں اگرچہ ہمزہ جزو کلمہ کے ہے اس لئے کہ اس کی اصل تی ہے اس پر لام تعریف داخل کر کے التي کر دیا اور یہ اسماء و صولات سے ہو گا

پس اگر اس سے لام تعریف کو جدا کرتے ہیں تو قی
اسم اشارہ ہو جاتا ہے موصولہ نہیں رہتا اس لئے
اس کو بمنزلہ جزو کلمہ کے قرار دید یا گیا پس چونکہ
قاعدہ جواز کے لئے اجتماع امر بن ضروری ہے اور
یہاں صرف امر واحد ہے یعنی لزوم اور پھر اس پر صرف
نداء داخل ہو رہا ہے بغیر فاعل کے تو اس پر نجات دے
شدوذ کا حکم عائد کیا ہے یعنی یہ شاذ ہے اور الشاذ
کا معدوم پس قاعدہ جواز پر مختصر ایسی جگہ پر باقی رہا
واللہ اعلم ۱۲

قوله وفي الغلامان الخ اس سے بھی
اعتراض کا ہی جواب دینا مقصود ہے اعتراض یہ
ہے کہ النبی میں تو ایک امر تھا بھی اور جہاں ایک
بھی نہیں پھر بھی الغلامان پر صرف نداء بغیر فاعل
کے اس مصرعہ میں موجود ہے۔ فیا الغلامان
الذین فتر ابدا یہ قاعدہ جواز پر صرف اللہ کے
سابقہ خاص نہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ
اختصار کی وجہ سے توسط یعنی ایسا کو حذف کر دیا
گیا ہے کیونکہ اس کے حذف پر قرینہ موجود ہے
یعنی غلاموں کا فلز اور قرینہ کا محتاج ہے اور
دوسرا جواب جو شارح نے دیا ہے وہ یہ ہے
کہ چونکہ اس مصرعہ میں الغلامان میں دونوں مفقود
ہیں تو اس پر شاذ شدوذ ہونے کا حکم عائد کیا گیا
ہے یعنی یہ پہلے شاذ النبی سے بھی بڑھ کر شاذ
ہے (فائدہ) اس مصرعہ کا دوسرا مصرعہ یہ
ہے یعنی پورا شعر اس طرح ہے۔ شعر
فیا الغلامان اللذان فترا ابدا کیا
ان تنالا شتر۔ یعنی اے دونوں بھاگنے
والے غلاموں شر و برائی حاصل کرنے سے بچو۔
واللہ اعلم ۱۳

قوله وک ای وجاز الخ تک
کی تفسیر ای وجاز تک سے کر کے شاعر نے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لام سے جواز
کا طرف اشارہ ہوتا ہے اور علی سے وجوب
کی طرف جیسے ملکہ واجب ہے تھو کہ مثل
یا تیم الخ سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں

حکمو ابانہ اشد شدوذًا وَلَکَ ای وجازک فی مِثْلِ یَا کَیْمُ تَیْمُ
عَدِی ای فی ترکیب تکرر فیہ المنادی المفرد المعرفة صورةً وولی الخ
اسم مجرور بالاضافۃ فی الاول الضم والنصب وفي الثاني النصب فحسب
اما الضم فی الاول فلانہ متادی مفرد معرفة کما هو الظاهر والنصب علی
انہ مضاف الی عَدِی المذکور وتیم الثاني تاکید لفظی فاصل بین المضاف
والمضاف الیہ وذلك مذهب سیبویہ او مضاف الی عَدِی المحذوف

دونوں باتوں (تعلیل و لزوم) کے انتفاء کی وجہ سے نحو یوں نے حکم لگایا کہ یہ سب سے شدید
شاذ ہے (اور تیسرے لئے ہے) یعنی تیسرے لئے جائز ہے (یا تیم تیم عدی کے مثل میں) یعنی ہر
اس ترکیب میں کہ جس میں منادی مفرد معرفة صورةً مکرر ہو (مذکر حقیقہ) اور دوسرے منادی سے
ایک اسم مجرور بہ اضافت ملا ہوا ہو (اور جائز ہے) اول میں (ضم اور نصب) اور (اسم) ثانی میں
نصب فقط اور (اسم) اول میں ضم (کا جواز) تو وہ اس لئے کہ وہ منادی مفرد معرفة ہے (کہ
اس پر حرف نداء داخل ہے اور وہ نہ تو مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف اور نداء سے قبل یا بعد
معرفة بھی ہے) جیسا کہ یہی ظاہر ہے (تو اس کا حق ہے کہ مثنیٰ بر علاقہ رفع ہو) اور نصب (کا جواز) کی
بنیاد پر ہے (کہ وہ منادی ہونے کے ساتھ عدی مذکور کی طرف مضاف ہے) اور منادی مضاف
کا حق منصوب ہوتا ہے (اور تیم) (توین سے) ثانی تاکید لفظی ہے (اور تاکید لفظی کا حکم غالباً اول
کا حکم ہوتا ہے اور اس کی حرکت اعرابی ہوتی ہے اور یہ تاکید لفظی یعنی تیم ثانی) مضاف مضاف
الیہ کے درمیان فاصل ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے یا (اس بنیاد پر نصب جائز ہے کہ تیم اول
مضاف ہے (ایک اور) عدی کی طرف جو (عدی) مذکور کے قرینے کی وجہ سے محذوف ہے (کہ شائع
منادی مفرد معرفة صورةً مکرر ہو اور ثانی میں اسم مجرور
ملا ہوا ہے یعنی ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو
پھر قول شارح بالا ضافتی الاول کا تعلق اسم
مجرور سے نہیں بلکہ عبارت اس طرح ہے۔ جو
جازک فی مثل یا تیم تیم عدی بالاضافۃ
فی الاول والضم والنصب مطلب یہ ہے کہ
یا تیم تیم عدی میں تیم اول میں ضمہ نصب دونوں
جائز ہیں اور ثانی میں صرف فتح ہی جائز ہے ضمہ
نہیں پس اول میں ضمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ منادی
مفرد معرفة ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور منادی مفرد
معرفة مثنیٰ ہوتا ہے علامت رفع پر اور نصب کے
جواز کی وجہ یہ ہے کہ وہ عدی کی طرف مضاف
ہے پس اس صورت میں منادی مضاف ہو گیا

بقرنیۃ المذكور وذلك مذهب المبرد والسيرانی آجاز الفتح مكان النصب
على ان يكون في الاصل ياتيم بالضم تيم عدي ففتح اتباعا للنصب المثالي كما
في يازيد بن عمر وتعين النصب في الثاني لانه اما تابع مضاف او تابع
مضاف وتماز البيت ياتيم تيم عدي لا ابا لکم ولا يلقينکم في سوءة عمرو
والبيت لجرير حين اداد عمر التیمی الشاعر ان يهجو فقل جریر خطایا
لبنی تيم لا تکرکوا امران يهجون في لقیینکم في سوءة ای مکروه من قبل

یہی ہے کہ سابق کو حذف کر دیا جاتا ہے اور لاحق کو اس کی جگہ کھرا لیا جاتا ہے کہ لاحق سابق کیلئے
مفسر ہوتا ہے اور یہ امام مبرد کا مذہب ہے (ادسیو یہ نے اول کو اختیار کیا ہے تاکہ حذف لازم
نہ آئے اور مبر نے ثانی کو تاکہ مضاف و مضاف الیہ میں فصل ظاہر لازم نہ آئے و لکل وجہ ہو
مولیہا) اور سیرانی نے (اول میں) نصب کی جگہ فتح کو جائز کیا ہے (اور مصنف نے گویا کہ احتمال
کو ضم اور نصب میں محصور کر کے سیرانی کا رد کیا ہے اور سیرانی نے اول میں فتح) اس بتا پر (جائز
کی) کہ دراصل (اول) یا تيم پیش سے تيم عدي ہو پھر اسے ثانی کی نصب کی اتباع میں فتح دی
گئی (یعنی مبنی بر فتح کیا گیا) جیسا کہ (تہارے قول) یازید بن عمرو میں ہے (کہ یہ دراصل منادی مفرد
ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم تھا مگر ابن عمرو کی نصب کی اتباع میں اسے مبنی بر فتح کیا گیا) اور
ثانی (یعنی تيم عدي) میں نصب متعین ہے کیونکہ یہ یا تو تابع اور مضاف ہے (بر تقدیر اینکه تيم اول
مبنی بر ضم یا بر فتح ہو اور ثانی تابع اور مضاف ہے لہذا منصوب ہوگا) یا (منادی) مضاف کا تابع
ہے (کہا ہو مذہب سیبویہ) اور پورا بیت یہ یا تيم تيم عدي الخ ہے (اسے تيم عدي ہمارا کوئی باپ
نہیں کہیں تمہیں عمر (شاعر شام) برائی میں نہ ڈالے (کہ میری برائی کرے پھر میں اس کے ساتھ تمہیں
بھی بڑا جاؤں) اور یہ بیت جریر (شاعر) کا ہے جب عمر بنی شاعر نے اس کی خدمت کرنے کا ارادہ
کیا تو جریر نے بنی تيم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عمر کو اس بات کی اجازت نہ دو تو وہ میری خدمت
کرے ورنہ وہ تمہیں (میری خدمت کر کے) برائی یعنی میری طرف سے ناپسند چیز میں مبتلا کر دیگا

کے باعث منصوب ہے پس تيم ثانی کی اتباع
کرتے ہوئے ان کے نزدیک تيم اول کو بھی
فتح دیا جائے گا پس تيم اول مبنی علی الفتح ہوگا
تاکہ وہ مبنی علی الضم کی بنا میں قائم مقامی کر
سکے کیونکہ اس میں ان کے نزدیک صرف مفرد
معرفہ ہونے کا ہی احتمال متعین ہے جیسا کہ
یازید بن عمرو میں ابن عمرو مضاف مضاف
الیہ کے نصب کا اتباع کرتے ہوئے یازید مبنی
علی الضم کو فتح دے کر یازید بن عمرو پر چا گیا
ہے اب رہا تيم ثانی تو اس میں بہر صورت نصب
متعین ہے اس لئے کہ اگر اس میں سیبویہ کے
مذہب کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ منادی مضاف
کا تابع ہوگا اور منادی مضاف چونکہ خود منصوب
ہوتا ہے اس لئے یہ تابع بدو جہ اولی منصوب
ہوگا اور اگر مبرد کے مذہب کو اختیار کرتے
ہیں تو یہ تابع خود مضاف ہونے کی وجہ سے
منصوب ہوگا والٹر اعلم ۱۲۔

۱۵۔ قولہ وتمام البيت الخ یا تيم
تيم عدي چونکہ ایک شعر کا ناقص ٹکڑا ہے
جو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے اس لئے
شامع پورا شعر تحریر فرمایا ہے کہتے ہیں کہ پورا
شعر یہ ہے یا تيم تيم عدي لا ابا لکم ولا
یلقینکم في سوءة عمرو یہ شعر جریر کا
ہے جب عمر بنی شاعر نے جریر کی ہجو کا ارادہ
کیا تو اس وقت جریر نے قبیلہ بنی تيم کو
خطاب کر کے کہا تھا کہ تم عمر کو میری ہجو کرنے
کے لئے آزاد مت چھوڑ دو اگر تم نے ایسا
کیا تو وہ تم کو میری جانب سے برائی میں مبتلا
کر دے گا یعنی میں تم سب کی ہجو کر دوں گا تو تم
سب ایک کے بدلے میں خواہ مخواہ ذلیل و رسوا
ہو گے اس شعر میں لا ابا لکم جملہ مدحیہ بھی ہو سکتا
ہے اور ذمیہ بھی مدحیہ کی صورت میں یہ مطلب
ہوگا کہ تمہارے فضائل اس قدر ہیں کہ تمہارا کوئی
باپ نہیں معلوم ہوتا یعنی تم مانوق البشر کوئی
اور غذائی مخلوق ہو اور اگر ذمہ کے لئے مراد ہیں

کے درمیان لازم نہیں آتا مگر چونکہ یہ صرف
احتمالات ہیں اضافت یقینی نہیں اس لئے
نصب کا جمانہ ہے ورنہ وجہ ہوتا کہ امر
تفصیلاً والٹر اعلم ۱۲۔

۱۶۔ قولہ والسيرانی الخ یہ تیسرا
مذہب میں کے قائل سیرانی ہیں ان کے نزدیک
تيم اول میں نصب کی جگہ فتح جائز ہے اس لئے
کہ تيم اول منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے
مبنی علی الضم یعنی یا تيم ہے اور تيم عدي اضافت

منصوب پر چھنے کی دوسری وجہ ہے اور یہ مبرد
کا مذہب ہے یعنی تيم اول عدي محذوف کی
طرف مضاف ہے اور اس محذوف پر قرینہ یہ
ہے کہ تيم ثانی کے بعد عدي موجود ہے پس یہ
اصل میں یا تيم عدي و تيم عدي تھا اول عدي کو
حذف کر دیا کیونکہ اس پر حال موجود ہے اور
شائع و ذائع ہے لہذا اضافت کے باعث
تيم اول کو منصوب پر چا سکتے ہیں پس اس
بنار پر کسی قسم کا فصل مضاف اور مضاف الیہ

تو یہ مطلب ہوگا کہ تمہارا کوئی باب نہیں یعنی حرامی ہو یا تم میں کوئی شرافت نہیں اس لئے کہ تمہارا مربی اور سرپرست کوئی نہیں۔ سورۃ بفتح البین کے معنے ہیں ہجو کے جس کی تفسیر شامح نے مکروہ کے ساتھ کی ہے اس لئے کہ ہجو بھی مکروہ ہی ہوتی ہے کوئی شخص بھی اس کو پسند نہیں کرتا اتنی تلفی القار کے معنے ڈالنے کے آتے ہیں واللہ اعلم ۱۱۔

۱۶ قولہ والمنادی المضاف الخ اب یہاں سے اس منادی کو بیان کرتے ہیں جو بار متکلم کی طرف مضاف ہو پھر چونکہ یہاں منادی سے ہی بحث ہو رہی ہے اس لئے شامح نے المضاف سے پہلے اس کا موصوف ذکر کر دیا تاکہ غیر منادی اس میں داخل نہ ہو سکے مثلاً جارفی غلامی کہ اس میں سوائے ایک وجہ کے اور کوئی وجہ جائز نہیں پس کہتے ہیں کہ جو منادی یا متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجہیں جائز ہیں (۱) فتح یا جیسے یا غلامی (۲) سکون یا مثلاً یا غلامی (۳) یا کو حذف کر کے کسرہ پر اکتفا کرنا جبکہ بار کے ماقبل کسرہ ہو ورنہ بار کا حذف جائز نہ ہوگا جیسے یا فتی کہ اس میں بار کا ماقبل مکسور نہیں مفتوح ہے لہذا بار کو حذف نہیں کر سکتے پس حذف یا کی مثال جیسے یا غلام (۴) بار کو الف سے تبدیل کر لینا جیسے یا غلاما واللہ اعلم

۱۷ قولہ وھذان الوجھان الخ یہاں سے شامح اخیر کی دو وجہوں کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ان میں تخفیف کیوں کی گئی کہتے ہیں کہ یہ آخر کی دو وجہیں نداء میں اکثر و بیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں اس لئے کہ نداء موضع تخفیف ہے کہونکہ نداء مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ مقصود بالذات نداء کے بعد کا قول ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم کو آواز دینا پڑتی ہے پس متکلم جلد از جلد نداء سے فانی ہونے کی کوشش کرے گا تاکہ وہ اس خلاصی پر اپنے کلام مقصود کی

یعنی مہاجراتہ ایتاھم والمنادی والمضاف الى یاء المتکلم یجوز فیہ وجوہ اربعۃ فتح الیاء مثل یا غلامی وسکونھا مثل یا غلامی واسقاط الیاء اکتفاء بالکسرة اذا کان قبلھا کسرة احترازاً عن نحو یا فتی مثل یا غلام وقلبھا الفاشحویاً غلاماً وھذان الوجھان یقعان غالباً فی النداء لان النداء موضع تخفیف لان المقصود غیرہ فی قصد الفراغ من النداء لیسوعۃ لیتخلص الی المقصود من الکلام فتخفف یا غلامی یجوز حذف الیاء وابقاء الکسرة ولیلا علیہ وقلب الیاء الف لان کالف والفتحة اخف من الیاء والکسرة وھما لے ھذان الوجھان وان کانا واقعین فی

شاعری مراد اپنی طرف سے بنی تیم کی ہجو کرنا ہے (اور) منادی (مضاف یا غلام کی طرف اس میں جائز ہیں چار وجہ یا کی فتح جیسے (یا غلامی) (اور یہی اصل ہے کیونکہ جو مکہ حرف واحد پر وضع کیا جائے اس کے مفرد ہونے کے حال میں حرکت ہی اصل ہے اور فتح اخف الحركات ہے لہذا اسے ترجیح ہوگی) (اور) یا کی جزم جیسے (یا غلامی) (کہا گیا ہے کہ یہی اصل ہے کیونکہ یائے متکلم مبنی ہے اور بناء میں اصل سکون ہے) (اور) (یاء کے ماقبل کی) کسرہ پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے یاء کو ساقط کرنا جبکہ اس سے قبل کسرہ ہو یا فتی سے احتراز ہے کہ اس میں یاء سے قبل کسرہ نہیں ہے لہذا یہاں یاء کو ساقط نہ کیا جائے گا) جیسے (یا غلام اور یاء کو الف سے بدلنا) (یا غلاما) اور یہ (اسقاط یا اور قلب یا و الف) دونوں طریقے نداء میں زیادہ واقع ہوتے ہیں کیونکہ نداء جائے تخفیف ہے کیونکہ (نداء سے) مقصود غیر نداء ہے پس متکلم سرعت کے ساتھ نداء سے فراغت چاہتا ہے تاکہ کلام سے جو مقصود ہے اس کی طرف متکلم خلاصی پائے پس یا غلامی کی دو طرح تخفیف کی گئی ایک یا کا حذف کرنا ہے اور کسرہ کا باقی رکھنا یا کے محذوف ہونے پر دلیل کے لئے اور دوسرا یاء کو الف سے بدلنا ہے کیونکہ الف اشد فتح یا اور کسرہ سے زیادہ تخفیف میں اور وہ دونوں یعنی یہ دونوں طریقے اگرچہ

جانب متوجہ ہو پس یا غلامی میں دو طریقوں سے تخفیف کی گئی ایک تو حذف یا اور کسرہ کے باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ وہ حذف یا پر دلالت کرے کیونکہ نداء مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اور یہاں رفع نظر نہیں آئے گا تو مخاطب خود سمجھ لے گا کہ آخر سے یا متکلم حذف کی گئی ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا کو الف سے بدل دیا گیا اس لئے کہ الف اشد فتح یا اور کسرہ سے تخفیف میں کیونکہ یہ سہولت اور مہولت ہے لہذا ثقالت کے ازالہ اور سرعت سے فراغت کے لئے اس میں تخفیف کر دی گئی واللہ اعلم

۱۸ قولہ وھما ای ھذان الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ تخفیف کا قاعدہ اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ مثلاً یا عدوی منادی یا متکلم کی طرف مضاف ہے مگر اس میں دونوں وجہوں میں سے ایک بھی جائز نہیں شامح نے جواب دیا کہ یہ دونوں وجہیں اگرچہ منادی مضاف الی یا متکلم میں واقع ہوتی ہیں لیکن ہر منادی

المنادی المضاف الی یا المتکلم لکن لا یقعان فی کل منادی کذلک بل فیما غلب علیہ الاضافة الی یا المتکلم واشتهر بها التدل الشهرة علی الیاء بالفتحة بالحذف او القلب فلا یقل یا عدو یا عدو او قد جاء شاذاً فی المنادی یا غلام بالفتح کتفاء بالفتحة عن الالف ویكون المنادی المضاف الی یا المتکلم بالهاء فی هذه الوجود کلها وقفاً ای فی حالة الوقف تقول یا غلامیه ویا غلامیه ویا غلامه ویا غلاماً فرقاً بین الوقف والوصل وقالوا ای العرب فی محاوراتهم یا ائی ویا ائمی علی وجوه الاربعة کسائر ما لُصِفَ الی یا المتکلم مع وجوه أخر زائدة علیها لکثرة استعمال نداءها فی کلامهم کما

منادی مضاف بہ یائے متکلم ہیں واقع ہیں لیکن ہر منادی (مضاف بہ یائے متکلم) میں اسی طرح واقع نہیں ہوتے بلکہ اس میں (واقع ہوتے ہیں) کہ جس میں اصناف ہيائے متکلم غالب ہو اور منادی اضافت کے ساتھ مشہور ہو تاکہ شہرت اس یاد پر جو کہ حذف یا قلب (بہ الف) کے ساتھ تبدیل کی گئی ہے دلالت کرے لہذا یا عدو یا عدو نہیں کہا جائے گا اور شاذ و نادر الف کی بجائے فتح پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے یا غلام فتح کے ساتھ آیا ہے لہذا اور منادی مضاف بہ طرف یائے متکلم ہوتا ہے لہذا کے ساتھ ان تمام وجوہ میں وقف میں یعنی وقف کی حالت میں تم کہو گے یا غلامیہ (یا کی فتح سے) اور یا غلامیہ (یا کی سکون سے) اور یا غلامہ (یا کے حذف سے) اور یا غلامہ (یا کو الف سے بدل کر اور یا غلامہ سیم کی زبر اور الف کے حذف کے ساتھ اگر چہ یہ شاذ ہے اور ہاء کالانا) وقف اور وصل میں فرق کرنے کے لئے ہے کہ ان وجوہ کو جب مابعد سے بلا فاصلہ ملنا ہو تو ہاء نہیں لائیں گے ورنہ ٹھینے تو ہاء کا عدم وصل پر اور وجود قطع پر دلیل ہوگا (اور کہا ہے) یعنی عرب نے اپنے محاورات میں (یا ابی اور) (یا امی) وجوہ اربعہ (چن کا یا غلامی میں ذکر ہوا) کی بنا پر باقی اسماء کی طرح کہ جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں ان سے مزید دیگر وجوہ کے ہمراہ کیونکہ کلام عرب میں ان دونوں (ام اور اب) کی نداء کثرت کے

اس تغیر کے بعد اس یاد پر دلالت کرے گی پس یا عدوی اس تخفیف سے خارج ہے اس لئے کہ اس کی اضافت کی شہرت نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص نادر میں عدو کی نسبت اپنی جانب نہیں کیا کرتا پس یا عدوی میں یا عدو اور یا عدو نہیں کہہ سکتے اول کی دو صورتیں اس میں متحقق ہو سکتی ہیں واللہ اعلم۔

۱۰ قولہ وقد جاء شاذاً الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ وجوہ کا انحصار اربعہ میں باطل ہے

مضاف الی یا المتکلم میں نہیں بلکہ اس منادی میں واقع ہوتی ہیں کہ جس میں یا متکلم کی طرف اضافت غالب اور اکثر ہو اور منادی اس اضافت کے ساتھ مشہور ہو تاکہ یہ شہرت اس یاد پر دلالت کرے جو کہ حذف یا تبدیل بالالف کی وجہ سے اپنی ہیئت اصلیہ سے تغیر ہو گئی ہو یعنی جب کسی کلمہ میں یا متکلم کی طرف اضافت کی شہرت ہوگی اور پھر اس کے آخر سے یا حذف کر دی گئی ہو یا الف سے بدل دی گئی ہو تو یہ شہرت اضافت

اس لئے کہ ایک یا پنجویں وجہ بھی پائی جاتی ہے یعنی یا غلام سیم کے فتح ساتھ الف کی جانب سے فتح پر اکتفاء کے ساتھ یعنی اس میں الف کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں فتح ہی الف کے حذف پر دلالت کرے گا شراح نے جواب دیا کہ یہ شاذ ہے اور شاذ کا معدوم ہوتا ہے لہذا اس کو دلیل حصر میں بیان نہیں کیا گیا پس وجوہ اربعہ میں انحصار صحیح اور درست ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱ قولہ ویكون المنادی الخ مذکورہ بالا حالت منادی مضاف الی یا المتکلم کی وصل کی صورت میں تھی لیکن جب اس منادی پر وقف کیا جائیگا تو منادی پر ان تمام وجوہ میں ہاء وقف داخل ہو جاتی ہے تاکہ وقف اور وصل کے درمیان فرق ہو جائے جیسے یا غلامیہ۔ یا غلامیہ۔ یا غلامہ۔ یا غلاماً بترجیب الف و نشر مرتب۔ اس جگہ شراح نے واد کے بعد یون کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ بالہا ر جاد مجرور یون کے متعلق ہے اور فی ہذہ الوجوہ کلہا سے یہ بتلایا ہے کہ بالہا ر کا تعلق صرف وجہ اخیر سے نہ سمجھ لیا جائے جیسا کہ کلام سے متبادر ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق تمام وجوہ سے ہے اور ای فی حالۃ الوقف سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ باعتبار مضاف محذوف یعنی حالۃ کے ظرف زمان ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱ قولہ وقالوا ای العرب الخ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ بعض امثلہ میں وجوہ اربعہ مذکورہ کے علاوہ اور وجوہ بھی جائز ہیں پس کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے محاورات میں یا ابی اور یا امی کو وجوہ اربعہ مذکورہ کے ساتھ استعمال کرنے کے باوجود ان میں بعض وجوہ اور بھی نداء کرتے ہیں اس لئے کہ کلام عرب میں ان کی نداء کا استعمال کثرت سے جیسا کہ انہی وجوہ آخر

کی طرف مصنف نے اپنے قول یا ایت اور یا ایت سے اشارہ کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین انسان سے قریبی تعلق کے باعث بکثرت پکائے جاتے ہیں اور کثرت نذر مقتضی ہے کثرت وجہ کو اس لئے کہ جب وجہ میں کثرت ہوگی تو اگر نذر ایک وجہ کے ساتھ دشوار ہوگی تو وجہ آخر کے ساتھ آسان ہو جائے گی یعنی جیسا موقع ملے گا ویسا کر لیا جائے گا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۲ قولہ ای وقالوا الخ اس سے شائع نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یا ایت اور یا امت کا عطف قالوا پر ہے یعنی جس طرح اہل عرب یا ابی اور یا امی کہتے ہیں اسی طرح یا ایت اور یا امت بھی کہتے ہیں یا کو تار سے بدل کر پھر تار میں دونوں اعراب جاری کرتے ہیں یعنی اگر اس امر کا لحاظ کریں کہ یہ تار یا مفتوحہ کے عوض میں آتی ہے تو تار کو مفتوحہ پڑھتے ہیں تاکہ حرکت یا رکی موافقت پیدا ہو جائے اور اگر یا رکا اعتبار کرتے ہیں تو چونکہ یا رکسہ کو چاہتی ہے اس لئے تار کو مکسورہ پڑھتے ہیں۔ اب رہی بات کہ شائع نے فتی و کسر کی تفسیر ای حال کون التار الخ کے ساتھ کیوں کی تو یہ ایک سوال مقدم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ فتی و کسر تار سے حال واقع ہیں اور حال ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور یہاں محمل صحیح نہیں اس لئے کہ تار فتیہ اور کسرہ نہیں ہوتی نیز حال اور ذوالحال کے درمیان افراد اور تشبیہ وغیرہ میں مطابقت بھی شرط ہوتی ہے اور یہاں مطابقت ہے نہیں اس لئے کہ ذوالحال یعنی تار مفروضہ ہے اور حال یعنی فتی و کسر تشبیہ جواب یہ ہے کہ فتی و کسر مفتوحہ اور مکسورہ کے معنی میں ہیں اب حال کا محمل ذوالحال پر درست ہو گیا پھر فتی و کسر میں واد بیٹنے اور ہے پس ان دونوں کے درمیان مطابقت

اشار الیہا بقولہ وِیَا اَہِبْ وِیَا اَمَّتِ اِی قَالُوا یَا اِبْتَ وِیَا اَمَّتِ اِیضًا یَا بَدَالِ لِیَا وِیَا تَا فِتْحًا وِکَثْرًا اِی حَال کَوْنِ التَّاءِ مَفْتُوحَةً عَلٰی وَفْقِ حَرِکَةِ الِیَاءِ اَوْ مَكْسُورَةً لِّمُنَاسِبَةِ الِیَاءِ وَقَدْ جَاءَ الضَّمُّ اِیضًا فِی حَوِیَاتِ وِیَا اَمَّتِ جَوَازًا یَحْوِی الْمَفْرَدَ الْعَرَفَ وَلَمْ یَذْکُرْهُ لِلْعِلَّةِ وَ قَالُوا یَا اِبْتَ وَاَمَّا بِالْاَلِفِ بَعْدَ التَّاءِ جَمْعًا بَیْنَ الْعَوَظِیْنِ ذُوْنِ الِیَاءِ فَمَا قَالُوا یَا اِبْتَ وِیَا اَمَّتِ اِحْتِرَازًا عَنِ الْجَمْعِ

ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسا کہ ان وجہ زائد کی طرف مصنف نے اپنے قول «اور یا ایت ویا امت» سے اشارہ کیا ہے یعنی اہل عرب نے یا ایت ویا امت (یا ابی ویا امی کی جگہ) یا کو تار کے ساتھ بدل کر بھی کہا ہے «فتح اور کسر سے» یعنی (یا ابی ویا امی کی) یا کی حرکت کے موافق (یا ایت اور یا امت کی) تار کے مفتوح ہونے کی حالت میں کیونکہ یا ایت ویا امت کی اصل یا ابی ویا امی بفتح یا تے (مکمل ہے) یا (دوسری صورت) مناسبت یا (کہ یا ابی ویا امی میں ہے اور یا دو کسرہ کے ملنے سے بنتی ہے اس) کی وجہ (یا ایت ویا امت کی تار کے) مکسور ہونے کی حالت میں اور (تیسری صورت) یا ایت ویا امت (میں سے ہر ایک) کو مفرد معرف کے قائم مقام قرار دے کر اگرچہ یہ درحقیقت مضاف ہے تاہم یہ صورت نہیں اس لئے (مکمل بھی) (ایک قرأت میں) آیا ہے جیسے یا ایت ویا امت دونوں میں تاکا پیش (گویا اس میں تین حال ہوئے مبنی علی الفح مبنی علی الکسر اور یہ اکثر ہے اور مبنی علی الضم) اور مصنف نے ضم کا ذکر اس کے قلیل (لوقوع) ہوئی وجہ سے نہیں کیا «اور» اہل عرب نے یا ایت اور یا امت «الف کے ساتھ» تار کے بعد الف پڑھا کر «الف» اور تار دونوں موضوعوں کو دیکھ کر وقت جمع کہتے ہوئے (کیونکہ ایک چیز کے دو عوض ہو سکتے ہیں لہذا یا مکمل کو صرف الف سے بدل کر یا ابی اور یا اما اور تار سے بدل کر یا ایت اور یا امت اور معاً دونوں سے بدل کر یا ایت اور یا امت کہہ سکتے ہیں) «یا کے بغیر» لہذا اہل عرب نے یا ایت اور یا امتی

۱۱۳ قولہ یا ایت الخ اسکا بھی عطف فی الافراد بھی ہو گئی اس لئے کہ کلمہ ادر احد الامر کے لئے آتا ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یا ایت اور یا امت بضم التار بھی تو مستعمل ہوتے ہیں اس کو مصنف نے کیوں نہیں ذکر کیا اس کا جواب وقد جار الضم سے شائع نے یہ دیا کہ کبھی ضم بھی آجاتا ہے یعنی اس کو منادی مفرد معرف کے قائم مقام سمجھتے ہوئے کبھی مبنی علی الضم بھی کر دیتے ہیں اس لئے کہ اس میں صورتہ اضافت نظر نہیں آتی مگر بہت قلیل ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط اس لئے مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ قلیل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی واللہ اعلم۔

یا ابی اور یا امی پر ہے یہ اس میں دوسری وجہ ہے جو کہ وجہ اربعہ کے علاوہ ہے یعنی اس اعتبار سے یہ تیسری وجہ ہے کہتے ہیں کہ اہل عرب نے تار کے بعد الف کو زائد کر کے یا ایت اور یا امت بھی کہا ہے پس اس وقت تار اور الف دونوں یا رک کے عوض میں ہوں گے یعنی اجتماع عوضین ہو گا اور اس میں کوئی استعمال نہیں اس لئے کہ جمع بین العوضین جائز ہے لیکن تار کے بعد یا رک کی زیادتی نہیں کر سکتے اسی کو مصنف دون الیاء سے مراد لے رہے ہیں پس کسی اہل عرب سے یہ نہیں سنا گیا کہ اس

بَيْنَ الْعَوْضِ وَالْعَوْضِ عَنْهُ فَإِنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ وَقَالُوا يَا ابْنَ أُمِّرٍ وَيَا ابْنَ
عَمْرٍ خَاصَّةً هَذَا الْاِخْتِصَاصُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْأَقَمِّ وَالْعَمِّ أَيْ لَا يُقَالُ يَا ابْنَ أَخٍ
وَيَا ابْنَ خَالٍ بَلْ يُقَالُ يَا ابْنَ أَخِي وَيَا ابْنَ خَالِي لَا بِالنَّظَرِ إِلَى الْإِبْنِ أَيْضًا فَإِنْ
يَقُولُونَ يَا ابْنَ أُمِّمٍ وَيَا ابْنَ عَمِّمٍ عَلَى الْوَجْهِ الْأَرْبَعَةِ مِثْلُ بَابِ يَا غُلَامِي
فَقَالُوا يَا ابْنَ أُمِّمٍ وَيَا ابْنَ عَمِّمٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَسُكُونِهَا وَيَا ابْنَ أُمِّمٍ وَيَا ابْنَ عَمِّمٍ بِجَذْفِ
الْيَاءِ وَالْاِكْتِفَاءِ بِالْكَسْرِ وَيَا ابْنَ أُمِّمٍ وَيَا ابْنَ عَمِّمٍ بِاِبْدَالِ الْيَاءِ الْهَاءَ وَقَالُوا بِزِيَادَةِ
وَجْهِ آخَرٍ شَذَّ فِي الْمَصَافِ إِلَى يَاءِ مُتَكَلِّمٍ يَا ابْنَ أُمِّمٍ وَيَا ابْنَ عَمِّمٍ بِجَذْفِ
لَا لِفٍ وَالْاِكْتِفَاءِ بِالْفَتْحِ لِكَثْرَةِ الِاسْتِعْمَالِ وَطُولِ اللَّفْظِ وَثِقَلِ التَّضْعِيفِ

نہیں کہا عوض اور عوض عنہ کو یکجا جمع کرنے سے احتراز کرنے کی وجہ سے کیونکہ ان کا جمع کرنا جائز
نہیں ہے اور اہل عرب نے کہا لا یا ابن ام اور یا ابن عم (یعنی یہ اختصاص ام اور عم
کے لحاظ سے ہے یعنی یا ابن اخ اور یا ابن خال نہیں کہا جائے گا بلکہ یا ابن اخ اور یا ابن خالی کہا
جائے گا یہ اختصاص) ابن کے لحاظ سے بھی نہیں ہے کیونکہ اہل عرب (بنت الام جو کہ یا بنے متکلم
کی طرف مضاف ہے کی نداء کے وقت) کہتے ہیں یا بنت ام اور یا بنت عم وجوہ اربعہ (مذکورہ در
یا غلامی کے طور پر یا غلامی کے باب کی مانند) پس اہل عرب نے یا ابن انی اور یا ابن عمی یا مد کی
فتح اور یا مد کی سکون سے اور یا ابن ام اور یا ابن عم یا مد کو حذف اور کسرہ پر اکتفاء کرنے کے ساتھ اور
یا ابن اما اور یا ابن عما یا مد کو الف سے بدل کر (اور اہل عرب نے کہا ہے) ایک اور طریقہ کے ساتھ
کے ساتھ جو (مادی) مضاف طرف یا بنے متکلم میں شاذ ہے (یا ابن ام اور یا ابن عم الف مبدل
عن لیام) کے حذف اور (اس سے پیشتر کی) فتح پر اکتفاء کے ساتھ (اس لفظ کے) کثیر الاستعمال
ہوتے اور اس لفظ کے طول اور تضعیف کے ثقل کی وجہ سے (طول لفظ یعنی ایک حرف نداء و نادی

خصوصیت لفظ ام اور عم کے لئے ہے
یعنی ان دونوں کا وجوہ اربعہ کی تہ اختصاص
مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ مضاف
کے اسی کو شایع ہذا الاختصاص بالنظر الى الام
والعم سے تعبیر کرے ہے یہ پس یا ابن اخ یا ابن
خال وغیرہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یا ابن اخ اور یا
ابن خالی کہیں گے صرف ایک وجہ کے ساتھ
یعنی یا مد کے سکون کے ساتھ پھر چونکہ یہ
اختصاص ام اور عم کے اعتبار سے ہے ابن
یعنی مضاف کے اعتبار سے نہیں اسلئے
یا بنت ام اور یا بنت عم وجوہ اربعہ کے

نے اپنے والدین کو خطاب کرتے ہوئے یا ابنتی
اور یا امتی کہا ہو اس لئے کہ اس صورت میں
عوض اور عوض عنہ کے درمیان اجتماع لازم
آتا ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اصل کے
ہوتے ہوئے عوض کا کوئی اعتبار نہیں ہوا
کرتا اس لئے یا مد کو نداء کر کے یا ابنتی اور یا
امتی کہنا ناجائز ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ وقالوا یا ابن ام الخ اور
اہل عرب خاص کر یا ابن ام اور یا ابن عم میں
مثل غلامی کے چاروں وجہیں جائز قرار دیتے
ہیں اور خاصہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی

ساتھ کہہ سکتے ہیں باب غلامی کی طرح یعنی
جس طرح غلامی میں چار وجہیں جائز ہیں اسی
طرح یہاں بھی چاروں وجوہ جائز ہوں گی
پس یا ابن امی یا ابن عمی بفتح الیاء یا ابن امی
یا ابن عمی بسکون الیاء یا ابن ام یا ابن عم
بجذوف الیاء اور کسرہ پر اکتفاء کرتے ہوئے
یا ابن اما یا ابن عما یا مد کو تبدیل الف کے
ساتھ کہیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۔ قولہ وقالوا الخ اس سے

مصنف یا ابن عم اور یا ابن ام میں ایک اور
پانچویں وجہ بتلاتے ہیں کہتے ہیں کہ ان وجوہ
کے علاوہ بھی اہل عرب نے ایک اور وجہ
نہایت کی ہے جو کہ مضاف بیا متکلم میں شاذ
ہے یعنی وہ یا ابن ام اور یا ابن عم بھی کہتے ہیں
الف کو حذف کرنے کے بعد جو کہ مکتوب عن الیاء
تھا اور فتح میم پر اکتفاء کرنے کے ساتھ اور دلیل
یہ دیتے ہیں کہ اس میں کثرت استعمال طول لفظ
اور ثقل تضعیف اس وجہ کے جواز کا باعث ہے
یعنی چونکہ اس کا استعمال بہ نسبت یا غلامی کے
زیادہ رہتا ہے اس لئے یہ مزید ایک وجہ کی
زیادتی کا مقتضی ہے پھر اگر ایسا نہ کیا جائے تو الفاظ
بھی طویل ہو جاتے ہیں یا غلامی کی بہ نسبت چونکہ
یا غلامی میں صرف تین کلمے ہیں یا غلام یا متکلم اور
اس تین چار کلمے ہیں یا ابن ام یا متکلم اسی طرح
ام کے بجائے عم میں بھی یہی صورت ہے پھر
ثقل تضعیف اس پر مستزاد ہے یعنی دونوں جگہ میم
مشدد ہے پس ان میں دونوں وجوہ کی بنا پر ایک وجہ
زائد کی گئی تاکہ تخفیف پیدا ہو جائے پھر تینوں
وجوہ یعنی کثرت استعمال طول الفاظ ثقل تضعیف
ایک دلیل میں جدا جدا نہیں ہیں اگر یا غلام ام کہا جائے
گا تو اس میں کثرت استعمال مفقود ہے لہذا یہ وجہ
زائد جائز نہیں ہوگی اور جب یا ابن اخ کہا جائے
گا تو ثقل تضعیف غیر موجود ہے لہذا اس میں بھی
جائز نہیں ہوگی اور طول الفاظ تو بہر حال پایا ہی جائے
گا واللہ اعلم۔

۱۱۶ قولہ دلائل الخیر عبارت ترخیم منادی کے لئے بطور تمہید کے بھی ہے اور ایک اعتراض کا جواب بھی تمہید کے لئے ہوتا تو ظاہر ہے رہا اعتراض تو اس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں بحث تو ہو رہی ہے مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کی اور ذکر چھڑو یا ترخیم منادی کا جو کہ خروج عن المبحث ہے پس اس کی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس سے خروج عن المبحث لازم نہیں آتا کیونکہ ترخیم منادی کے معنی میں سے ہے اور خصائص سے شے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا بھی ذکر کرنا ضروری ہوا پس مصنف کہتے ہیں کہ ترخیم منادی جائز ہے اور شارح اس کی تفسیر ای واقع الخیر سے کر کے اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جواز سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترخیم کی جاسکتی ہے لیکن ہوتی نہیں پس یہ مطلب نہیں بلکہ ترخیم منادی ایسی ضرورت شعریہ کے بغیر بھی جو ترخیم کی داعی ہو بشر کلام میں بکثرت واقع ہے یعنی بلا کسی ضرورت کے بھی منادی میں ترخیم کر لی جاتی ہے پس اگر اس کی کہیں ضرورت پیش آئے گی۔ تو بدرجہ اولیٰ ترخیم ہوگی لیکن ترخیم کا اس قدر عام ہونا صرف منادی کے ہی ساتھ خاص ہے البتہ اگر کہیں ضرورت شعریہ کی وجہ سے علاوہ منادی کے ترخیم کرنی پڑے تو کہہ سکتے ہیں مگر بلا ضرورت نہیں ای کو مصنف کہتے ہیں کہ وہ غیر منادی میں ضرورت شعریہ کی وجہ سے واقع ہے بشر کلام میں بلا ضرورت نہیں اس جگہ شارح نے فی غیرہ سے پہلے ترکا اضافہ کر کے یہ بتلایا ہے کہ فی غیرہ طرف مستقر واقع کے متعلق ہو کر ہو مبتدا اخذ وقت کی خبر ہے اور ضرورت کی تفسیر ای ضرورت شعریہ الخ سے کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ضرورت فعل محذوف کا محذوف اللام مفعول لہ واقع ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ویرخیم فی غیرہ ضرورتہ واللہ اعلم ۱۱۷

۱۱۸ قولہ ویرای الخ ہو کا مزج ترخیم منادی ہے مطلق ترخیم نہیں اس وجہ سے شارح

ولما كان من خصائص النداء الترخيم شرع في بيانه فقال وترخيم المنادى جائز اي واقع في سعة الكلام من غير ضرورة شرعية دعت اليه فان دعت اليه ضرورة فبالطريق الاولى وهو في غير المنادى واقع ضرورة لضرورة داعية اليه لا في سعة الكلام وهو اي ترخيم المنادى حذف في اخره اي آخر المنادى تخفيفا اي لجرد التخفيف لالعله اخرى مفضية الى الحذف المستلزم للتخفيف فعلى هذا يكون ذلك التعريف مخصوصا بترخيم المنادى ولعلم منه ترخيم غير المنادى

ومضاف اليه برائے منادی اور پائے مکمل غرضیکہ کثرت استعمال و طول لفظ و ثقل تعریف حذف الف کا سبب ہے) اور جیکہ نداء کے خصوصیات میں سے (ایک خصوصیت) ترخیم بھی تو مصنف اس کے بیان میں شروع ہو تو فرمایا لا اور منادی کی ترخیم جائز ہے) یعنی ضرورت شعریہ جو کہ ترخیم کی طرف داعی ہو کے بغیر وسعت کلام میں ترخیم واقع ہے پس اگر ترخیم کی طرف ضرورت داعی ہو تو ترخیم بہ طریق اولیٰ واقع ہوگی (الغرض منادی میں ترخیم واقع ہے خواہ ضرورت اس کی متقاضی ہو یا نہ ہو) اور وہ اس کے غیر میں یعنی غیر منادی میں واقع ہے «ضرورت کیلئے» یعنی ضرورت شعریہ کی وجہ سے جو کہ ترخیم کی طرف داعی (اور متقاضی) ہو وسعت کلام میں نہیں (اور وہ) یعنی منادی کی ترخیم و حذف کرنا ہے اس کے آخر میں «یعنی منادی کے آخر میں» «تخفيف کیلئے» یعنی محض تخفيف کے لئے کسی دوسری ایسی علت کی وجہ سے نہیں جو کہ ایسے حذف کی طرف مفضی ہو جو تخفيف کو مستلزم ہو پس اس تقدیر پر (ترخیم کی) یہ تعریف ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہوگی (اور غیر منادی کو شامل نہ ہوگی) اور غیر منادی کی ترخیم منادی کی ترخیم سے قیاس کے ساتھ ملو

۱۱۸ قولہ فعلی ہذا الخ ترخیم کی مذکورہ تعریف میں چونکہ صرف ترخیم منادی کی تعریف ہوتی ہے غیر منادی کی نہیں لہذا یہ تعریف ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہوگی اور غیر منادی کی ترخیم اس پر قیاس کر کے معلوم کی جاسکتی ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اسم کے آخر سے محض تخفيف کے لئے (ذکر علت آخر کے باعث) حذف کو ترخیم کہیں گے پس اس صورت میں ترخیم منادی کی تعریف اہل ہوگی اور غیر منادی کی اس کے تابع پھر شارح و لیکن حلا الخ سے بھی تعریف بالعمس کرنا چاہتے ہیں یعنی مطلق ترخیم

نے اس کو ذکر کیا پھر فی آخرہ کی ضمیر مجرور بھی اسی طرف راجع ہوگی ترخیم منادی منادی کے آخر سے تخفيف کے لئے حذف کرنے کو کہتے ہیں تاکہ منادی بسرعت ادا ہو جائے اور یہ تخفيف کسی ایسی علت کی وجہ سے نہ ہونی چاہیے جو مفضی الی الحذف ہو کہ تخفيف کو مستلزم ہو یعنی وہ علت حذف آخر کو چاہے اور پھر حذف آخر سے تخفيف پیدا ہو جیسے یدوم قاض و داخ میں حذف موجود ہے مگر اس کو ترخیم نہیں کہتے کیونکہ یہ حذف محض تخفيف کے لئے نہیں ہوا بلکہ یہ قانون صرفی اور سماع لغوی کے ماتحت ہوا ہے لہذا اس سے خارج

بالمقايسة ويمكن حمله على تعريف الترقيم مطلقا بارجاع الضمير المرفوع الى الترقيم مطلقا والضمير المجرور الى الاسم وشرطه اي شرط ترخيم على التقدير الاول او شرط الترقيم اذا كان واقعا في المنادى على التقدير الثاني امور اربعة ثلاثة منها عدمية وهي ان لا يكون مضافا حقيقة او حكما فدخل فيه المشبه بالمضاف ايضا فلا يمكن الحذف من الاول لانه

ہوگی اور ضمیر مرفوع کو (جو کہ صو ہے) مطلقا ترخیم کی طرف اور ضمیر مجرور کو (جو کہ فی آخر میں ہے) مطلقا اسم کی طرف لونا کر ترخیم کی تعریف کو مطلقا ترخیم کی تعریف پر محمول کیا جاسکتا ہے (اور اس کی شرط) یعنی منادی کی ترخیم کی شرط تقدیر اول (یعنی تعریف ترخیم کے ترخیم منادی کے ساتھ خاص ہونے) کی تقدیر کی بنا پر یا ترخیم کی شرط جبکہ منادی میں (ترخیم) واقع ہو تقدیر ثانی (یعنی تعریف ترخیم کے منادی اور غیر منادی کو شامل ہونے) کی تقدیر کی بنا پر چار چیزیں (شرط) ہیں جن میں سے تین عدی ہیں (یعنی تسخوں میں پانچ چیزوں کی شرط ہے جن میں سے چار چیزیں (شرط) ہیں جن میں سے تین عدی ہیں (یعنی تسخوں میں پانچ چیزوں کی شرط ہے جن میں سے چار عدی ہیں اور چوتھی منادی کا مندوب ہونا ہے) اور وہ (تین عدی) یہ (ہیں) کہ (منادی) «مضاف نہ ہو» حقیقۃً (یعنی بہ اضافة حقیقیہ معنویہ) یا حکمی طور پر (یعنی بہ اضافة لفظیہ) پس اس میں مشابہ مضاف بھی داخل ہو گیا کیونکہ اول (یعنی مضاف یا مشابہ مضاف) سے حذف کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اول (یعنی مضاف یا مشابہ مضاف) معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے منادی کے اجزاء کا (جزو) اخیر نہیں (کیونکہ یا غلام زید اور یا صاحب عمر میں منادی خاص کر مضاف ہے اور مضاف سے مضاف الیہ کے بغیر استفادہ نہیں کیا جاسکتا تو مضاف کی ترخیم سے وسط منادی میں ترخیم لازم آئے گی جبکہ ترخیم آخر منادی میں ہوتی ہے) اور نہ ہی دوسرے (کلمہ یعنی مضاف الیہ سے

کی تعریف اہل ہوگی اور ترخیم منادی اس کی فرع اور اس سے حاصل کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس تعریف کو مطلق ترخیم کی تعریف پر عمل کر لیں اور ضمیر مرفوع کو مطلق ترخیم کی طرف راجع کر دیں اور فی آخرہ کی ضمیر مجرور کو اسم کی طرف لونا لیں پس اس صورت میں عبارت یہ ہو گی وہو ای الترخیم حذف فی آخر الاسم اور یہ مطلق ترخیم کی تعریف ہے پس ترخیم منادی کی تعریف اس کے ضمن میں حاصل ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۹ قولہ وشرط الخ یہاں سے مصنف ترخیم منادی کی شرائط کو بیان فرما رہے ہیں شرط کی ضمیر میں بھی باعتبار مرجع کے

دو احتمال ہیں تقدیر اول کی بنا پر اس کا مرجع ترخیم المنادی ہو گا ای شرط ترخیم المنادی اور تقدیر ثانی کی بنا پر مطلق ترخیم لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جو شرطیں اس جگہ بیان کی جا رہی ہیں وہ ترخیم منادی کی ہیں مطلق ترخیم کی نہیں پس مطلق ترخیم اس ضمیر مجرور کا مرجع کیونکر بنے گی تو اس کا جواب شامح نے اذا کان واقعا الخ سے یہ دیا کہ اس جگہ عبارت محذوف ہے اہل عبارت اس طرح ہے بشرط الترخیم اذا کان واقعا فی المنادی یعنی ترخیم جبکہ منادی میں واقع ہو تو اس کے لئے شرط یہ ہے اور یہ عبارت محذوفہ اس وجہ سے سمجھ میں آئی

ہے کہ یہاں منادی کا ذکر ہو رہا ہے پس اس قرینہ حالیہ کی بنا پر عبارت حذف کر دی گئی۔ پھر چونکہ شرائط مختلف ہیں اس وجہ سے دلیل حصر کی ضرورت پیش آتی ہے اور مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا تو اعتراض واقع ہوا کہ یہ مقام مقام حصر ہے لہذا ادوات حصر کا ذکر ہونا چاہئے شامح نے اس کے جواب کے لئے امور اربعہ کا اضافہ کر دیا پس شرائط کا انحصار چار میں ہو گیا تین ان میں سے عدی ہیں اور ایک وجودی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۰ قولہ دی ان لا یكون الخ عدی تین میں سے ایک یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو نہ حقیقۃً نہ حکما حقیقۃً کی قید سے اضافة معنویہ مطلقا خارج ہو گئی اور حکما سے اضافة لفظی اور مشابہ مضاف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ معنی کے اعتبار سے بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہیں یعنی جیسا کہ کلمہ واحدہ کے معنی اس کے تمام اجزاء کے ملائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے اس طرح مضاف اور مضاف الیہ کو حسب تک ملائے لیا جائے مضاف کے معنی تمام نہیں ہوتے پس یہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک کلمہ ہیں اور اگر اس میں لفظ کا لحاظ کرتے ہیں تو یہ دونوں دو کلمے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ دونوں پر دو اعراب جاری ہوتے ہیں مضاف پر علیحدہ اور مضاف الیہ پر علیحدہ پس اگر معنی کے اعتبار کو لیتے ہیں تو اول یعنی مضاف کے آخر سے حذف ممکن نہیں اس لئے کہ یہ اجزاء منادی کا آخر نہیں بلکہ آخر مضاف الیہ ہے پس وسط کلام میں ترخیم لازم آتی ہے اور اگر مضاف الیہ کے آخر سے حذف کریں تو اعتبار لفظ اس کی اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ مضاف الیہ آخر اجزاء منادی نہیں بلکہ مضاف ہے پس ترخیم اس جگہ مستحق ہوگی کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تعارض لازم آتا ہے اور تعارض کا اقتضائے

ہے کہ اذا تعارضتا قتا لہذا اس پر عمل کرتے ہوئے نہ مضاف میں ترخیم کریں گے اور نہ مضاف الیہ میں دونوں میں بالکلیہ ترخیم منع ہو جائے گی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۱ قولہ وان لا یكون الخیرہ دوسری عدلی شرط ہے مستغاث کا عطف مضاف پر ہے اسی لئے شارح نے لآ سے پہلے ان اور لا کے بعد یكون کا اضافہ کیا مطلب یہ ہے کہ منادی مستغاث بھی نہ ہو نہ مستغاث باللام جو کہ منادی مجرور ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں چونکہ نداء کا اثر یعنی نصب یا بناء علی الضم ہی اس میں متحقق نہیں ہوتا جیسا کہ منصوب و مبني علی الضم ہونے کی وجہ گزر چکی ہے پس اس پر ترخیم جو کہ منادی کے خصائص میں سے ہے وارد نہ ہوگی اور منادی بنا بر مغوییت کے یا منصوب ہوتا ہے یا کاف اسی سے مشابہت کے باعث مبني علی الضم اور یہاں ان دونوں اثروں میں سے ایک بھی موجود نہیں لہذا منادی مستغاث باللام میں ترخیم نہیں ہوگی اب رہا یہ امر کہ منادی مستغاث مفتوح بزيادة الالف میں بھی یہ ترخیم ہو سکتی ہے یا نہیں تو اس کا جواب شارح دلا مفتوحاً الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس میں بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس میں مقصود درازی صوت ہے یہ ہی وجہ ہے کہ اس کے آخر میں الف زیادہ کہتے ہیں لہذا ترخیم نہیں کر سکتے اس لئے کہ ترخیم زیادتی الف کے منافی ہے واللہ اعلم۔

۱۲۲ قولہ ولم یذکر المندوب الخ یہ

ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مندوب بھی ترخیم منادی کیلئے شروط عدمیہ میں سے ہے اس لئے کہ اس میں زیادتی الف سے مد صوت مقصود ہوتا ہے لہذا ترخیم مد صوت کے منافی ہے۔ لہذا مصنف نے اس کو بھی شروط عدمیہ میں کیوں نہیں ذکر کیا شارح نے جواب دیا کہ یہ چونکہ مصنف کے نزدیک منادی میں داخل نہیں اس لئے اس کو

لیس آخر اجزاء المنادی نظراً الى المعنى ولا من الثاني لانه ليس آخر اجزائه نظراً الى اللفظ فامتنع الترخيم فيهما بالكلية وان لا يكون مستغاثاً لا مجروراً باللام لعدم ظهور اثر النداء فيه من النصب او البناء فلم يرفع عليه الترخيم الذي هو من خصائص المنادی ولا مفتوحاً بزيادة الالف لان الزيادة تنافي الحذف ولم یذکر المندوب لانه غير داخل في المنادی

ترخیم ممکن ہے کیونکہ وہ لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے منادی کے اجزاء کا (جزو) اخیر نہیں کیونکہ مضاف اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہے اگرچہ اضافت معنویہ ہی ہو اس لئے اعراب جزو اول یعنی مضاف پر آتا ہے تو جزو اخیر کی ترخیم سے غیر منادی کی ترخیم لازم آئے گی) لہذا دونوں (یعنی مضاف و مضاف الیہ) میں ترخیم کلی طور پر ناممکن قرار پائی (اور) یہ کہ «نہ» ہو «مستغاث» نہ «مستغاث» مجرور بہ لام کیونکہ اس میں نداء کے اثر کا ظہور نہیں (اور اثر نداء) یعنی نصب (جیکہ مضاف یا مضاف الیہ بنا (علی الضم) ہے (جیکہ مفرد معرفہ ہو) پس منادی مستغاث پر (مطلقاً) ترخیم جو کہ منادی کی خصوصیات سے ہے وارد نہ ہوگی (کہ منادی مستغاث منادی ہی نہیں ہے کہ اس میں نداء کا اثر یعنی نصب و بناء ظاہر نہیں ہے) اور نہ (منادی مستغاث) بہ اضافه الف (استغاثہ) ہو کیونکہ (منادی کے آخر میں الف کی) زیادتی حذف (یعنی ترخیم) کے منافی ہے اور مصنف نے مندوب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مصنف کے نزدیک مندوب منادی میں داخل نہیں اور

ذکر نہیں کیا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض نسخوں میں تو یہ موجود ہے تو اس کا جواب فقہانہ من تصرف الناسخین الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اگر بعض نسخوں میں موجود ہے تو یہ ناسخین یعنی لکھنے والوں کا تصرف ہے باوجود اس کے کہ مندوب کے منادی میں داخل ہونے کی وقت اس کے شرط ہونے کی وجہ ظاہر ہے مطلب یہ ہے کہ بعض ناسخین نے جو تصرف کر کے مندوب کو بھی اس میں ذکر کر دیا یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ اولاً تو مصنف کے نزدیک یہ منادی میں داخل ہی نہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے تب بھی ان شرائط میں اس کے ذکر کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ عدم ذکر کی وجہ ہی ظاہر ہے اس لئے کہ مندوب کے آخر میں

صوت کے لئے الف کی زیادتی ہوتی ہے تاکہ تفعیل اور ماتم کا اظہار کیا جائے اور یہ زیادتی الف مستغاث بالالف میں بھی پائی جاتی ہے، پس جب مستغاث کی شرط بطور نفی کے ترخیم میں ذکر کر دی گئی تو مندوب بھی اس میں داخل ہو گیا کیونکہ زیادتی الف کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں پس جب مستغاث خارج ہو گیا تو مندوب بدرجہ اولیٰ ترخیم سے خارج ہو جائے گا لہذا یہ تصرف ناسخین مندوب کو منادی میں داخل کرتے ہوئے بھی درست نہیں پھر اس میں تخفیف کے لئے ترخیم نہیں ہوگی کیونکہ اس سے مد صوت مقصود ہو جائے گا اور یہ خلاف مقصود ہے واللہ اعلم ۱۲۔

عندہ وما وقع في بعض النسخ فكانه من تصوف النسخين مع ان وجه اشتراطه عند دخوله في المنادى ظاهر وهو ان الاغلب فيه زيادة الالف في آخره لمد الصوت اظهارة للتفجع فلا يناسبه الترخيم للتخفيف وان لا يكون جملة لان الجملة محكية بحالها فلا تغاير والشرط الرابع احد الامر من الوجوديين وهو ان يكون المنادى اما علما زائدا على ثلاثه احواف لانه لعلية ناسبه التخفيف بالتخيم لكثرة نداء العلم مع انه لشهرته فيما ابقى منه دليل على ما القى ولزيادته على الثلاثة لم يلزم نقص الاسم عن اقل ابنية المعرب بلا علة موجبة واما اسما

جو بعض نسخوں میں (ولا مندوبا) واقع ہوا گویا کہ وہ بعض لکھنے والوں (طالب علموں) کے تصرف سے ہے (اور مصنف کے اپنے نسخے میں نہیں ہے) باوجودیکہ مندوب کے منادی میں دخول کے وقت اس (ولا مندوبا) کے شرط ہونے کی وجہ ظاہر ہے اور وہ (وجہ) یہ ہے کہ مندوب میں اکثر و بیشتر اظہار تلمیح کی غرض سے آواز کو لمبا کرنے کے لئے مندوب کے آخر میں الف کی زیادتی ہوتی ہے پس محض تخفیف کے لئے مندوب کو ترخیم مناسب نہیں ہے (ہاں کسی اور وجہ سے ہو سکتی ہے) اور یہ کہ (ند) ہو (جملة) کیونکہ جملة (جو کہ علمیت کی طرف منقول ہے) اپنی حالت (ما قبل العلمیۃ) کے ساتھ محفوظ ہوتا ہے لہذا اسے نہیں بدلا جاسکتا اور شرط رابع دو وجودی امروں میں سے ایک (کا ہونا ضروری) ہے اور وہ یہ کہ منادی (یا علم تین حروفوں سے زائد) کیونکہ منادی کی علمیت کی وجہ سے ترخیم کے ساتھ اسے تخفیف مناسب ہے کیونکہ علم کی نداء بہ کثرت ہوتی ہے باوجودیکہ علم اپنی شہرت کی وجہ سے جو کچھ اس میں سے (حذف کرنے کے بعد) باقی رکھا جائے گا وہ اس پر دلیل ہوگا جو (ترخیم کی وجہ سے) حذف کر دیا گیا اور (حرف) منادی کے تین حروفوں سے زائد ہونے کی وجہ سے اکم (کہ جس کی ترخیم کا ارادہ کیا گیا ہے) کا معرب کی اقل بناؤں سے بلا علت موجب کم ہونا لازم نہیں آتا (یعنی اسم معرب کے لئے ضروری ہے کہ بلا علت موجب معرب کی اقل بنائیں حروف سے کم نہ ہو اگر کوئی علت موجب ہو تو جائز ہے جیسے یاد اور دم) اور یا اسم ہو جو متلبس (متعلق) ہو لائے ثابت

اور اس پر ہر حالت میں یہی اعراب رہے گا یعنی اس میں کسی قسم کی ترخیم اعراب وغیرہ کے ذریعہ نہیں کر سکیں گے ورنہ اس سے جس قصہ پر دلالت مقصود ہے وہ باقی نہیں رہے گی اور ترخیم مقتضی ہے ترخیم کو اور ترخیم اور اس جملہ کے مقصود میں منافاة ہے لہذا اس میں ترخیم نہیں کریں گے مثلاً یا تابط شرأ کہہ کہ اگر کسی کو سکارین تو پورا جملہ ہی کسار پڑیگا

۱۲۳ قولہ وان لا یكون النحر یہ قیصری شرط مدعی ہے یعنی منادی مرخم جملہ کی نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ جملہ علم ہو کر مبنی ہو جائے گا اور پھر اپنی حکایت حال پر دلالت کرے گا پس جب جملہ مبنی ہو تو اس میں ترخیم نہ کر سکیں گے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر کسی جملہ کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے مثلاً تابط شرأ کے ساتھ تو یہ جملہ مبنی ہو جائے گا

تاکہ قصہ پر دلالت کرے اور اگر اس میں سے بطور تخفیف کچھ حذف کر دیا تو قصہ پر دلالت نہیں رہے گی اور خلاف مقصود لازم آجائیگا۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۴ قولہ والشرط الرابع النحر جو تھی شرط وجودی ہے یعنی اگر یہ پائی جائے گی تو منادی میں ترخیم ہو سکے گی ورنہ نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قول مصنف اما علما النحر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرط وجودی میں دو شقیں ہیں یعنی دونوں میں ایک پائی جائے گی تو ترخیم ہو سکے گی مگر مصنف نے اس کے لئے وجہ مصر بیان نہیں کی تو شراح نے جواباً والشرط النحر سے اس کو بیان کر دیا یعنی یہ کہ شرط رابع میں دو امر وجودی ہیں اگر ان میں سے لا علی التقرین کوئی ایک پایا جائیگا تو ترخیم ہو سکے گی ورنہ نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۵ قولہ وهو ان يكون النحر وہ شرط یہ ہے کہ منادی علم زائد علی التثنت ہو اسلئے کہ منادی کا علم ہونا ترخیم کے ذریعہ تخفیف کے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ علم کی نداء بکثرت ہوتی ہے اور یہ کثیر الاستعمال ہے نیز چونکہ علم زیادہ مشہور ہوتا ہے اس لئے جو کچھ اس میں سے حذف کرنے کے بعد باقی رہے گا وہ ما لقی یعنی محذوف پر دلالت کرنے کا پھر چونکہ اس میں زائد علی التثنت کی قید ہے اس لئے ترخیم کے بعد اسم معرب میں اس کے اقل وزن کے اعتبار سے کبھی کوئی نقص لازم نہیں آئے گا کیونکہ معرب کا اقل وزن تین حرفت ہیں اور وہ بعد از ترخیم اس پر باقی ہے گا اب یہ سوال کہ اس میں وزن معرب کی قید کیوں لگائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر معرب میں تین حروفوں سے کم ہونا جائز ہے جیسے من وما وغیرہ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یاد اور دم وغیرہ میں تین حرف نہیں بلکہ دو ہیں اور یہ معرب ہیں لہذا یہ نقص ان میں ناجائز

ہونا چاہئے کیونکہ معرب کے لئے کم از کم تین حروف ہونے چاہئیں اس کا جواب شارح نے بلا غلہ موجبہ سے یہ دیا کہ معرب کے اقل وزن یعنی تین حروف سے کمی بغیر علت کے موجبہ کے نہ ہونی چاہئے یعنی کمی ایسی علت کے بغیر نہ ہونی چاہئے جس سے حذف واجب ہو اور ترخیم چونکہ علت موجبہ نہیں ہے لہذا اس میں تین حرفوں کی قید ہے گی تاکہ معرب کے اقل وزن میں نقص لازم نہ آئے بخلاف بدو دم کے کہ ان میں جو تخفیف ہوتی ہے وہ چونکہ ایسے سبب کی وجہ سے ہوتی ہے جس کے لئے حذف ضروری تھا لہذا اس میں معرب کے وزن میں اگر دو حرف رہ گئے تو یہ باعث نقص نہیں والشد اعلم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ واما اسما الخ اما کے بعد اسما متلبسا کے اضافہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ تبار التانیث ظرف مستقر متلبسا کے متعلق ہے اور متلبسا اسما موصوف محذوف کی صفت ہے کہتے ہیں کہ اگر منادی علم نہ ہو یا علم ہو لیکن زائد علی التثنية نہ ہو تو پھر اس کی ترخیم کے لئے شرط یہ ہے کہ تاء تانیث کے ساتھ متلبس ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تاء کی وضع ہی زوال کی بنا پر ہوتی ہے یعنی اس تاء تانیث کو بڑھایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ گر جایا کرے پس اس کو ساقط کرنے کے لئے ادنیٰ اور معمولی سبب کافی ہو گا چہ جائیکہ یہ ایسی جگہ میں واقع ہو کہ وہاں یہ حرف اصل بھی گر جاتا ہو پس ترخیم منادی کے وقت تاء تانیث حذف کر دی جائے گی اب رہی یہ بات کہ تاء تانیث میں علمینہ یا زائد علی التثنية ہونا کیوں شرط نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاء تانیث کلمہ کے اجزاء ترکیبی میں داخل نہیں بلکہ یہ اس سے علیہ ہے پس جب یہ دیکھا جائے گا کہ منادی میں کلمہ کا آخر مفتوح ہے اور اس میں نہ علمیت ہے اور نہ زیادت علی التثنية تو خود بخود معلوم ہو جائے گا

متلبسا بقاء التانیث وان لم یکن علما ولا زائدا علی التثنية لان وضع التاء علی الزوال فیکفیه اذ فی مقتضی السقوط فکیف اذ وقع موقعا کثیرا فیہ سقوط الحرف الاصلی ولم یبق الا بقاء نحو ثبۃ وشاة بعد الترخیم علی حرفین لان بقاء کذلک لیس لاجل الترخیم بل مع التاء ایضا کان ناقصا عن ثلثۃ اذ التاء کلمۃ آخری بواسطہہا ولا یرحم بغیر ضرورۃ منادی لم یکن الشرط المذكورۃ الا ماشاء نحو یا صاحب فی یا صاحب ومع شذوذہ فالوجه

اگرچہ (وہ اسم) علم نہ ہو اور نہ ہی تین حروف پر زائد ہو بلکہ اسم جنس ہو خواہ شانی ہو جیسے شیتہ یا ثلاثی ہو جیسے ظلمۃ و سلمۃ یا رباعی ہو جیسے بضاعۃ البتہ جب اسم مرخم منہ پر وقف کرنا ہو گا تو ہند کے ساتھ وقف کریں گے یا طبع میں کہیں گے یا طلوع (کیونکہ تاء (جو کہ تانیث کیلئے ہے) کی وضع زوال پر ہے کہ یہ جس پر داخل ہوتی ہے اس کا جزو نہیں ہوتی) لہذا اس کو سقوط کے لئے ادنیٰ ساقطی کافی ہے پس کیسے ہے یعنی پھر اسے سقوط کے لئے ادنیٰ مقتضی کیونکہ کافی نہ ہو گا جبکہ تاء ایسے موقع میں واقع ہو کہ جس میں حرف اصلی کا سقوط بھی بکثرت ہو جاتا ہے اور اہل عرب نے ثبۃ و شاة (جماعت) اور شاة (بکری) ایسے (اسم) کے ترخیم کے بعد دو حرفوں پر باقی رہ جانے کی پروا نہیں کی کیونکہ اس کا بقاء اس طرح (دو حرفوں پر) ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تاء کے ہمراہ بھی تین حرفوں سے ناقص تھا جس طرح کہ تاء کے بغیر ناقص تھا پس کلمہ کا اپنے انہی سے کم رہ جانا لازم نہ آیا بلکہ یہ نقص تو واضح سے لازم آیا ہے (کیونکہ تاء مستقل طور پر ایک کلمہ دیگر ہے جس کی وضع تانیث کے لئے عمل میں لائی گئی اور ایسے منادی کی بلا ضرورت ترخیم نہیں کی جائے گی جو شرائط مذکورہ (اربعة) کہ جن میں سے تین عدی اور ایک وجودی ہے) کو (اپنے اندر) مکمل نہ رکھتا ہو مگر جو (استعمال میں) شاذ (دناور) ہو جیسے یا صاحب میں یا صاحب ہے (صاحب نکرہ ہے جو معرفہ نہ داتا ہے نہ علم ہے اور نہ کم متلبس بہ لئے تانیث اس میں شرائط مذکورہ نہیں پائے جاتے) اور اس (صاحب) کے شذوذ

کہ اس میں سے ترخیم کے باعث تاء تانیث حذف کی گئی ہے کیونکہ تاء تانیث کا قبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے والشد اعلم ۱۲۔
۱۳۔ قولہ ولم یبق الا بقاء الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ قاعدہ کہ معرب کا اقل وزن تین حروف ہیں ثبۃ اور شاة سے منقوض ہے اس لئے کہ ان میں جب ترخیم کی جائیگی تو دو حرف باقی رہ جائیں گے اور یہ اقل اپنیہ معرب کے خلاف ہے شارح نے جواب دیا کہ اگر ثبۃ اور شاة میں ترخیم کے بعد دو ہی حرف باقی رہ جائیں تو کچھ حرج نہیں اس لئے کہ ان کا دو حرفوں پر باقی رہنا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تاء تانیث کے ہوتے ہوئے بھی تین حرفوں سے کم ہیں اس لئے کہ تاء مستقل طور پر دوسرا کلمہ ہے لیکن یہ ماقبل سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہو گئی اور پھر اسی پر لایا بھی جاری ہونے لگا پس چونکہ اس کی اصل کی بناء ہی تین سے کم پر ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں اور اس کا کچھ اعتبار نہ ہو گا پھر جاننا چاہئے کہ ثبۃ بتقدیم التاء علی الباء ہے اور اس کے معنی

فی ترخیمہ کثرة استعماله منادی ولما فرغ من بیان شرائط الترخیم شرح
فی بیان مکية المحذوف لیسبیه فقال قان کان فی اخره ای آخر المنادی
زیادتان کانتان فی حکم الزیادة الواحدة فی انهما زیدتا معاً واحتوز
به عن ثمانية ورجانه فان الیاء والنون فیهما زیدتا اولاً ثم زیدت
تاء التانیث فلم یحذف منهما الا الاخیر کاشاء اذا جعلتها فعلاً من
الوسامة ای الحسن کما هو مذهب سبویه لا أفعالاً جمع اسم علی ما هو

کے باوجود اس کی ترخیم میں وجہ (اور سبب) اس کا منادی ہو کر کثرت استعمال ہے اور کثرت
استعمال باعث تخفیف ہے (اور مصنف جبکہ شرائط ترخیم کے بیان) سے فالغ ہوئے تو ترخیم
کے سبب سے (منادی سے) حذف کے جانے والے حرف کی مقدار کے بیان میں شروع ہوئے تو
کہا «پس اگر اس کے آخر میں» یعنی منادی کے آخر میں «دو حرف زائد ہوں» جو کہ «ایک حرف
زائد کے حکم میں ہوں» اس بات میں ایک حرف زائد کے حکم میں ہوں کہ دونوں بہ یک وقت زائد
کئے گئے ہوں اور مصنف نے اس (قید فی حکم الزیادة الواحدة) سے ثمانیہ اور مرجانہ (سعید محدث
کی والدہ ام سعید کا علم ہے) لیے لفظ سے احتراز کیا کہ جن میں دو زائد حرفوں کو متفرق کر کے زائد
کیا گیا بہ یک وقت نہیں اسی طرح ثمانیہ و مرجانہ ہے کہ یاء (ثمانیہ میں) اور نون (مرجانہ میں)
دونوں میں پہلے بڑے گئے پھر تائیت زائد کی گئی لہذا ان دونوں سے آخری حرف ہی حذف کیا
جائے گا جیسے اسماؤ جیکہ تم اسے وسامت بمعنی حسن (از باب شرف یثرف) سے فعلاً دینا ویسا
کہ سبویہ کا مذہب ہے کہ اس کی اصل وثم تھی واد کو ہمزہ کر دیا گیا تاکہ فا واد واقع نہ ہو تو انہم

گردہ اور جماعت کے آتے ہیں اور شاة کے
مضے ظاہر ہے کہ بکری کے ہیں واللہ اعلم۔

۱۲۸ قولہ ولا یرخم الخ یہ عبارت ایک

سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یا صاحب

کی ترخیم میں یا صلح استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اس

میں دونوں شرطوں میں سے ایک بھی موجود نہیں

دو تائیت ہیں یا در نہ علمیت اگر حسب

زیادتی علی التلثہ موجود ہے مگر یہ اس وقت

تک معتبر نہیں جب تک کہ علمیت نہ پائی جائے

پس مصنف اس کے بارے میں کیا کہیں گے،

شامح نے جواب دیا کہ جس منادی میں شروط

مذکورہ نہ پائی جائیں اس میں بلا ضرورت

ترخیم نہیں کی جائے گی مگر یہ کہ بطور شذوذ

ترخیم کر دی جائے جسے یا صاحب سے یا

صاح پس یہ شاذ ہے لیکن اس شذوذ کے

باوجود جس کے باعث اس میں ترخیم کی گئی ہے

وہ اس کا بطور منادی کے بکثرت استعمال

ہے پس یہ اپنے شذوذ کے باعث شرط علمیت

سے خارج ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۹ قولہ ولما فرغ الخ جب

مصنف شرائط ترخیم کے بیان سے فارغ

ہو گئے تو اب یہاں سے ترخیم کے باعث

محذوف کی مقدار کو بیان کرتے ہیں کہ ترخیم

میں کتنے حروف گرائے جائیں گے پس کہتے

ہیں کہ اگر منادی کے آخر میں ایسے دو حرفوں

کی زیادتی ہو جو ایک ہی زیادتی کے حکم

میں ہو یعنی دونوں حروف ایک ساتھ زیادہ
کئے جائیں جیسے اسماء اور مروان کہ دونوں
میں دو دو حروف کی زیادتی ایک ساتھ
ہوئی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اسماء میں
یہ زیادتی تائیت کے لئے اور مروان میں
تذکر کے لئے ہے تو ترخیم کرتے وقت ہر
ایک سے یہ دونوں زائد محذوف ہو
جائیں گے اور یا اسم۔ یا مرو کہیں گے اس
جگہ شامح نے فی آخرہ کے بعد ای آخر المنادی
سے ضمیر مجرور کا مرجع بتلایا ہے اور زیادتان
کے بعد کانتان کا اضافہ کر کے فی حکم ظرف مستقر کا
تعلق بیان کیا ہے پھر یہ کہ یہ زیادتان کی صفتہ واقع
ہے پھر حکم کے بعد الزیادة کا اضافہ اس امر پر
ہے کہ الواحدة کی صفتہ الزیادة محذوف ہے حکم اس
کی صفتہ نہیں تاکہ یہ اعتراض نہ لازم آئے کہ موصوت
وصفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے اور
یہاں موجود نہیں واللہ اعلم۔

۱۲۸ قولہ واحتراز بہ الخ اس سے اس

امر کی طرف اشارہ ہے کہ زیادتان کے ساتھ فی

حکم الواحدة کی قید احترازی ہے پس اس سے وہ مثال

خارج ہو جائیگی جس میں دو زیادتی تو ہوں مگر معاً اور

حکم واحد میں نہ ہوں جیسے ثمانیہ اور مرجانہ کہ ثمانیہ

میں یاء اور مرجانہ میں نون اولاً زائد کیا گیا پھر تاء

تائیت بڑھا دی گئی پس چونکہ یہ دونوں زیادتیاں

حکم واحد میں نہیں ہیں لہذا بوقت ترخیم صرف اخیر

حرف یعنی تاء ہی ساقط ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۱۲۹ قولہ کاسماء الخ یہ ان دو زیادتیوں

کی مثال ہے جو حکم واحد میں ہوں اس کے بعد شامح

اذا جعلتہا الخ کے کہہ رہے ہیں اس کا مطلب یہ

ہے کہ یہ مثال مذکورہ بالا قاعدہ کے لئے اس وقت

ہو سکتی ہے جبکہ وسامت بمعنی خوبصورتی سے فعلاً

کے وزن پر لیں پس اس کی اصل وسمہ تھی واد کو ہمزہ

سے بدل دیا پس اس میں دو زیادتیاں اس طور پر ہیں

گی کہ اسکی اصل وسمہ نکلتے گی پھر اس کے آخر میں الت

اور ہمزہ زائد کر دیا گیا وسمہ ہو گیا پھر واد کو ہمزہ

مذہب غیرہ کا نہ یکنون حینئذ من باب عمار و مَرَوَات اَوْ کان فی آخرہ
حَرْفٌ صَحِيحٌ اِی صحیح اصلی لتبادرہ الی الذہن لان الغالب فی الحرف الصّحیح
الاصالةُ فیخرج منه نحو سِلا لانه لا یحذف منه الا التاء وهو اعم من
ان یکنون حقیقۃً او حکماً فیثمل مثل مری و مدعو فان الحرف الاخیر منہما فی
حکم الصّحیح فی الاصالة قَبْلَهُ مَدَّةٌ اِی الف او واو یا و ساکنۃ حُرُکۃً

ہو گیا بفتح ہمزہ پھر توسع کی وجہ سے اس کے آخر میں الف اور ہمزہ کا اضافہ کر دیا گیا) نہ کہ افعال کے
وزن پر اسم کی جمع اس بنا پر جو کہ سیبویہ کے غیر کا مذہب ہے کہ اس کی اصل سمو تھی از مشرف
یشرف پھر اسے صحیح کیا گیا تو اسماد ہو گیا پھر واو الف زائدہ کے بعد بر طرف واقع ہونے کی وجہ سے یا
سے بدل گئی تو اسمای ہو گیا پھر یا الف زائدہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے ہمزہ سے بدل گئی تو
اسماء ہو گیا اب اس کے آخر میں حرف صحیح ہوا کہ جس سے پہلے حرف مدہ زائدہ ہے اس نے شارب
نے کہا) کیونکہ اس وقت اسماد عمار (کہ جس کے آخر میں حرف صحیح جس کا ماقبل حرف مدہ زائدہ ہو)
کے باب سے ہوا (اد مروان) (کہ اس کی اصل مرو ہے پھر اس کے آخر میں الف اور نون بڑھائے
گئے اس میں نون کو مکسور پڑھا جائے تو یہ مرو یعنی پتھر کہ جس سے آگ جلائی جاتی ہے کا تشبیہ ہو
جائے گا پھر یہ ایک شخص بادشاہ عرب کا نام بن گیا) «یا» اس کے آخر میں (حرف صحیح ہو لا یعنی صحیح
اصلی ہو کیونکہ اصلی ہونا تبادر الی الذہن ہے اس لئے کہ حرف صحیح میں غالباً اصالت ہے لہذا اس قسم
سے (لفظ) سِلا مخرج ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے تا ہی حذف کی جاتی ہے اور حرف صحیح (بعد از ان
کہ اصلی ہو) اس سے عام ہے کہ حقیقت میں (صحیح) ہو (جیسے منصور میں راو) یا حکمی طور پر صحیح ہو
یعنی جاری نجر صحیح ہو) پس وہ (مصنف کا قول حرف صحیح تعمیم کے بعد) مری اور مدعو کے مثل کو
شامل ہو جاتا ہے کہ دونوں سے آخری حرف اصالت میں حرف صحیح کے حکم میں ہے (کہ یا و اور واو
جب اسم کے آخر میں واقع ہوں اور ان کا ماقبل حرف ساکن ہو تو یہ دونوں حرف صحیح کے حکم
میں ہوتے ہیں) «اس سے پہلے مدہ ہو» یعنی الف یا واو یا یا «میں سے ہر ایک) ساکن ہون کے

سے بدل دیا اسماد ہو گیا یہی سیبویہ کا بھی مذہب
ہے اب رہی یہ بات کہ اسماد کو افعال کے وزن
پر کیوں نہ جمع قرار دیں فعلا کے وزن پر ہے۔
اس کی جمعیت کی کیا خصوصیت ہے تو اس کے
متعلق شارح کہتے ہیں کہ یہ افعال کے وزن پر اسم
کی جمع نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا مذہب ہے
اور یہ اس لئے نہیں کہ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے
تو یہ اس وقت باب عمار میں داخل ہو جائے گا۔
باب عمار سے ہر وہ اسم مراد ہے کہ جس کے آخر
میں حرف صحیح اصلی موجود ہو اور اس کا ماقبل مدہ
ہو۔ پس اندر میں صورت اسماء میں سین۔ سیم ہمزہ ملی
ہوں گے۔ اور دونوں الف زائدہ اس لئے کہ اس
کا وزن افعال ہو گا نہ کہ فعلا پس یہ اس قاعدہ
سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس کے
حذف کے لئے دوسرا قاعدہ ہے جیسا کہ فقیر نے
آئے گا دوسری مثال اس کی مروان ہے اس میں
بالاتفاق آخر میں دو حرف زائدہ حکم واحد میں
ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۔ قول۔ اذ کان فی آخرہ الخ یہ مقدار
مخزوف کے متعلق دوسرا قاعدہ ہے جس کی
طرف باب عمار سے ابھی ابھی اشارہ کیا گیا تھا
یعنی اگر مادی کے آخر میں حرف صحیح اصلی اور
ماقبل اس کے مدہ ہو تو اس صورت میں بھی ترخیم
کرتے وقت آخر سے دو حرفوں کو حذف کریں گے
بشرطیکہ اسم چار حرفوں سے زائد نہ ہو جیسے۔ غمائر
منصور وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک ترخیم کیونکہ
دو۔ دو حرف حذف کئے جائیں گے۔ ایک حرف
صحیح دوسرا مدہ صحیح کی تفسیر شارح نے اہل سے
کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصلی
ہونے کے اعتبار سے اس میں حروف علت بھی
داخل ہیں اور ذہن بھی اسی کی جانب سبقت کرتا
ہے اس لئے کہ حرف صحیح اکثر اصلی ہو ا کرتا ہے
پس اس میں وہ حروف علت داخل ہونگے جو اصلی
ہوں یعنی زائد نہ ہوں جیسے رچی ظبی وغیرہ پس
اس سے سِلا اور اس جیسی امثلہ خارج ہو جائیں

اصلی حرف علت ہو یعنی وہ لام کلمہ کی جگہ میں واقع
ہو یا وہ اس اعتبار سے صحیح ہو کہ وہ حرف
صحیح اصلی کی حرکات کو قبول کرتا ہو جیسے دلوا
ظبی وغیرہ پس جب اس میں تعمیم ہو گئی تو مری
مدعو اور دلود وغیرہ داخل ہو گئے اس لئے کہ
اصالت کے اعتبار سے حرف اخیر ان میں صحیح
کے حکم میں ہے اور قبلہ مدہ کا مطلب یہ
ہے کہ اس حرف صحیح سے پہلے الف یا و
واو میں سے کوئی ساکن ہو اور اسکے ماقبل

گی اس لئے کہ اس کے آخر میں حرف اصلی نہیں اگرچہ
صحیح ہے بلکہ تا دتا نیث ایک مستقل کلمہ ہے
اس کلمہ کا جز نہیں لہذا اس میں جب ترخیم کی جائیگی
تو صرف تا ہی حذف کی جائے گی۔ دو حرف حذف
نہیں ہونگے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴۔ قول۔ و ہائیم الخ جبکہ حرف صحیح
سے مراد اصلی ہو تو لا محالہ حرف صحیح میں تعمیم کرنی
پڑے گی اس لئے کہ حرف اصلی کی دو قسمیں ہیں ایک
یہ کہ حرف اصلی حرف علت نہ ہو۔ دوم یہ کہ حرف

ماقبلها من جنبها والمراد بها المدة الزائدة لتبادر هالي الذهن بغلبتها
وكثرتها فيخرج منه نحو مختار فانه لا يحذف منه الا الحرف الاخير وهو
اي والحال ان ما في آخره حرف صحيح قبله مدة اكثر من اربعة من
الحروف كنصور وعمار ومسكين ثلاثين من حذف حرفين منه عدم
بقائه على اقل ابنية المعرب وانما لم يخذل هذا القيد في قوله زيادتان في
حكم الواحدة لان نحو ثبون وقلون يرحم بحذف زيادتيه لان بقاء الكلمة

ما قبل کی حرکت ان کے موافق ہو کہ الف کا ماقبل مفتوح جیسے عمار اور یا کا مکسور جیسے مسکین اور
واو کا منھوم جیسے منصور اور مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے اس (مدہ زائدہ) کے تبادر الی الذین
ہونے کی وجہ سے کیونکہ مدہ زائدہ کا استعمال غیر زائدہ کی نسبت غالب اور اکثر ہے تو اس (مدہ
زائدہ کی) قید سے مختار کی مانند خارج ہو جائے گا کہ اس میں حرف مدہ یعنی الف زائد نہیں
ہے بلکہ یاد سے بدل ہے پس اس سے آخری حرف ہی حذف کیا جائے گا (اور وہ) یعنی حال یہ ہے کہ
جس کے آخر حرف صحیح اور اس سے پہلے مدہ ہو (چار حروف سے زائد ہو) جیسے منصور (واو کی مثال)
اور عمار (الف کی مثال) اور مسکین (یا کی مثال) ہے (چار حروف سے زائد ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی
ہے) تاکہ اس (قسم) سے دو حرفوں کے حذف کرنے سے اباحت موجب (مداوی کا سرب کی قلیل ترین
بتا پر باقی نہ رہنا لازم نہ آئے) اور سرب کی قلیل ترین باتین حرف ہیں) اور مصنف نے اس (دو ہوا کثر
من اربعة کی) قید کو اپنے قول "زیادتان فی حکم الواحدة" میں اس لئے نہیں لیا (اور اس لئے یوں
نہ کہا فان کان فی آخره زیادتان فی حکم الواحدة و ہوا کثر من اربعة) کہ ثبون اور قلون (میں سے ہر
ایک) کی ترخیم (واو اور نون) دونوں زیادتوں کے حذف کے ساتھ کیجاتی (ثبون شبہ کی جمع بکریوں
کے ریوڑ قلون قلعہ کی جمع چھوٹی بکری کی جس سے بچے بڑی بکری کے ساتھ کھلتے ہیں) کیونکہ کلمہ کا

اصلیہ کے بدلہ میں لایا گیا ہے اس لئے کہ اس
کی اصل تختیر تخی یا کو الف سے بدل دیا
پس اس میں بوقت ترخیم صرف ایک ہی حرف
آخر کو حذف کیا جائے گا واللہ اعلم۔
۱۳۵ قولہ و ہوا نحو اس میں واو

حالیہ ہے اسکی وجہ سے مصنف نے اس کی تفسیر
ای والحال ان الخ کے ساتھ کی ہے پس یہ فی
آخرہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہے کیونکہ
ضمیر مضاف الیہ ہے اور اس کے مضاف کو
حذف کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام
بنانا درست ہے پھر کان کو بمعنی وجہ سے
لیں گے تو مضاف الیہ اس کا مفعول بہ ہو
جائے گا پس مضاف الیہ کا ذوالحال بنا درست
ہو جائے گا پس وہ اسم کہ جس کے آخر میں حرف
صحیح اور ماقبل مدہ اسی حالت میں ہونا چاہئے
جو چار حروف سے زائد ہو جیسے منصور (عمر کی
مسکین) تاکہ ان اشکال میں ترخیم کے باعث دو
حرفوں کے حذف سے معرب کے اقل وزن
یعنی تین حرفوں سے کم پر کلمہ کی بقا لازم نہ آئے
یعنی کم از کم تین حرفوں کا باقی رہنا لازمی ہے
پس جب پانچ میں سے دو حذف ہو جائیں گے
تو تین باقی رہ جائیں گے لیکن اگر چار میں سے
دو حذف کر دیئے گئے تو کلمہ لامحالہ دو پر باقی
رہے گا اور یہ معرب کے اقل وزن یعنی تین حرفوں

سے کم ہے لہذا قابل اعتراض اور ناجائز ہے
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو چاہئے
تھا کہ معرب کے ترخیم کے بعد اقل ابنیہ معرب
یعنی تین حرفوں پر باقی رہنے کی قید کو ضابطہ
اولی یعنی زیادتان فی حکم الواحدة میں بھی اضافہ
کرتے تاکہ ترخیم کے باعث بھی دو حرفوں کے
حذف کے بعد معرب کا اپنے اقل وزن سے
کم پر باقی رہنا لازم نہ آتا شامح نے وائنا
لم یاخذ الخ سے یہ جواب دیا کہ اس قید کو
زیادتان فی حکم الواحدة میں بیان نہ کرنے کی
وجہ یہ ہے کہ ثبون اور قلون جو کہ ثبوت اور قلہ کی

حذف کا پایا جارہا ہے اس لئے کہ آخر میں
حرف صحیح موجود ہے اور ماقبل اسکے مدہ
اور پھر ماقبل کی حرکت بھی اس کے مناسب
ہے شامح نے جواب دیا کہ مدہ سے مراد مدہ
نائدہ ہے یعنی اصلیہ نہ ہو اور اس کی وجہ یہ
ہے کہ مدہ کے استعمال میں کثرت مدہ نائدہ
کی ہی ہے اور اسکی کاغلبہ ہے پس اس کثرت
استعمال مدہ نائدہ کے باعث اسکی طرف
ذہن خود بخود صفت کر گیا لہذا یا مختار
خارج ہو جائے گا اس لئے اس میں مدہ نائدہ
موجود نہیں بلکہ اصلیہ ہے کیونکہ الف یا

حرف پر مناسب حرف علت کی حرکت
ہو یعنی الف کے ماقبل پر فتح۔ واو کے
ما قبل پر ضم اور یاء کے ماقبل پر کسر ہو یہی
حرکت ماقبلہا من جنبہا کا مطلب ہے۔
واللہ اعلم۔

۱۳۵ قولہ والمراد بها الخ یہ ایک
سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے
کہ اوپر کا حکم یا مختار کی مثال سے منقوض
ہے اس لئے کہ اس میں ترخیم کے وقت
صرف ایک حرف کا حذف ہوتا ہے یعنی واو
کا حالانکہ اس میں قاعدہ دو ہی دو حرفوں کے

فيه على حرفين ليس للترخيم حذفاً اي الحرفان الاخيران في كلا القسمين
اما في الاول فلما كانتا في حكم الواحدة فلما زيدتا معا حذفتا معا واما في الثاني
فلانه لما حذف الاخير مع صحته واصالته حذف المدة الزائدة لئلا يرد
المثل الساثر وصلت على الاسد وبلت عن النقد وسمي ان كانت مركباً ويعلم
من بيان شرط الترخيم انه لا يكون مضافاً ولا جملةً مثل بعلبك وخمسة
عشر علمين حذف الاسم الاخير فيقال في بعلبك يابعل وفي خمسة
عشر يا خمسة لتزوله منزلة تاو التانيث في كون كل منهما كلمة على حدة

ثبوت اور قنون (میں سے ہر ایک) میں دو حرفوں پر باقی رہ جانا ترخیم کی وجہ سے نہیں ہے (بلکہ ترخیم
سے قبل بھی ہے) لا تو دونوں حرفوں کو حذف کیا جائے گا یعنی دونوں قسموں (اول اور ثانی) میں دونوں
آخری حرفوں کو حذف کیا جائے گا ہر قسم اول میں (دونوں حرفوں کو حذف کرنا) تو وہ ان دونوں کے
ایک زیادتی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ہے پس جس طرح دونوں کو اکٹھے زائد کیا گیا (اسی طرح) دونوں
کو اکٹھے حذف کیا گیا اور ہر قسم ثانی میں (دونوں آخری حرفوں کو حذف کرنا) تو وہ اس لئے کہ جب
آخری حرف کو اس کے صحیح اور اصلی ہونے کے باوجود حذف کیا گیا تو وہ زائدہ کو بھی حذف کر دیا
گیا تاکہ (اہل عرب کی زبان پر) جاری ہو میوالی کہاوت وارو نہو کہ تم نے شیر پر حملہ کر دیا اور کوتاہ
قد بکری (کے خوف) سے تم نے پیشاب کر دیا (اور اگر مرکب ہو) اور شرط ترخیم سے معلوم ہوتا ہے کہ
(مرکب سے مراد یہ ہے کہ) مضاف نہ ہو اور نہ ہی جملہ ہو یعنی ترکیب اضافی اور نہ مشابہہ اضافی اور
نہ اسنادی ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ترکیب امتزاجی ہو جیسے بعلبک اور (تعدادی ہو جیسے)
خمسة عشر دونوں کے علم ہونے کی حالت میں لا تو آخری اسم حذف کیا جائے گا لہذا بعلبک میں
یا بعل اور خمسة عشر میں یا خمسة کہا جائے گا آخری اسم تائیس کی جگہ تنزل (اور اس سے مشابہہ
ہونے) کی وجہ سے اس ثبوت میں (بمنزلہ اور مشابہہ) کہ آخری اسم اور تائیس تائیس میں سے ہر ایک علیحدہ

کے باوجود حذف کر دیا جائے گا۔ اب سوال پیدا
ہوتا ہے کہ ترکیب عام ہے اسنادی یعنی جملہ
اور اضافی یعنی مضاف مضاف الیہ کو شامل ہے۔
پس یہ بھی اس میں داخل ہوئے جاتے ہیں حالانکہ
ترخیم کے لئے شرط یہ لگائی گئی تھی کہ منادی نہ
مضاف ہو اور نہ جملہ پس اس میں ترخیم قاعدہ کے
خلاف لازم آتی ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی
مرکب میں داعی ہیں پس مصنف کے کلام میں تناقض
لازم آیا کہ پہلے کہہ دیا اور بعد میں کہہ اس کا جواب
شارح نے دیکھ کر بیان شرط ترخیم الخ سے یہ

ہونے کی بنا پر حذف ہو گا۔ واللہ اعلم۔
۱۳۶ قولہ وان كان الخ اور اگر منادی
مرخم مرکب ہو تو اسم کے اخیر کو حذف کریں گے
اس لئے کہ مرکب کلمہ واحدہ کے حکم میں ہے پس
اسم ثانی کو کہ بمنزلہ حرف اخیر کے ہے حذف کر دیا
جائے گا۔ پس بعلبک میں ترخیم کے بعد یا بعل کہیں
گئے اور خمسة عشر میں یا خمسة کیونکہ یہ اسم ثانی علیحدہ
کلمہ ہونے کے اعتبار سے تاو تانیث کے مرتبہ
میں ہو گا پس جس طرح بوقت ترخیم تاو تانیث حذف
ہو جاتی ہے اسی طرح یہ اسم ثانی بھی بمنزلہ حرف اخیر ہونے

دوسرا کلمہ ہے جو اس کو لاحق ہوتی ہے پس ان
کو ترخیم حرفی کلمہ نہیں کہہ سکتے پس اگر اس جگہ
بھی اس قید کو ذکر کر دیا جاتا تو لامحالہ وہاں
بھی پانچ حرفوں کی ترخیم کے لئے ضرورت
پیش آتی اور ان میں صرف چار ہی حرف ہیں
اور ترخیم کے بعد دورہ جاتے ہیں تو یہ اقل
ایضاً معرب سے خارج ہو جاتے اور اس
ضابطہ میں داخل نہ ہوتے حالانکہ یہ اس میں
داخل ہیں کیونکہ ان میں تائید کی ترخیم کی گئی ہے
اصل کی نہیں اصل ان کی دو ہی حرف ہیں لہذا
یہ اس ضابطہ سے خارج نہیں ہو سکتے واللہ اعلم

۱۳۶ قولہ حذفتا الخ یہ خان کان
فی آخرہ کا کہ جس میں دو ضابطے بیان کئے گئے
ہیں جواب یا جنسا ہے یعنی ان دونوں ضابطوں
میں آخر سے دو حرف حذف کئے جائیں گے
اول سے تو اس لئے کہ جب دو حرفوں کی
زیادتی زیادتی واحدہ کے حکم میں ہے تو جس
طرح دونوں ایک ساتھ زائد کئے جائیں گے
اسی طرح بوقت ترخیم دونوں ایک ساتھ حذف
کر دیے جائیں گے اور ثانی میں اس لئے کہ جب
کہ حرف آخر اپنی اصل اور صحیح ہونے کے باوجود
حذف کر دیا جائے گا تو وہ زائدہ بھی لامحالہ
حذف کرنا پڑے گا ورنہ یہ مشہور مثل صادق آئے
گی کہ وصلت علی الاسد وبلت عن النقد
نقد کہتے ہیں بکری کے بچہ کو یعنی تو نے شیر پر
تو حملہ کر دیا (اور مطلق خوف نہ کھا یا لیکن)
بکری کے بچہ سے ڈر کر پیشاب کر دیا پس
لامحالہ حرف جمع کے ساتھ زائدہ کو بھی حذف
کرنا پڑے گا کیونکہ جب اصل ہو گیا تو اس کی توبہ
ہی کی ہے جو باقی رہ سکے لہذا یہ بدرجہ اولیٰ فرع
جمع میں باوجود چار حرفی ہونے کے ان میں دو
حرفوں کے حذف کے ساتھ ترخیم کی گئی ہے
اس لئے کہ ان میں کلمہ کا دو حرفوں پر باقی رہتا
ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی اصل کے سبب
سے ہے اس لئے کہ ثبوت اور قنون میں تاو تانیث

صلوات بمنزلة الجزء وان كان غير ذلك المذكور من الاقسام الثلاثة
فحذف واحد اي في حذف حرف واحد لحصول الفائدة المقصودة
عدم موجب حذف الاكثر نحو يا حار ويا مال في يا حارث ويا مالک وهو
اي المنادى المرخم في حكم المنادى الثابت بجميع اجزائه فيبقى الحرف الذي
صار آخر الكلمة بعد الترخيم على ما كان عليه قبله على الاستعمال الاكثر
فيقال في يا حارث يا حار بكسر الراء ما كان قبل الترخيم وفي يا ثود
يا ثمو بواو متطرفة بعد ضمة وفي يا كروان يا كرو بواو متحركة بعد
فتحة وقد يجعل قد للتقليل اي ويجعل المنادى المرخم على الاستعمال

(اور مستقل) کہ ہے جو (اپنے ما قبل کے لئے) جز کے بننے ہو گیا (اگر اس کے علاوہ ہو) جو کہ اقسام ثلاثہ
میں سے مذکور ہوا ان کا اقسام ثلاثہ ہونا شرط اور قاعدہ کے اعتبار سے تھا جز کے اعتبار سے نہیں کہ جز
کے اعتبار سے دو قسم ہیں) (تو ایک حرف) یعنی تو ایک حرف حذف کیا جائے گا فائدہ مقصودہ کے
حاصل ہونے اور حذف اکثر کے باعث نہ ہونے کی وجہ سے جیسے یا حار اور یا مال یا حارث اور یا مالک
میں (اور وہ) یعنی منادی مرخم (اس) منادی کے حکم میں ہے جو ثابت ہیں اپنے جیسے اجزاء (اور حرف)
کے ساتھ تو وہ حرف جو کہ کراہی (حرف) بنا ترخیم کے بعد (حركات ثلاثہ میں سے) اس (حرف) پر باقی
رہے گا جس پر وہ ترخیم سے پیشتر تھا (اکثر) استعمال (پر لہذا کہا جائے گا) یا حارث میں (یا حار) را کی
کسرہ ہے اس (حالت) پر کہ ترخیم سے قبل تھی (اور) یا ثود میں (یا ثو) ضمہ کے بعد واو متطرفة (طرف
میں واقع ہونی والی) سے (حالا کہ کلام عرب میں کوئی ایسا اسم نہیں کہ جس کے آخر میں واو ساکنہ واقع
ہو اور اس سے قبل ضمہ ہو مگر یہاں جو کہ دل محذوف ہو جو اور ثابت کے حکم میں ہے اس لئے اسم میں ضمہ
کے بعد واو متطرفة کا وقوع لازم نہیں آتا) (اور) یا کروان میں (یا کرو) فتح کے بعد واو متخسرہ کے سے
(حالا کہ کلام عرب میں ایسا ہی کوئی اسم نہیں ہے مگر یہاں بھی الف و نون جو کہ محذوف ہیں موجود
اور ثابت کے حکم میں ہیں لہذا کوئی حرف نہیں) (اور کبھی کیا جاتا ہے) قد لتقلیل کہئے ہے یعنی اور اقل استعمال

اور خمسہ عشر وغیرہ کہ یہ دونوں باوجودیکہ مرکب
ہیں مگر کسی میں بھی ترکیب اسنادی اور اضافی
نہیں دائرہ علم ۱۲

۱۳۸ قولہ وان کان الخ اوصاگر
تینوں مذکورہ اقسام میں سے ایک بھی نہ پائی
جائے تو فقط ایک حرف حذف کیا جائیگا
کیونکہ اندر میں صورت ایک ہی حرف کے
حذف سے فائدہ مقصودہ یعنی تخفیف
حاصل ہو جائے گی پھر ایک سے زیادہ کے

دیکھا اس مرکب سے وہ مرکب مراد ہے کہ جس
میں ترکیب اضافی اور اسنادی نہ ہو اور اس مراد کا ہم میں
اس وجہ سے ہو کہ مصنف نے پہلے ہی شرط لگا دی
ہے کہ مضاف اور جملہ نہ ہو پس یہاں لا محار وہ
ترکیب مراد ہوگی جو مضاف اور جملہ نہ ہو
مضاف لازم آئیگا اور مضاف کی نسبت
کی طرف کہنا اپنی ہی شان کے خلاف ہے
اس لئے کہ اس سے اپنی ہی کم علمی مترشح ہوتی
ہے پس اس مرکب کی مثال ہے جیسے جملہ

حذف کا یہاں کوئی سبب بھی تو نہیں ہے کہ
بنار یہ ایک سے زیادہ کو حذف کا سبب لہذا
ایک ہی حذف ہو گا جیسے یا حارث یا حار اور
یا مالک سے یا مال پھر اس میں اختیار ہے کہ
منادی مرخم کو حذف شدہ حرف کی حرکت کے
ساتھ پڑھیں یا جو ترخیم سے پہلے کی حرکت
ہے اس کے ساتھ پڑھیں اگر اول کو اختیار
کرتے ہیں تو دونوں میں باختیار ضمہ یا حار اور
یا مال کہیں گے اور اپنی ہی اصل پر چھوڑتے ہیں
تو یا حار یا مال پڑھیں گے اس جگہ شارح نے
فحرف واحد کی شرح ای فی حذف حرف واحد
سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جزا
جملہ ہوتی ہے پس اس شرط وان کان الخ کی
جزا یعنی حذف محذوف ہے اور حرف واحد
اس کا فاعل ہے دائرہ علم ۱۲

۱۳۹ قولہ وهو ای المنادى الخ یعنی
منادی مرخم ترخیم کے بعد ایسے منادی کے حکم
میں ہو گا جو کہ اپنے تمام اجزاء سمیت ثابت
ہے یعنی گویا کہ محذوف اس کے آخر میں ہے
حذف نہیں ہوا پس محذوف سے پہلا حرف
جس حالت پر ترخیم سے پہلے تھا ترخیم کے
بعد وہ آخر کلمہ ہو کر اسی حالت پر باقی رہے گا
بنابر استعمال اکثر کے یعنی اسی حالت پر اکثر اس
کا استعمال ہوتا ہے لہذا اس میں مزید کوئی
تصرف نہ کریں گے کہ محذوف کے ما قبل پر ضمہ
اعراب جاری کر دیں پس یا حارث میں یا حار
کسرہ کے ساتھ اور یا ثود میں یا ثو آخر میں
واو کے ساتھ بعد الضمۃ اور یا کروان میں یا
کرو فتح کے بعد واو متحرک کے ساتھ کہیں
گے کہ وان ایک پرندہ ہوتا ہے وراز گردن
دراز پا اور وراز منقار جس کو کلنگ کہتے ہیں
دائرہ علم

۱۴۰ قولہ وقد يجعل قد للتقلیل الخ
اس میں قد لتقلیل کے لئے ہے پس تقدیر عبارت
بمقابلہ علی الاستعمال الاکثر یہ ہوگی ای ويجعل

المنادی المنوحد علی الاستعمال الاقل تاکہ اکثر اور اقل کا تقابل درست ہو جائے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کبھی منادی مرخم کو استعمال اقل کی بنا پر مستقل اسم قرار دے دیا جاتا ہے یعنی گویا کہ اس میں سے کچھ حذف ہی نہیں کیا گیا پس بنا پر تعلیل اور عدم تعلیل تصحیح میں اس کے لئے اس کے نفس کا حکم ہوگا نہ کہ اصل کا یعنی ترخیم کے بعد آخر میں جو حرف ہوگا اگر وہ بنا پر مقتضی ہوگا تو مبنی کر دیا جائیگا اور اگر تعلیل کی ضرورت پیش آئے گی تو تعلیل کر دی جائے گی اور اگر اس کو صحیح ہونے کے باعث اپنی صحت پر رکھا جائیگا تو صحیح کہیں گے لیکن اس کو اصل کا حکم نہیں دیا جائیگا یعنی جو حرف ترخیم کے بعد حذف ہوا ہے اس کا حکم اس پر جاری نہیں کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اس وقت کان لم یکن یعنی نہ ہونے کے درجہ میں ہو گیا پس جب اس کا اس اعتبار سے کوئی وجود ہی نہیں رہا تو اس کا حکم دینے کے کیا معنی؟ پس یا عارت میں ترخیم کے بعد یا عار ر کے ضمہ کے ساتھ کہیں گے کیونکہ جب اس کو مستقل اسم سمجھ لیا گیا ہے تو اس پر مستقل ہی اسم کا اعراب بھی جاری ہوگا پس چونکہ یہ منادی مفرد معرفہ واقع ہوا ہے لہذا اس کو مبنی علی الضم کر دیں گے اور دیا شود میں ترخیم کے بعد یا ثو کے بجائے یا ثی کہیں گے اس لئے کہ جب ثو کو مستقل اسم سمجھ لیا گیا تو واو طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہوا تو چونکہ یہ اسم ممکنہ میں سے ایک اسم ہے لہذا اس میں قاعدہ صرفی کا اجراء کیا جائے گا پس واو کو یا سے بدل دیں گے اور ضمہ ماقبل کو کسر سے اسلئے کہ منادی بنا پر کے عارضی ہونے کی وجہ سے یہاں معرب کے حکم میں ہوگا پس اس میں معرب جیسی تعلیل کی جائے گی اور یہ تعلیل اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اول میں ہوئی ہے کہ اس کی اصل اول تو تھی (دلو بمعنی ڈول کی جمع ہے) واو طرف میں واقع ہونے کے سبب سے

الاول اسما براسہ کانہ لم یحذف منه شیء فیکون له فی بنائہ واعلالہ و تصحیحہ حکم نفسه لاحکم الاصل فیتقال یا حار بالضم کانہ اسم مفرد معرفہ براسہ فیضم و یا ثی لانه لما جعل ثوا سما براسہ صارت الواو طرفا بعد ضمة فلا جرم قلبت الواو یا و کسر ما قبلها کاذل فی اولہ و یا کرا لانه لما جعل کرا و سما براسہ ارتفع مانع الاعلال وهو وقوع الساکن بعد الواو فالقلب الواو الف التحرکها وانفتاح ما قبلها وقد استعملوا یعنی العرب صیغۃ النداء یعنی یا خاصۃ فی المندوب لانه لا یدخل علیہ سواها لکنها اشهر صیغۃ فکانت اولی بان یتوسع فیها باستعمالها فی غیر

کی بنا پر منادی مرخم کو «مستقل اسم» گویا کہ اس سے کوئی چیز حذف نہیں کی گئی پس اس کے مبنی لفظ مستقل اور صحیح ہونے میں اس کے لئے (بعد از ترخیم بقیہ حروف کی حالت میں) اس کی ذات (موجودہ) کا حکم ہوگا نہ کہ اصل کا (پس کہا جائیگا یا حار) ضمہ کے ساتھ گویا کہ یہ اسم مفرد معرفہ مستقل ہے پس اسے ضمہ دیا جائے گا اور یا ثی کیونکہ جب ثو کو مستقل اسم قرار دیا گیا تو واو ساکنہ ضمہ کے بعد طرف میں واقع ہوئی (جب یہ صورت ہوئی) تو لازماً واو کو یاء سے بدل کر اس کے ماقبل کو کسرہ دیدیا گیا ازل کی طرح اولوں «اور یا کرا» واو کے بعد ساکن کا واقع ہونا ہے مرتفع ہوا تو واو اپنے متحرک اور ماقبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گئی «اور استعمال کیا ہے» یعنی عرب نے «نداء کے صیغ کو» یعنی خاص کر یا کو «مندوب میں» کیونکہ مندوب پر یا کے سوا کوئی حرف داخل نہیں ہوا اس لئے کہ یا (نداء کے) سبب صیغوں سے زیادہ مشہور ہے لہذا یا اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے (منادی کے لفظ)

یا سے بدل لایا اول ہوا پھر لام کے ضمہ کو یا کے مناسب کرنے کے لئے کسرہ سے تبدیل کیا گیا اول ہوا پھر یا کا ماقبل مکسور ہوا یا کو ساکن کیا گیا اولین ہوا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یا کو حذف کر دیا گیا اول ہو گیا اسی طرح یا کروان میں یا کرا کہیں گے اس لئے کہ جب کرو کو اسم مستقل کا مرتبہ دیا گیا تو مانع اعلال یعنی ساکن کا واو کے بعد واقع ہونا جاتا رہا یعنی یا کروان میں واو کے بعد الف ساکن موجود تھا اس لئے واو کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے لیکن جب صرف یا کر ذرہ گیا تو وہ مانع تعلیل مرتفع ہو گیا لہذا واو متحرک ماقبل مفتوح الف سے بدل جانے کے قاعدہ

کے مطابق واو کو الف سے بدل دیا گیا یا کرا ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳ قولہ وقد استعملوا الخ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو مندوب کا ذکر کرنا اس جگہ مناسب نہیں تھا اس لئے کہ یہاں بحث مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف کی جہد ہی ہے نہ کہ مندوب کی جواب یہ ہے کہ مندوب اور منادی بہت سی باتوں میں مشترک ہیں مثلاً دخول حرف نداء اعراب اور بنا وغیرہ میں اور منادی ظاہر ہے کہ مفعول بہ کے فعل ناصب کے حذف سے تعلق رکھتا ہے پس اس لزوم کی بنا پر اس جگہ مندوب کا ذکر کر دیا گیا پس کہتے ہیں صیغۃ نداء یعنی خاص کر یا کو مندوب

المنادی والندوب في اللغة ميت يبكى عليه احد ويعذ محاسنه ليعلم الناس ان موته امر عظيم ليعذر رده في البكاء ويشاركوه في البقع وفي الاصطلاح هو المتفجع عليه وجودا او عدما بيا اذ وا فالمتفجع عليه عدما ما يتفجع على عدمه كالميت الذي يبكى عليه النادب والمتفجع عليه وجودا ما يتفجع على وجوده عند فقد المتفجع عليه عدما كالمصيبة والحسرة والويل اللاحقة للنادب لفقد الميت فالحد شامل لقسمي المنسوب

غير منادی میں استعمال کر کے اس میں وسعت پیدا کی جائے اور لغت میں مندوب مردہ ہے جس پر کوئی رونا اور اس کے محاسن اور خوبیاں گنے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کی موت بڑی مصیبت کی چیز ہے تاکہ لوگ رونے میں اسے مدد ور رکھیں اور دردمند ہونے میں اس کے شریک حال ہوں اور اصطلاح میں «مندوب وہ شخص ہے کہ جس پر دردمندی کا اظہار کیا جائے» وجود اور عدم کی رو سے «یا» یا «او» کے ساتھ پس عدم کی رو سے متفجع علیہ اسے کہتے ہیں کہ جس کے عدم پر اظہار افسوس (دور در) کیا (اور روایا جاتے) اس میت کی طرح کہ جس پر رونے والا روتا ہے (یعنی اس کے معدوم میت ہونے اور اس کے جنازہ کو دیکھ کر رونا اور کہتا ہے کہ یادیدہ افسوس لے زید تم مر گئے اور اس دنیا سے معدوم ہو گئے) اور متفجع علیہ وجود کی رو سے اسے کہتے ہیں کہ جس کے وجود پر اظہار دردمندی (اور افسوس) کیا جائے متفجع علیہ عدمی کے موجود نہ ہونے کے وقت (افسوس اور دردمندی کا اظہار کیا جلتے) جیسے مصیبت اور حسرت اور عذاب (تینوں) میت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے رونے والے کو لاحق ہوتے ہیں (یہ تینوں متفجع علیہ وجودی کی مثال ہوئے) پس (مندوب کی) تعریف مندوب کے

واللہ اعلم ۱۲
قولہ والمنسوب الخ مصنف نے مندوب کی اصطلاحی تعریف بیان کی ہے اسلئے شائع اس کی نفوی تعریف بیان فرماتے ہیں تاکہ دونوں میں فرق معلوم ہو جائے پس کہتے ہیں کہ مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی شخص نوحہ کرے اور اسکے محاسن کو گنائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی موت معمولی سانحہ نہیں بلکہ عارضہ عظیم ہے تاکہ لوگ اس کو نوحہ اور نالہ و شیون کرنے میں حق بجانب اور محذور سمجھیں اور اس کی تخم خواری و دردمندی میں وہ بھی شریک ہو جائیں پس جب وہ بھی دردمندی میں شریک ہو جائیگے تو ان کے لئے اعتراض کہنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہے گا واللہ اعلم

میں استعمال کرتے ہیں اور یا کی خصوصیت اس میں اس وجہ سے ہے کہ اس کے سوا مندوب پر کوئی دوسرا حرف ندا داخل ہی نہیں ہوتا کیونکہ یا رہی ندا کے صیغوں میں سب سے زیادہ شہو ہے پس اس شہرت کے اقتضار کے بموجب مناسب یہ ہے کہ اس کو غیر منادی کے استعمال میں بھی وسعت دی جائے صرف منادی میں ہی اس کا انحصار نہیں ہے اس جگہ صیغۃ النداء کی شرح یعنی یا خاصہ سے کہہ کے شائع نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ حرف ندا میں یا زیادہ شہو ہے لہذا یہ فرد کامل کے مرتبہ میں ہوا اور فرد کامل کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ مطلق اذا مطلق زیادہ الفرد اکمال اور ندا کا فرد کامل یا ہے لہذا صیغۃ النداء جو کہ مطلق ہے اس سے خاص کر یا مراد ہوگا

قولہ وفي الاصطلاح الخ اور اصطلاح میں مندوب اس اہم کہتے ہیں جس پر لفظ یا یا لفظ وا سے گریہ کیا جائے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعریف متفجع علیہ وجود پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ متفجع علیہ سے متبادر متفجع علیہ عدم ہے یعنی جس کے معدوم ہونے پر گریہ کیا جائے نہ کہ موجود ہونے پر اس لئے کہ المتفجع کا صمد علی لایا گیا ہے اور یہ شئی کے معدوم ہونے پر دلالت کرتا ہے مثلاً کوئی شخص فوت ہو جائے تو وہ دنیا سے معدوم ہو جاتا ہے پس اس پر تفجع کیا جائیگا وجودی شئی پر تفجع نہیں ہوگا مثلاً مصیبت پر اس لئے کہ مصیبت پر کوئی تفجع نہیں کیا کرتا بلکہ مصیبت کے سبب سے تفجع کیا کرتا ہے لہذا تفجع وجودی پر یہ تعریف صادق نہیں آئے گی شائع نے اس کے جواب کی طرف دھڑواؤ دے کر اشارہ کر دیا اور پھر دونوں کی تفصیل خود ہی بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ متفجع علیہ عدم کا تو یہ ہے کہ جس کے معدوم اور مردہ ہونے پر گریہ کیا جائے جیسے کسی میت پر گریہ کرنے والا وازیدہ وغیرہ سے نوحہ کرے اور متفجع علیہ وجود وہ ہے کہ مندوب کے وجود پر متفجع علیہ عدم کی عدم موجودگی کے وقت نوحہ کیا جائے یعنی مثلاً نوحہ گریہ میت کو نہ دیکھے بلکہ اس کی خبر سن کر اظہار گریہ کرے جیسے کہ مصیبت حسرت اور ویل یعنی سختی میت کے موجود نہ ہونے پر نوحہ کر کو لاحق ہوتی ہے پس یہ مصیبت و حسرت وغیرہ سب متفجع علیہ وجودی میں داخل ہوں گی کیونکہ ان کا وجود اظہار دردمندی کا باعث ہوا ہے بخلاف میت کے کہ اس کا عدم یعنی انسان کا مر جانا اور دنیا سے کوچ کر جانا اظہار تفجع کا باعث ہے پس تعریف مندوب کی دونوں قسموں کو شامل ہو گئی یعنی اس کو بھی جس کے عدم پر نوحہ گری ہو اور اس کو بھی جس کا وجود نوحہ گری کا باعث ہو لیکن اس صورت میں علیہ کو تفجع کے صمد کے بجائے بنائے لینا چاہیگا یعنی جس کی بنا پر تفجع کیا جائے تب تو یہ تعریف دونوں قسموں

پر صادق آئے گی ورنہ نہیں کہا مرنی الاعتراض پس دونوں قسموں کی مثالیں یہ ہیں جیسے یا زیادہ یا عمرہ یہ دونوں متفحح علیہ عدی کی مثالیں ہیں اور وجودی کی مانند مثلاً یا حسرتا۔ یا مصیبتا اور یا مٹا ہ ہیں والٹر اعلم ۱۲۔

قوله واختص الخ مندوب کو کلمہ وا کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے تاکہ اس میں اور منادی میں امتیاز پیدا ہو جائے اس لئے کہ وَا منادی پر داخل نہیں ہوا کرتا پس وہ مندوب کے ساتھ خاص ہو جائیگا بخلاف یا کے کہ وہ دونوں میں مشترک ہے یعنی منادی کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اور مندوب کے لئے بھی لیکن وَا حرف مندوب کے ہی ساتھ خاص ہے۔ اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے اول تو یہ فرمایا کہ صیغہ ندا کو مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ مندوب کلمہ وا کے ساتھ خاص ہے یعنی وا کے ہی ذریعہ ندبہ کیا جاسکتا ہے یا ر کے ذریعہ نہیں پس دونوں باتوں میں تعارض اور تناقض لازم آیا اس کا جواب شارح نے ممتازاً بالخ سے یہ دیا کہ ہوا کی بار بارہ انخص کے متعلق ہے اور اختصا ص کے اندر امتیاز کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اس لئے کہ ایک شے کا ایک شے کے ساتھ خاص ہونا دوسری شے سے امتیاز کو مستلزم ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مندوب وا کی وجہ سے منادی سے ممتاز ہے لہذا وا کا اختصا ص مندوب کے ساتھ منادی سے امتیاز کے لئے ہوا کہ اس امر کے لئے کہ مندوب کے ساتھ وا ہی خاص ہے دوسرا کوئی حرف اس پر داخل نہیں ہو سکتا پس کلام مصنف میں اب کوئی تناقض اور تعارض نہیں والٹر اعلم ۱۲۔

قوله وحکم الخ مندوب کا حکم اعراب اور بناء کے اعتبار سے منادی کے حکم جیسا ہے یعنی جب مندوب اقسام منادی کا

مثل یا زیداہ ویا عمرہ مثل یا حسرتاہ ویا مصیبتاہ ویا ویلاہ واختصص للمندوب بواو ممتازاً بہ عن المنادی لعدم دخوله علیہ بخلاف فانه مشترك بينهما وحکمہ ای حکم المندوب فی الاعراب والبناء حکم المنادی ای مثل حکمہ یعنی اذا وقع المندوب علی صورة قسم من اقسام المنادی فحکمہ فی الاعراب والبناء مثل حکم ذلک القسم من المنادی کما اذا کان مفرداً معرفة یضم واذا کان مضافاً ومشبہاً بہ ینصب ولا یکنز من ذلک جواز وقوعہ علی صورة جمیع اقسام المنادی لیرد علیہ انہ لا یقع نكرة لانه لا یندب الا المعرفة

دونوں قسموں کو شامل ہو گئی جیسے یا زیداہ ویا عمرہ (یہ اس کی مثال ہے کہ کوئی مرد جائے اور اس طرح دنیا سے معدوم ہو جائے گویا یہ متفحح علیہ عدی ہوا) اور جیسے یا حسرتاہ اور یا مصیبتاہ اور یا ویلاہ (اس متفحح علیہ کی مثال ہے جو وجود کی رو سے مفقود ہو کر یہ کہنے والا کہتا ہے کاش وہ مجھ سے دور نہ مرتا بلکہ میرے پاس موجود ہوتا کہ میں اسے دیکھتا اس کے جنازے میں شرکت کرتا وغیرہ) اور مخصوص کیا گیا) مندوب کو (واو کے ساتھ) مندوب کے واو کے ساتھ منادی سے ممتاز ہوتے ہوئے (مندوب واو کے ساتھ مخصوص ہے) کیونکہ واو منادی پر داخل نہیں ہوتی یاو کے برعکس کہ وہ دونوں میں مشترک ہے (اور اس کا حکم یعنی مندوب کا حکم و اعراب اور بناء میں منادی کا حکم ہے) یعنی (اس کا حکم) منادی کے حکم کی طرح ہے یعنی جب مندوب اقسام منادی میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو اعراب اور بناء میں اس کا حکم منادی کے اسی قسم کے حکم کی طرح ہے جیسا کہ مندوب مفرد معرفہ ہو تو وہ مضموم ہوگا اور جب مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا تو منصوب ہوگا واو اس (تشبیہ مذکور) سے مندوب کا منادی کے جمیع قسموں کی صورت پر واقع ہونے کا جواز لازم نہیں آتا کہ اس (تشبیہ مذکور) پر یہ اعتراض وارد ہو کہ مندوب نکرہ واقع نہیں ہوتا کیونکہ معرفہ پر ہی روا جاتا ہے (تاکہ رونے والے کو لوگ رونے والے کو لوگ رونے میں معذور رکھیں اور

واعمد انشرا سی طرح مندوب کے قواعد کا بھی حکم ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم کسی شے پر اثر مرتب کو کہتے ہیں اور اثر منجملاً ہوا ہے کہ ہے اور اس اثر مرتب کے محل دو ہونگے منادی اور مندوب پس عرض واحد کا محمول دو مختلف محمول میں لازم آیا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اثر مرتب علی شے اسی شے کے ساتھ خاص ہوتا ہے جس پر وہ مرتب ہوا ہے یہاں یہ خصوصیت رہی نہیں شارح نے اسی شے کے ساتھ جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بجذ مضاف

میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو مندوب کی اس قسم کو وہی حکم دیں گے جو منادی کی اس قسم کا ہے یعنی جس طرح منادی مفرد معرفہ کو مبنی علی الضم کہا جاتا ہے اسی طرح مندوب اگر مفرد معرفہ واقع ہو تو اس کو بھی مبنی علی الضم قرار دیں گے ایسے ہی جس طرح منادی مضاف یا مشبہ مضاف منصوب ہوتا ہے اگر مندوب بھی مضاف یا مشبہ مضاف واقع ہو تو یہ بھی منصوب ہوگا جیسے واطالعا جبلا مشبہ مضاف کی مثال اور مضاف کی مثال جیسے

وَجَازَكَ زِيَادَةُ الْاَلِفِ فِي اخِرِ الْمَدَدِ بِمَدِّ الصَّوْتِ الْمَطْلُوبِ
فِي الْمَدِيَّةِ فَإِنْ حُفَّتْ الْبَسَ اِى التَّبَاسِ ذَلِكَ الْفِظْ عِنْدَ زِيَادَةِ الْاَلِفِ بِخِيَرَةٍ
عَدَلَتْ اِلَى حَرْفٍ مَدَّةً مِجَانِيَةً لِحَرْكَةِ آخِرِ الْمَدَدِ مِنْ كِسْرَةٍ اَوْ ضَمَّةٍ كَمَا اِذَا اُذِنَتْ
نَدْبَةُ غَلَامٍ مَخَاطِبَةً قُلْتُ وَاعْلَامِكِيهِ لَا وَاغْلَامِكَاةً لَا لَتَبَاسِهِ بِنَدْبَةِ غَلَامٍ
مَخَاطِبٍ وَاِذَا اُرِدَتْ نَدْبَةُ غَلَامٍ جَمَاعَةً مَخَاطِبِينَ قُلْتُ وَاعْلَامِكُمُوهُ اِذَا
الْمِصْرَ اَصْلُهُ الْغَمُّ لَا وَاغْلَامِكُمَاةً لَا لَتَبَاسِهِ بِنَدْبَةِ غَلَامٍ مَخَاطِبِينَ اِشْيَاقٍ وَ

در مندی کے اظہار میں اس کے شریک ہوں) (اور) جائز ہے (تہا) لئے اس کے آخر میں الف
کا بڑھانا (یعنی مندوب کے آخر میں) (تہیں) (نہ) (گر یہ اور دینے) میں مطلوب آواز کو لیا کر کے
لئے الف کا بڑھانا جائز ہے) (پھر اگر تہیں التباس کا اندیشہ ہو) (یعنی الف کے اضافہ کے وقت
اس لفظ کے کسی اور لفظ کے ساتھ غلط طے ہونے کا) (اندیشہ ہو) (تو) الف کی بجائے تہیں کسی
ایسے (دوسرے) حرف مد کی طرف عدول (رجوع) کرنا ہوگا جو مندوب کے آخری حرف کی حرکت
یعنی کسر یا ضمہ کے مجنس (موافق) ہو جیسا کہ تم مخاطب عورت کے غلام کا گریہ کرو (تو تم کہو گے
واغلامیکہ) نہ کہ واغلامکاه کیونکہ یہ مذکر مخاطب کے غلام کے گریسے غلط طے ہوتا ہے (اور) جب تم
ایک جماعت مخاطب کے غلام کے گریہ کا ارادہ کرو تو تم کہو گے (واغلامکھوں) کیونکہ میم (جمع)
کی اصل بیش ہے (کیونکہ میم کی میم دراصل حرکت ضمہ سے متحرک ہے جسے بعد میں ساکن کیا گیا اور اس
لئے کہ میم حروف شغویہ سے ہے جو غالباً ضمہ شفتین سے حاصل ہوتے ہیں لہذا میم واو سے مناسبت
رکھتی ہے اس لئے اسے الف سے واو کی طرف پھیر دیا گیا) واغلامکھا تہیں (کہا جائیگا) کیونکہ یہ تشنیہ

ہو کیونکہ تشبیہ حکم اور اس مرتب کے اعتبار سے
ہے منادی کے اقسام کے اعتبار سے نہیں ہے
مندوب کے نکرہ واقع نہ ہونے سے کوئی اعتراض
نہیں ہوتا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۷ قولہ وجازک الخ اور مندوب
کے آخر میں دمازی صوت کے لئے الف کا
زیادہ کرنا بھی جائز ہے اس لئے کہ ندبہ میں آزی
صوت مطلوب ہوتی ہے اور یہ الف کے بڑھانے
سے حاصل ہو جاتی ہے پس بجائے واو کے
واو زیادہ کہیں گے وقف کے لئے ہا۔ وقف
بھی بڑھا لیتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۸ قولہ فان خفت الخ میں اگر مندوب
کے آخر میں الف کے زیادہ کرنے کے لئے
صبغہ کے ساتھ التباس ہوتا ہو تو زیادتی الف

ہے یعنی حکم المنادی میں مضاف محذوف ہے
ای مثل پس اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا اسلئے
کہ اب اثر مرتب اسی شے کے ساتھ خاص ہوگا
جس پر وہ مرتب ہوا البتہ اسی جیسا اثر دوسری
شے میں پایا جائیگا اور اس میں کوئی احتمال
نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۹ قولہ ولا یلزم الخ یہ عبارت
ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قول
مصنف و حکم المنادی سے یہ لازم آتا ہے
کہ منادی کی تمام اقسام مندوب میں بھی باقی جاتی
ہیں حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ مندوب بھی نکرہ
نہیں لایا جاتا شامح نے کہا کہ اس تشبیہ مذکور
سے یہ لازم نہیں آتا کہ منادی کی جمیع اقسام کی
صورت میں مندوب کے واقع ہونے کا جواز

تو واغلامک کسراف کے ساتھ کہیں گے لیکن اس
سے مد صوت نہیں ہوگا تو الف کی زیادتی کریں
گے واغلامکاه ہو جائیگا تو اس سے مذکر
مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس
پیدا ہو جائیگا اس لئے کہ اس کے ندبہ کے وقت
بھی واغلامکاه کہیں گے تو اس الف کو بار سے
بدل لیں گے یا الف کے بجائے بار ساکنہ
لے آئیں گے (بہر صورت مال ایک ہی ہے)
اس لئے کہ آخر مندوب یعنی کاف کا کسرہ یا ساکنہ
کے مجانس اور موافق ہے پس واغلامیکہ کہیں گے
واغلامکاه نہیں کہیں گے ایسے ہی جب ہم جمع
مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کرنا چاہیں تو واغلامکھو
کہیں گے الف کے بجائے واو کی زیادتی کے
ساتھ تاکہ میم کہ جس کی اصل ضمہ ہے واو اس کے
مجانس ہو جائے کیونکہ ضمہ واو کو چاہتا ہے
پس اگر اس صورت میں واو کے بجائے الف
کو زیادہ کرتے ہیں تو تشنیہ مخاطب کے غلام
کے ندبہ کے ساتھ التباس پیدا ہو جائے گا
یعنی واغلامکاه کہیں گے تو اس سے پتہ نہیں
چلے گا جمع حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جا رہا ہے
یا تشنیہ مخاطب کے غلام کا پس لامحالہ ضمہ کی
موافقت کی وجہ سے میم کے ساتھ بجائے
الف کے واو زیادہ کریں گے اور واغلامکھو
کہیں گے۔ اب یہ بات کہ غلامک کے میم
کی اصل باعتبار حرکت کے ضمہ کیسے ہے؟ تو اس
کی وجہ یہ ہے کہ غلامک اصل میں غلامکھوا تھا میم
کو تخفیف کے لئے ساکن کر دیا دو ساکن جمع
ہو جائیں تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حرف
علة یعنی واو کو گرا دیا غلامک ہو گیا پس بوقت
ندبہ یہ ضمہ اپنی اصل پر لوٹ آئے گا اور اس کے
کو ترک کر کے اس کے بجائے ایسا حرف مد
ناتذکیا جائیگا جو آخر مندوب کی حرکت کے
مجانس ہے یعنی اگر آخر مندوب کی حرکت کسرہ
ہے تو بار بڑھا لیں گے اور ضمہ ہے اور واو مثلاً
جب ہم کسی مؤنث مخاطبہ کے غلام کا ندبہ کریں گے

بعد و او زیادہ کریں گے و اللہ اعلم ۱۲۔
۱۴۹ قولہ و جازنک الخ ان تمام
 مدات کے بعد حالت و قف میں ہاں سکتا کا اضافہ
 کرنا بھی جائز ہے تاکہ اس کے اضافہ کے
 باعث حرف مد بخوبی واضح ہو سکے کیونکہ
 اس سے مزید مد صوت پیدا ہوگا کما مر و اللہ
 اعلم ۱۲۔

۱۵۰ قولہ و لایندب الخ اب کہتے
 ہیں کہ مندوب کی دو قسموں میں سے مندوب
 متفجع علیہ مد نامیں ندب صرف معروف شخص
 کا ہوتا ہے یعنی جو لوگوں میں شہرت رکھتا ہو
 مجہول اور غیر معروف شخص کا نہیں ہوتا اس
 لئے کہ سامعین مندوب کے معروف و مشہور
 ہونے کی وجہ سے ندب کرنے والے کو اس کے
 نالہ و شہون اور فریاد و فغان میں مجبور و معذور
 خیال کریں گے پس اس کے ساتھ شہرت کی
 تخصیص کے باعث وارجلاہ نہیں کہیں گے
 اس لئے کہ مندوب خاص لفظ رجل کے ساتھ
 مشہور نہیں ہے کہ سامعین کا ذہن اس کی طرف
 منتقل ہو سکے اور مندوب لفظ رجل سے
 بچا نا جائز ہے تاکہ لوگ ندب کرنے والے
 کو اس کے جزع و فزع پر معذور خیال کریں بلکہ
 اس صورت میں مندوب کے مجہول اور غیر معروف
 ہونے کے باعث لوگ اور انشا اسی کا مذاق
 و تمسخر اڑائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے
 کہ لایندب کے بعد من قسم المندوب الخ
 کے اضافہ کی شائع کو کیا ضرورت پیش آئی
 جواب یہ ہے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب
 ہے سوال یہ ہے کہ یا مصیبتاہ اور یا حسرتاہ
 بھی مندوب ہیں مگر نکرہ ہی پس مصنف کا
 قول و لایندب الا المعروف غلط ہے جواب
 دیا کہ لایندب الا المندوب مندوب متفجع
 علیہ مد نام کے ساتھ خاص ہے و جود اس
 سے خارج ہے پھر المعروف سے قبل الاسم
 کے اضافہ سے المعروف کا موصوف محذوف

جَازَكَ الْهَاءُ اِی الْحَاقَہَا بِهَذِهِ الْمَدَاتِ فِی حَالِ الْوَقْفِ لِیَسَانِہَا وَلَا
 یُسَدِّدُ مِنْ قِسْمِ الْمُنْدُوبِ الْمَتَفَجِّعِ عَلَیْہِ عَدَمًا اِلَّا الْاِسْمَ الْمَعْرُوفُ
 الَّذِی اَشْتَهَرَ الْمُنْدُوبُ بِہِ لَیُعْذَرَ النَّادِبُ بِمَعْرِفَتِہِ فِی نَدْبَتِہِ وَالتَّفَجُّعُ عَلَیْہِ
 فَلَا یُقَالُ وَارْجُلَاہُ اِذَا مَا اَشْتَهَرَ بِهَذَا اللَّفْظِ مُنْدُوبٌ خَاصٌّ اَتَقَلَّ الذَّہْنَ
 اِلَیْہِ وَلَیَعْرِفُ بِہِ لَیُعْذَرَ النَّادِبُ بِالنَّدْبِیۃِ عَلَیْہِ ^{اھلہ} وَامْتَنَعَ الْحَاقُ الْاَلِفَ بِصِفۃِ
 الْمُنْدُوبِ بَلْ یَجِبُ اَنْ یُلْحَقَ بِالْمَوْصُوفِ مِثْلَ وَازِیْدَاہُ الطَّوِیْلُ لِاَنْ اِتِّصَالَ بِالصِفۃِ

مخاطب کے غلام کے گرتے سے غلط غلط ہوتا ہے (اور) جائز ہے (وہاں سے لئے ہاں) یعنی اس (لئے
 ساکن) کا ان (تینوں حروف واو اور یاء اور الف) مدات کے ساتھ لاحق کرنا حالت «وقف میں» ان
 (حروف مدہ) کے بیان کے لئے ((اور نہیں ندب کیا جائے گا)) مندوب متفجع علیہ مدی کے قسم سے کا «مگر»
 اسم «معروف کا» کہ جس اسم سے مندوب مشہور ہوتا کہ ندب کرنے والے کو اس (اسم) کی معرفت (و
 شہرت) کی وجہ سے اس کے ندب کرنے اور اس پر اظہار درد مندی میں معذور رکھا جائے (لہذا وارجلاہ
 نہیں کہا جائے گا) کیونکہ اس لفظ (رجل) کے ساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں کہ اس کی طرف
 (لوگوں کا) ذہن منتقل ہو اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہوتا کہ ندب کرنے والے کو اس پر ندب کرنے کے
 ساتھ معذور رکھا جائے (اور ممنوع ہے) الف کا لاحق کرنا صفت مندوب کے ساتھ بلکہ ضروری ہے
 کہ الف کو موصوف کے ساتھ لاحق کیا جائے جیسے وازیداہ الطویل کیونکہ موصوف کا اتصال صفت

یا لقب وغیرہ سے بھی ندب کیا جاسکتا ہے
 واللہ اعلم۔
۱۵۱ قولہ و امتنع الخ اس جگہ الحاق
 الالف الخ کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم
 ہو جائے کہ وازیداہ الطویلہ سے ایک خاص ضابطہ
 کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ الف مندوب
 کی صفت کے ساتھ ملحق ہو کہتے ہیں کہ صفت
 کے آخر میں علامت ندب یعنی الف کا الحاق
 جائز نہیں امتنع ہے بلکہ اس میں واجب ہے کہ
 کہ الف کا الحاق موصوف کے ساتھ ہو اس لئے
 کہ صفت کا اپنے موصوف کے ساتھ اتصال
 ایسا نہیں جیسا مضاف کا اپنے مضاف الیہ کے
 ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف الیہ کو تو لایا
 ہی اس لئے جاتا ہے کہ مضاف تمام ہو جائے
 ورنہ مضاف تشنہ تکمیل رہ جائیگا پس مضاف
 الیہ مضاف کے واسطے بمنزلہ حذر کے ہے کہ اگر

ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر ہا الذی شہر
 المندوب یہ کا اضافہ تو یہ ایک سوال مقدر
 کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ دامن
 قلع باب خیبر بھی مندوب میں داخل ہے
 اور قسم مدی سے متعلق ہے لیکن یہ معروف نہیں
 نکرہ ہے لہذا لایندب الا المعروف کا قاعدہ
 غلط ہے جواب یہ ہے کہ معروف سے مراد یہ
 ہے کہ مندوب لوگوں میں اس لفظ کے ساتھ
 مشہور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ من قلع باب
 خیبر اس اعتبار سے مشہور و معروف ہے کہ یہ
 جملہ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور
 کسی کی طرف نسبت نہیں کیا جاسکتا پس یہ
 جملہ اگرچہ نکرہ ہے مگر اس میں مندوب متعین
 اور مشہور ہے لہذا یہ بھی اس میں داخل ہے
 اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ مندوب کا نام
 ہی لیا جائے بلکہ اس کا وصف مشہور یا کنیت

لیس کا اتصال للمضاف بالمضاف الیہ لانه حی بہ لتمام المضاف فهو كالجزء بخلاف
الصفة فانه حی بها بعد تمام الموصوف للمقتضی والتوضیح فلهذا اجاز مثلاً یا
امیر المؤمنیناه ولم یجز مثل وَاَزِيدُ الطَّوِيلَةَ خِلَافاً لَيُونُسَ فانه یجوز
الحاقی الالف باخر الصفة فان اتصال الموصوف بالصفة وان كان فی اللفظ
انقص من الاتصال بین المضاف والمضاف الیہ الا انه اتم منه من جهة
المعنی لاتحادهما بالذات فان الطویل هو زید لا غیر بخلاف للمضاف المضاف
الیہ فانها متعاریان وحکی یونس ان رجلاً ضاع له قدحان فقال واجمعتی

کے ساتھ (اور صفت کا اتصال موصوف کے ساتھ) مضاف کے مضاف الیہ کے اتصال کی طرح نہیں
ہے کیونکہ مضاف الیہ کو مضاف کے تمام کرنے کے لئے لایا جاتا ہے (اگرچہ اضافت لفظی ہو کہ مضاف
الیہ مضاف کی تنوین کی جگہ آتا ہے اور اضافت تخفیف مطلقاً تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور معنویہ
تعریف و تخصیص کا) پس مضاف الیہ مضاف کی جز کی طرح ہے صفت کے برعکس کہ صفت موصوف
کے تمام ہونے کے بعد (نکرہ میں) تخصیص یا (معرفہ میں) توضیح کے لئے لائی جاتی ہے پس (اس لئے
یا امیر المؤمنیناہ کا مثل جائز ہے (اس میں مندوب ایسے اور المؤمنین مضاف الیہ ہے اور وہ مضاف
کی جز کی مانند ہے لہذا الف اسی کے ساتھ لگے گا) اور نہیں جائز ہے وَاَزِيدُ الطَّوِيلَةَ کی مانند یونس
کے برخلاف) کہ وہ (جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے) ندبہ کے الف کو (موصوف کے آخر کی بجائے) صفت
کے آخر میں لاحق کرنے کو جائز کہتے ہیں (جس طرح کہ مضاف الیہ کے آخر میں جائز ہے لہذا اس کے
نزدیک مثال وَاَزِيدُ الطَّوِيلَةَ جائز ہوگی مگر جمہور کے نزدیک نہیں) کیونکہ موصوف کا صفت
کے ساتھ اتصال اگرچہ لفظی (یعنی اگرچہ صفت اور موصوف میں اتصال لفظی) اس اتصال سے کم
ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان (واقع ہے) مگر موصوف و صفت کے اتحاد بالذات
کی وجہ سے (موصوف و صفت کا اتصال) معنی کی جہت سے (مضاف و مضاف الیہ کے اتصال
سے) زیادہ تمام ہے کیونکہ طویل زید سی ہے کوئی اور تو نہیں مضاف اور مضاف الیہ کے برعکس کہ
وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کا غیر ہیں اور یونس نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے دو پیالے
ضائع ہو گئے تو اس نے (ان دو پیالوں پر ندبہ کرتے ہوئے) کہا وَاجْمَعْتِی الشَّامِتِینَاہُ (الجموعۃ وطلوں

کل کے کسی چیز کو حذف کر دی تو اس میں کمی آ
جاتی ہے اسی طرح اس میں بھی کمی آجائیگی بخلاف
صفة کے کہ وہ اپنے موصوف کے مکمل اور تمام
ہو جانے کے بعد تخصیص یا توضیح کے لئے
لائی جاتی ہے موصوف کی تکمیل میں مضاف الیہ
کی طرح اس کو کوئی دخل نہیں ہوتا پس موصوف
اور صفت دونوں علیحدہ علیحدہ و مستقل کہئے

ہوں گے لہذا صفت کے آخر میں علامت
مندوب کا الحاق درست نہ ہوگا اور وَاَزِيدُ
الطَّوِيلَةَ اور وَاَعْمَلُ لَمْ یَاہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ضروری
ہوگا کہ علامت ندبہ کا الحاق موصوف کے
ساتھ کر کے وَاَزِيدُہ الطَّوِيلَةَ وَاَعْمَلُہ لَمْ یَاہ
کہیں پھر چونکہ مضاف الیہ کا تعلق اپنے مضاف
کے ساتھ کا مجز ہوتا ہے لہذا مضاف الیہ

پر علامت ندبہ داخل کرنا جائز ہوگا جیسے یا
امیر المؤمنیناہ وغیرہ والشمرا علم ۱۲۔
۱۵۲ قولہ خِلَافاً لَيُونُسَ الخ یونس
نوی اس میں اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ صفت کے آخر میں علامت مندوب کا
الحاق جائز ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ
صفت کا اتصال موصوف کے ساتھ اگرچہ
مضاف الیہ اور مضاف کے اتصال سے کم
ہے لیکن موصوف و صفت کا اتصال اس
اعتبار سے اتم اور اکمل ہے کہ دونوں معنی کے
اعتبار سے متحد بالذات ہیں اس لئے کہ طویل
زید ہے کوئی دوسرا نہیں بخلاف مضاف و
مضاف الیہ کے کہ دونوں آپس میں بالذات
متغایر ہیں یعنی مضاف کچھ اور مضاف الیہ
کچھ اور نیز دونوں ایک دوسرے
پر صادق نہیں آ سکتے جیسے غلام رجل کر اس میں
غلام اور رجل دونوں جدا جدا چیزیں ہیں متحد
بالذات نہیں حاصل یہ ہوا کہ جب علامت ندبہ
کا الحاق مضاف الیہ کے آخر میں مضاف و
مضاف الیہ کے تغایر کے باوجود جائز ہے
تو اس کا الحاق صفت کے آخر میں جو کہ میں
موصوف ہے بدرجہ اولی جائز ہوگا اب یہی
یہ بات کہ موصوف و صفت کا اتصال انقص
کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف
اپنی صفت کے بغیر بھی تمام ہوتا ہے لہذا
صفت کی ضرورت کم پیش آتی ہے تخصیص
یا توضیح کے لئے اس کو لے آتے ہیں ایسے ہی
صفة اپنے موصوف کے قائم مقام نہیں بن سکتی
بخلاف مضاف الیہ کے کہ وہ مضاف کے قائم

مقام بن سکتا ہے والشمرا علم ۱۲۔
۱۵۲ قولہ وَاَعْمَلُ لَمْ یَاہ الخ یہ یونس کا
اپنے دعوی پر دوسرا استدلال ہے کہ ایک
اعرابی (دہقان) کے دو پیالے گم ہو گئے
تھے تو اس نے وَاجْمَعْتِی الشَّامِتِینَاہُ
کہا جمہور بلکڑی کے پیالے کو کہتے ہیں ترجمہ

یہ ہوا گائے میرے شامی دو پائے شامی یعنی شام کے بنے ہوئے پس معلوم ہوا کہ علامت ندبہ کا الحاق صفت کے ساتھ جائز ہے کہ جواب مجبور یعنی مخالفین یونس کی جانب سے دیا جاتا ہے کہ اعرابی کا یہ قول شاذ اور غیر فصیح ہے لہذا قابل استدلال اور لائق اعتناء نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۵ قولہ رد یجوز الخ یعنی قیام قرینہ کے وقت حرف ندا کا حذف کرنا منادی سے جائز ہے لیکن یہ حذف صرف یا کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہی زیادہ مستور اور کثیر الاستعمال ہے کہ قریب اور بعد و متوسط میں استعمال کی جاتی ہے بخلاف غیر یا کے کہ چونکہ ان کا استعمال خاص ہے لہذا ان کا حذف جائز نہ ہوگا مگر حذف یا بھی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ یا اسم جنس۔ اسم اشارہ۔ مستغاث اور مندوب سے مقارن نہ ہو اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی مقارن ہوگی تو یا کا حذف جائز نہ ہوگا اسم جنس سے مراد یہ ہے کہ وہ قبل النداء نکرہ ہو عام ازیں کہ ندا کے بعد معرفہ ہو گیا ہو جیسے یا رجل۔ یا معرفہ نہ ہو ہو نکرہ ہی رہا ہو جیسے یا رجلاً پس اس میں سے عدم حذف یا کی وجہ یہ ہے کہ اسم جنس کی ندا معرفہ یعنی علم کی ندا کی طرح کثیر الاستعمال نہیں ہیں اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیا جائے گا تو سامع کا ذہن اس کے منادی ہونے کی طرف مبہوت نہیں کرے گا اور جب سامع کا ذہن مبہوت نہیں کرے گا تو ندا کا مقصود یعنی منادی کا منافع کی طرف متوجہ ہونا حاصل نہیں ہوگا۔ لہذا اس سے حرف ندا کو حذف نہیں کریں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۵ قولہ والاشارة الخ ایسے ہی جب

منادی اسم اشارہ ہو تو اس سے بھی حرف ندا کا حذف جائز نہ ہوگا اس لئے کہ یہ بھی ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے یعنی جس طرح اسم جنس مثلاً

الشامیتینا والجمجمة القمح و یجوز لقیام قرینة حذف حرف النداء، الا اذا كان مقارنا مع اسم الجنس و یعنی بہ ماکان نکرۃ قبل النداء سواء تعرف بالنداء کیا رجل اولہ یعرف مثل یا رجلاً لان ندائہ لم یکن نکرۃ نداء العلم قلو حذف منه حرف النداء لم یسبق الذہن الی انہ منادی والاشارة ای والا مع اسم الاشارة لانه کاسم الجنس فی الابهام والمستغاث والمستدوب لان المطاقیہما مذ الصوت تطویل

جموں کے پیش سے پہلی سیم ساکن اور دوسری مفتوح اس کا تشبیہ المجتہدین اور آخر میں یائے مکمل ہے المجتہدین کا نون اضافت سے گر گیا پھر پہلی یا کو دوسری میں مدغم کیا تو مجتہدی موصوف ہوا اور الشامیتینا میں الف ندبہ کا ہے اور الشامیتین صفت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفت پر الف ندبہ داخل ہو سکتا ہے حالانکہ مجبور کے خلاف ہے یونس کے دونوں استدلالوں کا جواب یہ ہے کہ صفت و موصوف کا اتصال اس لئے مضاف و مضاف الیہ کے اتصال سے انقص ہے کہ صفت موصوف کی جگہ کھڑی نہیں ہو سکتی مضاف الیہ مضاف کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے اور وا مجتہدی الشامیتینا اعرابی کا قول شاذ اور غیر فصیح ہے اور المجتہد پیالہ ہے (اور جائز ہے) قیام قرینہ کے وقت (حرف ندا کا حذف کرنا مکرر) جب حرف ندا (خصوصاً یا) مقرون ہو (اسم جنس کے ساتھ) اور اسم جنس سے مصنف کی مراد وہ ہے جو کہ ندائے پیش تر نکرہ ہو خواہ ندا سے معرفہ ہو جائے جیسے یا رجل (کہ رجل مقصود بالنداء ہونے کی وجہ سے حرف ندا کے داخل ہونے سے معرفہ ہوا اس لئے منادی مفرد معرفہ ہونے کی بنا پر مبنی بر ضم ہے) یا (حرف ندا کے داخل ہونے کے باوجود) معرفہ نہ ہو جیسے (نکرہ غیر معین) یا رجلاً (یہ منادی مفرد نکرہ غیر معین ہے اسی طرح نکرہ کی طرف مضاف جیسے یا غلام رجل یا مشابہ مضاف جیسے یا طالعاجل) کیونکہ اسم جنس (نکرہ) کی ندا علم کی ندا کی طرح زیادہ نہیں ہے تو اگر اس (اسم جنس) نکرہ مثلاً یا رجل یا نکرہ غیر معین یا رجلاً سے حرف ندا کو حذف کر دیا جائے تو سامع کا ذہن اس بات کی طرف متوجہ نہ ہوگا کہ وہ (اسم جنس) جس سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا (منادی) ہے (اور اشارہ کے ساتھ) یعنی مگر (حرف ندا کا اس وقت حذف کرنا جائز نہیں جبکہ وہ) اسم اشارہ کے ساتھ (مقرون ہو) کیونکہ اسم اشارہ ابہام میں اسم جنس کی طرح ہے (اور مستغاث اور مندوب کے ساتھ) کیونکہ ان دونوں میں مطلوب آواز اور کلام کا لمبا کرنا ہے (کیونکہ ان میں مستغاث جب اپنی آواز کو لمبا کرے گا تو مستغاث کو پہنچے گا کہ اسے استغاثہ کی بہت ضرورت

واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۶ قولہ والمستغاث الخ علی ہذا

القیاس مستغاث اور مندوب سے بھی حذف حرف ندا ناجائز ہے اس لئے کہ ان دونوں

رجل ہر مرد پر صادق آتا ہے کسی شخص کی تعیین نہیں ہوتی اسی طرح حذف ندا کے ساتھ مطلق ندا کہنے سے کسی شخص کی تعیین نہیں ہوگی لہذا یا ندا کہنا ضروری ہے تاکہ اشارۃ الیہ متعین ہو جائے

الكلام والحذف ینافیہ فبقی علی هذا من المعارف التي يجوز فيها حذف
حرف النداء العلم سواء كان مع بدل عن حرف النداء كلفظة الله فانه
لا يحذف منه الا مع ابدال الميم للشدة منه نحو اللهم او بغير بدل نحو
يوسف اعرض عن هذا اي يا يوسف ولفظة اي اذا وصف بذی اللام
نحو ايها الرجل او اي هذا الرجل اي يا اي هذا الرجل فلا يجوز

نہیں جب تک اس کا عوض میم مشدد نہ لایا جائے
لہذا مصنف کی عبارت قاصر اور غیر تام ہے
مصنف کو مستثنیات میں لفظ اللہ کو بھی شامل
کرنا چاہئے تھا جواب ظاہر ہے کہ حذف کسی
صورت سے ہے تو یہی خواہ عوض کے ساتھ
ہو یا بغیر عوض کے لہذا اس کے استثناء کی
ضرورت نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۸ قولہ ولفظة اي النحر دوسرا

لفظ ای ہے کہ جس سے حذف حرف نداء جائز ہے
ای معرفہ اس وجہ سے ہوگا کہ معرف باللام کی
صفت واقع ہو رہا ہے پس جب اس کی صفت
معرف باللام یا ایسے لفظ کی ساتھ لائی جائے
جو معرف باللام کا موصوف ہے یعنی معرف
باللام اس کی صفت ہے تو حذف حرف نداء
جائز ہوگا جیسے ایہا الرجل کہ اس کی اصل
یا ایہا الرجل تھی اس میں ای کی صفت معرف
باللام لائی گئی ہے اس لئے حرف نداء حذف
کر دیا گیا اور جیسے ایہذا الرجل کہ یہ بھی اصل میں
یا ایہذا الرجل تھا اس میں ای ایسے لفظ کے ساتھ

ہے تو وہ جلدی پہنچا اور اس کی بدد کرے گا اور حرف نداء یا ندبہ کا حذف کرنا بدصوت کے
منافی (مخالف) ہے پس (حرف نداء کے حذف سے اسم جنس، اشارہ، مستغاث اور مندوب کے
خارج ہوئے بعد اس پر (جو کہ مستثنی کیا گیا) ان معارف میں سے کہ جن میں حرف نداء کا حذف کرنا
جائز ہے علم باقی رہ جاتا ہے خواہ حذف یا (علم سے) حرف نداء سے بدل کے ہمراہ ہو جیسا کہ لفظ
اللہ ہے کہ اس سے حرف نداء حذف نہیں کیا جاتا مگر (اس کے آخر میں) میم مشدد کو حرف نداء
(محذوف) سے بدل کرنے کے ساتھ جیسے اللهم کہ اس کی اصل یا اللہ ہے پھر یا کو اول سے حذف کر کے
اس کے عوض آخر میں میم مشدد لائی گئی اور شروع میں نہ لانا اسم مقدس کی تعظیم کی وجہ سے
ہے) یا بدل کے بغیر (حرف نداء کو علم سے حذف کیا جائے گا) (جیسے یوسف اعرض عن هذا) یعنی
یوسف (جو کہ یہ مقام نداء ہے اس لئے اس قرینے سے حرف یا کو اختصاراً حذف کر دیا گیا) (اور
(ان معارف میں سے کہ جن میں حرف نداء کا حذف کرنا جائز ہے) لفظ ای (اور ایت) ہے (لیکن مطلقاً
نہیں بلکہ اس وقت کہ) جب ذی لام (اسم) کے ساتھ اس کی وصف لائی جائے جیسے (ایہا الرجل
یعنی یا ایہا الرجل) (یا) اس (اسم) کے ساتھ (اس کی صفت لائی جائے) جو ذی لام کے ساتھ
موصوف ہو جیسے (ایہذا الرجل) یعنی یا ایہذا الرجل پس ہذا کے (اسم) ذی لام کے ساتھ متصف ہونے

مستغث ہے کہ جس کی صفت معرف باللام
لائی گئی ہے یعنی لفظ ہذا موصوف ہے اور اس کی
صفت معرف باللام الریل ہے اور ای ہذا
الرجل کا موصوف واقع ہو رہا ہے پس جب
تک ہذا کو معرف باللام کے ساتھ متصف
نہیں کیا جائیگا اس وقت تک ایہذا سے حرف
نداء کا حذف جائز نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے
کہ ہذا اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ سے حرف
نداء کا حذف جائز نہیں جب تک کہ مشاۃ الیہ
متعین نہ ہو جائے تب یہ معرفہ ہوگا ورنہ تعین
مشاۃ الیہ کے بغیر نکرہ ہی ہے گا۔ یہی حال ای
کا بھی ہے کہ جب اس کی صفت معرفہ لائی جاتی
ہے تو یہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے پس ان دونوں کی
تعرین کے لئے ضروری ہے کہ معرف باللام
کو ذکر کیا جائے جبکہ حرف نداء کے حذف کا
الامہ کیا جائے واللہ اعلم ۱۲۔

پر کچھ داخل کیا گیا ہو یا نہ پس بدلہ کی مثال یہ ہے
جیسے اللهم اس لئے کہ لفظ اللہ سے جب حرف
نداء کو حذف کیا جاتا ہے تو اس کے بدلہ میں میم
مشدد لانا ضروری ہوتا ہے ورنہ حذف جائز
نہیں ہوتا اور حذف حرف نداء بغیر بدل کی مثال
یہ ہے جیسے قول باری تعالیٰ یوسف اعرض
عن هذا ای یا یوسف اس پر یہ قرینہ دلالت
کر رہا ہے کہ یہ مقام مقام خطاب ہے۔
(فائدہ) اس تعلیم کی ضرورت کے متعلق کہ
کہہ سکتے ہیں کہ یہ سوال مقدم کا جواب ہے سوال
یہ ہے کہ لفظ اللہ سے بھی حذف حرف نداء جائز
ہے اس لئے کہ یہ حذف اس وقت تک جائز

میں مطلوب دہائی صوت اور تطویل کلام ہوتی
ہے اور حذف ان دونوں کے منافی ہے لہذا
ان کے شروع سے بھی حرف نداء کو حذف نہیں
کریں گے تاکہ مقصود اہلی فوت نہ ہو جائے
واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۹ قولہ فیثبہ النحر پس جب حذف
حرف نداء سے اسم جنس، اشارہ، مستغاث
اور مندوب خارج ہو گئے تو اب ان معارف
میں سے کہ جن میں حذف حرف نداء جائز ہے
گئے چنے چند باقی رہ گئے جن میں سے ایک
علم ہے (دوسرے آگے آتے ہیں) پھر علم میں میم
ہے عام ازیں کہ حذف حرف نداء کے بدلہ میں علم

اور کلام عرب میں اس کے خلاف پایا جاتا ہے
 (جیسا کہ مثلاً آئندہ میں اسم جنس سے حرف ندا
 کو حذف کر دیا گیا ہے) پس مصنف کے پاس
 اس کا کیا جواب ہے؟ مصنف نے جواب
 دیا کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کرنا
 شاذ ہے اور شاذ کا معدوم ہوتا ہے لہذا یہ
 کوئی قابل اعتراض بات نہیں اس کی چند
 مثالیں ہیں جہاں اسم جنس سے حرف ندا کو حذف
 کر دیا گیا ہے مثلاً اصبح لیل میں اصبح یا لیل
 تھا یعنی اے رات تو صبح ہو جائے اس جگہ
 لیل سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجود
 اس بات کے کہ یہ اسم جنس ہے پس یہ حذف
 بطور شذوذ کے ہے قیاس کے مطابق نہیں
 لہذا قابل اعتراض نہیں یہ جملہ امراً القیس کی
 بیوی نے اس کی بعض ناشائستہ حرکات
 سے متنفر ہو کر کہا تھا اس کے متعلق واقعہ

یوں بیان کیا جاتا ہے کہ امراً القیس نے کسی
 عرب دو شیرہ سے اپنے آپ کو عرب ظاہر
 کرتے ہوئے شادی کر لی جب زفاف کا
 وقت آیا تو اس نے اپنی بیوی سے چراغ
 بجھانے کے متعلق اطفی السراج کے بجائے
 اقلی السراج کہہ دیا اس پر اس نے امراً القیس
 کو عجبی سمجھتے ہوئے اصبح لیل۔ اصبح
 لیل کہنا شروع کر دیا مگر یہ واقعہ غلط معلوم
 ہوتا ہے اس لئے کہ ایک شخص جو کہ اشعر الشجر
 اور ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا ہو اور فصاحت
 و بلاغت میں جس کو انصح العرب تسلیم کیا جا چکا
 ہو اس سے یہ امید نہیں کہ وہ اس قسم کی
 غلطی کا ارتکاب کرے گا اور اس کی اہلیہ ہے
 سن کر تمام بات ردی اور اصبح لیل کہتی
 ہے گی بلکہ اس کا باعث یہ ہے کہ اس کی
 زوجہ اس کی صحبت سے متنفر ہو گئی تھی اور

فِي الْفَتْحِ مَخْنُوقٌ اِی یا مَخْنُوقُ قَالَ هُوَ شَخْصٌ وَقَعَ فِي اللَّيْلِ عَلَى نَائِمٍ مُسَلِّمٍ فَفَتَحَ
وَقَالَ اِفْتَحْ مَخْنُوقٌ حُذِفَ حَرْفُ النِّدَاءِ عَنِ الْمَخْنُوقِ مَعَ اِنَّهُ اسْمٌ جِنْسٌ شَذُوذًا
رَفِي اَطْرُقُ كَرَا اِی یا كِرْدَانٌ وَفِيهِ شَذُوذَانِ حُذِفَ حَرْفُ النِّدَاءِ مِنْ
اسْمِ الْجِنْسِ وَتَرْخِيمٌ غَيْرُ الْعِلْمِ قِيلَ هُوَ رُقِيَّةٌ يُصِيدُ مِنْ بَهَائِ الْكِرْدَانِ يُقُولُونَ
اَطْرُقْ كَرَا اَطْرُقْ كَرَا اِنَّ النِّعَامَةَ فِي الْقُرَى فَيَسْكُنُ وَيُنْظَرُ حَتَّى يَصَادَ وَلَمْ يَحْنِ
اِنَّ النِّعَامَةَ الَّذِي هُوَ الْكِبَرُ مِنْكَ قَدْ اضْطَيْدَ وَمُحِلٌّ اِلَى الْقُرَى فَلَا تَخْلُ اَيْضًا
وَقَدْ يَحْذَفُ الْمُسَادَى لِقِيَامٍ قَرِيبَةٍ جَوَاذًا مِثْلُ اَلَا يَا سَجْدُو

آتا تو وہاں سے کہنے کی بو آتی تھی پھر جب صبح ہوئی تو اس نے اس سے طلاق لے لی (اور افتد مخنوق) میں یعنی یا مخنوق اس (لفظ یا کلام) کو ایک شخص نے کہا جو رات کو ایک چت پیٹے سوئے ہوئے (سیک بن سلک نامی) شخص پر گرا تو اس کا گلا گھونٹ دینا چاہا اور (ساتھ یہ بھی) کہا افتد مخنوق (اے گلا گھونٹنے ہوئے یعنی سلیک بن سلک جان کشی کا فدیہ دو) مخنوق سے باوجود یہ کہ وہ اسم جنس ہے شذوذ کے طور پر حرف ندا کو حذف کیا گیا (اور اطرُق کرا) میں یعنی یا کِرْدَان (اطرُق اطرُق سے ہے جس کے معنی ہیں خاموشی کے ساتھ آنکھیں بند کر کے سر جھکا دینا اور کِرْدَان ایک پرندہ ہے جس کی گردن چوڑی اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں) اور اس (اطرُق کرا) میں دو شذوذ ہیں (ایک تو اسم جنس (کرا) سے حرف ندا کا حذف ہے اور (دوسرا) غیر مسلم کی ترخیم (اور اسے ایک مستقل اسم قرار دیکر اس پر اعراب جاری کرنا) ہے (کیونکہ غیر مسلم کی ترخیم میں شرط یہ تھی کہ اس کے آخر میں تائے نائش متحرک ہو) اور کہا گیا ہے کہ یہ اطرُق کرا کی عبارت ایک (طرح کا) منتر ہے جس کے ذریعے (شکاری لوگ) کِرْدَان (پرندے) کا شکار کرتے ہیں اور (اس کے شکار کے وقت) کہتے ہیں (ترخیم) اے کِرْدَان غم کر لے کِرْدَان غم کر بے شک نعم (ایک پرندہ ہے جسے شتر مرغ کہتے ہیں اور اسم جنس بھی) بستیوں میں اُتر کر کے پہنچا یا جا چکا ہے (پس جب اتنا بڑا پرندہ پکڑا گیا تو تو کس طرح بھاگ سکتا ہے) پس وہ (اپنی کمال حماقت کی وجہ سے اس سے گھبرا جاتا ہے اور بھاگنے یا اڑنے سے) ٹھیر جاتا ہے اور گردن جھکاتا ہے (پس اس پر حال یا کِرْم او غیرہ ڈالا جاتا ہے) یہاں تک کہ وہ شکار کر لیا جاتا ہے اب یہ کلام اس شخص کے لئے ضرب المثل بن گئی ہے جو تکبر کرتا ہو جبکہ اس سے بڑے تو موضع کرتے ہوں (اور (اس کلام کا) معنی یہ ہے کہ نعم جو کہ تجھ سے بڑا ہے وہ شکار کر کے بستی کی طرف اٹھا کر لے جایا گیا ہے پس تو بھی (ہم سے) نہیں بھاگ سکے گا (اور کبھی قیام قرینہ کے وقت منادی

سب اس تنفر کا امر انھیں کی بعض نازیبا و نامناسب عادات تھیں نہ کہ اس کا بھی ہونا اس جگہ شائع نے صبح میل کی شرح ای صریحاً سے کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ صبح صابر کے معنی میں ہے واللہ اعلم ۱۲۔
۱۶۱ قولہ افتد مخنوق الخ افتد مخنوق اصل میں افتد یا مخنوق تھا واقعہ یوں ملان کیا جاتا ہے کہ سلیک بن سلک جٹ

لیٹا ہوا سو رہا تھا ایک شخص صابق اس کے پاس سے گذرا اور اس کا گلا گھونٹ کر کہنے لگا افتد مخنوق یعنی اے مخنوق (گلا گھونٹنے ہوئے) فدیہ دے تاکہ میں تجھ کو چھوڑ دوں پس اس میں مخنوق سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجود یہ کہ وہ اسم جنس ہے پس یہ بھی بطور شذوذ کے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶۲ قولہ اطرُق کرا الخ اطرُق کرا اصل میں اطرُق یا کِرْدَان تھا اس میں بجائے ایک کے دو شذوذ پائے جاتے ہیں ایک اسم جنس سے حرف ندا کا حذف ہونا دوم غیر علم کی ترخیم لہذا یہ بھی باعث اعتراض نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ منتر ہے اور اس سے کِرْدَان یعنی کلنگ کا شکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اطرُق کرا اطرُق کرا اِنَّ النِّعَامَةَ فِي الْقُرَى ترجمہ لے کر دان تو اپنے سر کو جھکائے تحقیق شتر مرغ (کہ جو تجھ سے بڑا ہے شکار کر لیا گیا اور) گاؤں میں پہنچا دیا گیا ہے (پس تو ہی کب جھوٹ کر جاسکتا ہے کہتے ہیں کہ یہ سنکر وہ ٹھیر جاتا ہے اور گردن جھکا دیتا ہے حتیٰ کہ شکار کر لیا جاتا ہے کِرْدَان کی جمع کِرْدَان اور کِرْدَانِ آتی ہے نعم بفتح النون شتر مرغ کو کہتے ہیں اللہ اعلم

۱۶۳ قولہ وقد يحذف الخ بھی منادی کو قیام قرینہ کے وقت حذف بھی کرنا جائز ہے جیسے الایا اسجدوا۔ شراح کہتے ہیں کہ الایمزہ مفتوحہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ حرف تنبیہ ہے اور یا حرف ندا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوئی ای الایاموم اسجدوا اور قرینہ حذف منادی کے اوپر یہ ہے کہ اسجدوا فعل پر صرف ندا داخل ہو رہا ہے اور یہ متمنع ہے اس لئے کہ ندا حرف اسم کا خاصہ ہے اور خاصہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے خاصہ اس کے سوا اور میں نہ پایا جائے پس پتہ چلا کہ یا کرا داخل یعنی منادی محذوف ہے بخلاف اس کے کہ اگر اس کو بتشدید اللام

الایسجد و ایڑھیں تو یہ اس وقت ہماری بحث سے خارج ہوگا اس لئے کہ یہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس وقت میں اُن مصدرِ ناصب مضارع ہوگا پھر نون کو تدریب المخرج ہونے کے باعث لام سے تبدیل کر کے لام کالام میں ادغام کر دیا گیا الا ہو گیا اور یسجد و اعل مضارع معروف ہوگا اور اس کا نون جمع اُن ناصبہ کے باعث حذف ہو جائے گا الا یسجد و اہو جائے گا واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ الثالث الخ جن مواضع

میں سے مفعول بہ کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ان میں سے دو کا بیان ہو چکا ہے تیسرے موضع ان مواضع میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے اسے مراد مفعول بہ ہے اس لئے کہ اسی کی بحث ہے اور اضمر قدر یعنی پوشیدہ کیا گیا کے معنی میں ہے۔ اور عامل سے مراد عامل ناصب یعنی وہ فعل جس کے باعث مفعول بہ کو نصب کیا گیا ہو مطلب یہ ہے کہ تفسیر موضع وہ ہے کہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کے عامل کی تفسیر آگے آرہی ہے شریطہ اور شرط دونوں مترادف ہیں اور شریطہ کی اضافت تفسیر کی طرف بیانہ ہے اور علی شریطہ میں علی بیانہ ہے پس عبارت یوں ہوگی بناؤ علی شریطہ ہی تفسیر کا ای تفسیر العامل بالبعدہ یعنی عامل کی تفسیر بالبعدہ میں ہے چرناق کا حذف اس جگہ اسلئے واجب ہوگا کہ اگر حذف نہیں کرتے ہیں تو مفسر اور مفسر دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور وہ علی الاطلاق جائز نہیں اضافت بیانہ کا مطلب یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں معنی متغایر نہ ہوں متحد ہوں یعنی جو مضاف ہو وہی مضاف الیہ ہو پس اس قسم کی اضافت سے مضاف کی توجہ و تشریح مطلوب ہوتی ہے واللہ اعلم

بتخفيف الاعلى انه حرف تنبيه ويا حرف النداء اے یا قوم اسجدوا والقرينة امتناع دخول يا على الفعل بخلاف قراءة الا لا یسجد وابتشديد اللام لانه ليس من هذا الباب فان ان حينئذ ناصبة للمضارع ادغمت نونها في لام لا ویسجد وافعل مضارع سقط نونه بالنصب الثالث من تلك المواضع الاخر التي وجب حذف ناصب المفعول به فيها ما اے مفعول اضمراى قد ار عاملة الناصب له شریطۃ التفسیر الشریطۃ والشروط واحد و اضافتها الى التفسیر بیانیۃ الى ما اضمر عاملہ بناء علی شرط هو تفسیرہ اے تفسیر الطل بما بعده وانما وجب حذفه حينئذ احتراز عن الجمع بين المفسر والمفسر وهو ای ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کل اسم بعدہ أو شبهہ

کو جوازی طور پر حذف کیا جاتا ہے جیسے الایا اسجد والالکی تخفیف کے ساتھ اس بنا پر کہ الاحرف تنبیہ ہے اور یا حرف ندا ہے یعنی یا قوم اسجدوا اور (حذف منادی کا) قرینہ (کلمہ) یا کے فعل پر داخل ہونے کا امتناع (عدم جواز) ہے (تو معلوم ہوا کہ فعل سے پیش کوئی اسم منادی محذوف ہے) قراءت الا یسجد والالکی لام تشدید کے ساتھ کے برعکس کیونکہ یہ اس (حذف منادی جواز کے) باب سے نہیں پس اس وقت (الاکہ دراصل ان لا تھا کا) ان مضارع کو نصب لینے والا ہوگا اس کے نون کو لا کے لام میں ادغام کیا گیا اور یسجد و اعل مضارع ہوگا جس کا نون (ان ناصبہ للمضارع کی) نصب کی وجہ سے ساقط ہو گیا (تیسرا) مقام مقامات اربعہ میں سے کہ ان میں مفعول بہ کا حذف قیاسا واجب ہے (وہ) مفعول بہ (ہے کہ مضمحل ہو) یعنی مقدر ہو (یہ تفسیر لازم ہے کہ اضمار کو تقدیر لازم ہے) (اس کا عامل) جو اس کے لئے ناصب ہے (تفسیر کی شرط بناؤ) شریطہ اور شرط ایک چیز ہے (یعنی دونوں اسم ذات ہیں صفت نہیں ہیں لیکن شریطہ کو ذبیحہ کی طرح وصفت سے اسمیت کی طرف نقل کیا گیا ہے اور شرط نقل کے بغیر ہی ضرب اور قتل کی طرح اسم ہے) اور شریطہ کی اضافت تفسیر کی طرف بیانہ ہے یعنی وہ مفعول بہ کہ جس کا عامل شرط کی بنا پر مقدر ہو وہی شرط اس کی تفسیر ہو (یعنی عامل ناصب مفسر فتح میں ہو) اس (مفعول بہ) کے بعد کے (فعل کے) ساتھ اور اس (مفعول بہ کے) ناصب فعل کا حذف کرنا اس وقت مفسر اور مفسر کے درمیان جمع کرنے سے احتراز کی وجہ سے ہی واجب ہوا (اور وہ) یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطہ التفسیر (ہر وہ اسم ہے کہ جس کے بعد ایک فعل یا شبہ فعل ہو) اس قید سے مصنف نے زید ابوبکر کے

۱۲ قولہ و ہوا الخ ما اضمر عاملہ علی

شریطۃ التفسیر اس اسم کو کہتے ہیں کہ خبر کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل مذکور ہو کہ وہ اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں مل کرے کی وجہ سے اس اسم میں

حل نہ کرنا ہوا

اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کر دیں یعنی ضمیر اسم یا اس کے متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کا اس

احتزبه عن نحو زيد ابوك ولا يزيد به ان يليه الفعل او شبهه متصلا به
بل ان يكون الفعل او شبهه جزء الكلام الذي بعده نحو زيد اعمرو ضربه و
زيد انت ضارب مشغول ذلك الفعل او شبهه عنه اي عن العمل في ذلك
الاسم بضميره اعم بالعل في ضميره اعم في متعلقه اي متعلق ذلك الاسم
او متعلق ضميره وحاصله ان يكون الفعل او شبهه مشتغلا بالعل في ضمير
ذلك الاسم او متعلقه فارغا عن العمل فيه بسبب ذلك الاشتغال لا بسبب

ماند سے احتراز کیا ہے (کہ زید اسم ہے لیکن اس کے بعد کوئی فعل نہیں) اور اس سے مصنف کا یہ
ارادہ نہیں ہے کہ فعل یا شبہ اس اسم کے ساتھ (اس طرح) متصل ہو کر ملا ہوا ہو کہ درمیان میں
کسی چیز کا فاصلہ نہ ہو بلکہ (مصنف کی مراد یہ ہے کہ) فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جز ہو جو کہ اس
(اسم) کے بعد ہے جیسے زید اعمرو ضربہ (تقدیر عبارت یوں ہے عمرو ضرب زید اعمرو ضربہ یہ فعل کی
مثال ہے) اور زید انت ضارب (اس کی تقدیر یوں ہے انت ضارب زید انت ضارب یہ شبہ فعل
کی مثال ہے) (اعراض کرنے والا ہو) وہ فعل یا شبہ فعل (اس سے) یعنی اس اسم میں عمل کرنے
سے (اور مشغول ہو) (اس کی ضمیر کے ساتھ) یعنی اس کی ضمیر میں عمل کرنے کے ساتھ (یا اس کے متعلق
میں) (یعنی وہ فعل) اس اسم کے متعلق یا اس کی ضمیر کے متعلق میں (عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو)
اور اس (فعل کے) اس اسم سے فارغ ہو کر اس کے متعلق یا اس کی ضمیر کے متعلق کے ساتھ مشغول ہوئے
کا حاصل ہے کہ فعل یا شبہ فعل (دونوں میں سے ہر واحد) اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق (یا
متعلق کی ضمیر) میں عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو (اور) اس مشغولیت کے سبب سے نہ کہ کسی دوسرے

اسم کو معمول بنائیں تو وہ اس اسم کو نصب ہے اس لئے کہ مثال
اس جگہ تعریف میں فعل یا شبہ فعل کہنے سے وہ
اسم خارج ہو گیا کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں
جیسے زید ابوک اب سول پیدا ہوتا ہے کہ تعریف
سے زید اعمرو ضربہ اور زید انت ضارب ناگوار جاتے
ہیں اس لئے کہ دونوں مثالوں میں زید کے بعد فعل یا شبہ
فعل مذکور نہیں بلکہ اسم مذکور ہے حالانکہ یہ از قبیل ضمیر
حادث علی شرطیہ التفسیر ہے شارح اس کا جواب ظاہر
یہ ہے کہ اسم سے پہلے ہے ہی کہ اسم کے بعد فعل یا
شبہ فعل ہونے کا مطلب یہ نہیں جو معترض نے
سمجھا ہے کہ اسم کے بعد فعل یا شبہ فعل متعلق ذکر کیا
جانے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام
کا جز ہو جو اسم کے بعد مذکور ہے اور اس میں شک
نہیں کہ دونوں مثالوں میں زید اسم کے بعد عمرو اور

اعراض کرتا ہو اس وجہ سے کہ وہ فعل یا شبہ فعل اسم
کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر رہا ہو پھر متعلق عام
ہے اسم کا متعلق ہو یا ضمیر کا متعلق کے بعد شائع نے
ذکر الفعل بوشبہ کے لغت سے راجع اور مرصع کے
درمیان مطابقت پیدا کر دی کیونکہ فعل یا شبہ فعل متعلق
ہیں اور متعلق واحد پس اس سے معلوم ہو گیا تو دونوں
یک لخت اس کا مرجع نہیں بلکہ لحد الامر میں ہیں اب
اعراض وار د ہوا کہ اعراض اور فراع عمل سے ہوا کرتا
ہے کہ اسم سے اور قولہ عند قولہ ضمیرہ کی ضمیر خبر
اسم کی طرف راجع ہے پس یہ غلط ہے شارح نے عند
کے بعد ای عن العمل فی لاسم اور ضمیرہ کے بعد ای عمل
فی ضمیرہ سے یہ جواب دیا کہ ان دونوں کا مرجع عمل ہی ہے
اور اسم کو اس کا مرجع قرار دینا ادنی ملاہست کی وجہ
سے ہے اس لئے کہ اسم ہی میں عمل کا اثر ظاہر ہوا کرتا
ہے واللہ اعلم۔

۱۶۷ قولہ وحاصلہ الخ یہ عبارت ایک سوال
مقرر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اشتغال تین حال
سے خالی نہیں یا تو اس کے معنی حقیقی مراد ہوں گے یا
مجازی یا دونوں اگر حقیقی مراد ہیں تو تب اس کا صلہ
بضمیر ہر بدلانا درست ہے لیکن عن صلہ نادرت
نہیں اور اگر معنی مجازی مقصود میں تو عن صلہ لانا درست
نہے یا درست نہیں اور اگر دونوں مراد ہیں تو حقیقتہ
مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے شارح
نے جواب دیا کہ اس جگہ اشتغال سے مراد معنی حقیقی
ہیں اور کلام عن اشتغال کا صلہ نہیں بلکہ اشتغال
سے فاعلت حاصل ہوتی ہے اس کا صلہ سے پس
اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی مشغول بضمیرہ
حال کو نہ فارغا عن العمل فی ذلک الاسم ہی حاصل شارح
کی عبارت کا بھی ہے یعنی با اشتغال کا صلہ ہر جائے
گی اور عن فراع کا پس شارح کہتے ہیں کہ اس کا حاصل
یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اسم یا اس کے متعلق کی ضمیر
میں عمل کرنے کیساتھ مشغول ہو اور اس مشغولیت کا
وجہ سے نہ کہ سبب اس وجہ سے اسم میں عمل کرنے سے
فارغ ہو یعنی اعراض کر رہا ہو اور عمل نہ کرتا ہو پھر
حال خواہ یہ توجیہ اعراض سے بچنے کے لئے اختیار

کر لیا جائے یا من کو بلا کسی جھجک کے مشغول کا ملہ قرار دیدیا جائے تو دونوں صورتوں کا نہ مال ایک ہی نکلے گا جیسا کہ تو مشغول کے ذیل میں گذرا
واللہ اعلم ۱۲

۱۶۸ قولہ بحیث الخ اس کے اضافہ سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول مصنف لفظ الخ جملہ شرطیہ قید احترازی ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا اور مجبور رفع الاشتغال کے اضافہ کی وجہ سے شارح نے آگے چل کر خود بیان کی ہے اور سو کے بعد احد الامرین الخ کا اضافہ اس امر کی طرف متغیر ہے کہ راجع اور مرجع میں مطابقت ہو جائے یعنی ضمیر ہو فعل اور مشبہ فعل دونوں کی طرف راجع نہیں کہ عدم مطابقت کا الزام عائد ہو بلکہ دونوں میں سے ایک کی طرف راجع سے رہا بعینہ کا اضافہ تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فعل یا مشبہ فعل کا قائل اور مناسبہ سے درست ہو جائے یعنی فعل یا مشبہ فعل اور مناسبہ میں مغایرت ہے اتحاد نہیں پھر مناسبہ کی تفسیر شارح نے ای ما یناسب الخ سے کر کے اس کی مغایرت کو واضح کر دیا مثلاً امرت کے مغایر مترادف جازرت ہے مطلب اس تمام عبادت کا یہ ہوا کہ اگر وہ فعل یا مشبہ فعل اس اسم پر مسلط کر دیا جائے تو وہ اس اسم کو مفعولیت نہ بنا پر نصب دیدے جیسا کہ یہ ظاہر ہوا ہر ہے واللہ اعلم۔

۱۶۹ قولہ بقید الخ یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ قیود کا فائدہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب تعریف میں اشتغال بالضمیر اور متعلقہ کی قید لگائی گئی تو اس سے زید امرت خارج ہو گیا اس لئے کہ اس میں فعل ضمیر اسم یا اس کے متعلق کے ساتھ مشغول نہیں ہے بلکہ سرے سے ضمیر ہی موجود نہیں کہ جس کے ساتھ یہ مشغول ہو سکے اور فراغ عن العمل فیہ مجبور ذلک الاشتغال کی قید سے زید ضربتہ خارج ہو گیا اس لئے کہ اس جگہ زید میں ضربتہ کے عمل سے محض فعل کا اشتغال ضمیر اسم کے ساتھ ہی مانع نہیں بلکہ

آخر بحیث لَوْ سَلَطَ بجزو رفع ذلک الاشتغال عینہ ای علی ذلک الامم ہو ای احد الامرین الفعل او شبهہ بعینہ او مناسبتہ ای ما یناسبہ بالترادف او اللزوم لِنَصْبِهِ ای لنصب احد هذین الامرین الاسم بالمفعولیۃ کما هو الظاهر المتبادر بقید الاشتغال بالضمیر او متعلقہ خرج نحو زید امرت وبقید الفراغ عن العمل فیہ بجزو ذلک الاشتغال خرج نحو زید ضربتہ فان المانع عن عمل ضربتہ فی زید لیس بجزو اشتغاله بضمیرہ فان عمل معنی الابتداء فیہ ورفعه ایاہ ایضا مانع عن ذلک وبقید النصب بالمفعولیۃ

سبب سے اس اسم میں عمل کرنے سے قانع ہو اس طرح کہ «اگر مسلط کیا جائے» محض اس مشغولیت کو دور کر کے «اس پر» یعنی اس اسم پر «اسے» یعنی فعل یا مشبہ فعل میں سے کسی ایک کو بعینہ «یا» اس کے مناسب فعل یا مشبہ فعل کو «یعنی اس کو جو مترادف یا لزوم کے اعتبار سے اس کے مناسبت رکھتا ہو» (تو وہ اسے نصب دے دے) یعنی ان دونوں (فعل یا مشبہ فعل) میں سے کوئی ایک اس (اسم) کو مفعول ہونے کی وجہ سے نصب دیدے جیسا کہ یہ متن کی قیود سے ظاہر متبادر ہے۔ پس اشتغال بالضمیر یا اس کے متعلق کے ساتھ (مشغول ہونے کی) قید سے زید امرت کی مانند خارج ہو گیا کہ وہ اس باب سے ہی نہیں کہ اس کا عامل ظاہر ہے یعنی فعل مؤخر جو کہ اس کی یا اس کے متعلق کی ضمیر کے ساتھ مشغول نہیں) اور محض اس واسطے کہ اس کے متعلق کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کی قید سے زید ضربتہ کی مانند (ما ضمیر عامل کی تعریف سے) خارج ہو گیا کہ ضربتہ اگرچہ زید کی ضمیر میں عمل کرنے میں مشغول ہے مگر محض اس اشتغال کی وجہ سے زید میں عمل کرنے سے اعراض نہیں کر رہا بلکہ اس لئے کہ ضربتہ کو زید میں عمل کرنے سے مانع محض اس فعل کا اس کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا نہیں کیونکہ زید میں ابتداء کے معنی کا عمل کرنا اور اسے رفع دینا بھی اس (زید میں) عمل کرنے سے مانع ہے اور مفعولیت کی بنا پر منصوب ہونے کی قید سے زید

زید میں ابتداء اور اس کا رفع بھی فعل کے عمل کرنے سے مانع ہے اس لئے کہ زید میں دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ مبتداء واقع ہو رہا ہے اور اس وجہ سے مرفوع ہے لہذا ضربتہ فعل اس میں مل نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ فعل ضمیر اسم کے ساتھ عمل میں مشغول ہے اور زید میں عمل سے فارغ ہے پس اگر زید پر فعل کو مسلط کرتے ہیں تو فعل اس کو نصب دے دیگا پس اس میں صرف اشتغال فعل بالضمیر ہی مانع نہیں رہا بلکہ زید کی ابتداء اور اس کا رفع بھی فعل کے عمل سے اس میں

مانع ہو گئی یہ اس تعریف سے خارج ہے اور قید نصب بالمفعولیت سے کان کی خبر خارج ہو گئی جیسے زید اکت انت ایاہ میں اس لئے کہ زید اگرچہ اس باب میں داخل ہے اس لئے کہ اس کی تقدیر کنت زید اکت انت ایاہ ہے لیکن چونکہ اس کا نصب مفعولیت کی بنا پر نہیں بلکہ کان کی خبر ہونے کی بنا پر ہے لہذا یہ تعریف سے خارج ہے واللہ اعلم

خبر کان فی نحو زید ایاہ وھما صورتان رابعۃ وھما اشتغال الفعل بالضمیر مع تقدیر تسلیط بعینہ والثانیۃ اشتغاله بالضمیر مع تقدیر تسلیط ما یناسب الفعل بالذموم والرابعۃ اشتغال الفعل بالمتعلق ولا یتصور حیث من الا تقدیر تسلیط الفعل المناسب بالذموم ولھذا اورد للمص اربعۃ امثله ثلاثہ منھا المشتغل بالضمیر باقامہ الثلاثہ وواحد للمشتغل بالمتعلق ولا احسن فی ترتیبھا ج تاخیر مثال المشتغل بالمتعلق کمالا ینحی فی وجہ

کنت ایاہ کی مانند میں کان کی خبر بھی خارج ہو گئی کہ اس کی نصب مفعولیت سے نہیں اور یہاں چار صورتیں ہیں ایک ان میں سے اس فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے بعینہ اس فعل کے مسلط کرنے کی تقدیر کے ہمراہ اور دوسری صورت اس فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے اس فعل کے ساتھ ترادف کی وجہ سے مناسب رکھنے والے فعل کی تسلیط کی تقدیر کے ہمراہ اور تیسری صورت فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا اس فعل کو مسلط کرنے کی تقدیر کے ہمراہ جو کہ فعل (مفسر بالفتح) کے ساتھ لزوم کی وجہ سے مناسب رکھتا ہے اور چوتھی صورت فعل کا متعلق کے ساتھ مشغول ہونا ہے اس وقت اس فعل کے جو کہ لزوم کی وجہ سے (اس فعل مفسر بالفتح کے ساتھ) نسبت رکھتا ہے کے سوا کچھ مقصود نہیں اس لئے مصنف نے ان چاروں میں سے تین مثالیں اس اسم کی وارد کیں جو اپنے اقسام ثلاثہ (تسلیط بعینہ تسلیط بالمرادف، تسلیط باللازم) کے ساتھ مشغول ہے اور ان میں سے ایک اس کی مثال (لائے) جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت ان امثله اربعہ کی ترتیب میں اس فعل کی تاخیر بہتر تھی جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو جیسا اس کی وجہ ظاہر

نقلہ قولہ وھما الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مصنف کو اس قاعدہ کی ایک مثال بیان کر دینا کافی تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ متعدد امثله لائے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ چار صورتیں نکلتی ہیں اس لئے جدا جدا ہر ایک کی مثال بیان کر دی تاکہ ہر ایک صورت بخوبی ذہن نشین ہو سکے اس جگہ دراصل بارہ صورتیں نکلتی ہیں اس لئے کہ لوہر گذر چکا ہے کہ ضمیر فاعل علی شرطیۃ التفسیر میں یہ شرط ہے کہ فعل یا شبہ فعل جو اس اسم کے بعد واقع ہے وہ اس اسم کا ضمیر یا اس کے متعلق میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو وہ فعل اس اسم کو نصب دیتا ہے

پس اس جگہ خواہ فعل کو اس اسم پر مقدم کریں یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کر تو عقلاً بارہ صورتیں نکلتی ہیں اس لئے کہ جب فعل ضمیر اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو اس صورت میں فعل کو مسلط کیا جائے گا یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو تو یہ تین صورتیں ہوں گی ایسے ہی جب شبہ فعل ضمیر اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو اس صورت میں بھی تین صورتیں پیدا ہوں گی یعنی میں شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں گے یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو اس طرح جب فعل متعلق اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو وہ فعل اس اسم پر مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو وہ فعل اس اسم کو نصب دیتا ہے

بالا میں صورتیں اس میں پیدا ہوں گی یعنی اس اسم پر مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو وہ فعل اس اسم کو نصب دیتا ہے

فعل کو مسلط کریں گے الخ علی ہذا القیاس جب شبہ فعل متعلق اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو اس صورت میں بھی تین صورتیں پیدا ہوں گی ایسے ہی جب شبہ فعل ضمیر اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو اس صورت میں بھی تین صورتیں پیدا ہوں گی یعنی میں شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں گے یا اس کے مناسب مرادف کو یا اس کے مناسب لازم کو اس طرح جب فعل متعلق اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم میں مل کر نہ کا وجہ سے اس اسم پر مسلط کرے تو وہ فعل اس اسم کو نصب دیتا ہے

مِثْلُ زَيْدًا أَضْرَبَتْهُ مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغَلِ بِالْفِعْرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ الْفِعْلِ
وَزَيْدًا مَرَّتْ بِهِ مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغَلِ بِالْفِعْرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ الْفِعْلِ
بِالْتَرَادُفِ فَإِنْ مَرَّتْ بَعْدَ تَعْدِيَّتِهِ بِالْبَاءِ صَرَفٌ لِبَجَاوِزٍ مِثَالُ
ضَرْبَتْ غَلَامَةً مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغَلِ بِالْمَتَعَلِقِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ الْفِعْلِ
الْمُنَاسِبِ بِاللَّسْوِمِ وَزَيْدًا أَحْبَسْتُ عَلَيْهِ مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغَلِ بِالْفِعْرِ

ہے جیسے زید اضربتہ) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو بعینہ اس فعل کی
مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو بعینہ اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ہمراہ (اور زید امرت
ہے) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ہمراہ جو
ترادف کی وجہ سے اس (فعل مضمر) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ مرتبہ (حرف جار) کے
ذریعے متعدی ہونے کے بعد جاوزت کے مترادف ہے (اور زید اضربت غلامہ) یہ اس فعل کی
مثال ہے جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ہمراہ جو لزوم کی وجہ (فعل مضمر
کے) مناسب ہے (اور زید احبست علیہ) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہو

کو مسلط کرنے کی دو صورتیں ہیں بار کے ساتھ ہی
کو مسلط کریں گے یا بغیر بار کے اگر بار کے ساتھ
مسلط کریں گے تو اسم پر بجائے نصب کے جوئے
کا جیسے مرتبہ بزیڑ اور اگر بغیر بار کے مسلط
کرتے ہیں تو فعل مذکور کو مفعول کی ضرورت نہیں
ہوگی اس لئے کہ یہ اس وقت لازم ہوگا مگر
نہیں واللہ اعلم

۱۷ قولہ وزیداً لم اس مثال میں فعل کا
عمل غلام میں ہو رہا ہے جو کہ اسم زید کا باعتبار ملکیت
کے متعلق ہے اس جگہ فعل کا مناسب لازم مسلط
کیا جائیگا یعنی اہنت اس لئے کہ ضرب غلام
سے امانت آقا لازم آتی ہے پھر یہاں اگر عین فعل
کو مسلط کریں گے تو نصب نہیں آئے گا اس لئے کہ
اگر فعل کو غلام کے ساتھ مقدم کرتے ہیں تو اسم
مذکور مجرور ہوگا اور اگر بغیر ذکر غلام کے تسلط
کیا جاتا ہے تو مقصود فوت ہو جائیگا اس لئے
کہ اس سے مقصود غلام ہے لہذا اس کا آقا واللہ
اعلم ۱۷

۱۸ قولہ وزیداً الخ یہ مثال ظاہر ہے کہ
میری اور شاخ کی بیان کردہ قسم ثالث سے تعلق رکھتی

بیان نہیں کہیں شبہ فعل کی شکل کو انہیں پر قیاس کر لیا
جائے واللہ اعلم

۱۹ قولہ والاسم الخ اس سے دراصل
مصنف پر اعتراض کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ہم
نے چاروں صورتوں کو جیسا کہ ان کا متفقہ تھا ترتیب
بیان کیا ایسے ہی مصنف کو بھی چاہیے تھا کہ متعلق
بالتعلق کی مثال ترتیب کی بنا پر سب سے آخر میں
بیان کرتے یعنی چوتھے نمبر پر دیکھتے ہیں کہ
اس کو بیان کر دیا مگر اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مصنف
نے فعل معروف کو اس کے اصل ہونے کی بنا پر
یکجا بیان کر دیا اور فعل مجہول کو بنا پر فرحیت سب
سے آخر میں لائے فمائل واللہ اعلم

۲۰ قولہ نخزیداً الخ مذکورہ تفصیل کے
بعد اب ان ائمہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں البتہ
دوسری مثال میں یہ سمجھ لیجئے کہ جب مرتبہ کو بار
کے ساتھ متعدی کیا جائے تو یہ جاوزت کے معنی
میں ہو جاتا ہے اور جاوزت کو اگر اس اسم پر مسلط
کریں گے تو یہ اسم کو نصب دیدے گا مگر لیکن جب
ہم اس جگہ بعینہ فعل مذکور کو مسلط کریں گے تو
اس اسم پر نصب نہیں آئیگا اس لئے کہ فعل مذکور

کو اس اسم پر مسلط کریں جیسے زیداً انا ماثرہ ہی انا
مجاوڑ زیداً انا ماثرہ (۶) شبہ فعل مناسب لازم کو
اس اسم پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً انا مجوس
علیہ ای انا لا لبس زیداً مجوس علیہ (۷) فعل متعلق اسم
میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم میں عمل کرنے سے امرض
کرے اور مناسب لازم کو اس پر مسلط کیا جائے جیسے
زیداً اضربت غلامہ ای اہنت زیداً اضربت غلامہ
(۸) شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم
میں عمل کرنے سے فارغ ہو اور مناسب لازم
کو اس پر مسلط کیا جائے جیسے زیداً انا اضربت
غلامہ ای انا نہیں زیداً انا اضربت غلامہ ان
دونوں قسموں میں سے دو دو قسمیں خارج ہو گئیں
کہا کہ پس ان میں سے شارح نے چار کو ذکر کر دیا
اس لئے کہ مصنف نے چار ہی کی مانند بیان
کی ہیں اور بقایا کچھ کو نہیں متعلق پر چھوڑ دیا کہ وہ
استنباط کرے جن کو مفصلاً میں نے بیان کر دیا
ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمل میں فعل اصل ہے

اس لئے اس سے متعلقہ صورتیں بیان کروں اور اس
سے حاصل شدہ دو کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ ان کا
ہی نہیں پس ان چار صورتوں میں ایک یہ ہے کہ فعل
ضمیر اسم کے ساتھ مشغول ہو اور عمل نے لازم سے
فارغ ہو اور اسم پر بعینہ فعل کو مسلط کیا جائے (۱۰)
فعل ضمیر کے ساتھ مشغول ہو حسب مذکورہ اور مناسب
مرادف فعل کو اسم پر مسلط کیا جائے (۱۱) اشتغال
فعل حسب مذکورہ اور مناسب لازم فعل کو اسم پر
مسلط کیا جائے یہ تینوں صورتیں بعینہ وہ ہیں جن
کو میں نے نمبر (۱۰) و (۱۱) میں بیان کیا ہے (۱۲) فعل
متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم سے امرض
کرے اور مناسب لازم فعل کو اسم پر مسلط کیا
جائے یہ بعینہ میری بیان کردہ قسم نمبر (۶) ہے
اب رہا قول شارح ولا تصور حینئذ الخ تو اس کا
مطلب پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے کہ اشتغال
فعل بالتعلق میں دو صورتیں متفقہ ہو جائیں گی اور
ایک یہی باقی رہے گی جو بیان کی گئی اسی واسطے
مصنف نے صرف چار مثالیں ذکر کیں (۱۳) مثلاً

مع تقدیر تسلیط ما یناسبہ باللزم فان حبس الشیء علی الشیء تلزمہ ملائمتہ
 لمحوس علیہ ینصب دیکھو فی هذه الامثلة ینفعل منضمیر ینصرونہ ما
 بعدہ ائی ضربت یعنی ان الفعل المفسر انصب لزید ائی زید اضریتہ
 ضربت للقدار فان الاصل فیہ ضربت زید اضریتہ اضمیر ضربت الاول
 لوجود مفعولہ اعنی ضربت الثانی و علی هذا القیاس جازت فانه
 مفعول بہا یؤدقہ اعنی مودت بہ و امنت فانه مفسر بما یستلزمہ اعنی
 ضربت غلامک فان ضرب الغلام یستلزم اهانۃ سیدہ ولا بست فانه
 مفسر بما یستلزم اعنی حبست علیہ ثم ان الاسم الواقع فی مظان الضما

اس فعل کی تقدیر تسلیط کے ساتھ جو فعل مفسر کے ساتھ لزوم کی وجہ سے مناسبت رکھتا ہے اس
 لئے کہ (جہاں) ایک شے کا حبس (روک دیا جانا) دوسری شے کے لئے (ہو ویاں) اس (شیء اول)
 کا محسوس علیہ سے تعلق لازمی طور پر ہوتا ہے (یہاں علی لام کے معنی میں ہے یعنی محسوس علی الشیء یعنی
 محسوس ہے) لا منصوب ہوگا) زید ان مثالوں میں فعل مقدور کی وجہ سے کہ اس کا مابعد یعنی
 ضربت اس کی تفسیر کر رہا ہے) یعنی فعل مفسر (بفتح سین) جو کہ زید اضریتہ میں زید کے لئے نائب
 ہے وہ ضربت مقدور ہے کیونکہ اس میں اصل ضربت زید اضریتہ ہے ضربت اول کو وجود مفسر
 (بکسر سین) یعنی ضربت ثانی کے موجود ہونے کی وجہ سے مقدور کیا گیا (اور) اسی قیاس پر
 «جازت ہے» کہ وہ اس فعل سے مفسر (بفتح سین) ہے جو اس سے مترادف ہے یعنی مرت بہ
 «اور امنت» کہ یہ اس فعل سے مفسر (بفتح سین) ہے جو اس (الانت) کو لازم ہے یعنی ضربت
 غلام کہ غلام کو مارنا اس کے آقا کی اہانت کو مستلزم ہے «اور لا بست» کہ یہ مفسر ہے (بفتح
 سین) ایسے فعل سے جو اس کو لازم ہے یعنی حبست علیہ پھر جو اسم کہ اضمار علی شرطیۃ التفسیر کے موجب
 گمان میں واقع ہو (بادی النظر میں اس کے اضمار علی شرطیۃ التفسیر سے ہونے کا گمان ہوتا ہو

ہے پس اس میں مناسب باللزم کی تسلیط کی وجہ
 ہے کہ کسی شے کو کسی شے کے باعث محسوس کرنا
 اور چیز کو مستلزم ہے کہ وہ شے لازمی طور پر محسوس
 علیہ سے ملا بس اور متعلق ہے یعنی کوئی شخص کسی کے
 جرم میں موقوف نہیں ہو کر واجب تک کہ عزم اور اس
 شخص میں رفاقت یا اور کسی قسم کی دوست اور علاقہ
 و تعلق نہ ہو پس جلست کو لا بست مستلزم ہے
 ہذا جلست کے بجائے لا بست کو فعل پر مسلط
 کریں گے پھر یہاں بھی معنی فعل کی تسلیط سے
 اکم کو نصب نہیں آسکتا اس لئے کہ اگر اس کو ملے

کے ساتھ مسلط کرینگے تو اسم مجبور ہوگا اور بغیر
 علی مسلط کرتے ہیں تو مفعول نہ ہوگا اس لئے کہ
 جلست کی ضمیر اس کا مفعول مالم یسم فاعلا ہے
 واللہ اعلم ۱۱

۱۱ قولہ و ینصب لم ینصب کا نائب فاعل
 ضمیر جو ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس سے خارج
 نے زید کی ذمہ لاء لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا
 یعنی ان تمام مثالوں میں زید کو اس فعل مقدور کی وجہ
 سے نصب یا جائے گا کہ جس کی تفسیر زید کا مابعد
 یعنی فعل کر رہا ہے یعنی مثال اول میں ضربت کہ وہ

سے زید منصوب ہوگا اس لئے کہ زید اضریتہ
 میں اس فعل مقدور کی تفسیر ضربت کر رہا ہے اس
 لئے کہ اس کی اصل ضربت زید اضریتہ تھی ضربت
 اول کو پوشیدہ کر دیا گیا کیونکہ اس کا مفسر اور اس
 پر دال موجود ہے یعنی ضربت ثانی علی ہذا القیاس
 جازت اپنے مرادف یعنی مرت بہ کے اس کی تفسیر
 کرنے سے پوشیدہ کر دیا گیا اسی طرح آہنت مثال
 ثلث میں مقدور ہے اس لئے کہ یہ اس کا مفسر
 واقع ہو رہا ہے کہ جو تفسیر کو مستلزم ہے یعنی زید
 ضربت غلامک میں ضرب غلام تفسیر ہے اور اس
 کو مستلزم اہانتہ زید ہے اس لئے کہ ضرب غلام
 سے اس کے آقا کی توہین لازم آتی ہے پس زید ا
 آہنت کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اسی پر لا بست
 کو بھی قیاس کریں جائے اس لئے کہ یہ جلست علیہ
 مفسر کا مفعول واقع ہو رہا ہے یعنی اس کی تفسیر
 جلست علیہ کر رہا ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ ثم ان الاسم الواقع فی مظان الضما
 کو قول مصنف یختار الرفع الخ کے لئے تمہید بھی
 کیا جاسکتا ہے اور لیک سوال مقدور کا جواب بھی
 تمہید ہونا تو طرز کلام سے ظاہر ہے البتہ سوال کی
 تقریر یہ ہے کہ ما ضمیر عامل علی شرطیۃ التفسیر
 منصوبت سے ہے اور اسم اس میں اسی جہت
 سے کلام کر رہے ہیں کہ مغایل سے ہے پس یہ
 کیسے صحیح ہے کہ اس میں رفع بھی واجب ہو
 اور اختیار رفع بھی اور دونوں امر مساوی بھی
 اس لئے کہ یہ مفعول یہ ہے اور مفعول بہ منصوب
 ہوتا ہے پس اس میں رفع جائز نہ ہونا چاہیے
 چہ جائیکہ رفع واجب ہو شارح نے کہا کہ وجوب نصب
 ان مواقع میں ہے جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اسم ما ضمیر
 عامل علی شرطیۃ التفسیر سے تعلق رکھتا ہے اور یہ
 وجہ وجوب بیان کی جائیں گی نہ یقینی طور پر یا ضمیر عامل
 علی شرطیۃ التفسیر سے متعلق ہیں اور نہ مبتداء سے
 کیونکہ اگر یہ مبتداء ہوتیں تو رفع واجب ہوتا اضمار کا کوئی
 سوال ہی نہیں تھا اور اگر منصوب ہوتیں تو نصب ضروری
 تھا پھر رفع کا سوال حبث تھا بلکہ یہ وجہ اضمار علی

شریطة التفسیر کے مظان اور گمان کی جگہ میں واقع ہیں یعنی ان کے اسم پر بلاخر عاملاً علی شریطة التفسیر کا گمان ہو سکتا ہے اس لئے ان میں علی حسب احوال المختلفة پانچ صورتیں نکلتی ہیں رفع مختار ہو گا یا نصب واجب ہو گا یا نصب یا دونوں۔ امر یعنی رفع و نصب برابر ہونگے پس پہلے مصنف اختیار رفع کو بیان کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں حذف کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا پس یہ اس اعتبار سے نصب پر مقدم ہے پھر جاننا چاہیے کہ اختیار رفع کی دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اسم مذکور یعنی جو مظان اضرار میں واقع ہو نہ کہ حقیقہً بلاخر عاملاً سے تعلق رکھتا ہو) میں ابتدائیت یعنی اس اسم کے ابتدا ہونے کی وجہ سے رفع مختار ہو گا جبکہ رفع کی خلاف کوئی قرینہ مرتجہ نہ پایا جائے اس لئے کہ اس صورت میں اس اسم کا عوالم لفظیہ سے خالی ہونا اس اسم کے مرفوع ہونے کو ابتدائیت کی بنا پر صحیح کر دینگا اور پھر ترجیح اس طرح حاصل ہوگی کہ رفع کے خلاف نصب کا کوئی قرینہ مرتجہ نہ پایا جائے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صحت کے قرینے اس میں دونوں موجود ہیں یعنی رفع کی صحت کا بھی اور نصب کی صحت کا بھی پس یہ دونوں صحت کے اعتبار سے متساوی ہوں گے اس لئے کہ اس اسم کے بعد ایسے فعل یا ضبہ فعل کا پایا جانا کہ جس میں تفسیر بننے کی صلاحیت موجود ہو وہ نصب کے لئے قرینہ صحیح ہے اور ابتدا ہونا رفع کے لئے قرینہ صحیح ہے لیکن جب کہ کسی دوسرے قرینہ سے نصب کو ترجیح حاصل نہ ہو سکے گی تو رفع کو ترجیح دی جائے گی اس لئے کہ رفع کی صورت میں حذف سے سلامتی پائی جاتی ہے یعنی کسی فعل کو حذف نہیں کرنا پڑتا بخلاف نصب کے کہ اس میں فعل مقدار ماننا پڑتا ہے پس یہ رفع کے لئے قرینہ مرتجہ ہو گا اور زید کو مرفوع پڑھیں گے جیسے زید ضربہ کہ اس میں دونوں قرینے موجود ہیں اور دونوں برابر ہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ زید سے پہلے فعل محذوف ہو جس

علی شریطة التفسیر اما المختار والواجب فیہ الرفع والنصب اویستوی فیہ الاھران والی ہذہ الصور الخمس اشار المصنف فقال وَیُخْتَارُ فِی الْأَمْرِ الْمَذْكُورِ الرَّفْعُ بِالْإِبْتِدَاءِ اِی بكونه مبتدأ لان تجروده عن العوالم اللفظیة یصح رفعه بالابتداء و یُؤَخَّرُ عِنْدَ عَدَمِ قَرِینَةٍ خِلَافِہِ اِی قرینة ترجیح خلاف الرفع یعنی النصب لان قرینتی الصیغۃ فیہا متباونتان لان وجود مالہ صلاحیۃ التفسیر قرینۃ مُصَحَّحۃٌ لِلنَّصْبِ فَمَتَى لَوْ تَرَجَّحَ النَّصْبُ قَرِینۃٌ اُخْرٰی یُؤَخَّرُ الرفع بسلامتہ عن الحذف فحوزیداً ضوبتہ

اگرچہ فی الواقع اضرار علی شریطة التفسیر کے قبیل سے نہ ہو کہ اس میں نصب کے سوا کوئی امر آب جائز نہیں) اس میں یا تو مختار یا واجب رفع ہے یا نصب یا اس میں (دونوں امر رفع و نصب برابر ہیں اور ابھی پانچوں صورتوں کی طرف مصنف نے اشارہ کیا پس فرمایا «اور مختار ہے» اسم مذکور میں «رفع ابتداء کی وجہ سے» یعنی اس کے ابتدا ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کا عوالم لفظیہ سے خالی ہونا اس کے رفع کو ابتدا کی وجہ سے صحیح ٹھہراتا ہے اور رفع کو ترجیح دی جائے گی «رفع کے خلاف قرینہ کے نہ ہونے کے وقت» یعنی ایسا قرینہ (نہ ہو) جو رفع کے خلاف یعنی نصب کو ترجیح دے کیونکہ صحت کے دونوں قرینے رفع اور نصب میں برابر ہیں (رفع کا قرینہ تو یہ ہے کہ وہ عوالم لفظیہ سے خالی ہے اور نصب کا قرینہ یہ کہ اسم کے بعد اس چیز کا وجود پایا جاتا ہے جس میں تفسیر بننے کی صلاحیت ہے) کیونکہ (اسم مذکور کے بعد) اس چیز کا وجود کہ جسے تفسیر کی صلاحیت حاصل کو نصب کو صحیح قرار دینے والا قرینہ ہے تو جب تک کوئی دوسرا قرینہ نصب کو ترجیح نہ دے حذف سے سلامتی کی وجہ سے رفع کو ترجیح دی جائے گی (یعنی اسم مذکور کو جب ابتدا قرار دے کر رفع دیا جائیگا تو وہ حذف سے سالم رہتا ہے اور جب اسے نصب دی جائے تو حذف کا ماننا لازم آتا ہے اور حذف سے بچنا اولیٰ ہے لہذا اب رفع ہی ترجیح ہوگی) جیسے زید امرتہ «یا بہ وقت نہ پائے جائے» ایسے قرینے

ہے کہ جب زید میں اول مرحلہ میں ہی ابتدائیت کو عامل تسلیم کر لیا گیا تو اب اس میں رفع کے اختیار کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی بلکہ رفع واجب ہو گا اس لئے کہ عامل ابتداء کے وجود کے بعد رفع واجب ہو جاتا ہے شاعر نے جواب دیا کہ ابتداء سے مراد اس جگہ ابتدا ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ زید میں عوالم لفظیہ سے خالی ہونے کی صحت کا احتمال موجود ہو اور پھر ہم اس میں عامل ابتداء تسلیم کریں پس چونکہ دوسرا احتمال یعنی نصب کا بھی موجود ہے اس

کی تفسیر ضربہ کر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی محذوف نہ ہو بلکہ زید ابتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہو لیکن ترجیح نصب کے لئے اس جگہ کوئی قرینہ موجود نہیں اور رفع کے لئے موجود ہے یعنی اس میں محذوف نہیں ماننا پڑتا لہذا رفع مختار ہو گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شارح نے ابتدائیت کی مخرج اِی بكونه مبتدأ اعم سے کیوں کی جب کہ دونوں کا حاصل ایک ہے جواب یہ ہے کہ اس سے ایک دخل مقدار کا وفعیہ مقصود ہے وہ یہ

أَوْ عِنْدَ رُجُودِ الْقَرِينَةِ الْمَرْجُوحَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلَكِنْ تَكُونُ الْقَرِينَةُ الْمَرْجُوحَةُ لِلرُّفْعِ أَقْوَى مِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْقَرِينَةِ الْمَرْجُوحَةِ لِلنَّصَبِ كَأَمَّا الدَّخْلَةُ عَلَى ذَلِكَ الْأَسْمِ مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ أَيْ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ الْفِعْلُ مُشْتَقًّا عَنْهُ طَلِبًا كَالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالِدَعَاءِ فَخَوَلَقَتْ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَالْكَرْمُ فَالْعَطْفُ عَلَى الْفَعْلِيَةِ قَرِينَةُ النَّصَبِ وَكَلِمَةُ أَمَّا قَرِينَةُ الرُّفْعِ وَهِيَ أَقْوَى لِأَنَّهَا لَا يَقَعُ بَعْدَهَا غَالِبًا إِلَّا الْمُبْتَدَأُ بِخِلَافِ الْعَطْفِ الْأَسْمِيَةِ عَلَى الْفَعْلِيَةِ فَإِنَّهُ كَثِيرُ الْوُقُوعِ فِي كَلَامِهِمْ مَعَ أَنْهَاتٍ تَأَيَّدَتْ بِالسَّلَامَةِ عَنْ الْحَذْفِ أَيْضًا وَأَنْشَأَ قَالٌ مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ احْتِرَازًا أَعْمًا إِذَا كَانَتْ مَعَ الطَّلَبِ فَمَا زِيدَ فَاضْرِبْهُ فَإِنْ اخْتَارَ

کے جو جانبین سے (کسی ایک کے لئے) ترجیح ہو لیکن وہ قرینہ جو کہ رفع کے لئے مرشح ہے وہ (اس سے اقویٰ ہو) یعنی اس قرینہ سے (اقویٰ ہو) جو کہ نصب کے لئے مرشح ہے (جیسے املہ) جو دخل ہو اس اسم (مذکور) پر (غیر طلب کے ہمراہ) یعنی اس شرط کے ساتھ وہ فعل جو کہ اس اسم سے اعراف کرنے (اور اس کی یا اس کے متعلق کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہونے) والا ہے طلب نہ ہو جیسے (فعل) امر اور نہ ہی اور دعاء ہے کہ طلب کی صورت میں نصب ہی مختار ہے جیسے لقیۃ القوم واما زید فاکرمۃ فوجہ فعلیہ پر عطف نصب کا قرینہ ہے اور کلمہ اما رفع کا قرینہ ہے اور وہ نصب کے قرینہ سے زیادہ قوی ہے کیونکہ کلمہ اما کے بعد غالباً مبتداء ہی واقع ہوتا ہے (کہا ما معنی ابتداء کو حتمی ہے لہذا وہ اس بات کا محقق ہے کہ اس کے بعد مبتداء واقع ہو) جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ پر عطف کے برعکس کیونکہ یہ عطف کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے اس (قرینہ کے رفع کے لئے مرشح ہونے) کے باوجود یہ (قرینہ) عطف سے سالم ہونے کے سبب سے بھی قوت پاتا ہے اور مصنف نے "مع غیر الطلب" (کا لفظ) اس اسمے احتراز کرنے کے لئے ہی کہا ہے جبکہ وہ (اما) طلب کے ہمراہ ہو جیسے (لقیۃ القوم) واما زید فاضربہ کہ اس وقت نصب ہی مختار ہے کیونکہ (اس اسم

میں طلب کے معنی نہ پائے جائیں یعنی امر نہی و عار نہ ہو و انشاء کی دوسری اقسام سے سروکار نہیں اگرچہ ان میں بھی طلب کے معنی موجود ہوتے ہیں اس لئے کہ استغناء و غیرہ صدد کلام کے معنی ہوتے ہیں لہذا ان میں تسلیط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا شارح کو ان کے اخراج کی ضرورت نہیں) مختصر یہ کہ جملہ انشاء کی نہ ہو جملہ خبریہ ہو جیسے لقیۃ القوم واما زید فاکرمۃ کہ اس میں جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر نصب کا قرینہ ہے کیونکہ زید بھی قوم کا ایک فرد ہے اور قوم مفعولیہ کی بنا پر منصوب ہے اور معطوف علیہ معطوف کا حکم اعراب کے اعتبار سے ایک ہوتا ہے لہذا زید کو مثل مذکور میں منصوب ہونا چاہیے اور اگر معنی اس کا عامل ناصب مقدم مانا جائے بطریق ما مضی لہذا عطف شرطیہ تفسیر پس اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی لقیۃ القوم اما اکرمۃ زید فاکرمۃ اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ اس پر کلمہ اما داخل ہے تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ زید مرفوع ہو اس لئے کہ اما کے بعد اکثر مبتداء ہی آیا کرتا ہے اور یہ قرینہ نصب سے اقویٰ ہے بخلاف عطف کے کہ وہ نصب کا اقویٰ قرینہ نہیں اس لئے کہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر بھی کلام عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ زید مبتداء ہو کر اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو اور پھر اس کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا جائے پھر یہ کہ رفع کی صورت میں حذف سے بھی سلاست حاصل ہوتی ہے اس لئے بھی ترجیح رفع کی تائید ہوتی ہے لہذا رفع مختار ہو گا ۱۲

۸۱ قولہ واما قال الخ اس سے شائع مع غیر الطلب کی تید کا ناظم بیان فرما رہے ہیں یعنی شارح نے یہاں غیر طلب کی تید اس وجہ سے لگائی ہے کہ اس سے وہ اسم خارج ہو جائے جو ایسے فعل سے مقدّم ہو کہ جس میں طلب کے معنی پائے جائیں یعنی جملہ انشاء خارج ہو جائے جیسے لقیۃ القوم واما زید فاضربہ اس لئے کہ اس وقت اس میں نصب غلط ہو گا کیونکہ اگر

سبب ترجیح موجود نہیں جس کی بنا پر نصب کو راجع قرار دیا جائے اس لئے رفع واجب نہیں ہو سکتا بلکہ اس ترجیح کی بنا پر رفع مختار ہو گا۔ واللہ اعلم بحالہ قولہ او فذا الخ یہ اختیار نصب کی دوسری صورت ہے کہ دونوں صورتیں رفع و نصب کی صحیح ہیں اور ہر ایک کے لئے قرینہ مرشح بھی موجود ہو لیکن رفع کا قرینہ مرشح نصب کے قرینہ مرشح سے اقویٰ ہو تو رفع کو ترجیح دی جائے گی اور یہ دو جگہ میں ہونا ہے ایک تو یہ کہ تا اسم مذکور پر داخل ہو اور وہ اسم ایسے فعل کے ساتھ مقدّم ہو کہ اس

لئے اس میں اولاً ہی عامل ابتداء کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ رفع واجب قرار دیا جائے بلکہ احتمال کے مرتبہ میں ہم مبتداء قرار دیے جاسکتے کی وجہ سے عامل ابتداء کو تسلیم کرینگے پس رفع واجب نہ ہو گا پھر عند عدم قرینہ خلافیہ پھر نہیں وارد ہوگا جب تک خلاف رفع کا قرینہ ہی متفق ہے تو رفع واجب ہونا چاہیے نہ کہ مختار اس کا جواب یہی قرینہ ترجیح الخ سے شارح نے یہ دیا کہ قرینہ سے مراد قرینہ مرشح ہے یعنی خلاف رفع کا قرینہ تو موجود ہے لیکن نصب کے لئے کوئی

اسم کو مرفوع پڑھتے ہیں تو وہ طلب کو خبر بنانے کا مقصد
ہے اور طلب یعنی انشاء کو خبر بنایا نہیں جا سکتا جب
تک کہ اس کی تاویل نہ کرنی جائے ای انا زید مقول
فی حقہ اضر بہ نیز یہ کہ جملہ طلبیہ اسمیہ بھی بہت ہی کم
واقع ہوتا ہے اس لئے کہ طلب کا اختصاص فعل کے
ساتھ ہے پس اس ارتکاب تاویل اور اس محذور سے
پچھنے کے لئے نصب ہی مختار ہوگا رفع کو ترجیح نہیں
دی جائے گی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۷۹ قولہ دحل انا الخ یہ قرینہ قوی کا دوسرا

موضع ہے کہ جہاں اسم مذکور کا رفع مختار ہے کہتے ہیں
کہ انا مع غیر طلب کی طرح ادا بھی ہے جو اسم مذکور پر
منجبت کے لئے واقع ہو یعنی جس سے اچانک اور یکنخت
کے معنی کا اظہار ہو اور یہ اس کی مثل اس اعتبار سے ہے
کہ دونوں رفع اسم کے لئے اقویٰ قرینہ سے ہیں ورنہ
لفظاً اور معنائاً ان میں کوئی مماثلت نہیں اس کی مثال جیسے
خرجت فاذا زید یضر بہ مرفوع ہے زید کے رفع کیساتھ
اس لئے کہ اس میں رفع مختار ہے اس لئے کہ ادا مفاعلاً
ہے اور یہ اکثر جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہو کر رہا ہے
پس اس کا جملہ اسمیہ پر داخل ہونا اس بات کا سبب ہے
اقویٰ قرینہ ہے کہ اس میں رفع مختار ہے نیز یکساں
میں سلامتی عن الخذف بھی ہے یہ قرینہ ہوا لہذا
رفع مختار قرار دیا جائے گا اب رہی یہ بات
کہ شارح نے ادا کے بعد الواقعة علی الاسم الذکور کا
کس لئے اضافہ کیا تو یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے
سوال یہ ہے کہ یہ اختیار رفع خرجت فاذا ابلغ مثال
سے منقول ہے اس لئے کہ اس میں ادا مفاعلیہ ہے
اور اسم پر رفع واجب ہے مختار نہیں اور اختیار سے
یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصب بھی جائز ہے اور
یہاں مطلقاً جائز نہیں شارح نے جب ذیلاً ادا مفاعلیہ
میں وہ ادا مراد ہے جو اس اسم مذکور پر واقع ہو مطلقاً
اذا مفاعلیہ مراد نہیں اور یہاں ظاہر ہے کہ اس اسم
مذکور کا نشان بھی نہیں چاہیے کہ وہ موجود ہو۔
واللہ اعلم۔

۱۸۰ قولہ دما وقع الخ اس عبارت سے شارح

ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں جو مصنف پر

حينئذ هو النصب فان الرفع يقتضى وقوع الطلب خبراً وهو لا يجوز الا بتأويل
و مثل امام مع غير الطلب اذا الواقعة على الاسم المذكور للمفاجأة في كونها
من اقوى القرائن مثل خرجت فاذا زید يضربہ عمر فان المتعارفہ الرفع فان
اذا المفاجأة لا تدخل الاعلى الجملة الاسمية غالباً وما وقع في بحث الظرف
من ان اذا المفاجأة تلزم بعدها الاسمية فالمراد بـ لا مفعولاً اسمية غلبة وقوعها
بعدها فلا تناقض ويختار النصب في الاسم المذكور بالعطف اي بسبب

کا رفع طلب (یعنی جملہ طلبیہ) کے خبر واقع ہونے کا اتفاق آتا ہے اور وہ (یعنی جملہ طلبیہ) کا خبر
ہونا کسی صورت میں جائز نہیں مگر تاویل سے (اور اس کے باوجود جب اس کی تاویل کی جائے گی
تو خبر مؤول ہی ہوگی اور انشاء یعنی جملہ طلبیہ اس کے لئے مقول ہوگا چنانچہ انا زید قاضی کی تاویل
انا زید مقول فی حقہ اضر بہ سے ہوگی تو اس مقول خبر سے توجیب اس کی نسبت دوسری آسان
صورت ممکن ہے اس کی حاجت نہیں) (اور) اما غیر طلب کے ہمراہ کی مثال (اذا ہے) جو
کہ اسم مذکور پر واقع ہوتا ہے «مفاجات کے لئے» اس کے رفع کے لئے سب سے قوی تر قرینہ
ہونے میں (ایسے ہے جیسے اما رفع کے لئے قرینہ مرجح ہے) جیسے خرجت فاذا زید یضر بہ عمر (زید
کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا رفع باعتبار اس کے بعد وجود مال صلاحیۃ التفسیر نصب کا قرینہ
محکم اور جملہ فعلیہ پر عطف قرینہ مرجح برائے نصب اور ادا مفاعلیہ رفع کا قرینہ مرجح ہے جو سب
سے قوی تر قرینہ ہے) پس اس (مثال) میں رفع مختار ہے کیونکہ ادا جو کہ مفاعلات کے لئے ہے
غالباً جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور وہ جو ظروف کی بحث میں واقع ہوا کہ یعنی یہ کہ ادا جو
کہ مفاعلات کے لئے ہے اس کے بعد جملہ اسمیہ لازم ہے تو وہاں ادا کے بعد جملہ اسمیہ کے لزوم
سے مراد ادا کے بعد جملہ اسمیہ کا غالب وقوع ہے لہذا مصنف کے دونوں قولوں میں کوئی تناقض
نہ ہوا (اور مختار ہے نصب) اس اسم میں جو (اضمار علی شرطیۃ التفسیر کے لئے گمان میں) مذکور ہو

بعد پس اب کوئی تناقض باقی نہیں رہا اس لئے کہ وہاں
بھی غلبہ اسمیہ مراد ہے اور یہاں بھی حاصل یہ ہوا کہ لزوم
سے مراد لزوم استعمال ہے یعنی غلبہ اور اکثریت
کو لزوم کے لفظ کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں لزوم
حقیقی مراد نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۸۱ قولہ و یختار النصب الخ اختیار
رفع کی صورتوں سے فاسخ ہو کر اب اختیار
نصب کی صورتیں بیان فرماتے ہیں کہتے
ہیں کہ جس جملہ میں وہ اسم مذکور موجود ہو
اور اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدم ہو ہو رہا

دارد ہوتا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے بحث
ظروف میں ذکر کیا ہے کہ ادا مفاعلیہ کو جملہ اسمیہ
مستلزم ہے یعنی اس کے بعد جملہ اسمیہ نا ضروری
ہے اور اس جگہ اس کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ جملہ اسمیہ اس کے لئے لازم نہیں بلکہ اکثر اور غالب
کا حکم رکھتا ہے اور کسی جملہ فعلیہ بھی آجاتا ہے پس
اس عبارت اور اس عبارت میں تناقض پیدا ہو گیا اس
کے دفعہ کی کیا صورت ہے؟ شارح نے کہا کہ ادا
مفاعلیہ کے لئے جملہ اسمیہ لازم ہونے سے مراد جملہ
اسمیہ کا غلبہ اکثریت وقوع ہے ادا مفاعلیہ کے

عطف جملۃ ہونے پر علیٰ بجملة فلیتہ مقدمة للتناسب ای لرعاية التناہ
بن الجملة المعطوفة والجملة المعطوف علیہا فی کونہما فعلیتین نحو خرجت فلیتہ
القیثہ وبعث حذیف التقی یعنی ما دلّ اوان ولس ولم ولما ولن من
ہذہ الجملة اذہا عاملة فی المضارع ولا یقدر معمولہا الضعفاء فی العمل نحو ما زینا

و عطف ہے یعنی ایسے جملہ کے عطف کی وجہ سے کہ جس میں وہ (اسم مذکور) ہو اور جملہ فعلیہ پر لا جو
مقدم ہو وہ تناسب کے لئے (یعنی جملہ معطوفہ) (کہ جس میں اسم مذکور واقع ہے) اور جملہ معطوف علیہا کے
درمیان دونوں کے جملے فعلیہ ہونے میں مناسبت کی رعایت کی وجہ سے (نصب مختار سے جیسے
خرجت فلیتہ القیثہ) (تقدیر عبارت یوں ہے خرجت فلیتہ زید القیثہ) (اور حرف نفی کے بعد)
یعنی ما دلّ اور اوان (ہمزہ کی کسر سے کیونکہ یہ حرف اسم پر داخل ہوتے ہیں جیسے ما زید لا دلّ
وان انتم الا بشر اور فعل پر بھی جیسے ما تعزب ولا تعزب وان تعزب یعنی ما تعزب لیکن فعل
پر بکثرت داخل ہوتے ہیں) اور لم اور لما اور لن اس جملہ (حروف نفی) سے نہیں ہیں (کہ جہاں ان
کے بعد اسم مذکور کی نصب مختار ہو) کیونکہ یہ (فعل) مضارع میں عمل کرتے ہیں (جبکہ ما دلّ اور اوان
ماضی میں بھی عمل کرتے ہیں مگر یہ نہیں) اودان کا معمول (فعل مضارع) مقدر نہیں کیا جاسکتا
(وہ وجہ اور جواز) ان کے عمل میں ضعیف ہونے کی وجہ سے (جہی توان کا عمل فعل مضارع میں

اشارہ ہے کہ للتناہ سب اس فعل کا مفعول لہ
ہے کہ جس کے حصول کے لئے فعل مذکور
کیا گیا ہے یعنی اختیار نصب اس لئے ہے کہ
رعایت تناسب حاصل ہو جائے اور اس سے
وہ مفعول لہ مراد نہیں کہ جس کے وجود کے
سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے تعدت
عن الحرب جبنا کہ یہاں جہن پہلے سے موجود
ہے اور اس کے سبب سے فعل تعذر کیا گیا
ہے اور خرجت فلیتہ القیثہ کی اصل بنا نصب
کے یہ ہے خرجت فلیتہ زید القیثہ
والشہ اعلم ۱۲

۱۸۲ قولہ وبعث حذیف التقی

کے مختار ہونے کا دوسرا موضع ہے یعنی اگر
حرف نفی کے بعد اسم مذکور واقع ہو تو اس
میں نصب مختار ہوگا اس لئے کہ حرف نفی
اگرچہ اسم پر بھی داخل ہوتا ہے مگر فعل پر اس
کا دخول اکثر ہوتا ہے لہذا یہاں بھی بنا برکثر
فعل کو ہی اس کا دخول بنا کر اسم مذکور کو نصب

ہو تو اس صورت میں اسم مذکور پر نصب
مختار ہے تاکہ جملہ معطوفہ اور جملہ معطوف علیہ
میں فعلیہ ہونے کے اعتبار سے مناسبت
پیدا ہو جائے جیسے خرجت فلیتہ زید القیثہ کہ
اس میں جملہ ثانہ کہ جس میں اسم مذکور یعنی زید
موجود ہے اس کا عطف جملہ فعلیہ مقدر یعنی
خرجت پر ہو رہا ہے تو اس میں نصب مختار
ہوگا تاکہ دونوں جملے معطوف و معطوف علیہ
فعلیہ ہو جائیں اور یہی رعایت تناسب اختیار
نصب کی ترجیح کی دلیل ہے اگرچہ اس میں
منع بھی جائز ہے مگر وہ تناسب فوت ہو جائیگا
اس حکم شائع نے بالعطف کی تفسیری بسبب
انہ سے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ
بالعطف میں ہا و سببیہ ہے اور الف لام مضاف
ایہ کے عوض میں ہے یعنی جملہ کے پھر ہونے پر
کی قید سے شائع نے اس اسم کو خارج کر دیا
جو اس جملہ میں نہ ہو اور مقدر متہ کی قید اتفاقی ہے
اور رعایت التناہ اس امر کی طرف

پر نہیں گئے نیز یہ کہ نفی حقیقہ میں مضمون فعل کی
ہوتی ہے نہ فعل کو اس چیز کے متصل کرنا اولیٰ ہوگا
جو کہ مضمون فعل کی نفی کرتی ہے یعنی فعل کو حرف
نفی کے متصل کرنا بہتر ہے پھر معلوم ہونا چاہئے
کہ حرف نفی سے مراد اس جگہ ما لا اور ان میں لم و
لما و لن اس جگہ مراد نہیں اس لئے کہ یہ تینوں فعل
مضارع میں عمل کرتے ہیں اور ان کا معمول مقدر
نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہ عمل میں ضعیف ہیں تفصیل
مقام کی یہ ہے کہ یہ تینوں حروف لم و لما و لن
فعل مضارع میں لفظاً عمل کرتے ہیں پس ان کے
بعد لا محالہ فعل مضارع کو ذکر کرنا پڑیگا اور یہ تقدیر
عمل کرتے نہیں کہ پھر ان کے بعد اسم مذکور اضافہ
علی شریطۃ التفسیر کی بنا پر منصوب ہو سکے
بمخلاف ما دلّ اور اوان کے کہ یہ غیر عامل ہیں لہذا ان
کے بعد اسم مذکور کو نصب دینے والا فعل مقدر
مانا جائیگا پس ما زید لا ضربہ تو کہہ سکتے ہیں لم
زید لا ضربہ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اسم کے
بعد فعل مضارع کو ذکر کرنا ضروری ہے تعدت
جائز نہیں اور ضعف فی العمل کی یہ وجہ ہے کہ
یہ صرف فعل مضارع میں ہی عمل کرتے ہیں کسی
دوسرے فعل یا اسم میں نہیں لہذا یہ عمل میں ضعیف
ہیں پس اس ضعف کا تقاضا ہے کہ فعل مضارع
کو مقدر نہ مانا جائے لہذا ما دلّ اور ان کی تخصیص
صحیح ہوگی فالشہ اعلم ۱۲

۱۸۳ قولہ ما زید لا ضربہ

اختیار نصب کی مثلہ ہیں کہ جن میں اسم مذکور حرف
نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے تاکہ مثال جیسے
ما زید لا ضربہ ای ما ضربت زید لا کی مثال جیسے
لا زید لا ضربہ ولا عمر ای لا ضربت زید لا عمر
اس جگہ تکرار لار سے اس امر کی طرف اشارہ ہے
کہ لا اگر معترضہ پر داخل ہو تو تکرار لا ضروری ہوتا
ہے اودان کی مثال جیسے ان زید لا ضربت
الاتادیا ای ان ضربت زید لا اتادیا (جہی
نار میں نے زید کو مگر ادب دینے کے لئے
(فان لا) جب ان کے جواب میں لا حرف

استثنائاً آتا ہے تو ان نافیہ مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس جگہ ہے واللہ اعلم۔

۱۸۴ قولہ وبعد حرف النہ یہ نصب کے مختار ہونے کا قیاس موضع ہے یعنی اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا اس لئے کہ حرف استفہام کا فعل پر داخل ہونا ادنیٰ ہے کیونکہ استفہام در حقیقتہ مضمون فعل کا ہوتا ہے پس فعل کو حرف استفہام کے مستقل کرنا ادنیٰ ہے جیسے ازیداً ضربتہ نرای ضربت زیداً (کیا تو نے زید کو مارا) اب رہی یہ بات کہ شارح نے حرف الاستفہام کیوں کہا اسم الاستفہام کیوں نہیں کہا؟ اس کا جواب شارح وائما قال الخ سے یہ ہے کہ اسم الاستفہام کہتے (یعنی وہ اسم جو معنی استفہام کو متضمن ہو) تو رفع مختار ہوتا جیسے من اگر متہ پس اگر مت من اگر متہ پس اس جگہ من جو کہ اسم ہے اور معنی استفہام کو متضمن ہے خارج ہو گیا کیونکہ اس میں امتدادیت کی بنا پر رفع مختار ہے اور یہی قریبہ مرجمہ ہے اب سوال پیدا ہوا کہ حرف الاستفہام کا عطف حرف النہ پر ہے اور اس کے اد پر لفظ بعد داخل ہو رہا ہے اور مطوٹ و معطوف علیہ کا حکم یکساں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی بعد مقدم مانا جائیگا پس جب حرف الاستفہام کہا گیا تو لا محالہ اسم الاستفہام کے متعلق بھی یہی کہنا پڑیگا کہ اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہ ہو اور من اگر متہ میں اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہیں بلکہ وہی اسم ہے اور وہی استفہام جواب یہ ہے کہ یہ اس جہت سے اسم استفہام کے بعد واقع ہے کہ من اگر متہ قوت میں ادیداً اگر متہ ام عمراً کے ہے پس اس سے اس امر کی طرف دلالت ہو رہی ہے کہ اسم مذکور کے اسم استفہام کے بعد واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

ضربتہ ولا زیداً ضربتہ ولا عمراً وان زیداً ضربتہ الا تادیباً و بعد حرف الاستفہام نحو زیداً ضربتہ وائما قال حرف الاستفہام لایہ مختار الرفع فی اسم الاستفہام مثل من اگر متہ ولم یقل ہمزۃ الاستفہام لیثمل مثل هل زیداً ضربتہ فانہ یجوز وان استقیہ الفاعل لاقتضاء هل لفظ الفعل کہ

مختار ہو کر رہ گیا ہے) جیسے ما زیداً ضربتہ (ما ضربت زیداً ضربتہ اس کی تقدیر ہے) اور ولا زیداً ضربتہ ولا عمراً (اس کی تقدیر ولا ضربت زیداً ضربتہ ولا عمراً اور لانی جنس کا جب معرفہ فعل ماضی پر داخل ہو تو اس کا تکرار لازم ہوتا ہے اس لئے مثال میں اسے مکرر لایا گیا ہے جبراً لمافات مما اقتضتہ و ہوا الجنس) اور ان زیداً ضربتہ الا تادیباً (تقدیرہ ان ضربت زیداً ضربتہ یعنی ما ضربت زیداً ضربتہ الا تادیباً) اور حرف استفہام کے بعد جیسے ازیداً ضربتہ (تقدیرہ احربت زیداً ضربتہ) اور مصنف نے حرف استفہام کہا (اسم استفہام نہ کہا) کیونکہ اسم استفہام میں رفع مختار ہے جیسے من اگر متہ (اور ماضیہ اور ایہم تکریم) اور مصنف نے حرف استفہام کہا (ہمزۃ استفہام نہ کہا) تاکہ مصنف کا قول حل زیداً ضربتہ کے مثل (اس اسم) کو شامل ہو جائے (جو حل کے بعد واقع ہوتا ہے تقدیرہ هل ضربت زیداً ضربتہ) کیونکہ یہ مثال جائز ہے اگرچہ اسے نحو یوں نے قبیح بتایا ہے یعنی اگرچہ اس مثال کو نحو یوں نے قبیح قرار دیا ہے اس لئے کہ حل کے بعد فعل ہو تو اس کا حذف قبیح ہے کہ یہ مراد نہیں کہ اس کے بعد اسم کی نصب قبیح ہے وجہ استقبال کیا ہے (۱) اس لئے کہ

اسم مذکور معنی استفہام کو متضمن ہو لہذا من اگر متہ خارج ہو جائیگا بخلاف اس کے کہ اسم مذکور صرحۃ اسم استفہام کے بعد واقع ہو جیسے متی زیداً ضربتہ تو اس جگہ نصب مختار ہوگا کیونکہ اس کا حکم اس صرحۃ میں مل کا حکم ہوگا اختیار نصب میں۔ پھر یہ سوال کہ حرف الاستفہام کیوں کہا ہمزہ استفہام کیوں نہ کہہ دیا اس کا جواب شارح و لم یقل النہ سے یہ ہے کہ ہمزہ استفہام اس لئے نہیں کہا کہ تل زیداً ضربتہ کو بھی یہ اختیار نصب شامل ہو جائے اس لئے کہ تل کا لفظ فعل کے ساتھ اسم پر داخل ہونا بھی جائز ہے اگرچہ بعض نحاة نے اس کو قبیح گردانا ہے اس واسطے کہ تل فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور اس جگہ فعل موجود نہیں بلکہ حذف کر دیا گیا ہے اور تل لفظ

فعل کو اس لئے چاہتا ہے کہ یہ اپنی وضع کے اعتبار سے قد کے معنی میں ہے پھر استفہام کے معنی میں ہو گیا اور قد فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور فعل کو مقدم کرنا دخول قد کے بعد ممکن نہیں ہوتا لہذا تل میں بھی تقدیر فعل کا فی نہیں ہوگی کہ جس کے باعث اس کو ما انصر عامہ سے شمار کر لیا جائے اور یہ فعل پر تل کا دخول اس وقت ضروری ہے جبکہ کلام میں لفظ فعل موجود ہو جیسا کہ تل زیداً ضربتہ میں فعل موجود ہے پس یہاں تل ضربت زیداً کہنا ضروری ہے تل کے بعد فوراً ذکر فعل کے ساتھ اس لئے کہ تقدیر فعل جائز نہیں تصریح فعل ضروری ہے البتہ اگر کلام میں مطلقاً لفظ فعل موجود ہی نہ ہو تو اس کا دخول اسم پر جائز ہے جیسے تل زیداً قائم واللہ اعلم ۱۲

یعنی قدری الاصل فلا یکنی فیہ تقدیر الفعل و بعد اذا الشرطیۃ الدالۃ
على المجازاة فی الزمان نحو اذا عبد الله تلقاه فاكرمه و بعد حیث الدالۃ
على المجازاة فی المكان نحو حیث زید اتجدہ فاكرمه و فی ما قبل الامر و
الشيء یعنی موضع وقوع الاسم المذكور قبل الامر والشيء مثل زیدان اضربه
وزید الاضربه واما الخیر فی هذه المواضع ای ما بعد حرف الاستفهام
والشيء و اذا الشرطیۃ و حیث و ما قبل الامر والشيء النصب فی الاسم المذكور
اذ هی ای هذه المواضع مواقع الفعل ای مواضع وقوع الفعل فیها اکثر

حل لفظ فعل کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ حل اصل (وضع) میں قدر (تحقیق) کے معنی میں ہے (کما فی
قولہ تعالى حل الی علی الانسان یعنی قدر الی علی الانسان عین الخ) لہذا اصل میں فعل کی تقدیر کافی نہیں
ہو جیسے قدر میں کافی نہیں (اور اذا شرطیہ کے بعد جو کہ مجازات فی الزمان پر دلالت کرتا ہے جیسے اذا
عبد الله تلقه فاكرمه اختیار لقی یعنی علم کی طرح تقدیرہ اذا تلقی عبد الله تلقاه فاكرمه) (اور حیث کے
بعد کہ مجازات فی المكان پر دلالت کرتا ہے جیسے حیث زید اتجدہ فاكرمه) (تقدیرہ حیث تجزید
تجدہ فاكرمه) جس جگہ میں تم زید کو پاؤ اس کی تعظیم کرو (اور امر اور نہی کے ماقبل و میں) یعنی
اسم مذکور کو کامرو نہی سے پیش تر واقع ہونے کی جگہ میں جیسے زید اضربه (تقدیرہ اضربه زید اضربه)
اور زید الاضربه (تقدیرہ ولا تضربه زید الاضربه) اور ان مواضع میں یعنی حرف استفہام اور فی اور
اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر و نہی سے پہلے اسم مذکور میں نصب کو ہی اختیار کیا گیا کیونکہ
یعنی مواضع و فعل کے مواضع میں (یعنی یہ ایسے (ج) مواضع ہیں کہ ان میں فعل کا وقوع اکثر ہوتا ہے

فعل پر اولی ہے اس لئے کہ اذا میں شرط کے
معنے ہیں اور شرط کے لئے فعل مقدر ہوگا اور
جب فعل مقدر ہوگا تو نصب اولی ہوگا اور حیث
کے بعد اختیار نصب اس لئے ہے کہ اس کی
مشابہت جملہ پر داخل ہونے اور شرط کے معنی
میں اذا شرطیہ کے ساتھ ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۸۶ قولہ و فی ماقبل الخ یہ اختیار نصب
کا چٹا اور ساتواں موضع ہے اس جگہ ایک سوال
پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ ماقبل صوت میں تمام اس
اسم سے متعلق ہیں جو مطلقان افعال علی شرطیۃ
انفسیہ میں واقع ہو اور امر و نہی از قبیل افعال ہیں
لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان میں بھی افعال علی
شرطیۃ التفسیر پایا جائے یا یہ کہ لیا جائے کہ

۱۸۵ قولہ و بعد اذا الشرطیۃ الخ یعنی
اختیار نصب کی چھ تہا اور پانچویں جگہ یہ ہے
کہ جب اسم مذکور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد
واقع ہو تو ان دونوں صورتوں میں بھی نصب
مختار ہوگا اس لئے کہ اذا شرطیہ مجازات زمانی
یعنی نسبت فی الزمان پر دلالت کرتا ہے اور
حیث مجازات مکانی یعنی نسبت مکانی پر
یعنی اذا زماہ کو تہا تا ہے اور حیث مکان کو
اذا کی مثال جیسے اذا عبد الله تلقه فاكرمه یعنی
جس زماہ میں تو عبد الله سے ملاقات کرے
اس کی تعظیم کر۔ اور حیث کی مثال حیث زید
تجدہ فاكرمه یعنی جس جگہ تو زید کو پاسے اس کی
تعظیم کر۔ لہذا پس اذا شرطیہ اور حیث کا دخول

فی الامر والشيء کا غلط بعد صحت انفی پر ہے
لہذا تقدیر عبارت یوں ہوگی وختیار النصب
فی الامر والشيء اور یہ غلط ہے اس کا جواب
شراح نے ماقبل کے اضافہ سے یہ دیا کہ الامر
والشيء سے پیشتر لفظ ماقبل محذوف ہے ای
فی ماقبل الامر والشيء پس اس صورت میں معنی یہ
ہوں گے وختیار النصب فی الاسم
الذی وقع قبل الامر والشيء یعنی جو اسم
امر اور نہی کے پہلے واقع ہو اس میں نصب
مختار ہے لیکن پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ
اس بناء پر حذف موصول اپنے بعض صلہ کے
ساتھ لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے بعض صلہ
اس لئے کہ قبل مضاف ہے اور الامر والشيء اس
کے مضاف الیہ اور مضاف مضاف الیہ سے مل
کر صلہ ہوگا پس جبکہ قبل مضاف کو حذف کر دیا
تو بعض صلہ کا حذف لازم آیا اس کا جواب
شراح نے یعنی موضع وقوع الاسم المذكور الخ
سے یہ دیا کہ ماقبل میں کلمہ ماموصوفہ ہے موصولہ
نہیں اور موصوف کو اپنے بعض اجزاء صفت
کے ساتھ حذف کرنا جائز ہے یعنی ایسی جگہ
میں کہ اسم مذکور امر و نہی سے پہلے واقع ہو
نصب مختار ہے جیسے زیدان اضربه اور زید
لا تضربه ای اضربه زید او لا تضربه زید پس
اس جگہ نصب اس وجہ سے مختار ہے کہ اسم
مذکور رفع کی صورت میں مبتدا ہوگا اور امر و
نہی اس کی خبر مگر چونکہ امر و نہی انشا کی
قسم سے ہیں اس لئے ان کے خبر ہونے میں
تاویل کی ضرورت ہوگی ای زید مقول فی حقہ
اضربه یا لا تضربه اور ظاہر ہے کہ یہ تقدیر مستبعد
ہے کہ سہولت کو چھوڑ کر ارتکاب تکلف کرنا
پڑتا ہے پس زید میں نصب مختار ہوگا
واللہ اعلم ۱۲

۱۸۷ قولہ واما الخیر الخ اس عبارت
سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان تمام جگہوں میں
نصب کس لئے مختار ہے پس شراح کہتے ہیں

کہ مذکورہ مواضع یعنی بالبعد حرف نفی۔ حرف استفہام اذا شرطیہ اور حیث میں اور ما قبل لمزہ نہی میں اسم مذکور میں نصب اس لئے مختار قرار دیا گیا کہ یہ مواضع مواقع فعل میں یعنی ان مواضع میں اکثر فعل ہی واقع ہوا کرتا ہے لہذا فعل کو ہی مقدر مانا جائیگا تاکہ اسم مذکور کو نصب دیا جاسکے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصب ہی کی صورت میں تقدیر فعل کی کیا تخصیص ہے۔ صورت رفع میں بھی مقدر مانا جاسکتا ہے کہ اسم مذکور کو فعل مقدر رفع کرے کیونکہ فعل جیسے ناصب ہوتا ہے ایسے ہی رفع بھی ہوتا ہے اس کا جواب شامح نے فاذا نصب الخ سے یہ دیا کہ جب اسم مذکور نصب دیا جائیگا تو اس میں فعل تقدیر واقع ہوگا ورنہ نہیں اس لئے کہ صورت رفع میں اس کے متدار ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ہم نے سابق میں یہ کہا ہے کہ حرف نفی واستفہام وغیرہ کے بعد فعل آیا کرتا ہے لہذا اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسم بھی آسکتا ہے پس اسم کی صورت میں ابتداءیت کا احتمال غالب ہے گا اور تقدیر فعل رفع جائز نہیں ہوگی واللہ اعلم ۱۱۔

۱۸۸ قولہ وکنہ لک الخ یعنی اور

ایسے ہی نصب مختار ہے جبکہ اسم مذکور میں رفع پڑھنے کے باعث صفت کے ساتھ مفسر کے التباس کا خوف ہو پس یہ پتہ نہ چلے کہ مفسر حالت رفع میں اسم مذکور کی خبر واقع ہو رہا ہے اپنے معنی مقصود کی موافقت کے ساتھ یا مفسر اسم مذکور کی صفت بن رہا ہے اور معنی مقصود کی مخالفت ہو رہی ہے یعنی اگر مفسر پر رفع خبر ہونے کی حیثیت سے اسم مذکور مبتداء کی تو معنی مقصود بھی موافق رہتے ہیں اور کسی قسم کا محدود نہیں لازم آتا ہے اور اگر مفسر اسم مذکور سے صفت واقع ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور موصوفہ صفت لک کہ مبتداء ہوں اور اس کی خبر اور

فاذا نصب الاسم المذكور وقع فيها الفعل تقديرًا والا فلا وكذلك يختار النصب في الاسم المذكور عند خوف لبس المفسر أي التباس ما هو مفسر في حال النصب لكن لا من حيث هو مفسر في هذه الحالة بل من حيث هو مفسر في حال الرفع بالصفة فلا يعلم انه خبر عن الاسم المذكور في حال الرفع مع موافقته للمعنى المقصود او صفة له مع مخالفته للمعنى المقصود

نفی اور استفہام غالب استعمال میں فعل کو لاحق ہوتے ہیں نہ کمذوات کو پس جب اسم مذکور کو نصب دی جائے یعنی اسے منصوب بنایا جائے تو ان مواضع (تہ) میں تقدیر فعل واقع ہوگا ورنہ (اگر اسم مذکور کو نصب نہ دی جائے بلکہ ابتداء کی وجہ سے رفع دیا جائے) تو نہیں (یعنی ورنہ تقدیر فعل واقع نہ ہوگا ورنہ ہی لفظا کہ اس کی حاجت نہیں کیونکہ اسم مبتداء ہونے کی وجہ سے عامل معنوی کا معمول ہوگا) (اور) اسی طرح اسم مذکور میں نصب مختار ہے (لبس مفسر کے اندیشہ کے وقت) یعنی اس فعل کے التباس کے (وقت) جو کہ مفسر ہے (بجسٹہ سین) حالت نصب میں لیکن (اس کا التباس) اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فعل اس حالت (نصب) میں مفسر ہے (کیونکہ اس وقت اس میں کوئی التباس نہیں اس لئے کہ ترکیب واحد تفسیر اور صفت کا متا احتمال نہیں رہتی) بلکہ (اس کا التباس) اس حیثیت سے ہے کہ وہ حالت رفع میں خبر ہے (حالت رفع میں اس پر مفسر کا اطلاق باوجودیکہ وہ اس حالت میں مفسر نہیں ہے مجازی طور پر ہے کہ حالت نصب میں مفسر ہو سکتا ہے) (لا صفت کے ساتھ) (بالصفة کا اس کے ساتھ تعلق ہے) پس معلوم نہ ہوگا کہ وہ فعل اسم مذکور کی رفعی حالت میں خبر ہے (اسم مذکور مرفوع حالت میں مبتداء قرار پائے اور فعل جو کہ مفسر ہو سکتا ہے اس کی خبر ہے) معنی مقصود کے لئے فعل کی موافقت کے ہمراہ (بلا شک اس صورت میں یعنی فعل کو اسم مذکور کی خبر بنایا جائے تو ترکیب جو معنی مقصود ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہوتی لیکن یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ فعل اسم مذکور کی خبر ہے) یا اس کی صفت ہے (اور خبر کوئی اور چیز یعنی بقدر کا لفظ ہوا تا کل شیء خلقناہ بقدر آیت میں فعل کی معنی مقصود کی مخالفت کے ہمراہ (یعنی فعل کو صفت بنانے سے معنی مقصود کی مخالفت لازم آتی ہے کہ معنی مقصود تو یہ ہیں کہ ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا اس حال میں کہ ہر چیز ہماری قضاء و قدر کے ساتھ ہے تو موصوفہ میں افعال عباد بھی آجاتے ہیں کہ وہ بھی خدا کی خدا کی مخلوق ہیں اور یہی مقصود اس تقدیر پر فاسد ہو جاتے ہیں کہ خلقنا کو شیء کی صفت اور بقدر کو خبر کیا جائے اس سے

ہو تو اس صورت میں معنی مقصود مخالفت ہو جاتے ہیں پس رفع کی صورت میں در صورت ثانیہ مفسر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہے اور معنی مقصود کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا اس احتمال سے بچنے کے لئے نصب کو مختار قرار دیں گے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ معنی مقصود نے عند خوف لبس المفسر بالصفة فرمایا کہ جس کے یہ معنی ہیں کہ مفسر کا صفت کے ساتھ التباس ہو حالانکہ یہ قاطع ہے اس لئے کہ مفسر کا صفت کے ساتھ التباس نہیں ہوتا بلکہ خبر کا صفت کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ مفسر اسم

فَالَا لِقَبَاسِ الْمَاهُوبِ بَيْنَ خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا هُوَ مَقْدَرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ وَصَفِيَّةٍ
لَا يَبْنِيهِ بِوَصْفِ النَّصْبِ وَبَيْنَ الصِّفَةِ فَإِنَّ التَّرَكِيبَ لَا يَحْتَمِلُهَا مَعَ امْتِثَالِ قَوْلِهِ
تَعَالَى إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ بِنَصْبِ كُلِّ عَلَى الْإِخْتَارِ بِشَرْطِ تَقْدِيرِ
وَلَوْ رَفَعَ بِالْإِبْتِدَاءِ وَجَعَلَ خَلْقَهَا خَبَرًا لَمْ كَانَ مُوَافِقًا لِلنَّصْبِ فِي لَوِ الْمَقْصُودِ
لَكِنْ خِيفَ لَبَنَهُ مَا بِصِفَةِ لِحْتِمَالِ كَوْنِ قَوْلِهِ ثُمَّ خَلَقْنَا هَذِهِ شَيْءٌ وَقَوْلِهِ

مَعْتَرِضٌ كَيْ مَوْجِبٌ كَيْ تَأْيِيدٌ بُوْنِي بِهٖ كَيْ أَفْعَالٌ بِأَدْعَاءِ بَدَلِ تَخْلُقُ بِهٖ سِرٌّ هُوَ تَوْنِي بِهٖ بِهٖ (فعل) مفسر کا حالت نصب میں صفت اور حالت رفع میں خبر کے ساتھ (التباس صرف اس ذات (فعل) جو کہ تقدیر نصب کی بنا پر مفسر (بکسر سین) ہے کے خبر اور (حال رفع میں) وصف ہونے کے درمیان ہے کہ (حالت نصب میں) وصف تفسیر کے ساتھ اس کے اور صفت کے درمیان کیونکہ ترکیب واحد (منا حالت واحد میں) ان دونوں کا احتمال نہیں رہتی (کہ اسم مذکور کے بعد واقع ہونے والا فعل اس اسم کی وصف ہو اور خبر بھی پس رفع کی صورت میں تفسیر ہونے کا احتمال نہیں بلکہ خبر ہونا ضروری ہے اور نصب کی صورت میں خبر ہونے کا احتمال نہیں بلکہ تفسیر ہونا ضروری ہے) «جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے «إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ» لفظ کل کی نصب کے ساتھ اضمار بہ شرط تفسیر کی بنا پر (پس اس کی تقدیر یا خالقنا کل شیء مخلوقہ بقدر ہوئی) اور اگر لفظ کل کو مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع دیا جائے اور (فعل مفسر یعنی) خلقناہ کو اس کی خبر قرار دیا جائے تو یہ عمل اداء معنی مقصود میں کل کی نصب کے موافق ہو گا لیکن قول باری تعالیٰ خلقناہ کے شیء کے لئے صفت (ہونے) اور قول باری تعالیٰ بقدر کے (مبتداء کے لئے) خبر ہونے کے احتمال کی وجہ سے خلقناہ کے صفت کے ساتھ ملتبس ہونے کا اندیشہ کیا گیا ہے اور وہ (خلقناہ کا شیء کی صفت اور بقدر کا خبر ہونا معنی) مقصود

خوف المفسر بالصفة کہنا صحیح ہے واللہ اعلم ۱۸۹
قوله فالالتباس الخ مذکورہ سابقہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب اسم مذکور کو رفع پر آجیں گے تو حالت نصب میں جو مفسر تھا وہ خبر ہو جائیگا مفسر نہیں رہے گا عدم ضرورت تہ اور کچھ بھی خبر صفت بھی بن سکتی ہے تو خبر جو پہلے مفسر تھا اس کا التباس صفت کے ساتھ لازم آئیگا اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ خبریت کی صورت میں معنی مقصود حاصل ہو جاتے ہیں اور صفت بننے کے باعث معنی مقصود فوت ہو جاتا ہے گے اور مطلب غلط ہو جائیگا تو اب شایع کہتے ہیں کہ التباس اس

مذکور کے مبتداء واقع ہونے کے بعد اس کی خبر بنے گا اور مفسر نہیں رہے گا کیونکہ مفسر صورت حالت نصب کے لئے تھا حالت رفع کے لئے نہیں اس کا جواب شایع ای التباس ما ہو الخ سے یہ ہے کہ یہاں مفسر سے مراد مجازاً ذات مفسر ہے یعنی وہ حالت نصب میں تو مفسر تھا اگرچہ اس حالت میں مفسر نہیں رہا بلکہ حالت رفع میں اس کو خبر ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی پس حالت رفع میں اس پر مفسر کا اطلاق کرنا باوجودیکہ یہ اس حالت میں مفسر نہیں ہے بلکہ خبر ہے مجاز ہو گا حقیقت نہیں کہ اعتراض لازم آئے لہذا اس مجاز کی بنا پر مصنف کا عند البس

خبریت کی ذات (کہ جو اسم مذکور پر نصب کی بنا پر مفسر تھی) اور صفت کے درمیان ہے کہ وصف تفسیر اور صفت کے درمیان اس لئے کہ ایک میں ایک وقت دو احتمال نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اسم مذکور اگر مرفوع ہو گا تو تفسیر کا احتمال باطل ہو جائیگا اور منصوب ہو گا تو احتمال و صفت ختم ہو جائیگا پس لا محالہ التباس خبر اور صفت کے درمیان ہو گا مفسر اور صفت کے درمیان نہیں (یہ مسئلہ مثال سے بخوبی واضح ہو جائے گا) واللہ اعلم ۱۲

۱۹۰ قوله مثل الخ جیسے قول باری تعالیٰ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ کل کے لام کے فتح کے ساتھ (اس لئے کہ یہاں نصب مختار ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے إِنَّا خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا بِقَدَرٍ اور وجہ اختیار نصب کی یہ ہے کہ آیت کریمہ سے دو چیزیں مقصود ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا خالق ہے دوسرے یہ کہ تمام چیزیں اندازہ کے ساتھ پیدا فرمائی گئی ہیں پس اگر کل شیء کو نصب دیں گے تو ترکیب اس طرح ہوگی کہ خلقنا فعل با فاعل اور کل شیء مفعول بہ اور بقدر اس کے متعلق پس اس صورت میں آیت کریمہ سے دونوں مقصود حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی خالقیت بھی معلوم ہو گئی اور ہر چیز کا اندازہ کے ساتھ پیدا کیا جانا بھی اور اگر کل شیء کو رفع دیتے ہیں تو اس وقت اس میں دو ترکیبوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ کل شیء مبتداء اور خلقناہ بقدر اس کی خبر ہو تو اس صورت میں اس کے معنی اداء مقصود میں نصب کے موافق رہتے ہیں اس لئے کہ اس وقت اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سب چیزوں کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ یہ معنی وہی ہیں جو صورت نصب میں تھے لیکن خلقناہ میں یہ

احتمال پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید یہ صفت ہوا اور
خبر نہ ہو بلکہ خبر اس کی بقدر ہوسن خبر در صفت
میں القباس کا خوف پیدا ہو جائے گا اس لئے
کہ دوسری ترکیب اس کی اس طرح ہو سکتی ہے
کہ کل شئی میں شئی موصوف اور خلقناہ اس
کی صفت ہو پھر موصوف صفت سے مل کر مضاف
الیہ ہوا اور کل مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل
کر مبتدا ہوا اور بقدر اس کی خبر ہوا اور یہ ترکیب
خلاف مقصود ہے اس لئے کہ اس وقت معنی
یہ ہیں کہ ہم نے جس چیز کو پیدا کیا وہ اندازے
کے مطابق ہے پس اس سے یہ وہم باطل ہوتا
ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ نے
پیدا نہیں کیا جیسا کہ فرقہ ضالہ معتزلہ کا یہ عقیدہ
ہے کہ بندوں کے افعال اختیار یہ اللہ تعالیٰ
کے پیدا کردہ نہیں ہیں (العیاذ باللہ) پس
ہمارا مقصود تو یہ تھا کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ
کی پیدا کردہ اور اندازے کے مطابق ہے،
اور اس سے حاصل ہوا کہ ہر وہ شئی جو اللہ تعالیٰ
کی پیدا کردہ ہے وہ اندازہ کے مطابق ہے
(لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا وہ
اندازے کے مطابق نہیں نعوذ باللہ منہ) اور یہ
خلاف مقصود ہے پس نفع کی صورت میں چونکہ
اندیشہ ہے کہ مفتر کا صفت کے ساتھ القباس
نہ ہو جائے لہذا بخلاف القباس نصب کو اختیار
کیا تاکہ کارخانہ مقصود میں خلل اندازی کا وہم
نہ پیدا ہو۔

(فائدہ ۱۱) اب معلوم ہو گیا کہ اس جگہ
خلقناہ میں دو حیثیتیں ہیں ایک اس کے حالت
نصب میں مفتر واقع ہونے کی دوسری اس
کے خبر یا صفت واقع ہونے کی پس مصنف
نے جو عند خوف لبس المفتر کہا ہے وہ اگرچہ
خبر اور صفت کے درمیان القباس ہے لیکن
اسی خبریت کو ماکان کے اعتبار سے مفتر
سے تعبیر کر دیا کما مر تفصیلاً سابقاً واللہ اعلم
۱۹۱۲ قولہ ویستوی الخ جب اختیار

بقدر خبر الہ و هو خلاف المقصود فان المقصود المحکم علی کل شیء بانہ مخلوق
لنا بقدر المحکم علی کل شیء مخلوق لنا انہ بقدر فانه یوہم کون بعض الاشیاء
الموجودۃ غیر مخلوقۃ للہ تعالیٰ کما هو مذہب المعتزلۃ فی الافعال الاختیارۃ
للعباد ویستوی^{۱۹۱۱} الا امران ای الرفع والنصب فللمتکلم ان یتعارک کل واحد منہما
بلا تفاوت فی مثل زید قائم وعمر وا کرمتہ ای عند کا و فی دارہ
و نحو ذلک والا لا یصح العطف علی الصغری لعدم الضمیر ای یستوی^{۱۹۱۲} الامران

کے خلاف ہے (لہذا اس القباس سے بچنے کے لئے نصب مختار ہے اور یہی معنی مقصود میں نص ہے
اس صورت میں ان کی خبر جملہ فعلیہ ہو گا اور خلقناہ کو شئی کی صفت بنانے میں معنی مقصود مخالف ہوتا
ہے) کیونکہ (اس آیت سے) مقصود ہر شئی پر اس بات کا حکم لگانا ہے کہ وہ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی)
مخلوق ہے (ہماری) تقدیر کے ساتھ نہ کہ ہر اس شئی پر جو کہ ہماری مخلوق ہے حکم لگانا مقصود ہے کہ وہ
ہماری تقدیر کے ساتھ ہے کیونکہ یہ حکم (بندوں کے افعال اختیار کی طرح) بعض موجودہ اشیاء کے
خدا تعالیٰ کی مخلوق نہ ہونے کا وہم دلاتا ہے جیسا کہ بندوں کے افعال اختیار کے بارے میں معتزلہ کا مذہب
ہے (اور دونوں امر برابر ہیں) یعنی رفع اور نصب (برابر ہیں) لہذا حکم کو اس بات کا حق ہے کہ
رفع اور نصب دونوں میں سے ہر ایک کو کسی تفاوت (و ترجیح) کے بغیر اختیار کرے و زید قائم اور
عمر وا کرمتہ کے مثل میں) یعنی عندہ یا فی دارہ اور اسی طرح ورنہ (اگر عندہ یا فی دارہ اور اس کی
طرح کے الفاظ جو کہ زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر کے متقاضی ہیں اس ترکیب میں مقدر نہیں) تو
عدم ضمیر کی وجہ سے (جملہ) صغری (یعنی قائم) پر دو اکرمتہ کا عطف صحیح نہیں یعنی اس ترکیب میں

رفع اور اختیار نصب سے فراغت حاصل ہو
گئی تو اب دونوں میں قسادی کو بیان کرتے
ہیں یعنی خواہ رفع پر چاہ لیا جائے یا نصب
دونوں جہتیں مساوی ہیں کہتے ہیں کہ زید قائم
و عمر وا کرمتہ اور اس جیسی مثال میں متکلم کو اختیار
ہے کہ وہ عمر وا میں خواہ نصب پر سے یا رفع
ترجیح کسی کو حاصل نہیں۔ اب اس جگہ ایک
سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمر وا کو نصب پر چاہنا
جائز نہیں اس لئے کہ اس صورت میں عمر وا کرمتہ
کا عطف جملہ صغری یعنی قائم پر ہو گا اور قائم
زید مبتدا کی خبر ہے تو یہ خبر ہو گا بنا بر عطف
اور یہ خبریت درست نہیں اس لئے کہ جملہ جب
خبر واقع ہو کر تلبہ ہے تو اس میں ایک عائد
کا ہونا ضروری ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہو اور

مطلوب میں اس جگہ کوئی عائد موجود نہیں لہذا
اس کا خبر بننا صحیح نہیں ہوا اور جب خبر بننا صحیح
نہ ہو تو عمر وا پر نصب جائز نہیں ہوا اس کا جواب
شراح نے ای عندہ او فی دارہ سے دیا کہ اس
مثال کے آخر میں عندہ یا فی دارہ کا اور اضافہ
کر لیا جائے یا اس کے مثل دوسرے الفاظ کا
تاکہ عطف درست ہو کر عمر وا کا نصب جائز
ہو جائے گا ورنہ جملہ کا عطف صغری پر درست
نہ ہو گا کیونکہ ضمیر موجود نہیں واللہ اعلم ۱۱۔

۱۹۱۲ قولہ ای یستوی الخ اس سے
شراح یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ قول مصنف فی
مثل سے کیا مراد ہے اس کو سمجھنے کے لئے
پہلے آپ جملہ کبریٰ اور جملہ صغریٰ کی اصطلاحات
کو سمجھ لیجئے ایک ایسی مثال لیجئے کہ جس میں

فہاذا عطف الجملۃ التي وقع فيها الاسم المذكور على جملة ذات وجہین ای
جملة اسمیہ خبرها جملة فعلیة فیصير رفعه بلا ابتداء ونصبه بتقدير الفعل
والوجهان المستويان لحصول التناسب فيهما ففي الرفع تكون اسمیة فتعطف
على الجملة الكبرى وهي اسمیة وفي النصب تكون فعلیة فتعطف على الصغرى
وهي فعلیة فان قلت السلامة من الحذف فمرجحة للرفع قلنا هي معارضة

کہ جس میں اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور واقع ہو اجملة ذات وجہین یعنی ایسے جملہ اسمیہ پر عطف
ہو کہ جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو جب یہ صورت حال ہو تو اس (اسم مذکور) کا ابتداء ہونے کی وجہ سے
رفع اور اس کی نصب تقدیر فعل سے صحیح ہے اور (رفع و نصب) دونوں صورتیں ان دونوں یعنی
اسم مذکور کو مرفوع اور جملہ کو اسمیہ بنانے اور جملہ اسمیہ پر اس کا عطف ڈالنے اور اسم مذکور کو
منسوب اور جملہ کو فعلیہ بنانے اور جملہ فعلیہ پر اس کے عطف ڈالنے میں حصول مناسبت کی
وجہ سے برابر ہیں پس (اسم مذکور کو مرفوع قرار دے کر اس کے) رفع میں جملہ اسمیہ قرار پائیگا
اور جملہ کبری (زید قام) پر اس کا عطف ڈالا جائے گا اور جملہ کبری اسمیہ ہے (لہذا جواز نصب
کے ساتھ اسم مذکور کا رفع مختار ہوگا) اور (اسم مذکور کی) نصب میں جملہ فعلیہ ہوگا پس اس کا
جملہ صغری (قام) پر عطف ڈالا جائے گا اور جملہ صغری فعلیہ ہے (لہذا جواز رفع کے ساتھ
نصب مختار ہوگی) پھر اگر تم کہو کہ (مثال مذکور میں) دونوں صورتیں برابر نہیں ہیں کیونکہ رفع کا
قرینہ اقویٰ ہے کیونکہ حذف سے سلامتی رفع کے لئے مرجح ہے ہم کہتے ہیں کہ سلامتی من
الحذف سے قرب معطوف علیہ کی وجہ سے معارضہ کیا جاتا ہے (یعنی جب اسم مذکور کو نصب
دی جائے تو معطوف علیہ جو کہ جملہ قام ہے قریب ہوتا ہے اور جب رفع دیا جائے تو معطوف
علیہ جو کہ جملہ زید قام ہے بعید ہوتا ہے پس معطوف علیہ کا قرب اس کے بعد سے اولیٰ ہے اگرچہ
اس میں سلامتی من الحذف ہی ہو تو دونوں جہتیں متعارض ہوئیں لہذا اس میں دونوں امر

کہیں تو یہ جملہ اسمیہ ہو جائیگا اس لئے کہ عمر و مبتدا
ہوگا اور اگر متہ اس کی خبر اور اگر منصوب یہ ہیں
تو یہ جملہ فعلیہ ہوگا بتقدیر فعل ای اگر متہ عمر
اگر متہ اور دونوں وجہیں مساوی ہیں کیونکہ دونوں
میں معطوف و معطوف علیہ کے درمیان
تناسب کی رعایت ہے اس لئے کہ صورت
رفع میں عمر و اگر متہ جملہ اسمیہ ہوگا اور اس کا عطف
جملہ اسمیہ کبری یعنی زید قام کیا جائے گا پس
معطوف و معطوف علیہ میں جملہ اسمیہ ہونے
کے اعتبار سے تناسب کی رعایت ہو جائے
گی اور نصب کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہوگا
لہذا اس کا عطف جملہ فعلیہ صغری یعنی قام پر ہو
گا اور اس میں یہی رعایت موجود ہے لہذا
کسی ایک کو ترجیح نہ ہوگی اور رفع و نصب
دونوں مساوی ہوں گے والٹر اعلم ۱۲

۱۹۳ قولہ فان قلت الخ یہاں سے
کسی ایک کو ترجیح نہ دیئے جانے پر شراح
ایک اعتراض کہ اس کا جواب دے
ہے ہیں کہتے ہیں کہ صورت رفع میں کسی
حذف کا از نکاب نہیں کرنا پڑتا لہذا
سلامتی عن الحذف کی وجہ سے رفع کو ترجیح
ہونی چاہئے نہ کہ دونوں جانب مساوی
ہوں قلنا سے جواب دیا کہ یہ سلامتی عن الحذف
قرب معطوف علیہ کے معارض سے یعنی جب
نصب کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
ہوگا تو اس کا معطوف علیہ جملہ فعلیہ صغری
یعنی قام ہوگا اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت زید
قام کے قام اپنے معطوف سے قریب ہے
لہذا سلامتی عن الحذف قابل قبول نہ ہوگی پھر
معارض نے اعتراض کیا کہ ان دونوں کے
درمیان قرب و بعد میں کوئی تفاوت نہیں
اس لئے کہ کبری بھی قریب ہے اور جملہ
معطوف علیہ یعنی قام سے جملہ انہیں اس کا
جواب قلنا سے یہ دیا کہ یہ قرب و بعد کا تفاوت
منتہی کے اعتبار سے معلوم نہیں ہوتا یعنی اس

کہ ذات وجہین اس جملہ اسمیہ کو کہتے ہیں کہ جس
کی خبر جملہ فعلیہ ہو پس آپ اس کو سمجھ گئے تو
اب فی مثل کا مطلب سمجھ گئے کہتے ہیں کہ
اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس
میں ما صغر عالم یعنی اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور
موجود ہو عطف جملہ ذات الوجہین یعنی ایسے
جملہ اسمیہ پر ہو کہ اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے جیسے
زید قام و عمر اگر متہ کہ اس میں عمر اگر متہ
کہ جس میں اسم مذکور یعنی عمر موجود ہے (جملہ کا
عطف جملہ ذات وجہین یعنی زید قام پر ہے
پس یہاں اگر عمر کو رفع دیکر عمر و اگر متہ

جملہ وہ جملہ موجود ہو جیسے زید قام کہ اس میں
زید مبتدا ہے اور قام اس کی خبر لیکن قام خبر بننے
سے پہلے جملہ ہوگا اس لئے کہ قام فعل ہے اور
ضمیر جو اس میں مستتر اس کا فاعل جو زید کی طرف
راجع ہوگی پھر فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ
بنے گا پھر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا کی خبر واقع ہوگا
پھر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا پس
اس میں جو جملہ فعلیہ ہے وہ صغری کہلائے گا اور
جملہ اسمیہ کبری اسی کو جملہ ذات وجہین سے بھی
تعبیر کرتے ہیں جس کی مختصر توضیح شراح نے
ای جملہ اسمیہ خبر یا جملہ فعلیہ سے یہ کی ہے

لئے پتہ نہیں چلنا کہ جملہ اولیٰ یعنی زید اور قام
اعراب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اس قدر
مربوط ہیں کہ زید کا اعراب بغیر قام کے ملائے
تمام سنہیں ہو سکتا اس لئے کہ قام اس کی خبر
ہے اور مبتدا بغیر خبر کے بے فائدہ ہوتا ہے لیکن
مبتدا کے اعتبار سے صغریٰ قریب ہے اسلئے کہ
صغریٰ یعنی قام کا مبتدا کبریٰ کے مبتدا کے بعد
ہے اسلئے کہ یہ کبریٰ کا جزو اخیر ہے پس صغریٰ
اپنے مبتدا کے اعتبار سے معطوف کے زیادہ
قریب ہوگا اور دونوں میں تفاوت قرب و بعد کا
موجود ہے لہذا رفع کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اس
لئے دونوں میں اسر سادی ہوں گے واللہ اعلم
۱۹۱۲ قولہ یجب النصب الخ یہاں سے
استوار امرین سے فراغت کے بعد وجوب نصب
کے مواقع بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اسم مذکور
کو حرف شرط کے بعد نصب دینا واجب ہے
بناءً و ضمناً علی شریطۃ التفسیر اب اعتراض وارد
ہوتا ہے کہ بعض حروف شرط ایسے بھی ہیں کہ جن
میں اختیار نصب ہے وجوب نصب نہیں جیسا کہ
آما بشرطیکہ یہ طلب کے لئے ہوگا مراد وجوب طلب
کے لئے نہ ہو تو اختیار رفع ہے لہذا یہ کہنا کیسے
درست ہے اس کا جواب شارح نے دیا اور یہ
ہی بنا الخ سے یہ دیا کہ اس جگہ حروف شرط سے مراد ان
اور لو ہیں آما کے مابین میں بیان کئے جانے کے
قرینہ کی وجہ سے اسلئے کہ آما اگرچہ حروف شرط سے
ہے لیکن اس کا حکم یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو سبق
میں مذکور ہو لہذا اعتراض ماقط ہے واللہ

اعلم ۱۲

۱۹۱۵ قولہ وکذا یجب الخ ایسے

ہی حروف تخیض کے بعد بھی نصب واجب
ہے حروف تخیض یہ ہیں ہلا۔ آلا۔ لولا۔ لوما
اومان میں وجوب نصب کی وجہ یہ ہے کہ
ان کا فعل مفعولی یا مقدرہ بدلہ داخل ہونا واجب
ہے اگر مفعول میں فعل موجود نہ ہو تو مقدرہ ہونا

بقرب المعطوف علیہ فان قلت لا تفاوت فی القرب والیعد بینہما اذ الکبریٰ
ایضا قریبۃ غیر مفصولۃ عنہا قلنا ہذا باعتبار المنتہی واما باعتبار المبدأ فالصغر
اقرب ویجب النصب ای نصب الاسم المذکور بعد حرف الشرط و
المراد بہ ہناتان ولو فان اما وان کانت من حروف الشرط فحکمہا ما سبق
من اختیار الرفع مع غیر الطلب واختیار النصب مع الطلب وکذا یجب نصبہ
بعد حرف التخصیض وهو ہلا و آلا و لولا و لوما و انما وجب النصب
بعد ہما لوجوب دخولہما علی الفعل لفظاً و تقدیراً مثل ان زیداً

مساوی ہوئے پھر اگر تم کہو کہ (تقدیر نصب پر معطوف علیہ کے) قرب اور (تقدیر رفع پر معطوف
علیہ کے) بعد میں دونوں (صورتوں) کے درمیان کوئی تفاوت نہیں کیونکہ (جملہ) کبریٰ (زید
قام) بھی (جملہ) صغریٰ (یعنی قام کی طرح) قریب ہے اور اس سے جدا نہیں ہے ہم کہتے ہیں
کہ یہ (عدم تفاوت) منتہی کے اعتبار سے ہے (یعنی جملہ اولیٰ زید قام کے اعراب کے اعتبار
کے اعتبار سے عدم تفاوت ہے کہ اس وقت قرب و بعد مرتفع ہو جاتا ہے) اور یہ حال مبتدا
(یعنی اعراب کے ابتداء) کے اعتبار سے تو صغریٰ (یعنی قام) اقرب ہے (اور ضروری ہے کہ
یعنی اسم مذکور کی) (حرف شرط کے بعد) اور (حرف شرط سے) مراد یہاں ان اور لو ہیں بلکہ
اگرچہ (معنی اور سیبویہ کے نزدیک) حرف شرط سے ہے پس اس (آما) کا حکم وہی ہے
غیر طلب کے ہمراہ اختیار رفع کے مختار ہونے اور طلب کے ہمراہ نصب کے مختار ہونے
کی بحث میں گذرا (اور) اسی طرح اس (اسم مذکور کی) نصب واجب ہے (حرف تخیض
کے) بعد اور وہ (حرف تخیض چار ہیں) ہلا اور آلا (خلیل کے سوا سب نحوی دونوں کی
شد کے قائل ہیں مگر خلیل آلا کو تخیض کے ساتھ کہتے ہیں) اور لولا اور لوما ہے اور (اسم
مذکور کی) نصب (جبکہ وہ) حرف شرط و حروف تخیض کے بعد واقع ہو اس لئے ضروری
ہے کہ دونوں (حروف شرط و حروف تخیض) کا دخول فعل پر ضروری ہے خواہ فعل
مقطوع ہو) یا تقدیراً (بیان فعل سے مطلق فعل نہیں ہے بلکہ فعل متعدی مراد ہے) (جیسا

چلے پس ان حروف کے بعد جب اسم
مذکور واقع ہوگا تو اس سے پہلے فعل مقدرہ
مانا جائیگا تاکہ اسم کو نصب دے کے اور ان کا
فعل پر داخل ہونا اس لئے واجب ہے کہ
حرف شرط تعلق زمانی پر دلالت کرتا ہے
اور ظاہر ہے کہ زمانہ صرف فعل سے مستفاد
ہوتا ہے اسم سے نہیں ایسے ہی حروف تخیض
ماضی میں تدبیر اور تزیین پر دلالت کرتے ہیں اور
استقبال میں ترغیب و انگیزت کے لئے
کی وضع ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ
اور استقبال بھی بجز فعل کے کسی اور سے
سمجھے جاتے لہذا ان کا فعل پر دخول واجب
ہوا واللہ اعلم ۱۲
۱۹۱۶ قولہ نحو ان زیداً الخ حرف
کی مثال ان زیداً صریحاً ہے اس
تقدیر عبارت یہ ہے ان صریحاً

ضَرْبَتُهُ ضَرْبَكَ مَثَالُ لِحَرْفِ الشَّرْطِ وَالْأَزِيدِ ضَرْبَتُهُ مَثَالُ لِحَرْفِ
التَّخْفِيفِ وَلَيْسَ مَثَالُ أَزِيدُ ذَهَبَ بِهِ مَثَلُ أَيْ مِنْ بَابِ الْأَضْمَارِ عَلَى شَرْيْطَةِ
التَّفْسِيرِ فَإِنْ زِيدَ فِيهِ وَإِنْ كَانَ يُظَنُّ فِي بَادِي النَّظَرِ أَنَّهُ مَا أَضْمَرَ عَامِلُهُ عَلَى
شَرْيْطَةِ التَّفْسِيرِ وَالْمُخْتَارِ فِيهِ النَّصْبُ لَوْ قَوَّعَ الْأِسْمَ الْمَذْكُورَ فِيهِ حَرْفُ التَّفْهِيمِ
لَكِنْ يَظْهَرُ بَعْدَ تَعَمُّقِ النَّظَرِ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْهُ فَإِنَّهُ وَإِنْ صَدَّقَ عَلَيْهِ أَنَّهُ اسْمٌ بَعْدَهُ
فَعَلٌ مُشْتَغَلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ لَكِنَّهُ لَيْسَ بِحَيْثُ لَوْ سَلَطَ عَلَيْهِ هُوَ أَوْ مَنَاسِبُهُ
لَنَبِهَ لَأَنَّهُ ذَهَبَ بِهِ لَا يَحِلُّ النَّصْبُ وَكَذَا مُنَاسِبُهُ أَعْنَى أَذْهَبَ فَلَنْ يَحْتَاجَ
لِمُنَاسِبٍ فِي أَذْهَبَ فَلْيَقْدَرِ مُنَاسِبٌ آخَرٌ يَنْصِبُهُ مِثْلُ يَلَايِسُ أَوْ أَذْهَبَ عَلَى

زیداً ضربتہ ضربک (یہ حرف شرط کی مثال ہے) (تقدیرہ ان ضربت زیداً ضربتہ ضربک) اور
الآزیداً ضربتہ (یہ حرف تخفیف کی مثال ہے) (تقدیرہ الآزیداً ضربتہ) اور ازیذ
ذوب کے مثل اس سے نہیں (یعنی ضمائر علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں کیونکہ اس
(مثال) میں زیداً اگرچہ ظاہر نظر میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے معلوم ہوتا
ہے اور اس مثال میں اسم مذکور کے حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے نصب
مختار ہے (جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا کہ اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہوتا اس
میں نصب مختار ہوگی) لیکن گہری نظر کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ
التفسیر کے قبیل سے نہیں ہے اگرچہ اس مثال پر یہ بات صادق آتی ہے کہ زیداً اسم ہے
جس کے بعد ایک فعل ہے جو اس اسم سے اعراض کر کے اس کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہے
لیکن زیداً اس طرح نہیں ہے کہ اگر بینہ اس فعل (ذوب بہ) یا اس کے مناسب (اذہب)
کو اس پر مسلط کیا جائے تو وہ اسے نصب دے دے کیونکہ ذوب بہ نصب کا عمل نہیں
کرتا اسی طرح اس کا مناسب (فعل) یعنی اذہب پھر اگر تم کہو کہ (فعل) مناسب اذہب
میں منحصر نہیں (پس جب اس میں منحصر نہیں) تو (اذہب کے علاوہ) کوئی دوسرا ایسا
مناسب (فعل) مقرر کیا جائے جو اسم مذکور کو نصب دے سکے جیسے یلا یس (فعل مضارع
معلوم از لالیس کیونکہ ذاب متعدی بالباء کو بلا لبتہ لازم ہے) یا اذہب (فعل ماضی) کے
جیسے پر کیونکہ مذکور ہوا تھا کہ ذاب جب متعدی بالباء ہو تو اس کو اذاب لازم ہے

ضربک (اگر تو نے زید کو مارا وہ تجھ کو مار گیا)
اور حرف تخفیف کی آذیداً ضربتہ ای الآ ضربت
زیداً ضربتہ (ابھی تک تو نے زید کو نہیں مارا)
واللہ اعلم ۱۱
۱۹۷۷ قولہ ویس مثل الخ مثل سے مراد

جیسا کہ اس مثال میں ازیذ ذوب بہ کہ اگر
عین فعل کو بار کے ساتھ مسلط کریں تو زید مجرور
ہوگا اور اگر بغیر بار کے مسلط کرتے ہیں تو وہ
مفعول ہو کر منصوب نہیں ہوگا بلکہ فعل مجہول
کا نائب فاعل ہو جائیگا اسی طرح اگر اس کے
مناسب مرادف یعنی اذہب کو اس پر مسلط
کرتے ہیں تب بھی اسم مذکور منصوب نہیں ہوگا
بلکہ بنا بر نائب فاعل ہونے کے رفع آئے گا
پس یہ باب اضمار علی شریطۃ التفسیر سے نہیں
اس لئے کہ زید کے متعلق اگرچہ اس مثال میں
بادی النظر میں اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ
یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے ہے اور
اس میں اسم مذکور کے حرف استفہام کے بعد
واقع ہونے کی وجہ سے نصب مختار ہو
لیکن امان نظر اور غور و فکر کے بعد یہ
حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یہ باب اضمار
سے نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس امر پر یہ امر صادق
آ رہا ہے کہ اس کے بعد فعل ہے اور وہ فعل
اسم مذکور کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے
اس اسم سے بے پروا ہے اور اس میں
عمل نہیں کرتا لیکن جب اس فعل کو یا اس کے
مناسب کو اس اسم پر نصب دینے کے لئے
مسلط کرتے ہیں تو وہ فعل یا اس کا مناسب
اس اسم کو مفعولیت کی بنا پر نصب نہیں دیتا
اس لئے کہ ذوب بہ نصب کا عمل نہیں کرتا
اور ایسے ہی اس کا مناسب یعنی اذہب کا
مرفعیہ نقاد اللہ اعلم ۱۲

۱۹۷۸ قولہ فان قلت الخ یہ ایک
اعتراض ہے جس کو بیان کر کے شایع اس کا
جواب دیں گے اعتراض یہ ہے کہ ذوب بہ
فعل کے مناسب کا انحصار اذہب میں ہی
صحیح نہیں بلکہ اس کے مناسبات دوسرے
بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کے باعث اسم مذکور
کو نصب آ سکتا ہے پس مناسب آخر مقدم
نکالنا چاہئے تاکہ وہ اسم مذکور کو نصب دے

کے متکلم یا لیس یا اذہب صیغہ معروف کے ساتھ پس اس بنا پر تقدیر مناسب اس طرح ہوگی زید ایلایسہ الذہاب بہ یا زید ایلایسہ احد بالذہاب بہ یا زید اذہبہ احد اور ظاہر ہے کہ یہ معنی زید ذہب بہ کو لازم ہیں پس مناسب لازم یہاں موجود ہے کہ جس کی بنا پر اسم مذکور کو نصب آسکتا ہے اور اس میں یلایسہ کی دو مثالیں اس لئے ذکر کی گئی ہیں کہ مثال اول میں یلایس بہ مصدر یعنی الذہاب بہ ہے جو کہ صلہ بار کے بعد الاذہاب کے معنی میں ہے اور مثال ثانی میں افراد انسان میں سے کوئی ایک یلایس بہ ہے اور یہ دونوں صورتیں اس سے نکل سکتی ہیں اس لئے ان کو ذکر کر دیا و اللہ اعلم ۱۲

۱۹۹ قولہ قلنا المراد الخیر اعتراض مذکور کا جواب ہے کہتے ہیں کہ فعل مذکور کے مناسب مرادف یا لازم سے مراد یہ ہے کہ فعل مقدر اور فعل مذکور کے فاعل میں اتحاد ہو یعنی دونوں فعلوں کا مستند الیہ ایک ہی ہونا چاہئے جدا جلد نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مناسب مرادف یا لازم کی جو صورت معترض نے ذکر کی ہے اس میں یہ اتحاد مفقود ہے اس لئے کہ اس میں فعل مناسب مرادف یا لازم کا یعنی مقدر کا جو فاعل ہے وہ الذہاب یا احد ہے اور فعل مذکور کا فاعل زید اور ان دونوں میں اتحاد نہیں پس سبب اتحاد نہیں پایا گیا تو یہ فعل مقدر مذکورہ اعتراض اس فعل مذکور کے مناسب بھی نہیں ہوگا کیونکہ شرط مفقود ہے یعنی اتحاد مستند الیہ لہذا اس کو باب اضمار سے شمار کرنا درست نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۰۰ قولہ واذا کان الخ جب بات اس طرح ہے تو مثال مذکورہ کے زید میں رفع واجب ہے ابتدائیت کی بنا پر

صیغۃ المعلوم فیکون تقدیر زید ایلایسہ الذہاب بہ او اذہبہ احد قلنا المراد بالمناصب ما یرادف الفعل المذکور ایلایسہ مع اتحاد المستند الیہ فالاتحاد فیما ذکرتمہ مفقود واذا کان الامر کک قال رفع ای رفع زید فی المثال واجب بالابتداء ونصبہ غیر جائز بالمفعولیۃ فلیس من باب الاضمار علی شریطۃ التفسیر فکیف یمایتنا سرفیہ التصب وکذا ای مثل زید ایلایسہ قولہ تعالیٰ کل شیء نخلوہ فی الزبر ای فی صحائف اعمالہم فہو لیس من باب الاضمار علی شریطۃ التفسیر لانه لو جعل منہ لصار

خواہ معلوم ہو یا مجہول، تو اس کی تقدیر زید ایلایسہ الذہاب بہ (جو دراصل یلایس الذہاب زید اذہب بہ قرار پائے گا) یا یلایسہ احد بالذہاب بہ (یعنی زید ایلایسہ الخ جو دراصل یلایس احد زید اذہب بہ ہے) یا اذہبہ احد (تو اس تقدیر پر فعل نامذہب اذہبہ بہ صیغہ معلوم ہوگا تقدیر عبارت ہوگی اذہب احد زید اذہب بہ) ہم جواب دیتے ہیں کہ (فعل) مناسب سے مراد وہ فعل ہے جو فعل مذکور کے مناسب ہو یا اس کو لازم ہو اس چیز کے اتحاد کے ہمراہ کہ جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی (یعنی بشرطیکہ فعل مضمر اور فعل مفسر کا فاعل متحد ہو) تو اسے سائل اس (مثال) میں کہ جس کو تم نے ذکر کیا (دونوں فعلوں کے فاعل میں) اتحاد مفقود ہے (کیونکہ فعل مرادف و لازم میں فاعل ایک یا احد ہے اور فعل مذکور میں زید پس مستند الیہ میں اتحاد نہ پایا گیا اس لئے وہ فعل فقدان شرط یعنی فقدان اتحاد کی وجہ سے مناسب نہ ہوا) پس جب بات اس طرح ہوئی (کہ زید ذہب بہ اس باب سے نہ ہوا) لا تورفع ہے (یعنی مثال مذکور) میں رفع واجب ہوا مبتداء ہونے کی وجہ سے اور مفعولیت کی بنا پر اس کی نصب جائز نہ ہوئی اس لئے یہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے ہی نہ ہوا لہذا یہ اس قبیل سے کیے ہو سکتے ہیں کہ جس میں نصب مختار ہے (اور اسی طرح) یعنی زید ذہب بہ کی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے (کل شیء نخلوہ فی الزبر) یعنی ان کے عملوں کے صحیفوں میں تو یہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہ ہوا کیونکہ اگر اس دکل شیء نخلوہ فی الزبر اضمار علی شریطۃ التفسیر سے کیا

ور مفعولیت کی بنا پر نصب جائز نہیں پس جب نصب جائز نہیں ہوا تو باب اضمار علی شریطۃ التفسیر سے بھی نہیں ہوگا۔ اور جب یہ اس باب سے نہیں ہوگا تو جن مواضع میں نصب مختار ہوتا ہے ان میں سے کوئی نہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ اختیار نصب اس امر پر مبنی ہے کہ اسم مذکور میں ما ضمیر فاعل

علی شریطۃ التفسیر کا احتمال ہو سکے اور اس میں مرے سے یہ احتمال ہی مفقود ہے لہذا زید پر رفع واجب ہوگا واللہ اعلم ۱۲

التقدير فعلوا كل شيء في الزبر فقوله في الزبر ان كان متعلقا بفعلوا فسد
المعنى لان صحائف اعمالهم ليست محلا لفعلهم لانهم لم يوقعوا فيها فعلا
بل الكرام الكاتبون او قوا فيها كتابة افعالهم وان كان صفة لشيء مع انه
خلاف ظاهر الآية فان المعنى المقصود اذا المقصود ان كل شيء هو مفعول
لهم كائن في الزبر مكتوب فيها موافقا لقوله تعالى وكل صغير وكبير مستطر
لان كل شيء كائن في صحائف اعمالهم مفعول لهم فالرفع لازم على ان يكون
كل شيء مبتدا والجملة الفعلية صفة لشيء والجار والمجرور في محل الرفع على

جائے (اور کل کو منصوب پڑھا جائے) تو اس کی تقدیر ہوگی فعلوا کل شیئی فی الزبر (یعنی
لوگوں نے یا مخلوق نے ہر چیز یعنی خیر و شر کو صحیفوں اور کتابوں میں کیا) تو قول باری تعالیٰ
فی الزبر (ظرف لغو) اگر قطعا (مقدرا ناصب) کے متعلق ہو تو اس قول کا معنی فاسد ہو جائے
گا کیونکہ ان کے عملوں کے صحیفے ان کے فعل کے لئے محل نہیں کہ وہ ان میں عملوں کو واقع
کریں بلکہ صحیفے تو ملائکہ کے افعال کا محل ملائکہ سے مراد کرام کا تبین ہیں) کیونکہ لوگوں
نے ان میں کسی فعل کو واقع نہیں کیا بلکہ کرام کا تبین ان صحیفوں میں ان (لوگوں) کے افعال
کی کتابت کو واقع کیا اور اگر وہ (قول باری تعالیٰ فی الزبر ظرف مستقر اپنے متعلق محذوف
و مقدر کے ہمراہ) شیئی کی صفت ہو (صفت اور موصوف کے درمیان فصل کے جواز کی
تقدیر کی بنا پر اس کے باوجود کہ وہ (فی الزبر) کا شیئی کے لئے صفت ہوتا) ظاہر آیت کے خلاف
ہے معنی مقصود فوت ہو جائیگا کیونکہ مقصود (اس بنا پر جو ہم نے کہا کہ کل شیئی مبتدا اور
جملہ فعلوا شیئی کی صفت اور فی الزبر ظرف مستقر محلا مرفوع اس کی خبر ہے) یہ ہے کہ جو چیز
کہ ان بندوں کی کی ہوئی ہے وہ ان کے عملوں کے صحیفوں میں ہے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے
(اس معنی مقصود کی صورت) حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول و کل صغير وكبير مستطر (اور
ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے) نہ یہ کہ جو چیز کہ ان عملوں کے صحیفوں میں ہے وہ ان
کی کی ہوئی ہے (کیونکہ عباد نے تو صحیفوں میں کسی چیز کو واقع نہیں کیا واقع کیا تو کجبار ہا
وہ اس کی قدرت تک نہیں رکھتے جب یہ بات اس طرح رہی تو اس بنا پر (کل شیئی کل
رفع لازم (اور ضروری) ہوا کہ کل شیئی مبتدا (اور عامل معنوی کا معمول) ہو اور جملہ فعلیہ
(جو کہ اس کے بعد خلقنا ہے محلا مجرور) شیئی کی صفت ہو اور (بنا براں کہ) جار و مجرور (فی

شیئی الزبر نہیں ہے اس لئے کہ یہ جملہ ہے اور
جملہ میں مبتدا کی طرف عائد کا ہونا ضروری
ہوتا ہے اور یہاں موجود نہیں پس اس کی
خبر قول تعالیٰ محذوف ہے کہتے ہیں کہ ایسے
ہی یعنی ازید ذمہ بہر کی طرح کل شیئی فعلوا
فی الزبر یا اب اضمر عامل علی شریطۃ التفسیر
نہیں ہے اور مراد اس سے ہر وہ اسم ہے کہ تب
ما اضمر عامل کی صورت میں ہو اور اس کے بعد
ایسا فعل واقع ہو کہ اگر اس کو اس اسم پر سلا
کریں نصب دینے کے لئے تو معنی فاسد ہو

جائیں پس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ
چیز کہ جس کو بندوں نے کیا ہے انکے اعمال
ناموں میں مرقوم ہے چھوٹا یا بڑا کوئی فعل
ایسا نہیں جو اس میں درج ہونے سے رہ
گیا ہو تر کیب اس آیت کریمہ کی یہ ہے
کل مضاف شیئی مضاف الیہ مضاف مضاف
الیہ سے مل کر موصوف فعلوا فعل اپنے فاعل
ضمیر ہم مستر اور ہ ضمیر مفعول ہم سے مل کر
جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت موصوف اپنی
صفت سے مل کر مبتدا اور فی الزبر جار
مجرور ظرف مستقر مرفوع محلا خبر مبتدا خبر
سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو اس کل شیئی کو رفع
کی صورت میں پڑھا جاتا ہے اور یہ باب
ما اضمر عامل علی شریطۃ التفسیر سے نہیں ہے
اس لئے کہ اگر اس کو اس باب سے بنائیں گے
اور اسم مذکور یعنی کل کو نصب دیں گے تو اس
کی تقدیر فعلوا کل شیئی فی الزبر ہوگی پس فی
الزبر میں اب دو احتمال پیدا ہو جاتے ہیں
ایک یہ کہ فی الزبر کو فعل کے متعلق قرار دیں
تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ معنی فاسد ہو
جائیں گے اس لئے کہ اس وقت یہ معنی ہیں کہ
انھوں نے سب چیزوں کو نامہ اعمال میں
کیا ہے یعنی اعمال نامے ان کے اعمال کا
محل اور مقام ہیں حالانکہ صحائف اعمال
بندوں کے افعال کا محل نہیں اس لئے کہ وہ
اس میں کسی فعل کو بھی نہیں کرتے بلکہ کرام کا تبین
ہو فرشتے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہیں
وہ ان صحائف میں ان کے اعمال کا اندراج
بصورت کتابت کر دیتے ہیں دوسرا احتمال
اس میں یہ ہے کہ فی الزبر کو شیئی کی صفت قرار
دیں باوجودیکہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے
تو اس صورت میں معنی مقصود فوت ہو جاتے
ہیں اسلئے کہ مقصود تو یہ تھا کہ بندے جتنے
افعال کرتے ہیں وہ سب ناچھائے اعمال
میں درج ہوتے ہیں اور اس معنی کی تائید قول

تعالیٰ وکل صغیر وکبیر سطر سے بھی ہوتی ہے لیکن اس صورت میں یہی ہوتے ہیں کہ جو چیزیں نامہ اعمال میں لکھی ہوئی ہیں ان سب کو بندوں نے کیا ہے پس اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بندوں کے بعض اعمال ایسے بھی ممکن ہیں کہ جن کو صحائف اعمال میں درج نہیں کیا گیا اور یہ باطل ہے پس اسم مذکور میں اس بنا پر رفع واجب ہے کہ کل شئی کو مبتدا قرار دیں اور فعل وہ جملہ فعلیہ کو باعتبار رفع کے اس کی صفت یا باعتبار خبر کے شئی کی صفت کہ شئی موصوفہ اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ ہو اور پھر مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور جار مجبور یعنی فی الزمر محل رفع میں ہونے کے اعتبار سے مبتدا کی خبر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کل شئی ہو مفعول لہم ثابت فی الزمر یعنی ہر وہ شئی کہ جو بندوں کی کی ہوئی ہے زیر میں ثابت و مرقوم ہے اس طور پر کہ نہ کوئی چھوٹا گناہ سمجھنے سے چھوڑا گیا اور نہ کوئی بڑا گناہ زیر بضم الزار والہما زلزلہ بفتح زار کی جمع ہے اور زبور معنی میں زبور یعنی مکتوب کے ہے اس لئے کہ زبور کے معنی کتابت اور لکھنے کے آتے ہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زبور اس کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں حکم عقلیہ کی باتیں ہوں اور کتاب وہ ہے جو احکام شرعیہ کو متضمن ہو و اللہ اعلم ۱۲

۲۰۲ قولہ و اعلم الخ مان کی آئندہ عبارت و نحو الزانیۃ الخ ایک سوال مقدّم کا جواب ہے شامح اس سوال کی تشریح اعلم کے ساتھ فرماتا ہے یہی کہتے ہیں کہ ماضی میں بیان ہو چکا ہے کہ اسم مذکور سے جب فعل ضمیر اسم یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اعراض کرے اور وہ فعل صیغہ امر یا نہی ہو تو اس میں نصب مختار ہوتا ہے تاکہ انشاء میں تاویل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے اور ظاہر ہے کہ قول باری تعالیٰ الزانیۃ والانی

انہ خبر المبتدا تقدیرہ کل شئی ہو مفعول لہم ثابت فی الزمر بحیث لا یغادر صغیرہ ولا کبیرہ و اعلم انہ قد سبق ان الاسم المذكور اذا كان الفعل المشتغل عنه بضمیرہ او متعلقہ امرًا او تہیًا فالمتعارف فیہ النصب والظاهر ان قولہ تعالیٰ الزانیۃ والانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدہ داخل تحت هذه القاعدة مع ان القراء اتفقوا فیہ علی الرفع الا فی رواية شاذة عن بعضهم قاضط الفحاة الی ان تحکوا الاخراجہ عن القاعدة المذكورة لئلا یلزم اتفاق القراء

اور یہ اس بنا پر محل رفع میں ہو کہ مبتدا کی خبر ہو اس توجہ سے کہ بنا پر اس کی تقدیر کل شئی (مبتدا) ہو (مبتدا ثانی) مفعول لہم (مبتدا ثانی کی خبر اور یہ مبتدا ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کہ محل مجرور شئی کی صفت ہوں ثابت (مبتدا اول کی خبر) فی الزمر (ثابت کے متعلق ہے) بحیث (یہ بھی ثابت کے متعلق ہے) (لا یغادر صغیرہ) (قلیل) ولا کبیرہ (کثیر اخیر او مشر) اور معلوم ہوتا چاہئے (یہ مصنف کے قول نحو الزانیۃ والانی الآیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایک سوال مقدّم کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جب اسم مذکور سے اعراض کر کے اس کی ضمیر یا اس کے متعلق کے ساتھ مصروف عمل ہونے والا فعل امر (ہو جیسے زید اصرب) یا نہی ہو (جیسے زید لا تضرب) تو اسمیں نصب ہی مختار ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول الزانیۃ والانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدہ (الآیۃ) اس قاعدہ کے تحت داخل ہے اس کے باوجود کہ قراء و علم نے اس قول باری تعالیٰ میں (اسم مذکور کے) رفع پر اتفاق کیا (اور ان کا اتفاق محض قطعی ہے کیونکہ انہوں نے یہ واسطہ یا بلا واسطہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے قراءت حاصل کی تو نحو یوں کہ ان کا اتباع لازم ہے مگر قراءت شاذہ میں بعض نخاۃ یعنی عیسیٰ بن عمر کی طرف سے (نصب مختار اور رفع غیر مختار ہے اور شاذ اگرچہ لائق اعتنا نہیں ہوتی تاہم اس سے کلی طور پر صرف نظر بھی نہیں کیا جاسکتا جب یہ موت ہے تو نحوی صحت اس قول باری تعالیٰ کو قاعدہ مذکورہ سے خارج کرنے کے لئے جملہ امتیاز کرنے پر مجبور ہو گئے تاکہ (اسم مذکور میں) قراء حضرات کو غیر مختار (یعنی رفع) پر اتفاق

ہے کہ نہ یہاں نصب مختار نہیں بلکہ رفع ہے پس اب وہی باتیں ہیں یا تو مصنف کا بیان کردہ قاعدہ غلط ہے یا اتفاق قراء صحیح نہیں لیکن قراء کا اتفاق غلط ہو نہیں سکتا اس لئے کہ قراء سبعہ نے جس پر اتفاق کر لیا ہے وہ قرآن منزل من اللہ اور شاذہ اخلاط سے محفوظ ہے پس نخاۃ اس آیت کو اس قاعدہ سے نکالنے

فاجلدوا الخ بھی اکی قاعدہ میں مندرج ہے اور اس میں نصب مختار ہونا چاہئے لیکن تمام قراء اسم مذکور کے رفع پر متفق ہیں مگر صرف ایک روایت شاذہ عیسیٰ بن عمر کی نصب کی ہے جو شاذ ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں پس یہ حکم منقوض ہو گیا کہ امر وہی سے ہمیشہ تراک اسم مذکور واقع ہو تو اس میں نصب مختار ہوتا

على غير المختار فاشارة المصنف الى ما فتحوا لاجله عنما فقال وَنَحْوُ الزَّانِيَةِ
وَالزَّانِي فَاَجْلَدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ اَلْفَاءُ فِيهِ مُرْتَبِطَةٌ
بِمَعْنَى الشَّرْطِ عِنْدَ الْمُبَرِّدِ لَكُنِ الْاَلِفُ وَاللَّامُ فِي الزَّانِيَةِ وَالزَّانِي مَبْدَأٌ
مُوصُولٌ فِيهِ مَعْنَى الشَّرْطِ وَاسْمُ الْفَاعِلِ الَّذِي هُوَ صِلَتُهُ كَالشَّرْطِ فَخَصِيرُ
الْمَبْدَأِ كَالْخَبَرِ وَالْفَاءُ الدَّخْلَةُ عَلَيْهِ مُرْتَبِطَةٌ بِالشَّرْطِ لِدَلَالَتِهَا عَلَى سَبَبِيَّتِهِ
لِلْجَوَازِ وَمِثْلُ هَذِهِ الْفَاءُ لَا يَحِلُّ مَا فِي حَيْزِ فِي مَا قَبْلُهَا فَاَمْتَنَعَ تَسْلِيْطُ الْفِعْلِ
الْمَذْكُورِ بَعْدَهَا عَلَى مَا قَبْلُهَا فَتَعَيَّنَ فِيهِ الِرْفَعُ وَالْآيَةُ جُمِلَتَانِ مُسْتَقْتَاتَانِ

لازم نہ آئے تو مصنف نے اس جملے کی طرف اشارہ کیا جو نحو یوں نے قول باری تنزلے کے
اس قاعدہ سے خارج کرنے کے لئے کیا تو فرمایا لا اور الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما
مائۃ جلدۃ کی مانند مصنف کا قول ونحو مبتداً اول ہے (فاد) (مبتداً ثانی ہے) اس
(الزانیۃ کے مانند) میں مرتبط (مربوط ہے) (مرتبط با موحده تحتانیہ کی کسرہ کے ساتھ یہ مبتداً
ثانی کی خبر ہے اور مبتداً ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداً اول کی خبر ہے) شرط کے معنی کے ساتھ
وشرط کا معنی الزانیۃ والزانی کے الف ولام سے مستفاد ہے اور فاجلدوا اس کی جزائے
اور اس پر جو فاء ہے وہ شرط و جزاء کے درمیان رابطہ ہے ابو العباس مبرد کے نزدیک کیونکہ
الزانیۃ والزانی میں مبتداً موصول ہے اس (مبتداً) میں شرط کا معنی ہے (جیسا کہ گذرا کہ
جتا واجب موصول ہو اور اس کا صلہ فعل یا ظرف ہو تو اس میں شرط کا معنی ہوتا ہے) اور
اسم فاعل جو کاس (الف ولام) کا صلہ ہے (کیونکہ اسم فاعل یہاں پر فعل کے معنی میں ہے)
شرط کی مانند ہے لہذا اس کی تقدیر یوں ہوگی التي زنت ای کننت من نفسها بالزانی والدہ
زنی بہا تو اس وقت زنا جزاء کا یعنی جلد کا سبب ہوگا پس مبتداً کی خبر (یعنی فاجلدوا) والذی
یا تیک فاکرمہ کی طرح جزاء کی مانند ہوگی اور اس (مبتداً کی خبر) پر داخل ہونے والی فا
(شرط کے) جزاء کے لئے سبب ہونے پر دلالت کرنے کی وجہ سے شرط کے ساتھ مرتبط
ہے (یعنی جزاء کے شرط کے ساتھ ربط کے لئے لائی گئی ہے) اور اس طرح کی فاء (جو ہوا کرتی
ہے یعنی جو حقیقتہ یا حکماً شرط کا جواب واقع ہوا اس کا قاعدہ یہ ہے کہ) جو اس کے ذیل میں
ہوتا ہے وہ اس کے ماقبل میں محسوس نہیں کیا کرتا لہذا اس (فاما کے بعد مذکور فعل کا اس
کے ماقبل پر مسلط کرنا ممنوع قرار پایا پس اس میں رفع متعین ہو گیا (اور) یہ آیت

لئے آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ الزانیۃ
والزانی میں الف لام موصولہ ہے اور اسم
فاعل یعنی زانیۃ اور زانی اس کا صلہ پھر صلہ
موصول سے مل کر مبتداً متضمن معنی شرط کو ہے
اس لئے کہ جب مبتداً موصول ہوتی ہے اور فعل
یا ظرف اس کا صلہ تو اس میں شرط کے معنی پائے
جاتے ہیں اور فعل یا ظرف شرط کی مانند ہوتا ہے
پس اس میں اسم فاعل ہو اس کا صلہ ہے وہ شرط
کی مانند ہے اس لئے کہ اس جگہ اسم فاعل فعل
کے متعین ہے پس اس کی تقدیر عبارت یوں
ہوگی التي زنت والذی زنی فاجلدوا
الخ میں مبتداً کی خبر یعنی فاجلدوا جزاء کے مثل
ہوگی اور جو فاء کہ اس مبتداً کی خبر پر داخل
ہوتی ہے وہ خبر کو شرط کے ساتھ ربط دینے
کے لئے ہے اس لئے کہ وہ اس پر دلالت کرتی
ہے کہ شرط جزاء کا سبب ہے اور یہ امر مسلم ہے
کہ اس فاء کا جبر یعنی ما بعد اس کے ماقبل میں
عمل نہیں کیا کرتا اس لئے کہ یہ فاء اپنی جگہ میں
واقع ہے لہذا اگر ایسا کریں گے تو شرط کی
سببیت جزاء کے لئے باقی نہیں رہے گی بخلاف
اس فاء کے جو زائد ہو یا اپنے موضع سے مغیرہ
ہو کہ اس کا ما بعد اس کے قبل میں عمل کر سکتا ہے
جیسے وَزَيْكَ فِكْرِي كِبْرِيَاكُ اور جیسے وَاَمَّا
بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ای حدث بنعمۃ ربک
پس فعل مذکور کی تسلیط جو اسم کے بعد ہے
وہ ماقبل یعنی اسم پر محتسب ہوگی اور جب
تسلیط محتسب ہوگی تو آیت ما اضمر عالمہ سے
نہ ہوگی پس ابتدائیت کی بنا پر رفع متعین اور
واجب ہوگا والشرع علم ۱۲

۲۲ قولہ والایۃ جملتان الخ
سیبویہ کے نزدیک آیہ کریمہ دو مستقل علیحدہ
علیحدہ جملے ہیں اور اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ
الزانیۃ مبتداً محذوف المضاف ہے یعنی اس
سے پہلے اس کا مضاف محذوف ہے اور
الزانی کا عطف الزانیۃ پر ہے اور خبر مبتداً

۲۳ قولہ ونحو الزانیۃ الخ کہتے
ہیں کہ میرا اس آیت کے بارے میں کہتا ہے کہ
فاجلدوا میں فاء یعنی شرط یعنی فاء زنا تہ ہے
جو کہ اپنے موصول کو شرط سے ربط دینے کے

کے لئے جملے حوالے تراشنے لگے تاکہ تشرار
کا اتفاق غیر مختار پر لازم نہ آئے پس ان لوگوں
نے جو کچھ حیلہ تراشی کی مصنف اس کو بیان
فرماتے ہیں والشرع علم ۱۲

کی محذوف ہے پس تقدیر عبارت یوں ہوگی
ای حکم الزانیۃ والزانی فیما یتلی علیکم بعد اور
فار اس حکم موعود کو بیان کرنے کے لئے
جملہ ثانیہ یعنی فاجلدوا میں لائی گئی اور فاران
کے نزدیک بھی بسببیت کے لئے ہے اور جملہ
ثانیہ کی تقدیر عبارت اس طرح ہے ای ان
ثبت زناہما فاجلدوا اور بعض کہتے ہیں کہ
فار زائدہ ہے اور اس امر کی تاکید کے لئے
لائی گئی ہے کہ جملہ ثانیہ حکم موعود کے بیان کے
لئے جملہ اولیٰ سے ملحق ہے یا تفسیر کے لئے
ہے یعنی جس حکم کا دعویٰ کیا گیا تھا اس حکم کی
تفسیر یہ ہے بہر حال آیت کریمہ مستقل دو جملے
میں اور اس وقت تسلط مذکور محتج ہوگی اس
لئے کہ ایک جملہ کا جزر دوسرے جملہ کے جزر میں
عمل نہیں کیا کرتا پس جب تسلط مذکور محتج
ہوگی تو اب یہ آیت باب ما ضم عالمہ علی
شریطۃ التفسیر میں داخل نہیں ہوگی پس ابتدائیت
کی بنا پر اسم مذکور میں رفع محتج ہو گیا اور قرار کا
اتفاق علی الرفع اور ضابطہ مذکورہ دونوں
اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہو گئے واللہ
اعلم ۱۲

۲۰۵ قولہ والّاخر اور اگر فار شرط

کے لئے نہ ہو یا آیت کریمہ مستقل دو جملے نہ ہوں
تو یہ آیت ضابطہ کے تحت میں داخل ہو جائیگی
یعنی پھر اس کا شمار باب ما ضم عالمہ علی شریطۃ
التفسیر سے ہوگا اور اس وقت میں حسب ضابطہ
مذکورہ نصب مختار ہوگا لیکن چونکہ قرار کا
اتفاق نصب پر نہیں رفع پر ہے اس لئے
نصب باطل ہوگا پس اب دو ہی صورتیں
میں یا تو فار کو جواب شرط قرار دیا جائے یا
آیت کو مستقل دو جملے تسلیم کئے جائیں تاکہ رفع
متعین ہو جائے اور اتفاق قرار کے خلاف نہ ہو
واللہ اعلم ۱۳

عند سببویہ اذ الزانیۃ مبتداء محذوف المضاف والزانی عطف
علیہ والتخبر محذوف ای حکم الزانیۃ والزانی فیما یتلی علیکم بعد
وقولہ فاجلدوا جملہ ثانیۃ لیبیان حکم الموعود والقاء عندہ
ایضا للسببیۃ ای ان ثبت زناہما فاجلدوا وقیل زائدۃ اول التفسیر
وجز الجملۃ لا یحل فی جزء جملۃ اخوی فیمتنع التسلیط فلا تدخل
فی الضابطۃ فتعین الرفع والّا ای وان لم تکن القاء بمعنی الشرط و
لم تکن الآیۃ جملتین ایضا ففی تکیون داخلۃ تحت الضابطۃ فالختار
جینث فیہا النصب واختیار النصب باطل لا اتفاق القراء علی الرفع

«دو» مستقل «جملے ہیں» سببویہ کے نزدیک «دیہاں استقلال سے مراد یہ ہے کہ ان
دو میں سے ایک کا ذکر دوسرے سے فعل کے حذف پر متفرع نہ ہو ورنہ ان میں کوئی
استقلال نہیں ہے کیونکہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے لئے بیان و تفسیر ہے دو مستقل جملے کیونکہ
ہیں» اس لئے کہ الزانیۃ (اس کے نزدیک) مبتداء محذوف المضاف ہے (اور مضاف
الیہ کو مضاف کی جگہ رکھا گیا ہے جیسا کہ جاء ربک میں ہے تاکہ مبتداء پر خبر کا حمل صحیح ہو)
اور الزانی (کا واو کے ذریعے سے) اس پر عطف ہے (تو مفرد کا مفرد پر عطف ہو گیا)
اور خبر محذوف ہے (حذف جوازی کے ساتھ قرینہ حالیہ کی بنا پر اور مضاف محذوف
لفظ حکم تھا) یعنی حکم الزانیۃ والزانی (ثابت) فیما (ای القرآن الذی) یتلی علیکم (ایہا
المؤمنون) بعد ظرف مکان مبنی علی الضم ہے مگر یہاں علاقہ ظرفیت کی وجہ سے زمان حال
کے لئے مستعار ہے لہذا یہاں بعد الآن کے معنی میں ہوگا اور قول ہاری فاجلدوا جملہ ثانیہ
اس حکم کے بیان کے لئے (لا یا گیا) ہے جس کا (فیما یتلی علیکم بعد الایۃ میں) وعدہ کیا گیا تھا (لا
ان (سببویہ) کے نزدیک بھی فاسببیت کے لئے ہے یعنی اگر ان دونوں کا زنا (شرعاً) ثابت
ہو جائے (اور وہ اس طرح کہ چار گواہ چار مجالس میں زنا کی گواہی دیں یا اقرار پایا جائے مگر
ان میں وصف احسان نہ پائی جائے اور وہ حریت تکلیف اور وظی بنکاح میں ہے) تو
انہیں کوڑے مارو اور کہا گیا ہے کہ قاء زائدہ ہے (جملہ ثانیہ کے جملہ اولیٰ کے ساتھ متصل
ہونے کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے اس لئے کہ جملہ ثانیہ اس حکم کا بیان ہے جو جملہ اولیٰ میں
ہے) یا قاء (اس حکم کی) تفسیر کے لئے ہے اور جملہ (فاجلدوا کل واحد منہما) کا جزر دوسرے جملہ
(الزانیۃ والزانی) کی جز میں عمل نہیں کر سکتا (کہ جملہ مستقل ہوتا ہے) تو تسلط ممتنع قرار
پائی پس آیت کریمہ (دونوں تو جیہوں سے ما ضم عالمہ کے) ضابطہ میں داخل نہ ہوئی پس
رفع متعین ہو گیا «ورنہ» یعنی اگر فار شرط کے معنی میں نہ ہو اور آیت بھی دو جملے نہ ہو تو
آیت (ما ضم عالمہ کے) ضابطہ کے تحت داخل ہوگی «تو مختار» اس وقت اس آیت
میں «نصب ہوگی» اور نصب کا مختار ہونا قرار سبب کے رفع پر اتفاق کرنے کی وجہ

فلا ید من جعل الفاء معنی الشرط او جعل الایة جملین لیتعین الرفع
 التزم من تلك المواضع التي وجب حذف الناصب للمفعول به فيها
 التحذير وانما وجب حذف الفعل فيه لضيق الوقت عن ذكره وهو
 في اللغة تحويف شيء عن شيء وتبعية منه وفي اصطلاح النحاة مفعول
 ای اسم عمل فيه النصب بالمفعولية بتقدير ائق تحذیرا ای حذر ذلك
 المفعول تحذیرا فیکون مفعولا مطلقا و ذکر تحذیرا فیکون مفعولا له
 مبتدأ بعده ای ما بعد ذلك المفعول أو ذکر المحدث منه مكررا
 علی صیغة المجهول عطف علی حذرا و ذکر المقدفان قلت فعلی هذا لا ید

سے باطل ہے لہذا فاء کا شرط کے معنی میں یا آیت کا دو مستقل جملے بنانا تعین رفع کے
 لئے ضروری ہے (موضع) (چہارم) ان مواضع (اربعة) میں سے کہ جن میں مفعول بہ
 کے ناصب کا حذف واجب ہے (تحذیر ہے) اور اس میں فعل کا حذف وقت کے اس
 کے ذکر سے تنگ ہونے کی وجہ سے ہی واجب ہے (اور وہ) لغت میں کسی چیز کو کسی
 چیز سے ڈرانا اور اس چیز کو اس (ثانی) چیز سے دور کرنا ہے (شیء اول کو محذرا اور
 ثانی کو محذرا منہ کہتے ہیں) اور نحو یوں کی اصطلاح میں (معمول ہے) یعنی وہ اسم
 ہے کہ اسے (چونکہ یہاں فیہ مفعول مالم یسم فاعله ہے لہذا ترجمہ اس میں کرنے کی بجائے
 اسے کریں گے) مفعول ہونے کی وجہ سے نصب کا عمل دیا گیا ہوا اتق کی تقدیر کے ساتھ
 ڈرانے کے لئے (یعنی حذر ذلک المعمول تحذیرا تو تحذیر مفعول مطلق قرار پائے گا یا
 محذرا کی بجائے ذکر مقدرا مانا جائے تو تقدیر یوں ہوگی) ذکر تحذیرا تو تحذیر مفعول بہ
 ہوگا (اس سے جو اس کے بعد ہے) یعنی اس سے (ڈرایا جائے) جو اس معمول کے بعد ہے
 (یا محذرا منہ کو مکرر ذکر کیا جائے) (عبارت میں منہ لفظ محذرا کا نائب فاعل ہونے کی وجہ
 سے محل دفع میں ہے اور ضمیر الف و لام کی طرف راجع ہے کیونکہ الف و لام یہاں الذی
 کے معنی میں ہے ای الذی حذر منہ اور عبارت میں لفظ ذکر) صیغہ مجہول پر ہے حذرا
 ذکر مقدرا پر عطف ہے (حذر اور ذکر میں سے ہر واحد مقدرا ہے) پھر اگر تم کہو کہ پس اس
 بنا پر (کہ ذکر المحذر منہ کا حذر یا ذکر مقدرا پر عطف ہے) مطوف میں ضمیر کا ہونا ضروری

لانہ قولہ اربع النح یعنی ان مواضع
 میں سے کہ جن میں مفعول بہ کے فعل ناصب کو
 حذف کرنا واجب ہے چوتھا موضع تحذیر
 ہے اس میں حذف فعل اس وجہ سے واجب
 ہے کہ وقت تنگ اور قلت فرصت فعل کے
 ذکر کا موقع نہیں دیتی کیونکہ اگر فعل کو ذکر کیا
 جائیگا تو ممکن ہے کہ جس شخص کو ڈرایا گیا ہے
 وہ محذر منہ کا شکار ہو جائے تحذیر کے معنی
 لغت میں کسی شے کو کسی شے سے ڈرانے
 اور اس سے دور کرنے کے آتے ہیں اور

اصطلاح نحاۃ میں اسم کو کہتے ہیں جو بنا رہ
 مفعولیتہ اتق یا بعدہ مقدر وغیرہ کا معمول
 منصوب بنے تاکہ مخاطب کو مابعد سے ڈرایا
 جائے اب جاننا چاہئے کہ شارح نے وہو
 کے بعد فی اللغة النح کہہ کر اس امر کی طرف
 اشارہ کیا ہے کہ ماتن کی بیان کردہ تعریف
 اصطلاحی ہے لغوی نہیں اور لغوی وہ ہے جو
 شارح نے بیان کی ہے اور ای اسم عمل نہ
 انصب بالمفعولیتہ سے ایک سوال مقدر کا
 جواب دینا مقصود ہے سوال یہ ہے کہ ایک
 والا سد میں ایک معمول فیہ ہے نہ کہ معمول اس
 لئے کہ معمول نصب ہے اور وہ تحذیر نہیں لہذا
 تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی جواب
 یہ دیا کہ معمول سے مراد معمول فیہ ہے یعنی وہ
 اسم کہ جس میں مفعولیت کی بنا پر نصب کا
 عمل کیا گیا ہو اب رہا ای حذر ذلک المعمول
 کا اضافہ تو اس سے شارح نے یہ بتایا ہے
 کہ تحذیرا یا تو مفعول مطلق ہے ای حذر ذلک
 المعمول تحذیرا یا بتقدیر ذکر ای ذکر ذلک
 المعمول تحذیرا مفعول لہ ہے واللہ اعلم
 ۱۲ قولہ او ذکر الخ او ذکر الخ
 منہ الخ کا عطف تحذیرا سے پیشتر حذر فعل
 مقدر یا ذکر مقدر پر ہے اور مطلب یہ ہے
 کہ اتق مقدر کا معمول محذر منہ کو قرار دے کر
 محذر منہ کو مکرر ذکر کر دیا جائے تاکہ اس تکرار
 محذر منہ سے متنبہ ہو کہ محذر محذر منہ سے
 اجتناب کرے حاصل یہ ہوا کہ معمول تحذیر کی
 دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ وہ معمول اتق مابعد
 مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس معمول کو
 مابعد سے ڈرایا جائے دوسرے یہ کہ محذر منہ
 کو مکرر لاکر اتق فعل مقدر کا معمول قرار دیا جائے
 بہر حال خواہ محذر یعنی مخاطب کو معمول بنایا
 جائے یا محذر منہ کو دونوں قسمیں اس امر میں
 شریک ہیں کہ دونوں اتق یا بعدہ مقدر کے عطف
 منصوب ہوتی ہیں اب اس جگہ ایک اعتراض

من ضمیر فی المعطوف کہا فی المعطوف علیہ قلنا تم لکنہ وضع فی المعطوف
المظهر موضع المضمرا اذ تقدیر الكلام او معمول بتقدیر اتي ذکر مکرراً
الا انه وضع المحذّر منه موضع الضمیر العائد الى المعمول اشعاراً بانہ
محذّر منہ لا محذّر مثل ایتاک والاسد وایاک وان تحذف هذان
مثالان لاول نوعی التحذیر ومعتابهما بعد نفسک من الاسد والاسد
من نفسک وبعد نفسک عن حذف الارب ووضیہ بالعصا

ہے (جو معمول کی طرف لوٹے) جیسا کہ معطوف علیہ (یعنی احد الفعلین محذّر یا ذکر) میں
(ضمیر مستتر) ہے (گو یا یوں کہنا چاہئے تھا او ذکر عندہ المحذّر منہ یا المحذّر منہ کو حذف کر کے
یوں کہا جاتا او ذکر مکرراً تاکہ اس میں بھی معطوف علیہ کی طرح ضمیر مستتر ہوتی) ہم نے
جواب دیا کہ یہ درست ہے لیکن مصنف نے معطوف میں اسم مظهر (المحذّر منہ) کو مضمّر
کی جگہ رکھا ہے کیونکہ تقدیر کلام یوں ہے او معمول بتقدیر اتي ذکر (یعنی ذلک المعمول)
مکرراً اس صورت میں تقدیر اتي اور ذکر مکرراً میں سے ہر ایک معمول کی صفت قرار
پائے گا، مگر مصنف نے محذّر منہ کو اس ضمیر جو کہ معمول کی طرف راجع ہے کی جگہ اس بات
پر خبردار کرنے کے لئے رکھا کہ وہ (یعنی معطوف میں جو ضمیر ہے) محذّر منہ ہے نہ کہ محذّر
یعنی اگر معطوف میں ضمیر کی جاتی تو وہ معمول کی طرف لوٹتی تو تحذیر کے قسم ثانی میں بھی
اسی کو محذّر سمجھا جاتا حالانکہ وہ قسم ثانی میں محذّر منہ ہے اب مصنف مثال دیتے ہیں (جیسے
ایاک والاسد وایاک وان تحذف) یہ دونوں مثالیں تحذیر کے دو قسموں میں سے قسم اول
کی ہیں اور دونوں کا معنی ہے بعد نفسک (بجہک نہیں کہا تاکہ فاعل ومفعول دونوں
کی ضمیروں کا شئی واحد کے لئے اجتماع لازم نہ آئے کہ یہ جائز نہیں) من الاسد والاسد
من نفسک اور بعد نفسک عن حذف الارب اور حذف الارب (عزّ گوش) کو
سوٹی سے مار دیا اس لئے کہ اگر سوٹی سے وہ مر گیا تو ضائع جائے گا کھانے کے قابل
کو سوٹی سے نہ مار دیا اس لئے کہ اگر سوٹی سے وہ مر گیا تو ضائع جائے گا کھانے کے قابل

وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ جب او
ذکر کو ماقبل پر معطوف قرار دیا گیا ہے تو جس
طرح معطوف علیہ میں ضمیر موجود ہے جو معمول
کی طرف راجع ہے اسی طرح معطوف میں بھی
عائد ہونا چاہئے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ
قول مصنف تحذیراً عما بعدہ اپنے فعل مقدّر
یعنی محذّر یا ذکر سے مل کر معمول کی صفت ہے
اور فعل مقدّر میں ایک ضمیر مستتر یعنی ہو موجود ہے
جو معمول موصوف کی طرف راجع ہوتی ہے
اس لئے کہ جملہ حب صفت ہوتا ہے تو صفت
میں ایک عائد کالانا ضروری ہوتا ہے جو کہ
موصوف کی طرف راجع ہوتا کہ صفت اور
موصوف کے درمیان ارتباط حاصل ہو جائے
پھر یہ کہ اس صفت کو کہ جس میں عائد موجود ہے
معطوف علیہ قرار دیا گیا ہے اور او ذکر المحذّر
منہ مکرراً کو معطوف پس حبب معطوف علیہ میں
ضمیر موجود ہوتی تو معطوف میں بھی لامحالہ ایک
ضمیر ہونی چاہئے جو موصوف کی طرف راجع
ہوتا کہ معطوف علیہ اور معطوف میں تناسب
قائم رہے اور دونوں کا ایک حکم ہو لیکن یہاں
ایسا نہیں اس لئے کہ معطوف یعنی او ذکر المحذّر
منہ مکرراً میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو معمول موصوف
کی طرف راجع ہو پس معطوف علیہ اور معطوف
میں رعایت تناسب باقی نہیں رہی اور دونوں
کا حکم ایک نہ ہوا لہذا عطف کیونکہ صحیح ہوگا،
شائع نے قلنا سے جواب دیا کہ یہ اعتراض
تسلیم ہے لیکن عائد کا فقط ضمیر میں منحصر ہونا
ہم کو تسلیم نہیں بلکہ مضمّر کے موقع میں مظهر کا
آنا بھی عائد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ المحذّر منہ
مظهر ضمیر جو مستتر کے موقع میں ہے اس لئے کہ
معطوف علیہ کے فعل محذّر یا ذکر میں ضمیر ہو
ہی معطوف کی طرف راجع ہوتی پس موصوف مذکور
عائد سے خالی نہیں کہ عطف مذکور صحیح نہ ہو
پس تقدیر عبارت اس طرح ہے او معمول
بتقدیر اتي ذکر مکرراً پس اس صورت میں ذکر

اشارہ ہے کہ وہ معمول محذّر منہ ہے محذّر
نہیں جیسا کہ معطوف علیہ میں محذّر معمول ہے
واللہ اعلم ۱۲

۸۸ قولہ مثل ایاک الخ یہ تحذیر کی
نوع اول یعنی تحذیراً عما بعدہ کی مثالیں ہیں
فرق صرف اس قدر ہے کہ مثال اول میں محذّر
منہ حقیقی ہے اور مثال ثانی میں تاویل ایاک
والاسد مل میں بعد نفسک من

میں ضمیر ہو جائیگی جو کہ معمول موصوف کی طرف
راجع ہوگی پھر اعتراض وارد ہوا کہ مظهر کو مضمّر
کی جگہ میں رکھنے سے کیا فائدہ ہے جبکہ مضمّر سے
مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور عبارت میں اصل
کے مطابق ایجاز و اختصار بھی رہتا ہے اس کا
جواب شائع الا ان موضع الخ سے یہ ہے
ہی کہ محذّر منہ کو معمول کی طرف لوٹنے والی
ضمیر کی جگہ میں رکھنے سے اس امر کی طرف

بعد حذف الارب عن نفسك وعلى التقديرين المحذر منه هو الاسد
والحذف فان المراد من تبعد الاسد والحذف من نفسك تحذيرها
منها لا تحذيرها منها والطريقان الطريقان مثال لثاني نوعيه اي اتق
الطريق الطريق ولا يخفى عليك ان تقدير اتق في اول النوعين غير صحيح
لان لا يقال بالقيت زيدا من الاسد فينبغي ان يقدر فيه مثل بعد
وغيره وتقدير بعد في مثال النوع الثاني غير مناسب لان المعنى على
الاتقاء عن الطريق لا على تبعدا فالصواب ان يقال بتقدير بعد

نہ ہوگا کہ سوئی اگر جارحہ نہیں ہے) اور بعد حذف الارب عن نفسك (حذف غاء مجمر
اور حاء پہلے دونوں کے ساتھ بمعنی پھینکنا مگر اول رمی بالاصابع سے خاص ہے) اور ان
دونوں تقریروں کی بنا پر محذر منہ اسد اور حذف ہی ہوں گے کیونکہ اسد یا حذف کے اپنے
نفس سے دور رکھنے سے مراد نفس کو ان دونوں سے ڈرانا ہے نہ ان دونوں کو نفس سے ڈرانا
کیونکہ تحذیر و تنویف اس میں ہی ہوتی ہے جس میں روح اور عقل ہو اور حذف ذوی
الارواح سے نہیں ہے اور شیر ذوی العقول سے نہیں ہے اور الطريق الطريق لایہ تحذیر
کے دو قسموں میں سے نوع ثانی کی مثال ہے یعنی اتق الطريق الطريق (اس مثال میں محذر
منہ مکرر ہے مگر یاد رہے کہ جہاں معمول کا تکرار ہو وہاں عامل کا حذف ضروری ہوتا
ہے اگر تکرار نہ ہو تو پھر ضروری نہیں ہوتا) اور تم سے مخفی نہ ہو کہ پہلی دو قسموں میں اتق کی تقریر
صحیح نہیں کیونکہ اتق فعل لازم ہے جو بلا واسطہ مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتا
لہذا اقیقہ زیداً من الاسد نہیں کہا جاتا لہذا مناسب ہے کہ اس میں بعد اور رخ مقدر کیا
جائے (بعد تبعد اور رخ تخرج سے امر ہیں) اور (تحذیر کی) نوع ثانی کی مثال میں بعد کی تقریر
مناسب نہیں کیونکہ (تمہارے قول الطريق الطريق کا) معنی (مخاطب کے) راستے سے پرہیز
کرنے لیکر آنے کی بنا پر نہ کہ (راستے میں چلتے ہوئے) مخاطب کو راستے سے بید کرنے پر مبنی
کہ اس صورت میں بعد کے مقدر کرنے کی حاجت ہو پس اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے بتقدیر

اپنے نفس کو شیر سے اور بعد الاسد من نفسك
دور کر دے شیر کو اپنے نفس سے بہر صورت
مال ایک ہی نکلتا ہے یعنی یہ کہ اسد محذر
منہ ہے اب رہا ایک وان تحذف تو اس
کے متعلق یہ ہے کہ حذف لاکھٹی سے خرگوش
مارنے کو کہتے ہیں پس اس کی اصل بھی حسب
مذکور بعد نفسك عن حذف الارب اور
بعد حذف الارب عن نفسك ہوگی یعنی تو
اپنے نفس کو خرگوش کو لاکھٹی سے مارنے سے
بچا اور لاکھٹی سے خرگوش کے مارنے کو
اپنے آپ سے بچا اس مثال میں ان تحذف
بتاویل مصدر ہو کر محذر منہ اسم تاویلی ہے
بجائے مثال اول کے کہ اس میں محذر منہ
اسم تفضیلی ہے اس میں بھی اس کی اصل خواہ
کچھ نکالی جائے محذر منہ سابق کی طرح
اسم تاویلی یعنی حذف ہی ہوگا اس لئے کہ
اسد اور حذف سے اپنے نفس کو دور کرنے
سے مراد نفس کو ان دونوں سے ڈرانا ہے
نہ یہ کہ اسد اور حذف کو نفس سے ڈرایا جائے
حذف ارب کی مثال مجرم کے لئے بولی
جاتی ہے والشرط لم ۱۲

۱۲ قولہ والطريق الطريق تحذیر

کی نوع ثانی یعنی اذکر المحذر منہ مکمل کی
مثال ہے اس میں الطريق الطريق محذر منہ مکمل ہے
اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ای اتق
الطريق الطريق یعنی تو اس راستے سے پرہیز
کر جس میں آفت ہے اب اس جگہ ایک
اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو ولا یخفى علیک
الغی سے شارح بیان فرماتا ہے یہی کہتے ہیں کہ
نوع اول کی دونوں امثلہ میں اتق مقدر
نکالنا صحیح نہیں اس لئے کہ اتق فعل لازم
ہے اور لازم کے لئے مفعول کی ضرورت
نہیں ہونا کہ اتق اور اقیقہ زیداً من
الاسد نہیں کہا جاتا (میں نے زید کو شیر
سے بچا دیا) اس لئے کہ اتقاء کے معنی پرہیز

کو حذف کیا گیا تو فاعل کو بھی اس کے ساتھ
حذف کرنا پڑا اور پھر لفظ نفس کی ضرورت
نہیں رہی لہذا اس کو بھی ساتھ کیا پھر ضمیر
متصل کو منفصل سے بدل دیا ایک الاسد
ہو گیا پھر اس مثال میں چونکہ وہ لفظ آئے
ہیں ایک اور الاسد اور دونوں منصوب
ہیں لہذا دونوں کی اصل نکالی جائے گی
ای بعد نفسك من الاسد یعنی دور کر دے

الاسد والاسد من نفسك تحذیر
لفظ کو نکال دیا گیا تاکہ ضمیر فاعل اور ضمیر
مفعول کا اتصال مضاف فعل کے ساتھ نہ ہو
اس لئے کہ جب کہ فاعل اور مفعول دونوں سے
مراد شے واحد ہو تو اتصال جائز نہیں اور
ظاہر ہے کہ یہاں ضمیر انت اور کات سے
مراد ایک ہی ہے یعنی محذر پس جب تنگی
وقت اور قلت فرصت کے باعث فعل

کرنے یعنی بچنے کے ہیں پس سز کرانے دیکھانے کے نہیں پس مناسب یہ ہے کہ قسم اول کی دونوں امثلہ میں اتق کے بجائے یقید یا یحیح مقدر نکالا جائے یحیح نحو سے مشتق ہے جس کے معنی علیحدہ اور ایک طرف کر دینے کے آتے ہیں اور یقید کی تقدیر نوع ثانی میں غیر مناسب ہے اس لئے کہ اس کے معنی راستہ سے مخاطب کے بچنے کی بنا پر مقصود نہیں مخاطب کے راستہ سے دور کر دینے کی بنا پر ملحوظ نہیں والٹر اعلم

۱۱۱ قولہ فاصوب الخ اس سے شایع اعتراض مذکور کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پس مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ بتقدیر بعد ااتق و نحو ہما کہتے پس نوع اول کی تمام امثلہ اور نوع ثانی کے بعض افراد مثلاً نفسک نفسک میں بعد مقدر نکال لیا جاتا اس لئے کہ نفسک نفسک کے معنی بعد نفسک ہما یونیک کالاسد و نحوہ کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اس چیز سے دور کر دے جو تجھ کو ایذا پہنچائے مثلاً شیر وغیرہ اور بعض افراد میں نوع ثانی کے اتق مقدر نکال لیا جاتا جیسا کہ مثال مذکور میں ہے ای اتق الطریق الطریق پس صواب سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کی عبارت بخذف معطوف ہے ای بتقدیر اتق اد یقید اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتق فعل لازم ہے یہ کسی مثال میں بھی کس طرح مقدر نکالا جاسکتا ہے جبکہ اس کو مفعول کی ہی حاجت نہیں ہوتی جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت بخذف صمد ہے یعنی اتق عن الطریق الطریق پس حرف جار کو حذف کر کے الطریق کو منصوب بنزع الخافض بنا دیا گیا

والٹر اعلم ۱۲

۱۱۲ قولہ قبل لفظ الاسد الخ اس سے شایع ایک اعتراض کہ اس کا جواب دے ہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ آیا کالاسد میں اسد تحذیر کی دونوں قسموں سے خارج ہے

اواتق و نحوہما یقید ر مثل بعد فی جمیع افراد النوع الاول و فی بعض افراد النوع الثانی مثل نفسک نفسک فان المعنی علی بعد نفسک ہما یو ذیک کالاسد و نحوہ و یقید ر مثل اتق فی بعضہما کالمثال المذكور قبل لفظ الاسد فی ایاک والاسد خارج عن النوعین فینبغی ان لا یسکون تحذیرا و لیس کک فانہ ایضا تحذیر واجب بانہ تابع للتحذیر والتوالع خارجة عن المحدود و بدلیل ذکرہا فیما بعد و نقول فی قسمی النوع الاول

بعد ااتق و نحوہما (تا کہ یہ سب صورتوں کو شامل تر ہو) پس بعد کو (تحذیر کے) نوع اول کے تمام افراد (مثلاً ایاک والاسد و ایاک وان تحذف وغیرہما) اور نوع ثانی کے بعض افراد میں مقدر کیا جائے گا جیسے نفسک نفسک (تو نفس یہاں پر محذرم نہ ہے بلکہ مطلقاً کہ قرآن میں ہے وما امرئی نفسی ان النفس لا تمارة بالسوء اور حدیث میں اعدی عدوک نفسک الی بن جنیک) پس (نفسک نفسک کا) معنی بعد نفسک ہما یو ذیک کالاسد و نحوہ کی بنا پر ہے (شرح جامی کے بعض نسخوں فان المعنی بعد نفسک الخ علی کے بغیر ہے اور (متن میں) ذکر کی گئی مثال (الطریق الطریق) کی مانند (نوع ثانی کے) بعض افراد میں اتق کی مانند کو مقدر کیا جائے گا کہا گیا ہے (قاتل فاضل ہندی ہے) لفظ اسد ایاک والاسد (اور لفظ ان تحذف ایاک وان تحذف) میں (تحذیر کے) دونوں قسموں سے خارج ہے تو مناسب ہے کہ (لفظ اسد) تحذیر نہ ہو حالانکہ اس طرح نہیں کیونکہ یہ بھی تحذیر ہے (کیونکہ تحذیر محذرم نہ اور محذرم کے ہی ہمراہ ہوتی ہے اور لفظ اسد محذرم نہ ہے تو یہ تحذیر کے نوع اول میں داخل ہوا) اور جواب دیا گیا ہے کہ یہ تحذیر کے تابع ہے اور (تحذیر وغیرہ من المتبع کے) توابع محدود سے خارج ہیں (لہذا حد سے بھی خارج ہوئے) اس دلیل سے (محدود سے خارج ہیں) کہ توابع مایند میں (علیحدہ) مذکور ہیں ((اور تم کہو گے)) نوع اول کے دو قسموں میں

اس لئے کہ یہ نہ محذرم ہے جیسا کہ قسم اول میں ہے اس لئے کہ محذرا یا ک ہے اور نہ محذرم نہ جیسا کہ قسم ثانی میں ہے اس لئے کہ محذرم نہیں پس الاسد کو تحذیر میں شمار کر کے اس کو منصوب قرار دینا درست نہیں لہذا مناسب یہ ہے کہ اس کو تحذیر میں شمار نہ کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ یہ بھی تحذیر ہے کیونکہ قسم اول میں تحذیر بغیر محذرم نہ کے مکمل نہیں ہوتی اور لفظ اسد اس میں محذرم نہ ہے پس یہ نوع اول میں داخل ہوگا واجب سے یہ جواب دیا

کہ تسلیم ہے کہ یہ تحذیر نہیں مگر تابع تحذیر ضرور ہے اس لئے کہ معطوف ہے اور توابع تمام تعریفات سے خارج اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے توابع کو مستقل طور پر علیحدہ ذکر کیا ہے پس یہ تحذیر سے خارج ہے البتہ تابع ہونے کی وجہ سے اسی کے حکم میں ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسد کو بھی تحذیر میں شمار کرتے ہوئے اعتراض وارو کر دیا جائے

والٹر اعلم ۱۲

۱۱۲ قولہ و نقول الخ اس کی تشریح

إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ كَمَا كُنْتَ تَقُولُ إِيَّاكَ وَالْأَسَدُ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ كَمَا
كُنْتَ تَقُولُ إِيَّاكَ وَإِنْ تَحْذِفَ وَ تَقُولُ فِي الْمَثَالِ الْآخِرِ إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ
بِتَقْدِيرٍ مِنْ إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ لَنْ حَذَفَ حَرْفُ الْجَرِّ عَنْ أَنْ وَ
أَنْ قِيَاسٌ وَلَا تَقُولُ فِي الْمَثَالِ الْأَوَّلِ إِيَّاكَ الْأَسَدَ لَا مَتَنَاعَ تَقْدِيرٍ
مِنْ وَشَذُوذِهِ مَعَ غَيْرِ أَنْ وَأَنْ فَإِنْ قُلْتَ فَيَكُنْ بِتَقْدِيرِ الْعَاطِفِ قُلْنَا حَذَفَ الْعَاطِفُ
أَشَدُّ شَذُوذًا لَنْ حَذَفَ حَرْفُ الْجَرِّ قِيَاسٌ مَعَ أَنْ وَإِنْ وَشَاذٌ كَثِيرٌ فِي

طرح کہ تم کہتے تھے ایاک والاسد (لیکن اول ابلغ ہے اور مثال ثانی میں کہو گے) (ومن ان
تحذف) جس طرح کہ تم کہتے تھے ایاک وان تحذف (اور) تم مثال اخیر میں کہہ سکتے ہو
ایاک ان تحذف تقدیر من کے ساتھ (یعنی ایاک من ان تحذف کیونکہ حرف جر کا ان
(مخفف) اور ان (مشدودہ مگردونوں کا ہمزہ مقتومہ ہے) سے حذف کرنا قیاس (کے مطابق)
ہے کیونکہ ان مخففہ اور مشدودہ حرف موصول ہے جو اپنے صلہ سے مل کر طویل ہو جاتا ہے
کیونکہ یہ اپنے مابعد کے جملہ سے مل کر اسم کی تاویل میں ہو جاتا ہے جب وہ اسم جو درحقیقت
واحد ہے اور بظاہر لفظوں میں طویل ہو گیا تو اس سے حرف جر کو حذف کر کے اس میں تخفیف
کو جائز رکھا گیا ہے) (اور تم نہ کہو) مثال اول میں (ایاک الاسد کیونکہ من کا مقدر کرنا
جائز نہیں) (یعنی حرف جر کا اسم صریح سے حذف کرنا قیاس میں درست نہیں ہے) اور
(اس لئے کہ) من (کی تقدیر) ان اور ان کے غیر کے ہمراہ شاذ ہے پھر اگر تم سوال کرو کہ جب
ایاک الاسد تقدیر من کے ساتھ درست نہیں ہے تو تقدیر عاطف (یعنی حرف عطف کو
مقدر کر کے) ہونا چاہئے (گویا ایاک الاسد من الاسد کی بجائے ایاک والاسد مقصور
ہو) ہم نے جواب دیا کہ عطف کا حذف (اس باب میں حرف جر کے حذف سے) زیادہ

میں سے تین صورتیں ایسی ہیں کہ جن کا خالی میں
کوئی وجود نہیں اس لئے کہ محذوم منہ سے واحد
کبھی محذوف نہیں ہوگا خواہ محذوم منہ اسم
تحقیقی ہو یا تاویلی یہ دو صورتیں خارج ہو گئیں
ایسے ہی جبکہ محذوم منہ اسم تحقیقی ہو تو اس سے
من کا حذف کبھی جائز نہ ہوگا یہ تیسری صورت
خارج ہو گئی بخلاف اسم تاویلی کے کہ اس سے
من کا حذف جائز ہے پس مصنف نے
و بقول الخ سے اسی تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے
یعنی جس طرح تحذیر کی نوع اول کی دو قسموں

سے ہمیشہ جاتا چاہئے کہ محذوم منہ کے استعمال
میں قیاس عقلی اس امر کو مقتضی ہے کہ آٹھ
صورتوں پر یہاں سے لئے کہ محذوم منہ دو حال
خالی نہیں اسم تحقیقی ہوگا یا تاویلی پھر ان کا
استعمال من کے ساتھ ہوگا یا واحد کے ساتھ
پس یہ چار صورتیں ہوں گی پھر ہر ایک کی دو
صورتیں ہیں اس لئے کہ واحد اور من دو حال
خالی نہیں مذکور ہوں گے یا محذوف پس جب
ان دو صورتوں کو مذکورہ بالا چار اقسام میں
ضرب یا تو آٹھ صورتیں پیدا ہو گئیں لیکن ان

(تحقیقی اور تاویلی) میں محذوم منہ کو واحد مذکور کے
ساتھ استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح من
مذکور کے ساتھ کبھی استعمال جائز ہے حال یہ
ہو اگر مندرجہ ذیل پانچ صورتیں محذوم منہ میں
جائز ہیں (۱) محذوم منہ اسم تحقیقی ہو اور اس کا
استعمال ذکر من کے ساتھ ہو (۲) محذوم منہ
اسم تاویلی ہو اور من مذکور کے ساتھ استعمال
ہو (۳) محذوم منہ اسم تحقیقی و واحد مذکور کے ساتھ
مستعمل ہو (۴) اسم تاویلی و واحد مذکور کے ساتھ
مستعمل ہو (۵) اسم تاویلی من محذوف کے ساتھ
استعمال کیا جائے پس کہتے ہیں کہ نوع اول کی
دونوں قسمیں جس طرح واحد مذکور کے ساتھ مستعمل
ہوتی ہیں اسی طرح من مذکور کے ساتھ بھی
دونوں کو استعمال کرتے ہوئے ایاک من
الاسد اور ایاک من ان تحذف کہنا جائز ہے
(بجائے ایاک الاسد و ایاک من ان تحذف کے)
اور نوع اول کی مثال اخیر میں بجائے واحد
مذکور کے حذف من کے ساتھ ایاک ان
تحذف کہہ سکتے ہیں ایاک من ان تحذف
اب رہا یہ وجہ کہ اس میں حذف من کیوں جائز
ہے اس کا جواب شراح لائن حذف حرف
الجر الخ سے یہ ہے کہ ان اور ان سے
حرف جر کو حذف کر دینا قیاس کے مطابق ہے
اس لئے کہ ان اور ان جملہ پر داخل ہو کر تاویلی
مصدر اسم واحد کرتے ہیں پس جبکہ وہ لفظ جو
درحقیقت اسم واحد ہے جملہ ہونے کی وجہ سے
طویل ہو جاتا ہے تو اس میں حذف حرف جر کے
ساتھ تخفیف کو جائز قرار دے دیتے ہیں والشر

علم ۱۲

۱۳ قولہ ولا تقول الخ یہاں سے
امتناع تقدیر من کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ
مثال اول میں تقدیر یعنی حذف من کے ساتھ ایاک
الاسد کہنا جائز نہیں اس لئے کہ تقدیر من متنع
ہے نیز اگر کہیں ان اور ان کے غیر میں پائی بھی گئی
تو یہ شاذ ہے پس شذوذ بھی تقدیر من کو مانع

ہے اس لئے کہ شاذ کا معدوم ہوا کرنا ہے اور اس امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اس کا صریح سے حرف جر کا حذف کرنا جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ الاسد اسم صریح ہے اب اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو شامخ فان قلت سے بیان کیے ہیں یعنی اگر تم کہنے لگو کہ اس مثال میں ہم من کو مقدر نہیں مانتے بلکہ واو عاطفہ کو مقدر نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہل میں ایک والا سد تھا پس اس صورت میں ایک الاسد کہنا درست ہو گا قلنا سے جواب یہ دیا کہ واو عاطفہ کا حذف اور بھی قبیح اور نیز اشذ شذوذ ہے اس لئے کہ حذف حرف جر تو ان اور ان میں قیاساً اور ان کے غیر میں بطور شذوذ کے خلاف قیاس بکثرت ثابت بھی ہے لیکن حذف عاطفہ تو کہیں بھی ثابت نہیں (الآنادر) پس یہ شذوذ سے بھی بڑھ کر اشذ شذوذ ہو گا اس لئے حذف واو جائز نہیں ہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محذوف منہ سے حذف واو کی تین قسمیں کیوں خارج ہیں موجود نہیں واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ المفعول فیہ الخ مفاد

میں سے یہ تیسرا مفعول ہے مصنف کہتے ہیں کہ مفعول فیہ اس کو کہتے ہیں جس میں فعل یعنی حدث مذکور کیا گیا ہو پھر مذکور میں تمیم ہے کہ تضمننا ہو یعنی فعل مفعول یا مقدر کے ضمن میں واقع ہو یا شبہ فعل مفعول یا مقدر کے ضمن میں جیسا کہ صمت یوم الجمعۃ میں صوم تضمننا صمت میں مذکور ہے اور یہ فعل مذکور یعنی صوم یوم الجمعۃ میں پایا جا رہا ہے پس یوم الجمعۃ مفعول فیہ ہو گا یا مذکور مطابقت یعنی صراحۃ ہو اور یہ اس وقت ہو گا جبکہ عامل مصدر ہو جیسے انجینی جلوسک امام زید کہ اس میں جلوس مصدر عامل ہے اور صریح ہے کہ کسی کے ضمن میں نہیں پایا جاتا پس امام زید مفعول فیہ ہو گا اب یہ امر کہ شامخ نے التزاما کیا کیوں نہیں کہا حالانکہ التزاما بھی ہو سکتا ہے یعنی کوئی عامل ایسا پایا

غیر ہوا و اما حذف العاطفہ فلم یثبت الا نادرا (المفعول فیہ وہو ما فعل فیہ فعل) ای حدث (مذکور) تضمننا فی ضمن الفعل المفعول والمقدر او شبہ کل او مطابقة اذا کان العامل

شاذ ہے کیونکہ حرف جر کا حذف ان اور ان (مخففہ و مشدودہ) کے ہمراہ قیاس دے (مطابق) ہے (جیسے قرآن میں ہے افتریب عنکم الذکر صفحا ان کتم یعنی لان کتم یہاں لام جر مقدر ہے) اور ان دان کے غیر میں (حرف جر کا حذف) شاذ کثیر ہے (جیسا کہ قرآن میں واختر موسیٰ قومہ یعنی من قومہ اور کہتے ہیں انذر لا فعلن یعنی بادلہ لا فعلن) لیکن عاطفہ (یعنی حرف عطف) کا حذف تو نادر (کیا اب) ہی ثابت ہو گا (یعنی اس کا حذف شدید شاذ ہے) (المفعول فیہ اس کا نام ہے جس میں کیا گیا ہو فعل) یعنی کام (جو کہ مذکور ہو) ضمنی طور پر (یعنی غیر صریح طور پر اس تاویل سے مذکور التزاما بھی اس میں داخل ہو جائے گا) فعل مفعول کے ضمن میں (جیسے صمت یوم الجمعۃ یا فعل) مقدر کے ضمن میں جیسے تم کہو یوم الجمعۃ اس شخص کے جواب میں جو کہ متی خرجت یعنی خرجت یوم الجمعۃ خواہ تقدیر فعل جوازی ہو یا وجوبی یا شبہ فعل کے (ضمن میں جیسے انا صائم یوم الجمعۃ) اسی طرح (یعنی فعل کی شبہ فعل مفعول ہو یا مقدر ہو) یا مطابقت کے طور پر (مذکور) ہو جبکہ (مفعول فیہ میں) عامل مصدر ہو پس اس

کیا گیا ہے نسبتہ الی فاعل ما اور زمانہ کا یوم جمعہ میں کوئی تحقق نہیں اس لئے کہ میں نے روزہ رکھا) اس میں فعل کی نسبت فاعل یعنی متکلم کی طرف ہے اور زمانہ ماضی ہے پس صرف جمعہ کے دن اس فعل صوم کا تحقق ہوا ہے جواب یہ ہے کہ فعل سے مراد اصطلاحی نہیں لغوی ہے یعنی صرف حدث (کام) لہذا اب کوئی اعتراض نہیں پھر وہ فعل لغوی خواہ فعل مذکور کے ضمن میں پایا جائے یا وہ فعل صراحۃ موجود ہو یا مراد او شبہ سے شبہ فعل کو بھی اس میں داخل کرنا مقصود ہے جیسے انا صائم یوم الجمعۃ اور فعل کا مفعول ہونا تو ظاہر ہے رہا مقدر ہونا تو یہ بھی اسی میں داخل ہے جیسے کوئی شخص کہے متی صمت (تو نے کب روزہ رکھا) اور مخاطب جواب دے یوم الجمعۃ جمعہ کے دن (تو یہ بھی اسی میں داخل ہے اس

جائے جو حدث بہ دلالت کرے اس کا جواب یہ ہے کہ شامخ کے مد نظر تضمننا اور مطابقت سے یہ ہے کہ تضمننا سے مراد غیر صریح ہے لہذا مطابقت سے صریح اور یہ ظاہر ہے کہ فتح صریح میں تضمننا بھی داخل ہے اور التزاما بھی اس لئے کہ التزاما بھی غیر صریح ہوتا ہے لہذا اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا اس جگہ شامخ نے ای حدث کہہ کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ یہ تعریف مفعول فیہ پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ فعل سے مراد فعل اصطلاحی ہے جیسا کہ کلام سے ظاہر ہے متبادر ہے اور فعل اصطلاحی میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں نسبتہ زمانہ حدث یعنی کام اور مفعول فیہ میں سوائے حدث کے نسبتہ اور زمانہ نہیں پائے جاتے جیسے صمت یوم الجمعۃ کہ یوم جمعہ میں صرف فعل صوم

مصدر افعولہ مافعل

فیہ فعل شامل لاسماء الزمان والمكان کلها فانه لا ینخلو زمان او مکان
عن ان یفعل فیہما فاعل سواء ذکر الفعل الذی فاعل فیہما اولاً وقولہ
مذکور خرج بہ ما لا ینکر فاعل فیہ مخیر یوم الجمعة یوم طیب فانه
وان کان فعل فیہ فعل لا محالہ لکنہ لیس بمذکور لکن بقی مثل شہدت
یوم الجمعة داخلاً فیہ فان یوم الجمعة بصدق علیہ انه فعل فیہ فعل
مذکور فان شہود یوم الجمعة لا یكون الا فی یوم الجمعة فلو اعتبرت فی
التعریف قید الحیثیۃ ای المفعول فیہ مافعل فیہ فعل مذکور من حیث
انه فعل فیہ فعل مذکور لخرج مثل هذا المثال منہ فان ذکر یوم الجمعة
فیہ لیس من حیث انه فعل فیہ فعل مذکور بل من حیث انه وقع

(مصنف) کا قول مافعل فیہ فعل (جنس ہے جو یوم ولیل و شہر و حول وغیرہ جیسے) تمام
اسماء زمان و مکان کو شامل ہے کیونکہ کوئی زمان (ازمنہ میں سے) یا کوئی مکان (امکنہ
میں سے) اس بات سے خالی نہیں کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام کیا جائے خواہ اس فعل کا ذکر
کیا جائے جو ان میں کیا (اور پایا) گیا یا نہ اور مصنف کے قول
مذکور سے وہ (اسم ظرف) خارج ہو گیا جس میں وہ فعل (لفظاً و تقدیراً) مذکور نہ ہو جو اس
میں کیا گیا جیسے (تمہارا قول ہے) یوم الجمعة یوم طیب (اور خلف الامام افضل ثم یمینہ
افضل) کیونکہ اگرچہ اس میں کوئی نہ کوئی کام کیا گیا لیکن (اس میں کوئی فعل) مذکور نہیں
لیکن شہدیت یوم الجمعة ابھی (مفعول فیہ کی) تعریف میں داخل ہے کیونکہ یوم الجمعة پر صادق
آتا ہے کہ فعل مذکور اس میں کیا گیا کیونکہ یوم جمعہ کی حاضری جمعہ کے دن میں ہی ہو سکتی
ہے (لہذا یوم الجمعة مفعول فیہ ہوا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ مفعول ہے اس کے
باوجود وہ مفعول فیہ کی تعریف میں داخل ہوا تو تعریف مانع نہ ہوئی) پس اگر تعریف میں حیثیت
کی قید کا اعتبار کیا جائے یعنی مفعول فیہ وہ ہے جس میں فعل مذکور کیا جائے اس حیثیت سے
کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہو (یہ حیثیت کا اعتبار ہے) تو مفعول فیہ کی تعریف سے اس
(شہدیت یوم الجمعة) جیسی مثال خارج ہو جائے گی (لہذا مفعول کی تعریف اپنے افراد
کو جامع اور غیر کو مانع عن الثمول فی التعریف ہو کر رہ گئی) کیونکہ مثال مذکور میں یوم
الجمعة کا ذکر اس حیثیت سے نہیں کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا بلکہ اس حیثیت سے (ذکر

لئے کہ اس جگہ اگرچہ فعل لفظوں میں نہیں ہے
لیکن مقدر ضروری ہے ای صمت یوم الجمعة
اور قرینہ اس کی تقدیر سوال سائل ہے والشر
اعلم ۱۲

۲۱۵ قولہ نقولہ الخ یہاں سے شامح

فوائد قیود بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ قول
مصنف مافعل فیہ فعل اسماء زمان اور مکان
سب کو شامل ہے اس لئے کہ کوئی زمان یا
مکان ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی فعل نہ
کیا گیا ہو خواہ وہ فعل جو ان دونوں میں کیا گیا ہے
مذکور ہو یا نہ ہو یعنی اس کی طرف کسی قسم کا
انتفات نہ کیا گیا ہو پھر جب مصنف نے
مذکور کہا تو اس سے وہ مکان یا زمان خارج
ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ فعل جو ذکر کیا گیا ہو
مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعة یوم طیب کہ اس میں
اگرچہ کوئی نہ کوئی فعل تو ضرور کیا گیا ہے لیکن
وہ فعل مذکور نہیں لفظاً تو ظاہر ہے اور معناً
اس وجہ سے نہیں کہ جب یوم اول کو ابتدائیت
اور یوم ثانی کو خبریت کی بنا پر رفع دے دیا
گیا تو ان دونوں میں عامل معنوی ہو گیا لہذا
تقدیر عامل کی اب کوئی احتیاج باقی نہیں رہی
پس اس میں کوئی عامل مقدر بھی نہیں نکالا
جائے گا والشر اعلم ۱۲

۲۱۶ قولہ

لیکن بقی الخ یہ ایک اعتراض
ہے جس کو بیان کر کے شامح آگے چل کر اس کا
جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ یہ تعریف
دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں مفعول
بہ بھی داخل ہو جاتا ہے جیسے شہدیت یوم الجمعة
میں یوم الجمعة مفعول بہ ہے لیکن اس پر مفعول
فیہ کی تعریف صادق آ رہی ہے یعنی یہ کہ جس میں
فعل مذکور کیا گیا ہو اس لئے کہ شہود نہیں ہو گا مگر
یوم جمعہ میں اس کا جواب نکلوا اعتبار الخ سے شامح
نے یہ دیا کہ اگر تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار
کہ لیا جائے یعنی مفعول فیہ وہ ہے کہ جس میں
وہ فعل مذکور اس حیثیت سے کیا گیا ہو کہ اس
میں فعل مذکور کیا گیا ہو تو یہ مثال اس سے خارج
ہو جائے گی اس لئے کہ اس میں یوم جمعہ کا ذکر اس
حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا
گیا ہو بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل

مذکور یعنی شہود واقع ہے پس شہدیت یوم الجمعہ کے معنی یہ ہیں کہ میں حاضر ہوا اور میں نے روز جمعہ کو پایا یا نہ کیا میں نے شہود کو روز جمعہ میں پایا پس جب اس میں قید حیثیت کا اعتبار کر لیا گیا تو مثال مذکور تعریف مفعول فیہ سے خارج ہو جائے گی اور قید حیثیت اکثر تعریفات میں معتبر ہوتی ہی رہتی ہے لہذا اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں واللہ اعلم ۱۲

۱۲ قولہ ولا یخفی الخ یہ ایک سوال

ہے جو قید حیثیت کے اعتبار کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ جب تعریف میں قید حیثیت کا اعتبار ہے تو قول مصنف مذکور کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ مذکور یوم الجمعہ یوم طیب کو خارج کیا گیا ہے اور یہ قید حیثیت سے بھی خارج ہو جاتا ہے اسلئے کہ اس میں فعل مذکور کیا تو گیا ہے مگر من حیث انہ فعل فیہ فعل نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یوم الجمعہ پر یوم طیب معمول ہے لہذا اشباح کا منتہا اس اعتراض سے یہ ہے کہ مصنف کو قید مذکور کے اضافہ کی ضرورت نہیں اور اختصار بھی اس کا مقتضی ہے کہ اس کو ذکر نہ کیا جائے اس کا جواب الادبارة الخ سے خود ہی یہ ہے کہ شاید یہ قید اس وجہ سے مصنف نے ناقد کر دی ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف زیادہ واضح اور صاف ہو کر سامنے آجائے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں واللہ اعلم ۱۳

۱۸ قولہ وقولہ من زمان الخ مان نے

تعریف مفعول فیہ میں جو بالفعل فیہ الخ کہا ہے اس میں موصولہ یا موصوفہ ہے اکی کو من زمان او مکان سے مصنف بیان فرماتے ہیں شام کہتے ہیں کہ قول مصنف من زمان او مکان موصولہ یا موصوفہ کا بیان ہے اور اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں یعنی زمان و مکان بیان دونوں قسموں کے احکام جدا جدا بیان کرنے کے لئے بطور

علیہ فعل مذکور ولا یخفی انہ علی تقدیر اعتبار قید الحیثیۃ لا حاجۃ لقولہ مذکور الا لزیادۃ تصویر المعرف وقولہ من زمان او مکان بیان لما الموصولة او الموصوفة اشارة الى قسمی المفعول فیہ وتمہید البیان حکم کل منہما وهو ای المفعول فیہ ضریبان ما یظهر فیہ فی وهو محذور ہما وما یقدر فیہ فی وهو منصوب بتقدیر ہا وهذا خلاف اصطلاح القوم

ہوا کہ یوم الجمعہ پر فعل مذکور واقع ہوا (لہذا مثال ہذا میں یوم الجمعہ مفعول بہ قرار پائے گا کہ مفعول فیہ لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ مفعول فیہ کی تعریف جس طرح جامع ہے اسی طرح دخول غیر سے مانع بھی ہے) اور (اے طالب نصف) تجھ پر بات مضمی نہ رہے کہ مفعول فیہ کی تعریف میں قید حیثیت کے اعتبار کی تقدیر پر (مفعول فیہ کی تعریف میں) مصنف کے قول "مذکور" کی کوئی حاجت نہیں مگر صورت تعریف کی زیادتی کے لئے (تصویر مصدر سے بمعنی صورت اور معرف لفتح راہ مہمل تعریف سے مصدر مسمی ہے کیونکہ مصدر مسمی واسم مفعول واسم زمان واسم مکان ثلاثی مزید فیہ میں سے اس باب کے مضامین مجہول کے وزن پر آتے ہیں کما صرح بہ فی علم الصرف لہذا معنی یوں ہوگا الا لزیادۃ صورة التعریف) اور مصنف کا قول "من زمان او مکان" موصولہ یا موصوفہ (جو کہ بالفعل فیہ فعل میں ہے) کا بیان ہے تاکہ (اس سے) مفعول فیہ کے دو قسموں (ظرف زمان اور ظرف مکان) کی طرف اشارہ اور دونوں میں سے ہر ایک کے بیان کے لئے تمہید ہو جائے (جامی علیہ الرحمۃ کی عبارت میں اشارة اور تمہید مفعول نہ ہیں) اور وہ یعنی مفعول فیہ (مصنف کے نزدیک) دو قسم ہے (اور مجہور کے نزدیک ایک ہی ہے) یعنی منصوب بہ تقدیر فی اور مصنف کے نزدیک ان دو قسموں میں سے ایک (وہ کہ جس میں لفظ فی ظاہر کیا جائے اور وہ اس سے مجرور ہو جیسے سرت فی یوم الجمعہ) اور (وہ کہ جس میں لفظ فی مقدر کیا جائے اور وہ تقدیر فی سے منصوب ہو جیسے سرت یوم الجمعہ) اور یہ (مفعول فیہ کا دو قسم ہونا ایک وہ کہ جس میں فی مقدر کیا جائے دوسرا وہ کہ جس میں ظاہر کیا جائے) قوم (مخالف کی اصطلاح کے خلاف ہے) شام علیہ الرحمۃ کا مضمون کو یہاں پر قوم ایسے عام لفظ سے یاد فرمانا ان کے مذہب کے ضعیف اور مصنف کے قوی

تمہید کے ہے کہ قول مصنف بشرط نصب الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں زمان و مکان کے علاوہ اور ہیں یعنی تقدیر فی اور ذکر فی کے اعتبار سے پس شام کہتے ہیں کہ مفعول فیہ دو قسم ہے ایک وہ کہ اس میں فی حرف ظاہر ہو اور دوسرا وہ کہ اس میں فی کی دہر سے مجرور ہو اور دوسری قسم وہ ہے کہ فی مفعول نہ ہو مقدر ہو اور مفعول فیہ تقدیر فی کے باعث منصوب ہو اس پر شام و ہذا خلاف اصطلاح القوم الخ سے اعتراض کرتے ہیں کہ مفعول فیہ کا دو قسموں پر ہونا اصطلاح قوم کے خلاف ہے اس لئے کہ مجہور خا مفعول فیہ کا اطلاق

مجرور ہو اور دوسری قسم وہ ہے کہ فی مفعول نہ ہو مقدر ہو اور مفعول فیہ تقدیر فی کے باعث منصوب ہو اس پر شام و ہذا خلاف اصطلاح القوم الخ سے اعتراض کرتے ہیں کہ مفعول فیہ کا دو قسموں پر ہونا اصطلاح قوم کے خلاف ہے اس لئے کہ مجہور خا مفعول فیہ کا اطلاق

فانهم لا يطلقون المفعول فيه الا على المنصوب بتقدير في واما المحرور
بها فهو مفعول به بواسطة حرف الجر لا مفعول فيه وخالفهم المص
حيث جعل المحرور ايضا مفعولا فيه ولذلك قال وَشَرَطُ نَصْبِهِ اِى
شروط نصب المفعول فيه تقدير في اذ التلطف بها بوجوب الجر وشرط
الزمان ككلمتها ما كان الزمان او محذورا قبل ذلك اى تقدير
في لان للمبهم منها جزء مفهوم الفعل فيصير انتصابه بلا واسطة كالصدر
والحدود منها محمول عليه اى على المبهم لا اشتراكها في الزمانية نحو

نہیں آسکتا۔
(خائن کا) جانتا چاہئے کہ تقدیر فی کی
دو صورتیں ہیں تقدیر میں حیث العمل اور تقدیر
میں حیث المعنی اور اول ہو تو اس کے تقدیر کے
باد حمد و اسم پر حمد آئے گا کیونکہ اس کا عمل باقی
ہے گا اسی لئے اس کو مقدر میں حیث العمل
کہتے ہیں اور اگر ثانی ہو تو حمد نہیں آئے گا یہی
اس جگہ مراد ہے پھر یہ کہ جلست بالمسجد جلست فی
المسجد کے معنی میں ہے لہذا یہ بھی مفعول فیہ
میں داخل ہے واللہ اعلم ۱۲

۲۱۹ قولہ وظرف الزمان الخ ظروف
زمان کل کے کل خواہ مبہم ہوں یا محدود تقدیر
فی کو قبول کرتے ہیں مبہم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ
کی کوئی حد متعین نہ ہو جیسے صین۔ وقت
وغیرہ اور محدود وہ زمانہ ہے کہ جس میں عدد
نہایت کا اعتبار ہو جیسے دن۔ رات۔ مہینہ
سال وغیرہ بہر حال یہ تقدیر فی کو اس وجہ سے
قبول کرتے ہیں کہ زمانہ مبہم مفہوم فعل کا جز
ہوتا ہے یعنی جو زمانہ مفہوم فعل کا جز ہوتا
ہے وہ مبہم ہوتا ہے عام ازلی کہ فعل ماضی ہو
یا حال یا استقبال یہ مطلب نہیں کہ ہر زمان
مبہم مفہوم فعل کا جز ہوتا ہے اس لئے کہ
بہت سے مبہم زمانے کسی بھی فعل کا جز
نہیں ہوتے پس جبکہ یہ مفہوم فعل کا جز ہے
تو اس کو بلا واسطہ حرف جر کے تقدیر فی
کے ساتھ نصب دینا صحیح ہے اس لئے کہ یہ
قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جز فعل کو علیحدہ
مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو وہ بلا واسطہ
حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مصدر
یعنی مفعول مطلق اور یہ بھی جز ہے اور فعل
سے علیحدہ مذکور ہے مستقل طور پر لہذا اس
کو بھی نصب دینا صحیح ہوگا۔ اب رہا محدود
کا منصوب ہونا تو اس کو زمانہ مبہم پر چل کر
ہی اس لئے کہ دونوں زمانیت میں شریک
ہی ظرف زمانہ مبہم کی مثال جیسے صمت دہرا

ہونے کی طرف اشارہ ہے) کہ یہ لوگ (قوم سخا) منصوب بہ تقدیر فی پر ہی مفعول فیہ کا
الاق کر تے ہیں اور رہا مجرور بہ لفظ فی تو وہ (ان کے نزدیک) یہ واسطہ حرف جر مفعول بہ ہے
مفعول فیہ نہیں بلکہ مصنف نے ان کی مخالفت کی کیونکہ اس نے مجرور کو بھی مفعول فیہ قرار دیا
(اور بندہ عامی محمد غلام سرور قادری رضوی عرض کرتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی رائے صائب
ہے کیونکہ جس طرح مفعول فیہ کی تعریف منصوب بہ تقدیر فی پر صادق آتی ہے اسی طرح مجرور
بہ فی پر بھی صادق آتی ہے اور نیز اس لئے کہ جس طرح منصوب بہ تقدیر فی فعل کے لئے ظرف ہوتا
ہے یوں ہی مجرور بہ فی بھی اس کے لئے ظرف ہوتا ہے جب حد صادق آتی تو محدود بھی صادق
آگیا کیونکہ صدق الحدیثی صدق المحرور علی ذلك الشئ کو مستلزم ہے لہذا منصوب بتقدیر
فی کی طرح مجرور بہ فی پر بھی مفعول فیہ کا اطلاق صحیح رہا، اور اسی وجہ سے مصنف نے کہا (اور
اس کی نصب کی شرط) یعنی مفعول کی نصب کی شرط (تقدیر فی ہے) کیونکہ فی کا تلفظ مفعول
فیہ میں (جر کو واجب کرتا ہے) اور ظروف زمانہ سب کے سب زمانہ مبہم ہوں کہ جس کی
کوئی حد اور انتہاء کا اعتبار نہ کیا گیا ہو جیسے وقت اور صین) یا محدود (اس کو قبول کرتا ہے)
یعنی تقدیر فی کو کیونکہ ظرف مبہم ظروف زمانہ سے فعل کے مفہوم کا جز ہوتا ہے کیونکہ
فعل حدث اور زمانہ ہی کا نام تو ہے) لہذا اس کا بلا واسطہ منصوب ہونا صحیح ہے مصدر کی
طرح (کہ مصدر جو کہ حدث ہے فعل کے مفہوم کا جز ہے تو فعل اس کو کسی واسطہ کے
بغیر نصب دینا ہے یوں ہی ظرف زمانہ کو بھی اس کا بلا واسطہ نصب دینا صحیح ہے) اور
ظروف زمانہ میں سے ظرف محدود اس پر مبنی مبہم پر محمول ہے کیونکہ زمانیت میں دونوں مشترک

ایک اسم پر کرتے ہیں جو بتقدیر فی منصوب ہو لیکن میں میں ذکر فی کے باعث جر آئے وہ بواسطہ حرف جر مفعول بہ ہوتا ہے مفعول فیہ نہیں پس معلوم ہوا کہ مصنف نے مجرور بدخول فی کو بھی مفعول فیہ میں شامل کر کے مجرور سخا کی	مخالفت کی ہے اسی وجہ سے انہوں نے مفعول کے نصب کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسکے نصب کے لئے شرط یہ ہے کہ اسم سے پیشتر فی مقدم ہو اس لئے کہ اگر فی لفظ ہوگا تو اس سے جر واجب ہوگا اور مفعول فیہ پر نصب
---	--

غودون وسواى لا بنھا مہما ای لا بہام عند ولدی اے ولدی کو وجہ
حمل شہہما علیہ کان حکمہ حکمہما و فی بعض التسمی لا بہام ہا کما ہوا لفظ
وکذا حمل علی الیہم من المکان و لفظ مَکَان و ان کان معینا نحو جلست
مکانک لکثریتہ فی الاستعمال مثل الجہات الست لا بہامہ و کذا
حمل علیہ ما بَعْدَ دَخَلْتُ و ان کان معینا نحو دخلت الدار لکثرتہ فی
الاستعمال لا بہامہ حملی اَنَ صَحَّ ای علی المذهب الاصح فانہ ذهب
بعض الفاضلہ الی انہ مفعول یہ لکن الاصح انہ مفعول فیہ والاصل استعمالہ

نور سوی (بہ مکان جیسے کہتے ہیں المال سوی زیادہ مکان) لا ان دونوں کے ابہام کی وجہ
سے لا یعنی عند ولدی کے ابہام کی وجہ سے (ان کو شش جہات پر محمول کیا گیا اور مصنف
نے ان دونوں کے ظرف بہم پر محمول کرنے کی وجہ ذکر نہیں کی اس لئے کہ اس کا حکم ان دونوں
کا حکم ہے (کیونکہ مشبہ کا حکم مشبہ بہ کا حکم ہوتا ہے) اور (کافیہ کے) بعض نسخوں میں لا بہامہ
کی جگہ لا بہامہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ وجہ حمل عند ولدی میں نہیں تمام محمولات میں مذکور
ہو جائے اسی صورت میں ضمیر تانیث عند ولدی کے علاوہ دیگر محمولات کو بھی شامل
ہو گی یعنی عند ولدی اور ان کے مشابہ سب ظروف مکان کو ان کے ابہام کی وجہ سے ظرف
مکان بہم مفسر بہ جہات ستہ پر محمول کیا گیا (اور) اسی طرح ظرف مکان بہم پر محمول
کیا گیا (لفظ مکان) کو اگرچہ یہ معین ہے جیسے جلست مکانک (اس کے کثرت) استعمال
کی وجہ سے جہات ستہ کے کثرت استعمال کی طرح اس کے ابہام کی وجہ سے نہیں
(اور) اسی طرح بہم پر محمول کیا گیا (دخلت کے بعد کو) اگرچہ یہ معین ہے جیسے دخلت
الدار (اسی طرح سکنت اور نزلت کے بعد کو بھی) کثرت استعمال کی وجہ سے (ظرف مکان
بہم پر محمول کیا گیا) اس کے بہم ہونے کی وجہ سے نہیں (کیونکہ یہ بہم ہی نہیں بلکہ معین
ہیں) (صحیح ترین پر) یعنی صحیح ترین قول کی بنا پر کیونکہ (اس کے خلاف بھی ایک مذہب
یہ ہے کہ بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ دخلت کا مایع مفعول ہے کہ جس طرح
غرب کا مغروب کے بغیر تعقل نہیں ہو سکتا یوں ہی دخول کا تعقل بھی متعلق کے بغیر
نہیں ہو سکتا) لیکن صحیح ترین بات یہ ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے (کیونکہ دخول لازم ہے ممکنہ
کے بغیر میں اس کے بعد لازماً فی آتا ہے جیسے دخلت فی الامر دخلت الامر نہیں کہا جاتا اور
اس لئے کہ فی کے واسطے کے بغیر اس کے متعلق کا تعقل نہیں ہو سکتا مفعول یہ کے برعکس

کی گئی ہے لہذا اب کوئی اعتراض کی بات نہیں
اور وہ بعض ظروف یہ ہیں عند ولدی اور ان
کے مشابہ جیسے دون سوی وغیرہ اور ان کے
حمل کی وجہ یہ ہے کہ عند ولدی بہم ہی اس
لئے کہ عند کے معنی اطراف و جوانب کے ہیں
پس جب جلست عندک کہا جائیگا تو اس میں
مخاطب کے تمام اطراف و جوانب شامل
ہوں گے پس ابہام پایا جائے گا اور اسی بہام
کی وجہ سے ان کو جہات ستہ پر محمول کیا گیا
ہے نہ یہ کہ ان میں بھی جہات ستہ میں سے کوئی
جہت موجود ہے اب یہی وجہ کہ مصنف
نے عند ولدی کے حمل کی وجہ تو بیان کر دی
ان کے مشابہات کی وجہ بیان نہیں کی تو اس کا
جواب شراح دلم بذکر الخ سے یہ ہے کہ میں
کہ ان کی وجہ اس لئے بیان نہیں کی کہ مشابہت
کی وجہ سے جو حکم مشبہ بہ یعنی عند وغیرہ کلمہ
دی مشبہ کا بھی ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں
میں لا بہامہ کے بجائے لا بہامہ موجود ہے
اور یہی ظاہر بھی ہے تاکہ تمام کو شامل ہو جائے
اور کسی قسم کا اعتراض وارد نہ ہو واللہ اعلم ۱۱
۲۲۳ قولہ و کذا حمل الخ ایسے ہی لفظ
مکان کو بھی مکان بہم پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ
یہ معین و محدود ہے جیسے جلست مکانک (میں
تیری جگہ بیٹھا) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استعمال
بکثرت ہوتا ہے جیسا کہ جہات ستہ بکثرت
استعمال ہوتی ہیں پس یہ حمل کثرت استعمال کے
باعث ہے ابہام کے سبب سے نہیں اس لئے
کہ کثرت مقتضی ہے تخفیف کو اور تخفیف اس
میں ہے کہ فی کو حذف کر کے بتقدیر فی منصوب
پڑھیں لہذا لفظ مکان کو بھی منصوب پڑھیں
گئے واللہ اعلم ۱۲

۲۲۴ قولہ و کذا حمل علیہ الخ ایسے

ستہ بعض ظروف مکانیہ کو شامل نہیں تھے
کہ جن میں بتقدیر فی نصب جائز ہے تو مصنف
نے کہا کہ بتقدیر تو جہات ستہ میں ہی ہے البتہ
دوسرے بعض ظروف مکانیہ کو جو منصوب
ہوتے ہیں ان پر حمل کیا جائیگا پس اس مکان
بہم پر کہ جس کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ

اس کا اصل بھی ابہام کے باعث نہیں بلکہ کثرت استعمال اس کا سبب ہے اس جگہ علی الاصح کہنے کی یہ ضرورت پیش آگئی کہ بعض نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ یہ مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں لیکن اصح یہی ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے اور اصل استعمال اس کا حرف جر کے ساتھ تھا لیکن اس کو کثرت استعمال کے باعث حذف کر دیا گیا و اللہ اعلم

۲۲۵ قولہ و هذا محل الخیر ایک

اعتراض ہے جو مذہب اصح پر وارد ہوتا ہے یعنی دخلت الدار میں دار کو مفعول فیہ بنانا درست نہیں بلکہ یہ مفعول بہ ہے اس لئے کہ فعل متعدی کی متعدی قید درست نہیں جس طرح مفعول بہ کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتا اسی طرح دخول کے معنے بھی دار کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتے اور مفعول فیہ کی حاجت طلب فعل کو اس وقت ہوتی ہے جبکہ فعل کے معنے تمام ہو جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس جگہ معنے تمام نہیں ہوتے بلکہ جب دخلت کے معنے دار انضمام سے تمام ہو جائیں گے تب فعل مفعول فیہ کو طلب کر لیا جائیگا کہ مثلاً دخلت الدار فی البلد الفلانی میں ہے پس معلوم یہ ہوا اور ظاہر یہی ہے کہ الدار مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو مصدر مفعول کے وزن پر ہوتا ہے وہ اکثر لازم ہوتا ہے پس دخول بھی لازم ہوگا اور اس کے لئے مفعول بہ کی ضرورت نہیں ہوگی پس الدار مفعول بہ نہیں ہو سکتا مفعول فیہ ہوگا و اللہ اعلم

۲۲۶ قولہ و ما یؤید الخیر مذکورہ بالا

اعتراض کی مزید تائید و توثیق ہے اور اس سے ہذا مذہب اصح کا رد مقصود ہے کہتے ہیں کہ الدار کو مثال مذکور میں مفعول فیہ بنانا کیسے درست ہے اس لئے کہ مفعول فیہ کی علامت یہ ہے کہ جس طرح ہر فعل کو مکان خاص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ فعل اس مکان خاص مثلاً

بحرف الخیر لکنہ حذف لکثرة استعماله و هذا محل تأمل فان الفعل لا یطلب المفعول فیہ الا بعد تمام معناه ولا شک ان معنی الدخول لا یتقر یمن الدار و بعد تمام معناه بہا یطلب المفعول فیہ کما اذا قلت دخلت الدار فی البلد الفلانی فالظاہر انہ مفعول بہ لا مفعول فیہ و ما یؤید ذلك ان کل فعل تسب الی مکن خاص بوقوعہ فیہ یصح ان ینسب الی مکن شامل لہ ولغیرہ فانه اذا قلت ضربت زیداً فی الدار التی فی جزیر من البلد فکما یصح ان تقول ضربت زیداً فی الدار كذلك یصح ان تقول ضربتہ فی البلد و فعل الدخول بالنسبۃ الی الدار لیس کذا فانه اذا قال

اور دخلت کا اصل استعمال حرف جر (یعنی فی) کے ساتھ ہے لیکن دخلت کے کثرت استعمال کی وجہ سے (بہ ارادہ تخفیف فی اللفظ) حرف جر کو حذف کر دیا گیا اور یہ (دخلت) کما بعد کا علی القول الاصح مفعول فیہ اور دخلت کا لازم ہونا محل غور ہے کیونکہ فعل (مطلقاً) اپنے معنی کے تمام ہونے بعد ہی مفعول فیہ کو طلب کرتا ہے (اور فعل کا معنی فاعل سے تمام ہوتا ہے اگر لازم ہو اور فاعل کے ساتھ مفعول کے ہمراہ تمام ہوتا ہے اگر متعدی ہو) اور اس میں شک نہیں کہ دار کے بغیر دخول کا معنی تمام نہیں ہوتا اور اس کے معنی کے تمام ہونے کے بعد مفعول فیہ کو چاہتا ہے جیسا کہ تم کہو دخلت الدار فی البلد الفلانی تو ظاہر یہ ہے دار مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اور ان امور میں سے کہ جو دخلت کے مابعد کے مفعول بہ ہونے کے لئے مفعول فیہ ہونے کی تائید کرتا ہے یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو مکان خاص کی طرف اس میں واقع ہونے کی وجہ سے منسوب ہو اس فعل کا ایسے مکان کی طرف منسوب ہونا صحیح ہوتا ہے جو اس مکان خاص اور اس کے علاوہ دوسرے مکان کو شامل ہو پس جب تم نے کہا ضربت زیداً فی الدار الخ (یعنی میں نے زید کو اس دار میں مارا جو کہ شہر کا ایک حصہ ہے) تو جس طرح تمہارا ضربت زیداً فی الدار کہنا صحیح ہے اسی طرح تمہارا ضربت زیداً فی البلد (یا فی المحلۃ التی شاملۃ لتک الدار ولغیرہا) کہنا صحیح ہوگا اور فعل دخول دار کی نسبت اس طرح نہیں ہے کیونکہ جب

دار میں واقع ہے اسی طرح اس میں یہ بھی صحیح ہوتا ہے کہ اس فعل کی نسبت ایسے مکان کی طرف نہ کر سکیں جو اس مکان خاص مثلاً دار کو شامل ہو یا اس مکان کا غیر ہو اس لئے کہ جب کوئی شخص ایسے ضربت زیداً فی الدار الخ ہی جزیر من البلد تو اس کے بجائے جس طرح ضربت زیداً فی الدار کہنا صحیح ہے اسی طرح ضربت زیداً فی البلد بھی کہنا صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ دار شہر کا ایک حصہ ہے اور فعل کی نسبت اس مکان خاص یعنی دار کی طرف کی گئی ہے تو جس طرح ہم ضربت زیداً فی الدار کہہ سکتے ہیں فعل کو دار کی طرف نسبت کر کے اسی طرح اس کے بجائے فعل کی نسبت ایسے مکان کی طرف بھی کی جاسکتی ہے جو اس مکان خاص یعنی دار کو شامل ہو یا اس کا غیر ہو جیسے

الداخل في البلد دخلت الدار لا يصح ان يقول دخلت البلد فنية
الدخول الى الدار ليست كنسبة الافعال الى امكنتها التي فعلت فيها
فلا تكون الدار مفعولاً فيه بل مفعولاً به وقيل معناه على الاستعمال
الاصح فيكون اشارة الى ان استعمال دخلت مع في نحو دخلت في الدار
صحيح لكن الاصح استعمال بدوت في ونقل عن سيبويه ان استعمال
بفي شاذ وينصب اي المفعول فيه بعاملاً مضمراً بلا شريطة التفسير

بلد میں مقیم انسان دخلت الدار کہے گا تو اس کا دخلت البلد کہنا صحیح نہ ہوگا (کیونکہ اس سے
اس وقت دخول بلد پایا ہی نہیں گیا اس لئے کہ وہ تو بلد میں ہی ہے دخول تو خروج کے بعد
ہی متحقق ہوگا اور مفروض بلد میں ہونا اور دار میں داخل ہونا ہے) تو دخول کی نسبت دار کی
طرف افعال کی ان کے امکان کی طرف نسبت کی طرح نہیں جو افعال کہ ان امکان میں کئے گئے
لہذا دار مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ مصنف کے قول اصح کا معنی
اعلیٰ الاستعمال الاصح ہے لہذا یہ (اعلیٰ الاستعمال الاصح) اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ
دخلت کا استعمال فی کے ہمراہ جیسے دخلت فی الدار صحیح ہے لیکن صحیح ترین اس کا بغیر فی کے
استعمال ہے اور سبویہ سے منقول ہے کہ دخلت کا استعمال فی کے ساتھ شاذ ہے اور
منسوب ہوگا (یعنی مفعول فیہ عامل مضمّر کے ساتھ) شرطیہ تفسیر کے بغیر جیسے یوم الجمعة اس

حضرت زید فی البلد کہ اس میں فعل کی نسبت بلد
کی طرف ہے اور بلد مکان خاص کا غیر ہے لیکن
مکان خاص چونکہ بلد میں واقع ہے اور مکان بلد
کو لازم ہے اس لئے اس کی طرف فعل کی نسبت
صحیح ہے اور فعل دخول کی نسبت جب دار کی
طرف کی جاتی ہے تو یہ ایسا نہیں کہ اس کی نسبت
ایسے مکان کی طرف بھی ہو سکے جو دار کو شامل یا
اس کا غیر ہو اس لئے کہ جب کوئی شخص شہر میں
موجود رہتا ہے تو یہ کہے گا کہ دخلت الدار
تو اس کے بجائے دخلت البلد نہیں کہہ سکتے
اس لئے کہ اس وقت قائل کا دخول شہر میں نہیں
پایا جاتا اس لئے کہ وہ پہلے سے داخل ہے البتہ
دخول فی الدار اب پایا گیا ہے پہلے نہیں تھا۔
پس دخول کی نسبت دار کی طرف ایسی نہیں جیسی
کہ دیگر افعال کی نسبت ان کے امکان کی طرف ہے
کہ وہ فعل ان خاص امکان میں کئے گئے ہیں اور

دوسرے مکانوں کو بھی شامل ہیں مثلاً ضرب زید
فی الدار کہ یہ ضرب زید فی البلد کو بھی شامل ہے
پس دخلت الدار میں الدار مفعول فیہ نہیں
ہو سکتا مفعول بہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ
قاعدہ کلیہ نہیں اکثر یہ ہے اس لئے کہ مثلاً بیت
دار کو مشتمل ہوتا ہے پس جب کوئی شخص بیت
کے تمام اجزاء میں قعود اختیار کرے اور بیت
دار کا ایک جز ہے تو قعود کی نسبت بیت کے
تمام اجزاء کی طرف درست ہوگی کیونکہ بیت
کے تمام اجزاء مکان خاص ہیں لیکن قعود کی نسبت
دار کی طرف کہہ کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ قعود
فی جمیع اجزاء الدار اس لئے کہ یہ غلط ہو جائیگا
کیونکہ دار کے تمام اجزاء میں قعود متحقق نہیں
بلکہ دار کے بعض اجزاء یعنی بیت کے تمام
اجزاء میں قعود متحقق ہے پس اسی طرح یہاں
بھی کہہ سکتے ہیں کہ دخلت الدار بھی اسی قبیل

سے ہے کہ دخلت الدار کے بجائے دخلت
البلد نہیں کہہ سکتے کیونکہ دخول بلد دخول دار
پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ دخول کے معنی
خارج سے داخل کی طرف منتقل ہونے کے ہیں
اور وہ خارج نہیں بلکہ داخل ہے لہذا یہ مفعول فیہ
ہوگا مفعول بہ ہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۲۷ قولہ وقيل معناه الخیر قول مصنف
علی الاصح کی دوسری توضیح ہے پہلی توضیح شراح
اعترافات سے پیشتر بیان فرما چکے ہیں کہتے
ہیں کہ بعض لوگوں نے الاصح کا موصوف بجائے
المذہب کے الاستعمال ظاہر کیا ہے ای علی
الاستعمال الاصح پس اس صورت میں اس سے
اس امر کی طرف اشارہ ہوگا کہ دخلت کا استعمال
فی کے ساتھ صحیح اور درست ہے جیسے
دخلت فی الدار لیکن اصح استعمال اس کا فی
کے بغیر تقدیر نے کے ساتھ ہوتا ہے پس
اندری صورت اس میں کوئی اختلاف نہیں
ہوگا یعنی چونکہ اس کا اصح استعمال یہ ہے کہ
اس میں فی مقدم ہو لہذا اس کو بھی مکان مبہم پر
محمول کریں گے اس سے بحث نہیں کہ یہ تقدیر
صحیح بھی ہے یا نہیں اور اصح استعمال اس کا
بتقدیر فی سب کے نزدیک متفق علیہ ہے
اسی وجہ سے سبویہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ
دخلت کا استعمال فی کے ذکر کے ساتھ شاذ
ہے کیونکہ یہ خلاف اصح ہے واللہ اعلم۔

۲۲۸ قولہ وينصب الخ یہاں سے
مصنف رحمہ اللہ مفعول فیہ کے عامل مضمّر سے
منسوب ہونے کو بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں
کہ مفعول فیہ عامل مضمّر سے بلا شرطیہ التفسیر
منسوب ہوتا ہے یعنی وہ عامل اس وجہ سے
مضمّر نہیں ہوتا کہ اس کی تفسیر مذکور ہو جیسے کوئی
شخص متنی برت کہے اور اس کے جواب میں
یوم الجمعة کہا جائے اسی مرت یوم الجمعة پس اس
جگہ یوم الجمعة میں عامل مضمّر کی کوئی تفسیر موجود
نہیں اور یوم الجمعة عامل مضمّر یعنی مرت کی

وجہ سے منصوب ہے واللہ اعلم
۲۲۹ قولہ: بجعل مضمراً الخ اس
 جگہ قول مصنف علی شریطۃ التفسیر بلا شریطۃ
 التفسیر پر معطوف ہے اور معطوف علیہ یعنی
 بلا شریطۃ التفسیر بقرینہ مقام محذوف ہے
 پس تقدیر عبارت یوں ہے: ومنصب بجعل مضمراً
 علی شریطۃ التفسیر اسی عطف کی درستگی کے لئے
 شامح نے قول مصنف لجعل مضمراً کے بعد
 بلا شریطۃ التفسیر کا اضافہ کیا ہے بہر حال مطلب
 یہ ہے کہ مفعول فیہ عامل مضمراً سے شریطۃ التفسیر
 کی بنا پر بھی منصوب ہوتا ہے جیسے یوم الجمعة
 صمت فیہ ای صمت یوم الجمعة صمت فیہ اور
 اس کی تفصیل بھی بعینہ وہی ہے جو مفعول بہ میں
 بعنوان ما مضمراً عالمہ علی شریطۃ التفسیر گذر چکی
 مختصراً یہ کہ یہاں بھی وہی پانچ صورتیں متصور ہوتی
 ہیں یعنی (۱) اختیار رفع جیسے یوم الجمعة صمت
 فیہ (۲) اختیار نصب جیسے یوم الجمعة صمت
 فیہ (۳) وجوب رفع جیسے یوم الجمعة صمت فیہ
 (۴) وجوب نصب جیسے ان یوم الجمعة صمت
 فیہ صمت فیہ (اگر جمع کے دن تو نے روزہ رکھا
 میں بھی روزہ رکھو ننگا) (۵) تساوی طرفین یعنی
 رفع و نصب برابر جیسے ید صام و یوم الجمعة
 صمت فیہ واللہ اعلم

۲۳۰ قولہ: المفعول لہ الخ مفاعیل
 خمسہ میں سے چوتھا مفعول لہ ہے مفعول لہ
 وہ اسم ہے کہ جس کے عامل کرنے یا اس کے
 پائے جانے کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا
 ہو اس جگہ لاجلہ کی شرح ای نقصہ تحصیل الخ سے
 کر کے شامح نے ایک سوال مقدمہ کا جواب
 دیا ہے سوال یہ ہے کہ تعریف اپنے افراد کو جامع
 نہیں اس لئے کہ اس سے تادیباً خارج ہوجاتا
 ہے جو کہ ضربت تادیباً میں ہے کیونکہ قول مصنف
 لاجلہ سے متبادر ہے ہوتا ہے کہ وہ فعل مذکور اس
 اسم کے موجود ہونے کے سبب سے کیا گیا ہو
 اور تادیب موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول

نحو یوم الجمعة فی جواب من قال حتی سوت ای سوت یوم الجمعة و
 بعامل مضمراً علی شریطۃ التفسیر نحو یوم الجمعة صمت فیہ و تفصیل
 فیہ بعینہ کما مر فی المفعول بہ المفعول لہ ہو ما فعل لا جملہ ای نقصہ
 تحصیلہ اولیب وجودہ و خرجہ سائر المفاعیل ما فعل مطلقاً و بہ اوقیہ او
 فعل ای حدث مذکور ای مفعول حقیقہ او حکماً فلا ینخرج عنہ ما
 کان فعلہ مقدار اکما اذا قلت تادیباً فی جواب من قال لو ضربت زیداً فقولہ
 مذکور احراز عن مثل اعجبی التادیب فان قلت کیف یصح الاحتراز بہ عنہ

شخص کے جواب میں جو کہے متی سرت یعنی سرت یوم الجمعة (اور) عامل مضمراً سے شریطۃ
 تفسیر کی بنا پر جیسے یوم الجمعة صمت فیہ اور اس میں تفصیل بعینہ اسی طرح ہے جس طرح کہ مفعول
 بہ میں گذری (مفعول لہ اس کا نام ہے جس کے لئے کیا گیا ہو) یعنی جس کو حاصل کرنے کے لالہ
 سے یا جس کے وجود کے سبب سے ضربت تادیباً الاول اور قدرت عن الحرب جینا لسانی
 اور مصنف کے قول لاجلہ سے باقی مفاعیل از قبیل مفعول مطلق یا مفعول بہ یا مفعول فیہ یا
 مفعول مع (مفعول لہ کی تعریف سے) خارج ہو گئے (فعل) یعنی کام (مذکور) یعنی مفعول حقیقہ
 یا حکماً تو مفعول لہ کی تعریف سے وہ مفعول لہ خارج نہ ہوگا جس کا فعل مقدار ہو جیسا کہ تم
 کہو تادیباً اس شخص کے جواب میں جس نے کہا لم ضربت زیداً پھر مصنف کا قول "مذکوراً"
 اعجبی التادیب کے مثل سے احتراز ہے (کیونکہ تادیب کا فعل کہ جسے تحصیل تادیب کے
 قصد سے کیا گیا مذکور نہیں ہے نہ لفظاً نہ تقدیراً) پس اگر تم کہو کہ اس سے احتراز کیونکر صحیح

کے لئے فعل کیا جاتا ہے ورنہ اگر تادیب موجود
 ہو تو ضرب کی حاجت ہی نہ ہے جواب یہ ہے
 کہ لاجلہ میں تقسیم ہے یعنی لعدم فعل سے خواہ اس
 اسم کے حصول کا ارادہ ہو جیسے ضربت تادیباً
 میں تادیب کا حصول مد نظر ہے یا وہ فعل اسم کے
 وجود کے سبب سے کیا گیا ہو جیسے قدرت
 عن الحرب جینا (ہزولی کے باعث میں جنگ
 سے بیٹھ گیا) پھر لاجلہ کی قید سے باقی مفاعیل
 یعنی مفعول مطلق بہ فیہ۔ مع سبب خارج ہو
 گئے اس لئے کہ ان میں قید لاجلہ ملحوظ نہیں ہوتی
 پھر اس جگہ بھی فعل کے بعد قدرت کہنے کا باعث
 بھی وہی ہے جو مفعول فیہ میں گذرا یعنی سوال مقدمہ
 اور اس کا جواب ملحوظ کے اضافہ کی وجہ سے بھی
 آتی ہے حقیقہ او حکماً سے تعریف میں تقسیم مقصود
 ہے تاکہ یہ اس مفعول لہ کو بھی شامل ہو جائے
 جس کا فعل مقدمہ ہو جیسے کوئی شخص لم ضربت
 زیداً کہے تو اس کے جواب میں تادیباً کہہ دیا جائے
 پس یہ بھی مفعول لہ ہے اور تقدیر عبادت یوں
 ہے ای ضربت زیداً تادیباً پھر قول مصنف
 مذکورہ کی شرح ملحوظ کے ساتھ کر کے شامح
 نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ
 بحسب انزال مصدر سے ہے ذکر بعینہ الذال سے نہیں
 کیونکہ ذکر کا تعلق تعقل اور قلب سے ہے پس
 اس سے اعجبی التادیب خارج ہو جائے گا۔
 اس لئے کہ اس کا فعل یعنی وہ ضرب جو تحصیل تادیب
 کے لئے کی گئی ہے متعلق ہے لفظوں میں نہیں نہ

وہوای الفعل للذی فعل لاجلہ مذکور فی الجملة کما فی ضربت زیذا قلنا
المراد مذکور معہ فان قلت ہو مذکور معہ کما فی ضربتہ تادیباً قلنا المراد
مذکور معہ فی الترتیب الذی ہو فیہ ویرد ح نحو العجیبی التادیب الذی ضربت
لاجلہ اللهم الا ان یزاد بذكرہ معہ ایادہ معہ للعمل فیہ مثل ضربتہ
تادیباً مثال لما فعل لقصد تحلیہ فعل وهو الضرب فان التادیب انما یحصل
بالضرب ویترتب علیہ وَقَعْدَتْ عَنْ الْحَرْبِ جُبْنَا مثال لما فعل بسبب
وجودہ فعل وهو القعود فان القعود انما وقع بسبب الجبن والقائل یكون

تادیباً میں ہے لہذا پھر مثال العجیبی التادیب
اس میں داخل ہو گئی جواب یہ ہے کہ مذکور معہ
سے اس ترکیب میں مذکور معہ مراد ہے کہ جس
ترکیب میں وہ اسم پایا جائے اور ظاہر ہے
کہ العجیبی التادیب میں وہ فعل اس اسم کے
ساتھ اس ترکیب میں مذکور نہیں بلکہ دوسری
ترکیب میں مذکور ہے لیکن اس وقت پھر
اعتراض وارد ہوا کہ العجیبی التادیب الذی ضربت
لاجلہ میں اسم کے ساتھ فعل مذکور بھی ہے اور
اسی ترکیب میں یہی ہے لہذا یہ اس میں داخل ہے

اس کا جواب اللهم الا ان یزاد الخ سے شارح
نے یہ دیا کہ اب آخری جواب یہی ہے کہ وہ
فعل اس اسم کے لئے اس لئے لایا جائے کہ
وہ اس میں عمل بھی کرے کہ مثال مذکور میں جو فعل
مذکور ہے وہ تادیب میں عمل نہیں کر سکتا بلکہ
فعل مذکور موصول کا صلہ ہو کر اس مذکور کی
صفت واقع ہو رہا ہے لہذا یہ اس سے خارج
ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۲۳۲ قولہ مثل ضربتہ جیسے ضربتہ
تادیباً یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے
حصول کے قصد کے لئے فعل کیا گیا ہے یعنی
ضرب اس لئے کہ تادیب ضرب سے حاصل
ہوتی ہے اور تادیب اس پر مترتب ہوتا ہے
واللہ اعلم ۱۲۔

۵۲۳۳ قولہ وقعت الخ یہ اس مفعول
کی مثال ہے کہ جس کے وجود کے باعث فعل
مذکور کیا گیا ہے یعنی قعود اس لئے کہ قعود جبن
و بندوبست کی وجہ سے متکلم سے سرزد ہوا ہے
واللہ اعلم

۵۲۳۴ قولہ والقائل الخ اس سے شارح
نے یہ بتلایا ہے کہ خلافاً بخلاف کا مفعول مطلق
ہے اور بخلاف جملہ ہو کر القائل بكون المفعول لہ الخ
کی خبر ہے اور ظاہر ہے یہ واضح کر دیا کہ خلافاً
مفعول مطلق نوع کے لئے ہے اس لئے کہ
خلاف کی دو قسمیں ہیں ظاہر اور خفی اور اگر اول

ہے حالانکہ وہ یعنی وہ فعل کہ جس کے لئے فعل کیا گیا فی الجملة (یعنی بعض مثالوں میں) مذکور ہے
جیسا کہ (متبارع قول) ضربت زیذا میں (مذکور ہے) اگرچہ وہاں العجیبی التادیب میں مذکور
نہیں (ہم نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ وہ فعل اس اسم کے ہمراہ مذکور ہو) یعنی مثلاً ضرب تادیباً کے
ہمراہ مذکور ہو پھر اگر تم کہو کہ فعل اس اسم کے ساتھ (بعض ترکیبوں میں) مذکور ہے جیسے
ضربتہ تادیباً میں ہم نے کہا کہ (مصنف کے قول مذکور سے) مراد یہ ہے کہ (فعل) اس (اسم)
کے ساتھ اس ترکیب میں مذکور ہو کہ وہ (اسم یعنی مفعول لہ) اس (ترکیب) میں ہو اور
اس وقت العجیبی التادیب الذی ضربت لاجلہ کی مانند سے سوال وارد ہو گا کہ یہاں وہ
فعل بھی موجود ہے مگر تادیب مفعول لہ نہیں بلکہ العجیبی کا فاعل ہے (اے اللہ تو ہی مدد
فرمایا اس اعتراض سے جو ٹٹنا مشکل ہو گیا) مگر یہ (کہا جائے) کہ فعل کے اس اسم کے ساتھ
مذکور ہونے سے مراد فعل کا اس اسم میں عمل کرنے کے لئے اس کے ہمراہ وارد کرنا ہے (جیسے
ضربتہ تادیباً) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے کہ جس کی تحصیل کے قصد سے فعل کیا گیا اور وہ
فعل ضرب کیونکہ تادیب ضرب سے ہی حاصل ہوتی اور اس پر مترتب ہوتی (اور ضرب
کا اثر قرار پاتی ہے) اور وقعت من الحرب جیسا کہ یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے کہ جس کے
وجود کے سبب سے فعل کیا گیا اور وہ فعل قعود ہے کیونکہ قعود بندوبست کی وجہ سے واقع ہوا

حقیقتہً نہ حکماً اس لئے کہ العجیبی التادیب اس
وقت کہا گیا ہے جبکہ ضربت زیذا تادیباً کہہ دیا
گیا پس اس ضرب کی وجہ سے تعجب کو تعجب
پیدا ہوا اور اس نے العجیبی التادیب کہہ دیا
واللہ اعلم ۱۲۔
۵۲۳۵ قولہ فان قلت الخ اب اگر
کوئی کہے کہ قید مذکور کے قیدیہ العجیبی التادیب
سے احتراز کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ
فعل جو اسم کے حصول کے لادہ سے کیا گیا

المفعول له معمول مستقلاً غير داخل في المفعول المطلق بخلاف ظاهر
للزجاج فإنه أي المفعول له عند أي عند الزجاج مضمود من غير
لفظ فعله فالمعنى عندك في المثالين المذكورين أدبته بالضرب تأديباً وجبت في
القعود عن الحرب جنباً وضرته ضرب تأديب وقعت قعوداً وجب و مراد
قول الزجاج بان صحة تاويل نوع بنوع لا تدخله في حقيقة الا ترى ان صحة
تاويل الحال ما بطرف من حيث ان معنى جاء زيد راكباً جاء زيد وقت الركوب
من غير ان تخرج عن حقيقة

ہے اور مفعول له کے معمول مستقل ہونے اور (اس کے) مفعول مطلق میں داخل نہ ہونے کا قائل
خلاف کرتا ہے (لا خلاف) ظاہر (زجاج کے کہ وہ) یعنی مفعول له (اس کے نزدیک) یعنی
زجاج کے نزدیک (مصدر ہے) (یعنی مفعول مطلق ہے) جو اپنے فعل کے لفظ سے نہیں جیسے
قعدت جلوساً تو اس کے نزدیک دونوں مذکورہ مثالوں کا معنی ہوگا ادبہ بالضرب تأديباً
وجبت في القعود عن الحرب جنباً یا ضربتہ ضرب تأديب وقعت قعوداً وجب (ان آخری
دو صورتوں میں مصدر جنس فعل سے مقدر بتایا گیا ہے جو مضاف ہے اور اضافت مسبب کا
سبب یا معلول کی علت کی طرف ہے) اور زجاج کا قول اس طرح رد کیا گیا ہے کہ ایک
نوع کی دوسری نوع کے ساتھ تاویل کا صحیح ہونا اس (نوع اول) کو نوع آخر کی حقیقت میں
داخل نہیں کرتا (لہذا مفعول له کی مفعول مطلق کے ساتھ تاویل کرنا مفعول له کو در حقیقت
مفعول مطلق نہیں بنادیتا) (اے مخاطب) کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حال کی طرف سے تاویل
کرنا ثابت ہے اس طرح کہ جاء زيد راكباً کا معنی جاء زيد وقت الركوب ہے اس کے بغیر
کہ صحت تاویل حال کو اس کی حقیقت سے نکلے (اسی طرح ظرف کی حال کے ساتھ تاویل کا
صحیح ہونا ظرف کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا جیسے جاء زيد وقت التسليم کی جملہ
زيد معلما سے تاویل صحیح ہے)

مراد ہے بہر حال کہتے ہیں کہ جو لوگ اس بات
کے قائل ہیں کہ مفعول له معمول مستقل ہے اور
مفعول مطلق میں داخل نہیں وہ لوگ زجاج کا
خلاف کرتے ہیں اس لئے کہ زجاج کے نزدیک
مفعول له معمول مستقل نہیں بلکہ بغیر لفظ فعل کا
مفعول مطلق ہے یعنی اس مصدر کا فعل اکی جیسا
ذکر نہیں کیا جاتا جیسے ضرباً کے لئے ضربت
بلکہ اس کے لئے دوسرا فعل آتا ہے پس زجاج کے
ز نزدیک دونوں مذکورہ مثالوں کے معنی ادبته
بالضرب تأديباً اور جنبت في القعود عن الحرب
جنباً کے ہیں یا ضربتہ ضرب تأديب وقعت
قعوداً وجب کے لیکن یہ قول مردود ہے اس لئے
کہ ایک نوع کی دوسری نوع کے ساتھ تاویل اگر
صحیح ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ
نوع اول نوع آخر کی حقیقت میں داخل ہو کر جن
آخر بن جائے ورنہ تاویل کے ذریعہ حال کو بھی
مفعول فیہ بتا سکتے ہیں اس لئے کہ مثلاً جاء زيد
راكباً کو تاویل کر کے جاء زيد وقت الركوب کے
معنی میں کہہ سکتے ہیں اور یہ تاویل اس امر کے بغیر
صحیح ہو جاتی ہے کہ حال اپنی حقیقت سے خارج
ہو یعنی حال بھی اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتا
اور تاویل بھی صحیح ہو جاتی ہے پس زجاج کا قول
قابل اعتبار نہیں (اس جگہ خلاف کی نسبت چھوڑ
نما کی طرف کر کے مصنف نے غلطی کی ہے اس
لئے کہ نما اصل میں زجاج فرع لہذا فرع کی طرف
نسبت کرنی چاہئے تھی واللہ اعلم

۵۲۳۵ قولہ و شرط نصب الخ یعنی مفعول
له کے نصب حال کرنے کی شرط یہ ہے کہ لام
مقدر ہو یہ مطلب نہیں کہ اسم کے مفعول له ہونے
کی شرط تقدیر لام ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی لیتے
ہیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عبارت میں
اصل ایجاز و اختصار ہے لہذا مصنف کو و شرط
نصب کے بجائے و شرط کہنا چاہئے تھا اس
کے جواب کے لئے شائع نے لا شرط کون الا سلم
کا اضافہ کیا کہ اگر مصنف عبارت میں اختصار کر

دیتے تو اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ بشرط مفعول
له کے منصوب ہونے کے لئے نہیں بلکہ اسم
کے مفعول له بننے کے لئے ہے اور یہ خلاف
مقصود ہے پس لام اگر مقدر ہوگا تو مفعول له
پر نصب آئے گا ورنہ ذکر لام کے باعث مجرد
ہوگا مصنف کے اس بیان اور شائع کی اس
اضافہ لا شرط کون الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
مصنف کے نزدیک مفعول له اس اسم کا نام
ہے جس کے لئے فعل مذکور کیا گیا ہو خواہ اس

میں لام مذکور ہو یا مقدر البتہ اس کے منصوب
ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو پس اس
تعمیم کی بنا پر مصنف کے نزدیک السمن اور اکرام
جو کہ مثال مندرجہ ذیل میں مذکور ہیں مفعول له
میں داخل ہیں جیسے جئک للسمن ولا کر امک الزائر
د آیا میں تیرے پاس گئی کے حصول اور تیرے
زیارت کرنے والے کا اکرام و عزت کرنے
کے سبب سے) یعنی تو اپنے زیارت کرنے
والے کی عزت و تکریم کرتا ہے اس وجہ سے

اللام عبارة عن حذفها عن اللفظ وابقائها في النية وكان الاصل ابقاءها في اللفظ والنية فلا حاجة في ابقائها في النية الى شرط بل الحاجة اليه انما يكون في حذفها من اللفظ ولذا قال وانما يجوز حذفها ولو يكتف بارجاع ضمير القاعل الى تقدير اللام فيجوز حذفها كما يجوز ذكرها اذ امكن المفعول له
فإن لا احتراز عما اذا كان عينا نحو جئتک للممت لفاعل الفعل المفعول
بیه ای اتحد فاعله وفاعل عامله احتراز عما اذا كان فعلا لغيره نحو

حذف کرنا اور نیت میں اس کو باقی رکھنا سے عبارت تھی حالانکہ (تعلیلات افعال میں) اصل لام کا لفظ اور نیت میں باقی رکھنا تھا تو لام کے نیت میں باقی رکھنے میں کسی چیز کی حاجت نہیں (کیونکہ اس کا نیت میں باقی رہنا تقاضائے اصل ہے اور جو چیز اپنی اصل پر ہوتی ہے وہ کسی شرط کی محتاج نہیں ہوتی البتہ لام کا لفظ سے حذف کرنا اصل کے خلاف ہے جس میں شرط عائد کرنی پڑے گی چنانچہ شارح نے کہا) بلکہ لام کے لفظ سے حذف کرنے میں شرط کی حاجت ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے کہا (اور لام کا حذف کرنا) اور (بجوز میں) فاعل کی ضمیر (مستتر) تقدیر لام کی طرف لوٹانے کے ساتھ اکتفاء نہ کیا اور یوں نہ کہا وانما يجوز اور حذفها ساتھ کہہ دیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ضمیر تقدیر کی طرف راجع ہے کہ یہ حذف لام کی شرط ہے نہ کہ تقدیر لام کی) تو لام کا حذف جائز ہے جیسا کہ اس کا ذکر جائز ہے (جبکہ ہو) مفعول لہ (فعل) یہ اس (چیز) سے (کہ جس پر لام داخل ہے) احتراز ہے جبکہ وہ (چیز) عین (قائم بذاتہ) ہو جیسے جئتک للممت (فعل مطلق بہ کے فاعل کیلئے) یعنی مفعول لہ اور اس کے عامل کا فاعل ایک ہو دیہ دوسری شرط ہے کہ مفعول لہ فعل ہونے کے ساتھ اس فاعل کا ہی فعل ہو جو مطلق بہ فعل کا فاعل ہے) یہ اس مفعول لہ سے احتراز ہے

شے خارج ہو گئی ہو کہ فعل مطلق بہ کے فاعل کا اثر نہیں بلکہ غیر فاعل فعل مطلق بہ کا اثر ہے یعنی دلیل کا فاعل متحد نہیں جیسے جئتک لمجئک ایامی اس لئے کہ یہاں مجئک اول کا فاعل متکلم اور مجئک ثانی کا مخاطب ہے پس دونوں کا فاعل متحد نہیں ہوا لہذا ذکر لام ضروری ہے بخلاف ضربہ تادیب کے کہ اس میں قیام ضرب اور تادیب دونوں کا فاعل متکلم ہے یعنی ضرب بھی متکلم سے سرزد ہوتی ہے اور تادیب دنیا بھی لہذا اس میں لام مقدم ہوگا اور جب مقارن ثانی الوجود کہا تو اس سے وہ مفعول لہ خارج ہو جائیگا جو کہ فعل مطلق بہ کے ساتھ زمانہ میں شریک نہیں جیسے اگر متکلم الیوم لہو عبدی

فعلا کی تفسیر اذ کان اثر ہے پس فعلا یعنی اثر ا کہنے سے وہ چیز خارج ہو گئی ہو کہ اثر نہیں بلکہ عین یعنی موجود خارجی ہے جیسے جئتک للممت کہ اس میں اگرچہ ممت بظاہر مجئک کا باعث اور اس کی علت ہے مگر یہ کہ ممت قائم بذاتہ قائم بالغیر یعنی فعل کا اثر نہیں جیسا کہ ضربہ تادیب میں تادیب فعل مطلق بہ کا اثر اور نتیجہ ہے اور ممت مجئک کا نتیجہ نہیں لہذا مجئک کے تحت داخل نہیں ہوگا پس ذکر لام ضروری ہے اور جس وقت لفاعل الفعل المطلق بہ کہا یعنی مفعول لہ اور اس کے عامل یعنی وہ فعل کہ جس کی علت اس اسم کے ساتھ لائی گئی ہے دونوں کا فاعل متحد ہو تو اس سے وہ

تقدیر لام کا مطلب یہ ہے کہ لفظ حذف کر دیا جائے اور نیت یعنی نیت میں باقی رہے یعنی حذف فی اللفظ اور بقا فی النية کے مجموعہ سے تقدیر لام عبارت ہے حالانکہ حال یہ ہے کہ وہ لفظ اور نیت دونوں میں باقی ہو اور حسب تقدیر ہوئی تو لفظ ہوئی فی النية نہیں ہوتی تو اس سے ابقا فی النية خود بخود معلوم ہو گیا پس اس کے وجود کے لئے تو کسی قسم کی شرط کی ضرورت نہیں البتہ حذف من اللفظ کے لئے شرط کی ضرورت ہے اس لئے مصنف بصارت کو طول دیا پس اگر بخود کہہ کر ارجاع ضمیر پر اکتفا کر کیا جاتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ بقا فی النية کے لئے بھی کسی شرط کی ضرورت ہے کیونکہ ضمیر حذف فی اللفظ اور بقا فی النية دونوں کے مجموعہ کی طرف راجع ہوتی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ شرط کی ضرورت لفظوں سے حذف کر دینے کی صورت میں پڑتی ہے ابقا فی النية میں نہیں کیونکہ ابقا فی النية اصل ہے اور اصل میں کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوا کرتی پس عبارت یوں ہوگی وانما يجوز حذف اللام لفظا اذا کان الخ اور اختصار کی صورت میں عبارت اس طرح ہو جاتی ہے وانما يجوز تقدير اللام لفظا وابقا وبقا فی النية اذا کان الخ پس نیت بھی شرط کے ساتھ مشروط ہو جاتا لہذا مصنف نے وانما يجوز حذفها کہا اور ضمیر فاعل کو تقدیر لام کی طرف لوٹانے پر اکتفاء نہیں کیا واللہ اعلم ۱۲

۱۳۸ قولہ فيجوز حذفها الخ پس جس طرح ذکر لام جائز ہے حذف لام بھی جائز ہے بشرطیکہ مندرجہ ذیل دونوں شرطیں پائی جائیں ایک یہ کہ مفعول لہ فعل مطلق بہ کے فاعل کا اثر ہو یعنی وہ فعل جس کی علت مفعول کے ساتھ بیان کی گئی ہے اس کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل دونوں ایک شے ہوں دوسرے یہ کہ مفعول لہ فعل مطلق بہ کا وجود میں مقارن ہو یعنی فعل مطلق بہ کے وجود کا زمانہ اور مفعول لہ کا زمانہ دونوں متحد ہوں اب فوائد قیود ملاحظہ فرمائیے اذا کان

جُئْتُكَ لِحَيْثُكَ أَيَايَ وَمُقَارِنًا لِهَ إِیْ لِلْفِعْلِ الْمَذْكُورِ فِي التَّوَجُّهِ دِيَانِ تَجِدُ
 زَمَانٌ وَجُودُهُمَا نَحْوُ ضَرْبَةٍ تَادِيْبًا اذْ زَمَانِ الضَّرْبِ وَالتَّادِيْبِ وَلِأَنَّ اذْ
 مَذَايِرَ بَيْنَهُمَا لَا بِالْإِعْتِبَارِ أَوْ يَكُونُ زَمَانٌ وَجُودُ أَحَدِهِمَا بَعْضًا مِّنْ زَمَانِ وَجُودِ
 الْآخَرِ نَحْوُ قَعْدَتِ عَنِ الْحَرْبِ جَبْنًا فَإِنَّ زَمَانَ الْفِعْلِ أَعْنَى الْقَعْدَةِ عَنِ الْحَرْبِ
 بَعْضُ زَمَانِ الْمَفْعُولِ لَهُ أَعْنَى الْجَبْنِ وَنَحْوُ شَهْدَتِ الْحَرْبِ إِيقَاعًا لِلصَّلَاحِ بَيْنَ
 الْفَرِيقَيْنِ فَإِنَّ زَمَانَ الْمَفْعُولِ لَهُ أَعْنَى إِتْقَانِ الصَّلَاحِ بَعْضُ زَمَانِ الْفِعْلِ أَعْنَى
 شَهْدَةِ الْحَرْبِ وَاحْتِرَازَ بِذَلِكَ الْقَيْدِ عَمَّا أَذَاهُ يَكُنْ مُقَارِنًا لَهُ فِي الْوُجُودِ نَحْوُ

جو کہ اپنے عامل کے فاعل کا فعل نہ ہو جیسے جُئْتُكَ لِحَيْثُكَ أَيَايَ کہ مجھے اول متکلم کا اور مجھے
 ثانی مخاطب کا فعل ہے یعنی مفعول لِحَيْثُكَ اور اس کے عامل جُئْتُكَ کا فاعل ایک نہیں
 الگ الگ ہیں (لا اور لا) تیسری شرط یہ ہے کہ (لا اس کے لئے مقارن ہو) یعنی (مفعول
 لا) فعل مذکور کے لئے لا وجود میں لا (مقارن ہو) اس طرح کہ فعل اور مفعول لا کے وجود
 کا زمانہ ایک ہو (اور اگر ایک نہ ہو تو حذف لام جائز نہ ہوگا بلکہ ذکر لام ضروری ہوگا
 جیسے خرجت اليوم لِمَا صُمْتُكَ زَيْدًا اس میں زمانہ کا ایک ہونا جواز حذف کی شرط
 ہے) ضربتہ تاديبًا کیونکہ ضرب اور تاديب کا زمانہ ایک ہے (اور وہ زمانہ ماضی ہے) کیونکہ
 زمانہ فعل اور زمانہ مفعول لا میں صرف اعتباری مناسبت ہے کہ فعل کا زمانہ مفعول لا کے
 زمانہ سے مقدم اعتبار کیا جاتا ہے اگرچہ فی الواقع اور فی الحقیقہ دونوں کا زمانہ متحد ہے یا اس
 طرح کہ فعل اور مفعول لا میں سے ایک کے وجود کا زمانہ دوسرے کے وجود کے زمانہ کا ایک حصہ
 ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا (الجبن جیم کے پیش اور بائے موحده کی جزم اور پیش کے ساتھ
 اس میں دو نسبتیں ہیں کیونکہ زمانہ فعل یعنی قعدت الحرب کا زمانہ مفعول لا یعنی جبن کے زمانہ کا
 ایک حصہ ہے مگر زمانہ جبن زمانہ قعدت کو محیط ہے) اور جیسے شہدت الحرب ايقاعًا للصالح
 بین الفريقین کہ مفعول لا یعنی (فريقین کے درمیان) صلح کا ايقاع (صلح کرانا) زمانہ فعل
 یعنی شہد حرب کا بعض ہے (شراح نے دو مثالیں اس لئے دیں کہ مثال اول میں مفعول لا
 کا زمانہ فعل محتل بہ کے زمانہ کو محیط ہے اور دوسری مثال میں اس کے برعکس فعل محتل بہ کا
 زمانہ مفعول لا کے زمانہ کو محیط ہے) ہذا من افادات الفقیر الی الانور محمد غلام سرور قادری
 (الرضوی) اور مصنف نے اس (مقارنت کی) قید کے ساتھ (جو شرط ثالث ہے) اس مفعول
 لا سے احتراز کیا ہے جو وجود میں فعل مذکور کے لئے مقارن نہ ہو جیسے اگر متکلم الیوم لوعدی

ہذا (اس میں) آج تیرا اکرام کروں گا کیونکہ
 کل میں نے اس کا وعدہ کیا تھا) اور یہ اس سے
 خارج ہے زمانہ فعل محتل بہ یعنی اگر متکلم کا
 آج کا دن اور زمانہ مفعول لا یعنی لوعدی کا
 کل گزشتہ ہی پس دونوں کا زمانہ متحد نہیں لہذا
 ذکر لام ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲

قوله بان تجد اس سے
 شراح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ
 فعل محتل بہ اور مفعول لا کا اشتراک فی الزمان
 تین قسم ہے (۱) فعل اور مفعول لا دونوں کا
 زمانہ ایک ہو جیسے ضربتہ تاديبًا کہ اس میں ضرب
 اور تاديب دونوں کا زمانہ ایک ہے اور دونوں
 کے درمیان حقیقت میں تغایر نہیں اگرچہ
 تغایر اعتباری موجود ہے یعنی یہ کہ زمانہ ضرب
 زمانہ تاديب پر مقدم ہے نیز فعل فاعل سے صادر
 ہوا ہے وہ باعتبار درود تکلیف کے ضرب ہے

اور باعتبار اس کے کہ اس سے اخلاق حسنہ
 پیدا ہوتے ہیں اس کا نام تاديب ہے مگر
 یہ فرق اعتباری ہے اس لئے قابل اعتراض
 نہیں (۲) فعل محتل بہ کا کل زمانہ مفعول لا کے
 بعض زمانہ کے ساتھ متحد ہو یعنی اول کا زمانہ وجود
 دوسرے کے زمانہ وجود کا بعض اور جس نہ ہو
 بایں طور کہ ایک کا زمانہ وجود دوسرے کے
 زمانہ وجود کو شامل ہو جیسے قعدت عن الحرب
 جبنا کہ اس میں زمانہ فعل یعنی قعدت عن الحرب مان
 مفعول لا یعنی جبن کا بعض ہے اس لئے کہ
 زمانہ جبن زمانہ قعدت پر مقدم ہے اور قعدت بعض
 زمانہ جبن میں ہوگا کیونکہ جبن کا بعض زمانہ قعدت
 عن الحرب سے پہلے ہی گزر چکا ہے پس زمانہ
 جبن محیط ہے کہ اس نے قعدت عن الحرب کا
 احاطہ کر رکھا ہے اور قعدت عن الحرب محاط کہ
 یہ زمانہ جبن کے احاطہ میں آیا ہوا ہے پس
 زمانہ قعدت عن الحرب زمانہ جبن کا جز ہوا
 (۳) اس کا عکس ہو یعنی مفعول لا کا کل زمانہ فعل
 محتل بہ کے بعض زمانہ کے ساتھ متحد ہو یعنی
 دوسرے کا زمانہ وجود اول کے زمانہ وجود کا
 جز ہو جیسے شہدت الحرب ايقاعًا للصالح بین
 الفريقین کہ اس میں مفعول لا یعنی ايقاع صلح کا
 کل زمانہ زمانہ فعل یعنی لوعدی میں حاضر ہونے
 کے زمانہ کا جز ہے پس اتحاد زمان کی ان
 تینوں قسموں میں لام کو مقدم کیا جائیگا کیونکہ

شرط موجود ہے اس کے بعد قول شامخ و آخر
بذلک التقید کا مطلب گذشتہ نمبر میں گذر چکا
واللہ اعلم ۱۲

قوله فانما اشترط الخ یہاں سے
شامخ تقدیر لام کے لئے ان شرائط کے
اضافہ کی وجہ بیان فرماتا ہے یہی جو دراصل
ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے
کہ اسم کو نصب اس اعتبار سے دیا جاتا ہے
کہ وہ فعل کا جزر ہو یا فعل سے کوئی علاقہ رکھتا
ہو اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ مفعول لاء
فعل کا جزر ہے اور نہ اس کا فعل سے کوئی علاقہ
ہے اس کا جواب دیتے ہوئے شامخ کہتے
ہیں کہ یہ دو شرطیں اس وجہ سے لگائی گئی ہیں تاکہ
مفعول لاء مفعول مطلق کے مشابہ ہو جائے پس
جس طرح مفعول لاء کا تعلق بلا واسطہ فعل کے
ساتھ ہوتا ہے اسی طرح مفعول لاء کا تعلق بھی
بلا واسطہ فعل کے ساتھ ہو جائے اور اس تعلق
کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق میں بھی ان شرائط کا
محاط ہے پس جب مفعول لاء مفعول مطلق کی طرح
فعل سے متعلق ہو جائے گا تو فعل اپنے جزر کو
بلا واسطہ نصب دے گا بخلاف اس کے کہ جب

ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو
اس تعلق میں خلل واقع ہو جائیگا پس فعل بھی
بلا واسطہ مفعول لاء کو نصب نہیں دیگا واللہ اعلم
قوله المفعول مؤنخ مفعول مؤنخ
مفاعیل خمسہ میں سے پانچواں اور آخری مفعول
ہے مفعول مؤنخ اس اسم کو کہتے ہیں جس کی مصاحبت
سے فعل بائیں طور کیا گیا ہو کہ فاعل سے صدور
فعل میں فاعل اس اسم کا مصاحب ہو یا اس کا
مصاحب مفعول پر وقوع فعل میں مفعول بہ
ہو مطلب یہ ہے کہ مفعول مؤنخ کا مصاحب
عام سے خواہ فعل کا فاعل ہو یا مفعول مصاحبت
بالفاعل کی مثال جیسے حبیب و زید اور مفعول
بہ کی مثال جیسے کفاک و زید اور ہم کہ دونوں
اشک میں زید مفعول مؤنخ ہے اس جگہ شامخ کی

الوقت الیوم لو عدی بذلک امس وانما اشترط ہذا الشرائط لانه یحذف
الشرائط شیه المصدر فی تعلق بالفعل بلا واسطہ تعلق المصدر بمفعول
عازا اختل شیئ منها المفعول معہ ای الذی فعل لمصاحبتہ بان یکون الفاعل
مصاحباً لہ فی صدور الفعل عنہ او المفعول بہ فی وقوع الفعل علیہ فقوله

بذلک امس (یہاں مفعول لاء وعدہ اگرچہ اس کا اور فعل معلل یہ یعنی اکرام کا فاعل
ایک ہے مگر مفعول لاء کا زمانہ اور فعل معلل یہ کا زمانہ ایک نہیں ہے
اس لئے یہاں لام کا حذف جائز نہیں ہے) اور مصنف نے یہ شرائط صرف اس لئے عائد
کئے ہیں کہ ان شرائط سے مفعول لاء مصدر (مفعول مطلق کے مشابہ ہو جائے) اور مفعول مطلق
کو نصب دینے کے لئے کسی واسطہ کی حاجت نہیں ہوتی (لہذا مفعول لاء فعل کے ساتھ بلا
واسطہ متعلق ہوتا ہے جس طرح کہ مصدر (مفعول مطلق بلا واسطہ) فعل سے متعلق ہوتا ہے
اس کے برعکس کہ جب ان شرائط (ثلاثہ) میں سے کوئی شرط مختل (مفقود) ہو جائے
(مفعول مصاحب) یعنی وہ کہ اس کی مصاحبت کے لئے کام کیا جائے بعض نسخوں میں مصاحبت
یعنی لام کے بجائے با کے ساتھ ہے یعنی وہ کہ اس کی مصاحبت کے لئے کام کیا جائے المفعول
میں لام موصولہ ہے اور مفعول اس کا صلہ بمعنی ثقل اور جار مجرور محلا مفعول ناٹھ فاعل
اور ضمیر مجرور موصول کی طرف راجع ہے اور بان یکن میں بالذی فعل کا بیان اور مصاحبت
سے متعلق ہے) اس طرح کہ فاعل اس سے (فاعل سے) فعل کے صدور ہونے یا مفعول بہ اس کا مفعول
ہو یا فعل کے وقوع ہونے میں مفعول مؤنخ کا قول مؤنخ (مفعول مؤنخ کی وجہ سے لفظ مفعول مؤنخ

کی تفسیر ای الذی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے
کہ المفعول میں الف لام بمعنی الذی ہے اور مفعول
بمعنی فعل (ماضی مجہول) پس قول مصنف مؤنخ
فعل کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہو گا اور لفظ مفعول
کی اسناد مؤنخ کی طرف اس جگہ ایسی ہے جیسی کہ
مفعول بہ زید اور لاء میں جار مجرور کی طرف مفعول
کی اسناد ہوتی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مع
معرب ہے اور ضمیر بہ فیہ وغیرہ بمعنی اور ان کا
رفع محلی ہے اور مع کا لفظی ہو گا اس لئے اس
کے بیان کی ضرورت پیش آئی پھر مؤنخ کی ضمیر
مجرور الف لام کی طرف راجع ہے جو کہ الذی
کے معنی میں ہے اب اعتراض وارد ہوتا ہے
کہ جب مؤنخ فعل مجہول کا مفعول مالم
یسم فاعلہ ہے تو اس کو مفعول ہونا چاہئے

یعنی المفعول مؤنخ کہ منصوب اس کا جواب شامخ
واعترض من نصب الخ سے دے ہے میں کہتے ہیں
کہ اس کے متعلق بعض نحاة نے اس امر کے جواز
کے ساتھ عذر پیش کیا ہے کہ جب فعل کی اسناد
لازم انصب کی طرف کی جائے تو اس کو منصوب
ہی باقی رکھا جائے تاکہ اکثر احوال کے ساتھ
اس کی موافقت ہو جائے مطلب یہ ہے کہ مع
کا استعمال اکثر دو ہی طریقوں پر ہوتا ہے ظرفیت
کی بنا پر یا حالیت کی بنا پر اور دونوں کو نصب
لازم ہے پس اس استعمال اکثر کی موافقت پر
اس کو جاری کرنے ہوئے منصوب ہی رکھیں گے
مفعول نہیں پڑھیں گے اور جن قرار نے قول
باری تعالیٰ لقد قطع بینکم و بینکم کو بفتح انون پڑھا
ہے وہ اسکی اعتذار مذکور کی طرف گئے ہیں اور

معہ مفعول مالم لیسیم فاعله اسناد الیہ المفعول کما استدلالی الجار والمجرور
فی المفعول بہ وفیہ ولہ والضمیر المجرور راجع الی اللام واعتذر عن نصبہ
بما جوزه بعض النحاة من استاد الفعل الی لازم النصب وترکہ منصوباً جویاً
علی ما هو علیہ فی الاکثر والیہ ذهب فی قولہ تعالیٰ لقد تقطع بینکم علی
قواۃ النصب وفی بعض الحواشی ان ہذا الراۃ شریف جداً وقیل الوجہ
ان یجعل من قبیل رخ وقد حیل بین العید والنزوان فان مفعول ما
لیسیم فاعله فیہ الضمیر الراجع الی مصدرہ ای حیل الحیلولة لان بین لزوم
ظرفیتہ لایقام مقام الفاعل فعلی ہذا ایكون معناه الذی فعل فعل بمحضہ

مفعول مالم لیسیم فاعله ہونے کی وجہ سے تقدیر امر نوع ہے معہ کی طرف (لفظاً) المفعول کی اسناد کی
گئی ہے جس طرح کہ المفعول بہ اور (المفعول) فیہ اور (المفعول) لہ میں (المفعول کی) جار و
مجرور کی اسناد کی گئی ہے کہ ان سب میں جار و مجرور نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع
میں ہیں (ان سب میں) ضمیر مجرور (المفعول کے) لام کی طرف راجع ہے اور معہ (مفعول
مالم لیسیم فاعله) نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونے کے باوجود اس کی نصب کا
اس قاعدہ کے ساتھ مدبر بیان کیا گیا ہے جسے بعض نحوویوں نے جائز (یعنی ثابت) کیا ہے
یعنی (یہ من بیانہ کا معنی ہے) فعل کی ایسے امر کی طرف اسناد کہ جس کو (ظرفیت کی بنا پر)
نصب لازم ہے اور اس کو (لفظاً) مرفوع کرنے کی بجائے اسے اس کی حالت پر (یہاں) منصوب
چھوڑنا تاکہ وہ اس حالت پر جاری (اور باقی) رہے جس پر وہ ظرف اکثر استعمال میں ہے
(اور وہ بنا پر ظرفیت نصب ہے) اور اسی قاعدہ کو اللہ تعالیٰ کے قول لقد تقطع بینکم (نون
کی) نصب کی قراءۃ کی بنا پر جاری کیا گیا ہے (اور اگر نون کو مرفوع پڑھا جائے کما فی قراءۃ
تو یہ ہمارے بحث سے خارج ہے) اور بعض حواشی میں ہے کہ یہ توجیہ بہت ہی خوب ہے
اور کہا گیا ہے کہ (اس میں) توجیہ یہ ہے کہ اس کے قول معہ کو رخ وقید حیل بین العید والنزوان
کے قبیل سے کیا جائے کہ (حیل کا) مفعول مالم لیسیم فاعله حیل میں وہ ضمیر ہے جو اس کے مصدر
(ماخوذ از حیل) کی طرف راجع ہے یعنی حیل الحیلولة کیونکہ (اس قول میں لفظ) بین لزوم
ظرفیت کی وجہ سے فاعل کے مقام پر نہیں کھڑا کیا جاسکتا پس اس توجیہ کی بنا پر المفعول
معہ کا معنی ہوگا الذی فعل فعل بمحضہ یعنی جس کی مصاحبت میں کام کیا جائے اس بنا پر

پڑھنے کے زیادہ بہتر ہے واللہ اعلم
۲۲۲ قول وقیل الخ یہ لفظ معنہ کے
منصوب پڑھے جانے کی دوسری توجیہ ہے
بعض نحاة کہتے ہیں کہ اس کو از قبیل رخ وقد
حیل بین العید والنزوان - قرار دیا جائے کہ
حیل کا مفعول مالم لیسیم فاعله اس میں ضمیر ہے
جو فعل کے مصدر کی طرف راجع ہے ای حیل
الحیلولة اس لئے کہ بین لزوم ظرفیت کی بنا پر
فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا پس لا محالہ
ضمیر مستتر مانی پڑھے گی پس ایسے ہی المفعول
معہ میں مفعول مالم لیسیم فاعله کے لئے ضمیر مستتر
مانی جائے جو فعل مصدر کی طرف راجع ہو ای فعل
الفعل اور معہ کو بنا پر ظرفیت منصوب قرار دیا
جائے پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ای
الذی فعل فعل بمحضہ اور یہ معنی ای وقت
ہوں گے جبکہ مفعول مالم لیسیم فاعله ضمیر مستتر کو
قرار دیا جائے جو کہ مصدر کی طرف راجع ہو اور
معہ کی ضمیر مجرور اس میں ہی موصول یعنی الذی
ہی کی طرف لوٹائی جائے گی۔

فائدہ - اس مصرعہ کے بارے میں
تحقیق یہ ہے کہ صخر بن عمر ایک سال سے ایک
زخم کے باعث مریض تھا جو اس کو کسی جنگ
میں لگا تھا تو اس کی عورت نے کہا کہ نہ تو یہ زندہ
ہی ہے کہ کچھ امید رکھی جائے اور نہ مردہ کہ مرثیہ
کہہ دیا جائے پس یہ سنکر صخر نے تلوار اٹھا کر اپنے
قتل کا ارادہ کیا لیکن شدت ضعف کی وجہ سے
اپنے قتل پر قادر نہ ہو سکا پس یہ شعر کہا اور اس
میں اپنے قتل کے لئے استقامت اور طاقت
کی تمنا کی یہ پورا شعر اس طرح ہے شعر
اھتد بامر الخیر لو استطیعہ
وقد حیل بین العید والنزوان

ہم کے معنی قصد ارادہ کے ہیں باب نصر سے
اور اس کا صمد بار کے ساتھ آتا ہے اور امر خیر
سے اپنا قتل مراد لے رہا ہے اور لو سے اظہار
تمنا مقصود ہے حیل الحیلولة سے اس کے معنی

سے اس کی مطابقت ہوتی ہے اور جدا اس
وجہ سے کہ اس میں کسی قسم کا تکلف نہیں کرنا پڑتا
پس معہ کو منصوب پڑھنا بہ نسبت مرفوع

بعض حواشی میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ
نہایت شریف عمدہ اور بہت زیادہ مقبول ہے
شریف تو اس وجہ سے ہے کہ قول باری تعالیٰ

دو چیزوں کے درمیان حاصل آ جانے کے
ہی غیر بفتح العین حمادوشی کو کہتے ہیں اور زوان
کے معنی ہیں جست لگانا (کو دنا) ترجمہ شعر کا
یہ ہے میں ایک امر خیر کا ارادہ رکھتا ہوں کاش کہ
مجھ میں اس کو پورا کرنے کی طاقت پیدا ہو
جائے اور حال یہ ہے کہ حمادوشی اور اس کے
کوڑنے کے درمیان حامل کھڑا کر دیا گیا ہے
یعنی مجھ میں عدم استطاعت اس ارادہ کے
پورا کرنے میں حامل کر دی گئی پھر یہ شعر ضرب
التمثل بن گیا اور ایسے مواقع پر بولا جانے لگا
کہ کوئی شخص قوی ہو لیکن اس کو عجز لاحق ہو جانے
کے باعث اپنے ارادہ پر دسترس حاصل نہ
ہو سکے واللہ اعلم ۱۲

۱۳ قولہ ہو مذکور الخ یعنی مفعول
معدوم ہو مجہد صاحب مفعول فعل کے واو بمعنی
مع کے بعد مذکور ہوتا ہے پس اس جگہ بعد
الواو کی قید سے اس مذکور سے احتراز ہو گیا
جو غیر واو کے بعد مذکور ہو مثلاً فار یا اس کے
مثل کے بعد جیسے مثلاً لفظ مع کے بعد جیسے
جنت مع زید پس اس صورت میں زید مفعول
معدوم نہیں ہوگا کیونکہ اسم زید واو بمعنی مع
کے بعد مذکور نہیں لہذا صحت میں لام جارہ
مذکور کے متعلق ہے اور عبارت اس طرح
ہے ای یكون ذكركم الخ یعنی مفعول مع کا ذکر
واو کے بعد بوجہ مصاحبت مفعول فعل اور اس
واو کے مصاحبت کا فائدہ دینے کے لئے ہونا
چاہئے پھر اس میں تمیم ہے کہ مفعول فعل خواہ
فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبہ کہ اس
میں الماء فاعل فعل کا مفعول ہے اور وہ واو
اس کی مصاحبت کا فائدہ دے رہا ہے یعنی پانی
نکڑی کے ساتھ بلندی میں برابر ہو گیا یا وہ
مفعول مفعول ہو جیسے کفاک وزید اور ہم
کہ اس میں کاف مفعول ہے اور زید اور ہم
واو اس کی مصاحبت کا فائدہ دے رہا ہے
یعنی دکانی ہے تجھ کو زید کے ساتھ ایک

علی ان يكون مفعول مالم یسم فاعله ضمیر راجعاً الى مصدره والضمیر المجرور
للمفعول هو مذکور بقدر الواو احتراز عن المذكور بعد غیرہ کافاء
لمصاحبتہ مفعول فعل واو فاعل واو کان ذلک المفعول فاعلاً نحو
استوی الماء والخشبہ او مفعولاً نحو کفاک وزید اور ہم سواء کان ذلک الفعل
لفظاً ای لفظیاً کالمثالین المذكورین أو معنی ای معنویاً نحو مالک وزیداً

کہ (المفعول مع کا) مفعول مالم یسم فاعله ضمیر ہو جو اس کے (اس) مصدر کی طرف راجع ہو
(جو کہ فعل میں ہے) اور (مع کی) ضمیر مجرور (المفعول کے لام) مفعول کے لئے ہو (جو مذکور
ہو واو کے بعد) (بعد الواو کی قید سے) اس مذکور سے احتراز ہے جو فاعل واو حتیٰ اور بائے مفعول
کی طرح کسی دوسرے لفظ کے بعد مذکور ہو (فعل کے مفعول سے اس کی مصاحبت کیلئے) (معنی
کے قول مصاحبت میں) لام (برائے تمیل کقولک ضربہ لتادیب) مذکور سے متعلق ہے یعنی
مفعول مع کا ذکر واو کے بعد ہو (مصاحبت میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول
فعل مضاف و مضاف الیه مل کر اس مصدر کے لئے مفعول ہے اور کاف کے بعض نحول میں ہے
لمصاحبتہ مفعول فعل اس صورت میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل متروک
ہے اور معنی بہر صورت یوں ہوگا) مفعول مع کے فعل کے مفعول کی مصاحبت کی وجہ (اور افادہ
ایا میں ضمیر مجرور متصل واو کی طرف اور ضمیر منصوب متصل مصاحبت کی طرف راجع ہے
یعنی) واو کے مصاحبت کا فائدہ دینے کی وجہ سے (یہ مصاحبت پر عطف ہے) خواہ (فعل کا
مفعول فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبہ) اور خشبہ وہ نکڑی ہے جس سے پانی کا کم یا
زیادہ ہونا معلوم کرتے ہیں یہاں مفعول مع خشبہ ہے جو فعل کے مفعول یعنی الماء کے استوار میں
مصاحبت ہونے کی وجہ سے واو کے بعد مذکور ہے اور عبارت شارح میں کان مصدر کی تاویل
میں ہے و تقدیرہ سواء کون ذلک المفعول فاعلاً الخ یا مفعول ہو جیسے کفاک وزید اور ہم
(یہاں مفعول مع زید ہے جو کفایت درہم میں فعل کے مفعول کی ضمیر مخاطب کے مصاحبت
ہونے کی وجہ سے واو کے بعد مذکور ہے) خواہ وہ فعل (جو کہ مفعول مع میں فاعل ہے) لفظ
(ہو) یعنی لفظی ہو دونوں مذکورہ مثالوں کی طرح (یا معنی ہو) یعنی معنوی ہو جیسے مالک وزیداً

درہم واللہ اعلم ۱۲
۱۳ قولہ وسواء کان الخ اس
سے فعل کی عمومیت بیان کرنا مقصود ہے
اور مزید اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً
اور معنی کان کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب
ہیں پھر لفظیاً سے صحت مل کی طرف اشارہ
ہے تاکہ خبر کان کا مل اسم کان پر یکذف یا
نسبتہ صحیح ہو جائے یا لفظاً بمعنی مفعول
ہے اس پر معنی کو بھی قیاس کرنا چاہئے پس
کہتے ہیں کہ جس طرح مفعول میں تمیم ہے کہ وہ
فاعل ہو یا مفعول اسی طرح فعل فاعل میں بھی
تمیم ہے عام ازیں کہ وہ لفظی ہو جیسے دونوں

ای ما تصنع و المراء بمصاحبتہ لمفعول الفعل مشارکتہ لہ فی ذلک الفعل فی زمان واحد نحو سرت و زید او مکان واحد نحو لو ترکت الناقة و فصیلۃ قالو صنعتہا فلا ینتقض بل مذکور بعد الواو العاطفۃ نحو جاء فی زید و عمر و قالہا لامدل الاعلیٰ للشارکۃ فی اصل الفعل دون المصاحبة و اعلم ان مذهب جمہور النحاة

یعنی ما تصنع (وزید) اور مفعول معہ کی فعل کے مفعول کے ساتھ مصاحبت مراد مفعول معہ کا فعل کے مفعول کے ساتھ اس فعل میں ایک وقت میں شریک ہونا ہے جیسے سرت و زید (کہ اس میں مفعول معہ متکلم کا جو کہ فاعل ہے فعل میں یعنی سیر میں وقت واحد میں شریک ہے یعنی جس وقت فاعل سے سیر واقع ہوئی ہے اسی وقت مفعول معہ سے ہوئی اور اس کے برعکس جب مفعول معہ سے ہوئی ہے اس وقت فاعل سے ہوئی ہے) یا ایک جگہ میں (شریک ہونا ہے) جیسے لو ترکت (یعنی للمفعول) الناقة و فصیلۃ (وضعہا) یعنی اگر اونٹنی اپنے بچے کے ہمراہ ایک جگہ میں چھوڑ دی جاتی تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلا لیتی اس میں مفعول معہ یعنی فصیلۃ فعل کے مفعول یعنی ناکہ کے ساتھ فعل یعنی ترک میں شریک ہے شرکت فی المكان شرکت فی الزمان کو مستلزم ہے مگر برعکس نہیں) پس (مفعول معہ کی تعریف) مذکور بعد الواو العاطفۃ سے (جو کہ جمع مطلق کے لئے ہوتی ہے بلا اشتراک ایک زمان یا ایک مکان) منقول نہ ہوگی جیسے جاء فی زید و عمر و کیونکہ (اس مثال میں) واو (محطوف و معطوف علیہ کے) صرف اصل فعل (یعنی مجیئت) میں باہمی شرکت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ مصاحبت پر اور معلوم ہونا چاہئے کہ جمہور نحوویوں کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ میں عامل (ناصب) فعل ہے (جو

اور زید مفعول معہ کی سیر کا زمانہ ایک ہے یا اگر دونوں زمان میں مشارک نہ ہوں تو مکان واحد میں مشارک ہونی چاہئے جیسے لو ترکت الناقة و فصیلۃ لوضعہا (اگر اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ چھوڑ دی جاتی تو اونٹنی بچہ کو دودھ پلا دیتی) پس اس مثال میں مکان واحد سے خاص لا۔ جس طرح مثال اول میں دونوں کا زمانہ ایک ہے اسی طرح مکان بھی واحد ہے اس لئے کہ مثلاً جب زید اور عمر و دونوں ساتھ چلیں گے تو لامحالہ دونوں کا مکان بھی ایک ہوگا یا نہیں ہو سکتا کہ ایک جائے دہلی کو اور دوسرا جائے لاہور کو تو کہہ دیا جائے سارہ زید و عمر و کہ

مذکورہ بالا مثالوں میں یا معنوی ہو جیسے مالک و زید کہ مالک اگرچہ فعل نہیں ہے مگر اس سے ایک فعل ضرور سمجھ میں آتا ہے یعنی تصنع ای ما تصنع و زید (تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے) واللہ اعلم

۲۲۵ قولہ والمراد الخ یہ عبارت ایک سوال مفرد کا جواب ہے سوال کی تقریر فلا ینتقض الخ سے شائع نے خود بیان کر دی ہے کہتے ہیں کہ مفعول فعل سے مفعول معہ کے مصاحب ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول معہ مفعول فعل کے ساتھ زمانہ واحد میں شریک ہو یعنی کسی ایک کا زمانہ آخر سے علیحدہ نہ ہو سکے جیسے سرت و زید کہ اس میں متکلم یعنی مفعول فعل

زید و عمر و کے ساتھ چلا علیٰ ہذا القیاس مثال ثانی میں جہاں مکان واحد پایا جاتا ہے وہیں ایک زمانہ بھی دونوں میں موجود ہے کیونکہ دونوں کا ایک جگہ میں ہونا ایک زمانہ میں ہونے کو مستلزم ہے مگر شائع نے جو علیحدہ امثلہ بیان کی ہیں وہ قصد کے اعتبار سے ہیں یعنی مثال اول میں زمان واحد مقصود ہے مکان نہیں اور ثانی میں مکان واحد نظر ہے زمان نہیں ۱۲ پس جب مذکورہ بالا تفصیل مراد ہوئی تو اب تعریف مفعول معہ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ واو عاطفہ کے بعد جو اسم مذکور موصول ہے وہ بھی تو مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے جیسے جاری زید و عمر و میرے پاس زید اور عمر و آئے یعنی دونوں ساتھ آئے پس عدم ورود و نقض کی وجہ یہ ہے کہ واو عاطفہ اصل فعل میں مشارکۃ پر دلالت کرتا ہے مصاحبت پر نہیں اس لئے کہ جاری زید و عمر و کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں زمان واحد میں آئے ہوں اس لئے کہ ان دونوں کا اجتماع فی الجمعی مراد ہے خواہ آگے پیچھے ہی کیوں نہ ہو لہذا یہ اعتراض غلط ہے واللہ اعلم

۲۲۶ قولہ واعلم ان الخ اس سے اس امر کی تحقیق مقصود ہے کہ مفعول معہ میں عامل کون ہے اس میں بعض نحاة مثلاً شیخ عبد القادر جرجانی کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ میں واو عامل ہے یعنی واو کی وجہ سے مفعول معہ منصوب ہوتا ہے اس پر رد کرتے ہوئے شائع کہتے ہیں کہ جمہور نحاة کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ میں عامل فعل یا معنی فعل ہیں اور واو یعنی مع صرف ایک واسطہ ہے اور واو کو مع کی جگہ میں اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ واو مع سے اخبر اور وجہ ہے اب رہی یہ بات کہ واو کی کیا خصوصیت

ان العامل فی المفعول معه الفعل او معناه بتوسط الواو التي بمعنى مع و
انما وضعوا الواو موضع مع لكونها انحصار واصلاها واو العطف التي فيها معنى الجمع
فتاسب معنى المعية فان كان ای وجد الفعل ای ما يدل علی الحدث فمع
الفعل واسمى الفاعل والمفعول والصفة المشبهة وغيرها لفظاً وبجاء ای
لما يجب العطف ولم يمتنع فلا ينتقص بمثل ضربت زيدا او عمر الوجوب
العطف فيه فالوجهان ای العطف والنصب علی المفعولية جائزان نحو

اس سے مقدم ہے خواہ وہ لازم ہو یا متعدی یہ ملحوظ میں ہے) یا اس (فعل) کا معنی (جیسا کہ
مالک و زید میں ہے) اس واو کے توسط سے جو کہ مع کے معنی میں ہے (یعنی واو عامل و مفعول کے
درمیان واسطہ ہوتی ہے جیسا کہ حرف استثناء دونوں میں واسطہ ہوتا ہے مگر عبد القادر جرجانی
کا مذہب یہ ہے کہ واو سی عامل ہے کیونکہ یہاں واو مصاحبت و مشارکت کے لئے ہے تو اس
نے مصاحبت و مشارکت کا حکم لے لیا ہے یعنی عمل اور عمل سے نصب کامل مراد ہے اور
زجلج نحوی کہتے ہیں مفعول مع فعل مضمر سے منصوب ہے جس پر فعل سابق دلالت کرتا ہے اور
واو اس فعل مضمر کے قائم مقام ہو کر اس کا فائدہ دے رہی ہے جیسے استوی الماء وصاحب الخبثۃ
اور اخفش کہتے ہیں مفعول مع کی نصب ظرف کی نصب ہے کیونکہ اس پر داخل ہونے والا واو
مع کے قائم مقام ہے اور مع ظرف ہے فقیر محمد غلام سرور قادری عرض کرتا ہے کہ یہ سب تکلفات
میں مذہب جمہور بلا تکلف درست ہے اور تحویلوں نے واو کو مع کی جگہ واو کے (مع کی نسبت)
زیادہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکھا ہے اور واو (جو کہ مع کی جگہ ہے) کی اصل واو عطف ہے
جس میں جمع کا معنی ہے پس (اس کیلئے) معیت کا معنی مناسب ہوا (پھر اگر ہو) یعنی پایا
جائے (فعل) یعنی جو حدث پر دلالت کرے پس یہ فعل اور اسم قاعل و اسم مفعول و صفت
مشبہ وغیرہا کو شامل ہوگا (لفظ اور جائز ہو) یعنی واجب نہ ہو (عطف) اور نہ ناجائز
ہو (یعنی یہاں پر جواز امکان خاص کے معنی میں ہے یعنی وجوب و امتناع کا طرفین سے
سلب مراد ہے امکان عام مراد نہیں ہوا) (الطرفین سے سلب ضرورت کا نام ہے) پس
ضرورت زید او عمر اسے نقص وارد نہ ہوگا (یہ کلام منقوض نہ ہوگا) کیونکہ (بہ قرینہ معطوف علیہ)
اس مثال میں عطف واجب ہے (کیونکہ ضرب کے اندر مکان واحد یا زمان واحد میں معیت
اور مصاحبت مشکل ہے لہذا واو مع کے معنی میں نہیں عطف کیلئے ہے) (تو دو طریقے ہیں)
دیہ شرط مذکور فان کان کا جواب ہے یعنی عطف (واو کو عاطفہ قرار دینا اور اس کے مابعد
کو معطوف اور ماقبل کو معطوف علیہ تصور کرنا کیونکہ واو میں اصل عطف ہے) اور مفعولیت
کی بنا پر نصب دونوں جائز ہیں (نصب سے مراد یہ ہے کہ واو کا مابعد فعل کے محمول کا مصاحب
اور مفعول مع ہو لیکن عطف کو ترجیح ہے کہ یہی اصل ہے اور عمل بالاصل اولی ہے) جیسے

ہے دوسرا کوئی اور حرف اس کے لئے وضع
کر لیا جاتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واو کی اصل
عطف ہے اور عطف میں جمعیت کے معنی
پائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مصاحبت
اور جمعیت میں اک گونہ مناسبت ہے اس
لئے کہ مصاحبت کو جمعیت لازم ہے پس واو
مع کی جگہ مقرر کر لیا گیا واللہ اعلم ۱۲
کے قولہ فان کان الخ پس اگر
فعل نقلی ہو اور واو کے مابعد کا عطف واو
کے ماقبل پر جائز ہو تو مفعول مع میں عطف
اور بنا پر مفعولیت کے نصب دونوں جائز
ہیں جیسے جنت انا وزید پس اس میں عطف
تو اس لئے جائز ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید
ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی ہے اس لئے
واو کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے
اور بنا پر عطف کے زید کو مرفوع پر موصول
اور زید جو کہ مفعول مع ہے اس لئے اس کو
نصب دینا بھی جائز ہے جیسے جنت انا
وزید پس اس صورت میں عطف نہیں ہوگا
اب جانتا چاہئے کہ کان کی تفسیر وجد کے
ساتھ کر کے شامح نے اس امر کی طرف
اشارہ کیا ہے کہ کان اس جگہ تامہ ہے اس
کو خبر کی ضرورت نہیں اور لفظاً بچنے ملحوظا
ہو کر حالت یا تمیز کی بنا پر منصوب ہے اور
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کان تامہ نہ ہونا قصہ ہو
اور لفظاً بچنے ملحوظا کر کے اس کی عبرت پایا
جائے تاکہ محل صحیح ہو جائے اور ای ما يدل
علی الحدث کہ کر شارح نے سوال مقدر کا
جواب دیا ہے کہ جواز و جہلین جس طرح اس
مفعول مع میں ہے جو فعل کے ساتھ واقع ہو
اسی طرح اس مفعول مع میں بھی دونوں جہیں
جائز ہیں جو مشبہ فعل یعنی اسم فاعل اسم مفعول
وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا جائے پس فعل کے ہی
ساتھ تفسیر کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے
کہ فعل سے مراد وہ فعل ہے جو معنی حدی پر

جُتُّ اَنَا وَزَيْدٌ بِالْوَقْعِ عَلَى الْعُطْفِ وَزَيْدٌ بِالْمَفْعُولِيَّةِ وَالْأَيُّ وَانْ لَمْ يَجْزِ الْعُطْفُ بَلْ يَمْتَنِعُ تَعَيَّنَ النَّصْبُ مِثْلُ جُتُّ وَزَيْدٌ أَفَاتِ الْعُطْفِ فِيهِ مَمْتَنِعٌ لِعَدَمِ الْفَاصِلَةِ لَا بِتَأْكِيدِ الْمُصَلِّ بِالْمَنْفَصْلِ وَلَا بِغَيْرِهِ وَأَنَّ كَانَ الْفَعْلُ

جُتُّ اَنَا وَزَيْدٌ (زید کے) رفع کے ساتھ عطف کی بنا پر (یعنی ضمیر مرفوع متصل پر نہ بدکا عطف ہو اور یہ انا ضمیر متصل مرفوع ضمیر بارز متصل مرفوع کی تاکید ہے) «اور زید انا» بنا پر مفعولیت نصب کے ساتھ (کہ فعل کے معمول کے ساتھ زمان واحد میں مصاحب ہونے کی وجہ سے زید مفعول محذوف ہو) «اور نہ» یعنی اگر (واو کے) مابعد کا ماقبل پر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو «تو نصب متعین ہوگی» (یعنی واو کے مابعد کی نصب متعین ہوگی بنا براں کہ وہ مفعول محذوف کوئی دوسری صورت نہیں یہ ابن حاسب کا مذہب ہے مگر جمہور کے نزدیک یہاں نصب مختار ہے واجب نہیں اور ہو سکتا ہے کہ مصنف کے نزدیک تعین نصب تعین استحقاقی مراد ہو (اختلاف) «جیسے جُتُّ وَزَيْدٌ» کہ اس میں عطف ممتنع ہے (یعنی نا جائز ہے اور توجیہ مذکور کی بنا پر امتناع سے قباح مع الجواز مراد ہوگی معطوف و معطوف علیہ کے درمیان) عدم فاصلہ کی وجہ سے (عطف قبیح ہے) نہ تو متصل کی متصل سے (تاکید فاعل ہے) اور نہ (ظرف وغیرہ ایسے) اس کے غیر کے ساتھ (کوئی فاصلہ ہے) «اور اگر ہو» فعل

بر مفعولیت سے جائز ہے اور بنا بر عطف رفع نہیں پڑھ سکتے۔

فائدہ ۱۵۔ اگر جواز کی تفسیر امکان خاص کے ساتھ نہ کی جاتی تو امکان عام مقید بجانب الوجود مراد ہوتا یعنی حکم کی جانب مخالف سے سلب ضرورت ہو اور جانب موافق ضروری ہو یا نہ ہو تو اس صورت میں وجوب عطف بھی اس میں داخل ہو جاتا کیونکہ یہ جانب موافق ہے اور امتناع عطف خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ جانب مخالف ہے۔ پس ضربت زیداً و عمرًا کوئے کہ معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ اس میں صرف ایک ہی وجہ جائز ہے دونوں وجہوں کا جواز ممکن نہیں لہذا ضابطہ مذکورہ غلط ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۲۸ قولہ والا ای وان لم یجز العطف یہ جواز عطف سے استثناء ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے جُتُّ وَزَيْدٌ اسلئے

ولات کرے یعنی فعل لغوی پس اس میں فعل اصطلاحی۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول اور صفت مشبہ وغیرہ سب پیداخل ہو جائیں گے اس لئے کہ معنی حدی سب میں پائے جاتے ہیں لہذا اعتراض کی کوئی وجہ نہیں اور ای لم یجب العطف ولم یمتنع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جواز بجز الامکان الخاص ہے یعنی وجوب اور امتناع دونوں سے سلب ضرورت ہو کہ عطف جائز ہو لیکن نہ وجوب ہو اور نہ ممتنع پس اگر واجب بالمتنع ہوگا تو اس میں مذکورہ بالا دونوں وجہیں جائز نہیں ہوں گی جیسے ضربت زیداً و عمرًا کہ اس میں عطف واجب ہے اس لئے عمرًا کو مرفوع نہیں پڑھ سکتے منصوب پر معطوف ہونے کے باعث منصوب ہی پڑھیں گے۔ اور جیسے جُتُّ وَزَيْدٌ تاکہ اس میں عطف ممتنع ہے اس لئے کہ ضمیر متصل پر عطف جائز نہیں ہو کرتا لہذا اس میں بھی صرف ایک وجہ یعنی نصب بنا

کہ اس میں عطف فاعل نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں یعنی نہ تو ضمیر متصل اور اسکے درمیان ضمیر متصل سے فاصلہ ہے اور نہ ظرف وغیرہ سے اب رہی یہ بات کہ شایع نے بل یمتنع کیوں کہا تو اس سے اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ لم یجز میں جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب العدم ہے یعنی حکم کی جانب موافق سے سلب ضرورت پس عطف کا وجود ضروری نہیں عام ازیں کہ عطف ممتنع ہو یا جائز پس لم یجز کے معنی یہ ہونے کہ اگر عطف ضروری نہ ہو تو نصب متعین ہوگا پس یہ ضابطہ جُتُّ اَنَا وَزَيْدٌ سے منقوض ہے اس لئے کہ اس میں وجود عطف ضروری نہیں بلکہ اختیاری ہے کریں یا نہ کریں لہذا یہ ضابطہ غلط ہے پس شایع نے بل یمتنع کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ عدم عطف ضروری ہے یعنی عطف ممتنع ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ جُتُّ اَنَا وَزَيْدٌ اس سے خارج ہو جائے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ ہم کو تسلیم نہیں کہ جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب العدم ہے اس لئے کہ لفظ الا سے امکان خاص کی نفی ہے جبکہ گذرا کہ جواز سے مراد امکان خاص تھا امکان عام نہیں اور امکان خاص کی نفی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانب مخالف کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف ممتنع ہو دوسرے یہ کہ جانب موافق کا اثبات ضروری ہو۔ یعنی عطف واجب ہو پس اگر اس نفی سے وجوب عطف مراد لیتے ہیں تو جزا شرط پر مرتب نہیں ہوتی اس لئے کہ جزا تعین النصب ہے اور جب عطف واجب ہوگا تو نصب متعین نہ ہوگا بلکہ واجب ہوگا پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ لفظ الا سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے اس سے مراد امتناع ہے تاکہ مذکورہ بالا اعتراض لازم نہ آئے واللہ اعلم ۱۲

۱۲۹ قولہ وان کان الخ اور اگر

فعل معنوی یعنی ایسا امر ہو کہ جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو یعنی متمنع نہ ہو تو عطف متعین ہوگا کیونکہ کلام کو عامل معنوی کے عمل پر بلا جاوے۔ محمول نہیں کیا جائیگا جبکہ دوسری وجہ بھی اس میں جائز ہے یعنی عطف مطلب یہ ہے کہ عامل معنوی پر کلام کو محمول کرنے کی کوئی خاص ضرورت داعی نہ ہو اور عطف بھی ہو سکتا ہو تو عطف متعین ہوگا جیسے لزید و عمر و کہ اس میں اگرچہ عامل معنوی یعنی فعل نکل سکتا ہے جیسا کہ مالک و زیداً میں نکالا گیا تھا اور اس عامل معنوی کے باعث عمر و کو عمر ابھی پر لٹا سکتے ہیں واد کو مع کے معنی میں لے کر لیکن یہ امر حقیقی ہے اور کلام کو اس پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عطف امر ظاہر ہے پس یہ نہ ہوگا کہ امر ظاہر کو جیوڑ کر امر ضعیف خفی کو اختیار کریں لہذا عطف متعین ہوگا۔ اس جگہ شامح نے معنی کی تفسیر ای امر معنوی الخ سے کر کے ایک سوال مقدمہ کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بقول شامح کان تامر ہے بمعنی وجہ اور فعل اس کا فاعل ہے جو کہ ذوالحال ہے اور معنی حال اور حال اپنے ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے لیکن اس جگہ نکل صحیح نہیں اس لئے کہ معنی مصدر ہے وہ اپنے افراد پر ہی محمول ہو سکتا ہے اور فعل اس کے افراد میں سے نہیں لہذا حمل کیسے صحیح ہوگا جواب یہ ہے کہ معنی اپنے موصوف محذوف یعنی امر کے اعتبار سے حال ہے اور معنی اس کی صفت ہے پھر چونکہ صفت بھی اپنے موصوف پر محمول ہوا کرتی ہے لہذا معنی معنوی کے معنی میں ہے اور مستنبطاً معنویاً کا عطف تفسیری ہے اور جائز کے بعد ای لم یقتنع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں جواز بمعنی اسکان عام ہے مقید بجانب الوجود ہے یعنی عدم عطف ضروری نہیں وجود ضروری ہو یا نہ ہو یعنی خواہ عطف واجب ہو یا نہ ہو متمنع نہ ہونا چاہئے واللہ اعلم ۱۲

مَعْنًى اى امر معنویاً مستنبطاً من اللفظ و جاز اى لم یمتنع للعطف متعین العطف حيث لا یحمل علی عمل العامل المعنوی بلا حاجة مع جواز وجه آخر و هو العطف نحو ما لزیّد و عمر و الا اى وان لم یجز العطف بل امتنع متعین التّصّب حيث لا وجه سوا هـ مثل مالک و زیداً و ما شأنک و عمر و اقلانہ امتنع العطف فیہما لان العطف علی الضمیر المجرور بلا اعادة الجار غیر جائز و لم یجز عطف عمر اعلی الشان اذ السؤال عن شأنهما لا عن شان احدہما و نفس

«معنی» یعنی امر معنوی مستنبط از لفظ یعنی لفظ کی تصریح یا تقدیر کے بغیر اور فعل معنوی مستنبط از لفظ یعنی لفظ کی تصریح یا تقدیر کے بغیر اور فعل معنوی مستنبط من اللفظ کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ لفظوں میں فعل عامل کا پتہ دینے والی چیز قوی ہو جیسے مالک و زیداً کیونکہ جار و مجرور فعل کے متعلق ہوتے ہیں لہذا یہاں تصنع فعل مستنبط ہوتا ہے یا فعل کے معنی کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جیسے ما شأنک کیونکہ ما شأنک فعلک و صنعتک کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہ ما مصدر یہ ہے اور مصدر میں فعل کا معنی ہے اور دوسرا وہ کہ فعل عامل کا پتہ دینے والی چیز ضعیف ہو جیسے مانت و زید کہ یہاں جار مجرور ہیں نہیں جو متعلق یعنی فعل یا فعل کے معنی کا تقاضہ کریں اس میں ما استفہامیہ ہے جو فعل یا فعل کے معنی پر دلالت کرنے میں ضعیف ہے کافی الرضی «اور جائز ہو» یعنی متمنع نہ ہو «عطف تو عطف متعین ہوگا» کیونکہ صورت دیگر جو کہ عطف ہے کے جواز کے ہمراہ بلا ضرورت کلام کو عامل معنوی پر محمول نہ کیا جائے گا «جیسے ما لزیّد و عمر و ورنہ» یعنی اگر عطف ناجائز ہو بلکہ متمنع ہو «تو نصب متعین ہوگی» کیونکہ نصب کے سوا کوئی صورت نہیں کہ جب اقویٰ یعنی عطف کے ساتھ عمل متعذر ہو تو عمل بالادنی یعنی نصب کے ساتھ عمل کافی ہے «جیسے مالک و زیداً و ما شأنک و عمر و» پس ان دونوں میں عطف ناجائز ہے کیونکہ (صورت اولیٰ میں) جار کے اعادہ کے بغیر ضمیر مجرور پر عطف جائز نہیں اور عمر و کا عطف شان پر جائز نہیں کیونکہ سوال دونوں کے حال معلوم کرنے سے ہے دو میں ایک کے حال اور دوسرے کی ذات سے

پر درست نہیں اس لئے کہ اس وقت خلاف مقصود لازم آئے گا کیونکہ مقصود دونوں کی شان سے سوال کرنا ہے نہ کہ ایک کی شان اور دوسرے کی ذات سے کیونکہ صورت عطف میں ترجمہ یہ ہوگا کیا ہے تیری شان اور عمر و کی ذات یعنی اس کا نفس اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا نصب متعین ہوگا واللہ اعلم ۱۲

۲۵۰ قولہ والا اى وان لم یجز الخ اور اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ متمنع ہو تو نصب متعین ہوگا کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی وجہ ہی نہیں جو اختیار کی جا سکے جیسے مالک و زیداً و ما شأنک و عمر و کہ ان دونوں مثالوں میں عطف متمنع ہے اس لئے کہ ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ جار کے عطف جائز نہیں اور اس جگہ اعادہ جار ہے نہیں اس طرح عمر و کا عطف شان

الآخر وانما حکمنا بمعنویۃ الفعل فی هذه الامثلة لان المعنی ما تضمنه
وما یماثلہ فعنی ما شانک وزیداً اما تصنع وزیداً او معنی مالک و مزیداً
ما تصنع وزیداً او معنی مالک و مزیداً و عمر و الخ حال لما فرغ
من المفاعیل شرع فی الملحقات بها وهو ما یبین هیئۃ الفاعل والمفعول
بہ ای من حیث هو فاعل او مفعول بہ کما هو الظہ فبذلک الھیۃ یمخرج ما
بین الذات کالتمیز و باضافۃها الی الفاعل او المفعول بہ یمخرج ما بین
ھیۃ غیر الفاعل او المفعول بہ کصفۃ المبتدأ نحو زید العالم اخوک و
بقید الحیثیۃ تخرج صفۃ الفاعل والمفعول فانہا تدل علی ہیۃ الفاعل

سوال نہیں ہے اور ہم نے ان مثالوں میں (جو کہ تعین عطف یا تعین نصب کے بارے میں
دی گئی ہیں) فاعل کے معنوی ہونے کا حکم دیا (کیونکہ معنی ما تصنع ہے) اور جو (معنی) اس کے
حل ہو پس ما شانک وزیداً کا معنی ما تصنع وزیداً ہے اور مالک وزیداً کا معنی ما تصنع وزیداً
مالک وزیداً کا معنی ما تصنع وزیداً و عمر و ہے (کیونکہ یہاں پر مجرور اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر
غائب ہی ہوتا ہے لہذا اس کی تفسیر بھی اسی طرح صیغہ غائب سے ہوگی) (اور حال)
جبکہ مصنف مفاعیل (خمس) سے خارج ہوئے تو ملحقات بالمفاعیل (کے بیان میں شروع
ہوئے اور حال و وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کیے) اس حیثیت سے
کہ وہ فاعل ہے (اور اس سے فعل صادر ہوتا ہے) یا مفعول بہ ہے (اس پر فعل واقع ہوتا ہے)
جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو (مصنف کا قول ما جنس ہے جو معرف اور غیر معرف کو شامل ہے اور)
ہیئت کے ذکر سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو (حالت کی بجائے کسی چیز کی) ذات کو بیان
کرتے جیسا کہ تمیز ہے (کہ یہ پتہ ہے مگر ذات کی صفت کی نہیں خواہ ذات مذکور ہو جیسے رطل
زیتا یا مقدیر جیسے طاب زید نقسا) اور ہیئت کی فاعل یا مفعول بہ کی طرف اضافت سے وہ
چیز خارج ہو جاتی ہے جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کسی اور چیز کی حالت بیان کرتے جیسا کہ
مبتدأ کی صفت ہے جیسے زید العالم اخوک اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت
خارج ہو جائے گی کہ صفت فاعل اور مفعول بہ کی حالت پر مطلقاً دلالت کرتی ہے (خواہ فاعل

۱۲۵۱ قولہ وانما حکمنا الخ یہاں
اشک نہ کورہ میں فعل کے معنوی ہونے کی
دلیل بیان کر رہے ہیں کہ ہم نے ان
امثلہ میں معنویۃ فعل کا اس لئے حکم کیا ہے
کہ ان کے معنی ما تصنع کے ہیں یا جو اس کے
ماثل ہو مثلاً ملابس وغیرہ پس ما شانک و عمر

۱۲۵۲ قولہ الخ الخ جب مصنف
محمد شرف مفاعیل خمسہ کے بیان احوال سے

خارج ہو گئے تو اب اس کے ملحقات شروع
کرتے ہیں جن میں سے پہلا حال ہے حال کے
معنی لغت میں برگشتن اور تبدیلی قبول کرنے
کے آتے ہیں اور حال اصطلاحی کو بھی اسی لئے
حال کہتے ہیں کہ وہ بسا اوقات تغیر و تبدل
سے خالی نہیں ہوتا پس حالی اصطلاحی وہ
ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی وہ ہیئت بیان
کرتے جو صدور یا وقوع فعل کے وقت
پائی جاتی ہے پھر فاعل و مفعول بہ میں تمیز
ہے خواہ وہ لفظی ہوں یا معنوی پھر فاعل
اور مفعول بہ میں قید حیثیت معتبر ہوگی یعنی وہ
فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو اس حیثیت
سے بیان کر کے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ میں
اس کا فائدہ عنقریب آجائیگا اب فوائد قیود
ملاحظہ فرمائیے اس تعریف میں لفظ ما بمنزلہ
جنس کے ہے کہ تمام اسماء کو شامل ہے اور
ہیئت الفاعل الخ بمنزلہ فصل کے پس جب
مصنف نے ہیئت کا ذکر کیا تو اس سے تمیز
خارج ہو گئی اس لئے کہ وہ ذات کو بیان
کرتی ہے ہیئت و صفیت کو نہیں جیسے اعطیۃ
عشرین درہما کہ اس جگہ درہم ذات عشرین ہے
یعنی درہم سے عشرین کی ذات کا بیان ہو رہا
ہے اور ہیئت کی فاعل یا مفعول بہ کی طرف
اضافہ کر دینے سے وہ چیز خارج ہو جاتی
ہے جو غیر فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو
بیان کرتے مثلاً مبتدأ کی صفت مبتدأ کی ہیئت
بتلائے جیسے زید العالم اخوک کہ اس میں
العالم زید مبتدأ کی صفت ہے اور اسی کی
ہیئت کو بیان کرتی ہے زکہ فاعل اور مفعول
بہ کی ہیئت کو پس اس قید سے مبتدأ کی صفت
سے احتراز ہو جائیگا اور قید حیثیت سے
فاعل اور مفعول بہ کی صفت خارج ہو جائیگی
اس لئے کہ صفت فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت
پر مطلقاً دلالت کرتی ہے اس حیثیت سے دلالت
نہیں کرتی کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ اور

یہ ہے کہ صفت ہمیشہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے موصوف میں پائے جاتے ہیں اس میں یہ حیثیت ملحوظ نہیں ہوتی کہ وہ موصوف فاعل ہے یا مفعول بہ اور یہی وجہ ہے کہ جاری زید بن العاقل میں زید کی صفت عاقل کے ساتھ ہر حالت میں انصاف ہے خواہ جار کو ذکر کریں یا نہ کریں بخلاف حال کے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت نہیں کرتا بلکہ اس میں فاعلیت یا مفعولیہ کی حیثیت معتبر ہوتی ہے یعنی حال کے لئے فعل کا ذکر نہ ضروری ہے تاکہ ذکر فعل کے بعد فاعل یا مفعول سے حال واقع ہو پس اگر فعل ذکر نہیں کیا جائیگا تو فاعل یا مفعول بہ بھی نہیں پائے جائیں گے لہذا حال کا بھی تحقق نہیں ہو سکتا۔ اب ہا یہ اعتراض کہ شارح نے اپنی جانب سے قید حیثیت کا کیوں اضافہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قید حیثیت عموماً ہر تعریف میں معتبر ہوتی ہے لہذا شہرت پر اعتماد کر کے مصنف نے اس کو ترک کر دیا اور شارح نے اس کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا اب ہا یہ اعتراض کہ تعریف حال میں لفظ او سے مترشح ہوتا ہے کہ حال فاعل یا مفعول بہ سے ہی فرداً فرداً ہو سکتا ہے دونوں کے مجموعہ سے نہیں ہو سکتا حالانکہ حال کبھی کبھی دونوں کے مجموعہ سے بھی ہوتا ہے جیسے ضرب زید عمر اکبین کہ اس میں زید فاعل او عمر مفعول بہ ہے اور اکبین دونوں کے مجموعہ کی ہیئت بیان کر رہا ہے نہ کہ فرد واحد کی تو اس کا جواب ہذا التردید علی سے شارح یہ ہے کہ یہ تردید علی سبیل منع التخلو ہے علی سبیل منع الجمع نہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ حال ہیئت فاعل یا مفعول بہ کے بیان سے خالی نہ ہوگا خواہ ایک کی ہیئت بنائے یا دونوں کی پس اس تعریف سے ضرب زید عمر اکبین خارج

او المفعول بہ مطلقاً من حیث هو فاعل او مفعول وھذا التردید علی سبیل منع التخلو لا یخرج عنہ مثل ضرب زید عمر اکبین لفظاً ای سواء کان الفاعل او المفعول الذی وقع الحال عنہ لفظاً ای لفظیاً بان تكون فاعلیۃ الفاعل او مفعولیۃ المفعول باعتبار لفظ الکلام و منطوقہ من غیر اعتبار معنی خارج عنہ یقرم من فحوی الکلام سواء کان معلقاً

سے فعل کا صدور یا مفعول پر فعل کا وقوع ہوا ہو یا نہ اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ ہے اور یہ تردید (جو تعریف حال میں واقع ہو نیولے کلمہ او سے بھی جاتی ہے) منع خلو کے طور پر ہے (کہ حال کا ان دو حالتوں سے خالی ہونا ممنوع ہے یا تو فاعل کی حالت بیان کرتا ہوگا یا مفعول بہ کی اور یہ تردید منع جمع کے طور پر نہیں (کہ حال کے لئے فاعل و مفعول دونوں کی حالت کو لکھتے بیان کرتا منع ہو یہ بات نہیں بلکہ وہ ایسا کر سکتا ہے) لہذا ضرب زید عمر و اکبین کا مثل (جس میں حال فاعل و مفعول بہ دونوں کی اکٹھے حالت کو بیان کرتا ہے) حال کی تعریف سے خارج نہ ہوگا (لفظ کے طور پر) یعنی خواہ فاعل یا مفعول بہ (ان دو میں سے ہر ایک) کہ جس کی طرف سے حال واقع ہوا لفظ ہو یا لفظی ہو اس طرح کہ فاعل کی فاعلیت یا مفعول بہ کی مفعولیہ کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے ہونے کے اعتبار سے نہیں جو کہ کلام سے خارج ہوا و سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہو (جیسا کہ فاعل بنوی

نہ ہوگا واللہ اعلم۔

۲۵۳ قولہ ای سواء کان الخ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً لفظیاً کے معنی میں ہو کر کان محدود کی خبر ہے یعنی برابر ہے کہ وہ فاعل یا مفعول کہ جس سے حال واقع ہو رہا ہو لفظی ہوں یعنی باس طور کہ فاعلیت فاعل اور مفعولیہ مفعول لفظ کلام اور اس کے منطوق سے ظاہر ہو اور اس میں کسی ایسے معنی کا اعتبار نہ کیا جائے جو کلام سے خارج ہو کہ سیاق و سباق کلام سے سمجھ میں آ رہا ہوں جیسے جاری زید اکبین زید فاعل ہے اور اس کی فاعلیت لفظ کلام سے ظاہر ہو رہی ہے اور اس میں کسی ایسے معنی کا اعتبار نہیں جو لفظ کلام سے خارج ہوں پھر اس میں تعمیم ہے کہ وہ فاعل یا مفعول بحقیقہ موقوف ہوں

جیسے مثال مذکور میں یا حکماً لہذا اب یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ زید فی الدار قائماً میں ظرف کی ضمیر ممکن سے حال سے اور مستکن کی فاعلیت ملحوظ نہیں پس یہ اگر خیر حقیقہ موقوف نہیں مگر حکماً ضرور موقوف ہے اور اس کی فاعلیت باعتبار لفظ کلام یعنی فی الدار کے ہے اس لئے کہ فی الدار ثابت کے متعلق ہوگا اور ثابت مشبہ فعل ہے جس کو فاعل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس میں ضمیر مستتر ہوگی جس سے قائماً حال واقع ہے پس ضمیر مستتر کا فاعل ہونا لفظ کلام سے ظاہر ہو گیا کیونکہ ثابت متعلق کا ہونا فی الدار جار مجرور کے لئے ضروری ہے پس گویا کہ ثابت فی الدار کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے واللہ اعلم۔

حقیقۃً اَوْ حَکْمًا اَوْ مَعْنًی اِی مَعْنًیًّا بَانَ تَکُونُ فَاعِلِیۃً الْفَاعِلُ اَوْ مَعْقُولِیۃً الْمَعْقُولُ بِاعْتِبَارِ مَعْنًی یَفْهَمُ مِنْ فَحْوِی الْکَلَامِ لَا بِاعْتِبَارِ لَفْظِهِ وَ مُتَوَقِّفًا وَ الْمُرَادُ بِالْفَاعِلِ اَوَّالِ الْمَعْقُولِ بِهٖ اَعْمَ مِنْ اِنْ یَکُونُ حَقِیْقَۃً اَوْ حَکْمًا فِی دَخْلِ فِیہِ الْحَالِ عَنْ الْمَعْقُولِ مَعَهُ لَکَوْنُهُ فِی مَعْنًی الْفَاعِلِ اَوَّالِ الْمَعْقُولِ بِهٖ وَ کَذَٰلِکَ الْمَعْقُولُ الْمَطْلُوقُ مِثْلُ ضَرَبِ الضَّرْبِ شَدِیدًا اَوْ فَانَهُ بِمَعْنًی اَحْدَثِ الضَّرْبِ شَدِیدًا وَ کَذَٰلِکَ اِیْدِی خَلِّ فِیہِ الْحَالِ عَنْ الْمَضَافِ اِلَیْہِ کَمَا اِذَا کَانَ الْمَضَافُ فَاعِلًا اَوْ مَعْقُولًا یُجِزُّ

یا مفعول بہ کی تخصیص کیسے درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ فاعل یا مفعول بہ سے مراد عام ہے خواہ ہر ایک حقیقت ہو یا حکم پس اس میں حال عن المفعول معہ بھی داخل ہو جائے گا کیونکہ مفعول معہ فاعل یا مفعول بہ کے معنے میں ہوتا ہے کیونکہ یہ فاعل سے صدور فعل میں فاعل کا مصاحب ہوتا ہے اور مفعول بہ پر وقوع فعل میں مفعول بہ کا مصاحب واللہ اعلم۔

۲۵۶ قولہ و کذا المفعول المطلق الخ ایسے ہی مفعول مطلق بھی چونکہ مفعول بہ کے معنے میں ہوتا ہے لہذا اس سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق معرفہ ہو اس لئے کہ ذوالحال کیلئے معرفہ ہونا ضروری ہے جیسے ضربت الضرب شدیداً کہ یہ احدث الضرب شدیداً کے معنے میں ہے لہذا الضرب مفعول مطلق احدث کا مفعول ہے اور الضرب معرفہ باللام ہے پس مفعول مطلق حکماً مفعول بہ ہوگا واللہ اعلم

۲۵۷ قولہ و کذا یدخل الخ فاعل مفعول بہ میں جو تعمیم کی گئی ہے اور اس میں جس طرح مفعول معہ اور مفعول مطلق داخل ہو جاتے ہیں اسی طرح جو حال مضاف الیہ سے واقع ہو وہ بھی داخل ہو جائیگا اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا درست ہو پس اس وقت مضاف الیہ نیابت مضاف کے باعث گویا کہ فاعل یا مفعول بہ ہو جائیگا جیسے قول باری تعالیٰ بل تتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً اور ان یا کل لحم اخیه میتاً کہ ان دونوں مثالوں میں حذف مضاف کے ساتھ بل تتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً کے بجائے بل تتبع ابراہیم اور ان یا کل لحم اخیه میتاً کے بجائے ان یا کل اخاء

میں ہے نحو ہذا زید را کہا) خواہ فاعل یا مفعول بہ حقیقت میں محفوظ ہوں (جیسے ضربت ید مروا را بین) یا حکم کے اعتبار (کما سیاتی من الاثنتہ) «یا معنی کے طور پر» یعنی معنوی ہو اس طرح کہ فاعل کی قابلیت یا مفعول کی مفعولیت ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو کام کے سیاق و سباق سے سمجھا جاتا ہو نہ کہ کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے اور فاعل یا مفعول بہ جو کہ اصل کی تعریف میں مذکور ہیں ان سے مراد اس سے عام ہے کہ فاعل یا مفعول بہ حقیقت کی رو سے ہو یا حکم کے اعتبار سے تو (اس تعمیم کے بعد) حال کی تعریف میں حال عن المفعول معہ بھی داخل ہو جائے گا کیونکہ مفعول معہ (اس سے صدور فعل میں) فاعل کے یا (اس پر فعل کے واقع ہونے میں) مفعول بہ کے معنی میں ہے (اس لئے مفعول معہ سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے جیسے جنت وزید را کہا اور ماشاءک قائماً یعنی ما تصنع قائماً) اور اسی طرح مفعول مطلق ہے (اس سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے) جیسے ضربت الضرب شدیداً (شدیداً ضرب محصل ہے اور ضرب مفعول مطلق معرفہ باللام ہے اور اسی طرح جلست المجلس کثیراً یعنی اوقات المجلس حال کو نہ کثیراً) تو یہ احدث الضرب شدیداً کے معنی میں ہے اور اسی طرح اس میں حال عن المضاف الیہ بھی داخل ہو جاتا ہے (جبکہ مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ مضاف الیہ کا رکھنا صحیح ہو) جیسا کہ مضاف (کہ جسے ذوالحال کی طرف مضاف کیا گیا) فاعل یا مفعول

جو معنی سمجھ میں آئے ہیں اس کے اعتبار سے ہے یعنی اثیر وزید قائماً یا ابنہ زیداً قائماً کہ لفظ ہذا سے اثیر اور انیت سے سمجھ میں آ رہا ہے پس اس فہم کی بناء پر قائماً مفعول سے حال واقع ہوگا واللہ اعلم

۲۵۵ قولہ والمراد بالفاعل الخ یہ ایک سوال مفید کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ حال کبھی مفعول معہ سے بھی واقع ہوتا ہے جیسے جنت انا وزید را کہا لہذا فاعل

۲۵۶ قولہ اَوْ مَعْنًی الخ معنی کی تفسیر معنوی کے ساتھ ظاہر ہے اس کا حال یہ ہے کہ فاعل یا مفعول معنوی ہوں یعنی فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے ظاہر کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو سیاق و سباق کلام سے سمجھ میں آئے جیسے ہذا زید قائماً کہ اس میں زید کی مفعولیت لفظ کلام کے اعتبار سے نہیں بلکہ کلام سے

میتا کہہ سکتے ہیں پس اس جگہ ابراہیم اور اخیہ سے مضاف الیہ سے حنیفا اور میتا کو حال قرار دینا صحیح ہے واللہ اعلم۔

۵۲۵۸ قولہ او کان المضاف الخ

یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریباً سوال یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ ان دابر مولا مقطوع مصبحین میں مصبحین مولا سے حال واقع ہے اور مولا دابر کا مضاف الیہ ہے لیکن دابر نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ وہ ان کا اسم ہے اور اس کو حذف کر کے مولا کو اس کا قائم مقام بنانا جائز نہیں حالانکہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف فاعل یا مفعول ہو اور اس کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرنا درست ہو اور یہاں ایسا نہیں شارح جواباً کہتے ہیں کہ یہی یہ تسلیم نہیں کہ دابر فاعل نہیں بلکہ وہ فاعل حکمی ہے اس لئے کہ دابر مقطوع کی ضمیر مستکن کا مرجع ہے اور ضمیر مستکن مفعول مالم لیسیم فاعل ہے لہذا جو حکم راجع کا ہو گا وہی مرجع کا بھی ہو گا۔ پس اس سے قاعدہ یہ نکلے گا کہ مضاف فاعل یا مفعول ہو اور مضاف الیہ کا جز ہو پس گویا کہ جو حال مضاف الیہ سے واقع ہو گا وہ علاقہ جز بیت کی بنا پر مضاف سے واقع ہو گا اگرچہ مضاف الیہ کا مضاف کے قائم مقام کرنا صحیح نہ ہو پس مثال مذکور میں مصبحین مولا سے اس اعتبار سے حال واقع ہے کہ دابر اپنے جز یعنی مولا کی طرف مضاف ہے اس لئے کہ دابر شے کے معنی اصل شے اور جز کے آتے ہیں اور اصل شے شے کا جز ہوتی ہے پس دابر مولا کا جز ہوا پھر دابر مقطوع میں ضمیر مستکن کے اعتبار سے مفعول مالم لیسیم فاعل ہے پس گویا کہ مصبحین مولا سے حال واقع نہیں بلکہ دابر مفعول مالم لیسیم فاعل ہے حال واقع ہے لہذا اب کسی اعتراض کی گنجائش

حذفہ و قیام المضاف الیہ مقامہ فکانہ الفاعل او المفعول بخوبی تتبع ملہ ابراہیم حنیفا وان یا کل لحم اخیہ میتا فکانہ یصح ان تقول بل تتبع ابراہیم مقام بل تتبع ملہ ابراہیم وان یا کل اخاہ مقام ان یا کل لحم اخیہ او کان المضاف فاعلاً او مفعولاً وهو جزء المضاف الیہ فکان الحال عن المضاف الیہ هو الحال عن المضاف وان لم یصح قیامہ مقامہ کما فی قولہ تعالیٰ ان دابر مولا مقطوع مصبحین فقوله مصبحین حال عن مولا باعتبار ان الدابر المضاف الیہ جزوہ فان دابر الشی اصلہ والدابر مفعول مالم لیسیم فاعلہ باعتبار الضمیر المستکن فی المقطوع فکانہ حال عن مفعول مالم لیسیم فاعلہ ولو قرئ تبین علی صیغۃ للعانی للعلم

ہو اس (مضاف) کو (کہ فاعل یا مفعول ہے) حذف کرنا اور اس کی جگہ مضاف الیہ کو (کہ وہ ذوالحال ہے) کھڑا کرنا صحیح ہے تو گویا کہ وہی (مضاف الیہ کہ ذوالحال ہے) مضاف کے حذف ہونے کے بعد اس کی جگہ کھڑا ہونے کی وجہ سے) فاعل یا مفعول ہے (اور شارح نے مفعول فیہ اور مفعول نہ کا ذکر نہیں کہ وہ نہ تو فاعل ہیں اور نہ ہی مفعول نہ نہ حقیقتہً اور نہ حکماً اس لئے ان سے حال واقع نہیں ہو سکتا) جیسے بل تتبع ملہ ابراہیم حنیفا حنیفا بمعنی خلاصاً و مائلاً الی الحق ہے اور یہ ابراہیم سے حال ہے جو کہ ملہ کا مضاف الیہ ہے تتبع شارح کا نکالا ہوا فعل مقدر ہے جیسا کہ یہاں مفسرین نکالتے ہیں آیت میں نہیں ہے) اور وان یا کل لحم اخیہ میتا (اس میں میتا اخیہ سے حال ہے اور اخیہ لحم کا مضاف الیہ ہے جو کہ ان یا کل کا مفعول ہے ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) تو صورت حال یہ ہے کہ بل تتبع ملہ ابراہیم کی جگہ نہیں (ملہ کو حذف کر کے اس کی جگہ ابراہیم کو کھڑا کر کے) بل تتبع ابراہیم کہنا اور (لحم کو حذف کر کے اس کی جگہ اخاہ کو کھڑا کر کے) ان یا کل لحم اخیہ کی بجائے ان یا کل اخاہ کہنا صحیح ہے یا مضاف فاعل یا مفعول ہو در آن حال کہ وہ (مضاف) مضاف الیہ کا جز ہو تو گویا کہ مضاف الیہ سے جو حال ہے وہی مضاف سے حال ہے اگرچہ مضاف الیہ کا قیام مضاف کی جگہ صحیح نہیں (کیونکہ کسی شے کا جز بعض یا کل کے طور پر اس شے کی جگہ کھڑا نہیں ہو سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے ان دابر مولا مقطوع مصبحین تو قول باری تعالیٰ مصبحین مولا سے اس اعتبار سے حال ہے کہ دابر جو مولا کی طرف مضاف ہے مولا کا جز ہے شے کی دابر اس کی جز ہوا اصل ہوتی ہے اور دابر اس ضمیر کے اعتبار سے جو مقطوع میں مستتر ہے مفعول مالم لیسیم فاعلہ ہے (یعنی مقطوع میں جو ضمیر مستتر نائب فاعل ہے وہ دابر کی طرف راجع ہے تو مرجع کا حکم راجع کا حکم ہوتا ہے جب راجع نائب فاعل ہوا تو مرجع یعنی دابر نائب فاعل ہوا) تو گویا کہ مصبحین مفعول مالم لیسیم سے حال ہوا لہذا اعتراض نہیں رہی واللہ اعلم۔

۵۲۵۹ قولہ ولو قرئ تبین الخ

من باب التفعّل او تبين على صيغة المضارع المجهول من باب التفعّل وجعل
المجارد والمجور متعلقا به لا بالمفعول دخل فيه الحال من المفعول معه او
المفعول المطلق من غير حاجة الى تعميم الفاعل والمفعول الاول دخول ما وقع
حالا عن المضاف اليه نحو ضربت زيدا قائما مثال للفظي المفعول حقيقة
فان فاعلية تارة المتكلم ومفعولية زيدا انما هي باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه
من غير اعتبار معنى خارج عنه وهما مفعولان حقيقة وزيدا في الدار قائما
مثال للفظي المفعول حكما فان فاعلية الضمير المستكن في الظرف انما هي باعتبار
لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه والضمير المستكن

ہوگا کہ معینی حوالہ سے حال ہے جو نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے اور اگر حال کی تعریف
میں واقع ہونے والے لفظ میں کو تبین ماضی معلوم از باب تفعّل کے صیغے پر یا تبین مضارع
مجهول از باب تفعّل کے صیغے پر پڑ جائے اور جار و مجرور (بہ) کو تبین سے متعلق کیا جائے
المفعول سے نہیں تو (حال کی تعریف میں) حال من المفعول معه اور من المفعول المطلق
فاعل و مفعول کی تعمیم کی حاجت کے بغیر ہی داخل ہو جائے گا مگر اس (حال) کے دخول کے
لئے (تعمیم کی حاجت ہوگی) جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو تو جب ایسے حال کے لئے تعمیم
کی ضرورت ہوگی تو پھر حال کی تعریف کی تفسیر اول ہی اولیٰ ہے تاکہ کل میں تعمیم ہو جائے
اور اس لئے کہ تعریف میں جار و مجرور یعنی بہ کا تعلق المفعول سے اولیٰ ہے) جیسے ضربتہ
زیدا قائما ایہ اس لفظی کی مثال ہے جو درحقیقت کی رو سے مفعول ہے کیونکہ متکلم کی تا کا
(فعل کیلئے) فاعل اور زیدا کا (فعل کے لئے) مفعول ہونا اس کلام کے لفظ اور اس کے
منطوق کے اعتبار سے ہی ہے اس سے خارج معنی کے اعتبار کے بغیر اور وہ (فاعل و مفعول
یہ) دونوں حقیقت کی رو سے (اس کلام میں) مفعول ہیں (یعنی فاعل و مفعول یہ ہیں سے
جس سے چاہیں حال بنالیں مگر زید سے ہونا اولیٰ ہے کہ حال کا ذوالحال کے پہلو میں ہونا بہتر
ہے) اور زید فی الدار قائما ایہ اس لفظی کی مثال ہے جو حکمی طور پر مفعول ہے کیونکہ ظرف
کے متعلق مثبت فعل میں ضمیر مستتر کی فاعلیت اس کلام کے لفظ اور اس کے منطوق ہی
کے اعتبار سے ہے ایسے معنی کے اعتبار کے بغیر جو کلام سے خارج ہو اور ضمیر مستتر حکمی طور

ہے وہ بھی داخل ہو جائیگا کیونکہ اس صورت
میں مطلب یہ ہوگا کہ حال وہ اسم ہے جس کے
ذریعہ فاعل یا مفعول کی حالت معلوم ہو جس
کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی ہیئت کو بیان
کیا جائے اور اس صورت میں مفعول کسی قید
کے ساتھ متعین نہیں ہوتا بلکہ مطلقا ہے لہذا

اور اگر تبین کو باب التفعّل سے تبین صیغہ ماضی
معروف کے ساتھ یا تبین باب تفعّل سے
صیغہ مضارع مجهول کے ساتھ پڑ جائے
اور بہ جار و مجرور کو اس کے متعلق کر دیا جائے
بجائے مفعول کے تو اس تعریف میں مفعول
معه اور مفعول مطلق سے جو حال واقع ہوتا

جن مفاعیل سے حال واقع ہونا جائز ہے
وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور فاعل میں
کسی تعمیم کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن اس میں
اشکال یہ ہے کہ مفعول لا مفعول فیہ بھی
داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ ان سے وقوع
حال صحیح نہیں پھر یہ کہ مضاف الیہ سے جو
حال واقع ہوتا ہے اس کے او حال کے لئے
تعمیم کی ضرورت پیش آتی ہے لہذا یہ تعمیم ہی
مناسب ہے واللہ اعلم۔

مثال قولہ ضربت الخ لفظ کی
تفسیر کے ضمن میں بیان کیا گیا تھا کہ لفظی میں
تعمیم ہے کہ وہ مفعول حقیقت ہو یا حکما پس
یہ مثال اس لفظی کی ہے جو حقیقت مفعول ہے
اس لئے کہ تارة متکلم کی فاعلیت اور زیدا کی مفعولی
دونوں لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار
سے ہی خارج از لفظ کلام کسی امر کے اعتبار
کرنے کی ضرورت نہیں پس فاعل اور مفعول
دونوں حقیقت مفعول ہیں۔ اب جاتا چاہئے
کہ یہ مثال فاعل لفظی یعنی ضمیر متکلم اور مفعول
لفظی یعنی زیدا دونوں سے علی سبیل البدلیۃ
حال واقع ہو سکتی ہے پس اگر قائما کو ضمیر متکلم
سے حال قرار دیں تو یہ فاعل لفظی سے حال
ہو جائیگا اور معنی یہ ہوں گے میں نے زید کو
اپنے قیام کی حالت میں مارا اور اگر زیدا سے
قائما کو حال بناتے ہیں تو یہ مفعول لفظی سے
حال ہو جائے گا اور معنی یہ ہوں گے کہ میں نے
زید کو اس کے قیام کی حالت میں مارا پھر اس
مثال میں قائما یک وقت دونوں سے اس
لئے حال واقع نہیں ہو سکتا کہ حال کو ذوالحال
کے مطابق کرنا پڑتا ہے یعنی قائمین اور یہاں
صرف صیغہ واحد ہے لہذا علی سبیل البدلیۃ
ہی حال بن سکتا ہے واللہ اعلم۔

مثال قولہ وزیدا الخ لفظی مفعول
حکما کی مثال ہے یعنی فرق یہ ہے کہ پہلی مثال
لفظی مفعول حقیقی کی ہے اور یہ لفظی مفعول حکمی

کی اس لئے کہ ظرف یعنی جار مجرور میں جو ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہونا باعتبار لفظ کلام اور اس کے منطوق یعنی ظاہر کے ہے نہ باعتبار خارج از لفظ کے اور ضمیر مستکن حکماً مفعول ہے لہذا یہ بھی لفظی میں داخل ہے اس کی مکمل تشریح قولہ لفظاً ای سوار کاں الخ کے ضمن میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے واللہ اعلم۔

۲۶۲ قولہ و ہذا زید الخ یہ مفعول

بمعنوی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے اس لئے کہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ باعتبار معنی اشارہ اور تنبیہ کے مفہوم ہوتی ہے۔ جو کہ لفظ ہذا سے سمجھ جاتے ہیں پس اس وقت تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ اُشیر زیداً قائماً یا اُنْیَہ زیداً قائماً اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہذا زید قائماً میں ہذا مبتدا ہے اور زید اس کی خبر اور زید کی مفعولیت باعتبار معنی اشارہ اور تنبیہ کے ہے جو کہ لفظ ہذا سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے معنی اُنْیَہ زیداً یا اُشیر زیداً کے ہیں پس اس وقت اُشیر اور اُنْیَہ نظم کلام میں مقدر ہوں گے پس جب ایسا ہوگا تو مفعول معنوی نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اس کی مفعولیت لفظ ہذا سے جو کہ منطوق کلام ہے سمجھ میں آتی ہے پس یہ کیسے صحیح ہوگا کہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں اس کا جواب شارح ولا شک انہما الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مستحکم کا جو قصد وارد ہے وہ اشارہ اور تنبیہ ہے مطلقاً نہ یہ کہ وہ اشارہ اور تنبیہ جس کو مستحکم اپنی ذات سے منسوب کر کے کہتا ہے یعنی اُشیر (میں اشارہ کرتا ہوں) یعنی لفظ ہذا کے اشارہ میں ذات مستحکم کو دخل نہیں کہ جس کی بنا پر اُشیر یا اُنْیَہ مقدر کئے جائیں اور زید کو مفعول نہ بتایا جائے بلکہ زید کی مفعولیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ ہذا کے مصداق یعنی اُشیر اور اُنْیَہ سمجھ میں

مفعول حکماً و ہذا زیداً قائماً مثال للمعنوی لان مفعولیت زید لیس باعتبار لفظ ہذا کلام و منطوقہ بل باعتبار معنی الاشارة والتنبيه المفهومين من لفظ ہذا ولا شك انہما لیسما یقصد المتکلم الاخبار بہما عن نفسه حق یقدر فی نظم الکلام اشر و انْیَہ ویصیر زید مفعولاً بہ لفظیاً بل مفعولیتہ انما ہی باعتبار معنی اشر و انْیَہ الخارج عن منطوق الکلام باعتبار لصیحة وقوع القائم حالاً فی معنویۃ کاللفظیۃ و عاملہا ای عامل الحال قائم الفعل المفعول او المقدر نحو صوبت زیداً قائماً و زید فی الدار قائماً انکن

پر مفعول ہے (یعنی ضمیر لفظ کے حکم میں ہوتی ہے اور جیسا کہ گذرا واللفظ اما حقیقی اور حتمی ای وجہ سے اس پر لفظ کے احکام یعنی مسند الیہ اور ذوالحال وغیرہ ہونا اس پر جاری ہوتے ہیں) (اور ہذا زید قائماً) یہ معنوی کی مثال ہے کیونکہ زید کی مفعولیت اس کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ اشارے اور تنبیہ کے معنی کے اعتبار سے ہے جو اشارہ اور تنبیہ ہذا کے لفظ سے سمجھ جاتا ہے (کیونکہ تنبیہ حرف ہا اور اشارہ اسم اشارہ سے سمجھا جاتا ہے) اور کوئی شک نہیں کہ دونوں (یعنی اشارے اور تنبیہ کا معنی) اس قبیل سے نہیں ہیں کہ جن کے ذریعے مستحکم اپنی ذات سے اخبار کا قصد کرتا ہے حتیٰ کہ مستحکم نظم کلام میں اشر اور انْیَہ کو مقدر کرے اور (ہذا زید قائماً میں) زید اس مقدر سے مفعول لفظی ہو بلکہ زید کا مفعول ہونا اشر اور انْیَہ کے معنی کے ہی اعتبار سے ہے جو (معنی) کلام کے منطوق سے خارج ہے (اور جو معنی) قائم کے حال واقع ہونے کی صحت کے لئے معتبر ہے پس زید کی مفعولیت معنوی ہے لفظی نہیں (اور اس کا عامل) یعنی حال کا عامل یا تو (فعل ہے) مفعول یا مقدر جیسے ضربت زیداً قائماً اور زید فی الدار قائماً مثال اول اس فعل کی مثال ہے جو مفعول حقیقی ہو اور مثال ثانی اس فعل کی ہے جو محکی ہو (اگر ظرف

آ رہی ہے اور یہ اُشیر اور اُنْیَہ کے معنی منطوق کلام سے خارج ہیں کہ جن کا اعتبار قائماً کو حال قرار دینے کی صحت کیلئے کیا گیا تھا۔ پس یہ اشارہ اور تنبیہ جو کہ مستحکم کی طرف منسوب ہے مصداق کلام ہی سے مفہوم ہوتی ہے الفاظ کلام اور اس کے منطوق سے نہیں لہذا زید کی مفعولیت معنوی ہی ہے لفظی نہیں حاصل یہ ہوگا کہ اُشیر اور اُنْیَہ نظم کلام میں مقدر نہیں کہ زید کو مفعول مفعول حکمی کی مثال بنا سکیں اس لئے کہ جب ہم زید کی طرف ہذا سے اشارہ کرتے ہیں تو یہ اشارہ اور تنبیہ مقصود بالافادہ نہیں ہوتی بلکہ اُشیر اور اُنْیَہ و نظم کلام تب ہی مقدر ہوتے ہیں جب کہ اشارہ اور تنبیہ مقصود بالافادہ ہو واللہ اعلم۔

۲۶۳ قولہ و عاملہا الخ حال کا عامل کبھی تو فعل ہوتا ہے خواہ وہ فعل مفعول حقیقی ہو یا مقدر کے اعتبار سے مفعول حکمی ہو تفصیل ہر ایک کی گذر چکی ہے جیسے ضربت زیداً قائماً کہ اس میں فعل حقیقی مفعول ہے اور جیسے زید فی الدار قائماً کہ اس میں اگر فی الدار جار مجرور کا متعلق فعل محذوف ثبت حاصل وغیرہ نکالیں

الظرف مقدرًا بالفعل أو شبهة وهو ما يعمل عمل الفعل وهو من تركيبه
كاسم الفاعل نحو زيد ذاهب ركبًا وزيد في الدار قاعدًا ان كان الظرف
مقدرًا باسم الفاعل وكاسم المفعول نحو زيد مضروب قائمًا والصفة المشبهة
نحو زيد حسن ضاحكًا أو ممتناة المستنبط من نحوى الكلام من غير التصريح
به أو تقديره كالإشارة والتبعية في نحو هذا زيد قائمًا كما مر وكالنداء و
الفتى والترجي والتبعية في نحو يا زيد قائمًا وليتك عندنا مقبما ولعله في الدار
قائمًا وكانه اسد صائلًا وشرطها أي شرط الحال أن تكون نكرة
لان النكرة اصل والغرض وهو تقييد الحدث المنسوب الى صاحبها يحصل بها

فعل کے ساتھ مقدر ہو (یا شبہ فعل ہو) اور شبہ فعل وہ ہوتا ہے جو فعل کی ترکیب سے
ہو (یعنی فعل کے مادہ سے ہو) اور فعل والا عمل کہے جیسے اسم فاعل ہے جیسے زید ذاہب
راکبا (زید ذہب راکبا کی جگہ) اور زید فی الدار قاعدًا اگر ظرف اسم فاعل کے ساتھ مقدر جیسا
کہ کوئیوں کا مذہب ہے) اور اسم مفعول کی طرح جیسے زید مضروب قائمًا اور صفت مشبہ
کی طرح جیسے زید حسن ضاحکًا (یا فعل کا معنی) جو فعل کی تصریح یا تقدیر کے بغیر سیاق کلام
سے مستنبط ہو جیسا کہ ہذا زید قائمًا میں اشارہ اور تبیہ ہے جیسا کہ گذرا اور جیسا کہ نداء و فتی
دجیسے بیت) اور ترجی (جیسے فعل) اور تشبہ (جیسے کائن) یا زید قائمًا اور لیتک عندنا مقبما
اور لعلہ فی الدار قائمًا اور کانہ اسد صائل کے مانند میں کہ یہ معانی افعال کو متضمن ہونگی
وجہ سے حال میں عمل کرتے ہیں مگر ضعف کی وجہ سے حال سے مقدم نہیں ہو سکتے (اور
اس کی شرط) یعنی حال کی شرط (یہ ہے کہ نکرہ ہو) کیونکہ نکرہ اصل ہے (کہ وہ عوارض سے
عاری ہے) اور حال سے غرض اس حدث کو مقید کرنا ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہے

قائمًا یا صفت مشبہ ہو جیسے زید حسن ضاحکًا
کہ ان دونوں مثالوں میں مضروب اور حسن
دونوں شبہ فعل قائمًا اور ضاحکًا میں عامل
ہیں والٹر اعلم۔

۲۶۲ قولہ او معناه الخ یعنی اگر لفظ
فعل اور شبہ فعل حال میں عامل نہ ہوں تو ان کے
معنی عامل ہوتے ہیں بغیر تصریح و تقدیر فعل کے
بلکہ محض مصداق کلام سے مفہوم ہوتے ہوں
جیسے مثلاً اشارہ اور تبیہ ہذا زید قائمًا میں کما
اور مثلاً نداء فتی ترجی اور تشبہ مندرجہ ذیل
امثلہ میں جیسے یا زید قائمًا کہ اس میں معنی فعل

تو یہ باعتبار متعلق کے ملحوظ رکھی ہوگا اور کبھی
شبہ فعل عامل ہوتا ہے شبہ فعل اسکو کہتے
ہیں جو فعل جیسا عمل کرتا ہو مگر فعل نہ ہو البتہ
ترکیب یعنی مادہ کے اعتبار سے فعل میں مشترک
ہو مثلاً اسم فاعل جیسے زید ذاہب و راکب
ذہب زید راکب کی جگہ میں کہیں اور جیسے زید
فی الدار قاعدًا بشرطیکہ جابر مجرور کا متعلق مقدر
اسم فاعل نکالا جائے مثلاً ثابت وغیرہ پس
ان دونوں مثالوں میں راکب اور قاعدہ دونوں
کا عامل اسم فاعل یعنی ذاہب اور ثابت ہیں
یا شبہ فعل مثلاً اسم مفعول ہو جیسے زید مضروب

یعنی ادعوا عامل ہیں اور لیتک عندنا مقبما
دکاش کہ تو ہمارے پاس مقیم ہو جائے کہ اس
میں معنی فعل جو لیت حرف تہی سے مفہوم ہوتا ہے
ہیں عامل ہے اور لعلہ فی الدار قائمًا کہ اس میں
معنی فعل جو لعل حرف ترجی سے مفہوم ہے
قائمًا میں عامل ہے اور کانہ اسد صائلًا کہ گویا کہ
وہ شیر ہے حملہ کرنے والا کہ اس جگہ صائلًا میں
معنی تشبہ عامل ہیں۔

۲۶۵ قولہ وشرطها الخ حال کی شرط
یہ ہے کہ نکرہ ہو اس لئے کلام میں تنکیر اصل ہے
کیونکہ یہ عوارض سے خالی ہوتا ہے نیز غرض
بھی تنکیر کی ہی حاصل ہوتی ہے یعنی یہ کہ معنی
حدثی جو ذوالحال کی طرف منسوب ہوتے ہیں
مقید ہیں اور حال اس کی قید اور معرفہ ہونا غرض
پر زیادتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں
قید کی فوقیت مقید پر لازم آئیگی تفصیل
مقام کی یہ ہے کہ معنی حدثی کے مقید ہونے کا
یہ مطلب ہے کہ مثلاً جب ذوالحال فاعل ہو
تو معنی حدثی صدور فعل کے اعتبار سے
ذوالحال میں مقید اور منحصر ہو جائیں گے اور
حال اس کے لئے بمنزلہ قید کے ہوگا جیسے ذاہب
زید راکب کہ اس میں ذوالحال فاعل ہے پس معنی
حدثی یعنی فعل ذہاب (جانا) وہ ذوالحال
میں مقید ہو گئے اور حال اس کے لئے قید
سے پس عامل یہ ہوگا کہ فعل ذہاب جو کہ زید
میں مقید ہے قید رکوب کے ساتھ ہے پس یہ
غرض اسی تنکیر سے حاصل ہوگی بخلاف تعریف
کے کہ چونکہ اس میں تجرد من العوارض نہیں پایا
جاتا بلکہ نکرہ پر قید زائد کر کے اس کو معرفہ
بنایا جاتا ہے اس لئے زیادتی قید کے باعث
غرض پر کبھی زیادتی لازم آئے گی اور وہ یہ کہ
ذوالحال معرفہ ہونے کے باعث اعلیٰ مرتبہ
میں تھا اور حال تنکیر کے سبب سے اولیٰ مرتبہ
میں پس جب حال بھی معرفہ ہو جائیگا تو مقصود
اصل فوت ہو جائیگا اور قید یعنی حال کی فوقیت

مقید یعنی ذوالحال پر لازم آئیگی اس لئے کہ ذوالحال کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے پس وہ حال کی تعریف کے باعث اس سے ادنیٰ مرتبہ میں ہو جائیگا اور یہی خلاف مقصود ہے واللہ اعلم۔

۲۶۶ قولہ وان یكون انحراس کا عطف ان تکون کی ضمیر مرفوع پر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حال کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو اگر تلبہ اس لئے کہ ذوالحال معنی میں محکوم علیہ کے ہوتا ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے تاکہ اس پر حال کی صحت کا حکم لگاسکیں اور اس کے محکوم علیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذوالحال مبتدا و خبر کے معنی میں ہوتے ہیں پس جاء فی زید راكب کے معنی ہیں زید راكب وقت الجئی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں زید مبتدا اور راكب خبر ہے اور مبتدا معرفہ ہوتی ہے لہذا ذوالحال بھی معرفہ ہوتا ہے لیکن کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ قول مصنف غالباً سے معلوم ہوتا ہے پھر قول مصنف غالباً معرفہ سے متعلق نہیں اس لئے کہ اگر اس کا معرفہ سے مانیں گے تو کلام مصنف میں تناقض پیدا ہو جائیگا۔ اس لئے کہ شرط کا اقتضاد تو یہ ہے کہ ذوالحال ہر جگہ معرفہ ہو اور قولہ غالباً اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر جگہ معرفہ نہ ہو بلکہ اکثر جگہ معرفہ اور بعض جگہ نکرہ ہو اور ظاہر ہے بلکہ مظهر ہے کہ یہ معنی شریعت کے منافی ہیں لہذا اس منافی سے بچنے کے لئے غالباً کو اشتراط کے متعلق کریں گے اسی کی طرف شایع ایسی اشتراط الخ سے

اشارہ کر رہے ہیں پس اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثر مواد میں ہے نہ کہ بعض مواد میں یعنی ذوالحال کے تمام مواد میں معرفہ ہونا شرط نہیں بلکہ اکثر میں شرط ہے پس اب کوئی تناقض نہیں رہے گا۔

(فائدہ) اگر دو صاحب معرفہ کا عطف بجائے ان تکون کی ضمیر مستتر پر کرنے کے شرطہا ان تکون

والتعريف زائد على الغرض وان يكون صاحبها معرفة لانه محكوم عليه في المعنى فكان الاصل فيه التعريف غالباً ایس اشتراطہا ہوں صاحبها معرفة فی جمیع موادہا بل فی غالب موادہا ای اکثرہا و بیان ذلك ان مواد وقوع الحال علی قسمین احدهما ما يكون ذوالحال فيه نكرة موصوفة فوجاء فی رجل من بنی تمیم فارساً او مغنیہ غناء المعرفة لاستغراقها نحو قوله تعالى فيها يفرق كل امر حکیم امر من عندنا ان جعلت امراً حالاً من كل امر او واقعة فی خیر الاستفهام نحو هل اتاك رجل راكباً او بعد الا نقضاً للنفي نحو ما جاء فی رجل الا راكباً او مقدماً علیہ الحال نحو ما جاء فی راكباً رجل

وہ (غرض) نکرہ سے حاصل ہوتی ہے اور تعریف غرض سے ایک زائد چیز ہے («اور») یہ کہ ہو «ذوالحال معرفہ» کیونکہ ذوالحال معنی میں محکوم علیہ ہے پس اس میں اصل تعریف ہے («غالباً») یعنی ذوالحال کا معرفہ ہونا حال کے جمیع مواد (امثلہ) میں شرط نہیں ہے بلکہ حال کے اکثر امثلہ میں (شرط ہے) اور اس شرط کا بیان یہ ہے کہ حال کے وقوع کے مواد (امثلہ) دو قسموں پر ہیں ایک یہ کہ اس کلام میں حال نکرہ موصوفہ ہو (جبکہ ذوالحال نکرہ مخصصہ ہو) جیسے جاء فی رجل من بنی تمیم فارساً اس میں من بیانہ ہے اور جب من بیانہ کا ماقبل نکرہ ہو تو وہ اس کی صفت ہوگا) یا (وہ نکرہ) اپنے استغراق کی وجہ سے تعریف کا فائدہ دینے والا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فیہا یفرق کل امر حکیم امر من عندنا اگر تم امر کو کل امر سے حال بناؤ (یعنی بین ویمیز کل امر یعنی کل شئی وقوله تعالیٰ امر من عندنا یعنی کل کو نہ مامور من عندنا اور اگر اسے حکیم میں مستتر ضمیر سے حال بنایا جائے تو یہ مانحن فیہ سے نہ ہوگا کیونکہ متاثر معرفہ میں) یا (وہ نکرہ) استفہام کے حیز میں واقع ہو تو وہ بھی حیز نفی میں واقع ہونیوالے نکرہ کی طرح جمیع افراد کو عام ہوتا ہے) جیسے هل اتاک رجل راكباً یا (وہ نکرہ) الاکے بعد نفی کے لئے توڑ (یعنی نفی کو اثبات میں بدلنے والا واقع) ہو جیسے ط جاء فی رجل الا راكباً یا (وہ نکرہ اس طرح کا ہو کہ) حال اس سے پہلے ہو کہ حال کی تقدیم سے

نکرہ پر کریں تو اس صورت میں غالباً کا تعلق معرفہ سے بھی ہو جائیگا اور کوئی اعتراض بھی وارد نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت کلام کے یہ معنی ہوں گے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے مگر اس وقت معرفہ کو بنا بر خبر بہ مبتدا مرفوع پڑنا ہوگا واللہ اعلم۔

۲۶۷ قولہ و بیان ذلك انحراس سے شایع حال کے مواد وقوع کو بیان فرما رہے ہیں کہ اس کا ذوالحال کہاں نکرہ ہوتا ہے اور کہاں معرفہ کہتے ہیں کہ اس کا بیان یہ ہے کہ وقوع حال کے مواد کی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اس کا ذوالحال کلام میں نکرہ موصوفہ واقع ہو پس اس تو صیغ

وَمَا يَكُونُ ذُو الْحَالِ فِيهِ غَيْرُ هَذِهِ الْأُمُورِ وَغَالِبُ مَوَادِّ وَقُوعِ الْحَالِ
الْكَثَرُ هُوَ هَذَا الْقِسْمُ وَوُقُوعُ الْحَالِ فِي هَذَا الْقِسْمِ مَشْرُوطٌ بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مُعْرِفًا
فَقَوْلُهُ غَالِبًا قِيدَ الْأَشْرَاطِ كَوْنِ صَاحِبِهَا مُعْرِفًا حَتَّى يَقَالَ إِنَّ غَالِبِيَّةَ كَوْنِ صَاحِبِهَا
مُعْرِفَةً الْمُنْبِئَةُ عَنْ تَخَلُّفِهِ فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ تَنَافِي الشَّرْطِيَّةِ وَيَحْتَاجُ إِلَى أَنْ

ذُو الْحَالِ فِي تَخْصِيصِ أَجَانِي (ہے) جیسے ماجاء فی را کبار جل اور دوسرا قسم وہ ہے کہ جس میں
ذُو الْحَالِ ان امور (خمسہ مذکورہ) کے علاوہ ہوتا ہے (اور ان امور خمسہ کے علاوہ ذُو الْحَالِ
معرفة ہوتا ہے) اصل حال کے وقوع کا مواد (اشد) غالب ہے (الشرک ہی قسم (ثانی) ہے اور اس
قسم (ثانی) میں حال کا وقوع اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ ذُو الْحَالِ

معرفة ہو پس مصنف کا قول غالباً ذُو الْحَالِ کے معرفة ہونے کی شرط ہونے کے لئے قید ہے
یعنی غلبہ کا تعلق شرط سے ہے کہ غالب طور پر شرط ہے نہ کہ کلی طور پر (ذُو الْحَالِ کے معرفة
ہونے کے لئے قید نہیں حتی کہ (اعتراضی کے طور پر) کہا جائے کہ ذُو الْحَالِ کے معرفة ہونے
کی غایت جو کہ بعض اشد میں ذُو الْحَالِ کے معرفة ہونے کے مختلف (معرفة نہ ہونے) کا پتہ
دیتی ہے (وہ) شرطیت کے منافی ہے (یعنی جب مصنف کے قول غالباً کو ذُو الْحَالِ کے
معرفة ہونے کے لئے قید قرار دیا جائے تو وہ شرط کے منافی ہوگا کیونکہ ذُو الْحَالِ کے معرفة ہونے
کی شرط اس بات کی متقاضی ہے کہ ذُو الْحَالِ جمیع مواد و اشد میں معرفة ہو کیونکہ شرط کا
مشروط پر حاوی ہونا ضروری ہے اور ذُو الْحَالِ کا غالباً معرفة ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ
شرط مشروط کو حاوی نہیں ہے بلکہ کبھی ذُو الْحَالِ معرفة ہونے کی بجائے نکرہ مخصوص ہوتا ہے
جیسا کہ قسم اول میں مثالیں گزریں اور اگر غالباً کو شرط کی قید بنائیں تو یہ اعتراض پیدا ہی نہیں
ہوتا یعنی یہ اکثری شرط ہے کلی نہیں ہے) اور (یہاں تک کہ اس اعتراض سے بچنے کے لئے

کے باعث نکرہ میں تخیص پیدا ہو جائے گی۔
اور نکرہ کا ذُو الْحَالِ واقع ہو جانا صحیح ہو جائے گا
جیسے جاردی رحل من نبی قسیم ندر سا کہ اس میں رحل
نکرہ ہے مگر چونکہ اس کی صفت من نبی قسیم لائی گئی
ہے جس سے اس کی تخیص کی طرف اشارہ ہے
کہ نبی قسیم کا مرد میرے پاس آیا اور کسی خاندان
کا نہیں پس رحل کا ذُو الْحَالِ واقع ہو جانا درست
ہے یا نکرہ تخیص سے ایسا ہے نیاز ہو جیسے
معرفة ہوتا ہے کہ خود بخود اس میں تخیص موجود
ہمکنی ہے یعنی نکرہ تعریف کا فائدہ اپنے ہر فرد
کے احاطہ کر لینے کے سبب سے یعنی نکرہ اپنے
تمام افراد کو محیط ہوا کوئی فرد احاطہ سے باہر

نہ ہو تو یہ تعریف کا فائدہ دے گا کیونکہ یہ اس
صورت میں استغراق افراد کے باعث بمنزلہ معرفة
کے ہو جائیگا۔ جیسے قول تعالیٰ یٰٰہٰ یٰٰفِرَقْ کُلَّ امْر
حکیم امرأ عن عندنا کہ اس میں جب امرأ کو کُلَّ امْر
سے حال قرار دیں گے تو کُلَّ امْر ذُو الْحَالِ اگر نکرہ ہے
مگر اپنے ہر فرد کو محیط ہے اس لئے معرفہ کے
علم میں ہوگا اور کسی تخیص کی ضرورت نہیں ہوگی
اس جگہ شایع کو ان جعلت امرأ لآل الخ کہنے
کی ضرورت اس لئے پیش آگئی کہ بعض نے اس کو
حکیم میں منبر مستتر سے حال قرار دیا ہے لیکن یہ
ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے کہ یہاں
کلام ذُو الْحَالِ کی نکارت میں سورہا ہے تعریف میں

نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ حکیم کی منبر سے حال وقوع
ہونے کی صورت میں ذُو الْحَالِ معرفہ ہوگا اس لئے
کہ تمام منابر معرفہ ہوتی ہیں یا نکرہ استغنام کے
تحت میں واقع ہو جیسے بل اتاک رحل را کبار
کہ اس میں رحل ذُو الْحَالِ نکرہ ہے مگر چونکہ یہ استغنام
کے اخیر میں واقع ہے لہذا اس میں استغراق اور
تعیین پیدا ہو جائے گی پس اس کو ذُو الْحَالِ بنانا
درست ہوگا حال آلا کے بعد نفی کو ختم کرنے
کے لئے واقع ہو جیسے ماجاء فی رحل آلا را کبار
بیا حال ذُو الْحَالِ نکرہ پر مقدم ہو جیسے جاردی رحل را کبار
رحل پس چونکہ ان میں تخیص پیدا ہو جائے گی۔
اس لئے نکرہ کا ذُو الْحَالِ واقع ہونا درست ہو
جائیگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اول بعد آلا کا
عطف فی خبر الاستغنام یہ ہے پس اس صورت
میں مطلب یہ ہوگا کہ آلا کے بعد ذُو الْحَالِ واقع
ہو حالانکہ ماجاء فی رحل آلا را کبار میں آلا کے بعد
حال واقع ہے ذُو الْحَالِ نہیں پس مثال مثل کے
مطابق نہیں جواب یہ ہے کہ قول شارح اور مقدما
علیہ الحال میں الحال مقدما کا معمول ہے یعنی
الحال مقدما کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور
یہی حال ظرف یعنی بعد آلا کا بھی معمول ہے یعنی
ظرف کا فاعل ہے اور تقدیر عبادت یوں ہے
اور وقع بعد آلا الحال نقصاً للنفی اور مقدما علیہ الحال
پس اس صورت میں یہ باب تازع سے ہوگا
اس میں فعل ثانی کو عمل دے کر الحال کو اس کا مفعول
مالم یسم فاعلہ بنا دیا گیا اب سوال یہ باقی رہا کہ ظرف
آیا فاعل میں عمل بھی کرتا ہے یا نہیں اس کا جواب
یہ ہے کہ ظرف اپنے متعلق کے اعتبار سے فاعل
میں عامل ہوگا یعنی ظرف فاعل میں مجازاً عامل ہوتا
ہے حقیقتہً نہیں واللہ اعلم۔

۱۳۸ قولہ وَاثْنَانِہَا الخ دوسری قسم یہ
ہے کہ ذُو الْحَالِ اس میں ان امور مذکورہ کا غیر ہونے
ان پانچوں قسموں کے علاوہ کہ جن میں ذُو الْحَالِ نکرہ
ہوتا ہے بقیہ تمام مواد میں ذُو الْحَالِ معرفة ہوگا
اور اکثر مواد وقوع حال سے جو قسم مراد ہے وہ

یہی ہے اور اس قسم میں وقوع حال کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذوالحال معرفہ ہو پس قول مصنف غالباً اشترط کون صاحبہ معرفۃ کی قید ہے یعنی ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثر مواد میں ذوالحال کے معرفہ ہونے کی قید نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم غالباً کو اشترط کی قید نہ بنائیں بلکہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی قید قرار دیں تو اس سے وہی مذکورہ سابق اعتراض واقع ہوگا کہ کلام مصنف میں تناقض ہے اس لئے کہ اشترط کا اقتضایہ یہ ہے کہ ذوالحال ہر جگہ معرفہ ہو اور غالباً اس امر کو متفق ہے کہ ہر جگہ معرفہ نہ ہو بلکہ اکثر جگہ معرفہ ہو اور بعض جگہ نکرہ اور یہ معنی یعنی بعض جگہ میں اس کا نکرہ ہونا شرطیہ کے منافی ہے پس اس کے لئے احتیاج واقع ہوگی کہ کلام کو ظاہر سے پھیر دیا جائے اور معرفۃ کو بجائے منصوب پڑھنے کے مرفوع پڑھیں باس طور صاحبہ معرفۃ غالباً یعنی صاحبہ معرفۃ کو مبتدا و خبر قرار دے کر قول مصنف شرطہا ان تکون نکرۃ پر معطوف قرار دیں واللہ اعلم۔

لکھ قولہ وارسلہا العراک الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو حال کے نکرہ ہونے کی شرطیت پر وارد ہوتا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا شرط ہے پس شرط مذکور کا تقاضیہ یہ ہے کہ حال کبھی معرفہ نہ ہو حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مواقع میں حال معرفہ واقع ہے جملہ ان کے دو مواقع یہ ہیں وارسلہا العراک اور مرتبہ بعدہ پس حال کے نکرہ ہونے کی شرط کیسے درست ہوگی اس کا جواب مصنف نے متادل سے دیا ہے جس کو عنقریب بیان کیا جائیگا تو وارسلہا العراک ایک شعر کا ٹکڑا ہے یہ پورا شعر اس طرح ہے

وارسلہا العراک ولم یذہبا
ولم یشفق علی نفس الدخال

اور یہ شعر شعراء اسلام میں سے لبید شاعر کا ہے اس نے ایک دن پہاڑ پر سے حمار

یصوف الکلام عن ظاہرہ ویجعل قوله وصاحبہا معرفۃ مبتدا وخبر
معطوفاً علی قوله وشیطہا ان تکون نکرۃ وارسلہا العراک ولم یذہبا
ولم یشفق علی نفس الدخال بہ البیت للیبید یصف حمار الوحش واللاتن
بقول ارسل حمار الوحش الاتن وكان المراد بالارسل البعث والتخلية بین
المرسل وما یزید اے ارسلہا معرفۃ متزاحمۃ ولم یذہبا ی ولم یمنعہا

مصنف کے) کلام (وصاحبہا معرفۃ غالباً) کو اس کے ظاہر سے (کہ مصنف کا قول صاحبہا یکنون کا اسم اور معرفۃ اس کی خبر ہو اس کے قول وشیطہا ان یکنون نکرۃ کے مطابق تو اس عبارت کو اس کے ظاہر سے) پھیرنے کی حاجت ہو اور مصنف کے قول وصاحبہا معرفۃ کو مبتدا و خبر (یعنی صاحبہا مبتدا اور معرفۃ خبر ہو اور اس جملہ کو معطوف (کیا جائے) مصنف کے قول وشیطہا ان تکون نکرۃ پر (یعنی اب غالباً کو شرط سے تعلق کر کے اس تاویل کی حاجت نہیں) (اور ارسلہا العراک) ولم یذہبا ولم یشفق علی نفس الدخال یہ بیت لبید (شعراء اسلام میں سے ایک شاعر کا ہے) وحشی گدھے اور گدھیوں کی وصف کر رہا ہے کہتا ہے کہ حمار وحشی نے وحشی گدھیوں کو بھیج دیا اور گویا ارسال سے بھیجا اور مرسل (بھیجے ہوئے) اور اس کے جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے تخلیہ کرتا ہے (یعنی مرسل اور اس کی مراد کے درمیان حائل نہ ہوتا) یعنی وحشی گدھے نے گدھیوں کو اس حال میں بھیجا کہ وہ ایک دوسری برازد حام اور بھیڑ کر رہی

اور اپنی مادیوں کو دیکھا کہ حمار وحشی نے اپنی مادیوں کو پانی پینے کے لئے چھوڑا اور خود ایک طرف گھڑا ہو کر ان کی نگہبانی کرنے لگا تاکہ کوئی شکاری ان کا شکار نہ کرے پس یہ دیکھ کر لبید نے یہ شعر کہا جس میں حمار وحشی اور اس کی مادیوں کی تعریف و توصیف کرتا ہے کہتا ہے کہ حمار وحشی نے اپنی مادیوں کو حالت تزاحم میں (یعنی ایک ساتھ) چھوڑ دیا اور ان کو متزاحم یعنی جمع ہونے سے نہ روکا اور نہ اس امر کا خوف کیا کہ وہ اجتماع و ازدحام کے باعث پوری طرح سیراب نہ ہو سکیں گی اس جگہ کان المراد سے شائع نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ارسال ذوی العقول کی صفت لایا جاتا ہے اور حمار وحشی ذوی العقول سے ہے نہیں لہذا ارسال سے مراد براہ گنجینہ کرنا اور اپنے

اور اپنی مادیوں کے درمیان تخلیہ پیدا کرنا ہے یعنی ان کو چھوڑ دینا تاکہ وہ چلی جائیں اور العراک معرفۃ کے معنی میں ہو کر حال واقع ہے اور متزاحمۃ سے عراک کے معنی کی طرف اشارہ ہے ذود بالذال کے معنی منع کرنے کے آتے ہیں اس لئے ولم یذہبا کے معنی ولم یمنعہا کے ہیں ای لم یمنعہا عن العراک ای عن التزاحم اور ذود کے معنی زیادتی کے بھی آتے ہیں وہ اس جگہ مراد نہیں ایسے ہی لم یشفق اشتقاق سے خود ہے اور اس کے معنی بھی دو آتے ہیں قہر بانی کرنا اور ڈرنا پس اس جگہ اس کے معنی ڈرنا مراد ہیں ای لم یخف نفس کے معنی سیراب نہ ہونے کے آتے ہیں اور دخال کے معنی یہ ہیں کہ اونٹ پانی پئے اور پھر اپنے پیٹنے کی جگہ سے حوض کی طرف جائے اور دودھ پیائے اونٹ جو پانی پی رہے ہوں ان میں

هن العراك ولم يشفق اے ولم يخف على نقص الدخال ای علی انه لم يتق
شرب بعضها الماء بالداخل والداخل هو ان يشرب البعير ثم يرد من العطن
الى الخوض ويدخل من بعيرين عطشانين ليشرب منه ما عسا له ان يكن
شرب منه ولعل المراد به ههنا نقص مداخله بعضها في بعض او المعنى على
نقص مثل نقص الدخال ومرت به وحده ونحوه مثل فعلته جهدا
متاؤل بالنكرة فلا يرد نقصا على قاعدة اشتراط كونها نكرة وتاويلها على

ہیں اور اس نے انہیں از دعام کرنے سے نہ روکا اور اندیشہ نہ کیا اور نقص دخال کا خوف نہ کیا
یعنی اس بات کا خوف نہ کیا کہ دخال (یعنی از دعام) کی وجہ سے کچھ گدھیوں کا پانی پینا پورا نہ ہوگا
اور (نقص میں) دخال اس بات کو کہتے ہیں کہ اونٹ کچھ پانی پے پھر پیاس بجھائے بغیر
اپنی جگہ سے حوض کی طرف لوٹا دیا جائے اور وہ دو پیاسے اونٹوں کے درمیان داخل ہو
جائے تاکہ وہ اس حوض سے وہ پانی پے جسے اس اونٹ نے اس حوض سے شاید نہیں پیا
تھا اور اپنے شرب کو پورا نہیں کر پایا تھا (بالاشفاق خوف کرنا، النقص مراد کا پورا نہ ہونا اور
اور اونٹ کا پانی سے سیراب نہ ہونا نقص الدخال میں سبب کی سبب کی طرف اضافت ہے
اور علی نقص الدخال میں کلمہ علی من کے معنی میں ہے یعنی من نقص) اور شاید یہاں دخال سے
مراد گدھیوں کی رہائی سے کما حقہ سیراب ہونے کے لئے آپس میں مداخلت ہے یا معنی دو
لم يشفق، علی نقص مثل نقص الدخال ہوگا (یعنی مشبہ سے مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ
مضاف کو قائم کرنے کی بنا پر یہ معنی ہوگا کہ گدھے نے اس بات کا اندیشہ نہ کیا کہ کچھ گدھیاں
پوری طرح پانی نہیں پی سکیں گی جس طرح کہ اونٹوں کے مالک نے اس بات کا اندیشہ
نہ کرتے ہوئے کہ اونٹ نے سیراب ہو کر پانی نہیں پیا اس اونٹ کو دو پیاسے اونٹوں کے
درمیان داخل کر دیا تاکہ وہ سیراب ہو لے) (اور مرت بہ وحدہ) اور اس کی مانند جسے
فعلتہ جهدا (یہ سب احوال جو معرفتہ وارد ہوئے) (تاویل کے ہوئے ہیں) نکرہ کے
ساتھ لہذا ان کا مثل حال کے نکرہ ہونے کے شرط ہونے پر اعتراض ہو کر وارد نہ ہوگا اور مل

دش نے ان میں سے بعض کے سیراب نہ
ہونے کا خوف نہیں کیا جیسا کہ اونٹ
اس از دعام کے باعث خوف کرتا ہے
واللہ اعلم

۲۷۰ قولہ ومرت بہ الخ یہ وارد
شدہ اعتراض میں پیش کردہ دوسری مثال
ہے یعنی اس میں قابل اعتراض یہ چیز ہے
کہ وحدہ حال ہے لیکن یہ نکرہ نہیں معرفتہ ہے
واللہ اعلم

۲۷۱ قولہ ونحوه الخ یعنی مذکورہ
مثالوں کے علاوہ اور بھی امثلہ ہیں مثلاً
فعلتہ جهدا کہ اس میں جہدک حال نکرہ
نہیں معرفتہ ہے پس اس اعتراض کے جواب
میں مصنف کہتے ہیں کہ قاعدہ اپنی جگہ پر
بالکل درست ہے کہ حال کے لئے نکرہ
ہونا شرط ہے اور یہ امثلہ جو میان کی گئی ہیں
سب نکرہ کی تاویل میں ہیں پس قاعدہ مذکورہ
پر اب کوئی نقص وارد نہیں ہوتا واللہ اعلم

۲۷۲ قولہ وتاويلها الخ اب ان کی
تاویل ملاحظہ فرمائیے ان کی تاویل دو طریقوں
پر ہے ایک یہ کہ یہ افعال محذوفہ کے مصادر
ہیں کہ جن کو سماعی طور پر وجود با حذف کر
دیا گیا اور عبارت اس طرح ہے - ای
تعتك العراك وينفرد وحدا ای
انفراداً وتجتهدا جهداك پس اس
صورت میں یہ فعلیہ جملے حال واقع ہوں
گے اور یہ مصادر یعنی العراك - وحدہ اد
جہدک مصدریتہ کی بنا پر منصوب ہوں
گے یعنی اپنے فعل کے مفعول مطلق ہونگے
اس جگہ شایع نے منفرد وحدہ کی تفسیر ای
انفرادہ سے کر کے (۲) امر کی طرف اشارہ
کیا ہے کہ وحدہ انفرادہ کے معنی میں ہو کر منفرد
کا مفعول مطلق ہے کیونکہ وحدہ اور منفرد
دونوں ایک مصدر سے نہیں بلکہ معنی ایک ہیں
واللہ اعلم

اس سے نفس مداخلت مراد لیا ہے کہ بعض
بعض میں داخل ہو جائے پس اس معنی کے
اعتبار سے حمار وحش میں بھی دخال کا ذکر کیا
جاسکتا ہے یا دوسرا جواب یہ ہے کہ مشبہ
سے مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مشبہ
کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا پس اصل عبارت
اس طرح ہے ولم يشفق على نقص مثل
نقص الدخال اور مطلب یہ ہے کہ حمار

داخل ہو جائے تاکہ وہ حوض میں سے اپنے
قریب کا پانی پی لے جو اس میں سے پیا نہیں
تھا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دخال کیا ہے
اونٹوں کے درمیان کسی اونٹ کے داخل
ہو جانے سے عبارت ہے نہ کہ حمار وحش
سے لہذا اس شعر میں اس کا ذکر کیونکر درست
ہے اس کا جواب وتعل المراد بہ الخ سے
شایع یہ ہے کہ شاید شاعر نے

۲۴۳

قوله وثانیہا الخ دوسری تاویل ہے کہ یہ معارف نکرہ کی جگہ پر وضع کئے گئے ہیں یعنی اگرچہ ان کی صورتیں معرفہ کی ہیں مگر حقیقت یہ نکرہ ہیں جیسا کہ حسن الوجہ صورتہ معرفہ ہے لیکن معنی میں نکرہ کے ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ العراک میں الفلام زائد ہے اور العراک مشترکہ کے معنی میں ہے ایسے ہی وحدہ منفرد کے معنی میں اور جہدک مجتہد کے معنی میں پس ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکرہ میں معرفہ نہیں لہذا یہ درحقیقت نکرہ ہی ہیں تعریف کا ان کو جامہ پہنا دیا گیا ہے جو قابل اعتبار نہیں اب رہی یہ بات کہ حسن الوجہ صورتہ معرفہ اور معنی نکرہ کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن نکرہ کی اضافت چونکہ معرفہ کی طرف ہو رہی ہے اس لئے یہ حکماً معرفہ ہے اور نکرہ معنی اس وجہ سے ہے کہ یہ انفصال کو قبول کر لیتا ہے یعنی معنات اپنے مضاف الیہ سے جدا ہو جاتا ہے جیسے حسن وجہ لہذا یہ پھر نکرہ کا نکرہ ہی رہے گا واللہ اعلم

۲۴۴ قوله فان كان الخ اس میں سوائے تقدیم کے تخصیص کا شاہد بھی نہ ہو اور حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک بھی نہ ہو مثلاً اس صورت میں کہ ذوالحال متعدد ہو جس میں سے ایک نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو تو حال میں بھی اسی اعتبار سے مشترک آجائیگا یعنی حال نکرہ سے ہی ہوگا اور معرفہ سے بھی جیسے جاری رجل وزید اکین پس جب یہ مشترک بھی نہ ہو تو حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب ہے تاکہ ذوالحال نکرہ میں اپنی تقدیم کے باعث تخصیص پیدا ہو جائے یعنی تاکہ حال تخصیص کا فائدہ اس لئے کہ حال بمنزلہ ظرف کے ہوتا ہے پس حال کی تقدیم ذوالحال پر ایسی ہوگی جیسی خبر ظرف کی تقدیم مبتدا پر جس جیسا کہ تقدیم خبر ظرف سے مبتدا نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ذوالحال نکرہ اس تقدیم کے باعث تخصیص ہو جائیگا کیونکہ ذوالحال اور حال مبتدا خبر کا ہی حکم

وہیں احدهما انما مصادرا لافعال محذوفۃ ای تعترک العراک وینفرد وحده ای انفرادہ وتجتهد جہدک فہذہ الجمل الفعلیۃ وقت حالاً وھذہ المصادر منصوبۃ علی المصدریۃ وثانیہا انما معارف موضوعۃ موضع النکرۃ ای معرکۃ ومنفردۃ او مجتہداً فالصورة وان کانت معرفۃ فہی فی التقدیم نکرۃ کما ان حسن الوجہ فی صورة المعرفة وہی فی المعنی نکرۃ فان کان صاحبہا ای صاحب الحال نکرۃ محضۃ لم تکن فیہا شائبۃ تخصیص بما سوی التقدیم ولم تکن الحال مشترکۃ بینہا و بین معرفۃ نحو جاء فی رجل وزید اکین وجب تقدیمہا ای تقدیم الحال علی صاحبہا بالتخصیص النکرۃ بتقدیمہا لانہما فی المعنی مبتداء وخبر لثلاثین بالصفة فی النصب

معرفہ کی دو صورتوں پر تاویل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ افعال محذوفہ (یہ حذف وجوبی سائی کے مصادر (یعنی مفعول مطلق) ہیں یعنی تعترک العراک اور منفرد وحده (عراک ہرک یعرک از ضرب یعرب اور وحده و حد یحد از وعد لید مصدر میں مکران کا استعمال ثلثی مزید فیہ کے ساتھ ہی ہوگا لکن اشار الیہ بقولہ تعترک العراک وینفرد وحده) یعنی انفرادہ وتجتهد جہدک پس یہ جملے فعلیہ حال واقع ہوئے ہیں اور یہ مصادر مصدریت (مفعول مطلق) ہونے کی بنا پر منصوب ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ (مصادر) معارف ہیں جو نکرہ کی جگہ پر رکھے گئے ہیں (البتہ بعض نحو یوں کے نزدیک حال کا مشتق ہونا ضروری ہے تو ان کو منطق علیہ طور پر حال بنانے کے لئے مشتق سے تاویل کے جائیں گے) یعنی معرفہ ومنفرد او مجتہدا پس (ہر ایک کی) صورت اگرچہ معرفہ بالام یا بہ اضافت ہے تو تقدیر میں نکرہ ہے (کہ اصل میں لام اور ثانی و ثالث میں اضافت جنسی ہے عہد کے لئے نہیں) جس طرح کہ (مضاف بہ اضافت لفظیہ) حسن الوجہ (اور زید ضارب عمرو) صورت میں معرفہ حالانکہ معنی میں نکرہ ہے (پھر اگر اس کا صاحب) یعنی ذوالحال (نکرہ ہو) محضہ کہ جس میں تقدیم کے ماسوا یعنی حال کی ذوالحال پر تقدیم کے سوا) تخصیص کا کوئی شائبہ نہ ہو اور نہ ہی حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک ہو جیسے جاء فی رجل وزید اکین (تو اس کی تقدیم واجب ہوگی) یعنی حال کی تقدیم ذوالحال پر واجب ہوگی تاکہ حال کی تقدیم کی وجہ سے نکرہ (ذوالحال) خصوص حاصل کرے (کہ حال ظرف کی طرح ہے کہ خبر جب ظرف ہو اور مبتدا نکرہ تو اس خبر کو مبتدا پر مقدم کہہ دیں تاکہ خبر کی تقدیم سے مبتدا خصوص حاصل کرے مبتدا بننے کی صلاحیت حاصل کرے) کیونکہ ذوالحال اور حال معنی میں مبتدا و خبر ہیں (کہ جاء فی زید اکین کا معنی زید اکین وقت البس ہے) اور اس لئے (بھی حال کی تقدیم واجب ہے) کہ حال (نکرہ) کا صفت کے ساتھ نصب میں التباس نہ ہو جائے

فی مثل قولنا محبوب رجلًا راکبًا ثم قد مت فی سائر المواضع وان لم تلتزم طرًا
لللباب ولا یتقدّم علی الحال فیما عدا مثل زید قائمًا کعمر وقاعدًا علی العامل
المعنوی قد عرفت فیما قبل العامل المعنوی وان ما هو مقدر بالفعل واسم
الفاعل مثل الظرف وما یشبهه افعی الجار والمجرور خارج عنه داخل فی
الفعل او شبهه فعلی هذا معنی الکلام ان الحال لا یتقدّم علی العامل

دیکھو کہ حال کا ذوالحال پر تقدم ہوتا ہے تو جب حال کو مقدم کیا جاتے تو معلوم ہوگا کہ یہ حال ہے
وصف نہیں کہ وصف تو تابع سے ہے جو موصوف پر تقدم نہیں ہوتے اور اس کے برعکس حال
کی ذوالحال پر تقدم جائز ہے خواہ ذوالحال معرفہ ہو یا نکرہ کیونکہ حال معنی میں حکم ہے اور حکم
کی تقدم محکوم علیہ پر جائز ہے) ہمارے قول ضربت رجلًا راکبًا کے مثل میں پھر حال کو باقی
مواضع میں طرًا للباب (باب کی موافقت کی وجہ سے ذوالحال پر تقدم کیا گیا اگرچہ حال کا
صفت سے التباس نہ ہو) اور باقی مواضع سے صفت کی رفعی حالت ہے کہ اس حالت میں
صفت مرفوع ہوگی اور حال منصوب اس صورت میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں اس کے
باوجود نصب کی صورت سے مطابقت کے لئے یہاں بھی مقدم کیا جائے گا (اور مقدم نہ
ہوگا) یعنی حال زید قائمًا کعمر وقاعدًا کے مثل کے ماسوا میں (مقدم نہ کیا جائے گا) (عامل معنوی
پر) نہیں ماقبل میں عامل معنوی کا علم ہو گیا ہے اور یہ (بات بھی معلوم ہو چکی) کہ جو (عند البحرین)
مقدر بہ فعل یا (عند الکوفین) مقدر بہ اسم فاعل ہے جیسے ظرف اور جو اس کے مشابہ ہے یعنی
(بقول ما یشبه) جار و مجرور زید فی الدار کی طرح عامل معنوی سے خارج ہے (کہ جار و مجرور
میں عامل یا تو مصرع ہوتا ہے یا مقدر تو جار و مجرور فعل میں (جبکہ متعلق فعل ہو) یا شبہ فعل
میں (جبکہ اس کا متعلق اسم فاعل کی طرح کا کوئی اسم ہو) داخل ہیں پس اس (کلام) کی بنا
پر (مصنف کے) کلام (ولا یتقدّم الحال علی العامل للمعنوی) کا معنی یہ ہوگا کہ حال عامل معنوی

التباس حال کو ذوالحال پر تقدم کیا گیا تو نہ بجز مواضع
میں بھی طرًا للباب مقدم کیا جائے گا یعنی جہاں
جہاں ذوالحال نکرہ ہوگا اس پر حال کو مقدم کر دیں
گے اگرچہ اس میں کسی قسم کا التباس لازم نہ آتا ہو اب
یہی بات کہ شارع نے مختصہ لم یکن الام کا اضافہ
کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مثل جار
جمل ثمن بنی تمیم کو خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ اس
میں اگرچہ جمل نکرہ ہے لیکن محض نہیں بلکہ موصوف
ہے ایسے ہی معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ جب
ذوالحال پر حال مقدم ہو جائے گا تو اس میں تخصیص

رکھتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی درحقیقت محکوم علیہ
اور محکوم بہ ہوتے ہیں نیز یہ کہ اگر ذوالحال منصوب
ہوگا تو اس کے مقدم رکھنے کی صورت میں صفت
کے ساتھ التباس لازم آنے کا جیسے ضربت رجلًا
راکبًا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ راکب راجل کی صفت
ہو اور ہو سکتا ہے کہ راکب راجل سے حال واقع
ہو پس جب حال کو ذوالحال پر تقدم کر دیں گے
تو اب سوائے اس احتمال کے کہ راکب راجل سے حال
واقع ہے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہے گا پھر
ذوالحال کے منصوب ہونے کی حالت میں جب یکتون

پیدا ہو جائیگی پس نکرہ محض نہیں رہے گا اس کا
جواب یہ ہے کہ اس تقدمیم کے علاوہ اور کسی تخصیص
کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہئے اور یہ تقدمیم تو مقصود
ہی ہے پھر اگر حال مشترک ہوگا نکرہ اور معرفہ
کے درمیان تو چونکہ اس میں بھی من دھیر ذوالحال
میں پہلے سے تخصیص موجود ہے لہذا حال کو ذوالحال
پر تقدم نہیں کریں گے اور یہ نکرہ محض بھی نہیں
ہے کہ اس میں حال کو ذوالحال پر تقدم کر سکیں
واللہ اعلم۔

۵۲۷۵ قولہ ولا یتقدّم الخ اور حال
عامل معنوی پر تقدم نہیں ہونا بخلاف ظرف
کے کہ اس پر حال مقدم ہو سکتا ہے اس جگہ
شارح نے اسی الحال فیما عدا الخ سے ایک
سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر
ہے کہ عامل کے معنوی پر حال کی عدم تقدم کا
قاعدہ زید قائمًا کعمر وقاعدًا سے منقول ہے
اس لئے کہ اس میں قائمًا زید سے حال ہے اور
عامل معنوی پر تقدم ہے کیونکہ اس میں عامل معنوی
یعنی تشبیہ میں جو کہ کاف تشبیہ سے مستفاد
ہوئے ہیں پس اس کی تقدیر عبارت اس طرح
ہے زید قائمًا مثل عمرو قاعدًا جواب یہ ہے کہ
یہ تقدمیم ایک قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے لہذا یہ اس
سے مستثنیٰ ہے وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب دو
حال شیعین مختلفین یا شے واحد سے باعتبار
مختلفین واقع ہوں تو یہ ضروری ہے کہ ہر حال
اپنے متعلق یعنی ذوالحال کے متصل واقع ہو اور
اس جگہ ایسا ہی ہے اس لئے کہ قائمًا زید سے
حال ہے اس اعتبار سے کہ وہ مشبہ ہے اور
قاعدہ عمروا سے حال ہے اس اعتبار سے کہ وہ
مشبہ بہ ہے پس دونوں میں دو مختلف اعتباراً
ہوئے تو ضروری ہوا کہ قائمًا کو زید کے متصل
ذکر کریں اور قاعدہ کو عمرو کے تاکہ ایک دوسرے
کا حالی آخر سے ملتیں نہ ہو جائے واللہ اعلم
۵۲۷۶ قولہ قد عرفت الخ یہ عبارت
ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی

یہ ہے کہ جب معنی نے ولا تقدم الحال علی
العامل المعنوی کہا تو عامل معنوی کو کیوں نہیں
بیان کر دیا جواب یہ ہے کہ ماقبل میں یہ معلوم
ہو چکا ہے کہ عامل معنوی کس کو کہتے ہیں نیز یہ
کہ جو فعل یا اسم فاعل وغیرہ مقدر ہوتا ہے مثلاً
ظرف زمان و مکان یا اس کے مشابہ ظرف
مستقر یعنی جابر مجرور میں وہ عامل معنوی سے
خارج ہے اور فعل یا شبہ فعل میں داخل ہے
لہذا اب یہاں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں
پس اس بنا پر کلام کے معنی یہ ہیں کہ عامل
معنوی پر اتفاقاً مقدم نہیں ہوتا اس کے کہنے
کی یہ ضرورت پیش آئی کہ بعض لوگ جو ظرف
کو بھی عامل معنوی میں شمار کرتے ہیں اور ظرف
پر بھی عدم تقدیم کے قائل ہیں ان کا بھی اس صکت
میں عدم تقدیم حال پر اتفاق ہے کیونکہ جب ان
بعض کے نزدیک ظرف پر عامل مقدم نہیں ہو سکتا
تو جہاں ظرف وغیرہ موجود نہ ہوں وہاں بدرجہ اولیٰ
مقدم نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

۸۷۷ قولہ بخلاف الظرف الخ بخلاف
ظرف کے معنی جبکہ عامل ظرف یا مشابہ ظرف ہو مثلاً
جابر مجرور تو اس میں اختلاف ہے یہی سیبویہ تو
ظرف میں تقدیم حال کو بالکل جائز ہی قرار نہیں
دیتے کیونکہ اس کی نظر ظرف کے ضعف فی العمل پر
ہے اس لئے کہ ظرف کا عامل جو کہ غوائے کلام
سے سمجھا جاتا ہے اور یہ عامل معنوی کا اور عامل معنوی
عمل میں ضعیف ہوتا ہے لہذا تقدیم حال کی صورت
میں عامل میں عمل نہیں کریگا اور اخفش اس کو اس شرط
کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں کہ مبتدا کو حال پر مقدم کر دیا
جائے کیونکہ اس صورت میں جبکہ حال مبتدا کہ جس
کی طرف ذوالحال راجع ہے متاخر ہو جائیگا تو گویا
کہ حال اس عامل سے متاخر ہو گیا جو ذوالحال میں
بھی عامل ہے چہ (زید قائم) فاعل الیہ اس میں
بتدا سے متاخر ہے اور فی الیہ ظرف مستقر ثابت
وغیرہ کے متعلق ہوگا اور غیبت کی ضمیر ذوالحال
بھی ہے اور زید کی طرف راجع بھی اور زید

المعنوی اتفاقاً بخلاف الظرف ای بخلاف ما اذا كان العامل ظرفاً او
شبهه فان فيه خلافاً فیبویہ لا يجوز اطلاقاً نظر الی ضعف الطرف فی
العمل وجوزک الاخفش بشرط تقدم المبتداء علی الحال نحو زید قائم فی
الدار فاما مع تاخر المبتداء عن الحال فانه وافق سیبویہ فی المنع فلا يجوز
قائماً زید فی الدار ولا قائماً فی الدار زید اتفاقاً ویمثل ان یکون معناه ان الحال

پر یہ اتفاق سخاۃ مقدم نہیں ہو سکتا لا ظرف کے برعکس یعنی اس کے برعکس کہ جب (حال میں)
عامل ظرف یا مشابہ ظرف ہو کیونکہ حال کے ظرف یا شبہ ظرف پر مقدم ہونے میں (سیبویہ
اور اخفش کا) اختلاف ہے پس سیبویہ ظرف کے عمل میں ضعیف ہونے کی طرف نظر کرتے
ہوئے حال کے ظرف یا شبہ ظرف پر مقدم

کرنے کو بالکل جائز نہیں سمجھتے مطلق کا مطلب یہ ہے کہ خواہ حال کو ظرف پر مقدم کریں
جیسے زید قائم فی الدار یا منظور فیر جیسے قائم زید فی الدار یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں
یعنی سیبویہ کے نزدیک) اور اخفش حال پر اس ظرف کی تقدیم جائز سمجھتے ہیں جو عامل ہو
بشرطیکہ مبتداً حال سے پہلے ہو جیسے زید قائم فی الدار کیونکہ جب حال اس مبتداً سے مؤخر
ہو کہ اس حال کا ذوالحال یعنی ضمیر مستقر و ثبت محذوف اس مبتداً کی طرف راجع ہے تو
گویا حال اپنے اس عامل سے مؤخر ہوا جو کہ اس حال کے ذوالحال میں بھی عامل ہے اور عامل
ثبت فعل محذوف ہے اس میں ضمیر مستقر راجع بسوئے زید اس کا فاعل و معمول ہے قائل
فہذا الیس بعیر) لیکن مبتداً کے حال سے پیچھے ہونے کے باوجود وہ (حال کے ظرف عامل
سے منع کرنے میں سیبویہ کے موافق ہے لہذا قائم زید فی الدار جائز نہ ہوگا اور نہ ہی قائم فی
الدار زید بالاتفاق (کہ حال اپنے اس عامل سے مقدم ہو گیا جس میں ضعف ہے) اور اس
بات کا احتمال ہے کہ کلام (مذکور سابق یعنی ذوالحال لا تقدم علی العامل المعنوی) کا یہ معنی ہو

۸۷۸ قولہ ویمثل الخ یہ بخلاف الظرف
میں دوسرا احتمال ہے کہتے ہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال
ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ حال اگرچہ ظرف
کے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں ظرفیت کے معنی
پائے جاتے ہیں لیکن ظرف میں چونکہ وسعت
ہے اس لئے وہ عامل معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے
اور حال جو ظرف کے مشابہ ہے عامل معنوی پر
مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ عامل معنوی عامل ضعیف
ہے پس وہ اپنے ضعف عمل کے باعث اپنے ماقبل

بلان كانت مشابهة للظرف لما فيه من معنى الظرفية الا ان الظرف يتقدم على عامله
المعنى لتوسعه في الظروف والحال لا يتقدم عليه هذا اذا لم يكن الظرف داخل في
عامل المعنى واما اذا جعل له خلافا في العامل المعنى كما هو الظاهر من كلامه فالمراد هو الاحتمال
لأن لا غير وكما لا يتقدم الحال على العامل المعنى كك لا يتقدم على ذي الحال المجرور
كان مجرورا بالاضافة او مجرور الجرفان كان مجرورا بالاضافة لم يتقدم الحال عليه اتفاقا
موجودا تنى مجرودا عن الثياب ضاربة زيد وذلك لان الحال تابع وفرع لذات
الحال والمضاف اليه لا يتقدم على المضاف فلا يتقدم تابعه ايضا وان كان مجرورا

کہ حال کی طرف کے لئے مشابہت اگرچہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں ظرفیت کا معنی ہے
مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ بلاشبہ ظرف نحو یوں کے توسع فی الظروف کی وجہ سے اپنے عامل
معنوی سے مقدم ہو جاتی ہے (یعنی جبکہ ظرف میں عامل معنوی ہو جو فحوائے کلام سے مستنبط ہو
تو ظرف کی اپنے اس عامل سے تقدم جائز ہے خواہ فعل ہو یا شبہ فعل مبتداء کے بعد ہو جیسے
زید یوم الجمعة عندک تقدیرہ زید عندک یوم الجمعة یا پہلے کقولہ تعالیٰ کل یوم ہونی شان
تقدیرہ ہونی شان کل یوم من قبل ذکر الکل و ارادة الجزم یعنی فی کل ساعة وان كانت قليلة
اور جیسے کہ اکل یوم لک ثوب، الیک ثوب کل یوم کی جگہ کہا جاتا ہے اور حال عامل معنوی سے
مقدم نہیں ہوتا یہ کلام والحال لا يتقدم الخ دو معنوں کی اس وقت محتمل ہے) جب ظرف
عامل معنوی میں داخل نہ ہو بلکہ فعل یا شبہ فعل میں داخل ہو لیکن جب تم ظرف کو عامل معنوی
میں داخل کرو جیسا کہ نحو یوں کے کلام سے ظاہر ہے کہ عامل فحوائے کلام سے بھی مستفاد ہوتا
ہے تو ظرف عامل معنوی کے قبل سے ہوگی تو احتمال ثانی ہی مراد ہوگا اور نہیں (احتمال
ثانی یہ ہے کہ عامل معنوی پر مقدم ہوتی ہے حال کے برعکس) (اور) جس طرح کہ حال عامل
معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح ذوالحال مجرور پر مقدم نہیں ہوتا (خواہ مجرور
بالاضافة ہو یا بحرف جر پس اگر ذوالحال مجرور بالاضافة ہو تو حال اس پر مقدم نہیں ہوتا
و اتفاق (نحاة بصرة و کوفی) جیسے جاء تنی مجردا عن الثياب ضاربة زید (تو یہ جائز نہیں) اور
یہ عدم تقدم حال ذوالحال مجرور باضافت پر اس لئے (واقع) ہے کہ حال ذوالحال کے
تابع اور اس کے لئے فرع ہے کہ حال دراصل صفت ہے اور صفت اپنے موصوف
کے تابع ہوتی ہے) اور مضاف الیہ مضاف سے مقدم نہیں ہوتا لہذا مضاف الیہ کا
تابع (جو کہ حال ہے) بھی اس سے مقدم نہ ہوگا اور اگر ذوالحال مجرور بحرف جر ہو تو اس

معلوم ہوتا ہے پس اس صورت میں احتمال ثانی ہی مراد
ہوگا نہ کہ غیر (یعنی ظرف عامل معنوی پر مقدم ہو سکتا
ہے بخلاف حال کے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
اگر احتمال اول مراد لیتے ہیں تو مصنف کے قول میں
تناقض لازم آتا ہے اس لئے کہ جب کہ ظرف
عامل معنوی میں داخل ہوگا تو بخلاف الظرف کے
کوئی معنی ہی نہ ہوں گے کیونکہ جب یہ کہہ دیا
گیا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا تو ظرف
پر بھی مقدم نہیں ہوگا اور اگر ظرف پر مقدم ہو
سکتا ہے تو استثناء کی ضرورت نہیں آئے گی
یعنی یہ کہا جائے کہ حال عامل معنوی پر مقدم
نہیں ہوتا مگر عامل معنوی کی ایک قسم ظرف پر مقدم
ہو سکتا ہے اور اگرچہ بخلاف الظرف سے بھی
استثناء کے معنی حاصل ہو سکتے ہیں مگر شیعاروں
کے خلاف ہے واللہ اعلم۔

۵۲۷۹ قولہ - وکما لا تقدم الخ اور جس

طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی
طرح ذوالحال اگر مجرور ہو تب بھی مقدم نہیں ہوگا
خواہ مجرور بحرف جر ہو یا مجرور بالاضافة پس
اگر مجرور بالاضافة ہوگا تو اس میں بالاتفاق
تقديم حال ناجائز ہے جیسے جار تنی مجردا عن
الثياب ضاربة زید پر اس میں زید باضافتہ کی
وجہ سے مجرور ذوالحال واقع ہے اور مجرور اس
سے حال ہے پس یہ تقديم جائز نہیں اس لئے
کہ حال وجود میں ذوالحال کا تابع اور فرع ہوتا
ہے پس جس طرح کہ مضاف الیہ اپنے مضاف
پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح مضاف الیہ کا
تابع بھی مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا اور اگر
حال کو صرف مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان
فصل لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے اور اگر ذوالحال
مجرور بحرف جر ہو تو اس پر تقديم حال میں اختلاف
ہے پس سیویہ اور اکثر نحاة بصرة تو اس کی تقديم
کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور متنازع وہی ہے کہ جو
مذکور ہوئی کہ جس طرح مجرور اپنے جار پر مقدم نہیں
ہو سکتا اسی طرح اس کا تابع بھی حرف جر پر

میں مل نہیں کر سکتا پھر جانا چاہیے کہ دونوں احتمال
اس صورت میں میں جبکہ ظرف عامل معنوی میں
داخل ہو بلکہ ظرف فعل یا شبہ فعل میں داخل ہو لیکن جب
کہ ظرف کو عامل معنوی میں داخل ستار کی بجائے جیسا کہ
غیر مصنف کا مذہب ہے اور ان کے کلام سے ظاہر
ہے کہ حال ظرف فحوائے کلام اور مضاف کلام سے

بحرف الجوفية خلاف فيسبويه واكثر البصرية يمنعون تقديمها عليه للعلامة المذكورة وهو المختار عند المصنف ولهذا قال على ان يصح ونقل عن بعضهم الجواز استدلالاً بقوله تعالى وما ارسلناك الا كافة للناس وتلعل الفرق بين حروف الجوف والاضافة ان حروف الجوف معد للفعل كالهزمة والتضعيف فكان من تمام الفعل وبعض حروفه فاذا قلت ذهبت راكبة يهتد فكانت قلت اذهبت راكبة هذا قاله مجرور بحسب الحقيقة ليس مجروراً واجاب بعضهم عن هذا

(حال کی ذوالحال مجرور پر تقدیم) میں (بصریہ وکوفیہ کا) اختلاف ہے تو سیبویہ اور اکثر بصریہ اس میں عام کا خاص پر عطف کہ مخصوص یعنی سیبویہ امام نخاع ہونے کی وجہ سے اس فن میں مقصود ہے اگرچہ وہ بصری ہی ہے حال کی ذوالحال مجرور بہ اضافت پر تقدیم کے عدم جواز میں ذکر کی گئی علت کی وجہ سے حال کی ذوالحال مجرور بحرف پر تقدیم کو منع کہتے ہیں اور مصنف کے نزدیک یہی مختار ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے «علی الاصح» کہا دلی الاصح میں جار مجرور کا تعلق ولا یتقدم کے ساتھ ہے اور بعض نحویوں (یعنی کوفیوں اور بعض بصریوں) سے اللہ تعالیٰ کے قول وما ارسلناک الا كافة للناس کے ساتھ استدلال کی رو سے جواز منقول ہے (یعنی وما ارسلناک لشي من الاشياء الا ارسلناک لشي حال کو ضم مجتہدین فی قومک رسولاً و مرسلایم غیر مخصوصین) اور غالباً حرف جر اور اضافت میں فرق یہ ہے کہ حرف جر ہمزہ وتضعیف کی طرح فعل (لازم) کو (مفعول بہ کی طرف) متعدی بنانے والا ہے تو گویا حرف جر فعل کا حصہ اور اس کے حروف میں سے ایک حرف ہے (جس طرح کہ ہمزہ وتضعیف فعل کا حصہ اور اس کے حروف میں سے ایک حرف ہیں لیکن اضافت اس طرح نہیں ہے کہ وہ نہ تو فعل کا حصہ ہے اور نہ ہی اسے فعل سے کوئی تعلق ہے) پس جب تم کہو ذهبت راكبة یهتد (حال کو ذوالحال مجرور بہ حرف پر مقدم کر کے) تو گویا تم نے اذهبت راكبة یهتد (حال کو ذوالحال منصوب پر مقدم کر کے) کہا پس مجرور (بہ حرف جر) حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں (بلکہ منصوب ہے اور حال اپنے ذوالحال منصوب پر مقدم ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی مقدم ہو سکتا ہے) اور بعض نحویوں (یعنی فاضل ہندی اور زجاج) نے (کوفیوں کے) اس استدلال

جواز کے قائلین سے رہے ہیں بعض نخاع (زجاج) نے تو یہ جواب دیا ہے کہ کائنۃ مجرور بحرف جر یعنی الناس سے حال نہیں ارسلناک میں جو کاف خطاب ہے اس سے حال واقع ہے پس اس صورت میں کائنۃ مانع کے معنی میں ہو جائیگا اور عبارت کے معنی یہ ہوں گے وما ارسلناک الا حال کو تک مانعاً للناس عن المناہی نیز اس صورت میں چونکہ حال مذکور سے واقع ہے لہذا حال بھی مذکور ہو گا لہذا کائنۃ کی تارتا نیست کے لئے نہیں ہوگی بلکہ مبالغہ کے لئے ہوگی یعنی آپ کو اسے پیغمبر اس لئے ہم نے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کو گمراہی

مقدم نہیں ہو سکتا اور یہی مذہب مصنف کا بھی مختار ہے اسی وجہ سے مصنف نے علی الاصح کہا ہے اور بعض نخاع اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان سے جواز منقول ہے اور وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ وما ارسلناک الا كافة للناس میں کائنۃ مجرور سے حال واقع ہے اور اس پر مقدم ہے پس تقدیم مذکور ناجائز نہ ہوگی واللہ اعلم۔

۲۸۰ قول ولعل الفرق الخ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ جن بعض سے جواز تقدیم مجرور بحرف جر میں منقول ہے تو ان کے نزدیک مجرور بلاضافہ اور مجرور بحرف جر میں وجہ فرق کی چیز ہے جواب یہ ہے کہ شاید ان کے نزدیک حرف جر اور اضافت کے درمیان فرق یہ ہے کہ حرف جر تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی کرنے میں تفعیل اور ہمزہ افعال کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی جس طرح ہر باب تفعیل میں عین کی تضعیف (یعنی عین کا تکرار جیسے حرف کہ اس میں را مشدد ہونے کے اعتبار سے کمر ہے) اور باب افعال میں ہمزہ کبھی تعدیہ کے لئے آتا ہے اسی طرح حرف جر سے بھی کبھی فعل لازم کو متعدی کیا جاتا ہے پس گویا حرف جر تمام فعل اور اس کے بعض حروف سے ہے پس اس اعتبار سے جب ذهبت راكبة یهتد کہا جائیگا تو گویا کہ اذهبت راكبة یهتد کہا گیا یعنی ذهبت راكبة یهتد اذهبت راكبة یهتد راكبة یهتد اذهبت راكبة یهتد کے مراد ہے پس مجرور حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں لہذا حال کی تقدیم ذوالحال پر جائز ہوگی واللہ اعلم۔

۲۸۱ قول واجاب بعضهم الخ میں جن لوگوں کے نزدیک مجرور بحرف جر کے حال کی تقدیم ذوالحال پر ناجائز نہیں ان کی جانب سے قول باری تعالیٰ وما ارسلناک الخ بطور ایک اعتراض کے ہوگا لہذا اس کا جواب عدم

الاستدلال بجمل كافة حالا عن الكاف والتاء للبالغة وبعضهم يجعلها صفة
المصدر اي رسالة كافة وبعضهم يجعلها مصدرا كالكاذبة والعافية والكل
تكلف وتصف وكل ما دل على هيئة اي صفة سواء كان الدال مشتقا
او جامدا صرح ان يقع حاكيا من غير ان يؤول الجامد بالمشتق لان المقصود
من الحال بيان الهيئة وهو حاصل به وهذا رد على جمهور النحاة حيث شرطوا
اشتقاق الحال وتكلفوا في تاويل الجوامد بالمشتق ومع هذا فلا شك ان الغلب

کا کافہ کو کاف (متصل بہ فعل) سے حال اور تاکو (زجر و منع و تبلیغ میں) مبالغہ کیلئے
کر کے جواب دیا ہے (یعنی و ما ارسلک یا محمد لایسا بشی من الاشیاء الا حال کو نک ماننا
للناس و زاجرا لهم و مانعا عن الشرک و المعاصی و مبلغا للتوحید) اور بعض (یعنی زجر و منع) نے
کافہ کو مصدر (محذوف) کی صفت بنا کر (کو فیوں کے استدلال کا جواب دیا ہے) یعنی
رسالۃ کافہ اور بعض (یعنی محشی الضوء) نے کافہ کو کاذبہ و عافیۃ کی طرح (اسم فاعل کے
وزن پر) مصدر قرار دے کر (کو فیوں کے استدلال کا جواب دیا) اور کل (تینوں کے تینوں
جواب) تکلف و تصسف میں (کہ اول صورت میں فاعل میں تلمیذ مبالغہ کا ہونا غیر معلوم
ہے ثانی میں تقدیر موصوف کی حاجت ہوتی ہے اور ثالث میں مصدر غیر معلوم کا اثبات
ہے اور کافہ بمعنی جمیعاً ہے) (اور جو حیثیت پر دلالت کرے) یعنی صفت پر (دلالت کرے)
خواہ (حیثیت پر) دلالت کرنے والا (صیغہ) مشتق ہو (جیسے اسم فاعل و اسم مفعول
وصفت مشبہ) یا (اسم) جامد (کہ جس سے معنی قائم بالغیر مستفاد ہوتا ہو) (اس کا حال
واقع ہونا صحیح ہے) بغیر اس کے (حیثیت پر دلالت کرنے والے اس) اسم جامد کی
مشتق سے تاویل کی جائے (تاکہ نسبت کا معنی ظاہری طور پر حاصل ہو) کیونکہ حال
سے مقصود حیثیت کا بیان ہے اور یہ مقصود جامد سے حاصل ہے (جس طرح کہ مشتق
سے حاصل ہے جب مشتق و جامد مقصود میں برابر ہوئے تو دونوں حال واقع ہونے
میں بھی بلا فرق برابر ہوتے) اور یہ (یعنی مصنف کا مذہب) جمہور نحویوں کا رد ہے کیونکہ
انہوں نے حال کے مشتق ہونے کو شرط قرار دیا ہے (کہ حال خبر و صفت کے معنی میں ہے
اور صفت و خبر دونوں مشتق یا مشتق کے معنی میں ہیں) اور انہوں نے جواب کی مشتق سے
تاویل کرنے میں تکلف کیا ہے (اور) اس (اسم جامد کے بلا تاویل حال واقع ہونے کی
جوز) کے باوجود کوئی شک نہیں کہ حال میں مشتق ہونا اغلب ہے (اگرچہ غیر مشتق

بالتوکل سے روکنے میں مبالغہ اور زجر عن الشرک
سے کام لیں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ
یہ سب سے حال ہی نہیں بلکہ مصدر موصوف

اس کو کف کے معنی میں لے کر تکلف فعل کا
مفعول مطلق قرار دیا ہے تبسبیا کہ کا ذمہ ادر
عافیۃ کذبا اور عفتہ کے معنی میں ہیں پھر تکلف
کف جملہ حال واقع ہوگا نیز ہو سکتا ہے کہ کافہ
کف کے معنی میں ہو کر مفعول لہ ہونے کی بنا پر منصوب
ہو اور معنی یہ ہوں و ما ارسلک یا محمد بشی من
الاشیاء الا تکلف ان س، بہر حال خواہ کوئی سا
جواب اختیار کیا جائے لکن اس جار مجرور کافہ
کے متعلق ہوگا ذوالحال نہیں ہوگا لیکن شرح
کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ جوابات دیئے جا سکتے
ہیں مگر سب تکلف اور تصسف کے درجہ میں

ہیں دائرہ علم ۱۲

۵۲۸۲ قولہ وکل ما دل الخ اور جو اسم
ہئیت یعنی صفت پر دلالت کرے خواہ وہ مشتق
ہو یا جامد اس کا حال واقع ہونا بغیر اس تاویل
کے صحیح ہے کہ اگر جامد ہو تو اس کو مشتق سے
مودل کیا جائے اس لئے کہ حال سے مقصود
بیان ہیئت ہے اور وہ جامد سے بھی حاصل ہو
جاتا ہے لہذا کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ
جامد کو مشتق سے مودل کیا جائے اس سے صنف
کا مقصود جمہور نحاة پر رد کرنا ہے اس لئے
کہ انہوں نے حال کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ
حال کا مشتق ہونا ضروری ہے اور یہ تکلف
کیا جہاں جامد حال واقع ہو تو اس کو مشتق
سے مودل کر لیا جائے لیکن اگرچہ حال جامد
واقع ہو سکتا ہے مگر حال میں اغلب اور اکثر
یہی ہے کہ وہ مشتق واقع ہو اب رہی یہ بات
کہ جامد کو مشتق سے مودل کرنے والوں کی
کیا دلیل ہے؟ تو ان کی دلیل یہ ہے کہ حال
معنی خبر ہے یا صفت اور خبر و صفت دونوں
مشتق ہوتی ہیں یا اگر مشتق نہ ہوں تو مشتق
کے معنی میں ہوتی ہیں لہذا حال کا بھی مشتق
ہونا ضروری ہے مگر مصنف اس دلیل کو
نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ دیکھنا یہ ہے کہ
حال کے جامد ہونے کی صورت میں مقصود

حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں یعنی بیان ہستی
اور یہ ظاہر ہے کہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے
لہذا از کتاب تکلف کی کیا ضرورت والٹرالم
۵۲۸۳ قولہ مثل بسر الخ یہ جامد
کے حال واقع ہونے کی مثال ہے جیسے ہذا
بسر ا طیب منہ رطباً بسر اس کو کہتے ہیں
جو نیم پختہ ہو اور کھٹاس باقی ہو، رطب
پختہ کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف مٹاس
یعنی حلاوت ہو، بسر کو گدرا بھی کہتے
ہیں پس یہ دونوں باوجود یکہ جامد ہیں
لیکن حال ہیں کیونکہ دونوں صفت
بسریت (گدرا پن) اور طبیت (پختہ
پن) پر دلالت کرتے ہیں پس اس جگہ بسر
کو بسر اور رطب کو مرطب سے مؤول
کرنے کی کوئی حاجت نہیں حاجت اس
وقت ہوتی جبکہ یہ دونوں صفت پر
دلالت نہ کرتے اس مثال کے معنی میں
"یہ گدرا ہونے کے وقت زیادہ نافع
اور عمدہ ہے پختہ ہونے کے وقت سے"
یعنی اس کے نیم پختہ حالت میں منفعت
زیادہ ہے نسبت پختہ ہونے کے۔ اب
یہ بیان کرتے ہیں کہ بسر اور مرطب کے
ساتھ اگر تاویل کی جائے تو ان کا ماخذ
کیا ہے کہتے ہیں کہ بسر بسر الخ اور
مرطب ارطب الخ سے ماخوذ ہے یعنی
یہ کہ بسر اور مرطب بسر سے مشتق ہیں
جو کہ ثلاثی مجرد ہے اب یہ بات
کہ جب یہ ثلاثی مجرد ہے تو شامح نے
بسر اور رطب ثلاثی مزید سے کیوں دوج
کئے اور نیز یہ کہ ہمزہ افعال تعدیہ کے لئے
آتا ہے اور وہ اس جگہ درست نہیں اس
کا جواب خود ہی اذ صار ما علیہ بسر اور
اذ صار ما علیہ رطباً سے یہ دے رہے
ہیں کہ ہمزہ افعال اس جگہ ضرورت کے
لئے ہے تعدیہ کے لئے نہیں یعنی البسر الخ

فی الحال الاشتقاقی مثل بسر اور رطباً فی قولہ ہذا بشرطاً وهو ما بقی فیہ
موضہ ا طیب منہ رطباً وهو ما فیہ حلاوتہ صوفہ فیہا مع کوئہا
جامدین حالان لدلائلہا علی صفة البسریة والرطوبیة ولا حاجة الی ان
یؤول البسر بالمسر والرطب بالمربط من البسر الخ لذل اذ صار ما علیہ بسر اور
ارطب اذ صار ما علیہ رطباً والعامل فی رطباً طیب باتفاق النحاة وفی بسر

یعنی جامد بھی واقع ہوتا ہے) (جیسے عرب کے قول میں بسر اور رطباً ہے) (ہذا بسر)
اور بسر وہ کچور ہوتی ہے جس میں کھٹائی ہو (ا طیب منہ رطباً) اور رطب وہ کچور ہے کہ جس
میں محض شیریں پن ہو پس وہ (یعنی بسر اور رطباً) جامد ہونے کے باوجود بسریت اور
رطبیت کی صفت پر دلالت کرنے کی وجہ سے حال (واقع ہوئے) ہیں (یعنی یہ بسر کی حالت
میں زیادہ بہتر ہے اور زیادہ نفع بخش ہے اپنے سے رطب حالت میں) اور اس بات کی
حاجت نہیں کہ بسر کی بسر اور رطب کی مرطب کے ساتھ تاویل کی جائے (ماخوذ از
السر الخل جیکہ نخل پر جو پھل ہے وہ بسر ہو جائے اور رماخوذ از) ارطب الخ (نخل) جبکہ
جو کچور پر پھل ہے وہ رطب ہو جائے (السر اور رطب میں الف ضرورت کے لئے ہے
چنانچہ کہتے ہیں ما مشی الرجل جبکہ وہ چلنے والا ہو جائے نخل بسر و مرطب بصیغۃ اسم
فاعل اور اس کا پھل بسر و مرطب بصیغۃ اسم مفعول ہوگا) اور رطباً میں عامل باتفاق
نحو میں ا طیب ہے (کہ وہ اسم تفضیل ہے اور وہ شبہ فعل ہے اور حال میں عامل فعل ہوتا
ہے اور فعل نہ ہو تو شبہ فعل کما مر) اور بسر میں بھی محققین سخاۃ کے نزدیک ا طیب ہی

یہ دے رہے ہیں کہ بسر کو اسم تفضیل پر باوجود
وہ عامل ضعیف ہے اس لئے مقدم کیا گیا
ہے کہ نحو یوں کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ
ہے کہ جب شے واحد سے دو حال دو
اعتبارات سے متعلق ہوں تو ہر حال کو اس
کے متعلق کے ساتھ متصل کرنا ضروری ہے
تاکہ دونوں اعتباروں میں تقدم و تاخر
سے اشتباہ پیدا نہ ہو جائے اور بسریت
چونکہ مشائر الیہ بہذا کے ساتھ اس حیثیت
سے متعلق ہے کہ وہ مفضل ہے لہذا ضروری
ہے کہ بسر کو ہذا کے متصل ذکر کریں تاکہ وہ
من تفضیلی پر مقدم ہو جائے اس لئے کہ مفضل
من تفضیلی پر مقدم ہوتا ہے اور مفضل علیہ

اس وقت بولتے ہیں جبکہ وہ چیز درخت
پر ہی گدرا ہو جائے اور ارطب الخ
اس وقت جبکہ پھل پختہ ہو جائے والٹرالم
۵۲۸۴ قولہ والعامل الخ اب ہا
ان دونوں میں عامل کا سوال تو کہتے ہیں کہ رطب
میں تو باتفاق سخاۃ ارطب عامل ہے لیکن
بسر میں قدر سے اختلاف ہے پس محققین
تو یہی کہتے ہیں کہ اس میں بھی ارطب عامل
ہے اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے
کہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اس پر اس
کا معمول کیسے مقدم ہو سکتا ہے پس کیا وجہ
ہے کہ بسر کو اس کے عامل پر مقدم کیا گیا
ہے اس کا جواب و تقدم بسر الخ سے شامح

ایضا عند محققینم و تقدیم برتری اعلی اسم التفضیل مع منعقه فی العمل
لانه اذا تعلق بشئ واحد حاکان باعتبارین مختلفین یلزم ان یلی کل منهما
متعلقه والبسریة تعلقت بالمشار الیه بهذا من حیث انه مفضل و هذه
الحیثیة وان لم تکن معتبرة فیہ الا بعد اضمارة فی اطیب لکنه لما کان
الضمیر بالنسبة الی المظهر کالعدم اقیم المظهر مقامه و اوجوا ان یشیه و

عالم ہے اور بسرا اسم تفضیل پر اس کے عمل میں منعق کے باوجود مقدم ہو گیا (اور یہ
تقدیم جائز ہے) کیونکہ جب ایک شے کے ساتھ (اور وہ یہاں بذکا مشار الیه یعنی اثر
ہے دو حال دو مختلف اعتباروں سے متعلق ہوں) یہاں ایک حال بسریت اور دوسرا
رطبت ہے اور دو مختلف اعتبار یہ ہیں کہ حال اولی کا تعلق ہذا کے مشار الیه سے افضلیت
کے اعتبار سے ہے اور حال ثانیہ کا اس کے ساتھ تعلق مفضولیت کے اعتبار سے ہے)
تو لازم ہے کہ ان دونوں (حالوں) میں سے ہر ایک اپنے متعلق (بفتح لام یعنی ذوالحال
کے ساتھ متصل (اور قریب) ہو اور بسریت (یعنی حال اولی) ہذا کے مشار الیه سے
متعلق ہو (یعنی بسریت کو ہذا کے مشار الیه سے حال بنایا گیا) اس حیثیت سے کہ وہ
(یعنی ہذا کا مشار الیه مفضل ہے اور یہ (مشار الیه کی مفضل ہونے کی) حیثیت اگرچہ اس میں
معتبر نہیں مگر اطیب میں مشار الیه کی ضمیر کرنے کے بعد یعنی یہ حیثیت اس کے بعد ہی
معتبر ہوگی کہ اطیب میں ضمیر مستتر ہو جو مشار الیه کی طرف راجع ہو کیونکہ مرجع راجع کا حکم
لے لیتا ہے اور یہاں راجع متصل ہے تو مرجع اسی طرف مفضل ہوگی لیکن صورت حال
یہ ہے کہ ضمیر مستتر (مطلقا خواہ اطیب میں ہو یا کہیں اور اس کا عام حکم یہ ہے کہ) جب
مظہر (عام ازیں کہ اس مثال میں ہو یا کہیں اور ہو) کی نسبت کالعدم ہو تو مظہر کو ضمیر
کی جگہ قائم کیا گیا (ضمیر سے مستتر اس لئے مراد ہے کہ بارز حقیقت میں ملفوظ کے حکم میں
ہونے کی وجہ سے مظہر کی طرح ہے اور یہاں مظہر سے اسم اشارہ "ہذا" مراد ہے یعنی
ذوالحال ہونے اور اس کے بعد بلا فاصلہ حال واقع ہونے میں اطیب کی ضمیر مستتر کی جگہ

اسم مظہر کالعدم ہے لہذا اسم ظاہر کو ضمیر کا
قائم مقام کر کے اسم ظاہر کے ساتھ مفضل
کے اتصال کو واجب کر دیا گیا پس بسرا کا
اتصال ہذا کے ساتھ ہوگا اور من تفضیل پر
اس کا تقدیم ہوگا اور رطبت مشار الیه
بہذا کے ساتھ اس حیثیت سے متعلق
ہے کہ وہ مفضل علیہ ہے اور چونکہ مفضل
علیہ من تفضیل سے مؤخر ہوتا ہے لہذا اس
کا مفضل علیہ ہونا باعتبار ضمیر منہ کے ہوگا
پس لامحالہ مفضل علیہ یعنی رطبا کا اتصال
ضمیر منہ کے ساتھ واجب ہوگا پھر شراح
قال الرضی سے ضمیر کو بہ نسبت مظہر کے
کالعدم قرار دینے کے متعلق رضی کی عبارت
نقل فرمائی ہے یہی کہتے ہیں کہ رضی نے کہا ہے
کہ اگرچہ فعل میں ضمیر مستتر مفضل ہوتی ہے
لیکن وہ جبکہ ظاہر نہیں ہوتی یعنی حقیقتہً
ملفوظ نہیں ہوتی تو کالعدم ہے اور معدوم
لیس بشئ ہوتا ہے پس اسم اشارہ "ہذا"

مفضل ہو جائیگا کیونکہ یہ ضمیر کے قائم مقام
ہے اس اعتبار سے کہ اسم تفضیل کی ضمیر اس
کی طرف راجع ہوتی ہے اور بسریت ہذا
کے ساتھ مفضل ہونے کی حیثیت سے
متعلق ہے لہذا بسرا کو ہذا کے ساتھ متصلاً
ذکر کیا جائیگا اور اس کے باوجود کہ ضمیر
بنسبت اسم مظہر کے کالعدم ہوتی ہے میں
اس میں کوئی حرج نہیں دیکھنا کہ زید احسن
قائماً منہ قاعداً کہا جائے اگرچہ یہ ترکیب
سنی نہیں گئی اس سے درحقیقت مصنف پر
اعتراض مقصود ہے کہ ضمیر مظہر کو بہ نسبت
کالعدم ہوتی ہے حالانکہ اس مثال میں کالعدم
نہیں بلکہ قابل اعتبار اور ذوالحال واقع
ہے یعنی احسن کی ضمیر زید کی طرف راجع
اور ذوالحال ہے اور قائماً اس سے حال
پس اگر اس کا کالعدم ہونا ضروری ہوتا
تو احسن کی ضمیر ذوالحال واقع نہیں ہو سکتی

ضمیر لائی جائے گی اس سے پہلے اس کو
مفضل کہنا باطل ہے اس لئے کہ مفضل
اسم تفضیل کا مدخول ہے نہ کہ کچھ اور لہذا
مناسب یہ ہے کہ بسرا کو اطیب سے مؤخر
ذکر کریں کیونکہ یہ اطیب کی ضمیر سے حال
ہوگا شراح جواب دیتے ہیں کہ یہ حیثیتہً
اگرچہ اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اطیب
میں ضمیر لائی جائے لیکن چونکہ ضمیر بہ نسبت

مؤخر جیسے الشمس انور من القمر میں الشمس
مفضل مقدم ہے اور القمر مفضل علیہ
مؤخر والشمس علم۔

۵۲۸۵ قولہ و هذه الحیثیة الخ یہ
عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے
سوال کی تقریر یہ ہے کہ بسریت مشار الیه
بہذا کے ساتھ مفضل ہونے کی حیثیت سے
اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اطیب میں اسکی

الربطية تعلقت به من حيث انه مفضل عليه وهو ضمير منه فيجب
ان يليه قال الرضى واما الضمير المستكن في افعل فانه وان كان مفضلاً
لكنه لما لم يظهر كان كالعدم ومع هذا فلا اري باسايان يقال وان لم
يسمع زيد احسن قائماً منه قاعداً او ذهب بعضهم الى ان العامل في بسرا
اسم الاشارة الى اشير اليه حال كونه بسرا وهذا ليس بصحيح لانه يمكن
ان يكون المشار اليه التمر اليابس فلا تنقيد الاشارة بحالة البسرية ولا

تحتى بلکہ اسم منظر کو اس کے بجائے لانا
پڑتا واللہ اعلم۔
۱۲۸۶ قولہ وذهب بعضهم الخ اور
بعض لوگ ان تکلفات سے بچنے کے لئے
اس طرف گئے ہیں کہ بسرا میں عامل اسم اشارہ
ہے (اسم تفصیل نہیں) اور تقدیر عبارت اس
طرح ہے ہذا بسرا ای اشیر الیہ حال کونہ بسرا
مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ اشارہ
اس وقت ہو جبکہ مشار الیہ تریا پس (خشک
کھجور) ہو گدیری نہ ہو پس یہ اشارہ حالت بستر
کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور یہ خلاف مقصود
ہے اس لئے کہ ہماری مراد یہ ہے کہ تر حالت
بسریت میں حالت ربطیت سے عمدہ ہے
عام از یہ کہ اشارہ اور تکلم اس وقت ہو
جبکہ وہ گدیر ہو یا اس وقت جبکہ پختہ ہو یا
اس وقت جبکہ وہ خشک ہو کر چھوڑا بن
جائے نیز یہ مذہب اس لئے بھی صحیح نہیں ہے
کہ اطیب اس وقت بھی عامل ہو سکتا ہے
جبکہ اسم اشارہ کی جگہ میں ایسا اسم واقع
ہو کہ اس اسم کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو
مثلاً ہذا کی جگہ پر تم کو ذکر کر دیں تو یہ اسم جائد
ہے اور یہ حال میں عمل نہیں کر سکتا پس ہذا میں
تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ اشیر بسرا میں عامل
ہے لیکن اس شمال میں وہ سوائے اطیب کے
اور کس کو عامل قرار دیں گے کہ جس میں ہذا
کے بجائے اسم جائد ہو جیسے تمرہ نخلی بسرا
اطیب منہ رطباً پس لا محالہ کہنا پڑے گا کہ
پہلا مذہب ہی حق ہے۔

(فائس کا) شرح جامی کے بعض نسخوں
میں لانا یصح حیث الخ کے بجائے لانا لا یصح

حیث الخ ہے لہذا اس صورت میں مطلب یہ
ہوگا کہ اسم اشارہ کا بسرا میں عامل ہونا
صحیح نہیں اس لئے کہ جب ہذا کے بجائے
ایسا اسم آجائے کہ جس کا حال میں عمل کرنا
صحیح نہ ہو تو اس اسم کا حال میں عمل کرنا صحیح

هذا منظر کو رکھا گیا اور نحو یوں نے ضروری قرار دیا کہ حال اس منظر کے ساتھ متصل (اول
قریب) ہو اور ربطیت (جو کہ حال ثانیہ رطباً سے مفہوم ہے) مشار الیہ (یعنی ہذا) کے ساتھ
متعلق ہوئی (کہ اس سے حال واقع ہوئی) اس حیثیت سے کہ مشار الیہ (منہ کی ضمیر کے اس
کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے) مفضل علیہ ہے اور مفضل علیہ منہ کی ضمیر ہے تو ضروری
ہے کہ حال منہ کی ضمیر کے ساتھ ملا ہوا ہو (تاکہ حال اپنے ذوالحال کے پہلو میں رہے اگرچہ
فصل بھی جائز ہے اور اسی وجہ سے حال کو اس کے عامل ضعیف پر مقدم کیا گیا اگرچہ اس
کا حق تاخیر تھا) رضى نے کہا کہ اطیب میں جو ضمیر مستتر ہے وہ اگرچہ (حقیقت میں) مفضل
ہے لیکن وہ ضمیر جبکہ ظاہر نہ تھی (یعنی حقیقت میں مفضو نہ تھی بلکہ حکماً مفضو نہ تھی) تو وہ
کالعدم ہوئی (اور معدوم کوئی چیز نہیں لہذا اسم اشارہ اس اعتبار سے کہ وہ ضمیر اس
کی طرف راجع ہے مفضل ہوا) لہذا میں اس میں کوئی اندیشہ نہیں دیکھتا کہ یہ کہا جائے اگرچہ
اسے (اہل عرب سے) نہیں سنا گیا زید احسن قائماً منہ قاعداً (تاکہ دونوں حالتوں میں
سے ہر ایک اپنے ذوالحال کے پہلو میں ہو اگرچہ اسم تفصیل احسن اور اس کے معمول
منہ کے درمیان (یعنی) کا فاصلہ آگیا ہے اس لئے فلا اری باسائے کہا) اور (ابو علی اور
اس کے اتباع ایسے) بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ بسرا (حال اول کہ مختلف فیہ ہے)
میں عامل اسم اشارہ (سے مستنبط فعل کا معنی) ہے یعنی اشیر الیہ حال کونہ بسرا اور یہ صحیح
نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ (ہذا کا) مشار الیہ تریا پس ہو (تو اشیر الیہ حال کونہ بسرا کی صورت
میں مشار الیہ کا بسریت کے حال کے ساتھ مقید ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں کہا یقول الشارح)
اشارہ بسریت کے حال کے ساتھ مقید ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں کہا یقول الشارح)
پس اشارہ بسریت کے حال کے ساتھ مقید نہیں (یعنی یہ تقید صحیح نہیں ہے بلکہ مقصود
اشارہ ہے مطلقاً کہ حالت بسریت کے غیر میں بھی ہذا بسرا اطیب منہ رطباً کہنا صحیح

میں عامل اطیب کو مانیں نہ کہ اشیر کو و اشیر
پس جب ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس
اعلم۔

نہ ہوگا جو کہ اسم اشارہ کی بجائے مذکور ہے
پس جب ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس

یعم حيث وقع اسم الإشارة اسم لا یعم اعماله فیہ نحو تمرۃ تخلی لبراً
اطیب منه طباً وقد تكون ای الحال بجملة لدلالة علی الھیاءة کالمفرد
فیعم ان تقع حالاً مثلها ولكن يجب ان تكون الجملة الحالية خبریة محتملة
للصدق والكذب لان الحال بمنزلة الخبر عن ذی الحال واجراءها علیہ فی
قوة الحکم بها علیہ والجملة الانشائية لا تصلح ان یحکم بها علی شیء ولما
كانت الجملة مستقلة فی الافادة لا تقتضی ارتباطها بغيرها والحال متبذرة
بغيرها فاذا وقعت الجملة حالاً لا بد لها من رابطة تربطها الی صاحبها وھی
الغیر والواو والجملة الخبریة اما اسمیة أو فعلیة والفعلیة اما ان یکون فعلها

(ہے) اور اس لئے کہ اسم اشارہ کی جگہ دوسرے لیے اسم کا واقع ہونا صحیح ہے کہ حال
میں اس کو عامل بنانا صحیح نہ ہوگا کہ نہ شبہ فعل ہو اور نہ ہی شبہ فعل کے معنی کو مفید ہو
جیسے تمرۃ تخلی بسر الطیب منہ طباً (اس میں تمرۃ تخلی اسم اشارہ کے قائم مقام ہے)
«اور» حال کبھی لا جملہ ہوتا ہے کیونکہ مفردات کی طرح جملہ حیثیت (صفت) پر دلالت کرتا
ہے لہذا مفردات کی مانند جملہ کا حال واقع ہونا صحیح ہے لیکن ضروری ہے کہ جملہ عالیہ
«خبریہ» ہو جو صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے (الرحمہ جملہ خبریہ میں اصل صدق ہے
کہ کلام عاقل ہے اور عاقل سے کذب کا سرزد ہونا اس کی شان سے بعید ہے لیکن محض
خبر ہونے کی حیثیت سے وہ محتمل کذب ہے تو جملہ عالیہ کا خبریہ ہونا ضروری ہے) کیونکہ
حال ذوالحال سے (معنی میں) بمنزلہ خبر کے ہے کہ حال ذوالحال افراد و ثنائیہ و جمع و
تذکیر و تانیث میں لزوم ضمیر بصورت جملہ مبتدأ و خبر کے طور پر ہوتے ہیں) اور حال کا
ذوالحال پر جاری کرنا حال سے ذوالحال پر حکم کی قوت میں ہے (کا حکم بالخبر علی المبتدأ)
اور جملہ انشائیہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس سے کسی چیز پر حکم لگایا جائے
اور جب کہ جملہ قائمہ پہنچانے میں مستقل ہوتا ہے تو وہ اپنے غیر کے ساتھ اپنے ارتباط کا
تقاضا نہیں کرتا کہ جو افادے میں مستقل ہو وہ فی نفسہ کافی ہونے کی وجہ سے تعلق
بالغیر کا مقتضی نہیں ہوتا) اور حال (عرض قائم بالغیر ہونے کی وجہ سے) اپنے غیر کے ساتھ
مربوط ہوتا ہے تو جب جملہ (خبریہ) حال واقع ہو تو اس کے لئے رابطہ کا ہونا ضروری
ہے جو اسے ذوالحال سے مربوط کرے اور رابطہ کے لئے یہاں دو چیزیں ہیں ایک
تو ضمیر اور (دوسری) واو ہے اور جملہ خبریہ (عالیہ) یا اسمیہ ہوگا (اگر اس کی ابتداء اسم سے
ہوگی لفظاً یا تقدیراً) یا فعلیہ ہوگا (اگر اس کی ابتداء فعل سے ہوگی جو کہ خبر کے لئے مخصوص

۲۸۷ قولہ وقد تكون الخ اور کبھی

کی طرح ہیئت پر دلالت کرتا ہے اور
حال سے مقصود ہیئت پر دلالت ہی ہے

حال جملہ کبھی ہوتا ہے کیونکہ جملہ بھی مفردات

خواہ کسی طرح حاصل ہو پس جملہ کا بھی مفردات
کی طرح حال واقع ہونا صحیح ہے اس جگہ
قد حرف تفسیل سے اس امر کی طرف اشارہ
ہے کہ حال جملہ کبھی کبھی ہوتا ہے ورنہ اصل
یہی ہے کہ حال مفرد ہوتا ہے اس لئے کہ حال مبتدأ
کی خبر کے مانند ہوتا ہے اور خبر میں اصل افراد
ہے لہذا حال میں بھی اصل افراد ہوگا۔ البتہ
بطور تفسیل کے حال جملہ واقع ہو جاتا ہے
لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ جملہ خبریہ ہو
کہ جس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال
ہو اس لئے کہ حال ذوالحال سے بمنزلہ خبر
کے ہوتا ہے نیز حال کا ذوالحال پر جاری
ہونا ذوالحال کے لئے محکوم بہ کی قوت
میں ہے یعنی جس طرح خبر محکوم بہ ہوتی ہے
و مبتدأ محکوم علیہ اسی طرح ذوالحال بمنزلہ
محکوم علیہ کے ہوگا اور حال بمنزلہ محکوم بہ
کے اور جملہ انشائیہ میں محکوم بہ بننے کی صلاحیت
نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کا نفس الامر میں
کوئی ثبوت نہیں ہوتا پس جب جملہ انشائیہ
محکوم بہ نہیں بن سکتا تو حال کبھی واقع نہیں
ہو سکتا بخلاف خبر کے کہ اس کا نفس الامر
میں ثبوت ہوتا ہے مثلاً نہ بد قائم میں
قیام کا ثبوت ہے لہذا جملہ خبریہ حال واقع
ہو سکتا ہے پھر جملہ چونکہ افادہ میں مستقل
ہوتا ہے لہذا وہ دوسری شے کے ساتھ ارتباطاً
کو مقتضی نہیں ہوتا اور حال ذوالحال کے
ساتھ مرتبط ہوتا ہے لہذا جب حال جملہ ہو
گا تو اس کے لئے لامحالہ ایک رابطہ کی
ضرورت پیش آئے گی جو اس کو ذوالحال
سے مرتبط کرے پس وہ رابطہ ضمیر اور واو
ہے واللہ اعلم۔

۲۸۸ قولہ والجملة الخبریة الخ
ی عبارت قولہ فالاسمیة کے لئے بطور دلیل

حصر کے ہے کہ تاکہ فالاسمیة اس پر متفرع ہو
سکے پس جملہ خبریہ دو حال سے خالی نہیں اسمیہ

ہوگا یا فعلیہ اور فعلیہ اگر ہے تو اسکا فعل مضارع مثبت ہوگا یا منفی یا ماضی مثبت ہوگا یا منفی پس یہ پانچ جملے ہیں پس جملہ اسمیہ حالیہ جو کہ واو اور ضمیر کے ساتھ متلبس ہو اس لئے کہ جملہ اسمیہ استقلال میں قوی تر ہے اور استقلال کی وجہ یہ ہے کہ دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ایک اسم اور ایک فعل کی ترکیب سے بنتا ہے اس لئے جملہ اسمیہ قوی ہوا جملہ فعلیہ سے پس مناسب یہ ہے کہ قوی میں رابطہ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جو قوی تر ہو پس جب واو اور ضمیر دونوں ایک ساتھ رابطہ نہیں گئے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک سے دو قوی ہوتے ہیں جیسے جنبت و انت راکت اس میں انت راکت جملہ اسمیہ ہو کر جنبت کی ضمیر انا سے حال ہے اور دو رابطہ موجود ہیں اور واو اور ضمیر انا اور جیسے جنبت و انت راکت اور جاد فی زید و هو راکت دونوں میں واو اور ضمیر موجود ہیں واللہ اعلم۔

۲۸۹ قولہ او بالواو الخ یا رابطہ

صرف واو کو لایا جائیگا اس لئے کہ یہ اول امر میں رابطہ پر دلالت کرتا ہے پس اسی پر اکتفا کیا جائیگا اور یہ اول امر پر اس لئے دلالت کرتا ہے کہ مثلاً جب واو کے بعد جملہ کو ذکر کیا جائیگا تو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ جملہ مابعد ماقبل سے مرتبط ہے اس لئے کہ واو کی اصل وضع جمع کے لئے ہے جیسے قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا آدم بن المار و الطین کہ اس میں آدم الخ جملہ اسمیہ حالیہ ہے اور واو رابطہ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حال اور ذوالحال کے درمیان رابطہ لانا ضروری ہے خواہ وہ ایک ہی حرف کے ساتھ آئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی بھی بعض امثلہ موجود ہیں جن میں کسی ایک کے ساتھ بھی رابطہ نہیں نہ واو کیساتھ اور نہ ضمیر کے ساتھ جیسے ہوالحق لاشک فیہ کہ اس میں لاشک فیہ جملہ اسمیہ حال واقع ہے

مضارع مثبت او مضارع منفی او ماضی مثبت او ماضی منفی اھذا خمس جمل
فالاسمیۃ ای الجملة الاسمیۃ الحالیۃ متلبسۃ بالواو والضمیر معا لقوة
الاسمیۃ فی الاستقلال فتناسب ان تكون الرابطة فیہا فی غایۃ القوة نحو
جنبت و انت راکت و جاد فی زید و هو راکت او بالواو و
لانھا تدل علی الریط فی اول الامر فاکتفی بہا مثل قوله علیہ السلام کنت نبیا
و آدم بن الماء و الطین و ہذا ای الریط بالواو و وحدھا و بہا مع الضمیر انما
یکون فی الحال المتقلۃ و اما فی الحال الموکدة فلا تجوز الواو تقول هو

(ہے) اور (یہ) فعلیہ یا اس طرح ہوگا کہ اس کا فعل مضارع مثبت یا مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی منفی ہوگا پس یہ پانچ جملے ہیں (تو اسمیہ) یعنی جملہ اسمیہ حالیہ (واو اور ضمیر کے ساتھ) متلبس (ہوگا) معاً کیونکہ (جملہ) اسمیہ استقلال میں قوی ہوتا ہے کہ دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے اور اصل حال سے خارج ہے جو کہ انتقال اور عدم تقریب سے عبارت ہے تو مناسب ہوگا کہ جملہ اسمیہ میں رابطہ انتہائے قوت میں ہو کہ قوی کے لئے اقوی رابطہ درکار ہے جو اسے استقلال سے خارج کر کے ماقبل سے طوعا و کرہا مربوط کر دے) جیسے جنبت و انت راکت (بہ صیغہ تکلم اور جنبت و انت راکت بہ صیغہ خطاب) اور جاد فی زید و هو راکت (بہ صیغہ غائب اور ضمیر کے اعتبار سے یہ تین قسمیں ہیں) (یا واو کے ساتھ) تنہا واو ہو (اور یہ ایک ہی قسم ہے) کیونکہ واو اول امر میں ربط پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے بعد کا جملہ اس سے قبل کے جملہ کے ساتھ مربوط ہے فی ذاتہ مستقل نہیں ہے کہ جملہ مستقلہ ابتداء میں ہی ہوتا ہے اور یہ کہ واو اصل وضع میں جمع مطلق کے لئے ہے) تو تنہا واو پر اکتفاء کر لیا گیا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اقدس ہے کنت نبیا و آدم بن الماء و الطین کہ میں اس وقت نبی تھا اور آنحضرت کا آدم پانی اور گارے کے درمیان تھے و فی روایت و آدم بن الروح و الجسد و واہ الترمذی وغیرہ) اور (جملہ اسمیہ حالیہ میں) یعنی تنہا واو کے ساتھ یا واو کے ساتھ ضمیر کے ہمراہ ربط حال منتقلہ میں ہی ہوتا ہے (مستقلہ یعنی غیر مستقر رہا) لیکن حال موکدہ میں واو جائز نہیں تم کہو گے ہوالحق لا

اور اس میں کوئی رابطہ نہیں اس کا جواب
ہذا ای الریط بالواو الخ سے شارح یہ دے
ار ہے ہیں کہ یہ ربط بالواو تنہا یا ربط واو اور
ضمیر کے ساتھ معاً حال منتقلہ میں ہوتا ہے لیکن
حال موکدہ میں ربط بالواو جائز نہیں جیسے ہوالحق
لا شک فیہ کہ اس میں لا شک فیہ اگرچہ جملہ اسمیہ
حال ہے مگر یہ تاکید کے لئے ہے پس اگر اس
میں بھی ربط بالواو آجائیگا موکدہ اور تاکید کے درین
فصل لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ
ان دونوں کے درمیان شدت اتصال ہے
کیونکہ ثانی عین اول ہوتا ہے اگرچہ لفظاً کچھ فرق
ہو اور حال منتقلہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے
ذوالحال سے نقل و انفاک کو قبول کر لیا قائماً
ضربت زید قائماً میں کہ زید سے حالت قیام

الحق لا شك فيه وذلك لان الواو لا تدخل بين الموكد والموكد لشدة
الاتصال بينهما أو بالضمير وحده على الضعيف لان الضعيف لا يجبان يقع
في لا ابتداء فلا يدل على الربط في اول الامر نحو كلمته فوه الى في فلا بد من
الواو على الصحيح والمضارع المثبت اي الجملة الفعلية التي يكون الفعل فيها
مضارعا مثبتا متلبسة بالضمير وحده لمشايبته لفظا ومعنى لاسم
الفاعل المستغنى عن الواو نحو جله في زيد يسرع وما سواها اي ماسو
الجملة الاسمية والفعلية المشتملة على المضارع المثبت من الجملة المشتملة على

شك فيه (لا شك فيه حق سے حال ہے اور حق ذوالحال اور حال مجاہد ہے کہ هو الحق کی تاکید کرتا ہے
اور اس میں عائد فیہ کی ضمیر ہے اور حال میں عامل مثبت یا ثابت ہے یعنی مثبت حقیقتہ یا
حقیقتہ ثابت لا شک فیہ جیسے کہتے ہیں زید قائم حقا اور ذک الکتاب لاریب فیہ کہ علی
احدا لوجہ لاریب فیہ حال ہے) اور یہ یعنی حال مؤکدہ میں واو کا عدم جو ان اس لئے
ہے کہ واو مؤکد (بفتح کاف) اور مؤکد (بکسرہ) کے درمیان ان دونوں کے مابین شدت
اتصال کی وجہ سے داخل نہیں ہوتی (کہ ثانی عین اول ہے لا یا ضمیر کے ساتھ) تنہا
ضعیف ہے کیونکہ ضمیر کا ابتداء (کلام) میں واقع ہونا ضروری نہیں (بلکہ کبھی ابتداء
میں واقع ہوتی ہے تو اس وقت واو کی طرح اول امر میں ربط پر دلالت کرتی ہے اور
کبھی وسط میں کبھی آخر میں واقع ہوتی ہے) تو اول امر میں ربط پر دلالت نہیں کرتی
جیسے کلمتہ فوه الی فی (یعنی میں نے اس کے ساتھ بات کی در انحالیکہ اس کا منہ میرے منہ
کی طرف تھا) اسے فاعل کی ضمیر سے حال بنائیں تو رابطہ فی کی متکلم کی ضمیر ہوگی اور اگر
محول کی ضمیر بنائیں تو رابطہ فوه کی ضمیر غائب ہوگی) تو صحیح قول کی بنا پر واو ضروری
ہے (شرح جامی کے بعض نسخوں میں علی صحیح کی جگہ علی الاصح ہے بر تقدیر اول واو لانا
ضروری اور بر تقدیر ثانی بہتر ہے) (اور مضارع مثبت) یعنی وہ جملہ فعلیہ کہ اس میں فعل
مضارع مثبت ہوتا ہے (تنہا ضمیر کے ساتھ) متلبس ہوگا کیونکہ وہ لفظا (یعنی حرکات و
سکات اور تعدد حروف میں) اور معنی (یعنی حدوث وتجدد اور حال واستقبال پر دلالت
کرنے میں) اسم فاعل کے مشابہ ہے (جبکہ اسم فاعل حال واقع ہو) ہو واو سے بے نیاز ہے
جیسے جاء فی زید یسرع (یعنی مسرعا) لیکن جب مضارع بر تقدیر داخل ہو تو اس پر واو
داخل ہوگی جیسے قرآن مجید میں ہے لم تؤذوا شیئا وقد تعلمون الایۃ (اور ان دونوں
کا ماسوا یعنی جملہ اسمیہ اور ان (تینوں) جملوں کہ مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی منفی

وہ عین اول ہوتا ہے والشد اعلم۔

۱۲۹ قولہ ما بالضمیر الخ یا جملہ اسمیہ حالیہ

میں رابطہ حرف ضمیر کے ساتھ لایا جائیگا لیکن یہ

معلومہ بھی ہو سکتی ہے مثلاً یکہ زید بیٹا ہوا ہو

یا حکم حالت تعویذ میں مادے بخلاف حال مؤکدہ

کے کہ وہ اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ

ضعیف ہے اس لئے کہ ضمیر کے لئے یہ ضروری
نہیں ہے کہ وہ واو کی طرح ابتداء میں واقع ہو
اور اول امر میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جملہ ماضی
سے مرتبط ہے پس ضمیر اول امر میں ربط پر دلالت
نہیں کرے گی جیسے کلمتہ فوه الی فی کہ اس میں
فوه مضارع مضاف الیہ سے ملکر مبتداء اور الی فی جار
مجرور ظرف مستقر مرفوع محلا اس کی خبر ہے اور جملہ
اسمییہ خبریہ ہو کر ضمیر متکلم سے حال واقع ہو رہا ہے
پس اس میں فی کی ضمیر متکلم رابطہ ہے اور اگر فوه الخ
کو کلمتہ کی ضمیر مفعول بہ سے حال قرار دیں تو فوه
کی ضمیر رابطہ واقع ہوگی یعنی متکلم کے لئے ضمیر
متکلم اور غائب کے لئے ضمیر غائب اس کا ترجمہ
یہ ہے میں نے اس سے بات چیت کی در انحالیکہ
اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا پس چونکہ یہ
اول امر میں رابطہ پر دلالت نہیں کرتی اس لئے
صحیح یہ ہے کہ واو رابطہ لایا جانا ضروری ہے
والشد اعلم۔

۱۹۱ قولہ والمضارع الخ اور جملہ فعلیہ

میں اگر مضارع مثبت حال واقع ہو تو اس وقت
رابطہ کے لئے حرف ضمیر کافی ہوگی اس لئے
کہ مضارع لفظا اور معنی اسم فاعل کے مشابہ ہے
اور اسم فاعل واو سے مستغنی ہوتا ہے پس جو حکم مشابہ
ہے کا ہو گا وہی مشابہ کا بھی ہوگا مطلب یہ ہے کہ
جس طرح اسم فاعل میں ربط کے لئے ضمیر کافی
ہوتی ہے یعنی مثلاً قاتلنا میں ضمیر مستتر ہوا سی طرح
فعل مضارع میں بھی ضمیر کافی ہوگی واو کی ضرورت
نہیں ہوگی بوجہ مشابہت کے مشابہت لفظیہ تو یہ
ہے کہ اسم فاعل اور مضارع کے حرکات و سکات
اور عدد حروف برابر ہیں اور مشابہت معنویہ یہ ہے
کہ اسم فاعل کے مضارع کے موقع میں واقع
ہو سکتا ہے اس لئے کہ مضارع سارع کے معنی
میں ہے پس اس کی مثال یہ ہے جیسے جاء فی
زید یسرع والشد اعلم۔

۱۹۲ قولہ وما سواها الخ اور جملہ اسمیہ

و فعلیہ کہ جس میں مضارع مثبت حال واقع ہو

المضارع المنفی او الماضی للثبت او المنفی بالواو والضمیر معا و یاخذھما
 وحده من غیر ضعف عند الاکتفاء بالضمیر لعدم قوۃ استقلالھا کالامیۃ
 فالماضی المنفی نحو جاءنی زید وما یتکلم غلامہ او جاءنی زید وما یتکلم
 غلامہ او جاءنی زید وما یتکلم عمر و الماضی للثبت نحو جاءنی زید وقد
 خرج غلامہ او جاءنی زید قد خرج غلامہ او جاءنی زید وقد خرج عمر و
 والماضی المنفی نحو جاءنی زید وما یتکلم غلامہ او جاءنی زید ما خرج غلامہ
 او جاءنی زید وما یتکلم عمر ولا بد فی الماضی للثبت لا المنفی من

ہن دونوں کے سوا ان جمل فعلیہ میں کہ جن میں فعل
 مضارع منفی یا ماضی مثبت یا منفی واقع ہو
 رابطہ واو اور ضمیر کے ساتھ ایک ساتھ بھی لایا
 جاسکتا ہے اور واو یا ضمیر کو ملحدہ علیحدہ
 بھی اور رابطہ ضمیر کے ساتھ لائے کی صورت
 میں کسی قسم کا ضعف بھی نہیں ہوگا جیسا کہ جملہ سببہ
 میں رابطہ بالضمیر لانا ضعیف ہے اس کی وجہ
 یہ ہے کہ تینوں جملوں میں سے کسی میں بھی اس
 درجہ قوۃ استقلال موجود نہیں جیسی کہ جملہ سببہ
 میں تھی پس جب وہ قوت استقلال ہی موجود
 نہیں تو اکتفاء بالضمیر میں کوئی حرج نہیں مضارع
 منفی کی مثالیں جیسے جا رہی رہیہ وما یتکلم غلامہ
 کہ اس میں واو اور ضمیر دونوں رابطے موجود نہیں
 جا رہی زیدہ وما یتکلم غلامہ اس میں صرف غلامہ
 کی ضمیر رابطہ ہے جا رہی زیدہ وما یتکلم عمر و
 اس میں ضمیر نہیں صرف واو رابطہ ہے ماضی مثبت
 کی مثالیں جیسے جا رہی زیدہ وقد خرج غلامہ و
 واو اور ضمیر دونوں رابطے موجود ہیں جا رہی زیدہ
 قد خرج غلامہ (صرف ضمیر غلامہ رابطہ ہے
 واو نہیں ہے) جا رہی زیدہ وقد خرج عمر و
 (صرف واو رابطہ ہے ضمیر موجود نہیں) علی ہذا
 القیاس ماضی منفی کی مثالیں جیسے جا رہی
 زیدہ وما یتکلم غلامہ الخ واللہ اعلم۔

۲۹۳ قولہ ولا بد فی الماضی الخ یعنی

جب جملہ فعلیہ ماضی مثبت کو حال بنائیں گے
 تو ماضی پر دخول قد ضروری ہے جو کہ زمانہ
 ماضی کو حال نفوی سے قریب کر دیتا ہے اس
 لئے کہ ماضی زمانہ گزشتہ پر دلالت کرتی ہے
 اور حال وہ ہے جو زمانہ موجودہ پر دلالت کئے
 پس لامحالہ ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو
 قد کو داخل کرنا ضروری ہوگا تاکہ مجازاً قد
 کے فعلیہ سے اس بات پر دلالت کی جائے
 کہ ماضی کا زمانہ ذوالحال سے صدور فعل یا
 اس پر وقوع فعل کے زمانہ سے قریب ہے
 اس لئے کہ ماضی مثبت جبکہ حال واقع ہو تو

پر مشتمل ہوتے ہیں میں سے جملہ فعلیہ مشتمل ہر مضارع مثبت (ان دو) کا مسوا و ضمیر
 ہوتا ہے (واو اور ضمیر کے ساتھ) مثلاً یا ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ (تہا واو
 کے ساتھ یا تہا) ضمیر کے ساتھ اکتفاء کے وقت کسی ضعف کے بغیر (متلبس ہوگا) کیونکہ
 ان تینوں جملوں کی قوت استقلال نہیں ہے (لہذا ان میں ادنیٰ ربط بھی کافی ہے)
 جیسے (جملہ) امیہ (کی قوت استقلال) ہے (لہذا اس کے لئے رابطہ بھی اس کی قوت کے
 مطابق قوی درکار ہے لہذا اس میں ضمیر پر اکتفاء ضعف ہی کے ساتھ جائز ہے اور یہاں
 بلا ضعف) پس مضارع منفی (اپنے اقسام ثلاثہ کے ساتھ) جیسے جا رہی زیدہ وما یتکلم
 غلامہ (واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ) یا جا رہی زیدہ وما یتکلم غلامہ (صرف ضمیر کے ساتھ) یا
 جا رہی زیدہ وما یتکلم عمر و (صرف واو کے ساتھ) اور ماضی مثبت کے تینوں قسموں کی مثال
 جیسے جا رہی زیدہ قد خرج غلامہ (صرف ضمیر کے ساتھ) یا جا رہی زیدہ قد خرج عمر و (صرف واو
 کے ساتھ) اور ماضی منفی (کے تینوں قسموں کی مثال) جیسے جا رہی زیدہ
 وما یتکلم غلامہ (واو اور ضمیر کے ساتھ) یا جا رہی زیدہ ما یتکلم غلامہ (صرف
 ضمیر کے ساتھ) یا جا رہی زیدہ ما یتکلم عمر و (صرف واو کے ساتھ) (اور ضروری ہے ماضی

کے لئے اور زمانہ حال زمانہ ماضی سے مقارن
 ہو جائے۔ اب رہی یہ بات کہ ماضی منفی پر
 جبکہ وہ حال ہو تو اس پر قد کیوں نہیں داخل
 ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ منفی کے لئے
 صدارت کلام ضروری ہے اور دخول قد
 سے وہ مفقود ہو جاتی ہے نیز یہ کہ اس کی کوئی
 حاجت ہی نہیں اس لئے کہ جب فعل ماضی
 کی نفی کی جائے گی تو یہ نفی انتقار کے وقت
 سے فاعل صدور فعل یا مفعول پر وقوع فعل
 کے وقت تک مستمر ہے گی پس زمانہ حال

اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کا گذرنا
 زمانہ حال کی نسبت سے ہے نہ کہ فاعل سے
 صدور فعل کی نسبت سے مثلاً جا رہی زیدہ
 رکب میں زمانہ رکوب کی ماضی زمانہ مجہی (جو کہ
 اس میں فاعل ہے) کی نسبت سے ہے یعنی زمانہ
 رکوب زمانہ مجہی پر سابق ہے پس اس سے یہ
 سمجھ میں آتا ہے کہ مجہی بعد رکوب ہے اور
 رکوب پہلے ہو چکا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ
 رکوب کے ساتھ ہے پس ضروری ہوگا کہ قد
 لایا جائے تاکہ وہ ماضی کو زمانہ حال سے قریب

دخول لفظ قد المقربة زمان الماضي الى الحال لغة على الميثت الواقع حالا
ليدل بها على قرب زمانه الى زمان صدور الفعل من ذي الحال او وقوعه
عليه تجوز لان المتبادر من الماضي الميثت اذا وقع حالا ان مضيه انما هو
بالنسبة الى زمان العامل فلا بد من قد حق تقريبه اليه فيقارنه وهذا بخلاف

مثبت میں (جبکہ حال واقع ہو) ماضی منفی میں نہیں لفظ ((قد کا)) داخل (ہونا) جو (قد) کہ لغت کی رو سے ماضی کے زمانے کو حال کے قریب کرتا ہے (ماضی) مثبت پر (یعنی قد کا اس ماضی مثبت پر داخل ہونا ضروری ہے) جو کہ حال واقع ہوتا کہ قد کے ذریعے ماضی مثبت کے زمانے کے (فاعلیت کی صورت میں) ذوالحال سے فعل کے صادر ہونے یا (مفعولیت کی صورت میں) ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کے زمانے سے قریب ہونے پر مجازی طور پر دلالت کی جائے لفظ قد کی اس قریب پر دلالت مجازی ہے اور علاقہ جزئیت کا ہے کہ لفظ قد کی یہ دلالت قد کے لغوی معنی کی جز ہے کہ وہ مطلق ہے یعنی لفظ قد اس معنی پر کسی مجاز کے طور پر دلالت کرتا ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ حقیقت میں تو قد ماضی کے زمانے کو اس حال کے قریب کرتا ہے جو کلم کے معنی میں ہے حال اصطلاحی کے نہیں اور ماضی جب حال واقع ہو یہ ہے کہ اس کا ماضی ہونا اس حال میں عامل کے زمانے کے ہی اعتبار سے ہے (مثلاً جائی زید قد رکب میں رکوب کے زمانے کا ماضی ہونا اس مجہی کے زمانے کے اعتبار سے ہے جو اس میں عامل ہے یعنی رکوب کا زمانہ مجہی کے زمانہ سے سابق ہے تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ مجہی رکوب کے بغیر ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مجہی رکوب کے ہی ساتھ ہے) لہذا قد کا ہونا ضروری ہے تاکہ لفظ قد ماضی مثبت کو عامل کے زمانے کے قریب کرے اور زمانہ حال کو زمانہ عامل کے ساتھ ملا دے (تو حکماً دونوں کا زمانہ متحد ہو جائے گا یعنی مثال جائی زید قد رکب میں قد نے اگر رکوب کے زمانے کو مجہی کے زمانے کے قریب کر دیا کہ ماضی اس وقت تک حال نہیں ہو سکتا جب تک کہ زمانے کے اعتبار سے عامل کے قریب اور اس کے ساتھ مقرون نہ ہو اور یہ بات قد کے دخول سے ہی حاصل ہو سکتی ہے لہذا قد کا داخل ہونا ضروری ہے

اصطلاحی کے قریب کرے جو کہ فاعل یا مفعول یا دونوں کی ہیئت کو بیان کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی اصل وضع کے خلاف ہے مثلاً جب جائی زید قد رکب کہا گیا تو لفظ قد حال پر داخل ہوا ہے تاکہ حال کے زمانہ کو زید سے صدور فعل مجہی کے زمانہ سے قریب کرے (زید کہ عامل کی ہیئت بیان کرے) پس جب دونوں کے زمانہ میں قریب ہو جائیگا تو رکوب مجہی کے مقارن ہو جائیگا اور رکوب و مجہی دونوں ایک زمانہ میں ہونگے بخلاف اس کے کہ اگر اس پر قد نہ داخل کیا جائے تو زمانہ رکوب اور زمانہ مجہی دونوں متحد نہ ہوتے بلکہ زمانہ رکوب مقدم ہوتا اور زمانہ مجہی مؤخر کما مراد اللہ اعلم

۲۹۴ قولہ و هذا الخ اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دخول قد کا لزوم خفا بصرہ کے نزدیک ہے خفا کو فہ اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک نہ قد ظاہرہ لازم ہے اور نہ باعتبار تقدیر کے پس فعل ماضی اس کے بغیر ہی مقارنہ زمان کا قائمہ دیگی اس لئے کہ جس طرح اسم فاعل تجد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فعل بھی خواہ وہ ماضی مثبت ہی کیوں نہ ہو تجد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہی مشابہت فعل کی اسم فاعل کے ساتھ کافی ہے لہذا ادخال قد کی ضرورت نہیں، نیز ان کی دلیل قول باری تعالیٰ اذ جاء دم حضرت صدور ہم بھی ہے کہ اس میں لفظ قد کا ذکر نہیں اس کے علاوہ دیگر مثلہ بھی ہیں جو قرآن میں وارد ہوئی ہیں مثلاً ہذہ بضاعتنا ردت الینا اور و کیف نکفون بالشر و کنتم اممنا ما کہ ان میں ردت الینا اور و کنتم اممنا ما حال ہیں اور ماضی مگر کسی پر بھی قد داخل نہیں واللہ اعلم۔

پس اس پر دخول قد کی احتیاج نہیں ہوگی۔
(فائدہ) دخول قد سے ماضی کا حال کے قریب ہو جانا مجاز اس لئے ہے کہ قد حقیقت میں اصل وضع کے اعتبار سے زمانہ ماضی کو زمانہ حال لغوی کے رجحان کے ساتھ (زمانہ) قریب کرتا ہے یہ بات نہیں کہ وہ زمانہ حال

زمانہ عامل کے مقارن ہو کہ دونوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا مثلاً جب مارکب کہا جائیگا تو عدم رکوب ستر ہے گا اس لئے کہ نفی تمام زمانہ عدم رکوب کو مستوجب ہو جائے گی اور اس کا احاطہ کرے گی پس زمانہ حال اور زمانہ ذوالحال دونوں مقارن ہو جائیگے

۵۲۹۵ قولہ سوا کہ کانت الخ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ظاہرہ اور مقدرہ دونوں خبریت کان کی بنا پر منصوب ہیں مطلب یہ ہے کہ دخول قد میں فعل ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو تو تعمیم ہے یعنی دخول قد خواہ لفظاً یعنی ظاہر ہو یا مقدر یعنی پوشیدہ ہو پس ظاہر کی مثال یہ ہے جیسے جاری زید قد رکب غلامہ اور قد منویہ کی مثال یہ ہے جیسے قول باری تعالیٰ جاری کہ حضرت صدور ہم کہ اس میں حضرت سے قبل لفظ قد محذوف ہے ای قد حضرت صدور ہم مگر یہ سیبویہ اور میر کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک حذف قد جائز نہیں اس لئے کہ قد صرف ہے اور حرف کا کوئی اثر نہیں ہوا کرتا جبکہ اس کو حذف کر دیا جائے پس یہ دونوں حضرات قول باری تعالیٰ جاری کہ حضرت صدور ہم میں تاویل کرتے ہیں اور اس کے حال ہونے سے منکر ہیں پس سیبویہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ حضرت حال نہیں بلکہ اس کا موصوف محذوف ہے وہ حال ہے یعنی تو ما پس تقدیر عبارت یہ ہوگی جاری کہ تو ما حضرت صدور ہم پس جملہ فعلیہ موصوف محذوف کی صفت ہو کر حال واقع ہوگا اور میر یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ بدوعا کے لئے ہے پس حال ہونے کی صورت میں ترجمہ آیت کا یہ ہوگا وہ لوگ تمہارے قتل کے لئے اس حال میں آئے کہ ان کے دل تنگ ہو گئے تھے اور بدوعا ہونے کی صورت میں یہ ترجمہ ہے وہ لوگ تمہارے قتل کے لئے آئے (خدا کرے) اس قوم کے دل تنگ ہو جائیں واللہ اعلم ۱۲۔

۵۲۹۶ قولہ وانما لیشرط الخ اس کی

پوری تفصیل قولہ ولا بد مافی الماضی الخ کے ضمن میں گذر چکی واللہ اعلم ۱۳۔

۵۲۹۷ قولہ ویجوز الخ یہاں حال کے عامل ذوالحال کے جواز حذف کو بیان کرتے ہیں

مذہب الکوفیین قائلہ لا یوجیون قد ظاہرہ ولا مقدرہ سواء کانت ظاہرہ فی اللفظ نحو جاءنی زید قد رکب غلامہ أو منویہ قد منویہ نحو قوله تعالیٰ جاءکم حضرت صدور ہم ای قد حضرت و هذا بخلاف مذہب سیبویہ والمیرد قائلہ لا یجوز ان حذف قد فی سیبویہ یقول قوله تعالیٰ حضرت صدور ہم بقوما حضرت صدور ہم فتكون جملة حضرت صدور هم وصفه موصوف محذوف وهو الحال والمیرد یجعل جملة دعائیة وانما لیشرط ذلك فی المنفی لاستمرار النفی بلا قاطع فیشمل زمان الفعل ویجوز زحذف العامل فی الحال لقیام

اور یہ (دخول قد کا ضروری ہونا) کوفیوں کے مذہب کے خلاف ہے کہ وہ قد ظاہرہ کو ضروری قرار نہیں دیتے اور نہ ہی قد مقدرہ کو (بلکہ ماضی کو قد کے بغیر حال بناتے ہیں جیسے ماضی منفی کو قد کے بغیر حال بناتے ہیں جیسا کہ بصریوں کے نزدیک ہے کیونکہ فعل بذاتہ حدوث و تجدید پر دلالت کرتا ہے اگرچہ ماضی ہو لہذا فعل ماضی جو حال واقع ہوگا زمانہ قد کے بغیر ہی زمانہ عامل سے مقارن ہوگا) خواہ قد لفظ میں (ظاہرہ) ہو جیسے علوی نے یہ قد رکب غلامہ (ستہا منیر کے ساتھ) (ایا مقدر) درنیت کہ مقدر درنیت بلا فرق مطلقاً کی ابتدا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے جاءکم حضرت صدور ہم یعنی قد حضرت صدور ہم اور یہ (ماضی مثبت کا قد مقدر کے ساتھ حال واقع ہونا) سیبویہ اور میر کے مذہب کے خلاف ہے کہ وہ دونوں حضرات قد کے حذف کو جائز نہیں ٹھہرتے (خواہ قد مقدر درنیت ہو یا نسباً منسیا کسی کے بھی قائل نہیں ہیں پس سیبویہ اللہ تعالیٰ کے قول حضرت صدور ہم کی (حذف موصوف کے ساتھ) تو ما حضرت صدور ہم سے تاویل کرتے ہیں لہذا جملہ حضرت صدور ہم موصوف محذوف (تو ما) کی صفت ہوگا اور وہی موصوف محذوف حال ہے اور حذف موصوف پر جملہ حضرت قرینہ ہے کہ صر صدور وصف و عرض ہے جو قائم بذاتہ نہیں اور جبکہ کسی ایسے محل کا ذکر نہیں جس سے یہ وصف و عرض قائم ہو تو معلوم ہوا کہ ما قام بہذا الوصف محذوف ہے) اور میر (اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ حضرت صدور ہم کو جملہ دعائیہ بتاتے ہیں) یعنی یہ بدوعا کے لئے ہے اور ماضی منفی میں دخول قد کی شرط کسی مانع کے بغیر (زمانہ انتقال سے) استمرار نفی کی وجہ سے نہیں لگائی گئی (مانع سے مراد ایجاب ہے وہو ضد النفی) پس نفی (اس) فعل کے زمانے کو شامل ہوگی (جو حال میں عامل ہے) (اور جائز ہے حذف کرنا عامل کا) (یعنی) حال میں (دل کرنے والے کا) قرینہ

کہتے ہیں کہ جبکہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقابلہ ایسا موجود ہو جو حذف ذوالحال پر دلالت کر سکے

تو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے قرینہ حالیہ کی مثال جیسے کوئی شخص رخت سفر باندھے

قرينة حالیه كَقَوْلِكَ لِلْمَسَافِرِ اِي الشَّارِعِ فِي السَّفَرِ وَالْمَتَمِّهِ لَه
رَاشِدًا مُهْدِيًا اِي سَوَاشِدًا مُهْدِيًا بِقَرِينَةِ حَالِ الْمُخَاطَبِ وَقَوْلُهُ مُهْدِيًا
لَمَّا صَفَا لِرَاشِدٍ اَوْ حَالٍ بَعْدَ حَالٍ اَوْ مُقَالِيَةً كَقَوْلِكَ رَاكِبًا لِمَنْ يَقُولُ كَيْفَ
جَنَّتْ اِي جَنَّتْ رَاكِبًا بِقَرِينَةِ السَّوَالِ وَمَنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى اِيْحَسِبُ الْاِنْسَانَ اَنْ
لَنْ يَجْمَعَ عِظَامُهُ بَلَى قَادِرِينَ اِي بَلَى يَجْمَعُهَا قَادِرِينَ وَيَحِبُّ حَذْفَ الْعَامِلِ
فِي بَعْضِ الْاَحْوَالِ الْمُؤَكَّدَةِ وَهِيَ اِي الْحَالِ الْمُؤَكَّدَةِ مُطْلَقًا هِيَ التِّي لَا
تَنْتَقِلُ مِنْ صَاحِبِهَا مَا دَامَ مَوْجُودًا غَالِبًا بِخِلَافِ الْمُنْتَقِلَةِ وَالْمُنْتَقِلَةُ قِيْدُ

حالیہ کے قیام کے وقت «جیسے مسافر کے لئے تمہارا قول ہے» یعنی اس شخص کے لئے جو
سفر میں شروع اور اس کے لئے آمادہ ہو رہا ہے «راشد امہدیا» یعنی سرراشد امہدیا
(سررا لیسیر سیرا سے امر ہے اور عامل) مخاطب کے حال کے قرینے (یعنی سفر کی تیاری)
کیوجہ سے (محذوف کیا گیا ہے) اور قائل کا قول محذوفا راشد کے لئے صفت ہے یا
حال کے بعد حال (متراقدہ) ہے کہ دونوں کا ذوالحال ایک ہی ہے یا (قرینہ) مقالیہ
(کی وجہ سے) (عامل کو محذوف کیا گیا ہے) جیسا کہ تمہارا قول راکب ہے اس شخص کے
جواب میں جو (تم سے) کہے کیف جنت؟ یعنی جنت راکب (جنت) قرینہ سوال کی وجہ سے
(محذوف ہوا) اور اسی (حذف عامل بنا برقرینہ سوال محقق) سے اللہ تعالیٰ کا قول اَحْسِبُ
الْاِنْسَانَ اَنْ لَنْ يَجْمَعَ عِظَامُهُ بَلَى قَادِرِينَ یعنی نجمعہا قادرین «اور» (قیام قرینہ کے
وقت) بعض احوال «مؤکدہ میں» (سب میں نہیں) عامل کا حذف «واجب ہے»
اور وہ یعنی حال مؤکدہ مطلقاً (یعنی عام ازیں کہ اس کے عامل کا حذف واجب ہو یا جائز وہ
ہے کہ اپنے ذوالحال سے جب تک کہ ذوالحال موجود ہو غالب طور پر منتقل نہیں ہوتا کہ وہ
ذوالحال طبیعت کا جز ہوتا اور طبیعت والے سے منتقل نہیں ہوتی) حال
منتقلہ کے برعکس کہ وہ ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے جیسے رکوب وغیرہ) اور

یا سفر شروع کر چکا ہو تو اس کو کہا جائے راشد
مہدیا یعنی سرراشد امہدیا پس اس میں
بقرینہ حال مخاطب ذوالحال یعنی سرمحذوف
ہے پھر قول مصنف مہدیا یا تو راشد کی
صفت ہے یا حال بعد حال ہے اسی سر حال
کو تک مہدیا ان دونوں کے درمیان فرق یہ
ہے کہ راشد خود بخود راستہ جاننے والے
کو کہتے ہیں اور مہدیا جس کو راستہ بتایا
جائے خود نہ جانے اور قرینہ مقالیہ یہ ہے

جیسے کوئی شخص کہے کہ کیف جنت تو تم جواباً
کہو راکب اے جنت راکب پس راکب میں بقرینہ
سوال ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے اور اسی
سے قول باری تعالیٰ اَحْسِبُ الْاِنْسَانَ اَنْ
لَنْ يَجْمَعَ عِظَامُهُ بَلَى قَادِرِينَ بھی ہے
کہ اس میں قادرین حال واقع ہے اور اس کا
ذوالحال نجمعہا بقرینہ سوال محذوف ہے ترجمہ
یہ ہے کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ کسی وقت
ان کی ہڈیوں کو جمع نہیں کیا جائیگا دیہ گمان

ان کا صحیح نہیں) یقیناً ہم ان کی ہڈیوں کو جمع
کر دیں گے درانحالیکہ ہم قادر ہیں کہ ان کی
ہڈیوں کو برابر کر دیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۸۔ قول واجب الیم اور بعض احوال
مؤکدہ میں ذوالحال کا حذف کرنا واجب ہے
اور حال مؤکدہ اس حال کو کہتے ہیں چھپنے ذوالحال
سے جب تک کہ وہ موجود ہو غالباً جلد نہ ہو
سکے اور اگر اس سے جدا بھی ہوگا تو ندرت
کے طور پر ہوگا مثلاً باپ سے بیٹے کے حق
میں مہربانی ہمیشہ رہتی ہے اور بہت کم شاذو
نادر ہی باپ اپنے بیٹے کے حق میں نامہربان
ہوتا ہے بخلاف حال منتقلہ کے کہ وہ اپنے
ذوالحال سے ذوالحال کی موجودگی میں جدا ہو سکتا
ہے مثلاً ضربت زید اقامائیں قائماً اپنے
ذوالحال کے ہوتے ہوئے اس سے جدا ہو
سکتا ہے یعنی یہ کہ حالت قیام نہ ہو بلکہ
حالت قعود ہو اب رہی یہ بات کہ شارح
نے فی بعض احوال کیوں کہا تو اس کی وجہ
یہ ہے کہ حال مؤکدہ کے بعض احوال ایسے
بھی ہیں جن میں حذف واجب نہیں پس حال
مؤکدہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مضمون جملہ
فعلیہ کی تاکید کے لئے آئے اور دوسری
وہ جو جملہ اسمیہ کی تاکید بیان کرے پس ثانی
یعنی جملہ اسمیہ کی تاکید میں حذف ذوالحال
واجب ہے اور مطلقاً سے اس اس کی طرف
اشارہ ہے کہ یہ تعریف مطلقاً حال مؤکدہ کی
ہے خواہ عامل کا حذف ہو یا ہو یا نہ پھر شارح
والمنتقلۃ الیم سے حال مؤکدہ اور منتقلہ میں فرق
بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ حال منتقلہ عامل
کے لئے بمنزلہ قید کے ہوتا ہے اس لئے کہ
اس سے اس حدیث کی تفسیر مقصود ہوتی ہے
جو کہ ذوالحال کی طرف اسناداً یا ایقاعاً منسوب
ہو اور یہی حدیث حال میں عامل ہوتا ہے پس
حال اس کے لئے قید ہوگا بخلاف حال مؤکدہ
کے کہ وہ قید نہیں ہوتا اس لئے کہ اس سے ذوالحال

کی جہت خلقیہ کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جو پہلے سے اس میں موجود ہوتی ہے یہ نہیں کہ خارج سے اس میں کوئی قید اضافہ کر دی جائے پس یہ قید کے لئے نہیں ہوگا تاکید کے لئے ہوگا واللہ اعلم۔

۱۱۱ قول مثل زید الخ یہ حال ہوکرہ کی مثال ہے کہ جس میں مال کا حذف وجوہا لگایا ہے اس لئے کہ عطوفت اور مہربانی باب سے اکثر اوقات جدا نہیں ہوتی الا شاذ و نادر پس اس میں ذوالحال کو اس لئے حذف کرنا واجب ہوگا البتہ عطوفت و مہربانی کو مستلزم ہے لہذا عامل کو ذکر کر کے تصریح کی ضرورت نہیں پس اس میں اُحَقُّ عامل ہے جس کو وجوہا حذف کر دیا گیا اس کو بفتح الهمزة بھی پڑھ سکتے ہیں اس بنا پر کہ یہ باب ضرب ہے مضارع شکم ہے فریغ کے وزن پر یعنی حق نئی اور بضم الهمزة بھی پڑھنا درست ہے پس اس صورت میں یہ اگرچہ رہے گا تو مضارع واحد شکم ہی مگر باب افعال سے ہوگا ای اُحَقُّ نئی اور اُحَقُّ مصدر ہوگا پھر اگر بفتح الهمزة پڑھتے ہیں تو یہ حقیقت الامر سے ماخوذ ہوگا جو کہ تحقیق کے

معنی میں ہے یعنی میں نے اس کی تحقیق کر لی اور میں اس سے یقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا یعنی مجھ کو علم الیقین حاصل ہو گیا پس اس صورت میں عطوفاً بابت مفعول کے بیان کے لئے ہوگا اور اگر بضم الهمزة پڑھتے ہیں تو اُحَقَّقْتُ الامر سے ماخوذ ہوگا اور معنی البتہ یہی ہوں گے یا اثبتہ کے معنی میں ہوگا یعنی میں نے تیرے لئے البتہ کی تحقیق کر لی اور مجھ کو علم الیقین حاصل ہو گیا یا میں نے تیرے لئے البتہ کا ثبات کر دیا اس حال میں کہ تیرا باب مہربان ہے اب جاننا چاہئے کہ اس جگہ شایع نے حقیقت الامر کو یعنی تحقیق کہہ کر ایک سوال مقدم کا جواب دیا ہے کہ یہ مقام مبالغہ کا ہے پس ایسا

للعامل بخلاف الموكدة مثل زید اَبُوک عَطُوفًا فان العطوفية لا تستقل عن الالب في غالب الامر اى اُحَقُّ بفتح الهمزة او ضمها من حقت الامر بمعنى تحقته وصرت منه على يقين او من اُحَقَّت الامر بهذا المعنى بعينه او بمعنى ما ثبتته اى تحققت ابوتك وصرت منها على يقين او اثبتت انك عطوفًا وقال صاحب المفتاح اُحَقُّ التقديرات عندى ان يقدر محنى عطوفًا و

حال متقلہ عامل کے لئے قید ہوتا ہے حال ہوکرہ کے برعکس (جیسے زید ابوک عطوفاً) کہ عطوفیت (مہربان ہونے کی وصف) غالب امر (اکثر اوقات) میں باب سے متصل نہیں ہوتی (اگرچہ شاذ و نادر بعض باب غیر مہربان بھی ہو جاتے ہیں) یعنی اُحَقُّ الهمزة کی فتح (بنا براں کہ فریغ از باب ضرب یضرب کی طرح مضارع شکم ہوا یا اس کے ضمہ کے ساتھ (ہمزہ کی فتح کے ساتھ) از حقت الامر بمعنی تحققت وصرت منه (ای من الامر) علی یقین (یعنی میں اس بات سے یقین پر ہو گیا) یا (بفتح الهمزة) از اُحَقَّقْتُ الامر (بنا براں کہ باب افعال یعنی اُحَقُّ بحق امید کی مانند ہو بعینہ اسی معنی کے ساتھ (یعنی صرت منه علی یقین) یا اثبتہ کے معنی میں ہو یعنی تحققت ابوتہ (فاعل تحققت) مک وصرت منها علی یقین یا اثبتت انک عطوفاً اور صاحب المفتاح (علامہ ابو یعقوب یوسف السکالی) نے کہا کہ میرے نزدیک اس مثال میں جس قدر تقديرات یعنی عامل مقدر کے کلمات ہیں اسب تقديرات سے بہتر یہ ہے کہ محنى عطوفاً مقدر کیا جائے (یعنی حنى محنى رى رى کی طرح سے

مراد ہے اثبات البتہ مقصود نہیں پھر ای تحقیق کے بعد البتہ لک کہنے کا ثبات ہے کہ تحقیق اور اثبتہ دونوں کا تعلق البتہ کے ساتھ من حیث ہوا ہے ذات اب کے اعتبار سے یہ تعلق مراد نہیں اس لئے ذاتیہ اب کے یقین اور اثبات کے کوئی معنی ہی نہیں واللہ اعلم۔

۱۱۲ قولہ وقال صاحب الخ اس عبارت سے مصنف پر اعتراض کرتے ہوئے عطوفاً کے لئے و درامال ذوالحال بیان کرنا مقصود ہے جو وجوہا حذف کر دیا گیا صاحب مفتاح العلوم یعنی سکالی جو عدۃ النسخہ میں کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات میں زیادہ محقق یہ ہے کہ محنى عامل محذوف

میخیزہ ذکر کرنا چاہئے جس سے مبالغہ معلوم ہو جائے اور اُحَقُّ سے نفس ثبوت تو معلوم ہو رہا ہے مگر مبالغہ کا بالکل پتہ نہیں چلتا جواب یہ ہے کہ یہ تحقیق کے معنی میں ہے اور ظاہر ہے کہ تحقیق مبالغہ کے لئے ہے اس لئے کہ باب فعل کی خاصیت مبالغہ بھی ہے پھر وصرت منه الخ کو عطف تفسیری کہہ لیجئے یا سوال مقدر کا جواب سوال یہ ہے کہ زید کی البتہ کا اثبات مخاطب کے لئے ولادت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ شکم کے کہنے سے لہذا زید ابوک کہنا کس طرح درست ہوگا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ ولادت کی وجہ سے البتہ کا ثبات ہوگا مگر یہاں اس سے علم ہوتا

شَرْطُهَا اِي شَرْطٍ وَجِبَ حَذْفُ عَامِلِهَا اِنْ تَكُوْنُ مُقَرَّرَةً اِي مُوَكَّدَةً
لِضَمُوْنٍ جُمْلَةٍ اَحْتَزَبَهُ عَمَّا يُوَكَّدُ بَعْضُ اجْزَائِهَا كَالْعَامِلِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى
اِنَّا ارْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا فَانْهَ لَا يَجِبُ حَذْفُهُ اِسْمِيَّةً اَحْتَزَبَهَا عَمَّا
اِذَا كَانَتْ فَعْلِيَّةً فَانْهَ لَا يَجِبُ حَذْفُ عَامِلِهَا كَمَا قَالَ صَاحِبُ الْكَشَافِ فِي
قَوْلِهِ تَعَالَى قَائِمًا بِالْقِسْطِ اِنَّهَ حَالُ مُوَكَّدَةٍ مِنْ فَاعِلٍ شَهِدَ وَلَا يَبْدُ هَتَا
مِنْ قَيْدٍ اٰخَرٍ وَهَوَانٌ يَكُوْنُ عَقْدُ ثَلَاثِ الْاِسْمِيَّةِ مِنْ اَسْمَاءٍ لَا يَصْلَحَانِ
لِلْعَمَلِ فِيهَا وَالْاَلَاكَانِ عَامِلِهَا مَذْكُوْرًا كَيْفَ يَكُوْنُ حَذْفُهُ وَاجِبًا نَحْوُ اَللّٰهُ

فعل مضارع ہے بمعنی مشفق و مہربان ہونا اور اس کی شرط یعنی حلال کے عامل کے وجوب
حذف کی شرط ویسے ہے کہ حال مقررہ ہو یعنی مؤکدہ ہو «مضمون جملہ کے لئے» مصنف نے
اس قید سے اس حال سے احتراز کیا ہے جو کل جملے کے مضمون کی بجائے جملے کے بعض
اجزاء کی تاکید کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول انا ارسلناک للناس رسولاً میں عامل ہے
دکھائے اس میں رسولاً کاف غیر مخاطب مفعول سے حال واقع ہے اور یہ جملہ میں سے صرف ارسل
کی تاکید کرتا ہے جبکہ جملہ کے اجزاء میں سے ارسال کے علاوہ مرسل بحسبین اور مرسل بفتح
سین اور مرسل الیہم بھی ہیں پس (اس میں) عامل کا حذف واجب (بلکہ قطعاً) نہیں ہے
«جو اسمیہ ہو» مصنف نے اسمیہ کی قید سے اس جملے سے احتراز کیا ہے جو فعلیہ ہو کہ اس
کے حال کے عامل کا حذف واجب نہ ہوگا (بلکہ جائز ہی نہیں) جیسا کہ صاحب کشف
(علامہ زنجیزی) نے اللہ تعالیٰ کے قول قائماً بالقسط میں کہا کہ قائماً بالقسط شہد کے فاعل
(لفظ اللہ) سے حال مؤکدہ (واقع ہے) کہ قیام بالقسط جملہ شہد سے سمجھا جاتا ہے تو
قائماً بالقسط سے اس کی تاکید لائی گئی ہے اور یہاں (حال مؤکدہ کے عامل کے وجوب
حذف میں) ایک اور قید کا ہونا ضروری ہے وہ یہ کہ اس جملہ اسمیہ کا ترکیب دو ایسے اسموں
سے ہو جو اس جملہ میں عمل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ورنہ حال مؤکدہ کا عامل (وہی اسم

نکالا جائے) ای معنی مطلوباً حتیٰ بمعنی باب
سے آتا ہے اور اس کے معنی مال کیل کے
آتے ہیں یعنی زبدتیر باب ہے مائل ہوتا ہے
وہ اس حال میں کہ مہربان ہے اور اس
کو احق التقدریات کہنے کا منشا یہ ہے کہ
مصنف نے جو تقدیر مراد لی ہے اس پر
مذکورہ بالا اعتراض وارد ہوتا ہے بخلاف
اس کے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں اتوں
اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ممکن

ہے عطفاً بمعنی سے حال واقع نہ ہو بلکہ
اس کا مفعول نہ ہو پس اس صورت میں یہ
ماخوذ فیہ سے خارج ہو جائیگا اس لئے
مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا واللہ اعلم
۱۱۱۱۱ قولہ شرطاً انعم عامل ذوالحال
کے وجوب حذف کے لئے شرط یہ ہے
کہ حال مضمون جملہ اسمیہ کی تقریر و تاکید کرتا ہو
یعنی مل جملہ اسمیہ کے مضمون کا اثبات کرنے
والا ہو پس جب مصنف نے مضمون جملہ کہا

تو اس سے وہ عامل خارج ہو گیا جو بعض اجزاء
جملہ کی تاکید کرے جیسے قول باری تعالیٰ
اِنَّا ارْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا میں رسول صرف
رسالت کی تاکید کر رہا ہے پورے جملہ کے
مضمون کی تاکید نہیں کر رہا اس لئے کہ پورا
جملہ مضمون جملہ ارسال اللہ تعالیٰ ہے اس
لئے کہ کسی شخص کا رسول ہونا محض ارسال کا
مقتضی ہوتا ہے ارسال اللہ تعالیٰ کا نہیں
رسالت اجزاء جملہ میں سے بعض ہے لہذا
اس میں حذف عامل واجب نہ ہوگا پھر جب
اسمیہ کی قید کا اضافہ کیا تو اس سے وہ حال
خارج ہو گیا جو جملہ فعلیہ کی کے مضمون کی
تاکید کرتا ہو اس لئے کہ اس صورت میں حذف
عامل واجب نہیں جیسا کہ صاحب کشف
نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ شہداً لہ
اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولٰٓئِکَ
اَلْعٰلِمُ قَائِمًا بِالْقِسْطِ میں قائماً شہد کے
فاعل اللہ سے حال مؤکدہ ہے اور ظاہر ہے
کہ شہداً اللہ جملہ فعلیہ ہے جس کے مضمون کی
تاکید قائماً کر رہا ہے اور اس میں عدم وجوب
حذف عامل کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ اگر عامل
کو حذف کر دیا جائے تو اس کا کوئی قائم
مقام نہیں پایا جائیگا جو حذف پر دلالت
کر سکے اس لئے اس کا حذف واجب نہیں
واللہ اعلم۔

۱۱۱۱۱ قولہ ولا بد ہونا انھ اس سے
شائع کا مقصود مصنف پر اعتراض کرتا ہے
اعتراض یہ ہے کہ مصنف کو اس جگہ ایک
قید کا اور اضافہ کرنا چاہئے تھا یعنی یہ کہ جملہ
اسمیہ ایسے دو اسموں سے مرکب نہ ہو کہ ان
میں سے کوئی نہ کوئی حال میں عمل کرنے کی
صلاحیت رکھتا ہو ورنہ اگر کوئی نہ کوئی
اسم بھی ایسا ہو جس میں عمل کرنے کی
صلاحیت ہوگی تو وہ مذکور ہو کر عمل
کرے گا یعنی عامل مذکور ہوگا اور اس کا

حذف واجب نہ ہوگا جیسے اللہ شائد قائماً بالقسط میں شائد جملہ اسمیہ کا دوسرا اسم ایسا ہے کہ اس میں عمل کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس لئے کہ یہ شبد فعل ہے پس یہ قائماً میں عامل ہوگا اور عامل محذوف نہیں مانا جائیگا یعنی اسحق اس لئے کہ اس صورت میں استدراک لازم آتا ہے کہ ایک عامل موجود بھی ہے اور پھر محذوف نکالا جا رہا ہے بہر حال جب شرط مذکور متحقق ہو جائے گی تو حال موقوفہ کے عامل کا حذف کرنا واجب ہوگا اور یہ اس لئے کہ جملہ سابقہ عامل محذوف پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ مثلاً زید ابوبکر عطاؤں میں متکلم کا مقصود یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ زید مخاطب کا باپ ہے اور اس پر مہربانی کرنے والا ہے مخاطب کو صرف ابودہ زید کی خبر دینا مقصود نہیں یعنی زید کے متعلق ذاتیہ اب کا یقین و اثبات مقصود متکلم نہیں بلکہ من حیث ہوا اب اس کی مہربانی کو بیان کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ جملہ سابقہ احقر یہ دلالت کرتا ہے لہذا اس کو وجوباً حذف کر دیا گیا کیونکہ اس پر دلالت کرنے والا موجود ہے واللہ اعلم۔

۳۳۰ قولہ التمییز الخ یہ منصوبہ میں چٹی قسم ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ تمییز اس اسم کو کہتے ہیں جو ذات مذکورہ یا مقدرہ سے اس ابہام کو دور کر دے جو اس کے معنی موضوع لئے میں ملاحظہ ہو چکا ہے اس جگہ شارح نے ای الاسم الذی سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ جب اسم ہے پس اس سے اسم ہی مراد ہو سکتا ہے لہذا جو فعل ابہام کو دور کر دے گا وہ تمییز نہیں کہلا سکتا پھر الذی سے یہ ظاہر کر دیا کہ الاسم معروف ہے اور یہ رفع

شاهد قائماً بالقسط التمییز ما ای الاسم الذی یرفع الابهام واحترز به عن البدل فان المبدل منه فی حکم التخیل فہو لیس یرفع الابهام عن شیء بل ہو ترک مبہم وایراد معین المستقر ای الثابت الواضح فی المعنی

علاج للعلل، مذکور ہوگا تو عامل کا حذف کیسے واجب ہوگا جیسے اللہ شائد قائماً بالقسط فقر قادری محمد غلام سرور رضوی عرض گزار ہے کہ مصنف نے یہ قید اس لئے ترک کی ہے کہ یہ قول سابق وعاملها الفعل او شبهہ او معناه کے سمجھی جاتی ہے) (تمییز وہ ہے) (یعنی وہ اسم ہے جو) (رفع کرے ابہام کو) مصنف نے رفع الابهام کی قید سے بدل سے احتراز کیا کہ مبدل منہ (معنی میں درمیان سے) ازالہ کے حکم میں ہے پس بدل کسی چیز سے ابہام کو رفع نہیں کرتا (کہ اس میں ابہام بھی نہیں جسے رفع کرنے کی حاجت ہو) بلکہ بدل مبہم (یعنی مبدل منہ) کو ترک اور معین (یعنی بدل) کو وارد کرنا ہے (کہ بدل ہی مقصود بالنسبہ ہوتا ہے اس لئے معین ہوتا ہے) (ایسے ابہام کو جو مستقر ہو) (یعنی ثابت) (اور) (معنی موضوع لئے) میں اس حیثیت سے راسخ ہو کہ وہ موضوع لئے ہے (یعنی تمییز اس ابہام کو رفع کرتی ہے جو معنی موضوع لئے میں اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لئے ہے پایا جاتا ہے یہاں دو باتیں قابل غور

جملہ سو کر نکوہ کی قوت میں ہے اور نکوہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوا کرتا لہذا اس کی صفت محذوف ہے یعنی الذی۔ اب فوائد قیود ملاحظہ فرمائیے تعریف مذکورہ میں قول مصنف ملاحظہ ہے اور تمام اسرار کو شامل ہے اور یہ رفع الابهام الخ فصل ہے پس جب مصنف نے یہ رفع الابهام کہا تو اس سے بدل خارج ہو گیا اس لئے کہ مبدل منہ ترک کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جب بدل کو ذکر کر دیا گیا تو مبدل منہ کا اب کوئی ذکر ہی نہیں ہا معنی اس لئے کہ مثلاً جب ہم نے کہا جبارنی زید عمرو تو اس سے بدل یعنی عمرو مقصود ہے زید معنی کا معدوم ہو گیا اگرچہ یہ لفظوں میں موجود ہے پس بدل کسی شے سے ابہام کو دور نہیں کرتا بلکہ وہ ترک مبہم اور ایراد معین پر دلالت کرتا ہے یعنی مبدل منہ کو ترک کر دینا اور بدل

کو مراد لینا واللہ اعلم۔ ۳۳۱ قولہ ای الثابت الخ اس سے شارح کا مقصود ہر چند سوالات مقدمہ کا جواب دینا ہے یا یوں کہ لیجئے کہ مستقر کی قید کا فائدہ بیان کرنے سے پس سوالات یہ ہیں کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں جاریہ اور الرجل عمرو داخل ہو جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں واقع ہیں جیسے رأیت میتاً جاریہً ہذا الرجل قائم اور ابو حفص عمرو اس لئے کہ جاریہً میتاً کی صفت ہے اور اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے اور رجل ہذا کی صفت کہ ہذا سے رفع ابہام کر رہی ہے اور عمرو ابو حفص کی عطف بیان ہے کہ ابو حفص سے رفع ابہام ہے مگر اس کے باوجود ان کو کوئی بھی تمییز نہیں کہتا جواب یہ ہے کہ مستقر کے یہ معنی ہیں کہ وہ ابہام معنی موضوع لئے میں اس

الموضوع له من حيث انه موضوع له فان المستقر وان كان بحسب اللغة هو الثابت مطلقاً لكن للطلق منصرف الى الكامل وهو الوضعي واحتراز به عن خورائت عينا جارية فان قوله جارية يرفع الابهام عن قوله عينا لكنه غير مستقر بحسب الوضع بل نشأ في الاستعمال باعتبار تعدد الموضوع له وكذا يقع به الاحتراز عن اوصاف المبهات نحو هذا الرجل فان هذا مثلاً اما موضوع المفهوم كلي بشرط استعماله في جزئية او لكل جزئي

ہیں ایک یہ کہ ابہام معنی موضوع لہیں ہوتا ہے نہ کہ لفظ موضوع میں مثلاً عشرون میں کوئی ابہام نہیں بلکہ ابہام اس معنی میں ہے جو لفظ عشرون کا موضوع لہ ہے اور وہ محدودات ہیں کہ جب کوئی کہے عندي عشرون تو معلوم نہ ہوگا کہ محدودات کی کونسی جنس سے عشرون ہیں جب درحالیہ ابہام معنی رفع ہو گیا و قس علی ہذا کیونکہ (اس سے مصنف شرح اپنے قول الثابت الخ کی علت بیان کر رہے ہیں) مستقر اگرچہ لغت کے اعتبار سے ثابت ہی ہے مطلقاً یعنی خواہ وہ معنی وضعی ہو یا استعمالی، لیکن مطلق کامل کی طرف پھرا کر تا ہے اور ابہام کامل (ابہام) وضعی ہے (نہ کہ ابہام استعمالی) اور مصنف (ماتن) نے اپنے قول مستقر سے راہیت عینا جاریہ اسے (ابہام غیر مستقر) سے احتراز کیا ہے کہ عین نہیں وضعی طور پر کوئی ابہام نہیں بلکہ اس میں تعدد موضوع لہ سے ابہام پیدا ہوا، تو قائل کا قول جاریہ اس کے قول عینا سے ابہام کو اٹھا دیتا ہے لیکن یہ ابہام وضع کے اعتبار سے غیر مستقر ہے کیونکہ اس میں وضع کے لحاظ سے نہیں، بلکہ تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے استعمال میں پیدا ہوا ہے اور اسی طرح مصنف کے قول مستقر سے مبهات (اسمائے اشارات) کے اوصاف سے احتراز واقع ہوتا ہے کہ اسمائے اشارات استعمال کی رو سے مبہم ہیں اور اشاریہ ان کے ابہام کو دور کرتا ہے وضع میں مبہم نہیں کیونکہ یہ معارف سے ہیں جیسے ہذا الرجل (اور هذه المرأة) تو (لفظ) هذا مثلاً یا تو مفہوم کلی (مشاریہ یعنی ما یصلح للإشارة بهذا) کے لئے موضوع ہے بشرطیکہ هذا مفہوم کلی کے جزئیات (رجل وامرأة وزید و بکر وغیرہم) میں استعمال ہو جیسا کہ متقدمین و علامہ تفتازانی کا مذہب ہے (یا لفظ مثلاً لفظ هذا یعنی اسم اشارہ) مفہوم کلی کی ہر ایک ایک جزئی کے لئے (موضوع) ہے

مطلق ہے اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے یعنی مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور فرد کامل ابہام وضعی ہے پس وہی مراد ہوگا لہذا اس سے جاریہ وغیرہ خارج ہو گئے واللہ اعلم

حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے راہیہ اور قرار پکڑ گیا ہو اور یہ معنی اس لئے ہیں کہ مستقر اگرچہ لغت کے اعتبار سے مطلق ثابت کے معنی میں ہے خواہ قید موضوع لہ کی حیثیت ملحوظ و معتبر ہو یا نہ ہو لیکن وہ

۳۰۵ قولہ و احتراز بہ الخ اس سے جاریہ تو اس لئے خارج ہو گیا کہ یہ عینا سے رفع ابہام کرتا ہے لیکن یہ وضع کے اعتبار سے غیر مستقر ہے اس لئے کہ اس کے استعمال میں تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے ابہام پیدا ہوا ہے یعنی اس کے متعدد معنی موضوع لہ ہیں مثلاً چشمہ آنکھ۔ سونا دھڑ وغیرہ وغیرہ پس ان میں سے ایک معنی متعین کرنے کے لئے جاریہ کو لایا گیا واللہ اعلم۔

۳۰۶ قولہ و کذا یقع الخ اسی طرح اس سے اوصاف مبهات بھی خارج ہو جائیں گے جیسے ہذا الرجل قائم میں اس لئے کہ ہذا مثلاً یا تو مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے بشرط استعمالہ فی الجزئیات یا مفہوم کلی کے تحت جزئی جزئیات میں ان میں سے ہر ہر جزئی کیلئے وضع کیا گیا ہے پس اگر اول یعنی مفہوم کلی مراد لیتے ہیں تو اس وقت ظاہر ہے کہ مفہوم کلی میں من حیث انہ مفہوم کلی کوئی ابہام نہیں اس لئے کہ اس کا مفہوم کلی واحد ہے یعنی مشاریہ اور اگر ثانی مراد لیتے ہیں تو ہر جزئی کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا اس لئے کہ جس کی طرف ہذا سے اشارہ کیا گیا، وہ غیر مبہم ہے پس یہ ابہام تعدد موضوع لہ یا مستعمل فیہ کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے پس ہذا کی صفت الرجل ہذا کے اسی ابہام کو دور کرے گی نہ کہ اس ابہام کو جو موضوع لہ من حیث ہو موضوع لہ میں واقع ہے حاصل یہ ہوا کہ یہ ابہام وضعی نہیں بلکہ مستعمل فیہ یا تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے اس لئے کہ جب ہم نے ہذا کا استعمال کیا تو اس میں ابہام پیدا ہو گیا کہ ہذا سے کیا مراد ہے پس جب الرجل کہہ دیا گیا تو اس کا ابہام دور ہو گیا لہذا یہ تمیز سے خارج ہے۔

(فائدہ) لفظ ہذا میں اختلاف ہے کہ

جزئی منه ولا ابهام فی هذا المفهوم الکی ولا فی واحد واحد من حیث
بل لا ابهام انما نشأ من تعدد الموضوع له والمستعمل فيه فتوصیفه بالرجل
یرفع هذا الابهام لا الابهام الواقع فی الموضوع له من حیث انه موضوع
له وکذا یقع به الاحتراز عن عطف البیان فی مثل قولک ابو حفص عمر
فان کل واحد من ابی حفص وعمر موضوع لشخص معین لا ابهام فیہ
لکن لما کان عمر اشرزال بذكره الخفاء الواقع فی ابی حفص بعد الاشتغال
لا الابهام الوضعی عن ذاب لا من وصف واحترز به عن النعت واللیل

(جیسا کہ جمہور متاخرین کا مذہب ہے) اور اس مفہوم کلی (اس حیثیت سے کہ وہ مفہوم
کلی ہے یعنی من حیث ہو ہو کہ وہ واحد ہے اور وہ مشار الیہ ہے جیسا کہ انسان نوع واحد
ہے اور کچھ نہیں) میں کوئی ابہام نہیں اور نہ ہی اس مفہوم کلی کے جزئیات میں سے ایک
ایک جزئی میں ابہام ہے بلکہ (بنابر مذہب جمہور متاخرین) ابہام تعدد موضوع له یا
(بنابر مذہب متقدمین و علامہ تفتازانی تعدد) مستعمل فیہ سے ہی ابہام پیدا ہوا۔ پس اہم
اشارہ کی ہذا سے توصیف (اس) ابہام کو رفع کر دیتی ہے جو تعدد موضوع له یا مستعمل
فیہ سے حاصل ہوا) اس ابہام کو نہیں جو موضوع له میں اس کے موضوع له ہونے کی
حیثیت سے واقع ہوا کرتا ہے کیونکہ اس میں ایسا کوئی ابہام نہیں ہے کہ اس کے
رفع کی حاجت ہو، اور اسی طرح ماتن کے قول مستقر سے تمہارے قول ابو حفص عمر کے
مثل میں (پائے جانے والے) عطف بیان سے احتراز واقع ہو جاتا ہے کیونکہ ابو حفص اور
عمر میں سے ہر ایک شخص معین کے لئے موضوع ہے اس میں کوئی ابہام نہیں لیکن جبکہ
عمر (اہم گرامی سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آپ کی کنیت ابو حفص سے) زیادہ مشہور
تھا تو آپ کے اہم گرامی کے ذکر سے وہ خفاء دور ہو گیا جو ابو حفص میں عدم شہرت کی
وجہ سے واقع ہے نہ کہ ابہام وضعی کہ اس میں ابہام ہے ہی نہیں نہ وصفا اور اشتغال
اور تمیز رفع کرتی ہے ابہام کو «ذات سے» وصف سے نہیں (رفع کرتی) اور مصنف

یہ مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے یا مفہوم
کلی کی ہر ہر جزئی کے لئے۔ پس جن لوگوں نے
اس بات کا خیال کیا کہ ہر چیز میں اس سے ہے کہ
اس کا موضوع له منضبط اور مختصر ہو تو انہوں
نے کہہ دیا کہ اس کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے
لیکن چونکہ مفہوم کلی میں اس کا استعمال پایا
نہیں جاتا لہذا انہوں نے بشرط استعمال فی
الجزئیات کا اور اضافہ کر دیا یعنی اس کی وضع
ہے تو مفہوم کلی ہی کے لئے لیکن اس شرط کے
ساتھ کہ اس کا استعمال جزئیات میں ہو اور
جنہوں نے یہ دیکھا کہ اس کا استعمال جزئیات
کے علاوہ اور کسی طرح ہوتا ہی نہیں تو انہوں
نے یہ کہہ دیا کہ اس کی وضع مفہوم کلی کی ہر ہر
جزئی کے لئے ہے اس لئے کہ مقصود افراد
ہے نہ کہ غیر پھر یہی بات کہ اس کا مفہوم کلی
کیا اور مفہوم کلی کی جزئیات کیا ہیں؟ تو ظاہر
ہے کہ اس کا مفہوم کلی مشار الیہ ہو گا یعنی جس میں
اس کی طرف ہذا سے اشارہ کرنے کی صلاحیت
موجود ہو۔

(نوٹ) اس کی مفصل بحث دیا ہے میں
فہرہ فہرہ وافیہ کے ذیل میں گذر چکی وہاں دیکھ
لینا چاہئے واللہ اعلم۔

۳۰ قولہ وکذا یقع الخ علی ہذا
القیاس اس سے عطف بیان بھی خارج ہو جائے
گا جیسا کہ ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ کا عطف
بیان ہے پس یہ اس لئے خارج ہو جائے گا کہ
ابو حفص اور عمر شخص معین ہی کے نام ہیں اور
شخص معین میں کوئی ابہام نہیں لیکن چونکہ ابو
حفص کی بہ نسبت عمر زیادہ مشہور ہے اس لئے
اس کے ذکر سے وہ خفاء دور ہو جائے گا
جو کہ ابو حفص کی عدم شہرت کے باعث ابو
حفص میں پیدا ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ
ابہام وضعی نہیں۔ پس عمر عطف بیان ہے نہ
کہ تمیز اس لئے کہ تمیز کے لئے تمیز میں ابہام
وضعی ہونا چاہئے اور یہ ابہام وضعی معین ہذا

کرتے ہیں جو کہ وصف میں ہوتا ہے ابہام
ذات کو دور نہیں کرتے اس لئے کہ مثلاً جب
جاری رجل کہا گیا تو رجل میں یہ احتمال ہے کہ
مکن ہے اس کی صفت عالم لائی جائے یا
جائے پس اس کے وصف میں ابہام پیدا ہو گیا
پس جب جاری رجل عالم کہا گیا تو موصوف
میں جو ابہام پیدا ہو گیا تھا وہ زائل ہو گیا۔

یہ تعریف تمیز سے خارج ہے واللہ اعلم۔
۳۱ قولہ لا لکن وصف الخ
یعنی قول مصنف عن ذات بھی قید احترازی
ہے جس سے ایسے ابہام کو خارج کرنا مقصود
ہے جو وصف مستقر میں ہوتا ہے پس اس قید
سے نعت اور حال خارج ہو جائیں گے اس
لئے کہ یہ دونوں ایسے ابہام مستقر کو دور

فانہما یرفعان الایہام المستقر الواقع فی الوصف لانی الذات وتحقیق
ذلك ان الواضع لما وضع الرطل مثلاً لتصف من فلا شک ان الموضوع
له معنی معین متمیز عما هو اقل من النصف کالرابع وعما هو اکثر منها
کم من ومنین ولا ابہام فیہ الا من حیث ذاته ای جتہ فانه لا یعلم منه
بحسب الوضع انه من جنس العسل او الخمل او غیرہما والا من حیث
وصفہ فانه لا یعلم منه بحسب الوضع انه بغدادی او مکی فاذا اريد رفع
الایہام الوصفی الثابت فیہ بحسب الوضع اتبع بصفة احوال فیقال الخمل
بغدادی واذا اريد رفع الایہام الذاتی قیل زیئافز یتا یرفع الایہام المستقر
عن الذات لا التعت والحوال فانہما یرفعان الایہام عن الوصف مذکورۃ

نے اس قید سے نعت اور حال سے احتراز کیا ہے کہ یہ دونوں اس ابہام مستقر کو رفع
کہتے ہیں جو وصف میں واقع ہوتا ہے نہ کہ ذات میں اور اس (بات) کی تحقیق کہ تمیز وہی ہے
جو اس ابہام مستقر کو رفع کرے جو ذات میں واقع ہے اور جو اس ابہام کو دور کرے جو
وصف میں ہے وہ تمیز نہیں کہلاتی (یہ ہے کہ الفاظ کے) واضح نے جب رطل (راء کی فتح
و کسر کے ساتھ) کو مثلاً نصف من کے لئے وضع کیا (من دو سو ساٹھ درہم وزن کا ہوتا ہے
اور رطل ایک سو تیس درہم وزن کا) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ (رطل کا معنی) جس کیلئے
رطل وضع کیا گیا معنی معین ہے (اور) ربع ایسے (معنی سے جو کہ) نصف (من) سے اقل
ہے اور من و دو من ایسے (معنی سے جو کہ رطل سے) اکثر ہے سے متمیز ہے اور معنی رطل میں
کوئی ابہام نہیں (کیونکہ رطل نصف من کو کہتے ہیں) مگر (اس میں) من حیث ذاتہ یعنی
(من حیث) جنس (ایہام پایا جاتا ہے) (یعنی موضوع) کہ موزون ہے میں کوئی ابہام نہیں
مگر اس کی جنس میں ابہام ہے (کیونکہ صورت حال یہ ہے کہ اس سے وضع کے اعتبار سے
معلوم نہیں ہوتا کہ وہ رطل بغدادی ہے یا مکی ہے) گویا اس میں دو ابہام ہیں ایک من حیث
ذاتہ و جنسہ اور دوسرا من حیث وصفہ لہذا مراد کو بیان کرنا ضروری ہے (پس جب ابہام
وصفی جو اس میں وضع کے اعتبار سے ثابت ہے کے رفع کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو رطل
کے بعد صفت یا حال لایا جائے گا پس کہا جائے گا (الفلان) رطل بغدادی (صفت کی
صورت میں) اور رطل بغدادی (حال کی صورت میں) اور جب ابہام ذاتی (و جنسی) کے رفع
کا ارادہ کیا جائے گا تو کہا جائے گا (الفلان رطل) زیئافز یتا یرفع الایہام مستقر
کو رفع کرتا ہے نعت اور حال (ذات سے رفع نہیں کہتے پس نعت اور حال وصف ہے
ابہام کو دور کہتے ہیں) (تمیز ابہام کو رفع کرتی ہے ذات) (لا مذکورہ سے یا متدرہ سے لا مذکورہ

علی ہذا القیاس حال بھی ذوالحال کیلئے بمنزلہ
صفت کے ہے لہذا یہ دونوں تمیز سے خارج
ہیں واللہ اعلم

۳۰۹ قولہ وتحقیق ذلک الخ یہاں
سے شامح اس بات کی تحقیق بیان کر رہے ہیں
کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے اور
نعت رجال ابہام عن الوصف کو رفع کرتے
ہیں کہتے ہیں کہ واضح نے جبکہ رطل کو مثلاً
نصف سیر کے لئے وضع کیا تو اس میں کوئی شک
نہیں کہ موضوع نہ معنی معین ہیں اور نصف سیر
سے کم سے متمیز مثلاً ربع سیر سے متمیز ہیں اس
لئے کہ نصف سیر کی تخصیص ہے اور یہ معنی
موضوع نہ نصف سیر سے زائد سے بھی متمیز ہیں
مثلاً سیر و دسیر سے پس رطل کے معنی میں کوئی
ابہام نہیں مگر یہ کہ اس کی ذات یعنی اس کی جنس
کہ جس کو اس کے ساتھ تولا جاتا ہے (کے غلبہ
سے ابہام ہے پس مطلقاً رطل کہنے سے معلوم
نہیں ہوگا کہ یہ رطل شہد کی جنس سے ہے یا
سرکہ کی یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور جنس
سے پس یہ ابہام ذاتی ہوا کہ اس کی ذات کی
جنس کیا ہے نیز اس میں وصفیت کی حیثیت سے
بھی ابہام ہے کہ اس کی وصفیت کیا ہے پس یہ پتہ
نہیں چلے گا کہ یہ رطل بغدادی ہے یا مکی پس
جب اس میں ابہام وصفی کا ارادہ کیا جائیگا جو کہ
باعتبار وضع کے اس میں ثابت ہے تو اس کے
بعد یا تو صفت کو ذکر کیا جائیگا یا حال کو پس
صفت میں تو عندی رطل بغدادی یا مکی کہا جائیگا
اور حال میں عندی رطل بغدادی یا مکی اور جب
ابہام ذاتی کا رفع کرنا مقصود ہوگا تو عندی رطل
زیئافز یتا یرفع الایہام کو دور کر دے
گا جو کہ ذات رطل میں مستقر ہے نعت اور حال
اس ابہام کو دور نہیں کریں گے اس لئے کہ یہ دونوں
وصف سے رفع ابہام کرتے ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۳۱۰ قولہ مذکورۃ الخ مذکورۃ او مقدروۃ
دونوں من ذات میں ذات کی صفت ہیں اور اس

سے مصنف کا مقصود تمیز کی تعین کرنا ہے یعنی تمیز کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ ذات مذکورہ سے ابہام مستقر کو دور کرے جیسے رطل زیتا اور دوسری یہ کہ ذات مقدرہ سے ابہام مستقر کو دور کرے جیسے طاب زید نفسا کہ یہ قول طاب شیئ منسوب الی زید کی قوت میں ہے اور وہ شے غیر معلوم ہے پس نفسا نے اس شے سے رفع ابہام کر دیا جو طاب زید میں مقدر ہے واللہ اعلم۔

الک قولہ فالاول الخ اس کی تفسیر ای القسم الاول کے ساتھ کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الاول موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی تمیز کی قسم اول جو کہ ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اس جگہ یہ فعل کے ذکر سے شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عن مفرد الخ کا متعلق یہ فعل ہے اور پھر یہ جملہ فعلیہ ہو کر الاول مبتدا کی خبر ہے پھر یعنی بہ الخ سے یہ بتایا ہے کہ مفرد سے مراد جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف کا مقابل ہے یعنی جملہ شبہ جملہ اور وہ مضاف نہ ہو کہ جس میں نسبت اضافی ملحوظ ہو جیسے غلام زید میں اس لئے کہ یہ جملہ کی قسم ثانی میں داخل ہوگا یعنی شبہ جملہ ہوگا شبہ یا جمع یا وہ مضاف ہو کہ جو مضاف الیہ کے ساتھ اس شرط کے ساتھ تمام ہو کہ مضاف میں ابہام پایا جائے لہذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا کہ مشرود وہما میں درہما جمع سے ابہام کو دور کر رہا ہے اور مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جائے جیسے عدد۔ کیل۔ وزن۔ گز وغیرہ اور غالباً کے بعد فی غالب المواد الخ کہنا اس امر کی طرف شہیر ہے کہ قولہ غالباً ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے واللہ اعلم۔

الک قولہ ای رفع ابہام الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال

أَوْ مُقَدَّرَةً صَقَاتِ لِلذَّاتِ إِشَارَةً إِلَى تَقْسِيمِ الْقِيَمِ وَالْمَذْكُورَةِ فَنَحْوِ رَطْلٍ زَيْتًا أَوْ الْمَقْدَرَةِ فَنَحْوِ طَابٍ زَيْدٍ نَفْسًا فَانْه فِي قُوَّةِ قَوْلِنَا طَابٍ شَيْءٌ مِّنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ وَنَفْسًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَلِكَ الشَّيْءِ الْمَقْدَرِ فِيهِ فَإِنَّ قَوْلَ أَيْ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ مِنَ الْقِيَمِ وَهُوَ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَاتِ الْمَذْكُورَةِ يَرْفَعُهُ عَنْ مُفْرَدٍ يَعْنِي بِهِ مَا يَقَابِلُ الْجُمْلَةَ وَشِبْهَهَا وَالْمُضَافِ مَقْدَرٍ صِفَةٍ لِمَفْرَدٍ هُوَ مَا يَقْدَرُ بِهِ الشَّيْءُ أَيْ يَعْرِفُ بِهِ قَدْرَهُ وَيَبِينُ غَالِبًا أَيْ فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ وَكَثَرًا أَيْ رَفَعَ الْإِبْهَامَ

اور مقدرہ دونوں ذات کی صفتیں ہیں (یہ) تمیز کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے پس مذکورہ کی مثال جیسے رطل زیتا اور مقدرہ (کی مثال جیسے) طاب زید نفسا کیونکہ طاب زید نفسا ہمارے قول طاب شیئ منسوب الی زید نفسا کی قوت میں ہے (اور وہ شیئ معلوم نہیں ہے) اور نفسا (تمیز ہے جو) ابہام کو اس شیئ سے رفع کرتی ہے جو طاب زید میں مقدر ہے (اور طاب زید میں جو شیئ مقدر ہے وہ وہی جس کی تمیز کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے کیونکہ زید کی طرف طیب کی نسبت کا معلوم نہیں کہ نفس کی جہت سے ہے یا علم وغیرہا کی جہت سے پس جب نفسا کہا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ نسبت نفس کی جہت سے ہے (پس اول) یعنی تمیز سے قسم اول جو کہ ابہام کو ذات مذکورہ سے رفع کرتی ہے ابہام کو رفع کرتی ہے (ایسے مفرد سے) مراد وہ ہے جو جملہ و شبہ جملہ (کہ جس میں فعل و فاعل کا معنی پایا جائے جیسے اسم فاعل و اسم تفضیل و صفت مشبہ یا فعل و نائب فاعل کا معنی پایا جائے جیسے اسم مفعول یا اس میں فعل کا معنی پایا جائے جیسے حبیب زید رجلا) اور مضاف (کہ جس میں نسبت اضافت ملحوظ و معتبر ہو بخلاف علی التمر مثلاً زید لانه وان كان مضافاً إلى الضمیر لکن مفرد لان المثل نفسه مراد و نسبت اضافت معتبر نہیں) کے مقابلہ میں ہو (جو مقدار ہو) یہ مفرد کی صفت ہے اور مقدار وہ ہے کہ جس کے ساتھ ایک شیئ کا اندازہ کیا جائے یعنی اس سے شیئ کا اندازہ و معیار پیمانہ اور بیان کیا جاسکے (اور مقدار کی پانچ قسمیں ہیں عدد و کیل و وزن و ذراع اور مقياس) (غالباً) یعنی غالب اور اکثر مثالوں میں

مفرد مقدار غالباً سے رفع ابہام خصوصی ہے یعنی مفرد مقدار سے رفع ابہام ہو پس دونوں میں تمیز و تخصیص کے اعتبار سے مغایرت ہوگی اسی کو شارح ای رفع ابہام مطلقاً سے بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ذات مذکورہ سے رفع ابہام مطلقاً مراد ہے جو کہ اس رفع خاص غالباً یعنی فی اکثر المواد کے ضمن میں تحقق ہے اور یہ غالباً اس لئے ہے کہ مفرد مقدار

کی تقریر یہ ہے کہ قولہ عن مفرد خبر ہے اور مبتدا خبر میں اصل یہ ہے کہ خبر کا مفہوم مبتدا کے مفہوم سے مغایر ہونا چاہئے اور یہاں ایسا نہیں اس لئے کہ الاول سے بھی رفع ابہام عن مفرد مقدار مراد ہے اور عن مفرد مقدار سے بھی پس دونوں میں مغایرت نہیں ہوتی جواب یہ ہے کہ الاول سے مراد رفع ابہام مطلقاً ہے خواہ وہ مفرد مقدار سے ہو یا نہ ہو اور عن

مطلقاً يتحقق في ضمن هذا الوقع الخاص في أكثر المواد وذلك لأن الإبهام فيه
أكثر والمقدار إما متحقق في ضمن عدد نحو عَشْرَ شَعِيرٍ مِنْ دَرَاهِمٍ وَسِبَاكِي
ذكر تميز العدد وبيانته في باب أسماء العدد وإما في ضمن غيره أي غير
العدد كالوزن نحو رطل زَيْتًا قان الرطل نصف من ونحو منواز
سَمَاءٍ كَالْكَيْلِ نَحْوَ قَفِيزَانِ بَرٍّ وَكَالذَّارِعِ نَحْوَ ذِرَاعِ ثَوْبًا وَكَالْمُقْيَاسِ
وَعَلَى التَّمْرِ مِثْلَهَا زَيْدًا وَالْمُرَادُ بِالْمَقَادِيرِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ هُوَ الْمَقْدَرُ
لأن قولك عندی عشرون درهما ورطل زیتا وقفیزان برّ وذرّاع ثوبًا

یعنی رفع اہام مطلقاً بلا تعلیل و بکونہ فی المقدار اور فی الجملہ او غیرہما اکثر مثالوں میں
اس رفع خاص (رفع اہام از مفرد مقدار) کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ مفرد
مقدار میں اہام اکثر ہے اور مقدار ((یا)) متحقق ہوتی ہے ((عدد)) کے ضمن میں جیسے
عشرون درہما اور تَمِیز عدد کا ذکر و بیان اسمائے عدد کے باب میں ((عنقریب آئے گا
اور یا اس کے غیر)) کے ضمن ((میں)) یعنی عدد کے غیر کے ضمن میں (جیسے وزن) جیسے
رطل زیتا تو رطل نصف من ہے لا اور جیسے ((منوان سمناء)) اور ((عدد کے غیر)) کیل
کی مانند جیسے قفیزان برّ اور ذراع کی مانند جیسے ذراع ثوباً لا اور ((مقیاس کی مانند
جیسے)) علی التمر مثلاً زیداً لا اور (یہ سوال کہ ان اشیاء مذکورہ میں تو کوئی اہام نہیں
کہ عشرین مثلاً عدد میں پر دلالت کرتا ہے جس میں کوئی اہام نہیں اکی طرح دوسروں
میں بھی اہام نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) ان سب صورتوں میں مقادیر سے مراد
مقدرات ہیں (یعنی اکثر میں اور یا مقیس ہے سب کو مقدرات کہنا از قبیل اکثر حکم الکمل
ہے نہ کہ مقادیر) کیونکہ تمہارا قول عندی عشرون درہما ورطل زیتا وقفیزان برّ وذرّاع

میں اکثر اہام ہی ہوتا ہے واللہ اعلم
۳۱ قولہ والمقدار الخ اب یہ بتانا
چاہتے ہیں کہ مقدار کے متحقق ہونے کی کیا صورت
ہوگی کہتے ہیں کہ مقدار یا تو عدد کے ضمن میں
متحقق ہوگی جیسے عشرون درہما اس لئے کہ
عشرون عدد مبہم ہے کیونکہ اس کا مصداق
معلوم نہیں کہ کونسی شئی ہے آیا درہم ہے یا
دینار یا کچھ اور پس جب درہما کہا تو تمام
احتمالات سے امتیاز حاصل ہو گیا یعنی وہ
مقدار درہم کی ہے اور اس کا ذکر عنقریب
اسمار عدد کے باب میں آئیگا انشاء اللہ اور

میں اہام اکثر ہوتا ہے بہ نسبت غیر مفرد
مقدار کے اس لئے کہ مقدار اکثر تنوین نون
متنہ نون جمع اور اضافت کے ساتھ
استعمال کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز
کا استعمال ان میں کسی ایک کے ساتھ ہو
اس میں اکثر اہام ہوتا ہے اس لئے کہ تنوین
غیر کے لئے آتی ہے نون متنہ و جمع تنوین
کے عوض میں آتے ہیں پس جو حکم مفعول مع کا
ہوگا وہی بدل کا بھی ہوگا اور غیر مضان بھی
اس جگہ تنکیر کے لئے ہوتا ہے اور تنکیر میں
تعیین و تخصیص نہیں ہوتی پس معلوم ہو گیا کہ

یا وہ مفرد مقدار غیر عدد کے ضمن میں متحقق ہو
گی مثلاً وزن میں جیسے رطل زیتا کہ اس میں
مفرد مقدار رطل کے ضمن میں متحقق ہے اس
لئے کہ رطل نصف سیر کہتے ہیں پس یہ نصف
سیر کی مقدار غیر عدد سے معلوم ہوئی ایک
رطل کا وزن ایک سو تیس درہم کے برابر ہوتا
ہے اور من سیر کہتے ہیں جو دو سو ساٹھ درہم
کے برابر ہوتا ہے وزن کی دوسری مثال جیسے
منوان سمناء (دو سیر بھی) اور کیل کی مثال
جیسے قفیزان برّ (دو پوری گیہوں) اور ذراع
دگن کی مثال جیسے ذراع ثوباً اور مقیاس
کی مثال جیسے علی التمر مثلاً زیداً ہیں کہ ان
تمام امثلہ میں مفرد مقدار غیر عدد سے معلوم ہو
رہی ہے واللہ اعلم۔

۳۲ قولہ والمراد الخ یہ عبارت
ایک سوال مقدار کا جواب ہے سوال کی تقریر
یہ ہے کہ مثلاً عشرون اور منوان عدد محین کے
لئے وضع کئے گئے ہیں میں سے کم یا زیادہ
عشرون کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا اور دو سیر
سے کم یا زیادہ کو منوان نہیں کہہ سکتے پس ان میں
اہام وضعی نہیں پایا گیا لہذا یہ تمیز میں کیونکہ
داخل ہو سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ ان تمام
صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات ہیں
یعنی جو مقادیر کا مصداق بن سکیں پس عندی
عشرون درہما میں عشرون عدد سے محدود
مراد ہے جو کہ عدد کا مصداق ہے اور رطل
زیتا۔ قفیزان برّ۔ ذراع ثوباً اور علی التمر
مثلاً زیداً میں علی طریق اللف والنشر مرتب
موزون۔ کیل۔ مذروع اور مقیس نہ کہ غیر پس
ان سے مراد مذکورہ مقدرات ہوں گے تو
لا محالہ ان میں اہام پایا جائیگا اس لئے کہ
مثلاً محدود سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ وہ کس
جنس سے ہے اس لئے کہ وہ تمام محدود
کو شامل ہوگا پس جب درہما کہا گیا تو معلوم
ہو گیا کہ محدود از قسم درہم ہے واللہ اعلم۔

۳۱۵ قولہ وانما اقتصر الخ اس سے بھی رفع دخل مقدر مقصود ہے اس کی تقریر ہے کہ توضیح مثل کے لئے ایک مثال کافی ہے متعدد و امثلہ کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف نے تین مثالوں کے بیان پر اس وجہ سے اقتصر کیا کہ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ مفرد تمام ہوتا ہے اس کے بیان پر تنبیہ کر دیں یعنی تمیز کا عامل اسم تام ہوتا ہے پس مصنف نے مناسب سمجھا کہ مثالوں کے ذریعہ اسم تام کی تمام امثلہ ذکر کر دیں چنانچہ اسم یا تنوین سے تام ہوتا ہے جیسے رطل زیتا میں یا نون سے خواہ وہ تشبیہ کا ہو جیسے منوان سمنائیں یا جمع کا جیسے عشرون درہما میں اور یا اضافہ سے تام ہوتا ہے جیسے علی التمرۃ مثلاً زیداً کہ اس میں مثل مضاف مبہم ہے اور اس کے ابہام کو زیداً دور کر رہا ہے پس چونکہ مصنف کو تمام اسم پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اس لئے شارح نے صرف وہی امثلہ بیان کر دیں کہ جن سے تمام اسم کی علامت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے یعنی تنوین۔ نون و اضافہ کی طرف اور مصنف کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام مقدرات کی مثالیں علیحدہ علیحدہ ذکر کرے اس لئے تمام مقادیر کی امثلہ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ صرف تین مثالیں بیان کر دیں اور ان کو بھی مقادیر کے لحاظ سے بیان نہیں کیا بلکہ ایک ہی مقدار کے لئے دو امثلہ ذکر کر دیں پس اس سے غرض یہی ہے کہ تمام اسم پر تنبیہ ہو جائے پس جو امثلہ مذکور ہیں ان سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے مثلاً رطل تنوین کی مثال ہے اور منوان نون کی حالانکہ دونوں مثالیں وزن سے تعلق رکھتی ہیں والہذا علم۔

۳۱۶ قولہ ومعنی تمام الخ اور اسم کے تمام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی

و علی التمرۃ مثلاً زیداً المراد بہا المعدود والموزون والمکیل والمذروع والمقیس لا غیر وانما اقتصر الخ علی الامثلة الثلاثة لانه كان مطمح نظره التنبیہ علی بیان ما یتیم بہ المفرد وهو التنوین کما فی رطل زیتا و النون کما فی متوان سمناء و الاضافة کما فی علی التمرۃ مثلاً زیداً و لهذا لم یستوف اقسام المقادیر و ذکر بعضها ومعنی تمام الاسماء ان یكون علی حالۃ لا یمکن اضافتہ معها والاسم مستحیل الاضافة مع التنوین

ثوباً و علی التمرۃ مثلاً زیداً ان سب سے مراد معدود (عدد میں) و موزون (وزن میں) و مکیل (کیل میں) و مذروع (ذراع میں) اور مقیس ہے (مقیاس میں) کوئی اور نہیں اور مصنف تین مثالوں (کے وارد کرنے) پر اکتفاء اس لئے کیا (اور پانچوں کی مثالیں نہ لائے) کہ مصنف کا مطمح نظر (یعنی اس کا مقصود) اس چیز کے بیان پر تنبیہ کرنا تھا جس کے ساتھ مفرد (مقابل جملہ و شبہ جملہ و مضاف معتبر در ان نسبت اضافت) تام ہوتا ہے (جو کہ تمیز کو نصب دیتا ہے) اور ما یتیم بہ المفرد (تین میں اول) تنوین جیسے رطل زیتا میں یا (دوسرا) نون (تثنیہ) جیسے منوان سمناء (تیسرا) اضافت (کہ در ان نسبت اضافت معتبر نباشد) کا مرا جیسے علی التمرۃ مثلاً زیداً اور اسی مطمح نظر کی وجہ سے مصنف نے مقادیر کے تمام اقسام کو پورے طور پر بیان نہیں کیا کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ مثالیں بیان نہیں کیں اور مقادیر کی قسمیں جیسا کہ گذرا عدد کے سوا چار اور اس کے ہمراہ پانچ ہیں اور اسی مطمح نظر کی وجہ سے اس کی مثال جیسے مافی السماء قدر ارحہ سمایا کو بھی چھوڑ دیا ہے اور اسی مطمح نظر کی وجہ سے بعض اقسام مقادیر (یعنی الوزن) کو مکرر لائے اور اسم کے تمام ہونے کا معنی اسم کا ایسی حالت پر ہونا ہے کہ اس حالت کے ہمراہ اسم کی اضافت ممکن نہ ہو اور اسم (تمام چار چیزوں میں سے ہر ایک کے ساتھ) مستحیل الاضافة ہے (ایک تو) تنوین کے ساتھ (دوسری تیسری) تثنیہ

اضافت کسی دوسرے اسم کی طرف ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جب اسم پر تنوین یا نون تثنیہ و جمع ہو یا اس میں اضافت ہو تو اسم کی اضافت دوسرے اسم کی طرف ممکن نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر اضافت ہوگی تو اسم پر تنوین نہیں آسکتی علیٰ ہذا القیاس نون بھی بوقت اضافت حذف کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی جب ایک اسم پہلے سے مضاف ہوگا تو اب اس کی اضافت دوبارہ نہیں ہو سکتی، پس جب اسم تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہوگا تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو جائے گی، پس جس طرح فعل اپنے فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے اسی طرح یہ اسم بھی اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ تام ہوتا ہے، پس اسم تام کے بعد جو تمیز آئیگی وہ مفعول کے بعد مشابہ ہوگی کیونکہ یہ تام اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جیسا کہ مفعول کا ہی ہے کہ وہ کلام کے تام ہونے کے بعد یا اگر تالیف پس جس طرح فعل و فاعل کے بعد اسم منصوب ہوتا ہے اسی طرح تمیز بھی منصوب ہوگی

وفی التثنية والجمع ومع الاضافة لان المضاف لا يضاف ثانيا فاذا اتم
الاسم بهذه الاشياء مشابه الفعل لاذ باثر الفاعل وصار به كلاما تاما مائضا
التمييز الآتی بعد المفعول لوقوعه بعد تمام الاسم كما ان المفعول حقه
ان يقع بعد تمام الكلام فينصبه ذلك الاسم التام قبله لمشاكلة الفعل
للتام بفاعله وهذه الاشياء انما قامت مقام الفاعل لكونها في آخر
الاسم كما كان لفاعل عقيب الفعل الآتی ان لام التعريف الداخلة على اول الاسم
ولن كان يتم بها الاسم فلا يضاف معها لا ينتصب التمييز عنه فلا يقع

وجمع کے دونوں اور (چوتھی) اضافت کے ہمراہ کیونکہ مضاف کو دوبارہ مضاف نہیں کیا
جاتا کہ اضافت سے غرض تعریف یا تخصیص یا تخفیف ہے تو ایک بار اضافت سے غرض
حاصل ہوگئی لہذا دوبارہ اضافت سے یا تحصیل حاصل یا الغاء اضافت اولی لازم آئے
گا وکلاھا باطلان پس اسم (مفرد مقدار) جب ان اشیاء سے تام ہو گیا تو وہ فعل کے مشابہ
ہو گیا جبکہ فعل فاعل کے ساتھ تام ہو جائے اور فعل فاعل کے ساتھ کلام تام ہو جاتا ہے پس
اسم تام کے بعد آنیوالی تیز اسم کے تمام ہونے کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مفعول سے
مشابہ ہو جاتی ہے جیسا کہ مفعول کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تام ہونے کے بعد واقع ہو
(اگرچہ لفظوں میں مقدم ہوا) پس وہ اسم تام جو تیز سے پہلے ہے اس فعل کے مشابہ ہونے
کی وجہ سے جو اپنے فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے تیز کو نصب دیتا ہے اور یہ چیزیں (یعنی
تنوین اور تثنیہ وجمع کے دونوں اور اضافت) فاعل کے قائم مقام اس لئے ہیں اسم تام
کے آخر میں ہیں جس طرح کہ فاعل فعل کے آخر میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ لام
تعریف جو اسم کے اول پر داخل ہوتا ہے اگرچہ اسم اس کے ساتھ کلام تام ہو جاتا ہے پس اسم
اس (لام تعریف) کے ہمراہ مضاف نہیں ہوتا (تام) اس اسم تام (بلام تعریف) سے تیز
منسوب نہیں ہوتی (کیونکہ مشابہت مذکورہ مفقود ہے) یہ اس وقت ہے جب ماہتم بہ
المفرد لام سے زائل ہو جائے جیسے تنوین و اضافت کہ یہ لام تعریف کے ساتھ جمع نہیں ہوتے
لیکن جب ماہتم بہ المفرد لام تعریف سے زائل نہ ہو جیسے نون تثنیہ وجمع تو لام تعریف کے
باوجود تیز منصوب ہو جائے گا کہ مشابہت مذکورہ موجود ہے کہ تقول عندي المنوان بمناء

اور وہ اسم تام جو تیز سے پہلے ہے اس کو
نصب دے گا کیونکہ اسم تام فعل کے مشابہ
ہے جو کہ فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے اب
یہ بات کہ یہ اشیاء فاعل کے قائم مقام
کیسے ہیں؟ تو اس کا جواب دہیہ الاشياء

سے شائع ہوئے ہیں کہ یہ اشیاء فاعل
کے قائم مقام اس لئے ہیں کہ یہ اسم کے آخر
میں ہوتی ہیں جیسا کہ فاعل فعل کے بعد آتا
ہے پس اس مشابہت کے باعث اشیاء
مذکورہ بمنزلة فاعل کے ہونگی واللہ اعلم

۵۳۱ قولہ الآتی الخ یہ ایک
سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے
کہ الف ولام سے بھی تو اسم تام ہو جاتا ہے
اس لئے کہ تمامی اسم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی
حالت میں ہو کہ اس حالت کے ہوتے ہوئے
وہ کسی دوسرے اسم کی طرف مضاف نہ ہو
سکتا ہو پس جب الف ولام کے ساتھ بھی
اسم تحصیل الاضافة ہے تو الف ولام سے بھی
اسم تام ہوگا لہذا مذکورہ ماقبل چارہی چیزوں
کی کیوں خصوصیت ہے جواب یہ ہے کہ جو تقریر
ہم نے تمامی اسم کے متعلق کی ہے وہ اسم
معرف باللام پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ
ہم نے یہ کہا ہے کہ اسم فعل کے مشابہ ہوتا ہے
اور تنوین وغیرہ کے فاعل کے اور تیز مفعول
کے اور سب کی وجہ شبہ ظاہر ہے کہ فاعل فعل
کے بعد آتا ہے اور فعل اس پر تام ہو جاتا ہے
ایسی طرح تنوین بھی اسم کے آخر میں آتی ہے
اور اسم اس پر تام ہوتا ہے اور مفعول جیسا
کہ اس کا حق ہے فعل کے فاعل کے ساتھ تام
ہونے کے بعد آتا ہے اسی طرح تیز بھی
اسم کے تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہونے کے
بعد آتی ہے پس یہ وجہ شبہ اسم معرف باللام
میں مفقود ہے اس لئے کہ الف ولام شروع میں آتا
ہے آخر میں نہیں اور فاعل فعل کے شروع میں
نہیں آیا کہ تاورد وہ مبتدا کہلاتا ہے فاعل نہیں
پس فعل کے اتمام کے لئے ضمیر کی ضرورت
ہوتی ہے اور فعل فاعل کے شروع میں آنے
سے تام نہیں ہوتا لہذا اسم پر بھی الف ولام کے
شروع میں آنے سے اگرچہ اسم تام ہو جاتا ہے
مگر اس سے ہمارا مقصود حاصل نہیں ہوتا اس
لئے کہ یہ نا صیب تیز نہیں اور نہ الف ولام
اسم کے آخر میں ہیں جس کے باعث فعل کے
ساتھ مشابہت پائی جائے لہذا تیز اس
کی وجہ سے منصوب نہیں ہوگی اور عندي
الراقد وغیرہ نہیں کہا جائیگا اور دہر کا مشہور

پیمانہ ہے اس میں چوبیس صاع آتے ہیں نیز راقود
بڑے شے کو بھی کہتے ہیں والٹر اعلم۔

۳۱۸ قولہ فی فرد الخ میں جب تمیز
جنس ہو تو اس کو مفردلاتے ہیں اگرچہ اسم تام
تشبیہ یا جمع ہو جنس سے مراد یہ ہے کہ اس کے
اجزاء متشابہ ہوں یعنی کل کے ساتھ اس کے
اجزاء اطلاق اسم میں شریک ہوں یعنی جیسے
اسم کا اطلاق کل کے اور کیا جائے ایسے ہی ہر
جز پر بھی اس کا اطلاق کیا جاسکے جیسے مثلاً
المار (پانی) کہ سمندر پر بھی اس کو بولا جاتا ہے
اور سمندر کے قطرے پر بھی اور نیز یہ کہ اس کا
اطلاق بغیر تار کے قلیل و کثیر پر ہوتا ہو پس
جب اس کا اطلاق کل اور جز دونوں پر ہو
سکے گا تو اب تمیز کو تشبیہ یا جمع لانے کی حاجت
نہیں ہوگی جیسے المار التمر الزیت۔ الضرب
کہ ان کا اطلاق جس طرح کل پر ہوتا ہے اسی
طرح جز پر بھی ہوتا ہے پس یہ اسم اگر تمیز
لانے جائیں گے تو ان کو مفرد ہی لایا جائیگا
خواہ ان کا اسم تام تشبیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو
بخلاف رجل اور فرس کے کہ ان کا اسم تام اگر
تشبیہ یا جمع ہو گا تو ان کو بھی تشبیہ یا جمع ہی
لایا جائیگا اس لئے کہ ان میں کل کا اطلاق جز
پر نہیں کیا جاسکتا پس مثلاً ہاتھ یا پاؤں کو
رجل یا فرس نہیں کہہ سکتے والٹر اعلم۔

۳۱۹ قولہ الا ان یقصد الخ اور
اگر انواع کا قصد کیا جائیگا یعنی جب جنس سے
ما فوق الواحد دو نوع یا چند نوع کا بیان کرنا
مقصود ہو تو اس صورت میں جب مراد اس کو
تشبیہ اور جمع لایا جائیگا اس لئے کہ جنس میں
طرح ایک پر دلالت کرے گی اسی طرح دو اور
دو سے زائد پر بھی دلالت کرے گی پس جب
خروا فرد انواع مختلفہ مقصود ہوگی تو علی الافراد
یہ جنس انواع پر دلالت نہیں کرے گی لہذا
تمیز کو لامحالہ تشبیہ یا جمع لانا پڑے گا پس
عندی رطلان زیتین یا عندی رطلان زیتون

عندی الراقود خلا فی فرد ای التمییز وان کان الاسم التام مثنی او
مجموعاً ان کان ای التمییز جنساً وهو ما یتشابه اجزاؤه ویقع مجموع
التاء علی القلیل والکثیر فلا حاجۃ الی تشبیہ وجمع کالماء والتمر
الزیت والضرب بخلاف رجل وفرس الا ان یقصد الا انواع ای ما
فوق النوع الواحد فی شمل المثنی ایضاً لانه لا یدل لفظ الجنس مفرداً علیہا
فلا بد من ان یتثنی او یجمع قبل وفی تخصیص قصد الانواع بالاستثناء
نظراً لانه کما جاز ان یقال طاب زید جلیستین للنوع جاز ان یقال طاب

لہذا عندی الراقود خلا نہیں کہا جاسکتا راقود بڑا مٹکا ہے ((تو مفرد لایا جائے گا)) یعنی
تمیز کو مفرد یہاں پر مثنی و مجموع و مضاف کے مقابل ہے اگرچہ اسم تام مثنی و مجموع ہو۔
یعنی تمیز اسم تام کہ ما ینقصب عنہ التمییز کہلاتا ہے کے مطابق نہ ہوگی بلکہ مفرد ہوگی خواہ اسم
تام یعنی ما ینقصب عنہ التمییز مثنی ہو یا مجموع ((اگرچہ ہو)) یعنی تمیز لا جنس ((ان کل جنس
شرط ہے اور اس کی جزا فی فرد ہے بصورت جواز تقدیم البحر علی الشرط یا قرینہ فی فرد
کی وجہ سے جزا فی فرد محذوف ہوگی بصورت عدم جواز تقدیم البحر اہما اور جنس وہ ہے
کہ جس کے اجزاء متکثرہ و متفرقہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور تاء سے مجرور قلیل
و کثیر پر واقع ہو لہذا تمیز کے تشبیہ و جمع کرنے کی حاجت نہیں جیسے پانی و قمر و زیت
و ضرب ہے رجل و فرس کے برعکس لعدم التشابه ولعدم الوقوع)) مگر یہ کہ انواع کا قصد
کیا جائے)) یعنی ما فوق النوع والواحد کا قصد کیا جائے (انواع سے جمع لغوی مراد ہے)
لہذا یہ مثنی کو بھی شامل ہوگا (تو عندی رطلان زیتین کے جواز پر اعتراض نہ ہوگا)
کیونکہ جب جنس سے ما فوق النوع الواحد مقصود ہو تو جنس کا لفظ مفرد ہونے کی
حالت میں (ایک نوع سے زائد) انواع پر دلالت نہ کرے گا لہذا اس کا قصد نوعین
کے وقت تشبیہ اور قصد انواع کثیرہ کے وقت جمع لانا ضروری ہے اعتراض کیا گیا
ہے کہ استثناء کے ساتھ قصد انواع کے خاص کرنے میں نظر ہے (یعنی اس تخصیص
میں اعتراض ہے کہ قصد انواع کے وقت جیسے تمیز کا مثنی و جمع لانا ضروری ہے یوں
ہی قصد مرات و اعداد کے وقت بھی لہذا کہنا تھا الا ان یقصد الا انواع او المرات) کیونکہ
جیسا کہ طاب زید جلیستین (بکسر جم) نوع کے لئے کہنا جائز ہے یوں ہی طاب زید جلیستین

کہا جائے گا صرف زیتون نہیں کہہ سکتے والٹر اعلم
۳۲۰ قولہ قیل و فی الخ یہ ایک
اعتراض ہے جو مصنف پر وارد ہوتا ہے اعتراض
یہ ہے کہ قصد انواع کے لئے یہی استثناء کی کیا
وجہ ہے جبکہ عدد کے لئے بھی تمیز تشبیہ یا
جمع لانی جاسکتی ہے پس جس طرح طاب زید
جلیستین کہنا جائز ہے زید و دو طرح جیسے
کے اعتبار سے اچھا ہے اسی طرح طاب

زید جلتین للحدود ویکن ان یجاب عنه بان المراد بالانواع حصص
الجنس سواء كانت بالخصوصیات الكلية او الشخصية ویجمع ای یورد
التمیز علی ما فوق الواحد جوازاً حیث لم یقصد الواحد فی غیره اے
فی غیر الجنس نحو عندی عدلٌ ثوبین او اثواباً ثمران کان ای المفرد
المقدار تاماً بنوین او بنون التثنیة او المعنی ان وجد التمییز متلباً
بنوین المفرد او بالنون التی للتثنیة فانه لتمام الاسم بهما افعی التمییز

(بفتح جیم) عدد کے لئے کہنا جائز ہے اور اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے
کہ (مصنف کے کلام میں) انواع سے مراد جنس کے حصص (وافراد) ہیں (یعنی انواع سے
وہ چیز مراد ہے جس کا جس احتمال رکھتی ہو تو جنس مرات و اعداد کا یوں ہی احتمال رکھتی ہے
جس طرح انواع کا تو یا تقدیر عبارت یوں ہوگی الا ان یقید حصص الانواع) خواہ وہ
حصص (وافراد) خصوصیات کلیہ کے ساتھ ہوں (جیسے نوع میں) یا خصوصیات شخصیہ
کے ساتھ (جیسے مد میں) (اور جمع لایا جائے گا) یعنی تمیز کو مافوق الواحد (کے طریقے پر لایا
جائے گا جوازی طور پر جہاں کہ واحد کا قصد نہ کیا جائے) اس کے غیر میں) یعنی جنس کے غیر
میں (یعنی اگر تمیز جنس نہ ہو تو اسے تثنیہ و جمع لایا جاسکتا ہے) جیسے عندی عدل ثوبین یا عندی
عدل اثواباً پھر اگر ہو) یعنی مفرد مقدار تمام (تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ) (بر تقدیر آنکہ
کان ناقص ہو و ہوللتبادر فلذا قد سالت) یا معنی یہ ہے کہ اگر تمیز مفرد کی تنوین یا اس
نون کے ساتھ تثنیہ کے لئے ہے متکسب یا ئی جائے (بر تقدیر آنکہ کان تامہ ہو اور ضمیر تمیزی
طرف مایع ہو اور بر تقدیر اول مفرد مقدار کی طرف اور تاماً خبر ہوگی اور جارد مجرور کا متعلق
اور بر تقدیر ثانی جارد مجرور متکسب کے متعلق ہوں گے جو کان کی ضمیر سے حال ہوگا جو تمیزی
طرف راجع ہے) کیونکہ جب اسم تنوین اور نون تثنیہ سے (علی سبیل منع الخلو و الجمع) تام ہو

تو تثنیہ لائیں گے اور جمع مد نظر ہوگی تو ثواب
جمع لائی جائے گی اب رہی یہ بات کہ شارح
نے دمج کی تفسیر ای یورد و تمیز الخ سے
کیوں کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ
یجمع سے صرف یہ سمجھاتا ہے کہ اگر تمیز غیر
جنس سے ہوگی تو جمع لائی جائے گی و احد
یا تثنیہ نہیں لائی جاسکتی ہیں پس شارح
نے ظاہر کر دیا کہ جمع سے مراد مافوق الواحد
ہے اور یہ تثنیہ کو بھی شامل ہے پس تمیز
غیر جنس تثنیہ بھی لائی جائے گی جب کہ اسم
ہم تثنیہ کا مقتضی ہوگا پھر جب حیث الخ کا
امضافہ اور کیا گیا تو اس میں واحد بھی داخل
ہوگی پس اگر اسم تام کا مقتضی ہوگا تو تمیز غیر
جنس بھی مفرد لائی جائے گی حاصل یہ ہوا کہ
جمع کے اس جگہ اصطلاحی معنی ملا نہیں بلکہ
لغوی ہیں یعنی تعدد جیسا کہ اسم تام مقتضی ہوگا
وہی ہی تمیز لے آئیں گے واللہ اعلم۔

لله قول شمس ان کان الخ پھر اگر
مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ
تام ہو تو اس وقت اس کی اضافت تمیز کی
طرف جائز ہے اب اس جگہ ایک اعتراض
وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ان کان
کی ضمیر تمیز کی طرف راجع ہے پس عبارت
اس طرح ہوئی ان التمییز ان کان تاماً بنوین
او بنون التثنیة جائزت اضافه المفرد المقدار
الیہ یعنی اگر تمیز تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ
تام ہو تو اس کی طرف مفرد مقدار کی اضافت
جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ
مثلاً در ہما تنوین کے ساتھ تام ہے لیکن
عشرون کی اضافت اس کی طرف جائز نہیں
پس اس کے شارح نے دو جواب دئے ایک
انکاری اور ایک تسلیی۔ انکاری تو یہ ہے کہ
کان کی ضمیر کا مرجع تمیز نہیں بلکہ مفرد مقداریہ
لہذا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا اس لئے کہ
عشرون مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے

نہیں واللہ اعلم۔
لله قول مدیح الخ اور اگر تمیز غیر
جنس سے ہوگی تو اس کو اسم تام کے مطابق
تثنیہ یا جمع لایا جائیگا اس لئے کہ جب اس
کا اطلاق قلیل و کثیر پر درست نہیں ہوگا تو لا
محالہ تثنیہ اور جمع جیسا مقصود ہوگا اس کے
مطابق تمیز کو لا ئینگے جیسے عندی عدل ثوبین
اور ثواباً اس میں لفظ ثوب جنس نہیں ہے کہ
اس کے اجزاء متشابه ہوں پس افراد کا قصد
ہوگا تو مفرد لایا جائے گا و تثنیہ مقصود ہوگا

زید جلتین کہنا بھی ممنوع نہیں بلکہ اچھا ہے
اور دئے دو مرتبہ بیٹھنے کے جواب یہ ہے
کہ مصنف کی مراد انواع جنس کے حصص میں
خواہ وہ حصص خصوصیات کلیہ سے ہوں جیسے
انواع یا خصوصیات شخصیہ جیسے عدد یعنی
جنس میں جس طرح انواع کا احتمال ہے اسی
طرح مرات اور عدد کا بھی احتمال ہوتا ہے
پس مصنف نے صرف انواع کا استثنا کر کے
جنس کے تمام حصص مراد لئے ہیں خواہ وہ
انواع ہوں یا عدد لہذا اب کوئی اعتراض

ساتھ تمام نہیں پس شامح نے ان کان کے بعد
ای المفرد المقدر تاماً کا اضافہ کر دیا اور دوسرا
جواب تسلیمی اور المعنیٰ ان وجدانم سے یہ دیا کہ ہم کو
تسلیم ہے کہ کان کی ضمیر تمیز کی طرف راجع ہے
مگر اس کے معنی وہ نہیں جو معترض نے بیان
کئے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اگر تمیز اس حال میں پائی
جائے کہ وہ تنوین یا نون (جو کہ تثنیہ کے لئے
ہوتا ہے) مفرد مقدار کے ساتھ متلبس ہو تو اس
کی اضافت جائز ہوگی پس تمیز سے مراد تنوین
تمیز نہیں بلکہ مفرد مقدار کی تنوین مراد ہے۔
علیٰ ہذا القیاس نون تثنیہ اور ین معنی مراد لینے
کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اسم مفرد ان دونوں
میں سے کسی ایک کے ساتھ (نون جمع وغیرہ سے
قطع نظر کر کے) تام نہیں ہوگا اس وقت تک
تمیز کا مقتضی نہیں ہوگا کیونکہ مشابہت
مذکورہ نہیں پائی جائے گی پس جب اسم ان
دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تام ہو جائے
گا تمیز کو مقتضی ہو جائیگا پھر ان وجد التمیز سے
اس طرف بھی شارح نے اشارہ کیا ہے کہ
ان کان میں کان تامہ ہے بمعنی وجد لهذا
بر کی جستجو نہ کی جائیگی البتہ پہلے جواب کی
یورت میں کان ناقصہ ہوگا اور اس کی خبر
تا محذوف ہوگی کما اشار الیہ الشارح بقولہ
تأ واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۱۱۱ قولہ اضافۃً بیانیتہ ائم یعنی مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف بیان نہ ہو گی نہ کہ غیر اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مضاف الیہ جنس مضاف سے ہوتا ہے تو اس کی اضافت بیان نہ ہوتی ہے جیسے خاتمِ فِطْنَتِہ اِی خاتمِ من فِطْنَتِہ کہ اس میں فِطْنَتِہ سے خاتم کا بیان مقصود ہے اور کچھ نہیں دکا سیجی انشاء اللہ فی بحث المجورات (۱) اور ظاہر ہے کہ اس جگہ تمیز اپنے تمیز کو بیان کرتی ہے پس اسم کی اضافت جب تمیز کی طرف ہوگی تو بیان نہ ہی ہوگی اور اس اضافت کا طریقہ

یہ ہو گا کہ تنوں اور نون تنیہ کو ساقط کر دیا جائے گا پھر یہ کہ اس کا جواز بکثرت شائع و طالع ہے لہذا اس پر ندرت کا اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا اور شائع و ذائع اس طرح ہے کہ اس سے حصول غرض یعنی رفع ابہام کے ساتھ ساتھ تحقیق بھی حاصل ہوتی ہے پس طلُ زینا اور منوان سمناء کو طلُ زینب اور سنا سمن کہیں گے واللہ اعلم۔

جَازَتْ الإِضَافَةُ أَيِ إِضَافَةِ الْمَقْدَارِ إِلَى التَّمْيِيزِ إِضَافَةٌ بَيَانِيَّةٌ
بِاسْقَاطِ التَّنْوِينِ وَنُونِ التَّنْثِيَةِ جَوَازًا أَشَاءَ كَثِيرُ الْحَصُولِ الْفَرْضُ وَ
هُوَ رَفْعُ الْإِبْرَاهِيمِ بِذَلِكَ مَعَ التَّحْقِيفِ مَخْرُطٌ زَيْتٌ وَمُنَوَّاسَمِينَ وَ
إِلَّا أَيِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِتَّنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّنْثِيَةِ بَانَ يَكُونُ بِنُونِ الْجَمْعِ أَوْ
الْإِضَافَةِ فَلَا تَجُوزُ الْإِضَافَةُ إِلَّا بِقِلَّةٍ فِي نُونِ الْجَمْعِ مَخْرُودٌ وَدَرَاهِمُ
أَمَا فِي الْإِضَافَةِ فَلَمْ يَلْزَمْ إِضَافَةُ الْمُصَافِ وَأَمَا فِي نُونِ الْجَمْعِ فَلَا تَجُوزُ
إِنْ يُصَافُ إِلَى غَيْرِ الْمَسْبُورِ نَحْوَ عَشْرِيكَ وَعَشْرِي رَمَضَانَ بِالْإِتْفَاقِ لِكَثْرَةِ

گیا تو تمیز کا مقتضی ہوا (غرضیکہ اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تشبیہ کے ساتھ تمام ہوا) (توضیحات جانئے ہے) یعنی مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف اضافت بیانہ کے طور پر تنوین اور نون تشبیہ کو ساقط کر کے جواز عام و کثیر کے ساتھ حصول غرض کی وجہ سے (جانئے ہے) اور غرض اس (اضافت) کے ذریعے (مفرد مقدار سے) ابہام کا رفع کرنا ہے تخفیف کے (اضافہ کے) ہمراہ جیسے رطل زیت و منوا کمین (دونوں اضافت کے ساتھ) (اور نہ) یعنی اگر (مفرد مقدار تنوین یا تشبیہ کے نون کے ساتھ نہ ہو اس طرح کہ (مفرد مقدار) جمع کے نون یا اضافت کے ساتھ (تمام) ہو) (تو نہیں) جانئے اضافت مگر نون جمع میں قلت کے ساتھ جانئے ہے) جیسے عشر و درہم لیکن مفرد مقدار کے (اضافت) کے ساتھ تمام ہونے کی صورت میں اس کی اضافت تمیز کی طرف اس لئے ناجائز ہے تاکہ مضاف کی اضافت لازم نہ آئے (کہ مضاف کی اضافت یا تو مضاف الیہ کے بقاء کے ساتھ ہوگی اور یہ محال ہے کہ حرف عطف کے بغیر کوئی اکم دو اکوں کی طرف مضاف نہیں ہوتا یا حذف مضاف الیہ کے ساتھ تو معنی فاسد ہو جائے گا) لیکن (مفرد مقدار کے) نون جمع (کے ساتھ تمام ہونے کی صورت) میں (مفرد کی تمیز کی طرف اضافت) پس اس لئے (جانئے ہے) کہ اس کی اضافت غیر تمیز کی طرف غیر تمیز کی کثرت حاجت کی وجہ سے بالاتفاق جائز ہے جیسے عشر یک و عشری رمضان (کیونکہ غیر تمیز یا تو صاحب عشرین ہے حقیقہ جیسے مثال اول

۳۳ قول والا الخ اور اگر مفرد
مقدار تثنیہ یا نون تثنیہ کے ساتھ تاکم نہ ہو
بلکہ نون جمع یا اضافہ کے ساتھ تاکم ہو تو مفرد
مقدار کی اضافت تمیز کی طرف جائز نہیں الا شافعا
اور وہ بھی حرف نون جمع میں جیسے عشر و رسم
اب رہی یہ بات کہ یہ اضافت جائز کیوں نہیں
تو اس کے متعلق شارح اثنائی الاضافۃ الخ
سے یہ کہتے ہیں کہ اضافت میں تو اضافت

الحاجة اليه فلو اضيف الى الميزان لزم الالتباس في بعض الصور لانه لا يعلم مثلا عند اضافة عشرين الى رمضان انه اراد عشرين رمضان او اراد اليوم العشرين من رمضان فلا يضاف في غير صورة الالتباس ايضا الاعلى قلة ليكون الباب اقرب الى الاطراد وعن غير مقدار عطف على قوله عن مفرد مقدار اي الاول كما يرفع الابهام عن مفرد مقدار كك يرفع من مفرد غير مقدار ما ليس بعدد ولا وزن ولا ذراع ولا كيل ولا مقياس مثل خاتم حديد فان الخاتم مبهم باعتبار الجنس

میں یا حکما جیسے (خلل ثانی میں) پس اگر عشرين کو ميز کی طرف مضاف کیا جائے (جیسے غیر ميز کی طرف مضاف کیا جائے) تو بعض صورتوں میں (غیر ميز کا ميز کے ساتھ) التباس لازم آئے گا کیونکہ مثلا عشرين کی رمضان کی طرف اضافة کے وقت معلوم نہ ہوگا کہ متکلم نے (بیس سال میں سے) بیس رمضان (یا اضافة کا ارادہ کیا ہے) کہ ہر ایک سال سے ایک رمضان (یا ایک رمضان سے بیس دن کا) تو اس صورت میں رمضان تمیز نہ ہوگی بلکہ عشرين کی غیر ميز کی طرف اضافة ہوگی جیسے عشروک اور ستوک) پس التباس کی صورت کے علاوہ میں بھی ماتم بنون الجمع کو نیز کی طرف مضاف نہیں کیا جائے گا مگر قلت کے طور پر تاکہ ماتم بنون الجمع کا باب (عدم اضافة میں) مماثلت اور موافقت کے زیادہ قریب ہو (میں تین صورتوں میں ایک تو یہ کہ ماتم بنون الجمع کی غیر ميز کی طرف اضافة جو بالاتفاق جائز ہے جیسے عشربک و ستیک دوسری ميز کی طرف مگر التباس لازم نہ آتا ہو جو قلیل طور پر جائز ہے جیسے عشرو درہم اور تیسری ایسی چیز کی طرف اضافة جو ميز و غیر ميز دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے جیسے عشرون رمضان یہ التباس کی وجہ سے ناجائز ہے) (اور غیر مقدار سے) یہ صنف کے قول عن مفرد مقدار پر عطف ہے یعنی اول (جو ذات مذکورہ سے ابہام کو رفع کرتا ہے) جس طرح (غالبا) مفرد مقدار سے ابہام کو رفع کرتا ہے اسی طرح مفرد غیر مقدار یعنی جو عدد نہیں اور نہ وزن اور نہ ذراع اور نہ کیل اور نہ مقياس اس سے ابہام کو رفع کرتا ہے (جیسے خاتم حديد) پس خاتم جنس کے اعتبار سے

تو بعض صورتوں میں ميز اور غیر ميز میں التباس لازم آجائے گا اس لئے کہ مثلا جب عشرون کی اضافة رمضان کی طرف کی گئی تو اس سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ بیس از سے رمضان یعنی بیس دن رمضان کے مراد ہیں جو تمیز کی غرض ہوتی ہے یا رمضان کا بیسواں دن جو غیر تمیز کی غرض ہے پس دونوں میں التباس پیدا ہو گیا کہ مراد کیا ہے پس جبکہ اس کی اضافة بوقت التباس جائز نہیں ہے تو اس کو غیر التباس کے وقت بھی مضاف نہیں کریں گے مگر قلت کے ساتھ) تاکہ باب ماتم بنون الجمع عدم اضافة کے بارے میں اطراد کے قریب ہو جائے اس جگہ اقرب اس لئے کہا کہ علی وجہ اسکی اطراد الباب بند پایا جاتا کہ نہ اس میں شذوذ کے درجہ میں اضافة پائی جاتی ہے اس لئے اقرب الی الاطراد ہوگا لا طراد الباب نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

۳۲۵ قولہ عن غیر مقدار الخ اس کا عطف مفرد مقدار پر ہے جو کہ فالاول مبتدا کی بتقدیر پر رفع خبر ہے پس تمیز کی قسم اول یعنی جو ذات مذکورہ سے ابہام دور کرے جس طرح مفرد مقدار سے رفع ابہام کرتی ہے غالباً اسی طرح غیر مفرد مقدار سے بھی ابہام دور کرتی ہے غیر مفرد مقدار کا مطلب یہ ہے کہ عدد۔ وزن ذراع۔ کیل اور مقياس نہ ہو جیسے خاتم حديد کہ خاتم جنس کے اعتبار سے مبہم ہے اور غیر مفرد مقدار سے ہے اس لئے کہ مذکورہ بالا اشیاء عدد و غیرہ کسی میں سے نہیں اور غیر مفرد مقدار تنوین کے ساتھ تام ہے پس تمیز کی ضرورت پیش آئے گی لہذا حديد کو بنا بر تمیز منصوب کر دیا گیا واللہ اعلم۔

نہ اسد معنی لازم آتا ہے اور بنون جمع میں اضافة اس لئے جائز نہیں کہ اس کی اضافة غیر تمیز کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے عشربک اور عشري رمضان اور یہ اضافة بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس کی احتیاج بکثرت ہوتی ہے پس اگر عشرون کو ميز کی طرف مضاف کریں گے

اس لئے جائز نہیں کہ مضاف کا دوبارہ مضاف ہو لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ اسم واحد کی اضافة دو اسموں کی طرف محال ہے جب تک کہ درمیان میں دار عطف نہ لایا جائے اور اگر پہلے مضاف ابہام کو حذف کر کے اضافة کرتے ہیں تو

۳۲۶ قولہ والخفض الخ یعنی غیر مفرد مقدار میں تمیز کا استعمال اکثر خفض کے ساتھ ہوتا ہے یعنی غیر مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف کی جائے اسلئے کہ اس سے حصول غرض کے ساتھ ساتھ تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے نیز یہ کہ غیر مفرد مقدار طلب تمیز میں کم مرتبہ میں ہوتی ہے اس لئے کہ مبہات میں اصل مقادیر میں یعنی عدد وزن وغیرہ اور غیر مفرد مقدار اس میں سے نہیں لہذا یہ مفرد مقدار کے ہم مرتبہ نہیں ہوگی پس اس کو اکثر اضافت کے ساتھ پڑھیں گے واللہ اعلم۔

۳۲۷ قولہ والثانی الخ اور قسم ثانی تمیز کی یعنی جس میں تمیز ذات مقدرة سے ابہام کو دور کرے وہ ہے کہ جوابہام کو اس نسبت سے دور کرتی ہے جو جملہ یا شہ جملہ میں ہے اس جگہ بھی یہ فہم کا اضافہ اسی غرض سے ہے کہ عن نسبت الخ یہ فہم مقدرة کے متعلق ہو کہ القسم ثانی مبتدا کی خبر ہے پھر شامح نے کان لظاہرہا بقول الخ سے ایک سوال مقدرة کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ ما قبل میں تو مصنف نے یہ بیان کیا تھا کہ قسم ثانی وہ ہے جس میں تمیز ذات مقدرة سے ابہام کو دور کرے اور یہاں کہتے ہیں کہ نسبت سے دور کرے ذات کا ذکر نہیں اور نسبت ایک امر معنوی ہے لہذا یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ نسبت اور ذات دونوں ایک ہیں لہذا مصنف کو مناسب یہ تھا اور یہ ظاہر بھی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قسم ثانی وہ ہے جو ایسی ذات مقدرة سے ابہام دور کرے جو نسبت حاصلہ فی الجملہ میں پائی جائے پس اس صورت میں مصنف کے کلام میں کوئی تعارض نہ ہوتا لیکن لاکن الخ سے

تأمل بالتون فاقصى تمیزاً والخفض الخ یعنی اے خفض التميز باضافة غیر المقدار الیہ اکثر استعمال حصول الغرض مع الخفة ولقصور غیر المقدار عن طلب التميز لان الاصل فی المبہات المقادیر وغیرہ الیس بجدہ المثابة والثانی ای القسم الثانی من التميز وهو ما يرفع الابهام عن ذات مقدرة يرفعه عن نسبة كان الظاهر ان يقول عن ذات مقدرة في نسبة

مبہم اور تون کے ساتھ تام ہے لہذا تمیز کا متقاضی ہوا اور صبر یعنی تمیز کی جریمہ کی طرف غیر مقدار کی اضافت کی وجہ سے اکثر ہے استعمال کی رو سے کیونکہ ایک تو سخت کے باوجود (رفع ابہام کی) غرض حاصل ہوتی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ غیر مقدار تمیز کی طلب سے قاصر ہے کیونکہ مبہات میں اصل مقادیر ہیں (کیونکہ مقادیر کو وضعی طور پر مبہم کی معرفت کے لئے معیار بنایا گیا ہے) لہذا مبہات کے بعد تمیز کی نصب اس کے تمیز ہونے کی بنا پر ہے اور نصب تمیز میں اصل ہے اس کے برعکس جو علامات اضافت ہے (اور غیر مقادیر کا یہ مرتبہ نہیں ہے) (کیونکہ غیر مقادیر کو معیار نہیں بنایا گیا) (اور ثانی) یعنی قسم ثانی تمیز سے جو ذات مقدرة سے ابہام کو رفع کرتا ہے وہ ابہام کو (نسبت سے) رفع کرتا ہے ظاہر یہ تھا کہ مصنف یوں کہتے "عن ذات مقدرة في نسبة في جملة" (کیونکہ جوابہام تمیز کا متقاضی ہے وہ

شامح نے جواب یہ دیا کہ چونکہ طرف نسبت میں ابہام کا ہونا ابہام فی النسبة کو مستلزم ہے اور نسبت سے ابہام کا دور کرنا طرف نسبت سے ابہام کے دور کرنے کو لازم ہے لہذا مصنف نے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے عن نسبت الخ کہہ دیا نیز اس سے اس امر پر بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قسم اول اور ثانی کے درمیان تقابل صورت نسبت کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار ذکر ذات اور عدم ذکر ذات کے اس لئے کہ کبھی قسم اول میں بھی ذات کو ذکر نہیں کرتے جیسے نعم رجلا کہ اس جگہ رجل ذات مقدرة یعنی نعم کی ضمیر سے ابہام کو دور کرتا ہے حالانکہ یہ قسم اول سے ہے پس معلوم ہوا کہ تمیز کی دونوں قسموں میں ذات مذکورہ اور مقدرة کا فرق نہیں بلکہ فرق یہ ہے کہ اول میں رفع ابہام غیر نسبت سے ہوتا ہے اور ثانی میں نسبت سے حاصل یہ ہوا

کہ ابہام تو ذات مقدرة میں ہی ہوگا مگر اس ذات مقدرة کا تحقق بغیر نسبت کے نہیں ہوگا بلکہ نسبت کے ذریعہ ذات مقدرة حاصل ہوگی پس ذات مقدرة طرف نسبت میں واقع ہوگی مثلاً طاب زید نفسا کے معنی میں طاب شیء منسوب الی زید نفسا کے ہے پس اس میں ذات مقدرة یعنی شے اس وقت حاصل ہوئی جبکہ جملہ میں نسبت پائی گئی پس ذات مقدرة یعنی شے نسبت کی طرف میں واقع ہوئی اور ذات مقدرة مبہم ہے اس لئے کہ شے کا مصداق تعین نہیں پس جب نفسا نے شے سے ابہام کو دور کر دیا تو نسبت سے بھی ابہام رفع ہو گیا ایسے ہی چونکہ ذات مقدرة طرف نسبت میں واقع ہے اور اس کی وجہ سے نسبت میں بھی ابہام ہے لہذا یہ دونوں یعنی طرف نسبت اور نسبت آپس میں ملتی

فی جملة لکن لما کان الابهام فی طرف النسبة یستلزم الابهام فیها ورفعہ
عنها یستلزم الرفع عنه قال عن نسبة مقصر علیها تنبہا علی ان مقابلة
ما فی هذا القسم للمفرد المذكور فی القسم الاول انما هی بجمود النسبة
لا غیر فی جملة ای نسبة کائنة فی الجملة أو ما ضاہا یا ای ما ضاہا
عطف علی جملة وهو اسم الفاعل ونحو الحوض ممتلئ ماء أو اسم للمفعول نحو
الارض مغمورة حیوانا والصفة للشيخة فخرید حسن وجهها أو اسم
التفضیل فخرید افضل یا بالوالد مصدر نحو اعجبنی طیبہ ایا وکذا کل ما فیہ
معنی بالفعل نحو حبک زید رجلاً مثل کلاب زید نفساً مثل الجملة

ذات مقدرة ہی میں ہے نہ کہ نسبت میں اور اس لئے کہ تمیز کا قسم ذات مقدرة ہے نہ کہ نسبت
لیکن جبکہ الابهام جو نسبت کی طرف (یعنی ذات مقدرة) میں ہے کہ ابہام فی النسبة کو مستلزم
تھا اور جبکہ رفع ابہام از نسبت
تو مصنف نے نسبت پر التفاد کرتے ہوئے "عن نسبتہ" کہا تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ
جو اس قسم ثانی میں ہے اس کا قسم اول میں مذکور مفرد سے مقابلہ محض نسبت میں ہی ہے اور
نہیں وہ جملہ میں یعنی کسی نسبت سے (ابہام کو رفع کرتا ہے) جو جملہ میں ہے (لایا اس میں
جو جملہ کے مشابہ ہو گئی جو جملہ کے مشابہ ہو یہ (مصنف کے قول) جملة پر عطف ہے
اور مشابہ جملہ اسم فاعل (اس کے فاعل کے ساتھ) جیسے الحوض ممتلئ ماء یا اسم مفعول (اس
کے نائب فاعل کے ساتھ) جیسے مغمورة حیوانا یا صفت مشید مع فاعلہ) جیسے زید حسن
وجہا یا اسم تفضیل (مع فاعلہ) جیسے زید افضل ایا یا مصدر (مع فاعلہ) جیسے اعجبنی طیبہ ایا
اور ای طرح ہر وہ اسم یا حرف (مشابہ جملہ) ہے جس میں فعل کا معنی ہے جیسے حبک زید

و مزدوم ہوئے ہیں جب ایک دوسرے سے
ابہام کو دور کر دیا گیا تو لا محلا وہ دونوں سے
ابہام دور ہو جائیگا پس جب نسبت سے ابہام
دور کر دیں گے تو چونکہ ذات مقدرة اس نسبت
کے باعث پیدا ہوئی ہے اور مبہم ہے اس
لئے نسبت سے رفع ابہام کے ساتھ نسبت
مقدرة یعنی طرف نسبت سے بھی ابہام دور
ہو جائے گا اسی فرض سے مصنف نے من
نسبتہ کہا من ذات مقدرة فی نسبتہ فی جملة
نہیں کہ ابھر شائع نے فی جملة کے بعد ای
نسبتہ کا نتیجہ کہ اس امر کی طرف اشارہ

کی ہے کہ فی جملة ظرف مستقر کا نتیجہ مقدرة
تھے متعلق ہے اور عبارت اس طرح ہے
ای فی نسبتہ کا نتیجہ فی جملة واللہ اعلم۔
۲۸ قولہ او ما ضاہا یا ای ما ضاہا اس کا
عطف جملہ پر ہے اور مراد اس سے شبہ جملہ
ہے یعنی اسم فاعل یا اسم مفعول صنف مشبہ
و غیر مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ نسبت جملہ میں
نہ پائی جائے تو شبہ جملہ میں حاصل ہونی
چاہئے مثلاً اسم فاعل میں جیسے الحوض ممتلئ
ما ذکر اس میں ابہام اس نسبت اختلاف میں ہے
جو کہ مرتبی کی منبر مستتر سے جو اس آرہی ہے

جو حوض کی طرف راجع ہے پس ماؤ نے اس
ابہام کو دور کر دیا کہ یا مثلاً یا ای سے ہے
یا اسم مفعول میں وہ نسبت پائی جائے جیسے
الارض مغمورة حیوانا (زمین جلدی ہے اندر
چشموں کے) کہ اس میں مغمورة کی منبر مستتر سے
جو نسبت فخر مجہ میں آرہی ہے اس سے حیوانا
نے رفع ابہام کر دیا یا وہ نسبت صنف مشبہ
میں حاصل ہو جیسے زید حسن وجہاً (زید اچھا
ہے ازردے چہرے کے) کہ اس میں حسن
سے جو نسبت حسن معلوم ہو رہی ہے اس
سے وجہاً تمیز ہے یا اسم تفضیل میں وہ
نسبت حاصل ہو جیسے زید افضل ایا یا اسم
میں حاصل ہو جیسے اعجبنی طیبہ ایا کہ اس میں طیب
کی نسبت جو منبر بارز یعنی فاعل مصدر کی
طرف ہو رہی ہے مبہم ہے کہ یہ طیب کس
اعتبار سے ہے پس ابانے اس ابہام کو دور
کر دیا اور ایسے ہی جس میں بھی فعل کے معنی
پائے جائیں گے اس کی ذات مقدرة سے
تمیز ابہام کو دور کر سکتی ہے جیسے حبک
زید رجلاً کہ اس جگہ حبک زید کیفیک زید
کے معنی میں ہے پس اس میں جو نسبت ہے
اس سے رجلاً نے ابہام کو دور کر دیا اور
اعلم ۱۲۔

۳۶۹ قولہ نحو طاب الخیر وہ مثلاً
ہے کہ جس میں ذات مقدرة جملہ میں پائی جاتی ہے
اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ
مثال مثلاً کے مطابق نہیں اس لئے کہ
مثلاً ذات مقدرة ہے اور اس مثال میں
مقدرة نہیں بلکہ محذوف ہے پس اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ جملہ طاب شئی منسوب الی زید نفساً
کی قوت میں ہے اور ظاہر ہے کہ شئی ذات
مقدرة ہے مگر وہ نہیں پس اس میں شئی تمیز
اور مبہم ہے اس کے ابہام کو نفساً نے دور کر
دیا اور دوسری مثال زید طیب ایا شبہ جملہ
کی ہے اس میں ذات مقدرة نسبت مشبہ جملہ

سے تمیز ابہام دہ کر رہی ہے اس لئے کہ طیب
صفت مشبہ ہے اور اس کا فاعل اس میں ستر
ہے پس یہ چونکہ حقیقتہً جملہ نہیں اس لئے مشبہ
جملہ اس کو کہتے ہیں پھر اس مشبہ میں جو نسبت ہے
جو ضمیر ستر سے سمجھ میں آتی ہے وہ مبہم ہے اور
اس کے ابہام کو ابہام تمیز دہ کر رہی ہے اب یہی
یہ بات کہ شائع کے قول و التیمیز فیہ خاص الخ
کا کیا مطلب ہے تو یہ اس امر کا جواب ہے
کہ مصنف نے کثرت سے امثلہ کیوں بیان
کیں صرف ایک پر اکتفا کر لیتے۔ جواب یہ ہے
کہ یہاں تکثیر امثلہ سے مصنف اس امر کی طرف
اشارہ کرتے ہیں کہ تمیز کی منتصب عنہ یعنی
جس کے باعث تمیز منصوب ہوتی ہے) کے
اعتبار سے پانچ قسمیں ہیں اس لئے کہ تمیز یا تو
منتصب عنہ پر بالذات محمول ہوگی یا نہیں اگر
محمول ہوگی تو غیر کا احتمال رکھے گی یا نہیں
پس اگر احتمال غیر کا نہ رکھے اور تمیز منتصب
عنہ پر بالذات محمول ہو تو اس کی مثال طاب
زید نقشا ہے اس لئے کہ نفس زید کے ساتھ نقشا
ہے غیر کا احتمال نہیں رکھتا اور اس پر نفس بالذات
محمول ہے اور اگر غیر کا احتمال رکھے اور بالذات
محمول ہو تو اس کی مثال زید طیب بابا ہے
اس لئے کہ ابابا زید پر بالذات محمول ہے اور
غیر زید کا بھی احتمال رکھتا ہے اسی کو شائع
و التیمیز فیہ يصلح ان یكون الخ سے تعبیر کریں
یعنی اس مثال میں تمیز میں اس بات کی صلاحیت
ہے کہ منتصب عنہ پر بھی محمول ہو اور اس کے
متعلق یعنی غیر زید پر بھی محمول ہونے کی اس میں
صلاحیت موجود ہو غیر زید کا مطلب یہ ہے
کہ مثلاً زید کا باپ مراد ہو زید نہ ہو۔ اب اگر
کوئی کہے کہ جس طرح ابابا میں اس امر کی صلاحیت
ہے کہ وہ نسبت مشبہ جملہ سے تمیز واقع ہو اس کی
طرح نقشا بھی نسبت مشبہ جملہ سے تمیز واقع
ہو سکتا ہے علی هذا القیاس اس کا عکس بھی ہو
سکتا ہے پس مصنف نے نقشا کو جملہ اور ابابا کو

والتیمیز فیہ خاص بالمنتصب عنہ وزید طیب بابا مثال لما یشبه
الجملة والتیمیز فیہ يصلح ان یكون لما انتصب عنہ ولمتعلقہ و حیث
لا فرق فی التیمیز بین الجملة وما ضاهاها فهذا ان للمثالین فی قوة اربعة
امثلة فكانه قال طاب زید وزید طیب نقشا و ابابا نقول و ابوة و دارا
وعلمنا عطف علی نقشا و ابابا بحسب المعنی فہو ناظر الی کل من المثالین
المذکورین غیر مختص بالآخر فہو بحسب الحقیقة اور دلک من التیمیز

رجلا (جیسے طاب زید نقشا) یہ جملہ کی مثال ہے اور اس میں تمیز منتصب عنہ (یعنی زید) کے ساتھ
خاص ہے اور زید طیب ابابا یہ اس کی مثال ہے جو جملہ سے مشابہ ہے اور اس میں (ابا) تمیز
اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ ما انتصب عنہ (یعنی زید) کیلئے ہو اور (اس بات کی بھی کہ)
ما انتصب عنہ (یعنی زید کے) متعلق (بفتح لام یعنی باپ) کے لئے ہو اور کیونکہ جملہ اور مشابہ
جملہ کے درمیان تمیز میں کوئی فرق نہیں لہذا یہ دونوں مثالیں طاب زید نقشا اور زید
طیب بابا چار مثالوں کی قوت میں ہیں گو یہ مصنف نے کہا طاب زید وزید طیب نقشا و ابابا
و تقدیرہ طاب زید نقشا و طاب زید ابابا و زید طیب نقشا و زید طیب ابابا لہذا نہ سمجھا جائے کہ
جملہ کی صورت میں تمیز ما انتصب عنہ کیلئے ہوتی ہے اور مشبہ جملہ کی صورت میں ما انتصب عنہ
اور اس کے متعلق کے لئے ہوتی ہے پس مصنف کا قول (ابوة و دارا و علما) نقشا پر اور
معنی کے اعتبار سے ابابا پر عطف ہے تو مصنف کا یہ قول دونوں مذکورہ مثالوں میں سے
ہر ایک کی طرف ناظر ہے مثال اخیر کے ساتھ خاص نہیں پس مصنف نے حقیقت کے اعتبار

مشبہ جملہ میں کیوں ذکر کیا۔ اس کا جواب
شائع و حیث لا فرق فی التیمیز الخ سے یہ ہے
یہ ہے میں کہ چونکہ جملہ اور مشبہ جملہ کی تمیز کے درمیان
کوئی فرق نہیں لہذا یہ دونوں مثالیں چار مثالوں
کی قوت میں ہیں پس گو یہ کہ مصنف نے ان دونوں
امثلہ پر اکتفا کر کے حقیقتہً میں چار مثالیں
ہیں طور ذکر کی ہیں طاب زید نقشا۔ طاب
زید ابابا۔ زید طیب نقشا۔ زید طیب ابابا۔
لہذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا و قد علم
۳۳۰ قولہ نقولہ ابوة الخ یہ ایک
سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس
طرح ابوة علما اعداد میں نسبت مشبہ جملہ
سے تمیز واقع ہونے کی صلاحیت ہے اس کی
طرح نسبت جملہ سے کیا میں تمیز بننے کی

صلاحیت موجود ہے پس کیا وجہ ہے کہ مصنف
نے ان کو مشبہ جملہ کے بعد کیوں ذکر کیا علما ان
عطف ابابا پر اس لئے کیا؟ جواب یہ ہے کہ ان
کا عطف معنی کے اعتبار سے نقشا اور ابابا دونوں
پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح نقشا و ابابا میں
دونوں احتمالات یکے تھے اسی طرح ان میں بھی
نسبت جملہ اور مشبہ جملہ سے تمیز واقع ہونے کے
احتمالات نکلیں گے پس اس معنی عطف کی بنا پر
قول مصنف نقشا اور ابابا والی دونوں مثالوں
کی طرف مائل ہے صرف اخیر یعنی ابابا کے ساتھ
مختص نہیں پس مصنف حقیقتہً کے اعتبار سے
ہر ایک مثال کے لئے پانچ امثلہ لائے ہیں
یعنی پانچ امثلہ اس امر کی ہیں کہ نسبت جملہ سے
تمیز واقع ہو اور پانچ اس بات کی کہ نسبت

الواقع فی الجملة اوماضاهما خمسة امثلة فالنفس عين غير اضافی
بالمنتصب عنه والدار عين غير اضافی وهو متعلق بالمنتصب عنه و
الاب عين اضافی محتمل لهما والا بوجه عرض اضافی والعلم عرض غير
اضافی وكل واحد منهما متعلق بالمنتصب عنه اَوْ فِي اِضَافَةٍ عطف
على قوله فی جملة اوماضاهما مثل یُعِجِبُنِي طَبِيبُهُ نَفْسًا وَتَرَكْتُهُ لَانِ

سے جملہ امثالہ جملہ میں واقع ہونی والی ہر ایک تمیز کی پانچ مثالیں وارد کیں ہیں پس نفس
عین (قائم بذاتہ) ہے غیر اضافی ہے کہ امور اضافیہ سے نہیں کیونکہ اس کا معنی کسی چیز
کی حاجت کے بغیر سمجھا جاتا ہے) منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دار عین غیر اضافی
ہے اور دار منتصب عنہ کے متعلق (بکسر لام) ہے اور منتصب عنہ دار کا مالک ہے تو
طاب زید ادار میں نسبت زید کی طرف علاقہ مالکیت سے مجازی ہے) ادب اب عین اضافی
ہے کہ اس کے معنی کا تعقل یا بن کی نسبت پر موقوف ہے یعنی اب اس حیوان کو کہتے ہیں
کہ جس کے لطف سے اس کی نوع کا دوسرا حیوان پیدا ہوا ہو) جو دونوں کا محتمل ہے
(یعنی اب تمیز منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے اور منتصب عنہ کے متعلق بفتح لام سے بھی
ہو سکتی ہے) اور ابوہ عرض اضافی ہے کہ قائم بالاب ہے وکوہ اضافی ظاہر اور علم
عرض غیر اضافی ہے اور ابوہ و علم میں سے ہر ایک منتصب عنہ سے متعلق ہے اور اس کی
سے ابہام کو رفع کرتا ہے (یا اضافت میں) یہ مصنف کے قول فی جملة "یا ماضا ہما" پر
پر عطف ہے (جیسے یحییٰ طیبہ نقاد تو نقاسبت اضافیہ سے تمیز ہے اور مصنف نے

واکتشاف اور دستن کے میں بخلاف ابوہ
کے کہ اس کے معنی سمجھنے کے لئے اب کے
معنی سمجھنے کی احتیاج واقع ہوتی ہے۔ اور
اگر تمیز کو منتصب عنہ کی صفت بنانا جائز نہ
ہو تو اس میں شقوق جاری نہ ہونگی اور اس کی
مثال یہ ہے جیسے طاب زید دار یا زید طیب
داما اس لئے کہ دامانہ تو منتصب عنہ پر
محمول ہے اور نہ اس کی صفت ہے اس کی تفصیل
کی طرف شامع فانفس عین الخ سے اشارہ
فرمایا ہے ہیں کہتے ہیں پس نفس عین یعنی جو ہر
اور غیر اضافی ہے یعنی اس کا سمجھنا دوسرے
کے سمجھنے پر موقوف نہیں اور منتصب عنہ کے
ساتھ خاص ہے یعنی بالذات محمول ہے کیونکہ
زید اور نفس زید دونوں ایک ہی چیز ہیں
اور دار عین غیر اضافی ہے یعنی اس کا سمجھنا
دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں اور منتصب
عنہ پر محمول نہیں بلکہ منتصب عنہ سے متعلق ہے
ادب اب عین اضافی ہے کہ اس کے معنی سمجھنے
کے لئے غیر کی احتیاج ہوتی ہے پس اس میں
دونوں احتمال موجود ہیں یعنی منتصب عنہ
پر بالذات محمول ہو اور غیر کا بھی احتمال ہو اور
ابوہ عین یعنی جو ہر قائم بنقصب نہیں بلکہ عرض
ہے کہ اب کے ساتھ قائم ہے اور اضافی ہے
کہ اس کے معنی اب کے معنی سمجھے بغیر سمجھ میں
نہیں آتا اور علم عرض یعنی قائم بالعلم ہے
اور غیر اضافی ہے کہ اس کے معنی سمجھنے کے لئے
غیر کی احتیاج واقع نہیں ہوتی اور دونوں
منتصب عنہ سے متعلق ہیں بالذات محمول
نہیں اس لئے کہ دونوں زید کی صفت واقع
ہو سکتی ہیں مگر ابوہ میں احتمال غیر ہے علم میں
احتمال غیر نہیں واللہ اعلم ۱۳

کہ ابوہ بذات خود قائم نہیں ہوتی بلکہ اب کے
ساتھ قائم ہوتی ہے اس لئے کہ ابوہ کے معنی
سمجھنے کے لئے پہلے اب کے معنی سمجھنے کی
ضرورت واقع ہوتی ہے نیز ابوہ زید
منتصب عنہ کی صفت بھی واقع ہو سکتی ہے
اور اس میں غیر کا بھی احتمال موجود ہے کہ کسی
لوگ بھی صفت ہو اور اگر غیر کا احتمال نہ کہے
تو اس کی مثال طاب زید علما یا زید طیب علما
ہے اس لئے کہ علم کا محل زید پر بالذات نہیں
بالعرض ہے اور علم زید کی صفت بھی واقع
ہو سکتا ہے نیز یہ کہ اس میں غیر کا احتمال موجود
نہیں اس لئے کہ علم کے معنی سمجھنے کے لئے غیر
کی احتیاج نہیں اس لئے کہ علم کے معنی وضوح

شہ جملہ سے تمیز واقع ہو واللہ اعلم۔
۱۳۳۱ قولہ فالنفس الخ یہاں سے
شامع تمیز کی منتصب عنہ کے اعتبار سے پانچ
قسمیں بیان فرمائی ہیں وہی تفصیل میں بیان
کر چکا ہوں اب بقیہ تین قسموں کی تفصیل
ملاحظہ کیجئے جو کہ ابوہ دار اور علم سے متعلق
ہیں تمیز منتصب عنہ پر بالذات محمول نہ ہو
تو اس کی دو صورتیں ہیں تمیز کو منتصب عنہ
کی صفت بنانا جائز ہوگا یا نہیں اگر جائز
ہوگا تو غیر کا احتمال رکھے گی یا نہیں اگر غیر کا
احتمال رکھے گی تو اس کی مثال طاب زید
ابوہ یا زید طیب ابوہ ہے اس لئے کہ ابوہ
منتصب عنہ پر بالذات محمول نہیں اس لئے

۳۲۲ قولہ ما فی اضافۃ الخ اس کا عطف قول مصنف فی جملہ اوصاف ہمارے اور مطلب یہ ہے کہ رفع ابہام نسبت فی جملہ یا مشبہ جملہ سے نہ ہو بلکہ نسبت فی الاضافت سے ہو جیسے یجبنی طیبہ نفسا و اباً و ابوة الخ کہ ان امثلہ میں تمیز نسبت اضافت سے دور کرتی ہے اس جگہ شارح نے نفساً و ترکہ لاء کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف نے اگرچہ مثال میں نفساً کو ذکر نہیں کیا مگر سابق پر قیاس کر سکتے ہیں نیز اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں اس لئے کہ نفس کا نسبت سے تمیز واقع ہونا بہت مشہور اور ظاہر و باہر ہے اور اس میں کسی قسم کا خفا نہیں اس لئے کہ میں غیر اضافی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دیگر امثلہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی مذکورہ سابق یا تجرید نہیں متحقق ہوتی ہیں پس اس میں طیب کی اضافت الی الضمیر سے جو نسبت مبہم پیدا ہوتی ہے اس سے یہ تمام الفاظ نفساً اباً وغیرہ تمیز واقع ہیں و لشرالم ۳۲۳ قولہ و زاد علیہ الخ ان دونوں قولوں کے بعد و لشر دتہ فارما سے مصنف نے ان بعض خاتہ کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تمیز کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جامد ہو مشتق نہ ہو حتی کہ اگر کوئی اسم مشتق بصورت تمیز دیکھا جائے گا تو وہ اس کو حال کہتے ہیں تمیز جس کی نسبت مصنف اس کے رد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہے پس یہ اگر اسم مشتق سے بھی حاصل ہو تو اس کو بھی تمیز کہیں گے تمیز کے لئے جامد ہونا شرط نہیں نیز اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض خاتہ کا مسلک یہ ہے کہ تمیز اگر ضمیر سے واقع ہوگی تو تسمیوں یعنی ذات مذکورہ سے ہوگی جیسا کہ صاحب مفضل نے اس مثال کو تسمیوں پہلا خلیا سے جادہ کیا ہے

اظهر القیضات و لاختفاء بہ و اباً و ابوة و داراً و علماً و اورد هذه الامثلة علی وفق ماسبق و زاد علیہ قولہ و لشر دتہ فارماً اشارۃ الی ان القیض قد یكون صفة مشتقة و ایضاً لما اوردہ صاحب المفضل مثلاً لقیض المفرد علی ان یكون الضمیر فیہ مبہماً کضمیر ربہ رجلاً و یكون فارماً تمیزاً عنہ اراد ان یلیہ علی ما ینص علی ان یصلح ان یكون تمیزاً عن نسبتہ علی ان یكون الضمیر فیہ معیناً معلوماً و الا بہام یكون فی نسبة الدس

منتصاء کو (مثال مذکور) اس لئے ترک کر دیا کہ نفساً سب تمیزوں سے ظاہر ترین تمیز ہے کہ یہ عین غیر اضافی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ ہی خاص ہے اور اس کے تمیز ہونے میں کوئی خفا نہیں ہے و اباً و ابوة و داراً و علماً اور مثالیں ماسبق کے موافق ہیں اور مصنف نے اس پر اپنے قول «و لشر دتہ فارماً» کو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زائد کیا کہ کسی صفت مشتقہ ہوتی ہے (اور کسی مشتق نہیں ہوتی جیسے ابوة و علم اور تمیز اصل یہ ہے کہ اسم جس پر حروفیات پر دلالت کہے یا ذات کے ساتھ قائم ہو) اور نیز جبکہ لشر دتہ فارماً کو صاحب مفضل نے اس بنا پر مفرد (مقدار) کی تمیز کے لئے مثال دینا کرنا وارد کیا کہ وہ میں ضمیر ابیہ رجلاً کی ضمیر کی طرح مبہم ہو اور فارماً اس ضمیر مبہم سے تمیز ہو تو مصنف نے ارادہ کیا کہ اس بات پر تنبیہ کر دیں کہ فارماً کہ جس طرح وہ مفرد تھا اس سے تمیز رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی طرح اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ نسبت سے اس بنا پر تمیز ہو کہ وہ میں ضمیر معین و معلوم ہو مثلاً اس کا تعلق مرجع سابق کے ساتھ ہو گا بقول جاہلی زید لشر دتہ فارماً اور یہی لالی ہے کہ ضمیر میں اصل یہی ہے کہ وہ مرجع کے اعتبار سے معلوم و معین ہو (اور ابہام اس کی طرف در کی نسبت میں ہو

کہ یہ تمیز مفرد مقدار کی اس بنا پر مثال ہے کہ قدہ کی ضمیر مبہم ہے جیسا کہ زید رجلاً کی ضمیر مبہم ہے اس لئے کہ نکرہ ہے کیونکہ زید نکرہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور فارماً اس سے تمیز واقع ہے حالانکہ لیباً نہیں بلکہ اس میں مصنف کے نزدیک تفصیل ہے پس مصنف نے یہ مثال ذکر کر کے اس پر تنبیہ کی کہ لیباً اس میں حسب ذیل تفصیل ہے یعنی اگر ضمیر کا مرجع معلوم ہے تو یہ تمیز ذات مقصدہ سے ہوگا اس لئے کہ اس وقت حقیقتہ میں مرجع غیز ہے اور وہ اس جگہ مذکور نہیں پس فارماً

میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ نسبت یعنی ذات مقصدہ سے اس بنا پر تمیز واقع ہو کہ ضمیر کا مرجع معین ہو معلوم ہے اور ابہام قدہ کی نسبت ضمیر کی طرف کرنے سے پیدا ہوا ہے مثلاً ہم نے جادہ زید لیباً اور پھر اس کے بعد و لشر دتہ فارماً کہہ دیا اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ لیباً کی ضمیر کا مرجع ندید ہے پس مرجع اگرچہ اشقیہ فارماً میں موجود نہیں مگر وہ بقرینہ سابق ضرور موجود ہے نیز یہ کہ ضمیر میں اصل یہی ہے کہ اس کا مرجع معلوم اور معین ہو مثلاً قدہ ذات مقصدہ یعنی

الیہ والذی فی الاصل اللین وفيه خير كثير للعرب فاريد به الخیرای
 لله خیره فارسا و الفارس اسم الفاعل من القراسة بالفتح مصدر ما قرس
 بالضم ای حذق بامر الخیل و اما القراسة بالكسر فمن التفرس ثم ان کان
 ای التیز بعد ما لم یکن نصافی المنتصب عنه اسما لاصفة یصح
 جملة لما انتصب عنه والمراد یجعله له اطلاقه علیه والتعبیر به
 عنه جاز ان یكون ذلك التیز تارة له ای للمنتصب عنه بان یكون
 تیزا یرفع الابهام عنه و تارة لمتعلقه بان یكون تیزا یرفع الابهام

اور در اصل میں لین کو کہتے ہیں اور اس میں عرب کے نزدیک خیر کثیر ہے لہذا اس سے
 مراد خیر ہے یعنی شر خیرہ فارس اور فارس فرستہ بفتح الفاء سے ماخوذ اسم فاعل ہے قرس
 بضم القین (کریم کی طرح) کا مصدر ہے یعنی (قرس فلان) یعنی گھوڑوں کے سائے میں
 ماہر ہو گیا اور فرست بکسر فاء تفرس سے ماخوذ ہے (اور تفرس کے معنی ادراک و ادغان
 کے ہیں) قول تفرس یعنی تفکر و پیرا کر ہوا یعنی (اگر تیز بد ازاں کہ منتصب عنه میں نہیں
 نہ ہو انم ہو صفت نہ ہو تو اسے ما منتصب عنه کے لئے کرنا صحیح ہوگا اور تیز کو ما انتقب
 کے لئے کرنے سے مراد تیز کا اس پر اطلاق اور ما انتصب عنه کو اس تیز سے تعبیر کرنا
 ہے وہ تیز ہے کہ وہ تیز کبھی اس کے لئے ہو یعنی منتصب عنه کے لئے اس طرح کہ
 وہ انم تیز ہو جو منتصب عنه سے ابہام کو رفع کرے اور کبھی اس کے متعلق کے

یعنی اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیرانہ دے
 شہسوار ہونے کے لئے فارس فرستہ بفتح الفاء
 سے صیغہ نام فاعل جاور تفرس بضم التاء کا
 مصدر ہے یعنی فرستہ باب الفاعل سے ہے
 اور اس کے معنی ماخذی اور ماہر ہونے کے
 ہیں تفرس ای حذق بامر الخیل یعنی گھوڑے کے
 سائے میں وہ ماہر اور کامل ہے اور اگر اس کو
 فرستہ بکسر الفاء سے لیتے ہیں تو فارس تفرس
 سے مشتق ہوگا جس کے معنی ماہر و کامل ظاہری
 چیز سے اس کے باطن یعنی حقیقت کو پہنچ جانے
 کے ہیں پس اس صورت میں اس کے معنی یہ
 ہو گئے ہوں گے کہ اس کی خیر کثیر
 از روئے اس کی نیکی شناسائی احوال
 ظاہرہ سے احوال باطنہ کے و لا علم

نسبت سے تیز واقع ہو گا بہت مگر ضمیر کا
 مرجع معلوم و محین نہ ہو تو اس وقت تیز ذات
 مذکورہ واقع ہوگا اس لئے کہ اس حالت میں
 ضمیر ہم ہوگی اور وہ مذکور ہے پس فارسا
 اسی سے تیز واقع ہے لہذا صاحب مفصل
 کہ اس کو صرف قسم اطلاق میں داخل کرنا صحیح نہیں
 بلکہ اس کا متعلق دونوں کے ساتھ ہے

لله قول و الذی فی الاصل اللین
 یہاں سے شایع و لا یفاد من کے معنی
 بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ دراصل یہ وہ
 کہتے ہیں اور وہ دراصل عرب کے خلیفہ
 بہت سے منافع و خیر کثیر ہے پس جس جگہ
 وہ لفظ کہ جاز آخر کثیر لفظ ای اللہ فیونما

لله ثم ان کان الخیر کثیرا اگر اللہ کا
 ہو جو صفت نہ ہو اور جس کا حمل کرنا منتصب عنه
 پر صحیح ہو تو اس صورت میں یہ جائز ہے کہ کبھی تو
 وہ تیز منتصب عنه کے لئے کریں گے اور کبھی
 منتصب عنه کے متعلق کے لئے یعنی دونوں
 امر جائز ہیں اس جگہ شایع نے ان کا ان کی تفسیر
 ای التیز بعد ما لم یکن نصافی الخیر سے کہہ کے ایک سوال
 مقدار کا جواب دیا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ
 طاب زید نفسا میں نفسا کا اطلاق منتصب عنه
 پر کیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ صرف منتصب عنه
 کی تیز بنتے کی صلاحیت رکھتا ہے منتصب
 عنه کے متعلق سے تیز واقع نہیں ہو سکتا اور
 مصنف یہ کہتے ہیں کہ اس کو منتصب عنه اور
 اس کے متعلق سے تیز قرار دینا جائز ہے
 پس یہ قول غلط ہے شایع نے کہا کہ یہ قول
 اس وقت سے جبکہ تیز منتصب عنه کے
 ساتھ خاص نہ ہو اور نفسا منتصب عنه کے
 ساتھ خاص ہے لہذا یہ اس حکم میں مندرج
 نہیں پھر اسما کے بعد لاصفہ کہہ کر شایع نے
 اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا تقابل
 صفت سے ہے فعل سے اور حرف سے نہیں
 اس لئے کہ اگر اس کا تقابل فعل اور حرف سے
 ٹھہرائیں گے تو اس میں وہ اسم بھی داخل ہو جائے
 گا جو صفت کا مقابل ہوگا باوجودیکہ جو تیز
 صفت ہو وہ اس پر صادق نہیں آئے گی
 یعنی اس میں دو احتمال نہیں ہوں گے بلکہ صرف
 منتصب عنه کے لئے تیز واقع ہوگی کا سمجھتی
 پس مصنف کا یہ قول غلط ہوگا کہ منتصب عنه
 اور اس کے متعلق دونوں کے لئے تیز واقع
 ہو سکتی ہے لہذا شایع نے لاصفہ کہہ کر اس
 کو خارج کر دیا پھر المراد بجملہ لہ سے شایع
 نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قول
 مصنف بفتح جملة لما انتصب عنه سے مراد
 یہ ہے کہ منتصب عنه کا اطلاق اس اسم پر کیا
 جائے اور منتصب عنه کو اس اسم سے تعبیر

عن متعلقه وذلك بحسب القرائن والاحوال مثل ابافى طاب زيد ابا
فانه ليصح ان يجعل عبارة عن زيد فجازان يكون تارة تميزاً عن زيد
اذا اريد اسناد الطيب اليه باعتبار انه ابو عمر ووجازان يكون تارة تميزاً
عن متعلقه باعتبار ان الطيب مسند الى متعلقه وهو ابوة والاى
وان لم يكن التميز بعد ما لم يكن نصافى المنتصب عنه اسماء ليصح جعله
لها انتصب عنه فهو لم يتعلق به خاصة نحو طاب زيد ابوة وعلماء
دارا فان هذه الاسماء ليست نصافى المنتصب عنه ولا يصح جعلها

لئے ہوئے اس طرح کہ وہ اسم تميز ہو جو اس کے متعلق سے ابہام کو رفع کرے اور یہ اسم کا کبھی
منتصب عنہ اور کبھی اس کے متعلق سے تميز ہونا احوال و قرائن کے لحاظ سے جیسے طاب
زيد ابا میں ہے کہ ابا کو زيد سے تميز کرنا صحیح ہے یعنی زيد اب کننا صحیح ہے لہذا ابا کا اس
وقت زيد سے تميز ہونا جائز ہے جبکہ زيد کی طرف طيب کی اسناد کا اس اعتبار سے ارادہ
کیا جائے کہ وہ عمر کا باپ ہے اور کبھی ابا کا زيد کے متعلق سے اس اعتبار سے تميز ہونا
جائز ہے کہ طيب زيد کے متعلق کی طرف مسند ہو اور زيد کا متعلق زيد کا باپ ہے اور
یعنی تميز بعد از ان کہ منتصب عنہ میں نص نہ ہو اب اسم نہ ہو کہ جیسے منتصب عنہ کے لئے
(تميز کرنا صحیح ہو) تو وہ خاص کر (اس کے متعلق کے لئے ہے) جیسے طاب زيد ابوة
وعلماء ودارا کہ یہ اسماء منتصب عنہ میں نص نہیں ہیں اور ان کو منتصب عنہ کے لئے نہیں

سے کیا جائیگا کہ زيد عمر کا باپ ہے تو
تميز یعنی ابا زيد سے ابہام کو دور کرے گا
یعنی زيد عمر کا باپ ہونے کے اعتبار
سے اچھا ہے پس یہ تميز منتصب عنہ
سے رفع ابہام کرے گی اور اگر اس میں اسباب
کا اعتبار کرتے ہیں کہ طيب کا اسناد منتصب
عنہ کے متعلق یعنی زيد کے باپ کے اعتبار
سے ہے تو تميز اس کے متعلق سے ابہام
کو دور کرے گی اور اس صورت میں ترجمہ
یہ ہوگا کہ زيد اپنے باپ کے اعتبار سے
اچھا (خوش نصیب) ہے واللہ اعلم
۳۳۶ قولہ والاى وان لم يكن
اور اگر تميز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ
ہو یعنی وہ منتصب عنہ پر محمول نہ کی جا

منتصب عنہ پر ہو سکے تو یہ جائز ہے کہ
وہ تميز کبھی منتصب عنہ کے لئے ہو یعنی
تميز منتصب عنہ سے ابہام دور کرے
اور کبھی اس کے متعلق یعنی زيد کے باپ سے
اب رہی بات کہ اس امر کا کیسے پتہ
چلے کہ تميز کبھی منتصب عنہ سے رفع
ابہام کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اس کے
متعلق سے ابہام دور کرنے کے لئے
تو اس کا جواب وذلك بحسب القرائن
الخ سے کہ اس بات کا پتہ قرائن اور احوال
سے چل جاتا ہے مثلاً طاب زيد ابا میں
ابا کا اطلاق زيد پر صحیح ہے اور ابا کو
زيد سے تميز کر سکتے ہیں پس جب اس میں
زيد کا اسناد طيب کی طرف اس اعتبار

کر سکیں جیسا کہ اب کا اطلاق منتصب عنہ
یعنی زيد پر کر سکتے ہیں اور زيد ابا کہہ سکتے
ہیں پس اس سے ابوة اور دارا اور علم کو
خارج کرنا مقصود ہے کیونکہ ابا کا اطلاق منتصب
عنہ پر نہیں ہو سکتا بلکہ صرف منتصب عنہ
کے متعلق پر ان کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اور
ہمارا مقصود یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ دونوں
پر اطلاق کیا جائے لہذا اس سے ابوة وغیرہ
خارج ہو جائیں گے اب اس جگہ ایک اعتراض
وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ منتصب
عنہ کے معنی یہ ہیں کہ جس کے ذریعہ تميز
منتصب حاصل کرے یا اس طور کہ وہ شے
اس تميز میں عامل ہو پس طاب زيد ابا
میں یا تو منتصب عنہ زيد کا ہوگا یا طاب
اگر زيد ہے تو یہ درست نہیں اس لئے
کہ قسم ثانی میں تميز کا عامل فعل یا شے
فعل ہوتا ہے نہ کہ وہ اسم جو متوین وغیرہ
کے ساتھ تام ہو اور اگر طاب عامل ہے
تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ اس پر قول
مصنف یصح جعلہ لما انتصب عنہ صادق
نہیں آتا کیونکہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ
اس اسم کا اطلاق منتصب عنہ پر کیا جا
سکے اور یہاں اب کا اطلاق طاب پر
درست نہیں بلکہ زيد پر درست ہوتا
ہے جواب یہ ہے کہ اس میں منتصب عنہ
زيد ہے اور اس پر منتصب عنہ کا اطلاق
مجازاً ہے حقیقتہً نہیں اور تارة لم سے
شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ولتعلقہ میں
واو یعنی مع ہے تاکہ منتصب عنہ اور اس
کے متعلق دونوں کا اجتماع لازم نہ آئے
کیونکہ واو عاطفہ جمع پر دلالت کرتا
ہے اور ان دونوں کا بیک وقت اجتماع
ناجائز ہے اسلئے کہ عرض واحد یعنی اب
کا تمام دو محمولوں کے ساتھ لازم آئیگا
اور یہ محال ہے بہر حال جب اسم کا محمول

لما بالتعبير عنه بما في متعلق زيد وهو الذات المقدرة اعني الشئ
المنسوب الى زيد ويطابق التميز فيهما اي فيما جازان يكون لما انتصب
عنه سواء كان تصافيه او محتملا له والمتعلقه وقيما تعين لمتعلقه ما
قصد من وحدة التميز او تشبيه او جمعيتہ سواء كان لموافقة ما
انتصب عنه مثل طاب زيد ابا والزيد ابوين والزيدون اباؤا ومعنى
في نفسه مثل قولك طاب زيد ابا اذا اردت ابا له فقط وطاب زيد ابوين
اذا اردت ابا وجداله وطاب زيد اباؤا اذا اردت اباؤا واجدادا لفعلى
كل من التقديرين اذا قصدت وحدة التميز او رد مفردا واذا قصدت

طرح کرنا صحیح نہیں کہ منتصب عنه کو ان سے تعبیر کیا جائے کیونکہ زید ابوة اور زید دار
اور زید علم کہنا صحیح نہیں بلکہ زید متصف بالابوة اور زید ذو علم اور زید ذو دار کہا جائیگا
پس بد اسلئے متعلق زید کے لئے (مخصوص) ہیں اور وہ (متعلق جملہ طاب زید میں) ذات مقد
رہ یعنی شئ منسوب بجانب زید تقدیرہ طاب شئ منسوب الی زید (پس مطابق ہوگی)
تمیز (ان دونوں میں) یعنی (دونوں صورتوں میں ایک) اس صورت میں کہ تمیز کا منتصب
عنه کے لئے ہونا جائز خواہ اس میں تمیز نص کے طور پر ہو اور منتصب عنه کے ساتھ خاص
ہو جیسے طاب زید نفسا یا تمیز منتصب عنه اور اس کے متعلق کے لئے محتمل ہو (جیسے طاب
زید ابا) اور (دوسرے) اس صورت میں کہ تمیز منتصب عنه کے متعلق (بکسر لام) کے
لئے متعین ہو (جیسے تمہارے قول طاب زید ابوة وعلما ودارا میں ابوة و علم و دار ہما
یعنی تمیز دونوں صورتوں میں) (اس کے ہ (مطابق ہوگی) (جس کا قصد کیا گیا) یعنی
تمیز کا واحد ہونا یا تشبیہ ہونا یا جمع ہونا یعنی اگر مقصود افراد ہوں تو تمیز کو مفرد لایا جائیگا
اور اگر مقصود مشی ہو تو تمیز کو مشی اور جمع ہو تو جمع لایا جائیگا خواہ (ان امور ثلاثہ یعنی
تمیز کے واحد و تشبیہ و جمع ہونے میں سے ہر ایک افراد و تشبیہ و جمع) منتصب عنه (یعنی
زید) کی موافقت کے لئے ہو جیسے طاب زید (نفسا) ابا و ابوة و دارا و علما) اور طاب
الزیدین (نفسین و) ابوين و علمین و دارین) اور طاب الزیدون (نفسا و)
اباد و ابوات و طوا و ديارا یا ایسے معنی (کی موافقت) کے لئے ہو جو تمیز کے نفس میں ہے
جیسے تمہارا قول ہے طاب زید ابا جب تم صرف اس کے باپ کا ارادہ کرو اور طاب زید
ابوين جب تم زید کے باپ اور دادا کا ارادہ کرو اور طاب زید اباؤا جب تم زید کے باپ اور
اجداد کا ارادہ کرو پس دونوں تقدیروں میں ہر ایک تقدیر کی بنا پر جب تم تمیز کی وحدت
کا قصد کیا جائے گا تو تمیز کو مفرد لایا جائے گا (ما کہ تمیز مقصود کے مطابق ہو) اور جب تم

سکے تو وہ تمیز منتصب عنه کے متعلق کے ساتھ خاص ہوگی جیسے طاب زید ابوة

ودار و علما اس لئے کہ یہ اسماء منتصب عنه
کے ساتھ خاص نہیں اور نہ منتصب عنه
کو ان اسماء سے تعبیر کر سکتے ہیں لہذا یہ
متعلق زید کی تمیز واقع ہونگے اور وہ متعلق
زید ذات مقدرہ یعنی شئ ہوگی جو کہ زید
کی طرف منسوب ہے اور طاب زید جملہ
میں پائی جاتی ہے پس اس سے یہ اسماء
اہم کو دور کریں گے کما مر تفصیلا فی تقسیم
المنتصب عنه علی خمسة اقسام والشر الملم
۵۳۳۴ قولہ نيطابق الخ اس جگہ
شامخ نے فیہا کی تفسیر ای فیما جاز الخ سے کر کے
ایک سوال مقدرہ کا جواب دیا ہے سوال کی
تقریر یہ ہے کہ ضمیر فیہا دو چیزوں کی طرف
راجع ہے ایک ما یصح جعلہ المنتصب عنه
و المتعلقہ کی طرف اور دوسری ما لا یصح جعلہ الخ
کی طرف جو کہ قول مصنف والا سے مستفاد
ہوتی ہے پس اس وقت مطابقت سے وہ
صورت خارج ہو جائیگی کہ جس میں تمیز منتصب
عنه کے ساتھ خاص ہو حالانکہ اس میں بھی
حسب ارادہ مطابقت لازم ہے جواب
یہ ہے کہ فیہا سے مراد فیما جاز الخ ہے یعنی
تمیز کی مطابقت ہر صورت میں حسب
ارادہ ضروری ہے خواہ تمیز منتصب عنه
کے ساتھ خاص ہو یا خصوصیت کو محتمل ہو یا
تمیز منتصب عنه کے متعلق کے لئے ہو یا
صرف متعلق منتصب عنه کے ہی ساتھ
خاص ہو ہر صورت جب وحدت تمیز یا
اس کے تشبیہ یا جمع ہونے کا قصد کیا
جائیگا تو تمیز حسب مقصود زید یا تشبیہ
یا جمع لائی جائیگی خواہ یہ بیز منتصب عنه
کی موافقت کے لئے لائی جائے جیسے
طاب زید ابا طاب الزیدین ابوين طاب
الزیدون باؤا یا نفس تمیز وحدت یا تشبیہ
یا جمع کی تقضی ہو شذ جب کہ منتصب عنه
کے لئے ابا سے صرف باپ مراد ہوگا

استثناء سابق سے استثناء ہے یعنی اگر تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں انواع کا قصد ہو اس حیثیت سے کہ بعض انواع بعض سے ممتاز ہوں خواہ یہ امتیاز نوع

تین کے تشبیہ ہونے کا ارادہ کر تو اس کا تشبیہ لایا جائیگا اور جب اس کے جمع ہونے کا ارادہ کیا جائیگا تو اسے جمع لایا جائیگا کیونکہ مفرد کا صیغہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ تشبیہ اور مجموعہ پر اس کا اطلاق کیا جائے (لہذا تشبیہ اور جمع کے ارادہ کے وقت تمیز کو تشبیہ و مجموعہ کرنے لانا ضروری ہے تاکہ تمیز مفرد یا صیغہ کے مطابق ہو) اگرچہ تشبیہ و مجموعہ میں جو فیل اور کثیر واقع ہوتی ہے پس جبکہ تمیز کے تشبیہ یا جمع ہونے کا قصد کیا جائیگا اس جنس کو تشبیہ یا جمع لانا ضروری نہیں جبکہ تمیز کو مفرد لانا کافی ہے کیونکہ جنس کا فیل و کثیر پر اطلاق صحیح ہے لہذا (جنس کی صورت میں) تمیز کے تشبیہ اور جمع لانے کی کوئی حاجت نہیں جیسے طالب زید علما اور (طالب) الزیدان علما اور (طالب) الزیدون علما (مگر یہ کہ اس تمیز سے جو جنس ہے (انواع کا قصد کیا جائے) انواع کے امتیازات نوعیہ کی حیثیت سے (انواع کا قصد کیا جائے) یعنی چونکہ انواع خصوصیت کلیہ یا شخصہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں) تو اس وقت تمیز کا تشبیہ یا جمع لانا ضروری ہے جیسے طالب الزیدان علین اور (طالب) الزیدون علما جبکہ اس بات کا ارادہ کیا جانے کہ ہر ایک اپنی (طالب)

کے اعتبار سے ہوا عدد کے رہیں اس جگہ
بھی حسب سابق انواع سے مراد نوع اور
عدد دونوں میں جیسا کہ ان کا ان جنس الا ان
بقصد الانواع میں گذر چکا تو تیسری جنس کی
مراد کو موافق تشبیہ اور جمع لایا جائے گا
جیسے طالب لڑیوں علیہ اور طالب تہذیب
علوماً جبکہ اس سے یہ ارادہ کیا جائے
کہ تہذیب میں سے ہر ذی علم کی ایک ایک
نوع کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی مثلاً ایک
ذی علم فقہ کے اعتبار سے اچھا ہے دوسرا

علم نحو کے لحاظ سے اور تیسرا علم صرف میں
ماہر ہونے کے باعث پس ہندی اگرچہ علم
تیسرا جنس ہے مگر علم کی انواع مختلفہ مراد
میں اس لئے اگر تیسرا مفرد لائی جائے گی تو
اس سے علم کی انواع مختلفہ پر دلالت نہیں
ہو سکے گی بلکہ مطلب یہ ہو جائے گا کہ ہر
زید علم کے اعتبار سے اچھا ہے اور یہ قصد
انواع کے خلاف ہے لہذا تیسرا کو حسب
مقصود تنزیہ یا جمع لائیں گے واللہ اعلم

الزیدین نوع آخر من العلم فان صیغۃ المفرد لا تقید ذلک المعنی وان کان ای التییز صیغۃ مشتقۃ مثل لله درہ فارسا و مولہ بہا نحو کفی زید رجلا فان معناہ کاملہ فی الرجولیۃ کانت الصفتۃ صفتۃ لہ ای لہا انتصب عنہ لا لمتعلقہ لان الصفتۃ تستدعی موصوفا والمذکور اولی بموصوفیتہ فاذا قیل طاب زید والدا کان الوالد زیدا ولا یحتمل ان یکون والدہ بخلاف الاسم نحو ابنا و طینۃ الواو بمعنی مع والطبق مصدر بمعنی المطابقۃ ای کانت الصفتۃ صفتۃ لہ مع مطابقتها ایاء او مطابقتها ایاء و یجوز ان یکون بمعنی اسم الفاعل والواو للعطف علی خبر کانت ای کانت

الزیدان (ظین) اور (طاب) الزید (ظین) (علوما) سے طیب کا متعلق (بفتح لام) علم (کے) (الولع) سے نوع (یعنی زید کی طرف طیب کی اسناد اس سبب سے کی گئی ہے کہ وہ علم کے ایک نوع کا عالم ہے اور دوسرے زید کی طرف طیب کی اسناد اس سبب سے کی گئی ہے کہ وہ علم کے نوع دیگر کا عالم ہے) وقس علی هذا غیر ذلک تو تیز کا اس وقت تشبیہ و جمع لانا ضروری ہے (کیونکہ مفرد کا صیغہ اس معنی مقصود (یعنی مافوق النوع الواحد) کا قائم نہیں دیتا) (اور اگر تیز «صفت» مشتق «ہو» جیسے شہرہ فارسا (فارس اسم فاعل تیز ہے) یا «صفت» مؤول بہ مشتق ہو جیسے کفی زید رجلا (کہ رجلا لفظ کے اعتبار سے اسم جنس مگر تیز واقع ہونے کی وجہ سے مشتق سے مؤول ہے) کہ اس کا معنی کامل فی الرجولیۃ ہے «تو ہوگی» صفت «صفت» اس کے لئے «یعنی منتصب عنہ کے لئے اس کے متعلق کے لئے نہیں کیونکہ صفت موصوف کو چاہتی ہے اور جو مذکور ہے یعنی منتصب عنہ) وہی اولی بالموصوفیتہ ہے پس جب کہا جائے طاب زید والدا تو زید ہی والد ہوگا اور اس بات کا احتمال نہ ہوگا کہ (صیغہ صفت یعنی والد سے) اس کا والد (منتصب ہو اسم کے برخلاف جیسے (طاب زید ابائیں) البسے (اس کی مطابقت کے ساتھ) (و طبقہ میں) واو مع کے معنی میں ہے اور طبق مصدر ہے بمعنی المطابقۃ یعنی صفت، منتصب عنہ کے لئے صفت ہوگی اس صفت کے منتصب عنہ سے مطابقت کے باوجود یا اس منتصب عنہ کے صفت سے مطابقت کے باوجود اور جائز ہے کہ طبق (مصدر) اسم فاعل کے معنی میں ہو اور واو کا

ہے کہ اس کو صفت کا موصوف بنا دیا جائے لہذا صفت صرف منتصب عنہ کے ہی ساتھ خاص ہوگی پس جب طاب زید کہا جائے گا تو والد زید ہی ہوگا اس کا متعلق یعنی زید کا باپ نہیں ہوگا ورنہ والد کی صفت زید کے ساتھ باقی نہیں رہے گی بخلاف اسم کے جیسے ابنا کہ اس میں دونوں احتمال ہیں زید کا بھی اور زید کے باپ کا بھی مشتق کا مطلب معلوم ہی ہے کہ اس سے مراد اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ ہیں کما مراد الشرا علم۔

۳۳۱ قولہ و طبقۃ الخ یہ واو بمعنی مع ہے اور طبق مصدر ہے بمعنی المطابقۃ اور عبارت اس طرح ہے ای کانت الصفتۃ صفتۃ لہ مع مطابقتها ایاء او مع مطابقتها ایاء یعنی جب تیز صفت ہوگی تو منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہونے کے ساتھ ساتھ منتصب عنہ کے افراد تشبیہ اور جمع اور تذکیر و تانیث میں بھی موافق ہوگی اس لئے کہ موصوف و صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے اس لئے کہ صفت میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو موصوف کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر کا اپنے مرجع سے مطابقت ہونا ضروری ہے پس اگر منتصب عنہ مذکر یا مؤنث ہوگا تو صفت بھی مذکر یا مؤنث لانی جائے گی اور اگر منتصب عنہ تشبیہ یا جمع ہوگا تو صفت کا بھی تشبیہ یا جمع لانا ضروری ہوگا دوسری وجہ طبق مصدر کے متعلق یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہو اور واو کانت کی خبر صفت لہ پر عطف کے لئے ہو پس اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی ای کانت الصفتۃ صفتۃ لہ و مطابقتها ایاء پس ان دونوں صورتوں میں یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ و طبقہ میں واو عاطفہ ہے اور اسکا عطف قول منتصب لہ ہے اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ صفت طبق نہیں ہے پس جب واو بمعنی مع یا عاطفہ لے لیا گیا اور طبق اپنے بمعنی

سے مؤول ہے یعنی رجلا کے معنی کامل فی الرجولیۃ کے ہیں تو صفت صرف منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اس لئے کہ صفت موصوف کی متعلقہ ہوتی ہے اور مذکور یعنی منتصب عنہ اولی

شکلہ قولہ وان کان الخ اور اگر تیز صفت مشتق ہو جیسے شہرہ فارسا میں فارسا فرستہ یا تفرس سے مشتق ہے یا صفت مشتق کے ساتھ تادل کی گئی ہو۔ جیسے کفی زید رجلا میں رجل کاملہ فی الرجولیۃ

سے مؤول ہے یعنی رجلا کے معنی کامل فی الرجولیۃ کے ہیں تو صفت صرف منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اس لئے کہ صفت موصوف کی متعلقہ ہوتی ہے اور مذکور یعنی منتصب عنہ اولی

المطابقة تو اب اعتراض باقی نہیں رہا واللہ اعلم

۳۴ قولہ واحتملت الخ اور صفت مذکورہ اگر تمیز واقع ہو تو یہ حال کا بھی احتمال رکھتی ہے کیونکہ حال کے معنی بھی صحیح ہو جاتے ہیں جیسے طاب زید فارسیا اچھا ہے زید از دے شہسوار ہونے کے یا شہسوار ہونے کی حالت میں لیکن اس میں ترجیح تمیز کو حاصل ہے اسلئے کہ اس صفت میں کبھی من بھی زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے لشدرہ من فارس کہ اس میں فارس تھا اور جیسے ال عرب کا قول عز من قائل عز فلان من قائل جب کسی کی عزت مقصود ہوتی ہے تب یہ کہتے ہیں پس زیادتی من اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اس میں تمیز راجح ہے حال سے اس لئے کہ من تمیز میں ہی زیادہ کب جاتا ہے حال میں نہیں کیونکہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہوتا ہے اور من بیان کے لئے آتا ہے پس من بیان زید رفع ابہام پر دلالت کرے گا نیز یہ کہ اس مثال سے زید کی تعریف فروسیہ کے اعتبار سے کرنا مقصود ہے حال فروسیہ کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ تمیز مدح کے لئے ہوتی ہے اور حال مدح کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ حال کو حال کے ساتھ مقید کر دینے کے لئے آتا ہے لہذا احتمال تمیز راجح ہوگا پھر یہ بھی وجہ ہے کہ اگر حال فروسیہ کے ساتھ اس کی تعریف مقصود ہوتی تو فروسیہ کے بغیر دوسری صفات کے ساتھ اس کی تعریف کی جاتی ہے جیسے من زید قائما۔

۳۵ قولہ ولا یتقدم الخ اور

تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی بشرطیکہ تمیز قسم اول سے ہو یعنی اس کا عامل اسم تام ہو پس عندی در ہا و عشرون اور زیتا رطل نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ اس کا عامل اسم جامد ہوتا ہے اور یہ ضعیف العمل ہے اور

صفة له مطابقة اياه والمراد بالمطابقة الاتفاق في الاخراد والجمع والتذكير والتانيث لكونها حاملة لضميره واحتملت اي الصفة المذكورة الخال ايضا لاستقامة المعنى على الحال نحو طاب زيد فارسیا من حيث انه فارس او حال كونه فارسا لكن زيادة من فيها نحو لثدره من فارس وقولهم عز من قائل يويد التميز لان من تراد في التميز لا الحال وايضا المقصود مدحه بالفروسيه لاحال الفروسيه اذ قد يدح حال الفروسيه بغيرها من الصفات ولا یتقدم التميز على عامله

کی خبر پر عطف کے لئے ہو یعنی صیغہ صفت منصوب غنہ کے لئے صفت ہوگی اور مقبوع غنہ سے مطابق ہوگی۔ اور مطابقت سے مراد (صفت کا منصوب غنہ کے ساتھ) افراد وثنیہ وجمع و تذكیر و تانیث میں موافق ہونا ہے کیونکہ صفت منصوب غنہ کی ضمیر کی حامل ہے (یعنی صیغہ صفت میں جو ضمیر فاعل ہے وہ منصوب غنہ کی طرف راجع ہے اور ظاہر ہے کہ راجع و مرجع میں موافقت ضروری ہے) (اور احتمال رکھتی ہے) صفت مذکورہ ((حال کا)) بھی کیونکہ حال کی بنا پر معنی درست ہوتا ہے جیسے طاب زید فارسیا یعنی من حیث انه فارس (یہ تفسیر فارسیا کے تفسیر ہونے کی بنا پر ہے کیونکہ من بیان یہ تمیز میں ہی زائد آتا ہے اس لئے کہ من بیان یہ ہے اور تمیز بھی بیان کے لئے ہے) یا حال کونہ فارسیا (تفسیر فارسیا کے حال ہونے کی بنا پر ہے) لیکن صیغہ صفت میں من کا زائد آنا جیسے لشدرہ من فارس (والاصل فارسیا بالنصب) اور ال عرب کا قول (فلان) عز (فعل ماضی) من قائل (والاصل عز قائل) تمیز کی تائید کرتا ہے کیونکہ من تمیز میں زائد آتا ہے حال میں نہیں اور نیز (طاب زید فارسیا) مقصود فروسیہ کے ساتھ زید کی مدح کرنا ہے نہ کہ فروسیہ کی حالت میں (اس کی مدح کرنا مقصود ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس کی مدح فروسیہ کے حال سے مقید ہو جائے گی اور قید مدح کے منافی ہوتی ہے) کیونکہ کبھی فروسیہ کی حالت میں فروسیہ کے علاوہ دیگر صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مدح کی جاتی ہے (جیسے زید عالم من حیث انه فارس اگر فارس کو حال تصور کیا جائے تو یہ مثال جائز نہ ہو کیونکہ یہ ایسا ہو جائیگا جیسے زید عالم حال کونہ را کہا اور یہ درست نہیں کہ علم حالت رکوب کے ساتھ مقید ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے) (اور مقدم نہ ہوگی) تمیز (اپنے عامل

اس اعتبار سے مشابہ ہو جاتی ہے کہ فعل بھی اپنے فاعل پر تمام ہوتا ہے اسی طرح جس طرح فعل کے بعد فاعل آتا ہے مفرد مقدار کے بعد تنوین وغیرہ آتی ہے اس کے علاوہ

اگرچہ یہ فعل کے مشابہ ہے لیکن یہ مشابہہ ضعیفہ ہے جیسا کہ بالتفصیل بیان کیا جا چکا ہے کہ مفرد مقدار جب تنوین وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ نام ہو تو وہ فعل کے ساتھ

اذا كان اسماً تاماً بالاتفاق فلا يقال عندی درهما عشرون ولا نریثاً
وطل لان عامله ج اسم جامد ضعیف العمل مشابه للفعل مشابهة
ضعیفه كما ذكرنا فلا يقوى ان يعمل فيما قبله والا صخ ای اصح
المذاهب ان لا يتقدم التمييز على ما هو عامل فيه من الفعل الصريح
او الغير الصريح لكونه من حيث المعنى فاعلاً للفعل نفسه نحو طاب زيد
ابا ای طاب ابوه او فاعلاً له اذا جعلته لازماً نحو فجرنا الارض عیوناً
ای الفجوت عیونها واذا جعلته متعدياً نحو امتلاء الاناء ماء ای ملاءة

پر، جبکہ عامل اسم تام بالاتفاق لہذا نہیں کہا جائے گا عندی درہما عشرون اور نہ (عندی)
زیتا رطل کیونکہ تیز کا عامل (جبکہ اسم تام ہو) اس وقت اسم (اور اس کے باوجود) جامد
ہے ضعیف العمل ہے فعل مشابہ ہے (مگر) مشابہت ضعیفہ کے ساتھ جیسا کہ ہم نے (تیز)
کے قسم اول میں ذکر کیا پس یہ اس بات کی قوت نہیں رکھتا کہ اپنے ماقبل میں عمل کرے
(اور صلیح تر) یعنی سب سے صحیح تر مذہب یہ ہے کہ مقدم نہ ہوگی (تیز کسی ایسی چیز پر
جو اس میں عامل ہے یعنی «فعل» صریح یا غیر صریح) (پر) کیونکہ تیز (عن النسبة) معنی
کی حیثیت سے (یعنی در حقیقت) نفس فعل کے لئے فاعل ہے جیسے طاب زید ابا یعنی طاب
ابوہ یا نفس فعل کے لئے اس وقت فاعل ہے جبکہ تم اس (فعل) کو (جو تیز میں عامل ہے
انکسری طرح باب الفعل کی طرف نقل کر کے) لازم بنا دو جیسے فجرنا الارض عیوناً (اس میں
تیز نفس فعل کے لئے مفعول ہے پھر جب فجرنا کو لازم بنا دیا جائے تو یہی تیز فاعل ہو
جائے گی) یعنی الفجرت عیونہا یا (تیز اس وقت نفس فعل کے لئے فاعل ہوگی) جبکہ تم اس
(فعل) کو (جو تیز میں عامل ہے) حذف زوائد سے (متعدی کر دو) کہ فعل کسی تو حذف زوائد
سے لازم ہوتا ہے اور کسی متعدی جیسے امتلاء الاناء ماء یعنی طلاء الماء پس تیز عن النسبة
کی تین قسمیں ہوں گی نفس فعل کے لئے فاعل یا فعل لازم کے لئے فاعل یا فعل متعدی

آتا ہے لیکن اصح مذہب یہ ہے کہ تیز اس
صورت میں بھی اپنے فاعل پر مقدم نہیں
ہو سکتی خواہ وہ عامل فعل صریح ہو یا
غیر صریح یعنی اسم فاعل وغیرہ از قسم شبہ فعل اور
اس عدم تقدم کی وجہ یہ ہے کہ تیز اگرچہ
منصوب ہوتی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں
کہ یہ معنی کی حیثیت سے فعل کا فاعل ہوتی ہے
کیونکہ اس سے غرض اجمال کے بعد بیان ہوتی
ہے اور اجمال فعل کا فاعل ہوتا ہے تو بیان بھی
لا محالہ فعل کا فاعل ہوگا جیسے طاب زید ابا معنی
کے اعتبار سے طاب ابوہ کے معنی میں ہے جبکہ
ابا کو متصحب عنہ کے متعلق سے تیز قرار دیں
پس ظاہر ہے کہ ابوہ طاب کا فاعل واقع ہو رہا
ہے لہذا جس طرح فاعل کو فعل پر مقدم کرنا ناجائز
ہے اسی طرح تیز کو بھی عامل فعل یا شبہ فعل پر
مقدم کرنا ناجائز ہوگا یہ تو صورت اس وقت
تھی جبکہ تیز بذات خود فاعل بن سکتی تھی لیکن
جب تیز بذات خود فاعل نہ بن سکے بلکہ وہ
فعل متعدی سے تیز واقع ہو جیسے فجرنا الارض
عیوناً کہ اس میں فجرنا فعل متعدی ہے تو اس کو
لازم کر لیں گے ای الفجرت عیونہا پس عیوناً جو
کہ تیز واقع ہو رہا تھا وہ فعل کے لازم ہونے
کے سبب سے اس کا فاعل ہو جائیگا اور فاعل
فعل پر مقدم ہوا نہیں کرتا لہذا تیز کو بھی عامل
فعل پر مقدم نہیں کریں گے اسی طرح اگر فعل
لازم ہو اور اس کی تیز فاعل نہ بن سکے تو فعل لازم
کو متعدی کر لیں گے جیسے امتلاء الاناء ماء (بھر
گیا برتن از رو کے پانی کے) کہ امتلاء فعل لازم
ہے اور ما اس کا فاعل نہیں بن سکتا لہذا فعل
متعدی کو لازم سے بدل لیں گے ای طلاء الماء
یعنی برتن کو پانی نے بھر دیا اور اس صورت
میں ظاہر ہے کہ الماء فاعل واقع ہو رہا ہے پس
جس طرح فاعل مقدم نہیں ہوا کرتا فعل پر اسی
طرح جو فاعل کے معنی میں ہوگا وہ بھی فعل پر
مقدم نہیں کیا جائیگا و اللہ اعلم

کی صورت میں عمل نہیں کرے گا تو شبہ پیدا
ہوا کہ اگر عامل اسم تام نہ ہو بلکہ فعل یا شبہ
فعل ہو تو چونکہ وہ عامل قوی ہے لہذا اس
پر تیز مقدم ہو جائے گی پس اس شبہ کے
ازالہ کے لئے مصنف و لامح الخ کہتے ہیں
جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس کا عامل فعل
ہو تو اس میں اختلاف ہے اس لئے بعض
نحاة یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں تیز
فعل پر مقدم ہو سکے گی جیسا کہ منقریب

مشابہت کی اور کوئی وجہ نہیں پس یہ مشابہت
ضعیفہ ہوگی تو یہ نہیں لہذا اگر تیز کو اس کے
عامل پر مقدم کریں گے تو اس کا عامل اپنے
مصنعت نے العمل کے باعث تیز میں مل نہیں
کر سکے گا پس تیز کو تیز پر مقدم نہیں کیا جائے
گا و اللہ اعلم

قوله ولامح الخ جب یہ
بیان کیا گیا کہ اگر تیز کا عامل اسم تام ہو تو اپنے
ضعف کی وجہ سے تیز کے اس پر مقدم ہونے

۳۲۵ قولہ وہنا بحث الخ امثلاً
الانار مار کے متعلق جو توجہ کی گئی ہے اس کو
فاعل بنانے کے لئے اس پر شائع اعتراض
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں بحث ہے اور
وہ یہ ہے کہ امثلاً الانار مار میں لفظ مار معنی
کے اعتبار سے فعل مذکور کا فاعل ہے بغیر اس
بات کے کہ اس کو لازم سے متعدی بنا کر ملا
المار کہا جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب
متکلم نے اس بات کا قصد کیا کہ وہ امثلاً کا
اسناد انار کے بعض متعلقات مار وغیرہ کی طرف
کرے اگرچہ علی سبیل التجویز ہی کہوں نہ ہو یعنی
متکلم نے جب اس شے کا قصد کیا جو کل انار
کی طرف منسوب ہے یعنی مار کا اور اس اسناد
کو فرض کر لیا اگرچہ یہ اسناد مجازاً ہی ہے اس
لئے کہ امثلاً کا اسناد حقیقہ انار کی طرف ہے
مار کی طرف نہیں تو اس قصد فرض (اسناد کے
باعث اس اسناد میں ابہام پیدا ہو گیا اسلئے
کہ یہ پتہ نہیں کہ برتن کو کس شے نے رکھا ہے
پس لامحالہ اس کی تمیز مار کے ساتھ لائی گئی پس
یہ امثلاً مار الانار کے معنی میں ہوگا لہذا مار معنی
فاعل ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ فعل کا اسناد
فاعل حقیقی کی طرف ضروری نہیں اس لئے کہ
اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ قول
عرب انبت البیض البقلة میں فاعل یعنی منبت
حقیقی اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ اس کے معنی یہ

کہے جاتے ہیں۔ بہار نے سبزہ اگایا پس اس
میں فعل کی اسناد بیض کی طرف مجازاً ہے
اور بیض کو انبت کا عجزاً فاعل بنایا گیا ہے
کیونکہ بیض انبات کا سبب ہے اسی طرح
امثلاً مار الانار میں مار کو اس اعتبار سے
فاعل بنا دیا گیا کہ مار سبب امثلاً انار ہے
پس فعل کی اسناد انار کے بعض متعلقات کی
طرف مجازاً مجاز ہوئی لہذا کیا ضرورت ہے
کہ خواہ مخواہ فعل لازم کو متعدی کر کے تمیز
کو فعل کے معنی میں کریں پس اس بحث سے

شائع کا مقصد یہی ہے کہ فعل لازم کو متعدی
بنانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جس طرح
فاعل حقیقی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح
فاعل مجازی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوگا واللہ
اعلم
۳۲۶ قولہ وذلک الخ اس سے شائع
اپنے قول کی تائید پیش فرما رہے ہیں کہ
لفظ مار کا امثلاً مار الانار میں فاعل مجازی
اور امثلاً الانار مار میں فاعل معنوی ہونا بعینہ
قول فاعل یخ زید تجارة کی مثل ہے اس لئے

الماء والفاعل لا یتقدم علی الفعل قلنا ما هو بمعنی الفاعل وہنا بحث
وهو ان الماء فی قولہم امثلاً الاناء ماء من حیث المعنی فاعل للفعل
المذکور من غیر حاجۃ الی جعلہ متعدی لان المتکلم لما قصد اسناد الامتلاء
الی بعض متعلقات الاناء ولو علی سبیل التجویز وقد رکو وقع الایہام فیہ کا
جزم میزہ بقولہ ماء فہو فی معنی امثلاً ماء الاناء فالما فاعل معنی
وذلک بعینہ مثل قولک زید تجارة فان التجارة تمیز یرفعہا بہم

کے لئے فاعل گویا تمیز تمام فعلوں کے لئے فاعل ہوئی اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا (امگر
مبتداء اس کا التباس نہ ہو) پس اسی طرح وہ چیز (یعنی تمیزی) فعل پر مقدم نہ ہوگی
جو فاعل کے معنی میں ہے اور یہاں (امثلاً الاناء ماء میں) بحث ہے اور وہ بحث یہ
ہے کہ اہل عرب کے قول امثلاً الاناء ماء میں الماء من حیث المعنی (جری النہر اور سال
المیزاب کی طرح علاقہ محلیت سے مجازی طور پر فعل مذکور کا فاعل ہے اس ضرورت
کے بغیر کہ (حذف زوائد سے) اسے متعدی کیا جائے کیونکہ (اس کلام کے) حکم نے جب
اناء کے بعض متعلقات (کہ جسے اناء میں کرنا ممکن ہے) کی امثلاً کی طرف اسناد کا قصد
کیا اگرچہ (امثلاً کی اسناد اس بعض متعلقات کی طرف علاقہ محلیت سے) مجاز کے طور
پر ہے اور اس بعض کو مقدر کیا کہ امثلاً کی فاعل حقیقی یعنی اناء کی طرف اسناد کر دی اور
کہہ دیا امثلاً الاناء تو اس قول میں ابہام واقع ہو گیا تو بہر صورت متکلم نے اس ابہام
کو اپنے قول ماء سے بیان کر دیا پس قول مذکور (امثلاً الاناء ماء) امثلاً ماء الاناء کے
معنی میں ہے (پس اس میں ماء انبت البیض البقلة کی طرح فاعل مجازی ہے اور الماء
کا فاعل مجازی ہونا بعینہ تمہارے قول ریح (از علم) زید تجارة کی طرح ہے کیونکہ تجارت
(لفظ زید کی طرف ریح کی نسبت سے) تمیز (اور معنی کی رو سے فاعل مجازی) ہے جو

کہ تجارة تمیز ہے اور شی منسوب الی زید سے
رفع ابہام کر رہی ہے اور وہ شی منسوب
الی زید تجارة ہے پس ریح کا فاعل اس صورت
میں تجارة ہوا کہ زید اگرچہ ریح کی اسناد زید
کی طرف حقیقہ ہے اور تجارة کی طرف مجازاً
حاصل یہ ہوا کہ جب ریح شے منسوب الی زید
کہا گیا تو اس میں ابہام پیدا ہو گیا کہ وہ شی
منسوب الی زید کیا ہے؟ اور شی منسوب الی
زید ریح کا فاعل ہے پس جب اس کی تمیز
تجارة کے ساتھ لائی گئی تو اس شے سے ابہام

عن شیء منسوب الی زید وهو التجارة فالفاعل فی قصدك هو التجارة لازید
ولن کان استاد الیخ الیه حقيقة والیها مجازاً ویهذا یندفع ما یورد علی
قاعدتهم المشهورة وهی ان التمییز عن النسبة اما فاعل فی المعنی او مفعول
من ان التمییز فی هذا المثال وامثاله لافاعل ولا مفعول فلا تطرد تلك
لقاعدة خلافاً للمأزنی والبَرَدِ فانها یجوز ان تقدیم التمییز علی الفعل
لصریح وعلی اسمی الفاعل والمفعول نظر الی قوة العامل بخلاف الصفة
المشبهة واسم التفضیل والمصدر وما فیہ معنی الفعل لضعفها فی العمل
ومتسکها فی هذا الجوز قول الشاعر شعراً تهجر سلی بالفراق جیبها وما
کاد نفساً بالفراق تطیب علی تقدیر تانیث الضمیر فی تطیب فانه ج یکن

ابہام کو شی (مقدر) منسوب بہ جانب زید سے رفع کرتی ہے (تقدیرہ) (معنی) منسوب الی
زید) اور وہ شی تجارت ہے (یعنی جب رفع شی منسوب الی زید کہا گیا تو اس میں ابہام
واقع ہوا تجارت نے اس کی تفسیر کر دی فالاصل رفع تجارت زید پس تہلکے قصد میں
(رفع کا) فاعل تجارت ہی ہے نہ کہ زید اگرچہ زید کی طرف رفع کی اسناد حقیقہ اور تجارت
کی طرف مجاز ہے اور اس جواب سے کہ رفع کی اسناد زید کی طرف حقیقہ اور تجارت
کی طرف مجاز ہے علاقہ بہیبت سے تجارت فاعل مجازی ہے) وہ اعتراض دور ہو
جاتا ہے جو نحو یوں کے قاعدہ مشہورہ پر وارد ہوتا ہے اور قاعدہ مشہورہ یہ ہے کہ تمیز
عن النسبة در حقیقت یا تو فاعل ہے یا مفعول (اعتراض یہ ہے) کہ اس مثال (رفع زید
تجارت) میں تمیز نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول پس یہ قاعدہ رد نہیں کیا جاسکتا (مازنی اور
مبرد کے برخلاف) کہ یہ دونوں فعل صریح اور اسم فاعل واسم مفعول پر تمیز کی تقدیم کو
عامل کی قوت کی طرف نظر کرتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں (فعل کا عامل قوی ہونا تو ظاہر
ہے اور اسم فاعل واسم مفعول اپنی شرط عمل کے ساتھ مضارع کے حکم میں ہوتے ہیں اور
مضارع عامل قوی ہے) صفت مشبہ اور اسم تفضیل اور مصدر اور اس کے برعکس کہ جس
میں فعل کا معنی ہے ان کے صنف فی العمل کی وجہ سے (ان کی تمیز ان پر مقدم نہ ہوگی)
اور اس تجویز میں مازنی و مبرد کا مسئلہ شاعر کا یہ قول ہے - شعر

اتھجر سلی بالفراق جیبها وما کاد نفساً بالفراق تطیب
بنابر آنکہ تطیب میں مؤنث کی ضمیر مقدر ہو پس اس وقت (کاد میں) ضمیر کے مذکر ہونے

دور ہو گیا پس تجارت بمنزلہ فاعل کے ہوتی
کیونکہ تجارت سبب رفع و منفعت ہے پس اک
طرح امثلاً ما رن الانار ما رن کو مجازاً فاعل

کہیں گے کیونکہ ما رن سبب امثلاً ما رن ہے و ہشتر
اعلم ۱۲۳۲ قولہ و مبداء النحر اس سے

شراح ایک اعتراض کے دفع کی طرف اشارہ
کر رہے ہیں جو مذکورہ بالا بحث کے ضمن میں ہی
دفع ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ کہا
کہ رفع کی اسناد زید کی طرف حقیقہ ہے اور
تجارت کی طرف مجاز اور تجارت بعلاقہ
سببیت فاعل مجازی ہے تو اس سے ایک
اعتراض دفع ہو گیا جو اس مشہور قاعدہ
پر وارد ہوتا ہے کہ تمیز حسب نسبت سے
رفع ابہام کرتی ہے تو وہ معنی یا فاعل ہوتی
ہے یا مفعول حالانکہ رفع زید تجارت اور اس
کے امثال جیسے امثلاً ما رن ما رن میں تمیز نسبت
سے رفع ابہام کر رہی ہے لیکن نہ معنی فاعل ہے
نہ مفعول پس یہ قاعدہ درست نہیں وجہ رفع
یہ ہے کہ فاعل اور مفعول جو اس قاعدہ میں
بیان کئے گئے ہیں ان میں تعمیم ہے یعنی خواہ
وہ حقیقہ ہوں یا مجازاً اس لئے کہ یہ دونوں
مطلق ذکر کئے گئے ہیں اور مطلق میں فائدہ تعمیم
حاصل ہو سکتا ہے پس اگرچہ ان مثالوں میں تمیز
فاعل حقیقی نہیں لیکن فاعل مجازی ضرور ہے لہذا
قاعدہ اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہے واللہ اعلم

۱۲۳۸ قولہ خلافاً للمأزنی النحر اگر
تمیز کا عامل فعل صریح یا غیر صریح ہو تو اس میں
مازنی اور مبرد کا خلاف ہے اس لئے کہ یہ دونوں
فعل صریح اور اسم فاعل اور اسم مفعول پر تقدیم
تمیز کو جائز قرار دیتے ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے
کہ یہ عامل قوی ہے اور حسب عامل قوی ہوتا ہے
تو اس کے مفعول کی تقدیم اس پر جائز ہوتی ہے
بشرطیکہ اس تقدیم سے کوئی مانع پیش نہ آئے
اور فعل صریح میں تو قوت ظاہر ہے اور آخرین
میں اس لئے قوت فی العمل ہے کہ حسب ان
دونوں میں شرط عمل پائی جائے تو یہ مضارع کے
حکم میں ہوتے ہوئے باعتبار عمل کے پس یہ فعل
کی طرح مقدم اور مؤخر دونوں طرح عمل کریں
گے بخلاف صفت مشبہ - اسم تفضیل اور مصدر
کے امثال کے کہ جس میں فعل کے معنی ہوں تو

فی کاد ضمیر الشان لتذکیرہ ویعود ضمیر تطیب الی سلی ویكون نفساً تمیزاً
عن نسبة تطیب الیها مقدماً علیہ واما علی تقدیر تذکیر الضمیر فضمیر کاد
للجیب ونفساً تمیزاً عن نسبة کاد الیہ ای واما کاد الجیب نفساً تطیب
فلا تمسک واما قبل یحمل ان یحمل البیت علی تقدیر تائیدہ ایضاً علی هذا
الوجه بان یكون تائید الضمیر الراجح الی الجیب باعتبار النفس اذ المعنی و

کی درجہ سے کاد میں ضمیر شان ہوگی (تقدیرہ واما کاد الشان تطیب سلی نفساً بالفراق) اور تطیب
کی ضمیر سلی کی طرف لوثی ہے اور نفساً سلی کی طرف فعل تطیب کی نسبت سے تمیز ہے جبکہ
فعل تطیب سے مقدم ہے لیکن (تطیب کی بجائے یطیب بہ یلئے منقوطہ بہ لفظتین من تحت
لکھا جائے تو اس میں ضمیر مستتر مذکر ہوگی لہذا ضمیر کی تذکیر کی بنا پر تو کاد کی ضمیر جیب کیلئے
(راجح) ہوگی وضمیر شان نہ ہوگی کہ وہ ایسے جملے سے پیشتر نہیں جو بعد اس کی تفسیر واقع ہو
اور نفساً کاد کی ضمیر (مستتر دروی) کی طرف نسبت سے تیز ہوگی یعنی واما کاد الجیب نفساً
یطیب (تقدیرہ واما کاد نفس الجیب یطیب ای رضی بالفراق یعنی بالا فراق عن سلی اور یہی
اولیٰ والنسب ہے) پس (مازنی اور مبرد کا اس شعر سے) کوئی استدلال نہیں ہو سکتا اور جو
کہا گیا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ضمیر کی تائید کی تقدیر پر بھی بیت کو اس درجہ مذکور
پر اس طرح محمول کیا جائے کہ ضمیر راجح بسوئے جیب کی تائید نفس کے اعتبار سے ہو کیونکہ

کیا جا سکتا کیونکہ نفساً تمیزاً اپنے عامل پر
مقدم نہیں بلکہ مؤخر ہے کیا یوں پس اس
صورت میں شعر کا ترجمہ یہ ہوگا کہ سلی اپنے
عاشق کو فراق میں مبتلا چھوڑ دے گی درحالیکہ
اس کا عاشق فراق سے خوش نہیں ہے یعنی وہ
فراق کو پسند نہیں کرتا اس صودت میں یہ
ضروری نہیں سلی بھی اس پر فریفتہ ہو اسلئے
کہ ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو بلکہ عاشق اپنے
دل کو تسلی دینے کے لئے اپنی محبوبہ کو بھی
اپنا عاشق سمجھتے ہوئے ایسا کہہ رہا ہو
اس شعر کی اصل کیفیت کو عاشق ہی خوب سمجھ
سکتے ہیں میں نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا
ہے واللہ اعلم۔

۵۵ قولہ واما قبل یحمل
یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر شعر کو تقدیر تائید
فعل پر محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ

پر مقدم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تمیز
عامل فعل پر مقدم ہو سکتی ہے بجز اس جگہ شراح
نے علی تقدیر تائید الضمیر الخ اس وجہ سے کہا
کہ اس شعر میں دو احتمال ہیں ایک کے بموجب
تو استشہاد صحیح ہے اور دوسرے کے بموجب
غیر صحیح لہذا اس شعر کو مطلقاً استشہاد کے لئے
پیش نہیں کیا جا سکتا واللہ اعلم۔

۵۶ قولہ واما علی تقدیر الخ
دوسرا احتمال ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تطیب
تار کے ساتھ مؤنث نہ پڑھیں بلکہ یار کے
ساتھ یطیب مذکر پڑھیں پس اس صورت
میں کاد کی ضمیر جیب کی طرف راجح ہوگی
اور نفساً ضمیر کی طرف کاد کی نسبت سے تمیز
واقع ہوگا اور عبارت اس طرح ہو جائے گی
ای واما کاد الجیب نفساً یطیب پس اس
صورت میں اس سے استشہاد اختیار نہیں

چونکہ یہ ضعیف فی العمل ہیں اس لئے ان پر تمیز
مقدم نہیں ہو سکتی کیونکہ عامل ضعیف مابعد
میں تو عمل کر سکتا ہے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا
اور ان دونوں کی دلیل قوت عامل کی دلیل کے
علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ ایک شاعر نے اپنے
شعر میں تمیز کو اس کے عامل پر مقدم باندھا
ہے اور وہ شعر یہ ہے

اتحجر سلی بالفراق حبیبہا

وما کاد نفساً بالفراق تطیب

اس میں استفہام انکار کے لئے ہے اور سلی
اتحجر فعل مؤنث کا فاعل ہے اور کاد میں مانا ہے
اور کاد افعال مقاربہ سے ہے اور اس میں
ضمیر شان مستتر ہے اور تطیب فعل مؤنث
کا اسناد سلی کی طرف ہو رہا ہے یعنی اسکی
ضمیر مؤنث سلی کی طرف راجح ہے پس اس
تقدیر کی بنا پر نفساً تطیب کی سلی کی طرف
نسبت سے تمیز واقع ہو رہا ہے اور اپنے
عامل تطیب پر مقدم ہے اسی کو شراح علی تقدیر
تائید الخ سے بیان کر رہے ہیں یعنی یہ شعر محمل
استشہاد اس تقدیر کی بنا پر ہے کہ تطیب
کو مؤنث پڑھیں اور اس میں ضمیر مؤنث لائیں
گے پس اس وقت کاد چونکہ مذکر ہے لہذا اس
میں ضمیر شان لائی جائے گی اور تطیب کی
ضمیر سلی کی طرف راجح ہوگی اور نفساً تطیب
کی سلی کی طرف نسبت سے تمیز واقع ہوگا
اور یہ اپنے عامل پر مقدم ہے پس شعر کے معنی
اس تقدیر کی بنا پر بشرطیکہ یہ شعر اس مصرعہ کا
مصدق ہوئے دونوں طرف ہے آگے برابر
لگی ہوئی یہ ہوں گے کیا سلی اپنے محبوب
یعنی عاشق کو فراق میں مبتلا چھوڑ دے گی
درحالیکہ شان یہ ہے کہ وہ از روئے نفس کے
(یعنی بذات خود) فراق کو اچھا نہیں سمجھتی۔
مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے عاشق کو جو اس کا
محبوب ہے فراق میں مبتلا نہیں چھوڑے گی
پس اس صورت میں نفساً تمیز کا اپنے عامل تمیز

ما کادت نفس الحبيب فكلف وتصف غير قاص في التسك
المستثنى ای ما يطلق عليه لفظ المستثنى في اصطلاح النحاة على قمين و
لما كان معلوميته بهذا الوجه الغير المحتاج الى التعريف كافيه في
تقسيمه قمينه الى قمين وعرف كل واحد منهما لان لكل واحد منهما

اس توجیه پر مصوغ ثانی (کا) معنی یہ ہے وما کادت نفس الحبيب تطيب (بالفراق) تو تکلف اور
طریق واضح سے مدول ہے (مؤنث کی ضمیر کو مذکر کی طرف باعتبار نفس لوٹانا تکلف اور تطيب
کی ضمیر مؤنث کو مذکر کی طرف لوٹانا تعسف ہے) «مستثنی» یعنی جس پر مستثنی کے لفظ کا
اطلاق کیا جائے نحو یوں کی اصطلاح میں دو قسموں پر (منقسم) ہے اور جبکہ مستثنی کا اس
وجہ سے جو کہ تعریف کی محتاج نہیں معلوم ہونا اس کی تقسیم میں کافی تھا تو مصنف نے اسے
دو قسموں کی طرف تقسیم کیا اور تقسیم کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک کی تعریف کی کیونکہ

ضمیر تطيب باعتبار نفس کے حبیب کی طرف
راجع ہے اور نفس مؤنث ہے اس لئے کہ
اس کے معنی وما کادت نفس الحبيب بالفراق
تطيب کے ہیں نفس حبیب فراق کو پسند نہیں
کرتا پس عبارت اس طرح ہوگی اسی وما
کا والحبیب نفساً تطيب نفسہ بفراق پس اس
صورت میں تطيب میں ضمیر مؤنث ہے لیکن
شعر قابل تسک نہیں اور نفساً محلاً مستشہاد
نہیں اس لئے کہ یہ اس وقت کا ذکر نسبت
سے تمیز واقع ہو رہا ہے جو کہ ضمیر مستتر
کی طرف ہو رہی ہے جو کہ حبیب کی طرف
راجع ہے پس مازنی اور مبرد کو یہ شعر دلیل
میں پیش کرنا درست نہیں شائع ان کی جانب
سے جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس توجیہ
میں تکلف اور تعسف ہے اور یہ شعر مذکور
سے تسک میں کوئی مضرب نہیں پس تکلف تو اس
میں اس اعتبار سے ہے کہ ضمیر مؤنث باعتبار
نفس کے مذکر کی طرف لوٹائی گئی ہے اور
تعسف کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ضمیر کا مرجع نفس
کو بتایا گیا ہے مگر مراد اس سے مذکر ہی ہے
پس ضمیر مؤنث مذکر کی طرف لوٹائی گئی حالانکہ
ظاہر اور واضح اس میں یہ تھا کہ تطيب کی ضمیر

مؤنث سنی کی طرف راجع کی جائے اس
لئے کہ مؤنث مؤنث کی طرف راجع ہوتی ہے
اور مذکر مذکر کی طرف پس چونکہ طریق واضح سے
خروج اختیار کیا گیا ہے اس لئے اس میں تعسف
ہے اس لئے کہ نسبت میں اس کے یہی معنی
ہیں پس شعر کو استدلال میں پیش کرنا قابل
تسک نہیں واللہ اعلم ۱۲

۱۲۵۱ قولہ المستثنى الخ اس جگہ
اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مستثنی کے معنی مخرج
یعنی نکالے گئے ہیں لہذا اس کی تقسیم متصل
اور منقطع کی طرف جائز نہیں کیونکہ اس سے
تقسیم الشیء الی نفسہ والی غیرہ لازم آتی ہے
اس لئے کہ مستثنی صیغۃ اسم مفعول بمعنی المخرج
ہے لغت اور یہ معنی متصل پر تو صادق آتے
ہیں منقطع پر صادق نہیں آتے اس کا جواب
دینے کے لئے شارح نے ای ما يطلق عليه لفظ
المستثنى الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے
کہ لفظ مستثنی کے لغوی معنی مراد نہیں بلکہ جس
پر مستثنی کا اصطلاح نجات میں اطلاق کیا جاتا
ہو وہ مراد ہے پس منقطع پر اگرچہ مستثنی کا
اطلاق لغت نہیں کیا جاتا لیکن اصطلاحاً ضرور
اس کو بھی مستثنی کہتے ہیں چہر علی تقسین اس وجہ

سے کہا کہ کلام مصنف سے تقسیم معلوم ہو رہی
ہے اور ادوات محصور موجود نہیں لہذا شائع نے
ادوات محصور ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ
کر دیا کہ متصل و منقطع میں واو عطف کے لئے
ہے جو کہ ربط کا بھی فائدہ دیتا ہے پس اس
جگہ ربط پر عطف مقدم ہے یعنی دونوں کا
من حیث المجموع ہونا مراد ہے دونوں کا ربط
کے ساتھ فرداً فرداً ہونا مراد نہیں پس جب عطف
ربط پر مقدم ہوا تو اس سے حصر کا فائدہ حاصل
ہو گیا لہذا مصنف نے ادوات حصر کے ذکر کی
ضرورت نہیں سمجھی واللہ اعلم ۱۲

۱۲۵۲ قولہ ولما كان الخ اس سے

شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے
ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے
اشیاء میں اصل یہ ہے کہ تعریف بیان کی جائے
اور اس جگہ مصنف نے تعریف بیان نہیں کی
بلکہ تقسیم کو خلاف اصل بیان کر دیا جواب یہ
ہے کہ جبکہ مستثنی کا علم اس اعتبار سے حاصل
ہے کہ اصطلاح نجات میں جس پر لفظ مستثنی کا
اطلاق کیا جا سکے وہ مستثنی ہے تو یہ معلومیت
تعریف کی محتاج نہیں پس تقسیم مستثنی کیلئے
یہ معلومیت کافی ہے لہذا مصنف نے اس کو
دو قسموں پر منقسم کر دیا اور ہر قسم کی علیحدہ علیحدہ
تعریف بیان کر دی اس لئے کہ دونوں میں
سے ہر ایک کے لئے خاص خاص احکام ہیں
کہ ان کا اجزاء ہر ایک پر اس وقت تک نہیں
ہو سکتا جب تک کہ ہر ایک کی تعریف نہ
معلوم ہو جائے پس مصنف نے متصل و منقطع
کہا اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب مستثنی
کی تعریف من وجہ تقسیم کے لئے کافی ہے
تو ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ کیوں
بیان کی؟ وجہ یہ ہی ہے کہ ہر ایک کے
احکام جدا جدا ہیں اس لئے ہر ایک کی تعریف
جدا جدا بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی اس
جواب سے شیخ رضی کے قول کا رد ہو جاتا

احکاماً خاصۃً لا یمکن اجزاؤها علیہ الا بعد معرفتہ فقال متصل و منقطع فالمتصل هو المخرج ای اسم الذی اخرج واحترز به عن غیر

ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایسے خاص احکام ہیں کہ جن کا اجزاء ہر ایک پر اس کی معرفت کے بعد ہی ہو سکتا ہے تو مصنف نے کہا لا متصل ہے اور منقطع ہے پس متصل وہ ہے جو نکالا جائے یعنی وہ اسم ہے جو نکالا جائے اور مصنف المخرج کی قید سے غیر مخرج سے

ہے انہوں نے تعریف مستثنیٰ نہ کرنے کے اعتراض کا یہ جواب دیا تھا کہ مستثنیٰ کی تعریف دشوار ہے اس لئے مصنف نے اس کی تعریف بیان نہیں کی بلکہ ہر ایک قسم کی علیحدہ علیحدہ بیان کر دی۔ وجہ یہ ہے کہ ہر ایک قسم کی تعریف بیان کرنے کا منشاء یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے خاص احکام ہیں اور مستثنیٰ کی تعریف اس لئے بیان نہیں کی کہ وہ ظاہر ہے اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں کہ مستثنیٰ وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہو لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تعریف میں تعدد پیدا ہو والہ علم

۲۵۲ قولہ فالمتصل الخ پس مستثنیٰ متصل اس اسم کو کہتے ہیں جو الا یا اس کے اخوات کے ذریعہ شے متعدد کے حکم سے نکالا گیا ہو خواہ وہ شے متعدد یعنی مستثنیٰ من لفظوں میں ہو یا پوشیدہ اس جگہ شائع نے ای الام الذی اخرج کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المخرج میں الف لام معنی الذی ہے اور اس کا موصوف الام محذوف ہے اور مخرج فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہے پس قید مخرج سے غیر مخرج خارج ہو گیا مثلاً مستثنیٰ منقطع کی جزئیات یعنی حار فرس وغیرہ جیسے جازنی القوم الاحماء کہ اس میں حماء کو متصل نہیں کہیں گے کیونکہ یہ مستثنیٰ من سے مخرج نہیں ہے پھر متعدد کے بعد جزئیات الخ کا اضافہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ متعدد سے مراد یہ ہے کہ اس کی جزئیات یا اجزاء متعدد ہوں یعنی مستثنیٰ من خواہ کلی ہو کہ اس کی جزئیات متعدد ہوں جیسے احد کہ ہر شے اس کا فرد ہوگی یا مستثنیٰ من جزئی ہو کہ اس کے اجزاء متعدد ہوں جیسے اشتریت العبد الا نصفہ کہ اس میں عبد مستثنیٰ من جزئی ہے اور مستثنیٰ باعتبار اس کے اجزاء یعنی نصف

وغیرہ کے ہے پس مستثنیٰ عام ہے، خواہ مستثنیٰ من سے اقل ہو یا اکثر یا مساوی لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اشتریت العبد الا نصفہ میں نصفہ مستثنیٰ متصل ہے مگر یہ متعدد سے خارج نہیں کیونکہ عبد جزئی ہے اس میں تعدد کیسا پس جواب یہ ہوگا کہ عبد اگرچہ جزئی ہے مگر اس کے اجزاء تو ہیں نصف۔ ربع۔ ثمن وغیرہ پس یہ اپنے اجزاء کے اعتبار سے متعدد ہے جزئی کے اعتبار سے نہیں پس مستثنیٰ من کلی ہو تو اس کی مثال ما جازنی احد الا زیداً ہے کہ اس میں احد کلی ہے اور تمام افراد کو شامل ہے یعنی میرے پاس تمام افراد میں سے سوائے زید کے اور کوئی نہیں آیا اور مستثنیٰ من جزئی کی مثال اشتریت العبد الا نصفہ ہے کما مر یہ قول شائع سوائہ کان ذلک التعدد سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لفظاً اور تقدیراً ملفوظاً اور مقدرتاً کے معنی میں ہو کر کان کی خبریت کی بنا پر منصوب میں پس مستثنیٰ من ملفوظ ہو تو اس کی مثال جازنی القوم الا زیداً ہے کہ اس میں القوم مستثنیٰ من لفظوں میں موجود ہے اور مستثنیٰ من مقدر کی مثال ما جازنی الا زید کہ ہے کہ اس میں مستثنیٰ من یعنی احد مقدر ہے ای ما جازنی احد الا زیداً پھر جب مستثنیٰ متصل میں یہ قید لگادی گئی کہ وہ الا یا اس کے اخوات عداً۔ خلا وغیرہ کے ذریعہ مخرج ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ خارج ہو جائے گا جو کہ حرف عطف کے ذریعہ مستثنیٰ من سے مخرج ہو جیسے جازنی القوم لا زیداً اور ما جازنی القوم لکن زیداً جازنی

جب مستثنیٰ کی قسم سے نہیں ہوں گے تو ان پر نصب بھی نہیں آئے گا بلکہ جوارب ان کے معطوف علیہ کا ہوگا وہی معطوف کا بھی ہوگا اب اس جگہ ایک مشہور اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جازنی القوم الا زیداً میں زید قوم میں داخل ہے یا اس سے خارج اگر خارج ہے تو خارج سے خارج کرنا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ خارج شے اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ شے داخل بھی ہو پس جب داخل ہی نہیں ہوگی تو خارج کے کیا معنی نیز اس سے خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی صورت میں زید قوم میں داخل ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ غلی عشرۃ الا درہما تو ایک درہم جو کہ مستثنیٰ ہے وہ بھی عشقہ میں داخل ہوگا اور اگر اس کو داخل مراد لیتے ہیں، تو تناقض صریح لازم آتا ہے کہ مستثنیٰ یعنی زید مستثنیٰ من میں داخل بھی ہو اور خارج بھی جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ حکم سے مخرج نہیں ملو سے مخرج ہے پس جب ہم نے جازنی القوم کہا تو اس سے بادی النظر میں یہ مراد لی گئی کہ مجموعی مجموع کی ہے پس جب الا زیداً کہا گیا تو معلوم ہوا کہ مجموع مراد نہیں بلکہ زید کا مسا مراد ہے پس اولاً زید کو مراد مجموع سے خارج کیا گیا پھر قوم پر محبت کا حکم لگایا گیا اور دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ المخرج عن متعدد کے معنی علی سبیل المجاز منع دخول فی التعدد بالا و اخواتہا کے ہیں یعنی مستثنیٰ ہے تو مستثنیٰ

المخرج كجزئيات المستثنى المنقطع عَنْ حَكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدٍّ جُزْئِيَّاتُهُ نَحْوُ
مَا جَاءَ فِي أَحَدِ الْأَزِيدِ أَوْ أَجْزَاؤِهِ نَحْوَ اشْتَرَيْتَ الْعَبْدَ الْأَنْصَفَةَ سِوَاءَ
كَانَ ذَلِكَ الْمُتَعَدُّ لَفْظًا أَوْ مَلْفُوظًا نَحْوَ جَاءَ فِي الْقَوْمِ الْأَزِيدِ أَوْ تَقْدِيرًا
أَوْ مَقْدَرًا نَحْوَ جَاءَ فِي الْأَزِيدِ أَوْ جَاءَ فِي أَحَدِ الْأَزِيدِ أَوْ لَا غَيْرَ الصِّفَةِ
وَأَخَوَاتِهَا وَاحْتَرِزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ جَاءَ فِي الْقَوْمِ لَا زِيدَ وَمَا جَاءَ فِي الْقَوْمِ لَكِنْ
زِيدَ جَاءَ وَالْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعُ هُوَ الْمَذْكُورُ بَعْدَهَا أَوْ بَعْدَ الْأَوَاخِرِ
غَيْرُ مَخْرُجٍ عَنْ مُتَعَدٍّ وَاحْتَرِزَ بِهِ عَنْ جُزْئِيَّاتِ الْمُسْتَثْنَى الْمُتَّصِلِ
فَالْمُسْتَثْنَى الَّذِي لَوْ يَكُنْ دَاخِلًا فِي الْمُتَعَدِّ قَبْلَ الْإِسْتِثْنَاءِ مُنْقَطِعٌ سِوَاءَ
كَانَ مِنْ جَنْسِهِ كَقَوْلِكَ جَاءَ فِي الْقَوْمِ لَا زِيدَ أَمْثِلًا بِالْقَوْمِ إِلَى جَمَاعَةٍ

احتراز کیا ہے جیسے کہ مستثنیٰ منقطع کی جزئیات ہیں «متعدد» الجزئیات شئی کے حکم (سے) جیسے ما جاء في احد الازيد او اجزائه ایسی چیز کے حکم سے نکالا جائے کہ اس کے اجزاء اور متعدد ہوں جیسے اشتريت العبد الا نصفه کہ عبد اگرچہ متعدد الاجزاء نہیں تاہم جب اشتراء کا اس کے ساتھ تعلق ہوا تو اشتراء کے اعتبار سے وہ متعدد الاجزاء ہو گیا کہ اشتراء کا تعلق کلی عبد کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے بعض عبد کے ساتھ بھی (خواہ وہ دثنیٰ) متعدد (الاجزاء یا متعدد الجزئیات) «لفظاً ہو» یعنی محفوظ ہو جیسے جاء في القوم الازيد الا لا تقديراً یعنی مقدار طور پر ہو جیسے ما جاء في الازيد یعنی ما جاء في احد الازيد (نکالا جائے) «الا» غیر صفتیہ «اور اس کے اخوات کے ذریعے» اور مصنف نے اپنے قول بالا و اخواتہا کی قید سے جاء في القوم لکن زید جاء کے مثل (جولایہ حرف عطف یا لکن استدرکیہ کے ذریعے نکالے جاتے ہیں ان) سے احتراز کیا ہے «اور» مستثنیٰ «منقطع» وہ ہے «جو اس کے بعد مذکور ہوتا ہے» یعنی الا اور اس کے اخوات کے بعد نکالا ہوا نہیں ہوتا «متعدد سے اور مصنف نے اس (قید غیر مخرج) سے مستثنیٰ متصل کی جزئیات سے احتراز کیا ہے پس وہ مستثنیٰ جو اشتناء سے پیشتر (منقطع کے قصد میں) متعدد میں داخل نہ تھا وہ منقطع ہے خواہ وہ مستثنیٰ کی جنس سے ہو جیسے تبار اقول جاء في القوم الازيد قوم سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کرتے

مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے پس جب منقطع کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ متعدد سے مخرج نہ ہو یعنی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو تو اس میں وہ مستثنیٰ بھی داخل ہو جائیگا جو استثنا سے پیشتر متعدد یعنی مستثنیٰ منہ میں داخل ہو اس لئے کہ غیر مخرج اور عدم دخول کے اعتبار سے اس پر بھی مستثنیٰ منقطع کی تعریف صادق آتی ہے پھر خواہ وہ مستثنیٰ منقطع متعدد کی جنس سے ہو یا نہ ہو متعدد سے غیر مخرج ہونا اور اس میں عدم دخول ضروری ہے پس اگر ہم لفظ قوم سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو کہ زید سے خالی ہو یعنی اس میں زید موجود نہ ہو جائے فی القوم الازيد کہیں تو اس میں زید مستثنیٰ منقطع ہو گا کیونکہ زید اگرچہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے مگر اس میں داخل نہیں کیونکہ قوم پہلے سے ہی زید سے خالی ہے اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہوتا اس کی مثال جاری القوم الا حمارا ہے پس حمار مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ یہ نہ قوم میں داخل ہے اور نہ اس سے مخرج۔

(فاصلہ) مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ مصنف نے متصل اور منقطع کی جو تعریف کی ہے وہ اتم اور اکمل ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ تعریف کی جائے اور دونوں میں یہ فرق بیان کیا جائے کہ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو پس اس اکملیت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے منقطع کی تعریف میں وہ مستثنیٰ بھی داخل ہو گیا جو کہ مستثنیٰ منہ میں استثناء سے پیشتر داخل نہ ہو خواہ وہ جنس متعدد سے ہو یا نہ ہو جیسا کہ ابھی مذکور ہوا بخلاف اس کے کہ اگر یہ تعریف کی جائے کہ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ خارج ہو جاتا ہے جو استثناء سے پیشتر متعدد میں

استثنیٰ کا شراح نے اضافہ کیا اس کی تعریف یہ ہے کہ الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن متعدد سے نہ نکالا گیا ہو اس لئے کہ استثناء منقطع میں مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوا کرتا پس اس سے مستثنیٰ داخل کی جزئیات خارج ہو گئیں اس لئے کہ اس میں

منہ میں داخل لیکن الا اور اس کے اخوات کے باعث مستثنیٰ کا متعدد میں دخول ممکن ہو گیا پس اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہو گا

واللہ اعلم
نکالہ قولہ والمستثنى المنقطع الا المنقطع موصوف محذوف کی صفت ہے اس لئے

داخل نہ ہو حالانکہ کوئی بھی اس کو متصل کی تعریف میں داخل نہیں کرتا بلکہ سب کو منقطع ہی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

۳۵۵ قولہ وہو الخ اس جگہ ای المستثنیٰ کہہ کر شارح نے ہو کا مرجع بیان کیا ہے اور مطلقاً الخ سے ایک اعتراض کا دفع یہ مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ مستثنیٰ کی تعریف تو ماقبل میں بیان نہیں کی گئی جس سے مستثنیٰ کا علم ہو اور اس کی طرف ضمیر راجع کر دی گئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ حکم مطلقاً مستثنیٰ کا ہے اور اس کی تعریف اولاً تو اس طرح معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف صحیح ہو گئی تھی یعنی جس کو اصطلاح نہاۃ میں مستثنیٰ کہیں وہ مستثنیٰ ہے پھر ثانیاً جب اس کی دونوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ تعریف کر دی گئی تو اس سے بھی اس کی تعریف سمجھ میں آگئی یعنی مستثنیٰ وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو عام ازیں کہ وہ متعدد سے مخرج ہو یا غیر مخرج پس جب اس کی تعریف دو وجہوں سے سمجھ میں آجاتی ہے تو اب مطلق مستثنیٰ کی طرف ضمیر کے راجع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس واسطے مصنف نے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے مستثنیٰ مطلق کی تعریف نہیں کی بہر حال مستثنیٰ مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ وجوباً منصوب ہوتا ہے جبکہ وجوب کی شرائط پائی جائیں کماسیجی واللہ اعلم۔

۳۵۶ قولہ اذا کان الخ یہاں سے مصنف وجوب نصب کی شرائط بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مستثنیٰ اس وقت وجوباً منصوب ہوگا جبکہ الا غیر منفی کے بعد کلام موجب میں واقع ہو الا کے بعد لا بعد غیر سوئی کا اضافہ کر کے شارح کے یہ بتایا ہے کہ غیر اور سوئی وغیرہ کے بعد مستثنیٰ واقع نہ ہو ورنہ وہ بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا کاسیجی اور مصنف نے غیر الصفیٰ کی قید احتراز کے

خالیۃ عن زید اولم یکن نحو جاء فی القوم الاحراراً وهو ای المستثنیٰ مطلقاً حیث علم اولاً بوجہ یصح تقسیمہ کما عرفت وثانیاً بما یفطن له من تعریف قمیمہ اعنی المذکور بعد الا واخواتها سواء کان مجزئاً او غیر مجزئ ولہذا لم یعرفہ علی حدة روماً للاختصار منصوب وجوباً اذا کان واقعاً بعد الا لا بعد غیر سوئی وغیرہما غیر الصفیٰ قیدیہ وان لم یکن الواقع بعد الا التی للصفیٰ داخل فی المستثنیٰ لئلا یدل علیہ فی کلام من وجب ای لیس بنفی ولا منہی ولا استفہام نحو جاء فی القوم الا زیداً واحترز بہ عما اذا وقع فی کلام غیر موجب لانہ لیس حیث ان

ہوتے جو زید سے خالی ہے (تقدیرہ جاء فی هذه الجماعة الخالیۃ عن زید الا زیداً) یا مستثنیٰ کی جنس سے) نہ ہو جیسے جاء فی القوم الاحراراً اور وہ یعنی مستثنیٰ مطلق متصل ہو یا منقطع گویا ضمیر ہو مستثنیٰ مطلق کی طرف راجع ہے جو متصل و منقطع کے لئے مقسم ہے اور یہ دونوں اس کے قسم ہیں مستثنیٰ مطلق صراحت سے مذکور تو نہیں مگر مصنف کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ مستثنیٰ مطلق اولاً ایسی وجہ سے جانا گیا ہے جو (دو قسموں کی طرف) اس کی تقسیم کو صحیح کرتی ہے (وہ یہ کہ المستثنیٰ پر لام عہد خارجی کا ہے اس سے لفظ مستثنیٰ مراد ہے جو مستثنیٰ کے دونوں قسموں کو شامل ہے) جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا اور مستثنیٰ مطلق کا پتہ ثانیاً اس (وجہ سے بھی چل گیا) جس سے وہ سمجھا جاتا ہے یعنی اس کے دو قسموں کی تعریف (سے) مستثنیٰ مطلق کا پتہ چلتا ہے کہ مقسم اپنے اقسام کے ضمن سے سمجھا جاتا ہے نیز ہا یہ مطلق نہیں نہ نائب فاعل اور من تعریف میں من مایفطن کا بیان ہے یعنی (مستثنیٰ مطلق وہ ہے) جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو خواہ مخرج ہو یا غیر مخرج اور اسی وجہ سے کہ مستثنیٰ مطلق منفی طور پر سمجھا جاتا ہے) اختصار کے قصد سے اس کی (وہ المذکور بعد الا واخواتہا کہہ کر) علیحدہ تعریف نہیں کی و منصوب ہوگا (وہو الا غیر صفیٰ کے بعد واقع ہو) (غیر اور سوئی وغیرہما کے بعد واقع) نہ ہو کہ اس صورت میں مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے) مصنف نے غیر الصفیٰ کی قید لگائی اگرچہ الا صفیٰ کے بعد واقع ہونے والا (اسم) مستثنیٰ میں داخل ہی نہیں (مع ہذا قید لگا دی) تاکہ اس (یعنی الا صفیٰ کے بعد کے اسم) کے مستثنیٰ میں داخل نہ ہونے سے غفلت میں نہ رہا جائے و کلام موجب میں یعنی جو نفی نہ ہو اور نہ تنہی اور نہ استفہام جیسے جاء فی القوم الا زیداً اور مصنف نے کلام موجب کی قید سے اس مستثنیٰ سے احتراز کیا ہے جو کلام غیر موجب

لئے لگائی ہے یعنی الا کی دو قسمیں ہیں ایک استثنائی ہوگا کہ اس پر اعراب مستثنیٰ جاری کیا جائے دوسری منفی ہیں یہ حکم استثنائی کا ہے منفی کا بلکہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہوگا اور تابع ہونے میں اس لئے کہ الا صفیٰ کے بعد جو اسم واقع کے لحاظ سے اس پر وہی اعراب آئے گا۔

اس لئے تعرض نہیں کیا کہ قول مصنف فی کلام موجب سے متبادر اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کلام موجب نام ہوا ہی واسطے مصنف اس کو نکرہ لائے معرفہ ذکر نہیں کیا یعنی فی الکلام اللوجب نہیں کہا تاکہ اس سے کلام کی تائید کی طرف بھی اشارہ ہو جائے واللہ اعلم ۱۱

۲۵۸ قولہ والعامل الخ ابیہاں

سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مستثنیٰ کس بنا پر منصوب ہوتا ہے یعنی اس میں عامل نصب کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ جب مستثنیٰ استثناء کی بنا پر منصوب ہو تو نحاة بصرہ کے نزدیک اس میں عامل وہ فعل ہوتا ہے جو مستثنیٰ پر مقدم ہو پس یہ فعل الّا کے توسط سے مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے جیسا کہ مفعول معنہ کا عمل نصب بہ توسط واو فعل ہوتا ہے اور اگر فعل مقدم نہ ہو تو معنی فعل بتوسط الاستثنیٰ میں عامل ہونگے معنی فعل کی تفصیل مالک وزیداً ای ما تصنع میں گذر چکی اور فعل یا معنی فعل کے عامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ فعل یا معنی فعل سے تعلق معنوی رکھتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ کی نسبت اس مستثنیٰ منہ کی طرف ہوتی ہے جس کی طرف فعل یا معنی فعل منصوب کئے جاتے ہیں مثلاً جارنی القوم الازیداً میں زید مستثنیٰ ہے اور اس کا تعلق قوم کے ساتھ ہے جو کہ مستثنیٰ منہ ہے اور قوم کی طرف فعل جار منصوب ہے پس جب فعل مستثنیٰ منہ کی طرف منصوب ہوا اور مستثنیٰ کا تعلق مستثنیٰ منہ سے ہوتا ہے تو مستثنیٰ کا تعلق فعل یا معنی فعل سے بھی ہوگا پس اس میں فعل یا معنی فعل عامل ہونگے پھر یہ کہ مستثنیٰ کلام کے تمام ہونے کے بعد آتا ہے جیسا کہ مفعول فعل کے اپنے فاعل کے ساتھ تمام ہونے کے بعد آتا ہے پس مستثنیٰ مفعول ہوگا اور اس مشابہت کے باعث مستثنیٰ کو نصب دیا جائیگا پھر اگر یہ مشابہت عام مراد ہو تو فضلہ ہونے کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے اور اگر مشابہت خاص مراد

والعامل فی نصب المستثنیٰ اذا کان منصوباً علی الاستثناء عند البصریۃ الفعل المتقدم او معنی الفعل بتوسط الّا لانه شیء یتعلق بالفعل او معناه تعلقاً معنوياً اذ لہ نسبة الی ما نسب الیہ احدهما وقد جاء بعد تمام الکلام فتشابه المفعول او مقدماً عطف علی قوله بعد الا ای المستثنیٰ منصوب وجوباً اذا کان المستثنیٰ مقدماً علی المستثنیٰ منہ سواء کان فی کلام موجب او غیر

تمام مراد ہے بدیل ایرادہ بالتشکیر اور مستثنیٰ کی نصب میں عامل جیکہ مستثنیٰ بنا پر استثناء مفعول ہو نحاة بصریہ کے نزدیک فعل مقدم ہے (الّا کے توسط سے جیسے مفعول معنہ میں واو کے واسطے سے فعل عامل ہے اور یہی مذہب مختار ہے) یا فعل (مقدم) کا معنی (مستفاد اذ الّا) کما تقول جارنی القوم الازیداً ای استثنیت زیداً منہم اور ان دونوں میں سے ہر واحد (الّا کے توسط سے) عمل کرتا ہے (کیونکہ مستثنیٰ کے لئے اس چیز (یعنی مستثنیٰ منہ) کی طرف نسبت ہے جس (مستثنیٰ منہ) کی طرف ان دو (یعنی فعل یا معنی فعل) میں سے ایک کی نسبت کی گئی ہے) حالانکہ مستثنیٰ کلام کے تمام ہونے کے بعد آیا ہے لہذا (اس حیثیت سے) مفعول بہ کے مشابہ ہوا (اس لئے مفعول کی طرح مستثنیٰ بھی منصوب ہوگا) (یا مقدم ہو) مصنف کے قول "بعد الّا" پر عطف ہے یعنی مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوتا ہے جیکہ مستثنیٰ مقدم ہو (مستثنیٰ منہ

لی جائے تو اس کی مشابہت مفعول معنہ کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ بتوسط واو منصوب ہوتا ہے بلکہ واسطہ نہیں اور یہ بتوسط الّا اور وجوب نصب کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس میں بدلیہ کا احتمال اپنے مانہل سے منقطع ہو جائے گا پس سوائے نصب کے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہے گا لہذا نصب واجب ہوگا بخلاف بدلیہ کے کہ چونکہ جیسا اس کا مانہل ہوتا ہے ویسا ہی بدل بھی ہوتا ہے پس اگر یہاں بدلیہ کا احتمال ہوتا تو زید بدلیہ کی بنا پر مرفوع ہوتا کیونکہ مبدل منہ جار فاعلیت مرفوع ہوتا کہ منصوب واللہ اعلم

۲۵۹ قولہ او مقدماً الخ وجوب

نصب کی دوسری شرط ہے اور اس کا عطف بعد الّا یہ ہے کہ اگر اذ کان کی خبر ہے پس عبارت یہ ہوگی ای المستثنیٰ منصوب الخ پس اس میں کلام

موجب اور غیر موجب کی کوئی قید نہیں ہوگی پس معنی یہ ہوں گے کہ جب مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا خواہ کلام موجب میں واقع ہو یا غیر موجب میں جیسے جارنی الازیداً القوم اور جارنی الازیداً الخ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی بدلیہ کا احتمال نہیں ہوگا اس لئے کہ بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ بدل توابع میں سے ہے اور تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوا کرتا بخلاف کلام غیر موجب کے کہ اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم نہیں ہوگا تو مستثنیٰ منصوب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں احتمال بدلیہ موجود ہے جیسے جارنی الخ الازیدہ کہ زیداً حد سے بدل واقع ہو سکتا ہے پس مستثنیٰ مرفوع ہوگا نہ کہ منصوب چنانچہ نصب واجب ہو واللہ اعلم۔

موجب نحو جاءني الازيدان القوم وما جاءني الازيد احد لا متناع
تقديم البديل على المبدل منه **او منقطعاً اي المستثنى منصوباً ايضاً وجوباً**
اذا كان منقطعاً بعد الا نحو ما في الدار احد الاحرار في الاكثر اي في
اكثر اللغات وهي لغات اهل الحجاز فانهم قبائل كثيرون او في اكثر مذاهب
النحاة فان اكثرهم ذهبوا الى اللغة الحجازية فالمنقطع مطلقاً منصوب
عندهم اذ لا يتصور فيه الا بديل الغلط وهو لا يصدر الا بطريق السهو
لغفلة والمستثنى المنقطع انما يصدر بطريق الروية والفتانة واما

پر «خواہ کلام موجب میں ہو یا غیر موجب میں جیسے جاءني الازيدان القوم وما جاءني الازيد
احد اور اس صورت میں نصب اس لئے واجب ہے کہ منصوب نہ ہو تو بدل ہو گا حالانکہ
ما بعد سے بدل ہونا جائز نہیں کیونکہ بدل کی مبدل منہ پر تقدیم جائز نہیں لایا منقطع ہوا
یعنی نیز مستثنی وجوباً منصوب ہوتا ہے جبکہ (مستثنی) منقطع ہوا الا کے بعد واقع ہو (خواہ کلام
موجب میں ہو اور من جنس ہو جیسے جاءني القوم الازيدا یا من غیر جنس ہو جیسے جاءني القوم الا
حمارا یا غیر موجب میں ہو اور من جنس ہو جیسے جاءني القوم الازيدا یا من غیر جنس ہو) جیسے
ما في الدار احد الاحرار (اکثر میں) یعنی اکثر لغات میں اور وہ اہل حجاز کی لغت ہے کہ اہل حجاز
بہت قبائل ہیں یا نحو لوں کے سب سے زیادہ کثیر مذہب میں کہ سب سے زیادہ نحوی لغت حجاز
کی طرف گئے ہیں پس (مستثنی) منقطع مطلقاً یعنی خواہ اس سے پہلے ایسا اسم ہو کہ اس کا حذف
کرنا صحیح ہو یا نہ) حجازیوں کے نزدیک منصوب ہے کیونکہ مستثنی منقطع میں بدل الغلط ہی مقصود
ہو سکتا ہے اور بدل الغلط سہو اور غفلت کے طریقے سے ہی صادر ہوتا ہے اور مستثنی منقطع
(برعکس آں) عقل و فکر ہی سے صادر ہوتا ہے (بینہما تناف و تضاد) اور بنو تمیم نے تو مستثنی

حجاز مراد ہوں گے نہ کہ لغت بنو تمیم اس لئے کہ
اہل حجاز کے قبائل بکثرت ہیں اس لئے ان کیلئے
اکثر لغات کا لفظ استعمال کیا گیا یا پھر اس سے
اکثر مذاہب نحاة مراد ہے اس لئے کہ اکثر نحاة
نے لغت حجازیہ کو اختیار کیا ہے اور لغت
حجاز اکثر ہے اس لئے مذاہب کے اعتبار سے
بھی اکثر مذاہب نحاة کہا گیا پس مستثنی منقطع
خواہ جنس مستثنی منہ سے ہو یا نہ ہو مطلقاً ان کے
نزدیک منصوب ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں
سوائے بدل الغلط کے اور کوئی احتمال مقصود
ہی نہیں ہوتا جبکہ ہم اس کو بجائے منصوب کے
مرفوع پر لکھیں جیسے ما جارني القوم الاحرار
کہ اس میں حمار القوم سے بدل الغلط ہی ہو سکتا
ہے اور چونکہ یہ ازرد کے سہو و غفلت کے
واقع ہوتا ہے اور مستثنی منقطع قصداً فکر و
تامل اور فطانت کے بعد واقع ہوتا ہے لہذا
اس میں بدل غلط کا بھی احتمال نہیں ہو سکتا جو
کہ وجوب نصب کو مانع تھا پس مستثنی
منقطع وجوباً منصوب ہو گا واللہ اعلم۔

۳۶۰ قولہ واما بنو تمیم الخ وجوب
اور عدم وجوب نصب کے بارے میں مستثنی
منقطع کی دو قسمیں کرتے ہیں اس لئے کہ مستثنی
منہ دو حال سے خالی نہیں اس کو حذف کر کے
مستثنی کو اس کے قائم مقام کرنا صحیح ہو گا یا
نہیں پس اگر صحیح ہو یعنی مستثنی سے پہلے ایسا
اسم ہو کہ اس کے حذف کرنے سے کوئی تضاد
معنی لازم نہ آئے تو اس وقت اس میں ان
سے نزدیک مستثنی منقطع کو بنا بر بدلیہ رفع
دیا جائے گا کیونکہ بدل الغلط میں مبدل منہ
بمنزلہ ترک کر دیے جانے کے ہوتا ہے اس
لئے بجائے اس کے بدل فاعلیت کی
بنیاد مرفوع ہو گا جیسے ما جارني القوم الاحرار
اس میں قوم کا حذف کرنا جائز ہے اور کوئی
فساد معنی بھی لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے مقصود
حمار کے لئے ثبوت نجی ہے اور یہ صریح

نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اکثر میں
الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے پس اگر
اکثر لغات میں منصوب مراد ہے تو لغات اہل
ہو تو جار القوم الاحرار اس کی مثال ہے علی
ہذا القیاس کلام غیر موجب میں جنس مستثنی منہ
سے ہو جیسے ما جارني القوم الازيدا مذکورہ
بالا شرط کے ساتھ یا غیر جنس سے ہو جیسے ما
في الدار احد الاحرار پس ان تمام امثلہ میں
مستثنی اکثر لغات عرب یا اکثر مذاہب نحاة
کی بنا پر وجوباً منصوب ہو گا کیونکہ اکثر
کی تفسیر فی اکثر اللغات سے کر کے شارح

نصب کا تیسرا موضع یا تیسری شرط ہے اس کا
علف بھی الابر ہے اور تقدیر عبارت اس
طرح ہے ای المستثنی منصوب ایضاً الخ یعنی
مستثنی کا نیز منصوب کرنا واجب ہے جبکہ
مستثنی منقطع الا کے بعد واقع ہو خواہ کلام
موجب میں ہو یا غیر موجب میں اور مستثنی منہ کی
جنس سے ہو یا نہ ہو پس کلام موجب میں مستثنی منہ
کی جنس سے ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے جارني
القوم الازيدا بشرطیکہ قوم کو استثناء سے
بیشتر درجہ سے خالی مانا جائے اور غیر جنس سے

حاصل ہو جاتا ہے خواہ مستثنیٰ نہ کو ذکر کریں یا نہ کریں لہذا اس کو مرفوعہ پڑھیں گے، اور دوسری قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع سے پہلے ایسا اسم نہ ہو کہ اس کا حذف صحیح ہو جس لئے کہ اس سے فساد معنی لازم آتا ہو تو اس وقت یہ بھی وجوب نصب کے بارے میں مجازین کے موافق ہیں جیسے قول باری تعالیٰ لا عامم الیوم من امر اللہ الامن رحمہ کہ اس میں رحمہ عام سے استثناء ہے اور عام مستثنیٰ منہ کا حذف صحیح نہیں اس لئے کہ یہ لافعی جنس کا اسم ہے اور اسم اس کا حذف نہیں ہو کرتا اور خبر اس کی محذوف ہے یعنی موجود ہیں اگر اسم کو بھی حذف کر دیں تو کلمہ کا بے معنی ہونا لازم آتا ہے اس لئے مستثنیٰ کو منصوب پڑھیں گے وجہ یہ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ من رحمہ میں رحمہ یا تو من کا صلبہ سے یا صفتہ اور دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اگر جملہ صلیہ صفتہ واقع ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے پس شایع نے ای من رحمہ اللہ سے اس عائد کو ذکر کر دیا تاکہ اعتراض نہ وارد ہو۔ کیونکہ اس میں ضمیر عائد موجود ہے پھر من رحمہ اللہ کی شرح ہو المرحوم المعصوم سے اس لئے کہ جس کی اللہ حفاظت کرے اور اس پر رحم کرے وہ معصوم اور مرحوم ہی ہو گا نہ کہ عام پس معصوم عام میں داخل نہ ہو گا کیونکہ عام فاعل سے من رحمہ اللہ مفعول اور مفعول فاعل کا غیر ہوتا ہے پس معصوم بھی جنس عام سے نہ ہو گا لہذا اس کا مستثنیٰ منقطع ہوتا صحیح اور درست ہو گا واللہ اعلم

لکھ قولہ اوکان بعد الذی مستثنیٰ کو وجوب نصب کا چوتھا مقام ہے اس کا عطف کا، بعد الا پر ہے اور عبارت اس طرح ہے ای المستثنیٰ منصوب ایضا وجوبا اذا کان النعم مستثنیٰ تیر منصوب ہو گا جبکہ علیا خلا کے بعد واقع ہو علی باب نصر سے آتا ہے پوری

بنو تمیم فقد قسموا المنقطع الی قسمین احدهما ما یكون قبلہ اسم یصح حذف نحو ما جاء فی القوم الا حصارا فہنا يجوزون البدل وثانیہما ما لا یكون قبلہ اسم یصح حذفہ فہم ہہنا یوافقون المجازین فی ایجاب نصبہ کقولہ تعالیٰ لا عامم الیوم من امر اللہ الا من رحمہ ای من رحمہ اللہ فمن رحمہ اللہ هو المرحوم المعصوم فلا یكون داخل فی العامم فیکون منقطعاً او کان بعد خلا وعدا ای المستثنیٰ منصوب ایضا وجوبا اذا کان

منقطع کو دو قسموں کی طرف تقسیم کیا ہے ان دو میں سے ایک وہ (مستثنیٰ منقطع) ہے کہ جس سے پہلے ایک ایسا اسم ہو جس کا حذف کرنا صحیح ہو (اور اس کی جگہ مستثنیٰ کو قائم کیا جاسکتا ہو خواہ متعدد ہو) جیسے ما جاء فی القوم الا حصارا (یہاں القوم کو حذف کر کے اس کی بجائے حصار کو قائل بنایا جاسکتا ہے یعنی ما جاء فی الاحمار اکہنا جائز ہے یا غیر متعدد ہو جیسے ما جاء فی زید الا عمر و) پس یہاں (اس قسم میں) بنو تمیم بدل کو جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرا وہ (مستثنیٰ منقطع) ہے کہ اس سے پیشتر کوئی ایسا اسم نہ ہو جس کا حذف کرنا صحیح ہو (بلکہ اس کا مذکور ہونا ضروری ہو تو بنو تمیم یہاں (اس قسم میں) مستثنیٰ کی نصب کے واجب کرنے میں مجاز یوں سے موافقت رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے لا عامم الیوم من امر اللہ الامن رحمہ یعنی من رحمہ اللہ (التقدیرہ لا عامم من قضاء اللہ موجود الیوم الامن رحمہ اللہ) جو جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مرحوم معصوم ہے تو وہ عام میں داخل نہ ہو گا کہ عام فاعل ہے اور من رحمہ اللہ مفعول ہے اور معصوم عام کی جنس سے نہیں کیونکہ مفعول فاعل کا غیر ہے) پس (مستثنیٰ منقطع ہوا) ومثالہ لا ضارب الیوم الا زید ای لا ضارب الیوم موجود الا للضروب فقیر قادی محمد غلام سرور دہلوی عرض کرتا ہے کہ اسم فاعل کبھی اسم مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے اگر عام معصوم کے معنی میں ہو تو مستثنیٰ متصل ہو گا) لا یخلو اور عدا

من مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے غلبت الذی یارب من الانیس مکات غنورہ سے خالی ہو گئے) لیکن یہ کبھی جائز کے معنی کو بھی متضمن ہوتا ہے پس اس صورت میں جس طرح جائز متعدی بنفسہ اور طالب مفعول ہوتا ہے اسی طرح خلا بھی متعدی بنفسہ ہو کر طالب مفعول ہو گا نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفعول سے واسطہ جو کو حذف کر کے فعل کو مفعول سے موصول کر دیتے ہیں پس ہو سکتا ہے کہ یہاں سے من حذف کر دیا گیا (اور فعل کو مفعول سے ملا دیا گیا پس

عدا بعد دعدا جس کے معنی ہیں تجاوز کرنا جیسے جارئی القوم عدا زیداً اور خلا یخولوا بھی اسی باب سے آتا ہے جیسے جارئی القوم خلا زیداً لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عدا متعدی بنفسہ ہے اور خلا لازم ہے لہذا اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ جب خلا لازم ہے تو اس کے بعد زید کو نصب کیسا؟ اس لئے کہ لازم کے لئے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اس کا جواب شارح دہونی الاصل النہی ہے یہ ہے ہے جس کی یہ اصل اس لازم ہے اور بواسطہ

بعد عدا من عدا بعد وعدا اذا جاوزك مثل جاءني القوم عدا زيدا
لو بعد خلا من خلا يخلوا واخلوا نحو جاءني القوم خلا زيدا وهو في الأصل
لازم يتعدى الى المفعول بمن نحو خلت الديار من الانيس وقد يضمن
معنى جاوزا ويحذف من ويوصل الفعل فيتعدى بنفسه والتزموا
هذا التضمن او الحذف والايصال في باب الاستثناء ليكون ما بعد ها في
صورة المستثنى بالا التي هي ام الباب وفاعلهما ضمير راجع امّا الى مصدر
الفعل المقدم او الى اسم الفاعل منه او الى بعض مطلق من المستثنى

کے بعد ہو) یعنی نیز مستثنیٰ وجو یا منصوب ہو گا جبکہ عدا کے بعد ہو (عدا) عدا بعد وعدا جبکہ
اس سے تجاوز کر جائے سے ماخوذ ہے جیسے جاءني القوم عدا زيدا یا خلا کے بعد ماخوذ از خلا
يخلو جیسے جاءني القوم خلا زيدا اور لفظ خلا (در اصل) لازم ہے (اور کبھی) مفعول کی طرف
(حرف) من کے ذریعے متعدی ہوتا ہے جیسے خلت الديار من الانيس اور کبھی (خلا میں)
جاوز کے معنی کی تضمین کی جاتی ہے اور (حرف) من کو حذف کر دیا جاتا ہے اور خلا فعل کو
(مفعول بہ تک) پہنچا دیا جاتا ہے تو خلا (اس صورت میں) متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے اور نحو
نے اس تضمین و حذف و ایصال کا باب استثناء میں التزام کر لیا تاکہ خلا کا ما بعد اس الّا کے
ذریعے مستثنیٰ کی صورت میں ہو جائے جو باب استثناء میں اصل ہے اور عدا و خلا کا فاعل ضمیر
ہے جو فعل مقدم کے مصدر مدلول فعل مقدم کما فی قولہ تعالیٰ اعدوا حوا قرب للتقوى یا
فعل مقدم سے (ماخوذ) اسم فاعل یا مستثنیٰ من سے بعض مطلق یا غیر معین مفید استعراق درجہ اب
کقولہ تعالیٰ طلت نفس ای کل نفس فلا یرد اہ لا یرزم من مجاوزة بعض القوم ایاہ وعلوہ منہ
مجاوزة الكل وعلوہ لكل منہ اور (ان دونوں میں سے ہر واحد میں تاویلات شکاکہ کی بنا پر) تقدیر یہ

فعل اس ایصال کے اور غلط من کے باعث
متعدی بنفسہ ہو گیا اس لئے کہ جب فعل متعدی
بحرف البر سے حرف جر کو حذف کر کے فعل کو
مفعول سے موصول کر دیتے ہیں تو فعل متعدی
بنفسہ ہو جاتا ہے اور اس حذف کو ایصال کہتے
ہیں و اللہ اعلم

۱۱۱ قولہ و التزموا الخیراں سے
شارح یہ بیان کر رہے ہیں کہ خلا میں تضمین معنی
جاوز اور حذف و ایصال کی کیا ضرورت پیش آئی
ہے بلکہ اس کے بغیر باب استثناء میں اس سے
کام نہیں چل سکتا؟ کہتے ہیں کہ اس تضمین یا حذف
و ایصال کا باب استثناء میں التزام اس وجہ

سے ہے تاکہ خلا کا ما بعد مستثنیٰ بہ الّا کی صورت
میں ہو جائے جو کہ ام الباب سے عدا کا باب
اس وجہ سے جسکے ہی کی وضع ہی صرف
استثناء کے لئے ہوئی ہے بخلاف اس کے
ما سول کے کسی میں منایرة کے معنی پائے جاتے
میں کسی میں ظرفیۃ مجاوزت غلوئی وغیرہ میں ان
کو استثناء سے قدرے مناسبت کے باعث
استثناء میں استعمال کیا جاتا ہے پس جب خلا
اس تضمین یا حذف و ایصال کے باعث مستثنیٰ
بالا کی صورت میں ہو جائے گا تو جس طرح الّا کا
ما بعد منصوب ہوتا ہے اسی طرح اس کا ما بعد
بھی صریح طور پر ضمیر کسی واسطے کے منصوب

ہو گا اس لئے کہ جار مجرور محل نصب میں
واقع ہوں گے مفعولیۃ کی بنا پر پس جب جار
کو حذف کر دیا جائے گا تو وہی نصب محلی
نصب لفظی سے تبدیل ہو کر خلا کا بعد پر آجائے
گا اور مستثنیٰ صریحاً منصوب ہو جائے گا،
اب رہی یہ بات کہ اس کا ما بعد تو مفعولیۃ
کی بنا پر منصوب ہو گا مگر ان کی ضمیر فاعل کسی
طرف راجع ہے اگر ان کا مرجع قوم کو ٹھہراتے
ہیں تو قوم جمع ہے ضمیر مفرد اس طرف راجع
نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب شارح و فاعلہما
سے یہ دے دے رہے ہیں کہ ان دونوں کی ضمیر
مستتر یا تو فعل مقدم کے مصدر کی طرف راجع
ہے یا اسی مصدر کے اسم فاعل کی طرف اس
لئے کہ فعل اپنے صاحب پر دلالت کرتا ہے
یا مستثنیٰ منہ سے بعض مطلق کی طرف اس لئے
کہ کل بعض پر مشتمل ہوتا ہے پس بعض مطلق کل کے
ضمن میں پایا جائیگا جس کی طرف حد اور خلا کی
ضمیر مستتر راجع ہوگی کیونکہ اگر کل کی طرف راجع
کرتے ہیں تو مذکورہ بالا اعتراض پھر لوٹ آتا
ہے کہ مفرد کا مرجع جمع کیسے ہو سکتا ہے اور
بعض سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کے ہر
ہر فرد پر صادق آسکے تاکہ استثناء صحیح ہو جائے
اسی واسطے شارح نے بعض مطلق کہا اس لئے
اس میں ہر ہر فرد مستثنیٰ منہ پر صادق آنے کا
احتمال ہوتا ہے پس استثناء ہر ہر فرد مستثنیٰ منہ
سے ہو سکے گا علی سبیل البعضیۃ المطلقة بخلاف
بعض معین کے کہ اس سے تعیین و تحدید کی بنا
پر استثناء صحیح نہ ہو گا کیونکہ وہ مستثنیٰ منہ کے ہر
ہر فرد پر صادق نہیں آسکے گا پس تقدیر عبارت
یہ ہوگی جار فی المقوم عدا یا خلا (جیسے زید بصورت
ارجاع ضمیر الی مصدر الفعل یا عدا انجائی منہم زید
جبکہ ضمیر مصدر کے اسم فاعل کی طرف راجع کی
جائے اور جب بعض مستثنیٰ منہ کی طرف راجع
ہوگی تو تقدیر عبارت حد بعض منہم زید پھر
فاعل و مفعول سے خلا اور عدا مل کر جار فی المقوم

منه والتقدير جاء في القوم عدا او خلا مجيئهم او الجاني منه او بعض
منهم زيذا وهما في محل نصب على الحالية ولم يظهر معهما قد ليكون
اشبه بالالتفات في باب الاستثناء في لاكثر اى نصب
بهما انما هو في اكثر الاستعمالات لانهما فعلا ن ما حيان كما عرفت و
قد اجيز الجرح بهما على انهما حرفا جر قال السيراني لم اعلم خلافا في جواز
الجرح بهما الا ان نصب بهما اكثر او ما خلا وما عدا اى المستثنى منصوب

ہوگی جاء في القوم عدا (مجيئهم) او خلا مجيئهم (زيذا) یا (جاء في القوم عدا او خلا) الجاني منهم
(زيذا) یا (جاء في القوم عدا او خلا) بعض منهم زيذا اور (عدا او خلا) دونوں اپنے فاعل و مفعول
سمیت حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہیں اور ان دونوں کے ہمراہ (الفظ) قد کو ظاہر
نہیں کیا گیا تاکہ (ان دونوں میں سے) ہر واحد اس الاء کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو جو باب استثناء
میں اصل ہے و اکثر میں یعنی عدا و خلا کے ذریعے (مستثنی کی) نصب اکثر استعمالات میں ہے
کیونکہ یہ دونوں فعل ماضی ہیں جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا اور ان دونوں کے ذریعے (مستثنی کی)
جر کو جائز رکھا گیا ہے بنا بر آئکہ دونوں حرف جر ہیں (اور یہ مذہب انھیں ہے اور سیبویہ
جواز جر کے منکر ہیں) اور سیرانی نے کہا کہ مجھے عدا و خلا کے ذریعے جر کے جواز میں کوئی اختلاف
معلوم نہیں مگر ان دونوں کے ذریعے نصب اکثر ہے (اور ما خلا اور ما عدا) یعنی نیز مستثنی

سے حالت کی بنا پر محل نصب میں ہونے کی بنا پر
القوم حال آئے خلا (عدا) مجيئهم (و غیرہ) زیذا
والله اعلم

۱۲ قولہ ولم يظهر معهما قد یہ عبارت
ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ
ہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتی ہے
تو اس پر قد کا داخل کرنا ضروری ہوتا ہے اور
یہاں خلا و عدا دونوں ماضی ہیں اور حال واقع
ہیں مگر ان پر لفظ قد داخل نہیں پس اس کی وجہ
کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان پر بظاہر دخول
قد اس وجہ سے نہیں ہوتا تاکہ یہ استثناء کے
موقع میں واقع ہونے کی وجہ سے الاء کے مشابہ
ہو جائیں جو کہ باب استثناء میں اصل ہے
پس ان میں قد مقدر کیا جائیگا نیز جبکہ یہ الاء کے
مشابہ ہو جائیں گے تو ان کی فعلیت میں ضعف
پیدا ہو جائیگا پس ان پر قد کو داخل نہیں کریں گے
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلا اور عدا خالیاً اور
مجاوزاً کے معنی میں ہوں پس اس وقت ان کا
حال واقع ہونا صحیح ہوگا کچھ خلا اور عدا کے
ذریعے مستثنی کا منصوب ہونا اکثر استعمالات
کی بنا پر ہے کیونکہ یہ فعل ماضی میں ہر وقت جر
نہیں اس لئے کہ ان پر ما مصدر یہ بھی داخل
ہو جاتا ہے اور ما مصدر یہ فعل پر داخل ہوتا
ہے حرمت پر نہیں اور بعض ان کے مابعد میں جر
کے مجاز کے بھی قائل ہیں کیونکہ وہ انکو حرف
جر مانتے ہیں اس بائے میں سیرانی مشہور نحو
کہتے ہیں کہ مجھ کو اس بائے میں کسی اختلاف کا
علم نہیں کہ کوئی ان کے مدخول میں جواز جر کا
قائل ہو سوائے اس کے کہ ان دونوں کے
مدخول پر نصب آتا ہے اکثر واللہ اعلم

۱۵ قولہ او ما خلا الخ اکا عطف

خلا و عدا پر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے اى
المستثنى منصوب ايضا الخ یعنی مستثنی نیز منصوب
ہوتا ہے وجہ یا جبکہ ما خلا یا ما عدا کے بعد واقع
ہو اس لئے کہ ان دونوں میں ما مصدر یہ ہے

اور یہ فعل ہی پر داخل ہوتا ہے حرمت پر نہیں
پس مستثنی بنا پر مفعولیت وجوباً منصوب ہو
گا جیسے جارنی القوم ما خلا زیذا و یا ما عدا
زیذا کچھ ما خلا اور ما عدا دونوں تباوہل مصدر
ہو کہ با تو بنا بر نظر فیتہ منصوب المحل ہوں گے
ای غلو زید و عدو زید اور مضاف ہوگا یعنی
وقت پس اس وقت عبارت اس طرح ہو
گی جارنی القوم وقت غلو ہم من زیذا و وقت
غلو بعضہم من زیذا و وقت غلو مجيئہم من زیذا
اور وقت مجاوزہم عمر اى وقت مجاوزہ
بعضہم عمر اى مجاوزہ مجيئہم عمر اى ما خلا اور
ما عدا کی ضمیر مستتر میں مرجع کے اعتبار سے
جو خلا و عدا میں احتمالات بتائے گئے ہیں وہ
ہی ان میں بھی نکلیں گے پس انہیں احتمالات کی
بنا پر مذکورہ بالا عبارات مقدر نکالی گئیں
پھر انہی میں اس کے مرجع اسم فاعل کو بھی داخل

کر لیا جائے کچھ چونکہ خلا لازم ہے اور متعدی
بواسطہ من ہوتا ہے اس لئے من کا بھی اضافہ
کر دیا گیا پس اس میں وقت غلو ہم اور وقت
غلو مجيئہم من زیذا تقدیر یا خلا کی مشابہ ہیں اور
بقیہ ما عدا کی اس لئے کہ عدا بمعنی مجاوزہ
اب رہی یہ بات کہ ما خلا اور ما عدا کو غلو اور
عدو کی تباوہل میں کرنے کی کیا ضرورت پیش
آئی اور پھر وقت مضاف کس لئے مقدر مانا گیا
تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے منصوب المحل
ہونے میں دو احتمال ہیں بنا بر نظر فیتہ منصوب
ہوں گے یا بنا بر حایۃ اگر نظر فیتہ کی بنا پر
منصوب میں تو یہ صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ
کہ ما خلا اور ما عدا غلو اور عدو کے معنی میں
کر کے مضاف مقدر نہ مانیں اس لئے کہ ما
خلا اور ما عدا نہ تو ظرف زمان ہیں اور نہ ظرف
مکان پس جب یہ ما مصدر یہ کے باعث

بیشا وجوباً اذا كان بعد ما خلا وما عدا ان ما فيها مصدرية مختصة
بالافعال نحو جاءني القوم ما خلا زيدا وما عدا عمر والتقديره خلوا
زيد وعدو عمر والنصب على الظرفية بتقدير مضاف اي وقت خلوا
او خلوا مجيئهم من زيد ووقت مجاوزتهم او مجاوزة مجيئهم عمر او على
الحالية بجعل المصدر بمعنى ام الفاعل اي جاءوا خاليا بعضهم او مجيئهم من زيد و
مجاوزة بعضهم عمر وعن الاخفش انه اجاز الجرح بها على ان ما فيها زائدة ولعل
هذا الوثبت عند المصنف اولم يعتد به ولهذا لم يقل في الاكثر وكذا

وجوبی طور پر منصوب ہوتا ہے جبکہ ما خلا اور ما عدا کے بعد (واقع) ہو کیونکہ ان دونوں
میں (لفظ) ما مصدریہ ہے جو (سیبویہ کے نزدیک) افعال کے ساتھ خاص ہے جیسے جانی
القوم ما خلا زید اور (جاءنی القوم) ما عدا عمر اور مثال اول کی تقدیر (جاءنی القوم) خلوا
زید اور (جاءنی القوم) عدو عمر (دونوں میں خلوا اور عدو کی) نصب کے ساتھ بنا بر ظرفیت
مضاف (یعنی لفظ وقت) کی تقدیر سے یعنی (جاءنی القوم) وقت خلوا (من زید) یا
(جاءنی القوم) وقت خلوا مجيئهم من زید اور (جاءنی القوم) وقت مجاوزتهم (عمر) یا (جاءنی
القوم) وقت مجاوزة مجيئهم عمر یا (خلوا اور عدو کی نصب کے ساتھ) بنا بر حالیت مصدر
کو اسم فاعل کے معنی میں کر کے یعنی جاءوا (جاءنی القوم) خاليا بعضهم (من زید) یا (جاءنی
القوم خاليا) مجيئهم من زید اور (جاءنی القوم) مجاوزة بعضهم (عمر) یا (جاءنی القوم) مجاوزة
مجيئهم عمر اور اخفش سے مروی ہے کہ انہوں نے ما عدا اور ما خلا کے ذریعے جرح کو جائز رکھا

بتاویل مصدر ہو جائیں گے اور مضاف مقدم
ہوگا تو ان کا بنا بر ظرفیت منصوب المثل ہونا
درست ہو جائیگا واللہ اعلم۔

۳۶۲ قولہ ما خلا علی الحالیۃ الخ یہ ان
دونوں کے منصوب ہونے کا بدسترا احتمال ہے
یعنی اگر حالیۃ کی بنا پر منصوب مانتے ہیں تو یہ
بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حال کا محل ذوالحال
پر ہوا کرتا ہے اور یہاں محل صحیح نہیں ہوتا اس
لئے کہ حال یعنی ما خلا اور ما عدا بتاویل مصدر
ہیں اور مصدر بحرف وصف ہوتا ہے اور
ذوالحال یعنی قوم ذات ہے پس وصف کا محل
ذات پر لازم آیا اور یہ درست نہیں لہذا شایع
اس کا جواب اولی الحالیۃ سے یہ دے دے

ہیں کہ اس صورت میں معنی اسم فاعل ہوگا پس ما خلا
کی تقدیر عبارت یہ ہوگی ای جاءوا خاليا بعضهم
من زید یا خاليا مجيئهم من زید اور ما عدا کی تقدیر
عبارت اس طرح ہے جاءوا مجاوزة بعضهم عمر
یا مجاوزة مجيئهم عمر سابقہ احتمالات کے ساتھ
پس حال کا محل ذوالحال پر درست ہو جائیگا
کیونکہ اس صورت میں خاليا اور مجاوزة اسم
فاعل ہوں گے اور اسم فاعل ذات مع الوصف
ہوتا ہے اور ذات مع الوصف کا محل ذات
مفوض پر صحیح ہوتا ہے لہذا اب کوئی اعتراض
نہیں رہا واللہ اعلم۔

۳۶۲ قولہ وعن الاخفش الخ ما خلا
اور ما عدا کے بارے میں اخفش سے روایت ہے

کہ ان کے نزدیک ان کے مابعد میں جرح جائز ہے
کیونکہ وہ ماکوزائدہ مانتے ہیں اور خلا و عدا کو
جاء اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی بات
ہے تو مصنف نے حسب سابق اس جگہ بھی
و علی الاکثر کیوں نہ کہا تاکہ یہ معلوم ہو جاتا کہ
اخفش کا مذہب اقل کے مرتبہ میں ہے اور
اکثر نحوی ان کے مابعد میں نصب ہی پر مٹتے
ہیں اس کا جواب وعلی ہذا الخ سے شایع یہ کہ
یہ ہے ہیں کہ شاید مصنف کے نزدیک اس کا
ثبوت پایہ تکمیل کو نہ پہنچا ہو اور اگر ثبوت
محقق ہو بھی گیا ہو تو قابل افتنا را و معتد
نہ سمجھا ہو اس لئے کہ اس جگہ فی الاکثر نہیں کہا
واللہ اعلم۔

۳۶۸ قولہ وكذا المستثنى الخ یہ
مستثنیٰ کے وجوباً منصوب ہونے کا آخری
موقع ہے اس کا عطف بھی خلا و عدا پر ہے
اور تقدیر عبارت حسب سابق ہے جس کا محل
یہ ہے کہ مستثنیٰ لیس اور لایکون کے بعد بھی
وجوباً منصوب ہوتا ہے جیسے جاءنی القوم
لیس زیداً اور جیسے یجی الملک لایکون بشراً
(عنقریب تیرے اہل آئیں گے بشر نہیں ہوگا)
اور ان کے بعد یہ وجوب نصب کی وجہ یہ ہے
کہ یہ دونوں افعال ناقصہ سے ہیں اور افعال
ناقصہ خبر کو منصوب کرتے ہیں لہذا ان کا
ما بعد بنا بر خبریت کے وجوباً منصوب ہوگا
اب اگر کوئی کہے کہ ہو سکتا ہے ان کا ما بعد
خبر نہ ہو بلکہ اسمیۃ کی بنا پر شروع ہو تو اس کے
جواب میں شایع و ملزم اضمار الخ سے کہتے
ہیں کہ ان دونوں کا اسم باب استثنای میں وجوباً
مضموم رکھا جائیگا تاکہ یہ الّا سے مشابہ ہو جائیں
جو کہ اس باب میں اصل ہے اس لئے کہ اگر ان کا
اسم مذکور ہوگا اور اضمار واجب نہ ہوگا تو
ان کے اور مستثنیٰ کے درمیان فصل لازم
آئے گا کیونکہ اسم وسط میں اسکا بیگناہی ثابت
میں فرق پیدا ہو جائیگا اس لئے کہ حرف

المستثنى منصوب بعد ليس نحو جاء في القوم ليس زيداً و بعد لا يكون
نحو سيجي اهل الشك لا يكون بشر او انما يكون النصب بعد هما لانها من
الافعال الناقصة الناصبة للخبير ويلزم اثنان اسميهما في باب الاستثناء
وهو ضمير راجع الى اسم الفاعل من الفعل المذكور والى بعض من
المستثنى منه مطلقاً وهما في التركيب في محل النصب على الحالية و
اعلم انه لا تستعمل هذه الافعال الا في المستثنى المتصل الغير المفرغ
ولا يتصرف فيها لانهما قائمة مقام الاوهى لا يتصرف فيها

ہے بنا برآنکہ دونوں میں (لفظ) مازائدہ ہو اور شاید یہ (روایت) مصنف کے نزدیک ثابت
نہیں ہو سکی یا مصنف نے اس روایت کو لائق توجہ نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے کہ یہ روایت
لائق اعتناء نہیں) مصنف نے (وما خلا وما عدا کے بعد) فی اکثر نہیں کہا (اور اسی طرح
مستثنیٰ (لایس) کے بعد منصوب ہو گا جیسے جاء فی القوم لیس زید (تقدیرہ جاء فی القوم
لیس الجانی منہم یا لیس بعض منہم زید) (لا اور لایکون) کے بعد جیسے سچی اہلک لایکون بشر
(تقدیرہ لایکون الجانی منہم بشر یا لایکون بعض منہم بشر) اور لیس ولا

یکون کے بعد (مستثنیٰ کی) نصب اس لئے ہی ضروری ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ ہیں
جو خبر کو نصب دیتے ہیں اور باب استثناء میں لیس اور لایکون کے اسم کا (اظہار کی بجائے)
اعتبار کرنا لازم ہے (تاکہ یہ الا کے زیادہ مشابہ ہوں جو باب استثناء میں اصل ہے کہ کبھی ان
کا اسم ان کے بعد موصول ہے تو اس صورت میں ان کے اور مستثنیٰ کے درمیان فصل واقع ہو جائیگا
جو ان کی مشابہت بہ الا کو نقصان پہنچائیگا کیونکہ حرف استثناء اور مستثنیٰ کے درمیان فصل
منع ہے) اور وہ (اسم لیس ولا یکون) ضمیر ہوگی جو فعل مذکور سے ماحوذ اسم فاعل کی طرف یا
مستثنیٰ منہ میں سے مطلقاً بعض (مطلق یعنی غیر معین) کی طرف لوٹگی (لیقول الفقیر محمد
غلام سرور قادری) انہ قدمرافادة ذکر لفظ المطلق) اور وہ دونوں (لیس ولا یکون) ترکیب
میں حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہیں اور معلوم ہو کہ یہ افعال (نامیہ للمستثنیٰ یعنی عدا
سے لے کر لایکون تک) مستثنیٰ متصل غیر مفرغ میں ہی استعمال ہوتے ہیں اور ان میں تغیر
نہیں کیا جائے گا (بلکہ یہ جوں کے توں بلا تشنیہ و جمع کے بالذکر کائے مافیہ لائے بغیر اکابر
حالت میں رہیں گے) کیونکہ الا کے قائم مقام ہیں اور لایں (اس کے حرف ہوئی وجہ سے) کوئی تغیر نہیں کیا جاسکتا

ان میں ضمیر ہوتی ہے جو مستثنیٰ منہ تا و لی
کی طرف راجع ہوتی ہے پس اثنان قبل
الذکر لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں پھر یہ کہ
جب تک یہ افعال باب استثناء سے
رہیں گے اس وقت تک ان میں کوئی
تصرف صیغوں وغیرہ میں نہیں کیا جائے گا
اس لئے کہ یہ الا کے قائم مقام ہوں گے
اور الا میں کسی قسم کی گردان نہیں کی جاتی
اور نہ مستثنیٰ کو الا پر مقدم کیا جاتا ہے
واللہ اعلم

۱۔ قمتار اور مستثنیٰ کے درمیان فاصلہ نہیں
ہوا کرتا پس ان دونوں کا فاعل ضمیر مستتر
ہوگی جو کہ فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف
راجع ہوگی یا مستثنیٰ منہ سے بعض مطلق کی
طرف پس لیس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی
لیس الجانی زیداً یا لیس بعضہم زیداً اور لایکون
کی لایکون الجانی بشر یا لایکون بعضہم بشر
اور ان دونوں میں مصدر فعل کی طرف ضمیر
راجع کرنے کا احتمال اس وجہ سے نہیں کہ
اس صورت میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے
خروج لازم نہیں آتا کیونکہ زید کی نفی مجہ
سے ہوگی نہ کہ جانی وغیرہ سے جو کہ مستثنیٰ منہ
ہیں اس لئے شارح نے اس احتمال کو بیان
نہیں کیا پھر یہ دونوں اسم ضمیر اور خبر سے
مل کر حالیہ کی بنا پر محل نصب میں ہوں گے
ای جا رہی القوم حال انہ لیس زیداً و علی
بذل القیاس سچی اہلک حال انہ لایکون بشر
طالعہ علم

۲۔ قولہ واعلم انہ الخ اب
شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ افعال از
خلا مایکون کون سے مستثنیٰ میں مستعمل
ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ان کا استعمال مستثنیٰ
متصل غیر مفرغ میں ہوتا ہے اس منقطع میں
تو اس وجہ سے استعمال نہیں ہوتا کہ ان کی
ضمیر مستتر مستثنیٰ منہ کی طرف (اگرچہ تا و لا
ہو) راجع ہوتی ہے پس مناسب یہ ہے
کہ مستثنیٰ متصل ہو اس لئے کہ ان میں مستثنیٰ
یا تو مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوتا ہے
خبریت کی بنا پر اور ان کے لئے ضروری یہ
ہے کہ وہ جنس مستثنیٰ منہ سے ہوں اور نہ
مفعول کا وقوع فاعل مباح و خبر کا محل اسم
پر صبیح نہیں ہوگا اس لئے کہ حمار کا وقوع
اور محل قوم پر لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں
اور غیر مفرغ میں استعمال کی وجہ یہ ہے کہ
اگر ان کو مفرغ میں استعمال کریں گے تو
چونکہ اس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا اور

وَيَجُوزُ فِيهِ

ای فی المستثنیٰ النصب علی الاستثناء وَیُخْتَارُ الْبَدَلُ عَنْ الْمُسْتَثْنَىٰ
 مِنْهُ فِي مَا بَعْدَ الْإِحَالِ مِنَ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أَيْ هَالِ كُونِ الْمُسْتَثْنَىٰ وَاقْعَافِي
 مَحَلٍّ يَكُونُ مَتَاخِرًا عَنِ الْإِحْتِرَازِ عَمَّا إِذَا كَانَ بَعْدَ سَائِرِ أَدْوَاتِ الْإِسْتِثْنَاءِ
 مِثْلِ عَدَاوَةٍ وَغَيْرِهَا فِي كَلَامٍ غَيْرٍ مُّوَجِبٍ احْتِرَازِ عَمَّا إِذَا وَقَعَ فِي
 كَلَامٍ مُّوَجِبٍ فَانْهَ مَنْصُوبٌ وَجُوبًا كَمَا مَرَّ وَ الْحَالُ أَنْ قَدْ ذَكَرَ الْمُسْتَثْنَىٰ
 مِنْهُ احْتِرَازًا عَمَّا إِذَا لَمْ يَذْكُرِ الْمُسْتَثْنَىٰ مِنْهُ فَانْهَ جُيُوبٌ عَلَىٰ حَسَبِ
 الْعَوَامِلِ وَفِي بَعْضِ النُّسخِ ذَكَرَ الْمُسْتَثْنَىٰ مِنْهُ بِغَيْرِ وَادٍ عَلَىٰ أَنَّهُ صِفَةُ لِكَلَامٍ
 غَيْرٍ مُّوَجِبٍ أَيْ كَلَامٍ غَيْرٍ مُّوَجِبٍ ذَكَرَ فِيهِ الْمُسْتَثْنَىٰ مِنْهُ وَلَمْ يَشَرِّطْ أَنْ
 لَا يَكُونِ مَنْقَطَعًا وَلَا مَقْدَمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَىٰ مِنْهُ لِأَنَّهُ حَكْمُهُمَا قَدْ عَلِمَ فِي مَا سَبَقَ

اور اس میں جائز ہے یعنی مستثنیٰ میں «نصب» بنا بر استثناء اور مستثنیٰ منہ سے «بدل»
 (بنانا) مختار ہے الّا کہ ما بعد میں «مصنف کا قول فیما بعد الا» ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی جبکہ
 مستثنیٰ لیسے محل میں واقع ہو کہ الّا سے متاخر ہو اس قید سے اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو
 (الّا کے سوا) عداوت وغیرہ ایسے باقی حروف استثناء کے بعد واقع ہو «کلام غیر موجب میں»
 اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو کلام موجب میں واقع ہو کہ وہ وجوبی طور پر منصوب ہوگا
 «اور» جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو «مصنف کلام فیما بعد الا اور ذکر المستثنیٰ منہ دونوں ضمیر
 مجرور سے حال ہیں» اس سے احتراز ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو کہ اس وقت مستثنیٰ کو
 عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائیگا اور بعض نسخوں میں «ذکر المستثنیٰ منہ» واؤ کے بغیر
 ہے بنا بر آنکہ یہ مصنف کے قول «کلام غیر موجب کی صفت ہو یعنی (مستثنیٰ الّا کے بعد ایسے
 کلام) میں واقع ہو جس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مصنف نے یہ شرط نہیں لگائی کہ مستثنیٰ
 منقطع نہ ہو اور نہ ہی مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو کیونکہ ان دونوں کا حکم مابقی میں معلوم ہو گیا

ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی فیما بعد الا ظرف
 مستقر واقع کے متعلق ہوگا اور وہ فیہ
 کی ضمیر سے حال واقع ہوگا اب اعتراض
 وارد ہوتا ہے کہ الّا کے بعد جو چیز واقع
 ہوگی وہ بھی مستثنیٰ ہوگی اور فیہ کی ضمیر
 مجرور بھی مستثنیٰ ہی کی طرف راجع ہے
 پس ظرفیہ اشیٰ لنفسہ لازم آتی ہے مطلب
 ہوا کہ مستثنیٰ میں مستثنیٰ ہونے کی حالت

۵۳۷ قولہ ویجوز فیہ الخ اور
 مستثنیٰ جبکہ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور
 مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو تو مستثنیٰ میں استثناء
 کی بنا پر نصب پڑھنا جائز ہے مگر مستثنیٰ
 منہ سے بدل قرار دینا مختار ہے بشرطیکہ
 مستثنیٰ صرف الّا کے بعد واقع ہو اس کے
 ماسوا عداوت وغیرہ کے بعد واقع نہ ہو
 اس جگہ قول مصنف فیما بعد الا فیہ کی

میں نصب جائز ہے پس شارح اس کا
 جواب ای حال کون الخ سے یہ دے رہے
 ہیں کہ واقع فیما بعد الا سے محل استثنیٰ
 مراد ہے نہ کہ مستثنیٰ پس مطلب یہ ہوا کہ
 مستثنیٰ کا محل جبکہ الّا کے بعد ہو تو اس
 میں نصب جائز ہے اور بدل مختار پس
 اس سے وہ مستثنیات خارج ہو گئے
 جس کا محل وقوع الّا کے بعد نہیں بلکہ عدا
 وت وغیرہ کے بعد ہے اور فی کلام موجب
 کی قید سے وہ مستثنیٰ نکل گیا جو کہ کلام موجب
 میں واقع ہو اس لئے کہ اس میں نصب جب
 سے کما مر پھر ذکر المستثنیٰ منہ سے وہ مستثنیٰ
 خارج ہو گیا کہ جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو
 جس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اس لئے کہ اس
 وقت اس کا اعراب نصب نہیں ہوگا بلکہ
 علی حسب العوامل اعراب دیا جائے گا۔
 کما سبقتی اس جگہ والحال انہ قد کے اضافہ
 سے شارح کا منشا یہ ہے کہ ذکر المستثنیٰ منہ
 بھی ضمیر مجرور مذکور سے حال واقع ہے اور
 قاعدہ یہ ہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع
 ہوتی ہے تو اس پر دخول فی ضروری ہوتا
 ہے پس شارح نے بتا دیا کہ اگرچہ قد لفظوں
 میں نہیں مگر پوشیدہ ہے واللہ اعلم۔

۵۳۷ قولہ ذی بعض النسخ الخ
 اس سے دخول قد کے بارے میں جو برا جواب
 دینا مقصود ہے کہتے ہیں کہ بعض نسخوں
 میں بغیر واؤ کے صرف ذکر المستثنیٰ منہ ہے
 پس یہ اس بنا پر کہ کلام غیر موجب کی صفت
 واقع ہوگا ای کلام غیر موجب ذکر فیہ
 مستثنیٰ منہ اور اس تقدیر عبارت میں ذکر
 کے بعد فیہ کا اضافہ شارح نے اس لئے کر
 دیا کہ جملہ جب صفت واقع ہوتا ہے تو اس
 میں فائدہ کا ہونا ضروری ہے جو کہ موصوف
 کی طرف راجع ہے لہذا اب دخول قد
 وغیرہ کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور

اگر بدل قرار دیتے ہیں تو بالاقبل بالرفع
 پڑھیں گے اور استثناء کی صورت میں
 بالاقبل بالانصب اس کے منصوب پڑھے
 جانے کی وجہ تو ظاہر ہے البتہ جب رفع
 پڑھیں گے تو فعلوا کی ضمیر جمع سے بدل
 البعض ہوگا اور ظاہر ہے کہ بدل پر وہی
 اعراب آتا ہے جو مبدل منہ کا ہوتا ہے
 اور مبدل منہ فاعل ہونے کی بنا پر محل
 رفع میں ہے لہذا قبل بھی مرفوع ہوگا یہ
 تو مثال تھی قول باری تعالیٰ اب دوسری
 مثالیں دیکھئے جیسے ما مررت باحد الا زید
 بنا بر بدلیۃ جر کے ساتھ اور بنا بر استثناء
 الا زید بالانصب کے ساتھ امر جیسے یا ریت
 احدا الا زید اس میں بہر صورت خواہ بدل
 قرار دیں یا مستثنیٰ نصب ہی ہوگا کیونکہ
 بدل بھی محل نصب میں ہی واقع ہے البتہ
 بطریق بدلیۃ نصب مختار ہے اور بطریق
 استثنائیت غیر مختار اور ان تمام صورتوں
 میں اختیار نصب وغیرہ کی وجہ یہ ہے
 کہ مستثنیٰ کو نصب اس وجہ سے دیا جاتا
 ہے کہ وہ مفعول کے ساتھ مشابہ ہوتا
 ہے اور پھر اس کی مشابہت مفعول مع
 سے ہوتی ہے جو کہ بواسطہ واو منصوب
 فعل کا معمول ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی الا
 کے بعد واقع ہوتا ہے پس اس کا نصب
 اصالتہ نہیں ہوا بلکہ تشبیہ کا باعث ہوا
 اور بدل کا اعراب بالاصالت ہے بلا واسطہ
 یہاں مصنف نے ان لایکون منقطعاً
 ولا مقدماً علی المستثنیٰ منہ کی قید اس وجہ
 سے نہیں لگائی کہ ان کا حکم سابق میں بیان
 ہو چکا ہے یعنی ان میں نصب واجب ہے
 پس اس جگہ ان کی نفی کی کوئی ضرورت
 نہیں رہتی واللہ اعلم

۳۷۲ قولہ نحو ما فعلوہ الخ یہ
 جو اور نصب اور اختیار بدل کی مثال

فاکتفی بذلك نحو ما فعلوہ الا قلیل بالرفع علی البدلیۃ والا قلیل
 بالنصب علی الاستثناء ونحو ما مررت باحد الا زید بالجر علی البدلیۃ و
 والا زید بالنصب علی الاستثناء وما رأیت احدا الا زید بالنصب اما
 بطریق البدلیۃ وهو المختار او بطریق الاستثناء وهو جائز غیر مختار و
 انما اختاروا البذل فی ہذا الصور لان النصب علی الاستثناء انما هو
 بسبب التشبیہ بالمفعول لا بالاصالۃ وبواسطۃ الا و اعراب البذل
 بالاصالۃ وبغیر واسطۃ ویغرب ای المستثنیٰ علی حسب العوامل انہ
 بما یقتضیہ العامل من الرفع والنصب والجر اذا کان المستثنیٰ منہ
 غیر مذکور ویخص ذلك المستثنیٰ باسم المضرغ لانه فرغ له العامل

ہے کہ بنا بر استثناء ان کی نصب واجب ہے تو اس پر اکتفاء کر لیا جیسے ما فعلوہ الا قلیل
 (قلیل کے) رفع سے بدلیت کی بنا پر (اور الا قلیل) نصب کے ساتھ بنا بر استثناء اور جیسے طمرت
 باحد الا زید (زید کی) جر سے بدلیت کی بنا پر اور الا زید نصب سے استثناء کی بنا پر اور ما رأیت
 احدا الا زید (زید نصب سے) یا تو بدلیت کے طریق سے اور یہی مختار ہے یا استثناء کے طریق
 سے اور یہ جائز ہے مختار نہیں ہے (رفع و نصب و جر بنا بر عوامل تینوں کی مثالیں پوری ہو
 گئیں) اور نحو یوں نے ان تینوں صورتوں میں بدل کو اس لئے اختیار کیا (اور اسے استثناء
 پر اس لئے ترجیح دی) کہ (مستثنیٰ کی) نصب بنا بر استثناء (مستثنیٰ کی) مفعول کے ساتھ تشبیہ
 کے سبب سے ہے بالاصالت نہیں اور (اس لئے کہ مستثنیٰ میں اعراب) الا کے واسطے سے
 ہے اور (اس کے برعکس) بدل کا اعراب بالاصالت ہے اور (نیز) کسی واسطے کے بغیر ہے
 اور اس میں شک نہیں کہ اعراب بالاصالت و بلا واسطہ اس اعراب سے اقویٰ ہے جو غیر
 کی مشابہت اور غیر کے واسطے سے ہو اور اقویٰ پر جب تک عمل ممکن ہو اولیٰ ہے (اور
 اعراب دیا جائے گا) یعنی مستثنیٰ کو (عوامل کے قدر پر) یعنی (مستثنیٰ کو) اس چیز کے ساتھ
 (اعراب دیا جائے گا) جس کو عامل چاہتا ہو یعنی رفع و نصب و جر میں سے کسی ایک کیساتھ
 اسے معرب کیا جائے گا (جبکہ مستثنیٰ مذکور نہ ہو) اور وہ مستثنیٰ مفرغ کے نام کے ساتھ ممتاز

کہ ہم جواب دی گئے بالاصالت سے بالتحقیق
 کا مقابلہ مقصود نہیں بلکہ واسطہ کا تقابل
 مد نظر ہے واللہ اعلم

۳۷۳ قولہ ویغرب الخ اور اگر
 مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور نہ ہو اور مستثنیٰ
 کلام غیر موجب میں واقع ہو تو مستثنیٰ مقصداً
 ہوگا کہ وہ جس میں واسطہ آجائے پھر
 اس جگہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ بدل کا
 اعراب بھی بالاصالت نہیں ہوتا کیونکہ یہ
 مبدل منہ کا تابع ہوتا ہے پس اس کا
 اعراب بالتحقیق ہوتا ہے کہ بالاصالت اس لئے

عن المستثنی منه فالمراد بالمفرغ المفرغ له كما يراد بالمشارك المشترك فيه وهو ای والحال ان المستثنی واقع فی غیر الکلام الموجب و اشترط ذلك لیفید فائدة لا تصحیحة مثل ما ضربتني الا زيدا اذ يصح ان لا يضرب المتكلم احدا لا زيد بخلاف ضربتني الا زيدا اذ لا يصح ان يضرب كل واحد المتكلم لا زيد الا ان يستقيم المعنى بان يكون

دو مفرغ کیا جاتا ہے کیونکہ مستثنی (میں عمل کرنے) کی وجہ سے عامل کو مستثنیٰ منہ سے فارغ کیا گیا ہے کہ مستثنیٰ منہ کو حذف کر دیا گیا ہے تاکہ عامل اس میں نہیں بلکہ مستثنیٰ میں عمل کرے (پس یہاں) مفرغ سے مراد مفرغ نہ ہے (کہ کو حذف کر دیا گیا کہ مفرغ تو عامل ہے اور مستثنیٰ مفرغ نہ) جیسے مشترک سے مشترک فیہ مراد دیا جاتا ہے (لا اور وہ) یعنی جبکہ مستثنیٰ واقع ہو ہو کلام (غیر موجب میں) اور مصنف نے یہ شرط (اس لئے لگائی) تاکہ کلام فائدہ صحیحہ کو مفید ہو جیسے ماضی بنی الا زید کیونکہ یہ بات صحیح (اور ممکن) ہے کہ متکلم کو زید کے بغیر کوئی نہ مارے (یعنی اسے صرف زید نے مارا ہو) ماضی بنی الا زید (کلام موجب) کے برعکس کیونکہ یہ بات ممکن نہیں کہ متکلم کو زید کے سوا (تمام لوگوں میں سے) ہر شخص مارے (مگر یہ کہ معنی

عام سیم فاعلہ سے حال واقع ہے نیز یہ کہ جب جملہ اسمیہ حال واقع ہوتا ہے تو ضمیر اور ولد دونوں ذکر کئے جاتے ہیں پس یہاں ایسا ہی ہے اور واشترط ذلك سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ لیفید مدعی محذوف یعنی واشترط ذلك کی دلیل ہے اور فائدة صحیحہ سے اس مستثنیٰ کا اخراج مقصود ہے جس سے فائدہ صحیح حاصل نہ ہو اس لئے کہ جب کلام غیر موجب غیر مفید ہوگا تو صحیح یا سقیم کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مثلاً جب قام الا زید کہا گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے قام صحیح ان اس الا زید اور یہ معنی قطعاً بعید از قیاس ہیں اس لئے کہ جماعت کی تخصیص کا قرینہ کہ مجملہ ان کے زید ہے منتفی ہے پس اس کو مستثنیٰ مفرغ نہیں کہیں گے اور کلام موجب میں مستثنیٰ مفرغ واقع نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا فائدہ تام حاصل نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

۳۶۴ قولہ مثل ماضی بنی الا زید مستثنیٰ

مفرغ کی مثال ہے اور مستثنیٰ معنی صحیح کا فائدہ دینے کے لئے کلام غیر موجب میں واقع ہے ماضی بنی الا زید یعنی مجھ کو زید کے سوا کسی نے نہیں مارا اور یہ معنی صحیح ہی اس لئے کہ ممکن اور صحیح ہے کہ متکلم کو سوائے زید کے کوئی اور نہ مارے بخلاف اس کے جبکہ کلام موجب ہو جیسے ماضی بنی الا زید مجھ کو سب نے مارا سوائے زید کے کہ یہ معنی صحیح نہیں اس لئے کہ زید کے سوا متکلم کو تمام افراد انسانی کا مارنا ممکن نہیں جب کہ ظاہر ہے کہ تمام افراد انسان کا اس جگہ جمع ہونا متنع ہے کہ جہاں متکلم ہے لہذا مستثنیٰ مفرغ کے لئے کلام غیر موجب میں واقع ہونا

شرط ہے واللہ اعلم ۳۶۵ قولہ الا ان يستقيم المعنى

کلام سابق سے استثناء ہے اور عبارت یوں ہے ای لا یعرب المستثنیٰ علی ما یقتضیہ العول من الرفع والنصب والجر فی الکلام الموجب حال کون

یہ بات کہ اس قسم کے مستثنیٰ کو کس نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کا جواب شارح و مختص ذلك الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ یہ مستثنیٰ مفرغ کے نام کے ساتھ مخصوص ممتاز اور موسوم ہے اور اس کو مفرغ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عامل مستثنیٰ منہ میں عمل کرنے سے فارغ ہو جاتا ہے اور حرف مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب عامل اس کے باعث عمل سے فارغ ہو جاتا ہے تو یہ مستثنیٰ مفرغ نہ ہو بلکہ اس کو مفرغ نہ کہنا چاہئے اس کا جواب شارح فالمراد الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اس جگہ مفرغ سے مراد مفرغ نہ ہی ہے جبکہ مشترک سے مشترک فیہ مراد ہوتا ہے یعنی جس میں اشتراک واقع ہو نہ یہ کہ جو شریک ہو پھر وہی تفسیری والحال ان المستثنیٰ الخ سے کہ کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ میں واو حالیہ ہے اور یہ تعبیر کی ضمیر مفعول

عامل کے مطابق اعراب دیا جاتا ہے تاکہ کلام معنی صحیح کا فائدہ دے پس اگر عامل رفع کا مقتضی ہوگا تو مستثنیٰ کو رفع دیا جائیگا اور نصب کا اقتضار پایا جائیگا تو منصوب رہے جس کے علی هذا القیاس مجرور اس جگہ شارح نے علی حسب العول کی شرح ای بما یقتضیہ العول الخ سے اس وجہ سے کی ہے کہ العول ہیں الف لام جنس کے لئے ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لام جنس جمع پر داخل ہوتا ہے تو اس میں معنی جمعیتہ کمزور ہو جاتے ہیں اور جنس مراد ہوتا ہے پس العول سے عامل مراد ہوگا لہذا اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جارئی الا زید میں عامل صرف ایک ہے جس کے باعث زید مرفوع ہے نہ کہ عول کہ ان کے باعث زید مرفوع ہو پس جواب یہ ہی ہو گیا کہ اس سے جنس عامل مراد ہے اور جنس کا اطلاق ایک پر بھی آتا ہے اب رہی

المستثنیٰ منہ غیر مذکور فی جمیع الاوقات الا وقت
معنی ذلک الکلام فحینئذ یعرب المستثنیٰ
علی حسب العوالم فی الکلام الموجب ایضاً یعنی
مستثنیٰ کو حسب اقتضای عامل رفع ونصب وغیرہ
کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کے غیر مذکور ہونے
کی حالت میں تمام اوقات میں اعراب نہیں دیا جاتا
مگر یہ کہ اس کلام موجب کے معنی صحیح ہوں
پس اس وقت مستثنیٰ حسب اقتضای عوالم کلام
موجب میں بھی اعراب لرفع وغیرہ دیا جاسکے گا
پھر ہتھامۃ معنی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ
حکم اس قبل سے ہو کہ اس کا اثبات علی سبیل
العموم کرنا صحیح ہو پھر اس سے استثناء واقع
ہو جیسے کل حیوان یحرک فکذا الاسفل عند المضغ
الا التماس (ہر حیوان چبانے کے وقت اپنے
چبے جھڑے کو حرکت دینا ہے سوائے مگر چھ
کے کہ وہ اور پائے جھڑے کو حرکت دیتا ہے)
پس اس جگہ تخریک فکذا اسفل کا حکم علی سبیل
العموم ہر حیوان کے لئے ثابت کرنا صحیح ہے
پس اس حکم سے تماح کو مستثنیٰ کر دیا اور تماح
کو حسب اقتضای اعراب دیا گیا یعنی رفع
وتماح کو فارسی میں ہننگ اور اردو میں گھریال
لگے پھر ناکو وغیرہ کہتے ہیں یہ ایک دریائی
جانور ہے عظیم الجثہ جو انسان کو سالم نگل
لیتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ کلام
میں ایسا قرینہ ہونا چاہئے جو اس بات پر دلالت
کرے کہ مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہے ایسا بعض
معین مراد ہے کہ اس میں یقینی طور پر مستثنیٰ
داخل ہے جیسے قرأت الا یوم کذا کہ اس کے
معنی یہ ہیں کہ میری جانب سے تمام ایام میں
قرأت واقع ہوتی مگر مثلاً یوم جمعہ میں
نہیں ہوتی پس یہاں کلام موجب میں مستثنیٰ
منہ غیر مذکور ہے اور معنی بھی صحیح ہیں اس لئے
کہ یہ بات ظاہر ہے کہ مکمل کارادہ جمیع ایام
دنیا کا قرأت میں احاطہ مقصود نہیں اور نہ ہو سکتا
ہے بلکہ یا ہفتہ کے ایام مراد ہوں گے یا ہفتہ کے

الحکم مما یصح ان یتثبت علی سبیل العموم نحو قولک کل حیوان یحرک
فکذا الاسفل عند المضغ الا التماس او تكون هناك قرینة دالة علی
ان المراد بالمستثنیٰ منه بعض معین یدخل فیہ المستثنیٰ قطعاً مثل
قرأت الا یوم کذا ای وقعت القراءة کل یوم الا یوم کذا الظہور انہ
لا یرید المتکلم جمیع ایام الدنیا بل ایام الاسبوع والشہر او مثل ذلک
ولقائل ان یقول کمالا یتقیم المعنی علی تقدیر عموم المستثنیٰ منہ
فی الموجب فی بعض الصور فربما لا یتقیم المعنی علی تقدیر عموم المستثنیٰ
منہ فی غیر الموجب ایضاً نحو مامات الازید فیدخی ان یشرط فی غیر

صحیح ہو جائے اس طرح (کلام موجب میں پایا جائیو الام) حکم اس قبل سے ہو کہ اس کا عام طور
پر ثابت کرنا صحیح ہو جیسے تمہارا قول ہے کل حیوان یحرک فکذا الاسفل عند المضغ الا التماس یا
وہاں کوئی قرینہ (علامت ظاہرہ) اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ کہ کلام میں مذکور نہیں
ہے، سے بعض معین مراد ہے جس میں مستثنیٰ قطعاً کسی شک کے بغیر یقیناً داخل ہے جیسے
قرأت الا یوم کذا (یعنی) (ولقدیر عبارتہ) (او وقعت القراءة کل یوم الا یوم کذا کیونکہ یہ بات ظاہر
ہے کہ مکمل کل یوم سے) دنیا کے تمام ایام کا ارادہ نہیں کر رہا بلکہ ہفتے یا مہینے یا اسی طرح (اس سے
کم پندرہ و بیس دن یا ہفتے سے کم پانچ یا ان سے تقریباً کم و بیش ایام) کے ایام (مراد ہیں اور
مفروض کہہ سکتا ہے کہ جیسے بعض صورتوں میں کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کے عموم کی تقدیر کی بنا
پر معنی درست نہیں ہوتا تو بسا اوقات کلام غیر موجب میں بھی مستثنیٰ منہ کے عموم کی تقدیر کی
بنا پر معنی درست نہیں ہوتا جیسے مامات الازید (اور ما خلق الانسان) ہے پس مناسب ہے کہ (کلام)
غیر موجب میں بھی درستی معنی کی شرط لگائی جائے اور نیز قرأت الا یوم کذا کی مثال یوم کی مثلاً

موجب میں عموم مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر بعض
صورتوں میں معنی صحیح نہیں ہوتے یعنی اگر مستثنیٰ منہ
عام کو کلام موجب سے حذف کیا جائے تو اس
کی بعض صورتوں میں معنی مستقیم نہیں ہوتے مثلاً
منہ بنی الازید میں لہذا اس کے لئے کلام غیر موجب
ہونا ضروری ہے تب اعراب علی حسب العوالم
ہوگا پس اسی طرح اگر مستثنیٰ منہ کلام غیر موجب
میں محذوف ہو تو اس کی بعض صورتوں میں بھی
معنی درست نہیں ہوتے جیسے مامات الازید
اس لئے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا مامات احد الازید
کہ سوائے زید کے کوئی نہیں مرا مامات کل احد

یا پس وغیرہ کے پس مستثنیٰ منہ کے بعض کی تعیین
پائی گئی کیونکہ یہ قرینہ موجود ہے کہ قرأت میں
جمیع ایام دنیا کا احاطہ نہیں ہو سکتا لہذا
مستثنیٰ کو حسب اقتضای عامل اعراب دیا جائیگا
یعنی نصب اس لئے کہ قرأت فعل یا فاعل
مفعول کا متقنی ہے پس یوم کذا مفعول فیہ
ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا واللہ اعلم
۳۷۶ قولہ ولقائل الخ اس سے
شراح مصنف کے قول دیکھیں المستثنیٰ علی
حسب العوالم الخ پر ایک اعتراض کر رہے ہیں کہتے
ہیں کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس طرح کلام

الموجب ایضا استقامة المعنی وأیضا لا یصح مثل قرأت الایوم کذا
الابعد تخصیص الیوم بایام الاسبوع مثلاً فیحوز مثل هذا التخصیص
فی ضربی الازید بان یخص المستثنی منه بكل واحد من جماعۃ خصوص
اذا کان هناك قرینة دالة فلا فرق بین هاتین الصورتین فی کون کل
واحدة منهما جائزة مع القرینة وغیر جائزة بدونها واجتیب بان
المعتبر هو الغالب والغالب فی الایجاب عدم استقامة المعنی علی

ایام اسبوع کے ساتھ تخصیص کے بعد ہی صحیح ہو سکتی ہے پس اس طرح کی تخصیص ضربی الازید
(کلام موجب) میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ مستثنیٰ منہ کو (جو کہ غیر مذکور ہے) جماعت کے (افراد)
مخصوصین میں سے ہر ایک (فرد) کے ساتھ خاص کیا جائے (یعنی مستثنیٰ صرف ایک جماعت کے
ہر ایک فرد کو شامل ہو پھر زید کو جو کہ اس جماعت میں داخل ہے مستثنیٰ کیا جائے) جبکہ وہاں
(یعنی کلام موجب سے استثناء کے وقت) قرینہ مواتہ (موجود) ہو لہذا (ضربی الازید اور
قرأت الایوم کذا کی) ان دونوں صورتوں کے درمیان ان دونوں میں سے ہر ایک کے قرینہ
کے ہمراہ جائز اور قرینہ کے بغیر ناجائز ہونے میں کوئی فرق نہیں اور (اعتراض اول کا یہ)
جواب دیا گیا ہے کہ (بناء احکام میں) معتبر غالب ہی ہوا کرتا ہے اور کلام موجب میں بنا بر

الازید اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ زید کے ہوا
بہت سے مرتبے ہیں پس مصنف کو مناسب
یہ تھا کہ غیر موجب میں بھی استقامة معنی کی شرط
لگاتے والے اعلم۔

۳۷۷ قولہ وأیضا لا یصح الخ یہ
احتراس ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے
استقامة معنی کی جو مثال قرأت الایوم کذا
پیش کی ہے اس کے معنی اس وقت تک مستقیم
نہیں ہو سکتے جب تک کہ یوم کو مثلاً ایام ہفتہ
یا ایام ماہ کے ساتھ خاص نہ کر لیا جائے پس ہاں
سے ایام مخصوصہ مراد ہوں گے اسی طرح جائز
ہے کہ ضربی الازید میں بھی مستثنیٰ منہ کو مخصوصین
کی جماعت سے ہر واحد کے ساتھ خاص کر لیا
جائے جبکہ اس جگہ جماعت مخصوصہ پر کوئی
قرینہ دلالت کرنے والا ہو مثلاً قائل کسی دیہات
میں ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ اہل دیہات کو خاص
کر کے ان میں سے زید کو مستثنیٰ کر دے اور اس کا

منشا ضربی الازید سے ضربی اناس قرینہ الازید
ہو یا ہو سکتا ہے کہ قرینہ میں مختلف خاندان اور
جماعتیں ہوں پس وہ جن خاندان یا جماعت
میں داخل ہو اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ
دے ہاں ضربی الازید ای ضربی جماعۃ من اہل قرینہ
الازید پس کلام موجب اور غیر موجب دونوں
صورتوں میں اس امر میں کوئی فرق نہیں ہے گا کہ
بوقت قیام قرینہ ہر صورت جائز ہے اور جب
کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو دونوں ناجائز لہذا
مصنف کو استقامة معنی کی شرط کلام غیر موجب
میں بھی لگانی چاہئے والے اعلم۔

۳۷۸ قولہ واجب الخ یہاں سے
شارع مذکور بالا احترام داخل کا جواب مصنف
میں کہتے ہیں کہ اس میں قید غالب معتبر بطور ظاہر
ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ محذوف کو کلام موجب میں عام
رکھتے ہیں تو معنی اکثر مستقیم نہیں ہوں گے اس لئے
کہ ایجاب عموم کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ کوئی

قرینہ نہ پایا جائے جیسے کہ ضربی الازید میں
مستثنیٰ عام نہیں ہو سکتا کہ مجھ کو تمام دنیا کے لوگوں
نے مارا سوائے زید کے بخلاف ثنی کے کہ وہ اس
کے برعکس ہے یعنی اس میں مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر معنی
مستقیم ہو جاتے ہیں اس لئے کہ افراد جنس سے تعلق
فعل کے انتفاء میں جمیع افراد جنس کا اشتراک
اور افراد جنس میں سے کسی فرد کی مخالفت تعلق
فعل کے انتفاء میں اکثر اور اغلب کے قبیل
سے ہے یعنی کلام کے غیر موجب ہونے کے
وقت فعل منفی کے ذکر بعد جب افراد جنس یعنی مستثنیٰ
منہ کا تعلق فعل سے انتفاء ہو گا تو جنس کے تمام
افراد اس انتفاء میں شریک ہوں گے یعنی تمام افراد
مستثنیٰ ہو جائیں گے جیسے ما ضربی الازید کہ
مجھ کو کسی نے نہیں مارا سوائے زید کے کہ دنیا
کے تمام افراد کا فعل سے اس کے معنی ہونے
کے باعث کوئی تعلق نہیں رہا سب سے
فعل ضرب کی نفی ہو گئی البتہ ان افراد میں سے
ایک فرد تعلق فعل سے انتفاء میں مخالف رہا یعنی
زید کہ زید کے ساتھ فعل کا تعلق موجود ہے
یعنی اس نے مارا ہے پس اس میں مستثنیٰ منہ کا عموم
درست ہے اور الب اکثر اور اغلب ہوتا ہے
لیکن افراد جنس کے ساتھ تعلق فعل میں افراد
جنس کا اشتراک اور ان افراد میں سے کسی فرد
کا تعلق فعل میں مخالفت ہونا اغلب اور اکثر
کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ بہت ہی کم ہوتا ہے
یعنی اگر فعل مثبت ہو اور مستثنیٰ منہ محذوف عام
ہو پھر اس عموم سے مستثنیٰ منہ کا کوئی فرد تعلق
فعل کے مخالف ہو تو یہ بہت ہی کم ہوتا ہے
جیسے قرأت الایوم کذا کہ اس میں مستثنیٰ منہ کے
افراد کا فعل کے ساتھ اثبات میں تعلق ہے
اور انہیں افراد میں سے ایک فرد اس تعلق فعل
کے خلاف ہے یعنی جس دن قرأت نہیں کی گئی
پس چونکہ کلام غیر موجب میں جمیع افراد جنس سے
تعلق فعل کا انتفاء اور ایک کا اثبات علی
سبیل اکثر والا اغلب ہے اس لئے اس میں

استقامت معنی کی قید نہیں لگائی اور کلام موجب میں جمیع افراد جنس سے نکل کا تعلق اور اس سے ایک فرد کا انتفاع بہت ہی کم پایا جاتا ہے اس لئے اس میں استقامت معنی کی قید نہ لگائی گئی۔ اب مامات الاذیہ کو بیکر کلام غیر موجب میں عدم شرط استقامت معنی کا اعتراف نہ کیا جائے اس لئے کہ اس میں اغلب اور اکثر کی شرط ملحوظ ہے اور مامات الاذیہ بطور شد و ذ اور اقل کے ہے لہذا یہ قابل اعتراض نہیں واللہ اعلم۔

۳۷۹ قولہ وبان الفرق الخ یہ دوسرے اعتراض کا جواب ہے کہ قرأت الایوم کذا اور ضربی الاذیہ میں فرق اس وقت ہوگا جبکہ مثال اول میں مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کے مطلق ہونے پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ظاہر ہو اور مثال ثانی میں غیر ظاہر پس اگر مثال ثانی میں بھی مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کے مطلق ہونے پر کوئی قرینہ ظاہر الدلالة پایا جائے مثلاً کوئی شخص سوال کرے من ضربک من القوم تجھ کو قوم میں سے کس نے مارا اور اس قوم میں دید بھی داخل ہو اور وہ جواب میں کہے ضربی الاذیہ کہ سوائے زید کے مجھ کو سب نے مارا تو اس جگہ قرینہ سوالیہ مستثنیٰ منہ عام سے بعض معین یعنی زید کے مطلق ہونے پر دلالت کر گیا پس یہ بھی بالیقین فیہ المعنی کے قبیل سے ہو جائے گا لیکن اس میں غالب یہی ہے کہ کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا پس جب اس میں غالب عدم وجدان قرینہ ہو تو اس میں عدم استقامت معنی بھی غالب ہوگا اس لئے کلام غیر موجب میں وجدان قرینہ کے باعث اور موجب میں عدم وجدان قرینہ کے سبب سے دونوں میں ظاہری فرق کے باعث کلام غیر موجب میں الاستیقیم المعنی کی قید نہیں لگائی گئی اس جگہ قول شارح مطلق دخول فیہ میں مطلق بعض معین کی صفت ہے جس سے مستثنیٰ مراد ہے اور بعض معین اس طرح ہے کہ جب مستثنیٰ منہ کے افراد سے استثناء کیا گیا تو مستثنیٰ ان افراد میں

العموم وفي النفي عكسه لان اشتراك جميع افراد الجنس في انتفاء تعلق الفعل بها ومخالفة واحد اياها في ذلك مما يكثر ويغلب واما اشتراكها في تعلق الفعل بها ومخالفة واحد اياها في ذلك فمما يقل كما في المثال المذكور وبان الفرق بين قولك قرأت الایوم کذا وضربی الاذیہ لا يظهر قرینة دالة على بعض معین من المستثنیٰ منہ مقطوع ودخوله فیہ فالاول وعدم ظهورها فی الثانی فلو قام فی الثانی ایضاً قرینة ظاهرة الدلالة على بعض معین كما اذا قيل من ضربت من القوم ای القوم الداخل فیہم زید فقلت ضربی الاذیہ فالظاهر ان ذلك ایضاً ما يستقیم فیہ المعنی لکن الغالب عدم وجدان قرینة کث فی الموجب فالغالب فیہ عدم استقامة المعنی ومن ثم ای ومن اجل ان المفرغ

عموم مستثنیٰ منہ غالب معنی میں عدم درستی ہے اور نفی (یعنی کلام غیر موجب میں) اس کا عکس ہے (یعنی عموم مستثنیٰ منہ کی بنا پر غالب معنی کی درستی ہے) کیونکہ جنس (اسفل) کے تمام افراد کا ان افراد کے ساتھ فعل کے تعلق کے انتفاء میں مشترک ہوگا اور اس (تعلق فعل) میں (فرد) واحد کا تمام افراد کی مخالفت کرنا ان امور میں سے ہے جو کثیر (الوقوع) اور غالب میں لیکن ان تمام افراد کا فعل کے ان کے ساتھ (ثبوت کے طور پر) متعلق ہونے میں مشترک ہونا اور اس میں فرد واحد کی تمام افراد سے مخالفت کرنا تو ان امور میں سے ہے جو قلیل (الوقوع) میں جیسا کہ مثال مذکور (ما ضربی الاذیہ) میں ہے اور (اعتراض ثانی) وہ قولہ وایضاً لا یصح الخ کا جواب (یہ ہے) کہ تمہارے قول قرأت الایوم کذا اور ضربی الاذیہ کے درمیان فرق مثال اول میں ایسے قرینے کے ظہور سے ہی ہے جو مستثنیٰ منہ میں سے بعض ایسے معین (افراد) پر دلالت کرنا والا ہے جن کا مستثنیٰ منہ میں دخول یقینی ہے (اور قرینہ یہ ہے کہ متکلم جمیع ایام دنیا کا ارادہ کر ہی نہیں سکتا اس لئے اس سے بعض معین ایام ہی مراد ہو سکتے ہیں) اور مثال ثانی (قرأت الایوم کذا) میں قرینے کے عدم ظہور سے (دونوں مثالوں میں فرق رد) ہے پس اگر مثال ثانی میں بھی بعض معین (افراد) پر کوئی قرینہ ظاہر الدلالة قائم ہو جائے جیسا کہ (ایسے شخص کو جو کہتا ہے انی مضروب ومظلوم) کہا جائے من ضربک من القوم یعنی (القوم کلام مظلوم کے شکوہ کے قرینے سے عہد خارجی کا قرار پائے اور اس سے مراد) وہ قوم (ہو) جس میں زید داخل ہے تو تم (مظلوم جواب میں) کہو ضربی الاذیہ تو ظاہر بات ہے کہ یہ قول اس قبیل سے جس میں معنی درست ہوگا لیکن غالب کلام موجب میں اس طرح کے

سے بعض معین ہی ہوگا مثلاً زید نہ کہ کچھ اور اور دخول فیہ مطلق شے فعل اہم مفعول کا مفعول مالم یسم فاعلاً ہے واللہ اعلم۔ ۳۸۰ قولہ ومن ثم الخ اب یہاں

لا يكون في الموجب الا ان يستقيم المعنى لم يجز ما زال زيد الا عالمًا
اذ معنى ما زال ثبت لان نفى النفي اثبات فيكون المعنى ثبت زيدًا والمطلوع
جميع الصفات الا على صفة العلم فلا يستقيم وقال الشارح الرضوي يمكن ان
تحمّل الصفات على ما يمكن ان يكون زيد عليها مما لا يتناقض ويستثنى
من جملتها العلم او يحل ذلك على المبالغة في نفى صفة العلم كانك قلت
امكن ان يحصل فيه جميع الصفات الا صفة العلم وعلى التقديرين يندرج
في صورة الاستقامة ولا يخفى على المتفطن انه يمكن بمثل هذه التاويلات
ارجاع جميع المواد الايجابية عند الاستثناء الى صورة الاستقامة كما
يقع مثلاً في قولك ضربني بالازيد المراد كل من يتصور منه الضرب من

قرینے کا عدم وجود ہے لہذا اس میں غالب معنی کی عدم درستی ہے اور اسی وجہ سے لایینی
اس وجہ سے کہ کلام موجب میں مستثنیٰ مفرغ معنی کی درستی کے بغیر نہیں ہوا کرتا (لا ما زال زید
لوعالمہ کی مثال جائز نہیں) کیونکہ ما زال کا معنی ثبت ہے اس لئے کہ نفی کی نفی اثبات ہے
لہذا معنی ہوگا ثبت زید دائمًا علی جمیع الصفات الا علی صفة العلم تو یہ معنی درست نہیں
ہوتا اور شارح رضوی نے کہا ہے کہ صفات ذکر جن سے علم کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے (کو ان صفات
محل کیا جا سکتا ہے کہ جن پر زید ہو سکتا ہے یعنی جو باہم متضاد نہ ہوں) کہ شخص واحد میں ان کا
اجتماع ممکن ہو اور ان کے مجموعہ سے علم کو مستثنیٰ کیا جائے یا اس مثال کو زید سے صفت
علم کی نفی میں مبالغہ پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے گویا کہ تم نے یوں کہا زید میں تمام صفات
کا حصول ممکن ہے مگر صفت علم (کا حصول ناممکن ہے) اور دونوں تقدیروں کی بنا پر مثال
مذکور درستی معنی کی صورت میں درج ہو جائے گی اور دانشمند پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ استثناء
کے (ارادہ) وقت اس طرح کی تاویلات سے تمام امثال ایجابیہ کو درستی معنی کی صورت
کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے جیسا کہ مثال کے طور پر ہمارے قول ضربنی بالازید میں کہا جائے
کہ (مستثنیٰ عنہ غیر مذکور ہے) مراد وہ لوگ ہیں جن سے ضرب متصور ہو سکتی ہے یعنی تمہارے

اثبات ہو جاتا ہے لہذا ما زال معنی نہیں رہا۔
مثبت ہو گیا پس اس مثال کے معنی یہ ہوں
گے ثبت زید دائمًا علی جمیع الصفات الا علی
صفة العلم یعنی زید ہمیشہ تمام صفات کے
ساتھ متصف رہا سوائے صفة علم کے اور
معنی درست نہیں اس لئے کہ بہت سی صفات
متضادہ ہیں جو بیک وقت موجود نہیں ہو سکتیں
مثلاً نوم و بیداری قیام و غود و غفار و سکوت

حکم سابق یعنی مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں
نہیں پایا جاتا تا وقتیکہ معنی مستقیم نہ ہوں اگر
تفریع کرتے ہوئے کلام موجب کی مثال پیش
کر کے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں مثال یہ ہے
جیسے ما زال زیدًا لعالمہ یہ کلام موجب اس
وجہ سے ہے کہ مانا یہ ہے اور زال کے معنی ہیں
دور اور جدا ہونا لہذا اس میں بھی نفی پائی گئی اور
قاعدہ ہے کہ جب نفی کی نفی کی جاتی ہے تو وہ

رفقار و سکون گریہ و ہنسی وغیرہ وغیرہ پس عدم
استقامتہ معنی کی بنا پر ما زال زیدًا لعالمہ
کہنا جائز نہیں واللہ اعلم۔

۳۸۱ قولہ وقال الشارح الرضوي

اس سے مصنف پر اعتراض کر کے مثال مذکورہ
میں عدم استقامتہ معنی کی تصحیح کرنا مقصود ہے
شارح کا فیہ علامہ رضوی فرماتے ہیں کہ مصنف
کا مثال مذکور کو ناجائز قرار دینا صحیح نہیں اس
لئے کہ زید کی صفات کو ان صفات پر محمول
کیا جا سکتا ہے جو متضادہ اور متناقض نہ ہوں
اور پھر ان سے علم کو مستثنیٰ کر دیا جائے پس ہم
کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً زید قیام۔ رفقار و غفار
ہنسی اور بیداری پر ہمیشہ ثابت رہا مگر اس
میں صفة علم کبھی نہیں پائی گئی یعنی مذکورہ بالا صفات
تو اس میں موجود ہیں لیکن صفت علم نہیں یا ہو
سکتا ہے کہ اس مثال کو صفة علم کی نفی میں مبالغہ
پر محمول کیا جائے پس اس وقت گویا کہ یہ کہا گیا
کہ اس بات کا امکان ہے کہ زید میں تمام صفات
پائی جائیں حتیٰ کہ متناقضہ اور متضادہ بھی لیکن
صفة علم ایک ایسی صفت کہ زید میں اس کی استعداد
اور قابلیت و صلاحیت نہیں پس دونوں صورتوں
میں معنی مستقیم ہو جائیں گے اور مثال مذکورہ کے
عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے گی واللہ اعلم
۳۸۲ قولہ ولا يخفى النعم اس سے

شارح رضی کا شارح جامی مصنف کی جانب سے
جواب دے رہے ہیں کہ ہر سمجھدار آدمی پر مخفی نہیں
کہ شارح رضی کے نزدیک مثال مذکورہ کا تاویلات
مذکورہ کی بنا پر صحیح ہونا مسلم ہے لیکن اگر تاویلات
سے ہی ہر جگہ کام لیا جائے تو کلام موجب
کی ایک بھی مثال ایسی باقی نہیں رہے گی جو کسی
نہ کسی تاویل کی بنا پر صحیح اور درست نہ ہو پس
ممکن ہے کہ ان جیسی تاویلات کے ساتھ تمام
مواد ایجابیہ کو ارادہ استثناء کے وقت
استقامتہ معنی کی صورت کی طرف رجوع کر لیا جائے
اور ایک میں بھی سلب ایجاب نہ رہے جیسا کہ

مثلاً ضربنی الا زید میں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد شکم کی یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس سے اپنی جان بچان والوں میں سے ضرب کا تصور ہو سکتا ہے سب نے اس کو مارا مگر زید نے نہیں مارا پس مثل مذکور صحیح ہوگئی یا کہہ سکتے ہیں کہ اس سے شکم کا مقصود اس کی مار پیٹ پر لوگوں کے هجوم اور کثرت لہذا دھام میں مبالغہ کرنا ہے پس اس صورت میں بھی اگرچہ شکم کو تمام لوگوں کا مارنا ممکن نہیں لیکن جب اس سے مراد مقصود ہے تو مثال مذکور میں عدم صحت معنی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی واللہ اعلم۔

۳۸۲ قول تعذر البذل فیہا

سے مبالغہ اور کلام غیر موجب میں ذکر مستثنیٰ منہ کے وقت اختیار بدل کا دوسرا قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ من موردوں میں بدل پر حنا مختار ہے اگر لفظ مستثنیٰ منہ پر عمل کرتے ہوئے بدل پر حنا دشوار اور متعذر ہو تو موضع مستثنیٰ منہ پر عمل کرتے ہوئے بدل پڑھیں گے اور لفظ مستثنیٰ منہ پر بدل کو محمول نہیں کریں گے جیسے ماجادی من احد الا زید کہ اس میں احد پر مستثنیٰ منہ ہے پس اگر زید کو اس سے بدل قرار دیں تو یہ دشوار ہے اس کو محل مستثنیٰ منہ پر عمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ من احد محل رفع میں واقع ہے اگرچہ لفظ مرفوع نہیں اور جیسے لا احد فیہا ای فی الدار الا عمرو کہ اس جگہ احد لا انفی جنس کا اسم ہونے کی بنا پر منصوب ہے پس عمرو کو محل مستثنیٰ منہ پر عمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ ابتدائیت کی بنا پر احد محل رفع میں داخل ہے بخلاف عمرو کو استثناء کی بنا پر منصوب پڑھنے کے کہ یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس بنا پر یہ دم ہوتا ہے کہ عمر اعلیٰ سبیل البدلیہ لفظ احد سے منصوب ہے نہ کہ استثناء کی بنا پر اور یہ دم درست نہیں اس لئے کہ لفظ احد سے بدل دشوار ہے اب جاننا چاہئے کہ اس

المعارفك او المقصود منه المبالغة في طول المحققين على ضربك و اذا تعدل البذل من حيث حمله على اللفظ ای لفظ المستثنیٰ منہ فعلی التوضیح ای محمول علی موضع المستثنیٰ منہ لا علی لفظه عملاً بالمختار علی قدر الامکان مثل ما جاء فی من احد الا زید فزید بدل مرفوع محمول علی موضع احد لا بجر و محمول علی لفظه و مثل لا احد فیہا ای فی الدار الا عمرو و فعمد مرفوع محمول علی محل احد لا علی لفظه و مثل ما زید شیئاً الا شیئاً لا یعیب بہ ای لا یعیب بہ فشی مرفوع محمول علی محل شیئاً لا منصوب محمول علی لفظه و قوله لا یعیب بہ لیس فی کثیر من النسخ و علی ما وقع فی بعضها فهو صفة شی المستثنیٰ قیل انما وصفه

چلنے والے لوگ یا اس سے مقصود تمہاری مار پیٹائی پر مجتمع ہو نیوالوں کے غلو میں مبالغہ ہے کہ وہ بہت زیادہ متعذر ہو (لا اور جب بدل متعذر ہو) اس طرح کہ (لفظ پر) یعنی مستثنیٰ منہ کے لفظ پر اس کا محل متعذر ہو (تو محل پر) یعنی مستثنیٰ منہ کے محل پر محمول کیا جائیگا اس کے لفظ پر نہیں کہ ممکن حد تک (مذہب) مختار پر عمل ہو جائے (یعنی اسے بدل بتایا جائے گا) (جیسے ماجادی من احد الا زید) تو زید بدل مرفوع احد کے محل پر محمول ہے لفظ پر احد پر نہیں (اور) جیسے (لا احد فیہا) یعنی فی الدار والا عمرو ہے (تو عمرو بدل) مرفوع احد کے محل پر محمول ہے احد کے لفظ پر نہیں (اور) جیسے (ما زید شیئاً الا شیئاً لا یعیب بہ) یعنی لا یعیب بہ تو فشی (بدل) مرفوع شیئاً کے محل پر محمول ہے شیئاً کے لفظ پر محمول منصوب نہیں اور مصنف کا قول لا یعیب بہ بہت سے نسخوں میں نہیں ہے اور بنا برآں کہ بعض نسخوں میں واقع

جگہ شایع ہے من حیث حملہ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تعذر کا صمد علی نہیں آیا کرتا بلکہ بار آتا ہے پس علی محذوف یعنی محل کا صمد بجا و رای لفظ المستثنیٰ منہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ علی اللفظ میں الف لام مضاعف الیہ کے عوض میں بجا و رای محمول علی الخ سے یہ بتایا جگہ اذا تعذر البذل شرط ہے اور فعلی للوضع اس کی جزا اور جزا کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے پس یہ باعتبار اپنے متعلق محذوف یعنی محل کے جزا ہے اور عملاً بالمتعارف الخ کا اضافہ اس لئے کر دیا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ جب بدل متعذر ہے تو مستثنیٰ

کو استثناء کی بنا پر منصوب پڑھنا چاہئے واللہ اعلم۔

۳۸۴ قولہ و مثل ما زید الخ اور

جیسے ما زید شیئاً اور فشی یعیب بہ کہ اس میں شیئاً مستثنیٰ منہ ہے اور اس سے فشی کا بدل واقع ہو کر منصوب ہونا متعذر ہے لہذا فشی کو شیئاً کے محل رفع پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس لئے کہ شیئاً مبتدأ کی خبریت کی بنا پر مرفوع الملیٰ ہے لفظ پر محل کرتے ہوئے منصوب نہیں پڑھیں گے لا یعیب بہ کے معنی لا یعیب بہ کے ہیں یعنی جس کو لا یعیب بہ اعتنا اور قابل توجہ نہ سمجھا جائے اور مثال مذکور کے معنی یہ ہیں

به ثلایلم استثناء الشئ من نفسه ولا یخفى انه لو جعل المستثنى منه شيئاً
اعم من ان یزید علیه صفة غیر الشیئة اولاً وخص المستثنى بما لا یزید
علیه صفة غیر الشیئة لكان ادق والطف وانما تعذر البذل علی اللفظ فی
الصورة الاولى لان من الاستغراقية لا تشاء اتفاقاً بعد الاثبات ای
ای بعد ما صار الكلام مثبتاً لانتقاض النفي بالاولا نهالتأكيد النفي ولا
نفي بعد الانتقاض فلو ابدل علی اللفظ وقیل ما جلدنی من احد الا زید

ہے تو وہ شئی مستثنیٰ کی صفت ہے کہا گیا ہے کہ مصنف نے شئی کو لایعجاب سے اس لئے مقصود
کیا ہے کہ شئی کا اپنی ذات سے استثناء لازم نہ آئے اور مخفی نہ ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ کو (مثلاً
مذکور میں) ایک ایسی شئی قرار دیا جائے جو اس سے عام ہو کہ اس پر شئی ہونے کے علاوہ
عظیم و کریم یا شریف وغیرہ ایسی کسی صفت کا اضافہ کریں یا نہ (یعنی اس میں تعظیم و
تحقیر دونوں سے کسی چیز کا لحاظ نہ ہو اس طرح وہ عام قرار پائے) اور مستثنیٰ کو ایسی
شئی کے ساتھ خاص کیا جائے کہ اس پر ایک شئی ہونے کے علاوہ کسی صفت کا اضافہ
نہ کریں تو یہ بات دقیق تر اور لطیف تر ہوگی (لہذا بعض نسخوں میں جو لایعجاب بہ کا لفظ
مذکور نہیں اور اس پر جو استثناء شئی من نفسه کا اعتراض لازم آتا ہے وہ اس توجیہ سے
نہ ہوگا فقیر قادری محمد غلام سرور رضوی عرض کرتا ہے کہ جامی صاحب کے اس نکتہ کو
اس رنگ میں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ مستثنیٰ منہ لا بشرط شئی اور مستثنیٰ کو بشرط لا شئی کے
مرتبہ پر تصور کیا جائے تو لایعجاب بہ کی قید کی ضرورت نہ ہوگی) اور (دہا یہ کہ) صورت اولیٰ
میں (مستثنیٰ منہ کے) لفظ پر بدل (کا عمل) متعذر ہوا (کیونکہ من استغراقیہ) بالاتفاق
اثبات کے بعد زائد نہیں ہوتا) یعنی بعد ازاں کہ الہی وجہ سے نفی کے ٹوٹ جانے کی
وجہ سے کلام کے مثبت ہو جائے کیونکہ من استغراقیہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور ٹوٹ
جانے کے بعد نفی نہیں ہے پس اگر لفظ پر بدل (محمول) کیا جائے اور کہا جائے ما جلدنی

نہ کہ شئی نہیں ہوائے ایسی شئی کے کہ اس کا اعتبار
نہیں کیا جاتا۔ لایعجاب بہ کے متعلق شایع کہتے ہیں
کہ یہ کثر نسخوں میں مذکور نہیں اور جن نسخوں میں موجود
ہے تو بعض مستثنیٰ کی صفت ہے اور اس کی
توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے صفت لانے کی
وجہ یہ ہے کہ شئی کو شئی سے مستثنیٰ کرنے کے
لئے استثناء شئی من نفسه لازم نہ آئے کیونکہ
ظاہر بات ہے کہ شئی سے جب شئی کا استثناء
کیا جائیگا تو لا محالہ استثناء شئی من نفسه لازم
آئے گا پس جب شئی ثانی کی صفت لایعجاب بہ

لائی گئی تو استثناء شئی من نفسه لازم نہیں آئے گا
اس لئے کہ مستثنیٰ منہ عام شئی ہو جائے گا اور
مستثنیٰ شئی خاص ہو کہ لایعجاب بہ کے ساتھ مقصود
ہے پس عام سے خاص کا استثناء قابل اعتراض
نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۔ قولہ ولا یخفى انہ لو جعل المستثنى منہ شيئاً
ہے کہ جب اکثر نسخوں میں قولہ لایعجاب بہ موجود نہیں
تو ان کے اعتبار سے لا محالہ استثناء شئی من نفسه
لازم آتا ہوگا پس اس کی کیا توجیہ ہے وہیں شایع

اس کا جواب لا یخفى سے دئے گئے ہیں یا
دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ اس سے
شایع کا منشاء قول قائل قبل انما وصفہ بہ الخ
پر اعتراض کرنا ہے یعنی اگر اس صفت کو ذکر نہ کیا
جائے تب بھی معنی درست ہو جاتے ہیں بلکہ
یہ صورت زیادہ لطیف و اداق ہے تفصیل اس
کی یہ ہے کہ شئی ثانی میں تنوین تکبیر کو حقیر کے
لئے لیا جائے یعنی مستثنیٰ منہ کو اس بات سے
عدم کر دیا جائے کہ اس کے اوپر صفت غیر شئیہ
کی زیادتی ہو سکے مثلاً یہ مطلب لیا جائے یا زید
شیخ عظیم اذکر یا وغیرہ ذلک اور پھر مستثنیٰ کو
صفت غیر شئیہ کی عدم زیادتی کے ساتھ خاص کر
دیا جائے تو یہ صورت زیادہ دقیق و لطیف ہو
گی اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے
کہ زید شئی عظیم یا کریم وغیرہ نہیں ہے ہوائے
اس کے کہ ایک حقیر اور ذلیل شئی ہے اور
اس کے لطیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لایعجاب بہ
کی زیادتی سے بھی مستثنیٰ کا حقیر ہونا معلوم ہو
ہوگا اور اس کے ذکر کے بغیر بھی اس کی
حقارت ظاہر ہو جاتی ہے پس کیا ضرورت
ہے کہ خواہ مخواہ لایعجاب بہ کا اضافہ کیا جائے اور
دقیق اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادتی تو جلد
فکر و تامل کی ضرورت ہے واللہ اعلم۔

۱۴۔ قولہ وانما تعذر البذل الخ
یہاں سے مصنف منشاء مذکورہ میں تعذر بدل
کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ لفظ کی بنا پر صورت
اولیٰ میں تو بدل اس لئے دشوار ہے کہ من
استغراقیہ اثبات کے بعد اتفاقاً زیادہ نہیں
کیا جاتا یعنی جب نفی کو ختم کرنے کے لئے
کلام الا کے ذریعہ مثبت ہو جائے اس لئے
کہ من استغراقیہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے اور
الا ذریعہ نفی کے انتقاض کے بعد نفی باقی نہیں
رہتی تو لا محالہ اثبات پیدا ہو جائے گا پس اگر
مستثنیٰ کو لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل لائیں گے
اور ما جلدنی من احد الا زید زید کے جو کہ

ساتھ کہیں گے تو یہ کہنا ہمارے قول جاری من
زید کی قوت میں ہوگا اس لئے کہ بدل تکرار
عامل کے ساتھ ہوتا ہے یعنی بدل منہ اور
بدل دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے اور اس جگہ
عامل بدل منہ من استغراقہ جارہ ہے لہذا
بدل کا بھی یہی عامل ہوگا پس لازماً بدل کا مطلب
جاری من زید ہوگا پس من کی زیادتی کلام مثبت
میں لازم آئی اور یہ ناجائز ہے اس لئے کہ من
استغراقہ تاکیدی نفی کے لئے آتا ہے یعنی نفی کو
جمع افراد منفی کے ساتھ احاطہ کر لینے کیلئے
پس جب مثلاً جاری من بدل کہا جائے گا تو
اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بدل کے جس قدر بھی
افراد ہیں ان میں سے میرے پاس کوئی نہیں آیا
اور جب نفی نہ ہوگی تو من کی بھی زیادتی نہ ہوگی
کیونکہ اس کی زیادتی بے فائدہ ہوگی پس محل
مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مختار پر بقدر
امکان عمل کرنے کے لئے مستثنیٰ کو مرفوع
پڑھیں گے اس جگہ شارح نے قول اتن بان
من سے پیشتر فی الصورة الاولى کہہ کر اس
طرف اشارہ کیا ہے کہ مبتدی یہ نہ سمجھ بیٹھے
کہ یہ دلیل مثال ثالث کی ہے بلکہ مثال اول
کی دلیل ہے اور اس کے بعد الاستغراقیہ کا
اضافہ اس غرض سے کیا ہے کہ کلام مثبت میں
من استغراق کے لئے نہیں آیا کرتا بلکہ انفس
کے نزدیک وہ زائد ہوتا ہے اور بصیرین
کے نزدیک تبعضیہ یا بانیہ اور من استغراقیہ
صرف منفی کے ساتھ خاص ہے اور ای بعد
ما صار الکلام سے اس لہجہ کی طرف اشارہ ہے
کہ الاثبات میں باب افعال کا ہمزہ اس جگہ
صیروۃ کے لئے ہے تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ
کے کہ مثال مذکور تو منفی کی ہے نہ مثبت کی
پس یہاں بعد الاثبات کہنا کیسے صحیح ہے۔

واللہ اعلم

۸۷۷ قولہ وفی الصورتین الخ اور

اخیر کی دو صورتوں یعنی لا احد فیہا الا عمر و اور

بالجمل کان فی قوۃ قولنا جاءنی من زید فلزم زیادة من فی الاثبات وذلك
غیر جائز وفی الصورتین الاخیرتین لانہ لو ابدل المستثنیٰ علی اللفظ وقیل
لاحد فیہا الا عمر و بالنصب لان فتحہ شبیہۃ بالحركة الاعرابیۃ لانہا
حصلت بکلمۃ لا فہی كالنصب الحاصل بالعامل فلا یدیح من تقدیر
لاحقیۃ او حکما لتعمل فیہ ہذا العمل وکذا فی قولہ ما زید شیئاً الا شیئاً
وحمل المستثنیٰ علی لفظ المستثنیٰ منہ لا یدیح من تقدیر کذا لتعمل فیہ وما ولا ولا
تقدیر ان لاحقیۃ اذ العین البدل لا بتکریر العامل ولا حکماً اذ الکافی
بدخولہ علی المبدل منہ واعتبارہ رایۃ حکمہ الیہ فانہ فی قوۃ التقدیر
حال کونہما عاملتین فی المستثنیٰ المحمول علی البدل بحدۃ بعد الاثبات
یعنی بعد ما صار الکلام مثبتاً لا متقاضاً للنفی بالا لا نہما ای ما ولا عملت

من احد الا زید جر کے ساتھ تو یہ عبارت ہمارے قول جاری من زید کے حکم میں ہوگی پس
اثبات میں من کی زیادتی لازم آئے گی اور وہ ناجائز ہے اور دو آخری صورتوں میں مستثنیٰ
ہوگا کیونکہ اگر مستثنیٰ کو لفظ پر محمول کیا جائے اور کہا جائے لا احد فیہا الا عمر و انصب کے
ساتھ (کہنا ہوگا) کیونکہ احد کی فتح حرکت اعرابیہ کے ساتھ مشابہ ہے کیونکہ اس کی فتح
کلمہ علامہ حاصل ہوئی ہے پس یہ اس نصب کی طرح ہوئی جو عامل سے حاصل ہے تو
(جواب لو) اس وقت (مستثنیٰ میں) حقیقۃ یا حکماً لا کا مقدر کرنا ضروری ہوگا تاکہ لفظ لا
بدل میں بھی عمل کرے (اور یہ جائز نہیں کیونکہ معرفہ لہ کے بعد طینی نہیں ہوتا اور یہ کہ معرفہ
لا کے بعد مرفوع ہی واقع ہوتا ہے) اور اسی طرح قائل کے قول ما زید شیئاً الا شیئاً میں
(مستثنیٰ حال) ہے اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ پر محمول کیا جائے تو اس وقت (مستثنیٰ
میں) اسی طرح (حقیقۃ یا حکماً) مافی تقدیر ضروری ہے تاکہ لفظ ما مستثنیٰ میں عمل کرے
لا حال لہ ما اور لا مقدر نہیں کئے جاتے نہ حقیقۃ جبکہ بدل (اس میں) عامل کے تکرار کے
اسی ساتھ ہو اور حکماً جبکہ عامل کے دخول سے بدل منہ پر اکتفاء اور بدل کی طرف عامل
کے حکم کی سرایت کا اعتبار کیا جائے کہ یہ (اکتفاء) تقدیر کی قوت میں ہے جبکہ دونوں یعنی
ما ولا (عمل کرنے والے ہوں) اس مستثنیٰ میں جو بدل پر محمول ہے (اس کے بعد) یعنی
اثبات کے بعد یعنی بعد ازاں کہ کلام الای وجہ سے نفی کے ٹوٹ جانے کی وجہ مثبت ہو

اس لئے کہ وہ کلمہ لا سے عامل ہوا ہے یعنی جس
طرح نصب عامل ناصب کے ذریعہ حاصل
ہوتا ہے اسی طرح فتحہ بھی کلمہ لا سے عامل ہوتا
ہے جو کہ لہجہ اسم لکھ کو مبنی علی النصب کر

ما زید شیئاً الا شیئاً لا یجاء بہ من تقدیر بدل کی یہ
وجہ ہے کہ اگر مستثنیٰ کو لفظ پر محمول کرتے ہوئے
بدل قرار دیتے لا احد فیہا الا عمر و کہا جائیگا اس
لئے کہ احد کا فتح حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے

لِلنَّفْيِ وَقَدْ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِالْأَوْحِثِ تَعَذُّرِي هَاتَيْنِ الصُّورَتَيْنِ الْبَدَلِ
عَلَى اللَّفْظِ سَمِلَ عَلَى الْمَحَلِّ فَعَمْرُو مَرْفُوعٌ عَلَى أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ أَحَدٍ وَهُوَ الِرْفَعُ
بِالْإِبْتِدَاءِ وَشَيْءٌ مَرْفُوعٌ عَلَى أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الِرْفَعُ بِالْخَبَرِ
فَإِنْ قُلْتَ لِأَحَدٍ فِي هَذَا الْمَثَالِ مَحَلَّانِ مِنَ الْأَعْرَابِ مَحَلٌّ قَرِيبٌ وَهُوَ نَصْبٌ
بِكَلِمَةٍ لَا وَمَحَلٌّ بَعِيدٌ وَهُوَ رَفْعُهُ بِالْإِبْتِدَاءِ فَلِمَ اعْتَبَرُوا أَحَدَهُ عَلَى مَحَلِّ الْبَعِيدِ
لَا الْقَرِيبَ قُلْتَ لِأَنَّ مَحَلَّهُ الْقَرِيبَ إِنَّمَا هُوَ لِعَمَلٍ لَا فِيهِ بِمَعْنَى النَّفْيِ وَقَدْ انْتَقَضَ

جائے (کیونکہ دونوں) یعنی ما والا (عمل کرتے ہیں نفی کے لئے حالانکہ نفی الہی وجہ سے ٹوٹ
گئی) اور جب کہ ان دونوں صورتوں میں لفظ پر بدل (کا عمل) متعذر ہوا تو محل پر محمول
کیا گیا لہذا عمر و اس بنا پر مرفوع ہے کہ احد کے محل پر محمول ہے اور احد کا محل ابتداء کی
وجہ سے رفع ہے اور شئی مرفوع ہے اس بنا پر کہ شئی کا محل پر محمول ہے اور شئی کا محل خبر
ہونے کی وجہ سے رفع ہے پھر اگر تم اعتراض کرو کہ اس مثال میں احد کے اعراب سے دو محل ہیں
ایک محل قریب ہے اور وہ کلمہ لای کی وجہ سے نصب ہے اور ایک محل بعید ہے اور وہ ابتداء
کی وجہ سے رفع ہے تو نحو یوں نے محل بعید پر اسے محمول کرنے کو کیوں معتبر قرار دیا قریب کو نہیں
میں نے جواب دیا کہ اس کا محل قریب صرف اس میں لا کا نفی کے معنی میں عمل کرنا ہے جبکہ نفی الا

کے قائل ہیں اور حکماً جبکہ صرف مبدل منہ پر لا
اور ما کے دخول پر اکتفاء اور حکم ما والا کی بدل
کی طرف سرایت کا اعتبار کیا جائے اس لئے
کہ بدل قوت تقدیر میں ہے یعنی اس میں ما و
لا مقدر ہوتا ہے پس اس صورت میں اگر چہ
حقیقۃً تکرار حاصل نہیں ہوگا مگر حکماً ضرور ہوگا
کما ذہب الیہ بعضہم لہذا دونوں صورتوں میں
مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل نہیں قرار دے سکتے
اب جانتا چاہئے کہ اس جگہ لان فتحة، شیمہ
بالحکمۃ الاعرابیۃ الخ سے شاسح نے ایک سوال
مقدر کا جواب دیا ہے تقریر سوال کی یہ ہے کہ
لا احد میں احد فتحہ پر مبنی ہے اور مبنی کے توابع
لفظ پر محمول نہیں کئے جاتے محل پر محمول ہونے
میں لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ
منہ کے لفظ پر محمول کرتے ہوئے الاعراب بالانصب
پر حصی بلکہ مستثنیٰ منہ مبنی کے اقتضائے موجب
مستثنیٰ کو بھی بدل قرار دیتے ہوئے مبنی پر فتحہ

دیتا ہے پس وہ فتحہ نصب کی مانند ہوا جو کہ
حاصل سے حاصل ہوتا ہے پس اس وقت حقیقۃً
یا حکماً لای تقدیر ضروری ہے تاکہ وہ عمر و اس
نصب کا عمل کرے اسی طرح ما زید شئی الا
شئی لا یبایہ میں اگر مستثنیٰ کو لفظ مستثنیٰ منہ پر
محمول کریں گے تو مستثنیٰ میں بھی بوجہ بدلیتہ کو
بدل تکرار حاصل کا حکم رکھتا ہے ما مقدر
مانیں گے تاکہ وہ بدل میں مبدل منہ کا عمل
نصب کر سکے اور ما و لا مقدر ہوا نہیں کرتے
اس لئے کہ لا نفی جنس اور ما مشابہ بلس معنی نفی
کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور نفی دونوں صورتوں
میں الای وجہ سے کلام کے مثبت ہو جانے کے
باعث ٹوٹ گئی لہذا اب کسی صورت سے بھی
مکن نہیں کہ ان کو بدل قرار دے کر منصوب پڑھ
سکیں نہ حقیقۃً اور نہ حکماً حقیقۃً تو اس وقت
جبکہ بدل تکرار حاصل کے حکم میں یعنی اس کے لئے
تکرار حاصل ضروری ہو گیا کہ بعض نما تکرار حاصل

پر مضاف چاہئے جواب یہ ہے کہ لفظ احد کا فتحہ
حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ دونوں
عامل کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں نیز یہ کہ فتحہ
عارضی ہے اس لئے کہ اعراب اصل ہے پس احد
بمنزلہ معرب کے ہوگا اور اس کے لفظ پر حمل
کرتے ہوئے الاعراب بالانصب کہہ سکتے ہیں
اور حال کو نہما عاملتین سے شاسح نے یہ بتایا
ہے کہ عاملتین لا تقدیر ان کی ضمیر مفعول بالمسمی
فاعلہ سے حال واقع ہے اس کے علاوہ اس
میں دو احتمال اور ہیں ایک یہ کہ یہ تمیز واقع
ہو اور دوسرے یہ کہ اگر لا تقدیر ان کو لا تجعلان
کے معنی کو متضمن سمجھیں تو عاملتین مفعول ثانی
بھی بن سکتا ہے اور ای بعد الا ثبات یعنی بعد
مار الخ کے اضافہ کی وجہ گذر چکی دانستہ اعلم
۳۸۸ قولہ و حیث تعذر الخ یعنی
جب دونوں صورتوں میں لفظ پر حمل کتنے
ہوئے مستثنیٰ کو بدل قرار دینا دشوار ہو گیا
تو محل پر حمل کرتے ہوئے بدل قرار دیں گے
پس عمر و اس بنا پر مرفوع ہوگا کہ وہ محل احد
پر محمول ہے اس لئے کہ اس کا محل ابتدائیت
کی بنا پر رفع ہے اور شئی محل شئی پر رفع
بالخبریتہ کی بنا پر مرفوع پڑھا جائیگا اب فان
قلت سے شاسح ایک اعتراض کرتے ہوئے
کہتے ہیں کہ اس مثال میں اعراب کے اعتبار سے
احد کے دو محل ہیں ایک محل قریب کہ کلمہ لا
کی وجہ سے وہ منصوب ہوا اور دوسرے
محل بعید کہ ابتدائیت کی بنا پر احد مرفوع
ہو پس اس کی کیا وجہ ہے کہ محل بعید کا تو
اعتبار کیا گیا اور محل قریب کا نہیں؟ یعنی
مستثنیٰ کو محل رفع پر حمل کرتے ہوئے مرفوع
تو پڑھا گیا جو کہ بعید ہے اور محل قریب
پر حمل کی بنا پر منصوب نہیں پڑھا گیا
قلت سے اس کا جواب شاسح یہ دے رہے
ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ محل قریب میں لا
کا عمل دخل ہے اس لئے کہ لا بمعنی النفی ہے

اور وہ نفی الّا کے باعث ٹوٹ گئی لہذا اس کا محل قریب قابل اعتبار نہیں رہا اور محل بعید میں چونکہ لا کے عمل کو کوئی دخل ہی نہیں کیونکہ اس وقت اس میں عامل معنوی عامل ہوگا لہذا خواہ نفی منتقص ہو یا نہ ہو ہر حال میں یہ محل قابل اعتبار ہے واللہ اعلم۔

۳۸۹ قولہ بخلاف النحر اور بیان

کیا تھا کہ ما ولا معنی نفی کی وجہ سے اپنے مدخول میں عمل کرتے ہیں اور جب یہ نفی الّا کے سبب سے ٹوٹ جاتی ہے تو ما بعد الّا میں معنی نفی کے ختم ہو جانے کے باعث عمل نہیں کریں گے اب یہاں سے یہ بتلاتے ہیں کہ اگر معنی نفی عمل کا باعث نہ ہوں بلکہ فعلیۃ ہو چکیا کہ لیس زید شیئا الاشیاء میں کہ اس میں لیس اپنی فعلیۃ کے باعث عامل ہے معنی نفی کی وجہ سے نہیں تو اس میں تقاض نفی کے باوجود لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے مستثنیٰ کو بدل قرار دیکر منصوب پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ معنی نفی کے اتقاض سے لیس کے عمل میں کوئی فتور پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا عمل امر فعلیۃ کی وجہ سے ہے اور وہ باقی ہے اس لئے کہ اگرچہ الّا کی وجہ سے نفی منتقص ہو گئی لیکن لیس جس کے باعث عمل کرتا ہے یعنی فعلیۃ وہ تو اس کی بدستور باقی ہے لہذا شیئا کو بنا بر بدلیۃ لفظ مستثنیٰ منہ پر حمل کرتے ہوئے منصوب پڑھنا جائز ہے واللہ اعلم ۱۲

۳۹۰ قولہ ومن ثم النحر یہاں سے

مصنف حکم ماسبق پر تفریع پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو چکا کہ لیس کا عمل تو فعلیۃ کی وجہ سے ہے اور ما ولا کا معنی نفی کی وجہ سے تو اب کہنا جائز ہوگا بغیر مستثنیٰ منہ کو ذکر کئے اور مستثنیٰ کو اس کے لفظ سے بدل قرار دیتے ہوئے لیس زید الاشیاء کا کہنا جائز ہوگا اس لئے

بالا بخلاف محله البعید فانہ لا دخل لعل لاقیہ بخلاف لیس زید شیئا الاشیاء مع انہ انتقص النفی فیہ ایضا بالا لانتہا ای لیس عملت للفعلیۃ لا للنفی فلا اثر فیہا انتقص معنی النفی فی عملہا بقاء الامر العام لمتہ ہی ای لیس لا جملہ ای لاجل ذلک الامر وهو الفعلیۃ ومن ثم ای ومن اجل ان عمل لیس للفعلیۃ لا للنفی وعمل ما ولا بالعکس جائز لیس زید الاشیاء قائما باعمال لیس فی قائما وان انتقص نفیہا بالا بقاء فعلیۃہا وانتفع ما زید الاشیاء قائما باعمال ما فی قائمات لیس عملہا فیہ انما هو للنفی وقد انتقص النفی بالا والمستثنیٰ محفوظ

کی وجہ سے ٹوٹ گئی اس کے محل بعید کے برعکس کہ اس میں لا کے عمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں عامل معنوی ہے) لیس زید شیئا الاشیاء کے برعکس) باوجودیکہ اس میں بھی الّا سے نفی ٹوٹ گئی ہے (کیونکہ وہ) یعنی لیس (عمل کرتا ہے فعلیت کی وجہ سے) نفی کی وجہ سے نہیں (لہذا) اس کے عمل میں (نفی کے) معنی کے (ٹوٹنے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ چیز باقی ہے کہ وہ) یعنی لیس (عمل کرتا ہے اس کی وجہ سے) یعنی اس چیز کی وجہ سے اور وہ چیز (کہ جس کی وجہ سے لیس عمل کرتا ہے اور وہ باقی ہے) فعلیت ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اور اس وجہ سے کہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے نفی کی وجہ سے نہیں اور ما ولا کا عمل برعکس ہے (جائز ہے لیس زید الاشیاء) لیس کے قائمات میں عمل دینے سے اگرچہ الّا کی وجہ سے اس کی نفی ٹوٹ گئی کیونکہ اس کی فعلیت باقی ہے (اور ما زید الاشیاء قائمات میں نہیں) قائمات میں (لفظ) ما کو عمل دے کر کیونکہ اس (اسم وغیرہ) میں سے ہر ایک (میں) ما کا عمل نفی کے لئے ہے اور نفی الّا کی وجہ سے ٹوٹ گئی (اور) مستثنیٰ

ہے نیز حاشا کے بعد اکثر استعمال میں مجرور پڑھا جاتا ہے سوئی کسر سین اور ضم دونوں جائز ہیں جبکہ اس کو مقصور پڑھیں اور جب اس کو بالمد پڑھیں گے تو کسر سین اور فتحہ جائز ہوں گے لیکن قصر کی حالت میں کسر سین اور مد کی حالت میں فتحہ مشہور ہے ہر حال ان کے ما بعد میں کسر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ما بعد مضاف الیہ واقع ہوگا اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے اور حاشا اکثر استعالات کے اعتبار سے حرف جر ہے اس لئے اس کا ما بعد مجرور ہوگا اور

کہ اس میں اگرچہ معنی نفی الّا کی وجہ سے باطل ہو گئے ہیں لیکن فعلیۃ باقی ہے لیس لیس قائمات میں عمل کر سکتا ہے بخلاف ما زید الاشیاء کے کہ یہ ترکیب جائز نہیں اس لئے کہ کلمہ ما معنی نفی کے باعث عمل کرتا ہے اور وہ الّا کی وجہ سے ٹوٹ گئے لہذا کلمہ ما قائمات کو نصب نہیں دیکھا بلکہ قائمات کو ابتدائیت کی بنا پر مرفوع پڑھتے ہوئے ما زید الاشیاء کا کہنا ضروری ہوگا واللہ اعلم ۳۹۱ قولہ والمستثنیٰ النحر یعنی مستثنیٰ جب غیر اور سوئی یا سوار کے بعد واقع ہوتا

ای مجرور بَعْدَ غَيْرِ وَسْوَى مع کسر السین او ضمها مع القصو وَسْوَى
بفتح السین او کسرهما مع المد لکونه مضافا الیه وَبَعْدَ حَاشَا فِی
الْاَکْثَرِ لکونه حرف جر فی اکثر استعمالاتهم واجاز بعضهم النصب
بها علی انها فعل متعد فاعله ضمیر ومعناها تَبْرِیةُ الْمُسْتَقْنِ عَمَّا
نَسَبَ اِلَى الْمُسْتَقْنِ مِنْهُ نَحْوُ ضَرْبِ الْقَوْمِ عَمْرًا حَاشَا زَيْدًا اِی بَرَاهُ اللّٰهُ
عَنْ ضَرْبِ عَمْرٍ وَانْغَرَابٌ غَيْرُ فِیهِ اِی فِی الْاِسْتِثْنَاءِ دُونَ الصِّفَةِ اِذْ هُوَ
ج ب اعراب موصوفه کا غَرَابِ الْمُسْتَقْنِ بِالْاِیَّ عَلَى التَّفْصِيلِ الْمَذْکُورِ فِیْمَا
سَبَقَ فَكَانَ لِمَا انْجَزَ بِهِ الْمُسْتَقْنِ لِلاِضَافَةِ انْتَقَلَ اَعْرَابُهُ اِلَیْهِ وَغَيْرُ اِی
کلمہ غیر فی الاصل صِفَةً لِدَلَالَتِهَا عَلَى ذَاتِ مَبْهُمَةٍ بِاعْتِبَارِ قِیَامِ مَعْنَى الْمَغَايِرَةِ

مفعول یعنی مجرور ہوگا غیر وسوی کے بعد سین کی کسرہ یا اس کے ضمہ کے ساتھ (آخر
میں) الف مقصورہ کے ہمراہ لا اور سوا سین کی فتح یا اس کی کسرہ کے ساتھ اس لئے کہ
مستثنی مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا (اور حاشا کے بعد اکثر میں) اس لئے کہ حاشا
عرب کے اکثر استعمالات میں حرف جر ہے اور بعض (نحووں) نے اس کے ساتھ نصب کو
جائز رکھا بنا برآں کہ حاشا فعل متعدی ہے جس کا فاعل مفعول مباح بسوئے باری تعالیٰ ہے
اور حاشا کا معنی (خواہ وہ حرف قرار پاتے یا فعل) مستثنی کو اس فعل سے بری قرار
دینا ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہے جیسے ضرب القوم عمروا حاشا زید یعنی برآ
اللہ تعالیٰ عن ضرب عمرو (اور اس میں غیر کا اعراب) یعنی استثناء میں (غیر کا اعراب)
نہ کہ صفت میں کیونکہ غیر صفت ہوتے وقت اپنے موصوف کے اعراب کے ساتھ (معرب)
ہوگا لا مستثنیٰ بہ لاکہ اعراب کی طرح ہوگا اس تفصیل کی بنا پر جو مابقی میں مذکور ہوئی
پس گویا جب مستثنیٰ غیر کے ساتھ اضافت کی وجہ سے مجرور ہوا تو مستثنیٰ کا اعراب غیر کی
طرف منتقل ہو گیا (اور غیر کا معنی اصل میں غیر کا کلمہ «صفت ہے» کیونکہ وہ اس اعتبار
سے کہ اس کے ساتھ مغایرت کا معنی قائم ہے ذات مبہم (موصوف) پر دلالت کرتا ہے

بعض نخاة نے حاشا کے مدخول پر نصب
بھی جائز قرار دیا ہے اور ان کا دعویٰ یہ
ہے کہ حاشا فعل متعدی ہے اور ضمیر مستتر
اس کا فاعل اور معنی یہ ہیں کہ مستثنیٰ اس چیز
سے پاک اور بری ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف
منسوب کی گئی ہے جیسے ضرب القدم عمرا
حاشا زید اِی بَرَاهُ اللّٰهُ عَنْ ضَرْبِ عَمْرٍ وَغَيْرِ
اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نے زید کو عمرو کی مار

سے پاک رکھا پس زید بنا بر مفعولیت
منسوب ہوگا نہ کہ مجرور واللہ اعلم۔

۳۹۲ قولہ و اعراب غیر الخ اور لفظ

غیر کا اعراب باب استثناء میں نہ کہ صفت میں
مستثنیٰ بالآ کے اعراب کی مانند ہے یعنی مستثنیٰ
بالا میں اعراب کی جو تفصیل مذکور ہوئی ہے
اس کے مطابق غیر کو بھی اعراب دیا جائیگا
یعنی جہاں مستثنیٰ بالآ کو وجوباً منصوب کیا

جاتا ہے وہی غیر بھی وجوباً منصوب کیا جائے
گا وغیرہ وغیرہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ مستثنیٰ بالآ میں تو الّا کا مابعد اعراب کو
قبول کرتا ہے اور الّا حرف استثناء ہے
اور غیر جب استثناء کے لئے ہوگا تو اس
کا مدخول قابل اعراب ہونا چاہئے نہ کہ
خود غیر ہو اس کا جواب نکادہ لما انْجَزَ بِهِ الخ
سے شایع یہ ہے کہ یہی کہ غیر کے مدخول
کے بعد اس کا مدخول اضافت کے باعث
مجرور ہوگا پس جب غیر نے اپنے مابعد
اضافت کے ساتھ مجرور کر دیا تو گویا اس
کے اعراب کو خود قبول کر لیا پس مستثنیٰ کا
اعراب لفظ غیر کی طرف منتقل ہو جائے گا
اس جگہ مصنف نے فیہ اِی فی الاستثناء کی
قید احتراز کے لئے لگائی ہے اور اس سے
اس غیر کو خارج کرنا مقصود ہے جو کہ صفت
ہو اس لئے کہ اس وقت اس کا اعراب اس
کے موصوف کے مطابق ہوگا نہ کہ مستثنیٰ
بالآ جیسا واللہ اعلم۔

۳۹۳ قولہ وغیر ای کلمۃ الخ یہاں

سے مصنف لفظ غیر کی اصل وضع کو بیان کرتے
ہیں کہتے ہیں کہ کلمہ غیر اصل میں صفت ہے
اس لئے کہ یہ ذات مبہم پر اس اعتبار سے
دلالت کرتا ہے کہ اس کے ساتھ معنی مغایرت
کا قیام ہوتا ہے یعنی کلمہ غیر مابعد کے لئے
ما قبل کی مغایرت پر دلالت کرتا ہے پھر
خواہ ما قبل و مابعد دونوں باعتبار ذات
کے مغایر ہوں یا وصف کے اعتبار سے
پس اس میں اصل یہ ہے کہ غیر صفت واقع
ہو جیسے جارنی رجل غیر زید اور اس طریقہ
پر اس کا استعمال کلام عرب میں بکثرت ہے
لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلمہ غیر کو الّا پر
محمول کر کے استثناء میں اس کا استعمال
کرتے ہیں علی خلاف الاصل اور اس کی وجہ
یہ ہے کہ غیر اور الّا اپنے ما قبل کے لئے مابعد

کے مغایر ہونے میں مشترک ہیں یعنی استثناء میں بھی ماقبل کے لئے مابعد کی مغایرت مقصود ہوتی ہے اور غیر میں بھی پس جس طرح غیر کو الّا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح الّا کو بھی بمعنی غیر یعنی صفت کے معنی پر محمول کر لیا جاتا ہے لیکن یہ حمل الّا کا صفت پر بہت کم ہوتا ہے اکثر استعمال اس کا استثناء ہی کے لئے ہوتا ہے کما مر پس جب غیر صفت الّا کے معنی میں ہو تو اس کی مثال جاد فی القوم غیر زید ہے اس لئے کہ یہاں صفت متغیر ہے اس لئے کہ موصوف و صفت کے درمیان تفرق و تمکیر میں مطابقت شرط ہے اور اس جگہ قوم معرفہ ہے اور غیر اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر تو غل اہتمام کے باعث نکرہ ہے اس لئے غیر صفت واقع نہیں ہو سکتا پس بمعنی الّا ہونے کے باعث بجائے دفع علی الصفت کے منصوب پڑھا جائیگا اب جانتا چاہئے کہ اس جگہ غیر کی تفسیر اسی کلمۃ غیر الخ سے کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ غیر مبتداء ہے اور صفت اس کی خبر لیکن غیر کا مبتداء ہونا جائز نہیں اس لئے کہ مبتداء میں اصل یہ ہے کہ معرفہ یا نکرہ محصور ہو اور یہاں غیر نکرہ محصور ہے نیز قولہ حملت کی تفسیر غیر کی طرف راجع ہے اور غیر نکرہ ہے پس ضمیر مؤنث کا مذکر کی طرف راجع کرنا لازم آیا شارح نے جواب دیا کہ غیر سے مراد کلمہ غیر ہے پس ضمیر کا مرجع صحیح ہونا تو ظاہر ہے اور اول کا جواب اس طرح ہوگا کہ لفظ سے جب محض لفظ کا بغیر اس کے معنی کا لحاظ کیئے ارادہ کیا جاتا ہے تو لفظ علم ہوتا ہے پس خبر بھی علم ہوگا اور ظاہر ہے کہ علم معرفہ ہونا ہے لہذا اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہے پھر حملت علی الا پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلمہ غیر کا الّا پر حمل کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دونوں کے درمیان اتحاد نہیں

بہا فالاصل فیہا ان تقع صفة کما تقول جاء فی رجل غیر زید و استعمالہا علی ہذا الوجه کثیر فی کلام العرب لکنہا حلت علی الّا واستعملت مثلہا فی الاستثناء علی خلاف الأصل وذلک لاشتراك کل منہما فی مغایرة مابعدہ لما قبلہا کما حلت الّا علیہا ای علی کلمۃ غیر فی الصفة لکن لا تحمل الّا علیہا فی الصفة غالباً الا اذا كانت ای الّا تابعة لجمع ای واقعة بعد متعدد فوجب ان یكون موصوفہا

(مغایرت سے مراد یہ ہے کہ اس کا مجرور اس کے موصوف کا غیر ہوتا ہے) پس غیر میں اصل یہ ہے کہ وہ (اپنے ماقبل کی) صفت واقع ہو (اگرچہ وہ معرفہ کی طرف مضاف ہو) چنانچہ تم کہو جاء فی رجل غیر زید (یعنی جو ذات میں زید کا غیر ہے) اور غیر کا استعمال اس (وصفت کے معنی کے) طریقے پر کلام عرب میں بکثرت ہے۔ لیکن اسے (الّا پر محمول کیا گیا ہے) اور الّا کی طرح (اپنی) اصل (وضع) کے برخلاف «استثناء میں» استعمال کیا گیا ہے اور یہ (الّا پر محمول کیا جانا) اس لئے ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات میں (ایک دوسرے کے ساتھ) مشترک ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کا مغایر ہے «جیسا کہ الّا کو اس پر محمول کیا گیا» یعنی غیر کے کلمہ پر «صفت میں» لیکن الّا کو صفت میں غیر پر غالباً محمول نہیں کیا جاسکتا مگر اس وقت «جبکہ ہو» یعنی الّا جمع کے تابع «(ایسی جمع) جو متعدد کے بعد واقع

اور اتحاد حمل کے لئے شرط ہے اس کا جواب شارح نے استعمالت مثلاً سے یہ دیا کہ حمل سے مراد یہ ہے کہ غیر کا استعمال بھی الّا ہی کی طرح کیا جائے واللہ اعلم۔

۹۲ قولہ الا اذا كانت الخ یہاں سے مصنف کا منشا یہ بیان کرتا ہے کہ الّا کس جگہ قطعی طور پر صفت کے لئے ہوتا ہے کہتے ہیں کہ الّا کا حمل غیر پر صفت میں اس وقت ہوگا جب کہ الّا ایسی جمع کے بعد ہو جو نکرہ اور غیر محصور ہو یعنی اس جمع کے افراد شمار کردہ اور معین نہ ہوں اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ تابع صفات اسم سے ہے اور الّا صفات اسم سے نہیں بلکہ حرف لہذا الّا اذا كانت تابعة کہنا صحیح نہیں کیونکہ تابع اسم کا ہو کرتا ہے اور اسم ہی ہوتا ہے اور الّا اسم نہیں شارح نے ای واقعہ بعد

متعدد الخ سے جواب دیا کہ تابعہ سے مراد تابع مراد نہیں جو اسم کا ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ الّا متعدد کے بعد واقع ہو یعنی تابعہ بعد ظرون کے معنی میں ہے اور واقعہ اس ظون کا متعلق ہے اور جمع سے معنی لغوی یعنی تعدد مراد ہے پھر چونکہ الّا کا صفت کے معنی میں استعمال خلاف اصل ہے پس اعتبار صفت کے وقت یہ معنی الّا میں ظاہر ہوں گے تو واجب یہ ہے کہ اس کا موصوف مذکور ہوتا کہ یہ معنی ظاہر ہو جائیں موصوف مقدر نہ ہو بخلاف غیر کے کہ وہ اصل میں صفت کے لئے ہے پس اس کا موصوف نظم کلام میں کبھی کسی متعلق ہو جاتا ہے جیسے جاد فی غیر زید کہ اس میں غیر کا موصوف یعنی قوم مذکور نہیں مقدر ہے پھر موصوف کے لئے متعدد ہونے کا قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ الّا کے صفت ہونے کے وقت

مذکور الا مقدار کا قد یكون مقدراً فی غیر مثل جاء فی غیر زید و بعد
ما کان مذکوراً یكون متعدد الیوافق حالها صفة حالها اداة استثناء
اذلا بد لها فی الاستثناء من مستثنی منه متعدد فلا تقول فی الصفة
جاء فی رجل الا زید والمتعدد اعم من ان یكون جمعا لفظا کرجال او
تقدیراً لاقوم و ربط وان یكون مثنی فدخل فیہ نحو ما جاء فی رجلان
الا زید منکر ای منکر لا یعرف باللام حیث یراه به العهد والاستغراق

ہو (نقطہ متعدد سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں جمع سے مافوق الواو مراد ہے) تو ضروری ہے کہ الا کا موصوف مذکور ہو کہ الا صفت کے معنی دینے میں غیر کی فرع ہے لہذا اس کے ساتھ موصوف کا اظہار ضروری ہے تاکہ اس کے فرع ہونے پر دلالت ہو (مقدور ہو جیسا کہ غیر کا موصوف غالباً مذکور ہوتا ہے لیکن اکبھی (ظلم کلام میں) غیر کے اندر مقدور ہوتا ہے جیسے جاء فی غیر زید (تقدیرہ جاء فی رجل غیر زید) اور بعد ازاں کہ (الا کا) موصوف مذکور ہو وہ متعدد (یعنی تثنیہ یا جمع) ہوتا ہے تاکہ الا کا (غیر کے معنی میں) ہونے کا حال اس کے اس حال کی صورت کے موافق ہو جائے جو حالت اس کے حرف استثناء ہونے کی ہے کیونکہ استثناء میں (استعمال ہونے کی حالت میں) اس کے لئے مستثنیٰ منہ متعدد ہونا ضروری ہے لہذا (الا کے) صفت کے معنی میں مستعمل ہونے کی صورت میں تم جاء فی رجل لا زید نہیں کہہ سکتے اور متعدد اس سے عام ہے کہ لفظی طور پر جمع ہو جیسے رجال یا تقدیری طور پر جیسے قوم اور ربط ہے اور یہ (متعدد اس سے عام ہے) یہ کہ تثنیہ ہو پس صنف کے قول بجمع میں ما جاء فی رجلان لا زید (جو منکر ہو) یعنی ایسی جمع جو (منکر ہو) معرفہ بہ لام نہ ہو کیونکہ اس لام سے عہد خارجی یا ذہنی کا ارادہ کیا جائے گا یا استغراق کا

کا حل اداة استثناء کے حال سے موافق ہو جائے یعنی جس طرح مستثنیٰ منہ متعدد ہوتا ہے اسی طرح اس کا موصوف بھی متعدد ہوتا ہے الا صفتی اور استثنائی میں موافقت رہے پس الا صفتی میں جاری جمل لا زید نہیں کہہ سکتے کیونکہ موصوف یعنی رجل میں تعدد نہیں اور نہ اس جگہ الاستثناء کے لئے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ کا متعدد ہونا ضروری ہے پس یہ ترکیب درست نہیں ہوگی پھر تعدد میں تقسیم ہے یعنی خواہ متعدد لفظاً جمع ہو جیسے رجال یا تقدیراً جمع ہو یعنی لفظ کے اعتبار سے تو مفرد ہو لیکن اس کا اطلاق جمع پر کیا جاتا

ہو جیسے قوم اور ربط پھر تعدد میں تثنیہ بھی داخل ہے کیونکہ دو پر بھی متعدد کا اطلاق ہوتا ہے پس اس میں ما جاء فی رجلان لا زید بھی داخل ہو جائے گا واللہ اعلم۔

۳۹۵ قولہ ای منکر الخ اس جگہ منکر

کی شرح ای منکر ہے کہ کے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ باب منکر ینکر تخفیف کے ساتھ تلافی مجرّد سے غیر معلوم وغیر مشہور ہے جسے کہ مصنف نے امالی کافیت میں اپنے قول اذا بکر صرف کے ضمن میں کہا ہے کہ تخفیف کے ساتھ اہل عرب سے یہ سنائی نہیں گئی پس شارح نے اس کی معرفت

بتائی ہے کہ منکر منکر کے معنی میں مشہور معروف ہے پھر منکر سے مراد یہ ہے کہ معروف باللام نہ ہو یہ مراد نہیں کہ مطلق معرفہ نہ ہو اور یہ عدم تخصیص باللام اس وجہ سے سمجھ میں آتی ہے کہ منکر کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معرفہ نہ ہو پس جب معرفہ نہیں ہوگا تو معروف باللام بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی تعریف میں کسی قسم کا خفاء نہیں نیز اس کا استعمال بہ نسبت ان معارف کے کہ جن میں لام نہ ہو بکثرت ہے پھر معروف باللام نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ لام سے عہد خارجی یا استغراقی مراد نہ ہو اس لئے کہ اگر یہ مراد نہیں گئے تو استغراق کی تقدیر کی بنا پر مستثنیٰ منہ کا تادل قطعی طور پر معلوم ہوگا یعنی مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں یقیناً داخل ہوگا پس استثناء متصل صحیح ہو جائے گا لہذا الا کو معنی حقیقی سے معنی مجازی یعنی صفتی کی طرف اخراج کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اس کو غیر کے معنی پر حمل نہیں کر سکتے ایسے ہی جب الف لام کے ذریعہ ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ زید اس جماعت میں سے ہو تب بھی استثناء متصل متعذر نہیں ہو سکتا اور الا کو معنی مجازی پر محمول کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اگر الف لام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے کہ زید اس جماعت میں سے نہ ہو تو استثناء منقطع متعذر نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں الا کا مابعد مستثنیٰ منقطع ہوگا اور الا کو صفت پر بمعنی غیر حمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں متعذر ہوں پس مستثنیٰ منہ کے معروف باللام ہونے کی صورت میں الف لام عہد خارجی یا استغراقی مراد لیتے وقت الا صفت کے معنی میں نہیں ہوگا البتہ اگر الف عہد ذہنی کے لئے ہو تو مستثنیٰ منہ معرفہ نہیں ہوگا ہی رہے گا لہذا یہاں اس کی نفی نہیں اب کوئی یہ نہ کہے کہ متعدد منکر میں لا یفوت باللام ہی کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جب کہ دیگر

فیعلم التناول قطعاً علی تقدیر الاستغراق وعلی تقدیر ان یشار بہ الی
جماعۃ یکون زید منهم فلا یتعذر الاستثناء المتصل او عدم التناول قطعاً
علی تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ لم یکن زید منهم فلا یتعذر المنقطع غیر
محصورٍ والمحصور نوعان اما الجنس المستغرق نحو ما جاء فی رجل او
رجال واما بعض منه معلوم العدد دخولہ علی عشرة دراهم او عشرون
والما اشترط ان یکون غیر محصور لانه ان کان محصوراً علی احدا
الوجهین وجب دخول ما بعد الافیہ فلا یتعذر الاستثناء نحو کل رجل
الزید اجاء فی ولہ علی عشرة الدراہم وانما یصار عند وجود هذه الشرائط الی

پس استغراق کی تقدیر پر مستثنیٰ نہ کا مستثنیٰ کو شامل ہونا قطعاً معلوم ہوگا (لہذا مستثنیٰ مستثنیٰ
منہ میں قطعاً داخل ہوگا تو وہ استثناء متصل صحیح ہوگا اس صورت میں الا کو اس کے معنی
حقیقی سے خارج کرنے کی ضرورت نہ ہوگی پس اسے غیر پر محمول نہ کیا جائیگا جیسے اللہ
تعالیٰ کا قول ہے والعصران الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا الایۃ اور اس تقدیر پر بنا
پر کہ لام سے ایک ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے جن میں سے زید ہے (مستثنیٰ مستثنیٰ
مستثنیٰ کو شامل ہونا بھی قطعی ہوگا کہ لام عہد خارجی کا قرار پائے اور اس کا معبود ہی جماعت
ہو) تو اس صورت میں بھی استثناء متصل متعذر نہ ہوگا (دونوں صورتوں میں الا کو غیر پر
محمول نہ کیا جائے گا) یا مستثنیٰ منہ کا مستثنیٰ کو شامل نہ ہونا قطعی طور پر ہوگا بنا بر تقدیر کہ
لام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ ہو جن میں سے زید نہیں ہے پس (اس صورت میں)
مستثنیٰ منقطع متعذر نہیں ہے (محصور نہ ہو) اور محصور دو قسم ہے یا جنس مستغرق جیسے ما
جاء فی رجل یا رجال یا جنس سے بعض معلوم العدد جیسے علی عشرة دراهم یا عشرون (وغیر ہا
من الاعداد التي لا یتعذر الاستثناء ہنہا) اور غیر محصور ہونے کی شرط اس لئے ہی لگائی گئی ہے
کہ اگر مستثنیٰ (حصہ کی مذکورہ) دو وجہوں میں کسی ایک وجہ پر محصور ہو تو الا کے مابعد کا مستثنیٰ
محصور میں داخل ہونا ضروری ہوگا تو استثناء متعذر نہ ہوگا (لہذا استثناء سے عدول نہ ہوگا)
جیسے کل رجل الزید اجاء فی (یا جاء فی کل رجل الزید) ایہ جنس مستغرق کی مثال ہے کہ کل کا
لفظ جب نکرہ کی طرف مضاف ہو تو وہ احاطہ افراد کو مفید ہوتا ہے اور نہ علی عشرة الدراہم
اور ان شرائط (ثلاثہ) کے پائے جانے کے وقت الا کو غیر پر محمول کرنے کی طرف ہی رجوع کیا

کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان شرائط
کی موجودگی میں استثناء متعذر ہو جائے گا پس
لا محالہ الا کو غیر کے معنی پر عمل کرنے کے لئے منظور
ہوگا اس لئے کہ اس لئے الا کو غیر کے معنی پر محمول
کر لیں گے اس لئے کہ یہاں فعل محال مجہول پند ہوتا ہے

مستثنیٰ منہ میں داخل میں پس استثناء متعذر نہیں رہا
واللہ اعلم۔
۳۹۷ قولہ وانما یصار والہیباں سے
بیان کرنا مقصود ہے کہ وجود شرائط کے وقت
الا کو غیر کے معنی پر محمول کرنے کا باعث کیا ہے

معارف کی صورت میں بھی الا صفت کے معنی پر
عدم تعذر استثناء کے سبب سے محمول
نہیں ہوتا مثلاً جاری ہو لا الذی یبدأ یہ اسم اشارہ
معرفہ کی مثال ہے اور اس میں الا صفت کے
معنی پر محمول نہیں ہو سکتا اس لئے کہ استثناء
متعذر نہیں ہے جواب یہ ہے کہ معرفہ باللام
چونکہ اعرف للعارف اور تمام معروفوں سے زیادہ
مشہور اور کثیر الاستعمال ہے اس لئے اس کا
ذکر کر دیا واللہ اعلم۔

۳۹۸ قولہ غیر محصور الخ یہ قول مصنف
جمع کی صفت ثانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ
جمع ایسی ہونی چاہئے جو نکرہ ہونے کے
ساتھ ساتھ غیر محصور ہو یعنی اس کا شمار اور
تبعین نہ کیا گیا ہو پھر چونکہ غیر محصور کا علم اس
وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ محصور کا
علم نہ ہو اس لئے شارح کہتے ہیں کہ محصور
کی دو قسمیں ہیں ایک جنس مستغرق جیسے ما جاء فی
رجل یا رجال کہ اس میں رجل اگر حقیقتہً جمع نہیں
مگر سیاق نفی میں واقع ہونے کے باعث جمع
ہے پس اس اعتبار سے اس میں تعدد موجود ہے
جنس متغرق کا مطلب یہ ہے کہ اس جنس کے تمام
افراد احاطہ کر لئے گئے ہوں کوئی فرد اس کا اس
احاطہ اور شمار سے باہر نہ ہو پس رجل میں اس کا
برہر فرد اس میں داخل اور محصور ہے اور دوسری
قسم یہ ہے کہ بعض جنس معلوم العدد ہو جیسے علی
عشرة دراهم یا عشرون کہ درہم جنس ہے لیکن اس کا
بعض معلوم العدد ہے یعنی دس یا بیس درہم اب
شارح کہتے ہیں کہ جب محصور کا علم ہو گیا تو غیر محصور
کی قید اس وجہ سے لگائی پڑی کہ اگر مستثنیٰ منہ
محصور ہو تو مابعد الا کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا
واجب ہوگا پس استثناء متعذر نہیں ہوگا لہذا اللہ کو
پہچنے غیر صفت پر محمول نہیں کر سکتے جیسے کل رجل
الزید اجاء فی اور نہ علی عشرة الدراہم ہا کر ان میں
سے اول جنس مستغرق اور دوم بعض جنس معلوم العدد
کی مثال سے سادہ دونوں میں الا کا مابعد اور درہم

الاعطی غیر لیتعدر الاستثناء عند وجودها فیضطر الی حملها علی غیر و
انما ظننا فی صدر هذا الكلام ان الالات تحمل علی الصفة غالباً فقیدنا ه
بقولنا غالباً لانه قد یتعدر الاستثناء فی المصور فخرجاء فی مادة رجل
الارید وقد لا یتعدر فی غیر المصور فخرجاء فی رجال الا واحد او
الاجلا والاحراز اولکن لما کان ذلك نادراً لم یلتفت الیه فی
بیان هذه القاعدة مثل لو کان فیہما ای فی السماء والارض الہمة
جمع الہ ولا دلالة فیہا علی عدد مصور الا الله ای غیر الله لفسدنا
ای لخرجنا عن الانتظام فلا فی الآیة صفة لانها تابعة لجمع منکوم
غیر مصور وہی آلیہ ویتعدر الاستثناء لعدم دخول الله تعالیٰ فی
آلیہ بیقینی فلم یحقق شرط صحة الاستثناء و فی الآیة مانع آخر عن

جلے گا کیونکہ استثناء متعذر ہے جبکہ وہ شرائط موجود ہوں لہذا الہ کے غیر پر محمول کرنے
کی طرف (سامع) مجبور ہو گا اور جو اس کلام کے آغاز میں ہم نے کہا تھا کہ الا صفت پر غالباً
محمول نہ کیا جائے گا تو ہم نے اس کو اپنے قول غالباً کی قید سے اس لئے مقید کیا ہے
کہ کبھی (مستثنیٰ منہ) مصور میں (مستثنیٰ کے قطعی طور پر داخل نہ ہونے کی وجہ سے) استثناء
متعذر ہو جاتا ہے جیسے جاہ فی مائۃ رجل الارید (یعنی غیر زید) اور کبھی (استثناء) متعذر نہیں
ہوتا (بلکہ مستثنیٰ منہ) غیر مصور میں (صحیح ہوتا ہے) جیسے جاہ فی رجال الا واحد والارجل (مستثنیٰ
متصل میں) اور الا عمار (مستثنیٰ منقطع میں) لیکن جب کہ یہ (مستثنیٰ منہ) مصور میں استثناء کا
متعذر ہونا وہ غیر مصور میں متعذر نہ ہونا شاذ و نادر تھا تو مصنف نے (الہ کے غیر پر محمول کرنے
کے) اس قاعدہ کے بیان میں قید مذکور (غالباً) کی طرف توجہ نہیں دی (جیسے لو کان فیہما)
یعنی فی السماء والارض ((آیت)) الہ کی جمع ہے اور آلیہ میں عدد مصور پر کوئی دلالت
نہیں ((الا انشأ)) یعنی غیر لیتعدر (لفسداً) یعنی لخرجنا عن الانتظام پس آیت میں الا صفت ہے
کیونکہ یہ جمع منکوم غیر مصور کے تابع ہے اور وہ جمع آیت ہے اور استثناء متعذر ہے کیونکہ
الله تعالیٰ یقین سے آلیہ میں داخل نہیں پس استثناء کے صحیح ہونے کی شرط (یعنی یہ کہ
مستثنیٰ یقینی طور پر مستثنیٰ جس میں داخل ہو جس کی زمین مصور میں ہو سکتی ہے) استغراق یا عہدہ طہر
گمان میں سے کوئی صورت بھی) نہیں پائی جاتی اور آیت میں الا کو استثناء پر محمول کہنے

کے متنبیٰ ہے واللہ اعلم۔

سے مقصود ایک سوال متقدر کا جواب دینا ہے
سوال کی تقریر یہ ہے کہ الا کو صفت پر بمعنی غیر
حمل کرنے کا متعذر استثناء پر ہے لیکن اس
کے لئے جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے جامع مانع

۱۹۸ قولہ وانما ظننا ان الالات تحمل علی الصفة غالباً
ظاہر اپنے کلام سابق الا لا تحمل علی الصفة غالباً
میں غلطی کے ذکر کے بعد بیان کر رہے ہیں جس

ہیں اس لئے کہ کبھی استثناء مصور میں متعذر ہو
جاتا ہے حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ مصور میں متعذر
نہیں ہوتا اس لئے من میں غیر مصور کی قید
لگائی گئی اور کبھی غیر مصور میں بھی متعذر نہیں ہوتا
حالانکہ اس کے لئے ضابطہ تعذر کا مقتضی ہے
پس شارع کہتے ہیں کہ ہم نے اسی وجہ سے اپنے
قول میں غالباً کی قید لگائی ہے کیونکہ یہ دونوں
ضابطے کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہیں اس لئے کہ کبھی
مصور میں بھی استثناء متعذر ہو جاتا ہے جیسے
جاہ فی مائۃ رجل الارید ای غیر زید کہ اس میں اگر
مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں دخول اور خروج یقین نہ
ہو تو نہ استثناء متصل ہو سکتا ہے اور نہ منقطع میں
لا محالہ الا کو صفت کے معنی پر محمول کرنا پڑے گا
البتہ اگر دخول یا خروج دونوں میں سے کوئی ایک
یقینی ہے تو پھر استثناء متعذر نہیں ہو گا بلکہ زیداً
یا مستثنیٰ متصل واقع ہو گا یا منقطع علی حسب المراد
اور کبھی غیر مصور میں بھی متعذر نہیں ہوتا جیسے جاہ
فی رجال الا واحد والارجل والا عمار والارجل اعلم۔

۱۹۹ قولہ نحو لو کان الخ یہ الا کو بمعنی
غیر صفت پر محمول کرنے کی مثال ہے اور اس میں آیت غیر
مصور ہے اس لئے کہ آیت سے عدد مصور پر دلالت نہیں
ہوتی (اور آیت الہ کی جمع ہے) اور الا غیر کے سنے
ہیں ای غیر اللہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آسمان و
زمین میں سوائے اللہ کے کوئی معبود ہوتے تو زمین و
آسمان انتقام سے نکل جاتے اور تباہ ہو جاتے
پس اس آیت میں الا صفت ہے بمعنی غیر اس لئے کہ
کلہ الا ایسی جمع کے بعد واقع ہے جو کہ منکر غیر مصور
ہے یعنی آیت کے بعد اور اس میں استثناء متعذر
ہے اس لئے کہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا
کہ اللہ تعالیٰ آیت میں داخل ہے یا نہیں پس میں متعذر
کی شرط متحقق نہیں ہوتی لہذا اس جگہ اللہ استثناء کے
لئے نہیں ہو گا البتہ اگر اللہ کا آیت میں دخول یا اس
سے خروج یقینی ہو تو استثناء متصل یا منقطع واقع
ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔

۲۰۰ قولہ فی الآیۃ الخ پہلی صورت

حمل الاعلیٰ الاستثناء وهو انه لو حملت عليه صار المعنى لو كان فيهما
آلهة مستثنى عنها الله تعالى لفسد تاو هذا لا يدل الاعلیٰ انه ليس
فيهما آلهة مستثنى عنها الله تعالى وبهذا الايثبت وحدانيته نعم
لجواز ان يكون ج فيهما آلهة غير مستثنى عنها الله تعالى بخلاف ما اذا
كانت للصفة بمعنى غير فانه يدل على انه ليس فيهما آلهة غير الله
تعالى واذا لم يكن فيهما آلهة غير الله تعالى يجب ان لا تعدد الآلهة لان
التعدد يستلزم المغایرة وضعف حمل الاعلیٰ غیر فی غیرہ ای فی غیر
جمع منکور غیر محصور لصحة الاستثناء ج ومذهب سيبويه جواز وقوع
الاصفة مع صحة الاستثناء قال يجوز في قولك ما اتاني احد الا زيد ان
يكون الا زيد صفة وعليه اکثر المتأخرين ة كبقوله

سے ایک اور مانع (اس کے علاوہ بھی) ہے اور وہ یہ کہ اگر الا کو استثناء پر محمول کیا جائے
تو آیت کا معنی یوں ہو جائے گا لو کان فیہما آلهة مستثنى عنها الله تعالى لفسد تاو ورمی
اس بات پر ہی دلالت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ایسے خدا نہیں ہیں جن کے الله
تعالى مستثنى ہو اور اس معنی (کے اعتبار سے) الله تعالى کی وحدانیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ
(اس معنی میں) جائز ہو گا کہ اس وقت آسمانوں اور زمین میں ایسے آلهہ ہوں جن سے
الله تعالى مستثنى نہ ہو برعکس آنکہ جب الاصفت کے لئے غیر کے معنی میں ہو کہ یہ اس بات
پر دلالت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں الله کے سوا کوئی خدا نہیں اور جب آسمانوں اور
زمین میں الله تعالى کے سوا کوئی خدا نہ ہو تو ضروری ہے کہ معبود متعدد نہ ہوں کیونکہ تعدد
آلهة (کئی ایک خداؤں کا ہونا) باہمی جھگڑے کو مستلزم ہے (اور ضعیف ہے) الا کا غیر
پر محمول کہ نا (اس کے غیر میں) یعنی جمع منکور غیر محصور کے غیر میں (الا کا غیر پر حمل ضعیف
ہے) کیونکہ اس وقت استثناء صحیح ہے اور سيبويه کا مذہب صحت استثناء کے باوجود الا
کے صفت واقع ہونے کا (بلاضعف) جواز ہے سيبويه نے کہا ہے کہ تمہارے قول ما اتاني احد
الازید میں یہ بات جائز ہے کہ الازید صفت ہو اور (عمرو بن معدیکرب) کے قول سے تمک

کے باوجود بھی صفت پر محمول کیا جاسکتا ہے پس مثلاً ما
اتاني احد الازید میں الازید صفت پر بھی محمول ہو
سکتا ہے اور استثناء پر بھی ای الازید اور
اسی طرف اکثر متأخرین گئے ہیں کہ الایم دونوں
وجہیں جائز ہیں اور اس کو صفت پر محمول کرنے
کے لئے تعذر استثناء کی قید ضروری نہیں ہے

اس کا جواب شارح و مذہب سيبويه الخ سے
یہ دے رہے ہیں کہ اس جگہ ضعیف کہنے کی
وجہ یہ ہے کہ اکثر نحوی الا کو صفت کے لئے غیر
غیر جمع منکور غیر محصور پر بھی محمول کرتے اور اس کو جائز
کہتے ہیں لہذا امتناع یا لم یجز کہنا مناسب نہیں تھا پس
سيبويه اس امر کے جواز کے قائل ہیں کہ الا صحت استثناء

تعذر استثناء کی تو اس وقت بھی جبکہ الله کا الہ
میں دخول یا اس سے خروج یقینی نہ ہو اور یہ صحت
تعذر استثناء کی اس کے علاوہ ہے کہ آیت
میں الا کو بمعنی استثناء محمول کرنے پر ایک مانع اور موجود
ہے اور وہ یہ کہ الا کو استثناء پر محمول کیا جائے تو معنی
یہ ہوں گے لو کان فیہما آلهة مستثنى عنها الله تعالى
لفسد تاو یعنی اگر آسمان و زمین میں چند معبود ہوتے کہ
جن سے الله تعالى مستثنى ہے تو آسمان و زمین کا
نظام درہم برہم ہو جاتا پس اسی صورت میں اس سے
صرف اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ آسمان و زمین
میں ایسے آلهہ نہیں جن سے الله تعالى مستثنى ہے
پس اس سے وحدانیت باری تعالیٰ ثابت نہیں ہو
سکتی (حالانکہ کتبہ اثبات وحدانیت کے لئے بیان
کی گئی ہے اس لئے کہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا
ہے کہ ایسے آلهہ تو نہیں جن سے الله تعالى مستثنى
ہے البتہ ایسے آلهہ ضرور موجود ہیں جن سے الله
تعالى مستثنى نہیں ہیں ان آلهہ کی موجودگی فساد نظام
کے لئے مضر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی مقصد
کے خلاف اور مضی الی الشک میں نہ یہ کہ اس بات
سے توحید باری کا اثبات ہو پس لا محالہ الا کو غیر
پر محمول کرنا پڑے گا کیونکہ اس سے یہ معنی
حاصل ہوں گے کہ الله تعالى کے سوا آسمان و
زمین میں کوئی معبود ہے ہی نہیں تو واجب اور
یقینی ہوا کہ متعدد معبود نہیں ہو سکتے اس لئے
کہ تعدد جنگ و جدال اور فساد نظام کو مستلزم
ہے پس الله تعالى کا ایک ہونا ثابت ہو گیا
وہو المقصود منها والى العلم۔

لأنه قوله وضعف الخ اور الا کو غیر پر
بمعنی صفت محمول کرنا جبکہ الجمع منکور غیر محصور
کے بعد واقع نہ ہو ضعیف ہے اس لئے کہ اس
وقت استثناء صحیح ہے اب اس جگہ ایک اعتراض
وارد ہوتا ہے جس کی تقریب یہ ہے کہ اس جگہ
مصنف کو نا سب یہ تھا کہ وہ لفظ امتناع
یا لم یجز کہتے لفظ وضعف کہنے کی کیا وجہ ہے؟

شعر وکل اخی مفارقة اخوه لعراييك الا الفرقدان
فالفرقدان صفت لكل اخی لا استثناء منه والا وجب ان يقال الفرقدان
بالنصب وحمل المصداق على الشذوذ وقال في البيت شذوذان اخوان
احدهما وصف كل دون المضاف اليه وللشعر وصف المضاف اليه اذ
هو المقصود وکل لفادة الشمول فقط وثانيهما الفصل بالخبر بين الصفة
والموصوف وهو قليل واغراب سوى وسواء النصب على الظرف ای
بناء على ظرفيتهما لانك اذا قلت جاءني القوم سوى او سواء زيد فكانك

کرتے ہوئے اکثر تاخرین اسی مذہب پر ہیں شعر وکل اخی مفارقة اخوه لعراييك الا
الفرقدان کل اخی کے لئے صفت ہے اس سے استثناء نہیں ورنہ ضروری ہے کہ الفرقدان
نصب سے کہا جائے اور مصنف نے اس بیت کو شذوذ پر محمول کیا اور کہا کہ بیت میں دو شذوذ
اور میں ایک تو کل کی وصف لانا ہے (یعنی معنای کی وصف لانی گئی) مضاف الیہ کی نہیں
حالانکہ مشہور مضاف الیہ کی وصف ہے کیونکہ وہی مقصود ہوتا ہے اور کل تو صرف
شمول (وعموم افراد) کا فائدہ دینے کے لئے ہے اور دوسرا شذوذ صفت اور موصوف
کے درمیان خبر کا فصل ہے اور قلیل ہے (اور سوى اور سواء کا اعراب بنا بر ظرف نصب
ہے) یعنی ان دونوں کے ظرف ہونے کی بنا پر کیونکہ جب تم کہو جاءني القوم سوى یا سواء

متاخرین اپنے استدلال میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں

وکل اخی مفارقة اخوه
لعراييك الا الفرقدان

اس شعر میں کل اخی مبتدا ہے اور مفارقة اس کی خبر اور اخوه خبر کا فاعل اور عرابة بفتح و باضم بقار کو کہتے ہیں اور قسم کے موقع پر بفتح المعین استعمال کیا جاتا ہے پس یہ مبتدا ہے اور لام ابتداء کی تاکید کے لئے ہے اور خبر اس کی محذوف ہے یعنی قسمی ای لعراييك قسمی اور فرقدان دو ستارے ہیں جو قطب سے قریب ہیں اور یہ ہمیشہ پاس پاس رہتے ہیں کبھی جدا نہیں ہوتے پس شاعر کہتا ہے کہ تیرے باپ کی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہونے والا سوائے فرقدان کے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے حاصل اس کا یہ

ہے کہ دو ملنے والے کبھی ملے ہوئے نہیں رہ سکتے ایک نہ ایک دن ضرور ان کو ایک دوسرے سے جدا ہو جانا ہے خواہ یہ جدائی موت ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو پس اس شعر میں فرقدان کل اخی کی صفت صفت کے باعث حالت رفع میں ہے کل اخی سے مستثنی نہیں ہے ورنہ اس کا منسوب ہونا ضروری ہوتا اس لئے کہ مستثنی جب کلام موجب میں واقع ہو تو اس میں نصب واجب ہوتا ہے پس حالت نصب میں اس کو الا الفرقدین پڑھتے لہذا معلوم ہوا کہ فرقدان کل اخی کی صفت ہے ای کل اخی ہو غیر الفرقدین لغارة اخوه لعراييك واللہ اعلم

۲۰۹ قولہ وکل اخی مفارقة اخوه لعراييك
شراح یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف نے متاخرین اور سیبویہ کے مذہب کو ضعیف کیوں کہا ہے اس کی ایک دھرتی یہ ہے

کہ یہاں استنثار صحیح ہے اور الا الفرقدین بالنصب پڑھ سکتے ہیں اور الا میں استنثار اصل اور حقیقت ہے پس اصل و حقیقت کے ہوتے ہوئے غیر اصل اور مجاز کو اختیار کرنا ضعیف نہیں ہو گا تو کیا ہو گا پس جب یہ ضعیف ہوا تو اس میں شذوذ بھی پیدا ہو گیا لہذا مصنف نے اس کو شذوذ پر محمول کیا ہے پھر مصنف نے کہا ہے کہ اس کے علاوہ اس میں دو شذوذ اور موجود ہیں ایک تو یہ الا الفرقدان کل کی صفت بنایا گیا ہے نہ کہ مضاف الیہ کی حالانکہ مشہور ہے کہ صفت مضاف الیہ کی لانی جاتی ہے جیسے کل رجل عالم اس لئے کہ مقصود کلام سے کل کا مضاف الیہ ہی ہوتا ہے اور لفظ کل نقط افادہ شمول اور عموم افراد کے لئے ہوتا ہے یعنی مضاف الیہ لفظ کل کے باعث اپنے تمام افراد کو شامل ہو جائے اور دوسرا شذوذ اس میں یہ ہے کہ موصوف اور صفت کے درمیان خبر کے ساتھ فاصلہ لایا گیا ہے یعنی کل اخی موصوف اور الا الفرقدان اس کی صفت کے درمیان مفارقة اخوه قائل ہے اور یہ قلیل ہے اگرچہ یہ فاصلہ موصوف و صفت کے مفارقت ہونے کے باعث جائز ہے مگر شذوذ سے خالی نہیں لفظ پس اس میں استنثار کو ترجیح ہوگی اور الا کو صفت پر محمول کرنا ضعیف واللہ اعلم ۱۲

۲۰۹ قولہ واعراب سوى
یہاں سے مصنف سوى اور سوار کے اعراب کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ سوى اور سوار کا اعراب ظرفیتہ کی بنا پر نصب، اصح مذہب پر پھر یہ ظرفیتہ مقدر ہوگی محقق نہیں اور ظرفیتہ کی وجہ یہ ہے کہ جب مثلاً جاری القوم سوى یا سوار زید کہا جائیگا تو گو یا کہ جاری القوم مکان زید کہا گیا اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بجائے زید کے سب قوم آئی زید نہیں آیا اور یہ مذہب سیبویہ کا ہے اور یہی اصح ہے اس لئے کہ اس میں معنی کے اعتبار سے قرب ہے یعنی سوى

اور سوار میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں
یہاں یہ دونوں سیبویہ کے نزدیک لازم الظرفیہ
ہوں گے اور یہ ہر حال میں منصوب ہوں گے
واللہ اعلم

۱۵۰ قولہ وعند الکوفین الخ اس
جگہ کو نصین کا تقابل صرف سیبویہ سے اس
لئے کثیر آیا گیا ہے کہ سیبویہ اس ابصرین میں
پس ان سے تقابل گویا کہ بصرین سے تقابل
ہے پس کوفین کے نزدیک ان دونوں کا ظرفیہ
سے خروج جائز ہے اور ان میں رفع و نصب
جر کے ساتھ غیر کی طرح تصرف کر سکتے ہیں اور
یہ شاعر کے اس شعر سے دلیل پکڑتے ہیں،

شعر ہے

ولم یبق سوی العدوان

دناہم کم دانا

کہ اس میں سوی مرفوع ہے باعراب تقدیری
عینی اور موسیٰ کی طرح اس لئے کہ یہ لم یبق کا
فاعل ہے اور اس میں ظرفیہ کے معنی نہیں یہ شعر
سہلی بن شیبان کا ہے اور مکمل شعر اس طرح
ہے

فلما أصبح الشر وامنی و هو عریان

ولم یبق سوی العدوان دناہم کم دانا

اس میں أصبح اولیٰ مسیٰ دونوں تامہ ہیں ناقصہ
نہیں پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب عداوت
صبح و شام میں حالت برہنگی میں داخل ہو گئی
یعنی خوب ظاہر ہو گئی اور سوائے دشمنوں
کے قریب میں کوئی باقی نہیں رہا یا سوائے ظلم
صریح کے اور کچھ باقی نہیں رہا تو ہم نے ان
کو ایسی سزا دی جیسا انھوں نے کیا یعنی انکے
کئے کے مطابق ہم نے ان کو سزا دی دان بدین
باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے معنی جزا
اور بدلہ دینے کے ہیں اسی سے یوم الدین ہے
اس لئے کہ قیامت میں تمام افعال و اعمال کا بدلہ
دیا جائیگا اور دنا نامنی معروف ہے جمع متکلم کا
صیغہ ہے۔ بصرین کی طرف سے اس شعر کا یہ

قلت مکان زید علی المذهب الأصح وهو مذهب سیبویہ فہما عند
لازم الظرفیۃ وعند الکوفین يجوز خروجهما عن الظرفیۃ والتصرف
فیہما رفعاً ونصباً وجرّاً لغير مقسکین بقول الشاعر شعیر

ولم یبق سوی العدوان دناہم کم دانا

وزعم الاخفش ان سواء اذا اخرجت عن الظرفیۃ ایضا منصوبہ استنکاراً
لوقد فیقولون جاءنی سواء ک وفي الدار سواء ک ومثل هذا فی استنکار

زید گویا کہ تم نے کہا (جاءنی القوم) مکان زید (صحیح تر) مذهب (پر) اور وہ سیبویہ کا
مذهب ہے کہ اس کے نزدیک یہ دونوں ظرفیت کو لازم ہیں اور کوفیوں کے نزدیک
ان دونوں کا ظرفیت سے خروج اور حسب تقاضائے عامل ان میں رفع و نصب و
جر کی رو سے تصرف جائز ہے غیر کی طرح شاعر کے قول سے تمسک کرتے ہوئے شعر
ولم یبق سوی العدوان دناہم کم دانا (سوی لم یبق کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع
ہے) اور اخفش کا خیال ہے کہ سواء کو جب کوفیوں نے ظرفیت سے خارج کیا تو بھی انہوں نے
اس کے رفع کو پسند نہ کرنے کی وجہ سے اس کو نصب دی پس وہ کہتے ہیں جاءنی سواء ک
(سواء ک کی نصب سے اگرچہ یہ جاء کا فاعل ہے) اور فی الدار سواء ک (اگرچہ سواء ظرف
کا فاعل ہے کہ ان کے نزدیک ظرف کسی شئی پر اعتماد کے بغیر فاعل ظاہر میں عمل کرتی ہے
مگر راقم محمد غلام سرور قادری عرض کرتا ہے کہ سواء ک مبتدا ہے اور فی الدار خبر ہے) اور اس

جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں ظرف مکان
کے لئے ہی ہے مگر کبھی ظرف کو معنی بدل کی
طرف بطریق مجاز و استعارہ منتقل کر لیتے ہیں
اس لئے کہ لفظ مکان بدل کے معنی میں بھی استعمال
کیا جاتا ہے جیسے انت لی مکان عمر و ای بدل
عمر و یعنی تو میرے واسطے عمر و کے بدلہ میں ہے
اس لئے کہ بدل بدل منہ کی جگہ میں ہوتا ہے پس
جاری زید سوی عمر و ای بدل عمر و کہا جاسکتا
ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصل میں ظرف
ہے لہذا شعر میں معنی مراد کے مطابق غیر ظرف
مجازاً پس شعر مذکور میں سیبویہ سوئی کو ظرفیہ
کی بنا پر منصوب قرار دیتے ہیں اصل کا لحاظ
کرتے ہوئے اگرچہ اس میں فاعل ہونے کے
باعث رفع واجب ہے اور کوفیہ حال معنی
کی رعایت کرتے ہوئے اس میں جواز رفع علی

الفاعلیۃ کے بھی قائل ہیں اور حال معنی یہ ہے کہ
سوی استنکار کے لئے واقع ہو رہا ہے
اور استنکار میں معنی ظرفیہ نہیں واللہ اعلم
۱۵۱ قولہ وزعم الاخفش الخ کوفیہ
جب سوی اور سوار کو ظرفیہ سے خارج کرنا
جائز سمجھتے ہیں اور پھر ان کو بجائے غیر پر محمول
کرنے کے نصب دیتے ہیں تو اخفش نے یہ
گمان کیا ہے کہ وہ رفع کو مکروہ سمجھتے ہوئے
نصب دیتے ہیں یعنی اس میں ظرفیہ کی ہی عایت
کرتے ہیں پس جاری سواء ک وفي الدار سوار ک
بفتح الهمزة کہتے ہیں حالانکہ پہلی جگہ سوار کو فاعل
اور دوسری جگہ مبتدا رکھ کر ہونے کی بنا پر رفع
ہونا چاہئے اور اسی طرح اس صورت میں کہ عند
میں نصب علی الظرفیۃ غالب ہے استنکار رفع
کی وجہ سے قول باری تعالیٰ تقدیر قطع بینکم بین

الرفع فيما غلب انتصابه على الظرفية قوله تعالى لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ بِالنَّصَبِ
خَيْرٌ كَانَ وَآخَوَاتُهَا وَسْتَغْفِرُهَا فِي قِسْمِ الْفَعْلِ اِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى هُوَ
الْمُسْتَدَلُّ بَعْدَ دُخُولِهَا اِي دُخُولِ كَانٍ وَاحِدٍ اِخْوَانُهَا وَالْمُرَادُ بِعَدِيَّةِ
الْمُسْتَدَلِّ دُخُولُهَا اِنْ يَكُونُ اسْتَادَةً اِلَى اسْمِهَا وَاقْعَابُهَا دُخُولُهَا عَلَى اسْمِهَا
وَحَبْرُهَا وَلَا شَكَّ اِنْ ذَلِكَ اِنَّمَا يَتَصَوَّرُ بَعْدَ تَقَرُّرِ الْأَسْمِ وَالْخِيَرَةُ لَا اسناد
الواقع بين اجزاء الخبر المقدم على تقريره لا يكون بعد دخولها بل يكون
قبله فلا ينتقض التعريف بمثل كَانٍ زَيْدٌ يَضْرِبُ ابْنَهُ وَلَا بِمِثْلِ كَانٍ زَيْدٌ

کے مثل کراہت رفع میں جس میں کہ بنا بر ظرفیت منصوب ہونا غالب ہے اللہ تعالیٰ کا قول
لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ رُبَّنَّ (بین کی) نصب سے ہے (کان اور اس کے اخوات کی خبر کا اور فعل کی
قسم میں انشاء اللہ تعالیٰ تم اخوات کان کو معلوم کر لو گے) وہ سند ہے کان کے دخول کے
بعد یعنی کان یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے دخول کے بعد اور کان کے دخول کیلئے
مند کے بعد میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ کان (یا اس کے اخوات) کی خبر کی اسناد اس کے
اسم کی طرف کان کے اپنے اسم اور اپنی خبر پر داخل ہونے کے بعد واقع ہو اور اس میں شک
نہیں کہ یہ (بعدیت) اسم اور خبر کے تقرر کے بعد ہی مقصور ہو سکتی ہے (یعنی بعد ازاں کہ اسم
کان کا اسم اور خبر اس کی خبر قرار پائے) پس وہ اسناد جو (کان زید یضرب ابوہ یا کان زید
ابو قائم میں) خبر کے اجزاء کے درمیان واقع اور اس کے (کان کے لئے) خبر قرار پانے سے مقدّم
ہے وہ کان کے دخول کے بعد نہیں ہوتی بلکہ اس سے پہلے ہی ہے لہذا (خبر کان و اخواتها
کی تعریف کان زید یضرب ابوہ کے مثل سے منقوض نہ ہوگی اور نہ ہی کان زید ابوہ قائم کے

کان اور اس کے اخوات کے مجموعہ کے دخول
کے بعد سند نہیں بلکہ فقط کان کے دخول کے
بعد سند ہے حالانکہ بعد دخولها کی ضمیر مجموعہ
کی طرف راجع ہے جواب یہ ہے کہ اس سے مراد
یہ ہے کہ دخول کان یا اس کے اخوات میں سے
کسی ایک کے دخول کے بعد سند ہونے کے مجموعہ
کے دخول کے بعد اس لئے کہ خبر کان و اخواتها
کنا تفصیل کے لئے نہ کہ مجموعہ مراد لینے کیلئے
لہذا اب کوئی اعتراض نہیں واللہ اعلم ۱۲
۱۳ قولہ وانفراد الخبر یہاں سے شائع
ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں تقریر
سوال یہ ہے کہ تعریف مذکور دخول خبر سے
مانع نہیں اس لئے کہ کان زید ابوہ قائم اور

کے نصب کے ساتھ ہے حالانکہ اس میں
کو نا علیہ کی بنا پر فروع ہونا چاہئے تھا پس
چونکہ بین اکثر ظرف واقع ہوا کرتا ہے اسلئے
اس کو منصوب ہی پر رکھیں گے واللہ اعلم ۱۲
۱۳ قولہ خبر کان الخ اسکے اخوات
انشار اللہ بحث فعل میں معلوم ہوں گے اس لئے
کہ یہ افعال ناقصہ ہیں خبر کان اور اس کے اخوات
کی تعریف یہ ہے کہ اس کے داخل ہونے کے
بعد جو شئی سند ہوتی ہے اس کو خبر کان و اخواتها
کہتے ہیں اس کی تفسیر شائع نے اے دخول کان الخ
سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے
سوال یہ ہے کہ یہ تعریف صحیح نہیں اس لئے کہ
کان زید قائم میں قائم کان کی خبر ہے مگر

کان زید یضرب ابوہ میں قائم اور یضرب پر
یہ تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ دونوں
کان کے دخول کے بعد سند ہیں حالانکہ یہ
دونوں کان کی خبر نہیں بلکہ قائم ابوہ کی خبر ہے
اور ابوہ یضرب کا فاعل پس نہ تو قائم کا اسناد
زید کی طرف ہے اور نہ یضرب کا اس لئے کہ
یضرب اور قائم دونوں ابوہ کی طرف سند
ہیں پھر جملہ ہو کر کان کی خبر بنتے ہیں جواب یہ
ہے کہ دخول کان اور اس کے اخوات کے
سبب سے بعدیت مند کا مطلب اور اس سے
مراد یہ ہے کہ خبر کان کی اسناد کان کے اسم کی
طرف کان کے اسم و خبر پر داخل ہونے کے بعد
ہو کان کے دخول سے پیشتر نہ ہو اور اس میں
کوئی شک نہیں کہ یہ بعدیت اسی وقت مقصور
ہو سکتی ہے جبکہ اسم اور خبر کا تقرر ہو جائے پس
جو اسناد اجزاء خبر کے درمیان واقع ہو اور
وہ اسناد کان کے لئے تقرر اسم و خبر سے مقدم
ہو تو وہ دخول کان کے بعد نہیں ہے بلکہ
اس سے پیشتر معتبر ہوگا یعنی یضرب اور قائم
خبر کے جز ہیں اس لئے کہ یضرب ابوہ اور ابوہ
قائم جملہ ہو کر کان کی خبر واقع ہیں اور ظاہر ہے
کہ جملہ خبر میں اجزاء ہوتے ہیں اور یہ اسناد جملہ
کے کان کی خبر مقرر کئے جانے سے پہلے سے
ہے دخول کان کے بعد نہیں اور شرط یہ ہے کہ
اسناد دخول کان کے بعد ہو لہذا یہ اسناد
دخول کان کے بعد کالعدم ہوگا اور اس کی خبر
پورا جملہ ہوگی جو کہ کان کے اسم کی طرف سند
ہوگی پس تعریف اپنے افراد کو جامع ہے اور
کان زید یضرب ابوہ اور کان زید ابوہ قائم
سے منقوض نہیں ہوگی بایں طور کہ یہ کہا جائے
کہ یضرب اور قائم پر معرفت یعنی تعریف صادق
آتی ہے اور یہ افراد معرفت یعنی خبر کان سے
نہیں اب اس جگہ عبارت شائع و المراد بعدیت
پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے جس کی تقریر
ہے کہ اس سے تعریف شئی لنفسہ لازم آتی ہے
اس لئے کہ یہاں خبر کی تعریف بیان کی جارہی

ابوہ قائم بان یقال یسدی علی یضرب وقائم فی ہذین المثالین المعروف
ولیساً من افراد المعروف ویمکن ان یقال فی جواب هذا التقض ان السواد
یدخلها وزودھا للعل فیما وردت علیہ کما سبقت الإشارة الیہ فی خبر
ان واخواتہا مثل کان زید قائماً وامرئہ ای امر خبر کان واخواتہا
کامر خبر البتد فی اقسامہ واحکامہ وشرائطہ علی ما سبق فی

مثلاً اس طرح (اعتراض نہیں کیا جاسکتا) کہ یضرب اور قائم پر ان دونوں مثالوں میں تعریف (یہاں لفظ معروف
بروزن اسم مفعول مصدری ہے بمعنی تعریف) صادق آتی ہے حالانکہ یضرب اور قائم معروف (یہ نیز اسم مفعول)
کے افراد سے نہیں یعنی یضرب اور قائم کی اسناد ابوہ کی طرف کان کے دخول سے پیشتر تھی اور اس
کے دخول سے فسخ نہیں ہوئی اور اس اعتراض کے جواب میں ممکن ہے (یعنی یہ کہا جاسکتا ہے) کہ کان کے دخول
سے مراد اس کا اس چیز میں عمل کرنے کے لئے وارد ہونا ہے جس پر کہ وہ وارد ہوا ہے جیسا کہ اس
کی طرف ان اور اس کے اخوات میں پہلے اشارہ گذر چکا ہے (جیسے کان زید قائماً اور اس
کا معاملہ) یعنی کان اور اس کے اخوات کا معاملہ (ابتداء کی خبر کے معاملہ کی طرح ہے) اس
کے اقسام اور اس کے احکام اور اس کے شرائط میں (اسی کی طرح ہے) بنا برآں کہ بتد اور

اسی کو تعریف اللہ سے تقسیم کہتے ہیں اس کا
جواب یہ ہے کہ یہ اخذ خبر فی تعریف الخبر نہیں
ہے اور تعریف میں کہا جا رہا ہے کہ خبر کا اسناد
اسم کی طرف کان کے اسم و خبر پر داخل ہونے
کے بعد واقع ہو پس کان اسم و خبر پر داخل ہو
اور خبر ہی کی تعریف بیان کی جا رہی ہو تو یہ
اخذ خبر فی تعریف الخبر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟
بلکہ اخذ خبر فی تعریف التفسیر ہے اس لئے کہ
اس سے شارح کا مقصود خبر کی تعریف کی
تفسیر کرنا ہے نہ کہ ضمیر کی تعریف بیان کرنا اور
اخذ شے فی تفسیر شے جائز ہے لہذا اب کوئی
اعتراض نہیں بجز اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان
افعال کے اسم و خبر پر داخل ہونے سے یہ لازم
آتا ہے کہ خبر کا اسناد اسم کی طرف کان کے دخول
سے پہلے ہو کیونکہ اسم و خبر مل کر جملہ بنے گا
اور جملہ میں اسناد ضروری ہے پس خبر کان کی
تعریف اس کی خبر پر صادق نہیں آئے گی اس کا
جواب یہ ہے کہ خبر کان کا اسناد اس کے اسم کی
طرف کان کے دخول کے بعد ہی ہوگا پس نہیں اس
لئے کہ جو اسناد کان کے دخول سے پیشتر ہوگا وہ
کان کی خبر کا اسناد نہیں ہوگا بلکہ بتد کی خبر کا اسناد
ہوگا اور ظاہر ہے کہ اسناد ثانی عین اول نہیں
لہذا اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اس لئے
کہ اسناد ثانی دخول کان کے بعد متغیر ہو جائیگا
اور اسم و خبر پر کان کے داخل ہونے کے سبب
سے اسناد آخر حاصل ہوگا واللہ اعلم۔

۸۔ قولہ ویمکن الی اس سے شارح

کا منشا بطریق دیگر اسی سوال کا جواب دینا ہے جو
کان زید یضرب ابوہ وغیرہ سے وارد ہوتا ہے
کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس نقص کے جواب
میں یہ کہا جائے کہ دخول کان سے مراد اس چیز
میں عمل کرنے کے لئے وارد ہونا ہے کہ جس
پر وہ وارد ہوا ہے یعنی اسم و خبر پر وارد ہو کر اسم
کو رفع اور خبر کو نصب دے جیسا کہ خبر ان
واخواتہا کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ گذر

چکا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے دخول
سے مراد ورود یعنی اثر پہنچانا ہے اور اثر کی
دو قسمیں ہیں لغظی اور معنوی لغظی تو یہ ہے کہ اسم
کو مرفوع اور خبر کو منصوب کرے اور معنوی یہ
ہے کہ خبر کو اسم کے لئے ثابت کرے پس اس
جگہ کان قیام اب کو زید کے لئے ثابت کرتا
ہے نہ کہ صرف قیام کو پس کان کا دخول قیام
اب یعنی جملہ ابوہ قائم پر متحقق ہوگا نہ کہ فقط قیام
یعنی قائم پر کہ تعریف مقتضی ہو ایسے ہی کان زید
یضرب ابوہ سے کان زید کے لئے ضرب اب کو
ثابت کرنے کے لئے ہے نہ کہ صرف ضرب
کو پس کان کا دخول ضرب اب یعنی یضرب ابوہ
پر متحقق ہوگا نہ کہ صرف یضرب پر واللہ اعلم۔

۹۔ قولہ وامرئہ ای الی امر سے

مراد حالت اور شان ہے اور اس کی تفسیر سے
امرہ کا مرجع بیان کرنا مقصود ہے مطلب
عبادت کا یہ ہے کہ خبر کان واخواتہا کا حال
خبر بتد کے حال جیسا ہے یعنی خبر بتد
کے معنی انسا مفرد و جمع معرفہ و نکرہ اور

احکام واحد یا متعدد و مثبت یا منفی محذوف
یا مذکور اور شرائط کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں
عامہ ضروری ہے وغیرہ وغیرہ میں وہی خبر کان
کے بھی ہیں مگر دونوں خبروں میں ما بہ الاطلاق
ایک چیز سے اور وہ یہ کہ اور تو سب چیزوں
میں اتحاد ہے مگر جب کان کی خبر معرفہ ہو تو وہ
اپنے اسم پر مقدم ہو سکتی ہے بتد کی خبر نہیں
پس اس جگہ لکنہ کے اضافہ سے شارح نے
اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قول وامرئہ الی
سے بمنزلہ استناد اور استدراک کے ہے
پھر معرفہ ہونے میں تقسیم ہے یعنی خواہ حقیقہ
معرفہ ہو جیسے کان المنطق زید یا حکماً مثلاً نکرہ
مخصوصہ ہو جیسے کان خیر اس جاہل رجل
عالم کہ اس میں خیراً نکرہ ہے مگر من جاہل سے
اس میں تخصیص پیدا کر لی گئی یعنی مرد عالم
کی خبر بیت جہالت کے اعتبار سے اعتباراً
انہر مثلاً پابندی صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے
نہیں پس یہ تقدیم خبر اس وجہ سے جائز ہے
کہ اس صورت میں اعراب کے اعتبار سے

بحث المبتداء والخبر ولکنہ یَتَقَدَّمُ علی اسمہا حال کونہ مَعْرِفَةٌ حقیقۃً
او حکما کالنکرۃ المتخصّصۃ لاختلاف اسمہا وخبرہا فی الاعراب فلا
یلتبس احدہما بالآخر وذلك اذا کان الاعراب فیہما ادنی احدہما
لفظیاً نحو کان المنطلق زیداً وکان هذا زید بخلاف المبتداء والخبر فان
الاعراب فیہما لا یصل للقرینۃ لا تقادفہما فیہ بل لا بد من قرینۃ رافعة
للبس وكذلك اذا انتفی الاعراب فی اسم کان وخبرہا جمیعاً ولا قرینۃ
ہناک لا یجوز تقدیم الخبر نحو کان الفتی هذا وقد یُحذف اے
حامل خبر کان وهو کان لا خبر کان واخواتہا لانہ لا یحذف من ہذہ

خبر کی بحث میں گذرا (اور) لیکن لا کان کی خبر اس کے اسم پر معرفہ ہونے کی حالت میں
مقدم ہو جاتی ہے (حقیقۃً معرفہ ہو) یا حکماً جیسا کہ نکرہ متخصّصہ ہے (جیسے کان خیراً من جاہل
عالم اور جب مبتداء کی خبر معرفہ یا نکرہ ہو تو مبتداء کی خبر پر تقدیم ضروری ہے تاکہ مبتداء و خبر
میں التباس واقع نہ ہو) کیونکہ کان کا اسم و خبر اعراب میں مختلف ہیں لہذا ان کا ایک دوسرے
سے التباس نہ ہو گا (اس لئے کان کی خبر میں تقدم و تاخیر جائز ہے) اور وہ (یعنی کان کی خبر کی
تقدیم کا جواز) اس وقت ہے جبکہ اعراب دونوں یا دونوں میں سے ایک میں لفظی ہو جیسے
کان المنطلق زید یا کان هذا زید مبتداء و خبر کے برعکس کہ ان دونوں (مبتداء و خبر) میں اعراب
قرینہ کے لئے صالح نہیں ہے (دونوں مرفوع ہوتے ہیں کوئی قرینہ نہیں جو مبتداء کے مبتداء و خبر
کے خبر ہونے پر دلالت کرے کیونکہ دونوں اعراب (رفع) میں متفق ہیں بلکہ ایسے قرینے کا ہونا
ضروری ہے جو التباس دور کرے (جب قرینہ نہ ہو گا تو ضروری ہو گا کہ مقدم مبتداء اور ٹوخر
خبر ہو گا) اور اسی طرح (جیسا کہ مبتداء کی خبر پر تقدیم ضروری ہے) جب کان کے اسم اور
اس کی خبر دونوں میں اعراب لفظی (متفق ہو جائے اور یہاں قرینہ نہ ہو تو خبر کی تقدیم جائز
نہیں جیسے کان الفتی هذا) اور کبھی اس کا عامل محذوف ہوتا ہے (یعنی کان کی خبر کا عامل اور
وہ عامل لفظ کان ہے کان اور اس کے اخوات کی خبر کا عامل) نہیں (جیسا کہ بعض نے عامل
کی ضمیر کو مطلق رکھا ہے کہ وہ کان اور اس کے اخوات کی طرف لوثی ہے یعنی کان اور اس کے
اخوان کی خبر کا عامل یعنی خود کان اور اس کے اخوات حذف بھی ہو جاتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ ضمیر

کیونکہ اسم و خبر میں التباس لازم آئیگا کہ
معلوم نہیں کون خبر ہے اور کون اسم ہے اس
صورت میں اس کا حال مبتداء کی خبر کے
حال جیسا ہو گا اور خبر مبتداء کا حال بخلاف
المبتداء و الخبر الخ سے شایع یہ بیان کرے
ہیں کہ یہ دونوں اعراب کے اعتبار سے
متفق ہیں یعنی دونوں مرفوع ہوتے ہیں لہذا
کسی ایک میں بھی اعراب میں قرینہ بننے کی
صلاحیت نہ ہوگی لہذا تقدیم خبر سے محال
کو یہ نتیجہ نہیں چلے گا کہ اس میں خبر کون ہے
اور مبتداء کون؟ بلکہ التباس دور کرنے کے
لئے قرینہ کی ضرورت ہوگی اور قرینہ موجود
نہیں لہذا تقدیم خبر علی المبتداء خبر کے معرفہ
ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہوگی پس
ایسے ہی حسب اسم کان اور اس کی خبر میں خبر
کے معرفہ ہونے کے وقت اعراب لفظی متفق
ہو گا تو کوئی قرینہ اس جگہ بھی نہیں پایا
جائیگا لہذا تقدیم خبر کان کے اسم پر جائز
نہ ہوگی جیسے کان الفتی هذا واللہ اعلم

نکات قولہ وقد یحذف الخبر اور
کبھی خبر کان کے عامل یعنی کان کو حذف
کر دیتے ہیں اب اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا
ہے کہ عامل کی ضمیر خبر کان و اخواتہا جمیعاً
کی طرف راجع ہو رہی ہے پس اس سے یہ
سمجھ میں آتا ہے کہ کان کے اخوات کو بھی
حذف کرنا جائز ہے حالانکہ ایسا نہیں اس کا
جواب شایع نے دہو کان لا خبر کان الخ
سے یہ دیا ہے کہ اس کا مرجع صرف کان
ہے اس کے اخوات نہیں اس لئے کہ فعل
ما قصہ سے صرف کان کا حذف جائز ہے اس کے

اخوان کا نہیں افعال اگرچہ حرف کان اس کا مرجع
ہو سکتا ہے مگر یہ اچھا نہیں اس لئے کہ اس سے
پہلے تمام ضمائر مجموعہ کی طرف راجع کی گئی ہیں صرف
کان کی طرف نہیں نیز یہ کہ ما قبل میں صرف خبر کان
کا ذکر نہیں بلکہ کان اور اس کے اخوات دونوں کی

کا لفظی اور ایک کا تقدیری ہو جیسے کان
هذا زید کہ اس میں ہذا کا اعراب تقدیری
ہے اور زید مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ ہذا
کان کی خبر ہے اور اگر دونوں کا اعراب
تقدیری ہو گا تو یہ تقدیم جائز نہ ہوگی

اسم و خبر دونوں مختلف ہوں گے یعنی خبر منصوب
ہوگی اور اسم مرفوع ہو گا پس دونوں ایک
دوسرے سے ملتنبس نہیں ہونگے مگر یہ اس
وقت جائز ہے جب کہ دونوں کا اعراب
لفظی ہو جیسا کہ اشد مذکورہ میں یا ایک

الافعال الاکان وانما اخصت بهذا الحذف لكثرة استعمالها في
مثل الشائ المجزئون يا عموها لهما ان خيرا فخير وان شرا
فشر ويجوز في مثلها اي في مثل هذه الصورة وهي ان يخي بعد ان
اسم ثلثا بعدها اسم اربعة اوجه نصب الاول ورفع الثاني وهو
اقواها اي ان كان علمه خيرا فجزاءه خيرا ونصبها نحو ان خيرا فخير على
معقوف ان كان علمه خيرا فكان جزاءه خيرا اور فها نحو ان خيرا فخير اي
ان كان في علمه خيرا فجزاءه خيرا وعكس الاول نحو ان خيرا فخير اي ان كان
في علمه خيرا فكان جزاءه خيرا وقوة هذه الوجوه وضعها بحسب قلة
الحذف وكثرته ويجب الحذف اي حذف عامله يعني كان في مثل انما

صرف كان في طرف راجع اليه كونه ان افعال (ما قصه) في سعة كان في سوا كوني محذوف
نہیں ہوتا اور اس حذف کو کان کے ساتھ ہی خاص کیا گیا کان کے کثرت استعمال کی وجہ سے اور
اس لئے بھی کہ کان متعدد معانی کے لئے آتا ہے اور اس کے اخوات ایسے نہیں لہذا کان نام باب
نہیں اسی لئے اس میں حذف وغیرہ سے توسیع کی گئی لا انما للجزئین بالعلم ان خيرا فخير
ان شرافتر کے مثل میں اور جائز اس کے مثل میں لہذا اس صورت کے مثل میں اور وہ صورت
یہ ہے کہ ان (خیر طیبہ) کے بعد ایک اسم ہو یعنی پہلے ان خیر طیبہ ہو اور ان خیر طیبہ کے بعد ایک اسم
بصرف (جزائسا) ہو اس کے بعد ایک اسم ہو یعنی اس اسم آخر کے شروع میں قائلے جزائسا ہو
(چار طریقے ہیں) پہلے (اسم) کی نصب اور دوسرے (اسم) کا رفع اور یہ ان سب طریقوں
سے قوی تر ہے یعنی ان کان علمه خيرا فجزاءه خيرا اور دونوں (اسموں) کی نصب جیسے ان خيرا
فجزاءه خيرا اس معنی کی بنا پر کہ ان کان علمه خيرا فجزاءه خيرا اور دونوں (اسموں) کا رفع جیسے
ان خيرا فجزاءه خيرا یعنی ان کان في علمه خيرا فجزاءه خيرا اور (قسم) اول کا عکس جیسے ان خيرا فجزاءه خيرا
کان في علمه خيرا فجزاءه خيرا اور ان (وجوہ) اور ان کی قوت اور ان کا نصف حذف کی حکمت
وکثرت کے اعتبار سے ہے اور حذف واجب ہے یعنی اس کے عامل کا یعنی کان کا لا انما

سے ہی کان اور اس کا اسم اور ثلث میں شرط سے
کان جلد اور مجرور اور جزاء سے جلد اول اسم
الکھ قولہ ويجب الحذف لانهما انت
مطلقا انما قلت کے مثل میں کان کو حذف کرنا واجب
ہے مثل سے مراد اس جگہ ہر وہ ترکیب ہے جس میں
کان کو حذف کر کے اس کے عوض کسی دوسری چیز کو
دعویٰ ہیں اس جگہ سے حذف کان اس وجہ سے
واجب ہے کہ کان کو حذف کر کے تو عوض

زیادہ قوی اور افضل ہے اور البسب سے
زیادہ کمزور اور مثالی و ثلث متوسط اس لئے
کہ اول میں سے میں چیزیں حذف کی گئی ہیں شرط
سے کان اور اس کا اسم اور جزاء سے جلد اور
داخل میں پانچ اسم اور حذف میں شرط سے کان
جلد اور مجرور اور جزاء سے کان اور اس کا اسم اور
ثانی و ثالث میں چار پانچ چیزیں حذف کی گئی ہیں
پس ثانی میں شرط سے کان اور اس کا اسم اور جزاء

خبر کا ذکر ہے لہذا مصنف کو یہ چاہئے تھا کہ وہ
وقد يحذف کان کہتے مگر شاید جواب میں یہ کہہ دیا
جائے کہ مثال سے صرف کان کا حذف ثابت ہو
ہا ہے اور مثال کا مثل کے مطابق ہونا ضروری
ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ مصنف نے مثال کو افادہ
تقید کے لئے بیان کیا ہو اسی واسطے مصنف
نے فی مثل اضافہ کے ساتھ کہا ہے بدون ذکر فی
کے مثل یا نحو نہیں کہیں اس میں مصنف نے
تفنن طبع کی رعایت کی ہے ورنہ اولیٰ ہی تھا کہ
وقد يحذف کان کہتے اور کان میں اس کے حذف
کے انحصار کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استعمال کثرت
ہوتا ہے اور کثرت استعمال اس امر کو مقتضی ہے
کہ وقتاً فوقتاً اس کو حذف بھی کر دیا جائے جیسے
ان اس مجزئین بالعلم ان خيرا فخير وان
شرافتر سے کان محذوف ہے واد اسم

الکھ قولہ ويجوز انما اس جگہ مثل
سے ہر وہ ترکیب مراد ہے کہ جس میں ان شرطیہ
کے بعد اسم ہو اور اس کے بعد فاء اور پھر فاء کے
بعد اسم جیسے ان خيرا فخير فخير اور خيرا فخير بصورت
مذکورہ اسم واقع میں ہیں اس جیسی ترکیب میں چار
وجہیں جائز ہیں ۱) نصب اول رفع ثانی اور یہ
سب سے اقویٰ وجہ ہے اس لئے کہ اس میں
حکمت حذف ہے نیز فاء کے بعد اکثر جملہ اسمیہ
جزا ہوتا ہے بہ نسبت فعلیہ کے پس اس صورت
میں تقدیر عبارت یوں ہوگی ان کان علمه خيرا
فجزاءه خيرا ۲) اول و ثانی دونوں کا نصب
جیسے ان خيرا فجزاءه خيرا اس صورت میں معنی یہ ہوں
گے ان کان علمه خيرا فجزاءه خيرا اور دونوں
کا رفع جیسے ان خيرا فجزاءه خيرا ان کان في علمه
خيرا فجزاءه خيرا ۳) صورت اول کا عکس یعنی اول
کو رفع و ثانی نصب جیسے ان خيرا فجزاءه خيرا ای ان کان
في علمه خيرا فجزاءه خيرا اول اسم

الکھ قولہ قوة هذه الوجوه
اربع کا قوی اور ضعیف ہونا حکمت و کثرت حذف
کے اعتبار سے ہے پس دو وجوہ اول سب سے

أَنْتَ مُنْطَلَقًا انْطَلَقْتَ أَيْ لَأَنْ كُنْتَ مُنْطَلَقًا انْطَلَقْتَ فَاصِلُ أَفَانَتْ
لَأَنْ كُنْتَ حَذَفَ اللَّامَ قِيَاسًا ثُمَّ حَذَفَتْ كَلِمَةً كَانَتْ اخْتِصَارًا فَانْقَلَبَ
الضَّمِيرُ الْمَتَّصِلُ مُنْفَصِلًا وَرِيدَاتُ لَفْظَةٍ مَا بَعْدَ فِي مَوْضِعِ كَلِمَةٍ عَوَضًا
عَمَّا وَادَغَمْتَ النُّونَ فِي اللَّيْمِ وَابْقِيَ الْخَبَرَ عَلَى حَالِهِ فَصَارَ مَا أَنْتَ مُنْطَلَقًا
نَا انْطَلَقْتَ وَهَذَا عَلَى تَقْدِيرِ فَتَحِ الْهَمْزَةِ وَامَّا عَلَى تَقْدِيرِ كَسْرِهَا فَالتَّقْدِيرُ
أَنْ كُنْتَ مُنْطَلَقًا انْطَلَقْتَ فَعَلْ بِهِ مَا عَمِلَ بِالْأَوَّلِ مِنْ غَيْرِ فَرَقِ الْأَ
حَذَفَ اللَّامَ أَذْلاً لَامَ فِيهِ وَاقْتَصَرَ الْمُصَنَّفُ عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ أَشْهُرُ اسْمُهُ
أَنْ وَانْخَرِجَتْهَا وَاسْتَعْرِفَهَا فِي قِيمِ الْحَرْفِ أَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى هُوَ الْمُسْتَدَلُّ

انت منطلقا انطلقت یعنی لآن کنت منطلقا انطلقت (تو) کما بصریہ کے نزدیک
امانت کی اصل لآن کنت ہے دراتم مخرج غلام سرور قادری عرض کرتا ہے کہ لآن کنت میں لام
جاریہ ہے جو انطلقت سے متعلق ہے اور ان مفتوحہ مصدریہ ہے واصلہ انطلقت لآن کنت
منطلقا یعنی انطلقت لاجل انطلاک (تو لام جاریہ) کو قیاسی (دو جوازی) طور پر حذف کیا
گیا کہ ان مصدریہ و مشدودہ سے حرف جر کا حذف قیاسی ہے) پھر اختصار کے لئے لآن کے
کے کو حذف کیا گیا تو ضمیر متصل متصل سے بدلی گئی (جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا کہ تنہا
حاصل کا حذف ضمیر متصل کو متصل کر دیتا ہے) اور ان کے بعد لفظ ما کو کان کے محل میں
کان کے عوض زائد کیا گیا (تو ان مانت ہو گیا) اور (ان کے) نون کو (ما کے) میم میں
(قرب مخرج کی وجہ سے) مدغم کیا گیا (ما کا کان کی) خبر کو اپنے محل پر منسوب) باقی رکھا
گیا لہذا امانت منطلقا انطلقت ہو گیا اور یہ (عمل) ہمزہ کی فتح کی تقدیر لکی بنا پر
ہے اور لیکن ہمزہ کی کسر کی تقدیر لکی بنا پر لکھا ہو عند الکوفیین (یعنی اصل عبارت
امانت) ان کنت (ان شرطیہ سے) منطلقا انطلقت ہے تو اس کے ساتھ کسی فرق کے
بغیر حذف لام کے سوا وہی عمل کیا گیا جو اول کے ساتھ عمل کیا گیا۔ کیونکہ اس (ثانی) میں ہم
(سے سے) کسی ہی نہیں اور مصنف نے اہل پرکتھا کیا (اور دوسرے کی اصل بیان نہ کی)
اس لئے کہ یہ مشہور تر ہے۔ ان اور اس کے اخوات کا اسم (اور ان) (ان کا اس کے اخوات
کو عنقریب حرف کی قسم میں انشاء اللہ تم معلوم کر لو گے وہ مستند یہ ہے ان کے دخول

کر دیا گیا اور خبر یعنی منطلقا کو اپنے حال پر باقی
رکھا گیا پس امانت منطلقا انطلقت ہو گیا اور
یہ اس صورت میں ہے جبکہ ما کے ہمزہ کو مفتوح
پڑھا جائے لیکن اگر اس کو مکسور پڑھا جائے تو
اس کی تقدیر ان کنت منطلقا انطلقت ہوگی پس
جو کچھ تعدیل صورت اول میں کی گئی ہے وہاں اس
میں بھی جاری ہوگی پس صرف فرق یہ ہے کہ تقدیر
اول میں حذف لام تھا اور اس میں حذف لام نہیں ہوگا
اس لئے کہ اس میں لام موجود نہیں کیونکہ اس کے
بغیر معنی درست ہو جاتے ہیں بخلاف اول کے کہ
بغیر لام کے معنی درست نہیں ہوتے اس لئے کہ
اس کے معنی میں انطلقت لاجل انطلاک یعنی
میں تیرے منطلق ہونے کی وجہ سے منطلق ہوا اور
تقدیر ثانی کی بنا پر معنی ظاہر میں کہ دونوں شرط و جزا
ہیں اور انطلاک کے معنی چلنے کے آتے ہیں پس
دونوں صورتوں میں چونکہ کلمہ یا فعل کان کے عوض
میں ہے اس لئے کان کا حذف واجب ہوگا تاکہ
عوض اور محوض کا اجتماع لازم نہ آئے اب رہی
یہ بات کہ مصنف نے صرف صورت اولیٰ پر کیوں
اختصار کیا دونوں صورتیں کیوں نہیں بیان کیں تو
اس کی وجہ یہ ہے کہ اول زیادہ مشہور ہے اس
لئے اس پر اختصار کیا گیا واللہ اعلم۔

اسم ان اخوات کا اسم بھی منصوبت سے جہاں
کے اخوات کا بیان انشاء اللہ بحث حرف میں
ہوگا اس جگہ ان کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ وہ
حروف ہیں اور حروف کے لئے بحث حرف
میں ہی جگہ ہو سکتی ہے ای بعد دخول الخ سے
وہی اعتراض اور جواب مقصود ہے جو خبر کان
کے بیان میں بعد دخول لبا کی تفسیر میں گذر چکا ہے
اسم ان کی تعریف یہ ہے کہ ان یا اس کے
اخوان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے
کے بعد جو مستند الیہ یعنی محکوم علیہ ہو وہ اسم
ان کہلاتا ہے جیسے ان زیادہ قائم کہ اس میں
ان کے دخول کے بعد زیادہ مستند الیہ ہو کہ قائم

بعد کان کو اختصاراً حذف کیا گیا کہ کنت کی ضمیر
متصل کو ضمیر متصل مستندت سے بدل لیا اور ان
مصدریہ کے بعد کان کی جگہ پر اس کے عنقریب
کلمہ مازا لکھ گیا اس لئے کہ کان کی طرح مصدر
نہیں پرہیز کرتا ہے پھر نون کا اسم میں دوغما

اور معوض عن کا اجتماع لازم آئے گا اس میں ہمزہ
جیسے اس کی اصل ان کنت منطلقا انطلقت
تھی لہذا نہ انت اصل میں ان کنت تھا پس اول
اس کو حذف کیا گیا اس لئے کہ لام کا حذف اولیٰ
سے قیاس کے مطابق اور کثرت جہاں کے

کا اسناد اس کی طرف ہو رہا ہے لہذا اس کو ہم ان کہیں گے پھر یہ کہ خبر کان میں شارع نے والمراد بجدیۃ المسند الخ سے جس سوال کا جواب دیا تھا وہی سوال یہاں بھی وارد ہوتا ہے اور وہی اس کا جواب ہے جو وہاں گذرا پس وہ نقض ہے جواب سے اس تعریف سے بھی دور ہو جائے گا جیسے ان زید ابوہ قائم میں ابوہ مذکورہ جواب کے باعث باعث نقض نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

۱۵ قول المنصوب الخ اس کی تفسیر

ای نفی صفتہ الجنس و حکم سے کر کے شارع نے ایک سوال مقدمہ کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ لاکثر تفسیر نفی جنس کے ساتھ کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ نفی جنس کے لئے نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ جنس کے لئے ہو تو لا غلام اجل ظریف فیہا کہنے سے نقض لازم آئیگا اس لئے کہ اس ترکیب میں ظرافت غلام کی نفی ہے نہ کہ ذات غلام کا اور اگر ذات غلام کی نفی کرتے ہیں تو کذب لازم آتا ہے اس لئے کہ غلام موجود ہے پس شارع نے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت بحدوث المضاعف ہے اور عبارت یوں ہے لنفی الجنس ای نفی صفتہ الجنس پھر صفتہ جو کہ حکم کے معنی میں ہے اس لئے کہ وہ حکم کی نفی کرتی ہے کہ مثلاً غلام ظریف دار میں نہیں یا شہر وغیرہ میں نہیں لہذا وہ حکم کا اضافہ کیا گیا حاصل یہ ہے کہ نفی صفتہ جنس سے متبادر یہ ہوتا تھا کہ شاید وجود صفتہ جنس کی نفی ہو حکم جنس کی نفی نہ ہو حالانکہ مقصود حکم جنس کی نفی ہے لہذا اس اعتراض سے بچنے کے لئے حکم کہا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے اس جگہ دیگر منصوبات کی طرح اسم لائتی لنفی الجنس کیوں نہ کہا اس سے عدول کر کے المنصوب بلا لائتی لنفی الجنس کیوں نہ کہا اس کا جواب شارع و انما نقل الخ سے یہ دیکھ ہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لائتی جنس کا کل کا کل اسم یا اکثر منصوبات سے نہیں ہے پس اس کے اسم کو مطلقاً منصوبات سے شمار کرنا صحیح نہیں نہ حقیقتاً کہ یہ کہا جائے کہ اس کا اسم ہر حال میں منصوب ہے گا اور نہ مجازاً کہ ہم کہیں کہ اکثر احوال میں منصوب

الیہ بعد دخولہا ای بعد دخول ان واحد ای اخواتہا مثل ان زید اقائم و بما عرفت من معنی البعدیۃ والدخول فیما سبق اندفع انتقاض هذا التعریف ہر بنا ایضا مثل ابوہ فی ان زید ابوہ قائم المنصوب بلا لائتی لنفی الجنس ای لنفی صفتہ الجنس و حکمہ وانما لم نقل اسم لائتی لیس کلمہ ولا اکثرہ من المنصوبات فلا یصح جعلہ مطلقاً من المنصوبات لاحقیقۃ ولا مجازاً بل المنصوب منہ اقل مما عداہ فلا بد من التبعیر عنہ بالمنصوب بعبا بخلاف ما عداہ من المنصوبات فان بعضها وان لم یکن کلمہ من المنصوبات لکن اکثرہ منها فاخطی للاکثر حکم الكل فعند الكل منها تجوز اولاً یبعد ان یقال اسم کلمہ المنصوب بہا

کے بعد یعنی ان یا اس کے اخوات کے دخول کے بعد جیسے ان زید اقائم اور اس سے جو تم نے ماسبق میں معلوم کیا یعنی بعدیت اور دخول کے معنی سے یہاں (منصوبات میں) ان زید ابوہ قائم کے اندر ابوہ کے مثل سے (ان کے اسم کی) اس تعریف کا اعتراض بھی مندرج ہو گیا و منصوب اس لئے ہے جو جنس کی نفی کے لئے ہے (یعنی جو جنس کی صفت اور اس کے حکم کی نفی کے لئے ہے اور مصنف نے اسم لائتی نہیں کہا بلکہ منصوب بہ لاکہا کیونکہ لاکہ تمام اسم منصوبات سے نہیں ہیں اور نہ ہی اکثر منصوبات سے ہیں) لہذا لاکہ اسم کو مطلقاً منصوبات سے قرار دینا صحیح نہیں ہے نہ حقیقتاً اور نہ مجازاً کہ اگر اکثر لاکہ اسم منصوب ہوتا ہوتا تو لاکہ حکم الكل کی رو سے اس پر منصوب ہونے کا حکم لگ جاتا بلکہ لاکہ اسم منصوب اس کے (اسم) غیر منصوب سے قلیل تر ہے لہذا یہاں پہلا لاکہ اسم کو منصوب بہ لاکہ سے تعبیر کرنا ضروری ہے (یہ بات) اس کے ماسوا منصوبات سے نہیں ہیں لیکن کچھ ان میں سے اگرچہ کل کے کل منصوبات سے نہیں ہیں لیکن کچھ ان میں سے اکثر منصوب ہیں تو اکثر کو مجازاً کل کا حکم دیا گیا (اور وہ لفظاً یا تقدیراً منصوب ہوتا ہے) اور بعید نہیں کہ (مصنف کے قول المنصوب بلا کی بجائے) کہا جائے اسم لاکہ المنصوب

جو کہ لاکہ اس کے اسم کا اپنے ماعدا سے بہت ہی کم حقہ منصوب ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اس اقل کو المنصوب بلا لائتی لنفی الجنس سے تعبیر کیا جائے اس کے اقل ہونے کی وجہ عنقریب آئے گی نشاندہ تعالیٰ بخلاف دیگر منصوبات کے کہ ان منصوبات میں سے بعض مثلاً مستثنیٰ اگرچہ ہر حال میں منصوبات سے نہیں بلکہ کہیں مرفوع بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اکثر احوال میں منصوب ہی ہوتا ہے اس لئے اکثر

جو کہ لاکہ اس کے اسم کا اپنے ماعدا سے بہت ہی کم حقہ منصوب ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اس اقل کو المنصوب بلا لائتی لنفی الجنس سے تعبیر کیا جائے اس کے اقل ہونے کی وجہ عنقریب آئے گی نشاندہ تعالیٰ بخلاف دیگر منصوبات کے کہ ان منصوبات میں سے بعض مثلاً مستثنیٰ اگرچہ ہر حال میں منصوبات سے نہیں بلکہ کہیں مرفوع بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اکثر احوال میں منصوب ہی ہوتا ہے اس لئے اکثر

کو کل کا حکم دے دیا گیا پس منصوبات میں سے بعض کو کامل طور پر منصوبات سے شمار کرنا مجازاً ہے واللہ اعلم۔

۱۶ قولہ ولا یجد الخ اس سے شارع

کا منشا مصنف پر اعتراض کرنا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف اس طرح کہتے کہ اسم لاکہ المنصوب الخ یعنی اسم لاکہ ہے جو لاکہ کی وجہ سے لفظاً یا مطلقاً منصوب ہو لفظاً یا کہ مثلاً مضاعف ہو جیسے لا غلام

لفظاً كالْمُضَافِ وَشِبْهَهُ أَوْ مَحَلًّا كَمَا هُوَ مَبْنِيٌّ مِنْهُ عَلَى الْفَتْحِ وَأَمَّا مَا هُوَ مَرْفُوعٌ فَلَيْسَ اسْمًا لَهَا لَعَدَمِ عِلْمِهَا فِيهِ هُوَ الْمُسْتَدِلُّ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا خَرَجَ بِهِ مِثْلُ ابْنِهِ فِي لَا غَلَامَ رَجُلٍ ابْنُهُ قَائِمٌ لَمَّا عَرَفْتُ وَهَذَا الْقَلْبُ كَافٍ فِي حَدِّ اسْمِهَا مُطْلَقًا لَكِنَّهُ لَمَّا ارَادَ حَدَّ الْمَنْصُوبِ مِنْهُ زَادَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ يَلِيْنَهَا أَيْ يَلِي الْمُسْتَدِلُّ إِلَيْهِ لَفْظُهُ لَا أَيْ يَقَعُ بَعْدَهَا بِدَلَالَةِ فَاصِلَةِ شَكْرَةٍ مُصَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَيْ بِالْمُضَافِ فِي تَعْلُقِهِ بِشَيْءٍ هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ

بہا لیم کہ لا کا اسم لائے منصوب ہے لفظ جیسے مضاف یا مشابہ مضاف ہے (جیسے لا غلام رجل فی الدار اور جیسے لا خیر من زید جالس عندنا) یا محلا جیسا کہ اسم لا اس منصوب بہ لائیں سے مبنی علی الفتح ہے (مثلاً لا رجل فی الدار اس میں رجل اگرچہ لفظاً یا تقدیراً منصوب نہیں تاہم محلاً منصوب اسی وجہ سے اس کے محل پر حمل جائز ہے جیسے لا رجل ظریفاً فی الدار ظریفاً کو اس کے محل قریب یعنی لفظ رجل پر محمول کر کے منصوب پڑھا گیا ہے اگر اعراب محلی معتبر نہ ہوتا تو ظریفاً کا اس پر حمل نہ جائز ہوتا) اور وہ (لا کا اسم) مرفوع ہے تو وہ لا کا اسم ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں لا کا عمل نہیں ہے وہ مستدلیہ ہے اس کے دخول کے بعد اس قید (بعد دخولہا) سے اس وجہ سے جو تم نے (ما سبق میں دخول اور بعدیت کا معنی) معلوم کیا لا غلام رجل ابوہ قائم میں ابوہ کا مثل خارج ہو گیا کہ وہ دخول لائے پیش تر ہی مستدلیہ ہے) اور اس قدر (یعنی ہوا المستدل بعد دخولہا کہنا) اگر کے اسم کی تعریف میں مطلقاً (تمام حدود میں) کافی ہے (خواہ منصوب ہو لفظاً یا تقدیراً یا محلاً لہذا کسی دوسری قید کی حاجت نہیں ہے) لیکن جب مصنف نے اسم لائیں سے منصوب کی تعریف کا ارادہ کیا تو اس تعریف پر اپنے قول (دلیلیہا لا کا اضافہ کیا یعنی مستدلیہ لفظ لا کے ساتھ متصل ہو یعنی مستدلیہ لا کے بعد کسی فاصلہ کے بعد واقع ہو لا در انحالیکہ نکرہ مضاف ہو یا اس کے ساتھ مشابہ ہو) یعنی مضاف کے ساتھ کسی ایسی چیز سے تعلق

کوئی فرق نہیں والہ اعلم ۱۲۔

کے قول ہوا المستدل منصوب بلا در نفعی جنس میں اسم کو کہتے ہیں بولانا نفعی جنس کے دخول کے بعد مستدلیہ ہو اور لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو نیز یہ کہ وہ مستدلیہ نکرہ مضاف یا شبہ مضاف ہو اس جگہ بعد دخولہا کہنے سے تعریف سے تمام ارادہ مستدلیہ خارج ہو گئے جو لا کے دخول سے پیشتر مستدلیہ ہوں اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی دخول لا کے بعد مستدلیہ نہیں پھر اس میں بھی مذی معنی مراد ہو گئے جو بعدیت اور دخول کے خبر کان کے ضمن میں بیان ہو

رجل ظریف شبہ یا شبہ مضاف ہو جیسے لا خیر من زید جالس عندنا اور محلاً یہ کہ مبنی علی الفتح ہو جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور لا کے دخول کے بعد جو اسم مرفوع ہو وہ اس کا اسم نہیں اس لئے کہ اس میں لا کا عمل نہیں تو نہ اسلوب بیان بدلتا اور نہ یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ لا کا بعض اسم منصوب ہوتا ہے اور اکثر اس کے خلاف اور یہ بھی ممکن ہے کہ شایع کا منشاء اس سے یہ ہو کہ خواہ اس طرح یہ کہہ لیا جائے یا جس طرح مصنف نے کہا ہے اس کو تسلیم کر لیا جائے ہر حال دونوں کا نکل ایک ہے اور دونوں میں

چکے ہیں لہذا اس تعریف سے وہ مستدلیہ بھی خارج ہو جائے گا جو دخول لا سے پیشتر ہی مستدلیہ ہو اور اس کے دخول کے بعد بھی اسی حالت پر باقی ہو جیسے لا غلام رجل ابوہ قائم میں ابوہ مستدلیہ ہے اور لا کے دخول سے پیشتر اور پھر لا کے دخول کے بعد بھی اسی حالت پر بدستور موجود ہے اس لئے کہ یہ قائم کا مستدلیہ ہے پس یہ اس تعریف سے خارج ہو جائیگا اور پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر لا کی خبر بنے گا اب شایع و ہذا القدر کاف سے مصنف پر ایک اعتراض کر کے لکن سے اس کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ اگرچہ مطلق لا نفعی جنس کی تعریف یہاں تک کافی ہے اور اس کے بعد دلیلیہ نکرہ ان کے اضافہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے اس تعریف سے نفعی جنس کا اسم معلوم ہو جاتا ہے لیکن چونکہ مقصود اس اسم کا بیان کرنا ہے جو منصوب ہو اور اسی کا ارادہ کرنے ہوئے مصنف نے اسلوب معروف سے عدول کر کے منصوب بلا لاتی ان کے کہا ہے لہذا اس پر اپنے قول دلیلیہ نکرہ ان کا اضافہ کیا اور دلیلیہ کی تفسیر ای یلی المستدلیہ ان کے کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یلی کا فاعل المستدلیہ ہے اور یلی مفعول بہ لای طرف راجع ہے اور لفظ لا کہہ کر راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت پیدا کی ہے اس لئے کہ لا مذکر ہے اور اس کی طرف لوٹائی گئی ہے ضمیر مؤنث پس جب لفظ لا کہہ گیا تو ضمیر مؤنث مؤنث کی طرف راجع ہو گئی اس لئے کہ لا لفظ لا کی تادیل میں ہو کر مؤنث ہے اور مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ مستدلیہ لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو اور مشابہ بالمضاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی شے کے ساتھ مضاف کا تعلق ہو کہ اس شے سے مل کر مضاف کے معنی تمام ہوتے ہیں اور اس کے بغیر معنی ناقص رہتے ہوں لیکن حقیقت وہ مضاف نہ ہو کہ مضاف الیہ کو محذور کرے پس مضاف کے شے کے ساتھ تعلق میں جو شبہیت نکرہ کی مضاف کے ساتھ پائی جائے گی اس کو مشابہ بالمضاف سے تعبیر کریں گے جیسے لا خیر

اگرچہ مضاف نہیں لیکن اس کا تعلق زید کے ساتھ اس قدر ہے کہ بغیر زید کے ملائے خبر کے معنی تمام نہیں ہوتے ناقص رہتے ہیں جس طرح مضاف عامل ہو کر مضاف الیہ کو مجرور کرتا ہے اسی طرح بھی تمام معنی کے لئے بمنزلہ عامل کے ہے اور من زید بمنزلہ معمول کے اب یہی بات کہ ترکیب کے اعتبار سے یہاں الم کیا واقع ہے تو اس کے متعلق شامی یہ کہتے ہیں کہ یہاں اور اس کا مابعد مکرر ہونے سب کے سب لیکہ کی ضمیر مجرور سے حال متر لوقہ میں حال مترادفہ اسی کو کہتے ہیں جس کا ذوالحال ایک اور احوال متعدد ہوں یکے بعد دیگرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف یہاں المسند لیکہ کی ضمیر متصل مجرور یا مفعول ہا کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہو اور مکرر مضافات یہاں کی ضمیر مرفوع مستتر سے جو کہ المسند لیکہ کی طرف راجع ہے یہی اس صورت میں یہ حوالہ متبادل کہلائیں گے کہ ایک حال سے دوسرا حال واقع ہوا کسی کو متبادل سے تعبیر کرتے ہیں واللہ اعلم

۱۸ قولہ مثل لا غلام الاثر جیسے غلام

اصل یہ مکرر مضاف کی مثال ہے جو کہ لا کے متصل ہے اور بعض نسخوں میں لا غلام اصل ظریف نہیں ہے اس میں نہا کے اضافہ کا فائدہ مرفوعات میں گذر چکا وہیں دیکھ لیا جائے جس کو شارح نے وانما اتی یہ لفظ لزم الکذب الم سے بیان کیا ہے اور جیسے لا عشرین درھاں کی مثال مکرر مضاف کی ہے کہ لا کے متصل واقع ہے اس لئے کہ عشرین تعلق درہما کے ساتھ اس درجہ ہے کہ غیر درہما کہ اس کے معنی تمام نہیں ہوتے اور اس مثال میں قول مصنف لک شہود نسخوں کی بنا پر کہ جن میں ظریف نہیں کا اختلاف نہیں ہے دونوں مثالوں کے تہ سے ہے یعنی دونوں کی خبر ہے اور اگر اس نسخہ کا بھی اعتبار کریں جس میں ظریف نہیں ہے تو پھر لک خبر بعد خبر بعد خبر ہو گا اس لئے کہ ظریف خبر اول جلد نہیں خبر ثانی اور لک خبر ثالث سب یہ بات کہ مصنف نے مثال اول میں لک کو کیوں نہیں ذکر کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لا غلام اصل کتبہ متصل

ہذا احوال مترادفہ من الضمیر المجرور فی ایہ او الاولیٰ منہ او من الضمیر المجرور فی دخولہا وما بقی من الضمیر المرفوع فی یلیہا مثل لا غلام رجل مثال لما یلیہا مکرر مضافا و فی بعض النسخ لا غلام رجل ظریف فیہا وقد عرفت فی المرفوعات تحقیق قولہ فیہا ولا عشرین درہما لک مثال لما یلیہا مکرر مضافا و قولہ لک علی النسخہ المشہورۃ من تملہ المثالین کلہما فان کان ای المسند الیہ بعد دخولہا غیر واقع علی الاحوال المذکورۃ بل کان مفردا بانتفاء الشرط الاخر فقط وھو کہ مضافا

پڑنے میں لا مشابہ ہو جو مضاف کے معنی کے تمام سے ہو یعنی وہ شئی مضاف کے معنی کے لئے مکمل ہو کہ اس کے نہ ہونے سے مضاف کا معنی پورا نہ ہوتا ہو اور یہ قیود ثلاثہ مذکورہ یعنی اتصال و تکرر و اضافت یا شبہ اضافت مصنف قول المسند الیہ میں ضمیر مجرور سے احوال مترادفہ ہیں لگوا الیہ یعنی جار و مجرور مصنف کے قول المسند لیکہ مفعول مالم یسم فاعل ہے یعنی نائب فاعل سجا یا اصل اولی اس ضمیر مجرور سے ہے یا دخولہا میں ضمیر مجرور سے اور جو (دو حال) باقی ہیں وہ یہاں میں ضمیر مرفوع (ص) سے اصل میں (جیسے غلام) اصل کا یہاں مسند الیہ کی مثال ہے جو بحالت مکرر مضاف لا کے ساتھ متصل ہو اور بعض نسخوں میں لا غلام رجل ظریف فیہا ہے اور مرفوعات میں مصنف کے قول فیہا کی تحقیق تمہیں معلوم ہوگی (لہذا اس کا یہاں اعادہ نہیں کیا جاتا وہاں دیکھ لیں) لا ولا عشرین درھاں لک اس مسند الیہ کی مثال ہے جو بحالت مکرر مضاف لا کے ساتھ متصل ہے اور مصنف کا قول لک مشہور نسخوں کی بنا پر دونوں مثالوں (لا غلام رجل اور لا عشرین درھاں) کے تہ سے ہے (فتقدیر المثال الاول لا غلام رجل لک) لا پھر اگر ہو لا یعنی مسند الیہ لا کے داخل ہونے کے بعد احوال مذکورہ ثلاثہ بطور شرط برائے نصب اکم لا پر واقع نہ ہو بلکہ مفرد ہو آخری شرط کے استثناء کی وجہ سے فقط اور آخری شرط مسند

کے بعد تاکہ احوال مذکورہ پر واقع نہ ہو بلکہ مفرد ہو یعنی شرط اخیر منتفی ہو کہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو ای یہاں مکرر غیر مضاف لا مشابہ یعنی مسند الیہ لا کے متصل ہو اور مکرر ہو مکرر مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہو گا اب یہی بات کہ شارح نے بانتفاء الشرط الاخر کا اختلاف کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مضاف اور شبہ مضاف کے مقابلہ میں ہے شنبہ و مزج کے مقابلہ میں نیز یہ کہ شرط اخیر کا انتفاء مقصود ہے تکرر کا انتفاء

نہیں کیا جاتا بلکہ لا غلام لک کہتے ہیں البتہ مثال منتفی میں اس وجہ سے لئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے مثال باطن میں خبر مضاف سے اور مضاف خبر والی مثال کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ خبر و مضاف بکثرت ہوتا ہے کاسر فی المرفوعات و یخفف کثیرا واللہ اعلم

۱۹ قولہ من کان الذہب یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر شرط مذکورہ فوت ہو جائے تو اسم لا کا حکم جواب کے اعتبار سے کیا ہو گا کہتے ہیں کہ اگر مسند الیہ کے دخول

او مشابہ ای علیہا نکرۃ غیر مضاف ولا مشابہ لیترتب علیہ قولہ
 قہو مبین علی ما ینصب بہ فانہ لو کان مفرداً معرفۃ او مفصولاً فکمل
 غیر ذلک و قولہ علی ما ینصب بہ ای علی ما کان ینصب بہ المفرد قبل دخول
 لا علیہ وہو الفتح فی الموضع دخول رجل فی الدار و الکسر فی جمع المونث السلام
 بلا متون نحو لا مسلمات فی الدار والیاء المفتوح ما قبلہا فی المثنی والمکسور ما
 قبلہا فی جمع المذکر السالم نحو لا مسلمین ولا مسلمین للک ولعنی بالمفرد
 مالس بمضاف ولا مضارع لہ فیدخل فیہ المثنی والمجموع وانما بی

الیہ کامضاف یا مشابہ مضاف ہوتا ہے یعنی مسند الیہ بحالت غیر مضاف اور غیر مشابہ مضاف
 لاکے ساتھ متصل ہوا اور ہم نے کان کے اکم یعنی ضمیر مرفوع متصل مستقر کو مسند الیہ کی طرف
 راجع کیا ہے للنعوب بلا کی طرف راجع نہیں آیا تاکہ اس (مصنف کے قول فان کان
 مفرداً پر مصنف کا قول لا فہو مبین علی ما ینصب بہ) مرتب ہو جائے کہ کان کی ضمیر کو اگر
 منصوب بہ بلا کی طرف راجع کرتے تو اس پر مصنف کا قول فہو مبین الی مرتب نہ ہوتا یعنی وہ
 اس پر مبنی ہوگا جس کے ساتھ منصوب ہوتا ہے اور ما ینصب بہ سے مراد فتح والفاء یا تاء
 یا کسر ہے لیکن مبنی بر الف نہ ہوگا کہ وہ مضاف ہوتا ہے پس اگر مسند الیہ مفرد معرفہ
 ہو یعنی مفرد نکرہ نہ ہو لیکن مفصول ہو تو اس کا حکم اس کے علاوہ ہے اور مصنف کا
 قول علی ما ینصب بہ یعنی اس پر مبنی ہوگا کہ جس کے ساتھ دخول لے ہے پیشتر مفرد منصوب
 ہوا کرتا تھا اور وہ فتح ہے واحد میں جیسے لارجل فی الدار اور کسرہ تنوین کے بغیر جمع مونث
 سالم میں ہے جیسے لا مسلمات فی الدار اور یا ماقبل مفتوح تنوین میں اور ماقبل مکسور جمع
 مذکر سالم میں جیسے لا مسلمین اور لا مسلمین تک اور مصنف کی مراد مفرد سے وہ ہے جو مضاف

حالت یعنی بعد دخول لاکے اعتبار سے یعنی مفرد
 دخول لاکے پیشتر حالت نصب میں جو اعراب
 حاصل کرتا ہے اس پر دخول لاکے بعد مسند الیہ
 کو مبنی کریں گے پس وہ اعراب واحد میں دو زبر
 ہوں گے اور جمع مونث سالم میں دو زیر و علی
 بذالقیاس تنوین و جمع مذکر سالم میں پس جب
 لاکے دخول کے بعد یہ اسما مبنی کئے جائیں گے
 تو تنوین مفتوح فتوح سے اور تنوین مکسور کسر سے
 بدل جائے گی اور اسی پر ان کو مبنی کر دیں گے پس
 واحد میں فتح ہوگا جیسے لارجل فی الدار اور جمع
 مونث سالم میں کسر بلا تنوین جیسے لا مسلمات
 اور یا ساکن ماقبل مفتوح تنوین میں جیسے لا سلمین
 اور یا ساکن ماقبل مکسور جمع مذکر سالم میں جیسے
 لا مسلمین تک اس جگہ بھی لک لا مسلمات مسلمین
 اور لا سلمین تنوین کے سمت سے ہے پھر
 چونکہ مصنف کو مفرد سے مضاف اور مشابہ مضاف
 کی نفی مقصود ہے تنوین اور جمع کی نہیں لہذا اس
 میں تنوین اور جمع داخل ہو جائیں گے اور یہ بھی
 مبنی ہوں گے کما رقی الامثلہ اور ان میں بھی شرط
 یہی ہوگی کہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہوں والشیء

لکھ قولہ وانما بی لتضمن الی اور

اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معنی
 من کو متضمن ہوتا ہے اس لئے کہ لارجل فی
 الدار کے معنی لا من رجل فی الدار کے ہیں اس
 لئے کہ یہ اس آدمی کے جواب میں ہے کہ جس
 نے بل من رجل فی الدار کہا ہے پھر اس میں تنوین
 ہے کہ وہ سوال حقیقہ ہو جیسے کہ مثال مذکور
 میں یا تقدیراً مثلاً وہ شخص کس مکان کی طرف جائے
 اور وہی میں سے ایک مکان میں داخل ہو کر کچھ
 لارجل فی الدار پس وہ غیر داخل شخص کو یا کہ داخل
 ہوگا جس کے جواب میں لارجل فی الدار کہا گیا
 اور سوال کو یا کہ بل من رجل فیہا سے جواب اس
 من کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا اور
 متضمن معنی حرف ہونے کی وجہ سے اس کو مبنی
 کیا و اللہ اعلم

واللہ اعلم

لکھ قولہ و قولہ علی ما ینصب الی اس
 بلکہ قولہ علی ما ینصب بہ کا تفسیر یہ علی ما کان ینصب
 بہ المفرد لہ سے کہ کے شام نے ایک سوال مقدم
 کا جواب دیا ہے سوال کا تقریر یہ ہے کہ کلام مصنف
 میں تہمتی ہے اس لئے کہ قولہ مبنی سے بناء کی
 مراد معلوم ہو رہی ہے اور قولہ ینصب بہ سے
 اس کا معرب ہونا ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ نصب
 عرب کا القاب سے ہے شام نے کہا کہ
 نصب کا نسبت مسند الیہ کی طرف قبل دخول
 کے اعتبار سے ہے اور بناء کی نسبت موجودہ

مقصود نہیں ہوتا حضرت شام نے فرمایا کہ زیادتہ فی
 الدار ولا عمرو میں تنوین کی نفی ہے اور نیز یہ
 علامت نصب پر مبنی نہیں بلکہ مرفوع ہے پس
 جب بشرط اخیر کے انتقام سے عبارت اس
 طرح ہوئی ای علیہا نکرۃ غیر مضاف ولا مشابہ
 نہ تو ب میں پر قول مصنف فہو مبین علی ما ینصب
 بہ مرتب ہو جائے گا نیز فانہ لو کان مفرداً معرفۃ
 و شام نے اس میں کہ طرف اشارہ کیا ہے کہ
 مفرداً کا تہذیباً آخر تھا چاہے اس سے وہ مفرد
 علم کا مقصود ہے جو مفرد معرفہ یا معلوم ہو
 اس کے کان کا حکم اس سے ہے جو منقریب آئے گا

قوله وانما بنى على الخ اس سے بتانا چاہتے ہیں کہ اس کو بنی علی مای نصب پر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ علامت رفع یا سکون پر کیوں نہیں بنی کیا گیا جواب یہ ہے کہ اس کو علامت نصب پر اس وجہ سے بنی کیا گیا ہے تاکہ حرکت یا حرف بنائی اس حرکت یا حرف کے موافق ہو جائے کہ جس کا ٹکرہ اصل کے اعتبار سے بنا رہے پہلے مستحق ہے یعنی تاکہ حرکت یا حرف اعرابی سے حرکت یا حرف بنائی کی موافقت ہو جائے اور حتی الامکان عمل اصلی کی رعایت ہو جائے حرکت تو نکرہ مفردہ پر آئے گی اور حرف تشبیہ یا جمع پر مثلاً مفرد پر تنوین مفتوح حالت نصب میں آتی ہے پس جب مفرد کو فتح پر بنی کیا جائیگا تو تنوین مفتوح اور فتح میں موافقت اور مناسبت ظاہر ہے اور مضاف اور مشابہ مضاف اس وجہ سے بنی نہ ہوگا کہ اضافتہ جانب اسمیتہ کو ترجیح دیتی ہے اس لئے کہ اضافت اسم کے خواص میں سے ہے پس اسی ترجیح کی بنا پر اسم اس چیز کی طرف مائل ہوگا کہ جس کا وہ اصل میں مقتضی اور مستحق ہے یعنی اعراب کا پس اس کو معرب رکھا جائیگا، بنی نہیں اس لئے کہ تقدیر حرکت کی وجہ سے بنا میں اسم کی جانب اسمیتہ کمزور ہو جاتی ہے اور اسم بنی ہو جاتا ہے اور یہاں کمزور ہے نہیں اس لئے کہ اگرچہ اس میں بھی حرف من مفرد ہوتا ہے، اور وہ بھی سوال سائل کے جواب میں واقع ہوتا ہے، مگر جانب اسمیتہ اضافت کے باعث چند نہ اس میں مانع ہو گئی ہے اس لئے تقدیر حرف کچھ مؤثر نہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

قوله وان كان الخ اور اگر شرط لکارت ختمی ہو جائے یعنی مسند الیہ کہ جس پر لا داخل ہوا ہے معرفہ ہو یا شرط اتصال معدوم ہو جائے یعنی لا اور اس کے مدخول مسند الیہ کے

لنضمنه معنى من اذ معنى لا رجل في الدار لا من رجل فيها لا نه جواب لمن يقول هل من رجل في الدار حقيقة او تقدير اذ حذف من تخفیفاً و انما بنی علی مای نصب بہ لیکون البناء علی حرکتہ اذ حذف استحقهما النکرۃ فی الاصل قبل البناء ولم یکن المضاف ولا المضاعف لہ لان الاضافۃ ترجع جانب الاسمیتۃ فیصدر الاسم بہا الی ما یتحقق فی الاصل اعنی الاعراب فان کان ای المسند الیہ بعد دخولها معرفۃ بانتفاء شرط النکارۃ او مقصوداً ببنیہ ای بین ذلک المسند الیہ و بین کلا بانتفاء شرط الاتصال

اور مشابہ مضاف نہ ہو لہذا مفرد میں تشبیہ اور جمع داخل ہو جائیں گے اور مسند الیہ در شرط مذکور ثلاثہ کے وقت بنی (بر فتح) کیا گیا ہے کیونکہ وہ من (استغراقیہ) کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ لا رجل فی الدار کا معنی لا من رجل فیہا ہے اس لئے کہ یہ اس شخص کو جواب ہے جو کہتا ہے هل من رجل فی الدار حقیقۃ (اور یہ ظاہر ہے) یا تقدیر (یعنی سوال مقدر مفروض کے جواب میں اور وہ اس طرح کہ دو شخص ایک مکان کی طرف آئیں تو ان میں سے ایک اندر داخل ہو کر واپس باہر آ کر کہے لا من رجل فی الدار تو یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا داخل نہ ہونے والے نے سوال کیا کہ هل من رجل فیہا تو اس نے کہا لا من رجل فیہا تو من کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور لا کے اسم کو مای نصب بہ پر بنی کیا گیا تاکہ (اسکی) بنا حرکت (بر فتح کی طرح مفرد واحد میں اور کسرہ کی طرح جمع مؤنث سالم میں) یا حرف پر (یا کی طرح تشبیہ اور جمع مذکر سالم میں) ہو کہ ان دونوں کا دراصل نکرہ قبل از بنا مستحق تھا اور مضاف و مشابہ مضاف کو بنی نہ کیا گیا کیونکہ اضافت (اسم کے خواص سے ہونے کی وجہ سے جانب اسمیت کو ترجیح دیتی ہے لہذا لا کا) اسم اضافت کی وجہ سے اس کی طرف (مائل و متوجہ) ہو جاتا ہے جس کا وہ اصل میں مستحق ہے میری مراد اعراب ہے (کیونکہ اسم معانی مقفیضہ اعراب یعنی فاعلیت و مفعولیہ و اضافت کی وجہ سے مطلقاً معرب ہونے میں اسل ہے) (پس اگر ہو) یعنی مسند الیہ لا کے داخل ہوتے کے بعد «معرفہ» بشرط نکارت کے انتفاء کی وجہ سے «یا فاسلہ کیا گیا ہو اس کے درمیان» یعنی اس مسند الیہ کے لا اور لا کے درمیان

درمیان فصل واقع ہو عام ازی کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی شرط منتفی ہو یا نہ ہو تو مسند الیہ کو رفع اور لا میں مع اس کے اسم کے تکرار مفردی ہے پھر انتفاء اتصال کی شرط علی سبیل منع الخلو ہے یعنی دونوں میں سے کوئی نہ کوئی پائی ضرور جائے کسی سے مسند الیہ مدخول لا خالی نہ ہو اس سے بحث

نہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں یا نہ ہوں لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قولہ معرفۃ او مفعولاً الخ میں کلمہ او منع جمع کے لئے ہے یعنی دونوں شرطیں ایک جگہ جمع نہ ہوں اس لئے کہ ادا احد الامرین کے لئے آتا ہے پس یہ کہنا اس قول سے ختم ہے کہ لا فیہا زید ولا عمرو کہ اس میں لا اور اس کے

سبیل منع الخلو سوا مکان مع انتفاء شرط كونه مضافاً او مشبهاً اولاً و
ست صور نحو لا زيد في الدار ولا عمرو ولا غلام زيد في الدار ولا عمرو ولا
لا في الدار رجل ولا امرأة ولا في الدار غلام رجل ولا امرأة ولا في الدار اس
زيد ولا عمرو ولا في الدار غلام زيد ولا عمرو وجب في جميع هذه الصور
الرفع على الابتداء اما في المعرفة فلا متناع اثلاً النافية للجنس فيها واما

شرط اتصال کے اتقاء سے (مسند الیہ اور لا کے درمیان فاصلہ ہو) منع خلو کے طور پر یعنی
مسند الیہ اس بات سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو مفرد معرفہ ہوگا یا مفعول ہوگا اس میں جمع ممنوع
نہیں یعنی ہو سکتا ہے کہ مسند الیہ مفعول بھی ہوگا اور مفرد معرفہ بھی (خواہ وہ مضاف یا مشابہ
مضاف ہونے کی شرط کے اتقاء کے ساتھ ہو یا نہ اور یہ چھ صورتیں ہیں) اور یہ جملہ عقلی ہے
کیونکہ مسند الیہ یا تو معرفہ ہوگا یا نکرہ اور معرفہ یا تو مفرد ہوگا یا مضاف جیسے لازید فی
الدار اولاً عمرو اور لا غلام زيد في الدار ولا عمرو (عمرد کی جر کے ساتھ زيد پر عطف ہے یعنی
ولا غلام عمرو یہ دو صورتیں ہوں گی) اور (ثانی یا تو مفرد مفعول ہوگا یا مضاف مفعول
جیسے) لانی الدار رجل ولا امرأة اور لانی الدار غلام رجل ولا امرأة (امرأة کی جر کے ساتھ
دو صورتیں ہیں) اور (اول یا تو مفرد مفعول ہوگا یا مضاف مفعول جیسے) لانی الدار
زيد ولا عمرو اور لانی الدار غلام زيد ولا عمرو (عمرد کی جر کے ساتھ معرفہ کی چار صورتیں ہوں گی
ہیں) دو بلا فصل اور دو فصل کے ساتھ اور نکرہ کی صرف دو صورتیں ہیں اور وہ دونوں فصل
کے ساتھ ہیں (تو واجب ہے) ان تمام چھ صورتوں میں ((رفع)) بنا بر ابتداء معرفہ میں
تو اس لئے ((رفع واجب ہے)) کہ معرفہ میں لائے نافیہ برائے جنس کا اثر نہیں ہو سکتا (لعدم

مسند الیہ کے درمیان فاصلہ بھی ہے، اور
مسند الیہ معرفہ بھی ہے پس دونوں شرطیں
ایک جگہ جمع ہو گئیں حالانکہ جمع متنع ہے
پس چونکہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ شرطیں علی سبیل
منع الخلو ہیں سبیل منع الجمع نہیں کہ دونوں
کا اجتماع نہ ہو سکے لہذا مثل مذکور
باعث نقص جنس والشرع علم ۱۲

۱۲ قولہ دہی ست واجب معلوم
ہو گیا کہ شرط تعریف اور شرط فصل دونوں ایک
جگہ جمع بھی ہو سکتی ہیں، اور علیحدہ بھی اور مضاف
یا مشبہ مضاف متنعی ہو یا نہ ہو تو اس کی اصولی
طوریہ صورتیں نکلتی ہیں اس لئے کہ اگر صرف

شرط تعریف پائی جائے گی، تو اس کی تین صورتیں
ہوں گی معرفہ مفرد جو یعنی مضاف یا مشبہ
مضاف نہ ہو معرفہ مضاف ہو، معرفہ مشبہ
مضاف ہو اسی طرح صرف شرط مفعول پائی
جائے تو اس کی بھی یہی تینوں صورتیں ہوں
گی، علیٰ ہذا القیاس معرفہ اور مفعول دونوں مجتمع
ہوں تو اس میں بھی مذکورہ تینوں صورتوں کا
تحقق ہوگا، پس تین کو تین میں ضرب دینے
سے نو صورتیں حاصل ہوں گی، لیکن چونکہ مضاف
پر مشبہ مضاف کو قیاس کر سکتے ہیں اس لئے
مشبہ مضاف کی صورتیں کو شارح نے ترک کر دیا،
پس چھ صورتیں صبیح میں جو نقشہ ذیل سے ظاہر

ہوتی ہیں
اسم لاکے معرفہ اور مفعول ہونے کی
صورتیں

(۱۳)

(۱۲)

(۱۱)

مفعول ہو نہ معرفہ ہو نہ مضاف نہ مشبہ مضاف لانی الدار رجل ولا امرأة

مفعول ہو نہ مفعول نہ ہو جیسے لا غلام زيد في الدار ولا عمرو

مفعول اور مضاف یا مشبہ مضاف نہ ہو جیسے لا زيد في الدار ولا عمرو

مفعول اور مفعول ہو جیسے لانی الدار غلام زيد ولا عمرو

مفعول اور معرفہ ہو مضاف یا مشبہ مضاف نہ ہو جیسے لانی الدار زيد ولا عمرو

مفعول اور مضاف ہو معرفہ نہ ہو جیسے لانی الدار غلام زيد ولا امرأة

پس چھ صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں اسم لاکو ابتدا کی بنا
پر رفع اور لا کی تکریر مع اسم کے واجب ہوگی
والله اعلم ۱۱

۱۱ قولہ دامانے المعرفة الخ پس معرفہ
میں رفع اس لئے واجب ہے کہ لا نافی جنس صفت
نکرہ کی نفی کے لئے ممنوع ہے پس اس کا اثر
معرفہ میں متنع ہوگا، لہذا لا اس میں عمل نہیں کرے گا
اور لا کو ابتدائیت کی بنا پر رفع دیں گے، اور
مفعول میں وجوب رفع کی یہ وجہ ہے کہ عامل
منعیت ہے، اور معمول مفعول میں عمل کرنا عامل

قوی کا کام ہے، لہذا حالت فصل میں بھی لا عمل نہیں کر سکتا پس بنا پر ابتداء کے رفع واجب ہوگا، اور لا کے عامل ضعیف ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ ان کے مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور ان فعل سے مشابہت کے باعث عامل ہوتا ہے، لہذا یہ مشابہت در مشابہت ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہوا پس جب لا اور اس کے اسم کے درمیان فصل واقع ہو جائے گا تو لا اپنے ضعف کے باعث مفصول میں عمل نہیں کر سکے گا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۲۶ قولہ ای وجب تکریر الہم اس جگہ شارح نے وجب ظاہر کر کے التکریر کے عطف کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر یہ تکریر لامع اسمیہ اس طرح ہوگی کہ اسم مکرر بعینہ اول نہ ہو بلکہ مطلقاً کور اسم ہو جیسے لازیدۃ فی الدار ولا عمرۃ میں عمرۃ اسم ہے بعینہ اول یعنی زید نہیں لہذا لازیدۃ فی الدار ولا زید نہیں کہہ سکتے پس اس میں رفع اس وجہ سے واجب ہوگا کہ لا اصل میں جنس کی نفی کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد ہے، معروف میں نہیں لہذا تکریر کو تعدد جنس کے قائم مقام کیا گیا یعنی لا اصل میں آحاد کی نفی کے لئے ہوتا ہے، اور اعداد صرف جنس ہی میں پائے جاتے ہیں، پس جب معروف پر داخل ہوگا تو اس میں یہ معنی قوت ہو جائیں گے اس لئے کہ معروف میں مفرد کی نفی ہوتی ہے آحاد کی نہیں پس اس وقت تکریر ضروری ہے تاکہ مانات کا عطف ہو جائے اس لئے کہ تکریر میں نسبت نفی آحاد پائی جاتی ہے، کیونکہ تکریر تعدد کے حکم میں ہوتی ہے اور جنس میں بھی تعدد ہوتا ہے، لہذا تکریر کا جنس کا عطف بنا صحیح ہوگا، اور نکرہ مفصول میں تکریر اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ جواب کی سوال کے ساتھ مطابقت ہو جائے اس لئے کہ لانی الدار رجل ولا امرأۃ سائل کے اس سوال کے جواب میں بولا جاتا ہے کہ لانی الدار رجل ام امرأۃ پس سوال کی مطابقت سے جواب میں

فی المفصول فلضعف لا عن التاثر مع الفصل والتکریر ای وجب تکریر اسمہ لکن مطلقاً بعینہ اما فی المعرفة لیکون کا عطف عامی التکریر من معنی نفی الآحاد واما فی النکرۃ لیکون مطابقاً لما ہو جواب لہ من مثل قول السائل انی الدار رجل ام امرأۃ وهذا التعلیل جار فی المعرفة ایضاً وَتَحْوِ قَضِیَۃً ای هذه قضیۃ وَلَا أَبَاحَسَنِ لَهَا ای لهذه القضیۃ هذا جواب دخل مقدر علی قوله وان کان معرفة وجب الرفع والتکریر فان اسم لانیہ معرفة لان اباحسن کنیۃ علی ولا رفع

وجود شرائط التاثر، اور ہا مفصول میں (دوبارہ) اس لئے (ہے) کہ (یہ) لانی کے ہمراہ اثر کرنے سے ضعیف ہے (اور مکرر لانا) یعنی لا کے اسم کا مکرر لانا ضروری ہے لیکن مطلقاً، بعینہ (اسی سابق اسم کا دوبارہ لانا ضروری) نہیں (یعنی تکریر سے تکریر نوعی مراد ہے شخصی نہیں) بہر حال معرفہ میں (دوبارہ تکریر) اس لئے ہے تاکہ تکریر اس چیز سے عطف ہو جائے جو تکریر میں ہے یعنی آحاد کی نفی کے معنی سے (عطف ہو جائے کیونکہ یہ لا آحاد کی نفی کیلئے وضع ہے آحاد کی نفی اجناس میں ہی ہوتی ہے اور جب لا معرفہ پر داخل ہوگا تو یہ معنی قوت ہو جائے گا کیونکہ معرفہ میں مفرد کی نفی ہے آحاد کی نفی نہیں لہذا اس کے اسم کا مکرر لانا ضروری ہے تاکہ مانات کا عطف ہو سکے اس لئے کہ تکریر میں فی الجملہ آحاد کی نفی پائی جاتی ہے کیونکہ تکریر میں تعدد ہے) اور تکریر میں (دوبارہ تکریر) اس لئے ضروری ہے تاکہ کلام اس سوال کے مطابق ہو جائے جس کا یہ کلام جواب ہے جیسے سائل کا قول ہے انی الدار رجل ام امرأۃ لہذا جواب میں بھی اسم کا تکریر ہوگا لانی الدار رجل ولا امرأۃ (اور یہ مطابقت کی) تعلیل معرفہ کے چاروں قسموں میں بھی جاری ہے (اور جیسے قضیۃ) یعنی هذه قضیۃ (و لا اباحسن لہا) یعنی لهذه القضیۃ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جو مستف کے قول وان کان معرفہ وجب الرفع والتکریر پر (وارد ہوتا ہے) (اعتراض کی تفصیل یہ ہے) کہ اس میں لا کا اسم (اباحسن) معرفہ ہے کیونکہ اباحسن (سیدنا حضرت) علی (کریم اللہ وجہہ الکریم) کی

تکریر واجب ہوئی، اور یہی تعلیل معرفہ میں بھی جاری ہو سکتی ہے یعنی سوال کی جواب کے ساتھ مطابقت واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۲۷ قولہ وتحو قضیۃ التم قضیۃ بتدا محذوف کی غیر ہے اس لئے شارح نے ہذہ قضیۃ کہا قضیۃ کے معنی حادثہ اور تنازع کے آتے ہیں لا باعین لہا میں ہا ضمیر ہذہ القضیۃ کی جانب راجع ہے اس لئے شارح نے

اس کی تفسیر ای لہذہ القضیۃ کے ساتھ کی پس یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ما قبل مذکور ہو چکا ہے کہ جب لا کا اسم معرفہ ہو تو رفع اور تکریر واجب ہوتی ہے، اور یہاں لا کا اسم معرفہ ہے اس لئے کہ اباحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے لیکن اس میں نہ رفع ہے، اور نہ تکریر بلکہ اباحسن منصوب ہے، اور غیر مکرر پس معصفت

فيه ولا تكرير بل هو منصوب غير مكرر فاجاب بانه متاؤل بالانكارة
اصا بتقدير المثل اي ولا مثل ابى حسن لها فان مثلاً لا توغله في الابهام
لا يتعرف بالاضافة الى المعرفة او بتاويله بفصل بين الحق والباطل
لا شجاعة بهذه الصفة فكانه قيل لا فصل لها ويقوى هذه التاويل
اي واد حسن بحذف اللام لان الظاهر ان تنوينه للتذكير وفي مثل لا حول
ولا قوة الا بالله اي فيما كرت فيه لا على سبيل العطف وكان عقيب
كل منهما انكارة بلا فصل يجوز خمسة اوجه بحسب اللفظ لا

کنت ہے اس کے باوجود اس میں رفع نہیں اور نہ ہی تکریر بلکہ یہ منصوب بلا تکرار ہے
تو مسنف نے جواب دیا ہے کہ «مؤول ہے» نکرہ کے ساتھ یا تقدیر مثل سے یعنی ولا مثل
ابی حسن لہا (یہ فکر اس لئے ہے) کہ لفظ مثل ابہام میں شدت کی وجہ سے معرفہ کی طرف
مضاف ہونے سے معرفہ نہیں ہوتا یا (ابا حسن مؤول ہے) فیصل بین الحق والباطل کی تاویل
سے کیونکہ حسنت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس صفت سے مشہور میں گویا یوں کہا گیا۔ لا
فیصل لہا اور اس (دوسری) تاویل کو حسن کو لام کے حذف سے لا تا قوت دیتا ہے کیونکہ ظاہر
یہ ہے کہ حسن کی تنوین تکبیر کے لئے ہے «اور لا حول ولا قوة الا بالله کے مثل میں» یعنی اس
صورت میں کہ جس میں لا عطف کے طور پر کر لایا جائے اور ہر دو لاکے بعد بلا فصل نکرہ ہو
«یا پنج صورتیں» جائز «ہیں» (یعنی تلفظ کے اعتبار سے (پانچ صورتیں ہیں) توجہ سے اور

نے جواب دیا کہ یہ قول نکرہ کے ساتھ متاؤل
ہے پھر اس کی تاویل دو وجہ پر ہے ایک یہ
کہ لا ابا من میں مضاف یعنی لفظ مثل محذوف
ہے ای لا مثل ابی حسن میں کہا پس اس وقت
اسم معرفہ نہ ہو گا اس لئے کہ لفظ مثل اگرچہ
معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر کثرت
ابہام کی وجہ سے معرفہ نہیں ہو سکتا اسلئے
کہ معرفہ میں تخصیص اور عدم ابہام ضروری
ہے دوسرے یہ کہ اس کی تاویل فیصل بین
الحق والباطل کے ساتھ کی جائے اس لئے
کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وصف کے
ساتھ مشہور ہیں پس اس صورت میں کلم سے
مراد اس جگہ وہ وصف ہو گا کہ جس کے ساتھ
عام کلم مشہور ہے پس لا ابا من بہا کہنے
سے گویا کہ لا فیصل لہا کہا گیا، یعنی اس قضیہ

اور تانس کا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں پس
جب کلم سے وصف مشہور مراد ہو تو طبیعت
اور تعریف دونوں باطل ہو گئیں، اور یہ تاویل
ثانی قوی ہے اس لئے کہ اس کی تائید اس
بات سے ہوتی ہے کہ حسن کو حذف لام کے
ساتھ لائے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تنوین
تکبیر کے لئے ہے یعنی اس سے فیصل مراد
ہے خواہ کوئی ہو ادا اگر تکبیر کے لئے تنوین نہ
ہوتی تو مشہور سے اعراض نہ کیا جاتا اس لئے
کہ ابوالحسن العلام کے ساتھ مشہور ہے،
واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۔ قولہ «و لا مثل ابی حسن» جگہ مثل
سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں لا بر سبیل
عطف مکرر ہو اور ہر ایک لائے بعد نکرہ بلا
فصل کے واقع ہو پس لا حول ولا قوة الا بالله

کے مثل میں پانچ صورتیں جائز ہیں پھر پانچ
صورتیں بحسب اللفظ جائز ہیں توجہ سے
اعتبار سے نہیں یعنی لایں توجہ نہیں کی جائے
گی کہ یہ نفی جنس کے لئے ہے یا مشابہ ملیں
ہے یا زائد ہ اس لئے کہ اس صورت میں ان
وجہ کا انحصار صرف پانچ میں ہی نہیں رہیگا
بلکہ اس پر زیادہ بھی ہو سکتی ہیں پس جس نے
یہ کہا ہے کہ اس میں ایک وجہ سادس بھی
ہے اور وہ اس طرح کہ اسم اول لا نفی جنس
کا معمول ہونے کی وجہ سے مفتوح ہو اور
ثانی مرفوع اس بنا پر کہ وہ لیس کے مشابہ
ہو اور یہ صورت پانچویں صورت کا عکس
ہو گی تو اس نے غلطی کی ہے اس لئے کہ
اس اعتبار سے تو اس میں چھ سے بھی زیادہ
صورتیں متحقق ہو سکتی ہیں اس لئے کہ اگر دونوں
اسم کو فتح دیا جائے گا تو یہ بھی احتمال ہے کہ
دونوں جگہ لا نفی جنس کے لئے ہو اور یہ بھی
احتمال ہے کہ اول میں تو نفی جنس کے لئے ہو
اور ثانی میں زائدہ اور دونوں اسم مرفوع ہوں
گے تو کہا جاسکتا ہے کہ دونوں جگہ لا نفی جنس
کے لئے ہو لیکن ملنی ہو کہ عمل نہ کرتا ہو اور
یہ بھی احتمال ہے کہ اول مشابہ ملیں ہو اور ثانی
زائدہ پس اس طرح تو اس کی بہت سی توجہات
ہو سکتی ہیں، لہذا یہ پانچ صورتیں لفظ کے اعتبار
سے ہوں گی، یعنی ایک صورت حرکات و سکنات
کے اعتبار سے دوسری صورت سے مغایر ہوا
سے کوئی بحث نہ ہو اس جگہ لا سے مدح بحث
سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر لا سے بحث نہ ہوگی
تو یہ پانچ صورتیں کس طرح متحقق ہو سکتی ہیں
اس لئے کہ ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ لفظ کو
پانچ طرح پڑھنا جائز ہے، اور اس میں لا سے
ضرور بحث ہوگی، اور یہ مراد نہیں کہ چونکہ لا سے
بحث ہے اس لئے پانچ صورتیں جائز ہیں
پس دونوں میں فرق یہ ہوا کہ لفظ حول اور قوة
میں پانچ صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت جائز

ہیں، اور لایں پانچ صورتوں کی کوئی تین نہیں
یعنی دونوں جملہ لائقی جنس کے لئے بھی ہو سکتا
ہے مثلاً بیس بھی اور زائدہ بھی ایسے ہی اول
بیس جنس کے لئے ہو اور ثانی میں مثلاً بیس
بازائدہ ہو یہ بھی جائز ہے دبا عکس وغیرہ
وغیرہ فافہم فافہ دقیق واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۔ قولہ المادول فتعہما الخ اول صورت
یہ ہے کہ دونوں اسم مبنی علی الفتح ہوں جیسے
لا حول ولا قوۃ الا باللہ اس صورت میں دونوں
جملہ لائقی جنس کے لئے ہوگا، اور لا قوۃ کا عطف
لا حول پر بر سبیل عطف مفرد علی المفرد ہوگا
پس لا قوۃ کی خبر تو الا باللہ ہوگی، اس لئے کہ
یہ مستثنیٰ مفرغ ہے جس کو مستثنیٰ منہ محذوف
کا اعراب دیا گیا ہے، اور مستثنیٰ منہ محل خبر میں

یہ پس مستثنیٰ مفرغ اس کے قائم مقام ہوگا
اور لا حول کی خبر محذوف ہوگی ای لا حول ولا
قوۃ موجود الا باللہ پس اس صورت میں مثال
مذکورہ ایک جملہ ہوگی، اور تقدیر عبارت یوں
ہوگی لا حول عن المعصیۃ ولا قوۃ علی الطاعة
موجود ان لشیء الا باللہ اور دوسری صورت یہ
ہے کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو ای لا حول الا
باللہ ولا قوۃ الا باللہ پس جملہ ادلی کی خبر کو تقریبہ
خبر جملہ ثانیہ محذوف کر دیا گیا یعنی لا قوۃ کی خبر
الا باللہ کے باعث جملہ ادلی کے لئے ذکر خبر
کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، اس لئے
اس سے خبر کو حذف کر دیا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۴۔ قولہ والثانی فتح الاول الخ دوسری
صورت جواز یہ ہے کہ اسم اول مبنی فتح بر فتح
ہو، اور اسم ثانی معرب منصوب یعنی لا حول
ولا قوۃ الا باللہ پس اس میں اول کا فتح تو اس
وجہ سے ہوگا کہ اس میں لائقی جنس کے لئے ہے
اور ثانی کا نصب اس وجہ سے کہ لازائدہ ہے جس
کی زیادتی تاکید نفی کے لئے عمل میں آئی ہے
اس لئے کہ منفی پر جس کا عطف کیا جاتا ہے
منفی ہی ہوتا ہے پس لازائدہ ہوا اور عطف

بجانب التوجیہ فانما بحسب التوجیہ تزیید علیہا الاول فتعہما ای
لا حول ولا قوۃ الا باللہ علی ان تكون لائی کل منہما لائی الجنس ولا قوۃ
عطفاً علی لا حول عطف مفرد علی مفرد و خبر ہما محذوف ای لا حول ولا
قوۃ موجود الا باللہ او عطف جملۃ علی جملۃ ای لا حول الا باللہ ولا
قوۃ الا باللہ فحذف خبر الجملۃ الاولى استغناء عنہ لخبر الجملۃ الثانیہ
والثانی فتح الاول ونصب الثانی ای لا حول ولا قوۃ الا باللہ اما
فتح الاول فلان لا الاولی لائی الجنس واما نصب الثانی فلان لا
الثانیۃ مزیدۃ لتأكيد النفی والثانی معطوف علی الاول، فیکون منصوباً
حمله علی لفظہ لمشاہدۃ حرکتہ حوکتہ الاعراب و یجوز ان یقدر لہما خبر
واحد وان یقدر لکل منہما خبر علی حدۃ والثالث فتح الاول ورفعتہ

حال کے بیان) کے اعتبار سے نہیں کہ اس توجیہ کے اعتبار سے صورتیں پانچ سے بڑھ
جاتی ہیں پہلی صورت «دونوں کی فتح» یعنی لا حول ولا قوۃ الا باللہ ثانیہ بران کہ ہر دو
میں لائقی جنس کے لئے ہو اور لا قوۃ کا عطف لا حول پر ہو جس طرح کہ مفرد کا مفرد پر
عطف ہوتا ہے اور لا حول کی خبر محذوف ہے یعنی لا حول ولا قوۃ موجود الا باللہ یا جیسے
ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف ہوتا ہے یعنی لا حول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پھر پہلے جملے کی
خبر کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسرے جملے کی خبر کی (موجودگی کی) وجہ سے اس کی ضرورت نہ
تھی (اور) دوسری صورت پہلے کلمے کی فتح اور (دوسرے کی نصب) یعنی لا حول ولا قوۃ
الا باللہ ہر حال پہلے کی فتح اس لئے ہے کہ پہلا لائقی جنس کے لئے ہے (کہ جو حول اسم مفرک نہ
متصل بہ لایہ لہذا مبنی بر فتح ہوگا) اور دوسرے کی نصب اس لئے ہے کہ لائقی جنس کی تاکید
کے لئے زائدہ آیا ہے اور دوسرا (کلمہ قوۃ) پہلے (کلمہ حول) پر معطوف ہے لہذا وہ (دوسرا) پہلے
کے نقطہ پر محمول کئے جانے کی وجہ سے منصوب ہوگا کیونکہ اس کی حرکت اعراب کی حرکت کے
مشابہ ہے اور جائز ہے کہ دونوں (اسموں) کہ جن کا ایک دوسرے پر عطف ہے) کے لئے ایک
خبر مقدر کی جائے (کیونکہ اس میں پہلا لایں تنہا عامل ہے لہذا مجموعہ ایک جملہ ہوگا) اور
(جائز ہے) یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ خبر کو مقدر کیا جائے (اس صورت میں

اس میں صورت ادلی میں مذکورہ دونوں
صورتیں ہیں کہ اگر خبر واحد مقدر ہوگی، تو ایک
جملہ ہوگا، اور اگر دونوں کی خبریں علیحدہ علیحدہ
ہوں گی تو دو جملے ہوں گے والتقدیر کما
مرد اللہ اعلم ۱۲۔

۱۵۔ قولہ والثالث الخ تیسری صورت

سے نفی مستفاد ہوئی، مگر لانے نامذکور
تاکید کا فائدہ دیا مادہ ثانی یعنی قوۃ منصوب
اس وجہ سے ہے کہ اس کا محل لفظ پر ہے
اور لفظ یعنی حول کی حرکت حرکت اعراب کے
مشابہ ہے پس اس میں مشابہت کے باعث
حرکت اعراب پر بھی اس کا محل جائز ہے البھر

ای دفع الثانی نحو لاجول ولا قوة الا بالله اما فتح الاول فلان لا اولی النفی
الجنس واما رفع الثانی فلان لازائدة والثانی معطوف علی محل الاول لانه
مرفوع بالابتداء عطف مفعول علی مفعول بان یقدر لهما خبر واحد و عطف
جملة علی جملة بان یقدر لکل منهما خبر علی حدة والرابع رفعه ما قوله
بالابتداء نحو لاجول ولا قوة الا بالله لانه جواب قولهم البغیر الله حول و
قوة فجاء بالرفع فیهما مطابقة للسؤال ویجوز الاصران ههنا ایضاً و
الخامس رفع الاول علی ان لا بمعنى لیس علی ضعیف فان عمل لا
بمعنی لیس قلیل وفتح الثانی نحو لاجول ولا قوة الا بالله علی ان تكون

لا نفی الجنس و ضعیف وجه ضعیف رفع الاول بانه یجوز ان یكون
دو جملے ہوں گے (اور) ایسی صورت اول کی فتح ہے اور (اس کا رفع) یعنی دوسرے کا
رفع جیسے لاجول ولا قوة الا بالله پہلے کی فتح تو اس لئے ہے کہ لائے اولی نفی الجنس کیلئے
ہے (اور حول نہ کرہ مفعولہ کے بعد بلا فصل واقع ہوا لہذا مبتدی بر فتح ہوگا) اور دوسرے کا
رفع اس لئے ہے کہ لازائد ہے (اور نفی کی تاکید کیلئے ہے) اور ثانی (یعنی قوة) پہلے کے محل
پر معطوف ہے کیونکہ اول ابتداء (عامل منصوب) کی وجہ سے مرفوع ہے (اور وہ) مفرد کا
مفعول پر عطف ہے (اور وہ) یوں کہ دونوں کے لئے ایک خبر مقدر کی جائے (یعنی
لا حول موجود الا اللہ ولا قوة کما تقول فی الاثبات زید قائم و عمرو) یا جملے کا جملے پر عطف
ہے (اور وہ) یوں کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ خبر مقدر کی جائے (اور) چوتھی
صورت (ان دونوں کا رفع ہے) ابتداء کی وجہ سے جیسے لاجول ولا قوة الا بالله کیونکہ یہ
کلام ان کے قول البغیر اللہ (یعنی خبر مقدم ہے) حول وقوة (مبتدا مؤخر ہے) تو سوال کی مطابقت
کی وجہ سے (جواب) رفع کے ساتھ آیا اور یہاں (قسم رابع میں) بھی دو امر جائز ہیں (کہ
ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ خبر مقدر کی جائے اور کلام دو جملے قرار پائے یا دونوں کیلئے
ایک ہی خبر مقدر ہو اور کلام ایک ہی جملہ سمجھی جائے) (ادھ) یا پنجویں صورت (اول کا رفع)
بنا برائے کہ لا لبس کے معنی میں ہو و ضعیف پر کیونکہ لا کامل لیس کے معنی میں قلیل ہے و اور
دوسرے کی فتح جیسے لاجول ولا قوة (قوة مبنی بر فتح ہے) الا باللہ بنا برائے کہ لا (جو قوة سے
پہلے ہے) نفی جنس کے لئے ہو اور (اس قسم خامس میں) اول کے رفع کی صورت ضعیف

یہ ہے کہ اول حسب سابق مبنی بر فتح ہو اور
ثانی مرفوع ہو یعنی لا حول ولا قوة الا باللہ
اول کا مستور ہونا تو ظاہر ہے کہ لا نفی جنس
کے لئے ہے البتہ ثانی اس وجہ سے مرفوع
ہے کہ لازائد ہے اور اس کا عطف لفظ
اول پر نہیں بلکہ محل اول پر ہے اور محل
اول سے قطع نظر کر کے ابتدائیت کی بناء
پر مرفوع ہے پھر دونوں کی اگر ایک خبر مانی
جائیگی مفعول کا عطف مفعول پر ہوگا، ادھ دو
خبر ہوں تو عطف جملہ علی الجملہ کما مر والتمہ اعلم

یہ ہے کہ اول حسب سابق مبنی بر فتح ہو اور
ثانی مرفوع ہو یعنی لا حول ولا قوة الا باللہ
اول کا مستور ہونا تو ظاہر ہے کہ لا نفی جنس
کے لئے ہے البتہ ثانی اس وجہ سے مرفوع
ہے کہ لازائد ہے اور اس کا عطف لفظ

۲۲۲ قولہ والرابع الخ چوتھی صورت
یہ ہے کہ دونوں مرفوع ہوں، ابتدائیت
کی بناء پر یعنی لا حول ولا قوة الا باللہ پس اس
وقت دونوں لامل سے ملتی ہوں گے اس
لئے کہ یہ قول قول عرب البغیر اللہ حول وقوة
کے جواب میں بولا گیا ہے پس دونوں کو مرفوع
پڑھا جائے گا، تاکہ جواب سوال کے مطابق
ہو جائے، اور اس صورت میں بھی اس کو ایک
جملہ بر سبیل عطف مفعول علی المفرد اور دو جملے
بر بنا و عطف جملہ علی الجملہ بنا نا جائز ہوگا کما مر
والتمہ اعلم ۱۲۔

۲۲۳ قولہ والخامس الخ اور پانچویں
صورت یہ ہے کہ اول کا رفع ہو بر سبیل ضعیف
اور ثانی کا فتح یعنی لا حول ولا قوة الا باللہ
پس اول کا رفع اس وجہ سے ہے کہ لا بمعنی
لیس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اس وجہ سے
کہ لا بمعنی لیس بہت کم ہوتا ہے، اور ثانی
پر فتح اس وجہ سے ہے کہ لا نفی جنس کے لئے
ہے والتمہ اعلم ۱۲۔

۲۲۴ قولہ و الضعیف الخ اس سے
شارح کا مقصود قول مصنف رفع الاول
علی ضعیف کا رد کرنا ہے، کہتے ہیں کہ علامہ صنی
نے رفع اول کے ضعیف کی وجہ کو ضعیف
قرار دیا ہے اس لئے کہ جائز ہے کہ اس کا
رفع مثلاً بہتہ لمیس کے باعث نہ ہو بلکہ تکریر
کے باعث لا کے ملغی عن العمل ہونے کے
سبب سے اسم اول مرفوع ہو اس لئے کہ
انفاذ محل کے لئے شرط یہ ہے کہ اسم لا مکرر ہو
اسم لا کے مکرر ہونے سے تکریر حاصل ہوگئی لہذا
اس صورت کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں
اب اگر کوئی کہے کہ تکریر کے ساتھ ساتھ یہ بھی
تو شرط ہے کہ دونوں اسم اعراب میں موافق
ہوں یعنی اگر اول مرفوع ہے تو ثانی بھی مرفوع
ہو اور یہاں ایسا ہے نہیں اس لئے کہ اول
مرفوع ہے اور ثانی مفتوح پس انفاذ شرط

رفعه لا لغاء عمل کا بالتکریر لا کو نہا بمعنی لیس لان شرط صحت الغائیا
التکریر فقط وقد حصل ههنا ولادخل فیها التوافق الایمن بعد ما فی
الاعراب فهذا علی التوجیه الاول متعین لعطف جملة علی جملة ای لاجل
الابالہ ولا قوة الابالہ والایلیزم ان یکون قوله الابالہ منصوباً ومرفوعاً
وعلی التوجیه الثانی یحتمل ان یکون من قبیل عطف مفرد علی مفرد او
عطف جملة علی جملة کما لا یخفی **وَإِذَا دَخَلَتْ اَلْمُتَزَكَّةُ عَلَى اَلَّتِي لَمْ يَلِ**
اَلْجِنْسُ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ اِی عمل لا ای تاثیر ہا می مدخولہا اعراباً

ہے وجہ یہ کہ ممکن ہے کہ اس کا رفع تکرار (یعنی مدخول کے کمر لائے جانے) کے باعث
لغو ہو جانے کی وجہ سے ہول کے لیس کے معنی میں ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ لاکے (عمل کو)
لغو کرنے کی سحت کی شرط (مدخول لاکا) تکرار ہے پس اور وہ یہاں حاصل ہے اور اس سحت
الغاء بوجہ تکرار میں لاکے بعد دونوں اسموں کے اعراب میں باہم موافق ہونے کو کوئی دخل
نہیں (یعنی تکرار سے ہی الغاء صحیح ہے خواہ دونوں اسم اعراب میں باہم موافق ہوں یا نہ ہوں
عبارت لا دخل فیہا التوافق الخ میں لا نفی جنس کہے اور دخل اس کا اسم مبنی بر فتح ہے اور فیہا
خرف لغو دخل سے متعلق ہے اور التوافق الخ میں لام تعلیل کا نہیں بلکہ جار مجرور لائے مذکور کی
خبر ہے) پس یہ قسم خامس پہلی توجیہ پر (ای علی کون لاقبہ فی الاول یعنی لیس) ایک جملے
کے دوسرے جملے پر عطف کے لئے متعین ہے یعنی لا حول الا بالہ ولا قوة الابالہ اور وہ
لازم آئے گا کہ اس کا قول الابالہ درجہ یک وقت (منصوب اور مرفوع ہو) کیونکہ پہلا منصوب
اور دوسرا مرفوع کا تقاضا کرتا ہے نو یک وقت ایک ہی حالت میں دو مختلف عاملوں کا ممول
ہوگا جو ناجائز ہے لہذا عطف جملہ بر جملہ متعین ہو گیا) اور دوسری توجیہ پر (یعنی اول کا رفع
بتدریج ہونے کی بنا پر اور لا طغنی عن العمل ہو) اس بات کا احتمال ہے کہ یہ عطف مفرد بر مفرد
ہو (کیونکہ اول مرفوع بہ ابتداء ہے تو اس کے محل بعید کے اعتبار سے اس پر دوسرے کا عطف
جائز ہے اور لا بالہ اول کی خبر ہوگی لہذا یہ ایک جملہ ہوگا) اور اس بات کا بھی احتمال کہ یہ
از قبیل (عطف جملہ بر جملہ ہو) ہو وعلوم وجہہ مابقی جیسا کہ مخفی نہیں (اور جب ہمزہ داخل
ہو لا اس لا پر جو نفی جنس کے لئے ہے لا تو عمل متعین ہوگا) یعنی لا کامل (متعین ہوگا) یعنی
اعراب و بنا سے اعتبار سے لاکے تاثیر اس کے مدخول (اسم و خبر) میں (متعین ہوگی) کیونکہ عامل

مستلزم ہے انتفاء امر کو لہذا لا طغنی نہیں ہو
سکتا اس کا جواب رضی نے ولا دخل فیہا الخ
سے یہ دیا کہ اعراب کے اعتبار سے توافق اس
میں کو انکار عمل میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ
شرط صرف یہ ہے کہ اسم لا مکرر ہو اور وہ یہاں
پایا جاتا ہے، بہر حال اگر مصنف کی بیان کردہ
توجیہ کی بنا پر اول کو مرفوع پڑھتے ہیں تو
اس صورت میں ترکیب مذکور ایک جملہ نہیں ہو
سکتی بلکہ عطف جملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہو
گی، یعنی لا حول الا بالہ ولا قوة الابالہ اس لئے
کہ لائے نفی جنس کی خبر مفتوح اور لا مشابہ
ملیس کی مرفوع ہوتی ہے، پس اگر مفرد کا
عطف مفرد پر کر کے دونوں کی ایک خبر مقدم
مقرر کریں تو اسم واحد کا آن واحد میں اعراب
مختلفہ کے ساتھ معرب ہونا لازم آئے گا، یعنی
یہ کہ لا بالہ لا نفی جنس کی خبر ہونے کے
باعث مرفوع بھی ہو اور لا بالہ ملیس کی
خبریت کی بنا پر منصوب بھی اور یہ محال ہے
اور مستلزم امر محال کا خود محال ہوتا ہے لہذا
دونوں کو ایک جملہ بنانا محال ہوگا، لیکن اگر رضی
کی بیان کردہ توجیہ کو اختیار کرتے ہیں تو دونوں
ترکیبیں جائز ہو سکتی ہیں کما لا یخفی علی ہر عالم،
۴۳۵ قوله واذا دخلت الخ اور اگر لا نفی
جنس پر ہمزہ داخل ہو تو لا کا عمل متغیر نہیں ہوگا
اس جملہ شارح نے ای علی لاکے اضافہ سے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی
یہ اعتراض نہ کر دے کہ بحث تو ہو رہی ہے
لا نفی جنس سے اور ذکر آگے تغیر عمل کا لہذا
یہ فرد عن البعث نہیں ہے تو اور کیا ہے؟
پس چونکہ عمل لا کہہ یا گیا ہے یعنی لا کا عمل متغیر
نہیں ہوگا، اور عمل لا متعلقات لایں سے ہے
لہذا فرد عن البعث نہیں یا یہ سمجھ لیجئے کہ
العلیٰ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں
ہے پھر اس کی تفسیر ای تاثیر الخ سے کر کے
ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے سوال کی

عل یعنی تاثیر ہے، اور ظاہر ہے کہ لا کا مدخول
خواہ معرب ہو یا مبنی لا کا اس میں اثر ضرور ہوگا
اور مدد تغیر عمل کی یہ وجہ ہے کہ کلمہ استفہام
کے داخل ہونے کی وجہ سے عامل کامل نہیں
بلکہ لا کر تائیس اگر مدخول ہمزہ سے پہلے لا کا اسم

تقریر یہ ہے کہ لفظ عمل اصطلاح میں معرب
میں عمل کرنے سے عبارت ہے، اور مثلاً لا
رجل فی الدار معرب نہیں بلکہ مبنی ہے پس لم
یتغیر العمل کہنا کیسے درست ہے جواب یہ ہے
کہ عمل سے مراد معنی لغوی ہیں نہ کہ اصطلاحی معنی

وبناء لان العامل لا يتغير عمله لدخول كلمة الاستفهام وَمَعْنَاهَا اى
معنى الهمزة الداخلة على لا التى تنفى الجنس اما الاستفهام حقيقة
فتقول الارجل فى الدار مستقرهما واما العرض مثل الانزول عندى
ولم يذكر سبويه ان حال لا فى العرض كماله قبل الهمزة بل ذكره
السیرافى وتبعه الجزولى والمصنوع ذلك لانه لستى وقال هذا خطأ لانها
اذا كانت عرضا كانت من حروف الافعال مثل ان ولو وحروف
التخصیض فيجب ان تصاب الاسم بعدها نحو الازيد اتركمه واما التمنى

رخواه نقلی ہو یا منوی اسمی ہو یا قیاسی رافع ہو یا مناسب یا جارہ کا عمل کلمہ استفہام کے دخول
کی وجہ سے متغیر نہیں ہوگا اور اس کا معنی «یعنی اس ہمزہ کا معنی جولائے نفی جنس پر داخل
ہوتا ہے (بن چیز میں) یا «استفہام ہے» حقیقت میں پس تم کہو گے الارجل فی الدار سوال کہتے
ہوئے «اور» یا «عرض ہے» جیسے الانزل عندی اور سبویہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ عرض میں لا کا
حال اس کے قبل از ہمزہ کے حال کی طرح ہے بلکہ امام سیرافى نے اس کو ذکر کیا اور امام جزولی
اور مصنف ان کے پیرو ہوئے اور اندلسی (ہمزہ کی فتح اور نون کی جزم اور دال کی فتح) نے اس
کو رد کیا اور کہا کہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ (لائے نفی جنس ہمزہ کے دخول کے بعد) جب عرض ہوا تو
افعال کے حروف سے ہوا یعنی ان حروف میں سے ہوا جو لفظاً یا تقدیراً افعال کے متقاضی ہیں
حروف شرط کی طرح جیسے ان اور لو اور (جیسے) حروف تخصیض ہیں (مثلاً هلا والاولولاء
لوما) تو ان کے بعد جس طرح اسم منصوب ہوتا ہے یوں ہی (الکے بعد اسم کا منصوب ہونا ضروری
ہے جیسے الازيد اتركمه تقدیرہ الا تتركه زيدا تتركه مخذف تتركه الاول للثاني «اور» یا «تمنی»

مبنی ہے تو دخول ہمزہ کے بعد بھی مبنی ہی
ہے گا، اور معرب ہے تو معرب رہے گا،
البتہ اسی ہمزہ کے معنی کہ جولائے نفی جنس پر
داخل ہو بھی استفہام حقیقی کے ہوں گے،
جیسے سوال کرتے ہوئے کہا جائے الارجل
فی الدار (کیا گھر میں کوئی مرد نہیں ہے) یا استفہام
مجازی کے اور استفہام مجازی عرض و تمنی کو
کہتے ہیں عرض کی مثال جیسے الانزل عندی
دکھا میرے پاس آپ کا نزل نہیں ہوگا، اس
بلکہ شارح نے الغرض اور التمنی سے پہلے
آپ کا اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا
ہے کہ کلام مصنف سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ

ہمزہ کے معنی تمنیوں اور کلام مجموعہ میں اس
لئے کہ واد عا طفرہ جمع کے لئے ہوتا ہے اور
جمع بحر الجمع جمع بلفظ الجمع کی مانند ہوتی ہے
اور استفہام معنی حقیقی ہیں اور عرض و تمنی
معنی مجازی ہیں حقیقت و حجاز کا اجتماع
لازم آیا، اور نہ ناجائز ہے پس شارح نے ا
سے اشارہ کر دیا کہ تمنیوں کا مجموعہ مراد نہیں بلکہ
تمنیوں میں سے کوئی ایک مقصود ہے اس لئے
کہ واد عا طفرہ تا تردید یہ کے معنی میں ہے پھر
چونکہ تا تردید یہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ
معطوف علیہ پر بھی داخل ہوتا کہ اول امر سے
ہی یہ معلوم ہو جائے کہ کلام شک پر مبنی ہے

لہذا اس لئے شارح نے استفہام پر بھی
آپ کا داخل کر کے اس طرف اشارہ کر دیا واد عا طفرہ
الکے قولہ ولم یذكر انما اس سے شارح
کا متناہیہ بیان کرنا ہے کہ مصنف نے کتاب
کے قواعد بیان کرنے میں سبویہ کی رائے کا
اتباع کیا ہے، اور سبویہ نے اس امر کو ذکر
نہیں کیا کہ لا کا حال عرض میں بھی دخول ہمزہ
سے پہلے جیسا ہے یا نہیں پس چونکہ اس
بارے میں سبویہ سے کچھ مذکور ہی نہیں بلکہ
اس کو سیرافى نے ذکر کیا ہے لہذا مصنف
نے اس کا اتباع کر لیا، اور جزولی نے بھی
سیرافى ہی کا اتباع کیا ہے، لیکن اندلسی
اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مصنف
نے اس کو اختیار کر کے خطا کی ہے، اور یہ صحیح
نہیں کہ عرض کی صورت میں اس کا حال دخول
ہمزہ سے پہلے جیسا ہے اس لئے کہ وہ
نفی جنس جب دخول ہمزہ کے بعد عرض
ہو جائے گا تو یہ ان حروف افعال میں
سے ہو جائیگا کہ جن کے بعد فعل کو لفظاً
یا تقدیراً ذکر کرنا ضروری ہے یعنی ان بو
اور حروف تخصیض الادخیرہ کی طرح اور
یہ حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں، خواہ
فعل مقدم ہو یا لفظاً مذکور ہو پس اگر فعل
مقدم ہو تو اسم کو بناؤ علی شریطۃ التفسیر نصب
دینا واجب ہوگا جیسے الازيد اتركمه اى
الا تتركه زيدا تتركه والشاعر علم ۱۲

الکے قولہ واما التمنی الخ یا ہمزہ
کے معنی تمنی کے ہوں گے، جیسے الاماذا شریطۃ
دکاش کر پانی ہوتا کہ میں اس کو پی لیتا، اور یہ
معنی تمنی کے اس وقت ہونگے جب کہ پانی
کی امید نہ ہو اس لئے کہ اگر پانی کی امید ہوگی
تو اس وقت استفہام حقیقی پایا جائے گا، اور
ہمزہ کو تمنی کے لئے کہنا درست نہیں ہوگا
اب اس پر ایک اعتراض درج ہوتا ہے کہ
قول شاعر مع الارجل جزاء الله خير ایں

ہمزہ تہنی کے لئے ہے، مگر لا کا عل باطل ہے، اس لئے کہ اس کا اسم منصوب ہے، مفتوح نہیں پس شائع نے اس کے دو جواب دیئے ہیں، ایک اپنے قول عند الخلیل سے اور دوسرا قول عند یونس الخ سے پس کلمہ لا خلیل کے نزدیک وہ نہیں ہے کہ جس پر حرف استفہام داخل ہو بلکہ یہ مستقل طور پر تخصیص کے لئے ہلا اور لا کی طرح حرف موضوع ہے پس گویا کہ شاعر نے لا تردنی رجلاً کہا اور اس سے ہلا تردنی رجلاً مراد لیا یعنی سبب یہ حرف تخصیص ہوا تو اس کے بعد فعل کا مذکور ہونا ضروری ہے خواہ لفظ ہو یا بقدر اُس اس کا فعل تردنی مقدر ہے، اور رجلاً اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، پس اس میں فعل کو اس وجہ سے وجہاً حذف کر دیا گیا کہ اس کا بعد اس فعل کی تفسیر کر رہا ہے، اور اس فعل مذکور کے باعث رجلاً کو نصب آسکتا ہے اگر اس کو رجلاً پر مستط کر دیا جائے پس فعل مقدر کی وجہ سے رجلاً کو منصوب کر کے تنوین دی گئی، تردنی تاو کے ضمہ کے ساتھ ہے امانہ مصدہ باب افعال سے پس اس کی اصل تردن تھی، پس ہمزہ اور یاء کو تعلیلاً حذف کر دیا گیا تردن بضم التاء والراء ہو گیا اس لئے کہ یاء مضموم کی حرکت منقل ہو کر ماہر آگئی، اور تاء باب افعال سے مضارع ہونے کی وجہ سے پیسے سے مرفوع ہے پھر اس میں نون وقایہ اور یاء ضمیر متکلم مفعول بہ کا اضافہ کر دیا گیا اور یونس کے نزدیک یہ ہے کہ یہ لا دی ہے کہ جس پر ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے، اور بمعنی تمنی ہے پس قیاس اس امر کو مقتفی ہے کہ لا رجلاً ہو لیکن چونکہ ضرورتاً شعر یہ اس امر کو مقتفی ہے کہ اس کو تنوین دی جائے ورنہ وزن غلط ہو جائیگا، اور شعر موزونیت سے نکل جائے گا لہذا اس کو تنوین دے دی گئی

والا ماء اشربہ حیث لا یرجی ماء واما قوله مع الارجل جواہ اللہ خیرا فہذہ عند الخلیل لیست لا الداخلة علیہا الاستفہام ولکنہ حرف موضوع للتخصیص براسہ فکانہ قال اکا تردنی رجلاً یعنی ہلا تردنی رجلاً ولذا لک نصب ونون وہی عند یونس لا التی دخلت علیہا ہمزہ الاستفہام بمعنی التمنی فکان القیاس الارجل ولکنہ لوثہ لضرورة الشعر ونعت اسم لا المبني جیسے الاماء اشربہ جہاں پانی کی امید ہو حیث لا یرجی ماء کی قید اس لئے لگائی تاکہ کلام تمنی ٹھیکہ کہ جہاں پانی کی امید ہو وہاں استفہام اپنی حقیقت پر محمول ہوگا تمنی نہیں ٹھیکہ گویا کہ غیر مر جو کا استفہام نہیں کیا جاتا، اور شاعر کا قول مع الارجل جواہ اللہ خیرا قیاس میں الارجل بنی بفتح ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ لا خلیل نحوی کے نزدیک وہ لائے نفی جس ہی نہیں جس پر حرف استفہام داخل ہوتا ہے لیکن یہ ایک حرف ہے جو مستقل طور پر تخصیص کے لئے موضوع ہے گویا کہ شاعر نے کہا لا تردنی رجلاً (از ارعاء) رجلاً یعنی ہلا تردنی رجلاً جواہ اللہ خیرا اس کے بعد فعل ناصب کو بہ قرینہ جواہ حذف کر دیا گیا کہ جواہ فعل ناصب کا سبب ہے جو اپنے سبب کے لئے قرینہ ہے نیز کلمہ تخصیص بھی قرینہ ہے کہ (داخل افعال سے ہے) اور اس وجہ سے کہ الاحرف از حروف تخصیص ہے اور اس کا ما بعد کم فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے) رجلاً کو نصب دیا اور منون (بہ نون تنوین) کیا گیا رفیقہ قادری محمد غلام سرور رضوی گزارش کرتا ہے کہ الا جب ماضی پر داخل ہو تو ترک فعل پر توجہ و ملامت کے معنی دیتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہو تو فعل کے انجام دیتے اور طلب کرنے کی ترغیب کو مفید ہوتا ہے) اور یہ (کلمہ لا) یونس نحوی کے نزدیک وہ لائے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے (یعنی یہ لائے نفی جنس اور ہمزہ استفہام سے مرکب ہے سو یہ) تمنی کے معنی میں ہے (کقولک الاماء اشربہ) پس قیاس تو الارجل (بفتح رجل) بلا تنوین تھا لیکن شاعر نے اسے ضرورت شعر کی وجہ سے تنوین دیدی کہ ہر مصرع میں اس کا وزن مفاعلتن مفاعلتن فعلن ہے جب تنوین نہ ہو تو مصرع اول ایک حرف سے کم رہے گا کہ تنوین شعراء کے نزدیک حرف شمار ہوتا ہے (اور لکے) اسم (یعنی کی نعت) لا

پس اس عامر من کی وجہ سے اس کا عل باطل نہیں ہوا۔ (فائل کا) یہ شعر کل اس طرح ہے
 الارجل جواہ اللہ خیرا
 یدلنی علی محصلہ تمیث
 محصلہ بکسر المیم معشوقہ کا نام ہے، اور تمیث باب افعال سے ہے بمعنی الالباشہ یعنی کان سے سونا نکالنا اور اس میں جواہ اللہ خیراً جملہ دعا فیہ معترض ہے اعداس کی

تحلیل ترجمہ اول کی بنا پر یوں ہے لا تردنی رجلاً یدلنی طریقاً لوصولی الی ہذا المحبوبة المسماة بالمحصل التي لتخرج الذاہب عن المعدن یعنی مجھ کو ایسا مرد کیوں نہیں دکھاتے جو مجھ کو راستہ بتائے اور مجھ کو میری محبوبہ محصل تک پہنچا دے جو کہ کان سے سونا نکالتی ہے (اللہ اس مرد کو جزا خیر دے) اور ترجمہ

لانت اسمها المعرب احتراز عن نحو لا غلام رجل طريقاً الأول بالرفع صفة
لانت ای کا الثانی وما بعده احتراز عن مثل لا رجل خریف کریم فی
الدار مفرد حال من نہیں منی العامل فیہ بنی احتراز عن مثل لا رجل حسن الوجه یلیہ
حال بعد حال اوصفة مفرد احتراز عن المفصول نحو لا غلام فیہا ظریف
وهذا القید یعنی عن الاول مکتبی علی اللغۃ حمل علی المنعوت لکان الاتحاد
بینہما والاتصال وتوجه النفی الیہ ای الی النعت حقیقۃ والمبتنی فی قوله

کے اسم معرب کی نعت نہیں یہ لا غلام رجل طریقاً کے مثل سے احتراز ہے «اول» لفظ
اول کے رفع کے ساتھ نعت کی صفت ہے یعنی نعت اول (نعت ثانی اور اس کا مابعد
نہیں یہ لا رجل ظریف کریم فی الدار کے مثل سے احتراز ہے «لا مفرد ہونے کی حالت میں»
(مفرد) مبنی کی ضمیر حال ہے اور اس میں مبنی عامل ہے (اس قید سے لا رجل حسن الوجه کے
مثل (غیر مفرد) سے احتراز ہے «اس کے ساتھ متصل ہو» (یلیہ) حال بعد حال یا مفرد کی
صفت ہے (یلیہ کی قید سے مفصول (یعنی غیر متصل) سے احتراز ہے جیسے لا غلام فیہا
ظریف اور یہ قید اول سے بے نیاز کرتی ہے (فقیر قادری محمد غلام سرور رضوی لکھنؤ)
کتاب ہے کہ حامی صاحب نے ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ایک فطین شخص
ہی سمجھ سکتا ہے اور وہ یہ کہ مفرد کا معنی یہ ہے کہ مسبق بہ چیزے دیگر نہ ہو اور یلیہ کا معنی
بھی یہ ہے تو مفرد اور یلیہ میں تضاد تو (لا مبنی ہوگی) فتح پر موصوف پر محمول کر کے ہوتے
کیونکہ دونوں (موصوف و صفت) کے درمیان (صدق میں) اتحاد و اتصال موجود ہے اور
اور نفی (موصوف کی طرح) نعت کی طرف متوجہ ہے حقیقۃ اور مصنف کے قول و نعت

میں لا کا اسم غلام رجل معرب ہے پس اس کی
نعت بھی ظریفاً معرب ہے اور قوله الاول
رفع کے ساتھ ہے اس لئے کہ یہ نعت
کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسم
لا مبنی کی نعت اول ہو ثانی و ثالث وغیرہ نہ
ہو پس اس سے وہ نعت خارج ہو گئی کہ
جو ثانی و ثالث نمبر پر ہو جیسے لا رجل ظریف
کریم فی الدار کہ اس میں کریم نعت ثانی ہے
لہذا یہ صرف معرب ہوگی مبنی نہیں اور قوله
مفرداً نعت المبنی الخ مبتدا کی ضمیر مبنی کی ضمیر متر
سے حال واقع ہے کہ جس میں مبنی عامل ہے
یعنی وہ ضمیر مبنی کا مفعول مالم یتکم فاعلم ہے
پس اس صورت میں حال ذوالحال سے مؤخر

اسم لا کا اضافہ کر کے شارح نے المبنی صفة
کے موصوف کو ظاہر کیا ہے پس اس سے
اسم لا معرب کی نعت خارج ہو جائے گی
اسم کے مبنی نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے
کہ اس صورت میں اس نعت کا حکم فقط
یہی ہوگا کہ وہ بھی اپنے متبوع کی طرح
ثانی کی بنا پر یہ معنی میں کہ کاش کہ کوئی
مرد ایسا ہوتا جو مجھ کو راستہ بتاتا اور مجھ کو
میری محبوبہ محصلہ تک پہنچا دیتا جو کان کنی
کا کام کر کے سونا نکالتی ہے (اللہ اس کو
جزا دے) واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۸۔ قوله و نعت اسم الخ اس جگہ
معرب ہی ہو جیسے لا غلام رجل طریقاً کہ اس

ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی
نعت اول مفرد ہو مضاف یا مشبہ مضاف
نہ ہو لہذا اس سے مضاف اور اسم مشبہ
مضاف خارج ہو جائیں گے اس لئے کہ
نعت غیر مفرد بھی صرف معرب ہوگی مبنی
نہیں جیسے لا رجل حسن الوجه اور قوله یلیہ
مبنی مؤخر کی ضمیر مستکن سے حال بعد حال
ہے یعنی مفرداً اور یلیہ دونوں حال مترادف
ہیں یا یہ کہ مفرد کی صفت ہے پس اس
صورت میں مطلب یہ ہے کہ اسم لا مبنی
کی نعت اول مفرد ہونے کے ساتھ ساتھ
اسم لا سے متصل بھی ہو لہذا اس سے نعت
مفصول خارج ہو جائے گی جیسے لا غلام
فیہا ظریف کہ اس میں نعت اور منعوت
کے درمیان فیہا فاضل ہے لہذا یہ نعت
بھی صرف معرب ہوگی اب شارح اس
قید اخیر یلیہ کے متعلق و بذ القید الخ سے کہہ
رہے ہیں کہ اس قید کے ہوتے ہوئے قید
اول کی ضرورت باقی نہیں رہتی یعنی جب
اسم لا کے ساتھ نعت کا اتصال ہوگا تو
لا محالہ وہ نعت اول بھی ہوگی ثانی اور
ثالث وغیرہ نہیں ہو سکتی لہذا مصنف کو قید
الاول حذف کر دینا مناسب تھا اس کا جواب
یہ دیا جاسکتا ہے کہ حال مبتدی کی رعایت
کرتے ہوئے مصنف نے ایسا کیا یعنی یہ کہ
الاول سے ثانی اور ثالث وغیرہ نہ ہونا مراد
ہے اتصال اس حیثیت سے مراد نہیں کہ اس
میں غیر نعت عامل ہو جیسے لا غلام فیہا میں
فیہا غیر نعت عامل ہے اور یلیہ سے وہ
اتصال مراد ہے کہ جو نعت کا غیر ہو چہ
جائیکہ اول و ثانی وغیرہ ہو پس دونوں میں
وجہ فرق ہے اس لئے مصنف نے دونوں
قیدیں ذکر کر دیں واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۹۔ قوله مبنی علی اللغۃ الخ یہ نعت
اسم لا المبنی الخ کی صفت ہے اور قول ما بعد معرب

ولعت المبنی إشارة الى ما يبنى على الفتح بالاصالة لا بالتبعية فانه المذكور
سابقا فلا يرد انه اذا ذكر المبنى وبني على الفتح ثورجى بنعت لا يجوز بناؤه
مثل لاماء ماء بار داعم انه يصدق عليه انه نعت المبنى الاول مفردا عليه
فان باره فى هذا المثال نعت للتابع لا للمتبوع كما هو الظاهر ولو جعل
نعتا للمتبوع قلبي معايليه لتوسط التابع بينهما ومُعَرَّبٌ لان الاصل

المبنى من "المبنى" اس بنى على طرف اشاره هو بالاصالة مبنى برفعه هو بالتبعية نہیں کہ
سابق میں مصنف کے قول فان كان مفردا فهو مبنى کے اندر مبنى بالاصالة ہی مذکور ہے
لہذا اس توجہ کے بعد یہ سوال وارد نہ ہوگا کہ جب مبنى کو مکرر لایا جائے اور مکرر کو (اول کی
طرح) مبنى برفعه کیا جائے (کہ یہ اس کی تاکید ہے) پھر نعت لائی جائے (اور اسے ثانی کی
نعت قرار دیا جائے) کما هو الظاهر تو اس نعت کی بنا جائز نہ ہوگی جیسے لاماء ماء بار داعم
یا وجودیکہ بار داعم پر صادق آتا ہے کہ یہ مبنى اول کی نعت ہے جبکہ مفرد ہے اس کے ساتھ متصل
ہے (حالانکہ اس کی بنا جائز نہیں ہے) کہ اس مثال میں بار داعم تابع (یعنی ماء ثانی) کی نعت
ہے متبوع (ماء اول) کی نہیں جیسا کہ (نعت سے) ظاہر ہے۔ اور اگر بار داعم کو متبوع (یعنی
ماء اول) کی نعت قرار دیا جائے تو یہ نعت ان نعت سے نہیں ہے جو منعت کے ساتھ
متصل ہوتی ہیں کیونکہ دونوں کے درمیان تابع (ماء ثانی) کا واسطہ ہے (اور معرب ہوگی)

اس پر معطوف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب
اسم وبنى کی صفت اول مفرد ہو اسم لائے متصل
ہو تو وہ مبنى اور معرب دونوں ہو سکتی ہیں، پھر
صوت عراب میں اس پر رفع و نصب دونوں
جاری ہو سکتے ہیں پس نعت اول مبنى برفعه
اس وجہ سے ہوگی کہ اس کو منصوب پر محمول
کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اولاً منعت اور نعت
دونوں کی ذات متحدہ ہے یعنی مکان سے مراد
ذات ہے، اور دونوں کے درمیان اتحاد
ثابت ہے اس لئے کہ رمل اور ظریف
دونوں کے افراد متحد ہیں، اور ثانیاً نعت
کا اتصال اپنے منعت سے ہے، امثالاً
یہ کہ نفی حقیقتہً نعت کی طرف متوجہ ہے
تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے
کہ جب کلام منفی مقید یا قید ہوتا ہے تو
نفی حقیقت میں قید کی طرف راجع ہوتی
ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا نفی قید
پر داخل ہے، اور قید سے مراد اس جگہ
نعت ہے اس لئے کہ وہ اپنے منعت
کی قید ہے، پس بقاعدہ مذکورہ جب
نفی مقید یا قید پر داخل ہو کہ قید یعنی نعت
کی نفی ہوئی تو گویا نفی نعت پر داخل ہوئی
اور چونکہ وہ مفرد ہے لہذا قید یعنی نعت
بھی مبنى برفعه ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

نکتہ قولہ والمبنى فی قولہ الخ یہ

ایک اعتراض کا جواب ہے جس کی تقریر یہ
ہے کہ اسم مبنى جب مکرر لایا جائے، اور مکرر کو
مبنى برفعه کر دیا جائے، اور پھر اسم مکرر کی
نعت لائی جائے تو اسم مکرر کی نعت میں
بنا جائز نہیں رہتی حالانکہ قاعدہ اس امر
کا مقتضی ہے کہ بنا جائز ہو جیسے لاماء ماء
بار داعم اس پر قاعدہ مذکورہ صادق آ رہا
ہے، اس لئے کہ بار داعم اسم مبنى کی نعت
اول ہے، اور مفرد بھی ہے نیز بہرہ کہ متصل
بھی مکرر اس کے باوجود نعت صرف معرب

جس کو شارح خود بھی بیان کر رہے ہیں
اور وہ یہ کہ اگر اس کو متبوع یعنی ماد اول
کی نعت قرار دیا جائے تو شرط اتصال
فوت ہو جاتی ہے اس لئے کہ متبوع
اور نعت کے درمیان ایک اور تابع
حائل ہے یعنی ماء لہذا اس صورت میں بھی
بار داعم مبنى نہیں کہا جاسکتا صرف معرب ہی
رہے گا۔ واللہ اعلم ۱۲۔

نکتہ قولہ ومعرب الخ اور نعت اول

کو بنا کے ساتھ ساتھ معرب بھی پڑا سکتے
ہیں، اس لئے کہ نوابع میں ان کے اپنے مقبوعات
کی تبعیہ کی وجہ سے اصل یہ ہے کہ وہ اپنے
مقبوعات کے عراب میں تابع ہوں نہ کہ بنا
میں اس لئے کہ بنا ایک عارضی امر ہے
اور اصل اسم میں عراب ہے لہذا نعت مذکور
گویا اسم لائے محل بعد پر محل کرنے کی

سے مبنى نہیں شارح نے جواب دیا کہ قول
مصنف نعت المبنى میں مبنى سے اس امر کی طرف
اشارہ ہے کہ اسم مبنى علی الفتح بالاصالة ہوا بالتبعية
نہ ہو اس لئے کہ بار جب مطلق لہجی جاتی
ہے تو بنا بالاصالة مراد ہوتی ہے بالتبعية
نہیں نیز یہ کہ ماسبق میں قول مصنف فان
كان مفرداً فهو مبنى علی ما یتصّب یہ سے
معلوم ہو چکا ہے کہ بنا سے مراد بنا داعم
ہے مبنى نہیں، اور بار داعم مثال مذکور میں تابع
کی نعت ہے یعنی ماء ثانی کی جو کہ ماد اول
کی تاکید کے لئے ہے متبوع یعنی ماء اول
کی نعت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے لہذا جب
بنا داعم فوت ہو گئی تو بار داعم صرف معرب
ہی ہوگا مبنى نہیں پھر کما هو الظاہر ہے اس
اس طرف اشارہ ہے کہ بار داعم میں اس
احتمال کے علاوہ دوسرا احتمال بھی ہے

فی التوابع تبعیتها المتبوعات فی الاعراب دون البناء فحاصلہ علی محل البعید
وَنَصْبًا حَلًّا عَلَى الْفِعْلِ أَوْ عَلَى مَحَلِّ الْقَرِيبِ مَحْذُورًا لِرَجُلٍ ظَرِيفٍ بِالْفَتْحِ
وَوَظَرِيفٌ بِالرَّفْعِ وَظَرِيفًا بِالنَّصْبِ وَالْأَيُّ وَانْ لَمْ يَكُنِ النِّعْتُ مَعَكُ
قَالَ غَرَابُ أَيْ فَحُكْمُهُ الْأَعْرَابُ لَا غَيْرَ فَحَالًا عَلَى الْمَحَلِّ الْبَعِيدِ وَنَصْبًا
حَالًا عَلَى الْفِعْلِ وَالْمَحَلِّ الْقَرِيبِ وَقَدْ هَرَفْتُ امْتِلَافًا فِي بَيَانِ فَوَائِدِ الْقِيُودِ
وَالْعُظْفِ عَلَى اسْمٍ لَا الْمُبْنَى إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ تَكْرَارًا لِتَكْوِينِ لَافِي الْمَعْطُوفِ
فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ مَعْرُوفًا

الامثلة

کیونکہ توابع اصل ان کا اپنے متبوعات کے لئے اعراب میں تابع ہوتا ہے نہ بناء میں (نعت
مذکور کو) «رفع دیا جائے گا» اس کے محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے «اور نصب دیا جائے گا»
لفظ یا اس کے محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے «جیسے لا رجل ظریف» فتح کے ساتھ یعنی
مبنی بر فتح ہوگا «اور ظریف» رفع کے ساتھ «اور ظریفًا» نصب کے ساتھ «اور نہ» یعنی
اگر نعت اس طرح نہ ہو تو اعراب ہے» یعنی تو اس کا حکم اعراب ہے دوسرا کوئی نہیں رفع
دیا جائے گا محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے اور نصب دی جائے گی لفظ یا محل قریب
پر حمل کرنے کی وجہ سے اور نعت کے معرب ہونے کی مثالیں فوائد قیود کے بیان میں گذر
چکی ہیں «اور عطف ہے» لا کے اسم مبنی پر جبکہ معطوف نکرہ ہو اور معطوف میں لا مکرر بھی

غیر متصل ہو۔ لہذا افتاء قیود کے وقت یہ
چاروں صورتیں اعراب میں مقصور ہوں گی،
اور امثلہ ہر ایک کی گندہ چکیں لہذا ان کے
ذکر کی ضرورت نہیں والشرع علم ۱۲۔

نعتی جنس کے اسم مبنی پر عطف جائز ہے،
جبکہ معطوف نکرہ ہو اور اس میں تکریر لاء
ہو اس لئے کہ اگر معطوف نکرہ کے بجائے
معرفہ ہوگا تو معطوف میں رفع واجب ہے۔
جیسے لا غلام لک والفرس کہ اس میں الفرس
معطوف معرفہ ہے لہذا اس کو مرفوع پر حنا
مزدوری ہے «اس لئے کہ اگر اس کو منصوب
پڑھیں گے، لفظ یا محل قریب پر حمل کرتے
ہوئے تو لفظ لا معرفہ میں بھی عامل ہوگا،
اور یہ حال ہے اس لئے کہ لا نکرہ میں
حمل کرتا ہے معرفہ میں نہیں معرفہ میں لا

وجہ سے مرفوع پڑھیں گے، اس لئے
کہ لا کا اسم حقیقہ میں مبتدا ہے اور محال مرفوع
یا اسم لا کے لفظ اور محل قریب پر حمل کر سکی
وجہ سے منصوب ۱۲ والشرع علم۔

بالاتر قیود، نحو لا رجل الخ یہ مذکورہ
بالاتر قیود کی مثال ہے، اور اس میں ظریف
اصل مبنی بر فتح ہے، اور ثانی معرب مرفوع
اور ثالث معرب منصوب والشرع علم ۱۲۔

امثال مذکورہ کے ساتھ متصف نہ ہو تو
اس میں صرف اعراب جائز ہوگا یعنی یا مرفوع
ہوگی، محل بعید پر حمل کرتے ہوئے یا منصوب
لفظ اور محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ
سے اور فوائد قیود کے ضمن میں چار صورتیں
خارج ہوئیں تیس یعنی لا نعت معرب کی
ہو (۱) نعت اصل نہ ہو (۲) غیر مفرد ہو (۳)

منفی ہوتا ہے لہذا اس کو لا محالہ مرفوع ہی
پڑھیں گے، اور اگر نکرہ معطوف میں لا مکرر
ہو تو اس کا حکم لا حول دلاقوة الا بالشرع کے
ضمن میں معلوم ہو چکا اس وجہ سے نکرہ اور
بلا نکرہ لا کی قید کا اضافہ کیا گیا پس اس وقت
معطوف میں دو وجہ جائز ہیں ایک یہ کہ عطف
اسم لامبنی کے لفظ یا محل قریب پر ہو اور
وہ نصب ہے پس اس کو منصوب پڑھا
جائے، دوسرے یہ کہ عطف محل بعید پر لیا
جائے، اور محل بعید اس کا ابتدائیت کی بنا پر
رفع ہے، لہذا اس کو مرفوع پڑھا جائے پس
عطف کی صورت میں معطوف صرف معرب
ہو سکتا ہے، بنا وجائز نہیں کیونکہ متبوع
اور تابع کے درمیان داد عاطفہ فاضل
موجود ہے، اور بناء کے لئے اتصال نعت
منعوت سے شرط ہے، اور معطوف کو متصل
کے حکم میں اس وجہ سے نہیں کر سکتے کہ یہ
وہ محل ہے کہ جس میں فصل کا گمان کیا جاسکتا
ہے کہ لا مؤکدہ کے ساتھ فصل واقع ہو
اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر منفی پر عطف
ہو تو معطوف میں اکثر لازماً زیادہ کر دیا جاتا
ہے جیسے لا حول دلاقوة الا بالشرع کہ قیود
کا عطف محل منفی پر ہے لہذا اس میں
داد عاطفہ کے ساتھ لازماً بھی زیادہ کر دیا گیا
پس اس قاعدہ کی رو سے اس میں لانا
فاضل ہو سکتا ہے، پس جن لوگوں نے یہ
کہا ہے کہ عاطفہ کو اس اعتبار سے متصل
کے حکم میں کر دیا جائے کہ یہ عامل کے قائم مقام
ہے صحیح نہیں اس لئے کہ جب عامل مکرر ہو جائیگا
تو نیابت بھی ختم ہو جاتی ہے، اور تابع و خبر
کے درمیان فصل بھی آجاتا ہے جو کہ بناء کے
لئے مضر ہے لہذا معطوف میں صرف اعراب
ہی جائز ہوگا بنا نہیں والشرع علم ۱۲۔

۴۴۵ قولہ مثل لآب الخیرام لا مبنی

پر معطوف کی مثال ہے کہ اس میں معطوف میں صرف اعراب جائز ہے یعنی رفع و نصب بناء جائز نہیں اور یہ مثال شاعر کے اس شعر میں واقع ہے۔

لآب وابتا مثل مروان وابنه

اذا هو بالمجد ارتدى وتاثر را

پس یہاں معطوف یعنی ابن کو ابن مرفوع اور ابنا منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے اس لئے کہ اس میں اور معطوف علیہ میں صرف عطف کا فصل واقع ہے، اور فصل کی صورت میں بناء جائز نہیں۔ (فائدہ) شعر مذکور فرزدق شاعر کا ہے جس کا نام ہمام ابن غالب ہے وہ مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبدالملک کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے یہ شعر کہتا ہے تحلیل اس شعر کی یہ ہے کہ اب وابتا لاکام ہے، اور مثل مروان وابنه اس کی خبر اور اذا

طرف ہے جو کہ مثل کے متعلق ہے اور ہمزہ ہجرت ہے جو کہ اب کی طرف راجع ہے، اور یہ اب کی طرف اس وجہ سے راجع ہے کہ باپ کی بزرگی بیٹے کی بزرگی ہوتی ہے بیٹے کی بزرگی باپ کی بزرگی نہیں ہوتی، اس لئے کہ شرف و مجد بآباء و اجداد سے ہوتا ہے، اور بالمجد جار مجرور فعل مؤخر کے متعلق ہیں جار مجرور کو فائدہ

حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے، اور ارتدى ابتدا کی خبر ہے، اور تاثر اس پر معطوف اس میں الف اشباع کے لئے ہے، ضرورت شری کی بنا پر مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ مروان اور ان کے بیٹے عبدالملک کی طرح کوئی باپ بیٹا نہیں کہ مروان نے بزرگی کی چادر اور ازاد پہن رکھی ہے (یعنی ان دونوں کے سراپا سے جد کی ظاہر ہوتی ہے) اور اگر ابتدا کے معنی رجوع اور تائد کے معنی قوت کے لئے جائیں تو اس وقت مطلب یہ ہوگا مروان بزرگی کی طرف لوٹا ہے، اور اس میں قوت

وجوب رفعہ

لا غلام لك والفرس واذا كان لا مكررا في المعطوف فحكمه ما علم في قوله لا حول ولا قوة فيما سبق بان يحل على اللفظ اي لفظ اسم لا المبنى ويجعل منصوبا وان يحل على المتحل ويجعل مرفوعا جائز ولا يجوز فيه البناء لمكان الفصل بالعاطف ولم يجعل في حكم المتصل لمظنة الفصل بلا المؤكدة اذا المعطوف على المنفى يزداد فيه لا كثيرا نحو لا حول ولا قوة مثل لآب وابتا وان في قول الشاعر

ولا آب وابتا مثل مروان وابنه اذ هو بالمجد ارتدى وتاثر

نہ ہو کیونکہ جب معطوف مرفوع ہو تو اس کا رفع واجب ہے جیسے لآب لك والفرس (کیونکہ اگر مرفوعہ کو لفظ یا محل پر حمل کر کے نصب دی جائے تو لفظ لا مرفوعہ میں عامل ہوگا حالانکہ یہ محال ہے اس لئے کہ لآب مضاف یا مشابہ مضاف ہی میں عمل کرتا ہے) اور جب لا معطوف میں مکرر ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو مصنف کے قول لا حول ولا قوة میں ماضی میں گزرا ہے یہ کہ لا لفظ پر محمول کیا جائے یعنی لا کے اسم مبنی کے لفظ پر (محمول ہو) اور منصوب کیا جائے (اور) یہ کہ لا محل پر (محمول اور مرفوع کیا جائے) (جائز ہے) اور عطف سے فصل کے وجود کے باعث معطوف میں بنا جائز نہیں (ولا شك ان البناء مع الفصل ممتنع) اور معطوف کو لئے موكده (زمانہ) کے ساتھ فصل کے گمان کی وجہ سے متصل کے حکم میں نہیں کیا گیا (وہذا محل يظن فيه الفصل كما في قوله تعالى لا مع فيه ولا خلة ولا شفا برعكس صفات وندا کہ در نہا این گمان نباشد پس فرق واضح گردید) کیونکہ (مطلقا) متنی پر جو معطوف ہوتا ہے اس میں بکثرت لا برائے تاکید یعنی زیادہ کیا جاتا ہے جیسے لا حول ولا قوة (اس میں بعض توجیہات کے اعتبار سے لائے ثانیہ زمانہ ہے کما عرفت سابقا) وجیسے لآب وابتا وان (اس میں لف و نشر مرتب ہے اول منصوب و ثانی مرفوع ہے عطف علی اللفظ و علی المحل) شاعر کے قول میں ولا آب وابتا مثل مروان وابنه (فقیر قادری محمد غلام سرور رضوی عرض کرتا ہے کہ شاعر کے کلام میں لائق جنس کا ہے اور اب مکرر مرفوع بلا فصل مبنی بفتح اور ابنا نصب کے ساتھ اس کے لفظ پر عطف ہے اور خبر محذوف یعنی لآب وابتا موجودان جبکہ عطف مرفوع بر مرفوع ہو اور موجود محذوف ہوگا اگر عطف جملہ بر جملہ ہو بنا بر تقدیر اول کلام ہذا ایک جملہ ہوگا اور بر تقدیر ثانی دو جملے تقدیر لآب موجود ولا ابنا موجود اور مثل مروان وابنه خبری ضمیر مستتر سے حال ہے اور اس میں لف و نشر مرتب ہے کہ باپ مروان کے اور بیٹا بیٹے کے مشابہ ہے اسے تشبیہ طوف کہتے ہیں کہ پہلے مشبہات پھر مشبہ بہا کو لایا جائے) اذ هو بالمجد ارتدى وتاثر (الف برائے اشباع ہے)

بہا کو لایا جائے) اذ هو بالمجد ارتدى وتاثر (الف برائے اشباع ہے)

وسائر التوابع لا نص عنهم فيها لكن ينبغي ان يكون حكمها حكم توابع المنادى
كذا ذكره الاندلسي ومثل لا ابالة ولا غلامى له اى كل تركيب يكون
فيه بعد اسم لا التى لنفى الجنس لام الاضافة واجرى على ذلك الاسم
احكام الاضافة من اثبات الالف فى نحو اب وحذف النون من نحو
غلامين بجائز يعنى ان الاصل فى مثل هذين التركيبين ان يقرأ لا اب له و
لا غلامين له فيكون اسم لافيهما مبنيا على ما ينصب به والجار مع مجروره
خبرها وقد جاء على قلة مثل لا ابالة ولا غلامى له بزيادة الالف فى مثل

اور باقى توابع (يعنى تاكيد

لفظى ومعنوى و بدل وحذف بيان) کے بارے میں نحووں سے کوئی واضح چیز منقول نہیں
لیکن مناسب ہے کہ ان کا حکم منادی کے توابع کا حکم ہو اس کو اندلسی نے اسی طرح ذکر کیا
اور لا ابالة ولا غلامى له (یعنی لا اس سے) ہر وہ ترکیب (مراد ہے) جس میں لائے نفی جنس کے
اسم کے بعد لام اضافت ہو اور اس اسم پر اضافت کے احکام جاری کئے جائیں یعنی الف
کا اثبات اب کے خل میں اور غلامین کے مانند سے نون کا حذف (اضافت کے احکام ہیں)
لا جائز ہے (یعنی ان دونوں ترکیبوں کے مثل میں اصل یہ ہے کہ لا اب له ولا غلامین له کہا جائے
پس دونوں میں لا کا اسم ما ی نصب پر مبنی ہو (وہو الفتح فى الاول والياء فى الثانى) اور
جار اپنے مجرور کے ساتھ (یعنی له) لائے نفی جنس کی خبر ہوگی حالانکہ قلیل لا ابالة ولا غلامى له

۱۲۶ قولہ وسائر التوابع الخ اس سے

ایک دخل مقدر کا دفعیہ مقصود ہے تقریر اس
کی یہ ہے کہ جب صفت نے نعت اور معطوف
کا حکم بیان کیا تو اس کو مناسب یہ تھا کہ وہ اسم
کے تمام توابع کو ذکر کر دیتا یعنی تا کید عطف بیان
اور بدل کو پس کیا وجہ ہے کہ صفت نے صرف
انہیں دو پر اکتفا کر کیا جواب یہ ہے کہ بقیہ توابع
کے بارے میں نجات سے کوئی نص صریح وارد
نہیں ہوئی اس لئے بقیہ کو ذکر نہیں کیا، لیکن
مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ بقیہ توابع کا
حکم توابع منادی کے حکم کی مانند ہے جیسا کہ
اندلسی نے ذکر کیا ہے، اس کی تفصیل توابع
منادی کے بیان میں گندہ کی ہے لیکن یہاں
وہ تفصیل ذکر کرنی مناسب ہے جس کو علامہ
رضی نے اندلسی سے مذکورہ بالا قول نقل

کرنے کے بعد رضی میں ذکر کی ہے، اور وہ یہ
ہے کہ اسم لا کا تابع جب بدل مفرد نکرہ ہو تو اس
میں بناء جائز ہے اس لئے کہ بدل منہ اور بدل
سے مقصود بدل ہوتا ہے، پس بدل منہ کا حکم
بدل پر جاری ہوگا، جیسے لا رجل صاحب لی پس
صاحب کو مبنی علی الفع ہونا جائز ہے اب رہی
یہ بات کہ صفت نے بیان کیا ہے کہ بدل کا
حکم مستقل بدل منہ کا حکم رکھتا ہے، لہذا اس
کو اس حکم کے مطابق وجوہا مبنی ہونا چاہیے
نہ کہ جواز اس کا جواب شیخ رضی یہ دیتے
ہیں کہ بدل میں جہتیں ہیں ایک جہت تو یہ ہے
کہ یہ اپنے قبوع کا محتاج نہیں ہوتا جیسا کہ صفت
ہوتی ہے کہ بغیر موصوف کو ذکر کئے اس کے
رضی مفہوم نہیں ہوتے لہذا بدل کی اس عدم
احتیاج کے باعث اس کا حکم مستقل کا سا

ہے پس اس کو وجوہا مبنی ہونا چاہیے، اور اگر
ہم اس جہت کو دیکھتے ہیں کہ اس کا اعراب
اپنے قبوع کے اعراب کے تابع ہے تو
اس کا حکم مستقل جیسا نہیں رہتا لہذا اور بیانی
راہ اختیار کرتے ہوئے ہم یہی کہیں گے کہ
اس میں بناء جائز ہے واجب نہیں، اور
عطف بیان بھی چونکہ بدل کا ہی حکم رکھتا
ہے، لہذا اس میں بھی بناء جائز ہوگی، اور تا کید
لفظی کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ لپیٹے ہوئے
کے مطابق ہوگی، یعنی اس کا مؤکد اسم لا چونکہ
مبنی بر فتح ہوگا لہذا اس کو بھی مبنی بر فتح
پڑھیں گے جیسے لا رجل رجل فی الدار اس
لئے کہ تا کید لفظی حین اول ہوتی ہے اور
اہل مبنی ہے لہذا اس کا بھی مبنی پڑھنا ضروری
ہوگا لیکن جیسا کہ توابع منادی میں تا کید کے
ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ اس میں اعراب
بھی جائز ہے، یعنی رفع و نصب اس لئے
کہ اعراب اصل ہے، اور بناء عارض ہے،
پس مؤکد کی بنا تا کید میں سرایت نہیں کرے گی
اور یہ تقیل کے ساتھ ہے تو اسم لا کی تا کید لفظی
میں بھی تقیل کے ساتھ اعراب رفعی اور
نصبی جائز ہے پس رفع تو محل لعیید اور لفظ
پر محل کرتے ہوئے، ابتداء بیت کی بنا پر اور
نصب محل قریب پر محل کرتے ہوئے اول
کی مثال جیسے لا رجل رجل فی الدار اور ثانی
کی مثال جیسے لا رجل رجلا فی الدار اور تا کید
معنوی چونکہ نکرہ کی صفت واقع ہی نہیں
ہوتی سو اسے معرفہ کے لہذا اسم لا نکرہ کی
تا کید معنوی کے ساتھ نہیں لائی جا سکتی، اب
ایک بات اور یہ رہ گئی کہ حسب بقیہ توابع
کا حکم نجات سے مخصوص نہیں تو کیا اندلسی نجات
میں سے ہیں ہیں، لہذا قول شارح لافضی صم
فیہا کیے صحیح ہے، جواب یہ ہے کہ اندلسی
نے اس کو بطریق الثمن ذکر نہیں کیا بلکہ لفظا
ذکر کیا نیز جو سکتا ہے کہ نجات سے نجات

مقدّمین مراد ہوں، یعنی جنہوں نے قواعد نحو کی تدوین و ترتیب کا انجام دیا ہے، اولاً ندلی ان میں سے ہیں نہیں لہذا قول شارح صحیح ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲ قولہ و مثل لا ابا لہ الخ اس جگہ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں لاقی جنس کے اسم کے بعد لام اضافہ ہو اور اسم لا پر احکام اضافت جاری ہوں، یعنی اب اور اس کے مثل میں اثبات الف ای ابا اور غلامین میں حذف نون کے ساتھ غلامی اس عبارت سے دراصل مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ ما سبق میں کہا گیا تھا کہ اسم لا جب مفرد ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ لا ابا لہ اور لا غلامی لہ سے منتقض ہے اس لئے کہ یہ دونوں مفرد مکرمہ اور غیر مضاف ہونے کے باوجود منصوب ہیں اول الف کے ساتھ اور ثانی یاء کے ساتھ مبنی علامت فتحة پر ایک بھی نہیں مصنف نے جواب دیا کہ اگر یہ دونوں ترکیبوں میں اسم لا مضاف نہیں مگر چونکہ ان جیسی ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر ان پر احکام اضافت جاری کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی میں مشارک ہیں لہذا یہ مفرد نہیں رہتے پس ان پر اجزاء اعراب جائز ہے پھر جاننا چاہئے کہ قول شارح فی جواب سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے اسماستہ مکرمہ مراد ہیں سوائے ذوق کے اس لئے کہ ذوق لام الاضافۃ ہے کہ کسی حال اس سے اضافت جدا ہی نہیں ہوتی اور اب اس وغیرہ سے اضافت جدا ہو سکتی ہے پس ان کو مثال مذکور میں عدم اضافت حقیقی اور وجود لام اضافت کے باعث مشابہ بالمضاف کیا جائے گا اور مکرمہ کو بھی اس میں شمار کریں تو اس کو مشابہ بالمضاف کہنے کے کوئی معنی ہی نہیں

اب واسفار النون فی مثل غلامین کما فی حال الاضافۃ تشبیہاً لہ ای لام لا فی ہذین ترکیبین مع انہ لیس بمضاف بالمضاف واجزاء الاحکام المضاف علیہ باثبات الالف وحذف النون فیكون معرباً وذلك التشبيه انما هو لمشاركة ای مشارکۃ اسم لاحقین یضاف باظهار اللام بینہ و بین ما

الف کے اضافہ کے ساتھ اب کے مثل میں اور غلامین کے مثل میں نون کے حذف کے ساتھ آیا ہے جیسا کہ اضافت کی حالت میں ہوتا ہے «اس کی تشبیہ کی وجہ سے» یعنی ان دونوں ترکیبوں میں لام کے اسم کی تشبیہ کی وجہ سے باوجودیکہ مضاف (کسی چیز کی طرف) مضاف نہیں و مضاف کے ساتھ اور (بعض میں) الف کا اثبات اور بعض میں نون کا حذف کر کے اس پر مضاف کے احکام جاری کرنے کی وجہ سے (جائز ہے) پس (اس وقت) لا کا اسم معرب (منصوب) ہوگا اور یہ تشبیہ «اس کے مشارک ہونے کی وجہ سے ہے» یعنی لام کے اسم کی مشارکت کی وجہ سے جبکہ اسے مضاف کیا جائے اس کے اور اس کے مضاف الیہ کے

اس لئے کہ وہ پیسے ہی سے مضاف ہوتا ہے اور غلامین سے تشبیہ و جمع مراد ہیں واللہ اعلم ۱۳۔
۱۳ قولہ جائز یعنی الخ یہ مثل لا ابا لہ الخ کی خبر ہے یعنی یہ ترکیب مذکورہ جائز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصل تو ان دونوں ترکیبوں میں یہی ہے کہ لا اب اور لا غلامین لہ کہا جائے علامت نصب پر بناء کے ساتھ پس ان دونوں میں اسم لا مبنی ہوگا اور لہ جار مجرور سے مل کر اس کی خبر اور جملہ تام ہوگا، لیکن بہت کم ایسا بھی منقول ہے کہ لا اب میں الف کی نیافتی کر کے لا ابا لہ کہا جائے، اور لا غلامین سے نون تغیرہ ماقط کر کے لا غلامی لہ جیسا کہ حالت اضافت میں کیا جاتا ہے، اور اس صورت میں چونکہ لا مضاف الیہ واقع ہوگا، خبر نہیں ہو سکتا لہذا اس کی خبر محذوف ماقی پڑے گی واللہ اعلم ۱۴۔

۱۴ قولہ تشبیہاً لہ الخ تشبیہاً یا تو ایہ فعل محذوف کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف تشبیہ کا مفعول مطلق اور تشبیہاً لہ میں لہ کی ضمیر مجرور مثل کی طرف راجع ہے، اور وہ مرجع ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کا مفعول بالمیم

قائل ہے اس لئے کہ تشبیہ اس جگہ مصدر بھی للمفعول ہے یعنی تشبیہ دیا جاتا اور لہ میں لام زائدہ ہے بہر حال مطلب یہ ہے کہ ان دونوں ترکیبوں میں اسم لا کسی شے کی طرف مضاف نہیں مگر ان دونوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیئے جانے کے سبب سے یہ ترکیب جائز ہے، اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب مثال مذکورہ میں اسم لا کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اس صورت میں اسم لا مکرمہ مشابہ بالمضاف ہوا لہذا اس میں نصب واجب ہونا چاہئے چہ جائیکہ اس میں بناء بھی جائز ہو شارح اس کا جواب دیا جزاء الاحکام المضاف الیہ الخ سے ہے جس میں کہ مشابہت سے مشابہت حقیقیہ مراد نہیں کہ مذکورہ اعتراض حکم واجب ہو بلکہ مضاف کے احکام کے اجزاء میں مشابہت مراد ہے یعنی جس طرح مضاف کی صورت میں اب پر الف کی زیادتی اور غلامین میں حذف نون کیا جاتا ہے اسی طرح یہی احکام اس پر بھی جاری کئے جائیں گے، واللہ اعلم ۱۵۔

۱۵ قولہ وذلك التشبيه الخ اس کے

یضاف الیہ کہ ای للمضاف فی اصل معناه ای معنی المضاف من حیث
هو مضاف، یعنی الاضافة وهو الاختصاص أو المعنی ان مثل کا ابالہ ولا
غلا می له جائز تشبیہاً لہ ای مثل ہذین التریبین حیث لا اضافة فیہ
بالمضاف ای بترکیب یشقل علی الاضافة لمشاركة ای لمشاركة مثل ہذین
التریبین لہ ای لما یشقل علی الاضافة فی اصل معناه ای معنی ما یشقل علی

درمیان لام مقدرہ کو ظاہر کر کے (اس کے لئے) یعنی مضاف الیہ کے لئے (لہ میں ضمیر مضاف
کی طرف راجع ہے اور لام مشارکت کا صلہ ہے یقال مشارک لہ یعنی یہ اس کے ساتھ شریک
ہے) (اس کے اصل معنی میں) یعنی مضاف کے اصل معنی میں اس کے مضاف ہونے کی حیثیت
سے یعنی اضافت (اصلی معنی ہے) اور اضافت اختصاص ہے یا یہ معنی ہے کہ لا ابالہ ولا غلامی
لہ کی مانند الف کے اثبات اور نون کے حذف کے ساتھ) جائز ہے اس کی تشبیہ کی وجہ
سے معنی ان دونوں ترکیبوں کے مثل کی تشبیہ کی وجہ سے کہ اس (مثل) میں اضافت نہیں
مضاف کے ساتھ یعنی ایسی ترکیب کے ساتھ (تشبیہ کی وجہ سے) جو اضافت پر مشتمل ہو (اور
مصنف کا قول) لمشاركة یعنی ان دونوں ترکیبوں کے مثل کے اس کے معنی اس ترکیب کے
(مشارک ہونے کی وجہ سے) جو کہ اضافت پر مشتمل ہو اس کے اصل معنی میں (مشارکت کی وجہ

و اصل تخصیص ہے، اور وہ ان دونوں ترکیبوں
میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اب ابن کے ساتھ
مقصود ہے، اور غلام مولیٰ کے ساتھ پس دونوں
ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر ان
پر احکام اضافة جاری کر دیئے گئے حاصل یہ ہوا
کہ ابوک مضاف ہے اور اس کے اصل معنی
اب تک کے ہیں اس لئے کہ شکم کو اب کی
تخصیص صرف مخاطب کے ساتھ کرنا مقصود
ہے کسی اور سے اس کا تعلق نہیں، پھر اب تک
سے جب لام حذف کر دیا گیا، اور اب کی اضافت
کات کی طرف کر دی گئی تو مضاف معروفہ بھی
ہو گیا پس ابوک تخصیص اصل پر باقی رہا، اور تعریف
اضافت کی وجہ سے عارض ہوئی پس اب تک
ابوک کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشارک
ہے پس جس طرح اباک میں بوقت اضافت
اصلیہ الف ثابت رہتا ہے اسی طرح اباک
میں بھی الف باقی رہے گا، اور جس طرح اباک
معرب ہے اسی طرح ابک بھی معرب ہو گا

اضافہ سے خارج نے اس امر کی طرف اشارہ
کیا ہے کہ قول مصنف لمشاركة کا تعلق تشبیہاً
کے ساتھ ہے یعنی اسم لا کی تشبیہ مضاف کے
ساتھ اصل معنی میں مشارکت کی وجہ سے ہے یعنی
جس وقت اسم لا مضاف اور مضاف الیہ کے
درمیان اظہار لام اضافت کے ساتھ مضاف
ہو گا تو بغیر اظہار لام کی صورت میں من حیث الاضافة
مضاف کے جو معنی اصل ہوتے ہیں اسم لا اصل معنی
میں اس مضاف کا مشارک ہو گا، اور مضاف
کے من حیث الاضافة معنی اصل یہ ہیں کہ اختصاص
حاصل ہو اس لئے کہ اضافت سے کبھی مقصود
تعریف ہوتی ہے، اور کبھی تخصیص لیکن تعریف
تقدیر حرف جر سے ہوتی ہے جیسے غلام زید
کہ اس میں غلام معروفہ ہے اور تخصیص جس طرح
تقدیر حرف جر سے ہو جاتی ہے اسی طرح حرف
جر مفعول سے بھی ہو جاتی ہے جیسے اب
لک اور ظاہر ہے کہ تلفظ بہ نسبت تقدیر کے
اصل سے ہیں ثابت ہو گیا کہ معنی مضافت میں

والشہد العلم ۱۲

ہلک

قولہ ادا معنی الم مال کے اعتبار
سے دونوں معنی میں کوئی فرق نہیں البتہ لفظی طور
پر تقدیر فرق ہے، اور وہ یہ کہ معنی مذکورہ
کی بنا پر مشارکتہ کی ضمیر مجرور اسم لا کی طرف راجع
کی گئی جو کہ اظہار لام کے ساتھ مضاف ہے،
اور لہ کی ضمیر مضاف کی طرف اور ان معنی کے
اعتبار سے مشارکتہ کی ضمیر مثل ہذین التریبین
کی طرف راجع ہوگی، اور لہ کی ضمیر ترکیب یشقل
علی الاضافة فی اصل معناه کی طرف اور ظاہر
ہے کہ فعل ہذین التریبین سے بھی وہی مراد
ہے جو کہ اول معنی سے مراد تھا یعنی اسم لا اور
ترکیب یشقل الم سے بھی وہی معنی اول یعنی مضاف
پس بیان کا فرق ہے مال دونوں کا ایک ہے،
الغرض شارح کہتے ہیں کہ مثل لا ابالہ اور لا غلامی
لہ کے یا یہ معنی ہیں کہ ان جیسی ترکیب اس وجہ
سے جائز ہے کہ ان دونوں ترکیبوں اور ان
کے مثل کو کہ جن میں اضافت نہ ہو مضاف یعنی
ایسی ترکیب کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے کہ
جو اضافت پر مشتمل ہو اور تشبیہ کی وجہ سے کہ
دونوں ترکیبیں اس چیز کے ساتھ مشارک ہیں
جو اصل معنی میں بہت پر مشتمل ہو اور جو
معنی اضافت پر مشتمل ہوتے ہیں وہ اختصاص
ہے، پس اختصاص دونوں میں پایا گیا مضاف میں
بھی اور غیر مضاف میں بھی لہذا اس اختصاص
کی وجہ سے لا ابالہ الم جیسی ترکیب جائز ہے
البتہ دونوں اختصاصوں میں کچھ تفاوت ہے،
اس لئے کہ ترکیب اضافی ہے جو اختصاص مفہم
ہوتا ہے وہ اس ترکیب سے اسم اور اکمل ہے
کہ جس میں اضافت نہ ہو اس لئے کہ مضاف اور
مضاف الیہ شئی واحد کے حکم میں ہوتے ہیں کیونکہ
مضاف الیہ مضاف کی تنوین یا اس کے نون
تشبیہ یا جمع کے قائم مقام ہوتا ہے، اور ظاہر
ہے کہ تنوین اور نون مضاف کا خیر ہوتے ہیں
پس قائم مقام بھی لازمی طور پر خبر ہو گا، اور اسی

الاضافۃ وهو الاختصاص الا ان بين الاختصاصين تفاوتان الاختصاص
المفهوم من التركيب الاضافي المماثل من غير ان يثبت من اى لاجل
ان جواز مثل هذين التركيبين انما هو بتشبيه غير المضاف بالمضاف في
معنى الاختصاص كخبر تركيب لا ابا فيها اى في الدلالة عدم الاختصاص
فان الاختصاص المفهوم من اضافة الاب الى شئ انما هو باوثة هذا الاختصاص

(یعنی ایسے معنی میں) جو اضافت پر مشتمل ہو اور اضافت اختصاص (کا نام) ہے پس
دونوں توجیہوں میں اختصاص اور مشارکت وجہ تشبیہ فقیر قادری محمد غلام سرور رضوی
گوش گزار ہے کہ دونوں توجیہوں میں مال کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں فرق صرف مصنف
کی ترکیب کے حل میں ہے مشارکت کی ضمیر اسم کی طرف راجع کریں تولہ کی ضمیر کو مضاف کی
طرف راجع کرنا ہوگا اور اگر مشارکت کی ضمیر کو مثل ہذین التریکین کی طرف راجع کریں تولہ کی
ضمیر ایسی ترکیب کی طرف راجع کرنی ہوگی جو اضافت پر مشتمل ہو (مگر دونوں اختصاصوں میں
فرق ہے یعنی وہ اختصاص جو لا ابا لہ کی ترکیب سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافت نہیں
ہے اور وہ اختصاص جو اس ترکیب سے مفہوم ہوتا ہے جس میں لا کا اسم مضاف ہو) کیونکہ
جو اختصاص ترکیب اضافی سے مفہوم ہوتا ہے وہ اس اختصاص سے اتم ہے جو غیر اضافی
سے مفہوم ہوتا ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ ان دونوں ترکیبوں کے مثل کا
جواز غیر مضاف کو مضاف کے ساتھ اختصاص کے معنی میں مشابہ قرار دینے کی وجہ سے ہے
(لا ابا فیہا) کی ترکیب (جائز نہیں ہے) (فیہا) یعنی فی الدار عدم اختصاص کی وجہ سے

دوسرے معنات میں مضاف الیہ سے مل
کر تعریف یا تفصیل حاصل ہوتی ہے پس
معنات اور معنات الیہ میں سے احدهما خبر
آخر ہوگا بخلاف لا ابا لہ اور لا غلامی لہ کے
کہ ثانی یعنی لہ اول سے اجنبی ہے اور اختصاص
بھی لام کے ذریعہ مستفاد ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر لام
نہ ہو تو اختصاص بھی ختم ہو جائے گا اس لئے
اول یعنی ترکیب اضافی ثانی سے اتم ہے پس
اختصاص اختصاص دونوں برابر ہیں، لیکن
اکملیت کے اعتبار سے اختصاص حاصل
بالا ضافۃ اعلیٰ ہوگا۔ اب جانتا چاہیے کہ اس
جگہ شارح نے اى مثل ہذین التریکین سے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لہ کی ضمیر مثل
کی طرف راجع ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں
مطابقت ہو جائے ہذین التریکین کی طرف
راجع نہیں در نہ عدم مطابقت کا اعتراض
وارد ہو جائے گا اى ترکیب لیشتمل الہ سے
یہ ظاہر کیا ہے کہ مرکب کی تشبیہ مرکب کے
ساتھ ہے مفرد کے ساتھ نہیں اگر شارح اى
بترکیب کا اضافہ نہ کرتے تو اعتراض وارد ہوتا
کہ لا ابا لہ اور لا غلامی لہ دونوں مرکب اور
مشبہ ہیں اور معنات مشبہ یہ مفرد پس
تشبیہ مرکب بالمفرد لازم آتی اور الا ان بین
الاختصاصین الہ سے بھی شارح نے ایک سوال
مقدمہ کا دفعہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ لا ابا لہ اور
لا غلامی لہ ترکیب خبری ہیں، اور ترکیب خبری
چونکہ مخاطب کو فائدہ دیتی ہے، اس لئے یہ
قوی ہوتی ہے، اور لا ابا لہ ولا غلامیہ ترکیب
اضافی ہے، اور غیر قوی پس قوی کو ضعیف کے
ساتھ تشبیہ دینا کیسے درست ہے اس
لئے کہ مشبہ بلاقوی ہوتا ہے مشبہ سے جواب
یہ ہے کہ ترکیب اضافی سے جو اختصاص
مفہوم ہوتا ہے وہ اتم و اکمل ہوتا ہے تفصیل
کامروال شرا عظم ۱۲۔

۵۲ قولہ ومن ثم انی یعنی چونکہ ان

اضافت دار کی طرف درست نہیں ہوگی تو
ترکیب لا ابا فیہا اس ترکیب کے کیسے مشابہ
ہو سکتی ہے، بلکہ جس میں اب کی اضافت مرجع
طور پر دار کی طرف ہو رہی ہو اور پھر یہ کہ ترکیب
لا ابا فیہا اصل معنی میں اس ترکیب کے مشارک
بھی ہو کہ جس میں اب کی طرف مضاف ہو رہا
ہے حال یہ ہے کہ ترکیب لا ابا فیہا کو اس
ترکیب سے مشابہت دینا درست نہیں کہ
جس ترکیب میں اب کی اضافت دار کی طرف
ہو اس لئے کہ یہ ترکیب جائز نہیں کیونکہ اس
کا اختصاص ایسا نہیں جیسا کہ اب اور ابن کے
درمیان ہوتا ہے پس جو ترکیب سرے سے
جائز ہی نہ ہو اس کے ساتھ اصل معنی میں مشارک
کے باعث تشبیہ دینا بھی جائز نہیں ہوگا اور

دونوں ترکیبوں کا جواز اس پر موقوف ہے کہ
غیر معنات معنات کے ساتھ اس کے اصل
معنی یعنی اختصاص میں مشابہ ہو پس ترکیب لا ابا
فیہا جائز نہیں ہوگی فیہا میں ضمیر کا مرجع دار
ہے اى فی الدار پس یہ ترکیب اس لئے جائز
نہیں کہ اس میں اختصاص موجود نہیں اس لئے
کہ جو اختصاص اب کی اضافت شئی کی طرف
کرنے سے مفہوم ہوتا تھا، وہ اس اعتبار سے
تھا کہ اس شئے کے لئے الجاہلہ کو خاص کیا جا رہا
ہے، اور یہ اختصاص اب کی نسبت دار کی
طرف کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ الجاہلہ
صرف ابن کے لئے متحقق ہو سکتی ہے کسی
اخر کے لئے نہیں پس اب کی اضافت دار کی
طرف درست نہیں ہوگی، اور جب اب کی

فی ثابت للاب بالنسبة الى الدار فلا تعوضا فانه الى الدار فكيف يشبه تركيب
لا بافها بتركيب يضاف فيه الاب الى الدار لمشاركته له في اصل معناه
ولكن اعم مثل هذين التركيبين بمضاف حقيقة لفساد المعنى المراد
للمقادير على تقدير الاضافة وهو نفى ثبوت جنس الاب والغلط من
لمرجع الضمير الجور بالاستقلال من غير احتياج الى تقدير خبر وهذا

جائز نہیں کیونکہ اختصاص اب کی کسی چیز کی طرف اضافت سے سمجھا جاتا ہے جبکہ
اب کو اس کی طرف مضاف کیا جائے وہ تو اس کے اس چیز کے لئے اب ہونے کی وجہ سے
ہے یہ اختصاص جو اس چیز کی طرف اب کی اضافت سے مفہوم ہوتا ہے دار کی نسبت سے
اب کے لئے ثابت نہیں ہے لہذا اب کی اضافت دار کی طرف صحیح نہیں ہے تو لا با فہا
کی ترکیب کو کیسے اس ترکیب کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں اب کو دار کی طرف
مضاف کیا جائے یعنی اب کی اضافت دار کی طرف صحیح ہی نہیں ہے تو اس کے لئے
اصلی معنی (اضافت) میں مشابہت ہونے کی وجہ سے (تشبیہ کیسے دی جاسکتی ہے یعنی لا
با فہا کی ترکیب اس ترکیب کے ساتھ کہ جس میں اب کو دار کی طرف مضاف کیا جائے اصلی
معنی میں مشارک ہو اور اس مشارکت کی وجہ سے تشبیہ دی جائے) لا اور نہیں یعنی ان دونوں
ترکیبوں کی مثل «مضاف» حقیقت میں فساد معنی کی وجہ سے (اس معنی کے فساد کی وجہ
سے جو ان دونوں ترکیبوں سے مراد و مفاد ہو) (وہ) اضافت کی تقدیر پر (فاسد ہو جائے گا
علی تقدیر الجواز و مجرور فساد سے متعلق ہیں یعنی جو معنی ان دونوں ترکیبوں سے اضافت کے
بغیر مستفاد ہے وہ اضافت کی صورت میں فاسد ہو جائے گا) اور وہ (معنی مستفاد) اس
بات کی نفی ہے کہ ضمیر مجرور کے مرجع کے لئے بالاستقلال (یعنی تقدیر خبر کی حاجت کے بغیر
اب یا غلامین کی جنس ثابت ہو) مرجع الضمیر اور بالاستقلال میں دونوں حرف جارہ اپنے

جب تشبیہ دینا جائز نہ ہوگا تو ترکیب «لا با فہا»
بھی جائز نہیں ہوگی کیونکہ جواز اس امر پر موقوف
ہے کہ غیر مضاف مضاف کے ساتھ اس کے
اصل معنی میں مشابہ ہو اس جگہ شارح نے لم
يجز کے بعد ترکیب کا اس لئے اضافہ کیا ہے
کہ لا با فہا جملہ ہے اور جملہ فاعل نہیں ہوا کرتا
اس لئے کہ فاعل اسم کی قسم سے ہے پس
ترکیب مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر
لم یجز کا فاعل ہوگا والشرع علم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ وليس الخ یہ عبارت
مصنف ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر

سوال کی یہ ہے کہ ترکیب لا با لا اور لا غلامی
لا کو اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اب اور غلامی
معنی کے اعتبار سے حقیقتہ مضاف ہیں تو غلامی
نہیں اس لئے کہ ہر دو مضافات اور
مضاف الیہ کے درمیان تاکید کے لئے لام
زائد ہو جواب یہ ہے کہ مثل ان دونوں
ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ کی گئی
ہے یہ مضاف حقیقتی نہیں اس لئے کہ اگر یہ
دونوں ترکیبیں باضانی ہوں تو فساد معنی لازم
آتا ہے اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا
ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام

میں تناقض ہے اس لئے کہ قولہ مثل لا با لا
الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکیب لا با لا
ولا غلامی ان میں اضافت جائز ہے اس لئے کہ
مشارکت معنی کے باعث غیر مضاف کو مضاف
سے تشبیہ کی گئی ہے اور پس مضاف
سے یہ لازم آتا ہے کہ ان میں اضافت جائز
نہیں ورنہ فساد معنی لازم آئے گا پس مصنف
کے قول میں تناقض پیدا ہو گیا اس کا جواب
شارح نے المراد المقادیر ہما الخ سے یہ دیا کہ اس
سے مطلق معنی فاسد نہیں ہوتے کہ اعتراض
مذکور لازم آئے بلکہ اضافت کی وجہ سے وہ معنی
فاسد ہوتے ہیں جو ان دونوں ترکیبوں سے
بلا اضافت حاصل ہوں یعنی یہ کہ تقدیر خبر کی حاجت
کے بغیر بالاستقلال مرجع ضمیر کے لئے
ثبوت جنس اب و غلامین کی نفی ہو
جائے یعنی جب لا با لا کہا جائے گا بغیر تقدیر
اضافت کے تو اس میں سوائے اس کے کہ لا
جار مجرور کا متعلق ضرور مقدر مانا جائے گا کہ
اس کے بغیر جارہ ہی نہیں لگی خبر محذوف
ماننے کی کوئی حاجت نہیں ہوگی اور لا کی
ضمیر کا جو بھی مرجع ہو مثلاً زید اس کے لئے
جنس اب کی نفی بھی ہو جائے گی اور معنی یہ
ہوں گے کہ جنس اب زید کے لئے ثابت نہیں
دعی بالقياس لا غلامی لا ہے پس حاصل یہ
ہوا کہ مصنف کے کلام میں کوئی تناقض نہیں
اس لئے کہ جیسا کہ قول با لا مثل لا با لا الخ
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافت جائز
ہے قول ثانی و ليس بمضاف الخ سبب جواز
اضافت کی نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ جواز
اضافت کی صورت میں مطلق فساد معنی لازم
نہیں آئے گا کہ یہ اضافت ناجائز ہو بلکہ
اس صورت میں معنی صحیح ہوں گے اگرچہ
یہ ہمارے مقصود کے خلاف ہوں گے
البتہ چونکہ ہمارا نشان ان معنی کے علاوہ ہے
اور ان کے مضاف ہونے کی صورت میں

معنی مقصود فوت ہو جاتے ہیں، اور ہمارا مدعا حاصل نہیں ہوتا لہذا ہم کہیں گے کہ یہ دونوں ترکیبیں حقیقتہً مضاف نہیں ہیں در نہ فساد معنی مقصود لازم آئے گا۔ اور اس میں کوئی تعارض نہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۵۴ قولہ وذا المعنی یفسد الخ یہاں سے شراح فساد معنی کی صورت بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ تقدیر اضافت کی بنا پر یہ معنی دو وجہوں سے فاسد ہوتے ہیں اولاً اس وجہ سے کہ تقدیر اضافت کی بنا پر ان دونوں ترکیبوں کے معنی لا اباہ اور لا غلامیہ کے ہوں گے، اور یہ اس وقت تک تام نہیں ہو سکتے جب تک کہ خبر کو مقدر مانیں اکیلا

اباہ موجود ولا غلامیہ موجود ان پس ان میں خواہ مخواہ تقدیر خبر کی ضرورت پیش آتی اضافت کے باعث حالانکہ بلا اضافت کے تقدیر خبر کی احتیاج کے بغیر معنی تام ہو جاتے ہیں اس لئے کہ لہ للک خبر بن جاتے اور ثانیاً یہ کہ لا اباہ اور لا غلامیہ کے اصل معنی یہ ہیں کہ مرجع ضمیر مثلاً زید کا کوئی باپ نہیں یعنی وہ ثابت النسب نہیں اور اس کے مطلقاً دو غلام نہیں اس لئے کہ جب تک کہ نفی کے تحت میں واقع ہوتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، پس اس سے مثلاً زید کے لئے جنس اب اند جنس غلام کی نفی کا ثبوت ہوا لیکن جب دونوں ترکیبوں میں اضافت مانیں گے، اور لا اباہ ولا غلامیہ کہیں گے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ مثلاً زید کا باپ جو منکلم کے نزدیک معلوم الوجود ہے اب اس کے وجود کی نفی ہو رہی ہے یعنی وہ اب موجود نہیں اسی طرح زید کے دو غلام جو منکلم کے نزدیک معلوم الوجود ہیں وہ اب موجود نہیں فرد تحت ہو گئے یا مر گئے یا فرار ہو گئے، اور ظاہر ہے کہ دونوں معنی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں کہ معنی اذل سے مطلق جنس اب اور جنس غلامین کی زید

المعنی یفسد علی تقدیر الاضافة من وجهین اما اولاً فلان معنی هذین التركیبین علی تقدیر الاضافة لا اباہ ولا غلامیہ وهذا لا یتقدیر خبرای لا اباہ موجود ولا غلامیہ موجود ان ثانیاً فلان المراد نفی ثبوت جنس الاباہ الغلامین له لا نفی الوجود عن ابیہ المعلوم او غلامیہ المعلومین بخلاف

مجرد سے مل کر ثبوت سے متعلق ہیں، اور یہ معنی اضافت کی تقدیر پر دو وجہوں سے فاسد ہو جائے گا بہر حال اولاً تو اس لئے کہ اضافت کی تقدیر پر ان دونوں ترکیبوں کا معنی لا اباہ ولا غلامیہ کہ دونوں میں لام زائد ہے اور زائد کا حذف جائز ہے پس حذف کی صورت میں اسم کو ضمیر کی طرف مضاف کرنا ہوگا اور یہ (ترکیب کلمہ لای) خبر کو مقدر کے بغیر تام نہ ہوگی (تو تقدیر خبر کی حاجت ہوگی لہذا خبر محذوف ہوگی اور اس کے حذف ہونے پر کوئی قرینہ نہیں برعکس آنکہ جب اسم مضاف نہ ہو تو تقدیر کی حاجت نہ ہوگی کہ نہ خبر ہوگی تو کلام بلا تقدیر تام ہوگی و بر تقدیر حذف جرحی لا اباہ موجود ولا غلامیہ موجود ان (اس بنا پر لا غلامیہ فی المعرفہ ہوگا اور یہ ناجائز ہے) اور بہر حال ثانیاً تو اس لئے کہ مراد حقیقتہً ان دونوں ترکیبوں سے عند عدم الاضافة مرجع ضمیر کے لئے اب یا غلامین کی جنس کے ثبوت کی نفی ہے اور یہ معنی اس وقت ہی حاصل ہوگا جب اسم مضاف نہ ہو اور جار و مجرور کی خبر ہو جائے کہ ضمیر مجرور کے اب معلوم اور اس کے غلامین معلومین سے وجود کی نفی دے جب لام زائد ہوگا تو اس کا حذف جائز ہوگا اور بصورت حذف اسم کو ضمیر کی طرف مضاف کرنا ہوگا لہذا خبر موجود کی تقدیر کی حاجت ہوگی تو اسم اضافت سے معرفہ ہو جائے گا تو اب معلوم اور غلامین معلومین سے وجود کی نفی لازم آئے گی

جگہ اسم لا مرفوع ہے نہ تکریر پس معلوم ہوا کہ یہ مضاف نہیں ہیں، بلکہ ان پر مضاف کے احکام کے اجزاء میں یہ مضاف کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲۔

۵۵ قولہ خلافاً الخ اس جگہ مصنف

نے صرف سیبویہ کی تخصیص کی حالانکہ خلیل اور جہور نحاة بصرہ مذہب مصنف کے اس بارے میں خلاف ہیں پس اس کی وجہ یہ ہے کہ سیبویہ ان سبب میں مشہور اور نحاة بصرہ کے سرچارہ درمیں ہیں، اور ان کے علاوہ سبب ان کے اتباع پس ان کا ذکر کر دینا جہور کے ذکر کو مستلزم ہے نیز ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود بیان خلاف ہے مخالفین کا تعین مد نظر نہیں اس لئے کہ جملہ

کے لئے نفی ہو رہی ہے، اور ثانی سے جنس اب اند جنس غلامین کی نفی نہیں بلکہ وجود کی نفی ہے، اور یہ ہمارے مقصود کے خلاف ہے لہذا دونوں ترکیبوں میں اضافت نہیں مانی جائے گی، نیز اضافت کی صورت میں ایک اور قیاحت لازم آتی ہے، اور وہ یہ کہ اضافت حقیقی میں لام کو حذف کر دیتے ہیں، اور یہاں حذف نہیں کیا گیا نیز یہ کہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے اسم معرفہ ہو جاتا ہے پس اضافت کی صورت میں لا اباہ اور لا غلامیہ معرفہ ہو جائیں گے (یعنی اسم لا) اور یہ قاعدہ ابھی گزر چکا ہے کہ لا نفی جنس کا اسم جب معرفہ ہوتا ہے تو رفع اور تکریر لا مع اسم کے واجب ہوتی ہے حالانکہ نہ اس

لِسَبْوِيَّهِ وَالْخَلِيلِ وَجَهْرُ النِّحَاةِ وَانْصَاحُ سَبْوِيَّهِ بِهَذَا الْخِلَافِ لِأَنَّهُ
الْعِدَّةُ فِيهَا بَيْنُهُمْ أَوْلَانُ الْمَقْصُودِ بَيَانُ الْخِلَافِ لَا تَعْيِينَ الْمُخَالَفِينَ فَمَذْهَبُ
سَبْوِيَّهِ وَالْخَلِيلِ وَجَهْرُ النِّحَاةِ إِنْ مَثَلَ هَذَا التَّرْكِيبُ مَضَافٌ حَقِيقَةً
بِاعْتِبَارِ الْمَعْنَى وَاقْتِحَامِ اللَّامِ بَيْنَ الْمَضَافِ وَالْمَضَافِ إِلَيْهِ تَاكِيدٌ لِلَّامِ الْمَقْدَرَةِ
وَحُكْمُ الْمَصْرِ بِفَسَادِهِ لِمَا عُرِفَتْ وَتُحْذَفُ اسْمُ كَا حَذْفًا كَثِيرًا فِي مَثَلِ
لَا عَلَيْكَ أَتَى لَا يَأْسَ عَلَيْكَ وَلَا يَحْذِفُ الْإِمَامُ مَعَ وجودِ الْخَبَرِ لِمَثَلِ
يَكُونُ أَجْحَافًا وَقَوْلُهُمْ لَا كَزِيدًا جَعَلْنَا الْكَافَ اسْمًا جَازًا يَكُونُ كَزِيدًا
اسْمًا وَالْخَبَرُ مَحْذُوفًا لَا مِثْلَهُ موجودٌ وَجَازًا يَكُونُ خَبَرًا لَا أَحَدًا

جو لاکھ منع کے مناسب نہیں کہ یہ نفی جنس کے لئے ہے) (اے سبویہ کے خلاف) اور
(اسی طرح) خلیل اور جہر نخیلوں کے (بھی خلاف) اور مصنف نے اس خلاف کے ساتھ
سبویہ کو اس لئے خاص کیا کہ سبویہ نخیلوں کے درمیان میں ٹمہ (اور مقتدی) میں یا
اس لئے کہ مصنف کے قول سے مقصود بیان خلاف ہے (جو کسی ایک کے ذکر سے حاصل
ہو جاتا ہے) کہ (جمع) مخالفین کی تین ہیں سبویہ و خلیل اور جہر نخیلوں کا مذہب
یہ ہے کہ اس قسم کی ترکیب حقیقت میں معنی کے اعتبار سے مضاف ہے (لہذا اب معلوم
و غلامین معلومین کے وجود کی نفی ہوگی اس لئے لا کا اکم معرفہ ہوگا اور فصل باللام کے
باعث شبہ تنگی کی وجہ سے نہ تو رفع واجب ہوگا اور نہ ہی تکریر اور مضاف و مضاف
الیہ کے درمیان لام کا اضافہ لام مقدرہ کی تائید کے لئے ہے کہ یہاں اضافت لامیہ ہے) اور
مصنف نے اس وجہ سے جو نہیں معلوم ہوئی اس کے فساد کا حکم لگایا (اور حذف کیا جاتا ہے)
لا کا اکم حذف (کثیر لاطیک کے مثل میں) (یعنی لا باس علیک اور لا کا اکم خبر کے موجود ہونے کے
ساتھ ہی حذف کیا جائے گا) (یعنی اسم محذوف ہوگا تو خبر موجود ہوگی جیسے خبر محذوف ہوگی تو اسم
موجود ہوگا) تاکہ نقصان نہ ہو (اجحاف ہمزہ کی کسر سے جیم پھر حاء مجنی اذ باب و تنقیص یعنی تاکہ حذف
عناء کا سبب نہ ہو کہ جب اسم بھی محذوف ہو اور خبر بھی تو لا معمول کے بغیر رہ جائے گا جو عین
اجحاف و نقصان ہے) اور عرب کا قول لا کزید (کی وضاحت یہ ہے کہ) اگر تم کاف (مثل کے
معنی میں) اسم بناؤ کہ کاف ان حروف میں سے ہے جو اسم بھی استعمال ہوتے ہیں اور حرف
بھی (تو جواز ہوگا کہ کزید کو اسم بناؤ) اس صورت میں تنہا کاف محلا منصوب ہوگا بار بار

یہ لام لام اضافت نہیں لہذا یہ اعتراض نہ
کیا جائے کہ مضاف و مضاف الیہ کے
درمیان بوقت اضافت لام نہیں آسکتا، اور
لام مقدرہ کی تائید لام زائدہ سے اس وجہ
سے لائی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس
جگہ اضافت بمعنی اللام ہے، اور اضافت بمعنی
اللام وہ ہے کہ مضاف الیہ نہ جنس مضاف
سے ہو اور نہ اس کا ظرف کما لیسجی اور تعریف
و تکریر کا اعتراض اس طرح رفع ہو جاتا ہے
کہ نخیلوں کے نزدیک یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ
وہ جب اس جیسے معرفہ کو نکرہ کرتے ہیں
تو لام محذوف کے عوض میں تائید کے لئے دوسرا
لام زائدہ کرتے ہیں پس مضاف اس لام کی
وجہ سے بمنزلہ منفصل کے ہو جائے گا کہ
گوریا کہ اس کی اضافت ہی نہیں ہوئی اگرچہ حقیقتہ
میں مضاف ہے پس اس وقت لام مکرر داخل
ہوگا معرفہ پر نہیں لہذا جب اس کا اسم معرفہ
ہی نہیں ہوگا تو نہ تکریر لازم آئے گی، اور نہ
اسم لا کا رفع لیکن چونکہ شارح کے بیان
کردہ دونوں اعتراض ابھی باقی ہیں یعنی تقدیر
خبر کی ضرورت اور خبر جنس کی نفی کے
بجائے وجود کی نفی لہذا مصنف کا ان
دونوں ترکیبوں میں فساد معنی کا حکم اپنی جگہ
پر بدستور باقی ہے واللہ اعلم ۱۲

۱۵۶ قولہ دیمذف الم اور مثل

لا علیک سے اکثر اسم لافعی جنس حذف کر دیا
جاتا ہے تاکہ عموم کے معنی زیادہ ہو جائیں
اور اس جگہ مثل لا علیک سے ہر وہ ترکیب
مراد ہے کہ جس میں لا لافعی جنس کے اسم کے
حذف پر کوئی قرینہ قائم ہو پس لا علیک اصل
میں لا باس علیک تھا چونکہ اس جگہ باس کے
حذف پر یہ قرینہ موجود ہے کہ لا حرف
پر داخل ہو رہا ہے، اور حرف پر اس کا
داخل ہونا متنع ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اس
جگہ سے اسم محذوف ہے پھر اسم لافعی

کے باعتبار معنی کے حقیقتہ مضاف ہیں، اور
نکرہ بالا اعتراضات کا یہ جواب دیا جاتا
ہے، کہ مضاف و مضاف الیہ کے درمیان لام
کا لام مقدرہ کی تائید کے لئے ہے، اور

مخالفین کا ذکر کرنا دشوار ہے پس ذکر واحد
خصوصاً سردار کے ذکر سے مقصود حاصل
ہو گیا، پس سبویہ خلیل اور جہر نخیلوں کا
مذہب یہ ہے کہ مثل ان دونوں ترکیبوں

جنس کے حذف کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اس کی خبر محذوف نہ ہو بلکہ مذکور ہو اس لئے کہ اگر اسم و خبر دونوں بکثرت محذوف ہونے لگیں گے تو لاء نفی جنس بیکار رہ جائے گا اور نقصان کا باعث ہوگا پس حذف اسم کے لئے وجود خبر ضروری ہے اس جگہ احواف مسطور بتقدیم الجیم ہے جس کے معنی میں نقصان اور اذباب کے اسی سے، بمقتضیٰ ای اذبتہ بنوذ ہے کذا فی الصحاح باب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ حذف اسم کے لئے وجود خبر ضروری ہے اس لئے کہ لاء نفی جنس کے اسم و خبر دونوں کا حذف کرنا جائز ہے جیسے لا کزید میں کہ یہاں نہ اسم ہے نہ خبر اس کا جواب شارح و فقہاء لا کزید الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مثال مذکور میں اسم و خبر دونوں کا ایک وقت حذف نہیں بلکہ یا تو اسم محذوف ہے فقط یا خبر صرف اس لئے کہ اگر ہم کزید کے کاف کو اسمیہ قرار دیتے ہیں تو کاف بمعنی مثل ہوگا پس کزید کا مثل کزید کے معنی میں ہو کر لا کا اسم واقع ہونا جائز ہوگا اور خبر محذوف ہوگی یعنی موجود ای لاشئ موجود اذ یہ بھی جائز ہے کہ کزید کی خبر واقع ہو اور اس کا اسم محذوف ہو ای لا احد مثل کزید اور اگر کاف کو اسمیہ نہیں لیتے بلکہ بحسب ظاہر حرف قرار دیتے ہیں تو لاء نفی جنس کا اسم محذوف ہوگا اور کزید جار مجرور سے ل کر ظرف مستقر مرفوع ظاہر ہو کر خبر واقع ہوگا پس بہر صورت حذف اسم و خبر معالزام نہیں آتا وہو المقصود اب اگر کوئی کہے کہ وجود خبر کی شرط کو مصنف نے کیوں ذکر نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لئے کہ فی مثل لا ملک اسی واسطے کہا تاکہ مثل سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مثل سے مراد حذف اسم لا کے ساتھ وجود خبر بھی ہے پس یہ مثال تمام قاعدہ سے ہے اور

مثل زید وان جعلنا لا حرفا فالاسم محذوف ای لا احد کزید خبر ما ولا المشبہین فی النفی والدخول علی الجملة الاسمية بلیس هو المستند یعد دخولہما ای دخول ما ولا وہی ای خبریہ خبر ما ولا لہما وکذا اسمیہ اسم ہما لہما لغہ حجازیہ وخص الخبریہ بالذکر لان اعمالہما وجعل اسمہما وخبرہما اسما وخبر الہما انما یتظہر باعتبار الخبر فجعل الخبر خبر الہما انما هو فی لغۃ اہل الجحاض واما بنو تمیم فجئت لا یذہبون الی اعمالہما لا یجعلون الخبر خبرا

وہ لا کا اسم ہے اور خبر محذوف ہو یعنی لاشئ موجود اور جار ہے کہ کزید خبر ہو اس صورت میں اسم قرینہ عالیہ کی بنا پر محذوف ہوگا یعنی لا احد مثل زید اور اگر ہم (ظاہر متبادر پر عمل کرتے ہوئے) کاف کو حرف بنائیں تو اسم محذوف ہوگا یعنی لا احد کزید (یعنی لا احد کاش کزید لا ما اور لا جو کہ مشابہ ہیں) نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں (لیس کے ساتھ) وہ سند ہے ان دو کے داخل ہونے کے بعد (یعنی ما اور لا کے داخل ہونے کے بعد) اور وہ (یعنی ما اور لا کے لئے) خبر کا خبر اور اسی طرح ما اور لا کے لئے ما اور لا کے اسم کا اسم ہونا (لغت حجازی ہے) اور مصنف نے خبریت کو ذکر کے ساتھ قاص کیا (حالانکہ ما اور لا اسم میں بھی عامل ہوتے ہیں) اس لئے کہ ما اور لا کا اسم و خبر میں عمل کرنا یعنی (حلف تقریبی ہے اس لئے یعنی سے اس کا معنی کیا ہے یہ اعمال تفسیر ہے) ان دونوں کے اسم اور دونوں کی خبر کو ان کے لئے اسم و خبر بنانا خبر کے اعتبار سے ہی ظاہر ہوتا ہے (کہ خبر منصوب ہوتی ہے جس سے ان کے عمل کا پتہ چلتا ہے اور اسم فیلے ہی مرفوع ہوتا ہے جیسے ان کے دخول سے قبل تھا اور جب خبر منصوب ہوگی تو معلوم ہوگا کہ اسم بھی ما اور لا کی وجہ سے مرفوع ہوگا کہ حرف صرف جملے کی ایک جز میں عمل نہیں کرتا بلکہ دونوں میں عمل کرتا ہے) اور خبر کو ان کی خبر بنانا اہل حجاز ہی کی لغت (اور بصریہ کے مذہب) میں ہے۔ اور بہر صورت بنو تمیم (اور سخاۃ کو فہ) تو چونکہ وہ انہیں عمل دینے کی طرف نہیں جلتے خبر کو ان کی خبر نہیں بناتے اور یہی اسم کو ان کا اسم

بغیر مثال ذکر کی جاتی واللہ اعلم ۱۲
۱۳۵۵ قولہ خبر ما ولا الخ یعنی ما ولا جو کہ معنی نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں لیس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں (کہا مر فی المرفوعات) ان کی خبر منصوبات سے ہے اور ان کی خبر وہ ہے جو مایلا کے دخول کے بعد سند ہو اس میں بھی اعتراضات اور جوابات خبر کاں و افواتہا کی طرح ہیں واللہ اعلم ۱۲
۱۳۵۶ قولہ وہی ای خبریہ الخ اس

لہما ولا الاسم اسم الہما بل ہما مبتداء وخبر علی ما کانا علیہ قبل دخولہما
علیہما ولغة اهل الجہاز ہی النقی جاء علیہا التنزیل قال اللہ تعالیٰ ما هذا
بشرا و ما هن امہاتہم و اذا زیدت ان مع ما نحو ما ان زید قائم قبل
انما اخصت ما بالذکر لانہا لاتزاد مع لا فی استعمالہم وہی زائدۃ
عند البصرین و نافیۃ مؤكدة عند الکوفین و انتقص النقی باللا
نحو ما زید الا قائم و تقدم الخبر علی الاسم نحو ما قائم زید بطل
العمل ای عمل ما اذا کان مع واحد من ہذہ الامور الثلاثہ اما اذا زیدت

بلکہ اسم و خبر دونوں اس بنا پر مبتداء و خبر ہیں جس پر وہ مالک کے ان پر داخل ہونے سے قبل
تھے اور اہل جہاز کی لغت وہی ہے جس پر قرآن کریم کی (تنزیل آئی ہے) قال تعالیٰ ما هذا
بشرا و ما هن امہاتہم (اور جب ما کے ساتھ ان کو زائد کیا جائے) جیسے ما ان زید قائم کہا گیا ہے
کہ ما کو خاص کر اس لئے ذکر کیا گیا کہ عرب کے استعمال میں ان لا کے ساتھ زائد نہیں کیا جاتا
اور بصریوں کے نزدیک (ما ان زید قائم میں) ان زائد ہے اور کوفیوں کے نزدیک نافیہ مؤکدہ ہے
(یا نقی لا سے ٹوٹ جائے) جیسے ما زید الا قائم (یا خبر) اسم پر مقدم ہو جائے) جیسے ما
قائم زید (تو عمل باطل ہو جاتا ہے) لینی ما کا عمل (باطل ہو جاتا ہے) جبکہ ما ان میں امور
میں سے کسی ایک امر کے ساتھ ہو مگر صورت جب ان کو زائد کیا جائے تو (اس کا عمل)

اس لئے کہ اگر خبر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا تو
اسم کا مودلا کا اسم واقع ہونا معلوم نہیں ہو سکتا
کیونکہ اسم خبر کے مقابلہ میں ہے اور یہ
قاعدہ مسلمہ ہے کہ اشیار اپنی ضد اور مقابل
سے پہچانی جاتی ہیں پس اعتبار خبر پر اعتبار
اسم موقوف ہے پس جب خبر کو لغتہ مجاریہ
کے ساتھ خاص کیا تو اسم کا بھی لغتہ اہل
جہاز سے ہونا ثابت ہو گیا پس خبر کو ان
دونوں کی خبر قرار دینا اہل جہاز کی لغت میں ہے
نہی تمیم مودلا کے عمل کے قائل نہیں بلکہ وہ یہ
کہتے ہیں کہ جملہ خبریہ مودلا کے دخول کے بعد بھی
علی حالہ مبتداء خبر ہی رہتے ہیں پس ان کے
نزدیک نہ مبتداء مودلا کا اسم کہلائے گی اور نہ
خبران کی خبر اور چونکہ قرآن کریم کا نزول لغت
جہاز کے مطابق ہوا ہے اس لئے اس میں ما کو
عمل دیا گیا ہے جیسے قولہ تعالیٰ (فی قعۃ یوسف

جگہ شامع نے ای خبریۃ الخ سے ہی کامر ج
بیان کیا ہے یعنی اس کامر ج خبریۃ ہے جو کہ
خبر کے ضمن میں مستفاد ہوتا ہے خبر کو اس لئے
مرجع قرار نہیں دیا کہ ضمیر اور مرجع میں تذکرہ
تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہتی
حتیٰ پس مطلب یہ ہے کہ مودلا کی خبر کی خبریت
اندھی طرح ان کے اسم کی اسمیت اہل جہاز
کا لغت صاحب سول یہ پیدا ہوتا ہے کہ
مصنف نے لغتہ جہازیہ کے ساتھ صرف
خبر مودلا کو گریوں خاص کیا جبکہ مودلا اسم میں
بھی عمل کرتے ہیں اور ان کے اسم کی اسمیت
بھی لغت جہازیہ ہے اس کا جواب مودلا خبریت
خبر سے شامع نے یہ دیا کہ خبر کو ذکر کے ساتھ
اس لئے خاص کیا کہ مودلا کا عمل مکرر اور اسم
و خبر کو اپنے لئے اسم و خبر بنا تا اسی وقت
ظاہر ہو سکتا ہے جبکہ خبر کا اعتبار کیا جائے گا

علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اما ہذا بشر اری
انہن نہیں ہیں) اور سورہ مجادلہ میں ما بنی ثبہا تم
ردہ عورتیں ظاہر کرنے والوں کی مائیں نہیں ہیں
پس دونوں مثالوں میں ہذا اور بنی چونکہ مبنی
ہیں اس لئے ان میں تو عمل کا اثر تقدیری ہے
البتہ بشر اور انہات چونکہ معرب ہیں اس لئے
دونوں ما کے عامل ہونے کی وجہ سے منصوب
ہیں امہات جمع مؤنث سالم ہے اور اس کا اعراب
عالم نصب میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے
پس اگر ما عامل نہ ہوتا تو بشر اور امہات کو
مرفوع پڑھا جاتا ای ما ہذا بشر و ما
ہن امہاتھم حالانکہ تمام قرار دونوں کے
نصب پر متفق ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

۲۵۹

جب لفظ ان کلمہ ما کے بعد زیادہ کیا جائے
تو اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے جیسے ما ان
زید قائم اور صرف ما کے ذکر کرنے کی یہ
وجہ ہے کہ استعمال نحاۃ میں کلمہ ان کا لا
پر زیادہ کیا جانا درست نہیں پھر بصریوں کے
نزدیک یہ ان زائدہ ہے مگر تاکید نفی کے لئے
ہے اور کوفیوں یہ کہتے ہیں کہ یہ زائدہ نہیں
بلکہ نافیہ ہے اور ما کی تاکید کے لئے ہے اس
لئے کہ اگر اس کو زائدہ مانیں گے تو اس کا لغو
ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور مؤکدہ
اس لئے ہے کہ اگر اس کو بھی نفی کے لئے مانیں
گے تو قاعدہ ہے کہ نفی کی نفی ان سب
کا فائدہ دیتی ہے پس اس کا اثبات لازم
آئے گا اور یہ بھی ناجائز ہے یا کی نفی الّا کی وجہ
سے منتقص ہو جائے جیسے ما زید الا قائم (یا خبر
اسم پر مقدم ہو جیسے ما قائم زید تو مودلا کا عمل باطل
ہو جاتا ہے یعنی جبکہ لفظ ما امور ثلاثہ میں سے
کسی ایک امر کے ساتھ پایا جائے اس جگہ
شارع نے العمل کی تفسیر اسی عمل ماسے کر کے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ العمل میں
الغ لا مضاف الیہ کے عوض میں ہے

یا عہد کے لئے ہے، اور معہود ما ہے پس اس سے صرف ما کے عمل کا باطل ہونا مراد ہے نہ یہ کہ مطلق عمل باطل ہو جائے واللہ اعلم۔

سلسلہ قولہ اما اذا زیدت الخ یہاں سے شارح صوبہ مذکورہ میں باطل عمل کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ ان کی زیادتی کی وجہ سے تو ما کا عمل اس لئے باطل ہو گا کہ ما عامل ضعیف ہے اس لئے کہ اس کا عمل یس سے مشابہت کی وجہ سے بذات خود نہیں پس جب ما اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ آجائے گا تو ما اپنے ضعف کے باعث عمل نہیں کر سکے گا، اس لئے کہ اس کے عمل کے لئے اتصال شرط ہے، اور جب نفی الائی کی وجہ سے منتقص ہو جائے گی تو چونکہ اس کا عمل معنی نفی کی وجہ سے تھا، اس لئے معنی نفی کے فقدان کے وقت اس کے عمل کی ضرورت ہی نہیں رہے گی، پس اس کا عمل باطل ہو جائے گا، ایسے ہی اگر خبر اسم پر مقدم ہو جائیگی تو ترتیب میں تغیر لازم آئے گا، اور ترتیب اس کے عمل کے لئے شرط ہے تاکہ فرع اصل کے مرتبہ سے کم ہے مد نہ فرع اور اصل دونوں کا ایک مرتبہ میں ہونا لازم آئے گا، اور یہ معنی فرحیت اور تشبیہ کے بالکل خلاف ہے پس ترتیب میں اختلاف کے باعث عمل نہیں کر سکے گا۔ نیز ترتیب کے اختلاف کے ساتھ ساتھ یہ بھی وجہ ہے کہ ما عامل ضعیف ہے پس خبر میں رفع واجب ہو گا جیسے ما قائم زید واللہ اعلم۔

سلسلہ قولہ اذا عطفت الخ علیہ کے مرصع میں شارح کا اختلاف ہے، بعض اس کو خبر ماولا دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں، اور بعض صرف خبر کی طرف مگر چونکہ بیان خبر ماولا دونوں کا ہو رہا ہے اس لئے شارح نے خبر ماولا دونوں کی طرف ضمیر مجرور کو راجع کہتے ہوئے ای علی خبر ہا کہا بہر حال مطلب

ان فلان ما عامل ضعیف علی بشبہ یس فلما فصل بینہما و بین معمولہما لم تعمل واما اذا انتقص النفی بالافلان عملہا المعنی النفی فلما انتقص بطل العمل واما اذا تقدم الخبر فلتغیر الترتیب مع ضعفہا فی العمل و اذا عطف علیہ ای علی خبر ہما بموجب بکسر الجیم ای بعاطف یفید الایجاب بعد النفی دھوبل و لکن نحو ما زید مقیم بل مسافر و ما عمرو قائم لکن قاعد قال رفح ای حکم المعطوف الرفع لا غیر لکن ہما بمنزلۃ لا فی نقص النفی

اس لئے باطل ہو جاتا ہے کہ ما عامل ضعیف ہے یس کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے تو جب اس کے اور اس کے معمول کے درمیان (اجنبی کا) فصل واقع ہو گیا تو وہ عمل نہیں کرتا اور جب الاء کے توسط سے نفی ٹوٹ جائے تو (اس کا عمل) اس لئے باطل ہو جاتا ہے کہ لا دو ما کا عمل نفی کے معنی کے لئے تھا تو جب نفی ٹوٹ گئی عمل باطل ہو گیا اور بہر صورت جب (ما و لا کی) خبر (اسم سے) مقدم آجائے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا عمل ترتیب کے تعبیر کی وجہ سے (باطل ہو جاتا ہے کہ ترتیب ان کے عمل کے لئے شرط ہے) مع آنکہ یہ عمل میں ضعیف ہیں ((اور جب اس پر عطف ڈالا جائے)) یعنی ان دونوں (میں سے ہر ایک کی) خبر پر (موجب کے ساتھ) جیم کی کسر سے (ازا واجب کیونکہ عاطف معطوف کی نفی کو توڑ کر معطوف میں حکم کو واجب کرتا ہے تو معطوف موجب بفتح جیم ہوا) یعنی ایسے عاطف کے ساتھ (عطف ڈالا جائے) جو نفی کے بعد ایجاب کو ثابت کرتا ہو اور وہ (عاطف وہیں ایک بل اور (دوسرا) لکن ہے) یعنی یہ دونوں معطوف علیہ منفی کے بعد ایجاب کے قائمہ کے لئے ہیں (جیسے ما زید مقیم بل مسافر و ما عمرو قائم لکن قاعد تو رفع ہے) یعنی پس معطوف کا حکم رفع ہے کوئی دوسرا حکم نہیں کیونکہ دونوں نفی کے توڑنے میں بمنزلۃ الاء میں راقم محمد ابوالانور غلام سرور قادری رضوی شکر کرتا ہے کہ معنویات بخیر و خوبی ختم ہوتے اب مجرورات شروع ہوا چاہتے ہیں منصوبات کے بعد مجرورات اس لئے لائے کہ یہ تشبیہ

منصوب یا بوجہ دخول بارزائدہ مجرور ہو گا اور وجہ وجوب رفع کی یہ ہے کہ معنی نفی عمل کا سبب بنتے اور وہ اس حرف عطف موجب کے باعث باقی نہیں رہے پس بل و لکن بمنزلۃ الاء کے ہیں کہ جس طرح الاء کے بعد میں انتقاض نفی کے باعث ماولا عمل نہیں کرتے اسی طرح ان دونوں کے حرفوں کے بعد بھی ماولا عامل نہیں ہوں گے اور

یہ ہے کہ جب کسی اسم کا عطف ماولا کی خبر پر علی سبیل التزید ایسے حرف عطف کے ذریعہ کیا جائے جو نفی کے بعد ایجاب و اثبات کا قائمہ سے امدادہ حرف عطف موجب بل اور لکن میں اس لئے کہ یہ اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں جیسے ما زید مقیم بل مسافر و ما عمرو قائم لکن قاعد تو معطوف میں رفع واجب ہو گا اگر معطوف علیہ

المجرورات

هُوَ مَا اشْتَمَلَ اِیَّاسْمِ اشْقَلُ لَخُرُجِ الْحُرُوفِ الْاَوَاخِرِ الَّتِي هِيَ مَعَالِ
الْاَعْرَابِ فَانَّهُ لَا يَطْلُقُ عَلَيْهَا الْمَرْفُوعَاتُ وَالْمَنْصُوبَاتُ وَالْمَجْرُورَاتُ اصْطِلَاحًا
لَا نَهَا اِقْسَامُ الْاَسْمِ عَلَى عِلْمِ الْمُصَنِّفِ اِلَيْهَا اِیَّ اَعْلَامَةُ الْمَنَافِ اِلَيْهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ
مَنْصُوفٌ اِلَيْهِ يَعْنِي الْجَوْسُوءَ كَانَ بِالْكَسْرِ اَوْ الْفَتْحِ اَوْ الْيَاءِ لَفْظًا وَتَقْدِيرًا

بِالْمَنْصُوبَاتِ هِيَ الْمَجْرُورَاتُ اِتِّجَاعًا لِمَا فِي الْمَرْفُوعَاتِ (اَوْ هِيَ جَوْ
مُشْتَمِلٌ هُوَ) يَعْنِي (الْمَجْرُور) وَهِيَ اِسْمٌ هِيَ جَوْ مُشْتَمِلٌ هُوَ اِسْمٌ كِي قِيْدَاسٍ لَمْ يَكُنْ اَتَاكَ وَهِيَ اٰخِرَى
حُرُوفٍ خَارِجٍ هُوَ جَائِزٌ جَوَ اَعْرَابٍ كَالْمَعْلُومِ (جَيْسَ زَيْدٍ دَالٍ اَوْ عَمْرٍو مِیْنَ رَاوِی) كَمَا
(اَلْجَمْعُ لَفْتٍ مِیْنَ زَيْدٍ كِي دَالٍ هِيَ مَرْفُوعٌ يَامَنْصُوبٌ يَامَجْرُورٌ هُوَ) لِيَكُنْ (اصْطِلَاحٌ نَحْوُ
مِیْنَ اِنْ مَرْفُوعَاتٌ دَمَنْصُوبَاتٌ وَمَجْرُورَاتٌ كَالْاِطْلَاقِ نَهَيْتُ هُوَ تَاكِيُو كَمَا يَهِيَ اَنْوَاعُ ثَلَاثَةُ اَسْمِ كَمَا
اِقْسَامُ هِيَ اَوْ مَنَافِ اِلَيْهِ كِي عِلَامَةُ اِسْمٍ اِلَيْهِ اِسْمٌ هِيَ جَوْ مَنَافِ اِلَيْهِ هُوَ اِسْمٌ كِي حَيْثُ
سَمَ مَنَافِ اِلَيْهِ كِي عِلَامَةُ اِسْمٍ اِلَيْهِ اِسْمٌ هِيَ جَوْ مَنَافِ اِلَيْهِ هُوَ اِسْمٌ كِي حَيْثُ
زَيْدٍ اَوْ فَتْحٍ كَمَا سَمَ اِسْمٌ اِلَيْهِ اِسْمٌ هِيَ جَوْ مَنَافِ اِلَيْهِ هُوَ اِسْمٌ كِي حَيْثُ
مُشْتَمِلٌ اَوْ جَمْعٌ مَذْكُورٌ مِیْنَ مِیْنَ اِسْمٍ اِلَيْهِ اِسْمٌ هِيَ جَوْ مَنَافِ اِلَيْهِ هُوَ اِسْمٌ كِي حَيْثُ

یہ ظاہر ہے کہ ما دلا کا مدخول جملہ اسمیہ یعنی
بتلاؤ خبر ہوتا ہے اور مبتدا کی خبر مرفوع
ہوتی ہے پس ما دلا کے دخول کے بعد
اگرچہ خبر منصوب ہو گئی مگر چونکہ جملہ اسمیہ
بدستور موجود ہے اس لئے ان دونوں
کی خبر عمل رفع میں ہوگی پس معطوف کو
عمل رفع پر عطف کرتے ہوئے بنا پر اصل
رفع دینا واجب ہوگا نہ کہ نصب اس جگہ
قول مصنف بموجب بکسر الجیم ہے جو کہ
ایجاب بمعنی اثبات کا اسم فاعل ہے اور
فارفع کے بعد اسی حکم معطوف ارفع
سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا
ہے کہ جزا ہمیشہ جملہ ہوتی ہے محض ارفع کا
جزا واقع ہونا درست نہیں کہ مر سابقاً مرۃ
واللہ اعلم ۱۲ تمت المنصوبات بعون اللہ
ومن توفیقہ۔

۱۳ قولہ المجرورات الخ اس کی ترکیب

بعینہ وہی ہے جو المرفوعات اور المنصوبات
کی ہے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو
المرفوعات کے ضمن میں گذر چکی کہ یہ مجرور کی
جمع ہے یا مجردۃ کی وغیرہ اب اس جگہ
ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ المرفوعات
اور المنصوبات میں تو جمع لانا درست تھا
اس لئے کہ مرفوع اور منصوب بہت ہیں لیکن
مجروح جو کہ صرف ایک ہے یعنی منافع الیہ
اس کے بیان میں المجرورات جمع لانا کیسے
درست ہے؟ جواب یہ ہے کہ مجروح اگرچہ
صرف ایک ہے مگر اس کے انواع متعدد
ہیں اس لئے انواع کو ملحوظ رکھتے ہوئے
المجرورات کہا واللہ اعلم ۱۲

۱۴ قولہ ہواً مشتق الخ اس جگہ مؤنث
کا مرجع مجروح ہے جو کہ المجرورات کے ضمن
میں پایا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ وارد ہو کہ
ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں اور اسے

حسب سابق اسم مراد ہے اس لئے کہ تمام
گفتگو اسم ہی سے ہو رہی ہے پس تعریف
یہ ہوتی کہ مجروح اس اسم کو کہتے ہیں جو منافع
الیہ کی علامت پر مشتمل ہو پس جب ما کی
تفسیر اسی اسم سے کی گئی تو اس سے وہ حرف
اور آخر خارج ہو گئے کہ جو محل اعراب ہیں اس
لئے کہ حرف اور آخر پر مرفوعات منصوبات
اور مجرورات کا اصطلاحاً اطلاق نہیں کیا جاتا
اس لئے کہ مرفوعات وغیرہ اسم کے اقسام
سے ہیں اقسام حروف سے نہیں نیز اس
کے ساتھ ساتھ حروف اول اور اد وسط
بھی خارج ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اعراب کا
اثر آخر میں آتا ہے اس لئے شارح نے
الحروف الاواخر کو ذکر کر دیا اور اس عبارت
کے متعلق جو سوالات وجوابات مرفوعات کے
بیان میں گذر چکے وہی بعینہ یہاں بھی تصور
کئے جائیں اور علم المنافع الیہ کی شرح اسی
علامۃ المنافع الیہ الخ سے کر کے شارح کا
مقصود جس طرف اشارہ کرتا ہے وہ بھی
مرفوعات کے شروع میں بیان ہو چکا
ہے پس حاصل یہ ہوا کہ مجروح اس اسم کو کہتے
ہیں جو منافع الیہ کی علامت پر منافع
الیہ ہونے کی حیثیت سے مشتمل ہو اور
منافع الیہ کی علامت جو ہے خواہ وہ
جو کسرہ کے ساتھ ہو جیسے غلام زید یا فتح
کے ساتھ جیسے غلام احمد یا یاء کے ساتھ جیسے
یا غلام اخی پھر اس میں بھی تقسیم ہے کہ یہ کسرہ
یا فتح یا یاء لفظ ہوں یا تقدیر لفظ کی مانند
ابھی بیان ہوئی تقدیر کی مثالیں یہ ہیں
کسرہ تقدیری جیسے مرتضیٰ یعنی فتح تقدیری
جیسے مرتضیٰ باحمد یا تقدیری جیسے یا غلام اخی
یا غلامی واللہ اعلم ۱۲۔

وَلَمَّا قُلْنَا مَنْ حَيْثُ هُوَ مضاف اليه لان الجرح ليس علامة لذات المضاف اليه بل لحيثية كونه مضافا اليه والمضاف اليه وان كان مختصا بما عرفه به لكن المشغل على علامته اعم منه ومما هو مشبه به فيدخل في تعريف المجرور مثل بحسبك درهم وكفى بالله وكذا المضاف اليه بالاضافة اللفظية وان لو يكن داخل في تعريفه والمضاف اليه وهو ههنا غير ما هو المصطلح المشهور بينهم وذهب في ذلك الى مذهب

قوله وانما قلنا من حيث هو مضاف اليه لان الجرح ليس علامة لذات المضاف اليه بل لحيثية كونه مضافا اليه والمضاف اليه وان كان مختصا بما عرفه به لكن المشغل على علامته اعم منه ومما هو مشبه به فيدخل في تعريف المجرور مثل بحسبك درهم وكفى بالله وكذا المضاف اليه بالاضافة اللفظية وان لو يكن داخل في تعريفه والمضاف اليه وهو ههنا غير ما هو المصطلح المشهور بينهم وذهب في ذلك الى مذهب

اپنی تفسیر علم الصفات میں قید من حیث جہت جو مضاف ہے اس کا اضافہ کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ جہت میں کہ ہم نے من حیث جو مضاف الیہ اس وجہ سے کہا کہ جز ذات مضاف الیہ کے لئے علامت نہیں ہوتا اس لئے کہ اعراب مطلقا علامت نہیں ہوا کرتا کہ اطلاق سے مراد ذات لی جائے بلکہ اعراب اس وقت علامت ہوتا ہے جبکہ لفظ میں معانی مقفیہ میں سے کوئی معنی پائے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی اسی حیثیت سے پائے جاتے ہیں کہ لفظ فاعلیۃ یا مفعولیۃ یا اضافۃ کے ساتھ متصف ہو جس اعراب بیان وصف کے لئے ہو گا نہ کہ ذات کے لئے پس جو مضاف الیہ کے لئے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے علامت ہو گا اب اس جگہ ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ علامت مضاف الیہ پر مشتمل صرف مضاف الیہ ہی ہو سکتی ہے نہ کہ غیر پس تعریف مجرور میں بالشرائط بحسب کیسے داخل ہو سکتے ہیں، حالانکہ یہ بھی مجرورات میں سے ہیں اسی طرح اضافۃ لفظیہ بھی اس سے خارج ہوئی جاتی ہے، اس لئے کہ اضافۃ لفظیہ میں مضاف الیہ دراصل یا تو منصوب ہوتا ہے یا مرفوع پس اس کا جرح کالعدم ہے اس کا جواب شارح رحمہ اللہ والصفات الیہ وان کان مختصا الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگرچہ مصنف کی تعریف سے مضاف الیہ صرف اسی میں اضافۃ معنویہ پائی جائے لیکن مشتمل علی علامتہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس میں تعمیم کی جائے، اور یہ کہا جائے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی وہ خواہ اسم مضاف الیہ ہو جیسا کہ تعریف مصنف سے ظاہر ہوتا ہے یا وہ اسم مشابہ مضاف الیہ ہو یعنی مجرور ہونے کے اعتبار سے اس اسم کی صفات الیہ کے ساتھ مشابہت ہو اگرچہ اس پر مضاف

یا تقریری طور پر (جیسے غلام فتی وحلی والی العباس اور مصنف نے جرحی کا ذکر نہیں کیا کہ وہ فتح اور یاد کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کسرہ محلیہ سے ہوتی ہے جیسے مرت بہذا یا بہذین بحالت تشبیہ) اور ہم نے من حیث جو مضاف الیہ اس لئے ہی کہا کہ جرح مضاف الیہ کی ذات کے لئے علامت نہیں (مثلا غلام زید میں ذات زید کی علامت نہیں) بلکہ اس کے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت کے لئے ہے اور مضاف الیہ (کایہ جو مضاف الیہ نام ہے) اگرچہ اس مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہے جس کی مصنف نے اس (عبارت والصفات الیہ کل اسم الہی سے تعریف کی ہے لیکن جو اسم مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہے وہ اس مضاف الیہ سے اور (مجرور ہونے میں) مشابہ بالصفات الیہ سے عام ہے (اگرچہ اس پر مضاف الیہ کا اطلاق نہ ہو لہذا ان توجہ علامۃ الشیء بدون ذلک الشیء) لہذا مجرور کی تعریف میں بحسب درهم اور کفی باللہ کی مانند داخل ہو گا اور اسی طرح مضاف الیہ اضافۃ لفظیہ (بھی مجرور کی تعریف میں داخل ہو گا) اگرچہ مضاف الیہ کی تعریف میں داخل نہیں ہے (اور مضاف الیہ) اور مضاف الیہ یہاں (مصنف کے کلام میں) اس (مضاف الیہ) کے علاوہ ہے جو نحویوں کے درمیان اصطلاح میں مشہور ہے اور مصنف مضاف الیہ کے اطلاق

قوله والصفات الیہ الخ شروع میں تو مجرورات کی تعریف تھی اب صفات الیہ کی تعریف بیان کرتے ہیں، اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس جگہ مصنف نے تعریف مشہور سے عدول کر کے قطعی کا ارتکاب کیا ہے اسی لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ مجرور بواسطہ حرف جر لفظا مضاف الیہ نہیں ہوتا لہذا وہی تعریف صحیح ہو سکتی ہے کہ جس سے مجرور بواسطہ حرف جر لفظا خارج ہو جائے، اور وہ یہ ہے جو نخاعہ نے کی ہے یعنی سے

الیہ کا اطلاق نہ کیا جائے پس تعریف مجرور اپنے تمام افراد کو جامع ہو جائے گی، اور اس میں مجرور بحرف جر اور مضاف الیہ مضافۃ لفظیہ داخل ہو جائیں گے جیسے بحسبک درهم وکفی باللہ اور غلام زید ہی صارت زید اصل یہ ہوا کہ مضاف الیہ سے خاص کر مضاف الیہ ہی مراد نہیں بلکہ اس میں بالشرائط وغیرہ بھی داخل ہیں اب یہی یہ بات کہ اضافۃ لفظیہ تعریف مضاف الیہ میں کیوں داخل نہیں تو اس کا بیان عنقریب آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ والشرع اعلم۔

یسویہ حیث اطلاق المضاف الیہ علی المنسوب الیہ بحرف البحر لفظاً ایضاً
کل اسم حقیقۃ او حکماً لیشمل الجمل التي یضاف الیہا نحو یوم ینفع
الصادقین صدقہم فانہا فی حکم المصادور نسب الیہ شیء اسماء کان نحو
غلام زید او فعلاً مثل مررت بزید بواسطۃ حرف البحر لفظاً آخر
تقدیراً ای ملفوظاً کان ذلك الحرف کافی مثل مررت بزید او مقدراً
حال کون ذلك المقدّر مراداً من حیث العمل بابقاء اثرہ وهو البحر مثل
غلام زید و خاتم فضة و ضرب الیوم بخلاف قمت یوم الجمعة فأنہ وان

(کے سلسلے) میں یسویہ کے مذہب کی طرف گئے ہیں اور یقول الفقیر محمد ابوالانور غلام
سرور قادری ان المختار عند المصنف مذہب یسویہ کیونکہ یسویہ نے اس اسم پر بھی مضاف
الیہ کا اطلاق کیا ہے جو لفظی طور پر بھی حرف جر کے ساتھ منسوب الیہ ہو (والمراد بحرف البحر
غیر الزائد لانی لایکون مضافاً الیہ عندہ ایضاً) (ہر وہ اسم ہے) حقیقۃ یا حکماً تاکہ کل اسم ان
جملوں کو شامل ہو جائے جو (اسماء زمان کے لئے) مضاف الیہ ہوتے ہیں جیسے یوم ینفع
الصادقین صدقہم کہ یہ جملے مصادر کے حکم میں ہیں جس کی طرف کسی شے کی نسبت کی
جاتے وہ شے اسم ہو جیسے غلام زید یا فعل جیسے مررت بزید «حرف جر کے واسطے سے لفظی
طور پر یا تقدیری طور پر» یعنی وہ حرف جر ملفوظ ہو جیسے مررت بزید کے مثل میں یا مقدّر ہو
جیکہ وہ مقدّر (مراد ہو) عمل کی حیثیت سے (اور وہ) اس طرح کہ اس کا اثر جو کہ جیسے باقی
رکھا گیا ہے غلام زید اور خاتم فضة اور ضرب الیوم (ای غلام زید و خاتم من فضة و ضرب
فی یوم و یقول الراقم محمد ابوالانور غلام سرور قادری و حرف البحر فی المفعول فیہ و المفعول لیست

کل اسم اضعیف الیہ اسم آخر
بواسطۃ حرف البحر تقدیراً مراداً
پس اس سے مجرور بواسطہ حرف جر لفظی
خارج ہو جاتا ہے جیسے مررت بزید اس کا
موجب مذہب فی ذلک الخ نے یہ دیا کہ مصنف
نے مذہب یسویہ اختیار کیا ہے اس نے
کہ یسویہ نے مضاف الیہ کا اطلاق منسوب
الیہ بحرف جر لفظی پر بھی کیا ہے پس اس
اختیار کی وجہ یہ ہے کہ مصنف حق کی پیروی
کرتے ہیں مطلقاً نہایت کی نہیں اور مصنف کے
نزدیک حق یہ ہے کہ مجرور بواسطہ حرف جر
لفظی بھی تعریف مضاف الیہ میں داخل ہو

اس نے کہ اس میں بھی نسبت پائی جاتی ہے،
فائدہ و ہوا مشتمل علی علم المضاف الیہ کہنے
سے اگر یہ مضاف الیہ کی تعریف سمجھ میں آ جاتی
ہے مگر چونکہ مصنف کا خداداد تعریف میں انفرادیت
نہ ہر کرنے کا تھا اس لئے اس کی علیحدہ تعریف
بیان کر دی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مصنف نے
تبہور نہایت کا اتباع نہیں کیا و اللہ اعلم

۵۔ قولہ کل اسم الخ مضاف الیہ ہر وہ
اسم ہے کہ جس کی طرف کسی شے کی نسبت
بواسطہ حرف جر لگئی ہو عام ازیں کہ وہ اسم
حقیقۃ ہو یا حکماً حقیقۃ جیسے غلام زید میں زید
اور حکماً جیسے یوم ینفع صادقین صدقہم ای یوم

لفظ الصادقین ہیں اس تعمیم کی ضرورت اس
لئے پیش آئی تاکہ تعریف ان جملوں کو بھی مشتمل
ہو جائے کہ جو مضاف الیہ ہوتے ہیں اس لئے
کہ یہ جملے مصادر کے حکم میں ہوتے ہیں ورنہ ان
کی جانب اضافہ صحیح نہیں ہو سکتی کافی یوم ینفع
الصادقین صدقہم پھر جس شے کی نسبت کی
جائے اس میں بھی تعمیم ہے کہ وہ شے اسم ہو
جیسے غلام زید کہ اس میں شے منسوب یعنی غلام
اسم ہے یا شے منسوب فعل ہو جیسے مررت بزید
میں مررت پھر واسطہ حرف جر بھی تعمیم ہے
یعنی عام ازیں کہ وہ حرف جر لفظی میں ہو جیسے
مررت بزید میں باد جبارہ یا مقدّر ہو مگر من حیث
العمل مراد ہو یعنی اس کا اثر لفظوں میں باقی
ہو اور وہ اثر جبر ہے جیسے غلام زید کہ اصل
میں غلام زید تھا پس یہاں لام مقدّر ہے اور
مراد ہے اس لئے اس کا اثر لفظوں میں باقی
ہے علی ہذا القیاس خاتم فضة ای خاتم
من فضة و ضرب الیوم ای ضرب
فی الیوم بخلاف قمت یوم الجمعة کے
کہ اس میں اگرچہ یوم الجمعة کی طرف قیام کی نسبت
حرف جر مقدّر یعنی فی کے ساتھ ہے، لیکن وہ
حرف جر مراد نہیں اس لئے کہ اگر وہ مراد ہوتا
تو اس کا اثر یعنی جر لفظوں میں ظاہر ہوتا اور
یہاں الیوم منسوب ہے پس معلوم ہوا کہ یہ تعریف
مضاف الیہ سے خارج ہے اسی چیز کو مد نظر
رکھتے ہوئے شارع نے من حیث العمل بابقاء
اثر الخ کا اضافہ فرمایا لہذا اب کوئی شخص یہ اعتراض
نہ کرے کہ تقدیراً کے بعد مراد کی قید کا اضافہ
کرنا بیجا ہے اس لئے کہ تقدیر کے معنی یہ ہیں
ہیں کہ لفظ سے اسقاط ہو اور زیمہ میں ابقاء
پس جب حرف جر مقدّر ہو گا تو زیمہ میں ضرور
باقی رہے گا پھر لفظ اور تقدیراً کی شرح
ملفوظاً اور مقدراً سے کر کے بدستور سابق
اس امر پر تنبیہ کی ہے کہ یہ معنی اسم مفعول
ہو کہ کان محذوف کی خبر میں اور یہ معنی اسم مفعول

ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خبر کا محل اسم پر درست ہو جائے گا مرکبات مرآت پس تقدیر عبادت یہ ہوگی سوا "کان" الحرف ملفوظ اور مقدراً اور قولہ مراداً "کان" محذوف کی خبر سے حال واقع ہے نیز ہو سکتا ہے کہ مراداً قولہ تقدیراً سے تمیز ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراداً مقدراً کی صفت یا خبر بعد خبر ہو پس مراداً سے مفعول فیہ اور مفعول معہ خارج ہو جائی گے اس لئے کہ ان دونوں میں حرف جر کی تقدیر مراد نہیں ہوتی ورنہ وہ منصوب نہ ہوتے والشرائعلم ۱۳۔

۱۷۰ قولہ فالتقدیر الخ التقدير میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اس لئے شارح نے اس کی تفسیر ای تقدیر الحرف کے ساتھ کی اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ وہ اضافت جو بتقدیر حرف جرہ ہوتی ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف الیا اسم ہو کہ جو اضافت کے باعث تنوین یا قائم مقام تنوین مثلاً نون تنبیہ و جمع سے خالی ہو اس جگہ مضاف کا اسم ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ مضاف ہونا اسم کا فاعل ہے نہ کہ فعل کا پس اگر مضاف فعل یا متضمن معنی فعل کو ہوگا تو حرف جر کا تلفظ ضروری ہے اس لئے کہ اضافت فعل کے خواص میں سے نہیں ہے کہ تقدیر حرف جائز نہ ہو جیسے مررت بنیدہ اور انا مار بنیدہ اب یہاں قولہ مجرداً تو اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مجرداً اسم مفعول ہے اور تنوین اس کا نائب فاعل پس مجرداً کا اسناد تنوین کی طرف ہوا اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ تنوین عارض ہے۔ اور اصل شئی میں یہ ہے کہ معروض کی طرح مسدود نہ کہ عارض کی طرف پس مناسب یہ تھا کہ مجرداً کا اسناد کلمہ کی طرف کرتے ہوئے مجرداً ہو عن تنوین کہتے تاکہ شئی کا اسناد بنابر اصل معروض کی طرف ہو جاتا

نسب اليه القيام بالحرف المقدرو هو في لكنه غير مراد اذ لو اريد لا نجريه
فالتقدير اي تقدير الحرف شرطه ان يكون المضاف اسما اذ لو كان فعلا
لا بد من ان يتلفظ بالحرف نحو مرت يزيد مجردا اي منسحقا عند
تنوينه او ما قام مقامه من نوني التثنية والجمع ارجلها اي لاجل
الاضافة لان التنوين والنون دليل على تمام ما هي فيه فلما ارادوا ان
يمزجوا الكلمتين مزجا تكتب به الاولى من الثانية التعريف والتخصيص

بمرا۱ والا م یضیا) قمت یوم الجمعه کے برعکس کہ اگرچہ یوم جمعہ کی طرف حرف مقدر جو کہ فی ہم (اور ضربہ تادیبا میں لام) کے واسطے سے قیام کی نسبت کی گئی ہے لیکن حرف جر مراد نہیں ہے کیونکہ اگر حرف جر مراد ہو تو اس حرف سے یوم (اور تادیبا میں سے ہر واحد مجرور ہو) و یس کذلک ((پس تقدیر کی)) یعنی حرف جر کی تقدیر کی ((شرط یہ ہے کہ مضاف اکم ہو)) کیونکہ اگر مضاف فعل ہو گا تو حرف جر کا تلفظ ضروری ہو گا جیسے مررت بزید (اس سے اس کی تنوین کو مجرد) یعنی منسلخ (کیا گیا ہو)) (یعنی تنوین کو) یا تنہیہ و جمع کے دونوں میں سے جو تنوین کے قائم مقام ہے (کو مضاف سے الگ کر لیا گیا ہو) (اس کی وجہ سے) یعنی اضافت کی وجہ سے کیونکہ تنوین یا نون اس چیز کے تمام (و کماں) پر دلیل ہے جس میں یہ (تنوین و نون) ہو تو نحو یوں نے دو کلموں کو آپس میں اس طرح ملائے گا ارادہ کیا کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمہ (یعنی مضاف مضاف الیہ) سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف مائل

اس کا جواب شارح نے اسی فلسفہ سے یہ دیا کہ اس جگہ مجرداً فلسفہ کے معنی میں ہے، اور تقدیر عبارت یوں ہے اسی فلسفہ عنہ تنوین، یعنی مضاف سے تنوین سلب کر لی گئی ہو پس تجرید چونکہ السلاخ کو مستلزم ہے، اس لئے ملزوم یعنی تجرید یوں کر لازم یعنی السلاخ مراد لیا ہے، پھر سوال پیدا ہوا کہ جس طرح مضاف کے لئے تنوین سے خالی ہونا ضروری ہے اسی طرح قائم مقام تنوین یعنی نون تشبیه و جمع سے بھی خالی ہونا ضروری ہے پس مصنف نے صرف تنوین کو ذکر کیا اور نون تشبیه و جمع کو چھوڑ دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ تنوین اصل ہے، اور نون تشبیه و جمع اس کی فرع ہیں جب اصل کو ذکر کر دیا تو فرع

خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے یا یہ کہہ لیا جائے کہ اس جگہ عبارت علی حذف المعطوف ہے جیسا کہ شارح نے اوما قام مقامہ سے اس طرف اشارہ کیا ہے لہذا اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اب رہا یہ امر کہ تقدیر حرف کے لئے مضاف کا تنوین سے خالی ہونا کس لئے ضروری ہے تو اس کا جواب شارح لان التثوين والنون الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ تنوین یا نون تنبیہ و جمع کلمہ کے تمام ہونے پر دلالت کرتے ہیں پس جب دو کلموں کو ملائے کی ضرورت داعی ہو اور اس اتصال سے مقصود یہ ہو کہ کلمہ اولی کلمہ ثانیہ سے تعریف یا تخصیص یا تحقیق کا فائدہ حاصل کہے تو اول کلمہ سے اتمام کلمہ کی ملامت کو حذف کرنا ضروری ہوگا

او الخفيف حذفوا من الاولى علامة تمام الكلمة وتموها بالثانية ثم المتبادر من هذا التعريف نظر الى كلام القوم حيث ليسوا قائلين بتقدير حروف الجرح في الاضافة اللفظية انه غير شامل للمضاف اليه بالاضافة اللفظية لكن الظن من كلام المصنف في المتن والصريح في شرحه انه ان التقسيم الى الاضافة المعنوية واللفظية انها هو للاضافة بتقدير حرف الجرح لكنه لم يبين تقدير الحرف فيها الا في المتن ولا في شرحه ولم ينقل عنه شيء

کرے تو انہوں نے پہلے کلمے (یعنی مضاف) سے کلمہ کے تمام ہونے کی علامت (تینوں یا نوں) کو حذف کر دیا اور اسے دوسرے کلمہ کے ذریعے (اس طرح) مکمل کیا کہ دوسرے کلمہ کو کلمہ اولیٰ کی شئی محذوف کے قائم مقام کر کے اس کے نقصان کی تلافی کر دی) پھر تجویز کے کلام کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ اضافت لفظیہ میں حرف جرح کی تقدیر کے قائلین نہیں ہیں مضاف الیہ کی اس تعریف سے متبادر یہ ہے کہ یہ تعریف مضاف الیہ بہ اضافت لفظیہ کو شامل نہیں ہے (کہ اضافت لفظیہ میں حرف جرح ہے ہی نہیں لفظاً اور نہ تقدیراً لہذا یہ تعریف مضاف بہ حرف جرح لفظاً یا تقدیراً مراد کے ساتھ خاص ہوگی) لیکن اس کتاب (کافیہ) کے متن اور اس کے مصنف کی اپنی شرح میں مصنف کے کلام سے جو ظاہر و واضح ہے وہ یہ ہے کہ اضافت معنویہ اور لفظیہ کی طرف جو تقسیم ہے وہ اضافت بہ تقدیر حرف جرح کے لئے ہی ہے لہذا اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اضافت لفظیہ بھی تقدیر بہ حرف جرح سے ہے لیکن مصنف نے جس طرح اضافت معنویہ میں حرف جرح کی تقدیر کو بیان کیا ہے اسی طرح اضافت لفظیہ میں حرف جرح کی تقدیر کو بیان کیا نہ (کافیہ کے) متن میں اور نہ ہی اس کی شرح میں اور نہ ہی مصنف کی باقی مصنفات سے حرف

سے کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم ۲۔
۱۔ کہ قولہ ثم المتبادر الى اس عبارت سے شارح ایک سوال کر کے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں تقریر سوال معلوم کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ جمہور سخاۃ اس امر کے قائل ہیں کہ اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جرح نہیں ہوتی نہ لفظاً اور نہ معنی اب ہم قول جمہور سخاۃ کو سامنے رکھیں اور مصنف کی عبارت نسبت الیہ شئی الخ کو دیکھیں تو اس تعریف سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ تعریف مضاف الیہ باضافة لفظیہ کو شامل نہیں اس لئے کہ اس میں حرف جرح کا واسطہ نہیں ہوتا اور تعریف میں واسطہ در حرف جرح ملحوظ ہے پس اعتراض وارد ہوا کہ یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے مضاف الیہ باضافة لفظیہ خارج ہو جاتا ہے اب رہا یہ سوال کہ اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جرح کیوں نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مضاف الیہ در حقیقت منصوب یا مرفوع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مفعول یا فاعل واقع ہوا کرتا ہے پس اس کو جرح کی احتیاج نہیں اسی لئے اس اضافت سے نہ تو تعریف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ تخصیص کا حرف تخفیف

بد نظر رہتی ہے پس اگر اضافت صفۃ کی مفعول کی طرف ہو جیسے ضارب زید تو زید در حقیقت مفعول بہ ہے اور اس میں تقدیر حرف جرح کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ضارب متعدی بنفسہ ہے ہاں اگر یہ متعدی بنفسہ نہ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ زید بتقدیر حرف جرح مجرور ہو کر بواسطہ حرف جرح ضارب کا مفعول ہے ایسے ہی صفۃ کی اضافت فاعل کی طرف ہو جیسے الحسن الوجه تو اس میں بعینہ وجہ کا محل جن پر حمل ہو ہو کے قبیل سے ہے اس لئے کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں پس اس میں تقدیر حرف جرح کے کوئی معنی نہیں اس کا جواب ممکن الظاہر من کلام المصنف

بغير حذف تنوين اور انضمام کلمہ ثانیہ کے حاصل نہیں ہو سکتا پس کلمہ ثانیہ اگر معرفہ ہو گا تو کلمہ اولیٰ میں تعریف آئے گی اور کلمہ ہو گا تو اولیٰ میں تخصیص پیدا ہوگی اور تخفیف بہر صورت حاصل ہوتی ہے اس لئے حذف تنوين و حذف نون مشبہ دمج اور انضمام کلمہ ثانیہ ضروری ہوا اب اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تنوين اگر اضافت کے علاوہ کسی اور سبب سے ساقط ہوگی مثلاً التقاء ساکنین و دخول لام تعریف اور عدم انصراف وغیرہ کے باعث تو اس سے ہماری بحث نہیں کیونکہ ان مقامات میں حذف تنوين کا باب اضافت

در نہ دونوں کلموں میں امتزاج پیدا نہیں ہو گا کہ دونوں کلمے ل کر بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہو جائیں بلکہ انفصال پیدا ہو جائے گا اور یہ مقصود اضافت کے خلاف ہے پس کلمہ اولیٰ سے علامت تمام کلمہ کو حذف کر کے کلمہ ثانیہ کے ساتھ اس کو تام کر دیں گے اب اس جگہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جب کلمہ اولیٰ تنوين یا اس کے قائم مقام کے ساتھ تام ہوتا ہے تو حذف تنوين یا قائم مقام اس تمام شئی آخر کی کیا ضرورت ہے اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کلمہ اولیٰ میں جب تعریف یا تخصیص وغیرہ پیدا کرنا مقصود ہو تو یہ فائدہ

الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ تعریف سے اضافہ لفظیہ کا شمول مضاف الیہ میں معلوم نہیں ہوتا لیکن مصنف کے کلام آتی وہی معنویہ و لفظیہ میں ہی ضمیر کے مرجع اور شرح کافی میں اپنے قول مذکورہ کی شرح میں قولہ ہی ای الاضافہ بتقدیر حرف الجر معنویہ و لفظیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اضافہ معنویہ اور لفظیہ کی طرف تقسیم اضافہ بتقدیر حرف الجر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اضافہ لفظیہ میں بھی تقدیر حرف جر ہوتی ہے، لیکن مصنف نے اس میں تقدیر حرف کو بیان نہیں کیا جبکہ اضافہ معنویہ میں بیان کیا ہے، اور نہ اس کی شرح کا یہ میں اس کا کچھ بیان ملتا ہے، اور نہ اس کی تمام معنفات میں اس سے کچھ منقول ہے، پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مصنف کی تعریف جامع نہیں بلکہ جامع ہے اور اضافہ لفظیہ بھی اس میں داخل ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳۔ قولہ وقد تکلف الخ اس سے شرح کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ اضافہ لفظیہ میں واسطہ حرف جر کی کیا صورت ہے؟ پس بعض نکتہ نے کہا ہے کہ مثلاً جب اسم فاعل کی اضافہ اپنے مفعول کی طرف ہو جیسے ضارب زید تو اس کی تقدیر ضارب زید ہے اور اس میں لام کو عمل صفات کا تقویہ کے لئے قرار دیتے ہیں نہ کہ تقدیر کے لئے اس لئے کہ مذہب متحدی غلبہ ہے اس کو کسی صلیک احتیاج نہیں اب یہی بات کہ شرح نے اس کو تکلف کیوں کہا؟ حالانکہ اس سے تعریف کی جامعیت بھی میں آتی ہے اور مصنف الزام سے بچ جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقویہ عمل کے لئے جو لام آیکتا ہے وہ ناکدہ ہوتا ہے پس جب یہ لام ناکدہ ہوتا تو اس کا فائدہ صرف اتنا ہوا کہ یہ اپنے ماقبل کو اپنے مابعد سے ربط دے دے، پس جب یہ ربط کے لئے ہوا تو مناسب یہ ہے کہ اس کو لفظوں میں

فیہ من سائرہ صفاتہ وقد تکلف بعضهم فی اضافۃ الصفۃ الی مفعولہا مثل ضارب زید بتقدیر اللام تقویۃ للعلل اے ضارب زید وہی اضافتھا الی فاعلھا مثل الحسن الوجه بتقدیر من البیانۃ فان ذکر الوجه فی قولنا جاء فی زید الحسن الوجه بمنزلۃ التمییز فان فی اسناد الحسن الی زید ابھما ما فانه لا یعلم انه ای شی منہ حسن فاذا ذکر الوجه فکانہ قال من حیث الوجه فان قلت هذا فی الحقیقۃ تخصیص فلا یعلم ان الاضافۃ

جر کی تقدیر کے سلسلے میں مصنف سے کوئی چیز منقول ہے اور بعض حضرات نے ضارب زید کے مثل میں صفت (اکم فاعل) کے اس کے مفعول کی طرف اضافت کے اندر رد فاعل کی طرح عامل کے عمل کو قوت دینے کے لئے لام کو مقدر کہنے کا تکلف کیا ہے یعنی ضارب زید کہ مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہے اور نہ اس کی طرف لہذا اضافت لانی ہوگی جیسے غلام زید میں) اور (بعض حضرات نے) الحسن الوجه کے مثل میں صفت کی اس کے فاعل کی طرف اضافت کے اندر من بیانہ کی تقدیر کا (تکلف کیا) کہ ہمارے قول جاء فی زید الحسن الوجه میں الوجه کا ذکر تمیز کے بمنزلہ ہے (لہذا تقدیر من بیانہ مناسب ہوئی وجہ میں ہونا کہ زید کی طرف حسن کی اسناد میں ابھما ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ زید کی کونسی چیز حسن ہے تو جب وجہ کا ذکر کیا گیا تو گویا کہا (جاء فی زید الحسن) من حیث الوجه پھر اگر تم کہو کہ یہ (الحسن کا) وجہ کی طرف اس تو جیسے مضاف ہونا) تو وہ حقیقت تخصیص ہے کہ الحسن اضافت سے قبل عام اور شائع تھا تو

خوبصورت ہے پس جب اس وجہ کا ذکر کر دیا گیا تو گویا کہ یہ کہا گیا کہ زید اپنے چہرے کے اعتبار سے خوبصورت ہے پس یہاں من بیانہ مقدر مانا جائے کہ من حیث الوجه زید کے جس ہونے کا بیان ہو جائے اور اس کے تکلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فاعل پر حرف جر داخل نہیں ہوا کرتا لہذا الوجه پر من بیانہ داخل کرنا قاعدہ کے خلاف ہے واللہ اعلم ۱۳۔

۱۴۔ قولہ فان قلت الخ ابھی قریب ہی بتایا گیا تھا کہ اضافہ لفظیہ سے حرف تحتیت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے تعریف مد تخصیص کا نہیں تو اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ اس جگہ المن

ذکر کیا جائے نہ کہ مقدر رکھا جائے پس اس کو مقدر کرنا تکلف نہیں تو کیا ہے؟ واللہ اعلم ۱۴۔ قولہ و فی اضافۃ الخ اس کا مطلب فی اضافۃ الصفۃ پر ہے اور یہ بھی قد تکلف کے تحت میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مثلاً اسم فاعل کی اضافہ اپنے فاعل کی طرف ہو جیسے الحسن الوجه تو اس میں بعض نکتہ من بیانہ مقدر مانتے ہیں، اور من بیانہ کی تقدیر کی یہ وجہ ہے کہ من بیانہ تمیز کی مانند ہوتا ہے، پس جاء فی زید الحسن الوجه میں الوجه بمنزلہ تمیز کے ہے اس لئے کہ زید کی طرف من کے اسناد کرنے میں ابھما پایا جاتا ہے کہ معلوم نہیں زید کس لحاظ سے

اللفظية لا تفيد الا تخفيفا في اللفظ لا هذا التخصيص واقعا قبل الاضافة
فلا يكون مما تفيد الاضافة فليست فائدة الاضافة الا التخفيف في اللفظ
وهي اي الاضافة بتقدير حرف الجر معنوية اي منسوبة الى المعنى
لانها تفيد معنى في المضاف تعريف او تخصيصا ولفظية اي منسوبة
الى اللفظ فقط دون المعنى لعدم سرابيتها اليه فالمعنوية علامتها ان

وجه کے ذکر سے وہ وجہ کے ساتھ خاص ہو گیا) لہذا یہ صحیح نہ ہوا کہ اضافت لفظیہ تخفیف
فی اللفظ ہی کا فائدہ دیتی ہے (تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی) ہم نے جواب دیا کہ دفاعل
یعنی الوجہ کی وجہ سے یہ تخصیص اضافت سے پیش تر واقع تھی (کہ قاعل تخصیص یعنی فعل
کو اپنے ساتھ خاص کرنے والا ہوتا ہے مثلاً جب تم نے قام کہا تو معلوم نہیں کہ قیام
کس سے سرزد ہوا پس قام عام اور اس بات کے صالح و لائق ہوا کہ یہ زید و عمرو وغیرہ
سے صادر ہو تو جب تم نے قام کے بعد زید کہہ دیا تو قام کو تم نے زید کے ساتھ خاص کر دیا
طرح تہائے قول المحسن وجہ میں الوجہ ہے صفت کو اپنے ساتھ قائم ہونے کے ساتھ خاص
کرنا ہے) تو تخصیص اس قبیل سے نہیں جس کا اضافت لفظیہ فائدہ دیتی ہے (کیونکہ
فاعل کی وجہ سے تخصیص پہلے سے ہی حاصل ہے والحاصل بلا محصل) لہذا اضافت لفظیہ کا
فائدہ تخفیف فی اللفظ ہی ہوا (اور کچھ نہیں) (اور وہ) یعنی اضافت بہ تقدیر حرف جر (لہذا
ہے) یعنی معنی کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ مضاف میں تعریف یا تخصیص کے معنی کا فائدہ
دیتی ہے (اور لفظیہ ہے) یعنی لفظ کی طرف منسوب ہے فقط معنی کی طرف نہیں کیونکہ اضافت
لفظیہ (فائدہ میں لفظ سے آگے بڑھ کر معنی کی طرف نہیں جاتی) (پس معنویہ) کی علامت

الوجہ میں اضافة لفظیہ سے تخصیص کا فائدہ حاصل
ہوتا ہے اس لئے کہ المحسن الوجہ المحسن بہم ہے
کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ من کیا چیز ہے؟ آیا چہرہ
ہے یا کچھ اور؟ پس جب الوجہ ذکر کر دیا گیا تو
اس سے تخصیص حاصل ہو گئی کہ المحسن ہوا الوجہ
لا غیر لہذا یہ کہہ درست نہیں کہ اضافة لفظیہ
محض تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیتی ہے اس کا
جواب قلنا ان بذاتہ سے شروع نے یہ دیا کہ
ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس میں تخصیص کا فائدہ
حاصل ہو رہا ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ
اس میں جو کچھ بھی تخصیص ہے وہ اضافت کے
پیشتر سے واقع ہے اس لئے کہ ہم نے جب

المحسن وجہ کہ تھا بلا اضافة تو اس میں تخصیص
پائی نہ تھی پس جب اس میں اضافت لائی گئی
تو حذف ضمیر کے ساتھ تخفیف حاصل ہوئی
اگرچہ تخصیص اس میں موجود ہے مگر یہ اس کے
لئے معتر نہیں کیونکہ پیشتر سے ہے پس اضافة
سے تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوا سوائے
اس کے کہ اس سے تخفیف فی اللفظ ہو
گئی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۔ قلمہ وجہ ای الاضافة الخ اس جگہ
شارح کو ای الاضافة بتقدیر حرف الجر کہتے کی
ضرورت پیش آئی کہ مررت بنید پر اضافة کی
تعریف ماقولہ تاتی ہے لہذا اس کو نہ اضافة

معنویہ کہتے ہیں نہ لفظیہ پس ضمیر ہی کا مرجع
اگر مطلق اضافة کو ٹھہراتے ہیں اور قسم قسم میں
معتبر ہوتا ہے تو یہ درست نہیں ہوتا اس
لئے کہ مطلق اضافة کی تفسیر معنویہ اور لفظیہ کی
جانب صحیح نہیں درمررت بنید کو لے کر معترض
اعترض کر سکتا ہے پس شارح نے اپنی شرح
سے بتا دیا کہ یہ تفسیر مطلق اضافة کی نہیں بلکہ اضافة
بتقدیر حرف الجر کی ہے لہذا مررت بنید والا
اعترض اس جگہ درست نہیں پس کہتے ہیں کہ
اضافة بتقدیر حرف الجر کی دو میں میں معنویہ
اور لفظیہ معنویہ کو معنویہ اس وجہ سے کہتے
ہیں کہ یہ منسوب الى المعنى ہوتی ہے اس لئے
کہ اس سے معنوی ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے
یعنی یہ اضافت مضاف میں تعریف یا تخصیص
کا فائدہ دیتی ہے اس جگہ معنی فی المضاف میں
معنی سے مراد وہ نہیں جو لفظ کا مدلول ہوتا
ہے بلکہ اس سے مراد معنی دہنی ہیں جو کہ
معنی مدلول لفظ کے غیر ہیں یعنی مدلول لفظ
پر جو معنی زائد ہوں خواہ وہ معنی تعریف کے
ہوں یا تخصیص کے پس اگر مضاف الیہ معرفہ
ہوگا تو مضاف میں بھی تعریف آجائے گی اور
نکرہ ہوگا تو تخصیص اور لفظیہ کو لفظیہ اس
وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حرف لفظ کی طرف
منسوب ہوتی ہے معنی کی طرف نہیں یعنی اس
سے سوائے معنی مدلول کے کوئی معنی زائد
حاصل نہیں ہوتے کیونکہ یہ اضافت معنی میں
سرایت نہیں کرتی یعنی اس کا فائدہ لفظ سے
معنی کی طرف سرایت نہیں کرتا واللہ اعلم ۱۲۔
۱۲۔ قولہ فالعنویۃ الخ اس جگہ ایک
اعترض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے
کہ قولہ المعنویۃ مبتدا ہے اور قواران یکون
الخ بتادیل مصدر یعنی جعے لگوں ہو کر اس
کی خبر اور اصل خبر میں یہ ہے کہ وہ مبتدا پر
محمول ہو کر تاتی ہے لہذا اس جگہ اس کا عمل
درست نہیں اس لئے کہ انشاء لفظیہ کو

المضاف غیر مضافۃً الیہ سے عبارت نہیں ہے بلکہ یہ اس نسبت سے عبارت ہے جو بتقدیر حرف الجر ہو اور اس حرف جر کا اثر بھی باقی ہو اور مضاف اس میں غیر صفت ہو لہذا مصنف کی تعریف مذکور درست نہیں شارح نے علامتہا سے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ اضافہ معنویہ کی تعریف نہیں ہے کہ ایراد مذکور وارد ہو بلکہ یہ اضافت معنویہ کی علامت ہے پس قولہ ان یکن الخ بتاویل مصدر ہو کہ مبتدا محذوف علامتہا کی خبر ہوگا پھر یہ جملہ اسمیۃ المعنویۃ کی خبر بنے گا اور فیہا کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خبر جیب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے پس اس جگہ عائد محذوف ہے پس اضافت معنویہ کی علامت یہ ہوئی کہ اس میں مضاف غیر صفت ہو یعنی اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ نہ ہو اور اگر صفت ہو تو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو اس جگہ معمول سے مراد قبل الاضافۃ ہے جیسا کہ شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ اگر یہ قید نہ لگائیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مضاف الیہ بھی تو مضاف کا معمول ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف کو عامل مضاف الیہ کہا جاتا ہے پس اگر اس میں معمول کی نفی ہوگی تو اضافۃ کا ہی تحقق نہیں ہوگا پس جب قبل الاضافۃ کہہ دیا گیا تو اس سے مطلق معمول کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ معمول خارج ہو جاتا ہے جو اضافۃ سے پہلے معمول کہلاتا ہے یعنی فاعل یا مفعول اور ظاہر ہے کہ مضاف الیہ قبل الاضافۃ معمول نہیں کہلاتا اب ایراد مذکور لازم نہیں آئے گا پس اگر مضاف خبر صفت ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے غلام زید اور صفت ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر کی طرف مضاف ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے مصارع مصر اور

يَكُونُ الْمُضَافُ فِيهَا غَيْرَ صِفَةٍ كَأَسْمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَالصِّفَةِ الْمَشْهُلَةِ مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا فَاعِلُهَا وَمَفْعُولُهَا قَبْلَ الْإِضَافَةِ سَوَاءٌ لَوْ يَكُنْ صِفَةً كَغُلَامٍ زَيْدٍ أَوْ كَانَ صِفَةً وَلَكِنْ غَيْرُ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا بَلْ إِلَى غَيْرِهِ كَمَصَارِعَ مَصْرٍ وَكِرِيمِ الْبَلَدِ وَاحْتِزَابَهُ عَنْ نَحْوِ ضَارِبٍ زَيْدٍ وَحَسَنِ الْوَجْهِ وَفِي أَيِ الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَةِ بِحُكْمِ الْإِسْتِقْرَاءِ أَمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ فَيَتَنَاوَى فِي الْمَضَافِ إِلَيْهِ عَدَا جِنْسِ الْمَضَافِ وَظَرْفِهِ أَيْ لَا يَكُونُ صَادِقًا عَلَى الْمَضَافِ وَغَيْرِهِ وَلَا ظَرْفًا لَهُ نَحْوِ غُلَامٍ زَيْدٍ فَإِنْ زَيْدًا

«یہ ہے کہ» اس میں «لا مضاف» اسم فاعل و «اکم» مفعول و صفت مشبہ کی طرح «صیغہ» صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو «اس کا معمول» اضافت سے قبل اس کا فاعل یا مفعول ہے جو اضافت کے بعد اس کا مضاف الیہ ہوتا ہے خواہ مضاف (سرے سے) صیغہ صفت ہی نہ ہو جیسے غلام زید یا صیغہ صفت ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارع مصر (مصر کی تون) کے ساتھ (کہ) اس میں مصارع اگرچہ صیغہ صفت ہے مگر مصراع کا معمول نہیں بلکہ اس کا معمول وہ ہے جس کے ساتھ مصارعیت ہوتی اور کریم البلد اگرچہ اس میں مضاف صیغہ صفت ہے تاہم وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں (کہ کریم بلد کے ساتھ قائم نہیں) اور مصنف نے اپنے قول (مضافۃ الی غیر معمولیہا) سے ضارب زید و حسن الوجہ کے مثل سے احتراز کیا ہے کہ دراصل ضارب زید اپنصب زید بنا برآکہ مفعول ہے گویا صیغہ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف ہے اسی طرح حسن الوجہ صیغہ صفت اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے «اور وہ یعنی اضافت معنویہ بحکم استقراء» (یا تو لام کے معنی میں ہوگی اس میں) یعنی اس مضاف الیہ میں جو «مضاف کی جنس اور اس کی طرف کے ماسوا ہو» یعنی مضاف الیہ (ترکیب اضافی میں) مضاف اور غیر مضاف پر صادق نہ آئے (یعنی مضاف الیہ کا مضاف پر حمل صحیح نہ ہو اور نہ ہی غیر مضاف پر) اور نہ ہی مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو جیسے غلام زید کہ زید غلام کی جنس نہیں

نہیں آتے اور فاعل اس وجہ سے نہیں کہ طرف میں پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلوان مقرر یعنی شہر سے کہ فعل کی ستاد مصر کی طرف ہوا اسی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص شہر کو زیر کرنے والا ہے اس لئے کہ یہ بھی مرتع البطلان ہے علیٰ ہذا القیاس کریم البلد میں پس دونوں کا غیر معمول کی طرف مضاف ہونا واضح ہو گیا پس مصنف کے غیر صفت مضاف الی معمولیہا

کریم البلد کی اس میں مصارع دہ یعنی پچھارنے والا پہلوان اور کریم زید یعنی سخی صیغہ صفت اسم فاعل ہیں اور مصر اور البلد جو کہ مضاف الیہ ہیں وہ ان کے معمول قبل الاضافۃ نہیں بلکہ دونوں مصارع اور کریم کے ظرف ہیں اس لئے کہ مصر اور البلد کو اگر معمول قرار دیتے ہیں تو یہ دونوں یا تو فاعل ہوں گے یا مفعول پس مفعول تو اس وجہ سے نہیں کہ مفعول کے معنی ان پر صادق

لیس جنساً للغلام صادقاً علیہ ولا ظرفہ فاضالۃ۔ الغلام الیہ بمعنى اللام
ای غلام لزيد واما بمعنى من البیانۃ فی جنس المضاف الصادق علیہ علی
غیرہ بشرط ان یكون المضاف ایضاً صادقاً علی غیر المضاف الیہ فیکون بیہما
عموم وخصوص من وجہ واما بمعنى فی فی ظرف المضاف و
الحاصل ان المضاف الیہ اما مباش للمضاف و صح ان کان ظرفاً لافاضالۃ

ایسی کہ اس پر صادق آئے (کہ زید حر اور غلام رق ہے) اور نہ اس کی طرف ہے لہذا زید
کی طرف غلام کی اضافت لام کے معنی میں ہے یعنی غلام لزيد (اور یا من) بیانہ (ا کے
معنی میں ہوگی مضاف کی جنس میں) جو مضاف اور غیر مضاف پر اس شرط کے ساتھ صادق
آئے کہ مضاف بھی مضاف الیہ کی طرح مضاف الیہ اور غیر مضاف الیہ پر صادق آئے
(یعنی جیسے فضہ خاتم فضہ میں خاتم اور غیر خاتم پر صادق آتی ہے اسی طرح خاتم بھی
فضہ اور غیر فضہ پر صادق آئے) لہذا (اس اضافت میں) مضاف اور مضاف الیہ
کے درمیان عموم وخصوص من وجہ (کی نسبت) ہے (اور یا فی کے معنی میں ہوگی
اس کی طرف میں) یعنی مضاف کی طرف میں اور خلاصہ یہ ہے کہ مضاف الیہ یا تو مضاف
کے لئے مبین ہوگا کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر صادق نہ آئے گا جیسے
انسان اور فرس) اور اس وقت اگر مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو تو اضافت

کے لئے سے خارج زید اور من الوجہ خارج
ہو گئے، اس لئے کہ ان دونوں میں صفت کی
اضافہ اپنے معمول قبل الاضافۃ کی طرف ہے
یعنی اصل میں اضافۃ مفعول کی طرف ہے، اور
ثانی میں فاعل کی طرف دالہ علم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ وہی ای الاضافۃ الخ اب یہاں
سے مصنف اضافۃ معنویہ کے اقسام کو بیان
فرما رہے ہیں، شارح نے ہی کی تفسیر سے اس
کا مرصع بیان کیا ہے اور بحکم الاستقراء سے
اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اضافۃ معنویہ
کاتین قسموں میں منحصر ہوتا دلیل واستقرار سے
ثابت ہے، اس لئے کہ مضاف الیہ اگر جنس
مضاف سے ہوگا تو اضافۃ بمعنی من بیانہ
سے ماور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو
تو اضافت بمعنی فی ہے، اور اگر دونوں میں
سے کوئی بات نہ ہو تو اضافۃ بمعنی اللام ہے، اب
اسی یہ بات کہ مصنف نے دلیل محض کو کیوں

نہیں بیان کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافۃ
معنویہ میں اصل یہ ہے کہ بمعنی اللام ہو پھر بمعنی
من بیانہ پھر بمعنی فی پس اس ترتیب کو مد نظر
رکھنے کے باعث مصنف نے دلیل محض بیان نہیں
کی کیونکہ وجہ محض یہ ترتیب مستفاد نہیں ہو
سکتی تھی پس اضافت معنویہ بمعنی اللام ہے
اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ مضاف الیہ
جنس مضاف کا غیر ہو اور مضاف کا ظرف بھی نہ
ہو جیسے غلام زید کہ اس میں زید جنس غلام سے
نہیں کہ مضاف پر صادق آئے اور نہ زید غلام
کا ظرف ہے پس غلام کی اضافۃ زید کی طرف
بمعنی اللام ہوئی ای غلام لزيد اب یہ بات
کہ شارح نے ای لایکون صادقاً علی المضاف الخ
کا اضافۃ کس لئے کیا؟ تو اس سے اس اعتراض کا
دفعہ مقصود ہے کہ زید غلام کی جنس سے ہے
اس لئے کہ دونوں حیوان ناطق ہیں پس اضافۃ
بمعنی اللام نہ ہونی چاہیے جواب سے ظاہر ہو

گیا کہ جنس مضاف سے نہ ہونے کا مطلب یہ
ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر صادق نہ آئے اور
ظاہر ہے کہ مثال مذکور میں زید غلام پر صادق
نہیں آتا دالہ علم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ واما بمعنی من الخ اور یا اضافۃ
معنویہ بمعنی من بیانہ ہوگی اس جگہ شارح نے
البیانۃ کا اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ
کیا ہے کہ من سے مراد اس جگہ حرف نہیں بلکہ
علم ہے تاکہ من کا عطفت اللام پر صریح ہو جائے
کیونکہ اللام مضاف الیہ اور اسم سے لہذا معطوف
کا بھی اسم ہو نامزدوری ہے بہر حال اگر مضاف
الیہ جنس مضاف سے ہو اور وہ مضاف وغیر
مضاف دونوں پر صادق آ سکے تو اضافۃ بیانہ
ہوگی جیسے خاتم فضہ کہ اس میں مضاف الیہ یعنی
فضہ مضاف یعنی خاتم پر بھی صادق آتا ہے اور
غیر خاتم پر بھی مثلاً زید وغیرہ لہذا اس اضافۃ
معنویہ کو بیانہ سے تعبیر کریں گے اب سوال
پیدا ہوتا ہے کہ امد الیوم پر اضافۃ بیانہ کی
یہ تعریف صادق آتی ہے اس لئے کہ الیوم
جنس طرح امد پر صادق آتا ہے جو کہ مضاف
ہے اسی طرح غیر امد پر بھی دیکر امام پر
صادق آتا ہے لہذا اس میں اضافۃ بیانہ
ہونی چاہیے حالانکہ یہ اضافۃ متعین ہے جیسا
کہ ابھی آتا ہے اس پر لہذا اس کا جواب
دینے کے لئے شارح نے بشرط ان یكون
المضاف الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے
کہ اضافۃ بیانہ کے لئے صرف یہی قدر کافی نہیں
بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مضاف بھی
غیر مضاف الیہ پر صادق آ سکے جیسے خاتم فضہ
کہ اس میں مضاف یعنی خاتم غیر مضاف الیہ پر بھی
صادق آ سکتا ہے جیسا کہ مثلاً خاتم سونے یا کسی
اور دھات کی ہو پس ان دونوں کے درمیان عموم
وخصوص من وجہ کی نسبت ہوگی جس کی تفصیل یہ ہے
کہ اس میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان
تین ماہ سے نکالے جائیں گے ایک اجتماع

کا اور دو اوقات کے مادہ اجتماعہ تو یہ ہوگا کہ بعض خاتم فطر کی بنی ہوئی پس اس میں موضوع و محمول دونوں جمع ہیں اور افراتیہ مادے یہ ہوں گے کہ بعض خاتم فطر سے نہ بنی ہوں یا بعض فطر خاتم نہ ہوں پس اس میں موضوع و محمول دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں اب رہا ایدایوم کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس میں عموم و خصوص من وجر کی نسبت نہیں بلکہ اعم مطلق ہے لہذا اس کو بیکرا اعتراض نہیں کر سکتے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۵ قولہ اواما بمعنی فی الخ یا اضافۃ بمعنی فی ہوگی جبکہ مضاف الیہ مضاف کا طرف ہو جیسے ضرب الیوم کہ اس میں الیوم مضاف الیہ ضرب مضاف کا طرف ہے کیونکہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۶ قولہ والماصل الخ اس عبارت سے شارح عبارت مصنف کا حاصل نہیں بلکہ بیان اضافۃ کا حاصل بیان کرتا اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان تینوں اضافتوں میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسبت ایہ میں سے کون کون سی نسبتیں پائی جاتی ہیں پس کہتے ہیں کہ مضاف الیہ اگر مضاف کے مابین ہو یعنی دونوں میں نسبت بتائیں ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کا طرف ہوگا یا نہ ہوگا اگر طرف ہوگا تو اضافۃ بمعنی فی ہے ورنہ بمعنی اللام اور دونوں کے درمیان نسبت مادی یا اعم مطلق پائی جائے تو دونوں صورتوں میں اضافۃ متع ہوگی صورت اولیٰ میں تو اس وجہ سے کہ اس اضافۃ سے نہ تو تعریف کا فائدہ حاصل ہوگا نہ تخصیص کا کیونکہ اس میں مضاف الیہ کا ذکر کرنا عیث ہے اس لئے کہ مثلاً جب مررت بالاسد کہا تو اس سے سامع کو پہلا فائدہ حاصل ہو گیا پس اگر اس کے بجائے مررت بلیث اسد یا مررت باسد بلیث کہیں گے تو اس سے مزید کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا پس اضافۃ بمعنی ثابت ہوگی لہذا یہ متع ہوگی حالانکہ اضافۃ معنویہ سے تعریف و تخصیص

ملاحظہ ہوئی ہے پس جب بھی فائدہ حاصل نہ ہو تو اضافۃ بیکار ہوگی لہذا یہ متع ہوگی تو یہ صورت ہی تسادی کی اسی طرح صورت ثانیہ اعم مطلق میں جیسے ایدایوم کہ جب ایدایم کا شمار ہوتا ہو اور اس وقت صرف ایدایم کہا جائے تو اس سے سامع سمجھ لے گا کہ یک شنبہ مراد ہے پس اگر اس میں الیوم مضاف الیہ کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ بیکار محض بھی ہوگا کیونکہ صرف ایدایم ہی وہ فائدہ حاصل ہوگا جو ایدایوم سے مقصود ہے اور اضافۃ خاص کی عام کی طرف بھی لازم آئے گی جو کہ ناجائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں بھی تعریف یا تخصیص کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا لہذا عام افادہ کے باعث یہ بھی متع ہے یہ صورت ہے مضاف الیہ کے اعم مطلق ہونے کی اس میں الیوم عام ہے ایدایم در غیر ایدایم ایک یوم پر صادق آتا ہے اور ایدایم کہ صرف یک شنبہ پر صادق آتا ہے غیر پر نہیں پس اس میں دو دفعے نکلیں گے ایک افراتیہ ایدایم اجتماعہ اجتماعہ تو یہ ہے کہ ہر ایدایم (بیکہ ایدایم کا تذکرہ ہو) یوم ضرور ہوگا اور افراتیہ یہ ہے کہ بعض یوم ایدایم نہیں ہوتے پس پہلا قضیہ موجبہ کلیہ ہوگا یعنی کل ایدایم اور قضیہ ثانیہ سالیہ مزنیہ یعنی بعض الیوم لیس بایدایم اور اگر مضاف الیہ خاص مطلق ہو یعنی ایدایوم کا عکس ہو جیسے یوم الاعداء علم الفقہ اور خبر الاراک تو اس وقت بھی ان دونوں میں اضافۃ بمعنی اللام ہوگی اس لئے کہ جب مضاف الیہ خاص مطلق ہوگا کہ مضاف کا اس پر ہر وقت صادق آنا ضروری نہیں مثلاً علم ہو اور فقہ نہ ہو بلکہ حرف لغت وغیرہ ہو تو یہ بمنزلہ مابین مضاف کے ہو گیا لہذا اس میں بھی اضافۃ بمعنی اللام ہوگی ان تینوں مثالوں میں بھی دو دفعے نکلیں گے ایک اجتماعہ اور دوسرا افراتیہ اجتماعہ تو یہی ہے کہ ایدایم فقہ اور ایدایم

کے لئے یوم۔ علم اور خبر ہونا ضروری ہے اور افراتیہ یہ کہ یوم علم اور خبر کے لئے ایدایم فقہ اور ایدایم ہونا ضروری نہیں ارک جلد کے وقت کو کہتے ہیں جس سے مساوی بنائی جاتی ہے اب رہی یہ بات کہ اگر مضاف الیہ خاص من وجر ہو یعنی مضاف و مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجر کی نسبت پائی جائے تو اس کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہوگا یا نہیں اگر اصل ہوگا تو اضافۃ بمعنی من بیانیہ ہوگی اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کو بیان کرے گا کیونکہ وہ اس کی جنس اور اصل ہے پس اس کے لئے من بیانیہ مناسب ہے کیونکہ یہ بھی بیان کے لئے آتا ہے اور اگر مضاف الیہ اصل نہ ہو مضاف کے واسطے تو اضافۃ بمعنی اللام ہوگی اب سول پیدا ہوتا ہے کہ جب مضاف و مضاف الیہ کے درمیان نسبت عموم و خصوص من وجر ہو تو اس میں اضافۃ بمعنی من ہوگی پس اس جگہ شارح کو اس تفصیل کی کیا ضرورت پیش آئی کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہو تو اضافۃ بمعنی من ہے ورنہ بمعنی اللام اس کا جواب یہ ہے کہ شارح نے دراصل حکاۃ پر اعتراض کیا ہے کہ عموم و خصوص من وجر کی نسبت میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان اضافۃ بمعنی من کہنا مطلقاً صحیح نہیں اس لئے کہ اگر خاتم فطر کا عکس کرتے فطر خاتم کہیں تو اس میں اضافۃ بمعنی من نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مضاف الیہ اس جگہ مضاف کو بوجہ اعم بیان نہیں کر رہا کیونکہ مضاف الیہ اصل نہیں ہے مضاف کے لئے نیز اضافۃ بمعنی من میں ضروری ہوتا ہے کہ اعم مجرور یعنی مضاف الیہ کا اطلاق مضاف پر ہو سکے اور یہاں مطلقاً یہ اطلاق درست نہیں ہوتا لہذا ضروری ہے کہ اس میں اصل اور

بمعنی فی والا فہی بمعنی اللام واما ما اولہ کلیث اسد واما اعم مطلقاً
کا حد الیوم فالاضافۃ علی التقدیرین ممتنعۃ واما انحصار مطلقاً کیوم
الاحد و علم الفقہ و شجر الاراک فالاضافۃ جہ ایضاً بمعنی اللام واما انحصار
من وجہ فان کان المضاف الیہ اصلاً للمضاف فالاضافۃ بمعنی من والا
فہی ایضاً بمعنی اللام فالاضافۃ خاتم الی فضۃ بیانیۃ و اضاقۃ فضۃ الی خاتم
بمعنی اللام کما یقہ فضۃ خاتم خیر من فضۃ خاتم و اعلم انہ لا یلزم فیہا
ہو بمعنی اللام ان یصح التصریح بہا بل یکفی افادۃ الاختصاص الذی ہو
مدلول اللام فقولک یوم الاحد و علم الفقہ و شجر الاراک بمعنی اللام ولا
یصح اظہار اللام فیہ و لہذا قال المصنف بمعنی اللام ولم یقل بتقدیر اللام و

غیر اصل کی قید لگائی جائے پس شارح
نے اس چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے مضاف
و مضاف الیہ کے درمیان عموم و خصوص من وجہ
کی نسبت کے بارے میں تعلیم کر دی کہ مضاف
الیہ مضاف کیواسطے اصل ہوگا تو اضافۃ بمعنی
من ہے ورنہ بمعنی اللام پس خاتم کی اضافۃ فضۃ
کی طرف بیان نہ ہوگی اس لئے کہ فضۃ خاتم کے لئے
اصل ہے اور فضۃ کی اضافۃ خاتم کی طرف
بمعنی اللام اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کے
واسطے اصل نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ
فضۃ خاتم خیر من فضۃ خاتم تیری انگریزی
کی چاندی میری انگریزی کی چاندی سے
بہتر ہے۔ والشداعلم ۱۲

فی کے معنی میں ہے ورنہ یعنی تبیین کی صورت میں مضاف الیہ مضاف کے لئے طرف
نہ ہی تو اضافۃ لام کے معنی میں ہوگی اور یا مضاف الیہ مضاف کے لئے مساوی
ہوگا کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر صادق آئے گا جیسے یث اور اسد ہے
اور یا مضاف الیہ مضاف اور غیر مضاف کو (مطلقاً عام ہوگا اس صورت میں دونوں
کے درمیان عام و خاص مطلق کی نسبت ہوگی) جیسے احد الیوم (احد کی نسبت یوم عام اور احد
خاص ہے) پس ان دونوں تقدیروں (یعنی مساوات اور عام و خاص مطلق) پر اضافۃ
ممتنع ہے (لعدم الفائدة) اور یا (مضاف الیہ) مطلقاً انحصار ہوگا کہ مضاف عام اور مضاف
الیہ خاص ہوگا) جیسے یوم الاحد و علم الفقہ و شجر الاراک تو اس وقت بھی اضافۃ لام کے
معنی میں ہے اور یا (مضاف الیہ مضاف سے) انحصار من وجہ ہوگا پھر اگر مضاف الیہ
مضاف کے لئے اصل ہو تو اضافۃ من کے معنی میں ہے ورنہ جبکہ مضاف الیہ مضاف
کے لئے اصل نہ ہو تو یہ اضافۃ بھی لام کے معنی میں ہے پس خاتم کی اضافۃ فضۃ کی
طرف بیان نہ ہے لہذا اضافۃ فضۃ کی خاتم کی طرف لام کے معنی میں ہے جیسا کہ کہا جاتا
ہے فضۃ خاتم خیر من فضۃ خاتم اور معلوم ہوگا اس اضافۃ میں جو لام کے معنی میں
ہے لازم نہیں آتا کہ لام کی تصریح صحیح ہو کہ اس اضافۃ سے مقصود مضاف کی مضاف
الیہ کے ساتھ تخصیص ہے یا وجہ یہ تخصیص حاصل ہوگی تو لام کا اظہار ضروری نہ رہا
بلکہ اس اختصاص کا کہ لام کا مدلول ہے افادہ ہی کافی ہے پس (عام کی خاص کی طرف
اضافۃ میں) تبار اقول یوم الاحد و علم الفقہ و شجر الاراک لام کے معنی میں ہے حالانکہ
اس قول میں لام کا اظہار صحیح نہیں بلکہ یہ یوم الاحد اظہار لام کے ساتھ استعمال ہی
نہیں ہوا جیسا کہ غلام زید میں غلام زید اظہار لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے) اور اس

کے قولہ را علم انہ الخ اب شارح
ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے
ہیں کہ اضافۃ بمعنی اللام کے متعلق ہے
سوال یہ ہے کہ اضافۃ بمعنی اللام وہاں
تو صریح ہے جہاں اظہار لام درست ہو
اور علم الفقہ یوم الاحد اور شجر الاراک میں
میں اظہار لام درست نہیں پس ان میں
اضافۃ بمعنی اللام کیسے ہو سکتی ہے؟ شارح
نے جواب دیا کہ اضافۃ بمعنی اللام میں یہی
ضروری نہیں کہ لام کی تصریح صحیح ہو بلکہ
اس اضافۃ سے مقصود تخصیص مضاف الیہ
بالمضاف ہوتا ہے پس جب یہ فائدہ تخصیص
جو کہ مدلول لام ہے بغیر اظہار لام کے بھی حاصل
ہو جاتا ہے، تو یہی کافی ہے اور اظہار لام کی
ضرورت نہیں پس یوم الاحد و علم الفقہ اور شجر
الاراک بمعنی اللام ہیں اس لئے کہ مضاف
الیہ کی تخصیص مضاف کے ساتھ ہو رہی ہے
اور یہ فائدہ لام سے حاصل ہوتا ہے، پس
اضافۃ لام کے لئے یہی قدر کافی ہے، اعلان
میں اظہار لام صحیح نہیں، اور اسی امر کو پیش
نظر رکھتے ہوئے مصنف نے بمعنی اللام کہا
ہے بتقدیر اللام نہیں کہا اس لئے کہ اگر بتقدیر

فان معنى ضرب اليوم ضرباً مختصاً باليوم ملازمة الوقوع فيه فان قلت فعلی هذا يمكن رد الاضافة بمعنى من ايضاً الى الاضافة بمعنى اللام للاختصاص الواقع بين المبين والمبين قلنا نعم لكن لما كانت الاضافة بمعنى في قليلاً ردوها الى الاضافة بمعنى اللام تقليلاً للاقام واما الاضافة بمعنى من فهي كثيرة في كلامهم فالاولى بها ان تجعل قسماً على حدة مَنْحُو غَلَامٌ زَيْدٌ مثال للاضافة بمعنى اللام اي غلامٌ لزيدٍ وَخَاتَمُ فَضَّةٍ مثال للاضافة بمعنى من اسخاتم من فضة وَضَرْبُ الْيَوْمِ مثال للاضافة بمعنى في اي ضرب واقع في اليوم وتفيد اي الى الاضافة المعنوية

میں اور اسے اکثر نحو یوں نے اضافت بمعنی اللام کی طرف ٹوٹایا ہے لہذا ضرب اليوم کا معنی ضرب لہ اختصاص باليوم اس علاقہ سے کہ ضرب يوم میں واقع ہے پھر اگر تم اعتراض کرو کہ اس طرح تو اس اختصاص کی وجہ سے کہ مبین (اسم فاعل از تبیین بروزن تفعیل) اور اور مبین ام مفعول کے درمیان ہے اس اضافت کو جو من کے معنی ہیں اس اضافت کی طرف بھی ٹوٹایا جاسکتا ہے جو لام کے معنی میں ہے (لہذا اضافت لامیہ ہی باقی رہ گئی) ہم نے جواب دیا کہ اس (ٹوٹایا جاسکتا ہے) لیکن جب کہ اضافت فی کے معنی میں قلیل تھی تو نحو یوں نے اسے قلیل اقسام کی غرض سے اضافت بمعنی اللام کی طرف ٹوٹا دیا اور مہر حل اضافت بمعنی من تو کلام عرب میں بہت (وارد) ہے لہذا اضافت بمعنی من کے ساتھ اولیٰ یہ ہے کہ اسے علیحدہ قسم قرار دیا جائے (جیسے غلام زید) یہ اس اضافت کی مثال ہے جو لام کے معنی میں ہے یعنی غلام زید (اور خاتم فضة) اضافت بمعنی من کی مثال ہے یعنی خاتم من فضة اور ضرب اليوم (ام اضافت بمعنی فی کی مثال ہے یعنی ضرب واقع فی اليوم) اور فائدہ دیتی ہے (یعنی

میں مضاف مضاف الیہ کے ساتھ خاص اور اس کا ملوک ہوتا ہے لہذا یہ اضافہ حقیقت ہوگی ایسے ہی اضافہ بیانہ میں مضاف الیہ اصل ہوتا ہے اور مضاف اس پر متفرع تو یہ اضافہ بھی حقیقت ہوگی اور اس من میں حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے لہذا سخامہ نے اضافہ بمعنی فی کو سرے سے ہی خارج کر دیا واللہ اعلم ۱۲

۱۱ قولہ فان قلت الخواب اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس طرح اضافہ بمعنی فی کو اضافہ بمعنی اللام قرار دے لیا اسی طرح اضافہ بمعنی من بھی اضافہ بمعنی اللام قرار دی جاسکتی ہے اس لئے کہ مبین اور مبین کے درمیان اختصاص پایا جاتا ہے جیسے خاتم فضة کہ اس میں خاتم عام ہے جس میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ وہ چاندی کی ہو یا غیر چاندی کی پس جب اس کی اضافت فضہ کی طرف کر دی گئی تو فضہ خاتم کے لئے مخصوص ہوگی اور اس میں اختصاص پیدا ہو کر خاتم غیر فضہ کی نفی ہو گئی پس اس کی تقدیر عبارت بھی خاتم لہذا اختصاص بالفضة ہوگی اس اعتبار سے کہ خاتم فضہ سے متفرع ہے یعنی بنائی گئی ہے قلنا ہے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ اگرچہ اعتراض مذکور صحیح ہے لیکن ہے لیکن چونکہ اضافہ بمعنی فی قلیل ہے اس لئے سخامہ نے اس کو اضافہ لامیہ میں مدغم کر دیا تاکہ اقسام میں کمی پیدا ہو جائے اور ضبط سہل ہو اور اضافہ بمعنی من چونکہ کلام میں بکثرت پائی جاتی ہے اس لئے اس میں اولیٰ یہی ہے کہ اس کو علیحدہ قسم رکھا جائے لہذا اس کو اضافہ لامیہ میں مدغم نہیں کیا گیا واللہ اعلم ۲۲ قولہ وتفيد الخواب سے مصنف اضافہ معنویہ کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ اسم کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے سے اضافہ معنویہ تعریف مضاف کا فائدہ دیتی ہے شارح نے ای الاضافة المعنوية سے اولاً تو تعریف میں ضمیر کے مرجع کی طرف اشارہ

کا فعل ہے نہ کہ ظرف لیکن چونکہ ضرب يوم میں واقع ہوئی ہے اس لئے بعلاقہ زمانیہ فعل ضرب کی اضافت يوم کی طرف بطریق مجاز ہوگی اور ظاہر ہے کہ شے کی اضافہ فاعل حقیقی کی طرف اولیٰ ہوتی ہے اور حقیقتہ کا اشتغال بکثرت ہوتا ہے لہذا مجاز کی وجہ سے اضافہ بمعنی فی قلیل ہوگی واللہ اعلم ۱۱

۱۱ قولہ وردہ الخواب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اضافہ بمعنی فی قلیل ہوتی ہے اب شارح اس سے تنقی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اضافہ قلیل ہی نہیں بلکہ اکثر سخامہ نے اس کو

اضافہ بمعنی اللام میں ہی داخل کر دیا ہے اس لئے کہ ضرب اليوم کے معنی ضرب لہ اختصاص باليوم کے ہیں یعنی اس سے بھی فائدہ تخصیص حاصل ہوتا ہے جو کہ اضافہ لامیہ سے حاصل ہوتا ہے اسی فائدہ کی طرف شارح نے اشارہ کیا ہے کیونکہ لام تخصیص کے لئے آتا ہے اور اس فائدہ تخصیص کے لئے یہ ادنیٰ غلبہ کافی ہے کہ ضرب يوم میں واقع ہوئی ہے پس اضافہ بمعنی فی کو اضافہ بمعنی اللام کہنا زیادہ بہتر ہے تاکہ ارتکاب مجاز سے احتراز ہو جائے کیونکہ اضافہ بمعنی اللام

کیا، اور ثانیاً یہ بھی واضح کر دیا کہ صرف اضافہ
معنویہ تعریف مضاف کا فائدہ دیتی ہے اور
تعریف کی شرح کر کے شارح نے بتایا کہ اس
میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور
وہ مضاف الیہ لفظ "مضاف" ہے، اب رہی
یہ بات کہ تعریف مضاف ہی کیوں مائل ہوتی
ہے اس کا عکس کیوں نہیں؟ کہ مضاف معرفہ سے
تعریف مضاف الیہ کا فائدہ حاصل ہوتا اس کا
جواب یہ ہے کہ اگر مضاف معرفہ ہوگا تو اضافہ
سے افادہ تعریف میں تحصیل حاصل لازم آئے گی
اور اگر مضاف معرفہ ہو اور مضاف الیہ نکرہ تو
حصول اعلیٰ کے ہوتے ہوئے طلب ادنیٰ لازم
آتی ہے، اس لئے کہ مضاف معرفہ ہونے کی
درجہ سے اعلیٰ ہوگا، اور مضاف الیہ نکرہ است
کے باعث ادنیٰ اور اضافت میں اگرچہ مقصود
مضاف ہوتا ہے مگر مضاف الیہ کی جانب بھی
توجہ ضروری ہوتی ہے لہذا حصول اعلیٰ کے
ساتھ قلب لونی لازم آئی، اور یہ ناجائز ہے
پس معلوم ہوا کہ افادہ تعریف جانب مضاف
کے ساتھ خاص ہی المضاف الیہ سے مع کے
بعد شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے،
کہ المعرفۃ موصوف محذوف کی صفت ہے اس
کے بعد لان الہیۃ الترمکبۃ الخ سے شارح اس
افادہ تعریف کی وجہ بیان فرما رہے ہیں، کہتے
ہیں کہ اضافہ معنویہ میں مثلاً غلام زید کی ہیئتہ
ترکیبہ معلومیۃ مضاف پر دلالت کرتے ہے
لئے موصوع ہے، یعنی اس سے یہ معلوم ہوگا
کہ مضاف واحد شخص اور معتین ہے باں طور
کہ زید کے بہت سے غلام ہوں پس غلام زید
ہے اس غلام کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جس
کو زید کے ساتھ ہیئتہ خصوصیت حاصل ہے،
یعنی اس اعتبار سے کہ وہ اس کے غلاموں
میں سب سے بڑا ہے یا سب سے زیادہ
مظہر ہے یا یہ کہ وہ محکم اور مخاطب کے درمیان
مہر ہے کہ لفظ غلام سے صرف کسی معبود

تعریفاً ای تعریف المضاف مع المضاف الیہ المعرفۃ لان الہیۃ الترمکبۃ فی
الاضافۃ المعنویۃ ووضوۃ للدلالۃ علی معلومیۃ المضاف لآن
نسبۃ اموالی معین یستلزم معلومیۃ المنسوب ومعہودیتہ فان ذلك
غیر لازم کمالاً یخفی فان قلت قد یقال جاء فی غلام زید من غیر اشارۃ الی
اضافۃ معنویۃ (تعریف کا) یعنی مضاف کی تعریف کا مضاف الیہ (معرفہ کے ساتھ) کیونکہ
اضافۃ معنویہ میں ہیئت ترکیبہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کے لئے (بوضع نوعی)
موضوع ہے (پھر لان کا عطف لان الہیۃ پر ہے) یہ نہیں کہ ایک امر (غیر معین) کی
نسبت معین کی طرف منسوب کی معلومیت و معہودیت کو مستلزم ہے (کما قیل ان
الاضافۃ صحت للعہد حیث تقید معہودۃ المضاف) کہ یہ یعنی نسبت امر غیر معین بجانب
معین منسوب کی معلومیت کو مستلزم ہے (غیر لازم ہے کمالاً یخفی) (وجہ کیونکہ اگر ایسا
ہوتا تو جمیع امور منسوب بجانب معین کی تعریف لازم آتی و لیس کذلک مثلاً خبر کی نسبت
مبتدا کی طرف عدم وضع کی وجہ سے اس کی تعریف کو لازم مستلزم نہیں اسی طرح اضافت
لفظیہ کو معلوم ہوا کہ مضاف کی تعریف کو مستلزم جب کہ مضاف الیہ معرفہ ہو وضع ہی ہے)
پھر اگر تم کہو کہ کبلی (زید کے) کئی ایک غلاموں میں سے کسی ایک معین (غلام) کی طرف اشارہ

جائے تو یہ منسوب کی معلومیۃ اور اس کی معہودیت
کو مستلزم ہے پس مثلاً جب غلام امر غیر معین کی
نسبت زید کی طرف کی گئی تو اس سے منسوب
یعنی غلام کی معلومیۃ اور اس کا معہود ہونا سمجھ میں
آیاباں شارح جانی فاضل ہندی کے اس قول کو
رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ افادہ تعریف کے
لئے فاضل ہندی کی دلیل یعنی استلزام معلومیۃ
منسوب درست نہیں اس لئے کہ یہ استلزام
غیر ضروری ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ استلزام غلام
مضاف اور مضاف الیہ کے بہت سی چیزوں
میں جاری دساری ہوگا، مثلاً غلام اور زید کو ہی
لے لیا جائے یعنی یجائے غلام زید کہنے کے غلام
زید کہہ دیا جائے تو اس میں امر غیر معین یعنی غلام
کی نسبت زید کی طرف تو موجود ہے لیکن اس
سے منسوب یعنی غلام کی معلومیۃ سمجھ میں نہیں آتی
اس لئے کہ تنوین تکرر کا دیرو دلالت کرتی ہے
علیٰ ہذا القیاس فعل کی نسبت فاعل معین کی جانب

کا وجود سمجھ میں آئے دو سرور کی طرف التفات
نہ ہو تو غلام زید کہنے سے مذکورہ بالا فائدہ
حاصل ہوگا یعنی معلومیۃ مضاف اور یہ اس
درجہ سے کہ تعریف مضاف الیہ مضاف کی
طرف سرایت کر جائے گی کیونکہ دونوں میں اتصال
اور امتزاج بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے کہ لفظ
مضاف الیہ جب مضاف سے متمزج ہوتا ہے،
حتیٰ کہ مضاف الیہ کے عوض میں مضاف پر صرف
تنوین نہ جاتی ہے، اور مضاف الیہ لفظوں میں
معدوم ہو کر مضاف میں منضم ہو جاتا ہے تو یہ
امتزاج معنی کے اعتبار سے بھی حاصل ہوگا
تک کہ قدر مرتبہ معنی قدر مرتبہ لفظ کے برابر ہو جائے
پس مضاف الیہ کی جانب سے مضاف میں
تعریف آجائے واللہ اعلم ۱۲۔
۱۔ قولہ الا ان نسبتاً فاضل ہندی
نے افادہ تعریف کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ امر
غیر معین کی نسبت اگر امر معین کی جانب کر دی

واحد معین فلا یكون هیأة التركيب الاضافی موضوعة لمعلومیة المضاف
فلذا ذلک كما ان المعروف باللام فی اصل الموضع لمعین ثم قد یستعمل بلا اشارة
الی معین كما فی قوله ولقد امر علی اللیم یسبني وذلك علی خلافی منعه
ولیس یجری هذا الحكم فی نحو غیر ومثل فان اضافتهما لا تقضی التعریف و

کے بغیر جاء فی غلام زید کہا جاتا ہے لہذا ہیئت ترکیب اضافی مضاف کی معلومیت کے
لئے موضوع نہ ہوگی ہم نے جواب دیا کہ یہ (جاء فی غلام زید) اسی طرح ہے کہ معرفت لام
اصل وضع میں معین کے لئے ہے پھر کسی کسی ایک معین کی طرف اشارہ کے بغیر استعمال
کیا جاتا ہے جیسا کہ قائل کے قول میں ہے ولقد امر علی اللیم یسبني (یسبني اللیم کیلئے
صفت واقع ہوا ہے کیونکہ اللیم معنی میں نکرہ کی مانند ہے جیسا کہ قرآن میں ہے مثل الحمار
یجمل اسفار) اور یہ (جو مثلاً جاء فی غلام زید کسی ایک معین کی طرف اشارہ کے بغیر کہا جاتا
ہے اپنی وضع کے برعکس ہے) اور جو خلاف وضع ہو وہ وضع کے معارض نہیں ہو سکتا
والغلام لہ زید میں زید کے غلام کثیرہ میں سے غلام غیر معین ہے اور غلام زید میں زید کے
غلام کثیرہ میں غلام معین ہے یا ایک ہی غلام ہو اور وہی معین مراد ہو) اور یہ حکم (کہ
ہیئت ترکیب اضافی وضع کی رو سے مضاف الیہ معرفہ سے مضاف کی تعریف کا فائدہ دیں یہی
غیر اور مثل کے بات میں جاری نہیں ہوتا کیونکہ ان (دونوں) کی اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی

فلذا سے اس کا جواب شارح یہ دے رہے
ہیں کہ ہمارا کلام اصل وضع میں ہے اور اس
مثال میں غلام کا نکرہ ہی رہنا معرفہ نہ ہونا ملاحظہ
استمال کی وجہ سے ہے اور اس سے اصل
وضع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا لہذا یا اعتراض
قابل اعتناء نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ معرفہ
باللام یعنی لام تعریف اصل وضع میں معین
کے لئے ہے مگر کبھی نائدہ بھی ہوتا ہے اور
اس کا استمال معین کی طرف اشارہ کے لئے بغیر
یہی کر لیا جاتا ہے جیسے قول شاعر
ولقد امر علی اللیم یسبني
فمضیت ثم قلت لا یغیني
اس میں جملہ یعنی اللیم کی صفت واقع ہوا
ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا
یہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہو سکتا اور
یہاں صفت بن رہا ہے تو معلوم ہوا کہ لیم معرفہ
نہیں بلکہ اس میں لغت لام نائدہ ہے اور اگر اس

کی جائے، مثلاً ضرب زید کہا جائے تو اس سے
فعل کی معبودیت اور اس سے فعل کی معبودیت
اور اس کی تعریف لازم نہیں آتی پس فاعل خبری
کا یہ قول اعتراضات سے خالی نہیں البتہ اگر موصوف
اپنی عبارت اس طرح بیان کرتے انتساب امر
الی معین فی الاضافہ لیستلزم الخ تو فی الاضافہ
کئے سے تمام دوسری شقیں خود بخود خارج
ہو جاتیں واللہ اعلم ۳۳

۳۳ قولہ فان قلت الخ شارح کی بیان
کر وہ ادھر کی دلیل پر اگر کوئی اعتراض کرتے جئے
کہے کہ با اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زید کے
غلاموں میں کوئی غیر معین غلام آئے اور اس
وقت بغیر کسی ایک معین کی جانب اشارہ کئے جا
فی غلام زید کہا جائے تو ہیئت ترکیب اضافی معلومیہ
مضاف کے لئے موضوع نہیں ہوگی اس لئے
کہ اس سے مضاف معلوم نہیں ہوا بلکہ وہ غیر
معین ہونے کی وجہ سے پردہ خفا میں ہی رہا

کو زائد نہ مائیں بلکہ عہد خارجی کے لئے ہیں
تو اس سے شاعر کا مقصود فوت ہو جاتا ہے
کہ وہ اپنی مدح اور کمال کا اظہار تمام کینہ سب
دشتم کرنے والوں کے مقابلہ میں کر رہا ہے کہ
میں ہمیشہ کینہ لوگوں میں سے کسی کینہ پر گذرتا
ہوں کہ وہ مجھ کو گالی دیتا ہوا ہوتا ہے تو میں
اس جگہ سے گذر کر کہتا ہوں کہ وہ مجھے مراد
نہیں لے رہا بلکہ اس کا تعدد سب دشتم
کوئی اور ہے پس اگر لام عہد خارج کے لئے
ہیں تو لیم حال مراد ہوگا اور لیم مفقود ہو جائے
گی شعر میں داد قسیم ہے اور قسیم بہ محذوف ہے
ای اللہ اور تقدیر لام جواب قسم کے لئے ہے
پس لام تعریف کی اصل وضع اگرچہ معین کے
لئے ہے مگر اس شعر میں خلاف وضع مستقل
ہو رہا ہے اسی طرح اگر غلام زید میں غلام اس
خاص معترضہ صورت میں نکرہ ہو جائے تو یہ
اصل وضع کے لئے محل نہیں واللہ اعلم ۳۳

۳۳ قولہ و لیس یجری الخ یہ عبارت ایک
سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ
کہنا کہ ہیئت ترکیب اضافی مضاف کے واسطے
افادہ تعریف کے لئے موضوع ہے جب کہ
مضاف الیہ معرفہ ہو صحیح نہیں اس لئے کہ غیر
اور مثل تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتے
اگرچہ مضاف الیہ معرفہ ہو شارح نے کہا کہ یہ
حکم غیر اور مثل اور ان جیسے الفاظ میں جاری
نہیں ہوتا اس لئے کہ ان دونوں کی اضافہ
تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مضاف الیہ
معرفہ ہو کیونکہ ان میں ابہام بہت ہے
اس لئے کہ مثلاً غیر زید میں مغایرہ زید ایسی صفت
نہیں کہ جس سے ایک ذات کو دوسری ذات
سے تخصیص حاصل ہو اس لئے کہ جو شخص بھی
موجود ہے وہ مغایرہ زید کے ساتھ متصف
ہے پس تعریف یا تخصیص کا احتمال ہی نہیں
پیدا ہوتا ہاں البتہ اس صورت میں ایسا ہو
سکتا ہے جبکہ مضاف الیہ کی صرف ایک

۲۸۔ قولہ اور شرطاً الخ یہاں سے مصنف اضافۃ معنویہ کی شرط بیان کرتے ہیں شارح نے ای شرط الاضافۃ سے فہم

الاضافة المعنوية بتجريد المضاف اذا كان معرفة من التعريف فان كان ذا اللام حذف لامه وان كان علما نكوبا جعل واحدا من جملة من سمي بذلك الاسم وان لم يكن معرفة فلا حاجة الى التجريد بل لا يمكن او المراد بالتجريد تجزؤه ومنه من التعريف عند الاضافة سواء كان نكرة في نفسه من غير تجريد او كان معرفة تجزئت عن التعريف وانما يجب التجريد لان المعرفة لو اضيفت الى النكرة كان طلبا للادنى وهو التخصيص مع حصول الاعلى وهو التعريف ولو اضيفت الى المعرفة كان تجميع الحاصل فتضيع الاضافة حيث لا تفيد تعريفا ولا تخصيصا فان قيل لافرق

مستويين في شرط ومضاف في «جاء معرفة هو» تعريف من تجريد ہے پس اگر وہ (یعنی جس کی اضافة مراد ہو) ذواللام ہو تو اس کے لام کو حذف کیا جائے گا اور اگر وہ علم ہو تو اس کو اس طرح نکرہ کیا جائے گا کہ جو اس نام سے موسوم ہیں اسے ان میں سے ایک (غیر معین فرد) قرار دیا جائے گا (نکرا مرفی آخر بحث غیر للنصرف) اور اگر معرفہ نہ ہو تو تجرید کی حاجت نہیں بلکہ اس کی تجرید ممکن ہی نہیں (کہ خالی از تعریف تجرید را قبول نہ کنند) اور تجرید سے مراد مضاف کا اضافة کے وقت تعریف سے عاری اور خالی ہونا ہے خواہ (غلام کی طرح) فی نفسہ تجرید کے بغیر نکرہ ہو یا معرفہ ہو (نئے کے بعد) تعریف سے خالی کیا گیا ہو اور تجرید اس لئے ضروری ہے کہ اگر معرفہ کو نکرہ کی طرف مضاف کیا جائے اور کہا جائے غلام رجلاً اضافة تو یہ عمل ایک اعلیٰ چیز یعنی تعریف کے حصول کے باوجود ایک ادنیٰ چیز یعنی تخصیص کی طلب قرار پائے گا اور اگر معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کیا جائے تو یہ عمل تحصیل حاصل غیرے کا پس اضافة منائع گئی کہ نہ تو تعریف کو مفید ہوئی نہ تخصیص کو پھر اگر کہا جائے کہ معرفہ کی

قوسی وقت متحقق ہوگی جبکہ وجود تعریف ہو اور غلام نکرہ میں غلام نکرہ بالبعد کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور اس میں تجرید متحقق نہیں اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے نکرہ ہے لہذا مطلقاً تجرید المضاف من التعريف کنا منہج نہیں شارح نے اذا کان معرفۃ کے اضافہ سے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ یہ شرط اس وقت ہے جبکہ مضاف معرفہ ہو اور جبب معرفہ نہ ہو تو شرط کی کوئی ضرورت نہیں پس مضاف سے تجرید تعریف کی یہ صورت ہوگی کہ اگر مضاف معرفہ باللام ہو گا تو لام کو حذف کر دیا جائے

گا اور اگر علم ہو گا تو اس کو نکرہ کر دیں گے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلا نہ ید نام کے جس قدر افراد ہوں گے ان میں سے لاعلیٰ التبعین کسی فرد واحد کا اس کو مدلول قرار دے لیں گے یہ معنی نہیں کہ اس کو نکرہ حقیقی بنالیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲ قولہ والمراد المرء اعراض

سابق کا دوسرا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تجرید سے مراد مضاف کا بوقت اضافة تعریف سے خالی ہونا ہو یعنی مزوم ہو کر لازم مراد لیا جائے پس اس

میں دو صورتیں آجائیں گی یعنی یہ کہ مضاف بوقت اضافة بغیر تجرید کے فی نفسہ نکرہ ہو جیسے لفظ غلام یا معرفہ کہ جس کو تعریف سے خالی کر لیا گیا ہو پس اس صورت میں یہ اعتراض وارد نہیں ہو گا کہ تجرید سبق وجود تعریف کو مستلزم ہے کیونکہ تجرید سے مراد مضاف کو تعریف سے خالی کرنا نہیں بلکہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ہے بوقت اضافة تا فہم واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲ قولہ وانما يجب التجريد بالحري من شارح وجوب تجرید کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں تجرید اس لئے واجب ہے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو وہ حلال سے خالی نہیں مضاف الیہ یا نکرہ ہو گا یا معرفہ پس اگر نکرہ ہو تو طلب ادنیٰ یعنی تخصیص لازم آئے گی باوجودیکہ اعلیٰ یعنی تعریف کا حصول ہو رہا ہے اس لئے کہ اضافة میں مضاف مقصود ہوتا ہے اور یہ جب قبل الاضافة ہی معرفہ ہے تو حصول اعلیٰ پہلے سے موجود ہے اور مضاف کا مضاف الیہ اگر نکرہ ہو تو اس سے افادہ تخصیص حاصل ہوتا ہے اور یہ تعریف کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے پس طلب ادنیٰ باوجود حصول اعلیٰ لازم آئی اور یہ مذموم ہے اور اگر مضاف الیہ بھی معرفہ ہو تو تخصیص حاصل لازم آئے گی کیونکہ جب مضاف بھی معرفہ ہو اور مضاف الیہ بھی تو اضافة بالکل عبث ہوگی اس لئے کہ یہ نہ تعریف کا فائدہ دے گی نہ تخصیص کا پس ضروری ہوا کہ مضاف کو نکرہ رکھیں تاکہ اس میں تعریف یا تخصیص کا حصول مضاف الیہ سے اصلاح وضع کے مطابق ہو واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲ قولہ فان قيل لایا یک اعتراض ہے جو اقتراح اضافة معرفہ پر وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اضافة معرفہ اور معرفہ کو علم بنادینے میں کوئی فرق نہیں یعنی جس طرح معرفہ کی اضافة متنع ہے کہ اس سے تحصیل

حاصل یا حصول ادنیٰ من حصول الاعلیٰ لازم آتا ہے
اسی طرح معرفہ کو اگر علم بنائیں گے، اور علم ہا
تم معرفہ ہے تو دی تحصیل حاصل لازم آئیگی
پس کیا وجہ ہے کہ علمیت معرفہ کو تو جائز قرار
دے دیا، اور اضافہ معرفہ کو ناجائز جیسے انجم،
الشرا، الصق اور ابن عباس وغیرہ کہ ان میں
اولاً تو دخول لام اور ابن میں اضافہ کے باعث
تعریف آئی، اور پھر مجموعہ کو علم قرار دے دیا
گیا، اور بعینہ مجموعہ کو علم قرار دے لینا تحصیل
حاصل نہیں تھا اور کیا ہے؟ پس تحصیل حاصل اور
تعریف معرفہ میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ انجم
ایک خاص ستارے کا نام ہو گیا اور ثرا جگہ
کو کہتے ہیں، مگر اس سے اب نہ ستارے
مراد ہونے لگے جو بہت سے یک جا مجتمع
ہوں اور الصق اس مرد کو کہتے تھے جو بزدل
ہو اور ابن عباس سے مراد صرف عبداللہ ابن
عباس بنے جانے لگے کسی دوسرے شخص
کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا واللہ اعلم
۱۱ قولہ قبل لا نسلم انہ یمنع من
مذکور کا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ
ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ ان اشلہ مذکورہ میں تعریف
معرفہ پائی جاتی ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان
میں زوال تعریف ہے یعنی انجم وغیرہ میں الف
لام اور ابن عباس میں اضافہ کے باعث
جو تعریف آئی تھی، وہ بوقت علمیت زائل ہو گئی
اور تعریف آخر یعنی تعریف بالعلمیت حاصل ہو گئی
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان اسماء کو علم قرار
دے لیا گیا تو اب ان کے معرفہ باللام اور اضافہ
کی طرف کوئی اشارہ باقی نہیں رہا اس لئے
کہ ان میں الف لام اور اضافہ بمنزلہ جزد کلمہ
کے ہو گئے کیونکہ علمیت مجموعہ کے اعتبار سے
ہے ترک لام اور قطع اضافہ کے ساتھ نہیں
پس ان میں تعریف معرفہ لازم نہیں آتی بلکہ
تبدیل تعریف بتعریف انجم پائی جاتی ہے اور یہ
کوئی معر نہیں ہیں جیسا جمناع تعریفیں با

بین اضافہ المعرفة و بین جعلها علما فی نحو النجم والشرا والصق وابن عباس
فی لزوم تعريف المعرفة فبا بالهم جوزوا هذا دون ذلك قبل لا نسلم ان في
هذه الامثلة تعريف المعرفة بل فيها زوال تعريف وهو التعريف بالحاصل
باللام والاضافة وحصول تعريف آخر وهو التعريف بالعلمية فانما حين
صارت املا ما لم يبق فيها الاشارة الى معلوميتها باللام والاضافة فلا يراى
فيها تعريف المعرفة بل تبديل تعريف بتعريف آخر وما آجازه الكوفيون
من تركيب الثلاثة الاثواب وشبههم من العدد المعروف باللام المضافا
الى معدودة نحو الخمسة الدراهم والمائة الدينار ضعيف قياسا واستعمالا
اما قياسا فلما ذكر من لزوم تحصيل الحاصل واما استعمالا فلما ثبت من القوله

(معرفہ دیگر کی طرف) اضافت کرنے اور انجم والشرا والصق وابن عباس ایسے (معارف)
کے علم بنانے کے درمیان تعریف معرفہ کے لازم آنے میں کوئی فرق نہیں (یعنی جیسے معرفہ
کو معرفہ دیگر کی طرف مضاف کرنے میں تحصیل حاصل ہے جسے ناجائز کیا گیا ویسے ہی
معارف مذکورہ کو علم بنانے میں بھی تحصیل حاصل ہے کہ علم بھی تو معرفہ ہی اور یہ جائز کہا گیا ہے
حالانکہ تعریف المعرفة بلا فرق دونوں جگہ لازم آتی ہے) پھر نحو یوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے
صرف کو علم کرنا جائز بتایا اور اضافہ معرفہ (والی النکر) کو ناجائز؟ (جواب میں)
کہا گیا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان (انجم وغیرہ) اشلہ میں تعریف المعرفة ہے بلکہ ان
اشلہ میں (پہلے تو اس) تعریف کا زوال ہے جو تعریف کہ لام یا اضافہ سے حاصل ہے اور
(اس کے بعد) دوسری تعریف کا حصول ہے اور وہ تعریف بالعلمیت ہے پھر جب یہ اسماء
اعلام ہو گئے تو ان میں ان کی معلومیت باللام یا معلومیت بالاضافہ کی طرف اشارہ
باقی نہ رہا لہذا (ایک) معرفہ کی (دوبارہ) تعریف لازم نہیں آتی بلکہ (یہ تو) ایک تعریف
کو (زائل کر کے) دوسری تعریف سے بدلنا ہے اور وہ جو کوفیوں نے جائز قرار دیا یعنی
الثلاثة الاثواب اور عدد سے اس کی مشابہ) ترکیب (وہ عدد) جو معرفہ باللام اور اپنے
معدود کی طرف مضاف ہو جیسے الخمسة الدراهم اور المائة الدينار (وہ ضعیف ہے)
قیاس اور استعمال کی رو سے۔ رہا قیاس کی رو سے تو وہ اس وجہ سے جو مذکور ہوا یعنی
(اس میں) تحصیل حاصل لازم آتا ہے۔ اور رہا استعمال کی رو سے تو وہ اس وجہ سے جو فقہاء

مصنف ایک سوال مفرد کا جواب دینا چاہتے
ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مضاف سے تحریر
مضاف کی شرط ہم کو تسلیم نہیں اس لئے
کہ تہا کوفہ کے نزدیک الثلاثة الاثواب اور اس

تعریف معرفہ لازم نہیں آتی تو تحصیل حاصل
بھی لازم نہیں آئے گی، فلا اشکال فیہ
واللہ اعلم ۱۲
۱۱ قولہ وما آجازه الخ یہاں سے

من ترك اللام قال ذوالرمة ع ثلث الاثاني والديار البلاقع واما الجار في الحديث
من قوله عليه السلام بالالف الديار فعلى البدل دون الاضافة والاضافة
اللفظية علامتها ان يكون للمضاف صفة احتراز عما اذا كانت مضافة الى غير معمولها
غلام زيد مضافة الى معمولها احتراز عما اذا كانت مضافة الى غير معمولها
نحو مصارع البلد وكریم العصر مثل ضارب زيد من قبل اضافة اسم الفاعل الى
مفعوله وحسن الوجه من قبيل اضافة الصفة المشبهة الى فاعلها

مے ثابت ہے یعنی د مضاف پر لام کا ترک ذوالرمة نے کہا ہے عی ثلث الاثانی والديار
البلاقع الاثانی الثانی کی جمع وہ پتھر جس پر ہانڈی رکھتے ہیں اور وہ تین پتھر ہوتے ہیں
بلقع بلقع کی جمع یعنی خالی از ماد و نبات دیار بلاقع وہ مکانات جو ماء و گیاه سے خالی ہوں اور
جو حدیث شریف میں وارد ہوا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالالف الديار اس
میں الالف اسم عدد معرفہ باللام اپنے مصدر کی طرف مضاف ہے تو وہ بدل (یا عطفیان)
کے طور پر ہے نہ کہ اضافت کے طور پر (یعنی الالف مبدل منہ ہے اور الديار اس سے بدل البعض
من الكل سے یا عطف بیان بطور تفسیر ہے اور) اضافت (اللفظیہ) کی علامت یہ ہے کہ لا
مضاف و صفت ہوگا اس سے احتراز ہے کہ مضاف صفت نہ ہو جیسے غلام زید (اپنے معمول
کی طرف مضاف ہوگا) اس سے احتراز ہے کہ اپنے معمول کے غیر کی طرف مضاف ہو جیسے
مصارع البلد اور کریم العصر و ضارب زید اسم فاعل کے اپنے مفعول کی طرف اضافت کے
قبیل سے اور حسن الوجه صفت مشبہ کے اپنے فاعل کی طرف اضافت کے قبیل سے اور

ہے یعنی وہ معرف باللام کو بوقت اضافت ترک
لام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ذوالرمة
شاعر نے کہا ہے ع ثلث الاثانی والديار
البلاقع کہ اس میں ثلث کا استعمال بغیر لام کے
ہے یہ مصرعہ سابقہ تین مصرعوں سے تعلق رکھتا
ہے اس لئے دونوں شعر حاضر ہیں

شعر

ایا منزلی سلمی سلام علیکما

هل الاذن الاق مضین ورجع

و هل یوجع التسلیم او یکشف العی

ثلث الاثانی والديار البلاقع

ترجمہ: اے میری محبوبہ سلمیٰ کی گراہ و سرا کی دونوں

قیام کا ہوا تم دونوں کے اوپر سلامتی ہو کیا وہ

زمانے جو گذر گئے لوٹ آئیں گے اور کیا

کے مثل جیسے الخمسة الدرام ادا المائۃ الديار
کی ترکیب جائزہ ہیں یعنی ان میں معرف باللام
اپنے مصدر کی طرف مضاف ہو رہا ہے
حالانکہ مضاف کے لئے تعریف سے خالی ہونا
شرط ہے پس اگر تجرید کی شرط ضروری ہوتی
تو کوئی کہوں ان کو جائزہ رکھتے اس کا ایک
جواب تو یہ ہے کہ مصنف نجات بصرہ کے
پیرو ہیں اور یہ مذہب کو فیہ کا ہے لہذا
وہ اس اعتراض سے بری ہیں اور دوسرا
جواب یہ ہے کہ یہ ترکیب ضعیف میں قیاس
کے اعتبار سے بھی اور استعمال کے لحاظ سے بھی
قیاس سے توجہ ضعیف یہ ہے کہ تحصیل حاصل
لازم آتی ہے اور استعمال کے لحاظ سے وجہ
ضعیف ظاہر ہے کہ مضارع سے ترک لام ثابت

پر ہے پر ہانڈی ٹیکنے کے تین پتھر اور خراب
دخستہ مکانات میرے سلام کا جواب لوٹا دیں
گے یا سلمیٰ کے حال سے بے خبری کی تائیدی کو
دور کریں گے اس جگہ میں نے دو مصرعے
شعر کا ترجمہ برعکس کیا ہے تاکہ محاورہ کا لحاظ
رہے۔ الاثانی جمع ہے اثنیتہ کی میں کے
معنی ہیں ان پتھروں کے جو ہانڈی رکھنے کے لئے
بطور چولہے کے کام میں لئے جاتے ہیں اور
بلاقع کے معنی خالی اور خراب کے ہیں اس کا
مفرد بلقع آتا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۴ قولہ واما ما جاد الجیر حبارت
بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ ہم نے
شرط تجرید مضاف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے
ترکیب مذکورہ کو تو ضعیف اور غیر فصیح قرار
دے دیا لیکن قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اغسلوا يوم الجمعة ولو اثنی عشر بیتھ
نصف الصاع بالالف الديار میں کیا
کہو گے کہ اس میں الف معرف باللام کی اضافت
اپنے مصدر کی طرف بغیر تجرید کے ہو رہی
ہے کیا یہ بھی غیر فصیح کلام ہے شارح نے
جواب دیا کہ یہ بدلیتہ پر محمول ہے اضافت پر
نہیں یعنی الديار بالالف سے بدل البعض واقع
ہو رہا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ الديار عطف
بیان سے اس لئے کہ یہ تفسیر کے قائم مقام
ہے اس لئے کہ جب بالالف کہا گیا تو سوال
پیدا ہوا کہ الف سے کیا مراد ہے پس الديار
نے اس کی تفسیر کر دی واللہ اعلم ۱۲۔

۳۵ قولہ مالا مائة اللفظیہ الخ اس
جگہ ذکر اضافت سے شارح نے یہ بتایا ہے کہ قول
مصنف اللفظیہ موصوف محذوف کی صفت ہے
اور علامتہا ہے اسی سوال و جواب کی طرف اشارہ
ہے جو اضافت معنویہ میں فالصنویۃ علامتہا ان
یکون الخ کے ضمن میں گذر چکا ہے بہر حال
اضافۃ لفظیہ کی علامت یہ ہے کہ صفت اپنے
محمول کی طرف مضاف ہو خواہ وہ معمول فاعل

ہو یا مفعول جیسے ضارب زید کر اس میں اسم فاعل کی اضافہ اپنے مفعول کی طرف ہو رہی ہے، اور یہ اصل میں ضارب زید تھا، افادہ تخفیف کی وجہ سے اضافت کر لی گئی، اور جیسے من الوجہ کہ اس میں صفت شبہ کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو رہی ہے، اور یہ اصل میں حسن وجہ تھا، پس تخفیف کی وجہ سے اضافت کر لی گئی، اور وجہ میں ضمیر کے عوض بوقت اضافت مضاف الیہ پر الف لام داخل کر دیا گیا حسن الوجہ ہو گیا اب شارح احتراز کا الہام اسے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عبارت ماتن میں قولہ صفة وغیرہ قیط احترازی میں پس صفة کہنے سے وہ مضاف خارج ہو گیا جو صفة نہ ہوا اس لئے کہ اس میں باضافہ مضمون ہو گی تفسیر نہیں جیسے غلام زید اور اضافہ الی معمول کہنے سے وہ مضاف خارج ہو گیا جو غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے معاصر البلد اور کریم العصر کہ ان میں صیغہ صفة معاصر (بجھاڑنے والا) اور کریم (سجادت کرنے والا) اپنے غیر معمول کی طرف مضاف ہیں اس لئے کہ ان کا معمول البلد اور العصر نہیں بنا سکتے کیونکہ شہر کو نہیں بجھاڑا جاتا بلکہ اہل شہر بجھاڑے جاتے ہیں اسی طرح کریم العصر ہے، اور من قبل اضافہ الخ سے اس امر کو واضح کیا ہے کہ تعدد امثلہ تعدد مثل کی وجہ سے ہے تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے جیسے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۶ قولہ ولا تقید الخ اس جگہ الاضافۃ التعلیل کا اضافہ بیان مرصع کے لئے ہے تاکہ کوئی مطلق اضافہ کو اس کا مرجع سمجھ کر یہ اعتراض نہ کرے جیسے کہ اضافہ مضمون بھی اس ضمن میں آجاتی ہے اور وہ تخفیف کے علاوہ تخصیص اور تعریف کا بھی فائدہ دیتی ہے لہذا قول مصنف الاضافۃ فلفظہ مادہ فائدہ سے یہ بتایا ہے کہ الاضافۃ مستثنیٰ مفرغ سے لہذا مستثنیٰ امر کی تلاش نہ کی جائے، اور لا تعریفاً ولا تخصیصاً سے اس امر کی

لا تقید الاضافۃ اللفظیۃ فائدۃ الا تحقیقاً لا تعریفاً ولا تخصیصاً لکن فی تقدیر الانفصال فی اللفظ لا فی المعنی بان یسقط بعض المعانی عن الملاحظۃ العقل بازاء ما یسقط من اللفظ بل المعنی علی ما کان علیہ قبل الاضافۃ و التخصیف اللفظی اما فی لفظ المضاف فقط بحذف التنوین حقیقۃ مثل ضارب زید و حکما مثل حواج بیت اللہ او بحذف نونی التثنیۃ والجمع

اضافت لفظیہ (تخفیف کے سوا) کوئی «فائدہ نہیں دیتی» نہ تعریف کا اور نہ تخصیص کا کیونکہ اضافت لفظی انفصال کی تقدیر میں ہے (اگرچہ اس میں بظاہر لفظی طور پر اتصال ہو کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ مضاف الیہ یا تو فاعل ہو گا اور وہ درحقیقت مفعول ہے اگرچہ ظاہر مجرور ہے یعنی ضارب زید دراصل ضارب زید بہ رفع زید ہے جو ضارب سے متصل ہے یا مفعول ہو گا وہ منصوب ہے اگرچہ یہ ظاہر مجرور ہو گا تو جب اتصال معنوی نہ رہا تو اضافت نے تخفیف کے سوا کسی طرح کا فائدہ نہ دیا اور وہ بھی) «لفظ میں» معنی میں نہیں یوں کہ بعض معانی بھی ملاحظہ عقل سے اس کے مقابلہ میں ساقط ہوئے جو لفظ سے ساقط ہوئے (یعنی تنوین فاعل قائم مقامہ جو لفظ سے ساقط ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں کوئی معنی بھی ساقط ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں) بلکہ معنی اس حال پر باقی ہے جس حال پر اضافت سے قبل تھا تو معلوم ہوا اضافت لفظی صرف لفظ کی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے معنی کی نہیں، اور تخفیف لفظی یا مضاف کے لفظ میں ہو گی فقط (پھر یہ بھی یا تو) حقیقت کی رو سے تنوین کے حذف کرنے سے ہو گی جیسے ضارب زید یا حکم کی رو سے جیسے حواج بیت اللہ کہ حواج دراصل حواج بروزن مساجد تھا تو اس کی تنوین غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اضافت سے قبل ہی ساقط تھی مگر حکماً ثابت تھی جو پھر اضافت سے ساقط

طرف اشارہ ہے کہ قول مصنف تخفیفاً تید احترازی ہے اور اس سے افادہ تعریف و تخصیص خارج ہے بہر حال عبارت مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اضافہ لفظیہ حرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف یا تخصیص کا نہیں اس لئے کہ اس میں اگرچہ لفظاً اتصال پایا جاتا ہے مگر یہ درحقیقت انفصال کے درجہ میں ہے یعنی اس سے اضافہ کو سب کے مضاف الیہ کا فاعل یا مفعول بنا لیتے ہیں بخلاف مضمون کے کہ اس میں مضاف الیہ فاعل یا مفعول نہیں بن سکتا پھر یہ تخفیف کا فائدہ لفظ میں ظاہر ہو گا معنی میں نہیں کہ بعض معانی لفظ سے ساقط

شہد حوت کے بدلہ میں نظر انداز کر دیئے جائیں بلکہ قبل الاضافۃ جو معنی تھے وہی معنی بعد تخفیف بھی باقی رہیں گے واللہ اعلم ۱۲۔

۳۷ قولہ والتخفیف اللفظی الخ تخفیف لفظی کی چند صورتیں ہیں (۱) فقط لفظ مضاف میں ہو گی اس کی دو صورتیں ہیں مضاف مفرد ہو گا یا تثنیہ و جمع اگر مفرد ہو گا تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں تنوین حقیقۃ حذف کی جائے گی یا حکماً اول کی مثال جیسے ضارب زید کہ یہ اصل میں ضارب زید تھا لہذا مضاف سے تنوین حذف کر دی گئی، اور ثانی کی مثال جیسے

مثل ضارباً زید و ضارباً زید و اما فی لفظ المضاف الیه فقط بحذف الضمیر واستلاره فی الصفة کالقائم الغلام کان اصله القائم غلامه حذف الضمیر من غلامه واستتر فی القائم و اضیف القائم الیه للتخفيف فی المضاف الیه فقط و اما فی الی والمضاف الیه معان زید قائم الغلام اصله قائم غلامه للتخفيف فی المضاف بحذف التنوین و فی المضاف الیه بحذف الضمیر واستلاره فی الصفة و من ثم ای من جهة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف و انتفاء کل واحد من التعریف والتخصيص جاز ترکیب مررت بررت بررت حسن الوجه باضافة الصفة الی معمولها وجعلها صفة للنكرة فمن جهة انها لم تغد تعریفاً جاز هذا التركيب و امتنع ترکیب مررت بررت بررت حسن الوجه فلواقاد تعریفاً لجزء الاول للنکر و مرکون المعرفة صفة للنكرة و لجاز الثاني لكون المعرفة اذن صفة للمعرفة والمراد ان المشار الیه به ثم و

ہوئی یا تثنیہ و جمع کے دونوں کے حذف کرنے سے (مضاف میں تخفیف ہوگی) جیسے ضارباً زید و ضارباً زید اور یا (تخفیف) فقط مضاف الیه کے لفظ سے ہوگی (اور وہ تخفیف اس) ضمیر کو (جو فاعل کے ساتھ متصل تھی) حذف کرنے اور (اس کے بعد) اسے صفت میں مستتر کرنے سے (ہوگی) جیسے القائم الغلام اس کی اصل القائم غلامہ تھی غلام سے ضمیر کو حذف کیا گیا اور اسے القائم میں مستتر کیا گیا اور (اس کے بعد) فقط مضاف الیه میں تخفیف کے لئے القائم کو اس کی طرف مضاف کیا گیا کہ اس سے ضمیر حذف ہو کر تخفیف ہوئی اور یا (تخفیف) مضاف و مضاف الیه میں معاً ہوگی جیسے زید قائم الغلام اس کی اصل (زید) قائم غلامہ تھی پس تخفیف مضاف میں تنوین کے حذف سے اور مضاف الیه میں ضمیر کے حذف اور اس کے صفت میں مستتر کرنے سے ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اضافة لفظیہ کے افادہ تخفیف کے وجوب اور تعریف و تخصیص میں سے ہر ایک کے انتفاء کی وجہ سے و مررت بررت بررت حسن الوجه کی ترکیب (جائز ہے) (صیغہ) صفت کو اس کے معمول کی طرف مضاف اور صفت کو نکرہ کی صفت کر کے تو اس وجہ سے کہ یہ اضافة تعریف کو مفید نہیں یہ ترکیب جائز ہے (اور) مررت بررت بررت حسن الوجه کی ترکیب (ناجائز ہے) پس الاضافة لفظی تعریف کا فائدہ دیتی ہوتی تو مثال اول اس لئے ناجائز ہوتی کہ معرفہ (حسن الوجه) کا نکرہ (رجل) کے لئے صفت ہونا لازم آتا اور دوسری مثال اس وقت معرفہ کے معرفہ کے لئے صفت ہونے کی وجہ جائز ہوتی (اس کے بعد فاضل ہندی کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں اعتراض یہ ہے کہ ثمرہ صمد کو رکھنے کے لئے اشارہ ہے حالانکہ جواز ترکیب مذکور عدم

حوائج بیت اللہ کراس میں حوائج سے بوجہ عدم الغلات قبل الاضافة تنوین ساقط ہوگئی تھی پس اگرچہ یہ لفظاً ساقط تھی مگر معنی میں موجود تھی اس لئے بوقت اضافة حکماً اس تنوین کو حذف کر دیا گیا اور یہ لفظ جمع ہے اس کا مفرد حائج آتا ہے اور اگر مضاف تثنیہ یا جمع ہو تو جمع کے تنوین کو حذف کیا جائے گا جیسے ضارباً زید اور ضارباً زید (۲) فقط لفظ مضاف الیه میں تخفیف ہو اس کی صمدت یہ ہے کہ ضمیر کو حذف کر کے صفت میں پوشیدہ کر دیں گے جیسے القائم الغلام کہ یہ اصل میں القائم غلامہ تھا غلام سے ضمیر مضاف الیه کو حذف کر کے القائم میں اس کو مستتر مان لیا گیا اور القائم کو اس کی طرف مضاف کر دیا گیا پس مضاف الیه میں تخفیف حاصل ہوگئی (۳) کبھی مضاف اور مضاف الیه دونوں میں تخفیف ہوتی ہے جیسے زید قائم الغلام کہ یہ اصل میں زید قائم غلامہ تھا پس مضاف میں تو تخفیف حذف تنوین کی وجہ سے ہوئی اور مضاف الیه میں حذف ضمیر اور صفت میں مستتر مان لینے سے واللہ اعلم ۱۲۔

۸۔ قولہ من ثم الم یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ اضافة لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور افادہ تعریف و تخصیص میں سے ہر ایک اس میں منتفی ہے تو اب ترکیب مررت بررت بررت بررت حسن الوجه جائز ہوگی بایں طور کہ صفت کو اس کے معمول کی طرف مضاف کر دیا جائے اور پھر صفت کو نکرہ کی صفت قرار دی جائے اور وہ جواز یہ ہے کہ اس میں بوجہ اضافة کے مضاف سے تنوین اور مضاف الیه سے ضمیر محذوف ہوگئی تعریف یا تخصیص حاصل نہیں ہوگی لہذا اس اعتبار سے حسن الوجه کا نکرہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے در نہ اگر تعریف یا تخصیص حاصل ہوتی اس کا نکرہ کی صفت واقع ہونا صحیح نہ تھا اس لئے کہ موصوف و صفت میں مطابقت

مزدی ہے بخلاف ترکیب مرث بنزید حسن
الوجہ کے کہ وہ ممتنع ہے اس لئے کہ اس میں
موصوف یعنی زید معرفہ اور صفت یعنی حسن الوجہ
نکرہ ہے پس موصوف و صفت میں مطابقت باقی
نہیں رہی اسی کو شارح نے فلوا فادت تعریفاً
انجسے بیان کیا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۹ قولہ والمراد ان اس عبارت
سے شارح ایک اعتراض کا دفع کرنا چاہتے
ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ قول مصنف بن
غم میں ثم کا مشار الیہ تین امور کا مجموعہ ہے
یعنی (۱) اضافہ لفظیہ صرف تخفیف کا
فائدہ دیتی ہے (۲) افادہ تعریف کا انتفاء
(۳) افادہ تخصیص کا انتفاء پس ان تینوں
امور کا مجموعہ ترکیب اول کے جواز اور
ترکیب ثانی کے امتناع کو مستلزم ہے حالانکہ
انتفاء تخصیص کو ترکیب اول کے جواز اور
ترکیب ثانی کے امتناع میں کوئی دخل
نہیں اس لئے کہ مثال اول میں رجل نکرہ اپنی
صفت نکرہ کا مقتضی ہے، اور مثال ثانی میں
زید معرفہ ہے جس کی صفت نکرہ نہیں آسکتی
پس اس میں انتفاء تخصیص کا بالکل بھی ذکر
نہیں حالانکہ مشار الیہ تینوں امور کا مجموعہ ہے،
اس کا جواب شارح دلائل میں مذکور ہے
یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا
کہ اس مستلزام میں مورد مذکورہ میں سے ہر ایک
کو بر سبیل مجبورہ دخل ہو بلکہ جائز ہے کہ تینوں
امور میں سے با اعتبار بعض کے استلزام مذکورہ
واقع ہو پس دونوں ترکیبوں میں جواز و عدم جواز
کے استلزام میں اگر انتفاء تخصیص کو دخل نہیں تو
یہ کوئی عوج کی بات نہیں لہذا اعتراض مذکورہ
وارد نہیں ہوگا واللہ اعلم ۱۱۔

۲۰ قولہ ومن جهة الخ اس سے شارح
نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف
ومن ثم ہے اور یہ تقریر صرف افادہ تخفیف
پر منحصر ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ ترکیب

هو مجموع امور ثلاثة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف وانتفاء
التعريف وانتفاء التخصيص يستلزم جواز التركيب الاول وامتناع الثاني و
لا يلزم من ذلك ان يكون لكل واحد من تلك الامور دخل في ذلك
الاستلزام بل يجوز ان يكون باعتبار بعضها فلا بد ان لا دخل في ذلك
الاستلزام لانتفاء التخصيص ومن جهة انها تفيد تخفيفاً جازاً تركيب
الضارب بازید والضارب لئوا زید لحصول التخفيف بحذف النون وامتناع
الضارب زید لعدم التخفيف لان تنوين الضارب انما سقط للالف واللام

تعریف پر مبنی ہے نہ کہ حصراً کو یعنی لا تفید الا تخفيفاً پر اور مراد یہ ہے کہ مشار الیہ مثلاً
اور وہ امور ثلاثہ اصناف لفظیہ کے افادہ تخفیف کا وجوب و انتفاء تعریف و انتفاء تخصیص
کا مجموعہ ہے ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے امتناع کو مستلزم ہے اور اس (مجموعہ
امور ثلاثہ کے مشار الیہ ہونے) سے لازم نہیں آتا کہ ان تین امور میں سے ہر ایک کو اس استلزام
(جواز ترکیب اول و عدم جواز ثانی) میں دخل ہے (کیونکہ ترکیب اول کے جواز کا مستلزم
افادہ تخفیف کا وجوب ہے جو اس میں موجود ہے اور ترکیب ثانی کے عدم جواز کا مستلزم
انتفاء تعریف ہے جواز و عدم جواز میں تخصیص کو کوئی دخل نہیں کیونکہ اس کے بغیر ترکیب
اول جائز اور ثانی ناجائز ہو رہی ہے من افادات محمد ابی الانور غلام سرور قادری) بلکہ ممکن ہے
کہ استلزام ان امور ثلاثہ سے بعض کے اعتبار سے ہو کہ اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے لہذا اس
اعتبار سے کہ استلزام میں ان امور ثلاثہ میں سے اکثر کو دخل ہے ان امور کے مجموعہ کا ثبوت
مشار الیہ ہوتا صحیح ہے لہذا اعتراض نہ ہوگا کہ اس استلزام میں انتفاء تخصیص کو (تو) کوئی
دخل نہیں (لہذا مثلاً کا مشار الیہ امور ثلاثہ کا مجموعہ کیسے ہو سکتا ہے؟) اور اس وجہ سے
کہ اصناف لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے الضارب بازید والضارب لئوا زید کی ترکیب و جائز
ہے یا اس لئے کہ نون کے حذف سے تخفیف حاصل ہو گئی (اور الضارب زید ناجائز ہے) عدم
تخفیف کی وجہ سے کیونکہ الضارب کی تنوین توالف و لام کی وجہ سے ساقط ہوئی اصناف

سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ الضارب کی تنوین
الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافہ
کی وجہ سے نہیں در نہ تک اضافت کے وقت
تنوین عود کر آتی حالانکہ عود نہیں کرتی پس
جب اسقاط تنوین میں اضافہ کو کوئی دخل
نہیں ہوا تو تخفیف مقصودہ حاصل نہیں ہوئی
لہذا یہ ترکیب ممتنع ہے واللہ اعلم ۱۲۔

الضارب بازید اور الضارب زید دونوں جائز
ہیں اس لئے کہ ان میں اضافہ کی وجہ سے حذف
نون کے ساتھ تخفیف آگئی ہے کیونکہ اگر اضافت
سبب کر لیں تو باوجود حذف لام کے نون محذوف
نہیں آئے گا پس یہ حذف نون اضافہ کی وجہ
سے ہوا نہ کہ امر غیر کے باعث بخلاف ترکیب
الضارب زید کے کہ یہ ممتنع ہے اس لئے
کہ اضافہ سے جو تخفیف مقصود تھی وہ اس

لا لا ضافة ولا شك انه لا دخل في هذا التفریع لا انتفاء التعريف ولا الانتفاء
التخصيص بل يكفي فيه وجوب التخفيف فقط وعلى هذا كان الانسب تقديم
هذا الفرع لكنه اخره لكثرة لواحقه خلافا للفرع فانه يجوز تركيب
الضارب زيد امالانه توهم ان دخول لام التعريف انما هو بعد الاضافة
فحصل التخفيف بحذف التنوين بسبب الاضافة ثم عوف باللام واجاب المصنف
عنه في شروحه بانه غير مستقيم لان القول بتاخر اللام المتقدمه حسا على الاضافة
مجرد ادعاء مخالف للظاهر واما الما وقع في شعر الاعشى من قولع الواهب
المائة الهجان وعبدها فان قوله وعبدها بالجزم معطوف على المائة فصلا

کی وجہ سے نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف کو کوئی دخل
نہیں اور نہ ہی انتفاء تخصیص کو بلکہ اس میں فقط وجوب تخفیف کافی ہے بنا برآں اس
فرع کی تقدیم انسب تھی لیکن مصنف نے اس کے کثرت لواحق کی وجہ سے اسے مؤخر کر دیا
(اور کثرت لواحق مصنف کا قول خلاف القراء ہے یعنی) (فراہ کے برعکس) کہ وہ الضارب
زید کی ترکیب کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ اسے وہم لگا ہے کہ (الضارب پر) لام تعریف کا
دخول اضافت کے بعد ہی ہے لہذا اضافت کے سبب سے تنوین کو حذف کرنے سے تخفیف
حاصل ہو گئی اس کے بعد ضارب کو معرفہ بہ لام کیا گیا اور مصنف نے اپنی شرح کافیہ میں فراہ
کے قول ہذا سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ (تقدیم اضافت علی اللام کا قول) درست نہیں ہے
کیونکہ اس لام کے کہ اضافت پر ظاہر مقدم ہے تاخر کا قول کرنا دعویٰ محض (بلا دلیل)
اور ظاہر کا مخالف ہے اور بہر صورت جب شاعر اعشی (شب کو) کے شعر میں اس کے
قول سے واقع ہوا ہے الواهب المائة الهجان وعبدها کہ اس کا قول وعبدها جر کے ساتھ
المائة پر معطوف ہے پس عطف کے اعتبار سے معنی ہوا الواهب وعبدها از قبیل الضارب

کہ مثال مذکور میں دخول لام تعریف اضافت کے
بعد ہوا ہے پس اضافت کے سبب سے حذف
تنوین کے باعث تخفیف حاصل ہو گئی پھر اس
کو معرفت باللام کر دیا گیا اس کا جواب مصنف نے
اپنی شرح کافیہ میں یہ دیا کہ یہ دلیل صحیح نہیں اس
لئے کہ یہ کہنا کہ دخول لام اضافت سے مؤخر ہے
(حالانکہ ظاہری طور پر دخول لام اضافت پر مقدم
ہے) ایک ادعاء محض ہے جو ظاہر کے خلاف ہے
اس لئے کہ لام تعریف کے اضافت پر مقدم ہونے
کی وجہ ظاہر ہے دخول لام تعریف سے حذف
تنوین کے بعد اضافت آتی ہے پس حذف تنوین
کو اضافت کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟
اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ لام تعریف ذات
اسم کی تحقیق کے لئے ہے، اور اضافت اس امر
اس کی تحقیق کے لئے کہ جو اسم کو عارض ہے یعنی
تخفیف اور ظاہر ہے کہ جس طرح ذات کا درجہ
صفت پر مقدم ہے اسی طرح محقق ذات کا مرتبہ
محقق صفت پر مقدم ہو گا پس دخول لام تعریف
اضافہ پر مقدم ہوا لہذا فراہ کا یہ وہم باطل
ہے واللہ اعلم

ملک قولہ دالاماد وقع الما اس کا عطف
امالانه تو ہم پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ یا اس
جواز ترکیب مذکور کی وجہ اعشی شاعر کا یہ
مصرعہ جمع الواهب المائة الهجان وعبدها
ہے کہ اس میں قولہ وعبدها جر کے ساتھ المائة
پر معطوف ہے پس باعتبار عطف کے اس
کے معنی الواهب وعبدها کے ہوں گے، اس لئے
کہ قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ سے پہلے جو قید
ہوتی ہے وہ معطوف کی طرف لڑتی ہے، پس
گویا شاعر نے الواهب وعبدها کہا پس یہ الضارب
زید کے قبیل سے ہو گیا دخول لام تعریف اور
حذف تنوین میں پس جس طرح الواهب وعبدها
ممتنع نہیں کہ اس کو بعض بلقاء اور فصحاء اپنے
کلام میں لائے ہیں اور اگرچہ ممتنع ہوتا تو بلغیہ ہرگز
اس کو جائز قرار نہیں دے سکتا تھا پس اسی

یہ ضمن حاصل ہوتے ہیں پس صریح کا مرتبہ غیر
صریح سے اعلیٰ ہے لکن آخرہ اتو سے شارح
نے شارح نے جواب دیا کہ اس کو اس کے
کثرة لواحق کی وجہ سے مؤخر کرنا چاہیے اور
وہ لواحق اس کے آگے آتے ہیں یعنی خلافاً
للقراء وغیرہ واللہ اعلم

ملک قولہ خلافاً لہ یعنی فراہ نحوی ترکیب
ممتنع الضارب زید کو جائز کہتا ہے، اور اس جواز
کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کو یہ وہم پیدا ہو گیا

ملک قولہ دالاماد وقع الما اس کا ایک
سوال اور اس کا جواب مقصود ہے سوال یہ
ہے کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف اور انتفاء تخصیص
کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں صرف وجوب تخفیف
کافی ہے لہذا مصنف کو مناسب یہ تھا کہ وہ
اس تفریع کو تفریع اول پر مقدم کرتے جیسا
کہ متفرع علیہ کا حال ہے اس لئے کہ متفرع
علیہ یعنی تخفیف تو صریحاً مذکور ہے اور فرعی
سابقہ یعنی انتفاء تعریف و تخصیص غیر مذکور

طرح الضارب زید بھی جائز ہونا چاہیے پس مصنف نے اس کا جواب اپنے قول وضعف الخ سے یہ دیا کہ یہ قول ضعیف ہے فصاحت میں ایسا تو مرتبہ نہیں دکتا کہ اس سے استدلال کیا جائے، اور وجہ ضعیف ظاہر ہے کہ یہ قول الواہب عبد ہا پر مشتمل ہے، اور وہ الضارب زید کے مثل ہے اور یہ محتج ہے کیونکہ اس سے اضافہ میں فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ گذر چکا پس جس طرح الضارب زید ضعیف ہے کہ اس میں عدم فائدہ کی وجہ سے اضافہ بیکار ہے، اور اسی بیکاری کی وجہ سے اس کو محتج کہا گیا ہے اسی طرح الواہب عبد ہا بھی ضعیف ہوگا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو قول پر مشتمل ہوتا ہے وہ خود ضعیف ہوتا ہے لہذا یہ قول بھی ضعیف ہوگا، اور اس سے استدلال بھی ضعیف ہوگا اس لئے کہ قول ضعیف غیر پرہ خبت نہیں ہو سکتا واللہ اعلم ۱۲۔

مسئلہ قولہ ولا یخفی الخ مصرعہ مذکورہ الواہب الخ سے قول بھی مراد ہو سکتا ہے، اور استدلال بھی پس شارح نے اس سے قول مراد لیا مگر یہ چیز اعتراض سے خالی نہیں جس کو شارح دلائل مخفی سے بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں مصادرة علی المطلوب کی آمیزش یعنی ملاوٹ ہے جس کو دوسرے معنی میں راجح اور جوا سے بھی تعبیر کرتے ہیں مصادرة علی المطلوب کے لغوی معنی حمل بر مطلوب کے آتے ہیں، اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی چار صورتیں (۱) مدعی عین دلیل ہو (۲) مدعی دلیل کا جز ہو (۳) مدعی پر دلیل موقوف ہو (۴) مدعی پر دلیل کا جز موقوف ہو اور ان میں سے ہر ایک باطل ہے اس لئے کہ اس سے مدد لازم آتا ہے پس اب جانا چاہیے کہ شارح نے یہاں کہا کہ مصادرة علی المطلوب کی آمیزش پائی جاتی ہے مصادرة علی المطلوب نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مصادرة علی المطلوب کے چاروں

المعنی باعتبار العطف الواہب عبد ہا فہو من باب الضارب زید فکما لا یمتنع ذلک حیث اتی بہ بعض البلغاء ولا یمتنع هذا فاجاب المصنف عنہ بقولہ وضعف ع الواہب المائة الرجحان وعبد ہا یعنی ان هذا القول ضعیف لا یقوی فی الفصاحة بحیث یستدل بہ لما عرفت من امتناع مثل الضارب زید لعدم الفائدة فی الاضافة ولا یخفی ان فیہ ثوب مصادرة علی المطلوب اللهم الا ان یقال المراد بہ انه ضعیف فی الاستدلال بہ اذ لا نص فیہ علی الجوفانہ یحتمل النصب حملاً علی المحل او علی انه مفعول

زید پس جس طرح یہ ناجائز نہیں کیونکہ اس کو بعض بلیغ شاعر (اپنے کلام میں) لائے ہیں تو یہ (الضارب زید ناجائز نہیں ہے تو مصنف نے اس استدلال کا اپنے قول سے جواب دیا «اور ع الواہب المائة والرجحان وعبد ہا ضعیف ہے» یعنی یہ قول ضعیف ہے فصاحت میں قوی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے اور اس (کے ضعف) کی وجہ وہی ہے جو تم نے معلوم کی یعنی الضارب زید کے مثل کا اضافہ میں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا اور مخفی نہیں کہ اس جواب میں مصادرة علی المطلوب کا شائبہ ہے (راقم محمد ابوالانور غلام رسول قادری عارض ہے کہ مصادرة علی المطلوب اصطلاح مناظرہ میں اس بات کا نام ہے دعویٰ کو دلیل کی جز کر دیا جائے یا دوسرے نقطوں میں نتیجہ کو قیاس کا جز کرنا اور وہ یہاں اس طرح ہے کہ اثبات مطلوب یعنی الضارب زید کا امتناع مخالف کی دلیل کے ابطال پر موقوف ہے اور وہ یہاں اس طرح ہے کہ اثبات مطلوب یعنی الضارب زید کا امتناع مخالف کی دلیل کے ابطال پر موقوف ہے اور وہ اعشی کا شعر ہے اور مخالف کی دلیل کے ابطال کو اپنے مطلوب کے اثبات پر موقوف کر دیا گیا فتراجعوا) اللهم (خدا یا میرا مواخذہ نہ کرنا میرا کلام اول غیر تام ہے بلکہ استثناء کا محتاج ہے) مگر یہ بات مصادرة علی المطلوب کے شائبہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ یہ کہ کہا جائے کہ مصنف کے قول وضعف سے مراد یہ ہے کہ یہ شاعر کا قول اس بات میں ضعیف ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے کیونکہ شاعر کے قول میں (عبد ہا کی) جر پر کوئی نص نہیں پس وہ نصب کا بھی محتمل ہے (ماتہ کے لفظ پر نہیں) محل پر محمول کرنے سے کہ وہ الواہب کا مفعول ہے

یعنی اعشی کے قول کے باطل کرنے پر اور اس کا ابطال موقوف ہے اثبات مطلوب یعنی امتناع الضارب زید پر جیسا کہ شارح نے لما عرفت من امتناع الخ سے اشارہ کیا ہے پس تیوہ یہ نکلا کہ امتناع الضارب زید موقوف ہے امتناع الضارب زید پر اور یہ دوسرے اور دور باطل ہوتا ہے لہذا یہ قول بھی باطل

معنی میں سے ایک بھی معنی نہیں پائے جاتے بلکہ کچھ اس سے ملتے جلتے معنی پائے جاتے ہیں کہ جن سے دور لازم آتا ہے، اور وہ یہ ہیں کہ اس جگہ مدعی امتناع الضارب زید ہے اور دلیل ہے اس کی اعشی کے قول کا ابطال پس اگرچہ یہاں مدعی عین دلیل یا جز دلیل نہیں لیکن یہ موقوف ہے دلیل خصم کے ابطال

معہ ادلائہ قد یحصل فی المعطوف مالا یحصل فی المعطوف علیہ کما فی رب شاة
وسخلتها جث جازہذا التزکیب ولم یجوز رب سخلتہا با دخال رب علی سخلتہا
بدون العطف والبت تمامہ والواہب المائۃ الہجان وعبدہا عودا
یوزجی خلفہا اطفالہا۔ ای ممدوحہ الواہب المائۃ الہجان ای البیض من
النوق یستوی فیہ الجمع والواحد والہجان صفتہ للمائۃ او بدل عنہا و

منسوب ہے) یا بنا بر آنکہ مفعول ممدوحہ ہے یا اس لئے کہ کبھی معطوف میں وہ بات برداشت کی
جاتی ہے جو معطوف علیہ نہیں کی جاتی (یعنی قد یجوز فی المعطوف مالا یجوز فی المعطوف علیہ) جیسے
رب شاة وسخلتہا میں ہے (اور یزید والحارث میں ہے) کیونکہ یہ (یعنی رب شاة وسخلتہا یعنی
ولد النان اور یزید والحارث کی) ترکیب جائز ہے اور رب سخلتہا رب کو سخلتہا پر عطف
کے بغیر داخل کر کے جائز نہیں کہ رب تغیل کے لئے موضوع ہے اور وہ اس بات کا مقتضی
ہے کہ نکرہ پر داخل ہو کہ فکرہ تغیل اور اس کی ضد کو قبول کرتا ہے) اور پورا بیت: الواہب
المائۃ الہجان وعبدہا عودا نیز جی خلقہا اطفالہا یعنی شاعر کا ممدوح وہ شخص ہے جو سفید سو
اوتنیوں کے بچے والے (الہجان بکسر الباء یعنی سفید اوتنیوں) اس میں جمع اور واحد برابر
ہیں يقال ناقۃ ہجان بروزن حمار و نوق ہجان بروزن رجال اور الہجان المائۃ کی صفت ہے۔ یا

تو ہمارا مدحی امتناع الضارب زید اپنی جگہ
درست باقی رہا دسغلہ بکری کے بچہ کو کہتے ہیں
اب اگر کوئی کہے کہ حبیب یہ صورت اعتراض
سے خالی ہے تو شارح نے اولاً اسی کو کیوں
نہ اختیار کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح
نے مصنف کی پیروی کی ہے کیونکہ مصنف
نے بھی الی کا فیہ میں یہی طرز اختیار کیا ہے،
واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ والبت تمامہ الخ الواہب
بمنہا محذوف کی خبر سے ای ممدوحہ الواہب ہجان
بکسر الباء سفید اوتنی کو کہتے ہیں اور اس میں واحد
و جمع دونوں کے لئے ایک ہی لفظ آتا ہے پھر
یہ ترکیب میں یا تو المائۃ کی صفت واقع ہے
یا اس سے بدل الکل یا حبیب کہ کو فیہ کہتے ہیں یہ
الثلاثۃ الاثواب کے قبیل سے ہے بیض
ابیض کی جمع ہے اور نوق ناقہ کی بمعنی اوتنی
عبد غلام کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد
چرواہا ہے اس کو عبد کے ساتھ اس وجہ سے
تشبیہ دی کہ یہ بھی غلام کی طرح بکریوں کی
نگہبانی اور خدمت کے لئے ہر وقت مستعد
رہتا ہے جیسا کہ غلام ہر وقت اپنے آقا کی
خدمت بجالاتا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبد
حقیقۃً ان بکریوں کا غلام ہے اس لئے کہ آقا
نے اس کو انہیں کی خدمت کے لئے خریدا
ہے پس اس ادنی ملاستہ کی وجہ سے عبد کی
اضافۃ ہاد ضمیر راجع الی المائۃ کی طرف جائز ہے
لہذا دونوں صورتوں پر اب یہ اعتراض نہیں
واقع ہو سکتا کہ عبد عبارت سے ملوکیۃ سے
اور مائۃ میں ملوکیۃ منسوخ نہیں ہو سکتی عرفاً ذال
منقوط کے ساتھ فائد کی جمع ہے اور فائد
نونا بیدہ کو کہتے ہیں اور یہ مائۃ سے حال واقع
ہے نیز جی زائے منقوطہ اور جیم کے ساتھ باب
تفصیل سے صیغہ واحد مذکر غائب سے جس
کے معنی بیوقوف یعنی چلانے کے آتے ہیں جس
کو اردو میں ہانکنا کہتے ہیں اس کا فاعل ضمیر

ہے یا یہ کہا جائے کہ عبد ہا میں فاعل معنی ہے
اور یہ مفعول معہ واقع ہے یا یہ کہا جائے کہ ہو
سکتا ہے کہ بغیر عطف کے تنہا الواہب
عبد متنع ہو اور عطف کے ساتھ ترکیب
الواہب المائۃ وعبد ہا جائز ہو اس لئے کہ لیا
اوقات معطوف میں وہ امر جائز ہوتا ہے جو
معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتا جیسے رب
شاة وسخلتہا میں کہ یہاں رب کا دخول عطف
کے ساتھ سخلتہا معرفہ پر ہو گیا ہے، اور یہ
ترکیب جائز ہے، اور یہ بغیر عطف کے تنہا
اس کا دخول معرفہ پر کرتے اور رب سخلتہا
کہتے تو یہ جائز نہ تھا اس لئے کہ رب معرفہ پر
داخل نہیں نہیں ہو کر تاپس جس طرح اس میں
امر متنع عطف کی صورت میں جائز ہے،
اسی طرح وعبد ہا میں بھی بصورت عطف اس
کا مجرور پڑنا جائز ہو گا پس یہ استدلال
ضعیف ہو اور جب یہ استدلال ضعیف ہو گیا

پس اس میں مصادرة علی المطلوب کی باعتبار
واسطہ یعنی البطلان دلیل خصم آمیزش پائی گئی
بلکہ واسطہ مصادرة علی المطلوب نہیں لیکن نتیجہ
وہی ہے جو مصادرة علی المطلوب کا ہوتا ہے
یعنی استلزام و در باطل لہذا یہ قول اعتراض سے
خالی نہیں اس کا جواب شارح اللہم الا ان
یقال الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ مصرعہ
مذکورہ کی طرف بجائے ہذا القول کے ہم
ہذا الاستدلال سے اشارہ کریں گے پس
اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ استدلال
مذکورہ ضعیف ہے، اس لئے کہ اس مصرعہ
میں وعبد ہا کے مجرور پڑنے پر کوئی دلیل قطعی
جس اگر دلیل قطعی موجود ہوتی تو اس سے استدلال
قوی ہوتا لیکن یہاں احتمال ہے کہ وعبد ہا کو
بتح التلال پڑھا جائے عمل پر عمل کرتے ہوئے
اس لئے کہ المائۃ الواہب کا مفعول واقع
ہونے کی بنا پر عمل کے اعتبار سے منسوب

من قبیل الثلاثة الاثواب كما هو مذهب الكوفية وعبد هاءى راعيا هاشميا
له بالعبد لقيامه بحق خدمتها او عبد هاءى حقيقة باضافته لادنى ملائمة
عودا بالذال المعجمة جمع عائد اى حديثات النتائج حال من المائنة يترجم
بالزائ المعجمة والجيم على صيغة المعلوم المذكور ليقوق وفاعل ضمير العبد و
اطفالها منصوب على المفعولية او على صيغة المجهول المؤنث واطفالها مرفوع
على انه مفعول مالم ليسم فاعله حقيقة الامر لا تتكشف الا بعد معرفة
حركة حرف الروى من القصيدة ^{١٢} واما لانه قاسه على الضارب الرجل و
الضاربك فاجاب المصنف عنه بقوله ^{١٣} واما جاز الضارب الرجل يعني ان

اس نے بدل الكل ہے یا الثلاثة الاثواب کے قبیل سے ہے (یعنی اضافۃ العبد للعرف باللام الی
معدودہ بلا تجریدہ عن اللام) جیسا کہ کوفیہ (نحات) کا مذہب ہے اور عبد ہا یعنی راعیہا (ان کا
چرواہا) راعی کو اونٹنیوں کی خدمت میں قائم رہنے کی وجہ سے عبد سے تشبیہ دی گئی (جیسا کہ
عبد اپنے مولا کی خدمت میں قائم رہتا ہے یا ادنی تعلق کی وجہ سے) کہ اونٹنیوں کو مالک سے
ہوتا ہے) اس کی اضافت کے باعث حقیقت میں ان کا عبد (اور عبد ہا سے مراد عبد صاحبہا)
ہے۔ محوذ (عین کے ضم اور) ذال مجہ کے ساتھ عائد کی جمع یعنی حدیثات النتائج (تو زائیدہ) المائ
سے حال ہے یزجی زائے مجہ اور جیم کے ساتھ بنا بر صیغہ معلوم مذکر (از باب افعال) یعنی ہکتا
ہے اور اس فعل (میں ہی اس) کا فاعل عبد کی (طرف راجع ہونے والی) ضمیر ہے اور
اطفالہا بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا یزجی بنا بر صیغہ مجہول مؤنث ہے اور اطفالہا بنا
بر مفعول مالم ليسم فاعله مرفوع ہے اور اس امر کہ ضل یزجی مبنی للفاعل ہے اور مفعول
منصوب ہے یا مبنی للمفعول اور مفعول مرفوع ہے) کی حقیقت قصیدہ سے حرف روی (حرف
مکرر) کی حرکت کی معرفت کے بعد ہی منکشف ہو سکتی ہے (اور وہ یہاں لھا ہے) اور یا فراء
نے الضارب زید کو الضارب الرجل اور الضاربک پر قیاس کیا ہے تو مصنف نے اپنے
قول (آئندہ) سے اس کا جواب دیا ((اور الضارب الرجل جائز ہوا)) یعنی قیاس اس کا

مستتر ہے جو عبد کی طرف راجع ہے اور
اطفالہا مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے یا
یہ کہ یزجی صیغہ واحد مؤنث غائب مجہول
سے یعنی یزجی اور اطفالہا مفعول مالم ليسم فاعله
کی بنا پر مرفوع سے پس شعر کے معنی یہ ہوں
گے شاعر کا مدوح بخشش کرنے والا ہے،
سوا اونٹنیوں کی درانجا لیکہ وہ نوزائیدہ بچوں
والی ہیں، اور سوغلاموں کی کہ ہنکاتے ہیں وہ
ان اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو یا
ہنکاتے جاتے ہیں ان کے بچے یہ ترجمہ
لفظی ہے با محاورہ اس طرح ہے شاعر کا
مدوح نوزائیدہ بچوں والی سوا اونٹنیوں
اور سوغلاموں کی کہ وہ ان کے پیچھے ان کے
بچوں کو ہنکاتے ہیں بخشش کرنے والا ہے
واللہ اعلم ۱۲۔

قوله وحقیقتہ انہا ہاں سے
شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یزجی کے معروف
و مجہول ہونے کا پتہ کیسے چلے! جواب یہ ہے
کہ اس شعر کے قصیدہ کو دیکھا جائے کہ اس
کے آخر میں حرف روی یعنی لام کی حرکت کیا
ہے اگر تمام قصیدہ میں لام کی حرکت ضمہ سے
تو اس میں بھی اطفالہا کو مفعول پڑھیں گے اور
یزجی واحد مؤنث مجہول پڑھا جائے گا اور دوسرے
اشعار میں فتح ہے تو صیغہ معروف مذکر پر اس
کو پڑھیں گے حرف روی اس حرف کو کہتے ہیں
جو ہر شعر میں مکرر آئے پس اس قصیدہ کا حرف
روی لہا ہے واللہ اعلم ۱۱۔

قوله واما لانه الخ الضارب
زید کو صحیح ثابت کرنے کے لئے فراء کی یہ
تیسری دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید
اس نے یہ قیاس کر لیا ہے کہ جس طرح الضارب
الرجل اور الضاربک بالاتفاق جائز ہیں اور وہ
الضارب زید کی مثل ہیں لہذا یہ نہ ہوگا کہ الضارب
الرجل اور الضاربک تو جائز ہوں اور الضارب
زید نا جائز پس اس کا جواب مصنف یہ دیتے

مگر وہ غیر محتار ہیں اس لئے کہ وہ قیاس اور محوذ
ہیں اول وجہ یہ ہے کہ الوجه کو فاعلیۃ کی بنا
پر رفع پڑھیں مگر یہ اس وجہ سے قیاس ہے
کہ جملہ عائد موصوف سے خالی رہ جاتا ہے
اس لئے کہ جادنی زید من الوجه میں زید
موصوف ہے اور من صفت مشبہ اور الوجه
اس کا فاعل پس صفت مشبہ لہے فاعل سے
لی کر جملہ ہو کر زید کی صفت واقع ہوگی اور

ہیں کہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ ترکیب الضارب
الرجل بھی ناجائز ہو اس لئے کہ اس میں اضافت
سے کوئی تخفیف نہیں آئی بلکہ تخفیف اس میں
محض لام کی وجہ سے ہے مگر تاہم یہ ایک دوسری
وجہ سے جائز ہے وہ یہ کہ ترکیب مذکورہ من
الوجه کی وجہ میں سے وجہ متاثرہ مفعول ہے
اور وہ الوجه کا اضافت کی وجہ سے مجرور ہونا ہے
اس کے علاوہ اس میں دود وجہیں اندکھی ہیں

القياس عدم جواز لا انتفاء التخفيف لزوال التنوين باللام لكنه جاز حتملا
على الوجه المختار في الحسن الوجه وهو جواز الوجه بالاضافة وفيه
وجان آخران رفعه على الفاعلية ونصبه على التشبيه بالمفعول ووجها
الحصل اشتراكهما في كون المضاف صفة والمضاف اليه جنسا معرفين باللام
وهذا الاشتراك مفقود بين الضارب زيد والحسن الوجه فقياسه عليه
قياس مع الفارق والضرابك يعني انما جاز الضاربك مع ان القياس عدم

عدم جواز تھا کیونکہ تخفیف نہیں کہ تنوین لام کی وجہ سے زائل ہوئی (نہ کہ اضافت کی
وجہ سے) لیکن «الحسن الوجه میں» وجہ مختار پر محمول کرنے کی وجہ سے «جائز ہوا
اور وجہ مختار اضافت کی وجہ سے الوجه کی جر ہے (کہ جانب مضاف الیہ میں خفت
حاصل ہے) اور اس (الحسن الوجه) میں (اضافت کے علاوہ) دو اور طریقے ہیں (ایک
تو اس کا رفع ہے فاعل ہونے کی بنا پر اور (دوسری) اس کی نصب مفعول کے ساتھ
تشبیہ کی بنا پر) کہ الحسن لازم ہے مفعول بہ کو نصب نہیں دیتا لیکن فاعل مفعول کے مشابہ
ہے قائم محمد غلام سرور القادری عرض کرتا ہے کہ فاعل یعنی الوجه مفعول بہ کے مشابہ اس طرح
ہے کہ الوجه دراصل تیز کے بمتزلہ ہے یعنی الحسن الوجه بمنزلہ حسن وجہا ہے اور تیز مفعول
کی طرح منصوب ہے) اور (الضارب الرجل کو الحسن الوجه پر) محمول کرنے کی وجہ دونوں
ترکیبوں کا اس بات میں مشترک ہوتا ہے کہ (دونوں میں) مضاف اور مضاف الیہ جنس
ہے جبکہ دونوں (ترکیبوں میں) مضاف (صفت) اور مضاف الیہ (جنس) معرفہ باللام
ہیں اور یہ اشتراک الضارب زید اور الحسن الوجه میں مفقود ہے (حالانکہ فرائض الضارب زید
کو الضارب الرجل پر قیاس کیا ہے نہ کہ الحسن الوجه پر مگر شارح نے الوجه الحسن اس لئے کہا
کہ الضارب الرجل کی اضافت قصد اوصالتہ نہیں بلکہ تبا اور اس کو الحسن الوجه پر محمول
کرنے کی وجہ سے تخی اس لئے وہ الضارب زید کے لئے مقیس علیہ نہیں بن سکتا تھا تو اس
کا جواز بھی الحسن الوجه پر قیاس کی وجہ سے تھا لہذا الضارب زید کا الحسن الوجه پر کہ اصل
ہے قیاس کرنا تھا جو کہ درست نہیں کما قال شارح) پس الضارب زید کا کہ درحقیقت الضارب
الرجل کے واسطے سے الحسن الوجه پر ہے (ہے) قیاس مع الفارق ہے (کہ دونوں میں مناسبت
نہیں کہ مضاف الیہ مجرد عن اللام ہے یا مضاف الیہ جنس نہیں ہے) محمد سرور القادری (لاؤ
الضاربک) یعنی الضاربک جائز ہوا باوجودیکہ قیاس عدم جواز ہے بآں وجہ کہ شارح معلوم شد

قاعدہ یہ ہے کہ جب جملہ صفت ہو تو اس میں
موصوف کی طرف لڑنے والی ضمیر کا ہن مزدی
ہوتا ہے اور یہاں ضمیر نہیں لہذا یہ غلط اصل
ہونے کی وجہ سے قبیح اور غیر حق ہے دوسری

کہ مفعول ہوتا ہے اس لئے کہ قول قائل زید
حسن الوجه میں زید و حسن باعتبار مبتدا و خبر واقع
ہونے کے کلام تام ہے اور یہ عین مفعول
اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ حسن لازم ہے مفعول
کی حالت نہیں ہوتی پس مشتبہ بالمفعول اس کو
قرار دیں گے مگر یہ بھی قبیح ہے اس لئے کہ
الوجه میں بالامالۃ ہے اصالۃ کی وجہ سے اور
نصب باعتبار تشبیہ بالمفعول کے ہو گا اور یہ
تبعیت ہے اور اصالۃ اولی ہوتی ہے تبعیت سے
لہذا خلافت اصالۃ ہونے کی وجہ سے یہ بھی غیر
حق ہے اب یہی بات کہ الضارب الرجل کو
الحسن الوجه پر کیوں محمول کیا گیا تو اس کا جواب
دوہرہ محل الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں
کہ اس محل کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور الحسن الوجه
دونوں دو امور میں مشارک ہیں ایک یہ کہ
دونوں ترکیبوں میں مضاف صیغہ صفتہ اور
معرف باللام ہے دوسرے یہ کہ مضاف الیہ
دونوں میں اسم جنس اور معرف باللام ہے لہذا یہ
اشتراک الضارب زید اور الحسن الوجه میں
مفقود ہے پس الضارب زید کو الحسن الوجه پر
قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے
کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی علت مشترکہ
نہیں لہذا ترکیب الضارب زید ناجائز ہوگی
والشہ اعلم ۷

۸۔ قولہ والضاربک الخ یہ فراء کے
استدلال ثالث کی شق ثانی والضمہ بک کا جواب
ہے تقریر استدلال کی وہی ہے جو کہ الضارب
الرجل کی ہے اس کا جواب صفت یہ دے رہے
ہیں کہ اداں تو جمہور نماۃ اس ترکیب میں اضافت
کے قائل نہیں کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مضاف
نہیں اور نہ اضافت کے باعث کاف مجرد
المحل ہے بلکہ یہ مفعولیہ کی بنا پر منصوب المحل
ہے اور اس کی تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے
حذف ہوئی ہے نہ کہ اضافت کے سبب سے
پس اس صحت میں اس میں الفت لام بمعنی الذی

جوازہ لما عرفت وکذا شبهہ وهو الضارب والضاربة وغيرهما فيمن
قال ای فی قول من قال یعنی سبویہ واتباعہ آتہ ای الضارب فی الضارب
مضاف دون من قال انه غیر مضاف والکاف منصوب المحل علی المفعولیة و
التنوين محذوف لاتصال الضمیرک للامضافة فانه لا یحتاج جوازہ الی محل حذف
ای لمحصلیتہ علی ضاربیک فاتحد فاعل المفعول له والفعل المعلن به اعنی
جواز وبیانه انهم اذا وصلوا اسماء الفاعلین والمفعولین بحرقة عن اللام

«اور» الی طرح اس کے مشابہ اور وہ الضارب والضاربة وغیرہ ہیں «اس شخص کے
قول میں کہ جس نے کہا» یعنی سبویہ اور اس کے اتباع کے قول میں (یعنی سبویہ اور اس کے اتباع
کے قول میں الضارب میں الضارب اور اس کے امثال بہ اضافت بقیہ متاثر مضاف میں اور ضمیر
مجرور مضاف الیہ ہے) «کہ یہ» یعنی الضارب میں الضارب (وہذا فی امثالہ) «مضاف ہے»
اس شخص کے قول میں نہیں جو کہتا ہے (الضارب اور اس کے امثال میں) الضارب مضاف نہیں
اور کاف مفعول ہونے کی بنا پر منصوب المحل ہے (نہ کہ بنا پر اضافت مجرور المحل) اور ضمیر کے (المضارع
کے ساتھ) اتصال کی وجہ سے تنوین (اس میں) محذوف ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے (کہ اس
میں ہے ہی نہیں) (اور اس شخص کے قول میں جو کہتا ہے کہ الضارب مضاف نہیں) (اور اس
شخص کے قول میں جو کہتا ہے کہ الضارب مضاف نہیں) (کیونکہ نہیں؟) اس لئے کہ وہ اپنے
جواز میں کسی پر محمول ہونے کا محتاج نہیں کہ اس میں ضمیر منصوب ہے مجرور نہیں کہ اسے کسی پر
محمول کرنے کی حاجت پڑے راقم محمد سرور القادری سے گوید کہ اس اشارہ است بجانہ رد قیاس
فراء کہ الضارب زید راہ الضارب یک قیاس سے کنز ایں رد بوجہ دیگر است و ہو منع کونہ مضافا فلیف
بمحل علیہ حاصلہ انہ لیس بمضاف فلیف بمحل علیہ

کے «ضارب یک پر محمول ہونے کی وجہ سے» (جائز ہے) پس مفعول لہ اور فعل معلل بہ یعنی جائز کا
فاعل واحد ہو گیا یعنی جائز کا فاعل الضارب یک و شہد ہے اور محمول بھی یہی ہے) اور اس (الضارب یک
کے ضارب یک پر محمول کرنے کے جواز) کا بیان یہ ہے کہ نحوی لوگ جب اسمائے فاعلین اور اسمائے

اور ضاربے یعنی اضرِب ہوگا اور کاف مفعول
بہ پس ان لوگوں کے قول کے موافق تو استدلال
صحیح نہیں ہوگا بلکہ جواز حل کی احتیاج ہی
باقی نہیں رہے گی کیونکہ یہ سرے سے
اضافت کے ہی قائل نہیں دوسرے یہ کہ
چونکہ اس جگہ اضافت بے فائدہ ہے اس
لئے کہ اس سے تخفیف حاصل نہیں ہوتی لہذا
قیاس اس کا مقتضی ہے کہ یہ ترکیب اور اسی
طرح اس کی مشابہ مثلاً الضارب والضاربة
نا جائز ہوں گے مگر بایں ہمہ اگر تسلیم بھی کر لیا
جائے کہ اس جگہ اضافت ہے جیسا کہ سبویہ اور
اس کے اتباع کا مذہب ہے تب بھی فراء
کا استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ وہ اس
ترکیب کو ضارب یک پر محمول ہونے کی وجہ
سے جائز کہتے ہیں اور ضارب یک میں سقوط
تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے نہ کہ
اضافت کے سبب سے لہذا اس سے فراء
کا استدلال درست نہیں ہوگا اور الضارب
زید کہنا جائز نہ ہوگا اب جانا چاہیے کہ اس
جگہ حلا کی تفسیر ای محمولیتہ سے کر کے لام سے
تو اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حلا مفعول لہ
ہے جائز کا اور محمولیتہ سے ایک سوال مقدر
کا جواب دیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مفعول
لہ میں شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل مذکور
یعنی فعل معلل بہ دونوں کا فاعل ایک ہو اور
یہاں ایسا ہے نہیں اس لئے کہ فعل معلل بہ یعنی
جائز کا فاعل تو الضارب یک ہے اور مفعول لہ
یعنی حلا کا فاعل متکلم اس لئے کہ حل کر نیوالا
متکلم ہی ہو سکتا ہے پس خلاف شرط ہونے کی
وجہ سے اس کا مفعول لہ ہونا درست نہیں
شارح نے جواب دیا کہ حل مصدر اس جگہ مبنی
للمفعول یعنی محمول ہے اور محمول وہ
ترکیب ہے اور جائز کا فاعل بھی وہی ترکیب
الضارب یک ہے پس مفعول لہ اور فعل معلل بہ
دونوں کا فاعل متحد ہو گیا اور کوئی اعتراض باقی

اسی سے فراغت حاصل ہو جائے پھر حل
ترکیب کا بیان کریں گے جو کہ مقصود بالتبع
ہے لہذا اب بعض معتزضین کا یہ کہنا بھی
درست نہیں ہوگا کہ شارح سے اس جگہ
بموجب الانسان مرکب من الخطاب والنیان
فقلت اہم ہو ہوا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

شارح ضارب یک پر الضارب یک کے محل کو بیان

نہیں رہا اب یہ بات کہ حلا مصنف دو جگہ
لائے ہیں مگر شارح نے اس کی تفسیر دوسری
جگہ کی ہے حالانکہ پہلی جگہ کہنی چاہیے تھی تاکہ
ثانی کو اول پر قیاس کر لیا جاتا پس اس کی کیا
وجہ ہے کہ اگرچہ ایک کا بیان دوسرے کے
بیان کو مستلزم ہے اور اول جگہ اس کی تفسیر
ہونی چاہیے تھی مگر شارح نے اس خیال سے
اول جگہ کو ترک کر دیا کہ پہلے کلام کے مقصود

بمفعولاتها وكانت مضمرة متصلة التزاما بالاضافة ولم ينظروا الى
تحقق تخفيف فقالوا ضاربك وان لم يحصل التخفيف بالاضافة بل بنفس اتصال
الضمير ثم لما لم يعتبروا التخفيف في ضاربك وجوزوه بدون حمل الضاربك
عليه لانها من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضاف الى مضمرة
متصل محذوف فتوينا قبل الاضافة ولا للاحقة ولم يحملوا الضاربك عليه
لانها ليس من باب واحد والدليل على ان سقوط التثنية في ضاربك لا اتصال

مفعولين كوجبة مجرد عن اللام ہوں ان کے مفعولات کے ساتھ ملاتے ہیں اور وہ مفعولات
ضاربت متصل ہوں تو انہوں نے (ان اسمائے فاعلین واسمائے مفعولین میں سے ہر ایک کی اس
کے مفعول متصل مضمرة کی طرف) اضافت کا التزام کر لیا ہے اور انہوں نے تخفيف کے تحقق کی
طرف نظر نہیں کی لہذا انہوں نے ضاربک کہا (و مفعولک و ضاربہ و ضاربہ و غیر ہا مثنی و مجموعا)
لہجہ (احد الجمعین میں) اضافت سے کوئی تخفيف حاصل نہیں ہوئی بلکہ تخفيف جانب مضاف
میں (ضمن ضمیر کے اتصال سے) حاصل ہوئی ہے (کہ اتصال اضافت سے مقدم ہے) پھر جب
نحو یوں نے ضاربک میں تخفيف کا اعتبار نہیں کیا اور اس (ضاربک و شبہہ) کو تخفيف کے بغیر
جائز رکھا تو انہوں نے الضاربک (و شبہہ) کو بدون تخفيف جائز ہونے میں (ضاربک پر محمول
کیا کیونکہ ضاربک اور الضاربک ایک باب سے ہیں کیونکہ دونوں (مضاف و مضاف الیہ) اسم
فاعل و مفعول فاعل اہم غیر متصل کی طرف مضاف ہیں (اور یہ دونوں ایسے اسم فاعل ہیں جن
کی تثنیہ اضافت سے قبل محذوف ہے اضافت کی وجہ سے حذف) نہیں ہوئی اور نحو یوں
نے الضاربک زید کو ضاربک پر اس لئے محمول نہیں کیا کہ الضاربک زید اور ضاربک باب واحد
سے نہیں ہیں کہ اول میں مضاف معرفہ بالام اور مضاف الیہ اسم ظاہر اور ثانی میں مضاف معرفہ
بالام نہیں اور مضاف الیہ ضمیر متصل ہے اسم ظاہر نہیں فاقترعہ محمد سرور قادری) اور اس بات

جائے یعنی اس جگہ اضافت کا اندہ تخفيف کے
لئے نہیں ہے کیونکہ تخفيف تو اتصال ضمیر سے
بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے کہ ضمیر متصل کے
ساتھ تثنیہ کا اجتماع ناجائز ہے کیونکہ تثنیہ
سے انفصال کا پتہ چلتا ہے اور ضمیر متصل
اتصال پر دلالت کرتی ہے پس جب ضاربک
میں بادیہ التزام اضافت کے تخفيف کی طرف
التفات نہیں اور بغیر حصول تخفيف کے اس
کو جائز قرار دے دیا گیا تو الضاربک میں بھی
تخفيف کا لحاظ نہیں کیا جائے گا اور اس کو

کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نہایت کا قاعدہ یہ ہے
کہ جب وہ اسم فاعل یا اسم مفعول مجرد عن اللام
کو اپنے مفعول ضمیر متصل سے ملاتے ہیں تو
وہ مفعول کی طرف اضافت کا التزام کرتے ہیں
اگر اضافت سے تحقق تخفيف کی طرف ان کی نظر
نہیں جوتی پس ضاربک اسم فاعل کے ساتھ جب
اس کے مفعول ضمیر منصوب متصل کا الحاق کیا
گیا تو ضاربک کہیں کے اضافت کے ساتھ اور یہ
اضافہ اس جگہ جائز ہے اگرچہ اضافت سے تخفيف
حاصل نہ ہو بلکہ محض اتصال ضمیر سے حاصل ہو

ضاربک پر محمول کریں گے اس لئے کہ دونوں
ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ
تعلق یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسا اسم
فاعل ہے کہ جس کی تثنیہ قبل الاضافت محذوف
ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے اور ہر ایک اسم فاعل
ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اب اگر فراء
یہ کہے کہ میں الضاربک زید کو الضاربک کی
طرف ضاربک پر محمول کرتا ہوں تاکہ الضاربک
زید بھی بلا تخفيف کے صحیح ہو جیسا کہ ضاربک
میں تخفيف نہ نظر نہیں تو جواب یہ ہے کہ
الضاربک زید کو اس پر محمول نہیں کر سکتے اس
لئے کہ دونوں باب واحد سے نہیں کیونکہ الضاربک
زید میں اسم فاعل کی اضافت ضاربک کی
طرف ضمیر متصل کی طرف نہیں بلکہ اسم مفعول
کی طرف ہے پس جب یہ دونوں ایک باب
سے نہیں تو الضاربک زید کو الضاربک پر قیاس
کرنا قیاس مع الفارق ہوگا اور یہ ناجائز سے ۱۲

۱۲ قولہ والدلیل الخ اب رہا یہ امر
اس پر کیا دلیل ہے کہ سقوط تثنیہ اتصال ضمیر
کی وجہ سے ہے اضافت کے سبب سے نہیں
تو اس کا جواب شارح انہ لو سقطت بالاضافۃ
الخ سے یہ دے رہے ہیں کہ اگر تثنیہ اضافت
کی وجہ سے ساقط ہوتی تو مناسب یہ تھا کہ
حصول تثنیہ کا اولیٰ ایسے طریقہ پر تصور کیا جاتا
کہ اسم فاعل پر تثنیہ کے ساتھ ضمیر منصوب
بالمفعولیتہ کو اسم فاعل سے منفصل لاکر ضاربک
کے کہتے پھر سقوط تثنیہ کے ساتھ اسم
فاعل کی اضافت کات کی طرف کر کے ضاربک
کہا جاتا جیسا کہ ضاربک زید کا تصور اولیٰ اضافت
زید کے ساتھ کیا جاتا ہے پھر اسم فاعل کو مضاف
کر کے ضاربک زید کہا جاتا ہے اور یہ امر مسلم
ہے کہ ضاربک کا تصور ضاربک کے ساتھ
برگز نہیں کیا جاتا پس معلوم ہو گیا کہ یہ تثنیہ
اتصال کات کی وجہ سے حذف ہوئی ہے
اضافہ کے سبب سے نہیں واللہ اعلم

۱۵ قولہ راقاں الخیر ایک اعتراض ہے جو تقریر مذکورہ بالا پر وارد ہوتا ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ضارب کی اصل حذف ایک تنوین کی وجہ سے فصل کے ساتھ ہو پھر جب حذف کی اضافت کی گئی تو تنوین حذف کر دی گئی اور ضمیر منفصل متصل ہو گئی پس ضارب یک ہو گیا، اور اس سے بہت زیادہ تخفیف حاصل ہو گئی مضاف میں تو اس لئے کہ تنوین حذف ہوئی ہے، اور مضاف الیہ میں اس لئے کہ ضمیر منفصل متصل سے تبدیل ہو گئی ہو کہ منفصل سے اخف ہے پھر الضارب کو ضارب یک پر محمول کر دیا گیا اگرچہ اس میں جانہیں سے قطعاً تخفیف نہیں پائی جاتی، اور اس حمل کی وجہ یہ ہو گی کہ دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں یعنی دونوں میں مضاف اسم فاعل ہے اور ضمیر متصل کی طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے، پھر یہ کہ اس حمل کے ساتھ اس چیز کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں ہے گی کہ ان کی تنوین قبل الاضافت حذف ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں اور نہ اس چیز کا لحاظ ہو گا کہ الضارب زید کو اس پر محمول نہیں کیا جانے کا کیونکہ دونوں باب واحد سے نہیں پس جب ایسا ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اہل عرب سے قبل الاضافت ضارب ایک ضرور مستجابا تھا مگر کسی سے بھی ایسا نہیں سنا گیا لہذا خلاف شائع ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ضارب یک اور کلام ہے اور ضارب یک ایک اور یعنی اول میں اتصال حقیقی پایا جاتا ہے اور ثانی میں انفصال حقیقی پس ایک کو دوسرے سے تبدیل کر دینا خلاف مشہور ہے لہذا دونوں کو اپنی اصل حقیقت پر چھوڑ دیا جائے گا اور ضارب یک ایک میں اضافت جائز نہ ہو گی کہ بوقت اخاف ضمیر منفصل کو متصل سے تبدیل کر سکیں لہذا تو جہ مذکورہ بالا صحیح نہیں تیسرا جواب یہ ہے

الكاف لا للاضافة انها لو سقطت بالاضافة لكان ينبغي ان يتصور ذلك اولاً على وجه يكون الضمير منصوباً بالمفعولية ثم يضاف ويقال ضاربك كما يتصوران زيداً ثم يضاف ويقال ضارب زيد ولن يتصور ضاربك فاعلم انها سقطت لئلا الكاف لا للاضافة وللقائل ان يقول لم لا يجوز ان يكون اصل ضاربك ضارباً ايالك للفصل بالتثنية ثم لما اضيف حذف التثنية وصار الضمير المنفصل متصلاً فصار ضاربك وحصل التخفيف جداً ثم حمل الضاربك عليه لانهما من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضافاً الى مضمير متصل من غير اعتبار حذف تنوينهما قبل الاضافة ولا للاضافة ولم يحصلوا الضارب زيد عليه لانهما ليسا من باب واحد واعلم اننا قلنا قوله وضعف الواهب المائة للهجان و

کی دلیل کہ ضارب یک میں تنوین کا سقوط اتصال (ضمیر مثلاً) کاف کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں یہ ہے کہ اگر تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط ہوتی تو مناسب ہوتا کہ اس تنوین (کے وجود و حصول) کا پہلے ایسے طور پر تصور کیا جاتا کہ (کاف) ضمیر (منفصل ہو کر) مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہوتی (اور ضارب یک بہ تنوین با موحذہ ہوتا) پھر صفت کو (اسقاط تنوین کر کے) مضاف کیا جاتا اور ضارب یک (بہ حذف تنوین بہ اضافت) کہا جاتا جیسے ضارب زید تصور ہوتا ہے پھر مضاف کیا اور کہا جاتا ہے ضارب زید (بہ اضافت) حالانکہ انفصال کی صورت میں با موحذہ کی تنوین کے ساتھ (ضارب یک کا ہرگز تصور نہیں کیا جاسکتا تو معلوم ہوا کہ تنوین کاف ضمیر کے اتصال کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت سے نہیں اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر نہیں ہو سکتا کہ ضارب یک کی اصل تنوین کے ساتھ فصل کی وجہ سے ضارب ایاک ہو (لما مران التثنية يمنع الاتصال كسائر موانع) پھر جب ضارب کو کاف ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا تو اس کی تنوین حذف کر دی گئی اور ضمیر منفصل متصل ہو گئی پس ضارب یک ہو گیا اور قطعاً طور پر تخفیف حاصل ہو گئی پھر الضارب یک کو اگرچہ اس میں جانہیں سے کوئی تخفیف قطعاً حاصل نہیں ہوتی (ضارب یک پر محمول کیا گیا کیونکہ دونوں باب واحد سے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسم اور ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے (اور الضارب یک کو ضارب یک پر محمول کیا جائے) ان دونوں کی تنوین کے حذف قبل الاضافت لا للاضافة کا اعتبار کئے بغیر اور نحو یوں نے ضارب یک پر الضارب زید کو اس لئے محمول نہ کیا کہ دونوں باب واحد سے نہیں ہیں، اور معلوم ہو کہ ہم نے بعض شارحین

کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ضارب یک کی اصل ضارب ایاک ہے اس لئے کہ استدلال ظاہر سے ہوتا ہے اور ظاہر ضارب یک ہے ضمیر متصل کے ساتھ لہذا اس کی اصل ضارب ایاک قرار

دینا ظاہر سے مدول کرنا ہے اور ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲
۱۵ قولہ واعلم انما اس سے شارع کا نشانہ اس کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ میں شارع

عبدہاء وقولہ الضارب الرجل والضاربك سلا علی نظیر کما علی الجوبہ معنی استدلالا کلا الفراء علی جواز الضارب زید عن جانب المصّ علی موافقة بعض الشارحین ولک ان تجعل کل واحدة منها اشارة الی مسألة علی حدّ مناسبتہ للحکم بامتناع الضارب زید فمعنی قولہ وضعف الواهب المائة البهتان وعبدہاء انه ضعف عطف المعجود عن اللام علی المحلی به المضاف الیه صفة مصدر سلا باللام لانه بتوسط العطف یصیر مثل الضارب زید کما عرفت وانما لم یحکم علیہ بالامتناع بل بالضعف لانه قد یتمثل فی المعطوف ما لا یتمثل فی المعطوف علیہ وجینتہ یبندفع ما فیہ من توہم شائبۃ المصادرة علی المطلوب علی التقادیر

یعنی شارح رضی کی موافقت پر مصنف کے قول وضعف الواهب المائة وعبدہاء اور اس کے قول الضارب الرجل اور الضاربک کو ان دونوں کی نظیروں پر حمل کر کے الضارب زید کے جواز پر فراء کے استدلال کے خلاف جوابات پر محمول کیا اور تم ایسا کر سکتے ہو کہ ان مثالوں میں سے ہر ایک مثال کو الضارب زید (مثال) کے ناجائز ہونے کے حکم کے لئے ایک مناسب ایک مسئلہ کی طرف اشارہ قرار دو پس مصنف کے قول وضعف الواهب المائة البهتان و عبدہاء (میں ضعف) کا معنی یہ ہے کہ انہم مجرد عن اللام کہ معطوف علیہ کی ضمیر کی طرف مضاف ہے یعنی عبدہاء کا (اکم) محلی باللام کہ جس کی طرف (صیغہ) صفت (الواهب) مصدر باللام مضاف ہے پر عطف ضیف ہے کیونکہ کلام توسط عطف کی وجہ سے جیسا کہ تم نے معلوم کر لیا الضارب زید کے مثل ہو جائے گا۔ اور (ابو) سوال کہ مصنف نے (باسم) اس پر ناجائز ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ اس کے ضعف کا لگایا اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی معطوف مکوہ بات برداشت کی جاتی ہے جو معطوف علیہ میں نہیں کی جاتی (یعنی کبھی معطوف میں وہ کچھ روا ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں نہیں ہوتا کہ کسی شئی پر عطف ڈالنے سے لازم نہیں آتا کہ معطوف تمام امور میں معطوف علیہ کے مثل ہو) اور اس وقت مصنف کے قول (وضعف الواهب المائة الخ) میں حمل التزام ہے یعنی بر تقدیر اول (یعنی علی) کو نہ جواباً عن استدلال الفراء علی جواز الضارب زید حیث لم یجعل جواباً عن استدلال الفراء حتی یلزم المصادرة علی المطلوب لانہا انما نشأت من حمل علی الجواب عن استدلال الفراء (ب) مصادرة علی المطلوب کے شائبہ کا تو ہم مندرج ہو جاتے ہیں (محمد سرور قادری) من کر تہ ہے کہ شارح کے کلام یندفع ما میں جو لفظ ما ہے "من توہم الخ" اس کا بیان

جواز پر استدلالا کلا الفراء سے مصنف کی جانب سے جوابات پر محمول کیا جیسا کہ بعض شارحین اس بات کے موافق ہیں مثلاً شارح رضی لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ہر ایک کو ایک علیحدہ مسئلہ کی طرف اشارہ قرار دیا جائے جو کہ اقتناع الغدہ زید کے حکم کے مناسب ہو یعنی ہر ایک مسئلہ امتناع الضارب زید کی طرح اس مسئلہ کے امتناع پر دلالت کرے پس قول اول وضعف الواهب الخ سے ہم یہ مسئلہ مستنبط کریں گے کہ مجرد عن اللام کا عطف ایسے معرف باللام پر ناجائز ہے کہ جس کی طرف ایسی صفت مضاف ہو رہی ہو کہ جس پر الف لام داخل ہو اس لئے کہ عطف کی صورت میں وہ کلام الضارب زید کی طرح ہو جائے گا، اور الضارب زید جیسا کہ معلوم ہو چکا ناجائز ہے لہذا یہ بھی ناجائز ہو گا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ الواهب المائة البهتان وعبدہاء میں عبدہاء معطوف ہے اور یہ مجرد عن اللام ہے، اور اس کا عطف المائة پر ہو رہا ہے کہ معرف باللام بھی ہے اور صفت معرف باللام یعنی الواهب کا مضاف الیہ بھی پس اس قسم کا عطف ناجائز ہے اس لئے کہ جو حکم معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے پس جب معطوف علیہ پر الواهب داخل ہو رہا ہے تو عبدہاء معطوف پر بھی یہ داخل ہو گا پس الواهب عبدہاء ہو جائے گا، اور عبدہاء معرف ہے جیسا کہ الضارب زید میں زید پس الواهب عبدہاء الضارب زید کی مثل ہو جائے گا اور الضارب زید قطع ہو گا واللہ اعلم ۱۱۔

۱۱۔ قولہ وانما لم یحکم الخ اب سوال پیدا ہوا کہ الضارب زید کا تو امتناع ثابت ہے، اور الواهب المائة اسی پر مستغرق ہے لہذا یہ بھی قطع ہوا حالانکہ مصنف نے اس پر امتناع کا حکم نہیں لگایا بلکہ ضعف کا حکم لگایا ہے پس اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب لانه قد یتمثل الخ سے شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی اوقات معطوف میں وہ امر جائز ہوتا ہے،

مصنف وضعف الواهب المائة البهتان وعبدہاء اور الضارب الرجل والضاربک دونوں کو ان کی نظیروں میں الوجہ و ضاربک پر حمل کرتے ہوئے تینوں قولوں کو الضارب زید کے

اقول مذکورہ کو فراء کے استدلال کے جواب میں پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح ہر ایک قول ایک مستقل سوال مقصداً جواب ہو سکتا ہے، چنانچہ اسی کو شارح کہتے ہیں کہ ہم نے قول

الاول وأرجاع كل من الصورتين الأخيرتين الى مسالة مظاهر ويتضمن الرد على الضارفي الاستدلال بهما ولا يضاف موصوف الى صفته مع بقاء معنى المقاد بالتركيب الوصفى بحاله لان لكل من هياتي التركيب الوصفى والاضافى معنى آخر لا يقوم احدهما مقام الآخر ولهذا المعنى بعينه لا يضاف صفة

ہے) اور دو آخری صورتوں میں سے ہر ایک کا مسئلہ علیحدہ کی طرف لوٹنا مظاهر اور دونوں مثالوں یعنی الضارب الرجل اور الضاربک اسے استدلال کرنے میں فراہم کر دے جو مقتضی ہے (اور موصوف کو اس کی صفت کی طرف مضاف نہیں کیا جائے گا) مع آنکہ ترکیب وصفی سے جو معنی مستفاد ہے وہ اپنے حال پر باقی رہے (بلکہ وہ معنی زائل ہو جائے گا) کیونکہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی دونوں ہیئتوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ معنی ہے جو کہ ان میں سے کوئی دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا (اور) بعینہ اسی وجہ سے لہذا صفت کی اس کے موصوف

جو موصوف علیہ میں جائز نہیں ہوتا کہ مراد اس گنجائش کی بنا پر الواجب المائۃ الخیرا متاع کا کم نہیں لگائیں گے بلکہ ضعیف قرار دیدیں گے پھر و مبتدئ الخ سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب ان اقوال سے مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ مسئلہ کا طرف اشارہ ہوگا تو ضعف الواجب الخ کی تفسیر میں شارح کے قول اول پر شائبہ مصادرة علی المطلوب کا شبہ وارد ہوتا تھا وہ وارد نہیں ہوگا کیونکہ پھر تو وقت شئی علی نفسہ لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ اس کا تعلق استدلال قرار کے جواب سے نہیں رہے گا بلکہ یہ علیحدہ ایک مستقل مسئلہ بن جائے گا واللہ اعلم۔

۱۵۷ قولہ وارجل الخ مسئلہ اولیٰ

کی طرف شارح نے اشارہ کر کے اخیر کی صورتوں کو ترک کر دیا اس لئے کہ ان سے مسئلہ کا استنباط بالکل ظاہر ہے اول صورت یعنی الضارب الرجل سے استنباط مسئلہ کی تفصیل تو یہ ہے کہ وصف معروف باللام کی اضافہ اسم معرفت باللام کی طرف الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر عمل کرتے ہوئے جائز ہے اگرچہ اس اضافہ سے فائدہ تخفیف حاصل نہ ہو اور الضارب زید اس کی مثل ہے نہیں اور وہ ناجائز ہے لہذا عدم مماثلت کی وجہ سے الضارب اصل جائز ہوگا اور الضارب زید کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے پس ایک مسئلہ کے استنباط کیساتھ قراد کے استدلال کا بھی مدد ہو گیا اب رہی صورت ثانی یعنی الضاربک تو اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ وصف معرفت باللام کی اضافت ضمیر کی طرف بغیر فائدہ تخفیف کے ایسی صفت پر عمل کرتے ہوئے جائز ہے کہ جو مجرد عن اللام اور ضمیر کی طرف مضاف ہو اور وہ ضاربک ہے پھر چونکہ الضارب زید اس کی مانند بھی نہیں لہذا افراد اس کو بھی اپنے استدلال میں پیش نہیں کر سکتے ورنہ قیاس مع الفارق لازم آئے گا پس اس سے بھی مستقل مسئلہ کے استنباط کے ساتھ قراد کا مدد ہو گیا اسی طرف شارح نے

و يتضمن الرد الخ سے اشارہ کیا ہے واللہ اعلم۔

۱۵۸ قولہ ولا يضاف الخ بہاں سے

صفت ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ موصوف کی اضافہ اپنی صفت کی طرف نہیں کی جا سکتی درحالیکہ اضافہ کے ساتھ وہ معنی بھی بحالہ ملحوظ رہیں جو ترکیب وصفی سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے کہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی دونوں کے جدا جدا معنی ہیں جب ترکیب اضافی مقصود ہوگی تو ترکیب وصفی مراد نہیں ہو سکتی اور جب ترکیب وصفی ملحوظ ہوگی تو ترکیب اضافی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ معنی ترکیب وصفی کے تو یہ ہیں کہ اتحادی المعنى اما اتفاق فی الاعراب وغیرہ جو نیز یہ کہ ثانی اول کے تابع ہو اور ترکیب اضافی کے معنی یہ کہ ثانی معنی اور اعراب وغیرہ میں اول کے مغایر ہو نیز یہ کہ مضاف اور مضاف الیہ میں بواسطہ حرف جراتصال ہوتا ہے پس موصوف اپنی صفت کی طرف معنی وصفی کی بقا کے باوجود مضاف نہیں ہو سکتا نیز اس لئے کہ صفت حقیقت میں عین موصوف ہوتی ہے اور مضاف الیہ مضاف کے مغایر ہوتا ہے پس اگر موصوف کو اس کی صفت کی طرف مضاف کریں تو عینیت میں غیریت

لازم آئے گی اور یہ باطل ہے اور جو امر باطل کو مستلزم ہوتا ہے وہ خود باطل ہوتا ہے لہذا موصوف کا اپنی صفت کی طرف مضاف ہونا باطل ہے یا یہ کہا جائے کہ موصوف سے دو عمل سے خالی نہیں ہوتا صفت سے انحصار ہوتا ہے یا اس کے مساوی اور مضاف الیہ سے مضاف نہ تو انحصار ہوتا ہے یا اس کے مساوی اصلے کہ اول صورت میں استکمال اعلیٰ کا ادنیٰ سے لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور ثانی صورت میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور اس اضافہ سے کوئی فائدہ نہیں لہذا موصوف کا اپنی صفت کی طرف مضاف ہونا جائز نہیں واللہ اعلم۔

۱۵۹ قولہ ولہذا المعنى الخ یعنی جب یہ

معلوم ہو گیا کہ ترکیب وصفی کی ہیئتہ ترکیب اضافی کی ہیئتہ کے مغایر ہوتی ہے اور ہر ایک کے معنی جدا جدا ہوتے ہیں تو صفت بھی اپنے موصوف کی طرف مضاف نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں اعتراضات بالا کے علاوہ تابع کی فوقیت متبوع پر لازم آئے گی اور یہ ناجائز ہے پس ترکیب وصفی کو ترکیب اضافی سے بدل کر نہیں اسد الحار مع کے معنی مراد ملتے ہوئے

ای طرح اس جگہ بھی الجامع کا موصوف الوقت سے حقیقتہً مگر مجازی طور پر اس کو مسجد کی صفت قرار دے دیا گیا پھر اسی حقیقتہً کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ مسجد اصل میں موصوف نہیں ہے بلکہ صفات سے مسجد کو الجامع کی طرف منسوب کر دیا گیا پس اس صورت میں بھی اعتراض مذکور مندرج ہو گیا و علیٰ ہذا القیاس صلوٰۃ الاولیٰ و بقلۃ الحقاء، صلوٰۃ الساعۃ الاولیٰ اور بقلۃ الحقاء کے ساتھ متادل میں پس قاعدہ کبیرہ علی ما۔

باقی ہے واللہ اعلم

۵۸ قولہ لکن ہذاں دلیل الخ تاویل مذکور مسجد الجامع وغیرہ مسئلہ میں تو جانبہً کر لی گئی مگر یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چل سکتی، اور جانب المکان الغربی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے جانب کی وصفیہ عربیہ کے ساتھ بیان کر فی مقصود ہے مذکور اس مکان کی وصفیہ کردہ جانب اس کی جانب ہے اور یہ جانب کی وصفیہ عربیہ کے ساتھ اس وجہ سے بیان کر فی مقصود ہے کہ جانب ام جنس ہے اگرچہ معرف بالام ہے پس اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جانب میں مراد ہو یا کنار ایسے ہی جانب شرق یا غرب پس اس تعمیم کی وجہ سے ہم کو اپنے معمول مقصود کے لئے لا محالہ کسی ایک سمت کے ساتھ جانب کو مخصوص کرنا پڑا پس ہم نے جانب الغربی کہا تو دوسری سمتوں کی اس سے نفی ہو گئی پس جب اس تاویل مذکور کے اعتبار سے ہم اس کا موصوف المکان محذوف نکالیں گے تو غربیہ جانب کی صفت نہیں رہے گی، بلکہ مکان کی صفت ہو جائے گی، اور یہ خلاف مقصود ہے، لہذا تاویل مذکور جانب الغربی میں نہیں چل سکتی اس کا جواب اللہم الان یقال الخ سے خارج یہ دے رہے ہیں کہ اس کے لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جانب الغربی میں دو مکان ہیں ایک بزرگ اور ایک چھوٹا پس جس مکان کی طرف جانب کی اضافہ کی گئی ہے، وہ جز ہے، اور یہ اضافہ بیان یہ ہے ای الجانب الذی

مضاف الیہ ولاصفۃ للمضاف وثانیہما ان یكون الوقت محذوفاً والجامع قائماً مقامہ منطویاً علیہ فیکون بمنزلۃ الصفات الغالبۃ فیضاف للمجد الیہ فیندفع الایراد بوجہ واحد وهو ان الجامع لیس صفتہً للمضاف و علیٰ ہذا القیاس صلوٰۃ الاولیٰ و بقلۃ الحقاء متادل بصلوٰۃ الساعۃ الاولیٰ و بقلۃ الحقاء المحقاء علی الاحتمالین المذكورین لکن ہذاں تاویل لا یتماشى فی جانب الغربی فالتکلیف ان المقصود توصیف الجانب بالغربیۃ لا توصیف مکان ہو جانبہً بها اللہم الان یقال ہناک مکانان جزءً وکل فال مکان الذی اضيف الیہ الجانب ہو الجزء

ہو جاتا ہے (اولیٰ) یہ کہ الجامع مسجد کا مضاف الیہ ہے ہی نہیں اور مضاف کی صفت ہے اور ثانیاً یہ کہ "الوقت" محذوف ہو اور "الجامع" (کہ الوقت کی صفت ہے) اس موصوف کے قائم مقام اور اس پر مشتمل ہو پس الجامع (کہ موصوف کے قائم مقام ہے) صفات غالبہ کے بمنزلہ ہو گا کہ صفات جب کسی علاقہ سے غیر موصوف کے لئے قرار دی جاتی ہیں تو وہ صفات غالبہ کے بمنزلہ ہوتی ہیں یعنی غیر موصوف میں صفات مجازیہ قرار پاتی ہیں جیسے لیس والقرآن الحکیم اور والقرآن العظیم میں حکیم اور عظیم قرآن کی صفت واقع ہوئے ہیں کہ حکم و عظم سے درحقیقت صاحب قرآن ہی متصف ہے۔ فقیر محتاج دعا محمد سرور قادری (تو المسجد موصوف) کی الجامع کی طرف اضافت کر دی گئی (بعد ازاں کہ المسجد کے لام کو حذف کر دیا گیا) لہذا اعتراض (مذکور) ایک طرح سے کہ الجامع مضاف کے لئے صفت ہی نہیں مندرج ہو گیا۔ اور اسی قیاس پر صلوٰۃ الاولیٰ اور بقلۃ الحقاء صلوٰۃ الساعۃ الاولیٰ اور بقلۃ الحقاء کے ساتھ دو مذکورہ احتمالات کی بنا پر مؤول ہے لیکن یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چلے گی کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مقصود جانب کی غربی ہونے کے ساتھ توصیف ہے (یعنی ایسی جانب جو غربی ہے) مکان کی توصیف نہیں جس کی جانب غرب میں ہے (جس کا معنی ہو گا ایسے مکان کی جانب جو غرب کی طرف منسوب ہے بلکہ اس سے مراد ہے وہ جانب جو غرب کی طرف منسوب ہے) لے اللہ (میرا مواخذہ نہ کرنا کہ میرا پہلا حکم غیر تام ہے بلکہ استثناء کا محتاج ہے اس لئے میں استثناء کرتا ہوں) مگر یہ کہا جائے کہ یہاں (یعنی جانب الغربی میں) دو مکان ہیں ایک تو جز ہے (جو مشمول ہے) اور دوسرا کل (جو اس جز کو شامل ہے) سو جس مکان کی طرف جانب کی اضافت کی گئی ہے وہ جز ہے (وہ موصوف و مولا یقایر الجانب محمد سرور قادری) لہذا یہ سوال کہ مکان سے مراد اگر جز ہو تو مضاف و مضاف

ہو المکان پس مضافات اور مضاف الیہ کے صریحان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے اور دوسرا وہ مکان ہے کہ اس جز مضاف الیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ مکان کل ہو گا یعنی غریبہ پس اس صورت میں جانب المکان الغربی کا مطلب جانب الجزء المنسوب الی الغریب ہو گا پس معنی درست ہو جائے گا واللہ اعلم

والإضافة بيانية والمكان الذي اعتبار الجانب بالنسبة اليه هو الكل فيستقيم
المعنى ويرد على القاعدة الثانية وهو قوله ولاصفة الى موصوفها مثل
جُرْدُ قَطِيفَةٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ فَإِنَّ أَصْلَهَا قَطِيفَةٌ جُرْدٌ وَثِيَابُ أَخْلَاقٍ
قَدِمَتِ الصِّفَةُ عَلَى الْمَوْصُوفِ وَاضِيفَ إِلَيْهِ وَاجِبٌ عَنْهُ بَأَنَّهُ مُتَأَوَّلٌ
بِأَنَّهُمْ حَذَوْا قَطِيفَةً مِنْ قَوْلِهِمْ قَطِيفَةٌ جُرْدٌ حَتَّى صَارَ كَأَنَّهُ اسْمٌ غَيْرُ صِفَةٍ
فَلَمَّا قَصِدَ وَاتَّخَصَّصَ لَكُونَهُ صَالِحًا لَأَن يَكُونَ قَطِيفَةً وَغَيْرَهَا مِثْلَ خَاتَمٍ فِي
كُونِهِ صَالِحًا لَأَن يَكُونَ فَضَةً وَغَيْرَهَا أَضَافُوا إِلَى جَنْسِهِ الَّذِي يُتَخَصَّصُ بِهِ كَمَا
أَضَافُوا خَاتَمًا إِلَى فَضَةٍ فَلَيْسَ أَضَافَتُهُ إِلَيْهَا مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ صِفَةٌ لَهَا بَلْ مِنْ
حَيْثُ أَنَّهُ جَلَسَ مَبْهَمٌ أَضِيفَ إِلَيْهَا لِتُتَخَصَّصَ وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ أَخْلَاقُ ثِيَابٍ

ایہ کے درمیان مغایرت حاصل نہ ہوگی جواب یہ کہ اور اضافت بیانیہ ہے کہ مضاف و مضاف
ایہ میں عموم و خصوص من و جبکی نسبت ہے اور وہ مکان کہ اس (جز مضاف ایہ) کی نسبت
سے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے وہ کل ہے (تو اب خاتم فضا کی طرح عام کی خاص کی طرف اضافت
ہوگی تقریروں ہوگی جانب الجبرہ المنسوب الی الغرب) لہذا معنی درست ہو جائے گا اور دوسرے
قاعدے اور وہ مصنف کا قول ولاصفة الى موصوفها پر لا جرد قطيفة واخلاق ثياب کے مانند اسے
اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اصل قطيفة جرد اور ثياب اخلاق ہے صفت کو موصوف پر مقدم
اور صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا اور اس اعتراض کا جواب دیا گیا کہ یہ ((مؤول ہے))
(اور یہ) اس طرح (مؤول ہے) کہ نحو یوں یا عربیوں نے اپنے قول قطيفة جرد سے قطيفة کو حذف
کیا حتی کہ یہ گویا کہ (موصوف کے بغیر استعمال میں رجل اور فرس کی طرح) اکم ہے صفت نہیں کہ
صفت کے لئے موصوف مذکور یا مقدر ضروری ہے) پھر جب انہوں نے اس کی تخصیص کا قصد کیا
و تاکہ تیز ہو جائے) کیونکہ یہ اس بات کے لائق ہے کہ قطيفة وغیرہ ہو جیسے خاتم اس بات میں صالح
ہے کہ فضا وغیرہ ہو تو انہوں نے اس کی اضافت اس کی ایسی جنس کی طرف کر دی جس سے اس
کو خصوصیت حاصل ہو جرد جمع ہے جرد کی جیسے حرا حرکی و فی الحاشیہ خرقة بے ریشہ از کھنگی و
فرسودگی و راتم مجرد قادری میگوید کہ در صورت قطيفة جرد مصدر مبنی للمفعول است یعنی
قطيفة مجرد بیان معنی قائم بہا و ہو کو نہا بل ریشہ جیسا کہ نحو یوں یا عربیوں نے خاتم کی فضا کی
طرف اضافت کر دی پس جرد کی اضافت قطيفة کی طرف اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اس کی
صفت ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ جنس مبہم ہے جس کی قطيفة کی طرف اضافت کی گئی تاکہ وہ
خاص ہو جائے (و لو لم یضف لکان عاما ولم یعلم جنسہ محمد سرور قادری) اور اسی قیاس پر اخلاق

۵۹ قولہ ویرد الخیر قاعدہ ثانیہ لا تضاف صفة الى موصوفها پر اعتراض ہے اس کی

تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدہ بھی غلط ہے اس لئے کہ
جُرْدُ قَطِيفَةٍ اور اخلاق ثياب صفت کی اضافت
موصوف کی طرف ہو رہی ہے اس لئے کہ ان دونوں
کی اصل قطيفة جرد اور ثياب اخلاق ہے صفت
کو موصوف پر مقدم کر کے اس کی جانب مضاف
کر دیا گیا قطيفة چادر کو کہتے ہیں اور جرد کنا درخت
کو اور اخلاق بھی بدلنے کو کہتے ہیں مگر یہ جمع ہے
اس کا جواب بھی مصنف نے یہ دیا کہ یہ بھی متادل
ہے اور اس تاویل کی صورت یہ ہے کہ اگرچہ موصوف
ذات پر دلالت کرتا ہے اور صفت ذات مبہم پر
مع وصف کے دلالت کرتی ہے لیکن کبھی صفت
کو ذات کے درجہ میں مطلق ذکر کرتے ہیں اور اس
کی صورت یہ ہے کہ قطيفة جرد سے قطيفة کو
حذف کر دیا جائے تو اس وقت جرد گویا کہ اسم ہو
جائے گا غیر صفت پس جب جرد کو ذات کے
درجہ میں ذکر کریں گے تو اس میں ابہام پیدا ہوگا
کہ جرد کی چیز ہے یا قطيفة ہے یا کچھ اور جیسا
کہ خاتم ہے کہ اس میں فضا اور غیر فضا سے
ہونے کی صلاحیت ہے پس جب رفع ابہام کے
لئے اس کی تخصیص کا ارادہ کریں گے تو اس کی
اضافہ اس جنس کی طرف کر دیں گے کہ جس سے
اس میں تخصیص پیدا ہو کر ابہام دور ہو جائے
جیسا کہ خاتم کی اضافہ فضا کی طرف کر کے خاتم
سے ابہام کو دور کیا گیا ہے پس قطيفة کو رفع
ابہام کے طور پر اس کے بعد ذکر کیا اور جرد کو
اس کی طرف مضاف کر دیا تو ابہام جاتا رہا پس
معلوم ہوا کہ یہ اضافہ اس حیثیت سے نہیں کہ
جرد قطيفة کی صفت ہے بلکہ اس حیثیت سے
ہے کہ گویا جرد ایک جنس مبہم ہے اس کو قطيفة
کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کہ اس میں تخصیص
پیدا ہو جائے اور ابہام جاتا رہے اور اسی پر
بعض اسی تاویل کے ساتھ اخلاق ثياب کو بھی
قیاس کر لینا چاہیے پس حاصل ہوا کہ جرد قطيفة
اضافہ صفة الى الموصوف کے قبیل سے نہیں
ہے واللہ اعلم۔

نہ قولہ ولا یضاف إلّا اور اگر دو اسم
 عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے مماثل یعنی
 مشابہ ہوں تو ان میں اضافت جائز نہیں عموم
 وخصوص میں عموم کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ دونوں
 اسم اس اعتبار سے عام ہوں کہ میں چیز پر ایک اسم
 کا اطلاق ہو سکے دوسرا بھی اس پر بولا جاسکے جیسے
 کہ لیث کا اطلاق شیر پر ہوتا ہے اسی طرح اسد
 کا بھی اس پر اطلاق کیا جاتا ہے اور خصوص کا یہ
 مطلب ہے کہ جس چیز پر ایک اسم کا اطلاق نہ ہو
 سکے دوسرا اسم بھی اس پر نہ بولا جاسکے جیسے مثلاً
 انسان کہ اس پر جس طرح لیث کا اطلاق نہیں کر
 سکتے اسی طرح اسد کا بھی اس پر اطلاق نہیں کیا
 جاسکتا اسی طرح ان کا عکس ہے اب یہی بات
 کہ شارح نے مماثل کی شرح مشابہ کے ساتھ
 کیوں کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مماثلت سے
 اشتراک شئین فی النوع مراد ہوتا ہے جیسے کہ
 زید و عمر مشترک ہیں انسان ہونے میں اور
 لیث و اسد کا اشتراک فی الوصف ہے یعنی
 عموم وخصوص میں اس لئے کہ یہ دونوں اصناف
 سے ہیں پس مماثل مثل کے مطابق نہیں رہتی پس
 جب شارح نے مماثلت کی تفسیر مشابہت سے
 کر دی تو اس سے اشتراک فی الوصف بھی سمجھیں
 آگیا اور مماثل مثل کے مطابق ہو گئی بہر حال
 جب دو اسم ایسے ہوں تو دونوں میں سے ایک
 کی اضافت دوسرے کی طرف نہ ہوگی، خواہ
 وہ دونوں اعیان اور جہت کے اعتبار سے مترادف
 ہوں جیسے لیث و اسد یا معانی اور احوال کے
 لحاظ سے جیسے جس و منح کہ دونوں کے
 معنی ایک ہیں یا غیر مترادف ہوں بلکہ صدق ہیں
 متصادی ہوں جیسے انسان اور ناطق کہ یہ دونوں
 مترادف تو نہیں مگر مصلحتی دونوں کا ایک ہی
 ہوتا ہے مثلاً زید و اسد اس عدم اضافت کی وجہ
 ہے کہ مضاف الیہ کے ذکر کرنے میں اس اضافت
 سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ مثلاً جب رائیت
 لیث اسد کہا گیا تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوا

وَلَا یُضَافُ اسْمٌ مِّمَّا ثَلَاثُ اِیْ مِشَابَہٍ لِلْمُضَافِ اِلَیْہِ فِی الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ
 اِلٰی ذٰلِکَ الْمُضَافِ اِلَیْہِ سِوَا کَانَ مُتَرَادِفِیْنِ کَلِیْثٍ وَّاسَدٍ فِی الْاَعْيَانِ
 وَالجِثِّ وَحَنَسٍ وَمنَحٍ فِی الْمَعَانِ وَالْاَحْدَاثِ اَوْ غَیْرَ مُتَرَادِفِیْنِ بَلْ
 مُتَسَاوِیْنِ فِی الصِّدْقِ کَالْاِنْسَانِ وَالنَّاطِقِ لِعَدَمِ الْقَائِدَةِ فِی ذِکْرِ
 الْمُضَافِ اِلَیْہِ فَانْکَ اِذَا قُلْتَ رَاِیتَ لَیْثَ اَسَدٍ لَا یَفِیدُ اِلَّا مَا یَفِیدُہُ رَاِیتَ
 لَیْثًا یَدُوْنَ ذِکْرَ الْاَسَدِ وَاِضَافَةُ اللَّیْثِ اِلَیْہِ فِی کَوْنِ ذِکْرِ الْاَسَدِ وَاِضَافَةُ اللَّیْثِ
 اِلَیْہِ لَعَوًّا کَالْقَائِدَةِ فِیْہِ یَخْتَلَفُ اِضَافَةُ الْعَامِّ اِلِی الْخَاصِّ فِی مِثْلِ کُلِّ
 الذِّرَآہِمِ وَعَیْنُ الشَّیْءِ فَإِنَّہُ اِی الْمُضَافِ فِیْہَا یَخْتَصُّ بِہِ اِی یَصِیْرُ
 خَاصًّا بِسَبَبِ اِضَافَتِہِ اِلِی الْمُضَافِ اِلَیْہِ وَلَا یَبْقِیْ عَلٰی عُمُومِہُ سِوَا اِقَادَتِ
 الْاِضَافَةِ التَّعْرِیْفِ اَوِ التَّخْصِیصِ وَاعْمِیۃُ الْعَیْنِ عَنِ الشَّیْءِ اِذَا کَانَ اللَّامُ فِیْہِ

شیاب ہے اور کوئی اسم جو عموم وخصوص میں مضاف الیہ کے مماثل یعنی مشابہ (ہو) اس کو
 مضاف الیہ کی طرف (مضاف نہ کیا جائے گا) خواہ مضاف و مضاف الیہ مترادف ہوں جیسے
 لیث اور اسد اعیان اور جہت (عین قائم بالذات اور جہت بعنہ جہت کی جمع شخص انسان
 فقی العین والجہت عموم وخصوص مطلق) (اور جس و منح) معانی اور احوال میں (المعنی مایستلحق بہ
 التقصد والاحداث جمع حدث وھو معنی قائم بالغير كالضرب والطول ویتخص بالمصادر فالمعانی ہم
 وینہما عموم وخصوص مطلق ایضاً) یا مترادف نہ ہوں بلکہ متساوی فی الصدق ہوں جیسے انسان
 و ناطق (عدم قائدہ کی وجہ) (یعنی) مضاف الیہ کے ذکر میں (کوئی قائدہ نہیں) پس جب تم نے
 رائیت لیث اسد کہا تو اس نے صرف وہی قائدہ دیا جو رائیت لیث نے اسد کے ذکر اور لیث کی طرف
 کی طرف اضافت کے بغیر قائدہ دیا لہذا اسد کا ذکر اور اس کی طرف لیث کی اضافت نہ ہوگی جس
 میں کوئی قائدہ نہیں (کل الذرّات و عین الشیء) کے مثل میں عام کی خاص کی طرف اضافت کے
 برعکس کیونکہ یہ (یعنی دونوں مضاف) (اس کی وجہ سے خاص ہو جاتا ہے) یعنی مضاف الیہ کی
 طرف اضافت کی وجہ سے مضاف خاص ہو جاتا ہے اور اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا خواہ اضافت
 تعریف کا قائدہ دے یا تخصیص کا اور عین کا شئی سے عام ہونا جب کہ الشیء میں لام عہد (فارجی

جو رائیت لیث سے حاصل ہوتا ہے بغیر ذکر اسد
 اور مضاف الیہ کے پس اسد کا ذکر اور لیث کی
 اس کی طرف اضافت نہ ہوگی کوئی قائدہ حاصل نہیں
 ہوا لہذا اس قسم کی اضافت ناجائز ہے واللہ اعلم ۱۲۔
نہ قولہ بخلاف الخ یعنی بخلاف اس
 اضافت کے جو عام کی خاص کی طرف ہو تو یہ جائز ہے
 اس لئے کہ یہ مفید ہوتی ہے اور مضاف میں تخصیص
 آجاتی ہے جیسے کل الذرّات اور عین الشیء کہ ان
 دونوں مثالوں میں مضاف عام ہے اس لئے کہ کل
 اضافت سے مشترک عام اور دانیرو دونوں کو شامل
 تھا اضافت سے اس میں تخصیص آگئی اور کل درام
 کے ساتھ خاص ہو گیا ایسے ہی لفظ عین اضافت سے

للمعد ظاهرة واما اذا كان الجنس فيها خفاء ويزد على قولهم لا يضاف اسم
مماثل للمضاف اليه في العموم والخصوص قولهم سعيد كرز فان سعيدا
وكرز اسمان لمسمى واحد كليث واسد مع انه اضيف احدهما الى الآخر
فاجيب بانه متاؤل بحمل احدهما على المدلول والآخر على اللفظ فكانت
اذا قلت جاءني سعيد كرز قلت جاءني مدلول هذا اللفظ ولم يقلوا كرز سعيد لان قصدهم
بالإضافة التوضيح واللقب اوضح من الاسم غالبا واذا اضيف الاسم
الصحيح وهو في عرف النحاة ما ليس في آخره حرف علة او الملحقة به

يا بعد ذہنی کا ہونا ہر جہد محتاج بیان نہیں) اور رہا اس وقت (عین کاشی سے عام ہونا) جب
کہ (الشیء کا) نام جنس کے لئے ہو تو اس (اعییت عین عن الشیء) میں خفاء ہے (اور) نجات یلعب
کے قول لا یضاف اسم مماثل لمضاف الیه فی العموم والخصوص پر (ان کے قول سعيد كرز) کا
اعتراف وارد ہوتا ہے کہ سعيد اور كرز لیت اور اسد کی طرح ایک ہی مسمی کے دو نام ہیں اس
کے باوجود ان میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت کی گئی ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا
کہ یہ (مثول ہے) کیونکہ ان دونوں میں سے ایک (یعنی اسم) کو مدلول (دوسری) پر اور دوسرے
(یعنی لفظ دیگر یعنی لقب) کو لفظ (دوال) پر محمول کیا گیا گویا کہ جب تم نے جاءني سعيد كرز کہا
تو تم نے جاءني مدلول (دوسری) هذا اللفظ کہا اور انہوں نے كرز سعيد نہیں کہا (کہ لقب کو اسم
کی طرف مضاف کیا جائے کہ اسم اصل اور لقب عارضی ہے اور قاعدہ ہے کہ عارضی اصل
کی طرف مضاف ہوتا ہے کما فی خاتم فنتی) اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافت سے ان کا مقصود
توضیح ہے (ای توضیح المضاف وقت کون المضاف الیه معرفہ وتخصیص وقت کونہ نکرہ) اور
لقب غالباً اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے (اور جب اسم صحیح کی اضافت کی جائے) اور
اسم صحیح محمولوں کے عرف میں وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو (نحو آخری حرف کا
ہی اخبار کرتے ہیں کہ انہیں اعراب و بنا سے بحث ہے اس کا تعلق کلمہ کے آخری حرف سے)

ہے وہ معنی تخصیص مقابل تعریف نہیں بلکہ اس
کے غیر ہے، اور یہاں اس اضافت سے انادہ
تعریف یا تخصیص سے کوئی بحث نہیں جو بھی
حاصل ہو جائے صحیح ہو سکتی ہے خواہ تعریف
ہو یا تخصیص مثال مذکور میں کل کا عموم تو ظاہر
ہے (یعنی کا عموم مقابلہ میں شے کے تو اس
کے متعلق شارح کہتے ہیں کہ الشیء میں اگر الف
لام عہد کے واسطے لیا جائے تب تو شے کا خاص
ہونا اور عین کا عام ہونا ظاہر ہے لیکن اگر

قبل عام تھا ہو اور مدہم و دہل پر اس کا
اطلاق عام ہوتا تھا اضافت سے اس میں تخصیص
پیدا ہو گئی اور یہ موجود کے ساتھ خاص ہو گیا
اس لئے کہ اس کا مضاف الیه خاص ہے جیسا
کہ ظاہر ہے کہ شے کا محل صرف موجود پر
ہوتا ہے پس اس اضافت سے چونکہ مضاف
بہ مضاف الیه کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے،
پس عموم پر باقی نہیں رہتا لہذا یہ جائز ہوگا پھر
فانصوح رہے کہ اس ضمن میں جو لفظ تخصیص آیا

الشیء میں الف لام جنس کے لئے ہو تو عین کی
اعییت میں خفاء پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ الف
لام جنس کے لئے ہونے کی وجہ سے شے میں بھی
عمومیہ آجاتی ہے پس اعییت عین کو شے سے
ثابت کرنے کے لئے وہی تقریر عہد ہے جو ہم
نے اوپر کی ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کا خناس نہیں پایا
جاتا (والشہادہ)

۴۲ قولہ ویرد الخیباں سے مصنف
ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں، جو
ادپر کے قاعدہ کلیہ پر وارد ہوتا ہے تقریر سوال
کی یہ ہے کہ سعيد اور كرز دونوں ایک ذات کے
عم میں جیسے کہ لیت واسد میں پس دونوں ایک
دوسرے کے مثال ہیں لہذا ان میں (اضافہ نہ ہونی
چاہیے) تھی، حالانکہ سعيد کی اضافہ كرز کی طرف
ہے اس کا جواب بھی مصنف نے یہ دیا کہ یہ بھی
متاؤل ہے بایں طور کہ مضاف سے مراد مسمی کی
ذات ہے، اور مضاف الیه سے مراد نفس لفظ پس
گویا کہ جب جاءني سعيد كرز کہا گیا تھا تو حامل مدلول
ہذا اللفظ کہا گیا یعنی وہ ذات آئی جو لفظ كرز کے
ساتھ مسمی اور لقب ہے، اور ظاہر ہے کہ ان
دونوں میں مماثلت نہیں لہذا قاعدہ کلیہ اپنی جگہ
پر باطل درست ہے، اب رہا اعتراض کہ اس
کا عکس کر کے كرز سعيد کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ یہ
ادلی ہے اس لئے کہ لقب عارضی ہوتا ہے اور
نام اصل پس لقب کی اضافہ اسم کی طرف کرنی چاہیے
تاکہ نام کی وجہ سے مضاف میں مضاف الیه کے اعتبار
سے تخصیص پیدا ہو جائے اس کا جواب ولم یقولوا
كرز سعيد الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اس قسم کی
اضافہ سے مضاف کی توضیح مقصود ہوتی ہے
اور لقب اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے اس
لئے کہ لقب عوام کا عطا کردہ ہوتا ہے اور نام
والدین کا رکھا ہوا پس عوام کی عطا کردہ شے زیادہ
مشہور ہوگی بمقابلہ والدین کی عطا کردہ شے کے
پس اس کا عکس نہیں ہو سکتا (والشہادہ)

۴۳ قولہ واذا اضيف الخ یعنی جب

اسم صحیح یا ملحق بالصحیح کی اضافت یا تشکیم کیلئے
کی جائے گی تو اسم کے آخر کو مناسب یا کی
وجہ سے کسرہ دیں گے اور یا تشکیم کو مفتوح
یا ساکن پر طیں گے مفتوح اس لئے کہ فتح اخف
الحركات ہے اور سکون میں تخفیف ظاہر ہے
اب جانا چاہئے کہ اصطلاح نکاحہ میں صحیح
اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں حرف علت
نہ ہو جیسے ثوب اور دار اور ملحق بالصحیح وہ ہے
کہ اسم کے آخر میں واو یا د ہو اور ان کا ما قبل
ساکن ہو جیسے دو و طعی پس بوقت اضافت
صحیح کی مثال ثوبی اور داری ہوگی اور ملحق بالصحیح
کی دلوئی و طیبی واللہ اعلم ۱۲۔

قوله وانما كان الزبدها من شاع

یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس اسم کے آخر میں واو یا د
ہو اور ما قبل ساکن ہو تو اس کو ملحق بالصحیح کیوں
کہتے ہیں! تو اس کا جواب یہ ہے کہ سکون کے
بعد حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی اس لئے
کہ خفۃ سکون ثقل حرکت کو معدوم ہو جاتی ہے،
اور نیز اس لئے کہ سکون کے بعد حرف علت اس
حرف علت کی مانند ہے کہ جس سے کلمہ کی ابتداء
کی جائے اور اس سے پہلے حرف پر سکوت کے
ساتھ استراحت زبان کے بعد واقع ہو اور سکوت
کے بعد اس حرف علت پر بوقت ابتداء حرکت
ثقیل نہیں ہوتی پس ایسے ہی سکون کے بعد بھی
حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوگی مزید توجیح
یہ ہے کہ مثلاً ہم نے جانی ویم کہا تو جانی کی
یاد پر ایک قسم کا سکوت حاصل ہوگا اور زبان کو
ماضت لگنی پس جب اس سکوت کے بعد
ویم کہا گیا اور واو اس میں حرف علت ہے تو
اس حرف پر حرکت ثقیل نہیں معلوم ہوتی پس
ایسے ہی دلوئی مثلاً ساکن کے بعد حرف علت
پر حرکت ثقیل نہیں معلوم ہوگی اس کو ملحق بالصحیح
قرار دیں گے واللہ اعلم ۱۳۔

قوله وقد اختلف الزبدها

متکلم مضاف الیہ کے مفتوح یا ساکن ہونے میں

وهو ما في آخره واو او ياء قبلهما ساكن وانما كان ملحقا بالصحیح لان
حرف العلة بعد السكون لا تثقل عليها الحركة لمعارضه خفۃ السكون ثقل
الحركة ولان حرف العلة بعد السكون مثلها بعد السكوت في الوقوع بعد
استراحة اللسان ولا تثقل عليها الحركة بعد السكوت يعني في الابتداء كما
بعد السكون الى ياء المتكلم كسر آخره للتناسب مثل ثوبی وداری فی الصحیح
ونظری ودلوئی فی الملحق به والياء مفتوحة أو ساكنة وقد اختلف فی
ان ایها الاصل والصحیح انه الفتح اذا ازل اصل فی الكلمة التي علی حرف واحد

۱۱۔ اس اسم کی جو صحیح سے ملحق ہے اور یہ وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں واو یا د یا ان کا ما قبل ساکن
ہو اور یہ ملحق بالصحیح اس لئے ہے کہ حرف علت سکون کے بعد اس طرح ہو جاتا ہے کہ اس پر
حرکت ثقیل نہیں ہوتی کیونکہ سکون کی محنت ثقل حرکت کے معارض ہے یعنی ان حروف علت
پر کہ حرف ساکن کے بعد واقع ہوں حرکت ثقیل نہیں ہوتی کیونکہ ساکن خفیف ہے اس کے بعد
حرکت ثقیل نہیں ہوتی اور اس لئے کہ حرف علت (جو) سکون کے بعد واقع ہو وہ (استراحت
لسان کے بعد واقع ہونے میں) اس حرف علت کی طرح ہے (جو) سکوت کے بعد واقع
ہو کہ زبان جب حرف ساکن پر پہنچتی ہے تو وقفہ کرتی ہے تاکہ استراحت کرے پھر دوسرے
لفظ کا لفظ کرے اسی طرح سکوت کے بعد یعنی ابتداء میں مطلب یہ کہ سکون کے بعد جن
حروف علت پر حرکت ہوتی ہے وہ ان حروف کی طرح ہیں جو ابتداء میں متحرک واقع ہوں اور
ان پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی جیسے دجل اور وعدہ ۱۲۔ محمد سرور قادری رضوی اور ان پر سکوت
کے بعد یعنی ابتداء میں حرکت ثقیل نہیں ہوتی اسی طرح سکون بعد یاء تشکیم کی طرف تو اس
کے آخر کو کسرہ دی جائے گی (یا و کے) تناسب کی وجہ سے جیسے ثوبی اور داری صحیح میں
اور ظبی اور دلوئی ملحق بالصحیح ہیں جبکہ یا مفتوحہ یا ساکنہ ہوگی اور اس بات میں اختلاف
کیا گیا ہے کہ ان دو (فتح و سکون) میں سے کون کونسی چیز اصل ہے اور صحیح (قول) یہ ہے کہ فتح
اصل ہے (چنانچہ مصنف کا فتح کو مقدم کرنا بھی اسی وجہ سے ہے) کیونکہ جو کلمہ حرف واحد

تو سب کا اتفاق ہے لیکن اس بارے میں
اختلاف ہے کہ ان دونوں میں فتح اصل ہے یا
کسرہ پس بعض فتح اصل قرار دیتے ہیں اور
بعض کسرہ لیکن صحیح یہ ہے کہ فتح اصل ہے
اس لئے کہ جب کلمہ حرف واحد ہو تو اس میں
اصل حرکت ہے جیسے واو عطف، ہمزہ استفہام
کاف تشبیہ وغیرہ تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے

نہ حقیقہ اور نہ حکما حقیقہ کی صورت تو یہ ہے کہ
وہ صدر کلام میں واقع ہو جیسے کہ یاء اخوکی
میں کاف تشبیہ اور حکما کی یہ صورت ہے کہ صدر
کلام میں نہ ہو جیسے یاء کہ اس کے منی علی السکون
ہونے کی بنا پر اگرچہ ابتداء بالساکن حقیقہ لازم
نہیں آتی لیکن حکما ضرور لازم آتی ہے اس کے
استقلال کی وجہ سے اس کا ابتداء دلیل واقع ہونا

هو الحركة لتلايلهم الابتداء بالسكون حقيقة او حكما والاصل في ما بين على
الحركة الفهم والسكون انها هو عارض للتخفيف فان كان آخره اى آخر الاسم
المضاف الى ياء المتكلم الفات ثبت اى الالف على اللغة الفصحى لعدم موجب
الانقلاب نحو عصاى ورعاى وهذيل وهى قبيلة من العرب تقلبها
اى الالف حال كونها غير التثنية ياء لمشاكله ياء المتكلم وتدخل في الياء
مثل عصى ورعى ولا تقلب الف التثنية كغلاماى لا لتباس المرفوع بغيره
بسبب القلب وان كان آخر الاسم المضاف الى ياء المتكلم ياء ادغمت
في ياء المتكلم لاجتماع المثليين فيما هو كالكلية الواحدة مثل مسلمين اذا

پر (وضع کیا گیا) ہو اس میں اصل حرکت سی ہے تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے حقیقت میں
(ابتداء بالسکون لازم نہ آئے) جبکہ وہ حرف صدر کلام میں ہو یا حکم کی رو سے (جبکہ صدر کلام
میں نہ ہو کہ وہ اپنے استقلال کی وجہ سے ایسے ہے جیسے اس سے ابتداء کی جارہی ہے) اور ان
کلموں میں کہ مبنی بر حرکت میں اصل فتح ہے اور سکون تخفیف کے لئے عارض ہوتی ہے (اور
تخفیف اس وقت مطلوب ہوتی ہے جب کلمہ ثقیل ہو اور کلمہ مبنیہ بر حرف واحد بذاتہا تخفیف
ہے لہذا اسے ساکن کرنے کی حاجت نہیں نیز ساکن کرنے سے ابتداء بالسکون لازم نہ آئے گی) (پھر
اگر اس کے آخر میں) یعنی اس اسم کے آخر میں جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو وہ الف ہو تو ثابت
ہے گا یعنی لغت ضمیمہ کی بنا پر الف ثابت رہے گا کیونکہ انقلاب کا کوئی موجب نہیں (جس سے
الف واو یا با کی طرف منتقل ہو جیسے عصای اور رعای) (اور ہذیل لایہ عرب سے ایک
قبیلہ ہے) (اس کو بدل دیتا ہے) یعنی الف کو (یا سے جبکہ) وہ الف (تثنیہ کا نہ ہو) لایائے متکلم
سے مشکوک کی وجہ سے (مشاکلہ مصدر یہاں اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل
متروک ہے یعنی وہ یائے مقلوبہ جو کلمہ متکلم سے مشکوک ہے کہ یا متکلم کی مشکوک تو کسر
ہے مگر کسر کے تعدد کی وجہ سے کسرہ کی اخت یا الترام کیا گیا ۱۲ محمد سرور قادری) اور یا
کو یا میں مدغم کر دیا گیا جیسے عصی وحی اور تثنیہ کا الف نہیں بدلا جائے گا جیسے غلاماى کیونکہ
قلب کے سبب سے مرفوع کا غیر مرفوع (منصوب و مجرور) کے ساتھ التباس ہو گا اور اگر
اسم مضاف بہ جانب یائے متکلم کے آخر میں (یا ہو تو) یائے متکلم میں (اسے مدغم کیا
جائے گا) کیونکہ دو مثل اس میں جمع ہو گئے جو کلمہ واحد کی طرح ہے جیسے مسلمین جب اسے

یہ ہے اگرچہ عارض کہ وجہ سے واقع نہیں
پھر جب کلمہ واحد حرکت کا اصل ہونا ثابت
ہو گیا تو اب سوال پیدا ہوا کہ حرکت میں کوئی
حرکت اصل ہے اس کا جواب والا اصل فی مانی

الجم سے شارع نے یہ دے دیا کہ کلمہ واحد
کی نام کی جانے تو اس میں حرکت فتح اصل ہے
کیونکہ ضماد کسرہ ثقیل حرکتیں ہیں اور حرف
لینے ضعف کے باعث ان کا نقل کر نہیں سکتا

لہذا ضعیف کو اخف سے مناسبت کی وجہ
سے فتح دیا جائے گا اور حرف اس وجہ سے
ضعیف ہو گا کہ وہ تنہا ہے پس یہ فتح
اصل ہو تو اب جو سکون آئے گا وہ عارض
کی وجہ سے آئے گا اور وہ عارض تخفیف
سے اور یہ تخفیف اسی صورت میں ہو سکتی
ہے جبکہ اس کے ساتھ دوسرا کلمہ ملا ہو
اس لئے کہ حرف دامن میں تخفیف مستند ہے
کیونکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آتی ہے اور وہ
حال سے دانستہ اعلم۔

تلا قولہ فان كان الخ یعنی اگر اس
اسم کے آخر میں جو یا متکلم کی طرف مضاف
سے الف ہو تو اس کو لغت ضمیمہ کے مطابق
ثابت و باقی رکھا جائے گا اس لئے کہ اس جگہ
ابدال کا سبب متحقق نہیں یعنی نہ تو اس کے
ما قبل ضمہ ہے کہ وہ اس کو دادت بدلنا چاہیے اور
نہ کسرہ کہ یا تبدیل کا مقتضی ہو جیسے عصای اور
رعای اور ہذیل جو کہ عرب کا ایک قبیلہ ہے
وہ الف کہ مشکوک یا متکلم کی وجہ سے یا سے
بدل دیتا ہے بشرطیکہ وہ الف تثنیہ کے لئے نہ
ہو اور پھر یا کا د میں ادغام کر دیا جاتا ہے جیسے
عصی اور رعى اور مشکوک یا متکلم کا مطلب یہ ہے
کہ یا متکلم اپنے ما قبل کسرہ چاہتی ہے اور رعای
میں ما قبل کسرہ ہے نہیں پس مشکوک مفقود ہوئی
لہذا ضروری ہو کہ الف کو یا سے تبدیل
کریں تاکہ یا متکلم سے مشکوک پیدا ہو جائے اور
الف تثنیہ کو اس وجہ سے یا سے تبدیل کرتے
کہ اس تبدیلی کی وجہ سے مرفوع کا التباس غیر مرفوع
سے لازم آتا ہے جیسے غلاماى کہ اس کا اعراب
حالات رفع میں الف کے ساتھ ہے اور حالت
نصب و مجرور میں یا ما قبل مفتوح کے ساتھ
پس اگر اس میں بھی الف کو یا سے تبدیل کر دیں
گئے تو حالت رفع حالت نصب و مجرور کے متبیس
ہو جائے گی واللہ اعلم۔

تلا قولہ فان كان الخ یعنی اگر اس اسم

اضیف الی یاء المتکلم واسقطت النون للاضافة وادغمت الیاء فی الیاء فصل
مسلمی وَإِنْ كَانَ آخِرُهُ وَادَّاقِلْبَتِ الْوَاوِ يَاءً لاجتماع الواو والیاء والاولی
ساكنة مثل مسلمون اذا اضيف الی یاء المتکلم قلبت واوہ یاء وادغمت
الیاء فی الیاء وکسر ما قبلها لانها لما انقلب یاء ساکنہ یوجب بقاء الضمة
قبلها تغیرها فحکمت بالحرکة المناسبة لها فقیل مسلمی وان کانت قبل الیاء
او الواو فتحة یقی ما قبلها مفتوحا کقولک فی مسلمین مسلمی فی مصطفون
مصطفی لفتح الفتحه وَفُتِحَتِ الْيَاءُ اِی یاء المتکلم فی الصور الثلاث لکثیر
ای للزوم التقاء الساکنین ان لم تحرك واختیر الفتح لضعفه وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ

یائے تکلم کی طرف مضاف کیا جائے اور اضافت کی وجہ سے نون ساظم ہو جائے گا اور یا کو
یاء میں ادغام کر دیا جائے گا پس مسلمی ہو گیا (اور اگر اس کے آخر میں «واو ہو تو» واو کو یاء
سے بلا جائے گا کیونکہ واو اور یاء جمع ہو گئے اور پہل حرف ساکن ہے جیسے مسلمون جب
اسے یاء متکلم کی طرف مضاف کیا جائے تو اس کا واو یاء سے بدل جائیگا اور یاء کو یاء میں ادغام
کر دیا جائے گا اور اس کے ماقبل کو کسرہ دی جائے گی کیونکہ جب واو (ساکنہ) کو یائے ساکنہ
سے بدل دیا گیا تو یاء سے قبل ضمہ کا باقی رہنا یاء کے (واو کی طرف) تغیر کو واجب کرتا ہے (کہ
یائے ساکنہ کا ماقبل مضموم ہو تو وہ واو سے بدل جاتی ہے لہذا یہاں اسے کسرہ دینا ضروری
ہو گا ورنہ قلب لغو قرار پائے گا) محمد سرور قادری (رضوی) پس یاء کے ماقبل وہ حرکت دی
جائے گی جو یاء سے مناسبت رکھتی ہے (اور وہ کسرہ ہے تاکہ یاء سلامت رہے) پس مسلمی
دکسرہ کے ساتھ کہا جائے گا اور اگر یاء یا واو سے قبل فتح ہو تو ماقبل (اضافت کے بعد) مفتوح
ہی باقی رہے گا جیسے تمہارا قول (مثنی میں) مسلمین (تاکہ کسرہ سے مثنی کا مجموع کے ساتھ التباس واقع
نہ ہو) اور مصطفون میں خفت فتح کی وجہ سے مصطفیٰ (کہا جائے گا) اور «تینوں صورتوں میں یاء
کو» یعنی یائے حکم کو فتح دی جائے گی ساکنین کی وجہ سے (یعنی دو ساکنوں کا التقاء لازم آئے
گا اگر یائے حکم کو حرکت دی گئی اور (حرکات ثلاثہ میں سے) فتح کو خفت کی وجہ سے اختیار کیا

کے آخر میں جو کہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہے یا
ہو تو اس کو یاء متکلم میں مدغم کر دیں گے اس لئے
کہ ایسے دو کلمے جو بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہوں ان
میں دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ادغام
کر دیا جاتا ہے جیسے مسلمین دشنیہ و جمع جبکہ اس
کی اضافت یا متکلم کی طرف کی جائے اور نون
کو اضافت کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے تو اس
میں مضاف اور مضاف الیہ بمنزلہ کلمہ واحدہ کے
ہوں گے پس جب یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا
تو مسلمی ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

قوله وان کان اخر اور اسم کے آخر

میں واو ہو تو واو کو یاء سے بدل دیا جائے گا اجتماع
واو اور یاء کی وجہ سے ورا نخوا لیکر پہلا ساکن ہے
جیسے مسلمون کہ جب اس کی اضافت یاء متکلم کی
طرف ہوگی تو واو یاء سے تبدیل ہو جائے گا
اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا جائے گا اور یاء کے
ماقبل کو کسرہ دے دیا جائے گا اس لئے کہ جب
واو یا ساکنہ سے منقلب ہو گیا تو اس یاء متکلمہ
کے ماقبل کا ضمہ اس یاء کے تغیر کو واجب کرتا
ہے اس لئے کہ ضمہ واو کا مقتضی ہے پس اگر
ضمہ ماقبل باقی رہتا ہے واو کو یاء سے بدل
دینے سے کوئی نہیں ہوتا لہذا یاء ساکنہ کے
مناسب جمع حرکت سے اس سے اس ضمہ کو
تبدیل کر لیا جائے گا اور وہ مناسب حرکت
کسرہ ہے لہذا اس کو کسرہ چیریں گے پس مسلمون
سے مسلمی ہو جائے گا اور اگر یاء اور واو سے
پہلے فتح ہو تو خفت فتح کی وجہ سے ان کا ماقبل
علی حالہ مفتوح باقی رہے گا جیسے مسلمین دشنیہ
سے مسلمی اور مصطفیٰ کی جمع مصطفون سے مصطفیٰ
واللہ اعلم ۱۱۔

قوله وفتحت الواو اس کا تعلق حکمہ

سابق تینوں صورتوں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ
یاء متکلم کو التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے تینوں
صورتوں میں فتح دیں گے اس لئے کہ متراخف
الحرکات ہے اور التقاء ساکنین کا جائز واللہ اعلم

کر دیا جاتا ہے اور وہ نسبتاً مثنیٰ کے درمیان
محذوف ہو چکا ہے تو اس کو یاء متکلم کی طرف
اضافت کے وقت مدغم نہیں کریں گے اس لئے
کہ ان دونوں کا کثرت اشتغال تکلیف کو عارض
ہے اور درکنار تخفیف کے مثنیٰ ہے اس جگہ
شرح نے ای قائل الخ سے اس امر کی طرف
اشارہ کیا ہے کہ الاسماء الستہ جملہ متعین ہیں

قوله واما الاسماء الخ یعنی اسما
سنة کرہ میں ذکر جن کی بحث غیر یاء متکلم کی طرف
مضاف ہونے کی صورت میں گذر چکی ہے) رخ
ادب کا حال جبکہ یہ یاء متکلم کی طرف مضاف
ہوں یہ ہے کہ یہی اور مدعی کی طرح ادبی
کہیں گے اور محذوف کو رو نہ کریں گے یعنی
یاء آوردہ کی طرح رخ وغیرہ سے جوام کر خفت

النسبة التي مر الجث عنها مضافة الى غيرياء المتكلم فاخي وابي اي فالحال في
اخي واب منها اذا اضيف الى ياء المتكلم ان يقال اخي وابي مثل يدي ودي بلا
رد المحذوف بجعله نسبيًا منسياً وأجاز المبرد فيهما اخي وابي بولا لفظ الفعل
فيهما وهي الواو وجعلها ياءً وادغام الياء في الياء وتمسك في ذلك بقول
الشاعر ع وابي مالك ذوالمجاز بداره وحمل الاخ على الالب لتقاربهما
لفظاً ومعنى واجاب عنه المعنى في شرحه بان ذلك خلاف القياس واستعمال
اللفظاء مع انه يحتمل ان يكون المقسم به اي ابي جمع اب فاصله ابين سقطت
النون في الاعنافة فاجتمعت يا آن فادغمت الاولى في الثانية فصارت ابي وقد جاء
جمعه هكذا في قول الشاعر شعر فلما تبين اصواتنا بكين فذيتنا بالابينا

گیا اور اسمائے ستہ جن کی بحث گذر چکی جبکہ یائے متکلم کے غیر کی طرف مضاف ہوں پس
اخی وابی یعنی ان اسمائے ستہ (مکرہ موحده) میں اخی و اب میں جب ان دو میں سے ہر واحد
یائے متکلم کی طرف مضاف ہو حال یہ ہے کہ حرف محذوف (یعنی لام) کلمہ کو ٹوٹائے بغیر اس طرح کہ
اسے نسبت کیا کر کے یدی و دی کی طرح اخی وابی کہا جائے گا اور مبرد نے ان دونوں میں
«اخی وابی جائز رکھا ہے» دونوں میں لام فعل یعنی واو کو واپس لوٹا کر اور اسے یاء بنا کر یاء کو
یاء میں اوقام کر کے اور اس (اخی وابی) کے جواز میں مبرد نے شاعر کے قول (وابی مالک ذو
المجاز بدارہ سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے اخی کو اب پر محمول کیا کیونکہ اب واخ لفظ اور
معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں کہ دونوں کے اول میں ہمزہ اور آخر میں حرف علت یعنی
واو محذوف ہے اور معنی اس طرح کہ باپ کی عدم موجودگی میں نفس و مال میں تصرف کرنے میں
بھائی باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں مبرد کے استدلال کا جواب دیا
کہ شاعر کا قول مذکور قیاس اور فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے اس کے باوجود کہ قول شاعر
اس بات کا محتمل ہے کہ مقسم بہ یعنی ابی اب کی جمع ہے اس کی اصل اہلین ہے نون اصناف میں
ساقط ہو گیا پس دو یاء جمع ہو گئیں پہلی کو دوسری میں مدغم کر دیا گیا تو ابی ہو گیا اور اس کی جمع
شاعر کے قول میں اس طرح آئی ہیں شعر فلما تبين اصواتنا بكين وقد يتنا بالابينا یعنی جب

قدرا حلك ذالمجاز وقد ادى
وابي مالك ذالمجاز بدار
کہ اس میں بوقت اضافت الی یاء المتکلم اب کے
لام کلمہ ٹوٹا لیا گیا ہے اسی واسطے ابی کہا گیا ہے
یاء کی تشدید کے ساتھ شعر کی تشریح یہ ہے
کہ قدر بمعنی تقریر ہے اور اعلیٰ اطلاق باب فاعل
سے ہے اس کے معنی ہیں اترنا اور ذوالمجاز مفعول
سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایام جاہلیت کے
بازاروں میں سے ایک بازار کا نام ہے اور اری
علی صیغۃ مجهول بمعنی ائین علی صیغۃ المعلوم ہے
اور وابی مقسم بہ ہے اور مالک میں ماضیہ ہے
ترجمہ یہ ہے قدرت خداوندی نے تجھ کو اسے
نفس اس بازار میں اتار دیا اور انجا لکھ میں کمان
کرتا ہوں اور اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں
کہ ذوالمجاز (بادوجود اپنے شرف کے) تیری منزل
بننے کے لائق نہیں اس لئے کہ تو اس سے تقریر
کو چر کر جائے گا) اب رہا اخی میں استدلال
مبرد تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اخی کو اب کے
اد پر محمول کر لیں گے کیوں کہ دونوں لفظاً و معنی
مستقارب ہیں لفظاً تو اس وجہ سے کہ دونوں کے
شروع میں ہمزہ اور آخر میں حرف علت یعنی واو
محذوف ہے اور معنی اس طرح کہ جب باپ نہیں
موتا تو مال وغیرہ میں بھائی تصرف کرتا ہے اس
کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ ضرورتاً شعری پر
محمول ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو مصنف
نے اپنی شرح میں دیا ہے کہ قول شاعر میں ابی
خلاف قیاس اور خلاف استعمال فصحاء ہے نیز یہ
کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مقسم بہ یعنی ابی
اب کی جمع ہو پس اس کی اصل اہلین ہوتی تو ن
اضافۃ کی وجہ سے ساقط ہو گیا پھر دو یاء
کے اجتماع کی وجہ سے اولی کا تانیہ میں ادغام
کر دیا گیا پس آبی ہو گیا اور اس جمع پر دلیل میں
شاعر کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے
فلما تبين اصواتنا
بكين وقد يتنا بالابينا

رد لام کلمہ یعنی واو کی اجازت دی ہے پس وہ
جائے ابی انداخی کے ابی اور اخی کہتے ہیں اس
لئے کہ واو مشاکلت یاء کی وجہ سے یا سے بدل
جائے گا اور پھر یا کا پاء میں اوقام ہو جائے گا
اور اندہ میں صورت رد لام کلمہ کے ہمارے ہیں دلیل
میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں

خرط کو ہے اور مرزا جملہ ہوتا ہے اور فاخی
وہی جملہ ہے نہیں پس شرح سے اس کا جملہ ہونا
معلوم ہو گیا انداخی و اب کی اصل انوا اور ابو معنی
فعل کے وزن پر دانش علم
ساقط ہے قول و مجاز اخی یعنی مبرد نے
ان دونوں کو یاء متکلم کی طرف مضاف کرنے وقت

کراس میں اب کی جگہ آئین آئی ہے شعر کا مطلب
تاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ جب ان محدثوں
نے سنا اور ہماری آوازوں کو پہچان لیا تو
وہ روئیں اور ہمارے متعلق کہا کہ ہمارے آباء
حم پر قداموں پس ان جوابات کے ہوتے
ہوئے مبرور کا یہ قول درست نہیں واللہ اعلم
۳۷ قولہ **وَقَوْلُ الْخ** اس جگہ تقول

واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور مطلب
یہ ہے کہ عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ عم
اور من کی یا متکلم کی طرف اضافہ کرتے وقت
بغیر محذوف کے واپس لئے حمی اور منی کہے
پھر ان دونوں کو اخی امدالی سے اس لئے جدا
کیا ہے کہ ان دونوں میں جمہور کے ساتھ مبرور
کی مخالفت مشہور نہیں اگرچہ بعض نے مخالفت
ابن افع وغیرہ چاروں میں ذکر کی ہے اور
صیغہ مؤنث کا تقول اس وجہ سے سہلایا گیا ہے
کہ حم بمعنی دیور کی اضافہ تذکر کی طرف متشیع
ہے اس لئے کہ رشتہ دیور صرف عورت سے
تعلق رکھتا ہے (دیور عودت کے شوہر کے
چھوٹے بھائی کو کہتے ہیں واللہ اعلم۔

۳۸ قولہ **وَيَقَالُ الْخ** فیم اسل میں فوہ
نہا، کہ خلافت تیس حذف کرنے کے لیا منیا
کا درجہ دے دیا گیا اور پھر میں کلمہ کے داد
کو میم سے بدل لیا فم ہو گیا پس جب لفظ
فم کی اضافت یا متکلم کی طرف کریں گے تو
اس کا میں کلمہ جو کہ داد مبدل عن المیم تھا وہ
لوٹ آئے گا، پھر داد کو متکلمتہ یا کے لئے
داد سے بدل کر آپس میں داد غام کر دیں گے پس فی
تہیں گے اور اکثر موارد استعمالات میں فی ہی کہا
جاتا ہے لیکن بعض مواقع میں اس کا استعمال
اس طرح بھی ہوتا ہے کہ اس میم کو باقی رکھیں جو کہ
داد کے عوض میں ہے اور بوقت عدم اضافت
اسی میم کے ساتھ اس کا استعمال کیا جاتا ہے
پس اس صورت میں بجائے فی کے فی کہیں گے
جیسا کہ اس کے نظائر اخ وغیرہ کا استعمال کیا

ای لما سمعن وعلمن اصواتنا بکین وقلن لنا آباؤنا قد اؤکرو تقول ای
امراة قائلة لا متناع اضافة الهم الى المذكر حتى وهنئ بلارد المحذوف
عند الاضافة الى باء المتکلم وانما فصلهما عن اخي وای لانه لو ينقل عن
المبرور فيهما في المشهور ما يخالف مذهب الجمهور وان نقل عنه بعضهم
ذلك الخلاف في الاسماء الاربعة **وَيَقَالُ** في فير حال اضافة الى باء المتکلم
في بالرد والقلب والادغام في اکثر اشرای فی اکثر موارد استعماله وقبی فی
بعضها ابقاء الیم المعوض عن الواو عند قطعه عن الاضافة **وَإِذَا قُطِعَتْ**
هذه الاسماء الخمسة عن الاضافة قيل **آخ** **وَاب** **وَحَر** وهنئ وفم

ان عورتوں نے سنا اور انہیں ہماری آوازوں کا علم ہوا تو وہ پڑیں اور ہم سے کہنے لگیں کہ ہمارے
آباء تم پر قداموں (اور کہے گی) یعنی کہنے والی عورت کہے گی (مؤنث کا صیغہ) اس لئے
الائے اگر حم کی اضافت مذکر کی طرف متشیع ہے (حم دیور یعنی خاوند کا بھائی) (حمی اور
منی) یاے متکلم کی طرف اضافت کے وقت حرف محذوف (یعنی لام فعل) کو واپس لئے
بغیر اور مصنف نے حمی و منی کو اخی و ابی سے اس لئے جدا کر کے بیان کیا کہ قول مشہور میں ان
دونوں کے بارے میں امام مبرور سے کوئی ایسی روایت منقول نہیں جو مذہب جمہور کے مخالف
ہو (جیسا کہ اخی و ابی کے بارے میں منقول ہوئی) اگرچہ بعض نحویوں نے مبرور سے اسمائے
اربعة کے بارے میں اس اختلاف کو نقل کیا ہے (اور) فم میں جبکہ وہ یاے متکلم کی طرف
مضاف ہو (فی کہا جائے گا) حرف محذوف کو رد کر کے (پھر یاے) قلب و ادغام کے ساتھ
(اکثر میں) یعنی اس کے استعمالات کے اکثر مواضع میں (اور فی) (کہا جائے گا) بعض
استعمالات میں اس میم کو باقی رکھنے کی وجہ سے جو قطع عن الاضافة کے وقت واو کا عوض
ہوتی ہے (اور جب قطع کیا جائے) ان اسمائے خمسہ کو اضافت سے (تو کہا جائے گا) اخ و

کے نظائر اخ ذاب وغیرہ میں کیوں نہیں تو
اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کی اضافت بغیر
میم کے غیر متکلم کی طرف ہوتی ہے تو اس
میں نحو کسرہ اور ضمہ تینوں حرکات جاری ہوتی
ہیں یعنی فوک (حالت رفعی میں) فاک
(حالت خفی میں) اور فیک حالت جری
میں، پس حرکات اعرابیہ کی متابعت کرتے
ہوئے فم ہما تینوں تہیں جائز قرار دی
گئیں واللہ اعلم ۱۲۔

جانا ہے واللہ اعلم
۳۹ قولہ **وَإِذَا قُطِعَتْ الْخ** یعنی جب
اسماء سترہ کبرہ میں سے اسماء خمسہ مذکورہ کو اضافت
سے قطع کریں گے تو ان پر مطلقاً اعراب بالحرکات
جاری کریں گے پس اخ اب الخ کہیں گے اور فم
میں تین لغت ہیں فاک کا فتحة ضمہ کسرہ لیکن
تینوں لغتوں میں فاک کا فتحة اس کے ضمہ اور
کسرہ سے فصیح ہے اب اگر کوئی کہے کہ
صرف فم میں ہی تینوں لغات کیوں ہیں اس

بالحركات الثلاث ولكن فتح الفاء اقصر منهما اي من الضم والكسر و
جاء حم مثل يدي فيقال هذا حم او حمت ورايت حم او حمت و
مررت بحم او حمت ومثل خب بالهمزة فيقال هذا حم او حمت ورايت
حم او حمت ومررت بحم او حمت ومثل دلو بالواو فيقال هذا حم او
حموت ورايت حم او حموت ومررت بحم او حموت ومثل عصا بالالف
فيقال هذا حم او حمت ورايت حم او حمت ومررت بحم او حمت
مطلقا اي جواز حم مثل هذه الاسماء الاربعة مطلقا غير مقيد بحال
الافراد والاضافه بل تجي هذه الوجوه فيه في كل من حالق الافراد
والاضافه وجاء هن مثل يدي مطلقا اي في الافراد والاضافه يقال هذا
هي ورايت هنا ومررت هن وهذا هنك ورايت هنك ومررت هنك
وذو كايضاف الى مضمير لانه وضع وصلة الى الوصف باسماء الاجناس و

اب وحم وحم وحم حركات ثلاثه کے ساتھ لا اور لیکن «فاء کی فتح ان دونوں» یعنی ضم
وکسر سے فصیح تر ہے «اور حم آیہ جیسے ی» تو کہا جائے گا هذا حم یا حمت اور رایت حمایا
حمت اور مررت بحم یا حمت «اور خب» کے مثل «خب» ہمزہ کے ساتھ تو کہا جائے گا
هذا حم یا حموت ورايت حمایا حمت و مررت بحمایا حمت «اور دلو» کی طرح واو کے
ساتھ پس کہا جائے گا هذا حم یا حموت ورايت حموت و مررت بحموت «اور عصا» کی طرح
الف (مقدمہ یا مفعولہ) کے ساتھ پس کہا جائے گا هذا حمایا حمت ورايت حمایا حمت مررت
بحمایا حمت (کہ افراد کی صورتوں میں اعراب بالحرکت تقدیری ہے کہ محل اعراب الف مقدمہ
ہے اور اضافت کی صورت میں الف مفعولہ ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا) (مطلقا) یعنی ان
اسماتے اربعہ کی طرح مطلقا حم کا جواز افراد یا اضافت کے حال کے ساتھ مقید نہیں بلکہ حم
میں یہ وجوہ افراد و اضافت کی دونوں حالتوں میں سے ہر ایک حالت میں آتے ہیں «اور
من ید کی طرح آیا ہے مطلقا» یعنی افراد و اضافت میں کہا جائے گا هذا من ورايت من
و مررت من و هذا هنک ورايت هنک و مررت بهنک «اور ذو معمر کی طرف مضاف
نہیں کیا جاتا» کیونکہ ذو کسی کے اسمائے جنس کے ساتھ وصف (موصوفہ ہونے کی طرف

تیسرے یہ کہ اس کے آخر واو اور ما قبل اس کا
ساکن ہو جیسے ذلو پس بذال حم او حمت و حمک الخ کہیں
گے جو تھے یہ کہ لام فعل الف سے بدل جائے
اور وہ حالت رفع و نصب و جر میں عصا کی
مثل ہو جائے چنانچہ حالت اضافت میں عصا کی
کی طرح حمک کہیں گے اور حالت غیر اضافت
میں اس کو عصا پر قیاس کریں گے جیسے بذال
حم او حمت الخ اور مطلقا کا مطلب یہ ہے کہ
اسما داربعہ مذکورہ کی طرح حم کا جواز کسی قید
کے ساتھ مقید نہیں یعنی خواہ اس کی اضافت
ہو یا نہ ہو پس اس میں وجوہ اربعہ مذکورہ افراد عن
الاضافه و افراد مضافہ ہر ایک صورت میں جاری
ہوں گی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۲۔ قولہ وجاء ہن الخ یعنی ہن میں علامہ
لغت مذکورہ کے ایک نعت اور ہے وہ یہ
کہ اس کو حالت اضافت اور غیر اضافت میں مثل
یہ کے پر جس محذوف کو دایں نہ لائیں پس رفع
نصب اور جر میں اس پر حرکات ثلاثہ جاری کریں
گے پس کہا جائے گا۔ بذال ہن۔ رایت ہن مررت
ہن اور بوقت اضافت بذال ہنک رایت ہنک
مررت ہنک واللہ اعلم۔

۱۳۔ قولہ وذو لا یضاف الى اسماء
مکبرہ میں سے پانچ کا حکم بیان ہو گیا اب چھٹے
اسم ذو کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ضمیر کی طرف
مضاف نہ ہوگا اس لئے کہ ذو اس واسطے
وضع کیا گیا ہے کہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر
اس کو کسی دوسری چیز کی صفت قرار دے پس
امردہ ضمیر کی طرف مضاف ہوگا تو خلاف وضع
لازم آئے گا اس لئے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی
لیکن کبھی علی سبیل الشذوذ اس کی اضافت ضمیر
کی طرف بھی ہوتی ہے جیسا کہ قول شاعر

انما یعرف ذا الفضل من الناس
ذو وکذا۔ میں ذودہ اضافت الی الضمیر کے ساتھ
واقع ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ فضل والا ہی فضل والے
شخص کو پہچانتا ہے اس جگہ اگر فارسی کی یہ مثل پیش

حمت اور رایت حم او حمت اور مررت بحم
اور حمت کہیں گے دوسرے یہ کہ وہ ہمزہ
بوجہ خب کی طرح پس بذال حم او حمت رایت
حم او حمت اور مررت بحم اور حمت کہیں گے

۱۴۔ قولہ وجاء الخ یعنی تم میں چند
لغت میں ایک یہ کہ وہ اعراب میں یو کی طرح
ہے پس جس طرح حالت اعراب میں بذال رایت
یاد دینہ کہا جاتا ہے اسی طرح بذال حم یا بذال

کردی جائے تو مزید تحسین کا باعث ہوگا وہ شل
یہ ہے قدر نذرہ گر شناسد قدر جو ہر جوہری پس
اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر غائب چونکہ ابہام
میں اسم جنس کی طرح ہے تو ذوق کی اضافہ اس کی
طرف جائز قرار دے دی گئی مگر چونکہ اس کا مرجع
سابق ہے، اور اس میں ابہام بد وجہ اتم نہیں
کیونکہ مرجع متعین ہونے کی وجہ سے یہ معرفہ
کے حکم میں ہے لہذا اس کی طرف اضافہ کو شاذ
قرار دے دیا گیا واللہ اعلم ۱۲۔

۱۷ قولہ، ولوقیل الخ یعنی جب دلیل

مذکور سے یہ معلوم ہو گیا کہ ذوق غیر اسم جنس کی طرف
مضاف نہیں ہوتا تو اس وقت اس شخص سے
کوئی فائدہ نہیں تھا کہ لایضاف الی مضمیر کہا جاتا
بلکہ اگر لایضاف الی غیر اسم الجنس کہتے تو یہ
اشل و افضل تھا اس لئے کہ غیر اسم جنس اعم
ہے کہ وہ ضمیر ہو یا کوئی اسم ظاہر اسم جنس کا غیر
ہو مثلاً زید۔ عمرو وغیرہ اس کا جواب شامع یہ
ہے سب ہیں کہ گویا کہ مصنف نے مضمیر کو ذکر
کے ساتھ اس وجہ سے خاص کیا کہ اسما سستہ
ہیں سے بعض کے لئے حکم خاص ہے جو بعض
آخر میں نہیں پایا جاتا مثلاً اخی اور ابی میں رو مخدوف
عند المبرد اور قلب و ادغام وغیرہ فی میں فی اکثر اور
بہ حکم خاص اس وقت ہے جبکہ ان بعض اسما کی اضافہ
یا متکلم کی طرف ہو پس مصنف نے مضمیر کی طرف مطلقاً
ذوق کی اضافہ کی ہی نفی کر دی تاکہ ذوق کی اضافہ الی
یا متکلم کے اعتبار سے کسی حکم خاص کے ساتھ ذوق
کا اختصاص سمجھ میں نہ آئے یعنی جس طرح کہ ذوق
کے اخوات کے لئے باعتبار ان کے یا متکلم کی طرف
مضاف ہونے کے کوئی نہ کوئی حکم خاص ہے تو
لایضاف الی مضمیر سے گویا کہ مصنف نے یہ بتا دیا
کہ ذوق مطلقاً کسی ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا
چہ جائیکہ اس کے یا متکلم کی طرف مضاف ہونے
کے کوئی نہ کوئی حکم خاص ہے تو لایضاف الی
مضمیر سے گویا کہ مصنف نے یہ بتا دیا کہ ذوق مطلقاً
کسی ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا چہ جائیکہ

الضمیر لیس باسم جنس وقد اضيف اليه على سبيل الشذوذ كقول الشاعر شعر
انما يعرف ذوالفضل من الناس ذووہ : ولوقیل لا يضاف الى غير اسم الجنس
لکان اشمل وکانہ خص المضمیر بالذکر لانه کان لبعض تلك الاسماء حکم
خاص عند اضافته الى ياء المتکلم فتفی اضافته الى المضمیر مطلقاً نفياً لا اختصاً
بحکم خاص باعتبار اضافته اليه ولا يقطع اي ذوق عن الاضافة لان
جعلہ وصلة الى اسماء الاجناس ليس الا باضافته اليها (تمت المجورات
بحمدک تعالیٰ والآن اشرع في ترجمة التوابع وشرحها وهو الموفق لتمام الاحقر
ابوالانور محمد سرور القادری الرضوی)۔

وصلہ (ذریعہ و وسیلہ ہونے) کے طور پر وضع کیا گیا ہے (یعنی جب کسی کی وصف اسم جنس
لانا ہو تو ذوق و وسیلہ بنایا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے جاء رجل ذو ذهب محمد سرور قادری) اور
ضمیر اسم جنس نہیں اور ذوق کی ضمیر کی طرف اضافت شذوذ کے طور پر کی گئی ہے جیسے شاعر
کا قول ہے شعر انما يعرف ذوالفضل من الناس ذووہ۔ اور اگر مصنف کی عبارت میں
وذو لایضاف الی مضمیر کی بجائے لایضاف الی غیر اسم الجنس کہا جائے تو یہ (اپنے مطلوب کو
نسبتاً) زیادہ شامل ہوتا کہ جس طرح ذوق مضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا ای طرح علم کی طرف
بھی نہیں ہوتا۔ غیر اسم الجنس کا لفظ مضمیر اور علم دونوں کو شامل ہے محمد سرور قادری) اور گویا
کہ مصنف نے (اس کے باوجود) مضمیر کا اس لئے خاص کر ذکر کیا کہ (ذوق کے بغیر) ان اسمائے
ستہ میں سے بعض کا لئے متکلم کی طرف اضافت کے وقت حکم خاص تھا مثل ردالمخدوف
عند المبرد فی اخي والی والرد والقلب والادغام فی اکثر الاستعمال فی فی) تو مصنف نے اضافہ
الی الیائے کے اعتبار سے ذوق کے حکم خاص کے ساتھ مختص ہونے کی نفی کرنے کے لئے اس کے مضمیر
دخواہ مضمیر حکم ہو یا مخاطب یا غائبہ کی طرف اضافت کی نفی کر دی (اور قطع نہ کیا جائے گا)
یعنی ذوق کو اضافت سے کہ اسے اسمائے اجناس کی طرف وصلہ (ذریعہ و وصل) کرنا ان کی طرف
اضافت سے ہی ہے (بحمد اللہ تعالیٰ مجرورات تمام ہوئے اور اب توابع اور ان کی شرح
کا ترجمہ شروع کرتا ہوں اور ان کے تمام ہونے میں اللہ تعالیٰ مددگار ہے احقر ابوالانور
محمد سرور القادری الرضوی)

لئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف
ہو کر اس کو دوسری چیز کی صفت قرار دے اور
یہ چیز اسم جنس کی طرف اضافت کے بغیر حاصل
نہیں ہو سکتی لہذا اس کی اضافت اسم جنس کی
طرف لازم ہوئی اور جب اس کو اضافہ لازم ہوئی
تو اس کو اضافہ سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا ورنہ
اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا پس اس

اس کے یا متکلم کی طرف مضاف ہونے کے
اعتبار سے اس کے لئے اس کے نظائر کی
طرح کوئی حکم خاص ہو پس اس فائدہ و قیضہ
کے پیش نظر مصنف نے لایضاف الی مضمیر کہا
واللہ اعلم ۱۲۔

۱۷ قولہ ولا یقطع الخ یعنی چونکہ اس

التوابع

وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ مَقُولٍ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ إِلَى الْأَسْمِيَّةِ وَالْفَاعِلِ الْأَسْمِيَّ يَجْمَعُ عَلَى فَوَاعِلٍ كَالْكَاهِلِ عَلَى الْكَوَاهِلِ وَالْمُرَادُ بِهَا تَوَابِعُ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ الَّتِي هِيَ أَقْسَامُ الْأَسْمِ فَلَا يَنْتَقِضُ حَدُّهَا بِخُرُوجِ نَحْوِ أَنَّ
وَضَرْبَ ضَرْبٍ لِعَدَمِ كَوْنِهِمَا مِنْ أَفْرَادِ الْمَحْدُودِ كُلُّ شَيْءٍ إِذَا تَأَخَّرَ مَقِي
وَحُظَّ مَعَ سَابِقِهِ كَانَ فِي الرِّبَّةِ الثَّانِيَةِ مِنْهُ فَدَخَلَ فِيهِ التَّابِعُ الثَّانِي وَ
لِثَلَاثِ أَصْنَافٍ أَمَّا تَلْبِيسُ بِأَعْرَابٍ سَابِقَةٍ أَيْ بِجِنْسِ أَعْرَابٍ سَابِقَةٍ بِحَيْثُ
يَكُونُ أَعْرَابُهُ مِنْ جِنْسِ أَعْرَابٍ سَابِقَةٍ نَاشِئًا مِنْ كِلَاهُمَا مِنْ دِجْهَةٍ وَاحِدَةٍ

التوابع ((اور وہ)) تابع کی جس سے جو وصفیت سے اہمیت کی طرف منقول ہے (تو گویا کہ فاعل کے وزن پر اسم ہے) اور فاعل کی فواعل (کے وزن) پر جمع کیا جاتا ہے جیسے کاهل پر (وزن) کو اهل اور توابع سے مراد مرفوعات و منصوبات و مجرورات کے وہ توابع ہیں جو اسم کے اقسام سے ہیں (حقیقتہً یا حکماً لہذا جمل وصفیہ اور جملہ محظوظہ علی مالہ اعراب سے اشکال نہ ہوگا) پس اِنَّ اِنَّ اور ضرب ضرب (توابع کی تعریف سے) خارج ہونے سے توابع کی تعریف نہیں ٹوٹ سکتی کیونکہ یہ دونوں (ان ان اور ضرب ضرب) محدود یعنی توابع (کے افراد سے نہیں ہیں) کہ مراد یہاں اسم کے توابع ہیں نہ کہ مطلق توابع ((ہر دوسرا ہے)) یعنی پھل جیسے پہلے کے ہر اس کا لحاظ (و مشاہدہ) کیا جائے تو وہ پہلے کی نسبت دوسرے درجہ میں ہو تو اس شان میں تابع دوسرا اور تیسرا اور اس سے زائد داخل ہو جائے گا جو اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ ((تلبیس ہو یعنی اپنے سابق کے اعراب کی جنس کے ساتھ اس طرح (تلبیس ہو) کہ اس کا اعراب اس کے سابق کے اعراب کی جنس سے ہو (سابق و مسبوق) دونوں کا اعراب (ایک جہت سے))

کے حسب وضع جائزہ دینی چاہیے کہ اس میں مال اسم جنس ہے اور بواسطہ ذوق کے عمل کی صفت ہے واللہ اعلم ۱۲۔ تحت الجملہ بیون اللہ و توفیقہ۔

قوله التوابع التوابع التوابع تابع کی جمع ہے نہ کہ تابعہ کی اس لئے کہ توابع اسماء کی صفت ہے یعنی اسماء توابع کے ساتھ متصف ہوتے ہیں پس اسم کی جمع اسماء کے مقابلہ میں توابع لفظ جمع بر لگایا پس جب جمع کے مقابلہ میں جمع ہوئی تو اس کے اعداد کے مقابلہ میں اعداد صغیرہ واقع ہوں

گئے ماد اسماء کا واحد اسم ہو گا اور توابع کا تابعہ تلبیس اسم اور تابعہ موصوف و وصفہ کے درمیان تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہتی لہذا جب ہم اس کو تابع کی صفت قرار دیں گے تو یہ اعتراض رفع ہو جائے گا پھر سوال پیدا ہوا کہ تابع کی جمع توابع در صحت نہیں اس لئے کہ فاعل مفعول یعنی جب اسم فاعل میں وصف کے معنی پائے جائیں اس کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی بلکہ فاعل وصفی کی جمع الفعا کے ساتھ فاعلات کے وزن پر آتی ہے اس کا

جواب منقول عن الوصفیۃ الخ سے شارح نے یہ دیا کہ اگرچہ حقیقتہً میں فاعل وصفی ہے مگر اس جگہ وصفیت سے اسمیتہ کی طرف منقول کر لیا گیا ہے پس گویا کہ اسم فاعل کے وزن پر آیا اور فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے۔ جبکہ کابل یعنی ما بین الکتابین کی جمع کواہل آتی ہے، اور فرق تابع اور کابل کے درمیان یہ ہے کہ کابل بحسب الاصل اسم ہے اور تابع بحسب النقل اس اس لئے کہ یہ وصفیت سے اسمیتہ کی طرف منقول ہے پھر یہ کہ توابع سے مراد توابع مرفوعات و منصوبات و مجرورات ہیں جو کہ اسم کی اقسام ہیں پس توابع بھی اپنے قبوع کے اعتبار سے اسم ہوں گے لہذا وہ توابع کہ جو اسم نہ ہوں گے تعریف سے خارج ہو جائیں گے مثلاً اِنَّ اِنَّ ضرب ضرب کمان میں سے ان ثانی اور ضرب ثانی تابع کا فرد ہے اس لئے کہ یہ دونوں اول کی تاکید واقع ہو رہے ہیں، اور تاکید تابع کا ایک فرد ہے مگر ان پر باعراب سابعہ من جہت واحدہ صادق نہیں آتا اس لئے کمان پر سرے سے اعراب ہی نہیں کیونکہ یہ معنی الاصل میں پس یہ اسم نہ ہونے کی وجہ سے افراد محدود میں داخل نہیں ہوں گے، اور تعریف دخول غیر سے مانع ہو جائیگی واللہ اعلم۔

قوله کل کتاب الخ تابع اصطلاح

نحاة میں ہر اس ثانی اسم کو کہتے ہیں جو اپنے سابق اسم کے اعراب میں موافق ہو اور دونوں کے اعراب کی جہت ایک ہو یعنی اگر پہلے کلمہ پر اعراب مثلاً فاعلیت سے آیا ہے تو دوسرے کلمہ پر بھی اسی جہت سے آئے ادا اگر ادلی پر جہت مفعولیت سے اعراب آیا ہو تو ثانیہ پر بھی مفعولیت ہی کی جہت سے اعراب آئے گا یہ امر کہ شارح نے تان کی تفسیر ای کل متاخر کے ساتھ کیوں کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ثانی سے متاخر عن الاول مراد نہیں ہیں گے تو مثلاً جانی زید و عمر و کو بکڑا میں بکڑا پر یہ

شخصیہ مثل جاء فی زید العالم فان العالم اذا لوحظ مع زید کان فی الرتبة الثانية منه واعرابه من جنس اعرابه وهو الرفع والرفع فی کل منهما ناشئ من جهة واحدة شخصیة هی فاعلیة زید العالم لان المحی المنسوب الی زید فی نصب المتکلم منسوب الیه مع تابعه لالیه مطلقاً فقولہ کل ثان یثمل التوابع وخبر المبتدأ وخبری کان وأن واخواتهما وثانی مفعولی ظننت واعطیت وقولہ باعراب سابقہ یخرج الكل الخبر المبتدأ وثانی مفعولی ظننت واعطیت

پیدا ہو دو مختلف جہتوں سے نہیں (شخصیہ جہت) سے (ہو جنس یا نوعیہ سے نہیں) جیسے جاء فی زید العالم تو العالم کا جب زید کے ہمراہ لحاظ (مشاہدہ) کیا جائے تو یہ اس کی نسبت دوسرے مرتبہ میں ہو گا اور اس کا اعراب اس کے اعراب کی جنس سے ہے اور وہ رفع ہے اور ان دونوں (تابع و مقبوع) میں سے ہر ایک میں رفع ایک جہت شخصیہ سے ناشی ہے اور وہ (جہت شخصیہ واحدہ) زید عالم کی فاعلیت ہے کیونکہ آمد جو متکلم کے قصد میں زید کی طرف منسوب ہے وہ زید کی طرف اس کے تابع کے ہمراہ منسوب ہے مطلقاً زید کی طرف نہیں تو مصنف کا قول "کل ثان" (جنس کے بمنزلہ ہے جو) توابع، مبتدأ کی خبر، کان وان اور ان دونوں کے اخوات کی دو خبروں اور ظننت اور اعطیت کے دو مفعولوں میں سے مفعول ثانی کو شامل ہے اور مصنف کا قول باعراب سابقہ سوائے خبر مبتدأ اور ظننت اور اعطیت کے مفعول ثانی کے باقی سب کو

تعریف صادق نہیں آئے گی اس لئے کہ وہ مرتبہ ثانیہ کے بجائے مرتبہ ثالثہ میں ہے حالانکہ یہ بھی تابع ہے پس جب ثان سے مراد متاخر لیں گے اور متاخر کو سابق کے اعتبار سے دیکھیں گے تو متاخر مرتبہ ثانیہ میں ہو جائے گا خواہ وہ تابع ثانی ہو یا ثالث یا اس سے بھی نائید پس تعریف درست ہو جائے گی پھر شارح نے متلبس کا اضافہ کر کے اشارہ کر لیا کہ باعراب سابقہ میں جار مجرور محذوف کے متعلق ہے پھر اپنے متعلق محذوف سے مل کر متاخر یا ثان کی صفت واقع ہے پھر ای جنس اعراب سابقہ اس وجہ سے کہا کہ عرض واحد کا محلیں مختلفین میں قیام لازم نہ آئے اس لئے کہ یہ بدابستہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو اعراب سابق کا ہو گا وہی متاخر کا ہو گا پس اعراب ایک ہو اور محل دو پس عرض واحد کا قیام دو محلوں کے ساتھ لازم آیا اور یہ ناجائز ہے پس جب لفظ جنس کا اضافہ کر دیا گیا تو یہ اشکال دور ہو گیا اس لئے کہ اس سے بعینہ وہ اعراب مراد نہیں ہو گا جو سابق کا ہے بلکہ سابق کی جنس والا اعراب مراد ہو گا پھر بحیث یکنون الخ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ یہی ضروری نہیں کہ اگر اول کا اعراب حنی ہو گا تو ثانی کا بھی حنی ہو بلکہ رفع و نصب و جر میں مطابقت ہونی چاہیے خواہ حرکت و حرف کے اعتبار سے اعراب تابع و مقبوع میں مطابقت نہ ہو اور ناشی کلا ہما سے یہ مقصد ہے کہ من جہت واحدہ محذوف کے متعلق ہو کر اعراب سابقہ کی صفت واقع ہے اور من جہت واحدہ ظرف لغو نہیں مستقر ہے پھر شارح نے شخصیہ کے اضافہ سے یہ ارادہ کیا ہے کہ جہت واحدہ میں وحدت سے مراد وحدت شخصیہ ہے نوعیہ نہیں پس اس سے باب علمت و ظننت کے دونوں مفعول خارج ہو گئے اس لئے کہ ان دونوں کے نصب کی جہت باعتبار نوع یعنی مفعولیت کے متعہ ہے شخصی اعتبار سے نہیں اس لئے کہ اس کا مفعول ثانی اول کا غیر ہے اسی طرح

نہیں پس دونوں کا رفع ایک ہی جہت اور حیثیت سے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۔ قولہ نقولہ کل الخ اس سے شارح فوائد قیود بتا رہے ہیں کہتے ہیں کہ قولہ کل ثان بمنزلہ جنس کے ہے کہ ہر اسم موزن کو شامل ہے خواہ وہ توابع ہوں یا مبتدأ کی خبر یا کان وان اور ان کے اخوات کی خبر یا باب ظننت واعطیت کا ثانی مفعول اور قولہ باعراب سابقہ فصل کے ہے کہ اس سے سوائے خبر مبتدأ اور مفعول ثانی باب ظننت واعطیت کے سب خارج ہو گئے پھر قولہ من جہت واحدہ سے یہ بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ مبتدأ خبر میں اگر جہت ابتداء عامل ہے یعنی ان کا استاد کے واسطے عوامل لفظیہ سے خالی ہونا لیکن یہ معنی اس حیثیت سے ہیں کہ اعتباراً مستدالیہ ہونے کے مبتدأ میں عامل ہوں گے اور باعتبار اقتصاد مستد کے خبر میں پس ان دونوں

اس سے خبر بھی خارج ہو گئی اس لئے کہ وہ وحدت شخصیہ کے ساتھ معرب نہیں ہوتی بلکہ مبتدأ کا اعراب عامل ابتداء سے باعتبار مستدالیہ ہونے کے عامل ہوتا ہے اور خبر کا باعتبار مستد بہ ہونے کے واللہ اعلم ۱۲۔ قولہ شل جارنی الخ یہ شارح کی جانب سے بطور ایضاح کے تابع کی مثال ہے اس میں العالم تابع ہے اس لئے کہ جب عالم کا زید کے ساتھ لحاظ کیا گیا تو وہ بہ نسبت زید کے دوسرے مرتبہ میں ہے اور اس کا اعراب زید کے اعراب کی جنس سے ہے، یعنی جس طرح زید پر رفع ہے اسی طرح العالم بھی مرفوع ہے پھر دونوں ایک ہی جہت شخصیہ سے مرفوع ہیں اور وہ جہت فاعلیت ہے اس لئے کہ زید ان العالم موصوف صفت سے مل کر جار کا عامل ہے اس لئے کہ متکلم کے قصد و ارادہ میں جو محیی زید کی طرف منسوب ہے وہ زید کے پیچھے تابع کے ساتھ منسوب ہے مطلقاً زید کی طرف

وقوله من جهة واحدة يخرج هذه الاشياء لان العامل في المبتدأ والخبر وان كان هو الابتداء اعني التجرد عن العوامل اللفظية للاسناد لكن هذا المعنى من حيث انه يقتضى مسند اليه صار عاملا في المبتدأ ومن حيث انه يقتضى مسندا صار عاملا في الخبر فليس ارتفاعهما من جهة واحدة وكذا ظننت من حيث انه يقتضى مفعونا فيه ومفعونا عمل في مفعوليه فليس انتصابهما من جهة واحدة وكذلك اعطيت من حيث انه يقتضى اخذ او ماخوذا عمل في مفعوليه فليس انتصابهما من جهة واحدة واعلم ان الاعراب المعتبر في هذا التعريف بالنسبة الى اللاحق والسابق اعم من ان يكون لفظيا او تقديريا او محليا حقيقة او حكما فلا يرد نحو جاءني هو كلاء الرجال ويا زيد العاقل لارجل ظرفا ثم ان لفظة كل ههنا ليست في موقعها لان التعريف انما يكون للجنس و

نکال رہا ہے) اور مصنف قول من جهة واحدة ان سب اشیاء کو نکال دے گا (کہ یہ بمنزلے فصل کے ہوگا) کیونکہ مبتدأ و خبر میں عامل اگرچہ ابتداء یعنی تجرد عن العوامل اللفظية الاسنادی ہے لیکن معنی (یعنی تجرید) اس حیثیت سے کہ مسندالیہ کا مقتضی ہے مبتدأ میں عامل ہو گیا اور اس حیثیت سے کہ مسند کا مقتضی ہے خبر میں عامل قرار پایا پس مبتدأ و خبر کا مرفوع ہونا جہت واحدہ سے نہیں بلکہ ان میں دو جہتوں سے عمل کیا گیا ہے اگرچہ دونوں جنس اعراب میں متفق ہیں (اور اسی طرح ظننت نے اس حیثیت سے کہ مفعولن فیہ اور مفعولن کا مقتضی ہے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا تو دونوں کا منصوب ہونا ایک جہت سے نہیں اسی طرح اعطیت نے اس حیثیت سے کہ اخذ اور ماخوذ کا مقتضی ہے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا پس دونوں کا منصوب ہونا ایک جہت سے نہیں اور معلوم ہو کہ اعراب جو اس تعریف میں لاحق و سابق کی نسبت سے معتبر ہے وہ عام ہے اس سے کہ لفظی ہو (جیسے جاءني زيد العالم) یا تقدیری (جیسے جاءني القاسمي) یا محلی جیسے ضربت انت (پھر خواہ وہ اعراب) حقیقی ہو یا حکمی ہو لہذا جاءني هؤلاء الرجال اور يا زيد العاقل کا آخر میں وارد نہ ہونا اور نہ ہی لارجل ظرفا کا کیونکہ اول مثال میں کسر اعراب نہیں نہ حقیقتہ اور نہ حکمانہ لفظا اور نہ تقدیرا بلکہ اس میں اعراب محلی ہے اس لئے اس کے لفظ پر عمل جائز نہیں بلکہ محل پر کیا جائے گا اور اس کا محل رفع ہے لہذا الرجال کا رفع واجب ہے اور مثال ثانی میں زید کا اعراب حکمی ہے کیونکہ زید کا ضمہ اگرچہ حقیقت میں اعراب نہیں لیکن اعراب کے حکم میں ہے اس لئے دو جہتوں جائز ہیں تو اگر زید کا ضمہ رفع کے حکم میں نہ ہوتا تو اس کی صفت کو لفظ پر محمول کر کے مرفوع پڑھنا جائز نہ ہوتا اور تیسری مثال میں رجل کی فتح اعراب یعنی نصب کے حکم میں ہے اس لئے نصب کے ساتھ ظرفا کا رجل لفظ پر عمل جائز ہے اور ظرفا کو رجل پر محمول کیے مبنی پڑھنا بھی جائز ہے اور محل بہر پر عمل کر کے رفع بھی کیا مراد ۱۲ محمد سرور قادری) پھر یہاں لفظ کل لینے موقع میں

کارفع جہت واحدہ سے نہیں اور ایسے ہی ظننت سے کہ یہ دونوں مفعولوں میں اس حیثیت سے عامل ہے کہ اس کو مفعولن فیہ اور مفعولن کی ضرورت پیش آتی ہے پس ان دونوں مفعولوں کا انتصاب بھی جہت واحدہ سے نہیں ہوا لہذا یہ بھی تعریف سے خارج ہیں اسی طرح اعطیت کا مفعول اول و ثانی کراس میں اخذ اور ماخوذ کی ضرورت پیش آتی ہے پس یہ دونوں مفعول اسی حیثیت سے معرب ہوں گے اور ان کا انتصاب بھی جہت واحدہ سے نہیں ہوگا لہذا یہ بھی تعریف سے خارج ہیں واللہ اعلم۔

۱۱ قولہ واعلم ان اس سے شارح

کا متشایک سوال کا جواب دینا ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ اس سے الرجال العاقل اور ظرفا خارج ہو جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں موجود ہیں، جامنی ہو لارجل یا زید العاقل اور رجل ظرفا اس لئے ان میں سے ہر ایک اپنے محل کا تابع ہے مگر اعراب سابق کے ساتھ معرب نہیں اس لئے کہ سابق یا تو مبنی ہے یا اعراب تقدیری کے ساتھ معرب ہے پس شارح نے کہا کہ اس تعریف میں جو اعراب معتبر ہے وہ بہ نسبت لاحق اور سابق کے ہے یعنی باعتبار تابع و متبوع ہونے کے ہے اور یہ اس بات سے اعم ہے کہ ان دونوں میں اعراب لفظی ہو یا تقدیری یا محلی اور حقیقی ہو یا حکمی یہ ضروری نہیں کہ اگر متبوع کا اعراب مثلا تقدیری ہو گا تو تابع کا بھی تقدیری ہو پس الرجال وغیرہ سب تعریفات میں داخل ہو جائیں گے اور تعریف اپنے افراد کو جامع ہو جائے گی واللہ اعلم۔

۱۲ قولہ ثم ان الیہ ایک اعتراض ہے

جو مصنف کی عبارت پر وارد ہوتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ قولہ کل ثابن الخ میں لفظ کل موقع کے اعتبار سے مناسب نہیں اس لئے کہ کلمہ کل احاطہ افراد کے لئے آتا ہے پس اس وقت تعریف بالافراد

بالجنس لا بالافراد وبالافراد فالحدود بالحقیقة التابع والحد مدخول کل وهو
ثان باعراب سابقه من جهة واحدة لكنه لما دخل کل علیہ افاد صدق
الحد و علی کل افراد الحد فیکون مانعا والظاهر انحصار الحد و فیها الحد مذكر
غیرها فیکون جامعاً فیحصل حد جامع و مانع فیکون جمعه و منعه کالتصویف

نہیں کیونکہ اس کا موقع اعطاء افراد ہے جیسے کل انسان ناطق کیونکہ یہاں کل تعریف پر داخل
ہے اور تعریف تو جنس کے لئے اور جنس کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ افراد کے لئے اور نہ ہی افراد
کے ساتھ (جیسے زید ورجل کے افراد من حیث می محتاج تعریف نہیں اور تعریف میں جنس مفصل
ہوتی ہے اور افراد کی کوئی جنس و فصل نہیں) تو درحقیقت محدود تابع ہے (کہ جنس مفرد میں ہی
ہوتی ہے اور یہ ظاہر محدود تابع ہیں) اور حد کل کا مدخول اور حد ثان باعراب سابقہ من جهة
واحدة ہے تو جب اس پر کل داخل ہوا تو جنس کی تعریف افراد سے ہو گئی کہ کل کل اپنے مدخول
میں عموم افراد کا قائلہ دیتا ہے جب کہ نکرہ ہو لیکن (جواب یہ ہے کہ) جب کل تعریف مذکور
پر داخل ہوا تو مدخول کل نے محدود کے تمام افراد مد پر صادق آنے کا قائلہ دیا (یعنی صریحاً کہ کل
جب معمول پر داخل ہوا تو اس سے موضوع کا حد کے تمام افراد پر صادق آنا لازم آتا ہے کما فی
قولک الحيوان کل جسم نام حس الخ) تو تعریف مانع ہو گئی اور ظاہر محدود کا افراد حد میں
انحصار ہے کیونکہ افراد حد کا غیر مذکور نہیں تو حد جامع بھی ہو گئی تو (ہمارے لئے) ایک جامع اور

لازم آنے کی حالت تک تعریف بالجنس ہمارا کرتی ہے
پھر یہ کہ محدود میں بھی لفظ جمع مناسب نہیں
اس لئے کہ لفظ تو تابع ہے اس کے افراد کی کیفیت
اشارہ ہو رہا ہے پس اس سے تعریف بالافراد لازم آئی
حالانکہ تعریف بالجنس ہوا کرتی ہے پس مدخول شغل
کو لا کر نتیجہ یہ نکلا کہ اس جگہ تعریف بالافراد بالافراد
ہے یعنی تابع کے افراد کی تعریف ان افراد کے
ساتھ کی جا رہی ہے کہ جن کو کل افراد ہی محیط ہے
تعریف للجنس بالجنس نہیں ہوتی اور یہ ناجائز ہے
اس کا جواب فالحدود الخ سے شارح نے یہ دیا کہ
محدود اس جگہ تو تابع نہیں کہ تعریف بالافراد کا اعتراض
دارد ہو بلکہ محدود و حقیقتیں تابع ہے جو کہ ہوا تو تابع
ہے التوابع نہیں پس محدود و محدود نکلا جائیگا
جو کہ التوابع کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور پھر
تعریف میں محدود کی طرف اشارہ کرنے کے لئے
ضمیر لایں کے پس جارت اس طرح ہو گی التابع ہو
کل ثان الخ اور تعریف میں جو لفظ کل ہے تو اس کے
متعلق ہم یہ کہیں گے کہ تعریف میں کل سے قطع
نظر کر کے مدخول کل یعنی ہوتا ہے باعراب سابقہ من
جهة واحدة مراد ہے پس تعریف للجنس بالجنس
ہو جائے گی اور اعتراض مذکور وارد نہ ہو گا۔
واللہ اعلم ۲۱

۲۱ قولہ مکر الخ اب سول پیدا ہو گا اگر
تعریف میں لفظ کل کا اعتبار نہیں تو اس کو تعریف
میں لایا ہی کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس
سے تعریف کا مدخول غیر سے مانع کرنا مقصود ہے
یعنی جب تعریف پر لفظ کل داخل کیا گیا تو اس
سے یہ قائلہ حاصل ہو گیا کہ محدود تعریف کے تمام
افراد پر صادق آئے گا کوئی فرد اس صدق سے باہر
نہ ہو گا پس تعریف مانع ہو جائے گی اس لئے کہ یہ
جب تمام افراد پر صادق آئے گی تو غیر افراد مد پر اس
کا صادق آنا درست نہ ہو گا اس لئے کہ جو شئی کسی
شے پر دلالت کیا کرتی ہے، اور وہ اس شے کے
لئے خاص ہوتی ہے تو اس کا اس شے کے غیر پر صادق
آنا اہل اس پر دلالت نہ ناجائز نہیں ہوا کہ تا پھر

یہ ہیں کہ جس چیز پر محدود صادق آئے مد بھی
اس پر صادق آئے۔ اب جاتا چاہئے کہ معنی
نے لفظ کل اور التوابع کی جمعیت پر جو اعتراض
تعریف بالافراد بالافراد کا کیا قائلہ اس جگہ بدست
باقی ہے اس لئے کہ اس کا جو جواب شارح نے
فالحدود بالحقیقة الخ سے دیا قائلہ اس جگہ چنداں
کارگر نہیں ہوا اس لئے کہ لفظ کل اور توابع کی جمعیت
کو تعریف کے جامع مانع ہونے میں دخل ہے
پس اصل اعتراض اپنی جگہ پر باقی رہا لہذا اس کا
جواب یہ ہے کہ تعریف سے کبھی تو مقصود ایسے
کلمہ پچاتا ہوتا ہے، اور کبھی انحصار افراد نقطہ میں
اگر معنی اول مراد ہوں تو تعریف بالافراد بالافراد ناجائز
ہوتی ہے، اس لئے کہ اس سے نفس باسیت کا علم
حاصل نہیں ہوتا اور اگر معنی ثانی مراد ہوں تو چونکہ
منشاء تعریف انحصار افراد ہوتا ہے، اور وہ تعریف
بالافراد بالافراد سے حاصل ہوتا ہے لہذا اس کے
ساتھ تعریف کر سکتے ہیں پس چونکہ یہاں تعریف

ہوتی اس لئے کہ توابع میں محدود تابع کو قرار
دیا گیا ہے، اور حد افراد ہوئے پس محدود تو
سوال پیدا ہوا کہ تعریف مانع تو ہو گئی مگر جامع نہیں
تمام افراد مد پر صادق آئے گا مگر محدود واحد ہونے
کے اعتبار سے اس کے جو بقید افراد ہیں ان کا صدق
تعریف پر سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ تعریف تابع کی
لگائی ہے توابع کی نہیں پس تعریف سے توابع
خارج ہوئے جاتے ہیں اس کا جواب والظاهر الخ
سے شارح نے یہ دیا کہ ظاہر یہ ہے کہ افراد حد
میں محدود کا انحصار ہے کیونکہ غیر تابع کا تعریف
میں ذکر نہیں پس محدود کے تمام افراد اس میں منحصر
ہو گئے کیونکہ بہر حال وہ تابع ہیں جیسا کہ محدود
میں لفظ جمعیت یعنی توابع اس پر دلالت کر رہا ہے
پس جمعیت محدود کی وجہ سے جامعیت تعریف پر
دلالت ہوتی اور محدود میں لفظ جمع لانا قابل اعتراض
نہیں رہا جیسا کہ ابھی اس پر اعتراض کیا گیا تھا۔ پس
تعریف جامع ہو گئی اس لئے کہ جمع کے معنی

عليه النعت تابع جنس شامل للتوابع كلها وقوله يدل على معنى في متبوعه
اي يدل بعبارة تركيبه مع متبوعه على حصول معنى في متبوعه مطلقا اي
دلالة مطلقة غير مقيدة بخصوصية مادة من المواد احتراز عن سائر
التوابع ولا يرد عليه البطلان في مثل قولك اعجبني زيد علمه والمعطوف في مثل
قولك اعجبني زيد وعلمه ولا التاكيد في مثل قولك جاءني القوم كلهم لدلالة
كلهم على معنى الشمول في القوم فان دلالة التوابع في هذه الامثلة على حصول
معنى في المتبوع انما هي لخصوص موادها فلو جردت عن هذه المواد كما يقال
اعجبني زيد غلامه او اعجبني زيد وغلامه او جاءني زيد نفسه لا تجد لها دلالة

مانع تعريف حاصل ہو گئی جس کا جامع و مانع ہونا منصوص علیہ کی طرح ہو گیا «نعت و تابع
ہے» لفظ تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور مصنف کا قول وجود دلالت کرتا ہے ایسے
معنی پر جو اس کے متبوع میں ہے «یعنی تابع اپنے متبوع کے ہمراہ مرکب ہونے کی ہیئت کے
ساتھ ایسے معنی کے حصول پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں ہے» مطلقا یعنی ایسی دلالت
(کرے) جو امثلہ میں سے کسی مثال کی خصوصیت کے ساتھ مقید نہ ہو (بلکہ تمام امثلہ کو شامل ہو مصنف
کا قول مطلقا ایک ایسی قید ہے جس کے ذریعے) باقی توابع سے احتراز ہے (کیونکہ باقی توابع کی
اپنے متبوع میں معنی کے حصول پر دلالت مطلق طور پر نہیں بلکہ خاص خاص مثالوں کے ساتھ مقید
ہے کما سیاتی توضیحہ «فہرست و رقمہ») اور نعت کی تعریف پر ہمارے قول اعجبني زيد علمہ کے مانند
میں بدل اور تمہارے قول اعجبني زيد وعلمہ کے مانند میں مطوف اور تمہارے قول جاءني القوم
كلهم کے مثل میں تائید کا اعتراض وارد نہ ہو گا کیونکہ کلمہ کا لفظ تائید ہے جو ساری قوم
میں شمول کے معنی کے حصول پر دلالت کرتا ہے پس ان امثلہ میں توابع (بدل و معطف و
تائید) متبوع میں حصول معنی پر ان امثلہ کے مخصوص کے لئے ہے نہ مضموم کے لئے پس اگر ان
امثلہ کو ان مواد سے (اس طرح) خالی کر لیا جائے (کہ ان میں توابع مذکورہ کے علاوہ دوسرے
مختلف توابع ذکر کئے جائیں) جیسا کہ کہا جانے اعجبني زيد وغلامه یا اعجبني زيد وعلمه یا جاءني

سے مراد انحصار افراد ہے، معنی اول نہیں لہذا
اس تعریف پر تعریف للافراد میں کوئی قباحت نہیں
پس مذکورہ بالا توجیہ کے مطابق لفظ کل اور
توابع کی جمعیت کے مفادہ کی وجہ سے ایسی جامع
مانع تعریف حاصل ہو گئی کہ جس کا جامع مانع ہونا
منصوص علیہ کی مانند ہے مانع کا منصوص علیہ کی
مانند ہونا اس واسطے کہ تعریف میں لفظ کل
لایا گیا، اور جامع کا دعویٰ ظہور کی وجہ سے محدود

کہ اس سے تمام توابع خارج ہو جاتے ہیں اب
اگر کوئی کہے کہ یہ تعریف صحیح نہیں اس لئے کہ
جاءني زيد بذانہ بذانہ کی صفت ہے مگر اس
کے باوجود یہ اپنے متبوع کے معنی پر دلالت نہیں
کرتا اس لئے کہ اس کے معنی اشارہ کے ہیں اور
وہ اس کے موصوف زید میں موجود نہیں اس
کا جواب دینے کے لئے شارح نے اکی بدل
بہیئت ترکیبۃ الخ کا اضافہ فرمایا جس کا حاصل یہ
ہے کہ نعت اس چیز سے عبارت ہے کہ جو
اپنے متبوع کے ساتھ ہیئت ترکیب میں ان
معنی پر دلالت کرے کہ جو اس کے متبوع میں موجود
ہیں پس مثال مذکور میں مبذول ترکیب اس
کے متبوع زید کے ساتھ کی گئی تو بذانہ زید کے
مشارع الیہ ہوئے پر دلالت کرے گا پس تعریف
صحیح ہو گئی پھر مطلقا کی تفسیر ای دلالت الخ سے کر کے
اس طرف اشارہ کر دیا کہ مطلقا باعتبار موصوف
محذوف دلالت کے بدل کا مفعول مطلق ہے اور
غیر مقید الخ سے مطلقا کے معنی بخلاف سیٹے اور
قول احتراز عن سائر التوابع قولہ شارح و قولہ
ید الخ مبتدائی خبر ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۱۳ قولہ ولایرد الخ اس سے شرح کا
مشاد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے سوال یہ
ہے کہ نعت کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں
اس لئے کہ اس میں بدل معطوف اور تائید داخل ہوتے
جاتے ہیں جیسا کہ قول قائل اعجبني زيد وعلمه اور اعجبني
زيد وعلمه اور جاءني القوم كلهم میں علمه و علمه اور
كلهم علی الترتیب بدل معطوف اور تائید ہیں اور
تینوں ان معنی پر دلالت کرتے ہیں کہ جو ان کے
متبوع میں ہیں یا اس لئے کہ علم زید میں موجود ہے اور
كلهم شمول فی القوم کے معنی پر دلالت کرتا ہے پس
اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ تعریف
نعت میں مطلقا کی قید ملحوظ ہے جس کے معنی یہ
ہیں کہ نعت کی دلالت اپنے متبوع کے معنی پر کسی
مادہ کے ساتھ خاص نہ ہو پس بدل تائید اور معطوف
اگرچہ ان معنی پر کہ جو ان کے متبوع میں ہیں دلالت

کرتے ہیں مگر دلالت ہمیشہ نہیں بلکہ بعض مواد کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ ان امثلہ کو اگر مذکورہ مواد سے مجرور کر کے کسی دوسرے مادے کے ساتھ ذکر کریں، امدان کے بجائے العجیبی زید غلامی العجیبی زید غلامی یا جہاں فی زید نفسہ کہیں تو ان امثلہ کے توابع کی دلالت اپنے متبوعات کے معنی پر نہیں ہوگی گا ہر الظاہر بخلاف صفت کے کہ اس کی ہیئت ترکیب ہر حال امد ہر مادہ میں معنی متبوع پر دلالت کرتی ہے لہذا بدل وغیرہ تعریف نعت سے خارج ہو گئے، اور تعریف نعت دخول غیر سے مانع ہو گئی والیہ علم۔

نکتہ قولہ وفائدہ الخ یعنی نعت کا فائدہ نکرہ میں تخصیص پیدا کرتا ہے جیسے جادانی رجل اور معرفہ میں تو ضیح جیسے جادانی زیدن الظریف پھر تو ضیح سے مراد ہے کہ متبوع سے اجمال کو دور کیا جائے جیسا کہ مثال مذکور میں کہ صفت سے ہمیشہ زید میں اجمال تھا کہ کون سا زید یا ظریف یا غیر ظریف پس اس کی صفت ظرافت نے زید سے اجمال کو دور کر دیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبارت میں اصل ایجاز و اختصار ہے، لہذا مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی عبارت اس طرح ذکر کرتے وفائدہ متخصیص او تو ضیح اوتناؤ اذ ذم الخ اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ کیوں لجزوالشہار کہا؟ اس کا جواب شارح نے غالباً سے یہ دیا کہ فائدہ تخصیص و تو ضیح فائدہ نعت میں غالب ہے بخلاف فائدہ شہادہ وغیرہ کے کہ وہ قلیل فی الامداد ہے لہذا اس قلیل پر دلالت کرنے کے لئے وہ کیوں الخ کہا گیا واللہ اعلم ۱۱۔

نکتہ قولہ وقد کیوں الخ یعنی کبھی نعت کو مجرور شہادہ یا ذم یا تاکید کے لئے لاتے ہیں تخصیص و تو ضیح کا اس سے قصد نہیں کیا جاتا اور یہ اس جگہ ہوتا ہے کہ منعت معرفہ ہو اور نعت منعت میں ضمتا معلوم ہو پس شہادہ کی مثال بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے، اور ذم کی اطو بالشر من الشیطان الرحیم کہ ان میں اللہ اور شیطان منعت ہیں اور

علی معنی فی متبوعاتها بخلاف الصفة فان الهيئة التركيبية بين الصفة والموصوف تدل على حصول معنى فی متبوعها فی ای مادة كانت وفائدة ای فائدة النعت غالباً تخصیص فی النکرة کو جل عالم او تو ضیح فی المعرفة کو زید الظریف وقد یكون مجرور الشئ من غیر قصد تخصیص و تو ضیح نحو بسم اللہ الرحمن الرحیم او مجرور الذم نحو اعوذ باللہ من الشیطان الرحیم او لمجور التأكيد مثل ففخه واحده اذ الوحدة تفهم من التلوی ففخه فاکدت بالواحدة ولما كان غالب مواد الصفة المشتقات لوهو کثیر من الفویان ان الاشتقاق شرط

نفسہ تم ان امثلہ کے لئے ایسے معنی (کے حصول) پر دلالت نہ پاؤ گے جو ان کے متبوعات میں ہو صفت کے برعکس کہ صفت اور موصوف کے درمیان جو صیغہ ترکیب ہے وہ جس مادہ میں ہو اپنے متبوعات میں معنی کے حصول پر دلالت کرتی ہے (جیسے جادانی زید العالم بالفاضل یا الشاعر یا الکاتب وغیرہ) (اور اس کا فائدہ) یعنی نعت کا فائدہ غالباً نکرہ میں (تخصیص ہے) جیسے رجل عالم (تو ضیح ہے) معرفہ میں جیسے زیدن الظریف (اور صفت کبھی محض شہادہ کے لئے ہوتی ہے) بلا قصد تخصیص و تو ضیح جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم (یا) محض (ذم کے لئے) جیسے اعوذ باللہ من الشیطان الرحیم (یا) محض (تاکید کے لئے) جیسے نفخه واحدة کیونکہ وحدت تو نفخہ میں تاء سے سمجھی جاتی ہے تو اس وحدت کی (جوتاء سے سمجھی جا رہی ہے) (لفظ واحدہ کی) وحدت سے تاکید کر دی گئی اور جیکہ صفت کی غالب امثلہ مشتق تھیں تو بہت سے نحویوں کو ذم لگا کنت

ان کے ضمن میں نعت معلوم ہے، اور تاکید کی مثال نفخه واحدة ہے کہ اس میں اگرچہ تاء سے وحدتہ کے اور دلالت ہو رہی ہے، مگر اس کی تاکید واحدہ کے ساتھ لائی گئی واللہ اعلم ۱۲۔

نکتہ قولہ ولما كان الخ اس سے شارح قول مصنف ولا فصل الخ کے متعلق کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ان بعض غامضہ پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نعت میں اشتقاق شرط ہے حتیٰ کہ اگر کہیں کوئی صفت غیر مشتق آجاتی ہے تو اس کو تبادل مشتق کر لیتے ہیں پس جبکہ یہ نہ ہب مصنف کا پسندیدہ نہیں ہے تو اس پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نعت کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں پس جس طرح نعت مشتق ہوتی ہے اسی طرح غیر مشتق بھی ہوتی

ہے، بشرطیکہ اس کی وضاحت ان معنی پر نہ ہو جو متبوع میں پائے جاتے ہیں ادلالت کرنے کے لئے بطریق عموم ہو یعنی اس کی وحدتہ معنی متبوع پر جمیع استعمالات میں پائی جاتی ہو جیسے تمیخ اور ذوالی کہ تمیخ کی دلالت تو ہمیشہ اس ذات پر ہے کہ جو قبیلہ بنی تمیم کی طرف منسوب ہے اور ذوالی کی دلالت ہمیشہ اس ذات پر کہ جو صاحب مال ہے اس جگہ شارح نے فی صحتہ وقوعہ نکتہ کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ صفت مشتق اور غیر مشتق میں کسی فرق کا نہ ہونا غیر مسلم ہے اس لئے کہ صفت جب مشتق ہوتی ہے تو اس میں موصوف کی طرف عائد کی ضرورت پیش آتی ہے، اور غیر مشتق میں ضرورت نہیں ہوتی پس یہ فرق کیا کہ ہے؟

فی النعت حتی تأولوا غیر المشتق الی المشتق ولما لم یکن هذا مرصفاً للمصنف ردہ
بقوله ولا فصل ای لا فرق بین أن یكون النعت مشتقاً أو غیره فی صحۃ وقوعہ
نعتاً إذا کان وضعه ای وضع غیر المشتق لغرض المعنی او لغرض الدلالة
علی المعنی الواقع فی المتبوع عمومًا ای فی جمیع الاستعمالات مثل یمکنی و ذی
مال فان الیمینی یدل دائماً علی ان لذات مانسبہ الی قبیلہ تمیم و ذی مال
یدل علی ان ذاتا صاحب مال أو خصوصاً ای فی بعض الاستعمالات بان
یدل فی بعض المواضع علی حصول معنی لذات ما و چندین مجوزان یقع نعتاً و
فی بعضہا لا یدل علی ذلک و چندین جملہ نعتاً مثل مررت برجل
ای رجلی ای کامل فی الرجولۃ قای رجل باعتبار دلالتہ فی مثل هذا التركيب
علی کمال الرجولۃ یصح ان یقع نعتاً و فی مثل ای رجل عندک لا یدل علی هذا
المعنی فلا یصح ان یقع نعتاً و مثل مررت بهذا الرجل فان هذا یدل علی

میں اشتقاق شرط ہے یہاں تک کہ انہوں نے غیر مشتق کی مشتق کی طرف تاویل کی اور جب یہ
شرط مصنف کے لئے پسندیدہ نہ تھی تو مصنف نے اسے اپنے (اس) قول سے رد کر دیا (اور نہیں
فصل یہی کوئی فرق نہیں واس بات کے درمیان کہ نعت لا مشتق ہو یا غیر مشتق) نعت کے
نعت واقع ہونے کی صحت میں کوئی فرق نہیں یعنی مشتق ہو یا غیر مشتق اس کا نعت واقع
ہونا صحیح ہے) بلکہ اس وضع یعنی غیر مشتق کی وضع (معنی کی غرض کے لئے ہو) یعنی (اس کی
وضع) اس معنی پر دلالت کرنے کی غرض کے لئے ہو جو قبوع میں واقع ہو (عموماً) یعنی جمیع استعمالات
میں (اور عام استعمالات میں) جیسے تمیمی اور ذی مال) کہ تمیمی ہمیشہ کے طور اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ (ذوات میں سے) ایک ذات کی قبیلہ تمیم کی طرف نسبت ہے (لہذا جس ذات میں یہ
معنی پایا جائے گا یہ بلا تاویل مشتق اس کی صفت واقع ہوگا) اور ذوال مال اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ (ذوات میں سے) ایک ذات صاحب مال ہے (یا خصوصاً) یعنی بعض استعمالات
میں اس طرح کہ بعض مواضع میں (ذوات میں سے) ایک ذات کے لئے معنی کے حصول پر
دلالت کرے اور اس وقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہے اور بعض مواضع میں اس معنی پر
دلالت نہیں کرے گا اور اس وقت اسے نعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا (جیسے مررت برجل ای رجل
یعنی کامل فی الرجولۃ تو ای رجل کا اس جیسی ترکیب میں کمال رجولیت پر دلالت کے اعتبار سے
نعت واقع ہونا صحیح ہے اور ای رجل عندک کے خصل میں اس معنی (کمال) پر دلالت نہیں کرتا
(بلکہ صرف ذات پر دلالت کرتا ہے) لہذا اس کا نعت واقع ہونا صحیح نہیں ہے (اور) جیسے مررت
بہذا الرجل) کہ ہذا ذات مبہم پر

موجب یہ ہے کہ مد فرق سے ہماری مراد غیر مشتق

لا بہذا الرجل) کہ ہذا ذات مبہم پر

سے بطور نعت کے وقوع کا صحیح ہوتا ہے
پس جس طرح نعت مشتق واقع ہو سکتی ہے
اسی طرح غیر مشتق بھی اس سے کوئی بحث نہیں
کہ کسی میں عائد کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی میں
نہیں اور ای لغرض الدلالة الخ سے شارح نے
لغرض المعنی کے مطلب کی تشریح کی ہے اور پس
واللہ اعلم ۱۲۔

اللہ قولہ او خصوصاً الخ اس کا عطف

عموماً پر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یا اس غیر
مشتق کی وضع ان معنی پر دلالت کرنے کے لئے
کہ جو قبوع میں ہیں بطریق خصوص بعض استعمالات
میں ہو یعنی بعض مواضع میں وہ اس معنی پر دلالت
کرتا ہو کہ جو ذات قبوع میں پائے جاتے ہیں پس
اس وقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہوگا اور
بعض مواضع میں وہ ذات قبوع کے معنی پر
دلالت نہ کرے پس اس وقت اس کا نعت
واقع ہونا صحیح نہ ہوگا واللہ اعلم

اللہ قولہ مثل مررت الخ یہ صحت نعت

کی مثال ہے اس میں ای رجل کمال رجولۃ
پر دلالت کرتا ہے، اور یہ معنی اس کے قبوع
میں پائے جاتے ہیں لہذا وہ رجل کی نعت واقع
ہو سکتا ہے پھر یہ کہ یہ معنی اس کے جگہ کے ساتھ
خاص ہیں کیونکہ اس جگہ ای کا استعمال اس کی
اصل وضع یعنی استفہام کے خلاف معنی کمال میں
ہوا ہے پس جہاں اس کا استعمال اصل وضع کے
مطابق ہوگا وہاں اس کا نعت واقع ہونا
درست نہ ہوگا جیسے مررت برجل ای رجل
عندک کہ اس میں ای اپنی اصل وضع کے مطابق
معنی استفہام میں مشتمل ہے واللہ اعلم ۱۲۔

اللہ قولہ و مثل الخ یہ مثل مذکور کی دوسری

مثال ہے اس میں ای رجل اس معنی پر دلالت کرتا
ہے جو قبوع میں ہیں اس لئے کہ ہذا ذات مبہم
پر دلالت کرتا ہے اور ای رجل غایت معین پر اور
جو ہذا ذات معین کی خصوصیت بمنزلہ ایسے معنی کے
ہے کہ جو ذات مبہم میں پائے جاتے ہیں اس لئے

ذات مبہمہ والرجل علی ذات معنیہ وخصوصیۃ الذات المعینۃ بمقتلہ
معنی حاصل فی الذات المبہمۃ قلہذا صح ان یقع الرجل صفۃ لہذا وفي المواضع
الآخر التي لا یدل علی ہذا المعنی لا یصح ان یقع صفۃ وذهب بضم الی ان
الرجل یدل عن اسم الاشارة وبعضہم الی انہ عطف بیان ومثل مررت بزيد
لہذا ای بزيد المشار الیہ فہذا فی ہذا الموضع یدل علی معنی حاصل فی ذات
زيد فوق صفۃ لہ وفي المواضع الآخر التي لا یدل علی ہذا المعنی لا یصح ان یقع
صفۃ وتوصف التکرر لا المعرفة بالجملة الخبریۃ التي فی حکم للتکرر

دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات معینہ پر اور ذات معینہ کی
خصوصیت اس معنی کے بمنزلے ہے جو ذات مبہمہ (ہذا) میں حاصل ہے اور اس میں وہ معنی
ذات معینہ ہے تو معنی ہوگا مررت بہذا الذات المعینہ لہذا اس (دلالت بر ذات معینہ حاصلہ
در هذا) کی وجہ سے الرجل کا ہذا کے لئے صفۃ واقع ہونا صحیح ہے اور دوسرے ان مواضع میں
کہ جہاں الرجل اس معنی (مقصود) پر دلالت نہیں کرتا وہاں اس کا صفۃ واقع ہونا صحیح نہیں
(جیسے جاء فی الرجل اس سے قبل ہذا کا ذکر کے بغیر) اور بعض (اشقاق کو شرط قرار دینے والے)
اس بات کی طرف گئے ہیں کہ الرجل (صفۃ نہیں بلکہ) اسم اشارہ سے بدل ہے اور بعض اس بات
کی طرف کہ یہ عطف بیان ہے (مگر مصنف اور جمہور نحاس کہتے ہیں کہ ذی لام ہذا کی وصف واقع
ہوتا ہے لا اذ) جیسے مررت بزيد هذا یعنی بزيد المشار الیہ پس اس موضع میں ہذا اس معنی
پر دلالت کرتا ہے جو ذات زید میں حاصل ہے (اور وہ معنی معنی اشاریہ ہے) تو اسم اشارہ زید
کی صفۃ واقع ہوا (برائے ایضاح معنی کہ در صفۃ حاصل است) اور ان دوسرے مواضع میں
کہ جہاں اسم اشارہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا وہاں اس کا صفۃ واقع ہونا صحیح نہیں (اور
نکرہ کی وصف لائی جاتی ہے) معرفہ کی نہیں (جملہ خبریہ سے) جو کہ نکرہ کے حکم میں ہے کہ (صفۃ

اس اعتبار سے الرجل کا ہذا کی صفۃ واقع ہونا
صحیح ہو جائے گا اور ان مواضع میں کہ جہاں رجل
کی دلالت ان معنی پر مقصود نہ ہو کہ جو بمنزلہ الیہ
معنی کے ہیں جو ذات مبہم میں پائے جاتے ہیں
یا متبوع میں شامل ہیں تو اس کا صفۃ واقع ہونا
صحیح نہ ہوگا واللہ اعلم۔

قلہ قولہ وذهب الخ مذکورہ بالا توجیہ
کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ مررت بهذا
الرجل میں الرجل کو ہذا کی صفۃ قرار دیا گیا تھا لیکن
بعض نحاة اس توجیہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے
ہیں کہ اس میں الرجل اسم اشارہ سے بدل الکل ہے اور
بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ عطف بیان ہے اس لئے کہ
الرجل ان معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کے متبوع
میں ہیں بلکہ ذات پر دلالت کرتا ہے لہذا اس کا صفۃ
واقع ہونا کیسے درست ہوگا پس یہ یا تو بدل الکل
ہے یا عطف بیان واللہ اعلم۔

قلہ قولہ ومثل الخ یہ تیسری مثال ہے اس
میں چونکہ ہذا اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید میں
پائے جاتے ہیں لہذا وہ زید کی صفۃ واقع ہو جائے
گا بخلاف ان مواضع کے کہ جہاں اسم اشارہ ان معنی
پر دلالت نہ کرے جو ذات مشار الیہ میں پائے جاتے
ہیں تو اس کا صفۃ واقع ہونا درست نہ ہوگا۔
واللہ اعلم۔

قلہ قولہ وتوصف الخ یعنی کبھی نکرہ کی صفۃ
جملہ خبریہ لائی جاتی ہے معرفہ کی صفۃ جملہ نہیں ہو سکتی
اس جگہ شارح نے معرفہ سے اس طرف اشارہ کیا
ہے کہ تین میں نکرہ کی قید احترازی سے اب یہی یہ
بات کہ معرفہ کی صفۃ جملہ کیوں نہیں ہو سکتی تو اس کی
وجہ یہ ہے کہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس
لئے کہ وہ ادوات تعریف سے خالی ہوتا ہے اور معروف
وصفۃ میں یا اعتبار تعریف و نکرہ کے مطابقت ضروری
ہے پس اگر معروف معرفہ ہوگا، اور اس کی صفۃ جملہ
لائی جائے گی تو مطابقت فوت ہو جائے گی پس اس
کی صفۃ جملہ نہیں لائی جاسکتی نہ خبریہ نہ اثنائہ
پھر نکرہ سے برہ نکرہ ہے جو حقیقتہً ہوتا اس کے

حکم میں پس معرفہ بلام عہد ذہنی چونکہ نکرہ کے
حکم میں ہوتا ہے اس لئے اس کی صفۃ جملہ خبریہ
لائی جاسکتی ہے۔ پھر چونکہ جملہ خبریہ کو نکرہ کا
حکم دیا گیا ہے حقیقتہً نہ تو نکرہ ہوتا ہے، اور نہ
معرفہ لہذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا کہ
نکرہ کا اتصاف جملہ خبریہ کے ساتھ جائز نہیں اس
لئے کہ معروف و وصفۃ کے درمیان مطابقت
ضروری ہے تعریف و تنکیر میں اور اس جگہ یہ
مطابقت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ جملہ صفات اسم
سے ہونے کی وجہ سے نہ نکرہ ہوتا ہے نہ معرفہ
پس اتنی ہی فی حکم التکرر کہنے سے اعتراض منع
ہو گیا اس لئے کہ یہ حکم میں نکرہ کے ہے کیونکہ جس
طرح مفرد مبہم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ
بسی معنوں مبہم پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ
مثلاً ضرب زید کا معنوں ضرب زید ہوا پس یہ
اس حیثیت سے مبہم ہے کہ ضرب میں آیا تشبہ
ہے یا تخفیف پھر یہ کہ زمان و مکان غیر متعین ہے
پس یہ اس ابہام کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہو
گیا پس جس طرح نکرہ کی صفۃ مفرد لائی جائیگی
اور وہ اپنے متبوع کے معنی کے حصول پر دلالت

لان للدلالة على معنى في متبوعه كما توجد في المفرد ككث توجد في الجملة الخبرية
وأنما قيد الجملة بالخبرية لان الانشائية لا تقع صفة الا بتاويل بعيد كما
اذا قلت جاءني رجلٌ اضر به اى مقول في حق اضر به اى مستحق لان يوصف
بضر به ويلزم فيها الضمير الراجع الى تلك النكرة للربط نحو جاءني رجل
ابوه قائم واذا لم يكن فيها الضمير الرابط تكون اجنبية بالنسبة الى الموصوف
فلا يصح ان تقع صفة له مثل جاءني رجل زيد عالم ويوصف بحال الموصوف
اي بحال قائمه به نحو مرت برجل حسن اذا كان حال الرجل وصفته وبحال
متعلقه اى متعلق الموصوف يعنى بصفة اعتبارية تحصل له بسبب متعلقه
نحو مرت برجل حسن علامه اذ كون الرجل حسن الغلام معنى فيه وان كان

کی اس اسمی پر دلالت کہ اس کے متبوع میں (حاصل) ہے جیسے مفرد میں پائی جاتی ہے اسی
طرح جملہ خبریہ میں پائی جاتی ہے اور مصنف نے جملہ خبریہ کی قید اس لئے لگائی کہ جملہ انشائیہ
تکمیل بعد کے بغیر صفت واقع نہیں ہو سکتا جیسا کہ تم کہو جاءني رجل اضر به یعنی مقول فی حق
اضر به یعنی مستحق لان یؤثر بضر به (اور) اس جملہ خبریہ میں ضمیر لازم ہے (اور) جو ربط کے لئے اس
نکرہ کی طرف لوٹے جیسے جاءني رجل ابوه قائم اور جب جملہ خبریہ میں ضمیر رابطہ نہ ہو تو جملہ خبریہ
(اپنے) موصوف کی نسبت اجنبی ہوگا تو وہ اس کی صفت واقع نہ ہوگا جیسے جاءني رجل زيد
عالم (اور) وصف لائی جاتی ہے موصوف کے حال کے ساتھ (یعنی ایسے حال کے ساتھ جو موصوف
کے ساتھ قائم ہو) یوصف بحال للموصوف میں جار و مجرور یوصف کا نائب فاعل ہے (جیسے مرت
برجل حسن) حسن میں اسم و فعل دونوں کے ہونے کا احتمال ہے لہذا یہ وصف مفرد کی مثال
بھی ہو سکتی ہے اور وصف جملہ کی بھی (کیونکہ حسن رجل ہی حال اور اس کی صفت ہے) (اور)
(وصف لائی جاتی ہے) (اس کے متعلق کے حال کے ساتھ) یعنی موصوف کے متعلق کے ساتھ
یعنی (موصوف کو) ایسی صفت اعتباریہ کے ساتھ (متصف کیا جاتا ہے) جو موصوف کیلئے اس
کے تعلق دار کے سبب سے حاصل ہوتی ہے (جیسے مرت برجل حسن علامہ) کیونکہ رجل کا حسن
الغلام (نحو بصورت غلام والا) ہونا ایک ایسا معنی ہے جو رجل میں حاصل ہے اگرچہ یہ وصف

ساتھ بھی متصف نہیں کر سکتے، پس انشائیہ صفت لائے
سے نہ تخصیص حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ تو مفعول
انشائیہ نہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے، اور نہ موصوف
کی ہاں البتہ تاویل بعید سے صفت واقع ہو سکتا ہے
جیسا کہ مثلاً جاءني رجل اضر به کہا جائے تو اس میں
یہ تاویل کی جائے گی جاءني رجل مقول فی حق
اضر به پھر یہ کہ مقول سے بھی مقولیتہ بالفعل
مراد نہیں ہوگی بلکہ یہ مراد ہوگی کہ وہ ضرب کا حکم
دیئے جانے کا مستحق ہے اس لئے کہ اگر مقول کو اپنے
معنی پر لکھتے ہوئے رجل کی صفت قرار دیا جائے تو یہ
غلط ہوگا کیونکہ رجل میں معنی مقولیتہ میں موجود نہیں
پس اس سے لامحلہ استحقاق مراد ہوگا واللہ اعلم۔

مثلاً قولہ ويلزم الم یعنی جب نکرہ کی صفت
جملہ خبریہ لائی جائے گی تو موصوف و صفت ارتباط
پیدا کرنے کے لئے صفت میں ضمیر لازم ضروری ہے جو کہ
موصوف کی طرف راجع ہو جیسے جاءني رجل ابوه
قائم اس لئے کہ اگر صفت میں ضمیر قائم الی الموصوف
نہیں ہوگی تو ربط کے بغیر بہ نسبت موصوف کے
صفت بطور اجنبی کے ہوگی پس اس کا صفت واقع
ہونا صحیح نہیں ہوگا جیسے جاءني رجل زيد عالم (اور)
اس میں زيد عالم جملہ خبریہ ہے مگر چونکہ اس میں کوئی
عائد نہیں لہذا یہ رجل کی صفت واقع نہیں ہو سکتا
واللہ اعلم۔

مثلاً قولہ ويلزم الم اس سے صفت
صفت کی تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ صفت
کی دو تقسیمیں ہیں صفت بحال موصوف اور صفت
صفت بحال متعلق موصوف، صفت بحال موصوف
تو وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو ذات
موصوف میں جاتے ہیں جیسے مرت برجل
حسن کہ اس میں صفت حسن اس کے موصوف یعنی
رجل میں پائی جاتی ہے اور صفت بحال متعلق موصوف
اس کو کہتے ہیں کہ جو اس معنی پر دلالت کرے جو بالذات
متعلق موصوف میں اور بالاعتبار موصوف میں پائے
جاتے ہیں جیسے مرت برجل حسن علامہ کہ اس میں
رجل کا حسن الغلام ہونا ایسے معنی میں جو رجل میں
پائے جاتے ہیں اگرچہ یہ معنی اعتباری ہیں واللہ اعلم۔

نکرہ ہے تو اس میں تخصیص پیدا کرے اور موصوف
ہے تو اس کی تو مفعول کرے گا مریس موصوف
کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی
تخصیص یا تو مفعول ہو سکے اور جملہ انشائیہ فی الحال ثابت
نہیں ہو اس لئے کہ اس میں ہر ایک حکم آئندہ کے
لئے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو صدق و کذب کے

کے اسی طرح یہ دلالت جملہ خبریہ میں بھی معنی
تبصر کے حصول پر پائی جانے کی دانش اعلم۔
مثلاً قولہ فانما قيد الغائب ہا یہ امر کہ نکرہ
کی صفت کو جملہ خبریہ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا تو
اس کی وجہ یہ ہے کہ انشائیہ صفت واقع نہیں ہوا
کہ اس لئے کہ صفت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر موصوف

قوله فالاول الخ یعنی صفت کی رسم اول قائم بحال الموصوف اپنے موصوف کے ساتھ دس امور میں تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار امور کا موجود ہونا ضروری ہے تمام کا موجود ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ تضاد کی وجہ سے تمام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے پس اعراب کی تینوں قسموں رفع و نصب و جر میں سے ایک کا موجود ہونا ضروری ہے اس جگہ تادی نے رفعاً و نصباً و جرّاً اس وجہ سے کہ اعراب کی تین قسمیں ملا کر دس امور ہوتے ہیں کیونکہ اگر صرف اعراب مراد لیا جائے تو کل اٹھ امور ہوتے ہیں پس اعراب میں سے ایک افراد و تشبیہ و جمع میں سے ایک تعریف و تائید و تانیث میں سے ایک کا موجود ہونا ضروری ہے ہاں اگر صفت ایسی ہو کہ جس میں تذکیر و تانیث برابر ہو جیسے فاعل کا وزن بمعنی فاعل جیسے صبور بمعنی صابر اور امرأة صبور بمعنی امرأة صابرة یا فاعل کا وزن بمعنی مفعول جیسے رجل جریح بمعنی جرح مرد یا امرأة جریح بمعنی جرح عورت یا صفت ہو تو مؤنث مگر جاری ہوتی ہو مذکر کے لئے تو اس وقت موصوف و صفت میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت ضروری نہیں پس اس وقت چار میں سے تین امور برائے مطابقت باقی رہ جائیں گے واللہ اعلم۔

قوله والثانی الخ یعنی صفت کی قسم ثانی اپنے موصوف کے ساتھ اوصاف عشرہ مذکورہ میں سے ان پانچ میں تابع ہوگی جو اولاً مذکور ہیں یعنی رفع و نصب و جر اور تعریف و تنکیر پھر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو امور ایک ساتھ پائے جائیں گے واللہ اعلم۔

قوله وثالثی الخ اب باقی رہے پانچ امور یعنی افراد و تشبیہ و جمع تذکیر احد تانیث ثلوثان میں صفت مشل فعل کے ہوگی اس لئے کہ وہ اپنے مابعد کی طرف مسند ہونے میں فعل کے مشابہ ہے کیونکہ فعل بھی اپنے مابعد یعنی فاعل کی طرف مسند ہوتا ہے پس اس صفت

اعتبار یا فالاول ای النعت بحال الموصوف يتبعه ای الموصوف فی عشرۃ امور يوجد منها فی کل ترکیب اربعة فی الأعراب رفعاً و نصباً و جرّاً و التعریف و التذکیر و الأفراد و التشبیہ و الجمع و التذکیر و التانیث الا اذا كان صفة یستوی فیہ المذکر و المؤنث کفعل بمعنی فاعل نحو رجل صبور و امرأة صبور و فاعیل بمعنی مفعول کرجل جریح و امرأة جریح او کان صفتہ مؤنثہ تجری علی المذکر کعلامة و الثانی ای النعت بحال متعلق الموصوف يتبعه فی الخمسة الأول وھی الرفع و النصب و الجر و التعریف و التذکیر و يوجد منها فی کل ترکیب اثنان و فی البواقی من تلك الامور العشرة وھی ایضا خمسة الافراد و التشبیہ و الجمع و التذکیر و التانیث کالفعل لشبه به

اعتباری (و مجازی) ہے (پس اول) یعنی صفت بحال الموصوف (اس کے تابع ہوتی ہے) یعنی دس امور میں موصوف کے تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار (ضروری) پائے جائیں گے (اعراب میں) رفع و نصب و جر کی حالت میں (اور تعریف و تنکیر و افراد و تشبیہ و جمع و تذکیر اور تانیث میں) مگر جب کوئی ایسی صفت ہو کہ اس میں مذکر و مؤنث برابر ہوں (تو اس وقت چار کی بجائے تین امور پائے جائیں گے) جیسے فاعل کے معنی میں (بشرطیکہ موصوف بھی مذکور ہو جو قرین بنے کہ یہ تذکیر کے لئے ہے ورنہ اس میں مذکر و مؤنث برابر نہ ہوں گے) ہاں موصوف مذکور ہو تو ہوں گے (جیسے رجل صبور بمعنی صابر) یا فاعیل بمعنی مفعول جیسے رجل جریح (معنی جرح) و امرأة جریح بمعنی جرح مرد اور جب موصوف مذکور نہ ہو تو پھر فاعل و فاعیل میں تانیث و تذکیر میں فرق ضروری ہے (لخوف الالتباس) یا صفت مؤنث ہو جو مذکر پر جاری ہوتی ہو جیسے علامہ (اور نسابہ بمعنی کثیر العلم و کثیر النسب) (اور ثانی) یعنی صفت بحال متعلق للموصوف (اس کے تابع ہوتی ہے) پہلی پانچوں میں (اور وہ رفع و نصب و جر و تعریف و تنکیر ہے) اور ان پانچ میں سے ہر ترکیب میں دو پائے جائیں گے (اور باقی میں) ان امور عشرہ میں سے (اور وہ (باقی) بھی پانچ میں افراد و تشبیہ و جمع و تذکیر و تانیث (فعل کی طرح ہے) کیونکہ صفت بحال متعلق موصوف فعل

کے فاعل کو دیکھا جائے گا پس اگر وہ مفرد یا تشبیہ یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائے گا جیسا کہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے اور اگر فاعل مذکر و مؤنث حقیقی ہے اور صفت اس کے فاعل کے درمیان فاعل نہیں ہے تو صفت کو دو جو با فاعل کی مطابقت لایا جائے گا جیسا کہ فعل تذکیر و تانیث میں فاعل کے مطابق لایا جاتا ہے مؤنث حقیقی اس کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں جائز مذکر ہو جیسا کہ عورت کے مقابلہ میں مرد ناقہ کے مقابلہ میں جل و غیرہ وغیرہ اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا حقیقی ہو مگر صفت اولیٰ اس کے فاعل کے درمیان فاعل ہو تو فاعل کا تذکرہ یا مؤنث لانا برابر ہے یعنی اس کی تذکیر و تانیث میں اختیار ہے واللہ اعلم۔

یعنی منظور الی فاعله فان كان مفردا او مثنیٰ او مجموعا افراد کما یفرد الفعل وان كان مذکرا او مؤنثا حقیقیا بلا فصل طابقه وجوبا کما یطابق الفعل فاعله فی التذکیر والتانیث وان كان فاعله مؤنثا غیر حقیقی او حقیقیا مفصولا ینکراد یؤنث جواز انقول مررت برجل قاعد غلامه مثل یقعد غلامه وبرجلین قاعد غلاما هما مثل یقعد غلاما هما وبرجل قاعد غلامانهم مثل یقعد غلامانهم ومررت بامرأة قائم ابوها مثل یقوم ابوها وبرجل قائمة جاریته مثل یقوم جاریته وبرجل معمر او معمرة داره مثل یعمر او تعمر داره وبرجل قائم او قائمة فی الدار جاریته مثل یقوم او تقوم فی الدار جاریته فان قلت اذ انظرت حق النظر وجدت الاول وهو الوصف بحال الموصوف ایضا فی الخمسة البواقی کالفعل لان فاعله

کے ساتھ مشابہ ہے اس کے وہی احکام ہیں جو فعل کے احکام ہیں یعنی صفت کے فاعل کی طرف دیکھا جائے گا اگر وہ مفرد یا مثنیٰ یا مجموع ہو صفت کو مفرد لایا جائے گا جیسے فعل کو واحد لایا جاتا ہے (جبکہ فاعل ظاہر ہو) اور اگر فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو تو وصف (تذکیر و تانیث میں) اپنے فاعل کے مطابق ہوگی وجوباً جیسے فعل اپنے فاعل کے تذکیر و تانیث میں مطابق ہوتا ہے اور اگر وصف (ثانی) کا فاعل غیر حقیقی ہو یا مفصول ہو تو اس (وصف) کو ذکر لایا جائے گا یا مؤنث جوازی طور پر تم کہو گے مررت برجل قاعد غلامه جیسے یقعد غلامه اور (مررت) برجلین قاعد غلاما هما جیسے یقعد غلاما هما اور (مررت) برجل قاعد غلامانهم جیسے یقعدون غلامانهم اور مررت بامرأة قائم ابوها جیسے یقوم ابوها اور (مررت) برجل قائمة جاریته جیسے یقوم جاریته اور (مررت) برجل معمر یا معمرة داره (فاعل مؤنث غیر حقیقی کی مثال ہے جس میں صفت کو مذکر و مؤنث دونوں لایا جاسکتا ہے) جیسے یعمر یا تعمر داره ہے اور (مررت) برجل قائم یا قائمة فی الدار جاریته جیسے یقوم یا تقوم فی الدار جاریته پھر اگر تم سوال کرو کہ اسے مخاطباً اگر کوئی نظر سے دیکھو تو نوع اول کہ وصف بحال الموصوف ہے کو بھی باقی پانچوں (رفع و

ہے جس کی صفت فاعل کے مؤنث ہونے کی بنا پر مؤنث لائی گئی ہے پس اس میں قائم جاریتہ، تقوم جاریتہ کی مثل ہے یہ تمام امثله اس صفت کی ہیں کہ جس کا فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل کے واقع ہے لہذا صفت اور اس کے فاعل میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت واجب ہے اور اس کے کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ یہ تمام امثله صفت کی قسم ثانی یعنی نعت بحال متعلق الموصوف سے تعلق رکھتی ہیں اب یہی صفت کے فاعل مؤنث غیر حقیقی یا حقیقی مفصول کی مثالیں تو برجل معمر یا معمرة داره اس صفت کی مثال ہے کہ جس کا فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے یعنی غیر جاندار ہے پس اس میں صفت کا مذکر یا مؤنث لانا برابر ہے اور اس میں معمر او معمرة داره یعمر یا تعمر داره کی مثل ہے اور برجل قائم او قائمة فی الدار جاریتہ اس صفت کی مثال ہے کہ جس کا فاعل اگرچہ مؤنث حقیقی ہے مگر وہ صفت سے مفصول ہے پس اس میں بھی تذکیر و تانیث برابر ہوگی اور قائم او قائمة فی الدار جاریتہ یقوم او تقوم فی الدار جاریتہ کی مانند ہوگا واللہ اعلم۔

۲۹۷ قولہ فان قلت الم یہ ایک اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو نوع اول یعنی وصف بحال الموصوف بھی پانچ باقی امور یعنی افراد تشبیہ الم میں فعل کی مانند ہے اس لئے کہ صفت کا فاعل اس ضمیر کی مانند ہے جو فعل میں پوچھتا ہے ہو کہ موصوف فعل کی طرف راجع ہوتا ہے پس ضروری ہوا کہ وہ ضمیر باقی پانچ امور میں اپنے موصوف کے مطابق ہو پس نعت بحال الموصوف ضمیر مسکن راجع الی الموصوف کی وجہ سے پانچ باقی امور میں فعل کی مانند ہوگی اور حال یہ ہے کہ فعل کی اس وجہ ضمیر کی طرف کی جاتی ہے تو مرجع کے تشبیہ ہونے کی صورت میں فعل میں الف لاجق کیا جاتا ہے اور مرجع ذکر ماقبل ہونے کی صورت میں داد اور مرجع ضمیر کے جمع مؤنث ہونے کی صورت میں نون اور

اور افراد صفت کی مثال ہے اور یہ یقعد غلامانہم کی مثل ہے، ان تینوں مثالوں میں موصوف و صفت میں مطابقت باعتبار فاعل صفت کے ہے اور مررت بامرأة قائم ابوها اس موصوف مؤنث کی مثال ہے کہ جس کی صفت فاعل کے مذکر ہونے کی وجہ سے مذکر لائی گئی ہے پس اس میں قائم ابوها یقوم ابوها کی مثل ہے اور برجل قائم جاریتہ اس موصوف مذکر کی مثل

۲۹۷ قولہ تعول الم یہاں سے شارح ہر ایک کی مثال بیان کر رہے ہیں پس مررت برجل قاعد غلامه اس صفت کی مثل ہے کہ جس کا فاعل مفرد ہے اور اس میں قاعد غلامه یقعد غلامه کی مانند ہے اور برجلین قاعد غلاما هما فاعل مثنیٰ کی مثال ہے اور برجلین تشبیہ کی صفت مفرد ہے اس میں قاعد غلاما هما یقعد غلاما هما کی مانند ہے اور برجل قاعد غلامانہم فاعل مجموع

فاحد مؤنث ہونے کی صورت میں فعل مؤنث لایا جاتا ہے، اور اسی واسطے کہ وصف بحال موصوفہ منہ بواقی میں فعل کی مثل ہے مردت برجل ضارب ورجلین ضاربین الخ کہا جاتا ہے تاکہ موصوفہ و موصوفین باقتضا مرشح ضمیر کے مطابقت پیدا ہو جائے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فعل کی اسناد ضمیر کی طرف کر کے یضرب یضربان یضربون الخ کہا جاتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ نوع ثانی کو تو اس حکم کے ساتھ خاص کر دیا امدادوں کو ترک کر دیا واللہ اعلم۔

۳۷ قولہ قلنا لایا لایا اعتراض مذکور کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس مقام میں موصوفہ کی طرف دو دلائل و مفعول کی نسبت اس اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے کہ وصف کی نوع اول تمام امور میں موصوفہ کی تابع ہوتی ہے اور نوع ثانی میں یہ تبعیہ بعض امور کے لحاظ سے پائی جاتی ہے یعنی رفع و نصب و جر تعریف اور تنکیر کے اعتبار سے پس جبکہ وصف اول امور عشرہ میں موصوفہ کا تابع ہوتا ہے اور اس کا فعل کے مشابہ ہونا خمسہ بواقی میں اس کو اس تبعیہ سے نہیں نکالتا جبکہ معلوم ہو چکا ہے تو اس میں مصنف نے صرف تبعیہ کا حکم لگانے پر اکتفا کیا اور مشابہتہ للفعل کی نفی نہیں کی بخلاف وصف ثانی کے کہ جب اس پر اول کے پانچ امور میں تبعیہ کا حکم لگایا تو خمسہ بواقی میں اس پر عدم تبعیہ کا حکم لگانے پر اکتفا نہ کیا اس لئے کہ وہ غیر مضبوط یعنی غیر مضبوط ہے کیونکہ اس میں کہیں تو افراد متماثل سب ہوتا ہے اگرچہ موصوفہ تشبیہ یا جمع ہو جیسا کہ اس وقت جبکہ فاعل صفۃ تشبیہ یا جمع ہو اور کہیں تذکیر و تانیث واجب ہوتی ہے مگر بلکہ اس کی عدم تبعیہ کے لئے ایک ضابطہ بیان کر دیا کہ وصف ثانی بہ نسبت ظاہر بالبعد یعنی متعلق کے اقتدار سے فعل کی مانند ہے تاکہ جب وصف ثانی اپنے موصوفہ کا تابع نہ ہو غرض بواقی میں تو معلوم ہو جائے کہ اس کا حال فعل کی مثل ہے لہذا یہ خمسہ بواقی میں تابع نہیں پس اعتراض مذکور منفع ہو گیا واللہ اعلم۔

کالضمیر المستکن فیہ الراجع الی موصوفہ والفعل اذا اسند الی الضمیر یلحق الالف فی التثنیۃ والواو فی جمع المذکر العاقل والنون فی جمع المؤنث ویؤنث فی الواحد المؤنث ولذلك قلت مردت برجل ضارب ورجلین ضاربین ویا مرءۃ ضاربۃ ویا مرءتین ضاربتین وبنسۃ ضاربات کما تقول فی الفعل یضرب ویضربان ویضربون وتضرب وتضربان وتضربن فلما خصصت ثانی بهذا الحكم قلنا المقصود الاصلی فی هذا المقام بیان نسبة الوصفین الی الموصوف بالتبعیۃ وعدہا ولما کان الوصف الاول یتبع فی الامور العنقرۃ وکان لا یتفرجہ مشابہتہ للفعل فی الخمسۃ البواقی عن هذه التبعیۃ لما عرفت اکتفی فیہ بالحکم علیہ بالتبعیۃ بخلاف الوصف الثانی فانه لما حکم بالتبعیۃ فی الخمسۃ الاول لو یکتف فیہ بالحکم

نصب و جر و تعریف و تنکیر) میں فعل کی مانند پاؤں کے کیونکہ اس کا قاعل اس ضمیر کی طرح ہے جو فعل میں مستتر ہے جو (رابطہ کے لئے) اس کے موصوفہ کی طرف لوٹتی ہے جبکہ فعل (کامل یہ ہے کہ) جب اس کی ضمیر کی طرف اسناد کی جائے تو اسے تثنیہ میں الف اور جمع ماقبل میں الواو اور جمع مؤنث میں نون لاحق ہوتا ہے اور فعل کو واحد مؤنث میں مؤنث لایا جائے گا جبکہ اس میں ضمیر مستتر کا مرجع مؤنث ہو اور اسی وجہ سے وصف بحال موصوفہ باقی پانچوں میں بھی فعل کی مانند ہے) تم کہو گے مردت برجل ضارب (مفرد مذکر میں) اور (مردت) برجلین ضاربین (تثنیہ میں) اور (مردت) برجال ضاربین (جمع مذکر میں) اور (مردت) بامرؤۃ ضاربۃ اور (مردت) بامرؤتین ضاربتین اور (مردت) بنسۃ ضاربات جیسے تم فعل میں کہو گے یضرب یضربان یضربون وتضرب وتضربان وتضربن تو نوع ثانی (یعنی وصف بحال متعلق موصوفہ) کو تم اس حکم (و فی البواقی) کا فعل کے ساتھ کیونکہ خاص کر دیا؟ ہم جواب دیا کہ اس (وصف کے اپنے موصوفہ کے تابع ہونے اور نہ ہونے کے) مقام میں مقصود اصلی دونوں وصفوں کے موصوفہ کی نسبت (نوع اول میں) تابع ہونے اور (ثانی میں) نہ ہونے کی نسبت کا بیان ہے اور جبکہ وصف اول امور عشرہ میں موصوفہ کے تابع ہوتی تھی اور وصف اول کا باقی پانچوں میں فعل کے مشابہ ہونا اسے اس (امور عشرہ میں) تابع ہونے سے خارج نہیں کرتا تھا اس وجہ سے کہ ہمیں معلوم ہوئی کہ دونوں یعنی صفت و موصوفہ میں اتحاد و اتصال ہے گویا دونوں شئی واحد ہیں) تو مصنف نے وصف اول (کے بیان) میں اس پر تبعیت کے حکم کے ساتھ اکتفا کیا (یعنی اختصار و اعلا ماً) کہ وصف ہذا موصوفہ خود قائم است نہ کہ یہ سبب اس کو یا کہ شئی موصوفہ خود مستند است نہ بجانب ضمیر اس کہ وہ مستتر است) نوع ثانی کے برعکس کہ جب مصنف نے اس پر پہلے پانچوں میں تابع ہونے کا حکم لگایا تو وصف ثانی میں عدم تبعیت کے

بعدم التبعية فانه غير مضبوط بل بين ضابطة عدم تبعية له بكونه كالفعل بالنسبة الى الظاهر بعد ليتبين حاله عند عدم التبعية ^{من} ثم اي ومن اجل كون الوصف الثاني في الخمسة البواق كالفعل حسن قام رجل قاعد غلانه كما حسن يقعد غلانه وحسن ايضا قاعد غلانه لان الفاعل مؤنث غير حقيقي كما تفعل غلانه وضعف قام رجل قاعد غلانه لانه بمنزلة يقعدون غلانه و الحاق علامتي المثنى والمجموع في الفعل المسند الى ظاهرهما ضعيف ويجوز من غير حسن ولا ضعف قعود غلانه وان كان قعود جمعا ايضا كقاعدون كذا لذا كبرت الاسم المشابه للفعل خراج لفظا عن موازنة الفعل ومتاسبته لان الفعل

ساقط حكم التعلق بالاعتقاد انما يكون (اس میں) عدم تبعیت کا حکم مضبوط نہ تھا کیونکہ بعض میں افراد مناسب تھا جبکہ فاعل مثنی یا مجموع ہو اور بعض میں تکسیر یا تانیث واجب جبکہ فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو مگر بلکہ مصنف نے وصف کے موصوف کے لئے تابع نہ ہونے کا یوں ضابطہ بیان کر دیا کہ وہ فاعل ظاہر کی نسبت فعل کی طرح ہوگی تاکہ عدم تبعیت کے وقت وصف ثانی کا حال قاضی ہو جائے (یعنی اس کے پاس میں یہ واضح ہو جائے کہ جب وہ اپنے موصوف کے تابع نہ ہو تو اس کا حال وہی ہوگا جو فعل کا ہوگا) اور اسی وجہ سے (یعنی وصف ثانی کے باقی پانچوں میں فعل کی طرح ہونے کی وجہ سے) «قام رجل قاعد غلانه خوب ہے» جیسے يقعد غلانه خوب ہے اور قاعد غلانه بھی خوب ہے کیونکہ فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے جیسے تقعد غلانه خوب ہے «اور» «قام رجل قاعدون غلانه ضعیف ہے» کیونکہ یہ يقعدون غلانه کے بمنزلے ہے اور مثنی و مجموع کی دو علامتوں (الف اور واو) کا اس فعل میں لاحق کرنا جو ان دونوں (مثنی و مجموع) کے ظاہر کی طرف ہند ہو ضعیف ہے اور وجہ ضعف یہ ہے کہ اس میں تعدد فاعل بلا عطف لازم آتا ہے کہ مثنی و جمع میں الف اور واو بھی فاعل ہیں اور بعد کا اسم ظاہر بھی فاعل ہے محمد سرور قادری «اور قعود غلانه» بلا حسن اور بلا ضعف «و جابر ہے» اگرچہ قاعدون کی طرح قعود بھی جمع ہے کیونکہ جب تم اسم مشابہ للفعل کو (جمع) مکرر بناؤ تو وہ لفظ کی رو سے فعل کے ہم وزن

لئے ضعیف ہے کہ جو فعل ظاہر کی طرف ہند ہوتا ہے اس میں علامت تننید و جمع کا الحاق ضعیف ہوتا ہے اور اس میں علامت جمع کا الحاق ہے لہذا یہ بھی ضعیف ہوا اور الحاق کی وجہ ضعف یہ ہے کہ اس سے فاعل کا تعدد لازم آتا ہے کیونکہ واو اور نون بھی فاعل ہے اور پھر غلانه بھی فاعل پس یہ اگرچہ خلاف قاعدہ ہے مگر متفق نہیں اس لئے کہ اس میں تادیل کہہ سکتے ہیں کہ واو اور نون علامت فاعل ہیں فاعل نہیں پس تعدد فاعل لازم آئے گا، مگر چونکہ احتمال قاعدہ سے خالی نہیں لہذا یہ ترکیب ضعیف ہے، واللہ اعلم

۱۹ قولہ ویجوز الم یعنی ترکیب قعود غلانه جائز ہے مگر نہ من ہے نہ ضعیف اس لئے کہ قعود اگرچہ قاعدون کی طرح جمع ہے، اور غلانه اس کا فاعل ہے مگر چونکہ وہ جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر حکم میں مفرد کے ہوتی ہے پس جب اسم مشابہ للفعل کو مکرر کر دیا گیا تو یہ لفظاً موازنہ و متاسبہ فعل سے خدج ہو گیا اس لئے کہ فعل کی تکسیر نہیں کی جاتی ہے پس قعود غلانه نہ تو قاعدہ غلانه کی طرح ہے کہ جو حسن ہے اس لئے کہ قعود جمع ہے اور قاعدہ مفرد اور نہ قاعدون بمعنی يقعدون غلانه کی مثل ہوگا کہ جو ضعیف ہے اور جس میں دو فاعل ضمیر مرفوع اور غلانه بظاہر موجود ہیں مگر یہ کہ يقعدون کے واو کو اسبیت سے حریتہ کی طرف نکالا جائے پس اس صورت میں واو اور نون علامت فاعل ہوں گے اور غلانه فاعل یا غلانه کو ضمیر مرفوع واو اور نون سے بدل قرار دیا جائے یا کہا جائے کہ غلانه ابتدا مؤخر اور یقظان اپنے فاعل ضمیر کے ساتھ غیر مقدم ہے پس کوئی اعتراض منع باقی نہیں رہے گا پس چونکہ قعود غلانه جمع تکسیر ہے، اور یہ يقعدون غلانه کی طرح نہیں ہے لہذا اس کو ضعیف بھی نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم ۱۲۔

۲۰ قولہ ومن ثم الم یعنی چونکہ مصنف بحال حقیقی موصوف غمہ براتی میں فعل کی مثل ہے اس لئے ترکیب قام رجل قاعد غلانه من ہے جیسا کہ يقعد غلانه من ہے اس لئے کہ مصنف جب اسم ظاہر کی طرف ہند ہوتی ہے تو مصنف چونکہ فعل کی مثل ہو جاتی ہے اس لئے اس کا مفرد لانا من ہے اس طرح قام رجل قاعدہ غلانه کی ترکیب بھی من ہے اس لئے کہ فاعل یعنی غلانه مؤنث غیر حقیقی ہے

اس لئے کہ غلانه جمع ہے، اور جمع بمعنی الجماعة ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اور ترکیب تقعد غلانه کی طرح من ہے پس اگر وصف ثانی خمسہ براتی میں فعل کی مثل نہ ہوتا تو یہ ترکیب بوجہ عدم مطابقت کے ناجائز ہوتا مگر چونکہ یہ فعل کی مثل ہے اس لئے ترکیب مذکور جائز ہی نہیں بلکہ حسن ہوئی اور ترکیب قام رجل قاعدون غلانه ضعیف ہے اس لئے کہ یہ بمنزلہ يقعدون غلانه کے ہے اور یہ اس

نکۃ قولہ والمضمر الخ یعنی ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اس لئے کہ ضمیر منکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں معرف اور اوصاف میں ہیں ان دونوں کی توضیح کی حاجت نہیں ہوگی، پھر یہی ضمیر غائب کہ یہ معرف و اوصاف نہیں ہوتی، اور دعویٰ مطلق ضمائر کی عدم توصیف کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر منکلم اور مخاطب پر محمول ہے اسی طرح اگرچہ دلیل سے ضمیر کے موصوف ہونے کی عدم احتیاج بطور وصف موضع کے معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ معرفہ کی جب صفت لائی جاتی ہے تو نادہ توضیح مقصود ہوتا ہے اور یہاں چونکہ ضمیر خود واضح ہے لہذا اس کو توضیح کی ضرورت نہیں پس اس کی عدم موصوفیت سے وصف موضع کی نفی ہوتی مطلق وصف کی نہیں مثلاً وصف دال علی المدح اذالذم وغیرہما تو ان کو طرہ الباب وصف موضع پر محمول کر لیا جائے گا یعنی وصف موضع کی طرح وصف دال علی المدح وغیرہ کے ساتھ بھی ضمیر کو موصوف نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

نکۃ قولہ ولا یوصف بالضمیر الخ یعنی ضمیر کسی چیز کی صفت بھی واقع نہیں ہوگی کیونکہ ضمیر میں وصفیت کے معنی نہیں ہوتے یعنی قیام معنی الذات پر دلالت کرنا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ ان معنی پر دلالت نہیں کرتی کہ جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں بلکہ یہ ذات پر دلالت کرتی ہے لہذا یہ صفت نہ ہوگی واللہ اعلم۔

نکۃ قولہ وکانہ الخ بعض نسخوں میں کافیہ کے قولہ ولا یوصف بہ نہیں ہے اور اسی نسخہ سے شارح رضی نے اپنی تفسیر کی ہے لہذا اپنی تفسیر میں رضی نے غلط فہم کیا کہ مصنف نے یہ قول اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ اس کا منشاء یعنی عدم وصفیت ضمیر قولہ والموصوف اخص وادماج ہے ظاہر ہو جاتا ہے پس کوئی شخص رضی پر یہ اعتراض نہ کرے کہ اس کا اعتقاد درست نہیں اس لئے کہ کافیہ کے نسخوں میں قولہ ولا یوصف بہ موجود ہے

لا یکسر فلم یکن قعود غلمانہ مثل یقعدون غلمانہ الذی جمیع فیہ فاعلان فی الخطاب الا ان تخرج الواو من الاسم الی الحرفیۃ او یجعل المظهر بدلاً من المضمّر او یجعل الفعل خبراً مقدماً علی المبتدأ والمضمّر لا یوصف لان ضمیر المتکلم والمخاطب اعرف المعارف وادفعها فلا حاجة لهما الی التوضیح وحمل علیہما ضمیر الغائب وعلی الوصف الموضح الوصف المادج والذام وغیرہما طرہ الباب ولا یوصف بہ لانہ لیس فی المضمّر معنی الوصفیۃ وهو الدلالة علی قیام معنی بالذات لانہ یدل علی الذات لا علی قیام معنی بہا وکانہ لم یقع فی بعض النسخ قولہ ولا یوصف بہ و لہذا اعتذر الشارح الرضی وقال ولما یدکر المصنف انہ لا یوصف بالضمیر لکانہ تبیین ذلک بقولہ والموصوف خص او مساوای الموصوف المعروف اشد

اور اس کی مناسبت سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ فعل کی تحکیر و تخییر نہیں ہوتی پس قعود غلمانہ یقعدون غلمانہ کی طرح نہ ہو کہ جس کے اندر ظاہر میں دو فاعل جمع ہیں مگر ایک صورت ہے اس تاویل سے دو فاعل جمع نہ ہوں گے اور وہ یہ کہ واو کو خواہ وہ اسم میں ہو یا فعل میں (یعنی) صفت کی طرف نکالا جائے اور فاعل کے لئے اسم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ بعض کے نزدیک تثنیہ کا الف اور جمع کی واو کو حرف قرار دیا جو فاعل کے تثنیہ و جمع ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے ضربت ہند کی تا، صرف فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے، یا مظهر کو مضمّر سے بدل بنا دیا جائے یا فعل کو مبتداء پر خبر مقدم قرار دیا جائے اور مضمّر کی وصف نہیں لائی جائے گی، کیونکہ منکلم اور مخاطب کی ضمیر سب معارف سے بڑھ کر معرفہ اور سب سے زیادہ واضح ہے لہذا ان دونوں کے لئے توضیح کی حاجت نہیں اور غائب کی ضمیر میں اگرچہ من وجہ ابہام ہے مگر چونکہ یہ ان دونوں کی ہم جنس ہے اس لئے عدم توصیف میں اس کو ان دونوں پر محمول کیا گیا اور وصف مادج اور وصف ذام و غیرہما (کا لوصف المؤکد) کو عدم توصیف میں (طرہ الباب) وصف موضع پر محمول کیا گیا کہ وصف موضع اصل ہے اور باقی فروع جب اصول کا یہ حکم ہے تو خبر کا بہ طریق اولیٰ محمد سرور قادری (اور نہ ہی مضمّر سے وصف کی جائے گی، کیونکہ مضمّر میں وصفیت کا معنی نہیں اور وصفیت کا معنی ذات کے ساتھ معنی کے قائم ہونے پر (لفظ کی) دلالت ہے جبکہ اگر ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ حمرة کا معنی قائم ہے اور یہ معنی ضمیر میں نہیں پایا جاتا، کیونکہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے ذات کے ساتھ معنی کے قیام پر نہیں اور میرا لفظ ہے کہ بعض نسخوں میں مصنف کا قول ولا یوصف بہ واقع نہیں ہوا اور اسی وجہ سے شارح رضی نے مصنف کی طرف سے معذرت کی اور کہا کہ مصنف نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ ضمیر کے ساتھ وصف نہیں لائی جاتی کیونکہ ضمیر کا صفت واقع نہ ہوتا، مصنف کے قول لا اور موصوف اخص ہو گا یا مساوی لا سے روشن ہے یعنی موصوف معرفہ تعریف اور معلومیت کے اعتبار

اختصاصاً بالتعريف والمعلومية من الصفة يعني اعرف منها لانه المقصود
الاصل فيجب ان يكون اكمل من الصفة في التعريف او مساوياً لانه لو لم يكن
اكمل منها فلا اقل من ان لا يكون ادون منها والمنقول عن سيبويه وعليه جمهور
الفحاة ان اعرفها المضمرة ثم الاعلام ثم اسماء الاشارة ثم المعرف باللام و
الموصولات قبلتهما مساواة ومن ثم اى ومن اجل ان الموصوف اخص واصا
لهم يوصف ذو اللام لا بمثل اى ذى اللام الاخر والموصول فانه ايضاً
مماثل لذى اللام لما عرفت من المساواة في التعريف نحو جاءني الرجل الفاضل
او الرجل الذي كان عندك اس او بالمتضاف الى مثله اى مثل المعرف

سے صفت سے زیادہ خاص (اور قوی) ہوتا ہے یعنی صفت سے زیادہ معروف ہوتا ہے کیونکہ
موصوف ہی مقصود اصلی ہے لہذا اس کا تعریف میں صفت سے زیادہ کامل یا اس کے مساوی
ہونا ضروری ہے کیونکہ موصوف اگر صفت سے زیادہ کامل نہ ہو تو کم از کم اس سے کم نہ ہو اور
سیبویہ سے منقول اور اسی پر جمهور سخات میں ہے کہ اعرف المعارف (واقوی المعارف) مضمرة
ہیں (تمام کے تمام) پھر اعلام (شخصیات) اشارات (خواہ مفرد ہوں خواہ تشبیہ یا جمع،
مذکر ہوں یا مؤنث) پھر معرف باللام اور (اسمائے) موصولات پھر معرف باللام اور موصولات
میں (معنی و لفظاً استعمال کے اعتبار سے) مساوات ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ
موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے (و ذوالام کو اس کے مثل کے ساتھ ہی موصوف کیا جائے گا
یعنی دوسرے ذی لام یا موصول کے ساتھ کہ موصول بھی ذی لام کا مساوی ہے اس وجہ سے جو
تہیں معلوم ہوئی یعنی تعریف میں دونوں کے درمیان مساوات (کی وجہ سے) جیسے جاءني الرجل
الفاضل یا الرجل الذي كان عندك اس (یا اپنے مثله کی طرف مضاف کے ساتھ) یعنی معرف

سے صفت سے تعریف اور معلومیت کا اعتبار
سے قوی الاختصاص یعنی صفت سے زیادہ اعرف
ہوتا ہے اس لئے کہ موصوف و صفت میں موصوف
مقصود اصلی ہے پس ضروری ہوا کہ موصوف
تعریف میں یا تو صفت سے اکل ہو یا صفت کے
مساوی اس لئے کہ اگر اکل نہیں ہو سکتا تو اس
بات سے کم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ صفت سے کمتر
ہو ورنہ تابع کی قبوع پر فوقیت لازم آئے گی
اور یہ مجاز ہے اس جگہ شارح نے الموصوف کی

تفسیر میں معرفت کی تید اس لئے لکائی ہے کہ موصوف
نکرہ صفت سے اخص نہیں ہوتا بلکہ اس کے
مساوی ہوتا ہے لہذا کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ
موصوف نکرہ میں قوۃ اختصاص تو درکنار محض
اختصاص بھی نہیں پایا جاتا واللہ اعلم۔

سے صفت سے تعریف اور معلومیت کا اعتبار
سے قوی الاختصاص یعنی صفت سے زیادہ اعرف
ہوتا ہے اس لئے کہ موصوف و صفت میں موصوف
مقصود اصلی ہے پس ضروری ہوا کہ موصوف
تعریف میں یا تو صفت سے اکل ہو یا صفت کے
مساوی اس لئے کہ اگر اکل نہیں ہو سکتا تو اس
بات سے کم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ صفت سے کمتر
ہو ورنہ تابع کی قبوع پر فوقیت لازم آئے گی
اور یہ مجاز ہے اس جگہ شارح نے الموصوف کی

پھر معرف باللام اور موصولات اور ان دونوں
یعنی معرف باللام اور موصولات میں مساواة ہے یعنی ایک
دوسرے سے اعرف ہونے میں کوئی کم و بیش نہیں
سے صفت سے تعریف اور معلومیت کا اعتبار
سے قوی الاختصاص یعنی صفت سے زیادہ اعرف
ہوتا ہے اس لئے کہ موصوف و صفت میں موصوف
مقصود اصلی ہے پس ضروری ہوا کہ موصوف
تعریف میں یا تو صفت سے اکل ہو یا صفت کے
مساوی اس لئے کہ اگر اکل نہیں ہو سکتا تو اس
بات سے کم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ صفت سے کمتر
ہو ورنہ تابع کی قبوع پر فوقیت لازم آئے گی
اور یہ مجاز ہے اس جگہ شارح نے الموصوف کی

سے صفت سے تعریف اور معلومیت کا اعتبار
سے قوی الاختصاص یعنی صفت سے زیادہ اعرف
ہوتا ہے اس لئے کہ موصوف و صفت میں موصوف
مقصود اصلی ہے پس ضروری ہوا کہ موصوف
تعریف میں یا تو صفت سے اکل ہو یا صفت کے
مساوی اس لئے کہ اگر اکل نہیں ہو سکتا تو اس
بات سے کم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ صفت سے کمتر
ہو ورنہ تابع کی قبوع پر فوقیت لازم آئے گی
اور یہ مجاز ہے اس جگہ شارح نے الموصوف کی

تو موصوفت وصفہ میں سادات پیدا ہو جائے گی
کیونکہ موصوفت تو پہلے سے معرف باللام ہو گا ہی
صفہ صفات میں بھی مضاف الیہ معرف باللام کی
وجہ سے تعریف باللام آجائے گی کیونکہ مضاف و
مضاف الیہ دونوں میں سادات ہے اور قول
ثانی کے مطابق موصوفت اخص وصفہ مضاف
النقص من المضاف الیہ ہونے کی وجہ سے موصوفت
سے کم پس والموصوفت اخص او مساد کا منابطہ
درست ہو جائے گا واللہ اعلم۔

حکم قولہ بخلاف الخ اس کا تعلق

یو صف ذواللام الایضاً ہے اور مطلب یہ ہے
کہ چونکہ ذواللام اور موصول کے علاوہ باقی سادات
ان سے اخص ہیں لہذا ان کی صفت ذواللام
اور موصول آسکتی ہے مگر ذواللام یا موصول کی
صفت اسم مضاف الی المضمیر یا علم وغیرہ نہیں آسکتی
پس اگر کہیں ایسا ہو جائے کہ صفت موصوفت
سے اخص ہو مثلاً مضاف الی العلم معرف
باللام کی صفت واقع ہو جائے تو صفت عند الصفت
بدلیت پر محمول ہوگی جیسے جاء فی الرجل صاحب
زید کہ اس میں صاحب زید کہ الرجل سے بدل
قرار دیں گے واللہ اعلم۔

حکم قولہ وانما التزم الخ اس سے

مصنف ایک سوال مقدم کا جواب دیر ہے میں
سوال کی تقریر یہ ہے کہ اسم اشارہ کی صفت کو
معرف باللام کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا جبکہ قیاس
اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی صفت اسم اشارہ

ذی اللام موصول اور مضاف الی ذی اللام والموصول
جائز ہونی چاہیے کیونکہ ذواللام اور موصول میں تو
سادات ظاہر ہے یہاں معرف باللام اور مضاف
لسوئے معرف باللام تو اس کے متعلق سیبویہ
کا مذہب ثابت ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ
دونوں رتبہ میں یکساں ہیں کیا وجہ ہے کہ
اسم اشارہ کی صفت صرف معرف باللام لائی
جاتی ہے جواب یہ دیا کہ ہذا میں ابہام ہے
کیونکہ اس کی اصل وضع ہی ابہام کے لئے ہے

باللام بلا واسطہ نحو جاء فی الرجل صاحب الفرس او بواسطہ نحو جاء فی الرجل
صاحب لجام الفرس لان تعریف المضاف مساو لتعریف المضاف الیہ والنقص
منہ علی الخلاف الواقع بین سیبویہ وغیرہ بخلاف سائر المعارف فانہا اخص
من ذی اللام فلوقوع اخص نعتا لغير اخص فهو محمول علی البذل عند صاحب

هذا المذهب وانما التزم وصف باب هذا ای باب اسم الاشارة بذی
اللام مثل مرتب بهذا الرجل مع ان القیاس یقتضی جواز وصفه بذی اللام
والموصول والمضاف الی احدهما لانهما لایبہما واقع فی هذا الباب بحسب اصل
الوضع المقتضی لبيان الجنس فاذا لایدر رفعه لای تصور مثله لایبہما ولا یلیق بالمضاف

بلام کے مثل (کی طرف) بلا واسطہ (مضاف) جیسے جاء فی الرجل صاحب الفرس یا بالواسطہ
جیسے جاء فی الرجل صاحب لجام الفرس کیونکہ مضاف کی تعریف مضاف الیہ کی تعریف کے
مساوی ہے یا اس سے کم ہوتی ہے بنا براختلاف کیونکہ سیبویہ وغیرہ میں واقع ہے (سیبویہ کہتے
ہیں کہ مساوی ہے اور میر کہتے ہیں کہ نقص ہے) دیگر معارف کے برعکس کہ وہ ذی لام سے
اخص ہیں پس اگر اخص غیر اخص کے لئے صفت واقع ہو (جیسے جاء فی زید صاحبک یا جاء فی
الرجل صاحب زید) تو وہ اس مذہب والے (مصنف) کے نزدیک بدل پر محمول ہو گا اور
باب حذرا یعنی اسم اشارہ کے باب (کی وصف کا ذی لام کے ساتھ التزام کیا گیا) جیسے
مرتب بهذا الرجل مع آنکہ قیاس اس بات کا متقاضی تھا کہ اسم اشارہ کی وصف ذی لام اور
موصول اور ان دونوں سے کسی ایک کی طرف مضاف نہ ہونیوالے اسم کے ساتھ جائز ہو
مگر صرف ذی لام کے ساتھ ہی جائز ٹھہری تو وہ (ابہام کی وجہ سے) جو باب اسم اشارہ
میں اصل وضع کے اعتبار سے واقع ہے جو (یعنی وہ ابہام) بیان جنس کا مقتضی ہے پس جب
رفع ابہام کا ارادہ کیا جائے گا تو اس کے مثل سے مقصور نہیں کیونکہ وہ بھی مبہم ہو گا اور
نہ ہی مضاف سے (رفع ابہام مقصور ہو سکتا ہے) جو مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا

معرف باللام یا مضاف بسوئے موصول لائی
جائے گی، تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ مستفید سے
استعارہ کرنا اور محتاج و فقیر سے سوال کرنا
پس اس کی صفت کے لئے اسم جنس معرف
باللام متعین ہو گیا تعینہ فی نفسہ یعنی اس اعتبار
سے کہ الف لام تعریف کے لئے موضوع ہیں
یہ معرفہ بنفسہ ہو گا، اور جنس پر دلالت کرے گا
اب یہی اس کی صفت موصول تو اس کو اس
وجہ سے بیان نہیں کیا کہ یہ ذواللام پر محمول

جو کہ بیان جنس کو مقتضی ہے پس جب رفع
ابہام کا ارادہ کیا جاتا ہے تو یہ رفع ابہام اس
کے مثل سے متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود
مبہم ہوتا ہے پس اس کی صفت اسم اشارہ نہیں
لا سکتے رہا مضاف الی ذی اللام او الی الموصول
تو چونکہ مضاف بھی مبہم ہوتا ہے اسی وجہ سے
اس کو مضاف الیہ سے اپنا ابہام دور کرنا پڑتا
ہے پس وہ دوسرے کے ابہام کو کیسے دور
کرے گا اسی طرح اس کی صفت مضاف بسوئے

المكتسب التعريف من المضاف اليه لانه كالاستعارة من المستعير والسؤال عن
الحاج الفقير فتعين ذواللام لتعينه في نفسه وحمل الموصول عليه لانه مع صلة
مثل ذی اللام مثل مروت بهذا الذی کرمای الکرم ذی من ثمای ومن اجل ان الالتزام
وصف باب هذا ذی اللام لرفع الابهام ببيان الجنس ضعف مروت بهذا
الابيض لانه لا يتبين به جنس المبهملان الابيض عام لا يختص بجنس دون جنس
وحسن مروت بهذا العالم لانه يتبين به ان المشار اليه انسان بل رجل العطف
يعني المعطوف بالحرف تابع مقصود اي قصد نسبتته الى شيء اول نسبة شيء

ہے کیونکہ یہ مستفید سے استعارہ اور فقیر محتاج سے بحال کرنے کی مانند ہے پس ذوالام متعین ہو
گیا کہ وہ فی نفسہ متعین ہو گیا اور اسم موصول کو (رفع ابہام میں) ذی لام پر محمول کیا گیا کہ وہ
اپنے صمد کے ساتھ مل کر (ذی لام) کی مانند ہے جیسے
مروت بہذا الذی کرمای الکرم (اور اسی وجہ سے) یعنی اور اس وجہ سے کہ ہذا کے باب کی وصف
کا ذی لام کے ساتھ التزام بیان جنس کے ذریعے ابہام کو رفع کرنے کے لئے ہے (مروت بہذا
الابيض) ضعیف ہے کیونکہ الابيض سے مبہم کی جنس واضح نہیں ہوتی کیونکہ ابيض عام ہے جو
کسی ایک جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے (اور) مروت (بہذا العالم خوب ہے) کیونکہ اس
سے واضح ہوتا ہے مشار الیہ انسان ہے بلکہ مرد ہے (عطف) معطوف بہ حرف (وہ تابع
ہے جو اپنے متبوع کے ہمراہ مقصود بالنسبہ ہوتا ہے) یعنی کسی چیز کی طرف اس

ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ دونوں میں مساوات
ہے اور اس لئے کہ موصول اپنے صمد کے ساتھ
رفع ابہام میں ذواللام کی طرح ہوتا ہے جیسے
مروت بہذا الذی کرمای الکرم ذی من ثمای الکرم ذی
الکرم کے معنی میں ہے ظلاً شاکلاً فیہ اللہ اعلم۔
مسئلہ قولہ من ثمای یعنی اس وجہ سے
کہ باب ہذا کی صفت ذواللام اس وجہ سے لائی
جاتی ہے کہ وہ بیان جنس کے ساتھ رفع ابہام
کرتا ہے تو جہاں کہیں اس کی صفت معرفت باللام
بھی رفع ابہام نہیں کرے گی وہاں وہ بھی جائز
نہیں ہوگی پس یہ قول اول سے ترقی ہے کہ ہذا
کی صفت معرفت باللام تو کیا بعض جگہ معرفت باللام
بھی نہیں ہوگی پس اس قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے
مروت بہذا الابيض کہنا ضعیف ہے اس لئے

کہ الابيض سے جنس مبہم واضح نہیں ہوتی اس
لئے کہ ابيض عام ہے وہ کسی جنس کے ساتھ بھی
خاص نہیں خواہ وہ جنس انسان ہو یا فرس غنم
دخیو پھر یہ کہ اس کو غلات قاعدہ ہونے کی
وجہ سے قطع کیوں نہیں کیا گیا ضعیف کیوں کہا
تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے فی الجملہ ابہام رفع
ہو جاتا ہے کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اسود
یا احمر وغیرہ نہیں ابيض ہے لہذا ترکیب مذکور
مقتضی نہ ہوتی بلکہ ضعیف ہے، امد ترکیب مروت
بہذا العالم حسن ہے اس لئے کہ عالم سے یہ معلوم
ہو جاتا ہے کہ مشار الیہ انسان ہی نہیں بلکہ مروت
سے بھی خاص ہو کر مرد ہے پس ہذا سے ابہام
بدرجہ اتم رفع ہو گیا واللہ اعلم۔

مسئلہ قولہ العطف العطف کی چونکہ

دو تئیں میں عطف بیان اور عطف بحرف لہذا
شارح نے تعین کرنے کے لئے یعنی المعطوف
بالحرف کا اضافہ فرمایا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ
معطوف بالحرف کو مطلقاً عطف کے ساتھ
پکارتے ہیں بخلاف عطف بیان کے کہ اس میں
لفظ بیان ضرور ہوتا ہے پس عطف بحرف وہ
تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ نسبتہ میں
مقصود ہو اس جگہ شارح نے مقصود کی تفسیر ای
قصد نسبتہ الی شيء الخ سے کر کے اس امر کی طرف
اشارہ کی ہے کہ قولہ بالنسبہ ماضی مجہول یعنی قصد
کے متعلق ہے کہ جس کا نائب فاعل نسبتہ ہے پس
اگر اس کی تفسیر نہ کی جاتی تو مقصود کی ضمیر مستتر
تابع کی طرف راجع ہوتی اور مطلب یہ ہو جاتا
کہ تابع مقصود بالنسبہ ہے حالانکہ مقصود
یہ نہیں بلکہ مقصود بالنسبہ نسبتہ تابع ہے پس
ظاہر ہو گیا کہ سبب فاعل بالنسبہ کا مقصود نسبتہ
متعلق ہوتا ہے کہ جس کی ضمیر تابع کی طرف راجع
ہے اس لئے کہ معنی اس صورت میں یہ ہو جاتے
ہیں کہ تابع مقصود اور مراد من النسبہ ہے
حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مقصود اور مراد نسبتہ سے
نسبتہ تابع ہے پس قولہ بالنسبہ قصد کے متعلق
ہے جو کہ مقصود سے سمجھا جاتا ہے پھر نسبتہ میں
تعیین ہے کہ تابع کی نسبتہ کسی شے کی طرف
ہو جیسے زید قائم اور ذابیب کہ اس میں نسبتہ
ذباب زید کی طرف ہے، اور یا کسی شے کی
نسبتہ تابع کی طرف ہو جیسے جادنی زید و عمرو
کہ اس میں جادنی کی نسبتہ عمرو کی طرف ہو رہی ہے
پھر شارح نے بالنسبہ کے بعد الواقعة فی الکلام
سے یہ بتایا ہے کہ النسبہ میں الف لام عہد کے
لئے ہے اور اس سے نسبتہ کلامیہ مراد ہے
امد مع متبوع کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح
معطوف مقصود بالنسبہ ہوتا ہے اسی طرح
معطوف علیہ یعنی متبوع بھی مقصود بالنسبہ ہوتا
ہے جیسے جادنی زید و عمرو پس عمرو تابع ہے
اس لئے کہ وہ زید پر معطوف بحرف عطف

ہے اور عمرو کی طرف اس نسبت مجبیٰ کے ساتھ جو کلام یعنی بانی زید میں واقع ہے نسبت مجبیٰ کا قصد کیا گیا ہے اور جیسا کہ مجبیٰ کی نسبت عمرو کی طرف مقصود ہے ایسے ہی مجبیٰ کی نسبت زید کی طرف بھی مقصود ہے جو کہ عمرو کا متبوع ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ قولہ فقولہ الخ یعنی اس تعریف میں قولہ تابع بمنزلہ منس کے ہے کہ تمام توابع کو مثال ہے اور قولہ مقصود الخ بمنزلہ فصل کے کہ مقصود بالنسبتہ سے نعت تاکید اور عطف بیان سوائے بدل کے خارج ہوتا ہے بلکہ ان کے متبوعات مقصود بالنسبتہ ہوتے ہیں اور بدل چونکہ مقصود بالنسبتہ ہوتا ہے اس لئے وہ داخل رہتا ہے پس قولہ مع متبوعہ سے بدل بھی خارج ہو گیا اس لئے کہ وہ اپنے متبوع کے بغیر مقصود بالنسبتہ ہوتا ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ قولہ قل الخ یہ ایک اعتراض ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ قول مصنف مع متبوعہ سے معطوف بلا دلیل و لکن دام و انا و اذ خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان حروف میں سے کسی کے ساتھ جو بھی معطوف آئے گا تو اس سے مقصود بالنسبتہ احد الامرین ہوں گے یعنی صرف تابع یا صرف متبوع دونوں مقصود نہیں ہوتے پس تعریف عطف اپنے افراد کو جامع نہیں رہی واجب سے خارج نہ جواب دیا کہ متبوع کے مقصود بالنسبتہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ذکر تابع کے توطیہ و تمہید کے لئے ذکر نہ کیا جائے اور تابع کے مقصود بالنسبتہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع کے لئے بطور فرع کے نہ ہو یعنی تابع غیر مستقل نہ ہو جیسا کہ نعت منوت کے لئے بطور فرع منوت کے ہوتی ہے بلکہ تابع مستقل ہو جب دونوں سے مراد حسب مذکور ہوئی تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ حروف مستہ کے ساتھ اس معنی کے اعتبار

الیہ بالنسبتہ الواقعة فی الکلام فقولہ بالنسبتہ متعلق بالقصد المفہوم من المقصود مع متبوعہ ای کما یكون هو مقصوداً بتلك النسبة یكون متبوعاً مقصوداً بها فوجاء فی زید و عمرو فعمرو تابع لانه معطوف علی زید قصد نسبة المجبیٰ الیہ بنسبة المجبیٰ الواقعة فی الکلام وکما ان نسبة المجبیٰ الیہ مقصودة كذلك نسبتہ الی زید الذی هو متبوعاً ایضاً مقصودة فقولہ مقصوداً بالنسبة احترازاً عن غیر البذل من التوابع لانها غیر مقصودة بل المقصود متبوعاتها وقولہ مع متبوعہ احتراز عن البذل لانه المقصود دون متبوعہ قیل یخرج بقولہ مع متبوعہ المعطوف بلا و لکن و أم و اما و اولان المقصود بالنسبة معها احد الامرین من التابع والمتبوع لا کلاماً واجباً بان المراد بكون التبع مقصوداً بالنسبة ان لا یذکر لتوطیة

کی نسبت یا اسکی طرف کسی چیز کی نسبت کا قصد کیا جاتا ہے ایسی نسبت جو کلام میں واقع ہے تو مصنف کا قول بالنسبتہ اسی قصد سے متعلق ہے جو مقصود سے مفہوم ہوتا ہے (اور وہ اپنے متبوع کا ہمراہ مقصود یہ نسبت ہوتا ہے) یعنی جیسے وہ اس نسبت کے ساتھ مقصود ہوتا ہے اسی طرح اس کا متبوع بھی مقصود یہ نسبت ہوتا ہے جیسے جاء فی زید و عمرو تو عمرو تابع ہے کیونکہ وہ زید پر معطوف ہے تو حیثیت کی اس نسبت (کے قصد) سے جو کلام میں واقع ہے عمرو کی طرف مجبیٰ کی نسبت کا قصد کیا گیا ہے اور جس طرح اس کی طرف مجبیٰ کی نسبت مقصود ہے اسی طرح مجبیٰ کی نسبت اس زید کی طرف کہ اس کا متبوع ہے بھی مقصود ہے پس مصنف کا قول مقصود بالنسبتہ بدل کے سوا باقی (توابع سے احتراز ہے کیونکہ وہ مقصود یہ نسبت) نہیں بلکہ مقصود (یہ نسبت) ان کے متبوعات ہیں اور مصنف کا قول مع متبوعہ بدل سے احتراز ہے کیونکہ بدل ہی مقصود ہوتا ہے اس کا متبوع نہیں اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ مصنف کے قول مع متبوعہ سے معطوف بلا (جیسے جاء فی زید لا عمرو) اور (معطوف یہ) بل (جیسے جاء فی زید بل عمرو) یا ما جاء فی زید بل عمرو) اور (معطوف یہ) لکن (جیسے جاء فی زید لکن عمرو) اور (معطوف یہ) ام (جیسے أزيد فی الدار ام عمرو) اور (معطوف یہ) اما (جیسے جاء فی زید اما عمرو) یا ما جاء فی زید اما عمرو) اور (معطوف یہ) او (جیسے جاء فی زید او عمرو) لکل جملے کا کیونکہ ان کے ہمراہ مقصود یہ نسبت تابع و متبوع دونوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے دونوں نہیں اور جواب دیا گیا ہے کہ متبوع کے مقصود یہ نسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ تابع کے ذکر کی تمہید کے لئے ذکر نہ کیا جائے

مستقل کے ہو گا اور تابع بھی مستقل ہو گا تو دونوں مقصود بالنسبتہ ہو گئے فلا اشکال فیہ واللہ اعلم ۱۲۔

سے ایک ساتھ مقصود بالنسبتہ ہوتے ہیں کیونکہ متبوع کا ذکر حسب بطور تمہید کے نہ ہو تو بطور

ذکر التابع ویکون التابع مقصوداً بالنسبة ان لا يكون كالفرع على المتبوع من غير استقلال به ولا شك ان المعطوف والمعطوف عليه بتلك الحروف الستة مقصودان بالنسبة معا بهذا المعنى ولما لم يحد بها ذكره جمعا ومنعا اردفه لزيادة التوضيح بقوله يتو
 بینه ای بین ذلک التابع وبتین متبوعه أحد الحروف العشرة وبتین
 تفصیلا فی قسم الحروف ان شاء الله تعالى مثل قام زید وعمر وکلم یکتف
 بقوله تابع بتوسط بینه وبتین متبوعه أحد الحروف العشرة لان الحروف قد تنوسط
 بین الصفات مثل جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر فالصفة الداخل علیها
 حرف العطف کالشاعر والدبیر لاحتیان احدا کونها صفة لزيد تابعة له بتبعیة

..... اور تابع کے مقصود
 بہ نسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ قبوئے ہر فرع کی طرح بدل استقلال ہو اور اس میں شک نہیں
 کہ ان حروف سے کے ساتھ معطوف و معطوف علیہ اس معنی سے کئے مقصود یہ نسبت
 ہوتے ہیں کیونکہ عطف بہ لایں معطوف علیہ ثبوتا اور معطوف نفیا مقصود ہوتے ہیں اور
 معطوف بہ بل نفیا و ثبوتا مقصود ہوتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ و قس علی هذا اور
 جب (معطوف کی) تعریف ان الفاظ سے کہ جنہیں مصنف نے ذکر کیا جمعا و منفایوری ہو
 گئی تو مصنف اس کے بعد زیادت توضیح کے لئے اپنا یہ قول لائے کہ «اس کے درمیان»
 یعنی اس تابع کے درمیان «اور اس کے قبوع کے درمیان گیارہ حروف میں سے ایک حرف
 آتا ہے اور عنقریب» اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ حروف کے قسم میں «آئے گی جیسے قام
 زید و عمرو» اور مصنف نے (عطف کی تعریف میں) اپنے قول «تابع بتوسط بینه وبتین متبوعه
 أحد الحروف العشرة» پر اکتفا نہ کیا کیونکہ حروف عطف کبھی صفات کے درمیان آجاتے ہیں
 جیسے جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر تو اس صفت کے لئے کہ اس پر حرف عطف داخل
 ہے جیسے الشاعر والدبیر وہ جہتیں ہیں ان دونوں سے ایک اس کا زید کے لئے صفت اور معطوف

حروف عشرہ میں سے کوئی نہ کوئی ایک حرف
 ہونا چاہیے، اور حروف کی تفصیل عنقریب
 آجائے گی واللہ اعلم۔

کہ عبارت میں ایجاز و اختصار اصل ہے پس مصنف
 کو مناسب یہ تھا کہ وہ اپنی تعریف میں تابع بتوسط
 بینه وبتین متبوعه أحد الحروف العشرة پر اکتفا کرتے
 کیونکہ اس سے دوسرے تابع سے امتیاز حاصل
 ہوجاتا ہے پس اس پر اکتفا کیوں نہیں کیا اس کا
 جواب لان الحروف الخ سے یہ دیا کہ حروف کبھی
 صفات کے درمیان بھی آتے ہیں جیسے جاءنی
 زید العالم والشاعر والدبیر کہ اس میں الشاعر
 والدبیر پر صفات پر حروف عطف داخل ہے
 پس ان دونوں صفات میں دو حالتیں ہیں ایک
 یہ کہ یہ دونوں زید کی صفت ہیں جو کہ بواسطہ معطوف
 علیہ زید کے تابع ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ دونوں
 صفت متقدمہ یعنی العالم پر معطوف ہونے کی وجہ
 سے العالم کے تابع ہیں پس اول حالت کے
 اعتبار سے ان صفات پر یہ صادق آتا ہے کہ
 یہ تابع ہیں اس لئے کہ یہ زید کی صفت ہیں اور
 ان کے اور زید کے درمیان حرف عطف ہے
 اور دوسری حالت کے درمیان حرف عطف آئے
 سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثانی کا اول پر عطف ہو
 کیونکہ ہو سکتا ہے کہ داد ابتدائیہ یا استثنائیہ یا
 حالیہ وغیرہ ہو پس جہت اول کے مطابق زید اور
 الشاعر کے درمیان جو حرف عطف آئے گا وہ

واجب نہیں قرار دیتا کہ زید پر اس کا عطف ہو بلکہ
 ہو سکتا ہے کہ عطف نہ ہو پس انشاء عزید کی
 صفت واقع ہوگا باوجودیکہ دونوں کے درمیان
 حرف عطف موجود ہے اور دونوں معطوف علیہ
 و معطوف نہیں پس اگر مصنف قولہ مقصوداً بالنسبة
 مع متبوعہ ذکر نہ کرتے تو یہ صفت حالت اول
 کا اعتبار سے تعریف معطوف میں داخل ہو
 جاتی حالانکہ یہ اس جہت سے معطوف نہیں
 صفت ہے پس تعریف عطف دخول غیر

اس کی تائید کرتے ہیں لیکن اس کو تعریف کے جامع
 اور مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں پس شارح نے
 دونوں احتمالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ولایم
 المدائح کہا کہ اب تک جو کچھ مصنف نے کہا تھا اس
 سے تعریف جامع مانع ہو گئی تھی لہذا اس قول
 کو اس کی جمیعہ و منعیہ میں کوئی دخل نہیں، اور
 یہ تعریف میں شامل بھی نہیں بلکہ زیادہ توضیح
 کے لئے اس کو لایا گیا ہے بہر حال عبارت کا
 مطلب یہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان

اس کی تائید کرتے ہیں لیکن اس کو تعریف کے جامع
 اور مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں پس شارح نے
 دونوں احتمالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ولایم
 المدائح کہا کہ اب تک جو کچھ مصنف نے کہا تھا اس
 سے تعریف جامع مانع ہو گئی تھی لہذا اس قول
 کو اس کی جمیعہ و منعیہ میں کوئی دخل نہیں، اور
 یہ تعریف میں شامل بھی نہیں بلکہ زیادہ توضیح
 کے لئے اس کو لایا گیا ہے بہر حال عبارت کا
 مطلب یہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان

اس کی تائید کرتے ہیں لیکن اس کو تعریف کے جامع
 اور مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں پس شارح نے
 دونوں احتمالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ولایم
 المدائح کہا کہ اب تک جو کچھ مصنف نے کہا تھا اس
 سے تعریف جامع مانع ہو گئی تھی لہذا اس قول
 کو اس کی جمیعہ و منعیہ میں کوئی دخل نہیں، اور
 یہ تعریف میں شامل بھی نہیں بلکہ زیادہ توضیح
 کے لئے اس کو لایا گیا ہے بہر حال عبارت کا
 مطلب یہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان

سے مانع نہ رہتی لہذا مصنف نے صرف تابع بتوسط الخ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علم

۵۷۵ قولہ و قبل الخ اس سے شارح

ما قبل کی تاکید کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مضاف

کے درمیان حرف آجاتا ہے کہتے ہیں کہ

ز مخشری نے موصوف و صفت کے درمیان

واد عاطفہ کے وقوع کو جائز قرار دیا ہے تاکہ

موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید

ہو جائے، اور اس جواز کی طرف تفسیر کشاف

کے چند مواقع میں اشارہ ہے ان میں سے

ایک یہ قول باری تعالیٰ ہے، ویقولون سبعۃ

وثامنہم کلہم جملہ ہو کہ اس کی صفت ہے پس اس

میں واد تاکید اتصال کی وجہ سے آیا ہے اور مصنف

نے مفصل کی شرح ایضاً میں استثناء کی مباحث

میں بیان کیا ہے کہ قول باری تعالیٰ وما اہلکنا من

قریۃ الا ولہا منذرون میں ولہا منذرون قریۃ

کی صفت ہے اور درانجا یکہ واد عاطفہ موجود

ہے پس اگر مصنف قولہ تابع بتوسط الخ پر اکتفا

کرتے تو اس میں اس جیسی صفت بھی داخل ہو جاتی

ہے واللہ اعلم۔

۵۷۶ قولہ ونقل الخ اس سے بھی

موصوف و صفت کے درمیان توسط حرف عطف

کی تاکید مقصود ہے کہتے ہیں کہ مالی کا فیہ میں

مصنف سے نقل کیا گیا ہے کہ جادنی زید اللہم

والعائل میں العائل تابع ہے کہ اس کے بعد

متبوع کے درمیان حرف عشو میں سے ایک

حرف ہے امد یہ بظاہر تو معطوف ہے مگر علی

وجہ التحقیق معطوف نہیں اس لئے کہ اس حرف

عطف کا حذف کرنا جائز ہے پس اگر یہ معطوف

ہوتا حقیقۃً تو حذف حرف عطف جائز نہ ہوتا

پس یہ باوجود حرف عطف کے اپنی حالت و صفیۃ

پر باقی رہتے ہوئے وصف ہے اور موصوف

وصفتہ کے درمیان دخول عاطفہ اس لئے

مستحسن ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں

المعطوف علیہ و آخرها کو تھا معطوفاً علی الصفة المتقدمة تابعة لها و یصدق علی

هذه الصفة من جہتها الاولى انها تابعة لانها صفة لزيد بتوسط بيتها و بین

زيد حرف العطف لان توسط حرف العطف بین شيان لا يلزم ان يكون العطف

الثاني علی الاول فلولہ یکن قولہ مقصوداً بالنسبة مع متبوعہ لدخول هذه الصفة

من جہتها الاولى فی حد المعطوف وھی من هذه الجهة ليست معطوفة قلم یبقی

مانعاً وقیل قد جوز الزمخشري وقوع الواو بین الموصوف والصفة لتأكيد اللصوق

فی مواضع عديدة من الکشاف وحکم المصنف فی شرح المفصل فی مباحث الاستثناء

ان قوله تعالى ولها منذرون فی قوله وما اهلکنا من قریۃ الا ولها منذرون

صفة لقریۃ فلو انکفی بقوله تابع بتوسط لدخول فیہ مثل هذه الصفة ونقل

علیہ (صفت اولی) کی تبعیت سے زید کا تابع ہونا اور ان دو میں سے جہت دیگر اس صفت

کا صفت متقدمہ (اولی) پر معطوف اور اس صفت کا تابع ہونا اور اس صفت پر جہت

اولی سے یہ بات صادق آتی ہے کہ یہ تابع ہے کیونکہ یہ زید کے لئے صفت ہے اس کے اور

زید کے درمیان حرف عطف ہے کیونکہ دو چیزوں کے درمیان حرف عطف اس بات کو

مستلزم نہیں کہ تالی کا اول پر عطف ہو پس اگر مصنف کا قول مقصوداً بالنسبة مع متبوعہ

نہ ہوتا تو یہ صفت اپنی جہت اولی معطوف کی حد میں داخل ہوتی حالانکہ یہ صفت اس جہت

(اولی) سے (قصد وارادہ میں) معطوفہ نہیں (بلکہ یہ صفت اولی کی طرح صفت ہے) پس حد

مانع (از دخول غیر) باقی نہ رہتی کہ حد کا محدود کے بغیر صدق لازم آتا رہا یہ سوال کہ کیا صفت

کے درمیان حرف کا دخول جائز ہے اور کیا علمائے نحویں بھی اس کی تاکید کی ہے؟ تو کہا گیا ہے

کہ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف کے اندر متعدد مقامات میں موصوف اور صفت کے

درمیان تاکید اتصال کے لئے واو کے وقوع کو جائز قرار دیا مثلاً قرآن مجید میں ویقولون

سبعة وثامنہم کلہم جملہ اسمیہ یعنی ثامنہم سبعة کی صفت ہے تو اس پر واد تاکید اتصال کے

لئے داخل ہوئی ہے اور مصنف نے شرح مفصل کے اندر استثناء کے مباحث میں اللہ

تعالیٰ کے قول وما اهلکنا من قریۃ الا ولها منذرون میں لها منذرون کو قریۃ کیلئے صفت

قرار دیا پس اگر مصنف اپنے قول تابع بتوسط پر اکتفا کرتے تو اس (معطوف کی تعریف)

مع الشخص کے ہیں اور عاقل کے معنی ذات

مستفہ بالعقل کے مگر چونکہ ذات مستفہ با عقل

میں یہ احتمال ہے کہ وہ ذات زید ہو لہذا عاقل

کو اس کے مناسب کر دیا گیا جیسا کہ معطوف و

معطوف علیہ میں باوجود مغایرت کے برہم آخر

مغایرت ہونے کے سبب ہے موصوف و صفت

ان کے مشابہ ہیں کیونکہ صفت اور موصوف کے

درمیان بھی تغایر ہوتا ہے، لفظاً بھی اور معنی بھی

لفظاً تو اس طرح کہ عاقل لفظ زید کے مغایر ہے

اور معنی اس طرح کہ زید کے معنی میدان نا طعن

عن الحنف انہ قال فی امالی الکافیۃ ان العاقل فی مثل جاء فی زید العالم والعاقل تابع یتوسط بینہ و بین متبوعا احد الحروف العشرة و لیس بعطف علی تحقیق و انما هو باقی علی ما کان علیہ فی الوصفیۃ و انما حسن دخول العاطف لنوع من الشبه بالمعطوف لما ینہما من التماثل و لو حد العطف کث لدخل فیہ بعض الصفات مع انہ لیس بمعطوف و قال بعضهم فیہ نظر لان الحروف المتوسطة بینہما عاطفة لدلالۃ تافہا علی ما تدل علیہ فی غیرہما من الجمع والترتیب و غیر ذلک ففی جعلہا غیر عاطفة فی الصفات و عاطفة فی غیرہا ارتکاب امر یجیب من غیر ضرورة داعیۃ الیہ و اذا عطف علی ضمیر المرفوع لا المنصوب و المجرور المتصل

میں اس جیسی صفت داخل ہو جاتی اور مصنف سے منقول ہے کہ انہوں نے امالی کا فیہ (میں کہا ہے کہ جاء فی زید العالم والعاقل کے مثل میں العاقل تابع ہے کہ اس کے اور اس کے قبوع کے درمیان دس حروف (عطف) میں سے ایک حرف آیا ہے حالانکہ بنا بر تحقیق یہ عطف نہیں ہے اور یہ تو اسی وصیت پر باقی ہے جس پر پہلے تھا و آں بودن اوست تا بیکہ دلالت کند بر معنی کہ در قبوع است مطلقا) اور (صفت پر) حرف عطف کا دخول اس لئے غریب ہے کہ صفت ایک طرح سے معطوف کے مشابہ ہے کیونکہ دونوں میں تغایر ہے (لفظا و معنی) لفظا تو ظاہر اور معنی یوں کہ زید حیوان مطلق مع الشخص ہے اور عالم یا عاقل ذات متصف بہ علم یا عقل ہے مگر حسب اس ذات میں احتمال تھا کہ وہ زید کی ذات ہو تو عاقل یا عالم اس کے مناسب ہوا جیسے معطوف و معطوف علیہ میں لفظا و معنی تغایر ہوتا ہے اور من وجہ مناسبت اور اس مناسبت سے اس پر حرف عطف داخل ہوا) پس اگر عطف کی اس طرح تعریف کی جاتی (تابع یتوسط بینہ و بین متبوعا احد الحروف العشرة) تو اس میں بعض صفات داخل ہو جاتی مع آنکہ وہ معطوف نہیں (تو حد مالم از دخول غیر نہ ہوگی) بعض نے کہا کہ اس قول میں (کہ لو اکتفی فی تعریف العطف بقولہ العطف تابع یتوسط بینہ و بین متبوعا احد الحروف العشرة اور تابع مقصود بالنسبة مع قبوع نہ کہتے تو اس میں صفات داخل ہو جاتی جن کے درمیان حرف عطف ہے) نظر ہے کیونکہ صفات کے درمیان کے حروف عاطفہ ہیں اس لئے کہ صفات میں (واقع ہوئے والے) حروف اسی چیز پر دلالت کرتے ہیں جس پر غیر صفات میں دلالت کرتے ہیں یعنی جمع (پر جیسے وافی) اور ترتیب (پر جیسے فام) وغیرہ (پر جیسے ثم تراثی) برانہوں حروف کے صفات میں غیر عاطفہ اور غیر صفات میں عاطفہ قرار دینے میں بغیر اس کے کہ اس کی طرف کوئی ضرورت داعی ہو امر بعید کا ارتکاب ہے اور امر بعید معنی مجازی ہے (کیونکہ حروف عطف کا تاکید لصوق و اتصال کے لئے ہونا مجاز ہے حقیقت نہیں ہلا اور جب) ضمیر (مرفوع) نہ کہ منصوب و مجرور (متصل) میں اس کی عطف کی تعریف تابع یتوسط بینہ و بین متبوعا احد الحروف العشرة اور اس کی مناسبت کی وجہ سے اس پر حرف عطف داخل ہوتا ہے۔

بعض صفات داخل ہو جاتی والشد علم ۱۲۔
۱۷۷ قولہ وقال بعضهم الخ یہ جواب مذکور پر اعتراض ہے مستتر من کہتا ہے کہ یہ جواب محل نظر ہے اس لئے کہ صفات کے درمیان حروف متوسط عاطفہ ہیں کیونکہ یہ حروف جس طرح غیر صفت یعنی معطوف و معطوف علیہ میں جمع و ترتیب وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح صفات میں بھی جمع و ترتیب وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں پس ان حروف کو صفات میں غیر عاطفہ اور غیر صفات میں عاطفہ قرار دینا بلا ضرورت داعیہ امر بعید کا ارتکاب کرنا ہے یعنی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کر لینا ہے یا جو دیگر حقیقت اختیار کی جاسکتی ہے جواب یہ ہے کہ اس صفت کو معطوف قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ یہ مقصود بالنسبتہ نہیں ہوتی جیسا کہ موصوف مقصود بالنسبتہ ہوتا ہے بخلاف معطوف کے کہ وہ اپنے معطوف علیہ کی طرح مقصود بالنسبتہ ہوتا ہے لہذا ان دونوں کے درمیان حروف متوسط کو عاطفہ قرار دیں گے، والشد علم ۱۲۔

۱۷۸ قولہ ماد اذا عطف الخ یعنی جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے گا خواہ وہ ضمیر متصل مرفوع بار نہ ہو یا مستتر منصوب و مجرور اور منفصل نہ ہو تو بوقت عطف اولاً ضمیر مرفوع متصل کے ساتھ تاکید لائی جائے گی پھر اس تاکید پر عطف کیا جائے گا، اور یہ اس لئے کہ ضمیر متصل مرفوع جس فعل سے یہ ملی ہوئی ہے اس کے جزو کی مانند ہے لفظا بھی اور معنی بھی لفظا تو اس حیثیت سے کہ یہ اس سے اس طرح ملی ہوئی ہے کہ اس کا انفصال فعل سے جائز نہیں اس لئے کہ ضمیر میں اصل اتصال ہے اور معنی اس حیثیت سے کہ یہ فاعل ہے اور فاعل فعل کے جزو کی مانند ہوتا ہے پس اگر بلا تاکید کے اس پر عطف کر دیا جائے تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ کلمہ کے بعض حروف پر عطف کر دیا جائے گا اور یہ ناجائز ہے پس اولاً اس کی تاکید منفصل کے

پس اگر عطف کی تعریف تابع یتوسط بینہ و بین متبوعا احد الحروف العشرة اور اس کی مناسبت کی وجہ سے اس پر حرف عطف داخل ہوتا ہے۔

مناسبت ہوتی ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے اس پر حرف عطف داخل ہوتا ہے۔

ساتھ لائن گئے اس لئے کہ اس تاکید سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ ضمیر متصل اگرچہ فعل کے جزو کی مانند ہے مگر من حیثیۃ الحقیقۃ منفصل اور مستقل کلمہ ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بوقت تاکید اس کو اپنے فعل سے منفصل کر کے علیحدہ لاتے ہیں پس اس ضمیر متصل متصل بال تاکید کو ایک قسم کا استقلال حاصل ہو جائے گا پس جس طرح اسم ظاہر پر عطف کرنا حسن ہوتا ہے اسی طرح اس پر عطف کرنا حسن ہوگا واللہ اعلم۔

قوله ولا يجوز ان يبنى یہ بات جائز نہیں کہ اس تاکید پر عطف کیا جائے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ معطوف علیہ کی طرح معطوف بھی تاکید ہو، اور یہ باطل ہے پس عطف در حقیقت ضمیر مرفوع متصل ہی پر ہوگا اور تاکید اس کے لئے واسطہ ہوگی واللہ اعلم۔

قوله وان كان الخ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ متن میں مرفوع متصل کی تید استرازی ہے پس اگر ضمیر مرفوع متصل نہ ہو منفصل ہو جیسے ماضرب الا انت وزید قویہ ضمیر لفظاً فعل کے جزو کی مانند نہیں ہوگی کیونکہ یہ فعل سے جدا ہے، اور ایسے ہی اگر متصل منصوب ہو جیسے ضربتک ذہبیداً تو یہ معنی فعل کے جزو کی مانند نہیں ہوگی اس لئے کہ فعل اپنے فاعل پر تمام ہو جاتا ہے، اور مفعول بطور فضیہ کے رہ جاتا ہے پس ان پر عطف کرتے وقت ان کی تاکید منفصل لانے کی ضرورت نہیں

واللہ اعلم۔
قوله مثل ضربت الخ یہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کی مثال ہے کہ یہاں زید اور غلامہ کا عطف کرنے کے لئے انا اور ہو ضمیر منفصل لائی گئی ہے واللہ اعلم۔

قوله الا ان يقع الخ یعنی جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فعل واقع ہو جائے تو تاکید کا ترک کر دینا جائز ہے

بارزاً کان او مستترا لا المنفصل أكد بمنفصل اولاً ثم عطف عليه وذلك لان المتصل المرفوع كالجزء مما اتصل به لفظاً من حيث انه متصل لا يجوز انفصاله ومعنى من حيث انه قاعل والفاعل كالجزء من الفعل فلو عطف عليه بلا تأكيد كان كما لو عطف على بعض حروف الكلمة فأكداً ولا بمنفصل لانه بذلك يظهر ان ذلك المتصل وان كان كالجزء منفصل من حيث الحقيقة بدليل جواز افراده مما اتصل به بتأكيد فيحصل له نوع استقلال ولا يجوز ان يكون المعطف على هذا التأكيد لان المعطوف في حكم المعطوف عليه فكان يلزم ان يكون هذا المعطوف ايضاً تأكيداً وهو باطل وان كان الضمير منفصلاً نحو ماضرب الا انت وزيد لم يكن كالجزء لفظاً وكذا ان كان متصلاً منصوباً نحو ضربتک وزید لم يكن كالجزء معنی فلا حاجة فيهما الى التأكيد بمنفصل مثل ضربت انا وزید و ضرب هو وغلامه الا ان يقع فصل بين الضمير المرفوع المتصل وبين ما عطف

بارزاً مستتر نہ کہ متصل (تو اس کی) (ضمیر) المنفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے گی « پہلے پھر اس پر عطف ڈالا جائے گا اور یہ اس لئے کہ متصل مرفوع جس کے ساتھ متصل ہے اس کی جزو کی مانند ہے لفظاً (بھی جزو کی مانند ہے) ہاں حیثیت کہ وہ متصل ہے اس کا انفصال جائز نہیں اور معنی میں (بھی جزو کی مانند ہے) ہاں حیثیت کہ وہ اس کا فاعل ہے اور فاعل فعل کی جزو کی طرح ہے تو اگر تاکید کے ضمیر اس پر عطف ڈالا جائے تو یہ ایسے ہو جائے گا جیسے اگر کلمہ کے بعض حروف پر عطف ڈالا جائے (جو تاجائز ہے) لہذا پہلے ضمیر منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لائی جائے گی کیونکہ اس (تاکید بال منفصل) سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ (ضمیر) متصل در فعل اگرچہ (بظاہر جس کے ساتھ متصل ہے اس کی) جزو کی مانند مگر حقیقت کی رو سے یہ اس دلیل منفصل ہے کہ (منفصل سے) مؤکد کر کے اسے اس فعل سے الگ کرنا جائز ہے جس کے ساتھ وہ متصل ہے پس اس کے لئے ایک طرح کی (قوة اور) استقلال حاصل ہو جائے اور یہ جائز نہیں کہ اس تاکید پر عطف ڈالا جائے (بلکہ ضروری ہے کہ عطف اس متصل پر ہو) کیونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ یہ معطوف بھی تاکید ہو حالانکہ یہ باطل ہے کہ تاکید عین مؤکد ہے والمعطوف يماير المعطوف لفظاً ومعنی كما سبق « محمد سرور قادری) اور اگر ضمیر مرفوع متصل ہو جیسے ماضرب الا انت وزید تو وہ لفظی طور پر جزو کی مانند نہ ہوگی (بلکہ صرف معنی ہوگی لہذا اس میں حاجت تاکید نہیں) اور اسی طرح اگر ضمیر مرفوع متصل منصوب ہو جیسے ضربتک وزید تو معنی کی رو سے وہ جزو کی مانند نہ ہوگی (بلکہ لفظ کی رو سے ہوگی) لہذا دونوں (یعنی ضمیر مرفوع متصل اور منصوب متصل) میں منفصل سے تاکید کی طرف حاجت نہیں ہے «جیسے ضربت انا وزید) اور نہ ماضرب ہو وغلامہ «مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے ضمیر مرفوع متصل اور اس کے

عليه فَيَجُوزُ تَرْكُ مَا يَتْرُكُ التَّكْيِيدُ لِأَنَّهُ قَدْ طَالَ الْكَلَامُ بِوُجُودِ الْفَصْلِ فَحَسَنَ
الِاخْتِصَارُ بِتَرْكِ التَّكْيِيدِ سِوَا وَكَانَ الْفَصْلُ قَبْلَ حَرْفِ الْعَطْفِ نَحْوُ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ
وَزَيْدًا وَبَعْدَهُ كَقَوْلِهِ تَعَالَى مَا اشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا فَإِنَّ الْمَعْطُوفَ هُوَ آبَاؤُنَا
وَلَا زَائِدَةٌ بَعْدَ حَرْفِ الْعَطْفِ لِتَكْيِيدِ النَّفْيِ وَإِنَّمَا قَالَ يَجُوزُ تَرْكُهُ فَإِنَّهُ قَدْ يُوَكَّدُ
بِالْمَنْفَعْلِ مَعَ الْفَصْلِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى فَكَيْبُكَوْافِيهَا هُمُ وَالْعَاوُنُ وَقَدْ لَا يُوَكَّدُ وَ
الْأَمْرَانِ مُتَسَاوِيَانِ هَذَا وَأَعْلَمُ أَنَّ مَذْهَبَ الْبَصَرِيِّينَ أَنَّ التَّكْيِيدَ بِالْمَنْفَعْلِ هُوَ الْأَوَّلَى
وَيَجُوزُ زَوْنُ الْعَطْفِ بِمَا يَكْبِدُ وَلَا فَصْلَ لَكِنْ عَلَى قِيَمٍ وَالْكَوْفِيُّونَ يَجُوزُ وَنَهْ بِمَا قَبْلِهِ
وَإِذَا عَطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ حَرْفًا كَانَ أَوَاسْمًا لَانِ

غوی بغوی سے گمراہ کو کہتے ہیں آیہ کا مطلب
یہ ہوا کہ جو لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں
گے وہ مرتبہ بعد مرتبہ منہ کے بل اوندھے کئے
جائیں گے حتیٰ کہ قعر دوزخ میں پہنچ جائیں گے
نمود بالشد منہا انتہی پس کبھی تو اس کی تاکید سے
آتے ہیں، اور کبھی نہیں لاتے دونوں امر متساوی
ہیں اس لئے مصنف نے مجوز کہا۔ بحسب نہیں
کہا واللہ اعلم۔

۵۲ قولہ واعلم الخ یعنی ضمیر مرفوع متصل
پر عطف کرنے کے بارے میں بصریین کا مذہب
یہ ہے کہ منفصل کے ساتھ تاکید لانا اولیٰ جاور
بلا تاکید اور فصل کے بھی عطف جائز ہے، مگر
شیخ ہے اس لئے کہ کلام فصیح میں اس طرح واقع
نہیں ہوا اور کو فین کے نزدیک بغیر تاکید اور فصل
کے عطف بلا شیخ جائز ہے اس لئے کہ یہ ضمیر اگرچہ
فعل کے جزو کی مانند ہے مگر مستقل کا ہے ہم ظاہر
کی طرح واللہ اعلم ۱۲۔

۵۳ قولہ اذا عطف الخ اور جب ضمیر
مجرور پر عطف کریں گے تو جار کا اعادہ ضروری
ہوگا خواہ جار حرف ہو یا اسم اس لئے کہ ضمیر مجرور
کا جار کے ساتھ التباس اس فاعل کے اتصال سے
بھی اشد ہے جو فعل سے متصل ہو اس لئے کہ فاعل
اگر ضمیر متصل نہ ہو تو فاعل تو ضمیر منفصل بھی لانا
جائز ہوتا ہے مگر مجرور اپنے جار سے جدا نہیں
ہو سکتا پس ضمیر مجرور پر عطف کر دہ ہوگا، اس
لئے کہ بعض صرف کلمہ پر عطف کی مانند ہو جائے
گا، اور مجرور کے لئے ضمیر منفصل ہوتی نہیں جیسا
کہ مضمرات میں معلوم ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ
کہ اس کے ساتھ اولاً تاکید لائی جائے، پھر اس پر
عطف کیا جائے جب کہ مرفوع متصل میں کہا گیا
اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ضمیر مرفوع کو اس کے
لئے مستعار لے سکیں اس لئے کہ اس کے لئے
مرفوع کو مستعار لینے میں مذلتہ یہی ہے، اور
مرفوع و مجرور میں التباس بھی لازم آتا ہے پس
معطوف پر اعادہ جار ضروری ہوا واللہ اعلم۔

در میان کہ جس پر عطف ڈالا (تو اس کا) یعنی تاکید کا (ترک جائز ہے) کیونکہ فصل کے وجود
سے کلام طویل ہو گیا لہذا تاکید کا ترک کر کے اختصار اچھا ہے خواہ فصل حرف عطف سے قبل
ہو و جیسے ضربت الیوم و زید) یا حرف عطف کے بعد ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے (حکایۃ عن
الکفار ما اشترکنا ولا آباءنا پس تفصیل ہے کہ) معطوف آباءنا ہی ہے اور (حرف) لاحرف
عطف کے بعد تاکید نفی کے لئے زائد ہے اور مصنف نے (بحسب کی بجائے) مجوز ترک کہا تو (اس
کی وجہ یہ ہے کہ) کبھی فصل کے باوجود منفصل سے تاکید لائی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے
فکبکبوا فیہا ہم والعاوون اور کبھی تاکید نہیں لائی جاتی (بلکہ فصل پر اکتفاء کیا جاتا ہے فاستقم
لکما امرت ومن تاب حکم اور سبصلی نار اذات لب و امرت) اور دونوں باتیں متساوی
(برابر) ہیں (اس لئے مجوز ترک کہا) اس (نکتہ) کوئے لو اور معلوم ہو کہ بصریین کا مذہب یہ
ہے کہ (عدم فصل کی صورت میں) تاکید بالمتفصل ہی اولیٰ ہے اور بصریین تاکید اور فصل کے
بغیر عطف کو جائز قرار دیتے ہیں مگر قیامت پر (یعنی تصور کرتے ہیں) اور کو فین بلا قیامت اسے جائز
قرار دیتے ہیں (اور جب ضمیر مجرور پر عطف ڈالا جائے تو جار کا اعادہ کیا جائے گا) (جار) خواہ حرف

متصل کی تاکید سے آتے ہیں جیسے قول باری
تعالیٰ فکبکبوا فیہا ہم والعاوون
کہ اس میں العاوون کا عطف کبکبوا کی ضمیر مرفوع
متصل پر ہے اور فیہا اس میں فاعل ہے مگر
اس کے باوجود ہم کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل
کی تاکید لائی گئی ہے (فائدہ) کہ کث کے
معنی اوندھا کر دینے کے آتے ہیں اور کبکبہ کے
بلد بار اوندھا کرنا کیونکہ تکرار لفظ تکرار معنی پر
دلالت کرتا ہے ہا ضمیر جہنم کی طرف راجع
ہے اور ہم کی معبودان باطن کی طرف اور عاوون

اس لئے کہ اگر تاکید لائی جائے گی تو فصل کی وجہ
سے کلام طویل ہو جائے گا پس ترک تاکید کے
ساتھ اختصار اچھا ہے پھر فصل میں تمیم ہے کہ
یہ حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم
فزیل یا بعد میں جیسے قولہ تعالیٰ ما اشترکنا ولا آباءنا
کہ اس میں معطوف آباءنا ہے اصل حرف عطف
کے بعد تاکید نفی کے لئے زائد ہے اسبہی
یہ بات کہ مصنف نے ترک کو جائز کیوں قرار
دیا صاحب کہیں نہیں کہتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ
باوجود فصل کے کبھی منفصل کے ساتھ ضمیر مرفوع

۵۵۵ قولہ دلا یتغیٰ الخیر ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ محدود مذکور یعنی کلمہ کے بعض حروف پر عطف کی بناء پر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ جار مجرور کے درمیان فصل پر اکتفا کر لیں جیسا کہ مرفوع متصل میں کیا جاتا ہے کہ جس کو مصنف نے الا ان يقع فصل فجوز ترکہ سے بیان کیا ہے حاصل یہ ہو اگر جار و مجرور کے درمیان فصل واقع ہو جائے اور پھر اس ضمیر مجرور پر عطف کر دیا جائے جواب یہ دیا کہ اس جگہ فصل پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ فعل میں فصل اس وجہ سے تھا کہ متصل کے ساتھ تاکید کو ترک کر دیا جائے یعنی جب ضمیر مرفوع متصل اور مملوٹ کے درمیان فصل آجائے تو اس قدر پر ترک متصل جائز تھا اور اس جگہ چونکہ تاکید بالمتصل موجود نہیں اس لئے کہ مجرور میں متصل کا وجود نہیں تو اس وقت فعل کے لئے کسی اثر کا تصور نہیں کیا جاسکتا یعنی جواز ترک تاکید بالمتصل کا اس جگہ کوئی اثر نہیں پس فصل پر اکتفا نہیں کر سکتے سوائے اس کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی کہ عامل اول کا مملوٹ پر اعادہ کر دیا جائے خواہ وہ عامل حرف ہو یا ہم صفات والشد اعلم۔

۵۵۶ قولہ نحو مروت الخیر مجرور پر عطف کی صورت میں اعادہ حرف جاہل کی مثل ہے کہ اس میں زید کا عطف کس کے اور پر ہو رہا ہے ماد المال یعنی زمین زید بصورت عطف کی ضمیر اعادہ اسم صفات کی مثال ہیں اس میں مملوٹ فقط مجرور یعنی نید ہے اور عامل مکرر ہے اور اس کا جرم عامل اول کی وجہ سے ہے اور عامل ثانی معنی کا عدم ہے اس لئے کہ معنی اور عمل میں اس کی کوئی احتیاج نہیں کیونکہ اس کو صرف محض عطف کے لئے لایا گیا ہے اگرچہ لفظ احتیاج ہے کہ اس کے بغیر عطف جائز نہیں پس معنی یہاں لے کر عدم ہے کہ لفظ بین سوائے متعدد کے اور کسی شے کی طوٹ صفات نہیں

اتصال الضمیر المجرور بجارۃ اشد من اتصال الفاعل المتصل بالفعل لان الفاعل ان لم یکن ضمیرا متصلا جاز انفصالہ والمجرور لا ینفصل من جارۃ فکرة العطف علیہ اذ یكون كالعطف علی بعض حروف الکلمة ولس للمجرور ضمیر منفصل کما یجی فی المضمرات حتی یؤکد بہ اولاً ثم یعطف علیہ کما عمل فی المرفوع المتصل فی استعارة المرفوع لمذاتہ ولا یتغیٰ بالفعل لان الفصل لا یتأثر لاسلافی جواز ترک التأكيد بالمتصل للاختصار فحیث لا یکن التأكيد بالمتصل لحد لا یتصور لکیف یتغیٰ بفلو یبقی الا اعادۃ العامل الاول نحو مروت یت ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

ہو یا اسم کیونکہ ضمیر مجرور کا اپنے جار ساتھ اتصال اس قائل کے اتصال سے اشد ہے فعل (یا شبہ فعل) کے ساتھ متصل ہے کیونکہ قائل اگر ضمیر متصل نہ ہو (خواہ قائل اسم ظاہر ہو یا ضمیر متصل) تو اس کا انفصال جار سے جار اپنے جار سے متصل نہیں ہوتا بلکہ ضمیر مجرور پر (بلا اعادہ خافض) عطف کر دیا ہے کیونکہ یہ (عطف بلا اعادہ جار) کلمہ کے بعض حروف پر عطف کی مانند ہے اور مجرور کیلئے ضمیر متصل ہے ہی نہیں کیونکہ اس کے لئے صرف ضمیر متصل ہے جیسا کہ عنقریب مضممرات کے بیان میں آئے گا یہاں تک کہ ضمیر متصل سے علاوہ اسے مؤکد کیا جائے کہ عطف ڈالا جائے جیسا کہ مرفوع متصل میں عمل کیا گیا اور اس مجرور متصل کے لئے مرفوع (متصل) کو مستعار لیے میں مرفوع کی دلت ہے کہ اس میں قوی کا ادنیٰ کی جگہ کمر کر لازم آتا ہے رہیوں کہ جب عدم متصل کی وجہ سے تاکید بالمتصل ممکن نہ رہی تو فصل پر اکتفا کر کے بلا اعادہ خافض اس پر عطف ڈالا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ فصل پر اکتفا نہیں کیا جائے گا کیونکہ اختصار کی غرض سے تاکید بالمتصل کے ترک کے جواز میں ہی فصل کی تاثیر تھی تو جہاں عدم وجود متصل کی وجہ سے تاکید بالمتصل ممکن نہ رہی تو فصل کا کوئی اثر متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ فصل تاکید بالمتصل کا خلیفہ عام و حاصل ہے جب اصل عدم الوجود ہونے کی وجہ سے ممکن نہ رہا تو خلیفہ کا عدم جواز بطریق ادنیٰ ہوا ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

ہو سکتا پس مناسب یہ تھا کہ اللہ بینا کا جانا تاکہ اس کا صفات الیہ متعدد ہو جاتا لیکن چونکہ اسی جگہ شرکا کو طیبہ طیبہ ظاہر کرنا مقصود ہے اس لئے اولاً تو شرکا کو طیبہ کیا اور پھر چونکہ طیبہ کی وجہ سے اس کے صفات الیہ کا تصور قائم ہو جاتا ہے اس لئے اس کی کو لپڑا کرنے کے لئے کہ لفظ بین لائے تاکہ اس کے تکرار سے مملوٹ و مملوٹ طیبہ بمنزلہ متعدد کے بھی ہو جائیں مادہ مذکور کے کمال امتیاز و افتراق پر دلیل ہی قائم ہو جائے اور بعض سنیہ بھی کہ ہے کہ زید کا جرم مال ثانی کی وجہ سے ہے جیسا کہ کئی بالہ میں بآرٹ نامہ ہے مگر اس کی وجہ سے لفظ اللہ مجرور ہے پس اس صورت میں خافض اعلیٰ مملوٹ طیبہ و ذیل سے تعلق رکھے گا اور خافض ثانی زائد ہوگا مگر مملوٹ طیبہ پر ثانی ہی کی وجہ سے ہوگا واللہ اعلم

فالمطوف هو المجرور والعامل مكرر وجوه بالاول والثاني كالعدم معنی بدلیل قولهم
بيني وبينك اذ بين لا يضاف الا الى المتعدد وقيل جوه بالثاني كما في الحرف الزائد
في كفى بالله وهذا الذي ذكرناه اعني لزوم اعادة الجار في حال السعة والاختيار
مذهب البصريين ويجوز عندهم تركها اضطرابا واجاز الكوفيون ترك الاعادة
في حال السعة مستدلين بالاستعار فان قيل كيف جاز تأكيد الموقوف المتصل في
خوجاء وفي كلم والابدال منه نحو اعجتني جمالك من غير شرط تقدم التأكيد بالمفصل
وجاز ايضا تأكيد ضمير المجرور في نحو مرت بك نفسك والابدال منه نحو
عجبت بك جمالك من غير اعادة الجار ولو يجز العطف في الاول الابدال للتأكيد
بالمفصل وفي الثاني لا مع اعادة الجار قلنا التأكيد عين المؤكد والابدال في الغلب

باني ره گیا وجیسے مرت تک و بزید اور المال مینی و بین زید پس مطوف تو مجرور ہی ہے اور
عائل مکرر ہے اور مطوف کی جر (عائل) اول کی وجہ سے ہے اور (عائل) ثانی معنی کی رو سے
بدلیل قول عرب مینی و بینک کلمہ م ہے کیونکہ میں (شی) متعد کی طرف ہی مضاف ہوا کرتا ہے
(ایسی شی) کی طرف جو قسمت کو قبول کرے کہ امور اضافیہ سے ہے مگر یہ ای وایہ وکلا وکلتا کی
طرح متعد کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے لہذا کہنا چاہئے قال المال بینا لیکن قائل نے اپنے شریک
کو جدا کر دیا اور نقطہ بین کو دوسری بار اس کی طرف مضاف کر دیا تاکہ اس سے کمال امتیاز و
افتراق پر ظاہر ہو جائے پس میں ثانی کا عطف یسے متکلم پر مقصور نہیں ہو سکتا کیونکہ بین
شی متعد کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے تو جب المال مینی و بین زید میں زید کی جر میں اول سے
ہوئی تو بین اول متعد مینی المال مینی و بین زید میں یسے متکلم و زید اور المال مینی و بینک میں یسے
حکم وک حیر مخاطب کی طرف مضاف ہوا اور اگر زید کی جر میں ثانی سے ہو تو بین متعد کی
طرف مضاف ہوا (مخوف م سر صفاوی) اور ایک قول یہ ہے کہ مطوف کی جر حرف ثانی
سے ہے جیسے وکفی بالشر کے اندر حرف زائد میں ہے (وکانی بحسب درم وکانی حل زید
بقائم و ما زید بقائم) اور جو ہم نے ذکر کیا یعنی لزوم اعلاہ جار سہ و اختیار کی حالت میں
بصری کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک مجرور اگر ترک اعلاہ جار جائز ہے اور کوفیوں نے
اشعار سے استدلال کرتے ہوئے سہ (بلا ضرورت) کی حالت میں ترک اعلاہ جار کو جائز
قرار دیا اور قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تساء لون بہ و لہد عام و لہم جوابات ۱۲
محمد سرور نقادی پیر اگر سوال کیا جائے کہ جادوی کلمہ کے شل میں ضمیر مرفوع خصل کی تاکید
اور اجتہاد جملک کے شل میں ضمیر مرفوع متصل (ات) سے ابدال بغیر شرط تقدم تاکید بالمفصل
کیونکہ جادوی اور نیز مرت تک نفسک کے مانند میں ضمیر مجرور کی تاکید اور اس سے ابدال جیسے
عجت تک جمالك اعلاہ جار جائز ہوا اور (حالا نکما لول) یعنی ضمیر مرفوع متصل میں عطف
المفصل کے ساتھ تاکید کے بعدی جائز ضمیر الود ثانی یعنی ضمیر مجرور میں اعلاہ جار کے ہی ہمراہ

۵۵۷ قولہ و هذا الذي الخ یعنی اعادہ
جار کے لزوم کے متعلق حالت وسعۃ کلام اور
اختیار میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ بصری کا
مذہب ہے اور بوقت ضرورت اضطراب
کی حالت میں ترک اعلاہ جار بھی کر سکتے ہیں اور
کوفیہیں وسعۃ یعنی نشر کلام میں بھی ترک اعلاہ
کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ اپنا استدلال
اشعار سے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب
اشعار میں ترک اعلاہ جار کر سکتے ہیں تو نشر کلام
میں کیوں نہیں کر سکتے واللہ اعلم ۱۲۔

۵۵۸ قولہ فان قيل الخ یہ اعتراض ضمیر
مرفوع متصل میں بوقت عطف تاکید کرنے پر
دارد ہوتا ہے حامل اس کا یہ ہے کہ مرفوع شل
سے تاکید و ابدال کے اور اس سے عطف کے
مابین کوئی فرق نہیں پس کیا وجہ ہے کہ عطف میں
تو اعلاہ منفصل ضروری ہو اور تاکید و ابدال میں
اعلاہ منفصل ضروری نہیں پس جادوی کلمہ میں
کلمہ سے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید اور اجتہاد جملک
میں جمالك کا تا را یعنی سے بدل قرار دیا جانا بغیر
شرط تقدم تاکید بالمفصل کے کیسے جائز ہے
اسی طرح ضمیر مجرور کی تاکید اور اس سے بلا اعلاہ
جار ابدال بھی جائز ہے جیسے مرت تک نفسک
میں نفسک تاکید ہے اور عجت تک جملک
میں جملک بدل پس اس کے جواز کی کیا وجہ ہے
اور اول صورت یعنی ضمیر مرفوع متصل میں عطف
بغیر تاکید منفصل اور ثانی میں بغیر اعلاہ جار کیوں
نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

۵۵۹ قولہ فان الخ جواب یہ ہے کہ تاکید
میں مرکب ہوتی ہے اور بدل اکثر یا تو کل متبع
ہوتا ہے یا بعض متبع یا اس کے متعلق جیسا کہ
بالترتیب بدل الكل بدل البعض بدل الاشتغال
بدل ما بدل الخط سو چونکہ وہ مادہ اور قلیل ہے
پس لہذا اس کا اپنے متبع کے متاخر ہونا کافی معبر
نہیں اس لئے کہ یہ نعمت کی وجہ سے مرتبہ
اختیار سے ماقط ہے بہت صرف غلبہ کے

اما کل المتبوع او بعضه او متعلقه والغلط قلیل نادراً فیما یسا باجنبین المتبوعین
ولا منفصلین عنه لعدم تخلل فاصل بینهما و بین متبوعهما فلا حاجة فی ربطهما
الی متبوعهما الی تحصیل مناسبة زائدة بخلاف العطف فان المعطوف یغایر
المعطوف علیه و یتخلل بینهما العاطف فلا بد فیہ من تحصیل مناسبة بینهما
بتأکید المتصل بالمنفصل فی المرفوع و باعادة الجار فی المجرور لیخرج المتصل المرفوع
عن صرافة الاتصال و یناسب المعطوف علیه بتأکیدہ بالمنفصل و قوی مناسبة
المجرور بانضمام الجار الیه کما فی المعطوف علیه و المعطوف فی حکم المعطوف
علیه فیما یجوز له و یمتنع من الاحوال العارضة له نظر الی ما قبله بشرط ان

(جار قرار پایا) ہم نے جواب دیا کہ تأکید عین مؤکد ہے (خواہ تأکید لفظی ہو یا معنوی لہذا یہاں جہت
ہی نہیں کہ تأکید بالمنفصل یا زیادة ارتباط کے لئے فصل کی حاجت ہو اور بدل اغلب میں یا تو
تبوع کا کل ہے (بدل الكل میں) یا اس کا بعض (بدل البعض میں) یا اس کا متعلق (بجز الام بدل
الاشتمال میں جیسے سلب زید ثوبہ یا العجینی زید علما) اور بدل الغلط قلیل اور کیاب ہے (اور قلیل
ساقط الاعتبار ہوتا ہے) کما یقول العلماء القلیل کا معدوم ۱۲ محمد سرور ہیں تأکید و ایدل اپنے متبوع
کے لئے اجنبی نہیں (تأکید لفظی تو عین مؤکد ہے لفظاً اور معنوی معنی اور بدل الكل تأکید معنوی
کی طرح عین مبدل منہ ہے اور بدل البعض مبدل منہ کا جزو اور بدل الاشتمال مبدل منہ کی
صفت) اور ہی یہ دونوں اپنے تبوع سے جدا ہیں کیونکہ ان دونوں کے اور ان کے تبوع کے
درمیان (حرف عطف کی طرح کا) کوئی فاصل واقع نہیں ہے تو ان دونوں کو ان کے تبوع
کی طرف مربوط کرنے میں کسی مناسبت زائد کی تحصیل کی کوئی حاجت نہیں و عطف کے برعکس
کہ معطوف، معطوف علیہ کا متغایر (واجبی) ہے دونوں کے درمیان عاطف واقع ہے لہذا اس
میں مرفوع کے اندر متصل کی منفصل سے تأکید اور مجرور کے اندر جار کا اعادہ کر کے دونوں کے درمیان
مناسبت (زائدہ) کی تحصیل ضروری ہے تاکہ متصل مرفوع صرافت (بجز صا) بمعنی محض اتصال
بے خارج ہو اور منفصل کے ساتھ اس کی تأکید لانے کی وجہ سے وہ اس کے مناسب بن جائے جس
کا اس پر عطف ڈالا گیا (المعطوف علیہ میں ضمیر مجرور ال موصول کی طرف نہیں لوٹ رہی بلکہ
مؤکدہ بمنفصل کی طرف لوٹتی ہے) اور (تاکہ) مجرور (ثانی) کے ساتھ جار کے ملانے سے (اس
کی مجرور اول کے ساتھ) مناسبت قوی ہو جائے جیسا کہ معطوف علیہ میں «اور معطوف معطوف
علیہ کے حکم میں ہوتا ہے» ان امور میں جو معطوف علیہ کے لئے جائز ہیں اور ناجائز ہیں (اب
حرف من لا کر فیما کے ماہم کا بیان کرے ہیں اس لئے اس کا معنی کریں گے، یعنی (معطوف ان)
احوال (میں) جو معطوف علیہ کو اس کے ماقبل (یعنی عامل) کی طرف نظر کرتے ہوئے عارض ہوتا

اعتبار ہے جسے پس تأکید اور بدل لینے تبوع کے
لئے اجنبی نہیں ہوں گے، اور نہ اس سے منفصل
ہوں گے اس لئے کہ تأکید و بدل اور دونوں
کے تبوع کے درمیان کوئی فاصلہ متخلل نہیں ہوتا
جیسا کہ عطف میں حرف عطف فاصل ہو جاتا ہے
پس دونوں کو اپنے تبوع سے ربط دینے کے
لئے کسی مناسبت زائدہ کے حصول کی ضرورت
نہیں ہوگی بخلاف عطف کے کہ معطوف
معطوف علیہ کے متغایر ہوتا ہے، اور دونوں
کے درمیان حرف عطف متخلل ہوتا ہے پس
معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت پیدا کرنے
کے لئے ضروری ہو کہ مرفوع میں متصل کی تأکید
منفصل سے ملائی جائے، اور مجرور میں اعادہ جار
کیا جائے تاکہ متصل مرفوع اتصال محض سے
نکل کر متصل سے مؤکد ہو کر معطوف علیہ کے
مناسب ہو جائے، اور معطوف میں مجرور کی مناسبت
انضمام جار کی وجہ سے قوی ہو جائے جیسا کہ معطوف
علیہ میں جار کی موجودگی سے مجرور کی مناسبت باقتبا
تحقیق اور وقوع کے قوی ہے واللہ اعلم۔

قوله والمعطوف الخ یعنی معطوف معطوف
علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور یہ حکم اس اعتبار سے
ہے کہ ماقبل کے احوال عارضہ پر نظر کرتے ہوئے
معطوف علیہ کے لئے جو چیز جائز ہوتی ہے،
وہ معطوف کے واسطے بھی جائز ہوتی ہے
اور معطوف علیہ کے لئے جو چیز ممتنع ہوتی
ہے وہ معطوف کے لئے بھی ممتنع ہوتی ہے،
مثلاً جانی زید و عمر و میں زید کو جار کا فاعل ہونے
کی وجہ سے رفع جائز ہے، اور نصب ممتنع
تو عمر و کو بھی رفع جائز اور نصب ممتنع ہوگا
پس یہ جواز و امتناع ماقبل یعنی جار کے عارض
وجہ سے ہوا پھر اس میں ایک شرط یہ بھی ہے
کہ جو مقتضی احوال اعراب وغیرہ معطوف
علیہ بھی ہے وہ معطوف میں ممتنع نہ ہو ورنہ
معطوف اس اعتبار سے معطوف علیہ کے
حکم میں نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

لا يكون ما يقتضيها منتفياً في المعطوف وإنما قلنا من الأحوال العارضة له نظراً
إلى ما قبله احترازاً عن الأحوال العارضة له من حيث نفسه كالاعراب والبناء
والتعريف والتشكيك والافراد والتثنية والجمع فإن المعطوف فيها ليس في حكم
المعطوف عليه وإنما قلنا بشرط أن لا يكون ما يقتضيها منتفياً في المعطوف
احترازاً عن مثل قولنا يارب الرجل والحارث فإن الحارث معطوف على الرجل وليس
في حكمه من حيث تجرده عن اللام فإن ما يقتضي تجرده عن اللام هو اجتماع
اللام وحرف النداء وهو مفقود في المعطوف وأما نحو رب شاة ومخلّة فابتقت
التشكيك بقصد عدم التبيين أي رب شاة ومخلّة لها أو محمول على نكارة الضمير كونه

ہیں (معطوف علیہ کے حکم میں ہے) بشرطیکہ ان احوال کا (کہ معطوف علیہ کو عارض ہوں) مقتضی
معطوف میں منتفی نہ ہو اور یہ جو ہم نے من الأحوال العارضة له نظراً الی ما قبلہ کہا ہے ان احوال
سے احتراز کی وجہ سے (کہا ہے) کہ معطوف علیہ کو من حيث الذات عارض ہوتے ہیں جیسے
اعراب و بنا و تعریف و تشکیک و افراد و تثنیہ و جمع کیونکہ ان احوال میں معطوف، معطوف علیہ
کے حکم میں نہیں آتے جو ہم نے بشرط ان لا يكون ما يقتضيها منتفياً في المعطوف کہا ہمارے قول
یاد جل والحارث کے مثل سے احتراز کی وجہ سے (کہا ہے) کہ الحارث رجل پر معطوف ہے حالانکہ
وہ مجرد عن اللام ہونے کی حیثیت سے اس کے حکم میں نہیں کیونکہ جو چیز رجل کے لام سے مجرد
ہونے کی مقتضی تھی وہ لام تعریف و حرف نداء کا اجتماع ہے اور یہ معطوف میں مفقود ہے اور
بہر صورت شاة و مخلّتا اسخلة سین کی فتح اور غا و جھ کی سکون سے ضمیر بکری کا بچہ جو چار
مادہ تک کا ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم تبيين کے قصد کی وجہ سے تقدیر تشکیک کے ساتھ
دمول ہے یعنی رب شاة و مخلّتا (اگرچہ ضمیر معرفہ ہے اور جو اس کی طرف مضاف ہو وہ بھی
معرفہ ہو جاتا ہے مگر یہاں مغلطہ معینہ کا قصد نہیں کیا گیا اور اضافت مضاف الیہ کے معرفہ ہونے
کے باوجود اس وقت تعریف کا فائدہ دیتی ہے جب عہد خارجی کے لئے ہو اور اگر اضافت عہد کی
بجائے جنس کے لئے ہو تو وہ منید تعریف مضاف نہیں ہوتی کما سبق فیامراً یا ضمیر (مضاف الیہ) کی
نکارت پر محمول ہے (یعنی ضمیر اگرچہ شاة کی طرف نوحی ہے تاہم معرفہ نہیں ہے کہ مرجع معرفہ نہیں) جیسے

سَلَحَ قَوْلُهُ وَإِنَّمَا تَلَا الْحَرَابَ بَدِيَّاتٍ
کہ شارع نے من الأحوال العارضة له الزکیہ
کہا! تو اس کی وجہ شارع یہ بتاتے ہیں کہ
اس سے معطوف علیہ کے وہ احوال عارضہ
خارج کرنے مقصود ہیں جو من حيث النفس اس
کو عارض ہوتے ہیں مثلاً اعراب و بنا و تعریف

و تشکیک و افراد و تثنیہ و جمع اس لئے کہ ان مذکورات
میں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوتا
اور بشرط ان لا يكون الخ کی قید اس لئے لگائی
کہ اس سے یا رجل و الحارث کو خارج کرنا
مقصود ہے اس لئے کہ عارضہ رجل پر معطوف
ہے لیکن اس کے حکم میں نہیں کیونکہ رجل پر

الف لام نہیں اور الحارث پر موجود ہے اس
لئے کہ مقتضی تجرود عن اللام جو کہ معطوف علیہ
میں موجود ہے کہ الف لام اور حرف نداء ایک
جگہ جمع نہیں ہو سکتے وہ معطوف میں مفقود
ہے پس اس پر الف لام آئے گا والشد علم۔
سَلَحَ قَوْلُهُ وَإِنَّمَا تَلَا الْحَرَابَ اگر کوئی کہے
کہ رب شاة و مخلّتا میں کیا کہو گے کہ اس میں
مخلّتا کا عطف شاة پر ہے باوجودیکہ اس میں
شرط عطف منتفی ہے اس لئے کہ معطوف
علیہ کا مقتضی حال عارض با مقارنہ ما قبل کے
معطوف میں منتفی ہے اس لئے کہ رب اس امر
کا مقتضی ہے کہ اس کا مدخول نکرہ ہو بیساکہ شاة
نکرہ ہے حالانکہ مخلّتا جو کہ بواسطہ عطف اس
کا مدخول ہے نکرہ نہیں بلکہ ضمیر کی طرف اضافت
کے باعث معرفہ ہے اس کے شارع نے تین جوابات
دیئے اول تو یہ ہے کہ مخلّتا میں تشکیک فرض کی جائے
اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے عدم تبيين
مقصود ہو یا یہ طور کہ اس کی اضافت ضمیر کی طرف
عہد خارجی کے لئے قرار دی جائے اگرچہ ضمیر سی
شاة مذکورہ کی طرف مارجع ہے پس اس صورت
میں اس کا مطلب رب شاة و مخلّتا کہا ہوگا کہ
لا علی التبعین کوئی سی بکری اور کوئی سا اس کا بچہ
پس اس وقت مخلّتا میں تشکیک آجائے گی، دوسرا
جواب یہ ہے کہ رتہ، رجلا کی طرح مخلّتا کو
نکارت ضمیر پر محمول کیا جائے یا یہ طور کہ ضمیر سے
نکارت کی طرف اشارہ کیا جائے یعنی مخلّتا
کی ضمیر شاة مذکورہ کی طرف مارجع نہ ہو بلکہ شاة
مطلقہ کی طرف عائد ہو پس رب شاة و مخلّتا
کا مطلب رب شاة و مخلّتا شاة کا ہوگا یعنی
کوئی سی بکری کا بچہ پھر یہ حل بطور شد و ذ
کے ہوگا اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ضمیر سے بعینہ
سابق مراد لیا جاتا ہے والشد علم و علمہ اتم و احکم۔

۳۱۳ قولہ ذکر المعطوف الخ یعنی اگر لفظ
و تعریف وغیرہ میں معطوف معطوف علیہ کی مانند
ہو تو معطوف علیہ کے ان احوال عارضہ میں جو اس
کو باعتبار اس کی ذات اور صفت کے عارض ہوتے
ہیں معطوف بھی اس کے حکم میں ہوتا ہے پس
اسی وجہ سے معطوف علیہ کے مبنی ہونے کی
بنیاد پر معطوف کو بھی مبنی کرنا واجب ہے جیسے
یا زید عمر میں اس لئے کہ زید کا ضمہ واجب
ہے باعتبار اس کے ماقبل حرف ندا اور اس کے
مفرد معرفہ فی نفسہ ہونے کے اور عمر و افراد
تعریف کے اعتبار سے زید معطوف علیہ
کے موافق ہے لہذا وہ بھی مفرد معرفہ فی نفسہ
ہونے کی وجہ سے زید کی طرح ہوگا اور اس کو
بھی ضمہ واجب ہوگا اور یا زید و عبد اللہ میں چونکہ
دونوں افراد میں ایک جیسے نہیں اس لئے کہ زید
مفرد معرفہ ہے اور عبد اللہ مضاف پس عبد اللہ
میں زید پر قیاس کئے ہوئے بناء منتفع ہوگی
واللہ اعلم ۱۲

۳۱۴ قولہ من ثم الخ یعنی اسی وجہ سے کہ
جواز و امتناع میں معطوف معطوف علیہ کے حکم
میں ہوتا ہے ترکیب یا زید یا قائم یا زید قائما
ولا ذاہب عمر میں ذاہب سوائے رفع کے اور
کچھ جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر بقائم پر حلف
کرتے ہوئے ذاہب کو جبر یا قائما پر حلف کی
صورت میں اس کو نصب دیتے ہیں تو اس کا
حلف قائم یا قائما پر ہوگا پس یہ بواسطہ حلف
زید کی خبر ہوگا اور یہ منتفع ہے اس لئے کہ
ذاہب میں معطوف علیہ کی طرح ضمیر نہیں جو
زید کی طرف قائم ہو کیونکہ ذاہب کا فاعل
عمر و موجود ہے لہذا ذاہب کا زید کی خبر واقع
ہونا منتفع ہوگا پس اس کا رفع متعین ہو جائیگا
اور وہ اس بناء پر کہ یہ خبر مقدم اور حذو مبتدا
مؤخر ہوگا اور از قبل حلف جملہ علی الجملہ ہوگا
اور اس میں کوئی مانع بھی موجود نہیں واللہ اعلم
۳۱۵ قولہ ولما کان الایہ ایک سوال متحد

رجل علی الشذوذ ای رب شاة وسخلة شاة وکن المعطوف فی حکم المعطوف علیہ
احوال عارضہ بلہ بالنظر الی نفسہ وغیرہ ان کان المعطوف مثل المعطوف علیہ فلذا واجب بناء
لہ معطوف فی نحو یا زید وعمر لان ضم زید بالنظر الی حرف النداء والی کونہ مفرد
معرفہ فی نفسہ وعمر و مثل زید فی لونه مفرد معرفہ واقنع بناء فی یا زید عبد اللہ فان
عبد اللہ یس مثل زید فان زید مفرد معرفہ وعبد اللہ مضاف ومن ثم آی ومن اجل
ان المعطوف فی حکم المعطوف علیہ فیما یجوز و یمتنع لہ یجوز فی ترکیب ما زید
بقائہ او قائما ولا ذاہب عمر الا الرقع فی ذاہب اذ لو نصب اذ خفض لکان
معطوفا علی قائم او قائما فیکون خبرا عن زید وهو متنع لخالوہ عن الضمیر
الواقع فی المعطوف علیہ العائد الی اسم ما فتعین الرفع علی ان یکون خبرا مقاما
علی المبتدا وهو عمر و یکون من قبیل عطف الجملة علی الجملة ولا مانع من
لما کان لقائل ان یقول هذه القاعدة منتقضة بقولہم للذی یطیر فی غضب

وہ رجلا بنا بر شذوذ یعنی رب شاة وسخلة شاة کہ ضمیر کی وضع معرفہ کے لئے ہے جب ذکر کے لئے
ہوئی تو خلاف وضع ہوئی اور اسی کا نام شذوذ ہے (اور اسی طرح معطوف ان احوال میں جو معطوف
علیہ کو اس کی ذات اور غیر ذات (یعنی عامل) کے اعتبار سے عارض ہوتے ہیں معطوف علیہ کے
حکم میں ہے بشرطیکہ معطوف (افراد و تعریف میں) معطوف علیہ کے مثل ہو تو اسی وجہ سے یا زید و
عمر کے مثل معطوف علیہ کی طرح بناء واجب ہے کیونکہ زید کا ضم حرف ندا کے اعتبار سے زید کے
فی نفسہ مفرد معرفہ ہونے کے اعتبار سے ہے اور عمر و مفرد معرفہ ہونے میں زید کے مثل ہے اور یا زید
و عبد اللہ میں معطوف کی بناء جار نہیں کیونکہ عبد اللہ زید کے مثل نہیں کہ زید مفرد معرفہ ہے اور
عبد اللہ مضاف ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ معطوف جار اور مفعول عامور میں
معطوف علیہ کے حکم میں ہے (ما زید بقائم یا قائم ولا ذاہب عمر و کی ترکیب میں) ذاہب میں
رفع ہی جار ہے کیونکہ اگر ذاہب کو نصب یا جردی جائے تو وہ قائم یا قائما پر معطوف ہوگا پس
وہ زید سے خبر ہوگا اور یہ جار ہے کیونکہ ذاہب ایسی ضمیر سے خالی ہے جو معطوف علیہ میں واقع
(مستتر) ہو اور اس کے اسم کی طرف لوٹے کیونکہ ذاہب ایک صورت میں اپنے بعد والے اسم ظاہر
کے لئے رفع ہے اور دوسری صورت میں اپنے میں مستتر ضمیر کے لئے رفع ہے جو اس اسم ظاہر کی
طرف لوٹتی ہے نہ کہ اسم کی طرف (چونکہ اس کے معطوف علیہ قائم یا قائما میں جو ضمیر مستتر
ہے وہ اسم زید کی طرف لوٹتی ہے لہذا اس کا اس پر حلف ممکن نہیں) اور رفع متعین ہو
گیا بنا بر آگاہ ذاہب مبتدا پر خبر مقدم ہے اور مبتدا عمر و ہے اور یہ حلف جملہ پر عمر و کے قبل
سے ہوگا جبکہ اس حلف سے کوئی مانع نہیں ہے اور جبکہ کھنے والے (معرض) کو یہ کہنا جائز
تھا کہ یہ قائم کہ اور جائزہ و منتفع میں معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہے (عرب کے

زید والذباب فان يطير فيه ضمير يعود الى الموصول ويغضب المعطوف عليه
ليس فيه ذلك الضمير فاجاب عنه بقوله وَأَمَّا جاز الذي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ
بِذِّبَابٍ لَا تَهَيَّأُ الْقَاءَ فِي هَذَا التَّرْكِيبِ قَاءَ السَّبَبِيَّةِ اي فاء لها نسبة الى
السببية بان يكون معناها السببية لا العطف فلا يرد نقضاً على تلك القاعدة
او يكون معناها السببية مع العطف لكنها تجعل الجملتين كجملتين واحدة فيكتفي
بالربط في الاولى والمعنى الذي اذا يطير فيغضب زید الذباب ويفهم منها سببية
الاولى للثانية فالعنى الذي يطير فيغضب زید بسبب الذباب ويمكن ان يقدر
فيه ضمير اي الذي يطير فيغضب زید بطيرانه الذباب وَإِذَا عَطِفَ اي اذا

قول الذي يطير فيغضب زید الذباب سے ٹوٹ جاتا ہے کہ طیر میں ضمیر سے جو موصول کی طرف
لوٹی ہے اور يغضب کا (قائے عطف کے ذریعے) طیر پر عطف ہے لیکن اس میں وہ ضمیر نہیں
ہے (جو موصول کی طرف راجع ہو گیا کہ مطوف طیر یعنی طیر میں ہے اور موصول کی طرف
راجح ہے) تو مصنف نے اس اعتراض کا جواب اپنے اس قول سے دیا کہ وَالَّذِي يَطِيرُ
فيغضب زید الذباب اس نے جائز ہے کہ وہ یعنی اس ترکیب میں جو فاء ہے وہ لا سببیت کی فاء
ہے یعنی ایسی فاء کہ اس کے لئے سببیت کی طرف اس طرح نسبت ہے کہ اس کا معنی سببیت
ہے عطف نہیں لہذا انقض کے طور پر اس قاعدہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو گا یا فاء کا معنی
سببیت مع العطف ہے لیکن قائے عطف کے معنی سببیت کو مفید ہے دو جملوں کو ایک جملہ کی طرح
کر دیتی ہے کہ سبب و سبب شرط کی طرح شئی واحد میں اور اس لئے کہ فاء کی وضع جمع مع
التعقيب کے لئے ہے تو فاء جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کی جز کر دیتی ہے لہذا اس ربط پر اکتفا کیا جائے
کا جو پہلے جملہ میں ہے اور دونوں تقدیروں کی بنا پر معنی ہو گا الذي اذا يطير فيغضب زید
الذباب یا اس قاعدہ سے جملہ اولی کا جملہ ثانیہ کے لئے سبب ہونا سمجھا جاتا ہے کیونکہ فاء سببیت
میں بھی استعمال ہوتی ہے لہذا جملہ ثانیہ میں ضمیر مقدم کی جائے گی تاکہ عطف صحیح ہو لہذا عرف ان
عقادہ لجزر العطف) پس (اس تقدیر پر) معنی ہو گا الذي يطير فيغضب زید بسبب الذباب اور
ممکن ہے کہ (جائز سببیت مرکباً) مطوف میں ضمیر مقدم کی جائے یعنی الذي يطير فيغضب زید

جلد واحد کے ہو جائیں گے، لہذا جملہ اولی کے
ربط پر اکتفا کر لیا جائے گا، اور ضمیر لانے کی ضرورت
نہیں ہوگی، اور دونوں صورتوں میں بمعنی یہ ہوں
گے الذي اذا يطير فيغضب زید الذباب یعنی
وہ چیز جو طیر کرتی ہے پس زید غصبتا کہ ہو جاتا
ہے کبھی سے یا یہ کہا جائے کہ فاء عطف کے لئے
ہے، لیکن اس سے ثانی جملہ کے لئے اول کی
سببیت سمجھ میں آتی ہے پس اس صورت میں معنی
یہ ہوں گے الذي يطير فيغضب زید بسبب الذباب
یعنی جو چیز کر اڑتی ہے پس زید اس کے سبب
سے غصبتا کہ ہو جاتا ہے کبھی سے جو تھی صورت
یہ ہو سکتی ہے کہ فاء کو محض عطف کے لئے نہیں
اور ضمیر رابطہ محذوف نکالیں پس اس صورت
میں عبارت یوں ہوگی الذي يطير فيغضب زید
بطيرانه الذباب یعنی جو چیز کر اڑتی ہے پس زید اس
کے اڑنے کے سبب سے غصبتا کہ ہو جاتا ہے
کبھی سے ظلاً اشکال فیہ و لفظ علم ۱۲۔

قوله واذا عطف المذنی جب
ایک حرف عطف سے دو مختلف عاملوں کے
دو معمولوں پر دو معمول کا عطف کیا جائے گا تو یہ
عطف جہود کے نزدیک ناجائز ہو گا اس لئے
کہ ایک حرف عطف اپنے ضعف کی وجہ سے
دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اس
جگہ شارع نے اس کا اذاد وقع العطف سے اس
امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فعل مصدر کی
طرف مستند ہے اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ
جزا شرط پر مترتب یعنی اذا عطف پر مترتب
نہیں ہوتی اس لئے کہ اذا اور ضیغہ ماضی تحقق
دو جگہ متحقق ہیں اور لم یکن سے اس کا عدم ظاہر
ہوتا ہے پس شارع نے بتا دیا کہ یہ بوقت اتحاد
الی معمولہ اذ وقع اور اجد کے معنی میں ہر یکہ
اور اس صورت میں جزا کا ترتیب شرط پر صحیح
ہے اور بناؤ سے یہ ظاہر کیا ہے کہ علی اس جگہ
بنائی ہے اور مصنف یعنی وجود محذوف ہے
پس یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ فی الواقع یوں

نے یہ دیا کہ اس ترکیب میں فاء عطف کے لئے
نہیں بلکہ سببیت کے لئے ہے پس اب قاعدہ غلط
پر کوئی نقض قائم نہیں ہوتا اس لئے کہ لام عطف
میں ہے اور یہ عطف کی قسم سے نہیں پایا گیا
جائے کہ اس جگہ فاء عطف اور سببیت دونوں کے
لئے ہے لیکن چونکہ سبب اور سبب کے درمیان
اتصال ہوتا ہے اور اس وجہ سے دو جملے بمنزلیہ

کی تقریر سے جس کا جواب مصنف نے دیا تھا باز
الذی لا یستلزم دیا ہے تقریر اعتراض کی یہ ہے
کہ یہ قاعدہ قبل عرب الذي يطير المذنی سے متقوس
ہے اس لئے کہ طیر میں ضمیر سے جو موصول کی
طرف فاء ہے اور يغضب پر جہود کہ طیر
پر مطوف ہے مگر ضمیر سے خالی ہے اس لئے
کہ اس کا فاعل موجود ہے اس کا جواب مصنف

ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ متحد نہ ہوں
یعنی ثانی میں اول نہ ہو پس اس سے دائم
کے اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے کہ مثلاً ضرب
ضرب زید، عمر اذیکر خالد اسی باب سے ہے
یعنی اس میں دو عامل موجود ہیں لہذا اذیکر و خالد
کا عطف زید، عمر پر ناجائز قرار دیا جائے پس
یہ اس باب سے نہیں اس لئے کہ عاملین کا
اختلاف ضروری ہے اور یہاں اختلاف ہے
نہیں بلکہ اتحاد ہے پس یہ عطف ناجائز نہ
ہوگا کیونکہ اس میں عامل ایک ہی ہے یعنی

العطف كما وقع في قولهم ما كل سوداء تمره وبعضاء شحمه وفي قول الشاعر شعر
اكل امرئ تحبين امرأاً ونار توقد بالليل نارا فهذا وان كان بحسب
الظاهر جائزاً لكنه لم يجز عند الجمهور بحسب الحقيقة لان الحرف الواحد
لم يقوان يقوم مقام عاملين مختلفين بخلاف قال الفراء فانه يجوز هذا العطف
بحسب الحقيقة كما جاز بحسب الصورة ولا يؤول الامثلة الواردة عليها ولا يقتصر
على صورة السماع بل يعها وغيرها وعدم جواز ذلك العطف مع خلاف الفراء
جاري في جميع المواد عند الجمهور الا في نحو في الدار زيداً والحجرة عمر و ان
في الدار زيداً والحجرة عمر اي في صورة تقديم المجرور وتأخير المرفوع او
او المنصوب لجيئته في كلامهم واقتصر الجواز على صورة السماع لان ما خالف

متعدد نہیں کیونکہ عامل اولیٰ ہی ہے اور ثانی اس کی تاکید ہے اور یہ عطف جیسا کہ اہل عرب کے
قول ما كل سوداء تمره وبعضاء شحمه اور شاعر کے قول شعر اكل امرئ تحبين امرأاً ونار
توقد بالليل نارا پس یہ عطف اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے جائز ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے
جمہور کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ حرف واحد دو مختلف عاملوں کے قائم مقام نہیں ہو
سکتا افراد کے برخلاف کہ وہ اس عطف کو حقیقت کے اعتبار سے جائز قرار دیتا ہے جیسا
کہ صورت کے اعتبار سے جائز ہے اور اس صورت پر وارد ہونیوالی امثلہ کی تاویل نہیں کرتا اور سماع
کی صورت پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ صورت سماع اور غیر صورت سماع دونوں کو عام کرتا ہے اور اس عطف
کا عدم جواز مع خلاف افراد (سیبویہ کے سوا) جمہور کے نزدیک تمام امثلہ میں جاری ہے لا مگر فی الدار
زيد والحجرة عمر کے مثل میں اور ان فی الدار زيد والحجرة عمر یعنی مگر تقدیم مجرور وتأخير مرفوع
یا منصوب کی صورت میں کیونکہ یہ صورت ان کے کلام میں آتی ہے اس لئے اس کے جواز میں کوئی
اختلاف نہیں اور صورت سماع پر جواز کو اس لئے مقصود ٹھہرایا گیا کہ جو صورت قیاس کے خلاف

کا عطف سودا پر ہے جو کہ کل کا معمول ہے اور شحمہ
کا عطف تمرہ پر جو کہ کلمہ ماکہ خیر ہے پس دو
اسمیں کا عطف دو مختلف عاملوں کے معمولی
پر متحقق ہو گیا دوسری مثال قول شاعر ہے
اكل امرئ تحبين امرأاً
ونار توقد بالليل نارا
کہ اس میں ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے اور
کل مصناف ہے امرئ کی طرف پھر معمول اولیٰ
ہے تحبين کا اور امرأہ مفعول ثانی پس اس
میں کل اور تحبين دو عامل مختلف ہوئے پھر

دنا یہ توقد الخ میں تا یہ کا عطف امر بجا پر ہے جو کہ
کل کا مصناف الیہ ہے اور نارا کا عطف امر پر
جو کہ تحبين کا مفعول ثانی ہے پس دو اسموں
کا عطف دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر
لازم آیا توقد اصل میں توقد تھا شاعر اپنی زجر
کو خطاب کر کے کہتا ہے کیا ہر وہ شخص جو لباس
و عمامہ وغیرہ سے مرد کی صورت میں نظر آتا ہے
تو گمان کر لیتی ہے کہ وہ مرد کامل ہے اور کیا
ہر آتش جو رات کو روشن کی جاتی ہے تو سمجھتی
ہے کہ کسی کریم اور زکی مردہ کی آتش ہے اس

لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ چوروں کی آگ ہو
بہر حال ان جملوں میں چونکہ عطف واقع ہے
اس لئے اگرچہ بحسب الظاہر اس میں عطف
جائز معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بحسب الحقیقت
جمہور کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ حرف
واحد میں اس قدر قوت نہیں کہ وہ عاملین مختلفین
کا قائم مقام ہو سکے واللہ اعلم ۱۲۔

نکے قولہ خلافاً الخ یعنی مذکورہ عطف
کے عدم جواز میں فرار نحوی کا خلاف اس لئے کہ
وہ اس عطف کو بحسب الحقیقت جائز قرار دیتا
ہے جیسا کہ بحسب صورت جائز ہے اور دلیل
اس کی یہ ہے کہ حرف عطف خود تو عامل ہونا
نہیں بلکہ اس کی وضع نیابتہ عامل کے لئے ہے
پس جس طرح یہ ایک عامل کا نائب ہو سکتا
ہے اسی طرح دو مختلف عاملوں کا بھی نائب ہو
سکتا ہے البتہ دو سے زیادہ کا نائب قرار کے
نزدیک بھی نہیں ہو سکتا پھر جو امثلہ بصورت
عطف وارد ہوئی ہیں افراد ان میں تاویل بھی
نہیں کرتا اور یہ بات بھی نہیں کہ وہ صرف سماع
از اہل عرب کی وجہ سے اس کو جائز قرار دے
کہ اس پر اقتضار کرتا ہو بلکہ وہ ان کو عموماً جائز
قرار دیتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر امثلہ بھی
جائز ہو سکتی ہیں لہذا افراد کی طرف سے کوئی
یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس میں تاویل اور سماع پر
اقتضار کی وجہ سے جواز کا قائل ہے واللہ اعلم

نکے قولہ عدم الخ یعنی مذکورہ عطف
کا ناجائز ہونا اور افراد کے ساتھ اختلاف تمام
مذکورہ جیسے مواد میں جمہور کے نزدیک جاری
ہو گا مگر صرف ایک مادہ فی الدار زيد والحجرة عمر
میں یہ اختلاف نہیں ہو گا اس لئے کہ فی نحو سے مراد
یہ ہے کہ مجرور مقدم ہو اور مرفوع یا منصوب مؤخر
پھر معطوف بھی اسی طرح ہو منصوب مؤخر کی مثال
جیسے ان فی الدار زيد والحجرة عمر ایس اس کے
مجاورہ کی یہ وجہ ہے کہ یہ کلام عرب میں آیا ہے
اور اہل عرب سے شروع ہے اس کا جواز

القیاس يقتصر على مورد السماع بخلاف القياسين بونه فانه لا يجوز هذا العطف
بحسب الحقيقة في هذه الصورة التي يلجأ إليها على حذف المضاف وإبقاء
المضاف إليه على أعرابه نحو تريدون عرض الحياة الدنيا والله يريد الآخرة
بجواز الآخرة كما جاء في بعض القراءة أي عرض الآخرة التأكيد تابع يقصر
أمر المتبوع أي حاله وشأنه عند السامع يعني يجعل حله ثابتاً مقراً عند
في النسبة أي في كونه منسوباً أو منسوباً إليه فيثبت عنده ويتحقق أن المنسوب
أو المنسوب إليه في هذه النسبة هو المتبوع لا غير ذلك أمال دفع صور الغفلة

ہو وہ ہو کہ سماع پر مقصور ہوگی (سیبویہ کے برخلاف) کہ وہ اس صورت میں بھی حقیقت کے اعتبار سے
اس عطف کو جائز نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ اسے مضاف کو حذف اور اس کے اعراب پر مضاف الیہ
کو باقی رکھنے پر محمول کرتے ہیں جیسے (اللہ تعالیٰ کا قول) تريدون عرض الحياة الدنيا والله يريد الآخرة
آخرت کی جر کے ساتھ جیسا کہ بعض قراءت میں آیا ہے یعنی (واللہ یرید) عرض الآخرة (تاکید
وہ تابع ہے جو امر متبوع کی تقریر کرتا ہے) یعنی سماع کے نزدیک متبوع کے حال کو ثابت اور مقرر
کرتا ہے نسبت میں (یعنی متبوع کے منسوب ہونے میں) جیسے حدیث میں ہے ایما امرأة
تکلمت بغیر اذن ولیہا فنکاحها باطل باطل (یا متبوع کے) منسوب الیہ (ہونے میں جیسے قطع
الامیر نقسہ یا جاء فی زید زید) تو یہ بات سماع کے نزدیک ثابت اور متحقق ہو جاتی ہے کہ اس
نسبت میں منسوب یا منسوب الیہ متبوع ہی ہے کوئی غیر نہیں اور یہ تاکید یا تو سماع سے
عقالت کے ضرر کو دور کرنے کے لیے یا سماع کے متکلم کے حق میں غلطی کے گمان کو دور کرنے

پھر یہ کہ تاکید کا منشاء ذہن سماع میں متبوع
کی حالت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے متکلم
کو قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لہذا سماع
نے عدال سماع کا اضافہ فرمایا پھر یہ کہ تقریر کے
معنی اس چیز کے بھی آتے ہیں جس کا دل سے
تصور کیا جائے، اور نہ بان سے اظہار اور
وہ اس جگہ متحقق نہیں لہذا یعنی محمول حالہ
الواسع سے یہ بتا دیا کہ اس کے معنی اس جگہ تثبیت
کے ہیں یعنی تاکید متبوع کے حال کو سماع کے
نزدیک ثابت اور مقرر کر دے، اور متبوع
کا منسوب یا منسوب الیہ ہو نا بھی معلوم ہو گا
انشاء اللہ العظمیٰ ۱۲

ای عرض الآخرة اور یہ حذف مضاف بعض قراءت
کی بنا پر ہے ورنہ اکثر قراء نے اس کو منسوب پڑھا
ہے عرض آبرو اور عزت کو کہتے ہیں آیۃ کا ترجمہ
فما ہر ہے واللہ اعلم
لکھ قولہ التأكيد التأكيد تابع ہے
جو متبوع کے حال کو اس کے منسوب یا منسوب
الیہ ہونے میں عدال سماع ثابت کرتا ہے پس
سماع کے نزدیک یہ ثابت اور متحقق ہو جاتا
ہے کہ اس نسبت میں منسوب یا منسوب الیہ وہ
متبوع ہی ہے نہ کہ غیر اس جگہ شارح نے
ای حالہ و شتاتہ سے امر کی تفسیر کر کے یہ
بتایا کہ امر اس جگہ حکم کرنا اور بعض صیغہ مشہور
نہیں بلکہ اس کے معنی حال اور شان کے ہیں

صرف سماع پر منحصر ہے اگرچہ خلاف قیاس ہے
پس جو چیز خلاف قیاس مسوم ہوتی ہے وہ
مورد سماع پر منحصر ہوتی ہے اس پر کسی دوسری
چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا پس سوائے اس
مثال یا اس جیسی مثال اور کسی میں یہ عطف جائز
نہیں ہو گا پس ان زید اونی الدار و عمرانی الحجر
تقدیم منسوب و تاخیر مجرور کے ساتھ کہنا جائز
نہیں واللہ اعلم ۱۲

لکھ قولہ خلافاً لما في عطف کے جواز
میں سیبویہ کا اختلاف ہے اس لئے کہ وہ یہ کہتا
ہے کہ بحسب الحقيقة باوجود سماع کے بھی اس
صورت میں عطف جائز نہیں بلکہ وہ اس میں
تادیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر
محمول ہے کہ اس میں سے مضاف کو حذف کر کے
مضاف الیہ کو اس کے اعراب اور باقی رکھا
گیا ہے پس والحجر عمرانی فی جار محذوف
ہے بلکہ حکماً مضاف ہے اس لئے کہ جس طرح
مضاف اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے اسی طرح
حرف جر بھی مجرور کرتا ہے پس اس کی عبارت یوں
ہو گی فی الدار زید و فی الحجر عمرانی اور یہ عطف
جائز ہے کیونکہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو گا اور
وہ بیضاء شحمۃ میں کل مضاف محذوف ہو گا اور
عمارت یلیا ہو گی یا کل سوداء ثمرة و کل بیضاء
شحمۃ (ہر سیاہ چیز کھجور نہیں ہوتی اور ہر سفید
چیز چربی نہیں ہوتی) اسی طرح وناہ تو قد اتم میں
کل محذوف نکالیں گے ای کل ناہ تو قد اتم
پس تمام امثلہ میں عطف جائز ہو جائے گا اس
لئے کہ اس وقت دو اسمیں کا عطف دو مختلف
محمول کے دو معمولوں پر لازم نہیں آئے گا فقہر
پھر نحو ترید ملک الا قول باری تعالیٰ سے شارح
حذف مضاف کی مثال دے رہے ہیں سیبویہ
کی جانب سے کہتے ہیں کہ یہ حذف مضاف
ایسا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ تريدون
عرض الحياة الدنيا والله يريد الآخرة
الآخرة میں الآخرة سے مضاف محذوف ہے

عن السامع اولدفع ظنه بالتكلم الغلط وذلك الدفع يكون بتكرير اللفظ نحو
ضرب زيد او ضرب ضرب زيد اولدفع ظن السامع به تجاوزا اما في
المنسوب نحو قتل زيد قتل قتل دفعا لانه السامع ان يريد بالقتل
الضرب الشديد فيجب حينئذ ايقاع تكرير اللفظ حتى لا يبقى شك في ارادة
المعنى الحقيقي او في المنسوب اليه فانه ربما نسب الفعل الى شئ والمراد نسبتها
يعنى متعلقاته كما في قطع الامير اللص اي قطع غلامه فيجب حينئذ تكرير
المنسوب اليه لفظا نحو ضرب زيد زيد اي ضرب هولا من يقوم مقامه
او تكريره معنى نحو ضرب زيد نفسه او عينه او في الشمول اي التاكيد ما يقرر
امر المتبوع في النسبة بالتفصيل للذي ذكرناه او في الشمول المتبوع افراد دفع الظن
السامع تجاوزا لا في نفس المنسوب اليه بل في شموله لا فراده فانه كثيرا ما ينسب

کے لئے ہے اور یہ دور کرنا تکریر لفظ سے ہوتا ہے جیسے ضرب زید زید یا ضرب ضرب زید یا زید
تاکید سامع کے حکم کے حق میں مجاز کے گمان کو دور کرنے کے لئے (ہوتی ہے پھر اس کا یہ
گمان) یا منسوب میں ہوگا جیسے تمہارا قول ہے زید قتل قتل سامع کے اس توہم کو دور کرنے
کے لئے کہ منکلم قتل سے ضرب شدید کا ارادہ کرتا ہے تو اس وقت بھی تکریر لفظ ضروری ہے
تاکہ معنی حقیقی کے مراد ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے یا منسوب الیہ میں (اس کے گمان کو
دور کرنا ہوگا) کہ بسا اوقات ایک فعل کو کسی شئی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ مراد اس
شئی کے بعض متعلقات کی طرف فعل کی نسبت ہوتی ہے جیسے قطع الامیر اللص میں ہے یعنی قطع
غلام تو اس وقت لفظی طور منسوب الیہ کی تکریر ضروری ہوتی ہے جیسے ضرب زید زید یعنی ضرب
حوالا من يقوم مقامه یا معنوی طور پر (اس کی تکریر ضروری ہوتی ہے) جیسے ضرب زید نفسه یا
عینه (یا شمول میں) یعنی تاکیدیہ ہے جو نسبت میں متبوع کے امر کو اس تفصیل کے مطابق مقرر
(و محقق) کہے جس کا ہم نے ذکر کیا یا تاکیدیہ ہے جو (متبوع کے اپنے افراد کو شامل ہونے میں
و متبوع کے امر کی سامع کے (حکم کے حق میں منکلم) مجاز کے گمان کو دور کرنے کے لئے منسوب
ایسی ذات میں نہیں بلکہ منسوب الیہ اپنے افراد کو شامل ہونے میں (سامع کے منکلم کے حق میں

دفع ہو جائے گا، اور تکرار کی وجہ سے سامع
کو منکلم کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوگا کہ وہ
غلطی کر رہا ہے یا تاکید سامع کے اس گمان کو
دور کرنے کے لئے لائی جاتی ہے کہ منکلم لفظ
سے معنی حقیقی ترک کر کے معنی مجازی لانا کتاب
کر رہا ہے پھر یہ تجاوز کا گمان یا تو منسوب میں
ہوتا ہے جیسے زید، قتل، قتل، قتل (کہ اس میں قتل
منسوب ہے پس اس کا تکرار کر کے سامع کے
اس وہم کو دور کر دیا گیا کہ منکلم نے قتل سے مراد
ضرب شدید لی ہے یعنی اس سے مراد ضرب شدید
نہیں بلکہ قتل ہے پس اس وقت سامع کے
ظن کو دور کرنے کے لئے لفظ منسوب کا تکرار
واجب ہے تاکہ معنی حقیقی کے مراد ہونے میں
کوئی شک باقی نہ رہے یا یہ گمان منسوب الیہ
میں ہوتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات کسی شئی
کی طرف فعل کی نسبت کی جاتی ہے اور مراد
اس سے اس شئی کے بعض متعلقات کی طرف
نسبت ہوتی ہے جیسا کہ قطع الامیر اللص میں
قطع بہ کی نسبت امیر کی طرف ہے مگر مراد اس
سے اس کا غلام ہے اس لئے کہ امیر صرف حکم
دیتا ہے پس اس وقت تو ہم سامع کو دور کرنے
کے لئے منسوب الیہ کا تکرار واجب ہوتا ہے
لفظاً بھی اور معنی بھی لفظاً جیسے ضرب زید
زید، یعنی زید ہی نے اما اس کے قائم مقام
نے نہیں اما اور معنی جیسے ضرب زید نفسه
یا عینہ مطلب اس کا بھی وہی ہے صرف اس
میں لفظ زید کی بجائے اس کا ہم معنی لفظ استعمال
ہوا ہے والشرائع ۳۔

۱۔ قولہ ادنی الشمول الخ اس کا مطلق

فی النسبة پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تاکید وہ
ہے جو متبوع کے حال کو ثابت فی النسبة کرے
جیسا کہ ذکر کیا گیا تاکہ وہ تابع ہے جو شمول
میں اپنے متبوع کے حال کو ثابت کرتا ہے کہ وہ
اپنے تمام افراد کو اس حکم میں شامل ہے جو کہ
اس کے لئے ہے پھر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حکم

زید کا کہ اس میں زید منسوب الیہ ہے کیونکہ اس
کی طرف ضرب کی نسبت ہے، اور متبوع
منسوب یا لفظ منسوب کو کمر لائیں جیسے ضرب
ضرب زید یا منسوب اور منسوب الیہ دونوں
کو کمر لائیں جیسے ضرب ضرب زید زید
پس اس سے سامع کی غفلت کا منہر بھی

۲۔ قولہ فذلك الخ یعنی تاکیدیہ کا فائدہ
یہ ہے کہ یہ لا تو سامع سے غفلت کے منہر
کو دفع کرنے کے لئے لائی جاتی ہے پھر سامع
کے منکلم کی نسبت غلطی کے گمان کو دفع کرنے
پس اس دفعہ کی صورت یہ ہے کہ یا تو لفظ
منسوب الیہ کو کمر ملایا جائے جیسے ضرب زید

کی نسبت سامع کے اس گمان کو دور کرے گا کہ مستحکم مجاز کے ساتھ تکلم کہتا ہے نفس منسوب اس میں دفع ضرر غفلت عن السامع وغیرہ کسی شے کو ثابت نہیں کرے گا بلکہ یہ اثبات و تقریر متبوع کے اپنے افراد کو شمول میں ہوگا اس لئے کہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ فعل کی نسبت جمیع افراد منسوب اس کی طرف ہوتی ہے اور اس کے باوجود بعض افراد کی طرف نسبت کا ارادہ کیا جاتا ہے، پس لفظ کل اور جمع ادا اس کے اخوات اور کلاما ثلاثہم وغیرہ بالاکراس و ہم کو دور کر دیا جائے گا، اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ اس جگہ متبوع سے مراد اپنے تمام افراد کو شمول ہے اس کے بعض افراد مراد نہیں ہیں خواہ تقریر متبوع فی النسبة ہو یا فی الشمول جمیع الفاظ تاکید سے عرض یہی ہے جو بیان ہوئی واللہ اعلم ۱۲۔

لح قولہ واذا عرفت الخ یعنی جب تاکید کی غرض اور تعریف معلوم ہو چکی تو اب فوائد قیود سن لیجئے پس قولہ یقرر امر المتبوع سے توصیف عطف اور بدل تعریف تاکید سے خارج ہو گئے بدل اور عطف کا خروج تو ظاہر ہے کہ یہ امر متبوع کی تقریر کے لئے نہیں ہوتے عطف میں تو عدم تقریر ظاہر ہے اور بدل میں اگرچہ امر متبوع کی تقریر ہوتی ہے مگر وہ مقصود اصلی نہیں بلکہ منہا حاصل ہوتی ہے کیونکہ بدل میں بدل منہ یعنی متبوع سے بالکید بحث نہیں ہوتی بلکہ منہا ہوتی ہے پس یہ دونوں تعریف تاکید سے خارج ہیں اب یہی صفت تو اس کی وضع متبوع کے معنی پر دلالت کے لئے ہوتی ہے تقریر امر متبوع کے لئے نہیں اب اگر کوئی کہے کہ صفت بھی توضیح یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور یہ دونوں احوال متبوع سے ہیں لہذا اس سے خارج نہیں بلکہ اس میں داخل ہوتی اس کا جواب و افادہ تھا الخ سے یہ دیا کہ اگر یہ معنی مواضع میں توضیح متبوع کا فائدہ دیتی

الفعل الى جميع افراد المنسوب اليه مع انه يريد النسبة الى بعضها فيندفع هذا الوهم بذكر كل واجمع واخواته وكلاما ثلاثہم واربعتم ونحوها فهذا هو الغرض من جميع الفاظ التاكيد واذا عرفت هذا فنقول اخرج المص الصفة والعطف والبدل عن حد التاكيد بقوله يقرر امر المتبوع اما البدل والعطف فظاھر خروجهما به واما الصفة فلان وضعها للدلالة على معنى في متبوعها وافادتها توضيح متبوعها في بعض المواضع ليست بالوضع واما عطف البيان وهو لتوضيح متبوعه فهو يقرر امر متبوعه ويحققه لكن لا في النسبة والشمول هذا حاصل ما ذكره المص في شرحه وهو اي التاكيد لفظي اي منسوب الى اللفظ لحصوله من تكرير اللفظ ومعنوي اي منسوب الى المعنى لحصوله من ملأمة المعنى فاللفظي منه تكرير اللفظ الاول اي مكرر اللفظ الاول ومعادة حقيقة

تکلم یہ مجاز کے گمان کو دور کرنے کے لئے تاکید لائی جاتی ہے کہ اکثر اوقات فعل کی منسوب الیہ کے جمیع افراد کی طرف نسبت کی جاتی ہے باوجودیکہ مکمل بعض افراد کی طرف نسبت کا ارادہ کرتا ہے پس کل اور اجمع اور اس کے امثال اور کلاما ثلاثہم اور اربعتم اور اسی طرح کی تاکیدات کے ذکر سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے پس جمیع الفاظ تاکید سے یہی غرض ہے اور جب اسے مخاطب تو نے یہ معلوم کر لیا تو ہم کہتے ہیں کہ مصنف نے صفت و عطف و بدل کو اپنے قول یقرر امر المتبوع کے ذریعے تاکید کی تعریف سے خارج کر دیا یا بدل اور عطف تو اس قول سے ان دونوں کا خارج ہوتا ظاہر ہے اور یہی صفت تو (وہ بھی) اس لئے خارج ہو گئی کہ اس کی وضع ایسے معنی پر دلالت کے لئے ہے جو اس کے متبوع میں ہے اور بعض مواضع میں صفت کا متبوع کی توضیح کا فائدہ دینا و منع کے اعتبار سے نہیں ہے (بلکہ اس میں توضیح استعمال کے عارض کی وجہ سے ہے لہذا صفت اپنے موصوف کی تقریر کے لئے نہیں ہے نہ نسبت میں اور نہ ہی شمول میں) اور یہاں عطف بیان تو وہ اپنے متبوع کی توضیح کے لئے ہے اور اپنے متبوع کے امر کو مقرر و محقق کرتا ہے لیکن نسبت اور شمول میں نہیں بلکہ وہ اس کی ذات کو مقرر و محقق کرتا ہے (یہ بیان فوائد قیود) اس کا خلاصہ ہے جو خود مصنف نے اپنی (کافیہ کی) شرح میں بیان کیا (اور وہ) یعنی تاکید (لفظی ہے) یعنی لفظ کی طرف منسوب ہے کہ اس کا حصول تکریر لفظ سے ہے (اور معنوی ہے) یعنی معنی کی طرف منسوب ہے کہ اس کا حصول معنی کے لحاظ سے ہے (پس) اس تاکید میں سے (لفظی لفظ اول کی تکریر ہے) یعنی لفظ اول کا معاد

عطف بیان خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ اپنے متبوع کی توضیح کے لئے آتا ہے پس یہ امر متبوع کو ثابت اور محقق کرتا ہے لیکن نسبت اور

بے توبہ اس کی اصل وضع نہیں اور یہاں اس کا خارج کرنا ہے اصل وضع کے اعتبار سے لہذا یہ خارج ہے اور قولہ فی النسبة اور الشمول سے

مُتَّوِّجًا فِي زَيْدٍ زَيْدٌ اَوْ حَكْمًا نَحْوُ ضَرْبٍ اَنْتَ وَضَرْبٌ اَنَا فَانْ ذَلِكْ فِي حَكْمِ
تَكْوِيْنِ اللَّفْظِ اِنْ كَانَ مُخَالَفًا لِلْاَوَّلِ لَفْظًا اِذَا الْغَرُورَةُ دَاعِيَةً اِلَى الْمَخَالَفَةِ لَا نَهًا
لَا يَجُوزُ تَكْوِيْنُهُ مُتَّصِلًا وَنَحْوُ اَيِّ التَّكْوِيْنِ مُطْلَقًا لَا التَّكْوِيْنِ الَّذِي هُوَ التَّكْوِيْنُ
الاصْطِلَاحِي فِي الْاَلْفَاظِ كُلِّهَا اَسْمَاءٌ اَوْ اَفْعَالًا اَوْ حُرُوفًا اَوْ جُمَلًا اَوْ مَرْكَبَاتٍ
تَقْيِيْدِيَّةٍ اَوْ غَيْرِ ذَلِكَ وَلَا يَجْعَلُ اَرْجَاعُ التَّقْيِيْدِ اِلَى التَّكْوِيْنِ اللَّفْظِيِّ الْاَصْطِلَاحِي
وَقَتْلُ اَصْلِ الْاَلْفَاظِ بِالْاَسْمَاءِ وَيَكُونُ الْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا التَّقْيِيْمِ عَدَمُ اخْتِصَاصِ
بِالْفَاظِ مَحْصُورَةٍ كَالْتَاكِيْدِ الْمَعْنَوِيِّ وَالتَّكْوِيْنِ الْمَعْنَوِيِّ فَخَصَّ بِالْفَاظِ مَحْصُورَةٍ

وکرہ حقیقت میں وجہیہ جہانی زید زید لایا حکم کی رو سے جیسے ضربت انت و ضربت انا کہ یہ
(ہر ایک مثال) متبوع کے) لفظ کی تکریر کے حکم میں ہے اگرچہ لفظوں میں اول کے خلاف ہیں
کیونکہ مخالفت کی طرف ضرورت داعیہ ہے اس لئے کہ متصل طور پر اس کی تکریر جائز نہیں
بجائے لفظ اول کی متصل حالت میں تکریر جائز نہیں) (اور جاری ہوتی ہے) یعنی تکریر
مطلقاً (یعنی اصطلاحی و لغوی) نہ صرف وہ تاکیدی اصطلاحی ہے (تمام الفاظ میں) خواہ اسماء
ہوں یا افعال یا حروف یا جملے یا مرکبات تقید یہ یا ان کے علاوہ (اور تاکیدی اصطلاحی تو صرف
اسماء میں جاری ہوتی ہے) اور (بجری کی) ضمیر (مستتر) کا تاکیدی لفظی اصطلاحی کی طرف لوٹنا اور الفاظ کو
اسماء کے ساتھ خاص کرنا بعید نہیں ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس تعمیم (یعنی الفاظ عامہ غیر مراد کے
ذکر سے مقصود تاکیدی لفظی (اصطلاحی) کا الفاظ محصورہ دو محدودہ کے ساتھ مخصوص نہ ہونا
ہے جیسا کہ (اس کے برعکس) تاکیدی سنوی (الفاظ محصورہ کے ساتھ مخصوص) ہے (اور) تاکیدی

تاکیدی سنوی بھی داخل ہر جاتی ہے کیونکہ اس میں
لفظ اول مراد کرنا تھا ہے جیسے جہانی القوم
کلمہ میں کلمہ القوم کے مراد ہے پس شق
اول کا جواب تو ظاہر ہے کہ اس میں مخالفت کی
طرف ضرورت داعی ہے کیونکہ لفظ اول کی تکریر
نہ تو متصل ہو سکتی ہے اور نہ منفصل اور شق
ثانی کا یہ ہے کہ اس میں مخالفت کی طرف ضرورت
داعی نہیں ہوتی بلکہ بلا ضرورت لفظ اول کا
مراد کر لیتے ہیں اس لئے کہ جہانی القوم
کلمہ میں جہانی القوم القوم کہہ سکتے ہیں پس
لفظ قوم کی مخالفت اس میں بلا ضرورت ہوتی
اور ضرورت و عدم ضرورت میں فرق ہے لہذا
ضربت انت اس میں داخل ہو گیا اور تاکیدی
سنوی اس سے خارج ہو گئی والٹر اعلم۔

حک قولہ و یجوز انہ اس جگہ شارح
نے اے تاکیدی مطلقاً سے ایک سوال متحرک جواب
دیا ہے سوال یہ ہے کہ بجری کی ضمیر غائب تاکیدی
اصطلاحی کی طرف ما جمع ہے پس اس وقت اس
میں اور فی الفاظ کلمہ میں منافات ہوگی اس
لئے کہ تاکیدی اسم کی قسم سے ہے اور الفاظ میں اسم
و فعل و حرف سب آتے ہیں پس شارح نے
کہا کہ اس کا مرجع تاکیدی اصطلاحی نہیں بلکہ سر یہ مطلق
ہے پس مطلب یہ ہوا کہ مطلقاً تکریر تمام الفاظ میں
جاری ہوتی ہے خواہ وہ الفاظ اسماء ہوں یا افعال
یا حروف یا جملے یا مرکبات تقید یہ یا غیر تقید یہ
وغیر ذلک اسد یہ بھی ممکن ہے کہ بجری کی ضمیر تاکیدی
لفظی اصطلاحی کی طرف لوٹائی جائے اور الفاظ کو
اسماء کے ساتھ خاص کر لیا جائے اور الفاظ کی اس
تقسیم سے تاکیدی لفظی کا الفاظ محصورہ میں عدم انتظام
مقصود ہو جیسا کہ تاکیدی سنوی الفاظ مخصوصہ میں
محصور ہے پس یہ سنی ہونے کے تکریر کسی ایک
اسم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام اسماء ہی جاری
ہو سکتی ہے پس اس وقت صفت کا یہ قول اصطلاح
کے مطابق ہو جائے گا طائر اعلم۔

حک قولہ والکیدی الخ یعنی تاکیدی سنوی

اول یعنی ضربت کی تاء کے مخالفت ہے مگر چونکہ
لفظ اول کی تکریر متصل نہیں ہو سکتی کہ ثانی کو
بھی اس سے ملا دیا جائے اور نہ منفصل ہو
سکتی ہے اس لئے کہ اول جید بلا مانع متصل
ہے تو اس کا انفصال جائز نہیں پس اس تعذیب کی
وجہ سے مخالفت کی طرف ضرورت داعی
ہوتی کہ لفظ اول متصل ہو اور لفظ ثانی
منفصل لہذا اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اگر
تاکیدی لفظی میں تکریر لفظ اول بعینہ مراد ہے
تو اس سے ضربت انت وغیرہ خارج ہو جاتا
ہے کیونکہ اس میں تکریر لفظ اول بعینہ نہیں ہے
اور اگر تکریر سے مطلقاً تکریر مراد لی جائے
خواہ لفظ اول کا مراد ہی آجائے تو اس میں

شمول میں نہیں لہذا یہ بھی خارج ہو گیا اور
تعریف جامع مانع ہو گئی والٹر اعلم۔
حک قولہ و یجوز انہ یعنی تاکیدی دو قسمیں
میں ایک لفظی جو کہ لفظ کی طرف منسوب ہے
اس لئے کہ تکریر لفظ متبوع سے حاصل ہوتی
ہے اور دوسرے سنوی جو معنی کی طرف منسوب
ہے اور معنی کے لحاظ کے بعد حاصل ہوتی ہے
پس تاکیدی لفظی لفظ اول کے کر لانے سے
حاصل ہو جاتی ہے پھر اس میں تقیم ہے کہ لفظ
اول کا عادہ حقیقہ ہو جیسے جہانی زید زید تاکیدی
لفظ زید حقیقہ کر رہے یا حکماً ہو جیسے ضربت
انت اور ضربت انا کہ اس میں انت اور انا تکریر
لفظ متبوع کے حکم میں ہے اگرچہ لفظ لفظ

<p>الفاظ میں سے اول کے دو نفس اور من عام ہیں یعنی واحد، تثنیہ، جمع۔ ذکر، مؤنث ماب کے لئے آتے ہیں، البتہ تبوع کے لحاظ سے ان کا صیغہ اور ضمیر بدلتی رہے گی جو کہ تبوع سوکد کی طرف راجع ہوتی ہے لیکن پھر تبوع کے لحاظ سے صیغہ کا بدلنا حرف واحد اور جمع میں ہوگا تثنیہ کے لئے جمع کا صیغہ</p>	<p>مستقل ہوتا ہے جیسے جاوہرہ "نفسہ و جوارہ الفیدان النفسا و جارت خالدة" نفسہا پس واحد مذکر میں نفسہ کہیں گے، اور واحد مؤنث میں نفسہا اور تثنیہ مذکر و مؤنث میں نفسہ نفس کو جمع لاکر ضمیر تثنیہ کو اس کے ساتھ لاحق کر کے النفسا کہتے ہیں، واللہ بعض عرب سے نفسا ہما اور جیتا ہما مسوع سے</p>
--	---

الواحدَة أَنْفُسُهُمَا بإيراد صيغة الجمع في تثنية المذكر والمؤنث وعن بعض
 العرب نفاها وعيناها أَنْفُسُهُنَّ في جمع المذكر العاقل أَنْفُسُهُنَّ في جمع
 المؤنث وغير عاقل من المذكر ^{للمذكر} وَالثَّانِي لِمَا سَمِيَ النَّفْسَ وَالْعَيْنَ أَوَّلِينَ تَغْلِيْبًا
 كَالْقَمَرَيْنِ سَمِيَ الثَّالِثُ ثَانِيًا لِلْمُثْنَى كَلَاهُمَا الْمَذْكُورَ وَكَلَّتَاهُمَا الْمَوْنُثَ وَ
 الْبَاقِي بَعْدَ الثَّلَاثَةِ الْمَذْكُورَةِ لِغَيْرِ الْمُثْنَى مَفْرُودًا كَانَ أَوْ جَمْعًا بِإِخْتِلَافِ
 الضَّمِيرِ الْعَائِدِ إِلَى الْمَتَّبِعِ الْمَوْكُودِ فِي كُلِّ مَحَوِّراتِ الْكِتَابِ كُلِّهَا غَرِ
 قَرَأَتِ الصَّوْفِيَّةَ كُلَّهَا وَكَلَّمَتْهُنَّ نَحْوَ أَشَارَتِ الْعَبِيدَ كُلَّهُمْ وَكَلِمَتُنَّ نَحْوَ طَلَقَتْ
 النِّسَاءَ كُلَّهُنَّ وَبِإِخْتِلَافِ الصَّنِيعِ فِي الْكَلِمَاتِ الْبُوقِي وَهِيَ أَجْمَعُ وَالنَّعْ وَاتَّبَعَ
 وَابْصَعَ بِالْمُهْلَةِ أَوِ الْمَجْمَعَةِ تَقُولُ أَجْمَعُ فِي الْمَذْكُورِ الْوَاحِدَ وَجَمْعَاءُ فِي الْمَوْنُثِ
 الْوَاحِدَةَ أَوْ الْجَمْعَ بِتَأْوِيلِ الْجَمَاعَةِ وَأَجْمَعُونَ فِي جَمْعِ الْمَذْكُورِ وَجَمْعُ فِي
 جَمْعِ الْمَوْنُثِ وَكَذَا الْكَتَعَ كَتَعَاءُ الْكَتَعُونَ كَتَعُ وَابْتَعُ بَتَعَاءُ ابْتَعُونَ تَتَعَ وَالْبَصَحُ
 بَصَعَاءُ ابْصَعُونَ بَصَحُ وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلِّ وَأَجْمَعُ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ مَفْرُودًا كَانَ أَوْ

واحد مذکر میں «انفسہا» واحد مؤنث میں «انفسہا» تثنیہ مذکر و مؤنث میں جمع کا صیغہ لاکر اور بعض عرب سے نفسا صما اور عینا صما (منقول) ہے «انفسہم» جمع مذکر عاقل میں و «انفسہن» جمع مؤنث اور مذکر عاقل کے غیر میں لکھا مقول اشتربت الاقراس انفسہن «اور ثانی» مصنف نے جب نفس اور عین کو قرین کی طرح تغلیباً اولین قرار دیا تو ثالث کو ثانی تفسیراً یا «مثنی کے لئے کلا صما» ذکر کیلئے «اور کلتا صما» مؤنث کے لئے «اور باقی» ثلاثہ مذکورہ کے بعد «غیر مثنی کے لئے» مفرد ہو یا جمع «اختلاف منما» کے ساتھ جو متبوع مؤکد کی طرف لوٹے «کلمہ میں» جیسے قرأت الكتاب کلمہ «اور کلبا» جیسے قرأت الصحيفة کلبا «اور کلہم» جیسے اشتربت العبد کلہم «اور کلہن» جیسے طلقت النساء کلہن «اور صیغوں کے» اختلاف کے ساتھ «باقی» کلمات «میں» اور وہ (کلمات چار ہیں یعنی) الجمع و اکتع و ابتع و البصع (صاد) مہملہ یا (ضاد) مجملہ کے ساتھ تم کہو گے «الجمع» واحد مذکر میں «اور جمعا» واحد مؤنث یا جمع (مذکر عاقل) میں (جیسے جاءنی الرجال جمعا اور غیر عاقل میں جیسے اشتربت الجمذوع جمعا لیکن جماعت کی تاویل کے ساتھ «اور اجمعون» جمع مذکر عاقل) میں «اور جمع» جمع مؤنث میں اور اسی (الجمع) کی طرح اکتع کتعا اکتعون کتھ اور ابتع تبعاء ابتعون بتھ اور البصع بصعا البصعون بصھ ہے «اور کل و اجمع سے ذوا جزاء کی ہی تاکید لائی جائے گی» ذوا جزاء مفرد ہو (جیسے عبد) یا جمع ہو (جیسے

تقلیداً اولین سے موسوم کی گئی ہے جبکہ شمس ذمہ کو ثمرین اور اب و ام کو ابون سے موسوم کرتے ہیں تو ثالث کو ثانی نام دیا گیا، اور وہ کلاہما ہے تو ثمنہ مذکر کے لئے کلاہما، در ثمنہ مونث کے لئے کلاہما کہا جائے گا، اور اب جو باقی رہے تو وہ سب غیر ثمنہ یعنی واحد جمع کے لئے آتے ہیں، اعلان میں صرف لفظ کل باقتلاف ضمیر کے ساتھ آتا ہے جو کہ متبوع مؤد کی طرف راجع ہوتی ہے پس واحد مذکر میں کہہ جیسے قرأت الکتاب کلمہ اور واحد مونث میں کہہا جیسے قرأت الصحیفۃ کلمہ اور جمع مذکر میں کہہا جیسے شتریت العبد کلمہ اور جمع مونث میں کہہن جیسے طاعت النساء کہہن کہیں کے، واللہ اعلم۔

۸۲ قولہ: باختلاف الیم یعنی مکہ مدینہ کے علاوہ
 جسے باقی الفاظ میں وہ باختلاف صیغہ آئے ہیں اور
 وہ باقی یہ ہیں اجمع، اکتع رابع، رابع بالصاد
 اور بالصاد پس مذکور واحد میں اجمع اور موش
 واحد یا جمع مذکور تاویل الجماعۃ میں جمع اور اکتع
 متعادرا یتعون تبع اور البصع بصعاء البصعون بصع
 بالصامد بالصاد کہیں گے ۱۲۔

۳۴۰ قولہ اولاد ہو کہ الخ یعنی لفظ کل اور
اجمع کے ساتھ اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے جو
ذو اجزاء ہو پھر وہ ذو اجزاء مفرد ہو جیسے عبد کہ
اس کی خرید میں بہت سے افراد شریک ہو سکتے
ہیں یا جمع ہو جیسے قوم اس لئے کہ لفظ کل کی کلیتہ
اور اجمع کا اجتماع صرف ذو اجزاء میں ہی مستحق
ہو سکتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف
پر یہ لازم تھا کہ وہ الا ذوا اجزاء کے ساتھ ذوا افراد
بھی کہتے اس لئے کہ جائز ہے کہ ان کی تاکید ذوا افراد
کے ساتھ بھی لائی جائے مثلاً انسان ذوا افراد ہے اس کی
تاکید و دلیل کے ساتھ لائی جاسکتی ہے شارح نے
ولا حاشیہ الخ سے جواب یہ دیا کہ ذکر افراد کی ضرورت
نہیں اس لئے کہ جب تک کلی کے افراد کا بحیثیت
مجتمع ہونے کے لحاظ نہیں کیا جائے گلد اور وہ
افراد مجتمع ہو کر جب تک اجزاء نہیں بن جائیں
تو اس وقت تک اس کلی کی تاکید لفظ کل اور

ادرج مع مذکر ماقول میں تقسیم اور مع مؤنث ماقول
درج مذکر غیر ماقول میں تقسیم کہتے ہیں واللہ اعلم ۔

۱۔ قولہ **وَالثَّانِي** **الْخ** یعنی حقیقت کے اعتبار سے
نی نہیں بلکہ ثالث ہے مگر چونکہ نفس اور عین کو

جمعا ذلک والجماع لا یتحققان الا فیه ولا حاجة الی ذکر الافراد لان
الکلی مالم یرحظ افرادہ مجتمعة ولم تصر اجزاء لا یصح تاکیدہ بکل واجمع
ویجب ان تكون تلك الاجزاء بحيث یصح افتراقها حشا کاجزاء القوم
أو حکما کاجزاء العبد لیکون فی التأكيد بکل واجمع فائدة مثل اکثرت
القوم کلهم واشتریت العبد کلہ فان العبد قد یتجزأ فی الاشتراء
فیصح تاکیدہ بکل لیفید الشمول بخلاف جَاءَ زیدٌ کلہ لعدم صحۃ افتراق
اجزائه لاحتواء حکم الجئی واذ التکید الضمیر المرفوع المتصل
بأرکان ادمستکنا بالنفس والعین ای اذا رید تاکیدہ بهما اکتد ذلك
الضمیر اولاً به منفصل ثم بالنفس والعین مثل ضربت أنت نفسک ففک
تکید لتاء الضمیر بعد تاکیدہ بمنفصل هو انت اولاً ذلک لا لتبس التکید

قوم کیونکہ کلیت اور اجتماعیت ذواجزاء میں ہی متحقق ہوتے ہیں اور (ذواجزاء کے بعد افراد
کے ذکر کی حاجت نہیں) یعنی ذواجزاء و افراد کہنے کی ضرورت نہیں) کیونکہ کلی (کی شان یہ
ہے کہ جب تک اس کے افراد کے مجتمع ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے اور اس کے افراد جب
تک (مجموع ہو کہہ کے) افراد نہ بنیں کل اور اجمع کے ساتھ اس کی تاکید نہیں لائی جاسکتی اور
(لیکن) ضروری ہے کہ وہ اجزاء اس طرح ہوں کہ ان کا حسی طور پر افتراق درست ہو) قوم
کے اجزاء کی طرح (یا حکمی طور پر) عید کے اجزاء کی طرح کہ اشتراء و جمع ایسے بعض افعال
میں اس کے اجزاء کا افتراق حکمی ہو سکتا ہے کما تقول اشتريت نصف العبد تاکہ کل اور
اجمع کے ساتھ تاکید لانے میں کوئی فائدہ ہو لا کرمت القوم کلم اور اشتريت العبد کلہ تاکہ بعد
کبھی اشتراء میں متجزی (و منقسم) ہو جاتا ہے لہذا اس کی کل کے ساتھ تاکید صحیح ہے تاکہ
تاکید (عید کے جمع اجزاء کو اشتراء کے) شمول کا فائدہ دے لا جاو زید کلہ کے برعکس
کیونکہ حکم جمعی میں زید کے اجزاء کا افتراق صحیح نہیں ہے نہ حساباً اور نہ حکماً اور جب ضمیر
مرفوع متصل کی لا بارز ہو یا مستتر و نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جائے) یعنی جب
ان دونوں کے ساتھ تاکید کا ارادہ کیا جائے (تو) پہلے اس ضمیر کی منفصل کے ساتھ تاکید
لائی جائے گی لا پھر نفس اور عین کے ساتھ لا جیسے ضربت انت نفسک تاکہ ضمیر
(بارز مرفوع متصل) کے لئے اس کی ضمیر منفصل یعنی انت سے تاکید لانے کے بعد تاکید ہے (یعنی ضربت
کی تلے ضمیر کی پہلے انت ضمیر مرفوع سے تاکید لا کر اس کے بعد نفسک سے دوسری تاکید لائی
گئی) کیونکہ اگر یہ مرفوع متصل کی مرفوع منفصل کی اولاً تاکید لانے کا معاملہ نہوتا تو تاکید

اجمع کے ساتھ نہیں لائی جاسکتی یعنی جب کلی
کے افراد مجتمعة ملحوظ ہوں گے تو اس حیثیت سے اس
کے افراد اجزاء بن جائیں گے پس قولہ ذواجزاء
ذوا افراد کو بھی شامل ہے والشرع علم۔

۸۴ قولہ و يجب ان اجزاء کے لئے
مزدی ہے کہ ان کا افتراق مسایا حکماً صحیح ہر کے
جیسے عا اجزاء قوم کا افتراق اور حکماً اجزاء عید کا
افتراق صحیح ہے عا کا مطلب یہ ہے کہ نظر کے
اور لفظ کل اور جمع کے ساتھ ذواجزاء کی تاکید اس
لئے لائی جائے گی کہ ان دونوں کے ساتھ تاکید لانے
میں فائدہ ہو جیسے اگرمت القوم کلم اور اشتريت
العبد کلہ کہ اس میں عید کے بوقت اشتراء بہت سے
اجزاء ہو سکتے ہیں امدان کا افتراق حکماً صحیح
ہے پس اس کی تاکید لفظ کل کے ساتھ صحیح ہے
تاکہ اس سے اشتراء میں جمیع اجزاء عید کے شمول
کا فائدہ حاصل ہو بخلاف جاو زید کلہ کے کہ حکم
جمعی میں زید کے اجزاء کا افتراق نہ تو صحیح ہے
اور نہ حکماً لہذا یہ ناجائز ہے والشرع علم ۱۲۔

۸۵ قولہ و اذا اکوالم یعنی جب کہ ضمیر
مرفوع متصل کی خواہ وہ باندہ ہو یا مستتر لفظ نفس
اور عین کے ساتھ تاکید لانے کا ارادہ کریں گے
تو اولاً اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائیں
گے پھر نفس اور عین کے ساتھ جیسے ضربت انت
نفسک کہ اس میں پہلے ضربت کی تا ضمیر کی تاکید
انت منفصل کے ساتھ لائی گئی پھر نفسک کے ساتھ
اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر ایسا نہ کریں گے
تو بعض مواقع میں تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ
ہو جائے گا مثلاً جب کہ تاکید مستکن کی واقع ہو
جیسے زید اگر متنی ہو نفس کہ جب ہم متصل کے ساتھ
تاکید لائے بغیر زید اگر متنی نفس کہیں گے تو یہ معلوم
نہ ہوگا کہ تاکید یعنی نفس فاعل ہے یا اس میں ضمیر
مرفوع مستتر ہے اور وہ فاعل ہے اور نفس
اس کی تاکید ہے پس اس التباس سے بچنے کے
لئے ضروری ہے کہ اولاً ضمیر منفصل کی ضمیر منفصل
کے ساتھ تاکید لائیں پھر لفظ نفس اور عین سے

تاکید کریں پھر عید کہ اس صیغہ میں التباس واقع
ہوا ہے لہذا جن صیغہ میں التباس نہیں ہوتا ان
میں بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے ضمیر منفصل کے
ساتھ اولاً تاکید لانا ضروری قرار دیا گیا والشرع علم ۱۲۔

بالفاعل اذا وقع تأكيد المستكن نحو زيد اكرمني هو نفسه فلوله يؤكّد الضمير
المستكن في اكرمني بقوله هو ويقلل زيد اكرمني نفسه لا تبس نفسه الذي هو التأكيد
بالفاعل ولما وقع الالتباس في هذه الصورة أُجريت بقية الباب عليها وانما قيد
الضمير بالمرفوع لجواز تأكيد الضمير المنصوب والمجرور بالنفس والعين بلا تأكيد
بالمفصل نحو ضمتك نفسك وموتك نفسك لعدم اللبس وبالمفصل لجواز
تأكيد المرفوع المتفصل بالنفس والعين بلا تأكيد بمفصل نحو انت نفسك قائم
لعدم اللبس وانما قيد بالنفس والعين لجواز تأكيد المرفوع المتصل بكل واجمعين
بلا تأكيد نحو القوم جاء وفي كلهم اجمعون لعدم التباس التأكيد بالفاعل لان كلا
واجمعين يبيان العوامل قليلاً بخلاف النفس والعين فانها يلبياها كثيراً و
اكتشع واختراه يعني ابتغى وابتاع بفتح الهمزة على ما هو المشهور واجمع

(ثانی) اس وقت فاعل کے ساتھ ملتبس (مخلط و مشتبہ) ہو جائے جبکہ تاکید (ثانی یعنی نفس
وعین) زید اکرمنی ہو نفسہ ایسی صورت میں ضمیر مستتر کی تاکید واقع ہو پس اگر اکرمنی میں
موجود ضمیر مستتر کو اس کے قول سے اولاً مؤکد نہ کیا جائے اور زید اکرمنی نفسہ کہا جائے
تو نفسہ کا کہ تاکید ہے فاعل کے ساتھ التباس (واشتباہ) ہو جائے (اس طرح کلام کے
مؤکد اور غیر مؤکد ہونے کا پتہ نہ چلے گا) اور جبکہ اس ضمیر کے مستتر ہونے کی صورت میں التباس
واقع ہوا (کہ بارز میں) تو بقیہ باب (یعنی ضمیر بارز) کو اس صورت (مستتر) پر جاری کیا گیا اور
مصنف نے ضمیر کو مرفوع کے ساتھ اکرمنی نے مقید کیا کہ ضمیر منصوب و مجرور کو مفصل سے
مؤکد کے بغیر ان کی نفس وعین کے ساتھ تاکید جائز ہے جیسے ضربتک نفسك اور ضربتک
نفسک عدم لیس کی وجہ سے (یہ تاکید جائز ہے) اور (مصنف نے ضمیر کو مرفوع کی قید کے بعد) مقول
کے ساتھ اس لئے (مقید کیا) کہ (ضمیر مرفوع مفصل سے احتراز ہو جائے کیونکہ) ضمیر مرفوع
مفصل کو مفصل کے ساتھ مؤکد کے بغیر اس کی نفس وعین کے ساتھ تاکید جائز ہے جیسے انت لعل
قائم (یہ) عدم لیس کی وجہ سے (جائز ہے) اور (مصنف نے) نفس وعین کی قید اس لئے لگا کہ
ضمیر مرفوع متصل کی (مفصل کے ساتھ) تاکید لائے بغیر کل اور اجمعون کے ساتھ تاکید جائز ہے
جیسے القوم جاء و فی کلہم اجمعون کیونکہ (یہاں پر) تاکید (یعنی کلہم و اجمعون) کا فاعل (اکرمنی مرفوع
راجع بہ قوم ہے) کے ساتھ التباس نہیں ہوتا کیونکہ کل اور اجمعون عوامل کے ساتھ قلی طور پر
متصل ہوتے ہیں (یعنی یہ فعل کے لئے فاعل واقع نہیں ہوتے لہذا جاء کلہم یا جاء اجمعون کہنا
جائز نہیں) نفس وعین کے برعکس کہ یہ بہرہ و عوامل کے ساتھ مفصل (عوامل) بعد فاعل
ہو کر واقع ہوتے ہیں لا اور اکتع اور اس کے دو بھائی (یعنی ابتغ اور ابتع) ان کے تابع ہیں

۸۷ قولہ وانما قید الخ یعنی تن میں ضمیر مرفوع کی قید احترازی ہے اس لئے کہ ضمیر مجرور

اور منصوب کی لفظ نفس اور عین کے ساتھ اولاً
متفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر تاکید لائی جاسکتی
ہے جیسے ضربتک نفسك اور ضربتک بک نفسك
کیونکہ اس سے کسی قسم کا التباس لازم نہیں آتا اور
تن میں متصل کی قید بھی احترازی ہے اس لئے کہ
مرفوع مفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ
تاکید لائے بغیر جائز ہے جیسے انت نفسك قائم
کیونکہ اس سے بھی کوئی التباس لازم نہیں آتا اور
قید نفس وعین بھی احترازی ہے اس لئے کہ
مرفوع متصل کی کل اور اجمعین کے ساتھ اولاً
متفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر تاکید لائی جائز
ہے جیسے القوم جاء و فی کلہم اجمعون اس لئے کہ
اس سے بھی تاکید کا فاعل کے ساتھ التباس نہیں
ہوتا اس لئے کہ کل ضمیر کی طرف اصناف کی
صورت میں اور اجمعین عوامل سے بہت کم
متصل واقع ہوتے ہیں پس ان دونوں کا فاعل
واقع ہونا صحیح نہیں ہو سکتا پس القوم جاء کلہم
نہیں کہہ سکتے جادعل القوم کہہ سکتے ہیں لہذا
ان کے ساتھ تاکید لائے ہوئے اولاً تاکید بمفصل
کی ضرورت نہیں بخلاف نفس وعین کے کہ
الشر فعل کے متصل ہوتے ہیں اور وہ فاعل
دیکھتے ہیں جیسے زید جاء ونفسہ لہذا ان کے تاکید
اور فاعل ہونے میں تمیز کے لئے اولاً تاکید
بالمفصل ضروری ہے واللہ اعلم ۱۲۔

۸۷ قولہ واکت الخ یعنی اکتع اور اس کی
دونوں نظیر اکتع اور ابتع لفظ اجمع کے تابع ہیں
یعنی یہ الفاظ تابع ہونے کی حیثیت سے متصل ہوتے
ہیں بالاصالة نہیں کیونکہ اجمع مقصود یعنی جمیعہ پران
سے زیادہ واضح طور پر دلالت کرتا ہے یہی وجہ ہے
کہ یہ نہ تو اجمع پر مقدم ہوتے ہیں اگر یہ اجمع کے
ساتھ مقدم ہوں اور نہ ان کا ذکر اجمع کے بغیر قوی
ہے بلکہ ضعیف ہے اس لئے کہ ان الفاظ کی دلالت
معنی جمیعہ پر ظاہر نہیں نیز ان کی تقدیم اور ذکر سے
یہ بھی لازم آتا ہے کہ فرع اصل پر مقدم ہوا بغیر
اصل کے پائی جائے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ قول

یعنی تسجل ہذا الکلمات اثلث تبعیتہ لا بالاصالة لكونه اول منها على المقصود وهو الجمعية فلا يتقدم معنى النع واخويه عليہ ای علی اجمع لو اجتمعت معه وذكرها ای ذکر اکتع مع اخويه دونه ای دون ذکر اجمع ضعیف لعدم ظهور دلالتها علی معنى الجمعية وللزوم ذکر ما من شأنه التبعية بدون الاصل البذل تابع مقصود بما نسب الی المتبوع ای تقصد النسبة الیه بنسبة ما نسب الی المتبوع دونه ای دون المتبوع ای لا تكون النسبة الی المتبوع مقصودا ابتداء بنسبة ما نسب الیه بل تكون النسبة الیه توطیة وتمهید النسبة الی التابع سواء كان ما نسب الیه مسندا او غیره مثل جاءنی زید اخوئ وخربت زید اخاک واحترز بقوله مقصود بما نسب الی المتبوع عن النعت والتاکید

اتباع ہمزہ کی فتح کے ساتھ (تبع کفرس کی جمع اور فرس کی جمع افراس ہے) بنا برائے مشہور ہے یعنی یہ تینوں کلمے داکتہ واتباع والبعص اجمع کے تابع ہو کر استعمال ہوتے ہیں بالاصالة نہیں کیونکہ اجمع ان تینوں کی نسبت مقصود یعنی جمعیت پر زیادہ دلالت کرتا ہے لہذا ان کے برہیں گئے یعنی اکتع اور اس کے دونوں بھائی «اس سے» یعنی اجمع سے اکتع اجمع کے ہمراہ جمع ہوں «اور ان کا ذکر» یعنی اکتع کا ذکر اس کے دونوں بھائیوں کے ساتھ «اس کے بغیر» یعنی اجمع کے ذکر کے بغیر «ضعیف ہے» کیونکہ اکتع واتباع والبعص کی جمعیت کے معنی پر دلالت ظاہر نہیں اور «اس سے» ایک ایسی چیز کا ذکر اصل کے بغیر لازم آئے گا جس کی شان اصل کے تابع (ہو کر مذکور) ہوتا ہے «اور بدل وہ تابع ہے جو اس چیز کے ساتھ مقصود ہوتا جس کی نسبت مقبوع کی طرف کی گئی» یعنی اس چیز کی نسبت سے جو مقبوع کی طرف کی گئی تابع کی طرف نسبت مقصود ہوتی ہے «نہ کہ وہ» یعنی نہ کہ مقبوع یعنی اس چیز کی نسبت سے کہ مقبوع کی طرف کی گئی مقبوع کی طرف نسبت ابتداء مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقبوع کی طرف نسبت تابع کی طرف نسبت کے لئے جیسے اور تمہید کے طور پر ہوتی ہے خواہ جس کی مقبوع کی طرف نسبت کی گئی مسند ہو اور مقبوع مسند الیہ ہو یا مسند نہ ہو جیسے جاءنی زید اخوئ (یہ مسند کی مثال ہے کہ جاء کی زید کی طرف اسناد کی گئی جاء مسند اور زید کہ مقبوع ہے مسند الیہ ہوا کہ فاعل ہے) اور ضربت زید اخاک وغیر مسند کی مثال ہے یعنی اس مثال میں مقبوع کہ زید ہے کی طرف جس ضرب کی نسبت کی گئی زید کے لئے مسند نہیں کہ زید تو مفعول ہے اور مفعول یہ مسند الیہ نہیں ہوتا بلکہ ضرب کی تمہید بارز مرفوع متصل کی طرف اسناد کی گئی ہے کہ وہی فاعل ہے محمد غلام سرور قادری (۱۲) اور مصنف نے اپنے قول مقصود بما نسب الی المتبوع سے نعت و تاکید و مطلق بیان

اتن اتباع یعنی ہمزہ ہے اس لئے کہ یہ تتبع یعنی العین کی جمع ہے جیسے فرس کی جمع افراس والہ علم قولہ البدل الخ یعنی بدل وہ تابع ہے کہ جو اس چیز کی نسبت سے کہ مقبوع کی طرف ہے بغیر مقبوع کے مقصود ہو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبارت تن سے یہ سمجھیں آتا ہے کہ مقبوع کی طرف فعل کی نسبت سے بدل مقصود ہوتا ہے حالانکہ الیہ نہیں اس لئے کہ جاز زید اخوئ میں زید کی طرف جمعیت کی نسبت سے اخوئ مقصود نہیں بلکہ جب زید کی طرف نسبت جمعیت سے تو وہی مقصود ہے اس کا جواب ای تقصد النسبة الخ سے شارح نے یہ دیا کہ مقصود تابع کی صفت باعتبار اس کے حال کے نہیں بلکہ ان کے متعلق کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مقبوع کی طرف فعل کی نسبت سے تابع کی طرف فعل کی نسبت کا مقصد کیا جائے پس جاز زید وہ اخوئ میں اخوئ تابع ہے اس لئے کہ اس فعل کے سبب سے کہ جس کی نسبت مقبوع یعنی زید کی طرف ہے (یعنی جمعیت کے سبب سے فعل کی نسبت کا تابع یعنی اخوئ کی طرف قصد کیا گیا ہے پس اس معنی کے اعتبار سے زید مقصود نہیں ہوا بلکہ اخوئ ہو گا پھر یہ کہ اس میں مقبوع کی طرف نسبت کا قصد نہ ہو یعنی مقبوع کی طرف فعل کی نسبت ابتداء مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے تابع کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے آیا جو یعنی مقبوع کی طرف فعل کی نسبت تابع کی طرف فعل کی نسبت کے لئے بطور توطیہ اور تمہید کے ہو پھر اس میں تعین ہے کہ جو فعل مقبوع کی طرف نسبت سے ہے وہ اپنی مقبوع کی طرف مسند ہو یا نہ ہو جیسے جاءنی زید اخوئ کہ اس میں جاء مقبوع کی طرف مقصود ہے اور جیسے ضربت زید اخاک کہ اس میں فعل کا اسناد مقبوع یعنی زید کی طرف نہیں بلکہ ضربت کی تمہید کی طرف ہے والہ اعلم

قولہ واحترز الخ اس کے فوائد فیہ ہیں کہ قولہ مقصود بما نسب الی المتبوع سے

نعت تاکید و مطلق بیان خارج ہو گئے اس لئے کہ یہ توابع سے مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کے مقبوع مقصود ہوتے ہیں اور قولہ مطلق سے مطلق بحرف خارج ہو گیا اس لئے کہ اس

عطف البیان لانہا لیست مقصودۃ بماسب الیہ بل المتبوع مقصودۃ بان یقول
دو نہ احتراز عن العطف بحرف فان المتبوع فیہ مقصودۃ بماسب الیہ مع التابع
ولا یصدق الحد علی المعطوف بل لان متبوعہ مقصودۃ ابتداءً ثم یدالہ فاعوض
عنہ وقصد المعطوف فکلاهما مقصودان بہذا المعنی فان قبل هذا الحد لا یتناول
البدل الذی بعدہ لا مثل ما قام احد الا زید فان زیداً ابدل من احد ولیست نسبة
ماسب الیہ من عدم القیام مقصودۃ بالنسبة الی زید بل النسبة المقصودۃ بنسبة
ماسب الی احد نسبة القیام الی زید قلنا ما نسب الی المتبوع ہرنا هو القیام فانہ
نسب الی منقیان نسبة القیام بعینہ الی التابع مقصودۃ ولكن اثباتاً فیصدق علیہ بد

سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ (توابع تلاش) اس نسبت سے کہ متبوع کی طرف کی گئی مقصود نہیں
بلکہ اس سے (بالا صالۃ والا استقلال) متبوع مقصود ہے اور مصنف نے اپنے قول میں "مورثہ" کے
ذریعے عطف بحرف سے احتراز کیا ہے کیونکہ عطف بحرف میں متبوع اس نسبت سے کہ
اس کی طرف کی گئی اپنے تابع کے ہمراہ مقصود ہوتا ہے اور بدل کی تعریف معطوف بحرف بل
پر صادق نہیں آتی کیونکہ معطوف بحرف بل کا متبوع شروع میں مقصود رہے نسبت ہے ہم
محکم کے لئے (حکم آخر) ظاہر ہوا تو اس نے اس (حکم اول یا رائے اول) سے انحراف لیا اور
معطوف کا قصد کیا پس اس معنی کے اعتبار سے (معطوف بحرف بل میں) دونوں (تابع و متبوع)
مقصود ہیں پس اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو الہ کے بعد کلام
غیر موجب میں واقع ہو جیسے ما قام احد الا زید کہ زید احد سے بدل ہے حالانکہ وہ نسبت جو
احد کی طرف کی گئی ہے یعنی عدم قیام کی زید کی نسبت مقصود نہیں ہے بلکہ اس نسبت سے
جو احد کی طرف کی گئی ہے نسبت مقصودہ زید کی طرف قیام کی نسبت ہے (یعنی مد کی طرف
قیام کی نسبت نفی کے طور پر اور زید کی طرف ایجاب کے طور پر مقصود ہے اور بل میں
دونوں نسبتوں میں اتحاد شرط ہے جو یہاں نہیں ہے) ہم نے جواب دیا کہ (بدل پر نسبت
کا اتحاد شرط نہیں بلکہ نسبت جیسے اتحاد شرط ہے اور وہ یہاں موجود ہے کیونکہ جو متبوع
کی طرف یہاں منسوب ہے وہ (جنس) قیام ہے جو اس کی طرف نفی کے طور پر منسوب ہے
اور قیام کی بعینہ (جنس) نسبت تابع کی طرف مقصود ہے لیکن اثبات کے طور پر لہذا

اس میں ابتداءً متبوع مقصود ہوتا ہے پھر متکلم
پر کچھ ظاہر ہو جاتا ہے، اور وہ اس سے اعراض
کے معطوف کا قصد کرتا ہے پھر اس معنی کے
اعتبار سے متبوع احد تابع دونوں مقصود ہوئے
لہذا دونوں سے یہ بھی خارج ہوگا واللہ اعلم۔

میں نسبت سے متبوع مع الی مقصود ہوتا ہے
اب کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ تعریف معطوف
بدل پر صادق آتی ہے کہ اس میں متبوع کے
غیر تابع مقصود من النسبة ہوتا ہے اس لئے
کہ ہم کہیں گے کہ یہ اعتراض غلط ہے اس لئے کہ

نہ قول فان قبل الخ پھر اعتراض وارد

ہو کہ یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو ما قام
احد الا زید میں الہ کے بعد واقع ہے اس لئے کہ
زید احد سے بدل ہے مگر فعل منسوب الیہ یعنی عدم
قیام کی نسبت بہ نسبت زید کے مقصود نہیں بلکہ
ہم فعل کی نسبت احد کی طرف کی گئی ہے اس
سے نسبت مقصودہ زید کی طرف قیام کی نسبت ہے
اور ان دونوں میں مغایرت ہے اس لئے کہ احد
کی طرف نسبت مقصودہ قیام کی نفی ہے، اور
زید کی طرف نہ بجایا اور شرط بدل میں یہ ہے کہ تابع
اور متبوع دونوں کی نسبتیں ایجاب و سلب میں
متحد ہوں پس مثال مذکور میں زید کا احد سے بدل
واقع ہونا صحیح نہیں واللہ اعلم۔

۹۱ قول قلنا الخ جواب یہ ہے کہ اس

بلکہ متبوع کی طرف جس فعل کی نسبت ہے وہ قیام
ہے اس لئے کہ وہ نفیاً متبوع کی طرف منسوب ہے
احد بعینہ قیام کی نسبت تابع کی طرف بھی مقصود ہے
لیکن اثباتاً پس اگرچہ دونوں میں نفی اور اثبات کا
فرق ہے مگر قیام کے اعتبار سے دونوں نسبتیں متحد
ہیں پس زید پر تعریف مذکور صادق آتی ہے کہ زید بل
تابع ہے کہ جس کی نسبت بہ نسبت اس فعل کے جو
متبوع کی طرف منسوب ہے مقصود ہے، اس
لئے کہ تعریف میں جو نسبت مذکور ہے وہ اس بات
سے اعم ہے کہ خواہ بطریق اثبات ہو یا بطریق
نفی اب اگر کوئی کہے کہ اس بنا پر تو طبعاً نقیض
بالنقیض لازم آیا اس لئے کہ متبوع میں نسبت
مقصودہ نفیاً ہے جو کہ بطریق طبعیہ کے ہے اور
تابع میں ایجاباً جو کہ مقصود بہ نسبت الی الاول
ہے اس کا جواب دیکھن ان یقصد الخ سے شارح
نے یہ دیا کہ اس سے کوئی مخرج نہیں واقع ہوتا
کیونکہ ممکن ہے کہ تعریف سے اس بات کا قصد
ہو کہ شئی اول کی طرف فعل منسوب کی نسبت بطریق
نفی کے ہوا وہ شئی آخر کی طرف اثباتاً اس کی
نسبت کا قصد کیا جائے، اور اول ثانی کے لئے
بطریق طبعیہ اور تمجید کے واقع ہو، واللہ اعلم۔

۱۱۲ قولہ دہوا الخ یعنی بدل کی چار قسمیں ہیں سب بدل الکل جو کہ بدل منہ کا من ہوتا ہے اور بدل البعض جو کہ بدل منہ کا بعض یعنی جزد ہوتا ہے پس بدل کی اضافت کل اور بعض کی طرف اس جگہ ایسی ہے جیسی کہ خاتم فضہ میں اضافت ہے یعنی اضافت بیانیہ اور سب بدل الاشتمال یعنی وہ بدل جو احد المبدلین کے آخر پر اشتمال کی وجہ سے بطور تغلیب کے ہوتا ہے یعنی اس بدل کا سبب احد المبدلین کا آخر پر اشتمال ہے پس اس کی دونوں صورتیں ہیں کہ بدل مبدل منہ پر شامل ہو یا عکس ہو اولیٰ کی مثال جیسے سلب نہ بدو ثوبہ کہ اس میں ثوبہ بدل زید کو شامل ہے اور ثانی کی مثال جیسے قول باری تعالیٰ یسئلونک عن الشهر الحرام بدل منہ قتال قتال فیہ کہ اس میں الشهر الحرام بدل منہ قتال بدل کو شامل ہے اس لئے کہ شہر حرام سے مراد وہ مہینہ ہے جو حالت جنگ و قتال میں واقع ہو جائے پس شہر حرام قتال کو مشتمل اور اس کا طرف ہوا اس لئے کہ قتال اس مہینہ میں واقع ہوا اس جگہ غالباً سے اس طرف اشارہ ہے کہ بدل الاشتمال کی وجہ تسمیہ اشتمال کے ساتھ تغلیب ہے اس لئے کہ بعض صورتوں میں بدل الاشتمال پایا جاتا ہے مگر اشتمال بالکل نہیں ہوتا جیسے جادنی زید و عمارہ کہ اس میں بدل الاشتمال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا مگر عمارہ زید پر مشتمل نہیں اور نہ اس کا عکس ہے پس یہ احد ہما کا آخر پر اشتمال یا اعتبار اکثر اور اغلب کے ہے اور سب بدل الغلط یعنی کے ابراد کا سبب اول میں غلطی ہوتی ہے پس اخیر کی دو صورتوں کی طرف بدل کی اضافت اضافہ سبب الی سبب کے قبیل سے ہے جادنی ملاست کی وجہ سے پس یہ اضافہ لامیہ ہوگی واللہ اعلم ۱۲۔

۱۱۳ قولہ فالاول الخ یعنی بدل کل میں تابع اور متبوع کے معنی از روئے ذات کے متحد ہونے میں مفہوم کے اعتبار سے اتحاد نہیں

انہ تابع مقصود نسبتہ بنسبہ ما نسب الی المتبوع فان النسبة الماخوذة فی الحد اعم من ان يكون بطریق الاثبات او النقی ویکن ان یقصد بنسبته الی شیء فیان نسبتہ الی شیء آخر اثباتاً ویكون الاول توطیة للثانی وَهُوَ اِی البدل انواع اربعة بَدَلُ الْکُلِّ اِی بدلٌ هُوَ کل المبدل منه وَبَدَلُ الْبَعْضِ اِی بدلٌ هُوَ بعض المبدل منه فلاضافة فیہما مثلہا فی خاتم فضہ وَبَدَلُ الْاِشْتِمَالِ اِی بدلٌ مسبب غالباً عن اشتمال احد المبدلین علی الآخر اما اشتمال البکل علی المبدل منه فهو سلب زید ثوبہ او بالعکس نحو یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیہ وَبَدَلُ الْغَلَطِ اِی بدلٌ مسبب عن الغلط فالإضافة فی الاخيرین من قبیل اضافة السبب الی السبب لادنی ملاسہ فالأول اِی بدل الکل مَذْلُومٌ مَذْلُومٌ الْأَوَّلُ یعنی

زید پر یہ بات صادق آئے گی کہ وہ تابع ہے وہ اس نسبت سے مقصود ہے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ نسبت جو (بدل کی) تعریف میں ماخوذ ہے وہ اس سے عام ہے کہ اثبات کے طریق سے ہو یا نفی کے اور ممکن ہے کہ ایک چیز کی کسی چیز کی طرف نفی کے طور پر نسبت سے اسی چیز کی دوسری چیز کی طرف اثبات کے طور پر نسبت مقصود ہو اور اول دوسری کے لئے وسیلہ ہوگی (یعنی نسبت جنس کے اعتبار سے اول کی طرف نسبت دوسری چیز کی طرف نسبت کے لئے ذریعہ ہوگی) (اور وہ) یعنی بدل چار قسم ہے «بدل الکل» یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا کل (یعنی میں) ہے «اور» بدل «البعض» یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا بعض ہے پس ان دونوں (بدل الکل اور بدل البعض) میں جو اضافت ہے وہ اس صاف کی طرح ہے جو خاتم فضہ میں ہے «اور» بدل «الاشتمال» یعنی وہ بدل جو غالباً دونوں مبدل سے ایک کے دوسرے پر مشتمل ہونے سے مسبب ہے (و اما قال غالباً لیسخرج عن التعریف مثل الجینی زید و عمارہ لان الاشتمال فیہ لیس بمعنی کون البکل مسبباً لبذل منہ محل والبذل حال فیہ پھر اشتمال) یا تو بدل کے بدل منہ پر مشتمل ہونے کی صورت میں ہوگا جیسے سلب زید ثوبہ یا اس کے برعکس جیسے یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیہ «اور» بدل «الغلط» یعنی وہ بدل جو غلط سے مسبب ہو پس دو اخیرین (یعنی بدل الاشتمال اور بدل الغلط) میں جو اضافت ہے وہ ادنی علاقہ کی وجہ سے سبب کی سبب کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے «پس اول» یعنی بدل الکل (کی بات یہ ہے کہ) «اس کا بدل اول کا بدل ہوگا»

ایخ کا مفہوم مغایر ہے، مگر دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہیں کیونکہ ذات زید اور ذات اخوک ایک ہے اور مغایرت فی المفہوم باین طور ہے کہ مفہوم اخ مفہوم زید کا مغایر ہے اس

ہوتا کہ وہی مترادف نہ ہو جائیں اگرچہ بعض صورتوں میں بھی اتحاد مفہومی ہو جاتا ہے، جیسے زید و عمارہ یا اس کے بدل الکل کی مثال یہ ہے جیسے جاء فی زید اخوک کہ اس میں اگرچہ زید اور

مقدمان ذاتا لا ان يتحد مفهوما هما ليكونا مترادفين فهو جاءني زيد اخوك فزيد
واخوك وان اختلفا مفهوما فهما مقدمان ذاتا قال الشارح الرضوي وانا الى الآن
لم يظهر لي فرق جلي بين بدل الكل من الكل وبين عطف البيان بل لا اري عطف
البيان الا بدل الكل وما قالوا من ان الفرق بينهما ان البديل هو المقصود بالنسبة
دون متبوعه بخلاف عطف البيان فانه بيان والبيان فرع المبين فيكون المقصود
هو الاول فالجواب اننا لانم ان المقصود في بدل الكل هو الثاني فقط ولا في سائر
الاببدال الا الغلط وقال بعض المحققين في جوابه الظاهر انهم لم يريدوا انه ليس
مقصودا بالنسبة اصلا بل ارادوا انه ليس مقصودا اصليا والحاصل ان مثل قولك
جاءني اخوك زيد ان قصدت فيه الاسناد الى الاول وجئت بالثاني تسميه له

یعنی دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں یوں نہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے
متحد ہوتے ہیں تاکہ دونوں مترادف ہوں (اب مترادف نہ ہوں گے) جیسے جاءني
زيد اخوك پس زید اور اخوک اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں تاہم دونوں ذات کے
اعتبار سے متحد ہیں (مفہوم کے اعتبار سے مختلف یوں ہیں کہ اخ کا مفہوم جنسی اور زید کا
مفہوم شخصی ہے فاختلا فقط محمد غلام سرور قادری) شارح رضی نے کہا کہ اب تک میرا
حال یہ ہے کہ میرے لئے بدل الكل من الكل اور عطف بیان کے درمیان کوئی واضح فرق
ظاہر نہیں ہوا بلکہ مجھے تو عطف بیان بدل الكل ہی معلوم ہوتا ہے اور جو نحو یوں نے کہا کہ
دونوں میں فرق یہ ہے کہ بدل مقصود بہ نسبت ہوتا ہے اس کا متبوع نہیں عطف بیان کے
برعکس کہ وہ (اپنے متبوع کے) بیان (کے لئے لایا جاتا) ہے اور بیان (یعنی مبین بہ صیغہ اعم
فاعل) مبین (بہ صیغہ اعم مفعول) کی فرع ہے تو مقصود اول (یعنی متبوع مبین) اسی ہوا
(نہ کہ مکمل مبین) تو جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بدل الكل میں مقصود ثانی ہوتا ہے فقط
اور اس میں متبوع کے قصد کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی ہم یہ مانتے کو تیار ہیں کہ بدل الغلط
کے سوا باقی بدلوں میں ثانی مقصود ہوتا ہے فقط اور بعض محققین (یعنی السید السند المیر الشریف
البحر جانی رحمہ اللہ) نے رضی کے جواب میں فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نحو یوں کی یہ مراد ہیں
کہ (بدل میں متبوع) بالکل مقصود بہ نسبت ہوتا ہی نہیں (نہ اصالتہ اور نہ تبعاً) لکافی بدل
الغلط بلکہ البديل هو المقصود بالنسبة دون متبوعہ سے) ان کی مراد یہ ہے کہ بدل المتبوع
مقصودا اصلی نہیں ہوتا یعنی مقصود اولی نہیں ہوتا اور (ان دونوں میں فرق کا) حاصل یہ
ہے کہ ہمارے قول جاءني اخوك زید کا مثل (مخلی غور ہے کہ) اگر تم اس قول میں اول (یعنی
اخوک) کی طرف اسناد کا قصد کرو اور دوسرے (یعنی زید) کو لفظ اخوک کے لئے متمم اور

لئے کہ اول کا مفہوم جنسیہ ہے کہ ہر اخ کو شامل
ہے اور ثانی کا مفہوم شخصیہ والہ اعلم۔
۹۴ قولہ قال الشارح الخ شارح
رضی کہتے ہیں کہ مجھے اب تک بدل الكل اور
عطف بیان کے درمیان کوئی جلی فرق معلوم
نہیں ہو سکا بلکہ میں تو عطف بیان کو بدل الكل
ہی سمجھتا ہوں اور جن لوگوں نے دونوں میں یہ
فرق بتایا ہے کہ بدل اپنے متبوع کے بغیر مقصود
بالنسبة ہوتا ہے بخلاف عطف بیان کے کہ
وہ بیان ہے اور بیان مبین کی فرع ہوتا ہے
پس عطف بیان میں مقصود اول ہوا اور بدل
الكل میں ثانی لہذا فرق ظاہر ہے تو اس کا جواب
ہم یہ دیتے ہیں کہ یہ بات میں تسلیم نہیں کہ بدل
الكل میں حرف ثانی ہے مقصود ہے اول نہیں اسی
طرح سوائے بدل الغلط کے دیگر ابدال میں بھی
حرف ثانی مقصود نہیں ہوتا اس کا جواب سید
السند نے حواشی رضی میں دیا ہے جس کو شارح
وقال بعض المحققين سے بیان فرما رہے ہیں کہتے
ہیں کہ جن لوگوں نے دونوں کے درمیان فرق بتلایا
ہے انہوں نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ متبوع بالکل مقصود
بالنسبة ہوتا ہی نہیں نہ اصالتہ نہ تبعاً بلکہ ان کا
ارادہ یہ ہے کہ متبوع مقصودا اصلی نہیں ہوتا
اور عطف بیان میں متبوع مقصودا اصلی ہوتا
ہے پس دونوں میں فرق ظاہر ہے والہ اعلم۔
۹۵ قولہ والی اصل الخ یعنی فرق کا حاصل
یہ ہوا کہ جاءني اخوك زید سے اگر اخوک کی طرف
اسناد فعل کا قصد کیا جائے اور ثانی یعنی زید
کو اول کے لئے بطور متمم اور توضیح کے لایا جائے
تو ثانی عطف بیان ہوگا اور اگر فعل کی اسناد ثانی
یعنی زید کی طرف مقصود ہوا اور اول کو اس کے
توطیہ اور تمہید کے لئے لایا جائے تاکہ اسناد
مبالغہ ہو تو ثانی بدل ہوگا اور اس وقت اس سے
جو توضیح حاصل ہوگی وہ مقصود بالمتبع ہوگی اور
مقصودا اصلی تو طیہ کے بعد تابع کی طرف فعل کا
اسناد ہوگا پس فرق ظاہر ہے والہ اعلم۔

۱۹۶ قولہ والثنائی الخ یعنی بدل بعض

مبدل منہ کا جز ہوتا ہے جیسے ضربت زیداً رأساً اور ثانی یعنی بدل الاشتمال تو اس کی تشریح یہ ہے کہ اس کے اور مبدل منہ کے درمیان ملاہست ہو یا اس طور کہ متبوع کی طرف نسبت سے ملاہست یعنی تابع کی طرف اجمالاً نسبت واجب ہو جیسے اعجبنی زیداً علمہ کہ اس سے ابتداء یہ معلوم ہوا کہ زید اپنی بعض صفات (منہ باعتبار ذات) کے اعتبار سے باعث تہیب ہے پھر زید کی طرف اعجاب کی نسبت اس کی صفات میں سے ایک صفت کی طرف نسبت کو اجمالاً متضمن ہے اس جگہ اجمالاً کا مطلب یہ ہے کہ ملاہست بالکسر اور ملاہست بالفتح دونوں ایک نہ ہوں یعنی دونوں کے درمیان کلیتہ اور جزئیت کے علاوہ کوئی اور تعلق و علاقہ نہ ہو اور اعجبنی الخ کی طرح سلب زیداً ثوبہ میں بھی تابع کی طرف اجمالاً نسبت سمجھ میں آ رہی ہے بخلاف ضربت زیداً حماراً اور ضربت زیداً غلاماً کے کہ ان میں زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اور اس نسبت کے صحیح ہونے میں غیر زید کی طرف نسبت کا اعتبار لازم نہیں آتا پس یہ باب بدل الغلط سے ہو گا بدل الاشتمال سے نہیں واللہ اعلم۔

۱۹۷ قولہ بغیر ہما الخ یعنی وہ ملاہست

اس طرح ہو کہ بدل کل مبدل منہ یا جزہ مبدل منہ نہ ہو پس اس میں وہ چیز داخل ہو جائے گی کہ جس میں مبدل منہ بدل کا جزہ ہو پس بدل کا مبدل منہ سے اجمالاً اس ملاہست کی بنا پر ہو جیسے نظرت الی القمر فلک کہ اس میں قمر بدل مبدل منہ فلک کا جزہ ہے اور یہ ابدال اس ملاہست کا دمہ سے ہے واللہ اعلم ۱۲۔

توضیحا فالثنائی عطف بیان وان قصدت فیہ الاسناد الی الثانی وجئت بالاول توطیۃ لہ مبالغۃ فی الاسناد فالثنائی بدل وحينئذ یكون التوضیح الحاصل بہ مقصوداً اتباعاً والمقصود اتصالہ ہوا الاسناد الیہ بعد التوطیۃ فالفرق ظاہر و

الثنائی ای بدل البعض جزء وہ ای جزء المبدل منہ نحو ضربت زیداً رأساً والثالث ای بدل الاشتمال بینه وبين الاول ای المبدل منہ ملاہست بمحض توجب النسبة الی المتبوع النسبة الی الملاہست اجمالاً نحو اعجبنی زیداً علمہ حیث یعلوم ابتداءً انہ یكون زیداً معجبا باعتبار صفاتہ لا باعتبار ذاتہ وتقتضی نسبة الاعجاب الی زیداً نسبتہ الی صفة من صفاتہ اجمالاً وکذا فی سلب زیداً ثوبہ بخلاف ضربت زیداً حماراً وضربت زیداً غلاماً لان نسبة الضرب الی زید تامہ ولا یلزم فی صحتها اعتبار غیر زید فیکون من باب بدل الغلط یغیر ہما

توضیح کے طور پر لاؤ تو ثنائی عطف بیان ہے اور اگر تم اس قول میں ثانی (یعنی زید) کی طرف اسناد کا قصد اولین کرد اور اول (یعنی اخوک متبوع) کو اس (مقصود کے لئے ذریعہ دو تہید اور مبالغہ فی الاسناد کے طور پر لاؤ تو ثنائی بدل ہے اور اس وقت (جبکہ تم توطیۃ و تہید اور ذریعہ کا قصد کرو ایضاح کا نہ کرو تو) اس قول سے جو توضیح حاصل ہوگی وہ تبعاً مقصود ہوگی اور اتصالہ مقصود توطیۃ (و تہید) کے بعد ثنائی کی طرف اسناد ہی ہے (حاصل حاصل یہ کہ اس مثال میں جب ثنائی کی طرف اسناد کا قصد کیا جائے اور مدار الحکم اسی کو قرار دیا جائے تو گویا کہ اخوک سے قطع نظر کر کے جاء زید کہا گیا ہے اور اسی طرح اگر تم زید اخاک کہا جائے اور اس سے مخاطب پر احسن بتایا جائے کہ میں نے زید کی تعظیم اس لئے کی کہ وہ تمہارا بھائی ہے تو گویا زید سے قطع نظر کر کے اگر تم اخاک کہا گیا ہے لہذا منتف فی عطف البیان فقط بعد سرور قادری) اور فرق ظاہر ہے (کہ بدل مقصود اصلی و اولی ہوتا ہے لیکن عطف بیان مقصود اصلی نہیں ہوتا بلکہ وہ تو توضیح کے لئے لایا جاتا ہے) «اور ثانی» یعنی بدل البعض «اس کا جزہ ہوتا ہے» یعنی بدل منہ کا جزہ ہوتا ہے جیسے ضربت زیداً رأساً «اور تیسرا» یعنی بدل الاشتمال (یوں ہے کہ) «اس کے اور اول کے» یعنی بدل منہ کے درمیان ایک تعلق ہے «اور وہ تعلق» اس طرح ہے کہ متبوع کی طرف (جو نسبت ہے) ملاہست (تابع) کی طرف نسبت کو اجمالاً طور پر ثابت کرتی ہے جیسے اعجبنی زیداً علمہ کیونکہ یہ بات ابتداءً (اعجبنی زید سے ہی) معلوم ہو رہی ہے کہ زید اپنی صفات کے اعتبار سے معجب ہے اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں اور زید کی طرف اعجاب کی نسبت اس کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف اجمالاً طور پر اس کی نسبت کو متضمن ہے اور اسی طرح سلب زیداً ثوبہ میں، ضربت زیداً حماراً اور ضربت زیداً غلاماً کے برعکس کیونکہ زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اس

ای تكون تلك للملازمة بغير كون البديل كل المبدل منه اوجزوه فيدخل فيه ما اذا كان المبدل منه جزءاً من البديل ويكون ابدالاً منه بناءً على هذه الملازمة نحو نظرت الى القمر فلکه والمناقشة بان القمر ليس جزءاً من فلکه بل هو مكوّن فيه مناقشة في المثال ويمكن ان يورد له مثال مثل رأيت درجة الاسد برجها فانه لا مجال لهذه المناقشة فيه فان البرج عبارة عن مجموع الدرجات وانما لم يجعل هذا البديل قسماً خاصاً ولم يسم ببدل الكل عن البعض لاعتبار وندرته بل قيل لعدم وقوعه في كلام العرب فان هذه الامثلة مصنوعة والبرج اي بدل الغلط ان تقصداً اي ان يكون بان تقصد انت اليه اي الى البديل من غير اعتبار ملازمة بينهما بعد ان غلطت بغيره اي بغير البديل وهو المبدل منه ويكويّن البديل والمبدل منه معرفتين نحو ضرب زيد اخوك ونكرتين

نسبت کی صحت میں غیر زید کا اعتبار لازم نہیں آتا لہذا القطار ہمارہ اور غلام (زید اور اس کے مابعد میں عدم تناسب کی وجہ سے) بدل الغلط کے باب سے ہوا جو کلیت وجزئیت کے بغیر ہے یعنی وہ تعلق بدل کے مبدل منہ کے کل یا اس کے جزو ہونے کے بغیر ہے پس مصنف کے قول بغیر صما میں وہ تعلق بھی داخل ہو جائے گا جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ (نوع ثانی کے برعکس) مبدل منہ بدل کا جزو ہو اور اس نوع کا ابدال اس تعلق کی بنا پر بدل الاشتمال سے ہو گا یا مبدل منہ کا بدل سے ابدال اس ملازمة کی بنا پر ہو گا پس اس ابدال پر یہ بات صادق آتی ہے کہ مبدل منہ اور بدل کے مابین جو علاقہ ہے وہ کلیت وجزو کے بغیر ہے جیسے نظرت الى القمر فلکه (مبدل منہ یعنی قمر بدل یعنی فلک کا جزو ہے) اور اس بات کا جھگڑا کہ قمر فلک کا جزو نہیں بلکہ اس میں مرکوز ہے مثال میں جھگڑا ہے اور اس کے رأیت درجہ الاسد برج کی مثال وارد کی جاسکتی ہے پس اس مثال میں اس جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ برج مجموعہ درجات سے عبارت ہے (لہذا برج کل ہوتے ہوئے درجہ سے بدل ہے جو اس کا جزو ہے جب یہ بات ہے تو سوال یہ ہے کہ مصنف کے بدل کا یہ قسم خاص بھی بتا چاہئے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اور مصنف نے اس بدل کو اسے قسم خاص قرار نہیں دیا اور بدل الكل من البعض اس کا نام نہیں رکھا کہ یہ قلیل اور نادر ہے بلکہ کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ قسم کلام عرب میں واقع ہی نہیں ہوا اور یہ مثالیں مصنوعی ہیں (اور جو تھا) یعنی بدل الغلط یہ ہے کہ تم قصد کرد (یعنی جو تھا قسم بدل الغلط کا) یہ ہے کہ تم قصد کرد (اس کی طرف) یعنی مل کی طرف بدل اور مبدل منہ کے درمیان کسی علاقہ کے بغیر و بعد ازاں کہ تم نے اس کے غیر کے ساتھ غلطی کی (یعنی بدل کے غیر کے ساتھ یعنی اسے بول کر غلطی کی) اور وہ غیر (جیسے بول کر غلطی کی) مبدل منہ ہے (اور ہوں وہ دونوں) بدل اور مبدل منہ معلوم ہے جیسے ضرب زید

۹۸ قولہ والمناقشة الخ یعنی مثال مذکورہ میں مناقشتہ ہے اس لئے کہ قمر اپنے فلک کا جزو نہیں ہے بلکہ وہ بغیر علاقہ وجزئیت کے فلک میں مرکوز ثابت ہے پس ایسی مثال کہ جس میں مناقشتہ نہ ہو یہ ممکن ہے کہ رأیت درجہ الاسد برج سے دی جائے اس لئے کہ اس میں مناقشتہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ برج مجموعہ درجات سے عبارت ہے پس درجہ برج کا جزو ہو گا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم یعنی بدل الكل من البعض کو قسم خاص قرار دینا چاہئے تھا اس لئے کہ اس میں مبدل منہ بدل کا جزو ہوتا ہے اور یہ تمام ابدال کے متغیر ہے جو اس کا جواب و انما لم يجعل الخ سے خارج نے یہ دیا کہ اس کو قسم خاص اور اس کا نام بدل الكل من البعض اس وجہ سے قرار نہیں دیا گیا کہ قلیل اور نادر ہے بلکہ اس کے کلام عرب میں عدم وقوع کی بنا پر کہا گیا ہے کہ یہ امثلہ مصنوعہ ہیں و وقوع سے ان کا کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم۔

۹۹ قولہ والبرج الخ یعنی بدل الغلط وہ ہے کہ مبدل منہ کو غلط ذکر کرنے کے بعد دونوں کے درمیان کسی قسم کی ملازمة کا اعتبار کئے بغیر جس کا قصد کیا جائے جیسے جادنی زید وحمارہ کہ اس مثال میں حمارہ بدل غلط ہے اس لئے کہ مکمل جادنی حمارہ کہنا چاہتا تھا غلطی سے اس کی زبان پر زید آگیا اور اس نے اس غلطی کے تدارک لینے زید کے بعد حمارہ کہا پھر یہ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرّفہ بھی ہوتے ہیں اور ذکرہ بھی اور تعریف و تشکیک میں مختلف بھی اول کی مثال جیسے ضرب زید اخوک کہ اس میں زید بھی معرّفہ ہے اور اخوک بھی ثانی کی مثال جیسے جادنی زید وحمارہ لک کہ اس میں بدل اور غلام دونوں ذکرہ ہیں ثالث کی مثال جیسے قول باری تعالیٰ باننا صیۃ ناصیۃ کا ذکر کہ اول ناصیۃ معرّفہ باللام ہے اور ثانی مخبرہ اور جیسے جادنی زید وحمارہ لک کہ اول ذکرہ اور ثانی زید کی طرف اضافہ کے باعث معرّفہ ہے واللہ اعلم۔

تثانیہ قولہ اذا كان الخ یعنی جب بدل
نکرہ ہو اور بدل منہ معرفہ تو اس وقت نکرہ کی
نعت لاتا اور جب ہے تاکہ مقصود غیر مقصود
من کل الوجه القصد نہ ہو جائے کیونکہ نکرہ بہ نسبت
معرفہ کے نقص ہوتا ہے پس نکرہ کی صفت لائیں
گے تاکہ وہ نقص نہارت کے لئے بطور خبر نقصان
اور عوض کے ہو کہ اس سے نقص نہارت غافل
ہو جائے جیسے قول باری تعالیٰ بالناصیۃ ناصیۃ
کاذبۃ کہ اس میں ناصیۃ کی صفت کاذبۃ لائی گئی
ہے واللہ اعلم ۱۲

تثانیہ قولہ ویکنان الخ یعنی کبھی بدل
اور بدل منہ اسم ظاہر ہوتے ہیں جیسے جار فی
زید واخو اور کبھی مضمرب جیسے الزیدون نصیتم
ایہم کہ اس میں ہم بدل منہ اور ایہم بدل ہے
اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں جیسے اخوک
ضربتہ زیداً کہ اس میں بدل منہ مضمرب اور بدل
مظہر ہے اور جیسے اخوک ضربت زیداً ایہ
کہ اس میں بدل منہ مظہر اور بدل مضمرب ہے
واللہ اعلم ۱۲

تثانیہ قولہ ولا یبدل الخ یعنی اسم ظاہر
سوائے ضمیر غائب کے کسی اور ضمیر سے بدل
الکل نہیں ہوتا جیسے ضربتہ زیداً اس لئے کہ
اگر بدل کل کی صورت میں بدل منہ ضمیر متکلم
یا ضمیر مخاطب ہو اور بدل اسم ظاہر تو لازم آئے
گا کہ متکلم اور مخاطب غائب بن جائیں اس لئے
کہ جتنے اسم ظاہر ہیں سب بمنزلہ غائب کے
ہیں پس ضمیر متکلم اور مخاطب اسم ظاہر سے
دلالت اتوی اور اصل ہو جیسی اگر اسم ظاہر کو
ان دونوں میں بدل الکل لایا جائے تو لازم آئے گا
کہ مقصود غیر مقصود سے نقص ہو بل وجودیکہ دونوں
کا مدلول واحد ہوتا ہے یعنی بدل کل میں بدل کا
مدلول عین مبدل منہ ہوتا ہے پس لازم آئے گا کہ
متکلم اور مخاطب عین بدل ہو کر غائب ہو جائیں اور
یہ باطل ہے بخلاف بدل البعض بدل الاشتمال
اور بدل الخلط کے کہ ان میں مانع مفقود ہے اس

نحو جاء فی رجل غلامک وختلقتن نحو بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ وجاء
رجل غلام زید و اذا کان البدل نکرۃ مبدلۃ من معرفۃ قالنعت ای نقص
البدل النکرۃ واجب لئلا یكون المقصود انقص من غیر المقصود من کل وجه
قالوا فیہ بصفۃ تكون کالجابر لما فیہ من نقص النکرۃ مثل بالناصیۃ ناصیۃ
کاذبۃ ویکنان ظاہرین نحو جاء فی زید اخوک ومضمربین نحو الزیدون
لقیمہ ایہم وختلقتن نحو اخوک ضربتہ زیداً واخوک ضربت زیداً ایہ
یبدل ظاہر من مضمرب بدل الکل الا من الغائب نحو ضربتہ زیداً لان
المضمرب المتکلم والمخاطب اقوی واخص دلالة من الظاہر فلو ابدل الظاہر
منہما ببدل الکل یلزم ان یكون المقصود انقص من غیر المقصود مع کون مدلولیہ
واحد بخلاف بدل البعض والاشتمال والخلط فان المانع فیہما مفقود اذ لیس
مدلول الثانی فیہما مدلول الاول فیقال اشتریتک نصفک واشتریتنی نصفی و

اخوک (اور نکرہ) جیسے جاء فی رجل غلامک (اور مختلف ہوں) جیسے بان صیۃ ناصیۃ کاذبۃ
اور جاء رجل غلام زید (اور جب) بدل (نکرہ معرفہ سے) بدل (ہو تو نعت ہوگی) یعنی بدل
نکرہ کی صفت لاتا ضروری ہے تاکہ مقصود غیر مقصود سے ہر طرح نقص نہ ہو تو نحوی اس میں
صفت لائے تاکہ یہ صفت اس نکارت کی وصف کی تلافی کرے جو بدل میں ہے (جیسے بالناصیۃ
ناصیۃ کاذبۃ اور دونوں ظاہر ہوں گے) جیسے جاء فی زید اخوک (اور مضمرب) جیسے الزیدون
لقیمہم ایہم (اور دونوں مختلف ہوں) جیسے اخوک ضربتہ زیداً واخوک ضربت زیداً ایہ
(اور اسم ظاہر اسم مضمرب سے بدل الکل کے طور پر بدل نہیں ہو سکتا مگر غائب کی ضمیر سے جیسے ضربتہ
زیداً) کیونکہ مضمرب متکلم اور مضمرب مخاطب دلالت کی رو سے اسم ظاہر سے زیادہ خاص اور زیادہ
قوی ہے تو اگر اسم ظاہر کو مضمرب متکلم و مضمرب مخاطب سے بدل الکل کے طور پر بدل بتایا جائے تو
لازم آئے گا کہ مقصود غیر مقصود سے نقص ہو یا وجودیکہ (بدل الکل میں) بدل اور مبدل منہ
کا مدلول متحد ہوتا ہے بدل البعض و بدل الاشتمال اور بدل الخلط کے برعکس کہ ان تینوں میں اسم
ظاہر کے مضمرب متکلم و مخاطب سے بدل ہونے میں مانع مفقود ہے کیونکہ ان میں ثانی کا مدلول
اول کا مدلول نہیں ہے (اب شارح تینوں کی مثالیں دیتے ہوئے کہتے ہیں) پس کہا جائیگا
اشتریتک نصفک یہ ضمیر مخاطب منصوب سے بدل کی مثال ہے (اور اشتریتنی نصفی (اس

لئے کہ ان میں مدلول ثانی عین اول نہیں ہوتا پس
ان میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب اور متکلم سے بدل
واقع ہو سکتا ہے جیسے بدل البعض کی مثال اشتریتک
نصفک کہ اس میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب سے بدل
ہے اور اشتریتنی نصفی کہ اس میں ضمیر مخاطب سے
بدل ہے اور بدل الاشتمال کی مثال جیسے
ضربتک الحمار و ضربتنی الحمار واللہ اعلم

اجتنبی علمک واجتبتک علی وخریتک الحمار وخریتنی الحمار عطف البیان
یعنی شامل لجميع التوابع غیر صیغۃ احتراز بہ عن الصفة یوضح متبوعہ
احتراز بہ عن البدل والعطف بالمعرف والتاکید ولا یلزم من ذلك ان یکون
عطف البیان او ضم من متبوعہ بل ینبغی ان یحصل من اجتماعہما ایضاح لم
حصل من احدهما علی الافراد فیصح ان یکون الاول او ضم من الثاني مثل اقمم
باللہ ابو حفص عمر فابو حفص کنیۃ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعمر
عطف بیان لہ وقصته اذہ اقی اعرابی الی عمر ابن الخطاب رۃ فقال ان اہلی
عید واتی علی ناقۃ وبراء عجفاء نقباء واستحمله فظنہ کاذبا فلم یحملہ فانطلق

میں نصفی منیر متکلم منصوب متصل سے بدل ہے یہ دونوں بدل البعض کی مثالیں ہیں اور
بدل الاشمال میں کہا جائے گا) اجتنبی علمک (اس میں علمک مرفوع لفظ منیر مخاطب سے بدل الاشمال
ہے) واجتبتک علی (علی مرفوع محلا منیر متکلم سے بدل الاشمال ہے) اور خریبتک الحمار (الحمار منیر مخاطب
سے بدل العطف ہے) اور خریبتنی الحمار (اس میں الحمار منیر متکلم سے بدل العطف ہے) عطف بیان وہ
تابع ہے لفظ تابع (جنس کے بمنزلہ) جمیع توابع کو شامل ہے «صفت کے علاوہ» اس قید سے
صفت سے احتراز کیا وجوہ قبوع کو واضح کر کے اس قید سے بدل اور عطف بہ حرف اور
تاکید سے احتراز ہے اس سے لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنے قبوع سے زیادہ واضح ہو
دیا اس کے برعکس یا مساوی ہو بلکہ مناسب ہے کہ (عطف بیان میں) تابع اور قبوع کے
اجتماع سے وہ ایضاح (وبیان) حاصل ہو جو افراد کے طور پر کسی ایک سے بھی حاصل نہ ہو
لہذا یہ صحیح ہے کہ اول ثانی سے زیادہ واضح ہو جیسے اقمم باللہ ابو حفص عمر تو ابو حفص امیر
المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور اس کے لئے عطف بیان ہے اور
اس کلام کے ورود کا واقعہ و سبب یہ ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (آپ کے دور خلافت باسعادت میں) حاضر ہوا اور عرض کی کہ
میرے اہل بعید ہیں (یعنی میرا وطن جس میں میرے اہل و عیال ہیں بعید ہے) اور میں ایک بیمار
و کمزور اونٹنی پر سوار ہوں (دبراء دبر سے مشتق ہے یہ ایک طرح کی بیماری ہے جو اونٹوں کو غرض
ہوتی ہے عجفاء بمعنی لا من نقباء النقب کی مؤنث ماخوذ از نقب یہ بیماری ہے جس سے اونٹ
کے جسم کے بال جھڑ جلتے ہیں اور اس کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے) تو اس اعرابی نے آپ سے
سواری طلب کی آپ کے گمان میں وہ جھوٹ بولتا تھا تو آپ نے اسے سواری نہیں کی

کہ تمام توابع کو شامل ہے پھر غیر صیغۃ سے صفت
یعنی لغت خارج ہو گئی اور یوضح متبوعہ سے
بدل عطف بحرف اور تاکید خارج ہو گئے پھر
یہ کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنے
قبوع سے اوضح ہو بلکہ اس میں تابع اور قبوع
کے اجتماع سے ایسا ایضاح حاصل ہو جائے جو علی
الافراد احدا ہا سے حاصل نہیں پس اگر قبوع تابع سے
اوضح و اظہر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے جانی
سیبویہ عمرؤ کہ اس میں سیبویہ زیادہ واضح و اظہر ہے
یہ نسبت عمرؤ کے اور ان دونوں میں علی الافراد ایضاح
نہیں اس لئے کہ سیبویہ کہنے سے اس کا نام واضح نہیں
ہوتا اور عمرؤ کہنے سے غیر سیبویہ سے امتیاز پیدا
نہیں ہوتا پس دونوں کے اجتماع کا حقہ ایضاح
حاصل ہو گیا واللہ اعلم ۱۲۔

مسئلہ قولہ مثل الخ اس میں ابو حفص امیر

المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی کنیت ہے اور عمر اس کا عطف بیان ہے اس میں
بھی ایضاح کے متعلق سابقہ تقریر ہے مانتے
مثال میں پورا مصرعہ پیش فرمایا ہے جس کا قصہ یہ
ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اعرابی
آیا اور کہا کہ میرا وطن دور ہے اور میں ایسی اونٹنی
پر سوار ہوں کہ جس کی پشت زخمی جسم لاغر اور
پاؤں گھسے ہوئے ہیں اور آپ سے سواری چاہی
آپ نے اعرابی کو کاذب سمجھا اور اس کو دوسری
اونٹنی نہیں دی پس اعرابی چل دیا اور اپنی اونٹنی
کو ہٹکائے چلا پھر بطحا کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنا
شروع کیا وہاں تک کہ وہ اپنی ناقہ کے پیچھے چل رہا
تھا، شحرا، اقمم باللہ ابو حفص عمر
ما صمہا من نقب ولادبر
اغضالہ اللہ حران کان فجر

یہی حضرت ابو حفص رضی اللہ عنہ نے اس سے بدل
ہو کر گویا کہ اللہ کی قسم کھالی کہ اس کی ناقہ کے نہ تو
پاؤں گھسے اور نہ پشت زخمی ہے دیکھ کہ حقیقتہً
آپ نے اللہ کی قسم کھالی ہو) اے اللہ ان کی مغفرت
فرما اگر انہوں نے یہ جھوٹا اٹھایا ہو پس میں

ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ صفت کی طرح اس
معنی پر دلالت نہیں کرتا کہ جزوات قبوع کیساتھ
قائم میں اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے

مسئلہ قولہ عطف البیان الخ یعنی عطف
بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہونے کے باوجود
اپنے قبوع کو واضح کرے پھر اس کے صفت نہ

وقت اس نے یہ شعر پڑھا حضرت عمرؓ وادی کی
بندی سے اس کے کلام کو سن کر اس کے مدبر
آئے اور جس وقت اعرابی نے اغفر للہم ان
کان فجرہ تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ اگر میں گناہ
ہوں تو اس اعرابی کے قول کو سچا فرما اور میری مغفرت
میرے لیے ہو تو اس نے اس کے قریب آکر اس کا ہاتھ
پکڑ کر فرمایا کہ اپنی ادھنی سے سامان اتار پس اس نے
اتار اور آپ نے دیکھا کہ وہ واقعی حسب بیان اعرابی
تھی پس آپ نے اس کو اپنے ذاتی اونٹ پر سوار کر دیا
اور اس کو عطا فرما دیا اور اس کو زادراہ دیا اور کھڑا
پہنایا واللہ اعلم ۱۲۔

شعر قولہ وفضل الایہاں سے معنی عطف

بیان اور بدل میں لفظی فرق بتانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ
ان دونوں میں احکام لفظیہ کے اعتبار سے مثل انابن
التارک البکری بشر میں فرق واقع ہے اس لئے کہ
بشر کو اگر البکری کا عطف بیان قرار دیا جائے تو
جائز ہے اور اگر اس کو البکری سے بدل قرار دیں تو ناجائز
اس لئے کہ بدل تکویناً عامل کے حکم میں ہوتا ہے پس اس
کی تقدیر انابن التارک بشر ہوگی اور یہ ناجائز ہے
جبکہ اس کی تفصیل الضارب زید کے عدم جواز میں
مجردات میں گزر چکی اس کا آخری مصرعہ یہ ہے
علیہ الطیر ترقبہ وقواہ شعر میں تارک کے معنی
قاتل اور مصیتر کے ہیں بکر شہر کا نام ہے اور یا اس
میں نسبت کے لئے ہے اور مراد البکری سے لقب
پہلوان ہے بشر اس کا نام ہے اور التارک البکری
میں اضافۃ الضارب الرجل کی طرح ہے اور
علیہ الطیر التارک کا مفعول ثانی ہے بشر طیکہ التارک
کو مصیتر کے معنی میں لیں پس یہ جار مجرور اپنے متعلق
سے مل کر مفعول ثانی ہوگا اور اگر اس کو بمعنی مصیتر
لیں تو یہ مفعول التارک یعنی البکری سے حال واقع
ہوگا اور قولہ ترقبہ الطیر سے حال ہے بشر طیکہ
اس کو عبد کا فاعل قرار دیں یعنی علیہ ثبت واقع
کے متعلق ہو اور الطیر اس محذوف کا فاعل ہو اور
اگر لفظ الطیر مبتدا اور علیہ خبر ہو تو ترقبہ علیہ کی
ضمیر متکثر یعنی اس کے متعلق کی ضمیر مستتر سے حال

الاعرابی فحمل بعیرہ ثم استقبل البطحاء وجعل يقول وهو میثی خلف بعیرہ
شعر اقم باللہ ابو حفص عمرؓ ما مشہا من ثقب ولا ذبر اغفر للہم
ان کان فجرہ وعمر مقل من اعلی الوادی فجعل اذا قال اغفر للہم ان
کان فجرہ قال اللہم صدق صدق حتی التقی فاخذ بیدہ فقال صنع عین
راحلتک فوضع فاذا ہی نقباء عجفاء فحملہ علی بعیرہ وزودہ وکساہ فضلہ
ای فرقہ من البدل لفظای من حیث الاحکام اللفظیۃ واقع فی مثل
آنا ابن التارک البکری بشر فان قولہ بشر ان جعل عطف بیان للبکری جائز
وان جعل بدلا منه لم یجز لان البدل فی حکم تکریر العامل فیکون التقدير

تو وہ اعرابی چلا گیا اور اپنی (اسی لاغر) ادھنی پر سامان لا دیا پھر وادی بطحاء کو چل پڑا اور اپنی
ادھنی کے پیچھے چلا جاتا کہتا جا رہا تھا سہ ابو حفص عمرؓ نے خدا کی قسم کھائی کہ میری ادھنی کو بیماری
اور لاغری نے نہیں چھوڑا اے اللہ میرے امیر المؤمنین کو بخش دے اگر انہوں نے خلاف واقعہ
قسم کھا کر گناہ کیا ہے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ اپنے ظن میں اس اعرابی کو چھوڑا
قرار دیا تھا اس لئے ان کی قسم میں غموس قرار نہ پائے گی کہ ان کے گمان میں قسم خلاف
واقعہ چیز سے متعلق نہ تھی اس لئے آپ گناہ گار نہ ہوئے بلکہ یہ قسم میں لغو مقصور ہوگی جس پر
کوئی گناہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اعرابی نے فجر کو ان کان کے ساتھ ذکر کر کے مشروط کر دیا
کہ وہ فاروق ظلم کی عدالت و شفقت سے باخبر تھا اس لئے کہا کہ اگر بالفرض فاروق اعظم سے
غلطی ہوئی تو اے میرے اللہ انہیں بخش دیجو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی یہ بات سننے پر
آ رہے تھے تو آپ نے (ازراہ تقویٰ و کمال تنزه) کہا اے اللہ (میری جانب سے) اعرابی کا
عذر قبول فرما یہاں تک کہ دونوں کی ملاقات ہو گئی تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا
کہ اپنی ادھنی سے سامان اتار داس نے سامان نیچے اتار تو واقعی وہ بیمار و کمزور تھی پھر آپ
نے اسے اپنا اونٹ دیا اور زادراہ بھی دیا اور پہننے کے کپڑے دیئے (اور اس کا فصل) یعنی
فرق (بدل سے لفظی طور پر) یعنی احکام لفظیہ کے اعتبار سے (انابن التارک البکری بشر کے
مثل میں) واقع ہے پس شاعر کے قول بشر کو اگر البکری کے لئے عطف بیان بنایا جائے تو جائز ہے
اور اگر اسے بکری سے بدل بنایا جائے تو جائز نہیں کیونکہ بدل تکویناً عامل کے حکم میں ہے (اور یہاں

واقع ہوگا اور دو قوما واقع کی جمع ہے اور یہ
ترقبہ کے فاعل سے حال واقع ہے اور یہ مطلب
ہے واقعۃً محمولہ مترقبۃ الخ یعنی وہ پرندے البکری
کے گرد و واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے
کا انتظار کر رہے ہیں اس لئے کہ انسان میں جب
بک کچھ بھی جان ذاتی ہوتی ہے پرندے اس کے

قریب نہیں آتے کمل شعر کا ترجمہ یہ ہے میں اس
شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو پھاڑنے والا
ہے اور حال یہ ہے کہ پرندے اس کے ارد گرد
واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے
ہیں شعر کی اصل ترکیب کے مطابق ترجمہ خود کر لیا
جائے اب یہ عطف بیان اور بدل کے درمیان

انا ابن التارک بشر وهو غیر جائز کما ذکرنا فیما سبق فی الصاریب زید و آخره :
 علیہ الطیر ترقیہ و قوعاء و علیہ الطیر ثانی مفعولی التارک ان جعلناه بمعنی
 المصیر والا فهو حال و قوله ترقیہ حال من الطیر ان کان فاعلا لعلیہ وان کان
 مبتداء فهو حال من الضمیر المستکن فی علیہ و وقوعاً جمع واقع حال من فاعل
 ترقیہ ای واقعة حوله مترقیة لا نزہاق روحه لان الانسان مادام بہ زوق
 فان الطیر لا تقر بہ و اما الفرق المعنوی بینہما فقد تبین فیما سبق و المراد
 بمثل انا ابن التارک البکری بشرہ کل ما کان عطف بیان للمعرف باللام الذی

عامل التارک ہے مطلب یہ ہے بدل میں یہ ضروری ہے کہ اسے بدل منہ کی جگہ رکھا جائے تو
 کوئی حرج واقع نہ ہو یعنی بدل منہ کے عامل کو بدل پر مکرر لایا جائے تو اس میں کوئی قیاحت
 لازم نہ آئے مگر یہاں بدل بنانے کی صورت میں التارک کو جو بدل منہ یعنی بکری کا عامل ہے
 بدل یعنی بشر پر مکرر لایا جائے تو تقدیر عبارت انا ابن التارک بشر ہوگی اور وہ جائز نہیں جیسا
 کہ ہم نے مابقی میں الصاریب زید کی بحث میں ذکر کیا کہ الصاریب زید اضافت نقلی کی صورت
 میں جائز نہیں التارک بشر کو اسی پر قیاس کیجئے اور آخری مصرع ہے علیہ الطیر ترقیہ وقوعاً
 اگر ہم التارک کو (فعل ناقص قرار دے کر) مضمر (جعل) کے معنی میں کریں تو البکری مفعول
 اول اور جملہ علیہ الطیر التارک کا دوسرا مفعول ہوگا اور علیہ خبر مقدم اور الطیر مبتداء موخر
 ہوگی اور یہ جملہ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوگا ورنہ یعنی اگر التارک کو
 مصیر و جعل کے معنی میں نہ کریں بلکہ اسے وقوع کے معنی میں کریں تو وہ (علیہ الطیر کی ترکیب
 التارک کے مفعول بکری سے) حال ہوگا اور اس کا قول ترقیہ (کا جملہ کہ دراصل ترقیہ تھا ایک
 تا حذف ہوگئی ترقیہ باقی رہ گیا جو) طیر سے حال ہوگا (یہ اس صورت میں ہے کہ اگر الطیر (مفعول
 نقل) علیہ کے متعلق محذوف شبہ فعل) کا فاعل ہو اور اگر لفظ الطیر مبتداء ہو تو وہ ترقیہ کی
 ترکیب) اس ضمیر سے حال ہوگا جو علیہ میں مستتر ہے (یعنی اس ضمیر سے جو متعلق محذوف سے
 منتقل ہوئی لہذا ضمیر ظرف مستقر کے لئے فاعل ہوئی) اور وقوعاً (کا لفظ) واقع کی جمع ہے
 (جیسے شہود شاہد کی جمع ہے اور وقوعاً) ترقیہ کے فاعل (یعنی ہی ضمیر راجع بسوئے الطیر) سے
 حال ہے یعنی (تقدیر عبارت یوں ہے) واقعة حول البکری مترقیة لخروج روحہ کیونکہ انسان
 میں جب تک زندگی کچھ نہ کچھ باقی رہتی ہے پر عہد اس کے قریب نہیں آتے اور ہا عطف
 بیان بدل میں فرق معنوی تو وہ فیما سبق میں واضح ہو چکا ہے کہ بدل تابع مقصود بہ نسبت
 ہے اور عطف بیان مقصود بہ نسبت نہیں ہے اور انا ابن التارک البکری بشر کی مثل سے
 مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد ہر وہ نقطہ ہے جو لفظ بشر کی طرح مجرد عن اللام ہو اور البکری ایسے

فرق معنوی تو اس کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں اس لئے
 کہ وہ دونوں کی تعریفوں میں لفظ چاء واللہ اعلم۔

۱۔ قولہ والمراد یعنی اس جگہ مثل سے
 ہر وہ ترکیب ہر ادب ہے کہ جس میں عطف بیان کا متنبہ
 وہ معرفت باللام ہو جو صنفہ معرفت باللام کا مضاف
 الیہ ہے جیسے الصاریب جارح زید اور انا ابن التارک
 البکری بشر میں مثال مذکور میں بشر عطف بیان
 اور البکری اس کا متبوع ہے جو کہ التارک صنفہ معرفت
 باللام کا مضاف الیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس
 سے وہ چیز مراد ہو جو اس سے عموماً سمجھ میں آتی
 ہے یعنی یہ کہ ہر وہ لفظ کہ جب وہ عطف بیان واقع
 ہو تو اس کا حکم اس لفظ کے بدل واقع ہونے کے
 حکم کے مخالف ہو جیسا کہ مثال مذکور میں ہے کہ بشر
 کو عطف بیان قرار دینا تو صحیح ہے مگر اس کو بدل
 قرار دینا جائز نہیں پس اس صورت میں قول مصنف
 صورت نداد کہ بھی شامل ہو جائے گا جیسے یا غلام
 زید ذریعہ لفظ پر حل کرتے ہوئے تنوین رفع
 کیساتھ اور محل منادی یعنی نصب بالفعولیۃ پر حل
 کرتے ہوئے تنوین منصوب کیساتھ جبکہ زید کو عطف
 بیان قرار دیا جائے اور جیسا کہ بدل قرار دینے کے غلام
 سے تو زید پر صاحبانہ غنمہ کے ساتھ اس لئے کہ اس
 صورت میں اسکا جانی ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ
 منادی مستقل کے حکم میں ہوگا۔ اور اس کو بصورت
 افراد علامت رفع پر مبنی کیا جاتا ہے اور مثل کے
 جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے اول معنی
 اظہر ہیں اس لئے کہ التارک البکری بشر سے متبدل
 یہی معنی ہوتے ہیں اور ثانی معنی زیادہ مفید
 ہیں اس لئے کہ اس وقت ان کے عموم کے باعث
 اس میں صورت نداء بھی داخل ہو جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علیہ التہ
 و احکم۔

تمت بالخیر

کتبہ عبد الجبار ابن منیر رقم
 کتبی

اضیف الیہ الصفة المعروفة باللام نحو المضارب الرجل زید ویمکن ان یراد به ما هو اعم من هذا الباب ای کل ما خالف حکمہ اذا کان عطف بیان حکمہ اذا کان بدلاً فیتناول صورة النداء ایضاً فانک تقول یا غلامُ زیدُ وزیداً بالتونین مرفوعاً سحلاً علی اللفظ ومنصوباً حلاً علی المحل اذا جعلته عطف بیان ویا غلامُ زیدُ بالضم اذا جعلته بدلاً والمعنی الاول اظهر والثانی اقلید

معرفة باللام کے لئے عطف بیان ہو جس کی طرف (التارک جیسے) صفت معرفہ باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زید اور ممکن ہے کہ مصنف کے قول مثل یا ابن التارک الخ سے وہ صورت مراد ہو اس (الضارب الرجل زید کے) باب سے عام ہو یعنی وہ صورت (مراد ہو) جس کا حکم جبکہ وہ (لفظ) عطف بیان ہو اس کے حکم کے خلاف ہو جبکہ وہ (لفظ) بدل ہو یعنی عطف بیان ہونے کی صورت میں اور حکم ہوا بدل ہونے کی صورت میں حکم دیگر ہو لہذا مصنف کا قول وفصل من البدل الخ (جیسا کہ اضافت کی صورت کو شامل ہے یوں ہی) نداء کی صورت کو بھی شامل ہو گا پس تم کہو گے یا غلامُ زیدُ اور زیداً متون کے ساتھ لفظ دنادی پر محمول کرنے کی وجہ سے مرفوع کر کے اور محل پر محمول کرنے کی وجہ سے (کہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر نصب کا محل ہے) منصوب کر کے (اور یہ اس وقت جائز ہے) جبکہ تم لفظ زید کو عطف بیان بناؤ (کہ اس حکم عطف بیان است چنانچہ مصنف در بحث توابع لفظہ وتوابع للنون المبنی المفردہ من التکید الخ ترفع حملاً الخ اور یہ عطف بیان کا حکم بدل ہونے کے حکم کے خلاف ہے چنانچہ فرماتے ہیں) اور یا غلام زید غمہ کے ساتھ (متون و نصب کے بغیر) جبکہ تم زید کو غلام سے بدل بناؤ اور معنی اول ظاہر تراور معنی ثانی مفید تر ہے (کیونکہ مصنف کے قول التارک بشر سے معنی اول ہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ مصنف مثال میں مضاف کو معرفہ باللام لاتے ہیں پھر بشر کو عطف بیان قرار دیا جیسا کہ الضارب زید ہے اور ثانی یوں مفید تر ہے کہ وہ نداء کی صورت کو بھی شامل ہے فقط خادم العلماء مفتی محمد سرور قادری بن ملک عدا بخش بہتم جامعہ تعلیمات ہوفیہ ملتان حال نزہیل غوثیہ مسجد لیڈی پارک ادکارۃ اللہم تقبل منی بالنبی الامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

المصحح خاکپائے علمائے دیوبند ابو معاویہ محمد سعید ضیاء مدرسہ جامعہ عبیدہ رحمانیہ
قدیر آباد ملتان شہر



مصباح المعانی کا حصہ دوم ختم ہوا۔ اب حصہ سوم بحث الفعل شروع ہوگا

بحث الفعل بتمامه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

والفعل ما دل ای کلمه دلت (علی معنی) کا سن (فی نفسہ) ای فی نفس ما دل یعنی الکلمہ والمراد بكون المعنى في نفس الكلمة دلالتها عليه من غير حاجة الى ضم كلمة اخرى اليها بالاستقلال بالمفهومية

فعل ایسا کلمہ کہلاتا ہے جس کے ذریعہ ایسے معنی کی نشان دہی ہوتی ہو جو اپنی جگہ مستقل اور دوسرے کی مدد سے بے نیاز ہو، یعنی اس تفہیم کے واسطے کوئی اور کلمہ شامل کرنے کی سہ سے احتیاج ہی نہ ہو کیونکہ انہی کلمات کے ذریعہ تفہیم معنی ہو جاتی ہے اور ممکن ہے "فی نفسہ" کی ضمیر معنی کی طرف لوٹے اور اس وقت "معنی" کا منشاء یہ ہو گا کہ اس کا مفہوم اپنی جگہ (مکمل) اور مستقل ہو کسی اور کو شریک کر کے مفہوم واضح کرنے کی احتیاج نہ ہو

الفعل ما دل (ای قولہ) استقلال بالمفهومية

مصنف کا فیہ علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کتاب میں کلمہ کی تین قسمیں۔ اتم۔ فعل جرت۔ بیان کی تھیں اور بتایا تھا کہ کلمہ کا انحصار صرف ان ہی تین قسموں میں ہے۔ اس موقع پر جو دلیل انحصار ذکر کی تھی۔ اس سے اتم فعل جرت تینوں کی تعریفات بھی معلوم ہو گئی تھیں مگر صاحب کا فیہ نے بحث اتم شروع کرنے سے قبل تعریف اتم کو مستقل طور سے بیان کیا تھا اب جب بحث اتم ختم ہو گئی اور بحث فعل شروع کرنا چاہا۔ تو یہاں پر بھی فعل کی تعریف سے اس بحث کا افتتاح کیا۔ چنانچہ فعل کی تعریف اصطلاحی ان الفاظ سے ذکر فرمائی۔ قول الفعل ما دل علی معنی فی نفسہ یعنی مستقل معنی پر دلالت کرے مستقل معنی سے مراد یہ ہے کہ ایسے معنی ہوں کہ ان کے سمجھنے کے لئے کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے۔ فتح۔ میسر۔ امسح۔ کہ ان کے معانی سمجھنے کے لئے کسی اور کلمہ کے ملانے کی ضرورت

نہیں۔ ان کلموں ہی سے معانی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ بخلاف حذت کے کہ ان کے معانی جب تک دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے سمجھ میں نہیں آتے۔ جیسے۔ من۔ الی۔ فی۔ وغیرہ کہ ان کے معانی دوسرے کلموں سے ملانے کے بعد ذہن میں آتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے۔ من۔ الی۔ الحدید مستی الی الدار۔

فوائد قیوہ

عالم بے مثل عارف کامل علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس تعریف کے شرح میں نکات عجیبہ اور فوائد غریبہ ذکر فرمائے ہیں، ان کو بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے (۱) ما دل کی شرح میں کلمہ دلت لانے سے حضرت شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موصولہ سے مراد یہاں پر کلمہ ہے اور ما دل کا مفہوم کلمہ دلت ہے۔ علی معنی کے بعد لفظ کا سن اضافہ کر کے یہ بتایا کہ فی نفسہ جار مجرور کا متعلق کوئی لفظ مذکور نہیں بلکہ یہ جار مجرور کا سن

⑤ یعنی فعل وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہ

و یسکن ارجاع الضمیر فی نفسه الی المعنی و یج یكون المراد بكون المعنی فی نفسه استقلاله بالمفہومیۃ فمرجع كون المعنی فی نفسه و كونه فی نفس الكلمة امر واحد هو استقلاله بالمفہومیۃ لکن المطابق لما ذکر فی وجه الحصر ارجاع الضمیر الی ما دل کمالا یخفی علم ان الفعل مشتمل علی ثلاثة معان احدها الحدث الذی هو معنی المصدر و ثانیها الزمان و ثالثها النسبة الی فاعل ما ولا شك ان النسبة الی فاعل ما معنی حرفی هوالة لملاحظة طرفیه فلا یستقل بالمفہومیۃ فالمراد بمعنی فی نفسه لیس تلك النسبة و

قوله و یسکن ارجاع الضمیر فی نفسه الی المعنی (القول) الی امر واحد هو استقلاله بالمفہومیۃ کامل یسہل یتے کہ فی نفسه کے مرجع میں ایک احتمال یہ ہے کہ بجائے ما موصولہ کے لفظ معنی قرار دیا جائے تو تعریف فعل اس طرح ہوگی۔ فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو نفس معنی میں ہوں اور معنی کا نفس معنی میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ معنی مستقل ہوں حرف کی طرح وہ معنی غیر مستقل نہ ہوں تو ضمیر فی نفسه کا مرجع خواہ ما موصولہ ہو خواہ معنی ہو بہر صورت مراد ایک ہے کہ معنی مستقل پر دلالت کرتا ہو۔

تعریف فعل پر چند شبہات

فی نفسه کی ضمیر کا مرجع خواہ ما موصولہ قرار دیا جائے خواہ لفظ معنی ان دونوں صورتوں میں اشکال ہے۔ اگر ضمیر فی نفسه کا مرجع ما موصولہ ہو تو یہ اشکال ہے کہ نفس کی ضمیر تو نہ کہ ہے اور ما سے جو مراد ہے یعنی کلمہ وہ مومنث ہے۔ لہذا مرجع ضمیر اور ضمیر میں مطابقت نہیں۔ دوسرا اشکال اس پر یہ ہے کہ تفصیل اور اجمال میں مطابقت باقی نہ رہی کیونکہ کلام مجمل میں جب فعل کی تشریح صاحب کافیہ نے شروع کتاب میں ذکر کی تھی

تو فی نفسه کی ضمیر خواہ "معنی" کی طرف لوئے اور خواہ ما موصولہ کی طرف دونوں کا مقصد یکساں ہو گا یعنی وہ مستقل معنی کی نشان دہی کرے لیکن ضمیر کا جو سبب بیان کیا گیا اسکے مطابق یہ بات ہے کہ ضمیر ما دل کے مانے موصولہ کی طرف لوٹائی جائے جیسا کہ عیاں ہے۔ واضح رہے کہ فعل کی از روئے معنی تین قسمیں ہیں (۱) حدث۔ معنی مصدر (۲) زمان (یعنی تینوں زمانوں ماضی، حال، مستقبل میں سے کوئی سا زمانہ) (۳) نسبت یعنی بجانب فاعل ما اس کی نسبت۔ اور اس میں شک و شبہ نہیں کہ فاعل کی طرف نسبت یہ حرفی معنی ہیں اور اس کی حیثیت دونوں جانبوں کا لحاظ و خیال کرنے والے آگے کی ہے تو وہ اپنے مفہوم میں مستقل نہ ہو گا لہذا "فی نفسه" کے معنی سے مراد یہ نسبت نہیں ہوگی

یہ بتاتے ہیں کہ دونوں احتمالات مذکورہ میں سے ایک یہ احتمال ہے کہ ضمیر فی نفسه کا مرجع ما موصولہ کو دیا جائے جو لفظ ما دل میں ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے کلمہ کو تین اقسام میں مختصر ہونے کی دلیل میں ذکر کیا تھا کہ کلمہ یا تو معنی مستقل پر دلالت کرے گا۔ یا نہیں اگر معنی مستقل پر دلالت کرے تو پھر دو صورتیں ہوں گی۔ اول معنی مستقل زمانہ سے مقترن ہوں گے۔ یا زمانہ سے مقترن نہ ہوں گے۔ اگر زمانہ سے مقترن نہ ہوں تو وہ کلمہ اسم ہے۔ اگر معنی مستقل زمانہ سے مقترن ہوں تو وہ کلمہ فعل ہے۔ اجمال دلیل حصر میں تعریف کے موقع میں فی نفسه ذکر فرمایا ہے۔ بجائے فی نفسه کا وہ فی نفسه کی ضمیر مجرد و کامر ج کلمہ ہے۔ لہذا یہاں پر بھی اس کی مطابقت میں فی نفسه کی ضمیر کو ما موصولہ کی طرف راجع کر دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس ما موصولہ

ما موصولہ ہے اور وہ مذکور ہے۔ لہذا عدم مطابقت ضمیر و مرجع کا شبہ نہ رہا اور چونکہ ما سے مراد کلمہ ہے لہذا اجمال اور تفصیل میں مطابقت موجود ہے۔ البتہ یہ شبہ رہا کہ معنی ظرف ہے اور نہ ما موصولہ ہے پھر فی معنی ظرفیت کس طرح یہاں پر داخل ہے۔ اس کا جواب حضرت شارح نے اس عبارت سے دیا۔ المراد بكون المعنی فی نفسه الاستقلال بالمفہومیۃ حال جواب یہ ہے کہ فی ظرفیت کے لئے نہیں بلکہ صرف اعتقاد ظرفیت کے لئے ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ الدار فی نفسہ حکمہا کذا۔ ای باعتبار نفسہا حکمہا کذا۔ تو معنی ظرفیت حقیقی نہیں۔ لہذا اب کوئی شبہ تعریف فعل اور مرجع ضمیر فی نفسه پر باقی نہیں رہتا۔

تو وہاں فی نفسه فرمایا تھا اور مرجع ضمیر کلمہ تھا اور یہاں پر مرجع ما موصولہ ہے۔ لہذا اجمال اور تفصیل میں مطابقت باقی نہ رہی اور اگر فی نفسه کی ضمیر کا مرجع معنی کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں ظرفیت الشیء لنفسہ لازم آتی ہے اور یہ ممنوع ہے اور یہ اعتراض بھی قائم رہتا ہے کہ معنی نہ ظرف مکان ہے، نہ ظرف زمان پھر کیسے فی ظرفیت اس پر داخل ہے۔ نیز اس تقدیر پر بھی اجمال اور تفصیل میں مطابقت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ اجمال میں فی نفسه ہا کی ضمیر مرجع کلمہ ہے اور یہاں پر مرجع ضمیر کا معنی ہے چونکہ حضرت شارح عتقی کامل ہیں اور طبع نکتہ رس خدا داد کے مالک ہیں اس لئے تمام شبہات کو صرف عبارت فی نفسہ ما دل سے حل فرمایا تفصیل اس حل کی یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع

عہ ہذا کلمہ نقلت بعبارة واضحة ومع اضافة مفيدة عن السوال الکابی ۱۲ منہ ۔

لما وصف ذلك المعنى بلا قتران بالزمان تعين ان يكون المراد به الحدث فالمراد بالمعنى ليس معناه المطابق بل هو اعم لكن لا يتحقق الا في ضمن التضمن فخرج بهذا القيد الحرف لانه ليس مستقلا بالمفهومية (مقترن) وضعا (باحد الا زمنا نشأ) في الفهم عن لفظه الدال عليه فهو للمعنى فخرج به الاسم عن حد الفعل وبقولنا وضعا خرج اسماء الافعال لان جميعها اما

اور اس معنی کے ساتھ کوئی سا زمانہ مل جائے۔

یہ متعین ہو جائے گا کہ اس سے مراد حدث (معنی مصدری) ہے پس معنی سے مراد اس کے معنی مطابقی نہ رہیں گے بلکہ وہ زیادہ عام ہو جائیں گے۔ لیکن یہ عام معنی دلالت تفسنی کے ذیل میں ثابت ہوں گے۔ اس قید کے لگانے سے حرف نکل جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مستقل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کا محتاج ہوتا ہے (اعتبار وضع فعل میں تین زمانوں میں سے ایک زمانہ (ضروری) پایا جاتا ہے اور لفظ فعل کے ذریعہ ہی اس کا زمانوں میں سے کسی زمانہ کے ساتھ ملنا معلوم ہوتا اور اس میں کسی زمانہ کا پایا جانا معلوم ہوتا ہے۔ اس قید کے ذریعہ سارے اسم فعل تعریف فعل سے نکل گئے اور "وضعا" کی قید سے اسمائے افعال نکل گئے کیونکہ یہ سب

چیزیں فعل میں شامل ہیں تو پھر علامہ ابن حاجب نے فعل کی تعریف میں مقترن باحد الا زمنا نشأ کی قید زائد کیوں بڑھائی۔ دوسرے فعل کے معنی میں جب نسبت الی فاعل بھی شامل ہے تو فعل کی دلالت معنی متعلق پر نہ ہوگی جواب اشکال یہ ہے کہ یہاں پر فعل کے معنی فی نفسہ سے صرف معنی مصدری مراد ہیں نہ زمانہ مراد ہے۔ اور نہ نسبت الی فاعل ما۔ لہذا دونوں شبہات اب باقی نہ رہے تو اصلی معنی فی نفسہ میں معنی سے فعل کے

عہ لہذا اب اشکال پیدا ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ فعل کے معنی مطابقی میں تو زمانہ، نسبت الی فاعل ما، معنی مصدری تینوں موجود ہیں ۱۲۔

۱۳۔ فعل معنی حدث بھی معنی حقیقی میں مستقل

ہے نہ معنی مجازی میں کیونکہ لفظ فعل کی دلالت

کبھی تمام موضوعات پر ہے جبکہ حدث، زمانہ،

نسبت تینوں مراد ہوں اور کبھی جزاء موضوعات پر

ہے جبکہ صرف معنی مصدری مراد ہوں لہذا فعل کی دلالت

سے ملو بھی کلمہ ہے تو اجمال اور تفصیلی میں مطابقت ہو جائے گی اور کوئی اعتراض بھی لازم نہ آئے گا۔

۱۳۔ علم ان الفعل مشتمل (المعنی قولہ)

لانہ لیس مستقلا بالمفهومية شارح محقق اس

عبارت سے ایک اشکال و غلبان کو رفع کرنا چاہتے ہیں

تقریر اشکال یہ ہے کہ ہر فعل میں ہمیشہ تین چیزیں ہوتی ہیں

اول حدث یعنی معنی مصدری۔ دوسرے زمانہ۔ تیسرے

کسی معین فاعل کی طرف فعل کی نسبت۔ توجیب یہ تینوں

عہ کیونکہ نسبت الی فاعل ما معنی غیر مستقل

ہیں جن کا کبھی طرین (فعل، فاعل) کے ملاحظہ کے

بغیر نہیں ہو سکتا تو ایسے معنی مستقل بالمفهومية نہیں

ہو سکتے ۱۲۔ منہ ۱۳۔

عہ کیونکہ معنی مصدری مستقل بالمفهومية

ہے لہذا فعل کی دلالت معنی مستقل پر ہوئی اور چونکہ

زمانہ مصدری سے خارج ہے لہذا صاحب کافیا کا مقترن

باحد الا زمنا نشأ کی قید لگانا درست ہے

معنی مطابقی مراد نہیں بلکہ فعل کے معنی اعم مراد ہیں مگر ان معنی اعم کا تحقق ضمن میں دلالت تفسنی کے ذریعہ

۱۴۔ معنی میں فی نفسہ کی قید لگانے سے یہ فائدہ ہوا کہ

حرف مجملہ اقسام تعریف سے فعل کے خارج ہو گئے اس

لئے کہ حروف مستقل بالمفهومية نہیں ہوتے ہیں۔

۱۵۔ (مقترن) وضعا (المعنی قولہ) مجتبے

مقصد اس عبارت سے یہ ہے کہ فعل کے معنی

مستقل تین زمانوں میں سے ایک زمانہ کے ساتھ مقترن

ہوتے ہیں۔ اصل وضع کے لحاظ سے اس طور سے کہ لفظ

فعل سے ہی اقتران بالزمان مفہوم ہو جاتا ہے کسی

دوسرے کلمہ کی ضرورت اس کے لئے نہیں ہوتی۔ تو

مقترن صفت ثانیہ معنی کی ہے اور صفت اولیٰ فی

نفسہ ہے متعلق مقدر کے ہے رکھنا مفصلہ چونکہ

اقتران سے مراد اقتران بحسب اصل الوضع ہے۔

لہذا اس قید کی وجہ سے تمام اسماء افعال فعل کی طرف

سے خارج ہو گئے ورنہ اسماء افعال بدین قید

اصل الوضع کے فعل کی تعریف میں شامل تھے۔ جیسے

شتان، روید وغیرہ کیونکہ ان میں زمانہ گذشتہ یا

آئندہ پایا جاتا ہے مگر ان میں اصل وضع کے لحاظ سے

زمانہ نہیں ہوتا کیونکہ اسماء افعال مصادر وغیرہ سے

منقول ہیں جس کی تفصیل بحث اسم میں گذر چکی ہے نیز

قید اصل الوضع تمام افعال منسلک الزمان جیسے افعال

مقاربتہ مثل عسی وکاد کے فعل کی تعریف میں شامل

ہو گئے کیونکہ یہ افعال اصل وضع کے لحاظ سے زمانہ سے

مقترن ہیں لہذا استعمال میں زمانہ سے مقترن نہیں ہے۔

الغرض فعل کی تعریف مکمل ہے اور اس کے جامع و

مانع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ایسے معنی پر ہے کہ کبھی وہ معنی مطابقی ہوتے ہیں فعل کے،

اور کبھی وہ معنی تفسنی ہوتے ہیں (مخرم آفندی) ۱۲۔

۱۳۔ حضرت شارح نے جو معنی اعم کو مقید کیا کہ

وہ ضمن میں تضمن کے مستحق ہوں اس سے یہ فائدہ ہوا کہ

فعل کی جو دلالت صرف معنی مصدری پر ہے۔ اس کو

مجازی معنی فعل کے نہیں کہہ سکتے کیونکہ معنی مجازی

اس وقت ہوتے کہ معنی عام میں کوئی قید نہ ہوتی۔

مطلقا عام بول کر خاص مراد لیتے۔ ۱۳۔

۱۴۔ افعال منسلک الزمان ان افعال کو کہتے ہیں جن میں اصل وضع کے اعتبار سے تو زمانہ پایا جاتا ہو مگر استعمال میں زمانہ سے خالی ہوں۔ ۱۲۔ منہ ۱۳۔

۱۵ ویصدق علی المضارع رالی
قوله من تعدد الوضع۔

اس عبارت سے حضرت شارح ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ مضارع میں دو زمانے سال، استقبال پائے جاتے ہیں اور فعل کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ فعل کا اقتران ایک زمانہ سے ہونا چاہیے اس صورت میں مضارع فعل کی تعریف میں شامل نہ رہا۔ اس شبہ کے حضرت شارح نے دو جواب دیئے ہیں۔ جواب اول۔ قاعدہ مسلمہ ہے کہ دو کے ضمن میں ایک کا تحقق بھی ہوا کرتا ہے تو جب مضارع کا دور زمانہ سے اقتران ہے۔ اس کے ضمن میں ایک زمانہ کے ساتھ بھی اقتران ثابت ہے لہذا مضارع پر فعل کی تعریف صادق آتی ہے۔ جواب ثانی۔ فعل مضارع اصل وضع کے لحاظ سے صرف ایک زمانہ سے مقترن ہے اور اس میں دو زمانے تعدد وضع کے اعتبار سے پائے جاتے ہیں کیونکہ ایک دفعہ تو مضارع ایک زمانہ کیلئے وضع ہوا اور دوسری مرتبہ دوسرے زمانہ کے لئے۔ الحاصل مضارع بھی اصل وضع کے لحاظ سے ایک ہی زمانہ سے مقترن ہے گو صورت اشتراک بوجہ تعدد وضع متحقق ہے۔

فوائد قیود

حضرت شارح نے وضع کی قید مقترن کے بعد لفظ فرما کر مآثر کی مراد بتائی کہ اقتران بالزمان سے وہ مراد ہے جو اصل وضع میں زمانہ کے ساتھ مقترن ہو۔ لہذا اگر کسی عارض کی وجہ سے بعد میں اقتران بالزمان پیدا ہو جائے تو وہ بھی معتبر نہیں اور بعد میں یہ اقتران باقی نہیں رہے تو مضر نہیں۔ اگر اقتران وضع کی قید نہ لگائیں تو اسکا افعال فعل میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ ان میں اقتران بالزمان پیدا ہو گیا ہے اور افعال مقاربتہ تعریف فعل سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ اب ان میں اقتران بالزمان باقی نہیں رہا۔ فی الفہم کی قید اضافہ فرما کر جملہ مصادر کا فعل کی تعریف سے خارج ہونا بتلایا۔ کیونکہ مصادر کا اگرچہ بحسب الوقوع زمانہ سے تعلق ہوتا ہے مگر مصدر سے زمانہ مفہوم نہیں ہوتا۔ عن لفظ المدال علیہ کی قید اضافہ

منقولة عن المصادر او غيرها كما سبق ودخل فيه الافعال المنسلخة عن الزمان نحو عسى وكاد لاقتراان معناها بحسب الوضع ویصدق علی المضارع انه اقترن باحد الازمنة الثلاثة لوجود الاحد فی الاثنين ولانه مقترن بحسب كل وضع بواحد و ان عرض الاشتراك من تعدد الوضع

۱۶ (ومن خواصه) ای خواص الفعل (ودخول قد) لانها انما تستعمل لتقريب الماضي الى الحال او لتقليل او لتحقيقه وشئ من ذلك

یا تو مصادر سے ماخوذ ہوتے ہیں یا ان کے علاوہ سے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اور "وضعا" کی قید کے ذریعہ وہ افعال داخل قرار دیئے گئے جن سے زمانہ (بعد میں) ختم کر دیا گیا۔ جیسے عسی، کاد۔ اس لئے کہ وضع اصلی کے اعتبار سے ان میں زمانہ موجود ہے اور مضارع پر فعل کی تعریف چسپاں ہوتی ہے کیونکہ مضارع میں تینوں زمانوں میں سے کوئی سا زمانہ پایا جا رہا ہے۔ اس بنا پر کہ دو میں ایک پایا جاتا ہے اور اس بنا پر کہ مضارع میں وضع اصل کے اعتبار سے محض ایک زمانہ ہوتا ہے اگرچہ وضع میں تعدد کے لحاظ سے اشتراک ہو گیا ہو۔ اور فعل کے خواص میں سے قد کا داخل ہونا ہے۔ کیونکہ وہ ماضی کو حال سے قریب کرتے کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے یا تفتیل کے لئے آتا ہے یا تحقیق

سے قریب کرنا ہوتا ہے۔ جیسے قد افعلم یا تحقیق فعل اور تاکید مقصود ہوتی ہے۔ جیسے قد اکلته وغیرہ اور مضارع میں اکثر تفتیل کے معنی قد سے مقصود ہوتے ہیں۔ جیسے قد یکنون وقد لا یکنون اسے معانی قد کا ہر ہے کہ اسماء میں دخول قد سے حاصل نہیں ہو سکتے لہذا دخول قد فعل ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

عسہ کیونکہ معنی مصدری کسی ایک میں قیوں ہی زمانوں سے واقع ہوتے ہیں۔ جیسے فتح مصدر کے معنی کبھی وقوع کے لحاظ سے زمانہ گزشتہ سے متصف اور کبھی حال سے اور کبھی استقبال سے ۱۲ عسہ کیونکہ اسماء زمانہ سے مقترن نہیں ہوتے اور قد کے معنی زمانہ سے متعلق ہیں۔ ۱۲ منہ

کر کے بتلایا کہ اسماء مشتقات فعل کی تعریف سے خارج ہیں کیونکہ اگرچہ اسم فاعل وغیرہ کا تعلق زمانہ سے مفہوم ہوتا ہے مگر زمانہ پر دلالت کرنے کیلئے دوسرے لفظ لگنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے زید مضارب غداً ولان ان اوامس۔ بخلاف فعل کے کہ وہ اپنی ہیئت و وزن سے زمانہ ماضی، حال، استقبال بتاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷ (ومن خواص) ای خواص الفعل (ودخول قد)۔ قد فعل مضارع اور ماضی دونوں پر داخل ہوا کرتا ہے۔

۱۸ لانها انما تستعمل (الی قولہ) لافى الفعل۔ اس عبارت سے شارح قد کے دخول کو فعل کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔ کہ حرف قد فعل مضارع یا فعل ماضی پر اس لئے داخل کیا جاتا ہے کہ اکثر فعل ماضی کو قد کے ذریعہ سے زمانہ حال

لا يتحقق الا في الفعل (ودخول السين وسوف) للدلالة الاول
على الاستقبال القريب والثاني على الاستقبال البعيد -
ودخول الجوازم لانها وضعت اما لنفي الفعل كلف ولما اول طلبه
كلام الامرا والنهي عنه كلالتهى اول تعليق الشئ بالفعل كادوات
الشرط وكل من هذه المعاني لا يتصور الا في الفعل ولحق
وتاء التانيث) عطف على دخول قد وانما خص به لحوق تاء
التانيث لانها تدل على تانيث الفاعل فلا تدحق الابعاله فاعل
والصفات استغنت عنها بما لحقها من التاء المتحركة الدالة
على تانيثها وتانيث فاعلها فلا جرم اختص بالفعل (ساكنة)
حال عن تاء التانيث احتراز عن المتحركة (اختصاصها بالاسم
ولحق (نحو تاء فعلت) اراد بنحو فعلت الضمائر المتصلة
بيازرة المتحركة المرفوعة فيدخل فيه تاء فعلت ايضا -

کے لئے اور ان معانی میں سے کسی بھی معنی کا تحقق محض فعل میں ہوتا ہے
کسی اور اسم وغیرہ میں نہیں) اور فعل پر سین اور سوف داخل ہوتے ہیں
سین سے استقبال قریب کی نشان دہی ہوتی ہے اور سوف سے استقبال بعید کی -
کلمات جوازم فعل ہی پر آتے ہیں کیونکہ ان کی وضع یا توفی فعل کی خاطر ہوتی
ہے جیسے تم اور تمنا یا ان کا مقصود طلب فعل ہوتی ہے جیسے کہ امر کا لام یا مانعت
کی خاطر ان کی وضع ہوتی ہے جیسے کہ نہی کا لا یا کسی شے کی فعل کے ساتھ تعلیق کے واسطے
یہ وضع ہوتے ہیں جیسے کہ شرط کے کھے - اور ان سب معانی کا حصول محض فعل میں ممکن
ہے اور تائے تانیث بھی فعل ہی پر آتی ہے (اور) اس کا عطف قد کے داخل ہونے
پر کہتے ہیں اور تائے تانیث کے لاحق ہونے کو فعل کے ساتھ مخصوص کرنے
کی وجہ یہ ہے کہ تائے تانیث سے فاعل کے مؤنث ہونے کی نشان دہی ہوتی
ہے لہذا تائے تانیث کا لاحق ہونا اسی کے ساتھ مخصوص ہوگا جس کی خاطر فاعل آیا
کر تائے اور صفات کو تائے تانیث لاحق ہونے کی احتیاج نہیں کہ صفات میں
تا متحرک فاعل کے مؤنث ہونے کی نشان دہی کے واسطے بہت کافی ہوگی پس
تائے ساکنہ فعل کے ساتھ مخصوص رہی - تائے ساکنہ تائے تانیث سے حال واقع
ہو رہی ہے - اس میں متحرک سے احتراز مقصود ہے کیونکہ تائے متحرک اسم کے ساتھ

شے دخول الجوازم) (الی قولہ) لا يتصور
لا في الفعل - شارح اس عبارت سے یہ بتا چاہتے
ہیں کہ جزم دینے والے کلمات کا داخلہ فعل ہی کے ساتھ اس
لئے مخصوص ہے کہ کلمات جوازم میں سے بعض توفی فعل کے
لئے وضع ہوئے ہیں مثلاً تم - تمنا اور بعض طلب فعل کے
لئے ہیں جیسے لام امر بعض فعل سے روکنے اور منع کرنے کے
لئے جیسے نہی - اور بعض فعل کو کسی شے پر معلق کرنے کے لئے
وضع کئے گئے ہیں جیسے کلمات شرط - اور یہ بات بالکل واضح
ہے کہ یہ معانی کلمات جوازم فعل ہی پر داخلہ سے حاصل
ہو سکتے ہیں - لہذا فعل کے ساتھ جوازم کا داخلہ خاص ہوا -
اسما پر ان کا دخول نہیں ہو سکتا -

فہ ولحق (تاء تانیث) - (الی قولہ) الا
بماله فاعل - شارح اس عبارت میں تائے تانیث کا بھی
فعل کے ساتھ خاص ہونا اور اس کی دلیل ارشاد فرماتے ہیں
کہ تاء تانیث فاعل کے مؤنث ہونے کو بتاتی ہے - لہذا تائے
تانیث کا لاحق اس کلمہ کے ساتھ مخصوص ہوگا جس کے لئے
فاعل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا کلمہ فعل ہی ہے - اسی وجہ
سے اسمائے جامدہ میں تاء تانیث نہیں لگائی جاتی -
شہ والصفات استغنت (الی قولہ) اختص
بالفعل - شارح اس عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ فرماتے
ہیں - شبہ یہ تھا کہ تم نے دلیل خصوصیت لحوق تاء تانیث
میں کہا کہ اس کا لاحق خاص ہے اس کیلئے جس کا فاعل ہو
تو اس دلیل کی بناء پر لازم ہے کہ تائے تانیث ساکنہ اسم
فاعل وجملہ اسمائے مشتقہ کے ساتھ بھی لاحق ہو - اور
خاصہ فعل کا نہ ہے کیونکہ اسمائے مشتقہ کا بھی فاعل ہوا
کر تائے جواب یہ دیتے ہیں کہ اسمائے صفات میں بجائے
تائے ساکنہ کے تائے تانیث متحرک تانیث فاعل پر دلالت
کے لئے کافی ہے - لہذا تائے ساکنہ کا لاحق خاصہ فعل ہی کا
رہا اور تائے تانیث متحرک کا لاحق خاص ہو گیا - اسماء کے
ساتھ جیسے رخصیہ مرضیہ وغیرہ

① 6-10

۱۷۔ خاص البارزبا الصنع (المنع) (المنع) (المنع)
 واجد۔ اس عبارت سے شارح^{۱۷} ایک شبہ کا
 ازالہ فرماتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ ایک صورت فرع فعل
 میں اور اصل فعل میں مسادات کو رفع کرنے کی یہ بھی
 تو ہو سکتی تھی کہ ضمیر بارز دونوں میں فاعل کے لئے
 استعمال ہوتا اور ضمیر مستتر مرفوع متصل صرف
 فعل کیلئے مخصوص ہو جاتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ صورت
 موجودہ کا عکس بھی تو ہو سکتا ہے تو اس کا عکس
 کیوں نہیں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ قانون یہ ہے کہ جو
 چیز زیادہ مختصر اور زیادہ سہل ہوتی ہے، وہی عام
 ہونے کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ تو چونکہ ضمیر مستتر
 ہی ضمیر بارز کے مقابلے میں لمبی اور مختصر ہے، لہذا
 ضمیر مستتر کو عام کر دیا اور ضمیر بارز کو خاص۔

عسہ یعنی ان اسماء کیلئے جو فصل کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے اسماء مشتق اسم فاعل اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل وغیرہ ۱۲ عسہ کیونکہ اگر فرع ہر لحاظ سے اصل کے برابر ہو تو کہا جائے گا کہ فرع اصل میں نسبت مساوات کی ہے پھر اس نسبت کے باوجود ایک شے کو اصل پر قرار دینا اور دوسری کو فرع محض محکم اور زمانہ گذشتہ پر دلالت کرے تو اس مختصر تعریف کو علامہ

الذی انت فیہ قبلیۃ ذاتیۃ یکون بین اجزاء الزمان فان تقدم بعض اجزاء الزمان علی بعض انما یکون بحسب الذات لا بحسب الزمان فلا یلزم ان یکون للزمان قولہ مادل علی زمان شامل لجميع الافعال

کی نشان دہی کرے جو زمانہ حاضر سے پہلے ہو وہ زمانہ حاضر جس میں کہ تو (موجود) ہے اس سے مقصود قبلیت ذاتیہ ہے جو اجزائے زمانہ کے درمیان ہوتی ہے۔ پس زمانہ کے بعض اجزاء کا بعض پر مقدم ہونا باعتبار ذات ہوگا لحاظ زمانہ نہیں لہذا زمانہ

تو جو زمانہ کے قبلیت کا واسطہ ہے اس کے ثبوت کے لئے بھی زمانہ درکار ہوگا۔ اور پھر اس زمانہ کے لئے بھی زمانہ ضروری ہے۔ الغرض اسی طرح سے زمانہ کا تسلسل قائم رہے گا اور کتب منطقیہ میں تسلسل کا بطل ہونا مع دلائل مرقوم ہے۔ لہذا اس تعریف کو کہا جائے گا کہ چونکہ یہ تعریف امر باطل کو مستلزم ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ خود بھی باطل ہے لہذا یہ تعریف ماضی ہی باطل اور غلط ہے۔ اس اشکال کا جو جواب علامہ شارح نے ذکر فرمایا۔ اس کی مراد

یہ ہے کہ بیان پر قبلیت ذاتیہ مراد ہے نہ زمانیہ۔ اس لئے کہ زمانہ کے اجزاء کو جو تقدم و تاخر سے موصوف کہا جاتا ہے تو ان کے لئے یہ وصف کسی امر آخر کے واسطہ سے ثابت نہیں بلکہ اجزائے زمانہ کو تقدم و تاخر سے ثابت ہوا اگرنا ہے اور جو چیزیں زمانہ کے علاوہ ہیں یعنی زمانیات ان کو تقدم اور تاخر بواسطہ زمانہ کے عارض ہوتا ہے اور یہ امر مذکور بالکل واضح ہے۔

مسئلہ یعنی مضاف مضاف الیہ میں معمولی مناسبت کی وجہ سے اضافت کر دی گئی۔ ۱۲ منہ
لئے یہ تقریر سوال کا بلی سے لی گئی ہے ۱۲ منہ
ہے کیونکہ قبلیت کا مفہوم بتا رہا ہے کہ زمانہ کے اجزاء میں تقدم و تاخر لحاظ زمانہ کے ہے اور زمانہ کے لحاظ سے تقدم و تاخر صفت اور شان زمانیات کی ہے نہ زمانہ کی تو اس تعریف کی بناء پر زمانہ زمانیات میں داخل ہو گیا۔ ۱۲ از سوال کا بلی تبصرہ عبارتہ والاضافہ۔

مسئلہ ملاحظہ الیہ میں نے لکھا ہے کہ تقدم اجزاء

قولہ۔ قبلیت ذاتیۃ (الی قولہ)
للزمان زمان۔ اس کلام سے شارح ایک اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ تعریف میں کہا گیا ہے۔ علی زمان قبل زمان۔ تو قبل ظرف زمان ہے جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ کا تقدم دوسرے زمانہ پر باعتبار زمانہ کے ہے اور تقدم اور تاخر اجزائے زمانہ میں واسطہ زمانہ ہی ہے کیونکہ تقدم شے کا عام مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شے زمانہ سابق میں واقع ہو۔

اور تاخر شے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شے زمانہ لاحق میں ہو تو ثابت ہوا کہ اس تعریف میں علی زمان قبل زمان کے الفاظ سے جو زمانہ زمانیات میں داخل ہو گیا اور جس طرح کہ زمانیات کے تقدم و تاخر میں زمانہ واسطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اجزائے زمانہ کے تقدم و تاخر میں بھی زمانہ ہی واسطہ ہے۔ اس صورت میں لازم آگیا کہ زمانہ بھی زمانہ کا محتاج ہے

نے کیوں ترک کیا اور اس قدر الجھن اور اخلاق تعریف میں کر دیا حضرت شارح کو ایک تفصیلی جواب دینا ہوا اس خیال کا نفع میری نگاہ میں یہ آتا ہے کہ تعریف جو ذکر کی گئی ہے وہ باطل غلط اور مہمل ہے کیونکہ فعل ماضی کے لئے یہ کہنا کہ جو زمانہ گذشتہ سے تعلق رکھے تعریف اشئی بنفہ ہے۔ نیز یہ تعریف نہایت مہمل بھی ہے کہ اس سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ زمانہ گذشتہ کون سا ہے جس پر فعل ماضی کی دلالت ہے تو اس وجہ سے علامہ نے نہایت صاف اور صحیح اور مفصل تعریف فعل ماضی کی بیان کروائی۔ ۱۲ منہ

کیونکہ زمانہ اپنی ماہیت کے لحاظ سے متصل ہے۔ لیکن جب ہم اس میں اجزاء فرض کر لیں اور زمانہ کے ٹکڑے کر لیں مثلاً کہیں کہ زمانہ کے تین اجزاء ہیں۔ گذشتہ موجودہ۔ آئندہ۔ تو ہمارے اس فرض کر لینے سے زمانہ

کے اجزاء میں تقدم اور تاخر عارض ہوگا۔ ہماری اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ زمانہ میں تقدم اور تاخر کسی واسطہ سے نہیں۔ لہذا اس میں قبلیت اور بعدیت ذات کے لحاظ سے ہوگئی تو اشکال سابق اب باقی نہ رہا اور تسلسل کا اشکال کہ زمانہ کے لئے زمانہ کا لزوم جو کہ موسوم تھا۔ لزوم ظرفیتہ شے لفظ کو (جو کہ امر محال ہے) اب بالکل نفع ہو گیا۔

قولہ۔ بقولہ مادل (الی قولہ) مخرج ما عدلہ۔ اس عبارت میں تعریف ماضی کے فوائد قیود ذکر فرماتے ہیں اور تعریف کے جامع مانع ہونے کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے مادل علی زمان بمنزل جنس کے ہے کہ جملہ افعال اس مفہوم میں داخل ہیں اور قول مضمت قبل زمانہ بمنزل فصل کے ہے جس کی وجہ سے فعل ماضی جملہ افعال متصرفہ سے ممتاز ہو جاتا ہے کیونکہ فعل ماضی کی دلالت زمانہ گذشتہ پر ہوتی ہے۔ لہذا اس قید سے جملہ افعال اس تعریف سے خارج ہو گئے اور اس تعریف کا مصداق صرف فعل ماضی جمیع اقسام پر رہ گیا۔

زمانہ میں تقدم زمانی ہے (یعنی باصطلاح مناطقہ کیونکہ مراد تقدم زمانی سے یہ ہے کہ شے مقدم شے متاخر کے ساتھ زمان واحد میں جمع نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ زمانہ موجودہ اور زمانہ ماضی میں یہ امر بدیہتہ ثابت ہے کہ تقدم بمحاذ زمانہ ہے درنہ اگر تقدم ذاتی مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ماضی اور حال زمانہ واحد میں جمع ہو سکتے ہیں (رہو الحال) اس لئے تقدم ذاتی کا تحقق صرف علت تامة اور معلول میں ہی پایا جاتا ہے لیکن اجزائے زمانہ میں ثبوت تقدم بلا واسطہ کے ہے۔ اس معنی کے ہی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ تقدم اجزاء زمانہ کا بعض اجزائے زمانہ پر تقدم ذاتی ہے یعنی اس تقدم کا مستند ذات زمانہ ہے اور زمانیات میں تقدم کو تقدم بالعرض

کہتے ہیں کیونکہ ان میں تقدم کا ثبوت ایک شے کے لئے دوسری شے پر بواسطہ زمانہ کے ہے نہ باعتبار ذات کے۔ ۱۲ منہ بعبارة واضعہ ۱۲

لئے قولہ۔ والمراد بما الموصول (اللی قولہ) ان ضربت ضربت۔ فعل ماضی کی تعریف پر چند شبہات واقع ہوتے تھے بعض تعریف کی مانعیت پر اور بعض جامعیت پر۔ اس عبارت میں ان کا جواب مذکور ہے۔ ہم تقریر پر شبہات اور ان کے جوابات تفصیل سے درج کرتے ہیں۔
 بعونہ تعالیٰ وتوفیقہ۔ شبہ اول۔ یہ تعریف مانع نہیں دخول غیر سے کیونکہ یہ تعریف بعض اسمائے ظرف زمان پر بھی صادق آتی ہے جیسے اس وغیرہ کیونکہ اس کی دلالت بھی زمانہ گزشتہ پر ہے۔ لہذا مادل علی زمان قبل زمانک نامصدق اس پر بھی ہے تو ثابت ہوا کہ یہ تعریف مانع نہیں جواب۔ مامول سے جو مادل میں ہے مراد فعل ہے کیونکہ ماضی قسم ہے فعل کی اور مقسم کا اعتبار اس کے اقسام میں بھی ہوا کرتا ہے۔ لہذا فعل کا اعتبار بوجہ مقسم ہونے کے اس کی قسم یعنی ماضی میں معتبر و نا ضروری ہے تو ثابت ہوا کہ اس تعریف سے خارج ہے کیونکہ وہ فعل نہیں بے شبہ ثانی۔ ماضی کی یہ تعریف جملہ بجا نفعی جملہ پر جو کہ اقسام مضارع میں شمار ہے صادق آتی ہے۔ جیسے لہذا ضرب وغیرہ پر مادل علی زمان قبل زمانک صادق ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ تعریف ماضی مانع نہیں دخول غیر سے۔ جواب۔ مادل میں دلالت سے مراد دلالت وصفیہ ہے یعنی اصل وضع کے اعتبار سے زمانہ گزشتہ پر دلالت کی ہے اور ظاہر ہے کہ نفعی جملہ میں اصل وضع کے لحاظ سے زمانہ حال یا استقبال ہوتا ہے کیونکہ اسم کا داخل صرف فعل مضارع پر ہوتا ہے۔ گو اسم کی وجہ سے مضارع کے معنی کا گزشتہ زمانہ سے عارضی تعلق ہو گیا اور وہ تعریف ماضی کی مانعیت کیلئے مضر نہیں کیونکہ ماضی کے اس میں اصل وضع کے اعتبار سے نہیں ہیں۔
 شبہ ثالث۔ یہ تعریف ماضی جامع نہیں کیونکہ جن افعال ماضیہ پر حرف شرط یا اسم شرط داخل ہو جائے۔ تو چونکہ حرف شرط استقبال کو چاہتا ہے تو فعل ماضی کے معنی بھی فعل مستقبل کے ساتھ ہو جاتے ہیں تو ایسے افعال ماضیہ اس تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ ان افعال کی دلالت زمانہ آئندہ پر ہے نہ گزشتہ پر۔ جیسے ان ضربت ضربت سے وغیرہ۔ تو ثابت ہوا کہ

وقوله قبل زمانک يخرج ماعداہ۔ والمراد بما الموصول الفعل فلا ينتقض منع الحد بمثل اس وبال دلالة ما هو بحسب الوضع فلا ينتقض منعه بمثل لو يضرب وجمعه بمثل ان ضربت ضربت مبنی علی الفتح خبر مبتدأ محذوف ای هو یعنی الماضی مبنی علی الفتح لفظاً نحو ضرب او تقدیراً نحو رمی اما البناء علی الحركة دون السكون الذی هو الاصل فی المبنی فلمشاہدۃ المضارع فی وقوعه موقع الا سم نحو زيد ضرب فی موقع ضارب وشرطاً وجزاءً تقول ان ضربت ضربت فی موضع ان تضرب مبنی اضربک واما الفتح فلو کونه

کے لئے زمانہ ہونا لازم نہ آئے گا پس مصنف کا قول "مادل علی زمان" سارے افعال کو شامل ہے اور مصنف کا قول "قبل زمانک" اس تعریف سے اس کے علاوہ نکل جائیگا اور ملے موصول سے مقصود (در اصل) فعل رہی ہے لہذا یہ تعریف "اس" وغیرہ سے نہ ٹوٹے گی اور "دلالت" سے مقصود یہ ہے کہ جو وضع اصلی کے لحاظ سے زمانہ ماضی کی نشان دہی کرے تو ماضی کی یہ تعریف "لم يضرب" وغیرہ سے نہیں ٹوٹے گی۔ اور اس کی جامعیت کا "ان ضربت ضربت" جیسی مثال سے ٹوٹنا جو مبنی بر فتح مبتدأ محذوف "هو" کی خبر ہے یعنی ماضی فتح پر مبنی ہے لفظوں میں جیسے "ضرب" یا پوشیدہ جیسے "رمی" اور سکون جو مبنی ہونے کی اصل (اور شناخت) اس کے بجائے ماضی کا متحرک ہونا اس کا سبب اس مضارع سے ایک طرح کی مشابہت ہے (مثلاً) اس کا اسم کی جگہ آنا۔ جیسے "زيد ضرب" "ضارب" کی جگہ۔ اور ماضی کا شرط و جزا کی جگہ آنا (مثال کے طور پر) کہتے ہیں "ان ضربت ضربتک" "ان تضربنن اضربک" اور مانع بھی۔

لئے قولہ مبنی علی الفتح (اللی قولہ) ان تضربنن اضربک۔ قولہ اما البناء علی الحركة دون السكون الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ معنی کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ ساکن ہو لیکن مبنی باوجود مبنی ہونے کے متحرک ہوتا ہے اور حرکت فتح پر مبنی ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ

تعریف جامع نہیں جواب۔ مادل میں چونکہ دلالت وصفیہ مراد ہے۔ لہذا یہ شبہ اس تعریف پر درست نہ ہوگا۔ کیونکہ فعل ماضی کی دلالت بلحاظ وضع صرف زمانہ گزشتہ پر ہے اور معنی استقبال پر دلالت کرنا صورت مذکورہ میں وہ دلالت عارضی ہے۔ حرف شرط کی وجہ سے تو ثابت ہوا کہ تعریف جامع بھی ہے

وقد متوب کلامی فی هذا شیخنا العلامة مولانا رسول خان مدظلہ وحمدہ وانا الصفا علی اکظم مولانا محمد شفیع دامت برکاتہم ۱۲ منہ مع سکون مبنی کیلئے اصل ہے جمہلہ حرکت مری کیلئے اصل ہے کیونکہ بناء وعراب صلیون میں

عہ ملا عصام الدین فرماتے ہیں کہ یہ شبہ پورے طور سے دفع نہیں ہو سکتا جب تک کہ لفظ قبل کو بدل نہ دیا جائے اور تعریف اس طرح کی جائے۔
 الماضی مادل علی زمان متقدم علی زمانک (روایا حکمۃ الی ارباب العقول والعلماء الفحول)

اخف الحركات مع غير الضمير المرفوع المتحرك فانه مبني على
السكون معه نحو ضربين الى ضربنا كراهة اجتماع اربع متحركات
فيما هو كالکلمة الواحدة لشدة اتصال الفاعل بفعله وانما قيد
الضمير المرفوع بالمتحركة احترازاً عن مثل ضرباً فانه ايضا مبني
على الفتح ومع غير الواو فانه يضم معها السجاستها لفظاً كضربوا
او تقديراً كرموا

بحث المضارع

المضارع ما شبه اى فعل اشبه الاسم باحد حروف نایت اى حال
اور ماضی پر فتح لانا وہ اس کے حرکات میں سب سے پہلی حرکت ہونے کی بنا پر ہے۔ بجز
ان صیغہائے ماضی کے جن میں ضمیریں متحرکہ مرفوعہ پائی جاتی ہیں۔ ان کے اندر ماضی
کو مبنی علی السکون قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے "ضربن" "ضربنا" "مک"۔ اس سبب سے کہ
اندر ون کلام چار متحرکات بیک کلمہ اٹھا ہوا جانا پسندیدہ ہے اور فاعل کے فعل
کے ساتھ شدت اتصال کے باعث ان کا حکم ایک کلمہ کا سا ہو گیا۔ اور ضمیر مرفوع متحرکہ
کی قید لگا کر "ضرباً" کے مانند سے احتراز مقصود ہے اس لئے کہ وہ بھی فتح پر مبنی ہے
اور واو کے علاوہ کے ساتھ اس لئے کہ واو اس کے ساتھ اس کی بجائست کی بنا پر
شکل ہو جاتا ہے لفظاً جیسے "ضربوا" اور تقدیراً (پوشیدہ) جیسے "ورموا"

لہذا ضروری ہے کہ نقل کی رعایت سے اخف الحركات
کے ساتھ مبنی بنایا جائے اور یہ امر مسلم ہے کہ حرکات
ثلاثہ میں اخف فتح ہے لہذا ماضی مبنی بر فتح ہوتی ہے
۱۰ قولہ مع غير الضمير المرفوع رالی
قولہ او تقدیراً کا کرموا۔ اس عبارت کا مطلب یہ
ہے کہ ماضی کے وہ صیغے جن میں ضمائر مرفوعہ متحرکہ لگتی ہیں
ان میں ماضی مبنی بر فتح نہیں بلکہ مبنی علی السکون
ہوتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کلام عرب میں چار
متحرک کا ایک کلمہ میں جمع ہونا مکروہ ہے اور اسی طرح
ایسے دو کلمے جو ایک کلمہ کی طرح ہو گئے ہوں۔ ان میں
بھی متواتر چار حرکتوں کا جمع ہونا مکروہ ہے۔ جیسے
فصل ماضی کے صیغے مثل ضربت وغیرہ میں کہ ضمائر مرفوعہ
متصلہ اگرچہ علیحدہ میں فصل سے کیونکہ وہ فاعل ہیں۔
مگر اس قدر شدت اتصال رکھتی ہیں جس کی وجہ سے
یہ کتنا درست ہوا کہ دونوں مل کر ایک کلمہ میں لہذا اگر
ماضی یہاں پر مبنی بر فتح ہوتی تو چار متحرک ایک کلمہ میں
جمع ہو جاتے۔ اس بناء پر ان صیغوں میں ماضی کو مبنی
علی السکون قرار دیا گیا۔

بحث المضارع

۱۱ قولہ۔ المضارع ما شبه (الی قولہ)

جمعتھا کلمۃ نایت۔ مطلب یہ ہے باحد حروف
نایت سے مشابہت کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے
بلکہ علامت مضارع کا ذکر ہے اور مشابہت کا بیان
لوقوع مشتق کا الخ میں ہے۔ اس عبارت شراح
میں چونکہ اغلاق ہے بوجہ ترکیب نحوی کے اس لئے
ہم ترکیب ذکر کرتے ہیں۔ جہد ف بوضوف ہے مضاف
نہیں ہے اور اتین..... صفت ہے حروف کی اور
نی اوائل متعلق اتین کے ہے اور اتین کے معنی

اسی طرح فصل ماضی بھی ہم فاعل کی جگہ استعمال ہوتا
ہے جیسے ان ضربتینی ضربتین بجائے ان تضربتینی
اضربت
۱۲ قولہ۔ ولما الفاع فلکونہ اخف۔
اس عبارت میں اس شبہ کا جواب ہے کہ اگر ماضی کا
مبنی حرکت پر ہونا بوجہ دلیل مذکور کے مناسب تھا
تو پھر حرکات ثلاثہ میں سے فتح کی تخصیص کیوں کی
گئی ہے۔ غلامہ جواب کا یہ ہے کہ ماضی میں نقل ہے

ماضی کو ایک گونہ مشابہت فعل مضارع کے ساتھ ہے
تو اس مشابہت کی بناء پر ماضی کے مبنی ہونے میں
ضعف طاری ہو گیا۔ لہذا بجائے سکون کے ماضی مبنی
بر فتح ہوا۔ رہا یہ سوال کہ ماضی کو فعل مضارع کے ساتھ
مشابہت کس طرح ہے تو ہم بتاتے ہیں کہ کدو طرح سے
ماضی کو مضارع کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔ اول
جس طرح مضارع ہم فاعل کی جگہ واقع ہو سکتا ہے جیسے
نیدہ مبارک کی جگہ نیدہ یضرب واقع ہوتا ہے

پر مبنی ہونا اسی کا نتیجہ ہے۔ ۱۲ منہ
سہ فصل ماضی میں یہ نقل ہے کہ ماضی کے افراد
میں کوئی فعل ماضی بھی ایسا نہیں کہ جس میں حرف اوسط
ساکن حقیقتہ ہو اور لگاتار حروف کا متحرک ہونا لفظ
میں نقل کا مقتضی ہے۔ لہذا کہا جاتا ہے کہ ماضی ثقیل ہے

قریب کر دیتی ہے۔ جیسا کہ مبنی کی مشابہت بعض اوقات
معرّب کو مبنی بنا دیتی ہے اور جب کسی مبنی میں معرب
کی مشابہت آگئی تو اس کو اگرچہ معرب نہیں کہا جاتا
مگر وجہ بناء میں ضعف اس کی وجہ سے بعض مضاف
معرب کے ساتھ قصاف آجاتا ہے۔ جیسے ماضی میں حرکت

اور متغایرن میں تقابل کی رعایت کی وجہ سے طراب میں
حرکت کو اصل قرار دیا گیا اور مبنی میں سکون کو اصل کہا۔
۱۳ سوال کا بی تبصرہ۔
عہ اس مشابہت کی وجہ سے ضعف اس لئے
طاری ہوا کہ مبنی کو معرب سے مشابہت معرب کی طرف

جیسے زیر ضرب، زیر طراب کے موقع میں، دوم جن طرح مرفوعہ جزم میں نقل مضارع آتا ہے اسی طرح فعل ماضی بھی استعمال ہوتا ہے۔

کو نہ متلبسا باحد حروف اتین فی اوائله یعنی الحروف التي جمعها
 كلمة نایت وهذا المشابهة انما يكون لوقوع ^{لله} ای وقوع ذلك
 الفعل مشتركا بين زمانی الحال والاستقبال علی الصحيح كوقوع
 الاسم مشتركا بين المعانی المتعددة كالعين وتخصيصه بالجر
 عطف علی وقوعه ای تلك المشابهة تكون لوقوع الفعل مشتركا
 ولتخصيصه بواحد من زمانی الحال والاستقبال یعنی الاستقبال
 بالسین فانه للاستقبال القريب وسوف فانه للاستقبال البعيد كما
 مر ان الاسم يختص باحد معانيه بواسطة القرائن وانما عطف
 المضارع بمشابهة الاسم لانه لم يسم مضارعا الا بهذا المعنى

بحث المضارع

مضارع حروف نایت میں سے کسی ایک کے ساتھ متلبس ہونے کے باعث فعل
 کے زیادہ مشابہ ہوتا ہے یعنی حروف اتین میں سے کوئی سا حرف اس کے شروع
 میں آتا ہے یعنی ان حروف میں سے کوئی سا حرف جو کلمہ "نایت" میں اکٹھے کر دیئے
 گئے ہیں اور یہ مشابہت فعل مضارع کے زمانہ حال واستقبال میں مشترک ہونے کے
 باعث صحیح قول کے مطابق ہرگی جیسے کسی اسم کا متعدد معانی میں مشترک ہونا مثلاً
 "عين" (کہ اس کے بہت سے معنی آتے ہیں) اور "تخصيص" بالجر کا عطف سبلی وقوعہ
 پر ہے یعنی وہ مشابہت جو وقوع فعل کی وجہ سے ہوتی ہے وہ مشترک ہے اور اس
 کا زمانہ حال واستقبال میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص ہونا یعنی زمانہ استقبال
 کاسین کے ساتھ کیوں کہ وہ استقبال قریب کے لئے آتا ہے اور سوف کا استقبال
 بعید کے لئے جیسا کہ گذر چکا کہ اسم قرائن کے واسطے متعدد معانی میں سے ایک کے
 ساتھ خاص ہو جاتا ہے اور مضارع کی تعریف مشابہت اسم کے ساتھ کرنے کی وجہ

بھی حروف سین اور سوف کی وجہ سے زمانہ استقبال

کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور اگر کوئی قرینہ کلام میں

ایسا ہو کہ معنی حال کی تعیین اس سے ہوتی ہو تو اس

وقت مضارع زمانہ حال کے ساتھ خاص ہوتا ہے جیسے

میں مفید اختصاں ہونا ہے مولانا کی اس عبارت سے

اس دہم کا رفع اس طرح ہو گیا کہ مولانا کے اس کلام سے

معلوم ہوا کہ یہاں پر اضافت لادنی طابقت ہے تو اضافت

سے مقصد صرف انہماک نسبت ہے۔ دراختصاں جیسے لفظ

اور ان شئت بن شئت ملائکہ فلترجع الیہ ۱۲ منہ ۲

مراد ہیں نہ لفظ اتین۔ تو ترجمہ پوری عبارت کا یہ ہے
 "وقت ہونے فعل کے شامل ایک پر ان حروف میں سے
 جو آتے ہیں ادائل میں مضارع کے یعنی وہ حروف جن کو
 کلمہ نایت جامع ہے" انتہی۔ اور بعض نسخوں میں شرح
 جالی کے باحد حرف اتین کے بجائے باحد حرف نایت
 ہے تو اس صورت میں نایت کا لفظ مراد ہے نہ معنی اور
 یہ عبارت زیادہ بہتر ہے کمالاً یعنی۔

۱۱ قولہ۔ وهذا المشابهة (الی قولہ)
 المتعددة كالعين۔ ماحصل اس عبارت کا یہ ہے
 کہ فعل مضارع کو اسم سے مشابہت اسی وجہ سے ہے
 کہ جس طرح اسماء چند معانی کے لئے وضع کیے جاتے ہیں
 اور اسی وجہ سے مشترک کہلاتے ہیں فعل مضارع بھی
 چند معانی کیلئے وضع کیا گیا ہے لہذا مشترک کہلاتا ہے
 کیونکہ مضارع دلالت کرتا ہے زمان حال اور استقبال
 دونوں پر۔ لہذا مذہب صحیح میں تو وہ مشترک ہو گیا۔
 مثل عین اور جاریہ کے۔ مولانا نے لفظ صحیح
 کے ساتھ اس لئے قید لگائی کہ دو مذہب اس کے
 علاوہ بھی ہیں۔ اول یہ کہ مضارع مشترک نہیں۔ حال و
 استقبال کے زمانوں میں بلکہ مضارع کی حقیقی دلالت
 زمانہ حال کیلئے ہے مگر مجازاً اس کا استعمال زمانہ
 مستقبل کیلئے بھی ہوا کرتا ہے۔ دوم۔ مضارع اصل
 میں زمانہ استقبال کے لئے وضع کیا گیا ہے مگر مجازاً
 زمانہ حال بھی مراد لیا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ دونوں
 مذہب مروج ہیں۔ اس لئے مولانا نے فرمایا۔ کہ
 صحیح مذہب کے مطابق مضارع مشترک ہے درمیان
 زمانہ حال اور استقبال کے۔

۱۲ قولہ۔ وتخصيصه بالجر بواسطة

القرائن۔ ماحصل عبارت یہ ہے کہ دوسری مشابہت
 فعل مضارع کو اسم سے اس بنا پر بھی ہے کہ جس طرح
 اسماء مشترک قرائن حالیہ و مقالیہ کے ذریعہ کسی معنی
 کے ساتھ مخصوص ہوا کرتے ہیں اسی طرح فعل مضارع

اسے مولانا جہاں نے جو فرمایا ہے یعنی الحروف
 التي جمعها كلمة نایت۔ اس سے یہ دہم باقی نہ رہا کہ
 اضافہ حروف کی لفظ نایت کی طرف درست نہیں کیونکہ
 اضافہ یہاں پر مفید اختصاں نہیں ہے اور اصل اضافہ

او معنی المضارعة في اللغة المشابهة مشتقة من الضرع كان
كلا الشبهين ارتضعا من ضرع واحد فهما اخوان رضاعا فالههزة
من تلك الحروف الاربعة للمتکلم مفردا مذكرا كان او مؤنثا
مثل اضرب والنون له اي للمتکلم المفرد واذا كان مع غيره واحد
كان ذلك الغير او اكثر مثل نضرب وكانهما ماخوذان من انا ونحن
والنساء للمخاطب واحد اكان او مثني او مجموعا او مؤنثا وللمؤنث
لواحد والمؤنثين غيبة احوال كون المؤنث والمؤنثين غائبات
وذوي غيبة والياء للغائب غيرهما اي غير القسمين المذكورين و

یہ ہے کہ مضارع کو مضارع اسی مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے یا یہ کہ لغت میں مضارع
کے معنی مشابہت کے ہیں اور وہ ضرع (تھن) سے مشتق ہے گویا دونوں میں مشابہت
کی وجہ یہ ہے کہ دونوں نے ایک تھن سے دودھ پیا تو وہ دونوں رضاعی (دودھ
شریک) بھائی ہو گئے۔ پس ان چار حروف میں سے ہمزہ متکلم مفرد کے لئے ہے مذکر یا
مؤنث مثلاً "اضرب" اور تون (تھن) ہوگا جبکہ متکلم مفرد غیر کے ساتھ ہو خواہ وہ
غیر واحد ہو یا زیادہ مثلاً "نضرب" اور گویا وہ دونوں "انا" اور "نحن" سے ماخوذ ہیں
اور تان مخاطب کے لئے ہے مخاطب (کا صیغہ) واحد ہو یا تشنیہ یا جمع یا مؤنث ہو اور تان
واحد اور تشنیہ مؤنث غائب کے لئے ہے یا اس حال میں کہ واحد مؤنث اور تشنیہ مؤنث
غائبات یا غائب ہونے والے ہوں۔ اور تانائیک کے لئے استعمال ہوتی ہے یعنی ان

الکتاب میں فعل مضارع کی تعریف یہ ہے المضارع مادل
صلی لزمان الحال ما لا استقبال۔ اور بعض نے یوں تعریف
کی۔ المضارع ماضی اولہ احدی الزوائد الاربع۔
توضیف نے اس تعریف کو کیوں ترک فرمایا حالانکہ اس
میں وضاحت بھی ہے اور اختصار بھی۔ اور یہ تعریف جو یکبارہ
فرمائی اس میں اتقان اور طول ہے۔ مولانا اس کا جواب
دکڑ کر لے ہیں۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ
دوسری تعریفات سے مضارع کی وجہ تسمیہ پر روشنی نہیں
پڑتی ہے اور اس تعریف کی طرح وہ تعریف جامع بھی
نہیں ہیں۔ نیز اس تعریف سے مضارع کا تیز تمام جملہ
افعال سے پوشاک مستفاد ہوتا ہے۔ دلیل اس کی
یہ ہے کہ علامہ ابن عاصم نے مضارع کی تعریف میں بتایا
کہ مضارع وہ فعل ہے کہ جس کو اسم سے مشابہت ہوتی

ہے۔ اشتراک تخصیص کی وجہ سے۔ تو اس تعریف سے
مضارع کی وجہ تسمیہ بخوبی سمجھ میں آگئی کیونکہ مضارع
صیغہ اسم فاعل صیغہ مضارعة (باب مفاعلیۃ) سے
ہے جس کے معنی مشابہت کے آتے ہیں اور لفظ مضارعة
میں مشابہت کے معنی مادہ ضرع سے اخذ کئے گئے ہیں جس کے
معنی تھن کے ہیں اس لئے جب دو بچے ایک تھن سے دودھ
پیتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کا مضارع کہلاتا ہے تو گویا
فعل مضارع اور اسم دونوں رضاعی بھائی ہیں مادہ کامل
درجہ کی مشابہت بوجہ اشتراک و خصوصیت کے رکھتے ہیں۔
۱۲ قولہ۔ رضاعاً فالههزة (القولہ) من انا ونحن
قولہ۔ کانہما ماخوذان من انا ونحن۔ اس جملہ میں
مولانا نے اس طرح اشارہ فرمایا کہ ہمزہ واحد متکلم کے لئے
کیوں نام ہے اور تون جمع متکلم کے لئے کیوں نام ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ واحد متکلم کی ضمیر انا اور جمع
متکلم کی ضمیر نحن ہے تو ہمزہ کو واحد متکلم کے لئے خاص
کر کے انا کی طرف اشارہ ہوا اور تون سے نحن ضمیر جمع متکلم
کی طرف اشارہ ہے تو دلیل خصوصیت ثابت ہوگئی۔

۱۳ قولہ۔ ولتساء للمخاطب (القولہ) اذ ذی

غیبۃ۔ مولانا کے اس کلام میں لفظ غائبات اور ذی

غیبۃ۔ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ تقریر سوال و جواب

یہ ہے۔ سوال سے غیبۃ کا منصوب ہونا اس بناء پر

معلوم ہوتا ہے کہ یہ حال ہے اور ذی الحال المؤمنت و

المؤمنین ہیں۔ مگر اس میں شکال یہ ہے کہ باعتبار معنی

کے غیبۃ حال نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ حال کیلئے شرط

یہ ہے کہ وہ ذی الحال پر محمول ہو۔ اور یہاں پر محمول درست

نہیں کیونکہ یہ بنا غلط ہو جائے گا۔ المؤمنت والمؤمنان

غیبۃ مولانا نے اس کا جواب دو طریقوں سے دیا۔ اول

غیبۃ صیغہ ہے۔ مگر معنی میں اسم فاعل کے ہے اور مصد

غیبۃ معنی میں صیغہ اسم فاعل غائبات کے ہے۔ دوم

غیبۃ سے قبل مضارع ذی محذوف ہے جو تشنیہ

کے لئے آتا ہے اور عبارت ہے ذی غیبۃ ترجمہ

مؤنث اور مؤنثین صفت غیبۃ والی ہوا ان دونوں مؤنثوں

میں حال بتا غیبۃ کا صحیح ہے کوئی اشکال نہیں۔

۱۴ قولہ۔ والیاء للغائب غیر ہمارا (القولہ)

لموافقة السابق۔ اس عبارت میں علامہ شارح غیر ہما

کی وجہ اعراب کھانا چاہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ غیر ہما

گویا تو مجرد کہو اس بنا پر کہ بدل ہے لغائب سے اگر کوئی

شہد کرے کہ لفظ غیر اسماء متوغلۃ فی الالبہاء میں سے

ہے جن کا حکم یہ ہے کہ وہ اگر اعراف المعارف یعنی ضمیر

متکلم کی طرف بھی مضارع ہوں۔ تب بھی نکرہ ہی قرار دیے

جائیں گے۔ تو یہاں پر لفظ غیر نکرۃ الغائب معروفہ کا بدل

کس طرح ہو گیا۔ شارح نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ

لفظ غیر اضافہ کی وجہ سے ضمیر ہما کی طرف اگرچہ

معروفہ نہیں ہوا۔ مگر نکرہ خالص بھی نہیں رہا کیونکہ ظاہر

ہے کہ حرف غیر اور لفظ غیر سہا دونوں کے مفہوم میں

تخصیص و تعمیم کا فرق کھلا ہوا ہے۔ لہذا کہا جائے گا

کہ لفظ غیر اضافت کی وجہ سے حکم میں نکرہ موصوفہ کے

ہے اور نکرہ موصوفہ معروفہ کے بدل میں آیا کرتا ہے چنانچہ

ہما واحد المؤنث ومثناه فقولہ غیرہما ای غیر القسمین المذكورین
بالجر علی البدلیۃ من الغائب لانه وان لم یصر بالاضافۃ معرفة
لکنہ خرجت بہا عن النکارة الصرفة فهو فی قوة النکرة الموصوفة
او بالنصب حال وهو الاولی لموافقة السابق وحروف المضارعة
مضمومة فی الرباعی ای فیما ماضیہ علی اربعة احرف اصلية کید خرج اولاً
کیخرج ومفتوحة فیما سواہ ای فی ما سوی ماضیہ علی اربعة
احرف مثل یتد خرج ویستخرج ونحوہما ولا یعرب من الفعل
غیرہ ای غیر المضارع لعدم علة الاعراب فیہ ولما کان هذا
الکلام فی قوة قولنا وانما یعرب المضارع صرح ان یتعلق بہ قولہ
اذالم یصل بہ نون تاکید ثقيلة کانت او خفيفة

دونوں ذکر کردہ قسموں واحد مؤنث اور تشبیہ مؤنث کے علاوہ۔ پس شارح کا قول
غیرہما، یعنی دونوں ذکر کردہ قسموں کے سواجر کے ساتھ یہ غائب سے بدل کے طور
پر ہے اس لئے کہ وہ اگرچہ اضافت کے ساتھ معرفہ ہیں بنا کر خالص نکرہ ہونے سے
بھی نکل گیا اور قوت میں نکرہ موصوفہ کے ہو گیا یا نصب کے ساتھ اسے حال قرار دیا
جائے اور یہ سابق کی موافقت کے باعث زیادہ بہتر ہے۔

اور مضارع کے حروف (علامات مضارع) مضموم ہوں رباعی میں یعنی اگر
ان کی ماضی چار حروف اصلية سے مرکب ہو جیسے "یدخرج" "یتخرج" اور چار حروف
سے مرکب نہ ہو تو علامت مضارع پر فتح آئے گا۔ مثلاً "یتدخرج" "یستخرج" وغیرہ
اور فعل مضارع کے علاوہ کوئی اور فعل علت اعراب نہ پائے جانے کے باعث

معرب نہ ہوگا۔ اور جب یہ کلام ہمارے قول "و انما یعرب المضارع" کی تقویت
کا باعث ہے۔ تو درست ہے کہ اس کے ساتھ یہ قول "اذالم یصل بہ نون تاکید
ثقیلة کانت او خفيفة" (جبکہ مع المضارع نون تاکید کا اتصال نہ ہو خواہ نون ثقیلہ

کے ساتھ نون تاکید متصل ہوگا تب
مضارع معرب ہوگا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ
نون تاکید کے اتصال کے بعد تو مضارع معرب ہوتا
ہے نہ معرب حضرت شارح اس کا جواب لہا کان
هذا الکلام فی قوة قولنا الخ سے ذکر فرماتے ہیں جس
کا حاصل یہ ہے کہ عبارت لا یعرب من الفعل
غیرہ انما یعرب المضارع کے معنی میں ہے اور
نون جمع مؤنث۔

یہ مسئلہ مشہورہ متون میں موجود ہے اس کی مثال بالاضافۃ
ناصبۃ کا ذیہ ذکر کی جاتی ہے کہ لفظ الناصبۃ کا
بدل ناصبۃ نکرہ موصوفہ واقع ہوا۔ الغرض چونکہ غیرہما
حقاً نکرہ موصوفہ ہے لہذا اس کا بدل ہونا لفظ الغائب
سے بالکل صحیح ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیرہما
کو حال کہا جائے اور منصوب پڑھا جائے اور حال ہونا
اس کا درست ہے کیونکہ غیرہما حقاً نکرہ ہے۔ بلکہ عدلہ
شارح کی رائے تو یہ ہے کہ یہ اولی ہے بوجہ موافقت امور
مذکورہ سابقہ کے کیونکہ اس سے قبل اس قسم کی صورت
میں یہ الفاظ حال ہی قرار دیئے گئے ہیں جیسے للممتکلم
مفرداً۔ للمؤنث والمؤنثین غیبۃ میں مفرداً
اور غیبۃ کو حال ہی کہا گیا ہے۔

۲۷ قولہ۔ وحروف المضارعة (الی قولہ)
و یتخرج ونحوہما۔ اس عبارت سے یہ ضابطہ معلوم
ہوا کہ فعل مضارع معروف میں علامت مضارع یا مضموم
ہوگی یا مفتوح۔ اگر ماضی چار حروف سے مرکب ہے۔ تب
تو اس کے مضارع معروف میں علامت مضارع مضموم
ہوگی۔ جیسے یتدخرج۔ یتخرج۔ وغیرہ۔ اگر ماضی چار
حروف سے مرکب نہیں تب علامت مضارع مفتوح
ہوگی۔ جیسے یفیرب یتدخرج یتخرج وغیرہ۔

۲۸ قولہ۔ ولا یعرب من الفعل غیرہ
الی قولہ) علة الاعراب فیہ۔ مطلب عبارت
یہ ہے کہ چونکہ علاوہ مضارع کے کسی اور فعل میں علة
اعراب موجود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ معرب نہیں ہوتے
بس مضارع ہی جس افعال میں سے معرب ہوتا ہے
اور مضارع میں علة اعراب مشابہت ہے اسماء معربہ
سے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

۲۹ قولہ۔ وما کان هذا الکلام الی
قولہ) ثقيلة کانت او خفيفة۔ حضرت شارح
لہا کان هذا الکلام الخ سے ایک سوال مقدم
کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اذا ظرفیۃ مع
مضاف الیہ جملہ لم یصل بہ الخ کے ظرف ہے۔
فعل لا یعرب کا۔ تو عبارت کا ترجمہ یہ ہوا کہ مضارع
کے کوئی فعل معرب نہیں ہوتا جبکہ مضارع کے ساتھ
نون تاکید متصل نہ ہو۔ اس سے مطلب یہ حاصل ہوا

ولا نون جمع المؤنث لانه اذا اتصل به احد اسمها يكون مبنيا
لان نون التاكيد لشدة الاتصال بمنزلة جزء الكلمة فلو دخل
الاعراب قبلها يلزم دخوله في وسط الكلمة ولو دخل عليها لزم
دخوله على كلمة اخرى حقيقة ولان نون جمع المؤنث في المضارع
تقتضي ان يكون ما قبلها ساكنا المشابهة لها نون جمع المؤنث في
الماضي فلا يقبل الاعراب واعرابه رفع ونصب يشارك الاسم
فيهما وجزم يختص به كالجزء بالاسم فالصحيح منه وهو عند
النهاية ما لم يكن حرفه الاخير حرف علة المجرد عن ضمير بارز

ہو یا خفیہ سے متعلق ہو۔ اور نہ نون جمع مؤنث ہو اس لئے کہ ان میں سے جس کے
ساتھ بھی اتصال ہوگا مضارع مبنی ہو جائے گا اس لئے کہ نون تاکید شدت اتصال
کے باعث اس کا حکم جزو کلمہ کا سا ہے پس اگر اعراب اس سے پہلے لائیں تو اس
کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آئے گا اور اگر اسی پر اعراب لایا جائے تو حقیقتاً اس
کا دوسرے کلمہ پر داخل ہونا لازم آئے گا اور نہ مضارع میں نون جمع مؤنث آئے
گا۔ کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ماضی کے نون جمع سے مشابہت کی بنا پر اس
کا ما قبل بھی ساکن ہو پس اعراب اس کے لئے قابل قبول نہ ہوگا اس کا اعراب
رفع ونصب ہے۔ اور اس میں مشترک ہے کہ اس پر بھی یہ اعراب آتے ہیں اور
جس طرح اسم کے ساتھ جر مخصوص ہے اسی طرح اس کے ساتھ جزم مخصوص ہے اور
اس سے صحیح ہے اور نحووں کی اصطلاح میں صحیح وہ کہلاتا ہے کہ اس کا اخیر کا حرف

رکتے ہیں صیغہ مضارع سے جس کی وجہ سے یہ نون
جزو کلمہ کی طرح ہو گیا ہے۔ لہذا اگر اعراب کو اس نون
سے قبل داخل کر تو یہ لازم آئے کہ اعراب بجائے
آخر کلمہ کے وسط کلمہ پر داخل ہوا کیونکہ نون بھی تو
شدہ تعلق کی بناء پر مثل جزء کلمہ کے ہے اور اگر اعراب
کو نون پر داخل کر دو تو بھی درست نہیں کیونکہ اس
صورت میں لازم آئے گا کہ اعراب کو ایسے کلمہ پر داخل

مرکب بنائی کہ ان میں علة بناء تضمن حرف عطف ہے
تو چونکہ یہ فعل مضارع متضمن ہے حرف تاکید کو یا نون
جمع کو لہذا مبنی کہا گیا اور حضرت علامہ شارح نے جو
علة مبنی ہونے کی ارشاد فرمائی ہے اس میں علة بناء
نہیں بلکہ علة اعراب کی علت ہے اور مقصد لام شارح

شہ قولہ۔ ولا نون جمع مؤنث رالی
قولہ۔ فلا تقبل الاعراب۔ مولنا اس کی دلیل
ذکر فرماتے ہیں کہ جب مضارع سے نون تاکید یا نون
جمع مؤنث لاق ہوتا ہے تو مضارع مبنی کہیں ہو جاتا
ہے۔ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ نون تاکید اور نون جمع مؤنث
کی وجہ سے مضارع اس لئے مبنی ہوتا ہے کہ حرف
نون تاکید اور نون علامت جمع مؤنث شدہ اتصال

عہ احقر کے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ اس
صورت میں مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی حرف کسی
کلمہ کا جزو یا مثل جزء ہو تو وہ تضمن حرف کی وجہ سے
مبنی ہو جاتا ہے کیونکہ حرف تمام مبنی ہیں اور جو ان
کو تضمن ہوگا۔ وہ بھی مبنی ہوگا جیسے احد عشر و جلد

کیا گیا ہے جو حقیقت کے لحاظ سے دوسرا کلمہ ہے۔
گو وہ کلمہ شدہ تعلق کی بناء پر مثل جزء کے ہے مگر
حقیقت کے اعتبار سے تو دوسرا کلمہ ہے۔ الغرض کوئی
صورت اعراب کی نہیں بنتی۔ اس لئے کہا جائے گا کہ
مضارع بانون تاکید یا بانون جمع مؤنث مبنی ہے
نہ موجب۔ نیز نون جمع مؤنث مضارع میں ماضی کے
نون جمع مؤنث کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اپنے
ما قبل سکون کو چاہتا ہے لہذا اعراب کو قبول نہ کرے گا۔
۳۵ قولہ۔ واعراب رفع ونصب رالی
قولہ۔ کالجری بالاسم یعنی رفع اور نصب جس طرح
اسماء عرب پر آتا ہے اسی طرح فعل عرب پر آتا اور جس
طرح اسم عرب کا خاص اعراب جزم ہے اسی طرح فعل
عرب کا خاص اعراب جزم ہے۔

۳۵ قولہ۔ فالصحيح منه وهو عند النخاة
ما لم يكن حرفه الاخير حرف علة مطلب یہ
ہے کہ اصطلاح نخاة میں اسم صحیح اور فعل صحیح وہ ہے
جس کا آخری حرف حرف علة ہو جیسے یدعو و
یرمی وغیرہ۔

۳۵ قولہ۔ المجرد عن ضمير بارز مرفوع
رالی قولہ۔ ولن يضربا الى اخرها۔ خلاصہ
کلام یہ ہے کہ مضارع کے اعراب کی تفصیل یہ ہے کہ چار
صیغے یفعل۔ تفعّل۔ افعل۔ یفعل۔ میں جبکہ یہ سب
صحیح ہوں تو حالت رفع میں ضمہ لفظی اور حالت
نصب میں فتح لفظی ہوگا۔ جیسے یضرب ولن يضرب
وغیرہ اور حالت جزم میں سکون ہوگا جیسے لم يضرب
وغیرہ۔ یہ تو ان صیغوں کا حال تھا کہ جن میں ضمائر بارزہ
مرفوعہ نہیں ہوتی ہیں اور جن صیغوں میں یہ ضمائر بارزہ مرفوعہ
ہوا کرتی ہیں۔ وہ پانچ صیغے ہیں۔ یفعلان۔ تفعّلان۔

ترید کرنا ہے۔ مذہب نخاة اہل کوفہ کی کیونکہ وہ حضرات
اسی صورت میں مضارع کو عرب کہتے ہیں اور اعراب
تقدیری ملتے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ مضارع بانون
اعراب تقدیری میں مشابہ ان اسماء کے ہیں۔ جن کو کہ
یائے متکلم کی طرف منصف کیا گیا ہو مثل غلامی وغیرہ
ہذا ما شرح لی واللہ اعلم بالصواب ۱۲ سید حسن علی عثمان

یفتلون تفتلون تفتلین۔ ان میں یہ قاعده ہے کہ حالت رفع میں قون موجود رہتا ہے اور کوئی تفسیر نہیں ہوتا ہے۔ جیسے یضربان ویضربون وتضربون وغیرہ۔ اور حالت نصب میں قون کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے لن تضربا لن تضربوا لن تضربنی وغیرہ تاکہ جس طرح اسماء میں جبکہ وہ شنیہ یا جمع مذکر سالم ہوں تو حالت نصب میں وہ حالت جر کے تابع ہو کر آتے ہیں۔ اسی طرح افعال شنیہ و جمع حالت نصب میں حالت جر کے تابع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہو گیا۔

۳۲۰ والمضارع المعتل (الی قولہ) حال الجزم تقول لم یرض۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معتل الآخر کی تین صورتیں ہوں گی۔ معتل وادی معتل یائی۔ معتل انفی۔ اگر معتل وادی یا معتل یائی ہو۔ تو حالت رفع میں اعراب ضمہ تقدیری کے ساتھ ہوگا کیونکہ اعراب لفظی اس صورت میں دشوار ہے بوجہ اس کے کہ واد اور یائی پر ضمہ ثقیل ہوتا ہے۔ جیسے یدعو۔ یرمی۔ اور اگر حالت نصب میں ہو تو اعراب فتح لفظی کے ساتھ ہوگا کیونکہ فتح تو اخف الحركات ہے اس لئے واد اور یائی پر داخل ہو سکتا ہے جیسے لن یدعو ولن یرمی لو اگر حالت جزم میں ہو تو حذف واد اور حذف یائی کے ساتھ اعراب ہوگا۔ کیونکہ جب جازم نے حرف آخر پر کوئی حرکت نہائی بلکہ ساکن پایا تو عمل جازم ظاہر ہونے کی اب صرف یہ صورت ہے کہ جو اس حرکت کے مناسب حرف آخر میں موجود ہے اور وہ حرف علت ہے لہذا حذف کیا گیا جیسے لم یغزو۔ لم یرم۔ اور اگر معتل انفی ہو تو حالت رفع اور نصب دونوں میں ضمہ تقدیری اور فتح تقدیری ہوگا کیونکہ اگر فتح لفظی دیا جائے تو یہاں پر الف کی وجہ سے وہ نہیں آ سکتا اس لئے کہ الف تو حرکت کو قبول ہی نہیں کرتا لہذا فتح بھی تقدیری رہا۔ جیسے یرضی۔ دن ترضی وغیرہ اور اگر حالت جزم میں ہو تو الف کو حذف کر دیا جائے گا جیسے لم یرض وغیرہ۔

مرفوع متصل بہ للتثنیۃ مذکر کان او مؤنثا مثل یضربان تضربان والجمع المذکر مثل یضربون وتضربون والمؤنث مثل یضربن وتضربن والمخاطب المؤنث مثل تضربین فہذا اربع صیغ یضرب فی الواحد الغائب المذکر وتضرب فی موضعین فی الواحد الغائب المؤنث والواحد المخاطب المذکر وتضرب فی المتکلم الواحد وتضرب فی المتکلم مع الغیر بالضمۃ فی حال الرفع والفتحة فی حال النصب لفظا ای حال کون الضمة والفتحة لفظیتین والسکون فی حال الجزم مثل یضرب ولن یضرب ولم یضرب المضارع المتصل بہ ذلک ای الضمیر البارز المرفوع وذلك فی خمسة مواضع بالنون فی حالة الرفع وحذف فیها ای بحذف النون فی حالة الجزم والنصب فان النصب فیہ تابع للجزم کما انہ فی الاسماء تابع للجر مثل یضربان وتضربان ویضربون وتضربون ولم یضربا ولن یضربا الی آخرها والمضارع المعتل الآخر بالواو والباء بالضمۃ تقدیرا

حروف علت میں سے نہ ہو۔ وہ صیغہ جن میں ضمیر بارز مرفوع متصل نہ ہو تثنیہ کے واسطے خواہ مذکر ہو یا مؤنث جیسے "یضربان اور تضربان" اور جمع مذکر کے لئے جیسے "یضربون اور تضربون" اور مؤنث کے واسطے جیسے "یضربن اور تضربن" اور مخاطب مؤنث کے لئے جیسے تضربین تو یہ چار صیغہ ہیں "یضرب واحد غائب مذکر میں اور تضرب" دو جگہوں (یعنی) واحد غائب مؤنث اور واحد مخاطب مذکر میں اور تضرب واحد متکلم میں اور تضرب" جمع متکلم میں۔ ان پر حالت رفع میں ضمہ اور حالت فتح میں نصب ہوگا لفظا یعنی ایسی صورت میں کہ ضمہ اور فتح لفظوں میں موجود ہو اور سکون حالت جزم میں جیسے یضرب ولن یضرب ولم یضرب اور وہ مضارع جس کا اتصال ضمیر بارز مرفوع سے ہو اس کا اعراب حالت نفی میں پانچ جگہ نون کے ساتھ ہوگا اور حالت جزم و نصب میں حذف نون کے ساتھ اس لئے کہ وہ نصب میں جزم کے تابع ہوتا ہے جیسے کہ اسماء میں وہ جر کے تابع ہوتا ہے مثلاً یضربان اور تضربان اور یضربون وتضربون وتضربین ولم یضربا ولن یضربا الخ اور مضارع معتل الآخر اس کے واد اور یاء پر

۳۲۱ عہ اسی وجہ سے کہ جس طرح کہ عوامل کے اثر سے حرکات آخر میں آتی ہیں۔ اسی طرح حروف بھی اثر مل سے آخر میں آتے ہیں اور وہ حرف علت ہی ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حروف علت حرکات سے مشابہ ہیں۔ اس لئے سقوط کے موقع پر جب حرکت موجود ہو تو ان حروف علت ہی کو حذف کر دیں گے۔

(۳) اور حالت جزم میں نون ساکن ہو جاتا ہے جیسے لم یضربا۔ لم تضربا۔ لم یضربا وغیرہ۔

فی حال الرفع لان الضمة علی الواو والياء ثقيلة تقول يد عودا یرمی والفتحة لفظاً فی حال النصب ثقيلة تقول يد عود یرمی و الفتحة فی حال النصب لخفض الفتحة فحولن يد عود ولن یرمی و الحذف ای بحذف الواو والياء فی حال الجزم لان الجازم لتمام یجد حركة اسقط الحرف المناسب لها نحو لو یغزو ولو یرمی المضارع المعتل الآخر بالالف بالضممة والفتحة تقدیراً لان الالف لا تقبل الحركة تقول یرضی ولن یرضی والحذف ای بحذف الالف فی حال الجزم تقول لو یرضی ویرتفع المضارع اذا تجرد عن الناصب والجازم نحو یقوم زید سواء کان العامل فیہ هذا التجرد كما هو المتبادر من عبارته وذلك مذهب الکوفیین وسواء کان العامل فیہ وقوعه موقع الاسم كما فی زید یضرب ای ضارب او مررت برجل یضرب او رایت رجلاً یضرب وانما ارتفع وقوعه موقع الاسم لانه اذن یکون کالاسم فاعطى اسبقاً عرب الاسم واقواؤه وهو الرفع وذلك مذهب البصریین واورده علیہ

بحالت رفع تقدیراً (پوشیدہ) ضمیر ہوگا۔ کیونکہ ضمہ واو پر اور یاء پر ثقیل ہوتا ہے کہتے ہیں "یدعو" اور "یرمی" اور بحالت نصب لفظاً فتح ہوگا ثقیل کی صورت میں کہتے ہیں "یدعو یرمی"، اور لفظاً فتح بحالت نصب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ حرکات میں دسب سے، ہکی حرکت ہے مثلاً "نن یدعو"، "لن یرمی" اور بحالت جزم واو اور یاء کے حذف کر کے اس لئے کہ جازم کے اخیر حرف پر حرکت نہ پانے کی صورت میں اس حرکت کے اعتبار سے اخیر میں پایا گیا موزوں حرف گر جائے گا۔ مثلاً "لم یغزو لم یرمی" اور مضارع معتل الآخر بالالف ہونے کی صورت میں بحالت ضمہ وفتح تقدیراً قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ الف حرکت کو قبول نہیں کرتا کہتے ہیں "یرضی ولن یرضی"، اور بحالت جزم حذف الف کے ساتھ مثلاً "لم یرضی"، اور مضارع پر اگر نصب اور جزم دینے والا عامل نہ ہو تو اس پر رفع آئے گا جیسے "یقوم زید"، خواہ عامل اس میں یہ تجرد عامل سے خالی ہوتا ہو جو عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے اور یہ نحاۃ کوفہ کا مسلک ہے اور خواہ اس میں عامل اس کا اسم کی جگہ میں واقع ہونا ہو جیسے زید یضرب میں یعنی یضرب ضارب کی جگہ ہے یا مررت برجل یضرب یا رایت رجلاً یضرب اور اس کے

۲۵ قولہ۔ ویرتفع المضارع (الی قولہ) مذهب البصریین۔ کلام شامی ۲۷ کا مطلب یہ

ہے کہ جب مضارع عامل ناصب اور جازم دونوں سے خالی ہو تو اس وقت مرفوع ہوگا۔ وجہ دفع میں علمائے بصرہ اور علمائے کوفہ میں اختلاف ہے علمائے کوفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ عامل رفع یہ مضارع کا تجرد عن عوامل النصب والجزم ہی ہے اور یہی مفہوم ہوتا ہے علمائے ابن حبان کے ان الفاظ سے ویرتفع اذا تجرد عن الناصب والجازم۔ علمائے بصرہ یہ فرماتے ہیں کہ عامل رفع مضارع کا موقع اسم میں واقع ہوتا ہے۔ جیسے زید یضرب میں یضرب موقع ضارب میں واقع ہے اور اسی طرح مررت برجل یضرب اور رایت رجلاً یضرب میں بھی موقع ضارب میں واقع ہے۔ راہ یہ سوال کہ مضارع پر موقع اسم میں ہونے سے رفع کیوں آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت مضارع اسم کے مانند ہوتا ہے لہذا اسم کا سب سے اقویٰ اور اعلیٰ اعراب یعنی رفع مضارع کو دیا گیا

۲۵ قولہ۔ واورده علیہ انہ (الی قولہ) یقوم الزید ان۔ مراد عبارت یہ ہے کہ علمائے بصرہ کے مذہب پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے نزدیک جب علت رفع مضارع کے لئے یہ ہے کہ وہ موقع اسم میں واقع ہوئے تو اس کے علاوہ بہت سی صورتوں میں تم مضارع کو کیوں مرفوع پڑھتے ہو۔ حالانکہ وہاں پر مضارع کسی طرح بھی موقع اسم میں واقع نہیں کہا جاسکتا۔ پہلی صورت یہ ہے جبکہ مضارع اسم موصول کا صلہ واقع ہو جیسے الذی یضرب کیونکہ اگر اس کے موقع میں ضارب کو رکھا جائے تو وہ صلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ صلہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جملہ ہو دوسری صورت یہ ہے کہ جبکہ مضارع ستین یا سوف کے ساتھ ہو وہاں پر بھی اسم فاعل اس کی جگہ نہیں آسکتا کیونکہ ستین اور سوف صرف فعل پر ہی داخل

۲۵ رفع اعلیٰ اعراب اسلئے ہے کہ متبدا اور فاعل اور تمام اسماء کہ کلام میں اصل ہوتے ہیں۔ ان کو مرفوع ہی پڑھا جاتا ہے اور منصوبات اور مجرورات کلام میں فضلات نہتے ہیں۔ ۱۲ سید حسن عفی عنہ

ہوتے ہیں نہ اسم پر جیسے سیقوم اور سوف یقوم۔
تیسری صورت جبکہ مضارع کا فعل از افعال
مقاربتہ کی خبر واقع ہو وہاں پر بھی اس مضارع کی
جگہ اسم فاعل نہیں آسکتا کیونکہ کا د کی خبر کے لئے
ضروری ہے کہ فعل مضارع ہو جیسے کا د زید یقوم۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ فعل مضارع کا فاعل تثنیہ اسم
ظاہر واقع ہو وہاں پر بھی اسم فاعل مضارع کی جگہ
نہیں آسکتا کیونکہ جملہ فعل اور فاعل سے مرکب نام ہوتا
ہے اور اسم فاعل سے مع فاعل کے جملہ تیار نہیں ہوتا۔
جیسے یقوم الزیدان۔

۳۷ قولہ اجیب عن نحو الذی (الذی قولہ)
ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت شارح نے اس عبارت
میں اعتراض مذکور سابق کا جواب تحریر فرمایا ہے جس کا
ماہصل یہ ہے کہ مواقع مذکورہ میں بھی فعل مضارع واقع
اسم میں واقع ہے۔ چنانچہ اگر مضارع کی جگہ اسم کو رکھا
جائے تو عبارت بقاعدہ علم نحو درست ہو سکتی ہے۔
اور اس سلسلے میں جو شبہات ذکر فرمائے گئے ہیں۔
سترپا غلط ہیں۔ چنانچہ ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں
صورت اول میں جبکہ مضارع صلہ اس کی جگہ اسم
فاعل لایا جاسکتا ہے۔ جیسے الذی یضرب کی جگہ
ضارب ہو سکتے ہیں۔ تو ترکیب یوں ہوگئی الذی
اسم موصول ضارب خبر مقدم ہو مبتدا مؤخر جملہ
اسم ہو کر صلتہ الذی اسم موصول کا۔ اگر کوئی کہے کہ
اس میں ضارب کے بعد تو بھی مقدر مانا گیا حالانکہ ہونا
یہ چاہیے تھا کہ صرف ضارب کی تقدیر سے عبارت
درست کی جاتی تو ہم جواب دیں گے کہ تقدیر اسم ضمیر کے
ساتھ بھی اگر ضارب یہاں پر یضرب کی جگہ میں لایا
جائے تو کوئی قباحت پیش نہیں آئی اور اس میں کوئی
حرج بھی نہیں کیونکہ ہماری مراد مضارع کے موقع میں
ہونے سے صرف یہ ہے کہ وقوع فی الجملہ متحقق ہوئے اور
یہی جواب ہے چوتھی صورت کا جب فعل مضارع
واحد غالب ہو اور فاعل تثنیہ ہو۔ کہ وہاں پر اسم فاعل
اس طور سے لایا جائے گا کہ صیغہ اسم فاعل کو تثنیہ بنائیں
گے اور یقوم الزیدان کی جگہ قائمان الزیدان
کو کریں گے اور ترکیب اس طرح ہوگئی کہ قائمان خبر مقدم

انہ یرتفع فی مواضع لا یقع فیہا موقع الاسم کما فی الصلۃ نحو
الذی یضرب و فی نحو سیقوم و سوف یقوم و فی خبر کا د نحو
کا د زید یقوم و فی نحو یقوم الزیدان۔ واجب عن نحو الذی
یضرب و یقوم الزیدان بانہ واقع موقعہ لا نک تقول الذی
ضارب ہو علی ان ضارب خبر مبتدا مقدم علیہ و کذا قائمان
الزیدان و یکفینا وقوعہ موقع الاسم وان کان الاعراب مع
تقدیرہ اسما غیر الاعراب مع تقدیرہ فعلا و عن نحو سیقوم
ان سیقوم مع السین واقع موقع الاسم لا یقوم وحد السین

اسم کی جگہ واقع ہونے کی بنا پر اس پر رفع اس لئے ہے کہ وہ جی اسم کی طرح ہوتا ہے لہذا
اسے اسم کا سب سے عالی اور قوی ترین اعراب (یعنی) رفع عطا کیا گیا اور سخاۃ بصرہ بھی
فرماتے ہیں اور اس تعریف پر یہ اشکال کیا گیا کہ سخاۃ بصرہ کے نزدیک جب اس کے مرفوع
ہونے کا باعث اسم کی جگہ واقع ہونا ہے تو بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ مضارع اسم کی
جگہ واقع نہیں مگر مرفوع ہے جیسے کہ صلہ میں مثلاً "الذی یضرب" اور مثلاً "سیقوم"
اور سوف یقوم اور کا د کی خبر میں مثلاً کا د زید یقوم اور مثلاً "یقوم الزیدان"
اس کا جواب "الذی یضرب" اور "یقوم الزیدان" وغیرہ سے دیتے ہیں کہ ان جگہوں
میں مضارع اسم کی جگہ آرہا ہے کیونکہ تم "الذی ضارب ہو" کہہ سکتے ہو یا اس طور کہ
ضارب تو خبر مقدم ہو اور ہو کو مبتدا مؤخر قرار دیں۔ اور اسی طرح "قائمان الزیدان"
کہنا درست ہے اور ہمارے لئے مزید بوجہ (مضارع کا اسم کی جگہ واقع ہونا کافی
ہوگا اگرچہ اعراب اسم کو مقدم ماننے پر اس اعراب سے الگ ہو جو فعل کو مقدم و پوشیدہ
مان کر ہوتا۔ اور "سیقوم" سین کے ساتھ اسم کی جگہ آیا ہے تنہا نہیں آئے گا اور سین

اور الزیدان مبتدا مؤخر تو یہاں پر بھی فی الجملہ تقدیر سے
اسم فاعل مضارع کی جگہ واقع ہو گیا۔ تیسری صورت جبکہ
فعل مضارع خبر کا فعل مقاربتہ کی ہو۔ اس وقت
بھی مضارع کی جگہ اسم فاعل کا واقع ہونا درست ہے
باعتبار اس کے کیونکہ اصل یہ ہے کہ افعال مقاربتہ کی
خبر اسم ہو۔ گویہ اصل کا د میں استعمال نہیں ہے مگر مضارع
کا خبر کا د میں بجائے اسم میں واقع ہونا باعتبار اس کے
متحقق ہے۔ راہیہ امر کہ اس سے عدل کے فعل مضارع
کو خبر کا د کے لئے کیوں بندتے ہیں۔ اس کی تحقیق
افعال مقاربتہ کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آجائے

گی۔ اور یہی دوسری صورت جبکہ مضارع پر تثنیہ
یا سوف داخل ہو تو اس صورت میں بھی اسم فاعل
مضارع کی جگہ بے تکلف آسکتا ہے لیکن مضارع
مع سین یا سوف کی جگہ اسم فاعل لایا جائے گا۔
بدون سین اور سوف کے مضارع کی جگہ اسم فاعل
نہ لایا جائے گا۔ کیونکہ سین تو مانند اجزاء فعل
مضارع کے واقع ہے اور یہاں پر سوف سین کے
حکم میں ہے۔ لہذا سیقوم اور سوف یقوم زید کی
جگہ قائم زید استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال اگر
پوری تقریر سے ثابت ہو کہ علمائے بصرہ کے مذہب

صار کا حد اجزاء الكلمة وسوف في حكم السين وعن نحو كاد
 زيد يقوم ان الاصل فيه الاسم وانما عدل عن الاصل لما يعي
 في باب افعال المقاربة انشاء الله تعالى وينتصب اي المضارع
 بان مفعولة ولن قال الفراء اصله لا ابدل الالف نونا وقال
 الخليل اصله لا ان نقصر كائش في اي شئ وقال سيبويه انه حرف
 برايه واذن قيل اصله اذ ان فحفت وقيل اصله اذا الظرفية
 فنون عوضا عن المضاف اليه وكي بان مقدرة بعد حتى نحو
 سرت حتى ادخلها وبعد لام كي نحو سرت لا دخلها وبعد لام
 الجحود وهي اللام الجارة الزائدة في خبر كان المنفي نحو ما كان
 الله ليعد بهم لان هذه الثلاثة جوار فيمتنع دخولها على الفعل
 الا بجعله مصدرا بتقدير ان المصدرية وبعد الفاء نحو زرن

کا حکم اجزائے کلمہ کے ایک جزو کا سا ہوگا اور سوف کا حکم سین کا سا ہے اور کاد زیر
 یقوم وغیرہ اس میں اصل اسم ہے اور ان کا اپنی اصل سے ہٹ جانا انشاء اللہ تعالیٰ
 افعال مقاربت کے باب میں آئے گا اور مضارع آن اور تن کے ساتھ منصوب ہوتا ہے۔
 کہ وہ نقطوں میں ہو قراء نحوی تن کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی اصل تاء ہے۔ الف
 کو نون سے بدل دیا (ن ہو گیا) اور (دوسرے نحوی) خلیل فرماتے ہیں کہ یہ اصل میں
 "لا ان" ہے پھر اس کے اندر تخفیف کر دی گئی۔ جیسے "ایش" اسی الشئ میں اور (تیسرے نحوی)
 نحوی) سبویہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل یہی ہے۔ اور "اذن" کہا گیا ہے اس کی اصل "اذن"
 ہے اور اس میں تخفیف (وترمیم) کر دی گئی۔ اور (یہ بھی) کہا گیا کہ اس کی اصل (اور بنیاد
 وحقیقت) اذ ظرفیہ قرار دی گئی۔ پھر نون مضاف الیہ کے بدلے آئے۔ اور مضارع کی
 کے بعد منصوب ہوتا ہے۔ ان مقدروں پوشیدہ "حتی" کے بعد ہوتا ہے جیسے (کہا جاتا
 ہے) سرت حتی ادخلها۔ اور لام کی کے بعد بھی ان پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً سرت لا دخلها
 اور لام جحود (انکاری) کے بعد ان مقدم ہوتا اور یہ لام، لام بارہ زائدہ کان منفی کی
 خبر میں ہوتا ہے جیسے "ما کان اللہ لیعد بهم" کیونکہ یہ تینوں حروف جارہ ہیں اور یہ

پر بھی مضارع کو جبکہ وہ عوازل نصب اور عوازل
 جزم سے خالی ہو، مرفوع پڑھ سکتے ہیں۔
 شہ قولہ۔ وینتصب المضارع رالی قولہ
 ان حرف بلا۔ حضرت شارح اس عبارت میں
 تن ناصب کے بارے میں علامے نحو کے مذاہب نقل
 فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ امام فراء کی رائے یہ ہے کہ
 اصل میں تن لا تھا۔ الف کو نون سے بدل دیا تن
 ہو گیا اور خلیل فرماتے ہیں کہ تن اصل میں لا ان تھا

لا کے الف کو اور ان کے ہمزہ کو بغرض تخفیف حذف
 کیا تن ہو گیا۔ سبویہ کے نزدیک تن مستقل کلمہ ہے
 کسی سے بدلا ہوا نہیں ہے۔

شہ قولہ۔ اذن قيل اصله (الی قولہ)
 عن المضاف اليه شارح اس عبارت میں
 اذن ناصب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں
 اذن ہے تخفیف کر کے اذن بنایا اور بعض علمائے
 نحو نے فرمایا کہ اصل میں اذ ظرفیہ ہے اور اس میں نون
 مضاف الیہ کے عوض لایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اذن ہو گیا
 شہ قولہ۔ وکی۔ بان مقدرة (الی قولہ)
 بتقدير ان المصدرية۔ شارح اس عبارت سے
 ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ حرف حتی
 اور لام کے اور لام جحود کے بعد ان مقدم کیوں ہوتا ہے
 نیز تینوں حروف جارہ میں۔ یہ فعل مضارع پر د حمل
 کیے ہوتے ہیں۔ حالانکہ دخول حرف جر خاصہ اسم کا ہے
 شارح نے جواب دیا کہ تینوں حروف جارہ میں اسم پر
 ہی د حمل میں فعل مضارع پر نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے
 بعد ان مصدریہ مقدم ہے اور ان مصدریہ فعل مضارع
 کو حکم میں مصدر کے بنادیتا ہے تو ان حروف جارہ کا دخل
 اسم مصدر پر ہوا نہ فعل پر۔ اس تقریر سے آن کو حتی اور
 لام کے اور لام جحود کے بعد مقدم ماننے کی علت بھی مستفاد
 ہو گئی کہ اگر تن کو یہاں پر مقدم نہ مانا جائے تو پھر ان
 حروف جارہ کا داخل فعل پر کسی طرح درست نہیں ہوتا ہے
 شہ قولہ۔ وبعد الفاء نحو زرن (الی قولہ)
 او تعطينی حتی۔ مراد یہ ہے کہ او کے بعد ان مقدم ہوتا
 ہے اور مثال سے یہ بات کہہ دی گئی کہ ہر او کے بعد
 ان مقدم نہ ہوگا۔ بلکہ اس او کے بعد جو معنی میں آتی

عہ اس مناسبت سے کہ نون خفیہ کو بعض
 اوقات الف سے بدل دیا کرتے ہیں تو یہاں پر الف کو
 نون سے بدلا ۱۲ معصم الدین۔

عہ گویا مرکب ہے اذ ظرفیہ اور ان مصدریہ
 سے ۱۲ سیہ حسن عفی عنہ
 سے کیونکہ اذ ظرفیہ کا مضاف الیہ کے ساتھ
 ہی استعمال ہوا کرتا ہے۔ مضاف الیہ چونکہ یہاں پر
 نہ تھا اس لئے نون اس کے عوض لایا گیا ۱۲ سیہ حسن عفی عنہ

حرف جاریا الا حرف استثناء کے ہوگا۔ چنانچہ اس شرط کی صراحت آگے عبارت میں صاحب کافیہ نے فرمادی ہے۔

مثلاً فان الواو والفاء عاطفتان والی قولہ مثال النصب بجذف النون۔ شارح اس عبارت میں حرف واو اور حرف فاء کے بعد ان مقدم ہونے کی دلیل ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان ہر اس واو یا فاء کے بعد فعل مضارع پر مقدم مانا جاتا ہے کہ جس سے پہلے جملہ انشائیہ واقع ہو۔

جیسے زرنی فاكرمك لا تاكل السمك وتشرب اللبن تو چونکہ جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر نہیں ہے۔ لہذا ایسی صورتوں میں فعل مضارع پر ان کو مقدم ماننا چاہیئے تاکہ مضارع ان مصدریہ کی وجہ سے حکم میں ہم مفرد کے ہو جائے اور جملہ انشائیہ کو بھی حکم مفرد بنایا جائے تو اب عطف مفرد کا مفرد پر ہو جائے گا۔ عطف جملہ انشائیہ کا جملہ خبریہ پر۔ لہذا اب کوئی اعتراض ترکیب پر وارد نہ ہوگا۔ تو ہر دو مثال مذکور کو کجا جائے گا کہ حکم میں مفردوں کے ہے تو مثال اول میں زرنی حکم میں زیارۃ منک کے ہے اور اگر کہ حکم میں اکرام منی کے ہے اور مثال دوم میں لا تاكل السمك وتشرب اللبن حکم میں لا یکن منک وتشرب اللبن کے ہے۔

مثلاً قولہ وکلمۃ ان التي رالی قولہ من ان المشقة۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مصدر علم یا اس کے مشتقات کے بعد جو فعل مضارع واقع ہو اس پر ان مصدریہ لبا اوقات پایا جاتا ہے۔ اور اس کے باوجود مضارع منصوب نہیں ہوتا۔ تو اس کی علت اس عبارت میں بتائی گئی ہے کہ منصوب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت وہ ان ناصبہ مصدریہ نہیں ہوتا بلکہ ان حرف شبہ بالفعل ہوتا ہے جو بوجہ حذف تنوین کے مشابہ ان مصدریہ کے ہو گیا ہے مگر یہ صورت اس علم کے ساتھ مخصوص ہے جو بعض یقین استعمال کیا جائے۔ جن کے معنی میں نہ ہو۔

مثلاً قولہ لان الخففة للتحقیق والی قولہ بعد الظن ففیہما الوجهان یہاں سے شارح

فاكرمك وبعد الواو نحو لا تاكل السمك وتشرب اللبن (۵) نحو لا لزمناك او تعطينی حقی فان الواو والفاء عاطفتان واقعتان بعد الانشاء وقد امتنع عطف الخبر علی الانشاء فجعل مفردا لیكون من قبیل عطف المفرد علی المفرد المفهوم من ذلك الانشاء فیكون المعنی فی زرنی فاكرمك لتکن زیارة منک فاكرام منی ایاك وفی لا تاكل السمك وتشرب اللبن لا یکن منک اكل السمك وشرب اللبن معہ فان التي ینتصب بہا المضارع مثل ارید ان تحسن الی مثال النصب بالفتحة ومثل ان تصوموا خیر لکوم مثال النصب بجذف النون۔ وکلمۃ ان التي تقع بعد العلم اذا لم یکن بمعنی الظن ہی ان الخففة من ان المثقلة لان الخففة للتحقیق فتناسب العلم بخلاف الناصبة فانها للرجاء والطمع

فعل پر نہیں آسکتے مگر یہ کہ ان مصدریہ مقدمہ پوشیدہ مان کر اسے مصدر بنا دیا جائے۔ اور فا کے بعد ان مقدم ہوتا ہے جیسے "زرنی فاكرمك" اور واؤ کے بعد مقدمہ پوشیدہ ہوتا ہے "لا تاكل السمك وتشرب اللبن" (پچھلی مت کھاؤ اور دودھ پیو) یا مثلاً "لا لزمناك او تعطينی حقی" اس لئے کہ واو اور فاء دونوں عاطفہ ہیں انشاء کے بعد آ رہے ہیں اور خبر کا عطف انشاء پر ممنوع ہے لہذا اسے مفرد بنا دیا تاکہ وہ عطف المفرد علی المفرد کے قبیل سے ہو جائے جو اس انشاء سے سمجھا جائے گا۔ تو "زرنی فاكرمك" کے معنی ہوں گے "تکن زیارة منک فاكرام منی ایاک" اور "لا تاكل السمك وتشرب اللبن" کے معنی ہوں گے "لا یکن منک اكل السمك وشرب اللبن معہ" پس وہ ان جو مضارع کو منصوب کرتا ہے مثلاً "ارید ان تحسن الی" نصب کی مثال فتح کے ساتھ ہے۔ اور مثلاً "ان تصوموا خیر لکم" حذف تون کے ساتھ نصب کی مثال ہے۔ اور کلمہ ان جو علم کے بعد آتا ہے جبکہ وہ ظن کے معنی میں نہ ہو وہ ان مخففہ ہوتا ہے ان مشقہ سے۔ اس لئے کہ ان مخففہ برائے تحقیق ہوتا ہے اور وہ علم کے لئے موزون ہوگا اس کے برعکس ناصبہ ہے

لعمدہ اس لئے کہ عطف میں ضروری ہے۔ کہ معطوف علیہ اور معطوف میں باہمی مناسبت ہو اور ظاہر ہے کہ جملہ انشائیہ اور جملہ خبریہ میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ کمال درجہ کا انقطاع ہے ۱۲۔ سید حسن علی عہدہ یہاں پر مفرد سے مراد جملہ نہ ہونا ہے۔ اس لئے ان جملوں کی تاویل رکبات ناقصہ کی حالت ہے اور

فلا تناسبه وليست اى ان الواقعة بعد العلم هذه اى ان
الناصبه نحو علمت ان سيقوم وان لا يقوم وان التى تقع بعد
الظن فغيرها الوجهان لان الظن باعتبار دلالة على غلبة الوقوع
يلام ان الخففة الدالة على التحقيق وباعتبار عدم التيقن يلام
ان المصدرية فيصير وقوع كليهما فيجربى في ان التى بعدها الوجهان
ولن مثل لن ابرح ومعناها اى معنى لن لفي المستقبل نقيضاً مؤكداً
لا مؤبداً والا يلزم ان يكون في قوله تعالى فَلَئِنْ اَبْرَحَ الارضَ
حَتَّى يَاْذَنَ لِىْ اَبِىْ تَنَاقُضٌ لَّانَ لَن تَقْضِى التَّابِىْدَ وَحَتَّى يَاْذَنَ

کہ وہ رجاء (امید) اور طمع (حرص و آرزو) کے لئے آتا ہے تو وہ اس کے مناسب ہوگا
اور علم کے بعد کہنے والا ان ناسب نہیں ہوگا۔ مثلاً "علمت ان سيقوم" اور "ان لا يقوم"
اور وہ ان جو ظن کے بعد آئے اس میں دو صورتیں ہیں (یعنی اسے ان مصدر یہ کہنا بھی درست
ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان مخففہ من المشقلہ کہا جائے) اس لئے کہ ظن اس لحاظ سے کہ
وقوع کا غالب اور زیادہ خیال ہو اس کے لئے ان مخففہ مناسب ہے جو تحقیق کی نشان
دہی کرتا ہے اور اس لحاظ سے کہ اس میں عدم یقین کا پہلو ہے ان مصدر یہ موزون ہے
تو اس طرح دونوں کا واقع ہونا درست ہوگا تو اس کے بعد واقع ہونے والے ان
میں دو صورتیں نافذ ہوں گی۔ اور لن جیسے لن ابرح اور لن مستقبل کی تاکید نفی
کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ دوام و ہمیشگی کے لئے نہیں ورنہ اس ارشاد بانی "فَلَئِنْ اَبْرَحَ الارضَ حَتَّى يَاْذَنَ لِىْ اَبِىْ تَنَاقُضٌ لَّانَ لَن تَقْضِى التَّابِىْدَ وَحَتَّى يَاْذَنَ"

اس کی دلیل ذکر فرماتے ہیں کہ علم کے افعال کے بعد
مضارع سے قبل ان مخففہ ہے اور ان مصدر یہ نہیں
ہے۔ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ ان مخففہ تو تاکید کیلئے بنایا
گیا ہے اور ان مصدر یہ زمانہ استقبال میں کسی فعل کے
وقوع کی طبع اور اخبار امید کے لئے بنایا گیا ہے تو جب
مضارع مصدر قلم کے کسی فعل کے بعد واقع ہو اور اس
پر ان داخل ہو تو علم بمعنی یقین کے مناسب ہے۔ کہ

غائب بھی اکثر محذوف ہوا کرتی ہے جیسے علم ان
سیکون منکم مٹھنی ۱۱۱
سہ جیسے اراد زید ان یا فل میں لفظ ان سے
زید کے کھانے کی امید یا طبع معلوم ہوئی یقینی وقوع
اکل معلوم نہیں ہوا۔

ان مخففہ قرار دیا جائے کیونکہ وہ تحقیق کیلئے موضوع
ہے اور اگر ان مصدر یہ کہا جائے تو وہ علم بمعنی یقین
کے مناسب نہیں کیونکہ علم وقوع کی تحقیق پر دلالت کرتا
ہے اور ان مصدر یہ صرف وقوع کی امید پر نحو علمت
ان سيقوم وان لا يقوم۔ صاحب کافینے دو مثالیں
دیے کہ اس بات کو تبادلاً کہ فعل مضارع پر ان مخففہ اس
وقت لگتا ہے جبکہ اس پر حرف تاکید سین، سوف، قدی

عہ اس کلام سے مولانا جامی معتزل کا مذہب
رد کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی یہ رائے ہے کہ من منعی
تأکید کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اس مذہب کی وجہ سے
حق خدائے کے قول لن تروانی میں نفی تأکید کے قائل
ہیں اور روئے باری تعالیٰ کو غیر ممکن قرار دیتے ہیں۔

سے کوئی موجود ہو۔ یا حرف نفی۔ لن۔ لن میں سے
کوئی ہو۔ ورنہ ان مصدر یہ ہی ہوگا۔ وان التی تقع
بعد الظن فغيرها الوجهان۔ مراد یہ ہے کہ اگر ان
فعل مضارع پر اس مصدر علم کے بعد داخل ہو۔ جو
ظن کے معنی میں ہے تو اس میں ان مصدر یہ ادل من مخففہ
من المشقلہ دونوں کہنا درست ہے۔ جیسے ظننت
ان سيفرب دمیرو۔

عہ قولہ۔ لان الظن باعتبار دلالة
رالی قولہ) التی بعدها الوجهان۔ شارح یہاں
پر دونوں وجہ جائز ہونے کی دلیل ارشاد فرماتے ہیں جس
کا خلاصہ یہ ہے کہ ان مخففہ ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ
ظن کہتے ہیں گمان غالب کو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علم اور
یقین کے قریب تر ہے لہذا مناسب ہے کہ ان کو ظن
کے بعد مخففہ قرار دیا جائے جس طرح علم کے بعد قرار
دیا گیا ہے اور ان کو مصدر یہ کہنے کی علت یہ ہے کہ
ظن کی حقیقت عدم التیقن ہے لہذا ظن کے مناسب
ان مصدر یہ ہے جو کہ ظہار طبع اور رجاء وقوع کو بیان کیا
کرتا ہے تو ان مخففہ کی صورت میں مضارع کو ظن کے
بعد مرفوع پڑھیں گے اور ان مصدر یہ کی صورت میں
مضارع کو منصوب پڑھیں گے۔

عہ قولہ۔ ولن مثل لن ابرح رالی قولہ)
حقاً یا ذن الانتهاء۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ
لن بنایا گیا ہے مستقبل کی نفی تاکید کے لئے نہ نفی تأکید
و دوام کے لئے۔ اور اگر کوئی کہے لن نفی تأکید کے لئے ہے
تو غلط ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو افسح کلام
قرآن کریم کی آیت لن ابرح الارض حتی یا ذن لی
ابی میں تناقض لازم آئے گا۔ کیونکہ اگر لن نفی دوام و
تأکید پر دلالت کرے تو مراد آیت یہ ہوگی کہ یہود اصرار نہ
حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں زمین مصر سے
مبصر جدا نہیں ہوں گا کسی زمانہ میں) اور پھر فرماتے ہیں

علامہ شارح نے ان کے مذہب کی تردید کیلئے کلام حق
جل شانہ سے حکم دلیل ذکر فرمایا ہے ۱۲ سوال کا بی
بمعرف عبارت۔
عہ (ترجمہ آیت) میں تو اس زمین سے نکلیں
تا وقتیکہ میرے باپ مجھ کو اجازت دیں۔ ۱۲

کہ یہاں تک میرے والد صاحب مجھ کو آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو کلام سن ابرح سے تو دوام نفی سمجھا گیا اور حتی یا ذن لابی سے معلوم ہوا کہ نفی موقت ہے اس وقت تک کہ والد صاحب مصر سے جانے کی اجازت دیں اور ظاہر ہے کہ کلام میں تناقض معمولی اہل عقل کے نزدیک بھی باطل ہے۔ چہ جائیکہ کلام الہی میں ہو۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ سن نفی تاکید کے لئے ہے بغی تاہیہ و دوام کے لئے نہیں ہے۔

۳۷۵ قولہ۔ واذن التي ينصب الي قولہ لا ينصب بها۔ مطلب یہ ہے کہ اذن فعل مضارع پر نصب اس وقت دے گا جبکہ وہ فعل مضارع اپنے ماقبل کا معمول واقع نہ ہو تو شارح نے کافیہ کی عبارت لم يعتمد کی تفسیر لم يعمل سے قرار دی جسے لفظ معمول سے ظاہر ہے تو مراد اس شرط سے یہ ہے کہ اگر فعل مضارع اپنے ماقبل کا معمول واقع ہوگا تو اس وقت اذن کی وجہ سے مضارع منصوب نہ ہوگا۔

۳۷۶ قولہ۔ لانها لضعفها رانی قولہ ہکاتہ سبقہا حکما۔ اور شرط مذکور کی وجہ یہ ہے کہ اذن حرف ناصب ہے اور حرف عامل ضعیف ہے لہذا بوجہ ضعف کے اس کے قابل نہیں کہ اپنے ماقبل میں عمل کر سکے تو جب مضارع ماقبل اذن کا معمول واقع ہو تو بوجہ قوت تعلق عامل کے معمول بھی حکماً مقدم ہو گیا۔ تو جس طرح عامل اذن سے مقدم ہے اسی طرح حکماً فعل مضارع بھی اذن سے مقدم سمجھا جائے گا۔ جیسے انا اذن حسن ایلک میں مضارع بوجہ خبر واقع ہونے کے مبتدا لفظ انا کا معمول ہے تو شرط جو ہم نے اذن کے ناصب ہونے کے لئے کی تھی مفقود ہو گئی کیونکہ جس طرح لفظ انا اذن سے مقدم ہے اسی طرح حسن بھی معمول آتا ہونے کی وجہ سے حکماً مقدم ہے اذن سے لہذا عامل ضعیف ایسے فعل مضارع میں عمل نہ کر سکے گا اور اس مضارع کو مرفوع پر حیدر ہے۔

۳۷۷ قولہ۔ وکان عطف علی لم يعتمد رانی قولہ۔ لا یحتمل الا الاستقبال۔ مطلب یہ ہے کہ مذکور شرط اذن کے ناصب ہونے کے لئے یہ ہے کہ جس فعل پر اذن داخل ہو اس کے معنی و مراد متعین طور سے نہ مستقبل

الانتفاء واذن التي ينتصب بها المضارع اذا لم يعتمد ما بعدها علی ما قبلها ای لم یکن ما بعدہا معمولاً لما قبلہا فانہ اذا اعتمد ما بعدہا علی ما قبلہا لا ینتصب بہا الا لانها لضعفها لا تقدر ان تعمل فیما اعتمد ما قبلہا فصار کانه سبقہا حکما۔ وکان عطف علی لم يعتمد ای ینتصب بہا المضارع اذا لم يعتمد ما بعدہا علی ما قبلہا واذ کان الفعل المذكور بعدہا مستقبلاً لکونہا جواباً وجزاءً وهما لا یمكن ان الا فی الاستقبال فان فقد احد الشرطین نحو انا اذن احسن الیک وکقولک لمن یجد ثک اذن اظنک کاذباً او کلاهما کقولک لمن یجد ثک انا اذن اظنک کاذباً وجب الرفع مثل قولک لمن قال اسلمت اذن تدخل الجنة مثل بمثال

(دوام) ہوگا اور حتی یا ذن انتہا ہے یعنی وہ اس صورت میں فعل مضارع کو نصب دے گا جبکہ اس کے مابعد کا ماقبل پر اعتماد (و انحصار) نہ ہو یعنی اس کا مابعد ماقبل کا معمول نہ ہو اور مابعد کے ماقبل پر اعتماد کی صورت میں اذن نصب نہ دے سکے گا اس لئے کہ اس کے کمزور عامل ہونے کے باعث اس میں اتنی قوت نہیں کہ وہ اپنے ماقبل پر عمل کر سکے۔ تو باعتبار حکم فعل مضارع کو اذن سے پہلے قرار دیں گے۔ اور اس کا عطف "لم يعتمد" پر ہوگا یا اس کے ذریعہ مضارع پر اس وقت نصب کئے گا جبکہ اس کے مابعد کا انحصار ماقبل پر نہ ہو اور اگر اس کے بعد آنے والا فعل جواب اور جزاء ہونے کی بناء پر مستقبل ہو کیونکہ جواب اور جزاء استقبال ہی میں ممکن ہیں پس اگر دونوں شرطوں میں سے ایک شرط فوت ہو جیسے انا اذن احسن الیک اور جیسے قول لم یجد ثک اذن کاذباً یا دونوں شرطیں فوت ہو رہی ہوں جیسے قول "لم یجد ثک انا اذن اظنک کاذباً" اس صورت میں رفع لانا واجب ہوگا جیسے قائل کا قول "اسلمت اذن تدخل الجنة" یہ ایسی مثالیں پیش کی گئیں جن میں صرف

سے متعلق ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو اذن مضارع کو نصب نہ دے گا۔ جیسے ایک شخص تم سے گفتگو کر رہا ہو اور تم کو اس کا کلام کاذب معلوم ہو رہا ہو اس وقت تم کہو۔ اذن اظنک کاذباً تو ظاہر ہے اب اظن کا تعلق اسی

نامہ حال سے ہے کیونکہ ہم نے اسی وقت ہی کلام کو کاذب سمجھا ہے تو اب شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے اذن نے نصب نہیں دیا بلکہ رفع دینا واجب ہے اور جہاں

پر دونوں شرطیں مفقود ہوں وہاں پر بدرجہ اولیٰ رفع پڑنا واجب ہے جیسے مثال سابق میں ہو۔ انا اذن اظنک کاذباً۔

سہ کیونکہ ملنے کو ایک جماعت کی رائے ہے کہ ابتدا تو عامل ہے مبتدا میں اور مبتدا عامل ہوتا ہے خبر میں۔ ۱۲ سید حسن مغل

وَيَحْتَمِلُ إِلَّا الِاسْتِقْبَالَ فَقَوْلُهُ أَذْنٌ مُبْتَدَأٌ قَوْلُهُ إِذَا لَمْ يَحْتَمِلْ ظَرْفٌ
لِلْإِنْصَابِ الْمَلْحُوظِ مَعَهَا كَمَا اشْرَأَ إِلَيْهِ وَقَوْلُهُ مِثْلُ أَذْنٍ تَدْخُلُ
الْجَنَّةَ خَبَرٌ مُبْتَدَأٌ فَمِثْلُ أَذْنٍ بِهَذَا الْمِثَالِ عَلَى طَرِيقَةِ تَمْثِيلَاتِ
أَخَوَاتِهَا لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ انْتِصَابُ الْمَضَارِعِ بِهَا مُشْرُوطًا لَشَرْطَيْنِ
أَشَارَ إِلَيْهِمَا فِيمَا بَيْنَ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ وَإِذَا وَقَعَتْ أَى أَذْنٌ بَعْدَ الْوَاوِ
وَالْفَاءِ وَالْوَجْهَانِ جَائِزَانِ النَّصْبِ بِنَاءً عَلَى ضَعْفِ الْإِعْتِمَادِ بِالْعَطْفِ
لِاسْتِقْلَالِ الْمُعْطُوفِ لِأَنَّهُ جُمْلَةٌ وَالرَّفْعُ بِاعْتِبَارِ الْإِعْتِمَادِ بِالْعَطْفِ
وَأَنْ ضَعْفٌ - وَكَى الَّتِي يَنْتَصِبُ بِهَا الْمَضَارِعُ مِثْلُ اسْمَتِ كَيْ
أَدْخَلَ الْجَنَّةَ وَمَعْنَاهَا السَّبِيَّةُ أَى سَبِيَّةٌ مَاقَبْلَهَا لَمَّا بَعْدَهَا
كَسْبِيَّةٌ لِاسْلَامٍ لِدُخُولِ الْجَنَّةِ فِي الْمِثَالِ الْمَذْكُورِ وَحَتَّى الَّتِي
يَنْتَصِبُ الْمَضَارِعُ بَعْدَهَا بِتَقْدِيرِ أَنَّ إِذَا كَانَ أَى الْمَضَارِعِ

استقبال ہی ہو سکتا ہے پس تشریح کنندہ کی عبارت اذن (تو) مبتدا واقع ہو رہی ہے
اور وہ اذالم یعمد " یہ کلام سے سمجھ میں آنے والے فعل " ینصب " کا ظرف بن رہا ہے
جیسا کہ (ہم اس سے قبل) اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ اور اس کا قول " اذن تدخل
الجنة " یہ مبتدا کی خبر واقع ہو رہا ہے تو اذن کی یہ مثال اس کے اخوات کی تمثیلات کے
طریقہ پر اور اسی زمرہ میں ہے البتہ اس کا فعل مضارع کو منصوب کرنا دو شرطوں کے
ساتھ مشروط ہے اور ان دونوں کی طرف مبتدا و خبر کے بیان میں اشارہ کر دیا گیا۔ اور
اگر اذن واو اور فاء کے بعد آ رہا ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں۔ نصب لانا تو اس وجہ
سے درست ہے کہ معطوف کے مستقل ہونے کی وجہ سے عطف پر اس کا اعتماد (واختصاص)
کمزور ہے۔ اس لئے کہ وہ جملہ ہے۔ اور رفع لانا عطف اعتماد کی وجہ سے درست ہے خواہ
یہ اعتماد کمزور ہی ہو۔ اور کی جس کے ذریعہ مضارع پر نصب آتا ہے مثلاً " اسلمت کی ادخل
الجنة " اور اس کے معنی سبیت کے ہیں یعنی اس کے ماقبل کی سبیت اس کے مابعد کے لئے
جیسے جنت میں داخلہ کے لئے اسلام کا سبب بننا۔ ذکر کردہ مثال میں۔ اور " حتی " کہ اس

شعہ قولہ۔ اذن مبتدا قولہ اذالم رانی
قولہ) فالوجهان جائزان شارح صاحب کافیر
کی عبارت اذن اذالم یعمد مابعد ہا علی ما
قبلہا مثل اذن تدخل الجنة کی ترکیب بیان فرماتے
ہیں کہ اذن مبتدا اور مثل اذن تدخل الجنة خبر اور
لم یعمد مابعد ہا علی ما بعد ہا وکان الفعل
مستقبلاً معطوف علیہ ومعطوف علی کر مضاف الیہ
ہے اذالہ اور اذالم غرض ہے مضاف الیہ طرف ہے
فعل ینصب کا۔ جو سیاق کلام سے کچھ میں آ رہا ہے۔
اور اصل عبارت اس طرح ہے اذن الی ینصب۔
تو ینصب مضارع صلیہ موصول صفت اذن کی
ہے اور موصوف باصفت مبتدا ہے۔

یہ قولہ۔ النصیب بناء علی رانی قولہ) وان ضعف
شارح یہاں پر اس کی دلیل ذکر فرماتے ہیں کہ جب اذن
حرف عطف نکال دیا واد کے بعد واقع ہو تو فعل مضارع
کو رفع اور نصب دونوں طرح سے پڑھنا کیوں درست ہے
خلاصہ دلیل یہ ہے کہ نصب تو اس بناء پر ہے کہ عطف کی
وجہ سے اعتماد یعنی تعلق ضعیف ہے۔ اس لیے معطوف
جملہ ہونے کی وجہ سے مستقل ہے جیسے ایک درست نے
تم سے کہا انا اتیت تم نے جواب میں کہا فاذن اکرمک
تو یہاں مضارع پر رفع اور نصب دونوں درست ہیں کیونکہ
مابعد فاعطف اذن اکرمک ہے اور یہ جملہ مستقل ہے
لہذا اعتماد کامل مابعد اذن کا ماقبل پر متحقق نہ ہوا لہذا
نائب ہونا اذن کا درست ہوا۔ اور رفع اس بناء پر کہ
مابعد اذن کا اعتماد پایا جا رہا ہے ماقبل پر کہ ضعیف
ہی ہے جیسے مثال مذکور سے ظاہر ہے کہ مابعد اذن
معطوف ہے اور ماقبل اذن یعنی انا اتیت معطوف علیہ
ہے جو تعلق اور اعتماد کے ضعف پر نظر کرتے ہوئے نصب
کو ایسے موقع پر جائز رکھا گیا۔ ورنہ واجب کہا جاتا۔

سہ مثال واو کی واو لایلبثون غلغلت

اس میں اذن کے باوجود نون جمع غائب کے صیغے سے
اس آیت میں اس لئے حذف نہیں کیا گیا کہ واو کے
بعد اذن کا نصب دینا ضروری نہیں بلکہ رفع بھی پڑھا
جاسکتا ہے۔ ۱۲ منہ ۱۲

تو معطوف ماقبل کے لحاظ سے مثل ممول کے بن جاتا ہے
جیسے جاء زید وعمر مگر یہاں پر حرف عطف جملہ
مستقلہ پر داخل ہے اس لئے تعلق ضعیف اور ناقابل
اعتبار کچھ کر اذن کو نائب قرار دیا جائے گا ۱۲ حسین

عہ کیونکہ جملہ حرفت مؤنث سالی ہیں۔ اسی
وجہ سے اذن کی صفت میں اسم موصول مؤنث یعنی
التي استعمال کیا گیا ہے۔ ۱۲ حسین
عہ کیونکہ عطف جب لغوات میں ہوتا ہے۔

۵۵۵ قولہ۔ وک التی یتعصب بہا (القولہ)
بالنظر الی ما قبلہا۔ مطلب یہ ہے کہ حتی کے بعد ان
مقدّم ہو کر مضارع کو نصب اس وقت دے گا جبکہ مضارع
اپنے ماقبل کے لحاظ سے معنی مستقبل کہتے ہو۔ مابہت تکلم
کے زمانے سے وہ مضارع زمانہ ماضی، حال، استقبال
میں سے کسی زمانہ سے تعلق رکھتا ہو۔ بمعنی آدرا الی۔
یعنی شرط ثانی یہ ہے کہ وہ حتی حرف کن کے معنی میں ہو یعنی
سبب کے معنی ادا کرتا ہو۔ یا حتی اس الی کے معنی میں ہو
جو انتہاء غایہ کے لئے استعمال ہوا کر رہے جیسے اسلمت
حتی ادخل الجنة میں ہر دو شرط موجود ہونے کی وجہ سے مضارع
کو ان مقدمہ نے نصب دیا کیونکہ مابعد حتی ماقبل کے لحاظ
سے یقیناً زمانہ مستقبل سے تعلق ہے کیونکہ اسلام لانا بہت
پہلے ہے اور دخول الجنة اس کے بہت بعد میں ہوگا۔

۵۵۶ قولہ واما بالنظر الی زمان التکلم رالی
قولہ او حالاً او مستقبلاً۔ مراد شارح کی یہ ہے کہ مثال
حتی کنت بیوت حتی ادخل البلد میں باعتبار واقعہ
کے سیر مقدم ہے اور مابعد حتی یعنی دخول البلد سیر مکمل کا
سزمانہ مستقبل میں ہے لیکن زمانہ تکلم کے لحاظ سے ہو سکتا
ہے کہ زمانہ ماضی میں ہو۔ اسی وجہ سے کہ تکلم نے دخول البلد
کے بعد یہ کلام کہا ہوا اور زمانہ حال میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ
دخول البلد کے وقت ہی یہ کلام متکلم نے کہا ہوا اور زمانہ مستقبل
بھی ہو سکتا ہے جبکہ دخول البلد سے پہلے یہ کلام کیا ہو۔

۵۵۷ قولہ۔ و اسیر حتی تغیب الشمس مثال
لحتی۔ فی اللہ ولا استقبال مابعدہا تحقیقاً۔ مراد یہ
ہے کہ یہاں پر حتی الی کے معنی میں ہے اور مضارع تغیب
حقیقتہ مستقبل کے معنی میں ہے۔ اس لئے اس عبارت یوں
ہے۔ اسیر الی ان تغیب الشمس۔ اور ظاہر ہے کہ
سیر کے ختم پر غیوبہ شمس کا وقوع ہے تو مضارع کے معنی
یہاں پر تحقیقاً مستقبل کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۵۵۸ قولہ۔ فان اردت رالی قولہ و سیجی
مثالہ۔ مراد یہ ہے کہ جس مضارع پر حتی داخل ہے۔ اگر
اس کے معنی زمانہ حال سے مخصوص ہوں حقیقتہ اس طور سے کہ
وکی لانا تکلم کا بعینہ ہو جس کی مثال عنقریب دے گی۔
۵۵۹ او حکایۃ الی بطریق الحکایۃ رالی قولہ
لانہا علمہ الاستقبال۔ مراد حضرت شارح کی یہ ہے کہ

مستقبلاً بالنظر الی زمان التکلم ماضیاً و حالاً او مستقبلہ بمعنی
کی ای حال کون حتی بمعنی کی للسیبۃ او الی لانتہاء الغایۃ مثل
اسلمت حتی ادخل الجنة مثال لحتی بمعنی کی والاستقبال المضارع
بالنظر الی ما قبلہا و بالنظر الی زمان التکلم ایضاً و کنت سرت
حتی ادخل البلد مثال لحتی بمعنی کی او الی والاستقبال المضارع
بالنظر الی ما قبلہا و اما بالنظر الی زمان التکلم فیحتمل ان یکون
ماضیاً و حالاً او مستقبلہ۔ و اسیر حتی تغیب الشمس مثال لحتی
بمعنی الی و لا استقبال مابعدہا تحقیقاً فان اردت بالفعل الذی
دخلہ حتی الحال یعنی زمان الحال تحقیقاً ای بطریق التحقیق
بان یکون ہی زمان التکلم بعینہ و سیجی مثالہ او حکایۃ الی
بطریق الحکایۃ کما تقول کنت سرت اس حتی ادخل البلد

کے بعد مضارع ان پوشیدہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جبکہ مضارع مستقبل تکلم
کے زمانہ کے اعتبار سے ماضی یا حال یا مستقبل کے معنی میں ہو یعنی حتی کے سبب کے معنی
دے رہا ہو یا الی کے معنی دے رہا ہو جو انتہاء کے لئے آتا ہے جیسے اسلمت حتی ادخل الجنة
یہ حتی بمعنی کے کی مثال ہے اور مضارع مستقبل کے معنی میں بھی ماقبل اور زمانہ تکلم پر
نظر کرتے ہوئے ہو سکتا ہے۔ اور "کنت سرت حتی ادخل البلد" یہ حتی بمعنی کے یا
الی کی استقبال مضارع کی بنیاد پر مثال ہے۔ اور زمانہ تکلم کی جانب دیکھتے ہوئے
تو اس میں اس کا احتمال ہے کہ وہ ماضی ہو یا حال یا مستقبل۔ اور اسیر حتی تغیب
الشمس "یہ حتی بمعنی الی کی مثال ہے اور فی الحقیقت اس کا مابعد مضارع بمعنی استقبال
ہے پس اگر تیری مراد اس فعل سے جس پر حتی آ رہا ہے بطریق تحقیق زمانہ حال ہو یا اس طور
کہ وہ جوں کاتوں تکلم و بات چیت کا دور ہو اور اس کی مثال جلد آرہی ہے یا اس کے
ذریعہ حکایت مقصود ہو۔ مثلاً تم کہو کنت سرت اس حتی ادخل البلد" اس مثال

مضارع جس پر حتی داخل ہے۔ اس سے اگر حتی حال بطریق
کے مراد ہوں جس کو کوئی حکایت حال ماضیہ سے تعبیر کیا کر رہا ہے
تو اس صورت میں بھی مضارع کو مرفوع پڑھنا واجب ہوگا۔
جیسے کنت سرت اس حتی ادخل البلد کل گشت
میں جلد رہا بیان ملک کہ داخل ہوتا ہوں شہر میں۔ اس مثال
میں اوکل سے مقصود حکایت ماضیہ ہے تو گریہ جس وقت کل
گذشتہ تو شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت یہ عبارت بنائی گئی
۵۶۰ مثال آئے والی یہ ہے۔ مرفوع فلان

فادخل في هذا الموضع حكاية الحال الماضية فكانت الدخول
هيات هذه العبارة وتحكيها في زمان التكلم على ما كنت هيات
وكان ما بعد حتى في هذه العبارة مرفوعاً فابقية على ما كان
عليه وحكيته ففي زمان الحكاية ايضاً يكون مرفوعاً اذ لا يمكن
تح تقدير ان لانها علم الاستقبال كانت اي حتى عند هذه
الارادة حرف ابتداء لا جارة ولا عاطفة ومعنى كونها حرف
ابتداء ان يبتداً بها كلام مستأنف لان يقدر بعد ما مبتداً
يكون الفعل خبرية تكون حتى داخله على اسم كم اتوهمه بعضهم
غير قم اي ما بعد حتى لعدم الناصب والجازم وتجب السببية
اي كون ما قبلها سبباً لما بعد ها ليحصل الاتصال المعنوي وان
فات الاتصال اللفظي مثل مرض فلان حتى لا يرجونه الان
مثال لما اريد الحال تحقيقاً فانه قصد به نفى الرجاء في زمان التكلم
ومن ثم اي من اجل هذين الامرين اي كون حتى عند ارادة

میں فادخل سے زمانہ ماضی یعنی داخلہ کے وقت اس عبارت کی ہیئت کے ذریعہ
ارادہ کیا ہے اور اس کی حکایت مکلم و بات چیت کے زمانہ میں بذریعہ فعل مضارع
ہوئی۔ اور حتی کا ما بعد اندون عبارت ہذا مرفوع ہوگا۔ لہذا اس کا رفع بدستور قرار
رہے گا۔ اور حکایت و نقل واقعہ کے زمانہ میں بھی اس پر رفع برقرار رہے گا۔ وجہ یہ
ہے کہ اس وقت ان پوشیدہ ماننا ممکن نہیں، کیونکہ ان مستقبل کی علامت ہے۔ تو
اس مقصود کے وقت حتی نہ جارہ ہوگا اور نہ عاطفہ بلکہ حرف ابتداء شمار ہوگا۔ اور
اس کے حرف ابتداء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نئے کلام کا آغاز ہوگا۔ یہ مطلب
نہیں کہ اس کے بعد مبتدا پوشیدہ ہوگا اور فعل اس کی خبر ہوگا تاکہ حتی اسم پر آئے جیسا
کہ اس طرح کا بعض حضرات نے خیال کیا ہے۔ پس حتی کے حرف ابتداء ہونے کی صورت

حتى لا يرجونه الان یعنی فلان شخص بیمار ہو گیا
یہاں تک کہ اب اس کی امید زندگی بھی لوگ نہیں
رکھتے ہیں۔ دیکھو اس مثال میں مضارع کے معنی زمانہ
حال سے متعلق ہیں کیونکہ نامیدی زمانہ حال میں
محقق ہے اس کا اظہار لا يرجون سے کیا جا رہا ہے
تو زمانہ مستقبل سے اس مضارع کا کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ ۱۲

عہ حکایت حال ماضیہ کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ کے
واقعہ کو اس زمانہ سے نقل کرنا کہ مخاطب کو یوں معلوم ہو کہ
یہ واقعہ زمانہ حال میں ہو رہا ہے اس صورت میں حال حقیقہ
نہیں ہوتا بلکہ حکایت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور ایسے حال کو حال
حکائی کہتے ہیں۔ ۱۲ سیہ حسن

عہ مخاطب کو وجہ یہ ہے کہ اکثر حرف ابتداء ہیں

عہ قولہ۔ کانت ای حتی عند المل قولہ
توہمہ بعضہم۔ مراد حضرت شاری کی یہ ہے کہ جب
گزشتہ صورتوں میں بوجہ فقدان شرائط آت۔ حتی کے بعد
مقدمہ نہ ہوا اور مضارع کو مرفوعاً پڑھا تو یہ حتی اس وقت
حرف ابتداء کہلائے گا۔ اور حرف ابتداء کے معنی یہ ہیں کہ
حتى سے کلام مستأنف (جدید) شروع ہوگا۔ ماقبل کلام سے
متعلق نہ ہوگا۔ حرف ابتداء کی یہ مراد سمجھنا غلط ہے کہ حتی
کے بعد مبتداء مقدمہ ہے اور مضارع اس کی خبر ہے تاکہ
حتى کا دخول اسم پر کیا جائے اور یہ مغالطہ بعض محروکوں کو ہو چکا
عہ قولہ۔ فی رفع ای ما بعد حتى (المل قولہ)
نفی الموصاع فی زمان التكلم۔ مراد کلام یہ ہے کہ جب
حتى حرف ابتداء ہو تب مضارع کو رفع دیا جائے گا۔ بوجہ فقدان
عامل ناصب جازم۔ مگر علاوہ سببیت پھر بھی تمام ہے کہ
اور ما بعد حتی کے لئے ماقبل سبب ہوگا۔ اسی وجہ سے
سببیت معنی تطلع الشمس ناجائز ہوگا۔ وجہ ثانی سببیت
کی یہ ہے کہ ما بعد و ماقبل حتی میں کم از کم تعلق معنوی سے اتصال
تو قائم ہے گا تو اتصال لفظی بوجہ فقدان شرط مفقود ہو گیا۔
اور یہ امر مثال مذکور مرض فلان سے بخوبی ظاہر ہے۔ اور
اس کی تحقیق ماضیہ میں ذکر کی گئی ہے۔

عہ قولہ۔ ومن ثم ای من اجل رانی قولہ
لانها لا تقتضي الخبر۔ مراد کلام یہ ہے کہ بعد حتی جو فعل
مضارع ہے اس کو مرفوعاً پڑھنا ممنوع ہے بلکہ کان
سیاری حتی او خلدما میں جبکہ کان کو فعل ناقص کہا جائے
ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حتی کے بعد فعل مضارع پر جواز
رفع کیلئے نہ شرطیں بیان کی تھیں۔ اول حتی کے بعد مضارع
کے معنی متعین طود سے حال کے زمانہ سے متعلق ہوں اور
حتى اس وقت حرف ابتداء ہو۔ دوم ما بعد حتی کیلئے قبل
حتى سبب آئے ہو۔ مثال مذکور میں شرط اول یعنی حتی کا

کرنا یہ تھا کہ جس کے بعد مبتداء ہو ۱۲ اعصاب الیہ
عہ کیونکہ ماقبل حتی یعنی سیر ما بعد حتی یعنی طلوع آفتاب
کے لئے سبب طلبیں ہیں۔ ۱۲ سیہ حسن

للعہ کیونکہ حتی کو بنایا گیا اس معنی کے لئے کہ وہ اپنے
ماقبل و ما بعد میں اتصال لفظی و معنوی پیدا کرے (جیسا کہ
گزشتہ مثالوں سے ظاہر ہے) تو اگر اتصال معنوی بھی باقی نہ
ہے تو حتی کی وضع سے باطل مخالفت ہو جائیگی۔ ۱۲ اعصاب الیہ

الحال حرف ابتداء و وجوب سببیت ما قبلها لما بعدھا امتنع نظر
الی الامر الاول الرفع ای رفع ما بعد حتی فی قولك کان سیری
حتى ادخلها فی وقت حصول کان الناقصة فی هذا القول بان
تجعل کان فیہ ناقصة لاتامة لانها لما كانت حرف ابتداء
انقطع ما بعدھا عما قبلها فبقى الناقصة بلا خبر فیفسد
المعنی بخلاف ما اذا كانت تامة لانها لا تقتضی الخبر
وامتنع الرفع نظرا الی الامر الثاني فی قولك اسرت حتى تدخلها
لانه ح یكون ما بعدھا خبرا متانفا مقطوعا بوقوع ما قبلها

میں ما بعد حتی پر کوئی ناصب اور جازم نہ ہونے کی بنا پر رفع پڑھا جائے گا اور سببیت
لازم رہے گی یعنی اس کا ما بعد ما قبل کے واسطے سبب قرار دیا جائے گا تاکہ اتصال معنوی
کا حصول تو ہو جائے اگرچہ لفظی اتصال قوت ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ مثلاً نہ مرض فلان
حتى لا ییرجونه الان (فلان بیمار ہوا حتی کہ اب اس کی (صحت یا بی کی) توقع نہیں ہے
یہ اس کی مثال ہے کہ جب حقیقتاً حال کا ارادہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اس سے مقصود کلمہ
کے دور زمانہ میں ناامیدی کا اظہار ہے اور ان دو امور کے باعث یعنی حال کے ارادہ
کے وقت حتی کے حرف ابتداء ہونے اور اس کے ما قبل کے ابعار کے لئے لزوم سببیت
کی بنا پر امر اول یعنی ما بعد حتی پر رفع پڑھنا ممنوع ہوگا (جیسے مثال "کان سیری حتی
ادخلها" جبکہ اس مثال میں کان کو ناقصہ قرار دیا جائے باس طور کہ کان اس میں تامہ
نہ ہو بلکہ ناقصہ ہو۔ اس لئے کہ جب وہ حرف ابتداء ہوگا تو اس کا ما بعد اس کے
ما قبل سے متعلق نہ رہے گا۔ تو کان ناقصہ بلا خبر کے رہ جائے گا اور معنی "فاسد ہو جائے
گے اس کے برعکس کان تامہ ہو (تو معنی "فاسد نہ ہوں گے) کیونکہ اسے خبر کی احتیاج نہیں تھی
اور مثال "اسرت حتى ادخلها" میں دوسرے امر پر نظر کرتے ہوئے رفع پڑھنا درست

حرف ابتداء ہونا مفقود ہے۔ اس لئے کان فعل ناقص
کا اسم تو سیری ہے۔ اب اگر حتی کو حرف ابتداء قرار دیا
جائے تو حتی ادخلها کو کلام متالف کہا جائے گا اس
کا ما قبل سے کچھ تعلق نہ ہوگا۔ لہذا کان فعل ناقص بلا خبر
کے ہے گا جس کی وجہ سے فساد معنی پیدا ہو جائے گا۔
بدیں وجہ اس مثال میں ادخلها مضارع کو مرفوع پڑھنا
ممنوع بلکہ یوں کہا جائے گا۔ ادخلها منصوب ہے۔ ان
مقدور کی وجہ سے اور حتی حرف جار ہے اور فعل مضارع
تأویل معنی میں ہو کر حتی کا مجرور ہے جار مجرور ثابتاً مخذوف
سے مل کر خبر کان فعل ناقص کی۔ کان اسم اور خبر سے مل
کر جملہ خبریہ ہوا۔ رفع پڑھنا اس وقت ممنوع ہے جبکہ اس
مثال میں کان ناقصہ کہا جائے۔ اگر کان تامہ مانا جائے تو
اس صحت میں رفع پڑھنا بھی درست ہوگا۔ اس لئے کہ حتی
کو حرف ابتداء قرار دیا جائے اور ادخلها کلام متالف
ہو جائے۔ اس لئے کان تامہ تو خبر کا محتاج نہیں ہے لہذا
اب فساد معنی کا تحقق نہ ہوگا۔ اسی میں کان ناقصہ کی
صورت میں نصب پڑھنا ادخلها کو ضروری ہے اور
رفع پڑھنا ناجائز۔ اور کان تامہ کی صورت میں رفع اور
نصب دونوں جائز ہیں۔

مثال قولہ۔ وامتنع الرفع نظرا الی قولہ
وقوع السبب وهو محال۔ عبارت کا مطلب یہ ہے
کہ مثل اسرت حتى تدخلها میں بھی تداخل کو مرفوع
پڑھنا ممنوع ہے بلکہ منصوب بتقدیر ان معنی پڑھنا
چاہیے اور حتی کو صرف جارہ کہنا چاہیے۔ مخالفت منع کی
وجہ یہ ہے کہ رفع اگر جائز ہو تو کہا جائے گا کہ حتی حرف ابتداء
ہے اور ادخلها کلام متالف اور خبر ہے تو اب کلام میں
ایک قسم پیدا ہو گیا کیونکہ دخول بلد کا سبب ہے سیر کو جب

للفہ اب ترکیب مثال اس طرح ہوگی۔ کان فعل
بمعنی ثبت۔ سیری۔ فاعل فعل بافاعل جملہ خبریہ ہوا اور
حتى ادخلها جملہ فعلیہ متالف اور حتی حرف ابتداء ہے
ص احقر کو مولتا جامی کے کلام سے یہ مفہوم کہ
میں نہ آتا تھا مگر ذوق کی شہادت پر لکھا۔ اس کے بعد سوال
کابل سے اس کی تائید حاصل ہوگئی۔ چنانچہ اس میں ہے۔ قولہ
وہو محال فی فی الضرورة صارت حتی الحرف الجارة ولا یشرط فیها
سببیت ما قبلها لما بعدھا انتہی والحمد للہ علی نعمتہ والہما اشادوا

فیہا کے بقاعدہ ایصال بحد حرف الجر کیا گیا ہے لا حیث
عہ کیونکہ کان ناقصہ کی مراد بدون خبر کے پورے
طور سے مفہوم نہیں ہوتی تو جب مراد عبارت بوجہ فقدان خبر
درست نہ ہوئی تو اہل کلام و فساد معنی لازم آئیگا جیسے
سہ چنانچہ سوال کابل میں حتی کو حرف جار قرار دیا
ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت سوال کابل کی اور فقی الناقصہ بلا خبر
یعنی فی الضرورة صارت حتی حرف جار متعلق خبر کان
الناقصہ انتہی۔ ۱۲ سید حسن

وہو محال الخ فی الضرورة صارت حتی الحرف الجارة و
لا یشرط فیہا سببیت ما قبلها لما بعدھا انتہی والحمد للہ علی
نعمتہ والہما اشادوا والصواب ۱۲ سید حسن
عہ ادخلها میں ہا ضمیر کا مرجع بلقیہ ہے تو گویا
اس عبارت مثال کی اس طرح ہے۔ کان سیری ثابتاً
حتى ادخل البلد۔ اور یہ ضمیر ہا مفعول نہیں ہے۔
کیونکہ فعل لازم ہے بلکہ ہا ضمیر مفعول فیہ ہے کیونکہ ادخلها
داخل لا دخل فیہا ہے۔ تو اس مثال میں ادخلها جملہ فعل

سبباً لما بعد ها وهو مشكوك فيه لوجود حرف الاستفهام
فيلزم الحكم بوقوع المسبب مع الشك في وقوع السبب و
هو محال وجاز في وقت حصول كان التامة كان سيري حتى أدخلها
فان معناه ثبت سيري فانا أدخل الآن ولا فساد فيه وجاز
ايهم سار حتى يدخلها بالرفع لان السير في هذا المقام محقق و
شك انما هو في تعيين الفاعل فيجوز ان يكون المسبب متحقق الحصول
فقوله ايهم عطف بتقدير جاز على جاز في التامة لا على كان
سيري حتى أدخلها لعدم صلاحية تقييده بقوله في التامة
كالعطف عليه وفي بعض النسخ هكذا وجاز في كان سيري
حتى أدخلها في التامة اي جاز الرفع في هذا التركيب في وقت
حصول كان التامة فعلى هذا قوله ايهم سار عطف على كان

نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت حتی کا مابعد خبر متاخر اس کا وقوع موقوف ہونے کی بنا پر
ہوگا۔ اور اس کے ماقبل کو مابعد کا سبب قرار دینے میں بھی حرف استفہام کے باعث
شک پیدا ہوگا۔ لہذا وقوع سبب میں شک کے ساتھ وقوع سبب کے حکم کا لزوم
ہوگا اور یہ صورت محال ہے۔ اور کان تامہ کی صورت میں ”کان سیری حتی أدخلها“ کہنا
درست ہے اس لئے کہ اس کے معنی ”ثبت سیری فانا أدخل الآن“ (سیری سیر
ثابت ہوئی اور میں اب داخل ہوں گا) کے ہوں گے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اور
”ایہم سار حتی أدخلها“ رفع کے ساتھ پڑھنا بھی درست ہے اس لئے کہ سیر تو اس جگہ
قطعی طور پر ثابت ہے اور شک (محض) فاعل کی تعیین میں ہے پس یہ درست ہے
کہ سبب کا حصول متحقق (ثابت) ہو۔ تو صاحب کتاب کے قول ”ایہم“ کا عطف
جاز پوشیدہ مان کر کان تامہ میں جاز کا جاز فی التامہ پر ہوگا ”کان سیری حتی أدخلها“ پر
نہ ہوگا کیونکہ جس طرح مطوف علیہ میں تامہ کی قید ہے اس طرح کی قید اس میں عدم صلاحیت
کے باعث نہ لگے گی۔ اور بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور در کان سیری حتی أدخلها فی
التامہ یعنی اس ترکیب کان تامہ کے حصول کے وقت رفع پڑھنا درست ہے پس
اس کے مطابق ”ایہم سار“ کا عطف ”کان سیری“ پر بلا کسی خرابی کے صحیح ہوگا۔

تک سبب علیہ سے پاوانہ ہائے اس وقت تک سبب
متحقق نہ ہوگا۔ تو ہم نے جب اسرت کہا تو ہمنا استفہام
نہیں بلکہ وقوع سیری میں شبہ ہے کہ واقع ہوگا ہے یا نہیں

توجہ تک وقوع سیری کا متحقق نہ ہو تو دخول بلد کا حکم نہیں
ہو سکتا۔ اور یہ امر من لازم ہوگا کہ وقوع سبب کا حکم
ہو یا بدن تحقق سبب اور یہ امر از قبیل وہالات ہے۔

عہ ترجہ مثال۔ کون چلا ہے یہاں تک کہ چلے ہوا اس خبر میں۔ ۱۴

مغرض حتی تدخلها میں حتی ابتدائی ماننے میں مدخلہا
خبر ہو جائے گی دخول بلد کی۔ تو دخول بلد سبب کا تحقق مقہوم
ہوگا۔ قبل تحقق سیر اور یہ امر محال ہے لہذا اس صورت میں حتی
کو ابتدائی ماننا غلط ہے اور مدخلہا کو مرفوع پڑھنا ناجائز
بلکہ حتی کو جارہ کہا جائے گا اور ان مصدر یہ مقدمہ سے مدخلہا
کو منصوب پڑھیں گے۔ اس صحت میں عبارت کی مراد صحیح
ہو جائے گی کیونکہ اب معنی کلام یہ ہیں کہ کیا تو نے سیر کی یہاں
تک کہ داخل ہو جائے گا بلکہ میں تو مدخل ہوں جو ان کے استقبال
کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے تو جس طرح ہم کو وقوع سیر میں شبہ
ہے اسی طرح دخول بلد میں بھی ہے۔ فلا اشکال علیہ لان
لہ قولہ۔ وجاز فی وقت حصول (الی قولہ)
یکون المسبب متحقق الحصول مراد یہ ہے کہ مدخلہا کے
لام کو جائز ہے۔ علائکہ یہاں پر بھی ایہم سے استفہام مستغنا
تو اسرت حتی مدخلہا کی طرح یہاں پر بھی ضمہ ناجائز ہو جائے پائے
تھا۔ مگر یہ شبہ غلط ہے۔ اس لئے کہ اسرت میں تو وقوع سیر
میں شک تھا اور اس مثال میں سیر تو ثابت ہے۔ لہذا سبب
کا تحقق ہے۔ شک صرف تعیین سائر (چلنے والا) میں ہے کہ
چلنے والا کون شخص ہے۔ اور یہ شک تحقق سبب یعنی ثبوت
دخول بلد میں مانع نہیں۔ لہذا اگر حتی مدخلہا میں حتی کو حرف
ابتداء قرار دے کر مدخلہا کو مرفوع پڑھا جائے تو جائز ہے۔
علاقہ قولہ۔ فقوله ايهم عطف (الی قولہ) کان
سیری ولا فساد فيه۔ مولانا جانی اس کلام سے کافیہ
کی عبارت سابق کی ترکیب غوی بوجہ رفع اشتباہ کے ذکر
فرماتے ہیں۔ حاصل اس کافیہ ہے کہ ”ایہم سار“ الخ کا عطف ہے
جاز فی التامہ الخ پر ہے۔ اس طور سے کہ ایہم سے قبل لفظ
جاز محذوف ہے تو اصل عبارت اس طرح سے ہے۔ وجاز
ایہم سار الخ اس طرح ترکیب میں کچھ اشکال واقع نہیں
ہوتا۔ اور اگر ایہم سار الخ کا عطف کان سیری پر کیا جائے
تو فساد عبارت و معنی پیدا ہوگا۔ اس لئے اُس وقت عبارت
اس طرح سے ہوگی۔ وجاز فی التامہ کان سیری حتی
يدخلها و ايهم سار حتی يدخلها۔ تو اس صورت
میں لازم آیا کہ فی التامہ کی قید جس طرح کان سیری الخ
مطوف علیہ میں موجود ہے۔ اسی طرح فی التامہ کی قید
ایہم سار حتی يدخلها میں بھی متحقق ہو۔ اور یہ بات
یا علی بدن تحقق سبب اور یہ امر از قبیل وہالات ہے۔

ملفوظ اسماں ہے کیونکہ اس مثال میں کان موجود ہی نہیں
 کوئی التامہ کی قید اس میں لگانا درست ہو۔ یہ ترکیب کی
 تفصیل توجیب ہے کہ کافیہ کے نسخہ مذکورہ کی عبارت ہی تسلیم
 کی جائے اور اگر عبارت کو بعض نسخوں کے مطابق اس طرح مانا
 جائے۔ و جاز فی کان سیری حق ادخلہ فی التامہ
 تب ایہم سار الخ کا عطف کان سیری آگے پر یا عمل صحیح
 ہے اور کوئی فساد بھی لازم نہیں آتا۔ ایک شبہ
 بظاہر اب بھی عطف کان سیری پر درست نہ ہونا چاہیے
 کیونکہ جو الفاظ متن کے نسخہ میں ہیں وہی بعینہ اس دور کے
 نسخہ کافیہ میں ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ نسخہ متن میں فی التامہ
 کی قید کان سیری سے مقدم ہے اور نسخہ ثانیہ میں یہ قید مؤخر ہے
 کان سیری سے۔ جواب۔ اس تاخیر قید کی وجہ سے عطف
 جائز ہے کیونکہ قانون عطف یہ ہے کہ جب کوئی قید معطوف علیہ
 کے بعد واقع ہو تو وہ قید معطوف میں مؤخر نہیں ہوتی۔ اور اگر
 معطوف علیہ سے وہ قید مقدم واقع ہو تو معطوف میں بھی وہ
 قید ممتنع ہے۔ تو نسخہ مذکورہ میں فی التامہ کی قید کان سیری سے
 مقدم ہے۔ لہذا یہ قید معطوف ایہم سار الخ میں بھی لاحق ہوگی
 اور معطوف میں یہ قید لگانا غلط ہے۔ لہذا کان سیری پر عطف
 ناجائز ہے اور دوسرے نسخہ میں فی التامہ کی قید معطوف علیہ
 سے مؤخر ہے لہذا یہ قید معطوف میں نہیں لگائی جائے گی لہذا
 عطف جائز ہوگا۔ و باختراق الفرق بین رد کردلالت
 محرم اخذہم ناقلاً عن شرح الکشاف للعلامة
 التفتازانی

۱۳ قولہ۔ و لام کی (الی قولہ) لانا جازا۔
 لام کے بعد مضارع اس لئے منصوب ہوتا ہے کہ وہ لام
 جارہ ہے اور حرف جار کا داخل ہونا اسم کے ساتھ مخصوص
 ہے فعل پر داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ان مصدر یہ
 صاحب مضارع سے قبل مقدم مانتے ہیں۔ تاکہ لام جارہ کا دخول
 مصدر حکمی پر ہو۔ چنانچہ داخل کو معنی میں الدخول کے کہتے
 ہیں۔ اسی وجہ سے لام جارہ کا داخل صحیح ہو گیا۔

۱۴ قول۔ و لام الجود (الی قولہ) ولہذا یقید
 بعد ہا ان۔ لا جود وہ لام ہے جو کان منفی کے بعد تاکید
 نفی کیلئے مضارع پر داخل ہوتا ہے خواہ کان لفظ موجود
 ہو۔ جیسے ماکان اللہ لیعد بہم یا حکمنا کان منفی
 ہو جیسے لم یکن لیفعل الحاصل لام جود کے بعد مضارع

سیری ولا فساد فیہ و لام کی التی ینتصب المضارع بعد ہا
 بتقدیر ان مثل اسلمت لا دخل الجنة و انما تقدیر ان بعد ہا
 و نہا جارة و لام الجود التی ینتصب بہا المضارع ہی لام تاکید
 للنفی بعد النفی لکان لفظاً مثل وماکان اللہ لیعد بہم اومعنی
 فہو لم یکن لیفعل وہی ایضاً جارة ولہذا یقید بعد ہا ان
 فان قیل اذا صار الفعل بمعنی المصدر بان المقدرة فكيف یصح
 الحمل قیل علی حذف المضاف من الاسم ای ماکان صفة اللہ
 تعذیر بہم او من الخبر ماکان اللہ ذات تعذیر بہم او علی تاویل المصدر

اور لام کی اس کے بعد ان پوشیدہ ہونے کے باعث مضارع پر نصب لانا درست ہے
 جیسے "اسلمت لا دخل الجنة" اور لام کے جارہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد ان پوشیدہ
 تسلیم کرتے ہیں۔ اور لام مجود کے بعد مضارع پر نصب آتا ہے اور یہ لام ایسے کام کے بعد
 جو برائے نفی ہو تاکید نفی کی خاطر مضارع پر آتا ہے چاہے کان لفظوں میں آ رہا ہو مثلاً (اشرا
 ربانی) "وماکان الشریعہ بہم" یا لفظوں میں نہیں بلکہ باعتبار معنی ہو مثلاً (کہا جائے) "علم
 یکن لیفعل" اور وہ بھی جارہ ہوگا پس اس کے بعد ان پوشیدہ ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ فعل ان
 تسلیم کر کے مصدر کے معنی میں ہے تو اسے کسی
 پوشیدہ
 ذات پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا؟ تو کہا گیا کہ اسم سے مضاف محذوف تسلیم کر کے

منصوب ہوتا ہو تقدیر ان مصدر یہ کے۔ اس لئے کہ لام
 مجود بھی لام جارہ ہے اور جو علت لام بمعنی کلمہ کے کے
 بعد ان کو مقدم ماننے کی ہے وہ یہاں پر بھی متحقق ہے۔
 ۱۵ قول۔ فان قیل اذا صار (الی قولہ)
 ماکان اللہ تعذیر بہم حضرت شارح اس عبارت
 سے مثال میں جوابیت ذکر کر چکے ہیں۔ اس پر ایک اشکال
 اور جواب نقل فرماتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ تعذیر بہم
 بوجہ ان مقدمہ کے حکم میں مصدر کے ہے اور نفی میں تعذیر بہم
 کے ہے۔ اب آیت کا مضمون اس طرح ہوا۔ ماکان
 اللہ تعذیر بہم۔ تو ظاہر ہے کہ تعذیر بہم کا خبر بننا
 درست نہیں کیونکہ ذات پر مصدر کا عمل ناجائز ہے۔
 جواب یہ ہے کہ خبر تعذیر بہم ذات کی نہیں بلکہ لفظ
 اللہ سے قبل لفظ صفة موندت ہے اور عبارت اس طرح
 ہے ماکان صفة اللہ تعذیر بہم۔ اب معنی کی

صحت میں کوئی نقص نہیں۔ یا تعذیر بہم سے قبل لفظ فا
 بمعنی صاحب محذوف ہے اور عبارت اس طرح ہے۔
 ماکان اللہ ذات تعذیر بہم۔ اب بھی آیت کا مطلب
 صحیح ہے۔ یا کوئی لفظ محذوف نہ مانو بلکہ یوں کہو کہ لفظ
 مصدر بمعنی اسم فاعل ہوتا ہے جیسے زیہ عادل وغیرہ لہذا
 تعذیر بہم مصدر بھی معنی میں تعذیر ہے کے ہے اور مراد آیت یہ
 ہے کہ ماکان اللہ تعذیر بہم۔ اس صحت میں بعد ان
 کے ہی آیت کی مراد صحیح ہوگی پہلی دونوں معنوں کو مجوز
 حذوف سے تعبیر کرتے ہیں اور آخری صحت کو مجازی لفظ سے
 تعبیر کیا کرتے ہیں۔
 ۱۶ جہ جہ کے معنی نفی اور انکار کے ہیں چنانچہ اس نام سے تفرق
 وہاں نفی مقصور ہوئی ہے۔ اس لئے لام مجود کہتے ہیں۔ ۱۷ سے من
 ۱۸ درجہ اولیٰ تعالیٰ سیرہ میں مذکور ہے دے انکار
 ۱۹ ذکر و لکسم آنندی ۱۰ سے من

اسم الفاعل ای ما کان الله معذبهم والفاء التي ينتصب المضارع بعدها
بتقدير ان فقد یران بعدها انتصاب المضارع مشروط بشرطین احدهما
السببية ای سببية ما قبلها لما بعدها لان العدول عن الوقع الی النصب
للتخصیص علی السببية حیث یدل تغیر اللفظ علی تغیر المعنی فاذا
لم یقصد السببية لایحتاج الی الدلالة علیها - والثانی ان یرکان قبلها
ای قبل الفاء احد الاشیاء الستة بتقدیم الانشاء او ما فی معناه من
النفی المستدعی جوابا عن توهم کون ما بعدها جملة معطوفة
علی الجملة السابقة امر فحوز سانی فا کر ملک ای لیکن منک زیارة
فا کر ام منی او کفی فحولا تشمتنی فاضربک ای لا یکن منک شتم
فضرب منی ویندرج فیها الدعاء نحو اللهم اغفر لی فافوسر و
لا توأخذنی فاهلک او استغفهم فحول عندکم ماء فاشربه ای

یعنی (کہا جائے گا) "ما کان صفۃ الشر تعذبہم" یا خبر محذوف تسلیم کر کے (یعنی) "ما
کان الشر معذبہم" اور وہ فاجس کے بعد مضارع پر نصب اتان پوشیدہ مان کر آتا
ہے وہ دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے ایک ان میں سے سببیت ہے یعنی اس کا ماقبل
اس کے مابعد کے لئے سبب بن رہا ہو اس لئے کہ رفع سے نصب کی طرف عدول (اور
بجائے رفع کے نصب آنا) سببیت کی صراحت کی خاطر ہے بایں طور کہ تغیر لفظ سے
تغیر معنی کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ اور اگر سببیت کا ارادہ نہ ہو تو اس کی نشان دہی
کی بھی احتیاج نہیں۔ اور شرط ثانی یہ ہے کہ فاعل پہلے انشاء کی تقدیم کے ساتھ یا
اس کے ہم معنی نفی کے ساتھ جس کا تقاضا جواب ہو چھ چیزوں میں سے ایک چیز
موجود ہو۔ اس وہم کو دور کرنے کی خاطر کہ اس کا بعد والا جملہ سابق جملہ امر پر معطوف
ہو۔ مثلاً "وزنی فا کر ملک" یعنی (یہ یوں ہے) لیکن منک زیارة فا کر ام منی "یا ہنہی
پر معطوف ہو جیسے "لا تشمتنی فاضربک" یعنی "لا یکن منک شتم فاضرب منی" اور
امروہی کے زمرہ میں جملہ دعائیہ بھی داخل ہے۔ مثلاً "هل عندکم ماء فاشربہ" (یعنی)

قوله - والفاء التي ينتصب المضارع
لان قوله لا يحتاج الى الدلالة عليها. مقصد عبارت
ہے کہ ماضی کے بعد ان مقدم مضارع کو نصب یا
کنا ہے۔ اس میں شرطیں یہ ہیں اول یہ ہے کہ مضارع جو
قائد کے بعد ہو۔ اس کے لئے ماقبل فاعل سبب ہو جیسے منی

کی طرف نہیں منتقل ہوتا۔ تو اس تغیر عراب کی وجہ سے جو
تغیر لفظ پیدا ہو اس نے تغیر معنی پر دلالت کی تو اگر قصد سببیت
نہ ہو تو اس دلالت کی حاجت نہ تھی اور نہ یہ تغیر عراب کیا
جائے۔ الغرض فاعل کے بعد مضارع پر نصب ان مقدمہ کی وجہ سے
ہم نے یہ ایک نفع یہ حاصل ہوا کہ ماقبل فاعل کا مابعد فاعل کے
لئے سبب ہونا مفہوم ہوا۔

قوله - والثانی ان یرکان قبلها (الی قولہ)
علی الجملة السابقة عبارت کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کے
بعد مضارع پر تقدیر ان کی وجہ سے نصب دینے کی دوسری شرط
یہ ہے کہ فاعل سے پہلے امر ہنہی - نفی - استغفام - تمنی -
عرض میں سے کوئی موجود ہو۔ اس شرط کی علت یہ ہے کہ جو فاعل کے
انشاء کے بعد ہو یا اس کے بعد جو حکم میں انشاء کے ہے یعنی امر نفی
کے بعد جو جواب کو چاہتی ہے تو ایسے موقعوں میں عطف جملہ
علی الجملة بجا نہیں ہے۔ جیسے مثال گذشتہ دوسری فا کر ملک میں
کیونکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر بجا نہیں
ہے اس لئے کلام کو صحیح بنانے کی وجہ سے مضارع کو فاعل کے بعد
تقدیر ان سے منصوب پڑھیں گے تاکہ مضارع حکم میں مصدر کے
ہو جائے اور جملہ انشائیہ جو ماقبل فاعل ہے اس کو بھی مفرد کی تادیل میں
لاویں گے تو عطف مفرد علی المفرد کی صحت ہو جائے گی اور اس کی محنت
میں کوئی اشکال نہیں۔ جیسے مثال مذکور کو زیارة منک فا کر ام
منی کی تادیل میں کر دیا جائے۔

قوله - امر محذوف سانی رالی قولہ ولا توأخذنی
فاهلک حضرت مولانا نے مثالوں کی تادیل کر کے بتایا کہ دونوں
جملوں سے جو مضارع مفہوم ہوتے تھے ان کو یہاں پر مراد دیا گیا ہے
للفہ مولانا بجا ہے جو اس کو طویل عبارت الفاء
بشرطین کے درمیان میں ذکر فرمائی منشاء متن کی عبارت کو
صحیح المراد بتلاتا ہے۔ حاصل اس عبارت شائع کا یہ ہے کہ مبتدأ
کو مقدم ماننے سے مراد کلام صحیح ہو جائے گی اس طور سے کہ عبارت
اس طرح مال جائے۔ تقدیر ان بعد الفاء مبتدأ اور مشروط بشرطین
خبر اور اب عبارت یوں کہی جائے۔ تقدیر ان بعد الفاء
لا انتصاب المضارع مشروط بشرطین ۱۲ (ماخوذ من قولہ انذنی
بمفرد) :-

ص تو نفی جواب کو چاہنے والی انشاء کے ساتھ مشابہ
ہے کہ جس طرح فاعل جواب کو متدعی ہے۔ اس طرح یہ نفی بھی۔
اس لئے اس نفی کو فاعل کی جگہ پر بھی کہتے ہیں۔ "اسید سند"

اور عطف مفرد علی المفرد ہے نیز جس طرح زیارۃ سبب اکرام ہے
اسی طرح شتم سبب ضرب اور مغفرت سبب فوز و فلاح اور موافقہ
سبب ہلاکت ہے حضرت شارح نے یندرج فیہما آئج سے
اس شبہ کا ازالہ کیا کہ ہر اور نہی میں جملہ دعاۃ بصیغہ امر اور نہی ہی
شامل ہے کیونکہ خا کے نزدیک امر کی تعریف میں علی سبیل الاستعلاء
کی قید ملحوظ نہیں جیسا کہ علمائے ہول کے یہاں ملحوظ ہے۔

۱۶۹ قولہ۔ او استغفرہم نحوہل عندکم رال قولہ
فیندرج فی النفی۔ نفی کی مثال میں تفسیر لیس منک اثیان
فتحیدیش منی کو بعض حضرات محضین نے غلط کہا ہے اور بتایا کہ
مناسب تفسیر اس طرح سے تھی۔ لیس منک اثیان فتحیدیش
ایانا احقر کے نزدیک تفسیر حضرت شارح صحیح بلکہ اہل ہے
کیونکہ ماتاتینا فتحیدیشنا کا مقصد یہ ہے کہ تم ہمارے پاس
نہ آئے کہ ہم تم آپس میں بات چیت کرتے تو تحدیش الزحیہ
جانبین سے ہوتی ہے مگر مقصد کلام یہ تھا کہ مخاطب کو نہ
آنے پر یہ بتایا جائے کہ ایک منفست فوت ہو گئی تو مجھے غم
نہ ہو گئی اور مجرم آنندگی میں شرح جائی کی عبارت اس طرح
سے ہے۔ ای لیس منک اثیان فتحیدیشنا تو اس عبارت
پر کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔ قولہ یندرج فیہ التحفیض
آئج کا مقصد یہ ہے کہ نفی جو حکم میں منشاء کے ہے۔ اس میں
تحفیض بھی شامل ہے تحفیض کہتے ہیں اس مخاطب کو کسی کام
پر آمادہ کرنا تحفیض حکم میں انشاء کے اس لئے شامل ہے کہ اس
میں نفی فعل پر دلالت التزامی ہوتی ہے تو تحفیض بھی حکم میں
نفی کے شمار کیا جا رہا ہے۔ مثال۔ لو کا انزل علیہ ملک
فیکون معہ نذیراً (ترجمہ) کیوں نہ اتارا گیا رسول کریم
(صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی فرشتہ کہ ہوتا وہ فرشتہ رسول کے
ہمراہ ڈرانے والا عذاب الہی ہے اس مثال میں نفی الانزال
یعنی فرشتہ کا نازل نہ ہونا اور نفی کون الملک لہذا مع الرسول
یعنی فرشتہ کا ہمراہ رسول کے نذر نہ ہونا بطریق التزام استفاد
ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ تحفیض میں نفی لازم ہوتی ہے۔

۱۷۰ قولہ۔ او تمن نحو لیت رال قولہ علی
قراءۃ حفص۔ قولہ یدخل آئج کا مطلب یہ ہے کہ ماتن
کے لفظ تمن میں تمیم ہے اور مراد تمنی سے طلب ہے کسی شے
کی جو حاصل نہ ہو خواہ اس کا حاصل ہونا ممکن ہو یا معتنع
لہذا ترحی بھی تمن کے لفظ میں شامل ہے۔ مثال میں جوایت
ہے۔ اس میں لعلی واقع ہے تو یہاں پر لعل کے معنی ترحی کے

هل یكون منكم ماء فشرب منی او نفی نحو ماتاتینا فتحیدیشنا ای
لیس منک اثیان فتحیدیش منی و یندرج فیہ التحفیض نحو لو
انزل علیہ ملک فیکون معہ نذیراً لا ستلزامہ نفی فعل فیندرج
فی النفی۔ او تمن نحو لیت لی مالا فانفقہ ای لیت لی ثبوت مال
فانفاق منی و یدخل فیہ ما وقع علی صیغۃ الترحی نحو لعلی ابلت
الاسباب اسباب السموت قاطلح بالنصب علی قراءۃ حفص او
عرض نحو لا تنزل بنا فتصیب خیرای الا یكون منک نزول
فاصایۃ خیر منی ففی جملۃ ہذا المواضع السببۃ مقصودہ
الفاء تدل علیہا وما بعد الفاء فی تاویل مصدر معطوف علی

هل یكون منكم ماء فشرب منی" یا فا سے پہلے نفی ہو مثلاً (کہا جائے) "ماتاتینا فتحیدیشنا
(یعنی) "لیس منک اثیان فتحیدیش منی" اور اسی کے زمرہ میں تحفیض بھی آتی ہے
مثلاً "لو لا انزل علیہ ملک فیکون معہ نذیراً" نفی فعل کو مستلزم ہونے کے باعث ازل
کے زمرہ میں داخل ہے لہذا یہ بھی نفی میں ہی شمار ہوگا۔ یا تمنی ہو مثلاً "لیت لی مالا
فانفقہ" (یعنی) "لیت لی ثبوت مال فانفاق منی" اور اس کے زمرہ میں وہ بھی آجائے گا
جو ترحی کے صیغہ پر ہو مثلاً "لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموت قاطلح" قراءۃ حفص
کے مطابق یہ منصوب پڑھا جائے گا۔ یا عرض ہو مثلاً "لا تنزل بنا فتصیب خیرای
و الا یكون منک نزول فاصایۃ خیر منی" ان تمام مواقع میں بسببیت کے معنی کا ارادہ کیا
گیا ہے اور فا اس کی نشان دہی کرتی ہے اور فا کا مابعد تاویل مصدر دوسرے مصدر

اس حدیث میں کہ محالات کو ممکنات سے جان کر ان کی طلب نہ کرنا
اور حصول کی امید نہ رکھنا۔ چنانچہ لعل کے لفظ سے اس کا اظہار
کر رہا ہے۔ اس مثال میں صرف قراءۃ حفص میں فاطلم
بفتح عین ہے جس کی بناء پر فاء کے بعد آن کو مقدم کہا
جائے گا۔ اور اس صورت میں تقدیر آیت اول تاویل اس طرح
سے ہوگی کہ لعل بلوغی ای اسباب السموت فاطلم
تو عطف مفرد علی المفرد کی صورت پائی جائے گی۔ اور
قراءۃ بحر پر فاطلم بفتح عین ہے۔

اسموات بدل۔ مہل منہ و بدل مفعول فیہ جملہ فعلیہ
لعل کی خبر عاطفہ۔ اطلح جملہ فعلیہ معطوف اور صحیح معطوف
کی وجہ یہ ہے کہ تاویل مفرد میں دونوں جملوں کو تفسیر
دیا گیا۔ ۱۲ سجدہ حسن :-

حقیقۃ نہیں بلکہ تمنی کے ہیں۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے۔ امید ہے
مجھ کو کہ پیچھوں میں راستوں پر یعنی آسمانوں کے راستوں پر
پس جھانکوں میں اتنی یہ قول فرعون کہ ہے کہ اس نے ذیڑان
سے کہا کہ میرے لئے بہت بلند قصر تیار کیا جائے تاکہ اس پر چڑھ
کر آسمانوں کے راستوں پر پیچھوں اور وہاں سے مہبوم موسیٰ کو
جھانک کر دیکھوں۔ تو ظاہر ہوا کہ آسمانوں کے راستوں پر پیچھنے
کی طلب محال عادی کی طلب ہے اور انسان غیر تکلیف عامۃ
واقع نہیں ہے جس کو تمنا کہنا ہی صحیح ہے مگر لغز عین کی علت
عہہ بلکہ کوی ہر اس صیغہ امر کو جس سے کہ طلب کسی
کام کی مقصود ہو امر کہتا ہے۔ ۱۲ سجدہ حسن :-

عہہ آیت کی ترکیب اس طرح ہے کہ لعل کا اسم یلئے
متکلم اور ابلغ فعل بافعل۔ آاسباب بدل منہ۔ اسباب

مصدر آخر مفہوم ما قبل الفاء - واما نحو شعر -

سا ترک منزلی لبی تمیم والحق بالحق جاز فاستریحا

بدون تقدم احد الاشياء الستة فعمول على ضرورة الشعر

والواو التي ينتصب بعدها المضارع بتقدير ان فتقدير ان

بعدها مشروط بشرطین احد هما الجمعیة ای مصاحبة ما قبلها

لما بعدهما والا فالواو للجمع دائما وثانیہما ان یکون قبلها ای

قبل الواو مثل ذلك ای مایماثل الواقع قبل الفاء فی کونہ احد

الاشياء الستة المذكورة وامثلة الفاء بعینہا بابدال الفاء بالواو

كما تقول مثلاً زرنی واکرمک ای لتجتمع الزیارة والا کرام و

لا تاكل السمک وتشرب اللبن ای لا یجتمع منک اکل السمک

پر معطوف ہے جو فاعل سے پہلے جو جملہ ہے اس سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اور رہا مثلاً (یہ)

شعر سا ترک منزلی لبی تمیم + والحق بالحق جاز فاستریحا۔ (میں عنقریب بنی تمیم کے لئے

گھر چھوڑ دوں گا۔ اور حجاز پہنچ کر آرام حاصل کروں گا) کہ یہاں بعد قآچھ چیزوں میں سے

کوئی چیز نہیں یہ ضرورت شعری پر محمول ہو گا۔ اور واو جس کے بعد ان کو پوشیدہ مان کر

مضارع منصوب ہو کر رہا ہے وہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ان میں سے ایک شرط

قآ کے مابعد کی ما قبل سے مصاحبت ہے ورنہ واو دائمی طور پر جمع کے واسطے ہوتا ہے

اور شرط ثانی یہ ہے کہ واو سے پہلے بھی ان چھ مذکورہ اشیاء میں سے کوئی شے پائی جائے۔

جیسے قآ سے پہلے پائی جاتی ہے اور (اس طرح) فاک کی مثالیں بعینہ واو کی مثالیں شمار ہوں گی

جیسے مثال کے طور پر کہو "زرنی واکرمک" یعنی زیارة اور اکرام جمع ہو جائیں۔ اور

"لا تاكل السمک وتشرب اللبن" (یعنی تو مچھلی کے ساتھ ساتھ دودھ نہیں پئے گا) اور

مثلاً قولہ - واما نحو شعر (القولہ علی ضرورت

الشعر مطلب یہ ہے کہ اگر اشعار میں فاء جو مضارع پر عمل

ہو اور فاء سے قبل چھ صورتوں مذکورہ میں سے کوئی نہ ہو اور فاء

فاء نصب پڑھا جا رہا ہو تو وہ خلاف ضابطہ قرار دیا جائے

گا۔ البتہ اس کو ہم ضرورت شعری کی وجہ سے جائز قرار دیں گے

جیسا کہ شعر مذکور میں فاستریحا نصب پڑھا گیا تقدیر ان کی

وجہ سے۔ حالانکہ قآ سے قبل اشیاء ستہ میں سے کوئی بھی

موجود نہیں ہے مطلب یہ شعر ہے کہ شاعر بنی تمیم کا شکوہ

کرا ہے کہ میں ان کی جفا و تعدی کی وجہ سے اپنے مکان کو

جو بنی تمیم میں واقع ہے عنقریب چھوڑ کر حجاز کی سرزمین میں

اقامت اختیار کروں گا تو میں راحت پاؤں گا۔ استریحا

میں الف اشباع کا ہے اور نصب پڑھنا رعایت فن

کی وجہ سے ہے۔

مثلاً قولہ - واما نحو شعر (القولہ علی ضرورت

مع شرب اللبن وعلی هذا القیاس مراد عبارتہ

ہے کہ جس واو کے بعد مضارع منصوب ہوتا ہے تقدیر ان

کی وجہ سے اس میں دو شرطیں ہیں۔ اول وہ واو مصاحبت

کے ساتھ دیتا ہو یعنی یہ بتلا تا ہو کہ واو کے مابعد اس کے قبل

کے ساتھ تعلق مصاحبت زمانہ کے لحاظ سے رکھتا ہو تو

اتن کا قول الجمعیۃ اس سے واو کے مشہور معنی مطلق جمع

مراد نہیں ورنہ شرط کو یہاں کی حاجت نہ تھی۔ کان المعرف

کا لفظ مشروط۔ بلکہ جمعیۃ سے مصاحبت کے معنی مراد ہیں۔

جیسے حضرت شارح نے بتایا۔ شرط دوم یہ ہے کہ واو سے قبل

اشیاء ستہ میں سے ایک کا جس طرح فاء سے قبل ہونا

ضروری تھا اسی طرح واو سے قبل بھی واقع ہونا ضروری ہے۔

اس شرط ثانی کی وجہ سے تمام فاء کی مذکورہ مثالیں واو کے

مثالیں ہیں کوئی فرق نہیں جیسا کہ فاء کے موقع میں واو

کو رکھا جائے۔ چنانچہ جس طرح ہم نے عطف کی صحت کے لئے

دونوں جملوں کو مفردوں کی تادیل میں کیا تھا اسی طرح یہاں

پر کریں گے۔ دیکھو زرنی واکرمک کی تادیل لتجتمع الزیارة

والاکرام سے لا تاكل السمک وتشرب اللبن کی

تادیل کا یجتمع منک اکل السمک مع شرب اللبن

سے کی گئی ہے۔

عہ ذکرہ فی الشرح ۱۲۔

عہ ذکرہ سوال کا بی ۱۲۔

سہ تو جس طرح فاء کے بعد ان کو مقدم ماننا

علت خاص کی وجہ سے تھا جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ اسی طرح

واو کے بعد تقدیر ان کی علت یہ ہے کہ واو کے معنی مصاحبت

کے لئے تھے۔ اس پر دلالت کرنے کے لئے ان کو مقدم مان کر

نصب دیا گیا تاکہ تغیر لفظ تغیر معنی پر دلالت کرے نیز صحت

عطف کی وجہ سے تقدیر ان ضروری تھا اس لئے مضارع

تقدیر ان کی وجہ سے تادیل مفرد میں ہو گیا اور عطف المفرد

علی المفرد صحیحاً متحقق ہوا۔ ۱۲ منہ ۱۲۔

۱۲۷ قولہ۔ واو التي ينتصب المضارع (الی قولہ)
اعطائك حقی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس آؤ کے بعد
مضارع آن مقدم کی وجہ سے منصوب ہوگا ہے اس میں شرط
یہ ہے کہ وہ آؤ مستثنیٰ میں عطف کے نہ ہو بلکہ الے حرف جار
یا آل حرف استثناء کے معنی میں ہو۔ ماتن نے جو یہ کہا ہے بشرط
معنی الی ان او لا ان۔ اس کی بھی مراد یہ ہے کہ او بمعنی
الی یا آل ہو اور اس کے بعد آن مقدم ہو۔ یہ مطلب گزشتہ میں
کہ آن بھی آؤ کے معنی میں داخل ہوگا اور اگر بالفرض ایسا
خیال کیا جائے تو تکرار آن بلا کسی غرض کے لازم آئے گا۔
(وہو بدیہ البطلان) مذہب سیبویہ یہ ہے کہ آؤ۔ ال کے
معنی میں ہوتا ہے اور ان کے علاوہ علمائے نحوی کہتے ہیں یہ ہے
کہ آؤ بمعنی ال ہوتا ہے۔ تو مذہب سیبویہ پر مضارع بتاویل
مصد مضارع محذوف کا مضاف الیہ ہوگا اور مضاف
ومضاف الیہ مل کر مستثنیٰ۔ اور دوسرے علمائے نحو کے
مذہب پر آؤ بمعنی الی حرف جار اور مضارع بتاویل مصدر
مجرور ہے۔ مثال لازم منک او تعطینی حقی۔ سیبویہ کے
مذہب پر اس کی تقدیر یہ ہے۔ لازم منک فی کل وقت
الافتقار ان تعطینی حقی۔ اور دوسرے علمائے نحو کے نزدیک
تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ لازم منک الی اعطائك
حقی۔ جبکہ آؤ معنی میں الی کے ہوتے تقدیر ان کی ضرورت
ظاہر ہے اور جب آؤ معنی میں الی حرف استثناء ہو تو اس
وقت تقدیر ان کی ضرورت اس لئے ہے کہ حرف استثناء کے
بعد نصب کیا کرنا ہے۔ چنانچہ مستثنیٰ بھی منصوبات میں شامل
ہے اور مضارع الی کی وجہ سے منصوب نہیں ہو سکتا اس لئے
تقدیر ان ضروری ہے تاکہ مستثنیٰ اسم حکم ہو جائے اور محلاً
منصوب کہائے۔

۱۲۸ قولہ۔ والعاطفة ای الحروف (الی قولہ)
بالشروط المذكورة فیہما۔ مطلب عبارت کا یہ ہے کہ جملہ
حروف عطف کے بعد ایک صورت میں مضارع کو تقدیر ان
کی وجہ سے منصوب پر ضابطہ مستثنیٰ ہوگا۔ وہ صورت یہ ہے کہ
معطوف علیہ اسم صریح ہو اور معطوف فعل مضارع ہو۔
اور اس موقع پر تقدیر ان کی ضرورت اس لئے ہے کہ اسم صریح
پر فعل کا عطف جائز نہیں تو صحت عطف کیلئے مضارع
آن مقدم سے نصب دیں گے تاکہ فعل مضارع بوجہ آن کے
بتاویل مصدر اسم ہو جائے تو وہ اسم غیر صریح ہوگا۔ اب عطف التام

مع شرب اللبن وعلى هذا القياس واو التي ينتصب المضارع
بعدها بتقدير ان بشرط معنی الی ان او لا ان ای بشرط ان
تكون بمعنی الی او لا الداخلتین علی ان المقدرة بعد ہا کا
ان ان ایضاً داخلۃ فی مفہومہا والا یلزم من تقدیر ان بعد
تکرار نحو لازم منک او تعطینی حقی ای ان تعطینی او لا ان
تعطینی حقی فیسیبویہ یقدر ہا بالابتداء بتقدیر مضاف الی لازم منک
الا وقت ان تعطینی حقی وغیرہ یقدر ہا بالی بتاویل مصدر
مجرور باو التي بمعنی الی ای لازم منک الی اعطائك حقی
والعاطفة ای الحروف العاطفة مطلقاً سواء كانت من الحروف
العاطفة المذكورة او لا کثر واذ كانت منها فمن غیر اشتراط ما
ذکر من الشروط لصحة تقدیر ان بعد ہا ی ينتصب المضارع

اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ واؤ کہ مضارع اس کے بعد ان پوشیدہ ملنے کی وجہ سے
منصوب ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ الی ان یا لا ان او کے معنی میں ہوگا۔ یہ مقصد نہیں کہ
ان بھی اس داؤ کے مفہوم میں داخل شمار ہوگا ورنہ اس کے بعد آن کو مکرر پوشیدہ
ماننا لازم شمار ہوگا۔ مثلاً لازم منک او تعطینی حقی ای الی ان تعطینی حقی یا لا ان تعطینی
حقی، تو سیبویہ اسے ال کے ساتھ پوشیدہ مضاف کی پوشیدگی کے ساتھ مانتے ہیں یعنی
”لازم منک الا وقت ان تعطینی حقی“ اور سیبویہ کے سوا دیگر نحوی مصدر مجرور
کی تاویل کے ساتھ آؤ کو بمعنی الی پوشیدہ تسلیم کرتے ہیں اور او بمعنی الی کی مثال یہ
ہے ”لازم منک الی اعطائك حقی“ اور جملہ حروف عطف یعنی وہ حروف عطف جو
ذکر کئے گئے اور وہ جو ذکر نہیں کئے گئے مثلاً ثم ان سب کے بعد ان پوشیدہ ہونے کی وجہ سے

معقول بہ کہتے ہیں۔ ماتن نے قید معطوف علیہ میں اسم صریح کی
اس لئے لگائی ہے تاکہ اگر معطوف علیہ اسم غیر صریح ہو تو
پر تقدیر ان کی ضرورت نہ ہوگی۔ جیسے مجبونی بن یضویہ
نید فثتم۔ اس صحت میں ہون تقدیر ان عطف جائز
ہے۔ اس لئے عطف فثتم کا قرار دیا جائے گا۔ دلیل ان پر
اگر فثتم کو ان سابقہ کی وجہ سے منصوب کہاجائے۔ یہ معقول
حرم آندی نے عماس سے نقل کیا اور عماس نے اس کے بعد
قول ماتن میں لفظ صریح کی قید کو زائد قرار دیا وان شئت
التفصیل فی بیع ثمة ۱۲۰ سیبویہ حسن علی منہ

تقديران اذا كان المعطوف عليه اسما صريحا نحو اعجبني ضربك
زيدا وتشتما وتفتشتم او ثمتشتم فثم ليس من الحروف المذكورة
وتقديران بعد الواو والفاء ليس بالشروط المذكورة فيها فقول
والعاطفة اذا كان مرفوعا فهو معطوف على اول المعدودات
لناصبية بتقديران اعني قوله حق اذا كان مستقبلا او على اخرها
وهو اي بشرط معني الى ان وقيل هو مجرد معطوف على حتى في
قوله وبان مقدرة بعد حق وظاهران هذا وان كان ابعدا
بحسب اللفظ لكنه اقرب بحسب المعنى لانه على التقدير الاول
ان جعل العاطفة اعم مما ذكرنا يلزم ان يذكر في التفصيل ما

سے مضارع پر نصب آئے گا۔ جبکہ معطوف علیہ اسم صریح واقع ہو رہا ہو مثلاً "اعجبني ضربك
زيدا، وتشتما، وتفتشتم، یا ثم تشتم۔ پس ثم ان ذکر کردہ حروف میں سے نہیں ہے۔ اور
اس شکل میں بعد فاء اور واو بھی ان پوشیدہ ماننے کے لئے ذکر کردہ شرطوں کا پایا جانا ناگزیر
نہ رہے گا۔ اور یہ العاطفہ جبکہ مرفوع ہو تو اس کا عطف ان سب نصب لینے والوں
میں سے جن کے بعد ان پوشیدہ ہوتا ہے پہلے (یعنی حتیٰ) پر ہو جبکہ مستقبل ہو یا اس کا
عطف آخر حرف او پر ہو اور وہ معنی میں الیٰ ان کے ہو اور اسے مجرد پڑھا جائے۔
تو اس کو حتیٰ پر معطوف شمار کریں گے اور حتیٰ کے بعد ان پوشیدہ ہوگا۔ اور بات
عیاں ہے کہ اگرچہ یہ باعتبار الفاظ دور ہے مگر باعتبار معنی زیادہ قریب ہے۔ اس
لئے کہ پہلی تقدیر کے مطابق اگر العاطفہ میں زیادہ عمومیت پیدا کر دی جائے ان چیزوں

ان سے تاویل میں محاذ کے کریں گے۔ اس طرح سے عطف نہ
ہو جائے گا۔

یہ قول۔ والعاطفة اذا كان مرفوعا۔
(القول) فی التفصیل کما ذکرنا ذکر۔ اس کلام کا
خلاصہ یہ ہے کہ عبارت کافیہ میں لفظ والعاطفہ کو مرفوع
اور مجرد دونوں طرح شمار درست ہے اور مرفوع پڑھو۔ تو
العاطفہ کا عطف اس لفظ حتیٰ پر کرنا ہوگا جو عبارت

علیٰ کلام کی صورت پائی جائے گی اور عطف میں کوئی اشکال
بالہذا ہے گا اور اس صورت میں واو اور فاء کے بعد بھی
تقديران کے لئے کوئی شرط نہ ہوگی اور تقدیران میں لاشیاء
استہکات حق میں مرفوع نہ رہے گا۔ مثال اعجبني ضربك
زيدا وتشتما یا ثمتشتما وتشتتم میں نیز قول
میں تقدیران کہہ مرفوع ہے کہ معطوف علیہ ضربك ہرگز
ہے جس کا عطف مضارع پر درست نہیں لہذا آئیں کو تقدیر

عہ اس لئے کہ یہ حتیٰ مبتدا اس کی خبر نصب مضارع
بتقدیران محذوف ہے اور انا کان مستقبلا ظرف ہے خبر
کان کا ۱۲ سیجین
عہ اس لئے کہ او مبتدا اور بشرط معنی الیٰ ان مع

ثابت محذوف خبر ہے ۱۲ منہ
سہ تو والعاطفہ بھی لفظ بعد کے تحت میں ہے اور
عبارت اس طرح ہے۔ وتخصیص المضارع بیان مقدرة
بالحروف والعاطفة ۱۲ منہ

حتیٰ اذا كان مستقبلا میں ہے۔ وجہ اس جواز عطف
کی یہ ہے کہ لفظ حتیٰ معدودات ناصبہ بتقدیران میں سب
سے اعلیٰ ہے۔ لہذا العاطفہ کا عطف حتیٰ پر ہونا مناسب
ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مرفوع پڑھنے کی صورت میں العاطفہ
کا عطف آدر کیا جائے جو کہ عبارت اول بشرط معنی
الیٰ ان میں واقع ہے۔ اس عطف کے جواز کا سبب
یہ ہے کہ لفظ او معدودات ناصبہ بتقدیران میں سب سے
آخر میں واقع ہے۔ لہذا عطف اس پر انسب ہے اور والعاطفہ
کو مجرد پڑھو تب اس کا عطف اس حتیٰ پر قرار دیا جائے گا۔
جو عبارت بیان مقدرة بعد حتیٰ میں واقع ہے حضرت
علامہ جامی نور اللہ مرقدہ اس میں یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ مجرد
پڑھنا ترجیح ہے۔ اگرچہ لفظ کے لحاظ سے بعید معلوم ہوتا ہے۔
مگر معنی کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے۔

لہذا ترجیح یہ ہے کہ مرفوع پڑھنے کی صورت میں
اگر لفظ العاطفہ سے مراد جملہ حروف عطف لئے جائیں اور
واو اور فاء کی تخصیص نہ کی جائے تو یہ مراد بالکل صحیح ہے۔
جیسا کہ گذشتہ اس میں ایک لفظ یہ لازم آتا ہے کہ جو شے
اجمال میں نہ تھی وہ تفصیل میں ذکر کی جاتی ہے حالانکہ بیان
میں اس کی رعایت ہوئی چاہیے کہ اجمال اور تفصیل میں اقوال
ذاتی ہو تو صاحب کافیہ پر لازم تھا کہ اجمال میں بیان مقدرة
بعد حتیٰ ولام کی وکام مجرور والفاء والواو واد کے بعد
یہ بھی تحریر فرماتے والعاطفہ پھر جب تفصیل لفظ او سے بھی مع
ذکر شرائط و مثال فارغ ہو جائے تو یہ تحریر فرماتے والعاطفہ
اذا كان المعطوف عليه اسما صریحا اور اگر کوئی یہ کہہ
دے کہ العاطفہ میں تمام حروف عطف مراد نہیں بلکہ صرف
واو اور فاء مراد ہیں تو حکم کو اس قید سے خاص کرنا لازم ہوگا
کہ جس قید کے ساتھ حکم واقع میں خاص نہیں ہے کیونکہ واقعہ تو
یہ ہے کہ جب مضارع کسی حرف عطف کے بعد واقع ہو اور
اس کا معطوف علیہ اسم صریح ہو تو تقدیران کی وجہ سے
مضارع کو منصوب قرار دیا جائے گا۔ احوال تخصیص والعاطفہ
یا الواو والفاء باطل ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

لفظ اس لئے سیاق کلام کا مقتضی یہ ہے کہ جس
طرح معدودات ناصبہ بتقدیران سب مرفوع ہیں۔ اس طرح
العاطفہ کو بھی مرفوع پڑھا جائے۔ ۱۲ سیجین
عہ احقر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ نقص العاطفہ

عنه قوله. ويجوز اظهار ان مع كاهمك قال قوله
نحو اردت لان تقوم. لام زائدة وهى جواز لغزى
تاكيد مضارع پر لایا جاتا ہے اور اکثر لام زائدہ مصدر الامر
اکم نمودن مصدر والارادة کے افعال کے بعد آتی ہوتی ہے۔
جیسے اردت لان تقوم۔ وامرت لا عدل بیکم۔
عنه قوله. ومع الحروف العاطفة لان قوله

فلم يظهر لنا صوب بعد ها۔ مقصد کلام یہ ہے کہ
جب معدودات ناصبہ بتقدیر ان کے ذکر سے فراغت ہو گئی
تو اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مصدریہ کا ان مواقع میں
ظاہر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ لام کے اور
لام زائدہ کے بعد اظہار ان مصدریہ جائز ہے اور صرف
عاطفہ کے ساتھ بھی ان مصدریہ کا ظاہر کرنا جائز ہے جیسے
اعجبنی قیامت وان تذهب سان تیوں مواقع کے
علاوہ ان مصدریہ کا ظاہر کرنا جائز نہیں۔ اس لئے حتی
اور لام تجود اور فاء اور واو اور او کے بعد ان مصدریہ
ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ان تیوں مواقع میں ان مصدریہ کے
ظاہر ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ تیوں بلا واسطہ اسم صریح
پر داخل ہوا کرتے ہیں۔ جیسے جئتک للاکرام۔ اعجبنی
ضرب زید وغضبه۔ و اردت لضربک۔ لہذا
ان کے ساتھ ان مصدریہ کو ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔
کیونکہ ان کی وجہ سے فعل مضارع حکم اور تاویل میں
اسم صریح کے ہو جاتا ہے۔ لام تجود کے بعد ان کا ظاہر کرنا
اس لئے ممنوع ہے کہ لام جہد کبھی اسم صریح میں داخل نہیں
ہوتا بلکہ فعل پر داخل ہوا کرتا ہے اور کلمہ حتی اکثر معنی
کے آتا ہے فعل مضارع پر اس وقت جس حتی کے معنی لفظ کے

کو جو در پڑھنے کی صورت میں بھی موجود ہے اور پھر ترجیح مجدد پر پڑھنے کو
کس بنا پر ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب
والعاطفة کو مجدد پر پڑھیں گے تب عطف اس حق پر ہوگا جو اجمال
میں ہے تو گویا حضرت اس نے العاطفة الخ کو صرف اجمال
میں ذکر فرمایا اور تفصیل میں ترک کر دیا کیونکہ یہ بیان متعلق تفصیل
ماتن کی نظر میں نہ تھا۔ واللہ اعلم ۱۲ سید حسن عفی عنہ

عہ چنانچہ بعض علمائے مخزن نے ان تیوں کو عوامل نصب
سے قرار دیا۔ کیونکہ ان کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ کہ
مضارع منصوب ہو۔ تو گویا شان عامل ہونے کی ان میں سے
نمایا ہے ۱۲ سید حسن از غم آنندی باضافہ۔

لم یکن فی الاجمال وان خصت به یلزم تخصیص المحکوم و لیس
فی الواقع مخصوصاً به کما سبق من جویانہ فی ثمر ایضا ویرو علیہ
انہ کان المناسب ح ذکر ہا مرتین مرة فی الاجمال ومرة فی التفصیل
کما ثر ما ذکر۔ ویجوز اظہار ان مع لام کے نحو جئتک لان تکرمنی
ومع ما الحق بہا من اللام الزائدة نحو اردت لان تقوم ومع
الحروف العاطفة نحو اعجبنی قیامت وان تذهب لان هذه
الثلاثة تدخل علی اسم صریح نحو جئتک للاکرام واعجبنی
ضرب زید وغضبه و اردت لضربک فجاز ان یظهر معہا ما
یقلب الفعل الی اسم صریح وهو ان المصدرية واما لام الجود
فلما تدخل علی الاسم الصریح لم یظهر بعد ہا ان وکذا حتی لان
الاغلب فیہا ان تستعمل بمعنی کی وہی بہذا المعنی لا تدخل علی

سے جو ہم نے بیان کیں تو اندرون تفصیل وہ بیان کرنا لازم ہوگا جو کہ اندرون اجمال
موجود نہیں اور اگر اس کو اسی کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہو تو حکم کی تخصیص اس کے ساتھ
لازم آجائے گی اور وہ حقیقتاً اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ پہلے تم کے اندر اس
حکم کے نفاذ سے بھی معلوم ہو چکا اور اس پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اس
کا بیان دو مرتبہ مناسب ہوگا ایک بار مجملہ اور ایک بار تفصیل ان تمام کی طرح جن کا پہلے ذکر کیا گیا
اور ان کا اظہار (لانا) لام کے کے ساتھ درست ہے مثلاً (کہا جائے) "جئتک لان تکرمنی"
اور ان لام زائدہ کے ساتھ بھی آجاتا ہے مثلاً "اردت لان تقوم" اور حروف عاطفہ کے
کے ساتھ بھی (ان) آتا ہے مثلاً "جئتک للاکرام واعجبنی ضرب زید وغضبه" و اردت
لضربک پس اس کے ساتھ لانا بھی درست ہے جو فعل کو اسم صریح سے بدل ڈالے اور
وہ ان مصدریہ ہے۔ اور ہا لام تجود اس کے اسم صریح پڑانے کی صورت میں اس کے
بعد ان ظاہر نہ ہوگا۔ اور یہی حکم حتی کا ہے کیونکہ وہ اکثر اوقات کی کے معنی میں استعمال

کے ہوں وہ اسم صریح پر داخل نہیں ہو سکتا اور جس حتی کے
معنی لفظ الی کے ہوں وہ حتی بمعنی کے کے ساتھ لاحق
کیا گیا ہے کیونکہ اکثر حتی بمعنی کے ہی فعل مضارع پر داخل
ہوتا ہے تو بقاعدہ لایک حرکہ الکل حتی بمعنی الی
کے بعد بھی اظہار ان ناجائز قرار دیا اور حرف فاء۔ واو۔
او۔ کے بعد اظہار ان اس لئے جائز نہیں کہ یہ کلمات بوجہ
اظہار سببیت، جمعیت، انتہا کے اپنے مابعد پر نصب

چاہتے ہیں جیسا کہ مفصل بیان ہوا۔ لہذا یہ تیوں مانند
عوامل نامحبہ کے ہیں۔ اس بنا پر ان مصدریہ کو ان کے
بعد ظاہر نہیں کیا جاتا۔ تاکہ عوامل کا معمول واحد پر مشتمل
میں اجتماع لازم نہ آجائے۔ ایک ان مصدریہ نامحبہ و دیگر
حروف ثنائیہ میں سے ایک کا تحقق ہو کہ بمنزلہ عامل مناسب
کے ہے۔

اسم صریح وحمل علیہا التي بمعنى الى لان المعنى الاول اغلب
في التي يليها المضارع واما الواو والفاء واو فلا نهالما اقتضت نصب
ما بعد هاللتنصيص على معنى السببية والجمعية والانهما صارت
كعوامل النصب فلم يظهر الناصب بعدها - ويجب اي اظهار ان
مع لا الداخلة على المضارع المنصوب بها في صورة دخول اللام
بمعنى كعليها اي على ان لا شكرا لا اللامين المتواليين وهما لام
كي ولام لا نحو قوله تعالى لا يعلم ولا علم ان الناصبة تضر

کیا جاتا ہے اور وہ اس معنی میں اسم صریح پر نہ آئے گا۔ اور اسی پر وہ محمول ہوگا جو
آئی کے معنی میں ہو کیونکہ حتی کی کے معنی میں زیادہ تر فعل مضارع پر آیا کرتا ہے اور وہ
گئے واور واور واور ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا مابعد بیت، جمعیت اور انتہا کے باعث
منصوب ہو لہذا یہ نصب دینے والے عاملوں کے زمرہ میں ہوں گے اور ان میں سے
کسی کے بعد ان مصدر یہ عیاں نہ ہوگا۔ اور لام بمعنی حتی صورت میں جو مضارع کو
منصوب کر رہا ہے ان کا ظاہر کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ عدم اظہار کی صورت میں پے در
پے دو لام (یعنی) لام کے اور لا کا لام کہئے ہو جائیں گے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ لا

قوله ويجب اي اظهار ان رائي قوله
قوله تعالى لا يعلم اس كلام من يبتا اياك
كلام مضارع پر لام کے داخل ہوا اور مضارع منفی
بحرف لا ہو۔ اس وقت میں اظہار ان محض باری نہیں

عہ پہلے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہیں پر ان مصدر کا ظاہر
نہا جبکہ ان میں متوالیت کی وجہ سے واجب ہوا تھا جبکہ
ان مصدر کے ان کلام سے بدلایا ہوا ہے اجتماع پایا لہذا منشا
اظہار ان باطن ہو گیا جواب یہ ہے کہ اجتماع دو لام آتا اس
وقت مکرر ہے جبکہ دونوں متحرک ہیں اور اگر دونوں متحرک ہوں
تو مکرر نہیں ہوا مثال مذکور میں بدن تقدیر ان کے دو متحرک
کا اجتماع تھا۔ ایک لام تھے متحرک دوسرا لام حرف لا کا۔
اقتضیٰ ان کے بعد افعال کی حالت میں اجتماع ایسے دو لام کہ
مکرر ہوں پہلا ساکن ہے اور اجتماع مکرر نہیں ۱۲ سی جسن

عہ چونکہ ان متعہ عامل ضعیف ہے اس لیے عمل
کنے کا صحت پر ایسی غور کی جاتی ہے جو نصب کو پائے
ہیں۔ مگر تفصیل ۱۲ سی جسن

سہ اس عبارت کو ضربہ مثال میں شمار کیا جاتا ہے

ایسی حالت میں ان مصدر کو ظاہر کر دیں گے۔ تاکہ یہ اجتماع
نہ ہو۔ جیسے حتی قلے کا قول ہے۔ لست لا یعلمہ۔ اس مثال
میں اصل لفظ لان لا یعلمہ ہے چونکہ لام۔ ن
قریب الخارج ہیں۔ تو ان کو لام سے بدل کر دو لڑن ملاؤں
میں قاعدہ ادغام جاری کیا گیا۔ لست لا ہوا۔

سہ قولہ۔ واعلم ان ان الناصبة رائي قوله
ولذلك لم يذكرها۔ حضرت شارح اس عبارت میں
ان مقامات کا ذکر فرماتے ہیں۔ جہاں پر تقدیر ان بغیر
شرط مذکورہ کے ہے لیکن ان مقدمہ بوجہ عامل ضعیف
ہونے کے عمل نہیں کرے گا اور مضارع باوجود ان
مقدمہ کے مرفوع ہے کا لیکن تقدیر ان کسی ضرورت
سے ہوا کرتا ہے اور یہی مراد ہے تفسیر کثیرا من غیر مل
سے جیسے تسبیح بالمعیدی خیر من ان تلوہ (ترجمہ)
یہ بات کو سمجھنے تو معیدی کو اس سے بہتر ہے کہ تو اس کو دیکھے
اس عبارت میں تقدیر ان کی ضرورت یہ ہے کہ ترکیب نحوی میں
تسبیح فعل مضارع مع متعلق بالمعیدی کے مبتدا ہے۔

اور خبر مع متعلق من ان تلوہ کے خبر ہے فعل مضارع کا
بلا تاویل مصدر مبتدا ہونا جائز نہیں۔ اس ضرورت کی وجہ
سے تسبیح سے قبل ان کو مقدمہ مانا گیا۔ تاکہ اس کی تاویل
بالمعیدی جاسکے۔ تو اس صورت میں اس عبارت یہ ہوئی۔
سما عشت بالمعیدی خیر من روي تلوہ ایاہ۔ اور بعض
مواقع میں یہ نصب بھی دیتا ہے مگر یہ نصب بے نیاز لزم
ہے۔ جیسے ع الا ایتھلا الا عی احضر الوفی (ترجمہ)

آج کل یہ دو اختلاف معیدی معضون معدی منسوب ہونے
معدنا مفعول کس کو واجب کہتے ہیں۔ بعض حواشی میں ضرب
المثل کا واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایک شخص منند تھا۔
اس نے شقہ شاعر کی حسن شہرت سنی۔ ملنے کا شوق ہوا۔ تو
شقہ کے یہاں گیا۔ دیکھا کہ نہایت کریمہ منظر ہے تو اس نے
کہا۔ تسبیح بالمعیدی خیر من ان تلوہ۔ اس پر شقہ
نے کہا۔ ان الرجال لیسوا باجسام انما یعیش باصغریہ
لسانہ وقلبہ۔ تو منند نے شقہ کے کلام کو پسند کیا اور اس
کی طائفت سے خوش ہوا۔ انہی مکرر حق کے نزدیک مبالغہ جہول
کامی کے نقل کیا قرین صواب ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سی جسن
سہ اس کا معروضہ ثانیہ ہے۔ وان اشهد
اللذات هل انت مخلص حقیق الوفی محل مخصوصہ

فی غیر المواضع المذكورة كثيرا من غیر عمل لضعفها نحو قولهم
تسمع بالمعیدی خیر من ان تراه او مع عمل مع الشذوذ كقوله
ع الا ایہذا اللامی احضر الوغی فی رواية النصب ولكن ليس
بقیاس كما فی تلك المواضع ولذلك لو یذكرها۔

جواز المضارع

وينجزم ای المضارع بلام ولما ولام الامور المستعملة فی معنى
النهي احترازا عما استعملت فی معنى النفي وهذه الكلمات تجزئ

يعلم، اور واضح رہے کہ منصوب کرنے والا ان ذکر کردہ جگہوں کے علاوہ میں اکثر
عمل کئے بغیر اپنے ضعف کے باعث پوشیدہ رہتا ہے۔ مثلاً ان کا قول "تسمع بالمعیدی
خیر من ان تراه" اور اتفاقاً نادراً طور پر یہ عمل بھی کرتا ہے جیسے اس کا قول "الا
ایہذا اللامی احضر الوغی" نصب کی روایت کی رو سے۔ لیکن اس مثال کو ان ذکر
کردہ جگہوں میں قیاس نہیں کر سکتے اور اسی بنا پر اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور مضارع کو
لم، لما، لام امر اور لانے نہیں مجزوم کرتے ہیں اور لا بمعنی "ہنی" کہہ کر اس لاءے احتراز

افعل منہ بوزل سے مستفاد ہوا ہے۔ ان شریعت تھرت
مما تعدد التعداد اذا ما تسافر اسافر۔ حیثما قصد
اقصد۔ ان تجلس اجلس۔ متى تقعد اقعد۔ ما فعل
افعل من تضرع اضرب۔ افع شئ تاثل اثل۔
اقتكبت الكتب۔ ان كلمات الشرط من اذما اور حیثما
مرکب میں آؤ اور تا کافہ اور حیث اور ما کافہ سے
اور دونوں کے حکم الجازاۃ میں ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ کلمہ
لگا ہوا ہو۔ اس لئے بدن کلمہ تا کے کلمات الشرط سے
نہ ہوں گے۔ جہل کے مفرد اور مرکب سم ہونے میں اختلاف

پار حروف ہیں۔ لم۔ لٹا۔ لام امر۔ حرف لای کیلئے استعمال
کیا جاتا ہے جیسے لا تفعل وغیرہ۔ دوئم۔ کلمات شرط اور
جہا بن میں سے بعض حرف ہیں اور چند اسماء ہیں جو ان حرف
شرط کے ہم معنی ہیں اور سب کو کلم الجازاۃ بھی کہتے ہیں
یہ کلمات دو فعلوں کو جزم بالاصالة دیتے ہیں۔ اول فعل
کو شرط و بعد سے کو جزاء کہا جاتا ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں
ان۔ ثمما۔ اثمما۔ حیثما۔ ان۔ ثانی۔ ما۔ من۔ ثم۔ ان۔
ان کا استعمال مختلف معانی میں ہوتا ہے جیسے ان کی

کمال ارتباط ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے کلم الجازاۃ کہتے ہیں۔
سہ۔ ہم ان کی چند مثال قرآن کریم سے دیا کرتے
ہیں۔ مثال ان۔ ان تمسیبکم حسنة تستوهم
ان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوها۔ مثال من۔
من یعمل سوء تجزیه۔ من جاء بالشیئة فلا یجزی
الاھلما۔ مثال ما۔ ما تفعلوا من خیر یصلہ
اللہ۔ مثال ایما۔ ایما ینکو لواء رکبہ الموت
ایما لواء فتمت حجة اللہ۔ مثال معما، معما

تاشابہ من ایه لتسونا بہا فمما تختلک یومئذ
مثال حیث۔ حیث ما کنتم فواؤہم فکما مشطرا
للعہ چنانچہ صاحب من الیب کے ہمارے مرکب ہونے
کے لئے یہ دو اقوال نقل فرمائے۔ ۱۔ مرکب سے وہ امر ما
شرطیہ سے۔ ۲۔ مرکب سے دو ما سے۔ ایک تا شرطیہ۔ دوسرا
ما زائدہ۔ حال اول کے الفاظ ہوتے ہیں بدل دیا کر کو دفع
کرنے کیلئے مسمما ہوا۔ اس کے بعد مصنف نے ان اقوال کو
مرجوع قرار دیا۔ وان شئت التفصیل فیما یراجع قہ ۱۲

خبردار ہو جائے ملامت کرنے والے مجھ کو اس بات پر کہ میں
میدان جنگ میں جاؤں۔ اس مصرع میں احضر منصوب
ہے تقدیر ان کی وجہ سے۔ اور اصل عبارت یہ ہے علی
ان احضر کیونکہ قوم کے صلہ میں علی استعمال ہوتا ہے۔
ضرورت غریب علی حذف ہوا احضر سے پہلے تقدیر ان کی
ذیل یہ ہے کہ احضر معطوف علیہ ہے اور مصرع ثانیہ میں
ان اشهد اللذات اس کا معطوف ہے۔ اسی صحت
میں احضر کو بدن ان مقدمہ کے معطوف علیہ نہیں بنا سکتے
اور ان اشہد کو اس کا معطوف نہیں قرار دے سکتے۔ اور
احضر کی ایک صریحت رفع کے ساتھ بھی ہے جہاں صحت
میں بھی تقدیر ان بوجہ صحت عطف ضروری ہے اور مثل
تسمع بالمعیدی الخ یہاں پر بھی ان مقدمہ کو غیر عامل کہا
جائے گا۔ ایک شبہ۔ علامہ ابن حاجب نے تقدیر ان
کے یہ مقامات جو شارح نے ذکر فرمائے کیوں ترک کر کے
بیان کو تمام چھوڑا۔ جواب۔ حضرت علامہ نے اس لئے
ان کو درج کتاب نہیں فرمایا کہ یہ مقامات کسی ضابطہ اور
قیاس کے مطابق نہ تھے بلکہ محض سہائی تھے تو ان کے درج
نہ کرنے سے ایجاز کلام کی بقا اور ارتقاء قائم ہے۔ یہاں تک
بحث کو اہم مضامین کی مذکور تھی اب جواز مضارع کا بیان
مشرع کیا جاتا ہے۔

جواز المضارع

لہ قول۔ وینجزم المضارع (القولہ) ومن و
ان والی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جواز مضارع کلم قسم
کے ہیں۔ اول جو فصل واحد کو بالاصالة جزم دیتے ہیں۔ وہ

اللذات سے کنایہ محارۃ سے بغرض اظہار شجاعت
عہ بالاصالة فی قید سے اشارہ اس طرف ہے کہ
عطف کی صورت میں ان جوازم کے مجزوم بھی چند افعال
ہو سکتے ہیں۔ جیسے کاتاکل فتشرب وتقل کثیر وغیرہ
تھمال کی قید کے بعد ایسے موقع میں مشبہ ہو گا کہ لا کا
مجزوم و فصل واحد ہوتا ہے۔ یہاں پر چند افعال مجزوم کیے ہیں
۱۲۔ من ازحم آفتی و لا عصام الدین جعفر و زیادہ۔

عہ مجازاۃ مسد باب مفاعلت بمنی الکندر
کو جزاء چوں کہ کلمات الشرط بالجزاء و وجہوں کا لا آپ میں

فعل واحد او کلم المجازاة فی کلمات الشرط والجزاء التي بعضها من الاسماء وبعضها من الحروف ولهذا اختار لفظ الكلمة المجزوم بها فعلا ن وهي ای کلم المجازاة ان ومهما واذا ما حيثما فاذا وحيث تجزمان المضارع مع ما واما بد ونها فلا واين ومتى وهما تجزمان المضارع مطلقا سواء كانتا مع ما او لا وما ومن وانی وانی واما انجزام المضارع مع كيفما واذا فاشاذ لم يثنى في كلامهم على وجه الاطراد اما مع كيفما فلان معناه عموم الاحوال فاذا قلت كيفما تقرأ اقرأ كان معناه على ای حال وكيفية تقرأ انت انا

مقصود ہے جو معنی نفی آتا ہے اور یہ کلمات فعل واحد کو مجزوم کرتے ہیں اور شرط وجزاء کے کلمات جن میں سے بعض اسما اور بعض حروف ہوتے ہیں وہ بھی مضارع کو مجزوم کرتے ہیں اور اسی لئے لفظ کلم اختیار کیا۔ ان کلموں کے ذریعہ دو فعل اصالتاً مجزوم ہوتے ہیں اور کلمات مجازاة یہ ہیں "ان، مہما، اذا، حیثما، پس، اذا ما، اور حیثما" دونوں مضارع کو ما کے ساتھ آکر مجزوم کرتے ہیں اور ما ان کے ساتھ نہ ہو تو جزم نہیں دیتے اور این اور متی یہ دونوں مضارع کو مطلقاً مجزوم کرتے ہیں خواہ وہ دونوں ماکب ساتھ ہوں یا لا، ما، من، ای، انی اور اما کے ساتھ ہوں اور مضارع کا کیفما کے ساتھ مجزوم اور آذا کے ساتھ مجزوم ہونا وہ شاذ ہے وہ (اذا) اندرون کلام شاذ و مادر ہی آتا ہے۔ اور کیفما کے ساتھ تو اس کے معنی عموم احوال کے ہوں گے پس جب تم کہو "کیفما تقرأ اقرأ" تو اس کے معنی ہوں گے "علی ای حال وکيفية تقرأ انت انا ایضاً اقرأ علیہا" (جس حال

ہوئے ہیں۔ اس کی مکمل بحث معنی اللیب میں موجود ہے من شاء فلیطاع)

۱۷۷۷ قولہ۔ واما انجزام المضارع (القول للاموال المقطوع بہ۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کیفما اور آذا سے مضارع کا مجزوم ہونا شاذ ہے یعنی کلام عرب میں ان کی وجہ سے جزم مطرد اور شاذ نہیں۔ اس لئے کہ لفظ کیفما عموم احوال کے لئے موضوع ہے پس اگر

دفعل ہے مثل۔ اذا السماء انشقت وغیرہ۔ یہاں پر اسماء سے پہلے فعل انشقت مخذوف ہے۔ بقاعدہ مخذوف فعل علی شرطیۃ التفسیر ۱۲ سید حسن از معنی اللیب سد ہم چند آیات اس کی مثال میں یہاں پر نقل کرتے ہیں۔ اذا جاء نصر الله والاکایۃ اذا الشمس کورت

ہے اور اسم اور حرف ہونے میں بھی مختلف اقوال ہیں مثلاً معنی اللیب نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ہما اسم ہے حرف اور لیسطہ نہ مرکب۔ اور این اور متی اسماء شرط میں ماکان کا ماضوی نہیں۔ اس لئے کہ صرف این اور متی ہی اسماء شرط میں استعمال کئے جاتے ہیں (مخاطبہ من الاشیاء المنکرة آنفاً) این۔ متی۔ ما۔ من۔ آتی اقی علاوہ کلم المجازاة کے اور معانی کیلئے بھی مستعمل

عہ کیونکہ طلوع شمس امور یقینیہ میں سے ہے۔ عہ فائدہ۔ آتا ہے شرط جملہ فعلیہ پر رد نہیں ہوتا ہے اور معنی مفاعلة جملہ اسمیہ پر اور اکثر آذا کے بعد نہیں دیتے ہیں اور مضارع کم۔ اور قرآن کریم میں جس جگہ آذا بظاہر جملہ اسمیہ پر رد نہیں ہے۔ وہ درحقیقت جملہ فعلیہ پر ہی

کیفما انقروا اقروا کو شرط وجزاء بنایا جائے تو معنی یہ ہوئے کہ جس کیفیت اور حال پر تو پڑھے گا۔ اسی کیفیت اور حال پر میں پڑھوں گا۔ اور یہ معنی واقع کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ نہ قاریوں کی قرأت کا تمام احوال اور کیفیات میں مساوی ہونا متعذر ہے اور کلمہ آذا کے سبب جزم اس وجہ سے نہیں ہوا کہ کلمات جزم اس وجہ سے دو فعلوں کو دیا کرتے ہیں کہ وہ معنی میں ان شرطیہ کے ہوتے ہیں اور ان شرطیہ شک کے معنی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ان شرطیہ کا استعمال سبب اوضح صرف امور شکوک میں کیا جاتا ہے۔ اس لئے ایتھ ان طلوع الشمس نہیں بولتے۔ بلکہ آذا بجائے ان کے ایسے موقع میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ایتھ اذا طلعت الشمس۔ تو اذا جب امور یقینیہ کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کے معنی میں اس کا استعمال خلاف اصل اوضح ہے۔ بنا بریں آذا سے دو فعلوں کا مجزوم ہونا بھی شاذ قلیل الاستعمال ہے۔ جیسے شاعر کے اس قول میں ع۔ اذا تردالی قلیل تقنع۔ اور اکثر آذا فعل ماضی پر دہن ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آذا امور یقینیہ کیلئے وضع کیا گیا ہے تو فعل ماضی پر اس کا دہن ہونا مناسب ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بہت مقامات پر آذا فعل ماضی کے ساتھ مستعمل ہے۔ (رف) صاحب معنی اللیب نے کیف کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ کیف بدون ما کے بھی شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فصحی کے محاورات میں واقع ہے لیکن جزم دنیا کیف کا قلیل الاستعمال ہے۔ علمائے لغویں سے بھرنے میں تو جزم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے۔ هو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء اس آیت میں کیف یشاء شرط اور جزم مخذوف جس پر یصورکم دلالت کرتا ہے اور تقدیر آیت اس طرح ہے کیف یشاء یصورکم۔ تو اس آیت میں کیف کی وجہ سے نہ شرط مجزوم ہے نہ جزاء سبب وجہ کے نزدیک کیف معنی فی اکی حال

کیفما تقرأ اقرأ کان معناه على ای حال وكيفية تقرأ انت انا مقصود ہے جو معنی نفی آتا ہے اور یہ کلمات فعل واحد کو مجزوم کرتے ہیں اور شرط وجزاء کے کلمات جن میں سے بعض اسما اور بعض حروف ہوتے ہیں وہ بھی مضارع کو مجزوم کرتے ہیں اور اسی لئے لفظ کلم اختیار کیا۔ ان کلموں کے ذریعہ دو فعل اصالتاً مجزوم ہوتے ہیں اور کلمات مجازاة یہ ہیں "ان، مہما، اذا، حیثما، پس، اذا ما، اور حیثما" دونوں مضارع کو ما کے ساتھ آکر مجزوم کرتے ہیں اور ما ان کے ساتھ نہ ہو تو جزم نہیں دیتے اور این اور متی یہ دونوں مضارع کو مطلقاً مجزوم کرتے ہیں خواہ وہ دونوں ماکب ساتھ ہوں یا لا، ما، من، ای، انی اور اما کے ساتھ ہوں اور مضارع کا کیفما کے ساتھ مجزوم اور آذا کے ساتھ مجزوم ہونا وہ شاذ ہے وہ (اذا) اندرون کلام شاذ و مادر ہی آتا ہے۔ اور کیفما کے ساتھ تو اس کے معنی عموم احوال کے ہوں گے پس جب تم کہو "کیفما تقرأ اقرأ" تو اس کے معنی ہوں گے "علی ای حال وکيفية تقرأ انت انا ایضاً اقرأ علیہا" (جس حال ہوئے ہیں۔ اس کی مکمل بحث معنی اللیب میں موجود ہے من شاء فلیطاع)

الاکایۃ اذا قیل لهم الاکیۃ ۲ واذا کانوا۔ الاکیۃ ۵ اذا حکمتہ الاکیۃ ۱۲ سید حسن معنی عند الله هو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء کا ترجمہ یہ ہے۔ وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے ۱۲ ترجمہ حضرت شیخ ابند

ہے نیز کیفیت بمعنی شرط اکثر ایسے درفسوں کو شرط جزا بناتا ہے۔ جو کہ باعتبار لفظ اور معنی متفق ہوں نہ مختلف جیسے کیفیت تصنع منع وغیرہ۔

۴۵۵ قولہ۔ بان مقدرة علی قوله/ انشاء اللہ تعالیٰ یہاں تک کلمات ہائے بیان اجمال تھا اب تفصیل کے ساتھ ان کے حالات ذکر فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا ۴۵۶ قولہ۔ فلم یقلب المضارع (الی قولہ) اقرب معنی ماضیا۔ مراد اس عبارت شارح کی یہ ہے کہ نفی کی ضمیر مجرور کا مرجع یا تو مضارع کو قرار دو اور نفی اس طرح کر دو کہ تم نفی مضارع کیلئے ہے یا اس طرح کہ اس کے زمانہ کو ماضی کی طرف مقلوب کر دے اور یا نفی کی ضمیر کا مرجع ماضیا کو قرار دو جو نظروں کے لحاظ سے ضمیر سے بہت قریب ہے تو اس وقت نفی مجببے نفی الماضی کے ہوگا اس صورت میں عبارت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ تم مضارع کو ماضی بنا دینے یعنی ماضی منفی کے معنی میں بدل دینے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

۴۵۷ قولہ۔ ولما مثلھا (الی قولہ) وقت التکلم بھما۔ مراد اس عبارت کی یہ ہے کہ کلمہ لہما مانند تم کے ہے کیونکہ لہما بھی مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے لیکن لہما میں ایک خصوصیت ہے جو تم میں موجود نہیں۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ کلمہ لہما اس بات کو بتاتا ہے کہ جس زمانہ سے اس فعل کا افتخار ہوا ہے اس وقت سے برابر زمانہ تک امتفاء رہا ہے مثلاً کوئی شخص کہے لہما فلان ولم ینفعہ الندم (فلان شخص نام ہوا اور اس کو ندامت نے نفع نہ دیا) تو اس کا مطلب ہوگا کہ نہ ہوگا کہ ندامت نے وقت تکلم تک نفع نہ دیا اور اگر بجائے لہما ینفعہ الندم کے لہما ینفعہ الندم ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب تک ندامت نے نفع نہیں دیا۔

۴۵۸ قولہ۔ وجوز حذف الفعل (الی قولہ) ولما ای ولما دخلھا۔ مراد کلام یہ ہے کہ کلمہ لہما کا جو فعل مضارع مدخول ہوا۔ اس کو حذف کرنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ دلالت کرنے والا اس پر موجود ہو جیسے شرافت المدینۃ ولما ای مدینہ کے قریب تو ہوگا ہوں اور ابھی تک اس میں مدخل نہیں ہو سکا تو اس عبارت

ایضاً اقرأ علیہا ومن المعتذر استواء قراءة قارئین فی جمیع الاحوال والکیفیات واما مع اذا فلان کلمات الشرط انما تجزم لتضمنہا معنی ان التی ہی موضوعۃ للابہام واذا موضوعۃ للامر المقطوع بہ وبان مقدرة عطف علی قوله بلمای ینجزم المضارع بان مقدرة سببی بیانہ انشاء اللہ تعالیٰ فلم یقلب المضارع ماضیا ونفیہ ای نفی المضارع ولا یبعد لوجعل الضمیر الی ما هو اقرب اعنی ماضی ولما مثلھا ای مثل لم فی هذا القلب والنفی وتختص ای لہما بالاستغراق ای استغراق ازمنة الماضی من وقت الانتفاء الی وقت التکلم بلمای تقول ندم فلان ولم ینفعہ الندم ای عقیب ندمہ ولا یلزم استمرار انتفاء نفعہ الی وقت التکلم بہا واذا قلت ندم فلان ولم ینفعہ الندم افاد استمرار ذلک الی وقت التکلم بہا وجوز حذف الفعل ای وتختص ایضاً لہما بجواز حذف الفعل المنفی بہا ان دل علیہ دلیل نحو شرافت المدینۃ ولما ای ولما

اور جس کیفیت میں تم پڑھو گے میں بھی اسی طرح پڑھوں گا اور دو قراء کا سارے حالات و کیفیات میں برابر ہونا دشوار ہے۔ اور اذا کے ذریعہ مجزوم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ شرط کے کلمے اس بنا پر دو افعال کو مجزوم کرتے ہیں کہ بمعنی ان شرطیہ دشنام دیتے ہو اور ان شرطیہ کی وضع ابہام کے لئے ہے (یعنی مشکوک کے لئے) اور اذا کی وضع یقینی امر کیلئے ہے اور ان مقدرہ (پوشیدہ) کے ذریعہ مضارع پر جزم آئے گا اور اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ جلد آئے گا۔ پس تم مضارع کو ماضی سے اور مثبت کو منفی سے بدل دے گا اور مرجع ضمیر ماضیا کو قرار دینے کی صورت میں جو اس سے نزدیک تر ہے یہ معنی بعید نہیں (بلکہ درست ہیں) اور لہما اس قلب (تبدیل) و نفی میں تم کی طرح ہے اور لہما استغراق کے ساتھ مخصوص ہے وقت نفی سے وقت تکلم تک نفی تکلم کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہتے ہیں فلاں آدمی شرمندہ ہوا اور اس کے لئے شرمندگی مفید نہ ہوئی۔ اور یہ لازم نہ ہوگا کہ ندامت و شرمندگی تکم کے وقت تک غیر مفید رہے اور جب تو کہے کہ فلاں آدمی شرمندہ ہوا۔ اور شرمندگی اس کے لئے مفید نہ ہوئی تو اس کا مطلب ہوگا کہ وقت تکلم تک ندامت اس کے لئے نفع بخش نہ ہوئی۔ اور لہما کے فعل منفی کو حذف کرنا بھی درست ہے مگر شرط یہ ہے کہ کسی قرینہ کے ذریعہ اس کی نشان دہی ہو رہی ہو۔ مثلاً میں مدینہ سے نزدیک اس طرح کہی۔ ولما دخلھا۔ اور تم کے لئے فعل مشکوک کو حذف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ بھی صورت محال ہے

ادخلها وتخص ايضا بعدم دخول ادوات الشرط عليها فلا تقول
ان لما يضرب ومن لما يضرب كما تقول ان لم يضرب ومن لم
يضرب وكان ذلك لكونها فاصلة قوية بين العامل ومعموله
وتخص ايضا باستعمالها غالبا في المتوقع اي ينفي بها فعل متروك
متوقع تقول لمن يتوقع ركوب الامير لما يركب وقد تستعمل
في غير المتوقع ايضا نحو ندم زيد ولما ينفعه الندم - ولازم الامر
هي اللام المطلوب بها الفعل ويدخل فيها لام الدعاء نحو ليغفر لنا
الله وهي مكسورة وفتحها لغة وقد تسكن بعد الواو والقاء وثم

عالم ضعیف اور اس کے معمول میں فاصلہ قویہ پیدا ہو جائے گا
اور کم کی وجہ سے بھی عامل ضعیف اور اس کے معمول میں فاصلہ
تو ہو گا مگر وہ فاصلہ قویہ نہیں ہو گا کیونکہ کلمہ تم بہ نسبت
نما کے اقرب ہے اور ایک خصوصیت نما کی یہ بھی ہے کہ اس کا اکثر
استعمال اسی فعل منفی پر ہوتا ہے کہ جس کے ثبوت کی توقع کی
جائے مثلاً کوئی حاکم ابھی تک سوار تو نہ ہوا ہو مگر سوار ہونے
کی ہم کو توقع ہو۔ اس وقت کہا جائے تم اے رجب (یعنی ابھی
تک تو سوار نہیں ہو اے لیکن آئندہ سوار ہونے کی توقع ہے) اور
کبھی ہمارے غیر متوقع پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے کوئی کہے
ندم فرعون ولما ينفعه الندم۔

بحث لام الامر لاہی

معنی قوله. ولام الامر (الی قولہ) وندم
لیقتضوا خلاصہ کلام یہ ہے کہ لام امر جس سے فعل مجزوم ہوتا
ہے وہ لام ہے کہ جس سے کسی فعل کی طلب کی جاتی ہے۔
یہ لام مکسور ہوتی ہے اور اس کو مفتوح پڑنا بھی ایک لغت
میں جائز ہے اور کبھی یہ لام ساکن ہوتا ہے جبکہ او اور قا
کے بعد واقع ہو۔ جیسے وَلَمَّا تَبَّ طَائِفَةٌ أُخْذُوا لَمْ
يَمْلِكُوا فَمَهْلِكُوا لَمْ يَلْقُوا فَمَهْلِكُوا لَمْ يَلْقُوا فَمَهْلِكُوا۔ اس میں دلالت
فلیقتضوا، لَمْ یَلْقُوا، لَمْ یَلْقُوا صیغے امر کے ہیں۔ ان میں لام امر کو ساکن
پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ حرکات عاطفہ و اوقاء ثَم کے بعد
واقع ہے چونکہ لام امر کی تعریف میں طلب فعل کو عام رکھا گیا
ہے۔ اس لئے لام الدعاء اور لام الانکاس بھی لام الامر میں
شامل ہیں اور علماء معانی نے تعریف میں لام الامر کے علی سبیل
الاستعلاء کی قید زائد کی اور یوں تعریف کی۔ کلام الامر
ہی التي يطلب بها الفعل على سبيل الاستعلاء۔
تو ان کی تعریف پر لام الدعاء اور لام الانکاس تعریف سے لام الامر
کے خارج رہیں گے۔ الغرض علما غور نے طلب فعل کو عام رکھ کر

ہونے کے باوجود ہنوز اس میں نہیں پہنچا۔ اور لما اس میں بھی مخصوص ہے کہ اس کے
اوپر حرف شرط نہیں آتے پس یہ نہیں کہیں گے "ان لما يضرب" "ومن لما يضرب"
جیسا کہ کہتے ہیں "ان لم يضرب" "ومن لم يضرب" اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے باعث
عامل اور معمول میں قوی فصل (نمایاں) ہو گا (جو درست نہیں) اور لما اس بات میں بھی مخصوص
ہے کہ بیشتر وہ اس منفی فعل کے اوپر آیا کرتا ہے جس کے ثابت ہونے کی (پوری) امید ہو
جیسے وہ امیر جس کے سوار ہو جانے کی امید ہو اس کے لئے کہتے ہیں "لما يركب"، اور بعض
اوقات ایسے منفی فعل پر بھی آجاتا ہے جس کے ثابت ہونے کی امید نہ ہو مثلاً "ندم زيد
ولما ينفعه الندم"۔ اور لام امر وہ لام ہے کہ جس کے ذریعہ فعل کو طلب کیا جاتا ہے اور
اس کے زمرہ میں لام دعاء داخل ہے جیسے (کہا جائے) "ليغفر لنا الله" اس لام پر زیر
آتا ہے اور ایک لغت کی رو سے زیر بھی درست ہے اور بعض اوقات فا اور وا اور

یہ قولہ۔ وتخص ايضا (الی قولہ) وندم
الندم۔ اس کلام میں دلالت جاتی چند خصوصیات نما کی
مزید ذکر کرتے ہیں جن کو صاحب کافہ نے ذکر نہیں کیا تھا۔
خلاصہ عبارت یہ ہے کہ نما کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ
ادوات شرط کو نما پر داخل کرنا ناجائز ہے اور تم پرین کا فعل

عہ ایک مشبہ۔ یفاہرین لما يضرب ہیں
دعا معلومہ مجزوم لما طلبہ نہ ان کا۔ تو پھر یہ بنا رہا
کہ جب سے عامل و معمول میں نقص ہو جائے گا غلط معلوم ہوتا
ہے۔ جواب یہ ہے کہ لما يضرب فعل منفی مع دلالت
حرف شرط کا معمول ہے تو اصل معمولی فعل يضرب ہوتا ہے
حرف شرط کا اور نما کی وجہ سے ان اور يضرب میں فاصلہ
تو پیدا ہو گیا۔ ۱۷۔ نقد برعم آندی

سہ غیرت لی انشا ام فرعون مومن اسم زید لیكون
اول مل نفی المنع فان دند من اور الفرق فقال استند
لم ينفعه الندم ولا توقع کمال نفی علی الاذکیا ۱۷ سید حسن
عہ ترجمہ آیت دلالت طائفة اخرى لم یصلوا
فلیصلوا معلومہ یہ ہے اور آدے دوسری جماعت جس
نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ
(سورہ النساء ۷۸) یہ آیت صلوۃ خوف کے بابے

میں ہے اس کی مفصل تفسیر بیان القرآن میں ہے
سید حسن عفی عنہ
عہ ترجمہ آیت ثم لیقنوا قشتمو یہ ہے کہ
پھر چاہئے کہ ختم کریں اپنا میل کچیل "یہ مضمون حج
کے بابے میں ہے ۱۱"

لام الدعاء اور لام الاتماس کو بھی لام الامر میں شامل کیا ہے
مثال لام الدعاء جیسے لیغفر لنا اللہ۔ لام الاتماس کی
مثال یہ ہے۔ جیسے ایک دوست دوسرے سے کہے۔ ہاں کی
جہیتاً۔

۱۴۵۹ قولہ۔ ولا انتمی رلی قولہ (افغانیا
اور متکلماً۔ مطلب یہ ہے کہ لائے ہی وہ لائے کہ جس سے
ترک فعل مطلوب ہو کہبت اور کافیه کے بعض نسخوں میں یہ
عبارت ہے۔ ولا انتمی ضدها یعنی لائے ہی لام امر
کی ضد ہے یعنی جس سے ترک فعل مطلوب ہو۔ اور لائے نہیں
مضارع معروف اور مجہول کے تمام صیغوں پر داخل ہوتا ہے
اور لام امر مضارع معروف کے تمام صیغوں پر داخل نہیں ہوتا
ہے بلکہ صیغے غائب اور متکلم پر داخل ہوتا ہے اور مضارع
مجہول کے تمام صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور لام امر کا معروف
کے صیغے حاضر پر داخل ہوتا ہے نہ نادر ہے۔

۱۴۶۰ قولہ۔ وکلمہ المجازاة (قولہ تعالیٰ)
سببوا والثانی مسبباً۔ مراد یہ ہے کہ مجازات کے کلمات
جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ وہ فعلوں پر داخل ہوتے
ہیں۔ اس قصہ کی وجہ سے کہ فعل اول کو سبب قرار دیا جاتا
ہے اور فعل ثانی کو مسبب۔

۱۴۶۱ قولہ۔ وفي شرح المقصود وکلمہ المجازاة
والی قولہ (سببوا الاکوام عنہ)۔ مقصود کلام
یہ ہے کہ یہاں پر سبب کے مراد عام ہے کہ وہ خواہ سبب
حقیقی یا سبب جہلی اور اعتباری۔ اسی وجہ سے
حضرت شارح نے لہبیتہ الفعل الاول کی
تشریح میں فرمایا۔ ای جعل الاول سبباً۔ چنانچہ
اس کی تائید علامہ ابن ماجہ نے جو شرح کافیر میں لکھی ہے
اس کی عبارت سے ہوتی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ کلمات مجاز
وہ ہیں جو دو چیزوں پر یعنی دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں
تا کہ فعل اول کو سبب قرار دیا جائے۔ ثانی کیلئے اس
عبارت سے صاف طور سے معلوم ہو گیا کہ علامہ ابن ماجہ
کی مراد یہاں پر سبب کے عام ہے۔ خواہ حقیقی ہو۔ یا
سبب اعتباری۔ نیز اس تقریر سے یہ شبہ بھی دور
ہو گیا کہ بظاہر عبارت کے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ مجازاة
فعل اول کو سبب بناتے ہیں اور فعل ثانی کو مسبب
بناتے ہیں۔ اس شبہ کا حل اس طور سے ہو گیا کہ سبب

فحو و لتأت طائفة أخرى لم یصلوا فلیصلوا ثم لیقضوا ولا التھی
ھی لا المطلوب بہا الترتک ای ترک الفعل وفي بعض النسخ ولا التھی
ضدها ای لا التھی ہی ضد لام الامر وہی التي یطلب بہا ترک
الفعل وہی تدخل علی جمیع انواع المضارع المبنی للفاعل والمفعول
مخاطباً او غائباً او متکلماً وکلمہ المجازاة المذكورة من قبل تدخل
علی الفعلین لسببیتہ الفعل الاول ومسببیتہ الفعل الثانی ای یجعل
الفعل الاول سبباً والثانی مسبباً وفي شرح المقصود وکلمہ المجازاة ما
تدخل علی شیین لتجعل الاول سبباً للثانی ولا شک ان کلمہ المجازاة
لا تجعل الشی سبباً للشی فالمراد یجعلها الشی سبباً ان المتکلم اعتبار

شم کے بعد آنے کی وجہ سے اس لام پر جزم آتا ہے مثلاً "ولتأت طائفة أخرى لم یصلوا
فلیصلوا و ثم لیقضوا۔ اور لائے نہیں وہ ہے کہ اس کے ذریعہ فعل کو چھوڑنا مقصود ہوا
کہتا ہے اور بعض نسخوں میں لائے نہیں کو لام امر کی ضد قرار دیا گیا ہے اور وہ "وہ لام
ہے کہ جس کے ذریعہ ترک فعل مقصود ہوا اور وہ مضارع کی ساری قسموں پر مبنی
الفاعل والمفعول مخاطب یا غائب متکلم پر آتا ہے۔ اور پہلے ذکر کردہ کلمہ مجازات
دو فعلوں پر آتے ہیں اور پہلے فعل کو سبب اور دوسرے کو مسبب سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی پہلا
فعل اس سے قریب تر فعل یعنی ماضی کا سبب ہوگا۔ اور صاحب کتاب کی تشریح یہ ہے کہ
کلمہ مجازات کا آنا دو فعلوں پر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ فعل اول فعل ثانی کا سبب شمار کریں اور
اس میں شبہ نہیں کہ کلمات مجازات کسی چیز کو کسی چیز کا سبب نہیں بناتے پس مقصود سبب
بنانے سے (در اصل) یہ ہے کہ ایک شے کے دوسری شے کے لئے سبب یعنی ملزوم ہونے
کا اعتبار کرتے ہوئے کلمہ مجازات کو اس کی نشان دہی کرنے والا قرار دیا جائے اور اس
سے یہ (مرکز) لازم نہیں آتا کہ پہلا فعل دوسرے فعل کا سبب ہے نہ (یہ ملزوم) خارج کے
اعتبار سے ہے اور نہ ہی ذہنی اعتبار سے بلکہ موزوں یہ ہے کہ حکم ان دونوں کے درمیان ایسی

ہے کہ طلوع شمس سبب حقیقی وجود نہار کا ہے
اور سبب جہلی یا اعتباری وہ ہے کہ جو واقع کے
مخاطب سے تو سبب نہیں ہے مگر مشکل نے اس کو سبب
فرض کیا ہے اور یہ اعتبار کیا کہ یہ شے ظاہر شے
کا سبب ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ شربت قرع
کا ذریعہ ہے۔ فافہم سید جن

مسہ لام الدعاء کی تشریح یہ ہے لام الدعاء
التي یطلب بہا الفعل علی سبیل الخفوع اور لام الاتماس
کا تشریح یہ ہے۔ لام الاتماس یطلب بہا الفعل
علی سبیل التواضع یا سید حسن
عہ سبب حقیقی تو اس سبب کا نام ہے جو
واقع کے لحاظ سے کسی شے کا سبب ہو جیسے کہا
جائے کہ طلوع شمس وجود نہار کا سبب ہے ظاہر

سببیت شئی قبل ملزومیت شئی و جعل کلم المجازاة دالة علیہا
ولا يلزم ان يكون الفعل الاول سببا حقيقيا للثاني لا خارجا ولا
ذهنا ينبغي ان يعتبر المتكلم بينهما نسبة يصح بها ان يوردهما
في صورة السبب والمسبب بل الملزوم واللازم كقولك ان تشمتني
اكرامك فالشتم ليس سببا حقيقيا للاكرام ولا الاكرام سببا حقيقيا
لا ذهنا ولا خارجا لكن المتكلم اعتبر تلك النسبة بينهما اظهارا للمكارم
الاخلاق يعني انه منها يمكن يصير الشتم الذي هو سبب الاهانة
عند الناس سبب الاكرام عندك - ويسميان اي هذان الفعلان اولهما
شرطا لانه شرط لتحقيق الثاني وثانيهما جزاء من حيث انه يبتنى على
الاول ابتناء الجزاء على الفعل فان كانا اي الشرط والجزاء مضارعين

درست نسبت (در ربط) کا اعتبار کرے کہ وہ دونوں شکل سبب و مسبب معلوم ہوں بلکہ رابطہ
دیگر لازم و ملزوم معلوم ہوتے ہوں جیسے تو کہے "ان تشمتني اكرامك" (اگر تو گالی دے گا
میرا بھلا کہے گا) تو میں تیرا اكرام کروں گا) تو شتم "در حقیقت سبب اكرام (ہرگز نہیں
اور اكرام نہ ذہنی اعتبار سے اس کا سبب ہے اور نہ خارجی لحاظ سے۔ لیکن متکلم (بولنے والے)
نے اخلاق عالی کے اظہار کی خاطر ان دونوں کے درمیان نسبت کا اعتبار کر دیا۔ یعنی گالی
جو لوگوں کی نظر میں اس کی اہانت کا سبب ہے اس کے نزدیک اس کے اكرام کا سبب ہے
اور ان دونوں فعلوں میں سے پہلے کو شرط اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے فعل کے تحقق
اور اس کے ثابت ہونے کی شرط ہے اور دوسرے کو جزا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے فعل
پر یوں مبنی ہوا کرتا ہے جیسے کہ جزاء و بدلہ فعل و کام کے اوپر موقوف ہوا کرتا ہے پس شرط

بنیاد اس متکلم کا کام ہے۔ خواہ وہ کسی شے کو نفس ہر
کے مطابق سبب بنائے اور خواہ خلاف نفس الامر ایک
شے کو دوسری شے کے لئے سبب قرار دے دے جیسے کوئی
کہے۔ ان تشمتني اكرامك۔ دیکھو واقعہ کے لحاظ
سے کلامی اكرام کا سبب ہے نہ عقلی ہے نہ عرفی۔
بلکہ شتم سبب اكرام ہے لیکن متکلم نے شتم کو سبب
اكرام اعتبار کر کے کہ دیا۔ ان تشمتني اكرامك۔
متکلم اخلاق کو ظاہر کرنے کے لئے کہ متکلم اس تشدیدی
الطین ہے کہ اگر مخالف اس کو سبب و شتم سے بھی یاد کرے
وہ اس وقت بھی اكرام کا معطر کرے گا۔ ای میں حضرت

نیا ہے جو انہوں نے کافیہ علامہ ابن ماجہ کی شرح

میں نقل فرمائی ہے۔ تقریر تحقیق یہ ہے کہ علامہ نے یہاں
کافیہ کے قول بسببیت الفعل الاول الخ کی شرح میں
درا تے ہیں۔ لفظ سببیت سے مراد یہاں محض توصل و
تعلق ہے۔ اعتقاد متکلم میں خواہ وہ توصل و تعلق
محض فرض اور ادعا ہی ہو۔ لہذا مال اس سببیت
کا لازمہ ادعا ہے۔ ہذا شرط عند النحاة ملزوم ہے
اور جزا لازم ہے تو اس تحقیق سے یہ شبہ باقی نہیں رہتا
کہ آیت کریمہ ما یبکم من نعمۃ فہی اللہ وغیرہ
میں تو علاقہ سببیت مفقود ہے۔ باوجودیکہ ما شرطیہ
ہے کیونکہ اس تحقیق کے مطابق توصل و تعلق شرط
و جزا میں کافی ہے جو کہ لازم و ملزوم میں ہوتا ہے تو مبنی
آیت اس طرح ہیں ای شئی الفعل بکم من نعمۃ فہی
اللہ۔ گو یہ علاقہ لازم و ملزوم بھی درمیان شرط و جزا
کے اکثر یہ ہے۔ مگر کلام اکثر حکم اسکل کے مطابق اس کو ضابطہ
بنانا رائج ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی نے مطول میں فرمایا
کہ شرط نحوئی اکثر ملزوم اور جزا لازم ہوتی ہے (فتاویٰ)

۹۱ قولہ۔ ویسمیان ای هذان
افعلان رالی قولہ) ابتناء الجزاء علی الفعل
مربوط بات یہ ہے کہ فعل اول کو شرط باس مبنی کہتے ہیں کہ
وہ علامت سے تحقق فعل ثانی کی اور شرط بمعنی مایوقوف
علیہ وجود الشئی یہاں پر مراد نہیں کیونکہ شرط سے علم
نحو میں مراد یہ ہے کہ کسی مضمون جملہ کا حصول دوسرے مضمون
جملہ کے حصول کے وقت ہو۔ جیسے ان تشمتني اكرامك
کے معنی یہ ہیں کہ تشمتني کے مضمون جملہ کا حصول اكرامك کے
مضمون جملہ کے حصول کے وقت ہوگا اور یہ معنی ہرگز مراد
نہیں کہ شتم کے وجود پر ضرب کا وجود موقوف ہے اور فعل
ثانی کو جزا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ فعل اول پر اس طرح مبنی
ہے جس طرح کہ جزا بمعنی بدلہ کسی فعل یا مبنی کام پر پہلے ہے۔

۹۲ قولہ۔ فان كان ای الشرط مع
صلاحیۃ المحل۔ یہاں سے ان فعلوں کی تفصیل
ذکر فرماتے ہیں۔ جو کہ شرط اور جزا ہوتے ہیں اور ان کے احکام
کا مفصل بیان فرماتے ہیں اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ
اگر شرط و جزا دونوں مضارع ہوں جیسے ان تشمتني
اكرامك تو جزوم دونوں فعلوں پر ناہیب اور ضروری ہے اور
عہدہ ماخذ اس تمام مضمون کا محرم انذہب

اگر صرف شرط ہی مضارع ہو جیسے ان تذر فی نقد
زیر تکرار۔ تب بھی مضارع پر جزم بنا واجب ہے۔ جزم
کے وجہ کی وجہ یہ ہے کہ ان حرف شرط جو عامل ہے
داخل ہے۔ لہذا اس کا عمل یعنی جزم کا اثر ضروری ہے
۹۸ قولہ۔ وان کان الثانی رالی قولہ

زید ماتہ واتیہ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر صرف فعل
ثانی یعنی جزم مضارع ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں
اول جزم پڑھنا اس لئے ادا ت شرط جازمہ اس پر
داخل ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ادا ت شرط کا اس سے
تعلق ضعیف ہے۔ دوم مضارع کا مفعول پڑھنا اس
لئے یہاں پر ادا ت للشرط عامل جزم اور اس کے معمول میں
فعل بغیر معمول ہے۔ لہذا عامل کا تعلق میں فصل کی
وجہ سے ضعیف ہو گیا۔ عمل نہ کرے گا مضارع مفعول ہی ہے
مثال اول ان اتانی زید اتہ دیکھو اتہ
مضارع متکلم جزا ہے اور شرط فعل ماضی ہے
مگر ہم نے ان کو عامل قرار دیکر حسب ضابطہ ناقص
کے یائی کو بجز جزم کے حرف کیا آیت سے آتہ ہو گیا
مثال ثانی ان اتانی زید اتیہ اس میں ہم نے
ان کو عامل نہیں قرار دیا اس لحاظ و اعتبار سے کہ
فعل ماضی عامل معمول کے درمیان عامل ہے اور
فعل ماضی ان حرف شرط کا معمول بھی نہیں ہے اس
لئے ماضی ان کے عمل یعنی جزم کو نہ لفظ قبول کرتا
ہے نہ تقدیر اس لئے ہم نے ان کو مضارع پر
عامل نہیں قرار دیا اور مضارع ناقص یائی میں یائی
کو بدستور رکھا۔

۹۹ واذا کان الجزاء رالی قولہ

الدخل الفانیہ یہاں سے جزا پر نا جزائیہ کے داخل
ہونے کا ذکر فرماتے ہیں کہ کن مواقع میں نائے جزائیہ
لانا جائز ہے اور کن صورتوں میں واجب ہے اور کن
حالات میں ممنوع ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ نا جزائیہ
کالانا اس وقت نا جائز ہے کہ جب فعل ماضی بغیر
کے جزا واقع ہو۔ ماضی سے مراد وہ عام ہے خواہ لفظ
ومعنی کے اعتبار سے ماضی ہو جیسے ان خرجت خوجت
اور خواہ صوف معنی کے لحاظ سے ماضی ہو جیسے ان
خوجت لخواخرج یہ مراد کلام اس وقت ہو گی جب کہ

نحو ان تذر فی از رک او الاول فقط مضارعاً نحو ان تذر فی نقد
فالجزم واجب فی المضارع لدخول الجازم وهو ان او ما يتضمنها
صلاحیۃ المصل وان کان الثانی مضارعاً فالوجہان ای ففیہ الوجہان
الجزم لتعلقہ بالجازم وهو اداة الشرط والرفع لضعف التعلق
لحیلولة الماضی والفصل بغیر المعمول نحو ان اتانی زید اتہ و
اتیہ واذا کان الجزاء ماضیاً بغیر قد لفظاً تفصیل للماضی نحو ان

وجزاء دونوں مضارع واقع ہو رہے ہوں مثلاً (کہا جائے) ان تذر فی از رک یا محض ہل
فعل مضارع (واقع) ہو مثلاً "ان تذر فی نقد زک" تو جازم کے آنے کی وجہ سے
مضارع پر جزم لا نا لازم ہو گا۔ اور جزم کے لازم ہونے کا سبب خود ان یا جو اس کے
معنی کو شامل ہو محل کی صلاحیت کے ساتھ آرہا ہے اور دوسرے فعل کے مضارع
واقع ہونے کی صورت میں دو شکلیں ہوں گی (یا تو) جازم سے تعلق کے باعث اس
پر جزم آئے گا اور وہ جزم دینے والے حروف شرط ہیں (اور) یا ماضی اور معمول کے
علاوہ کے فصل اور عامل ہونے (اور) تعلق کے ضعف کے باعث اس پر رفع آئے گا۔
مثلاً (کہا جائے) دو ان اتانی زید اتہ واتیہ۔ اور اگر ماضی بلا قدر اندرون الفاظ جزم میں
رہا ہو (تو جزائیہ فالانے کو درست قرار نہ دیں گے) ماضی کی تفصیل کرتے ہوئے مثلاً

عبارت لفظاً اور معنی ماضی کی تفصیل کے لئے ہر اور
مکن ہے کہ یہ عبارت لفظاً اور معنی قدر کی تفصیل ہو
تو اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ خواہ کمرہ لفظوں میں
موجود ہو جیسے آیت کریمہ ان یسرق فقد سرق
اغ لک من قبل اس میں قدر جزا فعل ماضی
قد کے ساتھ ہے یا کمرہ قد معنی ہو جیسے ان کان

۱۰۰ ایک شبہ ان تذر فی از رک میں بھی چاہئے کہ
جزا پر جزم نہ ہو کیونکہ ان عامل اور اس کے معمول
جزا میں شرط تذر فی عامل وناصل ہے جواب یہ ہے
کہ مطلقاً فصل عمل کے لئے مانع نہیں بلکہ ایسا کوئی
ناصل ہو جو اس عامل کا معمول نہ ہو جیسے ان اتانی
زید اتیہ میں ان عامل اور اس کے معمول جزا میں
فعل ماضی اتانی عامل ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی نہ
لفظاً مجزوم ہو سکتا ہے نہ تقدیراً کیونکہ وہ ماضی اصل
ہے اور ان تذر فی از رک میں شرط تذر فی بھی ان
کا معمول ہے جزا کی طرح۔ لہذا اس کا فصل عمل

کیلئے مانع نہیں ۱۱ اسید حسن معنی غنہ
عہ (ترجمہ آیت) اگر اس نے چرایا تو چوری
کی معنی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے
سورہ یوسف (۱۲) یہ قصہ یوسف کی ایک آیت
ہے۔ اور یہ قول ہے یوسف کے بھائیوں کا کہ جب
بنیامین کے غلہ میں سے بہانہ شاہی نکلا تھا
ان کے قول کا یہ ہے کہ بنیامین کے بھائی حقیقی
یعنی یوسف نے بھی چوری کی تھی تو مکن ہے کہ اس
نے بھی چوری کی ہو انتہی حضرت یوسف اور
حضرت بنیامین دونوں چوری کرنے سے بالکل
بری اور پاک تھے لیکن حضرت یوسف پر بھی چوری
میں چوری کی تہمت لگی تھی اور ایسا واقعہ بنیامین
کو پیش آیا پوری تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ہے
۱۲ اسید حسن
عہ اگر کرتا اس کا پٹا ہے آگے سے تو
عورت بچی ہے (سورہ یوسف) یہ قصہ یوسف

خرجت خرجت او معنی نحو ان خرجت لم يخرج ويحتمل ان يكون
تفصيلاً لقداي لم يكثرن بقدر سواء كان قد ملفوظاً كقوله تعالى
ان يسرق فقد سرق اخ له من قبل او معنواً مقدراً كقوله تعالى
ان كان قميصة قد من قبل فصدقت اي فقد صدقت لم تجز
الفاء في الجزاء لتحقيق تأثير حرف الشرط فيه لقلب معناه الى
الاستقبال فاستغنوا فيه عن الرباط كقوله ان اكرمتني اكرمتك
وان اكرمتني لم اكرمتك وانما قال بغیر قد ليخرج عنه الماضي المحقق
الذي لا يستقيم ان يكون للشرط تأثير فيه كقولك ان اكرمتني اليوم
فقد اكرمتك امس لوجوب دخول الفاء فيه - وان كان اي الجزاء

ان خرجت خرجت یا باعتبار معنی تفصیل ماضی ہو رہی ہو مثلاً لا ان خرجت لم اخرج
اور اس کا احتمال ہے کہ یہ تعریف تفصیل قد کے لئے ہو یعنی قد ان کے ساتھ نہ آیا ہو چاہے
قد اندرون الفاظ آ رہا ہو مثلاً ارشاد ربانی ان يسرق فقد سرق اخ له من قبل یا پوشیدہ
ہو (اور) باعتبار معنی ہو مثلاً ارشاد ربانی ان كان قميصة قد من قبل فصدقت اي
فقد صدقت ان جگہوں میں یہ درست نہیں کہ قاضیہ لائی جائے کیونکہ یہاں حرف
شرط کی تاثیر اس کے معنی کو معنی استقبال میں بدلنے میں ثابت ہے لہذا بشرط وجزا کے
درمیان ربط پیدا کرنے والے (حرف) کی احتیاج باقی نہ رہی مثلاً یہ قول ان اكرمتني
اكرمتك وہ ان اكرمتني لم اكرمتك اور بلا قد کے کہنے کا سبب یہ ہے تاکہ اس سے وہ
ماضی نکل جائے جس میں حرف شرط کی تاثیر برقرار نہ رہی ہو مثلاً تیرا قول ان اكرمتني

قیصہ قد من قبل فصدقت اس میں وقت
فعل ماضی جزاء ہے اور قد یہاں پر ماضی مقدم ہے
اور اس میں فقد صدقت ہے بہر حال مقصد
کلام تو یہ ہے کہ جب جزاء فعل ماضی بغیر قد کے ہو
تو قاضیہ جزاء پر لا ناجائز اور فعل ماضی بھی عام ہے خواہ
وہ ماضی لفظاً اور معنی دونوں ہو اور خواہ صرف
معنی ہو اور بغیر قد بھی عام ہے خواہ قد لفظاً ہو یا تقدیر
ہو ان موقوفوں میں ناجز ایضاً کالانا اس لئے ناجائز
ہے کہ نا جزایہ والبطہ پیدا کرنے کے لئے درمیان
شرط و جزاء کے استعمال ہوتا ہے تو جہاں پر رابطہ
قویہ موجود ہو گا وہاں پر نا کالانا درست نہ
ہوگا۔ تو ماضی بغیر قد میں چونکہ حرف شرط نے

پر حرف شرط کا کوئی ایسا اثر نہ ہو گا جو رابطہ سے
مستثنی بنائے۔ بنا بریں ماضی محقق یعنی مقرون
بقدر پر نا کا داخل کرنا ضروری ہے جیسے ان
اكرمتني اليوم من قبل اكرمتك امس
کی قید سے صراحت ہو گئی کہ یہاں پر ماضی ماضی
مراد ہیں جس طرح الیوم کی قید سے اس امر کی صراحت
ہے کہ معنی حال سے شرط کا تعلق ہے تو جب
ان حرف شرط کی تاثیر جزاء میں مستحق نہ ہوئی
تو اس میں نا کا داخل کرنا رابطہ کی غرض سے
ضروری ہو گیا۔

۹۶ قولہ وان كان اي الجزاء الى قوله
فَيَسْتَقِرُّ اللَّهُ مِنْهُ خلاصہ کلام یہ ہے
کہ اگر جزاء مضارع مثبت ہو یا مضارع منفی
بحرف لام ہو تو اس وقت دو صورتیں جائز ہیں
اول نا کا جزاء پر لانا اور دوسرے جزاء پر نا کا نہ
لانا جیسے ان تشاب اشباب وان تاكل السمك
فما حل ان تقواء لا تشاب دان ولا تكفا
فلا تهلک قرآن کریم میں اس کی مثال
موجود ہے کما فی قوله تعالى ان يكن منك رالف
يفعلوا الفین اس میں جزاء یفعلوا مضارع

علیہ السلام کا ایک مکرر اس آیت میں ہے مطلب
یہ ہے کہ جب زمینجانی نے حضرت یوسفؑ پر بہمت
بدی کی لگائی تو ایک مرد دانائے بالطور معجزہ
کے ایک شیر خوار بچے نے گویا ہو کر کہا کہ اگر کرتے ہو
کا آگے سے پھٹا ہے تو بیشک عورت ہی سچی ہے
اور اگر کرتے پیچھے سے پھٹا ہے تو حضرت یوسفؑ
سچے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت ظاہر فرمائی
کیونکہ زمینجانی نے دوزخ کرتے پیچھے سے پکڑا پھٹا
اور حضرت یوسف علیہ السلام اس سے بھاگ گئے
تھے اس کشمکش میں پیچھے سے کرتے پھٹ گیا تھا
(پوری تحقیق و تفصیل تفسیر ابن کثیر و بیان القرآن میں
ہے) اسید حسن

عہ (ترجمہ) تم میں سے ہزار آدمی ہوں گے تو
غالب آدمی گے و نہر پر پڑھتی مراد یہ ہے کہ ایک

سے متعلق تھے حرف شرط کے دخل سے قبل ابتدا
حرف شرط نے کوئی تغیر نہ کیا اور جملہ استغناء میں یہ
اس لئے حرف شوا کا اثر ظاہر نہ ہوا کہ وہ بوجہ
استغناء کے اپنی حالت پر قائم رہتا ہے استقبال
نہ از مسلمان ہوں تو خداوند تعالیٰ اُن کو درہزار کا فرد
پر غلبہ عطا فرمائیں گے ۱۲ منہ
ع ۱۲ ترجمہ جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا
روحِ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا ۱۲ منہ
ع ۱۳ الا اصل میں اِن لایے فون کلام سے
بدل کر اذعام کیلا آ ہوا اور یہی تعلیل اس نایت میں
ہے اِلَّا تنصھا د کا یہ سید من مضمیٰ منہ

بقدر لفظا كما تقول ان اكر متنى اليوم فقد اكر متك امس وتقدير
كما تقول ان اكر متنى اليوم فاكر متك امس بتقدير فاقد اكر متك
وعلى كل تقدير لا تأثير لحرف الشوط في الماضى فاحتاج الى رابطة
لفاء واما جملة اسمية او امر او نهى او دعاء واستفهام او مضارع
منفى بما ولام اولن الى غير ذلك كالتمنى والعرض وفي جميع هذه
المواضع لا تأثير لحرف الشوط في الجزاء فاحتاج الى الفاء .

وتجى اذا التى للمفاجاة مع الجملة الاسمية التى وقعت جزاء
موضع الفاء لان معناها قريب من معنى الفاء لانها تبنى عن

صورت میں یا تو ماضی ہوگی اس قدر کے ساتھ جو لفظوں میں ہو جیسے تو کہے گا ان اکر متنى
اليوم فقد اكر متك امس " یا قد پوشیدہ ہوگا جیسے تو کہے گا " ان اكر متنى اليوم فاكر متك امس
فقد اكر متك پوشیدہ مان کر اور بہر تقدیر حرف شرط ماضی میں اثر انداز نہ ہوگا۔ لہذا فاء
کے رابطہ کی احتیاج ہوگی۔ اور یہ ہے جملہ اسمیہ یا امر یا نہی یا دعایا استفہام یا مضارع جو
ما یا لم یا لن وغیرہ کے ساتھ منفی ہو جیسے تمنى وعرض اور ان تمام جگہوں میں حرف شرط
جو میں اثر انداز نہ ہوگا لہذا فاء کے لانے کی احتیاج ہوگی۔ اور اذا مفاجاة کے لئے جملہ
اسمیہ کے اوپر داخل محتاج اور فائے جزائیہ کے قائم مقام ہوتا ہے اس لئے کہ اس اذا کے

کے معنی بھی یہی ہیں کہ ایک شے کے بعد دوسری
شے پیدا ہو جائے تو ثابت ہوا کہ اذا مفاجاتیہ
اور فاء تعقیبہ دونوں ایک معنی کا فائدہ دیتے ہیں

فائدہ قیود

اذا مفاجاتیہ ہونے کی قید اس لئے زائد کی کہ
اذا شرطیہ جملہ فعلیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اذا
مفاجاتیہ جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور اذا مفاجاتیہ
جملہ اسمیہ کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ جو اذا شرطیہ
ہو اور جو اذا مفاجاتیہ ہو ان میں فرق کرنا ضروری تھا
تو صورت فرق کرنے کی یہ قرار دی گئی کہ اذا شرطیہ
کو جملہ فعلیہ کے ساتھ خاص کیا اور اذا مفاجاتیہ پر جو
جزاء و جزائیہ آتا ہے اس کو جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص کیا
گیا۔ مثلاً قرآن شریف کی آیت ہر صدمۃ ان تصیہم
سینۃ بما قدمت لہم اذا ہر
یقنطون دیکھو اس آیت میں ہر یقنطون
جملہ اسمیہ جزائیہ ہے اور جزائیہ کے اذا
مفاجاتیہ لگا ہوا ہے۔

عہدہ ترجمہ آیت، اگر سوچے کافروں کو کوئی
تکلیف ہو جو ان کے اعمال کے کہ ان کے طمعوں
نے پہلے کئے ہیں پس وہ حق تعالیٰ کی رحمت نا امید
ہو جاتے ہیں۔ انتہی حق تعالیٰ نے کافروں کی ایک
خصیلت شیوہ اس آیت میں ذکر فرمائی کہ وہ جب مصیبت
آتی ہے تو حق تعالیٰ سے نا امید ہوتے ہیں۔ اور
مسلمان خواہ کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ سے نا امید
نہیں ہوتا ۱۲ امید حسن معنی غف

مضارع منفی ملن کے برابر قرار دینا کہ جہاں پر
فائدہ جزائیہ کا لانا ضروری ہے کس طرح درست
ہو سکتا ہے۔

۹۸۔ تجى اذا التى للمفاجاة رالى قوله
ای نہر یقنطون خلاصہ کلام یہ ہے کہ سہل کے
فائدہ جزائیہ کے جملہ اسمیہ پر اذا بمعنی مفاجاة بھی استعمال
ہوتا ہے لیکن فاء کا استعمال بہ نسبت اذا کے زائد
ہے۔ اذا مفاجاتیہ فائدہ جزائیہ کی جگہ اس لئے استعمال
ہوتا ہے کہ اس کے معنی فائدہ جزائیہ کے معنی سے
بہت زیادہ قریب ہیں کیونکہ اذا کا استعمال
اس غرض سے ہے کہ اطلاع دی جائے کہ ایک
شے دوسری شے کے بعد پیدا ہوگی جیسے خرجت
فاذا السبع کے معنی ہیں حدث حضور
سبع بعد خروجی اور یہی معنی فاء تعقیبہ میں
ہیں جو کہ جزاء پر داخل ہوتی ہے کیونکہ تعقیب

کی طرف مائل ہونے کے لائق نہیں اور مضارع منفی
جہاں اس لئے اثر ظاہر نہیں ہوا کہ تا نافیہ جب مضارع
پر داخل ہوتا ہے تو زمانہ حال سے مضارع خاص
ہو جاتا ہے تو حرف شرط کے داخل ہونے کے
بعد بھی زمانہ حال سے متعلق ہے گا اور جملہ اسمیہ کو
عوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے تو اس پر حرف
شرط کے داخلہ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوتا لہذا
اس پر فائدہ جزائیہ کا لانا ضروری ہے۔

تعبیہ ۱۔ حضرت شارح کی عبارت اور مضارع
منفی بما اولن میں لفظ کم کا اندراج
بالکل غلط ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ تعصیف کا ت
ہے چنانچہ بعض نسخہائے شرح جامی میں لفظ لم
موجود نہیں۔ وجہ غلط ہونے کی یہ ہے کہ جب مضارع
منفی ظم ہو تو وہ حکم میں ماضی بغیر قد کے ہے کہ
میں پر فائدہ جزائیہ کا داخل ہونا ناجائز ہے تو اس کو

۹۹ قولہ وان التي ينجز مردوعی قوله
هذا الاشياء مجزوماً بها حسب جزاء کے مسائل
کامفصل بیان ہو چکا تو اب ان مواقع کا ذکر
فرماتے ہیں جہاں پر ان مقدر ہوتا ہے خلاصہ
نام یہ ہے کہ جملہ انشائیہ کی پانچ قسموں میں
سے اگر کوئی قسم فعل مضارع سے پہلے واقع ہو تو
اس وقت فعل مضارع مع ان شرطیہ کے مقدر
مانا جائے گا اور ان کی وجہ سے وہ فعل مضارع
مجزوم ہوگا۔ جملہ انشائیہ کی وہ پانچ قسمیں یہ ہیں۔
اثر نہی، جملہ استفہامیہ، یعنی عرض۔ اس تقدیر
ان کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مضارع ان جملوں
میں سے کسی ایک کے بعد واقع ہو اس قابل ہو
کہ وہ سبب ہو سکے اپنے ماقبل کے لئے اور ماقبل
کا جملہ اس مضارع کے لئے سبب بن سکے تو جب
یہ دونوں شرطیں متحقق ہوں گی اس وقت ان شرطیہ
مع فعل مضارع کے مقدر مانا جائیگا اور وہ فعل
مضارع ماقبل کے مضمون سے مستفاد ہوگا اور جو
فعل مضارع کلام میں پہلے سے موجود ہے اس کو
بھی ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم دیا جائے گا۔
اور شرط مقدرہ کے لئے اس کو جزا قرار دیا جائے گا
امثال ان صورتوں کی حسب ذیل ہیں:-

مثال امر زہنی انکو ملک اصل میں
ان تزدنی اگر ملک ہے تو جملہ شرطیہ کو جواب امر
یعنی زہنی قرار دیا جائے گا۔ و فی القرآن مثلاً
اذکروانی اذکر کہ اصل میں ان تذکرونی
اذکر کہ ہے۔ مثال نہی لا تفعل الشریکین
خیر الیک اصل میں ان لا تفعلہ یکن خیر الیک
یہ مثال استفہام حل عندکم ماء اشربہ
اصل میں ان یکن عندکم ماء اشربہ ہے
مثال تمنی لیت لی مالا نفقہ اصل میں ان یکن
لی مال نفقہ ہے مثال عرض الا تنزل
بنا تصب خیراً اصل میں ان تنزل تصب
خیراً ہے

حدوث امر بعد امر ففیہا معنی الفاء التعقیبۃ ولكن الفاء
وانما اشترط اسمیة الجملة الجزائیة لاختصاصها بها لان اذا
الشرطیة مختصة بالفعلیة فاختصت هذه بالاسمیة فوقایف
کقولہ تعالیٰ وان تصبہم سیئة بما قدمت ایدیہم اذا
یقنطون ۹۹ وان التي ينجز مردوعی قوله
كانت مقدرة بعد الا مر نحو زنی اگر ملک ای ان تزدنی اگر ملک
والتمی نحو لا تفعل الشریکین خیر الیک ای ان لا تفعلہ یکن خیر
الیک والا استفہام نحو هل عندکم ماء اشربہ لان المعنی ان یکن
عندکم ماء اشربہ والتمنی نحو لیت لی مالا نفقہ لان المعنی ان
یکن لی مال نفقہ والعرض نحو الا تنزل تصب خیراً ای ان تنزل
تصب خیراً اذا كان المضارع الواقع بعد هذه الاشياء الخمسة
صالحاً لان یكون سبباً لما تقدم وقصد السببۃ ما تقدم له فج

معنی قل کے معنی ہی جیسے (اور اس کے معنی کے قریب قریب) ہو کرتے ہیں کیونکہ اس کی رو سے
ایک امر کے بعد دوسرے امر کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع کی غرض سے ہوتی ہے اور
بعینہ اسی طرح کے معنی فائے تعقیبہ کے ہوتے ہیں لیکن فابیشتر آتی ہے۔ اور اذا
مفاجاتیہ کے اندر جملہ اسمیہ جزائیہ اسے اس واسطے مقید کیا گیا کہ وہ اسی کے ساتھ
مخصوص ہے وجہ یہ ہے کہ اذا شرطیہ کا اختصاص جملہ فعلیہ کے ساتھ ہے تو دونوں میں
فرق ظاہر کرنے کی خاطر اسے جملہ اسمیہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے
وان تصبہم سیئة بما قدمت ایدیہم اذا هم یقنطون "اے فہم یقنطون۔ اور ان
اس کی وجہ سے مضارع پر حزم آتا ہے اس حال میں کہ وہ پوشیدہ ہو۔ تو ان امر
کے بعد پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً (کہا جائے) "زدنی اگر ملک اسے تزدنی اگر ملک" اور
کے بعد پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً "لا تفعل الشریکین خیر الیک ای ان لا تفعلہ یکن
خیر الیک اور استفہام کے بعد پوشیدہ ہوتا ہے۔ مثلاً "هل عندکم ماء اشربہ" اس کے
اس کے معنی ہیں کہ اگر تمہارا پاس پانی موجود ہو تو میں اسے پوں گا۔ اور تمنی کے بعد
پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً "لیت لی مالا نفقہ" اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں "اگر میں
لئے مال ہو تو میں اسے خرچہ کروں" اور عرض کے بعد پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً "ولا تنزل
تصب خیراً" یعنی اگر تو اترے تو حیر (و بھلائی) کو پہونچے۔ جب مضارع ان پانچ
بعد آئے گا تو اس میں اپنے سے پہلے کا سبب بننے کی صلاحیت ہوگی۔ اور سبب

تقدیران مع المضارع یؤخذ مما تقدم ویجعل المضارع الواقع بعد هذه الاشياء مجزوماً بها۔ ^{تلق} وانما اختص تقدیران بما بعد هذه الاشياء لانها تدل علی الطلب والطلب غالباً یتعلق بمطلوب یترتب علیہ فائدة یكون ذلك المطلوب سبباً لها وهي سببة له فاذا كان المضارع الواقع بعد تلك الفائدة وقصد سببية الفعل المطلوب بتلك الاشياء لها قدران مع ذلك الفعل ویجعل المضارع الواقع بعد هذا جزءاً فیجزم بها ^{تلق} نحو اسلم تدخل الجنة فان المطلوب باسم هو الاسلام هو المطلوب فاندته دخول الجنة فهو سبب لها وقصد اداء تلك السببية فقد ران مع الفعل الماخوذ من اسلم وجعل تدخل الجنة جزءاً له فقیل ان تسلم تدخل

ما تقدم سے مقصود وہ سببیت ہے کہ ان مع مضارع پوشیدہ ہوگا اور ان پانچ کے بعد آنے والا مضارع مجزوم ہوگا۔ اور ان کے ان پانچ کے بعد پوشیدہ ماننے کی تخصیص اس واسطے کی گئی کہ وہ طلب پر نشان دہی کرتا ہے اور طلب بیشتر مطلوب سے متعلق ہوتی ہے کہ اس پر یہ فائدہ مرتب ہوتا ہے کہ یہ مطلوب اس کا سبب اور وہ اس کیلئے سبب بن جائے۔ پس جب مضارع اس فائدہ کے بعد آئے اور ان اشیا کے ذریعہ جن کے بعد ان مع مضارع پوشیدہ ہوتا ہے فعل مطلوب کی سببیت کا ارادہ کیا جائے اور مضارع اس کے بعد جزا واقع ہو رہا ہو تو وہ مجزوم ہوگا۔ مثلاً (کہا جائے) "اسلم تدخل الجنة" اس لئے اسلم کے ذریعہ (در اصل) طلب اسلام ہے (اور) اس مطلوب کا نفع داخلہ بہشت ہے پس وہ اس کا سبب ہے اور اس سببیت کی ادائیگی کے ارادہ کے باعث فعل مضارع سمیت جو کہ اسلم سے ماخوذ ہے پوشیدہ تسلیم کیا گیا ہے اور "تدخل الجنة" کو

عہ اکثر کی قید اس لئے ہے کہ کبھی طلب کا مفعول ایسے مطلوب ہوتا ہے جو کہ خود ہی مقصود بالذات ہوتا ہے عہ تقدیران مع فعل مضارع کی وجہ جو حضرت شام نے ذکر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مفعول امر، تمہی، استفہام، تمہی، عرض میں سے کسی کے بعد واقع ہو اور وہ مضارع سبب ہو اور یا قبل جملہ سبب ہو اس وقت میں ان شرطیہ مع فعل مضارع کے مقدر مانا جائے گا۔ کیونکہ پانچوں اقسام جملہ انشائیہ کے طلب کیلئے وضع کئے گئے ہیں اور طلب مقصود

تلق قوله وانما اختص تقدیران رالی قولہ) جزاء فینجز مر بها خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان کی تقدیر کے لئے ان پانچ قسم کے جملہ انشائیہ کے بعد مضارع کا واقع ہونا اس لئے شرط کیا گیا ہے کہ یہ پانچوں قسم کے جملے طلب پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ امر طلب فعل کے لئے ہے اور نہی طلب ترک فعل کے لئے اور استفہام اصل وضع میں طلب علم شے کے لئے اور تمہی و عرض طلب وقوع کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور اکثر طلب کا تعلق ایسے مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے کہ جس پر کوئی ایسا فائدہ مرتب ہو کہ یہ مطلوب اس فائدہ کے لئے سبب ہو اور وہ فائدہ اس مطلوب کا سبب ہو جیسے کہ ذرا فی الکوملث میں طلب کا تعلق زیارۃ سے ہے تو زیارۃ مطلوب ہے اور اکرام فائدہ مطلوب ہے تو زیارۃ مطلوب سبب ہے اور اکرام جو کہ فائدہ مطلوب وہ ہے سبب ہے لہذا جو مضارع ان پانچ جملوں کے بعد واقع ہوگا وہ اس کا جو ان چیزوں سے مطلوب ہے فائدہ بن جائے گا۔ اور فعل مطلوب کو ان اشیا کے لئے سبب بھی قرار دیا جائے تب فعل مضارع مع ان مقدر مانا جائے گا اور جو مضارع لفظوں میں موجود تھا اس کو بھی ان مقدر سے مجزوم قرار دیں گے اور شرط مقدر کی جزاء بنادیں گے جیسا کہ اشلہ مذکورہ سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔

تلق نحو اسلم تدخل الجنة دانی واد

ان تسلم تدخل الجنة مراد کلام ہے اس لئے کہ ہم ان جملوں کے بن فعل مضارع مع ان شرطیہ محذوف مانتے ہیں اور فعل مضارع مذکور کو جزا دیتے ہیں جو باعتبار معنی کے فائدہ مطلوب ہے جیسے اسلم تدخل الجنة یہاں پر تین چیزیں ہوتی چاہیں جن میں دو تو موجود ہیں اور ایک محذوف۔ اول فعل طلب وہ اسلم ہے دوسرے مطلوب وہ ان تسلم مقدر ہے۔ تیسرے مطلوب کا فائدہ وہ تدخل الجنة ہے۔ ہذا توضیح الکلام بعون الملک العلام وهو اظم بما فی الصدور ۱۲ سید حسن

کوئی مطلوب ہوتا ہے اور کوئی شے مطلوب ہو کہ کسی غرض اور فائدہ کے ہوتی ہے لہذا طلب کے بعد ایک مطلوب ہوگا اور اس مطلوب کا فائدہ اور غرض تو امر وغیرہ تو فعل طلب میں اور جو مضارع ان کے بعد مذکور ہوتا ہے وہ مطلوب کا فائدہ ہوتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ ہم مطلوب کو مقدر مانیں کہ جس پر یہ فائدہ مرتب ہے اور اس مطلوب کا سمجھنا فعل طلب سے ہوتا ہے اور بغیر ان شرطیہ کے مطلوب اور اس کے فائدہ میں ملاکہ سببیت کا اظہار نہیں ہو سکتا

الجنة ونحو لا تکفرتدخل الجنة ای ان لا تکفرتدخل الجنة لان النهی
قرینه الفعل المنفی لا المثبت ولهذا امتنع لا تکفرتدخل النار
عند الجمهور خلافاً للکسائی فانه لا یمتنع ذلك عند فامتناعه
عند الجمهور لان التقدير علی ما عرفت ان لا تکفرتدخل النار
وهو ظاهر الفساد واما عدم امتناعه عند الکسائی فلانه یقول
معناه بحسب العرف ان تکفرتدخل النار فالعرف فی هذا المواضع
قرینه الشرط المثبت والعرف قرینه قویه هذا اذا قصد السببية

اس کی جزا قرار دیا لہذا کہا جاتا ہے "ان تسلّم تدخل الجنة" (اگر تو قبول اسلام کرے گا
تو داخل بہشت ہوگا) اور مثلاً "لا تکفرتدخل الجنة" یعنی اگر تجھ سے کفر سرزد نہ ہوگا
تو داخل بہشت ہوگا کیونکہ نہی سے فعل منفی کے وجود کی نشان دہی ہوتی ہے فعل
مثبت کی نہیں اسی بنا پر اکثر نحویوں کے نزدیک "لا تکفرتدخل النار" کہنا ممنوع ہے۔
(مشہور نحوی) امام کسائی کا اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اس طرح کہنا ممنوع
نہیں اس لئے کہ اکثر نحویوں کے نزدیک ان پوشیدہ مان کر (جیسا کہ تو نے پہچانا) پورا
جملہ "ان لا تکفرتدخل النار" ہوگا اور اس کا فاسد ہونا عیاں ہے اور امام کسائی
کے نزدیک ممنوع نہ ہونا تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ عرف کے اعتبار سے اس کے معنی
ہوں گے "ان تکفرتدخل النار" (اگر تو نے کفر کا ارتکاب کیا تو جہنم میں جائے گا) اور
عرف ان جگہوں میں شرط کے مثبت ہونے کی نشان دہی کرتا ہے اور عرف (بہر صورت)
قوی (اور قابل التفات و عمل) قرینہ ہوتا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس سے

قرینوں میں تعارض واقع ہوا تو قرینہ قویہ کو راجح
کیا جائے اور عرف قرینہ قویہ ہے اسی وجہ سے
ہم قرینہ عرف کی رعایت کر کے فعل مثبت مقدر
قرار دینگے اور لا تکفرتدخل النار کو صحیح المراد
بنائیں گے۔ اور جمہور نحاة قرینہ لفظیہ میں یعنی
فعل نہی کی رعایت ضروری خیال فرماتے ہیں اور
اس وجہ سے مثل لا تکفرتدخل النار کو ممتنع
بتاتے ہیں۔

قلہ قوله هذا اذا قصد السببية (الی
ولہ) امری بحسب بقدر خلاصہ کلام
یہ ہے کہ مضامین کو مجزوم قرار دینا ان مقدرہ
سے جب ہوگا کہ سببیت کا قصد ہو جس کی تفصیل

منفی کا ہے نہ مثبت کا اور یہ ظاہر ہے کہ عدم
کفر مطلوب کا فائدہ دخول نار نہیں ہو سکتا بلکہ
دخول جنت ہے لہذا لا تکفرتدخل النار
کی ترکیب عبارت لا تکفرتدخل النار
تدخل النار ہوگی اور یہ اظہر من الشمس ہے
کہ اسکے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے علامہ
کسائی رحمہ اللہ اس قسم کی ترکیب کو جائز قرار دیتے ہیں
اور فعل نہی کے بعد مضامین مثبت مقدر ملتے
ہیں تو مثال مذکورہ کی تقدیر اس طرح کرتے ہیں
مذہب کسائی کی دلیل یہ ہے کہ جیسے قرینہ تقدیر
فعل منفی کے لئے فعل نہی ہے اسی طرح عرف
شرعیہ قرینہ فعل مثبت کا ہے تو جب دو

ان تکفرتدخل النار

کہ صاحب کافیہ تقدیر ان بعد الامر کی مثال ذکر فرماتے
ہیں اسلئے تدخل الجنة اس کی اصل عبارت
اس طرح قرار دی جائے گی ان تسلّم تدخل
الجنة کیونکہ صیغہ اسلم سے مطلوب اسلام ہے
اور اسلام مطلوب ہے اور فائدہ مطلوب دخول
جنت ہے جس کا سبب اسلام ہے اور اس جملہ سے
مقصود بیان کرنا ہے اس بات کا کہ اسلام دخول
جنت کا سبب ہے اور دخول جنت مطلوب اصل
اور فائدہ اسلام ہے لہذا ان شرطیہ مع فعل کے
محذوف مانا گیا اور یہ فعل مضارع محذوف صیغہ
اسلم سے مستفاد ہوتا ہے اور عبارت اس طرح
ہے کہ اسلم ان تسلّم تدخل الجنة تراں
صورت میں تدخل الجنة جزاء سے اور ان تسلّم جزاء
قلہ قوله ونحو لا تکفرتدخل الجنة دالی
قوله والعرف قرینه قویه خلاصہ کلام یہ
ہے کہ مضامین جو نہی کے جواب میں ہوں اس کی مثال
سے لا تکفرتدخل الجنة دیکھو لا تکفرتدخل
نہی تو طلب ترک کفر کے لئے ہے جس سے مطلوب
ترک کفر مفہوم ہوتا ہے اور مطلوب کا فائدہ دخول
جنت ہے جس کے لئے مطلوب یعنی ترک کفر سبب
واقع ہے لہذا انہی کی وجہ مطلوب ان لا تکفرتدخل
مستفاد ہوا اور اصل عبارت اس طرح ہے لا تکفرتدخل
ان لا تکفرتدخل الجنة اگر یہ شبہ کیا جائے
کہ لا تکفرتدخل الجنة کے بعد فعل مثبت کیوں مقدر نہیں ہو سکتا
تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل نہی قرینہ فعل منفی کے
جملے ہوتا ہے نہ فعل مثبت کے لئے اس قرینہ
کی رعایت سے فعل منفی کو محذوف مانا گیا ہے۔
اور جس جگہ فعل نہی کے بعد مضامین منفی کی تقدیر
درست نہ ہو تو وہاں پر فعل مثبت کا مقدر ماننا
جمہور نحاة کے نزدیک جائز نہیں البتہ علامہ کسائی
ایسی صورت میں فعل مثبت کی تقدیر کو جائز قرار
دیتے ہیں مثال لا تکفرتدخل النار
اس قسم کی عبارت کو جمہور نحاة ممتنع بتاتے ہیں
کیونکہ لا تکفرتدخل ان لا تکفرتدخل
ہوگا جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا کہ نہی قرینہ فعل مضارع

واما اذا لم تقصد له مجزاً لم يجز الجزم قطعاً بل يجب ان يرفع اما بالصفة
ان كان صالحاً للوصفية كقوله تعالى فهب لي من لدنك ولياً
يوثني فيمن قرأ مرفوعاً وليا وارثاً وبالحال كذلك كقوله تعالى
فذرهم في طغيانهم يعمهون اي عمهين او بالاستيناف كقوله الشاعر
شعر - وقال رائد هم ارسوا نزاولها فكل حلف امرئ يجري بمقدار
الامر هكذا في بعض النسخ وفي بعضها مثال الامر وكان المراد به

سببیت کا ارادہ کیا گیا ہو لیکن سببیت کا ارادہ نہ کرنے کی صورت میں جزم لانا سب سے
جائز ہی نہ ہوگا بلکہ رفع لانا لازم ہوگا یا تو صفت کے ساتھ اگر وصفت کی صلاحیت
موجود ہو مثلاً ارشاد ربانی " فہب لی من لدنک ولیاً یوثنی " جنہوں نے اسے مرفوع
پڑھا یعنی ولیا وارثاً یا اسی طرح حال بن سکتا ہو تو حال قرار دیں گے۔ مثلاً ارشاد تعالیٰ کا
ارشاد دو فذرہم فی طغیانہم یعمہون " یعنی " عمہین " یا استیناف کے ساتھ مثلاً شاعر
کا یہ شعر - وقال رائد ہم ارسوا نزاولہا فکل حلف امرئ یجری بمقدار الامر قوم
بولاً ثابت قدم رہو ہم نبرد آزما ہونگے۔ کیونکہ ہر ایک اپنے وقت پر موت سے ہٹتا رہتا ہے
الامر کے نسخوں کے اندر اسی طرح ہے اور بعض کے اندر بجائے (صرف) کے مثال

اس طرح ہے ہب لی من لدنک ولیاً ان
تہب لی یوثنی تو ہب فعل طلب اور مطلوب
ہبہ اور فائدہ مطلوب ارث ہے۔ اور ہبہ
کو ارث کا سبب قرار دیا گیا ہے اور یہ دونوں
قرابتی متواتر ہیں۔ مثال حال فذرہم فی
طغیانہم یعمہون اس میں مضارع یعمہون امرز
کے بعد واقع ہے مگر چونکہ سببیت کا قصد
نہیں اس لئے یعمہون مرفوع پڑھا گیا۔ مجزوم
نہیں پڑھا حدیث نون جمع ساقط ہو جائے اور
یہ مضارع جملہ فعلیہ حال ہے اور ذوالحال ذرہم
کی ضمیر منصوب ہے جو کہ مفعول بہ ہے اور مراد
آیت فذرہم فی طغیانہم یعمہون
ہے مثال استیناف قول شاعر - رائد ہم ارسوا
نزاولہا فکل حلف امرئ یجری بمقدار
اس میں ارسوا صیغہ امر کے بعد نزاول فعل
مضارع واقع ہے۔ مگر چونکہ قصد سببیت یہاں
پر مفعول ہے اسی وجہ سے نزاول کو برفع لام
پڑھنا واجب ہے جزم جائز نہیں اور نزاول
جملہ مستأنف ہے۔

الامر

لنہ قولہ الامر۔ هكذا في بعض النسخ
(الی قولہ) کذا ذکوة المصنی بشرح مراد
جاءت یہ ہے کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں تو
بکثرت امر کے شروع میں صرف لفظ الامر واقع
ہے جیسے کہ حضرت شارح نے بھی یہی نسخہ من

دیکھا اس آیت میں مضارع یرث امر متب کے
بعد واقع ہے مگر چونکہ قصد سببیت یہاں پر نہیں
ہے لہذا مضارع کو مرفوع پڑھا گیا اور دنیا کی
صفت قرار دیا اور معنی آیت دلایا وارثا منی
ہے اور ایک قرأت یرث بالجزم ہے تو اس
وقت کہا جائے گا۔ ہب لی اور یرثی میں
علاقہ سببیت کا قصد کیا گیا ہے لہذا مضارع
بقاعدہ مذکورہ سابق مجزوم ہے اور اصل عبارت

گندہ کی) تو اگر سببیت مقصود نہ ہو تو اس مضارع
پر جزم جائز نہ ہوگا جو کہ امر نہی وغیرہ کے بعد
واقع ہے بلکہ اس مضارع کو برفع پڑھنا واجب
ہے اور اس مضارع کو صفت کہا جائے گا اگر
وہ صفت ہونے کے قابل ہو اور یا حال کہا
جائے گا اگر وہ حال بن سکتا ہو یا مضارع کو
کلام مستأنف قرار دیا جائے گا مثال صفت
قوله تعالى فهب لي من لدنك ولياً یوثنی

پانی، گھاس وغیرہ کا منظم ہو۔ مراد یہاں سردار قوم،
ارسوا امر از ارسا۔ ارسا کے حقیقی معنی کشتی کو روکنا
مراد یہاں پر ثبات فی الحرب یعنی لڑائی میں ہمارا سنا
نزاول۔ از مزاولہ بمعنی معا لجر اے کار کے خورد
ضمیر نزاولہا کا مرجع حرب ہے حقیقت بمعنی موت
اموی انسان (ترجمہ) قوم کے سردار نے کہا کہ تم کو
کھڑے رہو۔ ہم جنگ کر گئے (بزدلی کی وجہ سے بھاگ
نہ چاہئے) اس لئے کہ ہر انسان کی موت تقدیر الہی
کی وجہ سے آتی ہے (لہذا بزدلی کی موت نجات نہ

ہکتے ہوئے از محال مترجم شیخ الہند) یہ مضمون
کفار کے حق میں ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو کفار کے کفر و شرک کو
دیکھ کر طول نہ پہنچا کیونکہ ہم ان سے تماری کفر کی وجہ
سے حق سمجھنے اور حق کو دیکھنے کی توفیق سلب کر دی ہے
تو تم بھی ان کے ابان لانے کے لئے سخت کاوش
و کوشش ترک کر دو تفصیل مضمون بیان القرآن و
تفسیر ابن کثیر میں ہے ۱۲

سے حل شعراء رائد وہ شخص جو شرک کیلئے

عمرہ ترجمہ آیت) تو بخش تو بخشو اپنے پاس
سے ایک اٹھانے والا جو میری جگہ بیٹھے (سورہ مریم ۶)
ترجمہ از محال مترجم حضرت شیخ الہند) یہ آیت کریمہ
حضرت زکریا علیہ السلام کی دعائیں وارد ہوئی ہے انہوں
نے بڑھاپے میں اولاد کی دعا کی تھی جب کہ ظاہری سن
اولاد ملنے کا کچھ نہیں تھا کیونکہ خود بوڑھے تھے اور جوی
بانچہ معنی تفصیل اس کی تفسیر ابن کثیر و بیان القرآن
میں ملاحظہ کرو ۱۲
عمرہ ترجمہ آیت - پس چھوڑو ان کو مکرشی میں

صیغۃ الامر فانہ یطلقون امثلة الماضي وامثلة المضارع و
یریدون صیغہما و فی بعض الشروح انما قال مثال الامر لان
الامر کما اشتهر فی هذا النوع من الافعال اشتهر فی المعنی المصدري
ایضا فاراد النص علی المقصود وهو فی اصطلاح القویین والاصولیین
مخصوص بالامر بالصیغۃ کذا ذکرہ المصنف فی شرحہ صیغۃ یطلب بها
الفعل شامل لكل امر غائبا كان او مخاطبا او متکلمًا معلونا ومجهولا
من الفاعل احتراز عن المجهول مطلقا فانه یطلب بها الفعل عن
المفعول لا عن الفاعل المخاطب احتراز عن الغائب والمنظم بحذف

الامر (تحریر یہاں ہے۔ اس سے مقصود امر کا صیغہ ہے اس لئے کہ نحو یوں کے یہاں یہ
قاعدہ ہے کہ ماضی اور مضارع کی مثالیں بولنے سے مقصود ان دونوں کے صیغے
ہوتے ہیں اور اندرون بعض شروح مثال الامر (موجود ہے) کیونکہ امر جس طریقہ سے
فعلوں کی اس نوع میں معروف و شہرت یافتہ ہے مصدری معنی کے اندر بھی مشہور
و معروف ہے پس (مثال کے اعتراف سے) مقصود کی صراحت کا ارادہ کیا اور وہ
اصولیین اور سخا کی اصطلاح میں صیغہ امر کے ساتھ ہی خاص ہے صاحب کتاب نے
اس کی اسی طرح کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ امر اس طرح کے صیغہ کا نام ہے کہ اس
کے واسطہ سے طلب فعل کی جاتی ہے۔ اور یہ تعریف ہر امر کو شامل ہے خواہ وہ غائب
ہو یا مخاطب یا متکلم (میز) معلوم (معروف) ہو یا مجہول ہو فاعل سے۔ من العاقل کی
کی قید لگا کر مجہول مطلق سے احتراز کیا۔ اس لئے کہ اس کے ذریعہ فعل مفعول سے

کا تحریر کیا اور بعض نسخوں میں لفظ مثال الامر
وہ نسخہ بھی صحیح ہے اس میں مثال سے مراد صیغہ
ہے کیونکہ نحوی اکثر امثلة ماضی۔ امثلة مضارع بول
کر اس کے صیغے مراد لیتے ہیں اور بعض شروح
کافیہ میں لفظ مثال کی زیادتی کا یہ نکتہ بیان کیا
ہے کہ حضرت مصنف نے لفظ مثال اس لئے
زائد کیا کہ جس طرح الامر بمعنی صیغۃ الامر مستعمل
ہے اسی طرح امر بمعنی مصدر یعنی حکم نمودن کے
بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے لہذا لفظ مثال زائد
کر کے تعین کر دی کہ یہاں پر مراد صیغہ امر ہے نہ
امر بمعنی مصدری اور لفظ الامر اصطلاح نحویین اور
اصولیین میں امر بالصیغۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔
۵۰ قولہ صیغۃ یطلب بها الفعل (الی قولہ)
معن مثله وہا وید خلاصہ کلام یہ ہے
کہ امر کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ امر ایک ایسا
صیغہ ہے جس کے ذریعہ فاعل مخاطب سے فعل طلب
کیا جاتا ہے علامت مضارع کے حذف کرنے
کے بعد۔ جیسے کلاوا۔ امر لواء کہ ان میں جامعیت
مخاطب سے فعل اکل اور شرب کی طلب ہے اور
یہ صیغہ علامت مضارع حذف کرنے کے بعد
بنایا گیا ہے۔

فوائد قیود

صیغۃ یطلب بها الفعل بمنزہ جنس کے ہے
کہ اس امر میں حاضر و غائب و متکلم معروف
اور مجہول سب شامل ہیں اور من الفاعل
بمنزہ فصل کے ہے کیونکہ اس قید سے امر مجہول
بجملہ اقسام تعریف سے خارج ہو گئے اسی وجہ
سے کہ امر مجہول میں طلب فعل مفعول سے ہوتی

دلا سکے اور نہ بہادری سے موت آسکے بلکہ تقدیر
الہی سے موت آتی ہے ۱۲۰ سید حسن عفی عنہ
عہ ملا عصام الدین نے لفظ مثال کی زیادتی
کا یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ لفظ الامر علم الصوت میں الامر بالصیغۃ
اور الامر باللام دونوں کو شامل ہے اور یہ اصطلاح

سے نہ فاعل سے۔ مخاطب بمنزہ فصل ثانی
کئے ہے اس لئے کہ اس قید سے امر غائب
و متکلم معروف تعریف سے خارج ہو گئے کیونکہ
ان میں طلب فعل فاعل غائب یا متکلم سے
ہوتی ہے نہ فاعل مخاطب سے۔ تو ان قیود کی وجہ
سے یہ تعریف مخصوص ہو گی اور مخاطب معروف
کے ساتھ اور اس کے علاوہ اقسام امر تعریف سے

جہت مشہور ہے حضرت مصنف نے اس خوف سے
کہ کہیں اس جگہ امر باللام کو بھی شامل خیال نہ کر لیں
لفظ مثال کا اضافہ فرمایا تاکہ یہ متعین ہو جائے کہ یہاں
پر ذکر صرف امر بالصیغۃ کا ہے انتہی۔ اور ملا عصام
الدین نے اس نکتہ کو جو بعض شروح کافیہ سے مولانا
جامی نے نقل کیا ہے اس کی تردید بھی فرمائی ہے
من شاہ علی طابع مشہور ۱۱ سید حسن
عہ اس لئے کہ اسرار افعال و اسرار میں شامل ہیں
ان میں کلامات فعل مضارع موجود ہی نہیں ہوتیں کہ
حذف کی جائیں ۱۲ منہ

حرف المضارعة احتراز عن مثل قوله تعالى فبذلك فلتفرحوا فیهن
قرأ علی صیغة الخطاب وعن مثل صه وروید۔ ^{ثله} وحکم آخر الامور
فی الحقیقة عند البصریین الوقف والبناء علی السکون لا تقاء ما
یقتضی اعرابه وهو حرف المضارعة لان مشابهة للاسم المقتضية
للاعراب انما هی لسببه و فی الصورة حکم المجزوم ای مثل حکم
المضارع المجزوم فی اسکان الصیغ وسقوط نون الاعراب وحرف
العلی لانه لما شابه ما فیہ اللام من المجزوم معنی اعطى حکمہ تقول
اضرب اضربوا واخش واغزوارم کما تقول لم یضرب لم

طلب کیا جاتا ہے فاعل سے طلب نہیں کیا جاتا (اسی طرح) مخاطب فرما کر غائب اور
متکلم سے احتراز مقصود ہے اور حذف حرف مضارع کی قید کے ذریعہ (اس طرح کی)
مثال ارشاد ربانی "فبذلك فلتفرحوا" جو بطور صیغہ خطاب پڑھا گیا ہے اس تعریف
کو الگ کرنا مقصود ہے اور صه وروید وغیرہ سے احتراز مقصود ہے۔ اور امر
کے آخر کا حکم بصری نحو یوں کے نزدیک وقف اور سکون پر مبنی ہے اس سبب کے
ختم ہونے کے باعث جو اعراب کا متقاضی ہوتا ہے اور وہ حرف مضارع ہے اس
لئے کہ مشابہت اسم کا تقاضا اس کے معرب ہونے کا باعث تھا (اور وہ باقی نہ رہا)
اور اس صورت میں اس مجزوم (امر حاضر معروف) کا حکم مضارع مجزوم کا سا ہوگا صحیح
کے ساکن اور حروف علت و نون اطراب (معرب بننے والے نون) کے گرنے میں۔
کیونکہ دونوں کے درمیان مشابہت معنوی یا بی جارہی ہے (لہذا) لام مضارع

نہ فاعل مخاطب سے -

لانہ قوله وحکم آخره ای اخرا الامور الی
قولہ (معرب مجزوم بلا مقدمات مراد عبارت
یہ ہے کہ امر حاضر معروف میں علماء نحو کے دو
مذہب ہیں۔ مذہب بصری یہ ہے کہ امر حاضر
معروف مبنی علی السکون ہے معرب نہیں ہے
مبنی ہونے کی علت یہ ہے کہ جو سبب معرب
ہونے کا تھا اب باقی نہ رہا یعنی علامت
مضارع لگانے سے فعل جو کہ عام حالات میں
مبنی ہوتا ہے معرب ہو گیا تھا۔ کیونکہ طلعات
مضارع ہونے کی وجہ سے فعل کو اسم سے ایسی
مشابہت پیدا ہو گئی تھی جو سبب تھا فعل کے

صه بمعنی اسکت اور روید بمعنی اہل۔ نیز
اس قید سے مثل قوله تعالى فبذلك فلتفرحوا
سے بھی احتراز ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس میں
طلب فعل حذف علامت مضارع کے ساتھ
نہیں ف۔ آیت کریمہ فبذلك فلتفرحوا کی
ایک قرأت فبذلك فلیفرحوا بھی ہے، اس
قرأت پر یہ تعریف میں داخل نہیں ہے کیونکہ
اس میں طلب فعل فاعل غائب سے ہے

عنه مثل فلتفرحوا نے وہ امر حاضر معروف
کے صیغہ مراد میں جہاں پر علامت مضارع موجود
ہونے کے باوجود امر حاضر بنا لیتے ہیں مگر یہ نادر ہے
"سید حسن عفی عنہ"

معرب ہونے کا موجب سبب منتفی ہو گیا
تو سبب بھی منتفی ہوا۔ لہذا جس طرح فعل مبنی
اس لئے مبنی تھا کہ اس کو اسم سے شائبہت جو کہ
مقتضی اعراب کے لئے ہے مائل نہ تھی کیونکہ وہ
علامت مضارع سے مجزوم تھا اسی طرح فعل امر
حاضر معروف بھی اب جب کہ علامت مضارع
سے مجزوم ہو گیا تو وہ بھی مبنی قرار دیا جائے گا۔ اور
مذہب کو فہم کا یہ ہے کہ امر حاضر معروف بھی
معرب ہے جس طرح بقیہ اقسام امر معروف غائب
و متکلم و امر مجہول حاضر و غائب و متکلم معرب ہیں لیکن
امر حاضر معروف کو بقیہ اقسام امر سے یہ امتیاز حاصل
ہے کہ اور اقسام امر میں لام امر موجود ہوتا ہے اس
کی وجہ سے وہ مجزوم ہوتے ہیں۔ اور امر حاضر معروف
میں لام امر مقدر ہوا کرتا ہے اور وہ مجزوم دیتا ہے
حضرت شایح علیہ الرحمۃ نے مذہب بصری کو
اختیار فرمایا ہے رکما لیشہد علیہ اسلوب الکلام
اس لئے عبارت کا فیہ حکم آخرہ حکم المجزوم
کا ایسا مطلب بیان فرماتے ہیں جو کہ مذہب سخا
اہل بصرہ کے موافق ہو چنانچہ حضرت شایح رحمہ
نے فرمایا کہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امر حاضر
معروف کے آخر کا حکم حقیقت میں مبنی علی السکون
ہوتا ہے اور یہی مذہب اہل بصرہ کا ہے لیکن
صورت کے لحاظ سے امر حاضر معروف کا حکم مانند
مضارع مجزوم لام امر کے ہے۔ اس لئے امر
حاضر معروف میں اگر آخر میں حرف علت نہ ہو تو
وقفہ آخر کو ساکن کیا جائے گا جس طرح مضارع مجزوم
میں ساکن کیا جاتا ہے مثال اضرب اضرب
اذخروا ان میں حرف آخر میں اسی طرح سکون ہے جس
طرح لم یضرب و لم یخفض و لیخفح
اور اگر حرف آخر نون اعرابی ہو تو ساقط کر دیا جائے
جیسے اشکروا اسلکی میں نون اعرابی حذف
کیا گیا جس طرح مضارع مجزوم لو تغفلوا لیعبدا
میں حذف کیا تھا۔ اور اگر حرف آخر حرف علت
ہو تو اس کو بھی حذف کر دیا جائے گا جیسے صلی

اخش۔ اسماء وغیرہ جس طرح کہ مضارع مجزوم
 میں حذف کیا گیا جیسے لعلوں لعلتیں لعلتیں
 وغیرہ امر حاضر معروف کو سورۃ مضارع مجزوم بلام امرے
 اس لئے مشابہت ہے کہ دونوں میں معنوی مشابہت
 بھی موجود ہے کیونکہ جس طرح امر حاضر معروف طلب فعل
 کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح مضارع مجزوم بلام
 امر بھی طلب فعل کے لئے آتا ہے اس مشابہت کی
 وجہ سے سورۃ ایک حکم دیا گیا ہے۔

۴۔ قولہ فان کان بعدہ ای بعد حرف
المفارقة (الی قولہ مقطوعہ لذلک) بعینہ
مراد عبارت یہ ہے کہ جب امر حاضر معرف کے آخری
حرف کے حالات بیان کر چکے تو اب اول حرف
امر حاضر معرف کے حالات اور مختلف تغیرات
کو تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔ خلاصہ تفصیل یہ
ہے کہ علامت مضارع معرف کرنے کے بعد حرف
اول کی دو حالتیں ہوں گی۔ مشترک ہو گا یا ساکن ہو

گا اگر وہ حرف ساکن ہو تو اس میں دو صورتیں ہوں گی مضارع رباعی ہو گا یا مضارع رباعی نہ ہو گا۔ اگر مضارع رباعی نہ ہو اور علامت مضارع حذف کرنے کے بعد ساکن ہے تو ہمزہ وصل شروع میں دیا جائے گا تاکہ ابتدا رباعیوں (جو کہ لغت عرب میں ممنوع ہے) لازم نہ آئے اس ہمزہ وصل کو مضموم پڑھا جائے گا جبکہ حرف ساکن کے بعد والاحرف بھی مضموم ہو جائے اذْکُورْا اَشْکُرْا اور اگر ساکن کے بعد والاحرف مفتوح ہو یا مکسور تو ہمزہ وصل کو مکسور پڑھا جائے جیسے اُجْعَلْنِی، اَعْلَمْا، اَفْعَلْا اغْفِرْا وغیرہ ہمزہ وصل کی حرکت کے لئے جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس ضابطہ کے خلاف کسی اور قاعدہ سے کوئی حرکت دی جائے تو امر حاضر معروف کے معنی القیاس کے عیب منزه نہ رہتے اور علم لغت میں القیاس سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دیکھو جن مواقع میں ہم نے ہمزہ وصل کے لئے کسر تجویز کیا ہے اگر وہاں پر فتح دیا جائے مثلاً اَفْعُرْ کو اَفْعُرْبُ بغیر

يضرب بالميم يضيروا ولم يفتح ولم يغز ولم يرم وذهب الكوفيون الى
انه معرب مجزوم بلام مقدرة ^{بهم} فان كان بعده اى بعد حرف
المضارعة او بعد حذفه متحرك اسكن اخره وجعل ما بقى امرا
تقول فى تعدد عدو فى تضارب ضارب ولم يذكروا المص هذا القسم
لظهوره وان كان بعده حرف ساكن وليس بالمضارع برياعى و

مجزوم کو امر حاضر معروف کا حکم عطا کر دیا گیا۔ تو کہے گا "اضرب اضربا اضربوا اور
انخس وارم جیسا کہ تو کہے گا لم يضرب لم يضربا لم يضربوا اور "لم ينخس لم ينخسوا،
لم يرم۔ اور کوئی نحویوں کا مسک یہ ہے کہ وہ معرب ہے اور پوشیدہ لام کے باعث مجزوم
ہے اگر حرف مضارع کے بعد یا اس کے حذف کے بعد متحرک ہو تو اس کے آخر کو
ساکن کر کے باقی ماندہ کو امر بتایا جائے گا۔ تو کہے گا "تعد" میں "عد" اور "تضارب"
میں "دضارب" اور صاحب کتاب نے یہ قسم اس کے (بالکل) ظاہر و عیاں ہونے
کی بنا پر ذکر نہیں فرمائی۔ اور اگر اس کے بعد حرف ساکن ہو اور (تیز) اگرچہ مضارع

پڑھا جائے تو باب افعال کے مصدر اضراب سے جو امر حاضر ہے یعنی اُضْرِبْ بروزن اگر کم اس سے التباس مشابہ ہے اور اگر اُضْرِبْ بضم حمزہ وصل پڑھا جائے تو اس حالت میں اِضْرَاب و مصدر باب افعال کی ماضی مجہول سے التباس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر باب سَمِعَ کے امر اسْمَعْ کو بفتح اُسمِعْ پڑھا جائے تو ماضی مطلق باب افعال کے صیغے واحد غائب یعنی اُسمِعْ سے التباس ہو جاتا ہے۔ اور اگر بضم حمزہ وصل اُسمِعْ پڑھا جائے تو باب

عہ دیکھو ان سب مثالوں میں ہمزہ متحرکہ کی وجہ سے ابتداء یا سکون باقی نہ رہا تو یہ ہمزہ انسان متکلم کے لئے لفظی باں کن کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتا ہے اس مناسبت سے اس ہمزہ کا نام بھی ہمزہ وصل قرار دیا گیا ہے ۱۱ سید حسن عفی عنہ عہ چنانچہ صرفی بہت مواقع میں تعلیل سے احتراز کرتے ہیں کہ القباس کا عیب تعلیل کی وجہ سے صیغہ میں پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے امر حاضر میں ہمزہ وصل کی حرکتوں میں بھی ایسا مابطہ بنایا گیا ہے۔ کہ اللہ اس میدانہ ہو جائے ۱۲ سید حسن

سح کے مضارع مجہول کے صیغہ واحد متکلم سے
 التباس پیدا ہوتا اسی طرح جن صورتوں میں ہم
 نے وصل کے لئے ضمتہ تجزئہ کیا ہے جیسے اَقل تو
 اگر حمزہ کو مفتوح پڑھا جائے تو اَقل صیغہ واحد
 متکلم ہیٹ مضارع معروف سے التباس ہو جائے
 گا نیز اگر اس حمزہ کو مکسور پڑھیں تو اَقل ہوتا ہے
 اس میں اگرچہ التباس کسی صیغہ سے نہیں ہوا مگر
 دوسرا نقص پیدا ہو گیا یعنی خود ج معن الکثیر تا الی
 الضمة اور یہ کلام عرب میں نہایت درجہ ثقیل

عمر اور یہ القیاس مکمل ہو جائے گا جب
کہ ماضی مجہول کے صفیئے اَضْرَاب پر وقف کر کے سکون
پڑھا جائے ۱۱ سید حسن
۱۲ اور القیاس حالت وقف میں مکمل ہو جانا
اسی طرح تمام القیاس کا صورتوں میں حالت وقف
میں القیاس کامل پیدا ہو جائے گا ۱۱ سید حسن
۱۳ اس کے مراد یہ ہے کہ اول حرف پر کسر
ہو اور اس کے بعد ضمہ ہو جیسے اَمَل میں ہے اور اس
طرح کی حرکات کو کلام عرب میں بہت ثقیل سمجھا جاتا
ہے اس لئے اس سے بچنا ضروری خیال کیا جاتا ہے ۱۱

المواد بالرباعی ههنا ما يكون ماضیه على اربعة احرف من المزید
فیه وانما هو باب الافعال لا غیر زدت همزة وصل مابقی علی
حذف حرف المضارعة یتوصل بها الی النطق بالساکن حال کون
تلك الهمزة مضمومة ان کان بعده ای بعد الساکن ضمة دفعه
للالتباس بالمضارع المعلوم المتکلم علی تقدیر الفتح وتحذرا عن
الخروج من الکسرة الی الضمة علی تقدیر الکسرة فانه اذا قیل فی
اقتل بفتح الهمزة التبس بالواحد المتکلم المعلوم واذا قیل اقل
بکسر الهمزة لزم الخروج من الکسرة الی الضمة ومکسورة فیما
سواہ ای ساکن بعده کسرة او فتحة فانه لو ضم فی مثل اضرب
التبس بالماضی المجهول من الاضراب ولو فتح التبس بالامر منه

رباعی (چار حرف والا) نہ ہو (تب بھی یہی حکم رہے گا) اور اس جگہ رباعی سے مراد
وہ ہے کہ اس کی ماضی مزید فیہ سے چار حرف والی ہو اور باب الانحال سے ہوا کے
علاوہ سے نہ ہو۔ حرف مضارع کے حذف کے بعد باقی ماندہ پر ہمزة وصل پڑھا
جائے گا۔ تاکہ ساکن کے ساتھ آغاز کا لزوم نہ ہو (جو درست نہیں) اور اگر ساکن کے
بعد ضمة ہو تو ہمزة وصل مضموم ہو گا۔ تاکہ اس کا مضارع معروف متکلم مفتوح سے التباس
نہ ہو۔ اور مکسور ماننے کی صورت میں خروج من الکسرة الی الضمة کا لزوم نہ ہو اس لئے
کہ "اقتل" کو ہمزة مفتوحہ کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں واحد متکلم معروف سے التباس
لازم نہ آئے گا اور "اقتل" ہمزة مکسور پڑھنے پر خروج من الکسرة الی الضمة لازم آئے گا
اور اس کے علاوہ میں یعنی ایسے ساکن کے علاوہ جس کے بعد فتح یا کسرة ہو مکسور

ہے لہذا جب مقصود دن اس کرامت ثقل کے
مائل ہو جاتا ہے تو اس کو کیوں اختیار کیا جائے اس
بنا پر جب ساکن کے بعد والا حرف مضموم ہوتا ہے
تو ہمزة وصل کو مضموم ہی پڑھا جاتا ہے، الھامل
ہمزة وصل لانا جب ضروری ہے کہ حرف اول
ساکن مضارع غیر رباعی میں ہو

صہ دیکھو مثلاً یضرب فی امر یضرب اور
تقاتل میں قاتل اور تعقل سے تعقل اور تعقل
سے ثقلاً بل - اسید من
علامہ الدین نے بیان کی ہوئی مراد کو تفہیم

فی العبارة فرمایا ہے اور المراد بالرباعی پہلے کے تحت
میں یہ فرمایا ای فی علم النحو واما فی علم الصفا
فہو ما کان الحروف الاصول فیہ اربعة
انتہی وانکوت قولہ دقت مراد بلفظ

میں بھی موجود تھا۔ مگر مضارع میں اصبع واحد
شکلم میں دو ہمزة جمع ہو گئے جیسے اکریم ایک
ہمزة علامت واحد شکلم اور ایک صیغہ کا اور یہ
چونکہ مکروہ تھا اسلئے ہمزة اقل کو حذف کیا
اور ہمزة علامت کو رہنے دیا اکریم ہوا پھر موافقت
باب کی وجہ سے تمام صیغوں سے حذف کیا گیا
لیکن جب امر بنا یا گیا اور حذف علامت مضارع
کے بعد ساکن رہا تو چونکہ حذف ہمزة کا سبب
مرتفع ہو گیا لہذا ہمزة جو مضارع میں حذف کیا
گیا تھا امر حاضر میں عود کر آیا اور چونکہ یہ ہمزة
اصل ابتدا مفتوح تھا چنانچہ ماضی میں اکریم
تھا اس لئے اب بھی مفتوح ہی رہا اور امر
اکریم ہوا۔ اور اگر علامت مضارع حذف کرنے
کے بعد حرف متحرک ہو تب ہمزة نہ لایا جائے
صرف حرف آخر کو ساکن کیا جائے جیسے عدید
سے اور ضارب تضارب سے یہ آخری صوت
کافیہ میں مصنف نے اسلئے ذکر نہ فرمایا کہ
اس میں بوجہ حرف اول میں عدم تخریک کے کچھ
اشکال نہ تھا۔

ف مضارع رباعی یہاں پر مراد وہ مضارع
ہے جس کی ماضی میں اصل تو کمین حرف ہوں
لیکن ایک حرف کی زیادتی کی وجہ سے اسکی
ماضی چار حرفی ہو گئی ہو تو یہ تعریف صرف ثلاثی
مزید فیہ کے صیغے مضارع پر صادق آتی ہے
جیسے یکرم یصرف یقاتل وغیرہ لہذا حضرت
شراح نے جو فرمایا ہے انما هو باب الانحال
لا خایر۔ اس کا منشا یہ ہے کہ ہمزة اقل
کا اعادہ امر حاضر معروف میں مضارع رباعی کے
ابواب میں جسے صرف باب افعال میں متحقق ہے
اور کسی باب میں مضارع رباعی کے ہمزہ اصلی کا
اعادہ نہیں کیا جاتا۔

ههنا فی قولنا هذا لانی علم النحو کما زعم به
عصا ما الدین بل المراد بالرباعی فی هذا المقام غیر ذلک
والمحاكمة فی هذا الباب لا یلزم باعتراف بصحة
الکلام وسبقه ۱۲ سید من

جمہ خواجگان پورہ

فعل مالم یسم فاعله

۸۸ فعل مالم یسم فاعله (الی قولہ) اکتفاء بذکرہ فیما سبق جب فعل معروف کے ذکر سے فارغ ہو گئے تو اب اس عبارت میں فعل مجہول کو بیان کرتے ہیں۔ خلاصہ بیان یہ ہے کہ فعل مجہول جس کو فعل مالم یسم فاعل بھی کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا فعل ہے کہ جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور مفعول کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا ہو مقصد تعریف یہ ہے کہ فعل مجہول کا کبھی فاعل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح فعل معروف کا مگر فعل مجہول اور معروف میں فرق یہ ہے کہ فعل معروف کا فاعل لفظاً یا تقدیراً مذکور ہوتا ہے اور فعل مجہول کا فاعل بالقصد حذف کر دیا جاتا ہے اور مفعول کو فاعل کا قائم مقام بناتے ہیں جیسے لعن الذین کفروا اس میں فاعل یعنی لامن کو حذف کر کے مفعول کو قائم مقام فاعل بنایا گیا ہے۔

فعل مجہول میں فاعل کو حذف کرنا مختلف اغراض و مقاصد کے ماتحت ہوتا ہے جس کی تفصیل و تحقیق علم معانی میں مذکور ہے۔ ایک شعبہ حضرت مصنف کا یہ ہے جو فعل مجہول کی تعریف میں فرمایا ہو ماحذف فاعله یہ تو تعریف مکمل نہیں ہے کیونکہ صرف حذف فاعل تو فعل معروف میں بھی ہوتا ہے جیسے کوئی کہے ما یصنع ذید اس کے جواب میں کہا جائے یصنع تو اس صورت میں بھی حذف فاعل متحقق ہے مگر بقدر کہ فعل مجہول نہیں کہا جاتا۔ لہذا ضروری تھا کہ جس طرح حضرت شامی نے اقیم المفعول مقامہ کی قید تعریف میں شامل فرمائی اسی طرح صاحب کا یہ بھی شامل فرماتے۔

جواب کشیدہ ۱۔ یہ ہے کہ جس کو حضرت شامی علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا کہ حضرت مصنف نائب فاعل کی تعریف میں اس قید کو ذکر فرما چکے ہیں اسلئے

ولو ضم فی العلم لا لتبس بالمضارع المجهول المتکلم ولو فتح لا لتبس بالماضی الرباعی مثل اقبل مثال لما یكون بعد الساکن ضمة و اضرب مثال لما یكون بعد کسرة واعلم مثال لما یكون بعد فتحة وان کان رباعیاً فمفتوحة ای فالهمزة مفتوحة لانها همزة اصل ردت لا ارتفاع موجب حذفها وهو اجتماع همزتين فی المتکلم الواحد لا همزة وصل مقطوعة لذلك بعینه فعل ما لم یسم فاعله ای فعل المفعول الذی لم یذكر فاعله و اضافة لفاعل الیه لادنی ملا بسة او علی حذف مضاف ای فاعل فعله

ہوگا کیونکہ اگر مثلاً "اضرب" میں ضمہ پڑھا جائے تو ماضی مجہول کا التباس اضرب سے لازم ہوگا۔ اور فتح پڑھنے کی صورت میں اس کا امر سے التباس ہوگا۔ اور اگر "اعلم" میں ضمہ پڑھا جائے تو مضارع مجہول متکلم سے التباس کا لزوم ہوگا اور فتح پڑھنے کی صورت میں ماضی رباعی کے ساتھ التباس ہوگا مثلاً "اقبل" یہ اس کی مثال ہے۔ کہ ساکن کے بعد ضمہ ہو اور "اضرب" یہ اس کی مثال ہے کہ اس کے بعد کسره ہو۔ اور "اعلم" یہ اس کی مثال ہے کہ اس کے بعد فتح ہو اور اگر رباعی ہو تو ہمزه مفتوحہ ہوگا اس لئے کہ ہمزه اصلی موجب حذف یعنی واحد متکلم میں دو ہمزوں کے اکٹھا ہونے کو رفع کرنے کی خاطر لوٹایا جاتا ہے نہ کہ ہمزه وصل مقطوعہ جو اس کے لئے بعینہ اسی طرح ہو۔ فعل مالم یسم فاعله وہ فعل مفعول کہلاتا ہے جس کا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو اور ادنی ملا بست کے باعث فاعل کی اضافت اس کی طرف ہو یا حذف مضاف یعنی فاعل کے اس فعل کی بنا پر جو اس واقع ہو کہ

کے چند جوابات ہیں۔ جواب اول یہ ہے کہ فاعل میں اضافت بادی ملا بست ہے اور اس اضافت پر اشکال باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ ایک ادنی تعلق فاعل کا مفعول کے ساتھ بھی ہے کیونکہ فاعل کا فعل مفعول پر واقع ہوتا ہے کما لا یخفی جواب دوم یہ ہے کہ فاعل میں اضافت حذف مضاف کے ساتھ ہے اور اصل میں فاعل فعل ہے اور

کہ فرمایا ہے۔ مفعول مالم یسم فاعله حذف مفعول حذف فاعله واقیم ہو مقامہ لہذا فعل مجہول میں اس قید کو بغرض اختصار ذکر نہ فرمایا اور ترک ذکر اس صورت میں مضر نہیں ہے۔ حل عبارت ۱۔ فعل مالم یسم فاعله موصولہ سے مراد مفعول ہے اور فاعل کی ضمیر مجرور کا مرجع موصولہ ہے اور لم یسم فعل مجہول ہے از باب تسمیہ بمعنی لم یدن کھو ہے جیسا کہ کلام شامی سے مستفاد ہوتا ہے ترجمہ یہ ہے کہ اس مفعول کا فعل کہ جس کے فاعل کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس ترجمہ پر یہ اشکال ہو گا کہ فاعل تو فعل کا ہوتا ہے نہ مفعول کا پھر فاعل کا ترجمہ فاعل المفعول کس طرح درست ہے اس

۱۱ ملاء معام الدین فرماتے ہیں کہ ایک جواب اس شبہ کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قید کو اسلئے ذکر نہ فرمایا کہ یہ قاعدہ مشہور ہے کہ فاعل کا حذف کرنا بدون اقامت مفعول کے مقام فاعل میں ناجائز ہے ۱۱ ملاء معام الدین

الواقع عليه ولا يبعد ان يراد بالموصل الفعل الذي لم يذكر فاعله
وتكون اضافة الفعل اليه بيانية هو ما حذف فاعله واقیم المفعول
مقامه ولم يذكر هذا القيد ههنا اختلفا بذكره فيما سبق
فان كان الفعل الذي ارید حذف فاعله واقامة المفعول مقامه

حذف کی بنا پر فاعل کی اضافت اس کی جانب ہو اور یہ تعریف درست ہے کہ
موصول سے مراد وہ فعل ہو جس کا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو اور اس وقت فعل کی اضافت
اس کی طرف بیانیہ ہوگی (یعنی) وہ وہ ہے جس کا فاعل حذف کر کے مفعول کو اس
کے قائم مقام بنا دیا گیا ہو اور یہ قید اس جگہ ذکر نہ کر کے سابق ذکر پر اکتفا فرمایا۔
فاعل کو ارادتا محذوف کیے مفعول کو اس کی جگہ بطور جانشین رکھ دیتے ہیں پس اگر

ماضی غیر متصل العین، اگر ماضی غیر متصل العین ہے۔
تو اس کی تین حالتیں ہیں: اول یہ کہ ماضی میں حرف
تاء شروع میں ہو اور نہ ہمزہ وصل ہو۔ اس کا
ضابطہ تو وہ ہے جبکہ تاء نے ضم اول کسر ماقبل
اخرہ ہے بیان کیا ہے مراد یہ ہے کہ ایسی ماضی
معروف سے جب ماضی مجہول بنائیں گے تو حرف
اول کو ضم اور حرف ماقبل آخر کو کسر دیا جائے
گا جیسے کتب سے کتب بعت سے بعت وغیرہ
اور اگر ماضی معروف میں تاء زائد لگی تو اس وقت
تاء کو ادرا کے بعد دالے حرف ثانی دونوں کو ضم
دیا جائے گا اور ماقبل آخر کو کسر جیسے تعلم سے تعلم
تدرج سے تدرج تخرج تخرج سے تخرج اور اگر ماضی
معروف میں ہمزہ وصل ہو تو اس وقت ہمزہ وصل
کو اور تیسرے حرف کو ضم دیا جائے گا اور ماقبل
آخر کو کسر جیسے انطلق سے انطلق، اقتدر
سے اقتدر اور استخرج سے استخرج وغیرہ
صاحب کافہ نے ان دونوں ضابطوں کو دلیضم
ثلاث مع همزة الوصل والثاني مع التاء
سے اختصاراً ذکر فرمایا ہے، ان تغیرات کا منشاء
رفع التباس ہے، چنانچہ صاحب کافہ نے اس کے
بعد فرمایا حذف اللبس احقر اس منشاء کو حضرت
شراح کے کلام کے مطابق تفصیل سے بیان کرتے
ہے فعل ماضی مجہول کیلئے جبکہ ہمزہ وصل اور تاء

مراد عبارت یوں ہے فعل مفعول لم یذكر
فاعل ضلحه (ترجمہ) اس مفعول کا فعل کما کے
فعل کا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اب اشکال رفع
ہو گیا۔ اس لئے اس تقدیر پر فاعل مفعول کا
نہ ہوا بلکہ مفعول کے فعل کا ہوا۔

جواب سوم ۱۔ وہ یہ ہے کہ جس کو حضرت
شراح نے مطلقاً لا یبعد الخ سے ذکر فرمایا اختلاف
اس کا یہ ہے کہ موصول سے مراد فعل ہو اور فاعل
کی ضمیر مجرور کا مرجع تاء ہو تو اس صورت میں مراد
عبارت یہ ہے فعل الفعل الذي لم يذكر
فاعله تو اس حالت میں مضاف تو فعل عام ہے
اور مضاف الیه الفعل الخ فعل خاص ہے۔ اس
اضافہ کو بیانیہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس قسم کی
اضافت بکثرت مستعمل ہے جیسے فعل المضارع
فعل الامر وغیرہ۔ اس توجیہ پر بھی اشکال رفع
ہو جائے گا۔

فتاویٰ قولہ فان كان الفعل الذي (الی قولہ)
و لیضم الثالث والثاني اس میں فعل
مجہول کے تغیرات کی تفصیل ذکر کی گئی ہے فعل
ماضی مجہول میں چونکہ تغیرات زیادہ واقع ہوتے ہیں
اس بنا پر اول ماضی مجہول کے تغیرات کا ذکر کیا ہے
غلامہ کلام یہ ہے کہ فعل ماضی معروف کی باعتبار
تغیر کے دو قسم ہیں: ۱۔ ماضی معروف متصل العین۔

سے خالی ہر ضمہ حرف اول اور کسر ماقبل آخر کا تغیر
اسلئے تجویز کیا گیا تاکہ ماضی معروف کے سیغوں
سے وہ ممتاز ہو جائے کیونکہ فعل کے وزن پر کوئی
ماضی معروف نہیں آتی اس تفسیر سے ماضی مجہول
کے لئے ایک وزن نادر و غریب مقرر ہو گیا جو کہ
ماضی مجہول کے لئے مناسب کیونکہ ماضی مجہول
میں ایک ندرت اور غرابت ہے کہ فاعل کو حذف
کر کے مفعول کو قائم مقام کیا گیا ہے حالانکہ عام ضابطہ
یہ ہے کہ فعل کو فاعل کی طرف نسبت کیا جائے لکن
اس میں غرابت ہے، اسلئے وزن غریب اس کیلئے
تجویز ہوا، یہ اعتراض کہ بجائے فعل بکسر الفار
و ضم العین کے فعل ماضی مجہول کا وزن کیوں تجویز
ہوا حالانکہ وہ بھی وزن غریب و نادر ہے تو اس کا جواب
یہ ہے کہ بیشک فعل کا وزن بھی غریب ہے مگر نہایت
ثقیل ہے اسلئے اس میں کسر سے ضم کی طرف توجہ
سے توجہ وزن غیر الثقل سے مقصد ہوا ہر گز اس
تو گس لئے وزن الثقل اختیار کیا جائے۔ اس جواب
کو حضرت شراح نے لکن الخ و ج من الکسرة الى
الضمة الخ سے بیان فرمایا ہے۔ فعل ماضی مجہول
میں جب کہ تاء زائد لگی ہو تو اس وقت تاء کو مع حرف
ثانی کے اسلئے ضم دیا جاتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے
تو یہ ماضی مجہول مضارع معروف کے ساتھ ملتصق
ہو جائے گی۔ باب صرف اور قاتل اور و ج کے
مثال یعلم تجاھل تدحرج و یجھو یمنول یضغ
مضارع معروف کے ہیں اور ماضی مجہول کے ساتھ

عس اس اضافہ کو لامیہ بھی نجات قرار دیتے ہیں
جیسے یوم الابد وغیرہ میں ہے کذا فی محرم افندی ناظرا من
المعرب زینی زارہ
عس تجاھل کا الف بوجہ ضم ماقبل واو سے بدلا
گیا اسلئے تجھول ہوا ۱۲
عس خوف اللبس منصوب ہے اسی وجہ سے کہ
مفعول لہ فعل یقیم کا ۱۲
عس اس اعتراض کو حضرت شراح نے وزن
فعل بالخروج من الکسرة الى الضمة وان كان غریبا
یدل علی غرابة المعنى سے بیان فرمایا ہے ۱۲

ملتبس ہیں۔ اس التباس کو رفع کرنے کے واسطے
تسکے بعد دوسرے حرف کیلئے بھی ضمہ تجویز ہوا اب یہ
التباس رفع ہوا اور مثال مذکورہ میں ماضی مجہول
کے صیغے یہ ہو گئے تعلم تجوہل۔ تدخرج
ماضی مجہول باہمزہ وصل میں حرف اول یعنی ہمزہ
وصل کے ساتھ حرف ثالث کا ضمہ اسلئے تجویز ہوا کہ
ایسا نہ کیا جاتا تو ماضی مجہول باہمزہ وصل امر حاضر
معروف کے ساتھ ملتبس ہو جاتی خصوصاً درج
کلام میں جب کہ وقف کر دیا جاتا جیسے فاضل
صیغہ امر فانطلق بالوقف ماضی مجہول کے
ساتھ ملتبس ہے اسی طرح ثمود اندھا امر کے
ساتھ فاقتر بالوقف ماضی مجہول ملتبس ہے و علی
بذل القیاس اس لیے یہ ضابطہ تجویز ہوا صیغہ ہمزہ
وصل کو نہ مضموم قرار دیا جائے بلکہ ہمزہ وصل بھی
مضموم ہو اور حرف ثالث بھی جیسے اقتدر استخرج
وغیرہ اس صورت میں یہ التباس باقی نہیں رہتا
(لکھا لا یخفی)

۱۰۔ قولہ ومعتل العین والی قولہ، مثل عیونہ
وحینئذ۔ مراد کلام یہ ہے کہ ماضی مجہول جو معتل
سے بنتی ہے اس میں چونکہ ماضی مجہول صحیح سے بعض
احکام میں فرق ہوتا ہے اسکو بیان کرنا چاہئے
ہیں۔ اتنا معتل میں سے ماننے معتل العین
کو بیان فرمایا ہے اور معتل العین سے مراد وہ فعل
ہے جس کا صرف عین کلمہ حرف علت ہو تو اس قید
کی وجہ سے لعینف جس میں کہ عین دلام کلمہ دونوں
ہی حرف علت ہوتے ہیں خارج ہو گئے اور جو
خاص حکم کہ معتل العین کا ذکر کیا جاتا ہے وہ لعینف
میں نہیں پاتا جاتا۔ چنانچہ اس حکم معتل العین میں
طلوی دردی کے امثال خارج ہیں اور لان کا
اخراج لفظ معتل العین سے مضموم ہوتا ہے۔ رہا
یہ سوال کہ لعینف کو معتل العین سے کیوں خارج کیا
گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مثل طلوی۔ رُدی
میں ہم عین کلمہ میں تعلیل کریں۔ مثلاً طلوی میں نقل
حرکت کا قانون جاری کر کے کسرہ واؤ کو ظاہر
منفصل کر دیں اور ضمہ ظاہر کو ضعف کریں ہر واؤ کو یہ

ماضیا غیرت صیغۃ دفعاً للیس بان ضم اولہ وکسر ما قبل اخرہ
مثل ضرب ودخرج واعلم واختیر هذا النوع من التخییر لان معناه
غریب فاختیر لہ وزن غریب لم یوجد فی الاوزان لخروج الضمة
الی الکسرة ووزن فعل بالخروج من الکسرة الی الضمة وان کان
غریباً یدل علی غرابۃ المعنی ایضاً لکن الخروج من الکسرة الی الضمة
اثقل فلا ضرورة فی اختیارة بعد حصول المقص باخف منه وبیضہ
الثالث مع ہمزۃ الوصل نحو انطلق واقتدر واستخرج لثلاثیلتبس
فی الدرج بالا مر من ذلک الباب ویضم الثانی مع التاء مثل تعلم
وتجوہل وتدخرج لثلاثیلتبس بصیغۃ مضارع علت وجاہلت
ودحرجت خوف اللیس هذا علۃ لقولہ ویضم الثالث والثانی
ومعتل العین ای ما یکون عینہ معتلاً فقط لثلاثیلتبس علیہ مثل طوی

وہ فعل جس کے فاعل کے حذف کرنے اور مفعول کے فاعل کے قائم مقام بنانے
کا ارادہ کیا گیا وہ ماضی ہو تو التباس کو رفع کرنے کی خاطر بایں طور اس میں تبدیلی
کی جائے گی کہ اس کے اول کو ضمہ دیا جائے گا اور آخر حرف سے پہلے کو کسرہ مثلاً
"ضرب" اور "دخرج" اور تغیر و تبدیلی کی اس نوع کو اس کے معنی کے نادر اور کم
واقع ہونے کی بنا پر اختیار کرتے ہوئے اس کے لئے ایسا نادر اور قلیل الوقوع وزن
لائے جو اوزان میں بوجہ ضمہ کے کسرہ کی طرف نکلنے کے نہیں پایا جاتا اور یہ فعل "کسا
وزن جو کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلتا ہے خواہ وہ نادر الوقوع ہی کیوں نہ ہو طرابت معنی
کی بھی نشان دہی کرتا ہے مگر کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلتا اور مضموم پر ضمہ زیادہ ثقیل
ہے لہذا اس سے اخف کے ذریعہ مقصد حاصل ہو جانے کی بنا پر اس کی احتیاج نہ رہی
اور تیسرے حرف پر ہمزہ وصل کے ساتھ ضمہ آئے گا مثلاً "انطلق" وہ "اقتدر" و
"استخرج" تاکہ اس باب کا اس سے التباس پیدا نہ ہو۔ اور دوسرے حرف پر تاء کے
ساتھ ضمہ آئے گا مثلاً "تعلم" اور "تجوہل" اور "تدخرج" تاکہ مضارع کے صیغہ کا
علت، جاہلت، اور "جاہلت" اور "دحرجت" سے التباس نہ ہو۔ التباس کا اندیشہ
ہی صاحب کتاب کے قول "ویضم الثالث، والثانی" اور تیسرا اور دوسرا حرف مضموم

کسو اہل حسب قانون یاو سے بدل دیں اور اور کوئی سے طائی بنادیں تو اس صورت میں غوالی ہے کہ اس کے مضارع مجہول کی طوی میں دو اطلاق کا اجتماع	عہ اور معتل العین میں تعلیل کرنے سے اس کے مضارع مجہول میں اجتماع اعلال کا تحقق نہیں ہوتا اسلئے اس میں تعلیل کرنے سے کچھ نقص و نقص لازم
---	--

وروی من اللیف فاتہ لایعل عینہ لئلا یفنی الی اجتماع اعلالین
فی یروی ویطوی قیل الا صوب ان یقال معتل العین المنقلبة عینہ
الفائلا یرد علیہ مثل عور و صید و انما خص معتل العین بالذکر
لزیادة غموض و اختلاف فی المبنى للمفعول من ماضیہ کما ذکر و
بتبعیة ذکر المعتل العین فی المبنى للمفعول من المضارع وان لم یکن
فیہ ما ذکرنا الا قصہ فیہ قیل و بیع اصلہما قول و بیع نقلت الکسرة

ہوگا کی علت ہے۔ اور معتل العین وہ ہے جس کا محض عین کلمہ معتل (حرف علت) ہو
تاکہ اس پر طوی اور "روی" لایف سے اشکال نہ کیا جائے۔ کیونکہ لایف کا حرفت عین
کلمہ ہی حرف علت نہیں بلکہ اس کا عین کلمہ بھی حرف علت ہوا کرتا ہے اور لام کلمہ
بھی اور تاکہ "یروی" اور "یطوی" میں "اعلالین" کا اجتماع نہ ہو (اور دو علتیں اکٹھی نہ
ہوں) کہتے ہیں کہ زیادہ درست اس طرح کہنا ہے کہ معتل العین وہ ہے جس کا عین کلمہ
الف سے بدل جائے تاکہ اس پر "عور" اور "صید" کے ذریعہ اشکال نہ کیا جائے۔ اور
خاص طور پر معتل العین کو بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں غموض اور عدم وضاحت
زیادہ تھی اور ماضی کے مبنی للمفعول ہونے میں زیادہ اختلاف تھا جیسا کہ بیان کیا
گیا اور اس کا تابع قرار دے کر معتل العین مبنی للمفعول من المضارع کو (بھی) بیان کیا

کہ معتل العین میں کسی تید کے اضافہ کی حاجت ہی
نہیں ہے۔ نہ وہ تید جو علامہ شامی نے تجویز
فرمائی اور نہ وہ تید جو صاحب دانیہ نے بیان کی
کیونکہ معتل العین کہتے ہیں اس کو جس کے عین
کلمہ میں کوئی تحلیل جاری ہوتی ہو۔ چونکہ لایف
کے عین کلمہ میں کوئی تحلیل جاری نہیں ہوتی ہے
اور نہ "عور" اور "صید" کے عین کلمہ میں لئلا بدرن کسی
تید زائد کے صرف لفظ معتل العین سے دونوں
خارج ہو جاتے ہیں نعلیک التعمق فی اختیار
ما ہواذیج۔

اللہ قولہ و انما خص معتل العین رلی قولہ
دان لہر یکن فیہ ما ذکرنا
مراد عبارت یہ ہے کہ حضرت شامی کلام ماتن
سے دو شبہات کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں تفصیل
ہر شبہ اور اس کے جواب کی حسب ذیل ہے۔
شبہ اول معتل العین مبنی للمفعول من المضارع کو

سوجائے گا ایک بار کوالف سے بدلنا دوسرے واؤ کی
حرکت کو ماقبل حرفت کا طرف منتقل کر کے بقاعدہ
یقال داؤ کو بھی الف سے بدل دینا۔ اور اجتماع اعلالین
برہ نقل قوی کے ناجائز ہے۔ لئلا لایف میں یقالن
معتل العین جس کا مقرب تفصیلی تذکرہ آئے گا جاری
نہ ہوگا۔ علامہ شامی قیل الا صوب الج سے صاحب
دانیہ کا اعتراض صاحب دانیہ پر نقل کرتے ہیں علامہ
اس کا یہ ہے کہ صاحب دانیہ نے فرمایا کہ لفظ معتل
العین سے اگر یہ لفظ تو خارج ہو گئے لیکن جملہ
اقسام معتل العین اس کے مفہوم کلی میں شامل ہے
حالانکہ معتل العین مثل "عور" "صید" میں بھی قانون
قیل، بیع جاری نہیں ہوتا لئلا معتل العین کی مراد
میں ایک تید کا اگر اضافہ کر دیا جائے، تب لایف
اور معتل العین مثل "عور" و "صید" سب خارج ہو جائیں گے
⑤ کیونکہ ان کا عین کلمہ الف سے بدلنا ہوا نہیں۔
فت۔ سوال کالی میں مولانا محمد عمر کالی نے فرمایا

⑤ یوں کہا جائے کہ معتل العین سے مراد معتل العین ہے جس کے عین کلمہ کو الف سے بدلنا ہوا ہے اس تید کے بعد "عور" و "صید" بھی خارج ہو جائیں گے۔

اور ناتص سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ان کو ماضی مجہول
کی بحث میں کیوں نظر انداز فرمایا گیا حالانکہ وہ
دونوں بھی معتل کے افراد ہیں، اس کے جواب
کی طرف علامہ شامی نے لفظ لزیادة غموض
و اختلاف اشارہ فرمایا ہے مراد اسکی یہ ہے
کہ چونکہ معتل العین کے ماضی مجہول میں دو لغز ہیں

پہلے۔
اول زیادہ غموض یعنی تغیر صریح میں تین
زیادہ تھی مثلاً قیل ہی میں "عور" کو کس قدر تحلیل
کی آجھن ہے۔ اول نقل حرکت الواو الی القبل
دوم حذف حرکت حرف ماقبل سوم ابدال الواو
یا و بخلاف ماضی مجہول نقل ناقص اور مثال کے
کہ اسکی تحلیل میں کوئی وقت نہیں جیسے "وعدہ"
رہی وغیرہ دوم زیادہ اختلاف لغات پر ہے
اختلاف تحلیل معتل العین میں زیادہ ہے چنانچہ
قیل، بیع میں تین لغات ہیں۔ اول قیل، بیع۔
دوم قول، بوع، سوم، اشلم، اہماصل کثرت
اختلاف لغات اور زیادہ غموض کی وجہ سے معتل
العین کو خاص طور سے ذکر کیا گیا۔

شعبہ دوم۔ جب علت ذکر زیادہ غموض اور کثرت
اختلاف لغات ہے تو پھر معتل العین کے مضارع
مجہول کو کیوں ذکر فرمایا حالانکہ نہ اس میں علت
زیادہ غموض متحقق ہے اور کثرت اختلاف کے
جواب کی طرف تبیینہم سے اشارہ فرمایا مطلب
اس کا یہ ہے کہ واقعی معتل العین کے مضارع
مجہول میں دونوں علت متحقق نہیں ہیں مگر
چونکہ ماضی مجہول کے مضارع مجہول تابع ہے
لئلا بالتبع مضارع مجہول کا بھی مختصر سا ذکر کر دیا
گیا اور بالتبع ذکر کرنے میں ان علت کا متحقق بھی
ضروری نہیں

اللہ الانصح فیہ قیل و بیع (الی قولہ)
ما قبلہا فساد قیل مطلب حضرت شامی

نہیں آئے گا جیسے قیل و بیع اس کے مضارع
مجہول یقال، بیاع میں اجتماع اعلالین نہیں ہے
① سید حسن صفی حنفی۔

من العين الى ما قبلها بعد حذف حركة فصار قول وبيع فايدلت
واو قول ياء لسكونها وانكسار ما قبلها فصار قيل وجاء الاشمام و
هو فصيح في نحو قيل وبيع وفي شرح الرضی حقيقة هذا الاشمام ان
تنحو بكسرة فاء الفعل نحو الضمة فتعمل الياء الساكنة بعدها نحو
الواو قليلا اذ هي تابعة لحركة ما قبلها هذا مراد النحاة والقراء
بالاشمام في هذا الموضع وقال بعضهم الاشمام ههنا كالا شمام حالة
الوقف اعني ضم الشفتين فقط مع كسر الفاء خالصا وهذا خلاف
المشهور عند الفريقين وقال بعضهم هو ان تاتي بضمة خالصة
بعدها ياء ساكنة وهذا ايضا غير مشهور عند هم والغرض من
الاشمام الايدان بان الاصل الضم في اوائل هذه الحروف

کایہ ہے کہ فعل ماضی متعل العین میں افصح لغات
یہ ہے کہ متعل العین واوی میں کہا جائے مثل
قيل اور متعل العین یائی میں پڑھا جائے مثل
بيع تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ متعل العین
یائی میں صرف عین الکلمہ کی حرکت فاکلمہ کی طرف
منتقل کی جائے۔ فاکلمہ کی حرکت حذف کرنے
کے بعد چنانچہ یہی تعلیل بیع میں جاری ہے اور
متعل العین واوی میں میلے تعلیل تودہ ہوگی جو
متعل العین یائی میں ذکر کی گئی اسکے بعد واو
کو بوجہ اسکے سکون کے اور کسر حرف ما قبل
کے یائی سے بدلیں گے۔ چنانچہ یہی تعلیل قيل
میں کی گئی ہے۔

۱۳ قولہ جاء الاشمام وهو فصيح الى
قوله في اوائل هذه الحروف خلاصة كلام
یہ ہے کہ ماضی مجہول متعل العین میں اشمام بھی فصیح
ہے۔ مگر لغت مذکورہ سابق بوجہ زیادہ فصاحت
کے افصح ہے۔ اشمام کی کیا حقیقت ہے اس میں
علماء نحو کے مختلف اقوال میں بعض حضرات فرماتے
ہیں کہ یہ اشمام الیاء ہے کہ جیسا وقف کی حالت
میں ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فاکلمہ خالص کسر
رہا دکھا جائے لیکن وقت تک دونوں ہونٹ
ملائے جائیں اور بعض نے کہا کہ فاکلمہ خالص غنہ کر
دیا جائے اور یائی کو ساکن رکھا جائے لیکن یہ
دونوں اقوال علمائے نحو اور علمائے قرأت کے
مذہب مشہور کے خلاف ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں
کسی آیت میں بھی اس اشمام کے ساتھ کوئی
روایت قرأت موجود نہیں ہے اشمام کی اصل
حقیقت وہ ہے جو شرح رضی میں منقول ہے
اور یہی حقیقت اس مقام میں علماء نحو اور علماء
قرأت کے نزدیک مسلم ہے۔ چنانچہ قرأت متواترہ
میں اس اشمام کے مطابق قرأت بھی موجود ہیں۔

گیا اگرچہ اس میں ان علتوں کا تحقق بھی نہ ہو جو ہم بیان کر چکے۔ اس میں زیادہ فصیح
لغت "قيل" اور "بيع" کہتے ہیں۔ دونوں کی اصل "قول" اور "بيع" تھی۔ حذف
حرکت کے بعد عین کلمہ کا کسرہ اس کے ما قبل کو دے دیا تو "قول" اور "بيع" ہو گیا۔
پھر "قول" کے واؤ کو یا کے ساکن اور اس کے ما قبل کے مکسور ہونے کے باعث
یاء سے بدل دیا تو "قيل" ہو گیا۔ اور اسے بھی فصیح قرار دیں گے کہ اندرون ماضی
مجہول متعل العین اشمام ہو مثلاً "قيل" اور "بيع" اور علامہ رضی "اپنی شرح میں
اس اشمام کی حقیقت یہ بیان فرماتے ہیں کہ فاعل فعل کے کسرہ کو غنہ سے بدل
دیا جائے تو اس صورت میں اس کے بعد یا سے جملہ کا میلان واؤ کی طرف (بہت)
کم ہوگا کیونکہ اپنے ما قبل کی حرکت کے تابع ہوگی۔ اس جگہ نحو یوں اور قراء کا مقصود
اشمام سے یہی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس جگہ اشمام حالت وقف کے اشمام کی
طرح ہے۔ یعنی صرف خاص طور پر فاکلمہ کے کسرہ کے ساتھ دونوں ہونٹوں کا ملانا واؤ

اشمام کی حقیقت مسلم ہیں علماء النحو والقرآن یہ
ہے کہ فاعل فعل کے کسرہ کو غنہ کی طرف مائل کر دیا جائے
اور اس املا کسرہ الی الضمة کے بعد عین کلمہ پر چلے
ساکنہ ہے اس کو کچھ واؤ کی طرف مائل کیا جائے۔
تو قبل بیع کو اس طرح ادا کیا جائے کہ قاف کا
زیر مائل پیش کی طرف ہو اور حرف یا رواؤ کی
طرف مائل ہو۔ یا سے ساکنہ کو واؤ کی طرف مائل
کرنے کی علت یہ ہے کہ یہ قانون ہے کہ واؤ
ساکن اپنے قبل حرف کی حرکت کے تابع قرار
دی گئی ہے۔
چنانچہ اگر یا سے ساکن سے قبل فاعل ہوتا ہوگا
الف سے بدلتے ہیں جیسے بیاع اور اگر ما قبل
حرف پر کسرہ ہو تو کوئی تغیر نہیں کیا جاتا اور اگر
ما قبل حرف پر ضمة ہو تو اسکی حالت میں اضطراب
ہوتا ہے اور اشمام سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے
کہ دراصل ان حروف کے اول میں غنہ تھا۔

علم ذکرہ فی محرم آفندی ۱۲۸۵
سہ چنانچہ علامہ قیل بیع کے شی جی
دیوہ میں اشمام کے ساتھ بھی قرأت موجود ہے
محرم آفندی بتصرف للعلم کذا فی محرم آفندی ۱۲

بیع سے بیع اصل میں بیع تھا بلکہ یار کی
کلمت مار کی طرف منتقل کی گئی بار کے غنہ کو حذف
کرنے کے بعد بیع ہو گیا ۱۲ سید حسن

وجاء الواو ايضا على ضعف فقل قول وبوع بالاسكان بلا نقل
وجعل الياء واو السكونها وانضمام ما قبلها ومثله اى مثل باب
الماضى المجزول من معتل العين من الثلاثي المجرد باب الماضى
المجزول من معتل العين من باب الافتعال والافتعال نحو اختيار
وانقيد فى محى اللغات الثلاث فيه اذ تير وقيد فيهما مثل قيل و
بيع بلا تفاوت دون استخير واقيم اذ ليس ذلك مثل قيل وبيع
لسكون ما قبل حرف العلة فيهما فى الاصل اذ اصلهما استخير و
اقوم بالياء والواو والمكسورتين والقياس فيهما اذا سكن ما قبلها
ان تنقل حركتهما اليه وتقلب العين ياء اذا كانت واو افيقال استخير
واقيم لغة واحدة وان كان اى الفعل الذى اريد حذف فاعله و

یہ دونوں فریقوں (نحویوں اور قراء) کے نزدیک مشہور و معروف قول کے خلاف ہے
اور بعض کے نزدیک اشہام یہ ہے کہ صرف ضمہ لایا جائے اور اس کے بعد یائے
ساکنہ ہو اور ان کے نزدیک یہ بھی غیر مشہور ہے اور اشہام سے غرض ایذاں ہے بایں
طور کہ اصل ان حروف کے شروع میں ضمہ آتا ہے۔ اور ایک ضعیف (اور غیر فصیح)
لغت کی رو سے واؤ کے ساتھ بھی آتا ہے تو (اس لغت کے اعتبار سے) کہا جائے گا
کہ قول "اور" بوع سکون کے ساتھ نقل کے بغیر اور اس کے ساکن اور اس کے ماقبل
کے مضموم ہونے کی بنا پر واؤ یا سے بدل جائے گا وہ ماضی مجہول جس کا عین کلمہ حرف
علت ہو ثلاثی مجرد کی طرح ہے وہ ماضی مجہول جس کا عین کلمہ حرف علت ہو باب افتعال
اور انفعال سے مثلاً "اختیر" اور "انقید" ان میں بھی بلا امتیاز بجز "استخیر" اور "اقیم" کے
(مذکورہ بالا) تینوں لغتوں کو نافذ کرنا صحیح ہو گا۔ کیونکہ "تیر" اور "قید" کا حکم "قیل" اور
"بیع" کا سا ہے البتہ "استخیر" اور "اقیم" تو قیل "اور" بیع کے مانند نہیں اس لئے کہ
باقی بار اصل ان دونوں میں حرف علت کا ماقبل ساکن ہے کیونکہ ان دونوں کی اصل
استخیر "اور" "اقوم" یا اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور ان دونوں میں قیاس کا تقاضا
یہ ہے کہ ان کا ماقبل ساکن ہو تو ان دونوں کی حرکت ساکن کی جانب منتقل ہو اور عین

دخ بڑھا جائے گا۔ کیونکہ اس لغت میں یاد کو
ساکن کیا گیا بدو نقل حرکت کے بیع ہوا۔ پھر ان
کے مطابق یائے ساکن کو ضمہ ماقبل کی وجہ سے واؤ
سے بدل لایا گیا تو رخ ہو گیا۔

۱۱۵ قولہ ومثله اى مثل باب الماضى دالى
قوله لغت واحدة واحدة خلاصه عبارت کا یہ
ہے کہ ماضی مجہول معتل عین ثلاثی مجرد کے مانند ہے
ماضی مجہول معتل عین باب افتعال اور انفعال
جیسے اختیر انقید لہذا ان میں بھی تینوں لغات
کا اجراء درست ہے جس طرح کہ قیل و بیع میں درست
ہے کیونکہ ان میں تیر قید ماقبل قیل و بیع کے ہے
اور اس فقدان مثلاً کے بناء پر استخیر اور اقیم
میں ان تینوں لغات کا اجراء درست نہیں کیونکہ
اصل کے لحاظ سے اس میں قیل و بیع سے مماثل
کوئی کلمہ موجود نہیں ہے اسی وجہ سے کہ استخیر
اصل میں استخیر تھا اور اقیم اصل میں اقوم ہے
حسب قانون حرکت باء اور واؤ کو نقل کر کے ماقبل
کو دی اور واؤ کو بوجہ سکون و کسرہ ماقبل یا سے
بدل گئی۔ اس لئے اقوم سے اقیم ہو گیا۔

۱۱۶ قولہ وان كان اى الفعل دالى
قوله وثقل المضارع بالزيادة اس کلام میں مضارع
مجہول بنائے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ طریقہ اس
کا یہ ہے کہ حرف اول یعنی علامت مضارع
کو ضمہ دیا جائے گا اور حرف ماقبل آخر کو فتح
دیا جائے گا جیسے یکریم یصرفت یفتنون
اسیغفر مضارع مجہول میں حرف ماقبل آخر کو بجائے
کسرہ کے فتح دینے کی حکمت یہ ہے کہ فتح اخف
الحركات ہے اور فعل مضارع میں ثقل ہے بوجہ
اس کے کہ ابتداء میں علامات مضارع کی زیادتی
ہے لہذا ماضی مجہول کی طرح اس میں حرف ماقبل آخر
پر کسرہ دینا مناسب نہ تھا بلکہ فتح موزون تھا
(کسا لا یحقی)

عہ گوئی ظاہر غیر قییم ہم شکل میں و بیع کے نظر
آتے ہیں ۱۲۰ سید حسن عفی عنہ

لغت میں حرف الواو کو ساکن کیا گیا اور اس کی حرکت
کسرہ کو قاف کی طرف منتقل نہیں کیا گیا۔ جیسے کہ قیل
میں کیا گیا تھا بلکہ مفت واؤ کی حرکت کو گرا دیا گیا
اس لئے قول سے قول ہوا اور بجائے بیع کے

۱۱۷ قولہ وجاء الواو ايضا دالى قوله
والاشهام ما قبلها۔ مقصد عبارت یہ ہے کہ
لغت غیر فصیح میں واؤ بھی آیا ہے تو اس لغت کے
مطابق قیل کے بجائے قول بڑھا جائے گا تو اس

۱۷۱ قولہ ومعتل العین المبنی للمفعول
(الی قولہ) وافتتاح ما قبلها مراد عبارت یہ ہے
کہ مضارع مجہول معتل عین میں عین کلمۃ الف سے بلا
جاتا ہے خواہ یا ہر خواہ واؤ جیسے یتال، یباع
یختار، ینقاد، یتخار، یقام اصل میں یقول
یبیع، یختیر، ینقید، یتخیر یقوم تھے
کیونکہ ان میں حرف علت حقیقہ متحرک ہے اور
اس کے ماقبل پر فتح ہے، یا کلمہ متحرک ہے اور ماقبل
مفتوح ہے۔

بحث المتعدي

۱۷۲ المتعدي و غیر المتعدي (الی قولہ)
هذه الامور ممكن حين فعل کی تقسیم
بحسب الصیغہ کی بحث سے فراغت ہو گئی تو اب وہ
فعل کی تقسیم اس اعتبار سے ذکر فرماتے ہیں کہ کبھی تو
فعل کا سمجھنا متعلق پر موقوف ہوتا ہے اور کبھی موقوف
نہیں ہوتا اسی اعتبار سے صرف دو قسم فعل کی ہوتی
ہیں۔ متعدی، غیر متعدی جبکہ لازمی بھی کہتے ہیں حضرت
شامی متعدی کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ متعدی وہ
فعل ہے کہ جس کا سمجھنا متعلق پر موقوف ہو۔ یہاں
متعلق سے مراد فاعل کے سوا دوسری ایسی چیز ہے
کہ جس پر اس فعل کا سمجھنا موقوف ہو جیسے ضرب
کہ اس کے مفہوم کا سمجھنا فاعل کے سوا دوسری چیز پر موقوف
ہے اور اس دوسری چیز کو مفعول بہ کہتے ہیں تو ضرب
کا سمجھنا مضروب پر موقوف ہوا۔ کیونکہ ضرب کا تعقل

اقامة المفعول مقامه مضارعاً ضمّ اوله وهو حرف المضارعة نحو
يضرب ويكرم ويتخرج ويتخرج وفتح ما قبل آخره لتحقة الفتح
وثقل المضارع بالزيادة. ومعتل العین المبنی للمفعول تنقلب
العین فیہ الفایاء کانت او واو انخویقال و یباع و یختار و ینقاد و
یتخار و یقام لتحرکها حقیقۃً اَوْ حکماً و انفتاح ما قبلها المتعدي
و غیر المتعدي فالمتعدي من الفعل ما يتوقف فهمه على متعلق

کلمہ واؤ ہو تو وہ یا سے بدل جائے۔ لہذا کہا "استخیر" اور "اقیم" ایک لغت کے اعتبار
سے اور اگر وہ فعل جس کے فاعل کو حذف کرنے اور مفعول کو اس کے قائم مقام بنانے
کا ارادہ کیا گیا ہو وہ مضارع ہو تو پہلے حرف (یعنی) حرف مضارع پر ضمہ آئے گا مثلاً
"ویضرب"، "ویکرم"، "ویتخرج" اور "تستخرج" اور "یتخرج" اور آخری حرف سے پہلا حرف
فتح کے ہلکا ہونے کی بنا پر اور اضافہ مضارع پر ثقیل ہونے کے باعث مفتوح ہو گا
اور "معتل العین" جو مبنی للمفعول ہو اس میں عین کلمہ چاہے یا ہو چاہے واؤ الف سے
بدل جاتا ہے مثلاً (کہا جاتا ہے) "یقال، یباع، یختار، ینقاد، یتخار، یقام" اس
لئے کہ ان میں حرف علت پر حقیقتاً یا حکماً حرکت ہوتی ہے اور اس کے ماقبل پر فتح
ہوتا ہے، فعل متعدی اور غیر متعدی ہوتا ہے متعدی وہ فعل کہلاتا ہے جس کا سمجھنا
فاعل کے علاوہ متعلق فعل اور اس کے سمجھنے پر موقوف ہوتا ہے ورنہ (یوں تو) ہر

سمجھنے کے لئے لازم نہیں کیونکہ ان سب کے بغیر فعل
کے معنی کا ادراک و تعقل بحسب الاقرع ہو سکتا
ہے۔ فعل کا سمجھنا ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے
جیسے ضرب کہ اس کا تعقل بدون تعقل مضروب
تو ممکن ہی نہیں ہے اور بقیہ مفاعیل کے تعقل
کے بدون اس کا تعقل ممکن ہے۔

بدون مضروب کے ہو تو ایسی ضرب غیر واقع ہوگی
اس تقریر سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ علاوہ
مفعول بہ کے بقیہ مفاعیل یعنی مفعول فیہ زمان،
مفعول فیہ مکان، مفعول لہ، مفعول مطلق، مفعول
معہ۔ ان کا تحقق فعل کے تحقق کیلئے لازم و ضروری
نہیں۔ اسی طرح حال وغیرہ کا بھی وجود فعل کے معنی

متعدی ہونے کے ورنہ متعدی بدون مفعول بہ محض مفروض
ہوگا۔ نہ واقع لیکن یہ ضروری نہیں کہ مفعول لہ کو بھی
ہو صرف مفعول بہ کافی نفسہ ہونا کافی ہے ۱۱ سید
حسن معنی عنہ
۱۲ اس لئے اکثر ان مفاعیل کو کلام میں ذکر
نہیں کیا جاتا۔ اور مفعول بہ اکثر مذکور ہوتا ہے۔ نیز
فاعل جو کلام میں مسند الیہ ہونے کی شان رکھتا ہے
اس کے قائم مقام مفعول بہ لایا جاتا ہے اور بقیہ مفاعیل
المنصوب فضیلتہ کی حد سے تجاوز نہیں کرتے بل ہر جہاں

۱۳ مگر نسبت فعل الی فاعل کو اصطلاح نحو میں اسناد
کہتے ہیں اور نسبت فعل الی غیر الفاعل کو خواہ وہ نسبتہ
الی المفعول بہ یا الی المفعول فیہ یا اسکے علاوہ کسی
مفعول کی طرف نسبت ہو اس کو اصطلاح میں تعلق
اور ان مفاعیل کو متعلقات فعل کہتے ہیں اس لئے
متعلق بلفظ اللام کی تفسیر میں حضرت شامی نے امر
غیر الفاعل فرمایا ۱۲ سید حسن معنی عنہ
۱۴ لہذا ضروری ہے کہ ہر فعل متعدی کیلئے کہ
اس کا مفعول بہ عالم واقع میں ہو تاکہ تحقق فعل

۱۵ جیسے ینقاد میں کہ اصل میں ینقید تھا
حرف علت حقیقہ متحرک ہے ۱۲
۱۶ جیسے یتقاد کہ اصل میں یقوم تھا۔ تو
اس میں حرف علت نقل حرکت سے قبل متحرک ہے لہذا نقل
ساکن ہذا واؤ کو کلمہ متحرک کہتے ہیں ۱۷ سید حسن معنی عنہ
۱۸ یہاں یہ شبہ کہ فاعل بھی تو حقیقہ متعلق فعل
ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جبکہ شامی نے لایقال
فی الاصطلاح انہ متعلق سے دیا ہے حاصل جواب
یہ ہے کہ اگرچہ فی الحقیقت فاعل بھی فعل کا متعلق

ای امر غیر الفاعل یتعلق بالفعل به و یتوقف فهمه علیہ فان کل فعل لا بد له من فاعل وفهمه موقوف علی فهمه لکن نسبة الفعل الی الفاعل بطریق الصدور والقیام والاسناد فیقال لهذا الفعل صادر عن الفاعل وقائم به ومسند الیه ولا یقال فی الاصطلاح انه متعلق به فان التعلق نسبة الفعل الی غیر الفاعل فالحاصل ان فهم الفعل ان کان موقوفاً علی فهم غیر الفاعل فهو المتعدی کضرب فان فهمه موقوف علی تعقل المضروب لا یمکن تعقله الا بعد تعقله بخلاف الزمان والمکان والغایة وهی اة الفاعل او المفعول فان فهم الفعل وتعقله بدون هذا الامور ممکن وغیر المتعدی بخلافه ای بخلاف المتعدی یعنی لا یتوقف

فعل کے لئے فاعل کا ہونا ضروری ہے اور فعل کا سمجھنا فاعل کے سمجھنے پر موقوف ہوا کرتا ہے۔ مگر نسبت فعل کی فاعل کی طرف بطریق صدور و قیام و اسناد ہو پس کہا جاتا ہے اس فعل کا صدور فاعل سے ہوا ہے اور فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہے اور فعل کا اسناد اس کی طرف ہے اصطلاح میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اس سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ تعلق تو فعل کی نسبت فاعل کے علاوہ کی جانب کہلاتی ہے۔ حاصل یہ کہ فعل کا سمجھنا اگر غیر فاعل (متعدی) کے سمجھنے پر موقوف ہو مثلاً "ضرب" کہ اس کا سمجھنا مضروب کے سمجھنے پر موقوف ہے اور اس کا سمجھنا مضروب کے سمجھنے کے بعد ہی ممکن ہے۔ اس کے برعکس زمان و مکان اور غایة اور فاعل یا مفعول کی ہیئت اس لئے کہ فعل کا پوری طرح سمجھنا ان امور کے بغیر بھی ممکن ہے۔ اور غیر متعدی متعدی کے برعکس

۱۹ ذہب متعدی بخلافه دالی قولہ نحو

ذہب بزمید مراد عبارت یہ ہے کہ غیر متعدی یعنی فعل لازم وہ ہے کہ جس کا سمجھنا فاعل کے سوا کسی اور شے کے سمجھنے پر موقوف نہیں جیسے قدرات، آتی وغیرہ کہ اگرچہ ان کا تعلق زمانہ، مکان، ہیئت فاعل وغیرہ کے ساتھ ہے۔ لیکن اگر ان چیزوں سے آدمی توجہ منقطع کرے تب بھی ان افعال کا مفہوم نفی ذہن میں بنے تکلف آ سکتا ہے۔ لیکن چند اسباب ایسے بھی ہیں کہ ان کی بناء پر فعل لازم کو متعدی بنایا جاسکتا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اول۔ ہمزہ تعلق زیادہ کر کے باب افعال میں منتقل کرنے سے جیسے ذہب لازم اذہب بر وزن اکرم کرنے سے متعدی ہو گیا۔
دوم۔ مین کلمہ کو مشدود کر کے باب تفصیل میں

عسہ ذہب بمعنی گیا۔ اذہب لے گیا۔ خروج بمعنی خوش ہوا۔ فخرج بمعنی خوش کیا۔ مثنی

ساعتے چلا ۱۲ سید جن سے تفصیل فرق یہ ہے کہ دونوں جواہر صرف

یعنی مادہ فعل کو متعدی نہیں بناتے ہیں لہذا اس میں کوئی ایسا تصرف جدید نہیں کرتے کہ معنی فعل، طالب مفعول

منتقل کرنے سے جیسے فخرج بر وزن سبع کو فخرج بر وزن مرف کرنے سے متعدی بنایا گیا۔ سوم۔ الف مفاعلت زیادہ کر کے باب مفاعلت میں منتقل کرنے سے جیسے مثنی بر وزن رخی کو ماشنی بر وزن غالی بنانے سے متعدی کیا چہارم۔ فعل لازم پر تین زیادہ کر کے باب استفعال میں منتقل کرنے سے جیسے فخرج فعل لازم کو استخرج بر وزن استنصہ بنانے سے متعدی کیا۔

پنجم۔ فعل لازم کے متعلق ہر حرف جز زیادہ کرنے سے متعدی بنائے ہیں اور اکثر حرف جرباویا الی اس مقصد کے لئے داخل کیا جاتا ہے جیسے ذہب اللہ بنو ذہب۔ حیثنا بک ذہب الیہم

ف (۱) باب تعدیہ میں انتقال بسوئے باب مفاعلت بایسوئے باب استفعال جواہر ذکر کیا گیا۔ یہ ہر دو طریقے تعدیہ میں النہاء مشہور نہیں بقیہ تینوں طریق مذکورہ مشہور ہیں۔ لیکن فی الحقیقت طریقہ تعدیہ میں یہ دونوں طرق بھی صحیح اور کلام عرب میں مستعمل ہیں۔ ملا عصام الدین نے فرمایا کہ یہ دونوں طریقے پہلے تین طریقوں سے کچھ فرق رکھتے ہیں۔ انتہی اس لئے ممکن ہے کہ اس فرق کی بنا پر علمائے نو نے سب کو ایک ساتھ مذکور نہ فرمایا ہو۔

ف (۲) فعل متعدی کو لازم بنانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس فعل کو باب افعال میں منتقل کیا جائے اس سے متعدی لازم اسلئے بن جائے گا کہ باب افعال کا خاصہ یہ ہے کہ ہمیشہ لازم ہی ہوتا ہے مثال قطع بمعنی کاٹنا متعدی ہے اس کو باب افعال میں منتقل کرنے سے

ہو جائیں بلکہ حکم میں ایک ایسے معنی مستقل پیدا کرتے ہیں کہ وہ معنی طالب مفعول ہوتے ہیں اور بقیہ تینوں طرق میں یہ صورت نہیں بلکہ ان میں مادہ فعل میں ایسا تصرف ہو جاتا ہے کہ خود معنی فعل ہی طالب مفعول ہو جاتے ہیں۔ تفصیل فی حاشیہ معصم ۱۲

للعہ ذکرہ فی محرم آئندہ ۱۲

انقطع بمعنی کمالاً لازم ہو گیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس
شق سے انشق فطرت سے انقطاع۔ کسر سے
انکسرت۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فعل متعدی
کو باب تفعیل میں منتقل کر دیا جائے جیسے دُخِرَجَ
معنی بسیار گردانید متعدی ہے اسکو تدحرج
معنی بسیار گردید بنانے سے فعل لازم بن گیا۔

۱۲۰ قولہ والمتعدی یکون متعدیاً دالی قولہ
وجواز سرکہما اس کلام میں متعدی کے اقسام و احکام
واحوال کا ذکر فرماتے ہیں خلاصہ اس کا یہ ہے کہ متعدی
کی تین قسمیں ہیں۔ اول متعدی بیک مفعول، دوم
متعدی بدو مفعول سوم متعدی بس مفعول متعدی
بیک مفعول کے افراد کلام عرب میں دوسرا قسم
متعدی کی بہ نسبت کثرت سے مستعمل ہیں۔

متعدی بدو مفعول کی دو قسمیں ہیں۔ اول
مفعول ثانی مفعول اول کا غیر ہر یعنی مفعول اول
کا مصداق اور مراد مفعول ثانی کا اور کبھی اتحاد
فی المصداق ہو۔ اس قسم کے افعال متعدی کو باب
اعطیت سے تعبیر کیا کرتے ہیں دھب اللہ اخنی
مالاً حلاً لا تواس میں اخنی مفعول اول۔ مال۔
مفعول ثانی کے مصداق میں بالکل تباین ہے اور
دو وزن میں نسبت تباین کلی متحقق ہے۔ دوم مفعول
ثانی، مفعول اول کا عین ہو یعنی مصداق میں ایسا
اتحاد ہو کہ جن افراد پر مفعول اول صادق ہو ان پر ہی
مفعول ثانی صادق ہوتا ہو تو ان پر دو مفعول میں
بحسب المصداق نسبت تساوی ہوتی ہے مثال
علو اللہ ہما اھا ولا عمر مفعول اول ادر عادل
مفعول ثانی۔ ان میں بحسب المصداق اتحاد ہے کہ
جس ذات پر لفظ عمر صادق ہے اس پر ہی عادل
صادق ہے مثال دوم علمت زید کو یسا اس قسم
کے افعال کو باب علمت سے تعبیر کرتے ہیں۔
متعدی بس مفعول میں اصل تو صرف علم۔ او فعل ارئی
سے جو کہ معنی میں علم کے ہو یعنی رؤیۃ بصیر مراد ہونہ
رؤیۃ بصر۔ اور ان کے تابع اور فرع حسب ذیل
افعال بھی ہیں انبا، نبأ، اخبأ، ابرأ، احدث

فہمہ علی فہم امر غیر الفاعل کقعد فانہ وان کان لہ تعلق بک
واحد من الزمان والمكان والغایة وھیأۃ الفاعل لکن فہم
مع الغفلة عن ہذہ المتعلقات جائز وغیر المتعدی یصیب
متعدیاً اما بالہمزۃ نحو اذہبت زیداً او بتضعیف العین نحو
فرحت زیداً او بالف المفاعلة نحو ماشیتہ او بسین الاستفعال
نحو استخرجتہ او بحرف الخ نحو اذہبت بزید والمتعدی یکون متعدیاً

ہوتا ہے یعنی اس کا سمجھنا فاعل کے علاوہ کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہوتا مثلاً "وَقَعَدَ" اس
لئے کہ وہ اگرچہ اس کا تعلق زمان و مکان، غایت (انتہاء) اور ہیئت فاعل سب سے
ہوتا ہے مگر اس کا سمجھنا ان متعلقات سے بے نیاز ہو کر (اور ہٹ کر) درست ہے۔
اور غیر متعدی یا تو ہمزہ کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے مثلاً "اذہبت زیداً" یا عین کلمہ کو
مکرر لا کر مثلاً "د فرحت زیداً" (کہ اس میں تشدید تکرار لفظ اور لفظ کے دوبارہ آنے
کا قائدہ دے رہی ہے) یا مفاعلت کے الف کے ساتھ مثلاً "ماشیۃ" یا استفعال کے
سین کے ساتھ مثلاً "و استخرجتہ" یا حرف جر کے ساتھ مثلاً "و اذہبت بزید" اور

ان کا مفعول اول باب اعطیت کے مفعول اول کی
طرح ہے۔ اس لئے کہ جس طرح اعطیت کے
مفعول اول پر اقتقاد درست ہے جیسے اعطیت
عثمان۔ اسی طرح ان میں بھی صرف مفعول اول کے
ذکر پر اقتقاد جائز ہے جیسے اعلمت علیاً زیداً اور جو
طریقہ پر باب اعطیت میں مفعول اول کا ترک
جائز ہے جیسے اعطیت دیناراً باب اعلمت میں
بھی یہ جائز ہے جیسے اعلمت عثمان کو یسا
وغیرہ اور افعال متعدی بس مفعول کے مفعول ثانی
مفعول ثالث۔ باب علمت کے دو مفعول کے مثل
ہیں اس لئے یہ جائز نہیں کہ ثانی ذکر کریں اور ثالث
کو ترک کر دیں بلکہ اگر ذکر کیا جائے گا تو ثانی ثبات
دو وزن کو کیا جائے گا اور اگر ترک کیا جائے گا
تو دو وزن کو کیا جائے گا۔ اس لئے جس طرح علمت
زیداً ناجائز ہے اسی طرح اعلمت زیداً علم
ناجائز ہے اور جس طرح علمت مطلقاً صحیح نہیں
عہ کیونکہ اگر رؤیۃ البصر کے معنی میں ہو تو اس وقت متعدی
بدو مفعول ہوگا جیسے ادایت زیداً ی بصوتہ

یہ تو مذہب جمہور ہے اور امام سیبویہ کے نزدیک
صرف بنا فرع ہے اعلم کی اور بقیہ افعال مذکورہ
نہیں ہیں۔ ان افعال کے فرع ہونے کی علت
یہ ہے کہ یہ سب بھی اعلام کے معنی کو متضمن ہوتے
ہیں اور اعلم، ارئی باب ثلاثی مجرد میں متعدی بدو
مفعول ہوتے ہیں۔ اور جب ان پر ہمزہ قطعی زائد
کر کے باب افعال میں منتقل کیا گیا تو اب یہ دونوں
متعدی بس مفعول ہوں گے کیونکہ ہمزہ کے اضافہ
کی وجہ سے ان میں ایک اور مفعول کی طلب زائد
ہو گئی اور اس زائد مفعول کو مفعول اول قرار دیا
جائے گا۔ کیونکہ یہ مفعول قبل انتقال بسوئے
باب افعال فاعل تھا اب بعد انتقال مفعول
بن گیا اسلئے اس کا دہرہ تعلیم فی المرتبہ ہے مثال
اعلم زیداً بکذا عثماناً فاضلاً اگر علم بجائے اعلم
کے ہوتا تو مثال اس طرح ہوتی علم زیداً عثماناً
فاضلاً تو زائد لفظ بکذا ہے اعلم کی وجہ سے لہذا
اس کو مفعول اول قرار دیا جائے گا مثال دوم
ادیت عمر کذا کذا جو افعال متعدی بس مفعول ہیں

عہ کیونکہ اس میں عمر مفعول ثانی کو ذکر کیا ہے اور ثبات کو ترک کر دیا گیا ہے ۱۱ عہ ذکرہ محرم آفندی ۱۲

الی مفعول واحد کضرب و هذا فی الکلام کثیر والی اثین
 ثانیہما غیر الاول کا عطی والی اثین ثانیہما غین الاول فیما صدق
 علیہ نحو علم والی مفاعیل ثلثہ کا علم واری بمعنی اعلم و ہما
 اصلان فی هذا القسم فانہما کا ناقبل ادخال الہمزہ متعدین
 الی مفعولین فلما ادخلت علیہما الہمزہ زاد مفعول آخر یقال
 لہ المفعول الاول واما الافعال الاخر وہی انباء و اخبر و خبر و
 حَدَّثَ فلیست اصلا فی التعدیۃ الی ثلثہ مفاعیل بل تعدیۃ
 الیہا انما ہی بواسطۃ اشتمالہا علی معنی الاعلام و ہذا الافعال
 المتعدیۃ الی ثلثہ مفاعیل مفعولہا الاول کہ مفعولی باب اعطیت
 فی جواز الاختصار علیہ کقولک اعلمت زیداً و الاستغناء عنہ
 کقولک اعلمت عمرًا منطلقاً و الثانی و الثالث من مفعولہا مفعولی

فعل متعدی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً "د ضرب" اور اندرون کلام
 یہ صورت بیشتر ہے اور دو کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے کہ دوسرا مفعول پہلے کے علاوہ
 ہوتا ہے مثلاً "اعطی" اور (کیسی) دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اور دوسرا
 مفعول بعینہ پہلے جیسا ہوتا ہے کہ وہ پہلے کی تصدیق کرے ہا ہوا اور دونوں کا مصداق
 ایک ہو مثلاً "د غلم" اور تین مفعولوں کی طرف (بھی) متعدی ہوتا ہے مثلاً "د اعلم" اور
 "د اری" اور یہ دونوں (اعلم اور اری) اس تیسری قسم میں اصل ہیں اس لئے کہ یہ دونوں
 ہمزہ کے داخل ہونے سے قبل دو مفعولوں کی جانب متعدی ہوتے ہیں۔ پھر ان پر ہمزہ
 کے داخل ہونے کے باعث ایک اور مفعول کا اضافہ ہو جاتا ہے کہ اسے مفعول اول
 کہا جاتا ہے اور رہے دوسرے افعال "انباء، اخبر، خبر، حَدَّثَ" یہ تین مفعولوں کی
 طرف بالکل متعدی نہیں ہوتے اور ان کے متعدی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان سارے افعال
 سے اعلام کے معنی مفہوم ہوتے ہیں اہم متعدی افعال تین مفعولوں کی جانب متعدی ہوا
 کرتے ہیں۔ ان کا پہلا مفعول باب اعطیت کے مفعول کی طرح ہے کہ (صرف اس کے
 ذکر پر اکتفاء کو) اختصار کے پیش نظر درست قرار دیا۔ مثلاً تو کہے "اعلمت زیداً" یا اس
 کے ذریعہ استغناء (دوسرے افعال کے ذکر سے بے نیازی) مقصود ہے مثلاً تو کہے "اعلمت

اسی طرح اعلمت زیداً منطلقاً درست نہیں ہے۔
 و ملا معصم الدین نے فعل متعدی بلکہ مفعول
 کے مزید احوال مفاعیل ذکر فرمائے ہیں ہم باختصار

نقل کرتے ہیں۔ اول فاعل اور مفعول اول دونوں
 ایسی ضمیریں نہ ہوں کہ دونوں کا مصداق ایک شے
 ہو اور یہ امر باب اعطیت بھی ممنوع ہے اسلئے

کہ اعطیتنی درہما اور اعطیتک درہما
 بھی ناجائز اور اعلمتنی عمراً فاضلاً بھی جائز
 نہیں۔ دوم مفعول ثانی ثالث سے قبل مفعول
 اول کے بعد لام تاکید حرف استفہام، حرف تنبیہ کا
 لانا بھی درست ہے جس سے کہ وہ ہر دو مفعول شکل
 جملہ بن جاتے ہیں اور ہیئت جملہ اسمیہ میں تبدیل
 ہو جاتے ہیں۔ مثال اعلمت زیداً وعمراً و
 نائلاً و اخبرت زیداً و یحییٰ و یونس و
 عمراً ما زید جالس وغیرہ سوم مفعول ثانی اور
 فاعل دونوں ضمیریں ہوں اور دونوں کا مصداق ایک
 ہو یہ بھی جائز ہے اسی وجہ سے زیداً و اعلمتنی
 قاعداً درست ہے۔ حضرت مولانا جامیؒ نے ان
 خصوصیات کا تذکرہ ممکن ہے اسلئے نہ کیا ہو کہ
 مقصد اہم خصوصیات کے ذکر سے حاصل ہو گیا
 ہو کہ ان خصوصیات کا انکار مولانا کے کلام سے
 مستفاد نہیں ہوتا اسلئے ان پر کوئی اعتراض بھی
 قائم نہیں ہوتا۔ محرم آقندی نے شائع کتاب طرز پر
 یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ان خصوصیات مذکورہ
 شرح جامیؒ کو لکھنے کے بعد لفظ و نحو کا اضافہ
 فرمایا جس سے مزید خصوصیات کی طرف اشارہ
 اور اجمالی علم ہو گیا اور حضرت علامہ جامیؒ بھی ایسا
 کوئی لفظ تحریر فرماتے تو ادنیٰ والنسب محض۔
 واللہ اعلم و علمہ اتم۔

عہ اس لئے اس میں منطلقاً مفعول ثالث
 کو ذکر کیا ہے اور مفعول دوم کو ترک کر دیا ہے ۱۲
 سید حسن
 ۱۳ کیونکہ مفعول اول اور فاعل دونوں ان
 مثالوں میں ضمیر متکلم ہے یا ضمیر مخاطب ہے اور یہ
 ناجائز ہے کما ذکر کرت ۱۲ سید حسن
 ۱۴ اس مثال میں ضمیر متکلم فاعل ہے اور
 مفعول ثانی بھی ضمیر متکلم منصوب متصل ہے اور
 زیداً مفعول ثانی۔ قاعداً مفعول ثالث ہے ۱۲

افعال القلوب

۱۲۱ قولہ افعال القلوب (الی قولہ) و هذه

الثلاثة للعلم خلاصہ کلام یہ ہے کہ فعل متعدی کی ایک قسم کا نام افعال قلوب ہے ان کے تفصیلی حالات ذکر فرماتے ہیں۔ افعال قلوب وہ افعال ہیں جن کا صدور قلب سے ہوتا ہے نہ

اعضاء ظاہر اور جوارح سے اسی وجہ سے ایسے افعال کو افعال قلوب کہتے ہیں۔ افعال قلوب سات ہیں ظننت، حبت، خلعت، زعمت

علمت، رأیت، وجدت ان افعال کا دوسرا نام افعال الشك والیقین ہے۔ ان کو افعال الشك اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں بعض افعال مفید

ظن ہیں جیسے ظننت، حبت، خلعت، تو لفظ شک یہاں پر بمعنی ظن ہے کیونکہ شک کے دو معنی ہیں اول وہ شک جو ضد یقین ہے اس کی

تعریف یہ ہے رجحان احد الطرفين واحتمال الطرف الآخر یعنی رجحانوں میں سے ایک کا رجحان وغلبہ اس طور سے ہو کہ جانب مخالفت کا احتمال بھی موجود ہو۔ یہ شک ضد یقین

اس لئے ہے کہ یقین کہتے ہیں رجحان احد الطرفين وعدم احتمال الطرف الآخر (بلذانی محرم آندی نقلاً عن العاموس) دوم

شک جو ضد ظن ہے اس میں تسادی الطرفين لازماً ہے۔ قرینہ مقامیہ اس کا مقتضی ہے کہ شک یہاں پر بمعنی ظن ہو کیونکہ افعال قلوب میں سے

کوئی فعل بھی شک کے معنی ثانی جو کہ مشہور نہیں مستعمل نہیں ان سات افعال قلوب میں ظننت حبت خلعت تو مفید ظن ہیں اور علمت، رأیت

وجدت مفید معنی علم و یقین ہیں اور زعمت کبھی بمعنی زعمت کبھی بمعنی ظننت مستعمل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی خلعت۔

فت (۱) صاحب کافیه نے افعال قلوب کی تعریف ذکر فرمائی حالانکہ ذکر افراد سے قبل ذکر تعریف

علمت فی وجوب ذکر احدہما عند الآخر وجواز ترک ہما معاً افعال القلوب وتسمی افعال الشك والیقین ایضاً وکانہما ارادوا بالشك

الظن والا فلا شئ من هذه الا افعال بمعنى الشك المقتضى تساوي الطرفين وهي ظننت وحبت وخلعت وهذه الثلاثة للظن و

زعمت وهي تكون تارة للظن وتارة للعلم وعلمت ورأیت ووجدت وهذه الثلاثة للعلم تدخل ای هذه الا افعال علی الجملة

الاسمية لبيان ما هي ای تلك الجملة من حيث الاخبار بها ناشية عن منطلقاً اور ان کا دوسرا اور تیسرا مفعول یہ علمت کے مفعول کی طرح ہیں کہ ان میں سے ایک کا بیان دوسرے مفعولوں کے سامنے لازم ہے اور دونوں کو بیک وقت ترک

کر دینا (بھی) درست ہے۔ (فعل متعدی کی قسموں میں سے ایک قسم افعال قلوب کے نام سے موصوف ہے۔ اسے افعال شک و یقین بھی کہتے ہیں۔ گویا وہ شک سے ظن کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ ان افعال میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے معنی شک کے ہوں۔

اس میں دونوں شقوں کا مساوی ہونا اور کسی ایک جانب کو ترجیح نہ ہونا ناگزیر ہے۔ افعال قلوب سات کہلاتے ہیں یعنی ظننت، حبت، علمت یہ تین فعل تو ظن کے لئے آتے ہیں اور (ایک فعل) زعمت گاہے ظن کے لئے آتا ہے اور گاہے علم کے لئے۔ اور

و علمت، اور رأیت اور وجدت یہ تینوں برائے علم آیا کرتے ہیں۔ افعال قلوب جملہ اسمیہ بر اس لئے آتے ہیں تاکہ جملہ اس ظن اور علم کے فائدہ کی اطلاع دے جو ان کے

کلام کے لحاظ سے صیغہ واحد مذکر غائب مناسب ہے تو بجائے ظننت حبت وغیرہ کے، ظن، حبت و بکذا ہونا چاہئے۔ چنانچہ افعال ناقصہ کی بحث میں کائنات ہما شاً، ظن وغیرہ سب صیغے

واحد مذکر غائب کے ذکر کئے گئے ہیں وجہ اس غیر اسلوب کی یہ ہے کہ صیغہ ظننت فعل بافاعل سے خواہ واحد شکم ہو خواہ حاضر تو صیغہ فعل بافاعل

ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ افعال اگرچہ جملہ اسمیہ پر فعل ناقص کی طرف داخل ہوتے ہیں لیکن ان افعال کا مفہوم صرف فاعل سے پیدا

ہونا چاہئے جیسے کہ عام طور سے صاحب کافیه نے اس کی پابندی فرمائی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مقصد بیان تعریف سے معرفت افراد ہوا کرتا ہے چونکہ افراد افعال قلوب بدون ذکر تعریف سمجھ میں آجاتے ہیں اس لئے بیان تعریف کی ضرورت نہ رہی۔ دوسرے تعریف حقیقی کے لحاظ سے فعل افعال قلوب کا ایک دوسرے سے جدا ہے تو اس

وجہ سے لازم ہوتا ہے ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ ذکر کی جاتی۔ اس صورت میں تعریف افعال قلوب بطریق التعداد ہوتی ہے حالانکہ تعریف الافعال بطریق التعداد باطل و محال ہے۔

فت (۲) صاحب کافیه نے افعال قلوب کے ذکر میں صیغہ واحد شکم ذکر فرمائے حالانکہ اسلوب

کلام کے لحاظ سے صیغہ واحد مذکر غائب مناسب ہے تو بجائے ظننت حبت وغیرہ کے، ظن، حبت و بکذا ہونا چاہئے۔ چنانچہ افعال ناقصہ کی بحث میں کائنات ہما شاً، ظن وغیرہ سب صیغے

واحد مذکر غائب کے ذکر کئے گئے ہیں وجہ اس غیر اسلوب کی یہ ہے کہ صیغہ ظننت فعل بافاعل سے خواہ واحد شکم ہو خواہ حاضر تو صیغہ فعل بافاعل

ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ افعال اگرچہ جملہ اسمیہ پر فعل ناقص کی طرف داخل ہوتے ہیں لیکن ان افعال کا مفہوم صرف فاعل سے پیدا

ہونا چاہئے جیسے کہ عام طور سے صاحب کافیه نے اس کی پابندی فرمائی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مقصد بیان تعریف سے معرفت افراد ہوا کرتا ہے چونکہ افراد افعال قلوب بدون ذکر تعریف سمجھ میں آجاتے ہیں اس لئے بیان تعریف کی ضرورت نہ رہی۔ دوسرے تعریف حقیقی کے لحاظ سے فعل افعال قلوب کا ایک دوسرے سے جدا ہے تو اس

وجہ سے لازم ہوتا ہے ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ ذکر کی جاتی۔ اس صورت میں تعریف افعال قلوب بطریق التعداد ہوتی ہے حالانکہ تعریف الافعال بطریق التعداد باطل و محال ہے۔

فت (۲) صاحب کافیه نے افعال قلوب کے ذکر میں صیغہ واحد شکم ذکر فرمائے حالانکہ اسلوب

عنه ای من الظن والعلو كما اذا قلت علمت زيدا قائما فقولك
علمت ببيان ان ما نشأت هذه الجملة عنه حين تكلمت بها
واخبرت بها عن قيام زيد انما هو العلم واذا قلت ظننت ببيان ان
منشأ الاخبار بهذه الجملة هو الظن وكل بواقى الافعال فتتصب
ای هذه الافعال الجزئين ای جزای الجملة الاسمية المستند
المستند اليه على انها مفعول لها ومن خصائصها هي جمع خصيصة و
هي ما يختص بالشئ ولا يوجد في غيره ای ومن خصائص هذه
الافعال انه اذا ذكر احد هما ذكر الاخر فلا يقتصر على احد مفعوليهما
وسبب ذلك مع كونهما في الاصل مبتدأ وخبر او حذف المبتدأ

ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے تو کہے "علمت زیداً قائماً" تو تیرا قول علمت اس لئے
ہے کہ اسے بیان کرے جو اس جملہ کے ذریعہ حاصل ہو رہا ہے جس وقت کہ تو اس کے ذریعہ
گفتگو کرے اور اس کے ذریعہ قیام زید کی اطلاع کرے کہ وہ علم ہے اور جب تو کہے
"ظننت" تو اس جملہ کے ذریعہ ظن کی اطلاع دہی مقصود ہے۔ اور اسی طرح باقی
افعال ہیں۔ ان افعال کے ذریعہ جملہ اسمیہ کے دونوں اجزاء (یعنی) مستند اور مستند الیہ
پر مفعولیت کے سبب نصب آتا ہے۔ اور ان افعال قلوب کی خصوصیت میں سے
(خصائص خصوصیت کی جمع ہے اور وہ ایسی چیز کہلاتی ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہو
اور اس کے علاوہ میں نہ پائی جلتے) یہ شمار کی جاتی ہے کہ اس کے دو مفعول میں سے
ایک کے ذکر کے ساتھ دوسرے کا بھی ذکر ہو اور دونوں مفعولوں میں سے محض ایک
مفعول کے ذکر پر اکتفا نہ کیا جلتے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں اصل میں مبتدا اور
خبر ہوتے ہیں اور حذف مبتدا و خبر (دونوں مفعولوں کا حذف) بھی کافی مستعمل ہے

ہو جاتا ہے اس لئے یہ افعال یا فاعل مفید
فائدہ تار کو ہیں جن پر سکوت کرنا صحیح ہے
بجلاف افعال ناقصہ کے کہ وہ محض فاعل سے
مفید فائدہ تارہ کن نہیں ہیں۔

۱۲۲ قولہ تدخل ای هذه الافعال دالی قولہ
على انهما مفعول لها۔ خلاصہ عبارت
یہ ہے کہ افعال قلوب کا معمول خاص جملہ اسمیہ
ہوتا ہے اور یہ افعال اس کے دونوں اجزاء مستند
اور مستند الیہ کو نصب دیتے ہیں بوجہ مفعولیت
کے جیسے وجدت الامیر عادلاً رأیت

اعلم نامداً وغیرہ اور ان افعال کا داخلہ جملہ اسمیہ میں
فائدہ کیلئے ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ افعال
قلوب جملہ اسمیہ سے اس طور سے متعلق ہیں کہ ان
کے معانی کا بیان یہ جملہ اسمیہ کرتا ہے

اور جملہ اسمیہ کی کیفیت نسبت کا دراک
ان افعال قلوب سے ہوتا ہے جس طرح کہ
حروف مشبہ بالفعل سے نسبت جملہ اسمیہ کی
تعویت دناکید ہوتی ہے۔ اسی طرح افعال قلوب
سے بھی جملہ اسمیہ کی نسبت کا حال معلوم ہوتا ہے
جیسے ظننت الشمس طالعة میں جملہ اسمیہ الشمس

طالعة کی کیفیت نسبت کی تعیین لفظ ظننت
سے ہوتی ہے اسی وجہ سے علمائے منطق نے فرمایا
کہ ظننت الشمس طالعة تصدیق نہیں کیونکہ
نسبت کی کیفیت اذعانہ نہیں اور تصدیق میں
شرط یہ ہے کہ کیفیت نسبت اذعانہ ہو اور
علمت الله صاحباً میں معلوم ہوا کہ الله صاحب
جملہ اسمیہ میں کیفیت نسبت اذعان اور علم ہے۔
الحاصل جملہ اسمیہ کی کیفیت نسبت کا بیان ان افعال
قلوب سے ہوتا ہے۔

ف۔ اگر یہ مشبہ کرے کہ جب افعال قلوب
جملہ اسمیہ کی کیفیت نسبت کو بیان کرتے ہیں
تو معلوم ہوا کہ وہ جملہ اسمیہ کے بیان مراد میں محتاج
ہیں اور یہ افعال با فاعل مفید فائدہ تارہ کو نہیں
جس پر کہ سکوت صحیح ہو کیونکہ جس طرح ان حرف
تحقیق جملہ اسمیہ کا محتاج ہے اسی طرح افعال
قلوب بھی محتاج ہیں۔

جواب۔ اس کا یہ ہے کہ یہ افعال جملہ
اسمیہ کے توابع میں سے نہیں ہیں بلکہ مستقل
بنفسہ ہیں اور جملہ اسمیہ سے ان کا تعلق احتیاج
نہیں بلکہ وہ تعلق ہے جو مبین اور بیان میں ہوتا
ہے اور یہ شان نہ حروف مشبہ بالفعل کی ہے
اور نہ افعال ناقصہ وغیرہ کی (نافہم فائدہ تحقیق بالغہم)
۱۲۳ ومن خصائصها هي جمع خصيصة

دالی قولہ) عین الذی هو المفعول الشائی
یہاں سے افعال قلوب کی چند خصوصیات ذکر
فرماتے ہیں۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب
ان کے دونوں مفعولوں میں سے ایک مفعول
کو ذکر کیا جائے تو دوسرے کو بھی ذکر کرنا ضروری

علمت یہ مضمون ملا عصام اور محرم افند کی ہے
بصرف و اضافہ تحریر کیا ہے ۱۲ سید حسن معنی عنہ
علمت خصیصہ اور خاصیت کی تعریف یہ ہے کہ جو شے
کسی کے لئے مخصوص ہو اور اس کے سوا دوسرے میں نہ
پائی جاتی ہو اور یہ خواص مذکورہ قبیل خاصہ شاید
سے ہیں اس لئے جملہ افراد افعال قلوب میں متحقق
ہیں ۱۲ سید حسن

ہو جاتا ہے اور اکتفا ایک مفعول کے ذکر پر جائز نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں مفعول با نکل ذکر نہ کئے جائیں، محذوف میں جیسے کہ اس آیت کریمہ میں ہے ویوم یقول نادوا شریکائی الذین زعمتم۔ تو یہاں زعمتم کے دونوں مفعول محذوف ہیں اصل عبارت یوں سمجھنی چاہیے زعمتموھم ہا ہم۔ اس خصوصیت کا سبب یہ ہے کہ ان کے دونوں مفعول بمنزلہ اسم واحد کے ہوتے ہیں کیونکہ جس جملہ اسمیہ رافعال قلوب داخل ہوتے ہیں اس جملہ کا مفعول جملہ حقیقہ مفعول ہوتا ہے۔ مبتدا اور خبر علیہ علیہ مفعول نہیں ہوتے تو چونکہ اس صورت میں دونوں مفعول حکم میں اسم واحد کے ہیں اس لئے ایک مفعول کا حذف کرنا اور ایک کا باقی رکھنا ایسا ہے جیسے کہ کسی اسم کے بعض اجزاء کو حذف اور بعض کو باقی رکھنا۔

فہذا مسئلہ مذکورہ کے خلاف کتاب

اللہ میں انعال قلوب کا استعمال موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لا یحسبن الذین یبخلون بما انہم اللہ من فضلہ ہو خیرا لہم۔

اس میں الذین یبخلون بما انہم اللہ من فضلہ فاعل ہے فعل لا یحسبن کا اور مفعول اول بخلہم محذوف ہے اور ہو خیرا لہم مفعول ثانی ہے تو آیت کریمہ میں مفعول اول محذوف ہے اور مفعول ثانی مذکور ہے اور ایک شاعر بلخ کے کلام میں صرف مفعول ثانی کا حذف موجود ہے شعر لا تخلصنا علی غراتک انا

طالما قد وشی بنا الاعداء۔ اس میں لا تخلص فعل ہے نا ضمیر متکلم مفعول اول ہے۔ اور جازعین یا اذلا مفعول ثانی محذوف ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مسئلہ مذکورہ سالبہ اکثر یہ ہے قاعدہ کلیہ میں اور اگر ملا عصام الدین کی اس رائے کو تسلیم کر لیا جائے کہ مراد عبارت اذا ذکر احد احد ہما ذکر الاخر یہ ہے کہ اذا ذکر احد ہما ذکر الاخر تو ذکر ما ینصب منابہ تو اس صورت

والخبر غیر قلیل ان المفعولین معا بمنزلة اسم واحد لان مضمونہما معا هو المفعول بہ فی الحقیقة فلو حذف احدهما کان کحذف بعض اجزاء الكلمة الواحدة مع هذا فقد ورد ذلك مع القرینۃ علی قلة اما حذف المفعول الاول فکما فی قوله تعالیٰ ولا یحسبن الذین یبخلون بما انہم اللہ من فضلہ ہو خیرا لہم علی قراءۃ ولا یحسبن بالیاء المنقوطة من تحت نقطتین ای لا یحسبن ہولاء بخلہم ہو خیرا لہم فحذف بخلہم الذی هو المفعول الاول واما حذف الثانی فکما فی قول الشاعر شعر

لا تخلصنا علی غراتک انا طالما قد وشی بنا الاعداء

اور دونوں مفعولوں میں سے صرف ایک پر اکتفا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مفعول بیک وقت ایک اسم کے درج میں ہوتے ہیں اور ان دونوں کا اکٹھا مضمون ہی حقیقت مفعول بہ ہوتا ہے۔ لہذا دونوں میں سے ایک کے حذف کرنے کا حکم ایک کلمہ کے بعض اجزاء کو حذف کرنے کا سا ہوگا۔ اس کے باوجود قرینہ کی موجودگی میں کم ہی سہی مگر اس قاعدہ کے خلاف بھی استعمال ثابت ہے۔ رہا مفعول اول کا حذف جیسا کہ ارشاد ربانی "و لا یحسبن الذین یبخلون بما انہم اللہ من فضلہ ہو خیرا لہم" ایک قراءت کی رو سے "ولا یحسبن" منقوطة یاء کے ساتھ مع دوزیریں نقطوں کے یعنی "لا یحسبن ہولاء بخلہم ہو خیرا لہم" تو "بخلہم" جو مفعول اول ہے وہ حذف کیا گیا۔ اور دوسرا مفعول حذف ہونے کی مثال شاعر کا یہ شعر ہے

لا تخلصنا علی غراتک انا طالما قد وشی بنا الاعداء

میں ضابطہ میں یہ تعمیم ہو جاتی ہے کہ جس جگہ قرینہ لفظیہ کی بنا پر ایک مفعول کو حذف کیا جائے تو وہاں پر یہ بات صادق آتی ہے کہ ذکر واحد ہما و ذکر جمع

جمع مضمون جملہ اس عبارت کو کہتے ہیں کہ جو خبر کے مصدر کو مبتدا کی طرف مضاف کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیسے زید قائم کا مضمون جملہ قیام زید اور العالم حادث کا مضمون جملہ حدوث عالم ہے تو علت اخال زیداً اصل میں علت زیدینہ اخال ہے تو چونکہ مضمون جملہ میں مصدر خبر کا مبتدا کی طرف مضاف ہونا ضروری ہے اس لئے دونوں مفعولوں میں سے صرف ایک کا حذف کرنا ایسا ہے

ما ینوب مناب الاخر۔ لہذا ایسی صورت میں حذف کرنا خلاف مسئلہ مذکورہ کا نہ ہوگا تو اس تعمیم کے بعد آیت کریمہ میں یہ بات ظاہر ہے کہ وہاں پر حذف مفعول

جیسے کہ مضاف ومضاف الیہ میں سے کسی ایک کا حذف کرنا صحیح اور اگر یہ مبتدا اور خبر علیہ علیہ مفعول ہوتے تو حذف ہر ایک کا بدو ل حذف آخر جاز ہوتا جس طرح کہ جملہ اسمیہ مبتدا کا حذف بدو ل خبر کے اور خبر کا بدو ل مبتدا کے جائز ہے۔ ہاں یہی حسن لایع (ترجمہ آیت) ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو ایسی چیزیں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کیلئے بھی ہوگا

ی لا تخلنا جاز عین فحذف جاز عین الذی هو المفعول الثانی
بجلا فبا اعطیت فانہ يجوز فیہ الاقتصار علی احدہما مطلقاً
فلان یعطى الذنا یر من غیر ذکر المعطى له و یعطى الفقراء من غیر
ذکر المعطى وقد یحذف ان معاک قولک فلان یعطى و یکسو و یستغفر

یعنی "لا تخلنا جاز عین" اس میں "جاز عین" جو مفعول ثانی ہے اسے حذف کر دیا گیا
اس کے برعکس باب "ما اعطیت" میں ایک مفعول کے اوپر اکتفاء کرنے کو مطلقاً درست
قرار دیا گیا مثلاً معطى له (جس کے لئے دینے گئے ہوں) کے بیان کے بغیر کہا جائے کہ فلاں
نے دینا عطا فرمائے اور ناداروں کو دیئے۔ اور کبھی دونوں بیک وقت حذف بھی کر
دیئے جاتے ہیں مثلاً تو کہے دو فلاں نے عطا کئے اور کپڑے پہنائے، کیونکہ اس جیسی مثالوں

اول قرینہ نغلیہ کی بنا پر ہے اور وہ قرینہ فعل یجعلن
ہے اور قول شاعر میں بھی حذف کرنا قرینہ نغلیہ کی بنا
پر ہے وہ قرینہ نور لا نخل فعل قلب ہے۔

ف (۲) قول الشاع علی قراءۃ ولا یجبن
بالیاء المنقوطة من تحت بنقطتین کا مقصد
یہ ہے کہ وہ آیت کریمہ کی دوسری قرات تائے
خطاب کے ساتھ لا تحجب ہے نو اس دقت حذف
مفعول کی صورت متحقق نہیں لیونکہ لا تحجب
فعل باقاعل الذین یجعلن مفعول اول اور ہندیم

مفعول ثانی۔
نکتہ: حضرت شاعر نے بایاؤ کے ساتھ
المنقوطة من تحت کی قید اس غرض سے زائد کی
کہ کہیں کاتب غلطی سے بایاؤ کو بانٹا بکھدے اور

صحت (تحقیق الفاظ شریع ترجمہ و مطلب)
لا تخلنا مت گمان کو ہم کو جاز عین گھبراتے والے
علی غرامت اس میں مفعول بہ منع ہے اصل عبارت
یہ ہے علی غرامت الملک بنا۔ ظاہر بلا قات
وشی۔ نیت و شکایت کی (ترجمہ مجھ کو گھبراتے
والے نگران کو اپنے ور ظالمنے سے بادشاہ
کو ہمارے خلاف کیونکہ ہماری بسا اوقات دشمنوں
نے شکایت کی ہے اور ہم نے کچھ پرواہ نہ کی)۔
مطلب یہ ہے کہ شاعر کی نیت کسی شخص نے
ہم سے کی کہ یہ شخص بہت زیادہ مالدار ہے۔
شاعر نے اس کو شکر یہ شریعاً حسن کا مقصد ہے۔

ہے کہ ہم شکایات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور
دشمنوں کے مکر و کید سے نہیں گھبراتے ۱۲ امید
حسن معنی عند

عہ نقلہ کالمی فی شرح ۱۲
عہ باب ما اعطیت سے مراد ایسے افعال متوری
ہیں کہ جن کے ایسے مفعول ہوتے ہیں کہ مفعول
ثانی غیر متوقفا ہے مفعول اول کے جیسے امطی زید
مالا کثیراً ظاہر ہے کہ زید اور مال میں بحسب
الصدق نسبت تباین ہے ۱۲

عہ باب ملت سے مراد ایسے افعال متوری
ہیں جن کے دو ایسے مفعول ہوں کہ مفعول اول۔
عہ کہ ہم شکایات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور
دشمنوں کے مکر و کید سے نہیں گھبراتے ۱۲ امید
حسن معنی عند

عہ نقلہ کالمی فی شرح ۱۲
عہ باب ما اعطیت سے مراد ایسے افعال متوری
ہیں کہ جن کے ایسے مفعول ہوتے ہیں کہ مفعول
ثانی غیر متوقفا ہے مفعول اول کے جیسے امطی زید
مالا کثیراً ظاہر ہے کہ زید اور مال میں بحسب
الصدق نسبت تباین ہے ۱۲

عہ باب ملت سے مراد ایسے افعال متوری
ہیں جن کے دو ایسے مفعول ہوں کہ مفعول اول۔

فلان یعطى الفقراء میں مفعول ثانی یعنی نے
معطى (بسیغہ اسم مفعول) کو حذف کر رہا ہے اور
اس مفعول محذوف کو مقدر ماننا محبت کلام کے
لئے ضروری نہیں نہیں ہے۔ اور کبھی دونوں مفعولوں
کو ایک ساتھ حذف کر دیتے ہیں اور مقدر بھی نہیں
ماننے جیسے کہا جاتا ہے فلان یعطى و یکسو۔

اللہ یعطى و یمنع وغیرہ ان مواقع میں ہر دو
مفعول کو حذف کرنے کے بعد بھی فائدہ تامہ حاصل
ہو جاتا ہے اور اگر باب علمت میں بھی اس طرح
دونوں مفعولوں کو حذف کر دیا جائے تو مفسد کلام
ذمت ہو جائے جیسے کہا جائے زید لیکھ
و عمر لکھ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کلام سے
کوئی فائدہ تامہ حاصل نہ ہو کیونکہ یہ تو اصل البیہات

میں سے ہے کہ ہر انسان میں سفت علم اور صفت
علم ضروری ہے اس سے نو کوئی کبھی خالی نہیں ہے
تو عمر زید لکھ سے کیا فائدہ جدیدہ حاصل ہوا لہذا
ضروری ہے کہ اگر دونوں مفعولوں کو باب علمت میں
عبارت میں سے حذف کیا جائے تو وہ مراد سے
خارج نہ ہوں اور ان کو محذوف منوی قرار دیا جائے

اور اس صحت پر کوئی قرینہ بھی کلام میں موجود نہیں
من یسمع یجمل اصل عبارت اس طرح قرار دینا
بائے گی کہ من یسمع یجمل مجموعہ صادقاً
اور دونوں مفعولوں کے حذف پر قرینہ نخل فعل قلب
کا تسبیح کے بعد ذکر کرنا ہے۔

مفعول ثانی کا بحسب الصدق غیر متوقفا ہے جیسے علمت زید
کاملاً ظاہر ہے کہ لفظ کامل زید کا بحسب الصدق
متقدم ۱۲ سید حسن معنی عند

عہ حضرت اسمعیٰ ادیب بلیغ فرماتے ہیں کہ
یہ جملہ اہل عرب عام لوگوں سے اخلاط کی مذمت
میں استعمال کیا کرتے ہیں۔ حال اس عبارت کا
یہ سمجھنا چاہیے من یسمع اخبار الناس و معانیہ یقہ
فی نفسہ علم المکر و لا اور لفظ یجمل خال
یجمل سے ہے بوجہ جزم الف حذف ہوا ۱۲ حسین

عہ کہانی سوال کا بی ۱۲

عہ کہانی سوال کا بی ۱۲

عہ کہانی سوال کا بی ۱۲

عہ کہانی سوال کا بی ۱۲

عہ کہانی سوال کا بی ۱۲

ف۔ شراح اللب کی رائے یہ ہے کہ جس طرح باب اعطیت میں حذف ہر دو مفعول بلا کسی فید کے درست ہے اسی طرح باب علمت میں بھی ہے تو ان کی رائے کے مطابق جس طرح کہ قرینہ کی سورت میں حذف جائز ہے اسی طرح بدون قرینہ کے بھی درست ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ قل هل يستوی الذين يعلمون والذين لا يعلمون غلام عیسیٰ بنیج اور شراح لب فرماتے ہیں کہ یہی مذہب صحیح ہے اور جنہوں نے مخالفت کی وہ خطا پر ہیں اور ملا عصام الدین نے علمت اور ظننت کے بارے میں فرمایا کہ یہ امثال بدون ذکر ہر دو مفعول درست ہیں کیونکہ افادہ کلام بدون ان کے متحقق ہے بایں طور کہ کہا جائے مراد علمت کثیرا۔ و ظننت قلیلا ہے یا کہا جائے ما علمت الیوم ما ظننت الیوم یا ما علمت الا بالبراہین ولا ظننت الا بالامارات

۱۲۵ قولہ ومنہا ای ومن خصائصہ (قوله) علی تقدیر التاخر علامہ کلام یہ ہے کہ ایک خاصہ افعال قلوب کا یہ ہے کہ ان کے عمل کو باطل کرنا بھی درست ہے جبکہ یہ افعال اپنے دونوں مفعولوں کے درمیان واقع ہوں جیسے زید ظننت قائم یا دونوں مفعولوں سے بعد میں واقع ہوں جیسے زید قائم ظننت اور یہ ابطال عمل میں طرح لغظاً ہے اسی طرح معنی بھی ابطال ہے اور اس ابطال کا سبب افعال قلوب کا وسط میں مفعولوں کے یا بعد میں ان کے واقع ہونا ہے کیونکہ ان صورتوں میں فعل قلب کا عمل ضعیف ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ دونوں مفعول جو نہ کہ باعتبار اصل مبتداء و خبر ہیں اور نظاً ہرے مبتداء بھی کلام تام کا جز مستقل ہوتا ہے اور خبر بھی تو دونوں مفعول بحسب الاصل کلام تام ہیں۔ لہذا ان دونوں کے تامةیت اولاً استقلال کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب یہ ہے کہ افعال قلوب کے عمل سے ان صورتوں میں ان کو خارج کیا جائے تاکہ المنصوب منصلۃ کیستی سے نکل کر المرفوع حمد کا کی شان ظاہر

من مثله فائدة يدون المفعولين بخلاف مفعولى باب علمت
فانك لا تحذفهما نسياً منسياً فلا تقول علمت وظننت لعدم
الفائدة اذ من المعلوم ان الانسان لا يتخلو عن علم وظن واما
مع قيام القرينة فلا بأس بحذفهما نحو من يجمع يخل اى يخل
مسموعه صادقاً ومنها اى من خصائص افعال القلوب جواز

سے دونوں مفعولوں کے بیان کے بغیر بھی استفادہ ہو سکتا ہے اس کے برعکس باب علمت کے دونوں مفعول کہ انہیں قطعی طور پر حذف نہیں کیا جاتا۔ لہذا تو (صرف) علمت اور ظننت نہیں کہے گا کہ اس طرح کہنا بے فائدہ ہے کیونکہ یہ خبر ہے کہ انسان علم اور ظن سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن اگر قرینہ موجود ہو تو ان دونوں کے حذف کرنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً «من یسمع یخجل یعنی دو یخجل مسموعہ صادقاً»۔

دفعہ قولہ جواز الاغناء اشارۃً الی جواز
اعمالها ایضا علی تقدیر المتوسط والتاخر
کامطلب یہ ہے کہ صاحب کافیه نے بجائے وجوب
الغناء کے جواز الاغناء ... فرمایا۔
اس تغیر عبارت سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان حالات
میں افعال تلوب کا عمل باطل قرار دینا جائز ہے
واجب نہیں بننا نیز علامہ رحمٰنی شائع کافیه نے فرمایا
کہ جبکہ افعال تلوب مبتداء و خبر کے درمیان میں واقع
ہوں تو اغناء جائز ہے بلا کسی قباحت کے اور اعمال
افعال تلوب بھی درست ہے۔ انتہیٰ قولہ الاغناء
اولیٰ علی تقدیر المتوسط والتاخر۔ حضرت علامہ جامیؒ نے
فرمایا کہ اگر افعال تلوب مبتداء و خبر کے بعد واقع
ہوں تو اس وقت الغناء اولیٰ ہے اعمال سے۔
اور توسط کی صورت میں الغناء و اعمال دونوں

کریں۔ بعض علمائے نحو نے منقول ہے کہ جب فعل
قلب معمول سے مقدم بھی ہو تب بھی الباطل عمل
باز رہے اور عامل معنوی کی رعایت کرتے ہوئے
ان کی تاثیر باطل قرار دیتے ہیں۔ لہذا ان کے
نزدیک ظننت زید قائلو بھی درست ہے
مگر جمہور نحاة اس مسلک کے مخالف ہیں اور اس
کو جائز تصور نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے عامل نصب
مقدم لفظوں میں جب موجود ہے تو پھر اس عامل
قوی کو کس طرح نظر انداز کریں اور اس کے عمل کو لغو
قرار دے کر عامل معنوی کو ترجیح دیں۔ حضرت
شایخ قولہ و هذه الافعال هي تقدير الغائبا
في معنى الظنات سے یہ بیان فرماتے ہیں
کہ جن صورتوں میں ہم نے افعال قلوب کے عمل کو لغو
قرار دیا ہے اُن حالات میں افعال قلوب کو بتبادل
مصدر قرار دے کر ظن بنائیں گے جس کا تعلق خبر
سے ہوگا جیسے زید عالم ظننت کی تقدیر عبارت
زید عالم فی ظنی تو فی ظنی متعلق عالم کے
ہے اور عالم مع متعلق خبر ہے۔ رہا یہ سوال کہ فعل کو
ہم نے ظن کے معنی میں کیوں قرار دیا۔ اس کا جواب
یہ ہے کہ اس کا نام نہ یہ ہے کہ افعال قلوب کا اصل
لفظ اور معنی اس صورت میں بالکل باطل ہو سکتا ہے جیسے
کہ مثال مذکور سے بالکل واضح ہے۔ قول الشایخ

۱۱ ذکرہ محرم آفندی ۱۱
 للعلیٰ اے گئے کہ توسط کی صورت میں فعل
 قلب اس کا ایک مفعول مقدم ہو گیا اور تاخر کی
 حالت میں دونوں مفعول مقدم ہو گئے اور مفعول
 مقدم میں عامل کی تاثیر ضعیف ہو جاتی ہے واللہ
 اعلم ۱۲ سید حسن
 ص ۱۲ تذامار سخ بیالی قلند الحمد ۱۲ سید حسن
 ع ذکرہ محرم آفندی مکن نقلتہ مع تصرف
 العبارة ۱۲

الاعفاء ای ابطال عملها اذا توسطت بین مفعولیهما نحو زید
ظننت قائماً و تاخرت عنہما نحو زید قائم ظننت وانما يجوز
الاعفاء علی التقديرين لا استقلال الجزأين الصالحين لان يكونا
مبتدأ وخبراً او مفعولين لهما كلاماً تاماً علی تقدير الاعفاء وجعلهما
مبتدأ وخبراً مع ضعف عملها بالتوسط او التاخر وقد نقل الاعفاء
عند التقديم ايضاً نحو ظننت زید قائم لكن الجمهور علی انه لا
يجوز وهذه الافعال علی تقدير الغائرها في معنى الظرف فمعنى
زید قائم ظننت زید قائم في ظني وفي قوله جواز الاعفاء اشارة
الی جواز اعمالها ايضاً علی تقدير التوسط والتاخر وفي بعض الشروح
ان الاعمال اولى علی تقدير التوسط وفي بعضها انها متساويان و
الاعفاء اولى علی تقدير التاخر وقد يقع الاعفاء فيها اذا توسطت بين
الفعل ومرفوعه نحو ضرب احب زید و بین اسم الفاعل ومفعوله
اور افعال قلوب کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اگر یہ دو مفعولوں کے درمیان
آ رہے ہوں تو ان کے عمل کو کالعدم قرار دینا صحیح ہے۔ مثلاً (کہا جائے) ”زید ظننت
قائم“ یا یہ دونوں مفعولوں سے مؤخر آئیں مثلاً (کہا جائے) ”زید قائم ظننت“ اور
باعتبار معنی بھی افعال قلوب کو کالعدم قرار دینا درست ہے کیونکہ ان کے دونوں
جزء مبتدأ اور خبر ہوں گے اور انہیں کالعدم قرار دینے کے باوجود دونوں مفعولوں
کے ذریعہ کلام مستقل ممکن ہو جائے گا اور وہ مبتدأ اور خبر بن جائیں گے۔ اور
(افعال قلوب میں سے کسی) فعل کا درمیان میں یا مؤخر ہونے کی وجہ سے کمزور
ہوگا۔ اور بعض (کے نزدیک) دونوں مفعولوں سے مقدم ہونے کی صورت میں
بھی اسے کالعدم قرار دینا درست ہے مثلاً ”ظننت زید قائم“ مگر اکثر نحوویوں
کے نزدیک یہ درست نہیں۔ اور یہ افعال قلوب کالعدم ہونے کی صورت میں
ظرف کے معنی دیتے ہیں تو ”زید قائم ظننت“ کے معنی ہوں گے ”زید قائم فی ظنی“۔
میرے گمان میں زید کھڑا ہونے والا ہے) اور ”جواز الاعفاء“ کہہ کر اس کی طرف
شارح فرمایا کہ درمیان میں یا اخیر میں آنے پر ان کے عمل کو بھی کالعدم قرار دینا درست
ہے اور بعض شروحات میں ہے کہ درمیان میں ہونے پر ان کا عمل کمزور قابل تزیج
ہے اور بعض کے نزدیک (عمل کرنے اور نہ کرنے کی) دونوں صورتیں (توسط کی
شکل میں) برابر ہیں، اور اخیر میں ہونے پر اسے عمل کو کالعدم قرار دینا لائق تزیج ہے

۱۲۶۔ قوله وقد يقع الاعفاء (الی قوله)
فی هذه الصورتين، حضرت شراح علیہ
الرحمة الاعفاء کی چند نئی صورتیں ذکر فرماتے ہیں اور
ان صورتوں میں الاعفاء واجب ہے۔ ایک ان میں
یہ ہے کہ افعال قلوب واقع ہو جائیں۔ وہ
افعال جوارح اور ان کے مرفوع (فاعل مفعول
مالم یسم فاعلاً) کے درمیان جیسے ضارب احب
زید۔ (ای ضارب زید فی حیاتی وظلنی
دوسرے افعال قلوب واقع ہوں اسم فاعل اور
اس کے مفعول کے درمیان میں جیسے لست
بمکرم احب زید تو اس میں زید جو کہ اسم فاعل مکرم کا
مفعول بہ تھا اس سے قبل احب فعل قلوب واقع
ہوا۔ مراد عبارت یہ ہے انی لست بمکرم
زید انی حیاتی۔ تیسرے ان حرف مشبہ
بالفعل کے اسم و خبر کے درمیان افعال قلوب
واقع ہوں جیسے ان زید احب قائم
چوتھے جبکہ افعال قلوب کلمہ سوف اور اس کے
مفعول دما دخول کے درمیان میں واقع ہو جائیں
جیسے سوف احب یقوم زید یہاں پر
احب، سوف ادرا کے مدخول یقوم کے درمیان
واقع ہو گیا۔ پانچویں جب کہ افعال قلوب معطوف
علیہ اور معطوف کے درمیان واقع ہو جیسے جانی
زید احب دعماً و یہاں پر فعل احب زید
دعماً و معطوف، معطوف علیہ کے درمیان
میں واقع ہوا ہے۔ مراد اس عبارت کی یہ ہے
ہا انی زید تحقیقاً و مجی دعماً معہ مظنون
ان مواقع میں الغاء افعال قلوب واجب ہے
کیونکہ مذکورہ صورتوں میں اعمال افعال قلوب
ممتنع ہے اس وجہ سے کوئی اسم اس قابل نہیں
پایا جاتا کہ حکم معمول بنایا جاسکے۔

۱۲۸ قولہ فائدہ اکتید جوازہ دالی قولہ
و لکثرة وقوعہ مطلب کلام یہ ہے کہ صاحب
کافیہ نے صرف الغاء جائز کی صورتیں ذکر فرمائی
ہیں اور انشاء واجب کو ذکر نہیں فرمایا تو اس عدم
الذکر سے صاحب کافیہ پر کوئی قہر اعتراض لازم
نہیں آتا ہے کیونکہ عدم الذکر عدم الوجود کو مستلزم
نہیں بلکہ لفظ جواز کا اسانہ الغاء پر اس کے رد کر
جوانب پر بقا عرصہ و بصدہ امتحین الاشیاء
روشنی بھی ڈالتا ہے، چنانچہ علامہ جامی نے اس کو
بالتمہیل شرح میں ذکر فرمایا کہ مرآۃ الغاء۔ ابد لم یہ
اشکال کہ صاحب کافیہ نے وجوب الغاء کی صورتوں
کو کیوں ذکر نہ فرمایا اس کا جواب علامہ جامی انشا
خص هذا الغاء الخاص بالذکر الخ
سے ارشاد فرماتے ہیں ماحصل جواب یہ ہے
کہ متن کافیہ میں بنظر ایجاز صرف ان مباحث
کو درج کیا جاتا ہے کہ جو شائع و مطرود ہیں بکثرت
کلام عرب میں مستعمل ہیں چونکہ الغاء واجب کی
صورتیں کلام عرب میں بہت ہی کم استعمال ہوتی
ہیں اس لئے ان کو ذکر نہ فرمایا اور الغاء جائز کی
صورتوں کا چونکہ استعمال بکثرت ہوتا ہے اس
لئے ان کو وضاحت سے بیان کیا۔

۱۲۹ ومنها ای من خصائص راذا قولہ
اعلمت لزید منطلق مطلب عبارت
یہ ہے کہ افعال قلوب کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ان
کا عمل بعض صورتوں میں لفظاً تو بالکل باقی نہیں
رہتا ہے باطل ہو جاتا ہے لیکن معنی کے لحاظ
سے بدستور عمل قائم رہتا ہے۔ اس خاصہ کو تعلیق
سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ تعلیق تین صورتوں میں ہوتی
ہے۔ اول افعال قلوب معنی استعمال سے قبل
واقع ہوں۔ خواہ استعمال سے قبل بلا واسطہ
ہوں جیسے علمت ازید عندک اصعب و
یا بالواسطہ مضاف سے قبل واقع ہوں جیسے
علمت غلام من انت اس مثال میں من
استفہام پر اور علمت کے مابین لفظ غلام جو کہ
مضاف ہے واسطہ ہے۔ دوم افعال قلوب

نحوست بمکرم احب زیداً و بین معمولی ان نحو ان زید احب
قائم و بین سوف و مصحوبہا نحو سوف احب یقوم زید و بین
المعطوف والمعطوف علیہ نحو جاءنی زید احب وعمرو ولا شک
ان الغاء ہا فی هذه الصور واجب فلہذا قید جوازہ المبنی عن جواز
الاعمال ایضا بقولہ اذا توسطت یعنی بین مفعولہا و تاخرت یعنی
عنہما و انما خص هذا الغاء الخاص بالذکر مع ان مطلقہ ایضا

اور اگر افعال قلوب فعل اور مفعول مابین اسم فاعل کے درمیان میں آئیں تو انہیں کاملاً
قرار دینا لازم ہوگا۔ مثلاً (کہا جائے) "ضرب احب زید" اور اسم فاعل اور فاعل کے
معمول کے بیچ میں آئیں مثلاً "لست بمکرم احب زیداً" اور ان کے اسم اور اس کی
خبر کے بیچ میں آئیں مثلاً "ان زیداً احب قائم" اور (افعال قلوب) سوف اور
سوف جس پر داخل ہوتا ہے اس کے درمیان میں آئیں مثلاً "سوف احب یقوم زید"
اور (اسی طرح) معطوف و معطوف علیہ کے بیچ میں آجائیں مثلاً (کہا جائے) جاءنی زید
احب وعمرو۔ اور بلاشبہ ان ذکر کردہ صورتوں میں افعال قلوب کو کالعدم (اور غیر
مؤثر) قرار دینا لازم ہوگا۔ پس قید نکا کہ ان کے عمل کا جواز بھی ثابت کیا۔ یعنی جب یہ
دو مفعولوں کے درمیان یا ان سے مؤخر واقع ہوں تب بھی عمل اور اثر درست ہے
اور خاص طور پر اس کالعدم اور بے اثر ہونے کو بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ مطلق

و ترک آخری بالمقایسہ سے بیان فرمایا یعنی
مصنف ایجاز کے پیش نظر نفی دلام ابتداء کی

عہ ملا عصام الدین فرماتے ہیں کہ اس صورت
میں بلا واسطہ علمت استعمال سے قبل واقع ہے
کیونکہ مضاف و مضاف الیہ میں بوجہ علاوہ اضافت
ایسا امتزاج نام ہو گیا ہے کہ بمنزلہ شئی واحد کے
ہے (چنانچہ تنہا مضاف نہ فاعل ہو سکتا ہے نہ
مفعول نہ وغیرہ بلکہ مضاف مضاف الیہ کے ساتھ
مل کر فاعل اور مفعول بہ وغیرہ بنتے ہیں، اس لئے
علمت غلام من انت میں بھی بلا کسی واسطہ علمت
قبل استعمال واقع ہے رفتہ رفتہ مقالہ والنصف
والنحو ان شیخنا الہامی ذکر ہذا لا یضاح مفہوم
قبلیۃ افعال القلوب علی معنی الاستفہام فلا یلزم
انہ خطأ فی هذا الکلام فانہ سید الاذکیاء عند کافہ
الانام و انشاء علم بالمرام اسیدین

ایسے معمول سے مقدم ہوں جن پر حرف نفی لگا
ہوا ہو جیسے علمت مازید فی الدار سوم
افعال قلوب ایسے معمول سے مقدم ہوں کہ جن
پر لام ابتداء داخل ہو جیسے علمت لزید منطلق
ان صورتوں میں افعال قلوب کا عمل لفظوں میں
باقی نہ رہے گا بلکہ ان کا عمل باطل قرار دینا
واجب ہو جائے گا۔ چنانچہ اشلہ مذکورہ میں معمول
افعال قلوب منصوب نہیں لیکن معنی کے لحاظ سے
عمل باطل نہ ہوگا یعنی وہ جس طرح پہلے معنی کے
لحاظ سے افعال قلوب کے معمول و مفعول تھے
اب بھی اسی طرح معمول و مفعول باقی رہیں گے
صاحب کافیہ نے صرف معنی استعمال سے قبل
افعال قلوب کے واقع ہونے کی مثال ذکر فرمائی ہے
اور دونوں صورتوں کی اشلہ کو ترک فرمایا ہے اسکی
وجہ اور حکمت یہ ہے کہ جب کو علامہ جامی کہنے

من خصائصها الشيوع وكثرة وقوعه ومنها اي ومن خصائصها افعال القلوب انها تعلق وتعليقها وجوب ابطال عملها لفظا دون معنى بسبب وقوعها قبل معنى الاستفهام بلا واسطة كما يبيح مثاله او بواسطة كما اذا كان قبل المضاف الى ما فيه معنى الاستفهام نحو علمت غلام من انت وقبل النفي الداخل على معمولها وقبل اللام اي لام الابتداء والداخل على معمولها مثل علمت ازيد عندك ام عمرو مثال للتعلق بالاستفهام وترك مثال اخويه بالمقابلة مثال النفي علمت مازيد في الدار ومثال اللام علمت لزيد منطلق وانما تعلق قبل هذه الثلاثة لان هذه الثلاثة تقع في صدر الجملة

او بلا قيد (جوان) کی خصوصیات اکثر و بیشتر مستعمل ہیں (اس لئے تفصیل کیسے نہ ہو گا ذکر کر دیا)۔ اور افعال قلوب کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ ان کا عمل باعتبار لفظ ختم کر دینا لازم ہوتا اور باعتبار معنی برقرار رہتا ہے ان کے بلا واسطہ استفہام سے پہلے واقع ہونے کے باعث جیسا کہ اس کی مثال (ابھی) آرہی ہے یا ان کا وقوع بلا واسطہ ہو رہا ہو جبکہ یہ اس مضاف سے پہلے ہوں جو معنی استفہام دیتا ہو مثلاً (کہا جائے) "علمت غلام من انت" اور افعال قلوب اس معمول سے پہلے آتے ہیں جس کے اوپر حرف نفي آیا ہو مثال کے طور پر (کہا جائے) "علمت مازيد في الدار" اور افعال قلوب ایسے معمول سے قبل آتے ہیں جن کے اوپر لام ابتداء آرہا ہو مثلاً "علمت ازيد عندك ام عمرو" اور استفہام کے ساتھ تعلیق کی مثال دیکر باقی اس کے اخوات کی مثالیں اس لئے ترک کر دی گئیں کہ اسی پر قیاس کر لیا جائے لہذا نفي کی مثال ہے "علمت مازيد في الدار" اور لام کی مثال "علمت لزيد منطلق" اور ان تین صورتوں سے پہلے افعال قلوب کے آنے کا سبب یہ ہے کہ یہی وضع اصلی

شائیں اس لئے ترک فرمائی کہ مستند طالب نحو آسانی کے ساتھ مثال استفہام سے قیاس کر کے بقیہ ردوں کی مثالیں اخذ کرے گا۔ اور شیخ جامی نے طلبہ کو بار طبع آزمائی سے امثلہ شرح میں درج فرما کر سبکدش فرمادیا فجزاهم اللہ احسن الجزاء۔

۲۹ قولہ وانما تعلق قبل هذه الثلاثة (الی قولہ) فی اللفظ لا فی المعنی - مولانا جامی علیہ الرحمۃ بطور لطیف طریقہ کے اندر تعلق قبل هذه

المنشئة سے الی قولہ من حیث المنی ردعیت هذه الافعال اس کی حکمت ارشاد فرماتے ہیں کہ حرف ان تین صورتوں میں تعلیق دینا واجب ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان مواقع نہ دو عامل متضاد جمع میں ایک افعال قلوب دوسرے لام ابتداء حرف النفي یا حرف الاستفہام افعال قلوب تو یہ جاتے ہیں کہ ہم نصب کا عمل نہیں اور لام ابتداء اور حرف النفي اور حرف الاستفہام کا تقاضا یہ ہے کہ

جس جملہ پر ہم داخل ہیں اس پر کسی دوسرے کا عمل نہ ہو کیونکہ یہ تینوں افعال وضع کے لحاظ سے جملہ کے شروع میں آیا کرتے ہیں اس کی مخالفت کس طرح درست ہو لہذا اس وجہ سے ضروری ہے کہ تہذیب کی صورت اس طرح قائم ہے کہ جس طرح ان افعال قلوب کے داخل ہونے سے پہلے نفي، یعنی کسی پر نصب نہ آئے بلکہ رفع ہے۔ اسی وجہ سے دو عاملوں میں تعارض پیدا ہو گیا۔ اور دونوں کو جمع کرنا دشوار ہوا۔ لہذا رفع تعارض کی یہ صورت تجویز کی گئی کہ لفظوں میں تو حرف استفہام یا حرف النفي یا لام ابتداء کی رعایت کر دی جائے۔ اور افعال قلوب کا لفظ کوئی عمل ظاہر نہ ہو اور معنوی اعتبار سے ان افعال قلوب کی رعایت ملحوظ رکھی گئی۔

اسی وجہ سے جملہ کے ردوں اجزاء، یعنی مبتداء و خبر افعال قلوب کے دو مفعول معنی قرار دیے گئے۔ اس کے بعد حضرت علامہ نے لفظ تعلیق کے معنی عربی اور معنی اصطلاحی کا فرق بیان فرمایا کہ لفظ تعلیق اہل عرب کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے امرأة معلقة یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی عورت کا شوہر مفقود الخیر ہو کیونکہ ایسی عورت لٹکی ہوئی چیز کے مشابہ ہوتی ہے نہ وہ حقیقت میں

عمل اصل وضع کی تہذیب لگانا اس لئے ہے کہ بعض مرتبہ کسی معلومت سے اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے جیسے کلام ابتداء بجائے مبتداء کے خبر پر داخل کیا جاتا ہے جب کہ ان حرف مشبہ بالفعل شروع میں موجود ہوتا کہ وہ حرف تاکیدی جمع ہو کر کلام کی فصاحت میں نقص کا ذریعہ نہ بن جائے جیسے ان زید، الفالکھ وغیرہ ۱۲ سید حسن عفی عنہ عملہ مطلب یہ ہے کہ نہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ اس کا شوہر حقیقتہً اس کے پاس موجود ہے بلکہ ایسا اوقات اس کی وفات کا خیال ہوتا ہے تو گویا ایسی عورت ادھر میں لٹک رہی ہے نہ شوہر والی ہے اور نہ رائد ۱۲ سید حسن عفی عنہ

شوہر والی ہے کیونکہ اس کا کچھ پتہ ہی نہیں ہوتا اور نہ وہ بے شوہر کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ اس کا زندہ ہونا اور طلاق نہ دینا بھی ممکن اور وہ ہے اس لئے کہ دوسرے شخص سے شادی نہیں کر سکتی۔ یہی حال فعل معلق کا ہوتا ہے کہ لفظاً تو وہ عامل نہیں ہوتے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مفعول موجود ہی نہیں اور معنی اور تقدیراً عمل کرتے ہیں کیونکہ فی الجملہ عمل کا امکان تو موجود ہے اس لئے کہ علمت زید قائم کے معنی میں علمت قیام زید اگر علمت لفظاً بھی عامل ہوتا تب بھی یہی معنی ہوتے ہیں اور اس وجہ سے جملہ منصوب کا عطف جملہ معلقہ بر جائز ہے جیسے علمت زید قائم و بکر قائم اذ یکھو زید قائم معطوف علیہ تو جملہ معلقہ ہے۔ اس پر بکر قائم اذ بکر اصل کے لحاظ سے جملہ ہے وہ معطوف ہے اس عطف کے جو اثر کی وجہ یہ ہے کہ معنوی تعلق میں جملہ معلقہ اور جملہ منصوبہ یکساں ہیں اسلئے عطف درست ہے اس لئے امام النحو علامہ جامی الغاء اور تعلیق کا فرق بیان فرماتے ہیں فی قولہ الفراق بین الغاء والتعلیق الخ عامل کلام یہ ہے کہ ان میں دو فرق ہیں۔ اول یہ ہے کہ الغاء تو صرف جائز ہے اور تعلیق واجب ہے۔ دوسرے الغاء میں تو افعال کا عمل لفظاً اور معنی باطل ہو جاتا ہے اور تعلیق میں صرف لفظاً باطل ہوتا ہے نہ معنی

۱۲ قولہ دمتھای ومن خصائص افعال القلوب (الی قولہ) جہا بت نفسی و شمت نفسی خلاصہ کلام یہ ہے کہ افعال قلوب کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ان کا فاعل اور مفعول دونوں ایسی ضمیریں متصل ہوں کہ جن کا مرجع و مراد ایک ہو جیسے علمت زید مطلقاً و ملکت منطلقاً و یکھو بکر مثال ہا ایک ضمیر متکلم متصل فاعل ہے اور دوسری ضمیر متصل متکلم مقول یہ ہے اور دوسری مثال میں ایک ضمیر متصل مخاطب فاعل ہے اور دوسری ضمیر مخاطب متصل مقول ہے اس خاصہ میں ضمیر متصل کی قید

۱۱ و جملہ
۱۲ و جملہ

وضعا فاقصنت بقاء صورة الجملة وهذه الافعال توجب تغييرها بنصب جزئها فوجب التوفيق باعتبارين احدهما لفظ والآخر معنى فمن حيث اللفظ روعى الاستفهام والنفي ولام الابتداء ومن حيث المعنى روعيت هذه الافعال والتعلیق ماخوذ من قولهم امرأة معلقة ای مفقود الزوج تكون كالشيء المعلق لا مع الزوج لفقده انه ولا بلا زوج لتجويزها فلا تقدر على التزوج فان فعل المعلق ممنوع من العمل لفظاً عاملاً معنئاً وتقدير الان علمت زید قائم علمت قیام زید کما کان کل عند انتصاب الجزئين ومن ثم جاز ان عطف الجملة المنصوبة جزؤها على الجملة التعليلية نحو علمت زید قائم و بکر قائم والفرق بين الغاء والتعلیق من وجهين احدهما ان الغاء جائز لا واجب والتعلیق واجب الثاني ان الغاء ابطال العمل في اللفظ والمعنى والتعلیق ابطال العمل في اللفظ لا في المعنى ومنها ای ومن خصائص افعال القلوب انها يجوز ان يكون

کے اعتبار سے آغاز جملہ میں (از روئے قاعدہ) آتے ہیں پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ کی ہشت جہوں کی توں پر قرار دے اور ان افعال قلوب کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ میں تغیر ضروری ہو اور اس کے دونوں جز منصوب ہوں۔ لہذا دونوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ کی گئی کہ ایک کا باعتبار الفاظ لحاظ رکھا جائے اور دوسرے کا باعتبار معنی۔ لہذا باعتبار الفاظ استفہام نفی و لام ابتداء کی رعایت ملحوظ رکھی گئی۔ اور باعتبار معنی ان افعال قلوب کا (باعتبار اثر) لحاظ کیا گیا۔ اور "التعلیق" قول عرب "امرأة معلقة" ہے ماخوذ ہے یعنی وہ عورت جو اپنے شوہر کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے شوہر والی کہلاتی ہے اور اس کی زوجیت میں ہونے کی وجہ سے بے شوہر بھی نہیں کہلاتی اور اس وجہ سے نکاح بھی نہیں کر سکتی تو فعل معلق میں باعتبار الفاظ کوئی عمل نہیں اور معنوی اعتبار سے عمل ہوتا ہے اس لئے "علمت زید قائم علمت قیام زید" ایسا ہی ہے جہا کہ دونوں اجزاء کے منصوب ہونے کے وقت ہوتا اور اسی بنا پر منصوب جملہ کو معطوف کرنا اس کے جز جملہ تعلیقیہ پر درست ہے مثلاً "علمت زید قائم و بکر قائم" افعال قلوب کے عمل کے بطلان کا عدم ہونے اور تعلق میں دو وجہوں سے فرق (دواصح) ہے ایک فرق تو دونوں کے درمیان یہ ہے کہ ان کے اثر کو باطل

فاعلاہای فاعل افعال القلوب و مفعولہا ضمیرین متصلین لشی
واحد وانما قلنا متصلین لانه اذا کان احدهما متفصلا لم یختص
بجواز اجتماعہما بفعل دون آخر نحو ایاک ظلمت مثل علمتہی
منطلقا و علمتک منطلقا ولا یجوز ذلک فی سائر افعال فلا یقال
ضربتہی و شتمتہی بل یقال ضربت نفسی و شتمت نفسی و ذلک
لان اصل الفاعل ان یکون موثرا و المفعول بہ متاثرا و اصل الموثر

و کا عدم قرار دینا درست ہے کہ ضمیر نہیں اور تعین لازم ہے اور دوسرے یہ کہ
الغاء کا مطلب باعتبار الفاظ و حتی عمل کو کا عدم کرنا ہے اور تعلیق الفاظ کے اعتبار
سے عمل کو کا عدم قرار دینے کا نام ہے معنوی اعتبار سے نہیں اور افعال قلوب کی
خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ افعال قلوب کا فاعل اور افعال قلوب
کا مفعول دونوں ایسی ضمیریں ہوں جن میں اتصال ہو اور ان کا مقصود ایک ہی شے
ہو اور ہمارے "متصلین" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان اتصال
ہو تو اس صورت میں افعال قلوب کی تخصیص (اوروں سے) برقرار نہ رہے گی مثلاً
دکھا جائے ایک ظلمت (اور) مثلاً "علمتہی منطلقاً علیک منطلقاً" (افعال قلوب
کے سوا) دیگر تمام افعال میں یہ صورت درست نہ ہوگی اس وجہ سے مضر ثبوتی
اور وہ شتمتہی نہیں کہا جائے گا بلکہ کہا جائے گا "ضربت نفسی و شتمت نفسی"

گئی کہ ایک ضمیر کو اسم ظاہر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے
تاکہ بقدر امکان تغایر ہو جائے جسے ضربت نفسی
دیکھو میاں پر اگر ضربتہی بولا جائے تو چونکہ ت اور
تھا دونوں ضمائر متصل ہیں ایک مرفوع و دوسری
منصوب، تو تغایر بقدر امکان ظاہر نہ ہوا لہذا
ہم نے دوسری ضمیر سے قبل لفظ نفس بڑھایا
اور کہا ضربت نفسی تو اس لفظ نفس کی وجہ سے
ایسا تغایر پیدا ہو گیا کہ مفعول یعنی نفسی بالکل
متغایر معلوم ہونے لگا فاعل ضمیر شکم کے کیونکہ
اس میں مضاف لفظ نفس ہے جو متغایر ہے ضمیر
شکم سے لہذا بقدر امکان تغایر فاعل اور مفعول
یہ میں پیدا ہو گیا لیکن افعال قلوب میں یہ
جائز ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں ایک ہی
ضمیر ہوں وجہ جائز ہونے کی یہ ہے کہ افعال
قلوب میں ایک کلمہ تنہا حقیقت میں مفعول بہ
منہیں ہوتا ہے بلکہ جس جملہ پر فاعل قلوب داخل
ہوا کرتے ہیں اس کا مضمون بسند مفعول بہ ہوتا
ہے جسے علت ذیلتاً ثنائی اس میں نہ
تنہا ذیید مفعول بہ ہے نہ تنہا ثنائی بلکہ اس کا
مضمون جملہ یعنی قیام نہ حقیقت میں مفعول
بہ ہے لہذا اگر فاعل افعال قلوب اور ان کا
مفعول اول دونوں نظروں میں متحد ہوں تو
کوئی حرج واقع نہیں ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت
مضمون جملہ مفعول ہے اور ظاہر ہے کہ فاعل
اور مضمون جملہ دونوں میں تغایر ہوگا جسے علتی
قائماً دیکھئے اس میں بظاہر فاعل اور مفعول
اول لفظاً متحد ہونگے فی الحقیقت فاعل اور
مفعول بہ میں اختلاف ہے کیونکہ اس کا مضمون جملہ
مفعول بہ ہے افعال اس کا یہ ہے علت
قیامی و یکمے افعال اور مفعول بہ میں تغایر
صاف طور سے ہر ہو گیا جسے ضربت نفسی میں
تھا لہذا ثابت ہوا کہ افعال قلوب میں جو یہ
جائز ہے کہ فاعل اور مفعول بہ دونوں نظروں میں
متحد ہوں وہ اس پر ہے کہ جس طرح غیر افعال قلوب
میں فاعل اور مفعول بہ تغایر ہوتا ہے اسی طرح افعال

اس بنا پر کہ اگر ایک ضمیر متصل ہو اور مفعول
منفصل۔ ترجمہ یہ خصوصیت صرف افعال
قلوب کی نہیں اور افعال میں بھی پائی جاتی ہے
جیسے ایاک ظلمت میں دو ضمیریں ایک مرجع کی
ہیں لیکن فاعل کی ضمیر مخاطب متصل ہے اور مفعول
بہ کی ضمیر مخاطب منفصل ہے لیکن دو متصل ضمیرین
بجز افعال قلوب کے اور کسی فعل میں فاعل اور
مفعول بہ نہیں ہو سکتے اسلئے ضربتہی یا
شتمتہی کہنا درست نہیں بلکہ یوں کہا جائے
گا۔ ضربت نفسی شتمت نفسی۔

۱۳۱ قولہ و ذلک لان اصل الفاعل لالی
قولہ فاعلا و مفعولا بہ خلاصہ کلام یہ ہے
کہ افعال قلوب میں تو یہ جائز ہے کہ فاعل اور
مفعول بہ ضمیریں متصل ہوں اور ان کا مرجع ایک
ہو جسے علتی منطلقاً ان کے علاوہ اور

۵ قلوب کے فاعل اور مفعول بہ میں بھی حقیقتہً تغایر پایا جاتا ہے نا فہر فان هذا حقیق بالفہم۔

۱۳۲ قولہ و مما اجری مجری افعال القلوب
 دلی قولہ انی ارانی اعصا ضمرا حاصل کلام
 یہ ہے کہ افعال قلوب کے علاوہ بعض افعال
 میں بھی یہ جائز ہے کہ ناعل اور مفعول دونوں
 لفظاً متحد ہوں جیسے فقدتہنی۔ ہد متنی تو
 معلوم ہوا کہ غیر افعال قلوب میں بھی اس کا تحقق
 ہے مولانا جامیؒ نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے
 فرمایا مما اجری مجری افعال القلوب الخ
 حاصل جواب یہ ہے کہ یہ مثال حکماً افعال قلوب
 میں کیونکہ وہ جو افعال قلوب میں ہے اس کی دو
 نقیضیں ہیں ایک فقدتہ سے عدم تو ہو کہ ناعل
 کے لئے عقارہ سے نقیض کے لئے ثابت
 کیا گیا۔ اور ایک فل کی نقیض کو اسل کے حکم میں
 شریک کیا گیا لہذا ثابت ہوا کہ ناعل اور مفعول
 کا حفظ اتحاداً عامہ افعال قلوب ہی کا ہے۔ و نیز
 تو فقدتہنی ہد متنی کا جواز۔ یہ کوئی نقض تاعدہ مذکور
 پر لازم نہیں آتا۔ اسی طرح رای جو افعال قلوب میں
 شامل ہے اس کی درسم اور ہیں۔ راستی بمعنی بصیر
 اس کو رای البصر کہتے ہیں۔ اور راستی بمعنی علم یعنی
 خواب میں دیکھا اسکو راہ اکلمیہ کہتے ہیں۔ ان
 دونوں قسموں میں بھی یہ جائز ہے کہ فاعل اور مفعول
 لفظاً متحد ہوں یعنی دونوں ضمائر متصلہ ہوں جن
 کا مرجع و مال ایک ہو اگرچہ ای بصیر اور رای علم
 افعال قلوب میں حقیقتہً داخل نہیں مگر مجازاً ان
 میں شامل ہیں۔ لہذا ان میں جو اتحاد فاعل اور
 مفعول ہے کوئی نقض لازم نہیں آتا کیونکہ
 یہ حکماً افعال قلوب میں شامل شامل رای البصر
 شاعر کا قول ہے۔

لقد ارانی للمراح دیتہ

من عن یمنی تادۃ والی

اس میں ارانی میں رؤیہ بصیر مراد ہے اور
 ناعل بھی ضمیر متکلم متصل ہے مفعول یہ
 بھی ضمیر متکلم متصل ہے اور رؤیہ علم کی مثال
 آیت کریمہ انی اعصا خضرا لایا فی رؤیہ علم
 اور فاعل اور مفعول بہ دونوں ضمائر متکلم متصلہ ہیں

ان یخاثر المتأثر فان اتحد معنی کرہ اتفاقہما لفظاً فقصد مع
 اتحادہما معنی تغایرہما لفظاً بقدر الامکان فمن ثم قالوا
 ضربت نفسی ولم یقولوا ضربتہنی فان الفاعل والمفعول فیہ لیس
 بہ تغایرین بقدر الامکان لا اتفاقہما من حیث کون کل واحد
 منہما ضمیراً متصلاً بخلاف ضربت نفسی فان النفس باضافہا
 الی ضمیر المتکلم صارت کاتھا غیرہ لغلبۃ مغایرة المضاف للمضاف
 لید فصار الفاعل والمفعول فیہ تغایرین بقدر الامکان واما
 افعال القلوب فان المفعول بہ فیہا لیس المنصوب الاول فی
 الحقیقۃ بل مضمون الجملة فجاز اتفاقہما لفظاً لا ہما لیس فی الحقیقۃ
 فاعلاً ومفعولاً بہ و مما اجری افعال القلوب فقدتہنی وعد متنی

کیونکہ فاعل اصل کے اعتبار سے مؤثر (اثر ڈالنے والا) ہوتا ہے اور مفعول مثر
 (اثر پذیر) اور مؤثر اصل کے اعتبار سے متاثر سے الگ ہوگا۔ لہذا اگر (گاہے) معنی
 کے لحاظ سے دونوں کے درمیان اتحاد ہو جائے (اور مرادف المعنی ہوں) تو الفاظ
 کے اعتبار سے ان کا یکساں ہونا ناپسندیدہ (بہر صورت) ہے گا اور بعد امکان معنی
 اتحاد کے بوجہ اذروئے الفاظ ان کے الگ ہونے کا ارادہ کیا جائے گا (اور معنی ہوگی)
 (اگرچہ) ان دونوں میں اس اعتبار سے اتفاق ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ضمیر متصل
 ہو۔ اس کے برعکس ”ضربت نفسی“ اس لئے کہ نفس کی اضافت ضمیر متکلم کی طرف سے
 گویا اسے ال کا غیر بنا دیا۔ کیونکہ اس میں مضاف مضاف الیہ سے بدلا ہوا ہے۔ تو
 فاعل اور مفعول دونوں کے درمیان بعد امکان تغایر (اور ایک دوسرے سے
 باعتبار الفاظ بھی امتیاز) ہو گیا۔ اور یہ افعال قلوب تو ان میں مفعول بہ حقیقتاً
 منصوب ال نہیں ہوتا بلکہ مضمون جملہ ہوا کرتا ہے تو ان دونوں کا لفظی اعتبار سے
 متفق ہونا درست ہے کیونکہ یہ دونوں فی الحقیقت فاعل اور مفعول بہ نہیں ہیں۔

ہے کہ شاعر اپنی شجاعت کا ذکر کرتا ہے کہ میں اس قدر
 شجاع ہوں کہ میں دشمنوں کے نیروں کا نشانہ بنایا
 گیا ہر جانب سے نیرے میرے اوپر آئے تھے ہاتھوں
 دہنی جانب اور آگے کی جانب سے لیکن جھک کر
 گزند نہ پہنچی اور بحیریت واپس آیا ۱۲ محرم آفندی
 ۱۲۰۵ میں اپنے آپکو خواب میں دیکھا ہوں کہ
 شراب پورڈ ہوں ۱۲

عہ حل شاعر ارانی۔ البتہ دیکھ رہا ہوں
 میں اپنے آپ کو للوام نیروں کے لئے، دریتہ
 وہ نشان یا حلقہ نشان جس پر سیکھنے کے لئے نیرہ
 بازی کی جائے م عن یمنی متعلق محذوف ای
 تاتی الراح من عن یمنی (ترجمہ) البتہ میں دیکھ رہا ہوں
 اپنے آپکو نیروں کی نشانہ۔ نیز آگے تھے میری
 دہنی جانب سے او آگے کی طرف سے مطلب یہ

لَا تُخَالِفَانِ قِيَضًا وَجَدْتَنِي فُجُورًا عَلَيْهِ حِمْلُ النَّقِيضِ ۝ وَكَثَّ اجْرِي
رَأْيَ الْبَصَرِيَّةِ وَالْحَمِيَّةِ عَلَى رَأْيِ الْقَلْبِيَّةِ فُجُورًا فِيهِمَا مَا جُوزِيهِ
مَنْ كُنَ فَاعِلُهُمَا مُفْعُولُهُمَا مُنْهَرِينَ لَشَيْءٍ وَاحِدٍ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ
وَلَقَدْ اسْرَانِي لِلرَّوْمِ دَرِيَّةً ۝ مَنْ عَنِ يَمِينِي تَارَةً وَأُمَامِي
وَكَقَوْلِهِ تَعَالَى إِنِّي أَرْسَنِي أَعْصِرُ خُمُرًا ۝ وَلِبَعْضِنَهَا أَيْ وَبَعْضِ أفعالِ
الْقُلُوبِ مَا عَدَا حَسِبْتُ وَخَلْتُ وَزَعَمْتُ مَعْنَى أَخْرَقْتُ قَرِيبًا مِنْ مَعَانِيهَا
الْأَوَّلِ وَهِيَ أَمَّا الْعِلْمُ وَالظَّنُّ بِحَيْثُ يُمْكِنُ أَنْ يَتَوَهَّدَا هَذَا الْمَعْنَى
أَيْضًا مُتَعَدِّينَ إِلَى مَفْعُولَيْنِ وَأَنَّمَا قِيدَ نَابِذًا لِكُلِّ لَوْلَا يُقَالُ ۝ وَجْهٌ لِلتَّخْصِصِ
بِالْبَعْضِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مَعْنَى أَخْرَقَانِ خَلْتُ جَاءَ بِمَعْنَى صَوْتِ ذَا خَالٍ
وَحَسِبْتُ بِمَعْنَى صَوْتِ ذَا حَسِبَ وَزَعَمْتُ بِمَعْنَى كَفَلْتُ يَتَعَدَّى بِهِ أَيْ

اور جو افعالِ قلوب کے قائم مقام ہوں اور ان کی جگہ دان کا حکم بھی افعالِ قلوب کا سا
ہوگا مثلاً فقد تني اور عدتني یہ دونوں "وجدتني" کی ضد ہیں تو افعالِ قلوب کا
ساحم نقیض کے لئے بھی ہوگا اور اسی طرح "رأى البصريه" اور "رأى الحميه" کا حکم
"رأى القلبيه" کا سا ہے اور ان دونوں میں بھی وہ جائز ہے جو ان دونوں کے فاعل اور
مفعول دو ضمیر یا ایک چیز کے لئے ہونے کی صورت میں درست ہے جیسے شاعر کا یہ شعر
وَلَقَدْ اسْرَانِي لِلرَّوْمِ دَرِيَّةً ۝ مَنْ عَنِ يَمِينِي تَارَةً وَأُمَامِي

اور مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ۝ إِنِّي أَرْسَنِي أَعْصِرُ خُمُرًا ۝ اور افعالِ قلوب میں
سے بعض "حسبت، خلط، اور زعمت" کے علاوہ ایسے ہیں کہ جن کے دوسرے
معنی پہلے معانی سے ملتے جلتے آتے ہیں اور وہ ایک مفعول کے ساتھ متعدی ہو جاتے
ہیں اور وہ یا علم ہوگا یا ظن یا طور کہ ممکن ہے ان معنی کے ذریعہ بھی دو مفعولوں کی
طرف متعدی ہونے کا وہم ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اور ہمارے یہ قید لگانے کی
وجہ یہ ہے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ بعض کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ (ان میں سے)
ہر ایک کے دوسرے معنی بھی ہیں اس لئے کہ خلط کے معنی ہیں "صوت ذخال" اور

تو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں وہ افعالِ
قلوب یہ ہیں ظننت، علمت، رأيت، وجدت،

لَا أَحْسِبُ مِنَ النَّاسِ يُقَالُ لِلَّذِي نِي
شَعْرًا سَدًّا شَقْرًا ۱۱

لَعَلَّ كَيْونَ حَسِبْتُ كَيْ مَعْنَى آخِرَ
ذَا حَسِبَ اور زعمت بمعنی کفلت یعنی میں ذمہ دار ہوں

لَعَلَّ قَوْلَهُ وَلِبَعْضِنَهَا أَيْ بَعْضِ أفعالِ
الْقُلُوبِ (الِی قولہ) بمعنی کفلت
فَاعِلٌ غَارِجٌ رَجُلٌ اس عبارت کا مطلب
یہ ہے کہ چند افعالِ قلوب ایسے بھی ہیں
جو متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں حالانکہ
حسب وہ ان معنی میں مستعمل نہیں ہوتے

ناضل شارح نے حسبت اور زعمت کو ان افعالِ
قلوب سے جدا کیا ہے جس پر لفظ ما عدا حسبت
زعمت دلالت کرتا ہے حسبت زعمت کو
مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں بھی
دوسرے معانی میں مستعمل ہوتے ہیں خیالاً حسبت
بمعنی صورت ذالحسب اور زعمت بمعنی کفلت
مستعمل ہوتا ہے مگر اس وقت یہ دونوں متعدی
فعل نہیں رہتے بلکہ لازم بن جاتے ہیں اسی لئے
استثنیٰ کر دیا ہے قولہ معنی قریب من معانیہا
الاولیٰ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دوسرے معانی
پہلے معنی کے ساتھ ایک خاص مناسبت اور
تعلق رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے سننے والے کو
شبہ ہو جاتا ہے کہ افعالِ قلوب اس وقت بھی
متعدی بدو مفعول ہیں۔ ناضل شارح نے انہما
قید نابذ لکے سے یہ بتایا ہے کہ معنی آخر کے
ساتھ جو قریب من معانیہا الاولیٰ کی قید ہے وہ
قید احترازی ہے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ چند
افعالِ قلوب کو معنی آخر کے ساتھ اس لئے خالص
کیا ہے کہ یہ مخصوص افعالِ قلوب ہی ایسے ہیں
کہ ان کے معنی آخر معنی اول سے خاص مناسبت
رکھتے ہیں اور نہ یوں تو افعالِ قلوب میں سے
خلط معنی میں ذخال کے اور حسبت معنی میں
صوت ذاحسب اور زعمت کفلت کے معنی
میں مستعمل ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان معانی
کو ان کے پہلے معنی کے ساتھ خاص مناسبت
نہیں

لَعَلَّ قَوْلَهُ يَتَعَدَّى بِهِ إِلَى ذَلِكَ الْمَعْنَى
(الِی قولہ) من غیر حکم علیہ۔ ناضل شارح کا
مطلب اس عبارت سے یہ ہے کہ جو افعالِ قلوب
یعنی آخر میں مستعمل ہوتے ہیں وہ متعدی بیک مفعول
ہوتے ہیں جیسے کہ ظننت جب کہ اہمیت کے معنی

یہی صورت ظاہر ہے کہ یہ معنی پہلے معنی سے
مناسبت نہیں رکھتے۔ قرآن مجید میں زعمت بمعنی
کفلت مستعمل ہے کافی قولہ تعالیٰ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ
(فی سورۃ یوسف) معناه أَنَا بِهِ كَفِيلٌ ۱۲

بذلك المعنى الآخر الى مفعول واحد لا اثنين فظننت بمعنى اهتمت
من الظنة بمعنى التهمة فظننت زيدا بمعنى اهتمته اى اخذته
مکانا لو هى والوهم نوع من العلم ومنه قوله تعالى وما هو على الغيب
بظنين اى بمتهم وعلمت بمعنى عرفت تقول علمت زيدا بمعنى
عرفت شخصه وهو العلم بنفس شئ من غير حكمة عليه۔ وبرايت^{۱۳۹}
بمعنى ابصرت ومعنى ابصرت قريب من معنى علمت بالحاسة و
منه قوله تعالى فانظر ماذا ترى ووجدت بمعنى اصبت تقول وجدت

در حسیبت کے معنی ہیں "صرت ذاحب" اور در زعمت کے معنی ہیں "کفنت" اور
یہ بعض افعال اس دوسرے معنی کے ساتھ ایک ہی مفعول کی جانب متعدی ہوتے ہیں۔
دو مفعولوں کی طرف متعدی نہیں ہوتے تو "ظننت" کے معنی ہیں "اہتمت من الظنة"
بمعنی "تہمت"۔ لہذا ظننت زیدا کے معنی ہوں گے میں نے اس کو متہم کیا یعنی اس کیلئے
یہ وہم کرنے کی جگہ پکڑی اور وہم علم ہی کی ایک نوع ہے اور اس کی تائید میں یہ ارشاد
ربانی ہے "وما هو على الغيب بظنين" یعنی بہتم، اور "علمت، عرفت" کے معنی میں ہے
(جیسے) تو کہے "علمت زيدا" یعنی اس کی شخصیت پہچان لی۔ اور وہ ایک چیز کا علم حاصل
ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس پر حکم کیا جائے۔ اور "برايت، ابصرت" کے معنی میں ہے
اور باعتبار حواس (حواس خمسہ) ابصرت، کے معنی "علمت" سے قریب ہیں اور اس کی

میں مستقل ہوتا ہے تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے
چنانچہ کہا جاتا ہے ظننت زيدا اس وقت
یہ ظننت لفظ الظنة سے ماخوذ ہوتا ہے جسکے
معنی اہتمت کے ہیں۔ تو ظننت زيدا کے معنی ہیں
اخذت زيدا کا خالو ہى جس کا مطلب یہ ہے
کہ زید پر میرا وہم راقع ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی یہ پہلے
معنے سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہے کیونکہ
ظننت جب متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اس
وقت ظن بفتح الظاء سے ماخوذ ہوتا ہے جسکے
معنی تصدیق کے ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ وہم مطلق
علم کی ایک قسم ہے جس طرح تصدیق بھی علم کی ایک نوع
ہے۔ قرآن کریم میں ظن کا استعمال دوسرے معنی
میں آیا ہے قال اللہ تعالیٰ وما هو على الغيب
بظنين یہاں پر ظنین بمعنی متہم ہے اور علمت
عرفت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہا
جاتا ہے علمت زيدا اعرفت شخصه۔ یعنی میں
نے اس کو پہچان لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی آخر معنی
اول سے خاص مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ معنی اول
میں ایک شے پر کوئی وصف کا حکم لگایا جاتا تھا جیسے
علمت زيدا اجاعلا میں زید پر جہالت کا حکم لگایا گیا
ہے اسی وجہ سے متعدی بدو مفعول تھا اور معنی ثانی
میں کسی شے پر وصف کا حکم نہیں لگایا جاتا جیسے
کہا جائے علمت عمر میں نے عمر کو پہچان لیا ظاہر
ہے کہ اس میں عمر پر کوئی حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ یہی
مراد داخل شراح کی ان الفاظ العلم بنفس شئ من
غیر حکم علیہ سے ہے۔

۱۲۵۰ قولہ وما ایت بمعنی ابصرت رالی قولہ
ابصرتھا وعلتها بالحاسة۔ خلاصہ عبارت یہ
ہے کہ برایت کے دوسرے معانی کا بیان ہے کہ
وہ بجائے علمت کے ابصرت کے معنی میں
استعمال کیا جائے جیسے کہا جاتا ہے رایت نیدا یعنی
میں نے زید کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ قرآن کریم میں
بھی یہ فعل اس معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے حق
تعالیٰ کا ارشاد ہے فانظروا ماذا توى میں تو ہی
بمعنی تنصیر سے ظاہر ہے کہ رایت کے معنی ثانی کو معنی

اول سے بہت قری مناسبت سے کیونکہ ابصرت
کے اگرچہ حقیقی معنی ابصر سے دیکھنے کے ہیں اور وہ
فعل جوارح سے ہے مگر روئے علم کو مستلزم ہوتی
ہے اسلئے حواس ظاہرہ خمسہ کو جو اس میں القلب
کہا جاتا ہے اور وحدت اصبت کے معنی میں
مستعمل ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے وحدت
الصالة اى اصبتھا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں

۱۲۵۱ یہ رسول بھی محض باتوں میں متہم نہیں
ہیں۔
۱۲۵۲ یہ مثال بعض قراءت قرأت پر مبنی ہے درہ
اکثر قاری بعینین ضار سے پڑھتے ہیں اس صورت
میں ظاہر ہے آیت کہ یہ مثال نہیں بن سکتی کیونکہ
فنین ضار سے بمعنی بخیل ہے ۱۲
۱۲۵۳ (ترجمہ آیت) تو تم بھی غور کرو کہ تمہاری
کیا رائے ہے۔
۱۲۵۴ قرآن کریم میں اس کی احسن مثال یہ ہے
فلما راينہ اکبرونہ قصہ يوسف علیہ السلام میں ہے
اس کا مضمون یہ ہے جب کہ مصری عورتوں نے
يوسف علیہ السلام کو دیکھا تو عورتوں نے يوسف
عليه السلام کو بہت عظیم المرتبت سمجھا۔ ظاہر ہے
کہ راین، البصير ہی کے معنی میں ہے ۱۲

الضالة ای اصبتهَا و علمتها بالحاسة ولما كان مرادها ان لها معانی اخر
 قریب من العلم والظن لم یعرض لعلم بمعنی صار مشقوق الشفة
 العليا ولو جدت جدّة ووجدت موجدّة ووجدت وجدّا ای
 استغنیّت و غضبت و حزنّت لانها لیس بمعنی العلم والظن
 الا فاعال الناقصة الافعال الناقصة انما سمیت ناقصة لانها لاتتم

تائید میں یہ ارشاد در بانی ہے " فانظر ما ذاتی " اور " وجدت " اصبته " کے معنی میں
 ہے (جیسے) تو کہے " وجدت الضالة " (میں نے گم شدہ چیز پائی) یعنی میں نے جو اس سے
 محسوس کیا اور اس تک پہنچ گیا۔ اور ماتن (صاحب کتاب) نے وہ دوسرے معانی جو علم
 اور ظن سے قریب ہیں ان سے تعرض نہیں کیا (اور ذکر نہیں کئے) مثلاً " ظلم " بمعنی صار
 مشقوق الشفة " اُس کا بالائی ہونٹ پھٹ گیا " اور (ایسے ہی) " وجدت " جدّة کے
 معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور موجودہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور " وجدّا " کے معنی میں
 بھی یعنی استغنیّت میں صاحب ثروت ہو گیا) اور " غضبت " (میں ناراض ہوا) اور
 " حزنّت " (میں مغموم ہو گیا) اور یہ معنی " وجد " کے علم اور ظن کے معنی سے الگ ہیں۔

خاص مناسبت ہے۔

۱۳۶ قولہ ولما كان مرادها دالی قولہ
 لانها لیس بمعنی العلم والظن فاعال الناقصة
 کی اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے جو صاحب
 کافہ کی عبارت دلجنا بمعنی آخر کے ساتھ
 قریب من معانی الاول کی قید کا اضافہ کیا تھا وہ
 احترازی تھی چنانچہ اسی وجہ سے صاحب کافہ
 نے علم اور وجد کے وہ معانی ذکر نہیں فرمائے کہ
 جو معنی اول سے مناسبت نہیں رکھتے تھے اگرچہ
 ان کا استعمال کلام عرب میں بہت
 دائر ہے جیسے کہ علم بمعنی صار مشقوق الشفة
 الیاستعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ
 اُس شخص کا اوپر کا ہونٹ پھٹا ہوا ہو اُس کے
 لئے علم کا استعمال ہوتا ہے اور ایسے شخص کو ظلم
 کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ان معنی کو علم بمعنی یقین
 سے کوئی مناسبت نہیں اسی طریقہ سے وجدت
 بھی کسی معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اس صورت
 میں وہ فعل لازم بنتا ہے۔ ان معانی کی تفصیل

یہ ہے :-
 (۱) وَجَدْتُ جِدَّةً بمعنی استغنیّت یعنی مالدار
 ہوا میں اس وقت میں اس کا مصدر جِدَّةٌ وَجَدْتُ
 بضم الواو وکسر الهمزة وفتحها ایضاً
 (۲) وَجَدْتُ مَوْجِدَةً بمعنی غضبت یعنی غصہ
 ہوا میں اس وقت میں اُس کا مصدر مَوْجِدَةٌ اور
 وَجَدَانًا آتا ہے۔

(۳) وَجَدْتُ دَجْدًا بفتح الدال بمعنی حزنّت یعنی
 غمگین ہوا میں۔ ظاہر ہے کہ ان معانی کو وجد بمعنی
 علم سے کوئی بھی مناسبت نہیں ہے۔

الافعال الناقصة

۱۳۷ قولہ الافعال الناقصة دالی قولہ
 الفیر الناقصة - یاد رکھئے کہ فعل لازم
 کی دو قسمیں ہیں فعل تام وفعل ناقص فعل تام اس
 فعل لازم کو کہتے ہیں کہ فاعل کے ذکر کرنے سے
 اس کے معنی سمجھ میں آجائیں جیسے جلسہ نمید مذہب

خالہ اور فعل ناقص وہ فعل لازم کہلاتا ہے
 کہ فاعل کے ذکر کرنے سے اس فعل کے پورے
 معنی سمجھ میں نہ آئیں جیسے کان زید دیکھئے جب
 تک اتنا ہی جملہ بولا جائے تو سامع کی سمجھ میں
 پوری بات نہیں آتی اور جب اس کے ساتھ
 ایک اسم منصوب لائیں مثلاً کان زید قائماً
 ترسنے والے کو پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے
 کو فعل ناقص سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے فاعل
 کو اسم اور وہ منصوب جس سے اس کے معنی سمجھ
 میں آتے ہیں اس کو ان افعال کی خبر کہتے ہیں فاعل
 شارح یہاں سے افعال ناقصہ کی بحث شروع
 کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وجہ تسمیہ پر کلام فرمایا جس
 کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ افعال بقیہ افعال لازمہ کی
 طرح مرفوع اور فاعل پر تہم نہیں ہوتے بلکہ ان
 کے فاعل کے بعد ایک اسم منصوب ذکر کرنا ضروری
 ہوتا ہے جس کو خبر کیا جاتا ہے لہذا یہ

اور افعال لازمہ کی طرح اپنے فاعل پر پڑے نہ
 ہوئے اس بنا پر ان کے لئے افعال ناقصہ کا
 لقب تجویز ہوا جو ان کے حال کے بالکل مطابق
 ہے کیونکہ یہ دوسرے افعال سے دو باتوں میں
 ناقص ہیں ایک تو یہ کہ یہ حدوث پر دلالت نہیں

۱۱ صیغہ جمع ہے جاسوس کی جو خفیہ خبر دینے
 والے کو کہا جاتا ہے، آنکھ، کان، زبان، ناک
 اور قوت لامہ کو خواص ظاہر اور خواص السیاق القلب
 کہا جاتا ہے کیونکہ یہی قلب کے لئے ذریعہ علم بنتے ہیں
 ۱۲ سید حسن عفی عنہ

۱۳ ربت ذلک من السؤال انکا علی ترتیب

جیدہ

۱۴ معہ کذا فی الصحاح للجوہری ۱۲

۱۵ معہ کذا فی الصحاح للجوہری ۱۲

۱۶ معہ ذکر تہذیب اذ و طوئے کلام الشارح ۱۲

۱۲۸ قولہ ماد وضع ای افعال وضعت الخ
 قولہ (هو قنیر الفاعل علی صفة - حاصل عبارت یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی جامع مانع لغز ذکر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ اس مقصد کیلئے وضع کئے گئے ہیں کہ فاعل کے لئے کوئی صفت ثابت کر دی جائے جیسے کان زید جالسا میں کان اس مقصد کے لئے استعمال ہوا ہے کہ زید جو معنی فاعل ہے اس کے لئے جلیس کی صفت ثابت کر دی جائے۔ اور صار سید حکیمًا لفظ صار اس مقصد کے لئے استعمال ہوا ہے کہ سید جو معنی فاعل ہے اس کے لئے حکمت کی صفت ثابت کی جائے پس معلوم ہوا کہ افعال ناقصہ کا مقصد فاعل کے لئے صفت کا ثابت کرنا ہے اور اسی وجہ سے افعال ناقصہ اسم و خبر کے محتاج ہوتے ہیں اسم و خبر فاعل کو اور خبر معنی کے اعتبار سے صفت ہی کہہ سکتے ہیں۔

۱۲۹ قولہ ولا شک ان هذه الصفة الی

بمرفوعها کانا فعال الغیر الناقصة ما وضع ای افعال وضعت الخ
 الفاعل علی صفة ای العمدة فیما وضعت له هذه الافعال
 تقریر الفاعل علی صفة ولا شک ان هذه الصفة خارجة عن ذلك
 التقرير الذی هو العمدة فی الموضوع له لان ذلك التقرير نسبة
 بین الفاعل والصفة فکل من طرفیها خارج عنها فخرج عن الاحتمال
 الافعال التامة لانها موضوعة لصفة وتقریر الفاعل علیها فکل
 من الصفة والتقریر عمدة فیما وضعت له لا التقرير وحده

افعال ناقصہ کو ناقصہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فاعل پر پورے نہیں ہوتے (اور صرف فاعل کے ذکر سے پورے معنی واضح نہیں ہوتے) اور افعال ناقصہ کی وضع اس واسطے ہوئی ہے کہ برائے فاعل کسی صفت کو ثابت کریں (مثلاً) کہا جائے کان بکرا قائماً اور بادشہ اس صفت کی قید کے ان افعال کی تعریف کے سلسلہ میں بہترین ہے کیونکہ اس سے فاعل اور صفت کے درمیان نسبت ثابت ہوتی ہے لہذا ان کی تعریف سے اور افعال نکل گئے، افعال تامہ تریوں نکلے کہ وہ صفت کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور فاعل ان پر ثابت کیا جاتا ہے پس صفت اور فاعل دونوں جس کے لئے وضع کئے گئے ہیں ناگزیر ہوں گے۔ تنہا فاعل نہیں۔

۱۳۰ قولہ والا ستمہا فی بعضها - فاضل

تو (ال) والا ستمہا فی بعضها - فاضل شارح اس پوری عبارت میں ایک نہایت قوی شبہ کا تفصیل سے جواب بیان فرما رہے ہیں۔ ہم اول شبہ کی تقریر کرتے ہیں تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔

شعبہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی جو تعریف ذکر کی گئی ہے وہ صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ تعریف افعال تامہ پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ کبھی تو اپنے فاعل کے لئے کوئی نہ کوئی صفت ثابت کیا کرتے ہیں جیسے اکل زید میں زید کے لئے وصف اکل ثابت ہوا ہے اور جلس عمر میں عمر کیلئے وصف جلس کا ثبوت ہے اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وصف قول رسول اللہ کیلئے ثابت ہوا ہے پس معلوم ہوا کہ افعال ناقصہ کی تعریف و ماد وضع الخ الفاعل علی صفة مانع نہیں دخول غیر سے

تام افعال تامہ افعال ناقصہ کی تعریف سے خارج ہر جائیں گے کیونکہ افعال تامہ دو مقصد کے لئے وضع کئے جاتے ہیں ایک معنی وصفی کے لئے اور دوسرے ان معنی وصفی کو فاعل کے لئے ثابت کرتے ہیں چنانچہ مسئلہ مذکورہ میں غویہ کیلئے ضرب زید میں ضرب معنی وصفی پر دلالت کرتا ہے اور فاعل کے لئے اس کا ثبوت کر رہا ہے تو افعال تامہ میں معنی وصفی اور

کیونکہ افعال تامہ پر یہ تعریف صادق آرہی ہے اس شبہ کے فاضل شارح نے تین جوابات ذکر فرمائے ہیں۔

جواب اول کا خلاصہ یہ ہے کہ تعریف میں ایک لفظ بڑھا دیا جائے اور یوں کہا جائے للعمدة نیما وضع ... الخ مطلب یہ ہے افعال ناقصہ فقط تقریر فاعل علی صفة کے لئے ہوتے ہیں تو اس قید کے بڑھانے سے

عمدہ اور اسی وجہ سے اہل حکمت نے افعال ناقصہ کو ادات میں داخل کیا ہے اور کان کو حوت رابطہ قرار دیا ہے چنانچہ کان زید کا ٹھکانا یہ ترکیب کرتے ہیں کہ زید موصوع قائما محمول اور کان رابطہ زمانہ مگر سخاۃ نے ان کو فعل ہی قرار دیا اور دوسرے افعال سے ممتاز کرنے کے لئے ان کو ناقصہ کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے

الجواب ۱۲ سید حسن
 مسد کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ افعال مدح و ذم جیسے نعم بئس وغیرہ بھی مرفوع پر پورے نہیں ہوتے بلکہ مخصوص بالمدح یا بالذم کی ضرورت ہے ہے کہا جاتا نعم الرجل زید بئس الرجل (الوجہ) جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ وہ معنی مدح پر دلالت ضرور کرتے ہیں دوسرے فقط لغم الرجل

والتما جعلنا التقرير المذكور عمدة الموضوع له في الافعال الناقصة
لا تمامه لا شتمالها على معان زائدة على ذلك التقرير كالزمان
في الكل والانتقال والدوام والاستمرار في بعضها ولو جعل الموضوع
له جزئيات ذلك التقرير فيقال صار مثلاً موضوع لتقرير الفاعل
على صفة على وجه الانتقال اليه في الزمان الماضي وكذا كل فعل منها
فلا شك ان كل جزئي تمام الموضوع له بالنسبة الى ما هو موضوع
له والصفة خارجة عنه فخرجت الافعال التامة منها - و

اور ہم نے افعال ناقصہ کی ذکر کردہ تعریف میں عمدہ تمام کے بجائے اس واسطے
پوشیدہ تسلیم کیا کہ افعال ناقصہ دیگر مزید معانی کو بھی مشتمل ہوا کرتے ہیں مثلاً بعض سے
زمانہ کی اور بعض کے ذریعہ انتقال (تبادلہ و تغیر) کی بعض سے استمرار و ہمیشگی کی
نشان دہی ہوتی ہے۔ اور افعال ناقصہ کے موضوع لہ کو بجا ہر فعل ناقص شمار
کرنے کی صورت میں ہر فعل ناقص کے ذریعہ ذکر کردہ تعریف حاصل ہوگی نشان
کے طور پر کہا جائے کہ "صار" برائے اثبات فاعل علی صفت اسے زمانہ ماضی میں منتقل
کرنے کی خاطر وضع کیا گیا ہے اور اسی طرح ہر فعل ناقص کا حال ہوگا۔ تو بلاشبہ ہر فعل ناقص
برائے اثبات فاعل علی صفت ہی ہو جائے گا۔ اور صفت اس تعریف سے باہر رہے گی

تقریر فاعل علی صفت دونوں معانی پائی جاتی ہیں
اور یہ افعال ناقصہ میں یہ بات نہیں کیونکہ
ان میں کوئی معنی وصفی نہیں ہوتے وہ تو فقط
تقریر فاعل علی صفت کے لئے استعمال ہوتے
ہیں جیسے کان ذید قائما میں زید فاعل
اور قائما خبر اور کان قائم کا ثبوت زید
کے لئے کرتا ہے۔

نکاتہ قولہ وانما جعلنا التقرير المذكور
عمدة الموضوع في الافعال الناقصة لا تمامه
انما اس عبارت سے فاضل شائع ایک مفید
بحث کا آغاز کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے
کہ ہم نے صاحب کافہ کی تعریف میں ما وضع الخ
میں لفظ العمدة کو مقدر مانا ہے جس کا مطلب
یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی وضع اور اصل تقریر
فاعل علی صفت کے لئے ہوتی ہے تو یہاں پر

یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ عمدہ سے زیادہ مناسب
لفظ تمام تھا اس کو کیوں نہیں مقدر مانا گیا
فاضل شائع اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں
اس عنوان سے لا شتمالها علی معان زائدة
على ذلك التقرير جس کا حاصل یہ

بھی مخاطب کو ایک خبر معلوم ہو جاتی ہے بخلاف کان
زید کے اس سے پوری بات ہی سمجھ میں نہیں آتی
ما منع فی نہ شفاء لهذا الشبهة القوية
وفیه مراد لطیف مولانا عصام الدین والبرالی
النظر ۱۲

عمدہ تقریر الشبهة بالاختصار ذکری السوین
الکافی، وانا ومنحته بعبارة بليغة عنه اس لئے
کہ عمدہ کا مطلب یہ ہے کہ موضوع لہ افعال ناقصہ کا
نقطہ تقریر فاعل علی صفت نہیں بلکہ اور بھی ہے اور تمام
ما وضع لہ کا مطلب یہ ہے کہ افعال ناقصہ کا موضوع

ہے کہ لفظ تمام کو مقدر ماننا غلط ہے کیونکہ
افعال ناقصہ فقط تقریر فاعل علی صفت
پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اس کے علاوہ افعال
ناقصہ میں اور معانی بھی پائے جاتے ہیں۔
جیسے جملہ افعال ناقصہ میں ازمنہ ثلاثہ پر
دلالت پائی جاتی ہے اور بعض افعال
ناقصہ زمانہ کے علاوہ انتقال پر دلالت
کرتے ہیں اور بعض دوام و استمرار کے
۱۲۱ قولہ ولو جعل الموضوع له (الی قولہ)

فخرجت الافعال التامة منها حاصل
عبارت یہ ہے کہ فاضل شائع نے ماقبل میں
جو شبہ ذکر کیا ہے اس کا دو سر جواب ارشاد
فرمایا ہے میں خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر افعال
ناقصہ کا موضوع لہ ہر فعل ناقص کے
اعتبار سے قرار دیا جائے تو اس وقت میں
ہر فعل ناقص تمام موضوع لہ تقریر فاعل علی صفت
ہوگا۔ مثلاً یوں کہا جائے صار کا موضوع لہ تقریر
فاعل علی صفت ہے علی وجہ الانتقال فی زمان
الماضي۔ اور اسی طرح تمام افعال ناقصہ میں سمجھنا
چاہیے تو اکثر یہ صورت اختیار کی جائے تو ہر
ہر فعل ناقص کا تمام موضوع لہ تقریر فاعل علی
صفت ہی ہو جائے گا اور بہر حال صفت اس میں
خارج ہے گی۔ اس توجیہ پر بھی افعال تامة
اور افعال ناقصہ کی تعریف سے خارج ہو جائیں
گے اور افعال ناقصہ کی تعریف جامع مانع نہ رہے گی

لہ تقریر فاعل علی صفت ہے۔ ۱۲۔ سید حسن عفی عنہ
۱۳۔ جیسے صار الانتقال من حال الى حال پر دلالت
کرتا ہے جیسے صار الطین خروفا و صار الفقير غنيا
لہ ۱۳۔ جیسے مادام، مازال، ما بوح وغیرہ دوام
و استمرار پر دلالت کرتے ہیں قال الله تعالى مادامت
عليه قائماً ۱۲۔ سید حسن

عمدہ مطلب یہ ہے کہ صار کا موضوع لہ یہ ہے
کہ فاعل کو ایک صفت پر ثابت کرنا ہے اس طرح پر
کہ فاعل زمانہ ماضی میں اس صفت کی طرف منتقل
ہو چکا ہے صار الفقير غنيا ۱۲۔ منہ

۱۲۲ قولہ دلا یبعد ان تجعل اللام دالی قولہ
الافعال التامة اصلا - فاضل
شارح اس عبارت میں شبہ مذکور کا تفسیر جواب
ارشاد فرماتے ہیں، خلاصہ اس جواب کا یہ ہے کہ پہلے
دونوں جواب اس تقدیر پر تھے کہ لتقریر الفاعل
میں لام جاریہ فعل وضع کا صلہ قرار دیا جائے اور
اگر لتقریر فاعل کے لام کو صلہ قرار دیں بلکہ لام کو
غرض کے معنی میں رکھا جائے تو پھر اس وقت
میں کسی لفظ کو مخدوف ماننے کی ضرورت تصحیح
تعریف کے لئے نہ ہوگی اور معنی یہ ہو جائیں گے کہ
افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جن کو واضح اس غرض
سے وضع کرتا ہے کہ فاعل کے لئے اس صفت کو
ثابت کرے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ افعال
تامہ پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ان کی
غرض تو بیان صفت اور تقریر الفاعل علی الصفة
دونوں ہیں بخلاف افعال ناقصہ کے کہ ان کی غرض
فقط تقریر فاعل علی صفت ہے پس ہمارے ان
جوابات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ افعال
ناقصہ کی تعریف جو صاحب کانیہ نے فرمائی ہے
نہایت جامع مانع ہے اس میں کسی قید کے بڑھانے
کی ضرورت نہیں۔

۱۲۳ قولہ دلی ای الافعال دالی قولہ
والظواهر انها غیر محصورہ علامہ جامی
یہاں سے افعال ناقصہ کو تفصیل سے بیان فرما
رہے ہیں۔ یہ سترہ میں سب سے پہلے کان اور
سب سے آخر میں لیس کو ذکر کیا ہے۔ ماقفی کے بار
میں دو قول ذکر کئے، اول ماقفی ہمزہ کے ساتھ
دوسرے ماقفی، ت اور یا کے ساتھ مگر قول
راج یہی ہے کہ ہمزہ کے ساتھ ہی صحیح ہے چنانچہ
کتب لغت میں بھی ہمزہ کے ساتھ مذکور ہے
اس کے بعد امام نحو سیبویہ کا قول نقل کرتے ہیں
کہ انہوں نے کان، صار، مادام، لیس کو ذکر
کیا اور اس کے بعد فرمایا وما کان نحوہن من
الفعل مما لا یبتغی من الخیر۔ اس کا مطلب یہ ہے
کہ افعال ناقصہ فقط یہی چار نہیں ہیں بلکہ ان کے

۱۲۴ لا یبعد ان تجعل اللام فی قولہ لتقریر الفاعل للغرض لا صلہ الوضع
ولا شک ان الغرض من وضع الافعال الناقصة هو لتقریر المذکور
لا الصفات بخلاف الافعال التامة فان الغرض من وضعها مجموعها
لا لتقریر فحسب کما عرفت فخرجت عن حدھا فظهر بما ذکرناہ
ان هذا الحد لا یحتاج الی قید زائد لا خراج الافعال التامة اصلا

۱۲۵ وہی ای الافعال الناقصة کان وصار واصبح وامسلی واضنی و
ظل وبات واض وعاد وغدا وراح وما زال وما انفک وما فقی
بالهمزة وقیل بالياء وما برح وما دام ولبس ولہ یذکر سیبویہ

اس طرح افعال ناقصہ کی تعریف کا اطلاق افعال تامہ پر نہ ہوگا۔ اور افعال تامہ کی
تعریف ان سے بہر صورت الگ رہے گی۔ اور یہی ہو سکتا کہ صاحب کتاب کی عبارت
”لتقریر الفاعل“ میں لام کو صلہ کا ماننے کے بجائے اسے برائے غرض وضع کرنا تسلیم کیا
جائے۔ اور بلاشبہ افعال ناقصہ کی وضع اس لئے ہوتی ہے کہ برائے فاعل اثبات صفت
کریں (خود) صفات مقصود نہیں ہوتیں۔ ان کے برعکس افعال تامہ ہیں کہ ان کی وضع
سے مقصود (محض) اثبات فاعل نہیں (بلکہ) اثبات فاعل اور صفات دونوں مقصود
ہو کرتی ہیں) لہذا انہیں اسی طرح خیال کیا جائے گا جیسا کہ تو نے سمجھا۔ پس افعال تامہ
افعال ناقصہ کی تعریف کے زمرہ سے نکل گئے اور وہ بات ظاہر ہوئی جو ہم بیان
کر چکے کہ افعال تامہ کو نکالنے کی خاطر اس میں کوئی اور قید لگانے کی بالکل احتیاج
نہیں اور وہ یعنی ”افعال ناقصہ، کان، صار، اصبح، امسلی، اضنی، ظل، بات، آفنی

وقد تضمن كثير من الافعال الخ
یہاں صلہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ دوسرے صلہ کہتے ہیں اس
جاء مجرور کو جو کسی فعل کے ساتھ تکمیل معنی کی غرض
سے استعمال کیا جاتا ہے جیسے مورت بزید میں
بزید مورت کا صلہ کہا جاتا ہے یہاں یہی معنی ثانی مراد
ہیں ۱۲ سید حسن

۱۲۶ فاضل شارح نے اس کلام سے محقق رہتی
کار دیکھا ہے رضی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال
ناقصہ کی تعریف ناقص ہے مناسب ہے کہ تعریف ان
کی جائے الافعال الناقصة ما وضع لتقریر الفاعل
علی صفة غیر محصورہ والحق ما قال شیخنا
الجامی فقہالہ الباری ۱۲ سید حسن

علاوہ پر وہ فعل جو ان کی طرح خبر کا محتاج ہو وہ
بھی فعل ناقص ہوگا کلام سیبویہ کا مائل یہ نکلا کہ
افعال ناقصہ متعین اور محصور نہیں ہیں اور صاحب
کانیہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ افعال ناقصہ
محصور ہیں علامہ شارح اپنی استعداد و خداداد سے
اس کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ کوئی کلام اس سلسلہ
میں حق ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا والظواهر انها
غیر محصورہ۔ جس کا مائل یہ ہے کہ راجح قول
سیبویہ کا ہے کہ افعال ناقصہ محصور نہیں اسکے
بعد علامہ شارح اسکی تائید میں ارشاد فرماتے ہیں

عسہ صلہ سے مراد اصطلاح کماۃ میں دو جزئی
ہوتی ہیں اول وہ جملہ جو اسم موصول کے بعد واقع ہو

منها سوى كان وصار وما دام وليس ثم قال وما كان نحوهن من
الفعل مما لا يستغنى عن الخبر والظاهر انها غير محصورة
وقد تضمن كثير من الافعال التامة معنى الناقصة كما تقول تتم
التسعة بهذا عشرة اى تصير عشرة تامة وكمل زيد عالما اى
صار زيد عالما كاملا وقد جاء في قولهم ما جاءت حاجتك ناقصة
ضميرها اسمها وحاجتك خبرها ما بان تكون مانافية وجاءت
بمعنى كانت وفيها ضمير لما تقدم من الغرارة ونحوها اى لم تكن
هذه على قدر ما تحتاج اليه واستفهامية والضمير فى ما جاءت
يعود اليها وانما انت باعتبار خبرها كما فى من كانت امك ومغناه

عاد، غدا، راح، مازال، مانفك اور مافتى ہمزہ کے ساتھ ہیں اور بعض کے نزدیک
مافتى ہ یا کے ساتھ ہے اور "ما برح" اور "ما دام" اور "لیس ہیں" اور "سیو یہ نے" "کان"
صار، "ما دام" اور "لیس" کے علاوہ ان میں سے کسی کو بیان نہیں فرمایا پھر کہا اور ان جیسے
افعال جو خبر سے بے نیاز نہ ہو سکیں (اور انہیں اس کی احتیاج ہو) ظاہر (اور راجح)
یہ ہے کہ وہ ذکر کردہ تعداد میں محدود نہیں۔ اور بہت سے افعال تام ہو کر بھی ناقص
کے معنی دیتے ہیں جیسے تو کہے "تم التسعة بهذه عشرة" یعنی (اس طرح) دس پورے ہو
جائیں گے۔ اور لکھا جائے "یکمل زيد عالما" یعنی زيد عالم کامل ہو گیا۔ اور جاد اس قول
در ما جاءت حاجتك میں ناقصہ ہے اس کی ضمیر اس کا اسم اور "حاجتك" اس کی خبر
(واقع ہو رہی) ہے۔ بایں طور کہ یہ مانافیہ (شمار) ہو اور "جاءت" کانت کے معنی میں
ہو اور اس میں ضمیر ہے جو حاجت وغیرہ سے پہلے ہے۔ یعنی جتنی تجھے اس کی احتیاج
ہے یہ اس قدر اور اتنا نہیں ہے یا یہ استفہامیہ مانا جائے اور (اس صورت میں) ما جاءت
کی ضمیر اس کی طرف لوٹے گی اور اس کو مؤنث لانا اس کی خبر کے اعتبار سے ہے جیسے

۱۲۵ قولہ وقد جاء فى قوله دالى قوله ومغناه
ایہ حاجۃ صارت حاجتک فاضل
شرح یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ مشہور
افعال ناقصہ کے علاوہ بعض افعال ناقصہ غیر
مشہور بھی ہیں چنانچہ ان میں سے صرف دو فعل
کو مع مثال ذکر فرماتے ہیں اول جاءت بمعنی
کانت دوسرا تعدت بمعنی صارت مثال اول
کی دو ترکیبیں ہیں اول ترکیب یہ ما جاءت فعل
بمعنی کانت اور مانافیہ ہے جات میں
ضمیر مستتر اس کا اسم حاجتک کا خبر تو معنی صارت
اس طرح ہیں۔ ما جاءت غفلنا حاجتک
ت (نہیں) ہوئی ہمارا غفلت تیری حاجت کے
مطلب (در مری ترکیب یہ ہے کہ ما استفہامیہ بمعنی
ایہ حاجۃ اور جات کی ضمیر مؤنث کا مرجع وہاں ہے
اور خبر حاجتک ہے راجح یہ شبہ کہ اس صورت میں
جات کا مؤنث لانا کس طرح درست ہے اس کا
جواب فاضل شائع نے یہ دیا کہ جات کی خبر چونکہ
مؤنث ہے اس کی رعایت کر کے جات کو مؤنث
لایا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں بعینہ ایسی صورت میں
فعل کو مؤنث لایا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ ما
کانت امک اس میں کانت کو مؤنث لایا گیا محض
اس وجہ سے کہ اس کی خبر ام مؤنث ہے۔ تو اس
صورت میں عبارت یہ ہوگی ایہ حاجۃ کانت
حاجتک اس تقدیر پر مابعد کانت مع اسم
دخیر اس کی خبر ہے

ہوایہ تم التسعة بهذا عشرة اس میں تم
تھیں فعل ناقص کے معنی میں مختل ہے اور اسکی وجہ
سے عشرة خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے "مکری"
مثال ہے کمل زيد عالما یہاں پر کمل متار
کے معنی میں ہے اس لئے عالما خبر ہونے کی بنا پر
منصوب ہے ان دونوں مثالوں سے یہ بات
نابت ہوگئی جب کہ فعل تام فعل ناقص کے معنی
کو مثال ہوگا تو وہ بھی خبر کا محتاج ہوگا۔

۱۲۶ قولہ وقد تضمن كثير من الافعال دالى
قولہ اى صار زيد عالما كاملا علامه شائع
اس عبارت سے سیوریہ کی تائید فرماتے ہیں ملاحظہ
کام یہ ہے کہ بہت سے افعال تام ایسے ہیں کہ وہ
کبھی کبھی فعل ناقص کے معنی میں مستعمل ہو جاتے
ہیں تو معلوم ہوا کہ افعال ناقصہ محصور نہیں بلکہ غیر
محصور ہیں۔ اس دعویٰ کی تصدیق میں دو مثالیں
پیش فرمائی ہیں سار کے معنی میں تم کا استعمال

عہ یہ جملہ جماعت خواجه کا ہے جب کہ حضرت
علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وزارت کے
سمجھانے کے لئے روانہ کیا تو ان کی تعزیر و تبلیغ سے
متاثر ہو کر بارہ ہزار میں سے آٹھ ہزار نے اطاعت
قبول کر لی تب یہ جملہ باقی چار ہزار خوارج کے لیڈر
نے کہا جس کا مقصد یہ تھا کہ آپ پوری کامیابی حاصل
نہ کر سکے واللہ اعلم بالصواب ۱۲ سید حسن

۱۲۶ قولہ وجاء ایضاً قد ناقصۃ
 (دلی قولہ) خلافاً للفساد عبارت کا حاصل یہ
 ہے کہ تعدی صیغہ ناقص کلام عرب میں مستعمل
 ہوا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ اہل عرب
 بولتے ہیں ارفف شفرتہ حتی تعدت کا نہا حریۃ
 (ترجمہ) اس شخص نے اپنی چھری کو تیز کیا یہاں
 تک کہ وہ چھری چھوٹے نیزے کی طرح تیز ہو گئی
 (ترکیب مثال) ارفف فعل ضمیر غائب فاعل شفرۃ
 مفعول بہ تعدت فعل بمعنی صارت ضمیر قیاسی اس
 کا اسم کا نہا حریۃ خبر اس کے بعد علامہ جامی نے
 فاضل اندلسی کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے
 نقل فرمایا کہ اندلسی کا مسلک یہ ہے کہ جاد اور
 اور تعد فقط ان ہی مواقع پر فعل ناقص کے معنی
 میں ہوں گے کہ جہاں پر اہل عرب نے استعمال
 کیا ہے لیکن فراء نحوی اس کے مخالف ہیں وہ
 فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور مواقع میں ان
 کو فعل ناقص کے معنی میں استعمال کر سکتے ہیں لیکن
 سخاۃ کی نظر میں علامہ اندلسی کا ہی قول راجح ہے۔
 واللہ اعلم۔

۱۲۷ قولہ تدخل هذه الافعال دالی قولہ
 زید غذاً افاقتقر حاصل عبارت یہ ہے کہ افعال
 ناقصہ کا عمل کا بیان فرماتے ہیں کہ یہ افعال جملہ اسمیہ
 پر داخل ہوتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ افعال
 اپنے معنی کا حکم اور اثر خبر کو عطا کیا کرتے ہیں جیسے
 صار زید غنیاً میں صار نے اپنے معنی کا حکم یعنی
 انتقال خبر یعنی غنی کو عطا کیا اور لفظ صار سے یہ
 معنی حاصل ہوئے کہ زید جو پہلے غنی نہ تھا اب غنی
 کی طرف منتقل ہو گیا یہ افعال جملہ اسمیہ کے جز اول
 کو رفع دیا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ فاعل ہے
 اور جز ثانی کو منسوب بنایا کرتے ہیں اس وجہ
 سے کہ وہ مشابہ مفعول ہے یعنی جس طرح کہ افعال میں
 فعل متعدی کے معنی بدول مفعول بہ تام نہیں ہوتے
 اسی طرح ان افعال کے معانی بدول جز ثانی کے
 تام نہیں ہوتے اور اس جز ثانی کو ان افعال کی
 خبر کہتے ہیں قولہ فان تكون ناقصۃ الخ سے علامہ

ایۃ وحاجۃ صارت حاجتک وجاء ایضاً قد ناقصۃ فی قولہم
 ارفف شفرتہ حتی تعدت ای صارت الشفرۃ کا نہا حریۃ ای
 رمح قصیر قال الاندلسی لا یتجا وزجا و وقع الموضع انذی
 استعمالہا العرب فیہ خلافاً للفراء۔ تدخل هذه الافعال وما
 کان نحوہن علی الجملة الاسمیۃ المركبۃ من المبتدأ والخبر لا عطاء
 الخبر ای لا جل اعطائہما الخبر حکم معنایا ای معنی هذه الافعال
 یعنی اثرہ المرتب علیہ مثل صار زید غنیاً فمعنی صار لا انتقال و
 حکم معنایا ای اثرہ المرتب علیہ کون الخبر منتقلاً ایہ فلما دخل
 علی الجملة الاسمیۃ اعنی زید غنی وافاد معنایا الذی هو الانتقال
 اعطى الخبر الذی هو غنی اثر ذلك الانتقال وهو کون الغنی منتقلاً

”من کانت امک“ میں اور اس کے معنی آیت اور حاجت کے ہوں گے (اور کہا جائے)
 اس کی احتیاج تیری احتیاج ہو گئی۔ اور قد بھی فعل ناقص مستعمل ہے (مثلاً) یہ قول
 ”ارفف شفرتی حتی تعدت“ یعنی چھری چھوٹا تیر بن گئی ”اندلسی“ کے نزدیک جاد اور
 قد محض وہیں بطور فعل ناقص استعمال ہوں گے۔ جہاں اہل زبان نے استعمال کیا ہے
 مشہور نحوی فراء اندلسی کے قول سے متفق نہیں۔ یہ افعال ناقصہ اور وہ جو افعال ناقصہ
 کے حکم میں ہوں جملہ اسمیہ پر آتے ہیں جو کہ مبتدأ اور خبر سے مرکب ہوتا ہے تاکہ خبر ان
 افعال کے معنی کا حکم دیں یعنی وہ اثر عطا کریں جو اس پر مرتب ہوتا ہے مثلاً (کہا جائے)
 ”وصار زید غنیاً“ تو صار کے معنی ہوں گے منتقل ہونا اور اس کے معنی کا حکم یعنی وہ
 اثر جو اس پر خبر کے عنوان سے مرتب ہوا اسے اس کی طرف منتقل کریں پس جب یہ
 جملہ اسمیہ یعنی ”زید غنی“ پر آئیں گے اور اسے انتقال کے معنی عطا کریں گے اور خبر
 کو انتقال کا اثر غنی بنو شیش گے اور غنی اس کی طرف منتقل ہوگا تو یہ افعال ناقصہ جملہ

شارح ”کان فعل ناقص کے مختلف معنی تفصیل سے
 بیان کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کان باعتبار معنی کے
 تین قسم پر منقسم ہیں۔ کان ناقصہ۔ کان تامہ۔ کان زائدہ۔
 پھر کان ناقصہ کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول یہ ہے کہ کان
 اپنی خبر کو اپنے اسم کے لئے زمانہ ماضی میں ثابت
 کیا کرتا ہے مام اس سے کہ وہ ثبوت تمام زمانہ ماضی میں
 دائم ہو جیسے کان اللہ عزیز احکما کہ حق تعالیٰ کے
 لئے صفت عزیز اور حکم ظاہر ہے کہ دائم ہے اس
 میں نہ انقطاع ہے اور نہ تغیر یا منقطع ہو جیسے
 کان زید غنیاً ناقصاً اس میں کان کا خبر اسم
 سے منقطع ہوگا اس لئے اس پر ناقص کا عطف کیا
 گیا ہے۔
 قسم اس ترکیب اور تقدیر کو شیخ زینی نے
 شرح کافیہ میں پسند فرمایا ہے من شاد غلیظاً شہ
 ۱۲ سید حسن
 قسم (ترجمہ) زید مال دار تھا پھر محتاج ہو گیا ۱۳ سنہ

الیہ فترفع هذه الافعال الجزء الاول لكونه فاعلا وتنصب الجزء الثاني لشبهة بالمفعول به في توقف الفعل عليه مثل كان زيد قائما فكان تكون ناقصة كائنة لثبوت خبرها لاسمها ثبوتها ماضيا اي كائنا في الزمان الماضى دائما من غير دلالة على عدم سابق وانقطاع لاحق نحو كان زيد فاضلا او منقطعا نحو كان زيد غنيا فافتقر وبمعنى صار عطف على قوله لثبوت خبرها اي كان تكون ناقصة كائنة بمعنى صار فهو من قبيل عطف احد القسمين على الآخر على ما هو قسم منه كقول الشاعر - شعر

بشيء ما قفر والمطى كائنها قطا الحزن قد كانت فراخا بيوضها
اي صارت فراخا بيوضها لم تكن فراخا بل صارت فراخا
ويكون فيها ضمير الشأن هذا ايضا عطف على قوله لثبوت اي كان

کے پہلے جز کو اس کے فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع کریں گے اور دوسرے جز کو مشابہ مفعول ہونے کی بنا پر نصب دیں گے کہ فعل اس کے اوپر موقوف ہوتا ہے مثلاً (کہا جائے گا) "کان زيد قائما" تو کان اپنی خبر کو اسم کے واسطے زمانہ ماضی میں ثابت دائمی طور پر کرنے کے باعث ناقصہ ہوگا بایں طور پر کہ نہ سابق کے عدم اور موجود نہ ہونے کی نشان دہی ہو رہی ہو اور نہ لاحق کے انقطاع کی مثلاً (کہا جائے گا) "کان زيد فاضلا" یا وہ منقطع واقع ہو رہا ہو مثلاً (کہا جائے گا) "کان زيد غنيا فافتقر" اور بمعنی "صار" کا عطف و ثبوت خبر ہمارے پر ہے یعنی کان ناقصہ صار کے معنی میں ہوگا اور یہ کان ناقصہ کی قسموں کے ایک قسم کے دوسرے پر عطف کے قبیل سے ہے جیسے شاعر کا یہ شعر -

بشيء ما قفر والمطى كائنها قطا الحزن قد كانت فراخا بيوضها
یعنی ان کے اندر سے بچوں سے بدل گئے اور (بتدریج بچوں کی شکل اختیار کر لی)
اور بعض اوقات اندرون کان ناقصہ ضمیر شان آتی ہے اس کا عطف صاحب کتاب

۱۳۸ قولہ و بمعنی صار عطف (الی قولہ) بل صارت فراخا حاصل عبارت یہ ہے کہ کان کے دوسرے معنی کا بیان فرماتے ہیں کہ کان کبھی صار فعل ناقص کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو کلمہ بمعنی صار میں داؤد عطف ہے بمعنی صار معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ لثبوت خبر صار ہے قرآن صورت میں عطف دوسروں میں

۱۳۸ سے ایک کا دوسرے پر ہے اور قسم کا عطف قسم پر نہیں ہے۔ حاصل عبارت یہ ہوا کہ ایک کان ناقصہ میں خبر کا ثبوت اس کے اسم کے لئے زمانہ ماضی میں ہوتا ہے اور ایک کان ناقصہ صار کے معنی میں آتا ہے کان بمعنی صار کا مثال میں ادیب محقق نے ایک شاعر کا شعر پیش فرمایا ہے اس میں مثال مصرعہ ثانی میں مذکور ہے وہ کانت فراخا بیوضها

اس میں کانت بمعنی صارت ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ صارت بیوضها فراخا اس مثال میں کانت بمعنی صارت متعین ہے کیونکہ صار انتقال پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اندرون سے جو بچے بنتے ہیں اس میں بتدریج انتقال و انقلاب پایا جاتا ہے جس کے بعد وہ بچوں کی شکل و صورت اختیار کر لیتے ہیں تحقیق الفاظ شعر بہت بمعنی فی متعلق کنت صرت فعل محذوف کے۔ تیسرا بمعنی جنگل۔ تفریع قاف ویران جگہ الملی جمع مطیہ یعنی اونٹنی تطایع اس کا واحد قطاة بمعنی مرغابی الحزن بفتح الحاء و سکون زای سنگلاخ بلند زمین بیوض جمع بیوضہ بمعنی اندر فراخا جمع اس کا واحد فراخ بمعنی بچہ (ترجمہ شعر) میں سفر کرتا ہوں (ویران جنگل میں اس حالت میں کہ میری اونٹنیاں سنگلاخ زمین میں مرغابیوں کے مشابہ ہیں کہ جن کے اندرون سے بچے نکل آئے ہوں۔ مطلب شاعر کا اس سے یہ ہے کہ میری اونٹنیاں ویران حق درق جنگل میں اس بتدریج زنجاری سے چلتی ہیں کہ ان کی بالیاں ان مرغابیوں کی پرواز سے مشابہ رکھتی ہیں جن کے اندرون سے بچے نکل آئے ہوں اور مرغابیاں ان کی نگرانی اور پرورش کے خیال سے تیزی سے اڑ کر میرے واپس آ رہی ہوں۔

۱۳۹ قولہ دیکھو فیہا ضمیر الشأن (الی قولہ) و آخر متن بالذی کنت اصنع حاصل عبارت یہ ہے کہ فاضل شارح علیہ الرحمۃ کان ناقصہ کا ایک اور حال بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کان ناقصہ میں ضمیر شان ہوتی ہے ضمیر شان اس ضمیر مذکور کا لقب ہوتا ہے جس کا مرجع لغوی میں موجود نہ ہو بلکہ جملہ مابعد سے اس کی توضیح و تفسیر کہلاتی ہے جو ضمیر شان کان ناقصہ کا اسم ہوتا ہے اور جو جملہ کان کے بعد واقع ہے وہ کان کی

عصہ اور یہ بات ظاہر ہے کہ قسم کا عطف مقیم پر جائز نہیں کیونکہ عطف تغایر کا مقتضی ہے اور قسم اور اس کی قسم میں تغایر نہیں ہوتا اس وجہ سے کہ قسم تو قسم میں داخل ہوا کرتی ہے اور جملہ میں

خبر نیز وہ جملہ غمیر شان کی تفسیر بھی ہوتا ہے
اس کی مثال میں علامہ جامی علیہ الرحمۃ نے ایک
شاعر کا شعر پیش فرمایا ہے۔ جس میں مصرعہ اولیٰ
مومنین است شہاد ہے کیونکہ اذامت کان
الغاس صنفان میں کان کا اسم غمیر شان ہے
اور ما بعد جملہ خبر کان ہے جو غمیر شان کی تفسیر کر رہا ہے
تحقیق کلمات شعر صنفان تثنیہ صنف بمعنی
قسم شامت اسم فاعل مصدر شامتہ دشمن
کی مصیبت پر خوش ہونا مثنی اسم فاعل مصدر
اشاء تعریف کرنا ماضی شریہ ہے کہ جب میں
مر جاؤں گا تو لوگوں کی دہمتیں ہو جائیں گی ایک دشمن
ہوں گے میری مصیبت پر خوش ہونے والے
دو مصرعے درست میری تعریف کرنے والے ان
کارناموں پر جو میں انجام دیا کرتا تھا۔

۱۵۰ قولہ دنکون تامۃ ملعت علی
 قولہ لجميع استعلا لا تھا عبارت
 کا حاصل یہ ہے کہ کان کے دوسرے اقسام کا اس
 میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک کان تامہ ہوتا ہے
 یہ جب ہے کہ کان فعل تام ثبت کے معنی میں
 مستقل ہو جیسے عرب بولتے ہیں کانت الکائنۃ
 یہاں پر کانت بمعنی ثبت ہے مراد کلام یہ ہے کہ
 جو ہر زمانہ قائم ہو گیا۔ دوسری مثال المقدور کا
 یہاں پر کان بمعنی ثابت ہے مراد یہ ہے کہ تقدیر
 حق سبحانہ واقع ہونے والی ہے۔ ان پر در مثال
 میں کان اور کانت تام ہیں کیونکہ فعل تام کے معنی
 میں مستقل ہیں۔ تیسری مثال علامہ نے قرآن کریم
 سے ذکر فرمائی ہے کن فیکون۔ یہاں پر کن بمعنی
 اثبت۔ فیکون بمعنی قیست ہے مراد یہ ہے کہ
 حق تعالیٰ جب کسی شے کے بارے میں احکامات
 فرماتے ہیں اور ایسا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ شے
 موجود ہو جاتی ہے۔ محرم آئندہ نے کن فیکون
 کے معنی ادجد فیکو جد ذکر کئے ہیں، الحاصل
 علامہ نے کان تامہ کی تین مثالیں ذکر فرما کر لطیف اشارہ
 اسی طرف فرمایا کہ کان تامہ محض فعل ماضی کے صیغہ
 ہی نہیں آتے بلکہ اسم فاعل، فعل مضارع فعل امر

تكون ناقصة يكون فيها ضمير الشأن اسمها والمجمل الواقعة بعجزها
خبراً مفسراً للضمير كقوله شعرة

اذا امت كان الناس صنفان شامتٌ واخر متُن بالذی كنت اصنع
وتكون تامة عطف على قوله تكون ناقصة اى كان تكون تامة
يتم بالمرفوع من غير حاجة الى المنصوب بمعنى ثبت ووقع كقولهم
كانت الكائنه والمقدور كائن وكقوله تعالى كن فيكون وتكون
زائدة وهى التى وجودها وعدمها لا يخل بالمعنى الا صلى كقوله
تعالى كيف تكلم من كان فى المهد صبيا اى كيف تكلم من هو فى
المهد حال كونه صبيا فكان زائدة لتحسين اللفظ اذ ليس للمعنى
على الماضى وانما ذكر هذين القسمين مع كونهما غير ناقصة استيفاء

کے قول لبثت پر ہے یعنی کان واقعہ میں ہونے والی ضمیر شان اس کا اسم ہوگی اور اس کے بعد آنے والا جملہ خبر ہوگا جو ضمیر کا تفسیر کنندہ ہوگا۔ مثلاً یہ شعر۔

اِذَا مِتُّ كَانَ النَّاسُ صِفَانٍ شَامِتٌ وَاٰخِرُ مَثْنٍ بِالَّذِي كُنْتُ اَصْحٰ

اور کان تمامہ بھی آتا ہے اس کا عطف تکون ناقصہ پر ہے۔ یعنی کان تمامہ ہوتا ہے اور فاعل پر تام و مکمل ہو جاتا ہے۔ اے منصوب (مفعول) کی احتیاج نہیں ہوتی مثبت اور وقع کے معنی میں مثلاً یہ قول کانت الكائنة والمقدود کا مئن اور مثلاً ارشاد باری تعالیٰ رکن فیکون، اور بعض اوقات زائدہ بھی آتا ہے کہ اس کے ہونے نہ ہونے سے معنی اصلی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا مثلاً ارشاد ربانی: كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا، یعنی ہم کیسے گفتگو کریں اُن سچے بچہ جو ابھی پلنے (گہوارہ) میں ہے تو کان زائدہ کا استعمال لفظ کی آوازی کی خاطر ہے اس کے معنی کا تعلق زمانہ ماضی سے نہیں اور ان دو

کلام یہ ہے کہ نکلے ہوئی الہد صبیہ صبیہ
حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہاں پر اگر کان
کو زائد نہ مانا جائے تو کلام میں خلل عظیم واقع ہو
جائے کیونکہ کان کا تعلق زمانہ ماضی سے ہوتا ہے
تو غور بالحد کلام کے معنی ہو جائیں گے کہ ہم کیسے

۵۰۔ درجہ مہملاً اے ایسے شخص سے کیونکر بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے ۱۲ دبیان القرآن ۱۲ یہ قول پیہود کا ہے انہوں نے یہ بات حضرت عیسیٰ کے متعلق حضرت مریمؑ سے کہی تھی ۱۱

سب ہی سینے فعل تام کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں
پھر علامہ نے کان کی تیسری قسم کا بیان فرمایا کہ کان
کبھی زائد بھی ہوتا ہے زائد کا مطلب یہ ہے کہ
کان کا وجود اور عدم دونوں سے کلام کا مفہوم متاثر
نہیں ہوتا تو اگر ایسے مواقع سے کان کو نکال دیتے
بھی مفہوم میں خلل واقع نہ ہوگا ایسے مواقع میں کان
سے تحنین کلام مقصود ہوا کرتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ
کا ارشاد ہے **كَيْفَ تَكْلُمُنْ كَانُ فِي الْهَدْيِ صَبِيًا**
یہاں پر کان زائد ہے تحنین کلام کے لئے۔ کیونکہ ملام

لجميع استعمالاتها. وصار لا انتقال اما من صفة الى صفة نحو
صار زيد عالما واما من حقيقة الى حقيقة نحو صار الطين خزفاً
تكون تامة بمعنى الانتقال من مكان الى مكان او من ذات الى ذات
ويتعدى بالي نحو صار زيد من بلد الى بلد كذا او من بكرة الى عمرو
ويلاحظ بصر مثل ال ورجع واستحال وتحول قال الله تعالى فارتد
بصيرا وقال الشاعر ع ان العداوة تستحيل مودة . وقال ع

قسموں کا ذکر جو ناقصہ نہیں اس جگہ کرنے کی اس کے سارے استعمالات کی تکمیل ہے
اور صار سے یا تو ایک صفت سے دوسری صفت کی جانب منتقل ہونے کی نشاندہی ہوتی
ہے مثلاً (کہا جائے) "صار زيد عالماً" (زيد کے جاہل ہونے کی صفت علم کی صفت
سے بدل گئی) اور یا ایک حقیقت کے دوسری حقیقت سے بدل جانے کی نشان دہی
کرتا ہے مثلاً (کہتے ہیں) "صار الطين خزفاً" (مٹی ٹھیکرے سے بدل گئی) اور ایسا اوقات
ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی صورت میں یا ایک ذات سے ذات دیگر کی
جانب انتقال کی صورت میں صار تامہ استعمال کیا جاتا ہے اور ان دو شکلوں میں "الی"
کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے مثلاً (کہا جاتا ہے) "صار زيد من بلد الى بلد كذا" (زيد اس شہر
سے اس شہر میں منتقل ہو گیا) یا (کہا جائے) "صار زيد من بكرة الى عمرو" (زيد بکر کے یہاں سے
عمرو کے یہاں چلا گیا) اور آل اور رجع اور استحال اور تحول بمعنی صار استعمال کئے جاتے
ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے "فارتد بصيراً" اور شاعر نے کہا "ان العداوة تستحيل مودة"
(عداوت محبت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے) اور شاعر نے کہا "فيا لك من نعمي تحولت
ابوئسا" (بعض اوقات نعمتیں اچانک معائب میں ڈھل جاتی ہیں)۔ اور اصبح اور اسی

نامہ اور ناقصہ دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اسی طرح
صار بھی ناقصہ اور تامہ دونوں طرح مستعمل ہوتا
ہے جب صار تامہ ہوتا ہے ایک مکان سے دوسرے
مکان میں منتقل ہونے پر یا ایک ذات سے دوسری
ذات کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتا ہے
ان دونوں صورتوں میں اس کے بعد حرف جار کے
بلور صلہ کے ہوا کرتا ہے جیسے صار سید من
الدہلی الى الدینہ سید دہلی سے مدینہ منتقل ہوا۔
یہ انتقال مکانی کی مثال ہے اس میں صار بمعنی
ذہب فعل تام مستعمل ہے۔ صار زيد من اریلی
عمرت زيد بکر کے پاس سے عمر کے پاس منتقل
ہوا۔ یہ انتقال مکانی کی مثال ہے اس میں
صار انتقال فعل تام کے معنی ہیں اس کے بعد علامہ
شامی نے کچھ ایسے افعال بیان فرمائے ہیں جو کہ
صار فعل ناقص کے معنی میں مستعمل ہوا کرتے ہیں
وہ یہ ہیں: آل، ازاول بمعنی رجوع کرنا، رجع۔
استحال از استحالة بمعنی بدلنا، تحول، ارتد بمعنی
صار قرآن کریم میں مستعمل ہے قال اللہ تعالیٰ
فارتد بصيراً ای صار بصیر (پس یعقوب علیہ السلام)
بنیا ہو گئے استعمال کا فعل بمعنی صار اس کی مثال
شاعر کا یہ قول ہے ع ان العداوة تستحيل مودة
یہاں پر استحيل بمعنی تصیر ہے (ترجمہ) بلاشبہ دشمنی
محبت سے بدل جاتی ہے اس کا مکمل شعر یہ ہے شعر
ان العداوة تستحيل مودة
بقدر لك الهفوات بالحنات

اور تحول کا فعل بمعنی صار مستعمل ہونے کی مثال ذیل
شاعر ہے ع فیا لك من نعمي تحولت ابوئسا
اس میں تحول بمعنی حزن فعل ناقص ہے ضمیر میں کا
مرجع نعمی ہے اور اس کا اسم ابوئسا خبر ہے تحقیق

عہ اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جب نصیحت
حضرت یوسفؑ کا حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں پر
ڈالا گیا تو انکی بنیائی لٹ آئی ۱۲
عہ ہفوات بمعنی سیئات ۱۳
عہ نعمی اگرچہ واحد ہے مگر ضمیر جمع بار بار
متعدد دہرائی گئی ہے یا خبر کے جمع ہونے کی وجہ

صار کے احوال ذکر فرماتے ہیں کہ صار انتقال کے معنی پر
دلالت کرتا ہے کہیں تو ایک صفت سے دوسری صفت
کی طرف انتقال کے لئے صار کتاب ہے جیسے مادہ زید
عالماً جس کے معنی یہ ہیں کہ زید صفت جہالت
سے صفت علم کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور کبھی ایک حقیقت
سے دوسری حقیقت کی طرف منتقل ہونے کے معنی
میں مستعمل ہوتا ہے جیسے صار الطين خزفاً
مٹی ٹھیکرے بن گئی۔ ظاہر ہے کہ مٹی کی حقیقت میں
اور ٹھیکرے کی حقیقت میں بہت فرق ہے ان
امثال میں صار نے انتقال حقیقت پر دلالت کی
اس کے بعد علامہ شامی نے فرمایا کہ جس طرح کان

باقی کرے اس شخص سے جو کہ بچپن کے زمانہ ماضی
میں گود میں غماظا ہرے کہا اس صورت میں کلام
کے معنی بالکل غلط مراد بن جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ
کان ناقصہ کے بیان میں جو کان تامہ اور زائدہ کا
بدل کیا گیا ہے اس کا قصد کان کے بعد استعمال
کو یکجا جمع کرنا ہے۔

ف ملا عصام الدین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ
کان ناقد صرف صیغہ ماضی کے ساتھ ہی ہوتا
ہے۔ اور تامہ جملہ صیغوں میں مستعمل ہے۔

۱۱۔ قولہ وصار لا انتقال الی قولہ تحولت
ابوئسا۔ حاصل عبارت یہ ہے کہ فعل ناقص

سے اسم کی ضمیر کو جمع لایا گیا ۱۲

کلمات ۱۔ لکت لام تعجب کے لئے کتبیر خطاب ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے اور رضائی محدث ہے۔ یعنی بے نعمت۔ ابوس مع اس کا واحد ابوس یعنی شدة اور تکلیف ہے مائل کلام یہ ہے کہ شاعر حق تعالیٰ کے اس انقلاب پر اظہار تعجب کرتا ہے کہ بسا اوقات نعمتیں یکایک مصیبتوں میں کھڑی تبدیل ہو جایا کرتی ہیں واللہ اعلم اختیر من مطابع السید اقرب الی الفہم وترکت مقال معنی فی هذا المقام فان فی کلامہ زلزلہ دخطا عند ادلی الافہام والعلوم عند العلیم العلامة۔

۱۵۲ قولہ واصبح وامس واضحی دالی قولہ) اذا دخل فی الصباح عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ جامی علیہ الرحمۃ تین افعال ناقص (صبح، امس، اضحیٰ) کے معانی بیان فرماتے ہیں۔ یہ تینوں تین معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اول مضمون جملہ کو اپنے اوقات کے ساتھ متصل و معاون کرنے کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اپنے اوقات سے یہ مراد ہے کہ جن زمانوں پر یہ فعل مارہ کے لحاظ سے دلالت کرتے ہیں۔ مثال اول ہے اصبح زید قائما رترجمہ) زید صبح کے وقت کھڑا ہو گیا۔ دوسرے کی مثال امس زید امس رترجمہ) زید شام کے وقت خوش ہو گیا۔ تیسرے کی مثال اضحیٰ زید حزینا رترجمہ) زید چاشت کے وقت غمگین ہو گیا۔ دیکھو ان سب مثالوں میں مضمون جملہ قائم زید۔ سرور زید۔ زید کا فعل ان افعال نے اپنے اپنے زمانہ سے کر دیا۔ چنانچہ صبح کا صبح سے، امس کا امس یعنی شام سے اور اضحیٰ کا اضحیٰ سے یعنی چاشت سے کر دیا دوسرے یہ تینوں افعال بھی کہ فعل ناقص صار کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں جیسے اصبح زید غنیا رترجمہ) زید بالدار ہو گیا۔ اصبحوا نادمین وہ لوگ شرمندہ ہو گئے۔ دیکھو اس معنی میں وقت صبح سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی طرح امس زید فقیرا اور اضحیٰ عہد فقیرا کے معانی ہیں

فیالک من نعمی تحولن ابوسا واصبح وامس واضحی لاقتراں مضمون الجملة باوقاتها المدلول علیہا بموادھا لا بصورھا مثل اصبح زید قائما وامس زید مسرورا واضحی زید حزینا فالامثال الاول يدل علی اقتران مضمون الجملة وهو قیام زید بوقت الصباح وعلی هذا القیاس المثلان الاخیران و تكون بمعنی صار نحو اصبح او امس او اضحی زید غنیا ای صار ولیس المراد انه صار فی الصباح او المساء والضحی علی هذه الصفة وتكون تامة بمعنی الدخول فی هذه الاوقات نقول اصبح زید اذا دخل فی الصباح وظل وبات لاقتراں

اور اضحیٰ یہ جملہ کے مضمون کا اپنے اوقات کے ساتھ اتصال کرنے کی خاطر آتے ہیں (اور) یہ اتصال باعتبار مضمون ہونا بلحاظ شکل نہیں مثلاً (کہا جاتا ہے) «اصبح زید قائما وامس زید مسرورا واضحی زید حزینا» تو پہلی مثال مضمون جملہ کے اتصال کی نشان دہی کرتی ہے اور وہ (اتصال) بوقت صبح زید کا قیام ہے اور اسی پر اخیر کی دونوں مثالوں کو قیام کر لیا جائے اور (بعض اوقات) یہ صار کے معنی میں بھی آتے ہیں مثلاً اصبح یا امس یا اضحیٰ زید غنیا یعنی صار (زید غنیا) اس سے مقصود یہ ہرگز نہیں کہ وہ صبح کے وقت یا شام کے وقت یا بوقت چاشت (یعنی کسی مخصوص وقت میں) صاحب ثروت ہوا۔ اور بعض اوقات یہ تینوں تامہ آتے ہیں (اور تامہ آکر) ان اوقات میں فاعل کے آنے کو بیان کرتے ہیں (جیسے) تو کہے گا «اصبح زید» جبکہ زید صبح کے وقت آئے اور «ظل» اور «بات»

تیسرے معنی ان کے یہ ہیں کہ یہ تینوں افعال تامہ ہوتے ہیں اور اس صورت میں اپنے مائل کا دخول اپنے اوقات میں بیان کرتے ہیں جیسے اصبح خالد رترجمہ) زید صبح کے وقت میں داخل ہوا۔ عرب بولتے ہیں فلما امسیت (ترجمہ) جبکہ میں شام کے وقت میں داخل ہوا۔ علی هذا القیاس۔

۱۵۳ قولہ وظل و بات لاقتراں دالی قولہ) الانفعال الثلاثة السابقة فلام عبارت یہ ہے۔ ظل، بات، فعل ناقص کے معانی علامہ جامی بیان فرماتے کہ ان کے بھی تین معانی ہیں اول یہ دونوں فعل مضمون جملہ اسمیہ کو اپنے

مضمون الجملة بوقتيهما فاذا قلت ظل زيد سائرا فمعناه
ثبت له ذلك في جميع نهاره واذا قلت بات زيد سائرا فمعناه
ثبت له ذلك في جميع ليلة ومعنى صار نحو ظل زيد غنيا و
قلت عمرو فقيرا اي صار وقد يحیی هذان الفعلان تامين ايضا
نحو ظلت بمكان كذا وبث بيتا طيبا لكن لما كان محييهما
تامين في غاية القلة جعله في حكم العدم ولذلك لم يذكروهما
تامين وفصلهما عن الافعال الثلاثة السابقة. واض وعا
وغدا وراح فهذه الافعال الاربعة ناقصة اذا كانت
بمعنى صار وتامة في مثل قولك اض او عا د زيد من سفرة
اي رجع وعا اذا مشى في وقت الغداة وراح اذا مشى في وقت
الرواح وهو ما بعد الزوال الى الليل واسقط المص ذكر هذه الافعال

یہ بھی جملہ کے مضمون کو وقت کے ساتھ متصل کرنے (اور ملانے) کی خاطر آتے ہیں پس
جب تو کہے "ظل زيد سائرا" (زيد دن بھر چلا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا چلنا دن بھر
برقرار رہا اور جب تو کہے "بات زيد سائرا" (زيد شب بھر چلا) تو اس کے معنی ہیں کہ وہ
پوری رات چلا، اور دونوں کا استعمال صار کے معنی میں بھی ہوتا ہے مثلاً (کہا جاتے)
"دخل زيد غنيا" اور "بات عمرو فقيرا" یعنی (صار عمرو فقيرا) اور بعض اوقات یہ
دونوں فعل تام بھی آیا کرتے ہیں مثلاً (کہا جاتے) "ظلت بسان كذا" (میں تمام دن
اس جگہ رہا) اور "بت بيتا طيبا" (میں ساری رات شب بھری کی عمدہ جگہ قیام پذیر
رہا) مگر ان دونوں کے تمام نادراور نہ ہونے کے درجہ میں استعمال ہونے کے باعث
(صاحب کتاب نے) انہیں کا عدم قرار دیا اور ان کا ذکر نہیں کیا، اور اسی بنا پر ان
دونوں کو بحیثیت تامہ بیان نہیں کیا اور سابق تین افعال سے الگ نہیں کیا۔ اور آمل
اور عا د اور غدا اور راح یہ چاروں افعال اس صورت میں ناقصہ شمار ہوں گے۔ جبکہ
یہ صار کے معنی میں ہوں۔ اور تامہ ہونے کی صورت میں مثلاً تیرا قول اض یا عا د زيد
من سفرة یعنی رجوع کے معنی میں (مستعمل) ہوگا۔ اور غدا (فعل تام کے معنی دیتا ہے) جبکہ
بوقت صبح چلے اور راح جبکہ بوقت رواح (زوال کے بعد) رات تک چلے۔ اور (رہا)
صاحب کتاب کا انہیں مقام اجمال میں بیان کرتے ہوئے موقعہ تفصیل میں ترک کر دیا

فعل کے لئے اپنے اوقات میں داخل ہونے کو
بیان کرتے ہیں جیسے ظلت بیدو بند
ترجمہ میں دن بھر دیوبند بٹ بیتا طيبا
ترجمہ میں رات بھر عمدہ رات گزارنے کی جگہ

میں رہا۔ چونکہ ان دونوں افعال کا تام ہونا شاذ و
نادر الاستعمال ہے اس لئے علامہ ابن صاحب
علیہ الرحمۃ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا اور صرف
رو معنی ہی کے بیان پر اکتفا فرمایا اور وہ چونکہ
پہلے تین افعال فعل تام کے معنی میں بکثرت مستعمل
ہوتے ہیں اس لئے ان کے بارے میں فرمایا
قد تكون تامه اور اسی وجہ سے ان دونوں فعلوں
کو ان سے علیحدہ کر دیا۔

۱۵۴ قولہ واض وعا وغدا (الی قولہ)
لانها من الملحقات مقصد کلام یہ ہے
کہ علامہ جامی ان چار افعال ناقصہ کے معانی بیان
فرماتے ہیں کہ جن کا تذکرہ اجمالاً افعال ناقصہ
میں صاحب کاغذ نے فرمایا تھا اور موقعہ تفصیل
میں ان کو نظر انداز کر دیا ہے وہ چار یہ ہیں آمل
عا د، غدا، راح ان کے فقط درمیان میں اول جبکہ
ناقصہ ہوتے ہیں تو فعل ناقص صار کے معنی میں
مستعمل ہوتے ہیں جیسے اض زيد غنيا، بعض
صار زيد غنيا و علی هذا القیاس دوسرے
جب کہ فعل تام ہوتے ہیں تو اض وعا د، رجوع فعل
تام کے ہم معنی ہوتے ہیں جیسے اض زيد من
سفرة ای رجوع اسی طرح عا د بھی معنی رجوع آتا
ہے، غدا و راح جب فعل تام ہوتے ہیں جیسے
عدا زيد تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ زيد صبح کے
وقت چلا، راح شاہد کے معنی ہیں کہ زوال کے
وقت کے بعد شاہد چلا۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت
مصنف کاغذ نے اجمال میں تو ان چاروں افعال
کا تذکرہ کیا اور مقام تفصیل میں ترک کر دیا اس
کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چاروں افعال دراصل
فعل ناقص نہیں ہیں بلکہ افعال ناقصہ کے ساتھ
ملحق ہیں۔ اس لئے مصنف کے مصنف نے ان
چاروں کا تذکرہ بالکل نہیں کیا، اور الالباب کے مصنف
نے صاف صاف کہہ دیا کہ افعال ناقصہ کے ساتھ
اض، عا د، غدا، راح کو بھی ملحق کر دیا گیا۔ اس
لئے اجمالاً ذکر فرما کر ان کا سن و جہ فعل ناقص ہونا بیان

فرمادیا۔ اور موقع تفصیل میں ان کا بالکل تذکرہ نہ فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ افعال دراصل ناقصہ نہیں لہذا قابل اعتناء نہیں ہیں کیونکہ ملحقات میں سے ہیں۔

۱۵۵ قولہ وما زال من زال یزال (الای قولہ) للاستمرار المقصود منها۔ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ حائمیؒ ان افعال ناقصہ کے معنی پر روشنی ڈالتے ہیں جن کے شروع میں مآناتیہ لگا ہوا ہوتا ہے اور وہ افعال ناقصہ یہ ہیں مازال، ما برح، مافتی، مالفک تفصیل ان کی یہ ہے مآناتیہ زال فعل از زال یزال باب سبب مصدر زوال، زائل ہونا یا درگھو کہ زال یزول باب نصر سے بھی آتا ہے۔ لیکن یہ فعل ناقص نہیں ہوتا ہے بلکہ فعل تام۔ ما برح مآناتیہ برح بفتح را بمعنی زال تو ما برح بمعنی مازال ہے۔ مافتی بھی معنی میں مازال کے ہے اور مالفک بمعنی مالفعل ہے یہ چاروں افعال ناقصہ اس مقصد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں کہ اپنی خبروں کو اپنے فاعل کے لئے استمرار دوام کے ساتھ ثابت کرتے ہیں جبکہ ان کے فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے جیسے مازال ذیلک أمیر کے معنی ہیں کہ زید امیر ہے جبکہ اس نے امارت کو قبول کیا ہے یہ چاروں افعال استمرار اور دوام کے معنی پر اس طرح دلالت کرتے ہیں کہ مازال کے سوا تینوں مازال کے ہم معنی ہیں اور مازال میں نفی کی نفی ہے کیونکہ زال زوال سے نفی شے اور زوال شے پر دلالت کرتا ہے اور جب اس پر مآناتیہ داخل کیا گیا تو نفی کی بھی نفی ہوگی اور یہ امر مسلم ہے کہ نفی کی نفی اثبات دوام کو مستلزم ہوا کرتا ہے اسلئے سبب ان افعال سے دوام و استمرار کے مستند ہوتے ہیں تو ان سے قبل مآناتیہ ضرور آتا ہے خواہ یہ مادہ مآناتیہ لفظوں میں موجود ہو یا لفظوں میں موجود نہ ہو بلکہ مقدر ہو جیسے قرآن کریم کی آیت کریمہ تالله تفتحا تذکرہ دست اصل میں لا تفتحا

الاربعة من البین فی مقام التفصیل مع ذکرها فی مقام الاجمال وكان الوجه فی ذلك انها من الملحقات ولذا لم یذكرها صاحب الفصل وقال صاحب الباب والحق بها اضر عاد وغدا وراح فاسقطها عن البین اشارة الى عدم الاعتداد بها لانها من الملحقات وما زال من زال یزال لا من زال یزول فانه تامة وما برح بمعناه من برح ای زال ومنه البارحة لليلة الماضية وما فتی ایضا بمعناه وما انفک ای ما انفصل لا استمرار خبرها ای خبر تلك الافعال لفاعلها قيل سمي اسمها فاعلا تنبيها على ان اسمها ليس بقسم على حدة من المرفوعات كما ان خبرها قسم على حدة من المنصوبات مذكرا قبل ای قبل فاعلها خبرها ای من وقت يمكن ان يقبله عادة فمعنی مازال زید امیرا استمرارا ما رته من زمان قابليته وصلا حیثه

تو اس کا سبب ان کا ملحقات میں سے ہونا ہے یعنی ان کا الحاق افعال ناقصہ سے ہے۔ مگر یہ باعتبار اصل ناقصہ شمار نہیں ہوتے، اسی بنا پر صاحب کتاب نے موقع تفصیل میں انہیں بیان نہیں فرمایا۔ اور صاحب الباب فرماتے ہیں ان آن، عاد، غدا اور راح کا الحاق افعال ناقصہ سے کرتے ہوئے تفصیل ترک کر کے اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ملحقات میں ہونے کے باعث یہ باعتبار ناقصہ نہیں۔ اور مازال زال یزال سے ہے زال یزول سے نہیں، اس لئے کہ زال یزول سے وہ تامہ ہے۔ اور ما برح اس کے معنی ہیں من برح یعنی زال۔ اور اسی سے گذری ہوئی رات کے لئے "البارحة" آتا ہے اور مافتی کے معنی بھی مازال کے آتے ہیں اور مالفک ما انفصل کے معنی میں ہے۔ یہ افعال برائے فاعل خبر کے استمرار (وہمیشگی) کے ثابت کرنے کی خاطر آتے ہیں۔ ان افعال کے اسم کو فاعل یہ بتانے کی خاطر کہا جاتا ہے کہ جیسا کہ اس کی خبر منصوبات کی انگ قسم ہے اس طرح اس کا اسم مرفوعات سے کوئی علیحدہ قسم نہیں ہے۔ یعنی اس کے فاعل کی جانب اس کی خبر سے یعنی ایسا وقت کہ اس کا قبول کرنا (اور مان لینا) ممکن ہو تو

مقالا مآناتیہ کو مقدر کر دیا گیا ہے کیونکہ اگر صرف نفی ان مازال افعال پر داخل نہ کیا جائے تو نفی کی نفی نہ ہوگی اور نفی کی نفی جب نہ ہوگی تو پھر استمرار و دوام کے معنی کس طرح ان افعال سے لے جاسکتے ہیں خوب سمجھ لو۔

۱۵۶۔ ان افعال کے اسم کو فاعل سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ مرفوعات کی کوئی نئی قسم نہیں بلکہ فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہوئے ہیں۔

للا مارة امداد لالتها على الاستمرار فلان النفي عليها كانت
معانيها نفي النفي ونفي النفي استمرارا لثبوت واعتبار الصلاحية
والمقابلية معلوم عقلا ويلزمها اي هذه الافعال الاربعه
اذا اريد بها استمرار الثبوت النفي بدخول ادواته عليها لفظا و
هو ظاهرا وتقدير اقولہ تعالیٰ تالله تفتوا تذکر یوسف
ای لا تفتوا فاته لولم تدخل ادوات النفي عليها لولم يزل نفي
النفي المستلزم للاستمرار المقصود منها و مادام لتوقيت امر
ای لتعینہ بمدۃ ثبوت خبرها لفاعلمها بان جعلت تلك
المدۃ ظرف زمان له وذلك لان لفظة ما مصدرية في
مع بعدها في تاويل المصدر وتقدر الزمان قبل المصادر
كثيرا واذا قدر الزمان قبله فلا بد هناك من حصول كلام
يفيد فائدة تامة والى هذا اشار بقوله ومن ثم اي ومن اجل

درما زال زید امیرا کے معنی ہوں گے اس کی امارت و ثروت قابلیت و صلاحیت امارت
کے وقت سے مسلسل رہنا۔ رہ گئی اس کے استمرار و دوام کی نشان دہی اس لئے کہ
اس پر نفي کے لئے نفي کی نفي ہوگی اور نفي کی نفي سے اثبات کا استمرار ہوتا ہے اور
صلاحیت و قابلیت کا عقلاً اعتبار ہوتا ہے اس واسطے ان چاروں افعال کے ذریعہ
استمرار مقصود ہونے پر ان سے پہلے حروف نفي (ما اور لا) کا لانا ناگزیر ہے۔ چاہے وہ حرف
نفي لفظوں میں ظاہری طور پر موجود ہو یا پوشیدہ ہو۔ مثلاً ارشاد ربانی "تالله تفتوا"
تذکر یوسف یعنی "لا تفتوا" اس لئے کہ اگر ان پر حرف نفي نہ آئیں گے تو نفي
کی نفي نہ ہو سکے گی جس سے مقصود استمرار ہوتا ہے۔ اور مادام امر کی توقيت یعنی اس
وقت تک یقین کے لئے ہے۔

خبر ہائے فاعل ثابت و برقرار رہے بایں طور کہ یہ مدت اس کے لئے ظرف زمان بن جائے
اور یہ اس بنا پر کہ لفظ ما مصدریہ ہے تو وہ اس کے مابعد کے ساتھ بتاویل مصدر ہوگا
اور زمانہ کو مصادر سے قبل پوشیدہ بیشتر مانا جاتا ہے اور جب اس سے قبل زمانہ پوشیدہ
نہیں گے تو لازمی طور پر ایسا کلام حاصل ہوگا جو مکمل فائدہ دے گا اور اس کے
سمجھنے میں کسی طرح کا نقص محسوس نہ ہوگا اور پریشانی نہ ہوگی اور اسی کی جانب
اپنے قول: ومن ثم، سے اشارہ فرمایا یعنی اس وجہ سے کہ وہ امر کی اس مدت تک

۱۵۶ قولہ و مادام لتوقيت امر (الی قولہ)
الی وجود کلام و درانجا خلاصہ عبارت یہ
ہے کہ فعل ناقص مادام کے معنی اور اس کے متعلق
تحقیق علامہ جامی بیان فرماتے ہیں کہ مادام
فعل ناقص اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ جب
تک ان کی خبر فاعل کے لئے ثابت ہے اس وقت
تک یہ مدت اس امر مذکور کے لئے ہے جو کہ مادام
سے پہلے مذکور ہے جیسے اجلس مادام زید
جالسا کا مقصد یہ ہے کہ جب تک مادام فاعل
زید کے ساتھ جلوس کی صفت قائم ہے اس وقت
تک مخاطب کو جلوس کا امر کیا جا رہا ہے تو فعل
ناقص مادام مع اپنے اسم و خبر کے ماقبل فعل مذکور
کا طرف زمان ہوتا ہے۔ اس طرح کہ مادام کا مصدر
یہ ہے اور مادام مع اپنے اسم و خبر کے تاویل مصدر
میں ہو جائے گا اور چونکہ مصادر سے قبل زمانہ کی
تقدير بکثرت پائی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی زمان
کو محذرت مان لیا جائے گا اور تقدير عبارت
اجلس مادام زید جالسا کی یہ ہے اجلس زید

دوام جلوس زید اب جب کہ مادام فعل مذکور
کا طرف زمان ہوتا ہے اس لئے مادام سے قبل
ایک ایسا جملہ ہوگا کہ مخاطب کو فائدہ تامہ پہنچائے
ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ظرف زمان فضیلت یعنی
زائد اور انادۃ میں غیر مستقل ہو کر تا ہے قولہ
فما دام لم یشفع مادام باجلس الی قولہ لا یفید
فائدۃ تامة کا مطلب یہ ہے کہ جب تک
مادام کو اجلس کے ساتھ ملایا نہ جائے تو مادام کلام
سفید نہیں بنتا تو جملہ فادام لم یشفع الخ شرط ہے
اور جملہ لا یفید تامة اس کی جزا ہے الحاصل یہ
خصوصیت فقط مادام کی ہے در نہ جو افعال
ناقصہ ایسے ہیں کہ ان کے شروع میں مانا نہ لایا
جاتا ہے تو وہ مع اسم و خبر کلام مستقل بالانادۃ
ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہ شرط نہیں
ہو کہ مادام کے لئے ہے۔

۱۵۷ قولہ ولس لثنی مضمون الجملة
 (الی قولہ) وھذا مذهب سیبویہ وھما عبارت
 یہ ہے کہ لیس فعل ناقص کے معنی بیان فرماتے ہیں
 کہ لیس فعل ناقص مضمون جملہ کی نفی کے لئے استعمال
 ہوتا ہے اور اس نفی کا تعلق زمانہ حال سے ہوتا ہے
 مثلاً لیس زید قائماً کے معنی یہ ہیں کہ لیس نے بہ
 بنایا کہ قیام زید کی نفی زمانہ حال کے ساتھ وابستہ
 ہے چنانچہ مولانا جامیؒ نے لیس زید قائماً کے
 معنی بیان کرنے کے لئے لفظ الان کا اضافہ فرما
 کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ زید اس
 وقت قائم نہیں ہے یہ مسلک جمہور کہے ہوئے
 سیبویہ کے اور حضرت معصفت نے اس کو پسند
 کیا ہے حالانکہ لیس چونکہ فعل ماضی ہے اس لئے
 بظاہر معنی یہ ہونے چاہئیں کہ زید گزشتہ زمانہ
 میں قائم نہیں تھا لیس کے متعلق اہل لغت نے
 یہ تحقیق بیان کی ہے کہ اصل میں لیس بروزن مع
 تھا۔ یا ی کو ساکن کر دیا لیس ہوا۔ حالانکہ صرفی تاوزن
 کے مطابق اس یا کی کوالف سے بدلنا مناسب تھا
 مگر چونکہ لیس کے دوسرے افعال مشتق نہیں ہوتے
 اسلئے لیس میں انماں متصرف کا ناظر بھی جاری
 نہیں کیا گیا۔ یاد رکھو کہ لیس سے فقط فعل ماضی
 معروف کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے
 صیغے یہ ہیں۔ لیس، لیسوا، لیسیت، لیسیتا، لیسن
 لیسن، لیسن، لیسن، لیسن، لیسن، لیسن، لیسن، لیسن
 لیسن۔ اور اہم الخ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ لیس
 مضمون جملہ کی نفی کے لئے مطلقاً استعمال ہوتا ہے
 اور کسی زمانہ کے ساتھ یہ محض نہیں ہوتا اس مسلک
 کی دلیل قوی استعمال عربیہ کہ لیس کے بعد بھی
 زمانہ حال کو ذکر کرتے ہیں جیسے لیس زید قائماً
 الان اور کبھی کوئی زمانہ خاص ذکر نہیں کرتے
 اور فریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفی کا تعلق صرف زمانہ
 ماضی سے ہے جیسے لیس خلق اللہ تعالیٰ مثلاً
 اللہ تعالیٰ نے اس جیسا زمانہ گزشتہ میں پیدا نہ
 فرمایا دیکھو اس میں نفی کا تعلق صرف زمانہ ماضی سے
 ہے کیونکہ مسلک جو نفی خلق کی خبر دیتا ہے ظاہر ہے

انہ لتوقیت امر بیدۃ ثبوت خبرھا لفاعلھا احتیاج الی وجود کلام
 مستقل بالافادۃ لانہ ح مع اسمہ وخبرکہ ظرف والظرف فضل
 غیر مستقل بالافادۃ مثل اجلس مادام زید جالس ای اجلس
 مدۃ دوام جلوس زید فمادام لم یشفع مادام باجلس و
 لم یحصل من المجموع کلام لیسید فائدۃ تامۃ بخلاف الافعال
 المصدرة بحرف النفی فانہا مع اسمائہا واخبارہا کلام مستقل
 بالافادۃ فلا حاجة الی وجود کلام وراءہا ولس لثنی مضمون
 الجملة حالاً ای فی زمان الحال مثل لیس زید قائماً ای الان و
 ھذا ھو مذهب الجمہور وقیل ھی لثنی مضمون الجملة مطلقاً
 ولذلک تقید تارة بزمان الحال کما تقول لیس زید قائماً الان
 وتارة بزمان الماضی نحو لیس خلق اللہ تعالیٰ مثله وتارة بزمان

یقین کے لئے ہے کہ اس کی خبر اس کے فاعل کے واسطے ثابت ہو (اس میں) احتیاج ایسے
 کلام کی ہے جس کی فائدہ رسانی مستقل ہو کیونکہ وہ اس وقت تک اپنے اسم
 اور خبر کے ساتھ ظرف ہوگا اور ظرف فعلہ (زمانہ) ہوتا ہے جس کی افادیت غیر مستقل
 (و نا پائدار ہوتی) ہے مثلاً (کہا جائے) "اجلس مادام زید جالس" یعنی زید کے بیٹھنے
 کی مدت تک مستقل بیٹھ۔ تو مادام مادام جلس کو (در اصل) نہیں بتاتا اور اس کے مجموعہ
 سے ایسا کلام حاصل نہیں ہوتا جس کا فائدہ تام ہو۔ اس کے برعکس وہ افعال مصدریہ
 جو حرف نفی کے ساتھ ہوں اس لئے کہ وہ اپنے اسموں اور خبروں کے ساتھ ایسا کلام
 ہوتے ہیں جن کی افادیت مستقل ہوتی ہے اور وجود کلام کے لئے (اور فائدہ تام کے
 لئے) ان کے علاوہ کی احتیاج نہیں ہوتی۔ لیس جملہ کے مضمون کی زمانہ حال میں نفی
 کی خاطر آتا ہے مثال کے طور پر (کہا جاتا ہے) "لیس زید قائماً" یعنی اب (زید کھڑا نہیں ہے)
 اور یہ اکثر سخاۃ کا مسلک ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ علی الاطلاق (بلا قید) جملہ کے
 مضمون کی نفی کی خاطر آتا ہے اور اسی بنا پر زمانہ حال کے ساتھ مضید ہوتا ہے جیسے تو کہے

اس کا تعلق زمانہ گزشتہ سے ہے اور کبھی لیس
 سے نفی کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہوتا ہے جیسے
 کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ^{۱۱} اَلْیَوْمَ یَا تِیْہِم مَّصْہُورًا
 عنہم بہاں پر لیس کی نفی کا تعلق زمانہ مستقبل سے
 ہے کیونکہ قوم سے مراد یوم قیامت ہے اور ظاہر
 ہے کہ وہ یقیناً مستقبل میں ہے۔

۱۱ ذکر محرم آتذی نقلاً عن الصحاح ۱۲
 ۱۲ ترجمہ آیت یاد رکھو کہ جس دن عذاب
 آدینگا وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا ۱۲

المتقبل نحو قوله تعالى الا يوم ياتيهم ليس مصر وفاقعهم وهذا
مذهب سيبويه ويجوز تقدیم اخبارها ای اخبار الافعال
الناقصة كلها على اسمائها اذ ليس فيها الا تقدیم المنصوب على
المرفوع فيما عامله فعل فان ارید بجواز التقديم نفی الضرورة
عن جانبی وجوده وعدمه فينبغي ان يقيد بمثل قولنا ما لم يعرض
ما يقتضي تقدیمها عليها نحو كم كان مالك او تاخيرها عنها
نحو صار عدوى صديقي وان ارید به نفی الضرورة عن جانب
العدم فقط فينبغي ان يقيد بمثل قولنا اذ لم يمنع مانع من
التقديم وجح يجوز ان يكون واجبا كالمثال المذكور.....

۱۵۸ لیس زید قائما الان (اب زید نہیں کھڑا ہے) اور کبھی زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے۔
مثلاً (کہا جاتا ہے) لیس خلق اللہ تعالیٰ مثلاً (اللہ تعالیٰ نے اس کی مانند کوئی اور پیدا
نہیں فرمایا) اور کبھی زمانہ استقبال کے ساتھ آتا ہے مثلاً ارشاد ربانی "الا يوم ياتيهم
ليس مصروفا عنهم" اور (لیس سے متعلق امام نحو) سببویہ کا مسلک ہے۔ اور یہ درست
ہے کہ افعال ناقصہ کی خبر اسماء سے پہلے لائی جائے۔ اس لئے اس میں بجز اس کے اور
کوئی بات نہیں کہ مفعول کو فاعل سے پہلے آئے جس میں فعل عمل کر رہا تھا اور اگر
مقدم کرنے کے جواز سے دونوں جانبوں سے نفی ضرورت کا ارادہ کیا جائے (یعنی جانب
وجود سے اور جانب عدم (نہ ہونے) سے تو یہ قید بڑھانا موزوں ہے کہ اسموں پر خبروں
کے مقدم ہونے کو اس وقت درست قرار دیں گے جس وقت تک کوئی ایسی بات پیش
نہ آئے کہ اس کی وجہ سے یہ تقدیم نادرست ہو جائے مثلاً کہا جائے کم کان مالک یا کوئی
ایسی بات پیش آئے کہ اس سے مؤخر کرنا درست نہ ہو مثلاً (کہا جاتا ہے) "صار عدوى

خاص، تو اگر جواز سے مراد امکان خاص ہو جس کا
حاصل یہ ہے کہ اس میں سلب ضرورت جانب وجود
اور عدم سے ہوا کرتا ہے جیسے کل نادر جاد بالامکان
الخاص کے یہی معنی ہیں کہ نادر کیلئے وجود حرارت
اور عدم حرارت دونوں ضروری نہیں تو اس وقت متن
میں ایک قید کا اضافہ کرنا ہوگا اور متن کی عبارت
اصل میں یہ ہوگی بجوز تقدیم اخبارها على اسمائها
ما لم يعرض ما يقتضي تقدیمها عليها۔
(ترجمہ) افعال ناقصہ کے اخبار کو اسماء پر مقدم کرنا
اس وقت تک درست ہے جب تک ایسی کوئی بات
پیش نہ آئے جو کہ خبروں کو اسماء پر مقدم کرنے کے
معارض ہو کیونکہ اگر کوئی ایسا امر معارض پیش آ
جائے گا تب یا تقدیم واجب ہوگی جب کہ تقدیم
کو بطور وجوب چاہتا ہو اور یا تقدیم ناجائز ہو
گی۔ اگر تقدیم سے وہ امر معارض مانع ہو۔ علامہ جامی
کے ارشاد نافذ ارید بجواز التقديم نفی الضرورة
عن جانبی وجوده وعدمه
سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر جواز جو معنی میں امکان
کے ہے اس سے امکان خاص مراد لیا جائے
کیونکہ امکان خاص میں نفی ضرورت جانب وجود
اور عدم دونوں سے ہوا کرتی ہے۔ اور مراد ناجائز کا
ارشاد فینبغي ان يقيد بمثل قولنا ما لم يعرض ما
يقتضي تقدیمها عليها کا مقصد یہ ہے کہ امکان
خاص مراد لینے کی صورت میں مناسب یہ ہے کہ اس
قید کا اضافہ کیا جائے کہ بجوز تقدیم اخبار اسماء پر اس وقت
ہوگا جب تک کوئی ایسا امر معارض پیش نہ آئے جو
کہ تقدیم اخبار کو اسماء پر ناجائز قرار دیتا ہو اس قید
سے فائدہ یہ ہے کہ جو اخبار افعال ناقصہ ایسی ہیں کہ کسی
عارض کی وجہ سے ان کا مقدم کرنا اسماء پر واجب ہے
ان سے اس کلام پر نقض نہ ہوگا جیسے کم کان مالک
(تیرا مال کس قدر ہے) دیکھو یہاں پر کان فعل ناقص
کی خبر کم استغنیامیہ ہے اور ظاہر ہے کہ استغنیام
صدارت کا محکم چاہتا ہے اس لئے کم کو محض اسم
پر ہی مقدم کرنا واجب نہیں بلکہ فعل ناقص پر بھی اس
کو مقدم کیا گیا۔ تو ثابت ہوا کہ بعض صورتوں میں خبر

افعال ناقصہ کے اسماء مرفوعہ پر ان کی اخبار منصوبہ
کا مقدم کرنا جائز ہے جیسے صاحب ذیذا خالد
کے نادرست ہے اسی طرح کان قائدا ذیذا بھی
جائز ہے لیکن فاضل شاریح ملازم جامی علیہ الرحمۃ
نے ذکاوت خدا داد سے یہاں پر کچھ قیود کا اضافہ
فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ فاضل شاریح
فرماتے ہیں کہ متن میں ہے بجوز تقدیم اخبارها
اس میں لفظ جواز یعنی امکان ہے اور اصطلاح
مطلق میں امکان کی دو قسمیں ہیں۔ امکان عام امکان

۱۵۸ قولہ ويجوز تقدیم اخبارها ای اخبار الافعال
الناقصة کلام یہ ہے کہ جب افعال ناقصہ
کی تفصیل سے فارغ ہو گئے اب مسئلہ یہ بیان کرتے
ہیں کہ افعال ناقصہ کی خبر اسماء پر مقدم ہو سکتی ہے
یا نہیں۔ علامہ ابن حبيب نے تو متن میں بلا کسی قید
کے ارشاد فرمایا بجوز تقدیم اخبارها على اسمائها
یعنی افعال ناقصہ کی خبروں کو اسماء پر مقدم کرنا درست
ہے اور جواز یہ ہے کہ جس طرح افعال نامر کے فاعل
پر ان کے مفعول بہ کو مقدم کرنا درست اسی طرح

اس میں لفظ جواز یعنی امکان ہے اور اصطلاح
مطلق میں امکان کی دو قسمیں ہیں۔ امکان عام امکان

وہی ای

الافعال الناقصة في تقديمها اي تقديم اخبارها عليها على

تلك الافعال واقعة على ثلاثة اقسام قسم يجوز تقديم اخبارها

عليها وهو من كان الى راح وهو احد عشر فعلا لكونها افعالا

وجواز تقديم المنصوب على المرفوع في الافعال لقوتها وقسم

لا يجوز تقديم اخبارها عليها وهو اي هذا القسم ما في اوله كلمة

ما نافية كانت او مصدرية اما اذا كانت نافية فلا متناع تقديم

ما في حيز النفي عليه لانه يقتضي التصديق واما اذا كانت مصدرية

صديقية اور اگر مقصود محض جانب عدم سے ضرورت کی نفی ہو تو قید لگانا موزوں ہے

کہ تقدیم کو ممنوع قرار دینے والا کوئی قرینہ موجود نہ ہو اور اس وقت تقدیم کو واجب

قرار دینا درست ہوگا جیسا کہ ذکر کردہ مثال میں۔ اور وہ یعنی افعال ناقصہ کی خبروں کے

مقدم ہونے کے اعتبار سے یہ تین قسموں پر مشتمل ہوں گے۔ افعال ناقصہ کی ایک قسم تو

ایسی ہے کہ ان کی خبروں کو ان فعلوں سے پہلے لانا (بہر صورت) صحیح ہے اور وہ گان

سے راح تک باعتبار تعداد گیارہ ہیں۔ اور ان کے منصوب کے مرفوع پر درست

ہونے کی وجہ فعل کا صاحب قوت عامل ہونا ہے۔ اور افعال ناقصہ کی ایک قسم ایسی ہے

کہ اس میں خبروں کو اسموں سے پہلے لانا درست نہیں اور وہ وہ قسم ہے جس کی ابتدا

میں مانافیه آیا کرتا ہے اس سے قطع نظر کہ یہ ما برائے نفی ہو یا یہ مصدر یہ ہو۔ ما کے بدلے

نفی ہونے کی صورت میں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ حیز نفی میں آنے والے معمول کو نفی

سے پہلے لانا درست نہیں کیونکہ نفی کا تقاضا صدارت کلام ہے اور وہ اس صورت

میں میسر نہیں ہوتی اور ما کے مصدر یہ ہونے کی صورت میں تقدیم کے ممنوع ہونے کا

سبب یہ ہے کہ معمول مصدر کو نفس مصدر سے پہلے لانا درست نہیں اور اس حکم (اور

کہ افعال ناقصہ کی خبر منصوب کو اس کے اسم مرفوع

پر مقدم کیا جاسکتا ہے۔ دوسری قسم ان افعال

ناقصہ کی یہ ہے کہ ان کی خبر کو اسم پر مقدم نہیں کیا

جاسکتا وہ افعال ناقصہ ہیں جن کے شروع میں تا

آتا ہے خواہ وہ مانافیه ہو جیسے ما زال، ما جو ح

ما فتی، ما انفک خواہ مصدر یہ ہو جیسے لاوم

جن افعال ناقصہ کے شروع میں مانافیه آتا ہے

اس کی خبر کو اس لئے مقدم نہیں کر سکتے کہ قانون

کا مقدم محض جائز ہی نہیں ہوتا بلکہ واجب ہے اور اگر

بجوز میں جواز بمعنی امکان خاص نہ لایا جائے بلکہ

امکان عام مراد لیا جائے چنانچہ حضرت علامہ جامی

کے ارشاد ان ارید بہ نفی الضمادۃ عن جانب

العدم فقط سے یہی مقصد ہے اگر امکان عام مراد

لیا جائے کیونکہ امکان نام میں سلب ضرورت سے قاعدہ

یا جانب مخالف سے ہوا کرتا ہے جیسے کل نار حلال الا

امام کے معنی یہ ہیں کہ نار کیلئے سلب حرارت ضروری

نہیں ہے۔ تو اگر جواز سے امکان عام مراد لیا جائے تو

اس وقت بھی متن کا تہ میں اس قید کا اضافہ کرنا مناسب

ہوگا اذالو منع مانع من التقديم گو حاصل

متن یہ ہوگا کہ اخبار افعال ناقصہ کا اسماء پر مقدم کرنا

درست ہے جب تک کہ کوئی امر تقدیم سے مانع پیش

نہ آئے کیونکہ اگر تقدیم اخبار علی الاسماء سے کوئی مانع

پیش آجائے گا تب تقدیم خبر علی الاسم ممنوع ہوگی

جیسے صاعدی صمدی یقیث (میراد شمن میراد درست

بن گیا) دیکھو اس مثال میں صمد کا اسم عدوی اور صمدی

خبر ہے اب اگر اس کا برعکس کیا جائے اور عدوی

کو خبر مقدم اور صمدی کو اسم مؤخر کیا جائے تو یہ ممنوع

ہوگا کیونکہ عدوی صمدی میں اعراب لغظی تو موجود ہی

نہیں کیونکہ مضاف یا تے متکلم کا اعراب تقدیری ہوتا

ہے اور یہ دونوں اسماء یا تے متکلم کی طرف مضاف

ہیں لہذا ان کا اعراب تقدیری ہے اور اعراب تقدیری

ہونے کے ساتھ کوئی قرینہ بھی ایسا موجود نہیں ہے

جس سے یہ معلوم ہو کہ جو مقدم ہے وہ خبر ہے اور جو

مؤخر ہے وہ اسم ہے لہذا اس صورت میں یہ طے

پایا ہے کہ اسم کو مقدم کیا جائے گا اور خبر کو مؤخر۔

یہ طرز کلام اصل و منع کے مطابق ہے لہذا صمد کا اسم

عدوی اور اس کی خبر صمدی کو کہا جائے گا۔

۱۵۹ قولہ وحی ای الافعال الناقصة

(ای قولہ) معمول المصداق من نفس المصداق یہاں

سے اس بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ افعال ناقصہ پر

ان کی خبروں کو مقدم کرنے کا کیا حکم ہے حاصل کلام

یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی خبروں کو لنگے افعال مقدم

کرنے کے لحاظ سے افعال ناقصہ کی تین قسمیں ہیں

فلا متناع تقديم معمول المصدر على نفس المصدر ويخالف
هذا الحكم خلافاً ثابتاً لابن كيسان بان يكون هذا الخلاف
واقعا ظاهرا من جانب لا من جانب الجمهور كما يقتضيه باب
المفاعلة لتقدمهم فكانه لا مخالفة منهم وذلك الخلاف منه
في غير ما دام لان اداة النفي لما دخلت على الفعل الذي معناه
النفي افاد الثبوت فصار بمنزلة كان فلا يلزم تقديم ما في حيز

مسند ضابطہ کے خلاف ابن کيسان اکثر نحویوں کے مسلک سے الگ فرماتے ہیں اور یہ
اختلاف بظاہر باب مفاعلة کی خاصیت کے باعث اکثر نحویوں اور ابن کيسان دونوں
کی طرف سے معلوم ہوتا ہے (مگر ایسا نہیں، اور یہ اختلاف (جمهور سخا کا ابن کيسان
سے) مادام کے علاوہ میں ہے کیونکہ حرف نفی جب ایسے فعل پر آتا ہے جو نفی کے معنی
دیتا ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دینے لگتا ہے اور وہ کان کے درجہ میں ہو جاتا ہے پس وہ

یہ ہے کہ جو معمول جیز نفی میں واقع ہو اس کو نفی پر
مقدم کرنا ممنوع ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے
کہ نفی صمدہ کلام کو چاہتا ہے اب اگر خبر کو ایسے
فعل ناقص پر مقدم کیا جائے تو خبر جب فعل ناقص
سے مقدم ہو گئی تو وہ نفی سے بھی مقدم ہو گئی لہذا نفی
کو مصدر ثبوت کلام حاصل نہ رہے گا اور جس فعل ناقص
کے شروع میں ماصدر یہ لگا ہوا ہو اس سے بھی خبر
کو مقدم کرنا درست نہیں جیسے مادام کہ اس میں
ماصدر یہ ہے ایسے فعل ناقص کی خبر کو فعل ناقص
سے مقدم نہیں کر سکتے کہ ماصدر کی وجہ سے وہ
فعل مکمل میں مصدر کے ہے اور یہ قانون نحوی
طے شدہ ہے مصدر کے معمول کو مصدر پر مقدم
نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ مصدر فعل کی طرح ماضی قوی
نہیں ہوتا ہے بلکہ مصدر ماضی ضعیف ہے۔

خلافاً قوله ويخالف هذا الحكم خلافاً دارا
قوله ما في حيز النفي بحسب المعنى حاصل
کلام یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ میں جمهور سخا کا یہ مسلک
ہے کہ مگر اس میں مشہور نحوی ابن کيسان خلاف کر رہے
ہیں۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ ابن کيسان فرماتے
ہیں کہ افعال ناقصہ میں سے شروع میں ماصدر یہ

الجمهور

تو نفی کی نفی ہوگی اور یہ قانون مسلم ہے کہ نفی کی نفی
سے اثبات کے معنی ظاہر ہوتے ہیں اس لئے مازال
کے لفظی معنی ہیں نہ زائل ہوا جس کا ماضی معنی میں ثابت
رہا۔ لہذا مازال لفظاً تو فعل منفی ہے مگر معنی کے لحاظ
سے فعل مثبت۔ لہذا یہ ہم معنی فعل کان کے ہے۔
ابن کيسان کی اس دلیل کو علامہ جامی نے ان الفاظ
سے ذکر فرمایا لان اداة النفي لما دخلت على
الفعل الذي معناه النفي افادت الثبوت فصار
بمنزلة كان فلا يلزم تقديم ما في حيز
النفي بحسب المعنى حاصل یہ ہے کہ جب حرف
نفی ایسے فعل پر داخل ہو جس کے معنی نفی پر دلالت
کرتے ہوں تو نفی کی نفی مفید معنی ثبوت کیلئے ہوتا
ہے لہذا ایسے افعال ہم معنی کان کے ہیں۔ لہذا معلوم
ہوا کہ یہاں پر مقدم کرنا معمول نفی کا نفی پر باعتبار
معنی کے لازم نہیں آیا ہے، اگر لفظ لازم آتا ہے
۱۱۱ قوله خلافاً لابن كيسان بان يكون

هذا الخلاف واقعا ظاهرا من جانب الجمهور
مطلب یہ ہے کہ عارف جامی علیہ الرحمۃ ایک لطیف بیان
فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاف بروزن قتال
باب مفاعلة کا مصدر ہے جس میں خاصیت مشارکت
پائی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلاف اور
مخالفت جانب جمهور اور ابن کيسان دونوں کی طرف
سے ہے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں کیونکہ جو علمائے نحو
جمهور کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں ابن کيسان
ان کے معاصر نہیں ہیں بلکہ بعد زمانہ کے ہیں اور جمهور
سخا میں باہمی اس مسئلہ میں اختلاف بھی موجود
نہیں۔ لہذا یہاں پر باب مفاعلت کے معنی میں
مشارکت ملحوظ نہیں بلکہ محض اظہار خلافات کے ہیں
جو کہ ایک جانب سے ہو سکتا ہے۔ الحاصل عارف
جامی علیہ الرحمۃ نے یہ بات اس کلام سے ذہن
نشین کرادی کہ یہ مسئلہ متفق علیہ جمهور کا ہے اور

عہ حق تلف کی رائے یہ ہے کہ دلیل ابن
کيسان کی ثبات مستحکم ہے مگر مذہب جمهور اس لئے رائج
ہے کہ جمهور نے جو دلیل پیش فرمائی ہے وہ لفظوں
کے اعتبار سے ہے اور ظاہر سے مازال وغیرہ

آتا ہے اور وہ فقط مادام ہے، اس میں میری
راے جمهور کے مطابق ہے کہ تقدم خبر على الفعل
جائز نہیں۔ لیکن جن افعال ناقصہ کے شروع میں
ما نافیہ لگا ہوا ہے جیسے مازال، ما بوج
مانفی، ما انك ان میں میری رائے یہ ہے کہ
خبر کو افعال ناقصہ پر مقدم کرنا درست ہے لہذا ابن
کيسان کی رائے یہ ہے کہ قائلہ مازال زید
کہنا درست ہے۔ دلیل ابن کيسان کی نہایت
لابواب ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو دلیل جمهور نے
عدم جواز کی اس موقع پر ذکر فرمائی ہے وہ اس جگہ
منطبق نہیں اور جب دلیل دعویٰ پر منطبق نہیں تو
بہر مسئلہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی
یہ ہے کہ جمهور نے فرمایا کہ جن افعال ناقصہ پر
ما نافیہ داخل ہے اگر اس پر خبر کو مقدم کر دیا
جائے تو لازم آئے گا کہ اس کا معمول جو کہ حیز
نفی میں ہے نفی پر مقدم ہو اور یہ متنع ہے۔
ابن کيسان اس دلیل کو رد کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ یہاں پر یہ افعال ناقصہ نفی پر دلالت ہی نہیں
کرتے بلکہ اثبات پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ انکے
معنی خود نفی کے ہیں اور جب ان پر مافیہ داخل ہوا

صرف ابن کیسان اختلاف کر رہے ہیں اس مقصد کے لئے ان کلمات سے اشارہ فرمایا ہے
فانہ لا مخالفة منه وذلك الخلاف منه
۱۶۲ قولہ و قسم مختلف فیہ (الی قولہ) فی

اصل الفعل صریحاً حاصل عبارت یہ ہے کہ یہاں سے علامہ جامی اس فعل ناقص کا بیان کرتے ہیں کہ خبر کی خبر کا مقدم کرنا فعل ناقص پر جمہور بخلاف میں مختلف فیہ ہے اور یہ اختلاف جمہور میں ہے۔ یہاں پر شبہ ہوتا ہے کہ علامہ ابن حاجب کو لفظ مختلف جواباب افتعال سے ہے اس کی جگہ مصدر بخالف سے جو کہ باب تفاعل سے صیغہ ہے استعمال کرنا چاہیے تھا کیونکہ باب تفاعل کی خاصیت یہ ہے کہ وہ کثرت فی الفعل پر دلالت کرتا ہے اس کا جواب اس الازکار علامہ جامی نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ فان الافتعال ههنا بمعنى التفاعل یعنی یہاں باب افتعال درہی معنی ادا کر رہا ہے جو باب تفاعل میں ہوتے ہیں۔

۱۶۳ قولہ و هوای القسم المختلف فیہ دالی قولہ) هذا القسم معارضة ومجادلة حاصل عبارت یہ ہے کہ یہاں سے علامہ جامی اس اختلاف جمہور کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو فعل لیس کی خبر کی تقدیم کے متعلق ہے خلاصہ یہ ہے کہ علامہ کو فہ بالخصوص مبروہ علامہ ابن سراج جو جامی وغیرہ کا مسلک تو یہ ہے کہ فعل لیس کی خبر کو فعل پر مقدم کرنا جائز نہیں اس لئے قائما نہیں زیادہ کہنا ان کے نزدیک درست نہیں اور علامہ نے بصرہ بالخصوص امام النجاشی و سیبویہ اور سیرانی اور فارسی کا مسلک یہ ہے کہ لیس کی خبر کا مقدم کرنا درست ہے۔ اور قائماً لیس زیادہ کہنا جائز ہے۔ فرق اولیٰ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اصول طے ہو چکا کہ معمولی نفی کو نفی پر مقدم نہیں کیا جائے گا اس کی تفصیل یہ ہے گذر چکی۔ اب چونکہ لیس بالذات نفی پر دلالت کرتا ہے لہذا اس کے معمول کو اس پر مقدم کرنا جائز نہیں یہی مراد ہے علامہ جامی کی اس عبارت سے لا يجوز مراعاة للنفي اذ يمتنع تقديم معمول

النفي بحسب المعنى وقسم مختلف فيه ظهر فيه الخلاف من الجمهور من بعضهم مع بعض فان الافتعال ههنا بمعنى التفاعل المقتضى لمشاركة امرين في اصل الفعل صریحاً و هوای القسم المختلف فيه كلمته ليس فالمراد والكوفون وابن السراج و الجرجانی علی انه لا يجوز مراعاة للنفي اذ يمتنع تقديم معمول النفی علیہ والبصريون وسیبویہ والسیرانی والفارسی علی انه يجوز بناء علی انه فعل جواز تقديم معمول الفعل علیہ وبين الطائفتين فی حکم هذا القسم معارضة ومجادلة وبهذا اندفع

معمول جو خبر نفی میں ہے اس کا نفی سے پہلے باعتبار معنی لا لازم نہ ہوا۔ اور افعال ناقصہ کی ایک قسم یہ ہے کہ اس میں خبر کو فعل سے پہلے لانے اور نہ لانے میں نحو یوں کا باہم اختلاف رائے ہے۔ اس لئے کہ افتعال اس جگہ تفاعل کے معنی میں ہے جس کا تفاعل اصل فعل میں صریحاً دو امور میں مشارکت و اشتراک ہے اور وہ فعل ناقص جس میں اس طرح کا اختلاف ہو وہ لیس (شمار ہوتا) ہے۔ تو میرا اور شحاق کو فہ اور ابن سراج اور جرجانی نفی کی رعایت سے عدم جواز کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ معمول نفی کو نفی سے پہلے لا نا ممنوع ہے۔ اور شحاق بصرہ اور سیبویہ اور سیرانی اور فارسی کہ اس کی خبر کو پہلے لا نا صحیح ہے اس بنیاد پر کہ معمول فعل کو فعل سے پہلے لا نا درست ہے اور اس قسم میں نحو یوں کے دو طبقوں کے درمیان معارضة و نزاع ہے۔ اور اس سے وہ اشکال

النفي عليه فرق دوم کی دلیل یہ ہے کہ فعل ناقص یقیناً فعل کے احکام کے ساتھ موصوف ہے اور یہ بات اصولاً طے ہو چکی ہے کہ فعل کے معمول کو فعل پر مقدم کیا جاسکتا ہے اور چونکہ لیس بھی فعل ہے لہذا اس کی خبر کو اس پر مقدم کیا جائے گا فریقین کے ان دلائل میں لیس کی دلیل اقویٰ ہے اور اس میں فریقین کے درمیان بڑے مسائل اور معاصفے واقع ہوئے جسکی تفصیل بیان کرنے سے کتاب طویل ہو جائے گی اسی وجہ سے علامہ جامی نے ان تفصیلات کو ترک فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے و بین الطائفتين فی حکم هذا القسم معارضة ومجادلة۔

۱۶۴ قولہ وبهذا اندفع ما قبلہ دالی

اگر خبر کو مقدم فعل پر کیا جائے تو تقدیم معمول نفی پر لفظاً ضرور لازم آتی ہے اور نحوی کی بحثیں لفظوں سے متعلق ہوتی ہیں نہ کہ معنی سے واللہ اعلم اسید حسن معنی عنہ
عسے باب افتعال تفاعل کے معنی میں کلام عرب میں مستعمل ہوتا ہے جہاں پر کوئی قرینہ عقلیہ اس پر دلالت کرتا ہو جیسے اتحاد وغیرہ لیس معلوم ہوا کہ ہنہا سے مراد لفظ یہ ہے اور یہاں پر ہی فقط باب انتعال تفاعل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ہر اس جگہ جہاں کوئی قرینہ موجود ہو اسید حسن معنی عنہ

ما قبل کان من الواجب علی المصنف ان يجعل ما فی اوله ما
النافیه من القسم المختلف فیه لوقوع الخلاف فیها من ابن
کیسان افعال المقاربة ما وضع ای فعل وضع لدنو الخبر ای
للدلالة علی قرب حصوله للفاعل رجاء منصوب علی المصداق
بتقدیر مضاف ای د نور جاء بان یکون ذلك الذنوب بحسب رجاء
المتکلم وطعمه حصول الخبر له لا یجزم به به فعلی فی قولک
عسی زید ان ینخرج یدل علی قرب حصول الخروج لنزید بسبب

دور ہو گیا کہ صاحب کتاب پر لازم آتا ہے کہ ایسے افعال جن کے آغاز میں ما برائے نفی
آ رہا ہو انہیں مختلف فیه کی قسم میں قرار دیں کیونکہ اس میں اکثر سخاۃ کا ابن کیسان نحوی
سے اختلاف ہے افعال مقاربہ جن کی وضع و تخلیق اس واسطے ہوئی ہے کہ ان کے ذریعہ
خبر فاعل سے قریب ہو جائے اور متکلم کو اس کے خبر بجانے کی توقع ہو مگر یقین کے درجہ
تک نہ پہنچے۔ پس عسی میرے قول و عسی زید ان ینخرج میں نزید کے لئے حصول خروج

لانے کا نکتہ یہ ہے کہ افعال مقاربہ بھی خبر کے
اس طرح محتاج ہوتے ہیں جس طرح افعال
ناقص تو اس طرح یہ بات کہنا بھی درست ہے
کہ افعال ناقصہ کی دو قسم میں ایک افعال ناقصہ
غیر مقاربہ اور دوم افعال ناقصہ مقاربہ افعال
ناقصہ مقاربہ کی تعریف یہ ہے وہ افعال کہلاتے
ہیں جو اس مقصد کی غرض سے وضع کئے جاتے ہیں
کہ خبر کو اپنے فاعل کے نزدیک کر دیں

اور اس نزدیک کرنے کی تین صورتیں ہوتی
ہیں۔ ان تینوں قسموں کا بیان اجمالاً من میں ہے
اور تفصیل شارح نے بیان کی ہے۔ اول قسم یہ ہے
کہ خبر کا نزدیک کرنا جار مشکم کے اعتبار سے ہو یعنی
مشکم کو امید لود لایح ہو کہ یہ خبر واقع ہو جائے گی۔
مگر اس کے وقوع کا یقین نہ ہو جیسے عسی زید ان
یقوم اس کا مطلب یہ ہے کہ مشکم کو قیام زید
کا یقین تو نہیں ہے مگر اس کی امید اور توقع ضرور
ہے۔ یہی مراد ہے علامہ جامی کی اس عبارت
سے بان یکون ذلك الذنوب بحسب رجاء المتکلم
طعمه حصول الخبر له لا یجزم به به قولہ رجاء منصوب

قلہ، نیہا من ابن کیسان۔ حال عبارت
یہ ہے کہ بعض شارحین نے صاحب کانیہ پر غرض
کی تھا کہ صاحب کانیہ کے لئے فردی یہ تھا کہ
ان افعال ناقصہ کو جن کے شروع میں مآ نافیہ ہوتا
ہے جیسے مآ زائل وغیرہ ان کو بھی مختلف فیه میں داخل
کرنا تاکہ کلام میں طول لا طائل نہ ہوتا علامہ جامی
اس اعتراض کو رد کرنے کیلئے ارشاد فرماتے
ہیں کہ ہماری تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی
کہ وہ افعال جن کے شروع میں مآ نافیہ ہوتا ہے
ان کی خبر کی تقدیم میں جو ابن کیسان اختلاف کر
رہے ہیں۔ اس کی نوعیت بالکل مختلف اور جدا
ہے اس اختلاف سے جو جمہور سخاۃ فعل لیس
کی خبر کی تقدیم میں کر رہے ہیں لہذا علیہ علیہ
بیان کرنا مناسب تھا پس ثابت ہوا کہ یہ فرض
ناقابل التفات اور بے محل ہے۔

۱۵۶۶ قولہ افعال المقاربة دالی قولہ حصول
الخبر له لا یجزم به به۔ حاصل عبارت
یہ ہے کہ یہاں سے افعال مقاربہ کا بیان شروع
ہوتا ہے مآ افعال مقاربہ کو افعال ناقصہ کے بعد

ہے، مفعول مطلق ہونے کی بنا پر اس لئے اصل میں
اس سے قبل ایک مصدر مضاف محذوف ہے۔
عبارت یوں تھی د نور جاء اور یہی مراد ہے
علامہ جامی کی عبارت سے د جاء منصوب علی
المصدریۃ بتقدیر مضاف۔

۱۵۶۶ قولہ تعالیٰ فی قولک دالی قولہ لا ینک
جاء مر یہ۔۔۔۔۔ حاصل عبارت یہ
ہے کہ پہلی قسم کے افعال مقاربہ کی مثال بیان فرما
رہے ہیں عسی زید ان ینخرج لفظ عسی اس
پر دلالت کرتا ہے کہ مشکم کو اس بات کی امید ہے
کہ زید اپنے مکان وغیرہ سے نکل آئے گا مگر اس
کو اس بات کا یقین نہیں ہے۔ ترکیب مثال یہ
ہے کہ عسی فعل مقاربہ زید اس کا اسم ان ینخرج بتادیل
مصدر جزو فعل اپنے فاعل اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ
ناقصہ مقاربہ ہوا۔

۱۵۶۷ نوعیت دونوں کی اس طرح سے جدا ہے
کہ ابن کیسان کا جو اختلاف سجدہ زمانہ متاخر میں ہے
کیونکہ ابن کیسان جمہور کا معاصر نہیں ہے اسی وجہ
سے علامہ جامی نے فرمایا تھا کہ یہ اختلاف فقط
ابن کیسان کی جانب سے ہے جمہور کی جانب سے
نہیں ہے بخلاف خبر لیس کے اختلاف کے، یہ خود
جمہور میں واقع ہے۔ جمہور دو حصوں میں تقسیم
ہو گئے، علمائے کوذ، علمائے بصیر سے اختلاف
کر رہے ہیں اس اختلاف کی انتہا یہ ہے کہ ان میں
معارفے اور مباحثے جاری ہیں نا فرقاً اتفاقاً
یقیناً لا تنفیک تقارب اللیل والنهار ۱۵۶۸
سید حسن عفی عنہ

۱۵۶۸ اس صورت میں لفظ رجاء مضاف محذوف
دفع کے ساتھ مل کر مرکب اضافی مفعول مطلق واقع
ہے لدنو الخبر میں مصدر لدنو کا کیونکہ مفعول مطلق جس
طرح کہ فعل کا ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل کا بھی ہوتا
ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مصدر بھی شبہ فعل میں داخل ہے
۱۵۶۹ سید حسن عفی عنہ

۱۶۷ قولہ او وضع لدنو الخبر دالی قولہ
لجزمک بقرب حصولہ لما حال عبارت
یہ ہے کہ یہاں سے افعال مقاربت کی دوسری قسم
کا بیان ہے کہ بعض افعال مقاربت اس وجہ سے
وضع کئے جاتے ہیں کہ ان میں متکلم کو خبر کے
حصول کا فاعل کے لئے یقین کا درجہ حاصل ہوتا
ہے۔ افعال مقاربت میں سے یہ معنی کا دے متعلق
ہوتے ہیں جیسے کا زید ان یخرج میں لفظ
کا و اس پر دلالت کرتا ہے کہ زید کے لئے نکلنا
یقیناً قریب ہے۔ اسی لئے اس کا ترجمہ ہوگا کہ
زید عنقریب نکلے گا۔ تو لفظ کا و حصول قریب
اور جزم حصول پر دلالت کرتا ہے اسی وجہ سے
علامہ جامی نے فرمایا لا شراف الخبر علی
حصولہ للفاعل جس کا حاصل یہ ہے کہ خبر فاعل
کے حاصل ہونے کے لئے انتہائی قریب ہوتی ہے
لفظ اشراف کے معنی میں کسی چیز کا کنارہ
پر پہنچنا، اوپر سے نیچے اترنا اور اوپر سے نیچے
کو جھانکنا، الحاصل کا و ادعسی میں یہ فرق
ہوگا کہ اگر یہ دونوں قرب کے معنی پر دلالت کرتے
ہیں مگر ادعسی میں متکلم کو حصول خبر کی فقط امید
ہوتی ہے، یقیناً نہیں ہوتا۔ اور کا و میں حصول
خبر کا یقین ہوتا ہے۔

۱۶۸ قولہ او وضع لدنو الخبر دالی قولہ
بشر دعه فیما یفنی ا لیسہ۔ یہاں
سے افعال مقاربت کی تیسری قسم کا بیان ہے جس
کا حاصل یہ ہے کہ تیسری قسم کے افعال مقاربت وہ
ہیں جو اس مقصد کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ
یہ معلوم ہو جائے کہ متکلم کو اس کا یقین ہے کہ فاعل
حصول خبر کو شروع کر رہا ہے اس طرح پر کہ فاعل
اس چیز کے درپے ہے کہ جو وقوع فعل تک
پہنچا دے جیسے طفق زید یخرج زید
نے نکلنا شروع کر دیا دیکھو طفق نے یہاں یہ
بتایا کہ متکلم کو یقین ہے کہ فاعل یعنی زید فعل
خروج کو شروع کر چکا ہے۔

۱۶۹ قولہ فلاول ای ما وضع لدنو الخبر رجاء عسی

انک ترجو ذلک وطمعہ لا انک جازم بہ او وضع لدنو الخبر
وقرب ثبوتہ للفاعل حصولاً ای دنو حصول بان یکون اخبار
المتکلم بذلک الدنو لا شراف الخبر علی حصولہ للفاعل فکا د فی
قولک کا د زید ان یخرج یدل علی قرب حصول الخروج لزید
لجزمک بقرب حصولہ او وضع لدنو الخبر وقرب حصولہ
للفاعل اخذافیه ای دنو دنو اخذ و شروع فی الخبر بان یکون ذلک
الدنو بسبب جزم المتکلم بشروع الفاعل فی الخبر بالتصدی
لما یفنی الیہ فطفق فی قولک طفق زید یخرج یدل علی قرب
حصول الخروج لزید بسبب جزم المتکلم بشروع فیما یفنی الیہ
فالاول ای ما وضع لدنو الخبر رجاء عسی قال سیبویہ عسی
طمع واشفاق فالطمع فی المحبوب والاشفاق فی المکرولہ نحو
عسیت ان اموت ومعنی الاشفاق الخوف وهو غیر متصرف حیث

کے نزدیک ہونے کی نشان دہی کرتا ہے کیونکہ تجھے اس کی امید اور حرص ہے نہ کہ اس کا یقین
یا ان افعال مقاربت کی تخلیق و وضع خبر کو فاعل سے نزدیک کرنے اور ان کا قرب ثابت
کرنے کی خاطر ہوتی ہے یعنی قرب کا بایں طور حاصل ہونا کہ فاعل متکلم کے واسطے حصول
خبر کا یقین (یقین کامل) ہو جائے پس کا د تیرے قول "کا د زید ان یخرج" میں تیرے
یقین اور حصول قرب کے باعث زید کے (گویا) یقینی طور پر نکلنے کی نشاندہی کرتا ہے
یا خبر کو قریب کرنے اور فاعل کے حصول قرب خبر اطلاع کی خاطر وضع کئے جاتے ہیں
بایں طور کہ متکلم کو اس کے قرب کے باعث فاعل کے حصول خبر کے آغاز کا یقین ہو گیا
ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ (واقعی) فاعل اس کے لئے کوشاں ہے۔ افعال مقاربت میں سے
پہلا "عسی" ہے جو متکلم کی امید کو ظاہر کرتا ہے علامہ سیبویہ کہتے ہیں کہ عسی (گاہے) اظہار طمع
(دعوائش) اور (گاہے) اظہار خوف کے لئے آتا ہے تو طمع و آرزو محبوب (و پسندیدہ) چیز
کی ہوا کرتی ہے اور خوف ناپسندیدہ چیز سے ہوا کرتا ہے، مثال کے طور پر (کہا جائے)
"عسیت ان اموت" اور اشفاق کے معنی خوف (ڈر) کے ہیں اور وہ غیر متصرف ہوتا ہے

سیبویہ نے فرمایا کہ عسی کا استعمال دو طرح پر
ہوتا ہے امر محبوب میں لفظ عسی طمع متکلم کو بیان
کرتا ہے جیسے عسی زید ان یجئ اور لہر
کردہ میں متکلم کے اشفاق یعنی خوفزدہ ہونے کے

دالی قولہ) والحدوث لا یصرف نہیہا
علامہ جامی یہاں سے افعال مقاربت کی تفصیل بیان
کرنا چاہتے ہیں حال عبارت یہ ہے کہ فعل مقاربت
عسی ہے رجاء متکلم کو بیان کرتا ہے، اہم النہو

لا یجی منه مضارع ومجهول وامر ونهی الی غیر ذلک من الامثلة و
انما لم یصرف فی عسی لتضمنه انشاء الطمع والرجاء کلعل والانشاءات
فی الاغلب من معانی الحروف والحروف لا یتصرف فیها تقول
علی احد استعمالیه عسی زیدان یخرج وهو ان یکون بعد اسم
ثم فعل مضارع مصدر بان الاستقبالية تقویة لمعنی الترجی الذی
هو توقع وجود الفعل فی الاستقبال فزید اسم عسی وان یخرج
فی محل النصب بالخبریه ای عسی زید الخرج بتقدیر مضاف
اما فی جانب الاسم نحو عسی حال زیدان الخرج او فی جانب الخبر
ای عسی زید فالخرج لوجوب صدق الخبر علی الاسم وعلی هذا
عسی ناقصة وقیل المضارع مع ان مشبه بالمفعول ولس بخبر
لعدم صدقه علی الاسم وتقدير المضاف تکلف وذلك لان المعنی
الاصلي قارب زیدان یخرج ای الخرج ثم نقل الی انشاء الطمع
فالمضارع مع ان وان لم یبق علی المفعولية فی صورة الانشاء فهو

بایں طور کہ اس سے مضارع اور مجہول اور امر ونہی وغیرہ نہیں آتے اور "عسی" کے
متصرف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طمع و حرص (و آرزو) اور امید کے معنی پر مشتمل ہوتا
ہے مثلاً لعل اور انشاءات اکثر کے اعتبار حروف کے معنی میں ہوتے ہیں اور حروف
میں تصریف جاری نہیں ہوتی عسی کے استعمالات میں سے ایک استعمال (کی بنا پر)
تو کہے "عسی زیدان یخرج" بایں طور کہ اس کے بن اسم ہو۔ پھر ان مصدر یہ کے باعث
فعل مضارع مستقبل کے ساتھ مخصوص ہو کر ترجی (امید) یعنی فعل کے وجود کی زمانہ
استقبال میں تقویت کا سبب بنتا ہے۔ تو زید "عسی" کا اسم ہے اور "ان یخرج" خبر
ہونے کے باعث نصب کی جگہ میں ہے یعنی "عسی زیدان الخرج" یا تو بجانب اسم
مضاف پوشیدہ تسلیم کیا جائے مثلاً (کہا جائے) عسی حال زید الخرج یا بجانب خبر
پوشیدہ مانا جائے "عسی زید الخرج" اسم پر صدق خبر کے لزوم کے باعث۔ اور اس
بنیاد پر "عسی" ناقصہ (شمار) ہو گا۔ اور یہ بھی (کہا گا کہ) مضارع مشابہ بالمفعول
ہے عد مصدر علی اسم کی وجہ سے (یقینی طور پر) خبر نہیں اور مضاف کا پوشیدہ
ماننا تکلف سے خالی نہیں اور یہ اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی میں مد قارب زید
ان یخرج "یعنی امید ہے کہ زید نکلے اس کے بعد اسے انشاء طمع کی طرف منتقل کیا گیا

بیان کرتا ہے جیسے علی خالد ان یموت
اور یار رکھو کہ یہ فعل عسی غیر متصرف ہے معنی
غیر متصرف کے یہ نہیں کہ اسکی باضابطہ گردان
مضارع، ماضی مجہول، امر نہی اسم فاعل اسم
مفعول وغیرہ کی نہیں آتی علامہ جامی در عسی کے
غیر متصرف ہونے کا نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ عسی اسلئے غیر متصرف ہے کہ اس میں انشاء
اور رجاء طمع کے معنی پائے جاتے ہیں جیسے
لعل حرف مشبہ بالفعل میں پائے جاتے ہیں
لہذا یہ عسی لعل کے مشابہ ہوا تو جس طرح حرف
میں تصرف اور اشتقاق جاری نہیں ہوتا لہذا
جو فعل حرف کے معنی ادا کر رہا ہے وہ بھی متصرف
نہیں ہونا چاہئے۔

۱۰۰ قولہ تقول علی احد استعمالیه دالی
تولما و علی هذا عسی ناقصة حال عبارت
یہ ہے کہ عسی کی مثال بیان کرتے ہیں عسی زید
ان یخرج ترکیب یہ ہے کہ زید اسم اور فعل مضارع
مع ان بتادیل مصدر خبر اور ان مضارع کے شروع
میں اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے
مضارع مستقبل کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے
جس سے ترجی کے معنی میں تقویت پہنچتی ہے
لہذا زید عسی کا اسم اور ان یخرج بتادیل مصدر
خبر ہے لہذا اہل عبارت یہ ہے عسی زید
ان الخرج لیکن اس صورت میں معنی عبارت
صحیح نہیں ہوتے۔ لہذا صحیح عبارت کے لئے
یا تو مضاف کو اسم سے پہلے محذوف مان لیا
جائے اور یہ معنی کہے جائیں عسی حال زید
ان الخرج یا جانب خبر میں محذوف مان لیا جائے
عسی زید ان الخرج اسلئے کہ خبر کا محل اسم پر
ضروری ہے اور وہ بغیر محذوف مانے ہوئے
صحیح نہیں ہو سکتا۔ بہر حال عسی اس صورت
میں فعل ناقص ہے جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں
۱۰۱ دلی قولہ المضارع مع ان مشبہ بالفعل
دالی قولہ و عسی علی هذا ناقصة
یہاں سے علامہ جامی عسی زیدان یخرج کی تفسیر

ترکیب بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا جمل یہ ہے کہ
ان یخرج عسی کی خبر نہیں ہے بلکہ حکما مفعول
یہ ہے اسی لئے اس کو مشابہ بالمفعول کہیں گے
تو گویا عسی زید ان یخرج منہ قارب زید ان
یخرج کے ہیں اور ان یخرج بتادل مصدر ہو کر
قارب زید ان الخروج کے معنی میں ہے خبر چونے
کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان یخرج اگر خبر بتا تو
اس کا حمل اسم پر صحیح ہوتا اور ظاہر ہے کہ اس کا
حمل اسم پر صحیح نہیں اور یہ کہ معنات کو محذوف
مان کر خبر قرار دیا جائے تو یہ تکلف ہے اور
تکلف ممنوع ہے الحاصل عسی زید ان یخرج
معنی میں قارب زید ان الخروج کے ہے یہ نظام
جملہ خبریہ ہے مگر متکلم کا مقصد اس سے انشاء جاریہ
خروج ہے یعنی متکلم یہ بیان کرنا چاہتا ہے
کہ مجھ کو نکلنے کی امید ہے۔ لہذا ان یخرج اگرچہ
مفعول نہیں کہلاتا مگر مشابہ بالمفعول ضرور ہے جو
صورۃ خبر واقع ہو رہا ہے لہذا مشابہ بالمفعول
ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور عسی اس صورت
میں فعل تام ہے ناقص نہیں ہے۔

۱۲۷ وقال الکوفیون ان الفعل دالی قوله

ان هذا وجه قریب۔ حال عبارت
یہ ہے کہ یہاں سے علامہ جامیؒ نے زید ان یخرج
میں سخاۃ کو فہم کا مذہب نفل کرتے ہیں، کہ ان یخرج
فعل نہ خبریہ مشابہ بالمفعول ہے بلکہ یہ تو محل رفع
میں ہے اور ماقبل کلام سے بدل واقع ہو رہا ہے اور
اس کی بدل اشتغال کہا جائے گا دلیل اس بات کی یہ ہے
کہ اس جملہ میں اجمال اور تفصیل موجود ہے کیونکہ اول
کہا گیا عسی زید جس زید کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا پھر
کہا گیا ان یخرج جس سے زید کے نکلنے کا حال معلوم
ہوا۔ اس سے پہلے اجمال کی تفصیل ہو گئی اور یہ بات
سخاۃ کے نزدیک طے ہے کہ جب کسی لفظ کے اجمال
کے بعد اس کی تفصیل کی جائے تو ان دونوں میں ملائقہ
بدل اور بدل منہ کا ہوتا ہے اور ایسا بدل دلی الامتثال
کلام سے جسے سلب زید ثوبہ اور اس
جملہ میں اگر کوئی یہ دم کرے کہ اس کی عبارت یوں بھی
اردست ہے عسی ان یخرج زید تو اس صورت میں

مشبہ بالمفعول الذی کان فی صورۃ الخبر فانصب لشيء المفعول
وعسی علی هذا تامة۔ وقال الکوفیون ان الفعل فی محل الرفع بدل
مما قبله بدل الاشتغال لان فيه اجمالاً ثم تفصيلاً وفي ابهام
الشيء ثم تفسيره وقع عظیم لذلک الشیء فی النفس وقال الشارح
الرضی والذی اری ان هذا وجه قریب وتقول علی الاستعمال
الآخر عسی ان یخرج زید بان یذكر مرفوع فقط وهو ما کان منصوباً
فی الاستعمال الاول فاستغنى عن الخبر لا شتمال الاسم علی المنسوب

پس مضارع ان کے ساتھ آئے گا اور اگرچہ بشکل انشاء مفعولیت پر باقی نہ رہا ہو مگر
وہ اس مفعول کے مشابہ ہو گا جو بشکل خبر (آرہ) ہو اور مشابہ مفعول ہونے کی بنا
پر وہ منصوب ہو گا اور ”عسی“ اس بنیاد پر تامة ہو گا۔ اور سخاۃ کو فہم کے نزدیک فعل
رفع کی جگہ میں واقع ہو رہا ہے (لہذا مرفوع ہو گا) اور ماقبل سے ہونے کی بنا پر یہ
بدل اشتغال کہلائے گا کیونکہ اس کے اندر (اول) اجمال پھر تفصیل (پانی جاری) ہے
اور کسی چیز کے مبہم ہونے کی صورت میں پھر اس کی تفسیر بخوبی ذہن نشین ہو جاتی ہے
اور علامہ رضیؒ فرماتے ہیں کہ سخاۃ کو فہم کی یہ توجیہ صحت سے قریب ہے اور عسی کا
استعمال ثانی (اس طرح ہے) ”عسی زید ان یخرج“ بایں طور کہ محض مرفوع کو بیان
کیا جائے اور وہ جو پہلے استعمال کی رو سے منصوب (خبر) واقع ہو رہا ہو اس سے

عہ اشارہ بالمفعول اگرچہ منصوبات میں کوئی مستقل قسم
نہیں مگر سخاۃ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض
اشیاء کو اس بنیاد پر منصوب قرار دیتے ہیں کہ وہ مشابہ
بالمفعول میں چنانچہ فعل تعجب ما حسن زید میں زید اس بنا
پر منصوب کہتے ہیں کہ وہ مشابہ بالمفعول ہے اس میں
معنی صحت

عہ علامہ عصام الدین شارح شرح جامیؒ نے فرمایا
کہ اس قول کو نہایت ناپسند قرار دیکر کلام عرب کی مثال
عصیت صائماً سے اس ترکیب کو رد کر دیا ہے کیونکہ یہ
بدل اور بدل منہ بننے کا تصور بھی قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ
عصیت میں ت منیر محل رفع میں ہے اور صائماً لفظاً
منصوب ہے اور ظاہر ہے کہ بدل اور بدل منہ کا ایک
طرب ہونا چاہیے اور یہ صورت یہاں مفقود ہے
اور ابن ہشام صاحب مغنی البلیغ بھی سخاۃ کی اس
توجیہ کو رد کیا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع
والآب ۲ اسید حسن محمدی عنہ

ترکیب میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے تو اس کا جواب
یہ ہے کہ علامہ معانی کے یہاں یہ بات طے ہے
تو کسی چیز کو اولاً اجمالاً بیان کر کے اس کی تفصیل کر دی
جائے تو وہ شے واقع فی النفس ہوتی ہے چنانچہ جامیؒ
نصوار کے کلام میں اجمال کے بعد تفصیل کا طریقہ رائج
ہے اس جواب کی طرف علامہ جامیؒ نے اس عبارت سے
ارشاد فرمایا ہے۔ دلی ابہام الشیء ثم تفسیره ونوع
عظیم لذلک الشیء اس کے بعد علامہ جامیؒ نے نقل
فرماتے ہیں کہ محقق رضی شائع کا یہ نے فرمایا ہے کہ
میری نظر میں یہ توجیہ جو علامہ نے کو فہم نے بیان کی ہے
نہایت حق سے قریب ہے۔

۱۲۸ قوله وتقول علی الاستعمال دالی قوله
بمعنی قارب خروج زید فہی تامة ملا جامیؒ
یہاں سے عسی کے دوسرے استعمال کو تفصیل سے
بیان کرتے ہیں۔ حال عبارت یہ ہے کہ دوسرا استعمال

والمنسوب اليه كما استغنى في علمت ان زيد قائم عن المفعول الآخر
فاقیم مقامها فهي في هذا الاستعمال ناقصة وان اقتصر
على المرفوع من غير قصد اقامته مقام المرفوع والمنسوب بمعنى
قرب خروج زيد فهي تامة وههنا احتمال آخر وهو ان يكون زيد
مرفوعا بانه اسم على وفي يخرج ضمير يعود الى زيد وان يخرج
في محل النصب بانه خبر عسى واخر وهو ان يجعل ذلك من باب
التنازع بين عسى ويخرج في زيد فان اعمل الاول كان زيد اسم
على وان يخرج خبرا له مقدما عليه وان اعمل الثاني كان اسم
على ما استكن في ضمير زيد وخبر دان يخرج زيد فهي على
هذين الاحتمالين ناقصة ايضا وقد تحذف ان عن الفعل المضارع

بے نیازی ہو جائے (اور اس کی احتیاج نہ رہے) (اس بنا پر کہ اسم منسوب اور منسوب
اليہ دونوں کو شامل ہے جیسا کہ علمت ان زید قائم، مفعول ثانی کی (مطلقاً) احتیاج
نہیں لہذا ایک ہی مفعول دو مفعولوں کی جگہ آجاتا ہے پس عسی اس استعمال کی نہ دو
سے ناقصہ شمار ہوگا۔ اور اگر مرفوع پر انحصار اسے مرفوع کی جگہ رکھے اور قائم مقام
بنانے کے ارادہ کے بنیر کیا جائے اور منصوب (خبر) قرب خروج زید کے معنی میں ہو تو
عسی تامة شمار ہوگا۔ اور اس جگہ ایک اور احتمال موجود ہے اور وہ یہ کہ زید عسی کا
اسم ہونے کی بنا پر مرفوع ہو اور "یخرج" میں ایک ضمیر (پوشیدہ) مانی جائے جو زید
کی طرف لوٹ رہی ہو اور "ان یخرج" محل نصب میں بایں طور کہ وہ عسی کی خبر ہے
اور ایک دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ "یا زید" میں عسی اور یخرج کے درمیان نزاع
تسلیم کر لیا جائے پس اگر پہلا عمل کرے تو زید عسی کا اسم اور "ان یخرج" کو اس کی خبر قرار
دیا جائے (ایسی خبر) جو اس پر مقدم کر دی گئی اور اگر دوسرا عمل کرے جو اسم عسی، عسی میں
پوشیدہ ضمیر قرار دیکھائے اور (فی الحقیقت) عسی کی خبر "ان یخرج زید" شمار کی جائے۔
اور ان دونوں احتمالات کی بنیاد پر عسی بھی (اس جگہ) ناقصہ ہوگا (تامة نہ ہوگا) اور
استعمال اور میں عسی کو کا دے مشابہ قرار دیتے ہوئے بعض اوقات ان مصدر یہ کو

یہ کہیں کہا جائے کہ عسی ان یخرج زید اس جگہ
کی ترکیب تو ظاہر ہے اور اس جگہ میں زید یخرج کا
فاعل ہے اور یخرج مع فاعل کے بتا دینا مصدر
عسی کا فاعل واقع ہے اور اس ترکیب میں عسی کو
خبر کی حاجت نہیں ہے جسے کہ افعال تلو

میں دیں کہا جائے گا کہ عسی کا فاعل اگر پہلی بحث
زید ہے مگر یہ تمام تمام خبر کے بھی ہے جو اس طرح
پر علمت ان زید قائم میں علم کو نکالنا مستعدی بدو
منقول قرار دیتے ہیں اسی طرح عسی کو بھی ممکن
نہیں کہا جائے گا اگر اس کو فعل تمام قرار دیا
جائے تو اسکی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ عسی
ان یخرج زید کو عسی میں قرب خروج زید
کے لیا جائے اور خبر کے تمام تمام قرار نہ دیا جائے
تو اس صورت میں عسی تامة ہے۔

فان قلت قوله وههنا احتمال آخر وهو ان يكون زيد
مرفوعا بانه اسم على هذين الاحتمالين ناقصة
ايضا۔ علامہ جانی کیوں سے عسی زید
ان یخرج کی ایک نئی ترکیب بیان کرنا چاہتے
ہیں۔ حال اس کا یہ ہے کہ ترکیب یوں کی جائے کہ
عسی فعل، زید فاعل اور ان یخرج فعل اور ضمیر ستر
جس کا مریع نید ہے وہ اس کا فاعل اور اس صورت
میں اگر اصناف قبل الذکر لفظاً کو لازم آئے گا مگر جہت
نہیں اسلئے کہ زید مریع ضمیر اگر مریع لفظاً ہو کر ہے مگر
جہت نہیں کیونکہ زید فاعل ہے اور فاعل مفعول ہے
جہت مقدم ہوتا ہے اس صورت میں عسی ناقصہ
قرار دیا جائے گا اس کے بعد علامہ جانی اس عبارت
کی ایک اور ترکیب فرماتے ہیں اس ترکیب کا
آغاز اس عبارت سے کر رہے ہیں۔ واخر هو

ان يجعل ذلك من باب التنازع بين عسى وخرج
في زيد حاصل اس ترکیب کا یہ ہے کہ زید اسم
مرفوع میں عسی اور یخرج کا تنازع تسلیم کر لیا
جائے پس اگر مال فعل اول یعنی عسی قرار دیا جائے
تو زید عسی کا اسم مرفوع اور ان یخرج اس کی خبر مقدم
ہوگی اور اگر فعل ثانی یخرج کو فاعل قرار دیا
جائے تو عسی کا اسم وہ ضمیر ہوگی جو عسی میں ستر
ہے اور زید اس کا مریع قرار دیا جائے گا اور ان
یخرج زید کو اس کی خبر قرار دی جائے اور عسی
ان دونوں احتمال میں فعل ناقص ہوگا۔

فان قلت قوله وقد تحذف ان عن الفعل
المضارع (الی قولہ) لقولك كاذب زید یخرج

حاصل عبارت یہ ہے کہ عسی کا ایک استعمال یہ بھی ہے کہ ان مصدریہ کو فعل مضارع جو عسی کی خبر واقع ہے حذف کر دیا جاتا ہے اس وقت عسی کا وہ شائبہ ہوتا ہے کیونکہ کاد کی خبر پر بھی ان داخل نہیں ہوتا جیسے کادوا یقولون اس استعمال پر فصحاء عرب کے اشعار بھی واقع ہیں چنانچہ علامہ جامی نے ابن خشرم کا ایک شعر نقل کیا ہے جس کو اس نے جلیغاری کہا تھا جب کہ اس نے اپنے چچا زاد بھائی بنیاد بن زید کو قتل کر دیا تھا اور اس کی دہرے اسکو جلیغاری میں رکھا گیا تھا اپنی نجات کی توقع پر یہ شعر کہہ رہا ہے شعر عسی الہو الذی امیت فیہ

یكون وراءه فرج قريب

دیکھو شاعر نے عسی کی خبر یکنوں پر ان داخل نہیں کیا تو بعد م ہوا کہ عسی کی خبر فعل مضارع بغیر ان کے بھی واقع ہوتی ہے۔ زمرہ شعریہ ہے کہ عجب نہیں وہ غم جس میں میں نے شام گذاری ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ میں کشادگی اور راحت کا ذکر ہے جو یہ ترکیب شعریہ ہے۔ عسی فعل، الہم موصوف الذی امیت فیہ اسم موصول بابتہ صفت الہم موصوف کا صفت و موصوف مل کر عسی کا اسم یکنوں فعل ناسخ فرج قریب مرکب توصیفی یکنوں کا اسم، وراء ظرف ثابتاً مضاف کا فعل ناسخ مع اسم و خبر کے عسی کی خبر عسی اپنے اسم و خبر سے ملکر حمد و ثناء ہوا۔

۱۷۹ قولہ والثانی اے ما وضع لدنو الخیر

والی قولہ علی الاستقبال للمنافی للحال

سیاہ سے علامہ جامی دوسرے فعل مقارنہ کا بیان کرتے ہیں

حاصل عبارت یہ ہے کہ بعد م فعل مضارع کاد

جبکہ اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اس بات پر دلالت کرے کہ فاعل کاد کی خبر کا حصول یقینی ہے جیسے

کاد زید یجی زید غریب آ رہا ہے دیکھو یہاں

پر خبر کاد وقوع زید کیلئے یقینی ہے اس لئے کہ فاعل

حصول خبر کی طرف متوجہ ہے، بہر حال کاد کا فاعل

نبید اسم محض ہے بلا کسی تادیل کے خبر اس کی فعل

مضارع سے جس کا فاعل زمانہ حال سے ہے اور

اسی لئے اس پر ان داخل نہیں ہے کیونکہ ان دلالت

فی الاستعمال اول تشبیہا لہا بکاد فکما ان کاد زید یخرج لوزن ک

فیہ ان کذلک عسی زید یخرج لایذ کہ فیہ ان کقولہ شعریہ

عسی الہو الذی امیت فیہ یكون وراءه فرج قريب

کان الاصل ان یكون وراءه فحذف فت ان دون الاستعمال الثاني

لعدم مشابہة قولک عسی ان یخرج زید لقولک کاد زید یخرج

والثانی ای ما وضع لدنو الخیر لدنو حصول کاد تقول کاد زید یجی

فتخبر عن الخیر بعینک باشراقہ علی الحصول للفاعل فی الحال

ففاعله اسم محض کما هو الاصل وخبرہ فعل مضارع لیدل علی

قرب حصول الخیر من الحال باعتبار احد معنیہ من غیر ان

لدلائلہا علی الاستقبال للمنافی للحال وقد تدخل ان علی خبر

فعل مضارع سے حذف کر دیتے ہیں تو جس طریقہ سے ان کاد کی خبر کے اوپر نہیں آتا اسی

طرح ان عسی زید یخرج پر نہیں آتا۔ مثلاً شاعر کا شعر۔ عسی الہم الذی امیت فیہ۔

یكون وراءه فرج قريب (عجب نہیں کہ اس شام غم کے بسر کرنے کے بعد کوئی فراخی

راحت و آسائش کا زمانہ آئے) یہ اصل میں "ان یكون وراءه" تھا تو ان استعمال

ثانی کے بغیر حذف کر دیا گیا تیسرے قول "کاد زید یخرج" عسی ان یخرج زید سے مشابہت

نہ ہونے کی بنا پر۔ اور افعال مقارنہ میں سے فعل کاد کی تخلیق و وضع اس لئے ہوتی ہے۔

کہ کاد کے فاعل کے واسطے اس کی خبر کے یقینی طور پر حاصل ہونے کو بتائے (مثلاً) تو

کہے گا "کاد زید یجی" تو یہ فاعل کے لئے خبر کے یقینی اور انتہائی قریبی طور پر فی

الحال حاصل ہونے کو بتلاتا ہے۔ لہذا اس کا فاعل محض اسم ہوگا جیسا کہ اس کی اصل ہے

اور اس کی خبر فعل مضارع ہوگی تاکہ وہ زمانہ حال میں حصول خبر کے قرب و معنی میں

سے ایک کے اعتبار سے نشان دہی کرے۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کی

عہ علامہ جامی نے اس معرکہ کے نقل کرتے

سے فرمایا تو ہم اس پر بعض محشین نے اعتراض کیا ہے کہ

مناسب یہ تھا کہ کہا جاتا تو "اس لئے کہ ایک شاعر

کا قول ہے نہ کہ تمام عرب کا اسلئے اصرار نے شرح میں

شاعر کا نام بھی نقل کر دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مولانا

جامی کے قول کی توجیہ یہ ہو کہ اگرچہ ایک شاعر کا قول

ہے مگر فصحاء عرب ایسے ہی استعمال کرتے ہیں لہذا

یہ قول جماعۃ کا ہے مگر نیز بعض نسخوں میں

قولہ بھی منقول ہے "اسید حسن عفی عنہ"

کرتا ہے استقبال پر جو کہ حال کے منافی ہے۔

۱۸۰ قولہ وقد تدخل ان علی خبر کاد

والی قولہ: حکوا الاخر من وجدہ حال عبارت

یہ ہے کہ کبھی کبھی کاد کی خبر پر ان بھی داخل ہوتا

ہے عسی کے مشابہ قرار دیکر جیسے کہ شاعر ذی

کا قول ہے عسی قدکا من طول ابلی ان مبعی +

دیکھو یہاں پر کاد کی خبر پر ان مصدر پر داخل ہے

تحقیق معرکہ طول بمعنی درازی ابلی بکسر یا یفتح

کاد تشبیہا لہ بعنی کما نہ تحذف ان عن خبر عنی تشبیہا لہ
 یکاد کقولہم قد کاد من طول البلی ان یصحا فلما کان کل واحد
 منها مشابہا للآخر اعطى لكل منها حکم الآخر من وجہ واذا دخل
 النفی علی کاد فهو ای کاد کالافعال ای کاسرائل فعال فی افادة ادوات
 النفی نفی مضمونہا علی القول الا صرح ماضیا کان او مستقبلا و
 قيل نفیہ ای نفی کاد یكون للاشبات مطلقا ماضیا کان او مستقبلا
 اما فی الماضي فکقولہ تعالیٰ وما کادوا یفعلون فان المراد اثبات الفعل
 لا نفیہ بدلیل فذبحوها واما فی المضارع فلتخطیة الشعراء قول
 ذی الرمة لم یکدر سیس الرہوی من حب مئة یدرج۔ بانہ

استقبال پر دلالت منافی حال ہوگی۔ اور بعض اوقات کاد کو مشابہ عنی شمار کر کے خبر
 کاد پر ان لانے میں جیسا کہ بعض اوقات عنی کو کاد کے مشابہ قرار دیتے ہوئے اس
 کی خبر سے ان حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً قول شاعرہ قد کاد من طول البلی ان یصحا
 (قدامت کے باعث گھر کے نشان مٹنے کے قریب ہیں) پس جب ان دونوں میں سے
 ہر ایک دوسرے کے مشابہ ہے تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا حکم ایک اعتبار
 سے دیا گیا۔ اور جب کاد پر حرف نفی آئے تو کاد بھی حرف نفی کے افادہ یعنی مضمون
 کی نفی میں سارے افعال کی طرح زیادہ صحیح قول کے مطابق ہو گا اس سے قطع نظر
 کہ ماضی ہو یا مستقبل اور یہ بھی کہا گیا کہ کاد کی نفی مطلقاً (بدلتیہ) اثبات کے لئے
 ہوگی خواہ ماضی ہو یا مستقبل۔ ماضی کی مثال (یہ) ارشاد ربانی (ہے) وما کادوا
 یفعلون اس لئے کہ مقصود اثبات فعل ہے نہ فعل نہیں "قد یسجوا" کی دلیس
 سے اور مضارع کی مثال تو ذی الرہمہ کے اس قول کو شعراء کے غلط قرار دینے کے

۱۷۸۸ قولہ واذا دخل النفی علی کاد والی
 قولہ) بدلیل فذبحوها علامہ جامی یہاں
 سے کاد کا ایک خاصہ نقل کرتے ہیں جس کا اصل
 یہ ہے کہ خویں میں اس میں اختلاف ہے کہ کاد
 پر اگر حرف نفی داخل کیا جائے تو وہ نفی کا فائدہ
 دیتا ہے یا اثبات کا۔ قول اصح یہ ہے کہ کاد پر
 حرف نفی کا داخل ہونا ایسا ہی نفی کے لئے
 مفید ہوتا ہے جیسے کہ اور افعال میں خواہ کاد کا
 فعل ماضی ہو یا مضارع اور بعض نماۃ نے کہا

مصدر از صبح معنی کہنے اور پڑانا ہونا۔ یہی مصدر
 مصروح بخنے چلا جانا ان میسما میں جوالف ہے
 وہ تنفیہ کا نہیں بلکہ اشباع کا ہے۔ (ترجمہ)
 قریب ہے مکان کے نشان بویہ زیادہ پڑانا ہے
 کے محو ہو جائیں حاصل مصرعہ یہ ہے کہ منزلیں مجبور
 پر شاعر افسوس کر رہا ہے کہ مجبور چلی گئی اور
 منزل دیران ہو گئی اور منزل کی دیرانی کو بھی
 بہت نہانہ گذر چکا جس سے یہ اندیشہ ہو رہا
 ہے کہ اب نقش دیا رکھی محو ہو جائیں گے۔

کہ کاد کی نفی اور انحال کی طرح پر نفی کے مٹنے
 میں نہیں ہوتی بلکہ وہ اثبات کیلئے ہوتی ہے
 خواہ کاد کی نفی ماضی پر داخل ہو یا مضارع پر۔
 نقل ماضی کی مثال میں انہوں نے قرآن شریف
 کی اس آیت کو پیش کیا فذبحوها وما کادوا
 یفعلون دیکھئے اگر یہاں پر کاد نفی کیلئے ہوتا
 تو مٹنے یہ ہوئے کہ وہ بلی ذبح کرنے والے نہیں
 ہیں حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فذبحوها
 جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کاد منفی اثبات
 کے معنی اور اگر ربی سے در نہ فذبحوها وما کادوا
 یفعلون میں کھلا ہوا تانفس ہو گا پس
 اس دلیل سے ثابت ہوا کہ کاد منفی اثبات کے
 معنی اور کرتا ہے۔

۱۷۸۹ قولہ واما فی المضارع فلتخطیة
 (الی قولہ) ولما غیرہ تخطیہ ہم عامل عبارت
 یہ ہے کہ کاد کا فعل مضارع منفی اثبات کے معنی
 دیا کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شاعر ذی الرہمہ کے
 ایک شعر میں واقع ہے۔

اذا نذر الہجر المبحین لم یکد
 رسیس الہوی من حب مئة یدرج
 اسکو شعرا نے بالکمال نے غلط قرار دیا ہے۔ غلطی
 کی وجہ بیان کی ہے کہ اس لم یکد کاد کا فعل مضارع
 منفی واقع ہے جو اثبات پر دلالت کرتا ہے اور
 اثبات کے معنی لینے کی صورت میں مدلول شعر
 غلط ہو جاتا ہے اور یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ شاعر
 ذی الرہمہ کو یہ غلطی بتائی گئی تو اس نے غلطی کو
 تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے شعر میں ترمیم
 کرتا ہوں اور بجائے لم یکد کے لم اجد کا لفظ
 شعر میں تبدیل کرتا ہوں تو ثابت ہوا کہ کاد منفی
 اثبات کیلئے ہے در نہ شعرا نے عرب اس شعر
 کو غلط قرار دیتے اور خود شاعر اپنی غلطی کو
 تسلیم نہ کرتا کیس معلوم ہوا کہ کاد منفی اثبات کے
 لئے ہوتا ہے۔

۱۸۰ قولہ واجیب من الاول والی قولہ
و ثبوت فی وقت آخر یہاں سے علامہ جامی کا
منفی کے بار میں قول اصح کی ترجیح بیان کرتے
ہیں اور قول غیر اصح کی تردید کرتے ہیں۔ حاصل
عبارت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت سے جو
فعل کا دماغی منفی سے استدلال کیا گیا ہے وہ
استدلال درست نہیں حق تعالیٰ نے فرمایا:-

فذبوحا دما کا دوا یفعلون۔ یہاں پر کار
نفی ہی کے معنی دے رہے ہیں اور معنی آیت
کے یہ ہیں کہ نبی اسرائیل اپنی گجروی کی بنا پر اس
درجہ کو پہنچے ہوئے تھے کہ وہ بقرہ ذبح نہ
کرتے لیکن تکون حق غالب آگئی بالآخر انہوں
نے بقرہ کو ذبح کر دیا۔ انہا اس فعل فذبوحا کا
تعلق ایک زمانہ خاص سے ہے اور ما کا دوا
یفعلون کا تعلق دوسرے زمانہ سے اور ظاہر
بات ہے کہ اس صورت میں کوئی تناقض نہیں
ہے کیونکہ تناقض کیلئے اتحاد زمانہ شرط ہے۔

۱۸۱ قولہ ومن الثانی فلتخطیہ (الی
قولہ) وانما هو لو یرھا۔ یہاں سے
علامہ جامی قول غیر اصح کی دلیل ثانی کو رد کرتے ہیں
حاصل عبارت یہ ہے کہ شاعر کا شعر بالکل صحیح
ہے اور ابن شبرمہ وغیرہ نے براعتراض کیا ہے
وہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مقام میں
تخلیہ کرنے والا خود غلطی ہے اور ذی رمہ کا
اس غلطی کو تسلیم کرنا ہی غلط ہے۔ چنانچہ اس
سلسلہ میں علامہ جامی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے
کہ شاعر فصیح عیسہ سے منقول ہے کہ ذورہ
ایک مرتبہ کوہ میں آئے اور انہوں نے اپنا یہ قصیدہ
سنایا جس میں یہ شعر ہے جب شعر اذا غیر البحر الجبین
پر پہنچے تو ابن شبرمہ نے اعتراض کیا۔ ذی رمہ
نے ان کے کہنے سے اس میں تغیر کر دیا اور کہا
لم یکدر کے لم آجدر کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عیسہ
بیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب
یہ واقعہ بیان کیا ان کے والد بڑے درجہ کے
شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس واقعہ

و ذی رمہ

یدل علی زوال رسیس الہوی والتسلیم تخطیہم وتغییرہ قولہ
لم یکدر بقولہ لما جدر فلو لا کان نفی کا دلالت ثبات لما خطوہ و
لما غیرہ لتخطیہم واجیب عن الاول بان قولہ تعالیٰ وما کا دوا
یفعلون یدل علی انتفاء الذبح وانتفاء القرب منه فی وقت ما
وقولہ فذبوحا قریبۃ تدل علی ثبوت الذبح بعد انتفائہ و
انتفاء القرب منه ولا تناقض بین انتفاء الشئ فی وقت وثبوتہ
فی وقت آخر وعن الثانی فلتخطیہ بعض الفصحاء غلطی ذی
الرمۃ فی تسلیمہ تخطیہ روی عن عبسۃ انه قال قدم ذوالرمۃ
الکوفۃ واعترض علیہ ابن شبرمہ فغیرہ قال عبسۃ حدثت
ابی بذلك فقال اخطأ ابن شبرمہ فی انکارہ علیہ و اخطأ ذو
الرمۃ حین غیرہ وانما هو کقولہ تعالیٰ لم یکدر یرھا وانما هو

باعث "لم یکدر رسیس الہوی من حب میتہ یرح" بایں طور کہ اس سے استواری
محبت کے زرائع ہونے کی نشان دہی ہو رہی ہے اور شاعر نے شعر کی غلطی کو تسلیم کرتے
ہوئے لم یکدر کو "لم آجدر" سے بدل دیا۔ پس اگر کا دنا فیہ اثبات کے واسطے (یہاں) نہ
ہوتا تو عرب کے شعراء نہ اسے غلط شمار کرتے اور نہ شاعر غلطی مان کر اس میں تبدیلی کرتا
اور استدلال اول کا وجود ارشاد باری تعالیٰ "وما کا دوا یفعلون" سے کیا گیا جواب دیتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد باری ذبح کی نفی کی نشان دہی کرتا ہے اور اس کی اس
سے ایک وقت تک نفی کر رہا ہے اور ارشاد باری "فذبوحا" انکار اور انتفاء
قرب کے بعد ثبوت ذبح کا قریبہ بن رہا ہے اور اس بات میں کوئی تناقض نہیں (یہاں)
ہوتا کہ ایک وقت میں ایک کی نفی ہو رہی ہو (اور عدم وجود) اور دوسرے وقت
میں اثبات (وہ پائی جائے) اور یہ استدلال ثانی کہ بعض فصیح شعراء ذی الرمۃ کے قول (مست)
کو غایۃ بتایا اور اس نے غلطی تسلیم کی (اس کے بارے میں عیسہ سے منقول ہے کہ
ذوالرمۃ شاعر کوہ میں آیا اور اس پر ابن شبرمہ نے (مذکورہ) اعتراض کیا تو اس نے اسے
بدل دیا۔ عیسہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر اپنے والد سے کیا تو انہوں نے کہا کہ ابن
شبرمہ نے انکار کر کے غلطی کی اور ذوالرمہ نے اسے بدل کر غلطی کی اور اس کی اس پر
منظر نہیں گئی کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے "لم یکدر یرھا" اور بعض شعا کے نزدیک

کو سن کر فرمایا اخطأ ابن شبرمہ فی انکارہ علیہ یہ تھا کہ ابن شبرمہ نے غلط اعتراض کیا اور ذورہ
واخطأ ذوالرمۃ حین غیرہ جس کا مطلب نے بھی غلطی کی کہ اس کے کہنے سے شعر میں تغیر کر

لہویرھا وقیل یكون ای النفی الداخل علی کاد وما یشتق منه ۱۸۲
لا اثبات وفي المستقبل کالافعال ای کسائر الافعال فی افادة
النفی نفی مضمونہ تستکافی الدعوی الاولی بقولہ تعالیٰ وما کادو
یفعلون وقد عرفت وجه التمسک والجواب عنہ وفي الدعوی
الثانیة بقول ذی الرمة اذا غیر الہجر المحبین لہ یکد رئیس
الہوی من حب مینۃ یدرجین اراد بالنفی الداخل علی یکاد انتفاء
قرب رئیس الہوی عن البراح ای الزوال فان النفی الداخل علی یکاد
کالنفی الداخل علی سائر الافعال وهذا مسلم لکن لا یشبت مدعا
بمجرد ذلك ما لم یشبت دعواہ الاولی وقد عرفت وجه القبح فیہ
وفي تمسکہ علیہا والثالث وهو ما وضع لدنو الخیر وقرب ثبوته

کاد اور کاد کے مشتقات ماضی منفی پر اگر (بجائے نفی کے) منفی اثبات عطا کرتے
ہیں اور مستقبل میں اس کا حکم نفی مضمون کے سلسلہ میں تمام (دوسرے) افعال کا سا
ہے۔ بطور دلیل پہلا (ذکر کردہ) ارشاد ربانی (پیش کرتے ہیں یعنی) "وما کادو یفعلون"
اور تو اس ارشاد ربانی سے استدلال اور اس کے جواب سے آگاہ ہو گیا۔ اور دوسرے
دعویٰ کا مستدل ذی الرمة شاعر کا یہ شعر ہے "محبت کرنے والوں کی محبت میں تبدیلی
لانے والا فراق بھی (میرے دل سے) مینہ کی محبت کو زائل (یا کم) نہیں کرتا جبکہ اس
نے اس حرف نفی سے جو یکاد پر آ رہا ہے پائدار محبت کے زائل ہونے کی نفی کی
پس حرف نفی کا "یکاد" پر آنا تمام افعال پر حرف نفی کے آنے کی طرح ہے۔ اور یہ
اصول مسلم ہے لیکن تا وقتیکہ پہلا دعویٰ ثابت نہ ہو محض اس سے اس کا مدعی ثابت
نہ ہوگا۔ اور تو اس سے استدلال کی قیاحت سے آگاہ ہو چکا۔ اور افعال متاثرہ کی

افعال کی طرح منفی ہی کے معنی ادا کرتا ہے
اثبات کے نہیں۔

۱۸۳ قولہ وقیل یكون ای النفی الداخل
والی قولہ) وجہ التمسک والجواب عنہ یہاں سے
علامہ جامی کاد منفی کے بارے میں بخیر کا ایک
اور مذہب نقل کرتے ہیں۔ حامل اس کا یہ ہے کہ
سہارہ منفی فعل ماضی کی صورت میں نفی کے معنی نہیں
دیتا بلکہ اثبات کے معنی دیتا ہے اور اس کی دلیل
قرآن شریف کی آیت نقل کی ہے قد بھوہا دما

دیا۔ پھر حضرت ابوہریرہ نے اس استعمال کے صحیح
ہونے پر قرآن پاک سے استدلال فرمایا انما ہو
لقد تعالیٰ لہو یکدیراھا وانھا ہو لہویرھا
حامل استدلال یہ ہے قرآن کریم میں فرمایا ہے
کہ اذا خرج یدہ لم یکدیراھا دیکھے
یہاں پر کاد منفی اثبات کے معنی ادا نہیں کر
سکتا، بلکہ نفی ہی کے معنی ادا کر رہا ہے کیونکہ اگر
اثبات کے معنی ہوں تو مقصد قرآن کریم کے
اخلاف لازم آتا ہے پس ثابت ہوا کہ کاد اور

کادو یفعلون کہ یہاں پر کاد منفی اثبات کے
معنی ادا کر رہا ہے اور جب کاد منفی استقبال
میں واقع ہو تو پھر نفی ہی کے معنی دیتا ہے۔
۱۸۳ قولہ وفي الدعوی الثانیة بقول
ذی الرمة (الی قولہ) وفي تمسکہ علیہا حامل
عبارت یہ ہے کہ کاد منفی مستقبل میں نفی ہی
کے معنی دیتا ہے اس کے استدلال میں ذر
کا یہ شعر نقل کرتے ہیں جو اس نے اپنی محبوبہ
کے بارے میں کہا ہے..... تحقیق شعر غیر از غیر
یعنی بدل ڈالنا، ہجر جدائی۔ محبین جمع محب یعنی
عاشق۔ رئیس الشی یعنی بقیۃ الشی۔ رئیس
الہوی۔ محبت پائدار مینہ نام محبوبہ پیر حبیبت
یزال (ترجمہ) جب کہ بدل ڈالے جدائی عشاق
کی محبت کو تو محبت پائدار محبوبہ مینہ کی زائل ہونے
کے قریب بھی نہیں ہوتی۔ حامل شعر یہ ہے کہ
ذو رتمہ اپنی محبوبہ مینہ سے غایت درجہ محبت
کاد دعویٰ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ جب کہ جدائی
سے بڑے بڑے مدعیان عشق کی محبت میں
زوال ہو جاتا ہے مگر میری محبت ان کی طرح
نہیں بلکہ میری محبت کا یہ عالم ہے کہ جدائی سے
محبت کی لازوال قوت میں ادنیٰ سا بھی اضافہ
پیدا نہیں ہوتا۔ علامہ جامی اس قول مرحوم
کے دلائل کو رد کرنے کے لئے بیان فرماتے
ہیں کہ هذا مسلم لکن لا یشبت مدعا بجمود
ذلك ما لم یشبت دعواہ الاولی
یعنی یہ جو قائل نے دلیل پیش کی ہے وہ صحیح
ہے مگر اس سے قائل کا مدعا ثابت نہیں ہوتا
جب تک کہ پہلا دعویٰ کہ کاد ماضی منفی میں نفی
کا فائدہ دیتا ہے ثابت نہ ہو جائے اور
وہ اب تک ثابت نہیں ہو سکا۔ لہذا قول
اصح ہی راجح ہے اور اس کے سوا سب
اقوال غیر معتبر ہیں۔

۱۸۴ قولہ والثالث وهو ما وضع
وطفعا یخصفان یہاں سے تفسیری
قسم کے افعال متاثرہ کا بیان کرتے ہیں حامل

Marfat.com

فی بعض النسخ افعال التعجب وفي اكثر النسخ فعلا التعجب بصيغة
التثنية فافراد الفعل بالنظر الى ان التعريف للجنس وجمعه بالنظر
الى كثرة افرادة وتثنيته بالنظر الى نوعي صيغة وعلى كل تقدير
فالتعريف للجنس المفهوم في ضمن التثنية والجمع ايضا فهو واضح
اي فعل وضع لان الكلام في قسم الافعال فلا ينتقض الحد بمثل
لله دُرَّةٌ فارِسًا واهالَه لکن ينتقض بمثل قاتله اللهُ من شاعر
ولا شلَّ عشرة فانه فعل وضع لا نشاء التعجب وليس بمحض

تعجب (وحیرت) ہوتی ہے بعض نسخوں کے اندر "افعال التعجب" بھی آیا ہے۔ اور
بیشتر نسخوں میں بصیغہ تثنیہ فعلًا التعجب آیا ہے۔ پس فعل کو مفرد لانا اس بنا پر
ہے کہ یہ تعریف برائے جنس ہے اور (رہا) اس کا جمع لانا وہ اس کے افراد کی کثرت
و زیادتی کے اعتبار سے ہے اور تثنیہ لانا صیغہ کی نوع کے اعتبار سے ہے اور ہر
تعریف کی رو سے جنس کی تعریف بھی تثنیہ اور جمع کے ضمن (اور اس کے ذیل) میں
آجاتی ہے تو فعل تعجب وہ ہے جو وضع کیا گیا ہے اس لئے کہ کلام فعل کی اقسام میں
(داخل) ہے تو یہ تعریف "شُدَّ دُرَّةٌ فارِسًا" سے اور واپایا واپالہ کے ذریعہ نہیں ٹوٹے
گی۔ البتہ اس مثال "قاتله اللهُ من شاعر ولا شلَّ عشرة" سے یہ تعریف ٹوٹ رہی ہے

۱۰۴ قولہ فلا ینتقض الحد (الی قولہ)
فکثیرا ما ینتقل فی الدعاء سیاں سے طارحی
فعل تعجب کی تعریف پر نقض بیان فرما کر ان کے
جوابات ارشاد فرماتے ہیں۔ حاصل عبارت یہ ہے
کہ چونکہ تعریف میں فعل ہونا شرط لگایا ہے لہذا جو جملہ
اسم تعجب کے معنی ادا کرتے ہوں وہ اس میں داخل
نہیں ہوں گے۔ جیسے للهِ دُرَّةٌ فارِسًا یہ جملہ ایسے
موتہ پر استعمال کرتے ہیں جب کہ کوئی شخص گھوڑے
کی سواری میں مسابقت رکھتا ہو۔ اہل عرب جو شخص
کسی کمال میں انسانی مقام حاصل کرے یا کسی مرد
میں یہ طریقہ اختیار کرنے میں اس کاں کو ذات

کا یہ جگہ جنس کے لئے کیا جائے اور جنس کا خابطہ
ہے کہ اسے صیغہ مفرد کے ساتھ بیان کیا جائے
اور لفظ افعال تعجب بھی درست ہے اس لئے لگا کر
صیغہ تعجب فقط دربی ہیں مگر ان کا استعمال کلام عرب
میں کثرت سے ہوتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے بھی
قرآن شریف میں متعاب فرمایا تو مبینوں کی کثرت افراد
پر نظر کرتے ہوئے افعال تعجب نام درست ہے اور
فعل تعجب اس وجہ سے لایا گیا کہ فعل تعجب کے ردی
صیغہ استعمال ہوتے ہیں۔ بہر صورت ہر صیغہ
اور جمع کے ساتھ تعریف جنس کی ہے اس لئے کہ جنس
بھی تثنیہ اور جمع کی ضمن میں منہم ہوتی ہے۔

معلوم ہوتی ہے جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ وہ اصل
اہل عرب جب کسی کی تعریف میں یا کسی شے کے
الحار کے تعجب میں انسانی مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو
ان کا دستور یہ ہے کہ ایسے جملے استعمال کرتے ہیں

۱۰۵ میں پڑھری الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے
کہ یہ جملہ شاعر کے حق میں نہایت ہی مذہوم ہے
کہ اس کے حق میں قاتله اللهُ کہا گیا اس میں تو شاعر
کا اہانت اور اس کے حق میں ایک ذرا کی جرح

حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے
اکثر شعراء کی مدح میں اشارے قبل یہ جملہ لکھا
کرتے ہیں للهِ دُرَّةٌ فارِسًا کی طرح اس طرح سے
اہل عرب تعجب کے موتہ پر ہوتے ہیں واهالہ یا واهلہ
یہ جملہ بھی فعل تعجب نہیں کہلا سکتا اس لئے کہ یہ بھی
جملہ اسمیہ کے ماتم مقام ہے اصل میں یہ اسمائے صفت
سے ہے اور اظہار تعجب کیلئے بے اختیار اسم صفت
منہ سے نکلتا ہے۔ البتہ ایک قوی اشکال یہاں
پر پیش آتا ہے کہ بعض جملے فعلیہ ایسے ہیں کہ تعجب
کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور فعل تعجب نہیں ہیں
جیسے اہل عرب بولتے ہیں قاتله اللهُ الارض من ناس
یہ جملہ ایسے موتہ پر ہوتے ہیں کہ جب شاعر کا کلام
نہایت بلند ہوتا ہے تو شاعر کی غایت درجہ کی مدح
اس میں شمار کی جاتی ہے اس کے حق میں کہا جائے
قاتله اللهُ من شاعر یا در کھوک قاتلہ میں ہو
ضمیر مبہم ہے اور میں شاعر اس کا بیان ہے۔ دوسری
مثال کلام عرب میں فعل تعجب کی ہے لا شلَّ عشرة
اس کا فعلی ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دس انگلیاں بیکار
نہ ہوں یہ فعل ماضی ہے مصدر شلَّ ہے اس کے
معنی انگلیوں کے بیکار ہو جانے کے ہیں اس کا فعل
معرب اور مجہول دونوں استعمال ہوتے ہیں یہ جملہ
ایسے موتہ پر بولا جاتا ہے کہ جب کوئی آدمی تیر اندازی
میں نہایت درجہ ماہر ہو، اس کی مسابقت پر اظہار
تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں لا شلَّ عشرة الی
ظاہر ہے کہ یہ وہ فعل ہے فعل میں اور تعجب کے لئے
استعمال ہوتے ہیں لہذا ان دونوں کی درجہ سے فعل
تعجب کی تعریف پر نقض وارد ہوتا ہے کیونکہ دونوں
فعل بھی انشاء تعجب کے لئے وضع کئے گئے ہیں
مگر اس نقض کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں
فعل در اصل دعا کے لئے وضع کئے گئے تھے اور
بعد ازیں تعجب کیلئے استعمال کئے گئے لہذا یہ فعل

کہ جن کے ظاہری معنی بددعا کے مشابہ ہوتے ہیں
یہ کمال تعلق اور کمال تعجب کی دلیل ہوتی ہے چنانچہ
کلام نبوت میں بھی تربت ایسے موتہ پر وارد ہے
واللہ اعلم بالصواب ۱۰۶ سید حسن عفی عنہ

الدعاء الا ان يق هذه الافعال ليست موضوعا للتعجب بل
استعملت لذلك بعد الوضع او المراد ما وضع لانشاء التعجب
فحسب بحيث لا يستعمل في غيره وما ذكر من مواد النقص فكثير
ما يستعمل في الدعاء. وله اي لفعل التعجب اولما وضع لانشاء
التعجب صيغتان احدهما صيغة الفعل الذي تضمنه تركيب
ما فعله واخرهما صيغة الفعل الذي تضمنه تركيب الفعل به
بشروط ان تكون في هذين التركيبين وهما اي فعلا التعجب غير
متصرفين فلا يتغيران الى مضارع ومجهول وتانيث وفي بعض

فعل تعجب ہی نہیں ہیں۔ یا یوں جواب دیا جائے
کہ دراصل فعل تعجب وہ ہے کہ جو تعجب کے اظہار
کے لئے وضع کیا گیا ہو اور کسی دوسرے معنی میں استعمال
نہ ہو اور جو صیغے نفس میں پیش کئے گئے ہیں
قالہ اللہ۔ ولا مثل عشرہ وغیرہ۔۔۔ دراصل
کثرت سے دعا کے معنی میں مستعمل ہوتے اور احیانا
تعجب کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ انتہی کلام
العلامہ الحامی۔ فاضل عسک الدین نے اس نفس
کا جواب پیش کیا ہے کہ مراد فعل تعجب ہے وہ فعل
ہے جو اپنے صیغہ سے باوضع تعجب پر دلالت
کرتے اور ظاہر ہے کہ لا مثل اور فائزہ اندر وغیرہ
صیغے کے لحاظ سے فعل تعجب نہیں ہیں بلکہ اپنے مخصوص
معنی کے لحاظ سے تعجب پر دلالت کرتے ہیں جن
یہ ہے کہ جواب عسک الدین لا جواب ہے اور علامہ
جائی نے اپنے بیان کردہ جواب کو خود ضعیف قرار
دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ہامی کا یہ جملہ الا ان
يقال هذه الافعال ليست موضوعا للتعجب الخ
ضعف پر دلالت کرتا ہے چنانچہ فاضل محرم آندھا
نے فرمایا قوله الا ان يقال اشارة الى ضعف
الجواب انتہی واللہ اعلم بالصواب

۱۸۸ قولہ ولہ ای لفعل تعجب دلی قولہ
وما مقت الکذب، یہاں سے فعل تعجب
کے صیغوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں حال عبارت
یہ ہے کہ فعل تعجب کے دو صیغے ہیں، اول تا افعله
اس میں اصل فعل ماضی کا صیغہ ہے اور دوسرا
افعل بہ را اس میں افعل امر کا صیغہ ہے اور یہ دونوں
فعل تعجب غیر متصرف ہیں۔ اس لئے ما افعله سے
مضارع مستعمل نہیں ہوتا اور دونوں صیغوں سے
مجهول کے صیغے مستعمل نہیں ہوتے اور نہ مؤنث
کے صیغے ان سے بنائے جاتے ہیں بلکہ ہمیشہ
یہ مفرد مذکر ہی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔
اس کے بعد علامہ جائی نسخوں کے اختلاف کو بیان
کرتے ہیں بعض نسخوں میں اس طرح ہے وہی
خیر متصرفہ یہ نسخہ بھی پہلے نسخہ کی طرح مذکر
ہے۔ اس کے بعد فعل تعجب کی مثال بیان فرمائی۔

اس واسطے کہ وہ ایسا فعل ہے جس کی تخلیق و وضع برائے اظہار تعجب ہوئی ہے اور یہ
فقط دعا کے زمرہ میں داخل نہیں مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان افعال کی تخلیق و وضع برائے
اظہار تعجب نہیں۔ بلکہ یہ بعد میں اظہار تعجب کی خاطر استعمال ہونے لگے۔ یا یہ کہ فعل
تعجب سے مقصود وہ ہے جو صرف اظہار تعجب کی خاطر استعمال ہو اور دوسری جگہ
استعمال نہ ہوتا ہو۔ اور جو دو مثالیں فعل تعجب کی (ذکر کردہ) تریف کو توڑنے کیلئے
پیش کی گئیں ان کا استعمال بیشتر دعاء میں ہوتا ہے (لہذا ان سے تعریف نہ ٹوٹے گی)
اور فعل تعجب کے لئے یا برائے اظہار تعجب دو صیغے (آتے ہیں) ان میں سے ایک فعل
کا صیغہ ہے جیسے ما افعله کہتے ہیں اور دوسرا وہ صیغہ فعل جو افعل بہ کہلاتا ہے۔
بشرطیکہ دونوں اسی (ذکر کردہ) ترکیب کے ساتھ (آتے) ہوں۔ اور ان دونوں افعال
تعجب میں تصریف نہیں ہوتی۔ لہذا یہ دونوں نہ مضارع ہوتے ہیں اور نہ مجهول اور نہ
(ہی) مؤنث (ہوتے ہیں) اور بعض (کتاب کے) نسخوں کے اعتبار سے عبارت اس طرح

اول فعل تعجب کی مثال ما احسن فرید ہے
دوسرے صیغہ کی مثال ہے احسن بزید اس
کے بعد فعل تعجب کا ایک خاصہ اور بیان فرماتے
ہیں کہ فعل تعجب کو انہیں افعال سے بنایا جاتا
ہے کہ جن سے اسم تفضیل کا بنا ما درست ہے اور یہ
بات علمائے شریکے یہاں طے شدہ ہے کہ اسم تفضیل
نقطہ ثانی مجرر سے بنایا جائے گا جو لول اور عیب
کے معنی سے خالی ہو اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے
کہ اسم تفضیل کے ساتھ فعل تعجب کو ایک خاص
مشابہت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک ان میں سے
مباذہ تائید کے معنی پر دلالت کرتے ہیں تفضیل

اس احوال کی یہ ہے کہ اسم تفضیل میں تو اصل فعل میں
زیادتی کھلی ہوئی ہے اس طرح پر کہ اس میں ایک
مفضل ہوتا اور ایک مفضل علیہ جیسے زید احسن من
محمد تائید کے معنی بھی ہوتے ہیں نیز کہ اس میں
اصل فعل میں زیادتی ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ زیادتی
تائید پر دلالت کرتی ہے یہی بات کہ فعل تعجب
مباذہ تائید پر کیے دلالت کرتا ہے اس کی تفضیل
یہ ہے کہ اظہار تعجب اس شے پر ہوتا ہے کہ کوئی
دست کسی انسان میں پائی شے میں اس حد پر پایا
جائے گا کہ جس حد میں عام طور سے یہ وصف نہ پایا
جاتا ہو تیسرے اختیار تعجب کا اظہار کیا جائے گا۔

النسب وهي افعال التعجب غير متصرفه مثل ما احسن زيداً واحسن بزيد لا يبينان اي فعلاً التعجب الا مما يبنى منه افعال التفضيل لمشابهة ما له من حيث ان كلا منهما للمبالغة والتأكيد وكذا الا يبينان الا للفاعل كفاعل التفضيل وقد شد ما اشهى الطعام وما امقت الكذب، ويتوصل في الفعل الممتنع بناءً صيغتي التعجب منه من رباعي او ثلاثي مزيد فيه او ثلاثي مجرد مما فيه لون او عيب بمثل ما اشد استخراجه واشدد باستخراجه اي يتوصل ببناءهما من فعل لا يمتنع بناؤهما منه وجعل الممتنع مفعولاً او مجرداً ببناء ولا يتصرف فيهما اي في صيغتي التعجب بتقدير

ہے اور ان افعال تعجب میں تصریف نہیں ہوتی مثلاً "ما احسن زیداً" اور "احسن بزيد" یہ افعال تعجب محض انہیں سے بنائے جاتے ہیں جن سے اسم تفضیل بناتے ہیں دونوں کے درمیان مشابہت کے باعث بائیں طور کہ دونوں برائے مبالغہ اور برائے تاکید آتے ہیں اور یہ اسم تفضیل کی طرح محض فاعل کے لئے بناتے جاتے ہیں اور وہ اشہی الطعام، اور ما امقت الكذب، جن کے ذریعہ اسم تفضیل کا بمعنی مفعول ہونا اور برائے فعل تعجب مجہول کا متعل ہونا معلوم ہوتا ہے شاذ اور کالعدم کے درجہ میں ہے (اس لئے اس سے اشکال کرنا صحیح نہیں) اور وہ فعل جن سے تعجب کے صیغوں کا بنانا ممنوع ہے۔ رباعی، یا ثلاثی مزید یا وہ ثلاثی مجرد جو معنی لون و عیب والا ہو مثلاً ما اشد استخراجه "کو" اشد باستخراجه کہیں گے۔ یعنی دونوں صیغوں کی وضع میں ایسا فعل رکھا جائے گا کہ اس سے دونوں کا بنانا ممنوع نہ ہو اور جس سے بنانا ممنوع ہو۔ اسے مفعول یا باد سے مجرد قرار دیا جائے گا۔ اور ان صیغوں میں تصریف نہ ہوگی اور یہ درست

جیسے کوئی مجدد وجہ حسین مٹنے آئے اور اس جیسا حسین نظر سے نہ گذر ہو تو بے اندازہ دیکھنے والے کی زبان سے نکلے گا ما احسن فلاناً او فلانہ پس معلوم ہوا کہ فعل تعجب میں بھی مبالغہ اور تاکید کے معنی پائے جاتے ہیں اس کے بعد علامہ جائی نے فعل تعجب کا یہ خاصہ بیان فرمایا کہ وہ فعل معروف ان کا متعل ہونا ہے فعل مجہول متعل نہیں ہوتا جیسے اسم تفضیل کا بھی یہی حال ہے اور جو صیغے فعل تعجب کے مجہول متعل ہوتے ہیں وہ شاذ ناقابل استدلال ہیں جیسے ما اشدی الطعام وما امقت الكذب، ما اشدی الطعام اس موقع پر ہے کہ جب کھانا مناسبت پسندیدہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہاں فعل تعجب مجہول کے معنی میں ہے اور اس میں معنی جو مفعول ہے اس کی تعریف مطلوب ہے دوسری مثال ہے ما امقت الكذب ترجمہ اس حال کا یہ ہے کہ سقذ ناگوار ہے بھوٹ ظاہر ہے کہ یہاں کذب مفعول ہے براہدار تعجب مطلوب ہے جس طرح اسم تفضیل معنی میں مفعول کے شاذ قرار

کے آتا ہے جیسے اشہر وفیر اسی طرح فعل تعجب کے مجہول کا استعمال بھی شاذ ہے۔
۱۸۹ قولہ ویتوصل فی الفعل الممتنع (الی قولہ) مفعولاً او مجرداً بالبناء سے علامہ جائی غیر ثلاثی مجرد سے صیغہ تعجب کے بنانے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ حامل اس عبارت کا یہ ہے کہ جن افعال سے صیغہ تعجب کا استعمال نہیں ہوتا یعنی وہ ثلاثی مجرد جن میں لون اور عیب کے معنی ہوں اور یا ثلاثی مزید فیہ ہو یا رباعی مجرد یا مزید ہوا ان سب میں ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ مصدر شدت سے جو ثلاثی مجرد کا مصدر ہے اسے صیغہ تعجب بنایا جائے گا اور جس سے فعل تعجب بنانا ہے اس کے مصدر کو صیغہ اول میں منصوب کر کے اور صیغہ ثانی میں مجرد کر کے ذکر کریں گے مثلاً استخراجه سے جو ثلاثی مزید فیہ سے ہے صیغہ تعجب بنانا ہو تو اس کو پہلے صیغہ کے بعد منصوباً ذکر کر کے کہا جائے گا ما اشد استخراجه۔ اور صیغہ ثانی میں اس کو مجرد کر کے کہا جائے گا اشد باستخراجه۔

۱۹۰ قولہ ولا یتصرف فیہما (الی قولہ) فکانما عتبد القصد یہاں سے علامہ جائی "صیغہ تعجب کا ایک اور خاصہ بیان کرتے ہیں۔ حامل اس کا یہ ہے کہ فعل تعجب کے دونوں صیغوں کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ان کے معمول کا تقدم کرنا خواہ وہ مفعول ہو یا مجرد وہاں کیوں نہ ہوں فعل تعجب پر بارز میں لہذا ما زیداً احسن اور بذا احسن کہنا درست نہیں اور ان صیغوں میں معمول کا تقدم کرنا کیوں درست نہیں ہے اس کا نکتہ علامہ جائی نے اس طرح بیان کیا ہے لانہم بعد النقل الی التعجب جب الجہاں المثال فلا یفیدان کما لا یفیدان کما لا یفیدان کما لا یفیدان کہ یہ دونوں صیغے جب تعجب کے لئے مخصوص ہو گئے اور دوسرے فعل کا استعمال باقی نہ رہا تو ایسے ہو گئے جیسے امثال عرب کہ ان کو جیسا اہل عرب نے استعمال کیا ہے ویسا ہی استعمال کیا جاتا

ای بتقدیم جائز فیما عدا صیغتی التعجب کتقدیم المفعول او
المجار والمجرور علی الفعل وتاخیر ای تاخیر جائز فیما عداها کتاخیر
الفعل منهما وانما قید بالتقدیم والتاخیر بما قیدت لیکون عدم
التصرف بهما من خواص صیغتی التعجب فان المقام یقتضی بیان
الاحکام الخلاصة بهما فلا یقال ما زید احسن ولا یزید احسن
ولا هما بعد النقل الی التعجب جریا بحری الامثال فلا یغیران کمالا
تغیر الامثال قیل عدم التصرف بالتقدیم یستلزم عدم التصرف
بالتاخیر وبالعکس لان تقدیم الشئ یستلزم تاخیر غیره وکذا
تاخیره یستلزم تقدیم غیره فلو اکتفی باحد هما لکفی واجیب بان
ذکر التاخیر انما هو للتأكيد لا للتأسيس علی ان کل واحد منهما و
ان لم یفصل عن الآخر بالوجود لکنه یفصل عنه بالقصد فکانه
اعتبار القصد ولا یتصرف فیهما بايقاع فصل بین العامل و

نہیں ہے کہ ان کے معمول کو ان سے پہلے لایا جائے۔ مثلاً مفعول یا جار و مجرور کا فعل سے
پہلے لانا اور نہ انہیں مؤخر کرنا (اس طرح) جائز ہے جیسا کہ فعل کو ان دونوں سے مؤخر
کرنا درست ہے اور ہم نے دونوں میں تقدیم و تاخیر کی تیرا اس لئے لگائی کہ دونوں
میں عدم تعریف تعجب کے معنیوں کے خواص میں سے ہے پس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ
دونوں کے احکام مختصراً بیان کئے جائیں لہذا "ما زید احسن" اور "لا یزید احسن"
نہیں کہا جاتا۔ اور ان دونوں کے افعال تعجب میں شامل ہونے کے بعد ان کی مشیت
امثال ضرب کی سی ہو گئی کہ امثال کی طرح ان میں بھی تغیر نہ ہوگا۔ اور یہ جوں کے توں
رہیں گے) کہا گیا کہ معمول کے پہلے لانے کو جائز قرار نہ دینے کی بنا پر تاخیر کا عدم جواز بھی
ثابت ہو گیا اور اس کے عکس صورت میں بھی حکم ہے کیونکہ کسی شے کو مقدم
کرنے سے دوسری شے کی تاخیر لازم آتی ہے پس اگر ایک پر اکتفا کیا جاتا تو کافی ہوتا
اور (اس کا) جواب دیا گیا کہ تاخیر کو بیان کرنا برائے تاکید ہے برائے تاسیس نہیں ہے
بایں طور کہ دونوں میں سے ہر ایک اگرچہ دوسرے سے باعتبار وجود الگ نہیں مگر
اس سے بالقصد علیحدہ کیا جاتا ہے تو گویا دونوں جگہ قصد کو قابل اعتبار قرار دیا گیا
اور اندرون فعل تعجب (ازروٹے قاعدہ) یہ بھی درست نہیں کہ اس کے عامل و معمول

ہے۔ ان میں سے مفعول نہیں کیا جاتا پس اس طرح
سے صیغہ تعجب میں بھی کسی قسم کا تغیر کرنا جائز نہیں
انتہی۔ اس کے بعد علامہ ہائے نے ان صاحب
کی عبارت کا تصرف فیہما بتقدیم و تاخیر
پر کھلا ہوا اعتراض رافع ہر دو معاً اس اعتراض
کو نقل کر کے اس کا جواب دے دے ہیں جابل
الاعتراض یہ ہے کہ لا یتصرف فیہما بتقدیم
عبارت کافی دانی ہے کلمہ ذلخ کے اضافہ کی کوئی
حاجت نہیں کیونکہ سب معمول فعل تعجب کو مقدم
کرنا جائز نہ ہوگا۔ تو فعل تعجب کو معمول سے مؤخر
کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ
عدم جواز تقدیم معمول عدم جواز تاخیر فعل کو مستلزم
ہے لہذا اگر تقدیم اور تاخیر کے کلیوں میں سے ایک
پر اکتفا کرنا ناجائز ہو جائے۔ جواب یہ ہے کہ یہ بات
درست ہے کہ عدم جواز تقدیم معمول عدم جواز تاخیر
فعل کو مستلزم ہے لیکن یہاں عدم جواز تاخیر فعل کا
تذکرہ محض تاکید کے لئے ہے تاسیس کیلئے نہیں
اس کے بعد علامہ جامی ایک لطیف دلیل سے یہ بات
ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ولا تاخیرا کا ذکر
ایسا بھی ہو سکتا ہے وہ اس طریقہ پر کہ نقضاً قصد
کو ملحوظ کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ تقدیم معمول
صیغہ تعجب پر قصد جائز نہیں اور اس طریقہ سے
تاخیر معمول فعل تعجب سے قصد جائز نہیں۔ لہذا
ان صاحب دونوں جگہ قصد کا اعتبار کر کے لا تاخیر
کا تاسیساً صاف فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
لہ قولہ ولا یتصرف فیہما بايقاع فصل
(الی قولہ) بزمان التکلم بل کان دائماً قبلہ
یہاں پر فعل تعجب کی دوسری خصوصیت
کا بیان ہے حال عبارت یہ ہے کہ فعل تعجب کے
دونوں صیغوں میں یہ بھی جائز نہیں کہ فعل تعجب
جو کہ ماضی ہے اس میں اور اس کے معمول میں کسی
اعتبار کا فعل کیا جائے یہی وجہ ہے کہ بہر
نماة ما احسن فی الدار دنیا و کوم ما احسن
جیسے اشعار کو ناجائز قرار دینے میں اس کی وجہ یہ ہے
کہ یہ دونوں صیغے تعجب کے امثال ہر یک وجہ میں ہے

مرد کیلئے سچ بڑا کا وہ کاروبار ہو جس قدر سچ
ہوئے میں اچھا ہے اس سچ میں کھانا

عہ احسن فعل تعجب کا عامل ان یصدق ثابلاً
مصدقہ نقلی ترجمہ امثال کا یہ ہے کہ کس قدر اچھا ہے

المعمول نحو ما احسن في الدار زيداً واكرم اليوم يزيد لاجرا لهما
محوري الامثال كما سبق واجاز المازني الفصل بالطرف لما سمع
من العرب قولهم ما احسن بالرجل ان يصدق واجاز الاكثر من
الفصل بكلمة كان مثل ما كان احسن زيداً ومعناه كان له في
الماضي حسن واقع دائماً الا انه لو يقصّل بزمان المتكلم بل كان
دائماً قبله وما ابتداء اي مبتدأ على ان يكون المصدر بمعنى

کے درمیان کسی غیر کے آجانے سے فصل واقع ہو، مثلاً "ما احسن فی الدار زیداً" اور
"اکرم ہوم یزیداً" ان دونوں صیغوں کے امثال ضرب کی جگہ ہونے کی بنا پر (یہ تصرف
درست نہیں) جیسا کہ بیان کیا جا چکا اور مازنی نے طرف کے ساتھ فصل واقع کرنے کو
درست قرار دیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اہل عرب کا یہ قول سنا "ما احسن بالرجل
ان یصدق" اور بیشتر نحوویوں نے کلمہ کان کے ساتھ فصل کو درست قرار دیا مثلاً (کہا
جاتا ہے) "ما کان احسن زیداً" اور اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کے لئے زمانہ ماضی میں
حسن برقرار تھا مگر وہ زمانہ حال برقرار نہ رہا بلکہ وہ پہلے قائم و موجود تھا۔ اور مابین

جس فصل زید بھی گزرتا ہے لہذا بطرح
امثال عرب میں کوئی تصرف درست نہیں اسی
طرح صیغہ تعجب میں بھی کوئی تصرف جائز نہیں مگر
نحوی مازنی نے ان امثلہ مذکورہ کو بائز قرار دیا
اور یہ ضابطہ بیان کیا کہ فعل تعجب اور اس کے محمول
کے درمیان ظرف کو حاصل لانا درست ہے۔ مازنی
نے اپنے دوسرے کی دلیل میں کلام عرب کے تبدیلی میں
کی کہ نصحاء اہل عرب بولتے ہیں ما احسن بلال جلد
ان یصدق دیکھئے اس مثال میں ما احسن
فعل تعجب اور ان یصدق اس کے معمول کے مطابق
بار عمل فاعل ہے لہذا اس سے ثابت ہوا کہ بار
محمول اور ظرف کا فصل فعل تعجب اور اس کے محمول
کے درمیان جائز ہے لہذا امثلہ ما احسن فی
الدار زیداً اور اکرم الیوم یزیداً درست نہیں
قلہ واجاز الاکثرون سے ظاہر جائی فصل
تعجب میں ایک اور تصرف کا ذکر کرتے ہیں جس
کو اکثر نحاة درست مانتے ہیں اور تفصیل اس
کی یہ ہے کہ فعل تعجب میں ماضی احسن کے درمیان

۱۱۹ قولہ وما ابتداء ای مبتدأ والی
قولہ ما من باب شرا ہذا فاعل ما من
فعل تعجب کی تزیین نحوی پر کلام کر رہے ہیں
اس میں نحاة کا اختلاف ہے امام النحوی سیبویہ

کا قول ما احسن زید کی ترکیب میں یہ ہے کہ
ما مبتدأ ہے اور معنی میں شئی کے ہے ابن حجب
نے ما ابتداء کہا ہے لیکن یہاں ابتداء معنی میں
ابتداء کے ہے اسی طرح پر کہ ابتداء مصدر کو معنی
میں اسم مفعول کے قرار دیا جائے گا یا یوں کہا
جائے کہ لفظ ذو و مخدوف ہے اور اصل عبارت
تھی ذوا مبتداء یبارر بعض نسخوں میں ما ابتداء
اس صورت میں تاویل کی ضرورت نہیں اور کوئی کہ
یہ ماضی کے معنی میں ہے لہذا نکرہ ہے نکرہ

ہونا یا کا سیبویہ کے نزدیک اس لئے راجح ہے
کہ تعجب کے مناسب بھی ہے کیونکہ تعجب جو ہوتا ہے
ان چیزوں میں ہوا کرتا ہے کہ جن کے اسباب
مخفی ہوں لہذا ما نکرہ تعجب کے معنی کے
مناسب ہے۔ الحاصل ما تو مبتدأ ہے احسن فعل ماضی
ہے ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے اور زید مفعول بہ
ہے اور جملہ فعلیہ شے کی خبر واقع ہے جیسے شے
ہو یا ذانا بایں ہے اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ شے

نکرہ مبتدأ کیسے واقع ہو گیا ہے تو اس کا جواب
یہ ہے کہ جیسے شرا ہو یا ذانا بایں میں شرا نکرہ
مبتدأ واقع ہے ایسے ہی یہاں پر بھی ہے اور
جیسے شرا کی توجیہ میں کہا جاتا ہے کہ اصل میں وہ
نکرہ محض واقع ہے اصل عبارت یہ ہے
شرا عظیم ایسے ہی یہاں کہا جائے گا کہ شئی بھی
نکرہ محض ہے اصل عبارت ہے ماضی مخفی
احسن نہ یذا یا یوں کہا جائے
کہ اصل عبارت یوں ہے کل شئی احسن
نہ یذا۔

۱۲۰ یہ دونوں توجیہیں علامہ عصام الدین نے
ذکر فرمائی ہیں جس سے مذہب سیبویہ کی صحیح مقصود
ہے لیکن محقق رضی فرماتے ہیں کہ سیبویہ کا مذہب
ثابت درجہ ضعیف ہے اگرچہ ابن حجب صاحب
کافیہ نے اس کو پسند کیا ہے درجہ ضعیف کی یہ ہے
کہ نکرہ واقع ہوا درمیان نہ ہو ایسا استعمال
کلام عرب میں ثابت نہ رہے اور سیبویہ کے
میں یہ بات باقی جاری ہے کہ ماکو ماکرہ قرار
ہے جس بار وجود کسی کی طرف مضاف نہیں ہے

۱۲ قولہ و موصولۃ ای موصولۃ
الی قولہ نحو ما ادرناک ما یومر الدین
میں ما آحسن زید آ کی دوسری ترکیب کا بیان
ہے جس کو اخفش نحوی نے پسند کیا ہے جملہ
کلام یہ ہے کہ ما احسن زید میں ما
موصولہ ہے اور حمید فعلیہ احسن زید اس کا
صلہ اسم موصول ما قصد مبتدا ہے اور اس کی خبر
مخبروت ہے اصل عبارت اس طرح ہے۔
الذی احسن زید شیء عظیم (ترجمہ)
جس نے زید کو خوبصورت بنایا وہ عظیم الشان
چیز ہے یہی مراد ہے علامہ جامی کی اس عبارت
سے ای جعلہ ذاحسن شیء عظیم اس
کے بعد علامہ جامی فرماؤ نحوی کا مسلک ذکر فرمایا
کہ ان کی تحقیق ان دونوں مذکورہ تحقیقات
کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں ما استفہامیہ
اس مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ احسن زید اس کی خبر
ہے۔ فرام کی اس توجیہ کے بارے میں اہم النحو
محقق فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ تمام توجیہات سے
قوی تر ہے سننے کے اعتبار سے، کیونکہ جب
ما استفہامیہ قرار دیا جائے تو گویا کہ شکم سبب
حسن سے ناواقف ہے اور فرط حیرت سے اس کو
دریافت کرنا چاہتا ہے لہذا ما استفہامیہ
تعجب کے معنی کے لحاظ سے زیادہ مناسبت
رکھتا ہے پھر فاضل محقق رضی نے ما استفہامیہ
ہونے کی تائید میں فرمایا قد استفاد من
الاستفہام معنی التعجب جس کا حاصل
یہ ہے کہ استفہام میں تعجب کے معنی پائے جاتے
ہیں چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں
ما ادرناک ما یومر الدین میں ما استفہامیہ ہے، تاؤدی
اور ثابہ بھی ہے۔ ترجمہ لفظی آیت کا یہ ہے کہ
کس نے آپ کو بتایا کہ قیامت کا دن کیسا ہے
دیکھئے اس میں دو ما استفہامیہ ہیں مگر ان سے
مقصد قیامت کے ہولناک ہونے پر تعجب کا اظہار
کرنا ہے چنانچہ اس آیت کا با محاورہ ترجمہ حضرت

المفعول اوذو ابتداء بتقدیر المضاف وفي بعض النسخ وما ابتداء
ومعناه ظاهر نكرة بمعنى شیء لان النکارة تناسب التعجب لانه
یکون فیما خفی سببه عند سببویہ وما بعد ہا ای ما بعد الخبر
من باب شرأ ہر ذاناب و موصولۃ ای موصولۃ عند الاخفش
والخبر محذوف ای الذی احسن زید ای جعلہ ذاحسن شیء
عظیم وقال الفراء ما استفہامیہ وما بعد ہا خبر ہا قال الشاح
الرضی وهو قوی من حیث المعنی لانه کان جمل سبب حسنه

طور مبتدا ہے کہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یا (در اصل) ”ذو ابتداء“ سے مضاف (ذو)
پوشیدہ مان کر۔ اور بعض نسخوں کے اعتبار سے ما ابتدائیہ (شمار) ہوگا اور اس کے معنی
کاشف کے معنی میں نکرہ ہونا عیاں ہے کیونکہ نکرہ ہونا برائے تعجب موزوں ہے وجہ یہ
ہے کہ (معروف نحوی) سببویہ کے نزدیک ان چیزوں میں تعجب پیش آتا ہے جن کی وضاحت
پوشیدہ ہوں (عیان نہ ہوں) اور خبر کا ما بعدہ شرأ ہر ذاناب کے قبل سے ہے (دوسرے
نحوی) اخفش اس ما کو موصولہ فرماتے ہیں اور (فرماتے ہیں کہ اس کی خبر محذوف ہے یعنی
الذی احسن زید ای یعنی زید کو حسن کے سانچے میں ڈھالنے والی چیز) بجائے خود عظیم ہے
اور فراء نحوی کے نزدیک یہ ما استفہامیہ ہے اور اس کا ما بعد اس کی خبر واقع ہو رہا ہے تشریح
کنندہ علامہ رضی کے نزدیک فراء کا قول بلحاظ معنی مضبوط ہے اس لئے کہ گویا اس کے

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس
سرہ الغریب نے اس طرح فرمایا ہے (ترجمہ) اور
آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے پس
ثابت ہوا کہ استفہام تعجب پر دلالت التزامی
کرتا ہے۔ فاضل رضی زور کی اس توجیہ پر علامہ جامی
نے کوئی نکتہ جنسی نہ فرمایا، مگر فاضل عصام الدین
فی سخت تنقید فرمائی اور فرمایا کہ ما استفہامیہ
اگر قرار دیا جائے تو پھر احسن فعل تعجب نہ ہوگا
بلکہ تعجب کے معنی استفہام سے ماخوذ ہونگے
لہذا ما استفہامیہ قرار دینے کی صورت میں ما آحسن
کا فعل تعجب ہونا ہی باطل ہو جائے گا۔ لہذا
جو توجیہ اس بطلان کو مستلزم ہے وہ خود ہی باطل
ہے عصام الدین کا یہ جملہ فاضل رضی کی توجیہ کو کس
قدر پامال کر رہا ہے فالقول بكونه فعل
التعجب لا یجاء مع هذا التوجیه فاضل

عصام الدین کی تائید فاضل جمال کی اس بات سے بھی
ہوتی ہے کہ اگر ما کو استفہامیہ یا بانیے نو اس
صورت میں ما احسن زید جملہ استفہامیہ لفظیہ
ہوگا پھر اس انشاء استفہام کو انشاء تعجب
میں نقل کیا جائے گا اور کلام عرب میں ایسے شواہد
نہیں ملے کہ ایک جملہ انشائیہ کو دوسرے جملہ
انشائیہ میں منتقل کیا گیا ہو جیسے کہ میں پروردگار
ہے بخلاف سببویہ اور اخفش کی توجیہ کے کہ ان
دونوں صورتوں میں ما احسن زید جملہ خبریہ رہتا
ہے خواہ ما کو موصولہ قرار دیا جائے اور خواہ ما

اس ترکیب آیت کریمہ ما بعدہ اور فی ضل صیر
سفر فاعل کے مفعول بہ اول ما مبتدا یوم الدین
خبر جملہ اسمیہ مفعول ثانی اور فی کا اور فی مع فاعل
و مفعول خبر مبتدا یا خبر جملہ اسمیہ ۱۲ سید حسن معنی عنہ

فاستفهم عنه وقد استفاد من الاستفهام معنى التعجب نحو
وما أدرك ما يوم الدين وما أحسن بزيد فافعل صورته امر
ومعناه الماضى من افعل بمعنى صار ذا فعل كالحم اى صار ذا
لحم وبه اى مجروره فاعل لهذا الفعل عند سيبويه والباء زائدة
لازمة الا اذا كان المتعجب منه ان مع صلتها نحو احسن ان يقول
اى بان يقول على ما هو القياس فلا ضمير عند سيبويه فى افعل لان
الفاعل واحد ليس الا وبه اى مجروره مفعول عند الاخفش لاحسن

حسن کے سبب آگاہی نہ تھی لہذا اس کے متعلق استفہام کیا۔ اور بعض اوقات استفہام
کے ذریعہ تعجب کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً (کہا جاتا ہے) ”وما أدركك ما يوم الدين“
”وما احسن بزيد“ تو ”افعل“ (بظاہر) بشكل امر ہے اور باعتبار معنی ماضی ہے ”افعل“
سے (یعنی فعل والا بن گیا۔ جیسے (کہا جاتا ہے) ”الحم“ یعنی لحم (گوشت) والا بن گیا (یا ہو گیا)
اور اس کا مجرور اس فعل کا فاعل ہوگا۔ علامہ سبویہ یہی فرماتے ہیں اور باء (اندرون) بہ
زائدہ لازمہ ہے۔ البتہ اگر جس سے تعجب کیا جا رہا ہے وہ مضارع اُن سمیت آئے۔ تو یہ باء
حذف کر دینا صحیح ہے۔ مثلاً (کہا جاتا ہے) ”احسن ان يقول“ یعنی بان يقول ”اس پر
قیاس کرتے ہوئے۔ تو سبویہ کے نزدیک اندرون ”افعل“ ضمیر موجود نہیں اس لئے
کہ فاعل واحد ہے الا نہیں۔ اور اخفش کے نزدیک اس کا مجرور احسن کا مفعول ہوگا

صارذا احسن ترجمہ (یعنی حسن والا ہو گیا جیسا
لحم اى صار ذا اللحم اور تب میں تب جارہ زائدہ ہے
اور ضمیر اس کا فاعل ہے اور افعل کیونکہ باب افعال
کا امر ہے اسی وجہ سے معنی میں افعل بر وزن
اکرم کے قرار دیا گیا ہے لہذا احسن بزيد
معنی میں احسن بزيد کے ہے۔ یہی مراد ابن حاجب
کا اس عبارت کی ہے کہ فاعل عند سيبويه
ولا ضمير فى افعل ... یعنی جو تحقیق
ہم نے بیان کی یہ سبویہ کے مذہب کے مطابق
ہے اس صورت میں افعل میں ضمیر نہیں ہے،
اور فاعل بہ تب جارہ جارہ کا داخل ہونا لازم آتا
ہے لیکن فصحاء عرب کے محاورات سے یہ بات
ثابت ہے کہ تب جارہ زائدہ فاعل پر داخل ہوتی ہے
قرآن کریم میں بھی اسکی مثالیں موجود ہیں جیسے کہ

کو نہ کہ قرار دیا جائے۔ پھر جملہ خبریہ کوائش
تعجب کے معنی میں منتقل کیا گیا لہذا جملہ خبریہ
جملہ انشائیہ کے معنی میں منتقل ہوا۔ اور اس
میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ کلام عرب میں
بکثرت جملے خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں
مستعمل ہوتے ہیں۔

۱۹۴ قولہ وما احسن بزيد فافعل
صورۃ سادہ الی قولہ لان الفاعل واحد ليس الا
یہاں سے فعل تعجب کے دوسرے صیغے کا بیان
ہے ماضی اس کا یہ ہے کہ دوسرا صیغہ افعل بہ ہے
اس میں افعل اگرچہ صیغہ امر کا ہے لیکن یہاں پر
فعل ماضی کے معنی دے رہا ہے تو افعل سننے
میں افعل کے ہے یعنی فعل والا ہو گیا اس لئے
احسن بہ میں احسن معنی میں احسن کے ہے اى

باللہ شہیداً لہذا تب کی تب تحسین کلام کیلئے زائد
مانی جائیگی اور یہ تب ہمیشہ اس صیغہ تعجب میں
فاعل پر داخل ہے گی مگر ایک صورت میں اس
تب کا حذف کرنا درست ہوگا جبکہ متعجب منہ فعل
مضارع مع ان واقع ہو جیسے احسن ان يقول
اصل میں تھا احسن بان يقول۔

۱۹۵ قولہ وبہ مجرورہ (الی قولہ) اجعلہ
حسناً بمعنی صفا بہ یہاں سے افعل بہ
کا دوسری ترکیب کو بیان کرتے ہیں جو اخفش کے
نزدیک ہے ماضی اس کا یہ ہے کہ احسن فعل بانا فاعل
ہے اور احسن میں ہمزه صیرورہ کے لئے ہے اور تب
کی تب فعل لازم کو مستند بنانے کے لئے ہے لہذا
احسن بزيد کے سننے میں صیغہ ذا احسن اور
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تب کو زائدہ مان لیا جائے اور
کہا جائے کہ احسن کا ہمزه ہی تعدیہ کیلئے کافی ہے
جیسے کہ فعل اخراج ہے بہر حال اخفش کی تحقیق سننے
کی صورت میں یہ کہنا ہوگا کہ افعل میں ضمیر فاعل کی
موجود ہے اور احسن بزيد کی اصل عبارت احسن
انت ذینا ہے یعنی اجعل زید احسناً (زید کو تو
حسین قرار دے) مطلب یہ ہے کہ زید کے حسن کی
تعریف کر۔

۱۹۶ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہاں تب
جارہ کا حذف ہونا قانون کے مطابق ہے کیونکہ فصحاء
عرب کے محاورات سے ان مصاریب سے تب
جارہ کا حذف کرنا ثابت ہے ۱۲

بمعنی صرذ احسن علی ان تكون همزة افعل للصيرورة والباء
للتعدية ای لجعل اللازم متعدیا فالمعنی صيره ذا حسن والباء
زائدة علی ان يكون احسن متعدیا بنفسه وتكون همزة احسن
للتعدية کا خرج ففيه ای فی افعل ضمير هو فاعله ای احسن
انت بزيد اوزيد ای اجعله حسنا بمعنی صفه به وقال الفراء
تبعه الزمخشري ان احسن امر لكل واحد بان يجعل زيدا حسنا
وانما يجعله كل بان يصفه بالحسن فكأنه قيل صفه بالحسن
كيف شئت فان فيه من جهات الحسن كل ما يمكن ان يكون في
شخص افعال المدح والذم یعنی الافعال المشهورة عند النحاة

اور معنی ہوں گے "صرذ احسن" (صاحب حسن ہو جا) یا اس طور کہ "افعل" کا ہمزه
برائے صيرورت (واقع) ہو اور بآء برائے تعدیہ ہو یعنی تاکہ لازم متعدی بن جائے۔ تو
معنی ہوں گے صيره ذا حسن (اسے صاحب حسن بنادیا) یا اس طور کہ "احسن" بذات خود
متعدی ہو اور "احسن" کا ہمزه برائے تعدیہ (متعدی بنانے والا ہوگا۔ جسے "اخرج"
تو "افعل" میں موجود "ہو" ضمیر وہ قاعل (شمار) ہوگی۔ یعنی احسن انت بزيد یا زيدا
یعنی اسے صاحب حسن بنا۔ مطلب یہ کہ اس کی صفت بیان کرے اور فراء نحوی کہتے ہیں
اور انہی کا زمخشري نے اتباع کیا ہے کہ "واحسن" ہر ایک کے لئے امر ہے یا اس طور کہ زید
کو صاحب حسن بنادے اور صاحب حسن بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صفت
حسن بیان کرے اس لئے کہ اس میں حسن کے گوشے وہی ہیں جو ایک شخص میں مدح و ذم
کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں یعنی وہ افعال جو (برائے مدح و ذم) نحو یوں کے نزدیک

۱۹۶ قولہ قال الفراء والی قولہ ان
يكون في شخص سہاں سے علامہ جامی احسن
بزید کے بار میں ایک شخص نقل کرتے ہیں جس کو
امام الفراء علامہ فراء نے نقل کیا ہے اور علامہ زمخشري
صاحب کشف نے تو اس کو پسند کیا ہے وہ یہ کہ
احسن بزيد میں کہا جائے کہ احسن میں خطاب خاص
نہیں بلکہ عام ہے اور مراد کلام یہ ہے کہ منظم ہر
انسان کو جو مخاطب بننے کے لائق ہے یہ پیغام
دے رہا ہے کہ احسن بزيد یعنی کہ اسے مخاطب
زيد کو حسین بنائے اور ظاہر بات ہے کہ مخاطب
کے پس میں کسی کو حسین بنانا نہیں لہذا مراد کلام یہ
ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ زید کے حسن کی تعریف کرے
کیونکہ زید میں مختلف جہت سے حسن موجود ہے
جو کسی ایک انسان میں پایا جانا ممکن ہے یہی مراد
علامہ جامی کی اس عبارت سے احسن امر لكل
واحد بان يجعل زيدا حسنا وانما يجعله
كل بان يصفه بالحسن فكأنه قيل صفه
بالحسن كيف شئت (ترجمہ) احسن میں مخاطب
کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ زید کو حسین قرار دے
اور مخاطب زید کو حسین قرار دے اس کی ممکن
یہی صورت ہو سکتی ہے کہ زید کے حسن کی تعریف
کرے لہذا محال عبارت یہ ہے کہ زید کے حسن
کی تعریف کرو جس طرح تم چاہو۔ انتہی۔

ف ما اس میں شبہ نہیں کہ فراء کی توجیہ
تمام تزییہات سابقہ سے ایک بلند مقام رکھتی ہے
جو تعجب کے صبیغہ کے لئے مناسب ہے یہی وجہ
معلوم ہوتی ہے کہ اس کو زمخشري نے پسند کیا ہے۔
ف فاضل عظام الدین نے فرمایا کہ احسن بزيد
کی ایک ترکیب اور ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ احسن
صبيغہ امر ہے اور یہ ت سببیت کے سبب انداکرے
اور معنی احسن بزيد کے ہوں احکم بوجود الحسن
بسبب زید یعنی زید اس وجہ حسین ہے کہ حسن
کے وجود کا نیصلہ زید کے حسن سے واسطہ ہے تو
حامل عبارت یہ ہے کہ زید حسن مجسم ہے یعنی تعجب
کے مناسب ہیں اس توجیہ کے اندر بھی لطیف

۱۹۶ قولہ افعال المدح والذم
(الی قولہ) نحمد ونبشس سہاں سے آخری فعل
یعنی افعال مدح اور افعال ذم کا بیان شروع ہوتا ہے
افعال مدح اور ذم وہ افعال ہیں جو انشاء مدح
یا انشاء مذمت کے لئے وضع کئے گئے ہوں انشاء
مدح اور انشاء ذم کی قید سے وہ افعال خارج
ہو گئے کہ جو مدح یا مذمت پر مدلول لغوی سے
دلائل کرتے ہوں اور ان سے انشاء مدح یا
انشاء مذمت مقصود نہ ہو جیسے مدحتہ
حمدہ اثنتہ ذمتہ فحمتہ وغیرہ ان

ترین مبالغہ پایا جاتا ہے۔
ف ان تمام تحقیقات سے یہ بات ثابت
ہو گئی کہ فعل تعجب کے دونوں صبیغے مثا افعل و
افعل بہ اپنے معنی مطالقی کے لحاظ سے تعجب پر
دلائل نہیں کرتے بلکہ معنی لازمی کے لحاظ سے انشاء
تعجب کے لئے وضع کئے گئے ہیں جس کی تحقیق مفصل
پسے بیان کی گئی ہے اور یہ بات بھی گذشتہ تحقیق سے
معلوم ہو جاتی ہے کہ ما افعل و افعل بہ مجموعہ کلام
فعل نہیں ہیں بلکہ جملے ہیں جن کو انشاء تعجب کے
لحاظ سے مجازاً فعل کہا جا رہا ہے۔ خوب سمجھو

بهذا اللقب ما وضع اي فعل و لا نشاء مدح او ذم فلم يكن
مثل مدحته وذمة منها لانه لم يوضع لانشاء فمنها نعم
وبش^{۱۹۸} وهما في الاصل فعلا ن علي وزن فعل بكسر العين قد
اورد في لغة بني تميم في فعل اذا كان فاؤها مفتوحا وعينه حلقية
اربع لغات احدها فعل بفتح الفاء وكسر العين وهي الاصل و
الثانية فعل باسكان العين مع فتح الفاء والثالثة اسكان العين مع
كسر الفاء والرابعة كسر الفاء اتباعا للعين والاكثر في هذين الفعلين
عند بني تميم اذا قصد بهما المدح او الذم كسر الفاء واسكان العين
قال سيبويه وكان عامة العرب اتفقوا على لغة بني تميم شرطهما
اي شرط نعم وبش ان يكون الفاعل معروفا باللام للعهد الذهني

کر کے پڑھو۔ اس لغت کو صحاح جوہری نے بھی نقل
کیا ہے۔ سوم ت کلمہ پر کسرہ پڑھو اور عین کلمہ کو
ساکن کر کے پڑھو یہ تیسرا لغت ہی نعم اور بش میں
مشہور ہے چنانچہ قرآن کریم کی مشہور قرأت میں بھی
نعم العبد بکسر الفون و سکون العین آیا ہے اور
بش ما کا ذی فعلون میں بش بکسر الباء اور سکون
الہمزہ وارد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لغت
انصیح ہی ہے۔ چہارم ت کلمہ اور عین کلمہ دونوں پر
کسر پڑھو تو نعم و بش پڑھا جائے گا عین کلمہ پر
کسرہ دونوں فعل میں ت کلمہ کے اتباع پر وارد ہے
لیکن لغت نعم اور بش کا انصیح تیسرا ہی ہے جیسا
کہ ابھی بیان کیا گیا۔ امام النحوی سیبویہ فرماتے ہیں
کہ اکثر نصائے عرب افعال مدح اور افعال
ذم میں لغت بنی تميم پر متفق ہیں اور ان کے استعمال
کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

۱۹۹ قولہ و شرطهما ای شرط نعم و بش

(القولہ) وھلحہ جبرایہاں سے
علامہ جامی نعم و بش کے خواص بیان کرتے ہیں۔
حاصل کلام یہ ہے کہ فعل نعم اور بش کے فاعل کے
لئے تین شرطوں میں سے ایک شرط کا پایا جانا ضروری
ہے۔ اول شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل معرف بلام ہو
جیسے نعم الرجل زید اور یہ الف لام عہد ذہنی
کے لئے ہوگا اسی لئے اس سے غیر متعین ایک
شخص مراد ہوگا جس کی تعین مخصوص بالمدح سے
جواس کے بعد ذکر کیا جائیگا ہوگی نعم الرجل زید
میں رجل کی تعین زید مخصوص بالمدح کر رہا ہے اس
طرز کلام میں یہ غریب ہے کہ اس میں اجمال کے بعد
تفصیل پائی جاتی ہے الرجل مبہم متعین زید نے اس
کی تفصیل کر دی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نعم
اور بش کا فاعل معرف باللام کی جانب مضاف
ہو خواہ بغیر واسطہ کے ہو جیسے نعم صاحب الرجل زید
یا ایک واسطہ سے ہو جیسے نعم فرس غلام الرجل
اس میں فرس الرجل معرف باللام کی طرف لفظ غلام
کے واسطہ سے مضاف ہے یا دو واسطہ
سے ہو جیسے نعم وجہ فرس غلام الرجل۔

مشہور و معروف ہیں (ان کے ذریعہ مدح کی جائے) یعنی وہ فعل جو برائے مدح (تعریف
یا ذم) برائی وضع کیا گیا ہو۔ تو اس تعریف سے "مدحتہ" اور "ذمتہ" نکل گئے اس
لئے کہ ان کی وضع برائے انشاء نہیں ہوئی۔ پس افعال مدح و ذم میں سے "نعم" اور "بش"
ہیں۔ اور یہ دونوں باعتبار اصل میں فعل کے وزن پر عین کلمہ کے کسرہ کے ساتھ (اور
بنی تميم کی لغت کے اعتبار سے "فعل" میں اگر فاکلمہ پر فتح ہو اور اس کا عین کلمہ حروف
حلقی میں سے۔ تو چار لغات ہیں۔ ان میں سے ایک "فعل" ہے فاکلمہ پر فتح اور عین کے کسرہ
کے ساتھ اور وہی اصل ہے اور دوسرے "فعل" عین کے سکون اور فاکلمہ پر فتح کے ساتھ
اور تیسرے عین کا ساکن ہونا فاکلمہ کے ساتھ اور چوتھی فاکلمہ پر فتح عین کلمہ کے اتباع
میں۔ اور جو تميم کے نزدیک ان دو فعلوں میں بیشتر جبکہ دونوں کے ذریعہ مدح (تعریف
اور ذم) برائی کا ارادہ کیا جائے فاکلمہ پر مکسور ہونا اور عین کا ساکن ہونا ہے (معروف نحوی
علامہ سیبویہ اور بیشتر اہل عرب (اہل زبان) کا بنی تميم کی لغت پر اتفاق ہے۔ اور

افعال میں سے مقدم کر کے دو فعلوں کو ذکر کیا گیا ہے
اول نعم و بش۔ نعم انشاء مدح کے لئے
وضع کیا گیا ہے اور بش انشاء مذمت کے لئے
۱۹۸ قولہ و ہما فی الاصل فعلا ن علی
قولہ اتفقوا علی لغة بنی تميم یہاں
نعم اور بش کے لغات مستعمل کی تفصیل بیان کرتے ہیں
حاصل کلام یہ ہے کہ نعم بکسر الفون و سکون العین جو بیشتر
الاستعمال ہے یہ اصل میں صحیح کے وزن پر نعم تھا

اور یا چند واسطہ سے ہو۔ علی بذل افعال

نہ قولہ او یكون مضمرًا مبیّنًا (الی قولہ)
ای نعمہ شے ہی یہاں سے نعم اور
بش کی تفسیر شرط کا بیان ہے۔ حاصل کلام یہ ہے
کہ تفسیری شرط نعم و بش کا فاعل ضمیر مستتر ہوا اور اس
کی تفسیر نکرہ منصوبہ واقع ہو جیسے نعمہ رجلاً زیداً
اس میں نعم کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور رجلاً تفسیر ہے
زید مخصوص بالمدح ہے اور یا تفسیر کلمہ واقع ہو
جیسے نعمتاً ہی میں تاسیخ میں شیان نکرہ کے واقع
ہے اور تفسیر اصل عبارت نعم شیاناً ہی اور تکی
مخصوص بالمدح ہے۔ یہاں پر تاسیخ محلاً منصوبہ
یاد رکھو کہ جو نکرہ کہ تفسیر واقع ہوتا ہے اس میں تعین
پائی جاتی ہے خواہ وہ مفرد ہو یعنی مضاف نہ ہوا
یا نکرہ کی جانب مضاف ہو جیسے نعمہ ضارب
رجل اس میں ضارب تفسیر رجل نکرہ کی طرف مضاف
ہے اور یا معرفہ کی جانب مضافت لفظیہ سے
مضاف ہو جیسے نعمہ ضارب زیداً یا نعم حسن
الوجه انت۔

نہ قولہ وقال الفراء وابو علی (الی قولہ)
یعنی ذی اللام وہی مخصوصہ یہاں
سے علامہ جامی علیہ الرحمۃ نعمتاً ہی کی دوسری ترکیب
نوی جو دوسرے علمائے خوئے بیان فرمائی ہیں تفصیلاً
بیان فرماتے ہیں۔ جو ترکیب نحوی اس سے پہلے
گذری ہے وہ مذہب جمہور کا ہے حاصل کلام یہ
ہے کہ امام الخوفا و ابو علی کی تحقیق یہ ہے کہ
فتمتاً ہی میں تاسیخ موصولہ سے معنی میں الذی اسم
موصول کے اور یہ ہی نعم کا فاعل واقع ہے اور
اس کے صلہ کا پورا جملہ محذوف ہے اور ہی
ضمیر مخصوص بالمدح ہے۔ اصل عبارت اس طرح
پر ہے نعم الذی فعلہ ہی تو نعم کا فاعل
الذی فعلہ اسم موصول تاسیخ ہے اور ہی مخصوص
بالمدح ہے اس ضمیر کا مرجع لفظ الصدقات ہے
جو اس سے قبل مذکور ہے اور ہی اگرچہ ضمیر واحد
ہے اور مرجع جمع ہے مگر چونکہ جمع مؤنث سالم ہے
اس کی جانب ضمیر واحد مؤنث کا راجع کرنا عند
الغماۃ درست ہے اسی طرح جمع تفسیر کی جانب

وہی لو احد غیر معین ابتداءً ویصیر معیناً بذکر المخصوص بعدہ
ویكون فی الکلام تفصیل بعد الاجمال لیكون اوقع فی النفس نحو
نعم الرجل زیداً ویكون مضافاً الی المعروف بہا ای باللام اما بغیر
واسطۃ نحو نعم صاحب الرجل زیداً و بواسطۃ نحو نعم فرس
غلام الرجل او نعم وجه فرس غلام الرجل وھلم جزاً۔ او یكون
مضمرًا مبیّنًا بنکرۃ منصوبۃ مفردۃ او مضافۃ الی نکرۃ او معرفۃ
اضافۃ لفظیۃ نحو نعم رجلاً او ضارب رجل او زیداً و حسن الوجه
انت او مبیّنًا بما معنی شے منصوب المحل علی التمییز مثل فتمتاً ہی
ای نعم شیاناً ہی وقال الفراء وابو علی ہی موصولۃ بمعنی الذی فاعل
لنعم وتكون الصلة باجمعھا فی فتمتاً ہی محذوفۃ لان ہی مخصوصۃ
ای نعم الذی فعلہ ہی ای الصدقات وقال سیبویہ والکسائی
ما معرفۃ تامۃ بمعنی الشیء فمعنی فتمتاً ہی نعم الشیء ہی فتمتاً

نعم و بش کی شرط یہ ہے کہ فاعل معرف باللام ہو عہد ذہنی کے لئے اور وہ ابتداءً ایک
غیر معین کے واسطے ہوتا ہے اور خاص طور پر اس کے بعد کسی کے ذکر پر (اس کے لئے)
معین ہو جاتا ہے اور اجمال کے بعد تفصیل سے کلام زیادہ ذہن نشین ہوتا ہے مثلاً کہا
جاتا ہے (نعم الرجل زیداً) یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو یا تو بواستطہ کے مثلاً
وہ نعم صاحب الرجل زیداً یا واسطہ کے ساتھ مثلاً "نعم فرس غلام الرجل" یا نعم و ہر فرس
غلام الرجل اور اسی طرح اور مثالوں کو قیاس کر لو۔ یا یہ کہ ان دونوں کا فاعل پوشیدہ
ضمیر (واقع) ہو رہا ہو اور اس کی تفسیر بننے والی تفسیر نکرہ منصوبہ ہو (اس سے قطع نظر کہ وہ)
مفرد ہو یا نکرہ کی جانب مضاف ہو یا معرفہ کی طرف اس کی اضافت ہو (تفسیر) اضافت
لفظوں میں ہو مثلاً (کہا جائے) "نعم رجلاً" یا "ضارب رجل" یا "ضارب زید" یا "حسن
الوجه انت" یا تفسیر کہ مابین رہا ہو اس شے کے معنی میں کہ محل کے اعتبار سے منصوبہ (اور)
تفسیر ہو مثلاً "فتمتاً ہی" یعنی "نعم شیاناً ہی" اور فراء اور ابو علی کہتے ہیں کہ یہ موصولہ الذی
کے معنی میں ہو کہ نعم کا فاعل (واقع ہو رہا ہے) اور اس کا صلہ یعنی محسوس جملہ "منفی ہی"
حذف کر دیا گیا۔ اس لئے "ہی" ضمیر مدح کے ساتھ ہی خاص ہے یعنی کیا ہی اچلے ہو
اس نے کیا یعنی صدقات اور سیبویہ اور کسائی فرماتے ہیں کہ یہ تاسیخ کے معنی میں معرفہ
تامہ ہے تو اس کے معنی ہیں "فتمتاً ہی" (یعنی) اچھی شے ہے وہ پس یہ فاعل لام کیساتھ
معرفہ ہے اور "ہی" مدح ہی کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بعد فاعل (آ رہا ہے) جو

الفاعل لكونه بمعنى ذي اللام وهي مخصوصة وبعد ذلك الفاعل
المختص بالمدح والذم وبعديّة انما هو بحسب الغالب لانه
قد يتقدم المختص فيقال زيد نعم الرجل صرح به في المفتاح
وهو اي المختص مبتدأ ما قبله اي الجملة الواقعة قبله غالباً
خبره ولم تحجب هذه الجملة الواقعة خبراً الى ضمير المبتدأ لقيام
لام تعريف العهد مقامه او خبراً مبتدأ محذوف وهو هو مثل
نعم الرجل زيد فزيد في هذا المثال اما مبتدأ ونعم الرجل مقدماً
عليه خبره واما خبر مبتدأ محذوف على تقدير سوال فانه لما قيل
نعم الرجل فكانه سئل من هو فزيد اي هو زيد فعلى الوجه
الاول نعم الرجل زيد جملة واحدة وعلى الوجه الثاني جملتان

مدح (تعريف) ياذم (برائی) کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور یہ مخصوص اسم بیشتر فاعل کے
بعد ہی آیا کرتا ہے۔ بعض اوقات (مگر) پہلے بھی آجاتا ہے اور کہا جاتا ہے ”نعم الرجل“
مفتاح (کتاب) میں اس کی صراحت ہے اور وہ مخصوص اپنے ما قبل کی مبتدأ (مؤخر) ہوتا
ہے یعنی اس سے پہلے آنے والا جملہ بیشتر اس کی خبر (خبر مقدم) ہوتا ہے اور اس خبر واقع
ہونے والے جملہ کو مبتدأ کی ضمیر کی احتیاج نہ رہی کیونکہ عہد ذہنی کا لام تعريف موجود ہے
یا یہ کہ مبتدأ محذوف کی خبر موجود ہے اور وہ ”هو“ ہے مثلاً (کہا جائے) ”نعم الرجل زيد“
تو اس مثال میں یا تو مبتدأ کا اضافہ ہو گیا اور نعم الرجل اس کی خبر مقدم ہو گئی اور یا مبتدأ محذوف
کی خبر سوال پوشیدہ مان کر ہو گئی اس لئے کہ جب کہا گیا وہ شخص اچھا ہے تو گویا سوال کیا
گیا وہ (شخص) کون ہے؟ تو کہا گیا زيد یعنی وہ زید ہے تو پہلی توجیہ کے مطابق نعم الرجل

میں یہ ہے ان قبل والصدقات فنعمنا ہی
(ترجمہ) اگر تم ظاہر کر کے دو صدقوں کو تب بھی
بات ہے۔

۲۔ قولہ وبعد ذلك الفاعل (الی)
قولہ علی الوجه الثاني جملتان سے مخصوص
بالمدرج کے متعلق مسائل بیان فرماتے ہیں، عامل
کلام یہ ہے کہ فاعل کے بعد ایک اسم آیا کرتا ہے
جس کا لقب مخصوص بالمدرج فعل مدرج میں اور مخصوص
بالذم فعل ذم میں ہوتا ہے یہ مخصوص عموماً فاعل کے

ہی ضمیر واحد مؤنث راجع ہو سکتی ہے اور لام الائم
سیبویہ اور کسائی فرماتے ہیں کہ مآثر نکرہ ہے موصولہ
بلکہ معرفہ اور معنی میں الائم کے ہے اور یہ مآصلہ
وفیرہ کا چونکہ محتاج نہیں لہذا نامہ ہے اور اصل عبارت
اس طرح ہے فنعم النبی ہی لہذا آتا ہے لشی
فاعل ہے۔ اور یہ فاعل معرف باللام کے حکم میں ہے
اس لئے کہ سنی میں موصوف باللام ہے اور لفظ ہی
مخصوص بالمدح ہے۔ انتہی

فنعمنا ہی جزا ہے مکمل جملہ شرطیہ قرآن کریم

بعد ہی آیا کرتا ہے اور کبھی فاعل اور فعل دونوں
سے مقدم بھی استعمال ہوتا ہے جیسے زید نعم الرجل
دیکھئے اس مثال میں زید مخصوص بالمدح فعل مدرج
اور اس کے فاعل سے بھی مقدم آیا ہے۔ دراصل
مخصوص بالمدح ترکیب نحوی کے لحاظ سے دو طرح
پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ مخصوص بالمدح یا
بالذم کو مبتدأ مؤخر قرار دیا جائے اور فعل مدرج
یا فاعل جملہ فعلیہ کو خبر مقدم تسلیم کیا جائے جیسے
نعم الرجل زيد میں زید مبتدأ مؤخر اور نعم الرجل خبر
مقدم رہا۔ یہ امر کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر
مبتدأ کی جانب راجع ہونا چاہیے تو اس کا عمل یہ ہے
کہ یہاں پر الرجل الف لام جو کہ عہد ذہنی کے لئے
ہے وہ رابطہ کے لئے کافی ہے اور ضمیر عائذ الی المبتدأ
کا ہونا بھی رابطہ کے لئے ہی ہوتا ہے لہذا الف لام
کی وجہ سے مبتدأ اور خبر میں رابطہ موجود ہے یہی
مراد ہے علامہ جامی کے اس ارشاد کی ولید تختہ
هذا الجملة الواقعة خبراً ای ضمیر
المبتدأ لقيام كلاً من النعت مقامه ترکیب دوم
یہ ہے کہ نعم الرجل مکمل جملہ ہے اور زید سے پہلے
مبتدأ ضمیر جو محذوف ہے اس زید اس کی خبر ہے
اور تقدیر عبارت نعم الرجل زید کی اس طرح ہے
نعم الرجل هو زید تو گویا جب مشکلم نے کہا نعم الرجل
تو سامع کے ذہن میں قدرتی طور سے یہ سوال پیدا
ہوا کہ من ہوا اس کے بعد مشکلم نے قرینہ کی بنا
پر مبتدأ کو حذف کر کے کہا زید۔ تو اب زید جملہ
اصل عبارت ہو زید ہے یہ دونوں ترکیب اس جملہ
کی درست ہیں فرق صرف اتنا ہو گا کہ ترکیب اول
میں نعم الرجل زید ایک جملہ اسمیہ خبریہ ہو گا اس طرح
کہ زید مبتدأ اور نعم الرجل جملہ فعلیہ انشائیہ اسکی
خبر ہے اور ترکیب دوم میں نعم الرجل ایک جملہ فعلیہ
انشائیہ ہے اور زید مع مبتدأ محذوف جملہ اسمیہ خبریہ

۲۰۳ قولہ و شرطہ ای شرط المخصوص (الی قولہ) علامت التانیث لہما میاں سے مخصوص بالمرح کا حال بیان کرتے ہیں حال کلام یہ ہے کہ مخصوص بالمرح کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مخصوص بالمرح فاعل کی جنس سے ہو حقیقیہ ہو جیسے نعم الرجل زید دیکھو اس میں زید مخصوص بالمرح رجل کی جنس سے ہے کہ اس کا فرد مخصوص ہے اور یا تاویل فاعل کی جنس سے ہو جیسے نعم اھو تا چونکہ معنی میں شے کے ہے لہذا تاویل فاعل کی جنس سے ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مخصوص بالمرح فاعل کے مطابق ہو واحد ہونے میں، متثنیہ ہونے میں، جمع ہونے میں، مذکر ہونے میں، مؤنث ہونے میں، وجہ اس کی یہ ہے کہ مخصوص بالمرح اصل میں فاعل ہی ہوتا ہے لہذا فاعل کے مطابق ہو نا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اگر فاعل واحد مذکر ہوگا تو مخصوص بالمرح بھی واحد مذکر ہوگا جیسے نعم الرجل زید اگر فاعل متثنیہ مذکر ہوگا تو مخصوص بالمرح بھی متثنیہ ہوگا جیسے نعم الرجالان زیدان اور جب فاعل جمع ہوگا تو مخصوص بالمرح بھی جمع ہوگا مذکر ہوگا جیسے نعم الرجالان زیدون اور اگر فاعل واحد مؤنث ہوگا تو مخصوص بالمرح بھی واحد مؤنث ہوگا جیسے بنسۃ المرأة ہند اور یہ بھی درست ہے کہ اگر فاعل مؤنث ہو تو فعل کو مذکر لایا جائے گا جیسے نعم المرأة ہند اور بنسۃ المرأة جمیدہ وجہ یہ ہے کہ چونکہ فاعل بالمرح دزم غیر متصرف ہیں اس لئے ان کی گردانیں نہیں آئیں لہذا یہ حرف کے مشابہ ہیں اس لئے تائید کا لگنا اس میں درست نہیں۔

۲۰۴ قولہ تعالیٰ بنسۃ مثل القوم الذین کذبوا (الی قولہ) بنسۃ مثل القوم المکذبین مثلہم۔ یہاں سے ایک شبہ کا جواب دینا چاہئے ہیں شبہ یہ ہے کہ جب یہ بات متیقن ہے کہ فاعل اور مخصوص بالمرح مفرد اور جمع وغیرہ ہونے میں مطابق ہوتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جو بلاغت و فصاحت میں اپنی نظیر آپ سے اس کے خلاف موجود ہے فرمایا باری

و شرطہ ای شرط المخصوص یعنی شرط صحۃ وقوعہ مخصوصاً بمطابقۃ الفاعل ای مطابقۃ او مطابقۃ الفاعل ایاء فی الجنس حقیقۃ او تاویلہ فی الافراد والتثنیۃ والجمع والتذکیر والتانیث لکون عبارت عن الفاعل فی المعنی نحو نعم الرجل زید ونعم الرجالان الزیدان ونعم الرجال الزیدون وبنسۃ المرأة ہند وبنسۃ المرأة ہندون وبنسۃ النساء الهندات ویجوز ان یقال نعم المرأة ہند وبنسۃ المرأة ہند لانہما لکان غیر متصرفین اشبہا الحرف فلم یجب الحاق علامۃ التانیث بہما وقولہ تعالیٰ بنسۃ مثل القوم الذین کذبوا جواب سوال حیث وقع المخصوص اعنی الذین کذبوا جمعاً مع

زید ایک جملہ ہوگا اور دوسری توجیہ کی رو سے دو جملے۔ اور اس کی صحت کی شرط جو بالمرح کے ساتھ خاص ہو اس کی فاعل سے مطابقت یا اس سے فاعل کی مطابقت (اس کی جنس سے) ہونا ہے خواہ از روئے جنس مطابقت حقیقی ہو یا از روئے تاویل ہو۔ اور افراد، متثنیہ اور جمع اور مذکر و مؤنث ہونے کے اعتبار سے مطابقت (و مساوات) ہو کیونکہ وہ فی الحقیقت باعتبار معنی فاعل ہی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً (کہا جائے) "نعم الرجل زید ونعم الرجالان الزیدان ونعم الرجال الزیدون وبنسۃ المرأة ہند وبنسۃ المرأة الهندان وبنسۃ النساء الهندات" اور جائز ہے کہ یہ کہا جائے "نعم المرأة ہند وبنسۃ المرأة ہند" اس لئے کہ ان دونوں کے غیر متصرف ہونے (گردان نہ آنے) کی صورت میں یہ حرف کے مشابہ ہوں گے تو ان دونوں میں تانیث کی علامت کا لانا واجب نہ ہو۔ اور

مخصوص بالذم میں مطابقت ہوجاتی ہے اس طرح ہر کہ دونوں واحد اور مفرد بن جاتے ہیں۔ دوسری توجیہ علامہ جائی نے اس طرح نقل فرمائی کہ الذین کذبوا فاعل نہیں ہے بلکہ قوم کی صفت ہے اور قوم چونکہ معنی کے لحاظ سے جمع ہے لہذا الذین جمع اسم موصول اس کی صفت بن سکتا ہے اور مخصوص بالذم اس آیت میں مذکور نہیں بلکہ محذوف ہے اور وہ ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے بنسۃ مثل القوم المکذبین مثلاً۔ تو اس صورت میں بھی مطابقت فاعل اور مخصوص بالذم کا فارغ ہے۔

تعالیٰ نے بنسۃ مثل القوم الذین کذبوا دیکھے یہاں مثل القوم فاعل ہے جو کہ مفرد ہے اور الذین کذبوا مخصوص بالذم جمع ہے تو یہاں پر مخصوص بالذم اور فاعل میں مطابقت موجود نہیں۔ اس کا جواب ابن حاجب نے یہ دیا ہے کہ اس قسم کے مواقع میں تاویل کی جائے گی چنانچہ علامہ جائی نے اس آیت کی دو توجیہیں نقل فرمائی ہیں۔ توجیہ اول کا حاصل یہ ہے الذین اسم موصول سے پہلے مثل کا لفظ محذوف ہے اور عبارت اس طرح ہے بنسۃ مثل القوم الذین کذبوا اس تاویل کے بعد فاعل اور

افراد الفاعل وهو مثل القوم وشبهه مما لا يطابق الفاعل المخصوص
متاؤل بتقدير مثل الذين كذبوا ويجعل الذين صفة للقوم و
حذف المخصوص ای بشئ مثل القوم المكذبین مثلهم وقد
يُحذف المخصوص اذا علم بالقرينة مثل قوله تعالى نعم العبد ای
ايوب بقرينة ان ذلك في قصة وقوله تعالى نعم الماهدون ای نحن
وساء مثل بشئ في افادة الذم والشرائط والاحكام ومنها ای من افعال المدح
والذم حب في حبذا وهو في حبذا وهو ای حبذا مركب من حب
الشيء او حب اذا صار محبوبا ومن ذا وفاعله ای فاعل هذا الفعل
ذا ولا يتغير ای حبذا وفاعله اذا عما هو عليه فلا يثنى ولا يجمع
ولا يؤنث اذا كان المخصوص مثنى او جمعا ومؤنثا لجره بها مجرى
الامثال التي لا تتغير فيقال حبذا الزيدان وحبذا الزيدون و

ارشاد باری تعالیٰ "بشئ مثل القوم الذين كذبوا" ایک سوال کا جواب ہے، بایں
طور کہ وہ جھٹلانے والوں کی ذم کے ساتھ خاص جمع ہے (جبکہ) فاعل مفرد آرہا ہے
اور وہ "مثل القوم" اور اس کے مشابہ میں مخصوص بالذم کی فاعل سے مطابقت نہیں
(اس کی) مثل الذين كذبوا یا الذين صفة برائے قوم پوشیدہ مان کر تاویل کی گئی ہے
اور مخصوص بالذم حذف کر دیا گیا یعنی "بشئ مثل القوم المكذبین مثلهم" اور بعض
اوقات وہ مخصوص قرینہ کے علم کے بعد حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ
"نعم العبد" یعنی ایوب اس قرینہ سے کہ وہ ان کے قصہ میں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ
"نعم الماهدون" یعنی نحن (ہم) اور ساء افادۂ ذم اور شرائط کے اعتبار سے بشئ کی طرح ہے
اور افعال مدح و ذم میں سے حب ہے حبذا میں۔ اور وہ یعنی حبذا مرکب ہے کسی چیز کی
محبت سے یا محبت کرے جبکہ وہ یا اس کے فاعل یا ذات میں (شے) محبوب ہو جائے۔ اور ذم
اس فعل کا فاعل ہے اور اندرون حبذا کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لہذا نہ یہ تثنیہ ہی بنتا
ہے اور نہ ہی جمع اور نہ مؤنث جب یہ تثنیہ یا جمع یا تانیث کے ساتھ خاص ہو تو یہ
ایسی امثال کی جگہ سے گاجس میں تغیر نہیں ہوتا۔ (یعنی حبذا میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی) پس

۲۔ قولہ وقد يحذف المخصوص (ای قولہ) میں کہ بعض مخصوص بالمدح کو حذف کر دیا جاتا ہے
فنعلم ان ما لا يثنى من جملة ما لا يجمع اس عبارت کا یہ ہے کہ
یہاں سے مخصوص بالمدح کا ایک قاعدہ بیان کرتے
قصہ ایوب علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں نعم العبد یہاں اصل عبارت یہ تھی کہ
نعم العبد ایوب قرینہ مقام کی وجہ سے ایوب
جو کہ مخصوص بالمدح ہے حذف کر دیا گیا۔ اسی
طرح سے حق تعالیٰ فرماتے ہیں والادنى فرشتہ
نعم الماهدون یہاں اصل عبارت
یہ تھی نعم الماهدون نحن یہاں پر نحن
مخصوص بالمدح قرینہ مقام کی وجہ سے حذف
کر دیا گیا کیونکہ فرشتہ کی ضمیر جمع شکم ضمیر محذوف
پر دلالت کر رہی ہے۔

۳۔ قولہ وقوله ساء مثل بشئ والحق
على الوجهين المذكورين یہاں سے بقیہ
افعال مدح و ذم کا حال بیان کرتے ہیں۔
حاصل کلام یہ ہے کہ ساء اور بشئ دونوں کا ایک
ہی حال ہے فاعل کے لحاظ سے بھی اور
مخصوص بالذم کے لحاظ سے اور باقی شرائط اور
احکام کے لحاظ سے افعال مدح میں سے ایک
فعل حبذا بھی ہے۔ اس میں دراصل فعل حب
ماخوذ ہے الحب سے جس کے معنی میں محبت
کرنا اور ذم اس کا فاعل واقع ہے اور حبذا کی
خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی تغیر واقع نہیں
ہوتا لہذا اس کو نہ تثنیہ بنایا جاتا ہے اور نہ جمع
اور مؤنث اس لئے کہا جاتا ہے حبذا الزیدان
حبذا الزیدون یہاں پر زیدان اور
زیدون تثنیہ اور جمع واقع ہیں لیکن فعل حب
میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ایسے ہی کہا جاتا
ہے حبذا اھند تیار رکھو کہ حبذا کے بعد جو
مخصوص بالمدح واقع ہوتا ہے اس کا حال
اعراب وغیرہ میں نعم کے مخصوص کی طرح ہے
اس وجہ سے حبذا اھند کی بھی وہ دونوں ترکیبیں
صحیح ہیں جو نعم الدجل زید میں کی گئی ہیں۔

۱۔ قولہ ويجوز ان يقع قبل المخصوص (المی قولہ) من الفاعل لا عن المخصوص
 یہاں سے جہذا کے مخصوص بالمدح کا اور ایک
 خاصہ بیان کرتے ہیں کہ جہذا کے مخصوص بالمدح
 سے قبل یا اس کے بعد بھی درست ہے کہ حال
 واقع ہو یا تمیز لایا جائے لیکن یہ حال اور تمیز
 جہذا کے مخصوص بالمدح کے مطابق آئیگا
 مفرد اور تثنیہ اور جمع ہونے میں اور مذکر اور
 مؤنث ہونے میں جیسے کہا جائے گا جہذا
 رجلاً زید یہاں پر رجلاً تمیز ہے جو کہ رفع
 ابہام نسبت کے لئے آیا ہے جو کہ حب فعل
 اور اس کے فاعل ذاتیں واقع ہے اسی طرح
 درست ہے جہذا زید رجلاً یہاں پر رجلاً
 تمیز مخصوص کے بعد میں واقع ہے اور پہلی
 مثال میں مقم ہے یہ دونوں صورتیں حال
 میں درست ہیں جہذا ذاکباً زید اور جہذا
 زید ذاکباً یاد رکھو کہ اس حال یا تمیز میں عامل
 فعل حب ہے اور ذوالحال اس کا فاعل ذات
 ہے، زید جو کہ مخصوص بالمدح ہے وہ ذوالحال
 نہیں ہے اس لئے مخصوص بالمدح کا مقام یہ
 ہے کہ فعل مدح کے مکمل ہونے بعد لایا جائے
 اور ظاہر ہے کہ حال کے بغیر ذوالحال مکمل نہیں
 ہوتا ہے لہذا حال کا تعلق معنی کے لحاظ سے
 فاعل سے ہوگا جو کہ ذوالحال ہے اور مخصوص
 بالمدح اس کے بعد ہوگا لہذا اس مثال میں
 ذاکباً حب کے فاعل ذات سے حال ہوگا،
 مخصوص بالمدح سے حال واقع نہ ہوگا۔
 واللہ سبحانہ اعلم وصوالعلیم الحکیم۔

جہذا ہند و بعدہ ای بعد جہذا المخصوص و اعرابہ ای اعراب
 مخصوص جہذا کا اعراب مخصوص نعم علی الوتھین المذکورین
 ويجوز ان يقع قبل المخصوص ای مخصوص جہذا و بعدہ ای بعد
 مخصوصہ تمیزاً و حال علی وفق مخصوصہ فی الافراد والتثنیۃ و
 الجمع والتانیث نحو جہذا رجلاً زید و جہذا زید رجلاً و جہذا زید
 راكباً و جہذا رجلیں اور اکبین الزیدان و جہذا الزیدان رجلیں او
 راكبین و جہذا امرأة ہند و جہذا ہند امرأة والعامل فی التمییز
 او الحال ما فی جہذا من الفعلیۃ وذو الحال هو ذالزید لان زید
 مخصوص والمخصوص لا یجی الا بعد تمام المدح والركوب من
 تمامہ فالراكب حال من الفاعل لا عن المخصوص

کہا جائے گا، جہذا الزیدان و جہذا الزیدون و جہذا ہند اور اس کے بعد یعنی مخصوص جہذا
 اور اس کا اعراب یعنی جہذا کا مخصوص اعراب نعم کے مخصوص اعراب کی طرح ہے دونوں
 ذکر کردہ وجوہ میں۔ اور درست ہے کہ جہذا کے ساتھ خاص سے پہلے یا بعد تمیز یا حال اس
 مدح کے ساتھ خاص کے اعتبار مفرد، تثنیہ، جمع اور مؤنث ہونے کے موافق ہو اور
 باہم ان میں اس لحاظ سے فرق نہ ہو مثلاً (کہا جائے) ”جہذا رجلاً زید“ اور ”جہذا زید
 رجلاً“ اور ”جہذا زید راكباً“ اور ”جہذا رجلیں“ یا ”راکبین الزیدان و جہذا الزیدان رجلیں
 یا راکبین و جہذا امرأة ہند و جہذا ہند امرأة“ اور اندرون حال یا تمیز عامل وہ ہوگا
 جو جہذا میں ہے (یعنی حب)، فاعل ذوالحال زید نہیں بلکہ ذات قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ
 ہے کہ زید مدح کے ساتھ خاص ہے اور وہ جو مدح کے ساتھ خاص ہو مدح کے اور
 رکوب کے اتمام کے بعد ہی آتے گا۔ لہذا راکب (حب) فاعل حال قرار دیا جائے گا
 (اور وہ) مدح کی ساتھ خاص سے حال نہ بنے گا۔

شادی کتب خانہ
 آرام باغ - کراچی

بسم اللہ تعالیٰ

۱۴۱۰ھ

تکمیل ۲۷ رجب

۱۹۹۰ھ

۲۴ فروری

حافظ عفت علی خوشنویس

